اللؤلؤ المكنون

جلد نہم

سیرت انسائیکلوپیڈیا

● عمرۃ القضاء اور سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے شادی کا مقدس مرحلہ ● سفیرِ نبوی کی شہادت اور معرکۂ موتہ
● فتح مکہ اور کفار کے لیے عام معافی کا انقلابی اعلانِ رسالت ● غزوہ حنین اور غزوۂ طائف کے
فروغ اسلام میں دُور رس اثرات ● غزوۂ تبوک کے بعد پورے جزیرہ نمائے عرب میں اسلام
کا شاندار غلبہ ● سیدنا خالد بن ولید، عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما اور خانوادۂ حاتم طائی کا قبولِ اسلام

دار السلام
DARUSSALAM

دارُالسّلام
ریسرچ سنٹر



وَمَآ أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِينَ

اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے

جلد 9

اللؤلؤ المكنون

سیرت انسائیکلوپیڈیا

علی صاحبہا الصلاۃ والسلام



وَمَآ أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے

اَللُّؤلُؤُ المَكنُون

سیرتِ انسائیکلوپیڈیا

علی صاحبها الصلاۃ والسلام

جلد 9

- سفیرِ نبوی کی شہادت اور معرکۂ موتہ
- فتح مکہ اور کفار کے لیے عام معافی کا انقلابی اعلانِ رسالت
- غزوہ حنین اور غزوۂ طائف کے فروغ اسلام میں دُور رس اثرات
- غزوۂ تبوک کے بعد پورے جزیرہ نمائے عرب میں اسلام کا شاندار غلبہ
- سیدنا خالد بن ولید، عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما اور خانوادۂ حاتم طائی کا قبولِ اسلام

دارالسلام
DARUSSALAM

اللؤلؤ المکنون

سیرت انسائیکلوپیڈیا

علی صاحبها الصلاۃ والسلام

عمرۃ القضاء کے بعد سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح۔ غزوۂ موتہ
میں دو لاکھ رومیوں کے خلاف تین ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جانبازی۔
فتح مکہ اور ہوازن وثقیف کے خلاف ایمان افروز معرکے اور
روم کو پسپا کرنے والا غزوۂ تبوک۔ نیز بہت سے دیگر
اہم واقعات اس جلد کے موضوعات ہیں۔

نگران اعلیٰ: عبدالمالک مُجاہد

تصنیف وتالیف

حافظ محمد ابراہیم طاہر کیلانی
(ایم اے اسلامیات، فاضل مدینہ یونیورسٹی)

مولانا محمد اجمل بھٹی
(ایم اے اسلامیات، فاضل مدینہ یونیورسٹی)

حافظ عبداللہ ناصر مدنی
(فاضل علوم اسلامیہ)

مولانا سیف اللہ
(فاضل علوم اسلامیہ)

تصحیح وتنقیح/نظر ثانی

مولانا ارشادالحق اثری
(فاضل علوم اسلامیہ، معروف مؤلف ومحقق)

جناب محسن فارانی
(ایم اے اردو، ماہر تاریخ، جغرافیہ ولسانیات)

معاونت

جناب احمد کامران
(سینئر صحافی و ماہر اردو زبان و ادب)

ڈیزائننگ وکمپوزنگ

ہارون الرشید
(آرٹ ڈائریکٹر)

عبدالرافع
(گرافک ڈیزائنر)

عبدالخالق
(کمپوزنگ وگرافک ڈیزائننگ)

محمد شعیب
(السٹریٹر)

دارالسلام
DARUSSALAM
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

سعودی عرب (ہیڈ آفس)

پرنس عبدالعزیز بن جلاوی سٹریٹ پوسٹ بکس: 22743 الریاض: 11416 سعودی عرب

فون: 00966 1 4043432-4033962 فیکس: 4021659 www.darussalamksa.com
Email: darussalam@awalnet.net.sa info@darussalamksa.com

الریاض • العلیا فون: 00966 1 4614483 فیکس: 4644945 • الملز فون: 00966 1 4735220 فیکس: 4735221
• سویدی فون: 00966 1 4286641 • سویلم فون/فیکس: 00966 1 2860422
جدہ فون: 00966 2 6879254 فیکس: 6336270 • مدینہ منورہ فون: 00966 4 8234446,8230038 فیکس: 04 8151121
الخبر فون: 00966 3 8692900 فیکس: 00966 3 8691551 • خمیس مشیط فون/فیکس: 00966 7 2207055
ینبع البحر فون: 0500887341 فیکس: 8691551 • قصیم (بریدہ) فون: 0503417156 فیکس: 00966 6 3696124

امریکہ • نیویارک فون: 001 718 625 5925 • ہیوسٹن: 001 713 722 0419 کینیڈا • نسیم من الکتاب فون: 001 416 4186619

لندن • دارالسلام انٹرنیشنل لمیٹڈ لندن فون: 0044 20 85394885-0044 20 77252246 • برمنگھم: 0044 0121 7739309

متحدہ عرب امارات • شارجہ فون: 00971 6 5632623 فیکس: 5632624 فرانس فون: 0033 01 480 52928 فیکس: 0033 01 480 52997

انڈیا • دارالسلام انڈیا فون: 0091 44 45566249 موبائل: 0091 98841 12041 • اسلامک بکس انٹرنیشنل فون: 0091 22 2373 4180
• ... فون: 0091 40 2451 4892 موبائل: 0091 98493 30850 • ... فون: 0091 44 42157847

سری لنکا • دارالکتاب فون: 0094 115 358712 • دارالایمان ٹرسٹ فون: 0094 114 2669197

پاکستان ہیڈ آفس و مرکزی شوروم

36- لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ، لاہور

فون: 0092 42 373 240 34, 372 400 24, 372 324 00 فیکس: 042 373 540 72
www.darussalampk.com
اردو بازار: غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور فون: 0092 42 371 200 54 فیکس: 042 373 207 03
ڈیفنس: Y بلاک، گول کمرشل مارکیٹ، دکان: 2 (گراؤنڈ فلور) ڈیفنس، لاہور فون: 0092 42 356 926 10
گلبرگ: دکان نمبر 2، گراؤنڈ فلور، میگ سٹی پلازہ لبرٹی گول چکر گلبرگ III لاہور فون: 0092 42 357 738 50
مین مارکیٹ: بالمقابل انجمن بک ڈپو مین مارکیٹ گلبرگ فون: 0092 42 357 882 67
ٹاؤن شپ: ہیکو روڈ ٹاؤن شپ، نزد اکبر چوک لاہور فون: 0092 42 351 242 30

کراچی مین طارق روڈ، ڈالمین مال سے (بہادر آباد کی طرف) دوسری گلی کراچی فون: 0092 21 343 939 36 فیکس: 0092 21 343 939 37

اسلام آباد F-8 مرکز، ایوب مارکیٹ، ... فون: 0092 51 228 15 13 islamabad@darussalampk.com

ملتان 995- انکم ٹیکس آفیسر کالونی، بوسن روڈ، ملتان فون: 0092 61 622 00 24

فیصل آباد کوہ نور سٹی (پلازہ نمبر 1، دکان نمبر 15) جڑانوالہ روڈ فیصل آباد فون: 0092 41 850 19 44

info@darussalampk.com | www.darussalampublishers.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے

فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر

مكتبة دارالسلام

موسوعة السيرة النبوية جزء ٩ . / مكتبة دارالسلام- الرياض، ١٤٣٦ هـ

ص: ٥٩١ مقاس: ١٧×٢٤ سم

ردمك: ١-٣٥٥-٥٠٠-٦٠٣-٩٧٨ (اللغة اردو)

١. السيرة النبوية ٢. الشمائل المحمدية أ. العنوان

ديوي ٢٣٩ ١٤٣٦/٦٨٠٤

رقم الإيداع: ١٤٣٦/٦٨٠٤

ردمك: ١-٣٥٥-٥٠٠-٦٠٣-٩٧٨

اللهم صل على

محمد

وعلى آل محمد كما صليت على إبراهيم

وعلى آل إبراهيم إنك حميد مجيد

اللهم بارك على محمد وعلى آل محمد

كما باركت على إبراهيم وعلى آل إبراهيم

إنك حميد مجيد

صحيح البخاري : 3370　　　صحيح مسلم : 405-407

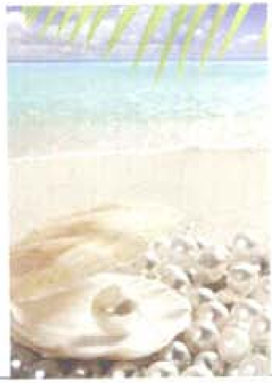
رسول ﷺ کی مدحت میں
سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے

خوبصورت اشعار

وَأَحْسَنُ مِنْكَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَيْنِي
وَأَجْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ
خُلِقْتَ مُبَرَّأً مِنْ كُلِّ عَيْبٍ
كَأَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

اور آپ کی ذاتِ اَقدس سے زیادہ حسین میری نگاہ نے کبھی کوئی دیکھا ہی نہیں
اور آپ سے زیادہ حسن و جمال والا کبھی کسی ماں نے جنا ہی نہیں
آپ ہر قسم کے عیب سے پاک صاف پیدا کیے گئے ہیں
گویا آپ کی ذاتِ اَقدس کو آپ کے منشا کے عین مطابق بنایا گیا ہے

باب:1 عمرۃ القضاء سے سریۂ موتہ تک کے واقعات	23
باب:2 فتح مکہ	87
باب:3 غزوۂ حنین	225
باب:4 غزوۂ طائف	297
باب:5 غزوۂ تبوک	437



مضامین

باب: 1

عمرۃ القضاء سے سریۂ موتہ تک کے واقعات

عمرۃ القضاء 26

- مکہ روانگی 27
- مکہ میں مسلمانوں کا داخلہ اور سرکردہ مشرکین کا خروج 28
- طواف میں رمل کی مشروعیت 29

رسول اللہ ﷺ کی سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے شادی 30

- سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی وفات 32

سیدہ عمارہ بنت حمزہ رضی اللہ عنہا کی کفالت 33

سریہ ابن ابی العوجاء سُلمی 35

سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ 36

- دشمن کے خلاف چال پوشیدہ رہنی چاہیے 36

نقشہ: سریہ زید بن حارثہ 37

- مدمقابل کی جانچ پرکھ ضروری ہے 38
- ارشاد رسول ﷺ پر مال غنیمت واپس دے دیا 39

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا نجاشی کے ہاتھ پر قبول اسلام 40

نقشہ: اسلام کی جانب عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا سفر 43

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی وصیت 44

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کا واقعہ 46

نقشہ: خالد بن ولید کا سفر مدینہ اور قبول اسلام 48

سریہ شجاع بن وہب اسدی 51

نقشہ: سریہ شجاع بن وہب اسدی 52

سریہ کعب بن عمیر غفاری رضی اللہ عنہ 53

نقشہ: سرایا ذات اطلاح وذات السلاسل 54

سریۂ مُوتہ 55
▪ لفظ مُوتہ 55
▪ سریۂ موتہ کا اصل سبب 55
▪ سرورِ کائنات ﷺ کی نصیحتیں 56
نقشہ: غزوۂ موتہ (جیش الامراء) 57
▪ شام کی طرف روانگی 58
▪ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا پرجوش خطاب 60
▪ تاریخِ عالم کی عجیب وغریب جنگ 62
▪ مسلمانوں کی پیش قدمی اور دو سالاروں کی شہادت 63
▪ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی بے مثال حکمت عملی 65
▪ نبی ﷺ کو بذریعہ وحی فتح کی خوشخبری 66
▪ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی عدیم النظیر دلیری 67
▪ نبی ﷺ تعزیت کے لیے جعفر رضی اللہ عنہ کے گھر 71
▪ میت کے گھر والوں کے لیے کھانا تیار کرنے کا حکم 72
▪ لشکرِ اسلام کا واپسی پر شاندار استقبال 72
▪ پہلے سالارِ موتہ: زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ 73
▪ دوسرے سالارِ موتہ: جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ 75
▪ تیسرے سالارِ موتہ: عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ 76
▪ مدّاحِ رسول کے اشعار 77
▪ صحابی سے فرشتوں کا استفسار 77
▪ شہدائے موتہ کے اسمائے گرامی 78
▪ مہاجرین کے اسمائے گرامی 78
▪ انصار کے اسمائے گرامی 78
▪ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی جوہردار تلواریں 78
▪ شہید ہونے والے تینوں سپہ سالاروں کی فضیلت 80
▪ غزوہ موتہ سے حاصل ہونے والا سبق 81
▪ غزوۂ موتہ سے ماخوذ احکام ومسائل 82
سریہ ذات السلاسل 84
▪ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا حالت جنابت میں نماز پڑھانے کا واقعہ 85
▪ فقہی احکام ومسائل 86

باب: 2

فتح مکہ

فتح مبین 90
▪ حرمتِ مکہ کی اہمیت اور رسول اللہ ﷺ کا تدبر 91
▪ بنوخزاعہ اور بنوبکر میں عناد کا پس منظر اور صلح حدیبیہ میں شمولیت 92

- بنوخزاعہ کا عبدالمطلب کے ساتھ تاریخی معاہدہ 93
- صلح حدیبیہ کے بعد کے حالات 93
- بنوکنانہ کی خیانت 94
- قریش مکہ کی عہد شکنی 95
- قریشی جنگجوؤں کی شمولیت اور مدد 95
- قریش اور بنوبکر کا بنوخزاعہ پر حملہ 96
- قریش کا پچھتاوا 96
- رسول اللہ ﷺ کو حادثے کی خبر 97
- عمرو خزاعی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں 98
- رسول اللہ ﷺ کی بنوخزاعہ کو مدد کی یقین دہانی 100
- جنگ سے بچنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی بصیرت افروز تجاویز 101
- رسول اللہ ﷺ کا بنوخزاعہ کو مشورہ 102
- قریش کی حماقت 102
- رؤسائے مکہ کی پریشانی اور ہند کا خون آویز خواب 102
- ابوسفیان کا منت سماجت کے لیے مدینہ کا سفر 103
- رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو آگاہ فرما دیا 104
- ابوسفیان کی بدیل سے سرراہے ملاقات 104
- ابوسفیان اپنی عالی مقام بیٹی کے گھر پر 104
- ابوسفیان رسول اللہ ﷺ کے حضور 105
- سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے سفارش کی جستجو 106
- سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے پناہ کی درخواست 106
- ابوسفیان کا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے مدد طلب کرنا 106
- سیدنا علی و فاطمہ رضی اللہ عنہما سے پناہ کی درخواست 107
- ابوسفیان کامیاب نہ ہو سکا 108
- ابوسفیان کی مکہ واپسی اور ناکامی کی روداد 109
- زادِ راہ تیار کرنے کا حکم 110
- سریہ اضم 111
- نقشہ: سریہ اضم 112
- نبی ﷺ کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشاورت 113
- قبائل کو جمع کرنے کے لیے صحابہ رضی اللہ عنہم کی روانگی 115
- اہل مکہ کے نام حاطب رضی اللہ عنہ کا خط 115
- خط پکڑا گیا 116
- حاطب رضی اللہ عنہ کی وضاحت اور معافی 116
- شاہراہِ مکہ کی نگرانی 119
- مدینہ میں نیابت 119
- رسول اللہ ﷺ کی مدینہ سے روانگی 120
- رستے میں ہی روزہ کھول دیا گیا 121
- گرمی سے بچاؤ کے لیے رسول اللہ ﷺ نے

پانی چھڑکا	121
■ ہوازنی جاسوس کی گرفتاری	122
■ دو خوش نصیب دوست	122
■ ابوسفیان بن حارث روم میں	123
■ ابوسفیان بن حارث اور عبداللہ بن ابی امیہ کا اسلام لانا	124
■ عیینہ بن حصن فزاری کا مدنی فوج سے ملاپ	128
■ اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ کی شمولیت	129
■ بنوسلیم کی لشکر اسلام میں شرکت	129
■ بنوسلیم اور غطفان کے سرداروں میں تکرار	130
■ لشکر اسلام کا اجتماع	130
■ انصاری دستے اور ان کے نگران سالار	132
■ اوس کے دستوں اور ان کے سالاروں کی تعداد	132
■ خزرج کے دستے	132
■ مہاجرین کے دستے اور کمانڈر	133
■ دیگر قبائل کے دستے اور کمانڈر	133
■ بنوسلیم ہراول دستے میں	134
■ سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی ہجرت	135
■ عباس رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کے لیے دعائے نبوی	135
■ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی فضیلت	136
■ جیشِ نبوی کی شب بسری اور ابوسفیان کی گرفتاری	137
■ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا خواب	137
■ ابوسفیان کا ماجرا اور قبولِ اسلام	138
نقشہ: رسول اللہ ﷺ کا سفرِ فتح مکہ	139
■ ابوسفیان کا اسلامی لشکر کا نظارہ	142
■ آج تو رحمت کا دن ہے!	143
■ ابوسفیان کو قتل نہ کرنے کی حکمت	147
■ شرک سے بیزار چار افراد	148
■ مکہ میں داخلہ اور فتح کی منصوبہ بندی	148
■ حماس کی حماقت	149
نقشہ: مجاہدین اسلام کا محاصرۂ مکہ	151
■ دس فتنہ گروں کو قتل کرنے کا حکم	153
■ جنھوں نے اسلام قبول کر لیا	154
■ ① عکرمہ بن ابی جہل	154
■ ② عبداللہ بن سعد بن ابی السرح	154
■ ③ ہبار بن الاسود	155
■ ④ ہند بنت عتبہ	155
■ ⑤ سارہ	155
■ ⑥ کعب بن زہیر بن ابی سلمٰی	155
■ ⑦ وحشی بن حرب	155

⑧ عبداللہ بن زبعریٰ	156
⑨ ⑩ فرتنی اور قریبہ	156
جو قتل کر دیے گئے	156
⑪ مقیس بن صُبابہ	156
⑫ عبداللہ بن خطل	156
⑬ حُویرث بن نُقید	156
⑭ حارث بن طلاطل	157
⑮ ہبیرہ بن ابی وہب مخزومی	157
قریش کے آوارہ نوجوان	157
ابوقحافہ کا قبولِ اسلام	158
مکہ میں داخلے کے وقت انکسار	160
بیت اللہ کا طواف اور بتوں کی شامت	160
کعبہ کا بے بس کلید بردار	161
تصویر بنانے اور کھینچنے کا حکم	163
بیت اللہ میں نماز کا روح پرور اہتمام	163
رسول اللہ ﷺ کا خطبہ اور اہل مکہ کے لیے عام معافی	164
نیکی اور ایفائے عہد کا دن	166
ابوسفیان کا راز افشا ہوگیا	167
اسلام میں معیارِ فضیلت رنگ ونسب اور مال نہیں	167
ایک وضو سے تمام نمازوں کی ادائیگی	168
سائب بن ابی السائب کا قبول اسلام	169
فضالہ بن عمیر کا قبولِ اسلام	169
سہیل بن عمرو کا قبول اسلام	170
ابولہب کے دو بیٹوں کا قبول اسلام	172
صفوان بن امیہ کا قبولِ اسلام	172
عکرمہ بن ابوجہل رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام	173
سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کی سفارش	177
ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر میں نماز	178
فتح مکہ کے دوسرے دن کا خطبہ	179
ابوشاہ کے لیے لکھنے کا حکم	182
میرا جینا اور مرنا انصار کے ساتھ ہے	183
اہل مکہ کی بیعت	184
مکہ سے ہجرت کا حکم کالعدم	185
قریشی خواتین کی بیعت	187
ہند کی کایا پلٹ گئی	188
ہند کی بکریوں کے لیے دعائے نبوی	189
بیعت کرنے والی خواتین کے نام	190
مرد و زن کا دائرۂ کار	190
اجنبی عورت سے مصافحہ	191

- آواز کا پردہ نہیں 191
- مکہ صلح سے فتح ہوا یا قوت سے؟ 191
- حرمتِ مکہ 193
- ① قتال کی حرمت 193
- ② شکار کی حرمت 195
- ③ اذخر کے سوا دیگر نباتات کو کاٹنے کی حرمت 196
- ④ حالتِ احرام میں داخل ہونے کا وجوب 196
- رسول اللہ ﷺ کی مکہ میں اقامت گاہ 197
- رسول اللہ ﷺ کی مکہ میں مدتِ قیام 198
- حدودِ حرم کی علامات کی تجدید 198
- رسول اللہ ﷺ کے چند اہم فیصلے 198
- چور کی سزا 198
- زانی کے لیے سنگسار ہے 199
- شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی حرمت کا اعلان 199
- متعہ کو قیامت تک حرام کر دیا گیا 200

فتح مکہ کے بعد کے سرایا 202

- عرب کا سب سے بڑا بت: عزّیٰ 202
- خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی عزّیٰ کی طرف پیش قدمی 203
- نقشہ: سریۂ خالد بن ولید 204
- عزّیٰ کے مجاوروں کی دہائی 205
- عزّیٰ کی تباہی 205
- باپ کی گمراہی پر تعجب 206
- منات کی بربادی 207
- سعد بن زید رضی اللہ عنہ نے منات کو پامال کر دیا 207
- سواع کی شامت 208
- عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے سواع کو ڈھا دیا 210
- نقشہ: سریۂ عمرو بن عاص، سریۂ سعد بن زید اشہلی 211

سریۂ بنی جذیمہ 212

- رسول اللہ ﷺ کا خواب 212
- خالد رضی اللہ عنہ کی بنو جذیمہ کی طرف روانگی 213
- نقشہ: سریۂ بنو جذیمہ 214
- بنو جذیمہ کی گرفتاری 215
- بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کا خالد رضی اللہ عنہ کی بات ماننے سے انکار 215
- ابواُسید اور ابوقتادہ رضی اللہ عنہما کا خالد رضی اللہ عنہ سے مکالمہ 216
- نبی ﷺ کا خالد رضی اللہ عنہ کے فعل سے اظہارِ براءت 217
- کیا تم میں کوئی رحم دل شخص نہیں تھا؟ 217
- رسول اللہ ﷺ کی طرف سے مقتولین کی دیت کا انتظام 219
- ادائے دیت کے لیے علی رضی اللہ عنہ کی روانگی 219

- علی ؓ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں 220
- عبدالرحمان بن عوف اور خالد بن ولید ؓ کی باہم چپقلش 221
- خالد بن ولید ؓ کی عبدالرحمان بن عوف ؓ سے معذرت 222
- بنو جذیمہ کے ہاتھوں عوف اور فاکہ کا قتل 222
- خالد بن ولید ؓ کی معذوری 223
- دو مزید سرایا 224
- قبولِ اسلام کے لیے مختلف قبائل کی سبقت 224

باب : 3

غزوۂ حنین

معرکۂ حنین 228
- وادیِ حنین 229
- ہوازن اور ثقیف کی بستیاں 230
- ہوازن اور قریش کی تعلق داری 231
  - نسبی رشتہ داریاں 231
  - مصاہرت 231

نقشہ: غزوۂ حنین 232
  - مشترکہ مفادات کا بندھن 235
- دعوتِ توحید سے ہوازن اور ثقیف کا عناد 236
- غزوۂ حنین کا سبب 240
- بنو جشم کے بوڑھے جرنیل کا جنگی تجزیہ اور صائب مشورہ 242
- ہوازن کے جاسوسوں کی دُرگت 245
- ہوازنی جاسوس پکڑا گیا 246
- اسلامی لشکر کی تیاری 247
- جاسوسی کے لیے عبداللہ ؓ کی روانگی 247
- اسلامی لشکر کی پیش قدمی 249
- اسلامی لشکر کی تعداد 251
- رسول اللہ ﷺ کے نائب 251
- اسلامی لشکر کی روانگی کی تاریخ 251
- جاہلیت کی پکار پر رسول اللہ ﷺ کا انکار 253
- ”لَنْ نُّغْلَبَ الْیَوْمَ مِنْ قِلَّۃٍ“ ایک فخریہ کلمہ 254
- لشکرِ اسلام کے خوش نصیب پہریدار 256
- لشکرِ کفار کی جنگی تیاریاں 258
- اسلامی لشکر کی تیاری 260
- رسول اللہ ﷺ کی جنگی تیاری 261
- معرکے کی ابتدا اور مسلمانوں کی جزوی شکست 261
- اسلامی لشکر کی ابتدائی شکست کے اسباب 262
- رسول اللہ ﷺ کی میدان میں ثابت قدمی 262

رسول اللہ ﷺ کے ثابت قدم فدائی	266
صحابیات کی بے مثل شجاعت	267
ام حارث انصاریہ رضی اللہ عنہا کی شجاعت و بسالت	269
سیدنا علی اور ابودجانہ رضی اللہ عنہما کے دلیرانہ حربے	269
سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی حیرت انگیز بہادری	270
شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ کا ناپاک ارادہ	272
نصرتِ الٰہی کا نزول	274
اسلام دینِ رحمت ہے	276
ہوازنی لشکر کی بدترین شکست اور مالک بن عوف کا فرار	277
تجربہ کار مشرک جرنیل درید بن صمہ کا انجام	280
سریۂ اوطاس	283
سیدنا ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ کی شہادت	283
رسول اللہ ﷺ کی ہمشیر شیماء کا اعزاز و اکرام	285
ہوازنی لشکر کے شدید نقصانات	288
غزوۂ حنین کے شہدائے کرام	289
غزوۂ حنین کے اسباق اور حکمتیں	291
عجز و انکسار، کامیابی کی کنجی ہے	292
بے مثال عفو و کرم	292
بدر و حنین	293
اہلِ مکہ پر مسلمانوں کے احسانات	293

باب : 4

غزوۂ طائف

معرکۂ طائف	300
غزوۂ طائف: تاریخ اور سبب	303
ذوالکفین کی بربادی	304
طائف کی طرف روانگی	305
مالک بن عوف کے قلعے کی تباہی	306
اسلام میں پہلا قصاص	306
ثقیف کے جدِ اکبر ابورغال کی قبر	307
اہلِ طائف کے حسن و جمال کے چرچے	308
محاصرہ طائف	309
ابتدائی حملے اور پہلا شہید	310
منجنیق استعمال کرنے کا مشورہ	311
مجاہدین کی فدائی کارروائی	312
خاندانی عزت و شرف کی حفاظت	313
رسول اللہ ﷺ کا خواب	314
خصوصی انعامات کا اعلان	314
قلعے سے اتر کر اسلامی لشکر میں شامل ہونے والے غلام	315

عیینہ بن حصن: احمق مخدوم کی غداری	317
سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی للکار	320
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشاورت اور اعلان واپسی	321
شہدائے غزوۂ طائف	324
عیینہ بن حصن کی شرکت کا مقصد	325
طائف کا محاصرہ کتنے دن رہا؟	326
فتح طائف حاصل نہ ہونے کی ایک حکمت	326
نقشہ: غزوۂ طائف	327
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جعرانہ روانگی	330
جنگجو سردار مالک بن عوف کا قبول اسلام	330
① سیدنا ابورہم غفاری رضی اللہ عنہ کی خوش نصیبی	331
② سیدنا عبداللہ بن ابی حدرد رضی اللہ عنہ کا انعام	332
③ سیدنا ابوزرعہ جہنی رضی اللہ عنہ کی قسمت چمک اٹھی	333
یوم وفا	333
مشرک کا ہدیہ	335
جعرانہ میں غنیموں کی تقسیم	336
مجاہدین اسلام کی بے مثال ایمانداری	337
مال غنیمت میں سے اولین نوازش	338
حنین میں خصوصی نوازش	339
زاہد و عابد حکیم بن حزام	339
جود و سخا کی بارش	340
عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ کی پریشانی	341
منافقین کی الزام تراشی	343
اوس و خزرج کے شکوے آنسوؤں میں بہہ گئے	345
دیہاتیوں کی بے ادبی	351
سیدنا جعیل بن سراقہ کی عطا	354
ہوازن پر جود و سخا کی بارش	354
ایک رات کا اعتکاف	359
سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی لونڈی	360
لالچ بری بلا ہے	360
سیدنا مالک بن عوف کی قائدانہ صلاحیتیں	363
عمرۂ جعرانہ	364
نوجوان گورنر مکہ مکرمہ کی تعیناتی	366
مدینہ پہنچ کر عاملین زکاۃ کی تقرری	368
عروہ بن مسعود کا اسلام	370
عمرو بن امیہ کا دانشمندانہ فیصلہ	374
وفد ثقیف راہِ ہدایت پر	375
مدینہ میں خوشیوں کی بہار	376
اہل طائف کے خدشات اور احکام الٰہی	378
امیر ثقیف کی تقرری	382

لات کی تباہی	384
■ اہل طائف کو رسول اللہ ﷺ کا خط	387
کعب بن زہیر اسلمی کا قبول اسلام	389
■ قصیدہ بانت سعاد	392
سریہ عیینہ بن حصن فزاری	395
نقشہ: سریہ عیینہ بن حصن فزاری	396
■ آداب نبوی کی تعلیم	401
بنو مصطلق سے زکاۃ کی وصولی	403
سریہ قطبہ بن عامر رضی اللہ عنہ	406
نقشہ: سریہ قطبہ بن عامر	407
سریہ ضحاک بن سفیان کلبی رضی اللہ عنہ	408
نقشہ: سریہ ضحاک بن سفیان کلبی	409
سریہ علقمہ بن مجزز مدلجی رضی اللہ عنہ	410
سریہ علی رضی اللہ عنہ اور خانوادۂ حاتم کا قبول اسلام	412
نقشہ: سریہ علی بن ابی طالب	413
■ فلس بت کی تاریخ	416
■ مجاور کی کارستانی اور دہائی	417
■ فلس کی بے بسی عیاں ہوگئی	418
■ بنت حاتم قید میں	418
■ عدی بن حاتم تاجدار مدینہ کی خدمت میں	420
واقعۂ ایلاء	425
شجرہ: امہات المومنین رضی اللہ عنہن	427
■ ازواج مطہرات سے ایلاء کی وجہ	428
■ نجاشی کی وفات	436

باب : 5

غزوۂ تبوک

صبر و عزیمت کا سفرِ تبوک	440
■ تبوک اور اس کا محل وقوع	440
■ شمالی قبائل کی تاریخ	442
■ ① قضاعہ	442
■ ② بنو کلب	442
■ تبوک کی وجہ تسمیہ	443
■ غزوۂ تبوک کی تاریخ	444
■ غزوے کے دیگر نام	444
■ ① غزوۂ تبوک	444
■ ② غزوة العسرہ	445
■ ③ غزوۂ فاضحہ	446
■ سبب غزوہ	447
■ مدینہ منورہ میں طبلِ جنگ بج اٹھا	449
■ مخیّر صحابہ کرام کا قابل تعریف جذبہ	451

غزوۂ تبوک کو مؤخر نہ کرنے کا سبب	452
سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بے مثال قربانی	452
عمر رضی اللہ عنہ کی دیرینہ آرزو	453
سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی دریا دلی پر بشارتِ نبوی	454
عبدالرحمان بن عوف کے لیے دعائے نبوی	457
دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا جذبۂ ایثار	457
منافقین کی طعنہ زنی	458
علبہ بن زید رضی اللہ عنہ کا حیرت انگیز صدقہ	459
خواتین کا جذبۂ ایثار	460
منافقین کا گھناؤنا کردار	461
جد بن قیس کا بے ہودہ عذر	463
عبداللہ بن ابی کا منافقانہ کردار	466
سویلم یہودی کا گھر نذرِ آتش	467
بے وسیلہ صحابۂ کرام کی آہ وزاری	468
مدینہ منورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین	471
اسلامی لشکر کی روانگی	474
سیدنا ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ کی داستانِ عزیمت	477
سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا ایمان ویقین	479
دیارِ ثمود کی برباد بستی سے اسلامی لشکر کا گزر	485
رات کو چلنے والی آندھی	489
معجزات نبوی اور منافقین کی سیاہ کاریاں	490
موسلا دھار بارش	490
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کی گمشدگی	491
جلاس بن سوید اور اس کے ہمنواؤں کی مذمت	493
باغ کا تخمینہ	496
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خوش نصیب ہمراہی	497
راہِ تبوک کی مساجد	499
دورانِ سفر پیش آنے والے چند واقعات	499
① لاغر اور سفر سے عاجز اونٹ	499
② تحائف کا تبادلہ	500
③ اولین حُدی خواں	500
④ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی سعادت	502
⑤ اسلام کا نظامِ عدل وانصاف	503
⑥ تبوک کے باغات	505
خوفناک اژدہا	508
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبۂ تبوک	508
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محافظ	511
سیدنا عبداللہ ذوالبجادین رضی اللہ عنہ	512
بنوسعد ہذیم کے مجاہدین کا کارنامہ	515
تبوک میں پُرتکلف ضیافت	516

▪ کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے	517
▪ مجھے پانچ انعامات سے نوازا گیا	519
▪ یُحَنہ بن رؤبة سے صلح	521
▪ دیگر قبائل کے لیے امان نامے	522
▪ عبید بن یاسر کی عطا	523
▪ اہل مقنا کا صلح نامہ	524
▪ اکیدر دومۃ الجندل کی گرفتاری	526
▪ اکیدر کا اسلام	530
▪ سیدنا کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کا ایثار	532
▪ تبوک میں رونما ہونے والا عظیم معجزہ	534
▪ نبی ﷺ کی خدمت میں تحائف کی پیش کش	536
▪ رومیوں پر حملے کے لیے مشاورت	538
▪ تبوک سے واپسی کے چند واقعات	540
▪ منافقوں کی مذموم سازش	542
▪ ابن قیم رحمہ اللہ کا تجزیہ	548
▪ سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کا ایمان افروز سوال	549
▪ مسجد ضرار بھسم کر دی گئی	550
▪ مسجد ضرار تعمیر کرنے والوں کے نام	555
▪ تبوک سے واپس مدینہ منورہ تشریف آوری	556
▪ تبوک سے پیچھے رہ جانے والے مختلف لوگ	558
▪ منافقوں کا انجام	561
▪ سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اور ان کے دو ساتھیوں کی کڑی آزمائش	562
نقشہ: غزوۂ تبوک	569
▪ رئیس المنافقین کی موت	571
▪ غزوۂ تبوک سے حاصل ہونے والے سبق، عبرتیں اور حکمتیں	576
ام کلثوم بنت رسول اللہ ﷺ کی وفات	583
▪ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی تدفین	583
سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا حج	585
حواشی	
▪ اماکن	589
▪ قبائل	591

عمرۃ القضاء سے سریۂ موتہ تک کے واقعات

اس عمرے میں نبی اکرم ﷺ کے خون کے پیاسے دشمن بھی بے ساختہ پکار اٹھے: ''اے محمد! آپ یقیناً نیکی اور وفا کا پیکر ہیں۔'' سریۂ موتہ میں اللہ کے دشمنوں کو ان کی جارحیت کا دندان شکن جواب دے دیا گیا



لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ
اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ
فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا
فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا

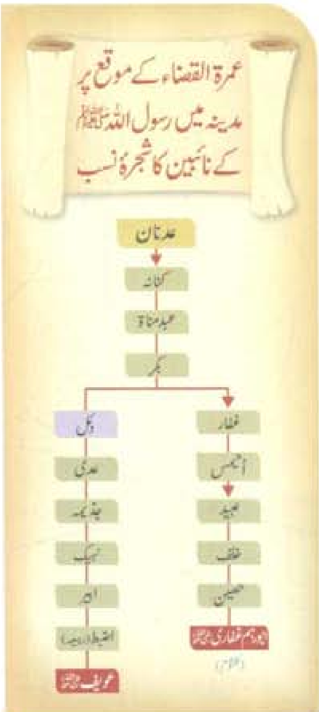
"بلاشبہ یقیناً اللہ نے اپنے رسول کو خواب میں حق کے ساتھ سچی خبر دی کہ اگر اللہ نے چاہا تو تم حالتِ امن میں اپنے سر منڈاتے اور بال کترواتے ہوئے مسجدِ حرام میں ضرور بالضرور داخل ہو گے، تم (کسی سے) نہ ڈرتے ہو گے، پس اللہ وہ بات جانتا تھا جو تم نہیں جانتے تھے، تو اس نے اس سے پہلے ایک فتح جلد ہی عطا کر دی۔" (الفتح 27:48)

اس باب میں

آپ دیکھیں گے کہ سریۂ موتہ میں تین لاکھ زرہ پوش کفار سے ٹکرا جانے والے صرف تین ہزار بے سر و سامان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی جرأت و بسالت اور ناقابل تسخیر عزیمت کا ثبوت دے رہے تھے۔ اس سریے میں رسول اللہ ﷺ کی یہ زبردست حکمت عملی بھی پوشیدہ ہے کہ اسلام دبنے والا نہیں بلکہ پورے عالم میں سرفراز ہونے والا دین ہے۔ اسی موقع پر آپ ﷺ کے نامزد کردہ تین سپہ سالار اور نو دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہوئے اور سیدنا خالد بن ولید کی حکمت عملی اور تیغ بے دریغ نے مسلمانوں کو عظیم الشان فتح سے ہمکنار کیا۔ اسی باب میں رسالت مآب ﷺ کے عمرۃ القضاء کا ایمان افروز تذکرہ ہے جس میں مشرکین مکہ یہ کہنے پر مجبور ہوئے: ''اے محمد! (ﷺ) آپ یقیناً نیکی اور وفا کا مرقع ہیں۔'' اس عمرے کے سفر کا ایک مسرت بخش واقعہ یہ ہے کہ آپ نے سیدہ میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا سے شادی کی۔ قریش کے دو نامور شہسوار عمرو بن عاص اور خالد بن ولید کا قبولِ اسلام بھی اس باب کی زینت ہے۔

عمرۃ القضاء

رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ سے شدید محبت کرتے تھے۔ آپ ہجرت کے بعد سے ابھی تک بیت اللہ کی زیارت اور طواف نہیں کر سکے تھے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو خواب میں بیت اللہ کی زیارت کی بشارت عطا فرمائی تو آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ عمرے کے لیے مدینہ سے مکہ روانہ ہو گئے۔ مشرکین مکہ نے آپ کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا۔ یہ سفر بعد ازاں صلح حدیبیہ پر منتج ہوا جس میں دس سالہ صلح کے معاہدے کے ساتھ یہ بھی طے پایا کہ آپ اس سال کے بجائے اگلے سال عمرے کے لیے آئیں گے اور تین دن مکہ میں قیام کرنے کے بعد لوٹ جائیں گے۔ اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔[1] اب حسبِ معاہدہ وہ وقت آ گیا تھا کہ آپ اپنے صحابہ کے ساتھ بیت اللہ کا طواف فرمائیں۔ ذیل میں عمرۃ القضاء کے اسی مبارک سفر کو بیان کیا گیا ہے۔



امام المغازی ابن اسحاق رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ خیبر سے واپسی کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں ربیع الاول، ربیع الآخر، جمادی الاولیٰ، جمادی الآخرہ، رجب، شعبان، رمضان اور شوال کے مہینوں میں قیام فرمایا۔ اس دوران میں آپ ﷺ نے مختلف سرایا بھیجے ...... جن کا ذکر ہم گزشتہ صفحات میں کر آئے ہیں ...... پھر آپ ﷺ ذوالقعدہ میں عمرۃ القضاء کے لیے روانہ ہوئے۔ یہ وہی مہینہ تھا جس میں گزشتہ سال مشرکین نے آپ کو عمرہ کرنے سے روک دیا تھا۔ ابن ہشام کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر مدینہ منورہ میں عُوَیف بن اَضبَط دِیلی رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا اور واقدی کے بقول آپ نے ابو رُہم رضی اللہ عنہ کو نائب مقرر فرمایا۔[2] اس عمرے کو عمرۃ القصاص کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے کیونکہ مشرکین مکہ نے 6ھ میں حرمت والے مہینے ذوالقعدہ میں رسول اللہ ﷺ کو عمرہ ادا کرنے سے

[1] دیکھیے: اللؤلؤ المکنون سیرت انسائیکلو پیڈیا: 28/8. [2] شرح الزرقاني على المواهب: 314/3، الطبقات لابن سعد: 120/2.

روک دیا تھا تو آپ ان سے قصاص لیتے ہوئے اگلے سال 7 ھ کے حرمت والے مہینے ذوالقعدہ میں مکہ میں داخل ہوئے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بقول اسی واقعے کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:

﴿اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ﴾ (البقرة 194:2)

"(تم پر) ماہ حرام (کی پابندی) ماہ حرام (کی پابندی) کے بدلے میں ہے اور حرمتیں بدلے کی چیزیں ہیں۔"[1]

عکرمہ نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، نیز ضحاک، سدی، قتادہ، مقسم، ربیع بن انس اور عطاء وغیرہ ائمہ تفسیر رحمہم اللہ سے بھی مروی ہے کہ جب 6 ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرے کے لیے تشریف لے گئے اور مشرکوں نے آپ کو اور آپ کے ساتھ جانے والے مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے اور بیت اللہ تک پہنچنے سے روک دیا تو یہ ذوالقعدہ، حرمت کا مہینہ تھا۔ انھوں نے کہا کہ آپ اگلے سال تشریف لائیں، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان اگلے سال تشریف لائے اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان مشرکوں سے بدلہ لے لیا اور اسی بارے میں یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔[2]

مکہ روانگی

ذوالقعدہ 7 ھ میں امام کائنات محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ان جاں نثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ جو حدیبیہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، عمرہ ادا کرنے کے لیے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے۔ ذوالحلیفہ سے احرام باندھا گیا، قربانی کے جانور بھی ساتھ لے لیے گئے۔ ایک قول کے مطابق ان کی تعداد ساٹھ اونٹ تھی۔ آپ نے تلبیہ کہا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی تلبیہ کہا۔ ذرا تصور کیجیے کہ وہ کیا خوش جمال منظر ہوگا جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پاکباز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تلبیے کی صدائے دل نواز سے دشت وجبل گونج اٹھے ہوں گے۔ یہ عظیم الشان قافلہ جب مرالظہران کے قریب پہنچا تو آپ نے گھڑسوار دستے اور اسلحے کے ساتھ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو اپنے آگے روانہ فرما دیا۔ مشرکین نے جب انھیں دیکھا تو وہ بے حد مرعوب ہو گئے۔ انھوں نے سمجھا کہ شاید اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر حملہ آور ہوں گے اور آپ نے دس سال تک جنگ نہ کرنے کا عہد توڑ دیا ہے۔ انھوں نے اہل مکہ کو اس کی خبر دی مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرالظہران پر پڑاؤ ڈال دیا تھا جہاں سے حرم کے نشانات نظر آرہے تھے۔ آپ نے کمانیں، نیزے، تیر اور دیگر اسلحہ بطن یَاجَج بھیج دیا اور آپ مکہ مکرمہ کی طرف تلواریں نیاموں میں ڈال کر روانہ ہوئے جیسا کہ قریش کے ساتھ شرائطِ معاہدہ میں طے ہوا تھا۔ ابھی آپ رستے ہی میں تھے کہ قریش نے مکرز بن حفص کو بھیجا، اس نے آکر کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہم نے تو آپ کو کبھی عہد شکنی کرتے نہیں دیکھا۔ آپ حرم میں اسلحے کے ساتھ داخل ہو رہے ہیں۔ آپ نے تو شرط مانی تھی کہ آپ صرف نیام میں بند تلواریں لے کر آئیں گے۔

[1] السيرة لابن إسحاق :502/2، السيرة لابن هشام :12/4. [2] تفسير الطبري، البقرة 194:2.

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «لَا نَدْخُلُهَا إِلَّا كَذٰلِكَ» ''ہم مکہ میں اسی طرح (معاہدے کے مطابق) داخل ہوں گے۔'' اسلحہ ہم نے ''یَأجَج'' بھیج دیا ہے۔ اس نے کہا: یہی وجہ ہے کہ ہم آپ کو نیکی اور وفا ہی کی خوبیوں کا مجموعہ سمجھتے ہیں۔

مکہ میں مسلمانوں کا داخلہ اور سرکردہ مشرکین کا خروج

سردارانِ قریش رات کو شدید غم و غصے اور کینے کی وجہ سے مکہ سے باہر نکل گئے تاکہ وہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نہ دیکھ سکیں جب کہ مکہ کے دیگر مرد، عورتیں اور بچے رستوں اور گھروں کی چھتوں پر بیٹھ کر رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھنے لگے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ اس شان سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے کہ آپ کے آگے آگے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تلبیہ پڑھ رہے تھے۔ قربانی کے جانوروں کو مقام ذی طویٰ کی طرف بھیج دیا گیا۔ آپ اپنی قصواء اونٹنی پر سوار تھے جس کو آپ ﷺ نے حدیبیہ کے سال بھی سواری کا شرف بخشا تھا۔[1] سیدنا عبداللہ بن رواحہ انصاری رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کی مہار تھام رکھی تھی اور وہ یہ اشعار پڑھ رہے تھے:

بِاسْمِ الَّذِي لَا دِينَ إِلَّا دِينُهُ ۔۔۔ بِاسْمِ الَّذِي مُحَمَّدٌ رَسُولُهُ
خَلُّوا بَنِي الْكُفَّارِ عَنْ سَبِيلِهِ ۔۔۔ اَلْيَوْمَ نَضْرِبْكُمْ عَلٰى تَأْوِيلِهِ
كَمَا ضَرَبْنَاكُمْ عَلٰى تَنْزِيلِهِ ۔۔۔ ضَرْبًا يُزِيلُ الْهَامَ عَنْ مَقِيلِهِ
وَيُذْهِلُ الْخَلِيلَ عَنْ خَلِيلِهِ ۔۔۔ قَدْ أَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ فِي تَنْزِيلِهِ
فِي صُحُفٍ تُتْلٰى عَلٰى رَسُولِهِ ۔۔۔ بِأَنَّ خَيْرَ الْقَتْلِ فِي سَبِيلِهِ
يَا رَبِّ إِنِّي مُؤْمِنٌ بِقِيلِهِ

''اس ذات پاک کے نام سے جس کے دین کے سوا اور کوئی دین نہیں۔ اس ذات اقدس کے نام سے، سیدنا محمد ﷺ جس کے رسول ہیں۔ اے کافروں کے بیٹو! نبی ﷺ کا رستہ چھوڑ دو۔ آج آپ کے حکم کے مطابق ہم تمھیں ماریں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قرآن کے مطابق ہم نے تمھیں ضرب لگائی تھی۔ تمھیں ایسی کاری ضرب لگائیں گے جس سے سر تن سے جدا ہو جائیں گے۔ ایسی ضرب جو دوست سے دوست کو بھلا دے گی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے قرآن میں یہ نازل فرمایا ہے۔ (یعنی) ایسے صحیفوں میں جو اس کے رسول پر پڑھے جاتے ہیں کہ بہترین قتل وہ ہے جو اس کی راہ میں ہوتا ہے۔ اے اللہ! میں اس کے فرمان پر ایمان رکھتا ہوں۔''[2]

[1] المغازي للواقدي: 2/188,187، دلائل النبوة للبيهقي: 4/321. [2] دیکھیے: جامع الترمذي: 2847، سنن النسائي: 2876 و 2896، صحيح ابن حبان: 4521، البداية والنهاية: 4/229,228.

طواف میں رمل کی مشروعیت

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب مکہ تشریف لائے تو یثرب کے بخار کی وجہ سے کمزور ہو چکے تھے اور وہاں انھیں ناموافق آب و ہوا کا سامنا کرنا پڑا تھا، اس لیے مشرکین نے کہا کہ تمھارے پاس ایسے لوگ آ رہے ہیں جنھیں یثرب کے بخار نے کمزور کر دیا ہے اور وہاں انھیں برے حالات کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ مشرکین حجر کی جانب بیٹھ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی اس بات سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع فرما دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دے دیا کہ وہ طواف کے ابتدائی تین چکر تیز رفتاری کے ساتھ کندھے ہلا ہلا کر لگائیں تاکہ مشرکین ان کی طاقت وقوت کا مشاہدہ کر لیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تعمیل ارشاد میں تین چکر اسی انداز سے لگائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں حکم دیا کہ دونوں رکنوں کے درمیان عام چال چلیں کیونکہ وہاں انھیں مشرکین دیکھ نہیں سکتے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بر بنائے شفقت تمام چکروں میں رمل کا حکم نہیں دیا۔ مشرکین نے جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس متحرک انداز سے طواف کرتے دیکھا تو بے ساختہ پکار اٹھے کہ ان لوگوں کے بارے میں تم یہ کہتے ہو کہ انھیں یثرب کے بخار نے کمزور کر دیا ہے، حالانکہ وہ تو فلاں فلاں چیزوں سے بھی زیادہ مضبوط ہیں۔[1]

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم 4 ذوالقعدہ کی صبح مکہ تشریف لائے۔ مشرکین نے کہا کہ تمھارے پاس ایسے لوگ آ رہے ہیں جنھیں یثرب کے بخار نے کمزور کر دیا ہے، اس لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ وہ طواف کے ابتدائی تین چکر رمل کے ساتھ لگائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شفقت و مہربانی فرماتے ہوئے طواف کے تمام چکروں میں رمل کا حکم نہیں دیا۔[2]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سال امن میں تشریف لائے تو آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا: «اُرْمُلُوا» ''رمل کرو۔'' آپ نے یہ اس لیے فرمایا کہ مشرکین مسلمانوں کی قوت کا مشاہدہ کر سکیں۔ مشرکین اس وقت کوہ قُعَیقِعَان کی طرف بیٹھے ہوئے تھے۔[3] اسی طرح آپ نے صفا و مروہ کے درمیان سعی بھی اسی لیے کی کہ مشرکین کو اپنی قوت دکھائیں۔[4] ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں ٹھیک حسب معاہدہ تشریف لائے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن تک قیام فرما لیا تو مشرکین نے کہا کہ اب آپ واپس تشریف لے جائیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے۔[5]

---

[1] مسند أحمد: 295,294/1. [2] صحيح البخاري: 1602 و 4256، صحيح مسلم: 1266. [3] صحيح البخاري: 4257. [4] صحيح البخاري: 1649. [5] صحيح البخاري: 2701.

رسول اللہ ﷺ کی سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے شادی

رسول اللہ ﷺ نے خواتین سے متعلقہ دینی احکام و مسائل امت تک پہنچانے، مختلف قبائل کو اسلام سے روشناس کرانے اور دیگر کئی مقاصد کے لیے متعدد شادیاں کیں۔ اس طرح آپ کے حرم میں داخل ہونے والی خوش نصیب خواتین میں سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا بھی شامل ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے عمرۃ القضاء کے موقع پر ذوالقعدہ 7 ھ میں ان سے نکاح کیا۔ ان کا نام برہ تھا۔ آپ ﷺ نے اسے تبدیل کر کے میمونہ رکھا۔[1]

سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے خاوند ابو رہم بن عبدالعزیٰ بن عبد ود قرشی عامری فوت ہو گئے تھے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے شادی کی خواہش کی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کی معرفت انھیں شادی کا پیغام دیا۔ جب انھیں رسالت مآب ﷺ کا یہ پیغام ملا، اس وقت وہ اونٹ پر سوار تھیں۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے پیغام کو نہایت خوشی سے قبول کر لیا۔ ان کی زبان سے بے اختیار نکلا: ''یہ اونٹ اور اس کی سوار اللہ اور اس کے رسول کے لیے حاضر ہے۔'' اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝﴾ (الأحزاب 50:33)

''اور (ہم نے آپ کے لیے) مومن عورت بھی (حلال کی)، اگر وہ اپنے آپ کو نبی کے لیے ہبہ (وقف) کر دے، اگر نبی چاہے تو اس سے نکاح کر لے، یہ (اجازت) مومنوں کے علاوہ خاص آپ کے لیے ہے، یقیناً ہم جانتے ہیں جو کچھ ہم نے ان (مومنوں) پر ان کی بیویوں اور جن (لونڈیوں) کے مالک ان کے دائیں ہاتھ ہوئے ہیں، (ان) کے بارے میں فرض کیا ہے، (آپ کے لیے ازواج کی یہ حلت اس لیے ہے) کہ آپ پر کوئی تنگی نہ رہے، اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔''[2]

---

[1] الطبقات لابن سعد: 132/8 و 137. [2] السيرة لابن هشام: 296/4، الطبقات لابن سعد: 137/8.

سیدہ میمونہ نے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کو اپنا ولی بنایا اور انھیں رسول اللہ ﷺ سے شادی کرنے کا اختیار دے دیا۔ لہٰذا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے 400 اور ابن سعد کے مطابق 500 درہم حق مہر کے ساتھ ان کی شادی رسول اللہ ﷺ سے کر دی۔

سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا ازواج مطہرات میں شامل ہونے والی آخری خاتون ہیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے کوئی شادی نہیں کی۔ شادی کے وقت آپ حالت احرام میں تھے یا عمرے کی ادائیگی سے فارغ ہو چکے تھے؟ اس کے بارے میں درج ذیل تین اقوال ہیں:

1 ام المؤمنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا اور پیغام رساں ابو رافع رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ نبی ﷺ نے عمرے سے حلال ہونے کے بعد شادی کی تھی، نیز سعید بن مسیّب رحمہ اللہ اور جمہور اہل علم نے بھی یہی قول نقل کیا ہے۔

2 آپ ﷺ نے حالتِ احرام میں شادی کی تھی۔ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما، اہل کوفہ اور اہلِ علم کی ایک جماعت کا قول ہے۔[1]

3 آپ ﷺ نے شادی حالتِ احرام سے پہلے کی تھی۔[2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ان متعدد صحیح روایات کی وجہ سے فقہاء میں اختلاف ہے۔ کچھ فقہاء نے ان باہم مخالف روایات کو اس طرح جمع کیا ہے کہ آپ نے حالت احرام میں سیدہ میمونہ سے نکاح کیا، پھر عمرے کی ادائیگی کے بعد حدود حرم سے باہر جا کر ان سے خلوت کی۔ اور کچھ دوسرے فقہاء نے یہ گتھی اس طرح سلجھانے کی کوشش کی ہے کہ آپ نے احرام باندھنے سے قبل ان سے شادی کی۔ لیکن شادی کا معاملہ احرام باندھنے کے بعد مشہور ہوا۔ اس لیے آپ کی شادی کی تفصیل بیان کرنے والوں کو شبہ ہو گیا کہ آپ نے حالت احرام میں شادی کی ہے۔

علامہ ابن اسحاق کی درج ذیل روایت کی بنا پر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان علماء کے موقف کو زیادہ واضح قرار دیا ہے جو کہتے ہیں کہ آپ نے حالت احرام میں سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی، لیکن ان کے ساتھ خلوت عمرے کی ادائیگی کے بعد، حدود حرم سے نکل کر مقام سرف پر کی۔[3] ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہی موقف ہے۔[4]

علامہ ابن اسحاق فرماتے ہیں: (عمرۃ القضاء کے موقع پر) رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ میں (حسب معاہدہ) تین دن ٹھہرے۔ جب تیسرا دن ہوا تو حویطب بن عبدالعزیٰ کچھ قریشی لوگوں کے ہمراہ آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا: آپ کی مدت اقامت پوری ہو گئی ہے، لہٰذا اب آپ چلے جائیں۔ نبی کریم ﷺ نے انھیں فرمایا:

«وَمَا عَلَيْكُمْ لَوْ تَرَكْتُمُونِي فَأَعْرَسْتُ بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ وَصَنَعْنَا لَكُمْ طَعَامًا فَحَضَرْتُمُوهُ»

''اگر تم ہمیں مکہ ہی میں شب زفاف گزارنے کی مہلت دے دو تو کیا حرج ہے۔ ہم تمھارے لیے (ولیمے

1 دیکھیے: فتح الباري: 208/9. 2 زاد المعاد: 374,373/3. 3 الاصابة: 333,332/8. 4 السيرة لابن إسحاق: 503,502/2.

کا) کھانا تیار کروائیں گے۔ تم بھی اس (دعوت) میں حاضر ہونا (اور کھانا کھانا)۔‘‘

وہ کہنے لگے: ہمیں آپ کی دعوت کی ضرورت نہیں، بس آپ اب چلے جائیں۔ لہٰذا آپ (اپنے صحابہ کے ساتھ) مکہ مکرمہ سے روانہ ہوگئے۔ آپ نے اپنے خادم ابو رافع کو ام المؤمنین سیدہ میمونہ ﷞ کی دیکھ بھال اور انھیں ساتھ لانے کے لیے پیچھے چھوڑا۔ جب آپ نے سرف پہنچ کر پڑاؤ کیا تو وہ بھی ام المؤمنین سیدہ میمونہ ﷞ کو لے کر آگئے۔ مقام سرف پر آپ نے سیدہ میمونہ ﷞ سے خلوت فرمائی۔ پھر آپ ذوالحجہ میں مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوئے۔ [1]

سیدہ میمونہ ﷞ کی وفات

سیدہ میمونہ ﷞، یزید بن معاویہ کے دورِ حکومت میں 61ھ میں اسی یا اکاسی برس کی عمر میں وفات پا گئیں۔ ازواجِ مطہرات میں آپ سب سے آخر میں فوت ہوئیں۔

آپ کی نمازِ جنازہ سیدنا عبداللہ بن عباس ﷞ نے پڑھائی۔ لوگ جب جنازہ اٹھانے لگے تو سیدنا عبداللہ بن عباس ﷞ نے انھیں فرمایا: ’’جب تم ان کا جنازہ اٹھاؤ تو زور زور سے حرکت نہ دینا بلکہ آہستہ آہستہ نرمی کے ساتھ جنازہ لے کر چلنا۔‘‘ [2]

جنازہ قبر پر پہنچا تو سیدنا ابن عباس ﷞ خود قبر میں اترے۔ انھوں نے عبدالرحمان بن خالد بن ولید، یزید بن اصم اور عبیداللہ خولانی کی مدد سے سیدہ میمونہ ﷞ کی نعش کو قبر میں اتارا۔

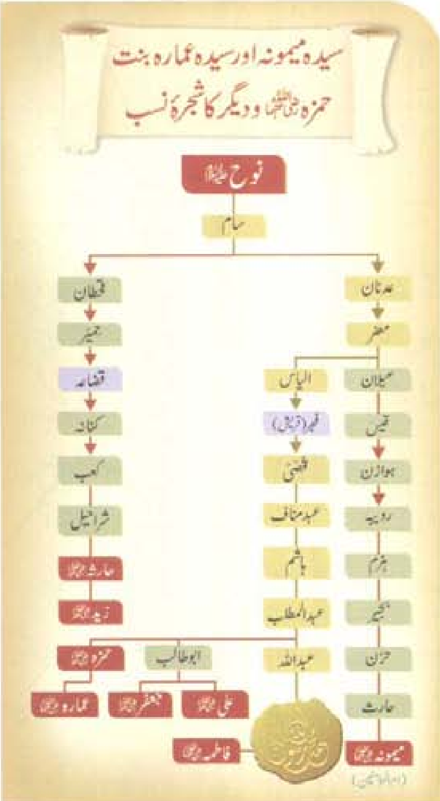
سیدہ میمونہ ﷞ کی وفات اسی جگہ ہوئی جہاں ان کی شادی ہوئی تھی۔ عمرۃ القضاء سے واپسی پر مقام سرف میں جس جگہ رسول اللہ ﷺ کا خیمہ لگایا گیا تھا اور جس خیمے میں آپ نے ان کے ساتھ خلوت فرمائی تھی، عین اسی جگہ پر ان کی قبر بنائی گئی۔ [3]

سیدہ میمونہ ﷞ نے رسول اللہ ﷺ سے علم و عمل کی جو تربیت حاصل کی، اسے 76 علمی موتیوں کی صورت میں امت کے حوالے کیا۔ [4] محدثین عظام، فقہائے کرام اور علمائے امت نے ان علمی جواہرات کو اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے اور ان سے بے شمار دینی مسائل کا استنباط کیا ہے۔ خواتین کے مخصوص مسائل اور ازدواجی زندگی کی الہامی راہنمائی میں ان کی بیان کردہ احادیث گراں مایہ سرمایہ ہیں۔

[1] صحیح البخاري: 4258، صحیح مسلم: 1410. [2] صحیح البخاري: 5067. [3] الطبقات لابن سعد: 140/8، الإصابة: 324/8. [4] جوامع السیرة، ص: 278.

سیدہ عمارہ بنت حمزہ رضی اللہ عنہا کی کفالت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ مکرمہ سے روانہ ہونے لگے تو سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی نے پیچھے سے آوازیں دینا شروع کر دیں: چچا جان! چچا جان! سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: اپنے چچا کی بیٹی کو لے لو۔ (کیونکہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی بھی تھے) سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اسے اٹھالیا، پھر اس بچی کے بارے میں علی رضی اللہ عنہ، زید رضی اللہ عنہ اور جعفر رضی اللہ عنہ میں چپقلش ہوگئی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے اسے پکڑا ہے اور یہ میرے چچا کی بیٹی ہے۔ سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور اس کی خالہ میرے گھر میں ہے۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ میرے بھائی کی بیٹی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بچی کا اس کی خالہ کے حق میں فیصلہ کرتے ہوئے فرمایا: «اَلْخَالَةُ بِمَنْزِلَةِ الْأُمِّ» ''خالہ ماں کے درجے میں ہوتی ہے۔'' آپ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: «أَنْتَ مِنِّي وَ أَنَا مِنْكَ» ''تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں۔'' جعفر رضی اللہ عنہ سے کہا: «أَشْبَهْتَ خَلْقِي وَخُلُقِي» ''تم خلق اور خُلق میں مجھ سے مشابہ ہو۔'' اور زید رضی اللہ عنہ سے فرمایا: «أَنْتَ أَخُونَا وَمَوْلَانَا» ''تم ہمارے بھائی اور مولیٰ (آزاد کردہ غلام) ہو۔''[1]



واقدی نے اس قصے کو بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس طرح بیان کیا ہے کہ عمارہ بنت حمزہ بن عبدالمطلب اور ان کی ماں سلمیٰ بنت عمیس رضی اللہ عنہا مکہ میں تھیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ تشریف لائے تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ ہم اپنے چچا کی بیٹی کو مشرکین کے ہاں بحیثیت یتیم کیوں رہنے دیں! نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں مکہ سے

[1] صحيح البخاري: 4251.

نکالنے سے منع نہیں فرمایا، اس لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے انھیں مکہ سے نکال لیا تو اس کے بارے میں زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے بات کی کیونکہ وہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے وصی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مہاجرین میں مؤاخات قائم فرمائی تو ان دونوں کو ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا تھا، اس لیے انھوں نے کہا کہ اس بچی کا زیادہ حق دار میں ہوں کیونکہ یہ میرے بھائی کی بیٹی ہے۔ سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ نے یہ بات سنی تو کہا کہ خالہ ماں ہوتی ہے، اس کی خالہ اسماء بنت عمیس میرے گھر میں ہے، اس لیے میں اس بچی کا زیادہ حق دار ہوں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم اس کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو، یہ تو میرے چچا کی بیٹی ہے، مشرکین مکہ کے ہاں سے اسے میں نکال کر لایا ہوں، لہٰذا تمھاری نسبت میں اس کا زیادہ حق دار ہوں۔ ان حضرات کی یہ باتیں سن کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«أَنَا أَحْكُمُ بَيْنَكُمْ، أَمَّا أَنْتَ يَا زَيْدُ! فَمَوْلَى اللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَ أَمَّا أَنْتَ يَا عَلِيُّ! فَأَخِي وَصَاحِبِي، وَ أَمَّا أَنْتَ يَا جَعْفَرُ! فَتُشْبِهُ خَلْقِي وَخُلُقِي، وَأَنْتَ يَا جَعْفَرُ! أَحَقُّ بِهَا، تَحْتَكَ خَالَتُهَا، وَلَا تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ عَلٰى خَالَتِهَا وَلَا عَلٰى عَمَّتِهَا»

”تمھارا فیصلہ میں کرتا ہوں، زید! تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مولیٰ ہو۔ علی! تم میرے بھائی اور ساتھی ہو۔ جعفر! تم خَلق اور خُلق میں میرے مشابہ ہو۔ جعفر! تم اس کے زیادہ حق دار ہو کیونکہ اس کی خالہ تمھارے حبالۂ عقد میں ہے، کسی عورت کا کسی شخص سے اس کے گھر میں اس کی خالہ یا پھوپھی ہونے کی وجہ سے نکاح نہیں کیا جا سکتا۔“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرما دیا کہ جعفر اس بچی کو اپنی کفالت میں لے لیں۔

سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: آپ اس لڑکی سے شادی کر لیں۔ آپ نے فرمایا: ”میں اس سے شادی نہیں کر سکتا کیونکہ یہ تو میرے رضاعی بھائی کی بیٹی ہے۔“ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لڑکی سے سلمہ بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہما کی شادی کرادی اور فرمایا: ”سلمہ! کیا میں نے تمھارے احسان کا بدلہ دے نہیں دیا؟“ [1] آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اس لیے فرمایا کہ یہ وہی تھے جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی والدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے شادی کرائی تھی۔ اپنے بھائی عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہما سے بڑے ہونے کی وجہ سے یہ اپنی والدہ کے ولی تھے۔ [2]

[1] المغازي للواقدي: 191/2، دلائل النبوة للبيهقي: 340,339/4. [2] السيرة لابن هشام: 294/4، الطبقات لابن سعد: 92/8.

سریہ ابن ابی العوجاء سُلَمی

رسول اللہ ﷺ عمرۃ القضاء سے فارغ ہو کر ذوالحجہ 7 ھ میں مدینہ منورہ واپس تشریف لائے۔ مدینہ منورہ میں واپسی کے بعد آپ نے ابویلیٰ سفیان بن ابی العوجاء سُلَمی رضی اللہ عنہ کی قیادت میں پچاس آدمیوں کا دستہ بنوسُلیم کی طرف بھیجا۔ بنوسلیم کا ایک جاسوس بھی ان کے ساتھ تھا۔ جب یہ دستہ مدینہ سے روانہ ہوا تو اس جاسوس نے نہایت عجلت سے اپنی قوم کے پاس پہنچ کر ساری اطلاع دے دی۔ انھوں نے مقابلے کے لیے بہت سے لوگ جمع کر لیے۔ جب سفیان بن ابی العوجاء رضی اللہ عنہ اپنے دستے کو لے کر ان کے پاس پہنچے تو انھیں جنگ کے لیے تیار پایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس جماعت کو دیکھا تو انھیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ انھوں نے دعوتِ حق قبول کرنے کی بجائے تیروں کی بوچھاڑ کر دی اور کہا کہ جس دین کی طرف تم ہمیں دعوت دے رہے ہو، ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔ کچھ دیر تک وہ تیر اندازی کرتے رہے اور ان کے پاس مسلسل امداد آتی رہی۔ انھوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہر طرف سے گھیر لیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی شدید مقابلہ کیا حتی کہ ان میں سے اکثر نے جام شہادت نوش کر لیا۔ ابن ابی العوجاء رضی اللہ عنہ بھی زخموں سے چور چور ہو گئے۔ انھوں نے شجاعت و بسالت کے خوب جوہر دکھائے، بعدازاں یہ اپنے باقی ماندہ ساتھیوں کے ساتھ یکم صفر 8 ہجری کو مدینہ منورہ واپس آ گئے۔ [1]

[1] دلائل النبوۃ للبیهقي: 342,341/4، المغازي للواقدي: 193/2، البداية والنهاية: 236/4.

بنی سُلیم کی شاخ الجبر کا علاقہ (محافظہ قلوہ)



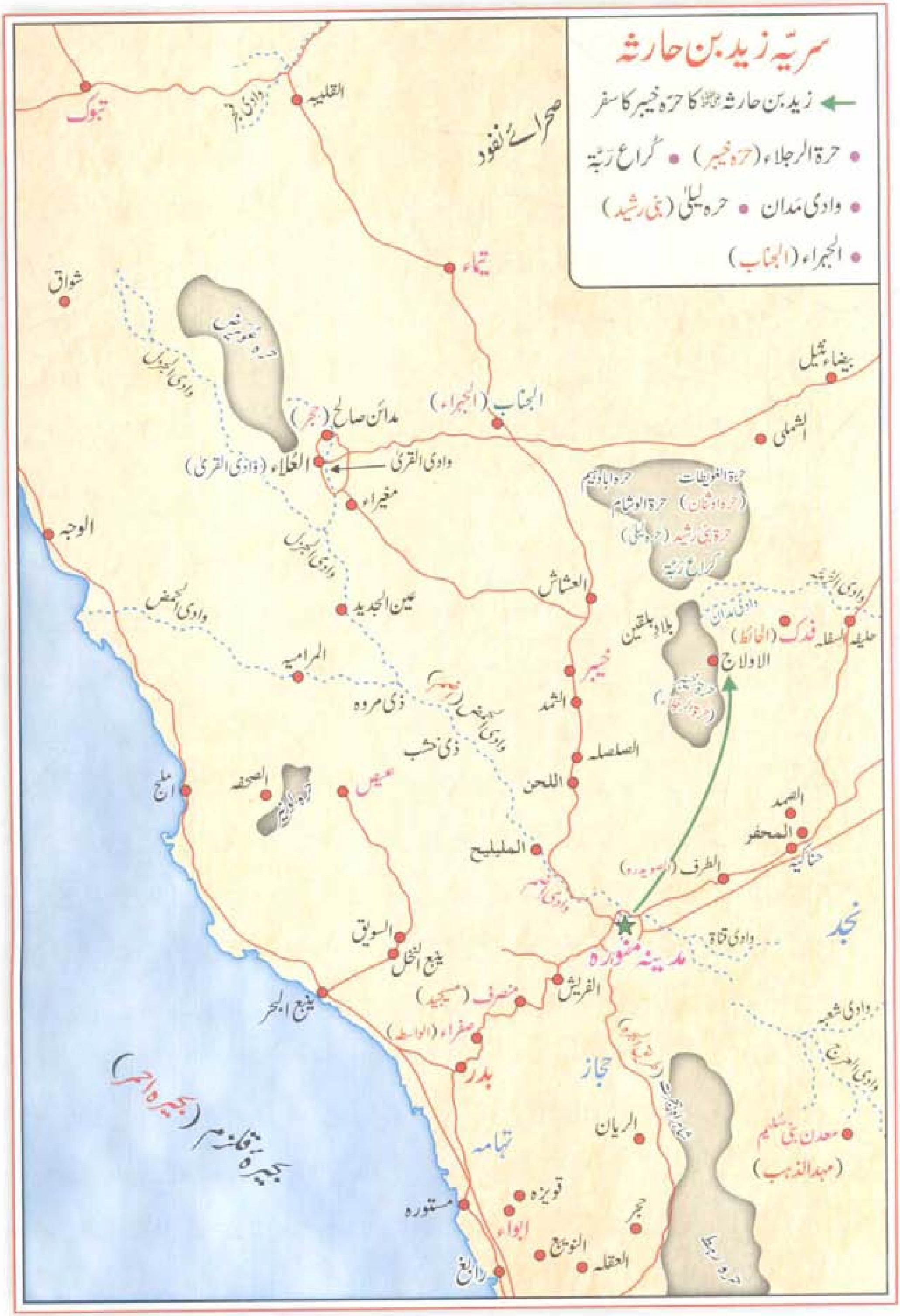
سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما

امام ابن اسحاق رحمہ اللہ اس سریے کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: جذام قبیلے کے سردار رفاعہ بن زید رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ رفاعہ نے اسلام قبول کر لیا تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں امان نامہ لکھوا کر عطا فرمایا۔ وہ یہ خط لے کر اپنی قوم کے لوگوں میں واپس گئے اور انھیں اسلام کی دعوت دی۔ ان کی دعوت پر بہت سے افراد مسلمان ہو گئے۔ اس واقعے کو تھوڑا عرصہ ہی ہوا تھا کہ سیدنا دحیہ بن خلیفہ الکلبی رضی اللہ عنہ رومی بادشاہ قیصر کو رسول اللہ ﷺ کا مکتوب مبارک پہنچا کر واپس آئے۔ واپسی پر جذام قبیلے کے علاقے سے ان کا گزر ہوا۔ رومی فرمانروا قیصر نے رسول اللہ ﷺ کے سفیر کی بڑی عزت و تکریم کی تھی اور انھیں قیمتی تحائف اور شاہی پوشاک دے کر رخصت کیا تھا۔ جب یہ جذام قبیلے سے گزر رہے تھے تو جذام قبیلے کے خاندان الضُّلَیع کے دو ڈاکوؤں نے انھیں لوٹ لیا۔ الهنید بن عُوص اور اس کے بیٹے عوص نے ان کا سارا ساز و سامان چھین لیا۔ صرف ایک بوسیدہ چادر ان کے جسم پر باقی رہنے دی۔ اس سانحے کی خبر جناب رفاعہ بن زید اور ان کے ساتھ مسلمان ہونے والے جذامی افراد کو ملی تو وہ فوراً رسول اللہ ﷺ کے سفیر کی مدد کو پہنچے۔ انھوں نے الهنید اور اس کے خاندان پر حملہ بول دیا اور بڑی تگ و دو کے بعد سیدنا دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کا سامان واپس لینے میں کامیاب ہوئے۔

دشمن کے خلاف چال پوشیدہ رہنی چاہیے

سیدنا دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ پہنچے تو انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اپنے سفر کی رپورٹ پیش کی۔ ساتھ ہی الهنید اور اس کے بیٹے کی بدمعاشی کا تذکرہ بھی کیا۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ ان فتنہ پرور لوگوں کی تادیب کے لیے اسلامی لشکر روانہ کیا جانا چاہیے تاکہ یہ ڈاکو آئندہ کسی اور مسلمان مسافر کو تنگ کرنے سے باز رہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ان کی درخواست پر سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں پانچ سو مجاہدین کا لشکر جرار روانہ کیا۔ سیدنا دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ بھی اس میں شامل تھے۔ یہ لشکر بنو عذرہ کے ایک گائیڈ کی راہنمائی میں اپنی مہم پر روانہ


سریّہ زید بن حارثہ
زید بن حارثہ کا حرہ خیبر کا سفر
حرۃ الرجلاء (حرہ خیبر)
کُراع رَبّۃ
وادی مدان
حرہ لیلیٰ (بنی رشید)
الجبراء (الجناب)
تبوک
القلیبہ
صحرائے نفود
تیماء
شواق
الجناب (الجبراء)
مدائن صالح (حجر)
العلاء (وادی القریٰ)
وادی القریٰ
مغیراء
الوجہ
بیضاء نثیل
الشملی
العشاش
عین الجدید
المرامیہ
ذی مروہ
ذی خشب
خیبر
الشمد
الصلصلہ
اللحن
املج
الصحفہ
عیص
المليليح
السویق
ینبع النخل
ینبع البحر
مدینہ منورہ
الفریش
منصرف (مسیجد)
صفراء (الواسطہ)
بدر
حجاز
تہامہ
الریان
قویزہ
مستورہ
ابواء
حجر
النویبع
العقلہ
رابغ
نجد
فدک (الحائط)
الاولاج
بلاد بلقین
الصمد
المحفر
الطرف (الصویدرہ)
وادی قناۃ
وادی شعبہ
معدن بنی سُلیم
(مہد الذہب)
بحیرہ قلزم (بحیرہ احمر)

ہو گیا۔ اس مہم کو خفیہ اور دشمن کو بے خبر رکھنے کے لیے یہ لشکر رات کو سفر کرتا اور دن کو چھپ کر آرام کرتا رہا۔

جب سیدنا رفاعہ بن زید رسول اللہ ﷺ کا مکتوب گرامی لے کر اپنے قبیلے میں آئے تھے تو غطفان، وائل، سلامان اور سعد بن ہذیم کے خاندان حرۃ الرجلاء میں مسلمانوں کے خلاف لشکر کشی کے لیے جمع ہو گئے۔ سیدنا رفاعہ بن زید کراع رَبّہ نامی جگہ پر رہائش پذیر تھے، انھیں ان قبائل کی سرگرمیوں کا کچھ علم نہ تھا۔

بنو عذرہ کا گائیڈ مسلمانوں کو دوران شب سفر کراتا ہوا صبح کے وقت ان قبائل کے پاس لے آیا۔ بعد ازاں مسلمانوں نے سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کی کمان میں الہنید اور اس کے خاندان پر حملہ کر دیا۔ الہنید، اس کا بیٹا اور بنی احنف کے دو افراد مارے گئے، ایک آدمی بنوضبیب سے بھی مارا گیا۔ مسلمانوں نے ان کے مویشی بھی اپنے قبضے میں لے لیے۔ ایک ہزار اونٹ، پانچ ہزار بکریاں اور ایک سو قیدی مسلمانوں کی تحویل میں آ گئے۔ ان میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھے۔

مدمقابل کی جانچ پرکھ ضروری ہے

جب بنوضبیب کو سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کے حملے کی خبر ملی تو وہ سیدنا زید کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حسان بن مَلّہ نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے عرض کی: بے شک ہم تو مسلمان ہو چکے ہیں۔ (پھر یہ لشکر کشی کیسی ہے؟)

سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تم مسلمان ہو چکے ہو تو ام القرآن (سورت فاتحہ) پڑھ کر سناؤ۔ حسان نے ام القرآن پڑھ کر سنا دی۔ تو سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے لشکر میں اعلان کرا دیا کہ اب مزید کوئی کارروائی نہ کرے اور اس خاندان کو کوئی گزند نہ پہنچائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے علاقے پر لشکر کشی سے منع کیا ہے۔ البتہ جو غداری کے مرتکب ہوں گے، ان کے خلاف تادیبی کارروائی کی جائے گی۔ یہ اعلان تو کر دیا گیا مگر قیدیوں کو رہا نہ کیا گیا، نہ مالِ غنیمت واپس کیا گیا، لہٰذا یہ لوگ وہاں سے اٹھے اور رات کے وقت رفاعہ بن زید کے پاس جا پہنچے اور اسے کہنے لگے: ”تم اِدھر بکریوں کے دودھ سے لطف اندوز ہو رہے ہو جبکہ جذام قبیلے کی عورتیں قیدی بنا لی گئی ہیں۔ تمھارے خط نے انھیں مروا دیا۔“

سیدنا رفاعہ بن زید کو اس ساری صورت حال کا علم ہوا تو وہ اسی وقت ابوزید بن عمرو کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ روانہ ہو گئے۔ ان کے ساتھ کچھ اور معززین علاقہ بھی تھے۔ یہ وفد تین راتوں کا مسلسل سفر کر کے مدینہ منورہ پہنچ گیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سیدنا رفاعہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہ آپ کا مکتوب گرامی ہے جس کے تحت ہمیں امان حاصل ہے۔ لیکن اس کی خلاف ورزی کی گئی ہے اور ہمارے خاندان پر حملہ کر دیا گیا ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے وہ خط پڑھوا کر سنا، ساری صورت حال سے آگاہی حاصل کی۔ بعدازاں آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو لوگ مارے گئے ہیں، اب ان کا کیا کیا جائے؟'' ابو زید بن عمرو نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہمارے قیدی آزاد کر دیے جائیں اور جو لوگ مارے گئے ہیں، میں ان کا خون معاف کرتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس مشورے کو سراہا اور فرمایا: ''ابو زید! تم نے بالکل صحیح بات کی ہے۔'' ان لوگوں نے پھر گزارش کی: اے اللہ کے رسول! ہمارے ساتھ کسی صحابی کو روانہ کیجیے جو ہمارے قیدی اور ہمارے اموال ہمیں واپس دلا دیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا: ''علی! جاؤ اور ان لوگوں کو مال اور اہل وعیال واپس دلا دو۔'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کو مطمئن کرنے کے لیے کوئی نشانی عطا فرما دیجیے۔ آپ ﷺ نے اپنے فیصلے سے آگاہ کرنے کے لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ان لوگوں کے ساتھ روانہ کیا اور بطور نشانی اپنی تلوار عطا فرمائی۔

ارشادِ رسول ﷺ پر مالِ غنیمت واپس دے دیا

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے پھر عرض کی: اے اللہ کے رسول! میرے پاس سواری نہیں ہے۔ بنو جذام نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ثعلبہ بن عمرو کے اونٹ پر سوار کر دیا۔ یہ وفد واپس مڑا تو راستے میں انھیں سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کا سفیر ملا جو رسول اللہ ﷺ کو لشکر کی کامیابی کی خوشخبری دینے جا رہا تھا۔ اس کا نام رافع بن مکیث الجُہنی تھا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اسے اپنے اونٹ پر سوار کر لیا اور اس کی اونٹنی وفد کو واپس کر دی کیونکہ وہ مالِ غنیمت میں سے لی گئی تھی۔ یہ وفد سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما سے فیفاء الفحلتین کے مقام پر ملا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کا حکم نامہ سیدنا زید بن حارثہ کو سنایا اور بطور نشانی آپ ﷺ کی تلوار بھی پیش کی۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے فوراً مجاہدین کو جمع کیا اور اللہ کے رسول ﷺ کا حکم ان کے گوش گزار کیا۔ پھر مجاہدین کو حکم دیا کہ جس کے پاس کوئی قیدی یا مال ہے، وہ فوراً واپس کر دے۔ تمام مجاہدین نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے تمام ساز و سامان اور قیدی واپس کر دیے حتی کہ اونٹوں کے کجاووں کے نیچے سے گدے تک نکال کر واپس دے دیے۔

سیدنا مِحْجَن الدیلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں بھی اس سریے میں موجود تھا۔ ہر مجاہد کو سات اونٹ یا ستر بکریاں ملی تھیں۔ کسی کو ایک لونڈی اور کسی کو دو لونڈیاں بھی دی گئی تھیں۔ لیکن جب انھوں نے رسول اللہ ﷺ کا حکم سنا تو ہر مجاہد نے ایک ایک چیز بلاتاخیر واپس کر دی۔

یقیناً صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی اطاعت و جاں نثاری بے مثال تھی۔[1]

[1] السيرة لابن هشام: 4/260-264، المغازي للواقدي: 2/53-56.

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا نجاشی کے ہاتھ پر قبولِ اسلام

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اپنے مشرف بہ اسلام ہونے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں اسلام سے سخت عداوت رکھتا تھا۔ میں بدر میں مشرکین کے ساتھ تھا لیکن بچ گیا۔ پھر احد میں بھی مشرکین کے ساتھ پہنچا اور نجات پا گیا۔ پھر خندق میں بھی مشرکین ہی کے ساتھ تھا اور جان بچانے میں کامیاب رہا۔ آخر میں نے اپنے دل میں سوچا کہ میں کب تک پیٹھ پھیرتا اور جنگ کرتا رہوں گا، اللہ کی قسم! محمد (ﷺ) قریش پر ضرور غالب آجائیں گے۔ میں ''وہط'' میں اپنے مال کے پاس چلا گیا اور لوگوں سے میل جول کم کر دیا۔ جب حدیبیہ کا واقعہ پیش آیا، رسول اللہ ﷺ صلح کے بعد مدینہ تشریف لے گئے اور قریش مکہ واپس آگئے تو میں نے کہا: محمد (ﷺ) اپنے صحابہ کے ساتھ لازماً مکہ میں داخل ہوں گے لیکن میرے لیے مکہ میں کوئی ٹھکانا ہے نہ طائف میں، لہٰذا یہاں سے نکل جانے سے بہتر کوئی راستہ نہیں۔ میں ابھی تک اسلام سے دور ہی تھا، میں کہتا تھا کہ اگر سارا قریش بھی مسلمان ہو جائے تب بھی میں مسلمان نہیں ہوں گا، چنانچہ میں مکہ آیا، اپنی قوم کے لوگوں کو جمع کیا، وہ میری رائے کو بہت اہمیت دیتے اور میری بات توجہ سے سنتے تھے، پیش آمدہ حالات و واقعات کی کروٹوں میں میری بات تسلیم کرتے تھے۔ میں نے ان سے کہا: میرے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے؟ انھوں نے کہا: ''آپ صائب الرائے ہیں، ہمارے بہت بڑے سردار ہیں اور ہم سب کے لیے باعثِ خیر و برکت ہیں۔'' میں نے کہا: اللہ کی قسم! میں دیکھ رہا ہوں کہ محمد (ﷺ) تمام امور و معاملات پر تیزی سے چھائے جا رہے ہیں، ان حالات میں میری ایک رائے ہے۔ انھوں نے پوچھا: وہ کیا رائے ہے؟ میں نے کہا: ''ہم نجاشی سے مل جائیں اور اُسی کے پاس رہیں۔ اگر محمد (ﷺ) غالب آگئے تو ہم تو نجاشی کے



قصبہ وہط (نزد طائف)

پاس ہوں گے۔ ہمیں نجاشی کے ماتحت ہونا محمد (ﷺ) کے ماتحت ہونے کی نسبت زیادہ پسند ہے۔ اگر قریش غالب آگئے تو قریش تو ہمارے بارے میں جانتے ہی ہیں کہ ہم کون ہیں۔'' میری قوم کے لوگوں نے کہا: ''یہ بہت اچھی رائے ہے۔'' میں نے اپنے لوگوں سے کہا: ''نجاشی کے لیے تحائف جمع کرو۔'' نجاشی کو ہمارے علاقے کے چمڑے کا تحفہ بہت پسند تھا، لہٰذا ہم نے اس کے لیے بہت سی کھالیں جمع کیں، پھر ہم مکہ سے چل دیے اور نجاشی کے پاس پہنچ گئے۔

اللہ کی قسم! ہم نجاشی کے پاس ہی تھے کہ وہاں عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ بھی آگئے۔ انھیں رسول اللہ ﷺ نے ایک خط دے کر بھیجا تھا جس میں آپ ﷺ نے نجاشی کو لکھا تھا کہ وہ ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا کی آپ سے شادی کر دے۔



عمرو، نجاشی کے پاس آئے اور اس سے ملاقات کر کے باہر چلے گئے۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ دیکھو یہ عمرو بن امیہ آئے ہیں۔ اگر میں نجاشی کے پاس جا کر اس سے یہ سوال کروں کہ اس شخص کو میرے حوالے کر دو اور وہ میرے سپرد کر دے تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ اس سے قریش کو بہت خوشی ہوگی کیونکہ میں محمد (ﷺ) کے سفیر کو قتل کر کے قریش کا بدلہ لے چکا ہوں گا۔ چنانچہ میں نے نجاشی کے پاس جا کر اسے سجدہ کیا۔ اس نے کہا: ''میرے دوست خوش آمدید! کیا اپنے علاقے سے میرے لیے کوئی تحفہ لائے ہو؟'' میں نے جواب دیا: ''بادشاہ سلامت! میں آپ کے لیے بہت سی کھالوں کا تحفہ لایا ہوں۔'' پھر وہ تحفہ میں نے اسے پیش کیا تو اسے بہت پسند آیا۔ اس نے ان میں سے کچھ کھالیں اپنے جرنیلوں میں بھی تقسیم کر دیں، پھر حکم دیا کہ تمام کھالوں کو توشہ خانے میں داخل کر دیا جائے، ان کی تعداد لکھ لی جائے اور ان کی خوب حفاظت کی جائے۔

میں نے بادشاہ کی طبیعت خوشگوار دیکھی تو کہا: بادشاہ سلامت! میں نے ایک شخص کو دیکھا ہے، وہ ابھی آپ کے پاس سے نکل کر گیا ہے، وہ ہمارے اس دشمن کا سفیر ہے جس نے ہمیں تباہ کر دیا ہے اور ہمارے سرداروں اور بہترین لوگوں کو قتل کر دیا ہے، لہٰذا اس شخص کو میرے حوالے کر دیں تاکہ میں اسے قتل کر دوں۔

بادشاہ میری یہ بات سن کر بہت ناراض ہوا، اس نے میری ناک پر ایسا زوردار تھپڑ مارا کہ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس نے میری ناک توڑ دی ہے۔ میرے نتھنوں سے خون بہنا شروع ہوگیا۔ میں اپنے کپڑوں سے خون صاف کرنے لگا۔ مجھے اس قدر ذلت و ندامت ہوئی کہ اگر زمین پھٹ جاتی تو میں نجاشی کے خوف کی وجہ سے اس میں سما جاتا۔

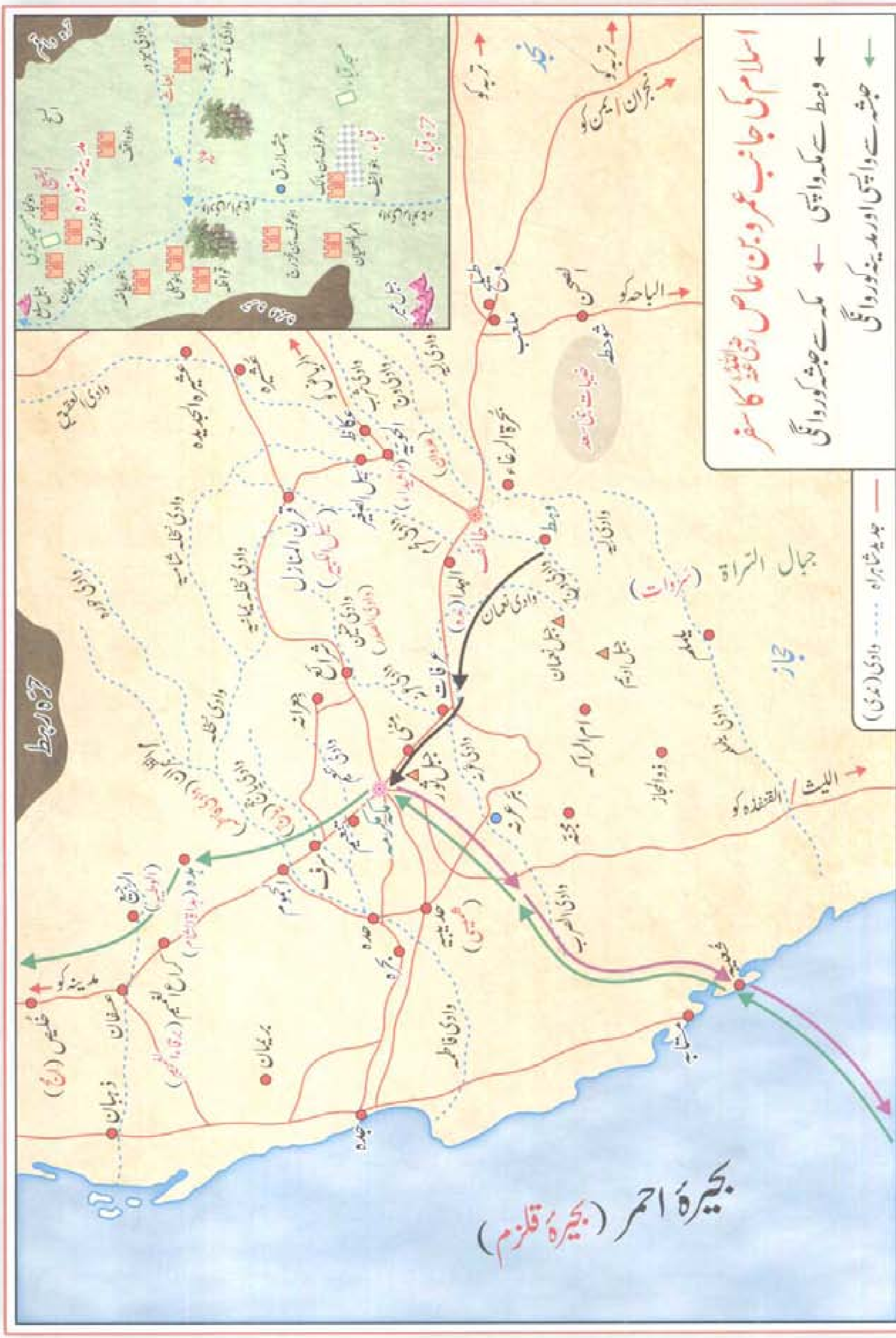
میں نے کہا: ''بادشاہ سلامت! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ اس بات کو ناپسند کریں گے تو میں آپ سے ہرگز یہ

مطالبہ نہ کرتا۔" اس نے جواب دیا: "عمرو! تو مجھ سے اس رسول کے سفیر کو مانگتا ہے جن پر وہ عظیم فرشتہ نازل ہوتا ہے جو موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس آیا کرتا تھا اور عیسیٰ (علیہ السلام) کے پاس بھی آیا کرتا تھا اور اس لیے مانگتا ہے کہ تو اسے قتل کر دے؟" عمرو کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے میرے دل کی کایا پلٹ دی۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ عرب وعجم نے حق کو پہچان لیا ہے اور تو حق کی مخالفت کر رہا ہے؟ میں نے کہا: بادشاہ سلامت! کیا آپ بھی اس بات کی گواہی دیتے ہیں؟ اس نے جواب دیا: "عمرو! میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں۔ میری بات مانو، ان کی اتباع اختیار کرلو، اللہ کی قسم! وہ حق پر ہیں، وہ یقیناً اپنے مخالفین پر اسی طرح غالب آجائیں گے جس طرح موسیٰ (علیہ السلام) فرعون اور اس کے لشکروں پر غالب آگئے تھے۔" میں نے کہا: کیا آپ مجھ سے ان کے لیے اسلام کی بیعت لے لیں گے؟ انھوں نے کہا: ہاں۔ پھر نجاشی نے اپنا ہاتھ بڑھا کر مجھ سے اسلام کی بیعت لے لی۔ اس کے بعد اس نے ہاتھ دھونے کا برتن منگوایا، میرا خون دھویا اور مجھے نئے کپڑے پہنائے کیونکہ میرے کپڑے خون آلود ہو چکے تھے۔ پھر میں اپنے ساتھیوں کے پاس آگیا۔ وہ مجھے نجاشی کے کپڑے پہنے ہوئے دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ انھوں نے پوچھا: کیا آپ کو اپنا مقصد حاصل ہو گیا؟ میں نے جواب دیا: "میں نے پہلی ہی بار بات کرنے کو مناسب نہیں سمجھا، اس لیے میں دوبارہ ان کے پاس جا کر بات کروں گا۔" انھوں نے تائید کرتے ہوئے کہا کہ تمھاری رائے ہی صحیح معلوم ہوتی ہے۔ میں نے ان سے علیحدگی اختیار کر لی گویا میں اپنا کوئی کام کرنا چاہتا ہوں۔

بندرگاہ (جدہ)



اپنے ساتھیوں سے علیحدگی اختیار کرکے میں بندرگاہ پر آگیا۔ وہاں میں نے ایک کشتی دیکھی۔ وہ سامان سے بھری ہوئی تھی۔ میں بھی کشتی میں سوار ہوگیا حتی کہ اس نے مجھے حجاز کی بندرگاہ شُعَیبہ میں پہنچا دیا۔ میں کشتی سے باہر نکلا تو میرے پاس رقم موجود تھی۔ میں نے ایک اونٹ خریدا۔ پھر مدینہ کی طرف رخت سفر باندھ لیا۔ مرالظہران سے ہوتے ہوئے میں ہدہ پہنچ گیا۔ میں نے دیکھا کہ میرے آگے آگے دو شخص منزل مقصود کی طرف جا رہے ہیں۔ ان میں سے ایک خیمے کے اندر ہے اور دوسرے نے دونوں سواریوں کو پکڑا ہوا ہے۔ میں نے دیکھا کہ وہ خالد بن ولید تھے۔ میں نے ان سے پوچھا: "کہاں کا ارادہ ہے؟" انھوں نے جواب دیا: "میں محمد (ﷺ) کے پاس جا رہا ہوں، لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوگئے ہیں اور کوئی قابل ذکر شخص باقی نہیں رہا۔ اگر میں نے اسلام قبول نہ کیا تو ہماری گردنوں کو اس طرح پکڑ لیا جائے گا جیسے گوہ کو اس کے غار سے پکڑ لیا جاتا ہے۔" میں نے کہا: "اللہ کی قسم! میں بھی محمد (ﷺ) کے پاس جا رہا



اسلام کی جانب عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا سفر
وہط سے مکہ واپسی
مکہ سے حبشہ کو روانگی
حبشہ سے واپسی اور مدینہ کو روانگی
جدید شاہراہ
وادی (ندی)
بحیرۂ احمر
(بحیرۂ قلزم)

ہوں، میرا ارادہ بھی یہی ہے کہ اسلام قبول کرلوں۔''

ہماری گفتگو سن کر عثمان بن طلحہ بھی اپنے خیمے سے نکل آئے، انھوں نے مجھے خوش آمدید کہا۔ ہم سب نے مل کر ایک جگہ پڑاؤ ڈالا، پھر ہم اکٹھے سفر کرتے ہوئے مدینہ پہنچ گئے۔ میں اس آدمی کی بات کبھی بھول نہیں سکوں گا جس سے ہماری ملاقات ابی عِنَبہ کے کنویں کے پاس ہوئی تھی۔ وہ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا: اے نفع اٹھانے والے! اے نفع اٹھانے والے!! اے نفع اٹھانے والے!!! ہم نے اس کی اس بات سے نیک فال لی اور بہت خوش ہوئے، پھر اس نے ہماری طرف دیکھا، میں نے سنا کہ وہ کہہ رہا تھا کہ ان دونوں کو دے کر مکہ نے اپنے سالار دے دیے ہیں۔ میں سمجھ گیا کہ اس کا اشارہ میری اور خالد بن ولید کی طرف تھا۔

وہ تیزی سے بھاگ کر مسجد کی طرف چلا گیا۔ میں نے گمان کیا کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کو ہماری آمد کی خوشخبری سنائی ہے۔ میرا گمان صحیح ثابت ہوا۔ ہم نے مقام حرہ [1] میں اپنے اونٹوں کو بٹھایا، اچھے اچھے کپڑے پہنے، پھر عصر کی اذان ہوگئی۔ ہم آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ہم نے دیکھا کہ آپ کا چہرۂ اقدس چمک رہا ہے۔ آپ ﷺ کے گرد بیٹھے ہوئے مسلمان بھی ہمارے مشرف بہ اسلام ہونے کی وجہ سے بے پناہ مسرت کا اظہار کر رہے تھے۔ خالد بن ولید آگے بڑھے اور انھوں نے رحمت کائنات ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی، پھر عثمان بن طلحہ نے بیعت کی۔ پھر میں خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور اس طرح آپ ﷺ کے آگے بیٹھا کہ شرم وحیا کے مارے نگاہ ہی اوپر نہیں اٹھا سکتا تھا۔ میں نے اس شرط پر بیعت کی کہ میرے سابقہ تمام گناہ معاف ہو جائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسلام سابقہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور ہجرت بھی سابقہ گناہوں کو مٹا دیتی ہے۔'' اللہ کی قسم! جب سے ہم دائرہ اسلام میں داخل ہوئے، رسول اللہ ﷺ نے پیش آمدہ امور و معاملات میں کسی کو میرے اور خالد بن ولید کے ہم پلہ نہیں سمجھا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نزدیک بھی ہمیں یہی مقام و مرتبہ حاصل تھا، عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں بھی میری یہی قدر و منزلت تھی۔ [2]

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی وصیت

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے امام الانبیاء ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کرنے سے قبل اپنے گناہوں کی معافی کی جو شرط عائد کی، اس کا ذکر صحیح مسلم کی اس روایت میں بھی ہے جو عبدالرحمٰن بن شماسہ مَہری سے اس طرح مروی ہے کہ ہم سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے، وہ موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا تھے۔ وہ بہت دیر تک روتے رہے

[1] یہاں حرہ سے مراد حرہ قباء ہے۔ یہ (مکہ کی جانب سے) مدینہ میں داخل ہونے سے پہلے آتا ہے۔ (معجم البلدان: 247/2) [2] البداية والنهاية: 236/4-238.

اور انھوں نے اپنا چہرہ دیوار کی طرف کر لیا۔ ان کے بیٹے نے کہا: ابا جان! کیا رسول اللہ ﷺ نے آپ کو یہ بشارت نہیں سنائی تھی؟ کیا رسول اللہ ﷺ نے آپ کو یہ خوشخبری نہیں سنائی تھی؟ انھوں نے اپنا رخ ہماری طرف کیا اور فرمایا: سب سے افضل چیز جو ہم شمار کرتے ہیں، وہ اس بات کی گواہی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ مجھ پر تین طرح کے حالات گزرے ہیں۔ ایک حالت وہ تھی کہ کسی کو مجھ سے زیادہ رسول اللہ ﷺ سے بغض نہ تھا اور اس سے بڑھ کر مجھے کوئی بات پسند نہ تھی کہ میں چھپ کر رسول اللہ ﷺ کو قتل کر دوں۔ اگر میں اس حالت میں فوت ہو جاتا تو میں اہل دوزخ میں سے ہوتا۔ جب اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں نورِ اسلام ڈال دیا تو میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا: اپنا دایاں ہاتھ آگے بڑھایئے تاکہ میں آپ کی بیعت کر لوں۔ جب آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک آگے بڑھایا تو میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «مَا لَكَ يَا عَمْرُو؟» ''عمرو! کیا بات ہے؟'' میں نے عرض کیا: میں ایک شرط عائد کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: «تَشْتَرِطُ بِمَاذَا؟» ''تمھاری کیا شرط ہے؟'' میں نے عرض کیا: میرے گزشتہ گناہ معاف ہو جائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَمَا عَلِمْتَ يَا عَمْرُو! أَنَّ الْإِسْلَامَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ؟ وَ أَنَّ الْهِجْرَةَ تَهْدِمُ مَاكَانَ قَبْلَهَا؟ وَ أَنَّ الْحَجَّ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ؟»

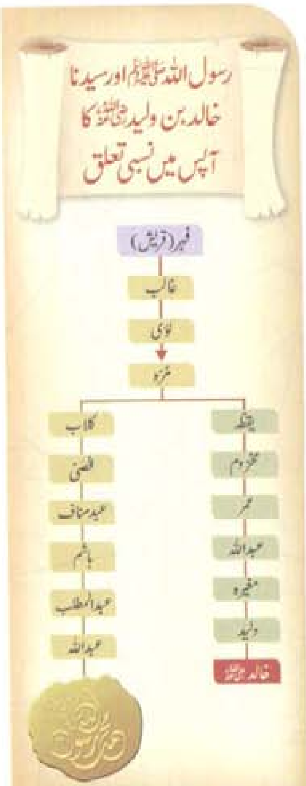
''عمرو! تمھیں معلوم نہیں کہ اسلام سابقہ تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے، ہجرت سابقہ تمام گناہوں کو مٹا دیتی ہے اور حج سے بھی سابقہ تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔''

یہ وہ حالت تھی کہ اس حالت میں رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر مجھے کوئی محبوب نہ تھا اور آپ ﷺ سے زیادہ میری آنکھوں میں کسی کا احترام نہ تھا۔ میں فرطِ ادب و احترام کے باعث آپ ﷺ کو آنکھ بھر کر نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اگر مجھ سے آپ کا حلیہ بیان کرنے کو کہا جائے تو میں بیان نہیں کر سکتا کیونکہ میں نے آپ ﷺ کو آنکھ بھر کر دیکھا ہی نہیں۔ اس حالت میں اگر میں فوت ہو جاتا تو امید تھی کہ میں اہل جنت میں سے ہوتا، پھر ہم کچھ چیزوں کے والی بنے، معلوم نہیں کہ ان معاملات میں میرا کیا حال ہے، پس جب میں مر جاؤں تو میرے ساتھ کوئی نوحہ کرنے والی ہو نہ آگ، جب تم مجھے دفن کرنے لگو تو مجھ پر اچھی طرح مٹی ڈال دینا اور پھر میری قبر کے پاس اتنی دیر ٹھہرنا جتنی دیر میں اونٹ ذبح کر کے تقسیم کیا جاتا ہے تاکہ میں تمھارے ساتھ مانوس رہوں اور دیکھوں کہ میں اپنے رب کے بھیجے ہوئے فرشتوں کو کیا جواب دیتا ہوں۔[1]

[1] صحيح مسلم: 121.

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام کا واقعہ

سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اپنے مشرف بہ اسلام ہونے کا واقعہ اس طرح سنایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے میرے لیے خیر اور بھلائی کا ارادہ فرمایا تو میرے دل میں اسلام کی محبت ڈال دی اور مجھے رشد و خیر اختیار کرنے کی توفیق عطا فرما دی۔ میں محمد ﷺ کے خلاف تمام جنگوں میں شریک ہوا، ہر جنگ سے واپسی کے بعد میں یہی سوچا کرتا تھا کہ میرا طرزِ عمل غلط ہے کیونکہ محمد ﷺ ایک نہ ایک دن ضرور غالب آ جائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ جب حدیبیہ تشریف لائے تو میں مشرکین کے ساتھ آیا تھا۔ میں نے آپ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ عسفان میں دیکھا تھا۔ میں آپ کے سامنے کھڑا تھا۔ آپ نے ہمارے سامنے ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نمازِ ظہر پڑھائی۔ ہم نے اس وقت حملہ کر دینے کا ارادہ کیا لیکن اس ارادے کو عملی جامہ نہ پہنایا، اسی میں خیر اور بھلائی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کو بھی ہمارے ارادے کا علم ہو چکا تھا، اسی وجہ سے آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نمازِ عصر نمازِ خوف کے طور پر پڑھائی۔ اس سے ہم بہت متأثر ہوئے۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اس شخص کی حفاظت کی جا رہی ہے، اس لیے ہم ایک طرف ہو گئے۔ آپ بھی ہمارے لشکر کے سامنے سے ہٹ کر دائیں طرف ہو گئے۔ جب قریش نے حدیبیہ میں آپ سے صلح کر لی اور قریش واپس جانے لگے تو میں نے اپنے جی میں کہا: بھلا اب کون سی چیز باقی رہ گئی ہے؟ اب میں کہاں جاؤں؟ کیا نجاشی کے پاس جاؤں؟ اس نے تو محمد (ﷺ) کی اتباع کر لی ہے اور آپ کے اصحاب اس کے پاس پر امن طور پر رہ رہے ہیں۔ تو کیا میں ہرقل کے پاس چلا جاؤں؟ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ میں اپنے دین کو چھوڑ کر نصرانیت یا یہودیت کے دامن میں پناہ لے لوں اور اس طرح عجمیوں کے تابع ہو کر رہوں، یا باقی ماندہ لوگوں کے ساتھ اپنے گھر ہی میں رہوں؟



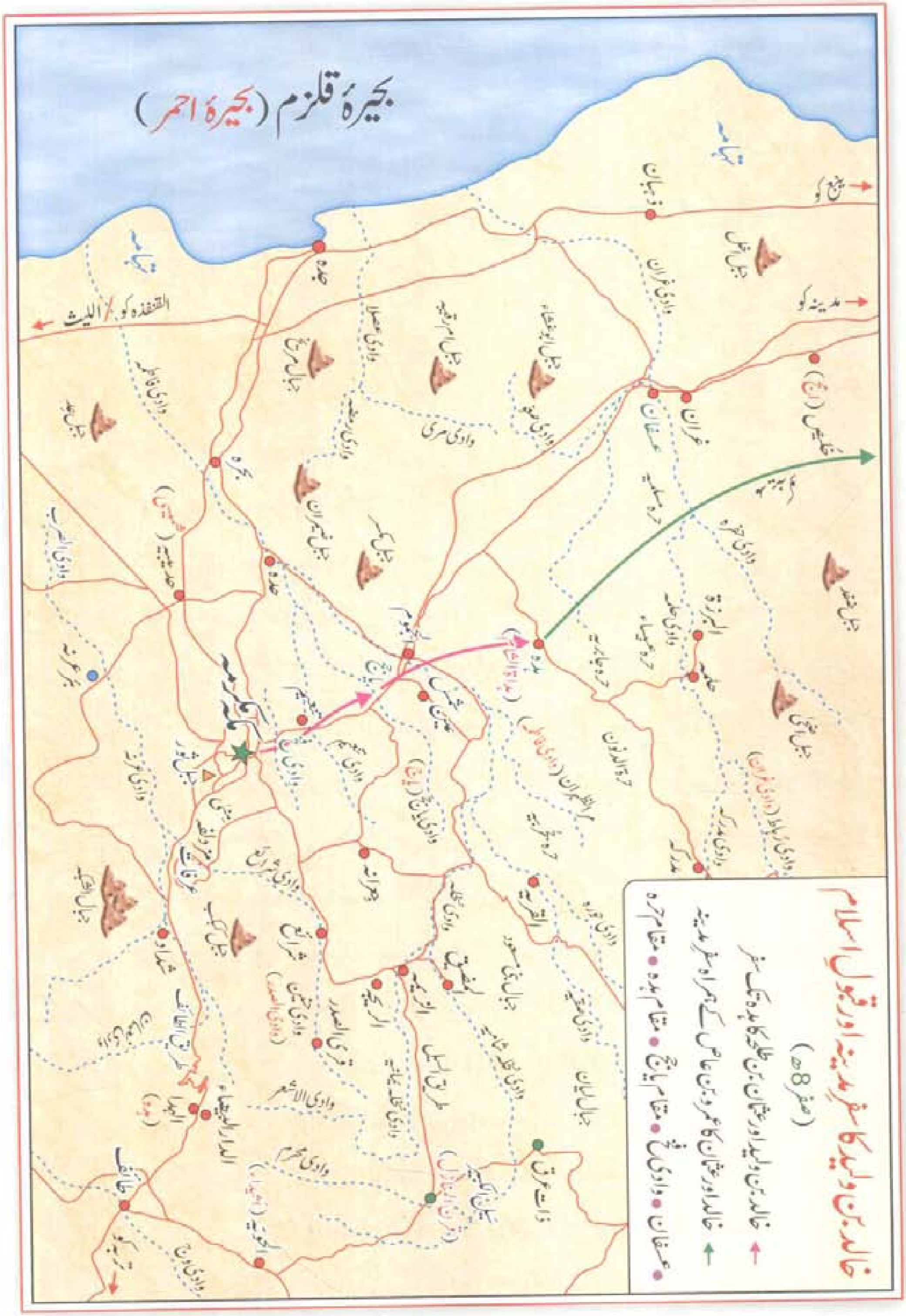
پھر وہ وقت آیا کہ رسول اللہ ﷺ عمرۃ القضاء کے لیے مکہ میں داخل ہوئے

تو میں مکہ سے باہر چلا گیا۔ میرا بھائی ولید بن ولید اس موقع پر نبی ﷺ کے ساتھ ہی مکہ میں داخل ہوا۔ اس نے مجھے تلاش کیا، میں اسے نہ مل سکا کیونکہ میں مکہ میں موجود ہی نہیں تھا۔ پھر میرے بھائی نے مجھے یہ خط لکھا:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، امابعد: میں نے تمھاری اس سے زیادہ تعجب انگیز بات کوئی نہیں دیکھی کہ تم اسلام سے دور بھاگ رہے ہو، حالانکہ تم بہت عقل مند ہو۔ کیا اسلام جیسے دین سے کوئی شخص جاہل رہ سکتا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے تمھارے بارے میں پوچھا تھا کہ خالد کہاں گئے؟ میں نے عرض کیا: ''اللہ تعالیٰ اسے لے آئے گا۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس جیسا شخص اسلام سے جاہل نہیں رہ سکتا۔ اگر وہ اپنی جدوجہد اور اپنی تلوار کی دھار مسلمانوں کے ساتھ شامل کر دے تو اس کے لیے بہت بہتر ہوگا اور ہم اسے دوسرے لوگوں سے مقدم قرار دیں گے۔''

بھائی جان! تم جس بات سے اب تک محروم ہو، اسے حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ تم نے بہت سے اچھے مواقع ضائع کر دیے ہیں۔''

جب میرے بھائی کا یہ خط مجھے ملا تو اسے پڑھنے کے بعد میں مدینہ روانہ ہونے کے لیے تیار ہوگیا۔ اس خط نے اسلام سے میری رغبت میں اضافہ کر دیا۔ مجھے یہ پڑھ کر بہت خوشی ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے بارے میں پوچھا ہے۔ میں نے یہ خواب بھی دیکھا کہ میں تنگ اور سخت قحط زدہ علاقوں سے نکل کر بے حد وسیع اور سرسبز و شاداب علاقوں میں چلا گیا ہوں۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ محض خواب و خیال کی بات ہے۔ بعد میں جب میں مدینہ آیا تو میں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ خواب سنایا۔ انھوں نے یہ خواب سن کر فرمایا: ''تم جس وسیع اور سرسبز و شاداب علاقے میں گئے ہو، اس سے مراد دین اسلام ہے جسے قبول کرنے کی اللہ تعالیٰ نے تمھیں توفیق عطا فرما دی ہے، تنگ اور قحط زدہ علاقے سے مراد شرک ہے جس میں تم مبتلا تھے۔'' جب میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضری کا ارادہ کیا تو سوچا کہ دربار رسالت میں حاضری کے لیے کس شخص کو ساتھ لے کر جاؤں۔ میری صفوان بن امیہ سے ملاقات ہوئی تو میں نے ان سے کہا: ابو وہب! کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ ہم کس حالت تک پہنچ گئے ہیں۔ ہم بہت تھوڑے رہ گئے ہیں، محمد (ﷺ) عرب و عجم پر غالب آگئے ہیں۔ اگر ہم بھی محمد (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کی اتباع کر لیں تو آپ کا شرف ہمارے لیے بھی بہت بڑا شرف ہے۔ لیکن اس نے میری بات ماننے سے انکار کر دیا اور کہا: ''اگر ساری دنیا بھی محمد کی پیروکار ہو جائے تب بھی میں اُن کی اتباع نہیں کروں گا۔'' اس کے بعد ہم الگ الگ ہوگئے، میں نے اپنے طور پر یہی سمجھا کہ یہ شخص اتنی شدت کا مظاہرہ اس لیے کر رہا ہے کہ غزوۂ بدر میں اس کا بھائی اور باپ قتل ہوگئے تھے۔


خالد بن ولید کا سفر مدینہ اور قبول اسلام
(صفر 8ھ)
بحیرۂ قلزم (بحیرۂ احمر)

اس کے بعد میں نے عکرمہ بن ابی جہل سے ملاقات کی اور ان سے بھی یہی گفتگو کی جو میں نے صفوان بن امیہ سے کی تھی۔ اس نے بھی وہی جواب دیا جو صفوان نے دیا تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ تم میرے بارے میں کسی سے ذکر نہ کرنا۔ اس نے یقین دلایا کہ میں کسی سے ذکر نہیں کروں گا۔ پھر میں اپنے گھر چلا گیا۔ گھر والوں سے کہا کہ میری سواری تیار کردو۔ میں اپنی سواری لے کر نکلا تو میری عثمان بن طلحہ سے ملاقات ہوگئی۔ میں نے کہا یہ میرا دوست ہے، مجھے اس سے اپنے معاملے کا ذکر کرنا چاہیے لیکن مجھے اس کے وہ آباء یاد آگئے جو مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوگئے تھے، لہٰذا میں نے اس سے بھی گفتگو کرنا مناسب نہ سمجھا۔ لیکن پھر تھوڑی دیر بعد مجھے خیال آیا کہ اب لیت ولعل کیسی، میں تو ابھی ابھی روانہ ہونے والا ہوں، چنانچہ میں نے صورت حال کا جائزہ لیتے ہوئے عثمان بن طلحہ سے کہا کہ ہماری مثال تو اس لومڑی جیسی ہے جو اپنے بھٹ میں ہو اور جب اس بھٹ میں پانی کے ڈول گرا دیے جائیں تو وہ باہر نکل آتی ہے، پھر میں نے ان سے بھی وہی گفتگو کی جو اپنے پہلے دو ساتھیوں سے کر چکا تھا۔ انھوں نے فوراً جواب دیا کہ میں بھی کل جانے کا ارادہ رکھتا ہوں، میری سواری ''وادی فخ''[1] میں ہے، ہم نے مقام یأجج پر ملنے کا وعدہ کیا۔ میں نے کہا کہ اگر تم مجھ سے پہلے پہنچ گئے تو میرا انتظار کرنا اور اگر میں پہلے پہنچ گیا تو میں تمھارا انتظار کروں گا۔ ہم رات بھر سفر کرتے رہے اور طلوع فجر سے پہلے یأجج پر اکٹھے ہوگئے۔ سفر کرتے کرتے

[1] وادی فخ مکہ کی ایک وادی کا نام ہے۔ (معجم البلدان: 3/854)



وادی فخ اور جبل اذخر (نزد مکہ مکرمہ)

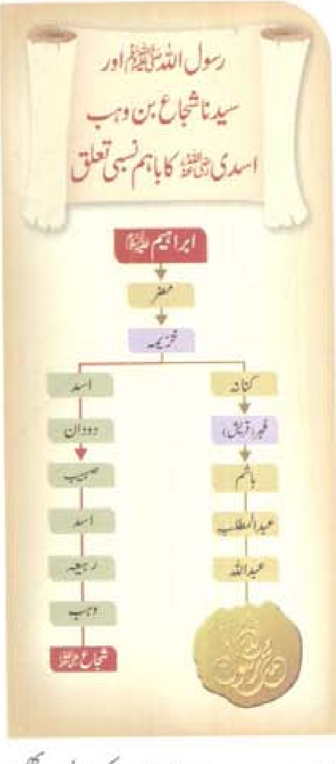
جب ہم مقام ہدہ پر پہنچے تو ہماری عمرو بن عاص سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے کہا: ساتھیو! خوش آمدید! ہم نے کہا: آپ کو بھی خوش آمدید! انھوں نے پوچھا: کہاں جا رہے ہو؟ ہم نے کہا: آپ بتائیں، آپ کہاں کا ارادہ رکھتے ہیں؟ انھوں نے کہا: تم بتاؤ تمھارا کہاں کا ارادہ ہے؟ ہم نے جواب دیا: ''ہم تو دائرہ اسلام میں داخل ہو کر محمد ﷺ کی پیروی کرنا چاہتے ہیں۔'' انھوں نے کہا: میں بھی اسی مقصد کے لیے محوِ سفر ہوں۔ چنانچہ ہم نے اکٹھے سفر جاری رکھا حتی کہ مدینہ میں داخل ہوگئے۔ ہم نے مقام حرہ میں اپنی سواریاں بٹھا دیں۔ رسول اللہ ﷺ کو ہماری آمد کی اطلاع مل گئی تھی۔ آپ بہت خوش تھے۔ میں نے بہترین لباس زیبِ تن کیا اور رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کے لیے چل پڑا۔ رستے میں میرا بھائی ملا، اس نے کہا: جلدی کرو، رسول اللہ ﷺ کو تمھاری آمد کی خبر مل چکی ہے، وہ تمھاری آمد سے بہت خوش ہیں اور تمھارا انتظار فرما رہے ہیں۔ ہم نے اپنی رفتار تیز کر دی، پھر مجھے آپ کے دیدار کی سعادت نصیب ہوئی۔ آپ مجھے دیکھ کر تبسم فرمانے لگے۔ میں نے آپ کے سامنے کھڑے ہو کر سلام عرض کیا۔ آپ ﷺ نے نہایت مسرت کے ساتھ مسکراتے ہوئے سلام کا جواب دیا۔

میں نے عرض کیا: ''میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آگے آجاؤ۔'' پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے تمھیں ہدایت سے نوازا ہے۔ تمھاری عقل سے مجھے یہی امید تھی کہ وہ تمھیں خیر اور بھلائی قبول کرنے پر آمادہ کرے گی۔'' میں نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! آپ نے دیکھا ہے کہ میں آپ کی مخالفت اور حق سے عناد رکھتے ہوئے مختلف مواقع پر موجود رہا، آپ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ وہ میرے گناہ معاف فرما دے۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اسلام سابقہ تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے، اے اللہ! خالد بن ولید کے ان تمام افعال کو معاف فرما دے جو اس نے تیرے رستے سے روکنے کے لیے کیے تھے۔'' خالد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ پھر عثمان اور عمرو آگے بڑھے اور انھوں نے بھی رسول اللہ ﷺ کے دستِ مبارک پر بیعت کر لی۔ ہم صفر 8 ھ میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ میرے اسلام لانے کے بعد درپیش جنگی حالات و حوادث میں جتنی اہمیت مجھے دیتے تھے، اتنی اہمیت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کو بھی نہیں دیتے تھے۔[1]

[1] المغازي للواقدي: 2/196-198، دلائل النبوة للبيهقي: 4/349-352، البداية والنهاية: 4/238-240.

سریّہ شجاع بن وہب اسدی رضی اللہ عنہ

عمر بن حکم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شجاع بن وہب اسدی رضی اللہ عنہ کی قیادت میں چوبیس مجاہدین ہوازن کی طرف روانہ فرمائے جو مقام اَلسِّیَ میں رہتے تھے جو معدن بنی سُلیم (مہد الذہب) کے پیچھے رکبہ کی جانب واقع ہے۔ اَلسِّیَ دراصل مکہ سے بصرہ جانے والی شاہرہ (درب زبیدہ) پر واقع ایک جنگل تھا۔ ذات عرق اور وجرہ کے درمیان جہاں چور پناہ لیا کرتے تھے۔ مکہ سے اَلسِّیَ کا فاصلہ تین مراحل (تقریباً 100 کلومیٹر) کا ہے۔[1] وہاں انتہائی شریر اور فسادی لوگوں کا ایک جتھا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدین کو حکم دیا کہ ان پر حملہ کردو۔ ارشاد نبوی کی تعمیل میں یہ مجاہدین روانہ ہوگئے۔ یہ رات کو سفر کرتے اور دن کو چھپ جاتے تھے۔ صبح کے وقت یہ مجاہدین مطلوبہ مقام پر جا پہنچے اور ہوازن کے شریروں پر حملہ آور ہوگئے۔ یہ لوگ مجاہدین اسلام کے حملے کی تاب نہ لا سکے اور اپنا بہت سا اسلحہ، مویشی اور ساز و سامان چھوڑ کر بھاگ گئے، چنانچہ شجاع اسدی رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ مال غنیمت جمع کرو۔ انھوں نے بہت سے اونٹ اور بکریاں جمع کرلیں اور ان سب کو ہانک کر مدینہ لے آئے، بعدازاں ان مجاہدین میں سے ہر ایک کو پندرہ پندرہ اونٹ عطا کیے گئے۔[2]



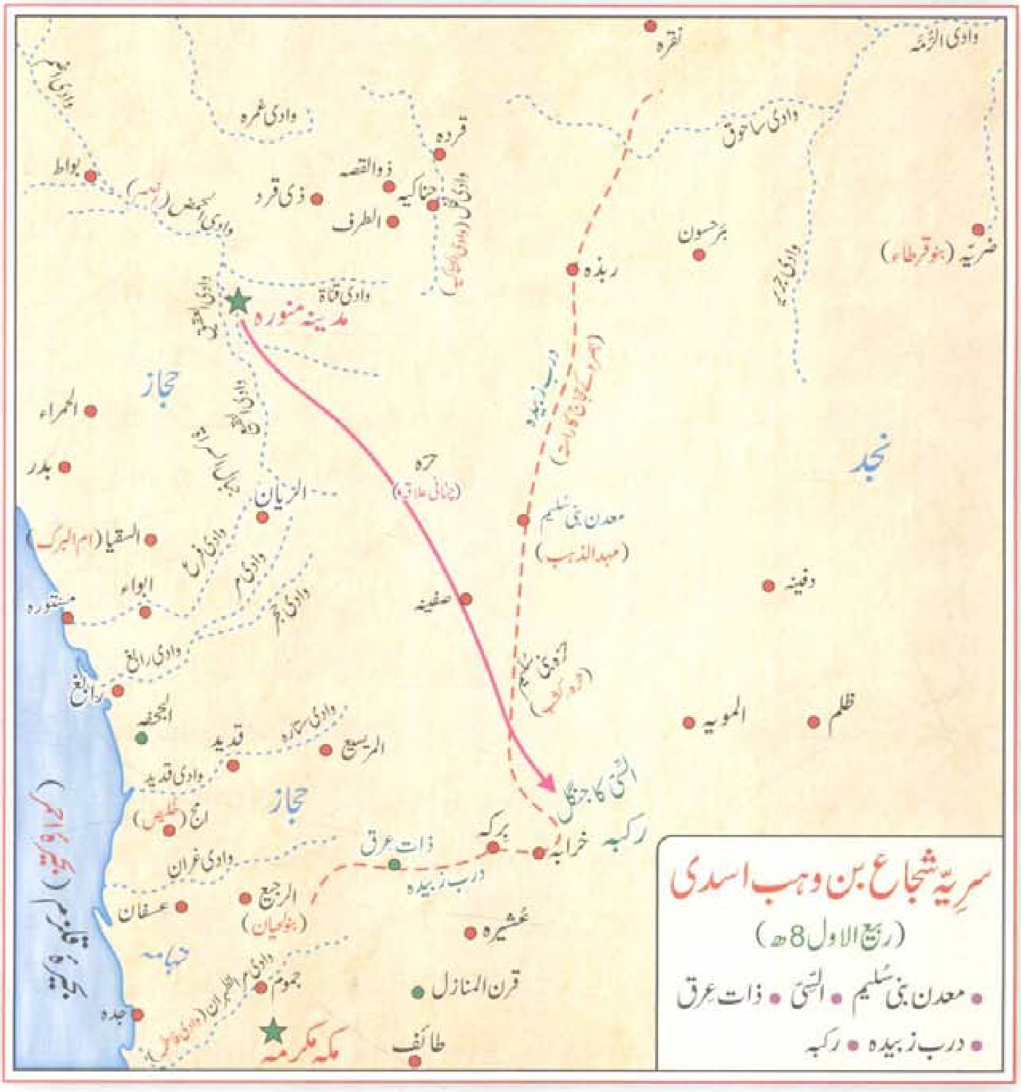
عمر بن حکم کے علاوہ دیگر راویوں کا خیال ہے کہ اس سریے میں قیدی بھی ہاتھ آئے تھے۔ امیر سریہ نے ان میں سے ایک خوب صورت باندی کو اپنے لیے منتخب کرلیا، پھر ان قیدیوں کے اہل خانہ مسلمان ہوکر مدینہ آگئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر سریہ سے ان قیدیوں کو واپس بھیج دینے کے بارے میں مشورہ کیا۔ انھوں نے عرض کیا: جی ہاں! انھیں واپس بھیج دیجیے، البتہ انھوں نے اس باندی کو جو ان کے پاس تھی، اختیار دے دیا کہ اگر وہ چاہے تو اپنے اہل خانہ کے پاس واپس چلی جائے مگر اس نے انھی کے پاس رہنے

[1] الطبقات لابن سعد: 127/2، معجم البلدان: 301/3. [2] المغازي للواقدي: 203/2، دلائل النبوة للبيهقي: 353/4.

کو ترجیح دی۔[1]

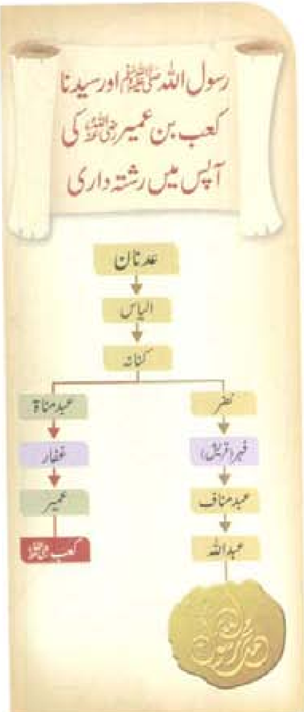
حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ وہی سریہ ہوسکتا ہے جو صحیحین میں بروایت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس طرح مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد کی طرف ایک سریہ بھیجا، میں بھی اس میں شامل تھا۔ ہمیں غنیمت کے مال میں بہت سے اونٹ ملے حتی کہ ہم میں سے ہر ایک کے حصے میں بارہ بارہ اونٹ آئے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید لطف و کرم فرمایا کہ سب مجاہدین کو مزید ایک ایک اونٹ عطا فرمایا۔ اس طرح ہر مجاہد کے حصے میں تیرہ تیرہ اونٹ آئے۔[2]

[1] البداية والنهاية: 240/4. [2] البداية والنهاية: 240/4، صحيح البخاري: 3134، صحيح مسلم: 1749.



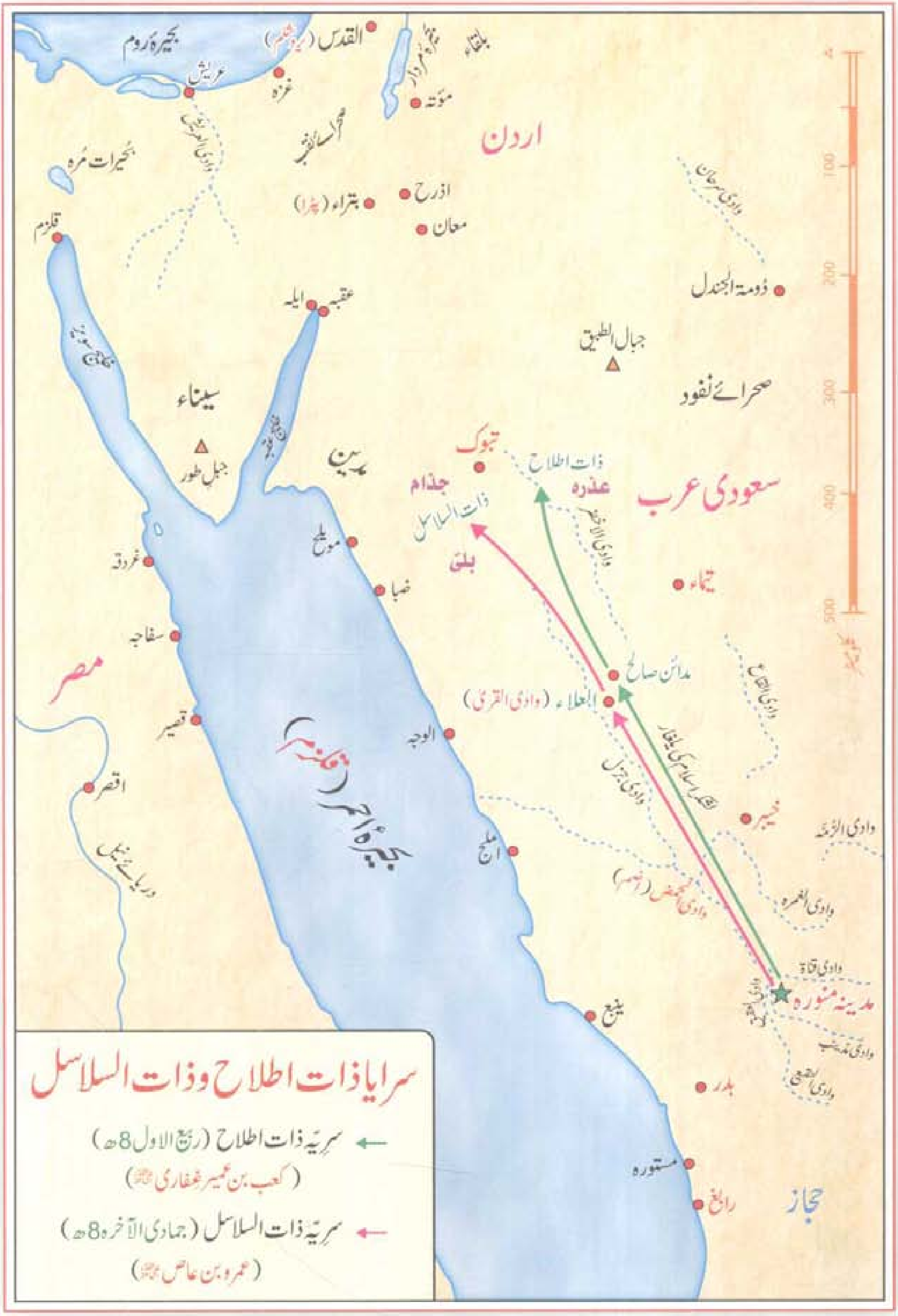
سریہ کعب بن عمیر غفاری رضی اللہ عنہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب بن عمیر غفاری رضی اللہ عنہ کی قیادت میں پندرہ افراد پر مشتمل ایک سریہ وادی القریٰ کے قریب بنو قضاعہ کی طرف روانہ فرمایا۔ یہ لوگ رات کو سفر کرتے تھے اور دن کو چھپ جاتے تھے۔ اسی طرح پوشیدگی سے سفر کرتے کرتے یہ مجاہدین وادی القریٰ کے آگے مقام ذات اطلاح میں دشمن کے قریب پہنچ گئے لیکن ایک جاسوس نے انھیں دیکھ لیا اور ان کے دشمنوں کو بتا دیا کہ ان کی تعداد بہت قلیل ہے، چنانچہ وہ گھوڑوں پر سوار ہو کر آئے اور ایک کے سوا انھوں نے تمام مجاہدین کو شہید کر دیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سانحے کی اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور دستہ روانہ کرنے کا ارادہ فرمایا لیکن جب آپ کو یہ معلوم ہوا کہ دشمن اس علاقے کو چھوڑ کر کسی اور جگہ چلا گیا ہے تو آپ نے یہ ارادہ ترک فرما دیا۔ یہ ربیع الاول 8 ھ کا واقعہ ہے۔[1]



[1] المغازي للواقدي: 202/2، الطبقات لابن سعد: 128,127/2، السيرة لابن هشام: 269/4.


العلا کے قریب وادی القریٰ کا ایک منظر



سرایا ذات اطلاح و ذات السلاسل
سریہ ذات اطلاح (ربیع الاول 8ھ)
(کعب بن عمیر غفاری ؓ)
سریہ ذات السلاسل (جمادی الآخرہ 8ھ)
(عمرو بن عاص ؓ)
بحیرہ روم
القدس
عریش
غزہ
موتہ
بلقاء
اردن
بحیرات مرہ
بتراء (پٹرا)
اذرح
معان
قلزم
عقبہ
ایلہ
دومۃ الجندل
جبال الطبق
صحرائے نفود
سیناء
جبل طور
مدین
تبوک
ذات اطلاح
عذرہ
جذام
ذات السلاسل
بلی
سعودی عرب
مویلح
غردقہ
ضبا
تیماء
سفاجہ
مصر
مدائن صالح
العلاء (وادی القریٰ)
قصیر
الوجہ
اقصر
بحیرہ احمر (بحر قلزم)
خیبر
وادی الرمۃ
املج
دریائے نیل
وادی الحمض (اضم)
وادی العمرہ
وادی قناۃ
مدینہ منورہ
ینبع
بدر
مستورہ
رابغ
حجاز

سریہ مُوتہ

لفظ مُوتہ

موتہ میم کے ضمہ، واؤ کے سکون اور ہمزہ کے بغیر ہے۔ اسے اکثر راویوں نے اسی طرح بیان کیا ہے۔ مبرد نے بھی اسے پورے وثوق کے ساتھ صحیح قرار دیا ہے، جب کہ بعض ائمہ لغت نے اسے ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے جیسا کہ ثعلب، جوہری اور ابن فارس کی رائے بھی یہی ہے۔ صاحبِ ''الواعی'' نے دونوں صورتیں درج کی ہیں۔ حدیث مبارک میں جس موتہ سے پناہ مانگنے کا ذکر آیا ہے اور اس کے معنی جنون کے بیان کیے گئے ہیں، وہ لفظ بلاشبہ ہمزہ کے بغیر ہے۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ یہ بلقاء (اُردن) کے قریب ایک جگہ کا نام ہے۔[1] یہ علاقہ معان سے اردن کے دارالحکومت عمان جاتے ہوئے دائیں ہاتھ الکرک کے 12 کلومیٹر جنوب میں واقع ہے۔

سریۂ موتہ کا اصل سبب

رسول اللہ ﷺ نے یہ سریہ جمادی الاولیٰ 8 ھ میں روانہ فرمایا تھا۔[2] اس کا سبب یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ نے رومی بادشاہ ہرقل یا حاکم بُصریٰ کے نام نامہ مبارک ارسال فرمایا تھا، حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ یہ نامہ مبارک لے کر جا رہے تھے۔ جب وہ موتہ کے مقام پر پہنچے تو شرحبیل بن عمرو غسانی نے انھیں روکا۔ شرحبیل قیصر روم کی طرف سے اس علاقے (بلقاء) کا حاکم تھا، اس نے سیدنا حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم کہاں جا رہے ہو، شاید تم محمد (ﷺ) کے سفیروں میں سے ہو؟ حارث رضی اللہ عنہ نے تصدیق کی کہ ہاں، میں محمد رسول اللہ ﷺ کا سفیر ہوں۔ یہ

[1] مراصد الاطلاع: 1330/3، معجم البلدان: 220/5. [2] فتح الباري: 639/7.

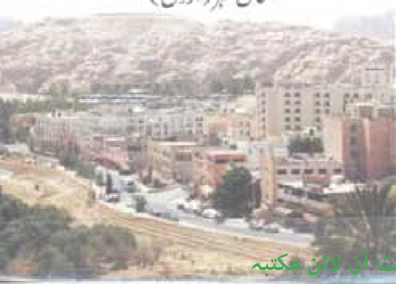
بصریٰ (شام) کے کھنڈر



قلعہ الکرک (اردن)



معان شہر (اردن)



بات سُن کر اُس بد بخت نے انھیں رسیوں سے جکڑ کر شہید کر دیا۔

یہ اپنی نوعیت کا پہلا سانحہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے سفیروں میں سے حارث رضی اللہ عنہ کے سوا کسی اور سفیر کو قتل نہیں کیا گیا۔ آپ ﷺ کو جب اس الم انگیز واقعے کا علم ہوا تو آپ کو شدید صدمہ پہنچا۔ اس دور میں بھی بین الاقوامی دستور یہی تھا کہ سفیروں کو قتل نہیں کیا جاتا تھا۔ آپ ﷺ نے اس جارحیت کی سزا دینے کے لیے تین ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مشتمل ایک لشکر تیار کر کے موتہ کی طرف روانہ فرما دیا۔ آپ ﷺ نے اس سریے کا امیر سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کو مقرر فرمایا اور تاکید کی:



«زَيْدُ بْنُ حَارِثَةَ أَمِيرُ النَّاسِ، فَإِنْ قُتِلَ زَيْدُ بْنُ حَارِثَةَ فَجَعْفَرُ بْنُ أَبِي طَالِبٍ، فَإِنْ أُصِيبَ جَعْفَرٌ فَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ رَوَاحَةَ، فَإِنْ أُصِيبَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ رَوَاحَةَ فَلْيَرْتَضِ الْمُسْلِمُونَ بَيْنَهُمْ رَجُلًا فَلْيَجْعَلُوهُ عَلَيْهِمْ»

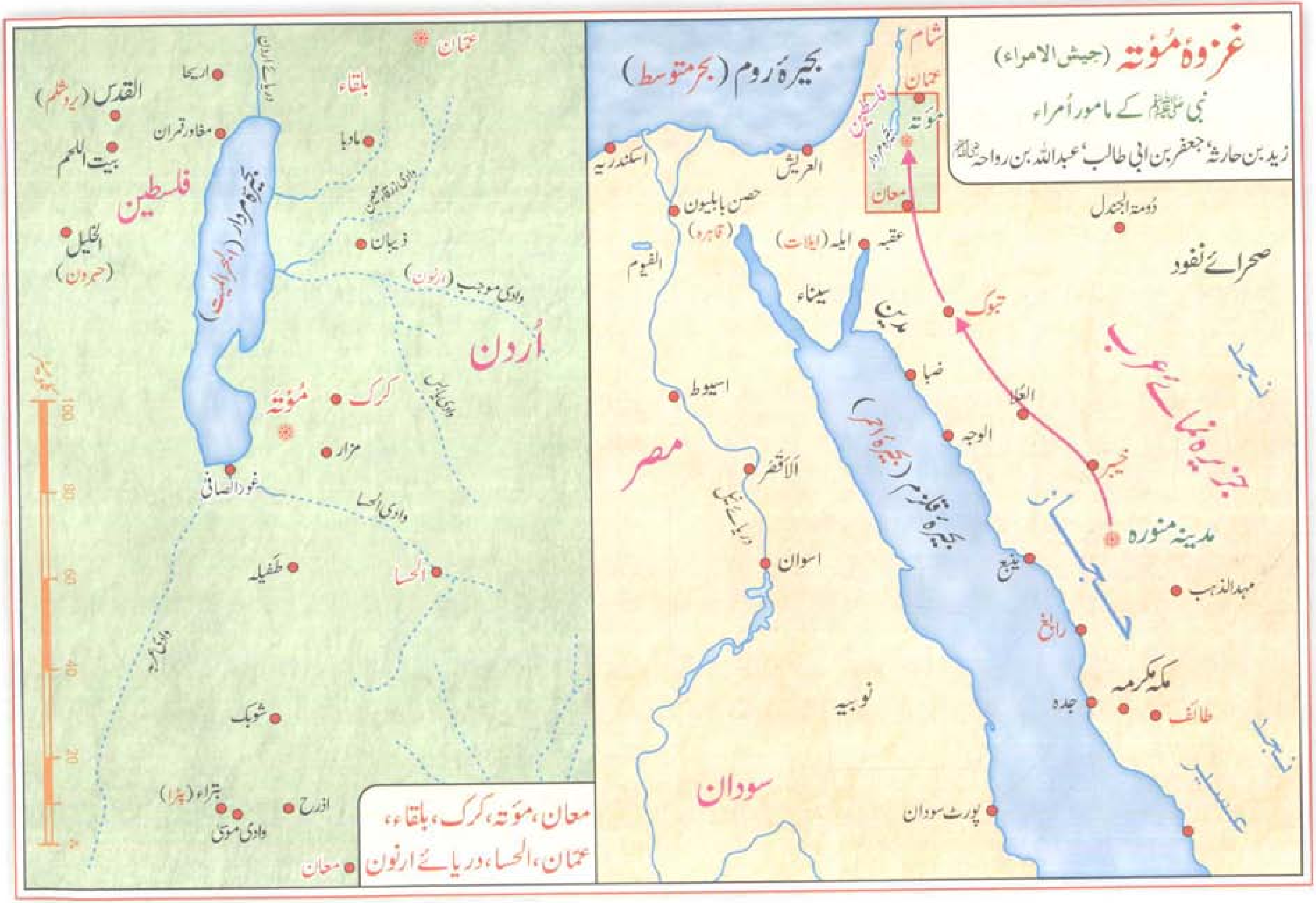
''زید بن حارثہ لوگوں کے امیر ہیں، اگر زید شہید ہو جائیں تو پھر جعفر بن ابی طالب امیر ہوں گے۔ اگر جعفر بھی شہید ہو جائیں تو پھر عبداللہ بن رواحہ امیر ہوں گے۔ اگر عبداللہ بن رواحہ بھی شہید ہو جائیں تو پھر مسلمان باہمی رضامندی سے کسی شخص کو اپنا امیر مقرر کر لیں۔''[1]

سرورِ کائنات ﷺ کی نصیحتیں

رسول اللہ ﷺ نے سفید رنگ کا ایک پرچم تیار کروا کر، زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کو عطا فرمایا اور مجاہدین کو رخصت کرتے ہوئے تاکید فرمائی کہ جہاں حارث بن عمیر کو قتل کیا گیا ہے، وہیں پہنچو۔ پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«أُوصِيكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَبِمَنْ مَعَكُمْ مِنَ الْمُسْلِمِينَ خَيْرًا، اُغْزُوا بِاسْمِ اللّٰهِ، فَقَاتِلُوا عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ بِالشَّامِ، وَسَتَجِدُونَ فِيهَا رِجَالًا فِي الصَّوَامِعِ مُعْتَزِلِينَ فَلَا تَتَعَرَّضُوا لَهُمْ، وَلَا تَقْتُلُوا امْرَأَةً وَلَا صَغِيرًا وَلَا بَصِيرًا فَانِيًا، وَلَا تَقْطَعُوا

[1] مسند أحمد: 204، المغازي للواقدي: 2/205-205، الطبقات لابن سعد: 2/128.


غزوۂ مُوتہ (جیش الامراء)
نبی ﷺ کے مامور اُمراء
زید بن حارثہ، جعفر بن ابی طالب، عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم
معان، مؤتہ، کرک، بلقاء،
عمان، الحسا، دریائے ارنون
بحیرۂ روم (بحر متوسط)
بحیرۂ قلزم (بحیرۂ احمر)
بحیرۂ مردار (بحر المیت)
جزیرہ نمائے عرب
حجاز
نجد
عسیر
صحرائے نفود
شام
فلسطین
اُردن
مصر
سودان
مدینہ منورہ
خیبر
العُلا
تبوک
معان
مؤتہ
عمان
عقبہ
ایلہ (ایلات)
مدین
ضبا
الوجہ
ینبع
رابغ
جدہ
مکہ مکرمہ
طائف
مہد الذہب
دومۃ الجندل
پورٹ سوڈان
نوبیہ
سیناء
العریش
اسکندریہ
حصن بابلیون (قاہرہ)
الفیوم
اسیوط
الاقصر
اسوان
دریائے نیل
القدس (یروشلم)
اریحا
مغاور قمران
بیت اللحم
الخلیل (حبرون)
دریائے اردن
مادبا
ذیبان
وادی موجب (ارنون)
بلقاء
کرک
مزار
غور الصافی
وادی الحسا
الحسا
طفیلہ
شوبک
ازرح
بتراء (پٹرا)
وادی موسیٰ
کلومیٹر
100
80
60
40
20

شَجَرَةً وَّلَا تَهْدِمُوا بِنَاءً»

”میں تمھیں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے اور تمھارے ساتھ جو مسلمان ہیں، ان سب کے ساتھ خیر و بھلائی کی وصیت کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر آگے بڑھو اور شام کی سرزمین پر پہنچ کر اللہ تعالیٰ کے اور اپنے دشمنوں سے جنگ کرو۔ تمھیں وہاں عبادت گاہوں اور خانقاہوں میں رہنے والے ایسے لوگ (بھی) ملیں گے جو دنیا سے کنارہ کش ہو چکے ہیں، ان سے مت لڑنا۔ کسی بچے، بوڑھے اور عورت پر تلوار نہ اٹھانا، درخت کاٹنا نہ عمارتوں کو مسمار کرنا۔“ [1]

شام کی طرف روانگی

جب لشکر تیار ہو کر روانہ ہونے لگا تو سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ رو پڑے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رونے کا سبب پوچھا تو انھوں نے نہایت ایمان افروز جواب دیتے ہوئے کہا: اللہ کی قسم! میں دنیا کی محبت یا تم لوگوں سے فراق کی وجہ سے نہیں رو رہا، میں تو اس خوف سے رو رہا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید کی یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا ہے جس میں جہنم کا ذکر ہے:

﴿وَإِنْ مِّنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ۝﴾ (مریم 71:19)

”اور تم میں سے جو بھی ہے وہ اس (جہنم) پر وارد ہونے والا ہے۔ یہ آپ کے رب کے ذمے ایک طے شدہ امرِ واجب ہے۔“

مجھے معلوم نہیں کہ جہنم پر وارد ہونے کے بعد واپسی کیسے ہوگی؟ مسلمانوں نے انھیں الوداع کرتے ہوئے کہا: ”اللہ تعالیٰ تمھارا ساتھ دے، دشمن کو تم سے دفع دور کرے اور تمھیں صحیح سلامت واپس لائے۔“

سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر یہ اشعار کہے:

لٰكِنَّنِي أَسْأَلُ الرَّحْمٰنَ مَغْفِرَةً   وَضَرْبَةً ذَاتَ فَرْغٍ تَقْذِفُ الزَّبَدَا

”لیکن میں تو اللہ رحمان سے مغفرت کا اور اس بات کا سوالی ہوں کہ وہ مجھے شمشیر سے ایسی ضرب کاری کی توفیق عطا فرمائے جو (دشمن کے خون کے) چھینٹے اڑا دے۔“

أَوْ طَعْنَةً بِيَدَيْ حَرَّانَ مُجْهِزَةً   بِحَرْبَةٍ تُنْفِذُ الْأَحْشَاءَ وَالْكَبِدَا

[1] السيرة الحلبية: 787/2.

''یا کسی خون کے پیاسے نیزہ باز کے ہاتھوں نیزے کی ایسی ضرب کا سوال کرتا ہوں جو انتڑیوں اور جگر کے پار ہو جائے۔''

حَتّٰى يُقَالَ إِذَا مَرُّوا عَلٰى جَدَثِي   أَرْشَدَهُ اللّٰهُ مِنْ غَازٍ وَّقَدْ رَشَدَا

''حتی کہ جب لوگ میری قبر کے پاس سے گزریں تو کہیں کہ اللہ تعالیٰ اس غازی کا بھلا کرے جو راہِ راست پر تھا۔''[1]

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ جب عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ الوداعی ملاقات کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ اشعار پڑھے:

فَثَبَّتَ اللّٰهُ مَا أَتَاكَ مِنْ حَسَنٍ   تَثْبِيتَ مُوسٰى وَنَصْرًا كَالَّذِي نُصِرُوا

''اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو حسن و خوبی عطا فرمائی ہے، اسے ثابت و سلامت رکھے جس طرح اس نے موسیٰ علیہ السلام کو ثابت رکھا اور آپ کو بھی فتح و نصرت سے اسی طرح سرفراز فرمائے جس طرح ان کی مدد کی گئی تھی۔''

إِنِّي تَفَرَّسْتُ فِيكَ الْخَيْرَ نَافِلَةً   اَللّٰهُ يَعْلَمُ أَنِّي ثَابِتُ الْبَصَرِ

''میں صاف دیکھ رہا ہوں کہ آپ کو خیر اور بھلائی عطا کی گئی ہے اور اللہ جانتا ہے کہ میری نظر بالکل ٹھیک ہے۔''

أَنْتَ الرَّسُولُ فَمَنْ يُحْرَمْ نَوَافِلَهُ   وَالْوَجْهُ مِنْهُ فَقَدْ أَزْرٰى بِهِ الْقَدَرُ

''آپ سچے رسول ہیں اور آپ کے عطیات اور توجہات سے وہی محروم رہ سکتا ہے جو تقدیر کا پیٹا ہو۔''

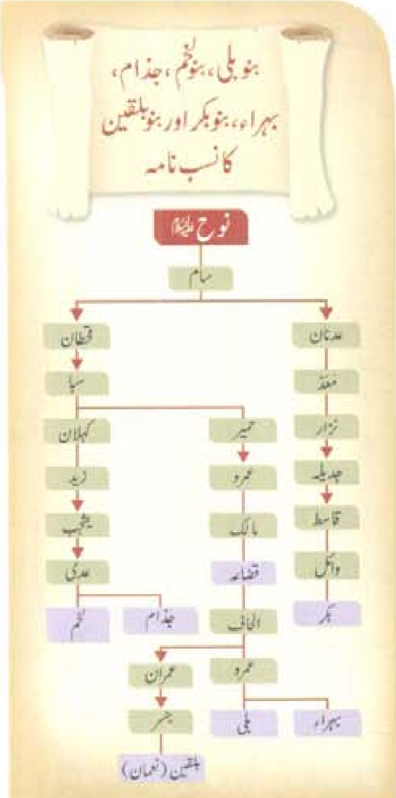
بعد ازاں لشکرِ اسلام سوئے منزل روانہ ہوگیا۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم لشکر کو الوداع کر کے واپس تشریف لے گئے، تو سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے یہ شعر پڑھا:

خَلَفَ السَّلَامُ عَلَى امْرِئٍ وَّدَّعْتُهُ   فِي النَّخْلِ خَيْرَ مُشَيِّعٍ وَّخَلِيلِ

''اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلامتی ہو اس ہستی پر جسے میں نے نخلستان میں الوداع کہا ہے جو بہترین الوداع کہنے والے اور بہترین دوست ہیں۔''[2]

دعاؤں، نصیحتوں اور سوز و گداز کی اس مبارک فضا میں لشکر اسلام سوئے منزل روانہ ہوا۔ مسلمانوں نے سرزمین

[1] السیرۃ لابن ہشام: 4/15،16۔ [2] السیرۃ لابن ہشام: 4/16۔



شام (اردن) میں پہنچ کر ''معان'' نامی ایک جگہ پر پڑاؤ ڈالا۔ یہاں مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ ہرقل بلقاء کے علاقے مآب میں رومیوں کے ایک لاکھ جنگجوؤں کے لشکر جرار کے ساتھ پہنچ چکا ہے۔ اس کے علاوہ عرب کے نصرانی قبائل لخم، جذام، بلقین، بہراء، بلی اور بنو بکر کے ایک لاکھ سپاہی بھی ہرقل کے لشکر میں آکر شامل ہوگئے ہیں جن کی قیادت قبیلہ بلی کا ایک شخص مالک بن زافلہ کر رہا تھا۔

عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا پُرجوش خطاب

مسلمانوں کو جب اس سنگین صورتِ حال کا علم ہوا تو انھوں نے پیش قدمی روک دی۔ انھوں نے دو راتیں ''معان'' میں بسر کیں اور درپیش صورتحال پر غور وفکر کرتے رہے۔ ایک رائے یہ تھی کہ کیا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے دشمن کی تعداد کے بارے میں تحریری اطلاع دیں اور عرض کریں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس مزید کمک بھیج دیں یا اندریں حالات ہمیں جو بھی حکم دیں، ہم اس کی تعمیل کریں۔ اضطراب کی اس کیفیت میں سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اُٹھ کھڑے ہوئے۔



انھوں نے مجاہدینِ اسلام سے پرجوش خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''لوگو! اللہ کی قسم! آپ اسی مقصد سے دامن بچا رہے ہیں جس کی خاطر آپ وطن سے نکلے تھے۔ مومن کا مطلوب و مقصود صرف شہادت ہے۔ ہم مشرکوں سے قوت یا کثرت کے بل پر نہیں لڑتے بلکہ ہم


مآب (اردن) کی ایک وادی

تو صرف اس دین کے بل بوتے پر لڑتے ہیں جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ہمیں سرفراز فرمایا ہے، لہٰذا قدم اُٹھاؤ اور آگے بڑھتے چلو۔ ہمیں دو بھلائیوں میں سے ایک خیر ضرور حاصل ہوگی، فتح و نصرت یا شہادت!''

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا ایمان پرور خطاب سنا تو کہا: اللہ کی قسم! ابن رواحہ نے بالکل سچ فرمایا ہے۔ اس کے بعد غیرتِ ایمانی سے سرشار لشکرِ اسلام دشمن سے مقابلے کے لیے آگے چل پڑا۔

پھر سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے یہ اشعار پڑھے:

جَلَبْنَا الْخَيْلَ مِنْ أَجَإٍ وَفَرْعٍ تُغَرُّ مِنَ الْحَشِيشِ لَهَا الْعُكُومُ

''ہم ان گھوڑوں کو اجأ پہاڑ اور مقام فرع سے آگے لے آئے ہیں، جنھیں تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد گھاس کھلائی جاتی ہے اور جن پر ساز و سامان بھی لدا ہوتا ہے۔''

حَذَوْنَاهَا مِنَ الصَّوَّانِ سِبْتًا أَزَلَّ كَأَنَّ صَفْحَتَهُ أَدِيمُ

''ہم نے انھیں ایسے ملائم پتھر کے جوتے (نعل) پہنائے ہیں جس کی سطح چمڑے جیسی ہے۔''

أَقَامَتْ لَيْلَتَيْنِ عَلَى مَعَانٍ فَأُعْقِبَ بَعْدَ فَتْرَتِهَا جُمُومُ

''جو مقامِ معان پر دو راتیں ٹھہرے رہے، اس طرح کمزوری کے بعد انھیں قوت جمع کرنے اور چست و چاق ہونے کا موقع دیا گیا تھا۔''

فَرُحْنَا وَالْجِيَادُ مُسَوَّمَاتٌ تَنَفَّسُ فِي مَنَاخِرِهَا السَّمُومُ

''ہم روانہ ہوئے تو گھوڑے بھی یوں چل رہے تھے کہ ان کے نتھنوں سے گرم ہوا نکل رہی تھی۔''

فَلَا وَ أَبِي مَآبَ لَنَأْتِيَنْهَا وَإِنْ كَانَتْ بِهَا عَرَبٌ وَرُومُ

''میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ہم مآب ضرور جائیں گے، چاہے وہاں عربوں اور رومیوں کا کتنا ہی بڑا لشکر موجود ہو۔''

فَعَبَّأْنَا أَعِنَّتَهَا فَجَاءَتْ عَوَابِسَ وَالْغُبَارُ لَهَا بَرِيمُ

''ہم نے ان کی لگامیں اس طرح بٹی ہیں کہ وہ بہت سخت ہوگئی ہیں اور غبار ان کے لیے پٹی کا کام دے رہا ہے۔''

بِذِي لَجَبٍ كَأَنَّ الْبَيْضَ فِيهِ إِذَا بَرَزَتْ قَوَانِسُهَا النُّجُومُ

''یہ گھوڑے اس لشکر کے ساتھ ہیں جو ایسے لوہے میں ڈوبا ہوا ہے جس کا اوپری حصہ ستاروں کی طرح چمک

رہا ہے۔''

فَرَاضِيَةُ الْمَعِيشَةِ طَلَّقَتْهَا أَسِنَّتُهَا فَتَنْكِحُ أَوْ تَئِيمُ

''ہمارے نیزوں نے پسندیدہ زندگی کو طلاق دے دی ہے، اب چاہے یہ نکاح کرلے یا شوہر کے بغیر رہے۔''[1]

تاریخِ عالم کی عجیب وغریب جنگ

ابن اسحاق نے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں یتیم تھا اور سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے ہاں پرورش پا رہا تھا۔ آپ اس سفر میں مجھے بھی ساتھ لے گئے۔ آپ نے اپنی سواری پر سامان کے پیچھے مجھے بٹھا دیا۔ سفر جاری تھا کہ ایک رات میں نے آپ کو یہ اشعار پڑھتے ہوئے سنا:

إِذَا أَدَّيْتِنِي وَحَمَلْتِ رَحْلِي مَسِيرَةَ أَرْبَعٍ بَعْدَ الْحِسَاءِ

''اے میری اونٹنی! جب تو مجھے آگے پہنچا دے اور الحساء کے بعد چار دن کی مسافت تک میرا سامان لے جائے۔''

فَشَأْنُكِ أَنْعُمٌ وَخَلَاكِ ذَمٌّ وَلَا أَرْجِعُ إِلَى أَهْلِي وَرَائِي

''تو تو آزاد ہو کر خوش وخرم رہے، ہر بُرائی تجھ سے دور ہو جائے اور میں اپنے پیچھے اپنے گھر والوں میں کبھی واپس نہ جاؤں۔''

وَجَاءَ الْمُسْلِمُونَ وَغَادَرُونِي بِأَرْضِ الشَّامِ مُشْتَهَى الثَّوَاءِ

''مسلمان میرے ساتھ آئیں اور مجھے ارض شام میں چھوڑ جائیں، یہ رہنے کے لیے اچھی پسندیدہ جگہ ہے۔''

وَرَدَّكِ كُلُّ ذِي نَسَبٍ قَرِيبٍ إِلَى الرَّحْمٰنِ مُنْقَطِعَ الْإِخَاءِ

''ہر قریبی نسب والا جس کی مجھ سے اخوت (قرابتداری) ختم ہونے والی ہے، تجھے رحمان کے سپرد کر دے۔''

هُنَالِكَ لَا أُبَالِي طَلْعَ بَعْلٍ وَلَا نَخْلٍ أَسَافِلُهَا رِوَاءِ

''اس کے بعد مجھے ایسی کسی کھیتی کی کوئی پروا نہیں جو سیرابی سے بے نیاز ہو (جو جڑوں سے تری حاصل کرتی ہو) نہ کھجور کے کسی ایسے درخت کی کوئی پروا ہے جس کی جڑیں پانی سے لبریز ہوں۔''

زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب میں نے آپ کو یہ اشعار پڑھتے ہوئے سنا تو میں رو پڑا۔ آپ نے مجھے کوڑا مارا اور کہا: اے بچے! اگر اللہ تعالیٰ مجھے شہادت نصیب فرما دے اور تم سواری پر بیٹھ کر واپس چلے جاؤ تو اس میں کیا حرج ہے؟[2]

[1] السيرة لابن هشام: 4/16-18. [2] السيرة لابن هشام: 4/18,19، البداية والنهاية: 6/418.

مسلمانوں کی پیش قدمی اور دو سالاروں کی شہادت

اسلامی لشکر ''بلقاء'' کی سرحدوں کے قریب پہنچ گیا۔ انھوں نے بلقاء کی ایک بستی ''مشارف'' میں رومیوں اور عربوں پر مشتمل ہرقل کا لشکر دیکھا۔ دشمن بہت قریب آچکا تھا۔ مسلمانوں نے پیش قدمی کرتے ہوئے بستی ''موتہ'' میں پڑاؤ ڈال دیا اور دشمن سے جنگ کے لیے پوری طرح تیار ہوگئے۔ مَیمنہ پر قطبہ بن قتادہ عذری رضی اللہ عنہ اور میسرہ پر عبادہ بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ کو متعین کیا گیا۔ پھر دونوں لشکر ایک دوسرے کے بالمقابل صف آرا ہوگئے اور باقاعدہ جنگ شروع ہوگئی۔ یہ تاریخِ عالم کی انتہائی نادر اور عجیب وغریب جنگ تھی۔ اسلام کے صرف تین ہزار سربکف فرزند 2 لاکھ کے لشکرِ کفار سے ٹکرا گئے۔

دونوں لشکروں میں بڑے گھمسان کی جنگ ہوئی۔ سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عطا کردہ پرچم ہاتھ میں تھامے لشکرِ اسلام کی قیادت کر رہے تھے۔ وہ اسی حالت میں لڑتے لڑتے شہید ہوگئے۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق پرچم سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ نے تھام لیا۔ وہ اپنے سرخ رنگ کے گھوڑے پر سوار ہوکر جنگ کر رہے تھے کہ انھوں نے اچانک گھوڑے سے اتر کر اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ مسلمانوں میں سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ وہ پہلے مجاہد ہیں جنھوں نے میدانِ جنگ میں اپنے گھوڑے کی کونچیں کاٹیں۔ انھوں نے یہ کام اس لیے کیا تھا کہ دشمن اس گھوڑے پر قبضہ کر کے اسے مسلمانوں کے خلاف استعمال نہ کر پائے۔



غازیانِ موتہ کا مقامِ شہادت

اسی واقعے سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جو حیوان کو اس وجہ سے قتل کرنا جائز قرار دیتے ہیں کہ دشمن اس سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکے جیسا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے ایسی لاغر بکریوں کے بارے میں جو لشکر کے ساتھ نہ چل سکیں اور یہ اندیشہ ہو کہ دشمن انھیں پکڑ کر ان سے فائدہ اٹھائے گا فرمایا ہے کہ انھیں ذبح کر دیا اور جلا دیا جائے۔ [1]

علامہ سہیلی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ایسے معاملے میں کسی نے بھی سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ سے اختلاف نہیں کیا جو اس بات کے جواز کی دلیل ہے۔ حدیث میں حیوان کو عبث مارنے کی جو ممانعت ہے، اس کا اس مخصوص صورتِ حال سے کوئی تعلق نہیں۔ [2]

ابن ہشام نے لکھا ہے کہ سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ مردانہ وار مقابلہ کرتے رہے، انھوں نے پرچم اپنے دائیں ہاتھ میں تھام رکھا تھا۔ دشمن نے ان کے دائیں ہاتھ پر وار کیا، وہ کٹ گیا تو انھوں نے پرچم بائیں ہاتھ سے تھام لیا۔ دشمن نے اسے

1 البداية والنهاية: 244/4. 2 الروض الأنف: 126/4.

بھی کاٹ دیا تو انھوں نے اسے اپنے دونوں بازوؤں سے تھام لیا۔ وہ جام شہادت نوش فرما گئے لیکن جیتے جی انھوں نے پرچم اسلام کو سرنگوں نہیں ہونے دیا۔ شہادت تک انھوں نے عمرِ عزیز کی صرف تینتیس بہاریں ہی دیکھی تھیں۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ایک رومی نے تلوار کے وار سے ان کے جسم کے دو ٹکڑے کر دیے تھے۔ کٹنے والے دونوں بازوؤں کے عوض اللہ تعالیٰ نے انھیں جنت میں دو پر عطا فرما دیے جن کے ذریعے اڑ کر وہ جہاں چاہیں جاسکتے ہیں۔

ابن اسحاق نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ جب جعفر رضی اللہ عنہ شہید ہوگئے تو پرچم عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے تھام لیا۔ وہ مندرجہ ذیل اشعار پڑھتے ہوئے میدان میں کود پڑے:

أَقْسَمْتُ يَا نَفْسِي لَتَنْزِلِنَّهْ لَتَنْزِلِنَّ أَوْ لَتُكْرِهِنَّهْ

''اے نفس! تجھے قسم ہے، تو ضرور (میدان میں) اترے گا، ضرور اترے گا یا اترنے پر مجبور کر دیا جائے گا۔''

إِنْ أَجْلَبَ النَّاسُ وَشَدُّوا الرَّنَّهْ مَالِي أَرَاكِ تَكْرَهِينَ الْجَنَّهْ

''جب لوگ جمع ہو کر چیخ پکار کر رہے ہوں تو پھر میں یہ کیوں دیکھتا ہوں کہ تو جنت کو ناپسند کرتا ہے۔''

قَدْ طَالَ مَا قَدْ كُنْتِ مُطْمَئِنَّهْ هَلْ أَنْتِ إِلَّا نُطْفَةٌ فِي شَنَّهْ

''تو جس صورت حال سے مطمئن تھا، وہ بہت طویل ہوگئی ہے، حالانکہ تو ایک بوسیدہ مشکیزے میں پانی کی ایک بوند کے مانند ہے۔''

انھوں نے یہ بھی کہا:

يَا نَفْسُ إِلَّا تُقْتَلِي تَمُوتِي هٰذَا حِمَامُ الْمَوْتِ قَدْ صَلِيتِ

''اے نفس! اگر تو (اب) قتل نہ ہوا تو (آخر ایک نہ ایک دن) مر جائے گا۔ یہ تو وہ موت ہے جو تیری تقدیر میں لکھی جا چکی ہے۔''

وَمَا تَمَنَّيْتِ فَقَدْ أُعْطِيتِ إِنْ تَفْعَلِي فِعْلَهُمَا هُدِيتِ

''تو نے جس چیز کی تمنا کی ہے، وہ تجھے مل گئی ہے۔ اگر تو ان دونوں (زید و جعفر) جیسا کارنامہ انجام دے تو یقیناً تو ہدایت پا جائے گا۔''[1]

سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ جب گھوڑے سے اترے تو ان کا ایک چچازاد گوشت سے بھری ہوئی ایک ہڈی لے

[1] السيرة لابن هشام: 21,20/4.

آیا اور کہنے لگا: بھائی جان! لو یہ گوشت کھالو اور اس کے ذریعے اپنی پشت مضبوط کرلو۔ ان دنوں آپ نے بہت تکلیف اٹھائی ہے۔ انھوں نے یہ ہڈی لے لی اور دانتوں سے کاٹ کر گوشت کھانا شروع کر دیا، پھر اچانک ایک طرف سے لوگوں کے ہجوم کی آواز سنی تو کہنے لگے: ارے! تم ابھی تک اس دنیا میں موجود ہو؟ پھر انھوں نے ہڈی پھینک دی، تلوار اٹھائی اور دشمن کے لشکر پر ٹوٹ پڑے۔ وہ دیر تک شجاعت و بسالت کے جوہر دکھاتے رہے حتی کہ جام شہادت نوش فرما گئے۔ رضی اللہ عنہ [1]

سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد بنوعجلان سے تعلق رکھنے والے شہسوار ثابت بن اقرم رضی اللہ عنہ [2] نے پرچم تھام لیا اور کہا: مسلمانو! اپنے میں سے ایک شخص کو امیر منتخب کرلو۔ انھوں نے کہا: آپ ہی ہمارے امیر ہیں۔ انھوں نے امارت قبول کرنے سے معذرت کردی تو لوگوں نے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اپنا امیر بنالیا اور انھوں نے آگے بڑھ کر پرچم سنبھال لیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خود ثابت بن اقرم ہی نے پرچم ان کے حوالے کر دیا اور کہا کہ جنگ کے اصول وقواعد آپ مجھ سے کہیں زیادہ جانتے ہیں۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: آپ اس کے زیادہ حق دار ہیں کیونکہ آپ ان حضرات میں سے ایک ہیں جنھیں غزوہ بدر میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی تھی۔ [3]

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی بے مثال حکمت عملی

جب سب لوگوں نے متفق ہوکر سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو اپنا امیر بنالیا تو انھوں نے پرچم تھام لیا اور شجاعت و استقلال سے جنگ لڑنے اور دشمن کی پیش قدمی روکنے لگے، آخر لڑتے لڑتے دونوں لشکر پیچھے ہٹ گئے۔

ایک روایت میں ہے کہ مسلمانوں نے مشرکین پر زبردست حملہ کیا اور انھیں شکست دے دی۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ جب سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے پرچم سنبھال لیا تو انھوں نے دشمن پر ہولناک حملہ کیا جس کے نتیجے میں جنگ کا پانسا پلٹ گیا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ توفیق عطا فرما دی کہ وہ جس مشرک کو جس طرح چاہتے تھے، اُسی طرح تہ تیغ کرنے لگے اور فتح ونصرت سے سرفراز ہوگئے۔ [4]

صورتِ حال کی اس اچانک تبدیلی کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جنگی چالوں کے نہایت ماہر جرنیل تھے، انھوں نے راتوں رات جنگی حکمت عملی بدل دی اور صبح ہوتے ہی لشکر کے اگلے حصے کو پیچھے اور پچھلے حصے کو آگے تعینات کر دیا۔ اسی طرح دائیں حصے کو بائیں طرف اور بائیں حصے کو دائیں طرف منتقل کر دیا، یعنی

[1] السيرة لابن هشام: 21/4. [2] یہ ثابت بن اقرم بن ثعلبہ بن عدی بن عجلان بلوی انصاری ہیں، جو 11 یا 12 ھ میں شہید ہوئے۔ بعض کتب میں ثابت بن ارقم لکھا ہوا ہے جو کہ صحیح نہیں ہے۔ [3] المغازي للواقدي: 212/2. [4] الطبقات لابن سعد: 129/2.

سارے لشکر کی ترتیب بدل ڈالی۔ اس تبدیلی کا اثر اور ثمر یہ ظاہر ہوا کہ جب رومیوں سے آمنا سامنا ہوا تو انھیں ہر طرف نت نئے چہرے نظر آئے۔ یہ صورت حال دیکھ کر رومی گھبرا گئے۔ وہ یہ سمجھے کہ اب مسلمانوں کو تازہ دم کمک پہنچ گئی ہے۔ اس تصور کے زیر اثر ان پر مسلمانوں کا رعب طاری ہو گیا اور وہ شکست کھا گئے۔ مسلمانوں نے ان کافروں کو اس قدر کثرت سے قتل کیا کہ خون کی ندیاں بہہ گئیں۔ [1]

نبی ﷺ کو بذریعہ وحی فتح کی خوشخبری

اُدھر موتہ کے مقام پر جنگ ہو رہی تھی اور اِدھر مدینہ منورہ میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو جنگ کی ساری صورتِ حال سے مطلع فرما دیا تھا۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فتح کی خبر آنے سے قبل ہی رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو زید، جعفر اور ابن رواحہ رضی اللہ عنہم کی شہادت کی اطلاع دے دی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَخَذَ الرَّايَةَ زَيْدٌ فَأُصِيبَ، ثُمَّ أَخَذَ جَعْفَرٌ فَأُصِيبَ، ثُمَّ أَخَذَ ابْنُ رَوَاحَةَ فَأُصِيبَ ـ وَعَيْنَاهُ تَذْرِفَانِ ـ حَتّٰى أَخَذَ الرَّايَةَ سَيْفٌ مِّنْ سُيُوفِ اللّٰهِ حَتّٰى فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ»

”زید نے پرچم کو پکڑا اور وہ شہید ہو گئے ہیں، پھر اسے جعفر نے لے لیا ہے، وہ بھی شہید ہو گئے ہیں، پھر اسے ابن رواحہ نے تھام لیا ہے اور وہ بھی جام شہادت نوش کر گئے ہیں ...... یہ بیان کرتے ہوئے آپ کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں ...... اب پرچم کو اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے پکڑ لیا ہے حتی کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح و نصرت سے سرفراز فرما دیا ہے۔“ [2]

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منبر پر جلوہ افروز ہو کر ان شہداء کی شہادت کی اطلاع دیتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ انھیں یہ بات پسند نہیں تھی کہ شہادت سے سرفراز ہونے کے بجائے وہ ہمارے پاس ہوتے۔ [3]

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں بھی اس غزوے میں شریک تھا۔ ہم نے جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو تلاش کیا تو وہ ہمیں مقتولوں میں ملے۔ ہم نے دیکھا کہ ان کے جسم پر نیزوں اور تیروں کے نوے سے زیادہ زخم تھے۔ [4]

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما ہی سے مروی ایک اور روایت میں ہے کہ میں اس وقت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس کھڑا تھا جب وہ شہید ہو چکے تھے۔ ان کے جسم پر نیزوں اور تلواروں کے پچاس زخم تھے اور ان میں سے ایک زخم بھی ان کی پشت پر نہیں تھا۔ [5] انھوں نے بے پناہ شجاعت و جواں مردی کا مظاہرہ کرتے ہوئے سینہ تان کر دشمن کا مقابلہ کیا۔

[1] سبل الهدٰى والرشاد: 151/6. [2] صحيح البخاري: 4262. [3] صحيح البخاري: 3063,2798. [4] صحيح البخاري: 4261. [5] صحيح البخاري: 4260.



پہلی روایت میں زخموں کی تعداد نوے سے زیادہ اور اس روایت میں پچاس مذکور ہے۔ ان دونوں روایتوں میں تطبیق کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ دشمن کا مقابلہ کرتے ہوئے سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ نے سینے پر پچاس زخم کھائے اور جب وہ شہید ہو کر زمین پر گر گئے تو دشمن نے آپ کی پشت پر بھی زخم لگائے ہوں گے اور اس طرح تمام زخموں کی مجموعی تعداد نوے سے زیادہ ہو گئی ہو گی۔[1]

ابن ہشام نے لکھا ہے کہ جب سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا دایاں ہاتھ کٹ گیا جس سے انھوں نے پرچم تھام رکھا تھا تو انھوں نے پرچم بائیں ہاتھ میں لے لیا حتی کہ وہ بھی کٹ گیا۔ اس کی تائید بخاری کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کے بیٹے کو سلام کرتے تو یہ الفاظ کہتے تھے:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَابْنَ ذِي الْجَنَاحَيْنِ.

''اے دو پروں والے کے بیٹے! تجھ پر سلامتی ہو۔''[2]

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی عدیم النظیر دلیری

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ تینوں امراء کی شہادت کے بعد جب لشکرِ اسلام کی قیادت سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھ آئی تو اللہ کا یہ شیر دشمنوں کی فوجوں پر ٹوٹ پڑا۔ انھوں نے کافروں کے کشتوں کے پشتے لگا دیے۔

قیس بن ابی حازم روایت کرتے ہیں کہ میں نے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے سنا: موتہ کے دن میرے ہاتھ سے نو تلواریں ٹوٹ گئی تھیں۔ یمن کی بنی ہوئی ایک چوڑی تلوار کے سوا کوئی تلوار میرے پاس باقی نہیں بچی۔[3]

امام بیہقی رحمہ اللہ نے بروایت ابو قتادہ اس کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کو روانہ کیا تو فرمایا: ''تمھارے امیر زید بن حارثہ ہیں۔ اگر زید شہید ہو جائیں تو امیر جعفر ہوں گے اور اگر جعفر بھی شہید ہو جائیں تو پھر امیر عبداللہ بن رواحہ ہوں گے۔'' سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ چونک اٹھے اور انھوں نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! مجھے تو اس بات کا اندیشہ نہیں تھا کہ آپ زید کو مجھ پر امیر مقرر فرما دیں گے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''روانہ ہو جاؤ! تم نہیں جانتے کہ کون سی بات بہتر ہے۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سوئے منزل روانہ ہو گئے۔ پھر ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر

[1] فتح الباري: 641/7. [2] صحيح البخاري: 3709 و 4264. [3] صحيح البخاري: 4265.

تشریف لائے۔ آپ نے حکم دیا اور اَلصَّلَاةُ جَامِعَةٌ کا اعلان کر دیا گیا۔ یہ اعلان سنتے ہی سب لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس جمع ہوگئے۔ آپ نے فرمایا: ”میں تمھیں تمھارے اس لشکر کے بارے میں بتانے لگا ہوں۔ لشکر منزل مقصود پر پہنچ گیا ہے، دشمن کا مقابلہ کر رہا ہے اور اس مقابلے میں زید شہید ہوگئے ہیں ...... آپ نے ان کے لیے مغفرت اور بخشش کی دعا کی ...... پھر پرچم کو جعفر نے تھام لیا، انھوں نے دشمن پر حملہ کیا حتی کہ وہ بھی شہید ہوگئے ہیں ...... آپ نے ان کی شہادت کی گواہی دی اور ان کے لیے مغفرت و بخشش کی دعا فرمائی۔ اب پرچم عبداللہ بن رواحہ نے لے لیا، انھوں نے نہایت ثابت قدمی کے ساتھ جنگ لڑی حتی کہ لڑتے لڑتے وہ بھی شہید ہوگئے ہیں ...... آپ نے ان کے لیے بھی مغفرت و بخشش کی دعا فرمائی ...... اور اب پرچم خالد بن ولید نے تھام لیا ہے، وہ امراء میں سے نہیں تھے، وہ خود امیر بنے ہیں۔“ پھر رسول اللہ ﷺ نے بارگاہِ ربانی میں عرض کیا:

«اَللّٰهُمَّ! هٰذَا سَيْفٌ مِّنْ سُيُوفِكَ، فَانْتَصِرْ بِهِ»

”اے اللہ! وہ تیری تلواروں میں سے ایک تلوار ہے، لہٰذا تو اس کے ذریعے (دشمنوں سے) انتقام لے لے۔“

پس اسی دن سے انھیں سیف اللہ کے نام سے موسوم کیا جانے لگا۔ [1]

امام نسائی کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ جب لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس جمع ہوگئے تو آپ نے فرمایا: ”خبر آگئی ہے، خبر آگئی ہے، خبر آگئی ہے۔“ [2]

واقدی کی روایت میں ہے کہ جب موتہ میں جنگ ہو رہی تھی تو رسول اللہ ﷺ منبر پر جلوہ افروز ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے رُوبرُو شام کی صورت حال منکشف فرما دی اور آپ معرکۂ کارزار کو دیکھنے لگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جھنڈا زید بن حارثہ نے تھام رکھا ہے۔ شیطان ان کے پاس آیا، اس نے زندگی کو پسندیدہ اور موت کو ناپسندیدہ بنا کر دکھایا اور دنیا کو محبوب شکل میں پیش کیا۔ زید نے اُس سے کہا: اب جب کہ ایمان مومنوں کے دلوں میں مستحکم ہوگیا ہے، تو میرے دل میں دنیا کی محبت پیدا کر رہا ہے؟ زید میدان میں آگے ہی بڑھتے چلے گئے حتی کہ شہید ہوگئے۔“ رسول اللہ ﷺ نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور فرمایا: ”ان کے لیے مغفرت کی دعا کرو، وہ دوڑتے ہوئے جنت میں داخل ہوگئے ہیں۔“ [3]

موسیٰ بن عقبہ نے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جعفر میرے پاس سے فرشتوں کی ایک جماعت کے ساتھ گزرے ہیں، ان کے دو پر تھے اور وہ بھی فرشتوں ہی کی طرح اڑ رہے تھے۔“ اہلِ علم نے لکھا

[1] دلائل النبوة للبيهقي: 368,367/4. [2] السنن الكبرٰى للنسائي: 48/5. [3] المغازي للواقدي: 211,210/2.

ہے کہ یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس اہل موتہ کی خبر لے کر پہنچے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: ''اگر چاہو تو تم مجھے خبر دے دو اور اگر چاہو تو میں تمھیں خبر دے دیتا ہوں؟'' انھوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ ہی ارشاد فرمائیں۔ پھر آپ نے ان کے سامنے میدانِ جنگ کے تمام حالات بیان فرما دیے۔ انھوں نے سن کر عرض کیا: اس ذات پاک کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے! آپ نے تو ساری صورت حال حرف بحرف من وعن بیان فرما دی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے میرے لیے زمین کو بلند کر دیا حتی کہ میں نے میدانِ کارزار کو خود دیکھ لیا۔''[1] اسی اعتبار سے اسے غزوۂ موتہ بھی قرار دیا گیا ہے۔

سیدنا عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ سے بھی غزوہ موتہ سے متعلق ایک واقعہ مروی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں بھی سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ غزوہ موتہ کے لیے روانہ ہوا تھا۔ اہل یمن کی طرف سے ہمیں جو کمک پہنچی، ان میں سے ایک شخص میرے ساتھ مل گیا۔ اس کے پاس صرف ایک ہی تلوار تھی۔ مسلمانوں میں سے ایک شخص نے اونٹ ذبح کیا تو اس شخص نے ذبح کرنے والے سے کھال کا ایک حصہ مانگا جو اس نے اسے دے دیا۔ اس نے اس کھال کو ڈھال کی طرح بنالیا، ہم چلتے رہے حتی کہ رومی لشکروں سے ہماری مڈ بھیڑ ہوگئی۔ ان میں سے ایک شخص اپنے گہرے سرخ و زرد رنگ کے گھوڑے پر سوار تھا۔ گھوڑے کی زین اور اس کے ہتھیار پر سونے کے کام سے آرائش کی گئی تھی۔ اس شخص نے مسلمانوں پر تابڑ توڑ حملے شروع کر دیے۔ یمن کی کمک میں آنے والا یہ آدمی اس رومی کی تاک میں ایک چٹان کی اوٹ میں بیٹھ گیا۔ جب وہ اس کے پاس سے گزرا تو اس یمنی نے اس کے گھوڑے کی ٹانگیں کاٹ دیں۔ رومی زمین پر گر پڑا۔ یمنی فوراً اس کے سینے پر چڑھ گیا اور اسے قتل کر دیا۔ اس نے اس کا گھوڑا اور اسلحہ اپنے قبضے میں لے لیا۔ جب اللہ عزوجل نے مسلمانوں کو فتح عطا فرما دی تو خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس یمنی کو بلایا اور اس نے رومی کا جو مال حاصل کیا تھا، اس میں سے کچھ لے لیا۔ عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ان کے پاس گیا اور ان سے کہا: خالد! کیا آپ کو معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ فرمایا ہے کہ سلب قاتل کا حصہ ہوتا ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں لیکن میں اسے بہت زیادہ سمجھتا ہوں۔ میں نے کہا کہ آپ اسے اس سے لیا ہوا حصہ واپس کر دیں ورنہ میں آپ کی یہ بات رسول اللہ ﷺ کو بتاؤں گا۔ خالد رضی اللہ عنہ نے اسے واپس کرنے سے انکار کر دیا۔ عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ واپسی پر ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو میں نے اس یمنی کا قصہ اور جو کچھ خالد نے ان کے ساتھ کیا، وہ معاملہ رسول اللہ ﷺ کے گوش گزار کر دیا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «يَا خَالِدُ! مَا حَمَلَكَ عَلٰى مَا صَنَعْتَ؟» ''خالد! تم نے ایسا کیوں کیا؟'' انھوں

[1] البداية والنهاية :247/4.

نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں نے اس مال کو بہت زیادہ سمجھا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «يَا خَالِدُ! رُدَّ عَلَيْهِ مَا أَخَذْتَ مِنْهُ» ''خالد! تم نے جو کچھ لیا ہے، وہ اسے واپس کر دو۔'' عوف کہتے ہیں کہ میں نے خالد سے کہا: کیا میں نے آپ سے جو بات کہی تھی، وہ پوری نہیں کر دکھائی؟ رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا: ''وہ کیا بات تھی؟'' میں نے وہ بات بتائی تو رسول اللہ ﷺ ناراض ہوئے اور فرمایا:

«يَا خَالِدُ! لَا تَرُدَّهُ عَلَيْهِ، هَلْ أَنْتُمْ تَارِكُوالِي أُمَرَائِي؟ لَكُمْ صَفْوَةُ أَمْرِهِمْ وَعَلَيْهِمْ كَدَرُهُ»

''خالد! اسے واپس نہ کرنا۔ (پھر آپ مجھ سے مخاطب ہوئے:) کیا تم میرے لیے میرے امراء کو چھوڑ نہیں سکتے؟ تمھیں تو ان کے امور کی خیر اور بھلائی حاصل ہو اور ان کے حصے میں صرف ڈانٹ ڈپٹ آئے؟''[1]

صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ خالد رضی اللہ عنہ کا عوف رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزر ہوا تو انھوں نے ان کی چادر کھینچ کر کہا: کیا میں نے رسول اللہ ﷺ سے تذکرہ کر کے اپنی بات پوری نہیں کر دی؟ یہ بات رسول اللہ ﷺ نے بھی سن لی، آپ ناراض ہوئے اور فرمایا:

«لَا تُعْطِهِ يَا خَالِدُ! لَا تُعْطِهِ يَا خَالِدُ! هَلْ أَنْتُمْ تَارِكُو لِي أُمَرَائِي؟ إِنَّمَا مَثَلُكُمْ وَمَثَلُهُمْ كَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتُرْعِيَ إِبِلًا أَوْغَنَمًا فَرَعَاهَا، ثُمَّ تَحَيَّنَ سَقْيَهَا فَأَوْرَدَهَا حَوْضًا، فَشَرَعَتْ فِيهِ فَشَرِبَتْ صَفْوَهُ وَتَرَكَتْ كَدْرَهُ، فَصَفْوُهُ لَكُمْ وَكَدْرُهُ عَلَيْهِمْ»

''خالد! اسے نہ دو، خالد! اسے نہ دو۔ کیا تم میری خاطر میرے امراء کو چھوڑ نہیں سکتے؟ تمھاری اور ان کی مثال تو اس شخص کی سی ہے جس نے اونٹ اور بکریاں چرانے کے لیے ایک شخص کو رکھا۔ اس نے انھیں چرایا، پھر انھیں پانی پلانے کا وقت آگیا تو وہ انھیں حوض پر لے گیا، انھوں نے اس سے پانی پینا شروع کر دیا۔ اس کا صاف پانی پی لیا اور گدلا چھوڑ دیا۔ اسی طرح خیر و بھلائی تو تمھارے لیے ہو اور خرابی ان (امراء) کے حصے میں آئے۔''[2]

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ رعایا کے حصے میں تو خیر اور بھلائی ہی آتی ہے، انھیں ان کے عطیات کسی محنت مشقت کے بغیر بھی مل جاتے ہیں لیکن ان کے برعکس حکمرانوں کو سخت حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ وہ اموال مناسب طریقے سے جمع کرتے اور مناسب انداز سے خرچ کرتے ہیں، رعایا کی حفاظت ونگہداشت کرتے ہیں، ان پر شفقت کرتے ہیں، ان کی تکالیف دور کرتے ہیں، ان کے باہمی معاملات انصاف سے طے کرتے

[1] مسند أحمد :28,27/6. [2] صحيح مسلم :1753، سنن أبي داود :2719.

ہیں اور جب کوئی ناگوار صورت حال پیش آجاتی ہے تو اس کا سامنا عوام کے بجائے حکمرانوں کو کرنا پڑتا ہے۔[1]

نبی ﷺ تعزیت کے لیے جعفر رضی اللہ عنہ کے گھر

سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کی بیوی سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ میرے گھر تشریف لائے۔ میں چالیس کھالیں رنگ چکی تھی، آٹا بھی گوندھ لیا تھا، اپنے بچوں کو بھی نہلا دھلا کر اور تیل مل کر صاف ستھرا کر چکی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «اِئْتِنِي بِبَنِي جَعْفَرٍ» ''جعفر کے بچوں کو میرے پاس لاؤ۔'' میں نے انھیں آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تو آپ ﷺ نے انھیں پیار کیا۔ اس دوران آپ کی آنکھیں اشکبار تھیں۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ کیوں رو رہے ہیں؟ کیا جعفر اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں آپ کو کوئی اطلاع ملی ہے؟ آپ نے فرمایا: «نَعَمْ أُصِيبُوا هٰذَا الْيَوْمَ» ''ہاں، آج وہ شہید ہوگئے ہیں۔'' یہ سن کر میں کھڑی ہوگئی اور رونے چیخنے لگی، میرے پاس عورتیں جمع ہوگئیں۔ رسول اللہ ﷺ اپنے گھر تشریف لے گئے اور فرمایا:

«لَا تُغْفِلُوا آلَ جَعْفَرٍ مِّنْ أَنْ تَصْنَعُوا لَهُمْ طَعَامًا، فَإِنَّهُمْ قَدْ شُغِلُوا بِأَمْرِ صَاحِبِهِمْ»

''جعفر کے گھر والوں سے غافل نہ ہونا، ان کے لیے کھانا پکانا کیونکہ وہ جعفر کے غم میں مشغول ہیں۔''[2]

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب زید بن حارثہ، جعفر بن ابی طالب اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم شہید ہوگئے تو اُس وقت رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ اقدس سے حزن و ملال نمایاں تھا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں دروازے کی جھری سے دیکھ رہی تھی کہ ایک آدمی آپ ﷺ کے پاس آیا اور اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! جعفر کے گھر کی عورتیں رو رہی ہیں۔ آپ نے اسے حکم دیا کہ انھیں منع کر دو۔ وہ آدمی چلا گیا اور پھر واپس آکر کہنے لگا: میں نے انھیں منع کیا ہے لیکن انھوں نے میری بات نہیں مانی۔ آپ ﷺ نے اسے دوبارہ وہی حکم دیا۔ وہ پھر گیا اور واپس آکر بولا: اللہ کی قسم! وہ ہم پر غالب آگئی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: «فَاحْثُ فِي أَفْوَاهِهِنَّ مِنَ التُّرَابِ» ''ان کے منہ میں مٹی ڈال دو۔''

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے اس سے کہا: اللہ تیری ناک خاک آلود کرے! تو یہ کام کرتا ہے نہ رسول اللہ ﷺ کو تکلیف پہنچانے سے باز آتا ہے۔[3]

---

[1] شرح مسلم للنووي: 97/12. [2] مسند أحمد: 370/6، نیز دیکھیے: سنن ابن ماجه: 1611. [3] صحيح البخاري: 4263، صحيح مسلم: 935.

میت کے گھر والوں کے لیے کھانا تیار کرنے کا حکم

یہاں اس طرف اشارہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میت کے قریبی رشتہ داروں، ہمسایوں یا دوست احباب کے لیے ضروری ہے کہ وہ میت کے گھر والوں کے لیے کھانا بھیجیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اِصْنَعُوا لِآلِ جَعْفَرٍ طَعَامًا فَإِنَّهُ قَدْ أَتَاهُمْ أَمْرٌ يَشْغَلُهُمْ»

''جعفر کے گھر والوں کے لیے کھانا تیار کرو کیونکہ ان کے پاس وہ خبر آگئی ہے جس نے انھیں (غم میں) مبتلا کر دیا ہے۔''[1]

میت کے گھر والوں کے پاس جمع ہونا اور انھی کے گھر سے کھانا کھانا ٹھیک بات نہیں ہے، جیسا کہ سیدنا جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

كُنَّا نَرَى الْاِجْتِمَاعَ إِلٰى أَهْلِ الْمَيِّتِ، وَصَنْعَةَ الطَّعَامِ مِنَ النِّيَاحَةِ.

''ہم میت کے گھر والوں کے پاس جمع ہونے اور (جمع ہونے والوں کے لیے) کھانا تیار کرنے ہی کو نوحہ شمار کرتے تھے۔''[2]

بلاشبہ نوحہ کرنا ہمارے دین میں حرام ہے۔ مسلمانوں کے لیے واجب ہے کہ وہ مروجہ رسوم و رواج ترک کر کے رسول اللہ ﷺ کی سنت ہی کو اپنے لیے مشعل راہ بنائیں۔ آپ ﷺ کی سنت کے مطابق عمل ہی دنیا و آخرت کی حسنات و برکات حاصل کرنے کا واحد ذریعہ ہے۔

لشکرِ اسلام کا واپسی پر شاندار استقبال

موتہ سے واپسی پر لشکرِ اسلام جب مدینہ کے قریب پہنچا تو مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں مدینہ سے باہر نکل کر غازیوں کا استقبال کیا۔ ان کے استقبال کے لیے بچے بھی بھاگے چلے آرہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ بھی اپنی سواری بادبہاری پر سوار تھے اور مجاہدین کے استقبال کے لیے آنے والے لوگوں کے شانہ بشانہ چل رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«خُذُوا الصِّبْيَانَ فَاحْمِلُوهُمْ وَأَعْطُونِي ابْنَ جَعْفَرٍ»

''بچوں کو پکڑ کر اپنے ساتھ سواریوں پر بٹھا لو اور جعفر کا بیٹا مجھے دے دو۔''

[1] سنن أبي داود: 3132. [2] سنن ابن ماجه: 1612.

عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا تو آپ نے اسے اپنے آگے بٹھالیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے ہمیشہ محبت وشفقت کا معاملہ فرماتے رہتے تھے جیسا کہ وہ خود روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول مبارک تھا کہ آپ جب کسی سفر سے واپس تشریف لاتے تو آپ کی خدمت میں آپ کے اہل بیت کے بچوں کو پیش کیا جاتا تھا۔ ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے تشریف لائے تو سب سے پہلے مجھے آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آپ نے مجھے سواری پر اپنے آگے بٹھالیا، پھر فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دو بیٹوں حسن رضی اللہ عنہ یا حسین رضی اللہ عنہ میں سے کسی ایک کو آپ کے سامنے لایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے پیچھے بٹھایا۔ اس طرح ہم ایک سواری پر تین سوار تھے اور اسی شان سے مدینہ میں داخل ہوئے تھے۔ [1]

پہلے سالارِ موتہ: زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ

سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی خوبیٔ قسمت پر بھلا کون ناز نہ کرے گا۔ آپ کو یہ سعادت حاصل ہے کہ امام کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ سے شدید محبت تھی۔ آزاد کردہ غلاموں میں سے آپ ہی تھے جو سب سے پہلے مسلمان ہوئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں نبوت سے پہلے اپنا متبنّیٰ بنالیا تھا جس کی وجہ سے انھیں زید بن محمد کہا جاتا تھا لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے اس نسبت کو ختم کر دیا اور فرمایا:

﴿ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ﴾

''ان (لے پالکوں) کو ان کے (حقیقی) باپوں کی نسبت سے پکارو۔ اللہ کے نزدیک یہ بہت انصاف کی بات ہے۔'' [2]

ابتدائے اسلام میں لے پالکوں کی بطور بیٹا کسی دوسرے شخص کی طرف نسبت کرنے کا جواز تھا مگر اس آیتِ کریمہ کی رو سے اسے منسوخ کر دیا گیا۔

سیدنا زید رضی اللہ عنہ واحد صحابی ہیں جن کا قرآن مجید میں نام آیا ہے۔ متعلقہ آیت یہ ہے:

﴿ وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَاۗىِٕهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۝ ﴾

''اور (اے نبی! یاد کریں) جب آپ اس شخص (زید بن حارثہ) سے جس پر اللہ نے انعام کیا اور آپ نے بھی

[1] مسند أحمد: 203/1، حديث: 1743، صحيح مسلم: 2428. [2] الأحزاب 5:33.

اس پر انعام کیا تھا، کہہ رہے تھے کہ تو اپنی بیوی (زینب) کو اپنے پاس رکھ اور اللہ سے ڈر اور آپ دل میں وہ بات (لے پالک کی مطلقہ سے نکاح) چھپاتے تھے جسے اللہ ظاہر کرنا چاہتا تھا، اور آپ لوگوں سے ڈرتے تھے، حالانکہ اللہ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ آپ اس سے ڈریں۔ پھر جب زید نے اس سے اپنی حاجت پوری کرلی تو ہم نے اس کا نکاح آپ سے کر دیا تاکہ مومنوں کے لیے اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں (سے نکاح) میں کوئی تنگی نہ رہے جب وہ ان سے اپنی حاجت پوری کرلیں، اور اللہ کا حکم تو (پورا) ہو کر ہی رہتا ہے۔''[1]

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں اپنے نبی ﷺ کے بارے میں فرمایا ہے کہ انھوں نے اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ﴿ اَمۡسِكۡ عَلَيۡكَ زَوۡجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ ﴾ اور اس سے مراد وہی ہیں اُن پر اللہ تعالیٰ نے قبولِ اسلام اور اتباعِ رسول ﷺ کی توفیق عطا فرما کر احسان فرمایا۔ ﴿ وَاَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِ ﴾ ''اور آپ نے (بھی) اس پر احسان کیا'' یعنی انھیں غلامی سے آزاد کر دیا اور وہ بڑی شان والے، جلیل القدر اور عظمت مآب نبی ﷺ کے حبیب تھے۔ انھیں رسول اللہ ﷺ کا محبوب کہا جاتا تھا جیسا کہ ان کے بیٹے اُسامہ کو محبوب ابن محبوب کہا جاتا ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں جس سریے میں بھی روانہ فرمایا، اُس کا امیر اُنھی کو بنایا۔ اگر وہ رسول اللہ ﷺ کے بعد زندہ رہتے تو آپ انھیں اپنا خلیفہ بنا دیتے۔[2] رسول اللہ ﷺ نے ان کی شادی اپنی پھوپھی زاد زینب بنت جحش اسدیہ رضی اللہ عنہا سے کر دی تھی۔ یاد رہے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی والدہ امیمہ بنت عبدالمطلب ہیں۔ زینب ان کی رفاقت میں ایک سال یا اس سے کچھ زیادہ عرصے تک رہیں، پھر دونوں میاں بیوی میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ زید رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے ان کی شکایت کی تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: ''اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھو اور اللہ سے ڈرو۔'' اور ''پھر جب زید نے اس سے اپنی حاجت پوری کر لی (اور پھر طلاق دے دی) تو ہم نے اس کا نکاح آپ سے کر دیا۔'' اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں ایسا بھی فرمایا ہے کہ یہ ہم نے اس لیے کیا ہے تاکہ مومنوں کو اپنے منہ بولے بیٹوں کی مطلقہ بیویوں سے نکاح کرنے میں کوئی تنگی نہ رہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے نبوت سے قبل زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا تھا اور انھیں اس دور کے رواج کے مطابق زید بن محمد کہا جاتا تھا، جب کہ اللہ تعالیٰ نے اس نسبت کو ختم کر دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِكُمۡ ﴾

''محمد (ﷺ) تمھارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں۔''[3]

[1] الأحزاب 37:33. [2] مسند أحمد: 227/6. [3] الأحزاب 40:33.

اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد زید بن محمد کہنے سے منع کر دیا گیا، یعنی محمد ﷺ ان کے والد نہیں بلکہ انھوں نے تو زید کو اپنامنہ بولا بیٹا بنایا ہوا تھا، جب کہ ہمارے نبی ﷺ کی نرینہ اولاد میں سے کوئی بھی بلوغت کی عمر تک نہیں پہنچ سکا۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر روانہ کیا اور اس کا امیر اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو مقرر فرمایا۔ بعض لوگوں نے ان کی امارت پر اعتراض کیا تو رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو گئے اور ارشاد فرمایا:

«إِنْ تَطْعَنُوا فِي إِمَارَتِهِ فَقَدْ كُنْتُمْ تَطْعَنُونَ فِي إِمَارَةِ أَبِيهِ مِنْ قَبْلُ، وَأَيْمُ اللّٰهِ! إِنْ كَانَ لَخَلِيقًا لِلْإِمَارَةِ، وَإِنْ كَانَ لَمِنْ أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيَّ، وَإِنَّ هٰذَا لَمِنْ أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيَّ بَعْدَهُ»

''اگر تم ان کی امارت پر اعتراض کر رہے ہو تو اس سے پہلے تم نے ان کے باپ کی امارت پر بھی اعتراض کیا تھا۔ اللہ کی قسم! وہ امارت کے اہل تھے، وہ میرے محبوب ترین لوگوں میں سے تھے اور ان کے بعد یہ (اسامہ بھی) میرے محبوب ترین لوگوں میں سے ہیں۔'' [1]

دوسرے سالارِ موتہ: جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اپنے بڑے بھائیوں طالب سے 20 سال اور سیدنا عقیل رضی اللہ عنہ سے 10 برس چھوٹے تھے۔ اس طرح آپ اپنے بھائی سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے 10 برس بڑے تھے۔ سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ نے حبشہ کی طرف ہجرت کی اور شاہِ حبش اصحمہ (نجاشی) کے دربار میں فصیح و بلیغ تقریر کر کے اسے اسلام کی طرف مائل کیا۔ نجاشی اصحمہ نے نہ صرف مہاجر مسلمانوں کو کفار مکہ کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا بلکہ وہ حلقہ بگوشِ اسلام بھی ہو گئے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی بیان کرتے ہیں کہ جوتا پہننے والوں، سواریوں پر سوار ہونے والوں اور اونٹ کے کجاوے پر چڑھنے والوں میں رسول اللہ ﷺ کے بعد جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے افضل کوئی نہ تھا۔ [2] ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ اشارہ شاید بلحاظِ جود و کرم ان کی فضیلت کی طرف تھا کیونکہ انھی سے مروی ایک دوسری روایت میں ہے کہ لوگ میرے بارے میں کہتے ہیں: ابو ہریرہ بہت کثرت سے احادیث بیان کرتے ہیں، میرا حال یہ تھا کہ کھانا مل جاتا تھا تو بقدر ضرورت کھانا کھا لیتا تھا اور پھر ہر وقت رسول اللہ ﷺ ہی کے ساتھ ساتھ رہتا تھا۔ میں خمیری روٹی کھاتا تھا نہ عمدہ لباس پہنتا تھا اور نہ کوئی میری خدمت کرتا تھا۔ میں بھوک کی شدت کی وجہ سے پیٹ پر کنکریاں باندھ لیتا تھا۔ میں ایک شخص سے کہتا کہ مجھے فلاں آیت پڑھ کر سنا دو، حالانکہ وہ آیت مجھے یاد ہوتی تھی لیکن میرا مقصد یہ ہوتا تھا کہ وہ

[1] صحيح البخاري: 4469، صحيح مسلم: 2426. [2] جامع الترمذي: 3764.

مجھے گھر لے جائے اور کھانا کھلائے۔ مساکین کے ساتھ بہترین معاملہ کرنے والے جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تھے، وہ ہمیں اپنے ساتھ لے جاتے اور جو کچھ گھر میں ہوتا، وہ کھلا دیتے تھے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ وہ ہمیں گھی کا ڈبہ دے دیتے جس میں کچھ نہیں ہوتا تھا، بس ہم اسے پھاڑ کر اس میں لگا ہوا گھی چاٹ لیتے تھے۔[1]

تیسرے سالارِ موتہ: عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ

سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ لشکرِ اسلام کے وہ تیسرے امیر تھے جن کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موتہ کے لیے تقرر فرمایا تھا۔ پہلے دونوں امیروں زید و جعفر رضی اللہ عنہما کی شہادت کے بعد جب انھوں نے پرچم تھام لیا تو بڑی بے جگری کے ساتھ ڈٹ کر دشمن کا مقابلہ کیا حتی کہ اپنے گھوڑے سے نیچے اتر آئے۔ وہ دشمن کی صفوں میں دور تک گھستے چلے گئے اور دادِ شجاعت دیتے دیتے جامِ شہادت نوش فرما گئے۔ جن کی شہادت کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ نفسِ نفیس گواہی دی ہو، ان کے جنت نشین ہونے میں بھلا کیا شک ہوسکتا ہے۔

امامِ کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فرمان کے آگے سرِ تسلیم خم کر کے سراپا اطاعت بن جانے والے ابن رواحہ رضی اللہ عنہ کے جذبۂ اتباع و اطاعتِ رسول کا اندازہ اس واقعے سے لگائیے جسے عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ نے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ ایک دفعہ مسجد میں داخل ہونے کو تھے، اس وقت آنحضور علیہ الصلاۃ والسلام خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ اقدس سے ادا ہونے والے یہ الفاظ سنے: «اِجْلِسُوا» ”بیٹھ جاؤ۔“ تو وہ مسجد کے باہر ہی بیٹھ گئے اور جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرماتے رہے، وہ باہر ہی بیٹھے رہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے ان کی تحسین کرتے ہوئے فرمایا:

«زَادَكَ اللّٰهُ حِرْصًا عَلٰى طَوَاعِيَةِ اللّٰهِ وَطَوَاعِيَةِ رَسُولِهِ»

”اللہ تعالیٰ تمھارے ذوقِ اطاعتِ الٰہی اور ذوقِ اطاعتِ رسول میں اضافہ فرمائے۔“[2]

سیدنا ابن رواحہ رضی اللہ عنہ کو صرف ایک ہی شوق تھا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے ہوئے اپنے ایمان میں اضافہ کرتے رہیں۔ عطاء بن یسار سے روایت ہے کہ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک ساتھی سے کہا: ”آئیے ہم چند لمحے ایمان و یقین کی باتیں کریں۔“ انھوں نے جواب دیتے ہوئے پوچھا: ”کیا ہم مومن نہیں ہیں؟“ آپ نے فرمایا: ”کیوں نہیں، لیکن میرا مقصد یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں تاکہ اس طرح ہمارے ایمان میں مزید اضافہ ہو جائے۔“[3]

---

[1] صحيح البخاري: 3708. [2] دلائل النبوة للبيهقي: 257/6. [3] شعب الإيمان للبيهقي: 75/1، حديث: 50.

ایمان میں ہر آن اور ہر گھڑی اضافے کے لیے آپ کے شوق فراواں کا یہ عالم تھا کہ سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک بار ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے۔ موسم بے حد گرم تھا اور ہم میں سے صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ ہی روزے کی حالت میں تھے۔ [1]

مدّاحِ رسول کے اشعار

سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو یہ سعادت بھی حاصل ہے کہ ان کا شمار دربارِ رسالت کے مشہور شعرائے کرام میں ہوتا ہے۔ ان کی نعت کے یہ اشعار امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی نقل فرمائے ہیں:

وَفِينَا رَسُولُ اللّٰهِ يَتْلُو كِتَابَهُ   إِذَا انْشَقَّ مَعْرُوفٌ مِّنَ الْفَجْرِ سَاطِعُ

''ہم میں اللہ کے رسول موجود ہیں جو اللہ تعالیٰ کی کتاب کی اس وقت بھی تلاوت فرماتے ہیں جب سپیدہ سحر نمودار ہوتا ہے۔''

أَرَانَا الْهُدٰى بَعْدَ الْعَمٰى فَقُلُوبُنَا بِهِ   مُوقِنَاتٌ أَنَّ مَا قَالَ وَاقِعُ

''جب گمراہی چھائی ہوئی تھی تو آپ نے ہمیں ہدایت کی راہ دکھائی۔ ہمارے دل اس یقین سے سرشار ہیں کہ آپ نے جو کچھ فرمایا ہے، وہ وقوع پذیر ہو کر رہے گا۔''

يَبِيتُ يُجَافِي جَنْبَهُ عَنْ فِرَاشِهِ   إِذَا اسْتَثْقَلَتْ بِالْمُشْرِكِينَ الْمَضَاجِعُ

''آپ اس طرح شب بسر فرماتے ہیں کہ پہلو بستر سے جدا ہوتا ہے جب کہ مشرکین کے بستر بہت بھاری ہو جاتے ہیں۔'' [2]

صحابی سے فرشتوں کا استفسار

سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ ایک بار شدتِ مرض کے باعث عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ پر غشی طاری ہوگئی۔ ان کی بہن عمرہ رضی اللہ عنہا رونے لگی اور یہ کہنا شروع کر دیا: ہائے پہاڑ جیسا بھائی! ہائے ایسا مایۂ ناز بھائی! ہائے ایسی صفات کا بھائی! اسی طرح روتے روتے وہ آپ کی خوبیاں شمار کرنے لگی۔ جب آپ ہوش میں آئے تو اپنی بہن سے فرمایا: تم نے میرے بارے میں جو الفاظ کہے ہیں، ان کی نسبت (فرشتوں کی طرف سے) مجھ سے یہ پوچھا گیا ہے کہ کیا واقعی تم اس طرح ہو۔ [3] لیکن آپ کی وفات اس مرض میں نہیں ہوئی بلکہ آپ نے تو موتہ میں شرفِ شہادت حاصل

[1] صحيح البخاري: 1945. [2] صحيح البخاري: 1155. [3] صحيح البخاري: 4267.

کیا۔ سیدنا عبداللہ بن رواحہ بن ثعلب بن امرؤ القیس انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ کے مناقب شمار سے باہر ہیں۔ وہ ان فقید المثال حضرات میں سے ایک تھے جن کے اسمائے گرامی بیعتِ عقبہ کے نقیبوں کی حیثیت سے تاریخ نے محفوظ کر لیے ہیں۔ غزوہ بدر میں بھی آپ کو شرکت کی سعادت نصیب ہوئی اور موتہ میں لشکرِ اسلام کی قیادت کے عظیم فرائض انجام دیتے ہوئے آپ رب کریم کے حضور پہنچ گئے۔

شہدائے موتہ کے اسمائے گرامی

موتہ کے معرکۂ کارزار میں جن مجاہدین کو شہادت نصیب ہوئی، ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

مہاجرین کے اسمائے گرامی: 1 زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما 2 جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ 3 مسعود بن اسود عدوی رضی اللہ عنہ 4 وہب بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ۔

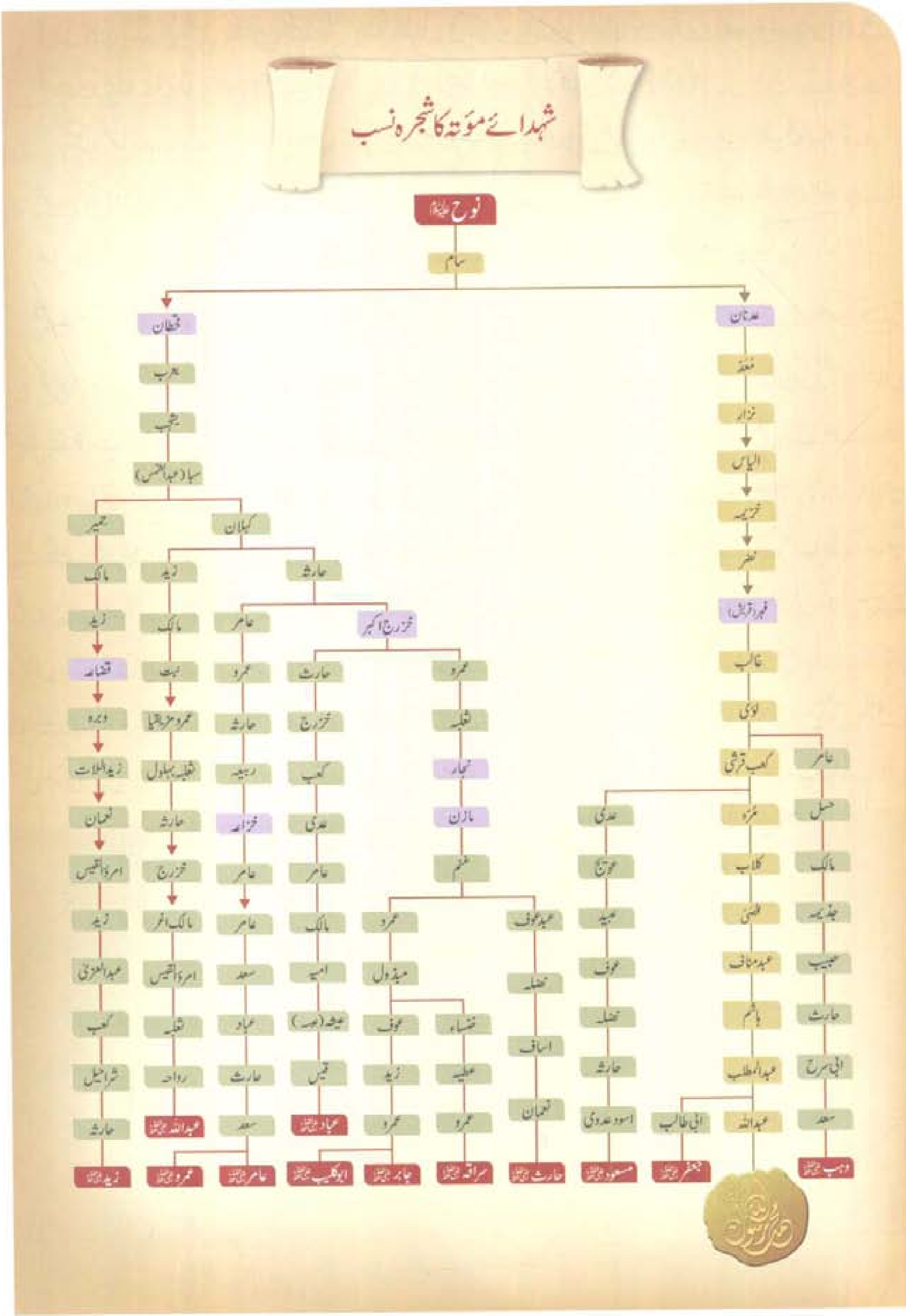
انصار کے اسمائے گرامی: 1 عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ 2 عباد بن قیس رضی اللہ عنہ 3 حارث بن نعمان بن اساف بن نضلہ نجاری رضی اللہ عنہ 4 سراقہ بن عمرو بن عطیہ بن خنساء مازنی رضی اللہ عنہ۔ (ابن ہشام نے بروایت امام زہری رحمہ اللہ مذکورہ بالا آٹھ حضرات کے علاوہ اِن چار شہداء کے نام نامی بھی لکھے ہیں): 5 ابوکلیب رضی اللہ عنہ 6 جابر رضی اللہ عنہ۔ (ابوکلیب رضی اللہ عنہ اور یہ دونوں بھائی اور عمرو بن زید بن عوف بن مبذول المازنی کے بیٹے تھے۔) 7 عمرو رضی اللہ عنہ 8 عامر رضی اللہ عنہ۔ (یہ اور عمرو رضی اللہ عنہ دونوں بھائی تھے، سعد بن حارث بن عباد بن سعد بن عامر بن ثعلبہ بن مالک بن افصیٰ کے صاحبزادے تھے۔)[1]

اس طرح کل شہدائے موتہ کی تعداد بارہ ہے، رضی اللہ عنہم اجمعین۔

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی جوہردار تلواریں

میدانِ موتہ میں مجاہدینِ اسلام نے مشرکین کو اس قدر کثرت سے ہلاک کیا کہ کشتوں کے پشتے لگا دیے۔ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے کمالاتِ حرب وضرب کی مثال ہی نہیں ملتی۔ وہ خود بیان فرماتے ہیں کہ اس دن میرے ہاتھ سے نو تلواریں ٹوٹی تھیں۔ کوئی تلوار میرے ہاتھ میں بچنے ہی نہ پاتی تھی، صرف یمن کی بنی ہوئی ایک چوڑی تلوار نے میرا ساتھ دیا۔ سیدنا خالد بن ولید کے اسی بیان سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مشرکوں کو تہ تیغ کرتے کرتے جب نو تلواریں ٹوٹ گئیں تو ان تلواروں کی زد میں آ کر نہ جانے کتنے کفار واصل جہنم ہوئے ہوں گے۔ ان کے علاوہ دیگر بہادروں نے بھی کفار کے چھکے چھڑا دیے اور انھیں جی بھر کر قتل کیا تھا۔ موتہ کے میدان میں کفر و اسلام کی یہ جنگ گویا اس ارشادِ باری تعالیٰ کے مصداق تھی:

1 السيرة لابن هشام :1057/4.



شہدائے موتہ کا شجرہ نسب
نوح علیہ السلام
سام
عدنان
معد
نزار
الیاس
خزیمہ
نضر
فہر (قریش)
غالب
لوی
کعب قرشی
مرہ
کلاب
قصی
عبد مناف
ہاشم
عبدالمطلب
عبداللہ
ابی طالب
جعفر
محمد رسول اللہ
عامر
حسل
مالک
جذیمہ
حبیب
حارث
ابی سرح
سعد
وہب
عدی
عویج
عبید
عوف
نضلہ
حارثہ
اسود عدوی
مسعود
قحطان
یعرب
یشجب
سبا (عبد الشمس)
حمیر
مالک
زید
قضاعہ
وبرہ
زید اللات
نعمان
امرؤالقیس
زید
عبدالعزیٰ
کعب
شراحیل
حارثہ
زید
کہلان
زید
مالک
نبت
عمرو مزیقیا
ثعلبہ بہلول
حارثہ
خزرج
مالک اغر
امرؤالقیس
ثعلبہ
رواحہ
عبداللہ
عمرو
حارثہ
عامر
عمرو
حارثہ
ربیعہ
خزاعہ
عامر
عامر
سعد
عباد
حارثہ
سعد
عامر
خزرج اکبر
حارث
خزرج
کعب
عدی
عامر
مالک
امیہ
عیشہ (بیھ)
قیس
عباد
ابوکلیب
عمرو
ثعلبہ
نجار
مازن
غنم
عمرو
مبذول
عوف
زید
عمرو
جابر
خنساء
عطیہ
عمرو
سراقہ
عبد عوف
نضلہ
اساف
نعمان
حارث

﴿قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۖ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ اُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ۚ وَ اللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ﴾

''تحقیق تمھارے لیے ان دو گروہوں میں ایک بڑی نشانی ہے جو باہم ٹکرائے، ایک گروہ اللہ کی راہ میں لڑ رہا تھا اور دوسرا گروہ کافر تھا، مسلمان ظاہری آنکھوں سے ان کو اپنے سے دوگنا دیکھ رہے تھے اور اللہ اپنی مدد سے جس کو چاہتا ہے قوت دیتا ہے، بے شک اس میں بصیرت والوں کے لیے عبرت ہے۔''[1]

شہید ہونے والے تینوں سپہ سالاروں کی فضیلت

غزوۂ موتہ میں شہید ہونے والے تینوں امراء کے بارے میں ایک حدیث بھی وارد ہے جس سے ان کی عظیم الشان فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ ابواُمامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''میں سو رہا تھا، میرے پاس دو آدمی آئے، انھوں نے مجھے بغل کے نیچے سے پکڑا اور ایک دشوار گزار پہاڑ کے پاس لے گئے۔ پھر کہا کہ چڑھو۔ میں نے کہا کہ مجھے اس کی طاقت نہیں۔ انھوں نے کہا کہ ہم اسے آپ کے لیے آسان کر دیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ میں پہاڑ پر چڑھ کر اس کی بلندی تک پہنچ گیا تو مجھے زوردار آوازیں سنائی دینے لگیں۔ میں نے پوچھا کہ یہ آوازیں کیسی ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ یہ اہلِ دوزخ کی فریاد اور چیخ پکار ہے۔ پھر وہ مجھے لے کر آگے بڑھے، وہاں کچھ ایسے لوگ تھے جنھیں ان کی ایڑیوں کے ساتھ باندھ دیا گیا تھا، ان کی باچھیں کٹی ہوئی تھیں اور ان سے خون بہہ رہا تھا۔ میں نے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: یہ وہ لوگ ہیں جو وقت سے پہلے اپنے روزے افطار کر لیتے تھے۔ کہا: یہود و نصاریٰ ناکام و نامراد ہو گئے ...... سلیمان کہتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ میں نے یہ الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے یا راوی نے اپنی رائے سے کہے ...... پھر وہ مجھے لے کر اور آگے بڑھے تو وہاں ایسے لوگ دیکھے جو بہت پھولے ہوئے اور انتہائی متعفن تھے، وہ بہت گھناؤنا منظر پیش کر رہے تھے۔ میں نے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ یہ کفار کے مقتول ہیں۔ پھر وہ مجھے لے کر آگے بڑھے تو وہاں بھی ایسے ہی لوگ تھے جو بہت پھولے ہوئے تھے اور بے حد بدبودار تھے، ان کی بو پاخانوں کی بدبو جیسی تھی۔ میں نے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: یہ زانی مرد اور عورتیں ہیں۔ پھر وہ مجھے لے کر آگے چلے تو میں نے کچھ ایسی عورتیں دیکھیں جن کے پستانوں کو سانپ ڈس رہے تھے۔ میں نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ یہ وہ عورتیں ہیں جو اپنے بچوں کو دودھ نہیں پلاتی تھیں۔ پھر وہ مجھے آگے لے کر چلے تو میں نے ایسے

[1] آل عمرٰن 3:13.

بچے دیکھے جو دونہروں کے مابین کھیل رہے تھے۔ میں نے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: یہ مومنوں کے چھوٹے بچے ہیں۔ پھر وہ مجھے بہت بلندی پر لے گئے، وہاں تین آدمی تھے، وہ شراب پی رہے تھے یعنی جنت کی شراب طہور نوش کر رہے تھے۔ میں نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: یہ جعفر بن ابی طالب، زید بن حارثہ اور عبداللہ بن رواحہ (رضی اللہ عنہم) ہیں۔ پھر وہ مجھے ایک اور بلندی پر لے گئے، وہاں بھی میں نے تین آدمی دیکھے۔ میں نے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: یہ ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام ہیں اور آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔‘‘ [1]

غزوہ موتہ سے حاصل ہونے والا سبق

معرکۂ موتہ میں ہمارے لیے درس و عبرت کا بہت سا سامان ہے۔ سرزمین شام میں لڑی جانے والی اس جنگ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد صرف تین ہزار تھی، جب کہ مدمقابل رومیوں کے لشکر کی تعداد دو لاکھ جنگجوؤں پر مشتمل تھی، یعنی دشمن لشکر اسلام سے ستر گنا زیادہ تھے۔ مسلمانوں کے پاس اسلحہ اور دیگر ساز و سامانِ حرب بھی بہت تھوڑا تھا، جب کہ رومی لشکر مکمل طور پر مسلح اور دیگر جنگی ضروریات اور غذائی اجناس سے مالا مال تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شام کے اس علاقے میں غریب الدیار تھے، جب کہ رومیوں کا یہ اپنا وطن تھا۔ الغرض ہر دنیوی معیار اور ہر مادی پیمانے کے حساب سے رومیوں کا پلڑا بہت بھاری تھا۔ اب قابلِ غور بات یہ ہے کہ آخر وہ کیا چیز تھی جس کے بل بوتے پر چھ یا سات دن تک جاری رہنے والی اس جنگ میں مجاہدین اسلام نے کفار کے چھکے چھڑا دیے؟ دراصل مجاہدینِ اسلام

[1] صحيح ابن خزيمة :237/3، حديث :1986، المعجم الكبير للطبراني :157/8.



غزوۂ موتہ کے مقام پر یادگار

دولتِ ایمان سے بہرہ مند تھے جس کی بابت ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝﴾

''اور تم سستی نہ کرو اور نہ غم کھاؤ، تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو۔''[1]

تاریخ شاہد ہے کہ جب تک مسلمان ایمان کی دولت سے مالا مال ہو کر، اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس پر کامل بھروسے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کے لیے جہاد کرتے رہے، تعداد کی قلت اور سامانِ حرب کی کمی کے باوجود کئی کئی گنا بھاری دشمن پر غالب آتے رہے۔ مگر جب ایمان کمزور ہوگیا، اللہ تعالیٰ کی ذاتِ گرامی پر بھروسہ نہ رہا اور جہاد سے منہ موڑ لیا تو ذلت ورسوائی کا عذاب چھا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس بارے میں پہلے ہی خبردار فرما دیا تھا:

«إِذَا تَبَايَعْتُمْ بِالْعِينَةِ وَأَخَذْتُمْ أَذْنَابَ الْبَقَرِ وَرَضِيتُمْ بِالزَّرْعِ وَتَرَكْتُمُ الْجِهَادَ سَلَّطَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ ذُلًّا لَا يَنْزِعُهُ حَتّٰى تَرْجِعُوا إِلٰى دِينِكُمْ»

''جب تم بیع عینہ[2] کرنے لگو، گایوں کی دموں کو پکڑ لو، کھیتی باڑی پر رضامند ہو جاؤ اور جہاد کو چھوڑ دو تو اللہ تعالیٰ تم پر ذلت مسلّط کر دے گا اور اس وقت تک اسے دور نہیں کرے گا، جب تک تم اپنے دین کی طرف نہ پلٹ آؤ گے۔''[3]

ایمان باللہ اور توکل علی اللہ کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ کافروں سے جنگ کرنے اور ان کا مقابلہ کرنے کے لیے پوری امکانی استطاعت کے ساتھ جنگ کے ہتھیار بھی تیار رکھے جائیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ.....﴾

''اور جہاں تک ہو سکے قوت (اپنے دور کے احوال وظروف کے مطابق اسلحہ) سے اور بندھے ہوئے گھوڑوں سے ان کے (مقابلے کے) لیے مستعد رہو۔''[4]

غزوۂ موتہ سے ماخوذ احکام ومسائل

سریہ موتہ کے حالات وواقعات کے مطالعے سے درج ذیل فقہی احکام ومسائل ثابت ہوتے ہیں:

[1] آل عمرٰن 3:139۔ [2] بیع عینہ یہ ہے کہ ایک شخص کسی مدت مقررہ کے ادھار پر اپنا سودا کسی کے ہاتھ ایک متعین قیمت میں بیچے، پھر وہ اسی سے اس سے کم قیمت میں خود ہی نقد خرید لے۔ رافعی نے بیع عینہ کی صورت یہ بیان کی ہے کہ کسی کو اپنا سودا ایک مقرر قیمت پر ادھار بیچے اور وہ سودا خریدار کے سپرد بھی کر دے، پھر اس سے قیمت وصول کرنے سے قبل خود ہی کم قیمت نقد ادا کر کے اسے خرید لے۔ [3] سنن أبي داود: 3462۔
[4] الأنفال 8:60۔

1 آنحضرت ﷺ نے جب لشکر اسلام کو موتہ کی طرف روانہ فرمایا تو اس کے لیے تین امراء کا تقرر فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ امارت کو شرط کے ساتھ مشروط بھی کیا جا سکتا ہے اور بالترتیب متعدد امراء بھی نامزد کیے جا سکتے ہیں۔

2 میدان جنگ سے خبر آنے سے قبل رسول اللہ ﷺ نے تینوں امراء کی شہادت کی خبر صحابہ رضی اللہ عنہم کو دے دی تھی، اس سے معلوم ہوا کہ میت کی موت کی اطلاع دینا جائز ہے، نیز یہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی صداقت کی ایک بڑی روشن دلیل ہے کہ اللہ نے وحی کے ذریعے آپ کو سیکڑوں میل دور لڑی جانے والی جنگ میں پیش آمدہ واقعات اور جام شہادت نوش کرنے والے امراء کے بارے میں فوراً خبر دے دی۔

3 رسول اللہ ﷺ کی طرف سے متعین کردہ تینوں امراء کی شہادت کے بعد مسلمانوں نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اپنا امیر مقرر کر لیا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ نبی ﷺ کی زندگی میں بھی اجتہاد کرنا جائز تھا۔

4 تینوں امراء کی شہادت کی خبر آنے کے بعد آنحضور علیہ الصلاۃ والسلام کے چہرۂ اقدس پر انتہائی حزن و ملال ظاہر ہونا اس رحمت کی دلیل تھی جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے قلب اطہر میں ودیعت فرما رکھی تھی۔ شدتِ غم کے باعث آنکھوں سے آنسو جاری ہو جانا رضا بالقضاء کے منافی نہیں ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مصیبت کی وجہ سے حزن و غم کا اظہار صبر کے منافی نہیں ہے بشرطیکہ دل اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر مطمئن ہو۔ یہاں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جو شخص مصیبت اور غم کی شدت محسوس کرتے ہوئے اپنے نفس کو تسلیم و رضا اور صبر پر آمادہ کرتا ہے اور مصیبت کی پروا نہیں کرتا، اللہ کے ہاں اس کا رتبہ بلند تر ہے۔[1]

5 رومیوں کے ساتھ اس پہلی جنگ کے تجربے سے مستقبل میں ان کے خلاف جہاد کے لیے مسلمانوں نے بہت سے گُر سیکھ لیے۔ اس جنگ سے مسلمانوں کو رومیوں کی تعداد، ان کے سامانِ حرب، ان کے جنگی طریق کار اور ان کے علاقے کی آب و ہوا کے بارے میں بہت سی معلومات حاصل ہو گئیں جو مستقبل میں ان کے کام آئیں۔[2]

6 ہر طرح کے کیل کانٹے سے لیس دو لاکھ کے لشکر جرار کے مقابلے میں صرف تین ہزار مجاہدین کی قیادت کرنے والے تینوں امراء کے عملی کردار سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس قدر زبردست ناقابلِ تسخیر ایمانی قوت کے مالک تھے۔[3]
اور اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی پر ان کا توکل کتنا مضبوط تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایمان باللہ اور توکل علی اللہ کے سہارے جہاد کے میدانوں میں بے لچک ثبات و استقامت کے ساتھ شجاعت و بسالت کے ایسے ایسے محیر العقول کارہائے نمایاں کر دکھائے جو قیامت تک مسلمانوں کے لیے مشعلِ راہ کا کام دیتے رہیں گے۔

1 فتح الباري: 643,642/7. 2 المجتمع المدني في عهد النبوة، دكتور أكرم ضياء العمري، ص: 168. 3 السيرة النبوية للمهدي: 109/2.

سریہ ذات السلاسل

سُلاسِل کو پہلے سین کے ضمہ اور فتحہ کے ساتھ دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ یہ وادی القریٰ کے پیچھے ایک جگہ کا نام ہے، اس کے اور مدینہ منورہ کے درمیان دس دن کی مسافت ہے۔ یہ سریہ جمادی الآخرہ 8 ھ میں پیش آیا۔[1] ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ 7 ھ میں واقع ہوا، ابن ابی خالد نے کتاب ''صحیح التاریخ'' میں یہی بیان کیا ہے، ابن عساکر نے کہا ہے کہ اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ سریہ غزوہ موتہ کے بعد ہوا، البتہ ابن اسحاق کے بقول یہ غزوہ موتہ سے پہلے ہوا تھا۔[2]

سریہ موتہ سے مدینہ منورہ واپسی کے چند دن بعد ہی جمادی الآخرہ 8 ھ میں رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر ملی کہ قضاعہ کے لوگ ایک بار پھر مدینہ منورہ پر حملہ آور ہونے کے لیے جمع ہو رہے ہیں۔[3] آپ ﷺ نے پیغام بھیج کر سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان سے فرمایا: ''میں تمھیں ایک لشکر کے قائد کے طور پر بھیجنا چاہتا ہوں، اس میں اللہ تعالیٰ تمھیں سلامت بھی رکھے گا اور مالِ غنیمت سے بھی نوازے گا۔ میری خواہش ہے کہ اللہ تعالیٰ تمھیں مال عطا فرمائے۔'' انھوں نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! میں مال کے لیے مسلمان نہیں ہوا، میں تو اسلام کے شوق اور یہ اعزاز پانے کے لیے مسلمان ہوا ہوں کہ مجھے ذاتِ گرامی کی صحبت و رفاقت کا شرف نصیب ہو۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''عمرو! وہ مال بہت ہی اچھا ہے جو نیک آدمی کے پاس ہو۔'' پھر آپ نے انھیں تین سو مہاجرین و انصار کے دستے کا کمانڈر بنا کر بھیجا تاکہ آپ قضاعہ کو انھی کے علاقے میں سبق سکھا دیں۔ آپ ﷺ نے انھیں یہ بھی حکم دیا کہ قضاعہ کی بعض شاخوں مثلاً: بلیّ، عُذرہ اور بَلْقَین میں سے اپنے ہمدردوں سے بھی دشمن کے خلاف مدد لے لینا۔ یہ آپ ﷺ نے اس لیے فرمایا کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی دادی کا تعلق قضاعہ کی شاخ بلی سے تھا۔

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اپنے اس مختصر سے لشکر کی قیادت کرتے ہوئے منزل مقصود کی طرف چل پڑے اور چلتے چلتے ارض جذام کے ایک چشمے کے پاس پہنچ گئے، اسے سلسل کہا جاتا تھا...... اسی وجہ سے اس سریہ کو ذات السلاسل کے نام سے موسوم کیا گیا ...... وہاں آپ کو خبر ملی کہ قضاعہ نے بہت بڑا لشکر تیار کیا ہے، لہٰذا انھوں نے مزید کمک

[1] زاد المعاد: 386/3. [2] فتح الباري: 93/8. [3] الطبقات لابن سعد: 131/2.

کے لیے رافع بن مکیث جہنی رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا تو آپ ﷺ نے سیدنا ابوعبیدہ عامر بن جراح رضی اللہ عنہ کی قیادت میں دو سو مہاجرین و انصار کی کمک بھیج دی۔ اس میں سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے۔ آپ نے عمرو اور ابوعبیدہ دونوں کو حکم دیا کہ صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما کا احترام پوری طرح ملحوظ رکھیں۔

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اپنے دستے کی قیادت کرتے ہوئے، بلی کے علاقوں کو پامال کرتے کرتے عذرہ، بلقین اور پھر ان علاقوں کے آخری حدود تک پہنچ گئے۔ آخری علاقے میں ان کا ٹکراؤ ایک بہت بڑے لشکر سے ہوا جس پر مسلمانوں نے حملہ کر دیا تو مشرکین دم دبا کر بھاگ گئے۔ اس کے بعد سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں واپس آ گئے۔[1]

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا حالت جنابت میں نماز پڑھانے کا واقعہ

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ نے مجھے ذات السلاسل کے سال بھیجا تو مجھے ایک ایسی رات میں احتلام ہوگیا جو بے حد سرد تھی۔ مجھے یہ خدشہ لاحق ہوا کہ اگر میں نے غسل کیا تو مر جاؤں گا، لہٰذا میں نے تیمّم کر کے اپنے ساتھیوں کو صبح کی نماز پڑھا دی۔ جب ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو میں نے آپ ﷺ سے اس کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا:

«يَا عَمْرُو! صَلَّيْتَ بِأَصْحَابِكَ وَ أَنْتَ جُنُبٌ؟»

''اے عمرو! تم نے اپنے ساتھیوں کو حالت جنابت ہی میں نماز پڑھا دی؟''

میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے انتہائی ٹھنڈی رات میں احتلام ہوا، خدشہ تھا کہ اگر میں نے غسل کیا تو مر جاؤں گا، تو اس موقع پر مجھے یہ ارشاد باری تعالیٰ یاد آیا:

﴿وَلَا تَقْتُلُوٓا أَنفُسَكُمْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا﴾

''اور اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو، ہرگز شک نہیں کہ اللہ تم پر مہربان ہے۔''[2]

لہٰذا میں نے تیمّم کر کے نماز پڑھا دی۔ یہ بات سن کر رسول اللہ ﷺ کے لب مبارک پر تبسم کی روشنی پھیل گئی اور آپ نے عمرو رضی اللہ عنہ کو مزید کچھ نہ فرمایا۔[3]

اس سریے میں جب کہ شدید سردی کا موسم تھا، سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ آگ نہ جلائیں اور دشمن کا پیچھا بھی نہ کریں۔ بعض مجاہدین نے اس پر اعتراض کیا حتی کہ مدینہ منورہ میں واپسی کے موقع پر انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے آپ کی شکایت بھی کی تو عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اپنے موقف کی وضاحت کرتے

[1] المغازي للواقدي: 2/218، 219. [2] النسآء 4:29. [3] سنن أبي داود: 334.

ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: میرے ساتھیوں کی تعداد کم تھی، میں نے آگ جلانے پر اس لیے پابندی لگا دی تاکہ دشمن لشکر اسلام کی قلت سے آگاہ نہ ہونے پائے اور میں نے دشمن کا پیچھا کرنے سے اس لیے منع کر دیا تھا، مبادا انھوں نے کوئی کمین گاہ بنا رکھی ہو۔ رسول اللہ ﷺ یہ بات سن کر بہت خوش ہوئے۔ [1] یہ جدید دور کے بلیک آؤٹ کی جنگی حکمت عملی کے مطابق ایک تدبیر کے طور پر تھا، Blackout کی غالباً یہ سب سے پہلی مثال ہے جو تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہے۔

فقہی احکام و مسائل

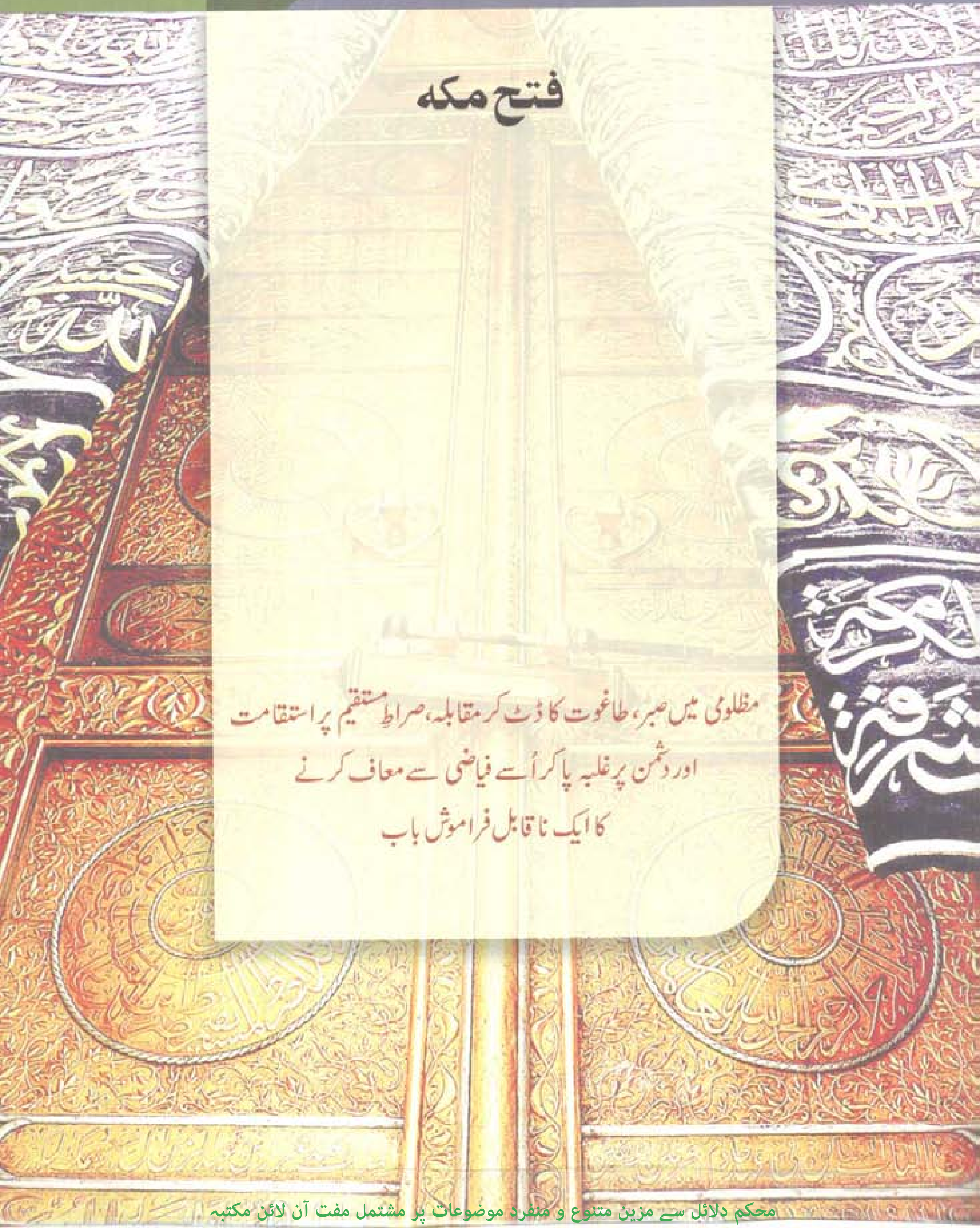
سریہ ذات السلاسل سے درج ذیل فقہی احکام و مسائل کا استنباط کیا گیا ہے:

1 سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو شیخین صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما کی موجودگی میں امیر لشکر بنانے سے ثابت ہوتا ہے کہ فاضل کی موجودگی میں مفضول کو اس وقت امیر بنانا جائز ہے جب مفضول اس امارت یا ولایت کی مناسبت سے کسی امتیازی صفت کا مالک ہو جیسا کہ سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ ماہر جنگ تھے۔ سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما فضیلت میں عمرو رضی اللہ عنہ سے بہت آگے تھے۔ عمرو رضی اللہ عنہ خود بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مجھے سریۂ ذات السلاسل کا امیر مقرر کیا تو میں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا: لوگوں میں سے کون آپ کو زیادہ محبوب ہے؟ آپ نے فرمایا: ''عائشہ۔'' میں نے پوچھا: مردوں میں سے کون ہے؟ آپ نے فرمایا: ''ان کے والد (ابوبکر رضی اللہ عنہ)۔'' میں نے پوچھا: پھر کون؟ آپ نے فرمایا: ''پھر عمر بن خطاب۔'' اس طرح آپ نے کئی آدمیوں کے نام لیے۔ [2]

2 ٹھنڈے پانی کے استعمال سے ہلاکت کے خدشے کے پیشِ نظر تیمم کے ساتھ نماز ادا کرنا اور امامت کرنا جائز ہے۔

3 رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں بھی اجتہاد جائز تھا جیسا کہ عمرو رضی اللہ عنہ نے اجتہاد کر کے غسل کے بجائے تیمم کر کے نماز ادا کر لی تھی۔ [3]

[1] سير أعلام النبلاء: 66/3. [2] صحيح البخاري: 3662. [3] السيرة النبوية للمهدي: 113,112/2.



فتح مکہ

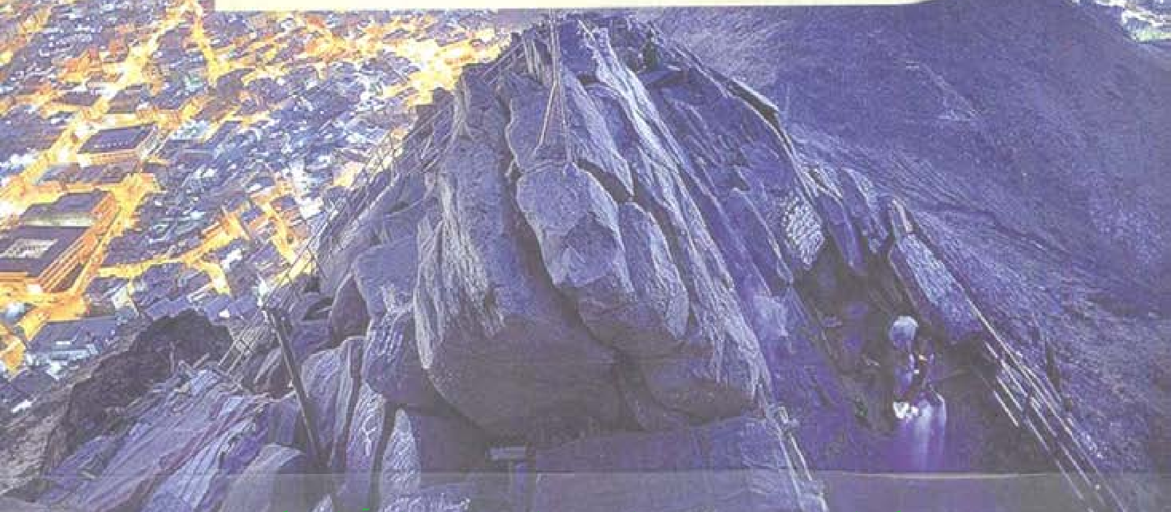
مظلومی میں صبر، طاغوت کا ڈٹ کر مقابلہ، صراط مستقیم پر استقامت
اور دشمن پر غلبہ پا کر اُسے فیاضی سے معاف کرنے
کا ایک ناقابل فراموش باب

إنا فتحنا لك فتحا مبينا
ليغفر لك الله ما تقدم من ذنبك وما
تأخر ويتم نعمته عليك
ويهديك صراطا مستقيما

’’(اے نبی!) بلاشبہ ہم نے آپ کو فتح دی، کھلی فتح۔ تاکہ اللہ آپ کے لیے آپ کی اگلی پچھلی ہر کوتاہی معاف کر دے، اور آپ پر اپنی نعمت پوری کرے، اور آپ کو صراط مستقیم کی ہدایت دے۔‘‘ (الفتح 48:1، 2)

اس باب میں

آپ فتح مکہ کے انقلاب آفرین حالات پڑھیں گے۔ اس بے مثل فتح میں سید البشر ﷺ نے اصنام باطل توڑے اور اللہ کے گھر کو قیامت تک مشرکین کی نحوست و نجاست سے پاک کر دیا۔ اس کے بعد اللہ کی وحدانیت کا اقرار اور اس کی حمد و ثنا بیان فرمائی، پھر ان سفاک دشمنوں کے ہجوم پر نگاہ ڈالی جنھوں نے آپ ﷺ پر مسلسل اذیتوں اور مصیبتوں کے پہاڑ توڑے تھے۔ انھیں رہ رہ کر یہ خوف کھائے جا رہا تھا کہ اب ہماری گردنیں کاٹ دی جائیں گی، ہماری لاشیں تڑپیں گی اور مکہ کے کوچہ و بازار ہمارے خون سے لالہ زار ہو جائیں گے ...... لیکن یہ کیا؟ ...... بدلہ لینا تو درکنار رحمت للعالمین ﷺ نے انھیں ایک حرف ملامت بھی نہیں کہا۔ بلکہ ان خون کے پیاسے دشمنوں کے لیے آپ کا بحرِ رحمت اور زیادہ تموج پر آ گیا۔ آپ ﷺ نے انھیں «لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ» (آج تم پر چنداں زیادتی نہ ہوگی) کے آسمانی الفاظ میں عام معافی کی بشارت دی اور «أَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ» (تم آزاد ہو) کا پروانہ دے کر انھیں آزاد کر دیا۔ اس طرح آپ نے اپنے عمل مبارک سے ہمیشہ کے لیے بتلا دیا کہ مظلومی میں صبر کرنا، طاغوتی طاقتوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا، معاملات میں راست باز رہنا اور دشمنوں پر فتح پا کر ان سے درگزر کرنا ہی حقیقی کامیابی ہے۔

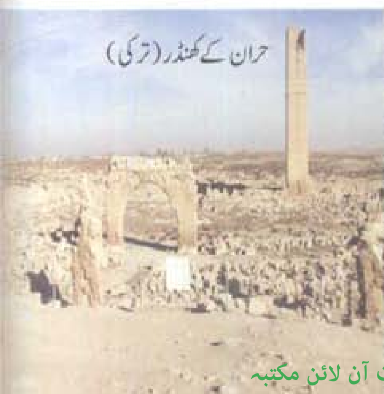


فتحِ مبین

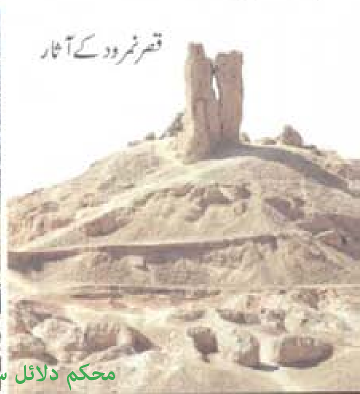
کوثٰی (عراق) میں بت پرستی عروج پر تھی۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے وہاں سے ہجرت کی اور توحید ربانی کے علمبردار کی حیثیت سے حرّان (ترکی) اور حلب (شام) سے ہوتے ہوئے فلسطین میں آ مقیم ہوئے، پھر ایک عرصہ بعد مکہ تشریف لائے۔ مکہ اُن دنوں ایک بالکل سنسان بیابان علاقہ تھا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے حکم الٰہی سے مکہ میں بیت اللہ کی تعمیر فرمائی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو یہ حکم دیا: ﴿اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ﴾ ”تم دونوں طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے میرا گھر پاک کرو۔“ [1]

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے تقریباً ڈھائی ہزار سال بعد اب زمانے اور زندگی کے الٹ پھیر اور کفر و شرک کی نجاستوں کی وجہ سے صورتحال یکسر بدل چکی تھی۔ وہی کعبہ مشرفہ جسے سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے صاحبزادے سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ مل کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے بنایا تھا، اب اس کی مقدس دیواریں بتوں اور تصویروں کے ہجوم میں چھپ گئی تھیں اور مشرکوں نے ایک اللہ کو ماننے والوں کے لیے اس گھر کا طواف کرنا ناممکن بنا دیا تھا۔ ظلم و جبر اور ہٹ دھرمی کی انتہا یہ تھی کہ مشرکین مکہ نے اس کائنات کے امام اور اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول ﷺ کو بھی حدیبیہ کے مقام پر روک دیا اور عمرہ کرنے کا موقع دینے سے انکار کر دیا۔ حالانکہ جس طرح سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اس گھر کی تعمیر فرمائی تھی، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ﷺ نے اس گھر کی تعمیر میں آخری پتھر حجر اسود نصب فرما کر اس کی تعمیر تو مکمل کی تھی۔ اس گھر کی تعمیر کے بعد اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا تھا:

[1] البقرة 2:125۔


حران کے کھنڈر (ترکی)


قلعہ حلب کے آثار


قصر نمرود کے آثار

﴿وَأَذِّن فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِن كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ ۝﴾

''اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دے، وہ تیرے پاس ہر دور دراز رستے سے پیدل (چل کر) اور ہر لاغر سواری پر (سوار ہو کر) آئیں گے۔''[1]

اہل مکہ اسی بیت اللہ کی وجہ سے امن و سلامتی میں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنے مقدس گھر کی بدولت ہی امن کی بشارت دے رکھی تھی۔ بیت اللہ ہی کی عظمت و جلالت کی وجہ سے پورے جزیرہ نمائے عرب میں قریش کی مذہبی سیادت اور حشمت کا سکہ چلتا تھا۔ عرب دور و نزدیک سے اس گھر کا طواف کرنے آتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی 53 برس کی عمر مبارک کے لیل و نہار اسی بلد امین میں بسر فرمائے تھے۔

حرمتِ مکہ کی اہمیت اور رسول اللہ ﷺ کا تدبر

حج و عمرہ جیسی عبادت کے اذنِ عام کے باوجود رحمۃ للعالمین ﷺ کو طواف کرنے سے روک دیا گیا۔ مشرکین نے آپ سے دشمنی شروع کر دی تھی۔ نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد نبی ﷺ کو اس شہر میں انتہائی صبر آزما تکالیف سے دوچار کیا گیا۔ آپ ﷺ کو جسمانی اور روحانی طور پر کوفت پہنچانے کے لیے تمام ممکنہ حربے اختیار کیے گئے، آپ ﷺ کے ساتھیوں کو بھی نہایت ہولناک مظالم کا نشانہ بنایا گیا۔ اس صورتحال کے ازالے کے لیے اس محترم شہر کی حرمت کو پامال کرنے کے بجائے اللہ نے مسلمانوں کو یہاں سے ہجرت کرنے کا حکم دیا اور مسلمان حبشہ جا بسے۔ یہ بھی ممکن تھا کہ جس طرح اللہ نے بدر اور احد میں فرشتوں کے ذریعے مسلمانوں کی حفاظت اور اعانت فرمائی اور مسلمانوں کو کامیاب کیا، یہاں بھی فرشتے نازل کر دیے جاتے لیکن یہاں مکے کا احترام بہرحال ملحوظ رہا۔ لیکن مشرکین مکہ نے اس عزت افزائی کی قدر شناسی کی بجائے مسلمانوں کو حبشہ سے بھی نکلوانے کی کوشش کی، حالانکہ حبشہ جزیرہ نمائے عرب سے باہر تھا۔

رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے مکہ چھوڑنے کا حکم دیا اور آپ ﷺ ہجرت فرما کر اپنے ساتھیوں سمیت مدینہ جا بسے لیکن مشرکین نے ایک خودمختار علاقے میں بھی مسلمانوں کو ایک اللہ کی عبادت سے روکنے کے لیے جنگیں مسلط کیں۔ مسلمانوں نے بدر، احد اور احزاب میں مشرکین کے حملوں کا بڑی بہادری سے مقابلہ کیا لیکن مکہ کی طرف مارچ تک نہ کیا کیونکہ یہ امن و سلامتی والا شہر ہے۔

پھر جب رسول اللہ ﷺ اس گھر کی تعظیم اور اللہ کی عبادت کے لیے عازم عمرہ ہوئے تو مکہ والوں نے لڑائی کی

[1] الحج 22:27.

آگ بھڑکانے کے سارے جتن کر لیے لیکن رسول اللہ ﷺ نے صلح جوئی سے سرشار لہجے میں ارشاد فرمایا:

«وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَا يَسْأَلُونَنِي خُطَّةً يُعَظِّمُونَ فِيهَا حُرُمَاتِ اللّٰهِ إِلَّا أَعْطَيْتُهُمْ إِيَّاهَا»

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یہ لوگ میرے سامنے جو بھی منصوبہ رکھیں، بشرطیکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی حرمتوں کی تعظیم کریں تو میں اسے ضرور تسلیم کرلوں گا۔'' [1]

حدیبیہ کے موقع پر مشرکین نے بڑی کڑی شرائط رکھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے وہ تمام شرائط بڑی خندہ پیشانی اور فراخ دلی سے قبول فرمائیں تاکہ مکہ کی حرمت اور عظمت و جلالت پر آنچ بھی نہ آئے۔ اس طرح آپ ﷺ کی فراست، صبر و تحمل اور تدبر کی بدولت اہل مکہ اور مسلمانوں کے مابین دس سالہ صلح کا معاہدہ طے پا گیا۔

بنوخزاعہ اور بنوبکر میں عناد کا پس منظر اور صلح حدیبیہ میں شمولیت

حرم کے گرد و نواح میں رہائش پذیر قبیلے بنوبکر کنانی اور خزاعہ یمانی مختلف سطحوں پر بڑے اثر و رسوخ کے مالک تھے۔ دور جاہلیت میں بنوخزاعہ کے علاقے سے بنوبکر کا ایک شخص گزرا تو بنوخزاعہ نے اسے لوٹ لیا۔ اس کے بعد بنوخزاعہ کا ایک شخص بنوالدیل (بنوبکر) کے علاقے سے گزرا تو بنوبکر نے اس خزاعی کو قتل کر دیا۔ اس بنا پر ان میں تنازع ہوگیا، چنانچہ بنوالاسود (بنوبکر) کے ذُوَیب، سلمیٰ اور کلثوم خزاعیوں کے علاقے میں گئے تو بنوخزاعہ نے عرفہ کی جانب حدودِ حرم کے پاس انھیں قتل کر دیا۔ [2]

ابھی ان دونوں قبیلوں میں تنازع برپا تھا کہ رسول اللہ ﷺ عمرے کی غرض سے حدیبیہ تشریف لے آئے۔ اس موقع پر بالآخر صلح نامہ طے پایا جس میں مختلف شروط کے ساتھ یہ شرطیں بھی قابل ذکر تھیں: 1 فریقین دس سال تک ایک دوسرے سے جنگ نہیں کریں گے۔ 2 عرب کے دیگر قبائل کو اجازت ہے کہ جو قبیلہ جس فریق کے ساتھ دوستی کا معاہدہ کرنا چاہے، وہ کر سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے پیش نظر دوسری شق کا اصل مقصد یہ تھا کہ پورے حجاز میں امن و امان قائم ہو جائے، مشرکین کو مسلمانوں سے ملنے کی آزادی ہو تاکہ وہ اسلام کی حقانیت سے آگاہ ہوں، جنگی ماحول کو اسلام کی سیاسی اور سماجی تعلیماتِ امن و رحمت سے نارمل کر کے شرک و کفر کے مفاسد ختم کیے جائیں اور لوگوں کو اسلام کی طرف مائل کیا جائے۔

بنوبکر اور خزاعہ قبیلوں کو اس معاہدے میں شامل کرنا ضروری تھا۔ اس کے بغیر صلح اور امن کا معاہدہ کامیاب نہیں ہوسکتا تھا۔ دونوں قبیلوں کو حدیبیہ کے معاہدے کے وقت موقع دیا گیا کہ وہ اپنی مرضی سے جس گروہ سے ملنا چاہیں

[1] صحيح البخاري: 2732،2731. [2] المغازي للواقدي: 227/2.

بخوشی مل جائیں۔ چنانچہ بنوخزاعہ مسلمانوں کے ساتھ اور بنوبکر مشرکین کے ساتھ مل گئے۔

بنوخزاعہ کا عبدالمطلب کے ساتھ تاریخی معاہدہ

بنوخزاعہ نے مسلمانوں کے ساتھ دوستی کرتے وقت وہ معاہدہ بھی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا جو آپ ﷺ کے دادا عبدالمطلب نے بنوخزاعہ کو لکھ کر دیا تھا۔ وہ معاہدہ یہ تھا:

بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ! هٰذَا حِلْفُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ بْنِ هَاشِمٍ لِّخُزَاعَةَ إِذْ قَدِمَ عَلَيْهِ سَرَاتُهُمْ وَأَهْلُ الرَّأْيِ غَائِبُهُمْ مُقِرٌّ بِمَا قَضٰى عَلَيْهِ شَاهِدُهُمْ، إِنَّ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ عُهُودَ اللّٰهِ وَعُقُودَهُ مَا لَا يَنْسٰى أَبَدًا، وَلَا يَأْتِي بِلَدٌ، اَلْيَدُ وَاحِدَةٌ وَّالنَّصْرُ وَاحِدٌ مَّا أَشْرَقَ ثَبِيرٌ، وَثَبَتَ حِرَاءٌ، وَمَا بَلَّ بَحْرٌ صُوفَةً، لَا يَزْدَادُ فِيمَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ إِلَّا تَجَدُّدًا أَبَدًا أَبَدًا، اَلدَّهْرَ سَرْمَدًا.

''اے اللہ! تیرے نام کے ساتھ میں آغاز کرتا ہوں۔ یہ عبدالمطلب بن ہاشم کا خزاعہ کے ساتھ معاہدہ ہے جب خزاعہ کے سردار اور سمجھدار لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ ان کے پیچھے موجود لوگ بھی اسی چیز کے اقراری ہیں جس پر ان کے یہاں حاضر لوگوں نے صلح کی ہے۔ بے شک ہمارے اور تمھارے درمیان اللہ کے عہد و پیمان ہیں جو کبھی نہیں بھول سکتے اور نہ کوئی دشمنی ان کے آڑے آسکتی ہے۔ جب تک ثبیر پہاڑ روشن ہے، حراء اپنی جگہ ٹھہرا ہوا ہے اور سمندر میں پانی کی ایک بوند بھی موجود ہے، اس وقت تک ہم یک جان و یک بازو رہیں گے۔ ہمارے اور تمھارے تعلقات میں ہمیشہ زمانہ بھر تجدید ہی ہوتی رہے گی۔''[1]

سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے یہ معاہدہ نبی کریم ﷺ کو پڑھ کر سنایا تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَا أَعْرَفَنِي بِحِلْفِكُمْ، وَأَنْتُمْ عَلٰى مَا أَسْلَمْتُمْ عَلَيْهِ مِنَ الْحِلْفِ، فَكُلُّ حِلْفٍ كَانَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَلَا يَزِيدُهُ الْإِسْلَامُ إِلَّا شِدَّةً، وَلَا حِلْفَ فِي الْإِسْلَامِ»

''مجھے تمھارے معاہدے کا علم نہیں۔ تم اپنے اسی معاہدے پر ہو جس پر تم نے اسلام قبول کیا ہے۔ جاہلیت میں ہونے والے ہر معاہدے کو اسلام مزید پختہ کر دیتا ہے۔ اب اسلام میں کسی معاہدے کی کوئی گنجائش نہیں۔''[2]

صلح حدیبیہ کے بعد کے حالات

صلح حدیبیہ کے بعد مسلمانوں نے صلح کی دستاویز کو بڑی اہمیت دی۔ انھوں نے اپنے حلیف بنوخزاعہ سمیت دس

[1] المغازي للواقدي :2/227. [2] المغازي للواقدي :2/228.

سالہ عرصۂ امن کو مشرکین اور ان کے حلیف بنو کنانہ کے ساتھ نہایت امن اور خیر سگالی کے جذبے سے بسر کرنے کا عزم کر لیا۔ مسلمانوں کے نزدیک بنوخزاعہ اور بنوبکر کا ایک دوسرے پر زیادتی کرنا اور صلح کو توڑنا اس معاہدے کی خلاف ورزی کے مترادف تھا جس کی وجہ سے یہ معاہدہ ختم ہوسکتا تھا، یعنی شرائط صلح کی صراحت کے مطابق معاہدۂ صلح کی کسی شرط کو اگر بنوبکر بن کنانہ توڑیں گے تو قریش اس کی ذمہ داری قبول کریں گے۔ اور اگر بنوخزاعہ صلح کی کوئی شرط توڑیں گے تو مسلمان اس کی ذمہ داری قبول کریں گے۔ چونکہ مکہ کی حرمت کے پیش نظر اس میں جنگ مسلمانوں پر بڑی شاق تھی، اس لیے مسلمان اور ان کے حلیف بنوخزاعہ معاہدے کی خلاف ورزی نہیں کر سکتے تھے۔ وہ اس معاہدے کی لفظاً و معناً پوری طرح پابندی کر رہے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کے ایفائے عہد، معاملات میں سچائی اور رواداری کے کفار و مشرکین بھی معترف تھے، وہ مسلمانوں کی رواداری اور عدل و انصاف کا ایک نمونہ حدیبیہ کے موقع پر بھی اُس وقت دیکھ چکے تھے جب ابوجندل رضی اللہ عنہ کو واپس کیا گیا، پھر جب سیدنا ابوبصیر رضی اللہ عنہ مدینہ پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں کفار کی طرف واپس بھیج دینے کا عہد بھی پورا فرمایا۔ آپ نے ابوبصیر رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں قیام کی اجازت نہیں دی کیونکہ معاہدۂ صلح کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ اگر کوئی مشرک مسلمانوں کے پاس گیا تو اسے مشرکین کی طرف لوٹانا ضروری ہوگا اور اگر کوئی مسلمان مشرکین کی طرف آگیا تو اسے لوٹایا نہیں جائے گا۔[1]

بنوکنانہ کی خیانت

مسلمانوں نے اپنے حلیف بنوخزاعہ کے ساتھ مل کر قریش مکہ سے کیا ہوا وعدہ ہر لحاظ سے پورا کیا لیکن قریش نے اس تاریخی عہد کا کوئی لحاظ نہ کیا، وہ بدترین خیانت کے مرتکب ہوئے۔ انھوں نے دھوکہ دیا اور اپنے حلیف بنوبکر سے مل کر اس صلح سے ناجائز فائدہ اٹھانا چاہا، وہ یہ بھول گئے کہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کے ذریعے سے مطلع کر دیا جائے گا۔ یا بنوخزاعہ کے لوگ مسلمانوں کو دہائی دیں گے تو پھر مسلمان اپنے حلیفوں پر ظلم کا بدلہ لیں گے۔ وہ عاقبت نااندیشوں اور بزدلوں کی طرح اندھیرے میں وار کرنا چاہتے تھے اور اپنی پچھلی ساری ذلتوں کا حساب چکانا چاہتے تھے۔ بنوبکر صلح کے اس موقع پر بنوخزاعہ کو شکست دینا چاہتے تھے اور اپنی وہ خفت مٹانا چاہتے تھے جو دورِ جاہلیت میں انھیں بنوخزاعہ کے ہاتھوں پے در پے شکستوں کی صورت میں اُٹھانی پڑی تھی۔ بنوبکر اس تاک میں بیٹھے تھے کہ ہم کسی ایسے موقع پر بدلہ لیں جب ہمارا بالکل کوئی نقصان نہ ہو جبکہ بنوخزاعہ کو شدید جانی نقصان اُٹھانا پڑے۔

[1] دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا: 139,138/8.

قریش مکہ کی عہد شکنی

بنوبکر کے نوفل بن معاویہ نے قریشی سرداروں کو آگاہ کیا کہ ہم بنوخزاعہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں اور اس صلح کے دور سے فائدہ اٹھا کر بنوخزاعہ سے بدلہ لینا چاہتے ہیں۔

اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ صلح حدیبیہ کے بائیس ماہ بعد شعبان کے مہینے میں بنوبکر کی شاخ بنونفاثہ نے قریشیوں سے بات کی، بقول واقدی بنومدلج نے جو بنوکنانہ کی ایک شاخ ہے، معاہدہ توڑنے سے انکار کر دیا۔ بنوکنانہ اور بنوبکر کے سرکردہ رئیسوں نے قریش کے سرداروں سے التجا کی کہ وہ اپنے جنگجو اور اسلحہ فراہم کر کے ان کی مدد کریں تاکہ وہ بنوخزاعہ سے انتقام لے سکیں۔ انھوں نے قریش کے سامنے بنوخزاعہ کے ہاتھوں مارے جانے والے لوگوں کا تذکرہ کیا، انھیں اپنی قرابت داری کا واسطہ دیا اور ان پر یہ احسان بھی جتلایا کہ انھوں نے مسلمانوں کو چھوڑ کر تم لوگوں سے دوستی کا معاہدہ کیا ہے جبکہ ان کے مخالفین بنوخزاعہ مسلمانوں کے ساتھی ہیں۔ بنوکنانہ نے قریش سے انتہائی دلگیر لہجے میں مدد طلب کی۔ چنانچہ قریش نے بنوکنانہ کی بات مان لی۔ ان کی مدد کی ہامی بھرنے والوں میں قریش کے نامور لوگ شامل تھے۔ ایک قول کے مطابق ابوسفیان سے اس معاملے پر مشورہ کیا گیا تو اس نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ البتہ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ ابوسفیان کو اس معاملے سے قطعی لاعلم رکھا گیا حتی کہ اُس سے کوئی مشورہ بھی نہیں کیا گیا۔[1]

قریشی جنگجوؤں کی شمولیت اور مدد

قریش کی حمایت کے بعد ان میں سے جن لوگوں نے معاہدہ حدیبیہ توڑنے میں بنوبکر کا ساتھ دیا اور پھر الوتیر نامی چشمے پر بنوخزاعہ پر حملے کی غرض سے اپنے ہتھیاروں، غلاموں اور جانوروں کے ساتھ چلے آئے، ان میں سے چند کے نام یہ ہیں: صفوان بن امیہ، عکرمہ بن ابی جہل، مکرز بن حفص، حویطب بن عبدالعزیٰ اور شیبہ بن عثمان۔ یہ سب اپنے چہروں پر نقاب ڈالے اور عجیب قسم کا لباس پہنے ہوئے تھے تاکہ انھیں کوئی پہچان نہ سکے۔ سہیل بن عمرو بھی ان کے ساتھ ملا ہوا تھا جو صلح حدیبیہ کے وقت صلح کی تکمیل میں قریش کی طرف سے نہایت مؤثر حیثیت سے شامل ہوا تھا۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ مشرکین کے نزدیک اس معاہدے کی حیثیت کیا تھی اور وہ اپنے معاہدوں اور وعدوں کا کتنا پاس اور لحاظ رکھتے تھے۔

قریش اور بنوبکر زور وشور سے بنوخزاعہ پر حملے کی تیاریوں میں مشغول تھے۔ جبکہ بنوخزاعہ بے خوف وخطر اپنے معمولات میں مصروف تھے، انھیں یہ سان گمان بھی نہ تھا کہ قریش اور بنوبکر در پردہ معاہدہ حدیبیہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ان پر حملے کی منصوبہ بندی کر رہے ہیں۔

1 المغازي للواقدي: 2/229،228.

قریش اور بنو بکر کا بنو خزاعہ پر حملہ

قریش نے حملہ کرنے کے لیے الوتیر اور اس کے قریبی مقامات پر مورچے بنا لیے۔ بنو بکر کا سردار نوفل بن معاویہ نفاثی تھا جو بعد میں مسلمان ہو گیا تھا۔ ان لوگوں نے خزاعہ پر شب خون مارا۔

بنو خزاعہ بالکل نہتے تھے۔ وہ بے خبری کے عالم میں تھے کہ قریش اور بنو بکر کے ناگہانی حملوں کی زد میں آ گئے۔ حملہ آوروں نے ان کو حرم کی حدود تک دھکیل دیا۔ بنو بکر سے بچنے کے لیے بنو خزاعہ حرم میں پناہ گزین ہوئے جہاں جنگ جائز نہیں تھی۔ حرم کی تعظیم اور تکریم سب پر یکساں فرض تھی۔ بنو خزاعہ حرم کی حدود کی طرف اس لیے لپکے کہ بنو بکر خونریزی سے باز آ جائیں۔ ان حملہ آوروں میں سے کچھ لوگوں نے نوفل سے کہا: يَا نَوْفَلُ! إِلٰهَكَ، إِلٰهَكَ قَدْ دَخَلْتَ الْحَرَمَ ''اے نوفل! اب تو تم حرم میں داخل ہو گئے ہو، تمھیں تمھارے رب کا واسطہ!'' نوفل نے یہ صدا ان سنی کر دی اور انتہائی رعونت سے یہ کفریہ کلمات کہے:

لَا إِلٰهَ لِيَ الْيَوْمَ يَا بَنِي بَكْرٍ! قَدْ كُنْتُمْ تَسْرِقُونَ الْحَاجَّ، أَفَلَا تُدْرِكُونَ ثَأْرَكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ؟ لَا يُرِيدُ أَحَدُكُمْ يَأْتِي امْرَأَتَهُ حَتّٰى يَسْتَأْذِنَنِي، لَا يُؤَخِّرُ أَحَدٌ مِّنْكُمُ الْيَوْمَ بَعْدَ يَوْمِهِ هٰذَا مِنْ ثَأْرِهِ.

''آج میرا کوئی خدا نہیں ہے۔ اے بنو بکر! تم تو حرم میں لوگوں کا مال چرا لیا کرتے تھے، تو کیا اب تم اپنے دشمن سے بدلہ نہیں لے سکتے؟ تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک اپنی بیوی کے پاس نہ جائے جب تک مجھ سے اجازت نہ لے لے۔ تم میں سے کوئی شخص آج کے دن اپنا انتقام مؤخر نہ کرے۔''

بنو بکر بنو خزاعہ کے نہتے لوگوں پر حملہ کرتے رہے یہاں تک کہ بنو خزاعہ نے بدیل بن ورقاء خزاعی اور خزاعہ کے آزاد کردہ غلام رافع کے گھروں میں طلوع فجر کے وقت پناہ لی۔ قریشیوں میں سے جو لوگ بنو بکر کے ساتھ مل کر بنو خزاعہ پر حملہ آور ہوئے تھے، وہ بھی اندھیرے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے گھروں میں جا گھسے۔ ان کا یہ خیال تھا کہ انھیں کسی نے نہیں پہچانا اور ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کو کوئی اطلاع نہیں مل سکے گی۔ جب صبح کا اجالا پھیلا تو لوگوں نے دیکھا کہ بدیل کے گھر کے باہر خزاعہ کے لوگوں کی لاشیں بکھری پڑی ہوئی ہیں۔ اس حملے کے نتیجے میں خزاعہ کے بیس افراد موت کے گھاٹ اتار دیے گئے۔

قریش کا پچھتاوا

قریش کے لوگ تو اسلام دشمنی میں پہلے ہی اندھے تھے لیکن جب انھوں نے یہ خونریزی کر کے صلح کے معاہدے

کی پامالی کی تو اب وہ بہت پچھتائے اور اس خونی اقدام کے انجام سے خوف زدہ ہو گئے اور سمجھ گئے کہ ہم نے بنوبکر کے ساتھ مل کر جس جرم کا ارتکاب کیا ہے، یہ صلح حدیبیہ کو توڑنے کا عمل ہے، چنانچہ دوراندیش لوگوں نے ان کو ملامت کی۔ حارث بن ہشام اور ابن ابی ربیعہ دونوں مل کر صفوان بن امیہ، سہیل بن عمرو اور عکرمہ بن ابی جہل کے پاس گئے اور انھیں بنوبکر کی مدد کرنے پر شدید ملامت کی اور یہ باور کرایا کہ تم نے ہمارے اور محمد ﷺ کے درمیان معاہدے کو توڑنے والا کام کیا ہے۔

سہیل بن عمرو وغیرہ اس بات سے متأثر ہوئے اور نوفل بن معاویہ کے پاس گئے اور اسے خزاعیوں کے قتل سے روکتے ہوئے کہنے لگے: ہم نے تیرے اور تیرے ساتھیوں کے ساتھ مل کر جو آفت ڈھائی ہے، تو اسے بخوبی جانتا ہے اور بذاتِ خود تو نے بھی جو کچھ کر دیا ہے، تو اس سے باخبر ہے۔ اب تو ان کے باقی ماندہ لوگوں کو بھی قتل کرنا چاہتا ہے۔ ہم تیرے اس اقدام کے خلاف ہیں۔ اب تو ان کو ہلاک کرنے سے باز آجا۔ نوفل نے ان کی بات مان لی اور بنوخزاعہ کے قتل سے ہاتھ اُٹھا لیا۔[1]

رسول اللہ ﷺ کو حادثے کی خبر

وتیر کے چشمے پر بنوخزاعہ پر جو آفت آئی تھی، اس بارے میں رسول اللہ ﷺ نے صبح اٹھ کر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو بتایا:

«يَا عَائِشَةُ! لَقَدْ حَدَثَ فِي خُزَاعَةَ أَمْرٌ»

''اے عائشہ! رات خزاعہ پر بڑا ظلم ہوا ہے۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں: اے اللہ کے رسول! کیا قریش میں اتنی جرأت ہے کہ وہ اُس عہد کو توڑ ڈالیں جو آپ کے اور ان کے درمیان ہے جبکہ انھیں پہلے ہی جنگوں نے فنا کر رکھا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«يَنْقُضُونَ الْعَهْدَ لِأَمْرٍ يُرِيدُهُ اللّٰهُ تَعَالٰى بِهِمْ»

''انھوں نے اللہ کی حکمت کے مطابق وعدہ توڑا ہے۔''

سیدہ عرض کرنے لگیں: کیا اس میں کوئی بھلائی ہوگی؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں! اس میں بھلائی ہے۔''[2]

امام طبرانی رحمہ اللہ نے ام المؤمنین سیدہ میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے ہاں رات بسر فرمائی۔ آپ نماز کے لیے وضو کرنے کی غرض سے اٹھے۔ میں نے آپ ﷺ کو وضو کے دوران

[1] المغازي للواقدي: 230,229/2، سبل الهدٰى والرشاد: 201/5. [2] المغازي للواقدي: 232/2، سبل الهدٰى والرشاد: 202,201/5.

یہ کہتے ہوئے سنا: «لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ، نُصِرْتَ، نُصِرْتَ، نُصِرْتَ»

''میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں۔ تمھاری مدد کی گئی، تمھاری مدد کی گئی، تمھاری مدد کی گئی۔''

یوں لگا گویا آپ کسی انسان سے گفتگو فرما رہے تھے، میں نے آپ ﷺ سے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کیا کوئی آپ کے ساتھ تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«هٰذَا رَاجِزُ بَنِي كَعْبٍ يَسْتَصْرِخُنِي، وَيَزْعُمُ أَنَّ قُرَيْشًا أَعَانَتْ عَلَيْهِمْ بَنِي بَكْرٍ»

''یہ بنوکعب کا رجز خواں تھا۔ وہ مجھ سے فریاد کر رہا تھا کہ قریش نے بکر بن وائل کی مدد کی ہے اور ہم پر حملہ کر دیا ہے۔''

سیدہ فرماتی ہیں: ہم نے تین دن گزارے۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز پڑھا رہے تھے تو میں نے ایک رجز خواں کو یہ کہتے ہوئے سنا:

يَا رَبِّ! إِنِّي نَاشِدٌ مُحَمَّدَا
حِلْفَ أَبِينَا وَأَبِيهِ الْأَتْلَدَا

''اے پروردگار! میں محمد (ﷺ) کو اپنے باپ دادا اور ان کے اسلاف کا پرانا معاہدہ یاد دلاتا ہوں۔''[1]



عمرو بن سالم خزاعی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں

بنوخزاعہ مسلمانوں کے حلیف تھے۔ جب بنوبکر نے قریشیوں کے ساتھ مل کر ان پر قیامت برپا کی تو بنوخزاعہ کا سردار عمرو بن سالم چالیس افراد کی معیت میں مدینہ روانہ ہوا تاکہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس ظلم وستم کی روداد بیان کرے اور حملہ آوروں کے پس پشت قریش کی مذموم کمک کی تفصیلات بتائے۔ بنوخزاعہ کا یہ وفد جب مدینہ طیبہ پہنچا تو اس وقت رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت بھی وہاں موجود تھی۔ عمرو بن سالم نے رسول اللہ ﷺ کو اس

[1] المعجم الصغير للطبراني، ص: 348,347، سبل الهدى والرشاد: 202/5.

الم انگیز سانحے کی خبر دی اور اس واقعے کی تفصیلات بھی بتائیں۔ جن قریشی زعماء نے ان کے خلاف ہتھیار اٹھا کر غارتگری میں شرکت کی، ان کے ناموں سے بھی آگاہ کیا۔ اس موقع پر عمرو بن سالم نے یہ اشعار پڑھے:

يَا رَبِّ! إِنِّي نَاشِدٌ مُحَمَّدَا　　　حِلْفَ أَبِينَا وَ أَبِيهِ الْأَتْلَدَا

''اے پروردگار! میں محمد (ﷺ) کو ان کے اور اپنے آباء واجداد کا قدیم معاہدہ یاد دلاتا ہوں۔''

قَدْ كُنْتُمْ وُلْدًا وَكُنَّا وَالِدَا　　　ثُمَّتَ أَسْلَمْنَا فَلَمْ نَنْزِعْ يَدَا

''تم لوگ ہماری نسل ہو اور ہم تمھیں جننے والے تھے،[1] پھر ہم نے اطاعت اختیار کی اور اس سے کبھی دست کش نہ ہوئے۔''

فَانْصُرْ هَدَاكَ اللّٰهُ نَصْرًا أَعْتَدَا　　　وَادْعُ عِبَادَ اللّٰهِ يَأْتُوا مَدَدَا

''اللہ تعالیٰ آپ کو ہدایت پر قائم رکھے، ہماری بھرپور مدد کیجیے اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کو بلائیے تاکہ وہ (ہماری) نصرت و کمک کے لیے حاضر ہوں۔''

فِيهِمْ رَسُولُ اللّٰهِ قَدْ تَجَرَّدَا　　　إِنْ سِيمَ خَسْفًا وَجْهُهُ تَرَبَّدَا

''ان میں اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، وہ بھی ہتھیار پوش، اگر آپ پر زیادتی یا آپ کی توہین کی جائے تو آپ کے چہرے کا رنگ بدل جاتا ہے۔''

فِي فَيْلَقٍ كَالْبَحْرِ يَجْرِي مُزْبِدَا　　　إِنَّ قُرَيْشًا أَخْلَفُوكَ الْمَوْعِدَا

''آپ ایک ایسے عظیم لشکر میں تشریف لائیے جو جھاگ اچھالتے سمندر کی طرح متلاطم ہو، یقیناً قریش نے آپ سے وعدہ خلافی کی ہے۔''

وَنَقَضُوا مِيثَاقَكَ الْمُؤَكَّدَا　　　وَجَعَلُوا لِي فِي كَدَاءٍ رُصَّدَا

''انھوں نے آپ کے انتہائی پختہ عہد و پیمان کو توڑا ہے اور میرے لیے لوگوں کو مقامِ کداء میں گھات میں بٹھایا ہے۔''

وَزَعَمُوا أَنْ لَسْتُ أَدْعُو أَحَدَا　　　وَهُمْ أَذَلُّ وَ أَقَلُّ عَدَدَا

''اور انھوں نے سمجھا کہ میں کسی کو نہیں پکاروں گا اور خود ان کا حال یہ ہے کہ وہ نہایت ذلیل اور تعداد میں

[1] قُصَی کی بیوی اور عبد مناف کی والدہ حُبّی بنت حُلَیل خزاعہ قبیلے سے تھیں۔

بہت کم ہیں۔‘‘

هُمْ بَيَّتُونَا بِالْوَتِيرِ هُجَّدَا وَقَتَلُونَا رُكَّعًا وَ سُجَّدَا

’’انھوں نے ہم پر ’’وتیر‘‘ میں شبخون مارا اور ہمیں بحالت رکوع و سجود قتل کیا۔‘‘

رسول اللہ ﷺ کی بنوخزاعہ کو مدد کی یقین دہانی

عمرو بن سالم کے یہ درد بھرے اشعار سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«نُصِرْتَ يَا عَمْرَو بْنَ سَالِمٍ!»

’’اے عمرو بن سالم! تیری مدد کی جائے گی۔‘‘

پھر آسمان سے ایک بادل نمودار ہوا تو آپ نے فرمایا:

«إِنَّ هٰذِهِ السَّحَابَةَ لَتَسْتَهِلُّ بِنَصْرِ بَنِي كَعْبٍ»

’’یہ بادل بنوکعب کی مدد کی بشارت و خوشخبری سے جھلملا رہا ہے۔‘‘ [1]

اسی طرح سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب بنوخزاعہ پر ظلم و ستم کی سرگزشت سنی تو آپ ﷺ اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے غصے کے عالم میں اُٹھ کھڑے ہوئے اور فرمانے لگے:

«لَا نُصِرْتُ إِنْ لَّمْ أَنْصُرْ بَنِي كَعْبٍ مِّمَّا أَنْصُرُ مِنْهُ نَفْسِي»

’’اگر میں بنوکعب (خزاعہ) کی اتنی مدد نہ کروں جتنی میں خود اپنی مدد کرسکتا ہوں تو میری مدد بھی نہ ہو۔‘‘ [2]

دوسری جگہ پر ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَأَمْنَعَنَّهُمْ مِّمَّا أَمْنَعُ مِنْهُ نَفْسِي وَأَهْلَ بَيْتِي»

’’اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں ان کا ہر اس چیز سے دفاع کروں گا جس سے میں اپنا اور اپنے اہل خانہ کا دفاع کرتا ہوں۔‘‘ [3]

اس طرح رسول اللہ ﷺ نے خزاعہ کو یقین دلایا کہ آپ ان کا حق ان کے دشمنوں سے ضرور لیں گے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ بنوکعب کے معاملے میں اس قدر غصے میں آئے کہ میں نے

[1] السيرة لابن هشام :37,36/4، السنن الكبرٰى للبيهقي :234,233/9، دلائل النبوة للبيهقي :7,6/5، البداية والنهاية : 278,277/4، سبل الهدٰى والرشاد :203,202/5. [2] المغازي للواقدي :234/2. [3] المصنف لعبد الرزاق :374/5.

آپ کو اتنے شدید غصے میں کبھی نہیں دیکھا۔ رسول اللہ ﷺ نے گھر میں داخل ہو کر پانی طلب فرمایا۔ آپ ﷺ غصے کی حالت میں پانی اپنے اوپر ڈال رہے تھے اور فرما رہے تھے:

«لَا نَصَرَنِيَ اللّٰهُ إِنْ لَّمْ أَنْصُرْ بَنِي كَعْبٍ»

''اگر میں بنو کعب یعنی خزاعہ کی مدد نہ کروں تو اللہ تعالیٰ بھی میری مدد نہ کرے۔'' [1]

جنگ سے بچنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی بصیرت افروز تجاویز

صلح حدیبیہ کا معاہدہ کرنے والے قریش نے مسلمانوں کے ساتھ بڑا ظلم کیا۔ انھوں نے اس معاہدے کی خلاف ورزی کی جس میں دس سال تک جنگ بندی کا عہد کیا گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کو پورا حق حاصل تھا کہ آپ ﷺ قریش کی طرف سے اس سفاکانہ خلاف ورزی کی پاداش میں قریش پر چڑھائی کر دیں لیکن آپ ﷺ امن و سلامتی کے داعی تھے۔ آپ ﷺ نے غیر مسلموں کے ساتھ بھی ہمیشہ بھلائی اور خیر خواہی کا سلوک کیا۔ آپ ﷺ قریشیوں کو ہمیشہ ہر لحاظ سے چھوٹ دیتے رہے، اب بھی آپ ﷺ ان سے امن اور مروت ہی کا برتاؤ کرنا چاہتے تھے بشرطیکہ وہ اپنی سنگین عہد شکنی اور ظلم و ستم کا مناسب طور پر مداوا کریں۔ آپ ﷺ نے بنو خزاعہ سے پوچھا: «فَمَنْ تُهَمَتُكُمْ وَ ظِنَّتُكُمْ؟» ''تمھارا کیا خیال ہے کہ وہ کون لوگ ہیں جنھوں نے تمھارے ساتھ یہ زیادتی کی ہے؟'' وہ کہنے لگے: بنوبکر ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «كُلُّهَا؟» ''کیا بنو بکر کے تمام لوگ؟'' بنو خزاعہ نے کہا: نہیں، ان میں سے بنونفاثہ ہیں جن کی قیادت نوفل بن معاویہ النفاثی کر رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«هٰذَا بَطْنٌ مِّنْ بَنِي بَكْرٍ، وَأَنَا بَاعِثٌ إِلٰى أَهْلِ مَكَّةَ فَسَائِلُهُمْ عَنْ هٰذَا الْأَمْرِ وَمُخَيِّرُهُمْ فِي خِصَالٍ»

''یہ بنو بکر کا ایک خاندان ہے۔ میں مکہ والوں کی طرف تحقیقات کے لیے ایک شخص بھیجتا ہوں، وہ اس معاملے کی چھان پھٹک کرے گا اور پھر انھیں اس کے حل کے لیے کچھ باتوں کا اختیار دے گا۔''

رسول اللہ ﷺ نے اس معاملے کے لیے سیدنا ضمرہ رضی اللہ عنہ کو مکہ روانہ فرمایا تاکہ وہ انھیں اس مسئلے کے حل کے لیے یہ اختیار دیں کہ وہ تین چیزوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کریں:

1. بنو خزاعہ کے مقتولوں کی دیت ادا کریں۔
2. بنونفاثہ سے اپنا معاہدہ حلف ختم کر دیں۔
3. ورنہ پھر آپ ان کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیں گے۔ [2]

[1] مسند أبي يعلٰى: 343/7، المغازي للواقدي: 234/2. [2] المغازي للواقدي: 231/2.

یہ انتہائی معقول اور مناسب تجاویز تھیں جن کے تحت انھیں ایک مرتبہ پھر یہ موقع دیا گیا کہ وہ امن و سلامتی کی راہ اختیار کریں۔ آپ ﷺ نے انتہائی اشتعال انگیز حالات میں بھی صلح حدیبیہ کو قائم رکھنے کی کوشش فرمائی۔

رسول اللہ ﷺ کا بنوخزاعہ کو مشورہ

اِدھر بنوخزاعہ نے جب رسول اللہ ﷺ کو ساری باتیں بتا دیں تو آپ نے ان سے فرمایا:

«اِرْجِعُوا وَتَفَرَّقُوا فِي الْأَوْدِيَةِ»

''واپس جاؤ اور وادیوں میں پھیل جاؤ۔''

آپ ﷺ نے یہ اس لیے فرمایا تھا کہ کسی کو یہ معلوم نہ ہو کہ وہ آپ سے ملاقات کر کے آ رہے ہیں۔ چنانچہ بنوخزاعہ واپس چل دیے اور پھیل گئے۔ ان میں سے کچھ لوگ راستے میں ساحل سمندر کی طرف ہو لیے اور بدیل بن ورقاء سمیت بعض لوگ عام رستے سے گئے۔ [1]

قریش کی حماقت

سیدنا ضمرہ رضی اللہ عنہ سفیرِ نبوی کی حیثیت سے مکہ پہنچے اور رؤسائے مکہ کو رسول اللہ ﷺ کے خدشات و خیالات سے آگاہ کیا اور انھیں آپ ﷺ کی تین تجاویز سے مطلع کیا کہ بنوخزاعہ کے مقتولین کی دیت ادا کریں یا بنونفاثہ کے حلف سے ہاتھ کھینچ لیں یا معاہدہ ختم کر دیں۔

یہ تجاویز سننے کے بعد رؤسائے قریش باہم مشورہ کرنے لگے، چنانچہ ان میں سے قُرطہ بن عبد عمرو اعجمی کہنے لگا: اگر ہم خزاعہ کے مقتولوں کی دیت دیں گے تو نفاثہ ایک ایسی قوم ہے جو نہایت بدخلق ہے، ہم ان کی طرف سے دیت دیں گے تو ہمارے پاس اناج رہے گا نہ مویشی رہیں گے۔ اور اگر ہم بنونفاثہ سے دوستی ختم کر دیں تو یہ بھی ہمارے لیے ناقابل قبول ہے کیونکہ عرب میں کوئی قبیلہ ایسا نہیں جو بنونفاثہ سے زیادہ بیت اللہ کے حجاج کی تعظیم کرتا ہو۔ وہ ہمارے حلیف ہیں، البتہ ہمیں تیسری تجویز منظور ہے کہ ہم صلح حدیبیہ کا معاہدہ ختم کر دیتے ہیں۔ ان کی یہ باتیں سن کر ضمرہ رضی اللہ عنہ مدینہ واپس چلے گئے۔ بعدازاں قریش کو اپنے اس فعل پر ندامت ہوئی۔ [2]

رؤسائے مکہ کی پریشانی اور ہند کا خون آویز خواب

حارث بن ہشام اور عبداللہ بن ابی ربیعہ ابوسفیان کے پاس آئے اور کہنے لگے: اے ابوسفیان! اس واقعے کی

[1] المغازي للواقدي 2/235,234. [2] المغازي للواقدي: 2/231.

وجہ سے جو کچھ ہو چکا ہے، اب اس کا مداوا ہونا چاہیے۔ اگر مداوا نہ ہوا تو محمد (ﷺ) اپنے ساتھیوں سمیت تم پر حملہ کریں گے۔ ابوسفیان کہنے لگا: رات کو ہند بنت عتبہ نے ایک خواب دیکھا ہے جو اسے انتہائی ناگوار اور پریشان کن لگا ہے۔ میں بھی اس خواب کی برائی سے خوفزدہ ہوں۔ لوگوں نے پوچھا: وہ کیا ہے؟ ابوسفیان نے کہا: اس نے خون دیکھا ہے جو حجون کی جانب سے چلا آرہا ہے اور خندمہ پہنچ کر کچھ دیر ٹھہرا ہے، پھر غائب ہوگیا ہے۔ لوگوں نے اس خواب کو ناپسند کیا اور کہنے لگے: یہ تو شر ہے۔

ابوسفیان کا منت سماجت کے لیے مدینہ کا سفر

ابوسفیان نے جب ان حالات پر غور کیا تو وہ بول اٹھا کہ اب جو معاملہ رُونما ہو چکا ہے، اللہ کی قسم! نہ تو میں اس میں شریک ہوا، نہ میں اس سے راہ فرار اختیار کرسکتا ہوں۔ اس کی ذمہ داری میرے ہی کندھوں پر آنی ہے۔ اِس





بارے میں نہ تو مجھ سے کچھ پوچھا گیا، نہ میں نے اسے پسند کیا۔ اللہ کی قسم! اگر میرا گمان درست ہے تو محمد (ﷺ) یقیناً ہم پر حملہ آور ہوں گے۔ اب اس سے پہلے کہ محمد (ﷺ) تک اس معاملے کی خبر پہنچے، مجھ پر لازم ہے کہ میں محمد (ﷺ) کے پاس جاؤں اور اُن سے معاہدے کی تجدید اور صلح کی مدت میں اضافے کی درخواست کروں۔

قریش کہنے لگے: اللہ کی قسم! واقعی یہ بہترین رائے ہے۔ انھیں خزاعہ کے خلاف بنوبکر کی مدد کرنے کے باعث یہ خوف دامن گیر ہوا کہ اب نبی ﷺ ہمیں چڑھائی کیے بغیر نہیں چھوڑیں گے۔ چنانچہ ابوسفیان اپنے ایک غلام کے ہمراہ دو سواریوں پر مدینہ روانہ ہوا اور برق رفتاری سے منزلیں طے کرنے لگا۔ اس کی تمنا یہ تھی کہ اس سے پہلے کہ کوئی شخص سیدنا محمد ﷺ سے ملاقات کرے، وہ آپ کی خدمت میں پہنچ جائے اور آپ سے معاہدے کی تجدید اور مدت میں اضافے کا عہد لے لے۔[1]

[1] المغازي للواقدي: 2/231،230.

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو آگاہ فرما دیا

جب اہل مکہ انتہائی پریشانی اور خوف کے عالم میں ابوسفیان سے گفت و شنید کر رہے تھے، عین اس وقت دوسری جانب رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قریش کے مباحثے اور مشاورت کے بارے میں بتا رہے تھے۔ آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا:

«كَأَنَّكُمْ بِأَبِي سُفْيَانَ قَدْ جَاءَكُمْ لِيَشُدَّ الْعَقْدَ وَيَزِيدَ فِي الْمُدَّةِ»

''یقیناً ابوسفیان تمھارے پاس آرہا ہے تاکہ معاہدے کو پختہ کرے اور مدتِ معاہدہ بڑھائے۔''

ابوسفیان کی بدیل سے سرراہے ملاقات

اُدھر ابوسفیان مکہ سے چلا تو راستے میں عسفان کے مقام پر اس کی ملاقات بدیل بن ورقاء سے ہوگئی۔ نبی ﷺ نے بنوخزاعہ سے کہا تھا کہ بکھر بکھر کر وادیوں میں چلنا۔ یہاں بدیل سے ملاقات ہوئی تو ابوسفیان کو یہ خوف دامن گیر ہوا کہ کہیں یہ نبی ﷺ سے ملاقات کر کے تو نہیں آرہا اور اس نے محمد (ﷺ) کو سارا قصہ سُنا دیا ہو؟ چنانچہ اپنی تسلی کے لیے ابوسفیان نے پوچھا: اے بدیل! تم کہاں سے آرہے ہو؟ وہ بولا: میں ساحل کے اس پار وادیوں میں خزاعہ کے کچھ لوگوں کے پاس گیا تھا۔ ابوسفیان نے کہا: کیا تم محمد سے ملاقات کر کے نہیں آرہے؟ بدیل نے جواب دیا: نہیں۔ پھر جب بدیل وہاں سے چل دیا تو ابوسفیان کہنے لگا کہ یہ شخص اصل بات چھپا رہا ہے، پھر وہ اونٹوں کی مینگنیوں کے پاس آیا، ایک مینگنی اٹھائی، اسے پھاڑ کر دیکھا تو اس میں سے کھجور کی گٹھلیوں کے ٹکڑے برآمد ہوئے۔ ابوسفیان نے قسم کھا کر کہا: بدیل محمد (ﷺ) سے مل کر آرہا ہے۔[1]

ابوسفیان اپنی عالی مقام بیٹی کے گھر پر

ابوسفیان مدینہ پہنچا اور سیدھا اپنی بیٹی ام المؤمنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے گھر گیا۔ رسول اللہ ﷺ کے کاشانہ مبارک میں آپ ﷺ کا بستر بچھا ہوا تھا۔ ابوسفیان بستر پر بیٹھنے کے لیے آگے بڑھا تو ام المؤمنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا تیزی سے آگے لپکیں اور رسول اللہ ﷺ کے بستر مبارک کو اٹھا کر لپیٹ دیا۔ ابوسفیان نے حیران ہو کر پوچھا:

يَا بُنَيَّةُ! مَا أَدْرِي أَرَغِبْتِ بِي عَنْ هٰذَا الْفِرَاشِ أَمْ رَغِبْتِ بِهِ عَنِّي؟

''اے میری بیٹی! معلوم نہیں، تم نے مجھے اس بستر پر بیٹھنے کے قابل نہیں سمجھا یا یہ بستر اس لائق نہیں کہ میں

[1] السيرة لابن هشام :4/38,37.

اس پر بیٹھوں؟''

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اس موقع پر اپنے باپ کو جو ایمان افروز جواب دیا، اُسے تاریخ کے اوراق نے ہمیشہ کے لیے محفوظ کر لیا ہے۔ سیدہ نے اپنے والد سے بے دھڑک فرمایا:

بَلْ هُوَ فِرَاشُ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَأَنْتَ رَجُلٌ مُشْرِكٌ نَجِسٌ، وَلَمْ أُحِبَّ أَنْ تَجْلِسَ عَلٰى فِرَاشِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ.

''میں نے یہ بستر اس لیے لپیٹا ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا پاکیزہ بستر ہے جبکہ آپ مشرک اور ناپاک آدمی ہیں۔ مجھے گوارا نہیں کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے مقدس بستر پر بیٹھیں۔''[1]

ابوسفیان یہ غیر متوقع ٹکا سا جواب سن کر ہکا بکا رہ گیا۔ اُس نے بڑے افسوس سے کہا: اے میری بچی! مجھ سے جدا ہونے کے بعد تو نے شر پایا ہے۔ سیدہ نے جواب دیا: جی نہیں! اللہ نے مجھے دین اسلام کی ہدایت سے نوازا ہے۔ اے والد بزرگوار! آپ تو قریش کے سردار ہیں۔ آخر آپ کو اسلام میں داخل ہونے سے کس چیز نے روک رکھا ہے؟ افسوس! آپ ایسے خداؤں کی پوجا کرتے ہیں جو محض مٹی کا تودہ ہیں۔ یہ نہ دیکھ سکتے ہیں، نہ سن سکتے ہیں۔ ابوسفیان کہنے لگا: میری بیٹی! یہ کتنی حیرتناک بات ہے کہ تم بھی مجھے کوس رہی ہو۔ کیا میں اپنے آباء و اجداد کے معبودوں کی عبادت چھوڑ دوں اور دینِ محمد (ﷺ) اختیار کر لوں؟!

ابوسفیان رسول اللہ ﷺ کے حضور

ابوسفیان اپنی بیٹی کے گھر سے بہت مایوس ہو کر نکلا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے۔ ابوسفیان نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: اے محمد! عہد پکا کر لیجیے اور مدت میں اضافہ فرما دیجیے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«وَلِذٰلِكَ قَدِمْتَ! هَلْ كَانَ مِنْ حَدَثٍ قِبَلَكُمْ؟»

''اچھا! تو تم اس معاملے کے لیے آئے ہو؟ کیا تمھاری طرف سے اس معاملے کی کوئی خلاف ورزی ہوئی ہے؟''

ابوسفیان نے کہا:

مَعَاذَ اللّٰهِ! نَحْنُ عَلٰى عَهْدِنَا وَ صُلْحِنَا يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ لَا نُغَيِّرُ وَلَا نُبَدِّلُ.

''اللہ کی پناہ! ہم تو صلح حدیبیہ کے عہد پر قائم ہیں، ہم اسے بدلتے ہیں نہ اس سے کوئی گریز و فرار چاہتے ہیں۔''

[1] البداية والنهاية :4/146، المغازي للواقدي :2/235,236.

رسول اللہ ﷺ نے ابوسفیان کی یہ بات سن کر اپنا چہرۂ مبارک دوسری طرف پھیر لیا۔

سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے سفارش کی جستجو

جب ابوسفیان کو رسول اللہ ﷺ سے مایوسی ہوئی تو وہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا اور ان سے سفارش کرنے کی درخواست کرنے لگا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کو ٹکا سا جواب دے دیا اور کہا: میری پناہ اللہ کے رسول ﷺ کی پناہ کے تابع ہے۔ اللہ کی قسم! اگر میں چیونٹیوں کو بھی تم سے برسر پیکار پاؤں تو تمھارے خلاف ان کی ضرور مدد کروں۔

پھر وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور کہنے لگا: اے عمر! رسول اللہ ﷺ سے معاہدے کی تجدید اور مدت بڑھانے کی سفارش کر دو۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ارے احمق! کیا میں تمھاری سفارش کروں؟ اللہ کی قسم! اگر میں چیونٹی کو بھی تم سے لڑتے دیکھوں گا تو میں اس کے ساتھ مل کر تمھارے خلاف جہاد کروں گا۔ امام بیہقی کی روایت میں ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

مَا كَانَ مِنْ حِلْفِنَا جَدِيدًا فَأَخْلَقَهُ اللّٰهُ، وَمَا كَانَ مِنْهُ مُثْبَتًا فَقَطَعَهُ اللّٰهُ، وَمَا كَانَ مِنْهُ مَقْطُوعًا فَلَا وَصَلَهُ اللّٰهُ.

”ہمارا جو معاہدہ نیا ہو تو اللہ اسے پرانا کر دے، جو برقرار ہو، اللہ اسے توڑ دے اور جو ٹوٹ چکا ہو، اللہ اسے دوبارہ نہ جوڑے۔“

یہ بات سن کر ابوسفیان کہنے لگا: تمھیں اس قطع رحمی کی سزا ملے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے پناہ کی درخواست

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے مایوس ہو کر ابوسفیان سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا اور انھیں مخاطب کر کے کہنے لگا: لوگوں میں رشتے کے لحاظ سے کوئی شخص آپ سے بڑھ کر میرا قریبی عزیز نہیں۔ آپ کے صاحب آپ کی بات کبھی رد نہیں کریں گے۔ اللہ کی قسم! میں نے کبھی کسی شخص کو اپنے کسی ساتھی کی اتنی عزت کرتے نہیں دیکھا جتنی خود محمد (ﷺ) اپنے صحابہ کی کرتے ہیں۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جِوَارِي فِي جِوَارِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ ”میری پناہ اللہ کے رسول ﷺ کی پناہ کے تابع ہے۔“

ابوسفیان کا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے مدد طلب کرنا

ابوسفیان جب کبار مہاجر صحابہ رضی اللہ عنہم کو اپنی مدد کے لیے راضی نہ کر سکا تو وہ اوس کے سردار سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو اس معاملے پر راضی کرنے کی غرض سے ان کے پاس گیا کہ شاید وہ رسول اللہ ﷺ سے اس کی سفارش کر دیں۔

ابوسفیان نے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے کہا: اے ابو ثابت! میرے اور آپ کے مابین جو تعلقات ہیں، آپ انھیں جانتے ہیں۔ میں حرم میں آپ کا میزبان تھا اور اِدھر یثرب میں آپ میرے لیے اُسی طرح ہیں۔ آپ اس شہر کے سردار ہیں۔ آپ لوگوں کے درمیان کھڑے ہو جائیے، میرے لیے پناہ کا اعلان کیجیے اور معاہدہ حدیبیہ کی مدت میں اضافے کے لیے میری مدد فرمائیے۔ یہ سن کر سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے ابوسفیان! میری پناہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ میں ہے۔ تمھیں کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف پناہ نہیں دے سکتا۔

سیدنا علی و فاطمہ رضی اللہ عنہما سے پناہ کی درخواست

یہاں سے ناامید ہو کر اب ابوسفیان سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، وہاں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی موجود تھیں۔ اس وقت حسن رضی اللہ عنہ بہت چھوٹے تھے، سیدہ کے ہاتھوں میں کھیل رہے تھے۔ ابوسفیان کہنے لگا: اے علی! تم ساری قوم سے بڑھ کر میرے قریبی عزیز ہو۔ میں ایک ضرورت کے پیش نظر آیا ہوں، میری ضرورت پوری کر دو۔ میں بہت ذلیل ہوتا ہوا آ رہا ہوں۔ مجھے محروم نہ لوٹانا۔ بس میرا اتنا کام ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں میری سفارش کر دو۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: اے ابوسفیان! تمھاری ہلاکت ہو، جس بات کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عزم کر لیں، بھلا میری کیا مجال کہ میں اُس پر ان سے بات کر سکوں۔ ابوسفیان نے یہ کورا جواب پایا تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی! کیا تم اپنے اس بچے کو حکم دے سکتی ہو کہ یہ لوگوں کے مابین مجھے پناہ دے تاکہ یہ قیامت تک عرب کا سردار ہو جائے؟ سیدہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ابھی میرا بیٹا لوگوں کے مابین پناہ دینے کی عمر کو نہیں پہنچا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر کوئی کسی کو امان نہیں دے سکتا۔

اب ابوسفیان سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہوا اور کہنے لگا: اے ابوالحسن! مجھ پر معاملات سخت ہو گئے ہیں، لہٰذا مجھے کوئی نصیحت کیجیے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں تیرے لیے کوئی ایسی چیز نہیں جانتا جو تیرے کچھ کام آ سکے لیکن تو بنو کنانہ کا سردار ہے۔ تو اٹھ کر لوگوں کے درمیان پناہ حاصل کر لے، پھر اپنے علاقے میں واپس چلا جا۔ ابوسفیان نے پوچھا: کیا یہ بات میرے لیے سودمند ثابت ہو گی؟ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میرے خیال میں تو نہیں، البتہ اس کے علاوہ میں تیرے لیے کوئی اور راہ نہیں پاتا۔ اس کے بعد ابوسفیان اٹھا اور لوگوں کے درمیان مسجد میں جا کر اس نے بلند آہنگی سے پکار لگائی: لوگو سنو! میں نے لوگوں کے درمیان پناہ لے لی ہے اور اللہ کی قسم! مجھے گمان نہیں کہ کوئی مجھ سے بدعہدی کرے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات سنی تو فرمایا:

«أَنْتَ تَقُولُ ذَالِكَ يَا أَبَا سُفْيَانَ!»

''اے ابوسفیان! تم یہ بات کر رہے ہو؟''[1]

ابوسفیان کی یہ ایک ناکام کوشش تھی، وہ جنگ کو ٹالنا چاہتا تھا لیکن رسول اللہ ﷺ نے پہلے ہی ایک بدلی کی طرف اشارہ کر کے فرما دیا تھا:

«إِنَّ هٰذِهِ السَّحَابَةَ لَتَسْتَهِلُّ بِنَصْرِ بَنِي كَعْبٍ»

''یہ بادل بنوکعب (بنوخزاعہ) کی مدد کی بشارت سے چمک رہا ہے۔''

ابوسفیان کامیاب نہ ہو سکا

ابوسفیان مدینہ پہنچ کر جو مقصد حاصل کرنا چاہتا تھا، وہ اس کے حصول میں ناکام رہا۔ وہ رئیس مکہ تھا لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اُسے مطلق کوئی اہمیت نہیں دی۔ وہ رسول اللہ ﷺ سے صلح پر قائم رہنے کی التجا کرتا رہا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سفارش بہم پہنچانے کے لیے اجل صحابہ کے دروازے کھٹکھٹاتا رہا لیکن اسے کسی نے بھی گھاس نہیں ڈالی۔ کیا مہاجر اور کیا انصار، سب کے سب صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے اطاعت گزار تھے۔ جب خود رسول اللہ ﷺ نے ابوسفیان کو صاف انکار کی شکل میں جواب دے دیا تو پھر بڑے بڑے اجل صحابہ بھی اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ ہی کے موقف کے پابند رہے۔ کسی نے ابوسفیان کی سفارش نہیں کی، یوں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عملاً بتا دیا کہ ہمارا ہر قول و فعل صرف رسول اللہ ﷺ کی ہدایات و ارشادات کے تابع ہے۔ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قریش کی کارستانیوں سے آگاہ فرما چکے تھے اور بدیل نے قریش کی دغا بازی، معاہدہ شکنی اور غارتگری کے خلاف جو دہائی دی تھی، اس کے پیش نظر تمام صحابہ قریش کے کرتوتوں سے پوری طرح باخبر ہو چکے تھے۔ انھوں نے ان حالات کا ابوسفیان سے کوئی تذکرہ ہی نہیں چھیڑا اور اُسے یہ محسوس ہی نہیں ہونے دیا کہ اللہ کے رسول ﷺ تمھارے سارے کرتوت خوب جانتے ہیں۔ سب نے اجتماعی شان سے بتا دیا کہ قول فیصل کا اختیار صرف رسول اللہ ﷺ ہی کو حاصل ہے، ہم آپ ﷺ کے موقف سے ہٹ کر کچھ نہیں کر سکتے، چاہے تم کتنی ہی منت سماجت کر لو۔ اب تمھارا دجل و فریب ہرگز نہیں چلے گا۔ اس منظر نامے سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام فرد اور معاشرے کی کتنی عمدہ تربیت کرتا ہے اور کتنا منظم و مکرم معاشرہ قائم کرتا ہے جہاں ہر فرد اپنے رہبر اعظم ﷺ کا اطاعت گزار ہوتا ہے۔

[1] المغازي للواقدي :2/235-237، السيرة لابن هشام :4/39,38، دلائل النبوة للبيهقي : 5/11,10، سبل الهدٰى والرشاد : 5/207,206.

ابوسفیان کی مکہ واپسی اور ناکامی کی روداد

ابوسفیان اپنے مقصد میں ناکام ہوگیا۔ اسے کچھ روز مدینہ ہی میں ٹھہرنا پڑا۔ جب اسے واپس مکہ پہنچنے میں توقع سے زیادہ دیر ہوئی تو قریش نے اسے الزام دینا شروع کر دیا کہ ابوسفیان مرتد ہوگیا ہے، اس نے چھپ کر محمد ﷺ کی بیعت کر لی ہے اور اب وہ اپنے اسلام کو چھپائے ہوئے ہے۔

ابوسفیان مکہ واپس آیا، رات کو گھر گیا، بیوی نے پوچھا: تم نے اتنی دیر کیوں لگا دی؟ اب تمھاری قوم کہہ رہی ہے کہ تم مرتد ہو چکے ہو۔ اگر اتنا عرصہ وہاں رہنے کے بعد تم کامیابی حاصل کر لیتے تو پھر تم نہایت صحتمند اور توانا نظر آتے۔ بعدازاں ہند نے ابوسفیان سے مدینہ کی سرگزشت سنی تو کہنے لگی: تم اپنی قوم کے بدترین قاصد ہو۔ تم نے بھلائی کا کوئی کام نہیں کیا۔

جب رات بیت گئی اور صبح ہوئی تو ابوسفیان اپنے گھر سے نکلا، سیدھا اساف اور نائلہ کے بتوں کے پاس پہنچا۔ وہاں اپنا سر منڈایا، ایک جانور کی قربانی دی، اس کے خون سے ان بتوں کے سر رنگین کیے اور پھر یہ اعلان کیا: لَا أُفَارِقُ عِبَادَتَكُمَا حَتّٰى أَمُوتَ عَلٰى مَا مَاتَ عَلَيْهِ أَبِي. ''(اے اساف و نائلہ!) میں تمھاری عبادت سے کبھی دستبردار نہ ہوں گا یہاں تک کہ میں بھی اسی نہج پر مروں گا جس پر میرا باپ مرا تھا۔'' اس اعلان سے وہ یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ اس پر مرتد ہونے کا جو الزام لگا ہے، وہ غلط ہے۔ اہلِ مکہ ابوسفیان کی واپسی پر اس کے گرد جمع ہوگئے۔ انھوں نے ابوسفیان سے پوچھا کہ تم کون سا معرکہ سرانجام دے کر آئے ہو؟ کیا نبی (ﷺ) نے تمھیں کوئی عہد و پیمان دیا ہے؟ کیا معاہدے کی مدت میں توسیع ہوگئی ہے؟ ہمیں خطرہ ہے کہ وہ ہم سے جنگ کریں گے۔

ابوسفیان کہنے لگا: اللہ کی قسم! انھوں نے مجھے مسترد کر دیا۔ میں نے محمد (ﷺ) سے بات کی لیکن انھوں نے کوئی جواب ہی نہیں دیا۔ پھر میں ان کے بہترین ساتھیوں کے پاس گیا لیکن اُن سب نے مجھے یہی جواب دیا: میری پناہ رسول اللہ ﷺ ہی کی پناہ کے تابع ہے۔

البتہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا کہ تو کنانہ کا سردار ہے، لہٰذا تو تمام لوگوں کے درمیان پناہ لینے کی التجا کر۔ چنانچہ میں لوگوں کے پاس گیا اور پناہ کا اعلان کر دیا۔ اس کے بعد میں محمد (ﷺ) کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ میں نے لوگوں کے درمیان پناہ لے لی ہے، میرا نہیں خیال کہ آپ میری پناہ کو تسلیم نہیں کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَنْتَ تَقُولُ ذٰلِكَ يَا أَبَا سُفْيَانَ!»

''اے ابوسفیان! یہ تم کیسی (بچگانہ) بات کر رہے ہو؟''

قریش نے یہ بات سن کر ابوسفیان سے کہا کہ تم محمد (ﷺ) کی رضا مندی کے بغیر ہی اپنے طور پر جو کچھ کر آئے ہو، وہ ہمارے لیے سُود مند نہیں ہے۔ اللہ کی قسم! اس نے تو تمھارے ساتھ مذاق کیا ہے۔ بھلا تمھاری طرف سے ہمارے لیے پناہ کے اعلان کا کیا جواز ہے؟ مزید برآں اُن کے لیے تمھاری پناہ توڑنا کون سی مشکل بات ہے۔ ابوسفیان کھسیانا ہو کر کہنے لگا: اللہ کی قسم! مجھے اس کے سوا وہاں سے کچھ نہیں ملا۔ [1]

زادِراہ تیار کرنے کا حکم

ابوسفیان کے مدینہ سے واپس جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنی زوجہ محترمہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو سفر کی تیاری کا حکم دیا اور اللہ رب العزت کے حضور یہ دعا کی:

«اَللّٰهُمَّ! خُذْ عَلٰى أَسْمَاعِهِمْ وَ أَبْصَارِهِمْ فَلَا يَرَوْنَا إِلَّا بَغْتَةً وَّلَا يَسْمَعُوا بِنَا إِلَّا فُجَاءَةً»

''اے اللہ! (اہلِ مکہ) قریشیوں کے کانوں (جاسوسوں) اور آنکھوں (مخبروں) کو روک لے، وہ ہمیں اچانک ہی دیکھیں اور انھیں ہماری خبر بھی اچانک ہی ملے۔'' [2]

جب ابوبکر رضی اللہ عنہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر پہنچے تو وہ گندم، ستو، آٹا اور کھجور سے زاد راہ تیار کر رہی تھیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یہ کیا کر رہی ہو؟ کیا رسول اللہ ﷺ نے کہیں سفر کی تیاری کا حکم دیا ہے؟ عائشہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں: جی ہاں! آپ بھی تیار ہو جائیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: رسول اللہ ﷺ نے کہاں کا ارادہ فرمایا ہے؟ سیدہ نے کہا: آپ ﷺ نے مجھے کوئی بات نہیں بتائی، صرف سفر کی تیاری کا حکم دیا ہے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: بیٹی! یہ کھانا کیوں تیار کر رہی ہو؟ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا خاموش رہیں اور کوئی جواب نہ دیا۔ انھوں نے پوچھا: کیا رسول اللہ ﷺ کا جنگ کا ارادہ ہے؟ وہ پھر خاموش رہیں۔ اس طرح ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کئی سوال پوچھے لیکن سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کے جواب میں خاموشی اختیار کی۔

بہر حال اسی اثنا میں جبکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے باتیں کر رہے تھے، آپ ﷺ اندر تشریف لے آئے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ نے سفر کا ارادہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا میں بھی تیاری کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کہاں کا ارادہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: قریش کی طرف روانگی کا ارادہ ہے لیکن آپ اس بات کو راز ہی میں رکھیے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا ان کے اور ہمارے درمیان کوئی مدت مقرر نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: انھوں نے غداری اور بدعہدی

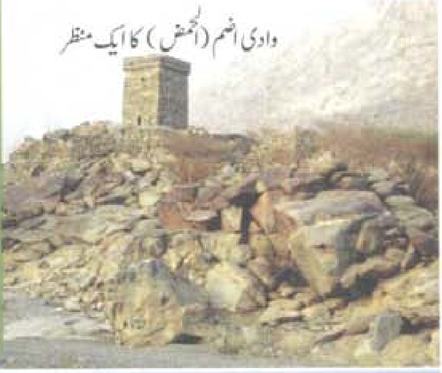
[1] المغازي للواقدي: 237/2، السيرة لابن هشام: 39/4. [2] دلائل النبوة للبيهقي: 11/5، البداية والنهاية: 282/4.

کی ہے، اس لیے میں ان پر حملہ کرنے والا ہوں۔ لیکن آپ اس بات کو مخفی رکھیے۔ لوگ تذبذب میں مبتلا تھے۔ کوئی شام کی طرف غزوے کا گمان کر رہا تھا، کوئی ثقیف کی طرف اور کوئی ہوازن کی طرف۔ [1]

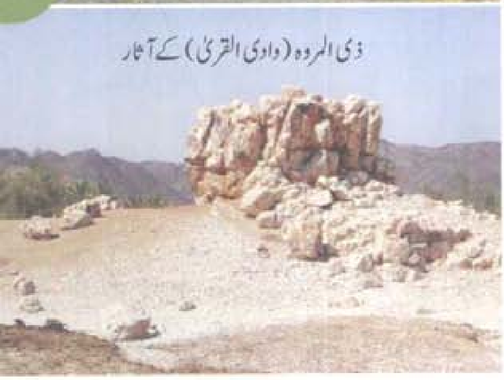
رسول اللہ ﷺ نے ابتدائی طور پر فتح مکہ کی منصوبہ بندی پوری طرح صیغہ راز میں رکھی یہاں تک کہ اپنی محبوب بیوی کو بھی اس بارے میں کچھ نہ بتایا۔ بس آپ ﷺ نے تیاری کا حکم دیا لیکن کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائی۔ آپ ﷺ کے اس حکیمانہ طرز عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ سپہ سالاروں کو اپنے پروگرام مخفی رکھنے چاہییں۔

سریہ اضم

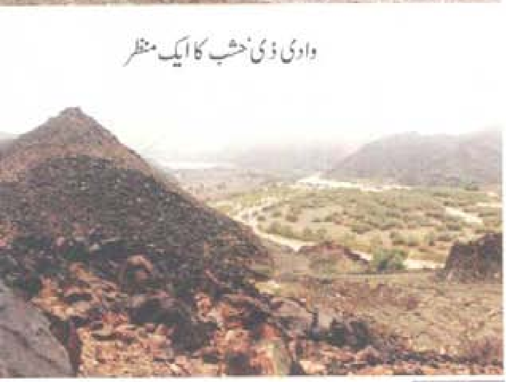
دشمن کو اپنے منصوبے سے بے خبر رکھنے بلکہ وہم میں مبتلا کرنے کی غرض سے رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے لیے روانگی سے پہلے ہجرت کے آٹھویں سال یکم رمضان کو نجد کی طرف ایک آٹھ رکنی سریہ روانہ فرمایا۔ اس سریے کو حکم دیا گیا کہ مدینہ سے مشرق کی جانب نجد کے علاقے بطن اضم تک پہنچے۔ یہ قبیلۂ غطفان کی ذیلی شاخ بنواشجع کی ایک وادی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے ابوقتادہ بن ربعی رضی اللہ عنہ کو ذی المروہ اور ذی خشب کی درمیانی وادی اضم کی طرف روانہ فرمایا۔ یہ وادی جب مدینہ اور احد کے درمیان سے گزرتی ہے تو وادی قناۃ کہلاتی ہے اور مدینہ کے شمال میں اسے وادی اضم کہا جاتا ہے، پھر یہ حجاز کو قطع کر کے سمندر میں جا گرتی ہے۔ ان دنوں وادی اضم کو وادی الحمض کہا جاتا ہے۔ ذی المروہ، وادی اضم اور وادی الجزل (وادی القریٰ) کے سنگم پر واقع ہے اور مدینہ سے اس کا فاصلہ



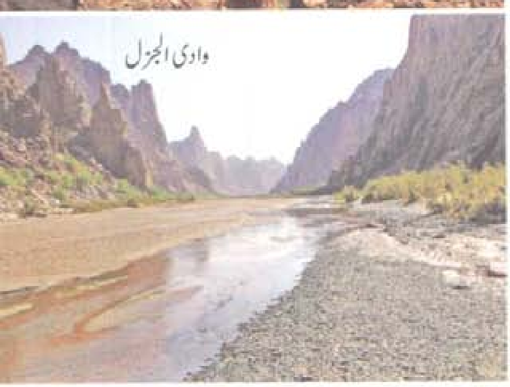
وادی اضم (الحمض) کا ایک منظر



ذی المروہ (وادی القریٰ) کے آثار

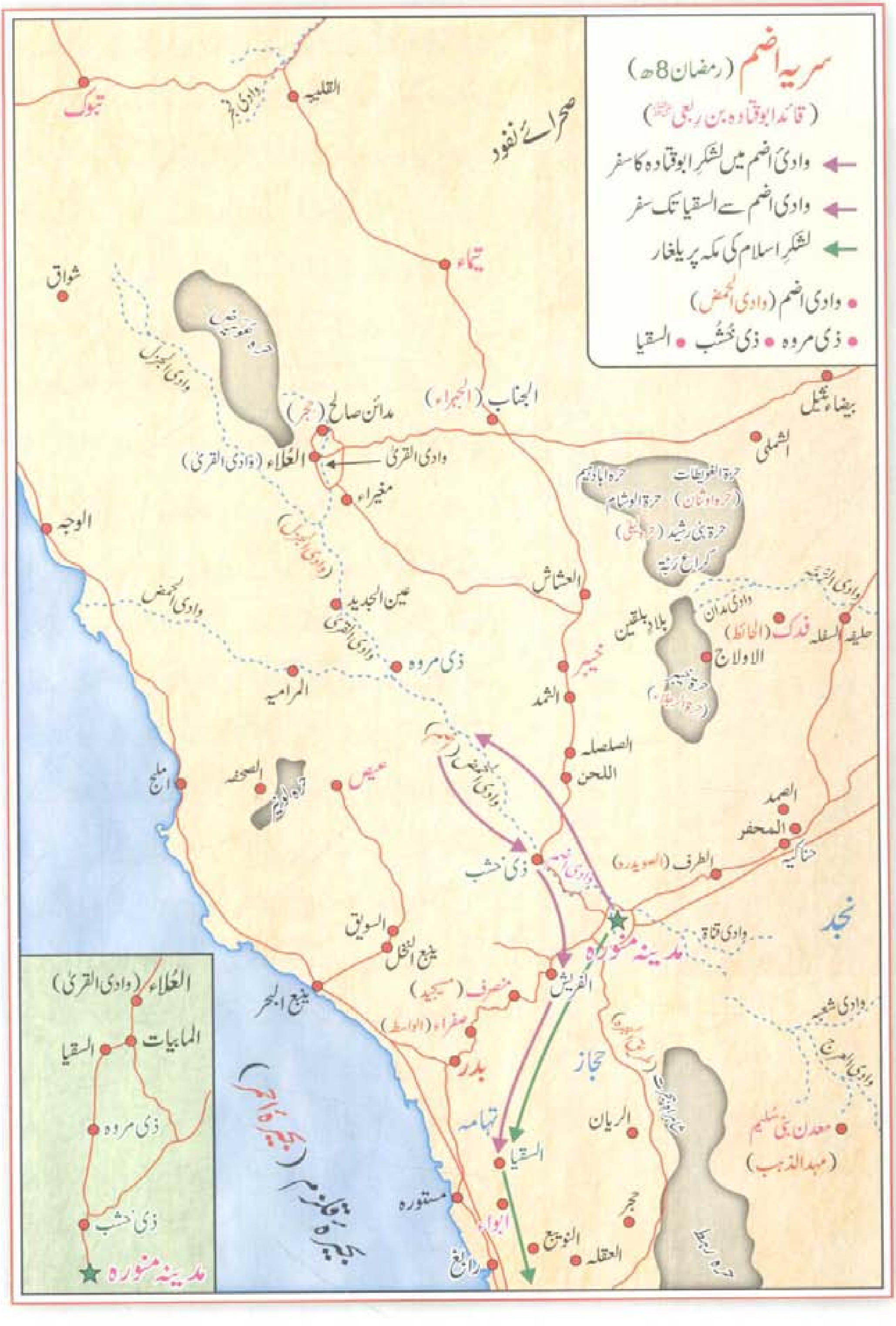


وادی ذی خشب کا ایک منظر



وادی الجزل

[1] المغازي للواقدي: 2/238، السيرة لابن هشام: 4/39، البداية والنهاية: 4/281,282.



سریہ اضم (رمضان 8ھ)
(قائد ابو قتادہ بن ربعی ؓ)
وادیٔ اضم میں لشکرِ ابو قتادہ کا سفر
وادی اضم سے السقیا تک سفر
لشکرِ اسلام کی مکہ پر یلغار
وادی اضم (وادی الحمض)
ذی مروہ • ذی خُشُب • السقیا
تبوک
القلیبہ
صحرائے نفود
تیماء
شواق
الجناب (الجہراء)
مدائن صالح (حجر)
العُلاء (وادی القریٰ)
وادی القریٰ
مغیراء
الوجہ
العشاش
بیضاء نثیل
الشملی
عین الجدید
ذی مروہ
المرامیہ
خیبر
الثمد
الصلصلہ
اللحن
فدک (الحائط)
الاولاج
املج
عیص
ذی خشب
الطرف (السویدرہ)
الصمد
المحفر
حناکیہ
نجد
مدینہ منورہ
السویق
ینبع النخل
ینبع البحر
منصرف (مسیجید)
صفراء (الواسط)
بدر
حجاز
تہامہ
الریان
السقیا
معدن بنی سلیم (مہد الذہب)
مستورہ
ابواء
رابغ
النویبع
العقلہ
العُلاء (وادی القریٰ)
المابیات
السقیا
ذی مروہ
ذی خشب
مدینہ منورہ

300 کلومیٹر ہے۔[1] آپ کا قصد یہ تھا کہ لوگوں کے ذہن مکہ کی طرف منتقل نہ ہوں اور آپ ﷺ اہل مکہ کو بے خبری ہی میں جالیں۔ چنانچہ یہ آٹھ رکنی قافلہ واپس روانہ ہوا تو ذی خشب کے مقام پر پہنچ کر انھیں پتا چلا کہ رسول اللہ ﷺ اپنی عظیم فوج کے ساتھ مدینہ سے مکہ روانہ ہو چکے ہیں، چنانچہ یہ سریہ آپ ﷺ کو السقیا نامی جگہ پر جا ملا۔[2]

رسول اللہ ﷺ کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشاورت

رسول کریم ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ ﷺ تمام درپیش معاملات و مسائل پر صحابہ سے مشاورت کرتے تھے، اس طرح آپ ﷺ کو بہتر فیصلہ کرنے میں آسانی رہتی تھی اور صحابہ کا مورال بھی بلند ہوتا تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اس موقع پر بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔ محمد بن حنفیہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ اپنے ایک حجرے سے باہر نکلے اور اس کے دروازے کے پاس بیٹھ گئے۔ آپ ﷺ جب بھی تنہا بیٹھتے تو ایسے موقع پر جب تک خود آپ ﷺ کسی کو اپنے پاس نہ بلاتے، کوئی آپ کی خدمت میں حاضر نہیں ہوتا تھا۔

اس دن جب رسول اللہ ﷺ اپنے کاشانہ مبارک سے باہر تشریف لائے تو آپ ﷺ نے فرمایا: «أُدْعُ لِي أَبَا بَكْرٍ» ''ابوبکر کو میرے پاس بلا بھیجو۔'' سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کے سامنے بیٹھ گئے۔ آپ ﷺ نے ان سے رازدارانہ انداز میں بڑی لمبی گفتگو کی، پھر آپ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنے دائیں جانب بیٹھنے کا حکم دیا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: «أُدْعُ لِي عُمَرَ» ''عمر کو میرے پاس بھیجو۔'' عمر رضی اللہ عنہ آئے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قریب بیٹھ گئے۔ آپ نے عمر رضی اللہ عنہ سے بھی بڑی طویل رازدارانہ گفتگو فرمائی۔ جواب دیتے ہوئے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی آواز بلند ہوگئی، وہ کہنے لگے:

يَا رَسُولَ اللّٰهِ! هُمْ رَأْسُ الْكُفْرِ، هُمُ الَّذِينَ زَعَمُوا أَنَّكَ سَاحِرٌ، وَأَنَّكَ كَاهِنٌ، وَأَنَّكَ كَذَّابٌ، وَأَنَّكَ مُفْتَرٍ.

''اے اللہ کے رسول! یہی لوگ کفر کے وہ سرغنے ہیں جنھوں نے آپ کو جادوگر، کاہن، کذاب اور افترا پرداز ٹھہرایا ہے۔''

اس موقع پر عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے سامنے وہ تمام باتیں دہرائیں جو اہل مکہ کی آوارہ زبانیں آپ ﷺ کی شان کے خلاف کہا کرتی تھیں۔ انھوں نے اس موقع پر اہلِ مکہ کے وہ وحشیانہ سلوک بھی یاد دلائے جو وہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے پیروکاروں پر روا رکھتے تھے۔ آپ ﷺ نے عمر رضی اللہ عنہ کی گفتگو سننے کے بعد انھیں دوسری جانب بیٹھنے کا

[1] معجم البلدان: 214/1، معجم المعالم الجغرافية في السيرة، ص: 290. [2] الطبقات لابن سعد: 133/2.

اشارہ کیا۔ اس طرح یہ دونوں اصحاب یعنی سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما آپ ﷺ کے دائیں اور بائیں جانب بیٹھ گئے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے تمام لوگوں کو طلب فرمایا۔ جب سب لوگ آپ ﷺ کے پاس آکر بیٹھ گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«اَلَا أُحَدِّثُكُمْ بِمَثَلِ صَاحِبَيْكُمْ هٰذَيْنِ؟»

"کیا میں تمھیں تمھارے ان دونوں ساتھیوں کی مثال نہ بتاؤں؟"

لوگوں نے کہا: کیوں نہیں، ضرور فرمائیے۔ تو آپ ﷺ نے اپنا چہرۂ مبارک ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف کیا اور فرمایا:

«إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أَلْيَنَ فِي اللّٰهِ مِنَ الدُّهْنِ فِي اللَّبَنِ»

"ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے معاملے میں دودھ میں تیل سے بھی زیادہ نرم تھے (یہی حال ابوبکر کا ہے)۔"

پھر آپ ﷺ نے اپنا چہرۂ مبارک عمر رضی اللہ عنہ کی طرف پھیرا اور ارشاد فرمایا:

«إِنَّ نُوحًا كَانَ أَشَدَّ فِي اللّٰهِ مِنَ الْحَجَرِ، وَإِنَّ الْأَمْرَ أَمْرُ عُمَرَ، فَتَجَهَّزُوا وَتَعَاوَنُوا»

"نوح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے معاملے میں پتھر سے بھی زیادہ سخت تھے (یہی حال عمر کا ہے)۔ بات وہی ہے جو عمر نے کی ہے۔ اب تم جہاد کی تیاری کرو اور ایک دوسرے سے تعاون کرو۔"

اب لوگ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے چل دیے اور ان سے کہنے لگے: رسول اللہ ﷺ نے جو باتیں کی ہیں، وہ ہم عمر رضی اللہ عنہ سے نہیں بلکہ آپ سے پوچھنا چاہتے ہیں، آپ بتائیے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے دریافت فرمایا:

«كَيْفَ تَأْمُرُنِي فِي غَزْوِ مَكَّةَ؟»

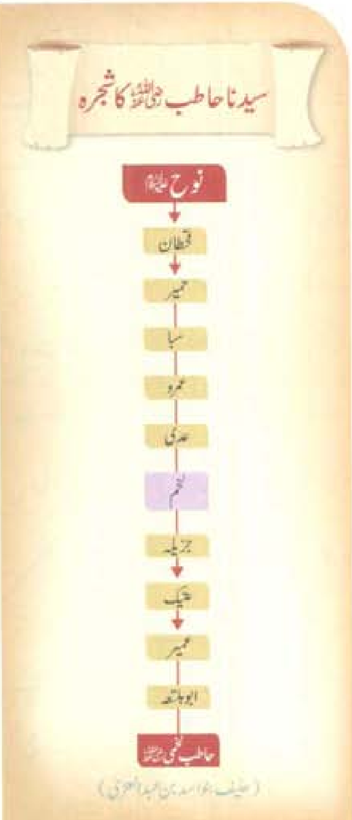
"مکہ پر حملہ کرنے کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے؟"

میں نے آپ ﷺ سے عرض کی کہ اے اللہ کے رسول! وہ آپ ہی کی قوم ہے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس طرح کی نرم باتیں کیں حتی کہ مجھے یہ خیال ہوا کہ آپ میری بات مان لیں گے۔ پھر آپ ﷺ نے عمر کو بلایا تو انھوں نے کہا کہ مکہ والے کفر کے سرغنے ہیں یہاں تک کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ہر وہ ناپسند بات یاد کرا دی جو اہل مکہ نے رسول اللہ ﷺ کو بدنام کرنے کے لیے کی تھی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بھی کہا کہ اللہ کی قسم! جب تک اہل مکہ آپ کے تابع نہیں ہوں گے، دیگر عرب بھی آپ کی اطاعت نہیں کریں گے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ان پر چڑھائی کی تیاری کا حکم صادر فرما دیا۔[1]

[1] المصنف لابن أبي شيبة: 7/411،410، سبل الهدٰى والرشاد: 5/208.

قبائل کو جمع کرنے کے لیے صحابہ رضی اللہ عنہم کی روانگی

مکہ پر حملہ کرنے کے فیصلے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرب و جوار کے مسلمان حلیف قبائل کو بھی لشکر میں شامل ہونے کی دعوت دی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے 14 صحابہ رضی اللہ عنہم کو ان قبائل کو جمع کرنے کے لیے روانہ فرمایا۔ ان 14 صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسمائے گرامی یہ ہیں: 1 اسماء بن حارثہ بن سعید بن عبداللہ 2 ہند بن حارثہ بن سعید بن عبداللہ اسلمی 3 رافع بن مکیث الجہنی 4 جندب بن مکیث جہنی 5 ایماء بن رحضہ غفاری 6 ابورہم کلثوم بن الحصین 7 معقل بن سنان 8 نعیم بن مسعود 9 بلال بن حارث 10 عبداللہ بن عمرو مزنی 11 الحجاج بن علاط سلمی 12 عرباض بن ساریہ 13 بشر بن سفیان 14 بدیل بن ورقاء۔[1]



اہل مکہ کے نام حاطب رضی اللہ عنہ کا خط

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش پر حملے کا پختہ ارادہ کر لیا اور مدینہ میں لوگوں کو یہ بات بتا دی، نیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پوری طرح تیار ہو جانے کا حکم دے دیا تو سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے قریشیوں کو لکھ بھیجا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اس خط کا متن درج ذیل ہے:

أَمَّا بَعْدُ، يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ! فَإِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ جَاءَكُمْ بِجَيْشٍ كَاللَّيْلِ، يَسِيرُ كَالسَّيْلِ، فَوَاللّٰهِ! لَوْ جَاءَكُمْ وَحْدَهُ لَنَصَرَهُ اللّٰهُ وَ أَنْجَزَلَهُ وَعْدَهُ، فَانْظُرُوا لِأَنْفُسِكُمْ، وَالسَّلَامُ.

”اما بعد! اے قریش کے لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تاریک رات کی مانند (ناقابلِ تسخیر) لشکر لے کر تمھاری طرف آ رہے ہیں جو سیلاب کی طرح تیز رفتار ہے۔ اللہ کی قسم! اگر وہ تمھارے پاس اکیلے بھی آ جاتے تو اللہ تعالیٰ ضرور ان کی مدد کرتا اور ان سے اپنا وعدہ ضرور پورا کرتا۔ اب تم اپنی فکر کر لو! والسلام۔“[2]

حاطب رضی اللہ عنہ نے یہ خط صفوان بن امیہ، سہیل بن عمرو اور عکرمہ بن ابوجہل کے نام لکھا اور ایک مُزنی عورت کو دے

1 المغازي للواقدي :2/240. 2 فتح الباري :7/652.

دیا۔ انھوں نے اس عورت سے کہا کہ اگر تم یہ خط قریش تک پہنچا دو گی تو تمھیں اس کا بہت اچھا معاوضہ دیا جائے گا۔ انھوں نے اس عورت کو تاکید کر دی کہ اس خط کی کسی کو خبر نہ ہونے دے اور عام راستے سے نہ جائے، اس لیے کہ اس راستے کی نگرانی ہو رہی ہے۔ چنانچہ وہ عورت خط لے کر مدینہ سے روانہ ہوئی اور ایسے راستے پر چل پڑی جس کے لوگ عادی نہیں تھے۔ [1]

خط پکڑا گیا

اُدھر رسول اللہ ﷺ کو بذریعۂ وحی حاطب رضی اللہ عنہ کے خط کی خبر دے دی گئی۔ آپ نے فوراً علی، زبیر اور مقداد رضی اللہ عنہم کو روانہ کیا اور انھیں تاکید فرمائی کہ اُس مُزنی عورت تک جلد پہنچ جاؤ جسے حاطب نے اہلِ مکہ کے نام خط دے کر بھیجا ہے اور قریشیوں کو جنگ کی خبر سے آگاہ کیا ہے۔ یہ دونوں حضرات فوراً روانہ ہو گئے۔ انھیں وہ عورت ''خُلیقہ'' نام کے ایک مقام پر مل گئی، انھوں نے اسے سواری سے اتارا اور سامان کی تلاشی لی تو اس کے پاس سے کچھ بھی نہ ملا۔ انھوں نے اس سے کہا: ہم اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہرگز جھوٹ نہیں بول سکتے اور ہم بھی جھوٹ نہیں بول رہے۔ تم فوراً وہ خط نکالو جو تمھارے پاس موجود ہے، ورنہ ہم تمھارے کپڑے اُتروانے پر مجبور ہوں گے۔ اس عورت نے جب ان دونوں کا اصرار دیکھا تو کہنے لگی: تم دونوں مجھ سے دور ہٹ جاؤ۔ وہ دونوں ایک طرف ہو گئے تو اس نے اپنا جوڑا کھول کر خط نکالا اور اُن کے حوالے کر دیا۔ دونوں یہ خط لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس آ گئے۔

حاطب رضی اللہ عنہ کی وضاحت اور معافی

نبی اکرم ﷺ نے حاطب رضی اللہ عنہ کو بلایا اور پوچھا: «يَا حَاطِبُ! مَا حَمَلَكَ عَلٰى هٰذَا؟» ''حاطب! تم نے ایسا کیوں کیا؟'' انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر کامل ایمان رکھتا ہوں، میں نے اپنے ایمان میں کوئی خلل نہیں ڈالا، لیکن میں وہ شخص ہوں جس کی مکہ میں کوئی اصل اور کوئی خاندان نہیں، وہاں میرے بال بچے ہیں، اس لیے میں نے اہلِ مکہ کے ساتھ بھلائی کرنی چاہی تھی تاکہ وہ میرے اہل و عیال کا خیال رکھیں۔

یہ بات سن کر سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بولے: اللہ تم سے نمٹے! تم دیکھ رہے ہو کہ رسول اللہ ﷺ کس قدر رازداری سے کام لے رہے ہیں اور تم قریش کو خط لکھ کر انھیں آگاہ کر رہے ہو؟ اُنھوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: آپ مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس کی گردن ماردوں، کیونکہ یہ شخص منافق ہو گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے عمر! کیا تمھیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ بدر کے دن اہلِ بدر کی حقیقت سے پوری طرح آگاہ تھا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انھیں مخاطب کر کے ارشاد فرمایا: ''اب تم جو چاہو کرو، میں نے تمھیں معاف کر دیا۔'' اس کے بعد اللہ عزوجل نے

[1] سبل الھدیٰ والرشاد: 209/5.

حاطب کے بارے میں یہ آیات مبارکہ نازل فرمائیں:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُم مِّنَ الْحَقِّ يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ أَن تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ رَبِّكُمْ إِن كُنتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِي سَبِيلِي وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِي تُسِرُّونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنتُمْ وَمَن يَفْعَلْهُ مِنكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ○.....﴾ (الممتحنة 60:1-4)

''اے ایمان والو! تم لوگ میرے دشمن اور اپنے دشمن کو دوست نہ بناؤ، تم ان کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتے ہو، حالانکہ وہ اس دینِ برحق کا انکار کرتے ہیں جو تمھیں ملا ہے، انھوں نے رسول اللہ کو اور تمھیں صرف اس وجہ سے (مکہ سے) نکال دیا ہے کہ تم اپنے رب اللہ پر ایمان لے آئے ہو، اگر تم میری راہ میں نکلے ہو جہاد کرنے اور میری رضا ڈھونڈنے کے لیے (تو کفار کو دوست نہ بناؤ)، تم ان کو دوستی کا خفیہ پیغام بھیجتے ہو، میں تو وہ سب جانتا ہوں جو تم چھپاتے ہو، اور جو ظاہر کرتے ہو، اور تم میں سے جو کوئی ایسا کرے گا، وہ (اللہ کی) سیدھی راہ سے بھٹک گیا......''[1]

صحیح بخاری کی ایک روایت میں سیدنا علی اور زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ مقداد رضی اللہ عنہ کا اور دوسری روایت میں ابو مرثد رضی اللہ عنہ کا تذکرہ ہے کہ وہ مزنی عورت سے خط لینے گئے تھے۔[2]

درج بالا آیت کریمہ نے مسلمانوں کو کفار کے ساتھ معاملہ کرنے کا واضح منہج عطا کر دیا ہے۔ امام قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ سورت کفار سے دوستی کی ممانعت کے لیے بنیاد ہے۔[3]

حاطب رضی اللہ عنہ سے بہت بڑی بھول ہوئی، اس لیے اس موقع پر دشمنوں کے ساتھ طرزِ عمل کے بارے میں آیاتِ مقدسہ نازل ہوئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا حاطب رضی اللہ عنہ سے بڑا کریمانہ سلوک کیا جو اپنے ساتھیوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و شفقت کا آئینہ دار ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حسنِ سلوک اسلام میں سبقت رکھنے والوں کی کمی کوتاہی سے درگزر پر دلالت کرتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاطب رضی اللہ عنہ کو ان کی بدر میں شرکت کے پیش نظر معافی کا مستحق قرار دیا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ حکیمانہ طرزِ عمل ہے جس میں امتِ مسلمہ کے لیے درگزر، رواداری اور دردمندی کے سبق چمک رہے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاطب رضی اللہ عنہ کو ان کی نادانی ہی کے حوالے سے نہیں دیکھا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بدر میں شرکت اور دین اسلام کے لیے سرفروشی پر بھی نگاہ ڈالی۔ یوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے سبق دے دیا

[1] السيرة لابن هشام: 41,40/4، إمتاع الأسماع: 352/1. [2] صحيح البخاري: 3983 و 4274. [3] تفسير القرطبي، الممتحنة 1:60.

کہ وہ غلطی کرنے والوں کے تمام اعمال کا جائزہ لیں، یعنی دین حنیف کے لیے ان کی دعوت و جہاد اور تعلیم و تعلم جیسے اچھے کردار کو بھی سامنے رکھیں کیونکہ جو شخص اپنے حصے کا فرض کفایہ ادا کرتا ہے، وہ احترام کا مستحق ہوتا ہے، چاہے جلد بازی میں کبھی اس سے کوئی غلطی ہی سرزد ہوجائے۔

سیدنا حاطب رضی اللہ عنہ کی بدر میں شرکت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک بہت بڑی سفارش ثابت ہوئی، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں کوئی سرزنش کی نہ کوئی سزا دی بلکہ فرمایا:

«وَلَا تَقُولُوا لَهُ إِلَّا خَيْرًا»

''تم ان کے بارے میں اچھی بات ہی کرو۔''[1]

اس فرمانِ رسول کے بعد کسی بھی صحابی نے سیدنا حاطب رضی اللہ عنہ کے بارے میں کوئی نازیبا بات نہیں کہی۔[2]

سیدنا حاطب رضی اللہ عنہ سے قریش کے نام خط لکھنے کی جو کوتاہی سرزد ہوئی، وہ کبیرہ گناہ تھا، پھر بھی وہ مومن ہی قرار پائے اور ان کا ایمان برقرار رہا۔

اس واقعے سے حق کے لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی غیرت وحمیت کا اظہار و اعلان ہوا کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رازداری کا بھید کھول دینے پر حاطب رضی اللہ عنہ کی گردن مارنے کا مطالبہ کیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس لیے طیش میں آگئے کہ حاطب رضی اللہ عنہ کا عمل ان کے اپنے ظاہر کے خلاف تھا کیونکہ حاطب رضی اللہ عنہ نے جاسوسی کا جو خط لکھا تھا، وہ ان کے ایمان کے منافی تھا جس کی خاطر وہ خود بھی جہاد کر رہے تھے۔[3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب سے عمر رضی اللہ عنہ متاثر ہوئے، لہٰذا چند ہی لمحات کے اندر اندر وہ شخص جو طیش میں بھرا بیٹھا تھا اور حاطب رضی اللہ عنہ کے لیے سخت ترین سزا کا مطالبہ کر رہا تھا، اب اتنا متاثر ہوا کہ خوف کے مارے رو رہا ہے اور کہہ رہا ہے: اَللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. ''اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔''[4]

اصل بات یہ تھی کہ عمر رضی اللہ عنہ کا غصہ فقط اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر تھا، لہٰذا جب ان کے سامنے یہ حقیقت عیاں ہوکر آگئی کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہی برتاؤ پسند ہے کہ حاطب رضی اللہ عنہ کی بدر میں شرکت کے پیشِ نظر ان سے بہتر برتاؤ کیا جائے اور ان کی اضطراری کوتاہی سے صرفِ نظر کیا جائے تو انھوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ دل و جان سے قبول کرلیا۔[5]

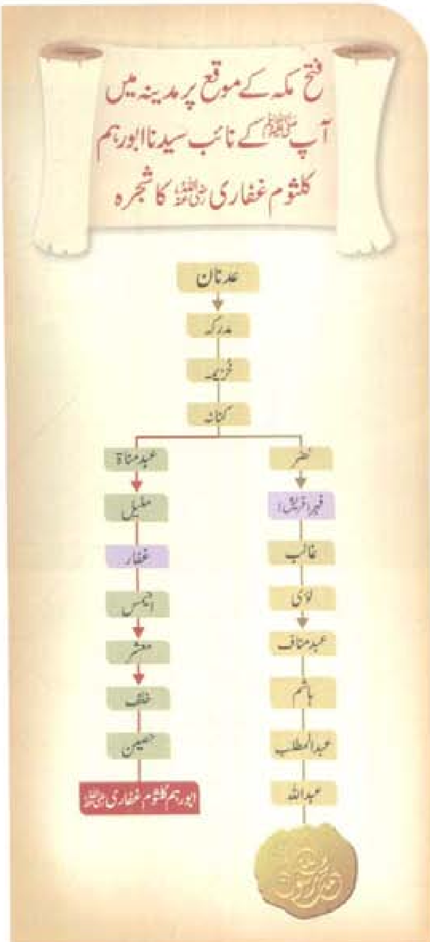
سیدنا حاطب رضی اللہ عنہ کی معافی ان جیسی کوتاہی کا ارتکاب کرنے والے کسی اور فرد کے لیے معافی کی دلیل نہیں بن

[1] صحیح البخاري: 6939. [2] التاریخ الإسلامي للحمیدي: 176/7. [3] السیرۃ النبویۃ لأبي فارس، ص: 473,472.
[4] صحیح البخاري: 3983. [5] التاریخ الإسلامي للحمیدي: 177,176/7.

سکتی۔ انھیں جو معافی ملی، اس کا ایک خاص سبب تھا جس کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے کے بعد پائے جانے کا کوئی امکان نہیں اور وہ ہے بدر میں حاضر ہونے کا شرف، لہٰذا یہ بات اچھی طرح سمجھ لینے کے قابل ہے۔

سیدنا حاطب رضی اللہ عنہ کا یہ عمل مسلمانوں کے خلاف جاسوسی کرنے اور ان کا راز افشا کرنے کے زمرے میں آتا ہے۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ اس مسئلے پر بحث و تمحیص اور ائمہ کے اقوال بیان کرنے کے بعد بالآخر کہتے ہیں: ''صحیح بات یہ (معلوم ہوتی) ہے کہ جاسوس کو قتل کرنا امام کی رائے پر موقوف ہے۔ اگر وہ دیکھے کہ مسلمانوں کی مصلحت اسے قتل کرنے میں ہے تو اسے ٹھکانے لگا دے، تاہم اگر اسے باقی رکھنا زیادہ بہتر ہو تو زندہ رکھا جائے۔''[1]

شاہراہِ مکہ کی نگرانی



جس طرح رسول اللہ ﷺ نے مشرکین مکہ سے اپنی فوج کی روانگی کی خبر پوشیدہ رکھی، اسی طرح آپ نے ان راستوں کی نگرانی کا بھی حکم دیا جو مکہ کی طرف جاتے تھے۔ آپ ﷺ نے ہر اس آدمی کو روکنے کا حکم صادر فرمایا جو مشکوک نظر آئے۔ راستوں کی نگرانی کا کام سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا گیا۔ چنانچہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق بطور نگران راستوں پر گھومتے پھرتے تھے اور محافظوں سے کہتے تھے کہ کوئی بھی مشتبہ آدمی نظر آئے تو اسے میرے پاس لے آؤ۔ تمام راستے پُرامن تھے جبکہ مکہ والے راستے خصوصی طور پر چیک کیے جاتے تھے اور جو بھی مشکوک شخص نظر آتا تھا، اس سے پوری تفتیش کی جاتی تھی۔

مدینہ میں نیابت

ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سفر پر نکلے تو مدینہ میں اپنی نیابت کے لیے ابو رہم کلثوم بن حصین بن عتبہ بن خلف غفاری رضی اللہ عنہ کا تقرر فرمایا۔

[1] زاد المعاد: 423/3.

رسول اللہ ﷺ کی مدینہ سے روانگی

رسول اللہ ﷺ مدینہ سے بدھ کے روز عصر کے بعد نکلے، اس وقت رمضان المبارک کی دسویں تاریخ تھی۔ [1] ابنِ اسحاق نے بھی دس رمضان ہی کا ذکر کیا ہے۔ [2] لیکن مسند احمد کی روایت میں ہے کہ دو رمضان کو نکلے۔ [3] لہٰذا واقدی اور ابن اسحاق کے مقابلے میں مسند احمد کی حدیث کو ترجیح حاصل ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اسی کو زیادہ صحیح قرار دیا ہے۔ [4]

لشکر کی روانگی کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اعلان کرنے والے نے یہ اعلان کیا:

«مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَصُومَ فَلْيَصُمْ، وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يُفْطِرَ فَلْيُفْطِرْ»

''جسے روزہ رکھنا محبوب ہے، وہ روزہ رکھ لے اور جو روزہ افطار کرنا چاہتا ہے، وہ روزہ افطار کر لے۔''



قصبہ بیداء میں باغ عثمان بن عفان

رسول اللہ ﷺ نے روزہ رکھا، افطار نہ کیا یہاں تک کہ آپ مقامِ صلصل تک جا پہنچے۔ آپ ﷺ مہاجرین و انصار اور عرب کے مختلف گروہوں کے ساتھ اونٹوں اور گھوڑوں پر مدینہ سے نکلے۔ آپ ﷺ نے زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو 200 سواروں کے ساتھ آگے بھیج دیا۔ پھر جب آپ ﷺ ذوالحلیفہ کے بالمقابل مقام بیداء پر پہنچے تو ارشاد فرمایا:

«إِنِّي لَأَرَى السَّحَابَ تَسْتَهِلُّ بِنَصْرِ بَنِي كَعْبٍ»

''میں اس بادل کو بنوکعب کی مدد کی وجہ سے چمکتا ہوا دیکھ رہا ہوں۔'' [5]

---

[1] المغازي للواقدي :242/2. [2] السيرة لابن هشام :42/4. [3] مسند أحمد :87/3. [4] دیکھیے: فتح الباري : 6/8.
[5] المغازي للواقدي :242/2.

رسول اللہ ﷺ جب مدینہ منورہ سے مکہ کے لیے روانہ ہوئے تو اس وقت آپ کے ساتھ مدینہ میں رہنے والے تمام جنگجو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چل پڑے، اس موقع پر مہاجرین وانصار میں سے کوئی بھی پیچھے نہ رہا۔ آپ ﷺ مدینہ سے مکمل راز داری کے ساتھ نکلے اس پوری عسکری تیاری اور فوجی جتھا بندی کا اہل مکہ کو بالکل پتہ ہی نہ چلا۔ قریش خوف و ہراس میں ضرور مبتلا تھے لیکن انھیں ہرگز پتہ نہ تھا کہ آپ ﷺ کا کیا ارادہ ہے۔ [1]

رستے میں ہی روزہ کھول دیا گیا

صحیحین میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ مدینہ سے رمضان المبارک میں نکلے، آپ ﷺ کے ساتھ دس ہزار کا لشکر تھا اور یہ آٹھویں سال کی بات ہے۔ آپ ﷺ اور آپ کے ساتھ مسلمان مکہ کی طرف چلے، آپ نے روزہ رکھا اور تمام مسلمانوں نے بھی روزہ رکھا۔ آپ کدید پہنچ گئے، یہ علاقہ عسفان اور قدید کے مابین ہے۔ آپ نے وہاں پہنچ کر روزہ کھول دیا۔ آپ ﷺ کے ساتھ دیگر سب لوگوں نے بھی روزہ کھول دیا۔ [2]

گرمی سے بچاؤ کے لیے رسول اللہ ﷺ نے پانی چھڑکا

موطا امام مالک میں ابوبکر بن عبدالرحمٰن نے ایک صحابی سے بیان کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، جب آپ عرج پہنچے تو آپ نے گرمی یا پیاس کی شدت کی وجہ سے اپنے سر پر پانی ڈالا۔ [3]

مسند احمد میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فتح مکہ کے سال رمضان میں سفر فرمایا۔ آپ ﷺ نے روزہ رکھا یہاں تک کہ آپ عسفان پہنچ گئے، پھر آپ ﷺ نے ایک برتن منگوایا اور سب لوگوں کے سامنے روزہ کھول لیا۔ [4]

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکہ کی طرف سفر کیا، ہمارا روزہ تھا، ہم نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّكُمْ مُصَبِّحُوا عَدُوِّكُمْ، وَالْفِطْرُ أَقْوٰى لَكُمْ، فَأَفْطِرُوا»

”تم صبح اپنے دشمن سے بھڑنے والے ہو، اس لیے روزہ کھول دینا تمھارے لیے بہتر ہے، چنانچہ تم روزہ کھول لو۔“

1 السيرة لابن هشام: 42/4. 2 صحيح البخاري: 4276، صحيح مسلم: 1113. 3 الموطأ للإمام مالك: 294/1.
4 مسند أحمد: 325/1.

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: یہ آپ کا حکم تھا کہ روزہ کھول لو۔ [1]

ایک روایت میں ہے کہ کچھ لوگ ایسے بھی تھے جنھوں نے ابھی تک روزہ نہیں کھولا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے بارے میں بتایا گیا تو آپ نے فرمایا:

«أُولٰئِكَ الْعُصَاةُ، أُولٰئِكَ الْعُصَاةُ»

''یہ نافرمان ہیں، یہ نہ ماننے والے ہیں۔'' [2]

ہوازنی جاسوس کی گرفتاری

لشکر اسلام جب عرج اور طلوب کے درمیان پہنچا تو وہاں قبیلۂ ہوازن کا ایک جاسوس گرفتار ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے وہاں کے حالات دریافت کیے۔ اس نے بتایا کہ بنو ہوازن کے لوگ آپ سے جنگ کی تیاری کر رہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيلُ، مَا أُرَاهُ إِلَّا صَدَقَنِي» ''ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس نے سچ کہا ہے۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اس جاسوس کی نگرانی کی جائے مبادا یہ اپنے قبیلے بنو ہوازن میں جا کر ہمارے بارے میں اطلاع دے۔ [3]

دو خوش نصیب دوست

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی طرف اپنی فوج کے ساتھ جا رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہراول دستوں کو یہ حکم دے رکھا تھا کہ راستے میں جو بھی مشکوک شخص نظر آئے، اسے گرفتار کر لیا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم اس لیے دیا تھا کہ اہل مکہ کو ہماری پیش قدمی کی مطلق خبر نہ ہو اور اسلامی لشکر انھیں اچانک اپنی گرفت میں لے لے۔ لیکن کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو اسلام قبول کرنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر لشکر اسلام کا حصہ بننا چاہتے تھے۔ انھی میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی ابوسفیان بن حارث اور عبداللہ بن ابی امیہ ہیں۔ آیئے ان کے قبولِ اسلام کی تفصیل پڑھیں۔

ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب آپ کا عم زاد اور حلیمہ سعدیہ سے رضاعی بھائی تھا۔ وہ آپ سے شدید عداوت رکھتا تھا، شاعر بھی تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی ہجو کرتا تھا۔ یہ شخص مسلسل بیس سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت پر قائم رہا۔ بعثت نبوی سے پہلے یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمجولی تھا۔ یہ ابولہب کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شدید مخالفت کرتا اور

[1] صحيح مسلم: 1120. [2] صحيح مسلم: 1114. [3] المغازي للواقدي: 2/244،245.

آپ ﷺ کو شدید اذیتیں دیتا رہا۔ جب قریش نے مکہ میں آپ کا محاصرہ کیا، یہ بنو ہاشم کے ساتھ شعب ابی طالب میں داخل نہیں ہوا تھا۔ یہ آپ ﷺ کے خلاف قریش کے ساتھ ہر معرکے میں شریک ہوتا تھا۔[1]

رسول اللہ ﷺ نے مکہ کے جن بڑے بڑے مجرموں کا خون بہانا مباح قرار دیا، ان میں ابوسفیان بن حارث بھی شامل تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ اس کے عم زاد محمد (رسول اللہ ﷺ) کا لایا ہوا دین جزیرۃ العرب کے بڑے حصے پر غلبہ پاچکا ہے اور آپ ﷺ مکہ پر بھی چڑھائی کرنے والے ہیں تو وہ حسد کے مارے جل اُٹھا اور اسلام کا غلبہ برداشت نہ کرسکا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ وہ اسلام لانے پر آمادہ ہو جاتا لیکن اس کے برعکس اسلام کے خلاف اُس کے بغض و عداوت اور نفرت میں مزید اضافہ ہوگیا۔ چنانچہ اس نے جزیرہ عرب چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا اور شاہِ روم کے پاس بھاگ گیا۔

ابوسفیان بن حارث روم میں

ابوسفیان بن حارث روم میں قیصر کے پاس گیا اور اس سے پناہ طلب کی۔ ابوسفیان بیان کرتا ہے کہ جب میں مکہ سے بھاگ کر قیصر کے پاس پہنچا تو قیصر نے مجھ سے پوچھا: تم کون ہو؟ میں نے اسے بتایا کہ میں ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب ہوں۔ شاہِ روم نے کہا: کیا تو سچ کہہ رہا ہے کہ تو محمد بن عبداللہ کا چچازاد بھائی ہے؟ میں نے جواب دیا: ہاں، میں اس کا چچا زاد بھائی ہوں۔ ابوسفیان کہتا ہے: میں نے سوچا کہ میں شاہِ روم کے پاس ہوں، اسلام سے بھاگ کر آیا ہوں اور محمد ﷺ کے نام کے سوا میں پہچانا ہی نہیں جاتا۔ بس اسی وجہ سے میں اسلام لانے پر آمادہ ہوگیا اور مجھے صاف معلوم ہوگیا کہ میں شرک اور باطل پر ہوں۔ لیکن ہم ایسے لوگوں کے ساتھ رہتے تھے جو

[1] المغازي للواقدي: 246,245/2.



بڑے عقل مند تھے، شرف و کمال والے لوگ بھی ان کی عقل اور رائے پر زندگی بسر کرتے تھے۔ جس راستے پر وہ چلتے، ہم بھی اسی راستے پر چلتے اور جب صاحبانِ ثروت اور عمر رسیدہ لوگ محمد ﷺ سے اجتناب کرتے، اپنے معبودوں کی مدد کرتے اور اپنے آباء کے لیے غصے میں آتے تو ہم بھی ان کی پیروی کرتے تھے۔[1]

مؤرخین کہتے ہیں کہ پھر ابوسفیان روم سے مکہ واپس آ گیا۔ اسے پتہ چلا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کا خون مباح کیا ہوا ہے۔ اس کے باوجود اس نے آپ ﷺ سے ملنے کا مصمم ارادہ کر لیا تاکہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عام معافی نامہ حاصل کر لے کیونکہ اب اس نے اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

ابوسفیان بن حارث اور عبداللہ بن ابی امیہ کا اسلام لانا

عبداللہ بن ابی امیہ، ابوسفیان بن حارث کا دوست تھا۔ وہ بھی رسول اللہ ﷺ کا شدید دشمن تھا۔ ان دونوں نے پروگرام بنایا کہ ہم باہم مل کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جائیں تاکہ آپ ہمیں معاف کر دیں۔ اس پروگرام کے مطابق وہ دونوں مدینہ کی جانب چل دیے۔ ابوسفیان نے اپنا حلیہ بدل رکھا تھا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اُس کے خون کے مباح ہونے کا حکم صادر فرما رکھا تھا۔ یہ دونوں رسول اللہ ﷺ سے اس وقت ملے جب آپ مدینہ سے مکہ کی طرف تشریف لے جا رہے تھے، آپ اس وقت ابواء کے بعد ثنیۃ العقاب نامی جگہ پر پہنچے۔ ابوسفیان بن حارث کہتا ہے کہ میں نے اور عبداللہ بن ابی امیہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری کی اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے انھیں شرفِ باریابی بخشنے سے انکار فرما دیا۔ آپ ﷺ کی زوجہ محترمہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ سے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ان میں سے ایک آپ کا سالا اور پھوپھی زاد ہے اور دوسرا عم زاد اور

[1] المغازي للواقدي :2/249.

پہاڑوں میں گھری بستی ابواء



رضاعی بھائی ہے۔ یہ دونوں مسلمان ہونے کے لیے آئے ہیں۔ یہ آپ کے لیے دوسرے لوگوں سے زیادہ برے ثابت نہ ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا حَاجَةَ لِي بِهِمَا، أَمَّا أَخِي فَالْقَائِلُ لِي بِمَكَّةَ مَا قَالَ، لَنْ يُؤْمِنَ لِي حَتّٰى أَرْقٰى فِي السَّمَاءِ»

''مجھے ان دونوں کی ضرورت نہیں، یہی میرا بھائی مکہ میں مجھے نازیبا باتیں کیا کرتا تھا، یہ مجھ پر اس وقت تک ایمان لانے کا روادار نہ تھا جب تک میں آسمان پر نہ چڑھ جاؤں۔''

سیدہ ام سلمہ ؓ نے عرض کی: وہ آپ کی قوم میں سے ہے، اس نے ایسی باتیں کی ہیں تو تمام قریشیوں نے بھی ایسی ہی باتیں کی ہیں۔ ان کے متعلق قرآن بعینہ اسی طرح نازل ہوا ہے۔ اور پھر آپ نے تو اس سے بھی بڑے بڑے مجرموں کو معافی دے دی ہے۔ وہ آپ کا عم زاد اور قرابت دار ہے اور آپ کی معافی کا زیادہ حقدار ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: اس نے میری ہجو کی ہے۔[1]

ایک دوسری روایت میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا حَاجَةَ لِي فِيهِمَا، أَمَّا ابْنُ عَمِّي فَهَتَكَ عِرْضِي وَأَمَّا ابْنُ عَمَّتِي وَصِهْرِي فَهُوَ الَّذِي قَالَ لِي بِمَكَّةَ مَا قَالَ»

''مجھے ان کی کوئی ضرورت نہیں، چچیرے بھائی نے میری ہتک کی اور پھوپھی زاد بھائی اور برادر نسبتی وہی ہے جس نے مکہ مکرمہ میں مجھ سے وہ باتیں کہیں جو ہرگز مناسب نہ تھیں۔''

رسول اللہ ﷺ کی اس بات کی خبر جب انھیں پہنچی تو اس وقت ابوسفیان کے ساتھ اس کا ایک چھوٹا بچہ بھی تھا، ابوسفیان کہنے لگا: ''اللہ کی قسم! یا تو رسول اللہ ﷺ مجھے اجازت دیں گے یا میں اپنے بچے کا ہاتھ پکڑ کر کہیں چلا جاؤں گا اور وہیں بھوکا پیاسا مر جاؤں گا۔'' جب رسول اللہ ﷺ کو ابوسفیان کا یہ ردعمل معلوم ہوا تو آپ ﷺ کے دل میں ان دونوں کے لیے رقت پیدا ہو گئی۔ آپ ﷺ نے انھیں باریابی کی اجازت دے دی۔ وہ دونوں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے دستِ مبارک پر اسلام قبول کر لیا۔

ابوسفیان بن حارث ؓ نے اپنے اسلام کے بارے میں درج ذیل اشعار پڑھے اور جو کچھ اس سے پہلے کہہ چکے تھے، اس کی معافی مانگی:

لَعَمْرُكَ إِنِّي يَوْمَ أَحْمِلُ رَايَةً ۔۔۔ لِتَغْلِبَ خَيْلُ اللَّاتِ خَيْلَ مُحَمَّدِ

[1] المغازي للواقدي: 2/248.

''تیری زندگی کی قسم! یقیناً (پہلے) میں لات (ومنات) کے جھنڈے اٹھائے ہوئے تھا تاکہ اس کے سوار محمد ﷺ کے شہسواروں پر غالب آ جائیں۔''

لَكَالْمُدْلِجِ الْحَيْرَانِ أَظْلَمَ لَيْلُهُ　　فَهٰذَا أَوَانُ الْحَقِّ أُهْدٰى وَ أَهْتَدِي

''اُس وقت میں بالکل اس شخص کی مانند تھا جو سخت اندھیری رات میں اِدھر اُدھر ہاتھ پاؤں مار رہا ہو مگر اب وقت آ گیا ہے کہ میں سیدھی راہ پر لگا دیا جاؤں اور میں اسی راہ کو اختیار کروں۔''

فَقُلْ لِثَقِيفٍ لَّا أُرِيدُ قِتَالَكُمْ　　وَقُلْ لِّثَقِيفٍ تِلْكَ عِنْدِي فَأَوْعِدِي

''ثقیف سے کہہ دو کہ اب میں تم سے قتال نہیں کرنا چاہتا، ثقیف کو یہ بھی بتا دو کہ اب لڑنا میرے اختیار میں ہے (مجھ پر لڑائی مسلط نہیں کی جاسکتی) لہٰذا اب کسی اور ہی کو دھمکی دو۔''

هَدَانِي هَادٍ غَيْرَ نَفْسِي وَ دَلَّنِي　　إِلَى اللّٰهِ مَنْ طَرَدْتُّ كُلَّ مُطَرَّدِ

''مجھے میرے نفس نے نہیں بلکہ ایک ایسے ہادی نے ہدایت دی ہے جس نے مجھے اللہ تعالیٰ سے ملا دیا ہے، حالانکہ میں نے ہر طرح اس کا مقابلہ کیا۔''

أَفِرُّ سَرِيعًا جَاهِدًا عَنْ مُّحَمَّدٍ　　وَأُدْعٰى وَ لَوْ لَمْ أَنْتَسِبْ لِمُحَمَّدِ

''میں محمد ﷺ سے لڑتے لڑتے بڑی تیزی سے ان سے (دور) بھاگ جاتا تھا جبکہ مجھے محمد ﷺ ہی سے تعلق کی بنا پر پہچانا جاتا تھا، ہر چند میں یہ انتساب ظاہر نہ کرتا تھا۔''

هُمْ عُصْبَةٌ مَّنْ لَّمْ يَقُلْ بِهَوَاهُمُ　　وَ إِنْ كَانَ ذَا رَأْيٍ يُّلَمْ وَ يُفَنَّدِ

''یہ ایک ایسا گروہ ہے جو بھی ان کے خلاف بات کرتا ہے، خواہ وہ کتنا صاحبِ رائے ہو، اسے ملامت کی جاتی اور جھٹلایا جاتا ہے۔''

أُرِيدُ لِأُرْضِيَهُمْ وَ لَسْتُ بِلَائِطٍ　　مَعَ الْقَوْمِ مَا لَمْ أُهْدَ فِي كُلِّ مَقْعَدِ

''میں اب انھیں خوش کرنے کا آرزومند ہوں، اب میں اپنی قوم سے اس وقت تک نہیں ملوں گا جب تک میں ہر موقع کے متعلق رہنمائی و ہدایت نہ حاصل کرلوں۔''

فَمَا كُنْتُ فِي الْجَيْشِ الَّذِي نَالَ عَامِرًا　　وَمَا كَانَ عَنْ جَرًّا لِّسَانِي وَلَا يَدِي

''میں اس لشکر میں نہ تھا جس نے عامر کو پایا تھا، نہ اس لشکر کی چڑھائی میں میری زبان اور میرے ہاتھوں کا

دخل تھا۔‘‘

قَبَائِلُ جَاءَتْ مِنْ بِلَادٍ بَعِيدَةٍ　　تَوَابِعُ جَاءَتْ مِنْ سِهَامٍ وَّ سَرْدَدِ

’’یہ وہ قبائل تھے جو دور افتادہ شہروں سے آئے تھے، یہ وہ گھٹیا لوگ تھے جو سہام اور سردد جیسے پسماندہ علاقوں سے آئے تھے۔‘‘

وَإِنَّ الَّذِي أَخْرَجْتُمْ وَ شَتَمْتُمْ　　سَيَسْعٰى لَكُمْ سَعْيَ امْرِئٍ غَيْرِ قَعْدَدِ

’’بلاشبہ جس شخص کو تم نے نکال دیا اور برا بھلا کہا، وہ تمھارے لیے ایک پختہ رائے والے آدمی کی سی کوشش کرے گا۔‘‘



راوی کہتا ہے کہ جب ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے روبرو یہ کہا: میں نے ہر طرح مقابلہ کیا، تو رسول اللہ ﷺ نے اس کے سینے پر ضرب سی لگائی اور فرمایا: «أَنْتَ طَرَدْتَنِي كُلَّ مُطَرَّدٍ» ’’تو نے ہر طرح میرا ہی مقابلہ کیا تھا؟‘‘ [1]

باوجود اس کے کہ ان کا جرم بہت بڑا تھا، نبی مکرم ﷺ نے ان کا عذر قبول کرتے ہوئے ان سے درگزر کیا۔ رحمت، شفقت اور درگزر کی یہ بلند ترین مثال ہے۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے مدحتِ رسول ﷺ میں فصیح و بلیغ قصیدہ کہہ کر اپنی سابقہ گستاخیوں کا کفارہ ادا کر دیا۔ اس قصیدے میں انھوں نے مدح کے ساتھ ساتھ اپنی ہدایت کا بھی ذکر کیا ہے۔ بعدازاں وہ ایک اچھے مسلمان ثابت ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ جنگ حنین میں بڑا مؤثر کردار ادا کیا۔ [2]

ابوسفیان بن حارث کے قبولِ اسلام کے بارے میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان سے کہا: تم رسول اللہ ﷺ کے پاس ان کے سامنے کی طرف سے آؤ اور وہی بات کہو جو یوسف کے بھائیوں نے یوسف سے کہی تھی: ﴿تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٕيْنَ۝﴾ (یوسف 91:12) ’’اللہ کی قسم! بلاشبہ

[1] المستدرك للحاكم:3/44,43، السيرة لابن هشام:4/44,43، دلائل النبوة للبيهقي:5/28,27. [2] التاريخ الإسلامي للحميدي:7/182.

یقیناً اللہ نے تمھیں ہم پر فضیلت دی، اور بلاشبہ ہم ہی خطا کار تھے۔'' ابوسفیان نے ایسا ہی کیا تو آپ نے ان سے فرمایا: ﴿ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۖ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۖ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ ﴾ (یوسف 92:12) ''آج تم پر کوئی ملامت نہیں، اللہ تمھاری مغفرت کرے اور وہ ارحم الراحمین ہے۔'' اس کے بعد ابوسفیان نے اپنے اشعار سنائے اور اپنی ندامت کا اظہار کیا۔

کہا جاتا ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد ندامت کے بوجھ کی وجہ سے ابوسفیان بن حارث نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے کبھی سر نہیں اٹھایا۔ رسول اللہ ﷺ ان سے محبت کرتے تھے۔ آپ نے ان کے لیے جنت کی گواہی دی اور فرمایا: ''مجھے امید ہے کہ یہ حمزہ کی جگہ لے گا۔'' پھر جب ابوسفیان کی وفات کا وقت آیا تو وہ کہنے لگے: میری موت پر کوئی آنسو نہ بہائے۔ اللہ کی قسم! جب سے مسلمان ہوا ہوں، زبان سے کبھی کوئی غلط بات نہیں کہی۔[1] اسی طرح سیدنا عبداللہ بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ طائف میں شہید ہوئے۔[2]

عیینہ بن حصن فزاری کا مدنی فوج سے ملاپ

عیینہ بن حصن فزاری رسول اللہ ﷺ کا شدید دشمن تھا۔ وہ غطفان قبیلے کا سردار تھا۔ اسلام کے خلاف لڑی جانے والی جنگوں میں وہ اپنے قبیلے کی قیادت کرتا تھا، اس نے غزوہ احزاب اور غزوۂ خیبر کے موقع پر یہودیوں سے تعاون کیا۔ جب مجاہدینِ اسلام نے خیبر میں فتح پائی تو عیینہ مسلمان ہو گیا۔

رسول اللہ ﷺ نے مکہ پر حملے کی غرض سے مختلف قبیلوں کی طرف اپنے ایلچی روانہ کیے تو غطفان سے اشجع قبیلے کے علاوہ کوئی بھی نبوی لشکر میں شریک نہ ہوا۔ ان کی طرف بھیجے گئے ایلچی نعیم بن مسعود اور معقل بن سنان رضی اللہ عنہما تھے۔ جب عیینہ کو پتہ چلا کہ رسول اللہ ﷺ قریش سے جنگ کے لیے لوگوں کو اکٹھا کر رہے ہیں تو وہ تیزی سے اپنے علاقے سے نکلا اور مدینہ پہنچا۔ یہاں آ کر اسے پتہ چلا کہ رسول اللہ ﷺ تو یہاں سے دو دن پہلے ہی جا چکے ہیں، چنانچہ اس نے مختصر رستہ اختیار کیا اور وادی عرج پہنچ کر رسول اللہ ﷺ سے شرفِ ملاقات کا انتظار کرنے لگا۔ آپ ﷺ ابھی وہاں نہیں پہنچے تھے۔ جب آپ ﷺ وہاں پہنچے تو عیینہ کو منتظر پایا۔ عیینہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! آپ کے خروج کا علم ہوا تو میں جلدی سے آپ کی طرف آ گیا اور عجلت کی وجہ سے میں اپنی برادری کو بھی جمع نہ کر سکا ورنہ ہماری فوج زیادہ ہو جاتی۔

پھر عیینہ کہنے لگا: میں جنگ کی تیاری نہیں دیکھ رہا، جھنڈے بھی تقسیم نہیں کیے گئے۔ کیا آپ عمرہ کرنا چاہتے ہیں؟

[1] زاد المعاد: 401,400/3. [2] المغازي للواقدي: 249/2.

لیکن احرام کی تیاری بھی نہیں ہے، آپ کا کہاں جانے کا ارادہ ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «حَيْثُ يَشَاءُ اللّٰهُ» ''جہاں اللہ چاہے گا۔'' عیینہ رضی اللہ عنہ اگرچہ ایک بدوی زندگی گزارتا تھا لیکن وہ اپنے قوم کا سردار اور بڑا جنگی ماہر تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے اپنی عسکری مشاورتی ٹیم میں شامل رکھا۔ رسول اللہ ﷺ بڑے حکیم و دانا تھے، قبائل کے سرداروں کو اپنے قریب رکھتے تھے کیونکہ اس قسم کے لوگوں کی معیت سے اسلام کی قوت بڑھ جاتی تھی۔

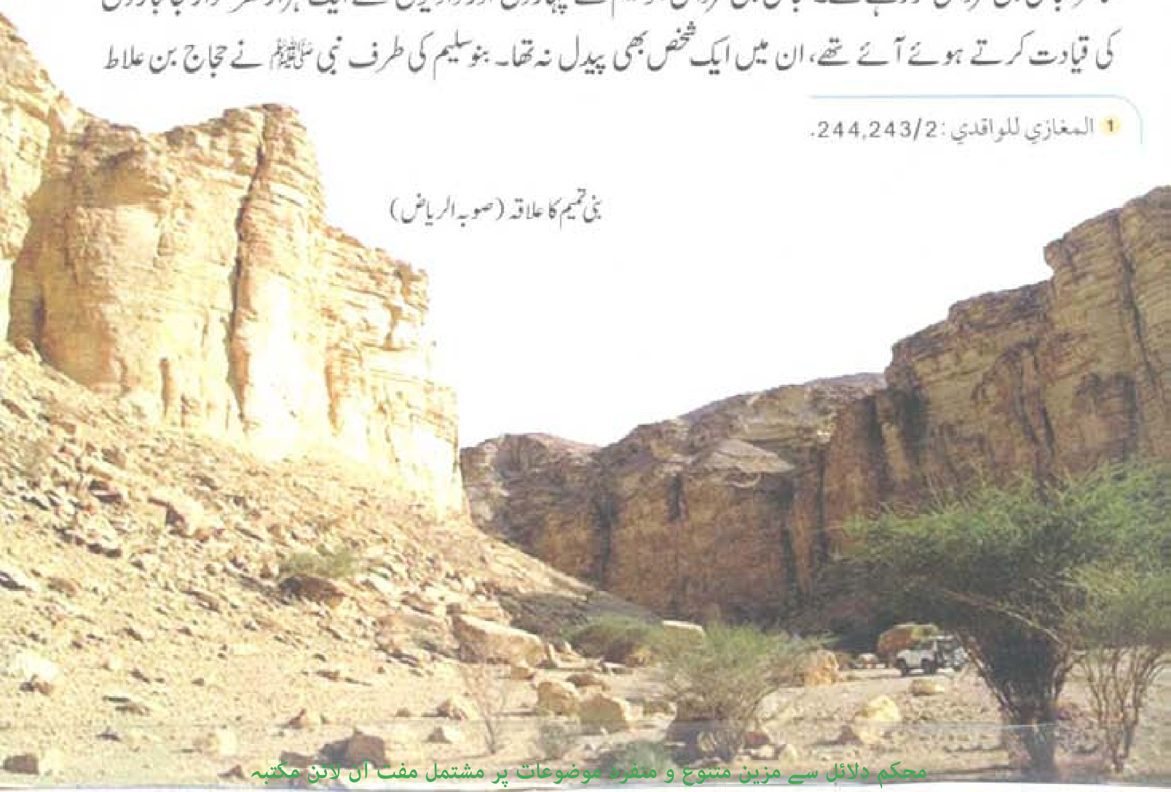
اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ کی شمولیت

سیدنا اقرع بن حابس بنوتمیم کے سردار تھے، وہ اپنے دس ساتھیوں کے ہمراہ مقام السقیا پہنچے اور آپ ﷺ کے ساتھ شامل ہوئے۔ بنوتمیم کی طرف رسول اللہ ﷺ نے مدد کے لیے کوئی ایلچی روانہ نہیں کیا تھا کیونکہ ابھی تک بنوتمیم کے تمام لوگ مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اقرع بن حابس تمیمی رضی اللہ عنہ کو ان کی نوعمری کے باوجود عیینہ بن حصن رضی اللہ عنہ کی طرح اپنی عسکری مشاورت کی مجلس کا ممبر بنایا، چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے ان دونوں سرداروں کو اپنے دائیں بائیں رکھا اور خود اُن کے درمیان رہ کر مکہ میں داخل ہوئے۔ [1]

بنوسلیم کی لشکر اسلام میں شرکت

لشکر اسلام میں شامل ہونے والی سب سے بڑی طاقتور فوج بنوسلیم کی تھی جس کی قیادت بنوسلیم کے سردار اور شاعر عباس بن مرداس کر رہے تھے۔ عباس بن مرداس بنوسلیم کے پہاڑوں اور وادیوں سے ایک ہزار گھڑسوار جانبازوں کی قیادت کرتے ہوئے آئے تھے، ان میں ایک شخص بھی پیدل نہ تھا۔ بنوسلیم کی طرف نبی ﷺ نے حجاج بن علاط

[1] المغازي للواقدي: 244,243/2.



بنی تمیم کا علاقہ (صوبہ الریاض)

السلمی اور عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہما کو روانہ کیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں خصوصی تاکید فرمائی تھی کہ وہ مکمل رازداری کے ساتھ لشکر نبوی میں شامل ہو جائیں۔ چنانچہ بنوسلیم بھرپور تیاری کے ساتھ آئے، وہ مکمل آہن پوش تھے، نیزوں کو بلند کیے جب وہ ایک ہزار کی تعداد میں نبوی فوج میں شامل ہوئے تو یہ منظر حیرت انگیز تھا۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آکر کھڑے ہوئے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی ان کی آمد کا نظارہ کر رہے تھے۔ ان کی آمد سے مسلمانوں کے جذبوں کو بڑی شادابی نصیب ہوئی۔ بنوسلیم کے منظر سے غطفان کے سردار عیینہ بن حصن رضی اللہ عنہ کے جذبات برانگیختہ ہوگئے۔ غطفان کے دس ہزار جنگجو تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: عیینہ! تم شرمندہ کیوں ہو؟ عیینہ نے جواب دیا: اپنی قوم کی وجہ سے شرمندہ ہوں کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیوں نہ نکلی۔ [1]

بنوسلیم اور غطفان کے سرداروں میں تکرار

عیینہ بن حصن کو بنوسلیم کے گھڑ سواروں نے ورطۂ حیرت میں ڈال دیا تھا، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگی مشاورتی کونسل میں شامل تھا اور قدید میں لشکر کی نمائش دیکھ رہا تھا۔ اس موقع پر بنوسلیم کے سردار اور عیینہ میں نوک جھونک شروع ہوگئی۔

عباس بن مرداس سلمی بیان کرتے ہیں کہ میں عیینہ سے اس وقت ملا جب وہ چلا آرہا تھا یہاں تک کہ وہ چلتے ہوئے اونٹ سے اپنے آلۂ حرب کے ساتھ اتر پڑا۔ ہم بھی آہن پوش تھے۔ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے صفیں باندھ دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ عیینہ نے پیچھے سے پکار کر کہا: میں عیینہ ہوں (گویا وہ اس طرح اپنی بڑائی ظاہر کر رہا تھا)۔ یہ بنوسلیم ہیں جو تیاری، تعداد اور اسلحے سمیت آئے ہیں اور یہ بہترین گھڑ سوار، جنگجو اور تیر انداز ہیں۔ عباس بن مرداس نے جواب دیا: ٹھہر جا، اللہ کی قسم! تو جانتا ہے کہ ہم گھڑ سواری، نیزہ بازی اور شمشیر زنی میں زیادہ ماہر ہیں۔ عیینہ نے جواب دیا: تو جھوٹ بولتا ہے، تو ملامت گو ہے اور یہ صفات ہم میں بدرجۂ اتم موجود ہیں۔ ہمیں تمام اہلِ عرب جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کی یہ باتیں سنیں تو انھیں خاموش ہو جانے کا حکم دیا، چنانچہ دونوں خاموش ہوگئے۔ [2]

لشکر اسلام کا اجتماع

قدید کے علاقے میں جو رابغ اور جدہ کے درمیان واقع ہے، لشکر اسلام کا اجتماع ہوا جس میں مختلف قبائل کے دس ہزار سپاہی جمع تھے۔ لشکر اسلام میں شامل ہونے والی فوجوں کی تعداد اور قبائل کے ناموں کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

[1] المغازي للواقدي :2/244. [2] المغازي للواقدي :2/250.

سواروں کی تعداد	جانبازوں کی تعداد	شمولیت کا مقام	وطن	قبیلے کا نام
500	4000	مدینہ	مدینہ، حجاز	انصار (اوس وخزرج)
300	700	مدینہ	مدینہ، حجاز	مہاجرین (قریش)
100	1000	مدینہ	وادی القریٰ اور اس کے اطراف (حجاز)	مزینہ
50	800	مدینہ	حجاز	جہینہ
30	400	مدینہ	حجاز	اسلم
1000	1000	قدید	حجاز	بنوسلیم
	500	قدید	حجاز	خزاعہ
	300	مدینہ	حجاز	غفار
	300	مدینہ	نجد	اشجع
	250	مدینہ	حجاز	بنولیث، کنانہ
	200	مدینہ	حجاز	ضمرہ اور بنوسعد
	10	السقیا	نجد	بنوتمیم
	540	راستے میں		مختلف قبائل
	10,000			

یہ تھی 10 ہزار افراد پر مشتمل وہ فوج جس نے مکہ میں قریش پر دھاوا بولنے کے لیے پیش قدمی کی۔ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ وہاں پر مختلف قبائل کے اور بھی شہسوار موجود تھے جن کی تعداد کی مؤرخین نے حد بندی نہیں کی۔ وہ بھی پانچ صد شہسواروں سے کم نہیں ہوں گے۔

مؤرخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ لشکر اسلام کی تیاری قبائلی بنیاد پر تھی۔ ہر قبیلے کی فوج پر اسی قبیلے کا آدمی سالار مقرر کیا گیا۔ آپ ﷺ نے قبائل کو کئی دستوں میں تقسیم کیا۔

انصاری دستے اور ان کے نگران سالار

یہ اوس اور خزرج کے انصار ہی تھے جن کے ہر خاندان کا ایک مستقل دستہ تھا اور ان کا خاص افسر بھی انہی میں سے تھا۔ صرف انصار کے جانبازوں کی تعداد ہی چار ہزار تھی، چنانچہ رسول کریم ﷺ نے انھیں خاندانی بنیاد پر بارہ دستوں میں تقسیم کیا اور ہر دستے کی قیادت اس کے اپنے ہی خاندان کے آدمی کو سونپی۔

اوس کے دستوں اور ان کے سالاروں کی تعداد

رسول کریم ﷺ نے اوس کے چھ دستے بنائے اور ان کے سالار بھی انھی میں سے مقرر کیے۔ ان کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

خاندان کا نام	سالار کا نام	خاندان کا نام	سالار کا نام
بنوعبدالاشہل	ابونائلہ	بنومعاویہ	جبر بن عتیک
بنوظفر	قتادہ بن نعمان	بنوخطمہ	ابولبابہ بن عبدالمنذر
بنوحارثہ	ابوبردہ بن نیار	بنوامیہ	مبیض یا نبیض

خزرج کے دستے

خزرج کو بھی خاندانی بنیاد پر چھ دستوں میں تقسیم کیا گیا۔ نبی اکرم ﷺ نے ان کا سالار بھی انھی میں سے مقرر کیا۔ ان کی تفصیلات درج ذیل ہیں:

خاندان کا نام	سالار کا نام	خاندان کا نام	سالار کا نام
بنوساعدہ	ابواسید ساعدی	بنو مالک بن النجار	عمارہ بن حزم

مکہ مکرمہ

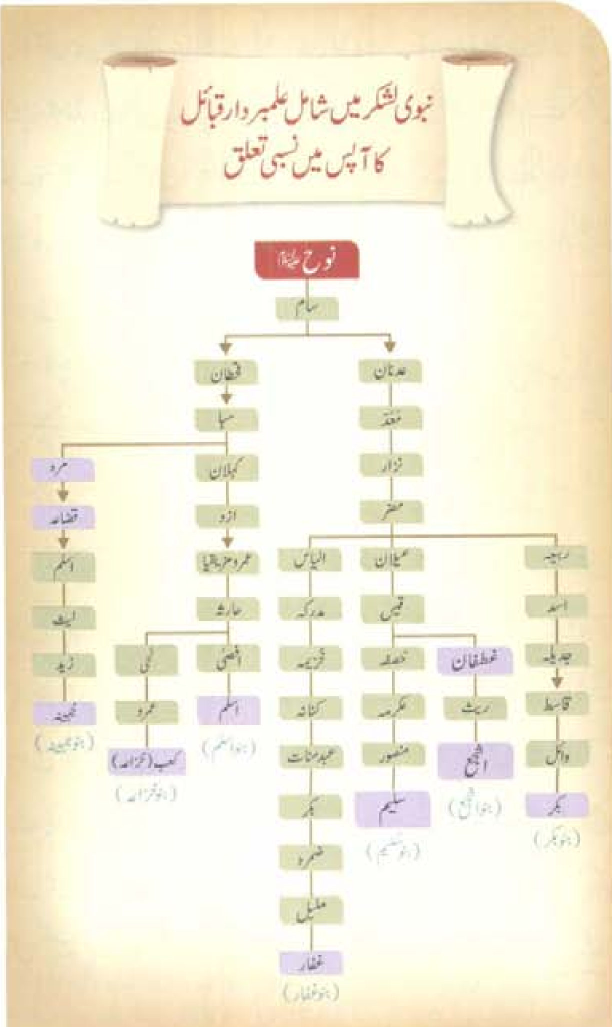


بنوالحارث	عبداللہ بن زید	بنو مازن	سلیط بن قیس
بنوسلمہ	قطبہ بن عامر	بنو دینار	معلوم نہیں ہو سکا

مہاجرین کے دستے اور کمانڈر

رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین کی فوج میں قبائلی بنیاد پر دستوں اور کمانڈروں کو تقسیم نہیں کیا۔ آپ نے ان کے تین دستے بنائے اور ہر دستے کا افسر قریشی مہاجرین کے بڑے لیڈروں میں سے مقرر کیا۔ مہاجرین میں سارے لوگ قریشی نہیں تھے بلکہ ان کی ایک بڑی تعداد غیر قریشی قبائل سے بھی تھی لیکن آپ نے تینوں افسر قریش میں سے منتخب کیے اور انھیں پرچم تھمائے۔ ان کے نام یہ ہیں:

سیدنا علی بن ابی طالب، سیدنا زبیر بن عوام اور سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم۔



دیگر قبائل کے دستے اور کمانڈر

رسول اللہ ﷺ نے انصار و مہاجرین کے علاوہ دیگر قبائل کے بھی دستے بنائے اور ان پر افسر مقرر کیے۔ قبیلہ مزینہ کے تین دستے بنائے گئے اور ان پر انھی میں سے درج ذیل تین افسر مقرر ہوئے: نعمان بن رافع بن مقرن، ہلال بن حارث اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم۔ جہینہ قبیلے کے چار دستے بنے، ان کے چار افسر یہ تھے: سوید بن صخر، مکیث، ابوزرعہ اور عبداللہ بن بدر رضی اللہ عنہم۔ بنوسلیم کے ایک ہزار جانباز تین دستوں میں تقسیم ہوئے۔ ان کے کمانڈر یہ تھے: عباس بن مرداس، خفاف بن ندبہ اور حجاج بن علاط رضی اللہ عنہم۔ بنوکعب بن عمرو (خزاعہ) کے بھی تین

دستے بنائے گئے۔ ان کی کمان ان کے درج ذیل تین سرداروں کے حصے میں آئی: بسر بن سفیان، ابن شریح اور عمرو بن سالم رضی اللہ عنہم۔ بنو اسلم کے دو دستے بنے۔ ان کے افسر یہ تھے: بریدہ بن حصیب اور ناجیہ بن اعجم رضی اللہ عنہما۔ قبیلہ غفار کا ایک ہی دستہ تھا جس کے کمانڈر ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ مقرر ہوئے۔ بنوضمرہ اور سعد بن بکر کا بھی ایک دستہ بنا۔ ان کے افسر ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ طے پائے۔ بنولیث کا ایک دستہ بنایا گیا۔ ان کی کمان صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوئی۔ قبیلہ اشجع کے دو دستے مقرر ہوئے۔ ان کے افسر نعیم بن مسعود اور معقل بن سنان رضی اللہ عنہما تھے۔ یہ دونوں صحابہ قبول اسلام میں سبقت لے جانے والوں میں سے ہیں۔ بنوتمیم کی دس افراد پر مشتمل ٹکڑی کی کمان اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ کے پاس تھی۔ [1]

بنوسلیم ہراول دستے میں

طلحہ بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی بکر سے روایت ہے کہ بنوسلیم نیزوں اور زرہوں سے مسلح ہو کر نکلے۔ وہ اپنے جھنڈے لپیٹ چکے تھے، انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہمارے لیے جہاں آپ مناسب سمجھیں، جھنڈے مقرر فرما دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«يَحْمِلُ رَايَتَكُمُ الْيَوْمَ مَنْ كَانَ يَحْمِلُهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ، مَا فَعَلَ فَتًى كَانَ قَدِمَ مَعَ وَفْدِكُمْ عَلَيَّ حَسَنُ الْوَجْهِ جَيِّدُ اللِّسَانِ؟»

''آج تمھارا علمبردار وہ شخص ہوگا جو جاہلیت میں تمھاری علمبرداری کرتا تھا۔ تمھارا وہ نوجوان کہاں ہے جو بڑا خوش گفتار اور خوبرو تھا، میرے پاس وفد لے کر آیا تھا؟''

انھوں نے جواب دیا کہ وہ حال ہی میں فوت ہو چکا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قدید سے مکہ کی طرف پیش قدمی کرنے والی فوج کا ہراول دستہ بنوسلیم ہی کو مقرر کیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قدید میں پڑاؤ ڈالا تو بنوسلیم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے آ کر ملے، وہ مکمل طور پر تیار تھے، ہر ایک آدمی کے پاس اس کا نیزہ اور دیگر ہتھیار موجود تھے اور ان کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو ایلچی بھی واپس آئے تھے۔ وہ تیزی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے۔ وہ ایک ہزار کی تعداد میں تھے۔ بنوسلیم نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ ہمیں دور سے بلاتے ہیں اور ہم سے مدد چاہتے ہیں، جبکہ ہم آپ کے ننھیال ہیں، ہاشم بن عبد مناف کی ماں عاتکہ بنت مرہ بن ہلال بن فالج بن ذکوان بنوسلیم سے تھی۔ اس لیے اے اللہ کے رسول! ہمیں ہراول میں رکھیے تاکہ آپ دیکھیں کہ ہم آزمائش میں کیسے پورے اترتے ہیں؟ بے شک ہم جنگ کے وقت ثابت قدمی دکھانے والے، دشمن سے ٹکراؤ کے وقت سچے اور

[1] المغازي للواقدي: 2/241 و 255,254.

گھوڑوں کی پشت پر سوار ہونے والے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ٹھیک ہے۔“ [1] پھر آپ ﷺ نے انھیں اپنے ہراول میں رکھ لیا۔ ان سے پہلے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی فوج کے ہراول میں تھے۔

سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی ہجرت

سیدنا عباس بن عبدالمطلب ابھی تک مدینہ ہجرت نہ کر سکے تھے اور ان کا ہجرت نہ کرنا اسلام کے لیے بڑا بابرکت ثابت ہوا کیونکہ غزوۂ احزاب کے موقع پر انھی کی حکمت عملی سے مسلمان خسارے سے بچ گئے تھے لیکن جب انھیں محسوس ہوا کہ مسلمان مضبوط ہو چکے ہیں، قریش کی کمر ٹوٹ چکی ہے اور اب اسلامی معاشرے سے دور رہنا ان کے لیے مناسب نہیں ہے تو وہ اسلام کا اظہار و اعلان کر کے اپنے ساز و سامان سمیت مدینہ منورہ روانہ ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ اپنی فوج کے ہمراہ جحفہ پہنچے تو سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے آپ کی ملاقات ہو گئی۔ اس موقع پر سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے اپنا ساز و سامان مدینہ بھیج دیا اور خود رسول اللہ ﷺ کی ہمراہی میں لشکر کے ساتھ شریک ہو گئے۔ [2] مختلف دلائل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے بہت پہلے اسلام قبول کر لیا تھا۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے کئی بار ہجرت کی اجازت چاہی لیکن آپ نے انھیں یہی تاکید فرمائی: «يَا عَمِّ! أَقِمْ مَكَانَكَ الَّذِي أَنْتَ فِيهِ» ”چچا جان! آپ جہاں ہیں وہیں رہیں۔“ [3]

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی ہجرت کے بارے میں سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب رسول اللہ ﷺ بدر سے چلے تو آپ کے ساتھ آپ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ عباس رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! کاش! آپ مجھے مکہ سے نکلنے اور ہجرت کرنے کی اجازت عنایت فرما دیں، یا کہا: اگر آپ اجازت دیں تو میں وہاں سے ہجرت کروں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«يَا عَمِّ! اِطْمَئِنَّ فَإِنَّكَ خَاتَمُ الْمُهَاجِرِينَ فِي الْهِجْرَةِ كَمَا أَنِّي خَاتَمُ النَّبِيِّينَ فِي النُّبُوَّةِ»

”اے چچا! آپ مطمئن رہیں (کیونکہ آپ کی ہجرت سے ہجرت کا عمل اختتام پذیر ہوگا)۔ جس طرح میں نبوت میں آخری نبی ہوں، اسی طرح آپ ہجرت کے اعتبار سے آخری مہاجر ہوں گے۔“ [4]

عباس رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کے لیے دعائے نبوی

جامع ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کو بلایا اور کہا:

[1] المغازي للواقدي: 250/2. [2] سبل الهدى والرشاد: 213/5. [3] المعجم الكبير للطبراني: 154/6. [4] فضائل الصحابة للإمام أحمد بن حنبل: 941/2، السلسلة الضعيفة للألباني: 7030.

«إِذَا كَانَ غَدَاةُ الْإِثْنَيْنِ فَأْتِنِي أَنْتَ وَوَلَدُكَ حَتَّى أَدْعُوَ لَهُمْ بِدَعْوَةٍ يَنْفَعُكَ اللّٰهُ بِهَا وَوَلَدَكَ»

''جب پیر کی صبح ہو تو اس دن تم اپنی اولاد کے ساتھ میرے پاس آنا تاکہ میں ان کے لیے ایک ایسی دعا کروں جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ تمھیں اور تمھارے بچوں کو نفع دے گا۔''

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب صبح ہوئی تو ہم حاضر خدمت ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنا لباس پہنایا اور پھر یہ دعا کی:

«اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْعَبَّاسِ وَوَلَدِهِ مَغْفِرَةً ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً، لَا تُغَادِرُ ذَنْبًا، اَللّٰهُمَّ احْفَظْهُ فِي وَلَدِهِ»

''اے اللہ! عباس اور اس کی اولاد کو معاف فرما، ایسی مغفرت جو ظاہری بھی ہو اور باطنی بھی، جو کسی گناہ کو باقی نہ رہنے دے۔ اے اللہ! اس کی اولاد کے معاملے میں اس کی حفاظت فرما۔'' [1]

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی فضیلت

مرالظہران پہنچنے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پیلو کا پھل چننے میں مصروف ہو گئے۔ صحیحین میں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور پیلو چن رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:



«عَلَيْكُمْ بِالْأَسْوَدِ مِنْهُ فَإِنَّهُ أَطْيَبُهُ»

''تم سیاہ پیلو چنو کیونکہ یہ بہت اچھے ہوتے ہیں۔''

جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا آپ بکریاں چراتے رہے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «نَعَمْ وَهَلْ مِنْ نَّبِيٍّ إِلَّا رَعَاهَا» ''ہاں! کیوں نہیں اور نبیوں میں ایسا کوئی نہیں جو بکریاں نہ چراتا رہا ہو۔'' [2]

ہم میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی تھے، وہ پیلو چن رہے تھے۔ ہم میں سے جونہی کسی کو کوئی بہترین پیلو ملتا تو وہ اسے کھا لیتا تھا۔ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ ایک درخت پر چڑھے ہوئے تھے۔ ہم ان کی پتلی پتلی پنڈلیوں کو دیکھ کر ہنسنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: «مِمَّ تَضْحَكُونَ؟» ''تم کس لیے ہنس رہے ہو؟'' صحابہ رضی اللہ عنہم کہنے لگے کہ ہم ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی پتلی پنڈلیوں کی بنا پر ہنس رہے ہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[1] جامع الترمذي: 3762، فضائل الصحابة للإمام أحمد بن حنبل: 935/2. [2] صحيح البخاري: 3406 و 5453، صحيح مسلم: 2050.

«وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَهُمَا أَثْقَلُ فِي الْمِيزَانِ مِنْ أُحُدٍ»

''اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یہ دونوں پنڈلیاں میزان میں احد پہاڑ سے زیادہ وزنی ہیں۔''[1]

سارے صحابہ جو پیلو چنتے تھے، وہ خود کھاتے تھے جبکہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو بھی بہترین پیلو پاتے، اسے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیتے تھے۔[2]

جیشِ نبوی کی شب بسری اور ابوسفیان کی گرفتاری

لشکر اسلام مرالظہران پہنچا تو رات کا وقت ہو گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ رات یہیں بسر کی جائے۔ اس کے ساتھ آپ نے فرمایا کہ ہر شخص اپنے اپنے پڑاؤ میں آگ جلائے، چنانچہ سب لوگوں نے جب اپنے اپنے پڑاؤ میں آگ جلائی تو دس ہزار چولہے روشن ہو گئے۔ اس وجہ سے ساری وادی جگمگا اُٹھی۔ دوسری جانب نبی ﷺ نے اس لشکر کی نگہداشت کے لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا تقرر فرمایا۔ ابھی تک اہل مکہ کو اس صورت حال کا علم نہیں تھا کہ مسلمان ان کے قریب ہیں۔ کفار مکہ کو یہ کھٹکا ضرور تھا کہ رسول اللہ ﷺ ان کے بارے میں یقیناً کوئی فیصلہ کریں گے اور بدلہ لینے کے لیے ان پر حملہ آور ہوں گے۔ چنانچہ انھوں نے حالات کا جائزہ لینے کے لیے ابوسفیان کو مقرر کیا۔ جب ابوسفیان اس کام کے لیے مکہ سے نکلنے لگا تو اہل مکہ نے اس سے کہا کہ اگر تمھاری رسول اللہ ﷺ سے ملاقات ہو تو ان سے ہمارے لیے امان طلب کرنا۔ ابوسفیان، حکیم بن حزام کو لے کر نکلا تو رستے میں ان کی ملاقات بدیل بن ورقاء سے ہو گئی۔ انھوں نے اسے بھی ساتھ چلنے کے لیے کہا تاکہ سب مل کر لشکر اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کریں۔[3]

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا خواب

امام بیہقی رحمہ اللہ نے ابوسفیان کے بارے میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایک خواب بیان کیا ہے کہ صبح سویرے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ اے اللہ کے رسول! میں نے آج یہ خواب دیکھا ہے کہ ہم آپ ﷺ کی معیت میں مکہ کے قریب پہنچ گئے ہیں۔ اچانک مکہ سے ایک کتیا بھونکتی ہوئی نکلی۔ ہم اس کے قریب ہوئے تو وہ پیٹھ کے بل زمین پر لیٹ گئی اور اس کے وجود سے دودھ بہنے لگا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«ذَهَبَ كَلْبُهُمْ وَ أَقْبَلَ دَرُّهُمْ، وَهُمْ سَائِلُوكُمْ بِأَرْحَامِكُمْ، وَ إِنَّكُمْ لَاقُونَ بَعْضَهُمْ، فَإِنْ لَقِيتُمْ أَبَا سُفْيَانَ فَلَا تَقْتُلُوهُ»

[1] مسند أحمد: 421,420/1. [2] دلائل النبوة للبيهقي: 29/5. [3] المغازي للواقدي: 251,250/2.

''اہل مکہ کی قوت دم توڑ چکی ہے۔ وہ اب اپنا دودھ پیش کر رہے ہیں۔ وہ اپنی رشتہ داریوں کے دامن میں پناہ لینے پر مجبور ہوں گے۔ ان میں سے کئی لوگ اب تم سے ملنے والے ہیں، اگر تمھاری ملاقات ابوسفیان سے ہوتو اسے قتل نہ کرنا۔'' [1]

ابوسفیان کا ماجرا اور قبولِ اسلام

امام طبرانی ابولیلیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم مرالظہران میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «إِنَّ أَبَا سُفْيَانَ بِالْأَرَاكِ فَخُذُوهُ» ''ابوسفیان اراک میں ہے، جاؤ اور اسے گرفتار کرلو۔'' چنانچہ ہم اس بستی میں گئے اور ابوسفیان کو پکڑ کر اپنے ساتھ لے آئے۔ [2] یہ بھی بیان ہوا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجے ہوئے مجاہدین وہاں پہنچے تو ابوسفیان، حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء تینوں وہاں موجود تھے۔ انھیں ان مجاہدین کی آمد کی بالکل خبر نہ ہوئی۔ چنانچہ مجاہدین نے تینوں کو گرفتار کیا تو انھوں نے ہڑ بڑا کر پوچھا: تم کون لوگ ہو؟ انھوں نے جواب دیا: کیا تم نہیں دیکھتے کہ تمھارے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ خیمہ زن ہیں۔ ابوسفیان حیرت زدہ ہو کر کہنے لگا: کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ اتنا بڑا لشکر جرار ہمارے گھر آ دھمکے اور ہمیں خبر نہ ہو؟

جب ابوسفیان اور اس کے دونوں ساتھیوں کو گرفتار کیا گیا تو اس وقت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے لشکر پر پہرہ دے رہے تھے۔ مجاہدین تینوں کو عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لے گئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ انھیں صبح تک حراست میں رکھو۔ صبح کے وقت جب ان تینوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کرنے کے لیے لے جایا جا رہا تھا، اس وقت ان کی ملاقات سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے ہوگئی، انھوں نے ان تینوں کو اپنی پناہ میں لے لیا۔ [3]

دوسری روایت میں ہے: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرالظہران پہنچے تو عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے کہا: اب قریش کی خیر نہیں۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں بزور طاقت داخل ہوگئے تو قریش یکسر ہلاک و برباد ہو جائیں گے۔ چنانچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفید خچر پر سوار ہو کر مقام اَراک تک آئے اور دل میں سوچا کہ شاید کوئی آدمی مل جائے جو مکہ والوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی اطلاع دے اور ان سے کہے کہ وہ آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے امن کی درخواست کریں قبل اس کے کہ آپ بزور طاقت مکہ میں داخل ہوں۔ وہ ابھی یہ بات سوچ ہی رہے تھے کہ انھوں نے ابوسفیان بن حرب، حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء کی آواز سنی۔ ابوسفیان کہہ رہا تھا: میں نے آج تک کبھی ایسی آگ دیکھی ہے نہ فوج۔ اور بدیل کہہ رہا تھا: اللہ کی قسم! یہ خزاعہ والوں کی آگ ہے، جنگ کی خواہش نے ان کے جذبات کو

[1] دلائل النبوة للبيهقي: 48/5. [2] المعجم الكبير للطبراني: 183/6. [3] سبل الهدٰى والرشاد: 215,214/5.



رسول اللہ ﷺ کا سفرِ فتح مکہ
(رمضان 8ھ)
• خُلیقہ • السقیا • ابواء • الجحفہ • قُدَید
• کَدید • عُسفان • مرالظہران
• الوتیر • اراک
مدینہ منورہ
ذی خشب
جبل احد
وادی قناۃ
ذی قرد
بواط
وادی بواط
جبل رضوی
عیص
وادی عیص
وادی ظلم
ینبع
الحمراء
بدر
خلیقہ
حجاز
الریان
حرہ
(چٹانی علاقہ)
معدن بنی سُلیم
(مہدالذہب)
نجد
صفینہ
حرہ بنی سُلیم
(حرہ کشب)
السقیا (ام البرک)
ابواء
خزاعہ
مستورہ
رابغ
الجحفہ
غدیرِ خُم
المریسیع
قدید
قضیمہ
امج (خلیص)
بنو بکر
ذات عرق
برکہ
وادی غران
کدید (الحمش)
عسفان
خزاعہ
الرجیع
(الوطیہ)
تہامہ
جموم
قرن المنازل
نجد
جدہ
اراک
عرفات
طائف
مکہ مکرمہ
الوتیر
خزاعہ
بقران
تہامہ
شُعیبہ
بحیرۂ قلزم (بحیرۂ احمر)

برانگیختہ کر دیا ہے۔ ابوسفیان نے کہا: اللہ کی قسم! خزاعہ والے بہت ذلیل وقلیل ہیں، یہ ان کی آگ اور فوج نہیں ہوسکتی۔ ابوسفیان، حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء کے ساتھ خبروں کی ٹوہ میں نکلا تھا۔

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے ان کی آوازیں سن لیں اور ان کو پہچان لیا، پھر آواز دی: ''اے ابوحنظلہ!'' اس نے پوچھا: آپ ابوالفضل ہیں؟ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: ''ہاں۔''

ابوسفیان بولا: کیا بات ہے؟ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں!

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: ''تمھارا برا ہو، اے ابوسفیان! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے درمیان (قریب ہی تشریف فرما) ہیں، اللہ کی قسم! قریش کی تباہی نظر آرہی ہے۔''

ابوسفیان نے کہا: ''میرے ماں باپ آپ پر قربان! اب کیا چارہ جوئی کی جائے؟''

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: ''بخدا اگر تم ان کے ہاتھ لگ گئے تو وہ تمھاری گردن ماردیں گے، لہٰذا خچر پر بیٹھو، میں تمھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے چلتا ہوں اور امان لے دیتا ہوں۔'' ابوسفیان ان کے پیچھے بیٹھ گیا اور اس کے دونوں ساتھی واپس چلے گئے۔

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ابوسفیان کو لے کر چلا۔ جب میں کسی الاؤ کے پاس سے گزرتا تو لوگ کہتے: یہ کون ہے؟ مگر جب دیکھتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خچر ہے اور میں اس پر سوار ہوں تو کہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر پر ہیں۔ یہاں تک کہ جب ہم عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے الاؤ کے پاس سے گزرے تو انھوں نے پوچھا: یہ کون ہے؟ اور لپک کر میری طرف آئے۔ پیچھے ابوسفیان کو دیکھا تو کہنے لگے: ابوسفیان!! اللہ کا دشمن! اللہ ہی کی تعریف ہے کہ اس نے بغیر عہد و پیمان کے تجھے ہمارے حوالے کر دیا۔ اس کے بعد عمر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دوڑے۔ میں نے بھی خچر کو دوڑایا، چنانچہ میں عمر رضی اللہ عنہ سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گیا۔ عمر رضی اللہ عنہ بھی آگئے اور کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! یہ اللہ کا دشمن ابوسفیان ہے، اسے اللہ نے بلا عہد و پیمان ہمارے حوالے کر دیا ہے، مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس کی گردن ماردوں۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! اسے میں نے پناہ دی ہے۔ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کے متعلق بار بار کہا تو میں نے کہا: عمر! ٹھہر جاؤ، اللہ کی قسم! اگر یہ تمھارے خاندان بنوعدی بن کعب کا آدمی ہوتا تو تم ایسی بات نہ کہتے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: عباس! رکو۔ اللہ کی قسم! تمھارا اسلام لانا میرے نزدیک خطاب کے اسلام لانے سے، اگر وہ اسلام لاتے، زیادہ پسندیدہ ہے اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک تمھارا اسلام لانا خطاب کے اسلام لانے سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اِذْهَبْ بِهٖ يَا عَبَّاسُ! إِلٰى رَحْلِكَ، فَإِذَا أَصْبَحْتَ فَأْتِنِي بِهٖ»

''عباس! اسے اپنی اقامت گاہ میں لے جاؤ، صبح میرے پاس لے آنا۔''

ابوسفیان نے یہ رات عباس رضی اللہ عنہ کے پاس گزاری۔ عروہ رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ جب صبح ہوئی، صحابہ نماز کی تیاری میں مشغول ہوئے اور طہارت و وضو کے لیے منتشر ہوگئے تو ابوسفیان خوفزدہ ہوگیا۔ اس نے عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ان لوگوں کو کیا ہوگیا ہے؟ عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: انھوں نے اذان سن لی ہے۔ اب یہ نماز کی تیاری میں مشغول ہیں۔ اس کے بعد نماز کا وقت ہوا۔ ابوسفیان نے نماز باجماعت کا عجیب و غریب منظر دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رکوع کرنے پر سب رکوع میں چلے جاتے ہیں، آپ کے سجدہ کرتے ہی سب آپ کے پیچھے سجدے میں چلے جاتے ہیں۔ اس نے حیرت بھرے لہجے میں عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: عباس! وہ (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) انھیں جو بھی حکم دیتے ہیں، یہ اسے کر لیتے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: ہاں، اللہ کی قسم! اگر وہ انھیں یہ حکم دیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دیں تو پھر بھی وہ آپ کی بات مانیں گے۔

موسیٰ بن عقبہ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا تو صحابہ آپ کے وضو کا گرنے والا پانی اپنے ہاتھوں میں لینے لگے۔ یہ دیکھ کر ابوسفیان بے ساختہ بول اٹھا: عباس! میں نے آج رات جیسا منظر قیصر و کسریٰ کے درباروں میں بھی نہیں دیکھا۔

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے صبح ابوسفیان کو خدمت نبوی میں پیش کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھ کر فرمایا:

«وَيْحَكَ يَا أَبَا سُفْيَانَ! أَلَمْ يَأْنِ لَكَ أَنْ تَعْلَمَ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ؟»

''ابوسفیان، تم پر افسوس! کیا اب بھی تمھارے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ تم یہ جان سکو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں؟''

ابوسفیان نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ کتنے بردبار، کتنے کریم اور کتنے خویش پرور ہیں۔ میں اچھی طرح سمجھ چکا ہوں کہ اگر اللہ کے سوا کوئی اور الٰہ ہوتا تو اب تک ضرور میرے کچھ کام آیا ہوتا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«وَيْحَكَ يَا أَبَا سُفْيَانَ! أَلَمْ يَأْنِ لَكَ أَنْ تَعْلَمَ أَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ؟»

''ابوسفیان، تم پر افسوس! کیا تمھارے لیے اب بھی وہ وقت نہیں آیا کہ تم جان سکو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟''

ابوسفیان نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ کس قدر حلیم، کس قدر کریم اور کس قدر صلہ رحمی کرنے والے ہیں۔ اللہ کی قسم! اس بات کے متعلق تو اب بھی دل میں کچھ نہ کچھ کھٹک ہے۔ اس پر سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: تجھ پر افسوس! اس سے پہلے کہ تیری گردن مار دی جائے، اسلام قبول کر لے اور یہ گواہی دے دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ ابوسفیان نے حق کی گواہی دی اور اسلام قبول کر لیا۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! ابوسفیان چودھراہٹ پسند آدمی ہے، اسے کوئی اعزاز دے دیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«نَعَمْ، مَنْ دَخَلَ دَارَ أَبِي سُفْيَانَ فَهُوَ آمِنٌ، وَمَنْ أَغْلَقَ بَابَهُ فَهُوَ آمِنٌ، وَمَنْ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَهُوَ آمِنٌ»

''ٹھیک ہے، جو ابوسفیان کے ڈیرے میں داخل ہو جائے گا، اسے امان ہے۔ جو اپنا دروازہ اندر سے بند کر لے، اسے بھی امان ہے اور جو مسجد حرام میں داخل ہو جائے، اسے بھی امان ہے۔''

ابوسفیان کا اسلامی لشکر کا نظارہ

جب ابوسفیان رضی اللہ عنہ جانے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«يَا عَبَّاسُ! اِحْبِسْهُ بِمَضِيقِ الْوَادِي عِنْدَ خَطْمِ الْجَبَلِ حَتّٰى تَمُرَّ بِهِ جُنُودُ اللّٰهِ فَيَرَاهَا»

''اے عباس! ابوسفیان کو وادی کی تنگ جگہ پہاڑ کے ناکے پر روک رکھو تا کہ یہ وہاں سے گزرنے والے اللہ تعالیٰ کے لشکروں کو دیکھ لے۔''

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا، جس جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا، انھیں وہیں روک لیا۔ ادھر قبائل اپنے اپنے پھریرے لیے گزر رہے تھے۔ جب وہاں سے کوئی قبیلہ گزرتا تو ابوسفیان رضی اللہ عنہ پوچھتے: عباس! یہ کون ہیں؟ تو وہ جواب میں کہتے: یہ سُلَیم ہے۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کہتے: مجھے سُلَیم سے کیا واسطہ؟ پھر کوئی قبیلہ گزرتا تو ابوسفیان پوچھتے: اے عباس! یہ کون لوگ ہیں؟ وہ کہتے: مزینہ ہیں۔ ابوسفیان کہتے: مجھے مزینہ سے کیا مطلب؟ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصار و مہاجرین پر مشتمل اپنے سبز دستے کے ساتھ تشریف لائے۔ اسلحے سے لیس ہونے کے باعث ان سرفروشوں کی صرف آنکھیں دکھائی دے رہی تھیں۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کہا: سبحان اللہ، اے عباس! یہ کون لوگ ہیں؟ عباس رضی اللہ عنہ نے بتایا: یہ انصار و مہاجرین کے جلو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کہنے لگے: بھلا ان سے محاذ آرائی کی طاقت کسے ہے! پھر کہنے لگے: اللہ کی قسم، اے ابوالفضل! تمھارے بھتیجے کی بادشاہت بہت پھیل گئی ہے۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ

نے کہا: ابوسفیان! یہ نبوت ہے۔ وہ کہنے لگے: ہاں فی الواقع یہی بات ہے۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: اپنی قوم کی فکر کرو۔[1]



آج تو رحمت کا دن ہے!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا جھنڈا سعد بن عبادہ انصاری رضی اللہ عنہ کو عنایت فرمایا تھا، وہ سب سے آگے آگے چل رہے تھے۔ جب سعد رضی اللہ عنہ کا گزر ابوسفیان کے قریب سے ہوا تو انھوں نے ابوسفیان کے سامنے یہ الفاظ کہے:

اَلْيَوْمُ يَوْمُ الْمَلْحَمَةِ، اَلْيَوْمَ تُسْتَحَلُّ الْحُرْمَةُ، اَلْيَوْمَ أَذَلَّ اللّٰهُ قُرَيْشًا.

''آج قتال کا دن ہے، آج مکہ کی حرمت حلال ہوگی، آج اللہ تعالیٰ قریش کو ذلیل کرے گا۔''

ابوسفیان نے جب یہ بات سنی تو وہ بدحواس ہوگیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ابوسفیان کے قریب سے گزرے تو ابوسفیان نے پوچھا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أُمِرْتَ بِقَتْلِ قَوْمِكَ؟ أَلَمْ تَعْلَمْ مَا قَالَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ؟ ''اللہ کے رسول! کیا آپ کو اپنی قوم کو قتل کرنے کا حکم ملا ہے؟ کیا آپ کو پتہ نہیں کہ سعد بن عبادہ نے کیا کہا ہے؟'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''سعد نے کیا کہا ہے؟'' ابوسفیان نے کہا: سعد اور اس کے ساتھیوں نے ہمارے پاس سے گزرتے ہوئے یہ کہا ہے: اَلْيَوْمُ يَوْمُ الْمَلْحَمَةِ، اَلْيَوْمَ تُسْتَحَلُّ الْحُرْمَةُ، اَلْيَوْمَ أَذَلَّ اللّٰهُ قُرَيْشًا. پھر ابوسفیان آپ سے التجا کرنے لگا: اے اللہ کے رسول! میں آپ کو آپ کی قوم کے بارے میں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں۔ آپ تمام لوگوں سے زیادہ نیکوکار ہیں، سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے ہیں، سب سے زیادہ رحیم و کریم ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«كَذَبَ سَعْدٌ يَا أَبَا سُفْيَانَ، اَلْيَوْمُ يَوْمُ الْمَرْحَمَةِ، اَلْيَوْمُ يَوْمٌ يُعَظِّمُ اللّٰهُ فِيهِ الْكَعْبَةَ، اَلْيَوْمُ يَوْمٌ تُكْسٰى فِيهِ الْكَعْبَةُ، اَلْيَوْمُ يَوْمٌ أَعَزَّ اللّٰهُ فِيهِ قُرَيْشًا»

''اے ابوسفیان! سعد نے غلط کہا ہے۔ آج کا دن تو رحمت کا دن ہے، آج کے دن تو اللہ تعالیٰ کعبہ کی

[1] صحيح البخاري: 4280، دلائل النبوة للبيهقي: 5/32-35، السيرة لابن هشام: 4/44-47، البداية والنهاية: 4/288-291.

عظمت کو ظاہر کرے گا۔ آج کے دن کعبہ کو غلاف پہنایا جائے گا۔ آج کا دن تو وہ ہے جس روز اللہ تعالیٰ قریش کو عزت سے نوازے گا۔''

پھر آپ ﷺ نے ایک پیغام کے ذریعے حکم دیا کہ سعد سے جھنڈا لے کر ان کے بیٹے قیس کو دے دیا جائے۔ سعد رضی اللہ عنہ نے جھنڈا اپنے بیٹے کو اُس وقت تک دینے سے انکار کر دیا جب تک وہ رسول اللہ ﷺ کی جانب سے کوئی نشانی نہ دیکھ لیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اپنا عمامہ بھیجا، اس بنا پر سعد رضی اللہ عنہ کو یقین آگیا اور انھوں نے اپنا جھنڈا اپنے بیٹے کو دے دیا۔[1]

سعد رضی اللہ عنہ نے جھنڈا اپنے بیٹے کو دینے کے بعد رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ جھنڈا ان کے بیٹے سے لے لیا جائے تاکہ اس سے کوئی غلطی سرزد نہ ہو جائے۔ مسند بزار میں ہے کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے کہا: جب نبی ﷺ مکہ کی طرف پیش قدمی کرنے لگے تو آپ کے آگے قیس بن سعد رضی اللہ عنہما تھے۔ چنانچہ سعد رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے بات کی کہ قیس کو تبدیل کر دیا جائے، کہیں اس سے کوئی غلطی سرزد نہ ہو۔ پھر نبی ﷺ نے قیس کو بدل دیا۔ موسیٰ بن عقبہ نے اپنی مغازی میں کہا ہے کہ پھر وہ جھنڈا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو دے دیا۔[2]

ابوسفیان رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے قابو آگئے اور رسول اللہ ﷺ کے صرف ایک ہی اشارے سے انھیں پناہ مل گئی، حالانکہ ان کے بارے میں عمر رضی اللہ عنہ کے ارادے خطرناک تھے، چنانچہ عباس رضی اللہ عنہ نے انھیں اپنی پناہ میں لے لیا اور دوسرے دن رسول اللہ ﷺ کے روبرو پیش کر دیا۔ انھیں ڈانٹ ڈپٹ، تذلیل اور توبیخ کے بجائے اچانک جس چیز سے واسطہ پڑا، وہ اسلام کی طرف دعوت تھی۔ وہ اس کریمانہ کردار سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے بلکہ اس پر عش عش کر اٹھے اور انھیں ان کے ضمیر نے یہ کہنے پر مجبور کر دیا:

''اے محمد (ﷺ)! آپ پر میرے ماں باپ قربان! آپ کس قدر حلیم الطبع، کس قدر کریم اور کس قدر صلہ رحمی کرنے والے ہیں۔''

اب ابوسفیان اپنے ماں باپ آپ ﷺ پر فدا کر رہا تھا اور آپ کی شان میں ہر قسم کی تعریف و توصیف کے بول، بول رہا تھا۔[3]

پھر جب سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ ابوسفیان سرداری اور عہدے کو پسند کرتے ہیں، لہٰذا آپ انھیں کوئی اعزاز دے دیجیے تو آپ ﷺ نے انھیں یہ اعزاز بخشا کہ جو بھی ان کے ڈیرے میں داخل ہو جائے

[1] المغازي للواقدي :2/256، سبل الهدٰی والرشاد:221,220/5. [2] فتح الباري : 12/8. [3] فقه السيرة للغضبان، ص : 564، صحيح السيرة النبوية لإبراهيم العلي، ص : 518-520.

گا، امن میں رہے گا۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو یہ خصوصی مقام دینا ان کی خواہش کی تسکین کا باعث بنا۔ یہ اعزاز مرحمت فرمانا دراصل انھیں اسلام پر پختہ اور ایمان پر پکا رکھنے کے لیے تھا۔[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اندازِ کریمی ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے دل سے حسد و کینہ نکال دینے کا ایک وسیلہ تھا، نیز اس میں ان کے لیے یہ واضح پیغام تھا کہ اگر وہ مخلص ہیں اور اللہ کی راہ میں اپنی توانائیاں صرف کریں گے تو قریش میں انھیں جو مقام و مرتبہ حاصل تھا، اسے گھٹایا نہیں جائے گا۔[2]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فیاضانہ انداز علماء اور داعیانِ اسلام کے لیے ایک نمونہ ہے جسے انھیں مکمل طور پر اختیار کرنا چاہیے۔

ابوسفیان پناہ لینے کے لیے مدینہ گیا تھا لیکن اسے وہاں سے خائب و خاسر ہو کر لوٹنا پڑا۔ اس موقع پر وہ کفر کا سرغنہ اور اپنی قوم قبیلے کا نمائندہ بن کر گیا تھا جنھوں نے معاہدے کو توڑنے کی جسارت کی تھی اور امن و امان کو تہ و بالا کر دیا تھا۔ جب وہ اس حالت میں مدینہ گیا تو اسے کسی مسلمان نے بھی قابلِ اعتنا نہ سمجھا بلکہ ابوسفیان کی بیٹی ام المؤمنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے بھی یہ واضح کر دیا کہ تم چونکہ کافر ہو، اس لیے تمھاری کوئی حیثیت نہیں۔ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے نامراد کیا اور کہا کہ ہماری طرف سے پناہ دینا ممکن نہیں کیونکہ ہماری پناہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ کے تابع ہے۔ لیکن جب وہ مکہ میں اپنی قوم سے الگ ہو کر جیش نبوی کی طرف سے خطرہ محسوس کرنے لگا تو اس موقع پر سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے اسے پناہ دی اور پھر اسے اسلام قبول کرنے پر آمادہ کیا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب ابوسفیان مدینہ گیا تھا، اس وقت وہ ایک نمائندہ تھا، اس کی ذاتی حیثیت نہ تھی اور جب وہ مکہ سے باہر اسلامی لشکر کی ٹوہ میں نکلا، اس وقت

[1] المستفاد من قصص القرآن للدكتور عبدالكريم زيدان: 403/2 [2] قراءة سياسية للسيرة النبوية لمحمد رواس، ص: 245.

قدیم مدینہ منورہ کا ایک منظر



وہ ذاتی حیثیت سے نکلا اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے یہ نہایت عمدہ فیصلہ کیا کہ اگر یہ مسلمان ہو جائے تو مکہ بچ سکتا ہے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسے صرف امن کا پروانہ ہی نہیں تھمایا بلکہ اس اعزاز سے بھی نوازا کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے، وہ امن میں ہے۔ اس سے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی دور اندیشی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ان کی اہمیت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو وادی کی تنگ نائے (گزرگاہ) پر کھڑا کرنے کا مقصد یہ تھا کہ وہ وہاں سے گزرنے والے اسلامی لشکروں کا مشاہدہ کر لیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ قریش پر نفسیاتی جنگ مسلط کریں تا کہ اس طرح قریشی سردار کے مقابلہ کرنے کے خیالات کو بہتر طریقے سے بدل کر مثبت رُخ کی طرف پھیر دیں۔ یہ بھی مقصد تھا کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ دیکھ لیں کہ اسلامی لشکر حسنِ اطاعت اور نظم وضبط کا کیسا جیتا جاگتا نمونہ ہے۔ اس طرح شرک اور بت پرستی کے پنجوں سے مکہ مکرمہ کو آزاد کرانے کے موقع پر اگر اہل مکہ کے دماغوں میں اس مبارک لشکر کے ساتھ مقابلہ کرنے کا کوئی خیال آ رہا ہے تو وہ اس کی اصلاح کر لیں۔[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طریق کار بڑا کارگر ثابت ہوا۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے یہ حقیقت تسلیم کر لی کہ قریش میں مسلمانوں کے لشکر جرار کا مقابلہ کرنے کی ہرگز استطاعت نہیں حتی کہ جب مہاجرین وانصار کا لشکر ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے قریب سے گزرا تو ابوسفیان نے پوچھا: سبحان اللہ! عباس! یہ کون لوگ ہیں؟ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے بتایا: یہ مہاجرین وانصار کے جلو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ بولے: اللہ کی قسم، اے ابوالفضل! ان لوگوں کا کوئی بھی مقابلہ نہیں کر سکتا اور نہ ایسی کسی میں طاقت ہے۔ تمھارے برادر زادے کی حکومت بہت عظیم الشان ہو گئی ہے۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: ''ابوسفیان! یہ نبوت ہے۔'' وہ کہنے لگا: تب تو اور بھی اچھا ہے۔

''یہ نبوت ہے۔'' یہ وہ کلمہ ہے جو حکمت الٰہی نے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی زبان پر جاری کرایا تا کہ ایسے شخص کا قیامت تک رد ہوتا رہے جو یہ وہم رکھتا ہے یا کسی اور کو اس وہم میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت حکمرانی یا چودھراہٹ قائم کرنے کے لیے تھی، یا اس کا مقصد (عرب) قومیت یا عصبیت کو زندہ کرنا تھا۔ یہ وہ کلمہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اوّل تا آخر پوری زندگی کا عنوان اور امتیازی نشان تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے لمحات اور مراحل اس کے منہ بولتے گواہ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا پیغام ساری دنیا کے لوگوں تک پہنچانے پر مامور کیا گیا تھا۔ آپ دنیا میں اپنے دل کی چاہت کے مطابق حکمرانی قائم کرنے نہیں بلکہ پرچم توحید

[1] القيادة العسكرية في عهد الرسول ﷺ للدكتور محمد الرشيد، ص: 447.

بلند کرنے آئے تھے۔ [1]

رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ کے سفر کے دوران دشمنوں پر نفسیاتی جنگ مسلط رکھی۔ اس کے لیے آپ ﷺ نے کئی مقامات پر آگ جلانے کا حکم دیا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے دس ہزار الاؤ ایک ہی رات میں روشن کر کے فضا کو منور کر دیا۔ یوں اس لشکر کے قیام کا منظر اتنا رعب دار تھا کہ اس کی ہیبت سے قریشیوں کے دل پھٹنے کے قریب ہو گئے۔ [2]

رسول اللہ ﷺ کا اصل ارادہ ہی یہ تھا کہ دشمن کے فاسد عزائم کو خاک میں ملایا جائے اور ان کے خیالات پر ایسی کاری ضرب لگائی جائے کہ وہ کسی قسم کے مقابلے کا خیال بھی دل میں نہ لائیں۔ انھیں اطاعت قبول کرنے پر مجبور کر دیا جائے تاکہ خون بہائے بغیر مقصود حاصل کر لیا جائے۔ اس اسلوب کو عملاً و فعلاً اختیار کر کے آپ ﷺ نے مطلوبہ نتائج حاصل کر لیے اور اپنے ارادوں میں کامیاب رہے۔ نبی مکرم ﷺ اپنے بالمقابل لڑنے والے کے خیالات کا جنگ سے پہلے ہی اچھی طرح جائزہ لے لیتے تھے۔ جنگ سے پہلے جنگ کا یہ بہترین اصول ہے۔ اس کی اہمیت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ زمانہ نبوی کے بعد جنگی قوانین مرتب کرنے والے کیڈٹ کالجز میں جنگی اعتبار سے اس پہلو کو بڑا اہم گردانا جاتا ہے اور اس پر خاص توجہ دی جاتی ہے۔ [3]

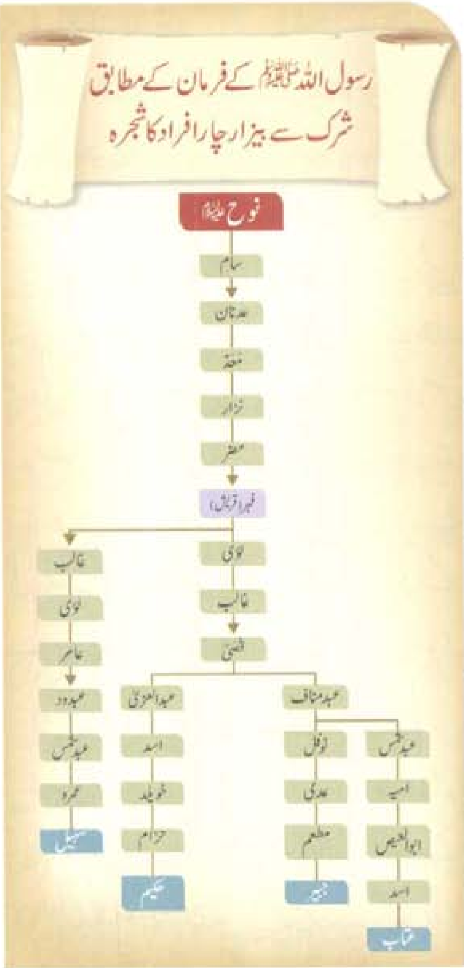
ابوسفیان کو قتل نہ کرنے کی حکمت

رسول اللہ ﷺ نے خصوصی حکم صادر فرمایا تھا کہ ابوسفیان بن حرب کو قتل نہ کیا جائے جو قریش کا سردار اور اہل مکہ کی فوج کا سالار عام تھا۔ غزوۂ احد اور احزاب کے علاوہ دیکھا جائے تو اس سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں کا اس طرح کا شدید دشمن نہ تھا جس طرح ابوجہل اور عقبہ بن ابی معیط وغیرہ تھے۔ وہ نہایت عقلمند تھا اور اس کے کچھ اس طرح کے تاریخی کارنامے بھی تھے جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ اعتدال پسند تھا۔

ان میں ایک تو وہ تاریخی مشورہ تھا جو اس نے بدر میں لڑائی سے قبل ابوجہل کو دیا تھا کہ وہ اپنا قافلہ واپس لے جانے میں کامیاب ہو گیا ہے، اب لڑائی کی ضرورت نہیں، اس لیے واپس آ جاؤ اور مسلمان فوج سے تصادم سے گریز کرو۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس نے بنوخزاعہ کے ساتھ خیانت میں مشارکت کو برا سمجھا اور قریش کو اس پر ملامت کی اور ہجرت سے پہلے مکہ میں رسول اللہ ﷺ پر کوئی دست درازی اور زبان درازی نہیں کی جیسا کہ عقبہ بن ابی معیط، نضر بن حارث اور ابوجہل بن ہشام کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے خون کو مباح قرار نہیں دیا بلکہ مجاہدینِ اسلام کو حکم دے دیا کہ اگر کسی کو ابوسفیان مل جائے تو وہ اسے قتل نہ کرے۔

[1] فقه السيرة للبوطي، ص: 275. [2] دیکھیے: الطبقات لابن سعد: 135/2. [3] العبقرية العسكرية وغزوات الرسول للواء محمد فرج، ص: 565.



شرک سے بیزار چار افراد

رسول اللہ ﷺ مکہ کے قریب تھے کہ ایک روز آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إِنَّ بِمَكَّةَ لَأَرْبَعَةَ نَفَرٍ مِّنْ قُرَيْشٍ أَرْبَأُهُمْ عَنِ الشِّرْكِ، وَأَرْغَبُ لَهُمْ فِي الْإِسْلَامِ»

”بلاشبہ مکہ میں چار افراد ایسے ہیں جو شرک سے بیزار ہیں اور اسلام سے رغبت رکھتے ہیں۔“

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! وہ کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«عَتَّابُ بْنُ أُسَيْدٍ، جُبَيْرُ بْنُ مُطْعِمٍ، وَحَكِيمُ بْنُ حِزَامٍ، وَسُهَيْلُ بْنُ عَمْرٍو»

”عتاب بن اسید، جبیر بن مطعم، حکیم بن حزام اور سہیل بن عمرو ہیں۔“ [1]

مکہ میں داخلہ اور فتح کی منصوبہ بندی

ذی طویٰ پہنچ کر رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو مختلف ذمہ داریاں سونپیں۔ [2] سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو میمنہ پر رکھا۔ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کو میسرہ پر مقرر فرمایا اور سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو پیادوں پر مقرر کیا اور بطن وادی میں چل پڑے۔

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو مہاجرین اور ان کے شاہسواروں پر سالار مقرر کر کے بھیجا اور حکم دیا کہ آپ لوگ مکہ مکرمہ کے بالائی حصے، یعنی کداء سے داخل ہوں اور حجون میں اپنا جھنڈا گاڑ کر میری آمد تک وہیں رہیں۔ اسی طرح سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو قضاعہ اور سلیم وغیرہ کے قبائل پر سالار مقرر کر کے بھیجا اور انھیں حکم دیا کہ مکہ کے زیریں حصے سے داخل ہوں اور گھروں کے بالکل قریب جھنڈا گاڑ دیں۔ سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو

[1] المستدرك للحاكم: 595/3. یہ روایت ضعیف ہے۔ [2] السيرة لابن هشام: 49/4.

انصار کے ایک گروہ کے ہمراہ آگے آگے روانہ فرمایا اور انھیں حکم دیا کہ اپنے ہاتھ روک کر رکھیں، صرف اس سے لڑائی کریں جو خود قتال کرے۔

اس طرح تمام افراد کی ذمہ داریاں مقرر ہوگئیں۔ سب نے اپنی اپنی ذمہ داری جان لی اور جس رستے سے جانا تھا، وہ بھی معلوم کرلیا۔[1]

یوں مسلمانوں کا یہ عظیم الشان لشکر بیک وقت چاروں اطراف سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوگیا۔ اسلامی افواج کے سامنے کوئی نہ آیا۔ چاروں اطراف سے بیک وقت اسلامی لشکر کا داخل ہونا، مشرکین کے گروہوں کے لیے ضرب کاری کی حیثیت رکھتا تھا۔ وہ ایک جگہ اکٹھے ہی نہ ہونے پائے اور مقابلے کا وقت نکل گیا۔ رسول اللہ ﷺ کی یہ پرحکمت جنگی تدبیر تھی جو آپ ﷺ نے اس وقت اپنائی جب مجاہدینِ اسلام جنگی تیاری اور کثرتِ تعداد کے اعتبار سے دشمن سے زیادہ قوی تھے۔

رسول اللہ ﷺ کا یہ منصوبہ پوری طرح کامیاب رہا، چنانچہ مشرکین میں مقابلے کی طاقت ہی نہیں تھی، وہ ام القریٰ کی طرف رواں دواں اس لشکر کے سامنے ٹھہر ہی نہ سکے۔ تمام سپہ سالاروں نے سونپے گئے علاقے کو امن و سلامتی سے زیرنگین کرلیا، سوائے اس علاقے کے جدھر سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ گئے تھے۔[2]

اس جانب قریش کے کچھ سر پھرے اکٹھے ہو گئے۔ ان میں صفوان بن امیہ، عکرمہ بن ابوجہل اور سہیل بن عمرو وغیرہ تھے۔ ان کے ساتھ ان کے کچھ حلیف بھی تھے۔ یہ تمام لوگ ''خندمہ''[3] میں جمع تھے۔

ان لوگوں نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے اگلے دستے کا تیروں کی بوچھاڑ سے استقبال کیا۔ یہ لوگ لڑائی پر تلے ہوئے تھے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے انھیں معاً مٹا ڈالنے کا حکم دیا۔ چند ہی لمحے گزرے تھے کہ یہ گروہ بکھر گیا۔ ان میں سے کچھ افراد قتل کر دیے گئے۔ اس طرح لشکر اسلام کا مکہ مکرمہ پر مکمل قبضہ ہو گیا۔[4]

حماس کی حماقت

تاریخ وسیر کی کتب حماس بن قیس بن خالد کا قصہ بیان کرتی ہیں۔ یہ شخص قبیلہ بنو بکر سے تھا۔ اس نے مسلمانوں سے لڑنے کے لیے اسلحہ تیار کر رکھا تھا۔ اس کی بیوی جب بھی اسے اسلحہ درست اور تیار کرتا دیکھتی تو پوچھتی: ''یہ کیسی تیاری ہے؟ یہ میں کیا دیکھ رہی ہوں؟'' وہ کہتا: ''یہ محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھیوں سے مقابلے کی

[1] من معين السيرة للشامي، ص:422,421. [2] صور وعبر من الجهاد النبوي في المدينة للدكتور فوزي فيض الله، ص: 397. [3] خندمہ: یہ مکہ کے مشرقی جانب ایک پہاڑی سلسلہ ہے جو اُبوقبیس سے متصل ہے اور اس کا آخری شمال مشرقی حصہ ثبیر الخضراء کہلاتا ہے۔ [معجم المعالم الجغرافية في السيرة، ص: 115,114] [4] قيادة الرسول ﷺ لأحمد راتب، ص:123,122.

تیاری ہے۔'' ایک دن اس کی بیوی نے اس سے کہا: ''واللہ! محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھیوں کے مقابل آج تک کوئی چیز نہیں ٹھہر سکی۔'' اس نے جواباً کہا: ''اللہ کی قسم! مجھے امید ہے کہ میں ان کے بعض ساتھیوں کو تمھارا خادم بنا دوں گا۔'' اس کے بعد کہنے لگا:

إِنْ يُقْبِلُوا الْيَوْمَ فَمَالِي عِلَّهْ   هٰذَا سِلَاحٌ كَامِلٌ وَأَلَّهْ

وَذُو غِرَارَيْنِ سَرِيعُ السَّلَّهْ

''اگر وہ آج مد مقابل آ گئے تو میرے لیے کوئی عذر نہیں، میرے ہتھیار بھرپور ہیں، لمبی اَنّی والا نیزہ بھی ہے اور جھٹ سونتی جانے والی دودھاری تلوار بھی۔''

فتح مکہ کے دن عکرمہ کی جماعت میں شامل ہو کر حماس نے بھی تھوڑی دیر مقابلہ کیا مگر پھر دیکھا کہ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے لشکر کے مقابلے میں مشرکین بھاگتے نظر آ رہے ہیں تو یہ بھی شکست کھا کر بھاگا، اپنے گھر پہنچا اور بیوی سے کہا: ''دروازہ بند کر دو۔''

بیوی نے اپنے شاہسوار خاوند سے دریافت کیا: ''بہادر! وہ تمھارا دعویٰ کہاں گیا جو تم کیا کرتے تھے؟'' اس نے معذرت کرتے ہوئے جواب دیا:

إِنَّكِ لَوْ شَهِدْتِّ يَوْمَ الْخَنْدَمَهْ   إِذْ فَرَّ صَفْوَانُ وَفَرَّ عِكْرِمَهْ

''اگر تو خندمہ کی وہ جنگ خود دیکھ لیتی، جب حالت یہ تھی کہ صفوان بھی نکل بھاگا اور عکرمہ بھی بھاگ کھڑا ہوا۔''

وَأَبُو يَزِيدَ قَائِمٌ كَالْمُؤْتِمَهْ   وَاسْتَقْبَلَتْهُمْ بِالسُّيُوفِ الْمُسْلِمَهْ

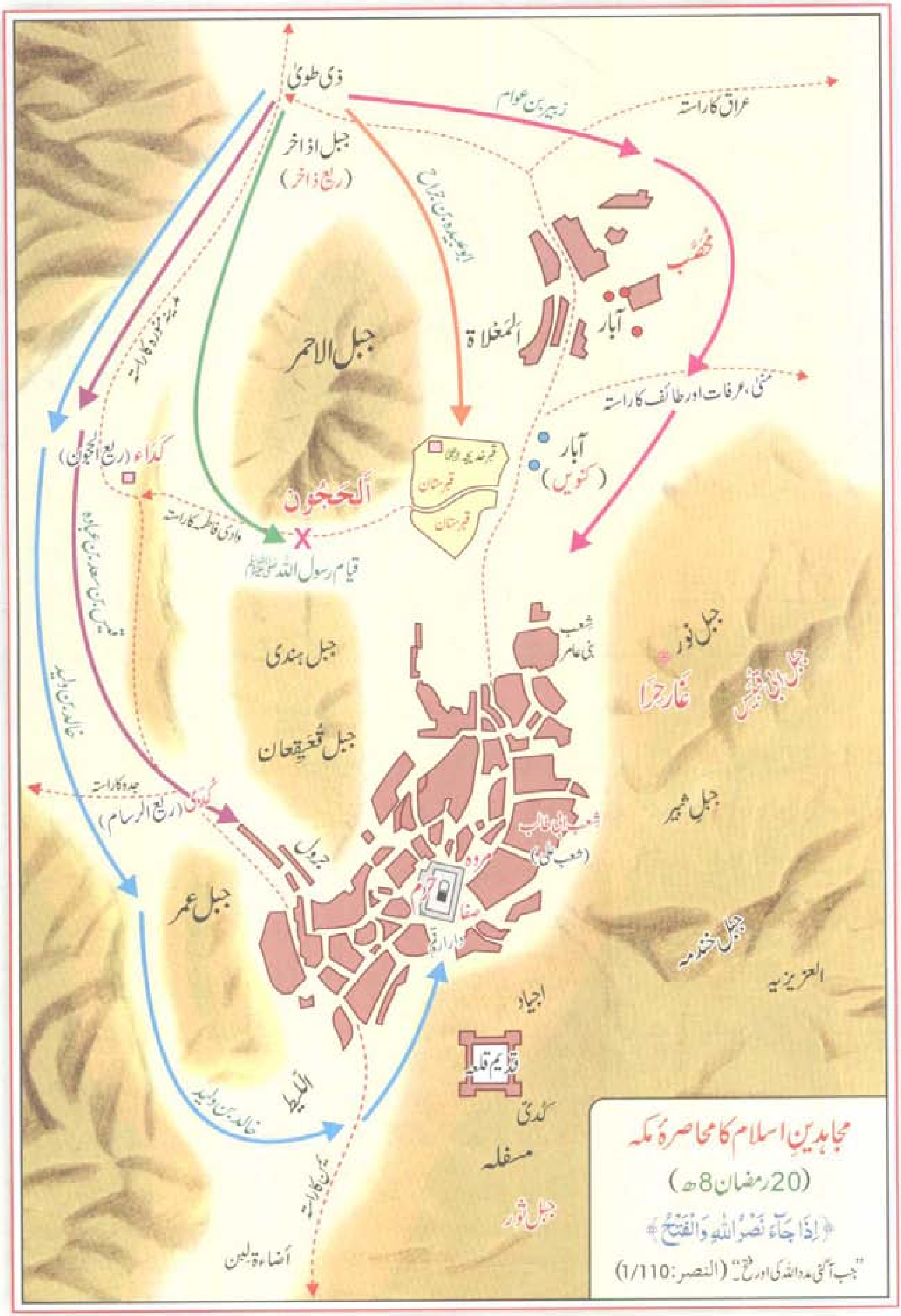
''ابو یزید ستون کی طرح کھڑا رہ گیا اور ان سب کا استقبال مسلمانوں کی تلواروں نے کیا۔''

يَقْطَعْنَ كُلَّ سَاعِدٍ وَجُمْجُمَهْ   ضَرْبًا فَلَا يُسْمَعُ إِلَّا غَمْغَمَهْ

''تلواریں ہر کلائی اور ہر کھوپڑی پر برس رہی تھیں اور اسے کاٹ رہی تھیں۔ ملی جلی آوازوں کے شور کے سوا کچھ سنائی نہ دیتا تھا۔''

لَهُمْ نَهِيتٌ خَلْفَنَا وَهَمْهَمَهْ   لَمْ تَنْطِقِي فِي اللَّوْمِ أَدْنٰى كَلِمَهْ

''ہمارے پیچھے ان کی للکار اور سینے سے اٹھنے والا غصہ ہی ابلتا سنائی دے رہا تھا، بس تو اپنی زبان بند رکھ اور



ذی طوی
زبیر بن عوام
عراق کا راستہ
جبل اذاخر
(ربع ذاخر)
ابوعبیدہ بن جراح
جبل الاحمر
المعلاۃ
آبار
محصب
منیٰ، عرفات اور طائف کا راستہ
آبار
(کنویں)
مدینہ منورہ کا راستہ
کداء (ربع الحجون)
الحجون
قبرستان
قبرستان
وادی فاطمہ کا راستہ
قیام رسول اللہ ﷺ
قیس بن سعد بن عبادہ
خالد بن ولید
جبل ہندی
جبل قعیقعان
شعب بنی عامر
جبل نور
غار حرا
جبل ابی قبیس
جبل ثبیر
جدہ کا راستہ
کُدیٰ (ربع الرسام)
جرول
شعب ابی طالب
(شعب علی)
مروہ
حرم
صفا
دار ارقم
جبل عمر
جبل خندمہ
العزیزیہ
اجیاد
قدیم قلعہ
اللیط
خالد بن ولید
کُدیٰ
مسفلہ
یمن کا راستہ
جبل ثور
اضاءۃ لبن
مجاہدینِ اسلام کا محاصرۂ مکہ
(20 رمضان 8ھ)
﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ﴾
"جب آگئی مدد اللہ کی اور فتح" (النصر:110/1)

کوئی ادنیٰ سا بھی حرفِ ملامت مت بول۔‘‘ [1]

رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ میں اسلامی لشکر کے داخلے سے پہلے ہی کرفیو کا اعلان کرا دیا تا کہ آپ ﷺ بغیر الجھاؤ کے کم سے کم ممکنہ خونریزی سے فتحِ مکہ کی مہم مکمل کر سکیں۔ آپ ﷺ نے واضح طور پر عام اعلان فرما دیا:

«مَنْ دَخَلَ دَارَ أَبِي سُفْيَانَ فَهُوَ آمِنٌ، وَمَنْ أَغْلَقَ بَابَهُ فَهُوَ آمِنٌ، وَمَنْ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَهُوَ آمِنٌ»

’’جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے، اسے امان ہے۔ جو اپنا دروازہ اندر سے بند کر لے، اسے امان ہے اور جو مسجد حرام میں داخل ہو جائے، اسے بھی امان ہے۔‘‘

رسول اللہ ﷺ نے ابوسفیان کی حویلی کو اہمیت دیتے ہوئے اُسے جائے امن قرار دیا تا کہ ابوسفیان اہلِ مکہ کو پُرسکون رہنے اور اطاعت کی راہ اختیار کرنے میں آپ ﷺ کا معاون ثابت ہو اور پرامن طریقے سے کشت وخون کے بغیر مکہ مکرمہ کی فتح کا راستہ ہموار ہو جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ فخر و سرداری کے آرزومند ابوسفیان کی تسلی بھی ہو جائے تا کہ اس طرح اس کے دل میں ایمان پختہ ہو جائے۔ [2]

چنانچہ ایسا ہی ہوا، ابوسفیان رضی اللہ عنہ نہایت تیزی سے مکہ پہنچے اور انھوں نے بلند آہنگی سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

’’اے قریش کے لوگو! محمد ﷺ آ گئے ہیں، وہ اتنا بڑا لشکر لائے ہیں کہ تم میں اس کے مقابلے کی تاب نہیں، لہٰذا جو میرے گھر میں داخل ہو جائے، اسے امان ہے۔‘‘

یہ سُن کر ہند بنت عتبہ اٹھی اور اپنے خاوند ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی مونچھ پکڑ کر بولی: ’’اس مشک کی طرح چربی بھرے تپلی پنڈلیوں والے کو مار ڈالو۔ برا ہو ایسے خبر رساں کا۔‘‘ ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کہا: ’’تمھاری بربادی ہو! دیکھو تمھاری جانوں کے بارے میں یہ عورت تمھیں دھوکے میں نہ ڈال دے کیونکہ محمد ﷺ ایسا لشکر لائے ہیں جس سے مقابلے کی تم میں تاب نہیں، اس لیے جو میرے گھر میں آ جائے، اسے امان ہے۔‘‘ لوگوں نے کہا: ’’تجھ پر اللہ کی مار! بھلا تیرا ڈیرہ ہمارے کتنے آدمیوں کے کام آ سکتا ہے؟‘‘ ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کہا: ’’جو شخص اپنے گھر کا دروازہ اندر سے بند کر لے، اسے بھی امان ہے اور جو مسجدِ حرام میں داخل ہو جائے، اسے بھی امان ہے۔‘‘ یہ اعلان سن کر لوگ اپنے اپنے گھروں اور مسجدِ حرام کی طرف بھاگے۔ [3]

رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو مکہ کی بالائی جانب ’’کداء‘‘ سے مکہ پہنچنے کا حکم دیا۔ آپ ﷺ نے یہ امر پسند فرمایا کہ آج اس مقام ’’کداء‘‘ سے مکہ میں داخل ہوں جس کا تذکرہ سیدنا حسان رضی اللہ عنہ نے اپنے قصیدے میں قریش کی ہجو کرتے

[1] السيرة لابن هشام :4/51,50، البداية والنهاية:4/295. [2] دراسات في السيرة النبوية للدكتور عماد الدين خليل، ص: 245. [3] البداية والنهاية :4/290,289.

ہوئے کیا تھا۔ ان کا یہ قصیدہ بہت اعلیٰ اور دلکش ہے۔ اس قصیدے کا ایک شعر یہ ہے:

عَدِمْنَا خَيْلَنَا إِنْ لَّمْ تَرَوْهَا ... تُثِيرُ النَّقْعَ مَوْعِدُهَا كَدَاءُ

"ہمارے شہسوار یہاں نظر نہیں آرہے، اگر تم نے انھیں نہیں دیکھا تو وہ غبار اڑا رہے ہوں گے، اب وہ "کداء" کے علاقے میں ملیں گے۔"[1]

درج ذیل روایت بھی دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کداء ہی سے داخل ہونا چاہتے تھے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: عام الفتح کے موقع پر جب رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ عورتیں گھوڑوں کے چہروں پر اپنے دوپٹے مار رہی ہیں، آپ ﷺ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھ کر مسکرائے۔ آپ کو حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا ایک شعر یاد آیا جو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پڑھ کر سنایا:

تَظَلُّ جِيَادُنَا مُتَمَطِّرَاتٍ ... تُلَطِّمُهُنَّ بِالْخُمُرِ النِّسَاءُ

"ہمارے عمدہ گھوڑے ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش میں ہوں گے تو عورتیں ان کے چہروں پر دوپٹے مار رہی ہوں گی۔"[2]

دس فتنہ گروں کو قتل کرنے کا حکم

رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں قتال سے منع فرمایا تھا، صرف ان لوگوں سے جنگ کی اجازت دی تھی جو مقابلے پر اُتر آئیں، البتہ کفر کے بعض سرغنے ایسے تھے جن کی اسلام دشمنی نہایت سخت اور دوٹوک تھی۔ اس لیے آپ ﷺ نے ایسے مشرکوں کو قتل کرنے کا حکم جاری فرمایا اور کہا کہ اگر یہ لوگ کعبہ کے غلاف سے بھی چمٹ جائیں، تب بھی انھیں قتل کر دیا جائے۔

امام نسائی رحمہ اللہ نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے روز چار مردوں اور دو عورتوں کے علاوہ سب کو امان عنایت فرمائی، آپ ﷺ نے فرمایا:

«اُقْتُلُوهُمْ وَ إِنْ وَجَدْتُمُوهُمْ مُتَعَلِّقِينَ بِأَسْتَارِ الْكَعْبَةِ: عِكْرِمَةُ بْنُ أَبِي جَهْلٍ، وَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ خَطَلٍ، وَ مِقْيَسُ بْنُ صُبَابَةَ، وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَعْدِ بْنِ أَبِي السَّرْحِ»

"انھیں قتل کر دو، چاہے تم انھیں کعبہ کے غلاف سے چمٹا ہوا پاؤ: 1 عکرمہ بن ابی جہل۔ 2 عبداللہ بن خطل۔

[1] البداية والنهاية: 309/4. [2] المغازي للواقدي: 263/2، مزید دیکھیے: صحیح مسلم: 2490.

3 مقیس بن صبابہ۔ 4 عبداللہ بن سعد بن ابی السرح۔"[1]

اسی طرح سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: احد کے روز چونسٹھ انصاری اور چھ مہاجر شہید ہوئے۔ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ عہد کیا کہ اگر ہمیں مشرکین پر اس طرح غلبہ پانے کا موقع ملا تو ہم (کشتوں کے پشتے لگا دیں گے اور) ان کے بہت سے لوگوں کو ماریں گے۔ جب فتح مکہ کا موقع آیا تو ایک مجہول شخص نے کہا: آج کے بعد قریش نہیں رہیں گے۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک پکارنے والے نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اعلان بلند آہنگی سے سنایا:

«أَمِنَ الْأَسْوَدُ وَالْأَبْيَضُ إِلَّا فُلَانًا وَّ فُلَانًا» نَاسًا سَمَّاهُمْ.

"گورے اور کالے سب لوگوں کو امن ہے مگر فلاں فلاں شخص کو امان نہیں۔" پھر آپ نے ان لوگوں کے نام لیے۔"[2]

ان مشرکین کی کل تعداد پندرہ ہے۔ یہ بے حد شریر اور فتنہ پرور لوگ تھے۔ انھوں نے انتہائی خوفناک جرائم کا ارتکاب کیا تھا۔ ان کے بارے میں خدشہ تھا کہ یہ اپنے خبث باطن سے باز نہیں آئیں گے اور فتح مکہ کے بعد بھی فتنہ پھیلائیں گے۔ ان میں سے کچھ لوگوں کو قتل کر دیا گیا اور کچھ نے اسلام قبول کر کے توبہ کر لی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں معاف فرما دیا۔ ان کے نام یہ ہیں: 1 عکرمہ بن ابی جہل 2 عبداللہ بن سعد بن ابی السرح 3 ہبار بن الاسود 4 ہند بنت عتبہ 5 سارہ 6 کعب بن زہیر بن ابی سلمٰی 7 وحشی بن حرب 8 عبداللہ بن زبعری 9 10 فرتنیٰ اور قریبہ 11 مقیس بن صبابہ 12 عبداللہ بن خطل 13 حویرث بن نُقید 14 حارث بن طلاطل خزاعی 15 ہبیرہ بن ابی وہب مخزومی۔

جنھوں نے اسلام قبول کر لیا

1 **عکرمہ بن ابی جہل:** یہ مسلمانوں اور اسلام کا شدید ترین دشمن تھا۔ اس نے مسلمانوں کو بے حد اذیتیں دی تھیں۔ آخر یہ مسلمان ہو گیا اور بہت اچھا مسلمان ثابت ہوا۔ (ان کے قبولِ اسلام کی تفصیل آگے آئے گی)

2 **عبداللہ بن سعد بن ابی السرح:** یہ اول اول مسلمان ہو گیا تھا، وحی لکھتا تھا لیکن شیطان کے بہکاوے میں آ گیا، مرتد ہو گیا اور کفار سے جا ملا۔ یہ عثمان رضی اللہ عنہ کا رضاعی بھائی تھا۔ فتح مکہ کے دن چھپ گیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اسے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے بیعت لے رہے تھے۔

[1] سنن النسائي: 4072. [2] مسند أحمد: 135/5.

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گزارش کی کہ اے اللہ کے رسول! عبداللہ حاضر ہے، آپ اس سے بیعت لے لیں اور اس کا اسلام قبول فرما لیں۔ چنانچہ یہ شخص دوبارہ مسلمان ہوگیا۔ بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا: ''کیا تم میں کوئی سمجھدار آدمی نہ تھا کہ جب میں نے عبداللہ سے ہاتھ کھینچ لیا تھا تو تم میں سے کوئی اٹھتا اور اسے قتل کر دیتا۔'' ایک شخص کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! آپ آنکھ سے اشارہ کر دیتے۔ آپ نے فرمایا: ''کسی نبی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ آنکھ سے اشارہ کرے۔''[1] اس کے بعد عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ نہایت ثابت قدم مسلمان ثابت ہوئے اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد فتنوں سے بالکل دور رہے۔

3 **ہبار بن الاسود:** جس وقت سیدہ زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کی طرف ہجرت کے لیے اونٹ پر سوار تھیں، اس وقت اس شخص نے انھیں زدوکوب کیا اور اونٹ کو بھی مارا جس سے اونٹ بدک گیا اور سیدہ زینب ایک پتھر پر گر گئیں۔ اسی وجہ سے ان کا حمل بھی ضائع ہوگیا۔ اس کی تکلیف انھیں لاحق رہی یہاں تک کہ وہ انتقال فرما گئیں۔ جب آپ جعرانہ سے واپس آ رہے تھے تو ہبار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔ صحابہ کہنے لگے: یہ ہبار ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اسے پہچان لیا ہے۔ اس موقع پر اس نے آپ سے معذرت کی تو آپ نے اسے معاف فرما دیا۔ اس کے بعد یہ اچھا مسلمان ثابت ہوا۔

4 **ہند بنت عتبہ:** یہ مسلمانوں کی شدید ترین دشمن تھی۔ اس نے غزوہ احد کے موقع پر سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا مثلہ کیا تھا اور ان کا پیٹ چاک کر دیا تھا۔ ہند نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر معذرت کی اور اسلام قبول کر لیا، پھر گھر جا کر تمام بُت توڑ ڈالے اور کہنے لگی: اللہ کی قسم! تمھاری وجہ سے ہم دھوکے میں تھے۔

5 **سارہ:** یہ بنی عبدالمطلب میں سے کسی کی لونڈی تھی، اس کا سب سے بڑا گناہ یہ تھا کہ اس نے سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ کا خط مشرکین کو پہنچانے کی ذمہ داری قبول کر لی تھی۔

6 **کعب بن زہیر بن ابی سلمیٰ:** یہ مشہور شاعر تھا۔ مکہ سے بھاگ گیا تھا، بعد میں یہ مدینہ منورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کی مدح میں ایک قصیدہ کہا جو ''بانت سعاد'' کے نام سے مشہور ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہو کر اُسے اپنی چادر عنایت فرمائی۔

7 **وحشی بن حرب:** یہ وہ شخص ہے جس نے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا۔ غزوہ احد کے ضمن میں اس کا مفصل ذکر ہو چکا ہے۔ یہ فتح مکہ کے موقع پر بھاگ کر طائف پہنچ گیا، وہاں سے مدینہ منورہ پہنچا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں

[1] سنن أبي داود: 2683.

حاضر ہوا اور معافی مانگی۔ آپ ﷺ نے اسے معاف کر دیا۔ یوں یہ شخص مسلمان ہوگیا اور اچھا مسلمان ثابت ہوا۔ وحشی سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور میں مسیلمہ کذاب کے مقابلے کے لیے لشکر میں شامل ہوئے اور جس نیزے سے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا، اسی سے مسیلمہ کو قتل کر دیا۔ وہ کہا کرتے تھے کہ یہی نیزہ ہے جس سے میں نے بہترین شخص کو شہید کیا اور اسی نیزے سے میں نے ایک بدترین شخص کو ہلاک کر ڈالا ہے۔[1]

8 **عبداللہ بن زبعریٰ:** یہ زبردست شاعر تھا۔ آپ ﷺ کی شعروں کے ذریعے ہجو کرنا اسکا مشغلہ تھا۔ آپ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر اسے قتل کرنے کا حکم دیا تو یہ بھاگ کر نجران چلا گیا، پھر تائب ہو کر آپ ﷺ کی مدح میں اشعار بھی کہے۔

9 10 **فرتنیٰ اور قریبہ:** یہ ابن خطل کی دو گانے والیاں تھیں جو رسول اللہ ﷺ کی ہجو میں گاتی تھیں۔ ان میں سے ایک ماری گئی۔ دوسری قریبہ نے امن کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے اسے امان دے دی، چنانچہ یہ مسلمان ہوگئی۔

جو قتل کر دیے گئے

11 **مقیس بن صُبابہ:** غزوہ بنی مصطلق میں ایک انصاری کے ہاتھوں مقیس کا بھائی غلطی سے قتل ہوگیا۔ اسے دیت دے دی گئی لیکن اس کے بعد اس نے اس صحابی پر حملہ کر کے اسے شہید کر دیا اور پھر مرتد ہو کر مکہ بھاگ نکلا۔ اسے سیدنا نمیلہ بن عبداللہ لیثی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔

12 **عبداللہ بن خطل:** یہ پہلے مسلمان تھا۔ اسے رسول اللہ ﷺ نے زکاۃ کا مال اکٹھا کرنے کے لیے ایک انصاری صحابی کے ساتھ کہیں روانہ فرمایا۔ ان کے ساتھ ان کا ایک آزاد کردہ مسلمان غلام بھی تھا جو ان کی خدمت پر مامور تھا۔ عبداللہ بن خطل نے غلام کو صرف اسی بات پر قتل کر دیا کہ وہ ان کے لیے کھانا تیار نہیں کر سکا۔ پھر ابن خطل مرتد ہوگیا اور اپنے اشعار کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کی ہجو کرنے لگا۔ مرتد ہونے کے بعد وہ صدقات کے اونٹ بھی ہانک کر مشرکین کے پاس لے گیا۔ یہ شخص خانہ کعبہ کے پردوں سے چمٹ گیا۔ آپ ﷺ کو اس بارے میں اطلاع دی گئی تو آپ نے فرمایا: ''اسے وہیں قتل کر دیا جائے۔'' چنانچہ ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ اور سعد بن حریث رضی اللہ عنہ نے اسے حجر اسود اور مقام ابراہیم کے مابین قتل کر دیا۔

13 **حُویرث بن نُقید:** یہ مکہ میں رسول اللہ ﷺ کا شدید ترین دشمن تھا اور اپنے کلام میں آپ ﷺ کی ہجو کرتا تھا۔

1 الاستیعاب لابن عبدالبر، ص: 749.

اسے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔

14 **حارث بن طلاطل:** یہ شخص رسول اللہ ﷺ کی ہجو کرتا تھا۔ فتح مکہ کے روز اسے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔

15 **ہبیرہ بن ابی وہب مخزومی:** یہ بھی آپ ﷺ کے خلاف ہجویہ شعر کہا کرتا تھا، ام ہانی ہند بنت ابی طالب کا شوہر تھا۔ فتح مکہ کے دن یہ نجران کی طرف بھاگ گیا اور کفر کی حالت میں وہیں مر گیا۔[1]

قریش کے آوارہ نوجوان

اسلامی لشکر کے مکہ میں داخلے کے موقع پر ایک واقعہ یہ بھی پیش آیا کہ قریش کے کچھ اوباش لڑکے جمع ہو گئے، ان کے ساتھ بنوبکر، بنو حارث، بنوعبد مناف اور ہذیل کے کچھ لوگ زیریں مکہ میں اکٹھے ہوئے۔ وہ گمان کرنے لگے کہ ہم مسلمانوں کے آگے آگے چلے چلتے ہیں، اگر وہ کامیاب ہو گئے تو ہم ان کے ساتھ مل جائیں گے اور مالِ غنیمت بٹوریں گے۔ اگر یہ ناکام رہے تو ہم چپکے سے کھسک جائیں گے۔

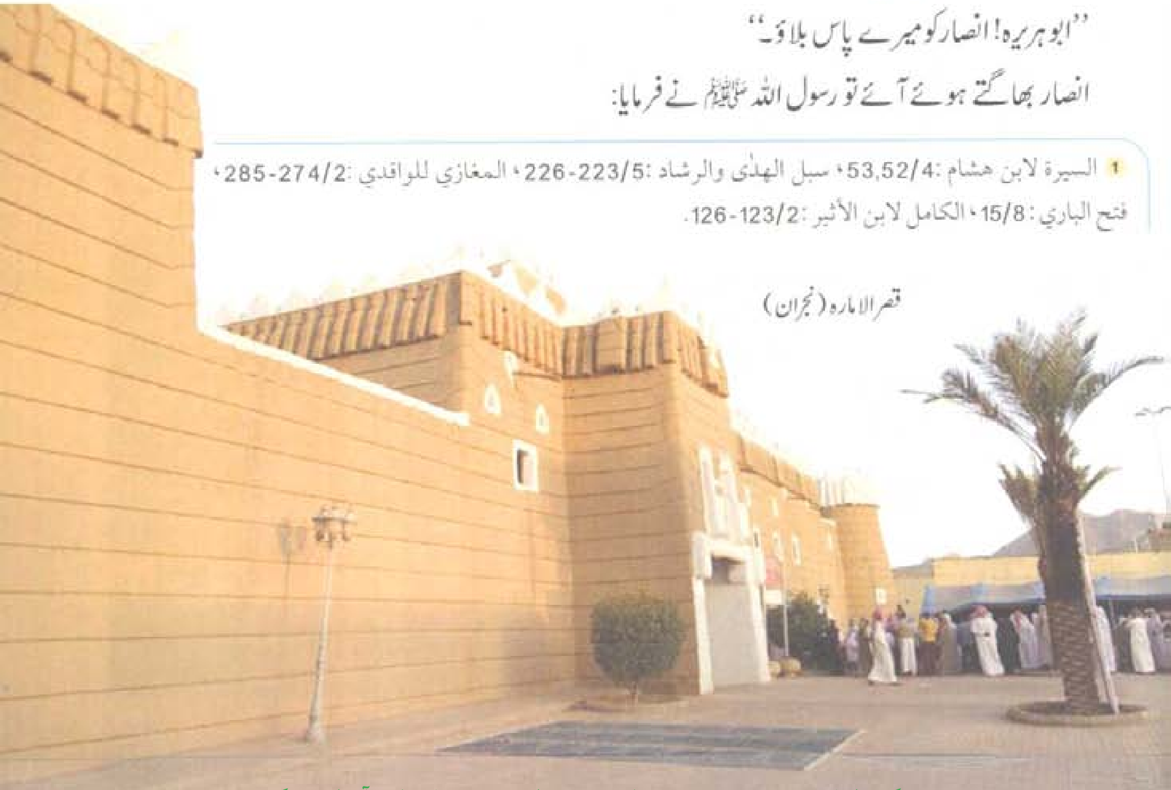
رسول اللہ ﷺ کو جب اس بات کا علم ہوا تو آپ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو آواز دی۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں حاضر ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«يَا أَبَا هُرَيْرَةَ! أُدْعُ لِيَ الْأَنْصَارَ»

''ابوہریرہ! انصار کو میرے پاس بلاؤ۔''

انصار بھاگتے ہوئے آئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[1] السيرة لابن هشام: 53,52/4، سبل الهدى والرشاد: 226-223/5، المغازي للواقدي: 285-274/2، فتح الباري: 15/8، الكامل لابن الأثير: 126-123/2.



قصر الامارہ (نجران)

«يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ! هَلْ تَرَوْنَ أَوْبَاشَ قُرَيْشٍ؟»

''اے خاندانِ انصار! کیا تم قریش کے اوباشوں کو دیکھ رہے ہو؟''

عرض کیا: ''جی ہاں!'' فرمایا:

«اُنْظُرُوا إِذَا لَقِيتُمُوهُمْ غَدًا أَنْ تَحْصُدُوهُمْ حَصْدًا»

''دیکھو! کل جب ان سے مڈبھیڑ ہو تو انھیں کاٹ کر رکھ دو۔''

پھر آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ فرماتے ہوئے اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا اور فرمایا:

«مَوْعِدُكُمُ الصَّفَا»

''تم مجھے صفا پہاڑی پر ملنا۔''

چنانچہ قریش کے آوارہ نوجوانوں کا منصوبہ دھرے کا دھرا رہ گیا اور وہ مزاحمت سے باز آ گئے۔ [1]

ابوقحافہ کا قبولِ اسلام

سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے موقع پر مقام ذی طویٰ میں ٹھہرے ہوئے تھے، اُس دن ابوقحافہ نے جو نابینا تھے، اپنی چھوٹی بیٹی سے کہا: اے بیٹی! مجھے جبل ابی قبیس پر لے چلو۔ جب ابوقحافہ جبل ابی قبیس پر پہنچے تو پوچھا: اے بیٹی! تم اس وقت کیا دیکھ رہی ہو؟ اس نے کہا: میں لوگوں کا ہجوم دیکھ رہی ہوں۔ ابوقحافہ نے کہا: یہ گھڑسوار ہیں۔ لڑکی نے کہا: ایک آدمی اس ہجوم کے آگے آگے دوڑ رہا ہے۔ ابوقحافہ کہنے لگے:

[1] صحيح مسلم، حديث: (84و86)-1780.


جبل ابی قبیس

بیٹی! یہ گھڑسواروں کا قائد ہے۔ تھوڑی دیر بعد لڑکی نے کہا: سارے گھڑسوار بکھر گئے ہیں۔ ابوقحافہ نے کہا: جب گھڑسوار آگے بڑھنے لگیں تو مجھے فوراً گھر لے چلنا۔ لڑکی انھیں لے کر گھر کی طرف چل دی۔ گھڑسواروں نے ابوقحافہ کو ان کے گھر پہنچنے سے پہلے ہی پالیا۔ لڑکی کے گلے میں چاندی کا ایک ہار تھا جسے ایک آدمی نے اتارلیا۔

رسول اللہ ﷺ مکہ میں داخل ہوئے تو مسجد حرام میں جلوہ افروز ہوئے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے والد کو لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے جب ابوقحافہ کو دیکھا تو فرمایا:

«هَلَّا تَرَكْتَ الشَّيْخَ فِي بَيْتِهِ حَتّٰى أَكُونَ أَنَا آتِيهِ فِيهِ؟»

''تم نے انھیں گھر ہی میں کیوں نہ رہنے دیا؟ میں خود ان کے پاس چلا جاتا۔''

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! میرے والد اسی بات کے مستحق تھے کہ وہ آپ ﷺ کی خدمت میں چل کر آتے، بجائے اس کے کہ آپ ان کے پاس تشریف لے جاتے۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں اپنے سامنے بٹھالیا۔ پھر آپ نے اپنا دست مبارک ان کے سینے پر پھیرا اور فرمایا: «أَسْلِمْ» ''مسلمان ہو جایئے۔'' تو ابوقحافہ فوراً مسلمان ہوگئے۔

سیدہ اسماء کہتی ہیں کہ جب میرے والد ابوبکر اپنے والد ابوقحافہ کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لے کر گئے تو ان کے سر کے بال بالکل سفید تھے، رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: «غَيِّرُوا هٰذَا مِنْ شَعْرِهِ» ''ان کے بالوں کا رنگ بدل دیجیے۔'' پھر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی بہن کا ہاتھ تھام کر کھڑے ہوگئے اور پوچھنے لگے: میں اللہ تعالیٰ اور اسلام کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ میری بہن کا ہار کس کے پاس ہے؟ کسی نے بھی کوئی جواب نہ دیا تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی بہن سے کہا: اے میری بہن! اپنے ہار کے بدلے ثواب کی امید رکھ کیونکہ آج امانتوں پر لوگوں کی توجہ نہیں، یعنی جیش کی کثرت اور لوگوں کے انتشار کی وجہ سے کسی پر ذمہ داری نہیں ڈالی جاسکتی۔ [1]

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ بیان ہوا ہے کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوقحافہ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور انھیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے کر آئے تو آپ ﷺ نے انھیں حکم دیا:

«غَيِّرُوهُ وَلَا تُقَرِّبُوهُ سَوَادًا»

''ان کے بالوں کا رنگ بدل دو مگر کالا رنگ نہ کرنا۔'' [2]

[1] مسند أحمد: 350,349/6، صحيح ابن حبان: 188,187/16. [2] دلائل النبوة للبيهقي: 96/5، المستدرك للحاكم: 244/3.

مکہ میں داخلے کے وقت انکسار

ابوسفیان مکہ میں داخل ہوگیا اور رسول اللہ ﷺ ذی طویٰ میں ٹھہر گئے، آپ ﷺ نے کچھ دیر انتظار کیا تا کہ آپ کے دیگر جاں نثار مجاہدین آپ کے ساتھ مل سکیں۔ آپ ﷺ اپنے سبز پوش دستے کے ساتھ جلوہ افروز تھے اور اپنی اونٹنی قصواء پر سوار تھے۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے سیاہ عمامہ پہن رکھا تھا۔[1] جب آپ ﷺ کے سارے جاں نثار اکٹھے ہوگئے تو آپ نے مکہ کی طرف جانے کا قصد فرمایا۔ آپ ﷺ کے اردگرد مہاجرین و انصار کے دستے چل رہے تھے۔ اس موقع پر جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فقید المثال فتح سے سرفراز فرمایا تھا، آپ ﷺ انتہائی عاجزی سے اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی بندگی کا اعلان و اظہار فرما رہے تھے۔ آپ ﷺ کا سر مبارک تواضع سے اس قدر جھکا ہوا تھا کہ آپ کی ڈاڑھی اونٹ کے کجاوے کو چھو رہی تھی۔[2] آپ ﷺ اس وقت سورۂ فتح کی آیات تلاوت کر رہے تھے۔[3] جب آپ ﷺ مکہ میں داخل ہوئے تو آپ مکہ کی فتح مندی، گناہوں کی بخشش اور نصرتِ ربانی کی زبردست نعمت کے احساس سے معمور تھے۔ آپ نے عدل و انصاف اور تواضع و انکسار کا ہر شعار اپنائے رکھا۔ آپ ﷺ نے اپنی سواری پر پسِ پُشت اپنے آزاد کردہ غلام سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے اسامہ کو بٹھا رکھا تھا۔[4] اس میں اسامہ رضی اللہ عنہ کی زبردست فضیلت ہے کہ یہ سعادت ان کے حصے میں آئی، حالانکہ اس وقت اور بھی بہت سی شخصیات موجود تھیں۔ یہ جمعۃ المبارک، 20 رمضان اور آٹھ ہجری کی صبح تھی،[5] آپ ﷺ اسی مکہ مکرمہ میں پرچم توحید بلند کرتے ہوئے داخل ہو رہے تھے جہاں سے کور بصر مشرکوں نے آپ کو نکلنے پر مجبور کر دیا تھا۔

ایک عظیم لشکر رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھا جو آہستہ آہستہ حرم مکی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ زرہ پوش لشکر چاند کے ''ہالے'' کی طرح آپ کے اردگرد تھا اور آپ ﷺ کے ایک اشارے کا منتظر تھا۔ یہ فتح مبین آپ ﷺ کو عمر رفتہ کی کہانی بھی یاد کرا رہی تھی۔ مشرکین مکہ کا ستایا ہوا حق کا ایک عظیم داعی قوت اور سچائی کے ساتھ واپس آ رہا تھا۔ جب اللہ کا یہ عظیم احسان یاد آیا تو رسول اللہ ﷺ کا سر مبارک فرطِ عقیدت سے اللہ کے حضور جھکتا ہی چلا گیا۔

بیت اللہ کا طواف اور بتوں کی شامت

رسول اللہ ﷺ بیت اللہ کی طرف بڑھے۔ مہاجرین و انصار پروانہ وار آپ ﷺ کے اردگرد اور آگے پیچھے چل رہے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تکبیر و تہلیل کے ساتھ مسرت و شادمانی کے کلمات بلند کر رہے تھے۔ آپ ﷺ حجر اسود کی

---

[1] صحيح مسلم: 1358. [2] السيرة لابن إسحاق: 526/2. [3] صحيح البخاري: 4281. [4] صحيح البخاري: 4289.
[5] السيرة النبوية للندوي، ص: 343.

طرف بڑھے اور اپنے عصا کی نوک سے اس کا استلام فرمایا۔ پھر آپ نے اپنی سواری پر بیٹھے بیٹھے بیت اللہ کے سات چکر لگائے۔ ہر چکر میں آپ نے حجر اسود کا اسی طرح استلام کیا۔[1] جب آپ طواف کرنے لگے تو دیکھا کہ بیت اللہ کے ساتھ تین سو ساٹھ بت لوہے کے کڑے کے ساتھ آویزاں ہیں۔ آپ ﷺ جب کسی بت کے پاس سے گزرتے تو اسے اپنے عصا کی ضرب کاری لگاتے جاتے اور یہ آیت پڑھتے جاتے تھے:

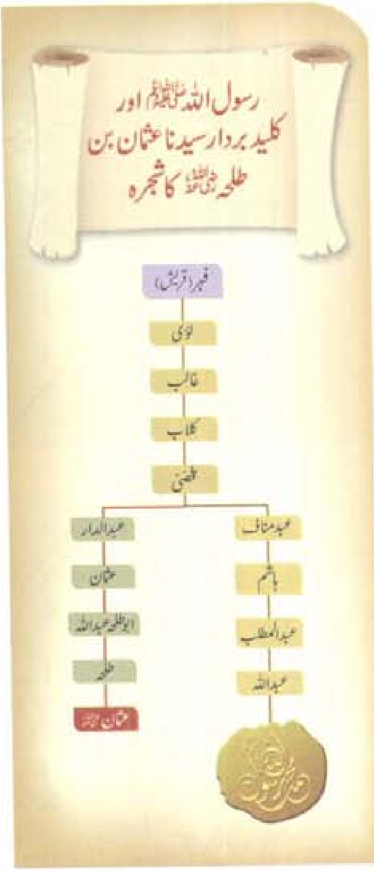
﴿جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبٰطِلُ ۚ اِنَّ الْبٰطِلَ كَانَ زَهُوْقًا﴾

''حق آ گیا اور باطل مٹ گیا، بے شک باطل تو مٹنے ہی والا ہے۔''[2]

﴿جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبٰطِلُ وَمَا يُعِيْدُ﴾

''حق آ گیا اور باطل نہ پہلی بار ابھرا اور نہ دوبارہ ابھرے گا۔''[3]

ابن ہشام نے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ اپنے دستِ مبارک میں موجود ٹہنی سے جس بت کے چہرے کی طرف اشارہ کرتے تھے، وہ گدی کے بل گر پڑتا تھا اور جس بت کی گدی کی طرف اشارہ کرتے تھے، وہ چہرے کے بل گر پڑتا تھا۔[4]



کعبہ کا بے بس کلید بردار

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے عثمان بن طلحہ کو بلایا۔ وہ کعبہ کی حفاظت و حجابت کا ذمہ دار تھا۔ آپ ﷺ نے اسے حکم دیا: «اِئْتِنِي بِالْمِفْتَاحِ» ''میرے پاس چابی لاؤ۔''

یہی عثمان بن طلحہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہجرت سے پہلے اس سے بیت اللہ کی چابی مانگی تھی تو حالت یہ تھی کہ اس نے آپ ﷺ کی شان میں بے ادبی کی اور کنجی دینے سے انکار کر دیا لیکن آپ ﷺ نے نہایت صبر سے کام لیا اور فرمایا:

«لَعَلَّكَ سَتَرٰى هٰذَا الْمِفْتَاحَ يَوْمًا بِيَدِي أَضَعُهُ حَيْثُ شِئْتُ»

1 السيرة لابن هشام: 54/4. 2 بني إسرائيل 81:17 3 سبا 49:34. 4 صحيح البخاري: 4287، صحيح مسلم: 1781، السيرة لابن هشام: 59/4.

''عنقریب ایک دن تو یہ چابی میرے ہاتھ میں دیکھے گا اور پھر میں جسے چاہوں گا، دے دوں گا۔''

اس وقت عثمان نے کہا تھا: اگر ایسا دن آیا تو وہ قریش کی ہلاکت اور ذلت کا دن ہوگا۔ آپ ﷺ نے اسے جواباً فرمایا تھا: «بَلْ عَمُرَتْ وَعَزَّتْ يَوْمَئِذٍ» ''بلکہ وہ قریش کی آبادکاری اور عزت و رفعت کا دن ہوگا۔''[1]

آج عثمان کو وہ دن اور وہی منظر یاد آ رہا تھا، آج وہ اپنے روبرو آپ ﷺ کے الفاظ کو روزِ روشن کی طرح حقیقت کی شکل میں ڈھلتا دیکھ رہا تھا۔ آج وہ بوجھل قدموں سے نہایت ندامت کے ساتھ اپنی ماں کے پاس چابی مانگنے گیا۔ ماں نے پہلے تو چابی دینے سے تعرض کیا، پھر اسے چابی دے دی۔ عثمان نے وہ چابی لا کر رسول اللہ ﷺ کے دستِ مبارک پر رکھ دی۔[2] آپ ﷺ نے بیت اللہ کا دروازہ کھولنے کا حکم دیا اور سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو تاکید فرمائی کہ وہ بیت اللہ میں داخل ہو کر ہر تصویر مٹا ڈالیں۔ جب تک تمام تصویروں کا نام و نشان نہیں مٹا، آپ ﷺ نے بیت اللہ کے اندر قدم نہیں رکھا۔[3] بیت اللہ میں کچھ ایسی تصاویر تھیں جن کے متعلق لوگ یہ سمجھتے تھے کہ یہ سیدنا ابراہیم اور سیدنا اسماعیل علیہما السلام کی تصویریں ہیں۔ ان کے ہاتھوں میں قسمت معلوم کرنے کے تیر تھے۔ آپ ﷺ نے ان تصویروں کو دیکھ کر فرمایا:



بیت اللہ کا دروازہ اور کلید

«قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ، لَقَدْ عَلِمُوا مَا اسْتَقْسَمَا بِهَا قَطُّ»

''اللہ انھیں (مشرکین کو) تباہ کرے، یقیناً یہ جانتے ہیں کہ ان دونوں پیغمبروں نے کبھی قسمت کے تیر استعمال نہیں کیے۔''[4]

پھر رسول اللہ ﷺ کعبہ میں داخل ہوئے تو آپ نے ایک مخصوص لکڑی عیدان کا بنا ہوا کبوتر دیکھا۔ آپ ﷺ نے اسے اپنے دستِ مبارک سے توڑ کر گرا دیا۔[5] پھر آپ ﷺ نے بعض تصویروں کے نشان دیکھے، ان میں سیدنا ابراہیم، اسماعیل اور سیدہ مریم علیہم السلام کی تصویروں کے نشانات بھی تھے۔[6] مسند طیالسی میں سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پانی کا ایک ڈول منگوایا، جب ڈول آ گیا تو آپ نے اس کے ذریعے ان تصویروں کو مٹایا۔ اس دوران آپ ﷺ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری تھے: «قَاتَلَ اللّٰهُ قَوْمًا يُصَوِّرُونَ مَا لَا يَخْلُقُونَ»

[1] المغازي للواقدي: 267/2. [2] صحيح مسلم: 1329. [3] سنن أبي داود: 4156. [4] صحيح البخاري: 4288.
[5] سنن ابن ماجه: 2947. [6] صحيح البخاري: 3351.

''اللہ ان لوگوں کو تباہ کرے جو ایسی چیزوں کی تصاویر بناتے ہیں جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے۔'' [1]

سطور بالا میں یہ بتایا جا چکا ہے کہ رسالت مآب ﷺ نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ تصاویر کو مٹا دیں جبکہ یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ تصویروں کو خود رسالت مآب ﷺ نے بہ نفسِ نفیس مٹا دیا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایسا لگتا ہے کہ پہلے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے تصاویر مٹائیں اور پھر تصویروں کے بچے کھچے نشانات رسول اللہ ﷺ نے ختم کیے۔ [2]

تصویر بنانے اور کھینچنے کا حکم

درج بالا احادیث سے واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ اسلام میں تصویر سازی، تصویروں اور مجسموں کا کیا حکم ہے؟ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ہم امام نووی رحمہ اللہ کا ایک اقتباس نقل کر دیں۔ وہ فرماتے ہیں:

''ہمارے اصحاب اور دیگر علماء نے فرمایا ہے کہ کسی جاندار کی تصویر بنانا حرام ہے۔ یہ کبائر میں سے ہے، اس لیے کہ اس پر احادیث میں شدید وعید آئی ہے۔ خواہ وہ کسی ایسی چیز کی بنائی گئی ہو جس کا احترام نہیں کیا جاتا یا کسی ایسی چیز کی جس کا احترام کیا جاتا ہے، ہر حال میں اسے بنانا حرام ہے، اس لیے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے مشابہت ہے۔ خواہ یہ تصویر کپڑے پر بنائی گئی ہو یا فرش پر، درہم و دینار پر بنائی گئی ہو یا سکے پر، برتن پر بنائی گئی ہو یا دیوار پر یا کسی اور چیز پر، ہر حال میں اس کا حکم یکساں ہے۔ رہا کسی درخت، کجاوے یا کسی اور غیر جاندار چیز کی تصویر بنانا تو یہ حرام نہیں ہے۔'' [3]

بیت اللہ میں نماز کا روح پرور اہتمام

رسول اللہ ﷺ نے بیت اللہ میں داخل ہونے کے بعد اندر سے دروازہ بند کر لیا۔ آپ ﷺ کے ساتھ اسامہ بن زید، بلال بن رباح، عثمان بن طلحہ اور فضل بن عباس تھے۔ آپ بڑی دیر تک بیت اللہ کے اندر تشریف فرما رہے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اسامہ بن زید، بلال اور عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ بیت اللہ میں داخل ہوئے۔ آپ نے دروازہ بند کر لیا اور کچھ دیر اندر ٹھہرے رہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جب آپ ﷺ باہر نکلے تو میں نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ نے کیا کیا ہے؟ انھوں نے بتایا: آپ ﷺ اس طرح کھڑے ہوئے کہ دو ستون آپ کی بائیں جانب، ایک دائیں جانب اور تین پیچھے تھے۔ ان دنوں

[1] مسند أبي داود الطيالسي: 17/2، حديث: 657. [2] فتح الباري: 22/8. [3] شرح مسلم للنووي: 115,114/14.

کعبے کے چھ ستون تھے، پھر آپ نے نماز پڑھی۔ [1]

رسول اللہ ﷺ کا خطبہ اور اہل مکہ کے لیے عام معافی

پھر رسول اللہ ﷺ بیت اللہ کے دروازے پر کھڑے ہوگئے۔ اس موقع پر لوگ آپ کے اردگرد اکٹھے ہوگئے اور اس امر کا انتظار کرنے لگے کہ اب آپ ﷺ کیا فرمان جاری کریں گے۔ اس وقت بڑا ہجوم تھا، مسجد حرام کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ اس ہجوم میں مسلمانوں کے علاوہ مشرکین مکہ اور دیگر دشمنان اسلام بھی شامل تھے۔ یہ سب اپنے بارے میں محمد رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ سننے کے بے تابی سے منتظر تھے۔ اُدھر رسول اللہ ﷺ کعبے کی چوکھٹ پر بڑے وقار سے کھڑے اپنے دشمنوں کے چہروں کا اضطراب دیکھ رہے تھے۔ اچانک آپ ﷺ کے لب مبارک جُنبش میں آئے اور آپ ﷺ نے اپنے پاکیزہ لہجے میں بڑے وقار کے ساتھ فرمایا:

«اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ، صَدَقَ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ، أَلَا إِنَّ كُلَّ مَأْثُرَةٍ كَانَتْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ تُذْكَرُ وَتُدْعٰى مِنْ دَمٍ أَوْ مَالٍ تَحْتَ قَدَمَيَّ إِلَّا مَا كَانَ مِنْ سِقَايَةِ الْحَاجِّ وَسِدَانَةِ الْبَيْتِ، أَلَا إِنَّ دِيَةَ الْخَطَإِ شِبْهِ الْعَمْدِ مَا كَانَ بِالسَّوْطِ وَالْعَصَا مِائَةٌ مِّنَ الْإِبِلِ، مِنْهَا أَرْبَعُونَ فِي بُطُونِهَا أَوْلَادُهَا»

"اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ اکیلے کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد کی اور اکیلے ہی تمام گروہوں کو شکست دی۔ آگاہ رہو! جاہلیت میں ذکر کیے جانے والے تمام مفاخر یا خون اور مال کے مطالبات میرے قدموں تلے روند دیے گئے ہیں (ان کی کوئی حیثیت نہیں اور نہ ان کا کوئی مطالبہ ہوگا)، سوائے حاجیوں کو پانی پلانے اور بیت اللہ کی خدمت کے شرف کے (وہ باقی رہے گا)۔ خبردار! قتل خطا جو عمد کے مشابہ ہو، جو کوڑے اور لاٹھی سے ہو، اس کی دیت سو اونٹ ہے، ان میں چالیس اونٹنیاں ایسی ہوں جن کے پیٹوں میں بچے ہوں۔" [2]

بعض روایتوں میں ہے کہ آپ ﷺ نے اس موقع پر یہ بھی فرمایا:

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ اللّٰهَ قَدْ أَذْهَبَ عَنْكُمْ عُبِّيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَ تَعَاظُمَهَا بِآبَائِهَا، فَالنَّاسُ رَجُلَانِ: رَجُلٌ بَرٌّ تَقِيٌّ كَرِيمٌ عَلَى اللّٰهِ، وَفَاجِرٌ شَقِيٌّ هَيِّنٌ عَلَى اللّٰهِ، وَالنَّاسُ بَنُو آدَمَ، وَخَلَقَ اللّٰهُ آدَمَ

[1] صحيح البخاري: 505، صحيح مسلم: 1329. [2] سنن أبي داود: 4547.

مِنْ تُرَابٍ، قَالَ اللّٰهُ: ﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۚ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ○ ﴾ »

''اے لوگو! بے شک اللہ نے تم سے جاہلیت کی نخوت اور باپ دادا پر فخر و غرور کو دور کر دیا ہے۔ لوگ دو طرح کے ہیں: ایک نیکو کار، پرہیز گار اور اللہ کے ہاں معزز اور دوسرا گناہ گار، بد بخت اور اللہ کے نزدیک بے قدر۔ لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم کو اللہ نے مٹی سے پیدا کیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: اے لوگو! بے شک ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمھاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو۔ بے شک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیز گار ہے۔ بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا، پوری طرح باخبر ہے۔''

پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَقُولُ هٰذَا وَ أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِي وَلَكُمْ»

''بس میں تم سے یہ بات کہتا ہوں اور اللہ سے اپنے اور تمھارے لیے بخشش طلب کرتا ہوں۔'' [1]

اہلِ مکہ نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم پر لرزہ خیز مظالم ڈھائے تھے، دعوتِ توحید کی راہ میں طرح طرح کی رکاوٹیں کھڑی کی تھیں، اب تاریخ کا ورق الٹ گیا تھا۔ کل کے مظلوم آج لشکرِ مجاہدین کی شکل میں اپنی فتح مند پیشانیوں کے ساتھ مستعد کھڑے تھے۔ یہ لشکر ظالموں کو نیست و نابود کرنے کی مکمل طاقت رکھتا تھا، اس کے باوجود نبیِ رحمت ﷺ نے عام معافی کا اعلان کر دیا۔ آپ ﷺ نے اپنے خوفزدہ دشمنوں سے دریافت فرمایا:

«يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ! مَاتَرَوْنَ أَنِّي فَاعِلٌ فِيكُمْ؟»

''اے قریش کی جماعت! تمھارا کیا خیال ہے، میں تمھارے ساتھ کیسا سلوک کرنے والا ہوں؟''

انھوں نے جواباً عرض کیا: ''ہم آپ سے اچھے سلوک کی امید رکھتے ہیں۔ آپ بہت قابلِ قدر بھائی اور بہت قابلِ قدر بھائی کے صاحبزادے ہیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا:

«اِذْهَبُوا فَأَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ»

''جاؤ، تم سب آزاد ہو۔'' [2]

ایک روایت میں ہے کہ ان لوگوں نے تین بار کہا: آپ بردبار اور مہربان چچا اور بھائی کے بیٹے ہیں۔ یہ سن کر

[1] جامع الترمذي: 3270، صحیح ابن حبان: 137/9. [2] السيرة لابن هشام: 55/4.

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَقُولُ كَمَا قَالَ يُوسُفُ : ﴿لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۖ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ ۖ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ﴾»

''میں بھی یوسف (علیہ السلام) کی طرح کہتا ہوں: آج تم پر کوئی الزام نہیں، اللہ تمھاری مغفرت کرے اور وہ ارحم الراحمین ہے۔''[1]

اس عام معافی کے اعلان کا فائدہ یہ ہوا کہ لوگوں کی جانیں قتل یا قید ہونے سے محفوظ ہو گئیں۔ تمام منقولہ اور غیر منقولہ اموال مالکوں ہی کے پاس رہے۔ ان پر خراج بھی عائد نہیں کیا گیا۔ اس طرح ان کے ساتھ نہایت کریمانہ شفقت کا برتاؤ کیا گیا۔ اُن سے دیگر مفتوحہ علاقوں کے مغلوب لوگوں جیسا سلوک نہیں کیا گیا۔ یہ سب مکہ مکرمہ کی حرمت اور پاکیزگی کے لیے کیا گیا۔ یہ پارسا لوگوں کا مسکن اور پروردگار کا حرم ہے۔ اس لیے جمہور ائمۂ سلف و خلف کا خیال ہے کہ مکہ مکرمہ کی اراضی فروخت کرنا یا کرایہ و اجرت پر دینا صحیح نہیں ہے۔ یہاں جو پہلے آئے، اُسی کی جگہ ہو گی۔ اہلِ مکہ ضرورت کے مطابق گھروں میں رہ سکتے ہیں اور جو گھر ان کی ضرورت سے زائد ہو گا، وہ حاجیوں، عمرہ کرنے والوں اور عبادت کی غرض سے یہاں آنے والوں کی اقامت گاہ بنے گا۔ جبکہ بعض علماء کا خیال ہے کہ مکہ مکرمہ کی زمین فروخت کی جا سکتی ہے اور اس کے گھر کرایے پر بھی دیے جا سکتے ہیں اور دلائل کے اعتبار سے یہی رائے قوی ہے۔ اس سے مختلف رائے والوں کے تمام دلائل یا تو مرسل روایات پر مشتمل ہیں یا موقوف روایات پر۔[2]

نیکی اور ایفائے عہد کا دن

خطبے سے فارغ ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما ہوئے۔ کعبہ کی کنجی آپ کے ہاتھ میں تھی۔ اس وقت سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے آپ سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہ کنجی ہمیں عطا فرما دیں تاکہ سقایت و حجابت اکٹھے ہو جائیں، یعنی لوگوں کو زم زم کا پانی پلانے کے ساتھ ساتھ بیت اللہ کی دربانی کا شرف بھی ہمیں حاصل ہو جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «أَيْنَ عُثْمَانُ بْنُ طَلْحَةَ؟» ''عثمان بن طلحہ کہاں ہے؟'' عثمان رضی اللہ عنہ کو بلایا گیا تو آپ نے فرمایا: «هَاكَ مِفْتَاحَكَ يَا عُثْمَانُ! اَلْيَوْمُ يَوْمُ بِرٍّ وَّ وَفَاءٍ» ''یہ لو اپنی چابی اے عثمان! آج نیکی اور ایفائے عہد کا دن ہے۔''[3]

ابن سعد کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«خُذُوهَا يَا بَنِي أَبِي طَلْحَةَ تَالِدَةً خَالِدَةً، لَا يَنْزِعُهَا مِنْكُمْ أَحَدٌ إِلَّا ظَالِمٌ»

[1] السنن الكبرٰى للبيهقي: 118/9. [2] المجتمع المدني للعمري، ص: 180. [3] السيرة لابن هشام: 55/4.

’’اے ابوطلحہ کی اولاد! یہ چابی ہمیشہ کے لیے لے لو، اسے صرف کوئی ظالم ہی تم سے چھینے گا۔‘‘

اسی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا﴾

’’بے شک اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے حق داروں کو ادا کردو، اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو، بے شک اللہ تمھیں بہت ہی اچھی بات کی نصیحت کرتا ہے، بے شک اللہ خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے۔‘‘ [1]

اس دن سے آج تک بیت اللہ کی چابی بنو شیبہ ہی کے پاس چلی آ رہی ہے اور اللہ کے حکم سے قیامت تک اُنھی کی تحویل میں رہے گی۔

ابوسفیان کا راز افشا ہوگیا

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ابوسفیان نے جب دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ چل رہے ہیں اور لوگ آپ کے پیچھے پیچھے بغیر روک ٹوک کے چل رہے ہیں تو ابوسفیان نے اپنے جی میں ارادہ کیا کہ کاش میں رسول اللہ ﷺ سے مقابلے کے لیے ایک لشکر تیار کرسکتا! ابھی وہ یہ ناپاک ارادہ کر ہی رہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ اسی وقت ابوسفیان کے پاس تشریف لائے۔ آپ نے اس کے دونوں کندھوں کے درمیان ضرب لگائی اور فرمایا:

«إِذًا يُخْزِيكَ اللّٰهُ»

’’تب تو اللہ تمھیں ذلیل کردے گا۔‘‘

ابوسفیان ڈر گیا۔ فوراً بولا: میں اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں اور اس سے اس بات کی بخشش طلب کرتا ہوں جو میری زبان سے پھسل گئی ہے۔ پھر ابوسفیان کہنے لگا: مجھے اب پوری طرح یقین ہوا ہے کہ آپ نبی ہیں۔ میں نے تو اپنے جی میں یہ بات کہی تھی۔ [2]

اسلام میں معیارِ فضیلت رنگ ونسب اور مال نہیں

ظہر کی نماز کا وقت آیا تو رسول اللہ ﷺ نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ کعبہ کے اوپر چڑھ کر اذان دو۔ قریشِ مکہ، دین اسلام کی سرفرازی اور فتح مکہ کا یہ عجیب وغریب اور عظیم الشان منظر دیکھ کر تڑپ اُٹھے۔ اس وقت ابوسفیان بن حرب،

[1] النسآء4:58، تفسیر ابن کثیر، النسآء4:58. [2] البدایة والنهایة 4/303,302.

عتاب بن اسید اور حارث بن ہشام بیت اللہ کے صحن میں بیٹھے ہوئے تھے۔ عتاب کہنے لگا: اللہ نے ہمارے باپ کی بڑی عزت افزائی کی ہے کہ اُسے یہ آواز سننے سے پہلے ہی اٹھا لیا۔ حارث کہنے لگا: اللہ کی قسم! اگر مجھے یقین ہوتا کہ محمد (ﷺ) حق پر ہیں تو میں ضرور ان کی پیروی اختیار کر لیتا۔ ابوسفیان کہنے لگا: میں تم سے کوئی بات نہیں کہتا۔ اگر میں نے اپنی زبان سے کوئی لفظ نکالا تو یہ کنکریاں محمد (ﷺ) کو میری وہ بات بتا دیں گی۔ رسول اللہ ﷺ کو ان باتوں کی وحی کے ذریعے خبر ہوگئی۔ آپ ﷺ جب ان کے پاس سے گزرے تو انھیں مخاطب کر کے فرمایا: «قَدْ عَلِمْتُ الَّذِي قُلْتُمْ» ''جو کچھ تم نے کہا ہے، مجھے اس کی خبر ہوگئی ہے۔'' پھر آپ نے ان لوگوں کو ان کی گفتگو سُنا دی۔ حارث اور عتاب کہنے لگے: ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں کیونکہ ہم میں سے کسی نے آپ کو یہ اطلاع نہیں دی۔ یقیناً آپ کو یہ خبر وحی کے ذریعے دی گئی ہے۔[1]

عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ مسلمان ہوگئے تو نبی ﷺ نے انھیں مکہ کا والی مقرر فرمایا۔ ان کی عمر اس وقت اکیس سال تھی۔ وہ نبی ﷺ کی وفات کے بعد بھی مکہ کے گورنر رہے۔ پھر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی انھیں اسی عہدے پر مامور رکھا۔ جس روز سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے وفات پائی، اسی روز سیدنا عتاب رضی اللہ عنہ بھی وفات پا گئے۔[2]

فتح مکہ کے دن ایک وضو سے تمام نمازوں کی ادائیگی

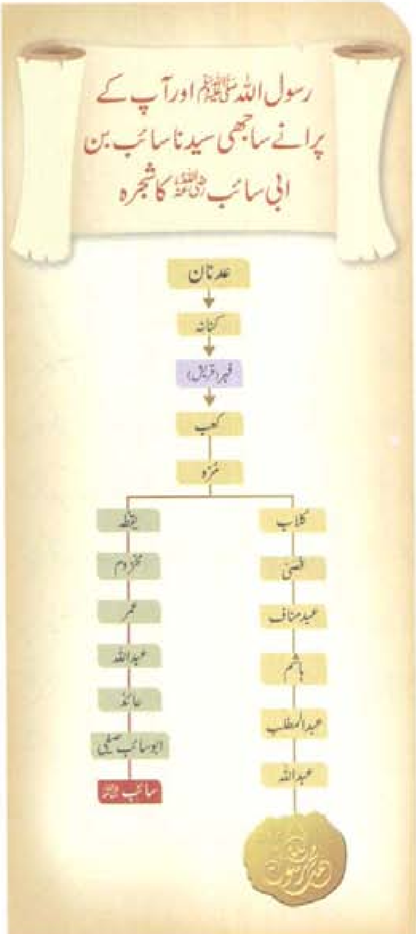
فتح مکہ کے روز رسول اللہ ﷺ نے تمام نمازیں ایک ہی وضو سے ادا کیں۔ سیدنا بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر نماز کے لیے علیحدہ وضو فرماتے تھے لیکن جب فتح مکہ کا دن آیا تو آپ نے وضو کیا اور اپنے موزوں پر مسح کیا اور تمام نمازیں ایک ہی وضو کے ساتھ پڑھیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ سے عرض کرنے لگے: اے اللہ کے رسول! آج آپ نے وہ کام کیا ہے جو آپ نے پہلے کبھی نہیں کیا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنِّي عَمْدًا فَعَلْتُ يَا عُمَرُ!»

''اے عمر! میں نے یہ کام جان بوجھ کر کیا ہے۔''[3]

امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ وضاحت ہو رہی ہے کہ نبی ﷺ ہر نماز کے لیے وضو کرنے کا جو اہتمام فرماتے تھے، وہ افضلیت کی وجہ سے تھا اور فتح مکہ کے دن آپ کا ایک وضو سے سب نمازیں ادا کرنا ایک وضو کے ساتھ زیادہ نمازیں پڑھنے کا جواز واضح کرنے کے لیے تھا، اسی لیے آپ ﷺ نے فرمایا: «عَمْدًا صَنَعْتُهُ يَا عُمَرُ!»

[1] السيرة لابن هشام: 56/4، دلائل النبوة للبيهقي: 79,78/5. [2] أسد الغابة: 194/3. [3] صحيح مسلم: 277، مسند أحمد: 358/5.



''اے عمر! میں نے یہ عمل جان بوجھ کر کیا ہے۔''[1]

سائب بن ابی السائب کا قبول اسلام

رسول اللہ ﷺ کے پاس فتح مکہ کے روز آپ ﷺ کا ایک پرانا ساجھی آیا۔ اُس کا نام سائب بن ابی السائب تھا۔ وہ ایام جاہلیت میں آپ کا کاروباری شریک تھا۔ جب وہ آپ ﷺ کی خدمت میں آیا تو آپ نے اسے مرحبا کہا۔ اس موقع پر سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سائب بن ابی السائب کا تعارف کرانے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے اُن سے فرمایا: «لَا تُعَلِّمُونِي بِهِ، قَدْ كَانَ صَاحِبِي فِي الْجَاهِلِيَّةِ» ''تم مجھے اس کا تعارف نہ کراؤ، یہ جاہلیت کے زمانے میں میرا ساتھی تھا۔'' سائب کہنے لگا: جی ہاں اے اللہ کے رسول! آپ کتنے ہی اچھے اور کس قدر کریم ساتھی تھے۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے سائب کو یہ نصیحت فرمائی:

«يَا سَائِبُ! اُنْظُرْ أَخْلَاقَكَ الَّتِي كُنْتَ تَصْنَعُهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَاجْعَلْهَا فِي الْإِسْلَامِ، أَقْرِ الضَّيْفَ وَأَكْرِمِ الْيَتِيمَ وَأَحْسِنْ إِلٰى جَارِكَ»

''اے سائب! جاہلیت میں تم جس کریمانہ اخلاق کا مظاہرہ کرتے تھے، اسلام میں بھی اُسی کا مظاہرہ کرو۔ مہمان کی عزت افزائی، یتیم کی بھلائی اور ہمسائے کے ساتھ بہترین سلوک کرو۔''[2]

فضالہ بن عمیر کا قبولِ اسلام

جب رسول اللہ ﷺ بیت اللہ کا طواف فرما رہے تھے، فضالہ بن عمیر بن ملوح کے دل میں یہ ناپاک ارادہ پیدا ہوا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو (نعوذ باللہ) شہید کر دے۔ جب وہ آپ ﷺ کے قریب آیا تو آپ نے اسے بلند آہنگی سے پکارا اور پوچھا: «أَفَضَالَةُ؟» ''کیا تم فضالہ ہو؟'' وہ اس اچانک سوال پر بوکھلا گیا اور بولا: جی ہاں اے اللہ کے

[1] شرح مسلم للنووي: 228/3. [2] مسند أحمد: 425/3.

رسول! میں فضالہ ہی ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا:

«مَاذَا كُنْتَ تُحَدِّثُ بِهِ نَفْسَكَ؟»

''تم اپنے دل میں کیا بات سوچ رہے تھے؟''

وہ کہنے لگا: نہیں نہیں، میں تو کچھ بھی نہیں سوچ رہا تھا، میں تو اللہ کا ذکر کر رہا تھا۔ اس جواب پر آپ ﷺ ہنس پڑے۔ پھر اسے نصیحت فرمائی: «اِسْتَغْفِرِ اللّٰهَ» ''اللہ سے استغفار کرو۔'' پھر آپ نے اپنا مبارک ہاتھ اس کے سینے پر رکھ دیا۔ اس کا سینہ فوراً پرسکون ہوگیا۔ پھر فضالہ کہا کرتے تھے: اللہ کی قسم! ابھی آپ ﷺ نے میرے سینے سے اپنا دستِ مبارک بھی نہیں اٹھایا تھا کہ اسی دوران مجھے اللہ کی ساری مخلوق سے زیادہ رسول اللہ ﷺ سے محبت ہوگئی۔ فضالہ کہتے ہیں کہ میں اپنے گھر والوں کی طرف واپس آیا تو میں ایک عورت کے پاس سے گزرا جس سے میں باتیں کیا کرتا تھا، اس نے کہا: آؤ باتیں کریں تو میں نے اُسے کوئی جواب نہیں دیا اور یہ شعر پڑھ کر آگے چلا گیا:

قَالَتْ هَلُمَّ إِلَى الْحَدِيثِ فَقُلْتُ لَا ۔۔۔ يَأْبَى عَلَيْكِ اللّٰهُ وَالْإِسْلَامُ

''اس نے مجھ سے کہا: آؤ باتیں کریں تو میں نے کہا: ایسی باتوں سے اللہ تعالیٰ اور اسلام منع کرتا ہے۔''

أَوَ مَا رَأَيْتِ مُحَمَّدًا وَّ قَبِيلَهُ ۔۔۔ بِالْفَتْحِ يَوْمَ تُكَسَّرُ الْأَصْنَامُ

''کیا تو نے محمد اور ان کے قبیلے کو فتح مکہ کے دن نہیں دیکھا، جب بتوں کو توڑا گیا۔''

لَرَأَيْتِ دِينَ اللّٰهِ أَضْحَى بَيِّنًا ۔۔۔ وَالشِّرْكُ يَغْشَى وَجْهَهُ الْإِظْلَامُ

''تو دیکھتی کہ اللہ تعالیٰ کا دین واضح ہوگیا ہے اور شرک کے چہرے پر تاریکی چھا گئی ہے۔''[1]

سہیل بن عمرو کا قبول اسلام

سہیل بن عمرو ان لوگوں میں شامل تھا جنھوں نے بنوخزاعہ کے خلاف لشکر کشی کی لیکن اس کا بیٹا عبداللہ مسلمان ہو چکا تھا۔ جب مسلمان مکہ میں داخل ہوگئے تو سہیل بن عمرو چھپ گیا۔ اس کے بیٹے عبداللہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر سہیل کے لیے امان طلب کی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی درخواست قبول کر لی اور فرمایا: «نَعَمْ، هُوَ آمِنٌ بِأَمَانِ اللّٰهِ فَلْيَظْهَرْ» ''ٹھیک ہے، اللہ کی امان سے وہ امن میں ہے۔ اسے کہہ دو کہ چھپنے کی کوئی ضرورت نہیں، سامنے آجاؤ۔'' بعدازاں رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کو حکم دیا:

[1] البداية والنهاية :4/306.

«مَنْ لَقِيَ سُهَيْلَ بْنَ عَمْرٍو فَلَا يَشُدَّ إِلَيْهِ، فَلَعَمْرِي! إِنَّ سُهَيْلًا لَهُ عَقْلٌ وَشَرَفٌ، وَمَا مِثْلُ سُهَيْلٍ جَهِلَ الْإِسْلَامَ»

''تم میں سے جس کی بھی سہیل سے ملاقات ہو، وہ اسے چبھتی ہوئی نظر سے نہ دیکھے۔ مجھے اپنی زندگی کی قسم! سہیل بڑا دانشمند اور شریف النفس انسان ہے۔ اس جیسا آدمی زیادہ دیر تک اسلام سے دور نہیں رہ سکتا۔''

عبداللہ اپنے والد سہیل کے پاس گئے اور اسے رسول اللہ ﷺ کا فرمان سنایا تو وہ جھوم اُٹھا اور بے اختیار کہنے لگا: كَانَ وَاللّٰهِ! بَرًّا صَغِيرًا وَّكَبِيرًا. ''اللہ کی قسم! جب محمد چھوٹے تھے تب بھی احسان فرمایا کرتے تھے اور اب جبکہ وہ بڑے ہیں، اب بھی آپ احسان وکرم کرنے والے ہیں۔'' سہیل بن عمرو نے فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول نہ کیا، یہاں تک کہ وہ حنین میں بھی شریک ہوا لیکن اس نے اسلام کا اعلان نہ کیا۔ بعدازاں جب آپ ﷺ حنین سے واپس آتے ہوئے جعرانہ تشریف لائے تو اس وقت اس نے اسلام قبول کیا۔ آپ ﷺ نے اسے حنین کی غنیمتوں میں سے سو اونٹ عطا فرمائے۔[1] سہیل بن عمرو نے جب اسلام قبول کر لیا تو پھر وہ پوری جانفشانی سے دینی تعلیمات پر عمل پیرا ہوئے۔ یہاں تک کہ جب نبی مکرم ﷺ کی وفات کی خبر مکہ میں موصول ہوئی اور بعض لوگوں کے قدم ڈگمگانے لگے تو سہیل بن عمرو ثابت قدم رہے اور انھوں نے ایسا ایمان افروز خطبہ دیا جس سے متاثر ہو کر اہل مکہ اسلام پر ثابت قدمی سے جم گئے۔ سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ معرکہ یرموک میں شریک ہوئے، وہ انتہائی بہادری سے لڑتے رہے اور پھر شہادت سے سرفراز ہوئے۔[2]

[1] المستدرك للحاكم :3/281. [2] أسد الغابة :2/396-398.

میدان یرموک جہاں اسلامی لشکر مقیم ہوا



ابولہب کے دو بیٹوں کا قبول اسلام

فتح مکہ کے روز ابولہب کے دونوں بیٹے عتبہ اور معتب بھی رسول اللہ ﷺ سے چھپتے پھر رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''آپ کے بھائی کے دونوں بیٹے کہاں ہیں؟'' وہ کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! دوسرے لوگوں کی طرح وہ بھی آپ سے چھپتے پھر رہے ہیں۔ اُن میں آپ کے سامنے آنے کی جسارت نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جائیے اور ان دونوں کو میرے پاس لائیے۔'' سیدنا عباس رضی اللہ عنہ اونٹ پر سوار ہو کر ان کے پاس گئے اور انھیں لے کر آپ ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تو ان دونوں نے اسلام قبول کر لیا۔ ان کے اسلام قبول کرنے سے رسول اللہ ﷺ نے بڑی مسرت محسوس کی۔ پھر آپ ﷺ کھڑے ہو گئے، ان دونوں کا ہاتھ تھاما اور ملتزم کی طرف بڑھ گئے، پھر وہاں پر دعا کرتے رہے۔ جب آپ دعا سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ کا چہرۂ انور خوشی سے چمک رہا تھا۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ ہمیشہ شاداں و فرحاں رہیں، آج آپ نہایت مسرور نظر آرہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنِّي اسْتَوْهَبْتُ ابْنَيْ عَمِّي هٰذَيْنِ مِنْ رَبِّي فَوَهَبَهُمَا لِي»

''میں نے اپنے رب سے اپنے چچا کے ان دونوں بیٹوں کو مانگا اور اللہ نے مجھے یہ دونوں عطا فرما دیے۔''[1]

صفوان بن امیہ کا قبولِ اسلام

صفوان بن امیہ قریش کے بڑے رؤساء میں سے تھا۔ مکہ میں اس کا گھرانہ بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ صفوان جود و سخا میں معروف تھا۔ اس کا باپ امیہ بن خلف جنگ بدر میں جہنم رسید ہو چکا تھا۔ فتح مکہ کے روز صفوان خوف کے مارے جدہ بھاگ گیا۔ سیدنا عمیر بن وہب اس کے چچازاد تھے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر صفوان کے لیے امان کی درخواست کی۔ صفوان اس موقع پر مسلمان نہ ہوا۔ پھر وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حنین میں شریک ہوا اور آپ نے اس سے کچھ زرہیں مستعار لیں۔ آپ ﷺ نے صفوان کو پیغام بھیجا کہ اپنا اسلحہ اُدھار دے دو۔ اس نے ایک سو زرہیں ساز و سامان سمیت دیتے ہوئے پوچھا: ''یہ معاملہ زبردستی ہے یا بخوشی؟'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «عَارِيَةٌ مُؤَدَّاةٌ» ''یہ ادھار ہیں جو واپس کر دی جائیں گی۔''[2] حنین پہنچنے کے بعد صفوان کی زبان سے بے ساختہ یہ الفاظ نکلے: لَأَنْ يَرُبَّنِي رَجُلٌ مِّنْ قُرَيْشٍ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ يَرُبَّنِي رَجُلٌ مِّنْ هَوَازِنَ. ''قریش

[1] الطبقات لابن سعد : 60/4، سبل الهدٰی والرشاد : 250/5. [2] سنن أبي داود : 3562، السنن الكبرٰى للبيهقي : 89،88/6.

کا کوئی شخص میری سربراہی کرے، یہ اس سے بہتر ہے کہ ہوازن کا کوئی شخص میری سرداری کرے۔'' [1]

صفوان حنین اور طائف میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہا، پھر آپ ﷺ جعرانہ واپس پہنچے۔ یہاں آپ ﷺ مال غنیمت کا جائزہ لے رہے تھے، صفوان بھی ساتھ تھا۔ اس نے دیکھا کہ ساری وادی بکریوں، اونٹنیوں اور غلاموں سے پُر ہے۔ یہ انھیں دیر تک دیکھتا رہا، رسول اللہ ﷺ بھی اس پر نگاہ رکھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: «أَبَا وَهْبٍ! يُعْجِبُكَ هٰذَا الشِّعْبُ؟» ''اے ابو وہب! کیا تمھیں یہ وادی اچھی لگ رہی ہے؟'' اس نے کہا: ''جی ہاں۔'' ارشاد فرمایا: «هُوَلَكَ وَمَا فِيهِ» ''یہ وادی سارے ساز و سامان سمیت تیری ہوئی۔'' صفوان ہکا بکا ہوگیا اور بولا: ''اس طرح کی سخاوت کا ایک نبی ہی بخوشی حکم دے سکتا ہے۔'' پھر وہ پکار اٹھا: أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ. یوں وہ مسلمان ہوگئے۔ [2]

عکرمہ بن ابوجہل رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

اسلام دشمنی میں ابوجہل کا بیٹا عکرمہ بھی کسی سے پیچھے نہیں تھا۔ فتح مکہ کے اس موقع پر دوسرے نامور مشرکوں کی طرح اسے بھی اپنی جان کے لالے پڑے ہوئے تھے۔ وہ جانتا تھا کہ اگر میں مسلمانوں کے ہاتھ آ گیا تو میری خیر نہیں۔ اس نے اسی میں عافیت سمجھی کہ وہ مکہ کو خیر باد کہہ دے اور کسی طرح یہاں سے فرار ہو جائے لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ عکرمہ جس چیز سے بھاگ رہا تھا، اب ہمیشہ کے لیے اسی کا گرویدہ ہوگیا۔

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ عکرمہ بن ابوجہل کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے موقع پر عکرمہ بھاگ کر سمندر میں کشتی پر سوار ہوگیا۔ اچانک بہت تیز ہوا چل پڑی، کشتی طوفان میں پھنس گئی۔ کشتی والے کہنے لگے: اب خالص اللہ تعالیٰ کو پکارو کیونکہ تمھارے معبود یہاں تمھارے کسی کام نہیں آئیں گے۔ یہ سن کر عکرمہ نے کہا: اللہ کی قسم! اگر سمندر میں خالص اللہ کو پکارنے کے سوا نجات نہیں تو خشکی میں بھی خالص اللہ کو پکارے بغیر نجات نہیں مل سکتی۔ اے اللہ! میں تجھ سے عہد کرتا ہوں کہ اگر تو مجھے اس مصیبت سے جس میں میں پھنس چکا ہوں، بچالے تو میں ضرور محمد ﷺ کے پاس جا کر ان کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دوں گا۔ مجھے یقین ہے کہ میں انھیں بہت معاف کرنے والا اور احسان کرنے والا پاؤں گا۔ آخر مصیبت ٹل گئی اور عکرمہ حاضرِ خدمتِ اقدس ہوکر مسلمان ہوگیا۔ [3]

ایک اور روایت میں سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ عکرمہ بن ابوجہل کی بیوی ام حکیم رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! عکرمہ آپ سے ڈر کر یمن بھاگ گیا ہے۔ اسے ڈر ہے کہ آپ اسے قتل کر دیں گے، لہٰذا

1 دلائل النبوة للبيهقي :5/128. 2 المغازي للواقدي :2/278,279. 3 سنن النسائي :4072.

اسے امان عنایت فرمائیے۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «هُوَ آمِنٌ» ''اسے امان ہے۔'' یہ سن کر ام حکیم رضی اللہ عنہا اپنا ایک رومی غلام ساتھ لے کر عکرمہ کی تلاش میں نکل پڑیں۔ اثنائے راہ میں اس غلام نے انھیں بہکانا چاہا۔ یہ اسے حیلے بہانے سے عک کے ایک قبیلے تک لے گئیں اور اہلِ قبیلہ سے اس بدنیت غلام کے خلاف مدد کی طالب ہوئیں۔ یہ ماجرا دیکھ کر ان لوگوں نے اس غلام کو پکڑ لیا اور اچھی طرح باندھ دیا۔ پھر ام حکیم رضی اللہ عنہا عکرمہ کی تلاش میں نکل گئیں، انھوں نے تہامہ کے ایک ساحل پر عکرمہ کو ڈھونڈ لیا، وہ کشتی میں سوار ہو چکا تھا۔ ملاح عکرمہ سے کہہ رہا تھا: ''صرف ایک رب کو پکار۔'' عکرمہ نے کہا: ''بتاؤ میں کیا کہوں؟'' ملاح بولا: کہو لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ. عکرمہ نے جواب دیا: ''ارے! میں اس کلمے سے تو بھاگ کر آیا ہوں۔''

یہی گفتگو جاری تھی کہ ام حکیم رضی اللہ عنہا وہاں پہنچ گئیں اور عکرمہ سے واپسی کے لیے اصرار کرتے ہوئے کہنے لگیں: ''اے میرے چچازاد! میں آپ کے پاس سب سے نیک، صلہ رحمی کرنے والے اور سب سے بہتر انسان کی طرف سے آئی ہوں۔ اپنے آپ کو تباہی میں مت ڈالیے۔'' عکرمہ ام حکیم کی یہ بات سُن کر رک گیا۔ ام حکیم نے کہا: ''میں محمد رسول اللہ ﷺ سے آپ کے لیے امان حاصل کر چکی ہوں۔'' عکرمہ نے حیران ہوکر پوچھا: ''کیا واقعی تو امان حاصل کر چکی ہے؟'' ام حکیم رضی اللہ عنہا نے کہا: ''ہاں! ہاں! میں نے بذات خود سیدنا محمد ﷺ سے گفتگو کی تو انھوں نے آپ کو امان دے دی۔'' یہ سن کر عکرمہ ان کے ساتھ واپس آ گیا۔ عکرمہ نے جب ام حکیم سے غلام کی بدنیتی کا قصہ سُنا تو اس نے غلام کو قتل کر دیا۔ عکرمہ تاحال دولتِ اسلام سے محروم تھا۔ جب یہ دونوں مکہ مکرمہ کے قریب پہنچ گئے تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا:

«يَأْتِيكُمْ عِكْرِمَةُ بْنُ أَبِي جَهْلٍ مُؤْمِنًا مُهَاجِرًا، فَلَا تَسُبُّوا أَبَاهُ، فَإِنَّ سَبَّ الْمَيِّتِ يُؤْذِي الْحَيَّ، وَلَا يَبْلُغُ الْمَيِّتَ»

''تمھارے پاس عکرمہ ایمان کی حالت میں ہجرت کر کے آنے والا ہے، لہٰذا تم میں سے کوئی اس کے باپ کو برا بھلا نہ کہے۔ کیونکہ فوت شدہ کو گالی دینے سے زندہ انسان کو تکلیف ہوتی ہے، جبکہ میت کو وہ (گالی) نہیں پہنچتی۔''

راوی کہتے ہیں کہ اس دوران میں عکرمہ اپنی بیوی کے قریب آنے کا ارادہ کرتا تو وہ انکار کر دیتیں اور کہتیں: ''تم کافر ہو اور میں مسلمان ہوں۔'' عکرمہ کہتا: ''جس معاملے نے تجھے مجھ سے بھی روک دیا ہے، وہ واقعی کوئی بہت بڑا معاملہ ہے۔''

نبی مکرم ﷺ نے جب عکرمہ کو دیکھا تو اسے خوش آمدید کہتے ہوئے اس کی طرف اتنی بے تابی سے لپکے کہ آپ ﷺ کے کندھوں سے چادر مبارک گر گئی۔ رسول اللہ ﷺ تشریف فرما ہوئے تو عکرمہ بھی آپ کے سامنے بیٹھ گئے۔ ان کی بیوی ام حکیم رضی اللہ عنہا بھی اس موقع پر پورے نقاب و حجاب کے ساتھ موجود تھیں۔ عکرمہ نے کہا: ''اے محمد! ام حکیم نے مجھے بتایا ہے کہ آپ نے مجھے امان دے دی ہے؟'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «صَدَقَتْ فَأَنْتَ آمِنٌ» ''اس نے سچ کہا، تم امان میں ہو۔''

عکرمہ نے کہا: ''اے محمد! آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَدْعُوكَ إِلَى أَنْ تَشْهَدَ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ وَأَنْ تُقِيمَ الصَّلَاةَ وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ وَتَفْعَلَ وَتَفْعَلَ»

''میں تجھے اللہ کے معبود برحق ہونے اور اپنی رسالت کی گواہی دینے کی دعوت دیتا ہوں، اسی طرح نماز ادا کرنے، زکاۃ دینے اور فلاں فلاں امور انجام دینے کی طرف بلاتا ہوں۔''

رسول اللہ ﷺ نے چند خصائل واوصاف کا تذکرہ فرمایا جن کا اسلام میں پایا جانا ضروری ہے۔

عکرمہ نے کہا: ''آپ نے یقیناً سچی بات کہی اور اچھے معاملے کی دعوت دی ہے۔ واللہ! آپ حق کی دعوت دینے سے پہلے بھی ہم میں سب سے سچے اور سب سے نیک تھے، لہٰذا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔'' رسول اللہ ﷺ اس بات سے انتہائی خوش ہوئے۔ عکرمہ نے پھر عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! مجھے کوئی اچھی بات بتائیں جسے میں پڑھتا رہوں۔'' فرمایا: ''تو یہ کلمہ پڑھ لیا کر: «أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ»'' عکرمہ نے پھر عرض کیا: ''اس کے بعد کیا پڑھوں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا:

«تَقُولُ: أُشْهِدُ اللّٰهَ وَأُشْهِدُ مَنْ حَضَرَ أَنِّي مُسْلِمٌ مُّهَاجِرٌ مُّجَاهِدٌ»

''تم کہو: میں اللہ تعالیٰ کو اور تمام حاضرین کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں مسلمان، مہاجر اور مجاہد ہوں۔''

عکرمہ نے یہی بات دہرا دی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا تَسْأَلُنِي الْيَوْمَ شَيْئًا أُعْطِيهِ أَحَدًا إِلَّا أَعْطَيْتُكَهُ»

''آج تم مجھ سے اس متاع میں سے جو کچھ بھی مانگو گے جو میں کسی کو دے سکتا ہوں تو وہ میں تمھیں ضرور

دے دوں گا۔"

سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: "میں درخواست کرتا ہوں کہ میں نے آج تک آپ (ﷺ) سے جس قدر دشمنی کی، اُس کی معافی کے لیے اللہ کے حضور دعا کیجیے، مجھے جس راہ میں آپ کے خلاف رکھا گیا یا کسی بھی مقام پر میں آپ کو برائی کے ارادے سے ملا ہوں یا میں نے آپ کے سامنے یا پیٹھ پیچھے کوئی بری بات کہی ہو تو میرے لیے اللہ سے معافی طلب کیجیے۔"

عکرمہ کی درخواست سن کر رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا کی:

«اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ كُلَّ عَدَاوَةٍ عَادَانِيهَا، وَكُلَّ مَسِيرٍ سَارَ فِيهِ إِلٰى مَوْضِعٍ يُرِيدُ بِذٰلِكَ الْمَسِيرِ إِطْفَاءَ نُورِكَ، فَاغْفِرْ لَهُ مَا نَالَ مِنِّي مِنْ عِرْضٍ فِي وَجْهِي أَوْ وَ أَنَا غَائِبٌ عَنْهُ»

"اے اللہ! عکرمہ نے میرے ساتھ جو بھی دشمنی کی ہے یا تیرے نور (اسلام) کو بجھانے کے لیے یہ جس جگہ بھی گئے ہیں تو اسے معاف فرما دے۔ اسی طرح اس نے میرے سامنے یا پیٹھ پیچھے میری جو بھی بے ادبی کی ہے، اسے بھی معاف فرما دے۔"

عکرمہ یہ دعا سن کر بہت خوش ہوا اور کہنے لگا: "اے اللہ کے رسول! میں خوش ہوں۔ اللہ کی قسم! پہلے میں اللہ کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے کے لیے جتنا مال خرچ کرتا تھا، اس سے دوگنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کروں گا۔ میں لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکنے کے لیے جس قدر لڑائی کرتا تھا، اب اس سے دوگنا اللہ کی راہ میں جہاد کروں گا۔" پھر واقعی سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ نے جہاد کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی حتی کہ یرموک کے دن شہادت سے ہم کنار ہو گئے۔ ان کے اسلام قبول کر لینے پر ان کی بیوی سابقہ نکاح ہی کی بنیاد پر ان کے پاس چلی گئی۔ [1]

عکرمہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا مشفقانہ سلوک ہی انھیں اسلام کی طرف کھینچ لانے کا باعث بنا۔ آپ ﷺ نے ان کو گلے لگانے کے لیے اتنی عجلت کا مظاہرہ فرمایا کہ چادر مبارک کا بھی دھیان نہ رہا اور وہ آپ کے کندھوں سے نیچے گر گئی۔ ان کے آنے پر خوشی کا اظہار فرماتے ہوئے آپ نے انھیں مرحبا کہا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ان سے کہا: «مَرْحَبًا بِالرَّاكِبِ الْمُهَاجِرِ» "خوش آمدید! اے مہاجر بن کر آنے والے۔" [2]

عکرمہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے حُسن سلوک سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئے۔ اسی طرح سیدہ ام حکیم بنت حارث بن ہشام رضی اللہ عنہا کا کردار بھی شاندار ہے۔ انھوں نے اپنے خاوند کے لیے رسول اللہ ﷺ سے امان حاصل کی اور طرح طرح

[1] المغازي للواقدي: 2/276-278. مزید دیکھیے: السلسلة الضعيفة للألباني: 1443 و 6234. [2] جامع الترمذي: 2735.

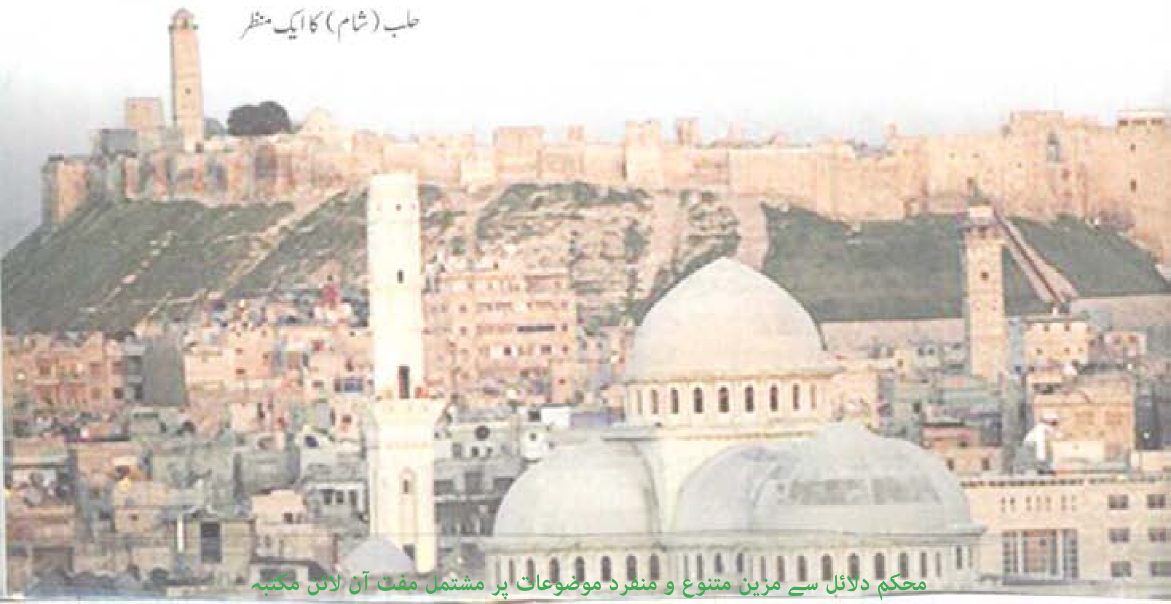
کے خطرات سے دوچار رہ کر انھیں تلاش کرتی رہیں کہ شاید اللہ تعالیٰ انھیں بھی اسی طرح ہدایت سے نواز دے جس طرح خود انھیں ہدایت نصیب ہوگئی ہے۔ جب ان کے خاوند نے ان کے نزدیک آنے کی خواہش ظاہر کی تو وہ یہ کہتے ہوئے دور ہوگئیں کہ تم کافر ہو اور میں ایک مسلمان عورت ہوں۔ بیوی کا یہ سلوک دیکھ کر عکرمہ پر اسلام کی عظمت روشن ہوگئی۔ انھوں نے محسوس کر لیا کہ وہ واقعی ایک عظیم دین کے سامنے کھڑے ہیں۔ سیدہ ام حکیم رضی اللہ عنہا نے انھیں اسلام کے متعلق غور و فکر پر مائل کیا۔ پھر بارگاہ رسالت میں ان کے سر پر قبولِ اسلام کا تاج رکھ دیا گیا۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ اسلام قبول کرنے میں سچے تھے، اسی لیے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے پیش کش کے باوجود انھوں نے دنیا طلب نہ کی بلکہ صرف یہ سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ میرے پچھلے گناہ معاف فرما دے۔ پھر انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے روبرو قسم اٹھائی کہ وہ جاہلیت کی نسبت اب فی سبیل اللہ دوگنا مال خرچ کریں گے اور زمانۂ جاہلیت کے مقابلے میں اللہ کی راہ میں خوب بڑھ چڑھ کر جنگ کریں گے۔ انھوں نے واقعی اپنا وعدہ پورا کر دکھایا، چنانچہ انھوں نے مرتدین کے خلاف جنگوں میں مسلمان سپہ سالاروں اور عام مجاہدین سے کہیں زیادہ بہادری کے جوہر دکھائے، وہ شام کی فتوحات میں بھی بطور سپہ سالار شامل ہوئے۔ بالآخر جنگ یرموک میں جام شہادت نوش کر کے اپنے رب سے جا ملے۔[1]

سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کی سفارش

عروہ بن زبیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں فتح مکہ کے موقع پر چوری کر لی،

[1] التاريخ الإسلامي للحميدي: 7/223-225.



حلب (شام) کا ایک منظر

اس کی برادری گھبرا کر اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے پاس پہنچی تا کہ وہ سفارش کر سکیں (کہ اس عورت کا ہاتھ چوری کے جرم میں نہ کاٹا جائے)۔ عروہ بن زبیر کہتے ہیں کہ جب اسامہ رضی اللہ عنہ نے اس عورت کے متعلق بات کی تو آپ ﷺ کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور آپ نے فرمایا: «أَتُكَلِّمُنِي فِي حَدٍّ مِّنْ حُدُودِ اللّٰهِ؟» ”تم مجھ سے اللہ کی حدوں میں سے ایک حد کے بارے میں سفارش کرنے آئے ہو؟“

اسامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرے لیے دعائے مغفرت کیجیے۔ اس کے بعد جب پچھلا پہر ہوا تو رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور خطبہ ارشاد فرمایا:

«أَمَّا بَعْدُ! فَإِنَّمَا أَهْلَكَ النَّاسَ قَبْلَكُمْ: أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ، وَإِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الضَّعِيفُ أَقَامُوا عَلَيْهِ الْحَدَّ، وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا»

”اما بعد: تم سے پہلے لوگوں کو اس بات نے تباہ کیا کہ جب ان میں کوئی مالدار اور وڈیرہ آدمی چوری کرتا تو وہ اس کو چھوڑ دیتے اور جب کوئی غریب چوری کرتا تو اس پر حد قائم کرتے۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر محمد کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔“

پھر رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا اور اس عورت کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ اس عورت نے اپنی توبہ کا بڑا لحاظ رکھا اور نکاح کر کے خانہ نشین ہوگئی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ اس کے بعد وہ میرے پاس آیا کرتی تھی اور میں اس کی ضرورت رسول اللہ ﷺ سے عرض کر دیتی تھی۔ [1]

ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر میں نماز

صحیحین میں ام ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے دن ان کے گھر تشریف لائے، آپ نے غسل فرمایا اور آٹھ رکعت نماز ادا کی۔ میں نے اس سے ہلکی نماز کبھی نہیں دیکھی۔ آپ ﷺ بڑے اطمینان سے رکوع و سجود کرتے تھے۔ [2] ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فتح مکہ کے روز چاشت کے وقت آٹھ رکعت نماز ادا کی۔ [3] قاضی عیاض رحمہ اللہ نے بعض سلف سے نقل کیا ہے کہ یہ شکرانے کی نماز تھی، چاشت کی نماز نہیں تھی کیونکہ ام ہانی رضی اللہ عنہا نے صرف وقت کا بتایا ہے۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے قاضی صاحب کی اس رائے کو ترجیح دیتے ہوئے کہا ہے کہ آپ ﷺ نے ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر چاشت کے وقت آٹھ رکعت نماز پڑھی جیسا کہ صحیح بخاری میں آیا

[1] صحيح البخاري: 4304، صحيح مسلم: (9)-1688. [2] صحيح البخاري: 1103. [3] صحيح مسلم: 336.

ہے جسے بعض لوگوں نے چاشت کی نماز سمجھ لیا ہے، حالانکہ وہ تو فتح مکہ کا شکرانہ تھی۔ ابتدائے اسلام میں جب مسلمانوں کا کوئی امیر قلعہ یا شہر فتح کرتا تو فتح کے بعد رسول اللہ ﷺ کی اقتدا کرتے ہوئے نمازِ شکرانہ بھی ادا کرتا تھا۔[1] تاہم بعض علماء نے اسے چاشت کی نماز ہی قرار دیا ہے۔[2]

ام ہانی رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے بالائی مکہ میں نزول فرمایا تو میرے دو دیور دوڑتے ہوئے آئے۔ وہ دونوں خاندان بنومخزوم سے تعلق رکھتے تھے۔ ام ہانی رضی اللہ عنہا ہبیرہ بن ابو وہب مخزومی کی زوجیت میں تھیں۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ پھر (اسی وقت) میرے بھائی علی رضی اللہ عنہ گھر میں داخل ہوئے اور کہا: ''اللہ کی قسم! میں ان دونوں کو ضرور قتل کر دوں گا۔'' میں نے ان دونوں کو اندر کر کے دروازہ بند کر دیا اور رسول اللہ ﷺ کے پاس بالائی مکہ میں پہنچی۔ میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ ایک ٹب سے غسل فرما رہے تھے۔ اس ٹب میں آٹے کے نشان بھی نظر آ رہے تھے۔ آپ کی صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے آس پاس پردے کی اوٹ کر رکھی تھی۔ آپ ﷺ نے غسل سے فارغ ہو کر کپڑے پہنے، پھر چاشت کی آٹھ رکعات نماز ادا کی۔ بعدازاں میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: «مَرْحَبًا وَ أَهْلًا يَا أُمَّ هَانِئٍ! مَا جَاءَ بِكِ؟» ''خوش آمدید ام ہانی! کیسے آنا ہوا؟'' میں نے اپنے دونوں دیوروں کی عرضداشت اور ان کے بارے میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے تاثرات بتائے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«قَدْ أَجَرْنَا مَنْ أَجَرْتِ، وَأَمَّنَّا مَنْ أَمَّنْتِ، فَلَا يَقْتُلْهُمَا»

''جسے تم نے پناہ دی، اسے ہم نے بھی پناہ دی، جسے تم نے امان دی، اسے ہم نے بھی امان دی، لہٰذا علی انھیں قتل نہ کریں۔''[3]

فتح مکہ کے دوسرے دن کا خطبہ

فتح مکہ کے دوسرے دن رسول اللہ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا، مسند امام احمد میں سیدنا ابوشُریح خُزاعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: فتح مکہ کے روز رسول اللہ ﷺ نے ہمیں بنوبکر سے قتال کی اجازت دی یہاں تک کہ ہم نے اپنے مقتولین کا انتقام لے لیا۔ رسول اللہ ﷺ اس وقت مکہ میں تھے، پھر آپ ﷺ نے تلوار چلانے سے منع فرما دیا۔ اس کے بعد ایسا ہوا کہ بنوخزاعہ کو حرم میں ہذیل کا ایک آدمی مل گیا جو رسول اللہ ﷺ کے پاس اسلام قبول کرنے کی غرض سے جا رہا تھا۔ اس آدمی نے دورِ جاہلیت میں بنوخزاعہ کو نقصان پہنچایا تھا۔ بنوخزاعہ کے لوگ اس

[1] زاد المعاد: 410/3. [2] دیکھیے: شرح مسلم للنووي: 39/4. [3] السيرة لابن هشام: 54,53/4. مزید دیکھیے: صحيح البخاري: 3171، صحيح مسلم: [1669] (82)-336.

کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ چنانچہ خزاعہ نے اسے جلدی سے قتل کر دیا کہ مبادا وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ جائے اور آپ اسے قتل کرنے سے منع فرما دیں۔ رسول اللہ ﷺ کو جب اس معاملے کی خبر ہوئی تو آپ نے شدید برہمی اور ناراضی کا اظہار فرمایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کو پہلے کبھی اس قدر برہمی اور ناراضی کی حالت میں نہیں دیکھا تھا۔ خزاعہ کے لوگ سیدنا ابوبکر، عمر اور علی رضی اللہ عنہم کے پاس گئے اور ان سے سفارش کرنے کی درخواست کی کیونکہ انھیں آپ ﷺ کے غصے کی وجہ سے اپنے ہلاک ہونے کا خدشہ لاحق ہو گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نمازِ عصر کے بعد کھڑے ہوئے، اللہ عزوجل کی ثنا کی اور پھر فرمایا:

«أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ حَرَّمَ مَكَّةَ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ، فَهِيَ حَرَامٌ مِّنْ حَرَامِ اللّٰهِ تَعَالٰى إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، لَا يَحِلُّ لِامْرِئٍ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يَّسْفِكَ فِيهَا دَمًا، وَلَا يَعْضِدَ بِهَا شَجَرًا، لَمْ تَحْلِلْ لِأَحَدٍ كَانَ قَبْلِي، وَلَا تَحِلُّ لِأَحَدٍ يَّكُونُ بَعْدِي، وَلَمْ تَحْلِلْ لِي إِلَّا هٰذِهِ السَّاعَةَ، غَضَبًا عَلٰى أَهْلِهَا، أَلَا ثُمَّ قَدْ رَجَعَتْ كَحُرْمَتِهَا بِالْأَمْسِ، أَلَا فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ مِنْكُمُ الْغَائِبَ، فَمَنْ قَالَ لَكُمْ: إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ (ﷺ) قَدْ قَاتَلَ بِهَا، فَقُولُوا: إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ قَدْ أَحَلَّهَا لِرَسُولِهِ، وَلَمْ يُحْلِلْهَا لَكُمْ.

يَا مَعْشَرَ خُزَاعَةَ! اِرْفَعُوا أَيْدِيَكُمْ عَنِ الْقَتْلِ، فَقَدْ كَثُرَ أَنْ يَّقَعَ، لَئِنْ قَتَلْتُمْ قَتِيلًا لَأَدِيَنَّهُ، فَمَنْ قُتِلَ بَعْدَ مَقَامِي هٰذَا فَأَهْلُهُ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ، إِنْ شَاءُوا فَدَمُ قَاتِلِهِ، وَإِنْ شَاءُوا فَعَقْلُهُ»، ثُمَّ وَدٰى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ الرَّجُلَ الَّذِي قَتَلَتْهُ خُزَاعَةُ.

وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «إِنَّ أَعْدَى النَّاسِ عَلَى اللّٰهِ مَنْ قَتَلَ فِي الْحَرَمِ، أَوْ قَتَلَ غَيْرَ قَاتِلِهِ، أَوْ قَتَلَ بِذُحُولِ الْجَاهِلِيَّةِ» فَقَامَ إِلَيْهِ رَجُلٌ فَقَالَ: إِنَّ فُلَانًا ابْنِي، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «لَا دَعْوَةَ فِي الْإِسْلَامِ، ذَهَبَ أَمْرُ الْجَاهِلِيَّةِ، اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ، وَلِلْعَاهِرِ الْأَثْلَبُ»، قَالُوا: وَمَا الْأَثْلَبُ؟ قَالَ ﷺ: «اَلْحَجَرُ، وَفِي الْأَصَابِعِ عَشْرٌ عَشْرٌ، وَفِي الْمَوَاضِحِ خَمْسٌ خَمْسٌ، لَا صَلَاةَ بَعْدَ الْغَدَاةِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ، وَلَا صَلَاةَ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰى تَغْرُبَ الشَّمْسُ، وَلَا تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ عَلٰى عَمَّتِهَا، وَلَا عَلٰى خَالَتِهَا، وَلَا يَجُوزُ لِامْرَأَةٍ عَطِيَّةٌ إِلَّا بِإِذْنِ زَوْجِهَا»

وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «كُلُّ حِلْفٍ كَانَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ لَمْ يَزِدْهُ الْإِسْلَامُ إِلَّا شِدَّةً، وَلَا حِلْفَ

فِي الْإِسْلَامِ، وَلَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ، يَدُ الْمُسْلِمِينَ وَاحِدَةٌ عَلَى مَنْ سِوَاهُمْ، تَتَكَافَأُ دِمَاؤُهُمْ، وَلَا يُقْتَلُ مُؤْمِنٌ بِكَافِرٍ، وَدِيَةُ الْكَافِرِ كَنِصْفِ دِيَةِ الْمُسْلِمِ، أَلَا وَلَا شِغَارَ فِي الْإِسْلَامِ، وَلَا جَنَبَ وَلَا جَلَبَ، وَتُؤْخَذُ صَدَقَاتُهُمْ فِي دِيَارِهِمْ، يُجِيرُ عَلَى الْمُسْلِمِينَ أَدْنَاهُمْ، وَيَرُدُّ عَلَى الْمُسْلِمِينَ أَقْصَاهُمْ»

''اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے اسی دن مکہ کو حرام قرار دے دیا تھا جب اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا تھا۔ اب یہ اللہ تعالیٰ کے حرام کرنے سے لے کر قیامت کے دن تک حرام ہی رہے گا۔ اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھنے والے کسی شخص کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس میں خون ریزی کرے اور اس کا کوئی درخت کاٹے۔ یہ مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں ہوا اور نہ میرے بعد کسی کے لیے حلال ہوگا۔ میرے لیے بھی صرف اس تھوڑے سے وقت کے لیے حلال ہوا تھا جس کی وجہ یہاں کے رہنے والوں پر اللہ کا غضب تھا۔ آگاہ ہو جاؤ کہ پھر اس کی حرمت لوٹ کر کل کی طرح ہوگئی ہے۔ خبردار! تم میں سے جو یہاں موجود ہیں، وہ یہ بات ان تک پہنچا دیں جو غائب ہیں۔ جو تم سے یہ کہے کہ اللہ کے رسول (ﷺ) نے بھی تو مکہ میں قتال کیا تھا تو تم کہہ دینا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے رسول کے لیے حلال کیا تھا، تمھارے لیے حلال نہیں کیا۔

اے خزاعہ کے لوگو! اب قتل سے اپنا ہاتھ اٹھا لو کہ بہت ہو چکا۔ اگر تم نے کسی شخص کو قتل کر دیا ہے تو میں اس کی دیت دوں گا لیکن میرے اس جگہ پر کھڑے ہونے کے بعد جو قتل کیا جائے گا تو مقتول کے ورثاء کو دو میں سے کسی ایک بات کا اختیار ہوگا: اگر وہ چاہیں تو قاتل سے قصاص لے لیں اور اگر چاہیں تو دیت لے لیں۔''

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اس ہذلی شخص کی دیت ادا کی جسے خزاعہ نے قتل کر دیا تھا۔ آپ نے مزید ارشاد فرمایا: ''اللہ کے نزدیک لوگوں میں سب سے زیادہ حد سے تجاوز کرنے والا وہ ہے جو حرم میں کسی کو قتل کرے یا قاتل کے سوا کسی دوسرے کو قتل کرے یا دورِ جاہلیت کی دشمنی کی وجہ سے کسی کو قتل کرے۔''

ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا: فلاں میرا بیٹا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسلام میں اس دعوے کا کوئی اعتبار نہیں۔ جاہلیت کا معاملہ ختم ہو چکا ہے۔ بچہ بستر والے کا ہے اور زانی کے لیے اثلب ہیں۔'' صحابہ نے پوچھا: اثلب سے مراد کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''پتھر، (پھر آپ نے دیت کی تفصیل بیان کی کہ) انگلیوں میں دس دس اونٹ ہیں اور سر کے زخم میں پانچ پانچ اونٹ ہیں۔ نمازِ فجر کے بعد طلوع آفتاب تک

کوئی نماز نہیں اور نماز عصر کے بعد غروبِ آفتاب تک بھی کوئی نماز نہیں۔ کسی عورت سے اس کی پھوپھو اور خالہ کی موجودگی میں نکاح نہ کیا جائے۔ اسی طرح کسی عورت کے لیے اپنے شوہر (کے مال میں سے اس) کی اجازت کے بغیر عطیہ دینا جائز نہیں۔''

آپ ﷺ نے مزید فرمایا: ''زمانۂ جاہلیت میں جتنے بھی معاہدے ہوئے، اسلام ان کی پختگی میں اضافہ ہی کرتا ہے لیکن اب اسلام میں کوئی معاہدہ نہیں۔ فتح مکہ کے بعد ہجرت کا حکم باقی نہیں رہا۔ تمام مسلمان کفار کے مقابلے میں ایک ہاتھ ہیں۔ ان کے خون آپس میں برابر ہیں۔ کسی مومن کو کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا۔ کافر کی دیت مسلمان کی دیت کی نصف ہے۔ آگاہ رہو! اسلام میں نکاح شغار (وٹہ سٹہ) نہیں۔ نہ جَنَب اور جَلَب ہے (جَنَب سے مراد یہ ہے کہ زکاۃ وصول کرنے والے کی آمد کا سن کر مالک اپنے جانور پڑاؤ سے دور لے جائیں اور پھر عامل انھیں ڈھونڈتا پھرے۔ جَلَب یہ ہے کہ عامل اپنا مرکز ایسی جگہ بنالے جہاں مالکوں کو اپنے جانور کھینچ کر لانے پڑیں اور وہ مشقت اٹھاتے پھریں)۔ ان کے مالوں کی زکاۃ ان کے گھروں پر وصول کی جائے گی۔ مسلمانوں کے خلاف (کسی غیر مسلم کو) سب سے کم درجے کا مسلمان بھی پناہ دے سکتا ہے۔ مسلمانوں کو وہ (مجاہد) بھی غنیمت ادا کرے گا جو ان میں سب سے دور (اور دشمن سے قریب) ہے۔''[1]

ابوشاہ کے لیے لکھنے کا حکم

نبی اکرم ﷺ نے جب خطبہ ارشاد فرمایا تو اہل یمن سے ایک شخص اُٹھ کھڑا ہوا۔ اُس کا نام ابوشاہ تھا، وہ کہنے لگا: اُكْتُبْ لِي يَا رَسُولَ اللّٰهِ! ''اے اللہ کے رسول! مجھے یہ ارشاد لکھ دیجیے۔'' تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «اُكْتُبُوا لِأَبِي شَاهٍ» ''ابوشاہ کے لیے لکھ دو۔''[2] اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا يُقْتَلُ قُرَشِيٌّ صَبْرًا بَعْدَ هٰذَا الْيَوْمِ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ»

''آج کے بعد قیامت تک کسی قریشی کو باندھ کر قتل نہ کیا جائے۔''[3]

علمائے کرام کا کہنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا مقصد یہ بتانا ہے کہ اب تمام قریشی مسلمان ہو جائیں گے اور ان میں سے کوئی اس طرح مرتد نہیں ہوگا جس طرح آپ ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد لوگ مرتد ہوئے اور ان سے جنگ کی گئی اور انھیں باندھ کر قتل کیا گیا۔ آپ کے اس فرمان کا یہ مطلب بالکل نہیں کہ قریش کو ظلم وزیادتی کے ساتھ باندھ کر قتل نہیں کیا جائے گا، اس لیے کہ قریش پر بعد میں ایسے ایسے مظالم ڈھائے

[1] مسند أحمد: 32،31/4 و 179/2 و 215/2. [2] صحيح البخاري: 6880. [3] صحيح مسلم: 1782.

گئے جو سب کے علم میں ہیں۔ [1]

میرا جینا اور مرنا انصار کے ساتھ ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو جب فتح مکہ کے فقید المثال اعزاز و امتیاز سے نوازا جو آپ کا آبائی اور پیدائشی وطن تھا تو آپ ﷺ نے جبل صفا پر چڑھ کر بیت اللہ کی طرف دیکھا، پھر اللہ کی خوب حمد وثنا بیان کی اور دعا کی۔ اس موقع پر انصار پہاڑی کے دامن میں تھے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ راز و نیاز اور مکہ سے محبت دیکھ کر ایک دوسرے سے کہنے لگے: شاید رسول اللہ ﷺ اپنے شہر اور خاندان والوں کی محبت سے مغلوب ہو گئے ہیں۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اسی وقت وحی نازل ہوگئی اور جب وحی کا نزول ہوتا تھا تو سب کو اس کیفیت کا پتہ چل جاتا تھا اور صحابہ میں سے کسی کو رسول اللہ ﷺ کی طرف دیکھنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی یہاں تک کہ وحی مکمل ہو جاتی تھی۔ جب وحی مکمل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ» ''اے انصار کے لوگو!'' انصار نے کہا: اے اللہ کے رسول! لبیک۔ تو آپ نے فرمایا: «قُلْتُمْ أَمَّا الرَّجُلُ فَقَدْ أَخَذَتْهُ رَأْفَةٌ بِعَشِيرَتِهِ وَرَغْبَةٌ فِي قَرْيَتِهِ» ''تم نے کہا ہے کہ رسول اللہ اپنے شہر اور خاندان والوں کی محبت سے مغلوب ہو گئے ہیں۔'' انصار کہنے لگے: جی ہاں! اے اللہ کے رسول۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «أَلَا فَمَا اسْمِي إِذًا؟» ''پھر میرا نام کیا ہے؟'' «أَنَا مُحَمَّدٌ عَبْدُ اللّٰهِ وَ رَسُولُهُ، هَاجَرْتُ إِلَى اللّٰهِ وَ إِلَيْكُمْ، فَالْمَحْيَا مَحْيَاكُمْ وَالْمَمَاتُ مَمَاتُكُمْ» ''بلاشبہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول محمد ہوں۔ میں نے اللہ اور تمھاری طرف ہجرت کی ہے۔ میرا جینا اور مرنا تمھارے ساتھ ہوگا۔''
یہ بات سنتے ہی انصار روتے ہوئے آپ ﷺ کی طرف بڑھے۔ انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! ہم نے جو بھی کہا ہے، وہ اللہ اور اس کے رسول سے شدید محبت اور لگاؤ کی وجہ سے کہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«فَإِنَّ اللّٰهَ وَ رَسُولَهُ يُصَدِّقَانِكُمْ وَ يَعْذِرَانِكُمْ»

''اللہ اور اس کا رسول تمھیں معذور سمجھتے ہیں اور تمھاری اس بات کی تصدیق کرتے ہیں۔'' [2]

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کا فرمان سن کر سارے انصاری زار وقطار رونے لگے۔ ان میں سے ہر ایک کا سینہ آنسوؤں سے تر ہو چکا تھا۔ [3]

یہ رسول اللہ ﷺ سے انصار کی محبت اور آپ سے وفا کا ایسا اسلوب تھا جس کا کسی صورت کوئی صحیح اندازہ نہیں

---

[1] دیکھیے: شرح مسلم للنووي: 187/12. [2] صحيح مسلم: 1780، المصنف لابن أبي شيبة: 396,395/7. [3] المستدرك للحاكم: 54,53/2.

کیا جا سکتا۔ جس طرح رسول اللہ ﷺ نے بیت اللہ سے بتوں کو ختم کیا، اسی طرح آپ نے انصار کے دلوں سے حزن و ملال ختم کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ کے فرمان سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ مدینہ منورہ اسلام کا دارالخلافہ ہوگا اور انصار کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے حُبِّ نبوی کا شرف عطا فرمایا ہے۔ ہر چند مکہ مکرمہ کرۂ ارض کا افضل ترین مقام ہے لیکن مدینہ طیبہ کے دار الخلافہ ہونے کی بنا پر مکہ مکرمہ مدینہ منورہ کے تابع رہے گا۔ جہاں انصار کو نبی مکرم ﷺ سے محبت بھرا سلوک ملا اور آپ کا ساتھ نصیب ہوا، وہاں اہل مکہ بالخصوص ابوسفیان نے جان لیا کہ اسلام اپنے فرزندوں کو کتنی اہمیت دیتا ہے۔ آج وہ اپنے آپ کو مکہ کا سردار ہونے کے باوجود اہل مدینہ سے کم تر سمجھ رہے تھے، اب وہ سمجھ چکے تھے کہ ہماری عقلوں پر پردے پڑے ہوئے تھے اور ہم نے جو اسلام کے خلاف سرکشی کی تھی، اس کی بنا پر ہم بہت پیچھے رہ گئے ہیں۔ آج سابقون الاولون پر انھیں رشک آ رہا تھا۔

اہل مکہ کی بیعت

اہل مکہ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لیے جمع ہوگئے۔ ان جمع ہونے والوں میں مردوں، بوڑھوں اور بچوں کے علاوہ عورتیں بھی تھیں۔ آپ ﷺ مردوں سے بیعت کی ابتدا کے لیے صفا پہاڑی پر بیٹھ گئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ سے تھوڑا نیچے اُتر کر لوگوں کو آپ ﷺ کے قریب کرنے لگے۔ چنانچہ سب لوگ آتے گئے اور اسلام اور استطاعت بھر سمع و طاعت کرنے پر بیعت کرنے لگے۔[1]

مسفلہ (مکہ مکرمہ)



مسند احمد میں محمد بن اسود بن خلف سے روایت ہے کہ ان کے باپ اسود نے دیکھا کہ لوگ آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں اور آپ قرن مُسفَلَہ[2] کی جانب بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ اسلام اور شہادت پر بیعت لے رہے ہیں۔ محمد بن اسود نے بیان کیا ہے کہ شہادت سے مراد اللہ پر ایمان لانا اور یہ گواہی دینا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔[3]

1 سبل الهدى والرشاد: 247/5. 2 روایت میں قرن مسفلہ کے الفاظ ہیں جس کی توضیح یہ بیان ہوئی ہے کہ یہ مکہ کے بالائی حصے میں وہ جگہ ہے جس کی جانب ابن ابی ثمامہ کے گھر تھے اور یہ بنوسمرہ کے گھر اور اس کے اردگرد کا علاقہ ہے۔ (دلائل النبوة للبيهقي: 94/5، مسند أحمد (حاشيه): 161/24) بعض نسخوں میں مسفلہ کے بجائے مصقلہ بھی بیان ہوا ہے۔ آج بھی مکہ کے جنوب میں المَسفلہ نامی محلہ آباد ہے۔
3 مسند أحمد: 415/3.

سیدنا مُجاشع بن مسعود السلمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ فتح مکہ کے بعد میں اپنے بھائی کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے آپ سے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں اپنے بھائی کو آپ کی خدمت میں اس لیے لے کر حاضر ہوا ہوں کہ آپ اس سے ہجرت کی بیعت لیجیے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«ذَهَبَ أَهْلُ الْهِجْرَةِ بِمَا فِيهَا»

''ہجرت کرنے والے ہجرت کے فضائل و مناقب لے چکے ہیں۔''

میں نے عرض کی: آپ کس بات پر بیعت لیں گے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«أُبَايِعُهُ عَلَى الْإِسْلَامِ وَالْإِيمَانِ وَالْجِهَادِ»

''میں اس سے اسلام، ایمان اور جہاد پر بیعت لوں گا۔'' [1]

سیدنا ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو آپ سے بات کرتے ہوئے کپکپانے لگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«هَوِّنْ عَلَيْكَ، فَإِنِّي لَسْتُ بِمَلِكٍ، إِنَّمَا أَنَا ابْنُ امْرَأَةٍ مِّنْ قُرَيْشٍ كَانَتْ تَأْكُلُ الْقَدِيدَ»

''ڈرو نہیں، میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں، میں تو ایک قریشی عورت کا بیٹا ہوں جو خشک گوشت کھایا کرتی تھی۔'' [2]

مکہ سے ہجرت کا حکم کالعدم

سیدنا یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں اور میرا باپ امیہ فتح مکہ کے روز رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میرے والد سے ہجرت پر بیعت لیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«بَلْ أُبَايِعُهُ عَلَى الْجِهَادِ فَقَدِ انْقَطَعَتِ الْهِجْرَةُ»

''بلکہ میں اس سے جہاد پر بیعت لوں گا کیونکہ ہجرت کا عمل منقطع ہو چکا ہے۔'' [3]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں۔ یا سیدہ نے یہ کہا: آج کے بعد ہجرت نہیں۔ کیونکہ پہلے لوگ اپنے دین کے لیے آزمائش کی وجہ سے اللہ اور اس کے رسول کی جانب ہجرت کرتے تھے، اب اللہ نے اسلام کا نور پھیلا دیا ہے، اب کوئی بھی اللہ کا بندہ جہاں چاہے اس کی عبادت کر سکتا ہے۔ [4]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن ارشاد فرمایا:

[1] صحيح البخاري: 4306,4305، صحيح مسلم: 1863. [2] سنن ابن ماجه: 3312، المستدرك للحاكم: 48,47/3.
[3] مسند أحمد: 223/4. [4] صحيح البخاري: 3900، صحيح ابن حبان: 210,209/11.

«لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ وَلٰكِنْ جِهَادٌ وَنِيَّةٌ، وَإِذَا اسْتُنْفِرْتُمْ فَانْفِرُوا»

''فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے، البتہ جہاد اور (ہجرت کی) نیت ہے جب تمھیں جہاد کے لیے نکلنے کا حکم دیا جائے تو ضرور نکلو۔'' [1]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ ان احادیث کی روشنی میں کہتے ہیں کہ یہ دلائل اس بات پر روشنی ڈالتے ہیں کہ فتح مکہ کے بعد ہجرت کامل یا مطلق طور پر منقطع ہو چکی ہے کیونکہ لوگ دین اسلام میں فوج در فوج داخل ہو چکے تھے اور اسلام کا سر عام اظہار و اعلان ہو چکا تھا اور اسلام کے ارکان اور مطالبات ثابت ہو چکے تھے تو اس صورت میں ہجرت کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اللہ نہ کرے کہ کبھی کوئی ایسی صورت پیدا ہو جو ہجرت کی متقاضی ہو اور مسلمان دین کے شعائر بجا لانے کی استطاعت اور قدرت نہ رکھتے ہوں۔ ایسی صورت میں دارالاسلام کی طرف ہجرت فرض ہو جائے گی اور اس میں علماء کے نزدیک کوئی اختلاف نہیں ہے۔ البتہ یہ ہجرت اس ہجرت سے قطعی طور پر ثواب اور فضیلت میں برابر نہ ہوگی جو فتح مکہ سے پہلے کی ہجرت تھی جیسا کہ جہاد اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنا مشروع ہے اور اس میں قیامت تک رغبت موجود ہے لیکن وہ فتح مکہ سے پہلے والے جہاد اور انفاق فی سبیل اللہ سے فضیلت و ثواب میں مطابقت نہیں رکھتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ۭ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ؀﴾ (الحدید 10:57)

''اور تمھیں کیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے؟ جبکہ آسمانوں اور زمین کی میراث اللہ ہی کے لیے ہے۔ تم میں سے جن لوگوں نے فتح (مکہ) سے پہلے خرچ کیا اور جہاد کیا، یہ (ان لوگوں کے) برابر نہیں ہیں (جنھوں نے فتح مکہ کے بعد یہی کام کیے۔) یہ (پہلے کرنے والے) لوگ درجے میں ان لوگوں سے عظیم تر ہیں جنھوں نے اس (فتح) کے بعد خرچ کیا اور جہاد کیا، اور اللہ نے ہر ایک سے اچھی جزا کا وعدہ کیا ہے، اور جو تم عمل کرتے ہو، اللہ اس سے خوب باخبر ہے۔'' [2]

نفس ہجرت کے جاری و ساری رہنے کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«لَا تَنْقَطِعُ الْهِجْرَةُ مَا قُوتِلَ الْكُفَّارُ»

[1] صحيح البخاري: 2825، صحيح مسلم: 1353. [2] البداية والنهاية: 319/4.

''جب تک کفار سے لڑائی جاری ہے، ہجرت ختم نہیں ہو سکتی۔''[1]

امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ہمارے اصحاب اور دیگر علماء نے کہا ہے کہ دارالحرب سے دارالاسلام کی طرف ہجرت کا عمل قیامت تک باقی رہے گا۔[2]

قریشی خواتین کی بیعت

جب رسول اللہ ﷺ مردوں کی بیعت سے فارغ ہوگئے تو آپ ﷺ نے خواتین سے بیعت لی۔ آپ ﷺ کے اردگرد خواتین جمع ہوگئیں۔ ان میں ہند بنت عتبہ بھی تھی جس کا خون نبی ﷺ نے رائیگاں قرار دیا تھا۔ ہند نے نبی ﷺ سے خائف ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو پوری طرح چھپا رکھا تھا مبادا اس پر آپ ﷺ کی نظر پڑ جائے۔ جب عورتیں نبی ﷺ کے قریب ہوئیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: «تُبَايِعْنَنِي عَلٰى أَنْ لَّا تُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا» ''میں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کروگی۔'' ہند کہنے لگی: آپ نے مردوں سے تو اس بات کی بیعت نہیں لی جس بات پر آپ ہم سے بیعت لے رہے ہیں لیکن ہم ضرور بیعت کریں گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «وَلَا تَسْرِقْنَ» ''اور تم چوری نہ کروگی۔'' ہند کہنے لگی: بلاشبہ میں تو ابوسفیان کے مال سے چوری چھپے ضرورت کا مال لے لیتی ہوں، مجھے پتہ نہیں کہ وہ میرے لیے حلال تھا یا نہیں؟ ابوسفیان پاس ہی بیٹھا تھا، کہنے لگا: جو کچھ تم نے پہلے لے لیا، وہ تمھیں معاف ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہند کو پہچان لیا اور فرمایا: «وَإِنَّكِ لَهِنْدُ بِنْتُ عُتْبَةَ؟» ''تو تم ہند بنت عتبہ ہو؟'' وہ بولی: جی ہاں اے اللہ کے رسول! میں ہند بنت عتبہ ہوں۔ جو گزر چکا اسے معاف فرما دیجیے، اللہ آپ کو معاف فرمائے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ ہند نے کہا: اے اللہ کے رسول! ابوسفیان بخیل آدمی ہے، مجھے اتنا خرچا نہیں دیتا جو میری اولاد کو کافی ہو سکے۔ اگر میں اسے بتائے بغیر اس کے مال سے کچھ لے لوں تو کیا یہ گناہ ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«خُذِي مِنْ مَّالِهِ بِالْمَعْرُوفِ مَا يَكْفِيكِ وَيَكْفِي بَنِيكِ»

''اس کے مال سے معروف طریقے کے مطابق اتنا لے لے جو تجھے اور تیرے بچوں کو کافی ہو سکے۔''[3]

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «وَلَا تَزْنِينَ» ''تم زنا نہیں کروگی۔'' ہند نے کہا: اللہ کے رسول! کیا آزاد عورت بھی زنا کر سکتی ہے؟ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: «وَلَا تَقْتُلْنَ أَوْلَادَكُنَّ» ''اور تم اپنی اولاد کو قتل نہیں کروگی۔'' ہند کہنے لگی: ہم نے انھیں چھوٹی عمر میں پالا اور آپ نے ان کو جوانی کی حالت میں بدر میں مارا، پس آپ

[1] سنن النسائي: 4177. [2] شرح مسلم للنووي: 13/12. [3] صحيح البخاري: 5364، صحيح مسلم: 1714. واللفظ له.

جائیں اور وہ! اس موقع پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی تبسم فرمایا اور کہا: «وَلَا تَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ تَفْتَرِينَهُ بَيْنَ أَيْدِيكُنَّ وَأَرْجُلِكُنَّ» ”اور اپنے ہاتھ پاؤں کے آگے کوئی بہتان گھڑ کر نہ لاؤ گی۔“ ہند کہنے لگی: اللہ کی قسم! کسی پر بہتان لگانا نہایت برا فعل ہے اور بعض گناہ اس سے بھی برے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «وَلَا تَعْصِينَنِي فِي مَعْرُوفٍ» ”اور کسی نیکی کے کام میں میری نافرمانی اور حکم عدولی نہ کرنا۔“ ہند کہنے لگی: ہم اس مجلس میں اس لیے نہیں آئیں کہ آپ کی معروف میں نافرمانی کریں۔ [1] رسول اللہ ﷺ نے ان باتوں پر عورتوں سے بیعت لے لی۔ پھر ہند کہنے لگی: اے اللہ کے رسول! ہم آپ سے مصافحہ کرنا چاہتی ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنِّي لَا أُصَافِحُ النِّسَاءَ، إِنَّ قَوْلِي لِمِائَةِ امْرَأَةٍ مِثْلُ قَوْلِي لِامْرَأَةٍ وَاحِدَةٍ»

”میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا۔ میرا سو عورتوں سے بات کر کے بیعت لینا ایک ایک عورت سے الگ الگ بیعت لینے کی طرح ہے۔“ [2]

عورتوں نے رسول اللہ ﷺ سے ہاتھ ملائے بغیر بیعت کی۔ آپ ﷺ عورتوں سے کبھی ہاتھ نہیں ملاتے تھے، نہ کبھی کسی عورت کو ہاتھ لگاتے سوائے آپ ﷺ کی محرم یا اس عورت کے جسے اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے حلال کر دیا۔ صحیحین میں ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ کہتی ہیں: ”ہرگز نہیں، اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ نے کبھی کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا۔“ [3]

ہند کی کایا پلٹ گئی

ہند بنت عتبہ کے دل میں اسلام رچ بچ گیا، وہ سمجھ گئی کہ وہ گمراہی پر تھی۔ اس نے فتح کے روز مسلمانوں کو مسجد میں عبادت کرتے دیکھا۔ ایک روایت میں ہے کہ پھر اس نے اپنے خاوند ابوسفیان سے کہا: میں محمد (ﷺ) کی بیعت کرنا چاہتی ہوں۔ ابوسفیان کہنے لگا: میں نے تو آج سے قبل تجھے ہمیشہ اسلام سے کفر ہی کرتے دیکھا ہے۔ اس نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے آج سے پہلے اس مسجد میں اللہ تعالیٰ کی اتنی اچھی عبادت کرتے کسی کو نہیں دیکھا۔ اللہ کی قسم! تمام صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) نے ساری رات مسجد میں قیام اور رکوع و سجود ہی میں گزاری۔ ابوسفیان نے کہا: تو نے جو کرنا تھا، وہ قصۂ ماضی ہوگیا۔ اپنی قوم کے کسی شخص کے ساتھ چلی جا۔ وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئی اور ان کے ساتھ نبی ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوگئی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے ہند کی باریابی کے لیے اجازت

[1] تاریخ الطبري: 338,337/2، سبل الهدى والرشاد: 248,247/5. [2] الطبقات لابن سعد: 237,236/8، مزید دیکھیے: سنن النسائي: 4186. [3] صحيح البخاري: 5288، صحيح مسلم: 1866.

مانگی۔ اس وقت وہ پوری طرح حجاب ونقاب میں تھی۔ پھر اس نے آپ کی بیعت کی۔ [1]

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہند بنت عتبہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی۔ اس وقت آپ ابطح میں تشریف فرما تھے۔ اس نے اسلام قبول کیا اور کہنے لگی: تمام تعریفیں اللہ کی ذات عالی کے لیے ہیں جس نے اس دین کو غلبہ عطا فرمایا اور خود پسند فرمایا ہے۔ اے اللہ کے رسول! آپ کی رحمت وشفقت کی مجھے بھی ضرورت ہے۔ اب میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے والی عورت بن گئی ہوں اور آپ کے سامنے اس کی تصدیق کرتی ہوں۔ پھر اس نے اپنے چہرے سے نقاب الٹ دیا اور کہنے لگی: میں ہند بنت عتبہ ہوں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مَرْحَبًا بِكِ» ''تجھے خوش آمدید۔''

ہند نے اسلام لانے کے بعد کہا: اے اللہ کے رسول! روئے زمین پر کسی گھرانے کی ذلت میرے لیے آپ کے گھرانے کی ذلت سے زیادہ خوشی کا باعث نہیں تھی لیکن آج آپ کے گھرانے کی عزت مجھے روئے زمین پر موجود ہر گھرانے کی عزت سے زیادہ محبوب ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«وَأَيْضًا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ!»

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس محبت میں ابھی اور اضافہ ہوگا۔'' [2]

جب ہند بنت عتبہ اپنے گھر آئی تو اپنے بت کے پاس پہنچی اور اسے توڑنے لگی، پھر کہنے لگی: كُنَّا مِنْكَ فِي غُرُورٍ. ''تیری وجہ سے ہم دھوکے میں پڑے ہوئے تھے۔'' [3]

ہند کی بکریوں کے لیے دعائے نبوی

ابوحُصین ہذلی سے روایت ہے کہ جب ہند بنت عتبہ مسلمان ہوئی تو اس نے رسول اللہ ﷺ کے اکرام کے لیے اپنی لونڈی کے ہاتھ آپ کی خدمت میں بکری کے دو بھنے ہوئے بچے بھیجے۔ جب وہ خادمہ رسول اللہ ﷺ کے پاس گئی تو اس نے کہا: میری مالکہ نے آپ کے لیے یہ ہدیہ بھیجا ہے اور وہ معذرت کے ساتھ یہ بھی کہہ رہی ہے کہ آج کل میری بکریاں کم بچے دیتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «بَارَكَ اللّٰهُ لَكُمْ فِي غَنَمِكُمْ وَأَكْثَرَ وَالِدَتَهَا» ''اللہ تعالیٰ تمھاری بکریوں میں برکت دے اور وہ زیادہ بچے دیں۔'' اس کے بعد ہند کی لونڈی کہا کرتی تھی کہ دعا کے بعد ہم نے بکریوں اور ان کے بچوں کی اتنی کثرت دیکھی جو اس سے قبل ہم نے نہ دیکھی تھی۔ ہند کہا کرتی تھی کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی دعا کی برکت ہے اور کہتی کہ میں خواب دیکھتی تھی کہ میں مسلسل سورج کی دھوپ

[1] الإصابة: 347/8. [2] صحيح البخاري: 3825. [3] الطبقات لابن سعد: 237/8.

میں کھڑی ہوں، سایہ میرے قریب ہے لیکن پھر بھی میں اس کے نیچے نہیں جا سکتی۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ مکہ کے قریب پہنچ گئے تو میں نے خواب دیکھا کہ گویا میں سائے کے نیچے آ گئی ہوں۔ [1]

سیدہ عائشہ بنت قدامہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں اپنی ماں رائطہ بنت سفیان خزاعیہ کے ساتھ تھی۔ رسول اللہ ﷺ عورتوں سے بیعت لے رہے تھے اور فرما رہے تھے: ''میں تم سے اس پر بیعت کرتا ہوں کہ تم سب اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں بناؤ گی، چوری نہیں کرو گی، زنا نہیں کرو گی، اپنے بچوں کو قتل نہ کرو گی، کسی پر بہتان نہیں دھرو گی، کسی نیک کام کرنے میں نافرمانی نہیں کرو گی۔'' عائشہ کہتی ہیں: سب عورتوں نے سر جھکائے تو نبی ﷺ نے انھیں کہا کہ تم سب کہو: ہاں، ہم اپنی استطاعت بھر ایسا ہی کریں گی۔ ساری عورتوں نے یہ بات اپنی زبان سے دہرائی تو میں نے بھی کہی۔ میری ماں بھی مجھ سے کہہ رہی تھی: بیٹی! کہو اپنی استطاعت بھر ایسا ہی کروں گی۔ [2]

بیعت کرنے والی خواتین کے نام

ابن الاثیر رحمہ اللہ نے ان خواتین کے نام ذکر کیے ہیں جنھوں نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی۔ یہ نام درج ذیل ہیں: 1 ام ہانی بنت ابی طالب۔ 2 ام حبیبہ بنت العاص بن امیہ، یہ عمرو بن عبدود عامری کی بیوی تھی۔ 3 اروی بنت ابی العیص، یہ عتاب بن اسید کی چچی تھی۔ 4 اروی کی بہن عاتکہ بنت ابی العیص، یہ مطلب بن ابی وداعہ سہمی کی بیوی تھی۔ 5 آمنہ بنت عفان بن ابی العاص، یہ عثمان رضی اللہ عنہ کی بہن اور بنو مخزوم کے حلیف سعد کی بیوی تھی۔ 6 ہند بنت عتبہ۔ 7 یسیرہ بنت صفوان بن نوفل بن اسد بن عبدالعزیٰ۔ 8 ام حکیم بنت حارث بن ہشام، یہ عکرمہ بن ابی جہل کی بیوی تھی۔ 9 فاختہ بنت ولید بن مغیرہ، یہ خالد کی بہن اور صفوان بن امیہ کی بیوی تھی۔ 10 ریطہ بنت الحجاج، یہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی بیوی تھی۔ [3]

مرد و زن کا دائرۂ کار

ذمہ داریوں کے حوالے سے دیکھا جائے تو اسلام نے جہاں مرد کو معاشرے میں ذمہ دار کی حیثیت دی ہے وہاں عورت کو بھی انسانیت کی ایک اکائی قرار دیا ہے۔ فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے اسلامی معاشرے کے قیام میں جس طرح مردوں سے بیعت اور عہد لیا، اسی طرح آپ نے عورتوں سے بھی عہد لیا۔ اس لحاظ سے ذمہ داری کا اعتبار کرنے میں مرد و زن میں کوئی فرق اور تفاوت نہیں ہے۔ مرد کی طرح عورت پر بھی لازم ہے کہ وہ شرعی حدود میں رہ کر دین کے مسائل جاننے کی کوشش کرے اور اس کے مطابق اپنی زندگی گزارے، علوم و فنون اور شعور و آگہی کے لیے

[1] سبل الهدیٰ والرشاد :5/255. [2] مسند أحمد :6/365. [3] الکامل لابن الأثیر :2/129.

تمام جائز ذرائع اختیار کرے، اسلام کے مخالفوں اور دشمنوں کے اسالیب اور شاطر چالوں سے واقف ہوتا کہ اپنی ذات کے بارے میں اس نے جو عہد کیا ہے، اسے پورا کر سکے اور بیعت کا جو ہار اس نے پہنا ہے، اس کا حق ادا کر سکے۔

اجنبی عورت سے مصافحہ

رسول اللہ ﷺ نے عورتوں سے مصافحہ نہیں فرمایا بلکہ محض زبانی بیعت کی جبکہ مردوں سے آپ نے اپنے ہاتھ پر بیعت لی۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مردوں کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی غیر محرم عورت سے مصافحہ کریں۔

آواز کا پردہ نہیں

مذکورہ واقعات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بوقتِ ضرورت اجنبی عورت کی گفتگو سنی جا سکتی ہے اور اس کی آواز کا پردہ نہیں ہے۔ تاہم جہاں فتنے کا اندیشہ ہو، وہاں اجتناب ضروری ہے۔

مکہ صلح سے فتح ہوا یا قوت سے؟

کیا رسول اللہ ﷺ اور مسلمان مکہ میں بزور قوت داخل ہوئے یا صلح اور امن کے ساتھ؟ اس سلسلے میں ائمہ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام احمد، جمہور علماء اور اکثر اہل سیر و مغازی کا موقف ہے کہ مکہ قوت سے فتح ہوا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا موقف یہ ہے کہ مکہ صلح سے فتح ہوا ہے۔ امام احمد سے بھی ایک روایت میں یہی منقول ہے۔

جمہور کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں جن سے وہ یہ ثابت کرتے ہیں کہ مکہ قوت بازو سے فتح ہوا:

1 امام مسلم رحمہ اللہ نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو پکارا تو انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں حاضر ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«اِهْتِفْ لِي بِالْأَنْصَارِ»

''میرے لیے انصار کو آواز دو۔''

انصار آپ کے گرد جمع ہو گئے۔ قریش نے بھی اپنے اوباش لوگوں اور تابعداروں کو مسلمانوں کے ساتھ لڑنے بھڑنے کے لیے جمع کیا اور کہا: ہم ان کو آگے کرتے ہیں، اگر وہ کامیاب ہو گئے تو ہم بھی ان کے ساتھ ہو جائیں گے اور اگر ان پر کوئی آفت آئی تو ہم سے جو (دیت یا جرمانہ وغیرہ) مانگا جائے گا، دے دیں گے۔ رسول اللہ ﷺ

نے ارشاد فرمایا: «تَرَوْنَ إِلَى أَوْبَاشِ قُرَيْشٍ وَ أَتْبَاعِهِمْ؟» ''تم قریش کے اوباشوں اور پیروکاروں کو دیکھ رہے ہو؟'' پھر آپ نے انصار کو انھیں قتل کرنے کا اشارہ کیا اور کہا: «حَتّٰى تُوَافُونِي بِالصَّفَا» ''یہاں تک کہ تم سب مجھے صفا پہاڑی پر ملو۔'' پھر جس نے جسے قتل کرنا چاہا، قتل کر دیا۔ ان کی طرف سے ہمارے خلاف کوئی مزاحمت نہ ہوئی۔ پھر ابوسفیان رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا: قریش کے بڑے لشکر کے خون کو جائز کر دیا گیا ہے۔ آج کے بعد قریش نہیں ہوں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ دَخَلَ دَارَ أَبِي سُفْيَانَ فَهُوَ آمِنٌ» ''جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو گیا، وہ امن میں ہے۔''[1]

2 مکہ کو بزور قوت فتح کرنے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے مکہ میں داخل ہوتے ہوئے قریش کے جنگجوؤں سے قتال کیا تھا۔

3 رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «أُحِلَّتْ لِي سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ» ''مکہ کو دن کی ایک گھڑی میرے لیے حلال کیا گیا ہے۔''[2]

4 آپ کا اعلان کہ جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوگا، وہ امن میں ہوگا اور جو اسلحہ نہیں اٹھائے گا، وہ بھی امن میں ہوگا۔ اگر مکہ صلح سے فتح ہوا ہوتا تو یہ کہنے کی ضرورت نہ تھی۔

5 ام ہانی رضی اللہ عنہا نے دو آدمیوں کو پناہ دی۔ ان کے بھائی علی رضی اللہ عنہ ان دونوں کو قتل کرنے کے درپے تھے۔ ام ہانی نے رسول اللہ ﷺ کو بتایا تو آپ نے فرمایا: «قَدْ أَجَرْنَا مَنْ أَجَرْتِ يَا أُمَّ هَانِئٍ!» ''اے ام ہانی! جسے تو نے پناہ دی، ہم نے بھی اسے پناہ دے دی۔''[3] یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ صلح کے ذریعے سے داخل ہوئے ہوں اور علی رضی اللہ عنہ کو اس کا علم ہی نہ ہوا ہو۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے جن وجوہ کی بنا پر یہ کہا ہے کہ مکہ صلح کے ساتھ فتح ہوا، وہ یہ ہیں: 1 آپ نے مرالظہران کے مقام پر مکہ میں داخل ہونے سے بیشتر صلح کی۔ 2 نہ آپ نے غنیمتیں حاصل کیں، نہ قبضہ کیا بلکہ لوگوں کی املاک ان کے قبضے ہی میں رہیں۔

امام شافعی کے نزدیک غنیمتوں کے تقسیم نہ کرنے اور املاک پر قبضہ نہ کرنے کا سبب واضح ہے کہ یہ صلح سے فتح ہوا جبکہ جمہور اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ مکہ کی حرمت اور اس کی امتیازی حیثیت ہے جس کی بنا پر آپ نے اس کی املاک پر قبضہ نہیں کیا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے مکہ کو پوری دنیا کے لیے وقف کر دیا ہے۔ اس لیے بعض علماء جن میں امام ابوحنیفہ

[1] صحيح مسلم: 1780. [2] صحيح البخاري: 1349. [3] مسند أحمد: 342/6.

بھی ہیں، ان کا موقف ہے کہ مکہ مکرمہ کی اراضی اور مکانات فروخت نہیں ہو سکتے۔[1]

حرمتِ مکہ

1 قتال کی حرمت: نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کو حرم مکی میں جنگ کرنے سے منع کر دیا تھا، سوائے ان لوگوں کے جو مسلمانوں سے جنگ کا آغاز کریں، البتہ اس حکم سے آپ ﷺ نے چند افراد کو مستثنیٰ کر دیا تھا۔ ان کے بارے میں آپ نے حکم دیا تھا کہ وہ جہاں بھی پائے جائیں، قتل کر دیے جائیں۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے ایک موقع پر دور سے تلواروں کی چمک دیکھی تو روئے انور پر ناگواری کے اثرات ظاہر ہوئے۔ آپ کو خبر دی گئی کہ یہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان سے جنگ کی ابتدا مشرکین کی جانب سے ہوئی ہے، اس لیے وہ بھی جنگ پر مجبور ہوئے ہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: «قَضَاءُ اللّٰهِ خَيْرٌ» ''قضائے الٰہی میں خیر ہے۔''[2] اس کے علاوہ فتح مکہ کے موقع پر کہیں قتال کی نوبت نہیں آئی۔

گزشتہ سطور میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کے سامنے جو خطبہ دیا تھا، اس میں یہ بھی فرمایا تھا:

> ''مکہ کی حرمت انسانوں کی جانب سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔ کسی شخص کے لیے جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو، جائز نہیں کہ یہاں کسی کا خون بہائے یا کوئی درخت یا پودا اکھاڑے۔ اگر کوئی شخص جواز کے لیے دلیل پیش کرتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے یہاں قتال کیا ہے تو اس کو یہ جواب دو کہ اللہ نے اپنے رسول کو اس کی اجازت دی تھی لیکن اس نے تمھیں اجازت نہیں دی ہے۔ اس نے اپنے رسول کو بھی دن کے کچھ حصے کے لیے اس کی اجازت دی تھی۔ اس کی حرمت اب پھر اسی طرح قائم ہو گئی ہے جس طرح کل تھی۔''[3]

اس سے تمام علماء نے یہ استنباط کیا ہے کہ مکہ اور اس سے متصل حرم میں قتال جائز نہیں۔ فتح مکہ کے دن نبی ﷺ نے اپنے خطبے میں اس سے صریح طور پر منع کیا ہے۔

لیکن اس ممانعت کی تطبیق کیسے ہو اور اس کے اور ان نصوص کے درمیان کیسے موافقت پیدا کی جائے جن میں مشرکین اور باغیوں سے قتال کرنے اور قاتل کو قصاصاً قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے؟ اہلِ علم یہاں کچھ تفصیل بیان کرتے ہیں۔

---

[1] دیکھیے: زاد المعاد: 429-437، السيرة النبوية لأبي شهبة :2/459-461. [2] الطبقات لابن سعد: 2/136. [3] صحيح البخاري: 104.

وہ فرماتے ہیں: جہاں تک مشرکین اور ملحدین کا تعلق ہے، ان سے قتال کے سلسلے میں کوئی دشواری نہیں ہے۔ کیونکہ یہ بات شرعاً ثابت ہے کہ جو شخص اسلام کے علاوہ کسی دوسرے مذہب کا ماننے والا ہے، اس کو مکہ میں رہائش اختیار کرنے کا موقع دینا جائز نہیں۔ اس پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے، بلکہ شافعی علماء اور بہت سے مجتہدین کی رائے ہے کہ ان کا مکہ میں داخلہ بھی جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا﴾

''مشرکین ناپاک ہیں، لہٰذا اس سال کے بعد یہ مسجد حرام کے قریب نہ پھٹکنے پائیں۔'' [1]

جو لوگ مکہ میں ہوں، ان کا فرض ہے کہ ایسے لوگوں کے وہاں پہنچنے اور اس میں داخل ہونے سے پہلے ہی ان سے قتال کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حرم کی حفاظت کا اور کسی کافر یا مشرک کی گندگی سے اسے پاک رکھنے کا ذمہ لیا ہے۔ یہ اس دین کے اعجاز کا ایک مظہر ہے اور اس سچے وعدے سے نمایاں ہے جو اللہ کی کتاب میں مذکور ہے اور جس کی اس کے رسول نے خبر دی ہے۔

رہے باغی ...... یعنی وہ لوگ جو صالح امام کے خلاف علم بغاوت بلند کریں ...... تو جمہور فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ اگر انھیں ان کی بغاوت اور سرکشی سے قتال کے علاوہ کسی دوسرے ذریعے سے پھیرنا ممکن نہ ہو تو ان سے قتال کیا جائے گا۔ اس لیے کہ باغیوں سے قتال اللہ تعالیٰ کے ان حقوق میں سے ہے جن کی پامالی جائز نہیں تو حرم میں اس حق کی حفاظت بدرجۂ اولیٰ کی جائے گی۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جمہور کی یہ رائے بالکل درست ہے۔ امام شافعی نے بھی کتاب اختلاف الحدیث میں اس کی صراحت کی ہے۔''



امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''احادیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ حرم میں قتال مطلق ممنوع ہے (یہاں تک کہ باغیوں سے بھی)۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ قتال جس کی حرمت ہے، اس سے مراد قتال کی وہ صورت ہے جس کے عمومی اثرات ہوں، مثلاً منجنیق وغیرہ سے قتال۔ اگر اس کے بغیر اصلاحِ حال ممکن ہو تو اس کے ذریعے قتال جائز نہیں۔ لیکن اگر کفار کسی دوسرے شہر میں قلعہ بند ہو گئے ہوں تو اس وقت ان سے ہر طریقے اور ہر شکل میں قتال جائز ہے۔''

[1] التوبة 9:28.

لیکن بعض فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ حرم میں باغیوں سے بھی قتال حرام ہے۔ اس کے بجائے انھیں ہر طرف سے گھیرا جائے گا اور ان کا عرصۂ حیات تنگ کیا جائے گا، یہاں تک کہ وہ یا تو حرم سے نکلنے پر مجبور ہو جائیں یا دوبارہ اطاعت قبول کر لیں۔ [1]

جہاں تک حدود قائم کرنے کا معاملہ ہے تو امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک اس کے جواز کا ہے۔ ان کی دلیل امام بخاری رحمہ اللہ کی روایت کردہ حدیث میں عمرو بن سعید رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے: إِنَّ الْحَرَمَ لَا يُعِيذُ عَاصِيًا، وَلَا فَارًّا بِدَمٍ وَلَا فَارًّا بِخَرْبَةٍ. ''حرم کسی نافرمان، کسی قاتل اور کسی غاصب کو پناہ نہیں دے سکتا۔'' [2]

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ...... اور یہی امام احمد رحمہ اللہ کا بھی ایک قول ہے ...... کہ ایسا شخص جب تک حرم میں ہے، وہ امان میں ہوگا، لیکن اسے تنگ کیا جائے گا اور وہاں سے نکلنے پر مجبور کیا جائے گا۔ یہاں تک کہ جیسے ہی وہ وہاں سے نکلے گا، اسے پکڑ کر اس پر حد جاری کر دی جائے گی۔ ان کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبۂ فتح مکہ کا عمومی مفہوم ہے۔

علامہ زرکشی رحمہ اللہ نے لکھا ہے: حرم مکی کی خصوصیت یہ ہے کہ کفار یا باغی اگر مکہ کے علاوہ کسی اور شہر میں قلعہ بند ہو جائیں تو ان کے خلاف جس طریقے پر اور جس شکل میں بھی مصلحت کا تقاضا ہو، عمومی جنگ برپا کی جا سکتی ہے۔ لیکن اگر وہ حرم مکی میں کہیں قلعہ بند ہو جائیں تو اس طریقے پر ان سے جنگ جائز نہیں۔ [3]

اگر کوئی حد حرم سے باہر جرم کر کے حرم میں آئے تو حرم میں اس پر حد نافذ نہیں کی جائے گی، البتہ اگر حرم میں جرم کیا ہو تو حرم میں حد نافذ کی جائے گی۔ یہ امام احمد رحمہ اللہ کا موقف ہے اور یہی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے، لہٰذا یہی رائے درست معلوم ہوتی ہے۔ [4]

2 شکار کی حرمت: یہ حرمت بالاجماع ثابت ہے۔ صحیح بخاری اور مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''نہ اس کا کانٹا توڑا جائے گا اور نہ شکار کو بھگایا جائے گا۔'' تو جب اسے بھگانا جائز نہیں تو اسے جان سے مارنا بدرجۂ اولیٰ ناجائز ہوگا۔ اگر کوئی شخص شکار کو پکڑ لے تو اسے چھوڑ دینا لازم ہے۔ اگر وہ اس کے قبضے میں تلف ہو جائے تو محرم شخص کی طرح وہ اس کا ضامن ہوگا۔ اس حکم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ قسم کے حیوانات کو مستثنیٰ

[1] شرح مسلم للنووي: 177/9، الأحكام السلطانية للماوردي، ص: 166. [2] صحيح البخاري: 4295. حدیث میں ''فارًا بخربة'' کے الفاظ ہیں۔ النہایہ میں ہے کہ خربة کے اصل معنی عیب کے ہیں۔ یہاں مراد وہ شخص ہے جو کوئی ایسی چیز لے کر فرار ہو گیا ہو جسے وہ صرف اپنے قبضہ میں رکھنا چاہتا ہو، جبکہ شریعت میں اس کی اجازت نہ ہو۔ [3] دیکھیے: إعلام الساجد في أحكام المساجد للزركشي، ص: 62 اور طرح التثريب: 86/5. [4] فتح الباري: 63/4، مسائل الإمام أحمد لابن هانئ: 2/85-89، المغني: 236/8.

کیا ہے اور انھیں ''فواسق'' کہا ہے۔ وہ یہ ہیں: کوا، چیل، بچھو، چوہیا اور کاٹنے والا کتا۔[1] علماء نے ان پر دوسرے موذی جانوروں کو بھی قیاس کیا ہے، مثلاً: سانپ اور خوں خوار درندے۔

3 **اذخر کے سوا دیگر نباتات کو کاٹنے کی حرمت:** اس کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہے جو گزشتہ حدیث میں گزر چکا ہے: ''نہ اس کا کانٹا توڑا جائے گا۔'' اس سے مراد ان نباتات کو کاٹنے کی حرمت ہے جنھیں اللہ تعالیٰ نے اگایا ہو، انھیں انسانوں نے نہ لگایا ہو اور وہ تروتازہ اور ہری بھری ہوں۔ چنانچہ ان پودوں اور درختوں کا کاٹنا حرام نہیں جنھیں انسانوں نے لگایا ہو۔ اسی طرح اس میں چوپایوں کو ذبح کرنا، گھاس چرانا اور سوکھے درختوں اور پودوں کو کاٹنا حرام نہیں ہے۔ علامہ زرکشی نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ حرم میں چوپایوں کو چرانا ممنوع ہے۔[2]

جمہور نے پانچ فواسق حیوانات (جنھیں رسول اللہ ﷺ نے مستثنیٰ قرار دیا تھا) پر قیاس کرتے ہوئے موذی نباتات کو عام نباتات کے حکم سے مستثنیٰ کیا ہے۔ یہ قیاس کے ذریعے نص کی تخصیص کے قبیل سے ہے۔[3]

4 **حالتِ احرام میں داخل ہونے کا وجوب:** جو شخص مکہ یا (امام نووی رحمہ اللہ کے بقول) حدود حرم میں داخل ہونے کا ارادہ کرے اور وہ ان لوگوں میں سے نہ ہو جنھیں بار بار داخل ہونا پڑتا ہے، مثلاً: تاجر، لکڑہارے اور وہ لوگ جو اپنے پیشے کی وجہ سے حرم میں مسلسل آمد و رفت پر مجبور ہوں، تو اس پر لازم ہے کہ حج یا عمرے کا احرام باندھے بغیر داخل نہ ہو۔

علماء کا اختلاف ہے کہ یہ حکم وجوب پر دلالت کرتا ہے یا استحباب پر۔ ائمہ ثلاثہ (ابوحنیفہ، مالک، احمد رحمہم اللہ) کا مشہور مسلک یہ ہے، اور یہی احناف کا فتویٰ ہے اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے، کہ یہ حکم بطورِ وجوب ہے۔ جب کہ جمہور شوافع کا مسلک ہے کہ یہ حکم بطورِ استحباب ہے۔

سببِ اختلاف یہ ہے کہ نبی ﷺ فتح مکہ کے موقع پر جب مکہ میں داخل ہوئے تو حالتِ احرام میں نہیں تھے۔ امام مسلم رحمہ اللہ اور دیگر محدثین نے روایت کیا ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ فتح والے دن مکہ میں داخل ہوئے تو آپ کے سر پر سیاہ عمامہ تھا اور آپ احرام میں نہیں تھے۔''[4]

جو لوگ کہتے ہیں کہ احرام مستحب ہے، انھوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے اور جن حضرات نے وجوب کو صحیح قرار دیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ جب مکہ میں داخل ہوئے تو آپ کو کفار کی جانب سے حملے کا اندیشہ تھا،

1 صحيح البخاري: 3314. 2 دیکھیے: إعلام الساجد، ص: 157. 3 دیکھیے: ضوابط المصلحة في الشريعة الإسلامية للبوطي، ص: 200. 4 صحيح مسلم: 1358.

اس لیے آپ بھی پورے طور پر تیار تھے کہ اگر وہ لوگ جنگ کریں گے تو آپ بھی ان کا جواب دیں گے۔ اور یہ وہ حالت ہے جو وجوبِ احرام کے عمومی حالات سے مستثنیٰ ہے۔ [1]

راجح یہی ہے کہ جو حج وعمرے کے لیے آئے، اس پر احرام ہے۔ حدیث میں بھی مواقیت کے تذکرے میں یہی بیان ہوا ہے:

«مِمَّنْ أَرَادَ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ»

''جو حج اور عمرے کا ارادہ کرے۔'' [2]

رسول اللہ ﷺ کی مکہ میں اقامت گاہ

رسول اللہ ﷺ نے حجون کو قیام گاہ بنایا۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں قریش نے بنو ہاشم اور مسلمانوں سے قطع تعلق کا معاہدہ کیا تھا۔ سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا آپ اپنے گھر میں تشریف فرما ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«وَهَلْ تَرَكَ لَنَا عَقِيلٌ مِّنْ رِّبَاعٍ أَوْ دُورٍ؟»

''کیا عقیل نے ہمارے لیے رہنے کو کوئی گھر چھوڑا ہے؟'' [3]

رسول اللہ ﷺ نے واضح طور پر فرمایا تھا: «لَا يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ» ''مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا۔'' [4]

رسول اللہ ﷺ اور مہاجرین کے جانے کے بعد ابوطالب کے وارثوں میں عقیل اور اس کے بھائی طالب تھے۔ عقیل نے تمام گھر فروخت کر دیے تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ مسلمان ہونے کی بنا پر وارث ہی نہ ٹھہرے تھے کیونکہ ابوطالب نے حالت کفر میں وفات پائی تھی۔ [5]

کفار مکہ مہاجرین کے مکانات، جائدادوں اور املاک پر قبضہ کر چکے تھے۔ جب آپ ﷺ خطبہ سے فارغ ہوئے تھے تو اسی وقت سیدنا ابواحمد بن جحش رضی اللہ عنہ اٹھے اور آپ ﷺ سے اپنے مکان کی واپسی کے متعلق کچھ کہنے لگے۔ ان کے مکان کو ابوسفیان نے چار سو دینار میں فروخت کر دیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ابواحمد کو بلا کر آہستہ سے کچھ فرمایا تو ابواحمد خاموش ہو گئے۔ اس کے بعد جب ابواحمد سے پوچھا گیا کہ آپ ﷺ نے کیا فرمایا تھا تو ابواحمد کہنے لگے کہ آپ ﷺ نے مجھے یہ ارشاد فرمایا: «إِنْ صَبَرْتَ كَانَ خَيْرًا لَّكَ، وَكَانَتْ لَكَ بِهَا دَارٌ فِي الْجَنَّةِ»

[1] فقه السيرة للبوطي، ص: 276-278. [2] صحيح البخاري: 1524، مزید دیکھیے: زاد المعاد 3/429,428. [3] صحيح البخاري: 1588، صحيح مسلم: 1351. [4] صحيح البخاري: 6764. [5] السيرة النبوية للعمري: 2/482.

''اگر تو صبر کرے تو تیرے لیے بہتر ہوگا اور اس کے معاوضے میں تجھے جنت میں ایک گھر مل جائے گا۔'' تو میں نے آپ ﷺ سے کہا: میں صبر کروں گا۔ [1]

ان کے علاوہ بھی بعض مہاجرین نے چاہا کہ ان کے مکانات انھیں واپس مل جائیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمھارا جو مال اللہ کی راہ میں جا چکا ہے، میں اس کی واپسی پسند نہیں کرتا۔'' یہ سنتے ہی تمام مہاجرین خاموش ہوگئے۔

رسول اللہ ﷺ کی مکہ میں مدتِ قیام

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مکہ میں انیس دن ٹھہرے رہے۔ اس پوری مدت میں آپ دو دو رکعت نماز پڑھتے رہے، یعنی آپ نے قصر نماز ادا کی۔ [2]

حدودِ حرم کی علامات کی تجدید

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا تمیم بن اسد خزاعی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ حدودِ حرم کی علامات کی تجدید کریں تو انھوں نے یہ کام مکمل کیا۔ [3]



حدودِ حرم کے نشانات

رسول اللہ ﷺ کے چند اہم فیصلے

رسول اللہ ﷺ جب مکہ میں قیام پذیر ہوئے تو اس موقع پر آپ ﷺ نے چند اہم فیصلے صادر فرمائے۔ ذیل میں انھی کا تذکرہ ہے۔

چور کی سزا

قریشی عورت نے چوری کی اور اس نے اس کا اعتراف کرلیا۔ یہ عورت بنومخزوم کی تھی جو ادھار چیزیں لے کر صاف مکر جاتی تھی۔ نبی ﷺ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دے دیا۔ اسے نبی ﷺ کے پاس لایا گیا تو اس نے ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی پناہ لی۔ مکہ میں یہ خبر مشہور ہوگئی کہ چور کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے۔ اس موقع پر روسائے قریش پریشان ہوگئے، چنانچہ انھوں نے اس سے بچنے کی تدبیر کرنی شروع کر دی۔ بالآخر انھوں نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو

[1] أخبار مكة للفاكهي :3/293، الطبقات لابن سعد :4/102. [2] صحيح البخاري :4298،4299. مزید دیکھیے: اسی جلد کے باب ''غزوۂ حنین'' کے ذیل میں عنوان: ''اسلامی لشکر کی روانگی کی تاریخ'' [3] الطبقات لابن سعد :4/295، الإصابة :1/487.

سفارش کے لیے تیار کیا لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کی سفارش قبول نہیں فرمائی اور چوری کرنے والی عورت پر حد نافذ کر دی گئی۔ یہ واقعہ قبل ازیں تفصیل سے بیان ہو چکا ہے۔

زانی کے لیے سنگسار ہے

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ عتبہ بن ابی وقاص نے اپنے بھائی سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو وصیت کی تھی کہ زمعہ کی لونڈی سے پیدا ہونے والا بچہ اپنے قبضہ میں لے لیں۔ عتبہ نے کہا تھا کہ وہ میرا بیٹا ہے۔ چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر جب رسول اللہ ﷺ مکہ میں داخل ہوئے تو سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اس بچے کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے ساتھ عبد بن زمعہ بھی تھے۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہ میرے بھائی کا بیٹا ہے۔ اس نے مجھے وصیت کی تھی کہ یہ اس کا بیٹا ہے۔ عبد بن زمعہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! یہ میرا بھائی ہے کیونکہ میرے والد زمعہ کا بیٹا ہے اور ان کے بستر پر پیدا ہوا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے زمعہ کی لونڈی کے بیٹے کو دیکھا تو وہ عتبہ بن ابی وقاص سے بہت مشابہت رکھتا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «هُوَ لَكَ يَا عَبْدُ بْنَ زَمْعَةَ! اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ» ”اے عبد بن زمعہ! یہ بچہ تیری کفالت میں ہوگا۔ بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہو اور زنا کرنے والے کے حصے میں پتھر ہیں۔“ پھر آپ ﷺ نے ام المؤمنین سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کو حکم دیا: «اِحْتَجِبِي مِنْهُ» ”تم اس سے پردہ کرو۔“ کیونکہ آپ ﷺ نے اس لڑکے میں عتبہ بن ابی وقاص کی مشابہت پائی تھی۔[1]

شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی حرمت کا اعلان

رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں قیام کے دوران شراب کی خرید و فروخت کی حرمت کا اعلان کیا اور حکم دیا کہ شراب کو ضائع کرنے کے لیے انڈیل دیا جائے اور اس کے مٹکے توڑ دیے جائیں۔ اسی طرح آپ ﷺ نے بتوں، مردار اور خنزیر کی خرید و فروخت کی بھی حرمت کا اعلان کیا۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو فتح مکہ کے سال جب آپ مکہ میں تشریف فرما تھے، یہ فرماتے ہوئے سنا: «إِنَّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ وَالْمَيْتَةِ وَالْخِنْزِيرِ وَالْأَصْنَامِ» ”اللہ اور اس کے رسول نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی خرید و فروخت کو حرام کر دیا ہے۔“ کچھ لوگوں نے آپ سے عرض کی: اے اللہ کے رسول! مردار کی چربی کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ کیونکہ اس سے کشتیوں کو روغن کیا جاتا ہے، چمڑوں کو رنگا جاتا ہے اور لوگ اسے دیے کے طور پر بھی

[1] صحيح البخاري: 4303.

جلاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «لَا، هُوَ حَرَامٌ» ''ہرگز نہیں، یہ حرام ہے۔'' پھر آپ ﷺ نے اس موقع پر ارشاد فرمایا: «قَاتَلَ اللّٰهُ الْيَهُودَ، إِنَّ اللّٰهَ لَمَّا حَرَّمَ عَلَيْهِمْ شُحُومَهَا أَجْمَلُوهُ ثُمَّ بَاعُوهُ فَأَكَلُوا ثَمَنَهُ» ''اللہ تعالیٰ یہودیوں کو نیست و نابود کردے، جب اللہ نے ان پر چربی حرام کردی تو انھوں نے اسے پگھلایا اور پھر بیچ دیا اور اس کی قیمت کھائی۔'' [1]

یاد رہے کہ درج بالا ساری چیزیں پہلے ہی حرام قرار دی جا چکی تھیں۔ یہاں فتح مکہ کے موقع پر اہل مکہ کے لیے دوبارہ ان کی حرمت کا اعلان کیا گیا تھا۔

متعہ کو قیامت تک حرام کر دیا گیا

فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے نکاح متعہ کو تین دنوں کے لیے حلال کیا، پھر اسے ہمیشہ کے لیے حرام کر دیا۔ صحیح مسلم میں سَبُرہ جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، آپ ﷺ نے فرمایا:

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ! إِنِّي قَدْ كُنْتُ أَذِنْتُ لَكُمْ فِي الْاِسْتِمْتَاعِ مِنَ النِّسَاءِ، وَإِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَرَّمَ ذٰلِكَ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ»

''اے لوگوں کی جماعت! بلاشبہ میں نے تمھیں عورتوں سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دی تھی اور اب یقیناً اللہ نے اسے قیامت تک حرام کر دیا ہے۔'' [2]

امام مازری لکھتے ہیں کہ یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ اول اسلام میں نکاح متعہ جائز تھا، پھر صحیح احادیث سے یہ بات ثابت شدہ ہے کہ اسے منسوخ کر دیا گیا۔ اب اس کی حرمت پر اجماع ہے۔ [3]

امام بغوی شرح السنہ میں فرماتے ہیں: علمائے امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نکاح متعہ حرام ہے اور یہ تمام مسلمانوں کے اجماع کی طرح ہے۔ [4]

مستدرک حاکم میں ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے عبداللہ بن ابی ملیکہ رحمہ اللہ نے نکاح متعہ کے بارے میں سوال کیا تو سیدہ نے فرمایا: میرے اور تمھارے درمیان اللہ کی کتاب ہے، پھر یہ آیت تلاوت کی:

﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ○ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ○ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعَادُوْنَ ○﴾

''اور جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ سوائے اپنی بیویوں یا ان (کنیزوں) کے جن کے مالک

1 صحيح مسلم: 1581. 2 صحيح مسلم: 1406. 3 شرح مسلم للنووي: 255/9. 4 شرح السنة للبغوي: 100/9.

ان کے دائیں ہاتھ ہیں، تو بلاشبہ (ان کی بابت) ان پر کوئی ملامت نہیں۔ پھر جو شخص ان کے علاوہ (رستہ) تلاش کرے تو ایسے لوگ ہی حد سے گزرنے والے ہیں۔" [1]

یعنی جسے اللہ نے اس کی بیوی بنایا یا ملکیت میں دیا، ان کے علاوہ کوئی اور صورت نکالی تو یقیناً وہ حد سے گزر گیا۔ [2]

سنن ابن ماجہ میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو انھوں نے لوگوں کو خطبہ دیا اور کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن کے لیے ہمیں متعہ کی اجازت دی، پھر اسے حرام کر دیا۔ اللہ کی قسم! اگر مجھے کسی شادی شدہ کا پتہ چلا کہ اس نے متعہ کیا ہے تو میں اسے پتھروں سے رجم کیے بغیر نہیں چھوڑوں گا۔ یا پھر وہ میرے پاس چار گواہ لائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حرام کرنے کے بعد حلال کر دیا تھا۔ [3]

[1] المؤمنون 23:5،6۔ [2] المستدرك للحاكم: 2/305۔ [3] سنن ابن ماجه: 1963، مزید دیکھیے: اللؤلؤ المکنون سیرت انسائیکلوپیڈیا: 8/438-440۔

فتح مکہ کے بعد کے سرایا

رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ فتح کرنے کے فوراً بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کچھ دستوں کو مختلف مہمات پر روانہ فرمایا۔ آپ ﷺ نے توفیقِ ربانی سے شرک کا ہر ناپاک نشان مٹا دیا، بیت اللہ کو بتوں سے پاک کر دیا اور مکہ میں عام اعلان کرا دیا کہ اب کوئی شخص اپنے گھر میں ہرگز کوئی بت باقی نہ رہنے دے۔ لیکن ابھی ایک اہم کام باقی تھا۔ وہ یہ کہ مکہ کے اردگرد کچھ بڑے بڑے بت خانے موجود تھے۔ یہاں عرب کے مشہور و معروف بت تھے جن کی ایک عرصے سے پوجا ہو رہی تھی۔ لوگ ان کا طواف کرتے، ان کے نام پر جانور قربان کرتے، ان سے اپنی مرادیں مانگتے اور ان کے لیے طرح طرح کے نذرانے پیش کرتے تھے۔ اب وقت آچکا تھا کہ ان بتوں کو بھی پاش پاش کر دیا جائے اور لوگوں کے سامنے ان کی بے بسی اور بے مائیگی کا پول کھول دیا جائے تاکہ لوگوں پر یہ حقیقت عظمیٰ روز روشن کی طرح آشکار ہو جائے کہ اللہ کے سوا نہ کوئی عبادت کے لائق ہے، نہ کوئی کسی نفع و نقصان کا مالک ہے۔ ان بتوں کی وجہ سے اب تک بہت سے لوگ گمراہی کی دلدل میں پھنسے ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان بتوں کا صفایا کرنے میں ذرا بھی تاخیر برداشت نہیں کی اور اپنے جانبازوں کے دستے ان کی طرف روانہ فرما دیے تاکہ وہ ان بتوں کو ہمیشہ کے لیے خاک میں ملا دیں۔ آئیے! اب ہم ان ایمان افروز واقعات کا تفصیل سے مطالعہ کریں۔

عرب کا سب سے بڑا بت: عزیٰ

مکہ کے گرد و نواح میں جو بت موجود تھے، ان میں ایک بت عزیٰ تھا۔ یہ تمام بتوں میں سب سے بڑا بت تھا۔ قریش، بنو کنانہ اور مضر سب اس کی تعظیم اور پوجا کرتے تھے۔ بنو شیبان اس کے مجاور تھے جو بنو سلیم کی ایک شاخ اور بنو ہاشم کے حلیف تھے۔[1] بنو اسد بن عبدالعزیٰ، عزیٰ کے متعلق کہا کرتے تھے کہ یہ ہمارا بت ہے۔[2] یہ دراصل نخلہ کے مقام پر ایک عمارت تھی جو ببول کے تین درختوں پر بنائی گئی تھی۔[3] کہا جاتا ہے کہ بنو خزاعہ کا سردار عمرو بن لحی جو عربوں میں بت پرستی کا بانی اور اسے فروغ دینے والا تھا، اس بدبخت نے لوگوں کو یہ گمراہ کن پٹی پڑھائی کہ اللہ تعالیٰ

[1] السيرة لابن هشام :4/79. [2] تاريخ الطبري :2/340. [3] السنن الكبرٰى للنسائي :6/474.

سردی کا موسم طائف میں لات کے پاس اور گرمی کا موسم عزیٰ کے پاس گزارتا ہے۔ جہالت کے مارے لوگوں نے اس کی بات کا یقین کر لیا اور عزیٰ کی تعظیم شروع کر دی حتی کہ اس کی درگاہ بنا ڈالی۔ وہ اس قدر گمراہی کا شکار ہو گئے کہ جس طرح کعبہ کی طرف ہدیے اور نذرانے لائے جاتے تھے، اسی طرح وہ عزیٰ کی طرف نذرانے لے جانے لگے۔ [1]

دوسرے الفاظ میں معاذ اللہ وہ کعبہ کی طرح عزیٰ کی تعظیم کرنے لگے۔ درحقیقت یہ سب شیطان کی کارستانی تھی جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ عزیٰ ایک شیطان تھا جو بطن نخلہ میں ببول کے تین درختوں میں آیا کرتا تھا۔ [2] عزیٰ کی پوجا پاٹ شروع کرنے والا اصل ظالم بن اسعد نامی ایک شخص تھا۔ ہشام کلبی نے لکھا ہے کہ عزیٰ لات اور مناۃ کے بعد وجود میں آیا کیونکہ میں نے عرب کے لوگوں سے سنا کہ انھوں نے عزیٰ سے پہلے لات اور منات کے ناموں کے ساتھ اپنے نام رکھے۔ [3] بہر حال عزیٰ کی محبت اہلِ عرب کے دل و دماغ پر ایسی چھائی کہ ان میں سے بہت سوں نے اپنے بچوں کا نام ہی عبدالعزیٰ (عزیٰ کا بندہ) رکھ دیا۔ وہ بے دھڑک عزیٰ کی قسمیں کھایا کرتے تھے۔ قریش بھی عزیٰ پر بڑا ناز کرتے تھے۔ اس کا اندازہ ابوسفیان کے اس مشرکانہ جملے سے لگایا جا سکتا ہے جو اس نے غزوۂ احد کے موقع پر بڑے فخریہ انداز میں کہا تھا: لَنَا الْعُزّٰى وَلَا عُزّٰى لَكُمْ. ''ہمارا عزیٰ ہے اور تمھارا کوئی عزیٰ نہیں۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سرفروشوں سے فرمایا کہ اس کے باطل جملے کا یہ جواب دو:

«اَللّٰهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰى لَكُمْ» ''اللہ ہمارا کارساز ہے اور تمھارا کوئی کارساز نہیں۔'' [4]

قرآن مجید میں دیگر بتوں کے ساتھ عزیٰ کا بھی تذکرہ ہوا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

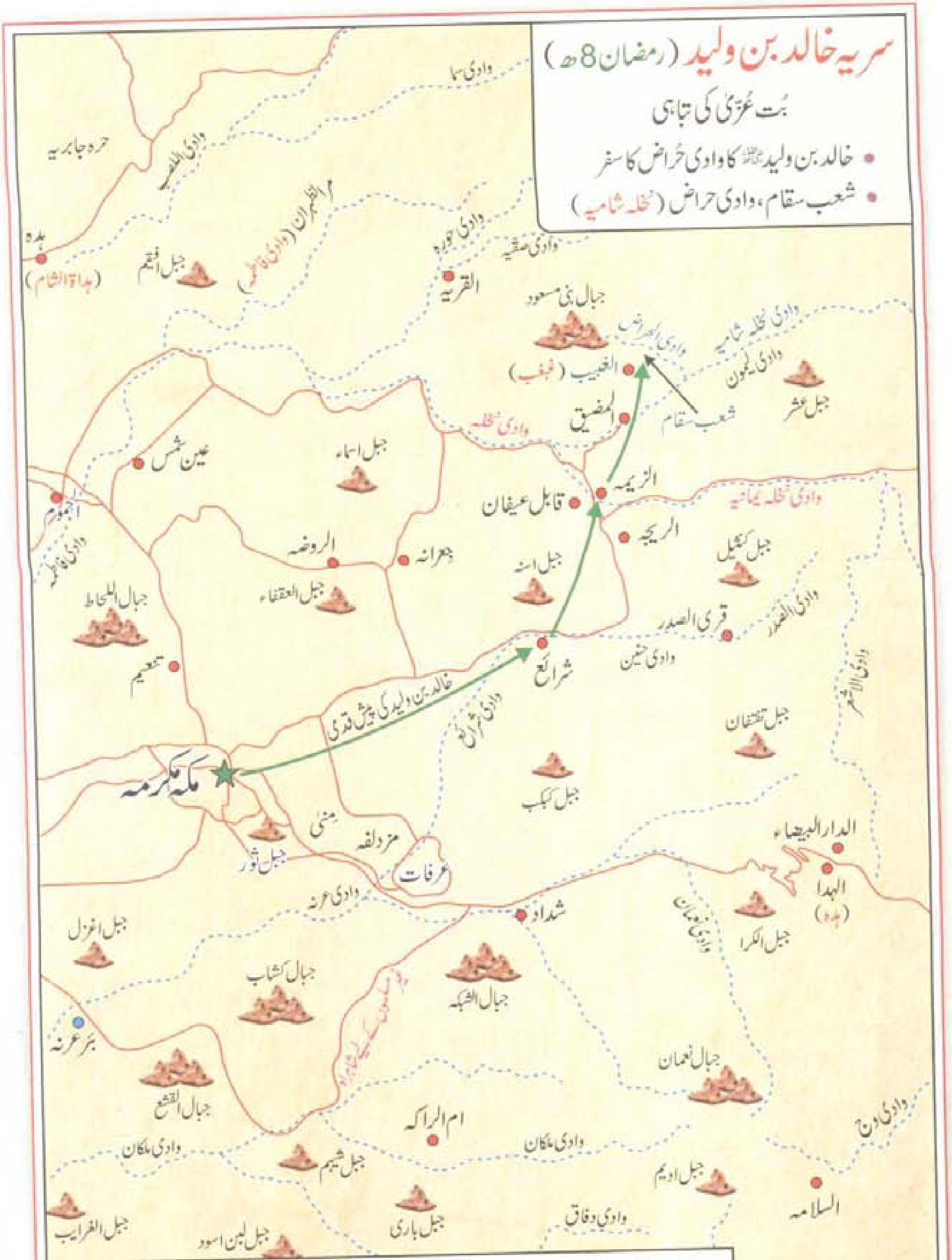
﴿اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ۝ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ۝﴾

''کیا تم نے لات اور عزیٰ کو دیکھا اور تیسری (دیوی) مناۃ کو جو گھٹیا ہے؟'' [5]

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی عزیٰ کی طرف پیش قدمی

عزیٰ کو مسمار کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظرِ انتخاب سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ پر پڑی۔ آپ نے انھیں تیس شہسواروں کے ہمراہ اس مہم پر روانہ فرمایا۔ یہ 25 رمضان المبارک 8 ھ کا دن تھا۔ [6] سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ نخلہ پہنچے۔ انھوں نے یکبارگی ببول کے تینوں درخت کاٹ ڈالے اور ان پر بنی ہوئی عمارت کو ڈھا کر خاک میں ملا دیا۔ اس کے بعد وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور اپنی کارگزاری بیان کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

[1] الروض الأنف: 384/1. [2] الأصنام للكلبي، ص: 4. [3] الأصنام للكلبي، ص: 3. [4] صحيح البخاري: 4043. [5] النجم 20,19:53. [6] تاريخ الطبري: 340/2، الطبقات لابن سعد: 145/2.



عزیٰ کا بت غبغب نامی قربان گاہ میں نصب تھا جو نخلہ شامیہ کی وادی حراض میں سقام نامی گھاٹی کے اندر واقع تھی۔ وادی حراض آج بھی اسی نام سے موسوم ہے اور الغبیب نامی بستی ان دنوں نخلہ شامیہ میں قصبہ المضیق سے چند کلومیٹر شمال میں واقع ہے۔

نے ان سے دریافت فرمایا: «هَلْ رَأَيْتَ شَيْئًا؟» ''کیا تم نے (وہاں) کچھ دیکھا بھی تھا؟''

خالد رضی اللہ عنہ نے عرض کی: نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «فَإِنَّكَ لَمْ تَهْدِمْهَا، فَارْجِعْ إِلَيْهَا فَاهْدِمْهَا» ''پھر تم نے اسے ڈھایا ہی نہیں۔ دوبارہ جاؤ، اور اسے ڈھا کر آؤ۔''

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے حکم نبوی کی تعمیل کی اور عزیٰ کا نام ونشان مٹانے کے لیے دوبارہ روانہ ہو گئے۔[1]

عزیٰ کے مجاوروں کی دہائی

عزیٰ کے مجاوروں نے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو دیگر مجاہدینِ اسلام کے ساتھ اپنی طرف آتے دیکھا تو وہ سمجھ گئے کہ یہ ادھورا کام مکمل کرنے کے لیے دوبارہ آئے ہیں، چنانچہ وہ گھبرا کر پہاڑ پر جا چڑھے۔ وہ سب عزیٰ کو یہ دہائی دے رہے تھے: يَا عُزّٰى! خَبِّلِيهِ، يَا عُزّٰى! عَوِّرِيهِ، وَإِلَّا فَمُوتِي بِرَغْمٍ. ''اے عزیٰ! اسے دیوانہ بنا دے، اے عزیٰ! اسے کانا کر دے۔ اگر تو ایسا نہیں کر سکتی تو خود ہی ذلیل ورسوا ہو جا اور موت کے گھاٹ اتر جا۔''[2]

ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ جب عزیٰ کے سلمی مجاور نے خالد رضی اللہ عنہ کی آمد کے بارے میں سنا تو اس نے عزیٰ کے ٹھکانے پر اپنی تلوار لٹکا دی اور خود یہ کہتا ہوا پہاڑ پر چڑھ گیا:

أَيَا عُزَّ! شُدِّي شَدَّةً لَّا شَوٰى لَهَا عَلٰى خَالِدٍ أَلْقِي الْقِنَاعَ وَشَمِّرِي

يَا عُزَّ! إِنْ لَّمْ تَقْتُلِي الْمَرْءَ خَالِدًا فَبُوئِي بِإِثْمٍ عَاجِلٍ أَوْ تَنَصَّرِي

''اے عزیٰ! خالد پر ایسا زوردار حملہ کر جو کچھ بھی باقی نہ رہنے دے۔ اپنا آنچل اٹھا دے اور پھرتی دکھا دے۔ اے عزیٰ! اگر تو نے خالد کو قتل نہ کیا تو پھر اس کا سارا گناہ اپنے سر لے لے یا پھر مدد کر۔''[3]

کلبی نے اس سلمی مجاور کا نام دبیہ بن حرمی بیان کیا ہے۔[4]

عزیٰ کی تباہی

سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ شیر کی طرح عزیٰ پر ٹوٹ پڑے۔ انھوں نے اپنی تلوار سونتی۔ اس مرتبہ ایک کالی ننگ دھڑنگ عورت نکل کر ان کی طرف آئی۔ اس کے بال کھلے ہوئے تھے، وہ اپنے سر پر مٹی ڈال رہی تھی اور آہ و بکا کر رہی تھی۔ مجاور اسے چیخ چیخ کر مدد کے لیے پکار رہے تھے۔ ادھر سیدنا خالد رضی اللہ عنہ یہ شعر پڑھتے ہوئے اس پر حملہ آور ہوئے:

يَا عُزَّ! كُفْرَانَكِ لَا سُبْحَانَكِ إِنِّي رَأَيْتُ اللّٰهَ قَدْ أَهَانَكِ

[1] الطبقات لابن سعد: 146,145/2، السنن الكبرى للنسائي: 474/6. [2] دلائل النبوة للبيهقي: 77/5. [3] السيرة لابن هشام: 79/4. [4] الأصنام للكلبي، ص: 4.

''اے عزیٰ! میں تیرا انکار کرتا ہوں۔ میں تیری پاکی بیان نہیں کرتا۔ میں نے دیکھ لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے ذلیل کر دیا ہے۔'' [1]

انھوں نے عُزیٰ پر تلوار کی ایسی زبردست ضرب لگائی کہ اس کے دو ٹکڑے ہو گئے اور وہ اپنے ذلت ناک انجام کو پہنچ گئی۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے وہاں موجود سارے زیورات اپنے قبضے میں لیے، اور واپس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ کر اپنی مہم کی پوری رپورٹ پیش کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اطلاعات سن کر ارشاد فرمایا:

«نَعَمْ تِلْكَ الْعُزّٰى، وَقَدْ يَئِسَتْ أَنْ تُعْبَدَ بِبِلَادِكُمْ أَبَدًا»

''ہاں، وہی عزیٰ تھی۔ اب وہ اس بات سے مایوس ہو چکی ہے کہ تمھارے ملک میں کبھی اس کی پوجا کی جائے۔'' [2]

باپ کی گمراہی پر تعجب

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کا باپ ولید بن مغیرہ عزیٰ کا زبردست پجاری تھا۔ وہ بڑے اہتمام کے ساتھ اس کے بت کدے میں جانور قربان کرتا اور یہاں آکر کچھ دن قیام کرتا تھا۔ اللہ کی قدرت کے کیا کہنے کہ اللہ تعالیٰ نے اسی کے موحد بیٹے کے ہاتھوں عزیٰ کا صنم خانہ ہمیشہ کے لیے نیست و نابود کر دیا۔

چنانچہ اس موقع پر سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اپنے گمراہ باپ کی یاد آگئی کہ وہ کس قدر فریب کا شکار تھا کہ عزیٰ کو پوجتا تھا۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ عزیٰ کی بے بسی اور بے مائیگی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ آئے تھے کہ جو خود اپنے آپ کو نہ بچا سکی، وہ کسی اور کو کیا بچائے گی! انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی:

''اے اللہ کے رسول! سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں عزت دی اور ہلاکت سے بچالیا۔ میں اپنے باپ کو دیکھا کرتا تھا، وہ اپنی طرف سے سو اونٹ اور بکریوں کا عطیہ عزیٰ کے بت خانے پر لے جاتا تھا اور انھیں عزیٰ کے نام پر قربان کر دیتا تھا۔ پھر وہ وہاں تین دن رہ کر ہمارے پاس خوش و خرم لوٹتا تھا۔ میں نے اس حالت پر غور کیا ہے جس پر میرے باپ کو موت آئی۔ اس کا عقیدہ اس کی شخصیت میں رچ بس گیا۔ وہ کس قدر دھوکے کا شکار ہوا کہ اس نے ایک ایسے پتھر کے لیے جانور قربان کر دیے جو نہ سنتا تھا، نہ دیکھتا تھا، نہ نقصان پہنچا سکتا تھا، نہ کوئی فائدہ!''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد رضی اللہ عنہ کی اپنے باپ کے متعلق یہ دکھ بھری گفتگو سنی تو ارشاد فرمایا:

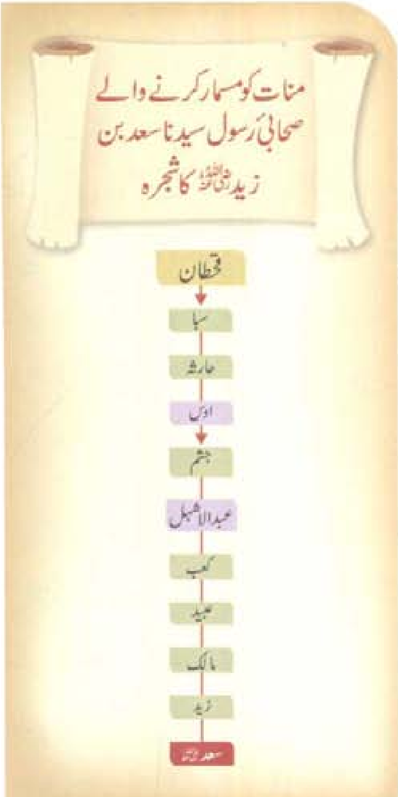
[1] المصنف لابن أبي شيبة: 409/7. [2] السنن الكبرٰى للنسائي: 474/6، الطبقات لابن سعد: 146/2، تاريخ الطبري: 340/2.

«اِنَّ هٰذَا الْاَمْرَ اِلَى اللّٰهِ فَمَنْ يَّسَّرَهُ لِلْهُدٰى تَيَسَّرَ، وَمَنْ يَّسَّرَهُ لِلضَّلَالَةِ كَانَ فِيهَا»

”یہ معاملہ اللہ کے حوالے ہے۔ جسے وہ ہدایت کی توفیق دے دے، اسے ہدایت میسر آجاتی ہے اور جس کے لیے وہ گمراہی کو آسان کر دے، وہ اسی میں پڑا رہتا ہے۔“ [1]

منات کی بربادی

اسی رمضان کے مہینے میں رسول اللہ ﷺ نے سیدنا سعد بن زید اشہلی رضی اللہ عنہ کو بیس شہسواروں کے ساتھ منات کا صنم خانہ مسمار کرنے کے لیے روانہ فرمایا۔ [2] یہ قدیم ترین بت تھا۔ اس کی پوجا کا آغاز بھی عمرو بن لحی ہی کا سیاہ کارنامہ تھا۔ اسے بحیرۂ احمر کے ساحل پر قُدَید کے قریب مُشَلَّل کے مقام پر نصب کیا گیا تھا۔ [3] اوس و خزرج، ازد، غسان، ہذیل، خزاعہ، قریش، غرض سارے عرب قبائل اس کی تعظیم کرتے اور اس کے استھان پر جانور ذبح کرتے تھے لیکن یہ اوس و خزرج کا خاص بت تھا۔ ان سے بڑھ کر اور کوئی اس کی تعظیم نہیں کرتا تھا۔ ان کی حالت یہ تھی کہ جب حج کے لیے جاتے تو وہاں اپنے سر کے بال نہیں منڈاتے تھے بلکہ جب منیٰ سے لوٹتے تو منات کے پاس آکر اپنے بال منڈاتے تھے اور یہاں ٹھہرا بھی کرتے تھے۔ منات کے مجاور ازد کی شاخ بنوغطریف سے تھے۔ [4]



صحیح بخاری میں ہے کہ اوس و خزرج اور غسان کے لوگ مسلمان ہونے سے پہلے منات کے نام پر احرام باندھتے تھے اور پھر منات کی تعظیم کے پیش نظر صفا اور مروہ کے درمیان سعی بھی نہیں کرتے تھے۔ [5]

سعد بن زید رضی اللہ عنہ نے منات کو پامال کر دیا

سیدنا سعد بن زید اشہلی رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کو لے کر منات کے پاس پہنچے۔ اس کا مجاور وہاں موجود تھا۔ اس نے پوچھا: تمھارا کیا ارادہ ہے؟ سعد رضی اللہ عنہ نے بے دھڑک جواب دیا: منات کو ڈھانا چاہتا ہوں۔ یہ سن کر مجاور نے کہا: تم جانو اور منات جانے۔

1 المغازي للواقدي :293,292/2. 2 الطبقات لابن سعد :147,146/2. 3 صحيح البخاري : 1790 و 4861.
4 الأصنام للكلبي، ص :2، المفصل في تاريخ العرب قبل الإسلام 248,247/6. 5 صحيح البخاري :4861.

سعد رضی اللہ عنہ بے خوف و خطر منات کی طرف بڑھے۔ اتنے میں ایک کالی، ننگی اور پراگندہ بال عورت نکلی۔ وہ اپنا سینہ پیٹ رہی تھی اور ہائے ہائے کر رہی تھی۔ مجاور نے اسے پکارتے ہوئے کہا: منات! اپنے گستاخوں کو پکڑ لے۔ وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ وہ اپنا دفاع خود کر لے گی اور اپنے گستاخوں کو عبرتناک انجام سے دوچار کر دے گی لیکن اس کی پکار بے سود ثابت ہوئی۔ سعد رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر اس عورت کو ٹھکانے لگا دیا۔ اس کے بعد انھوں نے اور ان کے ساتھیوں نے اس بت خانے کو مسمار کر دیا۔ انھیں اس جگہ کے خزانے سے کچھ نہ ملا۔ چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں واپس آ گئے۔ یہ کارروائی 24 رمضان المبارک 8 ھ کو عمل میں آئی۔ [1]

ابن ہشام نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منات کی طرف ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا تھا اور انھوں نے اسے گرایا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ کام سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے انجام دیا تھا۔ [2] کلبی نے بھی یہی ذکر کیا ہے کہ آپ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو منات کی طرف بھیجا تھا۔ انھوں نے اسے ڈھا دیا اور وہاں موجود تمام چیزیں اپنے قبضے میں لے لیں۔ انھیں ان چیزوں میں وہ دو تلواریں بھی ملیں جو شاہِ غسان حارث بن ابی شمر غسانی نے منات کے لیے نذرانے کے طور پر پیش کی تھیں۔ ایک کا نام مِخْذَم اور دوسری کا رَسُوب تھا۔ آپ ﷺ نے وہ دونوں تلواریں علی رضی اللہ عنہ کو ہبہ کر دیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کی ذوالفقار نامی تلوار انھی دو تلواروں میں سے ایک ہے۔ [3] لیکن ابن ہشام نے مذکورہ دونوں تلواروں کا ذکر فلس کے بت خانے کا تذکرہ کرتے ہوئے کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اس کی طرف روانہ کیا۔ انھوں نے اسے ڈھایا تو انھیں وہاں سے مندرجہ بالا دونوں تلواریں ملیں۔ [4] بہرحال واقدی اور ابن سعد کی رائے یہی ہے کہ منات کو سعد بن زید اشہلی رضی اللہ عنہ نے مسمار کیا تھا۔ [5] واللہ أعلم بالصواب

سواع کی شامت

رمضان المبارک 8 ھ ہی میں رسول اللہ ﷺ نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو ایک لشکر کے ہمراہ سواع کا بت خانہ ڈھانے کے لیے روانہ فرمایا۔ [6] سواع ان پانچ بتوں میں سے ایک تھا جن کی نوح علیہ السلام کی قوم پوجا کرتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان پانچ بتوں کا تذکرہ اس طرح کیا ہے:

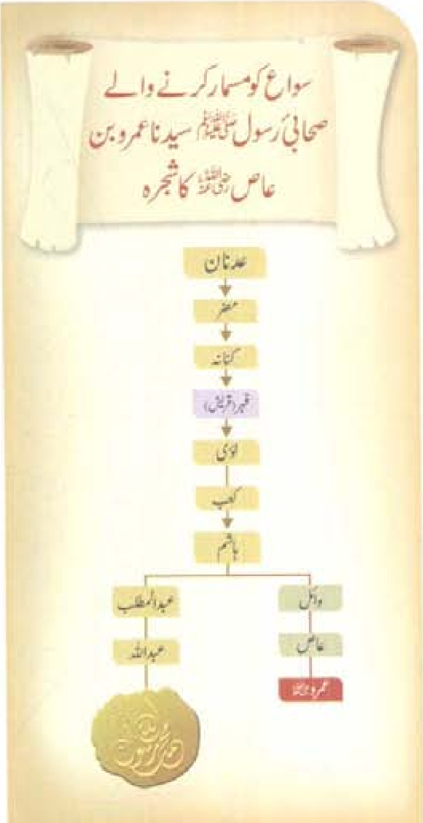
﴿وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ۝﴾

"اور انھوں نے کہا: تم اپنے معبودوں کو نہ چھوڑو، اور نہ چھوڑو تم ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو۔" [7]

[1] الطبقات لابن سعد :147/2. [2] السيرة لابن هشام :86/1. [3] الأصنام للكلبي، ص :2. [4] السيرة لابن هشام :87/1.
[5] المغازي للواقدي :290/2. [6] الطبقات لابن سعد :146/2. [7] نوح 23:71.

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ان پانچوں بتوں کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

أَسْمَاءُ رِجَالٍ صَالِحِينَ مِنْ قَوْمِ نُوحٍ، فَلَمَّا هَلَكُوا أَوْحَى الشَّيْطَانُ إِلَى قَوْمِهِمْ أَنِ انْصِبُوا إِلَى مَجَالِسِهِمُ الَّتِي كَانُوا يَجْلِسُونَ أَنْصَابًا وَّسَمُّوهَا بِأَسْمَائِهِمْ، فَفَعَلُوا فَلَمْ تُعْبَدْ، حَتَّى إِذَا هَلَكَ أُولٰئِكَ وَتَنَسَّخَ الْعِلْمُ عُبِدَتْ.



”یہ نوح علیہ السلام کی قوم کے نیک لوگوں کے نام ہیں۔ جب وہ فوت ہوئے تو شیطان نے ان کی قوم کے دل میں یہ بات ڈالی کہ وہ جن مجلسوں میں بیٹھا کرتے تھے وہاں ان کے بت بنا کر نصب کر دو اور ان بتوں کو انھی کے ناموں سے موسوم کر دو، چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا مگر ان بتوں کی پوجا نہیں کی گئی۔ پھر جب یہ تمام لوگ فوت ہوگئے اور علم ختم ہوگیا تو ان بتوں کی پوجا شروع ہوگئی۔“

انھوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ نوح علیہ السلام کی قوم کے بعد ان بتوں کو عرب کے لوگوں نے بھی پوجنا شروع کر دیا۔ اسی ضمن میں ہذیل سواع کی پوجا کرنے لگے۔[1]

سواع نامی بت بھی عمرو بن لحی ہی عرب کے لوگوں کے پاس لایا تھا۔ اسی نے ان لوگوں سے اس کی پوجا شروع کرائی تھی۔ کلبی نے بیان کیا ہے کہ عمرو بن لحی کاہن تھا اور اس کا ایک موکل جن تھا۔ اس جن نے اسے بتایا کہ قومِ نوح کے بت جدہ میں موجود ہیں، لہٰذا تو جلدی سے وہاں جا اور بلا خوف و خطر یہ بت تہامہ کے علاقے میں لے آ، پھر عرب کے لوگوں کو ان کی پرستش کی دعوت دے، وہ تیری بات مان لیں گے۔ عمرو بن لحی جدہ پہنچا اور ان بتوں کو تہامہ لے آیا۔ جب حج کا موسم آیا تو اس نے سارے عرب کو ان بتوں کی پرستش کی دعوت دی ...... دوسرے لوگوں کی طرح مضر بن نزار نے بھی اس کی بات مان لی، چنانچہ سواع بت کو ہذیل بن مدرکہ بن الیاس بن مضر کے ایک شخص حارث بن تمیم بن سعد کے سپرد کر دیا گیا۔[2]

[1] صحيح البخاري: 4920. [2] الأصنام للكلبي، ص: 10، إغاثة اللهفان: 2/256,255.

سواع کی شکل ایک عورت کی تھی۔ اسے ینبع کے علاقے وہاط میں نصب کر دیا گیا اور بنو ہذیل اس کی پوجا کرنے لگے۔ وہ اس کی تعظیم کے ساتھ ساتھ اس کا طواف بھی کرتے تھے۔ [1] اس کے مجاور بنولحیان تھے جو ہذیل ہی کی ایک شاخ ہے۔ [2]

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے سواع کو ڈھا دیا

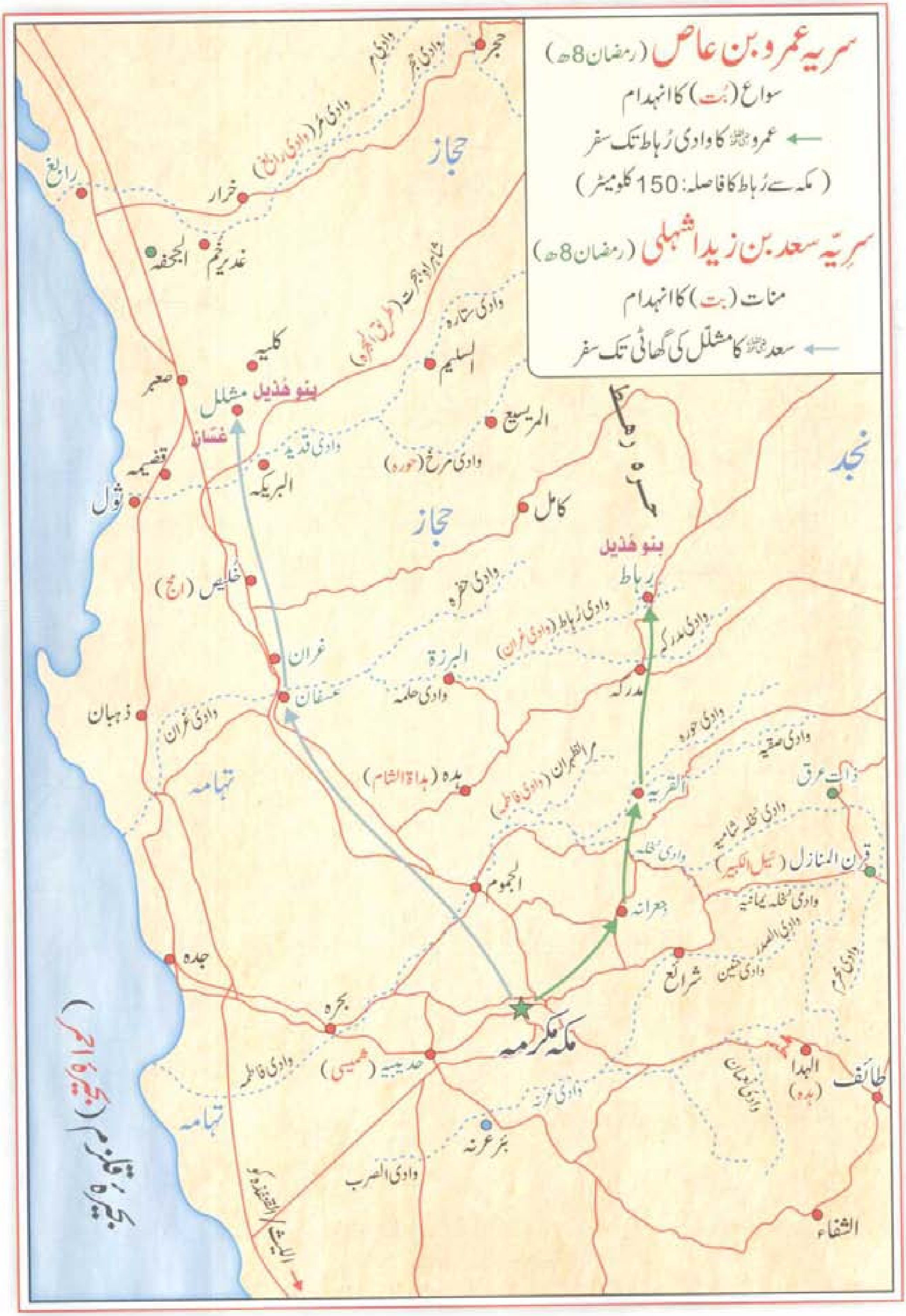
سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ حکم نبوی کی تعمیل کرتے ہوئے ہذیل کے بت سواع کی طرف روانہ ہوئے۔ آیئے! سواع کی تباہی کا تذکرہ انھی کی زبانی سنتے ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ جب میں سواع کے پاس پہنچا تو وہاں اس کا مجاور موجود تھا۔ وہ بولا: تم کیا چاہتے ہو؟ میں نے کہا: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ سواع کو ڈھا دیا جائے۔ یہ سن کر وہ کہنے لگا: تم اس کی طاقت نہیں رکھتے۔ میں نے کہا: کیوں نہیں؟ اس نے کہا: تمھیں اس کام سے روک دیا جائے گا۔ میں نے کہا: تم پر افسوس! تم ابھی تک باطل ہی پر اڑے ہوئے ہو؟ ذرا سوچو، کیا یہ بت سنتا یا دیکھتا ہے؟ اس کے بعد میں نے اس بُت کے پاس پہنچ کر اسے توڑ دیا اور اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ وہ اس کے خزانے والا مکان ڈھا دیں۔ انھوں نے اسے ڈھا دیا۔ مگر وہاں کچھ بھی نہ ملا، پھر میں نے مجاور سے کہا: اب تمھارا کیا خیال ہے؟ وہ بے اختیار پکار اٹھا: اب میں اللہ کی اطاعت اختیار کرتا ہوں۔ [3]

یہ سب کچھ کیا تھا؟ دراصل مجاور نے اپنی آنکھوں سے سواع کا انجام دیکھ کر عبرت پکڑی۔ اُس پر یہ حقیقت کھل گئی کہ یہ تو محض پتھر کا ایک بے وقعت ٹکڑا ہے، اس سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ یہ تو خود اپنے آپ کو نہیں بچا سکا، کسی اور کو کیا بچائے گا۔ یقیناً ہم اس کے بارے میں دھوکے میں مبتلا تھے۔ جب مجاور کی آنکھوں سے جہالت کے پردے اٹھ گئے تو وہ فوری طور پر شرک و کفر سے تائب ہو کر مسلمان ہو گیا۔

[1] سبل الهدٰى والرشاد: 198/6، السيرة الحلبية: 209/3. [2] الأصنام للكلبي، ص: 1. [3] الطبقات لابن سعد: 146/2، المغازي للواقدي: 290/2.



ینبع کی بندرگاہ (بحیرۂ احمر)


سریہ عمرو بن عاص (رمضان 8ھ)
سواع (بُت) کا انہدام
عمرو رضی اللہ عنہ کا وادی رُہاط تک سفر
(مکہ سے رُہاط کا فاصلہ: 150 کلومیٹر)
سریہ سعد بن زید اشہلی (رمضان 8ھ)
منات (بت) کا انہدام
سعد رضی اللہ عنہ کا مشلل کی گھاٹی تک سفر
حجاز
نجد
تہامہ
بنو ھذیل
رُہاط
مشلل
غسان
رابغ
خرار
الجحفہ
غدیر خم
کلیہ
صعبر
قضیمہ
ثول
البریکہ
السلیم
المریسیع
کامل
خلیص (امج)
غران
عسفان
البرزہ
مدرکہ
ذہبان
ہدہ (ہداۃ الشام)
القریہ
ذات عرق
قرن المنازل (سیل الکبیر)
الجموم
جعرانہ
شرائع
جدہ
بحرہ
مکہ مکرمہ
حدیبیہ (شمیسی)
طائف
الہدا (ہدہ)
بئر عرنہ
وادی الضرب
الشفاء
بحیرۂ قلزم (بحیرۂ احمر)

سریۂ بنی جذیمہ

فتح مکہ کے بعد اور غزوۂ حنین سے پہلے رونما ہونے والا ایک اہم ترین سریہ، سریۂ بنی جذیمہ ہے۔ اس کی شہرت کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اس میں سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے ایک بہت بڑی تاریخی اور اجتہادی غلطی سرزد ہوئی۔ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اتنا بڑا حادثہ ہو جائے گا۔ ہوا یہ کہ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی غلط فہمی کے باعث بنوجذیمہ کے بہت سے بے قصور لوگ قتل ہو گئے۔ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ لوگ ابھی تک کفر و شرک ہی میں مبتلا ہیں، حالانکہ وہ مسلمان ہو چکے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے اس غلط فعل پر ان سے سخت ناراض ہوئے اور آپ نے مقتولین کی دیت ادا فرمائی۔ اب ہم یہ واقعہ ضروری تفصیل کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب

سریۂ بنوجذیمہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خواب بھی مذکور ہے، اس سے پتا چلتا ہے کہ اس سریے میں سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی غلط فہمی کی وجہ سے جو کچھ ہوا، وہ دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خواب کی عملی تعبیر تھی۔ ابن ہشام نے آپ کا یہ خواب نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«رَأَيْتُ كَأَنِّي لَقِمْتُ لُقْمَةً مِّنْ حَيْسٍ، فَالْتَذَذْتُ طَعْمَهَا، فَاعْتَرَضَ فِي حَلْقِي مِنْهَا شَيْءٌ حِيْنَ ابْتَلَعْتُهَا، فَأَدْخَلَ عَلِيٌّ يَدَهُ فَنَزَعَهُ»

''میں نے خواب میں دیکھا کہ میں نے حیس (کھجور، پنیر اور گھی ملا کر بنایا ہوا کھانا) کا ایک لقمہ لیا تو مجھے اس کا ذائقہ لذیذ لگا۔ جب میں نے اسے نگلا تو اس کا کچھ حصہ میرے حلق میں پھنس گیا۔ پھر علی نے اپنا ہاتھ ڈال کر اسے نکالا۔''

یہ سن کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کی تعبیر بتاتے ہوئے کہا: اے اللہ کے رسول! یہ آپ کے سرایا میں سے ایک سریہ ہے جسے آپ روانہ کریں گے۔ اس کی کچھ چیزیں تو آپ کو پسند آئیں گی اور کچھ قابلِ اعتراض ہوں گی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم


میقات یلملم

علی رضی اللہ عنہ کو روانہ کریں گے اور وہ اس میں آسانی کر دیں گے۔ [1]

خالد رضی اللہ عنہ کی بنو جذیمہ کی طرف روانگی

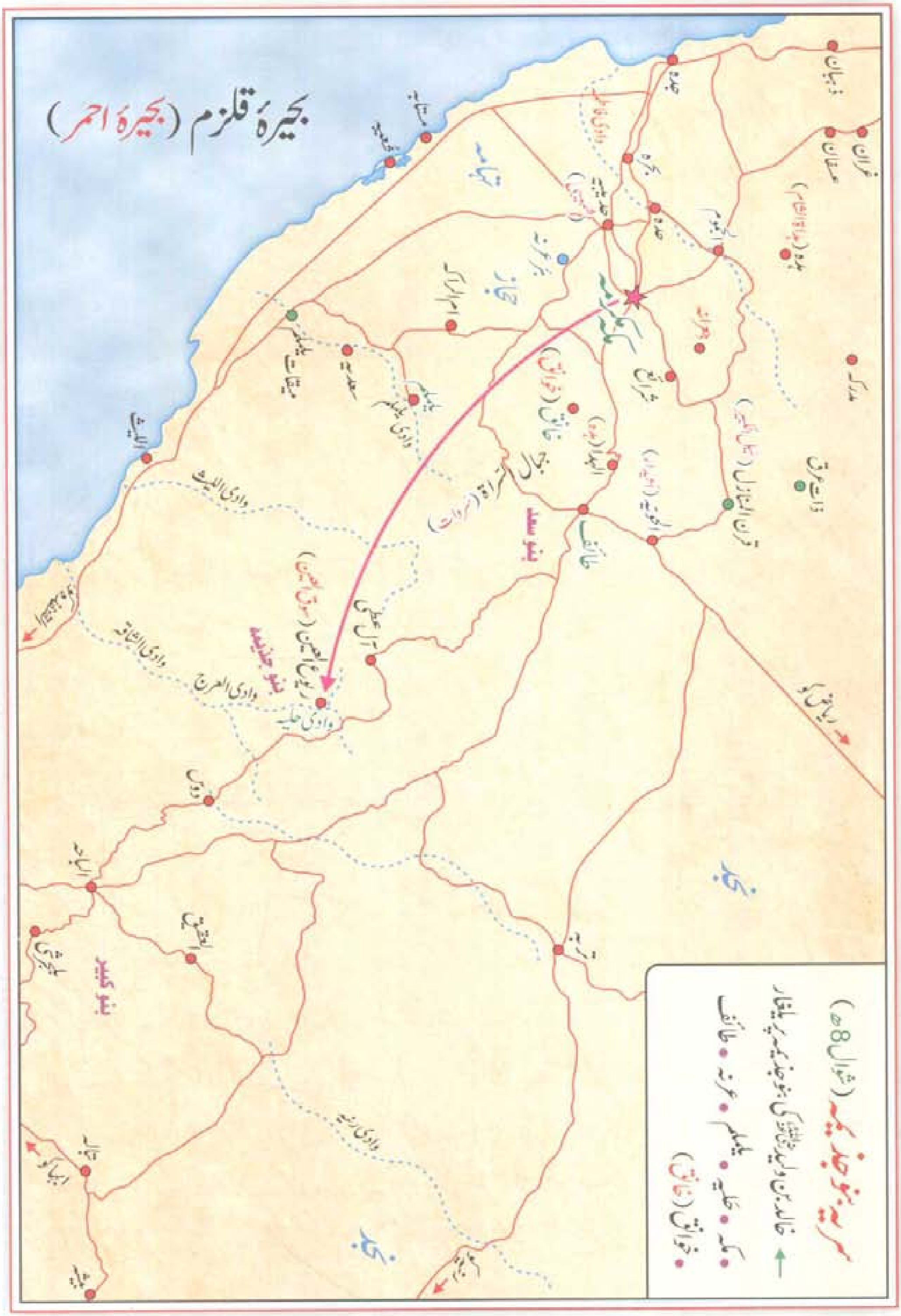
واقدی نے بیان کیا ہے کہ جب سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ عزیٰ کو ڈھا کر واپس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مکہ پہنچے تو آپ نے انھیں بنو جذیمہ کی طرف روانہ فرما دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں لڑائی کے لیے نہیں بلکہ اسلام کی دعوت دینے کے لیے بھیجا تھا۔ وہ مہاجرین و انصار اور بنو سلیم کے تین سو پچاس افراد کے ہمراہ نکلے۔ [2] ابن اسحاق نے بنو مدلج بن مرہ کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ [3] یہ لشکر شوال 8 ھ میں روانہ ہوا۔ بنو جذیمہ، کنانہ کی ایک شاخ تھے۔ یہ مکہ کے نیچے کی جانب ایک رات کے فاصلے پر یلملم کی طرف آباد تھے۔ [4]

سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بنو جذیمہ کے پاس پہنچے اور انھیں اسلام کی دعوت دی۔ ان سادہ منش لوگوں کو أَسْلَمْنَا (ہم اسلام لائے) کہنا نہیں آتا تھا، چنانچہ وہ صَبَأْنَا صَبَأْنَا کہنے لگے، یعنی ہم نے اپنا دین چھوڑا، ہم اپنے آبائی دین سے ہٹ گئے۔ یہ بات سُن کر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو یہ غلط فہمی لاحق ہوگئی کہ یہ لوگ اسلام قبول نہیں کر رہے۔ چنانچہ انھوں نے اسی غلط فہمی کی بنا پر ان لوگوں کو قتل اور قید کرنا شروع کر دیا۔ [5]

ابن سعد نے یہ واقعہ اس طرح نقل کیا ہے کہ جب خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بنو جذیمہ کے پاس پہنچے تو انھوں نے ان لوگوں سے پوچھا: تم کس دین پر ہو؟ انھوں نے جواب دیا: ہم مسلمان ہیں۔ ہم نماز پڑھتے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرتے ہیں، ہم نے اپنے میدانوں میں مسجدیں بھی تعمیر کی ہوئی ہیں، ہم ان میں اذان بھی دیتے ہیں۔ انھوں نے پوچھا: پھر تم نے یہ ہتھیار کیوں اُٹھا رکھے ہیں؟ وہ بولے: ہمارے اور عرب کی ایک قوم کے درمیان دشمنی چلی آرہی ہے۔ ہمیں یہ خوف لاحق ہوا، مبادا تم وہی دشمن لوگ ہو، اس لیے ہم نے ہتھیار تھام لیے۔ [6]

ابن اسحاق نے بھی یہی بیان کیا ہے کہ خالد بن ولید اور ان کے ساتھی جب بنو جذیمہ کی سرزمین پر پہنچے تو ان لوگوں نے انھیں آتا دیکھ کر ہتھیار اُٹھا لیے۔ خالد رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: ہتھیار رکھ دو۔ لوگ تو اسلام قبول کر چکے ہیں۔ خالد رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر ان میں سے ایک شخص بَحْدَم اُٹھ کھڑا ہوا۔ اُس نے کہا: اے بنو جذیمہ! تم پر افسوس،

[1] السيرة لابن هشام: 72/4. [2] المغازي للواقدي: 294/2، الطبقات لابن سعد: 147/2. [3] السيرة لابن هشام: 71/4.
[4] الطبقات لابن سعد: 147/2، فتح الباري: 71/8. [5] صحيح البخاري: 4339. [6] الطبقات لابن سعد: 147/2.


بحیرۂ قلزم (بحیرۂ احمر)
سریہ بنو جذیمہ (شوال 8ھ)
خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی بنو جذیمہ پر یلغار
بنو جذیمہ
بنو سعد
بنو کنانہ
طائف

یہ خالد (رضی اللہ عنہ) ہے۔ اللہ کی قسم! ہتھیار رکھ دینے کے بعد قید کا سامنا ہوگا اور قید کے بعد گردنیں ہی ماری جائیں گی۔ اللہ کی قسم! میں تو کبھی ہتھیار نہیں رکھوں گا۔ اس کی قوم کے کچھ لوگوں نے اسے پکڑا اور کہا: جحدم! کیا تو ہمارا خون بہانا چاہتا ہے؟ لوگ اسلام قبول کر چکے ہیں اور انھوں نے ہتھیار رکھ دیے ہیں۔ جنگ ختم ہو چکی ہے اور لوگ پُر امن ہو گئے ہیں۔ وہ اس کے ساتھ لگے رہے یہاں تک کہ انھوں نے اس سے ہتھیار لے لیے۔ بنو جذیمہ کے دوسرے لوگوں نے بھی خالد رضی اللہ عنہ کے کہنے پر ہتھیار رکھ دیے۔ [1]

بنو جذیمہ کی گرفتاری

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں سے کہا کہ گرفتاری دے دو۔ یہ صورت حال دیکھ کر جحدم بول اٹھا: اے بنو جذیمہ! لڑنے کا وقت ہاتھ سے نکل چکا۔ تم جس مصیبت میں پھنس گئے ہو، میں نے تمھیں اس سے خبردار کر دیا تھا۔ [2] واقدی کی روایت میں ہے کہ جحدم نے اپنی قوم کو کوستے ہوئے کہا: اے میری قوم! ایک قید ہونے والی مسلمان قوم سے خالد کا کیا ارادہ ہوسکتا ہے۔ اللہ کی قسم! ان کا ارادہ تو بس یہی ہے کہ تلوار سے تمھارا کام تمام کر دیا جائے۔ تم نے میری مخالفت کی اور میری بات نہیں مانی۔ چنانچہ انھوں نے گرفتاری دے دی۔ خالد رضی اللہ عنہ نے انھی کے کچھ لوگوں کو حکم دیا کہ وہ دوسروں کی مشکیں کس دیں۔ جب انھیں باندھ دیا گیا تو خالد رضی اللہ عنہ نے ہر مسلمان کو ایک یا دو قیدی دے دیے۔ انھوں نے رات اسی طرح قید کی حالت میں بسر کی۔ مسلمان آپس میں ان کے بارے میں مختلف باتیں کر رہے تھے۔ کوئی کہہ رہا تھا: انھوں نے ہمیں خواہ مخواہ قید کر لیا ہے۔ ہم تو انھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر جائیں گے۔ کوئی کہہ رہا تھا: ہم دیکھیں گے کہ یہ لوگ سمع و طاعت کا مظاہرہ کرتے ہیں یا نہیں۔ ہم انھیں جانچیں اور پرکھیں گے۔ جب رات کا آخری وقت ہوا تو خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے آواز لگائی: جس کے پاس کوئی قیدی ہو، وہ اس کا کام تمام کر دے۔ یہ سنتے ہی بنو سلیم نے اپنے پاس موجود تمام قیدیوں کو قتل کر دیا لیکن اس کے برعکس مہاجر اور انصار صحابہ نے اپنے اپنے قیدی رہا کر دیے اور انھیں کچھ نہیں کہا۔ [3] ان کے نزدیک سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا یہ اقدام غیر مناسب تھا، اس لیے انھوں نے ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔

بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کا خالد رضی اللہ عنہ کی بات ماننے سے انکار

خالد رضی اللہ عنہ کی یہ بات نہ ماننے والوں میں ایک نمایاں نام جلیل القدر صحابی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا ہے۔ وہ اپنے متعلق خود بیان کرتے ہیں کہ جب خالد رضی اللہ عنہ نے یہ حکم دیا کہ ہر شخص اپنے قیدی کو قتل کر دے تو میں نے کہا:

[1] السيرة لابن هشام: 71/4. [2] السيرة لابن هشام: 73/4. [3] المغازي للواقدي: 2/295,294.

وَاللّٰهِ! لَا أَقْتُلُ أَسِيرِي، وَلَا يَقْتُلُ رَجُلٌ مِّنْ أَصْحَابِي أَسِيرَهُ.

''اللہ کی قسم! میں اور میرے ساتھیوں میں سے بھی کوئی اپنے قیدیوں کو قتل نہیں کرے گا۔''[1]

واقدی نے نقل کیا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے خالد رضی اللہ عنہ کی یہ بات سنی تو اپنے قیدی کو رہا کر دیا اور کہا: میں یہ پسند نہیں کرتا کہ اپنے قیدی کو قتل کروں، چاہے مجھے اس کے بدلے وہ ساری چیزیں ملیں جن پر سورج طلوع یا غروب ہوتا ہے۔[2] انھوں نے اس سلسلے میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے بھی بات کی لیکن وہ نہ مانے۔ ان کے علاوہ ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام سالم نے بھی اس بارے میں خالد رضی اللہ عنہ سے بات چیت کی۔ ابن ہشام نے نقل کیا ہے کہ بنو جذیمہ کا ایک آدمی چھوٹ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا۔ اُس نے آپ کو ساری بات بتائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دریافت فرمایا: «هَلْ أَنْكَرَ عَلَيْهِ أَحَدٌ؟» ''کیا کسی نے انھیں روکا بھی تھا؟''

وہ بولا: جی ہاں، ایک سفید درمیانے قد والے آدمی نے انھیں منع کیا لیکن خالد رضی اللہ عنہ نے اسے ڈانٹ دیا، چنانچہ وہ خاموش ہوگیا۔ اسی طرح ایک لمبے اور بے ڈول جسامت کے آدمی نے بھی انھیں منع کیا۔ اس نے ان سے بات چیت کی تو دونوں میں تکرار ہوگئی۔ اس شخص کی یہ باتیں سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! پہلا شخص تو میرا بیٹا عبداللہ ہے اور دوسرا ابوحذیفہ کا آزاد کردہ غلام سالم ہے۔[3] واقدی نے اس ضمن میں کچھ اور صحابہ کا بھی ذکر کیا ہے۔ سیدنا سلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا۔ میرے پاس بھی ایک قیدی تھا۔ میں نے اسے رہا کر دیا اور کہا: تو جہاں چاہے، چلا جا۔ سیدنا ابوبشیر مازنی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ بنو جذیمہ میں سے ایک قیدی میرے ساتھ تھا۔ جب خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے آواز لگائی کہ جس کے پاس کوئی قیدی ہے، وہ اسے قتل کر دے تو میں نے اس کی گردن مارنے کے لیے تلوار نکالی۔ قیدی نے مجھ سے کہا: یہ کام تو آپ کر ہی لیں گے مگر ذرا اپنی قوم کی طرف تو دیکھیے۔ میں نے نظر دوڑائی تو کیا دیکھتا ہوں کہ سب انصاریوں نے اپنے قیدی چھوڑ دیے ہیں۔ یہ صورتحال دیکھ کر میں نے اپنے قیدی کو رہا کرتے ہوئے کہا: جہاں چاہو، چلے جاؤ۔ اس نے کہا: اللہ آپ کو برکت سے نوازے۔ لیکن بات یہ ہے کہ جو لوگ رشتے داری میں تم سے زیادہ ہمارے قریب ہیں، یعنی بنوسلیم، انھوں نے ہمیں قتل کر ڈالا ہے۔

ابواُسید اور ابوقتادہ رضی اللہ عنہما کی خالد رضی اللہ عنہ سے بات چیت

مہاجرین اور انصار نے اپنے اپنے قیدی رہا کیے تو سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ انصار سے ناراض ہوئے۔ اس پر سیدنا ابو اسید ساعدی رضی اللہ عنہ نے ان سے بات کی اور کہا: خالد! اللہ سے ڈرو۔ اللہ کی قسم! ہم مسلمان کو قتل نہیں کر

[1] صحيح البخاري: 4339. [2] المغازي للواقدي: 295/2. [3] السيرة لابن هشام: 72/4.

سکتے۔ خالد رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ کو کیسے پتا چلا کہ وہ مسلمان ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: ہم ان سے مسلمان ہونے کا اقرار سن رہے ہیں اور ان کے میدانوں میں مسجدیں موجود ہیں۔ [1]

اسی طرح سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے قیدی کو رہا کر دیا اور خالد رضی اللہ عنہ سے کہا: اللہ سے ڈر جاؤ۔ تمھیں بھی بالآخر مرنا ہے۔ یہ لوگ تو مسلمان ہیں۔ ان کی یہ بات سن کر خالد رضی اللہ عنہ بولے: ابوقتادہ! آپ ان لوگوں کو نہیں جانتے۔ [2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خالد رضی اللہ عنہ کے فعل سے اظہارِ براءت

اسلامی لشکر واپس مکہ مکرمہ پہنچا تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری صورت حال سے آگاہ کیا۔ یہ الم انگیز صورتحال جان کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بے حد رنج ہوا۔ آپ تو شفقت و رحمت کا مجسمہ تھے۔ ہمیشہ خون ریزی سے بچنے کی کوشش کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور دو مرتبہ بارگاہِ ربانی میں یہ عرض کیا:

«اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَبْرَأُ إِلَيْكَ مِمَّا صَنَعَ خَالِدٌ»

''اے اللہ! خالد نے جو کچھ کیا ہے، میں تیرے حضور اس سے بیزاری کا اعلان کرتا ہوں۔'' [3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ میں نے خالد کو ایسا کرنے کے لیے نہیں کہا تھا۔ جو کچھ انھوں نے کیا ہے، میرا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد رضی اللہ عنہ کی طرف سے جلد بازی سے کام لینے اور بنوجذیمہ کے بارے میں اچھی طرح تحقیق نہ کرنے پر سخت ناراضی کا اظہار فرمایا۔

کیا تم میں کوئی رحم دل شخص نہیں تھا؟

سریۂ جذیمہ میں ایک اور افسوس ناک واقعہ بھی پیش آیا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے جب وہ واقعہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش گزار کیا تو آپ کو نہایت دکھ ہوا، اور آپ کی زبان مبارک سے بے ساختہ یہ الفاظ نکلے: «أَمَا كَانَ فِيكُمْ رَجُلٌ رَحِيمٌ؟» ''کیا تم میں کوئی رحم دل شخص موجود نہیں تھا؟''

اس واقعے کو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس طرح بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر روانہ فرمایا تو مالِ غنیمت ان کے ہاتھ آیا۔ ان میں ایک آدمی بھی قید ہوا۔ اس نے لشکر والوں سے کہا: میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں۔ مجھے تو ایک عورت سے عشق ہو گیا تھا تو میں اس سے ملاقات کی غرض سے آیا تھا۔ تم مجھے ذرا مہلت دو کہ میں اُسے ایک نظر دیکھ لوں، پھر تم میرے ساتھ جو چاہو سلوک کرنا۔ انھوں نے اسے اس عورت کو دیکھنے کی اجازت

[1] المغازي للواقدي 2/296,295. [2] المغازي للواقدي :2/298. [3] صحيح البخاري :4339.

دے دی۔ وہ ایک گندمی رنگ کی دراز قد عورت تھی۔ اس شخص نے اس عورت کو مخاطب کر کے کہا:

أَسْلِمِي حُبَيْشُ! قَبْلَ نَفَادِ الْعَيْشِ.

”حبیش! اس سے پہلے کہ زندگی ختم ہو جائے، مان جا۔“

اس کے بعد اس نے درج ذیل اشعار پڑھے:

أَرَأَيْتِ لَوْ تَبِعْتُكُمْ فَلَحِقْتُكُمْ ... بِحَلْيَةَ أَوْ أَدْرَكْتُكُمْ بِالْخَوَانِقِ

أَلَمْ يَكُ حَقًّا أَنْ يُنَوَّلَ عَاشِقٌ ... تَكَلَّفَ إِدْلَاجَ السُّرٰى وَالْوَدَائِقِ

”تمھارا کیا خیال ہے! اگر میں تمھارا پیچھا کروں اور تمھیں حلیہ پر جا ملوں یا خوانق کے مقام پر پالوں، تو کیا عاشق کا یہ حق نہیں کہ اسے رات بھر چلنے اور دوپہر کی سخت گرمی میں سفر کرنے کا صلہ دیا جائے۔“

اس کے یہ اشعار سنتے ہی وہ عورت تڑپ اُٹھی اور بے ساختہ بولی: ہاں، میں تجھ پر فدا ہوں۔ اس کے بعد لشکر والوں نے اس شخص کو پکڑ کر آگے کیا اور اس کی گردن مار دی۔ اس عورت نے جب اپنے محبوب کو موت کے گھاٹ اترتے دیکھا تو اس پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ وہ دوڑتی ہوئی آئی اور اس کی لاش کے پاس کھڑی ہوگئی، پھر اس نے نہایت دردناک چیخیں ماریں، اور وہیں مرگئی۔ جب اسلامی لشکر رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس آیا تو یہ سانحہ بھی آپ ﷺ کے گوش گزار کیا گیا۔ آپ ﷺ نے یہ واقعہ سنتے ہی نہایت رنج و غم کی حالت میں اپنے صحابہ سے فرمایا:

«أَمَا كَانَ فِيكُمْ رَجُلٌ رَحِيمٌ؟»

”کیا تم میں کوئی ترس کھانے والا آدمی نہیں تھا؟“ [1]

درج بالا روایت میں اگرچہ اس سریے کا نام مذکور نہیں، تاہم ابن اسحاق اور واقدی وغیرہ نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ سریۂ بنو جذیمہ ہی میں پیش آیا تھا۔ [2]

ابن اسحاق نے یہ واقعہ اس طرح بیان کیا ہے کہ ابن ابی حدرد اسلمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں اس روز خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے گھڑ سوار دستے میں تھا۔ بنو جذیمہ کا ایک قیدی نوجوان میرا ہی ہم عمر تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ ایک پرانی رسی کے ساتھ اس کی گردن سے بندھے ہوئے تھے۔ قریب ہی کچھ عورتیں اکٹھی بیٹھی تھیں۔ اس نے مجھے آواز دی: اے نوجوان! میں نے پوچھا: بتا تو کیا چاہتا ہے؟ وہ بولا: کیا تم مجھے اسی رسی سے پکڑے پکڑے ان عورتوں کے پاس لے چلو گے تاکہ میں ان سے کچھ بات کرلوں، پھر تم مجھے یہیں واپس لے آنا اور میرے ساتھ جو جی چاہے وہ

[1] السنن الكبرٰى للنسائي: 201/5. [2] السيرة لابن هشام: 76/4، المغازي للواقدي: 296/2.

سلوک کرنا؟ میں نے اس کی یہ بات سن کر کہا: اللہ کی قسم! تم نے تو بڑا آسان مطالبہ کیا ہے۔ اس کے بعد میں اسے رسی سے پکڑ کر ان عورتوں کے پاس لے گیا۔ اس نے وہاں جا کر اپنی محبوبہ کو مخاطب کر کے کچھ اشعار پڑھے۔ اس کی محبوبہ نے بھی اسے جواب دیا اور اُسے درازی عمر کی دعا دیتے ہوئے کہا: ”تجھے بھی سترہ اور آٹھ سال مسلسل زندگی نصیب ہو......۔ اس کے بعد میں اسے اس کی جگہ پر واپس لے آیا تو اس کی گردن مار دی گئی۔

ابن اسحاق نے نقل کیا ہے کہ جب اس شخص کی گردن ماری گئی تو وہ عورت بے تابی سے لپک کر اس کی طرف بڑھی اور اس کی لاش پر اوندھی گر پڑی۔ وہ اسے بے تحاشہ بوسے دیتی رہی یہاں تک کہ وہیں تڑپ تڑپ کر مر گئی۔ [1]

رسول اللہ ﷺ کی طرف سے مقتولین کی دیت کا انتظام

بنو جذیمہ کے لوگ چونکہ مسلمان ہو چکے تھے اور ان کا قتل غلط فہمی کی بنا پر ہوا تھا، اس لیے جہاں ایک طرف رسول اللہ ﷺ کو اس المیے پر بے حد ملال ہوا، وہاں دوسری طرف آپ نے فوری طور پر مقتولین کی دیت کی ادائیگی اور ان کے نقصانات کا ازالہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ دیت کی ادائیگی اس اعتبار سے نہایت ضروری تھی کہ بنو جذیمہ کے لوگ بے گناہ مارے گئے تھے۔ اس کا مقصد یہ بھی تھا کہ بنو جذیمہ کے لوگوں کو پتہ چل جائے کہ ان کے ساتھ جو کچھ بھی ہوا، رسول اللہ ﷺ کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ خالد رضی اللہ عنہ کا ذاتی فعل تھا۔ آپ نے انھیں ایسا کرنے کا ہرگز کوئی حکم نہیں دیا تھا۔ اس اقدام کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ بنو جذیمہ کی دل جوئی ہو جائے، ان کے ساتھ ہمدردی کا واضح مظاہرہ کیا جائے اور انھیں یہ پیغام مل جائے کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ان کے غم میں برابر کے شریک ہیں اور مصیبت کی اس گھڑی میں ان کے ساتھ ہیں تاکہ وہ اسلام سے بدظن اور متنفر نہ ہوں۔ مسلمانوں کے بارے میں ان کے ذہن آلودہ نہ ہوں اور شیطان کو انھیں مسلمانوں کے خلاف اکسانے، ورغلانے اور بہکانے کا موقع نہ مل سکے۔

واقدی نے بیان کیا ہے کہ دیت کی ادائیگی کے لیے رسول اللہ ﷺ نے تین افراد سے قرضہ لیا۔ ایک ابن ابی ربیعہ، دوسرے صفوان بن امیہ اور تیسرے حویطب بن عبدالعزیٰ سے۔ [2]

ادائے دیت کے لیے علی رضی اللہ عنہ کی روانگی

مقتولینِ بنو جذیمہ کی دیت ادا کرنے کے لیے آپ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو روانہ کرتے ہوئے فرمایا:

«يَا عَلِيُّ! اُخْرُجْ إِلَى هٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ، فَانْظُرْ فِي أَمْرِهِمْ، وَاجْعَلْ أَمْرَ الْجَاهِلِيَّةِ تَحْتَ قَدَمَيْكَ»

”اے علی! ان لوگوں (بنو جذیمہ) کی طرف جا کر ان کے معاملے پر نظر ڈالو اور جاہلیت کے معاملے کو اپنے

[1] السيرة لابن هشام: 77,76/4. [2] المغازي للواقدي: 299/2.

قدموں تلے روند ڈالو۔“

سیدنا علی رضی اللہ عنہ حکم نبوی کے مطابق نکلے۔ ان کے پاس دیت کے علاوہ وہ مال بھی تھا جو رسول اللہ ﷺ نے بھجوایا تھا۔ انھوں نے وہاں پہنچ کر مقتولین کے ورثاء کو خون بہا ادا کیا اور ان کے جو اموال مسلمانوں نے لے لیے تھے، وہ سب اُنھیں واپس دے دیے۔ واقدی نے بیان کیا ہے کہ اس دوران میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس مال کم پڑ گیا تو انھوں نے ابو رافع رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مزید مال لینے کے لیے بھیجا۔ آپ نے انھیں مزید مال عطا فرما دیا۔[1] سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کی ادنی سے ادنی چیز واپس دے دی حتی کہ لکڑی کا وہ برتن بھی واپس کر دیا جس میں کتا پانی پیتا ہے۔ جب سارا خون بہا اور مال ادا ہو گیا تو علی رضی اللہ عنہ کے پاس کچھ مال بچ گیا۔ انھوں نے جذیمہ کے لوگوں سے پوچھا: تمھاری کوئی دیت یا مال ایسا باقی رہ گیا ہے جو تمھیں ادا نہ کیا گیا ہو؟ سب نے کہا: نہیں۔ علی رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ جو مال بچ گیا ہے، میں یہ بھی رسول اللہ ﷺ کی طرف سے بطور احتیاط دے رہا ہوں تاکہ اُس ممکنہ نقصان کی تلافی بھی ہو جائے جسے نہ رسول اللہ ﷺ جانتے ہیں، نہ تم جانتے ہو۔ چنانچہ انھوں نے وہ مال بھی ان کو دے دیا۔

علی رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں

سیدنا علی رضی اللہ عنہ بنو جذیمہ کے زخموں پر مرہم رکھ کر اور ان کے نقصان کا ازالہ کر کے واپس رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا: «مَا صَنَعْتَ يَا عَلِيُّ؟» ”اے علی! کیا کر کے آئے ہو؟“

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے آپ کے سامنے اپنی ساری کارگزاری بیان کی اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم تو ایک مسلمان قوم کے پاس گئے۔ انھوں نے اپنے میدان میں مسجدیں بنا رکھی تھیں۔ میں نے انھیں ان سب افراد کی دیت ادا کی ہے جنھیں خالد نے قتل کر دیا تھا حتی کہ وہ برتن بھی دے دیا جس میں سے کتا پانی پیتا ہے۔ پھر بھی میرے پاس کچھ مال بچ گیا تو میں نے ان سے کہا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اس نقصان کے بدلے میں ہے جس کی نہ انھیں خبر ہے، نہ تمھیں۔ یہ سب کچھ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: «أَصَبْتَ وَ أَحْسَنْتَ» ”تم نے بالکل ٹھیک اور بہت اچھا کیا۔“

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: «مَا أَمَرْتُ خَالِدًا بِالْقَتْلِ، إِنَّمَا أَمَرْتُهُ بِالدُّعَاءِ» ”میں نے خالد کو انھیں قتل کرنے کا حکم نہیں دیا تھا۔ میں نے تو انھیں صرف دعوت دینے کے لیے کہا تھا۔“

ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ پھر رسول اللہ ﷺ قبلہ رخ ہوئے اور آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ اس قدر بلند اٹھائے کہ آپ کے کندھوں کا نچلا حصہ دکھائی دے رہا تھا۔ آپ ﷺ نے اللہ کی بارگاہ میں تین بار یہ عرض کیا:

[1] المغازي للواقدي :2/299.

«اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَبْرَأُ إِلَيْكَ مِمَّا صَنَعَ خَالِدُبْنُ الْوَلِيدِ»

''اے اللہ! میں تیرے حضور خالد بن ولید کے اس کام سے بیزاری کا اظہار کرتا ہوں۔'' [1]

عبدالرحمان بن عوف اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہما کی باہم چپقلش

سیدنا عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کو بھی خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے اس اقدام پر بے حد افسوس ہوا تھا۔ چنانچہ جب خالد رضی اللہ عنہ واپس آئے اور عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ سے ان کی ملاقات ہوئی تو ان کی آپس میں تلخ کلامی ہوگئی۔ عبدالرحمان رضی اللہ عنہ نے خالد رضی اللہ عنہ سے کہا: تم نے اسلام میں جاہلیت کا کام کیا ہے۔ خالد رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں نے تمھارے باپ کا بدلہ لیا ہے۔ عبدالرحمان رضی اللہ عنہ بولے: تم غلط بیانی کر رہے ہو۔ میں نے تو اپنے باپ کے قاتل کو قتل کر دیا تھا۔ تم نے تو اپنے چچا فاکہ بن مغیرہ کے خون کا بدلہ لیا ہے۔ اس دوران بات بڑھ گئی۔ اس معاملے کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک بھی پہنچ گئی۔ آپ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

«مَهْلًا يَاخَالِدُ! دَعْ عَنْكَ أَصْحَابِي ، فَوَاللّٰهِ! لَوْ كَانَ لَكَ أُحُدٌ ذَهَبًا ثُمَّ أَنْفَقْتَهُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ مَا أَدْرَكْتَ غَدْوَةَ رَجُلٍ مِّنْ أَصْحَابِي وَلَا رَوْحَتَهُ»

''خالد! صبر سے کام لو۔ میرے صحابہ کو کچھ نہ کہو۔ اللہ کی قسم! اگر تمھارے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو اور تم اسے اللہ کی راہ میں خرچ کر دو تو پھر بھی تم میرے صحابہ میں سے کسی ایک شخص کی ایک صبح اور ایک شام کے اعمال کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتے۔'' [2]

صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا تَسُبُّوا أَحَدًا مِّنْ أَصْحَابِي ، فَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَوْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا، مَا أَدْرَكَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيفَهُ»

''میرے صحابہ میں سے کسی کو برا نہ کہو، اس لیے کہ اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ جتنا سونا بھی خرچ کر دے تب بھی وہ ان کے (خرچ کیے ہوئے) ایک یا آدھے مد کے برابر بھی نہیں پہنچ سکتا۔'' [3]

ایک اور روایت میں ہے کہ عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خالد رضی اللہ عنہ کی شکایت لے کر آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«يَا خَالِدُ! لِمَ تُؤْذِي رَجُلًا مِّنْ أَهْلِ بَدْرٍ؟ لَوْ أَنْفَقْتَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا لَّمْ تُدْرِكْ عَمَلَهُ»

[1] السيرة لابن هشام :73,72/4، المغازي للواقدي :299/2. [2] السيرة لابن هشام :74,73/4. [3] صحيح مسلم :2541.

''خالد! تم ایک بدری شخص کو کیوں تکلیف دیتے ہو؟ اگر تم احد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کر دو، تب بھی ان کے عمل کو نہیں پہنچ سکتے۔''

آپ ﷺ کا یہ ارشاد سن کر خالد رضی اللہ عنہ نے وضاحت کرتے ہوئے عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہ لوگ میرے بارے میں باتیں کرتے ہیں تو میں بھی انھیں جواب دے دیتا ہوں۔ اس پر آپ ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا:

«لَا تُؤْذُوا خَالِدًا، فَإِنَّهُ سَيْفٌ مِّنْ سُيُوفِ اللّٰهِ، صَبَّهُ اللّٰهُ عَلَى الْكُفَّارِ»

''خالد کو تکلیف نہ دو، اس لیے کہ وہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے جسے اللہ نے کافروں پر گرا دیا ہے۔'' [1]

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ سے معذرت

سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کو ناراض کر دیا تھا، اس پر بعد میں انھیں خود بھی افسوس ہوا۔ چنانچہ واقدی نے ذکر کیا ہے کہ خالد رضی اللہ عنہ نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو ساتھ لیا اور عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر ان سے معذرت کی اور ان کی ناراضی دور کی۔ آخر کار وہ بھی خالد رضی اللہ عنہ سے راضی ہو گئے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے ان سے درخواست کی: ابو محمد! آپ میرے لیے استغفار کر دیجیے۔ [2]

اس واقعے سے یہ سبق ملتا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی اگر آپس میں کوئی ناراضی ہو بھی جاتی تو ان میں سے ایک دوسرے سے معذرت کر کے اسے راضی کر لیا کرتا تھا، یوں فریقین میں کوئی رنجش باقی نہیں رہتی تھی۔

بنو جذیمہ کے ہاتھوں عوف اور فاکہ کے قتل کا واقعہ

یہاں یہ وضاحت کر دینا بھی بے جا نہ ہوگا کہ درج بالا سطور میں جو عبدالرحمان رضی اللہ عنہ کے والد عوف اور خالد بن ولید کے چچا فاکہ بن مغیرہ کے قتل کا تذکرہ گزرا ہے، وہ دراصل زمانۂ جاہلیت میں پیش آنے والا ایک واقعہ ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ فاکہ بن مغیرہ، عوف بن عبدعوف اور عفان بن ابی العاص تجارت کی غرض سے یمن روانہ ہوئے۔ عفان کے ساتھ ان کے بیٹے عثمان اور عوف کے ساتھ ان کے صاحبزادے عبدالرحمان بھی تھے۔ یہ حضرات جب یمن پہنچے تو وہاں انھوں نے بنو جذیمہ کے ایک آدمی کا، جو یمن میں فوت ہو گیا تھا، مال اپنے ساتھ لے لیا تاکہ اس کے ورثاء تک پہنچا دیں۔ اس مال کے بارے میں بنو جذیمہ کے ایک شخص خالد بن ہشام نے دعویٰ کر دیا کہ یہ میرا مال ہے۔ جب یہ حضرات بنو جذیمہ کے علاقے میں پہنچے تو خالد بن ہشام اپنی قوم کے کچھ آدمی لے کر ان کی میت

[1] صحیح ابن حبان: 566,565/15. [2] المغازي للواقدي 2/299,298.

کے ورثاء تک پہنچنے سے پہلے ہی ان سے ملا۔ اس نے ان سے مال کا مطالبہ کیا۔ انھوں نے اسے مال دینے سے انکار کر دیا۔ اس نے مال حاصل کرنے کے لیے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر ان سے لڑائی کی۔ انھوں نے بھی اس کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اس موقع پر عوف بن عبد عوف اور فاکہ بن مغیرہ مارے گئے۔ عفان بن ابی العاص اور ان کے بیٹے عثمان بچ گئے۔ عوف کے بیٹے عبدالرحمان بھی محفوظ رہے۔ خالد بن ہشام اور اس کے ساتھی فاکہ بن مغیرہ اور عوف بن عبد عوف کا مال سمیٹ کر چل دیے۔ بعدازاں سیدنا عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ نے موقع ملنے پر اپنے باپ کے قاتل خالد بن ہشام کو ٹھکانے لگا دیا۔ قریش کو اس واقعے پر بنوجذیمہ پر بے حد غصہ تھا۔ انھوں نے بنو جذیمہ پر لشکر کشی کا پروگرام بنایا۔ بنو جذیمہ کو اس کی خبر ہوئی تو وہ گھبرا گئے۔ انھوں نے قریش کو پیغام بھجوایا کہ تمھارے لوگوں کا قتل ہمارے سرکردہ لوگوں کی طرف سے نہیں ہوا تھا۔ ان پر تو کچھ لوگ جہالت کی بنا پر چڑھ دوڑے اور انھیں قتل کر گئے۔ ہمیں تو اس کا علم تک نہیں ہوا۔ تمھارا جو خون بہا یا جتنا مال ہمارے ذمے بنتا ہے، ہم وہ تمھیں ادا کر دیتے ہیں۔ قریش نے ان کی یہ بات مان لی اور جنگ کا ارادہ ترک کر دیا۔[1]

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی معذوری

سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ایک عظیم جرنیل تھے۔ سریۂ بنو جذیمہ میں ان سے جو کچھ بھی ہوا تھا، وہ اجتہاد اور تاویل کی بنا پر تھا۔ انھوں نے جانے بوجھے ایسا نہیں کیا، نہ ان کے بارے میں ایسا گمان کیا جا سکتا ہے۔ وہ کسی مسلمان کو قتل کرنا جائز سمجھتے تھے، نہ ایسا سوچ سکتے تھے۔ رہی یہ بات کہ ان سے اجتہاد میں غلطی ہوئی تھی تو ظاہر ہے کہ وہ بھی انسان ہی تھے۔ اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

«إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ، وَ إِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ»

''جب حاکم اپنے اجتہاد سے کوئی فیصلہ کرے، پھر وہ فیصلہ صحیح ثابت ہو تو اسے دوگنا ثواب ملتا ہے اور اگر فیصلہ کرتے ہوئے اجتہاد کرے، پھر غلطی کر جائے تو اسے ایک اجر ملتا ہے۔''[2]

سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اسی طرح کا معاملہ پیش آیا تھا۔ انھوں نے فیصلہ کرتے ہوئے اجتہاد کیا لیکن ان کا اجتہاد صحیح ثابت نہیں ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی جلد بازی اور عدم تحقیق کی وجہ سے ان سے ناراض ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس فعل سے اظہارِ براءت بھی کیا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا مواخذہ نہیں کیا۔

باقی ابن اسحاق کے حوالے سے سیدنا خالد بن ولید اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کے درمیان ہونے والی جو گفتگو

[1] السيرة لابن هشام: 72/4. [2] صحيح البخاري: 7352.

اوپر گزری ہے، اس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ خالد رضی اللہ عنہ نے بنو جذیمہ سے پُرانا بدلہ لینے کے لیے ایسا کیا تھا تو اس کے متعلق حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے نہایت عمدہ وضاحت کی ہے کہ دونوں صحابہ کے بارے میں اغلب رائے یہی ہے کہ ان کا مقصد یہ نہیں تھا کہ انھوں نے بنو جذیمہ سے بدلہ لیا ہے۔ عبدالرحمان رضی اللہ عنہ نے خالد رضی اللہ عنہ کو اور خالد رضی اللہ عنہ نے انھیں جو کچھ کہا تو اس قسم کی اضطراری بات جھگڑے کے وقت ہو ہی جاتی ہے۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا ارادہ تو صرف اسلام اور مسلمانوں کی نصرت کا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ ان سے اس معاملے میں غلطی ہوگئی اور انھوں نے یہ سمجھا کہ بنو جذیمہ صَبَأْنَا صَبَأْنَا (ہم صابی ہوگئے، ہم صابی ہوگئے) کہہ کر اسلام کی توہین کر رہے ہیں۔ وہ اس حقیقت کا سراغ نہ پاسکے کہ یہ لوگ مسلمان ہوگئے ہیں۔ چنانچہ اس غلط فہمی میں ان لوگوں کی ایک بڑی تعداد قتل ہوگئی اور باقی قید ہوگئے۔ قیدیوں میں سے بھی اکثر افراد قتل کر دیے گئے۔ اس سانحے کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں معزول نہیں کیا بلکہ انھیں بدستور امیرِ لشکر کے منصب پر فائز رکھا۔ بہر حال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس فعل سے بیزاری ظاہر کی اور انھوں نے غلطی سے بنو جذیمہ کے لوگوں کے جان و مال کو جو نقصان پہنچایا تھا، اس کا معاوضہ ادا کیا۔[1]

دو مزید سرایا

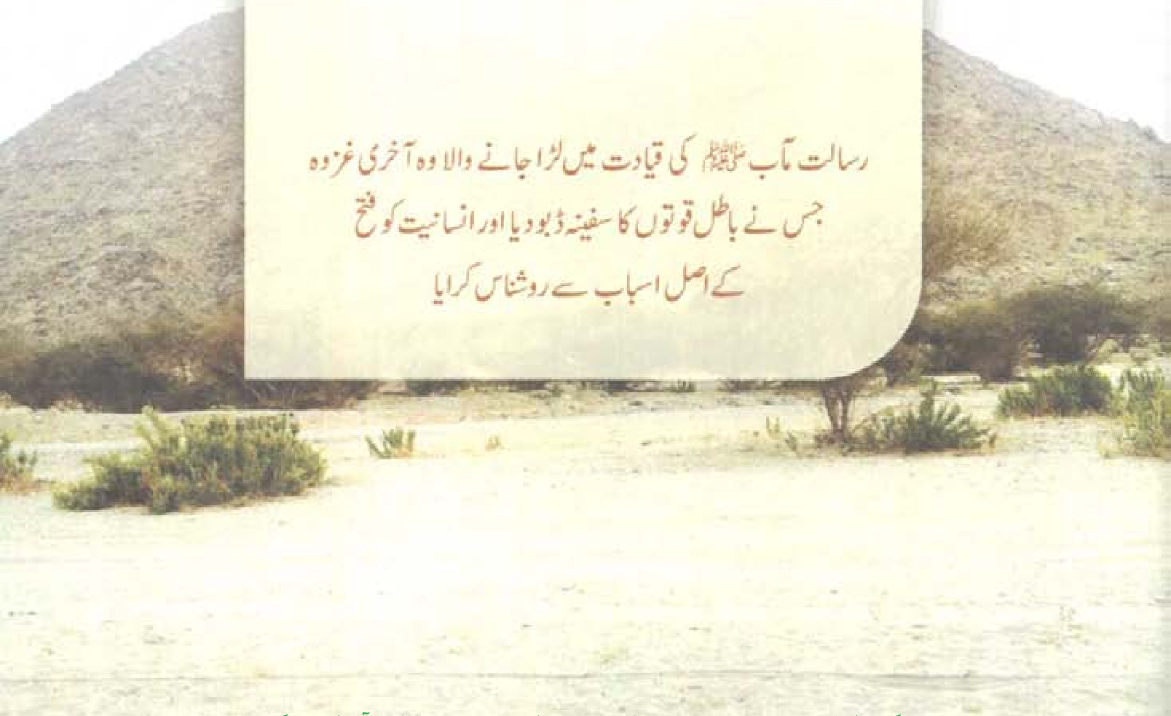
تفصیل ذکر کرنے کے بغیر واقدی نے فتح مکہ کے بعد روانہ کیے جانے والے سرایا میں دو اور سرایا کا بھی ذکر کیا ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ سیدنا ہشام بن عاص رضی اللہ عنہ دو سو مجاہدین کے ہمراہ یلملم کی طرف روانہ ہوئے۔ یاد رہے کہ یلملم مکہ مکرمہ سے جنوب کی طرف 92 کلومیٹر دور ایک وادی ہے جو اہلِ یمن اور جنوب کی طرف سے آنے والوں کا میقات ہے۔ دوسرا سریہ سیدنا خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کا ہے جو تین سو افراد کا لشکر لے کر عرنہ کی طرف نکلے۔[2] عرنہ عرفات کے بالمقابل ایک وادی ہے۔[3]

قبولِ اسلام کے لیے مختلف قبائل کی سبقت

مکہ مکرمہ کی فتح کا جو شاندار تاریخی نتیجہ سامنے آیا، وہ یہ تھا کہ عرب کے قبائل اور اہم افراد نہایت تیزی سے اسلام قبول کرنے لگے۔ یہ وہ لوگ تھے جو اسلام اور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت وصداقت کی بہت سی نشانیاں دیکھ اور سن چکے تھے لیکن انھیں مسلمانوں اور قریش کے درمیان ہونے والی محاذ آرائی کے نتیجے کا انتظار تھا۔ حنین و طائف والوں کا قبولِ اسلام اس کی بڑی دلیل ہے۔ آئندہ آپ ان کا تذکرہ پڑھیں گے۔

[1] البداية والنهاية (محقق): 571/4. [2] المغازي للواقدي: 292/2. [3] وادیٔ عرنہ کی تفصیل کے لیے دیکھیے: اللؤلؤ المكنون سیرت انسائیکلو پیڈیا: 184،183/1.

غزوۂ حنین



رسالت مآب ﷺ کی قیادت میں لڑا جانے والا وہ آخری غزوہ
جس نے باطل قوتوں کا سفینہ ڈبو دیا اور انسانیت کو فتح
کے اصل اسباب سے روشناس کرایا

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِیْ مَوَاطِنَ كَثِیْرَةٍ
وَّیَوْمَ حُنَیْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ
فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَیْــًٔا

”یقیناً اللہ نے بہت سے مقامات پر تمھاری مدد کی ہے اور حنین کے دن (بھی) جب تمھاری کثرت نے تمھیں خوش فہمی میں ڈال دیا تھا، تو وہ تمھارے کچھ بھی کام نہ آئی۔“ (التوبة 9:25)

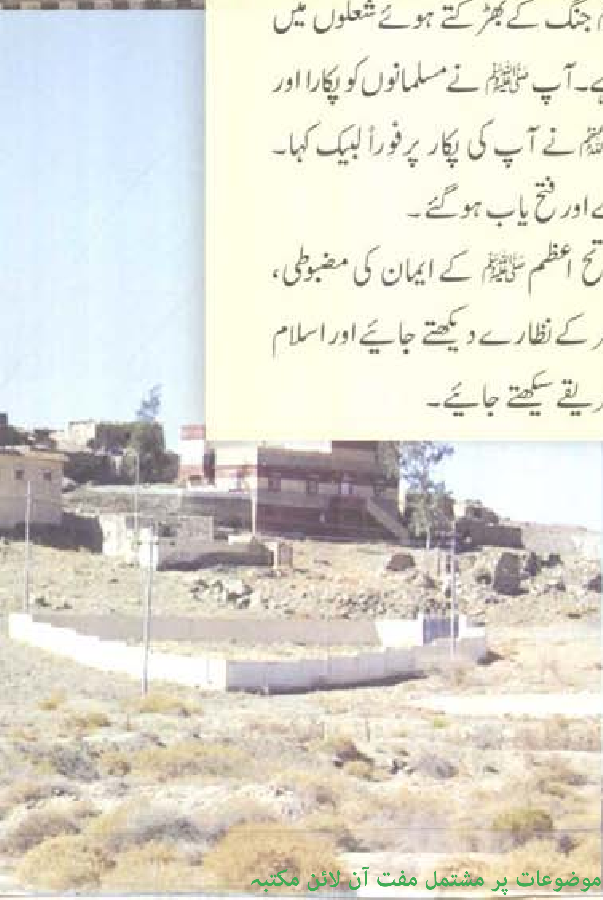
اس باب میں

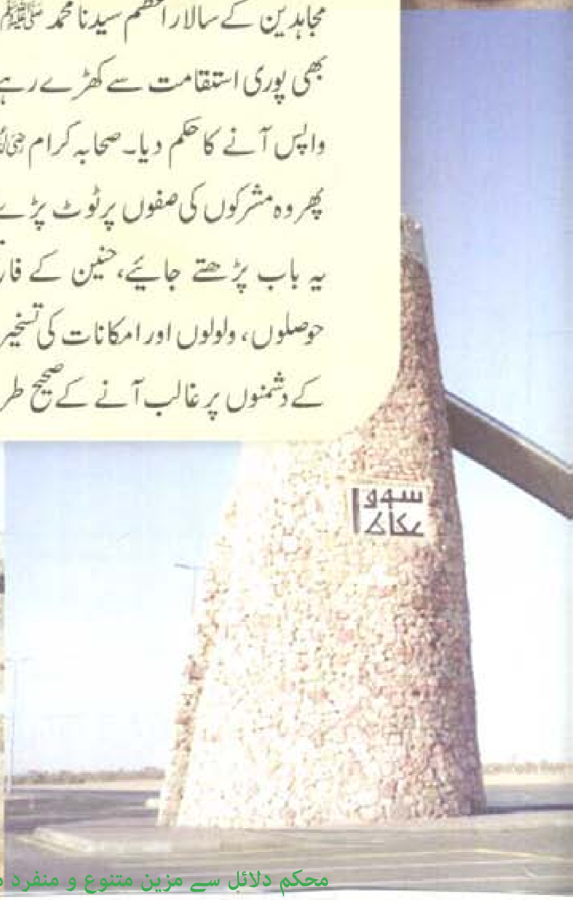




آپ کو تاریخ کی اٹل سچائیوں کی جلوہ گری نظر آئے گی۔ ساری دنیا کثرتِ تعداد کو فتح مندیوں کی کنجی سمجھتی ہے لیکن وادیٔ حنین میں مشرکوں کے بہت بڑے لشکر کو بھگا دینے والے فاتحِ اعظم ﷺ نے ہمیشہ کے لیے بتا دیا کہ فتح و کامرانی صرف اللہ رب العزت پر پکے ایمان اور دشمن کے مقابلے میں ڈٹے رہنے پر موقوف ہے۔ اسی موقع پر جہاں اہلِ ہوازن کو اپنے 20 ہزار کے لشکر کا نشہ تھا، وہیں چند مسلمانوں کو بھی یہ غلط فہمی ہوگئی کہ آج ہم 12 ہزار کی تعداد میں ہیں، اب ہماری شکست کا کوئی امکان نہیں۔ اللہ رب العزت نے یہ غلط فہمی دور کرنے کے لیے پہلے ہی حملے میں دشمن کا پلڑا بھاری کر دیا۔ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہونے والے بہت سے نومسلم، ہوازنیوں کی تیر اندازی کی تاب نہ لا کر بھاگ کھڑے ہوئے لیکن مجاہدین کے سالارِ اعظم سیدنا محمد ﷺ جنگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں بھی پوری استقامت سے کھڑے رہے۔ آپ ﷺ نے مسلمانوں کو پکارا اور واپس آنے کا حکم دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کی پکار پر فوراً لبیک کہا۔ پھر وہ مشرکوں کی صفوں پر ٹوٹ پڑے اور فتح یاب ہوگئے۔

یہ باب پڑھتے جائیے، حنین کے فاتحِ اعظم ﷺ کے ایمان کی مضبوطی، حوصلوں، ولولوں اور امکانات کی تسخیر کے نظارے دیکھتے جائیے اور اسلام کے دشمنوں پر غالب آنے کے صحیح طریقے سیکھتے جائیے۔





معرکۂ حنین

رمضان المبارک 8ھ میں مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی کرم ہوا اور مسلمانوں نے حرمِ ابراہیم علیہ السلام کو مشرکینِ مکہ کے تسلط سے آزاد کرالیا۔ اسلامی لشکر نبی رحمت ﷺ کی قیادت میں پوری آن کے ساتھ مکہ مکرمہ میں داخل ہوا اور کسی بڑی خونریزی کے بغیر بہت آسانی سے مکہ فتح کرلیا۔ یہ وہی حرمِ ابراہیم علیہ السلام ہے جہاں سے نبی مکرم ﷺ اور مسلمانوں کو بڑی بے دردی اور سفاکی سے بے دخل کر دیا گیا تھا۔ ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے گئے تھے، ان کے مال لوٹ لیے گئے تھے اور انھیں بے سروسامانی کے عالم میں ہجرت پر مجبور کر دیا گیا تھا۔ لیکن آج مسلمان اپنے بے مثال رہبر کامل ﷺ کی قیادت میں فاتحانہ شان کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے تو کسی مشرک کو ان کا مقابلہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ سارے مشرکوں کے سر جھک گئے۔ سب کو اپنے ستم یاد آگئے، سب کی آنکھیں گیلی ہوگئیں۔ وہ سب انتہائی ندامت کے ساتھ محمد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں معافی مانگنے حاضر ہوئے۔

مسلمانوں کی اس کامیابی اور قوت کو حنین کے مشرکین بغور دیکھ رہے تھے۔ جب انھوں نے دیکھا کہ اہل مکہ بلامقابلہ ہی ڈھیر ہوگئے ہیں اور اب مسلمانوں کا اگلا ہدف ہم ہی ہیں تو انھوں نے زبردست جنگی تیاریاں شروع کر دیں۔ رسول اللہ ﷺ کو بھی اہلِ حنین کی حربی طاقت اور جنگی تیاریوں کی اطلاعات مل رہی تھیں۔ آپ ﷺ نے مکہ کی فتح کے فوراً بعد حنین کے ہوازن قبیلے کو سبق سکھانے کا ارادہ کرلیا۔ پھر مسلمانوں نے نبی کریم ﷺ کی قیادت میں اسلامی تاریخ کا سب سے بڑا معرکہ لڑا۔ اس معرکے میں مسلمانوں کی تعداد 12 ہزار جبکہ دشمن جنگجوؤں کی فوج 20 ہزار کے لگ بھگ تھی۔ آج مسلمان اپنی فوج کی کثرت پر بڑے مطمئن اور نازاں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے:

﴿لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۝﴾

”یقیناً اللہ نے بہت سے مواقع پر تمھاری مدد کی ہے اور حنین کے دن (بھی) جبکہ تمھاری کثرت نے تمھیں خوش فہمی میں ڈال دیا تھا، تو وہ تمھارے کچھ بھی کام نہ آئی، اور زمین فراخی کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی، پھر تم

پیٹھ پھیر کر پلٹے۔''[1]

غزوۂ حنین اس لیے بھی زبردست اہمیت کا حامل ہے کہ یہ نبی کریم ﷺ کی قیادت میں مسلمانوں کا آخری معرکہ تھا۔ اس کے بعد نبی کریم ﷺ 30 ہزار مجاہدین کے ساتھ رومیوں کی خبر لینے تبوک روانہ ہوئے مگر ان کے ساتھ کوئی ٹکراؤ نہیں ہوا، اس لیے نبی کریم ﷺ کی قیادت میں سب سے بڑا اور اہم ترین معرکہ حنین ہی قرار پایا۔ اس معرکے میں مسلمانوں کی شاندار فتح جزیرہ عرب کے مشرکوں کے تابوت میں آخری کیل ثابت ہوئی کیونکہ ہوازن جزیرہ عرب کی سب سے بڑی قوت تھے۔ تعداد اور فوجی اسلحے کے علاوہ مال مویشی کی کثرت کے اعتبار سے بھی کوئی قبیلہ ان کے ہم پلہ نہ تھا۔ اہل مکہ کے بعد بنو ہوازن مسلمانوں کے لیے نہایت اہمیت رکھتے تھے۔ ان کی قریش کے ساتھ رشتہ داریاں بھی تھیں اور مشترکہ مفادات بھی تھے۔ نیز وہ مکہ کے قرب و جوار میں رہائش پذیر تھے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے نپٹنے کے لیے حکمت عملی تیار کی۔ ان کی بدترین شکست کے بعد ایسا کوئی قبیلہ باقی نہ رہا جو مسلمانوں کے خلاف محاذ آرائی کی جرأت کرسکتا۔ اس طرح غزوۂ حنین میں مسلمانوں کی فتح ان کے عظیم الشان مستقبل کی نوید بن گئی۔

ذوالمجاز کا مقام



میدان عرفات



السیل الکبیر (قرن المنازل)



وادیٔ حنین

حنین ذوالمجاز کے پہلو میں طائف کے قریب ایک وادی ہے۔ عرفات کی جانب سے مکہ مکرمہ اور اس کے درمیان تقریباً بیس کلومیٹر کا فاصلہ ہے۔ علامہ سہیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس وادی کا نام، عمالقہ کے حُنین بن قانیہ بن مہلائیل کے نام پر حنین رکھا گیا ہے۔[2]

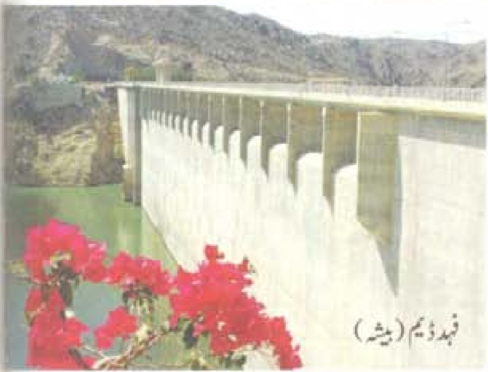
مکہ مکرمہ سے السیل الکبیر کے رستے سے طائف جائیں تو وادی حنین وادی طائف سے پہلے الشرائع کے قریب نظر آتی ہے۔[3] شرائع ایک

[1] التوبة 25:9. [2] الروض الأنف: 205/4، فتح الباري: 35/8، معجم البلدان: 313/2. [3] حاشية حديث القرآن عن غزوات الرسول ﷺ، ص: 587.


وادی حنین

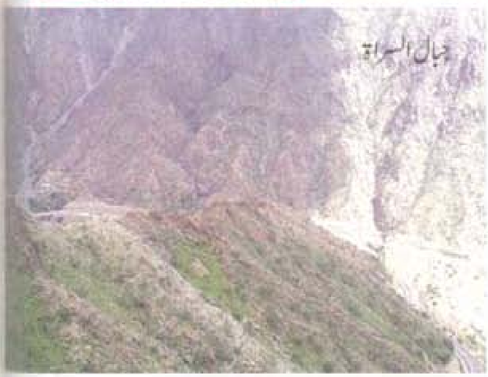
چشمے اور بستی کا نام ہے۔ چشمے کا پرانا نام المشاش تھا۔ ملکہ زبیدہ نے اسی سے نہر زبیدہ کھدوا کر مکہ پہنچائی تھی۔ اب وادی حنین کو وادی الشرائع کہا جاتا ہے۔ اسی وادی میں ہوازن کا مسلمانوں سے فیصلہ کن معرکہ ہوا تھا۔

ہوازن اور ثقیف کی بستیاں


فہد ڈیم (بیشہ)

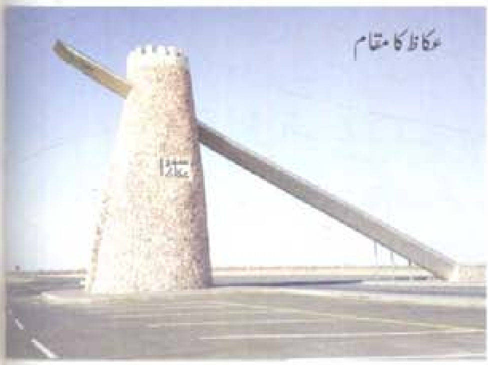
ہوازن جزیرہ نمائے عرب کے بہت بڑے رقبے پر پھیلے ہوئے تھے۔ یہ تہامہ کے نشیب سے لے کر بیشہ اور جبال السراۃ کے مضافات، طائف، ذوالمجاز، حنین اور اوطاس وغیرہ تک رہائش پذیر تھے۔

ہوازن بہت سے عربی قبائل کا جد اعلیٰ ہے۔ ہوازن کا نسب یہ ہے: ہوازن بن منصور بن عکرمہ بن خصفہ بن قیس بن عیلان بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔


جبال السراۃ

ہوازن کی ذیلی شاخیں بے شمار ہیں۔ یہ ساری بکر بن ہوازن کے تین بیٹوں کی اولاد ہیں: بنو سعد بن بکر بن ہوازن، بنو معاویہ بن بکر بن ہوازن اور بنو منبہ بن بکر بن ہوازن۔

1 بنو منبہ (ثقیف): یہ عدنانی قبائل میں سے ایک مشہور قبیلہ اور ہوازن کی ایک اہم شاخ ہے۔ منبہ بن بکر بن ہوازن کے بیٹے قَسی کو ثقیف کہا جاتا ہے۔ ثقیف کا نام قَسی (پتھر دل) اس کی سختی اور سنگ دلی کی وجہ سے معروف تھا۔[1] بنو ثقیف طائف کے پہاڑوں میں رہائش پذیر تھے۔ مکہ مکرمہ ان کے زیریں جانب تھا جبکہ ان کا بالائی علاقہ عکاظ اور نجد تک پھیلا ہوا تھا۔


عکاظ کا مقام

2 بنو سعد: یہ وہ قبیلہ ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی رضاعت کے ایام بسر کیے۔ اس قبیلے کی مختلف شاخیں تاحال طائف کے

[1] السيرة لابن هشام :47/1.

جنوب مشرقی پہاڑی علاقے میں آباد ہیں جسے خیبات بنی سعد (بنو سعد کے جھونپڑے) کہا جاتا ہے۔

3 بنو معاویہ: حنین کے معرکے میں ہوازن کی قیادت اسی قبیلے کے سردار مالک بن عوف نصری کے ہاتھ میں تھی۔ یہ قبیلہ طائف کے شمالی پہاڑوں اور وادیوں میں آباد تھا، مثلاً: وادی السیل (قرن المنازل)، وادی عقیق (نجد) کا بالائی علاقہ اور ان کے مضافات۔

آج کل بنو نصر کی تین شاخیں: شعیث، حسیکہ اور آل موسیٰ موجود ہیں جبکہ بنو جشم میں سے الدوانیہ، الخلد اور عمامرہ آباد ہیں۔[1]


بنو سعد کا علاقہ

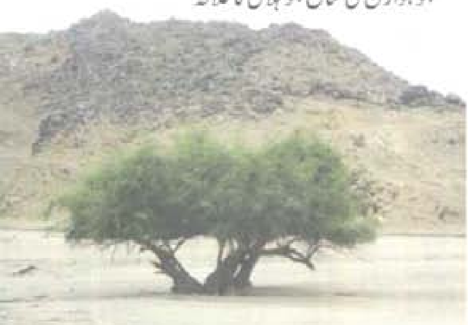
ہوازن اور قریش کی تعلق داری

دعوتِ اسلام کے ظہور سے بہت پہلے حروب الفجار میں مہلک خون ریزی کے بعد ہوازن اور قریش کے مابین گہری نسبی اور سسرالی رشتے داریاں قائم ہوچکی تھیں۔ ان رشتہ داریوں کو مشترکہ تجارتی اور زرعی مفادات مزید مضبوط اور توانا بناتے تھے۔ آیئے ان تعلقات کی کچھ تفصیل پڑھتے ہیں:


قرن المنازل

نسبی رشتہ داریاں: ہوازن اور قریش کا نسب مضر پر جا ملتا ہے۔ اس طرح ایک ہی دادا کی اولاد ہونے کی وجہ سے ان کے مابین اخلاص و محبت کے بہت گہرے تعلقات تھے۔

مصاہرت: مضبوط نسبی رشتہ داری کی وجہ سے دونوں خاندانوں کی قرابت داری بھی نہایت مضبوط تھی۔ دونوں خاندانوں کے متعدد قابلِ ذکر افراد ایک دوسرے کے گھرانوں میں بیاہے گئے تھے۔ ان قرابت داریوں کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیں:

بنو ہوازن کی شاخ بنو ہلال کا علاقہ


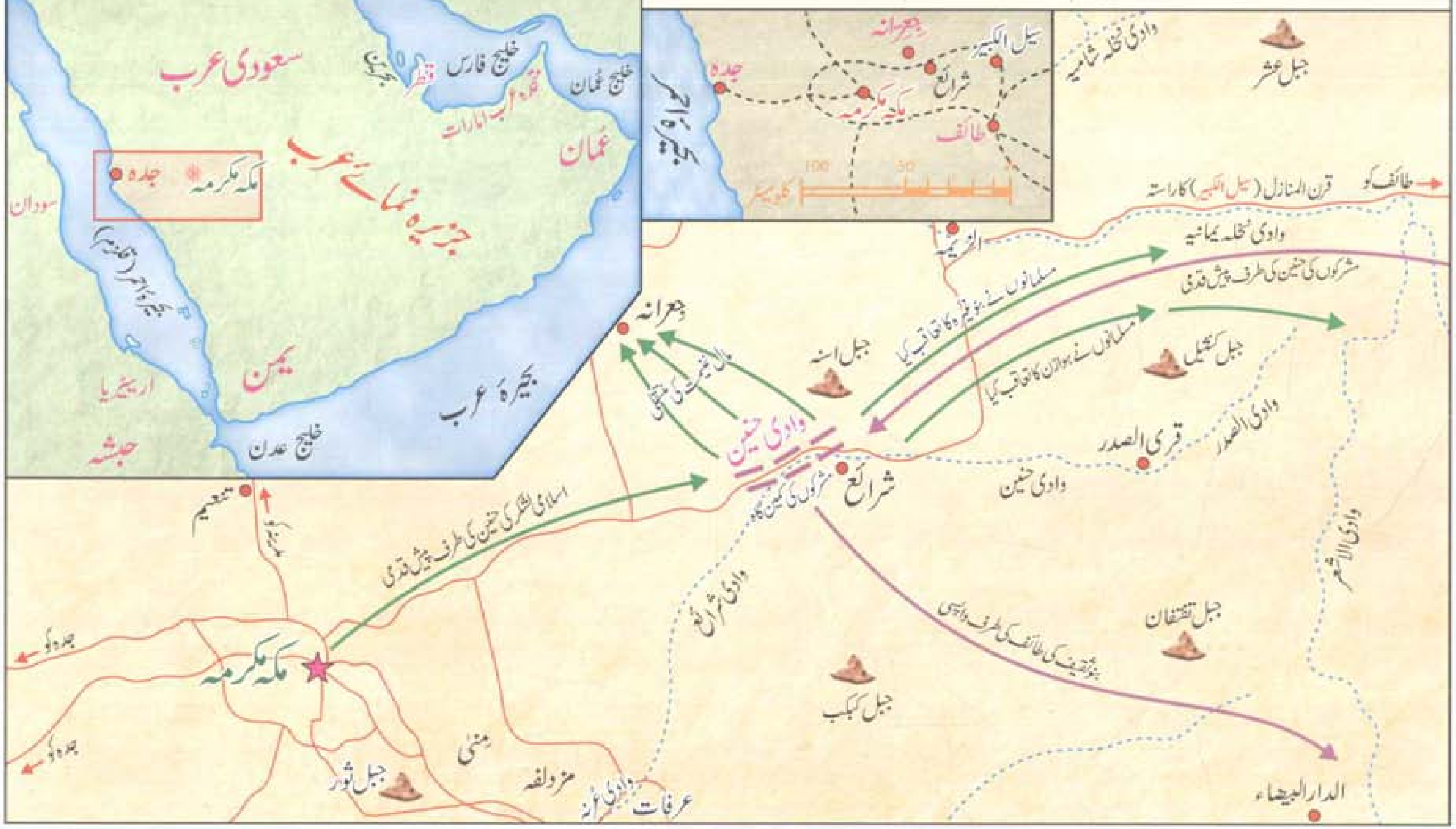
- اہلِ مکہ قریش میں سے رسول اللہ ﷺ کی شادی سیدہ میمونہ بنت حارث بن حزن ہلالیہ رضی اللہ عنہا سے ہوئی۔ یہ بنو ہلال سے تھیں جو بنو معاویہ بن بکر بن ہوازن کی ایک شاخ ہے۔

[1] مرويات غزوة حنين لإبراهيم، ص: 29-31.

میدانِ غزوۂ حنین (رمضان 8ھ)

﴿وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا﴾

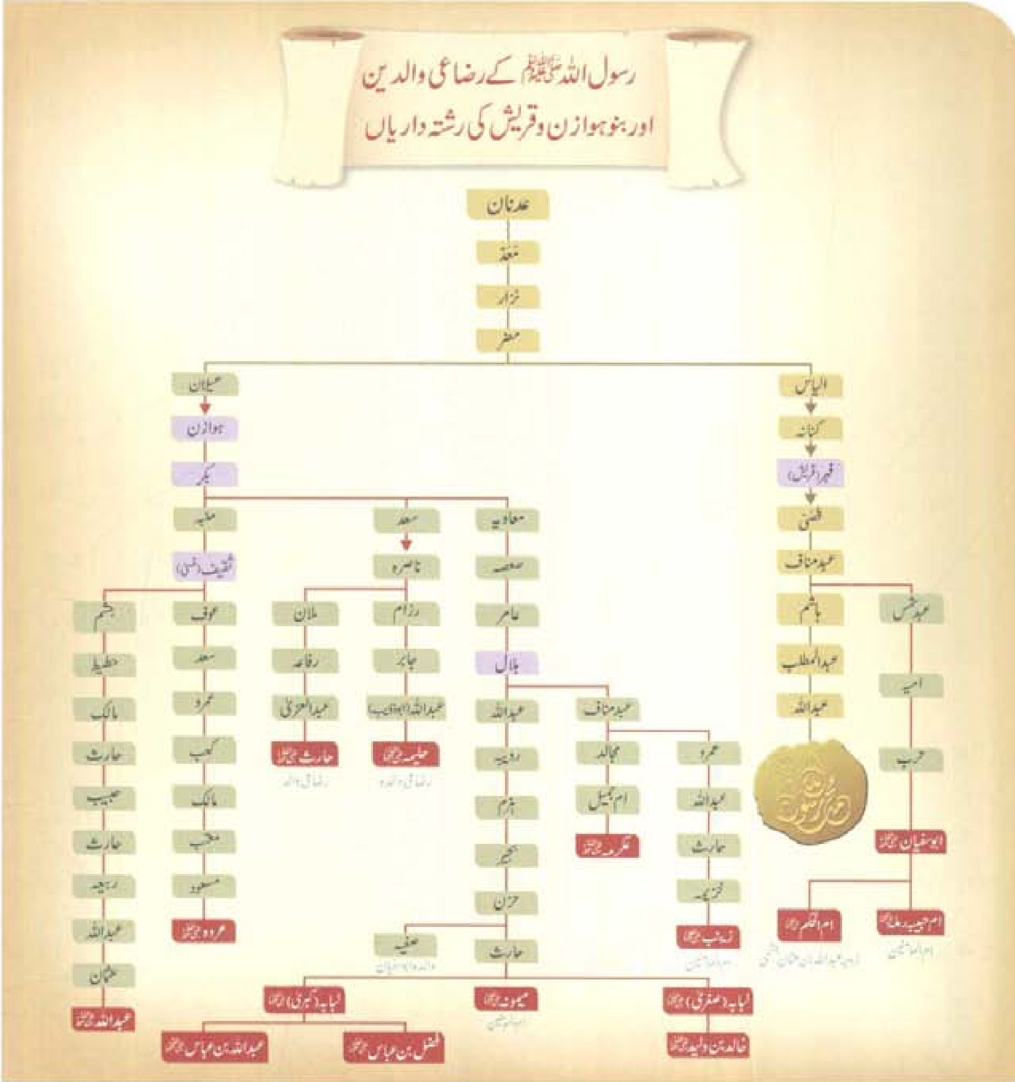
"اور دن حنین کے (بھی تمھاری مدد کی) جبکہ خوش فہمی میں ڈال دیا تھا تم کو تمھاری کثرت نے پس نہ کام آئی وہ تمھارے کچھ بھی۔" (التوبۃ: 25/9)



- آپ ﷺ کے محترم چچا جناب عباس رضی اللہ عنہ کی شادی سیدہ میمونہ کی بہن ام الفضل لبابہ کبریٰ سے ہوئی جن سے ان کے بیٹے عبداللہ اور فضل پیدا ہوئے۔ رضی اللہ عنہم
- ولید بن مغیرہ نے ام المؤمنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی دوسری بہن لبابہ صغریٰ سے شادی رچائی۔ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ انھی کے لخت جگر ہیں۔
- حرب بن امیہ نے ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا کی پھوپھی صفیہ بنت حزن سے شادی کی۔ صفیہ ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں۔
- ابوجہل نے بنوعبدمناف بن ہلال کی ام جمیل بنت مجالد سے شادی کی۔ اُسی کے بطن سے سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔
- ہوازن قبیلے کی شاخ ثقیف کے سرکردہ سردار عروہ بن مسعود ثقفی نے ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیٹی زینب سے شادی کی جو ام المؤمنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی بہن ہیں۔
- عروہ بن مسعود ثقفی کی والدہ سُبیعہ بنت عبدشمس بن عبدمناف بھی قریشی تھیں۔
- عبداللہ بن عثمان ثقفی نے ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیٹی ام الحکم سے شادی کی تھی۔
- اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے رضاعی والدین سیدہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا حارث رضی اللہ عنہ کا تعلق بھی بنو ہوازن کے ذیلی قبیلے بنوسعد بن بکر سے تھا۔

ان مضبوط نسبی اور سسرالی رشتہ داریوں کا دونوں خاندانوں کے جملہ معاملات میں خاصا گہرا اثر تھا۔ دونوں خاندان ایک دوسرے کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور ایک دوسرے کی رائے کا احترام کرتے تھے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر عروہ بن مسعود ثقفی کی گفتگو دونوں خاندانوں میں موجود محبت و احترام کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ آیئے عروہ بن مسعود ثقفی کی اس موقع پر کی گئی گفتگو پڑھ کر اس خاندانی قربت کا اندازہ لگائیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ صلح حدیبیہ کی طویل حدیث کے ضمن میں بیان کرتے ہیں:

> ''عروہ بن مسعود کھڑا ہوا اور بولا: اے قوم! کیا تم میری اولاد کے درجے میں نہیں ہو؟ کیا میں تمھارے نزدیک والد کی حیثیت نہیں رکھتا؟ سب نے کہا: کیوں نہیں۔ عروہ نے سوال کیا کہ کیا تم لوگ مجھ پر کسی قسم کی تہمت لگاتے ہو؟ انھوں نے کہا: نہیں۔ عروہ نے پوچھا: کیا تمھیں معلوم نہیں کہ میں نے اہل عکاظ کو تمھاری مدد کے لیے کہا تھا؟ جب انھوں نے انکار کر دیا تو میں نے اپنے گھرانے کے جوانوں، اپنی اولاد اور اپنے ہمنواؤں کو تمھاری مدد کے لیے لا کھڑا کیا۔ قریش نے کہا: کیوں نہیں۔ اس نے کہا: محمد (ﷺ)



نے تمھارے سامنے ایک اچھی تجویز رکھی ہے، اسے قبول کرلو۔ اور مجھے اجازت دو کہ میں ان سے گفتگو کرکے درپیش صورتحال کا کوئی حل نکالوں۔ قریش نے کہا: ٹھیک ہے، تم ان (محمد ﷺ) کے پاس (مذاکرات کے لیے) چلے جاؤ۔"[1]

اس طرح عروہ بن مسعود ثقفی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں قریش کا ترجمان بن کر آیا تھا۔ پورا عرب قریش کی عزت کرتا تھا کیونکہ وہ بیت اللہ کے متولی تھے اور حاجیوں کی خوب خدمت کرتے تھے۔ اس لیے قریش کا سفارت کار

[1] صحيح البخاري: 2731، 2732.

ہونا بجائے خود بہت بڑا اعزاز تھا اور یہ دونوں خاندانوں کے مابین مضبوط رشتہ داری اور محبت کی دلیل بھی ہے۔[1]

مشترکہ مفادات کا بندھن: ہوازن اور قریش نسبی اور سسرالی رشتہ داریوں کے مضبوط بندھن میں بندھے ہونے کے علاوہ باہمی طور پر کاروباری شراکت دار بھی تھے۔ عرب کے مشہور تجارتی بازار مکہ اور طائف کے درمیان ہوازن کے علاقے میں لگتے تھے جن سے دونوں فریق مستفید ہوتے تھے۔ چونکہ طائف کا علاقہ مختلف پھلوں کا مرکز اور کاشت کاری کے لیے نہایت زرخیز تھا، اس لیے اہل مکہ نے بھی طائف میں باغ خرید رکھے تھے، وہ ان کے پھل مکہ لاکر بیچتے اور خود بھی کھاتے تھے۔ مثلاً عتبہ اور شیبہ کا طائف میں ایک باغ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے سفر طائف میں ہوازن کے بدنہاد شریروں کے ہاتھوں شدید زخمی ہونے کے بعد اسی باغ میں پناہ لی تھی۔

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کا انگوروں کا باغ بھی طائف ہی میں تھا۔ وہ اس باغ کے انگور مکہ لاتے اور موسم حج میں حاجیوں کو انگور کی نبیذ (مشروب) پلاتے تھے۔ اسلام سے پہلے اور اسلام قبول کرنے کے بعد انھوں نے حاجیوں کی یہ خدمت جاری رکھی۔ ان کے بعد یہ خدمت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے سنبھال لی۔ ان کے بعد ان کے بیٹے علی یہ خدمت انجام دیتے رہے۔[2]

اسی طرح ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا باغ ''ذوالھَرْم''[3] اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا باغ ''الوَہط'' بھی طائف میں تھا۔ علامہ یاقوت حموی لکھتے ہیں کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا یہ باغ دس لاکھ بیلوں پر مشتمل تھا۔ انھوں نے ایک بیل ایک درہم میں خریدی تھی۔ جب انگور توڑ کر باغ کے وسط میں ڈھیر لگایا جاتا تو یوں محسوس ہوتا تھا جیسے یہ باغ سیاہ پتھریلی زمین والے حروں کا مجموعہ ہے۔ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے بعد ان کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس باغ کی ذمہ داری سنبھالی۔[4]

طائف کی زمین نہایت زرخیز اور آب و ہوا نہایت خوشگوار ہے۔ اس میں کھجور، انار، انگور اور ہر قسم کے پھلوں کے باغات بڑی کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ اس میں چشموں اور برساتی نالوں کی بھی بہتات ہے۔ جبکہ مکہ مکرمہ خشک اور سنگلاخ پہاڑوں پر مشتمل ہے۔ اس لیے اہلِ مکہ گرمیوں میں طائف کا رخ کرتے اور وہاں کے ٹھنڈے موسم اور لذیذ انگوروں اور اناروں سے لطف اندوز ہوتے تھے۔

اہلِ مکہ تجارت پیشہ تھے اور ثقیف والے ان کے تجارتی حلیف تھے۔ مشترکہ تجارتی قافلوں اور میلوں کے انعقاد کی بدولت وہ ایک دوسرے کے بہت قریب آگئے تھے۔[5]

اہلِ طائف عزت و جاہ اور قوت و طاقت میں اہل مکہ کے ہم پلہ سمجھے جاتے تھے۔ سورۂ احزاب میں ان کی برابری اور

---

[1] مرویات غزوۃ حنین، ص :34,33. [2] المغازي للواقدي :268/2. [3] المغازي للواقدي :364/2. [4] معجم البلدان : 386/5، مزید دیکھیے سنن النسائي :5673. [5] معجم البلدان :9/4، مرویات غزوۃ حنین، ص :35,34.

ہمسری کا ایک اشارہ ملتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَٰذَا الْقُرْآنُ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ﴾

"اور انھوں نے کہا: یہ قرآن ان دونوں شہروں میں سے کسی بڑے آدمی پر نازل کیوں نہیں کیا گیا؟"[1]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ دو بستیوں سے ان کی مراد مکہ اور طائف تھی۔ اسی طرح کئی مفسرین نے کہا ہے کہ عظیم آدمی سے مراد ولید بن مغیرہ یا عروہ بن مسعود ثقفی تھا۔[2]

دعوتِ توحید سے ہوازن اور ثقیف کا عناد

ہوازن اور ثقیف بت پرستی کے شیدائی تھے، وہ اپنے آباء و اجداد کی قدیم رسوم پر عمل کرنا اپنے لیے فخر و اعزاز سمجھتے تھے۔ اسی لیے انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی اسلامی دعوت مسترد کر دی۔ آپ ﷺ کی دعوت توحید مسترد کرنے کی دوسری اہم وجہ یہ تھی کہ ہوازن اور ثقیف بھی دیگر عربی قبائل کی طرح قریش پر نظریں جمائے بیٹھے تھے کہ قریش اپنے ہی خاندان کے مدعی نبوت کے ساتھ کیا سلوک روا رکھتے ہیں۔ قریش کو بیت اللہ کی تولیت اور حجاج کی خدمت کی بدولت پورے عرب میں نہایت ممتاز مقام حاصل تھا، اس لیے جب قریش ہی نے دعوتِ حق سے عداوت کی انتہا کر دی تو دیگر قبائل بھی اس نئی دعوت کو قبول کرنے سے ہچکچانے لگے۔


ثقیف کے علاقے میں مسجد مرقع

ہوازن اور ثقیف نے اسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کے بارے میں قریش کا بغض و عناد دیکھا تو انھوں نے بھی رسول اللہ ﷺ کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

آئیے قریش و ہوازن کے اس موقف پر چند تاریخی دلائل پڑھتے ہیں جنھیں محدثین رحمہم اللہ نے مختلف زاویوں سے تحریر کیا ہے اور ان سے متعدد مسائل کا استنباط کیا ہے۔

1 جناب خالد بن ابی جبل عدوانی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ثقیف کے مشرق میں کھڑے دیکھا۔ آپ اپنی کمان یا لاٹھی پر ٹیک لگائے ہوئے تھے اور اہلِ طائف کے پاس مدد حاصل کرنے آئے تھے۔ میں نے آپ ﷺ کو قرآن پڑھتے سنا، آپ سورت ﴿وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ﴾ کی تلاوت فرما رہے تھے، آپ نے مکمل

[1] الزخرف 31:43. [2] تفسیر ابن کثیر، الزخرف 31:43.

سورت پڑھی۔ میں نے وہ ساری سورت زبانی یاد کر لی، حالانکہ اس وقت میں مشرک تھا۔ پھر میں نے مسلمان ہونے کے بعد یہ سورت دوبارہ پڑھی۔ مجھے ثقیف والوں نے بلایا اور پوچھا: تم نے اس شخص سے کیا سنا ہے؟ میں نے انھیں مکمل سورت سنا دی، تو ان کے ساتھ موجود قریشی لوگ کہنے لگے:

نَحْنُ أَعْلَمُ بِصَاحِبِنَا، لَوْ كُنَّا نَعْلَمُ مَا يَقُولُ حَقًّا لَّاتَّبَعْنَاهُ.

''ہم اپنے آدمی کو بخوبی جانتے ہیں۔ اگر ہم اس کی دعوت کو سچا مانتے تو اس کی اتباع ضرور کرتے۔''[1]

2 سیدنا عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

''ہم ایک چشمے پر رہائش پذیر تھے جو لوگوں کے لیے عام گزرگاہ تھا۔ ہماری طرف سے جو مسافر سوار گزرتے، ہم ان سے پوچھتے رہتے کہ لوگوں کا کیا خیال ہے؟ اور اس شخص کی کیا کیفیت ہے؟ (یہ اشارہ نبی کریم ﷺ کی طرف ہوتا تھا۔) لوگ جواب دیتے: وہ کہتا ہے کہ اللہ نے اسے رسول بنا کر بھیجا ہے اور اللہ اس پر وحی اتارتا ہے، یا یوں کہا کہ اللہ نے اس پر یہ وحی بھیجی ہے۔ (پھر وہ لوگ قرآن کی کوئی آیت سناتے تو) میں وہ کلام یاد کرتا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے کوئی اسے میرے سینے میں جما دیتا ہے۔ اہلِ عرب مسلمان ہونے کے لیے فتح مکہ کے منتظر تھے۔ وہ کہتے تھے کہ محمد ﷺ کو اور اس کی قوم کو چھوڑ دو۔ اگر محمد ﷺ ان پر غالب آگئے تو وہ یقیناً نبیِ برحق ہیں۔ پھر جب مکہ فتح ہوا تو ہر قوم نے چاہا کہ وہ پہلے مسلمان ہو جائے اور میرے باپ نے مسلمان ہونے میں اپنی قوم سے بھی زیادہ جلدی کی۔ جب میرا باپ مسلمان ہو کر آیا تو اس نے اپنی قوم سے کہا: اللہ کی قسم! میں نبیِ حق سے ملاقات کر کے تمھارے پاس آیا ہوں۔ انھوں نے فرمایا ہے:

«صَلُّوا صَلَاةَ كَذَا فِي حِينِ كَذَا، وَصَلُّوا صَلَاةَ كَذَا فِي حِينِ كَذَا، فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَلْيُؤَذِّنْ أَحَدُكُمْ، وَلْيَؤُمَّكُمْ أَكْثَرُكُمْ قُرْآنًا»

''فلاں وقت یہ نماز پڑھا کرو اور فلاں وقت وہ نماز پڑھا کرو۔ جب نماز کا وقت آجائے تو تم میں سے ایک آدمی اذان دے اور جسے قرآن زیادہ یاد ہو، وہ جماعت کرائے۔''

لوگوں نے ڈھونڈا تو مجھ سے زیادہ قرآن پڑھنے والا کسی کو نہ پایا کیونکہ میں مسافروں سے سن سن کر خاصا قرآن یاد کر چکا تھا، لہٰذا سب نے مجھے امام منتخب کر لیا، حالانکہ میں اس وقت صرف چھ سات برس کا تھا۔ اس وقت میرے تن پر صرف ایک چادر تھی، وہ بھی اتنی چھوٹی تھی کہ جب میں سجدہ کرتا تو سکڑ جاتی تھی۔ قبیلے کی ایک

[1] مسند أحمد: 335/4.

عورت نے یہ منظر دیکھ کر کہا: تم ہم سے اپنے قاری کے سرین کیوں نہیں چھپاتے؟ آخر کار انھوں نے ایک کپڑا خریدا۔ میرا کرتا بنایا۔ میں اس کرتے سے اس قدر خوش ہوا کہ اتنا کسی چیز سے کبھی خوش نہیں ہوا۔"[1]

3 امام بخاری رحمہ اللہ نے ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت بیان کی ہے کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: کیا آپ کی زندگی میں جنگ اُحد سے بھی زیادہ کوئی سخت دن گزرا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَقَدْ لَقِيتُ مِنْ قَوْمِكِ مَا لَقِيتُ، وَكَانَ أَشَدُّ مَا لَقِيتُ مِنْهُمْ يَوْمَ الْعَقَبَةِ إِذْ عَرَضْتُ نَفْسِي عَلَى ابْنِ عَبْدِ يَالِيلَ بْنِ عَبْدِ كُلَالٍ، فَلَمْ يُجِبْنِي إِلَى مَا أَرَدْتُ، فَانْطَلَقْتُ وَأَنَا مَهْمُومٌ عَلَى وَجْهِي، فَلَمْ أَسْتَفِقْ إِلَّا وَأَنَا بِقَرْنِ الثَّعَالِبِ، فَرَفَعْتُ رَأْسِي، فَإِذَا أَنَا بِسَحَابَةٍ قَدْ أَظَلَّتْنِي، فَنَظَرْتُ فَإِذَا فِيهَا جِبْرِيلُ، فَنَادَانِي فَقَالَ: إِنَّ اللّٰهَ قَدْ سَمِعَ قَوْلَ قَوْمِكَ لَكَ وَمَا رَدُّوا عَلَيْكَ، وَقَدْ بَعَثَ إِلَيْكَ مَلَكَ الْجِبَالِ لِتَأْمُرَهُ بِمَا شِئْتَ فِيهِمْ، فَنَادَانِي مَلَكُ الْجِبَالِ، فَسَلَّمَ عَلَيَّ ثُمَّ قَالَ: يَا مُحَمَّدُ! فَقَالَ: ذٰلِكَ فِيمَا شِئْتَ، إِنْ شِئْتَ أَنْ أُطْبِقَ عَلَيْهِمُ الْأَخْشَبَيْنِ. فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: بَلْ أَرْجُو أَنْ يُخْرِجَ اللّٰهُ مِنْ أَصْلَابِهِمْ مَنْ يَعْبُدُ اللّٰهَ وَحْدَهُ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا»

"میں نے تمھاری قوم کی طرف سے بڑی سخت تکالیف کا سامنا کیا ہے۔ اُن لوگوں سے میں نے جو سب سے زیادہ سخت تکلیف اٹھائی، وہ عقبہ کے دن تھی۔ اس دن میں ابن عبد یالیل بن عبد کلال کے پاس گیا۔ اس نے (اسلام قبول نہیں کیا اور) میری دعوت کو رد کر دیا۔ میں رنجیدگی سے چلتا ہوا وہاں سے لوٹا۔ مجھے ہوش نہیں تھا کہ کدھر جا رہا ہوں۔ قرن ثعالب پہنچا تو ہوش آیا۔ میں نے اوپر سر اٹھایا تو دیکھا کہ بادل کے ایک ٹکڑے نے مجھ پر سایہ کر دیا ہے۔ پھر میں نے دیکھا کہ اس میں جبرئیل علیہ السلام موجود ہیں۔ انھوں نے مجھے آواز دے کر بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے وہ جواب سن لیا ہے جو آپ کی قوم نے آپ کو دیا ہے اور اس نے آپ کے پاس پہاڑوں کے فرشتے کو بھیجا ہے تاکہ آپ اسے کافروں کے متعلق جو چاہیں حکم دیں۔ پھر مجھے پہاڑوں کے فرشتے نے آواز دی اور سلام کیا، پھر اس نے کہا: اے محمد! آپ جو چاہیں (حکم دیں، میں تعمیل کے لیے حاضر ہوں۔) اگر آپ چاہیں تو مکہ کے دونوں طرف جو پہاڑ ہیں، ان لوگوں پر لا کر ملا دوں (جن سے وہ چکنا چور ہو جائیں)۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "(نہیں) بلکہ میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسل سے ایسے لوگ پیدا کرے گا جو صرف اللہ وحدہ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔"[2]

[1] صحيح البخاري :4302. [2] صحيح البخاري :3231.

درج بالا دلائل سے یہ بات معلوم ہوئی کہ نبیِ اکرم ﷺ مشرکین مکہ اور ہوازن کو ان کی محفلوں، میلوں اور تجارتی منڈیوں میں جا کر دعوتِ توحید دیتے تھے مگر مختلف قبائل یہ کہہ کر آپ کی سچی دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیتے تھے کہ جس شخص کو اس کی اپنی قوم سچا (پیغمبر) نہیں سمجھتی، ہم اسے کیسے سچا مان لیں؟ یہ شخص ہمیں کیا فائدہ دے گا جبکہ اس کی دعوت نے خود اس کی اپنی قوم کو ہلا کر رکھ دیا ہے اور اس نے اس کا بائیکاٹ کر دیا ہے۔ [1] اس طرح ہوازن اور دیگر قبائل کے لیے بت پرستی، جاہلانہ روایتیں، آبائی رسوم و رواج اور قریش کی عداوت اسلام قبول کرنے کی راہ میں رکاوٹ بن گئی۔

البتہ تاریخی مصادر سے ایسی کوئی شہادت نہیں ملتی کہ ہوازن نے مشرکین مکہ کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف کوئی محاذ آرائی کی ہو۔ بدر، احد یا خندق میں شرکت کی ہو۔ بالخصوص فتح مکہ کے موقع پر بھی انھوں نے اپنے حلیف مشرکین مکہ کی کوئی مدد نہیں کی، حالانکہ مسلمانوں کے مقابلے کے لیے انھیں اپنے حلیفوں سے مالی اور فوجی امداد کی اشد ضرورت تھی۔

مسلمانوں کے خلاف مسلح کشمکش میں حصہ نہ لینا ہوازن کا عمومی موقف تھا۔ البتہ انفرادی طور پر بعض افراد نے مختلف مواقع پر مشرکین مکہ کا ساتھ دیا تھا جیسا کہ اخنس بن شریق ثقفی نے غزوہ بدر کے موقع پر اپنے حلیف بنوزہرہ کا ساتھ دیا۔ جب ابوسفیان قریش کا قافلہ بچا کر لے جانے میں کامیاب ہوگیا تو اخنس نے اپنے حلیفوں کو مشورہ دیا کہ ہمارا بدر آنے کا مقصد پورا ہوگیا ہے، اس لیے اب مسلمانوں سے جنگ کی کوئی ضرورت نہیں، لہٰذا واپس چلے چلو۔ بنوزہرہ نے اخنس کا مشورہ قبول کرلیا۔ اس طرح وہ بدر کے میدان میں تباہ و برباد اور ذلیل و خوار ہونے سے بچ گئے۔ [2]

انفرادی شمولیت کی دوسری دلیل صلح حدیبیہ کے موقع پر سامنے آتی ہے جب عروہ بن مسعود ثقفی اپنے اہل و عیال اور ہم خیال لوگوں کو لے کر اہل مکہ کی مدد کے لیے آیا اور اس نے قریش کی طرف سے سفارت کاری کے فرائض انجام دیے۔ اسی نے قریش کو مشورہ دیا کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صلح کر لو۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر ہوازن قریش مکہ کا ساتھ دینے اور ان کا دفاع کرنے کیوں نہیں آئے جبکہ وہ ان کے ساتھ عقیدے، تجارت و زراعت اور نسب و مصاہرت کے بندھنوں میں بندھے ہوئے تھے؟

ہوازن نے قریش مکہ کو بڑی نازک حالت میں بے یار و مددگار چھوڑ دیا۔ اس کی دو اہم وجوہ ہوسکتی ہیں:

1 ہوازن اور ثقیف مسلمانوں کی فتوحات اور قوت و غلبے سے خوفزدہ ہو چکے تھے، جب انھیں خبر ملی کہ مسلمان

[1] البداية والنهاية: 138/3. [2] الإصابة: 192/1، أسد الغابة: 55/1.

رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے ہیں تو ہوازن وثقیف کو خدشہ لاحق ہوا کہ مسلمان ہم پر حملہ آور ہونے کے لیے نکلے ہیں، چنانچہ وہ سب اکٹھے ہوگئے۔ پھر جب انھیں یہ اطلاع ملی کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں پڑاؤ ڈالا ہے تو ہوازن اور ثقیف آپ ﷺ سے جنگ کرنے کے لیے پوری فوجی تیاری کے ساتھ حنین میں جمع ہوگئے اور مسلمانوں کی تاک میں بیٹھ گئے۔ [1]

2 فتح مکہ کے بعد اور غزوہ حنین سے پہلے مسلمانوں نے متعدد عسکری کارروائیاں کیں۔ انھوں نے مکہ مکرمہ کے اردگرد بت پرستوں کو شکست فاش دی، ان کے صدیوں پرانے بت کدے جلا کر راکھ کر دیے اور مکہ مکرمہ اور اس کے گردونواح سے بت پرستوں کا صفایا کر دیا تو ہوازن وثقیف کو آگے بڑھ کر مشرکین مکہ کی مدد کرنے کے بجائے اپنی فکر پڑ گئی۔ [2]

غزوۂ حنین کا سبب

ہوازن جزیرۂ عرب کی ایک زبردست طاقت تھے۔ مال و متاع، افرادی قوت اور جنگی اسلحے کے اعتبار سے وہ سب سے آگے تھے۔ زمانۂ جاہلیت کی متعدد جنگوں میں اپنی بہادری کے جوہر دکھا چکے تھے۔ جنگوں میں موت سے کھیلنا ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ انھیں اپنے بہادر جنگجوؤں پر ناز تھا۔ ہوازن جزیرۂ عرب کی ایسی قوت تھے جنھیں چیلنج کرنا دیگر قبائلِ عرب کے لیے تقریباً ناممکن تھا۔

جب مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں یہود و مشرکین کا صفایا شروع کیا تو ہوازن والے چونکے ہوگئے۔ وہ اپنے جاسوسوں کے ذریعے سے مسلمانوں کی خفیہ خبریں حاصل کرتے رہتے تھے۔ مسلمانوں کی عددی اور فوجی قوت کا حساب بھی لگاتے رہتے تھے۔ جب مسلمان مدینہ سے فتح مکہ کے لیے روانہ ہوئے تو ان کے جاسوس نے خبر دی کہ مسلمان ہوازن کو سبق سکھانے آرہے ہیں۔ لہٰذا ہوازن نے اپنے قبائل کو فیصلہ کن جنگ کے لیے تیار کرنا شروع کر دیا۔ انھیں اپنی طاقت کا گھمنڈ تھا اور چاروں طرف مشرکین کی شکست سے بڑی تشویش اور تکلیف ہو رہی تھی۔ پھر جب مسلمانوں نے اہلِ مکہ کو بھی زیر کرلیا اور حرم ابراہیم کو بت پرستوں سے آزاد کرا لیا تو ہوازن شدید خوف و ہراس میں مبتلا ہوگئے۔ اُنھیں یقین ہوگیا کہ اب مسلمانوں کا اگلا ہدف صرف ہوازن ہیں کیونکہ اب جزیرہ نمائے عرب میں اور کوئی ایسا قبیلہ باقی نہیں بچا تھا جو مسلمانوں کا مقابلہ کرسکتا ہو۔ اس صورت حال میں ہوازن کے سامنے دو ہی راستے تھے کہ یا تو وہ اسلام کی دعوت توحید قبول کر کے مسلمانوں کے بھائی بن جاتے جس

[1] تاریخ الطبري: 344/2. [2] مرویات غزوۃ حنین، ص: 36-43.

سے ان کا مال و متاع بھی محفوظ رہتا اور جان بھی بچ جاتی۔ یا پھر وہ دیگر مشرکوں کی طرح میدانِ جنگ میں کود پڑتے اور جو بھی نتیجہ نکلتا، اسے بہرحال قبول کرتے۔

ہوازن نے اپنے تیس سالہ بہادر جنگجو مالک بن عوف نصری کی قیادت میں جنگ کا راستہ چنا۔ ان کا خیال تھا کہ مسلمانوں نے اب تک جتنی قوموں کو زیر کیا ہے، وہ سب ہم سے کم تر تھیں۔ انھیں جنگ و جدل کی وہ مہارت حاصل نہ تھی جو ہمیں حاصل ہے۔ ان قوموں کے پاس ہم جیسی فوجی اور افرادی قوت بھی نہیں تھی۔ اس لیے وہ کہنے لگے: مسلمانوں کو اب پتہ چلے گا کہ انھوں نے کس قوم کو للکارا ہے۔ کیونکہ اب تک وہ جنگ و جدال کے پینتروں سے عاری اقوام ہی سے لڑتے آئے ہیں۔ اب ہم انھیں مزہ چکھائیں گے۔ مالک بن عوف نصری نے فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کے حملے کا انتظار کرنے کی بجائے خود ان پر حملہ آور ہونا چاہیے، چنانچہ مالک بن عوف نے ہوازن کے قبائل کو تیاری کا حکم دے دیا۔

مالک بن عوف نصری نوجوان تھا، وہ نڈر کمانڈر ہونے کے ساتھ ساتھ فصیح و بلیغ خطیب بھی تھا۔ اس نے اپنی قوم کا خون خوب گرمایا، انھیں اپنے عقیدے اور وطن کی حفاظت کا احساس دلایا اور بھرپور تیاری کے ساتھ مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کے لیے مستعد و متحرک کر دیا۔ اس کی ترغیب پر ثقیف کے تمام قبائل جمع ہو گئے۔ نصر اور جشم کے لوگ بھی اسلحے سے لیس ہو کر مالک بن عوف کی قیادت میں آ کھڑے ہوئے۔ سعد بن بکر بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے۔ البتہ بنو ہلال کے جنگجو بہت کم حاضر ہوئے۔ ان کی تعداد سو سے بھی کم تھی۔ قیس عیلان سے صرف یہی قبیلے آئے۔

ہوازن کے قبائل سے کعب اور کلاب غائب رہے۔ انھوں نے مالک بن عوف کا ساتھ نہیں دیا۔ وہ میدانِ کارزار کے قریب پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے مگر ان کو قبیلے کے سمجھدار شخص ابن ابی براء نے یہ کہہ کر روک دیا کہ اللہ کی قسم! اگر یہ لوگ محمد (ﷺ) سے بھاگ کر مشرق و مغرب کے مابین کسی بھی دور دراز علاقے میں چلے جائیں، محمد (ﷺ) ان پر ضرور غالب آ جائیں گے۔ اسے یقین تھا کہ محمد (ﷺ) کے مقابلے کے لیے نکلنے والا ہر لشکر ناکام و نامراد ہوگا۔ لہٰذا اس نے اپنی قوم کو شکست و ہزیمت سے بچانے کے لیے جنگ سے دور رہنے کا مشورہ دیا۔ اس طرح واقعی اس کی قوم ذلت و رسوائی سے بچ گئی۔

اس وقت ثقیف کے دو سردار تھے: 1 قارب بن اسود بن مسعود، یہ احلاف کا سردار تھا اور ان کی قیادت اسی کے ہاتھ میں تھی۔ 2 سبیع بن حارث جو بنو مالک کا قائد تھا۔ واقدی نے لکھا ہے: یہ بھی کہا گیا ہے کہ احمر بن حارث قائد تھا۔ ابن اسحاق نے سبیع کے ساتھ اس کے بھائی احمر کا بھی ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ دونوں بنو مالک

کی قیادت کر رہے تھے۔ بہرحال یہ لوگ اپنے اپنے مکمل قبائل کے ساتھ ہوازن کے لشکر میں شامل ہوگئے۔ ثقیف کہنے لگے: ہم پیش قدمی کر کے مسلمانوں پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ ہم نہیں چاہتے کہ مسلمان حملہ آور ہوں اور ہم دفاعی پوزیشن لینے پر مجبور ہوجائیں۔ البتہ اگر مسلمان ہم پر حملہ آور ہوگئے تو ہمارے پاس محفوظ قلعے موجود ہیں، ہم قلعہ بند ہو کر مسلمانوں کا مقابلہ کریں گے۔ ہمارے قلعوں میں وافر غذائی ذخائر بھی موجود ہیں۔ ہم قلعوں میں رہ کر لمبی جنگ لڑ سکتے ہیں۔ لیکن ان سب مواقع کے باوجود ہم پیش قدمی کرنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا چلو مل کر نکل چلو تاکہ ہم یکبارگی مسلمانوں پر ٹوٹ پڑیں۔

اس طرح ہر قبیلہ مسلمانوں کے ساتھ دو دو ہاتھ کرنے کے لیے بے تاب ہو رہا تھا۔ یہ لوگ اپنی جگہ انفرادی طور پر بھی مختلف اقدامات کر رہے تھے۔ غیلان بن سلمہ ثقفی نے اپنے دس بیٹوں کو بلا کر کہا: میں تمھیں ایک اہم کام کے لیے بھیجنا چاہتا ہوں، تم میں سے ہر ایک گھوڑے پر سوار ہو کر حاضر ہو۔ چنانچہ وہ دس شاہسوار بھی اس جنگ میں شریک ہوگئے۔ لیکن جنگ ہوئی تو اس لشکر کو وادی اوطاس میں شکست فاش ہوئی اور یہ لوگ بھاگ کر طائف کے قلعوں میں محصور ہوگئے۔

جنگ کے لیے روانہ ہونے سے قبل کنانہ بن عبد یالیل نے انھیں مشورہ دیا تھا: اے ثقیف والو! تم اپنے قلعے چھوڑ کر میدانِ جنگ میں جا رہے ہو (یہ اقدام جنگی نقطۂ نظر سے غلط ہے)۔ تمھیں معلوم نہیں کہ تم فتح یاب بھی ہوسکو گے یا نہیں، اس لیے بہتر یہی ہے کہ اپنے قلعوں کی مرمت کے لیے کچھ افراد چھوڑ جاؤ، ہوسکتا ہے تمھیں ان کی ضرورت پڑ جائے۔ چنانچہ اس کے مشورے پر ثقیف والوں نے قلعوں کی مرمت کے لیے ایک شخص کی ڈیوٹی لگائی اور خود جنگ کے لیے روانہ ہوگئے۔[1]

اس جنگ میں متعدد سردار اپنی اپنی قوم کی قیادت کر رہے تھے مگر ان سب کا بڑا کمانڈر ہوازن کا مالک بن عوف نصری ہی تھا جس کے حکم پر ساری فوج اپنے علاقے چھوڑ کر وادی اوطاس میں جمع ہوگئی۔

بنوجشم کے بوڑھے جرنیل کا جنگی تجزیہ اور صائب مشورہ

بنوجشم میں ایک نہایت تجربہ کار جنگجو بوڑھا دُرَید بن صِمَّہ بھی موجود تھا۔ اس کی عمر 160 سال تھی۔ وہ نابینا تھا۔ اس نے بھی اپنی قوم کا ساتھ دیا۔ ہرچند وہ اس وقت تلوار چلانے یا نیزہ بازی کی استطاعت سے محروم تھا مگر اس کے قیمتی مشورے اور جنگی تجربہ بہت بڑا سرمایہ تھا جسے قوم کھونا نہیں چاہتی تھی۔ لہٰذا قوم نے اسے ایک پالکی میں بٹھایا اور میدانِ جنگ میں ساتھ لے گئی۔ اِدھر ہوازن و ثقیف مالک بن عوف نصری کی قیادت میں رسول اللہ ﷺ

[1] المغازي للواقدي: 302/2، 303، السيرة لابن هشام: 80/4.

کے لشکر سے مقابلے کے لیے روانہ ہوئے تو اپنے بیوی بچے اور مال مویشی بھی ساتھ لے آئے۔ جب سارا لشکر اوطاس میں اترا تو بوڑھے جنگجو کو بھی پالکی سے اتارا گیا۔ یہ بوڑھا نیچے اترا تو اس نے زمین کو چھو کر دیکھا، پھر قوم سے پوچھا: تم نے کس وادی میں پڑاؤ کیا ہے؟ قوم نے جواب دیا: اوطاس میں۔

تجربہ کار جنگجو بولا: یہ وادی گھوڑوں کی بھاگ دوڑ کے لیے بہترین جگہ ہے۔ نہ یہ سطح مرتفع ہے، نہ یہاں نوکیلے پتھر ہیں، نہ یہ بھربھری مٹی کا میدان ہے۔ لیکن مجھے یہ تو بتاؤ کہ یہ اونٹوں کے بلبلانے، گدھوں کے ڈھینچوں ڈھینچوں کرنے، بکریوں کے ممیانے، گایوں کے ڈکرانے اور بچوں کے چیخنے کی آوازیں کیسی ہیں؟

قوم نے بتایا کہ مالک بن عوف کے حکم پر سب لوگ اپنے بیوی بچے اور مال مویشی بھی میدان کارزار میں ساتھ لے آئے ہیں۔ بوڑھے درید بن صمہ نے پوچھا: مالک کدھر ہے؟ لوگوں نے مالک کو بلایا اور عرض کی: لیجیے مالک حاضر ہے۔ پھر ان کے مابین یہ گفتگو ہوئی:

حربی ماہر درید بن صمہ: اے مالک! تم اپنی قوم کے سردار بن گئے ہو، تم ایک نہایت معزز شخص سے لڑنے جا رہے ہو۔ آج کے دن کے اثرات مدتوں رہیں گے۔ مالک! کیا وجہ ہے کہ میں اونٹوں کے بلبلانے، بکریوں کے ممیانے، گایوں کے ڈکرانے، گدھوں کی ڈھینچوں ڈھینچوں اور بچوں کے رونے کی آوازیں سن رہا ہوں؟

مالک بن عوف: میں جنگجوؤں کے ساتھ ان سب کے بیوی بچے اور مال مویشی بھی لے آیا ہوں۔

درید: تم نے ایسا کیوں کیا؟

مالک: میں نے سوچا کہ ہر شخص کے بیوی بچے اور مال مویشی اس کے ساتھ ہوں گے تو وہ ان کی حفاظت کے لیے خوب جوانمردی کا مظاہرہ کرے گا اور بے جگری سے جان لڑا دے گا۔

درید (مالک کو ڈانٹتے ہوئے): ارے بکریوں کے چرواہے! تمھیں جنگی چالوں کی ہوا بھی نہیں لگی۔ اللہ کی قسم! شکست خوردہ کو کوئی چیز روک نہیں سکے گی۔ اگر تمھیں فتح نصیب ہوئی تو تمھارے کام وہی شخص آئے گا جو تلوار اور نیزے سے بہادری کے جوہر دکھائے گا۔ اور اگر تم کو شکست ہوئی تو تم اپنے اہل و عیال اور مال مویشی سب کچھ کھو دو گے اور ذلیل وخوار ہو جاؤ گے۔

پھر درید نے پوچھا: کعب اور کلاب کدھر ہیں؟

قوم نے جواب دیا کہ ان میں سے کوئی نہیں آیا۔

درید: ان کا نہ ہونا گویا شجاعت و بسالت کا غائب ہونا ہے۔ (تم نے نہایت بہادر جنگجوؤں کو کھو دیا ہے۔) اگر آج

کا دن فتح و کامرانی کا دن ہوتا تو وہ یہاں ضرور موجود ہوتے۔ کاش! تم بھی کعب اور کلاب جیسا فیصلہ کرتے، میری مانو، واپس چلے جاؤ۔ مگر قوم نے واپس جانے سے انکار کر دیا، پھر درید نے پوچھا: تم میں سے کون کون حاضر ہے؟

قوم نے عرض کیا: عمرو بن عامر اور عوف بن عامر حاضر ہیں۔

درید: یہ دونوں عامر کے میمنے ہیں۔ ان سے کسی نفع و نقصان کی امید رکھنا دیوانگی ہے۔

پھر درید نے مالک بن عوف کو نصیحت کرتے ہوئے کہا: اے مالک! تم نے اپنی پوری قوم کو شاہسواروں کے سامنے ڈال کر عقلمندی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ میری مانو، اپنی قوم کو قلعوں میں لے جاؤ۔ انھیں بلند و بالا پہاڑوں میں چھپا دو، پھر گھڑ سواروں کے لشکر کے ساتھ ان بے دینوں (مسلمانوں) کا مقابلہ کرو۔ اگر تم فتح یاب ہوئے تو تمھاری قوم تمھارے پاس آجائے گی۔ اگر تم شکست کھا گئے تو اس صورت میں کم سے کم تمھارے اہل وعیال اور مال مویشی تو محفوظ رہیں گے۔

مالک بن عوف اپنی جوانمردی، شجاعت اور نوعمری میں ملنے والی قیادت کے نشے میں چور تھا۔ اسے بزرگ حربی ماہر کی نصیحتیں چنداں پسند نہ آئیں۔ اس پر یہ بات بھی گراں گزری کہ اس کے فیصلے کے برخلاف اس بڈھے کی کوئی بات مان کر تاریخ میں اس کا نام رقم کر دیا جائے اور اقوام اسے اچھے لفظوں سے یاد کریں۔ لہٰذا وہ فوراً بولا: اللہ کی قسم! میں تیرا کوئی مشورہ قبول نہیں کروں گا۔ میں اپنا فیصلہ ہرگز تبدیل نہیں کروں گا۔ تو بڈھا ہو گیا ہے۔ سٹھیا گیا ہے۔ تیرے بعد تجھ سے زیادہ اچھے جنگی ماہر پیدا ہو چکے ہیں جو قوم کی بہتر قیادت کر سکتے ہیں۔ درید نے قوم کو مخاطب کر کے کہا: ''اے ہوازن والو! اللہ کی قسم! اس کی رائے ٹھیک نہیں ہے۔ یہ شخص تمھیں رسوا کرائے گا، یہ تمھیں دشمن کے حوالے کر دے گا اور خود فرار ہو کر ثقیف کے قلعے میں جا چھپے گا۔ لہٰذا واپس چلے جاؤ اور اسے لڑنے مرنے کے لیے چھوڑ دو۔''

یہ سن کر مالک نے اپنی تلوار سونت لی اور بولا: اللہ کی قسم! اے ہوازن والو! تمھیں صرف میری اطاعت کرنی ہوگی ورنہ میں اپنی تلوار اپنے ہی پیٹ میں گھونپ کر خودکشی کرلوں گا۔ اس دھمکی کا فوری اثر ہوا اور ہوازن والے بولے: یہ نوجوان ہے۔ اگر ہم نے اس کی بات نہ مانی تو یہ کہیں جذبات میں آکر اپنے آپ کو قتل ہی نہ کر بیٹھے۔ اور اگر اس نے خودکشی کر لی تو ہمارے پاس درید رہ جائے گا جو نابینا اور ضعیف ہے۔ جنگ و جدال اب اس کے بس کی بات نہیں۔ تو پھر ہم کس کی قیادت میں یہ معرکہ سر کریں گے۔ لہٰذا وہ مالک سے کہنے لگے: ہم تمھاری اطاعت کریں گے۔ یہ سُن کر درید بن صمہ نے بڑے رنج و غم سے کہا: یہ ایسی جنگ ہے جس میں میرا موجود ہونا نہ ہونا برابر ہے کیونکہ اب میں جنگ لڑنے کے قابل نہیں رہا اور تم میرے مشورے قبول نہیں کرتے۔ اس کے بعد اس نے افسردگی کا اظہار کرتے ہوئے یہ اشعار پڑھے:

يَا لَيْتَنِي فِيهَا جَذَعْ أَخُبُّ فِيهَا وَ أَضَعْ

أَقُودُ وَطْفَاءَ الزَّمَعْ كَأَنَّهَا شَاةٌ صَدَعْ

''اے کاش! میں جوان ہوتا تو اس معرکے میں کبھی تیز رفتاری سے حملہ کرتا اور کبھی رُک رُک کر وار کرتا۔ میں لمبے بالوں والے تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہو کر دشمن پر حملہ آور ہوتا جیسے پہاڑی بکرا زوردار حملہ کرتا ہے۔''

جب درید بن صمہ کی عمر بیس برس بھی نہیں تھی، اُسی کمسنی کے زمانے میں اس نے شجاعت و جوانمردی کے جوہر دکھا کر اپنا لوہا منوا لیا تھا۔ وہ اپنی قوم بنوجشم کا عالی نسب سردار تھا مگر کبر سنی نے اسے یہ دن دکھائے کہ قوم کے نوجوانوں نے اس کے قیمتی مشوروں پر کان نہیں دھرا اور وہ سوائے رنج والم کے اظہار کے کچھ نہیں کر پایا۔[1]

ہوازن کے جاسوسوں کی دُرگت

ہوازن کے لوگ اپنے ہم عقیدہ بت پرستوں کی پے در پے شکستوں پر پیچ و تاب کھاتے رہتے تھے۔ مسلمانوں کی ہر نئی فتح ان کے لیے خوف و ہراس میں اضافے کا سبب بنتی تھی۔ اس لیے وہ اپنے جاسوسوں کے ذریعے سے مسلمانوں کی خبریں لیتے رہتے تھے اور مسلمانوں کی عددی اور فوجی قوت کا اندازہ لگاتے رہتے تھے۔ مکہ کی شاندار فتح نے ہوازن کی نیندیں اڑا دی تھیں۔ اسی لیے وہ اپنے سردار مالک بن عوف کی قیادت میں زبردست جنگی تیاریاں کر رہے تھے۔ اس دوران میں مالک نے تین جاسوس روانہ کیے تاکہ وہ مسلمانوں کی تازہ ترین صورت حال سے آگاہی حاصل کریں۔ تینوں جاسوس مسلمانوں کے لشکر کی ٹوہ لینے گئے مگر وہ ایسی دردناک حالت میں واپس آئے جو دل دہلا دینے والی تھی۔ ان کے تمام جوڑ ٹوٹ چکے تھے۔ وہ بمشکل واپس آئے۔ مالک بن عوف نے ان کی یہ حالت دیکھی تو حیرت اور خوف سے پوچھنے لگا: تمھارا ستیاناس! تمھیں کیا ہوا ہے؟ انھوں نے جواب دیا: ہم نے چتکبرے گھوڑوں پر سفید رنگ کے کچھ لوگ دیکھے۔ پھر چند ہی لمحوں میں ہماری یہ درگت بن گئی۔ اللہ کی قسم! ہمارا مقابلہ انسانوں سے نہیں ہے۔ ہم فرشتوں سے لڑنے جا رہے ہیں جن کا مقابلہ کرنا ہمارے بس کی بات نہیں۔ ہماری مانو، اپنی قوم کو واپس لے چلو۔ اسی میں ہماری سلامتی ہے۔ اگر باقی لوگوں نے بھی ان فرشتوں کو دیکھ لیا تو ان کی بھی ویسی ہی درگت بنے گی جیسی ہماری بنی ہے۔

مالک بن عوف نے ان خوفزدہ معذور فوجیوں کی ساری رپورٹ سنی اور انھیں ڈانٹتے ہوئے کہا: ستیاناس ہو تمھارا! تم ساری فوج میں سب سے زیادہ بزدل اور پست ہمت ہو۔ پھر اس نے ان فوجیوں کو چھپا دیا، مبادا دوسرے جنگجو بھی انھیں دیکھ کر ہمت ہار جائیں اور اسلامی لشکر کا سامنا کرنے سے گریز کرنے لگیں۔ اپنی سپاہ کا مورال بلند رکھنے کے

[1] المغازي للواقدي: 2/303-305، السيرة لابن هشام: 4/80-82، دلائل النبوة للبيهقي: 5/121-123.

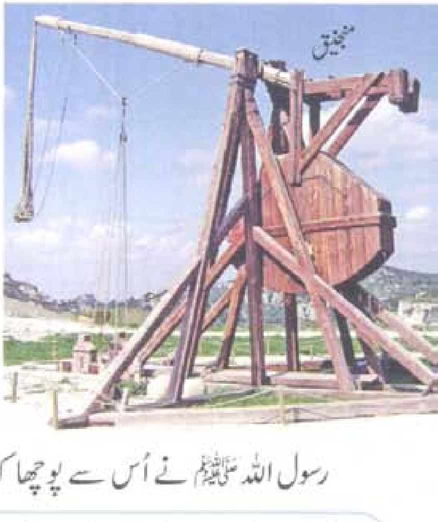
لیے اس حادثے کو دبانا اشد ضروری تھا۔ لیکن اصل صورتِ حال جاننے کے لیے مزید جاسوس روانہ کرنا بھی وقت کی اہم ضرورت تھی۔ لہٰذا مالک نے پوچھا: لشکر میں موجود سب سے بہادر شخص کون ہے؟ جب سب نے ایک شخص کی نشاندہی کی تو اسے جاسوسی کے لیے بھیجا گیا۔ وہ اپنے مشن کی کامیابی کا پکا یقین لے کر روانہ ہوا مگر تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ وہ بھی پہلے فوجیوں کی طرح اپنے جوڑ تڑوا کر نہایت خوفزدہ حالت میں واپس آ گیا۔ مالک بن عوف نے پوچھا: تم نے کیا دیکھا؟ وہ کہنے لگا: میں نے خوبصورت چتکبرے گھوڑوں پر سفید گورے لوگ دیکھے۔ ان پر نظر ٹکتی نہ تھی۔ اللہ کی قسم! دیکھتے ہی دیکھتے چند لمحوں میں میری یہ درگت بن گئی۔

اپنے جاسوسوں کی یہ قابلِ رحم حالت دیکھ کر بھی گھمنڈی نوجوان سردار اپنے جارحانہ ارادوں سے باز نہ آیا۔ وہ مسلسل مسلمانوں سے جنگ کی تیاری کرتا رہا۔[1]

یہ درحقیقت فرشتے تھے جنھوں نے جاسوسوں کی مرمت کر دی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں مسلمانوں کی نصرت و حمایت کے لیے نازل کیا تھا۔

ہوازنی جاسوس پکڑا گیا

اب دوسری طرف مسلمانوں کا حال یہ تھا کہ جس وقت رسول اللہ ﷺ مدینہ سے نکلے اور مکہ مکرمہ روانہ ہوئے تو آپ نے چند گھڑ سواروں کو حالات کے جائزے کے لیے آگے بھیجا۔ یہ دستہ ہوازن کے ایک جاسوس کو پکڑ لایا۔ یہ جاسوس شروع ہی سے اپنے لیڈر مالک بن عوف کے حکم پر مسلمانوں کے متعلق معلومات جمع کر رہا تھا۔ اسے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو اس نے بتایا کہ ہوازن نے مسلمانوں کے مقابلے کے لیے بہت بڑا لشکر جمع کر لیا ہے۔ وہ سارے عرب کو جمع کر کے لے آئے ہیں۔ انھوں نے لوگوں کو جرش (دمشق) سے دبابات اور منجنیق لانے کے لیے بھی بھیجا ہے تاکہ ان کی فوج جدید اسلحے سے لیس ہو کر مسلمانوں کا مقابلہ کرے۔ واضح رہے کہ دبابہ اس زمانے کی ویسی ہی گاڑی تھی جیسی آج کل بکتر بند گاڑی ہوتی ہے۔ دبابہ میں فوجی چھپ کر دشمن کے ہدف تک پہنچتے تھے۔


منجنیق

رسول اللہ ﷺ نے اُس سے پوچھا کہ پورے ہوازن کی قیادت کس کے ہاتھ میں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ

[1] المغازي للواقدي: 307/2، السيرة لابن هشام: 82/4، السيرة لابن إسحاق: 549/2.

سب کا کمانڈر مالک بن عوف ہے۔ آپ نے سوال کیا: کیا ہوازن کے تمام قبائل جنگ کے لیے تیار ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ بنو عامر سے کعب اور کلاب نے اس جنگ کے لیے شمولیت اختیار نہیں کی۔ میں مکہ مکرمہ سے گزرا تھا تو وہ لوگ ابوسفیان کی دی گئی اطلاعات پر برہم تھے۔ لیکن وہ خوفزدہ بھی بہت تھے۔ اس پر نبیِ کریم ﷺ نے فرمایا:

«حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ، مَا أُرَاهُ إِلَّا صَدَقَنِي»

''ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس شخص نے صحیح معلومات دی ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ نے یہ معلومات حاصل کرنے کے بعد اس شخص کو بطور احتیاط حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا اور تاکید فرمائی کہ اسے اپنی نگرانی میں رکھو۔ یہ شخص فتح مکہ تک اُنھی کی تحویل میں رہا۔ پھر فتح مکہ والے دن مسلمان ہوگیا۔ بعدازاں مسلمانوں کے ساتھ جنگ حنین میں شریک ہوکر شہادت سے سرفراز ہوا۔ [1]

اسلامی لشکر کی تیاری

اسلام نے اپنے ماننے والوں کو ممکنہ اسباب و وسائل اختیار کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ ہر غزوے سے قبل جنگی تیاری کرتے، ہتھیاروں اور سواریوں کا بندوبست کرتے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دستے بنا کر ان کی کمان کسی ماہر شخص کے حوالے کرتے تھے۔ ہوازن کے ساتھ معرکہ آرائی کے موقع پر بھی آپ نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو سامنے رکھتے ہوئے مناسب تیاری کی:

﴿وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِن دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ اللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ۚ وَمَا تُنفِقُوا مِن شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ۝﴾

''اور ان (کافروں کے مقابلے) کے لیے تم مقدور بھر قوت (تیروتفنگ) اور بندھے ہوئے گھوڑے تیار رکھو جن سے تم اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو اور ان کے علاوہ دوسروں کو ڈرائے رکھو جنھیں تم نہیں جانتے (مگر) اللہ انھیں جانتا ہے اور تم اللہ کی راہ میں جو کچھ خرچ کرو گے، تمھیں (اس کا) پورا پورا ثواب دیا جائے گا اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔'' [2]

جاسوسی کے لیے عبداللہ بن ابی حدرد رضی اللہ عنہ کی روانگی

جونہی رسول اللہ ﷺ کو ہوازن کے اجتماع کی خبریں ملیں، آپ نے ان کی سپاہ، اسلحے اور مالی وسائل کا اندازہ

[1] إمتاع الأسماع :356/1. [2] الأنفال 60:8.

کرنے اور ان کے عزائم جاننے کے لیے سیدنا عبداللہ بن ابی حدرد رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا۔ ان کی رہائش ہوازن کے علاقے کے بہت قریب تھی، اس لیے ان کا ہوازن میں گھل مل جانا، اپنی شناخت چھپانا اور پھر معلومات لے کر خفیہ راستوں سے واپس آ جانا زیادہ مشکل بات نہیں تھی۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بلایا اور حکم دیا:



«اِنْطَلِقْ فَادْخُلْ فِي النَّاسِ حَتّٰى تَأْتِيَ بِخَبَرٍ مِّنْهُمْ وَمَا يَقُولُ مَالِكٌ»

''جاؤ، لوگوں میں گھل مل جاؤ، ان کی معلومات حاصل کرو اور ان کے کمانڈر مالک کے جنگی پلان کی خبر لاؤ۔''

چنانچہ سیدنا عبداللہ بن ابی حدرد رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کے مطابق روانہ ہوگئے۔ وہ ہوازن کے لشکر میں داخل ہو کر دو دن تک معلومات حاصل کرتے رہے۔ لشکر کی تعداد، اسلحے اور مال مویشی کی تعداد کا اندازہ لگاتے رہے۔ ہوازن کی چھاؤنی میں گھومتے پھرتے وہ ہوازن کے کمانڈر مالک بن عوف کی مجلس میں پہنچ گئے۔ وہ اپنے رئیسوں کے جمگھٹے میں بیٹھا تھا اور اپنی قوم کی شجاعت اور جنگی مہارت کی ڈینگیں مار رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا: ''بلاشبہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے آج تک ہماری قوم جیسی ماہر فوج سے کبھی جنگ نہیں لڑی۔ وہ ہمیشہ اناڑی لوگوں سے لڑتے آئے ہیں جنھیں جنگ کا سرے سے پتا ہی نہیں تھا۔ ان پر فتح پا کر اب وہ ہم جیسے ماہرین سے جنگ کی جرأت کر بیٹھے ہیں۔ لہٰذا تم کل صبح صف بندی کرنا۔ اپنے پیچھے اپنے بیوی بچوں اور مال مویشی کی صفیں بھی بنانا تاکہ ہر شخص پوری طرح جان لڑا کر جنگ کرے۔ اپنی تلواریں میان سے نکال لو، میانیں کاٹ پھینکو اور پھر بیس ہزار کا لشکر جرار بیک وقت ہلہ بول دے۔ خوب جان لو! غلبہ حملے میں پہل کرنے والوں ہی کو ملتا ہے۔''

سیدنا عبداللہ بن ابی حدرد رضی اللہ عنہ یہ ساری معلومات اور جنگی پلان جان لینے کے بعد چپکے سے ان کے لشکر سے نکل آئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ساری معلومات کی رپورٹ پیش کر دی۔ آپ نے ان معلومات کی روشنی میں پیش قدمی فرمائی۔[1]

[1] السيرة لابن هشام: 82/4، السيرة لابن إسحاق: 550/2، دلائل النبوة للبيهقي: 121/5، المغازي للواقدي: 308,307/2.

اسلامی لشکر کی پیش قدمی

سیدنا عبداللہ بن ابی حدرد رضی اللہ عنہ کی فراہم کردہ معلومات کی روشنی میں رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ کیا کہ دشمن کا مقابلہ مکہ مکرمہ سے باہر نکل کر کیا جائے کیونکہ مکہ مکرمہ کے اندر رہ کر دشمن کا مقابلہ کرنا بلدِ امین کے تقدس اور جنگی حکمتِ عملی کے خلاف تھا۔ مکہ مکرمہ پر مسلمانوں کی فتح کو ابھی صرف سترہ دن ہی گزرے تھے۔ ابھی مکہ میں بہت سے کافر اور اسلام کے دشمن موجود تھے جنھیں رسول اللہ ﷺ کے لطف و کرم سے معافی مل چکی تھی، پھر بھی وہ ابھی تک جاہلانہ عقیدے ہی پر قائم تھے۔ ایسے قریشی سردار بھی موجود تھے جن کی زندگی کے شب و روز اسلام دشمنی میں گزرے تھے۔ فتح مکہ کے موقع پر ان کی خاموشی اسلام کی حقانیت کو تسلیم کرنے اور رسول اللہ ﷺ کو نبی برحق ماننے کی وجہ سے نہ تھی بلکہ وہ مسلمانوں کی طاقت سے مغلوب ہوگئے تھے اور بے بسی کے عالم میں دانت پیس رہے تھے۔ ان کے گھروں میں اسلحے کے انبار موجود تھے مگر انھیں چلانے والے بازو شل ہوگئے تھے۔ مسلمانوں کی قوت کا خوف ان کی رگ رگ میں سرایت کر گیا تھا۔ اگر انھیں مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع مل جاتا جیسا کہ ہوازن کے مکہ پر حملے کی صورت میں یہ موقع مل سکتا تھا، تو عین ممکن تھا کہ اسلام کے یہ پرانے دشمن پھر سے میدان میں کود پڑتے۔ اس طرح مسلمانوں کے لیے اندرونی اور بیرونی حملہ آوروں کا مقابلہ کرنا مشکل ہوجاتا۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے بھرپور تیاری کر کے مکہ سے باہر نکل کر ہوازن کو سبق سکھانے کا پروگرام بنایا۔

رسول اللہ ﷺ نے اسلامی لشکر کو پوری طرح مسلح کرنے کے لیے درج ذیل اقدامات کیے:

1 مکہ مکرمہ کے اسلحے کے تاجر صفوان بن امیہ کے گھر پر اسلحے کے انبار لگے ہوئے تھے۔ مسلمانوں نے اُس سے کوئی تعرض نہ کیا تھا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اعلان کرا دیا تھا کہ جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے، وہ امن میں ہوگا۔ اس طرح ہر وہ شخص جو اپنا تحفظ چاہتا تھا، اس نے اپنا دروازہ بند کر کے اپنا مال اور جان محفوظ کر لی۔

صفوان بن امیہ ایسے ہی لوگوں میں سے ایک تھا۔ وہ اسلحے کا تاجر تھا۔ رسول اللہ ﷺ ہوازن کے مقابلے کے لیے نکلے تو آپ ﷺ نے صفوان کو بلایا اور فرمایا: اے ابوامیہ! اپنی زرہیں ہمیں دے دو تاکہ ہم کل دشمن کا مقابلہ کریں۔ صفوان دل ہی دل میں ڈرا کہ بس اب اس کی جمع پونجی گئی۔ اس نے ڈرتے ڈرتے عرض کیا: اے محمد (ﷺ)! کیا آپ میرا اسلحہ میری رضا مندی سے لیں گے یا زبردستی چھین لیں گے؟ آپ نے فرمایا: ہرگز نہیں، تم ہمیں اپنی زرہیں اور دوسرا ضروری اسلحہ ادھار دے دو، یہ اسلحہ ہم تمھیں بحفاظت واپس کر دیں گے۔ چنانچہ صفوان بن امیہ نے بخوشی ایک سو زرہیں ڈھال سمیت نبی کریم ﷺ کے حوالے کر دیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ زرہیں 400

تھیں۔[1] پھر آپ ﷺ نے صفوان سے فرمایا کہ یہ اسلحہ میدانِ جنگ تک پہنچا دو۔ صفوان بن امیہ نے اپنے اونٹوں کے ذریعے یہ اسلحہ وادیِ اوطاس تک پہنچا دیا۔[2]

2 رسول اللہ ﷺ نے مجاہدین کی ضروریات پوری کرنے کے لیے مختلف افراد سے قرض بھی لیا جو غزوۂ حنین کی غنیمت سے ادا کر دیا گیا۔ سنن ابن ماجہ اور دیگر کتبِ حدیث میں سیدنا عبداللہ بن ابی ربیعہ مخزومی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے غزوۂ حنین کے موقع پر تیس یا چالیس ہزار درہم قرض لیے۔ پھر جب وہ غزوے سے واپس ہوئے تو رسالت مآب ﷺ نے انھیں ادائے قرض کے ساتھ ساتھ خیر و برکت کی دعا بھی دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِي أَهْلِكَ وَمَالِكَ، إِنَّمَا جَزَاءُ السَّلَفِ الْوَفَاءُ وَالْحَمْدُ»

''اللہ تمھارے گھر والوں اور مال میں برکت دے۔ بلاشبہ قرض کا بدلہ (بروقت) ادائیگی اور شکریہ ادا کرنا ہے۔''[3]

3 نبی کریم ﷺ نے مکہ کے ایک اور مالدار شخص حویطب بن عبدالعزیٰ سے بھی چالیس ہزار درہم قرض لیا تھا۔ حویطب فتح مکہ والے دن مسلمان ہوئے تھے۔ پھر غزوۂ حنین و طائف میں شریک ہوئے۔[4]

4 رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچازاد نوفل بن حارث سے اس موقع پر مجاہدین کے لیے نیزے حاصل کیے۔ ان کے پاس نیزوں کا بہت بڑا ذخیرہ تھا۔ انھوں نے تین ہزار نیزے دے کر اسلامی لشکر کی مدد کی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی اس اعانت کو سراہتے ہوئے فرمایا:

«كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلٰى رِمَاحِكَ تَقْصِفُ أَصْلَابَ الْمُشْرِكِينَ»

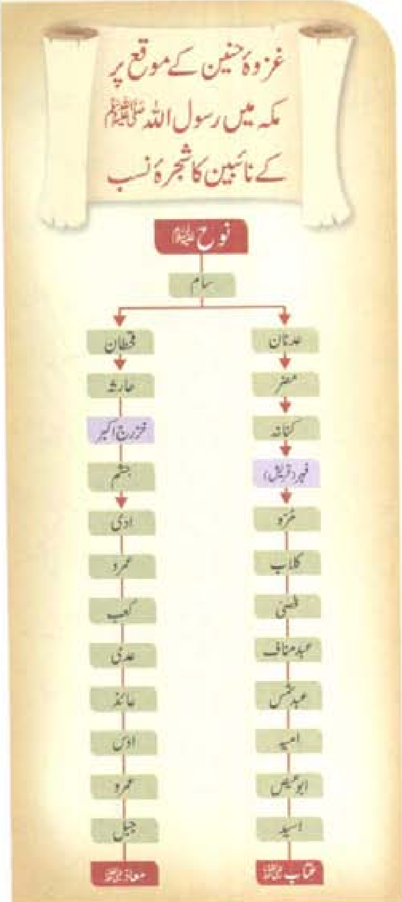
''گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ تمھارے نیزے مشرکین کی پشتوں کو چھلنی کر رہے ہیں۔''

ان کے اسلام لانے کا واقعہ بڑا دلچسپ ہے۔ یہ بھی مکہ مکرمہ کے اسلحے کے بہت بڑے تاجر تھے۔ ان کے گودام میں ہر وقت ہزاروں نیزے موجود رہتے تھے۔

عبداللہ بن حارث بیان کرتے ہیں کہ نوفل جنگِ بدر میں مسلمانوں کے قیدی بن گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں فدیہ ادا کرنے کا حکم دیا۔ وہ کہنے لگے: میرے پاس فدیہ دینے کے لیے مال نہیں ہے، اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اِفْدِ نَفْسَكَ بِرِمَاحِكَ الَّتِي بِجُدَّةَ»

1 شرح الزرقاني على المواهب: 499/3. 2 السيرة لابن هشام: 83/4، المغازي للواقدي: 306/2. 3 سنن ابن ماجه: 2424، سنن النسائي: 4687. 4 أسد الغابة: 71/2.



''اپنی جان چھڑانے کے لیے ان نیزوں کا فدیہ دو جو (تم نے) جدہ میں (چھپا رکھے) ہیں۔''

اس انکشاف پر وہ ہکا بکا رہ گئے۔ کہنے لگے: اللہ کی قسم! اللہ کے بعد میرے سوا کسی کو ان نیزوں کا علم نہیں تھا۔ وہ بے اختیار کلمۂ شہادت کا اقرار کر کے مسلمان ہو گئے اور جدہ میں چھپائے ہوئے ایک ہزار نیزے فدیے میں ادا کر دیے۔ [1]

اسلامی لشکر کی تعداد

اس طرح رسول اللہ ﷺ نے اسلامی لشکر کو پوری طرح مسلح کر کے اوطاس کی طرف سفر شروع کیا۔ اس وقت آپ کے ہمراہ بارہ ہزار مجاہدین تھے۔ 10 ہزار مجاہدین مدینہ منورہ سے آپ کے ساتھ آئے تھے اور دو ہزار افراد وہ تھے جو فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہو گئے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کے نائب

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ میں اپنا نائب اور امیر مقرر کیا۔ ان کی ذمہ داری یہ تھی کہ مکہ مکرمہ میں رہ جانے والے مسلمانوں کو نماز پڑھائیں اور اگر کوئی مشرک فتنہ برپا کرنے کی کوشش کرے تو اس کا سدباب کریں۔ لوگوں کی اسلامی تعلیم و تربیت کے لیے آپ نے سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ وہ لوگوں کو دینی احکام و مسائل اور اخلاق و آداب سکھاتے تھے۔ [2]

اسلامی لشکر کی روانگی کی تاریخ

غزوۂ حنین کے لیے اسلامی لشکر کس تاریخ کو مکہ مکرمہ سے روانہ ہوا؟ اس بارے میں اختلاف ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے مکہ مکرمہ تشریف لانے کی تاریخ اور فتح مکہ کے بعد مکہ مکرمہ میں قیام فرمانے کی مدت میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ مؤرخین نے اسی تاریخ کے حساب سے غزوۂ حنین کی تاریخ مقرر کی ہے۔ اس سلسلے میں

[1] أسد الغابة: 262/4، المستدرك للحاكم: 246/3، حديث: 5074. [2] المغازي للواقدي: 305/2، السيرة لابن هشام: 83/4، مزید دیکھیے: المستدرك للحاكم: 270/3.

علمائے کرام کے دو اقوال ہیں، آیئے انھیں دلائل کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں:

1 علامہ ابن اسحاق اور ابنِ جریر طبری وغیرہ کا موقف یہ ہے کہ غزوۂ حنین 5 شوال 8 ھ کو ہوا۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور عروہ بن زبیر رحمہ اللہ سے بھی یہی مروی ہے۔[1] ان علمائے کرام کی دلیل یہ حدیث ہے:

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ أَقَامَ بِمَكَّةَ عَامَ الْفَتْحِ خَمْسَ عَشْرَةَ لَيْلَةً يَقْصُرُ الصَّلَاةَ.

''رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے بعد مکہ مکرمہ میں پندرہ دن قیام فرما رہے، اس دوران آپ ﷺ نماز قصر کرتے رہے۔''[2]

علامہ ابنِ اسحاق فرماتے ہیں: ''مکہ 8 ھ میں فتح ہوا جبکہ رمضان کے دس دن باقی تھے۔''[3]

2 علامہ واقدی کے بیان کے مطابق آپ غزوۂ حنین کے لیے بروز ہفتہ 6 شوال 8 ھ کو روانہ ہوئے اور منگل کی شام 10 شوال کو وادیِ حنین پہنچے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جمعے کے روز مکہ فتح کیا جبکہ رمضان کے دس دن باقی تھے۔ پھر آپ پندرہ دن مکہ میں قیام پذیر رہے۔ ہفتے کے روز 6 شوال کو آپ ﷺ حنین روانہ ہوئے اور بروز منگل 10 شوال کو شام کے وقت وادیِ حنین پہنچے۔[4] علامہ ابن سعد کا بھی یہی موقف ہے۔[5]

دونوں اقوال اور ان کے دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اختلاف معمولی سا ہے اور اسے دور کرنا مشکل نہیں۔ علامہ زرقانی یہ اقوال ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: یہ اختلاف چاند نظر آنے کی تاریخ میں اختلاف کی وجہ سے ہوسکتا ہے یا اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ جن علماء نے تاریخ 6 شوال لکھی ہے، انھوں نے روانگی کی رات بھی شامل کرلی اور جنھوں نے پانچ شوال بتائی، انھوں نے روانگی کی رات اس میں شامل نہیں کی۔

کچھ علماء نے دونوں اقوال کو جمع کیا ہے اور لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سفر کی تیاری رمضان کے آخر میں شروع کی، 6 شوال کو روانہ ہوئے اور 10 شوال کو حنین پہنچ گئے۔[6]

6 شوال والی بات سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی درجِ ذیل روایت کے مطابق ہے:

أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَقَامَ بِمَكَّةَ عَامَ الْفَتْحِ سَبْعَ عَشْرَةَ.

''رسول اللہ ﷺ فتح مکہ والے سال مکہ مکرمہ میں سترہ دن ٹھہرے۔''[7]

1 البداية والنهاية: 321/4. 2 سنن ابن ماجه: 1076، سنن أبي داود: 1231، سنن النسائي: 1454. 3 السيرة لابن إسحاق: 547/2. 4 المغازي للواقدي: 305/2 و 307. 5 الطبقات لابن سعد: 150/2. 6 شرح الزرقاني على المواهب: 498/3، فتح الباري: 35/8. 7 مسند أحمد: 315/1، سنن أبي داود: 1230.

کتبِ مغازی میں رسول اللہ ﷺ کے اس سفر کی جو تفصیل لکھی ہے، اس کے مطابق آپ فتح مکہ کے لیے مدینہ سے 10 رمضان کو روانہ ہوئے، 19 رمضان کو آپ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے، مذکورہ بالا روایت کے لحاظ سے آپ کی غزوہ حنین کے لیے روانگی کی تاریخ 6 شوال ہی قرار پاتی ہے۔

البتہ جن صحیح روایات میں مدتِ اقامت 19 یا 18 دن آئی ہے، اُن میں حافظ ابن حجر اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے 19 دن والی روایت کو راجح قرار دیا ہے کیونکہ اکثر روایات میں 19 دن ہی کا ذکر ہے۔ صحیح بخاری میں بھی یہی وارد ہے۔ ان روایات کو اس طرح سے جمع کیا گیا ہے کہ 19 دن والی روایت میں مکہ مکرمہ میں داخل ہونے اور روانہ ہونے کے دن بھی شامل ہیں۔ جن راویوں نے 18 دن کی روایت بیان کی، انھوں نے ان میں سے کوئی ایک دن شمار کیا ہے۔ اور جنھوں نے سترہ دن بیان کیے، انھوں نے آمد و رفت کے دونوں دن شامل نہیں کیے۔ جبکہ پندرہ دن والی روایت کے راویوں نے 17 دن والی روایت کو مدنظر رکھا کہ یہ اصل ہے اور پھر اس میں سے داخلے اور کوچ کا دن نکال کر پندرہ دن کا ذکر کر دیا۔

اس طرح سے تمام روایات جمع اور متحد ہو جاتی ہیں۔ 5 یا 6 شوال کا اختلاف معمولی ہے۔[1] واللہ اعلم

جاہلیت کی پکار پر رسول اللہ ﷺ کا انکار

رسول اللہ ﷺ تا ابد معلمِ انسانیت ہیں۔ سفر ہو یا حضر، جنگ ہو یا امن، آپ ﷺ ہر موقع پر اپنے صحابہ کی تعلیم و تربیت کا اہتمام فرماتے تھے۔ موقع محل کی مناسبت سے اپنی سنہری تعلیمات کے ذریعے صحابہ کے اخلاق و اطوار سنوارتے تھے۔ کم علمی کی بنا پر کسی سے کوئی غلطی سرزد ہو جاتی تھی تو آپ ﷺ فوراً حکیمانہ انداز میں اصلاح فرما دیتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت سازی ہر وقت آپ کے پیش نظر رہتی تھی۔ ایک ایسا ہی واقعہ غزوہ حنین کے لیے جاتے ہوئے راستے میں پیش آیا۔

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ 2 ہزار نومسلم مجاہدین بھی تھے۔ ان کی تعلیم و تربیت کا ابھی مناسب وقت نہیں مل سکا تھا، اس لیے ان سے اپنے سابقہ عقائد و نظریات کے مطابق کوئی خطا سرزد ہو جانا ایک فطری بات تھی۔ مگر معلمِ انسانیت ﷺ اس کی اصلاح کے لیے ہر وقت تیار تھے۔ حنین جاتے ہوئے راستے میں کفارِ مکہ کا ایک تاریخی درخت تھا۔ یہ بہت بڑا سرسبز اور گھنا درخت تھا۔ اس کا نام ذاتِ انواط تھا۔ کفار ہر سال اس درخت کے پاس میلہ لگاتے، اپنی تلواریں اس درخت کی شاخوں میں لٹکاتے، یہاں جانور ذبح کرتے اور پورا ایک دن اسی درخت کے پاس گزارتے تھے۔

[1] فتح الباري: 725/2.

جب اسلامی لشکر اس درخت کے پاس سے گزرا تو کفار کے میلے کی یاد تازہ ہوگئی۔ آگے بڑھے تو بیری کا ایک بڑا سرسبز درخت نظر آیا۔ اس تناور درخت کو دیکھتے ہی مختلف گوشوں سے آوازیں آنے لگیں: اے اللہ کے رسول! اس درخت کو ہمارے لیے اُسی طرح ذاتِ انواط قرار دے دیجیے جس طرح کفار کا ذاتِ انواط ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فوراً عقیدے کی اصلاح کی، اللہ اکبر کہا، اللہ کی یکتائی، کبریائی، بڑائی اور بزرگی کا اعلان کیا اور میلوں ٹھیلوں کے شوقین حضرات کی اصلاح کرتے ہوئے فرمایا:

«قُلْتُمْ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! كَمَا قَالَ قَوْمُ مُوسٰى لِمُوسٰى: ﴿اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ۚ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ﴾ إِنَّهَا السُّنَنُ، لَتَرْكَبُنَّ سَنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ»

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! تمھارا یہ مطالبہ تو ویسا ہے جیسا موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے موسیٰ علیہ السلام سے کیا تھا: ''(اے موسیٰ!) تو ہمارے لیے ایک معبود بنا دے جس طرح ان کے معبود ہیں۔ موسیٰ نے کہا: بے شک تم (نرے) جاہل ہو۔'' یہ تو پچھلے لوگوں کے طور طریقے ہیں۔ تم اپنے سے پہلے لوگوں کے طور طریقے ضرور اپناؤ گے۔''[1]

اس طرح نبی کریم ﷺ نے اپنے ماننے والوں کو صاف پیغام دے دیا کہ اسلام میں میلوں ٹھیلوں اور سالانہ عرس و جشن جیسی کسی چیز کی مطلق گنجائش نہیں۔ عبادت و ریاضت، نذر و نیاز اور دعا و التجا کا مرکز و محور صرف اللہ رب العالمین ہے۔ اس کے سوا کوئی بزرگ یا حجر و شجر نذر و نیاز یا دعاؤں کا مرکز نہیں بن سکتا۔

''لَنْ نُّغْلَبَ الْيَوْمَ مِنْ قِلَّةٍ'' ایک فخریہ کلمہ

رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ سے 12 ہزار کا لشکر جرار لے کر حنین کی طرف روانہ ہوئے تو یہ تاریخ اسلامی کا پہلا موقع تھا کہ مسلمان اتنی بڑی تعداد میں دشمن کی طرف گامزن تھے۔ یہ غزوہ اس لحاظ سے بھی منفرد تھا کہ اس میں مدنی اور مکی مجاہدین شانہ بشانہ دشمن کو سبق سکھانے جا رہے تھے۔ ایسی شاندار طاقت دیکھ کر کسی مجاہد کی زبان سے یہ فخریہ کلمہ پھسل گیا:

لَنْ نُّغْلَبَ الْيَوْمَ مِنْ قِلَّةٍ.

''آج ہم قلتِ فوج کی وجہ سے شکست نہیں کھائیں گے۔''

[1] السيرة لابن إسحاق :2/553,552، جامع الترمذي :2180، دلائل النبوة للبيهقي :5/125.

یہ جملہ کس نے کہا؟ اس بارے میں متعدد روایات وارد ہوئی ہیں مگر سند کے اعتبار سے کوئی ایک بھی پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی۔ سیرت ابنِ ہشام میں ابنِ اسحاق کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ یہ جملہ رسول اللہ ﷺ نے، یا بنو بکر کے کسی شخص نے کہا تھا۔ [1]

علامہ واقدی کی روایت کے مطابق یہ فاخرانہ کلمہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زبان سے ادا ہوا۔ [2] جبکہ مسند بزار کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات ایک انصاری نوجوان نے کہی تھی۔ [3] سنن بیہقی میں یہ قول ایک مجہول شخص سے منسوب کیا گیا ہے۔ [4]

یہ روایات سند کے لحاظ سے ضعیف ہیں۔ لیکن ان روایات کا تعدد اور قرآن کریم کا ایک اشارہ بتاتا ہے کہ یہ کلمہ کہا ضرور گیا تھا۔ البتہ رسول اللہ ﷺ یا آپ کے خصوصی وزیر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اس کا صدور ممکن نہیں کیونکہ یہ کلمہ ان کے عجز و انکسار، تواضع اور تعلق باللہ کے منافی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی پوری سیرت طیبہ اس حقیقت کی گواہ ہے کہ آپ نے جنگی قوت پر کبھی بھروسا نہیں کیا، فوجی تعداد کی کثرت و قلت کو کبھی بنیاد نہیں بنایا بلکہ ہمیشہ مقدور بھر تیاری کے بعد اللہ تعالیٰ ہی پر کامل بھروسا کیا اور اللہ رب العزت ہی سے مدد و نصرت کی دعا کی۔ آپ ﷺ کے عمومی اسوۂ حسنہ کی وضاحت کے لیے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ملاحظہ فرمائیں:

كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا غَزَا قَالَ: «اَللّٰهُمَّ أَنْتَ عَضُدِي وَنَصِيرِي، بِكَ أَحُولُ وَبِكَ أَصُولُ وَبِكَ أُقَاتِلُ»

''رسول اللہ ﷺ جب غزوے کے لیے تشریف لے جاتے تو یہ دعا مانگتے: ''اے اللہ! تو میرا بازو اور میرا مددگار ہے، میں تیری ہی مدد سے چلتا پھرتا اور (دشمن پر) حملہ آور ہوتا ہوں۔ اور میں تیری ہی توفیق سے جنگ لڑتا ہوں۔'' [5]

فتح مکہ کے موقع پر بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا لشکر جرار آپ کے ہمراہ تھا۔ یہ ایسی زبردست فوجی قوت تھی جس کا سامنا کرنے کی کسی کو جرأت نہیں ہوئی مگر اس کے باوجود آپ کے عجز و انکسار کا یہ عالم تھا کہ آپ کا سر مبارک جھکا ہوا تھا اور اونٹ کے کوہان سے ٹکرا رہا تھا اور زبان مبارک پر اللہ تعالیٰ کی کبریائی، بڑائی اور تعریف و توصیف کے کلمات جاری تھے۔ آپ ﷺ نے اپنے آپ پر اور اپنے صحابہ پر ہونے والے مظالم کا بدلہ لینے کی بجائے عام معافی

[1] السيرة لابن إسحاق :2/554، السيرة لابن هشام :4/87. [2] المغازي للواقدي :2/305. [3] كشف الأستار عن زوائد البزار :2/232. [4] دلائل النبوة للبيهقي :5/123. [5] سنن أبي داود :2632.

کا اعلان کر کے فاتحینِ عالم کا دستور ہی بدل ڈالا تھا۔ پھر بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ غزوہ حنین کے موقع پر ایسا فخر آمیز کلمہ آپ کی زبان مبارک سے نکلے؟!

قرآن مجید کا اسلوبِ بیان بھی اسی بات کی گواہی دیتا ہے کہ یہ کلمہ لشکریوں ہی میں سے کسی نے کہا تھا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِیْ مَوَاطِنَ كَثِیْرَةٍ ۙ وَّیَوْمَ حُنَیْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَیْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَیْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّیْتُمْ مُّدْبِرِیْنَ ۝﴾

''یقیناً اللہ نے بہت سے مواقع پر تمھاری مدد کی ہے اور حنین کے دن (بھی) جبکہ تمھاری کثرت نے تمھیں خوش فہمی میں ڈال دیا تھا، تو وہ تمھارے کچھ کام نہ آئی، اور زمین فراخی کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی، پھر تم پیٹھ پھیر کر پلٹے۔'' [1]

اس آیت میں لشکر کی کثرت پر خوش ہونے والوں کی نسبت مسلمانوں کی طرف کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صیغۂ جمع بیان کیا ہے۔ پھر آیت میں راہ فرار اختیار کرنے کا تذکرہ ہے۔ اور یہ بات تاریخی طور پر ثابت ہے کہ اس روز رسول اللہ ﷺ میدان کارزار میں پوری استقامت کی شان سے ڈٹے رہے۔ اور آپ ﷺ کے ساتھ میدان میں ثابت قدم رہنے والے صحابہ کی تعداد بہت کم تھی۔ پس معلوم ہوا کہ یہ کلمہ کہنے والا کوئی عام مجاہد ہی تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی زبانِ مبارک سے یہ کلمہ نہیں نکلا۔

بعض علمائے کرام نے اس کلمے کا مطلب یہ بیان کیا ہے: یہ کلمۂ افتخار نہیں بلکہ کلمۂ تسلیم و رضا ہے۔ اس سے مقصود یہ تھا کہ آج ہم تعداد میں کم نہیں۔ یہ مطلب ہرگز نہ تھا کہ آج ہمیں شکست نہیں ہو سکتی۔ فتح و شکست، کامرانی یا ناکامی تو اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ اس اعتبار سے یہ کلمۂ اعجاب و فخر نہیں بلکہ یہ ایک کنایہ ہے، یعنی کہنے والے نے خوش ہو کر کہا: ''آج ہماری تعداد کس قدر زیادہ ہے۔'' [2]

لشکر اسلام کے خوش نصیب پہریدار

سیدنا سہل بن حنظلیہ انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں ہوازن کی طرف چلے تو آپ نے تیز رفتاری سے سفر جاری رکھا۔ اس دوران ظہر کا وقت قریب آ گیا۔ ایک شخص نے آ کر اطلاع دی: اللہ کے رسول! آپ کے صحابہ بہت پیچھے رہ گئے ہیں۔ لہٰذا آپ رک گئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دستے بھی آہستہ آہستہ

[1] التوبة 25:9. [2] شرح الزرقاني على المواهب: 504/3.

آپ کے پاس پہنچ گئے۔ پھر آپ نے ظہر اور عصر کی نمازیں ادا کیں۔ اتنے میں ایک گھڑ سوار آیا اور عرض گزار ہوا: اللہ کے رسول! میں آپ کے آگے آگے فلاں فلاں پہاڑ تک چکر لگا کر آیا ہوں۔ وہاں وادی حنین میں ہوازن کا پورا قبیلہ اپنے بیوی بچوں اور مال مویشی سمیت موجود ہے۔ رسول اللہ ﷺ اس کی رپورٹ سن کر مسکرائے اور فرمایا:

«تِلْكَ غَنِيمَةُ الْمُسْلِمِينَ غَدًا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ»

''وہ سارے اموال کل مسلمانوں کی غنیمت ہوں گے۔ ان شاء اللہ!''

پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَلَا فَارِسٌ يَحْرُسُنَا اللَّيْلَةَ؟»

''ہے کوئی شاہسوار جو آج رات ہمارا پہرہ دے؟''

یہ سن کر سیدنا اُنیس بن ابی مرثد غنوی رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے پر آگے بڑھے اور عرض کی: اللہ کے رسول! میں یہ خدمت انجام دینے کے لیے حاضر ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«اِنْطَلِقْ حَتّٰى تَقِفَ عَلٰى جَبَلِ كَذَا وَكَذَا، فَلَا تَنْزِلَنَّ إِلَّا مُصَلِّيًا أَوْ قَاضِيَ حَاجَةٍ، وَلَا تُغَرَّنَّ مِنْ خَلْفِكَ»

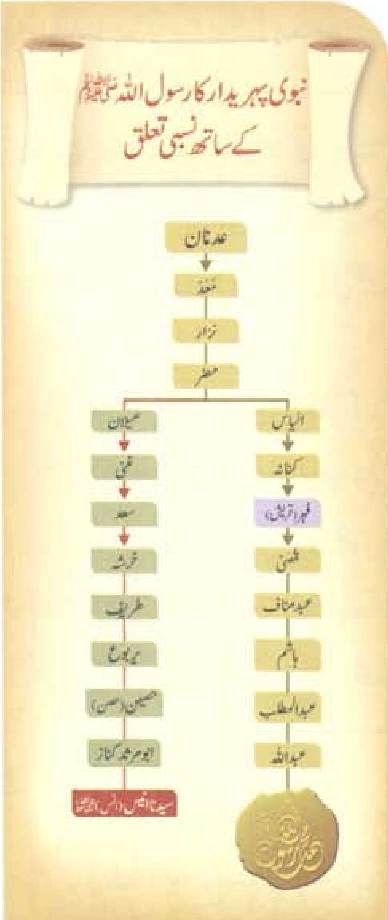
''جاؤ، فلاں فلاں پہاڑ پر جا کر بسیرا کرو۔ صرف نماز اور قضائے حاجت کے لیے گھوڑے سے اترنا۔ اور اپنا فرض پوری ہوشیاری سے ادا کرنا، کہیں دشمن تمھارے لشکر کو دھوکے سے نقصان نہ پہنچائے۔''

سیدنا سہل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رات اطمینان وسکون سے گزاری، صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے شاہسوار کے متعلق پوچھا کہ کیا وہ آگیا ہے؟ صحابہ نے عرض کی: جی نہیں۔ پھر نماز کی اقامت ہوئی تو آپ نے سب کو نماز پڑھائی۔ سلام پھیرنے کے بعد آپ درختوں کی طرف دیکھنے لگے، اس دوران آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَبْشِرُوا قَدْ جَاءَكُمْ فَارِسُكُمْ»

''خوش ہو جاؤ! تمھارا گھڑ سوار بحفاظت آگیا ہے۔''

جب وہ حاضر ہوا تو اس نے اپنی رپورٹ پیشِ خدمت کی: اے اللہ کے رسول! میں آپ کے حکم کے مطابق فلاں فلاں پہاڑ پر ٹھہرا رہا۔ میں صرف نماز اور قضائے حاجت ہی کے لیے گھوڑے سے اترتا تھا۔ صبح تک میں چوکس رہا۔ اس دوران میں دشمن کی کوئی نقل وحرکت سامنے نہیں آئی۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے گھوڑے سے نیچے اترنے کا حکم دیا اور فرمایا:



«قَدْ أَوْجَبْتَ فَلَا عَلَيْكَ أَنْ لَا تَعْمَلَ بَعْدَهَا»

''تم نے اپنے لیے (جنت) لازم کر لی۔ اس کے بعد اب کوئی اور عمل نہ بھی کرو تو کوئی مضائقہ نہیں۔''[1]

اس طرح سیدنا انیس بن ابی مرثد نے رسول اللہ ﷺ کے حکم پر ساری رات پہرہ دیا۔ اس ذمہ داری کے دوران وہ مسلسل گھوڑے کی پیٹھ پر سوار رہے، نیچے نہیں اترے، رسول اللہ ﷺ نے انھیں اس بے مثال اطاعت و فرمانبرداری اور مسلمانوں کی سرحد کی حفاظت کرنے پر بخشش اور جنت کی عظیم الشان خوشخبری سنائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلامی سرحدوں کی حفاظت کس قدر عظیم عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے مجاہدین کے لیے جنت کی مہمان نوازی کا اہتمام فرما رکھا ہے۔

لشکر کفار کی جنگی تیاریاں

اسلام دشمن ہوازن بھرپور جنگی تیاری کے ساتھ جنگ و جدل کے ماہر اپنے نوجوان کمانڈر مالک بن عوف نصری کی قیادت میں حنین پہنچ گئے۔ نوجوان ہوازنی کمانڈر کو اپنی 20 ہزار سپاہ کی طاقت اور حربی مہارت پر بڑا گھمنڈ اور اپنی جنگی چالوں، صلاحیتوں اور تجربے پر بے حد اعتماد تھا۔ اس نے اپنی فوج کو اچھی طرح مسلح کرنے کے بعد ان کا مورال بلند کرنے کے لیے ایک پُر جوش خطبہ بھی دیا۔ اس نے اپنی تعداد اور جنگی مہارت کا حوالہ دے کر کہا:

''آج تک محمد (ﷺ) کا مقابلہ تم جیسی بہادر سپاہ سے نہیں ہوا۔ وہ آج تک نا تجربہ کار، کمزور اور بے بس لوگوں ہی کو شکست دیتے آئے ہیں۔''

یقیناً اس پُر جوش تقریر نے اہلِ ہوازن کے جوش و جذبے کو جلا بخشی ہوگی، چنانچہ وہ معرکہ شروع ہونے کا بے تابی سے انتظار کرنے لگے۔ دشمن کے سپہ سالار نے ہر فوجی کے بیوی بچے بھی میدان میں لا کھڑے کیے۔ گویا اس نے اپنی سپاہ کو یہ پیغام دیا تھا کہ ''Do or Die'' مارو یا مرجاؤ۔ بھاگنے اور جنگ سے منہ موڑنے کی کوئی گنجائش نہیں،

[1] المغازي للواقدي: 2/309,308، دلائل النبوة للبيهقي: 5/126,125، سنن أبي داود: 2501.

اگر تم نے شکست کھائی تو میدان سے بھاگتے وقت اپنے بیوی بچے کس کے سپرد کر کے جاؤ گے۔ اس طرح ہوازنی کمانڈر نے اپنی سپاہ کو نفسیاتی طور پر بھی یہ مؤثر پیغام دیا کہ تمھارے لیے سوائے جنگ کے اور کوئی چارہ نہیں۔

عربوں کے ہاں رواج تھا کہ جب وہ کسی جنگ کو مرتے دم تک جاری رکھنے کا ارادہ کرتے تو تلواروں کی میانیں کاٹ ڈالتے تھے۔ یہ اس امر کا اعلان ہوتا تھا کہ دشمن کو ختم کر کے دم لیں گے یا خود جان دے دیں گے۔ غزوۂ حنین کے موقع پر ہوازنی سردار نے بھی اپنی فوج کو یہی پیغام دیا: ''اپنی تلواروں کی میانیں توڑ ڈالو اور صبح بیس ہزار جوہردار تلواروں کے ساتھ دشمن پر ٹوٹ پڑو۔''

گوریلا کارروائی جنگوں میں ہمیشہ نہایت مؤثر سمجھی جاتی ہے۔ ذہین و فطین ہوازنی کمانڈر نے وادیٔ حنین میں پہلے سے پہنچ کر اپنے لشکر کے لیے خوب جانچ کر مناسب جگہ کا انتخاب کیا تاکہ اس کا لشکر مؤثر طور پر حملہ آور ہو سکے۔ وادیٔ حنین اونچی نیچی ڈھلانوں، پیچ دار دروں اور متعدد گھاٹیوں پر مشتمل ہے۔ مالک بن عوف نے اپنے شاہسواروں کو انھی ڈھلانوں اور دروں میں چھپا دیا۔ رات کے اندھیرے میں ان کے متعدد دستے بنا کر انھیں چھپ جانے کا حکم دیا اور کہا کہ صبح کے دھندلکے میں مسلمانوں پر ایک دم حملہ کر دینا۔

ہوازنی کمانڈر نے اپنی جنگی حکمت عملی کے تحت دفاع کی بجائے پیشگی حملہ کو ترجیح دی اور اپنی سپاہ کو مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کا حکم دیا۔ اس کے علاوہ اس نے نفسیاتی حربوں سے بھی کام لیا۔ اس نے مسلمانوں پر رعب ڈالنے کے لیے اپنی افواج کو کئی گنا بڑھا چڑھا کر دکھانے کا ڈرامہ بھی رچایا۔ ہوازنیوں کی اصل فوج 20 ہزار تھی۔ ان کے کمانڈر نے فوج کے پیچھے اونٹوں کی صفیں بنائیں اور ان پر عورتوں کو بٹھا دیا۔ اس طرح ہوازنی فوج لاکھوں کی تعداد میں نظر آنے لگی۔ [1]

[1] موسوعة الغزوات الكبرٰى للباشميل :2/1597-1600.

وادیٔ حنین کا ایک منفرد منظر



اسلامی لشکر کی تیاری

رسول اللہ ﷺ بھی اسلامی لشکر کے ہمراہ رات کو وادی حنین پہنچ کر پڑاؤ ڈال چکے تھے۔ آپ ﷺ نے سحری کے وقت اسلامی سپاہ کو قبائلی بنیادوں پر مختلف دستوں میں تقسیم کیا اور انھیں جھنڈے عطا کیے۔ مہاجرین، انصار اور دیگر قبائل کو الگ الگ فوجی جھنڈے دے کر ان کے کمانڈروں کا تقرر فرمایا۔ جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کمان دی گئی اور پرچم عطا فرمائے گئے، ان کے اسمائے گرامی اور قبائل کی فہرست درج ذیل ہے:

نام	قبیلہ	نام	قبیلہ
سیدنا علی رضی اللہ عنہ	قریش مہاجر	سیدنا سَلیط بن قیس رضی اللہ عنہ	بنو مازن
سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ	مہاجر	سیدنا بُریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ	بنواسلم
سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ	مہاجر	سیدنا جندب بن اعجم رضی اللہ عنہ	بنواسلم
سیدنا حباب بن منذر رضی اللہ عنہ	خزرج	سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ	بنوغفار
سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ	خزرج	سیدنا ابو واقد حارث بن مالک لیثی رضی اللہ عنہ	بنوضمرہ، لیث، سعد بن لیث
سیدنا اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ	اوس [1]	سیدنا ابوشُریح رضی اللہ عنہ	بنوکعب بن عمرو
سیدنا ابو نائلہ رضی اللہ عنہ	بنوعبدالاشہل	سیدنا بِشر بن سفیان رضی اللہ عنہ	بنوکعب بن عمرو
سیدنا ابو بردہ بن نیار رضی اللہ عنہ	بنوحارثہ	سیدنا بلال بن حارث رضی اللہ عنہ	بنومزینہ
سیدنا قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ	بنوظفر	سیدنا نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ	بنومزینہ
سیدنا جبر بن عتیک رضی اللہ عنہ	بنومعاویہ	سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ	بنومزینہ
سیدنا ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ	بنوواقف	سیدنا رافع بن مکیث رضی اللہ عنہ	جہینہ
سیدنا ابولبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ	بنوعمرو بن عوف	سیدنا عبداللہ بن یزید رضی اللہ عنہ	جہینہ
سیدنا ابواُسید ساعدی رضی اللہ عنہ	بنوساعدہ	سیدنا ابوزرعہ معبد بن خالد رضی اللہ عنہ	جہینہ
سیدنا عمارہ بن حزم رضی اللہ عنہ	بنو مالک بن نجار	سیدنا سُوید بن صخر رضی اللہ عنہ	جہینہ
سیدنا ابوسَلیط رضی اللہ عنہ	بنوعدی بن نجار	سیدنا نُعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ	بنواشجع

[1] اوس وخزرج کے ذیلی قبائل کو بھی الگ الگ جھنڈے عطا کیے گئے۔

سیدنا سُلیط بن قیس رضی اللہ عنہ	بنو مازن	سیدنا مَعقِل بن سنان رضی اللہ عنہ	بنو اشجع
سیدنا عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ	بنو سُلیم	سیدنا خُفاف بن ندبہ رضی اللہ عنہ	بنو سلیم
سیدنا حجاج بن علاط رضی اللہ عنہ	بنو سلیم		

رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئے تو پہلے سلیم قبیلے میں آئے اور ان کے گھڑ سوار دستے کو بطور ہراول دستہ مقرر فرمایا۔ ان کی قیادت سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو سونپی، وہ جعرانہ میں آمد تک ان کے قائد رہے۔ رسول اللہ ﷺ کا غزوات میں یہی طریق کار تھا کہ جب بھی گھوڑے میسر آتے، آپ انھیں ہراول دستہ بنا دیتے تھے۔ گویا یہ اس دور کے ٹینک اور بکتر بند گاڑیاں تھیں جو دشمن پر ابتدائی ہلہ بولنے کے لیے استعمال کی جاتی تھیں۔ زمانۂ جاہلیت میں اوس وخزرج کے جھنڈے سبز اور سرخ ہوتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے جھنڈوں کا رنگ برقرار رکھا جبکہ آپ ﷺ نے مہاجرین کو جو بڑا پرچم اور چھوٹے جھنڈے مرحمت فرمائے، وہ سفید اور سیاہ رنگ کے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کی جنگی تیاری

مجاہدینِ اسلام کے سالارِ اعظم رسول اللہ ﷺ نے امت کو ذاتِ الٰہی پر بھروسا کرنے کا صحیح مطلب سمجھاتے ہوئے دو زرہیں پہنیں، سر پر مغفر اور خود پہنا، پھر اپنے سفید خچر پر سوار ہو کر وادی حنین کی گھاٹی سے نیچے اترنا شروع کر دیا۔ یوں آپ نے امت کو سبق دیا کہ بھرپور طور پر تمام ممکنہ مادی اسباب و وسائل اختیار کرنا توکل کے عین مطابق ہے۔ آپ ﷺ نے اسلامی سپاہ کو قتال کی ترغیب دی اور انھیں فتح و نصرت کی خوشخبری سنائی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم صبر و استقامت کے ساتھ ڈٹ کر دشمن کا مقابلہ کرو گے تو یقیناً تمھی کامیاب رہو گے۔[1]

معرکے کی ابتدا اور مسلمانوں کی جزوی شکست

اسلامی لشکر فجر کے دھندلکے میں وادی حنین کی گھاٹی سے اترنا شروع ہوا تو اہلِ لشکر کا خیال یہی تھا کہ وادی کے وسیع میدان میں دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوگا۔ مگر ہوازنی کمانڈر نے بڑی مہارت سے وادی کی تنگ گھاٹیوں، دروں اور پیچ در پیچ نشیب و فراز میں بے شمار جنگجو گھات میں بٹھا رکھے تھے جو مسلمانوں پر اچانک حملے کے لیے بالکل تیار تھے۔ مسلمان ان خفیہ کمین گاہوں سے یکسر بے خبر تھے۔ وہ جونہی وادی میں داخل ہوئے، ان پر چاروں طرف سے یلغار کر دی گئی۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اچانک یہ حملہ آور کدھر سے نکل آئے ہیں۔ ابھی صبح کا اُجالا پوری

[1] المغازي للواقدي: 309,310/2، الطبقات لابن سعد: 150/2.



بنوسُلیم کی شاعرہ خنساء کی بستی (صفینہ)

طرح پھیلا بھی نہ تھا بلکہ فجر کا دھندلکا ہی چھایا ہوا تھا کہ اچانک تیروں کی بوچھاڑ شروع ہوگئی اور بنوسلیم کا گھڑسوار دستہ تیروں کی زد میں آگیا۔ یہ لوگ تیروں سے بچنے کے لیے بھاگ کھڑے ہوئے، پھر انھوں نے کسی کی آواز پر کان نہ دھرے۔ وہ اپنے ہی لشکر کو روندتے ہوئے دور نکل گئے۔ ان کے پیچھے پیادہ فوج کے نومسلم بھی راہ فرار ڈھونڈنے لگے۔ ہوازنی کمانڈر کا پلان کامیاب ہوتا دکھائی دے رہا تھا مگر اس موقع پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی نصرت اور رسول اللہ ﷺ کی ثابت قدمی سے جنگ کا نقشہ بدل گیا اور حتمی کامیابی مسلمانوں کو نصیب ہوئی۔

اسلامی لشکر کی ابتدائی شکست کے اسباب

1 اسلامی لشکر فتح مکہ کی خوشی سے سرشار اور اپنی تعداد وقوت پر شاداں وفرحاں وادی حنین کی طرف روانہ ہوا تو کسی کی زبان سے یہ فخریہ کلمہ نکل گیا کہ آج ہماری کثرتِ تعداد کی وجہ سے ہمیں شکست نہیں ہوسکتی۔ اللہ تعالیٰ نے اس گروہ کو عجز وانکسار کا سبق فوراً ہی سکھا دیا۔ انھیں یہ حقیقت سمجھا دی گئی کہ فتح ونصرت فوجی طاقت سے نہیں ملتی بلکہ اس کا تمام تر دار ومدار رب العالمین کے فضل وکرم اور نصرت وحمایت پر ہے۔

2 مسلمانوں کی شکست کی دوسری اہم وجہ ہوازنی کمانڈر کا ماہرانہ جنگی پلان تھا جس کے تحت ہوازنی لشکر نے فجر کے دھندلکے میں خفیہ کمین گاہوں سے نکل کر اچانک ہلہ بول دیا اور اسلامی فوج کے پاؤں اکھڑ گئے۔

3 اس شکست کی ایک بڑی وجہ بدوؤں، طلقاء اور نہتے نوجوانوں کا میدانِ جنگ سے فرار تھا۔ طلقاء وہ لوگ تھے جنھیں رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ والے دن احسان فرماتے ہوئے آزاد کر دیا تھا اور وہ مسلمان ہو کر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ہو لیے تھے۔ دوسرے بدو تھے۔ جب ہوازنی لشکر نے زوردار حملہ کیا تو سب سے پہلے یہی لوگ بھاگے اور مسلمانوں کو سرآغاز ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا۔

رسول اللہ ﷺ کی میدان میں ثابت قدمی

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں غزوۂ حنین والے دن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ موجود تھا۔ میں اور ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ساتھ ہی رہے۔ ہم ایک لمحے کے لیے بھی آپ سے جدا نہیں

ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ اپنے سفید خچر پر سوار تھے جو آپ کو فَروہ بن نُفاثہ جُذامی نے بطور ہدیہ پیش کیا تھا۔ جب کافروں سے مسلمانوں کا ٹکراؤ ہوا تو (کفار کے اچانک اور بھیانک حملے کی وجہ سے) مسلمان الٹے پاؤں بھاگ کھڑے ہوئے، اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے نہایت پامردی سے اپنا خچر کفار کی طرف بڑھایا۔ میں نے آپ ﷺ کے خچر کی لگام تھام رکھی تھی اور اسے تیز چلنے سے روکنے کی کوشش کر رہا تھا (کیونکہ وہ تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا)۔ ابوسفیان رسول اللہ ﷺ کی سواری کی رکاب پکڑے ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا:

«أَيْ عَبَّاسُ! نَادِ أَصْحَابَ السَّمُرَةِ»

''اے عباس! بیری کے درخت تلے بیعت (رضوان) کرنے والوں کو آواز لگاؤ۔''

حضرت عباس رضی اللہ عنہ بہت بلند آواز مجاہد تھے۔ انھوں نے زور دار آواز سے پکارا: ''بیری کے درخت تلے بیعت کرنے والو! تم کہاں ہو؟''

یہ آواز سن کر ہر طرف سے مجاہدین ایسے والہانہ انداز میں لپکے جیسے گائے اپنے بچے کی آواز پر بے تابی سے دوڑتی ہے۔ وہ سب لبیک لبیک پکارتے ہوئے حاضر ہوگئے۔

پھر آپ کے حکم پر سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے انصار کو بلایا: يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ! يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ! ''اے انصاریو! اِدھر آؤ۔ اے انصار کی جماعت! اِدھر آؤ (تمھیں اللہ کے رسول ﷺ یاد فرما رہے ہیں)۔'' پھر انصار کے قبیلے بنوحارث بن خزرج کو پکارا گیا:

يَا بَنِي الْحَارِثِ بْنِ الْخَزْرَجِ! يَا بَنِي الْحَارِثِ بْنِ الْخَزْرَجِ!

''اے بنی حارث بن خزرج! یہاں حاضر ہو جاؤ۔ اے بنی حارث بن خزرج! ادھر آؤ۔''

یہ قبیلہ زمانۂ قدیم سے جنگوں میں ثابت قدمی اور دلیرانہ حملوں کی وجہ سے معروف تھا۔

یہ سب رسول اللہ ﷺ کے گرد جمع ہوگئے۔ رسول اللہ ﷺ خچر پر بیٹھے میدان کارزار کا بغور جائزہ لے رہے تھے۔ آپ ﷺ نے گھمسان کی جنگ ہوتی دیکھی تو فرمایا:

«هٰذَا حِينَ حَمِيَ الْوَطِيسُ»

''اب جنگ خوب بھڑک اٹھی ہے۔''

پھر رسول اللہ ﷺ نے مٹھی بھر کنکریاں لیں اور کفار کے منہ پر دے ماریں۔ پھر فرمایا:

اِنْهَزَمُوا وَرَبِّ مُحَمَّدٍ! اِنْهَزَمُوا وَرَبِّ الْكَعْبَةِ!

''محمد ﷺ کے رب کی قسم! کافر شکست کھا گئے۔ رب کعبہ کی قسم! مشرک شکست کھا گئے۔''

میں نے میدانِ جنگ میں نظر دوڑائی، جنگ ابھی تک زوروں پر تھی لیکن اللہ کی قسم! جب آپ ﷺ نے کنکریاں پھینکیں تو (وہ مشرکوں کی آنکھوں میں جالگیں،) ان کی تلواریں کند ہوگئیں (ان کا زور ٹوٹ گیا) اور وہ منہ پھیر کر بھاگنے لگے۔ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے خچر پر ان کا تعاقب کر رہے تھے۔[1]

علامہ واقدی نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی پکار پر آپ ﷺ کے جاں نثار پلٹ آئے اور دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا کی:

«اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُكَ وَعْدَكَ، لَا يَنْبَغِي لَهُمْ أَنْ يَظْهَرُوا»

''اے اللہ! میں تجھ سے تیرے وعدے (کی تکمیل) کا سوال کرتا ہوں، یہ مشرک ہم پر غالب نہ آنے پائیں۔''

پھر آپ نے مٹھی بھر کنکریاں مشرکین کے چہروں پر دے ماریں اور فرمایا: «شَاهَتِ الْوُجُوهُ» ''یہ چہرے بگڑ جائیں (اور) ناکام و نامراد ہو جائیں۔''

پھر فرمایا: «اِنْهَزَمُوا وَرَبِّ الْكَعْبَةِ!» ''رب کعبہ کی قسم! یہ لوگ شکست کھا گئے۔''[2]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ ایک شخص نے سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے سوال کیا: ابو عُمارہ! کیا آپ (سب لوگ) حنین والے دن بھاگ گئے تھے؟ انھوں نے فرمایا: نہیں، اللہ کی قسم! اللہ کے رسول ﷺ ثابت قدم رہے۔ لیکن وہ نوجوان جو نہتے تھے اور ان کے پاس مناسب تیر کمان، تلوار یا ڈھال نہیں تھی، وہ ہوازنی لشکر کی تیراندازی کی تاب نہ لاکر بھاگ کھڑے ہوئے۔ ہوازن کا کوئی بھی تیر خطا نہ جاتا تھا۔ اس دوران رسول اللہ ﷺ پوری استقامت سے ثابت قدم کھڑے رہے۔ ابوسفیان بن حارث آپ ﷺ کے خچر کی لگام تھامے ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ اپنے سفید خچر سے نیچے اترے اور صحابۂ کرام کو واپس آنے کے لیے پکارنے لگے۔ آپ ﷺ نے بلند آہنگی سے فرمایا:

«أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ، أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ»

''میں سچا نبی ہوں، جھوٹا نہیں ہوں۔ میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔''

پھر آپ ﷺ نے دعا کی:

«اَللّٰهُمَّ! نَزِّلْ نَصْرَكَ»

''اے اللہ! اپنی مدد نازل فرما۔''

[1] صحيح مسلم: 1775. [2] المغازي للواقدي: 2/312.

اللہ کی قسم! جب جنگ بھڑک اٹھتی تھی، اس وقت ہم رسول اللہ ﷺ ہی کے پاس پناہ لیتے تھے اور ہم میں سے بہادر وہ سمجھا جاتا تھا جو رسول اللہ ﷺ کے پہلو میں جوانمردی سے لڑتا رہتا تھا۔ [1]

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حنین والے دن ہوازن اور غطفان وغیرہ اپنے بیوی بچوں اور مال مویشی سمیت میدانِ جنگ میں آ گئے۔ نبی کریم ﷺ کے ساتھ دس ہزار کا لشکر تھا۔ آپ کے ساتھ طلقاء بھی تھے، یہ لوگ پیٹھ پھیر کر نکل بھاگے حتی کہ آپ اکیلے رہ گئے۔ آپ ﷺ نے اس دن دو مرتبہ پکار لگائی۔ آپ ﷺ نے دائیں طرف رُخ مبارک پھیرا اور فرمایا: «يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ!» ''اے انصار کی جماعت!'' انھوں نے فوراً کہا: لبیک اے اللہ کے رسول! آپ خوش ہو جائیے، ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ پھر آپ بائیں طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: «يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ!» ''اے انصار کی جماعت!'' انھوں نے کہا: لبیک اے اللہ کے رسول! خوش ہو جائیے، ہم آپ کے ساتھ ہیں۔

دوسری روایت میں ہے کہ ہم نے مکہ فتح کیا، پھر ہم نے غزوۂ حنین میں شرکت کی۔ مشرکین نے زبردست صف بندی کی، پہلے گھڑ سواروں کی صفیں بنائیں، پھر جنگجو کھڑے کیے، ان کے پیچھے عورتوں کو لا کھڑا کیا۔ پھر ان کے پیچھے بکریوں کے ریوڑ کھڑے کر دیے، بعدازاں اونٹوں کی قطاریں بنا دیں (تاکہ لشکر کی تعداد کئی گنا زیادہ دکھائی دے)۔ ہماری تعداد بھی بہت زیادہ تھی۔ ہمارے گھڑ سوار دستے کی قیادت سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کر رہے تھے۔ لیکن تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ ہمارا گھڑ سوار دستہ بکھر گیا۔ بدو اور کچھ دیگر لوگ فرار ہو گئے۔ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے پکارا:

«يَالَ الْمُهَاجِرِينَ! يَالَ الْمُهَاجِرِينَ!»

''اے مہاجروں کی جماعت! اِدھر آؤ، اے مہاجرو! اِدھر آؤ۔''

پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

«يَالَ الْأَنْصَارِ! يَالَ الْأَنْصَارِ!»

''اے انصار! اے انصار! اِدھر آؤ۔''

آپ ﷺ کی پکار پر انصار اور مہاجرین لبیک لبیک کہتے ہوئے جمع ہو گئے۔ پھر دشمن پر ایسا کاری حملہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے دشمن کو شکست دے دی اور مسلمان ڈھیروں مالِ غنیمت لے کر واپس آئے۔ [2]

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مسلمانوں کی ابتدائی شکست کی ایک وجہ یہ بھی بیان ہوئی ہے کہ مسلمانوں

[1] صحيح مسلم: 1776. [2] صحيح مسلم: 1059(136,135).

نے کفار پر زبردست حملہ کیا تو وہ بھاگ نکلے۔ پھر مسلمان انھیں پوری طرح شکست دینے سے پہلے ہی مالِ غنیمت جمع کرنے لگے۔ اس دوران ہوازن کے تیراندازوں نے تیروں کی بوچھاڑ کر دی جس سے بچنے کے لیے مسلمان بھاگ نکلے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ قبیلہ قیس کے ایک شخص نے سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے پوچھا: کیا حنین والے دن آپ رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے؟ انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ ثابت قدم رہے۔ ہوازن والے ماہر تیر انداز تھے۔ جب ہم نے ان پر حملہ کیا تو وہ بھاگ گئے۔ ہم نے غنیمتیں جمع کرنی شروع کر دیں تو وہ ہم پر تیر برسانے لگے۔ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے سفید خچر پر سوار تھے۔ ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ آپ کے خچر کی لگام تھامے کھڑے تھے اور آپ ﷺ فرما رہے تھے:

«أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ»

''میں سچا نبی ہوں۔''[1]

علامہ حلبی فرماتے ہیں: اس حدیث کے سیاق سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو دوبار شکست ہوئی۔ ایک دفعہ جنگ کی ابتدا میں اور دوسری مرتبہ اُس وقت جب مسلمان مالِ غنیمت جمع کر رہے تھے۔[2]

رسول اللہ ﷺ کے ثابت قدم فدائی

ہوازنی لشکر کے اچانک حملے سے جب اسلامی لشکر میں بھگدڑ مچی تو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ میدانِ جنگ میں بہت کم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ثابت قدم رہ سکے۔ علامہ واقدی فرماتے ہیں: کہا جاتا ہے کہ اس دن ثابت قدم رہنے والوں کی تعداد سو تھی۔ ان میں سے تینتیس (33) مہاجر اور سڑسٹھ (67) انصاری تھے۔

ان ثابت قدم رہنے والے جاں نثاروں میں سیدنا ابوبکر، عمر، علی بن ابی طالب، عباس، ابوسفیان بن حارث اور ان کے بیٹے جعفر، فضل بن عباس، ربیعہ بن حارث، اسامہ بن زید اور ایمن بن ام ایمن بن عبید رضی اللہ عنہم قابلِ ذکر ہیں۔ ایمن بن ام ایمن رضی اللہ عنہما اُسی روز شہادت کے رتبے پر فائز ہو گئے۔[3] سیدنا ابوسفیان بن حارث رسول اللہ ﷺ کی سواری کی لگام پکڑے کھڑے تھے اور اسے تیز دوڑنے سے روک رہے تھے۔ جبکہ لوگ چاروں طرف بھاگ رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے کمال شجاعت سے میدان میں ڈٹ کر مسلمانوں کو اپنے پاس جمع ہونے کے لیے پکارا تو

[1] صحيح البخاري: 4317. [2] السيرة الحلبية: 65/3. [3] السيرة لابن إسحاق: 554,553/2، السيرة لابن هشام: 86,85/4.

مسلمان ہر طرف سے بھاگم بھاگ رسول اللہ ﷺ کے گرد جمع ہونے لگے۔ جس کی سواری اڑیل ہو جاتی، واپس نہ مڑتی یا فرار ہونے والوں کے رش کی وجہ سے اسے پلٹنا دشوار محسوس ہوتا تو وہ شخص اپنی سواری سے کود پڑتا، سواری چھوڑ دیتا اور اپنی تلوار اور ڈھال سنبھالے دیوانہ وار آپ ﷺ کی پکار پر لبیک لبیک کہتا ہوا حاضر ہو جاتا۔ آپ ﷺ نے اپنے انصاری فدائیوں، مہاجرین اور اصحاب سمرہ کو الگ الگ پکارا تو وہ سب اس طرح واپس بھاگے چلے آئے جس طرح اونٹنی اپنے بچے کی طرف دیوانہ وار لپکتی ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک معقول تعداد جمع ہو جاتی تھی تو آپ ﷺ انھیں میدان کارزار میں آگے بڑھا دیتے تھے۔ اسی طرح آہستہ آہستہ واپس آنے والوں کی خاصی تعداد دشمن پر حملہ آور ہوگئی۔

سیدنا حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب لوگ دور بھاگ نکلے تو رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے پوچھا:

«يَا حَارِثَةُ! كَمْ تَرَى الَّذِينَ ثَبَتُوا؟»

''اے حارثہ! تمھارے خیال میں ثابت قدم رہنے والے لوگ کتنے ہوں گے؟''

میں نے دائیں بائیں نظر دوڑائی اور عرض کی: حضور! تقریباً سو افراد ہوں گے۔

بعدازاں ایک دن میں نے رسول اللہ ﷺ کو مسجد نبوی کے دروازے پر جبریل علیہ السلام سے بات چیت کرتے ہوئے دیکھا۔ جبریل علیہ السلام نے دریافت کیا: مَنْ هٰذَا يَا مُحَمَّدُ؟ ''اے محمد (ﷺ)! یہ کون ہیں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: یہ حارثہ بن نعمان ہیں۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کی:

هٰذَا أَحَدُ الْمِائَةِ الصَّابِرَةِ يَوْمَ حُنَيْنٍ، لَوْ سَلَّمَ لَرَدَدْتُ عَلَيْهِ السَّلَامَ.

''جی ہاں! یہ ان سو صبر کرنے والے مجاہدین میں سے ایک ہیں جو جنگ حنین والے دن ثابت قدم رہے۔ اگر یہ سلام کرتے تو میں ان کے سلام کا جواب دیتا۔''

بعد میں نبی کریم ﷺ نے مجھے اس واقعے کی خبر دی تو میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں تو یہ سمجھا تھا کہ آپ سے دحیہ کلبی باتیں کر رہے ہیں۔[1] (جبریل علیہ السلام سیدنا دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے حلیے میں وحی لے کر آتے تھے۔)

صحابیات کی بے مثل شجاعت

مجاہدینِ اسلام جب کافروں اور مشرکوں سے جنگ میں مصروف ہوتے تھے تو اس وقت صحابیات رضی اللہ عنہن کی ذمہ داری یہ ہوتی تھی کہ وہ زخمیوں کو پانی پلائیں، ان کی مرہم پٹی اور دیکھ بھال کریں۔ جنگِ حنین والے دن بھگدڑ مچی تو چند صحابیات

[1] المغازي للواقدي: 2/311-314.

نے نہایت شجاعت و استقلال کا مظاہرہ کیا۔ وہ ہتھیار سنبھال کر کافروں کو جہنم رسید کرنے پر تُل گئیں اور مجاہدین کو واپس بلانے لگیں۔ ان عظیم خواتین نے اِس نازک موقع پر مسلمانوں کو پکارا، انھیں اُن کی شاندار دلیرانہ روایات یاد دلائیں اور کہا کہ آؤ! پوری قوت سے اللہ کے دشمنوں پر ٹوٹ پڑو!

سیدہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جس دن لوگ ہر طرف بھاگ رہے تھے، اس دن میں اور دیگر چار خواتین میدان کارزار میں ڈٹ گئیں۔ میرے ہاتھ میں تیز دھار تلوار تھی۔ سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کے پاس خنجر تھا جو انھوں نے پیٹ کے ساتھ باندھ رکھا تھا۔ ان کے علاوہ سیدہ ام سلیط اور ام حارث رضی اللہ عنہا بھی موجود تھیں۔

سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے انصاری صحابہ کو بڑے زور سے پکار کر کہا: ارے! یہ تم کیا کر رہے ہو؟ بھاگ جانا تو تمھاری فطرت نہ تھی، آج تمھیں کیا ہو گیا کہ تم میدان چھوڑ کر بھاگ رہے ہو؟ یوں وہ انھیں احساس دلا رہی تھیں: ''اے ببر شیرو! واپس آ جاؤ اور اپنی بہادری کی روایتی شان دکھا کر اللہ کے دشمنوں کے چھکے چھڑا دو۔''

سیدنا عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اس روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ام سلیم بنت ملحان رضی اللہ عنہا اپنے خاوند سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ میدان کارزار میں ڈٹی کھڑی ہیں۔ انھوں نے اپنی چادر خوب کس کر باندھ رکھی ہے۔ وہ اس وقت حاملہ تھیں۔ ان کے بطن میں عبداللہ بن ابی طلحہ سانس لے رہے تھے۔ ان کے پاس سیدنا ابوطلحہ کا توانا اونٹ تھا۔ اونٹ کی تیز رفتاری پر قابو پانے کے لیے انھوں نے اس کی نکیل پوری قوت سے کھینچ رکھی تھی۔ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا آپ ام سلیم ہیں؟ انھوں نے عرض کی: جی ہاں اللہ کے رسول! میں ام سلیم ہوں۔ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ پھر عرض کرنے لگیں: اللہ کے رسول! ان فرار ہونے والوں کو اسی طرح قتل کر دیجیے جس طرح آپ کافروں کو قتل کر رہے ہیں۔ بھاگنے والے اسی قابل ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَوَيَكْفِي اللّٰهُ يَا أُمَّ سُلَيْمٍ! عَافِيَةُ اللّٰهِ أَوْسَعُ»

''اے ام سلیم! کیا اللہ کافی نہیں ہے؟ اللہ کی عافیت بہت وسیع ہے۔''

سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کے پاس خنجر دیکھ کر سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یہ خنجر کس لیے رکھا ہوا ہے؟ فرمانے لگیں: یہ خنجر اس لیے تیز کر رکھا ہے کہ اگر کوئی مشرک میرے قریب آ گیا تو اس کا پیٹ چاک کر ڈالوں گی۔ سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے: اے اللہ کے رسول! ذرا سنیے! یہ ام سلیم الرمیصاء کیا کہہ رہی ہے۔ [1]

[1] المغازي للواقدي: 315/2، السيرة لابن هشام: 89,88/4، السيرة لابن إسحاق: 556/2.

سیدہ ام حارث انصاریہ رضی اللہ عنہا کی شجاعت و بسالت

اس روز سیدہ ام حارث رضی اللہ عنہا نے اپنے خاوند ابو حارث رضی اللہ عنہ کے اونٹ کی لگام پکڑ لی تھی۔ ان کے اونٹ کا نام جُسَار تھا۔ انھوں نے اپنے خاوند سے کہا: اے حارث! یہ کیا حرکت ہے، تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میدان کارزار میں چھوڑ کر خود بھاگے جا رہے ہو؟ چنانچہ انھوں نے تیزی سے جھپٹ کر اونٹ کی نکیل پکڑ لی اور اسے آگے بڑھنے سے روک دیا۔ اِدھر اونٹ تیزی سے بھاگنا چاہتا تھا تاکہ آگے نکل جانے والے اونٹوں سے جا ملے۔ اس دوران لوگ چاروں طرف بھاگ رہے تھے لیکن سیدہ ام حارث رضی اللہ عنہا پوری قوت سے اپنے خاوند کو روکے کھڑی تھیں۔ اسی دوران سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ وہاں سے گزرے تو ام حارث رضی اللہ عنہا نے پوچھا: اے عمر! یہ کیا ہو رہا ہے؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی تقدیر غالب آگئی ہے۔ یہ سن کر سیدہ ام حارث رضی اللہ عنہا جوشِ ایمانی سے بے قابو ہوگئیں۔ انھوں نے گرج کر کہا: اے اللہ کے رسول! ان مسلمانوں میں سے جو شخص بھی میرے اونٹ سے آگے نکلنے کی کوشش کرے گا، میں اسے قتل کر ڈالوں گی۔ اللہ کی قسم! آج جیسی شکست میں نے کبھی نہیں دیکھی۔ ان بنوسلیم والوں اور دیگر نومسلموں نے فرار ہو کر ہماری جیت کھوٹی کر دی ہے۔[1]

سیدنا علی اور ابودجانہ رضی اللہ عنہما کے دلیرانہ حربے

ایک طرف نومسلم تیروں کی بوچھاڑ کی تاب نہ لاتے ہوئے بھاگ رہے تھے تو دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شیدائی بڑی بے جگری سے میدانِ قتال میں دادِ شجاعت دے رہے تھے۔ ہر مجاہد ڈٹ کر لڑ رہا تھا۔ بڑے بڑے سورما جہنم رسید کیے جا رہے تھے۔ سیدنا علی اور ابودجانہ رضی اللہ عنہما نے ایک ہوازنی مشرک کو دیکھا جو سرخ اونٹ پر سوار تھا۔ اس کے ہاتھ میں سیاہ جھنڈا تھا جو اس کے طویل نیزے سے بندھا ہوا تھا۔ وہ اپنے سامنے آنے والوں کو گھائل کرتا جا رہا تھا اور تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا۔ وہ بہت سے مسلمانوں کو بری طرح زخمی کر چکا تھا۔ سیدنا ابودجانہ رضی اللہ عنہ اس پر چیتے کی طرح جھپٹ پڑے اور اس کے اونٹ کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ اونٹ بلبلا اُٹھا۔ اس سے پہلے کہ وہ زمین پر گرتا، اللہ کے دو شیروں سیدنا علی اور ابودجانہ رضی اللہ عنہما نے اس مشرک ہوازنی پر حملہ کر دیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ایک کاری وار کیا، اس کا دایاں ہاتھ ہوا میں اڑا دیا۔ جبکہ ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے دوسرا ہاتھ کاٹ ڈالا۔ پھر دونوں اسے قتل کرنے کے لیے لپکے تو ان کی تلواریں آپس میں ٹکرا گئیں۔ لہٰذا ایک نے اپنا ہاتھ روک لیا اور دوسرے نے اس مشرک کا کام تمام کر دیا۔ پھر یہ دونوں حضرات کہنے لگے: اس کا سامان اِدھر ہی چھوڑو اور آگے بڑھو۔ پھر وہ قدم بڑھا

[1] المغازي للواقدي: 2/316.

کر رسول اللہ ﷺ کے آگے جا کھڑے ہوئے اور اپنی تلوار کے جوہر دکھانے لگے۔

اتنے میں دشمن کا ایک اور شاہ سوار سامنے آیا۔ اس کے ہاتھ میں سرخ جھنڈا تھا۔ یہ دونوں مجاہد اس نئے شکار کی طرف لپکے۔ ایک نے زور دار وار کر کے گھوڑے کی ٹانگ کاٹ ڈالی۔ گھوڑا منہ کے بل گرا۔ پھر دونوں نے ہوازنی شاہ سوار کو دھر لیا، جہنم رسید کیا اور آگے بڑھ گئے۔

سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اپنے شکاروں سے فارغ ہوئے تو انھی دو مرداروں کے پاس سے گزرے۔ دیکھتے ہیں کہ کسی مسلمان نے ان دونوں کافروں کا اسلحہ اور دیگر مالِ غنیمت نہیں سمیٹا۔ لہٰذا وہ ان کا سارا مال سمیٹ کر خدمت نبوی میں پہنچے جہاں سیدنا عثمان بن عفان، علی، ابودجانہ اور ایمن بن عبید رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کے آگے آگے دادِ شجاعت دے رہے تھے اور دشمنوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کاٹ کر پھینک رہے تھے۔[1]

سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی حیرت انگیز بہادری

سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حنین میں پہنچے، ہوازنی سورماؤں سے ٹکراؤ ہوا۔ جب گھمسان کا رن پڑا تو میں نے دیکھا کہ ایک مشرک ایک مسلمان پر غلبہ پانے کی کوشش کر رہا ہے۔ میں فوراً اس کی طرف لپکا اور پوری قوت سے اس کی گردن پر تلوار کا وار کیا۔ وار اتنا کاری تھا کہ اس سورما کی زرہ کاٹتے ہوئے اس کی گردن تک جا پہنچا۔ وہ سورما اس قدر جاندار تھا کہ اتنا گہرا زخم کھانے کے باوجود پیچھے مڑا اور مجھے دبوچ لیا۔ اس نے اتنی زور سے دبایا کہ مجھے اپنی آنکھوں کے سامنے موت نظر آنے لگی۔ پھر اچانک اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی کیونکہ اس کا بہت سا خون گردن سے بہہ گیا تھا۔ وہ دھڑام سے نیچے گرا تو مجھے چھٹکارا نصیب ہوا۔ میں نے تلوار کا وار کر کے اس کی گردن اڑا دی اور اس کا مال و اسباب وہیں چھوڑ کر آگے بڑھ گیا اور جنگ میں شریک ہو گیا۔

جب ہوازنی لشکر کو بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا اور وہ میدانِ جنگ سے بھاگ نکلا تو مسلمان ان لوگوں کو گرفتار کرنے لگے۔ پھر سارا مالِ غنیمت اکٹھا کر کے رسول اللہ ﷺ کے پاس جمع کر دیا گیا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اس روز ثابت قدم رہنے والے سرفروش مجاہدوں کی حوصلہ افزائی کے لیے خصوصی انعامات عطا کیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ قَتَلَ قَتِيلًا لَهُ عَلَيْهِ بَيِّنَةٌ فَلَهُ سَلَبُهُ»

”جس مجاہد نے کسی کافر کو قتل کیا ہے، وہ آئے، دلیل و گواہ پیش کرے اور اس مقتول کا اسلحہ اور مال بطور انعام لے جائے۔“

[1] المغازي للواقدي: 2/314، السيرة لابن هشام: 4/88.

میں کھڑا ہو گیا کیونکہ میں نے بھی ایک سورما قتل کیا تھا لیکن پھر یہ سوچ کر بیٹھ گیا کہ میری گواہی کون دے گا؟ نبی کریم ﷺ نے دوبارہ وہی اعلان کیا کہ جس نے کوئی نمایاں کارنامہ انجام دیا ہے وہ آئے، دلیل پیش کرے اور انعام وصول کر لے۔ میں دوبارہ کھڑا ہوا مگر دلیل و گواہ موجود نہ ہونے کی بنا پر پھر بیٹھ گیا۔ رسول اکرم ﷺ نے تیسری مرتبہ اللہ کے شیروں کی حوصلہ افزائی کا اعلان فرمایا۔ میں پھر کھڑا ہوا لیکن یہ سوچ کر پھر بیٹھ گیا کہ مجھے گواہ کہاں سے ملے گا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے تین بار کھڑے ہوتے اور بیٹھتے دیکھا تو دریافت فرمایا:

«مَالَكَ يَا أَبَا قَتَادَةَ؟»

”اے ابوقتادہ! تمھیں کیا ہوا؟ (کبھی کھڑے ہوتے ہو، کبھی بیٹھ جاتے ہو۔ آخر بات کیوں نہیں کرتے؟)“

میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! ایک نمایاں کام تو میں نے بھی کیا ہے لیکن میرا کوئی گواہ نہیں ہے۔ میں نے فلاں ہوازنی کو قتل کیا ہے۔ یہ سن کر ایک شخص کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا: حضور! ابوقتادہ سچ کہہ رہا ہے۔ اس کے مقتول کا سارا سامان اور اسلحہ میرے پاس ہے۔ لیکن آپ ابوقتادہ کو اپنی طرف سے انعام دے کر خوش کر دیجیے اور وہ مال مجھی کو عطا کر دیجیے۔

اس پر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پرجوش لہجے میں بولے:

لَاهَا اللّٰهِ إِذًا لَا يَعْمِدُ إِلٰى أَسَدٍ مِّنْ أُسْدِ اللّٰهِ يُقَاتِلُ عَنِ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ ﷺ فَيُعْطِيَكَ سَلَبَهُ.

”اللہ کی قسم! نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا کہ اللہ کے شیروں میں سے ایک شیر جو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے لڑتا ہے، اس کا حق تمھیں دے دیا جائے۔“

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر بڑے سخت الفاظ استعمال کیے۔ انھوں نے فرمایا:

كَلَّا لَا يُعْطِهِ أُصَيْبِغَ مِنْ قُرَيْشٍ وَيَدَعُ أَسَدًا مِّنْ أُسْدِ اللّٰهِ يُقَاتِلُ عَنِ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ ﷺ.

”ہرگز نہیں، اللہ کے شیروں میں سے ایک شیر جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے جنگ لڑتا ہے، اس کا حق قریش کے ایک بزدل کو نہیں دیا جا سکتا۔“

سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے وہ سلب (کافر مقتول کا ساز و سامان) مجھے عطا فرما دیا۔ اس سے میں نے کھجوروں کا ایک باغ خریدا جو بنوسلمہ کے علاقے میں تھا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد یہ میری پہلی ملکیت تھی۔ ہم اس باغ کی کمائی آج تک کھا رہے ہیں۔

دراصل سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے یہ مالِ سلب سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے سات اوقیے چاندی کے عوض خرید لیا

تھا۔ اور اسی چاندی سے ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے باغ خریدا تھا۔[1] (سات اوقیہ چاندی تقریباً: 857.304 گرام ہوتی ہے)

شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ کا ناپاک ارادہ

جب میدان کارزار خوب گرم تھا، ہر طرف تیروں کی سنسناہٹ اور تلواروں کی جھنکار سنائی دے رہی تھی اور دلیری کے جوہر دکھائے جا رہے تھے، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت جوش و خروش سے اسلامی لشکر کی قیادت کر رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پاس جمع ہونے والے سرفروشوں کو مختلف اطراف میں روانہ فرما رہے تھے اور مسلمان چاروں طرف بڑی بے جگری سے دادِ شجاعت دے رہے تھے۔ عین اس موقع پر ایک نومسلم نے اپنے دل کی ناپاک حسرت پوری کرنے کی ٹھانی۔ یہ نومسلم شیبہ بن عثمان تھے، وہ فتح مکہ کے موقع پر اسلامی لشکر سے مرعوب ہو کر مسلمان ہوگئے تھے مگر ابھی ان کے دل میں اسلام پوری طرح جاگزیں نہیں ہوا تھا۔ بس وہ ظاہری طور پر مسلمان تھے۔ وہ زبان سے کلمۂ شہادت ادا کر کے مسلمانوں میں شامل تو ہوگئے تھے مگر دل میں چھپی ہوئی اسلام دشمنی کی چنگاریاں بجھ نہیں پا رہی تھیں۔ ان کے والد عثمان بن ابی طلحہ جنگِ احد میں مشرکین کے علم بردار تھے اور مسلمانوں کے ہاتھوں واصلِ جہنم ہوئے تھے۔ باپ کی موت کا بدلہ لینا ان کی اولین خواہش تھی مگر آرزو پوری ہونے کا کوئی موقع ہاتھ نہ آ رہا تھا۔ صفوان بن امیہ بھی شیبہ ہی کے کینڈے کا آدمی تھا۔ اس کا والد امیہ بن خلف جنگِ بدر والے دن مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے دیگر مسلمانوں کی مدد سے اس دشمنِ اسلام کو بری طرح کاٹ کر رکھ دیا تھا کیونکہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے بھی مکہ مکرمہ میں ایام غلامی کے دوران امیہ کے ہاتھوں بڑے ہولناک مظالم جھیلے تھے۔ جب انھوں نے جنگ بدر میں اسے دیکھا تو فوراً اس کی طرف لپکے، اپنے مسلمان بھائیوں کو مدد کے لیے پکارا اور پھر اُس کے سارے ظلم و ستم کا حساب بے باق کر دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے حنین کے لیے روانہ ہوئے تو یہ دونوں افراد بھی ساتھ ہو لیے۔ یہ اس ارادے سے گئے کہ جونہی انھیں موقع ملا، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر کے اپنے اپنے باپ کے قتل کا بدلہ لے لیں گے۔ چنانچہ جب گھمسان کا رن پڑا تو شیبہ بن عثمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پسِ پشت جا پہنچا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر حملہ آور ہونے کے لیے آگے بڑھا۔ لیکن وہ بیان کرتے ہیں کہ جونہی میں نے قدم بڑھایا، ٹھیک اسی وقت میری آنکھوں کے آگے تاریکی پھیل گئی اور مجھے کچھ نظر نہ آیا۔ میرے دل پر اس قدر لرزہ طاری ہوا کہ پھر میں ایک قدم بھی آگے نہ بڑھا سکا۔ مجھے صاف معلوم ہوگیا کہ آپ کی حفاظت پر کوئی مامور ہے اور یہ مذموم فعل میرے بس کا روگ نہیں۔[2]

---

[1] صحيح البخاري: 4322,4321، المغازي للواقدي: 2/319,318. [2] السيرة لابن إسحاق: 2/554، السيرة لابن هشام: 4/87.

علامہ واقدی نے یہ واقعہ قدرے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: شیبہ بن عثمان کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ فتح کر لیا تو ہوازن کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوئے۔ اس سے میں نے دل میں سوچا کہ میں بھی ساتھ چلتا ہوں، ممکن ہے مجھے اپنے والد کا بدلہ لینے کا موقع مل جائے۔ میرے والد کو جنگ احد والے دن سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا اور میرے چچا کو سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے مار ڈالا تھا۔ بس میں انتقام لینے کی یہی خواہش دل میں چھپائے حنین روانہ ہوگیا۔ موقع کی تاک میں رہا۔ جب ہوازن کے تیروں کی بوچھاڑ سے اسلامی لشکر تتر بتر ہوا تو میں رسول اللہ ﷺ کی دائیں جانب مڑا اور حملے کی غرض سے آگے بڑھا، آپ کی دائیں جانب آپ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ کھڑے تھے۔ ان کے سر پر چاندی جیسی سفید خود تھی جس سے غبار جھڑ رہا تھا۔ میں نے سوچا یہ تو آپ کے چچا ہیں۔ میں ان کی طرف سے آپ تک ہرگز نہیں پہنچ سکتا۔ لہٰذا میں بائیں جانب سے آگے بڑھا تو دیکھا کہ اُدھر آپ کے چچیرے بھائی ابوسفیان بن حارث کھڑے ہیں۔ میں نے سوچا کہ یہ تو آپ ﷺ کے چچازاد ہیں۔ میں ادھر سے بھی حملہ کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔ اس لیے میں آپ ﷺ کے پیچھے جا پہنچا، اب آپ ﷺ کے اور میرے درمیان بس اتنا ہی فاصلہ باقی رہ گیا کہ میں آپ پر تلوار کا وار کر دیتا۔ عین اسی لمحے میرے اور آپ ﷺ کے درمیان آگ کا ایک شعلہ بڑی تیزی سے بھڑکا۔ میں ڈر گیا کہ یہ شعلہ مجھے بھسم کر دے گا۔ مجھ پر اتنی ہیبت چھا گئی کہ میں نے اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیے اور الٹے قدم چلنے لگا۔ اس دوران رسول اللہ ﷺ نے میری طرف دیکھا اور مجھے حکم دیا:

«يَا شَيْبَ! أُدْنُ مِنِّي» فَوَضَعَ يَدَهُ عَلٰى صَدْرِي وَقَالَ: «اَللّٰهُمَّ! أَذْهِبْ عَنْهُ الشَّيْطَانَ»

''اے شیب! میرے قریب آؤ'' پھر آپ نے اپنا دستِ شفقت میرے سینے پر رکھا اور دعا کی: ''اے اللہ! شیطان کو اس سے دور کر دے۔''

اس دعا کے بعد جب میں نے سر اٹھا کر آپ ﷺ کی طرف دیکھا تو آپ مجھے میری سماعت، بصارت حتی کہ دل و جان سے بھی زیادہ محبوب ہو چکے تھے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

«يَا شَيْبَ! قَاتِلِ الْكُفَّارَ»

''اے شیب! اب جاؤ اور کافروں سے لڑو۔''

میں آگے بڑھا اور کافروں سے جنگ شروع کر دی۔ اللہ کی قسم! اب آپ ﷺ کا دفاع مجھے اپنی جان سے بھی بڑھ کر عزیز تھا (حالانکہ تھوڑی دیر پہلے میں آپ کی جان لینے کے فاسد ارادے میں مبتلا تھا)۔ میں اپنی جان اور

مال سے آپ کا دفاع کرنے لگا۔ جنگ ختم ہوئی تو آپ واپس تشریف لے آئے۔ میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَرَادَ بِكَ خَيْرًا مِّمَّا أَرَدْتَ»

"سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے تیرے حق میں تیرے ارادے سے بہتر فیصلہ فرمایا۔"

پھر آپ نے مجھے میری ساری انتقامی منصوبہ بندی اور ناپاک کوشش کی داستان سنا دی۔ [1]

نصرتِ الٰہی کا نزول

مسلمان ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی نصرت وحمایت ہی سے کامیاب ہوئے ہیں۔ تمام غزوات میں تمام تر دستیاب وسائل و اسباب اختیار کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ کرتے تھے اور خوب گڑگڑا کر نصرت و تائید کی دعائیں مانگا کرتے تھے۔ غزوۂ حنین میں بھی حتی المقدور اسبابِ جہاد جمع کرنے کے بعد آپ میدانِ جنگ پہنچے تھے۔

جب مسلمان لشکر تتر بتر ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب سے التجا کی:

«اَللّٰهُمَّ! لَكَ الْحَمْدُ وَإِلَيْكَ الْمُشْتَكٰى وَأَنْتَ الْمُسْتَعَانُ»

"اے اللہ! سب تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں۔ تیرے ہی سامنے اپنا شکوہ پیش کر رہا ہوں اور تجھ ہی سے مدد طلب کی جاتی ہے (ہماری مدد فرما)۔"

اس پر جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور عرض کی: آپ نے انھی کلمات کے ذریعے اپنے رب سے مدد کی التجا کی ہے جن کلمات کے ذریعے موسیٰ علیہ السلام نے اس وقت مدد کی درخواست کی تھی جب ان کے سامنے سمندر کی موجیں اور پیچھے فرعون کی فوجیں تھیں۔ [2]

رسول اللہ ﷺ کی التجا بارگاہ الٰہی میں قبول ہوئی اور فرشتے مومنوں کی مدد کے لیے اتر آئے۔ آیئے فرشتوں کے نزول کی کیفیت سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی زبانی سنتے ہیں۔

وہ فرماتے ہیں: جب اسلامی لشکر اور ہوازنی جنگجو آمنے سامنے ہوئے تو ہم نے دشمن کا اتنا بڑا لشکر کبھی نہ دیکھا تھا۔ انھوں نے اپنے لشکر کی تعداد کو کئی گنا بڑھا کر دکھانے کے لیے اور مسلمانوں پر رعب ڈالنے کے لیے اپنی خواتین کو بھی اونٹوں پر سوار کر رکھا تھا۔ (پھر جب نصرتِ الٰہی کا نزول ہوا تو) آسمان سے سیاہ رنگ کی ایک چادر سی

[1] المغازي للواقدي: 320,319/2، البداية والنهاية: 332,331/4. [2] المغازي للواقدي: 313/2.

نازل ہوئی۔ وہ چادر دونوں لشکروں پر چھا گئی اور دور افق تک پھیل گئی۔ اچانک ہم نے دیکھا کہ وادی حنین سیاہ چیونٹیوں سے بھر گئی ہے۔ وہ ہمارے کپڑوں پر بھی گر رہی تھیں اور زمین پر بھی رینگ رہی تھیں۔ ہم ان سے چھٹکارے کے لیے کپڑے جھاڑ رہے تھے۔

سیدنا جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مجھے یقین تھا کہ یہ مدد الٰہی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ہمارے دشمن کو شکست سے دوچار کر دیا۔ اس روز فرشتے سرخ عمامے پہنے ہوئے تھے اور ان کا رعب دشمنوں کے جگر پاش پاش کر رہا تھا۔

یزید بن عامر السوائی جو بعد میں مسلمان ہوگیا تھا، وہ بھی اس دن میدان کارزار میں موجود تھا۔ وہ بیان کرتا ہے کہ جس طرح تھالی پر کنکری ماریں تو ٹن کی آواز آتی ہے، اسی طرح فرشتوں کے رعب سے ہمارے دل یوں دھڑک رہے تھے کہ ان دھڑکنوں سے ٹن ٹن کی آواز آ رہی تھی۔

مالک بن اوس بن حدثان بیان کرتے ہیں کہ میری قوم کے بہت سے لوگوں نے مجھے بتایا کہ اس روز رسول اللہ ﷺ نے ہماری طرف مٹھی بھر کر کنکریاں پھینکیں جن سے ہر شخص کی آنکھ میں ذرے آ پڑے اور وہ بری طرح متاثر ہوا۔ (فرشتوں کا رعب اس قدر تھا کہ) ہمارے دلوں کی دھڑکن ہی بے قابو ہوگئی۔ ہماری دھڑکنوں سے ایسی آوازیں آ رہی تھیں جیسے کسی تھال پر زور سے کنکری ماریں تو ٹن کی آواز آتی ہے۔ نہ یہ خوفناک آواز تھمتی تھی، نہ ہمارے دلوں کی دھڑکن رُکتی تھی۔ اس روز ہم نے سرخ و سفید لوگ دیکھے، وہ چتکبرے گھوڑوں پر سوار تھے۔ انھوں نے سرخ عمامے باندھ رکھے تھے جن کے شملے کمر تک لٹک رہے تھے۔ یہ آسمان سے جوق در جوق اتر رہے تھے۔ ان کے رعب کی وجہ سے ہم مقابلے کے قابل ہی نہ رہے۔[1]

1 المغازي للواقدي :317,316/2، السيرة لابن هشام :91/4، دلائل النبوة للبيهقي :144/5.



وادی حنین کا ایک خوبصورت منظر

اسلام دینِ رحمت ہے

اسلام اپنی ابدی تعلیمات، اعلیٰ اخلاقیات،فطرت کے عین مطابق عبادات، شاندار عقائد، خوبصورت سماجی قوانین اور عدل و انصاف کے ساتھ ساتھ رحمت و شفقت کی تعلیمات کی وجہ سے دیگر مذاہب و ادیان سے بہت اونچا اور ممتاز نظر آتا ہے۔ دور حاضر کے مذاہب کی تعلیمات کا موازنہ اسلامی تعلیمات سے کیا جائے تو اسلامی تعلیمات کی برتری روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے۔ امن کا زمانہ ہو یا جنگ کا، اسلام ہر حال میں انسانی ہمدردی اور رحمت و شفقت کا علمبردار ہے۔ جنگوں کے دوران اقوامِ عالم حریف کے بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو نہایت سفاکی سے کچل دیتی ہیں بلکہ جنگ سے لاتعلق رہنے والے اور روز مرہ کے معمولات میں مشغول بے گناہ اور نہتے لوگوں کا خون بہا کر جشن منانے والے وحشی فوجیوں کی بھی کبھی کمی نہیں رہی۔ آج شادی کی تقریبات کو بموں سے اڑا کر خوش ہونے والے لشکر بھی موجود ہیں۔ گھروں میں مقیم بچوں اور خواتین کو فاسفورس بموں سے پیوندِ خاک کر دینے والے سورما بھی جابجا دندناتے پھرتے ہیں مگر بہیمیت اور دہشت گردی کی ان کارروائیوں کے برعکس اسلام امن اور رحمت کی کیسی شاندار تعلیمات دیتا ہے۔ اس کی ایک مثال جنگِ حنین میں نمایاں ہوکر سامنے آئی۔ آیئے اس واقعے کی روداد ملاحظہ فرمائیں۔

جنگ حنین میں افراتفری کے بعد مسلمان رسول اللہ ﷺ کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے دوبارہ جمع ہوئے تو آپ نے انھیں مل کر دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے روانہ فرمایا۔ اب مسلمانوں نے زبردست شجاعت کا مظاہرہ کیا، سامنے آنے والے کفار کو گاجر مولی کی طرح کاٹ دیا۔ دشمن کی صفیں الٹ کر رکھ دیں، پھر مجاہدینِ اسلام دشمن کے لشکر کے عقب میں پہنچ گئے۔ مکار دشمن نے اپنی تعداد کو کئی گنا زیادہ دکھانے کے لیے بچوں اور عورتوں کو بھی اونٹوں پر سوار کر کے صف بندی کرا دی تھی۔ مسلمان ان تک پہنچے تو جنگ کی گرما گرمی میں چند بچے بھی ان کے ہاتھوں مارے گئے۔ اسلامی لشکر کے کمانڈر انچیف، رحمت عالم ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ کو بے حد صدمہ ہوا، آپ ﷺ نے سخت ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

«مَا بَالُ أَقْوَامٍ ذَهَبَ بِهِمُ الْقَتْلُ حَتّٰى بَلَغَ الذُّرِّيَّةَ، أَلَا لَا تَقْتُلُ الذُّرِّيَّةَ ثَلَاثًا»

''بعض لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ وہ دشمن کو قتل کرتے کرتے ان کے بچوں کو بھی قتل کرنے لگے ہیں۔ خبردار! بچوں کو ہرگز نہ مارا جائے، آپ نے تین بار یہ ممانعت فرمائی۔''

آپ کی سخت سرزنش سن کر سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا یہ بچے مشرکوں

کی اولاد نہیں؟ اس لیے مشرکوں کے بچوں کو قتل کرنے میں کیا حرج ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے اُنھیں یہ جواب مرحمت فرمایا:

«أَوَلَيْسَ خِيَارُكُمْ أَوْلَادَ الْمُشْرِكِينَ؟ كُلُّ نَسَمَةٍ تُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ حَتَّى يُعْرِبَ عَنْهَا لِسَانُهَا فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهَا أَوْ يُنَصِّرَانِهَا»

''کیا تم میں سے بہترین لوگ مشرکوں کی اولاد نہیں ہیں؟ ہر بچہ فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے حتی کہ (بالغ ہونے کے بعد) وہ اپنی زبان سے اپنے عقیدے کا اظہار کر دے۔ (بچپن میں) اس کے والدین ہی اسے یہودی یا عیسائی بناتے ہیں۔''[1]

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو گھڑ سوار دستے کا قائد بنا کر بنوسلیم کے ساتھ روانہ کیا تھا۔ ان کے ہاتھوں ایک عورت قتل ہوگئی۔ رسول اللہ ﷺ نے میدانِ جنگ میں لوگوں کا جمگھٹا دیکھا تو دریافت فرمایا کہ یہ لوگ کیوں جمع ہیں۔ آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کو قتل کر دیا ہے اور لوگ اس کے گرد جمع ہیں۔ آپ نے فوراً ایک مجاہد کو بھیجا کہ خالد کو یہ پیغام دو:

إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ يَنْهَاكَ أَنْ تَقْتُلَ وَلِيدًا أَوِ امْرَأَةً أَوْ عَسِيفًا.

''اللہ کے رسول ﷺ تمھیں بچوں، عورتوں اور بیگاریوں کو قتل کرنے سے منع کر رہے ہیں۔''

اسی دوران آپ نے ایک اور عورت کی لاش دیکھی تو شدید رنج والم کا اظہار فرمایا اور اس عورت کے بارے میں تفصیل پوچھی تو ایک مجاہد نے عرض کی: اللہ کے رسول! میں اسے گرفتار کرنے کے بعد اپنے پیچھے سوار کر کے لے جا رہا تھا کہ اچانک اس نے مجھے قتل کرنے کی کوشش کی۔ جوابی کارروائی پر یہ میرے ہاتھوں قتل ہوگئی۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے اس مقتولہ کو دفن کرنے کا حکم دیا۔ مجاہدینِ اسلام نے اُسے دفن کر دیا۔[2]

رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو احترامِ انسانیت اور بچوں، بوڑھوں اور خواتین کے حقوق کی حفاظت کا درس دیا ہے۔ آپ ﷺ کی یہ تعلیمات تاقیامت تابندہ رہیں گی اور ان قوانین کی خلاف ورزی ہمیشہ سنگین جرم قرار پائے گی۔

ہوازنی لشکر کی بدترین شکست اور مالک بن عوف کا فرار

رسول اللہ ﷺ کا صبر و ثبات بے مثال تھا۔ آپ ﷺ کی پکار سن کر سرفروش صحابہ رضی اللہ عنہم والہانہ انداز میں پلٹ

[1] المغازي للواقدي: 2/316. مزید دیکھیے: مسند أحمد: 3/435. [2] المغازي للواقدي: 2/322، السيرة لابن هشام: 4/100.

آئے تھے، پھر آپ کے حکم پر دشمن پر جھپٹ پڑے۔ وہی دشمن جو چند لمحے پہلے یقینی فتح حاصل کرتا دکھائی دیتا تھا، اب خشک پتوں کی طرح ادھر اُدھر بکھرنے لگا۔ مسلمان چوٹ کھائے ہوئے شیروں کی طرح چاروں طرف سے لپک لپک کر آرہے تھے اور مشرکوں کو خاک و خون میں نہلا رہے تھے۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے اللہ کے ان شیروں کا مشغلہ ہی یہ ہے۔

جھپٹنا، پلٹنا، پلٹ کر جھپٹنا   لہو گرم رکھنے کا ہے اک بہانہ

اللہ کے یہ شیر جدھر جاتے تھے، مشرکوں کی لاشوں کے ڈھیر لگ جاتے تھے۔ اب دشمن دم دبا کر بھاگ رہا تھا۔ پہاڑی دروں اور خفیہ نشیبی راستوں سے فرار ہونے والوں کا گویا مقابلہ ہو رہا تھا کہ کون پہلے بھاگتا ہے۔ وہ دشمن جو اپنی عددی کثرت، جنگی مہارت اور بلا کا اعتماد لے کر میدانِ جنگ میں اُترا تھا، اب وہ بیوی بچوں کو لاوارث چھوڑ کر بدحواسی کے عالم میں اِدھر اُدھر چھپتا پھر رہا تھا۔ تجربہ کار جنگی لیڈر درید بن صمہ کا مشورہ نہ مان کر نوجوان ہوازنی کمانڈر نے جو مہلک فیصلہ کیا تھا، اب اس کے ہولناک نتائج اس کی پوری قوم بھگت رہی تھی۔ درید کی پیش گوئی درست ثابت ہوئی۔ ہوازن کا سارا مال و متاع اور اہل و عیال مسلمانوں کے لیے غنیمت بن گئے۔

اس موقع پر ایک مسلمان خاتون نے کہا:

قَدْ غَلَبَتْ خَيْلُ اللّٰهِ خَيْلَ اللَّاتِ   وَاللّٰهُ أَحَقُّ بِالثَّبَاتِ

”اللہ کے گھوڑے لات کے گھوڑوں پر غالب آ گئے اور اللہ (کے لشکر) ثابت قدمی کے زیادہ حق دار ہیں۔“

ہوازنی قبائل میں سب سے زیادہ جانی نقصان قبیلہ ثقیف کو برداشت کرنا پڑا۔ ثقیف اپنے علمبردار قارب بن اسود کی قیادت میں جم کر لڑے لیکن جب مسلمانوں کے حملوں میں شدت آئی تو ان کے پاؤں بھی اکھڑ گئے۔ ثقیف کی ذیلی شاخ بنو مالک کے جوان خوب دادِ شجاعت دے رہے تھے۔ جب ان کا علمبردار قارب حوصلہ ہار گیا اور ایک درخت کے پاس جھنڈا پھینک کر خود بھاگ گیا تو اس کے پیچھے پیچھے اس کے چچا زاد احلاف بھی بھاگ نکلے۔ ان کے فرار کی وجہ سے ان کے صرف دو آدمی مارے گئے۔ ایک وہب اور دوسرا اللحلاج۔ جبکہ مجموعی طور پر ثقیف قبیلے کے تقریباً سو آدمی لقمۂ جنگ بنے۔ ان میں سے ستر افراد صرف بنو مالک سے تھے۔ بنو مالک بعد ازاں عثمان بن عبداللہ اور پھر ذو الخمار عوف بن ربیع کی قیادت میں لڑتے رہے مگر یہ دونوں شہسوار بھی یکے بعد دیگرے مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے۔

نبی کریم ﷺ کو اللحلاج کی موت کی خبر ملی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«قُتِلَ الْيَوْمَ سَيِّدُ شَبَابِ ثَقِيفٍ»

''آج ثقیف قبیلے کے جوانوں کا سردار مارا گیا۔''

عثمان بن عبداللہ بن ربیعہ کو عبداللہ بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ نے موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ اس کی موت پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«يَرْحَمُ اللّٰهُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ أَبِي أُمَيَّةَ، وَ أَبْعَدَ اللّٰهُ عُثْمَانَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ رَبِيعَةَ، فَإِنَّهُ كَانَ يُبْغِضُ قُرَيْشًا»

''اللہ تعالیٰ عبداللہ بن ابی امیہ پر رحم فرمائے اور عثمان بن عبداللہ بن ربیعہ کو (اپنی رحمت سے) دور کرے کیونکہ یہ شخص قریش سے بغض رکھتا تھا۔''

بنو مالک کے علاوہ بنو رباب کو بھی شدید جانی نقصان اٹھانا پڑا۔ بنو رباب کے عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ کو اپنی قوم کی دردناک حالت پر ترس آگیا۔ انھوں نے خدمتِ نبوی میں حاضر ہو کر عرض کی: اللہ کے رسول! (میرا قبیلہ) بنو رباب ہلاک ہوگیا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں تسلی دیتے ہوئے دعا کی: «اَللّٰهُمَّ اجْبُرْ مُصِيبَتَهُمْ» ''اے اللہ! ان کی مصیبت کی تلافی فرما۔''

نوجوان ہوازنی کمانڈر شدید بدحواسی کے عالم میں ایک پہاڑی پر کھڑا اپنی قوم کا عبرتناک حشر دیکھ رہا تھا۔ اس کے گھڑ سوار بھی میدانِ جنگ سے بھاگ کر اس کے پاس آگئے تاکہ محفوظ راہ فرار اختیار کی جاسکے۔ ہوازنی کمانڈر کہنے لگا: ٹھہرو! پہلے کمزوروں کو آگے نکلنے دو، اتنی دیر میں پیچھے رہ جانے والے بھی آملیں گے۔ پھر ہم نکل جائیں گے۔ پھر کہنے لگا: ذرا میدانِ کارزار پر نظر دوڑاؤ! کیا تمھیں دکھائی دیتا ہے کہ ہمارے لشکری مسلمانوں کے حملے کا

بستی العاصد (تہامہ) کی نئی اور پرانی عمارات



جواب دے رہے ہیں؟ ایک ہوازنی نے کہا: جناب! ایک قوم نیزے گھوڑوں پر رکھ کر بھاگم بھاگ واپس آتی دکھائی دیتی ہے۔ یہ کمانڈر بولا: ارے یہ تو تمھارے بھائی بنوسلیم والے ہیں۔ ان سے تمھیں کچھ خطرہ نہیں۔ دوبارہ دیکھ کر بتاؤ کہ تمھیں اور کون دکھائی دے رہا ہے؟ انھوں نے پھر دیکھا اور بتایا: جنگ کے آخری دستے آخری گھوڑوں پر سوار چلے آرہے ہیں۔ ہوازنی کمانڈر نے کہا: یہ خزرج والے ہیں۔ ان سے بھی تمھیں کوئی خطرہ نہیں۔

کمانڈر نے کہا: ایک بار پھر دیکھ لو، کوئی اور لشکر تو نہیں آرہا؟ انھوں نے میدانِ جنگ پر نظر دوڑائی اور عرض کی: ایسے لوگ آرہے ہیں گویا گھوڑوں پر بت بنے بیٹھے ہیں۔ کمانڈر بولا: یہ کعب بن لؤی کے لوگ ہیں، یہ تمھیں ہرگز نہیں چھوڑیں گے۔ پھر جب وہ گھڑسوار دستہ قریب آیا تو ہوازنی کمانڈر اپنے گھوڑے سے کود پڑا اور درختوں کی اوٹ میں چھپتا چھپاتا دُور بھاگ گیا۔

علامہ واقدی مزید لکھتے ہیں کہ ہوازنی کمانڈر نے چوتھی بار اپنی فوج سے پوچھا: کیا تمھیں کوئی اور آتا دکھائی دیتا ہے؟ انھوں نے بتایا کہ ایک شخص دو آدمیوں کے درمیان تیز رفتاری سے آگے بڑھ رہا ہے۔ اس نے زرد پگڑی باندھی ہوئی ہے اور کندھے پر نیزہ رکھا ہوا ہے۔ ہوازنی کمانڈر کہنے لگا: یہ صفیہ کا بیٹا زبیر ہے۔ اللہ کی قسم! یہ تمھیں جڑ سے اکھاڑ پھینکے گا۔

اُدھر جونہی سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے اس جتھے کو دیکھا تو وہ ان لوگوں پر ٹوٹ پڑے حتی کہ ان سے گھاٹی خالی کرالی اور یہ لوگ جانیں بچانے کے لیے آناً فاناً بھاگ نکلے۔ مالک بن عوف تو سر پر پاؤں رکھ کر ایسا بھاگا کہ کسی کے ہاتھ نہ لگا۔ وہ ثقیف کے قلعے یا طائف کے نواح میں لِیَّہ محل میں چھپ گیا۔[1]

تجربہ کار مشرک جرنیل درید بن صمہ کا انجام

ہوازنی لشکر کو تاریخی شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ ایسی شرمناک شکست انھیں کبھی نہ ہوئی تھی۔ بیس ہزار مسلح جنگجو اپنے بیوی بچے، مال و متاع اور اپنے پیاروں کی لاشیں حنین کے دامن میں لاوارث چھوڑ کر اُڑن چھو ہوگئے۔ جس کا جدھر منہ اُٹھا، اسی طرف بھاگ نکلا۔ کچھ طائف کے قلعوں میں چھپ گئے۔ کچھ وادی اوطاس میں جان کی امان ڈھونڈنے لگے۔ کچھ نخلہ کی طرف بھاگے، کچھ ثنایا (گھاٹیوں) کی طرف رواں دواں تھے۔

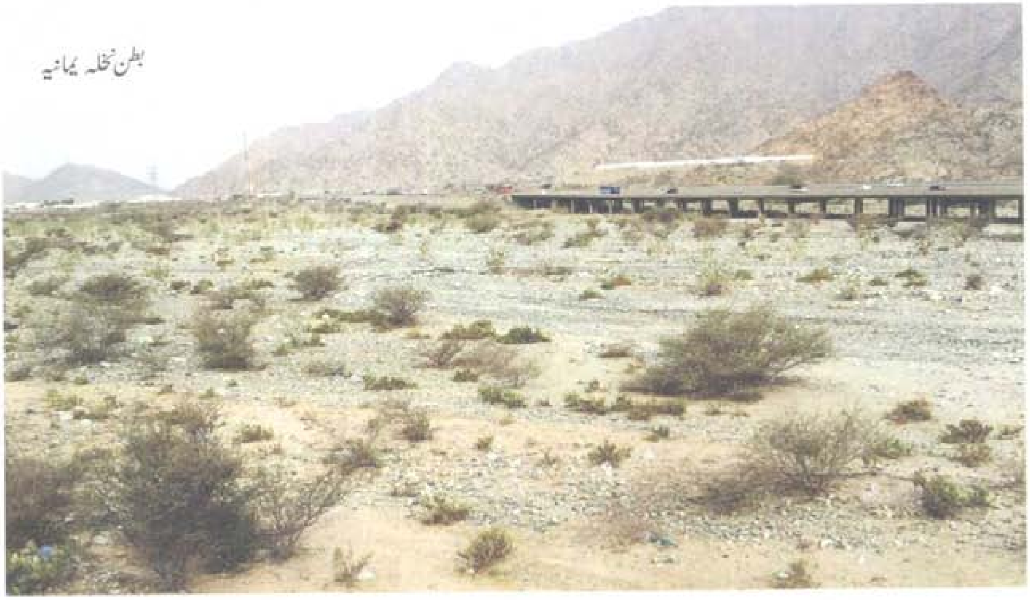
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان شکست خوردہ لشکروں کے تعاقب میں مجاہدین کے دستے روانہ کیے۔ اسی تعاقب میں سیدنا ربیعہ بن رفیع رضی اللہ عنہ کو جن کا تعلق بنوسلیم سے تھا، ایک اونٹ ملا۔ اس پر ڈولی رکھی ہوئی تھی اور ڈولی میں ایک

[1] المغازي للواقدي: 321/2 و 325، السيرة لابن هشام: 93,92/4 و 99,98.

شخص سوار تھا۔ وہ سمجھے کہ یہ کوئی عورت ہے۔ اس لیے وہ اس اونٹ کی مہار پکڑ کر چل دیے۔ جب اونٹ کو بٹھایا گیا تو اس ڈولی میں سوار ایک بوڑھا شخص برآمد ہوا۔ اُس کا نام درید بن صمہ تھا۔

درید بن صمہ جشم قبیلے کا مشہور شاعر اور بہادر جنگجو تھا۔ اس وقت اس کی عمر ایک سو ساٹھ برس تھی۔ عمر رسیدہ جنگجو اب تیر و تلوار کی مہارت دکھانے سے قاصر تھا مگر اس کے تجربات اور صائب مشوروں سے مستفید ہونا ممکن تھا۔ اسی لیے اس کی قوم اسے ڈولی میں بٹھا کر میدانِ جنگ میں لے آئی تھی۔ جنگ سے پہلے اس نے نوجوان کمانڈر مالک بن عوف کو نہایت مفید مشورہ دیا تھا مگر بدقسمتی ہوازن کے مقدر میں لکھی ہوئی تھی، اس لیے ہوازنی کمانڈر نے اس کے مشورے کو رد کر دیا اور اپنی قوم کے جذبات مشتعل کر کے اپنی رائے منوالی۔ اب جنگ کے مہلک نتائج نے عمر رسیدہ تجربہ کار درید بن صمہ کے مشوروں کی اصابت پر مہر تصدیق ثبت کر دی اور ہوازنی نوجوان کمانڈر کا جوش و جذبہ اور بیس ہزار کا لشکر جرار اپنی قوم کو تاریخ کی بدترین ذلت و رسوائی سے نہ بچا سکا۔ جب ہوازنی لشکر میدان سے بھاگا تو اس نے اپنے بوڑھے جرنیل کا بھی کوئی لحاظ نہ رکھا، وہ اسے اس کے حال پر تنہا چھوڑ گیا۔ اس کا اونٹ اسے لے کر کٹی ہوئی پتنگ کی طرح اِدھر اُدھر پھرتا رہا۔ سیدنا ربیعہ بن رفیع رضی اللہ عنہ اسے نہیں جانتے تھے۔ وہ تو اسے مالِ غنیمت سمجھ کر لے جا رہے تھے۔ انھوں نے جب دیکھا کہ یہ بڈھا مسلمانوں کے کسی کام کا نہیں تو اس کا کام تمام کرنے کا ارادہ کیا۔ اس دوران بوڑھے جرنیل نے پوچھا: تم کون ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ میں ربیعہ بن رفیع السلمی ہوں۔ درید نے کہا: تم میرے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہتے ہو؟ سیدنا ربیعہ نے کہا کہ میں تمھیں موت کے گھاٹ اتارنا چاہتا

بطن نخلہ یمانیہ



ہوں۔ پھر معاً تلوار سے ایک وار کیا مگر درید کو اس وار سے کوئی نقصان نہ پہنچا۔ یہ دیکھ کر جرأت مند بوڑھا بولا: تمھاری والدہ نے تمھیں بڑی ناکارہ تلوار دی ہے۔ جاؤ ڈولی میں میری تلوار رکھی ہے، وہ تلوار نکال لاؤ اور اس سے وار کرو۔ لیکن وار میری گردن پر کرنا کیونکہ میں اپنے دشمنوں کو اسی طرح ٹھکانے لگاتا تھا۔ پھر جب گھر پہنچو تو اپنی والدہ کو بتانا کہ تم نے درید بن صمہ کو قتل کیا ہے۔ اللہ کی قسم! میں نے تمھارے خاندان کی بہت سی عورتوں کی جان بچائی تھی۔ سیدنا ربیعہ رضی اللہ عنہ نے ایک بھرپور وار سے اسے ہلاک کر دیا۔ جب اس کی لاش زمین پر گری تو اس کا ستر کھل گیا۔ اس کی رانیں گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر مسلسل سواری کرتے رہنے کی وجہ سے تختہ بن چکی تھیں۔ یہ اس بات کا ثبوت تھا کہ یہ شخص ساری زندگی میدانِ جنگ کا شاہ سوار رہا ہے۔

جب سیدنا ربیعہ نے یہ واقعہ اپنی والدہ کو سنایا تو انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! اس نے تمھاری ماؤں (بنوسلیم کی خواتین) کو ایک ہی دن میں تین بار آزاد کرایا تھا۔ یہی شخص تھا جس نے تمھارے والد کو بھی بچایا تھا۔ سیدنا ربیعہ نے کہا: مادرِ مہربان! مجھے اس کے ان احسانات کا علم نہیں تھا۔ والدہ بولیں: بیٹے! جب اس نے تمھیں اپنا احسان جتایا تھا تو تم نے اسے احسان کرتے ہوئے کیوں نہ چھوڑ دیا؟ سیدنا ربیعہ نے عرض کی: امی جان! بھلا اللہ اور اس کے رسول کی رضا کے سامنے اس کے احسانات کی کیا حیثیت تھی؟ میں نے اسے اللہ اور اس کے رسول کی رضا کے لیے قتل کیا ہے۔

درید بن صمہ کی بیٹی عمرہ نے اپنے والد کے قتل پر اس کی شان اور مقام و مرتبے کے متعلق کچھ اشعار کہے تھے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ درید ہوازن کا نہایت بلند مرتبہ سردار تھا۔ اس کی بیٹی کہتی ہے:

قَالُوا قَتَلْنَا دُرَيْدًا قُلْتُ صَدَقُوا ... فَظَلَّ دَمْعِي عَلَى السِّرْبَالِ يَنْحَدِرُ

لَوْلَا الَّذِي قَهَرَ الْأَقْوَامَ كُلَّهُمْ ... رَأَتْ سُلَيْمٌ وَّكَعْبٌ كَيْفَ تَأْتَمِرُ

”بنوسلیم نے کہا: ہم نے درید کو قتل کیا ہے۔ میں نے کہا: وہ صحیح کہہ رہے ہیں۔ پھر میری آنکھوں سے آنسوؤں کی برسات ہوگئی۔ آنسو میری قمیص سے نیچے گرتے چلے گئے۔

اگر وہ (درید) نہ ہوتا جس نے ساری اقوام کو زیر کرلیا تھا تو بنوسلیم اور بنوکعب کو اپنی اوقات معلوم ہو جاتی کہ وہ کیسے سردار بنتے ہیں (ان کی سرداری درید ہی کی مرہون منت ہے)۔“ [1]

[1] المغازي للواقدي: 2/324,323، السيرة لابن هشام: 4/95-97.

سریۂ اوطاس

سیدنا ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ کی شہادت

حنین کے میدانِ جنگ سے فرار ہونے والوں نے مختلف علاقوں میں پناہ لے لی۔ کچھ قلعہ بند ہوگئے اور بعض بھگوڑوں نے زبردست دفاعی پوزیشن لے لی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بھگوڑوں کی خبر لینے اور انھیں سبق سکھانے کے لیے مجاہدین کے دستے روانہ کیے۔ وادی اوطاس میں بھی بھگوڑوں کی ایک فوج نے اہم مقامات پر دفاعی ٹھکانے بنا لیے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف سیدنا ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک لشکر روانہ کیا۔ یہ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے چچا ہیں۔ ان کی قیادت میں سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ جیسے شیر دل صحابی بھی لڑنے گئے۔

جب یہ اسلامی لشکر اوطاس پہنچا تو ان کا سامنا بڑی زبردست تیاری کرنے والے ہوازنی لشکر سے ہوا۔ وہ لوگ جنگی لحاظ سے اہم جگہوں پر قابض تھے اور جنگ کے لیے خوب تیاری کیے بیٹھے تھے۔ ان کا ایک آدمی سامنے آیا اور اس نے مقابلے کے لیے للکارا تو سیدنا ابوعامر اشعری رضی اللہ عنہ خود آگے بڑھے، اسے اسلام کی دعوت دی اور دعا کی: اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ. ”اے اللہ! تو گواہ رہ۔“ اس نے اسلام کی دعوت قبول نہ کی تو سیدنا ابوعامر رضی اللہ عنہ نے چند ہی لمحوں میں اس کافر کا کام تمام کر دیا۔ اس کے انجام بد کو دیکھتے ہوئے اس کے بھائی نے ابوعامر رضی اللہ عنہ کو دعوتِ مبارزت دے ڈالی۔ انھوں نے اسے بھی واصلِ جہنم کر دیا۔ دوسرے بھائی کی لاش گرتی دیکھ کر تیسرا میدان میں کود پڑا۔ ابوعامر رضی اللہ عنہ نے اسے بھی خاک و خون میں نہلا دیا۔ یہ کل دس بھائی تھے جن میں سے نو یکے بعد دیگرے سیدنا ابوعامر رضی اللہ عنہ کی شمشیر جوہردار کی خوراک بن گئے۔ جب دسواں اور آخری بھائی زرد پگڑی باندھے میدان میں اترا تو سیدنا ابوعامر رضی اللہ عنہ نے پھر دعا کی: اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ. ”اے اللہ! گواہ رہنا۔“

یہ سن کر اس کافر نے بھی التجا کی: اَللّٰهُمَّ! لَا تَشْهَدْ عَلَيَّ. ”اے اللہ! میرے خلاف گواہ نہ بن۔“

سیدنا ابوعامر رضی اللہ عنہ نے اس کی یہ التجا سن کر اپنا ہاتھ روک لیا، وہ مشرک بھاگ نکلا۔ بعدازاں مسلمان ہوگیا اور بہت اچھا مسلمان ثابت ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی اسے دیکھتے تو فرماتے:

«هٰذَا شَرِيدُ أَبِي عَامِرٍ»

''یہ ابوعامر کے ہاتھ سے بچ نکلنے والا (خوش نصیب) ہے۔''

پھر عام لڑائی شروع ہوگئی جس میں سیدنا ابو عامر رضی اللہ عنہ کے گھٹنے میں ایک تیر لگا، وہ شدید زخمی ہوگئے۔ انھیں یہ تیر کس نے مارا؟ اس بارے میں علامہ ابن ہشام نے دو روایات بیان کی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ سیدنا ابو عامر رضی اللہ عنہ پر دو بھائیوں العلاء اور اوفیٰ بن حارث نے حملہ کیا۔ ایک نے ان کے دل میں تیر پیوست کر دیا اور دوسرے نے ان کے گھٹنے میں تیر مارا۔ انھی زخموں کی تاب نہ لاکر وہ جام شہادت نوش فرما گئے۔

موصوف دوسری جگہ رقمطراز ہیں کہ سلمہ بن درید نے سیدنا ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ کو تیر مارا۔ جب اس کا تیر آپ کے گھٹنے میں پیوست ہوگیا تو اس نے یہ شعر پڑھے:

إِنْ تَسْأَلُوا عَنِّي فَإِنِّي سَلَمَةْ ... ابْنُ سَمَادِيرَ لِمَنْ تَوَسَّمَهْ

أَضْرِبُ بِالسَّيْفِ رُؤُوسَ الْمُسْلِمَةْ

''اگر تم میرے بارے میں پوچھتے ہو تو میں بتائے دیتا ہوں کہ میں سلمہ بن سمادیر ہوں۔ جو مجھے جاننا چاہے جان لے۔ میں تلوار کے وار سے مسلمانوں کی گردنیں اڑاتا ہوں۔''[1]

بہرحال یہ قاتل اتنا بہادر بھی نہیں تھا جس قدر یہ اپنے شعروں میں شیخی مار رہا ہے، نہ اسے اتنی مہلت ملی کہ وہ اپنا یہ کارنامہ لوگوں کو سناتا پھرے۔ آیئے سیدنا ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ کے جام شہادت نوش کرنے اور اس کافر کے انجام بد کی روداد صحیحین کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں۔ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ حنین سے فارغ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابو عامر رضی اللہ عنہ کو سپہ سالار بنا کر ایک لشکر کے ساتھ اوطاس کی طرف روانہ کیا۔ یہ وہاں پہنچے، درید بن صمہ (کے لشکر) سے نبرد آزما ہوئے۔ درید مارا گیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھیوں کو شکست سے دوچار کر دیا۔ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بھی ابو عامر رضی اللہ عنہ کے ساتھ روانہ کیا تھا۔ سیدنا ابو عامر رضی اللہ عنہ کے گھٹنے میں ایک جشمی آدمی نے تیر مارا جو گھٹنے ہی میں پیوست ہوکر رہ گیا۔ میں سیدنا ابو عامر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور ان سے پوچھا: چچا جان! آپ کو کس نے تیر مارا ہے؟ انھوں نے ابوموسیٰ اشعری کو اشارے سے بتایا کہ وہ سامنے میرا قاتل کھڑا ہے۔ اُسی نے مجھے تیر مارا ہے۔ میں دوڑ کر اس کے پاس جا پہنچا مگر جب اس نے مجھے دیکھا تو بھاگ نکلا۔ میں اس کے پیچھے ہولیا۔ میں نے اُس سے کہا: تجھے شرم

[1] السيرة لابن هشام: 97/4 و100,99، المغازي للواقدي: 324/2.

نہیں آتی، اب ٹھہرتا کیوں نہیں؟ آخر کار وہ رک گیا۔ پھر میرے اور اس کے مابین تلوار کے دو وار ہوئے۔ بالآخر میں نے اسے مار ڈالا۔ پھر واپس آکر میں نے ابو عامر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تمھارے قاتل کو ہلاک کر دیا ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ اب یہ تیر نکالو۔ میں نے تیر نکالا تو زخم سے پانی بہنے لگا۔ انھوں نے فرمایا: بھتیجے! نبی ﷺ کی خدمت میں میری طرف سے سلام عرض کرنا اور درخواست کرنا کہ میرے لیے بخشش کی دعا فرمائیں۔ پھر ابو عامر رضی اللہ عنہ نے مجھے اپنی جگہ لوگوں کا سپہ سالار مقرر کیا، تھوڑی دیر بعد وہ انتقال کر گئے۔ میں واپس آیا۔ نبی ﷺ کے گھر حاضر ہوا۔ اذن باریابی کے بعد میں نے دیکھا کہ آپ بان سے بنی ہوئی چارپائی پر لیٹے ہوئے ہیں۔ ہلکا سا بستر ہے۔ چارپائی کے بان کے نشانات آپ کے پہلو اور پشت پر نمایاں تھے۔ میں نے آپ کو تمام حالات سے آگاہ کیا۔ سیدنا ابو عامر رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ بھی گوش گزار کیا اور ان کی طرف سے دعائے مغفرت کی درخواست بھی پیش کی۔ آپ نے پانی منگوایا، وضو کیا، ہاتھ اٹھائے اور دعا کی:

«اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِعُبَيْدٍ أَبِي عَامِرٍ»

''اے اللہ! عبید، یعنی ابو عامر رضی اللہ عنہ کو بخش دے۔''

اس وقت میں آپ کی بغلوں کی سفیدی دیکھ رہا تھا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے پھر عرض کیا:

«اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَوْقَ كَثِيرٍ مِّنْ خَلْقِكَ مِنَ النَّاسِ»

''اے اللہ! اسے قیامت کے دن انسانوں میں سے اکثر پر برتری عطا فرما۔''

میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! میرے لیے بھی مغفرت کی دعا فرمائیں۔ آپ نے دعا کی:

«اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ قَيْسٍ ذَنْبَهُ وَ أَدْخِلْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُدْخَلًا كَرِيمًا»

''اے اللہ! عبداللہ بن قیس کے گناہ بخش دے اور روز قیامت اسے بھی عزت کی جگہ داخل فرما۔''[1]

رسول اللہ ﷺ کی ہمشیر شیماء کا اعزاز و اکرام

حنین کے مفرور دشمنوں کا تعاقب کرنے والے گھڑ سوار دستے کو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا:

«إِنْ قَدَرْتُمْ عَلٰى بِجَادٍ فَلَا يُفْلِتَنَّ مِنْكُمْ»

''اگر تم بجاد کو گرفتار کر سکو تو ضرور گرفتار کرو، وہ تمھارے ہاتھ سے نکلنے نہ پائے۔''

[1] صحيح البخاري :4323.

بجاد بنو سعد کا ایک شخص تھا، اس نے ایک مسلمان کو بڑی بے دردی سے قتل کیا تھا۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اس کی گرفتاری کا خصوصی حکم جاری فرمایا۔ مسلمانوں نے بجاد اور اس کے پورے خاندان کو گرفتار کرلیا۔ ان قیدیوں کو لے کر وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے تو ان میں شیماء بھی تھیں۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی رضاعی بہن تھیں مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس حقیقت سے لاعلم تھے۔ اس لیے انھوں نے قیدیوں کو سختی کے ساتھ چلایا تو شیماء بول اٹھیں: اللہ کی قسم! میں تمھارے رسول کی رضاعی بہن ہوں۔ مگر انھیں قید کرنے والے انصاری صحابہ کو یقین نہ آیا۔ یہ انصاری ہوازن کی جنگ میں سب سے زیادہ جری اور ثابت قدم رہے تھے۔

جب یہ قیدی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر کیے گئے تو شیماء نے عرض کی: اے محمد! میں آپ کی بہن ہوں۔ نبی کریم ﷺ نے دریافت فرمایا:

«وَمَا عَلَامَةُ ذَالِكَ؟»

''اس کا ثبوت کیا ہے؟''

اس پر شیماء نے وضاحت کی: اس کا ثبوت میری کمر پر وہ نشان ہے جو آپ کے دانت لگ جانے کی وجہ سے پڑ گیا تھا۔ میں نے آپ کو اٹھایا ہوا تھا، آپ نے لاڈ پیار کیا۔ اس طرح آپ کے دانت میری کمر پر لگ گئے۔ ان دنوں ہم وادی سرر میں رہتے تھے۔ میرے والد آپ کے والد اور میری والدہ آپ کی رضاعی والدہ تھیں، ہم دودھ شریک بہن بھائی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ اپنی دودھ شریک بہن کو پہچان گئے۔ آپ فوراً اٹھے، اپنی چادر مبارک بچھائی اور بہن کو خوش آمدید کہا، انھیں بڑے احترام اور محبت سے بٹھایا۔ پھر رضاعی والدین کا حال دریافت فرمایا۔ بہن نے بتایا کہ انھیں تو فوت ہوئے ایک عرصہ بیت گیا ہے۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ آبدیدہ ہوگئے۔ پھر آپ نے اپنی بہن سے کہا:

«إِنْ أَحْبَبْتِ فَأَقِيمِي عِنْدَنَا مُحَبَّةً مُكَرَّمَةً، وَ إِنْ أَحْبَبْتِ أَنْ تَرْجِعِي إِلٰى قَوْمِكِ وَصَلْتُكِ رَجَعْتِ إِلٰى قَوْمِكِ»

''اگر تم پسند کرو تو ہمارے پاس بڑی محبت اور اعزاز و اکرام سے رہو۔ اور اگر اپنے عزیز و اقارب اور قوم کے پاس واپس جانا چاہو تو ان کے پاس بخوشی جا سکتی ہو۔''

شیماء نے عرض کی: میں اپنی قوم میں واپس جانا چاہتی ہوں۔ پھر وہ مسلمان ہوگئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بہن کو تین غلام اور ایک لونڈی عطا فرمائی۔ ایک غلام کا نام مکحول تھا۔ اس کی شادی اسی لونڈی سے کر دی گئی۔ ان کی نسل بنو سعد میں خوب پھلی پھولی۔

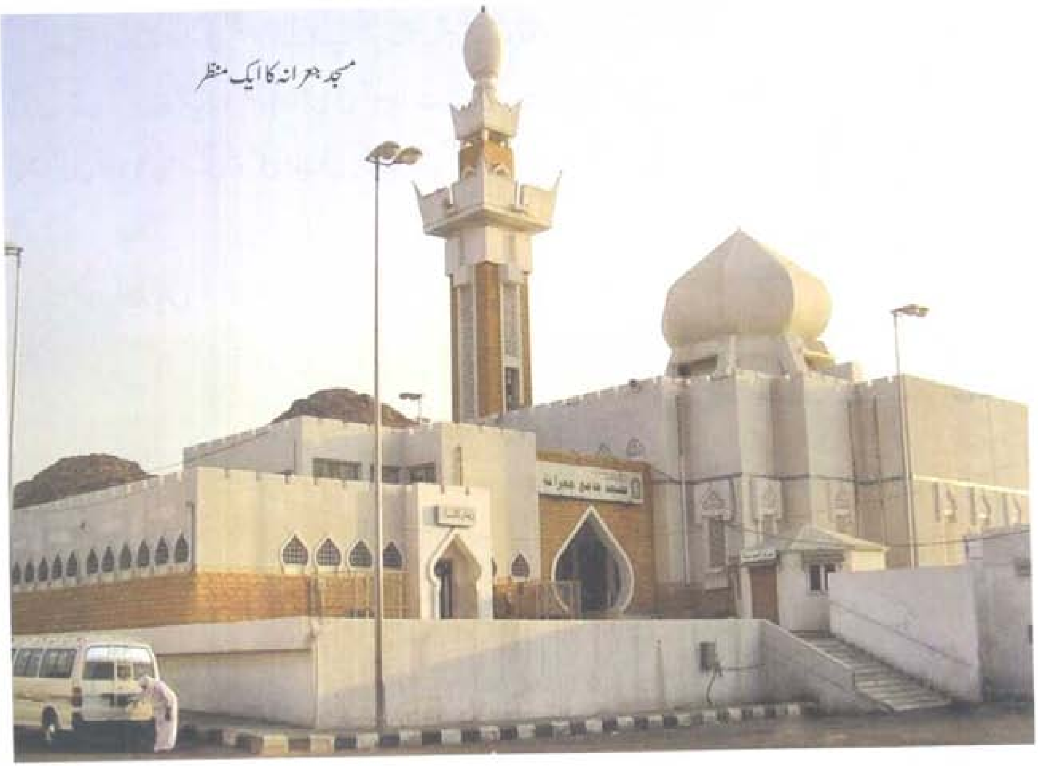
سیدہ شیماء رضی اللہ عنہا اپنے قبیلے میں واپس پہنچیں تو اہلِ قبیلہ کو شیماء رضی اللہ عنہا کی قدر و منزلت کا پتہ چلا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بہن کو جس عزت و احترام سے نوازا، اس سے ان کی اپنے قبیلے میں بڑی عزت افزائی ہوئی۔ قبیلے والوں نے شیماء رضی اللہ عنہا کے مقام و مرتبے سے فائدہ اٹھانے کا پروگرام بنایا۔ وہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھیں بجاد کی جان بخشی کے لیے سفارش کرنے پر آمادہ کیا۔ چنانچہ سیدہ شیماء دوبارہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئیں اور بجاد کی سفارش کی۔ کہنے لگیں: اللہ کے رسول! بجاد مجھے ہبہ کر دیں اور اس کی غلطی سے درگزر فرمائیں۔

رسول اللہ ﷺ نے بہن کی سفارش پر بجاد کو رہا کر دیا اور بہن کو ایک یا دو اونٹ عطا فرمائے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بہن سے ان کے بقیہ خاندان کا حال احوال بھی دریافت کیا تو انھوں نے بتایا کہ ان کی ایک بہن، بھائی اور چچا موجود ہیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا:

«ارْجِعِي إِلَى الْجِعِرَّانَةِ تَكُونِينَ مَعَ قَوْمِكِ، فَإِنِّي أَمْضِي إِلَى الطَّائِفِ»

''تم اپنی قوم (بنو سعد) کے ساتھ جعرانہ چلی جاؤ کیونکہ میں طائف جا رہا ہوں۔''

پھر جب آپ نے طائف سے واپسی پر جعرانہ میں غنیمتیں تقسیم کیں تو آپ نے اپنی بہن کو بھی اونٹوں اور بکریوں



مسجد جعرانہ کا ایک منظر

سے نوازا اور ان کے بقیہ خاندان کے افراد کو بھی خصوصی تحائف دے کر رخصت فرمایا۔[1]

ہوازنی لشکر کے شدید نقصانات

جنگ حنین میں ہوازنی لشکر کو زبردست نقصانات اٹھانے پڑے۔ اسلامی لشکر کے آگے بھاگتے ہوئے سینکڑوں ہوازنی جنگجو مارے گئے اور بے شمار زخمی ہوئے۔ مگر ان سب کی تفصیلات تاریخی مصادر میں موجود نہیں۔ البتہ جن مشاہیر کا تذکرہ ملتا ہے، ان میں سے چند ایک کے نام درج ذیل ہیں:

1. درید بن صمہ۔ بنوجشم کا سردار اور مشہور شاعر
2. عثمان بن عبداللہ بن ربیعہ۔ حنین میں ہوازن کا علمبردار
3. اللجلاج یا الجلاح
4. ذوالخمار سبیع بن حارث بن مالک۔ بنو مالک کا پرچم بردار
5. وہب
6. عیسائی غلام

بیس ہزار کے ہوازنی لشکر نے اپنے تجربہ کار ماہر حرب درید بن صمہ کا مشورہ نہ مان کر اور اپنے جذباتی کمانڈر کی باتوں میں آکر جو خمیازہ بھگتا، اس کی تفصیلات تاریخ نے محفوظ کرلی ہیں۔ چونکہ ہوازنی لشکر اپنے تمام کنبوں، خاندانوں اور مال مویشی کو بھی میدانِ جنگ میں کھینچ لایا تھا، اس وجہ سے درج ذیل کثیر مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا:

غلام اور لونڈیاں:	6 ہزار
اونٹ:	24 ہزار
بکریاں:	40 ہزار سے زائد
چاندی:	4 ہزار اوقیہ =489880 گرام = 489 کلو 88 گرام = 12 من 247 گرام۔[2]

یہ تمام غنیمتیں جمع کر کے جعرانہ روانہ کر دی گئیں اور رسول اللہ ﷺ طائف روانہ ہو گئے۔ یہ مال غنیمت کس کے سپرد کیا گیا؟ انھیں تقسیم تک جعرانہ میں کس نے سنبھالا؟ اس بارے میں اصحاب مغازی اور مؤرخین کی متعدد آراء

[1] المغازي للواقدي :323,322/2، السيرة لابن هشام : 101,100/4. [2] الطبقات لابن سعد : 152/2، زاد المعاد : 473/3، مرويات غزوة حنين :209/1.

ہیں۔ ان میں سے دو قابلِ ذکر ہیں:

1 سیدنا مسعود بن عمرو القاری رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جعرانہ میں اموالِ غنیمت کا نگہبان مقرر کیا تھا۔

2 نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اموالِ غنیمت کی حفاظت پر سیدنا بدیل بن ورقاء رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا تھا اور انھیں حکم دیا تھا کہ آپ کی واپسی تک یہ اموال جعرانہ میں محفوظ رکھیں۔ سیدنا بدیل نے یہ ذمہ داری بطریقِ احسن نبھائی۔

مالِ غنیمت کی کثرت اور مختلف انواع پر مشتمل ہونے کی وجہ سے یہ امکان بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں اصحاب کو یہ ذمہ داری سونپی ہو اور ہر ایک پر مختلف اموال کی حفاظت کا فریضہ عائد فرمایا ہو۔[1] واللہ اعلم

غزوۂ حنین کے شہدائے کرام

غزوۂ حنین میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عظیم کامیابی سے سرفراز کیا۔ اس شاندار کامیابی کے لیے مسلمانوں نے صبر و استقلال کا مظاہرہ کیا۔ جہاں بے شمار کافر مسلمانوں کے ہاتھوں زخمی اور قتل ہوئے، وہاں مسلمانوں کو بھی زخم لگے اور چند صحابہ کو شہادت بھی نصیب ہوئی۔ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شدید زخمی ہوئے، ان کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

1 سیدنا عبدالرحمان بن ازہر بیان کرتے ہیں کہ جب جنگ ختم ہوئی تو مسلمان اپنے خیموں میں واپس چلے گئے۔ اس دوران میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھڑ سوار دستے کے قائد سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو تلاش کر رہے تھے اور دریافت فرما رہے تھے:

«مَنْ يَدُلُّ عَلٰى رَحْلِ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيدِ؟»

[1] الإصابة: 409/1، أسد الغابة: 122,121/4، مرويات غزوة حنين: 214/1-216.

شہدائے غزوۂ حنین



''خالد بن ولید کے ٹھکانے کا کسے پتہ ہے؟''

لہٰذا میں آپ کے آگے آگے یہی آواز لگاتے لگاتے بھاگنے لگا کہ خالد بن ولید کا ٹھکانا کسے معلوم ہے؟ حتی کہ ہم انھیں تلاش کرتے کرتے اُن تک پہنچ گئے۔ وہ شدید زخمی تھے اور اپنے اونٹ کے کجاوے کے ساتھ ٹیک لگا کر نڈھال بیٹھے ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے زخم دیکھے، پھر ان پر اپنا لعاب دہن لگایا (تو وہ صحت یاب ہوگئے)۔ [1]

2 سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ حنین والے دن ہمارے ایک انصاری نوجوان نے کہہ دیا کہ آج ہم اپنی تعداد کم ہونے کی وجہ سے شکست نہیں کھائیں گے (کیونکہ آج ہماری فوجی طاقت بہت زیادہ ہے۔) لیکن پھر جونہی دشمن سے سامنا ہوا تو ہماری فوج کے ہراول دستے بھاگ نکلے۔ رسول اللہ ﷺ اپنے خچر پر سوار تھے اور سیدنا ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ اس کی لگام تھامے ہوئے تھے۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے اس کی رکاب پکڑ رکھی تھی۔ ہم وادی حنین کے گرد و غبار والے علاقے میں تھے۔ جب دونوں لشکر ٹکرائے تو اتنا غبار اڑا کہ ہاتھ پڑی چیز بھی سجھائی نہ دیتی تھی۔ اس دوران ایک صاحب آئے تو رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا:

«إِلَيْكَ مَنْ أَنْتَ؟»

''رکو! تم کون ہو؟''

انھوں نے عرض کیا: میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں، میں ابوبکر ہوں۔ انھیں لگ بھگ بیس زخم لگے تھے۔ پھر ایک اور صاحب آپ کی طرف بڑھے تو آپ نے انھیں بھی روکا اور پوچھا:

«إِلَيْكَ مَنْ أَنْتَ؟»

''ٹھہرو، تم کون ہو؟''

انھوں نے عرض کیا: میں عمر بن خطاب ہوں۔ میرے والدین آپ ﷺ پر فدا ہوں۔ انھیں بھی لگ بھگ بیس زخم آئے تھے۔

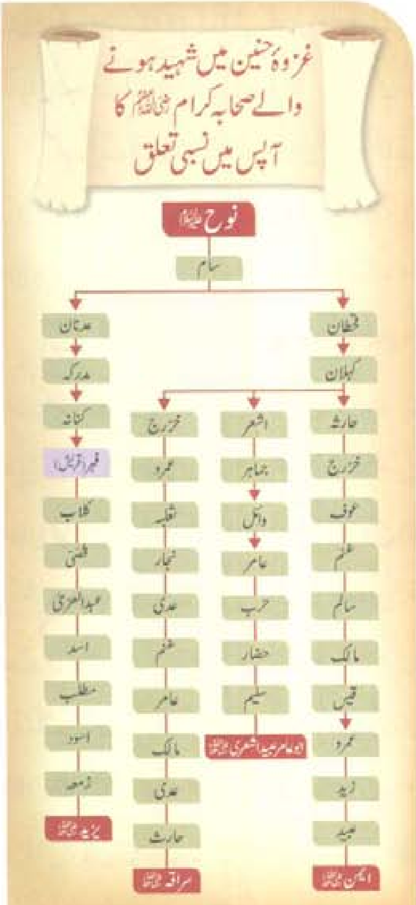
چند ہی لمحوں بعد ایک اور صاحب آپ کی طرف آئے تو آپ نے ان سے بھی رکنے کو کہا اور ان کی شناخت پوچھی تو انھوں نے عرض کیا: میں عثمان بن عفان ہوں، میرے والدین آپ پر قربان ہوں۔ انھیں بھی تیروں اور تلواروں کے تقریباً 20 زخم لگ چکے تھے۔ ان کے بعد علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا:

[1] مسند أحمد: 88/4.

«إِلَيْكَ مَنْ أَنْتَ؟»

''رک جاؤ، تم کون ہو؟''

انھوں نے عرض کی: اللہ کے رسول! میں علی بن ابی طالب ہوں، میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ ان کے جسم پر بھی تقریباً بیس زخم تھے۔[1]



اس روایت سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے انتہائی قریبی فدائی اس روز شدید زخمی ہوئے مگر اس حالت میں بھی انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی حفاظت میں کوئی کوتاہی نہیں کی، بلکہ وہ آپ ﷺ کے چاروں طرف ڈٹ کر دشمنوں کے دانت کھٹے کرتے رہے۔ یوں کسی دشمن کو آپ تک پہنچنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ رضی اللہ عنہم

اس تاریخی معرکے میں جن خوش نصیبوں کو شہادت کا مرتبہ نصیب ہوا، ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

1 سیدنا ایمن بن عبید۔ ان کا تعلق بنو ہاشم سے ہے۔

2 یزید بن زمعہ بن اسود بن مطلب بن اسد۔ یہ بنو اسد بن عبدالعزیٰ سے ہیں۔

3 سراقہ بن حارث بن عدی انصاری۔ یہ بنو عجلان سے ہیں۔

4 ابو عامر اشعری۔ رضی اللہ عنہم

علامہ واقدی نے یزید بن زمعہ کو غزوۂ طائف کے شہداء میں شامل کیا ہے اور ان کی جگہ یہاں رُقَیم بن ثابت بن ثعلبہ بن زید بن لوذان کا تذکرہ کیا ہے۔[2]

غزوۂ حنین کے اسباق اور حکمتیں

غزوۂ حنین مسلمانوں کی شاندار فتح پر ختم ہوا اور مسلمانوں کو بہت سے سبق، عبرتیں اور نصیحتیں دے گیا۔ اس غزوے

[1] البحر الزخار: 128/13، حديث: 6518. [2] السيرة لابن هشام: 101/4، المغازي للواقدي: 328/2 و 340، البداية والنهاية: 338/4.

میں بے شمار الٰہی حکمتیں بھی آشکارا ہوئیں۔ آیئے! ان اسباق، عبرتوں اور حکمتوں میں سے کچھ کا مطالعہ کرتے ہیں:

■ **عجز وانکسار، کامیابی کی کنجی ہے:** فتح مکہ کے موقع پر مسلمانوں کا وہ جانی دشمن زیر ہوگیا جس نے گزشتہ دو دہائیوں سے مسلمانوں کا جینا دوبھر کر رکھا تھا اور مسلمانوں کو جانی، مالی اور سماجی نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا۔ اس مرکزی اور جانی دشمن کو زیر کرنے کے دن رسول اللہ ﷺ نہایت عاجزی اور انکسار سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے، حتی کہ آپ کا سر مبارک اس قدر جھکا ہوا تھا کہ اونٹ کے کوہان سے ٹکرا رہا تھا اور آپ ﷺ کی زبان مبارک اپنے رب کی حمد وثنا کر رہی تھی۔

آپ کے اسوۂ حسنہ کے برعکس بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہایت خوش وخرم دکھائی دیتے تھے۔ ان کی دلی خواہش تھی کہ آج اللہ تعالیٰ نے ہمیں غلبہ عطا کیا ہے تو اس مرکزی دشمن کو اچھی طرح سبق سکھانا چاہیے اور انھیں صفحۂ ہستی سے مٹا دینا چاہیے۔

اپنے غلبے، طاقت اور کثرت تعداد کا یہی احساس غزوۂ حنین والے دن بھی اسلامی لشکر کے دل ودماغ میں موجود تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ابتدائی ہزیمت سے یہ سبق سکھایا کہ اسے فخر وغرور پسند نہیں۔ وہ عجز وانکسار والوں ہی پر اپنی مدد نازل فرماتا ہے۔ اس طرح مسلمانوں کو یہ دائمی درس دے دیا گیا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی نصرت وحمایت شاملِ حال نہ ہو تو تمھاری کثرت اسلام اور رسول اللہ ﷺ کے کسی کام نہیں آسکتی۔ لہٰذا جب ابتدائی ہزیمت کے ذریعے کثرتِ تعداد کا گھمنڈ توڑ دیا گیا اور مسلمان رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے مطابق اللہ تعالیٰ کے حضور عجز وانکسار کے ساتھ خوب گڑگڑائے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی نصرت ورحمت نازل فرما دی۔ فرشتے ان کی مدد کے لیے فوج درفوج اتر آئے اور مسلمانوں کی ہزیمت شاندار فتح میں بدل گئی۔

■ **بے مثال عفو وکرم:** فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے اہلِ مکہ پر بے مثال کرم واحسان فرمایا۔ ان کے اموال، مالِ غنیمت بنائے نہ ان کے بیوی بچوں کو غلام اور لونڈیاں بنایا بلکہ سب کو عام معافی عطا کرکے عفو ودرگزر کی عدیم النظیر روایت قائم کی۔

مدینہ منورہ سے روانہ ہونے والا عظیم لشکر مادی اسباب کا ضرورت مند تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ ضرورت ہوازن کو مسلمانوں کے خلاف لشکر کشی کے لیے روانہ کرکے پوری فرما دی۔ جب ہوازن والے اپنے تمام اموال لے کر بیوی بچوں سمیت میدانِ جنگ میں پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے پیش گوئی فرمائی:

«تِلْكَ غَنِيمَةُ الْمُسْلِمِينَ غَدًا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ»

''یہ (سارے اموال) کل مسلمانوں کی غنیمت ہوں گے، ان شاء اللہ۔''[1]

اگلے روز آپ ﷺ کی یہ پیش گوئی اللہ کے فضل و کرم سے پوری ہوگئی۔ یہ تمام اموال، بچے اور عورتیں مسلمانوں میں تقسیم کر دی گئیں۔ پھر ہوازن کو اللہ تعالیٰ نے اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا کر دی تو وہ مسلمان ہو کر حاضر خدمت ہوگئے۔ ان کے اسلام لانے کی خوشی اور قدر شناسی کے طور پر رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں سے مشورے کے بعد ان کے بیوی بچے انھیں واپس کر دیے۔ یقیناً توبہ کر کے اسلام کو دل میں بسا لینے والوں کی اللہ تعالیٰ اسی طرح عزت افزائی کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِمَنْ فِي أَيْدِيكُمْ مِنَ الْأَسْرَى إِنْ يَعْلَمِ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرًا يُؤْتِكُمْ خَيْرًا مِمَّا أُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ (الأنفال 70:8)

''اے نبی! جو قیدی تمھارے ہاتھوں گرفتار ہوئے ہیں، آپ ان سے کہہ دیں: اگر اللہ تمھارے دلوں میں بھلائی جان لے گا تو تمھیں اس (فدیے) سے کہیں بہتر عطا کرے گا جو تم سے لیا گیا ہے اور تمھیں بخش دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔''[2]

بدر و حنین: مسلمانوں کا عربوں کے خلاف سفر جہاد غزوۂ بدر سے شروع ہوا تھا جو بالآخر غزوۂ حنین میں رفیع الشان فتح پر منتج ہوا۔ اسی لیے دونوں غزوات اکٹھے بیان کیے جاتے ہیں اور تحریر و تقریر میں بیک وقت ''بدر و حنین'' کہا جاتا ہے، حالانکہ ان دونوں غزووں کے مابین سات برس کا زمانی فاصلہ موجود ہے۔

ان دونوں غزوات میں کئی چیزیں مشترک ہیں، مثلاً:

1. بدر میں عربوں کی طاقت کو پہلی بار مسلمانوں نے للکارا اور اسے توڑ کر رکھ دیا، جبکہ غزوہ حنین میں عربوں کی آخری اجتماعی طاقت کو نیست و نابود کر دیا گیا۔ ان کے بعد عربوں میں مسلمانوں کا کوئی قابلِ ذکر دشمن باقی نہ رہا اور مسلمان اپنے زمانے کی روم و فارس جیسی سپر پاورز کو چیلنج کرنے لگے۔
2. دونوں غزوات میں فرشتے مسلمانوں کی مدد کے لیے اترے۔
3. دونوں غزووں میں نبی کریم ﷺ نے کفار کے چہروں پر کنکریاں ماریں۔

اہلِ مکہ پر مسلمانوں کے احسانات: فتح مکہ کے روز عام معافی کا اعلان اہلِ مکہ کے لیے سب سے بڑی خوشخبری اور عظیم ترین احسان تھا، حالانکہ آج مسلمان اپنے بدترین دشمن سے گن گن کر بدلے لینے کے لیے تلے بیٹھے تھے۔ مگر

[1] سنن أبي داود: 2501. [2] المغازي للواقدي: 308/2، زاد المعاد: 478/3.

رسول اللہ ﷺ نے اپنے اخلاق عالیہ سے فاتحین کو حلم و کرم کا سبق دے کر ایک نئی شانِ احترامِ انسانیت عطا کر دی۔ ضمناً غزوہ حنین والے دن اہل مکہ پر ایک اور عظیم الشان احسان ہوا۔ وہ اس طرح کہ مسلمانوں نے ان کے زبردست دشمن کو شکست فاش دے کر ان کے خطرے کا ہمیشہ کے لیے سدِّ باب کر دیا۔ ورنہ اہل مکہ ہمیشہ ہوازن سے خوفزدہ رہتے تھے اور ان کے مقابلے کی سکت ہی نہ رکھتے تھے۔ اگر مکہ والوں سے ان کا مقابلہ ہوجاتا تو یقیناً ہوازن والے اہل مکہ کو چبا ڈالتے۔ اس لیے ہوازن کی شکست گویا اہل مکہ کی بہت بڑی کامیابی تھی جو انھیں مسلمانوں کے طفیل نصیب ہوئی۔[1]

- اسلامی لشکر کی راہنمائی کے لیے دشمن کی جاسوسی کرنا ایک صحیح عمل ہے۔ رسول اللہ ﷺ دشمن کی نقل و حرکت اور قوت و استعداد کا اندازہ لگانے کے لیے اپنے جاسوس روانہ فرمایا کرتے تھے۔ غزوۂ حنین کے موقع پر بھی آپ نے یہی جنگی حربہ استعمال کیا تھا۔
- اگر اسلامی لشکر کے پاس مناسب قوت ہو تو مجاہدین کو دفاعی جنگ لڑنے کی بجائے خود پیش قدمی کرنی چاہیے اور جارحانہ اسلوب اختیار کر کے دشمن کو سبق سکھانا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ حنین اور تبوک کے موقع پر امتِ مسلمہ کو یہی سبق دیا ہے۔
- کفار سے اسلحہ خریدنا اور بوقت ضرورت ادھار لینا بھی جائز ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے صفوان سے زرہیں، ڈھالیں اور نیزے وغیرہ ادھار لیے تھے، حالانکہ صفوان اس وقت مشرک تھا۔
- رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کامل ترین توکل کی خوبی سے متصف تھے۔ اسی لیے وہ غزوۂ فتح مکہ اور حنین میں بھرپور تیاری کر کے شریک ہوئے۔ اس موقع پر آپ کے سر پر خود اور ہاتھ میں تلوار تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے زرہیں زیب تن کی ہوئی تھیں۔ وہ تلواروں، ڈھالوں، نیزوں اور تیر کمان سے پوری طرح مسلح تھے۔ توکل کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لیے یہ شعر غور سے پڑھیے۔

توکل کا یہ مطلب ہے کہ خنجر تیز رکھ اپنا
پھر انجام اس کی تیزی کا مقدر کے حوالے کر

اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام ضروری اسباب اختیار کرنے کے بعد انجام کار کی پروا نہ کرتے ہوئے صرف اللہ کی ذاتِ عالی پر بھروسہ کر کے اعمال انجام دیے جائیں۔

[1] زاد المعاد :3/479.

- ادھار لی ہوئی چیز بحفاظت واپس کرنا ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے صفوان سے زرہیں لیتے وقت فرمایا تھا: «بَلْ عَارِيَةٌ مُؤَدَّاةٌ» ''(ہم تمھاری زرہیں چھین نہیں رہے) بلکہ ادھار لے رہے ہیں۔ یہ تمھیں واپس دے دی جائیں گی۔''[1]
- دشمن پر غلبہ پانے کے لیے ان کے جانور ہلاک کرنا جائز ہے، جیسا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ہوازن کے علمبردار کے اونٹ کی کونچیں کاٹ ڈالی تھیں، البتہ بلا وجہ جانوروں کو اذیت دینا اور انھیں زخمی کرنا شریعت اسلامی میں سختی سے منع ہے۔
- رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کے ناپاک ارادے سے آنے والے شیبہ بن عثمان کو رحمت للعالمین ﷺ نے نہ صرف معاف فرما دیا بلکہ اس کے لیے دعائے خیر بھی کی، آپ ﷺ کے اس بے مثل لطف و کرم سے متاثر ہو کر وہ ہمیشہ کے لیے آپ ﷺ کا فدائی بن گیا۔ یہ آپ کے بالیدہ اخلاق اور درگزر کی اعلیٰ ترین مثال ہے۔
- رسول اللہ ﷺ کا یہ معجزہ بھی جنگ حنین میں رونما ہوا کہ آپ نے مٹھی بھر کنکریاں دشمن کو ماریں تو بیس ہزار کا لشکر آنکھیں ملتا رہ گیا۔ کوئی ایسا نہ تھا جس کی آنکھوں میں کنکریوں کے ذرے نہ لگے ہوں۔
- مالِ غنیمت تقسیم ہونے تک کسی کی ملکیت نہیں ہوتا۔ اسلامی لشکر کا امیر دشمن کے اسلام لانے کی امید پر تقسیم کو مؤخر بھی کر سکتا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہوازن کا مسلسل انتظار کیا۔ وہ مسلمان نہیں ہوئے تو آپ نے ان کے اموال اور بیوی بچے مسلمان مجاہدین میں تقسیم کر دیے۔ بعد میں جب انھوں نے اسلام قبول کر لیا تو آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورے کے بعد انھیں ان کے بیوی بچے واپس دلا دیے مگر اموال تقسیم ہو چکے تھے، اس لیے وہ انھیں واپس نہیں ملے۔
- رسول اللہ ﷺ نے مجاہدین کی رضامندی سے ہوازن کے بیوی بچے واپس کیے تھے۔ آپ نے اعلان کرایا تھا:

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ! رُدُّوا عَلَيْهِمْ نِسَاءَ هُمْ وَ أَبْنَاءَ هُمْ، فَمَنْ تَمَسَّكَ مِنْ هٰذَا الْفَيْءِ بِشَيْءٍ فَلَهُ سِتُّ فَرَائِضَ مِنْ أَوَّلِ شَيْءٍ يُفِيئُهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ عَلَيْنَا»

''اے لوگو! انھیں ان کی عورتیں اور بچے واپس کر دو، البتہ جو شخص اس غنیمت سے اپنے حصے کو برقرار رکھنا چاہے تو اسے (اس حصے کے عوض) اس مال میں سے چھ اونٹ مل جائیں گے جو پہلے پہل اللہ عزوجل ہمیں عطا فرمائے گا (لیکن اب وہ اپنا حصہ چھوڑ دے)۔''[2]

- مجاہدین کی حوصلہ افزائی کے لیے انھیں خصوصی انعامات سے نوازنا جائز ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوقتادہ رضی اللہ عنہ

[1] السنن الكبرٰى للنسائي :3/409. [2] سنن النسائي :3718.

کو ہوازن کے مشہور جنگجو کو قتل کرنے پر اس کا اسلحہ بطور انعام عطا فرما دیا تھا۔ [1]

اس روز سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے بیس مشرکین کو واصل جہنم کیا اور ان سب کا اسلحہ اور سامان بطور انعام وصول کیا۔ [2]

غزوہ حنین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شیدائی سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے بھی ایسا ہی خصوصی انعام حاصل کیا۔ آیئے اس کی روداد انھی کی زبانی سنیے:

ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں حنین کی جنگ لڑی، اس دوران ایک بار ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صبح کھانا کھا رہے تھے کہ سرخ اونٹ پر ایک آدمی آیا، اس نے اونٹ کو بٹھایا، پھر اپنے پٹکے سے چمڑے کی ایک ڈوری نکالی، اس سے اونٹ کو باندھ دیا، پھر وہ ہم لوگوں کے ساتھ کھانا کھانے کے لیے آگے بڑھا اور ہمارا جائزہ لینے لگا، ہم لوگ کمزور تھے، ہماری سواریاں کم تھیں، ہم میں کچھ پیدل بھی تھے، اچانک وہ دوڑا، اپنے اونٹ کے پاس گیا، اس کی رسی کھولی، اسے بٹھایا، اس پر سوار ہوا اور اسے اٹھایا تو وہ (اونٹ) اسے لے کر بھاگ اُٹھا۔ (یہ دیکھ کر) ایک آدمی خاکستری رنگ کی اونٹنی پر بیٹھ کر اس کے پیچھے چل دیا۔ سیدنا سلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں بھی دوڑتا ہوا نکلا، اور (پیچھا کرنے والے مسلمان کی) اونٹنی کے پچھلے حصے کے پاس پہنچ گیا، پھر میں آگے بڑھا یہاں تک کہ اونٹ کے پچھلے حصے کے پاس پہنچ گیا، پھر میں اور آگے بڑھا حتی کہ میں نے اونٹ کی نکیل پکڑ لی اور اسے بٹھا دیا، جب اس نے اپنا گھٹنا زمین پر رکھا تو میں نے اپنی تلوار نکالی اور اس شخص کے سر پر وار کیا تو اس کا سر گردن سے الگ ہوگیا، پھر میں اونٹ کو نکیل سے چلاتا ہوا لے آیا، اس پر اس شخص کا پالان اور اسلحہ بھی موجود تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب لوگوں سمیت میرا استقبال کیا اور پوچھا:

«مَنْ قَتَلَ الرَّجُلَ؟»

''اس آدمی کو کس نے قتل کیا؟''

لوگوں نے کہا: ابن اکوع رضی اللہ عنہ نے۔ آپ نے فرمایا:

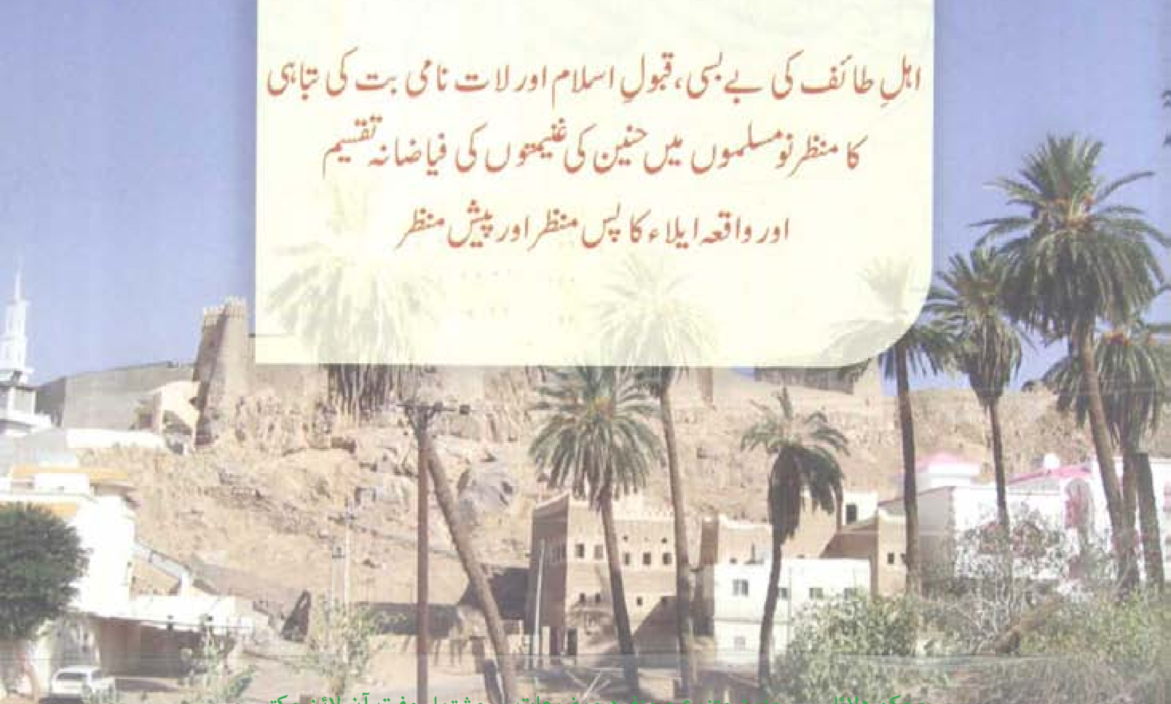
«لَهُ سَلَبُهُ أَجْمَعُ»

''اس کا چھینا ہوا سارا سامان اسی کا ہے۔'' [3]

[1] صحیح البخاري :4321. [2] سنن أبي داود :2718. [3] صحیح مسلم :1754.

غزوۂ طائف

اہلِ طائف کی بے بسی، قبولِ اسلام اور لات نامی بت کی تباہی
کا منظر نو مسلموں میں حنین کی غنیموں کی فیاضانہ تقسیم
اور واقعہ ایلاء کا پس منظر اور پیش منظر

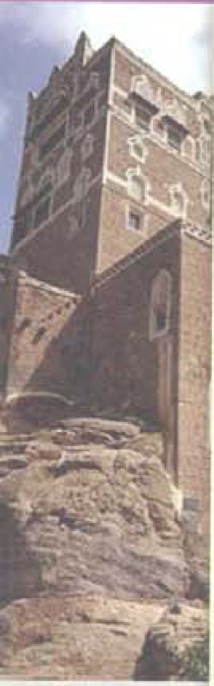


لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ

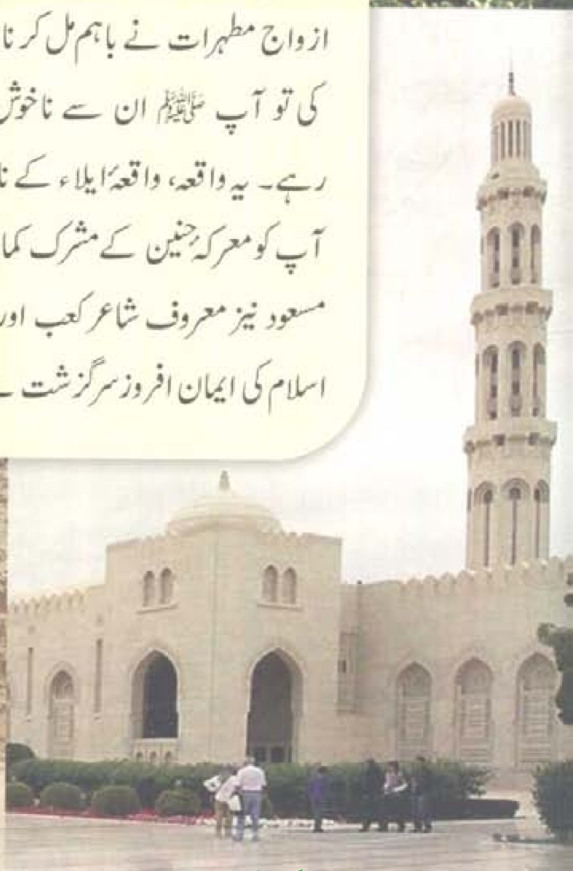
''لوگو! بلاشبہ یقیناً تمھارے پاس تمھی میں سے ایک رسول آ گیا ہے، اس پر تمھارا تکلیف میں مبتلا ہونا گراں گزرتا ہے، وہ تمھارے لیے بھلائی کا حریص ہے، مومنوں پر نہایت شفیق، بہت رحم کرنے والا ہے۔''

(التوبة 128:9)

اس باب میں




اہلِ طائف اسلام کے کٹر دشمن تھے۔ انھوں نے دعوتِ اسلام کے آغاز میں بھی رسول اللہ ﷺ کے پائے مبارک خون سے رنگین کر دیے اور فتحِ مکہ کے بعد بھی یہ لوگ آپ سے برسرِ پیکار رہے لیکن رحمت دو عالم ﷺ نے دونوں مواقع پر ان کی ہدایت کے لیے دعا کی جس کی برکت سے یہ سب مسلمان ہوگئے۔ اس مرحلے پر سیدالبشر ﷺ کا بے مثال گوہر فیاضی بھی پوری آب و تاب سے چمکا۔ آپ ﷺ نے حنین کی غنیمتیں تقسیم فرمائیں تو نومسلموں کی حوصلہ افزائی کے لیے پچیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار بکریاں اور کئی من سونا چاندی چشم زدن میں تقسیم کر دیا۔ مدینہ پہنچنے کے بعد جب ازواج مطہرات نے باہم مل کر نان نفقہ میں اضافے کی درخواست کی تو آپ ﷺ ان سے ناخوش ہو کر ایک مہینہ تک بیگانہ تعلق رہے۔ یہ واقعہ، واقعۂ ایلاء کے نام سے مشہور ہے۔ اسی باب میں آپ کو معرکۂ حنین کے مشرک کمانڈر اور ثقیف کے سردار عروہ بن مسعود نیز معروف شاعر کعب اور حاتم طائی کے خاندان کے قبول اسلام کی ایمان افروز سرگزشت ملے گی۔

معرکۂ طائف

طائف مکہ مکرمہ کے جنوب مشرق میں ایک خوبصورت شہر ہے۔ یہ سروات کی مشرقی پہاڑی ڈھلانوں پر سطح سمندر سے 5600 فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ جبکہ جنوبی پہاڑوں کی بلندی 8000 فٹ تک ہے۔ اسی لیے طائف کا موسم نہایت خوشگوار ہے۔ گرمیوں میں زیادہ سے زیادہ درجہ حرارت 20 سینٹی گریڈ تک ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے سعودی حکومت کے اکثر و بیشتر ارکان و وزراء اور اعلیٰ افسران گرمیوں میں طائف کا رخ کرتے ہیں اور یہ سعودی عرب کے دارالحکومت کا منظر پیش کرنے لگتا ہے۔ شادی بیاہ کی رنگا رنگ تقریبات اور سرکاری و غیر سرکاری میٹنگز کی وجہ سے طائف شہر میں خوب رونق لگتی ہے۔ طائف کو زرعی، اقتصادی اور سیاسی لحاظ سے زمانہ قدیم ہی سے اہم مقام حاصل ہے۔ یہاں کے پھل خصوصاً انگور اور انار اپنی لذت اور مٹھاس کے لحاظ سے بے مثال ہیں۔ یہ باغات اور زرعی کھیتوں کی بہتات کی وجہ سے خالص شہد کا بھی مرکز ہے۔

مکہ مکرمہ سے طائف کا سفر تقریباً 90 کلومیٹر ہے۔ اگر براستہ عقبہ الہدیٰ طائف کی طرف روانہ ہوں تو یہ سفر تقریباً 68 کلومیٹر ہے۔ 1431ھ کی مردم شماری کے مطابق اس کی آبادی تقریباً 10 لاکھ 11 ہزار ہے۔

طائف شہر کا نام طائف کیسے پڑا؟ اس کی کئی وجوہات بیان کی گئی ہیں، مثلاً:

جامعہ طائف اور شہر طائف



1 علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ اپنی شہرہ آفاق کتاب ''جامع الاصول فی أحادیث الرسول'' میں بیان کرتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں (حفاظت کے پیش نظر) ثقیف والوں نے اپنے اس شہر کے گرد دیوار تعمیر کر دی تھی، اس لیے اس شہر کا نام ''الطائف'' (چاروں طرف سے گھرا ہوا) پڑ گیا۔[1]

رسول اللہ ﷺ کے چچا ابوطالب بیت اللہ کی حفاظت اور خدمت کا فریضہ ادا کرنے پر اپنی قوم کی مدح سرائی کرتے ہوئے ثقیف کی اس دیوار کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

حَمَيْنَا بَيْتَنَا مِنْ كُلِّ شَرٍّ كَمَا احْتَمَتْ بِطَائِفِهَا ثَقِيفُ

أَتَاهُمْ مَّعْشَرٌ كَيْ يَسْلِبُوهُمْ فَحَلَّتْ دُونَ ذَالِكُمُ السُّيُوفُ

''ہم نے اپنے گھر (کعبۃ اللہ) کو ہر برائی سے بچایا جس طرح ثقیف نے اپنے شہر کو طائف (چار دیواری) کے ذریعے محفوظ کیا۔ انھیں لوٹنے کے لیے ایک جماعت آئی مگر اس دیوار نے انھیں اسی طرح بچایا جس طرح تمھاری تلواروں نے کعبۃ اللہ کی حفاظت کی (یا ان کی دیوار تلواروں کی طرح دشمن کے لیے رکاوٹ بن گئی اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے)۔''

2 علامہ البکری الاندلسی نے اپنی کتاب ''معجم ما استعجم'' میں بیان کیا ہے کہ بنو عامر جو نجد کے رہائشی تھے، پہلے پہل انھوں نے طائف پر قبضہ جمالیا۔ وہ موسم گرما طائف میں گزارتے کیونکہ گرمیوں میں طائف کا مسحور کن موسم اور رس بھرے پھلوں کی بہتات انھیں کسی اور طرف جانے ہی نہ دیتی تھی۔ لیکن جب موسم سرما شروع ہوتا تو اپنے اصل علاقے نجد روانہ ہو جاتے جو وسیع و عریض چراگاہوں کی وجہ سے انھیں بڑا محبوب تھا۔ اس طرح بنو عامر سارا سال خوب نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے۔ ثقیف کے لوگوں نے طائف کی زرخیز زمین اور خوشگوار موسم کی وجہ سے طائف منتقل ہونا چاہا مگر بنو عامر کی رضامندی کے بغیر ایسا ممکن نہ تھا، اس لیے انھوں نے کمال ہنرمندی سے بنو عامر کو رام کرنے کے لیے ایک پیش کش کی جو بنو عامر نے قبول کر لی۔ ثقیف کے لوگوں نے بنو عامر سے کہا: طائف کی زمین کھیتی باڑی اور پھل دار درختوں کی کاشت کے لیے بڑی موزوں ہے۔ موسم سرما میں تم اپنے آبائی علاقوں کی چراگاہوں کی طرف منتقل ہو جاتے ہو تو طائف کے باغات اور کھیتی باڑی کی دیکھ بھال کے لیے کوئی نہیں رہ جاتا جس سے تمھارا خاصا نقصان ہو جاتا ہے۔ ہم کاشتکاری کے بڑے ماہر ہیں۔ اگر تم یہ علاقہ ہمارے سپرد کر دو تو ہم کھیتی باڑی کریں گے، نئے پودے کاشت کریں گے، چشموں کی

[1] جامع الأصول: 547/12. تفصیل کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلو پیڈیا (دارالسلام): 201,200/1.

کھدائی کریں گے اور تمھاری غیر موجودگی میں علاقے کو خوبصورتی سے آباد کریں گے۔ تم مزے سے اپنے آبائی علاقے میں موسم سرما گزارو اور ہم اپنی محنت سے طائف کو سرسبز و شاداب رکھیں گے۔ جب پھل پکیں گے اور فصل تیار ہوگی، ہم تمھیں اس کا نصف دیں گے۔ اس طرح تم اپنے جانوروں کی بہترین پرورش کے ساتھ ساتھ اپنے علاقے کے زرعی فوائد سے بھی بہرہ ور ہوسکو گے۔

ثقیف کی پرکشش پیش کش کو بنو عامر ٹھکرا نہ سکے۔ لہٰذا طائف کی زمین ثقیف کے حوالے کر دی اور خود نجد چلے گئے۔ جب پھلوں کی کٹائی کا موسم ہوتا، بنو عامر آتے اور اپنا حصہ وصول کر لیتے۔ اس طرح طائف کا انتظام بنو عامر اور ثقیف کے ہاتھوں چلتا رہا۔ وہ دونوں مل کر دیگر قبائل کو طائف کا رخ کرنے سے روکتے رہے۔ یہ سلسلہ ایک مدت تک چلتا رہا حتی کہ ثقیف کی تعداد خاصی زیادہ ہوگئی اور انھوں نے قلعے تعمیر کر لیے اور شہر کے گرد دیوار بنا لی جس کے ذریعے سے شہر کی حفاظت کی جاتی تھی۔

اس دیوار کی وجہ سے اس شہر کا نام الطائف پڑ گیا (یعنی چاروں طرف سے گھیرا ہوا شہر)۔ پھر جب ثقیف اپنے مضبوط قلعوں اور کثرت تعداد کی وجہ سے خوب طاقتور ہوگئے تو انھوں نے بنو عامر کے ساتھ معاہدہ توڑ ڈالا۔ بنو عامر نے اس عہد شکنی کی وجہ سے ان پر حملہ کر دیا مگر وہ ثقیف کے مضبوط قلعوں اور شہر کے گرد پختہ دیوار کی وجہ سے ان کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ عرب کے دیگر قبائل کے پاس ایسا مضبوط اور محفوظ شہر نہ تھا۔[1]

3 یہ بھی کہا جاتا ہے کہ طائف شہر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا نتیجہ ہے۔ جب آپ نے اپنی زوجہ محترمہ سیدہ ہاجرہ علیہا السلام اور اپنے لخت جگر اسماعیل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے حکم پر مکہ مکرمہ کی بے آب و گیاہ وادی میں چھوڑا تو ان کے لیے دعا کی:

﴿رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُم مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ﴾

''اے ہمارے رب! بے شک میں نے اپنی کچھ اولاد ایک بے زراعت وادی میں بسائی ہے، تیرے محترم گھر (کعبے) کے پاس، اے ہمارے رب! تاکہ وہ نماز قائم کریں، لہٰذا تو بعض لوگوں کے دل ان کی طرف مائل ہونے والے کر دے اور انھیں ہر قسم کے پھلوں سے رزق دے، تاکہ وہ (تیرا) شکر کریں۔''[2]

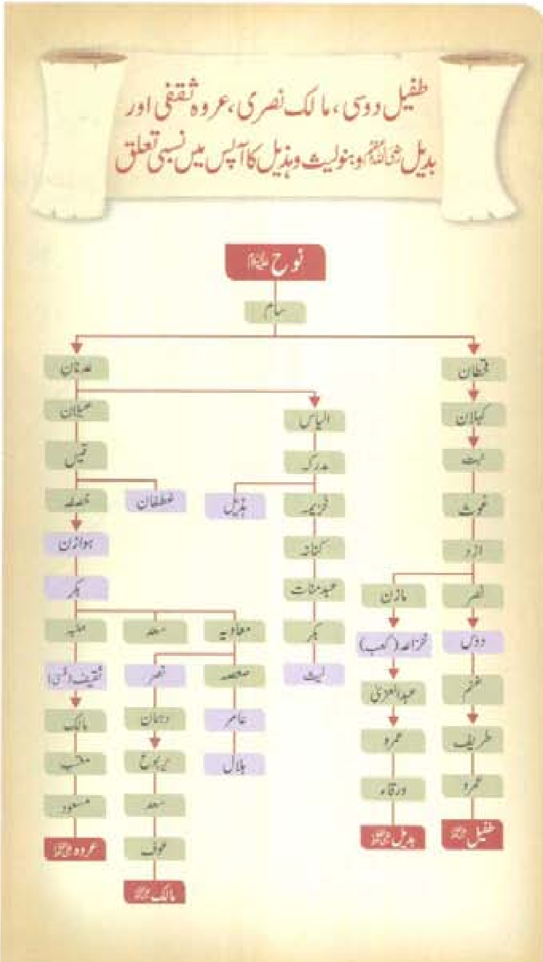
اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ دعا قبول فرمائی اور جبریل علیہ السلام کو حکم ہوا کہ وہ ملک شام کے باغات اور لہلہاتے کھیتوں

[1] معجم ما استعجم: 1/77،78. [2] إبراھیم 14:37.



میں سے ایک خوبصورت ٹکڑا مکہ کے قریب پہنچا دیں۔ لہٰذا انھوں نے ملک شام سے چشموں، انگوروں اور اناروں سے لدے ہوئے درختوں سمیت سرسبز و شاداب قطعے کو زمین سے اکھاڑا اور موجودہ طائف والی جگہوں پر لاکر نصب کر دیا۔ یہاں نصب کرنے سے پہلے اس ٹکڑے کو بیت اللہ کا طواف کرایا، لہٰذا اس نئے علاقے کا نام الطائف پڑ گیا۔

طائف میں ہر وہ پھل پیدا ہوتا ہے جو اس کے اصلی علاقے شام میں پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً: زیتون، انار، انگور وغیرہ۔ دونوں علاقوں کے پھل حیرت انگیز حد تک شکل وصورت، ذائقے اور مٹھاس میں مماثلت رکھتے ہیں۔[1]



غزوۂ طائف: تاریخ اور سبب

ہوازن کے مختلف قبائل حنین میں ذلت آمیز شکست کا ٹیکہ اپنی پیشانیوں پر سجائے مختلف پہاڑوں اور وادیوں میں جا چھپے تھے۔ فرار ہوتے وقت اپنے بیوی بچوں کو بھی مسلمانوں کا مالِ غنیمت بننے کے لیے چھوڑ گئے تھے۔ یقیناً ایسی رسوائی اور مصیبت ہوازن نے اس سے پہلے نہ دیکھی تھی۔

ہوازن کا نوجوان لیڈر مالک بن عوف بھاگ کر طائف کے قلعے میں چھپ گیا تھا۔ ثقیف کے اکثر لوگ بھی اپنے قلعوں میں پناہ گزین ہو گئے

[1] فتح الباري: 55/8، شرح الزرقاني: 5،4/4، وکی پیڈیا۔

تھے۔ انھوں نے اپنے مضبوط قلعوں کے اندر اشیائے خور و نوش کو جمع کر لیا اور طویل جنگ کے لیے بھرپور تیاری کر کے بیٹھ گئے۔
رسول اللہ ﷺ نے انھی مفرور قبائل کی بیخ کنی کے لیے شوال 8 ھ میں ان کا پیچھا کرنے کا فیصلہ فرمایا تاکہ آئندہ کبھی انھیں اسلام کے خلاف جمع ہونے کی جرأت نہ ہو۔ اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنا بھول جائیں۔ نبی کریم ﷺ نے گھڑ سوار دستے کی قیادت سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے سپرد کی۔ راستے کے ماہرین کو ہمراہ لیا اور اسلامی لشکر کو لے کر طائف روانہ ہو گئے۔ راستے میں آنے والے قبائل کو عبرت ناک سبق سکھاتے ہوئے اسلامی لشکر طائف پہنچا تو ثقیف قلعہ بند ہو چکے تھے۔[1]

ذوالکفین کی بربادی

قبیلہ دوس نے اپنے نامور سردار اور شاعر عمرو بن حممہ کا بت بنا رکھا تھا اور اس کی باقاعدہ پوجا کی جاتی تھی۔
مؤرخین لکھتے ہیں کہ عمرو بن حممہ نے 390 سال کی طویل عمر پائی۔ وہ حکمت و دانائی میں ضرب المثل تھا۔
فتح مکہ کے موقع پر سیدنا طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ نے خدمت نبوی میں حاضر ہو کر اس جھوٹے معبود کی بربادی کی اجازت چاہی تو رسول اکرم ﷺ نے انھیں ذوالکفین کی بربادی کے لیے روانہ فرمایا۔


قبیلہ دوس کی شاخ بنی فہم کا علاقہ (جبال السروات)


جبال حجاز میں بنی مالک کے قلعہ کے آثار

آپ ﷺ نے انھیں یہ ہدایات دیں کہ ذوالکفین کی تباہی کے بعد اپنی قوم کے بہادر جوانوں کو اپنے ساتھ لے کر طائف آ جانا۔ اس موقع پر سیدنا طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے خصوصی نصیحت کرنے کی التجا کی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَفْشِ السَّلَامَ وَابْذُلِ الطَّعَامَ وَاسْتَحْيِ مِنَ اللّٰهِ كَمَا يَسْتَحْيِي الرَّجُلُ ذُو الْهَيْئَةِ مِنْ أَهْلِهِ، إِذَا أَسَأْتَ فَأَحْسِنْ، إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ، ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذَّاكِرِينَ»

[1] السيرة لابن إسحاق: 571/2، فتح الباري: 55/8.

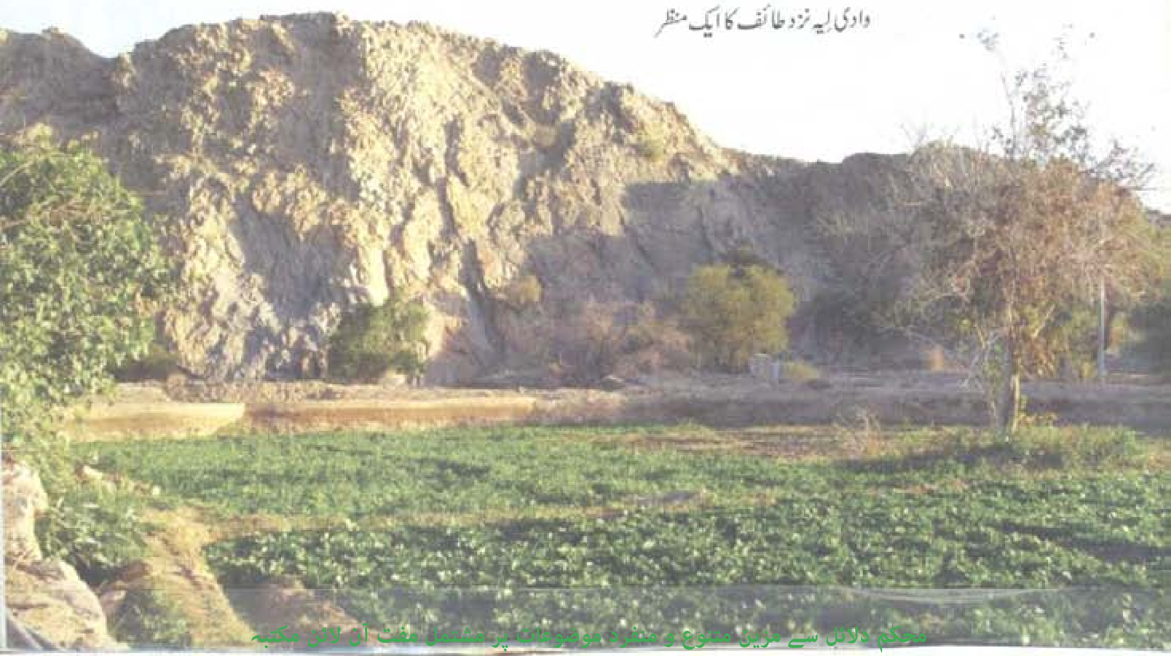
''سلام کو عام کرو، (بھوکوں کو) کھانا کھلاؤ اور اللہ تعالیٰ سے حیا کرو جیسے صاحب مقام و مرتبہ اپنے اہل و عیال سے حیا کرتا ہے (کہ وہ اس کے کسی عیب پر مطلع ہوں)۔ جب تم سے برائی سرزد ہو جائے تو نیکی کرو، بلاشبہ نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔ یہ نصیحت ہے نصیحت پکڑنے والوں کے لیے۔''[1]

طائف کی طرف روانگی

رسول اللہ ﷺ غزوۂ حنین سے فارغ ہوئے تو مالِ غنیمت کو جعرانہ میں جمع کرنے کا حکم دیا۔ سیدنا بدیل بن ورقاء رضی اللہ عنہ کو نگران مقرر کیا اور خود لشکر اسلام کی قیادت کرتے ہوئے طائف روانہ ہو گئے جہاں حنین کے بھگوڑے مشرکین نے پناہ لے لی تھی۔ آپ ﷺ نے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک ہزار گھڑ سواروں پر مشتمل ہراول دستہ آگے روانہ کیا۔ اور خود اسلامی لشکر کو لے کر وادی نخلہ سے گزرے۔ اس وادی کا موجودہ نام ''الیمانیة'' ہے۔ پھر آپ وادی قرن سے ہوتے ہوئے لیہ پہنچے اور وہاں ایک مسجد تعمیر کی۔ آپ نے اپنے دستِ مبارک سے اس کی تعمیر شروع کی اور صحابہ کرام پتھر لا کر آپ کو پیش کرتے رہے۔ مسجد کی تکمیل کے بعد آپ ﷺ نے اس میں نماز ادا کی۔ اس سفر میں آپ نے متعدد گائیڈ مقرر کیے جو لشکر اسلام کی طائف تک پہنچانے میں راہنمائی کرتے رہے۔[2]

[1] المعجم الكبير للطبراني، حديث: 7822، مسند البزار، حديث: 2642، المغازي للواقدي: 329/2. [2] السيرة لابن إسحاق: 574/2، المغازي للواقدي: 330/2، فتح الباري: 55/8.

وادی لیہ نزد طائف کا ایک منظر



مالک بن عوف کے قلعے کی تباہی

رسول اللہ ﷺ نے لیہ میں ایک مضبوط محل نما قلعہ دیکھا تو دریافت کیا: ''یہ محل کس کا ہے؟'' صحابہ نے عرض کیا کہ یہ مالک بن عوف نصری کا قلعہ ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ ''مالک کہاں ہے؟'' عرض کیا گیا کہ وہ طائف کے قلعے میں چھپا بیٹھا ہے اور آپ کی آمد کا منتظر ہے۔ آپ نے پھر پوچھا کہ ''محل میں کون کون ہے؟'' عرض کی گئی: سب فرار ہو چکے ہیں اور محل اس وقت خالی ہے۔ آپ نے حکم دیا کہ ''یہ محل نما قلعہ جلا دیا جائے۔'' لہٰذا اسلامی لشکر نے تعمیلِ حکم کرتے ہوئے عصر سے مغرب تک قلعے کو راکھ کا ڈھیر بنا دیا۔

اس کے بعد پھر آپ نے سفر طائف جاری کیا تو آپ نے راستے کا نام پوچھا۔ راہبروں نے بتایا کہ اس راستے کا نام الضیقة (دشوار گزار) ہے۔ آپ نے فرمایا: ''نہیں، یہ الیسرٰی (آسان و سہل) ہے۔'' پھر آپ نُخب پہنچے اور ایک بیری کے درخت تلے قیام کیا جسے الصادرہ کہا جاتا تھا۔ یہاں ایک ثقفی شخص کا باغ تھا۔ آپ نے اسے حکم دیا کہ خود کو اسلامی لشکر کے حوالے کر دو اور باغ سے باہر آجاؤ ورنہ سخت کارروائی کے لیے تیار ہو جاؤ۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کی اس مشفقانہ پیش کش کو ٹھکرا دیا اور مقابلے کی ٹھانی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی سرکشی دیکھی تو صحابہ کو حکم دیا کہ اسے سبق سکھا دو۔ لہٰذا صحابہ کرام نے اس کے باغ کو تباہ کر دیا اور پھر اسلامی لشکر آگے بڑھ گیا۔[1]



بحرۃ الرغاء کے آثار

اسلام میں پہلا قصاص

جب رسول اللہ ﷺ طائف سے چند میل کے فاصلے پر بحرۃ الرغاء پہنچے تو بنولیث اور ہذیل قبیلے کے لوگ ایک مقدمہ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بنولیث کے ایک شخص نے ایک ہذلی شخص کو قتل کر دیا تھا۔ آپ ﷺ نے لیثی شخص کو قصاص میں قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ لہٰذا لیثی شخص کو قبیلہ ہذیل کے حوالے کر دیا گیا اور انھوں نے اپنے مقتول کے بدلے میں اسے قتل کر دیا۔ اس طرح اسلام کا یہ پہلا حکمِ قصاص نافذ ہوا۔[2]

[1] السيرة لابن هشام : 125/4، المغازي للواقدي : 330/2، السيرة لابن إسحاق : 574/2. [2] السيرة لابن إسحاق : 574/2، المغازي للواقدي : 330/2، السيرة لابن هشام : 125/4.

ثقیف کے جد اکبر ابو رغال کی قبر

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں طائف روانہ ہوئے تو راستے میں ایک قبر آئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر دیکھ کر فرمایا: ''یہ ابو رغال ثقیف کے جد اکبر کی قبر ہے۔ اور وہ قوم ثمود کا فرد تھا۔''

قوم ثمود نے اپنے نبی سیدنا صالح علیہ السلام کی نافرمانی میں حد سے تجاوز کیا اور اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ معجزے اونٹنی کو قتل کر دیا۔ اس موقع پر انھوں نے توبہ و استغفار کرنے اور اپنے نبی کی فرمانبرداری کرنے کے بجائے ان کو للکارنا شروع کر دیا اور ان سے عذاب کا مطالبہ کر ڈالا۔ قرآن مجید میں ان کی سرکشی اور انجامِ بد کا تذکرہ متعدد مقامات پر ہوا ہے۔ سورۂ اعراف میں ہے:

﴿فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوا يَا صَالِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ۝ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جَاثِمِينَ ۝﴾

''پھر انھوں نے اونٹنی کی ٹانگیں کاٹ ڈالیں اور انھوں نے اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی اور کہا: اے صالح! اگر تو رسولوں میں سے ہے تو ہم پر وہ (عذاب) لے آ جس سے تو ہمیں ڈراتا رہتا ہے۔ پھر انھیں زلزلے نے پکڑ لیا، تو وہ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل (مردہ) گرے پڑے تھے۔''[1]

اس طرح صالح علیہ السلام کی قوم اپنے کیے کی سزا پا کر دنیا سے نیست و نابود ہوگئی۔ جس وقت ثمودیوں پر زلزلے یا چیخ کا عذاب نازل ہوا، اس وقت ابو رغال حدود حرم میں مقیم تھا۔ حرم کی برکت سے وہ اس عمومی عذابِ الٰہی سے محفوظ رہا۔ لیکن جب وہ حدود حرم سے باہر نکلا تو اسے بھی عذابِ الٰہی نے گھیر لیا۔ جہاں وہ مرا تھا، وہیں اسے دفن کر دیا گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی قبر کی نشانی بتاتے ہوئے فرمایا:

«وَآيَةُ ذَالِكَ أَنَّهُ دُفِنَ مَعَهُ غُصْنٌ مِنْ ذَهَبٍ، إِنْ أَنْتُمْ نَبَشْتُمْ عَنْهُ أَصَبْتُمُوهُ مَعَهُ»

''اس کی نشانی یہ ہے کہ ابو رغال کے ساتھ سونے کی ایک چھڑی بھی دفن کی گئی تھی۔ اگر تم اس کی قبر کو کھودو گے تو تمھیں اس کے ساتھ وہ طلائی چھڑی بھی مل جائے گی۔''

یہ سنتے ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ابو رغال کی قبر کھود ڈالی اور اس میں سے سنہری چھڑی نکال لی۔[2]

[1] الأعراف 7:77، 78. [2] سنن أبي داود: 3088، دلائل النبوة للبيهقي: 6/297، تاريخ ابن كثير: 4/616.

اہلِ طائف کے حسن و جمال کے چرچے

طائف کو اللہ تعالیٰ نے قدرتی حسن و جمال سے مالا مال کیا ہے۔ سرسبز و شاداب باغات، پھلوں سے لدے درخت، خوبصورت نظارے اور خوشگوار موسم کی بدولت طائف ہمیشہ ہی سے لوگوں کا مطمح نظر رہا ہے۔ ایک طرف قدرتی حسن و جمال تو دوسری جانب نسوانی رعنائیاں کچھ لوگوں کے لیے خصوصی توجہ کا مرکز رہی ہیں۔ اسلامی لشکر رضائے الٰہی کے حصول کے لیے تاجدار مدینہ ﷺ کی قیادت میں طائف روانہ ہوا تھا۔ مگر کچھ لوگ صرف طائف کے فطری حسن و جمال پر نظر رکھے ہوئے تھے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے غزوۂ طائف کے ضمن میں سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث بیان کی ہے:

وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے تو میرے پاس ہیت نامی ہیجڑا بیٹھا تھا۔ وہ میرے بھائی عبداللہ بن ابی امیہ سے کہہ رہا تھا: اگر کل طائف فتح ہو جائے تو تم بادیہ بنت غیلان کو پکڑ لینا کیونکہ وہ ایسی خوبصورت ہے کہ آتی ہے تو اس کے پیٹ پر چار بل پڑتے ہیں۔ جاتی ہے تو آٹھ۔ اہل سیر نے اس ہیجڑے کا نام ماتع بیان کیا ہے۔ وہ رسول ﷺ کی خالہ فاختہ بنت عمرو کا غلام تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے گھروں میں اسے آنے جانے کی اجازت تھی۔ آپ ﷺ کا خیال تھا کہ یہ عورتوں کے بارے میں مردانہ خیالات سے محروم اور بے ضرر ہے، اس لیے یہ ان بچوں کے حکم میں ہے جو نابالغ ہوں اور عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے واقف نہ ہوں۔ ایک روایت میں ہے کہ ہیت سیدنا عبداللہ بن ابی امیہ کے علاوہ سیدنا خالد بن ولید سے بھی بادیہ بنت غیلان کی صفات بیان کر رہا تھا، جب رسول اللہ ﷺ نے ہیت کی یہ گفتگو سنی کہ وہ سیدنا خالد بن ولید یا عبداللہ بن ابی امیہ رضی اللہ عنہما کو بتا رہا تھا کہ اگر کل رسول اللہ ﷺ نے طائف فتح کر لیا تو تم بادیہ بنت غیلان کو ہاتھ سے نہ نکلنے دینا کیونکہ اس کا حسن و جمال بے مثال ہے، وہ ایسی فربہ اور حسین ہے کہ آتے ہوئے اس کے پیٹ پر چار چار بل پڑتے ہیں اور جاتے ہوئے آٹھ بل کھاتی گزرتی ہے، جب وہ بیٹھتی ہے تو دوہری ہو جاتی ہے، جب بات کرتی ہے تو نغمے الاپتی ہے، لیٹتی ہے تو مرد کی خواہش کرتی ہے، تو آپ نے اس کی آزادانہ نقل و حرکت پر قدغن لگا دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا أَرَى هٰذَا الْخَبِيثَ يَفْطِنُ لِمَا أَسْمَعُ لَا يَدْخُلَنَّ عَلَيْكُنَّ هٰؤُلَاءِ»

”میرا خیال نہیں تھا کہ یہ خبیث عورتوں کے متعلق یہ خیالات رکھتا ہے، خبردار! آئندہ یہ تمھارے گھروں میں داخل نہ ہوں۔“

علامہ واقدی نے ہیت اور ماتع دو الگ الگ ہیجڑے بیان کیے ہیں۔ ماتع غزوۂ طائف میں آپ کے ہمراہ تھا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ماتع کا نام مانع یا مَنَّۃ بھی لکھا ہے۔

واپسی پر رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں ہیجڑوں کی مدینہ منورہ میں داخلے پر پابندی عائد کر دی۔ آپ نے انھیں مسلمان خواتین کے پاس جانے اور خصوصاً اپنے گھرانوں میں جانے سے سختی سے منع کر دیا۔ آپ نے انھیں مدینہ کے باہر حمیٰ نامی جگہ پر منتقل کر دیا۔ پھر ایک عرصے کے بعد یہ لوگ فقر و فاقے کی شکایت لے کر آئے تو آپ نے انھیں آٹھ دن کے بعد مدینہ منورہ آنے کی اجازت دے دی کہ وہ آئیں اور اپنی ضروریات زندگی لے کر چلے جائیں۔ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں یہ جلاوطن رہے۔ آپ کی وفات کے بعد یہ واپس آگئے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو انھوں نے بھی انھیں یہ کہتے ہوئے جلاوطن کر دیا کہ تمھیں رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ سے نکالا تھا، میں تمھیں واپس آنے کی اجازت کیسے دے سکتا ہوں؟ لہٰذا انھیں واپس بھیج دیا۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد یہ پھر آگئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تمھیں جلاوطن کیا تھا، پھر بھلا میں کیسے تمھیں مدینہ منورہ میں رہنے کی اجازت دے سکتا ہوں؟ تم اس جگہ چلے جاؤ جہاں رہ رہے تھے۔ اس طرح وہ واپس اپنی جگہ چلے گئے۔ [1]

محاصرہ طائف

رسول اللہ ﷺ اپنے جاں نثاروں کے ہمراہ آگے بڑھتے رہے۔ آپ کی منزل طائف کا مضبوط قلعہ تھا جہاں لات کے پجاری ثقیف چھپے بیٹھے تھے۔ وہ لات کے دفاع کے لیے پر جوش اور اپنے عقیدے اور معبود کی حفاظت کے لیے پوری طرح تیار تھے۔ انھوں نے اپنے قلعے کی ضروری مرمت کر لی تھی۔ ایک سال تک کے لیے ضروریات زندگی بھی جمع کر لی تھیں۔ انھوں نے قلعے کے دو دروازے بنائے اور ہر طرح کے جدید و مہلک اسلحہ کے انبار لگا لیے تھے۔ عروہ بن مسعود اور غیلان بن سلمہ اس مقصد کے لیے جرش (سعودی شہر خمیس مشیط کے قریب) میں منجنیق اور دبابہ کے استعمال کی تربیت لے رہے تھے تاکہ طائف کے دفاع کے لیے یہ جدید ہتھیار استعمال کیے جا سکیں۔ اسی ٹریننگ کے حصول کی وجہ سے وہ معرکۂ حنین میں شرکت نہیں کر سکے تھے۔

رسول اللہ ﷺ طائف پہنچے تو قلعہ طائف کے سامنے کھلے میدان میں لشکر اسلام کو پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا۔ یہ جگہ جنگی حکمت عملی کے مطابق زیادہ مناسب نہ تھی۔ کیونکہ دشمن بلند قلعے میں تھا اور اوپر سے تیروں، نیزوں اور دہکتے فولادی انگاروں سے قیامت بپا کرنے کی پوری صلاحیت رکھتا تھا۔

[1] صحيح البخاري: 4324، صحيح مسلم: 2180، البداية والنهاية: 4/617، المغازي للواقدي: 2/336,337.

ابھی مسلمان اپنا سامان سواریوں سے اتار ہی رہے تھے کہ دشمن نے تیروں، نیزوں اور فولادی انگاروں کی بارش برسادی۔ بہت سے مسلمان زخمی ہوگئے۔ ایسے لگتا تھا جیسے ٹڈی دل نے ہلہ بول دیا ہو۔ دشمن کا نشانہ ٹھیک ٹھیک لگ رہا تھا۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے اسلامی معسکر کی جگہ تبدیل کرنے کی ضرورت محسوس کی۔ نیز اس موقع پر سیدنا حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہم قلعے کے بالکل قریب آگئے ہیں۔ اگر یہ حکمِ الٰہی سے ہے تو ہم سر تسلیم خم کرتے ہیں اور اگر یہ جگہ مشورے اور رائے سے منتخب ہوئی ہے تو پھر پیچھے منتقل ہوجانا ہی بہتر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا حباب رضی اللہ عنہ کی رائے کو سراہا اور انھیں حکم دیا:

«أُنْظُرْ مَكَانًا مُرْتَفِعًا مُسْتَأْخِرًا عَنِ الْقَوْمِ»

''اسلامی لشکر کے لیے بلند اور دشمن سے کچھ فاصلے پر مناسب جگہ تلاش کرو۔'' [1]

سیدنا حباب بن منذر رضی اللہ عنہ مناسب جگہ کی تلاش میں نکلے اور واپس آکر اطلاع دی کہ بستی سے باہر ایک بلند اور نہایت موزوں جگہ موجود ہے۔ لہٰذا مسجد طائف کی موجودہ جگہ پر رسول اللہ ﷺ نے اسلامی لشکر کو پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا۔

رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ آپ کی دو ازواج مطہرات سیدہ زینب اور ام سلمہ رضی اللہ عنہما بھی تھیں۔ آپ نے ان کے لیے دو خیمے نصب کرائے اور پھر مسلمانوں کو قلعے کا محاصرہ کرنے کا حکم دیا۔

ابتدائی حملے اور پہلا شہید

مشرکین کا ٹڈی دل قلعہ بند ہو کر اپنا دفاع کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کھلے میدان میں آکر اپنا زور بازو آزمانے کی جرأت ان میں نہیں تھی، اس لیے قلعے کے اوپر ہی سے مسلمانوں پر تابڑ توڑ حملے کر رہے تھے۔ سیدنا عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابومحجن کو دیکھا کہ وہ ایک جماعت کے ساتھ چوڑے اور طویل نیزے برسا رہا تھا۔ اور وہ تیروں کی طرح ٹھیک ٹھیک نشانے پر لگ رہے تھے جس سے مسلمان شدید زخمی ہو رہے تھے۔ انھی حملوں سے اسلامی لشکر کو بچانے کے لیے آپ نے اسلامی معسکر کی جگہ تبدیل کی۔ مگر دشمن اپنی کارروائیاں جاری رکھے ہوئے تھا۔ جدید اسلحے کے استعمال کے ساتھ ساتھ اپنے غلیظ جنگی حربے بھی آزما رہا تھا۔ ثقیف نے مسلمانوں کے مقابلے کے لیے اپنی ایک جادوگرنی کو برہنہ حالت میں قلعے سے باہر بھیجا لیکن وہ اللہ رب العزت پر غیر متزلزل ایمان کی قوت سے معمور مسلمانوں کا کچھ نہ بگاڑ سکی اور ناکام و نامراد لوٹ گئی۔

[1] السيرة لابن هشام: 126,125/4، المغازي للواقدي: 332,331/2، فتح الباري: 56/8.

جب اسلامی لشکر اپنے نئے معسکر میں اتر گیا تو مجاہدین اسلام نے دشمن کا مقابلہ کرنا شروع کیا۔ تیروں اور نیزوں سے انھیں جواب دیا گیا۔ پھر پیش قدمی کرتے ہوئے آگے بڑھے۔ سیدنا یزید بن زمعہ رضی اللہ عنہ نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور آگے نکل کر ثقیف کو آواز دی کہ مجھے امان دو، میں تم سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ ثقفی مشرکین نے انھیں پناہ دے دی مگر پھر دھوکے سے انھیں تیر مار کر شہید کر دیا۔ یہ غداری معروف شاعر امیہ بن ابی الصلت کے بھائی ہذیل بن ابی الصلت نے کی تھی۔ عربوں کے ہاں نسل در نسل امان دینے اور اس کی پاسداری کا رواج چلا آرہا تھا۔ امان دینے والے شخص کا قبیلہ اپنی جانوں پر کھیل کر اس اصول اور عہد کو نبھاتا تھا۔ مگر ہذیل نے صدیوں سے رائج اس اصول کی خلاف ورزی کی اور اپنی بدبختی کو آواز دی۔ اللہ تعالیٰ نے اس غدار کو بہت تھوڑی مہلت دی اور یہ اپنے انجامِ بد کو پہنچ گیا۔

ہذیل بن ابی الصلت قضائے حاجت کے لیے چپکے سے قلعے سے باہر آیا۔ اس کا خیال تھا کہ کسی مسلمان کو اس کی خبر نہیں ہوگی اور وہ قضائے حاجت کے بعد واپس قلعے میں چلا جائے گا۔ مگر اس کی عمر کی گھڑیاں گنی جا چکی تھیں۔ سیدنا یزید بن زمعہ کے بھائی سیدنا یعقوب بن زمعہ رضی اللہ عنہ اس کی تاک میں بیٹھے تھے۔ ہذیل جیسے ہی قلعے سے باہر آیا تو انھوں نے ہذیل کو دبوچ لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ پھر عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہ میرے بھائی کا قاتل ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس کی گردن اڑا دو۔ سیدنا یعقوب رضی اللہ عنہ نے پلک جھپکتے ہی اس غدار کو واصل جہنم کر دیا۔

منجنیق استعمال کرنے کا مشورہ

دونوں طرف سے تیروں اور نیزوں سے شدید حملے جاری رہے مگر کوئی فیصلہ کن نتیجہ سامنے نہیں آرہا تھا۔ لہٰذا آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ طلب کیا۔ سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور عرض کیا:

آپ منجنیق نصب کروائیں اور اس سے مشرکین پر حملہ آور ہوں۔ کیونکہ ہم فارسی لوگ قلعوں کو فتح کرنے کے لیے منجنیق ہی کا استعمال کیا کرتے تھے۔ ہمارے دشمن بھی ہم پر منجنیق سے حملہ آور ہوتے تھے۔ اس طرح کبھی انھیں اور کبھی ہمیں فتح نصیب ہوتی تھی۔ اگر قلعوں کو فتح کرنے کے لیے منجنیق کا استعمال نہ کریں تو پھر محاصرہ طول پکڑ جاتا ہے۔ اس مشورے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منجنیق منگوائی اور اسے اپنے دست مبارک سے نصب کیا۔ یہ منجنیق اور دو عدد دبابہ جرش سے یزید بن زمعہ یا خالد بن سعید رضی اللہ عنہما ساتھ لے کر آئے تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سیدنا طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ لے کر آئے تھے۔ اسلامی لشکر نے منجنیق سے قلعے پر تابڑ توڑ حملے کیے مگر اسے خاطر خواہ کامیابی نہ مل سکی۔ اس

طرح مشرکین ثقیف اپنے قلعے میں محفوظ بیٹھے مسلمانوں پر تیر اندازی کے جوہر دکھاتے رہے۔ اہل ثقیف ماہر تیر انداز تھے اور نشانہ بازی میں پورے عرب میں معروف تھے۔[1]

مجاہدین کی فدائی کارروائی

رسول اللہ ﷺ نے ایک اور جنگی تدبیر اختیار کی کہ طائف کے قلعے کے گرد کانٹے دار لوہے کے ٹکڑے بکھیرنے کا حکم دیا۔ گویا یہ اس دور کی بارودی سرنگیں تھیں۔ تاکہ قلعے سے نکل کر حملہ آور ہونے والوں کی نقل و حرکت کو روکا جا سکے۔ یہ کانٹے سواریوں کے پاؤں اور پیدل چلنے والوں کے قدموں میں چبھ کر انھیں حرکت سے روکتے تھے۔

اس کے بعد گائے کے چمڑے سے تیار شدہ دبابہ کے نیچے چھپ کر مسلمان قلعہ پر فدائی حملے کے لیے روانہ ہوئے۔ دبابہ آج کے ٹینک یا بکتر بند گاڑی کی ابتدائی شکل ہوسکتی ہے۔ مسلمان اس کے نیچے چھپ کر حملہ آور ہوئے تاکہ قلعے کی دیوار میں سوراخ کر کے اپنے لیے اندر جانے کا راستہ بنائیں۔ مجاہدین آہستہ آہستہ قلعے کی دیوار کی طرف بڑھے۔ مگر دشمن ہر دم چوکس تھا۔ انھوں نے لوہے کے انگاروں کی بارش کر دی جس سے دبابہ کا چمڑا جل اٹھا اور مسلمان اس کے نیچے سے نکل کر دشمن کے سامنے کھلے میدان میں آنے پر مجبور ہوگئے۔ اب ثقفی تیر اندازوں کے لیے مسلمانوں کو نشانے پر لینا آسان ہوگیا تھا۔ لہٰذا انھوں نے متعدد مجاہدین شہید اور کئی ایک کو شدید زخمی کر دیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ کو شدید صدمہ ہوا۔ آپ نے ان بزدلوں کو قلعے سے نکالنے کے لیے ایک اور حربی تدبیر چلی۔ آپ نے مجاہدین کو حکم دیا کہ ثقیف والوں کے باغات کاٹ ڈالو۔ آپ نے ہر مجاہد کو پانچ پانچ انگور کی بیلیں کاٹنے کا حکم دیا۔ اپنی برسوں کی محنت کو ضائع ہوتے ہوئے دیکھ کر مشرکین کی جان نکل گئی۔ جبکہ مسلمان پورے زور و شور سے فصلیں تباہ کر رہے تھے اور درخت کاٹ کاٹ کر دشمنوں کے سینوں میں آگ جھونک رہے تھے۔ یہ خوفناک منظر دیکھ کر رؤسائے ثقیف رحم کی اپیلیں کرنے لگے۔

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے سفیان بن عبداللہ ثقفی کو بآواز بلند کہا: اللہ کی قسم! اے سفیان! ہم تیری نسل کا رزق ختم کر دیں گے۔ سفیان بولا: درخت کاٹ ڈالو گے تو کیا ہوگا، طائف کی مٹی اور پانی تو ساتھ نہیں لے جاؤ گے۔ ہم دوبارہ کاشت کر لیں گے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجاہدین ہر قسم کے

---

[1] السيرة لابن هشام : 126/4، المغازي للواقدي : 332/2، فتح الباري : 56/8، موسوعة الغزوات الكبرى لباشميل: 1647,1646/2.

درخت کاٹ رہے ہیں۔ پھل دار اور پھلوں سے خالی سبھی تباہ ہو رہے ہیں۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے حکم دیا کہ ''جو درخت پھل سے خالی ہو چکے ہیں، صرف وہی کاٹو۔''

اس دوران سفیان ثقفی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں رحم کی اپیل کر دی اور عرض کی: اگر آپ ہم پر فتح پائیں تو یہ باغات آپ کے ہو جائیں گے یا پھر آپ انھیں اللہ اور رشتہ داری کی خاطر سلامت چھوڑ دیں، اس طرح برباد تو نہ کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی اپیل قبول کرتے ہوئے فرمایا:

«فَإِنِّي أَدَعُهَا لِلّٰهِ وَلِلرَّحِمِ»

''میں یہ باغات اللہ کی اور تمھاری رشتہ داری کی خاطر چھوڑتا ہوں۔''[1]

خاندانی عزت و شرف کی حفاظت

رؤسائے قریش کے ثقیف کے سرداروں کے ساتھ گہرے خاندانی روابط تھے جیسا کہ ہم غزوۂ حنین کے شروع میں تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے طائف کا محاصرہ کیا تو رئیسِ قریش ابوسفیان بن حرب کو اپنی خاندانی عزت و شرف کی حفاظت کی فکر دامن گیر ہوئی۔ کیونکہ اہل مکہ کی متعدد صاحبزادیاں اہل ثقیف کے عقد میں تھیں۔ خدشہ یہ تھا کہ اہل طائف کو شکست ہوئی تو یہ خواتین بھی لونڈیاں بنالی جائیں گی اور خاندانی شرف خاک میں مل جائے گا۔ ان خواتین میں آمنہ بنت ابوسفیان بھی تھیں جو عروہ بن مسعود کے عقد میں تھیں۔ ان سے اس کا ایک بیٹا داود بن عروہ بھی تھا۔

دوسری خاتون فراسیہ بنت سوید بن عمرو بن ثعلبہ تھیں۔ یہ قارب بن اسود کے نکاح میں تھیں۔ ان سے ایک بیٹا عبدالرحمان بن قارب پیدا ہوا۔ تیسری خاتون فقیمیہ امیمہ بنت ناسی امیہ بن قلع تھیں۔ ان خواتین کے معاملے کو حل کرنے کے لیے ابوسفیان بن حرب اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما نے ثقیف سے بات چیت کرنے کا پروگرام بنایا۔ چنانچہ دونوں ثقیف کے پاس آئے اور امان طلب کی تاکہ گفتگو کی جا سکے۔ ثقیف والوں نے انھیں امان دے دی۔ انھوں نے قریشی عورتوں کو طلب کیا اور اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دی۔ ان خواتین نے اپنے خاندان چھوڑ کر ابوسفیان اور مغیرہ بن شعبہ کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ خواتین کے اس رویے سے دونوں کو مایوسی ہوئی۔ وہ واپس جانے لگے تو اسود بن مسعود کے بیٹے کہنے لگے: اے ابوسفیان اور مغیرہ بن شعبہ! تم جس مقصد کے لیے آئے تھے، کیا ہم تمھیں اس سے بھی بہتر چیز بتائیں؟ بنو اسود کے باغات کا تمھیں علم ہے۔ پورے طائف میں ایسے شاندار باغات کسی کے

[1] المغازي للواقدي :2/333، السيرة لابن هشام :4/126.

پاس نہیں۔ یہ پھلوں سے لدے سرسبز و شاداب ہیں۔ اگر اسلامی لشکر نے انھیں برباد کر دیا تو دوبارہ انھیں آباد کرنا ممکن نہیں ہوگا۔ لہٰذا تم محمد ﷺ سے بات کرو۔ یا تو یہ باغات اپنے لیے رکھ لیں یا اللہ اور رشتہ داری کی خاطر صحیح سلامت چھوڑ دیں۔ یقیناً ہماری ان سے رشتہ داری کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں ہے۔ بنو اسود کی اس اپیل کا تذکرہ رسول اللہ ﷺ سے کیا گیا تو آپ نے ان مشرکوں سے رشتہ داری کی خاطر اور اللہ کی رضا کے لیے باغات چھوڑ دیے۔[1]

رسول اللہ ﷺ کا خواب

محاصرہ طائف کے دوران رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو طلب کیا اور فرمایا:

«يَا أَبَا بَكْرٍ! إِنِّي رَأَيْتُ أَنِّي أُهْدِيَتْ لِي قَعْبَةٌ مَمْلُوءَةٌ زُبْدًا، فَنَقَرَهَا دِيكٌ فَهَرَاقَ مَا فِيهَا»

”اے ابوبکر! میں نے خواب میں دیکھا کہ مجھے مکھن سے بھرا ہوا پیالہ پیش کیا گیا۔ اسے ایک مرغ نے ٹھونگ مار کر گرا دیا اور سارا مکھن ضائع کر دیا۔“

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میرے خیال میں اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ ہم آج فتح یاب نہ ہو سکیں گے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تصدیق فرماتے ہوئے کہا:

«وَأَنَا لَا أَرَى ذَالِكَ»

”میرا بھی یہی خیال ہے کہ ہم کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔“[2]

خصوصی انعامات کا اعلان

محاصرۂ طائف کے دوران رسول اللہ ﷺ نے مجاہدین کی حوصلہ افزائی کے لیے خصوصی انعامات کا اعلان کرایا۔ سیدنا عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے طائف کا محاصرہ کیا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

«مَنْ بَلَغَ بِسَهْمٍ فَلَهُ دَرَجَةٌ فِي الْجَنَّةِ»

”جس نے (اللہ کی راہ میں) تیر چلایا، اس کے لیے جنت میں ایک درجہ ہوگا۔“

میں نے اس روز سولہ تیر چلائے۔ میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے بھی سنا:

---

[1] السيرة لابن هشام: 127/4، المغازي للواقدي: 336/2، السيرة لابن إسحاق: 576/4. [2] السيرة لابن إسحاق: 576/2، البداية والنهاية: 619/4، السيرة لابن هشام: 127/4.

«مَنْ رَمٰى بِسَهْمٍ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَهُوَ عِدْلُ مُحَرَّرٍ، وَمَنْ شَابَ شَيْبَةً فِي سَبِيلِ اللّٰهِ كَانَتْ لَهُ نُورًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَ أَيُّمَا رَجُلٍ أَعْتَقَ رَجُلًا مُسْلِمًا فَإِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَ جَلَّ جَاعِلٌ كُلَّ عَظْمٍ مِّنْ عِظَامِهِ وِقَاءً كُلَّ عَظْمٍ بِعَظْمٍ، وَ أَيُّمَا امْرَأَةٍ مُسْلِمَةٍ أَعْتَقَتِ امْرَأَةً مُسْلِمَةً فَإِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ جَاعِلٌ كُلَّ عَظْمٍ مِّنْ عِظَامِهَا وِقَاءً كُلَّ عَظْمٍ مِّنْ عِظَامِهَا مِنَ النَّارِ»

''جس نے اللہ کی راہ میں تیر چلایا تو وہ ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ہے۔ جو شخص اللہ کی راہ میں بوڑھا ہوگیا تو (اس کے بالوں کی سفیدی) قیامت کے روز اس کے لیے نور بن جائے گی۔ جس کسی مرد یا عورت نے کسی مسلمان مرد یا عورت کو آزاد کیا تو اللہ تعالیٰ اس کی ہر ہر ہڈی کو آزاد کر دے گا۔ آزاد ہونے والے کی ہر ہڈی کے بدلے ایک ہڈی جہنم سے آزاد کر دے گا۔'' [1]

قلعے سے اتر کر اسلامی لشکر میں شامل ہونے والے غلام

رسول اللہ ﷺ نے محاصرے کے دوران یہ اعلان بھی کرایا:

«أَيُّمَا عَبْدٍ نَزَلَ مِنَ الْحِصْنِ وَ خَرَجَ إِلَيْنَا فَهُوَ حُرٌّ»

''جو غلام قلعے سے اتر کر ہمارے پاس آجائے، وہ آزاد ہوگا۔''

آپ کے اس اعلان کے بعد تقریباً بیس غلام قلعے سے نکل کر مسلمانوں سے آملے۔ آپ نے انھیں آزادی عطا فرمادی۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے غزوۂ طائف کے بیان میں ان غلاموں کی تعداد 23 بیان کی ہے۔ جناب ابوعثمان بیان کرتے ہیں: میں نے سیدنا سعد اور ابوبکرہ رضی اللہ عنہما سے سنا۔ سیدنا سعد وہ ہیں جنھوں نے سب سے پہلے اللہ کی راہ میں تیر چلایا اور ابوبکرہ چند لوگوں کے ہمراہ طائف کے قلعے کو پھلانگ کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔

یہ دونوں صحابی بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: «مَنِ ادَّعٰى إِلٰى غَيْرِ أَبِيهِ وَهُوَ يَعْلَمُ فَالْجَنَّةُ عَلَيْهِ حَرَامٌ» ''جس نے جانتے ہوئے اپنی نسبت اپنے باپ کے علاوہ کسی اور شخص کی طرف کی تو اس پر جنت حرام ہے۔''

ابوعثمان کے شاگرد عاصم فرماتے ہیں: جن دو ہستیوں نے یہ گواہی دی ہے، وہ آپ کے لیے کافی ہیں۔ انھوں نے فرمایا: جی ہاں، ان میں سے ایک وہ ہے جس نے سب سے پہلے اللہ کی راہ میں تیر چلایا، جبکہ دوسرا طائف کے

[1] السيرة لابن هشام: 660/3، سنن أبي داود: 3965، جامع الترمذي: 1638.

قلعے سے اتر کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پہنچنے والا تیئیس میں سے تیئیسواں تھا۔[1]

اس روز قلعے سے اتر کر اسلامی لشکر میں شامل ہونے والوں کے نام یہ ہیں:

1 ابوبکرہ نفیع بن مسروح۔ بکرہ: چرخی کو کہتے ہیں۔ یہ ایک چرخی کے ذریعے قلعے سے اترے تھے، اس لیے ان کی کنیت ابوبکرہ پڑ گئی اور وہ اسی سے مشہور ہو گئے۔ یہ حارث بن کلدہ کے غلام تھے۔

2 منبعث۔ اس کا نام مضطجع (پہلو کے بل لیٹا ہوا) تھا، آپ نے اسے تبدیل کر کے منبعث (اٹھا ہوا) رکھ دیا۔ یہ عثمان بن عمار بن معتب کے غلام تھے۔

3 ازرق بن عقبہ بن ازرق۔ یہ کلدہ ثقفی کے غلام تھے۔ انھوں نے بنی امیہ کو اپنا حلیف بنایا اور ان کے ساتھ تعلقات بنا لیے۔ ان کے ساتھ رشتہ داریاں بھی کر لیں۔

4 وردان۔ یہ عبداللہ بن ربیعہ ثقفی کے غلام تھے۔

5 یُحَنَّس النبال۔ یہ یسار بن مالک کے غلام تھے۔ بعد ازاں ان کے مالک بھی مسلمان ہو گئے تو نبی اکرم ﷺ نے ان کی ولاء[2] ان کے سابقہ مالک کو عطا کر دی۔

6 ابراہیم بن جابر۔ یہ خرشہ ثقفی کے غلام تھے۔

7 یسار۔ عثمان بن عبداللہ کا غلام تھا۔

8 نافع ابوالسائب۔ یہ غیلان بن سلمہ کے غلام تھے۔ بعد میں غیلان مسلمان ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے نافع کی ولاء کا حق انھیں لوٹا دیا۔

9 مرزوق۔ یہ بھی عثمان کے غلام تھے۔

ان تمام غلاموں کو رسول اللہ ﷺ نے آزاد فرما دیا اور ان سب کو ایک ایک صحابی کے حوالے کیا تاکہ وہ ان کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کریں۔ چنانچہ ابوبکرہ کو سیدنا عمرو بن سعید بن عاص، ازرق کو سیدنا خالد بن سعید، وردان کو ابان بن سعید، یحنس النبال کو سیدنا عثمان بن عفان، یسار کو سیدنا سعد بن عبادہ، ابراہیم بن جابر کو سیدنا اسید بن حضیر کے حوالے کیا۔ اور انھیں حکم دیا کہ انھیں قرآن مجید پڑھاؤ اور سنت نبوی کی تعلیم دو۔

جب قبیلہ ثقیف بعد ازاں مسلمان ہوا تو ثقیف کے سرداروں نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے غلاموں کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کا مطالبہ یہ فرماتے ہوئے رد کر دیا: «أُولٰئِكَ عُتَقَاءُ اللّٰهِ لَا سَبِيلَ إِلَيْهِمْ» ''وہ

---

[1] صحیح البخاري: 4327,4326. [2] علم وراثت کی اصطلاح میں ولاء اس رشتے کو کہتے ہیں جو آزاد کرنے والے مالک اور غلام کے درمیان ہوتا ہے۔ اگر غلام آزادی حاصل کرنے کے بعد فوت ہو جائے اور اس کی کوئی اولاد نہ ہو تو مالک اس کا وارث بنتا ہے۔

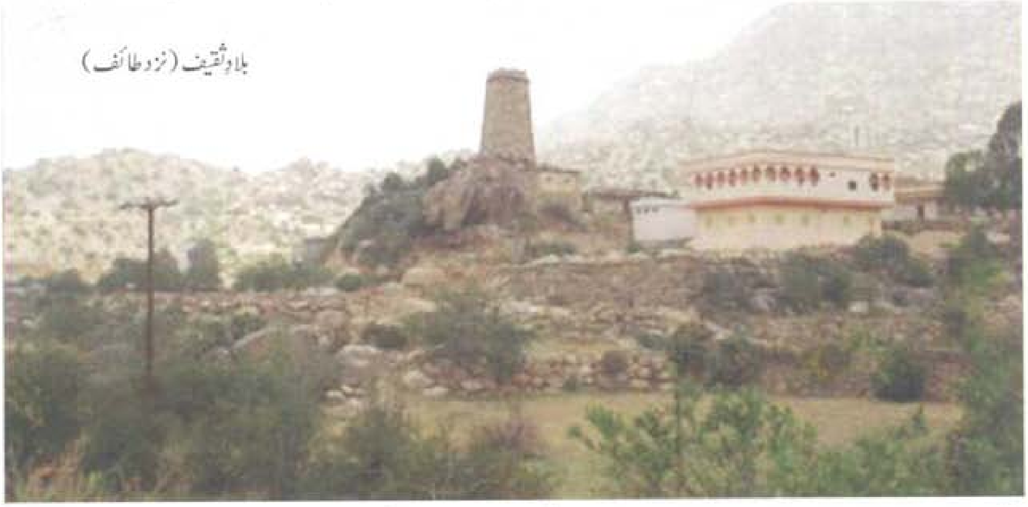
اللہ تعالیٰ کے آزاد کردہ ہیں، ان کی واپسی ممکن نہیں۔''

یہ فرمان نبوی اہلِ طائف پر بجلی بن کر گرا۔ انھیں اپنے غلاموں پر شدید غصہ آیا۔ مگر اب وہ کچھ کر نہیں سکتے تھے، اس لیے بالآخر خاموش ہو گئے۔ [1]

عیینہ بن حصن: احمق مخدوم کی غداری

جب کوئی شخص اسلام کی حقانیت کو صدق دل سے تسلیم کر کے دائرہ اسلام میں داخل ہوتا ہے تو اسلام اس کے

بلادِ ثقیف (نزد طائف)



یقین ہوتا ہے کہ ان سب کے بدلے اسے رضائے الٰہی اور رحمت ربانی ملنے والی ہے۔ جنت اس کا ٹھکانا ہوگا اور خوشیوں سے مالا مال زندگی اس کا مقدر ہوگی۔ لیکن جب کوئی شخص لالچ، ہوس یا اسلامی دبدبے سے خوفزدہ ہو کر صرف زبانی کلامی مسلمان ہوتا ہے تو وہ بظاہر مسلمان ہونے کے باوجود کفر و نفاق ہی میں ٹکریں مارتا رہتا ہے۔ اس کا ہر ہر عمل اس کے ایمان کی نفی کرتا دکھائی دیتا ہے کیونکہ اس کا مقصود آخرت اور رضائے الٰہی کی بجائے صرف حصول دنیا ہوتا ہے۔ کچھ ایسی ہی بدنصیبی، ذلت و رسوائی اور خفت و ندامت غطفان کے سردار اور جنگجو قائد عیینہ بن حصن کے حصے میں آئی۔ مؤرخین نے اسے ''احمق مخدوم'' کا لقب دیا ہے۔ اس نے اسلام کے خلاف یہودیوں کی تمام معرکہ آرائیوں میں یہودیوں کا ساتھ دیا۔ جب یہودی بری طرح پٹ گئے اور ان کی شان و شوکت خاک میں مل گئی تو یہ مجبوراً مسلمان ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ کی قربت میں آ گیا۔

رسول اللہ ﷺ نے اس کے خاندانی پس منظر کو مدنظر رکھتے ہوئے اسے سرداری عطا کی۔ اور فتح مکہ والے دن

[1] المغازي للواقدي: 335/2، الإصابة: 687/1، البداية والنهاية: 617,616/4.

یہ رسول اللہ ﷺ کے دائیں جانب اپنی قوم کی قیادت کر رہا تھا۔ غزوۂ حنین کی غنیمت میں سے اسے سو اونٹ عطا کیے گئے تا کہ اس کا دل اسلام کی طرف مزید مائل ہو۔ مگر اس کا لالچ اور ہوس ختم ہونے کو نہ آتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ طائف روانہ ہوئے تو یہ بھی اپنی چھپی خواہشات کی تکمیل کے لیے ساتھ ہولیا۔ بظاہر مسلمانوں کے ساتھ تھا مگر اس کی قلبی ہمدردیاں کافروں کے ساتھ تھیں۔ غنیمت کا لالچ بھی تھا مگر کافروں کی شکست بھی اسے دکھی کیے دیتی تھی۔

آیئے اس کی غداری اور بدکرداری کی کچھ تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

عیینہ محاصرۂ طائف کے دوران رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے اجازت دیجیے، میں ثقیف سے بات چیت کرتا ہوں، ممکن ہے اللہ تعالیٰ انھیں ہدایت سے نواز دے اور وہ مسلمان ہو جائیں۔ رسول اللہ ﷺ صلح جوئی کو بے حد پسند کرتے تھے۔ آپ نے بخوشی عیینہ کو مذاکرات کی اجازت دے دی۔ عیینہ آپ کی خدمت سے اٹھا اور ثقیف کے پاس جا پہنچا۔ ان سے امان طلب کی تو انھوں نے امان دے دی۔ ابومحجن نے اسے پہچان لیا اور اسے اپنے ساتھ قلعہ کے اندر لے گیا۔ عیینہ اپنے دوستوں کے درمیان پہنچا تو اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکا اور دل کی باتیں خوب سنائیں۔ کہنے لگا: اے ثقیف والو! میرے ماں باپ تم پر قربان، اللہ کی قسم! تم نے محمد کا خوب ڈٹ کر مقابلہ کیا ہے۔ عرب میں کوئی قبیلہ ایسا منہ توڑ جواب دے ہی نہیں سکا۔ آج تک محمد کا پالا تم جیسے جوانمردوں سے نہیں پڑا۔ اللہ کی قسم! ہماری حالت غلاموں سے بھی بدتر ہے۔ اگر تمھاری جنگ ہوئی تو یقیناً عزت و شرف تمھارا مقدر ہے۔ ڈٹے رہو، تمھارا قلعہ نہایت مضبوط ہے۔ تمھارے پاس اسلحے کی فراوانی ہے، اور پانی کے چشمے جاری ہیں، پھر تمھیں کس چیز کا ڈر ہے۔ محمد (ﷺ) اور اس کا لشکر تنگ آچکا ہے۔ وہ مایوس ہو کر لوٹنے ہی والے ہیں۔ وہ مسلسل محاصرہ کرنے سے عاجز آرہے ہیں۔ اور تمھارے قلعے میں نقب بھی نہیں لگا سکے، اس لیے فتح تمھاری ہی ہے۔ انگوروں کی چند بیلوں کے کٹ جانے کا غم نہ کرو اور نہ کبھی ہتھیار ڈالنے کا سوچنا۔ بس ڈٹے رہو۔ اپنے قلبی دوستوں کو یہ دلاسہ دینے کے بعد عیینہ واپس لوٹا تو ثقیف والے ابومحجن کو کہنے لگے: آپ نے اس بدو کو قلعے کے اندر بلا کر اچھا نہیں کیا۔ یہ ہمارے کمزور مقامات نوٹ کر کے لے گیا ہوگا اور انھیں ضرور بتائے گا۔ ابومحجن کہنے لگا: میں اسے بڑی مدت سے جانتا ہوں، اس سے بڑھ کر محمد کا دشمن تم میں سے کوئی نہیں ہے اگرچہ یہ محمد کے ساتھ ہے۔ گویا ابومحجن بھی یہی کہہ رہا تھا کہ اس کی تلوار مسلمانوں کے ساتھ مگر اس کا دل ہمارے ساتھ ہے، لہٰذا تم فکر مت کرو۔ یہ کچھ نہیں بتائے گا۔ واقعی ہوا بھی ایسے ہی۔ عیینہ واپس لوٹا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی ساری باتیں رسول اللہ ﷺ کو بتادیں۔

رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: عیینہ! کیا خبر لائے ہو؟ تم نے ثقیف والوں سے کیا بات چیت کی؟ کہنے لگا: اللہ کے

رسول! میں نے انھیں اسلام کی دعوت دی، جنت کی خوشخبری اور جہنم کے عذاب سے ڈرایا۔ میں نے انھیں خبردار کیا کہ تم محمد ﷺ کا مقابلہ کرنے کی سکت نہیں رکھتے۔ تم سے پہلے بنوقریظہ، بنونضیر اور بنوقینقاع کے یہود محمد کے ہاتھوں پٹ چکے ہیں جبکہ ان کے پاس تم سے مضبوط اور تعداد میں زیادہ قلعے موجود تھے، ان کے جنگجو تم سے زیادہ بہادر اور ماہر تھے اور مال و دولت کے خزانے بھی تم سے کہیں زیادہ تھے۔ وہ جدید ترین اسلحے کی فراوانی کے باوجود ٹھہر نہیں سکے تو پھر بھلا تم کب تک ڈٹ سکو گے۔ اس لیے میرا مشورہ ہے کہ ہتھیار ڈال دو۔ اپنے لیے امان حاصل کرلو اور صلح کر کے معاملات طے کرلو۔ رسول اللہ ﷺ خاموشی سے اس کی تقریر سن رہے تھے۔ جب عیینہ خاموش ہوا تو آپ نے فرمایا: ''تم جھوٹ بول رہے ہو۔ تم نے انھیں یہ یہ باتیں کہی ہیں۔''

حقیقت حال کھلنے پر عیینہ شرمساری سے زمین میں گڑ گیا۔ سب کے سامنے احمق سردار ذلت و رسوائی کا طوق پہنے مجرم بنے کھڑا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! مجھے اجازت دیجیے، اس کی گردن اتار پھینکوں۔ آپ نے فرمایا: «لَا يَتَحَدَّثُ النَّاسُ أَنِّي أَقْتُلُ أَصْحَابِي» ''میں نہیں چاہتا کہ لوگ کہیں: محمد اپنے ساتھیوں کو قتل کرا دیتا ہے۔''

عیینہ کہنے لگا: میں اللہ تعالیٰ سے بخشش کا طلب گار ہوں اور توبہ کرتا ہوں۔ میں آئندہ ایسی حرکت نہیں کروں گا۔

اس موقع پر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی اسے ملامت کی اور فرمایا: عیینہ تیری بربادی ہو! تو ہمیشہ باطل کا ساتھ دیتا ہے۔ تو نے بنونضیر، بنوقریظہ اور خیبر ہر موقع پر ہمارے خلاف فوجیں چڑھائیں اور مقابلہ کیا، پھر اب مسلمان ہونے کے بعد بھی ہمارے دشمنوں کو ہمارے خلاف اکساتا ہے اور ان کا ساتھ دیتا ہے۔ کیا تجھے ذرا شرم نہیں آتی؟! عیینہ گویا ہوا: اے ابوبکر! مجھے معاف کر دو، میں توبہ کرتا ہوں۔ میں عزم کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی ایسی حرکت نہیں کروں گا۔

دربار نبوی سے معافی ملنے کے بعد بھی اس احمق سردار کے طور طریقے تبدیل نہیں ہوئے بلکہ یہ اپنی خباثت پر قائم رہا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو دشمن کے باغات تباہ کرنے کا حکم دیا تو ہر شخص انگوروں کی بیلیں کاٹ کر جلا رہا تھا مگر عیینہ اس وقت بھی اپنے دوستوں کی حمایت کر رہا تھا۔ عیینہ بن حصن نے یعلیٰ بن مرہ رضی اللہ عنہ سے کہا: میرے لیے حرام ہے کہ میں اپنے حصے کی بیلیں کاٹوں۔ سیدنا یعلیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر تم چاہو تو میں تمھارے حصے کے درخت کاٹ دیتا ہوں؟ عیینہ کہتا ہے: میرا خیال ہے کہ تم یہ درخت کاٹنے کی وجہ سے جہنم رسید ہو گے۔

رسول اللہ ﷺ کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے شدید ناراضی کا اظہار فرمایا، عیینہ کو خوب ڈانٹ ڈپٹ کی اور

فرمایا: «أَنْتَ صَاحِبُ الْعَمَلِ أَوْلٰى لَكَ فَأَوْلٰى» ''تم بدعمل ہو، تباہی و بربادی کے حقدار تم ہی ہو۔''

یہ بدنصیب انسان رسول اللہ ﷺ کی بے پایاں شفقت و رحمت کے باوجود اسلام کی حقیقی مٹھاس اور ایمان کی لذت آشنائی سے محروم ہی رہا۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد اس نے سب سے پہلے مرتد ہونے کا اعلان کیا اور پھر اپنی قوم بنوفزارہ اور بنواسد کی قیادت کرتا ہوا اسلامی دارالحکومت مدینہ منورہ پر چڑھ دوڑا۔ مگر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سچی قیادت نے ایسے مرتدین کو مار بھگایا اور ان کے تخریبی منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے۔ اسلام کے خلاف ان کی بغاوت سے ان کی تمنائیں پوری نہ ہوسکیں۔

جب اسلامی لشکر سیدنا خالد بن ولید کی قیادت میں مرتدین کی سرکوبی کے لیے میدان کارزار میں اترا تو عیینہ بن حصن اپنے قبیلے غطفان کی سربراہی کر رہا تھا اور طلیحہ بن خویلد اسی کا نائب تھا۔

اسلامی لشکر کے ہاتھوں بری طرح پٹنے کے بعد مرتدین بھاگ نکلے، سینکڑوں ہزاروں قتل ہو کر جہنم رسید ہوئے اور ''احمق مخدوم'' قیدی بنا کر مدینہ منورہ لایا گیا۔ جب اہل مدینہ نے اسے ملامت کی اور مرتد ہونے پر عار دلائی تو عیینہ گویا ہوا: ''اللہ کی قسم! اسلام کبھی میرے دل میں رچا بسا ہی نہیں تو پھر میرے مرتد ہونے کی کیا بات ہے۔''

مؤرخین کا اس بات پر اختلاف ہے کہ کیا عیینہ بن حصن کو سردار مرتدین ہونے کی بنا پر قتل کر دیا گیا تھا یا اس کی توبہ قبول کر لی گئی تھی۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ اس کی گردن اڑا دی گئی تھی۔ جبکہ دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ اس نے سچی توبہ کر لی تھی اور بقیہ زندگی ایک اچھے مسلمان کی طرح گزاری تھی۔ [1] واللہ اعلم.

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی للکار

ثقیف کے مشرک اپنے قلعے سے مسلمانوں پر ہر قسم کے ہتھیار آزما رہے تھے۔ مسلمان بھی ہر ممکن طریقے سے انھیں جواب دے رہے تھے۔ وہ دشمن کو قلعے سے اتار کر میدان کارزار میں لانے کے لیے متعدد حربے استعمال کر رہے تھے۔ اس اثنا میں سنجیدہ مذاکرات بھی ہو رہے تھے اور ایمانی جوش اور ولولے سے مزیّن گفتار و للکار بھی جاری تھی۔ ابومحجن بن حبیب ثقفی اپنے ساتھیوں کے ساتھ مسلمانوں کا خوب مقابلہ کر رہا تھا۔ وہ دہکتے فولادی انگاروں، تیروں اور نیزوں سے متعدد مسلمان شہید اور زخمی کر چکا تھا۔ اپنے قلعے کی مضبوطی، اسلحے کی فراوانی اور اشیائے خورد و نوش کے ذخیرے پر نازاں و فرحاں ابومحجن نے اسلامی لشکر کو پکارا اور کہا: اے محمد کے غلامو! اللہ کی قسم! تم نے آج

[1] دلائل النبوة للبيهقي :5/164,163، المغازي للواقدي :2/336، البداية والنهاية : 4/619، موسوعة الغزوات الكبرٰى لباشميل :2/1650-1653.

تک ہمارے جیسے ماہرین حرب سے پنجہ آزمائی کی ہی نہیں۔ تم جب تک چاہو محاصرہ کیے رکھو۔ اس دوران تم بدترین قید میں مبتلا رہو گے۔ پھر جب واپس جاؤ گے تو تمھیں خالی ہاتھ ہی لوٹنا پڑے گا۔ ہم قسیی (سنگ دل) ہیں اور ہم سنگ دل باپ کی اولاد ہیں۔ اللہ کی قسم! ہم تاحیات کبھی مسلمان ہونے والے نہیں اور ہم نے طائف کو مضبوط قلعہ بنایا ہے۔

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس کی یہ بے ہودہ گوئی سنی تو جواب دیے بغیر نہ رہ سکے۔ اس لیے ابومحجن کو للکارا اور فرمایا: اے ابن حبیب! اللہ کی قسم! ہم تمھیں تمھاری بل سے نکال کر دم لیں گے۔ ہم تمھارا کھانا پینا بند کر دیں گے حتی کہ اس قلعے سے اترنے پر مجبور ہو جاؤ گے۔ تمھاری حیثیت اس لومڑی جیسی ہے جو بھاگ کر اپنے بل میں گھس جاتی ہے مگر زیادہ دیر اندر رک نہیں سکتی، بالآخر اسے باہر آنا ہی ہوتا ہے۔ تم بھی جلد باہر آؤ گے۔

ابومحجن نے یہ مسکت جواب سنا تو پھر بول اٹھا: اے ابن خطاب! اگر تم انگور کی بیلیں کاٹ ڈالو گے تو ہم انھیں دوبارہ کاشت کرلیں گے۔ ہمارے پاس زرخیز زمین اور کاشتکاری کے لیے مفید پانی وافر موجود ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم اس پانی اور زمین تک کبھی پہنچ نہ پاؤ گے۔ ہم تمھارے دروازے گھیرے رکھیں گے حتی کہ تم اندر ہی مرجاؤ گے۔

اس پر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے عمر! ایسا مت کہو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح طائف کی اجازت نہیں ملی۔ یہ سنتے ہی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ کو طائف فتح کرنے کی اجازت نہیں ملی؟ آپ نے فرمایا: ''نہیں۔''[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشاورت اور اعلان واپسی

محاصرہ طائف نے طول پکڑا تو مسلمانوں کی مشکلات میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ مسلمان کھلے میدان میں بیٹھے تھے جبکہ دشمن بلند قلعے میں محفوظ تھا۔ وہ اوپر سے تیر، نیزے اور فولادی انگارے برسا کر مسلمانوں کو شدید زخمی کر رہا تھا۔ مسلمانوں کے پاس اجناس خور ونوش کی کمی بھی ہو رہی تھی۔ ان حالات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماہرین حرب سے مشاورت کی۔ آپ نے نوفل بن معاویہ دیلی کو بلایا جو کہ تجربہ کار اور صاحب فہم وفراست تھے۔ آپ نے فرمایا: ''تمھارا کیا مشورہ ہے، محاصرہ جاری رکھا جائے؟'' نوفل نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! لومڑی بل میں گھس گئی ہے۔ اگر آپ ڈٹے رہے تو یہ قابو ضرور آئے گی اور اگر آپ اسے چھوڑ دیں تو یہ آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گی۔

[1] المغازي للواقدي :2/336.

محاصرے کے دوران سیدہ خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ آپ کو فتح عطا فرما دے تو مجھے فارعہ بنت خزاعی یا بادیہ بنت غیلان کے زیورات عنایت فرما دینا۔ یہ دونوں ثقیف کی سب سے حسین وجمیل خواتین تھیں اور بہترین زیورات زیب تن کرتی تھیں۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے خولہ! اگر ہمیں ثقیف کو فتح کرنے کی اجازت ہی نہ ملی تو؟'' یہ سن کر سیدہ خولہ واپس چلی گئیں اور جا کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ ہمیں طائف فتح کرنے کی اجازت ہی نہیں ملی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ یہ سن کر فوراً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سیدہ خولہ رضی اللہ عنہا کی خبر کی تصدیق چاہی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تصدیق کرتے ہوئے فرمایا: ''ہمیں فتح طائف کی اجازت نہیں ملی۔'' اس پر عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اجازت مانگی: کیا میں لوگوں کو روانگی کی اطلاع دے دوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ہاں ضرور اطلاع کر دو۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے واپسی کا اعلان کیا تو مجاہدین کی صفوں میں اضطراب پیدا ہوا۔ وہ مجاہدین جو کئی روز سے نامساعد حالات کے باوجود ڈٹے ہوئے تھے، ان کے لیے فیصلہ کن جنگ کے بغیر واپس جانے کا فیصلہ خاصا دشوار ثابت ہو رہا تھا۔ وہ آپس میں کہنے لگے: ہم قریش اور ہوازن کے ٹڈی دل کو شکست دے چکے ہیں۔ ان کے مقابلے میں اہل طائف کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ یہ تعداد میں ان سے کہیں کم ہیں۔ پھر بھلا انھیں فتح کیے بغیر کیوں جائیں؟ ہمیں انتظار کرنا چاہیے حتی کہ یہ لوگ اندر ہی بھوکے پیاسے مر جائیں یا باہر آ کر ہم سے مقابلہ کرنے پر مجبور ہو جائیں۔

مجاہدینِ اسلام اپنے انھی جذبات و احساس کی ترجمانی کے لیے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تاکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرنے کی درخواست کریں۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے جذبات کو بغور سنا اور پھر انھیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا: اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ پر آسمان سے وحی اترتی ہے، اس لیے آپ کا فیصلہ ہی بہتر اور اعلیٰ ہے۔ لہٰذا جو حکم ہوا ہے، اس کی تعمیل کرو۔ تمھاری بہتری اسی میں ہے۔

لیکن مجاہدینِ اسلام کے جذبات کی تشفی نہ ہوئی تو وہ عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے کہ وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وزیر خاص ہیں اور جرأتِ اظہار کی دولت سے بھی مالا مال ہیں۔ ان کا خیال تھا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کافروں کے بارے میں شدید جذبات رکھتے ہیں، اس لیے وہ ان کی ترجمانی ضرور کریں گے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مجاہدین کے گرما گرم جذبات سنے اور پھر ذاتی تجربے کی روشنی میں ان کی راہنمائی کی، فرمایا: حدیبیہ والے دن میرے جذبات بھی کچھ ایسے ہی گرم تھے اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے فیصلے کے خلاف اپنی رائے کا اظہار بڑے گرم جذبات

کے ساتھ کیا تھا۔ اے کاش! میرے گھر والے اور مال و دولت چلا جاتا اور میں نے رسول اللہ ﷺ سے وہ تکرار نہ کی ہوتی۔ (یاد رہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی اس خطا کی معافی کے لیے غلام آزاد کیے، صدقہ خیرات کرتے اور نفلی روزے رکھتے رہے۔) پھر اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے نبی کے فیصلے کے ذریعے سے خیر و برکت عطا فرمائی۔ صلح حدیبیہ کے ذریعے بغیر جنگ و جدال کے اتنے لوگ مسلمان ہوئے جتنے بعثت سے لے کر صلح حدیبیہ کی تحریر تک ہوئے تھے۔ لہٰذا تم اپنی رائے کو ناقص سمجھو اور اسے ترک کر کے رسول اللہ ﷺ کے فرمان پر عمل کرو۔ میں کبھی رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کے خلاف نہیں بولوں گا۔ یہ تمام فیصلے اللہ تعالیٰ کے ہیں اور وہ اپنے نبی کو وحی کے ذریعے سے جو چاہتا ہے بتا دیتا ہے۔

سیدنا ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی مشفقانہ نصیحت کے باوجود مجاہدین کے جذبات ٹھنڈے نہ ہوئے اور لشکر میں بدستور بے چینی اور اضطراب برپا رہا۔ رسول اللہ ﷺ اس ساری صورت حال سے بخوبی واقف تھے۔ آپ اپنے جاں نثاروں سے بالکل ناراض نہیں ہوئے بلکہ ان کے جذبات کی تسکین کے لیے اپنا فیصلہ واپس لے لیا اور انھیں حکم دیا:

«اُغْدُوا عَلَى الْقِتَالِ»

''صبح حملہ آور ہو جاؤ۔''

صبح جب اسلامی لشکر حملے کے لیے قلعہ طائف کے سامنے صف آرا ہوئے تو طائف والوں نے قلعے کے اوپر سے مسلمانوں پر تیروں، نیزوں، سلگتے فولادی انگاروں کی بارش کر دی۔ متعدد مسلمان شدید زخمی ہوئے اور کچھ جامِ شہادت نوش فرما گئے۔ جبکہ مسلمان چند فٹ بھی پیش قدمی نہ کر سکے۔ قلعے کی بلندی کی وجہ سے ان کے تیر اور نیزے بے کار ثابت ہو رہے تھے۔ لہٰذا شام تک اسلامی لشکر زخموں سے چور واپس معسکر میں آ گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے پھر اعلان فرمایا:

«إِنَّا قَافِلُونَ غَدًا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ»

''ہم صبح واپس روانہ ہوں گے، ان شاء اللہ۔''

یہ اعلان سن کر مجاہدین میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اب اتنے زخم کھانے کے بعد جب روانگی کی خبر پر وہ خوش ہو رہے تھے تو رحمت عالم ﷺ بھی انھیں دیکھ کر مسکرائے بغیر نہ رہ سکے۔ حالانکہ جب پہلے اللہ کے رسول ﷺ نے واپسی کا اعلان کرایا تھا تو انھوں نے بڑی ہی بے دلی سے کہا تھا: ''کیا طائف کو فتح کیے بغیر ہی واپس جائیں گے؟'' اب سبھی خوشی خوشی واپسی کی تیاری کرنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں حکم دیا کہ کہو:

«لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ صَدَقَ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ»

''اللہ اکیلے کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے، اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد کی اور اس نے اکیلے ہی تمام لشکروں کو شکست دی۔''

جب مجاہدین سواریوں پر بیٹھ گئے تو حکم دیا کہ اب کہو:

«آئِبُونَ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ عَابِدُونَ لِرَبِّنَا حَامِدُونَ»

''ہم واپس آنے والے ہیں، ان شاء اللہ، اپنے رب کی عبادت کرنے والے ہیں، اس کی تعریف بیان کرنے والے ہیں۔''

اس طرح اسلامی لشکر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتا ہوا واپس روانہ ہوا تو آپ سے عرض کی گئی: اے اللہ کے رسول! اہل طائف کو بد دعا دیجیے۔ ان کے تیروں نے آپ کے جاںنثاروں کو شدید گھائل کیا ہے۔ انھوں نے مسلمانوں کو بڑی تکلیف دی ہے۔ مگر سراپا رحمت تاجدار مدینہ کی زبان مبارک سے اہلِ طائف کی رشد و ہدایت کی دعا نکلی۔ آپ نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا:

«اَللّٰهُمَّ اهْدِ ثَقِيفًا وَّائْتِ بِهِمْ»

''اے اللہ! ثقیف کو ہدایت دے دے اور انھیں (مدینہ) لے آ۔''

آپ کی یہ دعا قبول ہوئی اور 9 ھ میں ثقیف مسلمان ہو کر مدینہ منورہ حاضر ہو گئے۔ [1]

شہدائے غزوۂ طائف

غزوۂ طائف میں مشرکین کا معسکر بلند و بالا قلعہ تھا، اس لیے ان کا جانی اور مالی نقصان نہیں ہوا۔ ان کے صرف دو سور مارے گئے۔ جبکہ مسلمانوں کا پڑاؤ کھلے میدان میں تھا، اس لیے مسلمانوں کو شدید زخم لگے اور بارہ صحابہ نے جام شہادت نوش کیا۔ ان میں سے 9 مہاجرین، تین انصاری تھے۔ ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

1. سیدنا سعید بن سعید بن امیہ اموی۔
2. سیدنا عُرفطہ بن حُباب بن حبیب بن عبد مناف الکنانی۔
3. سیدنا یزید بن زمعہ بن اسود اسدی۔

[1] جامع الترمذي :3942، المغازي للواقدي 339,338/2، فتح الباري :56/8، البداية والنهاية :619/4.

4 سیدنا عبداللہ بن ابی بکر صدیق۔

محاصرے کے دوران ابو محجن نے عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کو تیر مارا جو ان کے جسم میں پیوست ہوگیا۔ زخم سوجھ گیا تو تیر نکال لیا گیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ تیر سنبھال لیا۔ ان کے لخت جگر مدینہ منورہ پہنچ کر آپ کی خلافت میں اسی زخم سے شہادت پا گئے۔ ان کی شہادت کے بعد ابو محجن مدینہ منورہ آئے۔ اس وقت وہ اسلام قبول کر چکے تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انھیں وہی تیر دکھایا اور کہا: کیا اس تیر کو پہچانتے ہو؟ ابو محجن نے عرض کی: میں بھلا اسے کیسے بھول سکتا ہوں۔ میں نے اپنے ہاتھوں سے اسے تیار کیا۔ اس کی نوک پلک سیدھی کی، اسے پر لگائے، اس کی تانت کسی اور پھر آپ کے بیٹے کو مارا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے آپ کے بیٹے کے ہاتھوں رسوا ہونے سے بچایا اور اسے میرے ہاتھوں عزت سے نوازا (شہادت عطا فرمائی)۔

5 سیدنا عبداللہ بن ابی امیہ بن مغیرہ مخزومی۔



6 سیدنا عبداللہ بن عامر بن ربیعہ عنزی۔

7 سیدنا سائب بن حارث بن قیس سہمی۔

8 سیدنا عبداللہ بن حارث سہمی۔

9 جُلیحہ بن عبداللہ سعدی لیثی۔

10 سیدنا ثابت بن جذع انصاری۔

11 سیدنا حارث بن سہل انصاری۔

12 سیدنا منذر بن عبداللہ انصاری۔[1]

عیینہ بن حصن کی شرکت کا مقصد

جب رسول اللہ ﷺ نے محاصرہ ختم کر کے روانگی کا اعلان فرمایا تو مشرکین نے خوشی کے شادیانے بجائے۔ سعید بن عبید نے نعرہ مارا: ثقیف زندہ باد۔ ثقیف اپنے علاقے کا دفاع کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ مسلمان ان سے ان کا علاقہ چھیننے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔

اس کا یہ نعرہ سن کر عیینہ کہنے لگا: جی ہاں، اللہ کی قسم! تم بڑے معزز اور عزت و شرف والے ہو۔ ایک مسلمان مجاہد نے اس کی یہ بکواس سنی تو فرمایا: اے عیینہ! اللہ تمھیں برباد کرے، تم کافروں کی تعریف کر رہے ہو کہ وہ فتح نہیں

[1] المغازي للواقدي: 2/340، السيرة لابن إسحاق: 2/578، السيرة لابن هشام: 4/129.

ہوئے جبکہ تم رسول اللہ ﷺ کی مدد کے لیے آئے تھے؟ عیینہ نے جواب دیا: اللہ کی قسم! میں تمھاری مدد کے لیے ہرگز نہیں آیا تھا۔ ثقیف کے ساتھ لڑنا میرا مقصود نہیں تھا۔ میں تو صرف اس لیے آیا تھا کہ محمد (ﷺ) طائف فتح کرلیں گے تو مجھے ثقیف کی کوئی لونڈی مل جائے گی جو میرے لیے جوانمرد بیٹا جنے گی کیونکہ ثقیف والے بڑے ذہین وفطین اور ہوشیار لوگ ہیں۔ (میں بھی چاہتا تھا کہ میری نسل میں بھی ایسے ہی بہادر اور زیرک لوگ ہوں۔) یقیناً ثقیف بڑی بابرکت قوم ہے۔[1]

طائف کا محاصرہ کتنے دن رہا؟

طائف کا محاصرہ خاصا طویل رہا۔ صحیح مسلم کی روایت کے مطابق یہ چالیس روز جاری رہا۔ جبکہ اہل مغازی نے ان کی تعداد مختلف بیان کی ہے۔ کچھ نے بیس دن، کچھ نے انیس روز، کچھ نے اٹھارہ دن اور کچھ نے محاصرے کی مدت پندرہ دن بیان کی ہے۔

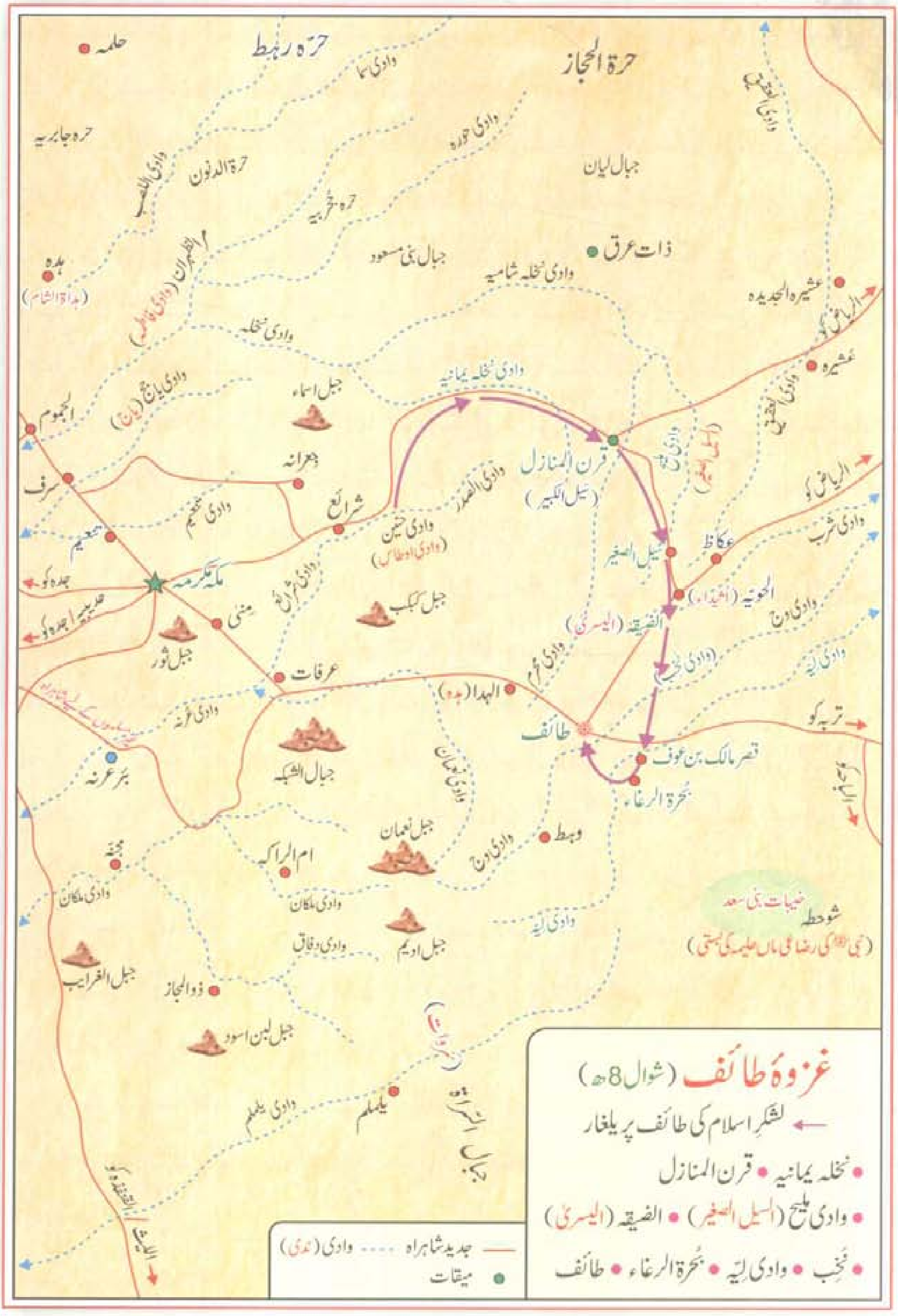
اس دوران میں رسول اللہ ﷺ اپنے دونوں خیموں کے درمیان نماز قصر ادا کرتے رہے، بعدازاں جب ثقیف والے مسلمان ہوئے تو عمرو بن امیہ بن وہب بن معتب بن مالک نے اس جگہ مسجد تعمیر کردی۔ اس مسجد میں ایک ستون تھا جب اس پر دھوپ پڑتی تو اس سے تقریباً دس بار آواز نکلتی۔ لوگوں کا خیال ہے کہ وہ ستون اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتا تھا۔[2]

فتح طائف حاصل نہ ہونے کی ایک حکمت

مؤرخین اور اہل سیرت کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے محاصرہ طائف کرنے کے بعد اسے بغیر فتح کیے اسلامی لشکر کو مدینہ منورہ واپس جانے کا حکم دیا تھا۔ اس طرح اسلامی لشکر مدینہ منورہ پہنچ گیا۔ لیکن سنن ابی داود کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ اسلامی لشکر نے مشرکین کا محاصرہ کرلیا اور اس وقت تک محاصرہ جاری رکھا جب تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے حکم پر اپنے قلعے سے اترنے پر رضامند نہ ہوگئے۔ آیئے وہ روایت ملاحظہ فرمائیں جسے عثمان بن ابی حازم اپنے باپ، دادا سے روایت کرتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے بنو ثقیف سے جہاد کیا۔ صخر رضی اللہ عنہ نے جب یہ سنا تو اپنے شہسوار لے کر نبی ﷺ کی مدد کے لیے نکل کھڑا ہوا۔ مگر جب وہاں پہنچا تو نبی ﷺ اسے فتح کیے بغیر ہی واپس جا چکے تھے۔ تو صخر نے اس دن اللہ کے

[1] البداية والنهاية: 4/619. [2] السيرة لابن هشام: 4/126,125، المغازي للواقدي: 2/332,331، فتح الباري: 8/56، السيرة لابن هشام: 4/125.


غزوۂ طائف (شوال 8ھ)
لشکرِ اسلام کی طائف پر یلغار
نخلہ یمانیہ • قرن المنازل
وادی ملیح (السیل الصغیر) • الضیقہ (الیسریٰ)
نخب • وادی لیہ • بحرۃ الرغاء • طائف
جدید شاہراہ
وادی (ندی)
میقات
حرۃ رہط
حرۃ الحجاز
حلمہ
حرۃ جابریہ
حرۃ الدنون
حرہ شخریہ
جبال لبان
ذات عرق
جبال بنی مسعود
وادی نخلہ شامیہ
عشیرہ الجدیدہ
عشیرہ
وادی نخلہ
وادی نخلہ یمانیہ
جبل اسماء
الجموم
جعرانہ
سرف
شرائع
قرن المنازل
(سیل الکبیر)
وادی حنین
(وادی اوطاس)
تنعیم
مکہ مکرمہ
جدہ کو
منیٰ
جبل ثور
جبل کبکب
السیل الصغیر
عکاظ
الحویہ
الضیقہ (الیسریٰ)
عرفات
الہدا
طائف
قصر مالک بن عوف
بحرۃ الرغاء
ترب کو
وادی عرنہ
بئر عرنہ
جبال الشبکہ
جبل نعمان
ام الراکہ
وہط
مجنہ
وادی ملکان
وادی لیہ
شوحط
خیمات بنی سعد
(نبی ﷺ کی رضاعی ماں حلیمہ کی بستی)
جبل ادیم
وادی دفاق
جبل الغرابیب
ذوالمجاز
جبل لبن اسود
یلملم
وادی یلملم
جبال السراۃ

ساتھ یہ عہد کیا اور اپنے ذمے لیا کہ جب تک یہ لوگ اللہ کے رسول ﷺ کا حکم نہیں مان لیتے، اس وقت تک وہ اس قلعے کو نہیں چھوڑے گا۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا اور انھیں نہ چھوڑا حتی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ ماننے پر مجبور ہو گئے۔ چنانچہ صخر نے یہ خبر رسول اللہ ﷺ کی طرف لکھ بھیجی: حمد و صلاۃ کے بعد، اے اللہ کے رسول! بنوثقیف نے آپ کا فیصلہ قبول کرلیا ہے اور میں ان کی طرف جا رہا ہوں اور یہ اپنے شہسواروں کے ساتھ ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اعلان کروایا کہ نماز کے لیے جمع ہو جاؤ۔ پھر آپ نے (صخر کی قوم) احمس کے لیے دس دعائیں فرمائیں: ''اے اللہ! احمس کے شہسواروں اور اس کے پیادوں کو برکت دے۔'' پھر وہ قوم نبی ﷺ کے پاس گئی اور مغیرہ بن شعبہ (ثقفی) نے آپ سے بات کی اور کہا: اے اللہ کے نبی! صخر نے میری پھوپھی کو پکڑ لیا ہے، حالانکہ وہ اس (عہد) میں داخل ہو چکی ہے جس میں مسلمان داخل ہوئے ہیں (یعنی مسلمان ہو چکی ہے)۔ پس آپ نے اسے بلوایا اور فرمایا: ''اے صخر! کوئی قوم جب مسلمان ہو جائے تو وہ اپنی جان اور اپنے اموال محفوظ بنا لیتی ہے، لہٰذا مغیرہ کو اس کی پھوپھی واپس کر دو۔'' چنانچہ اس نے اسے واپس کر دیا۔ صخر نے نبی ﷺ سے بنوسُلیم کے پانی کا سوال کیا۔ وہ اسلام قبول کرنے سے بھاگ گئے تھے اور اپنا چشمہ چھوڑ گئے تھے۔ اس نے کہا: اے اللہ کے نبی! مجھے اور میری قوم کو وہاں نزول (اتر کر اسے اپنی تحویل میں لینے) کی اجازت دیں۔ آپ نے فرمایا: ''ہاں۔'' اور اسے وہاں اترنے کی اجازت دے دی۔ اور پھر بنوسُلیم والے اسلام لے آئے اور صخر کے پاس آکر مطالبہ کیا کہ ہمارا چشمہ واپس کر دو تو اس نے انکار کر دیا۔ وہ لوگ نبی ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور کہا: اے اللہ کے نبی! ہم نے اسلام قبول کرلیا ہے اور ہم صخر کے پاس گئے ہیں کہ ہمارا چشمہ ہمیں واپس کر دو مگر اس نے انکار کر دیا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے صخر کو بلایا تو اس سے فرمایا:

«يَا صَخْرُ! إِنَّ الْقَوْمَ إِذَا أَسْلَمُوا أَحْرَزُوا أَمْوَالَهُمْ وَدِمَاءَهُمْ، فَادْفَعْ إِلَى الْقَوْمِ مَاءَهُمْ»

''اے صخر! کوئی قوم جب مسلمان ہو جائے تو وہ اپنے اموال اور اپنی جانیں محفوظ کر لیتی ہے۔ تم قوم کو ان کا چشمہ واپس کر دو۔''

اس نے کہا: بہت اچھا، اے اللہ کے نبی۔ (صخر کہتے ہیں کہ اس وقت) میں نے دیکھا کہ نبی ﷺ کا چہرۂ مبارک حیا کی وجہ سے سرخ ہو گیا تھا کہ اس سے لونڈی لے لی گئی اور چشمہ بھی (حالانکہ اس نے اسلام اور مسلمانوں کو بہت فائدہ پہنچایا تھا)۔ [1]

[1] سنن أبي داود: 3067.

اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: حکمت الٰہی کا تقاضا یہ تھا کہ اس سال فتح طائف مؤخر کر دی جائے۔ کیونکہ فتح کی صورت میں اہلِ طائف کی قتل و غارت لازمی تھی اور یہ امکان تھا کہ ثقیف والے ختم کر دیے جائیں گے، حالانکہ ان کے لیے رحمت عالم ﷺ کی دعا بھی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے ابتدائے اسلام میں اپنے چچا کی وفات کے بعد طائف کا سفر کیا تھا اور اہل طائف کو اسلام کی دعوت تھی۔ اس موقع پر اہل طائف نے بہت برا رویہ اختیار کیا تھا۔ مگر رسول اللہ ﷺ نے ان کے مسلمان ہونے کی امید پر ان کو بد دعا نہیں دی تھی۔ آیئے اس کی تفصیل ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں پڑھتے ہیں:

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: کیا آپ پر اُحد کے دن سے سخت دن بھی کبھی آیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''میں نے تمھاری قوم کی طرف سے سخت تکالیف کا سامنا کیا ہے اور لوگوں سے سخت تکلیف جو میں نے اٹھائی وہ عقبہ کے دن تھی، جب میں نے خود کو ابن عبد یا لیل بن عبد کلال کے سامنے پیش کیا تو اس نے میری خواہش کے مطابق جواب نہ دیا۔ میں رنجیدہ ہو کر وہاں سے لوٹا۔ (مجھے ہوش نہیں تھا کہ کدھر جا رہا ہوں؟) جب قرن ثعالب پہنچا تو ذرا ہوش آیا۔ میں نے سر اوپر اٹھایا تو دیکھا کہ بادل کے ایک ٹکڑے نے مجھ پر سایہ کر دیا ہے۔ پھر میں نے دیکھا کہ اس میں سیدنا جبریل علیہ السلام موجود ہیں۔ انھوں نے مجھے آواز دی کہ اللہ تعالیٰ نے وہ جواب سن لیا ہے جو آپ کی قوم نے آپ کو دیا ہے اور اس نے آپ کے پاس پہاڑوں کے فرشتے کو بھیجا ہے، آپ اسے کافروں کے متعلق جو چاہیں حکم دیں۔ پھر مجھے پہاڑوں کے فرشتے نے آواز دی اور سلام کیا۔ پھر اس نے کہا: اے محمد! آپ جو چاہیں (میں تعمیل حکم کے لیے حاضر ہوں)۔ اگر آپ چاہیں تو مکہ کے دونوں طرف کے پہاڑ ان پر لا کر ملا دوں (جن سے وہ چکنا چور ہو جائیں)۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

«بَلْ أَرْجُو أَنْ يُخْرِجَ اللّٰهُ مِنْ أَصْلَابِهِمْ مَنْ يَعْبُدُ اللّٰهَ وَحْدَهُ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا»

''(نہیں) بلکہ میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسل سے ایسے لوگ پیدا کرے گا جو صرف اللہ وحدہ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔'' [1]

آپ کی اسی خواہش کی تکمیل کے لیے فتح طائف مؤخر ہوگئی اور پھر اہل طائف اگلے سال رمضان المبارک میں اسلام قبول کر کے مدینہ منورہ حاضر ہو گئے۔ [2]

[1] صحيح البخاري :3231. [2] البداية والنهاية :621/4، موسوعة الغزوات الكبرىٰ :1666/2، 1667.

رسول اکرم ﷺ کی جعرانہ روانگی

طائف کا محاصرہ ختم کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ دحنا، قرن منازل اور نخلہ کے راستے جعرانہ روانہ ہو گئے۔ اس راستے میں رسول اللہ ﷺ کی محبت و شفقت اور امت کے ساتھ رحمت و مودت کے متعدد واقعات رونما ہوئے۔ آیئے ان میں سے چند ایک ملاحظہ فرمائیں:

مسجد میقات قرن المنازل (السیل الکبیر)



1 جنگجو سردار مالک بن عوف کا قبول اسلام

مالک بن عوف نصری حنین میں بیس ہزار جنگجو لے کر مسلمانوں کے مقابلے کے لیے آیا تھا۔ وہ بڑی بے جگری سے لڑا۔ بدترین شکست اس کا مقدر تھی۔ اس لیے جب نوجوان جنگجو قائد نے اپنی قوم کی بربادی دیکھی تو سمجھ گیا کہ اب فتح کے کچھ امکان نہیں۔ جتنی دیر میدان معرکہ میں ڈٹا رہتا، اتنی ہی ہلاکتیں بڑھ جاتیں۔ لہٰذا اپنے شاہسواروں کے ساتھ میدان معرکہ سے فرار ہی میں عافیت سمجھتا ہے۔ بھاگتے بھاگتے وادی لیہ جا کر سانس لیتا ہے۔ اپنے قلعے میں پناہ لینے کے بعد اسے بھی غیر محفوظ خیال کرتا ہے، اس لیے وہاں سے نکل کر طائف جا کر ثقیف کے ساتھ قلعہ بند ہو جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ حکمت و دانائی کی دولت سے سرفراز اور وحی الٰہی کی راہنمائی سے مالا مال تھے۔ آپ ہر شخص سے اس کی فطرت اور معاشرتی مقام و مرتبے کے لحاظ سے معاملات طے کرتے تھے۔ مقام جعرانہ میں آپ نے ہوازن کے قیدی اور اموال مجاہدین میں تقسیم کیے تو مالک بن عوف کے اہل خانہ کو مکہ مکرمہ میں ان کی پھوپھی

ام عبداللہ بنت ابی امیہ کے پاس محفوظ کرا دیا۔ مالک کے اموال کو بھی تقسیم نہ فرمایا۔ جب آپ فارغ ہوئے تو آپ نے ہوازن کے وفد سے پوچھا: ''مالک بن عوف کدھر ہے؟ اس کا کیا بنا؟'' ہوازن نے بتایا: اللہ کے رسول وہ بھاگ کر ثقیف کے قلعے میں پناہ گزیں ہو گیا تھا، ابھی تک وہیں ہے۔

آپ نے فرمایا: ''اسے اطلاع دو کہ اگر وہ مسلمان ہو کر آ جائے تو نہ صرف اسے معاف کر دیا جائے گا بلکہ اس کے اہل و عیال اور اموال واپس کر دیے جائیں گے، نیز اسے سو اونٹ عطا کیے جائیں گے۔''

مالک بن عوف کو رسول اللہ ﷺ کی اس فیاضی اور رحمدلی کا علم ہوا تو وہ فوراً آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے تیار ہو گیا۔ مگر اسے ڈر تھا کہ ثقیف کو رسول اللہ ﷺ کی اس پیش کش کا علم ہو گیا تو وہ مالک بن عوف کو آسانی سے جانے نہیں دیں گے۔ لہٰذا اس نے اپنے ایک وفادار کی ذمہ داری لگائی کہ وہ مالک کی اونٹنی دحنا مقام پر تیار رکھے۔ پھر اپنے ایک راز داں کو حکم دیا کہ رات کے اندھیرے میں اس کا گھوڑا تیار کر کے لے آئے۔ پروگرام کے مطابق مالک بن عوف رات کے وقت چپکے سے ثقیف کے قلعے سے نکلا اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر بھاگ نکلا۔ راتوں رات دحنا پہنچا اور پھر وہاں سے اونٹنی پر سوار ہو کر تیز رفتاری سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری کے لیے سفر طے کرنے لگا۔ اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے حسب وعدہ اس کے بیوی بچے اور مال واپس لوٹا دیا۔ سو اونٹ خصوصی عنایت فرمائے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں رہ کر اپنے ایمان و یقین کو قرآن و سنت کی سنہری تعلیمات سے جلا بخشنے لگا۔[1]

2 سیدنا ابورہم غفاری رضی اللہ عنہ کی خوش نصیبی

سیدنا ابو رہم غفاری رضی اللہ عنہ طائف سے واپسی پر رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ چل رہے تھے۔ ان کے قدموں میں چمڑے کے سخت جوتے تھے۔ چلتے چلتے ان کی سواری رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی سے ٹکرا گئی۔ ان کے جوتے کا کھردرا کنارہ رسول اللہ ﷺ کی پنڈلی پر لگا اور آپ کو سخت تکلیف پہنچی۔ رسول اللہ ﷺ نے شدت تکلیف کی وجہ سے ان کے پاؤں پر اپنا کوڑا مارا اور فرمایا: ''اپنا پاؤں دور کرو۔'' سیدنا ابورہم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس حادثے سے مجھے بڑی شرمساری ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ کو انجانے میں تکلیف پہنچا کر میں رنج و الم میں ڈوب گیا۔ اب مجھے خدشہ تھا کہ کسی بھی وقت آسمان سے میرے بارے میں شدید وعید نازل ہو گی۔ پھر جب ہم جعرانہ پہنچے تو میں صبح کے وقت اونٹ چرانے نکل گیا تاکہ رسول اللہ ﷺ سے آمنا سامنا نہ ہو، حالانکہ یہ میری باری کا دن نہ تھا۔ میں بہت ڈرا ہوا

[1] السیرہ لابن ہشام: 134/4، المغازي للواقدي: 353/2، موسوعة الغزوات الكبرى: 1689/2-1692۔

تھا کہ میرے بارے میں وحی نازل ہوگی اور مجھے سزا ملے گی۔ جبکہ سراپا رحمت و شفقت آپ کو تلاش کرتے رہے۔ جب شام کو میں جانور لے کر واپس آیا تو مجھے ساتھیوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ تمھیں تلاش کر رہے تھے، لہٰذا میں ڈرتے ڈرتے آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

«إِنَّكَ أَوْجَعْتَنِي بِرِجْلِكَ فَقَرَعْتُكَ بِالسَّوْطِ، فَخُذْ هٰذِهِ الْغَنَمَ عِوَضًا مِّنْ ضَرْبَتِي»

”تم نے اپنے پاؤں سے مجھے تکلیف دی تھی تو میں نے بھی تمھیں کوڑا مارا تھا، لہٰذا میری اس چوٹ کے بدلے یہ بکریاں لے لو۔“

سیدنا ابورہم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: آپ کا مجھ سے راضی ہونا میرے لیے دنیا و مافیہا کی دولت سے زیادہ محبوب ہے۔

3 سیدنا عبداللہ بن ابی حدرد رضی اللہ عنہ کا انعام

سیدنا عبداللہ بن ابی حدرد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں طائف سے واپسی پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ آپ میرے ساتھ محو گفتگو تھے۔ میری اونٹنی بڑی جوان اور مضبوط تھی۔ وہ بار بار رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی سے ٹکرا جاتی۔ میں کوشش کرتا رہا کہ وہ نہ ٹکرائے مگر وہ میرے قابو میں نہیں آرہی تھی۔ ایک بار وہ ٹکرائی تو آپ کا پاؤں دونوں اونٹنیوں کے درمیان دب گیا۔ شدت تکلیف سے آپ کے منہ مبارک سے اف کی آواز نکلی۔ آپ نے رکاب سے پاؤں نکالا تو وہ سرخ ہو چکا تھا۔ آپ نے اپنی لاٹھی کے ساتھ میرے پاؤں کو پیچھے ہٹایا اور پھر کچھ دیر خاموش ہوگئے۔ آپ کی خاموشی میرے لیے کسی عذاب سے کم نہ تھی۔ اللہ کی قسم! اونٹنی سے اترنے سے پہلے مجھے یقین ہو چکا تھا کہ اب میرے بارے میں سخت احکام نازل ہوں گے۔ جب ہم نے پڑاؤ ڈالا اور سواریوں کو چرنے کے لیے کھلا چھوڑا تو میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا: آج میں اونٹ چراؤں گا، حالانکہ آج میری باری نہیں تھی۔ میں بس آپ سے دور نکلنا چاہتا تھا۔ لہٰذا میں اونٹ چرانے کے بہانے نکل گیا۔ جب شام کو واپس آیا تو میرے دل میں کھٹکا تھا کہ میرے بارے میں ضرور کوئی وعید نازل ہوچکی ہوگی۔ اس لیے میں نے آتے ہی اپنے ساتھیوں سے دریافت کیا: کیا میرے بارے میں کوئی پوچھنے آیا تھا؟ انھوں نے جواب دیا: ہاں رسول اللہ ﷺ نے تمھارا پوچھنے کے لیے ایک آدمی بھیجا تھا۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا: اللہ کی قسم! میرے بارے میں ضرور کچھ نہ کچھ نازل ہوگیا ہے۔ میں نے پھر پوچھا: کون میرا پوچھنے آیا تھا؟ جواب ملا: ایک انصاری صحابی آئے تھے۔ وہ شخص میرا پسندیدہ نہ تھا۔ شاید اس لیے کہ انصار ہمارے بارے میں کچھ سخت رویہ رکھتے تھے۔ پھر ایک قریشی مجھے تلاش کرنے آیا تو میں ڈرے سہمے بارگاہ نبوی میں حاضر ہوگیا۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے دیکھتے ہی اپنی خوبصورت مسکراہٹ سے

نوازا۔ اب مجھے کچھ تسلی ہوگئی کہ معاملہ اتنا خطرناک نہیں جتنا میں سمجھ رہا تھا۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا: «أَوْجَعْتُكَ بِمِحْجَنِي الْبَارِحَةَ» ”کل میں نے تمھیں اپنی چھڑی ماری تھی۔“ «خُذْ هٰذِهِ الْقِطْعَةَ مِنَ الْغَنَمِ» ”اس چھڑی کے بدلے یہ بھیڑوں کا ریوڑ لے لو۔“ میں یہ سن کر باغ باغ ہوگیا۔ یہاں تو معاملہ بالکل الٹ ہوگیا تھا۔ میں سزا سے ڈر رہا تھا جبکہ سراپا رحمت ﷺ مجھے بے حد نواز رہے تھے۔ میں نے خوشی خوشی بھیڑوں کا ریوڑ اپنے آگے لگایا اور چل دیا۔ ان کو شمار کیا تو وہ اسی سے زیادہ بھیڑیں تھیں۔

4 سیدنا ابوزرعہ جہنی رضی اللہ عنہ کی قسمت چمک اٹھی



سیدنا ابوزرعہ جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ محاصرۂ طائف کے بعد جب ہم نے قرن منازل سے روانگی کا ارادہ کیا تو میں نے آپ کی سواری کو تیار کیا۔ میں نے آپ کو سوار کرانے کے لیے اونٹنی کو بٹھایا اور اس کی لگام اپنے ہاتھ میں سمیٹ لی۔ آپ سوار ہوئے تو میں نے لگام آپ کو دے دی اور میں گھوم کر پیچھے چلا گیا۔ آپ نے اپنی اونٹنی کو چلانے کے لیے کوڑا مارا تو وہ مجھے لگ گیا۔ آپ نے مڑ کر دیکھا اور فرمایا: «أَصَابَكَ السَّوْطُ؟» ”کوڑا تمھیں لگا ہے؟“ میں نے عرض کیا: جی ہاں، میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ پھر جب آپ جعرانہ میں تشریف فرما ہوئے اور غنائم تقسیم کرنی شروع کیں تو ایک کونے میں بکریوں کا ایک ریوڑ جمع تھا۔ آپ نے غنیمتوں کے نگران سے کچھ معلومات لیں، پھر اعلان کرایا: «أَيْنَ أَبُو زُرْعَةَ؟» ”ابوزرعہ کہاں ہے؟“ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں حاضر ہوں۔ آپ نے فرمایا: «خُذْ هٰذِهِ الْغَنَمَ بِالَّذِي أَصَابَكَ مِنَ السَّوْطِ أَمْسِ» ”میں نے کل جو کوڑا تمھیں مارا تھا، اس کے بدلے میں یہ ریوڑ لے جاؤ۔“ میں نے انھیں شمار کیا تو وہ ایک سو بیس بکریاں تھیں۔ ان بکریوں سے میں نے خوب دولت حاصل کی۔ میرے لیے یہ بکریاں بڑی بابرکت ثابت ہوئیں۔[1]

یومِ وفا

رسول اکرم ﷺ مکہ مکرمہ سے ہجرت کرکے مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوئے تو قریش مکہ نے آپ کی گرفتاری

[1] المغازي للواقدي: 342,341/2، موسوعة الغزوات الكبرٰى: 1662,1661/2.

پر 100 اونٹوں کا انعام مقرر کر دیا۔ انعام کے لالچ میں ہر قبیلے کے شاہ سوار آپ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ بنومدلج کے شاہ سوار سراقہ بن مالک بن جعشم بھی ان میں شامل تھے۔ آپ کی تلاش میں نکلنے والے سارے لوگ ناکام ہو گئے مگر سراقہ رسول اللہ ﷺ تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پریشان ہو کر عرض کیا: اللہ کے رسول! دشمن بہت قریب پہنچ گیا ہے۔ آپ نے نہایت اطمینان سے فرمایا: ''ابوبکر گھبراؤ نہیں، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔'' پھر آپ نے اپنے دست مبارک بلند کیے اور دعا کی:

«اَللّٰهُمَّ اكْفِنَاهُ بِمَا شِئْتَ»

''اے اللہ! تو جیسے چاہے ہمارے لیے اس سے کافی ہو جا۔''

دعائے حبیب فوراً قبول ہوئی اور سراقہ گھوڑے سے نیچے آ گرا۔ وہ دوبارہ اٹھا، سوار ہوا مگر اس بار گھوڑا زمین میں دھنس گیا۔ تیسری بار اٹھا، فال نکالی مگر وہ اس کے خلاف نکلی، پھر بھی وہ گھوڑا دوڑاتے ہوئے آپ کی طرف بڑھا۔ اس بار وہ پہلے سے زیادہ شدت کے ساتھ گرا اور گھوڑے کے پاؤں زمین کے اندر دھنس گئے۔ سراقہ سمجھ گیا کہ یہ کام اس کے بس سے باہر ہے۔ لہٰذا اب امان نامے کے لیے منتیں کرنے لگا۔ آپ کے حکم سے اسے امان نامہ لکھ دیا گیا۔ اس طرح گرفتار کرنے کے لیے آنے والا خود قیدی ہو کر واپس مڑا۔ واپسی پر لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کے راستے سے روک کر آپ کے ساتھ کیا وعدہ نبھاتا رہا تا آنکہ رسول اللہ ﷺ بخیر و عافیت مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ [1]

سراقہ نے یقین کر لیا تھا کہ ایک روز محمد ﷺ ضرور غالب آئیں گے اور ان کے دشمن مٹ جائیں گے۔ اس لیے سراقہ نے اپنا حفاظتی امان نامہ خوب سنبھال کر رکھا کیونکہ آنے والا دور مسلمانوں کی شان و شوکت اور غلبے کا دور تھا۔ اور پھر چند ہی سالوں بعد وہ دن آ گیا۔ آئیے اس دن کی روداد خود سراقہ کی زبانی سنیے:

سراقہ بن مالک بن جعشم فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ طائف کی گھاٹیوں سے اتر کر جعرانہ کی طرف گامزن تھے۔ جب مجھے آپ کی آمد کی اطلاع ملی تو میں بھی تیاری کر کے آپ کی ملاقات کے لیے نکل پڑا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قافلے آپ کے آگے آگے چل رہے تھے۔ میں انصار کے شاہ سواروں میں گھس گیا۔ انھوں نے ایک اجنبی کو اپنے درمیان دیکھا تو اپنے نیزوں کی انیاں مجھے چبھونے لگے۔ وہ مجھے آگے بڑھنے سے روکنے اور گھورنے لگے مبادا میں نبی کریم ﷺ کو کوئی نقصان پہنچاؤں۔ وہ مجھے بار بار کہہ رہے تھے: دور ہو جا، دور ہٹ جا، تم ہو کون؟ میں اسی کشمکش میں رسول اللہ ﷺ کے قریب پہنچ گیا۔ جب مجھے یقین ہو گیا کہ میری آواز آپ سن لیں گے تو میں نے

[1] سراقہ کا تفصیلی واقعہ دیکھیے: سیرت انسائیکلو پیڈیا: 285,284/4.

امان نامہ اپنی انگلیوں میں لے کر بلند کیا اور پھر عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں سراقہ بن مالک ہوں اور میرے پاس آپ کا عطا کردہ امان نامہ ہے۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «يَوْمُ وَفَاءٍ وَبِرٍّ، أُدْنُوهُ» ”آج وفا داری اور احسان کا دن ہے۔ اسے میرے قریب لے آؤ۔“ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کے قدم مبارک پر نظر پڑی جو رکاب کے اندر چمک رہا تھا۔ میں نے قریب ہو کر سلام کیا اور صدقہ پیش کیا۔ پھر میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں اپنے اونٹوں کو پانی پلانے کے لیے حوض بھرتا ہوں۔ کئی دوسرے اونٹ بھی پانی پینے آجاتے ہیں۔ اگر میں غیروں کے اونٹوں کو پانی پینے دوں تو کیا مجھے اجر ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«نَعَمْ، فِي كُلِّ ذَاتِ كَبِدٍ حَرَّى أَجْرٌ»

”ہاں، ہر جاندار کو پانی پلانے پر اجر وثواب ہے۔“[1]

مشرک کا ہدیہ

سفر طائف سے واپسی پر راستے میں اسلم قبیلے کا ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کے ساتھ بکریوں کا ریوڑ بھی تھا۔ آپ اپنی سواری پر سوار جا رہے تھے۔ اس نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہ ہدیہ قبول فرمائیں، میں یہ آپ کو پیش کرنے کے لیے لایا ہوں۔ آپ نے پوچھا: ”تم کون ہو؟“ اس نے جواب دیا: اسلم قبیلے سے ہوں۔ آپ نے فرمایا: ”میں مشرک کا ہدیہ قبول نہیں کرتا۔“ اس نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں مسلمان ہوں، میں اللہ تعالیٰ کو اپنا الٰہ اور آپ کو رسول مانتا ہوں۔ میں نے اپنی ان بکریوں کی زکاۃ سیدنا بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ کو ادا کی ہے۔ اسی دوران سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ بھی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ انھوں نے اپنے قبیلے کے اس شخص کی تصدیق کی اور عرض کی: یہ میری قوم کا شریف آدمی ہے اور صفاح مقام پر رہتا ہے۔ آپ نے پوچھا: ”تم نخلہ کیوں آئے ہو؟“ اس نے جواب دیا: ان دنوں نخلہ صفاح سے زیادہ سرسبز و شاداب ہے، بکریوں کے لیے چرنے کے زیادہ مواقع ہیں، اس لیے میں یہاں منتقل ہو گیا ہوں۔ آپ نے فرمایا: ”ہم جعرانہ جا رہے ہیں، تم جعرانہ آکر ہمیں ملو۔“ یہ سن کر اس نے آپ کی اونٹنی کے ساتھ ساتھ دوڑنا شروع کر دیا۔ وہ آپ سے پوچھتا ہے: کیا میں اپنی بکریاں بھی جعرانہ لے آؤں؟ آپ نے فرمایا: ”نہیں، بکریاں ادھر ہی رہنے دو، تم جعرانہ آجاؤ! ہم تمھیں مزید بکریاں عطا کریں گے، ان شاء اللہ۔“

[1] المغازي للواقدي: 342/2، سیرت انسائیکلوپیڈیا (دارالسلام): 284/4-289.

پھر اس شخص نے چند دینی مسائل پوچھے۔ اس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا میں اونٹوں کے باڑے میں نماز ادا کرلوں؟ آپ نے فرمایا: ''نہیں، اونٹوں کے باڑے میں نماز مت پڑھو۔'' اس نے پھر پوچھا: کیا بکریوں کے باڑے میں پڑھ لیا کروں؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں، پڑھ لیا کرو۔'' اس نے تیسرا سوال کیا: اے اللہ کے رسول! بعض اوقات جہاں ہم پڑاؤ کرتے ہیں، وہاں پانی نہیں ہوتا، کیا ایسی صورت میں بیوی سے تعلقات قائم کرلوں؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں، پھر تیمم کر کے نماز ادا کرلو۔''

اس نے ایک اور سوال پوچھا: اے اللہ کے رسول! ایسی صورت میں ہمارے درمیان موجود حائضہ عورت کیا کرے جبکہ وہ حیض سے فارغ ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ بھی تیمم کرلے (اور پھر نماز وغیرہ ادا کرلے)۔''

اس کے بعد یہ اسلمی شخص نبی کریم ﷺ کو جعرانہ آکر ملا تو آپ نے اسے سو بکریاں عطا کیں۔ [1]

جعرانہ میں غنیمتوں کی تقسیم

غزوۂ حنین میں مسلمانوں کو شاندار مال غنیمت حاصل ہوا تھا۔ مال غنیمت اپنی تعداد اور مقدار کے اعتبار سے ایسا عظیم الشان تھا کہ ایسا مال غنیمت اس سے قبل مسلمانوں کو کبھی حاصل نہ ہوا تھا۔ اس میں پچیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار بکریاں، کئی من سونا چاندی اور تقریباً چھ ہزار غلام اور لونڈیاں حاصل ہوئیں۔ سکہ رائج الوقت کے قانون کے مطابق یہ سارا مال اب فاتح لشکر کی ملکیت تھا۔ حالانکہ ہوازن والے رسول اللہ ﷺ کے رضاعی ماموں تھے۔ آپ نے ان تمام غنیمتوں کو سیدنا بدیل بن ورقاء اور سیدنا بسر بن سفیان خزاعی رضی اللہ عنہما کی نگرانی میں جعرانہ میں جمع کرنے کا حکم دیا اور خود لشکرِ اسلام کو لے کر مفرورین کی سرکوبی کے لیے طائف روانہ ہوگئے۔

اسلام دین رحمت و شفقت ہے اور رسول اللہ ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں۔ پھر بھلا ہوازن کے قیدی اس رحمت و شفقت سے کیسے محروم رہ سکتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے قائدین کو حکم دیا کہ قیدیوں کے لیے سائبان تعمیر کریں جہاں وہ آرام کرسکیں۔ آپ نے سیدنا بسر بن سفیان رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ تمام قیدیوں کے لیے مکہ کے بازار سے مناسب لباس خرید کر انھیں پہنائے جائیں۔ لہٰذا آپ کی طائف سے واپسی تک یہ دونوں کام سرانجام دے دیے گئے۔ ہر ہر قیدی کو لباس اور رہنے کے لیے سایہ دار چھپر مہیا کر دیا گیا۔ ان قیدیوں میں رسول اللہ ﷺ کے رضاعی ننھیالی رشتہ دار بھی تھے۔ آپ نے ایک ماہ تک ان قیدیوں کی تقسیم مؤخر رکھی۔ تاکہ اہل ہوازن آپ سے رحم کی اپیل کر کے اپنے قیدی چھڑالیں۔ مگر طویل انتظار کے باوجود جب کوئی اپیل نہ کی گئی تو پھر رسول اللہ ﷺ نے

[1] المغازي للواقدي :343/2، موسوعة الغزوات الكبرٰى :1665,1664/2.

طائف سے واپسی پر انھیں تقسیم کر دیا۔

مجاہدینِ اسلام کی بے مثال ایمانداری

مجاہدین اسلام ایمانداری، دیانتداری اور اطاعت رسول کے اعلیٰ ترین اوصاف سے متصف تھے۔ رسول اللہ ﷺ ہر موقع کی مناسبت سے اپنے صحابہ کی روحانی تربیت کا اہتمام فرماتے تھے۔ جعرانہ میں آپ نے بالوں کا ایک گچھا پکڑ کر فرمایا:

«مَا لِي مِنْ هٰذَا إِلَّا مِثْلَ مَا لِأَحَدِكُمْ إِلَّا الْخُمُسَ وَهُوَ مَرْدُودٌ فِيكُمْ، فَأَدُّوا الْخَيْطَ وَالْمَخِيطَ فَمَا فَوْقَهُمَا، وَإِيَّاكُمْ وَالْغُلُولَ فَإِنَّهُ عَارٌ وَشَنَارٌ عَلٰى صَاحِبِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

”تمھارے اس مال غنیمت میں سے میرے لیے یہ بھی حلال نہیں سوائے خمس کے۔ اور خمس بھی تمھیں ہی لوٹا دیا جائے گا (ضروریات پوری ہونے کے بعد بقیہ تمھی میں تقسیم کر دیا جائے گا)۔ لہٰذا دھاگہ اور سوئی یا اس سے بھی کم تر ہر چیز مال غنیمت میں جمع کرا دو۔ خبردار! خیانت نہ کرنا کیونکہ خیانت قیامت کے دن عار و رسوائی کا باعث ہوگی۔“ [1]

آپ کا یہ فرمان سنتے ہی صحابہ کرام ﷡ نے عظیم الشان فرمانبرداری کا مظاہرہ کیا۔ آئیے اس کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

1 رسول اللہ ﷺ کے اس اعلان سے قبل سیدنا عقیل بن ابی طالب ﷛ اپنی زوجہ محترمہ کے پاس آئے تو ان کی تلوار ابھی تک خون آلود تھی۔ وہ کہنے لگیں: مجھے معلوم ہے کہ آپ مشرکین سے بڑی بہادری سے لڑے ہیں، بتائیے غنیمت میں کیا ملا ہے؟ انھوں نے ایک سوئی ان کے حوالے کی اور کہا: لو یہ سوئی تمھارے لیے لایا ہوں، اس سے اپنے کپڑے سی لینا۔ ان کی زوجہ محترمہ ولید بن عتبہ کی صاحبزادی تھیں۔ ان کے لیے یہ تحفہ کچھ حیثیت نہ رکھتا تھا۔ وہ ایک قریشی سردار کی بیٹی تھیں۔ مگر ان کا یہ معمولی تحفہ بھی زیادہ دیر تک ان کے پاس نہ رہ سکا۔ تھوڑی ہی دیر بعد سیدنا عقیل ﷛ نے رسول اللہ ﷺ کے منادی کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا: ”جس نے مالِ غنیمت میں سے کوئی چیز لی ہو، وہ واپس لوٹا دے۔“

وہ واپس اپنی زوجۂ محترمہ کے پاس آئے اور فرمایا: اللہ کی قسم! تمھاری سوئی تو گئی، پھر سوئی واپس لی اور لاکر مالِ غنیمت میں رکھ دی۔

1 مسند أحمد: 4/127.

یہ ہے وہ عام جذبہ اتباع نبوی۔ اسی ایثار و قربانی سے اسلامی جھنڈا سربلند ہوا اور حق باطل کے مقابلے میں غالب ہوا۔ یہی وہ عظیم تربیت تھی جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں کی گہرائیوں میں اتر چکی تھی۔ وہ ہر قسم کی قربانی کے لیے ہر دم تیار رہتے تھے۔

2 سیدنا عبداللہ بن زید مازنی رضی اللہ عنہ نے دوران لڑائی ایک کمان اٹھالی تھی۔ اعلان سنتے ہی انھوں نے وہ کمان مالِ غنیمت میں لوٹا دی۔

3 ایک شخص بالوں کا ایک گولا لے کر حاضر ہوا اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہ مجھے عنایت فرما دیں۔ آپ نے فرمایا: ''اگر یہ گولا میرے اور میرے خاندان عبدالمطلب کے حصے میں آیا تو میں تمھیں دے دوں گا۔'' یہ سن کر اس نے یہ گولا واپس کر دیا۔

مالِ غنیمت میں سے اولین نوازش

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جعرانہ پہنچے تو آپ نے سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو مالِ غنیمت کو شمار کرنے کا حکم دیا۔ سب اموال گن لیے گئے تو آپ نے سابقہ قاعدے کے مطابق مجاہدین میں اموال تقسیم کیا۔ ہر ایک مجاہد کے حصے میں چار اونٹ یا چالیس بکریاں آئیں۔ البتہ گھڑ سوار کو اس کے گھوڑے کے دو حصے بھی دیے گئے۔ چونکہ اس دور میں گھوڑا نہایت مفید کردار کا حامل تھا اور جنگوں میں اس کا استعمال فتح کی بنیادی چابی سمجھی جاتی تھی، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھڑ سوار کو دیگر مجاہدین سے دو حصے زائد دیتے تھے۔ اس طرح گھڑ سوار مجاہد کو بارہ اونٹ یا ایک سو بیس بھیڑ بکریاں عطا کیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے چاندی کا ڈھیر لگا تھا۔ ابوسفیان آئے اور مالِ غنیمت میں سے خصوصی نوازش کی درخواست کی۔ مؤرخین کے نزدیک سیدنا ابوسفیان پہلے شخص ہیں جنھوں نے اس روز خصوصی عطا کی درخواست کی۔ وہ کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! آپ قریش میں سب سے زیادہ مالدار بن گئے ہیں۔ یہ سن کر آپ مسکرا دیے۔ سیدنا ابوسفیان نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! مجھے بھی اس مال سے عنایت فرمائیں۔ آپ نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ ''ابوسفیان کو چالیس اوقیہ (تقریباً پونے پانچ کلوگرام) چاندی اور سو اونٹ دے دو۔'' سیدنا ابوسفیان کہنے لگے: حضور! میرے بیٹے یزید کو بھی عطا کیجیے۔ آپ نے حکم دیا: ''یزید کو چالیس اوقیے چاندی اور سو اونٹ دے دو۔'' یہ نوازش دیکھ کر ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے پھر عرض کی: اے اللہ کے رسول! میرے بیٹے معاویہ کو بھی عنایت فرمائیں۔ آپ نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو فرمایا: ''معاویہ (رضی اللہ عنہ) کو چالیس اوقیے چاندی اور سو اونٹ دے دو۔'' یہ بخشش و

عطا کی بارش دیکھ کر سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ بے اختیار بول اٹھے: میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ بہت بڑے سخی ہیں۔ میں نے آپ کے خلاف جنگیں لڑیں، آپ اس وقت بہترین مدمقابل تھے۔ پھر میں نے آپ سے صلح کر لی، بلاشبہ آپ بہترین صلح کرنے والے ہیں۔ جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا۔ [1]

حنین میں خصوصی نوازش

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ تھا کہ آپ مجاہدین اسلام کی حوصلہ افزائی فرماتے اور انھیں خصوصی انعامات سے نوازتے۔ غزوۂ حنین کی شاندار کامیابی پر آپ نے جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نوازا، ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

1 سیدنا عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کو ایک لونڈی عطا کی۔

2 سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو ریطہ بنت ہلال نامی لونڈی عطا کی۔

3 سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو زینب بنت حیان نامی باندی دی۔

4 سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو ایک لونڈی عطا کی جو انھوں نے اپنے بیٹے عبداللہ کو دے دی۔ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اسے اپنے ننھیال بنوجمح کے حوالے کیا تاکہ وہ اسے تیار کر دیں۔ سیدنا عبداللہ طواف کرنے گئے۔ ان کا ارادہ تھا کہ وہ طواف کے بعد اپنی لونڈی سے فائدہ اٹھائیں گے۔ لیکن جب آپ طواف کے بعد مسجد حرام سے باہر نکلے تو لوگوں کو بھاگتے دوڑتے دیکھا۔ انھوں نے وجہ پوچھی تو بتایا گیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہوازن کے قیدی لوٹا دیے ہیں۔ اس موقع پر سیدنا عبداللہ نے اتباعِ رسول اور حبِّ رسول کی شاندار مثال قائم کی۔ انھوں نے وہیں کھڑے کھڑے فرمایا: تمھاری عورت بنوجمح میں ہے، جاؤ اسے بھی لے جاؤ، اب مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ لہٰذا وہ اپنی عورت کو لے گئے۔

5 اسی طرح آپ نے سیدنا طلحہ بن عبیداللہ، سعد بن ابی وقاص، ابوعبیدہ بن جراح اور زبیر بن عوام رضی اللہ عنہم کو بھی ایک ایک لونڈی دی جن سے انھوں نے تعلقات قائم کر کے فائدہ اٹھایا۔

زاہد و عابد حکیم بن حزام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا و بخشش کی بارش خوب برس رہی تھی اور اہل ایمان اپنی اپنی قسمت سنوار رہے تھے۔ ہر کوئی جود و سخا کی اس فیض رسانی سے مستفید ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ سیدنا حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بھی حاضر خدمت

[1] المغازي للواقدي: 2/344-345، السيرة لابن هشام: 4/133.

ہوئے اور آپ سے سو اونٹ حاصل کیے۔ تھوڑی دیر گزری تو پھر آ گئے۔ اللہ کے رسول نے پھر سو اونٹ عطا کیے۔ تیسری بار حاضر ہوئے تو پھر سو اونٹ حاصل کر لیے۔ اس بار رحمت عالم نے دنیا کے اس مال کی عنایت کے ساتھ اخروی زاد راہ بھی عطا فرمایا جسے حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے تاحیات دل سے لگائے رکھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

«يَا حَكِيمُ! إِنَّ هٰذَا الْمَالَ خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ ، فَمَنْ أَخَذَهُ بِسَخَاوَةِ نَفْسٍ بُورِكَ لَهُ فِيهِ، وَمَنْ أَخَذَهُ بِإِشْرَافِ نَفْسٍ لَّمْ يُبَارَكْ لَهُ فِيهِ كَالَّذِي يَأْكُلُ وَلَا يَشْبَعُ ، اَلْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلٰى»

''حکیم! یہ مال سبز و شیریں ہے۔ جو شخص اس کو سخاوت نفس کے ساتھ لیتا ہے، اسے برکت عطا ہوتی ہے اور جو طمع کے ساتھ لیتا ہے، اس کو اس میں برکت نہیں دی جاتی اور ایسا آدمی اس شخص کی طرح ہوتا ہے جو کھاتا تو ہے مگر سیر نہیں ہوتا، نیز اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔''

یہ ارشادات عالیہ سن کر سیدنا حکیم رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر مبعوث فرمایا ہے! آپ کے بعد میں کسی سے کچھ طلب نہیں کروں گا حتی کہ اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں۔

چنانچہ ایسے ہی ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو انھوں نے سیدنا حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان کو سرکاری وظیفہ دیا مگر سیدنا حکیم نے لینے سے معذرت کر لی۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت ختم ہوئی تو سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا۔ وہ اپنے دور میں سیدنا حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کو بیت المال سے ان کا وظیفہ دینے کی کوشش کرتے رہے مگر وہ ہر بار انکار کر دیتے۔ حتی کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجلاس بلایا اور سیدنا حکیم بن حزام کے بارے میں وضاحت کی اور فرمایا: ''اے مسلمانو! میں تمھیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے حکیم بن حزام کو اس کا وظیفہ دینے کی بھرپور کوشش کی مگر انھوں نے لینے سے معذرت کر لی ہے۔''

اس طرح سیدنا حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا ہوا وعدہ تادم آخر نبھایا۔[1]

جود و سخا کی بارش

اسلامی لشکر کو حاصل ہونے والی فتوحات کے نتیجے میں جو مالِ غنیمت حاصل ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کا پانچواں حصہ اپنے رسول کے لیے خاص کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پانچویں حصے سے اپنی ذاتی ضروریات پوری فرماتے اور بقیہ مال اسلامی لشکر کی ضرورت پر خرچ کر دیتے تھے۔ جنگ حنین کی غنیمتوں میں سے آپ کا پانچواں حصہ چار ہزار آٹھ سو

[1] صحيح البخاري :1472، المغازي للواقدي :2/345.

اونٹ، آٹھ ہزار بھیڑ بکریاں اور بہت سی چاندی پر مشتمل تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے اس حصے سے ان سرداروں کی تالیف قلبی کی جو فتح مکہ سے کچھ پہلے یا تھوڑی دیر بعد مسلمان ہوئے تھے۔ آپ چاہتے تھے کہ ان سرداروں کے دلوں میں ایمان کی قوت راسخ ہو جائے اور وہ اسلام کے لیے اپنی خدمات بہتر طور پر پیش کر سکیں۔ لہٰذا آپ نے اپنی بے پناہ جود و سخا کے ذریعے سے انھیں اپنا بنا لیا۔ اس روز آپ نے جنھیں فیض یاب کیا، ان کی تفصیل کچھ یوں ہے:

	نام	اونٹوں کی تعداد		نام	اونٹوں کی تعداد
1	ابوسفیان بن حرب	100 اور 40 اوقیہ چاندی (4 کلو، 760 گرام)	12	اقرع بن حابس تمیمی	100
2	معاویہ بن ابوسفیان	100 اور 40 اوقیہ	13	عیینہ بن حصن فزاری	100
3	یزید بن ابوسفیان	100 اور 40 اوقیہ	14	مالک بن عوف نصری	100
4	حکیم بن حزام	300	15	عباس بن مرداس	100
5	نضیر بن حارث بن کلدہ	100	16	علقمہ بن علاثہ ثقفی	100
6	اسید بن حارثہ زہری	100	17	علاء بن حارثہ	50
7	حارث بن ہشام	100	18	مخرمہ بن نوفل	50
8	صفوان بن امیہ	100	19	سعید بن یربوع	50
9	قیس بن عدی	100	20	عثمان بن وہب	50
10	سہیل بن عمرو	100	21	ہشام بن عمرو	50
11	حویطب بن عبدالعزیٰ	100			

عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ کی پریشانی

اہلِ مغازی نے رسول اللہ ﷺ کی جود و سخا کی تفصیلات لکھی ہیں۔ آپ نے ہر شخص کو حکمت پر مبنی عطا و بخشش سے نوازا۔ کسے کس قدر نوازنا ہے، یہ آپ سے بہتر کون جانتا تھا۔ آپ کو براہِ راست رب العالمین ہدایات سے سرفراز فرماتا تھا۔ آپ انھی ہدایات کی روشنی میں فیصلے فرماتے تھے۔ اگرچہ یہ فیصلے بعض اوقات کچھ لوگوں کو سمجھ نہیں آتے تھے۔ جعرانہ میں غنیمت کی تقسیم میں بھی ایک فیصلہ ایسا تھا جو عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ کو پسند نہ آیا۔

رسول اللہ ﷺ نے ابتدا میں انھیں چار اونٹ عطا کیے تو وہ آزردہ ہوگئے اور انھوں نے اپنے جذبات کو درج ذیل شعروں میں بیان کیا جبکہ آپ نے عیینہ بن حصن فزاری اور اقرع بن حابس کو سو سو اونٹ دیے تھے:

كَانَتْ نِهَابًا تَلَافَيْتُهَا ... بِكَرِّي عَلَى الْمُهْرِ فِي الْأَجْرَعِ

وَإِيقَاظِي الْقَوْمَ أَنْ يَرْقُدُوا ... إِذَا هَجَعَ النَّاسُ لَمْ أَهْجَعِ

فَأَصْبَحَ نَهْبِي وَنَهْبُ الْعُبَيْدِ ... بَيْنَ عُيَيْنَةَ وَ الْأَقْرَعِ

وَقَدْ كُنْتُ فِي الْحَرْبِ ذَا تُدْرَإٍ ... فَلَمْ أُعْطَ شَيْئًا وَلَمْ أُمْنَعِ

إِلَّا أَفَائِلَ أُعْطِيتُهَا ... عَدِيدَ قَوَائِمِهَا الْأَرْبَعِ

وَمَا كَانَ حِصْنٌ وَلَا حَابِسٌ ... يَفُوقَانِ شَيْخِي فِي الْمَجْمَعِ

وَمَا كُنْتُ دُونَ امْرِئٍ مِنْهُمَا ... وَمَنْ تَضَعِ الْيَوْمَ لَا يُرْفَعِ



”میدان جنگ میں نوجوان اونٹ پر سوار ہو کر حملہ آور ہونے کا میرا حصہ بس یہی ہے۔ لوگوں کو نیند سے بیدار رکھنے کا یہی صلہ ہے؟ جب لوگ سو جاتے تھے تو میں جاگ کر ان کی حفاظت کرتا تھا۔ پھر میرا اور میرے گھوڑے عبید کا حصہ عیینہ اور اقرع کو دے دیا گیا۔ حالانکہ میں جنگ میں اپنی قوم کا دفاع کرنے والا ہوں۔ پھر مجھے نہ کچھ عطا کیا گیا اور نہ محروم رکھا

گیا۔ سوائے گنتی کے چار ٹوڈوں (اونٹنی کے بچوں) کے جو مجھے دے کر ٹرخا دیا گیا۔ حصن اور حابس لوگوں میں میرے باپ سے کم تر درجے کے لوگ ہیں۔ اور میں عیینہ اور اقرع سے بڑھ کر ہوں۔ (اے اللہ کے رسول!) آج جسے آپ نے گرا دیا، وہ تا حیات اٹھ نہیں سکے گا۔''

اللہ کے رسول ﷺ کو عباس بن مرداس کی خبر ملی تو آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ اسے اتنے اونٹ دے دو جس سے وہ راضی ہو جائے اور اس کی زبان خاموش ہو جائے۔ لہٰذا انھیں سو اونٹ دے دیے گئے اور وہ راضی ہو گئے۔

علامہ ابن ہشام فرماتے ہیں: جب عباس بن مرداس رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا: یہ شعر تم ہی نے کہا ہے:

فَأَصْبَحَ نَهْبِي وَنَهْبُ الْعُبَيْدِ بَيْنَ الْأَقْرَعِ وَ عُيَيْنَةَ

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے شعر کی تصحیح کراتے ہوئے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! شعر یوں ہے: ''بین عیینة و الأقرع'' شعر میں عیینہ کا ذکر پہلے اور اقرع کا بعد میں ہے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بات تو ایک ہی ہے۔'' سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پھر عرض کی: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نہ شاعر ہیں، نہ شعر و شاعری آپ کی شان کے لائق ہے۔ اس لیے وزن شعری کو درست رکھنا آپ ضروری نہیں سمجھ رہے۔ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے:

﴿وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ﴾ (یٰسٓ 69:36)

''اور ہم نے آپ کو شعر نہیں سکھائے اور نہ یہ آپ کی شان کے لائق ہے۔''[1]

منافقین کی الزام تراشی

رسول اللہ ﷺ جعرانہ میں حنین کا مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے۔ آپ نو مسلم سرداروں کو اسلام پر پکا کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ مال عطا فرما رہے تھے۔ آپ ایک ایک شخص کو سو سو اونٹ اور ہزار ہزار بکریاں عطا کر رہے تھے جبکہ اپنے قریبی جانثاروں اور وفا شعاروں کو کچھ بھی نہیں دے رہے تھے۔ ابھی اہل ایمان کی زبانیں کچھ بھی نہ کہہ پائی تھیں کہ نفاق کے سانپ باہر نکل آئے اور انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی حکیمانہ تقسیم پر اعتراض کر دیا۔ آپ کی

[1] صحيح مسلم: 1060، فتح الباري: 69/8، السيرة لابن هشام: 137/4، المغازي للواقدي: 347,346/2.

عادلانہ تقسیم پر الزام تراشی شروع کر دی۔ رسول اللہ ﷺ کو ان کے طعن و تشنیع سے سخت تکلیف پہنچی مگر آپ نے عفوو درگزر سے کام لیا اور ان کی انتہائی بدزبانی کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حنین کی غنیمتوں میں کچھ لوگوں کو خصوصی طور پر نوازا۔ آپ نے اقرع بن حابس اور عیینہ بن حصن کو سوسو اونٹ عطا کیے۔ اسی طرح قریشی سرداروں کو بھی سوسو اونٹ دیے۔ آپ کی یہ نوازش دیکھ کر ایک منافق معتب بن قشیر کہنے لگا: اللہ کی قسم! یہ عادلانہ تقسیم نہیں۔ یہ تقسیم اللہ کی رضا کے حصول کا باعث نہیں۔ میں نے اسے کہا: اللہ کی قسم! میں تمھاری یہ بات ضرور رسول اللہ ﷺ کو بتاؤں گا۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس منافق کی بدکلامی آپ کو سنائی۔ یہ سن کر آپ کا چہرہ مبارک سرخ ہوگیا۔ آپ کو شدید غصہ آیا حتی کہ مجھے ندامت ہونے لگی کہ ایسی تکلیف دہ بات میں نے آپ کو کیوں بتائی۔ کاش! میں آپ کو منافق کی بے ہودگی نہ بتاتا۔ مگر رسول اللہ ﷺ نے اپنے بھائی موسیٰ علیہ السلام کو یاد کیا اور خود کو تسلی دے لی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«فَمَنْ يَعْدِلُ إِنْ لَمْ يَعْدِلِ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ؟»

''اگر اللہ اور اس کا رسول عدل نہیں کرے گا تو پھر کون عدل کرے گا؟''

پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

«يَرْحَمُ اللّٰهُ مُوسٰى، قَدْ أُوذِيَ بِأَكْثَرَ مِنْ هٰذَا فَصَبَرَ»

''اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے، انھیں اس سے بھی زیادہ تکلیف دی گئی تھی اور انھوں نے صبر کیا تھا (لہٰذا میں بھی صبر کرتا ہوں)۔''[1]

میں نے یہ سن کر تہیہ کر لیا کہ آئندہ کبھی منافقین کی ہرزہ سرائی آپ کو نہیں بتاؤں گا۔

منافقین کی ہرزہ سرائی نے جہاں رسول اللہ ﷺ کا دل دکھایا تھا، وہاں مومن مجاہدین کو بھی شدید قلبی رنج پہنچایا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی ذات بابرکات مومنوں کے دلوں کی ٹھنڈک اور آنکھوں کا سرور تھی۔ کوئی منافق جب آپ کی ذات گرامیِ قدر پر انگلی اٹھاتا تو جاں نثار تڑپ جاتے تھے۔ ایک ایسی ہی دلگیر خبر سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جعرانہ میں تشریف فرماتے تھے۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی چادر میں چاندی رکھی تھی اور وہ آپ کے حکم سے لوگوں میں تقسیم کر رہے تھے۔ اس دوران میں ذوالخویصرہ تمیمی آیا اور کہنے لگا:

[1] صحيح البخاري: 4335، صحيح مسلم: 1062، المغازي للواقدي: 248/2.

يَا مُحَمَّدُ! اِعْدِلْ. ''اے محمد! عدل کرو۔'' آپ نے اس کا اعتراض سن کر فرمایا:

«وَيْلَكَ! وَمَنْ يَعْدِلُ إِذَا لَمْ أَكُنْ أَعْدِلُ؟ لَقَدْ خِبْتُ وَخَسِرْتُ إِنْ لَمْ أَكُنْ أَعْدِلُ»

''تو برباد ہو جائے! اگر میں نے عدل نہیں کیا تو پھر عدل کون کرے گا؟ اگر میں نے عدل نہ کیا تو میری ساری محنت رائیگاں گئی اور میں نے خسارہ پایا۔''

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس کے یہ گستاخانہ کلمات سنے تو فوراً عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اجازت ہو تو میں اس منافق کی گردن اڑا دوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کی پناہ کہ لوگوں میں یہ بات مشہور ہو کہ میں اپنے ساتھیوں کو قتل کرا دیتا ہوں۔ بلاشبہ یہ شخص اور اس کے ساتھی قرآن (بکثرت) پڑھیں گے جو ان کے گلے سے نیچے نہیں اترے گا، یہ دین سے ایسے ہی گزر جائیں گے جیسے تیز رفتار تیر شکار کے آر پار ہو جاتا ہے (اور اس کے ساتھ کوئی گوشت وغیرہ نہیں لگا ہوتا)۔ شکاری تیر کی نوک، پر اور پھل کو دیکھتا ہے مگر وہ بالکل صاف ہوتے ہیں۔ وہ خون اور گوبر کو چیرتا ہوا نکل جاتا ہے۔''

آپ نے مزید فرمایا: ''یہ اس قدر اہتمام کے ساتھ نمازیں پڑھیں گے کہ تم اپنی نمازوں کو حقیر سمجھنے لگو گے۔ وہ روزے رکھیں گے اور تم ان کے سامنے اپنے روزوں کو کمتر سمجھو گے۔''[1]

اوس وخزرج کے شکوے آنسوؤں میں بہہ گئے

مدینہ منورہ کے دو قبائل اوس اور خزرج کے زندہ دل لوگ جب سے بیعت کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثاروں میں شامل ہوئے تھے، انھوں نے اپنے مال اور جانیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قربان کر کے انصار ہونے کا حق ادا کر دیا۔ آپ نے انھیں انصار کا لقب دیا تو انھوں نے اس لقب کو اسم بامسمّٰی ثابت کر دیا۔ مہاجرین کے لیے اپنے دل اور دروازے کھول دیے اور ان کی خدمت کچھ اس والہانہ محبت سے کی کہ عرش والے نے انھیں ایسا شاندار خراج تحسین پیش کیا جو تا قیامت اہل ایمان کے دلوں کو گرماتا رہے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ تَبَوَّءُو الدَّارَ وَالْإِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾

[1] صحيح مسلم: 1063، المغازي للواقدي: 348,347/2، البداية والنهاية: 635,634/4.

''اور ان (انصار) کے لیے ہے جنھوں نے (مدینہ کو) گھر بنا لیا تھا اور ان (مہاجرین کی ہجرت) سے پہلے ایمان لا چکے تھے، وہ (انصار) ان سے محبت کرتے ہیں جو ان کی طرف ہجرت کرے، اور وہ اپنے دلوں میں اس (مال) کی کوئی حاجت (طلب اور خواہش) نہیں پاتے جو ان (مہاجرین) کو دیا جائے اور اپنی ذات پر (ان کو) ترجیح دیتے ہیں، اگرچہ خود انھیں سخت ضرورت ہو، اور جو کوئی اپنے نفس کے لالچ سے بچا لیا گیا تو وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔''[1]

نیز فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۚ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ﴾

''اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جنھوں نے (مہاجرین کو) جگہ دی اور (ان کی) مدد کی، وہی لوگ سچے مومن ہیں، ان کے لیے مغفرت اور باعزت روزی ہے۔''[2]

انصار مدینہ نے خوشی اور غم، صلح اور جنگ، خوشحالی اور تنگ دستی ہر دو صورتوں میں رسول اللہ ﷺ کے دائیں بائیں، آگے پیچھے اپنی ہر چیز نچھاور کر دی۔ ہر جنگ میں ان کی تعداد باقی لوگوں سے کئی گنا زیادہ ہوتی تھی۔ بدر سے حنین تک ہر معرکے میں ان کی لازوال قربانیوں کی داستانیں سنہری حروف سے لکھی گئی ہیں۔ اسلام کے ابتدائی کمزور دور سے لے کر عروج کی انتہا تک انصار آپ کی خدمت میں ہر دم حاضر رہے۔ جنگ کی ہولناکیوں میں انھیں پکارا گیا تو چاروں طرف سے لبیک لبیک کی آوازیں آئیں۔ کبھی ایسا موقع نہیں آیا کہ اسلام کو خدمت کی ضرورت ہو اور انصار وہاں موجود نہ ہوں۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ کو بھی اپنے انصار سے بے پناہ محبت تھی۔ اور آپ اپنی محبت کا اظہار بھی کیا کرتے تھے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے انصاری عورتوں اور بچوں کو دیکھا جو ایک شادی سے واپس آرہے تھے تو آپ فرطِ محبت سے کھڑے ہو گئے اور آپ ﷺ نے دو بار ارشاد فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ! أَنْتُمْ مِنْ أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيَّ»

''اے اللہ! تو گواہ رہ! تم مجھے سب لوگوں سے زیادہ محبوب ہو۔''[3]

جعرانہ میں رسول اللہ ﷺ نے مال غنیمت تقسیم کیا تو ہر مجاہد کے حصے میں چار اونٹ یا چالیس بکریاں آئیں۔

[1] الحشر 9:59. [2] الأنفال 74:8. [3] صحيح البخاري: 5180، صحيح مسلم: 2508.

آپ نے کچھ قریشی سرداروں اور مختلف قبائل کے اشراف کو خصوصی نوازا۔ انھیں سو سو اونٹ عطا کیے اور ہزاروں بکریاں بھی انھی کو دے دیں۔ آپ کا مقصد انھیں اسلام پر جمانا تھا۔ آپ کی کوشش تھی کہ جن قریش مکہ کو فتح مکہ والے دن زبردست شکست ہوئی ہے، ان کی تالیف قلبی کا سامان ہو جائے۔ وہ اگر اسلامی قوت و طاقت سے مرعوب ہوکر مسلمان ہوئے تھے تو اسلام کی سخاوت کے ذریعے انھیں پکا کر دیا جائے۔ اس لیے آپ نے اپنے جاں نثاروں کو عمومی حصہ دیا اور ایسے نومسلموں کو خوب مال عطا کیا، حالانکہ اسلام میں ان کی خدمات نہ ہونے کے برابر تھیں بلکہ ان کی ساری زندگی مسلمانوں کے خلاف جنگ و جدال میں گزری تھی۔ یہ موقع تھا جب انصاری نوجوان اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکے اور ان کی زبانوں سے چند ایسے کلمات نکل گئے جو ان کے خاندان کے ایثار و وفا کے منافی تھے۔ قبیلے کے دانشور، عقلمند اور بزرگ خاموش تھے مگر نوجوانوں نے جو دل میں تھا، اس کا اظہار کر دیا اگرچہ وہ ناگوار تھا۔

ایک نے کہا: اللہ اپنے رسول کی بخشش فرمائے، آپ قریش کو عطا کر رہے ہیں جبکہ ابھی ہماری تلواروں سے ان کا خون ٹپک رہا ہے۔

دوسرے نے کہا: اللہ کی قسم! یہ بڑی عجیب بات ہے، جن کے قتل سے ہماری تلواریں خون آلود ہیں، انھی قریش کو مال غنیمت سے نوازا جا رہا ہے۔

جبکہ صحیح بخاری میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں کہ انصار نے کہا: جب مشکل آتی ہے تو ہمیں پکارا جاتا ہے اور غنیمت کی تقسیم کے وقت اوروں کو نوازا جاتا ہے۔

کسی کہنے والے نے یہ تک کہہ دیا: آج رسول اللہ ﷺ کو اپنی قوم مل گئی ہے (بس اسے ہی نواز رہے ہیں) جبکہ میدان جنگ میں تو ہم ہی آپ کے ساتھی ہوتے ہیں۔ اب غنیمت کی تقسیم کی باری آئی ہے تو اپنی قوم اور کنبے کو عطا کر رہے ہیں۔ اے کاش! ہمیں معلوم ہو کہ یہ تقسیم کس طرح ہو رہی ہے؟ اگر یہ حکم الٰہی ہے تو ہم صبر کریں گے اور اگر یہ رسول اللہ ﷺ کی ذاتی رائے ہے تو ہم اپنا حصہ لے کر رہیں گے۔

رسول اللہ ﷺ کو اپنے جاں نثاروں کے یہ کلمات پہنچے تو آپ ﷺ کو شدید رنج ہوا۔ اپنے محبین کے یہ شکوے آپ کو ناگوار گزرے۔ اسی دوران انصار کے سردار سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی قوم کے جذبات سے آگاہ کیا۔ آپ نے پوچھا: «فَأَيْنَ أَنْتَ مِنْ ذَالِكَ يَا سَعْدُ؟» ''سعد! تمھارا کیا موقف ہے؟'' سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں بھی اپنی قوم کا ایک فرد ہوں لیکن یہ باتیں نوجوانوں

نے کی ہیں، سمجھدار اور بزرگوں نے نہیں کیں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے اپنے موقف کی وضاحت ضروری سمجھی تاکہ ان کے دلی دوستوں کی تشفی ہو اور ان کے دل محبت و الفت سے آباد رہیں۔ آپ نے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ تمام انصار کو جمع کرو، ان کے ساتھ دوسرا کوئی شخص نہ ہو۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے انصار کو ایک بہت بڑے خیمے میں جمع کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دوستوں کے گلے شکوے دور کرنے کے لیے خطبہ ارشاد فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا: ''اے انصار کی جماعت! مجھے تمھارے جذبات کا علم ہو گیا ہے۔ تم نے میری تقسیم کو بہت محسوس کیا ہے۔ کیا ایسا نہیں ہے کہ

«أَلَمْ آتِكُمْ ضُلَّالًا فَهَدَاكُمُ اللّٰهُ وَعَالَةً فَأَغْنَاكُمُ اللّٰهُ وَأَعْدَاءً فَأَلَّفَ اللّٰهُ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ»

''میں تمھارے پاس آیا تھا تو تم گمراہ تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے تمھیں (میرے ذریعے) ہدایت عطا کر دی۔ تم فقیر تھے تو اللہ تعالیٰ نے تمھیں غنی کر دیا، تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اللہ تعالیٰ نے تمھارے دلوں کو جوڑ دیا (اور تمھیں بھائی بھائی بنا دیا)۔''

انصاری جاں نثاروں نے عرض کی: آپ نے بالکل درست فرمایا، ہم سب سے زیادہ اللہ اور اس کے رسول کے احسان مند ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «أَلَا تُجِيبُونَ يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ!» ''اے جماعت انصار! بولو، جواب دو؟''

انصار نے پھر عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم کیا جواب دیں، یقیناً اللہ اور اس کے رسول کے بہت زیادہ احسانات ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«وَاللّٰهِ! لَوْ شِئْتُمْ قُلْتُمْ فَصَدَقْتُمْ: أَتَيْتَنَا مُكَذَّبًا فَصَدَّقْنَاكَ وَ مَخْذُولًا فَنَصَرْنَاكَ وَ طَرِيدًا فَآوَيْنَاكَ وَ عَائِلًا فَآسَيْنَاكَ»

''اللہ کی قسم! اگر تم کہنا چاہو تو کہہ دو، تم سچے ہی ہو گے کہ حضور آپ ہمارے پاس اس وقت آئے جب آپ کو آپ کی قوم نے جھٹلا دیا تھا تو ہم نے آپ کی تصدیق کی، آپ پر ایمان لائے، آپ بے یار و مددگار تھے ہم نے آپ کی حمایت و مدد کی، آپ کو آپ کے علاقے سے نکال دیا گیا تھا تو ہم نے آپ کو پناہ دی۔ آپ کے پاس مال نہیں تھا، ہم نے اپنے مال نچھاور کیے۔''

''اے معشر انصار! تم نے دنیا کے مال کی وجہ سے غصہ کیا ہے، حالانکہ میں نے اس مال سے نومسلموں کے دلوں کو جوڑنے کی کوشش کی ہے اور تمھیں اسلام کی پختگی کی وجہ سے وہ مال نہ دیا۔''

«أَفَلَا تَرْضَوْنَ يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ! أَنْ يَذْهَبَ النَّاسُ بِالشَّاءِ وَالْبَعِيرِ وَ تَرْجِعُوا بِرَسُولِ اللّٰهِ إِلٰى رِحَالِكُمْ؟ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! لَوْلَا الْهِجْرَةُ لَكُنْتُ امْرَءًا مِّنَ الْأَنْصَارِ وَلَوْ سَلَكَ النَّاسُ شِعْبًا وَّ سَلَكَتِ الْأَنْصَارُ شِعْبًا لَّسَلَكْتُ شِعْبَ الْأَنْصَارِ»

’’اے انصار کی جماعت! کیا تم اس بات پر خوش نہیں کہ لوگ اپنے گھروں میں بھیڑ بکریاں اور اونٹ لے جائیں اور تم اپنے گھروں میں رسول اللہ (ﷺ) کو لے کر لوٹو؟ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں ایک انصاری شخص ہوتا۔ اگر سارے لوگ ایک گھاٹی پر چلیں اور انصار دوسری گھاٹی پر چلیں تو میں انصار کے ساتھ چلوں گا۔‘‘

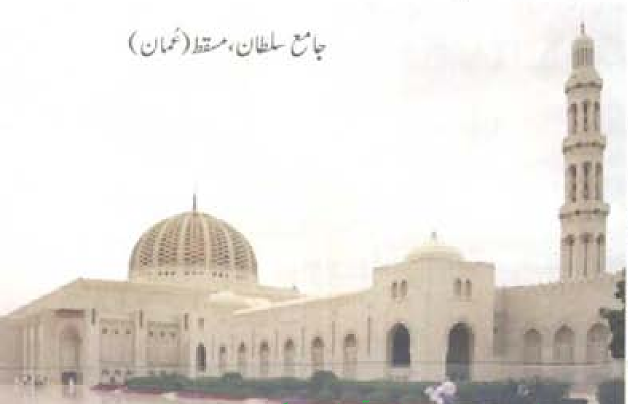

دارین، بحرین (سعودی عرب) میں قصر محمد بن عبدالوہاب فیحانی کے آثار

’’میرے انصار آؤ، میں تمھیں بحرین کا علاقہ لکھ دیتا ہوں۔ میرے بعد وہ تمھارے لیے خاص ہوگا۔‘‘ انصار کے فتح کردہ علاقوں میں بحرین سب سے شاندار تھا۔ لیکن انصار نے عرض کی: اللہ کے رسول! اگر آپ ہمارے ہوگئے تو پھر ہم نے دنیا کے مال ومنال کا کیا کرنا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

«إِمَّا لَا فَسَتَرَوْنَ بَعْدِي أَثَرَةً فَاصْبِرُوا حَتّٰى تَلْقَوُا اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ مَوْعِدَكُمُ الْحَوْضُ وَهُوَ كَمَا بَيْنَ صَنْعَاءَ وَعُمَانَ، وَآنِيَتُهُ أَكْثَرُ مِنْ عَدَدِ النُّجُومِ، اَللّٰهُمَّ ارْحَمِ الْأَنْصَارَ وَأَبْنَاءَ الْأَنْصَارِ وَأَبْنَاءَ أَبْنَاءِ الْأَنْصَارِ»

’’اگر تم نے دنیاوی مال لینے سے انکار کیا ہے تو پھر میرے بعد صبر سے کام لینا، کیونکہ میرے بعد تم پر دیگر لوگوں کو ترجیح دی جائے گی۔ تم اللہ اور اس کے رسول سے ملاقات تک صبر کرنا۔ بلاشبہ تم سے حوضِ کوثر کا وعدہ ہے۔ اس کی چوڑائی صنعاء اور عمان کے درمیانی فاصلے جیسی ہے۔ اس کے پیالوں کی تعداد ستاروں


صنعاء (یمن) کا ایک منظر


جامع سلطان، مسقط (عمان)

جنتی ہے۔ اے اللہ! انصار پر رحم فرما، انصار کے بیٹوں اور پوتوں پر بھی رحم فرما۔“

رسول اللہ ﷺ کی اس وضاحت اور اپنی محبت و وفا کے اظہار کے بعد انصار زار و قطار رو دیے حتی کہ ان کی داڑھیاں تر ہوگئیں۔ وہ بیک زبان بولے: ہم رسول اللہ ﷺ کی تقسیم پر راضی ہیں اور اپنے حصے میں رسول اللہ ﷺ کو پاکر بے حد خوش ہیں۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ مجلس سے تشریف لے گئے اور انصاری صحابہ بھی اٹھ گئے۔ کچھ روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ قُرَيْشًا حَدِيثُو عَهْدٍ بِجَاهِلِيَّةٍ وَّ مُصِيبَةٍ وَّ إِنِّي أَرَدْتُّ أَنْ أَجْبُرَهُمْ وَ أَتَأَلَّفَهُمْ»

”بلاشبہ قریش والے نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں اور شکست کے داغ بھی ابھی تازہ ہیں، اس لیے میں نے چاہا کہ (انھیں مال دے کر) ان کی تلافی کر کے اسلام پر پختہ کر دوں۔“

اس طرح رسول اللہ ﷺ نے چند افراد کو خصوصی نوازنے کی وضاحت کر کے اپنے جاں نثاروں کے شکوے دور کر دیے۔ پھر ان سے اپنی خصوصی محبت و الفت کا اظہار فرما کر انھیں دنیوی مال و منال سے بے نیاز کر دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَنْتُمُ الشِّعَارُ وَالنَّاسُ الدِّثَارُ»

”تم اس کپڑے کی طرح ہو یعنی استر جو ہمیشہ جسم کے ساتھ لگا رہتا ہے اور لوگ اوپر کے کپڑے کی طرح ہیں۔“

مسند احمد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

«اَلْأَنْصَارُ كَرِشِي وَعَيْبَتِي»

”انصار میرے جسم و جان ہیں۔“

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے خلفاء کو خصوصی ہدایت کی کہ وہ انصار کے ساتھ خصوصی محبت و شفقت سے پیش آئیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أُوصِيكُمْ بِالْأَنْصَارِ فَإِنَّهُمْ كَرِشِي وَعَيْبَتِي وَقَدْ قَضَوُا الَّذِي عَلَيْهِمْ وَبَقِيَ الَّذِي لَهُمْ فَاقْبَلُوا مِنْ مُّحْسِنِهِمْ وَتَجَاوَزُوا عَنْ مُّسِيئِهِمْ»

''میں تمھیں انصار کے بارے میں اچھے سلوک کی وصیت کرتا ہوں کہ وہ میرے جسم و جان ہیں۔ انھوں نے اپنی ذمہ داریاں بڑی خوب نبھائی ہیں لیکن ان کا صلہ ابھی باقی ہے، اس لیے تم لوگ ان کے نیک لوگوں کی نیکیاں قبول کرنا، ان کی قدر کرنا اور ان کے خطا کاروں سے درگزر کرنا۔''

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں:

«أَيُّهَا النَّاسُ! فَإِنَّ النَّاسَ يَكْثُرُونَ وَتَقِلُّ الْأَنْصَارُ حَتّٰى يَكُونُوا كَالْمِلْحِ فِي الطَّعَامِ فَمَنْ وَّلِيَ مِنْكُمْ أَمْرًا يَضُرُّ فِيهِ أَحَدًا أَوْ يَنْفَعُهُ فَلْيَقْبَلْ مِنْ مُّحْسِنِهِمْ وَيَتَجَاوَزْ عَنْ مُّسِيئِهِمْ»

''اے لوگو! یقیناً لوگ بڑھتے جائیں گے اور انصار کم ہوتے جائیں گے حتی کہ ان کی تعداد کھانے میں نمک کے برابر رہ جائے گی۔ لہٰذا تم میں سے جو شخص کوئی ذمہ داری سنبھالے اور وہ کسی کو نفع یا نقصان پہنچا سکتا ہو تو وہ انصار کے نیکو کاروں کی پذیرائی کرے اور ان کے خطا کاروں سے درگزر کرے۔''[1]

دیہاتیوں کی بے ادبی

جزیرۂ عرب کے قبائلی خانہ بدوش تھے۔ کسی ایک جگہ جم کر رہنا ان کے لیے ممکن نہ تھا۔ اپنی فطری آزادی کے تحت پورے عرب میں گھومتے پھرتے تھے۔ جہاں پانی اور چارہ نظر آیا وہیں ڈیرے ڈال دیے۔ جب اس جگہ پر پانی و چارہ ختم ہوا تو نئی منزل کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ وہ کسی معاشرے کے مستقل رکن نہ بنے اور نہ معاشرتی آداب سے واقف ہوئے۔ فطری سختی، درشتی اور بے ادبی کو ساتھ ساتھ لیے پھرتے تھے۔ اپنی چند ضروریات کی تکمیل کی خاطر کچھ بھی کر گزرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ لالچ و ہوس کوٹ کوٹ کر بھرا تھا، اس لیے بظاہر تعلقات کی بنیاد بھی مال ہی ہوتا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت مدبر، حکیم و دانا تھے۔ آپ ان بدوؤں سے ان کے مزاج کے مطابق بات کرتے تھے۔ آپ ہمیشہ انھیں عطا و بخشش کے ذریعے سے نرم کرنے کی کوشش فرماتے تھے۔ آپ نے ایک اعرابی سے وعدہ کر رکھا تھا کہ میں تمھیں مال عطا کروں گا۔ جعرانہ میں وہ اعرابی بھی آگیا اور آتے ہی سارے ادب و آداب بالائے پشت رکھتے ہوئے کہتا ہے: آپ نے مجھ سے جو وعدہ کر رکھا ہے، اسے پورا کیوں نہیں کرتے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''خوش ہو جا (عنقریب ہم مال تقسیم کریں گے۔ یا صبر سے کام لو تمھیں اجر و ثواب ملے گا۔ صبر کی وجہ سے تمھیں

[1] صحيح البخاري: 3800 و 4331،4330 و 4337، صحيح مسلم: 2510، مسند أحمد: 76/3.

جنت ملے گی)۔‘‘ وہ کہنے لگا: آپ خوش خبریاں تو پہلے بھی بہت دے چکے (اب مال عطا کریں)۔ رسول اللہ ﷺ کو اس کی یہ بات بڑی ناگوار گزری کیونکہ آپ نے کبھی بخل سے کام نہیں لیا۔ آپ کے پاس جو کچھ ہوتا، آپ دل کھول کر خرچ کرتے اور ضرورت مندوں کو عطا کرتے تھے۔

آپ نے غصے کی حالت میں سیدنا ابوموسیٰ اور بلال رضی اللہ عنہما کی طرف دیکھا اور فرمایا:

«رَدَّ الْبُشْرٰی فَاقْبَلَا أَنْتُمَا»

’’اس بدو نے بشارت ٹھکرا دی ہے، تم دونوں وہ بشارت قبول کر لو۔‘‘

دونوں صحابہ نے فوراً عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہمیں آپ کی بشارت قبول ہے۔

پھر آپ نے پانی منگوایا اور وضو کیا۔ اور برتن میں اپنی بابرکت کلی کی۔ پھر فرمایا:

«اِشْرَبَا مِنْهُ وَأَفْرِغَا عَلٰی وُجُوهِكُمَا وَنُحُورِكُمَا وَأَبْشِرَا»

’’اس میں سے کچھ پانی پی لو اور کچھ اپنے چہروں اور سینوں پر ڈال لو اور بشارت قبول کر لو (خوش ہو جاؤ، اللہ تعالیٰ تمھیں جنت عطا کرے گا)۔‘‘


قصر سعدان (نجران)

دونوں جاں نثاروں نے فوراً تعمیل کی۔ پانی پیا اور اپنے جسم پر بھی ڈالا۔ اسی دوران خیمے کے اندر سے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آواز دی: بیٹو! تھوڑا سا پانی اپنی والدہ کے لیے بھی بچانا۔ تو خدمت شعار بیٹوں نے کچھ پانی بچا کر ماں جی کی خدمت میں بھی پیش کیا۔ [1]

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ جا رہا تھا۔ آپ نے نجران شہر کی بنی ہوئی چادر اوڑھ رکھی تھی جس کا حاشیہ سخت اور چوڑا تھا۔ اتنے میں ایک دیہاتی نے آپ کو گھیر لیا اور آپ کو (آپ کی چادر سے پکڑ کر) اتنا زور سے کھینچا کہ آپ کے شانہ مبارک پر چادر کا نشان پڑ گیا۔ لیکن وہ اجڈ بے پروا اپنی ہی سنائے جا رہا تھا۔ اس گستاخی کے بعد اس نے مزید بے ادبی کی اور کہا: آپ کے پاس اللہ کا جو مال ہے، اس میں

[1] صحيح البخاري: 4328، البداية والنهاية: 4/631.

سے مجھے بھی عطا کیجیے۔ آپ اس جاہل بدو کی حرکت پر مسکرائے، اس کی طرف التفات فرمایا اور پھر حکم دیا کہ اسے کچھ عطا کرو۔[1]

رسول اللہ ﷺ سب سے بڑھ کر سخی، شجاع اور رحم دل تھے۔ آپ کی شانِ کریمی تو یہ تھی کہ آپ سے کوئی کچھ مانگتا اور آپ کے پاس عطا کرنے کے لیے کچھ ہوتا تو آپ کی زبان مبارک سے ''نہیں'' کا لفظ نہیں نکلتا تھا۔ اور اگر وافر مال موجود ہوتا تو ایک ایک شخص کو وادی میں چرنے والی سینکڑوں بکریاں صرف ایک سوال پر عطا کر دیتے۔ اسی لیے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے:

كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَجْوَدَ النَّاسِ ...... أَجْوَدُ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيحِ الْمُرْسَلَةِ.

''رسول اللہ ﷺ سارے لوگوں سے بڑھ کر سخی تھے ...... آپ بارش لانے والی ہوا سے بھی بڑھ کر سخاوت کرتے تھے۔''[2]

نبیِ اکرم ﷺ کا اسوۂ حسنہ یہ تھا کہ آپ نو مسلموں کو زیادہ سے زیادہ مال عطا فرماتے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ اس کی ایک حکمت یہ بیان کرتے ہیں کہ بعض دفعہ کوئی شخص صرف دنیوی مال کے لالچ میں اسلام قبول کر لیتا تھا لیکن پھر آہستہ آہستہ اسلام اسے دنیا و مافیہا کی دولت سے بڑھ کر عزیز ہو جاتا تھا۔

جعرانہ میں رسول اللہ ﷺ نے اسی حکمت کے تحت ہزاروں اونٹ بکریاں اور منوں چاندی نو مسلموں میں تقسیم کی لیکن اس کے باوجود دیہاتی بدوؤں کا پیٹ نہ بھرا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کو چمٹ گئے اور مسلسل مانگتے رہے۔ آپ سے مانگنے والوں کا رش بڑھا تو وہ آپ کو دھکیلتے دھکیلتے ببول کے ایک درخت تک لے گئے۔ آپ کی چادر اس میں اٹک گئی اور آپ رک گئے۔ آپ نے ان کے اس جاہلانہ رویے اور بے ادبی کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا اور پھر اپنی صفاتِ کریمہ کا اظہار فرما کر نہایت احسن انداز میں ان سے معذرت کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَعْطُونِي رِدَائِي لَوْ كَانَ لِي عَدَدُ هٰذِهِ الْعِضَاهِ نَعَمًا لَقَسَمْتُهُ بَيْنَكُمْ ثُمَّ لَا تَجِدُونِي بَخِيلًا وَلَا كَذُوبًا وَلَا جَبَانًا»

''میری چادر دے دو، اگر میرے پاس ان کانٹے دار درختوں کی تعداد کے برابر اونٹ ہوتے تو میں وہ بھی تمھیں تقسیم کر دیتا۔ تم مجھے بخیل، جھوٹا اور بزدل ہرگز نہیں پاؤ گے۔''[3]

[1] صحیح البخاري: 3149، البداية والنهاية: 631/4 [2] صحیح البخاري: 6. [3] دیکھیے: صحیح البخاري: 3148، المغازي للواقدي: 343/2.

سیدنا جعیل بن سراقہ کی عطا

رسول اللہ ﷺ جعرانہ میں نومسلموں کو مالا مال کر رہے تھے۔ آپ کی خدمت میں سیدنا جعیل رضی اللہ عنہ کی سفارش کی گئی۔ آپ سے عرض کی گئی کہ آپ نے عیینہ بن حصن اور اقرع بن حابس کو سو سو اونٹ دیے ہیں جبکہ جعیل رضی اللہ عنہ بھی مستحق ہیں۔ سیدنا جعیل رضی اللہ عنہ سابقین اولین میں سے تھے۔ اصحاب صفہ کے فقراء میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنگ احد میں شرکت کر چکے تھے۔ بنو قریظہ کے حصار کے دوران ان کی ایک آنکھ راہِ حق میں شہید ہوگئی تھی۔ ان تمام فضائل و مناقب کی وجہ سے جب آپ سے ان کی سفارش کی گئی تو آپ نے سیدنا جعیل رضی اللہ عنہ کے ایمان و یقین کی شاندار گواہی دی جو ان کے لیے کسی بھی عطا و بخشش سے بڑھ کر ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَمَا وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! لَجُعَيْلُ بْنُ سُرَاقَةَ خَيْرٌ مِّنْ طِلَاعِ الْأَرْضِ، كُلُّهُمْ مِّثْلُ عُيَيْنَةَ بْنِ حِصْنٍ وَّالْأَقْرَعِ بْنِ حَابِسٍ، وَلٰكِنِّي تَأَلَّفْتُهُمَا لِيُسْلِمَا، وَوَكَلْتُ جُعَيْلَ بْنَ سُرَاقَةَ إِلٰى إِسْلَامِهِ»

”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! عیینہ بن حصن اور اقرع بن حابس جیسے ساری دنیا کے لوگوں سے جعیل بن سراقہ بہتر ہے۔ لیکن میں نے ان دونوں کو اسلام پر پختہ کرنے کے لیے مال دیا ہے اور جعیل کو اس کے (پختہ) اسلام کے سپرد کر دیا ہے۔“[1]

ہوازن پر جود و سخا کی بارش

رسول اللہ ﷺ نے محاصرہ طائف کے بعد تقریباً ایک ماہ تک ہوازن کا انتظار کیا۔ ان کے قیدی مجاہدین اسلام میں تقسیم نہ کیے۔ یہ قیدی فاتح اسلامی لشکر کا حق تھا۔ رسول اللہ ﷺ ہوازن کے ساتھ رحمت و شفقت کا سلوک کرنا چاہتے تھے۔ آپ منتظر تھے کہ کب رؤسائے ہوازن آئیں اور اپنے قیدیوں کی رہائی کی اپیل کریں۔ لیکن ہوازن والے ڈرے سہمے رہے اور اپنے قیدیوں کی معافی کے لیے کوئی کوشش نہ کر سکے۔ بالآخر آپ نے مجاہدین کا حق ان میں تقسیم کر دیا۔ جب ہوازن کے بچے، عورتیں اور مرد مجاہدین میں تقسیم کر دیے گئے تو ہوازن کے سرکردہ لیڈر ان کی رہائی کے لیے حاضر خدمت ہوگئے۔ یہ وفد چودہ افراد پر مشتمل تھا۔ ان کی قیادت ابو صرد زہیر بن صرد کر رہا تھا۔ اس وفد میں رسول اللہ ﷺ کے رضاعی چچا ابو برقان بھی تھے۔ انھوں نے حاضر خدمت ہو کر اپنے اسلام کی خبر دی

[1] المغازي للواقدي: 2/347، السيرة لابن هشام: 4/139، أسد الغابة: 1/324.

اور آپ کو بتایا کہ ہمارا وفد مسلمان ہے اور ہم اپنے قبیلے کے اسلام لانے کی خبر لے کر حاضر ہوئے ہیں۔ پھر آپ سے اپنے قیدی رہا کرنے کی التجا کی۔ آپ کے رضاعی چچا ابو برقان نے عرض کی:

''اے اللہ کے رسول: ان قیدی کیمپوں میں آپ کی خالائیں، پھوپھیاں اور آپ کی پرورش کرنے والی بہنیں قید ہیں جو آپ کو اپنی گود میں کھلاتی رہیں، وہ مائیں ہیں جنھوں نے آپ کو اپنا دودھ پلایا، آپ کو پالا پوسا۔ اے اللہ کے رسول! میں نے آپ کو اپنے قبیلے میں دودھ پیتے ہوئے دیکھا ہے، آپ اس وقت بہترین مرضع (دودھ پینے والے بچے) تھے۔ پھر آپ بڑے ہوگئے اور آپ نے دودھ پینا چھوڑ دیا۔ میں نے آپ سے بہتر فطیم (دودھ چھوڑنے والا) نہیں دیکھا۔ پھر آپ جوان ہوگئے۔ میں نے آپ سے بہتر جوان نہیں دیکھا۔ آپ میں خیر و خوبی کی ہر صفت موجود تھی۔ اس سب کے ساتھ ساتھ ہم آپ کے اہل خانہ اور خاندان کے لوگ ہیں، ہم پر احسان فرمایئے۔'' اللہ کے رسول ﷺ نے دل کو گرما دینے اور محبت و الفت کو جگا دینے والی یہ تقریر سنی تو فرمایا:

«قَدِ اسْتَأْنَيْتُ بِكُمْ حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّكُمْ لَا تَقْدَمُونَ»

''میں نے تمھارا انتظار کیا تھا حتی کہ مجھے یقین ہوگیا کہ تم نہیں آؤ گے۔''

اب قیدی تقسیم ہو چکے ہیں اور مجاہدین اپنے اپنے حصے کو اپنے قبضے میں لے چکے ہیں۔

اس کے بعد وفد کے قائد ابو صرد زہیر بن صرد نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم آپ کے کنبے کے رشتہ دار ہیں۔ ہم پر جو مصیبت ٹوٹی ہے، وہ کوئی ڈھکی چھپی نہیں۔ اے اللہ کے رسول! ان قیدی خیموں میں آپ کی پرورش کرنے والی عورتیں، آپ کی خالائیں اور پھوپھیاں قید ہیں، وہ آپ کو بچپن میں کھلاتی رہی ہیں۔ اگر ہم نے غسانی شاہ حارث بن ابی شمر یا عراقی شاہ نعمان بن منذر کو دودھ پلایا ہوتا، پھر ہم پر ایسی مصیبت ٹوٹتی جیسی آج ٹوٹی ہے تو ہم ان کی مہربانی اور حسن سلوک کے امیدوار ہوتے، حالانکہ آپ لطف و مہربانی میں سب سے بہتر ہیں۔ اے اللہ کے رسول! ان کیمپوں میں آپ کی رشتہ دار خواتین قید ہیں، ان میں سے دور کے رشتے والی بھی آپ سے قریب تر ہے، لہٰذا آپ کرم فرمائیں۔ پھر اس نے یہ شعر کہے:

اُمْنُنْ عَلَيْنَا رَسُولَ اللّٰهِ فِي كَرَمٍ ... فَإِنَّكَ الْمَرْءُ نَرْجُوهُ وَ نَدَّخِرُ

اُمْنُنْ عَلٰى نِسْوَةٍ قَدْ عَاقَهَا قَدَرٌ ... مُمَزَّقٌ شَمْلُهَا فِي دَهْرِهَا غِيَرُ

اُمْنُنْ عَلٰى نِسْوَةٍ قَدْ كُنْتَ تَرْضَعُهَا ... إِذْ فُوكَ مَمْلُوءَةٌ مِّنْ مَّحْضِهَا الدِّرَرُ

اللَّاتِي إِذْ كُنْتَ طِفْلًا كُنْتَ تَرْضَعُهَا	وَإِذْ يَزِينُكَ مَا تَأْتِي وَمَا تَذَرُ
أَلَا تَدَارَكَهَا نَعْمَاءُ تَنْشُرُهَا	يَا أَرْجَحَ النَّاسِ حَتَّى حِينَ يُخْتَبَرُ
لَا تَجْعَلَنَّا كَمَنْ شَالَتْ نَعَامَتُهُ	وَاسْتَبْقِ مِنَّا فَإِنَّا مَعْشَرٌ زُهُرُ
إِنَّا لَنَشْكُرُ آلَاءً وَإِنْ قَدُمَتْ	وَعِنْدَنَا بَعْدَ هٰذَا الْيَوْمِ مُدَّخَرُ

''اے اللہ کے رسول! اپنے فضل وکرم کے سبب ہم پر احسان فرمائیے کیونکہ آپ ہی وہ ذی وقار ہستی ہیں جن کے فضل وکرم کی ہم امید کرتے ہیں اور اپنی مشکلات میں ان کا سہارا لیتے ہیں۔ آپ ان عورتوں پر احسان فرمائیں جن کے مقدر پھوٹ گئے، جن کے خوشحالی کے دن بدحالی میں بدل گئے۔ آپ ان عورتوں پر مہربانی فرمائیں جن کا دودھ آپ بچپن میں پیتے تھے، جب آپ کا منہ ان کے وافر دودھ سے بھرتا تھا (آپ جی بھر کر دودھ پیتے تھے)۔ ان عورتوں پر کرم فرمائیں کہ جن کا دودھ آپ پیتے رہے ہیں، جب آپ کی ننھی منی حرکات آپ کو مزید حسین وجمیل بنا دیتی تھیں۔ کیا آپ کے جود وکرم سے ان کی تلافی نہیں ہوسکتی؟ کیونکہ جب آپ کی سخاوت کا امتحان ہوتا ہے تو آپ سب سے اعلیٰ وافضل ہوتے ہیں۔ آپ ہمیں مٹ جانے والوں جیسا نہ کریں، آپ ہماری نسل کو باقی رکھیں کیونکہ ہم آپ کے ننھیال بنوزہرہ ہیں۔ یقیناً ہم پرانے احسانات کی قدردانی کرتے ہیں اور آج کیے جانے والے احسانات کو بھی ہمیشہ یاد رکھیں گے۔''

رسول اللہ ﷺ نے ہوازن کے قائد اور اپنے رضاعی چچا کی التجا سنی تو آپ کا دل پسیج گیا لیکن آپ نے مجاہدین میں تقسیم ہوجانے والی غنیمت کو ان کی رضامندی کے بغیر واپس لینا مناسب نہیں سمجھا۔ اس لیے آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَعِي مَنْ تَرَوْنَ وَأَحَبُّ الْحَدِيثِ إِلَيَّ أَصْدَقُهُ، فَاخْتَارُوا إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ إِمَّا السَّبْيَ وَإِمَّا الْمَالَ وَقَدْ كُنْتُ اسْتَأْنَيْتُ بِهِمْ»

''میرے ساتھ جو لوگ ہیں تم انھیں دیکھ ہی رہے ہو اور میرے نزدیک سب سے محبوب بات سب سے سچی بات ہے۔ تم دو چیزوں میں سے ایک کا انتخاب کرلو۔ قیدی واپس لے لو یا مال حاصل کرلو۔ میں نے تمھارا کافی انتظار کیا تھا (مگر تم نہیں آئے۔ اب قیدی تقسیم ہو چکے ہیں اور مال مجاہدین میں بانٹا جاچکا ہے)۔''

جب ہوازن کو یقین ہوگیا کہ اب دونوں چیزیں ملنا ناممکن ہے تو انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ

نے ہمیں حسب نسب اور مال و دولت میں سے کسی ایک کے انتخاب کا حکم دیا ہے تو ہم اپنے اہل وعیال پر کسی چیز کو ترجیح نہیں دے سکتے۔ ہمیں ہمارا حسب نسب عزیز ہے، لہٰذا آپ ہمیں ہمارے قیدی واپس لوٹا دیں۔ ہمارے بیوی بچے ہمیں واپس کر دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَا لِي وَلِبَنِي عَبْدِالْمُطَّلِبِ فَهُوَ لَكُمْ وَأَسْأَلُ لَكُمُ النَّاسَ وَإِذَا صَلَّيْتُ الظُّهْرَ بِالنَّاسِ فَقُولُوا: إِنَّا لَنَسْتَشْفِعُ بِرَسُولِ اللّٰهِ إِلَى الْمُسْلِمِينَ وَبِالْمُسْلِمِينَ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ»

''میں اپنا اور اپنے خاندان عبدالمطلب کا حصہ تمھیں دے دوں گا اور تمھارے بارے میں لوگوں سے بات بھی کروں گا۔ جب میں لوگوں کو ظہر کی نماز پڑھاؤں تو تم کہنا: ہم مسلمانوں کو رسول اللہ ﷺ کی سفارش پیش کرتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے مسلمانوں کو اپنا سفارشی بناتے ہیں۔''

''تو میں لوگوں کے سامنے اعلان کر دوں گا کہ میں اپنے اور اپنے خاندان کا حصہ معاف کر رہا ہوں۔ لوگوں سے بھی کہوں گا کہ وہ تمھارے قیدی لوٹا دیں۔''

لہٰذا ایسے ہی ہوا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ظہر کی نماز ادا کرائی تو ہوازن والے اٹھ کر سامنے آ گئے اور عرض کرنے لگے: ہم مسلمانوں کو رسول اللہ ﷺ کی سفارش ڈالتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے مسلمانوں کو بطور سفارشی پیش کرتے ہیں، براہِ کرم ہمارے قیدی واپس کر دیے جائیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ان کی التجا پر فرمایا: ''میں اپنے اور اپنے خاندان بنوعبدالمطلب کے حصے میں آنے والے قیدی تمھیں واپس کرتا ہوں۔'' آپ کی یہ دریا دلی دیکھ کر انصار فوراً اٹھے اور بولے: ہمارا حصہ اللہ کے رسول کے سپرد ہے، وہ جو چاہیں حکم کریں۔ ہم بخوشی اپنا حصہ آپ کے حوالے کرتے ہیں۔ بھلا مہاجرین کب پیچھے رہنے والے تھے۔ انھوں نے بھی اپنا حصہ رسول اللہ ﷺ کے سپرد کر دیا۔

اقرع بن حابس اپنی فطری ہوس کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہتا ہے: میں اور بنوتمیم اپنا حصہ واپس نہیں کریں گے۔ عیینہ بن حصن بول اٹھا کہ وہ اور اس کا خاندان بنوفزارہ بھی اپنے حصے پر قابض رہیں گے۔ ان کی یہ بڑھک سن کر عباس بن مرداس بھی چودھراہٹ بنانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ بولا: میں اور بنوسلیم بھی اپنا حصہ واپس نہیں کریں گے۔ لیکن اس کی چودھراہٹ اس وقت جاتی رہی جب بنوسلیم نے بیک آواز کہہ دیا کہ ہم عباس کی نہیں مانتے۔ ہم اپنا حصہ رسول اللہ ﷺ کے حوالے کرتے ہیں۔ وہ جو چاہیں حکم فرمائیں، ہمیں منظور ہے۔

عباس نے قوم کی یہ للکار سنی تو کہنے لگے: تم نے دیگر قبائل کے مقابلے میں مجھے رسوا کر دیا ہے۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور خطبہ ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی، پھر فرمایا:

«أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ إِخْوَانَكُمْ هٰؤُلَاءِ قَدْ جَاءُونَا تَائِبِينَ، وَإِنِّي قَدْ رَأَيْتُ أَنْ أَرُدَّ إِلَيْهِمْ سَبْيَهُمْ، فَمَنْ أَحَبَّ مِنْكُمْ أَنْ يُطَيِّبَ بِذٰلِكَ فَلْيَفْعَلْ، وَمَنْ أَحَبَّ مِنْكُمْ أَنْ يَكُونَ عَلٰى حَظِّهِ حَتّٰى نُعْطِيَهُ إِيَّاهُ مِنْ أَوَّلِ مَا يُفِيءُ اللّٰهُ عَلَيْنَا فَلْيَفْعَلْ»

''اما بعد! تمھارے یہ بھائی تائب ہوکر تمھارے پاس آئے ہیں۔ میری رائے یہ ہے کہ ان کے قیدی انھیں واپس کر دیے جائیں۔ تم میں سے جو شخص خوش دلی سے اس کو پسند کرے تو وہ قیدی واپس کر دے اور جو کوئی یہ پسند کرتا ہو کہ اس کا حصہ باقی رہے، تا آنکہ جو اول مال غنیمت آئے، ہم اس میں سے اسے معاوضہ دیں تو وہ بھی قیدی واپس کر دے۔''

چنانچہ سب مسلمانوں نے کہا: ہم رسول اللہ ﷺ کی خاطر خوشی سے ان کو قیدی واپس کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّا لَا نَدْرِي مَنْ أَذِنَ مِنْكُمْ فِي ذٰلِكَ مِمَّنْ لَّمْ يَأْذَنْ، فَارْجِعُوا حَتّٰى يَرْفَعُوا إِلَيْنَا عُرَفَاؤُكُمْ أَمْرَكُمْ»

''ہمیں معلوم نہیں ہو رہا کہ تم میں سے کس نے اجازت دی ہے اور کس نے نہیں دی۔ واپس چلے جاؤ، تمھارے فیصلے سے تمھارے سردار ہمیں آگاہ کریں۔''

لہٰذا لوگ واپس چلے گئے اور پھر ہر قبیلے کے سردار نے اپنے اپنے قبیلے کے لوگوں کی فرداً فرداً رضا مندی معلوم کی۔ رسول اللہ ﷺ ہوازن کے قیدی رہا کرنے کے خواہش مند تھے، اس لیے آپ نے مجاہدین کی دلی رضامندی معلوم کرنا ضروری سمجھا۔ آپ نے مجاہدین کی دلجوئی کے لیے اعلان کرایا کہ ''جو اپنے حصے پر قائم رہنا چاہے، وہ رہ سکتا ہے، اس پر کوئی زبردستی نہیں اور جو بخوشی واپس کرنا چاہے وہ کر دے۔ اور جو اپنے قیدی کا متبادل لینا چاہتا ہے، وہ کچھ صبر کر لے، آئندہ حاصل ہونے والی پہلی غنیمت میں سے اسے ایک قیدی کے بدلے چھ اونٹ دیے جائیں گے۔''

چنانچہ آپ نے جاں نثاروں کی رضامندی معلوم کرنے کے لیے مہاجرین کے پاس سیدنا عمر بن خطاب، انصار کے پاس سیدنا زید بن ثابت اور دیگر قبائل عرب کے پاس سیدنا ابورہم غفاری رضی اللہ عنہم کو بھیجا۔ ایک ایک قبیلے اور ایک ایک فرد سے اس کی رضامندی معلوم کی گئی حتی کہ یہ نمائندے اور قبائل کے سردار واپس آئے اور آکر رپورٹ دی

کہ سب لوگ بخوشی اپنے قیدی واپس کرنے کے لیے تیار ہیں۔ لہٰذا تمام قیدی واپس لوٹا دیے گئے۔

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف، علی، عثمان، صفوان بن امیہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کے پاس جو لونڈیاں تھیں، انھیں اختیار دیا گیا کہ وہ اپنی قوم میں واپس جانا چاہیں تو وہ آزاد ہیں۔ اور اگر وہ انھیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس رہنا چاہتی ہوں تو رہ سکتی ہیں۔ ان سب حضرات کی لونڈیاں اپنی قوم میں جانا چاہتی تھیں، لہٰذا انھیں آزاد کر دیا گیا اور وہ چلی گئیں۔ البتہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی لونڈی نے اپنے اہل وعیال کے پاس جانے کے بجائے سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کے پاس رہنے کو ترجیح دی، لہٰذا وہ انھی کے پاس رہی۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں اس لونڈی سے ایک بیٹا عطا کیا۔[1]

ایک رات کا اعتکاف

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جعرانہ میں مال غنیمت کی تقسیم میں مشغول تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو کچھ فرصت ملی تو انھیں اپنی ایک پرانی نذر یاد آ گئی۔ انھوں نے زمانہ جاہلیت میں ایک بار مسجد حرام میں اعتکاف کرنے کی نذر مانی تھی مگر عرصہ گزر گیا اور یہ نذر پوری کرنے کا موقع ہی نہ ملا۔ آج چند لمحے فراغت نصیب ہوئی تو فوراً خدمت نبوی میں حاضر ہو کر اجازت طلب کی۔ عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں نے زمانہ جاہلیت میں مسجد میں ایک رات کا اعتکاف کرنے کی نذر مانی تھی، کیا اب میں وہ نذر پوری کرلوں؟ آپ نے فرمایا: «فَأَوْفِ بِنَذْرِكَ» ''جاؤ اپنی نذر پوری کرلو۔''

جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنی نذر کی ادائیگی کے لیے مسجد حرام میں معتکف تھے تو اس دوران میں انھوں نے لوگوں کا شور سنا۔ وہ کہہ رہے تھے: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد فرما دیا۔ ہمیں آپ نے آزادی عطا کر دی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیسی آزادی؟ انھوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام لوگوں کی لونڈیاں آزاد کر دی ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صوابدیدی حصے خمس سے ایک لونڈی عطا کی تھی۔ انھوں نے فوراً اتباع نبوی میں اپنے بیٹے عبداللہ کو حکم دیا: عبداللہ جاؤ اور اس لونڈی کو آزاد کر دو۔

یہ تھا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جذبۂ اتباع۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو عطا کردہ لونڈی اگرچہ خصوصی عطا میں سے ملی تھی مگر انھوں نے آپ کے عمومی حکم کے تحت فوراً اسے بھی آزادی دے دی۔[2]

[1] صحيح البخاري: 2308، سنن أبي داود: 2693، دلائل النبوة للبيهقي: 5/194، 195، المغازي للواقدي: 2/348-350، السيرة لابن هشام: 4/131-133. [2] صحيح البخاري: 4320، صحيح مسلم: 1656، دلائل النبوة للبيهقي: 5/197.

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی لونڈی

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو جو لونڈی عطا ہوئی تھی، انھوں نے اس سے تعلقات بھی قائم کر لیے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے لونڈیاں واپس کرنے کا اعلان کیا تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی لونڈی بھی اپنے خاوند کے ساتھ چلی گئی۔ حالانکہ وہ واجبی سی شکل وصورت اور نہایت کم تر شخص تھا مگر اپنے قبیلے کی محبت اور رشتہ داری کی تڑپ نے اسے مجبور کر دیا اور وہ اپنے قبیلے کے ساتھ چلی گئی۔ پھر ایک عرصے بعد وہ اپنے خاوند کے ساتھ سیدنا عمر یا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں مدینہ منورہ آئی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے اس کے خاوند کو دیکھا تو حیرت سے پوچھا: تیرا بھلا ہو، اس خاوند کی خاطر تم نے مجھے چھوڑا۔ نہ شکل وصورت حسین، نہ مال و دولت کی فراوانی۔ جبکہ یہ دونوں چیزیں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس وافر موجود تھیں۔ پھر آخر اس نے اپنے خاوند کو کیوں ترجیح دی۔ اس نے بڑی معصومیت سے جواب دیا: جی ہاں مجھے میرا خاوند بہت عزیز ہے کیونکہ یہ میرا چچازاد ہے۔ گویا اسے اپنے خاندان کی محبت ہر چیز سے زیادہ عزیز تھی۔[1]

لالچ بری بلا ہے

رسول اللہ ﷺ نے قیدی واپس کرنے کا اعلان فرمایا تو مہاجرین وانصار نے فوراً لبیک کہتے ہوئے اپنے قیدی آزاد کر دیے۔ دیگر قبائل عرب نے بھی آپ کی خواہش کو دل و جان سے تسلیم کیا اور قیدی آزاد کر دیے۔ صرف ایک شخص اپنی ہوس پر قائم رہا۔ آپ نے اسے آئندہ ملنے والی غنیمت میں سے ایک قیدی کے بدلے چھ اونٹ عطا کرنے کا وعدہ بھی کیا مگر اس نے یہ فراخدلانہ پیش کش ٹھکرا دی۔ یہ کم نصیب شخص عیینہ بن حصن تھا۔ اس نے قیدیوں میں سے ایک بڑھیا کا انتخاب کیا۔ اس کا خیال تھا کہ یہ کسی قبیلے کی بزرگ خاتون ہیں۔ وہ اس کی رہائی کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دیں گے۔ اس طرح وہ چھ اونٹوں سے کہیں زیادہ مال حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی ہٹ دھرمی دیکھی تو اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ عیینہ جوان اور خوبصورت لونڈیوں کو چھوڑ کر اس بڑھیا کو لے کر دل ہی دل میں بڑا خوش تھا کہ ایک بڑا خزانہ ہاتھ آنے والا ہے۔ اسی دوران میں بڑھیا کا بیٹا آ گیا اور اس نے عیینہ کو کہا: سو اونٹ لے لو اور میری والدہ کو آزاد کر دو۔ یہ توانا پیشکش عیینہ کی ہوس کی تسکین کے لیے کافی نہ ہوئی اور اس نے بڑی بے دردی سے پیشکش ٹھکرا دی۔ بڑھیا نے یہ منظر دیکھا تو چلا کر بیٹے کو منع کر دیا۔ وہ کہنے لگی: ارے بیٹا! کیوں سو اونٹ ضائع کرتے ہو، تھوڑا صبر کر، یہ بغیر کچھ لیے ہی مجھے رہا

[1] دلائل النبوة للبيهقي :5/198.

کر دے گا۔ عیینہ نے یہ گفتگو سنی تو ٹپٹا گیا اور لگا واویلا کرنے: ہائے میں لٹ گیا، میرے ساتھ بہت بڑا دھوکہ ہو گیا لیکن میں بھی تمھیں چھوڑنے والا نہیں۔

پھر کچھ دیر کے بعد بڑھیا کا بیٹا وہاں سے گزرا تو عیینہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ وہ فوراً اٹھا اور اسے کہتا ہے: کیا تم اپنی آفر پر قائم ہو؟ بیٹا بولا: نہیں، اب میں پچاس سے زیادہ نہیں دے سکتا۔ اگر قبول ہوں تو بڑھیا کو چھوڑ دو۔ عیینہ بھی ڈٹ گیا، کہتا ہے: اس تعداد پر تو بالکل بھی نہیں، چلو بھاگو۔

عیینہ نے دوسری بار بڑھیا کے بیٹے کو واپس کیا تھا مگر اندر ہی اندر پشیمان بھی تھا کہ اس کی مرادیں پوری نہ ہو رہی تھیں۔ ابھی چند لمحے ہی گزرے تھے کہ بڑھیا کا بیٹا دور سے گزرتا دکھائی دیا۔ عیینہ تیزی سے اس کے پاس پہنچا اور بولا: لاؤ پچاس اونٹ دو اور اپنی بڑھیا لے جاؤ۔ اب کی بار بڑھیا کا بیٹا بھی کچھ درشت لہجے میں بولا: پچیس اونٹ لینے ہیں تو ٹھیک ورنہ رکھو اپنے پاس۔ یہ سن کر عیینہ آگ بگولا ہو گیا۔ کہتا ہے: پچیس اونٹوں کے عوض تو بالکل بھی نہیں دوں گا۔ ابھی تھوڑی دیر قبل تم پچاس اونٹ دے رہے تھے، پھر بھلا اب میں نصف تعداد پر کیسے دے دوں۔ بہرحال عیینہ کو اس کے لالچ کی بہت بری سزا مل رہی تھی۔ ہر بار بڑھیا کا بیٹا اونٹوں کی تعداد کم کر رہا تھا اور وقت عیینہ کے ہاتھ سے نکلتا جا رہا تھا۔ اب قافلے روانگی کی تیاری کرنے لگے تو عیینہ اور بھی فکر مند ہو گیا۔ اب کی بار عیینہ خود ہی چل کر بڑھیا کے بیٹے کے پاس گیا اور بولا: لاؤ پچیس اونٹ دو اور اپنی والدہ لے جاؤ۔ اس بار بیٹے نے عیینہ کو مزید چڑاتے ہوئے کہا: چلو دس اونٹ لے لو اور معاملہ ختم کرو۔ یہ پیشکش عیینہ کے لیے رسوا کن تھی۔ اس نے صاف انکار کر دیا مگر دل ڈوبتا جا رہا تھا۔ لالچ و ہوس کی تسکین کی کوئی سبیل نکلتی دکھائی نہ دیتی تھی۔

بالآخر وہ لمحہ بھی آ گیا جب سب لوگ کوچ کر رہے تھے اور عیینہ حسرت و ندامت کی تصویر بنے بیٹھا تھا۔ اسے رسول اللہ ﷺ کی پیشکش ٹھکرانے کی بڑی کڑی سزا مل رہی تھی۔ عیینہ خود کو ملامت کر رہا تھا کہ اچھے بھلے سو اونٹ وہ دے رہا تھا، نہ جانے کیوں انکار کر دیا۔ اسی وقت ہاں کر دینی چاہیے تھی۔

لوگ قافلہ در قافلہ جا رہے تھے۔ بڑھیا کا بیٹا بھی اپنے قبیلے کے ساتھ گزرنے لگا تو عیینہ نے اسے آواز دی: دس اونٹ دیتے ہو؟ بیٹے نے کہا: چلو بڑھیا کو چھوڑو، میں تمھیں سواری کے لیے ایک اونٹ دے دیتا ہوں۔ عیینہ ٹپٹا گیا۔ کہتا ہے: مجھے سواری کی کوئی ضرورت نہیں۔ پھر اپنی عقل کا ماتم کرنے لگا۔ کہتا ہے: آج جیسا رسوا کن دن میں نے زندگی بھر نہیں دیکھا۔ میرے ساتھ جیسا دھوکہ آج ہوا، ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔

بڑھیا کے بیٹے نے جلتی پر مزید یہ کہہ کر تیل چھڑکا: یہ ساری سزا تیری اپنی کرتوت کی ہے۔ تو نے اتنی ساری

جوان و حسین و جمیل لونڈیاں چھوڑ کر ایک بڑھیا کا انتخاب کیا جس کی جوانی کی بہاریں لوٹ چکیں، جو بچوں کی پیدائش سے فارغ ہے، جس کے منہ کی ٹھنڈک ختم ہو چکی اور اس کا خاوند دنیا سے جا چکا ہے۔ لہٰذا اب پچھتائے کیا ہوت......

عیینہ نے مایوسی کے ساتھ ایک ٹھنڈی آہ بھری اور بولا: جاؤ بڑھیا کو لے جاؤ، اللہ تمھیں اس کی برکت نہ دے، مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ عیینہ کی یہ بات سن کر بڑھیا کا بیٹا بولا: اے عیینہ! رسول اللہ ﷺ نے تمام قیدیوں کو لباس عطا کیے ہیں، یہ بڑھیا غلطی سے محروم رہ گئی ہے، کیا تم اسے روانہ کرتے ہوئے ایک لباس بھی نہیں دے سکتے؟! عیینہ کہتا ہے: اللہ کی قسم! میرے پاس اسے دینے کے لیے کچھ نہیں ہے۔ مگر بیٹا بھی بضد رہا حتی کہ ایک چادر لے کر ہی عیینہ کی جان چھوڑی۔ نوجوان نے چادر لی اور اپنی والدہ کو لے کر واپس مڑتے ہوئے عیینہ کو مزید آگ لگا گیا۔ جاتے جاتے کہتا ہے: ''تم نادان شخص ہو، موقع سے فائدہ اٹھانے کی صلاحیت سے عاری ہو۔''

عیینہ خود کو بڑا دانا اور صاحب فہم و فراست سمجھتا تھا۔ اپنی قوم کا لیڈر تھا مگر اس بار ایک نوجوان نے اسے حکمت و دانائی کے معرکے میں چاروں شانے چت کر دیا تھا۔

عیینہ بن حصن یہ ساری ذلت سمیٹے اپنے دوست اقرع بن حابس کے پاس گیا اور اسے ساری روداد سنائی۔

اقرع نے ساری بات سننے کے بعد عیینہ کو مزید ملامت کی اور کہا: اللہ کی قسم! تیرا یہ حشر اس لیے ہوا ہے کیونکہ تو نے ایک بوڑھی گھوسٹ کا انتخاب کیا۔ نہ تو نے متوسط عمر کی عورت لی، نہ فربہ بدن جوان لونڈی پکڑی اور نہ کوئی خاندانی بڑھیا کو قبضے میں لیا۔ تو نے ہوازن کے ایک فقیر کی بیوی کو پکڑ کر سخت نادانی کا مظاہرہ کیا۔ عیینہ حسرت و یاس کا نمونہ بنے کہتا ہے: ہاں میرے ساتھ ایسے ہی ہوا ہے۔

اقرع بن حابس اور اس کے قبیلے بنوتمیم نے اپنے قیدی معاوضہ لینے کے وعدے پر رہا کیے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ایک قیدی کے بدلے تین حِقّے (چار سالہ اونٹ) اور تین جذعے (پانچ سالہ اونٹ) دینے کا وعدہ فرمایا۔ سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے، اس روز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَوْ كَانَ ثَابِتًا عَلٰى أَحَدٍ مِّنَ الْعَرَبِ وَلَاءٌ أَوْ رِقٌّ لَثَبَتَ الْيَوْمَ وَلٰكِنْ هُوَ إِسَارٌ وَّفِدْيَةٌ»

''آج کے بعد اگر کسی عربی کی غلامی اور ولاء ہوتی تو آج کے قیدیوں پر ثابت ہو جاتی لیکن (آئندہ) قید اور فدیہ ہے۔''[1]

[1] المغازي للواقدي :352,351/2، السيرة لابن إسحاق :582/2، البداية والنهاية :624/4، السيرة لابن هشام :134/4.

سیدنا مالک بن عوف کی قائدانہ صلاحیتیں

مالک بن عوف ہوازن کا جنگجو سردار تھا اور اسلام لانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اسے پذیرائی عطا فرمائی اور اسے بھی سو اونٹ خصوصی طور پر عنایت فرمائے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی قائدانہ صلاحیتوں کی قدر فرمائی۔ اسے ہوازن اور فہم قبائل کے مسلمان ہونے والے مجاہدین کا قائد مقرر کیا تا کہ وہ مشرکین کے ساتھ دو دو ہاتھ کر سکے۔ آپ نے اسے اسلامی جھنڈا بھی عطا کیا۔ مالک بن عوف جو کبھی اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کے ارادے سے بیس ہزار جنگجو لے کر حنین کے میدان کارزار میں آیا تھا آج اسلام کی ترویج اور زمین پر اللہ کے نظام کی تنفیذ کے لیے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ علم نبوی لے کر میدان جہاد میں نکل رہا تھا۔ مالک بن عوف علم نبوی لے کر میدان میں نکلا تو مجاہدین اسلام چاروں طرف سے اس کے علم تلے جمع ہونے شروع ہو گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک لشکر جرار تیار ہو گیا جس نے آنے والے دنوں میں مشرکین کا ناطقہ بند کر دیا۔ ثقیف کے مشرکین کا جینا مشکل بنا دیا گیا۔ ان کے قافلے اور چرنے کے لیے جانے والے ریوڑ اس لشکر کا ہدف بننے لگے۔ مشرکین کی آزادانہ نقل و حرکت ختم ہو گئی اور ان کے مال مویشی اس لشکر کی غنیمت بن گئے۔ مالک بن عوف نے صرف ایک دن میں مشرکین کی پانچ ہزار بھیڑ بکریوں پر قبضہ کر لیا اور پھر رسول اللہ ﷺ کا مخصوص حصہ خمس مدینہ منورہ روانہ کیا۔ دوسری مرتبہ پانچ سو اونٹ ہاتھ لگے تو سو اونٹ خمس کے مدینہ منورہ پہنچا دیے۔ اس طرح اہل طائف اپنے ہی سابقہ قائد مالک بن عوف کے ہاتھوں برباد ہونے لگے۔ اس پر ابو محجن بن حبیب نے مالک بن عوف کو ملامت کرتے ہوئے درج ذیل شعر کہے:

تَهَابُ الْأَعْدَاءُ جَانِبَنَا ثُمَّ تَغْزُونَا بَنُو سَلِمَهْ
وَأَتَانَا مَالِكٌ بِهِمُ نَاقِضًا لِلْعَهْدِ وَالْحُرْمَهْ
وَأَتَوْنَا فِي مَنَازِلِنَا وَلَقَدْ كُنَّا أُولِي نَقِمَهْ

”ہمارا دشمن ہمارے علاقے سے خوف کھاتا ہے۔ پھر بنو سلمہ ہم پر حملہ آور ہونے لگے۔ مالک نے ہر عہد توڑ کر رشتہ داری کو پامال کر کے بنو سلمہ کے ہمراہ ہم پر لشکر کشی کی ہے۔ انھوں نے ہمارے گھروں پر ہلہ بولا ہے، حالانکہ ہم بڑے جنگجو اور بدلہ لینے والے ہیں۔“

اس طرح وہ مالک جو کبھی مسلمانوں کا بدترین دشمن تھا، اب اسلام اور مسلمانوں کا خیر خواہ اور داعی بن گیا۔ جو کبھی محمد ﷺ کو شکست دینے کے خواب دیکھتا تھا، اب جاں نثاران میں شامل ہو کر دشمنانِ اسلام پر قہر بن کر ٹوٹ

رہا تھا۔ وہی مالک جو محمد ﷺ کے بارے میں کچھ سننے کے لیے آمادہ نہ تھا، آج خود مدح سرائی کر رہا ہے۔ مالک بن عوف نے اسلام قبول کیا، رسول اللہ ﷺ کی عفو و درگزر، رحم دلی اور سخاوت دیکھی تو بے اختیار جذبات کو درج ذیل اشعار کی صورت میں پیش کیا:

مَا إِنْ رَأَيْتُ وَلَا سَمِعْتُ بِمِثْلِهِ ... فِي النَّاسِ كُلِّهِمْ بِمِثْلِ مُحَمَّدِ

أَوْفٰى وَأَعْطٰى لِلْجَزِيلِ إِذَا اجْتُدِي ... وَمَتٰى تَشَاءُ يُخْبِرْكَ عَمَّا فِي غَدِ

وَإِذَا الْكَتِيبَةُ عَرَّدَتْ أَنْيَابُهَا ... بِالسَّمْهَرِي وَضَرْبِ كُلِّ مُهَنَّدِ

فَكَأَنَّهُ لَيْثٌ عَلٰى أَشْبَالِهِ ... وَسْطَ الْهَبَاءَةِ خَادِرٌ فِي مَرْصَدِ

”دنیا بھر کے انسانوں میں محمد ﷺ جیسا انسان میں نے دیکھا ہے نہ سنا ہے۔ جب آپ سے عطا و بخشش کی اپیل کی جائے تو آپ مالا مال کر دیتے ہیں۔ اور جب تم چاہو تو وہ تمھیں کل کی خبریں سنا دیں گے۔ ہندی نیزوں اور تلواروں کی مار سے جب لشکر کے دانت خوب مضبوط اور تیز ہو جاتے ہیں تو وہ غبار جنگ میں اس شیر کی مانند معلوم ہوتے ہیں جو اپنے ننھے بچوں کی حفاظت کے لیے دشمن کی گھات میں بڑا غضب ناک ہو کر اپنی کچھار میں بیٹھا ہو۔“ [1]

عمرۂ جعرانہ

رسول اللہ ﷺ نے جعرانہ میں 5 ذوالقعدہ سے 18 ذوالقعدہ تک تیرہ دن گزارے۔ اس دوران میں آپ نے مجاہدین اسلام میں غنیمتیں تقسیم کیں۔ جب آپ غنیمتوں کی تقسیم سے فارغ ہوئے تو آپ نے خمس میں سے بچ جانے والی غنیمتوں کو مرالظہران کے کنارے مجنہ نامی جگہ پر جمع کرنے کا حکم دیا تاکہ مدینہ منورہ واپسی پر راستے میں آنے والے بدوؤں میں تقسیم کی جا سکیں۔ ان انتظامات سے فراغت ملی تو آپ نے بیت اللہ شریف کی زیارت کا پروگرام بنایا۔ اس دوران میں صحابہ کرام اور نومسلم عرب بھی عمرے کی زیارت حاصل کر رہے تھے۔ وہ اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسائل بھی دریافت کر رہے تھے۔ آپ جعرانہ میں تشریف فرما تھے جب ایک اعرابی آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتا ہے: اے اللہ کے رسول! آپ اس شخص کو کیا حکم دیتے ہیں جس نے عمرے کا احرام باندھا ہو اور اس کا پورا جسم خوشبو میں لتھڑا ہو؟ نبی کریم ﷺ اس کا یہ سوال سن کر خاموش

[1] السيرة لابن هشام: 134/4، المغازي للواقدي: 353/2، موسوعة الغزوات الكبرىٰ: 1689/2-1692.

ہو گئے۔ آپ پر وحی کا نزول شروع ہو گیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ منظر دکھانے کے لیے سیدنا یعلیٰ بن امیہ کو بھی بلا لیا۔ انھوں نے ایک بار سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے وحی کے نزول کا پر کیف منظر دیکھنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ لہٰذا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں بلا لیا کہ آؤ اور وحی نازل ہونے کا منظر اپنی آنکھوں میں سجا لو۔ سیدنا یعلیٰ رضی اللہ عنہ بھاگم بھاگ حاضر ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک چادر سے سایہ کیا گیا تھا۔ سیدنا یعلیٰ نے اپنا سر چادر کے اندر داخل کیا تو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک سرخ ہو چکا ہے اور آپ خراٹے لے رہے ہیں۔ پھر یہ کیفیت ختم ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَيْنَ الَّذِي سَأَلَ عَنِ الْعُمْرَةِ؟»

''وہ شخص کہاں ہے جس نے عمرے کے بارے میں سوال کیا تھا؟''

وہ اعرابی فوراً بولا: حضور میں حاضر ہوں، فرمائیے کیا حکم ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا:

«اِغْسِلِ الطِّيبَ الَّذِي بِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ وَانْزِعْ عَنْكَ الْجُبَّةَ وَاصْنَعْ فِي عُمْرَتِكَ مَا تَصْنَعُ فِي حَجَّتِكَ»

''جو خوشبو تم نے لگا رکھی ہے، اسے تین بار دھو ڈالو اور اپنا جبہ اتار دو۔ اپنے عمرے میں بھی اسی طرح کرو جیسے اپنے حج میں کرتے ہو۔''[1]

امام عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تین مرتبہ دھونے کا مقصد یہ تھا کہ خوشبو اچھی طرح صاف ہو جائے۔



رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ روانگی سے قبل عمرہ ادا کیا۔ آپ 18 ذوالقعدہ کو جعرانہ سے نکلے اور وادی کے آخری کنارے پر واقع مسجد کے پاس سے احرام باندھا۔ یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز ادا کیا کرتے تھے۔ آپ نے احرام باندھ کر وادی کو عبور کیا۔ راستے میں آپ مسلسل تلبیہ پکارتے رہے۔ بیت اللہ پہنچ کر تلبیہ پڑھنا بند کر دیا۔ آپ نے باب بنی شیبہ کے پاس اپنی سواری کو باندھا۔ بیت اللہ پہنچ کر حجر اسود کا استلام کیا۔ طواف کے سات چکر لگائے۔ پہلے تین چکروں میں رمل بھی کیا۔ پھر اپنی سواری پر سوار ہو کر صفا و مروہ کی سعی کی۔ جب آپ نے آخری چکر مروہ پر ختم کیا تو سیدنا ابو ہند یا خراش

[1] صحيح البخاري: 1536، البداية والنهاية: 4/641.

بن امیہ رضی اللہ عنہ نے آپ کے سر کے بال مونڈھے۔ اور آپ احرام کی پابندیوں سے فارغ ہو گئے۔ آپ نے اس عمرے میں قربانی نہیں کی۔ آپ کا یہ عمرہ آپ کے چار عمروں میں سے ایک ہے۔

قتادہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنے عمرے ادا کیے تھے؟ انھوں نے فرمایا: چار۔ عمرہ حدیبیہ ذی قعدہ میں جہاں مشرکوں نے آپ کو روکا تھا۔ پھر آئندہ سال ذی قعدہ ہی میں ایک عمرہ قضا جس کے متعلق آپ نے مشرکوں سے صلح کی تھی۔ اور تیسرا عمرہ جعرانہ سے جس موقع پر آپ نے حنین کی غنیمتیں تقسیم کی تھیں۔ چوتھا عمرہ آپ کے حج کے ساتھ۔ میں نے پوچھا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنے حج کیے؟ انھوں نے فرمایا: ایک۔[1]

عمرے کی ادائیگی کے بعد اسی رات آپ جعرانہ واپس آئے، رات کو آرام کیا اور صبح کو جمعرات کے دن وادی جعرانہ سے مدینہ منورہ واپسی کا سفر شروع کیا۔ آپ جعرانہ سے سرف، پھر مرالظہران آئے اور وہاں سے مدینہ منورہ کی راہ لی۔

نوجوان گورنر مکہ مکرمہ کی تعیناتی

مکہ مکرمہ ہمیشہ سے مسلمانوں کے لیے نہایت محترم رہا ہے۔ مشرکین مکہ بھی اس کی بے حد تعظیم کرتے تھے۔ زمانہ جاہلیت میں بھی مشرکین مکہ کو بیت اللہ کی خدمت کی وجہ سے پورے عرب میں بلند مقام حاصل تھا۔ پوری دنیا سے لوگ حج کے لیے مکہ مکرمہ کا رخ کرتے تھے۔ فتح مکہ کے بعد مسلمانوں کے نزدیک مکہ مکرمہ کی عزت و تکریم میں مزید اضافہ ہوگیا۔ کافروں اور مشرکوں کے تسلّط و غلبے کے خاتمے کے بعد اسلامی حکومت کی فرمانروائی شروع ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نومسلموں کی تعلیم و تربیت اور اخلاق و آداب کی نشو و نما کے لیے سیدنا معاذ بن جبل اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کو مقرر کیا۔ ان کی ذمہ داری تھی کہ وہ مسلمانوں کو قرآن وسنت کی تعلیم دیں، انھیں دینی مسائل و احکام سکھائیں تاکہ ان کی زندگی صحیح اسلامی طرز معاشرت کے تحت گزرے۔ ان کو پیش آمدہ مسائل میں راہنمائی دیں اور انھیں بہتر سے بہتر مسلمان بننے میں مدد دیں۔ جبکہ مکہ مکرمہ کے انتظامی معاملات کی دیکھ بھال کے لیے آپ نے اہل مکہ کے رؤساء اور شرفاء کے لیے ایک نوجوان مگر صلاحیتوں سے مالا مال سیدنا عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو گورنر مکہ مقرر کیا۔ ان کی تعیناتی پر اعتراض کیا گیا مگر آپ کو ان کی پوشیدہ صلاحیتوں کا اندازہ تھا، اس لیے آپ نے انھیں مقرر فرما دیا۔ آئندہ آنے والے حالات و واقعات نے آپ کے فیصلے کی درستی کی تصدیق کر دی۔ اس وقت

[1] صحيح البخاري: 1778، المغازي للواقدي: 2/355، البداية والنهاية: 4/638.

گورنر صاحب کی عمر صرف 23 سال تھی۔ انھیں مکہ مکرمہ کے بزرگوں، سرداروں اور جہاندیدہ قائدین پر ترجیح دی گئی تھی۔ اس کی حکمت اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی جانتے ہیں۔ مگر زمانہ ارتداد میں گورنر صاحب کا کردار اور دینی قوت اسلام اور مسلمانوں کے لیے بے حد مفید ثابت ہوئی۔ سیدنا عتاب رضی اللہ عنہ اہل ایمان کے لیے نہایت نرم اور رحمدل تھے۔ اہل نفاق اور اسلام مخالف قوتوں کے لیے نہایت سخت گیر حکمران تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں فتنہ ارتداد ابھرا تو گورنر مکہ سیدنا عتاب رضی اللہ عنہ نے بڑے سخت قانون لاگو کر دیے۔ فرمایا:

وَاللهِ! لَا أَعْلَمُ مُتَخَلِّفًا عَنِ الصَّلَاةِ فِي جَمَاعَةٍ إِلَّا ضَرَبْتُ عُنُقَهُ فَإِنَّهُ لَا يَتَخَلَّفُ عَنِ الصَّلَاةِ إِلَّا مُنَافِقٌ.

''اللہ کی قسم! جس شخص کے بارے میں مجھے معلوم ہوا کہ وہ نماز باجماعت ادا نہیں کرتا، میں اس کی گردن اڑا دوں گا کیونکہ نماز باجماعت سے صرف منافق ہی پیچھے رہتا ہے۔''

ان کا یہ اعلان سن کر کسی کو جرأت نہیں ہوئی کہ وہ مرتدین کا ساتھ دے یا علم بغاوت بلند کرنے کی کوشش کرے۔ ان کی کوششوں سے فتنہ پرور لوگوں کی خواہشات ان کے دلوں ہی میں مر گئیں۔ اہل مکہ اس دور میں پرسکون رہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کے موقف کو سراہا اور اس کڑے وقت میں اسلام کی تقویت بننے والے ان کے فیصلوں کی تحسین فرمائی۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: ﴿وَاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا﴾ ''(اے میرے رب) مجھے اپنے پاس سے مدد دینے والا غلبہ عطا کر۔''[1] کا مصداق عتاب بن اسید ہیں۔

سیدنا عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے بعد سیدنا ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے دور میں بھی گورنر مکہ رہے۔ نہایت عبادت گزار اور زاہد صحابی تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں اپنی ضروریات زندگی کے لیے ایک درہم روزانہ تنخواہ دی تھی۔ ایک روز اہل مکہ کو خطاب فرماتے ہوئے اپنی تنخواہ کا تذکرہ بڑے خوبصورت الفاظ میں کیا۔ فرمایا: لوگو! جو ایک درہم تنخواہ سے سیر نہ ہو، اللہ اسے بھوکا ہی رکھے۔ مجھے اللہ کے رسول ﷺ نے روزانہ کے لیے ایک درہم عطا کیا ہے۔ مجھے اب کسی کی ضرورت نہیں (کسی کے مال و دولت کی تمنا نہیں۔ میرے لیے یہی ایک درہم کافی ہے)۔

اللہ کے رسول ﷺ نے انھیں خصوصی ہدایت کی تھی۔ فرمایا: ''عتاب! جانتے ہو میں نے تمھیں کن لوگوں کا گورنر بنایا ہے؟'' سیدنا عتاب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول ہی خوب جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

[1] بنيٓ إسرآءيل 80:17.

«اِسْتَعْمَلْتُكَ عَلٰى أَهْلِ اللّٰهِ بَلِّغْ عَنِّي أَرْبَعًا: لَا يَصْلُحُ شَرْطَانِ فِي بَيْعٍ وَّلَا بَيْعٌ وَّسَلَفٌ وَّلَا بَيْعٌ مَّا لَمْ يُضْمَنْ وَلَا تَأْكُلْ رِبْحَ مَا لَيْسَ عِنْدَكَ»

''میں نے تمھیں اہل اللہ (اللہ والوں) کا گورنر بنایا ہے۔ میری طرف سے چار احکامات انھیں پہنچا دینا: 1 ایک سودے میں دوہری شرط لگانا جائز نہیں۔ 2 بیع اور قرض بیک وقت درست نہیں۔ 3 جو چیز تاجر کے پاس موجود نہ ہو، اس کی فروخت جائز نہیں۔ 4 جو مال تمھارے پاس فروخت کے لیے موجود نہ ہو، اس کا نفع مت کھاؤ۔''[1]

مدینہ پہنچ کر عاملین زکاۃ کی تقرری

رسول اللہ ﷺ جعرانہ سے مدینہ منورہ جمعہ کے روز پہنچے۔ ذوالقعدہ کے تین دن باقی تھے جب آپ کی تشریف آوری ہوئی۔ آپ نے ذوالقعدہ کے بقیہ دن اور ذوالحجہ کا مہینہ آرام فرمایا۔ پھر آپ نے وسیع اسلامی مملکت کے انتظام و انصرام کو مزید مربوط اور مستحکم بنانے کے لیے عمال مقرر کیے۔ ہر علاقے کا گورنر تعینات کیا اور پھر ہر اسلامی علاقے سے زکاۃ کی وصولی کے لیے صحابہ کرام بھیجے تاکہ امراء اور صاحب حیثیت لوگوں سے اسلامی قوانین کے مطابق زکاۃ وصول کریں، وصول شدہ اموال مدینہ منورہ پہنچائیں تاکہ مستحق افراد کی مدد کی جا سکے۔

آپ نے جن صحابہ کرام کو مختلف علاقوں کا گورنر مقرر کیا، ان کے نام اور علاقے درج ذیل ہیں:

گورنر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام	علاقے کا نام	گورنر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام	علاقے کا نام
سیدنا عتاب بن اسید	مکہ مکرمہ	خالد بن سعید بن العاص	صنعاء
سیدنا علی بن ابی طالب (کو قاضی اور معلم مقرر کیا)	یمن	سیدنا زیاد بن لبید انصاری	حضر موت
ابوسفیان بن حرب	نجران	سیدنا ابوموسیٰ اشعری	عدن اور زبید
باذان بن ساسان	یمن	سیدنا معاذ بن جبل	یمن

رسول اللہ ﷺ نے 9ھ ماہ محرم کی ابتدا میں زکاۃ کے وصول کنندگان کو جزیرہ عرب کے مختلف علاقوں میں روانہ کیا۔ آپ نے انھیں خصوصی ہدایات سے نوازا۔ آپ ﷺ نے سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کو فرمایا:

«إِنَّكَ تَقْدَمُ عَلٰى قَوْمٍ أَهْلِ كِتَابٍ ، فَلْيَكُنْ أَوَّلَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ عِبَادَةُ اللّٰهِ، فَإِذَا عَرَفُوا اللّٰهَ

1 الإصابة :4/357,356، المغازي للواقدي :2/355، البداية والنهاية :4/643,642، السيرة لابن هشام :4/144.

فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللّٰهَ قَدْ فَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي يَوْمِهِمْ وَلَيْلَتِهِمْ، فَإِذَا فَعَلُوا الصَّلَاةَ فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللّٰهَ فَرَضَ عَلَيْهِمْ زَكَاةً تُؤْخَذُ مِنْ أَمْوَالِهِمْ وَتُرَدُّ عَلٰى فُقَرَائِهِمْ، فَإِذَا أَطَاعُوا بِهَا فَخُذْ مِنْهُمْ، وَتَوَقَّ كَرَائِمَ أَمْوَالِ النَّاسِ»

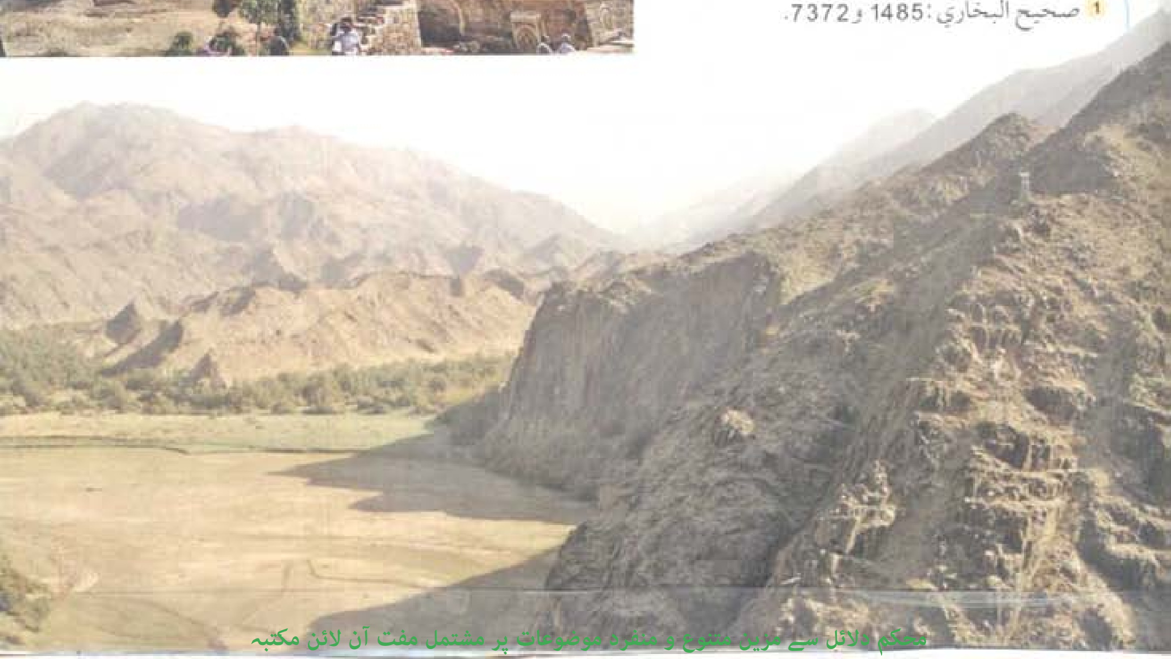
''تم اہل کتاب میں سے ایک قوم کے پاس جا رہے ہو، اس لیے سب سے پہلے انھیں اس بات کی دعوت دینا کہ وہ اللہ کو ایک مانیں، یعنی توحید کا اقرار کر لیں۔ جب وہ اس عقیدۂ توحید کو سمجھ جائیں تو پھر انھیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ جب وہ نماز پڑھنے لگیں تو انھیں بتائیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ان کے اموال میں زکاۃ فرض کی ہے جو ان کے امیروں سے وصول کی جائے گی اور ان کے غریب لوگوں پر خرچ کی جائے گی۔ پھر جب وہ اس کا بھی اقرار کر لیں تو ان سے زکاۃ وصول کرنا لیکن زکاۃ وصول کرتے وقت لوگوں کے عمدہ مال لینے سے اجتناب کرنا۔''[1]



تاریخی شہر صنعاء کی ایک عمارت

آپ ﷺ نے جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو زکاۃ کی وصولی کے لیے روانہ کیا، ان کے نام اور علاقے یا قبائل درج ذیل ہیں:

[1] صحيح البخاري: 1485 و 7372.



صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام	قبیلوں کے نام	صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام	قبیلوں کے نام
سیدنا بریدہ بن حصیب / یزید بن حصین	اسلم وغفار	سیدنا بشر بن سفیان کعبی	بنوکعب
سیدنا کعب بن مالک	اسلم وغفار	ابن اللتبیہ ازدی	بنوذبیان
سیدنا عباد بن بشر اشہلی	سلیم ومزینہ	سیدنا عیینہ بن حصن	بنوتمیم
سیدنا رافع بن مکیث	جہینہ	سیدنا مہاجر بن ابی امیہ	صنعاء
سیدنا عمرو بن عاص	فزارہ	سیدنا زیاد بن لبید	حضرموت
سیدنا ضحاک بن سفیان کلابی	بنوکلاب	سیدنا عدی بن حاتم	طے وبنواسد
سیدنا مالک بن نویرہ	بنوحنظلہ	الزبرقان بن بدر اور قیس بن عاصم	بنوسعد
سیدنا العلاء بن حضرمی	بحرین	سیدنا علی (جزیے کی وصولی کے لیے روانہ کیا)	نجران [1]

عروہ بن مسعود کا اسلام


جرش (عسیر) کے آثار ''ارشیفیہ''

عروہ بن مسعود ثقیف کے بلند پایہ سرداروں میں سے ایک تھے۔ اپنی عقل و دانش، تجربہ اور مہم جوئی کی مہارت کی بدولت جنگ حنین میں ثقیف کی قیادت انھی کے ہاتھ میں ہونی چاہیے تھی مگر یہ ان دنوں اپنی قوم کی نمائندگی کرتے ہوئے یمن کے علاقے جرش میں جدید جنگی ہتھیاروں کی تربیت لے رہے تھے۔ ثقیف جرش میں تیار ہونے والا بھاری اسلحہ جیسے منجنیق، دبابہ اور عرادہ وغیرہ خریدنے کے خواہش مند تھے۔ اس لیے وہ اپنی قوم کی قیادت نہ کر سکے۔ یہ ٹریننگ اور سفر تقریباً تین ماہ جاری رہا۔ اس دوران ان کی قوم پر مشکل ترین دو ماہ گزرے۔ جنگ حنین اور محاصرہ طائف میں ان کا بے تحاشا نقصان ہوا۔ حنین میں ہزاروں جانور اور ہزاروں افراد مسلمانوں کے لیے

[1] المغازي للواقدي :2/366، زاد المعاد : 3/508,509.

مالِ غنیمت بن گئے تھے۔ جبکہ ثقیف کے لشکر جرار کو بدترین تاریخی شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

عروہ بن مسعود یہ جدید بھاری اسلحہ لے کر طائف پہنچے تو رسول اللہ ﷺ محاصرہ ختم کر کے واپس جا چکے تھے۔ عروہ نے حالات و واقعات کا باریک بینی سے جائزہ لیا۔ انھوں نے اپنی قوم کی قوت، اسلحے، جنگی تیاری، سابقہ مہارت اور جنگ حنین میں ان کی شرمناک شکست کی وجوہات و اسباب کا بڑے تحمل سے جائزہ لیا۔ عقل و بصیرت اور جنگی مہارت سے بہرہ ور عروہ کو یہ نتیجہ نکالنے میں مشکل پیش نہ آئی کہ اب دنیا میں کوئی ایسا لشکر باقی نہیں جو اسلامی لشکر کا سامنا کر سکے۔ کوئی ایسی قوم باقی نہیں رہ گئی جو مجاہدین اسلام کی پیش قدمی میں رکاوٹ بن سکے۔ انھیں یقین ہوگیا کہ بت پرستی کا دور چلا گیا ہے۔ اب بت پرستوں کے لیے جینا دشوار ہوگا۔ اب یا وہ دائرہ اسلام میں داخل ہو کر اسلام کے مجاہد بن کر دنیا فتح کریں گے یا دنیا سے مٹ جانے کے لیے انھیں تیار ہونا پڑے گا۔

چنانچہ عروہ نے دل ہی دل میں اسلام کی حقانیت کو تسلیم کیا، اسلام قبول کرنے کا مصمم ارادہ کیا اور مدینہ منورہ پہنچ کر رحمتِ عالم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

عروہ نے اپنی قوم کے ساتھ اپنے سابقہ تعلق کو مکمل ایمانداری سے نبھایا۔ بھاری اسلحہ کی تنصیب کی، ان کی ترکیب اور چلانے کا طریقہ قوم کو سکھایا اور پھر خود بغیر کسی کو بتائے اور کسی سے مشورہ لیے مدینہ منورہ روانہ ہوگئے تاکہ اپنے ارادے کو پایۂ تکمیل تک پہنچائیں۔ جب مدینہ منورہ پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے بڑی گرم جوشی سے ان کا استقبال کیا۔ عروہ بن مسعود صلح حدیبیہ کے موقع پر بھی سفیر مکہ کی حیثیت سے رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کر چکے تھے۔ اس لیے آپ کو ان کی نرم دلی، حق پرستی اور عقل و دانش کا علم تھا۔ عروہ نے اپنا ہاتھ رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک میں دیا اور کلمہ حق کی گواہی دے کر جاں نثاران اسلام میں شامل ہوگئے۔ پھر آپ سے اجازت مانگی کہ وہ واپس طائف جا کر اپنی قوم کو یہی دعوت حق پہنچانا چاہتے ہیں۔ آپ نے انھیں سمجھایا کہ تم ابھی اِدھر ہی رہ جاؤ، تمھاری قوم بہت جذباتی اور بت پرستی کی پکی ہے، وہ تمھیں قتل کر دے گی۔ عروہ رضی اللہ عنہ اصرار کرنے لگے کہ اے اللہ کے رسول! اسلام ایسے شاندار مذہب سے روگردانی کرنا نہایت کم عقلی ہے۔ میں اپنی قوم کو قائل کر لوں گا۔ میں اسلام کی شاندار دعوت کا تحفہ لے کر اپنی قوم کے پاس جانا چاہتا ہوں۔ امید ہے وہ میری بات مان لیں گے کیونکہ میں متعدد مواقع پر اپنی قوم پر سبقت حاصل کر چکا ہوں۔ پھر وہ میرے نقش قدم پر چلنے لگتے ہیں۔ اس لیے میرا خیال ہے کہ وہ اسلام قبول کرنے میں بھی میری پیروی کریں گے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے اپنے سابقہ دو تجربات کی روشنی میں انھیں منع کیا۔ پہلی بار جب آپ اپنے چچا کی وفات کے بعد اہل طائف کو دعوت اسلام دینے گئے تھے تو اہل طائف نے

بڑی درشتی اور سنگ دلی سے آپ کی دعوت کو ٹھکرا دیا تھا اور قبیلے کے اوباشوں کو آپ پر سنگ باری اور آپ کو اذیتیں دینے پر لگا دیا تھا۔ دوسری بار جنگ حنین کے بعد جب آپ نے محاصرہ طائف کیا تھا تو ان کی سنگ دلی اور بت پرستی پر ان کے پختہ یقین کا آپ کو اندازہ ہوگیا تھا۔ اسی لیے آپ بار بار کہہ رہے تھے کہ وہ تمھاری دعوت قبول کرنے کے بجائے تمھیں قتل کر دیں گے۔ جبکہ عروہ کا اصرار تھا کہ اے اللہ کے رسول! وہ مجھ سے بڑی محبت کرتے ہیں۔ میں انھیں ان کے پہلوٹھی کے بیٹوں سے بھی بڑھ کر محبوب ہوں۔ وہ میری بڑی عزت کرتے ہیں۔ وہ میرا اس حد تک احترام کرتے ہیں کہ اگر میں سو جاؤں تو وہ مجھے جگاتے نہیں۔ اپنی ضروریات کے لیے میرے جاگنے کا انتظار کرتے ہیں۔ میں ان کا محبوب بیٹا اور نہایت معزز قائد ہوں۔ وہ میری بات سنیں گے اور اطاعت کریں گے۔

رسول اللہ ﷺ کو اہل طائف کے مزاج اور سختی کا خوب اندازہ تھا۔ آپ جانتے تھے کہ انھیں دعوت اسلام منوانا اتنا آسان نہیں ہوگا۔ وہ ضرور دشمنی پر اتر آئیں گے۔ اہل طائف عروہ کی محبت، پیار، احترام اور اپنے قائد کی خدمات اور قوم کے ساتھ حسن سلوک کو بھلا دیں گے۔ وہ آسانی سے عروہ کا نیا دین قبول نہیں کریں گے بلکہ وہ اسلام اور مسلمانوں سے اپنی دشمنی اور نفرت کا اظہار ضرور کریں گے۔

بالآخر رسول اللہ ﷺ نے اپنے خدشات کے اظہار کے بعد عروہ رضی اللہ عنہ کو واپس جانے کی اجازت دے دی۔ عروہ رضی اللہ عنہ پانچ دن کی مسافت طے کر کے اپنے وطن پہنچ گئے۔ قوم اپنے محبوب قائد کی واپسی پر خوش تھی مگر ان کے بدلے ہوئے رویے پر سخت حیران بھی تھی۔ وہ پریشان ہوگئے کہ عروہ نے خاندانی روایات کے مطابق سفر سے واپسی پر خاندانی بت لات کو سلام نہیں کیا۔ اس کے سامنے ماتھا نہیں ٹیکا، کوئی ہدیہ بھی پیش نہیں کیا اور سیدھے اپنے گھر چلے گئے ہیں۔ قوم پریشان ہو کر ان کی خبر لینے ان کے گھر پہنچی اور جا کر مشرکانہ سلام کیا۔ عروہ نے ان کے سلام کا جواب نہ دیا اور انھیں اپنے مسلمان ہونے کی خبر کچھ اس انداز سے دی۔

عروہ رضی اللہ عنہ بولے: اے میری قوم! کیا تم مجھے کوئی الزام دیتے ہو؟ میں بہرحال تمھارا خیر خواہ ہوں۔ تم میں اعلیٰ نسب ہوں۔ تم سب سے زیادہ مالدار ہوں۔ میرا کنبہ نہایت شریف اور معزز ہے۔ تعداد میں بھی تم سے بڑھ کر ہے۔ میں نے اسلام اس لیے قبول کیا ہے کہ یہ مذہب واقعی قابل اتباع ہے۔ اس شاندار مذہب سے روگردانی بہت بڑی بدنصیبی ہے۔ میری بات مانو اور تم بھی مسلمان ہو جاؤ، اللہ کی قسم! آج تک کوئی شخص اس سے اچھا تحفہ لے کر اپنی قوم کے پاس نہیں آیا۔ میری اطاعت کرو اور یہ خوبصورت دین قبول کرلو۔ یہ سننا تھا کہ شور و غل بلند ہونے لگا۔ وہ کہنے لگے: ہم اسی وقت سمجھ گئے تھے جب تم نے خاندانی روایات کو پس پشت ڈال کر لات کی توہین کی تھی۔ تم نے

اسے سلام کیا نہ اس کے سامنے سر منڈایا اور نہ اس کو نذرانہ پیش کیا۔ تم بے دین ہو گئے۔ پھر قوم نے انھیں برا بھلا کہنا شروع کیا۔ جس کے منہ میں جو آیا، اس نے کہہ دیا۔ اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے بعد وہ ان کے گھر سے نکل گئے اور باہم مشورہ کرنے لگے کہ اس بے دین کا کیا علاج کیا جائے۔ قبیلے والے انھیں مارنے یا مرنے کی تیاری کرنے لگے۔

رات گزری اور صبح ہوئی تو عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے مکان کی چھت پر چڑھ کر اذان کہنی شروع کر دی۔ اپنے گھروں میں نغمہ توحید سن کر مشرکین آگ بگولہ ہوگئے۔ چاروں طرف سے تیر اور تلواریں نکل آئیں۔ وہ عروہ رضی اللہ عنہ کو دھمکیاں دینے لگے۔ اسی دوران میں بنو مالک کے ایک شخص اوس بن عوف نے تیر مارا جو ان کی رگ جاں میں لگا۔ وہ شدید زخمی ہو کر گرے تو ان کے اپنے کنبے کو غیرت آئی۔ وہ قاتل کی طرف لپکے مگر سیدنا عروہ رضی اللہ عنہ نے انھیں یہ کہہ کر روک دیا کہ میں اس شخص کو اپنا خون معاف کرتا ہوں۔ تم جنگ و جدال سے باز رہو۔ یہ تو کرم الٰہی ہے کہ اس نے مجھے شہادت سے سرفراز کرنے کا پروگرام بنایا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ میرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے خبر دی تھی کہ تم مجھے قتل کر دو گے۔ لہٰذا ان کی خبر سچ ثابت ہوگئی۔ تم مجھے شہدائے طائف کے ساتھ دفن کر دینا۔ اس کے بعد سیدنا عروہ رضی اللہ عنہ اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ ان کی قوم نے حسب وصیت انھیں شہدائے طائف کے ساتھ دفن کر دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی شہادت کی خبر ملی تو فرمایا:

«مَثَلُ عُرْوَةَ مَثَلُ صَاحِبِ يَاسِينَ، دَعَا قَوْمَهُ إِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فَقَتَلُوهُ»

''عروہ کی مثال صاحبِ یاسین کی سی ہے، انھوں نے اپنی قوم کو اللہ عزوجل کی طرف بلایا تو انھوں نے اسے شہید کر دیا۔''

سیدنا عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان کے بیٹے ابو ملیح بن عروہ اور بھتیجے قارب بن اسود نے اہلِ طائف سے کہا: آج کے بعد ہم تمھارے ساتھ ہرگز نہیں رہیں گے کیونکہ تم نے عروہ کو قتل کر دیا ہے۔ پھر یہ دونوں حضرات طائف چھوڑ کر مدینہ منورہ آگئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کلمہ شہادت پڑھا اور مسلمان ہوگئے۔ آپ نے انھیں فرمایا:

«تَوَلَّيَا مَنْ شِئْتُمَا»

''جنھیں چاہو اپنا دوست بنالو۔''

انھوں نے عرض کی: ہم اللہ اور اس کے رسول کو اپنا دوست منتخب کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''اپنے ماموں ابوسفیان بن حرب کے حلیف بن جاؤ۔'' دونوں نے تعمیل کی اور سیدنا ابوسفیان کے حلف میں آگئے، پھر سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے گھر میں رہائش رکھی۔ پھر وہ دونوں ثقیف کے مسلمان ہونے (9 ھ) تک مدینہ منورہ ہی میں رہے۔[1]

عمرو بن امیہ کا دانشمندانہ فیصلہ

ثقیف نے اپنی روایتی جہالت، گنوار پن اور بت پرستی کی شدت کی بنا پر اپنے خیر خواہ و دور اندیش سردار سیدنا عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی دعوت کو ٹھکرا دیا اور انھیں شہید کر دیا۔ ان کی شہادت کے بعد ثقیف کے نہایت معاملہ فہم قائد عمرو بن امیہ نے اپنی قوم کی درست راہنمائی کی ٹھانی۔ انھوں نے اپنی عقل و بصیرت سے بھانپ لیا کہ اب معاملات ثقیف کے ہاتھ سے نکل رہے ہیں۔ عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مشورہ بالکل درست تھا مگر قوم کی ہٹ دھرمی مجموعی نقصان کا سبب بن رہی تھی۔ اب جبکہ اردگرد کے قبائل مسلمان ہو رہے تھے اور ثقیف کا اپنا قائد مالک بن عوف نصری مسلمان ہو کر اسلامی لشکر کی قیادت کر رہا تھا۔ یہ وہی لیڈر تھا جو حنین میں 20 ہزار جنگجوؤں کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلے کے لیے نکلا تھا۔ مگر اب وہی قائد اسلامی لشکر کے ساتھ اہل طائف پر یکے بعد دیگرے حملے کر رہا تھا۔ ان کی چراگاہیں اور راستے غیر محفوظ ہو گئے تھے۔ چرنے کے لیے نکلنے والا کوئی ریوڑ ان کے ہاتھوں سے بچ نہیں سکتا تھا۔

اب اس قسم کے حالات میں ثقیف اکیلے کب تک بت پرستی کے سہارے جی سکتے تھے۔ چاروں طرف سے مسلمان قبائل کی یلغار کا مقابلہ اب ان کے بس کی بات نہ تھی۔ اس لیے زیرک سردار عمرو بن امیہ نے ان مشکل حالات میں قوم کی راہنمائی کرنے اور انھیں نجات دلانے کا ارادہ کیا۔ اس مقصد کے لیے اس نے اپنے دشمن عبدیالیل سے صلح کا پروگرام بنایا۔ عبدیالیل ثقیف کا سمجھدار اور ہوشیار سردار تھا۔ عمرو بن امیہ ساری نفرتیں اور عداوت بھلا کر اس کے گھر چلا گیا۔ عبدیالیل بھی عمرو سے صلح کا خواہش مند تھا مگر دونوں بدوی ہٹ دھرمی کی وجہ سے ایسا نہیں کر رہے تھے۔ ہر کوئی تکبر و نخوت پر قائم تھا۔ مگر اب حالات نے دیرینہ دشمنی مٹا کر صلح جوئی کو ممکن بنا دیا تھا۔ عبدیالیل عمرو کو اپنے گھر میں موجود پا کر حیران ہو رہا تھا۔ اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ عمرو صلح کے لیے اس کے گھر چل کر آئے گا۔ اس نے بڑی گرم جوشی سے اس کا استقبال کیا۔ عمرو بن امیہ نے اپنی آمد کا مقصد بیان کیا کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر کے ساتھ مقابلے کی سکت نہیں رکھتے۔ ہم میں سے کوئی شخص اپنے قلعے سے باہر نہیں نکل

[1] المستدرك للحاكم: 6579، المغازي للواقدي: 2/356 و 357.

سکتا۔ آئے روز گرد و پیش کے قبائل کی درگت کی خبریں بھی تواتر سے مل رہی ہیں۔ آخر تم کیسے اسلامی لشکر کا مقابلہ کرو گے؟ اور ہم کب تک قلعہ بند رہ سکیں گے؟

عبدیالیل کہنے لگا: اللہ کی قسم! میرا خیال بھی بالکل یہی ہے۔ وقت کا تقاضا یہی ہے کہ محمد ﷺ سے صلح کر لی جائے۔ اس کے بغیر جینا ممکن نہیں۔ دونوں سرداروں نے قوم سے بات کرنے کا فیصلہ کیا۔ پھر ساری قوم کو عمومی اجلاس کے لیے بلایا۔ اس میں انھیں موجودہ حالات کی سنگینی اور نجات کے راستے کی وضاحت کی۔ باہمی گفت وشنید کے بعد تمام قابل ذکر لوگوں نے یہی فیصلہ کیا کہ اب اسلام قبول کر لینا چاہیے۔ صرف اسی ایک حل کے ذریعے وہ ان شدید مشکلات سے نجات پا سکتے ہیں۔ لہٰذا یہ فیصلہ ہوا کہ سردار عبدیالیل مدینہ منورہ جا کر رسول اللہ ﷺ سے بات چیت کریں۔ یہ وہی عبدیالیل ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کو آپ کے سفر طائف کے دوران سخت اذیت دی تھی۔ آپ کی سچی دعوت کو نہایت حقارت سے ٹھکرایا تھا۔ اس نے کہا تھا: ”اگر اللہ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے تو میں غلاف کعبہ کو اتار پھینکوں گا۔“ اس کے بھائی نے گستاخانہ لہجے میں یہ توہین کی تھی: ”کیا اللہ کو تیرے سوا رسول بنانے کے لیے کوئی آدمی نہیں ملا۔“

وفد ثقیف راہِ ہدایت پر

حالات کی ستم ظریفی دیکھیے کہ آج اسی متکبر، اجڈ اور گستاخ سردار کو رحم کی اپیل کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مدینہ منورہ بھیجا جا رہا تھا۔ عبدیالیل اپنے سابقہ رویے کی وجہ سے بالکل پریشان نہیں تھا۔ اسے معلوم تھا کہ محمد ﷺ نہایت رحم دل اور مہربان ہیں۔ وہ اپنی خدمت میں حاضر ہونے والوں کے ساتھ بڑی شفقت فرماتے ہیں۔ اس لیے اسے امید تھی کہ اس کا جرم بھی آپ کی شانِ کریمی کی وجہ سے معاف ہو جائے گا۔ لیکن اسے اندر ہی اندر یہ فکر کھائے جا رہی تھی کہ اس کی بدو قوم واپسی پر اس کے ساتھ بھی سیدنا عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جیسا سلوک نہ کرے۔ اسی خدشے کی بنا پر عبدیالیل نے قوم سے معذرت کر لی کہ وہ ان کی نمائندگی نہیں کر سکتا۔ قوم کسی اور نمائندے کا بندوبست کرے۔ لیکن قوم نے اصرار کیا کہ یہ اہم کام صرف تم ہی کرو گے۔ قوم کا اصرار دیکھ کر عبدیالیل نے یہ شرط رکھی کہ ہر کنبے کا ایک اہم شخص اس کے ساتھ جائے اور واپسی پر اپنی اپنی برادری کو حالات سے آگاہ کرے۔ قوم نے یہ شرط مان لی اور ان کے ساتھ پانچ دیگر آدمی بھیجنے کا بندوبست کیا۔ ان کے نام یہ ہیں:

1 عثمان بن ابی العاص۔ 2 اوس بن عوف۔ 3 نمیر بن خرشہ۔ 4 الحکم بن عمرو۔ 5 شرحبیل بن غیلان بن سلمہ۔

کچھ سیرت نگاروں نے یہ بھی لکھا ہے کہ دس سے زائد افراد تھے۔ ان میں سفیان بن عبداللہ بھی تھے۔ یہ وفد

عبدیالیل کی سربراہی میں مدینہ منورہ روانہ ہوا تاکہ آپ کے ساتھ اپنی قوم کی بقا کے لیے مذاکرات کر سکے۔ اس طرح ایک سال قبل کی جانے والی رسول اللہ ﷺ کی دعا کی قبولیت کا وقت آپہنچا۔ محاصرہ طائف کے بعد اسلامی لشکر زخموں سے چور واپس آرہا تھا تو کسی نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اہل طائف کو بددعا دیجیے۔ اس کی اس فرمائش کو سن کر رحمت عالم ﷺ نے بددعا کے بجائے اہل طائف کے لیے دعائے خیر کی:

«اَللّٰهُمَّ اهْدِ ثَقِيفًا وَّ ائْتِ بِهِمْ»

''اے اللہ! ثقیف کو ہدایت دے دے اور انھیں (میرے پاس) لے آ۔''

مدینہ میں خوشیوں کی بہار

اہل طائف کا وفد غیر محسوس طریقے سے چپکے چپکے چلتا ہوا مدینہ منورہ کے نواح میں وادی قناۃ پہنچ گیا۔ راستے میں کسی اسلامی لشکر کو ان کی خبر نہ ہوئی۔ وادی قناۃ پہنچے تو وہاں سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اپنی باری کے دن سرکاری اونٹ چرا رہے تھے۔ انھوں نے اپنی قوم کے چیدہ چیدہ افراد کو مدینہ منورہ آتے دیکھا تو ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔ سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سابقین اولین میں سے ہیں۔ وہ اہل طائف کے ہاں زندگی کی کئی بہاریں گزار چکے تھے، اس لیے وفد کے ایک ایک فرد کو بخوبی جان گئے۔ جب انھیں معلوم ہوا کہ وفد اسلام قبول کرنے کے لیے آیا ہے تو انھیں بے حد خوشی ہوئی۔ انھوں نے اپنی قوم کا حال احوال پوچھنے کے بعد اپنے اونٹوں کو انھی کے پاس چھوڑا اور خود مدینہ منورہ کی طرف دوڑ لگا دی تاکہ رسول اللہ ﷺ کو یہ خوشخبری سنا سکیں۔ اہل طائف کا اسلام قبول کرنا بلاشبہ بہت اہم تھا۔ ان کے بعد اسلام کے دشمنوں کا جزیرۂ عرب سے خاتمہ ہو جاتا تھا۔ ان کی مالی اور افرادی قوت سے اسلام

جبل احد کے دامن میں وادی قناۃ



کی قوت دوبالا ہوئی تھی۔ لہٰذا خوشی و مسرت کے والہانہ جذبات کے ساتھ سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بھاگتے ہوئے مدینہ منورہ داخل ہوئے۔ مسجد نبوی کے دروازے پر پہنچے تو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی۔ انھیں اپنی قوم کی آمد کی خبر سنائی تو انھوں نے فرمایا: مغیرہ! تمھیں اللہ کی قسم ہے، یہیں رک جاؤ۔ یہ خوشخبری مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنانے دو کیونکہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ثقیف کو یاد کرتے ہوئے سنا ہے۔ چنانچہ سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ دروازے پر رک گئے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اجازت لے کر اندر داخل ہوئے اور اہل طائف کی آمد کی خوشخبری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنائی۔ پھر باہر تشریف لائے تو سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے دیکھا کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک خوشی سے دمک رہا ہے۔ سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ یہ منظر دیکھ کر مسرت سے نہال ہوگئے۔ ان کی خوشی الفاظ میں بیان نہ ہوسکتی تھی۔ ایک طرف ان کی قوم اسلام قبول کرنے کے لیے مدینہ منورہ پہنچ گئی تھی اور دوسری طرف تاجدار مدینہ کو بھی ان کی آمد سے بے حد خوشی ہو رہی تھی۔ یہ دونوں خوشیاں سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ کے لیے دنیا جہاں کی نعمتوں سے بڑھ کر فرحت کا باعث تھیں۔

یہ خوشخبری سنانے کے بعد سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ بھاگم بھاگ واپس گئے اور اپنی قوم کی خدمت میں لگ گئے۔ ان کی سواریوں سے سامان اتارا۔ خیمے لگانے میں ان کی مدد کی۔ پھر انھیں ملاقات کے اسلامی آداب سکھانے لگے تاکہ خدمت نبوی میں پہنچ کر وہ اسلامی انداز سے آداب بجا لائیں۔ انھیں خطرہ تھا کہ کہیں اپنی جاہلانہ رسوم کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناراض نہ کر بیٹھیں کیونکہ جاہلی رسوم و رواج اور دیہاتی اجڈ پن ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ شہری تہذیب سے وہ نا آشنا تھے۔ اس لیے کچھ ضروری آداب انھیں سکھانا اشد ضروری تھا۔ لیکن مغیرہ رضی اللہ عنہ کی یہ ساری محنت اس وقت رائیگاں گئی جب ثقفی وفد نے مدینہ منورہ پہنچ کر اپنا روایتی سلام پیش کیا۔ انھوں نے السلام علیکم کہنے کے بجائے اپنا خاندانی سلام ''أَنْعِمْ صَبَاحًا'' صبح بخیر، Good Morning کہہ کر آپ کو آداب پیش کیا۔

ابتدائی مرحلے میں ثقفی وفد وادی قناۃ میں ٹھہر گیا اور اپنی بات چیت سیدنا خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کے ذریعے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتا رہا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے کھانے پینے کا بندوبست فرماتے کیونکہ وہ آپ ہی کے مہمان تھے۔ لیکن اپنے دیہاتی شکی مزاج کی وجہ سے وہ آپ کا بھیجا ہوا کھانا اس وقت تک نہ کھاتے تھے جب تک سیدنا خالد رضی اللہ عنہ اس میں شریک نہ ہوتے، حالانکہ ان کا یہ خوف بلا وجہ تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے مہربان شفیق اور رحم دل میزبان کی ضیافت سے لطف اندوز ہونے والے اس قسم کے خدشات سے ہمیشہ محفوظ رہتے تھے۔ پھر بھلا انھیں کیا خوف ہوسکتا تھا۔

اہل طائف کے خدشات اور احکام الٰہی

اگلے مرحلے کی بات چیت کے لیے رسول اللہ ﷺ نے سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ کے گھر بقیع میں تین خیمے نصب کرائے اور مہمانوں کو ان میں ٹھہرایا گیا۔ یہاں رہ کر مہمانوں کے لیے ممکن تھا کہ وہ مسلمانوں اور خصوصاً رسول اللہ ﷺ کے شب و روز کو بغور دیکھ سکیں۔ وہ تہجد کے وقت صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی رقت آمیز تلاوت سنتے، رسول اللہ ﷺ کے خطبات شیریں سے لطف اندوز ہوتے۔ صحابہ کرام کو وضو کرتے، نماز کی تیاری، صف بندی اور دیگر عبادات کی ادائیگی کرتے ہوئے دیکھتے۔ اس طرح کئی دن وہ مدینہ منورہ میں مسلمانوں کی مہمان نوازی سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ وفد میں سب سے کم عمر عثمان بن ابی العاص تھے جن کی ذمہ داری وفد کے سامان کی حفاظت تھی۔ ہر روز وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو وہ عثمان کو خیموں میں چھوڑ جاتے۔ جب وفد واپس آ کر آرام کرنے لگتا تو یہ چپکے سے نکلتے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوجاتے۔ آپ سے قرآن مجید سیکھتے اور آپ کے اعلیٰ آداب سے خود کو مزیّن کرتے۔ اگر آپ قیلولہ فرما رہے ہوتے تو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر علم کے موتی چنتے۔ اس طرح وفد کو علم بھی نہ ہوا کہ ان کا کم سن رکن مسلمان ہو کر ان سے پہلے اسلام کی ابدی تعلیمات سے اپنا سینہ منور کرتا رہا۔ اگر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی راہنمائی میسر نہ آتی تو نبی کریم ﷺ کے قاری سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے کسب فیض کرتے۔ یہ ساری تعلیم خفیہ ہی چل رہی تھی۔

کافی دن اسی طرح گزر گئے۔ ایک دن سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میری قوم اسلام قبول کرنے کے لیے چند شرائط رکھنا چاہتی ہے۔ آپ نے فرمایا: ''ہر وہ شرط یا معاہدہ جو دیگر قبائل کو دیا گیا ہے، وہ تمھاری قوم کو بھی دے دیا جائے گا، لہٰذا تم انھیں خوش خبری سنا دو۔''

ہر روز وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو آپ انھیں اسلام کی دعوت دیتے۔ ایک روز وفد کے سربراہ عبدیالیل نے کہا: کیا آپ ہمارے ساتھ معاہدہ کریں گے تاکہ ہم اپنے بیوی بچوں اور قوم کے پاس واپس جا سکیں؟ آپ نے فرمایا: ''اگر تم اسلام قبول کرلو تو میں تمھارے ساتھ معاہدہ کرلوں گا۔ اور اگر تم اسلام قبول نہ کرو تو پھر صلح کا کوئی معاہدہ ممکن نہیں۔'' عبدیالیل بولا: زنا کے بارے میں آپ کا کیا حکم ہے کیونکہ ہم نوجوان کنوارے ہیں۔ اپنے وطن سے بھی دور ہیں، کنوارا رہنا ہمارے لیے بہت مشکل ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: ''زنا اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے۔ مسلمانوں کو اس کی اجازت نہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا﴾

’’اور تم زنا کے قریب مت جاؤ، یقیناً وہ بے حیائی اور بری راہ ہے۔‘‘ [1]

اس نے دوسرا سوال کیا: سود کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟

آپ ﷺ نے فرمایا: ’’سود بھی حرام ہے۔‘‘ عبد یالیل بولا: ہمارے سارے مال سود کی پیداوار ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ’’تمھارے لیے تمھارے اصل مال لینا جائز ہے (سود چھوڑ دو)۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾

’’اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی ہے، وہ چھوڑ دو اگر تم مومن ہو۔‘‘ [2]

عبد یالیل نے تیسرا سوال کیا: شراب کے بارے میں فرمائیے کیونکہ شراب ہمارے انگوروں کا رس ہے۔ ہم اسے پیے بغیر نہیں رہ سکتے۔

آپ نے فرمایا: ’’شراب اللہ تعالیٰ نے حرام کی ہے۔‘‘ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾

’’اے لوگو جو ایمان لائے ہو! بے شک شراب اور جوا، آستانے اور فال نکالنے کے تیر، سب گندے کام ہیں اور شیطان کے عمل سے ہیں، لہٰذا تم ان سے بچو، تاکہ تم فلاح پاؤ۔‘‘ [3]

ثقفی وفد کے مطالبات تسلیم نہ ہوئے تو وہ اٹھ گئے۔ واپس جا کر عبد یالیل بولا: تمھارا بھلا ہو، اگر ان تین چیزوں کی حرمت کی خبر لے کر ہم قوم کے پاس گئے تو وہ ہمیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ ثقیف والے زنا اور شراب نوشی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔ سفیان بن عبداللہ ایک سمجھدار اور صاحب بصیرت آدمی تھے۔ وہ بولے: جناب! اگر اللہ نے ثقیف کو بھلائی عطا کرنے کا فیصلہ کیا ہے تو انھیں ان چیزوں پر صبر بھی آجائے گا۔ یہ جتنے لوگ آپ کے ساتھ ہیں، وہ بھی ان چیزوں کے عادی تھے، انھوں نے بھی صبر کر لیا ہے، پھر ثقیف بھلا کیونکر صبر نہیں کریں گے جبکہ ہمیں مسلمانوں کے حملے کا خطرہ بھی ہے۔ ہمارے اردگرد اسلام پھیل چکا۔ ہم چاروں طرف سے مسلمانوں کے گھیرے میں ہیں۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ ہم بلا شرط مسلمان ہو جائیں۔ اللہ کی قسم! اگر مسلمانوں نے ایک ماہ تک محاصرہ کیے رکھا تو ہم بھوکے مر جائیں گے۔ مجھے تو اہل مکہ جیسی ذلت و رسوائی کا خدشہ ہے۔

اس گفت و شنید کے بعد وہ پھر حاضر خدمت ہوئے تو کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! ہمارے بت لات کے

[1] بنیٓ إسرآءیل 32:17. [2] البقرۃ 278:2. [3] المآئدۃ 90:5.

بارے میں کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’اسے منہدم کردو۔‘‘ وہ کہنے لگے: اگر ہمارے دیوتا کو علم ہوگیا کہ ہم نے اسے گرانے کا پروگرام بنایا ہے تو وہ ہمارے اہل خانہ کو قتل کر دے گا۔ یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے نہ رہا گیا۔ فرمایا: اے عبدیالیل! تیرا برا ہو۔ یہ دیوتا ایک پتھر ہے۔ اسے کیا معلوم کس نے اس کی پوجا کی اور کون اس کا منکر ہے؟ عبدیالیل نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ مسکت جواب سنا تو کھسیانا ہو کر کہتا ہے: اے عمر! ہم تمھارے پاس نہیں آئے (تم اپنی رائے اپنے پاس ہی رکھو)۔

اگرچہ ثقیف کی ساری شرائط رد ہو رہی تھیں اور انھیں اسلام کے تمام احکام پر عمل کرنا گراں گزر رہا تھا لیکن پھر بھی وہ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرنے، مسلمان ہونے اور صلح کرنے پر راضی ہوگئے۔ سیدنا خالد بن سعید رضی اللہ عنہ نے صلح نامہ لکھا۔ صلح نامہ مکمل ہوگیا۔ ثقفی وفد مسلمان ہوگیا۔ اس کے بعد انھوں نے ایک التجا پھر کر دی کہ اے اللہ کے رسول! ہمارے دیوتا کی بربادی میں تین سال کی مہلت دے دیجیے کیونکہ فوری انہدام سے ہمارے بچے اور عورتیں بھڑک اٹھیں گی۔ وہ نسل در نسل اس کی پوجا کرتے رہے ہیں۔ انھیں سمجھانے کے لیے ہمیں کچھ وقت چاہیے۔ آپ ﷺ نے صاف انکار کر دیا۔ ثقفی وفد نے پھر دو سال، ایک سال اور آخر میں صرف ایک ماہ کی مہلت مانگی۔ مگر رسول اللہ ﷺ نے واضح کر دیا کہ اسلام اور بت پرستی اکٹھے نہیں چل سکتے۔ تمھیں اس بت کو پاش پاش کرنا ہوگا اور اپنے نئے عقیدے کا برملا اظہار کرنا پڑے گا۔ مگر ثقفی وفد اپنے قبیلے کی تندمزاجی اور گنوار پن سے واقف تھا، اس لیے وہ ڈر رہے تھے کہ اگر انھوں نے جاتے ہی لات کو گرایا تو قبیلے میں بہت بڑا فساد ہو جائے گا۔ بالآخر انھوں نے التجا کی کہ اگر اس بت کو فوری گرانا ضروری ہے تو پھر آپ ہمیں اس خدمت سے معذور سمجھیں اور یہ کام کسی اور کے سپرد کر دیں۔ آپ ﷺ نے ان کا یہ مطالبہ تسلیم کر لیا۔ فرمایا: ’’ٹھیک ہے، ہم یہ کام ابوسفیان بن حرب اور مغیرہ بن شعبہ کے ذمے لگاتے ہیں، وہ اس بت کو توڑ ڈالیں گے۔‘‘

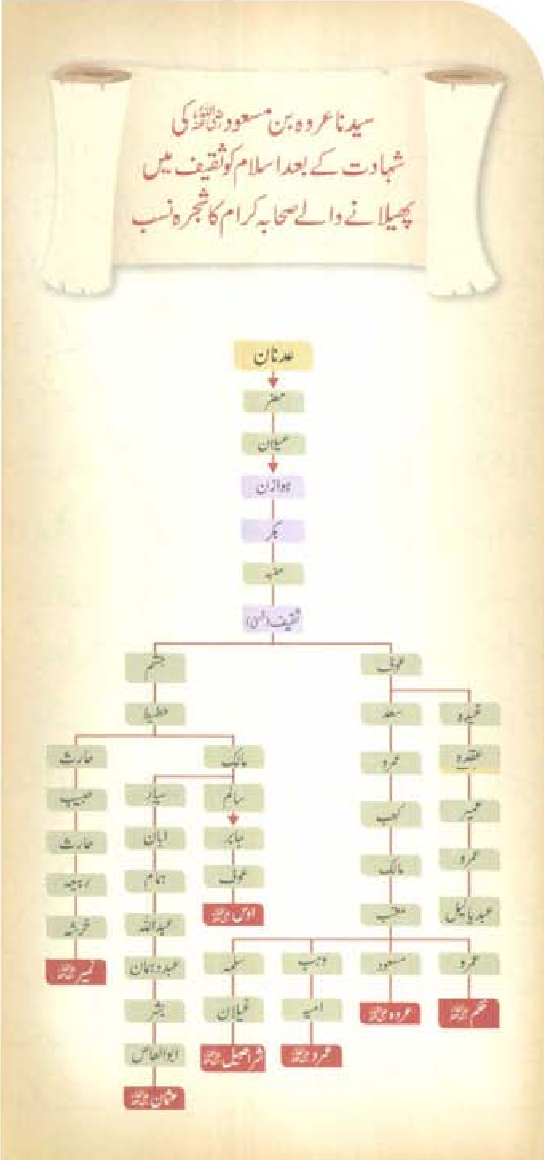
اس کے بعد ثقفی وفد نے نماز کی ادائیگی میں خصوصی رخصت طلب کی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا خَيْرَ فِي دِينٍ لَّا صَلَاةَ فِيهِ»

’’جس دین میں نماز نہ ہو، وہ خیر سے محروم ہے۔‘‘

سنن ابوداود میں قدرے مختلف الفاظ کے ساتھ یہ روایت آئی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا خَيْرَ فِي دِينٍ لَّيْسَ فِيهِ رُكُوعٌ»



''جس دین میں رکوع نہ ہو، اس میں خیر نہیں۔''[1]

چنانچہ ثقفی وفد نے عہد کیا کہ وہ نماز ادا کریں گے، روزہ رکھیں گے۔ پھر دیگر فرائض اسلام کی تعلیم بھی حاصل کی۔ یہ وفد ماہ رمضان میں آپ کی خدمت میں پہنچا تھا، اس لیے آپ نے حکم دیا کہ بقیہ رمضان کے روزے رکھو۔ ثقفی وفد کی سحری اور افطاری کا انتظام بھی کر دیا گیا۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ افطاری لے کر ان کے پاس پہنچتے تو انھیں محسوس ہوتا جیسے ابھی سورج غروب نہیں ہوا۔ آپس میں باتیں کرتے کہ یہ سورج سے قبل افطاری دے کر ہمیں آزمایا جا رہا ہے۔ ہمارا اسلام چیک کیا جا رہا ہے۔ اس لیے وہ افطاری کرنے میں تأمل کرتے۔ پھر سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے انھیں بتایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے افطاری کرنے کے بعد تمھارے لیے افطاری کا سامان لے کر آتا ہوں۔ بہرحال ثقفی وفد کو یہ مسئلہ ہمیشہ یاد رہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورج غروب ہوتے ہی افطاری کر لیتے تھے، البتہ سحری بالکل آخری وقت میں کرتے تھے۔

اس طرح ثقفی وفد مسلمان ہوگیا اور ان کے مسلمان ہونے سے جزیرہ عرب میں مسلمانوں کی ٹکر کی کوئی فوج باقی نہیں رہی۔ ان کے بعد چاروں طرف سے وفود اسلام قبول کرنے کے لیے مدینہ منورہ آنے لگے۔[2]

1 سنن أبي داود: 3026. اس روایت کی سند ضعیف ہے۔ 2 المغازي للواقدي: 2/358-362، زادالمعاد: 3/498، 499.

امیر ثقیف کی تقرری

ثقفی وفد اسلام قبول کرنے کے بعد اسلام کی بنیادی تعلیمات سیکھتا ہے۔ پھر اپنے اہل وعیال اور قوم کے پاس جانے کا ارادہ کرتا ہے۔ اس موقع پر انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہمارا کوئی امیر مقرر فرما دیں تا کہ ہم پیش آمدہ مسائل میں اس سے راہنمائی لے سکیں، جو ہمیں نماز پڑھائے اور دیگر لوگوں کو تربیت دے سکے۔ رسول اللہ ﷺ ہمیشہ دین کی بنیاد پر تقرری فرماتے تھے۔ جو شخص قرآن مجید کا زیادہ بڑا عالم ہوتا، اسے دیگر پر فوقیت دی جاتی اگرچہ وہ قوم کا کم سن فرد ہی ہو۔ اس موقع پر بھی آپ نے ثقفی وفد کے سب سے کم عمر عثمان بن ابی العاص کو ثقیف کا امیر مقرر کر دیا۔ بنیادی دینی تعلیم کے حصول میں سارا وفد برابر تھا۔ مگر یہ نوجوان دینی تعلیم کا شدید حریص تھا۔ وفد سے پہلے مسلمان ہوا اور انھیں بتائے بغیر قرآن مجید سیکھتا رہا۔ جب تک باقی وفد مسلمان ہوا، وہ نبی کریم ﷺ، سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہما سے کئی سورتیں سیکھ چکا تھا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کے جذبۂ دین اور جوش کی تعریف کی۔ لہٰذا انھیں پورے ثقیف کا امیر بنا دیا گیا۔

رسول اللہ ﷺ نے انھیں امیر مقرر کرنے کے بعد خصوصی ہدایات دے کر رخصت فرمایا:

«أَنْتَ إِمَامُهُمْ، وَاقْتَدِ بِأَضْعَفِهِمْ، وَاتَّخِذْ مُؤَذِّنًا لَا يَأْخُذُ عَلٰى أَذَانِهِ أَجْرًا»

”تم ان کے امام ہو۔ اور ان کے کمزور ترین کی اقتدا کرنا (رعایت کرتے ہوئے نماز پڑھانا) اور ایسا مؤذن مقرر کرنا جو اپنی اذان پر اجرت نہ لے۔“[1]

آپ نے انھیں ہدایت کی کہ کمزور نمازیوں کا خیال رکھتے ہوئے ہلکی نماز پڑھانا، البتہ جب خود نوافل ادا کرنے لگو تو جتنی چاہو طویل نماز ادا کرلو۔ بغیر اجرت کے مؤذن مقرر کرنے کی ہدایت فرمائی۔ البتہ آج کل مصروفیات کے دور میں اگر بلا اجرت مؤذن نہ ملے تو ایسا مؤذن مقرر کیا جاسکتا ہے جو اپنی دیگر مصروفیات ختم کر کے یہ فریضہ ادا کر سکے۔ اس طرح اس کی ذاتی ضروریات مسلمانوں کے بیت المال یا مسجد انتظامیہ کے ذمے ہوں گی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے التجا کی: اے اللہ کے رسول! شیطان میری نماز میں شکوک وشبہات ڈال دیتا ہے۔ میری نماز خراب کر دیتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اس شیطان کا نام خِنزب ہے۔“

«فَإِذَا أَحْسَسْتَهُ فَتَعَوَّذْ بِاللّٰهِ مِنْهُ وَاتْفِلْ عَنْ يَسَارِكَ ثَلَاثًا»

”جب تمھیں شیطانی وسوسے کا احساس ہو تو (اعوذ باللہ پڑھ کر) اللہ کی پناہ لے لیا کرو، پھر اپنی بائیں جانب

[1] صحيح مسلم: 468، سنن أبي داود: 531.

تین بار تھتکار دیا کرو۔''

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ہدایت پر عمل کیا تو شیطانی وسوسے دور ہو گئے اور میں شیطان کے شر سے محفوظ ہو گیا۔ [1]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا: «أُمَّ قَوْمَكَ» ''اپنی قوم کی امامت کراؤ۔'' میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! مجھے وسوسے آتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میرے قریب ہو جا۔'' پھر مجھے اپنے سامنے بٹھا لیا اور اپنا دستِ مبارک میرے سینے پر رکھا، پھر فرمایا:

«أُمَّ قَوْمَكَ فَمَنْ أَمَّ قَوْمًا فَلْيُخَفِّفْ فَإِنَّ فِيهِمُ الْكَبِيرَ وَ إِنَّ فِيهِمُ الْمَرِيضَ وَ إِنَّ فِيهِمُ الضَّعِيفَ وَ إِنَّ فِيهِمْ ذَا الْحَاجَةِ وَ إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ وَحْدَهُ فَلْيُصَلِّ كَيْفَ شَاءَ»

''اپنی قوم کی امامت کرو، جو شخص کسی قوم کی امامت کرائے تو اسے ہلکی نماز پڑھانی چاہیے کیونکہ ان میں بزرگ ہوتے ہیں۔ اور بے شک ان میں بیمار بھی ہوتے ہیں اور بے شک ان میں کمزور ہوتے ہیں، یقیناً ان میں ضرورت مند بھی ہوتے ہیں۔ اور جب تم میں سے کوئی شخص اکیلا نماز ادا کرے تو جتنی چاہے (طویل) نماز پڑھ لے۔'' [2]

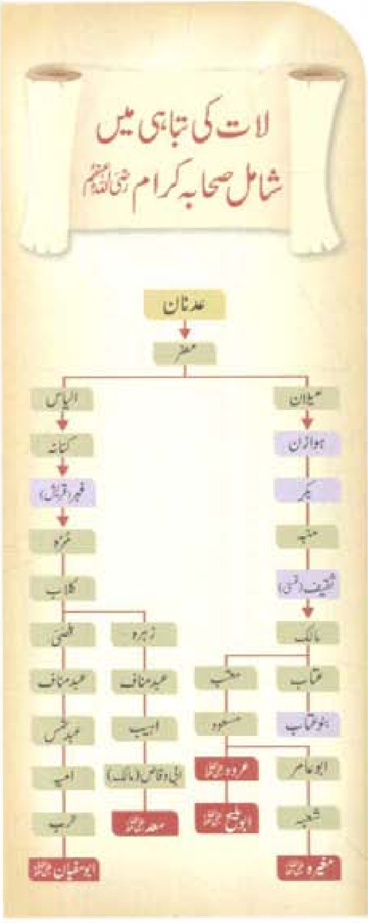
اس طرح ثقفی وفد اسلام قبول کرنے کے بعد اپنے وطن طائف کی طرف روانہ ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں صلح نامہ تحریر کرا دیا، ان کا امیر مقرر کر دیا اور اسے خصوصی ہدایات دے کر الوداع کیا تاکہ وہ اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دیں اور آپ سے مذاکرات کے نتیجے سے آگاہ کریں۔

[1] صحيح مسلم :2203، دلائل النبوة للبيهقي :307/5. [2] صحيح مسلم :468.

لات کی تباہی

لات، عربوں کا سب سے بڑا بت تھا۔ یہ چوکور پتھر تھا۔ ایک یہودی اس پتھر کے پاس مسافروں کو ستو کھلایا کرتا تھا۔ وہ فوت ہوگیا تو لوگوں نے اسی پتھر کی پوجا شروع کر دی۔ پھر اس کے گرد شاندار عمارت تعمیر کر دی گئی اور طائف کے بنو عتاب بن مالک اس کے مجاور بن گئے۔ اس طرح ہزاروں سال سے اس بت کی پوجا کی جارہی تھی۔ پورا عرب اس کی بے حد تعظیم کرتا تھا۔ یہ مسجدِ طائف کے بائیں منارے کے پاس تھا حتی کہ اہل طائف مسلمان ہوگئے اور رسول اللہ ﷺ کے حکم پر اسے گرادیا گیا۔

آیئے اس کے انہدام کی دلچسپ روداد پڑھتے ہیں:



رسول اللہ ﷺ نے ثقفی وفد کی معذرت پر سیدنا ابوسفیان بن حرب اور سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما کو بھیجا کہ وہ لات کو ختم کر دیں۔ ثقفی قائد عبد یالیل اپنی قوم کی بت پرستی اور مزاج سے خوب واقف تھا۔ وہ جانتا تھا کہ لات کا انہدام بہت بڑا واقعہ ہوگا اور اسے گرانا آسان نہیں ہوگا۔ اس کی قوم اسے بڑی مشکل سے برداشت کرے گی۔ اسی لیے اس نے اس مہم سے معذرت کرلی تھی۔ وفد طائف شہر کے قریب پہنچا تو اہل طائف نے ان کا استقبال کیا۔ پوری قوم شدت سے انتظار کر رہی تھی کہ ان کا وفد کیا خبر لے کر آتا ہے۔ وفد نے اپنے چہرے ڈھانپ لیے اور سواریوں کو تیز کر دیا گویا وہ شدید غمگین اور پریشان ہیں، وہ کوئی اچھی خبر لے کر نہیں آئے۔ جب وفد شہر میں داخل ہوا تو حسب روایت لات بت کے قریب اترے مگر پہلے والا اندازِ محبت نہیں تھا۔ لات کے پاس نہ سر منڈائے نہ اس کی تعظیم بجالائے بلکہ ایسے ظاہر کیا جیسے وہ لات کو جانتے ہی نہ ہوں۔ پھر وفد کے ارکان اپنے اپنے گھروں کو چل دیے۔ آخر قوم

پریشان ہو کر وفد کے ارکان کے پاس آئی۔ پوچھا کہ کیا خبر لائے ہو، کچھ تو بتاؤ۔ انھوں نے بڑے غمگین لہجے میں بتایا کہ تمھارے لیے کوئی اچھی خبر نہیں۔ ہم ایک نہایت سخت طبیعت، سنگ دل شخص کو مل کر آرہے ہیں (قوم کو اعتماد میں لینے کے لیے چند ایسے جملے بولنے کی اجازت انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے لے لی تھی)۔ وہ اپنی مرضی کرتے ہیں۔ تلوار کے زور پر سارے عرب پر غالب آگئے ہیں۔ لوگ ان کے تابع ہو چکے ہیں۔ عیسائی اپنے قلعوں میں ان سے خوف کھاتے ہیں۔ اب لوگوں کا یہ حال ہے کہ اس کے دین کو قبول کرکے اس کے ہمنوا بن رہے ہیں یا تلوار کے وار کے لیے خود کو تیار کر رہے ہیں۔ انھوں نے ہمیں بڑے مشکل کام بتائے تھے۔ ہم نے صاف معذرت کر دی۔ انھوں نے ہمیں زنا کاری، سود اور شراب سے منع کیا تو ہم نے یہ شرائط ماننے سے انکار کر دیا۔ اور تو اور انھوں نے ہمارے دیوتا لات کی مسماری کا حکم دے دیا۔ بھلا ہم یہ کیسے قبول کر سکتے تھے۔ قوم مطمئن ہوگئی کہ وفد واقعی ان کے جذبات کا بھرپور پاس کر کے آیا ہے۔ کہنے لگے: یہ شرائط تو ہم کبھی نہ مانیں گے۔ وفد نے کہا: ہم بھی اسی لیے انکار کر آئے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ انھوں نے ہمارا لحاظ نہیں کیا۔ سو تم بھی جنگی تیاری کرلو، اپنے قلعے کی مرمت کرلو، اسلحہ اور سال دو سال کا اناج جمع کرلو۔ اپنے قلعے کے باہر خندق کھود دو۔ ہمارا خیال ہے کہ وہ دو سال سے زائد ہمارا محاصرہ نہیں کر سکیں گے۔ یہ سارے انتظامات جلدی کرلو کیونکہ وہ کسی بھی وقت حملہ آور ہو سکتے ہیں۔ یہ سن کر قوم پریشان ہوگئی۔ صرف دو دن بعد رعب اور خوف کے مارے ان کی حالت غیر ہوگئی۔ دوبارہ اپنے وفد کے ارکان کو کہتے ہیں: تم واپس جاؤ اور ان کی شرائط پر صلح کرلو کیونکہ ہم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ سارا عرب مغلوب ہو چکا ہے تو ہم کب تک ڈٹ سکیں گے۔ جاؤ اور صلح نامہ تحریر کرالو...... جلدی کرو کہیں اسلامی لشکر حملہ آور نہ ہو جائے۔

وفد کے ارکان نے جب دیکھا کہ ان کی قوم خوفزدہ ہوگئی۔ اب وہ جنگ کے بجائے امن اور بت پرستی کے بجائے اسلام کی طرف راغب ہوگئی ہے۔ اس لیے قوم کو بتا دیا کہ ہم سب سے بڑے رحمدل، مہربان، صلہ رحمی کرنے والے، سب سے زیادہ وفادار اور سچے انسان کے پاس سے ہو کر آئے ہیں۔ انھوں نے ہمیں تحریر لکھ دی ہے اور ہمیں لات کو گرانے کا حکم دیا ہے۔ لیکن یہ کام کرنے کے لیے اپنے ساتھی روانہ کیے ہیں۔

یہ سن کر قوم کچھ مطمئن ہوگئی۔ مگر لات کی بربادی انھیں پریشان کر رہی تھی۔ ایک بزرگ کہنے لگے: اگر بت ٹوٹ گیا تو مسلمان سچے اور ہم جھوٹے اور اگر بت نے اپنا دفاع کر لیا تو پھر میرے دل میں اس کی تعظیم اور بڑھ جائے گی۔ سیدنا عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نے انھیں جواب دیا: بزرگوار! آپ کو آپ کا نفس بے کار امیدیں دلا رہا

ہے، بھلا یہ دیوتا کیا چیز ہے؟ کیا اسے معلوم ہے کہ کون اس کا پجاری ہے اور کون اس کا منکر؟ جیسا کہ عزیٰ بت اسی طرح بے جان پتھر تھا، اسے سیدنا خالد بن ولید نے تنہا ہی راکھ کا ڈھیر بنا دیا تھا۔ اسی طرح اساف، نائلہ، ہبل اور مناۃ ابھی کل کی بات ہے جب یہ ایک ہی شخص کے ہاتھوں تباہ و برباد ہوئے۔ اسی طرح سواع کو بھی اکیلے آدمی نے مسمار کیا۔ ان میں سے کوئی ایک بھی اپنا دفاع نہ کر سکا، پھر بھلا یہ کیا کر لے گا؟! عنقریب تم اپنی آنکھوں سے اس کی بربادی دیکھو گے۔

سیدنا ابوسفیان اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما نے دو تین دن انتظار کیا اور پھر لات کی مسماری کے لیے روانہ ہوئے۔ سیدنا ابوسفیان نے کہا: مغیرہ! تم آگے بڑھو۔ ان کی قوم بھی اہل طائف میں سے تھی، اس لیے چند نوجوان سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہو لیے مبادا قوم عروہ بن مسعود کی طرح انھیں ہلاک کر دے۔ یہ گروہ رات کو بت کے قریب پہنچ گیا اور صبح کے وقت مسماری کا کام سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ نے شروع کیا۔ طائف کی عورتیں اور بچے، نوجوان اور بوڑھے سبھی یہ المناک حادثہ دیکھنے کے لیے پہنچ گئے۔ ان کا خیال تھا کہ جو بھی یہ جرم کرنے کے لیے آگے بڑھے گا، ان کا دیوتا اسے بھسم کر دے گا۔ وہ ان کے دیوتا کے غیظ و غضب سے بچ نہیں سکے گا۔ سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ مضبوط ایمان و یقین سے سرفراز تھے۔ انھیں ایسا کوئی خوف لاحق نہیں تھا بلکہ وہ تو قوم کو ہنسانے کے موڈ میں تھے۔ لہٰذا اپنے ساتھیوں سے کہنے لگے: آج میں ثقیف کو رلاؤں گا اور تمھیں ہنساؤں گا۔ جب سارے لوگ جمع ہو گئے تو سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ نے کدال پکڑی اور بت کی طرف چل دیے۔ اس پر سوار ہوئے۔ پہلا ہی وار کیا تو دھڑام سے نیچے گر گئے اور بے ہوش ہونے کا بہانہ کیا۔ ثقیف والے خوب شور مچانے لگے۔ دیکھو ہمارے دیوتا نے کیسے انتقام لیا ہے۔ دیکھو اس کا کیا انجام ہوا ہے۔ وہ اسی طرح چیخ و پکار کر رہے تھے کہ سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ بالکل سیدھے بیٹھ گئے اور قوم کو گھورنے لگے۔ پھر فرمایا: اے ثقیف والو! عرب کہتے تھے کہ ثقیف والے سب سے بڑھ کر عقل مند ہیں۔ جبکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم سے بڑھ کر احمق پورے عرب میں کوئی نہیں۔ تمھارا ستیاناس ہو! یہ لات، عزیٰ اور منات جیسے بت کیا ہیں؟ یہ تو بے جان پتھر ہیں۔ انھیں اپنے پجاری تک کا علم نہیں۔ تمھارا برا ہو، کیا لات سنتا اور دیکھتا، فائدہ دیتا یا نقصان پہنچا سکتا ہے؟ یہ کہہ کر سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ نے پے در پے وار کر کے اسے مسمار کرنا شروع کر دیا۔ دیوتا کی بے بسی دیکھ کر قوم کو بڑی مایوسی ہوئی۔ پھر دیگر مسلمان بھی شریک ہو گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے ہزاروں سال پرانا دیوتا ریت کا ڈھیر بنا دیا گیا۔ مگر شرک کے بیج ابھی باقی تھے۔ لات کے مجاور بنو عتاب بن مالک کہنے لگے: ذرا بنیادوں تک پہنچو، تمھیں پتہ چل جائے گا کہ تم نے کس بڑے دیوتا کی توہین کی ہے۔ وہ غضبناک ہو گا اور تم سے بدترین انتقام لے گا۔ یہ سن کر سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ نے اس کی بنیادیں کھودنا شروع کر دیں۔ حتی کہ کھودتے کھودتے اس کے

مدفون خزانوں تک پہنچ گئے اور سونے چاندی کے ڈھیر نکال لیے۔ یہ وہ خزانہ تھا جو صدیوں سے لوگ نذرانے دیتے آئے تھے۔ سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ نے یہ خزانے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دیے۔

سیدنا ابوملیح رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میرے والد شہید ہوئے تو ان کے ذمے دو سو مثقال سونا قرض تھا۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو لات دیوتا کے خزانے سے یہ قرض ادا کر دیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دے دی۔ قارب بن اسود نے بھی عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرے والد کا بھی قرض ہے، وہ بھی ادا کر دیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تمھارا والد تو کفر کی حالت میں فوت ہوا تھا۔ پھر ہم اسے کیوں ادا کریں؟“ اس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اب وہ میرے ذمے ہے اور میں نے اسے ادا کرنا ہے۔ اس پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا قرض بھی لات دیوتا کے خزانے سے حاصل ہونے والے سونے سے ادا کر دیا۔ کچھ دیگر لوگوں کو بھی عنایت فرمایا اور بقیہ مال مسلمانوں کے لیے اسلحہ کی خریداری پر خرچ کر دیا۔

اس طرح لات بت اپنے انجام کو پہنچا۔ لات کی بربادی دیکھ کر ابن عارض جشمی نے اپنی قوم کو نصیحت کی کہ ایک عاجز و بے جان بت کی خاطر غضبناک ہونے کی ضرورت نہیں۔ اس نے کہا:

لَا تَنْصُرُوا اللَّاتَ إِنَّ اللّٰهَ مُهْلِكُهَا ... وَكَيْفَ نَصْرُكُمُو مَنْ لَّيْسَ يَنْتَصِرُ

إِنَّ الَّتِي حُرِّقَتْ بِالنَّارِ فَاشْتَعَلَتْ ... وَلَمْ تُقَاتِلْ لَدٰى أَحْجَارِهَا هَدَرٌ

إِنَّ الرَّسُولَ مَتٰى يَنْزِلْ بِسَاحَتِكُمْ ... يَظْعَنْ وَلَيْسَ بِهَا مِنْ أَهْلِهَا بَشَرٌ

”لات کی مدد نہ کرو، بلاشبہ اللہ اس کو تباہ کر دینے والا ہے، وہ تمھاری مدد کیسے کر سکتا ہے جو اپنا دفاع بھی نہیں کر سکتا۔ یقیناً جو آگ سے جلا دیا گیا، آگ بھڑکتی رہی اور اس کے گرتے ہوئے پتھروں کے پاس کسی نے لڑائی نہ لڑی۔ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تمھارے صحن میں تشریف فرما ہوں گے تو ان کی واپسی تک یہاں کوئی بت پرست باقی نہ ہوگا۔“[1]

اہل طائف کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وادی وج کو سرکاری چراگاہ قرار دیا اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل طائف کو خط لکھا جس کا مضمون درج ذیل ہے:

[1] المغازي للواقدي :2/360-365، موسوعة الغزوات الكبرٰى :2/1714-1723.

«بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ. هٰذَا كِتَابٌ مِّنَ النَّبِيِّ رَسُولِ اللّٰهِ إِلَى الْمُؤْمِنِينَ، إِنَّ عِضَاهَ وَجٍّ وَّصَيْدَهُ لَا يُعْضَدُ وَمَنْ وُّجِدَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ يُجْلَدُ وَتُنْزَعُ ثِيَابُهُ، فَإِنْ تَعَدّٰى ذٰلِكَ فَإِنَّهُ يُؤْخَذُ فَيُبَلَّغُ مُحَمَّدًا، فَإِنَّ هٰذَا أَمْرُ النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ ﷺ.

وَكَتَبَ خَالِدُ بْنُ سَعِيدٍ بِأَمْرِ النَّبِيِّ الرَّسُولِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ ﷺ فَلَا يَتَعَدَّاهُ أَحَدٌ، فَيَظْلِمَ نَفْسَهُ فِيمَا أَمَرَبِهِ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ»

''شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔ یہ نبی رسول اللہ ﷺ کا مومنوں کے نام خط ہے: وادی وج کے کانٹے دار درخت اور شکار ممنوع ہے۔ جو شخص درخت کاٹتا یا شکار کرتا پایا گیا تو اسے کوڑے مارے جائیں گے اور اسے لباس اتار کر شرمسار کیا جائے گا۔ پھر اگر دوبارہ وہ اسی جرم کا مرتکب پایا گیا تو اسے محمد ﷺ کے پاس پہنچایا جائے گا۔ یہ محمد نبی ﷺ کا حکم ہے۔



وادی وج (طائف)

یہ خط خالد بن سعید نے رسول اللہ محمد بن عبداللہ ﷺ کے حکم سے تحریر کیا۔ لہٰذا کوئی شخص اس کی خلاف ورزی نہ کرے۔ جو کوئی رسول اللہ ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کرے گا، وہ اپنے اوپر خود ہی ظلم کرے گا۔''[1]

رسول اللہ ﷺ نے وادی وج کو سرکاری چراگاہ قرار دینے کے بعد سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو اس کی نگرانی پر مقرر فرمایا۔

اس طرح ثقیف کے مسلمان ہونے اور لات کے پاش پاش ہونے کے بعد حجاز میں بت پرستی کا آخری اڈا بھی ختم ہوگیا اور اسلام کا پرچم چہار سو لہرا دیا گیا۔

[1] المغازي للواقدي: 2/365، موسوعة الغزوات الكبرىٰ: 2/1722.

کعب بن زہیر اسلمی کا قبول اسلام

کعب ایک ممتاز شاعر گھرانے کا چشم و چراغ تھا۔ اس کے والد زمانہ جاہلیت میں بیت اللہ کے ساتھ لٹکائے جانے والے قصیدے کی بدولت شہرت دوام حاصل کر چکے تھے۔ اس کا بھائی اور بھتیجا بھی بلند پایا شاعر تھے۔ کعب نے اپنے والد کی موجودگی میں شعر کہنے شروع کر دیے تھے۔ والد نے ایک سخت امتحان لینے کے بعد انھیں شعر کہنے کی اجازت دے دی تھی۔ جب رسول اللہ ﷺ کی دعوت توحید کا چرچا ہوا تو یہ اپنے بھائی بجیر کے ساتھ ابرق العزاف نامی چشمے کے پاس بکریاں چرا رہے تھے۔ انھوں نے اپنے بھائی بجیر کو بھیجا کہ جاؤ، اس نبی کی دعوت سنو اور اس کی دعوت کی تفصیل معلوم کرو۔ بجیر خدمت نبوی میں حاضر ہوا۔ آپ نے اسے اسلام کی دعوت دی تو وہ اسلام کے محاسن سے متاثر ہو کر مسلمان ہوگیا۔ کعب کو بھائی کے اسلام قبول کرنے کا علم ہوا تو اس کو شدید صدمہ پہنچا۔ اس نے بھائی کی مذمت میں کچھ شعر لکھے اور بھائی کو بھیج دیے۔ وہ کہتا ہے:

أَلَا أَبْلِغَا عَنِّي بُجَيْرًا رِسَالَةً ۔۔۔ فَهَلْ لَكَ فِيمَا قُلْتُ وَيْحَكَ هَلْ لَكَا

فَبَيِّنْ لَنَا إِنْ كُنْتَ لَسْتَ بِفَاعِلٍ ۔۔۔ عَلٰى أَيِّ شَيْءٍ غَيْرِ ذَالِكَ دَلَّكَا

عَلٰى خُلُقٍ لَمْ أُلْفِ يَوْمًا أَبًا لَهٗ ۔۔۔ عَلَيْهِ وَمَا تُلْفِي عَلَيْهِ أَبًا لَكَا

فَإِنْ أَنْتَ لَمْ تَفْعَلْ فَلَسْتُ بِآسِفٍ ۔۔۔ وَلَا قَائِلٍ إِمَّا عَثَرْتَ لَعًا لَكَا

ابرق العزاف (نجد) کا علاقہ



سَقَاكَ بِهَا الْمَأْمُونُ كَأْسًا رَوِيَّةً   فَأَنْهَلَكَ الْمَأْمُونُ مِنْهَا وَعَلَّكَا

''میرا خط بجیر کو پہنچا دو۔ اسے کہہ دو کہ وہ اس نئے دین سے باز آ جائے، کیا وہ اس سے باز آئے گا؟ اگر تم اپنے دین پر واپس نہیں آتے تو ہمیں بتاؤ کہ اس نبی نے کون سی نئی چیز تمھیں بتائی ہے۔ تم نے ایک ایسا دین قبول کر لیا ہے جو میرے اور تیرے والدین کا دین نہیں ہے۔ اگر تم اپنے والدین کے دین پر واپس نہیں آئے تو مجھے کوئی افسوس نہیں ہوگا اور نہ میں تمھیں سلامتی کی دعا دوں گا۔ تمھیں مامون (نبی کریم ﷺ کا لقب) نے اپنے پیالے سے پے در پے (ایمان کے) مشروب پلا کر اپنا ہمنوا بنا لیا ہے۔''

کعب کا یہ منظوم خط اس کے شاعر بھائی بجیر کو ملا تو اس نے بھی منظوم جواب دیا۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ بھائی جس دین کے قبول کرنے پر تم مجھے ملامت کر رہے ہو، وہی دین سب سے مضبوط دین ہے۔ تمھاری ملامت باطل ہے۔ اگر نجات چاہتے ہو تو لات وعزیٰ کی پوجا چھوڑ کر ایک اللہ کی عبادت قبول کر لو۔ کیونکہ اس دین کے سوا کوئی نجات دینے والا نہیں ہے۔ ہمارے والد زہیر کا دین کوئی دین نہیں اور ہمارے دادا ابوسلمٰی کا دین میرے اوپر حرام ہے۔

امام حاکم کی روایت کے مطابق کعب بن زہیر بھی ان مجرموں میں شامل تھا جن کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ والے دن حکم دیا تھا کہ اگر وہ بیت اللہ کے غلاف سے چمٹے ہوں تب بھی انھیں قتل کر دیا جائے۔ کعب اپنے شعروں کے ذریعے مسلمانوں کو تکلیف دیا کرتا تھا۔ اس لیے اس کا قتل جائز قرار دیا گیا تھا۔ کعب کے مسلمان بھائی بجیر نے یہ صورت حال دیکھی تو بھائی کی محبت نے جوش مارا۔ اسے نجات کا طریقہ بتانے کے لیے خط لکھا۔

بھائی! رسول اللہ ﷺ نے ایسے کئی شعراء کو قتل کرا دیا ہے جو آپ ﷺ کی ہجو کیا کرتے تھے۔ شعرائے قریش میں ابن الزبعریٰ اور ہبیرہ بن ابی وہب بچے ہیں اور وہ بھی جان بچانے کے لیے بھاگے پھرتے ہیں، لہٰذا اگر بچنا چاہتے ہو تو اڑ کر آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچ جاؤ اور اپنے گناہوں کی توبہ کر لو۔ جو شخص توبہ کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتا ہے، آپ اسے معاف کر دیتے ہیں۔ اگر تمھیں یہ مشورہ قبول نہ ہو تو پھر اپنی نجات کی راہ تلاش کر لو کیونکہ اب تمھارا بچنا محال ہے۔ اب گستاخ رسول کے لیے زمین کا دامن تنگ ہو چکا ہے۔ اسے روئے زمین پر پناہ ملنا ناممکن ہے۔

اس کے بعد بھی بجیر نے اپنے بھائی کی راہنمائی کے لیے خطوط لکھے۔ اب کعب کو محسوس ہونے لگا تھا کہ راہِ فرار بند ہو چکی ہے۔ اسے زمین کی فراخی اور وسعت تنگ محسوس ہونے لگی۔ دن رات اس کا خوف بڑھ رہا تھا اور نجات کی راہ دور دور تک دکھائی نہ دیتی تھی۔ بالآخر کعب نے مدینہ منورہ حاضر ہونے اور توبہ کرنے کا پروگرام بنا لیا۔ کیونکہ اب حاسدین اور مخالفین بھی کہنے لگے تھے: کعب! تیرا مرنا یقینی ہے۔ تیری گردن اب اڑنا ہی چاہتی ہے۔ ان



خوفناک حالات میں کعب نے رسول اللہ ﷺ کی مدح میں ایک طویل قصیدہ لکھا۔ اس قصیدے کی ابتدا میں اپنی محبوب بیوی یا خیالی محبوبہ کی جدائی میں شاعرانہ کلام کی، پھر اس کی خوبیاں عمدہ الفاظ میں بیان کر کے معافی کا طلب گار بنا۔ کعب نے یہ قصیدہ لکھا اور پھر مدینہ منورہ کو روانہ ہو گیا۔

مدینہ منورہ پہنچ کر اپنے ایک پرانے جہنی دوست کے ہاں قیام کیا۔ وہ جہنی دوست اسے نماز فجر میں مسجد نبوی لے گیا اور نماز کی ادائیگی کے بعد اسے اشارہ کیا کہ جاؤ خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اپنے گناہوں کی سیاہی مٹا لو۔ کعب چپکے سے اٹھا۔ رسول اللہ ﷺ کے سامنے ادب سے بیٹھا اور پھر آپ کا دستِ شفقت اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ اللہ کے رسول اسے پہچانتے نہیں تھے۔ اس لیے کعب کا معاملہ مخفی رہا۔ کعب نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اگر کعب بن زہیر توبہ کر لے، مسلمان ہو جائے اور پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر امان طلب کرے تو کیا آپ اسے امان دے دیں گے؟ آپ نے اپنی شفقت و رحمت سے بھرپور جواب دیا: ''ہاں میں اسے امان دے دوں گا۔'' یہ سن کر کعب کھل اٹھا۔ فوراً کہتا ہے: لیجیے اللہ کے رسول! میں ہی کعب ہوں۔ آپ کی خدمت میں مسلمان ہو کر آیا ہوں اور توبہ و معافی کا طلب گار ہوں۔

اتنے میں ایک انصاری صحابی لپکے اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! مجھے اجازت دیجیے میں اس اللہ کے دشمن کی گردن مار دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''چھوڑ دو، یہ توبہ کر کے گزشتہ غلطیوں کی معافی کا طلب گار بن کر آیا ہے۔'' پھر کعب نے اپنا مشہور قصیدہ پڑھ کر سنایا۔

اس کے بعد کعب نے انصار کے اس خاندان کی مذمت میں بھی شعر کہے جس کے ایک فرد نے انھیں قتل کرنے کی اجازت مانگی تھی۔ مہاجرین کی بڑی تعریف کی کیونکہ تمام مہاجرین نے اس کے بارے میں نرم رویہ اختیار کیا تھا۔ وہ کہتا ہے:

يَمْشُونَ مَشْيَ الْجِمَالِ الزُّهْرِ يَعْصِمُهُمْ ضَرْبٌ إِذَا عَرَّدَ السُّودُ التَّنَابِيلُ

''وہ (مہاجر) خوبصورت مٹکتے اونٹوں کی طرح چال چلتے ہیں اور شمشیر زنی ان کی حفاظت کرتی ہے۔ جبکہ چھوٹے قد والے کالے کلوٹے لوگ راستہ چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں۔''

لیکن جب کعب مسلمان ہوگیا اور اسے انصار کی فضیلت معلوم ہوئی تو اس نے ان کی مدح سرائی کی تاکہ گزشتہ تلخ کلامی کی تلافی ہو سکے۔ اس نے انصار کی شان میں درج ذیل اشعار کہے:

مَنْ سَرَّهُ كَرَمُ الْحَيَاةِ فَلَا يَزَلْ فِي مِقْنَبٍ مِّنْ صَالِحِي الْأَنْصَارِ

وَرِثُوا الْمَكَارِمَ كَابِرًا عَنْ كَابِرٍ إِنَّ الْخِيَارَ هُمْ بَنُو الْأَخْيَارِ

وَالْبَائِعِينَ نُفُوسَهُمْ لِنَبِيِّهِمْ لِلْمَوْتِ يَوْمَ تَعَانُقٍ وَكِرَارِ

''جسے شریفانہ زندگی پسند ہو، وہ ہمیشہ صالح انصار کے دستے میں رہے۔ انصار نے بلند پایہ خوبیاں اپنے آباء و اجداد سے وراثت میں پائی ہیں۔ یہ وہ جانثار ہیں جو گھمسان کی جنگ میں اپنے نبی کی خاطر جان کی بازی لگا دیتے ہیں۔''

قصیدہ بانت سعاد

کعب بن زہیر نے اپنا شاندار قصیدہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ اس کی ابتدا میں اس نے اپنا غم و حزن بیان کیا ہے۔ وہ کہتا ہے:

بَانَتْ سُعَادُ فَقَلْبِي الْيَوْمَ مَتْبُولُ مُتَيَّمٌ إِثْرَهَا لَمْ يُفْدَ مَكْبُولُ

وَمَا سُعَادُ غَدَاةَ الْبَيْنِ إِذْ رَحَلُوا إِلَّا أَغَنُّ غَضِيضُ الطَّرْفِ مَكْحُولُ

هَيْفَاءُ مُقْبِلَةً عَجْزَاءُ مُدْبِرَةً لَا يُشْتَكَى قِصَرٌ مِّنْهَا وَلَا طُولُ

فَيَالَهَا خُلَّةً لَوْ أَنَّهَا صَدَقَتْ بِوَعْدِهَا أَوْ لَوْ أَنَّ النُّصْحَ مَقْبُولُ

أَمْسَتْ سُعَادُ بِأَرْضٍ لَا يُبَلِّغُهَا إِلَّا الْعِتَاقُ النَّجِيبَاتُ الْمَرَاسِيلُ

''میری سعاد جدا ہوگئی، اس لیے آج میرا دل بیمار محبت ہے۔ اس کی تلاش میں وارفتہ اور بیڑیوں میں جکڑا ہے۔ اس کا فدیہ نہیں دیا گیا (کہ اسے رہائی مل جاتی بلکہ اس کی محبت کا اسیر ہو کر رہ گیا ہے)۔ جدائی کے وقت سعاد کی آنکھیں کم سن مترنم آواز ہرنی کی سرمائی آنکھوں کی طرح جھکی ہوئی تھیں جبکہ اس کے گھر والے کوچ کر رہے تھے۔ جسے سامنے سے آتا ہوا دیکھو تو اس کی کوکھیں دبلی نظر آئیں گی اور واپس مڑے تو پر گوشت سرین نظر آئیں گے۔ اس طرح دیکھنے والا اس کے چھوٹے قد یا لمبے تڑنگے جسم کی شکایت نہیں کرے گا

بلکہ وہ ہرنی کی طرح متوسط اور متوازن جسم والی ہے۔ اے کاش! یہ محبوبہ اپنا وعدہ پورا کرتی یا میری نصیحت قبول کر لیتی تو اس کی محبت وصداقت کو چار چاند لگ جاتے۔ اور اب سعاد اتنی دور پہنچ گئی کہ اس تک صرف اعلیٰ نسل کی مضبوط سبک رفتار اونٹنیاں ہی پہنچا سکتی ہیں۔''

کعب نے اپنی محبوبہ کا طویل ذکر کرنے کے بعد اپنی معذرت پیش کی اور رسول اللہ ﷺ سے معافی کا طلب گار ہوا:

تَسْعَى الْغُوَاةُ جَنَابَيْهَا وَقَوْلُهُمْ ... إِنَّكَ يَا بْنَ أَبِي سُلْمَى لَمَقْتُولُ

وَقَالَ كُلُّ صَدِيقٍ كُنْتُ آمُلُهُ ... لَا أُلْهِيَنَّكَ إِنِّي عَنْكَ مَشْغُولُ

فَقُلْتُ خَلُّوا سَبِيلِي لَا أَبَا لَكُمْ ... فَكُلُّ مَا قَدَّرَ الرَّحْمٰنُ مَفْعُولُ

كُلُّ ابْنِ أُنْثَى وَإِنْ طَالَتْ سَلَامَتُهُ ... يَوْمًا عَلَى آلَةٍ حَدْبَاءَ مَحْمُولُ

نُبِّئْتُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ أَوْعَدَنِي ... وَالْعَفْوُ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ مَأْمُولُ

مَهْلًا هَدَاكَ الَّذِي أَعْطَاكَ نَافِلَةَ الْـ ... قُرْآنِ فِيهَا مَوَاعِيظٌ وَتَفْصِيلُ

لَا تَأْخُذَنِّي بِأَقْوَالِ الْوُشَاةِ وَلَمْ ... أُذْنِبْ وَلَوْ كَثُرَتْ فِيَّ الْأَقَاوِيلُ

لَقَدْ أَقُومُ مَقَامًا لَوْ يَقُومُ بِهِ ... أَرَى وَأَسْمَعُ مَا لَوْ يَسْمَعُ الْفِيلُ

لَظَلَّ يُرْعَدُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ لَهُ ... مِنَ الرَّسُولِ بِإِذْنِ اللّٰهِ تَنْوِيلُ

حَتّٰى وَضَعْتُ يَمِينِي مَا أُنَازِعُهُ ... فِي كَفِّ ذِي نَقِمَاتٍ قِيلُهُ الْقِيلُ

فَلَهُوَ أَخْوَفُ عِنْدِي إِذْ أُكَلِّمُهُ ... وَقِيلَ إِنَّكَ مَنْسُوبٌ وَمَسْئُولُ

مِنْ ضَيْغَمٍ بِضَرَاءِ الْأَرْضِ مُخْدَرُهُ ... فِي بَطْنِ عَثَّرَ غِيلٌ دُونَهُ غِيلُ

إِنَّ الرَّسُولَ لَنُورٌ يُسْتَضَاءُ بِهِ ... مُهَنَّدٌ مِنْ سُيُوفِ اللّٰهِ مَسْلُولُ

''اس کے گرد فتنہ پرور لوگ افواہیں اڑا رہے ہیں کہ اے ابن ابی سلمیٰ تم قتل کیے جانے والے ہو۔ میرے ہر دوست نے جس سے میں کچھ امید رکھتا تھا، کہہ دیا کہ میں تمھیں غافل کر کے نقصان نہیں دینا چاہتا،

بلاشبہ میں تمھاری مدد سے قاصر ہوں۔ میں نے کہا: تمھارا باپ نہ رہے، میرا راستہ چھوڑ دو۔ پھر جو چیز رحمان نے مقدر کر دی ہے، وہ تو ہو کر رہے گی۔ ہر ماں کا لخت جگر ایک روز نعش پر اٹھایا جاتا ہے اگرچہ اس نے امن و سلامتی والی طویل زندگی گزاری ہو۔ مجھے خبر ملی ہے کہ مجھے اللہ کے رسول نے قتل کی دھمکی دی ہے، حالانکہ مجھے آپ کی ذات اقدس سے عفو و درگزر کی قوی امید ہے۔ اے اللہ کے رسول! آپ چغل خوروں کی باتوں پر دھیان نہ دیں۔ وہ ذات آپ کی راہنمائی فرمائے جس نے آپ کو نصائح اور ہر چیز کی تفصیل سے بھرپور قرآن عطا کیا ہے۔ آپ ٹھہریں، میرے بارے میں بہت باتیں بنائی گئی ہیں۔ لیکن میں نے جرم نہیں کیا (جس کی بنا پر میری گردن اڑائی جائے)۔ میں ایسی جگہ کھڑا ہوں، ایسی باتیں سن اور دیکھ رہا ہوں کہ اگر ہاتھی بھی وہاں کھڑا ہوتا اور ان باتوں کو دیکھتا اور سنتا تو وہ بھی لرز جاتا۔ سوائے اس صورت کے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے رسول اللہ کی مہربانی ہو جائے۔ حتی کہ میں نے اپنا ہاتھ بغیر کسی نزاع کے صاحب نقمات (دشمنوں سے بدلہ لینے والے) کے ہاتھ میں دے دیا۔ آپ کا فرمان ہی اصل فرمان ہے (جو نافذ ہو کر رہتا ہے)۔ جب میں آپ سے بات کرتا ہوں، جبکہ مجھے کہہ دیا گیا کہ تمھاری طرف فلاں فلاں بات منسوب ہے اور تمھارا محاسبہ ہوگا، تو وہ میرے نزدیک اس شیر سے زیادہ خوفناک ہوتے ہیں جس کی کچھار کسی ہلاکت خیز وادی کے بطن میں واقع کسی ایسی سخت زمین میں ہو جس سے پہلے بھی ہلاکت ہی ہو۔ یقیناً رسول اللہ ﷺ ایک نور ہیں جن سے روشنی حاصل کی جاتی ہے۔ آپ اللہ کی تلواروں میں سے ایک سونتی ہوئی ہندی تلوار ہیں۔" [1]

[1] السيرة لابن إسحاق :2/589-594، السيرة لابن هشام : 4/146-159، البداية والنهاية :4/643-650، الرحيق المختوم، ص :598-601.

سریۂ عیینہ بن حصن فزاری

رسول اللہ ﷺ نے محرم 9 ھ میں زکاۃ کی وصولی اور جزیے کے حصول کے لیے اپنے اصحاب روانہ کیے تو بنوکعب کی طرف سیدنا بشر بن سفیان کو روانہ کیا۔ بنوکعب اس وقت ذات الاشطاط نامی جگہ پر اپنے ایک چشمے پر پڑاؤ کیے ہوئے تھے۔ بنوتمیم کے جہیم اور بنوعمرو بن جندب بھی ان کے ساتھ رہ رہے تھے۔ سیدنا بشر رضی اللہ عنہ نے وہاں پہنچ کر خزاعہ کو اپنے مویشی جمع کرنے کا حکم دیا تاکہ ان کی زکاۃ کا حساب کر کے مال وصول کیا جا سکے۔ بنوکعب نے بخوشی اپنے مویشی جمع کر دیے لیکن بنوتمیم اپنی جاہلانہ ہٹ دھرمی، انا اور بخل کی وجہ سے آڑے آ گئے۔ وہ کہنے لگے: یہ کیا؟ کیا تم اپنے اموال اس طرح محمد ﷺ کو دے دو گے؟ یہ تو بڑا غلط طریقہ کار ہے۔ تم اپنے مال اپنے پاس رکھو۔ یہاں سے ایک جانور بھی مدینہ نہیں جائے گا۔ انھوں نے اپنی تلواریں سونت لیں، کمانیں تان لیں اور لڑنے مرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ اس پر خزاعہ نے کہا: اے بنوتمیم! ہوش کے ناخن لو۔ ہم نے دین اسلام قبول کیا ہے۔ ہم رسول اللہ ﷺ کے احکامات تسلیم کرنے کے پابند ہیں۔ زکاۃ ارکان دین میں سے ہے، اس کی ادائیگی اشد ضروری ہے۔ لیکن بنوتمیم کے لوگ اپنی تلواریں سونتے، کمانیں تانے بضد رہے کہ زکاۃ کے وصول کنندہ کو ایک اونٹ بھی نہیں دیا جائے گا۔ سیدنا بشر بن سفیان نے یہ خوفناک منظر دیکھا تو فوراً مدینہ منورہ کی راہ لی اور رسول اللہ ﷺ کو بنوتمیم کی سرکشی کی اطلاع دی کہ کس طرح انھوں نے بخوشی زکاۃ ادا کرنے والوں کو بزور شمشیر روک دیا ہے۔

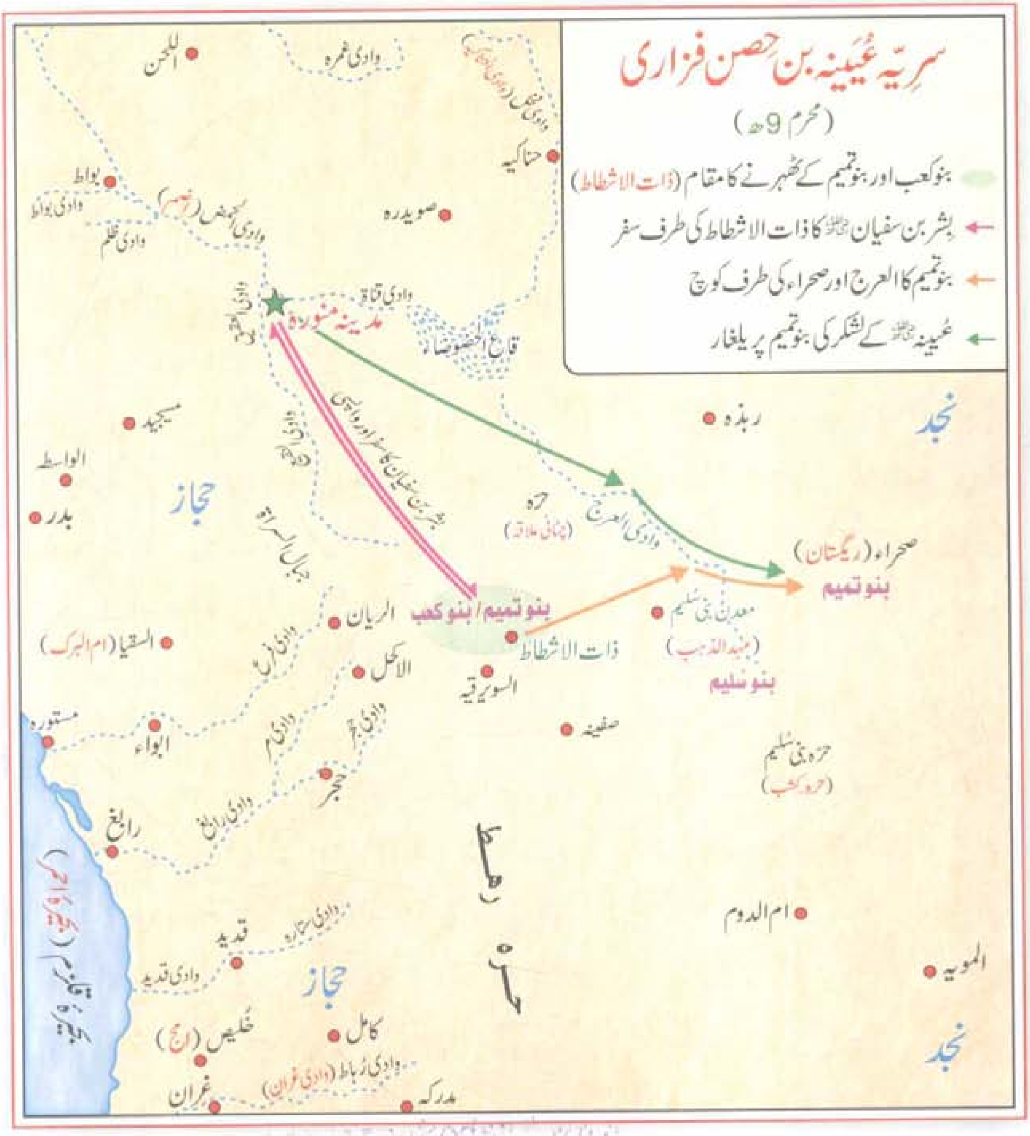
انھوں نے یہ بھی بتایا کہ خزاعہ نے بالآخر بنوتمیم کو اپنے علاقے سے نکال دیا اور انھیں دھمکی دی کہ اگر تمھارے ساتھ رشتہ داری نہ ہوتی تو آج تم اپنے علاقے میں واپس نہ جا سکتے تھے۔ تم محمد ﷺ کے ساتھ دشمنی کی وجہ سے ہمیں بھی مصیبت میں ڈال رہے ہو جبکہ تم زکاۃ دینے والوں کو روک کر خود تو ہلاک ہونے ہی والے ہو۔ خزاعہ کی اس ڈانٹ ڈپٹ کے بعد بنوتمیم ان کے چشمے کو چھوڑ کر اپنے علاقے کی طرف روانہ ہو گئے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے بنوتمیم کی سرکشی کی یہ روداد سنی تو اعلان فرمایا:

«مَنْ لِّهٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ الَّذِينَ فَعَلُوا مَا فَعَلُوا؟»

''کون ہے جو اس گستاخ قوم کو مزہ چکھائے اور مسلمانوں کی توہین کا بدلہ لے؟''

آپ کا یہ فرمان سن کر عیینہ بن حصن فزاری نے سب سے پہلے لبیک کہا۔ عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں ان کے ٹھکانے خوب جانتا ہوں اگرچہ وہ یبرین تک چلے جائیں۔ میں انھیں آپ کی خدمت میں پیش کر کے دم لوں گا۔ پھر آپ جو فیصلہ فرمائیں گے، اس کے مطابق عمل کیا جائے گا۔ لہٰذا آپ ﷺ نے عیینہ کو 50 گھڑسواروں کا دستہ دے کر روانہ کیا۔ اس دستے میں کوئی انصاری یا مہاجر صحابی شامل نہ تھا۔ عیینہ بن حصن اس دستے کی قیادت کرتے ہوئے تیزی سے بنوتمیم کی جانب روانہ ہوئے۔ وہ لوگ دشمن کو اپنی پیش قدمی سے بے خبر رکھنے کے لیے



رات کے وقت سفر کرتے اور دن کو چھپ کر آرام کرتے۔ اسی طرح سفر کرتے کرتے یہ اسلامی دستہ عرج پہنچا۔ بنو تمیم، بنوسلیم کے علاقے کی طرف نکل گئے تھے، لہٰذا ان کا پیچھا کرتے ہوئے بنوسلیم کا رخ کیا۔ جب بنوسلیم کے علاقے میں اسلامی دستہ پہنچا تو بنوتمیم صحراء میں پڑاؤ کیے ہوئے تھے۔ ان کے مویشی چرنے گئے ہوئے تھے اور گھروں میں صرف عورتیں اور بچے تھے۔ جب انھوں نے اسلامی دستے کے شاہ سواروں کو دیکھا تو بھاگ کھڑے ہوئے۔ مسلمانوں نے گھروں میں موجود گیارہ مرد، گیارہ عورتیں اور تیس بچے گرفتار کر لیے۔ اسلامی دستہ ان قیدیوں کو لے کر مدینہ منورہ پہنچا تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں رملہ بنت حارث کے گھر میں ٹھہرایا۔

پھر ان قیدیوں کو چھڑانے کے لیے بنوتمیم کے رؤساء پر مشتمل دس رکنی وفد مدینہ منورہ آیا۔ اس وفد میں درج ذیل رئیس شامل تھے: 1 عطارد بن حاجب بن زرارہ۔ 2 زبرقان بن بدر۔ 3 قیس بن عاصم۔ 4 قیس بن حارث۔ 5 نعیم بن سعد۔ 6 عمرو بن اہتم۔ 7 اقرع بن حابس۔ 8 ریاح بن حارث بن مجاشع۔

یہ وفد ظہر سے تھوڑی دیر پہلے مسجد نبوی میں داخل ہوا۔ انھوں نے آتے ہی اپنے بیوی بچوں کے بارے میں پوچھا۔ انھیں بتایا گیا کہ وہ سیدہ رملہ بنت حارث کے گھر میں ہیں۔ لہٰذا وہ سیدھے اپنے قیدیوں کو ملنے چلے گئے۔

وادی العرج نزد معدن بنی سُلیم (مہد الذہب)



یبرین (نجد) کی ایک شاہراہ



انھیں دیکھ کر بچے اور عورتیں زار و قطار رونے لگے۔ انھیں روتا دیکھ کر سبھی آبدیدہ ہوگئے۔ بچوں کی آہ و بکا نے سرداروں کو بے چین کر دیا۔ وہ تیزی سے دوبارہ مسجد نبوی میں آئے اور زور زور سے چلانا شروع کر دیا۔ انھیں معلوم نہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے کس گھر میں آرام فرما رہے ہیں۔ آپ اس روز سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تشریف فرما تھے۔ انھوں نے باآواز بلند آپ کو بلانا شروع کر دیا: اے محمد! باہر آؤ۔ اے محمد! ہماری بات سنو۔

اس دوران میں سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے اذان پڑھی اور آپ کی آمد کا انتظار کرنے لگے۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے انھیں

بتایا کہ تھوڑا صبر کرلو، ابھی رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئیں گے۔ مگر وہ اپنی دیہاتی طبیعت اور آداب و اخلاق سے عاری فطرت کے مطابق چیختے چلاتے رہے، حتی کہ آپ ان کے شور وغل سے تکلیف محسوس کرتے ہوئے باہر تشریف لے آئے۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے حسب سابق آپ کو دیکھ کر نماز کے لیے تکبیر کہی۔ مگر وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کو چمٹ گئے کہ پہلے ہماری بات سنیں۔ ہم اپنے نامور خطیب اور بلند پایہ شاعر کو ساتھ لے کر آئے ہیں۔ آپ انھیں موقع دیں تو وہ خطبہ پڑھیں اور اپنی قوم کے مفاخر کے لیے اشعار پیش کریں۔ آپ کچھ دیر ان کی باتیں سنتے رہے۔ اس دوران آپ ان کی باتوں پر مسکراتے بھی رہے۔ پھر آپ آگے بڑھے اور نماز ظہر ادا کی۔ نماز ظہر ادا کرنے کے بعد آپ اپنے حجرے میں تشریف لے گئے اور دو رکعات ادا کیں۔ واپس آکر آپ مسجد نبوی کے صحن میں بیٹھ گئے اور بنوتمیم کے بدوؤں کو اپنی گفتگو مکمل کرنے کی اجازت عطا کی۔ وفد بنوتمیم نے اپنے شعلہ بیان خطیب عطارد بن حاجب تمیمی کو کھڑا کیا تاکہ وہ اپنی قوم کے فخر و اعزاز کو بیان کرے۔ چنانچہ ان کا خطیب کھڑا ہوا اور اس نے خطبہ دیا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي لَهُ الْفَضْلُ عَلَيْنَا، وَالَّذِي جَعَلَنَا مُلُوكًا، وَأَعْطَانَا الْأَمْوَالَ نَفْعَلُ فِيهَا الْمَعْرُوفَ وَجَعَلَنَا أَعَزَّ أَهْلِ الْمَشْرِقِ وَأَكْثَرَهُمْ مَالًا وَأَكْثَرَهُمْ عَدَدًا، فَمَنْ مِّثْلُنَا فِي النَّاسِ؟ أَلَسْنَا بِرُءُوسِ النَّاسِ وَذَوِي فَضْلِهِمْ؟ فَمَنْ يُّفَاخِرُ فَلْيَعْدُدْ مِثْلَ مَا عَدَدْنَا وَلَوْ شِئْنَا لَأَكْثَرْنَا مِنَ الْكَلَامِ وَلٰكِنَّا نَسْتَحْيِي مِنَ الْإِكْثَارِ فِيمَا أَعْطَانَا اللّٰهُ، أَقُولُ قَوْلِي هٰذَا لِأَنْ يُّؤْتٰى بِقَوْلٍ هُوَ أَفْضَلُ مِنْ قَوْلِنَا.

”سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس کا بے پناہ فضل و کرم ہم پر ہے۔ جس نے ہمیں بادشاہ بنایا ہے۔ ہمیں مال و دولت سے نوازا ہے۔ ہم اسے عوامی خدمت میں خرچ کرتے ہیں۔ اس نے ہمیں اہلِ مشرق میں سب سے زیادہ معزز، سب سے زیادہ مال و دولت اور سب سے زیادہ افرادی قوت والا بنایا ہے۔ لوگوں میں کون ہے جو ہماری ٹکر کا ہو؟ کیا ہم لوگوں کے سردار اور بلند مقام و مرتبہ کے حامل نہیں ہیں؟ لہٰذا جو شخص فخر و اعزاز میں ہمارا مقابلہ کرنا چاہے، وہ ہمارے مفاخر جیسے مفاخر و مناقب بیان کرے۔ اگر ہم چاہیں تو اس سے بھی زیادہ اپنے مناقب بیان کر سکتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کی بکثرت تشہیر سے ہم کو حیا آتی ہے۔ اس لیے میں اپنا خطبہ انھی الفاظ پر ختم کرتا ہوں۔ اگر کوئی شخص ہمارے مقابلے میں

آ کر اس سے بہتر اور اعلیٰ کلام پیش کر سکتا ہو تو کرے۔''

یہ کہہ کر عطارد بیٹھ گیا۔

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا: «قُمْ فَأَجِبْ خَطِيبَهُمْ» ''اٹھو اور ان کے خطیب کو جواب دو۔'' سیدنا ثابت بن قیس ذہنی طور پر تیار نہیں تھے اور نہ اس موقع پر تقریر کرنے کے لیے تیاری کیے ہوئے تھے۔ وہ آپ کے حکم کی تعمیل میں اٹھے اور فی البدیہہ خطبہ ارشاد فرمایا۔ اسے سن کر فریق مخالف بھی کہہ اٹھا: واہ کیا شاندار خطبہ ہے۔ خطبے کے الفاظ یہ ہیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي السَّمٰوَاتُ وَالْأَرْضُ خَلْقُهُ قَضٰى فِيهَا أَمْرَهُ وَوَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمُهُ فَلَمْ يَكُ شَيْءٌ إِلَّا مِنْ فَضْلِهِ. ثُمَّ كَانَ مِمَّا قَدَّرَ اللّٰهُ أَنْ جَعَلَنَا مُلُوكًا، وَاصْطَفٰى لَنَا مِنْ خَلْقِهِ رَسُولًا. أَكْرَمَهُمْ نَسَبًا، وَأَحْسَنَهُمْ زِيًّا، وَأَصْدَقَهُمْ حَدِيثًا. أَنْزَلَ عَلَيْهِ كِتَابَهُ، وَائْتَمَنَهُ عَلٰى خَلْقِهِ وَكَانَ خِيرَتَهُ مِنْ عِبَادِهِ، فَدَعَا إِلَى الْإِيمَانِ فَآمَنَ الْمُهَاجِرُونَ مِنْ قَوْمِهِ وَذَوِي رَحِمِهِ أَصْبَحُ النَّاسِ وَجْهًا، وَأَفْضَلُ النَّاسِ فِعَالًا. ثُمَّ كُنَّا أَوَّلَ النَّاسِ إِجَابَةً حِينَ دَعَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَحْنُ أَنْصَارُ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ نُقَاتِلُ النَّاسَ حَتّٰى يَقُولُوا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فَمَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ مُنِعَ مِنَّا مَالُهُ وَدَمُهُ وَمَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ جَاهَدْنَاهُ فِي ذٰلِكَ وَكَانَ قَتْلُهُ عَلَيْنَا يَسِيرًا. أَقُولُ قَوْلِي هٰذَا وَأَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ.

''سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا اور ان میں اپنا حکم نافذ کیا۔ اس کے علم نے ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ ہر چیز اس کے فضل سے وجود میں آتی ہے۔ پھر اس نے ہمیں بادشاہ بنایا۔ اور اپنی مخلوق میں سے ہمارے رسول کا انتخاب فرمایا جو حسب نسب کے لحاظ سے سب سے معزز، سب سے بڑھ کر حسین وجمیل اور سب سے زیادہ سچے ہیں۔ اللہ نے ان پر اپنی کتاب نازل کی اور اپنی مخلوق پر انھیں اپنا امین بنایا۔ وہ اللہ کی مخلوق میں سے سب سے زیادہ محبوب ہستی ہیں۔ انھوں نے لوگوں کو ایمان کی دعوت دی۔ آپ کے رشتہ داروں میں سے مہاجرین آپ پر ایمان لائے جو حسب نسب اور خاندانی وجاہت میں ممتاز ہیں اور نیکی کے کاموں میں سب سے آگے ہیں۔ پھر ہم نے بقیہ لوگوں سے پہلے آپ کی اتباع کی، آپ پر ایمان لائے۔ ہم رسول اللہ ﷺ کے انصار ہیں۔ ہم لوگوں سے اس وقت

تک قتال کرتے رہیں گے جب تک وہ لا الٰہ الا اللہ کا اقرار نہیں کر لیتے۔ پھر جو شخص اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آئے گا، اس کا مال اور جان ہم سے محفوظ ہو جائے گی۔ جس نے اللہ پر ایمان لانے سے انکار کیا، ہم اس سے جہاد کریں گے۔ اسے قتل کرنا ہمارے لیے نہایت آسان ہوگا۔ میں اپنے انھیں الفاظ پر خطبہ ختم کرتا ہوں۔ میں اللہ تعالیٰ سے مومن مردوں اور عورتوں کی بخشش کا سوال کرتا ہوں۔''

پھر سیدنا ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ بیٹھ گئے۔ خطباء کے مقابلے میں واضح شکست کھانے کے بعد وفد بنوتمیم نے اپنے شاعر کے لیے کلام پیش کرنے کی اجازت مانگی۔ آپ نے اجازت دے دی۔ بنوتمیم کا بلند پایہ شاعر الزبرقان بن بدر اٹھا اور اس نے اپنی قوم کی شان و شوکت اور فخر و اعزاز میں قلابے ملائے۔ اپنی قوم کی بہادری اور جنگی مہارت کا ذکر کیا اور اپنی جود و سخا کی ڈینگیں ماریں۔ جب وہ اپنا کلام پیش کر چکا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم دیا: «أَجِبْهُمْ يَا حَسَّانُ بْنَ ثَابِتٍ!» ''اے حسان بن ثابت! انھیں جواب دو۔'' چنانچہ سیدنا حسان رضی اللہ عنہ کے لیے مسجد کے صحن میں منبر نبوی سجایا گیا اور انھوں نے آپ کے حکم پر فی البدیہہ اشعار پڑھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ لَيُؤَيِّدُ حَسَّانَ بِرُوحِ الْقُدُسِ مَا دَافَعَ عَنْ نَّبِيِّهِ»

''یقیناً اللہ تعالیٰ جبریل علیہ السلام کے ذریعے حسان کی مدد کرتا ہے جب تک وہ اپنے نبی کے دفاع میں شعر پڑھتے ہیں۔''

سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بنوتمیم کے شاعر کے جواب میں اس سے زیادہ خوبصورت اور فصیح و بلیغ اشعار کہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو بے حد مسرت ہوئی۔ مسلمانوں نے یہ مقابلہ بھی جیت لیا تھا اور بنوتمیم کے خطیب و شاعر دونوں کو چت کر دیا تھا۔ بنوتمیم کا وفد اس شکست کے بعد آپس میں کہنے لگا: اللہ کی قسم! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو غیبی مدد حاصل ہے۔ ہر کام اس کے لیے آسان کر دیا گیا ہے۔ اللہ کی قسم! ان کا خطیب ہمارے خطیب سے بلند مرتبہ اور ان کا شاعر ہمارے شاعر سے بڑا شاعر ہے۔ ان کے اقوال ہمارے اقوال سے بہتر ہیں۔ غرض ان کی ہر چیز ہم سے اعلیٰ و افضل ہے۔ پھر یہ سارا وفد مسلمان ہوگیا۔ آپ کے ہاتھ پر بیعت کر کے آپ کا فرمانبردار ہوگیا تو آپ نے ان کے قیدی آزاد کر دیے اور انھیں خصوصی انعام و اکرام کے ساتھ واپس جانے کی اجازت دی۔ آپ کا طریقہ مبارک یہ تھا کہ آپ مدینہ منورہ آنے والے وفود کو انعامات سے نوازتے تھے، لہٰذا بنوتمیم کو بھی ان سے نوازا

گیا حتی کہ ان کے غلاموں اور خادموں کو بھی اس عطا سے خصوصی نوازا گیا۔

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے ہر شخص کو ساڑھے بارہ اوقیے چاندی عطا کی جو 500 درہم بنتے ہیں۔ اور سب سے چھوٹے بچے کو بھی 200 درہم عطا کیے۔[1]

آدابِ نبوی کی تعلیم

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثاروں کو آپ سے گفتگو کے آداب سکھاتے ہوئے فرمایا کہ جب تم اپنے نبی سے مخاطب ہونا چاہو تو اپنی آوازوں کو پست رکھا کرو۔ وفد بنو تمیم کی قیادت کے تعین میں مشورہ جاری تھا۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو سربراہ مقرر کرنے کا مشورہ دیا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دوسرے شخص کے حق میں رائے دی۔ اس بات پر شیخین کے درمیان بلند آواز سے گفتگو ہونے لگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں یہ اختلاف اور بلند آواز سے بات چیت پر اللہ تعالیٰ نے وارننگ جاری کر دی۔ ارشاد ہوا:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ○ اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ○ ﴾

''اے ایمان والو! تم اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند نہ کرو، اور آپ سے اونچی آواز میں بات نہ کرو جیسے تم ایک دوسرے سے اونچی آواز میں (بات) کرتے ہو، کہیں تمھارے عمل برباد نہ ہو جائیں، اور تمھیں خبر تک نہ ہو۔ بلاشبہ جو لوگ رسول اللہ کے پاس اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لیے جانچ لیا ہے، ان کے لیے بڑی بخشش اور بہت بڑا اجر ہے۔''[2]

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کی تفصیل کچھ اس طرح بیان کی ہے:

ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آوازیں بلند کرنے کی بنا پر دو نیک ترین آدمی تباہ ہونے کو تھے، یعنی سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما۔ قصہ یوں ہے کہ بنو تمیم کا ایک وفد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، ان میں سے ایک نے اقرع بن حابس کی سرداری کا مشورہ دیا جو بنو مجاشع سے تھا اور دوسرے نے کسی دوسرے کا مشورہ دیا۔ نافع نے کہا کہ ان کا نام مجھے یاد نہیں رہا۔ اس پر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: تمھارا مقصد صرف میری مخالفت ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میرا ارادہ آپ سے اختلاف کرنا نہیں ہے۔ اس معاملے

[1] المغازي للواقدي: 2/366-370، زاد المعاد: 3/510-514. [2] الحجرٰت 49: 2،3.

میں دونوں کی آوازیں بلند ہو گئیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ .....﴾

اس وارننگ کے بعد شیخین نہایت محتاط ہو گئے اور آپ کی خدمت میں رہتے ہوئے نہایت پست آواز میں بات چیت کرتے۔ سیدنا ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ بلند پایہ مقرر و خطیب تھے۔ ان کی آواز فطری طور پر بہت بلند تھی۔ ارشادِ باری تعالیٰ کے نزول کے بعد وہ گھر بیٹھ گئے کہ اگر میں نے آپ کی خدمت میں بلند آواز سے بات کی تو میرے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی غیر حاضری کا علم ہوا تو انھیں بلا کر عظیم خوشخبری سنائی۔ آیئے وہ خوشخبری صحیح بخاری کی روشنی میں پڑھتے ہیں۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو اپنی مجلس میں گم پایا تو ایک آدمی نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں اس کا حال معلوم کر کے آپ کو بتاؤں گا۔ چنانچہ وہ گیا تو سیدنا ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو اپنے گھر میں سر جھکائے بیٹھے دیکھا۔ پوچھا: کیا حال ہے؟ کہنے لگے: برا حال ہے، میری تو آواز ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے بلند ہوتی تھی، لہٰذا میرے تو اعمال ضائع ہو گئے اور میں اہل دوزخ میں سے قرار دیا گیا ہوں۔ وہ آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو حالات سے آگاہ کیا کہ انھوں نے یہ یہ کہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ان کے پاس جاؤ اور انھیں بتاؤ کہ تم اہل دوزخ میں سے نہیں بلکہ اہل جنت میں سے ہو۔'' چنانچہ وہ دوبارہ ان کے لیے یہ عظیم بشارت لے کر حاضر ہوا۔[1]

ایک طرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ آداب سکھائے گئے تو دوسری طرف آپ کا نام لے کر اونچی آواز سے آپ کو پکارنے والوں کو بھی ڈانٹ پلائی گئی۔ ارشاد ہوا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ○ وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّىٰ تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ○﴾ (الحجرٰت 49:4،5)

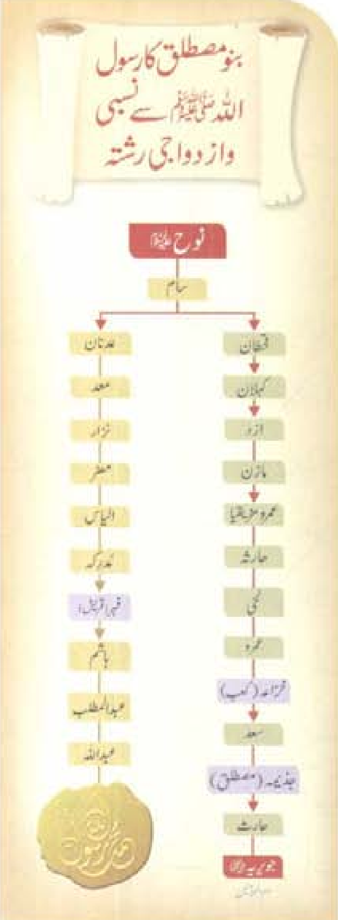
''بلاشبہ جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں، ان میں سے اکثر بے عقل ہیں۔ اور اگر بے شک وہ صبر کرتے، حتی کہ آپ (خود ہی) ان کی طرف نکلتے تو ان کے لیے بہت بہتر ہوتا، اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔''[2]

[1] صحيح البخاري: 4846،4845. [2] صحيح البخاري، قبل الحديث: 4847، زاد المعاد: 510/3.

بنو مصطلق سے زکاۃ کی وصولی

بنو مصطلق مسلمان ہو چکے تھے۔ انھوں نے اپنے علاقے میں مساجد بھی تعمیر کی تھیں۔ نماز باجماعت کا اہتمام کرتے تھے۔ دیگر شرائع اسلام کے بھی پابند تھے۔ سیدنا حارث بن ضرار خزاعی فرماتے ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھے اسلام کی دعوت دی جو میں نے قبول کر لی۔ آپ نے مجھے اسلامی تعلیمات دیں اور زکاۃ ادا کرنے کا حکم دیا۔ میں نے اقرار کیا کہ میں زکاۃ بھی ادا کروں گا۔ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں واپس جا کر اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دوں گا۔ جو مسلمان ہو گئے، ان سے زکاۃ بھی وصول کروں گا۔ آپ فلاں فلاں وقت پر زکاۃ کا وصول کنندہ بھیج دیجیے گا تاکہ وہ میرے قبیلے کے لوگوں سے زکاۃ وصول کر لے۔ آپ نے وعدہ فرمایا کہ مقرر وقت پر زکاۃ کا وصول کنندہ بھیج دیا جائے گا۔ چنانچہ میں واپس آ گیا اور اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی جو انھوں نے بخوشی قبول کر لی۔ میں نے انھیں زکاۃ جمع کرنے کا کہا تو انھوں نے وہ بھی جمع کر دی۔ پھر جب وقت مقررہ پر زکاۃ کا وصول کنندہ نہ پہنچا تو سیدنا حارث فرماتے ہیں کہ ہمیں خدشہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کسی بات پر ناراض ہو گئے ہیں، اسی لیے آپ کا نمائندہ ہماری زکاۃ وصول کرنے نہیں آیا۔ ورنہ وعدہ پورا کرنا تو آپ کی صفت ہے۔ لہٰذا ضرور کوئی ایسی بات ہوئی ہے جو آپ کا سفیر نہیں آیا۔ چنانچہ ہم نے اپنی قوم کے چند ممتاز لوگوں کو ساتھ لیا اور زکاۃ کا مال لے کر مدینہ منورہ کی طرف چل پڑے۔

رسول اللہ ﷺ نے مقرر وقت پر ولید بن عقبہ بن ابی معیط کو بنو مصطلق کی زکاۃ وصول کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ جب راستے میں اس نے سیدنا حارث اور ان کی قوم کے کئی افراد کو آتے دیکھا تو خوفزدہ ہو گئے کہ یہ تو اسے مارنے آ رہے ہیں۔ لہٰذا انھیں ملے بغیر اور بات کیے بغیر ہی تیزی سے واپس مڑ گئے اور مدینہ منورہ جا کر رسول اللہ ﷺ کو شکایت کر دی کہ بنو مصطلق نے زکاۃ دینے سے انکار کر دیا ہے اور اسے قتل کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ سخت ناراض ہوئے۔ آپ نے حارث بن ضرار اور ان کی قوم کو سبق سکھانے کے لیے فوراً ایک فوجی دستہ روانہ کر دیا۔ جب یہ فوجی دستہ مدینہ منورہ سے باہر نکلا تو اسے بنو مصطلق کا وفد آتا دکھائی دیا۔ دونوں گروہ ملے



تو سیدنا حارث نے پوچھا: یہ فوجی دستہ کدھر جا رہا ہے؟ انھوں نے بتایا کہ ہم تمھیں اور تمھاری قوم کو سبق سکھانے جا رہے تھے۔

سیدنا حارث نے پریشان ہو کر پوچھا: بھلا وہ کیوں؟ جواب ملا کہ تم نے زکاۃ دینے سے انکار کیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے نمائندے کو قتل کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ جواب نہایت پریشان کن تھا۔ سیدنا حارث نے عرض کی: اس ذات کی قسم جس نے محمد ﷺ کو حق دے کر مبعوث کیا ہے! میں نے رسول اللہ ﷺ کے نمائندے کو دیکھا ہے نہ اس سے ملاقات ہوئی ہے۔ بلکہ ہم تو از خود زکاۃ کے جانور لے کر حاضر ہو رہے ہیں کیونکہ آپ کا نمائندہ مقررہ وقت پر ہمارے پاس پہنچا ہی نہیں۔ اب فوجی دستے کے حیران ہونے کی باری تھی۔ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ لہٰذا دونوں گروہ واپس رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سیدنا حارث نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ ولید سے پوچھیے کہ کیا یہ ہمارے پاس پہنچا تھا؟ کیا اس نے ہمارے ساتھ بات چیت کی تھی؟ ابھی سیدنا حارث بن ضرار اپنا عذر پیش کر رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہونا شروع ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے بنومصطلق کی بے گناہی کی تصدیق کر دی تھی۔ مسلمانوں کو آئندہ کے لیے وارننگ دے دی کہ وہ معاملات کی تحقیق کیے بغیر کوئی اقدام نہ کریں مبادا انھیں کف افسوس ملنا پڑے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ ۝﴾

”اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمھارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کر لیا کرو (تاکہ) تم کسی قوم کو نادانی سے تکلیف (نہ) پہنچاؤ کہ پھر تم اپنے کیے پر پچھتاتے پھرو۔“[1]

نبی کریم ﷺ نے یہ آیت تلاوت کر کے صحابہ کرام کو سنائی۔ پھر آپ ﷺ نے سیدنا حارث سے پوچھا:

[1] الحجرٰت 6:49۔

«مَنْ تُحِبُّونَ أَبْعَثُ إِلَيْكُمْ؟»

''تم کسے پسند کرتے ہو کہ میں اسے تمھارے ساتھ بھیجوں؟''

انھوں نے عرض کی: آپ ہمارے ساتھ سیدنا عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کو بھیج دیں۔ آپ نے سیدنا عباد کو حکم دیا:

«يَا عَبَّادُ! سِرْ مَعَهُمْ، فَخُذْ صَدَقَاتِ أَمْوَالِهِمْ وَتَوَقَّ كَرَائِمَ أَمْوَالِهِمْ»

''اے عباد! ان کے ساتھ جاؤ، ان سے زکاۃ وصول کرلو اور ان کے عمدہ جانور زکاۃ میں مت لینا۔''

چنانچہ سیدنا عباد بن بشر رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ گئے۔ انھوں نے سیدنا عباد کو نہایت عزت و احترام کے ساتھ اپنے بہترین گھر میں ٹھہرایا۔ وہ دس دن ان کے پاس ٹھہرے۔ انھیں قرآن پڑھایا اور شرائع اسلام کی تعلیم دی۔ پھر ان سے زکاۃ وصول کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آگئے۔ [1]

[1] مسند أحمد: 279/4، الطبقات لابن سعد: 162,161/2، المغازي للواقدي: 371/2.

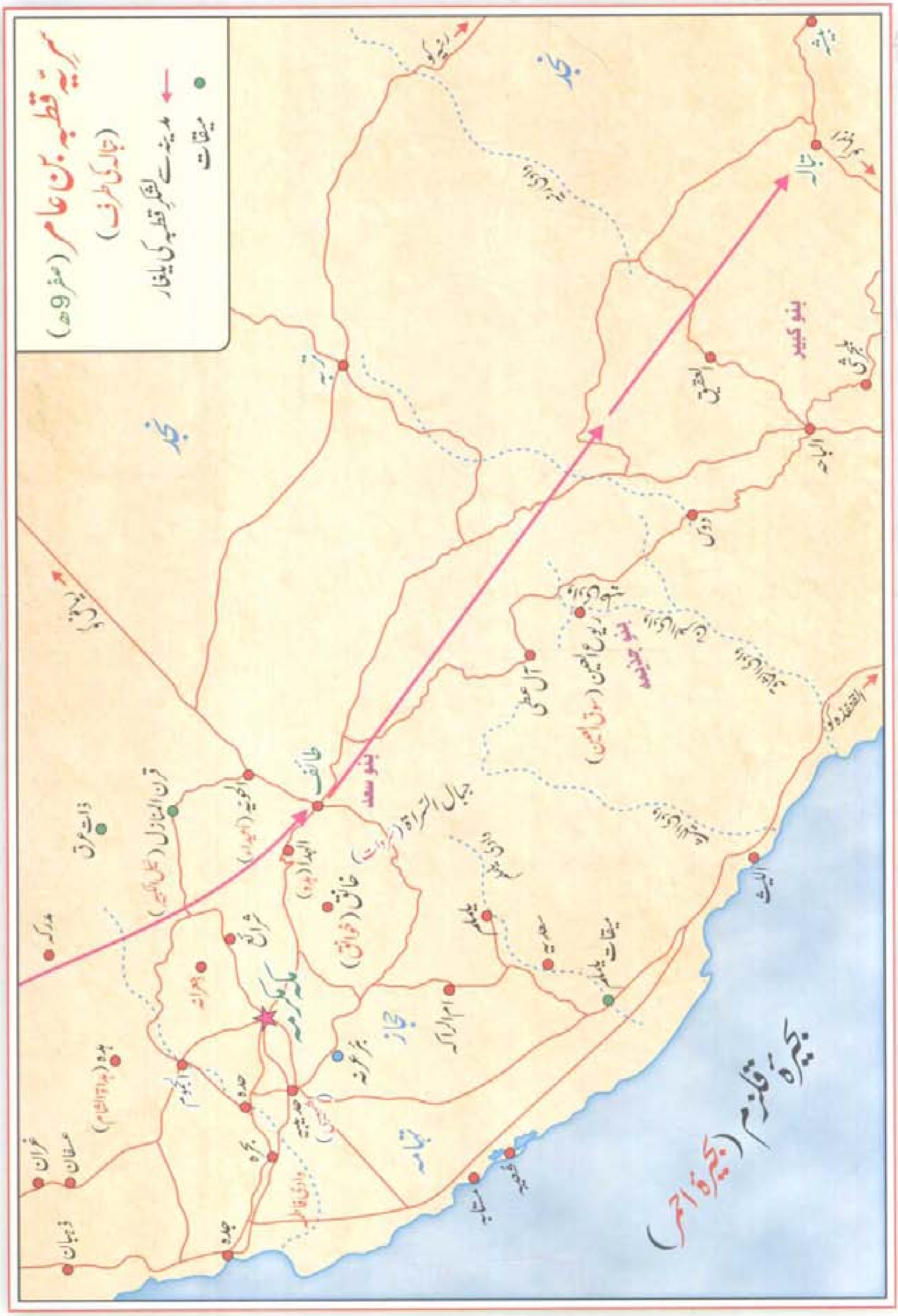
بنو مصطلق کا علاقہ



سریۂ قطبہ بن عامر رضی اللہ عنہ

9 ھ ماہ صفر میں رسول اللہ ﷺ نے سیدنا قطبہ بن عامر بن حدیدہ رضی اللہ عنہ کو بیس مجاہدین کے ہمراہ خثعم قبیلے کی طرف روانہ کیا۔ ان کی منزل بیشے کے قریب تربہ نامی جگہ تھی۔ آپ نے انھیں ہدایات دیں کہ تم مکمل راز داری سے وہاں پہنچو۔ دن کے وقت چھپ جاؤ اور رات کے وقت پیش قدمی کرو۔ جب وہاں پہنچو تو چاروں طرف سے ہلہ بول دو۔ چنانچہ اسلامی دستہ دس اونٹوں کے ساتھ منزل کی جانب روانہ ہوا۔ ایک اونٹ پر دو مجاہد باری باری سواری کرتے تھے۔ اسلامی لشکر خثعم قبیلے کے پاس پہنچا تو انھوں نے ایک شخص کو گرفتار کرلیا۔ اس سے پوچھ گچھ کی تو وہ گونگا بن گیا لیکن جیسے ہی وہ اپنے گھروں کے قریب پہنچا تو اس نے چیخ چیخ کر قبیلے والوں کو خبردار کرنا شروع کردیا۔ مجاہدین نے یہ صورت حال دیکھی تو اسے قتل کردیا۔ پھر وہ کچھ دیر کے لیے رک گئے۔ جب رات ہوئی تو مسلمانوں نے بھرپور حملہ کردیا۔ خثعم قبیلے والے بھی چوکنا تھے۔ خوب لڑائی ہوئی۔ طرفین کے کافی لوگ زخمی ہوئے۔ سیدنا قطبہ نے کئی لوگ قتل کردیے۔ پھر قیدی بننے والے افراد کو لے کر مدینہ منورہ کی طرف چل دیے۔ ان کے ساتھ غنیمت کے اونٹ اور بکریاں بھی تھیں۔ صبح ہوئی تو خثعم قبیلے کے باقی لوگوں کو بھی خبر ہوگئی۔ وہ سب مل کر مسلمانوں کے مقابلے کے لیے نکل آئے اور اپنے قیدی اور اموال چھڑانے کے لیے مسلمانوں کے تعاقب میں نکلے۔ مسلمان اس وقت تک کافی دور نکل آئے تھے مگر ابھی خثعم والے تیزی سے پیچھا کرتے ہوئے مسلمانوں تک پہنچ گئے۔ اب مسلمانوں کو نصرت الٰہی نے سہارا دیا اور وہ خثعم کی پہنچ سے محفوظ ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ نے زوردار سیلاب بھیج دیا جو وادی میں تیزی سے بہنے لگا اور خثعم کے تمام راستے بند ہوگئے۔ وادی کے ایک کنارے مسلمان بڑے آرام سے ان کے بیوی بچے اور مویشی لے کر جا رہے تھے جبکہ دوسرے کنارے وہ حسرت و یاس لیے بے بسی سے انھیں جاتا ہوا دیکھ رہے تھے۔ سیلاب نے ان کی تمام کوششوں کو ناکام بنا دیا تھا۔ مسلمان بحفاظت مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ مال غنیمت میں سے رسول اللہ ﷺ کا مخصوص حصہ خمس نکال کر بقیہ مجاہدین میں تقسیم کردیا گیا۔ ہر ایک کے حصے میں چار اونٹ یا چالیس بکریاں آئیں۔ [1]

[1] الطبقات لابن سعد :2/162، زاد المعاد :3/514، المغازي للواقدي :2/372.



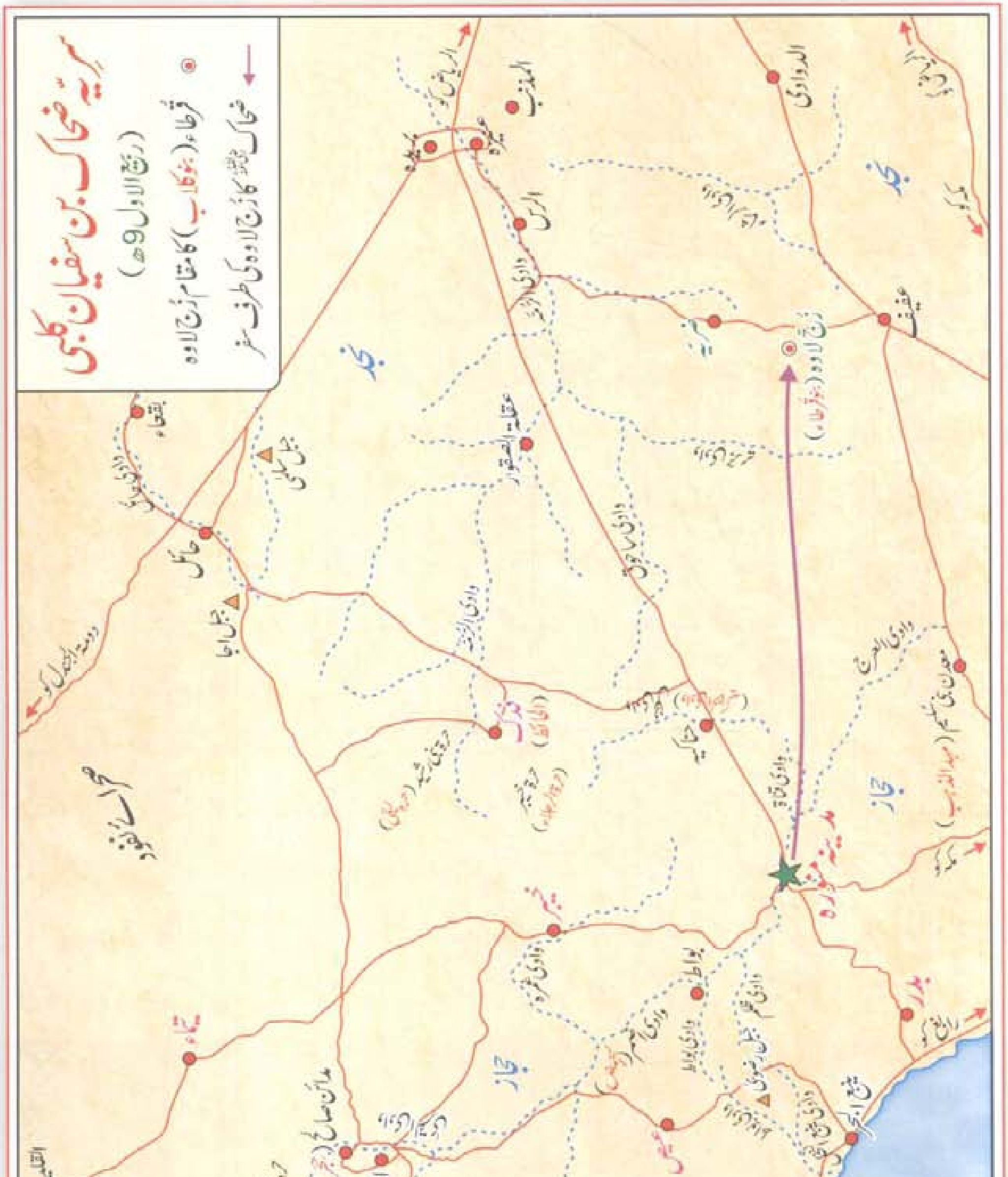
سریہ قطبہ بن عامر (صفر 9ھ)
(تبالہ کی طرف)
مدینے سے لشکر قطبہ کی یلغار
میقات
بحیرہ قلزم (بحیرہ احمر)

سریۂ ضحاک بن سفیان کلبی رضی اللہ عنہ

ربیع الاول 9 ھ میں رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر بنو کلاب کی سرکوبی کے لیے روانہ فرمایا۔ ان کی منزل القرطاء تھی اور ان کے قائد سیدنا ضحاک بن سفیان کلبی رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کے ہمراہ سیدنا اصید بن سلمہ بن قرط رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ اسلامی لشکر کا زج لاوہ نامی جگہ پر بنو کلاب سے سامنا ہوا۔ مجاہدین اسلام نے بنو کلاب کو اسلام کی دعوت دی جو انھوں نے ٹھکرا دی اور جنگ کے لیے تیار ہوگئے۔ اسلامی لشکر نے انھیں شکست فاش دے دی۔

اصید بن سلمہ نے اپنے بھاگتے ہوئے والد کا تعاقب کیا۔ وہ اپنے گھوڑے پر سوار تھے۔ اسلام کی نعمت سے سرفراز بیٹے نے والد کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ اسے امان بھی دے دی کہ کوئی اسے نقصان نہیں پہنچائے گا۔ بیٹے کے ادب و احترام کے باوجود باپ اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہا اور اس نے بیٹے کو گالیاں دینا شروع کر دیں۔ پھر دین اسلام کے بارے میں مغلظات بکنے لگا۔ اس بار بیٹے سے برداشت نہ ہوا۔ وہ اپنی ذات کی حد تک تو برداشت کر گئے مگر دین اسلام کو گالیاں دیتا ہوا باپ ان سے برداشت نہ ہوا۔ لہٰذا انھوں نے اپنے والد کے گھوڑے کی کونچیں کاٹ دیں اور ان کا والد گھوڑے سے نیچے گر گیا۔ جب وہ گھوڑے سے گرا تو فوراً اپنے نیزے کا سہارا لے کر تالاب میں اتر گیا۔ سیدنا اصید رک گئے۔ اتنے میں ایک اور مجاہد وہاں پہنچا اور اس نے سلمہ بن قرط کا کام تمام کر دیا۔[1]

[1] الطبقات لابن سعد :2/163,162، زاد المعاد :3/515,514، المغازي للواقدي :2/373.



سریہ ضحاک بن سفیان کلابی
(ربیع الاول ۹ھ)
قرطاء (بنو کلاب) کا مقام زج لاوہ
ضحاک رضی اللہ عنہ کا زج لاوہ کی طرف سفر
مدینہ منورہ
بحیرہ قلزم (بحیرۂ احمر)

سَرِیّۂ علقمہ بن مُجَزِّز مُدلجی رضی اللہ عنہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ جدہ کے ساحل پر کچھ حبشی دیکھے گئے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے تعاقب کے لیے ربیع الآخر 9 ھ میں سیدنا علقمہ بن مجزز مدلجی رضی اللہ عنہ کی قیادت میں تین سو مجاہدین کا لشکر جدہ روانہ کیا۔ یہ لشکر حبشیوں کے تعاقب میں ایک جزیرے تک جا پہنچا۔ اسلامی لشکر کو دیکھ کر حبشی فرار ہوگئے اور مسلمان واپس آ گئے۔ واپسی پر کچھ مجاہدین نے جلد سے جلد اپنے اہل وعیال کے پاس پہنچنے کی خواہش کی تو امیر لشکر نے انھیں اجازت دے دی۔ اس دستے کی کمان انھوں نے سیدنا عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کو سونپ دی۔ سیدنا عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ خوش مزاج تھے اور وقتاً فوقتاً خوش طبعی کرتے رہتے تھے۔ راستے میں ایک جگہ آرام کرنے کے لیے یہ دستہ رکا تو انھوں نے ٹھنڈک سے بچاؤ کے لیے آگ جلائی اور تاپنے لگے۔ اتنے میں امیر دستہ تشریف لے آئے اور حکم دیا: تمھیں امیر کا حکم ہے کہ اس آگ میں کود جاؤ۔ وہ حیران ہوکر ان کا منہ تکنے لگے کہ یہ کیسا امتحان ہے۔ پھر کچھ ساتھی واقعی کودنے کے لیے تیار ہوگئے۔ تو انھوں نے فرمایا: رکو رکو، میں تو مذاق کر رہا تھا۔ واپسی پر یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «مَنْ أَمَرَكُمْ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا تُطِيعُوهُ» ''جو تمھیں معصیت کا حکم دے، اس کی اطاعت مت کرو۔''

اسی سے ملتا جلتا قصہ صحیحین میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنگی دستہ روانہ کیا اور اس کا امیر ایک انصاری صحابی کو مقرر کیا۔ دستے کو حکم دیا کہ اپنے امیر کی اطاعت کرنا اور ان کی فرمانبرداری کرنا۔



بندرگاہ (جدہ)

دوران سفر کسی بات پر امیر لشکر ناراض ہو گئے تو انھوں نے حکم دیا کہ ایندھن جمع کرو۔ جب ایندھن جمع ہو گیا تو حکم دیا کہ آگ جلاؤ۔ جب آگ بھڑک اٹھی تو فرمایا: کیا تمھیں یاد ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تمھیں میری فرمانبرداری کا حکم دیا تھا؟ انھوں نے جواب دیا کہ جی ہاں، ہمیں یاد ہے۔ فرمایا: تو پھر اس آگ میں کود جاؤ۔ وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے اور کہنے لگے: آگ سے بچنے کے لیے ہی ہم نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت قبول کی تھی۔ اگر آگ ہی میں جلنا ہے تو پھر مسلمان ہونے کا کیا فائدہ ہوا۔ ابھی اسی کشمکش میں تھے کہ امیر صاحب کا غصہ فروتر ہو گیا اور اپنا حکم واپس لے لیا۔ جب یہ لشکر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا تو آپ ﷺ کو سفر کی روداد سنائی گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَو دَخَلُوهَا مَا خَرَجُوا مِنْهَا أَبَدًا»

''اگر وہ اس آگ میں داخل ہو جاتے تو اس سے کبھی نہ نکل پاتے۔''

پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا طَاعَةَ فِي مَعْصِيَةِ اللّٰهِ إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ»

''اللہ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں، اطاعت صرف نیکی کے کاموں میں ہے۔''

اس قصے میں سابقہ قصے سے تین چیزیں مختلف ہیں:

1 یہ امیر انصاری صحابی تھے۔ 2 رسول اللہ ﷺ نے انھیں براہِ راست مقرر کیا تھا۔ 3 غصے کی وجہ سے انھوں نے یہ حکم دیا تھا۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد:

﴿اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾

''تم اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں۔''[1]

کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ یہ سیدنا عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ یہ دونوں واقعات بظاہر مختلف ہیں۔ ان دونوں کو نقل کرنے کے بعد امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یا تو یہ دونوں دو الگ الگ واقعات ہیں اور اگر انھیں ایک ہی واقعہ قرار دیا جائے تو پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی حدیث کو ترجیح ہوگی کیونکہ وہ صحیحین میں ہے۔[2] واللہ اعلم.

1 النسآء 4:59. 2 صحيح البخاري: 4340 و 4584، صحيح مسلم: 1840، مسند أحمد: 337/1، زاد المعاد: 516,515/3، الطبقات لابن سعد: 163/2، صحيح ابن حبان: 4558.

سرِیّہ علی رضی اللہ عنہ اور خانوادۂ حاتم کا قبول اسلام

9 ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک سو پچاس انصاری صحابہ پر مشتمل ایک جنگی دستہ فلس کی طرف روانہ کیا۔ ان میں کوئی مہاجر صحابی نہیں تھا۔

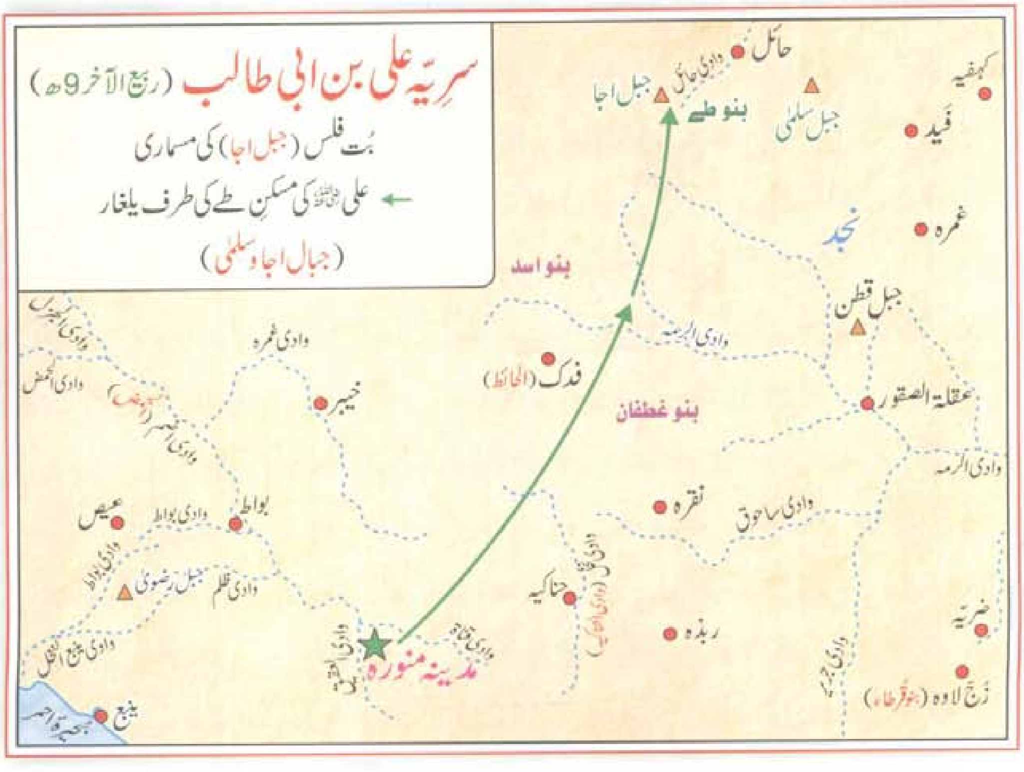
ان کے پاس پچاس گھوڑے اور اونٹ تھے۔ انھوں نے اونٹوں پر سفر شروع کر دیا جبکہ گھوڑوں کو تازہ دم رکھنے کے لیے ساتھ ساتھ چلایا۔ آپ نے انھیں حکم دیا کہ یکبارگی اچانک حملہ کرنا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کو لے کر چلے تو سیاہ جھنڈا سیدنا سہل بن حنیف کو سونپا اور سفید پرچم سیدنا جبار بن صخر سلمی رضی اللہ عنہ کو عطا کیا۔ یہ لشکر بنو اسد کے راہبر حریث کی راہنمائی میں اپنی منزل کی طرف گامزن ہوا۔ راہبر لشکر کو لے کر فید کے راستے چلتا رہا حتی کہ ایک جگہ پہنچ کر رک گیا اور کہنے لگا: اب یہاں سے مطلوبہ قبیلے کا ایک دن کا سفر باقی ہے۔ اگر ہم اسی طرح چلتے رہے تو ہم طے والوں کے چرواہے اور اردگرد کے لوگوں کو پکڑ سکیں گے مگر وہ اپنے قبیلے کو خبردار کر دیں گے اور ہمارا اصل مقصد پورا نہیں ہو سکے گا۔ اس لیے میرا مشورہ ہے کہ آج یہی رک جاؤ۔ پھر شام کو سفر شروع کریں گے۔ صبح کے دھندلکے میں ہم انھیں جا ملیں گے اور زبردست ہلہ بول کر ان کا کام تمام کر دیں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کا مشورہ پسند آیا۔ لہٰذا امیر محترم کے حکم سے پڑاؤ کیا گیا۔ اونٹوں کو چرنے کے لیے چھوڑ دیا گیا۔ لشکر کے لیے کھانا تیار کیا گیا اور سب نے کھانا کھایا۔

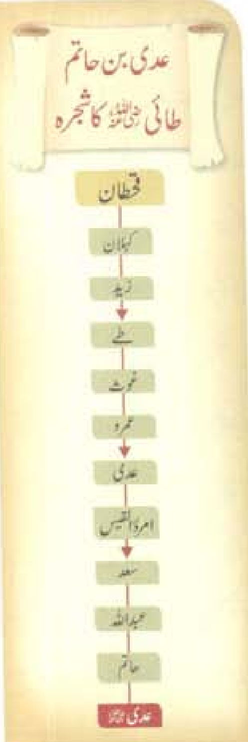

قصبہ فید (نجد) کا خوبصورت منظر

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اردگرد کی خبر گیری کے لیے

سیدنا ابوقتادہ، حباب بن منذر اور ابونائلہ رضی اللہ عنہم کو گھوڑوں پر سوار کر کے بھیجا۔ وہ اپنے معسکر کے گرد چکر لگا رہے تھے جب انھیں ایک سیاہ فام غلام نظر آیا۔ انھوں نے اسے پکڑ لیا اور اس سے تفتیش کرنا شروع کر دی۔ اس سے پوچھا کہ تم کون ہو اور ادھر کیا کر رہے ہو؟ کہنے لگا: میں اپنے کسی کام سے آیا ہوں۔ اسے گرفتار کر کے امیر محترم کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ انھوں نے دریافت کیا: تم کون ہو اور اس علاقے میں کیسے آئے؟ غلام بولا: میں اپنی کسی حاجت کو پورا کرنے آیا ہوں۔ جب اس نے مکمل جواب دینے سے گریز کیا اور کوئی مفید خبر دینے سے انکار کیا تو اس پر تھوڑی سختی کی گئی۔ اب کی بار اس نے منہ کھول دیا۔ کہنے لگا: میں بنونبہان کے ایک شخص کا غلام ہوں۔ انھوں نے مجھے اس علاقے میں بھیجا تھا کہ اگر تمھیں محمد (ﷺ) کے گھڑ سوار نظر آئیں تو ان سے بچ کر فوراً ہمیں خبر دینا۔ اس لیے جب میں نے تمھیں دیکھا تو میں واپس جانے لگا۔ پھر میں نے سوچا کہ ادھوری خبر پہنچانے کا کیا فائدہ ہے۔ ذرا ٹھہر جاتا ہوں تاکہ تمھارے لشکر کی تعداد، گھوڑوں اور اونٹوں کی گنتی کر کے واپس جاؤں۔ مجھے یہ ڈر نہیں تھا کہ میں پکڑا جاؤں گا، اس لیے بڑے اطمینان سے معلومات جمع کر رہا تھا۔ پھر آپ کے پہرے داروں نے مجھے گرفتار کر لیا۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اسے کہا: سچ بتاؤ کہ تمھارے قبیلے کی صورت حال کیا ہے؟ اس نے عرض کی: قبیلے کی ابتدائی





بستیاں یہاں سے ایک رات کی مسافت پر ہیں۔ اگر تم گھوڑوں پر جاؤ تو صبح سویرے انھیں جا ملو گے۔ ان کی مرکزی آبادی میں تم دو پہر تک پہنچ سکتے ہو۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ساتھیوں سے مشورہ کیا کہ اب ان معلومات کی روشنی میں کیا کیا جانا چاہیے؟ سیدنا جبار بن صخر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ ہم گھوڑوں پر سوار ہو کر رات کے وقت سفر کرتے ہیں اور صبح سویرے ان پر حملہ آور ہو جائیں گے۔ اس سیاہ فام غلام کو ساتھ لے چلتے ہیں اور راہبر حریث کو معسکر میں چھوڑ دیتے ہیں۔ وہ بعد میں ہمیں آملیں گے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں یہی رائے بہترین ہے۔

اسلامی لشکر گھوڑوں پر سوار ہو کر چل پڑا۔ سیاہ فام غلام کو بھی ہاتھ جکڑ کر ساتھ بٹھا لیا گیا۔ مجاہدین باری باری اسے اپنی سواری پر بٹھا کر چلتے رہے۔ جب کافی رات گزر گئی اور بہت سا فاصلہ طے کر لیا گیا تو غلام کہنے لگا: مجھ سے غلطی ہوگئی ہے، ہم غلط راستے پر آگئے ہیں، اصل راستہ پیچھے رہ گیا ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: چلو واپس چلتے ہیں، تم ہمیں درست راستے تک لے چلو۔ ایک میل یا اس سے زیادہ واپس آنے پر وہ پھر بولا کہ ہم غلط راستے پر چل رہے ہیں۔ اس بار سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم ہمیں دھوکہ دینے کی مسلسل کوشش کر رہے ہو۔ آپ نے حکم دیا کہ غلام کو نیچے اتارو۔ اس سے درست راستہ معلوم کرو۔ اگر صحیح راہنمائی نہ کرے تو اس کی گردن اتار دو۔ جب مجاہدین نے تلوار اس کے سر پر رکھی تو وہ بول اٹھا: اگر میں سچ بولوں تو کیا مجھے معاف کر دو گے؟ صحابہ نے کہا: ہاں اگر سچ سچ بات کرو گے تو تمھاری جان بخشی ہو سکتی ہے۔ اس نے کہا: دراصل میں نے یہ کارروائی اس لیے کی ہے کہ میرے قبیلے کے مجھ پر بڑے احسانات ہیں، اب مجھے شرم آئی کہ میں بغیر کوئی دکھ اٹھائے ان کے خلاف غداری کا مرتکب ہو جاؤں۔ ہاں اب جبکہ مجھے جان کا خطرہ ہو گیا ہے تو میرا عذر ہے کہ میں غداری کا مرتکب ہوں۔ آؤ میں تمھیں لے چلوں، یہاں سے قبیلہ بہت قریب ہے۔ لشکر آگے بڑھا حتی کہ قبیلے کے بہت قریب پہنچ گیا۔ اب کتوں کے بھونکنے اور مویشیوں کے چلنے پھرنے کی آوازیں آنی شروع ہوگئی تھیں۔ سیاہ فام غلام بولا: یہ جھونپڑیاں اصل آبادی سے ایک فرسخ پر ہیں۔ صحابہ نے پوچھا: آل حاتم کہاں ہیں؟ اس نے بتایا کہ وہ آبادی کے وسط میں ہیں۔ پھر باہمی مشورہ ہوا کہ ابھی حملہ نہ کیا جائے۔ اگر اس وقت حملہ کیا گیا تو ان لوگوں کی چیخ پکار سے بہت سے لوگ فرار ہونے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اس لیے ابھی اندھیرے کو

چھٹنے دیں، جیسے ہی صبح کی روشنی ہوگی تو ہم حملہ آور ہوں گے، پھر کوئی شخص فرار نہیں ہو سکے گا۔ اگر کسی نے بھاگنے کی کوشش کی تو ہم اپنے تیز رفتار گھوڑوں کی مدد سے انھیں پکڑ لیں گے۔ کیونکہ ان کے پاس گھوڑے نہیں ہیں اور رات کے اندھیرے کا فائدہ بھی ختم ہو چکا ہوگا۔ اس رائے پر سب نے اتفاق کیا۔ جب صبح ہوئی تو مسلمانوں نے بھرپور حملہ کر کے قبیلے کے لوگوں کو زیر کر لیا۔ کچھ مزاحمت کرنے والے کٹ گئے۔ باقی کو قیدی بنا لیا گیا۔ کوئی شخص بھاگ سکا نہ بچ سکا۔ بچوں، عورتوں اور مردوں کو قیدی بنا لیا گیا۔ مویشی بھی جمع کر لیے گئے۔ اس دوران ایک بچی نے اپنے سیاہ فام غلام کو جکڑا ہوا دیکھا تو سمجھ گئی کہ یہ ساری آفت اسی کی وجہ سے آئی ہے۔ کہنے لگی: اسے کیا ہوا؟ کیا اس کی عقل جاتی رہی ہے؟ اسلم! تم برباد ہو جاؤ، تم نے اپنے قبیلے والوں کو بڑی مصیبت میں مبتلا کیا ہے۔ تم نے ہمیں دھوکہ دیا اور غداری کی۔ اگر تم یہ حرکت نہ کرتے تو ہمیں اس مصیبت سے دوچار نہ ہونا پڑتا۔ اسلم نے یہ ملامت حوصلے سے سنی، پھر بولا: اے معزز و محترم کی لختِ جگر! مجھے معاف کر دو۔ میں نے اس وقت تک معلومات نہیں دیں جب تک مجھے جان سے مارنے کی دھمکی نہ ملی۔ میں نے مجبوراً جان بچانے کے لیے یہ سب کچھ کیا ہے۔

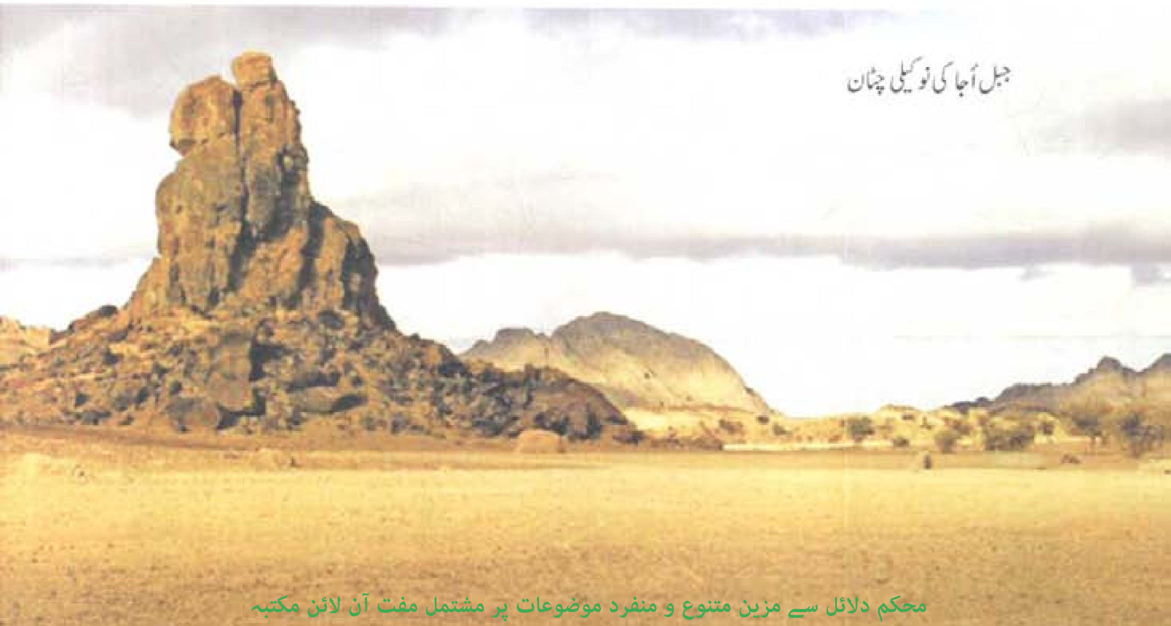
اسلامی لشکر نے پڑاؤ ڈالا۔ بچوں اور عورتوں کو علیحدہ کیا۔ جب آلِ حاتم کو الگ الگ کر رہے تھے تو سیاہ فام غلام اسلم بولا: حضور! اب مجھے رہا کر دیجیے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کلمہ شہادت پڑھ لو تو تمھیں آزادی مل سکتی ہے۔ اسلم بولا: میں اپنی قوم کے دین پر قائم ہوں۔ یہ قیدی جیسے کریں گے میں بھی ویسے ہی کروں گا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تمھیں بھی انھی کے ساتھ باندھ دیا جائے تو کیسا رہے گا؟ اس نے جواب دیا: بہت خوب ہوگا۔ مجھے اپنی قوم کے ساتھ قید میں رہنا کسی دوسری قوم کے ساتھ ملنے والی آزادی سے زیادہ محبوب ہے۔ جو ان پر بیتے گی وہی میں بھی جھیلوں گا۔ اس کی یہ بڑھک سن کر قیدی ہنسنے لگے۔ اس کی خواہش پر اسے بھی قیدیوں کے ساتھ باندھ دیا گیا۔ وہ کہنے لگا: اب تم جو بھی فیصلہ کرو گے، میں انھی کے ساتھ ہوں۔ قیدیوں نے اس کی آمد پر اپنے اپنے جذبات کا اظہار کیا۔ کوئی کہہ رہا تھا: دفع دور کرو اسے، اسی کی وجہ سے یہ بلا ہم پر نازل ہوئی ہے۔ کوئی اسے خوش آمدید کہہ رہا تھا۔ ایک شخص نے کہا: اسلم! تم نے حق وفاداری ادا کر دیا ہے۔ تم پر اس سے زیادہ کچھ فرض نہ تھا۔ اگر تمھاری جگہ ہم میں سے کوئی ہوتا تو وہ بھی جان بچانے کے لیے ایسا ہی کرتا۔ شاباش تم نے اپنا حق ادا کر دیا ہے۔

پھر قیدیوں کو باری باری اسلام کی دعوت دی گئی۔ جو اسلام قبول کر لیتا، اسے آزاد کر دیا جاتا اور جو انکار کرتا، اس کی گردن ماردی جاتی۔ جب اسلم کی باری آئی تو کہنے لگا: موت کے ڈر سے اسلام قبول کرنا بڑا بزدلانہ کام ہے جبکہ اس دنیا میں ہمیشہ کی زندگی تو کسی کو بھی حاصل نہیں۔ اس کے یہ جرأت مندانہ کلمات سن کر ایک شخص کہنے لگا: اسلم

کتنے تعجب کی بات ہے۔ اگر اسی جرأت کا اظہار تم اس وقت کرتے جب تم گرفتار ہوئے تھے تو تمھارا قبیلہ اس بربادی سے بچ جاتا۔ اب جبکہ کئی مارے جا چکے، کچھ قیدی بن گئے اور کچھ اسلام میں رغبت رکھتے ہوئے مسلمان ہو رہے ہیں تو تم یہ بے وقت کی راگنی الاپ رہے ہو۔ تمھارا بھلا ہو مسلمان ہو جاؤ، دین محمد ﷺ قبول کرلو۔ اس پر اسلم نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہوگیا۔ اسلام قبول کرنے پر اسے آزادی مل گئی۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ کی وفات پر کچھ قبائل مرتد ہوگئے تو سیدنا ابوبکر صدیق ؓ نے ان کی سرکوبی کے لیے سیدنا خالد بن ولید ؓ کی قیادت میں لشکر بھیجا۔ اسلم بھی ان کے ساتھ گیا اور مرتدین کے خلاف بہادری سے لڑتا ہوا جام شہادت نوش کرگیا۔

فلس بت کی تاریخ

سیدنا علی ؓ قیدیوں کے معاملے سے فارغ ہوکر فلس بت کو مسمار کرنے کے لیے آگے بڑھے۔ فلس طے قبیلے کا بت تھا جس کی وہ پوجا کرتے تھے۔ کچھ مؤرخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ طے قبیلے کی پہاڑیوں میں اُجا کی ایک نوکیلی چٹان تھی۔ وہ ایسی دکھائی دیتی تھی جیسے کسی انسان کا پتلا ہو۔ طے قبیلے والے اس کی پوجا کرتے تھے۔ اس کے پاس تقرب کے حصول کے لیے جانور ذبح کرتے تھے اور اس بت کے نام پر نذر و نیاز کے تحائف بھیجتے تھے۔ اس بت کو طے قبیلے میں بڑی قدر و منزلت حاصل تھی۔ اگر کوئی شخص اس کی پناہ لے لیتا تو جانی دشمن بھی اس شخص سے تعرض نہیں کرتے تھے۔ وہ مکمل امن میں ہو جاتا۔ اگر کسی شخص کا کوئی جانور اس کے پاس آجاتا تو وہ اسے بت کے نام وقف کر دیتا۔ اس بت کے مجاور بنو بولان تھے۔ بولان ہی وہ شخص تھا جس نے اس بت کی پوجا کی ابتدا کی اور طے قبیلے میں اسے رواج دیا۔



جبل اُجا کی نوکیلی چٹان

مجاور کی کارستانی اور دہائی

فلس بت کا آخری مجاور بنو بولان کا صیفی نامی شخص تھا۔ اس مجاور نے بنوعلیم قبیلے کی ایک عورت کی دودھیل اونٹنی چرالی اور اسے لا کر فلس بت کے صحن میں باندھ دیا۔ گویا اب کوئی شخص اسے واپس لینے کا حقدار نہیں تھا کیونکہ اب یہ ان کے دیوتا کے لیے وقف ہوگئی تھی۔

جب اس عورت کو خبر ہوئی کہ اس کی اونٹنی چرالی گئی ہے تو اس نے دہائی دی اور اپنے ہمسائے مالک بن کلثوم شمخی کو بتایا جو نہایت معزز اور باوقار سردار تھا۔ مالک بن کلثوم نے فوراً اپنا گھوڑا نکالا، نیزہ پکڑا اور اپنی غریب ہمسائی کی اونٹنی کی بازیابی کے لیے نکل کھڑا ہوا۔ مالک بن کلثوم جب فلس بت کے پاس پہنچا تو اس نے دیکھا کہ اونٹنی وہاں بندھی تھی۔

مالک نے فلس کے مجاور سے کہا: میری ہمسائی کی اونٹنی چھوڑ دو۔ مجاور نے جواب دیا کہ اب یہ تمھارے دیوتا کے لیے وقف ہوچکی ہے۔ مالک نے پھر کہا: اونٹنی کھول دو۔ مجاور نے حیرانگی سے پوچھا: کیا تم اپنے دیوتا کی توہین کا ارتکاب کرو گے؟ مالک نے اپنا نیزہ مجاور کو ہدیہ کیا، اونٹنی کھولی اور واپس چل دیا۔ مجاور یہ منظر دیکھ کر سخت مایوس ہوا۔ اپنے دیوتا کے سامنے کھڑے ہو کر مالک کی شکایت کرنے لگا۔ اس نے اپنے ہاتھ سے مالک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

يَا رَبِّ إِنَّ مَالِكَ بْنَ كُلْثُومِ　　أَخْفَرَكَ الْيَوْمَ بِنَابٍ عُلْكُومِ

وَكُنْتَ قَبْلَ الْيَوْمِ غَيْرَ مَغْشُومِ

''اے میرے رب! آج مالک بن کلثوم نے تیری بڑی توہین کی ہے، حالانکہ آج سے پہلے تیرے ساتھ جنگ کرنے کی جرأت کسی میں نہ تھی۔''

مجاور اپنی اس آہ و زاری سے دیوتا کو مالک پر عذاب برسانے کی التجا کر رہا تھا تاکہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ ان کا دیوتا کس قدر طاقتور ہے اور اپنے دشمنوں کے ساتھ کس قدر سختی سے نمٹتا ہے۔

ان دنوں عدی بن حاتم بھی فلس کے پاس موجود تھے۔ انھوں نے وہاں جانور ذبح کیا تھا۔ وہ کچھ لوگوں کے ساتھ بات چیت کر رہے تھے۔ وہ بھی مالک کی کارروائی کو غیر مناسب قرار دے رہے تھے اور اب خوفزدہ تھے کہ عنقریب مالک پر کوئی عذاب نازل ہوگا۔ سبھی انتظار میں تھے کہ آج مالک پر کوئی آفت نازل ہوگی۔ کئی دن گزر گئے مگر مالک محفوظ رہا۔ اسے دیوتا کے غیظ و غضب کا قطعاً سامنا نہ کرنا پڑا۔

فلس کی بے بسی عیاں ہوگئی

بت فلس کے پجاریوں کے لیے یہ واقعہ چشم کشا ثابت ہوا۔ ان کا سابقہ عقیدہ زمین بوس ہوگیا۔ انھیں فلس کی لاچاری سمجھ میں آگئی۔ عدی بن حاتم نے فلس سے براءت کا اعلان کر دیا اور عیسائیت کو گلے لگا لیا۔

مالک بن کلثوم وہ پہلا شخص تھا جس نے فلس کو للکارا تھا۔ پھر تو گویا راستہ ہی کھل گیا۔ مجاور جس شخص کا مال ہڑپ کرنے کے لیے فلس بت کے پاس لا کر باندھتا، اس کا مالک آکر بے دھڑک کھول کر لے جاتا۔ البتہ طے قبیلے کے کم عقل مسلسل اس کی پوجا کرتے رہے حتی کہ اسلام غالب آگیا اور رسول اللہ ﷺ نے اسے منہدم کرنے کے لیے سیدنا علی ؓ کی قیادت میں مجاہدین اسلام کا ایک دستہ بھیجا جس نے اسے تباہ و برباد کر دیا۔[1] بت کے ساتھ والے کمرے سے تین تلواریں ملیں جن کے نام رسوب، مخذم اور یمانی تھے۔ اور تین زرہیں بھی ملیں۔

پھر اسلامی لشکر مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوا۔ بچوں اور عورتوں کو سیدنا ابوقتادہ ؓ کی نگرانی میں دیا گیا جبکہ مویشی اور دیگر سامان کی ذمہ داری سیدنا عبداللہ بن عتیک سلمی ؓ کو دی گئی۔

پھر یہ قافلہ چلا تو رکک جا کر رکا۔ یہاں پر مال غنیمت تقسیم کیا۔ نبی کریم ﷺ کے لیے خمس اور رسوب و مخذم تلواریں الگ کر لی گئیں۔ آل حاتم کو تقسیم نہیں کیا گیا حتی کہ وہ مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ عدی بن حاتم کی بہن سفانہ کو سیدہ رملہ بنت حارث ؓ کے گھر ٹھہرایا گیا۔[2]

بنت حاتم قید میں

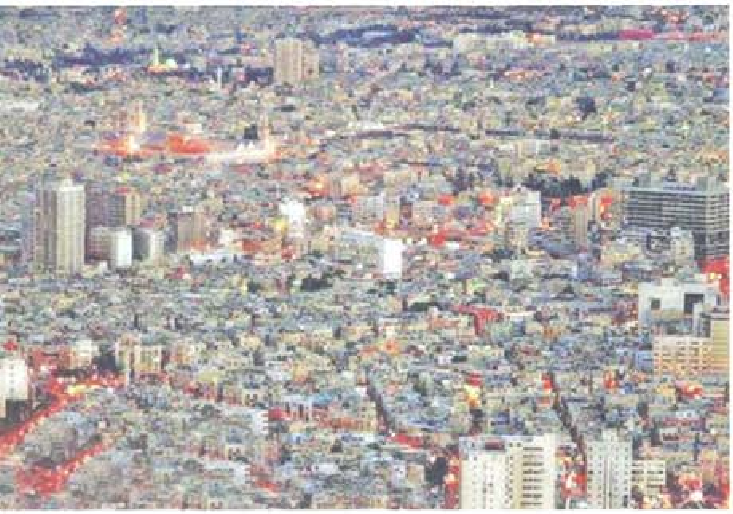
طے قبیلے کے قیدی مدینہ منورہ لائے گئے تو ان میں حاتم کی عمر رسیدہ بیٹی سفانہ بھی تھی۔ اسے مسجد نبوی کے دروازے کے پاس ایک کیمپ میں ٹھہرایا گیا۔ اس کیمپ میں قیدی ٹھہرائے جاتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ ان کے پاس سے گزرے تو وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔ بنت حاتم نہایت سمجھ دار اور جہاں دیدہ خاتون تھیں۔ کہنے لگیں: اللہ کے رسول! میرا والد فوت ہو چکا ہے اور میرا نگہبان فرار ہوگیا ہے، میں ایک بوڑھی خاتون ہوں جو کسی خدمت کے قابل نہیں، آپ مجھ پر احسان فرمائیں، اللہ آپ کو نوازے۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: ''تمھارا نگہبان کون ہے؟'' کہتی ہیں: میرا نگہبان عدی بن حاتم ہے۔ آپ نے فرمایا: ''وہ جو اللہ اور اس کے رسول سے بھاگا پھرتا ہے؟'' پھر آپ آگے بڑھ گئے۔ دوسرے دن آپ گزرے تو بڑھیا نے پھر فریاد کی۔ آپ نے کل کی طرح خاموشی اختیار کی اور

[1] معجم البلدان: 4/274,273. [2] المغازي للواقدي: 2/375-378، الطبقات لابن سعد: 2/164، زاد المعاد: 3/517.

آگے بڑھ گئے۔ تیسرے دن آپ وہاں سے گزرے تو بڑھیا بیٹھی رہی۔ وہ مایوس ہو چکی تھی۔ اسے رہائی ملتی دکھائی نہ دیتی تھی، اس لیے وہ خاموش بیٹھی رہی۔ مگر آج رسول اللہ ﷺ کے پیچھے پیچھے آنے والے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اشارہ کیا کہ آج موقع اچھا ہے، اپنی فریاد کرلو۔ لہٰذا بڑھیا آگے بڑھی اور غم بھری آواز میں بڑے خوبصورت الفاظ میں التجا کی: اے اللہ کے رسول! میرا والد فوت ہو چکا ہے، نگران بھائی فرار ہو گیا ہے۔ میں بڑھیا کسی خدمت کے قابل نہیں۔ براہِ کرم مجھ پر ترس کھائیے، اللہ آپ پر کرم فرمائے۔

امام بیہقی رقمطراز ہیں: بڑھیا نے کہا: اے محمد! اگر آپ ہمیں رہا کر کے کرم فرمائیں اور ہمارے دشمنوں کو خوش ہونے کا موقع نہ دیں تو بڑی نوازش ہوگی۔ کیونکہ میں اپنی قوم کے سردار کی بیٹی ہوں۔ میرا والد بے شمار خوبیوں کا مالک تھا۔ وہ نہایت خوددار اور غیرت مند تھا۔ غلام آزاد کرتا تھا، بھوکوں کو کھانا کھلاتا تھا، محتاجوں کو لباس دیتا تھا، مہمان نوازی کرتا تھا، سخاوت کرتا تھا، کسی ضرورت مند کو خالی ہاتھ نہیں لوٹاتا تھا۔ میں حاتم طائی کی بیٹی ہوں۔

نبی کریم ﷺ نے اس کی یہ التجا سن کر اسے آزاد کرنے کا حکم دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''واپس جانے میں جلدی نہ کرنا۔ جب کوئی قابل اعتماد ساتھی میسر آئے تو مجھے بتانا۔'' بڑھیا مدینہ منورہ ہی میں ٹھہری رہی حتی کہ قبیلہ بلی یا قضاعہ کا ایک قافلہ مدینہ منورہ آیا۔ اس میں کچھ لوگ ایسے تھے جن کے ساتھ بنت حاتم سفر کر سکتی تھی۔ اس کا بھائی فرار ہو کر ملک شام جا بیٹھا تھا۔ وہ اس کے پاس جانا چاہتی تھی۔ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتی ہے کہ مجھے ہمسفر مل گیا ہے، لہٰذا اجازت دیجیے کہ میں اپنے خاندان سے جا ملوں۔ آپ ﷺ نے اجازت دے دی۔ رخصت ہوتے وقت آپ نے اسے لباس، سواری اور زاد راہ عطا کیا۔ پھر بنت حاتم قافلے کے ساتھ شام پہنچ گئی۔



عدی بن حاتم کہتے ہیں کہ ایک روز میں اپنے بیوی بچوں کے ساتھ بیٹھا تھا کہ ایک سواری ہماری طرف آتی دکھائی دی۔ میں نے سوچا کہ یہ تو میری بہن لگتی ہے۔ جب وہ قریب آئی تو وہ میری بہن ہی تھی۔ وہ اترتے ہی مجھ پر برسنے لگی۔ مجھے خوب برا بھلا کہہ کر دل کی بھڑاس نکالی۔ مجھے ملامت کرتے ہوئے کہتی ہے: تم ظالم اور قاطع رحم ہو۔

تم اپنے بیوی بچوں کو لے بھاگے اور بہن کی کوئی پروانہ کی۔ میں نے بہن کی ساری ملامت حوصلے سے سنی اور بہن سے معافی مانگی۔ لہٰذا وہ راضی ہوگئی اور ہمارے ساتھ رہنے لگی۔ ایک روز کہنے لگی: بھائی میرا مشورہ ہے کہ تم اپنا ہاتھ محمد (ﷺ) کے ہاتھ میں دے دو۔ ان کی خدمت میں جو بھی گیا، اسے نوازا گیا ہے۔ اگر وہ سچے نبی ہیں تو اسلام قبول کرنے میں سبقت لے جانے والوں کے لیے فضل وشان ہے۔ اور اگر وہ بادشاہ ہیں تو پھر بھی تمھاری عزت کریں گے کیونکہ تم حاتم کے بیٹے ہو، اس لیے جتنی جلدی ہو سکے مدینہ منورہ پہنچو۔ شوق کے ساتھ جاؤ یا خوف کھاتے ہوئے، تم ضرور جاؤ۔

میں نے کہا: تمھارا مشورہ بہت خوب ہے۔[1]

عدی بن حاتم تاجدار مدینہ کی خدمت میں

عدی بن حاتم بیان کرتے ہیں کہ میں اپنی قوم کا سردار تھا۔ جب میں نے رسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت کی خبر سنی تو مجھے آپ سے شدید نفرت ہوگئی۔ پورے عرب میں مجھ سے بڑھ کر آپ سے نفرت کرنے والا کوئی نہ تھا۔ میں عیسائی مذہب کا پیروکار تھا۔ خود کو بڑا دین دار خیال کرتا تھا۔ اپنی قوم سے لوٹ کے مال کا چوتھا حصہ وصول کرتا تھا۔ سردار ہونے کے ناتے میں یہ اپنا حق سمجھتا تھا۔ جیسے جیسے رسول اللہ ﷺ کی کامیابیوں کی خبریں مجھے ملتیں، میری نفرت و دشمنی میں اضافہ ہو جاتا۔ میں نے اپنے ایک عربی غلام سے کہا: تیرا بھلا ہو، میرے لیے چند موٹی تازی سدھائی ہوئی اونٹنیاں تیار رکھنا۔ وہ میرے اونٹوں کا چرواہا تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ یہ تیار شدہ اونٹنیاں میرے قریب رکھنا۔ جیسے ہی تمھیں خبر ملے کہ جیش محمد (ﷺ) نے ہمارے علاقے کا رخ کیا ہے تو تم مجھے اطلاع کر دینا۔ میرے حکم پر اس نے چند خوبصورت سواریاں تیار کر لیں۔ ایک دن صبح کے وقت وہ میرے پاس آیا اور کہنے لگا: اے عدی! محمد کے لشکر کے حملہ آور ہونے پر تم نے اپنی حفاظت کا جو پروگرام بنایا ہے، اس پر ابھی عمل کر لو تو بہتر ہوگا۔ میں نے کچھ جھنڈے دیکھے ہیں۔ میں نے ان کے بارے میں معلوم کیا تو مجھے بتایا گیا کہ یہ لشکرِ محمد ہے۔ یہ سن کر میں نے اسے کہا: جاؤ جلدی سے اونٹنیاں لے آؤ۔ وہ گیا اور اونٹنیاں لے آیا۔ میں نے اپنے بیوی بچوں کو ان پر سوار کیا اور شام کی طرف بھاگ نکلا۔

میرا ارادہ تھا کہ میں اپنے ہم مذہب عیسائیوں کے پاس چلا جاتا ہوں۔ جاتے ہوئے میں اپنی بہن کو یہیں چھوڑ گیا۔ میں شام پہنچا اور وہاں رہنے لگا۔ میرے جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ کے لشکر آئے اور میرے قبیلے کو فتح

[1] السيرة لابن هشام 4/227,226، دلائل النبوة للبيهقي 5/338-340، زاد المعاد: 3/518.

کر کے قیدی ساتھ لے گئے۔ ان قیدیوں میں عدی بن حاتم کی بہن بھی تھی۔ عدی بن حاتم کی بہن نے نبی کریم ﷺ سے رہائی کی اپیل کی جو آپ نے منظور کر لی۔ آپ نے نہایت عزت و اکرام کے ساتھ اسے رخصت کیا۔ جب وہ اپنے بھائی عدی کے پاس شام پہنچی تو اس نے بھائی سے کہا: رسول اللہ جود و سخا کے ایسے کارنامے کرتے ہیں جو تیرا والد بھی نہ کر سکا۔ میرا مشورہ مانو تو اس رسول کے پیروکار بن جاؤ۔ اس کی خدمت میں جو بھی گیا ہے، وہ سرخرو ہوا ہے۔ تیرے سے پہلے فلاں فلاں شخص ان کی خدمت میں حاضر ہو کر مالا مال ہو چکا ہے۔ بہن کا مشورہ سن کر میں نے سوچا کہ مجھے ایک بار ضرور مدینہ حاضر ہونا چاہیے۔ اگر وہ اپنے دعوے میں جھوٹے ہوئے تو مجھے کیا نقصان ہے۔ اگر وہ سچے ہوئے تو میں جان لوں گا اور ان کی پیروی کر لوں گا۔ لہٰذا میں شام سے نکلا اور مدینہ منورہ پہنچ گیا۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا جبکہ آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ صحابہ کرام نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہ عدی بن حاتم ہے۔ میں بغیر کسی امان نامے یا صلح نامے کے حاضر ہو گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے لیا۔ آپ اس سے پہلے صحابہ کو یہ فرما چکے تھے: «إِنِّي أَرْجُوا أَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ يَدَهٗ فِي يَدِي» ”مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس (عدی) کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے گا۔“

پھر آپ مجھے لے کر اپنے حجرہ کی طرف چل پڑے۔ اتنے میں ایک عورت اپنے بچے کو لے کر حاضر ہوئی۔ اس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں نے ایک ضروری گزارش کرنی ہے۔ آپ اس عورت کی التجا سننے کے لیے وہیں رک گئے۔ وہ دیر تک آپ کو اپنا مسئلہ بیان کرتی رہی اور آپ سنتے رہے، پھر آپ نے اس کی حاجت پوری کی اور مجھے لے کر اپنے گھر آ گئے۔ میں نے دل میں سوچا، اللہ کی قسم! یہ بادشاہ نہیں ہیں۔ بھلا بادشاہوں میں اتنا صبر و حوصلہ اور عجز و انکسار کہاں؟

آپ اندر تشریف لائے تو مجھے کھجور کے پتوں سے بھرا ایک تکیہ دیا اور فرمایا: ”اس پر بیٹھو۔“ میں نے عرض کیا: آپ اس پر تشریف رکھیں۔ مگر آپ نے اپنے مہمان کو تکیے پر بٹھایا اور خود زمین پر بیٹھ گئے۔ آپ اپنے مہمانوں کی بے حد عزت افزائی کیا کرتے تھے۔

پھر آپ نے عدی کے ساتھ درج ذیل گفتگو فرمائی:

رسول اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا: ”اے عدی! کیا تم اس بات سے فرار اختیار کر رہے ہو کہ تمھیں اس بات کی گواہی دینی پڑے گی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ کیا تم اللہ کے سوا کوئی سچا معبود

جانتے ہو؟''

عدی بن حاتم: نہیں، اللہ کے سوا کوئی سچا معبود میرے علم میں نہیں۔

رسول اللہ ﷺ: ''تو پھر تم اس لیے بھاگے پھرتے ہو کہ تمھیں ''اللہ اکبر'' (اللہ سب سے بڑا ہے) نہ کہنا پڑے، کیا کوئی چیز اللہ سے بڑی ہے؟''

عدی بن حاتم: نہیں، اللہ سے بڑی اور برتر کوئی چیز نہیں ہے۔

رسول اللہ ﷺ: ''اے عدی! مسلمان ہو جاؤ تو تم محفوظ ہو جاؤ گے، تمھاری جان اور مال بچ جائے گا۔''

عدی بن حاتم: میں ایک دیندار آدمی ہوں۔

رسول اللہ ﷺ: ''میں تمھارے دین کو تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ یہودی مغضوب علیہم جبکہ عیسائی گمراہ ہیں۔''

عدی بن حاتم: آپ میرے دین کو مجھ سے زیادہ جانتے ہیں؟

رسول اللہ ﷺ: ''ہاں، میں تم سے زیادہ جانتا ہوں، کیا تم رکوسی (عیسائی اور صابی فرقے کا ملا جلا عقیدہ رکھنے والے) نہیں ہو؟ تم اپنی قوم کی غنیمت (لوٹ) سے چوتھا حصہ وصول کرتے ہو، حالانکہ وہ تمھارے مذہب کے مطابق تمھارے لیے حلال نہیں ہے۔''

عدی بن حاتم: بالکل ایسے ہی ہے۔ آپ کے ان ارشادات کے بعد میں آپ کی عظمت کو تسلیم کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مجھے یقین ہو گیا ہے کہ آپ واقعی اللہ کے سچے رسول ہیں اور آپ کو غیب کی باتیں بتائی جاتی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ: ''اے عدی! ممکن ہے تم اس لیے اسلام قبول نہیں کر رہے کہ تم سوچتے ہو گے کہ اس نبی کے پیروکار نہایت غریب و مساکین ہیں۔ ایسے کمزور و ناتواں جنھیں عربوں نے دھتکارا ہوا تھا، وہ مسلمان ہو رہے ہیں۔ کوئی امیر زادہ، رئیس و سردار مسلمان نہیں ہو رہا؟ اللہ کی قسم! عنقریب مال وافر ہو جائے گا، غربت ختم ہو جائے گی حتی کہ (زکاۃ کا) مال لینے والا نہیں ملے گا۔ ممکن ہے تمھارے دل میں ہو کہ مسلمان بہت کم ہیں اور ان کے دشمنوں کی کثرت ہے۔ اللہ کی قسم! عنقریب تم سنو گے کہ اکیلی عورت قادسیہ (یا فرمایا: الحیرہ جو کہ کوفہ کے نواح میں ہے) سے چلے گی اور بیت اللہ کا طواف کرے گی، اسے کسی کا خوف نہیں ہوگا، وہ پرامن سفر کرے گی۔ عنقریب کسریٰ بن ہرمز کے خزانے فتح ہوں گے اور مسلمانوں کی ملکیت بنیں گے۔''

عدی بن حاتم: کسریٰ بن ہرمز کے خزانے؟

رسول اللہ ﷺ: ''ہاں کسریٰ بن ہرمز کے خزانے، مسلمانوں میں مال و دولت کی ریل پیل ہو جائے گی حتی کہ اسے

لینے والا نہیں ملے گا۔ عنقریب ارض بابل کے سفید محلات مسلمانوں کے قبضے میں ہوں گے۔''

عدی بن حاتم: اے اللہ کے رسول! میں آپ پر ایمان لاتا ہوں اور آپ کی پیروی قبول کرتا ہوں۔

آیئے عدی بن حاتم کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی ایمان افروز گفتگو امام بخاری رحمہ اللہ کی روایت میں پڑھتے ہیں:

سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ایک دفعہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شخص آیا اور اس نے آپ ﷺ کے پاس فقر و فاقہ کی شکایت کی۔ پھر ایک دوسرا آدمی آیا تو اس نے ڈاکا زنی کا شکوہ کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے عدی! تم نے حیرہ شہر دیکھا ہے؟'' میں نے کہا: دیکھا تو نہیں، البتہ اس کا نام ضرور سنا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تمھاری زندگی کچھ اور لمبی ہوئی تو تم دیکھو گے کہ ایک عورت حیرہ شہر سے روانہ ہوگی، بیت اللہ کا طواف کرے گی، اسے اللہ کے سوا کسی کا بھی خوف نہیں ہوگا۔'' میں نے دل میں خیال کیا



کہ قبیلۂ طے کے ڈاکو کہاں چلے جائیں گے جنھوں نے تمام شہروں میں آگ لگا رکھی ہے؟ (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:) ''اگر تم کچھ اور دنوں تک زندہ رہے تو تم کسریٰ کے خزانے فتح کرو گے۔'' میں نے عرض کیا: کسریٰ بن ہرمز کے (خزانے)؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں، کسریٰ بن ہرمز کے (خزانے)۔ اگر تمھاری زندگی دراز ہوئی تو تم یہ بھی دیکھو گے کہ ایک شخص اپنے ہاتھ میں سونا چاندی بھر کر نکلے گا۔ اسے کسی ایسے شخص کی تلاش ہوگی جو اسے قبول کرے لیکن اسے کوئی ایسا شخص نہیں ملے گا جو اسے قبول کرے۔ تم میں سے ہر آدمی اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملاقات کرے گا کہ اللہ اور اس کے درمیان کوئی ترجمان نہیں ہوگا جو ترجمانی کے فرائض سرانجام دے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا میں نے تیرے پاس رسول نہیں بھیجا تھا جس نے تجھے میرے احکام پہنچائے ہوں؟ وہ عرض کرے گا: بے شک تو نے بھیجا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا میں نے تجھے مال و دولت سے نہیں نوازا تھا؟ کیا میں نے تجھے اس کے ذریعے سے برتری نہیں دی

تھی؟ وہ عرض کرے گا: کیوں نہیں، سب کچھ دیا تھا۔ پھر وہ اپنی دائیں طرف دیکھے گا تو اسے جہنم کے علاوہ اور کچھ نظر نہیں آئے گا۔ پھر وہ بائیں جانب نظر کرے گا تو ادھر بھی دوزخ کے علاوہ اور کچھ نظر نہیں آئے گا۔'' سیدنا عدی ﷜ کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''جہنم کی آگ سے بچو اگرچہ کھجور کے ایک ٹکڑے کے ذریعے ہی سے کیوں نہ ہو اور جو کوئی کھجور کا ٹکڑا نہ پائے تو وہ لوگوں سے اچھی بات کہہ کر جہنم سے بچے۔''[1]

عدی بن حاتم نے اسلام قبول کیا تو رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک خوشی سے کھل اٹھا۔ آپ نے انھیں ایک انصاری صحابی کے گھر ٹھہرایا۔

امام ترمذی اور بیہقی ﷭ نے سیدنا عدی بن حاتم ﷜ کی زبانی یہ روایت بیان کی ہے کہ میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میرے گلے میں سنہری صلیب لٹک رہی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«يَا عَدِيُّ! اِطْرَحْ عَنْكَ هٰذَا الْوَثَنَ»

''اے عدی! یہ بت اتار پھینکو۔''

پھر میں نے آپ کو یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے سنا: ﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ (التوبة 9:31) ''انھوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور درویشوں کو رب بنا لیا۔'' میں نے عرض کیا: عیسائی اپنے علماء و مشائخ کی عبادت تو نہیں کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَمَا إِنَّهُمْ لَمْ يَكُونُوا يَعْبُدُونَهُمْ وَلٰكِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا أَحَلُّوا لَهُمْ شَيْئًا اسْتَحَلُّوهُ وَ إِذَا حَرَّمُوا عَلَيْهِمْ شَيْئًا حَرَّمُوهُ»

''انھوں نے اپنے علماء و مشائخ کی عبادت تو نہیں کی لیکن جب وہ ان کے لیے کوئی چیز حلال قرار دیتے تھے تو وہ اسے اپنے لیے حلال کر لیتے تھے، اور جب وہ ان کے لیے کسی چیز کو حرام قرار دیتے تھے تو وہ اسے حرام سمجھتے تھے۔''[2]

[1] صحيح البخاري: 3595 و 1412. [2] جامع الترمذي: 3095، السنن الكبرٰى للبيهقي: 10/116.

واقعۂ ایلاء

ایلاء کے لغوی معنی قسم کھانے کے ہیں۔ اس کا شرعی مفہوم یہ ہے کہ خاوند قسم کھالے کہ وہ ایک معین مدت تک اپنی بیوی سے تعلق نہیں رکھے گا۔

ایسی صورت میں اگر خاوند مدت پوری ہونے سے پہلے تعلقات قائم کر لے تو اسے کفارۂ قسم ادا کرنا ہوگا۔ قسم کا کفارہ قرآن مجید کی اس آیت میں مذکور ہے:

﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴾

”اللہ تمھاری بلا ارادہ قسموں پر تمھیں نہیں پکڑے گا، لیکن ان قسموں پر ضرور پکڑے گا جو تم نے مضبوط باندھ لیں، پھر اس کا کفارہ دس مسکینوں کو درمیانے درجے کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے اہل وعیال کو کھلاتے ہو یا انھیں کپڑے پہنانا ہے یا ایک گردن (غلام) آزاد کرنا ہے، پھر جو اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اسے تین دن کے روزے رکھنا ہے۔ یہ تمھاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھا (کر توڑ) بیٹھو۔ اور تم اپنی قسموں کی حفاظت کرو، اللہ اسی طرح تمھارے لیے اپنی آیتیں بیان کرتا ہے تاکہ تم شکر کرو۔“ [1]

ہاں اگر مدت ایلاء پوری کرنے کے بعد تعلق قائم کرتا ہے تو پھر اس پر کوئی کفارہ نہیں ہوگا۔

ایلاء کی مدت ایک ماہ بھی ہوسکتی ہے اور اس سے زیادہ بھی۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے اس کی زیادہ سے زیادہ مدت چار ماہ مقرر کی ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے چار ماہ کا ایلاء کرتا ہے تو چار ماہ بعد اسے اپنی بیوی سے تعلقات قائم کرنا ہوں گے یا اسے طلاق دے کر فارغ کرنا ہوگا۔ اسے بلا وجہ اس سے زائد عرصے کے لیے معلّق رکھنا جائز نہیں ہے۔ اگر دونوں صورتوں میں سے کسی پر بھی عمل نہیں کرتا تو عدالت اسے مجبور کرے گی کہ وہ دو میں سے کسی

[1] المآئدة 5:89.

ایک چیز کا انتخاب کرے۔ اچھے طریقے سے عورت کو بسا لے یا عمدہ طریقے سے فارغ کر دے۔ عورت پر بلاوجہ ظلم نہ کیا جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات سے ایک ماہ کا ایلاء کیا تھا۔ ایک ماہ پورا ہونے پر آپ نے اپنی ازواج سے تعلق استوار کیا اور ایلاء کو ختم کر دیا۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں سے تعلق نہ رکھنے کی قسم اٹھائی۔ ان دنوں آپ کے پاؤں کو موچ بھی آگئی تھی۔ آپ بالاخانے میں انتیس دن تک ٹھہرے رہے، پھر اترے تو حاضرین نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ نے تو ایک ماہ تک بیویوں کے پاس نہ جانے کی قسم اٹھائی تھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«اَلشَّهْرُ تِسْعٌ وَّعِشْرُونَ»

''یہ مہینہ انتیس دن کا ہے۔''[1]

قرآن مجید میں سورۃ البقرہ میں ایلاء کا تذکرہ ان الفاظ میں آیا ہے:

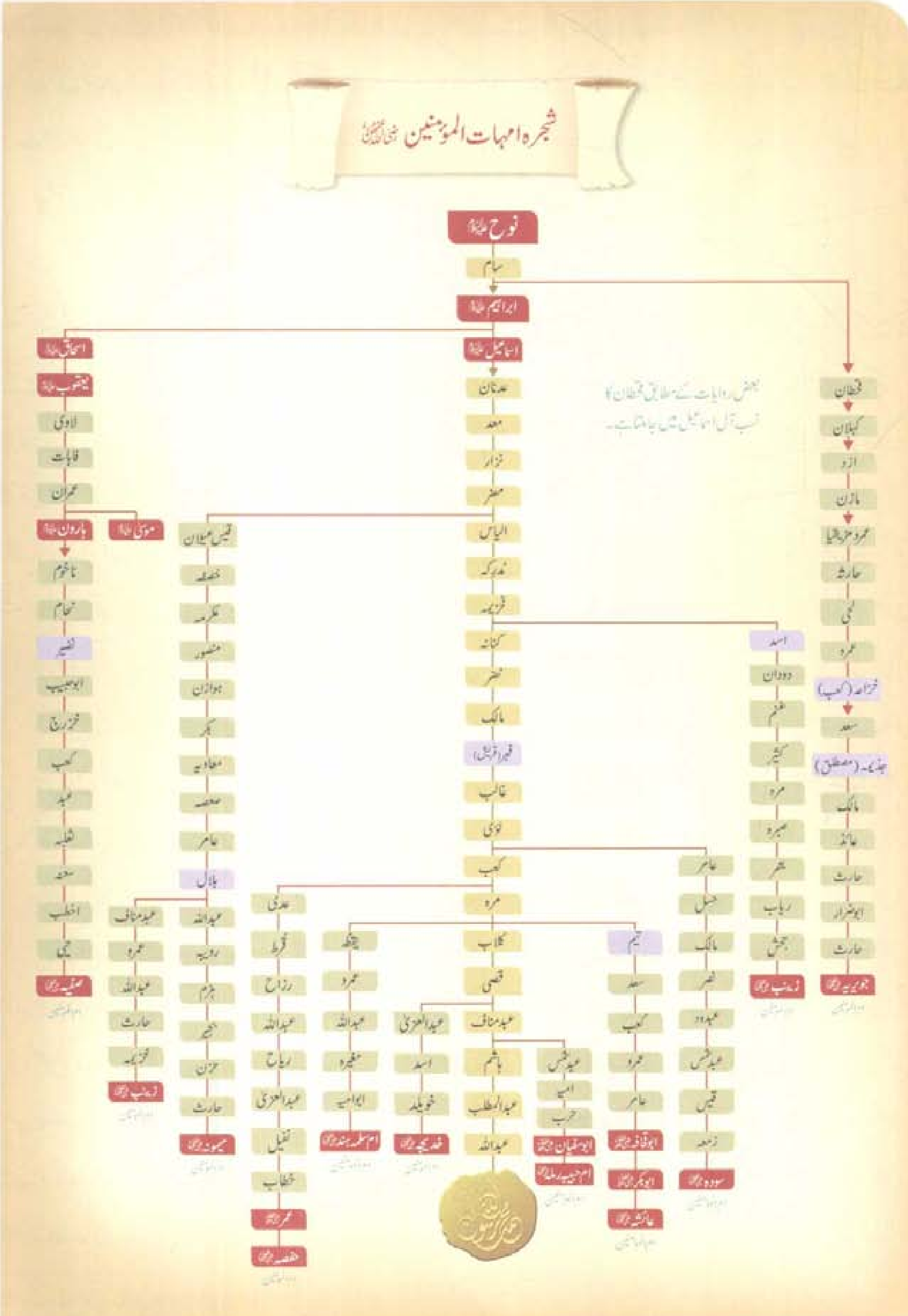
﴿لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآىِٕهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○﴾

''جو لوگ اپنی عورتوں کے پاس نہ جانے کی قسم کھا لیتے ہیں، ان کے لیے چار ماہ انتظار کرنا ہے، پھر اگر وہ رجوع کر لیں تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔ اور اگر انھوں نے طلاق ہی کی ٹھان لی ہو تو بے شک اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔''[2]

قرآن مجید کی ان آیات اور رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مدت ایلاء چار مہینے مکمل ہونے پر عورت کو طلاق نہیں ہوتی جب تک کہ خاوند اسے طلاق نہ دے دے۔ اگر اس نے طلاق دے دی یا عدالت نے اسے مجبور کر کے طلاق دلوا دی تو پھر طلاق واقع ہو جائے گی۔ جن علماء نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ چار ماہ کی مدت مکمل ہوتے ہی خود بخود عورت کو طلاق ہو جائے گی، ان کا موقف درست نہیں ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کا فتویٰ نقل کیا ہے کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے: وہ ایلاء جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے (قرآن مجید میں) کیا ہے، اس کے مطابق مدت پوری ہونے کے بعد کسی کے لیے جائز نہیں (کہ

[1] صحيح البخاري: 5289. [2] البقرة 2:227،226.



شجرہ امہات المومنین رضی اللہ عنہن
نوح علیہ السلام
سام
ابراہیم علیہ السلام
اسحاق علیہ السلام
اسماعیل علیہ السلام
یعقوب علیہ السلام
لاوی
قاہات
عمران
ہارون علیہ السلام
موسیٰ علیہ السلام
عدنان
معد
نزار
مضر
الیاس
مدرکہ
خزیمہ
کنانہ
نضر
مالک
فہر (قریش)
غالب
لوی
کعب
مرہ
کلاب
قصی
عبدمناف
ہاشم
عبدالمطلب
عبداللہ
قیس عیلان
عدی
عبدالعزیٰ
خویلد
عبدشمس
حرب
ابوسفیان
تیم
عامر
قحطان
کہلان
ازد
مازن
حارثہ
عمرو
بعض روایات کے مطابق قحطان کا نسب آل اسماعیل میں جا ملتا ہے۔
صفیہ رضی اللہ عنہا
زینب رضی اللہ عنہا
میمونہ رضی اللہ عنہا
عمر رضی اللہ عنہ
حفصہ رضی اللہ عنہا
ام سلمہ ہند رضی اللہ عنہا
خدیجہ رضی اللہ عنہا
ام حبیبہ رملہ رضی اللہ عنہا
ابوبکر رضی اللہ عنہ
عائشہ رضی اللہ عنہا
سودہ رضی اللہ عنہا
جویریہ رضی اللہ عنہا

ایلاء کو جاری رکھے) وہ قاعدے کے مطابق اسے اپنے پاس رکھے یا پھر طلاق دے۔

یہ بھی فرمایا کہ چار مہینے گزر جانے کے بعد اسے قاضی کے سامنے پیش کیا جائے گا، یہاں تک کہ وہ طلاق دے دے اور طلاق اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک وہ طلاق نہ دے دے۔

یہ فتویٰ سیدنا عثمان، علی، ابو درداء، سیدہ عائشہ اور دیگر بارہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔[1]

ازواج مطہرات سے ایلاء کی وجہ

رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات سے ایک ماہ تک بائیکاٹ کیا، ان سے تعلقات منقطع کیے اور ایک ماہ تک اپنے بالا خانے میں تشریف فرما رہے۔ اس کی وجہ میں علمائے کرام نے تین واقعات ذکر کیے ہیں۔ یہ تینوں واقعات پے در پے واقع ہوئے ہیں، اس لیے ان تینوں ہی کو وجہ ایلاء قرار دیا گیا ہے۔ آئیے وہ تین واقعات ملاحظہ فرمائیں:

1 آپ کی ازواج مطہرات زہد و قناعت اور صبر وتحمل کے بلند مقام پر فائز تھیں۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی زاہدانہ زندگی اور آپ کی پُر وقار سادگی میں آپ کا بھرپور ساتھ دیا۔ رسول اللہ ﷺ بھی اپنے پاس موجود ہر نعمت فوراً عطا کر دیتے تھے۔ کبھی سنبھالنے اور ذخیرہ کرنے کی نوبت نہ آئی تھی۔ پھر فتوحات کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کی فراوانی فرما دی۔ مال غنیمت کی کثرت نے اہل اسلام کو خوشحال کر دیا۔ ازواج مطہرات بھی بہر حال معاشرے کا ایک حصہ تھیں۔ دیگر گھروں میں مال کی فراوانی دیکھی تو انھوں نے بھی نان و نفقے میں اضافے کی درخواست کر دی۔ آپ نہایت سادگی پسند تھے۔ آپ کو ازواج مطہرات کا یہ مطالبہ ناگوار گزرا۔ خصوصاً اس لیے بھی کہ اس وقت آپ کے پاس اضافی مال موجود بھی نہیں تھا۔ آپ سخت کبیدہ خاطر ہوئے۔

مسند احمد اور صحیح مسلم میں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس کی تفصیل کچھ یوں ہے، وہ فرماتے ہیں: سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور انھوں نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت مانگی تو انھیں اجازت مل گئی۔ اس وقت آپ کے حجرۂ مبارک کے دروازے پر کافی صحابہ کرام جمع تھے۔ اتنے میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی آ گئے۔ انھوں نے اندر حاضر ہونے کی اجازت مانگی تو انھیں بھی اجازت مل گئی۔ انھوں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ بالکل خاموش بیٹھے ہیں۔ آپ کے پاس آپ کی ازواج مطہرات بھی موجود تھیں۔ صورت حال کچھ خوشگوار نہیں تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے دل میں سوچا کہ میں کوئی ایسی بات کرتا

[1] صحیح البخاري: 5291,5290.

ہوں جس سے نبی کریم ﷺ ہنس پڑیں۔ لہٰذا میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اگر میری بیوی بنت خارجہ مجھ سے نفقے کا سوال کرے تو میں اسکی گردن دبا دوں گا۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ بے اختیار ہنس پڑے حتی کہ آپ کے موتیوں جیسے خوبصورت دندان مبارک واضح ہوگئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«هُنَّ حَوْلِي كَمَا تَرٰى يَسْأَلْنَنِي نَفَقَةً»

''یہ میری بیویاں جنھیں تم دیکھ رہے ہو، یہ بھی نفقہ مانگنے کے لیے ہی جمع ہیں۔''

آپ کا یہ فرمان سن کر شیخین کو ماحول کی درشتی کی وجہ سمجھ میں آگئی۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فوراً اٹھے اور اپنی لخت جگر عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ڈانٹ ڈپٹ کرنے لگے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنی صاحبزادی سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی طرف بڑھے اور انھیں ڈانٹا۔

دونوں اصحاب نے اپنی صاحبزادیوں کو سرزنش کرتے ہوئے فرمایا: ''تم رسول اللہ ﷺ سے وہ چیز مانگ رہی ہو جو آپ کے پاس موجود ہی نہیں ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے اپنے دوستوں کے تیور دیکھے تو انھیں مزید سختی کرنے سے روکا۔ دونوں صاحبزادیوں نے بھی فوراً کہا کہ آئندہ ہم کبھی آپ سے ایسی چیز کا مطالبہ نہیں کریں گی جو آپ کے پاس موجود نہ ہو۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی صاحب زادی سے یہ بھی فرمایا: تمھیں جس چیز کی ضرورت ہو، وہ مجھ سے مانگ لیا کرو اور رسول اللہ ﷺ کو تکلیف دینے سے ہمیشہ بچو۔ فرمانبردار لخت جگر نے بھی فوراً اطاعت کی۔

آپ نے ایک ماہ تک ازواج مطہرات کا بائیکاٹ کیا جسے ایلاء سے یاد کیا جاتا ہے۔ اللہ رب العزت نے اپنے نبی کی دلجوئی فرمائی اور یہ مطالبہ کرنے والی ازواج کو تنبیہ فرمائی۔ ارشاد ہوا:

﴿يَأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝ وَإِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَإِنَّ اللّٰهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيْمًا ۝﴾

''اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دیجیے: اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمھیں کچھ (دنیوی) سامان دے دوں اور تمھیں بہت ہی اچھے طریقے سے رخصت کردوں۔ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کے گھر کو چاہتی ہو تو بلاشبہ اللہ نے تم میں سے نیک کام کرنے والیوں کے لیے بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔''[1]

[1] الأحزاب 33:28،29.

یہ آیات نازل ہوئیں تو آپ ﷺ نے سب سے پہلے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو سنائیں اور انھیں فرمایا:

«إِنِّي ذَاكِرٌ لَكِ أَمْرًا، مَا أُحِبُّ أَنْ تَسْتَعْجِلِي فِيهِ حَتَّى تَسْتَأْمِرِي أَبَوَيْكِ»

''میں تمھیں ایک بات کہنے لگا ہوں لیکن میں یہ پسند نہیں کرتا کہ تم اپنے والدین سے مشورہ کیے بغیر جلدی سے جواب دو۔''

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے فوراً عرض کی: بھلا میں آپ کے بارے میں مشورہ کروں گی؟ میں اللہ اور اس کے رسول کو پسند کرتی ہوں، مجھے ان کے علاوہ کچھ نہیں چاہیے۔ پھر عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ اپنی بیویوں کو میرا انتخاب نہ بتائیے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا تَسْأَلُنِي امْرَأَةٌ مِّنْهُنَّ إِلَّا أَخْبَرْتُهَا، إِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَبْعَثْنِي مُعَنِّتًا وَّلَا مُتَعَنِّتًا وَّلٰكِنْ بَعَثَنِي مُعَلِّمًا مُّيَسِّرًا»

''جس عورت نے بھی مجھ سے تمھارے اختیار کے بارے میں پوچھا تو میں اسے بتا دوں گا۔ یقیناً اللہ نے مجھے سختی اور درشتی کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا۔ اس نے مجھے آسانی کرنے والا معلم بنا کر بھیجا ہے۔''

پھر آپ ﷺ نے یہی آیت تخییر دیگر ازواج کو بھی سنائی۔ سبھی نے دنیا کی زیب و زینت اور عیش و عشرت کے بجائے اللہ اور اس کے رسول کی محبت کو ترجیح دی۔ اس وقت آپ کے حبالہ عقد میں نو بیویاں تھیں جن میں پانچ قریشی، سیدہ عائشہ صدیقہ، سیدہ حفصہ، سیدہ ام حبیبہ، سیدہ سودہ اور سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہن شامل تھیں۔ دیگر قبائل سے سیدہ صفیہ، سیدہ میمونہ، سیدہ زینب اور سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہن شامل تھیں۔ [1]

2 رسول اللہ ﷺ کا معمول مبارک یہ تھا کہ آپ عصر کے بعد تمام ازواج مطہرات کے گھروں میں تشریف لے جاتے۔ حال احوال پوچھتے اور اگر ان کی کوئی حاجت ہوتی تو پوری فرما دیتے۔ پھر شام کو جس زوجہ محترمہ کی باری ہوتی، اس کے گھر میں شب باشی کرتے۔ آپ کو شہد اور مٹھائی بہت پسند تھی۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو کہیں سے شہد میسر آیا تو انھوں نے اسے سنبھال کر رکھ لیا۔ جب آپ ان کے گھر تشریف لاتے تو وہ آپ کو شہد پیش کرتیں۔ اس طرح ان کے گھر میں آپ کچھ زیادہ وقت گزارتے۔ دیگر ازواج نے یہ بات نوٹ کی کہ آپ سیدہ زینب کے گھر دوسری ازواج کی نسبت زیادہ وقت گزارتے ہیں۔ اگرچہ ازواج مطہرات تقویٰ،

1 تفصیل کے لیے دیکھیے: صحیح البخاري: 4786، صحیح مسلم: 1475-1478، مسند أحمد: 328/3، تفسیر ابن کثیر، التحریم 1:66.



پرہیزگاری اور صبر و شکر میں ممتاز مقام کی حامل تھیں مگر پھر بھی انسانی کمزوری کے تقاضے کبھی کبھی ان پر غالب آ جاتے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے پروگرام بنایا کہ رسول اللہ ﷺ جب سیدہ زینب کے گھر سے تشریف لائیں تو تم کہنا: حضور! آپ کے دہن مبارک سے مغافیر کی مہک آ رہی ہے (مغافیر کی بو ناگوار ہوتی ہے)۔ جب رسول اللہ ﷺ سیدہ عائشہ اور حفصہ رضی اللہ عنہما کے گھر تشریف لائے تو دونوں محترمات نے پروگرام کے مطابق کہا: حضور! آپ کے منہ سے مغافیر کی بو آ رہی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے تو شہد پیا ہے۔'' کہنے لگیں: تو پھر شہد کی مکھی نے عرفط پھول سے رس لیا ہوگا بس اسی کی بُو ہے۔ رسول اللہ ﷺ نہایت اعلیٰ اخلاق کریمہ کے مالک تھے۔ آپ ہمیشہ صاف ستھرا رہنا پسند کرتے تھے۔ آپ کے منہ سے مہک آئے، یہ ممکن نہ تھا۔ اور آپ ایسی حالت کبھی پسند نہ فرماتے تھے، اس لیے فوراً حفصہ سے کہہ دیا: ''اچھا، اگر بات ایسے ہی ہے تو میں آئندہ شہد نہیں پیوں گا۔'' پھر انھیں منع کیا کہ یہ بات کسی کو نہ بتانا۔ مگر سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے یہ راز سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو بتا دیا جس پر اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیات نازل فرمائیں:

﴿ يَاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝ وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ۭ قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝ اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ۝ عَسٰى رَبُّهٗٓ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗٓ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰۗىِٕبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰۗىِٕحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا ۝ ﴾ (التحریم 66:1-5)

''اے نبی! آپ کیوں حرام ٹھہراتے ہیں جو اللہ نے آپ کے لیے حلال کیا ہے؟ آپ اپنی بیویوں کی رضامندی چاہتے ہیں۔ اور اللہ خوب بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔ تحقیق اللہ نے تمھارے لیے

تمھاری قسموں کا کفارہ مقرر کر دیا ہے، اور اللہ تمھارا مولا ہے، اور وہ خوب جاننے والا، خوب حکمت والا ہے۔ اور جب نبی نے اپنی کسی بیوی سے ایک بات چھپا کر کہی، پھر جب اس (بیوی) نے (دوسری کو) وہ (بات) بتا دی اور اللہ نے وہ (گفتگو) اس (نبی) پر ظاہر کر دی تو اس (نبی) نے اس میں سے کچھ (اس بیوی کو) جتائی اور کچھ سے اعراض کیا، پھر جب اس (نبی) نے اسے وہ (راز فاش کرنے کی) بات بتائی تو وہ کہنے لگی: آپ کو یہ کس نے بتایا ہے؟ نبی نے فرمایا: مجھے خوب جاننے والے، خوب باخبر (اللہ) نے خبر دی ہے۔ اگر تم دونوں اللہ سے توبہ کرتی ہو (تو بہتر ہے) پس یقیناً تمھارے دل (حق سے) ہٹ گئے ہیں، اور اگر تم دونوں اس (نبی) کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کرو گی تو یقیناً اللہ خود اس کا مددگار ہے اور جبریل اور صالح مومن اور ان کے بعد تمام فرشتے (بھی) مددگار ہیں۔ اگر وہ (نبی) تمھیں طلاق دے دے تو قریب ہے کہ اس کا رب اس کو تم سے بہتر بیویاں بدلے میں دے دے، مسلمان، مومن، فرمانبردار، توبہ کرنے والیاں، عبادت گزار، روزے دار، شوہر دیدہ اور کنواریاں۔‘‘ [1]

صحیح بخاری اور مسلم کی ایک روایت میں یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے شہد پیش کیا تھا اور آپ ان کے گھر میں کچھ اضافی وقت گزارتے تھے۔ نیز عائشہ اور سیدہ سودہ رضی اللہ عنہما نے پروگرام بنا کر آپ کو شہد حرام کرنے پر مجبور کیا تھا۔ [2]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ دو الگ الگ واقعات ہیں۔ اور ان کے دو ہونے میں کوئی مشکل بھی نہیں، البتہ دونوں واقعات آیات تحریم کے نزول کا سبب ہوں، تو اس میں غور وفکر کی ضرورت ہے۔ بظاہر یہ ممکن نہیں۔ [3] واللہ اعلم.

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے ہاں شہد پینے کا واقعہ پہلے پیش آیا۔ اس میں آپ کے شہد کو حرام قرار دینے اور اس کے بارے میں کچھ نازل ہونے کی صراحت نہیں۔ اس کے بعد جب آپ نے زینب رضی اللہ عنہا کے گھر شہد پیا تو عائشہ اور حفصہ رضی اللہ عنہما نے آپ کو روکنے کے لیے گٹھ جوڑ کیا، چنانچہ اس وقت آپ نے شہد کو حرام قرار دے دیا تو درج بالا آیات مبارکہ نازل ہوئیں۔ [4]

3 ایلاء کی تیسری وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدہ ماریہ قبطیہ کے ساتھ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر

---

[1] تفسیر ابن کثیر، التحریم 66:1-5، صحیح البخاري: 4912، صحیح مسلم: 1474. [2] صحیح البخاري: 5268، صحیح مسلم: 1474. [3] تفسیر ابن کثیر، التحریم 66:1. [4] فتح الباري: 9/466,467.

اپنی خواہش پوری کی۔ سیدہ حفصہ اس وقت گھر پر نہ تھیں۔ جب وہ واپس آئیں اور سیدہ ماریہ قبطیہ کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اپنے گھر میں دیکھا تو انھیں ناگوار گزرا۔ وہ ناراض ہو گئیں، کہنے لگیں: اے اللہ کے رسول! آپ میرے گھر میں میرے بستر پر......؟

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میں آئندہ اس سے تعلق نہیں رکھوں گا۔ تم یہ بات کسی کو نہ بتانا۔“ مگر سیدہ حفصہ یہ راز سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو بتا بیٹھیں جس پر مذکورہ بالا آیات نازل ہوئیں۔[1]

مذکورہ بالا تین واقعات کو ایلاء کی وجہ قرار دیا جاتا ہے۔ آپ نے ایک ماہ تک اپنی بیویوں سے بائیکاٹ جاری رکھا۔ پھر ایک ماہ بعد اپنی بیویوں سے رجوع کیا۔

ائمہ حدیث نے اس واقعے کو مختلف پیرائے میں بیان کیا ہے۔ امام المحدثین بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے متعدد مسائل اخذ کیے ہیں۔ آیئے صحیح بخاری کی روایت کو پڑھتے ہیں:

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: میری یہ خواہش رہی کہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت کروں کہ نبی ﷺ کی بیویوں میں سے وہ کون سی دو بیویاں ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ”اگر تم دونوں اللہ کی طرف توبہ اور رجوع کرو (تو بہتر ہے) پس تمھارے دل (حق سے) کچھ ہٹ گئے ہیں۔“ واقعہ یہ ہوا کہ میں ان کے ہمراہ حج کو گیا تو وہ (قضائے حاجت کے لیے) راستے سے ایک طرف ہٹے۔ میں بھی پانی کا مشکیزہ لیے ان کے ہمراہ ہو گیا، چنانچہ جب آپ قضائے حاجت سے فارغ ہو کر واپس آئے تو میں نے ان کے ہاتھوں پر مشکیزے سے پانی ڈالا۔ انھوں نے وضو کیا تو میں نے عرض کیا: اے امیرالمومنین! نبی ﷺ کی ازواج مطہرات میں سے وہ کون سی دو عورتیں ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ”اگر تم دونوں اللہ سے توبہ کرو (تو تمھارے لیے بہتر ہے) پس تمھارے دل (حق سے) کچھ ہٹ گئے ہیں۔“ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ابن عباس! تم پر تعجب ہے۔ وہ سیدہ عائشہ اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہما ہیں۔

پھر سیدنا عمر فاروق نے پورا واقعہ بیان کرنا شروع کیا۔ انھوں نے فرمایا: میں اور میرا ایک انصاری ہمسایہ بنو امیہ بن زید کے محلے میں رہتے تھے ...... یہ قبیلہ عوالی مدینہ میں رہتا تھا ...... ہم نبی ﷺ کے پاس باری باری آیا کرتے تھے۔ ایک دن وہ آتا اور دوسرے دن میں حاضر ہوتا۔ جب میں آتا تو اس دن کے جملہ احکام وحی اس کو بتاتا اور جب وہ آتا تو وہ بھی اسی طرح کرتا۔ ہم قریشی لوگ عورتوں کو اپنے دباؤ میں رکھتے تھے لیکن جب ہم انصار

[1] تفسیر ابن کثیر، التحریم 66:1-5.

میں آئے تو ہم نے دیکھا کہ ان کی عورتیں ان پر غالب رہتی ہیں۔ ان کی دیکھا دیکھی ہماری عورتیں بھی ان کے طور طریقے اختیار کرنے لگیں۔ ایک روز ایسا ہوا کہ میں نے اپنی بیوی کو ڈانٹا تو اس نے فوراً مجھے جواب دیا۔ اس کی یہ بات مجھے بری لگی تو اس نے کہا: اگر میں نے تمھاری بات کا جواب دیا ہے تو برا کیوں مناتے ہو؟ اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کی بیویاں بھی آپ کو جواب دیتی ہیں۔ ان میں سے کوئی کوئی ایسی بھی ہیں جو دن سے لے کر رات تک آپ سے بات چیت نہیں کرتیں۔

مجھے اس بات سے بہت گھبراہٹ ہوئی۔ میں نے دل میں کہا: ان میں سے جس نے ایسا کیا، وہ عظیم خسارے میں ہے۔ پھر میں نے اپنے کپڑے پہنے اور (اپنی بیٹی) سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا اور اس سے کہا: حفصہ! کیا تم میں سے کوئی دن سے لے کر رات تک رسول اللہ ﷺ سے روٹھے رہتی ہے؟ انھوں نے کہا: جی ہاں! میں نے کہا: وہ تو نامراد رہی اور خسارے میں پڑ گئی۔ کیا تم اس بات سے بے خوف ہو کہ رسول اللہ ﷺ کی ناراضی کے باعث اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائے تو تم تباہ ہو جاؤ؟ (دیکھو!) رسول اللہ ﷺ سے زیادہ نہ مانگو اور آپ کو جواب بھی نہ دیا کرو اور آپ سے خفا نہ ہوا کرو۔ جو ضرورت ہو، وہ مجھ سے لے لو۔ اور یہ بات بھی تمھیں دھوکے میں نہ رکھے کہ تمھاری سوکن تم سے زیادہ خوبصورت اور رسول اللہ ﷺ کی زیادہ چہیتی ہے۔ انھوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو مراد لیا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم دونوں آپس میں اس طرح کی باتیں بھی کیا کرتے تھے کہ غسانی لوگ ہم پر چڑھائی کرنے کے لیے گھوڑوں کی نعل بندی (جنگ کی تیاری) کر رہے ہیں۔ ہوا یوں کہ میرا ساتھی اپنی باری کے دن شہر گیا اور عشاء کے وقت لوٹا تو میرا دروازہ زور سے کھٹکھٹایا اور کہا: کیا وہ یہاں (گھر میں) ہیں؟ میں نے یہ سنا تو بہت گھبرایا اور باہر نکلا تو اس نے کہا: ایک بہت بڑا حادثہ ہوا ہے۔ میں نے کہا: وہ کیا؟ کیا غسان کے لوگوں نے حملہ کر دیا ہے؟ اس نے کہا: نہیں بلکہ اس سے بھی بڑا واقعہ اور لمبی بات ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے۔ میں نے کہا: حفصہ کی قسمت پھوٹ گئی۔ میں پہلے ہی خیال کرتا تھا کہ عنقریب ایسا ہو جائے گا۔ میں نے اپنے کپڑے پہنے اور نماز فجر نبی ﷺ کے ہمراہ ادا کی۔

فراغت کے بعد آپ بالا خانے میں تشریف لے گئے اور وہاں تنہا بیٹھ گئے۔ میں سیدہ حفصہ کے پاس گیا، دیکھا کہ وہ رو رہی ہیں۔ میں نے پوچھا: کیوں رو رہی ہو؟ کیا میں نے تمھیں اس انجام سے آگاہ نہیں کیا تھا؟ کیا تمھیں رسول اللہ ﷺ نے طلاق دے دی ہے؟ اس نے کہا: مجھے معلوم نہیں۔

آپ ﷺ اس بالا خانے میں تشریف رکھتے ہیں۔ میں باہر نکل کر مسجد میں منبر کے پاس آیا تو دیکھا کہ وہاں کچھ لوگ بیٹھے رو رہے ہیں۔ میں بھی تھوڑی دیر کے لیے ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔ پھر وہ پریشانی مجھ پر غالب آئی جو مجھے لاحق تھی۔ میں اس بالا خانے کی طرف گیا جہاں آپ تشریف فرما تھے۔ وہاں میں نے آپ کے سیاہ فام غلام سے کہا: عمر کے لیے اجازت حاصل کرو۔ وہ اندر گیا، اس نے نبی ﷺ سے بات کی، پھر باہر نکلا اور کہنے لگا: میں نے آپ ﷺ سے تمھارا ذکر کیا ہے لیکن آپ خاموش رہے، چنانچہ میں واپس آ کر ان لوگوں کے ساتھ بیٹھ گیا جو منبر کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ پھر مجھے اس بات نے بے چین کر دیا جس کے لیے میں آیا تھا۔ میں دوبارہ غلام کے پاس آیا اور کہا: عمر کے لیے اجازت حاصل کرو۔ لیکن معاملہ پہلے کی طرح ہوا۔ میں پھر منبر کے قریب بیٹھے ہوئے لوگوں کے پاس بیٹھ گیا۔ پھر مجھے اس بات نے بے چین کر دیا جو میرے دل میں تھی۔ میں پھر غلام کے پاس آیا اور کہا: عمر کے لیے اجازت حاصل کرو۔ پھر معاملہ پہلے کی طرح ہوا۔ جب میں واپس ہونے لگا تو غلام نے مجھے آواز دی اور کہا: تمھیں رسول اللہ ﷺ نے اجازت دے دی ہے۔

یہ سن کر میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ کھجور کے پتوں سے بُنی ہوئی چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں۔ آپ کے جسم اور چٹائی کے درمیان کوئی بستر نہیں ہے اور کھجور کے پتوں کے نشانات آپ کے پہلو پر نمایاں ہیں۔ آپ ایک تکیے پر ٹیک لگائے ہوئے ہیں جس میں کھجور کے پتوں کا بھراؤ ہے۔ میں نے سلام کیا اور کھڑے ہی کھڑے عرض کیا: آپ نے ازواج کو طلاق دے دی ہے؟ آپ نے میری طرف نگاہ اٹھائی اور فرمایا: ''نہیں۔'' میں کھڑا کھڑا آپ کا موڈ بھانپ رہا تھا کہ کیسا ہے؟ میں نے دل بہلاوے کے طور پر کہا: اے اللہ کے رسول! ذرا ملاحظہ فرمائیں کہ ہم قریشی لوگ اپنی عورتوں کو دباؤ میں رکھتے تھے اور جب ایسے لوگوں میں آئے جن کی عورتیں ان پر غالب ہیں، میرا اتنا کہنا تھا کہ نبی ﷺ مسکرائے۔ پھر میں نے عرض کیا: کاش آپ مجھے اس وقت دیکھتے جب میں حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا اور میں نے اسے کہا: تمھیں یہ بات دھوکے میں نہ رکھے کہ تمھاری سوکن تم سے زیادہ خوبصورت اور نبی ﷺ کو زیادہ محبوب ہے۔ میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو مراد لیا تھا۔ تب بھی آپ مسکرا دیے۔ جب میں نے دیکھا کہ آپ مسکرا رہے ہیں تو میں بیٹھ گیا۔

میں نے آنکھ اٹھا کر دیکھا تو اللہ کی قسم! مجھے تین کچی کھالوں کے علاوہ وہاں کوئی چیز نظر نہ آئی۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ آپ کی امت پر وسعت کرے کیونکہ فارس اور روم کے لوگوں پر اللہ نے فراخی کی ہے اور انھیں خوب دنیا ملی، حالانکہ وہ اللہ کی عبادت نہیں کرتے۔ اس وقت آپ ﷺ

ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا: ''اے ابن خطاب! ایسی باتیں کرتے ہو، کیا تمھیں شک ہے؟ یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کو تمام لذتیں اسی دنیا کی زندگی میں دے دی گئی ہیں۔'' میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرے لیے استغفار فرمائیں۔

نبی ﷺ نے گوشہ تنہائی اس وجہ سے اختیار کیا تھا کہ سیدہ حفصہ نے سیدہ عائشہ سے ایک راز ظاہر کر دیا تھا اور اسی سلسلے میں آپ نے عہد کیا تھا: ''میں ان سے ایک مہینے تک ملاقات نہیں کروں گا۔'' پھر جب انتیس دن گزر گئے تو آپ ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ازسرنو عائلی زندگی کا آغاز فرمایا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے عرض کیا: آپ نے تو ایک مہینے تک ہمارے پاس نہ آنے کی قسم اٹھائی تھی، ابھی تو انتیس دن ہی گزرے ہیں، میں انھیں شمار کرتی رہی ہوں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''مہینہ انتیس دن کا بھی ہوتا ہے۔'' اور وہ مہینہ انتیس دن کا تھا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: جب آیت تخییر نازل ہوئی تو آپ ﷺ پہلے میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا: ''میں تم سے ایک بات کہہ رہا ہوں اور تم پر کوئی حرج نہیں ہوگا اگر تم جلدی نہ کروحتی کہ تم اپنے والدین سے مشورہ کر لو۔'' ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: میں جانتی ہوں کہ میرے والدین آپ کے فراق کا کبھی مشورہ نہیں دیں گے۔ پھر آپ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دیجیے،...... بہت بڑا (اجر تیار کر رکھا ہے)۔'' (الأحزاب 33:28,29) میں نے عرض کیا: آیا میں اس کے متعلق اپنے ماں باپ سے مشورہ کروں؟ میں تو اللہ، اس کے رسول اور دار آخرت ہی کو پسند کرتی ہوں۔ پھر آپ نے اپنی سب بیویوں کو اختیار دیا تو سب نے وہی جواب دیا جو اُم المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے دیا تھا۔ [1]

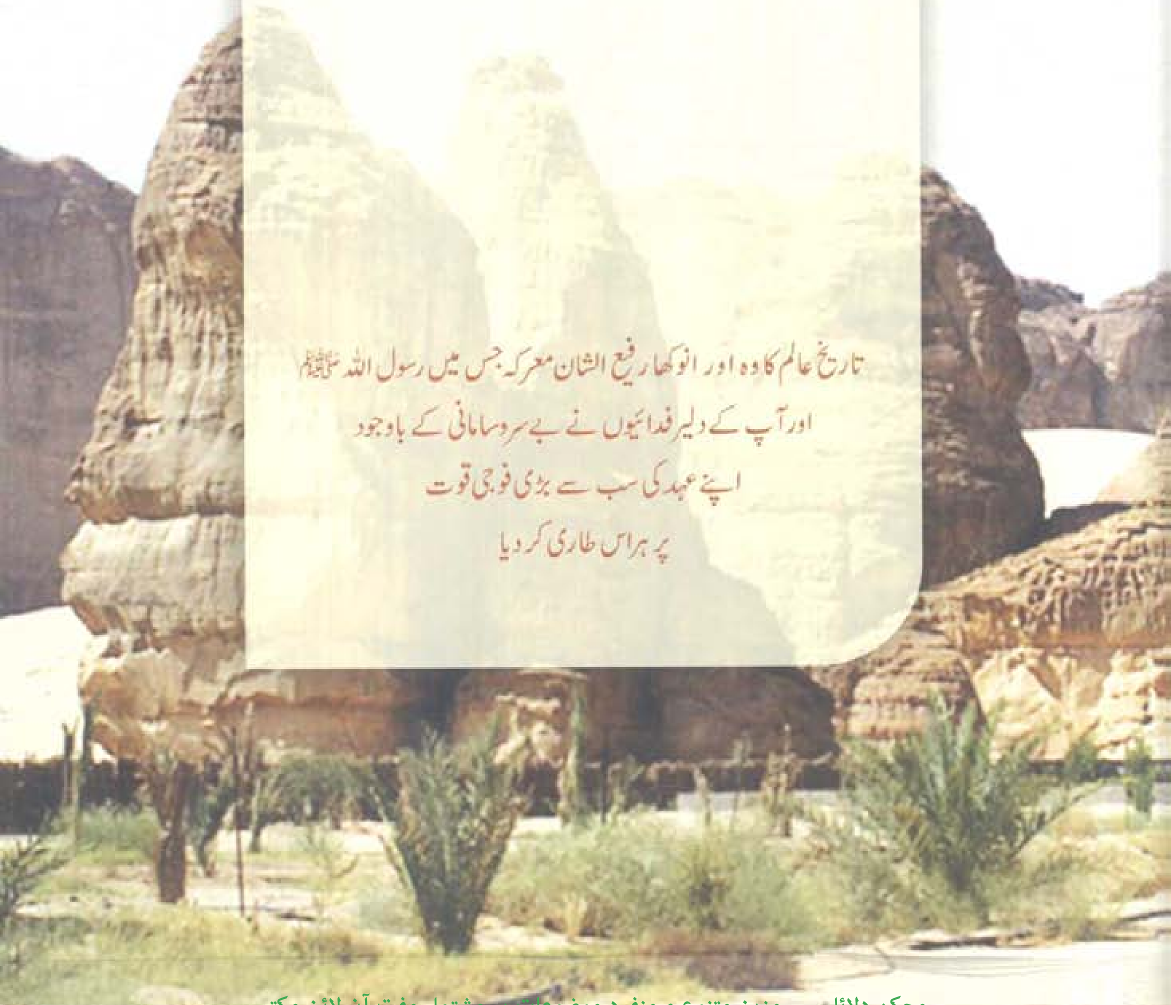
مضبوط ترین روایات کی وجہ سے یہی سبب راجح معلوم ہوتا ہے کہ ایلاء کی وجہ ازواج مطہرات کا اضافی نفقہ طلب کرنا تھا۔

نجاشی کی وفات

9ھ میں غزوۂ تبوک سے قبل مسلمانوں کے عظیم خیر خواہ نجاشی وفات پا گئے۔ رسول اللہ ﷺ کو وحی الٰہی کے ذریعے سے اسی دن اس سانحے کی اطلاع مل گئی اور آپ ﷺ نے اسی وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نجاشی کی وفات کی خبر دے دی۔ پھر آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ جنازگاہ تشریف لے گئے اور نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھائی۔ [2]

1 مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: صحیح البخاري: 2468 و 4913، صحیح مسلم: 1479و(3696)-1475، جامع الترمذي: 3318، فتح الباري: 8/837-840. 2 تفصیل کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلو پیڈیا: 8/217-223۔

غزوۂ تبوک

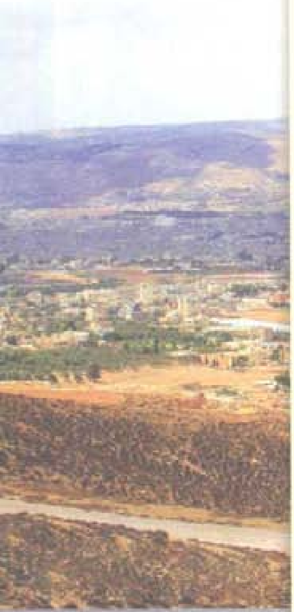
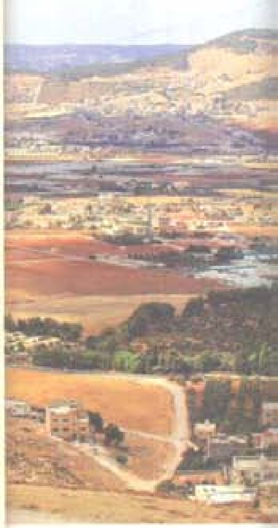


تاریخ عالم کا وہ اور انوکھا رفیع الشان معرکہ جس میں رسول اللہ ﷺ
اور آپ کے دلیر فدائیوں نے بے سروسامانی کے باوجود
اپنے عہد کی سب سے بڑی فوجی قوت
پر ہراس طاری کر دیا

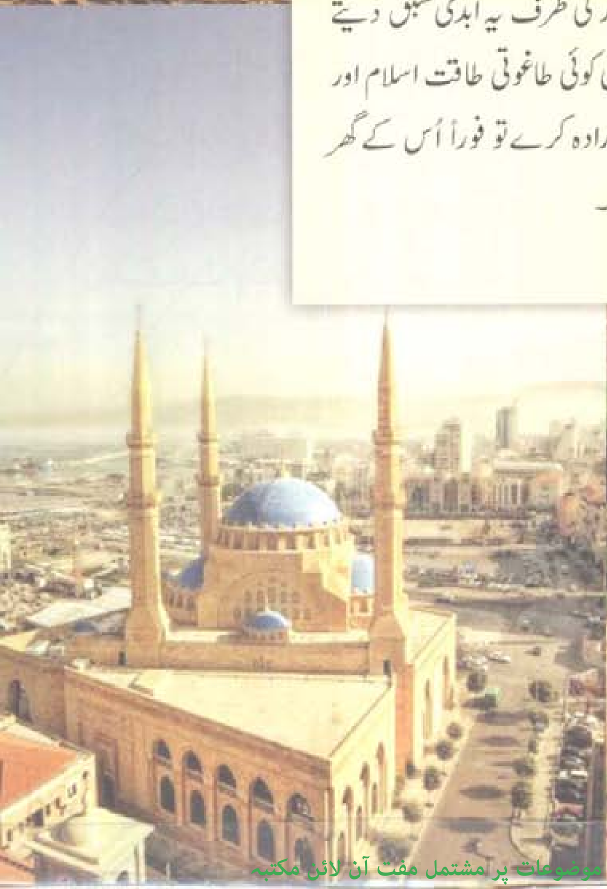
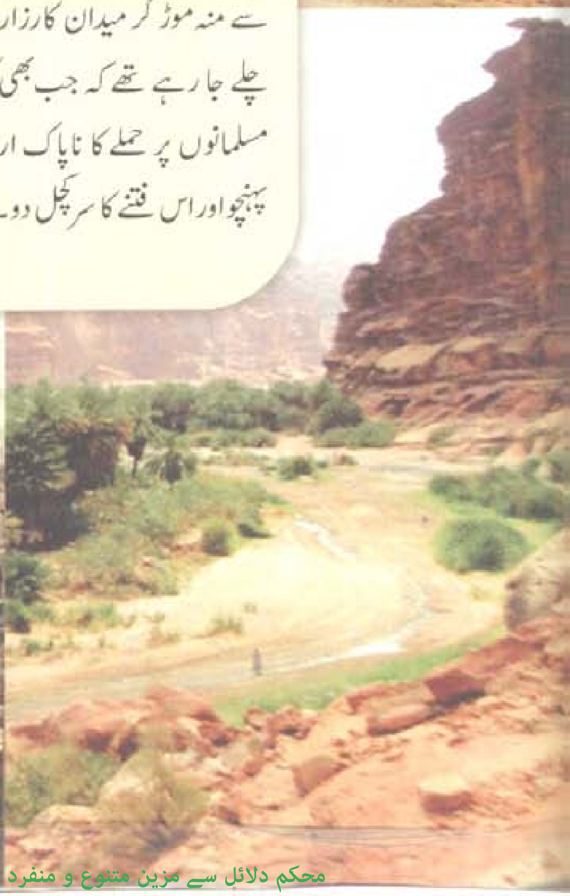
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا
قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ اَرَضِيْتُمْ
بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ

”اے ایمان والو! تمھیں کیا ہو گیا ہے، جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں نکلو تو تم زمین کی طرف بوجھل ہو جاتے ہو، کیا تم آخرت کے مقابلے میں دنیاوی زندگی پر خوش ہو گئے ہو؟“ (التوبة 9:38)

اس باب میں

اب آپ غزوۂ تبوک کے حالات پڑھیں گے۔ یہ 9ھ میں ہوا۔ رسالت مآب ﷺ کی مقدس زندگی کا یہ آخری غزوہ ہے۔ تاریخ عالم اِس عدیم النظیر واقعے پر ہمیشہ حیران رہے گی کہ اس غزوے سے صرف آٹھ سال پہلے جس درِّ یتیم نے انتہائی بے مائیگی کی حالت میں مکہ سے نکل کر مدینہ کو ہجرت کی تھی، وہ اب اپنے عہد کی سب سے بڑی طاقت سلطنتِ روم پر یلغار کرنے جا رہا تھا۔ 30 ہزار مجاہدینِ اسلام ساتھ تھے۔ منزل دور تھی۔ مسافت لمبی، کڑی دھوپ اور شدید گرمی تھی۔ دور تک تپتا ہوا دشتِ حجاز تھا، راستہ سخت دشوار گزار تھا مگر محمد رسول اللہ ﷺ اور ان کے فدائی ہر دشواری سے منہ موڑ کر میدان کارزار کی طرف یہ ابدی سبق دیتے چلے جا رہے تھے کہ جب بھی کوئی طاغوتی طاقت اسلام اور مسلمانوں پر حملے کا ناپاک ارادہ کرے تو فوراً اُس کے گھر پہنچو اور اس فتنے کا سر کچل دو۔

صبر و عزیمت کا سفرِ تبوک

جمادی الاولیٰ 8 ہجری میں رونما ہونے والے سریۂ موتہ کا نتیجہ رومی سلطنت کے حق میں کسی بھی طرح اچھا نہیں تھا۔ صرف تین ہزار مسلمانوں نے دو لاکھ رومیوں کو دبانے میں جو کامیابی حاصل کی تھی، اس کا شام کے پڑوسی عربی قبائل پر بڑا زبردست اثر پڑا تھا۔ رومیوں کو اپنی شہرت خراب ہوتی اور ساکھ گرتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ انھیں اپنی فوجی قوت پر بڑا ناز تھا۔ وہ اپنی طاقت کے نشے میں چور تھے۔ وقت کے ساتھ ساتھ انھیں مسلمانوں کی طرف سے اپنی سلطنت کے بارے میں طرح طرح کے خطرے لاحق ہونا شروع ہو گئے تھے۔ چنانچہ انھوں نے اپنے ماتحت قبائل کے ساتھ مل کر بڑے پیمانے پر مسلمانوں کے ساتھ فیصلہ کن جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ ادھر مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ کیا کہ ہم رومیوں کو مدینہ آنے کی جرأت ہی نہیں کرنے دیں گے اور خود ہی ان کے علاقے میں جا کر ان سے دو دو ہاتھ کریں گے۔ اس پس منظر میں غزوۂ تبوک رونما ہوا۔ آئیے تفصیل کے ساتھ اس غزوے پر روشنی ڈالتے ہیں۔

تبوک اور اس کا محلِ وقوع

علامہ یاقوت حموی فرماتے ہیں کہ تبوک وادی قری اور شام کے درمیان ایک جگہ ہے۔ ابو زید بلخی فرماتے ہیں کہ تبوک حجر اور شام کے درمیان واقع ہے۔ یہ حجر سے تقریباً 120 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ یہاں ایک قلعہ ہے جس میں ایک چشمہ اور باغ ہے جو نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قرآن مجید میں مذکور اصحاب الأیکہ کا مسکن تبوک تھا۔ ان کی طرف شعیب علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا تھا، وہ مدین کے باشندے تھے جو بحرِ قلزم کے ساحل پر تبوک سے تقریباً 180 کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔ تبوک دو پہاڑوں کے درمیان ہے۔ اس کے مشرق میں جبل شروری اور مغرب میں جبل حسمی ہے۔[1]



[1] معجم البلدان: 14/2۔

شہر تبوک سعودی عرب کے صوبے تبوک کا صدر مقام ہے اور سعودی عرب کے شمال مغرب میں واقع ہے۔ یہ شمالی حجاز کا مرکزی شہر ہے جو مدینہ منورہ سے 690 کلومیٹر دور ہے۔ 1312ھ میں اس شہر سے ریلوے بھی گزرتی تھی۔ خلافت عثمانیہ کے خلاف بغاوت کے دوران میں یہ ریلوے لائن تباہ کر دی گئی۔ تاحال دوبارہ تعمیر نہیں ہو سکی۔ تبوک سطح سمندر سے 2543 فٹ بلندی پر اور عالمی نقشے پر 36 درجے 32 دقیقے طول بلد اور 28 درجے 27 دقیقے عرض بلد پر واقع ہے۔ اس کے شمال میں معان (اردن) شہر ہے جو اس سے 238 کلومیٹر شمال میں ہے۔ اس کے گرد و نواح میں بنوعطیہ آباد ہیں۔[1]

تبوک سمیت پورے خطے کا موسم گرمیوں میں متوسط گرم اور سردیوں میں شدید سرد ہوتا ہے۔ گرمیوں میں درجۂ حرارت 27 سے 46 سینٹی گریڈ جبکہ سردیوں میں 4 سے 18 سینٹی گریڈ تک ہوتا ہے۔ نومبر سے مارچ تک کے عرصے میں بارشیں ہوتی ہیں جن کی بدولت سبزہ بہت ہوتا ہے اور بلند و بالا پہاڑ سرسبز درختوں سے ڈھک جاتے ہیں۔ سردیوں میں برف پڑتی ہے، اس طرح پہاڑ سفید چادر اوڑھ لیتے ہیں۔ یہ بڑا دلکش منظر ہوتا ہے جسے دیکھنے کے لیے لوگ دور دراز سے تبوک آتے ہیں۔

تبوک کی زمین اور موسم زرعی پیداوار کے لیے نہایت موزوں ہے۔ یہاں طرح طرح کی سبزیاں، پھل اور خاص طور پر گندم کاشت کی جا رہی ہے۔ یوں یہاں سالانہ ایک لاکھ ٹن گندم پیدا ہوتی ہے۔ اس صوبے میں بکریاں اور گائے پالنے کے لیے فارم بھی بنائے گئے ہیں جو ملکی سطح پر گوشت کی ضروریات پوری کرنے میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ حکومت نے تبوک کی زرعی پیداوار کو ملک کے دوسرے حصوں تک پہنچانے کے لیے یہاں پیکنگ کے کارخانے قائم کیے ہیں۔ اس طرح تبوک سے پھل، سبزیاں، اناج اور چارہ دیگر علاقوں کو فراہم کیا جا رہا ہے۔ اس کے علاوہ تبوک میں مختلف قسم کے پھول بھی کاشت کیے جاتے ہیں جنھیں لبنان اور خلیج عربی کے ممالک کو برآمد کر کے کثیر زرمبادلہ کمایا جا رہا ہے۔ اس صوبے میں سیمنٹ، لوہے اور گاڑیوں کے پرزے تیار کرنے کے متعدد کارخانے بھی قائم ہو چکے ہیں۔ 1420ھ کی مردم شماری کے مطابق تبوک کی آبادی 7,50,000 افراد پر مشتمل تھی۔ 2013ء میں یہ تعداد آٹھ لاکھ نوے ہزار افراد تک پہنچ گئی۔

بیروت (لبنان) میں ایک مسجد کا خوبصورت منظر



[1] معجم المعالم الجغرافية، ص: 60,59.

تبوک کی جامع مسجد، تاریخی قلعہ اور قدیم ریلوے سٹیشن قابل دید ہیں۔ تبوک اس وقت سعودی عرب کا بہت پُرکشش سیاحتی، تجارتی، صنعتی اور زرعی صوبہ ہے۔

اس کی تاریخ پانچ سو سال قبل از مسیح بیان کی جاتی ہے۔ اس شہر سے ملنے والے آثار قدیمہ سے اس کا پرانا نام تابو یا تابوا معلوم ہوا ہے۔ دعوتِ اسلام کے آغاز سے قبل یہاں قوم ثمود، آرامی اور نبطی قبائل آباد تھے۔ یہاں حضرموت کے عربی قبائل قضاعہ اور بنوکلب کی کئی شاخیں بھی آباد تھیں۔ [1]

شمالی قبائل کی تاریخ

جزیرہ نمائے عرب کا شمال مغربی علاقہ مشہور تاریخی اور جنگجو قبائل کا مسکن رہا ہے۔ یہ تمام قبائل درج ذیل دو بڑے قبیلوں سے تعلق رکھتے تھے:

1 **قضاعہ:** یہ لوگ حضرموت سے ترکِ وطن کر کے شام کے جنوب میں آ بسے تھے۔ انھوں نے یہاں اپنی حکومت قائم کر لی۔ ان کی مختلف شاخوں میں سے بلی، عذرہ اور بہراء قابل ذکر ہیں۔

2 **بنوکلب:** ان کا تعلق کندہ سے تھا۔ یہ بھی حضرموت سے نقل مکانی کر کے جزیرہ عرب کے شمالی علاقے میں آ بسے۔ پھر انھوں نے دومۃ الجندل میں مشہور و معروف بادشاہت قائم کی۔ دومۃ الجندل کا موجودہ نام الجوف ہے۔ حضرموت سے آئے ہوئے یہ دونوں قبیلے بت پرست تھے۔ لیکن یہاں آنے کے بعد یہ شام کے بازنطینی عیسائی بادشاہوں سے متاثر ہو کر عیسائی ہوگئے۔ اس لحاظ سے دعوتِ اسلام کے آغاز کے وقت شمال کے اکثر قبائل عیسائی ہی تھے۔

قضاعہ تبوک کے گرد و نواح میں پھیلے ہوئے تھے حتی کہ یہی لوگ مغربی بحراحمر کے ساحل تک چلے گئے تھے جبکہ بنوکلب نے تبوک کے مشرق سے شمال تک کے علاقے میں اپنی حکومت قائم کر رکھی تھی۔

[1] وکی پیڈیا۔


حضرموت کی وادی


دومۃ الجندل

یہ دونوں قبیلے مسلمانوں سے شدید عداوت رکھتے تھے اور اپنی عددی اور حربی طاقت کی بنا پر مدینہ منورہ پر حملہ آور ہونے کی منصوبہ بندی کرتے رہتے تھے۔ اس سلسلے میں ان کے رومی دوست بھی ان کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ انھیں آئے دن مسلمانوں کی فتوحات اور کامرانیوں کی خبریں ملتی رہتی تھیں۔ چنانچہ وہ ہر آن خوفزدہ رہتے تھے مبادا مسلمان ان کی شان و شوکت اور بادشاہت چھین لیں۔ انھیں اپنی سلطنت ہر وقت خطرے میں محسوس ہونے لگی۔ اس لیے وہ مدینہ منورہ پر پیشگی حملہ کرنے کی تیاری کر رہے تھے۔

مسلمان اپنے سالارِ اعلیٰ کی قیادت میں عرب قبائل سے نبرد آزما تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ ان عیسائی قبائل کی سازشوں اور تیاریوں سے بھی غافل نہیں تھے اور ہر لمحے ان سے دو دو ہاتھ کرنے کے لیے تیار تھے۔ ایک طرف ان حضرمی قبائل کو اپنی بادشاہت چھن جانے کا غم بے چین کر رہا تھا تو دوسری طرف رومی بازنطینی بادشاہ کو بھی اسلامی قوت کا خطرہ اپنی حدود پر منڈلاتا نظر آ رہا تھا۔ اس صورتحال کے باعث ان دونوں گروہوں کو اپنی اپنی حکومت اور سلطنت کی فکر دامن گیر ہوگئی اور وہ اپنے مشترکہ حریف کے خلاف جدو جہد کی منصوبہ بندی میں مصروف ہو گئے۔ [1]

تبوک کی وجہ تسمیہ

تبوک کو تبوک کیوں کہا جاتا ہے؟ اس بارے میں مؤرخین کی متعدد آراء ہیں، البتہ یہ بات طے شدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے یہ علاقہ اسی نام سے معروف تھا۔ اس کی دلیل صحیح مسلم کی وہ حدیث ہے جس میں غزوۂ تبوک کے سفر کے دوران رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إِنَّكُمْ سَتَأْتُونَ غَدًا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ عَيْنَ تَبُوكَ، وَإِنَّكُمْ لَنْ تَأْتُوهَا حَتّٰى يُضْحِيَ النَّهَارُ، فَمَنْ جَاءَهَا مِنْكُمْ فَلَا يَمَسَّ مِنْ مَاءِهَا شَيْئًا حَتّٰى آتِيَ»

''یقیناً تم کل تبوک کے چشمے پر پہنچ جاؤ گے، ان شاء اللہ۔ تم چاشت کے وقت وہاں پہنچو گے۔ تم میں سے جو شخص وہاں پہنچ جائے، وہ میرے آنے تک چشمے سے پانی لینے کی کوشش نہ کرے۔'' [2]

اس فرمانِ نبوی سے معلوم ہوا کہ اس علاقے کا نام تبوک ہی تھا۔

علامہ یاقوت حموی نے اسے عربی کلمہ بَاكَ يَبُوكُ سے مشتق قرار دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو منع فرمایا تھا کہ جو شخص چشمے پر پہنچ جائے، وہ میرے آنے کا انتظار کرے اور چشمے سے پانی لینے کی کوشش نہ کرے۔ آپ کی تشریف آوری سے پہلے دو افراد وہاں پہنچے تو دیکھا کہ چشمے سے قطرہ قطرہ پانی نکل رہا

[1] موسوعة الغزوات الكبرىٰ لباشميل : 2/1771-1773. [2] صحيح مسلم : 5947(706).

ہے۔ انھوں نے پانی کی مقدار بڑھانے اور چشمے کو موجزن کرنے کے لیے تیر سے اس کی کھدائی کی مگر یہ کوشش بے سود رہی۔ اسی اثنا میں رسول اللہ ﷺ وہاں پہنچ گئے، آپ نے ان دونوں افراد کو ان کی نافرمانی کی وجہ سے بڑی شدت سے ڈانٹا اور فرمایا: «مَا زِلْتُمَا تَبُوكَانِ مُنْذُ الْيَوْمَ» ''تم صبح ہی سے اسے تیز کرنے کے لیے کھدائی کر رہے ہو۔''

اس طرح آپ کے فرمائے ہوئے الفاظ: ''تَبُوكَانِ'' سے اس چشمے کا نام تبوک پڑ گیا۔

اَلْبُوكُ کے معنی ہیں: کسی چیز میں ہاتھ ڈال کر اسے ہلانا۔

بَاكَ يَبُوكُ کے معنی ہیں: چشمے کے پانی کو ہلانا / کسی چیز کو کھودنا۔

ابن قتیبہ فرماتے ہیں: اسی مناسبت سے اس چشمے کا نام تبوک پڑ گیا۔

کتبِ تاریخ میں یہ علاقہ غزوۂ تبوک، چشمۂ تبوک اور مسجدِ تبوک کی وجہ سے شہرتِ دوام حاصل کر چکا ہے۔ اس مسجد کو مسجد توبہ بھی کہتے ہیں۔ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اسے آرائشی پتھروں سے تعمیر کرایا تھا۔ غزوۂ تبوک کے بعد یہ علاقہ مسلمانوں کا سرحدی ہیڈ کوارٹر بن گیا۔ [1]

غزوۂ تبوک کی تاریخ

رسول اللہ ﷺ غزوۂ حنین و طائف سے واپس تشریف لائے تو رجب 9 ھ تک تقریباً چھ ماہ مدینہ منورہ ہی میں تشریف فرما رہے۔ پھر آپ ماہ رجب 9 ھ میں بروز جمعرات غزوہ تبوک کے لیے نکلے۔ عادت مبارک یہ تھی کہ اگر کوئی مانع نہ ہوتا تو آپ جمعرات کے دن سفر پر روانہ ہونا پسند فرماتے تھے۔ اس لیے آپ غزوۂ تبوک کے لیے بھی جمعرات ہی کے دن روانہ ہوئے۔ سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ يَوْمَ الْخَمِيسِ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ، وَكَانَ يُحِبُّ أَنْ يَخْرُجَ يَوْمَ الْخَمِيسِ.

''نبی ﷺ غزوۂ تبوک کے لیے جمعرات کے دن نکلے۔ اور آپ ﷺ جمعرات کے روز سفر کرنا پسند فرماتے تھے۔'' [2]

غزوے کے دیگر نام

غزوۂ تبوک کے متعدد نام ہیں:

1 **غزوۂ تبوک:** اس علاقے میں موجود پانی کے ایک چشمے کا نام تبوک تھا، اس لیے اس غزوے کا نام بھی غزوۂ تبوک

[1] معجم البلدان: 15,14/2، فتح الباري: 139/8، وکی پیڈیا۔ [2] صحیح البخاري: 2950.

پڑ گیا۔

2 **غزوۃ العسرہ:** یہ غزوہ انتہائی کٹھن حالات میں ہوا۔ مسلمانوں کے پاس لباس، خوراک، اسلحہ، سواریاں غرض ہر چیز کی شدید قلت تھی۔ موسم شدید گرم اور جنگ کے لیے یکسر ناسازگار تھا۔ کھجوریں بھی پکی ہوئی تھیں۔ اس سب کچھ کے باوجود اہلِ ایمان کسی تنگی اور دشواری کو خاطر میں نہ لائے اور انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا شاندار نمونہ پیش کیا۔ چنانچہ یہ غزوہ، غزوۂ عسرہ، یعنی تنگی اور شدت والے غزوے کے نام سے معروف ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ نے اس غزوے میں شرکت کرنے والوں کو اپنی خصوصی مہربانی سے نوازا۔ ارشاد فرمایا:

﴿لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾

”یقیناً اللہ نے نبی اور ان مہاجرین و انصار پر مہربانی فرمائی جنھوں نے تنگی کی گھڑی میں آپ کی پیروی کی، اس کے بعد جبکہ ان میں سے ایک گروہ کے دل بہک جانے کو تھے، پھر اللہ نے ان پر مہربانی فرمائی۔ بے شک وہ ان پر بہت شفقت کرنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔“[1]

اس ارشادِ عالی کے مطابق اللہ تعالیٰ نے شدید تنگی کی حالت اور سخت گرم موسم میں فرمانبرداری کرنے والوں کو اپنی نصرت و رحمت سے سرفراز فرمایا۔ محدثین کے سرخیل امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی مایہ ناز کتاب صحیح بخاری میں اس غزوے کے تعارف اور تفصیلات کا آغاز ان الفاظ سے کیا ہے:

بَابُ غَزْوَةِ تَبُوكَ وَهِيَ غَزْوَةُ الْعُسْرَةِ.

”غزوۂ تبوک کا بیان، اور اسی کو غزوۂ عسرت (تنگی کا غزوہ) بھی کہتے ہیں۔“

علامہ ابن اسحاق رحمہ اللہ اس غزوے کی تفصیلات ان کلمات سے شروع کرتے ہیں:

”رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کو رومیوں سے جنگ کرنے کے لیے تیاری کا حکم دیا۔ یہ سخت تنگ حالی کے دن تھے۔ قحط سالی، شدید گرمی اور پھلوں کے پکنے کا موسم تھا۔ ان حالات میں لوگ درختوں کی چھاؤں میں آرام کرنے کے آرزومند تھے اور گھروں سے نکلنا بہت دشوار تھا۔ معمولِ مبارک یہ تھا کہ آپ ﷺ غزوات کے لیے روانہ ہوتے وقت صحابہ کو اپنی منزل سے آگاہ نہیں کرتے تھے بلکہ اشارے کنائے سے منزلِ مقصود کی نشاندہی فرما دیتے تھے تاکہ اسلامی لشکر کی نقل و حرکت دشمن سے پوشیدہ رہے۔ لیکن غزوۂ تبوک

[1] التوبة 9:117.

کے موقع پر آپ نے بڑی وضاحت سے صاف صاف بتا دیا کہ ہم رومیوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے جا رہے ہیں۔ آپ نے یہ وضاحت اس لیے کی کہ لوگ طویل اور پُر مشقت سفر کے لیے مناسب تیاری کر لیں کیونکہ ان کا مقابلہ بہت بڑے دشمن سے تھا۔ سفر بہت دشوار اور موسم سخت ناساز گار تھا۔''[1]

غزوۂ عسرت میں مسلمانوں کو پانی کی شدید قلت کا سامنا کرنا پڑا حتی کہ مسلمانوں نے اونٹ ذبح کر کے ان کے معدوں سے پانی نکال کر استعمال کیا۔ پھر معجزۂ نبوی سے پانی کی قلت دور ہوئی۔

امام قرطبی رحمہ اللہ غزوۂ عسرت کے بارے میں رقم طراز ہیں: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ﴾ میں ''تنگی کی گھڑی'' سے مراد کوئی مخصوص وقت نہیں بلکہ یہ سارا غزوہ ہی شدید تنگی کی حالت میں ہوا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''تنگ گھڑی'' سے مراد وہ گھڑی ہے جس کا سامنا اس غزوے میں مجاہدین اسلام کو کرنا پڑا۔ ''عسرت'' سے مراد معاملات کی سختی ہے۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اسلامی لشکر کو تین طرح کے سخت حالات کا سامنا تھا: سواریاں کم تھیں، زادِ راہ تھوڑا تھا اور پانی کی شدید قلت تھی۔

حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مسلمانوں کو بڑے مشکل حالات کا سامنا تھا۔ ایک اونٹ پر کئی کئی صحابہ باری باری سواری کرتے تھے۔ کیڑا لگی ہوئی کھجوریں، بد ذائقہ جو اور باسی چربی ان کا زاد راہ تھا۔ مٹھی بھر کھجوریں کئی کئی افراد میں تقسیم ہوتی تھیں۔ جب بھوک کی شدت ستاتی تو ایک شخص کھجور کو چوستا، جب اس کا ذائقہ آنا شروع ہوتا تو دوسرے ساتھی کو دے دیتا۔ وہ بھی اسے چوس کر آگے بڑھا دیتا اور پانی کا گھونٹ پی کر گزارہ کرتا۔ اس طرح وہ ساری جماعت باری باری کھجور چوس کر سفر جاری رکھتی حتی کہ کھجوریں ختم ہو گئیں اور صرف گٹھلیاں باقی رہ گئیں۔ لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے سچے ایمان اور پختہ یقین کی بدولت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں محوِ سفر رہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم شدید گرمی میں (غزوۂ تبوک کے لیے) نکلے۔ دورانِ سفر ایک جگہ پڑاؤ کیا، ہمیں سخت پیاس کے مارے زندگی ختم ہوتی ہوئی محسوس ہوئی۔ حتی کہ ایک آدمی اپنا اونٹ نحر کرتا، پھر اس کے معدے کو نچوڑ کر پانی حاصل کرتا اور اسے پی کر گزارہ کرتا۔ جو باقی بچ جاتا، اسے اپنے جسم پر ڈال لیتا۔[2]

3 غزوۂ فاضحہ: اس غزوے میں منافقین کی سازشوں کا پردہ چاک اور ان کے مکروہ ارادوں اور کردار کو پوری طرح بے نقاب کر دیا گیا۔ ان کے برے کردار، ناپاک منصوبے اور کفر و نفاق کو سورۂ توبہ میں بڑے واضح انداز میں

[1] السيرة لابن إسحاق: 595/2، الطبقات لابن سعد: 165/2، زاد المعاد: 526/3، صحيح البخاري: 4415، السيرة لابن هشام: 159/4، فتح الباري: 138/8. [2] تفسير القرطبي، التوبة 117:9، صحيح ابن خزيمة: 101.

بیان کر دیا گیا۔ اس لحاظ سے سورۂ توبہ کو سورۂ فاضحہ اور اس غزوے کو جس میں سورۂ توبہ نازل ہوئی، غزوۂ فاضحہ بھی کہا جاتا ہے، یعنی وہ غزوہ جس میں منافقین ذلیل ورسوا ہو کر نامراد ہو گئے۔ [1]

سبب غزوہ

مؤرخین نے غزوۂ تبوک کے ایک سے زیادہ اسباب بیان کیے ہیں۔ آیئے ان اسباب و وجوہ کا مطالعہ کریں:

1 علامہ ابن سعد اور ان کے استاد علامہ واقدی فرماتے ہیں: انباط ملک شام سے آٹا، میدہ اور تیل لے کر تجارت کے لیے مدینہ منورہ آتے تھے۔ ان کی یہ تجارت زمانہ جاہلیت سے جاری تھی اور دعوتِ اسلام کے آغاز کے بعد بھی جاری رہی۔ مسلمانوں کو ان لوگوں کے ذریعے شام اور رومیوں کی تازہ بتازہ خبریں ملتی رہتی تھیں کیونکہ ان کے تجارتی قافلے بکثرت آتے جاتے تھے۔ مسلمان ان عیسائی عربوں کی تعداد اور قوت سے چوکنے رہا کرتے تھے۔ ان سے ملنے والی خبریں بغور سنتے اور حالاتِ حاضرہ کا جائزہ لیتے رہتے تھے۔ ایک روز ایک شامی قافلہ آیا، اس نے بتایا کہ رومیوں نے شام کے علاقے میں بہت بڑی فوج جمع کر لی ہے۔ ہرقل نے انھیں سال بھر کا راشن بھی دے دیا ہے اور ان کی افرادی قوت میں اضافے کے لیے لخم، جذام، غسان اور عاملہ کو بھی اکٹھا کر لیا ہے۔ ان کا ہراول دستہ بلقاء تک آ پہنچا ہے ...... جبکہ فی الحقیقت ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ انھیں محض یہ افواہ اڑانے کا کہا گیا تھا۔ سو انھوں نے مدینہ پہنچ کر یہ افواہ اڑا دی۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے بھی مسلمانوں میں اعلان کرا دیا کہ رومیوں کے ساتھ جنگ کی تیاری کر لو۔

2 امام طبرانی نے سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہما کی روایت بیان کی ہے کہ عرب عیسائیوں نے ہرقل کو خط لکھا کہ عربوں

1 المواهب اللدنية: 4/66.

بلقاء (اردن) کا علاقہ



کا یہ مدعی نبوت شخص (محمد ﷺ) فوت ہوگیا ہے۔ قحط سالی کی وجہ سے ان کے مال مویشی ہلاک ہوگئے ہیں (اب ان پر حملہ آور ہونے اور عیسائیت کو غالب کرنے کا یہ نہایت سازگار موقع ہے)۔ لہٰذا ہرقل نے اپنے ایک فوجی جرنیل کو چالیس ہزار فوجیوں کے لشکر کے ساتھ بھیجا، اس جرنیل کا نام قباذ یا الصناد تھا۔ نبی کریم ﷺ کو یہ اطلاع ملی تو آپ نے بھی عرب قبائل کو مجاہدین جمع کرنے کا حکم دے دیا۔[1]

3 امام بیہقی رحمہ اللہ نے عبدالرحمٰن بن غنم سے روایت بیان کی ہے کہ یہودی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے: اگر آپ سچے نبی ہیں تو شام چلے جائیں جو ارض محشر اور انبیائے کرام کا علاقہ ہے۔ ان کی اس بات پر آپ ﷺ نے شام پر حملہ کرنے کا ارادہ کرلیا۔ جب آپ تبوک پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے سورۂ بنی اسرائیل کی یہ آیات نازل فرما دیں:

﴿وَإِنْ كَادُوا لَيَسْتَفِزُّونَكَ مِنَ الْأَرْضِ لِيُخْرِجُوكَ مِنْهَا﴾ (بني اسرآءيل 76:17)

''اور بلاشبہ قریب تھا کہ وہ آپ کو اس سرزمین (مکہ) سے اکھاڑ دیں تاکہ آپ کو یہاں سے نکال دیں۔''[2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس روایت کی سند مرسل ہونے کے باوجود حسن ہے۔[3] لیکن حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ درج بالا سبب نہایت کمزور ہے کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور آپ اس کے نزول کے بعد مدینہ منورہ میں رہائش پذیر ہوئے۔ لہٰذا یہود سے بات چیت کی بنا پر آپ کے اس غزوے کے لیے نکلنے کا واقعہ درست نہیں۔[4]

4 اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ﴾

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اُن کافروں سے لڑو جو تمھارے قرب وجوار میں ہیں اور چاہیے کہ وہ تمھارے اندر سختی پائیں اور جان لو کہ یقیناً اللہ متقیوں کے ساتھ ہے۔''[5]

اس آیت کی تفسیر میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے قریبی کافروں سے جہاد کریں تاکہ وہ دائرۂ اسلام میں داخل ہوں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے مسلح جدوجہد شروع کی اور بہت جلد جزیرہ نمائے عرب کو مشرکوں سے پاک کر دیا۔ آپ ﷺ جب مکہ، مدینہ، طائف، یمن، یمامہ، ہجر، خیبر اور حضرموت کے علاقوں کو زیر کر چکے تو پھر آپ ﷺ نے اہل کتاب سے جہاد شروع کیا۔ اس مقصد کے لیے آپ ﷺ نے

[1] المعجم الكبير للطبراني: 143/13، رقم: 14981. [2] دلائل النبوة للبيهقي: 254/5. [3] فتح الباري: 139/8، شرح الزرقاني على المواهب: 69,68/4. [4] تفسير ابن كثير، بني إسرآءيل 76:17. [5] التوبة 123:9.

جزیرہ نمائے عرب کے قریب ترین عیسائیوں کے ساتھ مسلح جدوجہد کا آغاز کیا۔ آپ ﷺ نے رومیوں کو دعوت اسلام دینے کا ارادہ کیا۔ اہل کتاب ہونے کی وجہ سے وہ اس دعوت کے زیادہ حقدار تھے، چنانچہ آپ تبوک تک گئے۔ لیکن یہ خشک سالی، قحط اور بڑی تنگ دستی کا وقت تھا، اس لیے آپ (کافروں پر رعب طاری کرنے کے بعد) واپس آگئے۔ [1]

مذکورہ بالا اسباب میں سے آخری سبب ہی زیادہ مؤثر و مضبوط ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ کے آخری دنوں میں دنیا کی سپر پاور روم سے مقابلے کے لیے تبوک کا سفر کیا۔ سخت ناسازگار حالات میں آپ نے اسلامی سپاہ کو جہاد کی بہترین عملی تربیت دی اور انھیں آنے والے وقتوں میں دنیا کی ہر بڑی طاقت سے ٹکرا جانے کا عملی سبق دیا۔ اگرچہ اس سفر میں رومیوں سے مڈبھیڑ نہیں ہوئی لیکن رومیوں کو ان کے علاقے میں جاکر للکارنے سے اُن پر مسلمانوں کی ہیبت چھا گئی اور وہ فوری طور پر سامنے آنے سے ہچکچانے لگے۔ مسلمان لشکر دشمن کو خوفزدہ کرنے کے بعد بخیر و خوبی واپس آگیا۔ مسلمانوں نے اپنے سالار اعلیٰ ﷺ سے جو عملی تربیت لی، وہ نہایت مؤثر ثابت ہوئی۔ مجاہدین اسلام نے آئندہ چند برسوں میں اس مبارک تربیت کا بہترین مظاہرہ کرتے ہوئے رومی اور ایرانی سلطنتوں کو پاش پاش کر دیا۔ ان کے وسیع و عریض بھاری خزانے مسلمانوں کے لیے مالِ غنیمت بنے اور ان کی ٹڈی دل فوجیں مسلمانوں کی تلواروں کی پیاس بجھانے کے کام آئیں۔

مدینہ منورہ میں طبلِ جنگ بج اٹھا

جیسا کہ بیان ہو چکا ہے کہ مدینہ منورہ میں قحط سالی کے ساتھ ساتھ شدید گرمی کا موسم تھا، پھل پک چکے تھے۔ کاشتکاری کرنے والے صحابۂ کرام اپنی اپنی فصل سمیٹنے کی فکر میں تھے۔ بہت سے حضرات گرمی سے بچنے کے لیے سایہ دار درختوں کی جستجو میں تھے۔ اس وقت مالی لحاظ سے بھی بڑی تنگی کا سامنا تھا۔ ان داخلی حالات کے ساتھ ساتھ بیرونی طور پر رومیوں کے باجگزار بنو غسان کے حملے کا خطرہ بھی ہر وقت منڈلاتا رہتا تھا اور یہ دونوں طاقتیں مل کر مسلمانوں کے خلاف ایک بڑی جنگ کی تیاری کر رہی تھیں۔ غسانی حملے کا خدشہ کس قدر خوفناک تھا؟ اس کا اندازہ صحیح بخاری کی درج ذیل روایات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے:

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم آپس میں باتیں کیا کرتے تھے کہ ایک غسانی بادشاہ نے ہمارے ساتھ جنگ کے لیے اپنے گھوڑوں کو نعل لگوا لیے ہیں۔ [2]

دوسری روایت میں ہے: ہم ایک غسانی بادشاہ سے خوفزدہ تھے۔ ہمیں بتایا گیا کہ وہ ہم پر حملہ کرنے کی تیاری کر

[1] تفسیر ابن کثیر و تفسیر الطبري، التوبة 9:123. [2] صحیح البخاري: 2468.

رہا ہے۔ اس فضا میں ہمارے سینے خوف سے بھر گئے تھے۔ [1]

تیسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے اردگرد کے کافروں کو تابع فرمان کر چکے تھے، صرف شام کا غسانی بادشاہ باقی بچا تھا۔ ہمیں ڈر تھا مبادا وہ ہم پر حملہ کر دے۔ [2]

مسند طیالسی کی روایت میں ہے کہ غسانی بادشاہ کے حملے کے امکان سے بڑھ کر کوئی شخص ہمارے لیے خطرناک نہیں تھا۔ [3]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اور میرا انصاری پڑوسی باری باری رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ ایک دن میں حاضر ہوتا تو شام تک کی روداد اسے رات کو بتا دیتا۔ جب اس کی باری ہوتی تو وہ دن بھر کی سرگزشت رات کو مجھے سنا دیتا۔ ایک روز وہ عشاء کے بعد آیا، اس نے زور زور سے میرے گھر کا دروازہ پیٹا اور چلایا: دروازہ کھولو، دروازہ کھولو۔ میں تیزی سے باہر نکلا تو وہ بولا: آج ایک بہت بڑا حادثہ ہوگیا ہے۔ میں نے پوچھا: کیا بات ہوگئی ہے؟ کیا غسانی بادشاہ نے حملہ کر دیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ آج اس سے بھی بڑھ کر ہولناک حادثہ ہوا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواجِ مطہرات سے علیحدگی اختیار کر لی ہے...... [4]

ان تمام ناسازگار اور کٹھن حالات کے باوجود جب آپ ﷺ نے غزوۂ تبوک کا اعلان فرمایا تو مسلمانوں نے بڑے جوش و خروش سے تیاری شروع کر دی۔ آپ نے اس مہم میں ہر اس شخص کی شرکت لازمی قرار دے دی جو صحت مند ہو اور اس کے پاس سواری موجود ہو۔ شرعاً معذور اور سفری وسائل سے محروم افراد کو غزوے سے رخصت کی اجازت تھی۔ باقی تمام لوگوں کو مناسب تیاری کرنے کا حکم دے دیا گیا۔ دشمن کا لشکر بہت بڑا اور نہایت طاقتور تھا۔ سفر بہت طویل تھا، موسم کی حدت اور شدت عروج پر تھی اور تنگ حالی کی وجہ سے بھی طرح طرح کے مسائل سر اٹھا رہے تھے، اس لیے آپ نے خلافِ معمول صاف صاف بتا دیا کہ ہماری منزل تبوک ہے اور ہمیں رومی عیسائیوں سے مقابلہ درپیش ہے، لہٰذا ہر مجاہد بھرپور تیاری کر لے۔ آپ ﷺ نے اہل مدینہ کو حکم دینے کے ساتھ ساتھ مدینہ منورہ سے باہر کے مسلمان قبائل کو بھی حکم دیا کہ وہ غزوے میں شرکت کریں۔ آپ نے انھیں جنگ میں شرکت کی اطلاع دینے کے لیے اپنے سفیر بھیجے۔ مزید برآں آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ کے نومسلموں کو بھی غزوے میں شمولیت کی دعوت دی۔ اس مقصد کے لیے آپ نے جن صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو مختلف اطراف میں روانہ کیا، ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

[1] صحيح البخاري: 4913. [2] صحيح البخاري: 5843. [3] مسند الطيالسي: 23. [4] صحيح البخاري: 5191، صحيح مسلم: 1497، فتح الباري: 353/9.

نمبر شمار	سفیر	قبیلہ
1	سیدنا بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ	بنو اسلم
2	سیدنا ابورہم الغفاری رضی اللہ عنہ	بنو غفار
3	سیدنا ابو واقد اللیثی رضی اللہ عنہ	بنو لیث
4	سیدنا ابو جعد ضمری رضی اللہ عنہ	بنو ضمرہ
5	سیدنا رافع بن مکیث اور جندب بن مکیث رضی اللہ عنہما	بنو جہینہ
6	سیدنا نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ	بنو اشجع
7	سیدنا بدیل بن ورقاء، سیدنا عمرو بن سالم اور سیدنا بشر بن سفیان رضی اللہ عنہم	بنو خزاعہ
8	سیدنا عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ	بنو سلیم

اہلِ مکہ کی طرف کون سے سفیر گئے تھے؟ ان کے نام معلوم نہیں ہو سکے۔

آپ ﷺ کے اس حکم کی تعمیل کرتے ہوئے مجاہدین بہت بڑی تعداد میں مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ ہرچند منافقین دن رات مسلمانوں کو رومی افواج سے خوفزدہ کرنے اور ان کے حوصلے پست کرنے کی مذموم کوشش میں مصروف تھے تاہم مسلمانوں کا زبردست جذبۂ جہاد اور جوش و خروش قابل دید تھا جس کے ایمان پرور مناظر آپ آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ آپ کے حکم پر تقریباً تیس ہزار مجاہدوں نے لبیک کہا جو مدینہ منورہ میں جمع ہو گئے۔

مخیّر صحابہ کرام کا قابل تعریف جذبہ

نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک میں ابھی فوج کی ضروریات پوری کرنے کے لیے کوئی مخصوص اور مستقل ادارہ وجود میں نہیں آیا تھا، بیت المال میں بھی اتنی رقم موجود نہ تھی کہ اتنے بڑے لشکر کے لیے وسائل سفر و جنگ مہیا کیے جا سکیں جبکہ یہ سال تنگ دستی کا تھا۔ ایسے وقت میں رسول اللہ ﷺ نے مالدار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نفلی صدقات جمع کرنے کا حکم دیا۔ آپ کے اس اعلان پر مخیّر صحابہ کرام نے مادی وسائل کے ڈھیر لگا دیے۔ ہر شخص اپنی عقیدت و محبت کا اظہار و اعلان کرنے لگا۔ رسول اللہ ﷺ کی محبت و الفت اور جذبۂ ایثار و قربانی میں ہر فرد دوسرے سے سبقت لے جانے کی دُھن میں لگ گیا۔ مقابلہ بازی شروع ہو گئی ...... یہاں یہ حقیقت یاد رکھنی چاہیے کہ اگر اہلِ توکل و استغنا پورے خلوص اور ایمان کے ساتھ نیکی کے کاموں میں مسابقت کریں تو یہ امر شرعاً نہایت پسندیدہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝﴾

"اور اپنے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف دوڑو جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے جو پرہیز گاروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ وہ لوگ جو خوشی اور سختی کے موقع پر (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں اور غصہ پی جانے والے اور لوگوں کو معاف کردینے والے ہیں۔ اور اللہ نیکوکاروں کو پسند کرتا ہے۔"[1]

غزوۂ تبوک کو مؤخر نہ کرنے کا سبب

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس غزوے کو نامساعد حالات اور موسمی حدت و شدت کی بنا پر ملتوی نہیں کیا جا سکتا تھا؟ اگر مالدار صحابۂ کرام کی بے مثال قربانی نہ ہوتی تو اس لشکر کا روانہ ہونا یقیناً ناممکن تھا، پھر اس غزوے کو مؤخر کیوں نہ کیا گیا؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اس غزوے کو مؤخر کرنے کے نتیجے میں کئی مفاسد پیش آسکتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے رومی افواج کی تیاری اور مدینہ منورہ پر چڑھائی کے ارادے سنے تو آپ ﷺ نے فوری طور پر دشمن کے گھر جا کر اس فتنے کو کچل دینے کا اعلان فرمایا۔ اس سے اہل ایمان کو اپنے عقیدے، ایمان و یقین، جذبۂ سرفروشی، محبت و عقیدت اور رضائے الٰہی کے لیے اپنے شوق کے اظہار کا بہترین موقع ملا۔ شامی حدود پر عیسائیت کے منڈلاتے ہوئے خطرے کا تقاضا تھا کہ اس کے سدباب کی طرف فوری توجہ دی جائے۔ دشمن کا رعب اور خوف ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا جائے اور مسلمانوں کے جذبۂ جہاد کو بے مثال قوت بہم پہنچائی جائے۔ لہٰذا آپ نے اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت اور مسلمانوں کے جذبۂ ایمانی کی بنا پر فوری حملے کا فیصلہ فرمایا۔ مسلمانوں نے اپنا تن من دھن سب کچھ آپ ﷺ پر نچھاور کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے بھی انھیں بے مثال کامیابی سے ہمکنار فرمایا۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بے مثال قربانی

آیئے اب رسول اللہ ﷺ کے اعلان پر لبیک کہتے ہوئے اپنے اموال قربان کرنے والے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی داستان عالی شان ملاحظہ فرمائیں۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وہ عظیم ہستی ہیں جن کے بے پایاں احسانات سے امت مسلمہ کبھی سبکدوش نہیں ہوسکتی۔ آپ نے ہمیشہ ہر موقع پر اسلام اور مسلمانوں کی بہترین خدمات کے لیے اپنا مال بے دریغ لٹایا۔ زندگی بھر آپ کی

[1] آل عمران 3:133، 134۔

بے مثال قربانیوں کا اعتراف خود تاجدار مدینہ ﷺ نے کیا اور فرمایا:

«مَا لِأَحَدٍ عِنْدَنَا يَدٌ إِلَّا وَقَدْ كَافَأْنَاهُ مَا خَلَا أَبَا بَكْرٍ، فَإِنَّ لَهُ عِنْدَنَا يَدًا يُكَافِئُهُ اللّٰهُ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَمَا نَفَعَنِي مَالُ أَحَدٍ قَطُّ مَا نَفَعَنِي مَالُ أَبِي بَكْرٍ، وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيلًا لَاتَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ خَلِيلًا، أَلَا وَإِنَّ صَاحِبَكُمْ خَلِيلُ اللّٰهِ»

''جس شخص نے ہم پر کوئی احسان کیا، ہم نے اس کے احسان کا بدلہ چکا دیا، سوائے ابوبکر کے۔ بلاشبہ اس نے ہم پر جو احسان کیا ہے، اس کا بدلہ اسے قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ہی دے گا۔ مجھے کسی کے مال نے کبھی اتنا نفع نہیں دیا، جتنا نفع ابوبکر کے مال نے پہنچایا ہے۔ اگر میں کسی کو اپنا خلیل (گہرا دلی دوست) بناتا تو ابوبکر کو بناتا۔ خبردار! تمھارا نبی اللہ کا خلیل ہے۔''[1]

آپ کے یہ محبت بھرے کلمات سن کر ابوبکر رضی اللہ عنہ آبدیدہ ہوگئے اور کہنے لگے:

هَلْ أَنَا وَمَا لِي إِلَّا لَكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ!

''اے اللہ کے رسول! میں اور میرا مال آپ ہی کا تو ہے۔''[2]

ان فضائل و مناقب کے حامل ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھلا غزوۂ تبوک کے موقع پر کیسے پیچھے رہ سکتے تھے۔ انھوں نے جونہی اپنے محبوب قائد فخر انسانیت محمد ﷺ کا یہ اعلان سُنا کہ مجاہدینِ اسلام کو تیاری کے لیے مالی امداد کی ضرورت ہے، وہ سب سے پہلے حاضر خدمت ہوئے اور اپنی کل جمع پونجی چار ہزار درہم کی خطیر رقم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کی۔[3]

عمر رضی اللہ عنہ کی دیرینہ آرزو

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی دلی تمنا تھی کہ کبھی وہ بھی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر سبقت حاصل کر سکیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر میرے پاس اتنا مال موجود تھا کہ مجھے خیال ہوا آج میں ابوبکر رضی اللہ عنہ پر سبقت لے جاؤں گا۔ لہٰذا میں فوراً اپنا آدھا مال لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوگیا اور آدھا مال گھریلو ضروریات کے لیے اہل خانہ کے حوالے کر آیا۔ میں نے سوچا کہ آج ابوبکر سے جیتنے کا سنہری موقع ہے۔ اگر آج بھی نہ جیت سکا تو پھر کبھی نہ جیت سکوں گا۔ چنانچہ جب میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو معلوم ہوا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ تو پہلے

[1] جامع الترمذي: 3661. [2] سنن ابن ماجه: 94. [3] المغازي للواقدي: 380/2.

ہی اپنا حصہ پیش کر چکے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے پوچھا: ''گھر والوں کے لیے کیا چھوڑ آئے ہو؟'' میں نے عرض کی: اتنا ہی مال ان کے لیے بھی چھوڑ آیا ہوں جتنا آپ کی خدمت میں پیش کیا ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور دریافت فرمایا:

«مَا أَبْقَيْتَ لِأَهْلِكَ؟»

''تم نے اپنے گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا؟''

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: أَبْقَيْتُ لَهُمُ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ. ''میں ان کے لیے اللہ اور اس کے رسول (ﷺ کی محبت والفت) کو چھوڑ کر آیا ہوں۔''

یہ سن کر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا: لَا أُسَابِقُكَ إِلٰى شَيْءٍ أَبَدًا. ''میں آج کے بعد کسی معاملے میں آپ سے مقابلہ نہیں کروں گا۔''[1]

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی دریا دلی پر بشارتِ نبوی

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ مالدار تاجر تھے۔ ہر موقع پر اپنی دولت اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کے لیے پیش کرتے رہتے تھے۔ مدینہ منورہ میں مسلمانوں کے لیے پانی کا بندوبست کرنا ہو یا مسجد نبوی کی توسیع، خیر وخوبی کے سب کاموں میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اپنی خدمات پیش کرنے میں آگے آگے ہوتے تھے۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر بھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بھاری عطیے کی بنا پر رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے ان کے لیے جنت کی ضمانت و بشارت کا اعلان ہوگیا۔

علامہ ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے غزوۂ تبوک کے موقع پر اتنی عظیم رقم خرچ کی کہ کوئی اور صحابی اتنی رقم خرچ نہ کر سکا۔[2]

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر کتنی بڑی رقم خرچ کی اور انھیں کیسی عظیم الشان بشارت نصیب ہوئی؟ آیئے اس سلسلے میں چند ایمان افروز احادیث کا مطالعہ کرتے ہیں:

سیدنا عبدالرحمان بن خباب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر تھا۔ آپ ﷺ نے جب جیش عسرت کی تیاری کی ترغیب دی تو عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کھڑے ہوگئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے ایک سو اونٹ ان کے پالان اور گدوں سمیت پیش کرتا ہوں۔ آپ ﷺ

[1] سنن أبي داود: 1678. [2] السيرة لابن إسحاق: 2/597.

نے دوبارہ اعلان کیا کہ لشکر کو مزید سواریوں کی ضرورت ہے۔ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ پھر کھڑے ہوئے اور عرض کیا: حضور! میری طرف سے جہاد فی سبیل اللہ کے لیے دو سو اونٹ ساز و سامان سمیت قبول فرمائیے۔ آپ ﷺ نے تیسری مرتبہ اپنے صحابہ کو جیش عسرت کی تیاری میں تعاون کرنے کے لیے ابھارا تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پھر کھڑے ہو گئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں اللہ کی راہ میں تین سو اونٹ گدوں اور پالانوں سمیت پیش کرتا ہوں۔ یہ مسرت بخش اعلان سن کر رسول اللہ ﷺ منبر سے نیچے تشریف لائے اور فرمایا:

«مَا عَلٰی عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ هٰذِهٖ، مَا عَلٰی عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ هٰذِهٖ»

''اس (عظیم) عمل کے بعد عثمان جو عمل بھی کرے، اس پر کوئی گناہ نہیں۔ اس (عظیم صدقے) کے بعد عثمان جو عمل بھی کرے، اسے کوئی نقصان نہ ہوگا۔''[1]

سیدنا قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے جیش عسرت کی تیاری کے لیے ایک ہزار اونٹ اور ستر گھوڑے پیش کیے۔[2]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جب سفاک بلوائیوں نے آپ کے گھر کا محاصرہ کر کے آپ کو مسجد نبوی میں نماز پڑھنے سے روک دیا اور بئر رومہ کے پانی سے محروم کر دیا تو ایک روز آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر کے اندر ہی سے لوگوں سے خطاب کیا اور فرمایا: لوگو! میں تمھیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں اور میں صرف اصحاب نبی ﷺ کو قسم دے کر مخاطب کر رہا ہوں، کیا تمھیں معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: ''جو شخص بئر رومہ خریدے (اور اسے تمام مسلمانوں کے لیے وقف کر دے) تو اس کا انعام جنت ہے۔'' چنانچہ میں نے اپنے مال سے بئر رومہ خرید کر تمام مسلمانوں کے لیے وقف کیا، حالانکہ اس سے پہلے تمام لوگ یہاں کا پانی قیمتاً خریدتے تھے۔ آج تم مجھے اسی پانی سے محروم کر رہے ہو!

پھر فرمایا: کیا تمھیں معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا:

«مَنْ جَهَّزَ جَيْشَ الْعُسْرَةِ فَلَهُ الْجَنَّةُ»

''جو شخص جیش عسرت کو ساز و سامان سے لیس کرے گا، اسے جنت ملے گی۔''

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی سن کر میں نے اس لشکر کو تیار کیا حتی کہ مجاہدین کو اونٹوں کی نکیل اور رسیاں تک مہیا کیں۔ ان کی ہر ضرورت پوری کی حتی کہ مشکیزوں کی رسیاں بھی فراہم کیں۔

[1] جامع الترمذي: 3700. [2] الرياض النضرة في مناقب العشرة: 356/1.

یہ سن کر تمام حاضرین نے گواہی دی: جی ہاں! آپ کے یہ احسانات ہمیں یاد ہیں۔ اس پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے دستِ دعا بلند کر کے التجا کی: اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ! اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ! اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ!

''اے اللہ! تو بھی گواہ رہ۔ اے اللہ! تو بھی گواہ ہو جا۔ اے اللہ! تو بھی میرا گواہ بن جا۔'' [1]

عبدالرحمان بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ایک ہزار اشرفیاں لے کر حاضر ہوئے تاکہ جیش عسرت کی تیاری کے لیے اپنا حصہ پیش کریں۔ انھوں نے یہ اشرفیاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جھولی میں ڈال دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے۔ آپ بڑی مسرت سے ان اشرفیوں کو اپنی جھولی میں اچھال رہے تھے اور فرما رہے تھے:

«مَا ضَرَّ عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ الْيَوْمِ ، مَا ضَرَّ عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ الْيَوْمِ»

''آج کے بعد عثمان جو عمل بھی کرے، وہ اس کے لیے نقصان دہ نہیں ہوگا۔ آج کے بعد عثمان کوئی بھی عمل کرے، وہ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔''

سیرت ابن ہشام میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ ارْضَ عَنْ عُثْمَانَ فَإِنِّي عَنْهُ رَاضٍ»

''اے اللہ! عثمان سے راضی ہو جا، بے شک میں اس سے راضی ہوں۔'' [2]

علامہ محمد باشمیل غزوۂ تبوک میں مالدار صحابہ کی قربانیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک تہائی لشکر کو ساز و سامان مہیا کیا۔ آپ نے سب سے بڑھ کر خرچ کیا حتی کہ لشکر کی تمام ضروریات پوری کر دیں۔ یہاں تک کہا گیا ہے کہ انھوں نے مشکیزوں کے بندھن تک فراہم کر دیے۔

سنن نسائی میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا اپنا فرمان ظاہر کرتا ہے کہ انھوں نے نصف لشکر کو تیار کیا تھا۔ آپ نے محاصرے کے دوران لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے دریافت فرمایا: ''میں تمھیں قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم میں سے کسی شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جیش عسرت کی تیاری کے دن یہ فرماتے ہوئے سنا تھا: «مَنْ يُنْفِقُ نَفَقَةً مُتَقَبَّلَةً؟» ''کون ہے جو قبول شدہ خرچ کے ساتھ لشکر کو تیار کرے؟'' فَجَهَّزْتُ نِصْفَ الْجَيْشِ مِنْ مَالِي. ''تو میں نے اپنے مال سے نصف لشکر کو تیار کیا۔'' [3]

اس طرح سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اپنا کثیر مال خرچ کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اپنے لیے

[1] صحيح البخاري: 2778، جامع الترمذي: 3700,3699، سنن النسائي: 3636. [2] جامع الترمذي: 3701، السيرة لابن هشام: 161/4. [3] سنن النسائي: 3639، المغازي للواقدي: 380/2، البداية والنهاية: 656,655/4، دلائل النبوة للبيهقي: 215,214/5، موسوعة الغزوات الكبرى: 1782/2.

مغفرت اور جنت کی عظیم بشارت حاصل کر لی۔

عبدالرحمان بن عوف کے لیے دعائے نبوی

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ مالدار تاجر تھے، مختلف روایات میں ان کے مال خرچ کرنے کا تذکرہ ہے۔
ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقے کی ترغیب دلائی تو سیدنا عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور عرض کی: میرے پاس آٹھ ہزار درہم ہیں۔ میں نے چار ہزار گھر والوں کے لیے رکھ لیے ہیں اور چار ہزار درہم صدقے کے لیے حاضر ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں برکت کی دعا دیتے ہوئے فرمایا:

«بَارَكَ اللّٰهُ فِيمَا أَمْسَكْتَ وَ فِيمَا أَعْطَيْتَ»

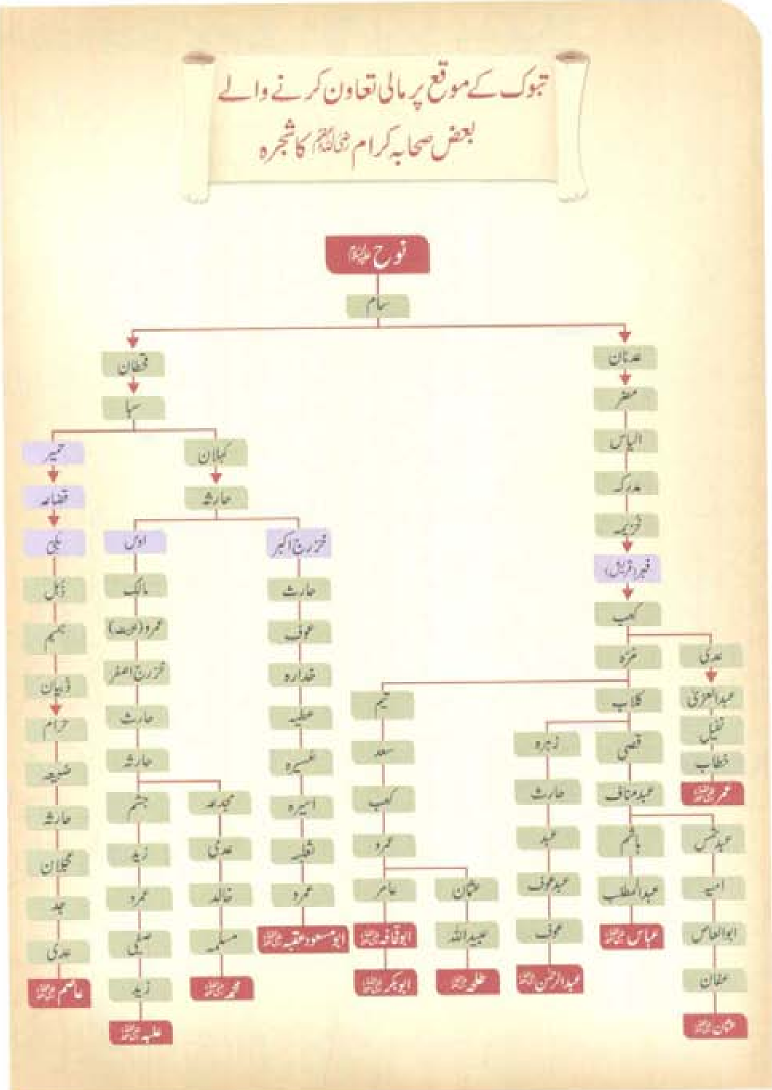
''جو (مال) تم نے گھر والوں کے لیے رکھا ہے اور جو (اللہ کی راہ میں) دیا ہے، اللہ سب میں برکت دے۔''
دوسری روایت میں ہے کہ انھوں نے چار سو اوقیہ سونا پیش کیا تھا۔ جبکہ قاضی عیاض نے لکھا ہے کہ انھوں نے 900 اونٹ دیے تھے۔ واقدی نے دو سو اوقیہ (تقریباً 24 کلو 494 گرام) چاندی پیش کرنے کا تذکرہ کیا ہے۔[1]
حافظ ابن حجر رحمہ اللہ مذکورہ بالا روایات نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: صحیح ترین روایت وہ ہے جس میں آٹھ ہزار درہم کا تذکرہ ہے۔[2]

دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا جذبۂ ایثار

ایک طرف مالدار صحابۂ کرام اپنے لیے رضائے الٰہی کی سند حاصل کر رہے تھے تو دوسری طرف کمزور اور غریب صحابہ بھی کسی سے پیچھے نہ تھے۔ وہ بھی جنت کے حصول میں اپنی استطاعت کے مطابق زبردست جدوجہد میں مصروف تھے۔ دربارِ الٰہی میں مقدار سے زیادہ خلوص، حُسنِ نیت اور شوق و رغبت کی خصوصی اہمیت ہے۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے بے وسیلہ جاں نثاروں کی قدر افزائی فرماتے تھے۔
سیدنا عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ نے 90 وسق (13 ٹن 500 کلوگرام) کھجوریں پیش کیں۔ سیدنا عباس، سیدنا طلحہ بن عبیداللہ، سیدنا محمد بن مسلمہ اور دیگر کبار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی لشکر اسلامی کی تیاری میں اپنا اپنا حصہ دیا۔[3]
سیدنا ابو مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کرنے کا حکم دیا تو ہم بوجھ ڈھو ڈھو کر مزدوری کرتے اور مال کماتے تھے، پھر اس میں سے صدقہ کرتے تھے۔ ہر چند بعض اوقات صرف ایک مد (625 گرام)

---

[1] المغازي للواقدي: 380/2. [2] فتح الباري: 421/8. [3] المغازي للواقدي: 380/2، موسوعة الغزوات الكبرى: 1782/2.



کھجوروں کی مزدوری ملتی تھی، ہم اس میں سے بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرتے تھے۔ چنانچہ ابوعقیل رضی اللہ عنہ رات بھر مزدوری کر کے ایک صاع کھجوریں کما کر لائے اور اس میں سے نصف صاع (سوا کلو گرام) کھجوریں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت خوش ہوئے اور سیدنا ابوعقیل رضی اللہ عنہ کے جذبے، شوق اور محبت کو سراہا۔

منافقین کی طعنہ زنی

منافقین یہ روح پرور منظر دیکھ کر اندر ہی اندر جل رہے تھے۔ ان کا چھپا ہوا کفر طعن و تشنیع کی صورت میں ظاہر ہو رہا تھا۔ ان کے بیمار ایمان مزید لاغر ہوئے جا رہے تھے۔ جب وہ مالدار صحابہ کرام کو خزانے پیش کرتے ہوئے دیکھتے تو اپنی ذہنی بیماری کا اظہار کرتے ہوئے کہتے: یہ تو ریاکار ہے۔ صرف دکھلاوے اور شاباش کے حصول کے لیے سخاوت کر رہا ہے۔ اور جب محنت کش صحابہ کی مٹھی بھر خیرات دیکھتے تو پھبتیاں کستے کہ بھلا اس کے مال کی اللہ کو کیا ضرورت ہے۔ اللہ کو اس کی کوئی پروا نہیں، یہ لوگ تو بس مفت میں شہیدوں میں نام لکھوانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ غرض ہر منافق اپنی اپنی بیمار ذہنیت کے مطابق طعن و تشنیع کے تیر چلا رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا پول کھول دیا اور ان کے برے کردار کی مذمت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿ اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ (التوبۃ 9:79)

''جو لوگ کھلے دل سے خیرات کرنے والے مومنوں پر، (ان کے) صدقات کی بابت عیب جوئی کرتے ہیں اور ان پر بھی جو اپنی (تھوڑی سی) محنت مزدوری کے سوا کچھ نہیں رکھتے، تو وہ ان کا (بھی) مذاق اڑاتے ہیں، اللہ بھی ان کا مذاق اڑائے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔''[1]

اس طرح اللہ تعالیٰ نے مالدار صحابہ کو ریاکاری کا طعنہ دینے اور فقراء کا مذاق اڑانے والے منافقوں کو شدید وعید سنا کر رسول اللہ ﷺ کے فدائیوں کے جذبات کی قدردانی کی۔ ان کے شوقِ جہاد اور الفت و اطاعتِ رسول کے مقدس جذبے کو سراہا۔

علبہ بن زید رضی اللہ عنہ کا حیرت انگیز صدقہ

عین اُس وقت جب کہ مالدار اور غریب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے لیے سعادتیں سمیٹ رہے تھے، سیدنا علبہ بن زید رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے لیے رضائے الٰہی کا سبب ڈھونڈ لیا مگر ان کا انداز دیگر صحابہ سے مختلف تھا۔ انھیں اپنی تنگ دستی کا بڑا رنج تھا مگر رحمتِ ربانی کی امید واثق بھی تھی۔ جونہی رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ تبوک کا اعلان کیا اور صحابہ کرام کو صدقات دینے کا حکم دیا تو سیدنا علبہ رضی اللہ عنہ رات کو اپنے رب کے حضور کھڑے ہوگئے، ناداری اور محرومی کا ملال آنسوؤں میں ڈھل گیا۔ وہ تہی دست ہونے کے باعث جہاد کے لیے جانے سے معذور تھے، یہی معذوری انھیں تڑپا رہی تھی۔ وہ رات بھر روتے رہے اور اپنے رب کے حضور گڑگڑاتے رہے۔ انھوں نے بارگاہِ ربانی میں عرض کیا: ''اے اللہ! تو نے جہاد کا حکم دیا ہے، اس کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ لیکن میرے پاس اتنے وسائل نہیں کہ میں تیرے رسول ﷺ کا ساتھ دے سکوں۔ تیرے رسول کے پاس بھی اتنے وسائل نہیں کہ وہ مجھے سواری دے دیں۔ (تیرے نبی نے صدقے کا حکم دیا ہے تو) میں اپنی جان، مال اور عزت پر ہونے والے ہر ظلم و زیادتی کو معاف کرکے مسلمانوں پر صدقہ کرتا ہوں۔''

صبح ہوئی تو یہ دیگر صحابہ کرام کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے دریافت فرمایا:

«أَيْنَ الْمُتَصَدِّقُ بِعِرْضِهِ الْبَارِحَةَ؟» ''آج رات اپنی عزت کا صدقہ کرنے والا کہاں ہے؟''

یہ سن کر کوئی بھی کھڑا نہ ہوا۔ آپ نے دوبارہ اعلان کیا۔ پھر بھی کوئی کھڑا نہ ہوا۔ بالآخر سیدنا علبہ بن زید رضی اللہ عنہ

[1] تفسير ابن كثير، التوبة 9:79، فتح الباري: 421/8.

کھڑے ہوئے اور ساری بات گوش گزار کر دی۔ اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«أَبْشِرْ فَوَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! لَقَدْ كُتِبَتْ فِي الزَّكَاةِ الْمُتَقَبَّلَةِ»

”خوش ہو جاؤ، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! تمھارا صدقہ قبول ہونے والے صدقے میں لکھا گیا ہے۔“

دوسری روایات میں ہے کہ انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں ہر اُس مسلمان کو معاف کرتا ہوں جس نے مجھے کوئی تکلیف دی، گالی دی یا اس کی کسی حرکت سے میری عزت پر حرف آیا۔ میں اپنی اس معافی کو اللہ کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«قَدْ قَبِلْتُ مِنْكَ صَدَقَتَكَ»

”میں نے تم سے تمھارا صدقہ قبول کر لیا۔“ [1]

درج بالا واقعات میں مسلمانوں کے جذبۂ جہاد، رسول اللہ ﷺ کے فرمان پر تن من دھن قربان کرنے کی زبردست تڑپ اور رضائے الٰہی کے حصول کے لیے ان کے حوصلوں اور ولولوں کی بے مثال داستانیں ہیں۔ یقیناً اس جذبۂ فدویت و الفت نے مسلمانوں کو تنگ دستی اور خوشحالی ہر حال میں دور دور تک اسلام کا پرچم لہرانے کی سعادت بخشی۔ اسی جذبے کی بدولت انھوں نے دنیا کی سپر پاورز کو پاش پاش کیا اور جزیرہ نمائے عرب سے باہر نکل کر اللہ کا دین دنیا کے کونے کونے تک پہنچایا۔

خواتین کا جذبۂ ایثار

صحابۂ کرام کے ساتھ ساتھ محترم صحابیات کا جذبۂ ایثار بھی دیدنی تھا۔ جیسے ہی رسول اللہ ﷺ نے چندے کا اعلان فرمایا تو صحابیات نے بھی علی الفور اپنے اموال رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیے۔ سیدہ ام سنان اسلمیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک چادر بچھی ہوئی دیکھی۔ مسلمان خواتین اس کپڑے پر اپنے ہار، چوڑیاں، پازیب، انگوٹھیاں، جھمکے اور دیگر زیورات ڈال رہی تھیں۔ اس طرح وہ بھی اسلامی لشکر کی تیاری میں اپنا پرجوش کردار ادا کر رہی تھیں۔ [2]

اسلام کی اس روحِ قربانی اور جذبۂ سرفروشی نے ہر دور میں مسلمانوں کی مشکلات کو آسان کیا اور ان کی تکالیف

[1] زاد المعاد :3/529,528، الإصابة :4/451,450، البداية والنهاية :14/657، المغازي للواقدي :2/382. [2] المغازي للواقدي :2/381,380، موسوعة الغزوات الكبرىٰ :2/1783.

کو باہم بانٹ کر بڑی سے بڑی آزمائش کو بھی آسان اور ناقابلِ التفات بنا دیا۔

منافقین کا گھناؤنا کردار

مسلمانوں کی صفوں میں موجود اندرونی دشمن ہمیشہ کی طرح اپنا گھناؤنا کردار ادا کر رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے اعلان کے بعد مسلمان دن رات جہاد کی تیاری میں مصروف تھے جبکہ منافقین کا ٹولہ رسول اکرم ﷺ کی رحم دلی اور شفقت و مرحمت سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے سازشوں میں لگا ہوا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان منافقوں کے ساتھ ہمیشہ نرمی برتی جبکہ یہ ذہنی اپاہج اور روحانی مریض بیمار سے بیمار تر ہوتے گئے۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر ہر مسلمان اپنے رب کے اس ارشاد کے مطابق معرکہ آرائی کی مقدور بھر تیاری کر رہا تھا:

﴿ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾

”تم سبک بار ہو یا گراں بار بہر حال نکلو، اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو، یہ تمھارے لیے بہت بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔“ [1]

سفر کی تیاری زور شور سے جاری تھی۔ جہاد کے لیے اسلحے کی فراہمی یقینی بنائی جا رہی تھی۔ زادِ سفر اور سواریوں کا بندوبست کیا جا رہا تھا لیکن منافقین کا ٹولہ مسلسل اپنی روایتی بدبختی کا سامان مہیا کر رہا تھا۔ سویلم یہودی کے گھر طرح طرح کی سازشوں کے جال بنے جا رہے تھے۔ پختہ ایمان مجاہدین کے ارادوں کو ڈانوا ڈول کرنے کے لیے منصوبہ سازی کی جا رہی تھی۔ یہ لوگ بظاہر مسلمانوں کے ساتھ تھے لیکن اندرونی طور پر ہر ممکن طریقے سے مسلمانوں کو کمزور کرنے، انھیں سفر جہاد سے روکنے اور ناکام کرنے کی مذموم کوششیں کر رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے فدائی منافقوں کی مذموم حرکات پر پوری طرح نظر رکھے ہوئے تھے اور ان کی شرارتوں اور سازشوں کی خبر پاتے ہی دم بدم رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دے رہے تھے۔ تاجدار مدینہ ہمیشہ کی طرح اس موقع پر بھی ان سے نرمی ہی برت رہے تھے۔ اس دوران صحابہ کرام میں سے جسے بھی موقع ملتا، وہ ان بدبختوں کو راہ راست پر لانے کی کوشش بھی کرتا تھا۔ منافقین کے لیڈر جد بن قیس اور عبداللہ بن اُبی بغرض جہاد نکلنے کے لیے قطعاً راضی نہ تھے، وہ لوگوں کو جہاد سے متنفر کرنے کی سعیٔ مذموم میں مشغول تھے، دشمن کی بھاری جنگی قوت سے ڈرا رہے تھے، شدت کی گرمی اور حالات کی تنگی کا خوف دلا رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی حرکتوں کا پردہ چاک کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ

[1] التوبة 9:41.

سَبِيلِ اللهِ وَقَالُوا لَا تَنفِرُوا فِي الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ أَشَدُّ حَرًّا لَوْ كَانُوا يَفْقَهُونَ ۞ فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَلْيَبْكُوا كَثِيرًا جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۞﴾

''جو لوگ پیچھے چھوڑ دیے گئے تھے، وہ رسول اللہ کے پیچھے اپنے بیٹھ رہنے پر خوش ہوئے اور انھوں نے ناپسند کیا کہ اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کریں اور انھوں نے (اوروں سے) کہا کہ گرمی میں کوچ نہ کرو۔ (اے نبی!) کہہ دیجیے: جہنم کی آگ (اس سے) کہیں زیادہ گرم ہے۔ کاش! وہ یہ بات سمجھتے۔ پس انھیں چاہیے کہ وہ بہت تھوڑا ہنسیں اور بہت زیادہ روئیں ان اعمال کے بدلے میں جو وہ کرتے رہے۔''[1]

جب ان فسادیوں نے اپنی مکروہ سازشوں کو بے نقاب ہوتے دیکھا تو پھر طرح طرح کے بہانے بنانے شروع کر دیے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے، نت نئے بہانے کرتے اور رخصت کی اجازت مانگتے۔ رسول اللہ ﷺ بھی انھیں اجازت دیتے جاتے تھے۔ اس طرح نوے کے قریب منافقوں نے مدینہ میں رہنے کی اجازت لے لی۔[2] ان فتنہ پردازوں کا گھروں میں بیٹھ رہنا ہی مسلمانوں کے لیے بہتر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

﴿لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوكَ وَلَٰكِن بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ وَسَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ يُهْلِكُونَ أَنفُسَهُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۞ عَفَا اللَّهُ عَنكَ لِمَ أَذِنتَ لَهُمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَتَعْلَمَ الْكَاذِبِينَ ۞ لَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَن يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ ۞ إِنَّمَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوبُهُمْ فَهُمْ فِي رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُونَ ۞ وَلَوْ أَرَادُوا الْخُرُوجَ لَأَعَدُّوا لَهُ عُدَّةً وَلَٰكِن كَرِهَ اللَّهُ انبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيلَ اقْعُدُوا مَعَ الْقَاعِدِينَ ۞ لَوْ خَرَجُوا فِيكُم مَّا زَادُوكُمْ إِلَّا خَبَالًا وَلَأَوْضَعُوا خِلَالَكُمْ يَبْغُونَكُمُ الْفِتْنَةَ وَفِيكُمْ سَمَّاعُونَ لَهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ۞ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِن قَبْلُ وَقَلَّبُوا لَكَ الْأُمُورَ حَتَّىٰ جَاءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ كَارِهُونَ ۞﴾

''اگر مال (غنیمت) قریب الحصول اور سفر درمیانہ ہوتا تو وہ (منافق) آپ کے ساتھ ضرور چلتے، لیکن کٹھن منزل ان پر دور ہو گئی، اور عنقریب وہ اللہ کی قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہم طاقت رکھتے تو تمھارے ساتھ

[1] التوبة 9:81، 82. [2] المغازي للواقدي: 2/383.

ضرور نکلتے۔ وہ خود کو ہلاک کر رہے ہیں۔ اور اللہ جانتا ہے کہ بے شک وہ سراسر جھوٹے ہیں۔ (اے نبی!) اللہ نے آپ کو معاف کر دیا، آپ نے ان (منافقین) کو اجازت کیوں دی؟ (آپ اجازت نہ دیتے) یہاں تک کہ آپ پر سچے لوگ ظاہر ہو جاتے اور آپ جھوٹوں کو جان لیتے۔ (اے نبی!) جو لوگ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، وہ آپ سے اجازت نہیں مانگتے اس سے کہ وہ اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کریں۔ اور اللہ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے۔ آپ سے اجازت تو صرف وہ لوگ مانگتے ہیں جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دل شک میں پڑے ہیں، لہٰذا وہ اپنے شک میں پڑے تردد کر رہے ہیں۔ اور اگر وہ نکلنے کا ارادہ کرتے تو اس کے لیے کچھ سامان ضرور تیار کرتے، لیکن اللہ کو ان کا اٹھنا پسند نہ تھا، اس لیے اس نے انھیں ہلنے نہ دیا اور (ان سے) کہہ دیا گیا کہ بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔ اگر وہ (منافق) تمھارے ساتھ نکلتے بھی تو وہ تمھیں زیادہ خرابی ہی میں ڈالتے اور تمھارے اندر فتنہ (کھڑا کرنے) کی خواہش لیے دوڑے دوڑے پھرتے۔ اور تم میں بعض ان کی باتیں کان لگا کر سنتے ہیں۔ اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ (اے نبی!) بلاشبہ انھوں نے اس سے پہلے بھی فتنہ (پھیلانا) چاہا تھا اور آپ کے معاملات بگاڑنے کی کوشش کی تھی، یہاں تک کہ حق آ گیا اور اللہ کا حکم غالب ٹھہرا، جبکہ وہ ناپسند ہی کرتے رہے۔" [1]

اس طرح اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے سامنے منافقوں کی حالت عیاں کر دی کہ یہ خبیث اور ابلیس صفت لوگ طویل اور پر مشقت سفر کی وجہ سے بھاگ رہے ہیں۔ اگر سفر آسان اور دشمن کمزور ہوتا تو یہ بھاگم بھاگ شرکت کرتے۔ لیکن ان کی ذہنی ویرانی بدستور قائم رہتی اور یہ ہمیشہ کی طرح سازشیں کرتے اور تمھارے لیے مصیبتیں پیدا کرتے رہتے، لہٰذا ان کا اپنے گھروں میں بیٹھ رہنا ہی بہتر ہے۔ اس طرح منافقین بالکل بے نقاب ہو گئے۔ مسلمانوں نے انھیں فرداً فرداً خوب پہچان لیا اور سورۂ توبہ کے نزول کے بعد وہ کہیں منہ دکھانے کے قابل نہ رہے، ہر جگہ ذلیل و رسوا ہو گئے۔

جد بن قیس کا بے ہودہ عذر

جد بن قیس بنوسلمہ کا سردار اور منافقین کا دوسرا بڑا لیڈر تھا۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام جنگ تبوک کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ یہ بدبخت اپنی جماعت سمیت مسلمانوں کے حوصلے پست کرنے اور انھیں رومیوں سے خوفزدہ کرنے میں مشغول تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ کی نرمی اور شفقت سے ناجائز فائدہ اٹھا رہا تھا۔ ایک روز

[1] التوبۃ 9:42-48.

رسول اللہ ﷺ اس کے پاس سے گزرے تو اسے نہایت شفقت سے غزوے میں شرکت کی دعوت دی۔ آپ کو اس کی عورتوں سے وارفتگی کا علم تھا، اس لیے آپ نے اس کی فطرت و کردار کے موافق الفاظ استعمال کرتے ہوئے فرمایا:

«أَبَا وَهْبٍ! هَلْ لَكَ الْعَامَ تَخْرُجُ مَعَنَا؟ لَعَلَّكَ تَحْتَقِبُ مِنْ بَنَاتِ الْأَصْفَرِ»

''ابووہب! کیا خیال ہے اس سال ہمارے ساتھ (غزوۂ تبوک کے لیے) چلتے ہو؟ ممکن ہے تمھیں رومیوں کی بیٹیاں (لونڈیوں کی صورت میں) ملیں۔''

یہ سن کر وہ بدبخت بولا: حضور! مجھے تو معاف ہی رکھیے، مجھے اس فتنے میں نہ ڈالیے، کیونکہ اللہ کی قسم! میری قوم بخوبی واقف ہے کہ میں عورتوں پر مر مٹنے اور ان پر فریفتہ ہونے میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ اس لیے مجھے ڈر ہے کہ میں رومی عورتوں کو دیکھ کر بے تاب ہو جاؤں گا، مجھ سے صبر نہ ہو سکے گا۔ یہ بے ہودہ جواب سن کر رسول اللہ ﷺ یہ فرما کر آگے بڑھ گئے:

«قَدْ أَذِنْتُ لَكَ»

''میں نے تمھیں اجازت دے دی۔''

جد بن قیس کے فرزند سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بڑے پکے ایمان والے اور صاحب عزیمت صحابی تھے۔ انھیں جب اپنے والد کی گستاخی کا علم ہوا تو شدید دکھ ہوا۔ وہ فوراً اپنے والد کے پاس پہنچے اور گویا ہوئے: آپ نے رسول اللہ ﷺ کی دعوت کیوں قبول نہیں کی؟ اللہ کی قسم! آپ پورے قبیلے میں سب سے خوش حال ہیں۔ سفری وسائل سے مالا مال ہیں۔ پھر آپ کا کیا عذر ہے؟ نہ آپ خود جانے کے لیے تیار ہیں، نہ کسی اور کو اسباب سفر دینے پر راضی ہیں۔ آخر کیوں؟ جد بن قیس بولا: بیٹا! اس گرم موسم میں جبکہ دن کے وقت لو چلتی ہے اور معاشی حالات بھی ٹھیک نہیں، بھلا رومیوں سے جنگ لڑنے کی کیا ضرورت ہے؟ میرے بیٹے! میں اپنے گھر اور اپنے علاقے میں رہتے ہوئے بھی رومیوں کے خوف سے لرزتا ہوں، تو ایسے لوگوں سے جنگ لڑنے کے لیے میں ان کے علاقے میں کس طرح جاؤں؟ اللہ کی قسم! میرے بیٹے! میں بڑا دانشور اور تجربہ کار ہوں، مجھے جنگوں کی بڑی واقفیت ہے۔

گویا وہ کہہ رہا تھا کہ سپر پاور روم سے جنگ لڑنا بڑی نادانی اور حکمت و دانش کے منافی ہے۔ مومن بیٹے نے باپ کا یہ منافقانہ جواب سنا تو خاموش نہ رہ سکا، دل کی بات فوراً کہہ دی۔ عرض کیا: ابا جی! یہ سب آپ کے حیلے بہانے ہیں۔ اصل میں آپ کا نفاق آپ کو غزوے کے لیے نکلنے سے روک رہا ہے۔ اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ اپنے رسول پر یقیناً قرآن نازل فرما دے گا جو آپ کی منافقت کا پردہ چاک کر دے گا۔ مومن وہ قرآن پڑھیں گے اور آپ سب کے

سامنے بے نقاب ہو جائیں گے۔ یہ سن کر منافق باپ طیش میں آ گیا۔ اس نے فوراً اپنا جوتا اتارا اور بیٹے کے منہ پر دے مارا۔ مومن بیٹا باپ کی اس جارحانہ حرکت کو صبر سے برداشت کر گیا اور وہاں سے چلا گیا۔ بیٹے کی ناصحانہ گفتگو کا اس پر کوئی اثر نہ ہوا بلکہ وہ کفر و عناد میں اور زیادہ متحرک ہو گیا اور اپنی قوم کو جنگ سے متنفر کرنے لگا۔ اس نے اپنی قوم کو مخاطب کر کے کہا: اے بنوسلمہ! اس شدید گرمی اور لو کے موسم میں مت نکلو۔ منافقین کے لیے گرمی کا تو ایک بہانہ تھا۔ اصل میں جہاد سے جی چرانا اور رسول اللہ ﷺ کے مخلص ساتھیوں کے حوصلے پست کرنا ہی ان کا مقصد تھا۔

اللہ تعالیٰ نے جد بن قیس اور اس جیسے دیگر منافقین کی حرکات کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

﴿فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ؕ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ۝ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝﴾

”جو لوگ پیچھے چھوڑ دیے گئے تھے وہ رسول اللہ کے پیچھے اپنے بیٹھ رہنے پر خوش ہوئے اور انھوں نے ناپسند کیا کہ اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کریں اور انھوں نے (اوروں سے) کہا کہ گرمی میں کوچ نہ کرو۔ (اے نبی!) کہہ دیجیے: جہنم کی آگ (اس سے) کہیں زیادہ گرم ہے۔ کاش! وہ یہ بات سمجھتے۔ پس انھیں چاہیے کہ وہ بہت تھوڑا ہنسیں اور بہت زیادہ روئیں ان اعمال کے بدلے میں جو وہ کماتے رہے۔“ [1]

علاوہ ازیں جد بن قیس کی ہرزہ سرائی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ بھی نازل فرمائی:

﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ؕ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝﴾

”اور ان میں سے کوئی آپ سے کہتا ہے کہ مجھے رخصت دے دیں اور فتنے میں نہ ڈالیں۔ سن لو! وہ فتنے میں تو پڑ چکے ہیں اور بے شک جہنم کافروں کو گھیرنے والی ہے۔“ [2]

جب یہ آیات نازل ہوئیں تو مومن بیٹا باپ کی خدمت میں پہنچا۔ کہنے لگا: ابا جی! میں نے آپ کو روکا تھا مگر آپ باز نہ آئے۔ لیجیے اب آپ لوگوں کا بھید ہر شخص پر کھل گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی مذمت میں یہ آیات نازل فرمائی ہیں۔ باپ یہ سن کر آگ بگولا ہو گیا۔ بیٹے کو ڈانٹتے ہوئے بولا: خاموش ہو جاؤ اے نادان لڑکے! نکل جاؤ یہاں سے۔ آج کے بعد میں تمھیں اپنے مال سے کچھ نہ دوں گا۔ اللہ کی قسم! تم میرے لیے محمد (ﷺ) کی نسبت زیادہ سخت ہو۔

[1] التوبة 9:81، 82. [2] التوبة 9:49.

اس طرح یہ بدنصیب گروہ اپنی سرکشی اور عداوت میں بڑھتا ہی چلا گیا۔[1]

عبداللہ بن اُبَی کا منافقانہ کردار

جد بن قیس کی طرح عبداللہ بن اُبَی بھی منافقوں کی قیادت کرتے ہوئے مسلمانوں کو جہاد سے باز رکھنے کی سرتوڑ کوششیں کر رہا تھا۔ وہ اپنے گروہ کے علاوہ بظاہر مسلمانوں کے ساتھ بھی تیاری کرتا رہا اور اندر خانے لوگوں کو رومی طاقت سے ڈرا کر اور موسمی شدت اور تنگ حالی و قحط سالی کا بہانہ بنا کر روکنے کی کوششیں کرتا رہا۔ اس لحاظ سے یہ گروہ زیادہ خطرناک اور زیادہ نقصان دہ تھا کیونکہ یہ مسلمانوں کی صفوں میں رہ کر سازشیں کر رہا تھا۔

رسول اللہ ﷺ ان کی سازشوں اور شرارتوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کر رہے تھے۔ آپ اپنے فدائیوں کو لے کر تبوک کی جانب روانہ ہونے لگے تو عبداللہ بن اُبَی بھی اپنے ساتھی منافقوں اور یہودی حلیفوں کو لے کر نکلا اور ثنیۃ الوداع کے پاس ذباب نامی جگہ پر پڑاؤ ڈالا۔ ان کی تعداد دیکھ کر منافقین دل ہی دل میں خوش ہوتے اور کہتے: عبداللہ بن ابی کا لشکر محمد (ﷺ) کے لشکر سے کم تو نہیں۔

پھر جب رسول اللہ ﷺ وہاں سے روانہ ہونے لگے تو یہ بدبخت اپنے لشکر کو یہ کہتے ہوئے واپس لے گیا:

''اتنے گرم موسم میں تنگ حالی کے باوجود اتنا طویل سفر کرتے ہوئے محمد (ﷺ) رومیوں سے جنگ لڑنے جا رہے ہیں۔ رومی بہت طاقتور ہیں، ان کا مقابلہ کرنا کسی کے بس کی بات نہیں۔ کیا محمد رومیوں کے ساتھ جنگ کرنا ایک کھیل سمجھتے ہیں؟'' یہ کہہ کر وہ واپس مڑا تو اس کے ہمنوا منافقین بھی اس کے ساتھ واپس ہو لیے۔ پھر عبداللہ بن اُبَی اپنے ہمنواؤں کے ساتھ خوش گپیاں کرنے لگا اور کہنے لگا: اللہ کی قسم! میں دیکھ رہا ہوں کہ کل محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھی رسیوں میں جکڑے ہوئے ہوں گے۔



ثنیۃ الوداع کا قدیم منظر

اس کی یہ بات بھی اس کے کفر و نفاق کی غماض تھی، اُس کا مقصد اسلامی لشکر کے حوصلوں اور ولولوں کو توڑنا تھا۔ وہ اسلامی لشکر کے اتحاد و اتفاق میں دراڑ ڈالنے کی آخری کوشش کر رہا تھا مگر عرش بریں سے اس کی ایسی مذمت نازل ہوئی جو رہتی دنیا تک اس کے مکروہ کردار سے عبرت دلاتی

[1] السيرة لابن هشام: 160/4، المغازي للواقدي: 381/2، السيرة لابن إسحاق: 596/2، موسوعة الغزوات الكبرى: 1789,1788/2، دلائل النبوة للبيهقي: 214,213/5.

رہے گی۔ اللہ تعالیٰ نے ان آستین کے سانپوں کا اسلامی لشکر سے الگ ہونا مسلمانوں کے لیے خوش آئند قرار دیا اور مسلمانوں کو تسلّی دینے کے لیے درج ذیل آیات نازل فرمائیں:

﴿ لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ○ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ○ ﴾

''اگر وہ (منافق) تمھارے ساتھ نکلتے بھی تو وہ تمھیں خرابی ہی میں زیادہ کرتے اور تمھارے اندر فتنہ (کھڑا کرنے) کی خواہش لیے دوڑے دوڑے پھرتے۔ اور تم میں بعض ان کی باتیں کان لگا کر سنتے ہیں۔ اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ (اے نبی!) بلاشبہ یقیناً انھوں نے اس سے پہلے بھی فتنہ (پھیلانا) چاہا تھا اور آپ کے معاملات بگاڑنے کی کوشش کی تھی، یہاں تک کہ حق آ گیا اور اللہ کا حکم غالب ٹھہرا، جبکہ وہ ناپسند ہی کرتے رہے۔''[1]

رسول اللہ ﷺ اور آپ کے مخلص ساتھی منافقین کے برے کردار سے واقف تھے۔ آپ کے لشکر کے منتظمین اور حربی امور کے نگران مجاہدین ان کی ہر ہر حرکت پر نظر رکھے ہوئے تھے اور آپ کو پل پل کی خبر دے رہے تھے۔

سویلم یہودی کا گھر نذر آتش

اللہ کے رسول ﷺ کو اطلاع ملی کہ منافقین اور یہود نے سویلم یہودی کے گھر کو اپنا ہیڈ کوارٹر بنا لیا ہے۔ وہ یہاں بیٹھ کر مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کے خلاف دشمن کے اس اڈے کو فوری طور پر ختم کرنے کے لیے سیدنا طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ آپ نے حکم دیا کہ سویلم کے گھر کو جلا دو۔ سویلم کا گھر جاسوم مقام پر تھا۔ سیدنا طلحہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ منافقین کے سازشی سینٹر پہنچے تو وہاں منافقین اپنے کام میں مصروف تھے۔ انھوں نے حکم نبوی کے مطابق اسے نذر آتش کیا تو بزدل یہودی اور منافقین وہاں سے نکل بھاگے۔ ان مفروروں میں ایک شخص ضحاک بن خلیفہ بھی تھا۔ وہ چھت پر چڑھ گیا اور عقبی جانب سے نیچے کود گیا لیکن خوف اور گھبراہٹ میں وہ صحیح طور پر اتر نہ سکا، یوں وہ گر کر اپنی ٹانگ اور کلائی تڑوا بیٹھا۔ اس کی دیکھا دیکھی اس کے ساتھی بھی چھت کے رستے فرار ہوگئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان میں سے کسی سازشی کو گرفتار کرنے یا سزا دینے کا حکم نہیں دیا۔ اس لیے کسی کو گرفتار کیا گیا نہ سزا دی گئی۔ آپ ﷺ کے عفو و درگزر کی بدولت یہ اسلام دشمن ایک بار پھر بچ نکلے۔

1 التوبۃ 9:47، 48۔

آپ نے ان کے قائدین اور کارکنوں کو ابھی تک کوئی سزا نہ دی، البتہ ان کے سازشی اڈے کا صفایا کرا دیا۔

ضحاک بن خلیفہ نے جان بچ جانے پر سکھ کا سانس لیا اور اپنی حالت زار ان شعروں میں اس طرح بیان کی:

وَكَادَتْ وَبَيْتِ اللّٰهِ نَارُ مُحَمَّدٍ يُشِيطُ بِهَا الضَّحَّاكُ وَابْنُ أُبَيْرِقِ

وَظَلْتُ وَقَدْ طَبَّقْتُ كَبْسَ سُوَيْلِمٍ أَنُوءُ عَلَى رِجْلِي كَسِيرًا وَ مِرْفَقِي

سَلَامٌ عَلَيْكُم لَا أَعُودُ لِمِثْلِهَا أَخَافُ وَمَنْ تَشْتَمِلْ بِهِ النَّارُ يُحْرَقُ

''بیت اللہ کی قسم! قریب تھا کہ محمد ﷺ کے حکم سے لگائی گئی آگ سے ضحاک اور ابن ابیرق جل کر خاک ہو جاتے۔ میں سویلم کے چھوٹے سے گھر کی چھت پر چڑھا اور پھر گرا تو ٹوٹی ہوئی ٹانگ اور کلائی کے سہارے اٹھا۔ تم لوگوں کو سلام! میں آئندہ کبھی ایسا کام نہیں کروں گا۔ میں ایسی آگ سے ڈرتا ہوں۔ جو شخص آگ کی لپیٹ میں آجائے، وہ خاکستر ہو جاتا ہے۔''[1]

بے وسیلہ صحابۂ کرام کی آہ وزاری

رسول اللہ ﷺ کے اعلان جہاد کے بعد تمام مخلص مسلمان بھرپور تیاری کر رہے تھے۔ مالدار صحابہ کرام اللہ تعالیٰ کی توفیق سے خرچ کر رہے تھے اور اسلامی لشکر کو وسائلِ سفر، اسلحہ اور زادِ راہ مہیا کر کے اپنے لیے جنت کی بشارتیں حاصل کر رہے تھے۔ کچھ مزدوری کر کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اپنا حصہ پیش کر کے دعائیں لے رہے تھے۔ اس اثنا میں چند مخلص مومن رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جذبۂ جہاد سے سرشار مومن تنگ دست تھے۔ ان کے پاس سواریاں تھیں نہ زاد راہ۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سواریوں کے حصول کی درخواست کرتے ہیں۔ آپ کے پاس جو کچھ تھا، وہ آپ مجاہدین میں تقسیم کر چکے تھے۔ آپ ﷺ نے جب معذرت چاہی تو ان کے دلی جذبات آنسوؤں کی شکل میں ٹپک پڑے۔ انھوں نے اپنی بے بسی اور جذبۂ فدویت کی داستان زبان سے کہنے کے بجائے آنسوؤں سے کہہ ڈالی۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے مخلص مومنوں کی محبت اور جذبۂ فدویت کا ذکر جمیل ان الفاظ میں بیان فرمایا:

﴿وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَاۤ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَاۤ اَجِدُ مَاۤ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ۝﴾

[1] السيرة لابن هشام: 161/4، السيرة لابن إسحاق: 598/2، المغازي للواقدي: 384,383/2، موسوعة الغزوات الكبرى: 1494-1489/2.

''اور (اے نبی!) نہ ان لوگوں پر (کوئی گناہ ہے) جو آپ کے پاس آئے تا کہ آپ انھیں (سفر جہاد کے لیے) سواری دیں (اور) آپ نے کہا کہ میرے پاس کوئی سواری نہیں تو وہ اس حال میں لوٹ گئے کہ ان کی آنکھوں سے اس غم میں آنسو بہہ رہے تھے کہ ان کے پاس کچھ نہیں جسے وہ (اللہ کی راہ میں) خرچ کریں۔'' [1]

امام ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کی مجلس سے روتے ہوئے نکلنے والے سات صحابی یہ تھے:

1 سیدنا سالم بن عمیر 2 سیدنا علبہ بن زید 3 ابولیلیٰ عبدالرحمان بن کعب 4 عمرو بن حمام بن جموح 5 عبداللہ بن مغفل مزنی 6 ہرمی بن عبداللہ 7 عرباض بن ساریہ فزاری۔ رضی اللہ عنہم

سیدنا یامین بن عمیر بن کعب نضری رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ابولیلیٰ عبدالرحمان بن کعب اور عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہما زار و قطار رو رہے ہیں۔ انھوں نے پوچھا: کیا ہوا، کیوں اس قدر غمگین ہو؟ کس چیز نے تمھیں رلایا ہے؟ انھوں نے بتایا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سواریوں کے حصول کے لیے حاضر ہوئے تھے لیکن آپ کے پاس بھی سواریاں نہیں ہیں، لہٰذا ہم اپنی بے بسی اور تنگدستی پر رو رہے ہیں۔ یہ سن کر سیدنا یامین رضی اللہ عنہ نے انھیں سواری دی اور دونوں کو دو دو صاع کھجوریں زادِ راہ کے لیے دے دیں۔ یہ دونوں صحابی خوشی خوشی رسول اللہ ﷺ کے ہمراہی بن گئے۔

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کو خبر ملی تو انھوں نے بھی دو صحابیوں کو سواری اور زادِ راہ دے کر روانہ کر دیا اور بقیہ تین کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے تیاری کرا دی۔ اس طرح یہ سچے مسلمان اپنی سچی لگن اور تڑپ کی بدولت رسول اللہ ﷺ کی ہمراہی سے مشرف ہو گئے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے اعلان کیا تھا: «لَا يَخْرُجْ مَعَنَا إِلَّا مُقْوٍ» ''ہمارے ساتھ صرف وہ شخص جائے جو قوی ہو (سفری مشقت جھیل سکتا ہو، اُسے سواری اور زاد راہ بھی میسر ہو)۔''

ایک شخص ایک سرکش واڑیل اونٹ پر سوار ہو کر چل دیا۔ سویداء مقام پر اونٹ نے سوار کو زمین پر پٹخ دیا جس سے وہ فوت ہو گیا۔ لوگ کہنے لگے: شہید شہید۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ یہ اعلان کر دو:

«أَلَا! لَا تَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا نَفْسٌ مُؤْمِنَةٌ وَلَا يَدْخُلُهَا عَاصٍ»

''خبردار! جنت میں صرف مومن شخص داخل ہوگا، نافرمان جنت میں نہیں جائے گا۔'' [2]

جن صحابہ کرام کے پاس سواریاں نہیں تھیں اور وہ تنگدستی کی وجہ سے خریدنے کی سکت بھی نہ رکھتے تھے، وہ بھی

[1] التوبة 9:92. [2] سنن سعيد بن منصور: 2494، المصنف لعبدالرزاق: 9294، السيرة لابن إسحاق: 597/2، المغازي للواقدي: 383,382/2، السيرة لابن هشام: 161/4، دلائل النبوة للبيهقي: 218/5، موسوعة الغزوات الكبرٰى: 1798,1797/2، زاد المعاد: 528/3.

جذبۂ ایمان سے پوری طرح سرشار اور رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں جہاد کے لیے بے تاب تھے۔ ان میں سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے قبیلے کے لوگ بھی شامل تھے۔ انھوں نے سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا تاکہ وہ سواریوں کا مطالبہ کریں۔ اتفاق سے رسول اللہ ﷺ اس وقت کسی بات پر ناراض تھے۔ آپ نے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«وَاللّٰهِ! لَا أَحْمِلُكُمْ عَلٰى شَيْءٍ»

''اللہ کی قسم! میں تمھیں کوئی سواری نہیں دوں گا۔''

پھر آپ کو سواریاں میسر آئیں تو آپ نے انھیں بلا کر سواریاں دے دیں۔ سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے سواریاں نہ ملنے پر قوم کو کیا کہا اور پھر سواریاں ملنے پر اپنی صفائی کس طرح پیش کی؟ آیئے اس کی مکمل روداد صحیحین کی روایت کی روشنی میں پڑھتے ہیں:

''ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ مجھے میرے دوستوں نے، جو جیش عسرت، یعنی غزوۂ تبوک میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ جانے والے تھے، آپ کے پاس سواریوں کے لیے بھیجا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر عرض کی: اے اللہ کے نبی! میرے دوستوں نے مجھے آپ کی خدمت میں اس لیے بھیجا ہے کہ آپ انھیں سواریاں مہیا کریں۔ آپ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! میں تمھیں کوئی سواری دینے والا نہیں۔'' اتفاق سے آپ اس وقت غصے میں تھے لیکن مجھے معلوم نہ تھا۔ میں بہت رنجیدہ ہو کر واپس چلا گیا۔ مجھے ایک رنج تو یہ تھا کہ نبی ﷺ نے سواریاں نہیں دیں اور دوسرا رنج یہ تھا مبادا نبی ﷺ میرے سواری مانگنے سے ناراض ہو گئے ہوں۔ میں اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور نبی ﷺ نے جو فرمایا تھا، وہ ان سے کہہ دیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد میں نے سنا کہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ پکار رہے ہیں: اے عبداللہ بن قیس! میں ان کے پاس گیا تو انھوں نے کہا کہ تمھیں رسول اللہ ﷺ یاد فرما رہے ہیں، ان کی خدمت میں پہنچ جاؤ۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے چھ تیار اونٹوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: ''لے جاؤ ان دو اونٹوں کو، اور ان دو اونٹوں کو، اور ان دو اونٹوں کو۔'' (یعنی تین دفعہ یہی ارشاد فرمایا) آپ نے یہ (چھ) اونٹ اسی وقت سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے خریدے تھے۔ آپ ﷺ نے مزید فرمایا: ''ان اونٹوں کو اپنے ساتھیوں کے پاس لے جاؤ اور ان سے کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ نے، یا آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ اونٹ تمھیں سواری کے لیے دیے ہیں، لہٰذا ان پر سوار ہو جاؤ۔'' پھر میں ان اونٹوں کو اپنے ساتھیوں کے پاس لے آیا اور کہا کہ یہ اونٹ نبی ﷺ نے تمھاری سواری کے لیے عنایت فرمائے ہیں لیکن اللہ کی قسم! میں تمھیں ہرگز چھوڑنے والا نہیں یہاں تک

کہ تم میں سے کچھ لوگ میرے ساتھ اس شخص کے پاس چلیں جس نے رسول اللہ ﷺ کی گفتگو سنی تھی تاکہ تمھیں یہ خیال نہ گزرے کہ میں نے تم سے اپنی طرف سے ایسی بات کہہ دی تھی جو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کہی تھی۔ انھوں نے کہا: نہیں (اس اہتمام کی چنداں ضرورت نہیں)۔ ہم تمھیں سچا سمجھتے ہیں اور اگر تم تصدیق کرانا چاہتے ہو تو ہم ایسا ہی کریں گے۔ چنانچہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ چند آدمیوں کو لے کر ان لوگوں کے پاس آئے جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کی (پہلی) گفتگو اور آپ کا انکار سنا تھا مگر اس کے بعد سواری عنایت فرما دی تھی، چنانچہ اُن لوگوں نے بھی اسی طرح بیان کیا جس طرح سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا تھا، یعنی انھوں نے سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی تصدیق کی۔''[1]

جب رسول اللہ ﷺ نے سواریاں نہ دینے کی قسم کھانے کے بعد انھیں سواریاں دے دیں تو اشعری صحابہ کو فکر ہوئی کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کو آپ کی قسم یاد نہیں دلائی اور سواریاں لے لی ہیں۔ لہٰذا یہ سواریاں ہمارے لیے کیسے باعث برکت ہوں گی؟ وہ فوراً واپس گئے اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ اپنی قسم بھول گئے تھے، اسی دوران ہم نے سواریاں وصول کرلیں۔ آپ کے قسم اٹھانے کے بعد اب ہم ان سواریوں سے کیسے فائدہ اٹھائیں گے اور یہ ہمارے لیے باعث برکت کیسے ہوں گی؟ یہ سن کر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لَسْتُ أَنَا حَمَلْتُكُمْ، وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَمَلَكُمْ، وَإِنِّي وَاللّٰهِ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ لَا أَحْلِفُ عَلٰى يَمِينٍ فَأَرٰى غَيْرَهَا خَيْرًا مِّنْهَا إِلَّا أَتَيْتُ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ وَّتَحَلَّلْتُهَا»

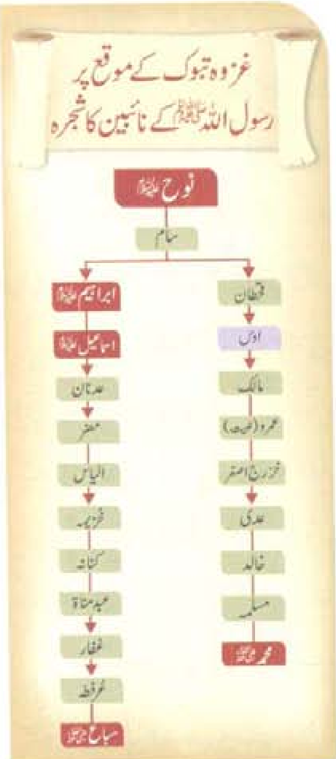
''واقعی میں نے تمھارے لیے سواری کا انتظام نہیں کیا بلکہ یہ سواریاں تو تمھیں اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہیں۔ اللہ کی قسم! تم اس پر یقین رکھو کہ ان شاء اللہ جب بھی میں کوئی قسم کھاؤں، پھر مجھ پر یہ بات ظاہر ہو جائے کہ بہتر اور مناسب طرز عمل اس کے سوا میں ہے تو میں وہی کروں گا جس میں اچھائی ہوگی اور قسم کا کفارہ دے دوں گا۔''[2]

مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ کے جانشین

رسول اللہ ﷺ اپنے طریقہ کار کے مطابق اسلامی لشکر کو مسلح کرنے اور وسائل سفر مہیا کرنے کے بعد تبوک کی طرف نکلنے لگے تو آپ نے مدینہ منورہ میں سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ ایک روایت کے مطابق سیدنا سباع بن عرفطہ غفاری رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام بنایا جو غفار قبیلے کے فرد تھے اور بدر کے قریب رہائش پذیر تھے۔ یہ

[1] صحيح البخاري: 4415، صحيح مسلم: 1649. [2] صحيح البخاري: 3133، دلائل النبوة للبيهقي: 5/217,216، زاد المعاد: 3/528، البداية والنهاية: 4/658,657.

فیصلہ آپ ﷺ کی تعلیمات کا عکاس ہے کہ اسلام میں عہدے خاندانی تعلقات یا قبائل کی بنیاد پر نہیں دیے جاتے بلکہ اہلیت و قابلیت اور اسلامی خدمات کی بدولت عطا ہوتے ہیں۔



تبوک کا سفر لمبا تھا اور پھر یہ بھی پتہ نہیں تھا کہ رومیوں سے لڑائی میں کتنے دن لگتے ہیں، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر اپنے اہل بیت کی خبر گیری کے لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں چھوڑا۔ منافقین اپنے تمام حربے بری طرح ناکام ہوتے ہوئے دیکھ چکے تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں دیکھ کر انھیں اپنے زہریلے تیر چلانے کا ایک نیا موقع مل گیا۔ انھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اپنے نشانے پر رکھ لیا اور طعن و تشنیع کے تیروں کی بوچھاڑ شروع کر دی۔ کسی نے یہ زہریلا جملہ کسا کہ رسول اللہ (ﷺ) اپنا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے علی (رضی اللہ عنہ) کو مدینہ چھوڑ گئے ہیں کیونکہ آپ علی کو اپنے لیے بوجھ سمجھتے ہیں۔

یہ جملہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لیے بڑا تکلیف دہ ثابت ہوا۔ ان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ انھوں نے اپنا اسلحہ سنبھالا، سواری پکڑی اور مدینہ منورہ سے تین کلومیٹر دور مقام جرف پر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ وہ نہایت دکھی انداز میں عرض کرنے لگے: اے اللہ کے رسول! آپ مجھے بچوں اور عورتوں کے پاس چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ منافقین مجھ پر طنز کر رہے ہیں کہ آپ نے اپنا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے مجھے مدینہ منورہ چھوڑا ہے۔ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا زاد بھائی کو دلاسہ دیتے ہوئے یہ لازوال جملہ ارشاد فرمایا:

«أَمَا تَرْضٰى أَنْ تَكُونَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسٰى غَيْرَ أَنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي»

''کیا تم اس پر خوش نہیں ہو کہ تم میرے لیے ایسے ہی ہو جیسے موسیٰ علیہ السلام کے لیے ہارون علیہ السلام تھے۔ لیکن فرق یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔''

اس طرح رسول اللہ ﷺ نے منافقین کے کردار کی نفی کی اور ان کے الزامات کی تردید کرتے ہوئے اپنے بھائی کو تسلی دی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ آپ کی یہ فرحت بخش تسلی سن کر واپس اپنی ذمہ داری نبھانے مدینہ منورہ آ گئے۔ [1]

[1] صحيح البخاري: 4416، صحيح مسلم: 2404، السيرة لابن هشام: 163/4، المغازي للواقدي: 384,383/2، موسوعة الغزوات الكبرٰى: 1797/2، السيرة لابن إسحاق: 598/2.

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ مؤرخین علامہ ابن اسحاق، ابن ہشام، واقدی وغیرہ نے غزوۂ تبوک کے موقع پر مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ کے نائب سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ یا سباع بن عرفطہ رضی اللہ عنہ کو قرار دیا ہے۔ جبکہ صحیح روایات میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو نائب بنانے کا تذکرہ ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ خَرَجَ إِلٰى تَبُوكَ، وَاسْتَخْلَفَ عَلِيًّا.

''رسول اللہ ﷺ تبوک کی طرف تشریف لے جانے لگے تو آپ نے مدینہ منورہ میں علی رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین مقرر فرمایا۔'' [1]

مسند احمد کے الفاظ یہ ہیں:

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ حِينَ خَرَجَ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ، إِسْتَخْلَفَ عَلِيًّا عَلَى الْمَدِينَةِ ......

''رسول اللہ ﷺ جب غزوۂ تبوک کے لیے گئے تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں اپنا نائب بنایا۔'' [2]

ان روایات کی بنا پر کچھ محدثین، مثلاً حافظ ابن عبدالبر وغیرہ کا موقف ہے کہ غزوۂ تبوک میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ مدینہ میں آپ ﷺ کے نائب تھے۔

امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں ایک روایت ذکر کی ہے جس سے یہ اختلاف دور ہوسکتا ہے۔ اس میں یہ ہے کہ جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے منافقین کے طعن و تشنیع کا تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا:

«كَذَبُوا وَلٰكِنِّي خَلَّفْتُكَ لِمَا تَرَكْتُ وَرَائِي فَارْجِعْ فَاخْلُفْنِي فِي أَهْلِي وَأَهْلِكَ ......»

''یہ منافقین جھوٹی باتیں اُڑا رہے ہیں۔ میں نے تمھیں اہل بیت کی حفاظت کے لیے پیچھے چھوڑا ہے۔ تم واپس جاؤ اور میرے اہل وعیال اور اپنے گھر والوں میں میرا نائب بن کر ان کی حفاظت کرو۔'' [3]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے عطاء بن ابی رباح کی مرسل روایت سے اس کی وضاحت کی ہے۔ اس کے الفاظ کچھ یوں ہیں:

«يَا عَلِيُّ! أُخْلُفْنِي فِي أَهْلِي، وَاضْرِبْ وَخُذْ وَعِظْ» ثُمَّ دَعَا نِسَائَهُ فَقَالَ: «إِسْمَعْنَ لِعَلِيٍّ وَّ أَطِعْنَ»

''اے علی! میرے گھر والوں میں میرے نائب بن جاؤ۔ (بوقت ضرورت) ڈانٹ ڈپٹ کرو اور وعظ و نصیحت

[1] صحيح البخاري: 4416، صحيح مسلم: 2404. [2] مسند أحمد: 1532. [3] دلائل النبوة للبيهقي: 220/5، شرح الزرقاني على المواهب: 81،80/4.

کرو۔'' پھر آپ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کو بلایا اور فرمایا: ''علی کی بات سننا اور اطاعت کرنا۔'' [1]

علامہ ابن اسحاق نے بھی یہی بات بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ کو اپنے گھر والوں کے لیے اپنا نائب مقرر کیا تھا۔ [2]

مذکورہ بالا متضاد روایات کی بنا پر کچھ علماء نے ان روایات کو اس طرح سے جمع کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اپنے گھر والوں کے لیے اپنا نائب بنایا جب کہ اہل مدینہ کے عمومی امور کے لیے محمد بن مسلمہ کو مقرر فرمایا۔ نمازوں کی امامت کے لیے سیدنا ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو نائب بنایا۔ سیدنا سباع بن عرفطہ رضی اللہ عنہ کو پہلے نائب بنایا، پھر ان کی جگہ سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو مقرر کر دیا گیا۔ [3]

اسلامی لشکر کی روانگی

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں اپنے نائب مقرر کیے اور تقریباً 30 ہزار کا لشکر لے کر تبوک کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ کے لشکر کے پاس سواری کے لیے اونٹ تھے۔ صحابہ کرام باری باری اونٹ پر سواری کرتے۔ 10 ہزار کے قریب گھوڑے بھی لشکر کے ہمراہ تھے۔ بعض مؤرخین نے لشکر کی تعداد 40 ہزار اور بعض نے 70 ہزار بھی نقل کی ہے۔ لیکن جمہور مؤرخین نے یہ تعداد 30 ہزار ہی نقل کی ہے۔ اسلامی لشکر روانہ ہوا تو منافقین نے بہانے تراش کر پیچھے رہنے کی اجازت لے لی۔ کچھ عبداللہ بن ابی کی قیادت میں اعلان سرکشی کر کے واپس مڑ گئے۔ البتہ کچھ صحیح العقیدہ مسلمان بھی تھے جو بغیر کسی عذر کے پیچھے رہ گئے تھے۔ ان میں سیدنا کعب بن مالک، ہلال بن امیہ، مرارہ بن ربیع، ابوذر غفاری اور ابوخیثمہ رضی اللہ عنہم شامل تھے۔

اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر سستی دکھانے والوں کو شدید ڈانٹ پلائی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ۭ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ۝ اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ڏ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَـيْـــًٔـا ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ۭ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِىَ الْعُلْيَا ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ

[1] فتح الباري: 140/8. [2] السيرة لابن إسحاق: 598/2. [3] شرح الزرقاني على المواهب: 81/4.

اللّٰهِ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝﴾

"اے ایمان والو! تمھیں کیا ہو گیا ہے، جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں نکلو تو تم (کاہلی کے باعث) زمین کی طرف گرے جاتے ہو، کیا تم آخرت کے مقابلے میں دنیاوی زندگی پر خوش ہو گئے ہو؟ دنیا کی زندگی کا فائدہ تو آخرت (کے مقابلے) میں بہت ہی تھوڑا ہے۔ اگر تم نہیں نکلو گے تو وہ (اللہ) تمھیں دردناک عذاب دے گا اور تمھاری جگہ کسی اور قوم کو لے آئے گا اور تم اس کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے اور اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔ اگر تم اس (نبی) کی مدد نہیں کرو گے تو تحقیق اللہ نے اس کی (اس وقت) مدد کی (تھی) جب کافروں نے اس کو (مکہ سے) نکال دیا تھا، (وہ) دو میں دوسرا تھا، جبکہ وہ دونوں غار (ثور) میں تھے، جب وہ (نبی) اپنے ساتھی (ابوبکر) سے کہہ رہا تھا: غم نہ کر، یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے، پھر اللہ نے اس پر اپنی سکینت نازل کی اور ایسے لشکروں سے اس کی مدد کی جنھیں تم نے نہیں دیکھا، اور اس نے کافروں کی بات نیچی کر دی، اور بات تو اللہ ہی کی سب سے بلند ہے۔ اور اللہ نہایت غالب، خوب حکمت والا ہے۔ تم سبک بار ہو یا گرانبار بہر حال نکلو، اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو، یہ تمھارے لیے بہت بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔"[1]

اسلامی لشکر ثنیۃ الوداع پہنچا تو رسول اللہ ﷺ نے لشکر کو منظم کیا۔ آپ نے مرکزی جھنڈا سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو عطا کیا۔ سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو بھی ایک بڑا جھنڈا عطا کیا۔ انصار کے اوس قبیلے کا علم سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کو سونپا جبکہ خزرج کا جھنڈا سیدنا ابودجانہ رضی اللہ عنہ کو دیا۔ دوسری روایت میں ہے کہ یہ جھنڈا سیدنا حباب بن منذر بن جموح رضی اللہ عنہ کو عطا کیا۔ پھر آپ نے ان قبائل کی ضمنی شاخوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے اپنے خاندان کا جھنڈا بنا لیں۔ آپ نے حفاظتی دستے کی کمان سیدنا عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کو سونپی۔ وہ اسلامی لشکر اور معسکر میں چکر لگاتے رہتے تھے تاکہ کسی بھی ہنگامی حالت کا تدارک کر سکیں۔ غزوۂ تبوک میں رستوں کی راہنمائی کے لیے آپ نے علقمہ بن فغواء خزاعی کو راہبر بنایا کیونکہ وہ تبوک جانے والے رستوں کے ماہر تھے۔

لشکرِ اسلامی اپنی منزل کی طرف گامزن ہوا۔ جب آپ ﷺ کو بتایا جاتا: اے اللہ کے رسول! فلاں فلاں شخص پیچھے رہ گیا ہے تو یہ سن کر آپ فرماتے:

«دَعُوهُ، إِنْ يَّكُ فِيهِ خَيْرٌ فَسَيُلْحِقُهُ اللّٰهُ بِكُمْ وَإِنْ يَّكُ غَيْرَ ذَالِكَ فَقَدْ أَرَاحَكُمُ اللّٰهُ مِنْهُ»

[1] التوبۃ 9:38-41.

''اسے رہنے دو، اگر اس میں خیر ہوئی تو وہ عنقریب تمھیں آ ملے گا۔ اور اگر اس میں خیر نہیں ہے تو سمجھ لو کہ تمھیں اللہ تعالیٰ نے اس سے نجات دے دی ہے۔''

جس شخص کے بارے میں بھی آپ کو اطلاع دی جاتی، آپ یہی فرماتے حتی کہ آپ کو بتایا گیا کہ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بھی پیچھے رہ گئے ہیں۔ آپ نے ان کے بارے میں بھی یہی فرمایا: ''اگر ان میں خیر ہوئی تو وہ تمھارے ساتھ آملیں گے۔ ورنہ سمجھ لو کہ تمھیں ان سے بچالیا گیا ہے......''[1]

آج تک اتنا بڑا اسلامی لشکر کبھی کسی دشمن کی طرف روانہ نہیں ہوا تھا۔ تیس سے چالیس ہزار کا لشکر جب کسی منزل سے کوچ کرتا تو اس کے آخری گروہ بمشکل صبح تک لشکر سے مل پاتے تھے۔ سورج ڈھلنے کے بعد تیاری شروع ہوتی، رات بھر سفر جاری رہتا۔ صبح کے وقت جب اہل لشکر آرام کی غرض سے کہیں پڑاؤ کرتے، تب جا کر لشکر کا آخری گروہ پہنچ کر لشکر سے ملتا تھا۔ اس حالت میں اگر کوئی شخص لشکر سے پیچھے رہنا چاہتا تو وہ سمجھتا کہ اتنی بڑی تعداد میں اس کا مخفی رہنا کچھ مشکل نہیں، کسی کو معلوم ہی نہیں ہوگا کہ وہ لشکر میں ہے یا اپنے گھر میں۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قریبی جاں نثاروں کی مکمل خبر گیری کرتے تھے، جو نظر نہ آتا اس کے بارے میں دریافت فرماتے تھے۔ اس طرح یہ لشکر منزل بہ منزل چلتا رہا۔ منافقین اپنے گھروں میں دادِ عیش دینے لگے۔ البتہ مخلص اور پختہ ایمان سیدنا مرارہ بن ربیع اور کعب بن مالک رضی اللہ عنہما تیاری کی غرض سے روزانہ گھر سے نکلتے۔ سواری اور زادِ راہ کا بندوبست کرنے کی کوشش کرتے۔ پھر اس خیال سے کہ ابھی لشکر زیادہ دور نہیں گیا اور تیز رفتار اونٹ انھیں جلد ہی لشکر سے ملا دیں گے، وہ واپس گھر پلٹ جاتے۔ سستی اور بشری کوتاہی کے باعث وہ کچھ تیاری نہ کر پاتے۔ اسی طرح کئی دن گزر گئے اور یہ مخلص مومن روانہ نہیں ہو سکے اور اسلامی لشکر میں شامل نہ ہونے پائے۔ یہ جب مدینہ منورہ کے بازاروں اور گلیوں میں ٹہلتے لوگوں کو دیکھتے تو انھیں منافقوں اور معذور لوگوں کے سوا اور کوئی دکھائی نہ دیتا۔ منافقین اور اہل عذر کو دیکھ کر ان راسخ العقیدہ مومنوں کو بہت رنج ہوتا کہ وہ خوشحالی کے باوجود بروقت تیاری کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ جاسکے۔ کیونکہ اب لشکر کے ساتھ ملنا تقریباً ناممکن ہو چکا تھا۔ گرمی کی شدت، طویل سفر اور پکے ہوئے پھل آرام طلبی کی خواہش بڑھا دیتے تھے۔ بالآخر سستی اور کاہلی غالب آئی اور وہ اس سعادت سے محروم ہو گئے جس سے تبوک روانہ ہونے والے مجاہدین سرفراز ہوئے تھے۔ البتہ چند ایسے خوش نصیب بھی تھے جو بشری تقاضوں کو پس پشت ڈال کر، سستی اور کاہلی کو دور پھینک کر گھروں سے نکل کھڑے ہوئے۔ بیوی بچوں، پکے پھلوں اور سایہ دار گھنے درختوں کی

[1] المستدرك للحاكم: 4373، دلائل النبوة للبيهقي: 221/5، المغازي للواقدي: 387/2.

چھاؤں نے انھیں روکنے کی کوشش کی مگر ان کے عزم میں لغزش نہ آئی، لہٰذا وہ ہر قسم کی سختیاں برداشت کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔ ان خوش نصیبوں میں ایک سیدنا ابوخیثمہ مالک بن قیس رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ آیئے ان کی روداد پڑھتے ہیں۔

سیدنا ابوخیثمہ مالک بن قیس رضی اللہ عنہ کی داستانِ عزیمت

علامہ ابن ہشام نے سیدنا ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ کا نام مالک بن قیس جبکہ علامہ واقدی نے عبداللہ لکھا ہے۔ حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے الإصابہ میں ابوخیثمہ کنیت کے دو صحابی ذکر کیے ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان میں سے ایک کا نام علامہ واقدی کے حوالے سے عبداللہ لکھا ہے۔ یہ جنگ احد میں شریک ہونے والے صحابہ میں سے ہیں۔ دوسرے صحابی کا نام مالک بن قیس لکھا ہے۔ یہ وہی ہیں جنھیں ایک صاع کھجوریں صدقہ کرنے پر منافقین نے طنز کا نشانہ بنایا تھا۔ پھر فرماتے ہیں کہ ابن کلبی نے بیان کیا ہے کہ یہ دونوں صحابی دراصل ایک ہی شخصیت ہیں اور ان کا نام مالک بن قیس ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں غزوۂ تبوک کے ضمن میں سیدنا ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ کا نام سعد بن خیثمہ بیان کیا ہے۔ اس کی وجہ طبرانی کی ایک روایت ہے جو ہم ابھی تفصیل سے بیان کریں گے۔

پھر فرمایا ہے کہ علامہ واقدی نے ان کا نام عبداللہ بتایا ہے جبکہ ابن شہاب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ان کا نام مالک بن قیس تھا۔[1] واللہ اعلم۔

رسول اللہ ﷺ کی روانگی کو دس دن ہوگئے تھے۔ پیچھے رہ جانے والے اسی پس و پیش میں تھے کہ آج تیاری کرکے نکلیں یا کل نکل جائیں گے، یہاں تک کہ اسلامی لشکر بہت دور نکل گیا اور مدینہ میں سستی کی وجہ سے پیچھے رہ جانے والے چند مخلص صحابہ کے حوصلے مزید پست ہوگئے تو سیدنا ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ ایک نئے ولولے اور عزم سے اٹھے تو ساری سستی کافور ہوگئی۔ انھوں نے ہر حال میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچنے کا پختہ ارادہ کرلیا تھا۔ وہ پختہ ایمان والے تھے۔ نفاق کی بیماری ان سے کوسوں دور تھی۔ منافقین اور معذوروں کو دیکھ کر ان کے جوہر ایمان نے مزید ہمت بندھائی کہ اب بھی دیر نہیں ہوئی، تم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر سرخرو ہوسکتے ہو۔ وہ اسی ارادے اور نیت سے واپس آئے۔ اپنے باغ میں پہنچے تو خدمت گزار حسین و جمیل دونوں بیویاں اپنے وفا شعار خاوند کی خدمت کے لیے تیار تھیں۔ گرمی کی شدت کم کرنے کے لیے پانی کا چھڑکاؤ ہوچکا تھا۔ سایہ دار سائبان کے نیچے کھانا اور ٹھنڈا پانی اپنے مخدوم کا منتظر تھا۔ تازہ پھل چنے جاچکے تھے۔ حیادار بیویاں زیب و زینت کیے خاوند کے انتظار میں تھیں۔

[1] السيرة لابن هشام: 165/4، المغازي للواقدي: 385/2، الإصابة: 93/7، فتح الباري: 148/8.

سیدنا ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ اپنے باغ میں داخل ہوئے۔ اپنی نیک شریک حیات کا اہتمام دیکھا، حلال و پاکیزہ نعمتوں کی فراوانی دیکھی، لذیذ کھانا اور مرغوب پھل دیکھے تو فوراً زبان سے نکلا: سبحان اللہ! میرے محبوب قائد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن کی اگلی پچھلی تمام غلطیاں اللہ رب العالمین پہلے ہی معاف فرما چکا ہے، وہ تو سخت ترین گرمی میں جبکہ سورج آگ برسا رہا ہے، اسلحہ لٹکائے اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے نکل چکے ہیں اور ابوخیثمہ یہاں ٹھنڈے میٹھے مشروبات، لذیذ کھانوں اور مزیدار پھلوں سے لطف اندوز ہو رہا ہے۔ دو حسین بیویاں خدمت کے لیے تیار بیٹھی ہیں۔ ابوخیثمہ اپنے مال اور اہل و عیال میں خوش ہو رہا ہے۔ اللہ کی قسم! یہ انصاف نہیں۔ انھوں نے اپنی ازواج کو مخاطب کر کے فرمایا: اللہ کی قسم! میں تم دونوں کے سائبان میں ہرگز داخل نہ ہوں گا حتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو جاؤں۔ تم میرے لیے زادِ راہ تیار کرو۔ فرماں بردار بیویوں نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ سیدنا ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ نے اپنی اونٹنی پر زادِ راہ رکھا، اسلحہ لیا اور سوار ہو کر تبوک کی جانب چل دیے۔ وہ مدینہ منورہ سے اکیلے ہی چلے تھے مگر سفر میں اللہ تعالیٰ نے ایک صالح ہم سفر بھی عطا کر دیا۔

سیدنا ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ وادی قریٰ میں پہنچے تو ان کی ملاقات سیدنا عمیر بن وہب جمحی رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ وہ بھی اسی ارادے سے محوِ سفر تھے، لہٰذا سفر کی مشکلات آسان ہو گئیں۔ دونوں مومن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچنے کے لیے بے تابی سے چلے جا رہے تھے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے شوق اور اپنی کوتاہی کے ازالے کے لیے یہ سفر جلد از جلد طے کرنا چاہتے تھے۔ پھر وہ وقت آ ہی گیا جب محبوب کی زیارت چند کلومیٹر کے فاصلے پر تھی۔ سیدنا ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ہمسفر سے عرض کی: اے عمیر! میں ایک غلطی کر بیٹھا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے اپنے سے پہلے خدمتِ اقدس میں حاضر ہونے کا موقع دے دو تا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش کر کے اپنی غلطی کی معافی مانگ لوں۔ انھوں نے بخوشی اجازت دے دی۔ سیدنا ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ آگے بڑھ گئے اور سیدنا عمیر رضی اللہ عنہ اپنے بھائی سے پیچھے رہ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک میں تشریف فرما تھے۔ لوگوں نے دور سے ایک مسافر آتا ہوا دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی گئی: حضور! یہ کوئی سوار آ رہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«كُنْ أَبَا خَيْثَمَةَ»

''یہ تو ابوخیثمہ ہونا چاہیے (اے اللہ! یہ ابوخیثمہ ہو)۔''

جب وہ قریب آئے تو صحابہ کرام نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہ تو ابوخیثمہ ہی ہیں۔ سیدنا ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ نے اپنی سواری کو بٹھایا، نیچے اترے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی پوری روداد

سنائی۔ عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں ہلاکت کے بہت قریب پہنچ گیا تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے بچا لیا۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَوْلٰى لَكَ» ”(تمھارا یہاں پہنچنا ہی) تمھارے لائق تھا۔“

پھر رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے دعائے خیر فرمائی۔

اس طرح سیدنا ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ اپنی سچی لگن کی بدولت سرخرو ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ سے خیر و برکت کی دعائیں بھی لیں اور آپ کی زیارت سے اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کے سرور کا سامان بھی کیا۔

سیدنا ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر چند اشعار پڑھے جو ان کی رسول اللہ ﷺ اور دین اسلام سے گہری محبت کے آئینہ دار ہیں۔ وہ اشعار اور ان کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

لَمَّا رَأَيْتُ النَّاسَ فِي الدِّينِ نَافَقُوا ... أَتَيْتُ الَّتِي كَانَتْ أَعَفَّ وَأَكْرَمَا

وَبَايَعْتُ بِالْيُمْنٰى يَدِي لِمُحَمَّدٍ ... فَلَمْ أَكْتَسِبْ إِثْمًا وَّلَمْ أَغْشَ مُحْرَمَا

تَرَكْتُ خَضِيبًا فِي الْعَرِيشِ وَصِرْمَةً ... صَفَايَا كِرَامًا بُسْرُهَا قَدْ تَحَمَّمَا

وَكُنْتُ إِذَا شَكَّ الْمُنَافِقُ أَسْمَحَتْ ... إِلَى الدِّينِ نَفْسِي شَطْرَهُ حَيْثُ يَمَّمَا

”جب میں نے لوگوں کو دین اسلام میں منافقت کرتے دیکھا تو میں نے وہ اعمال کیے جو نہایت پاکیزہ اور عزت بخشنے والے تھے۔ میں نے اپنا دایاں ہاتھ تاجدار مدینہ محمد ﷺ کے ہاتھ میں دے کر آپ کی بیعت کر لی۔ اس کے بعد میں نے کبھی کوئی گناہ کیا نہ کسی حرام کام کا ارتکاب کیا۔ میں نے سائبان تلے مہندی سے سجی ہوئی خوبصورت بیوی اور بہترین کھجوروں سے لدے ہوئے عمدہ درخت چھوڑ دیے، ان درختوں کی گدری کھجوریں پک کر سیاہ ہو چکی تھیں۔ جب منافق دین اسلام میں شک کرتا ہے تو میرا دل پوری طرح دین کی طرف راغب ہو جاتا ہے۔“[1]

سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا ایمان و یقین

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ ابتدائے اسلام ہی میں مسلمان ہونے والے خوش نصیبوں میں سے ایک ہیں۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے بہت قریبی فدائی اور درویش صفت صحابی تھے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ کی فرماں برداری اور

[1] السيرة لابن هشام: 164/4، المغازي للواقدي: 386,385/2، دلائل النبوة للبيهقي: 223,222/5، البداية والنهاية: 660/4، المعجم الكبير للطبراني: 5281.

دین اسلام کی آبیاری ہی ان کا مقصدِ حیات تھا۔ ہر موقع پر رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ رہے۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر پوری تیاری کر کے نکلے مگر سواری کا اونٹ مسلسل سفری صعوبتیں برداشت نہ کر سکا اور کمزور و لاغر ہو گیا۔ سیدنا ابو ذر نے ارادہ کیا کہ چند روز اسے اچھی خوراک دے کر اس کی تندرستی کے بعد سفر شروع کروں گا۔ ان کا خیال تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جلد ہی مل جائیں گے۔ مگر اچھی خوراک دینے کے باوجود بھی اونٹ تھوڑی دور جا کر ہی بے بس ہو گیا، اب اس کے لیے مزید چلنا ناممکن تھا۔ سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ نے اسے وہیں چھوڑا اور خود سامان اٹھائے پیدل ہی چل دیے۔

ادھر رسول اللہ ﷺ کو خبر دی گئی کہ ابو ذر رضی اللہ عنہ پیچھے رہ گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

«دَعُوهُ فَإِنْ يَكُ فِيهِ خَيْرٌ فَسَيُلْحِقُهُ اللّٰهُ تَعَالٰى بِكُمْ وَ إِنْ يَكُ غَيْرَ ذَالِكَ فَقَدْ أَرَاحَكُمُ اللّٰهُ مِنْهُ»

''اسے رہنے دو، اگر اس میں خیر و بھلائی ہوئی تو اللہ تعالیٰ عنقریب اسے تمھارے ساتھ ملا دے گا اور اگر اس کا معاملہ دوسرا ہے تو (جان لو) اللہ تعالیٰ نے تمھیں اس سے راحت پہنچا دی ہے۔''

ادھر سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ سینکڑوں میل کا سفر پیدل ہی طے کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی طرف گامزن تھے۔ یہ طویل اور پر مشقت سفر رسول اللہ ﷺ اور دین اسلام سے گہری محبت کے بغیر ممکن ہی نہ تھا۔ سیدنا ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت سے پوری طرح سرشار تھے، اس لیے اکیلے ہی منزل کی طرف کشاں کشاں چلے جا رہے تھے۔ دورانِ سفر میں رسول اللہ ﷺ نے ایک جگہ پڑاؤ فرما رکھا تھا۔ اچانک ایک مجاہد نے دور سے کسی پروانے کو آتے دیکھا تو عرض کی: اے اللہ کے رسول! ایک شخص دور سے اکیلا ہی چلا آ رہا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے دعا کی: «كُنْ أَبَا ذَرٍّ» ''اے الٰہی! یہ ابو ذر ہو۔''

جب یہ مسافر کچھ قریب آیا اور مجاہدین نے اسے غور سے دیکھا تو وہ خوشی سے چلا اٹھے: اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! یہ تو ابو ذر ہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَرْحَبًا بِأَبِي ذَرٍّ، يَمْشِي وَحْدَهُ وَ يَمُوتُ وَحْدَهُ وَ يُبْعَثُ وَحْدَهُ»

''ابو ذر کو خوش آمدید! ابو ذر اکیلا سفر کرتا ہے، تنہا فوت ہوگا اور قیامت کے روز اکیلا ہی اٹھایا جائے گا۔''

سیدنا ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے پوچھا:

«مَا خَلَّفَكَ يَا أَبَا ذَرٍّ!» ''ابو ذر! تو پیچھے کیسے رہ گیا تھا؟''

سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ نے آپ کو ساری روداد سنائی۔ اپنے بیمار اونٹ کی خبر دی اور اپنے پر مشقت سفر کی داستان بیان

کی۔ اس پر تاجدار مدینہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنْ كُنْتَ لَمِنْ أَعَزِّ أَهْلِي عَلَيَّ تَخَلُّفًا. لَقَدْ غَفَرَاللّٰهُ لَكَ يَا أَبَا ذَرٍّ! بِكُلِّ خُطْوَةٍ ذَنْبًا إِلٰى أَنْ بَلَغْتَنِي»

''اے ابوذر! تمھارا پیچھے رہ جانا مجھے بہت پریشان کر رہا تھا، میرے پاس پہنچنے تک اللہ تعالیٰ تمھارے ہر قدم کے بدلے ایک گناہ معاف فرماتا رہا ہے۔''[1]

یہ روایت سنداً کمزور ہے، البتہ اس میں موجود رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئی حرف بحرف درست ثابت ہوئی۔ آیئے اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ کے باہر ربذہ نامی ایک جگہ پر منتقل ہوگئے تھے۔ وہ مدینۃ الرسول ﷺ کو چھوڑ کر ربذہ میں اکیلے ہی رہائش پذیر کیوں ہوگئے؟ اس کی وجہ صحیح بخاری کی اس حدیث میں ہے جسے زید بن وہب نے روایت کیا ہے، انھوں نے کہا: میں ربذہ سے گزرا تو وہاں ابوذر رضی اللہ عنہ دکھائی دیے۔ میں نے پوچھا: آپ یہاں کیوں آگئے؟ انھوں نے جواب دیا: میں شام میں تھا، میرا اور معاویہ رضی اللہ عنہ کا اس آیت کریمہ: ﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾ (التوبة 9:34) ''جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور انھیں اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو ایسے لوگوں کو دردناک عذاب کی خبر دو۔''

کے متعلق اختلاف ہوگیا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کا کہنا تھا کہ یہ آیت اہل کتاب کے متعلق نازل ہوئی جبکہ میرا موقف تھا

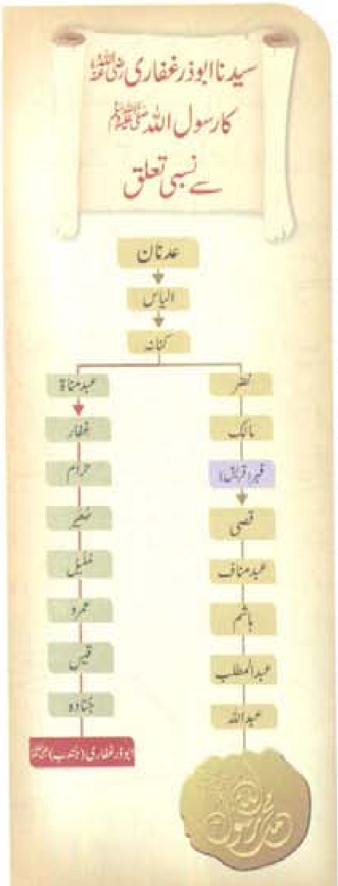
[1] السيرة لابن هشام: 168/4، دلائل النبوة للبيهقي: 222/5، السيرة لابن إسحاق: 602/4، المغازي للواقدي: 387/2، البداية والنهاية: 661/4، الإصابة: 109/7، المستدرك للحاكم: 4373.



شام کا ایک خوبصورت منظر

کہ یہ آیت ہمارے اور اہل کتاب دونوں کے بارے میں ہے۔ اس اختلاف کے نتیجے میں ہمارے مابین کچھ تلخی پیدا ہوگئی تو انھوں نے بذریعہ خط عثمان رضی اللہ عنہ سے میری شکایت کی۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے مجھے خط لکھا کہ تم مدینہ چلے آؤ۔ چنانچہ میں مدینہ چلا آیا تو میرے ہاں لوگوں کا اس قدر ہجوم ہونے لگا جیسے انھوں نے مجھے پہلے کبھی دیکھا ہی نہ تھا۔ میں نے عثمان رضی اللہ عنہ سے لوگوں کے ہجوم کا ذکر کیا تو انھوں نے فرمایا: اگر تم مناسب خیال کرو تو مدینہ سے نکل کر کسی دوسری قریبی جگہ الگ سکونت اختیار کر لو۔ بس یہی بات مجھے یہاں (ربذہ) لے آئی ہے۔ اگر وہ کسی حبشی کو بھی میرا امیر مقرر کر دیں تو میں اس کی بات بھی سنوں گا اور اطاعت کروں گا۔[1]

سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے زندگی کے آخری ایام ربذہ میں بسر کیے۔ ان کے ساتھ ان کی وفا شعار بیوی اور غلام تھا۔ انھوں نے وصیت کی کہ جب میں فوت ہو جاؤں تو غسل دے کر اور کفن پہنا کر میری میت مدینہ منورہ کے راستے پر رکھ دینا۔ پھر اس راستے پر آنے والے قافلے کو بتانا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی نعش رکھی ہے۔ اسے دفن کرنے میں تعاون کرو۔ پھر جب سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ فوت ہوگئے تو حسب وصیت ان کی زوجہ محترمہ اور خادم نے انھیں غسل دیا، کفن پہنایا اور ان کی نعش مدینہ منورہ کے راستے پر رکھ دی تاکہ کوئی مسلمان قافلہ گزرے تو وہ تدفین میں مدد لے سکیں۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ وہاں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں سمیت آگئے۔ وہ عراق سے عمرے کی نیت سے آئے تھے۔ انھوں نے عین رستے کے بیچ جنازہ پڑا دیکھا تو ٹھٹک گئے۔ اونٹوں کو روکتے روکتے وہ ڈرے مبادا اونٹ جنازے ہی کو روند ڈالیں۔ بڑی مشکل سے انھیں روکا۔ اتنی دیر میں خادم آگے بڑھا اور عرض کی: یہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی میت ہے۔ آپ سے درخواست ہے کہ ان کی تدفین میں مدد کیجیے۔ خادم کے یہ الفاظ سنتے ہی پورا قافلہ لپک پڑا۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے آنسوؤں پر قابو نہ پا سکے۔ اپنے دیرینہ دوست اور بھائی کی جدائی پر بے اختیار رو پڑے اور رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئی کی تصدیق



[1] صحيح البخاري: 1406.

کرتے ہوئے کہا:

صَدَقَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «أَبُو ذَرٍّ يَمْشِي وَحْدَهُ وَيَمُوتُ وَحْدَهُ وَيُبْعَثُ وَحْدَهُ»

''اللہ کے رسول ﷺ نے سچ فرمایا تھا کہ ''ابوذر اکیلا چلتا ہے، اکیلا ہی فوت ہوگا اور قیامت کے دن تنہا ہی اٹھایا جائے گا۔''

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا جنازہ پڑھا اور انھیں دفن کیا۔ پھر ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو غزوۂ تبوک کے موقع پر پیش آنے والے واقعے کی تفصیل سنائی اور رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو پیش گوئی فرمائی تھی، اس کا بھی تذکرہ کیا۔ [1]

صحیح ابن حبان میں سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کی وفات کا تذکرہ قدرے مختلف پیرائے میں ہوا ہے۔ آیئے امام ابن حبان کا ذکر کردہ واقعہ پڑھتے ہیں:

سیدہ ام ذر رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو میں رونے لگی۔ انھوں نے پوچھا: کیوں رو رہی ہو؟ میں نے عرض کی: روؤں نہ تو اور کیا کروں؟ رونے کے سوا اور چارہ بھی کیا ہے؟ آپ اس بیابان میں فوت ہو رہے ہیں جبکہ میرے پاس کفن دینے کے لیے دو چادریں بھی نہیں۔ آپ کو دفن کرنے کے لیے میرے پاس کوئی مددگار بھی نہیں ہے۔ سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رونا بند کرو اور خوش ہو جاؤ۔ بلاشبہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے، آپ نے ایک جماعت کو یہ بات فرمائی تھی اور میں اس میں شامل تھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا تھا:

«لَيَمُوتَنَّ رَجُلٌ مِّنْكُمْ بِفَلَاةٍ مِّنَ الْأَرْضِ يَشْهَدُهُ عِصَابَةٌ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ»

''تم میں سے ایک شخص بیابان میں فوت ہوگا۔ اس کے جنازے میں مسلمانوں کی ایک جماعت شریک ہوگی۔''

اس جماعت کے تمام لوگ کسی نہ کسی بستی اور لوگوں کے درمیان فوت ہو چکے ہیں۔ اب وہ اکیلا اور بیابان میں فوت ہونے والا فرد میں ہی ہوں۔ اللہ کی قسم! میں نے سچ بتایا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے بھی سچ ہی فرمایا ہے، لہٰذا تم راستے پر نظر رکھو۔ کوئی جماعت ضرور آئے گی۔ میں نے عرض کی: بھلا اب کہاں سے کوئی جماعت آئے گی؟ حاجیوں کے قافلے گزر چکے، اب راستے ویران ہو گئے ہیں۔ انھوں نے پھر فرمایا: تم جاؤ اور مرکزی گزرگاہ پر دیکھو،

[1] السيرة لابن هشام: 168/4، المغازي للواقدي: 388,387/2، البداية والنهاية: 661/4، مسند أحمد: 166/5، حديث: 21505.

کوئی جماعت ضرور آئے گی۔ سیدہ ام ذر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں چلی گئی اور ایک ٹیلے سے ٹیک لگا کر راستہ تکنے لگی۔ پھر تھک ہار کر واپس آ گئی اور اپنے مریض خاوند کی خدمت میں لگ گئی۔ میں اسی طرح کرتی رہتی۔ کبھی راستہ دیکھنے چل دیتی تو کبھی مریض کی دیکھ بھال کے لیے واپس آ جاتی۔ ایک دن اچانک میں نے دیکھا کہ ایک قافلہ بڑی تیز رفتاری سے ہماری طرف چلا آ رہا ہے۔ ان کی سواریاں انھیں اڑائے لا رہی تھیں۔ میں نے قافلے والوں کو ہاتھ کے اشارے سے اپنی طرف متوجہ کیا، وہ تیزی سے میرے پاس آ کر رک گئے۔ پوچھنے لگے: اے اللہ کی بندی! تم یہاں کیسے؟ تمھیں کیا ضرورت ہے؟ میں نے کہا: تمھارا ایک مسلمان بھائی فوت ہو رہا ہے۔ کیا تم اس کے کفن دفن کا بند و بست کرو گے؟ انھوں نے پوچھا: وہ کون ہے؟ میں نے بتایا کہ وہ ابوذر رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہ چونک پڑے اور بے اختیار پوچھنے لگے: کیا تم صحابیٔ رسول ابوذر رضی اللہ عنہ کی بات کر رہی ہو؟ میں نے کہا: جی ہاں۔ یہ سن کر انھوں نے کہا: ابوذر رضی اللہ عنہ پر ہمارے ماں باپ قربان! کہاں ہیں وہ؟ وہ تیزی سے سواریوں سے اترے اور ابوذر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ نے انھیں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان سنایا:

«لَيَمُوتَنَّ رَجُلٌ مِنْكُمْ بِفَلَاةٍ مِنَ الْأَرْضِ يَشْهَدُهُ عِصَابَةٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ»

''تم میں سے ایک شخص بیابان میں فوت ہوگا۔ اس کے جنازے میں مسلمانوں کی ایک جماعت شریک ہوگی۔''

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ نے مزید فرمایا: اس جماعت کے تمام لوگ بستیوں میں فوت ہو چکے ہیں، اب صرف میں ہی اس ویرانے میں بچا ہوں۔ اللہ کی قسم! نہ میں جھوٹ بول رہا ہوں، نہ مجھ سے جھوٹ بولا گیا ہے۔ تم لوگ خوش نصیب ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے مصداق بن رہے ہو۔

میرے پاس اپنے اور اپنی بیوی کے کفن کے لیے کپڑے نہیں ہیں۔ اگر میرے پاس کپڑا ہوتا تو وہی میرا کفن بنتا۔ میں اللہ کی قسم دے کر کہتا ہوں: تم میں سے جو شخص کبھی سرکاری عہدے پر فائز رہا ہو، چاہے وہ کسی علاقے کا امیر، منشی، ڈاکیا یا نمبردار ہو، وہ مجھے کفن نہ دے۔ اس جماعت کے سبھی لوگ کبھی نہ کبھی سرکاری عہدوں پر فائز رہے تھے، اس لیے سب خاموش ہو گئے۔ صرف ایک انصاری نوجوان بچا۔ وہ بولا: چچا جان! میں کبھی ان عہدوں پر فائز نہیں ہوا۔ میں آپ کو اپنی اس چادر اور اپنے تھیلے میں موجود دو چادروں میں کفن دوں گا جو میری والدہ نے اپنے ہاتھوں سے بنائی ہیں۔ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ٹھیک ہے، تم ہی مجھے کفن دینا۔ لہٰذا جب آپ وفات پا گئے تو اسی انصاری نوجوان نے اپنی چادروں میں سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کو کفن دیا۔ سب نے آپ کا جنازہ پڑھا اور آپ کو دفن کیا۔

یہ یمنی جماعت تھی۔[1]

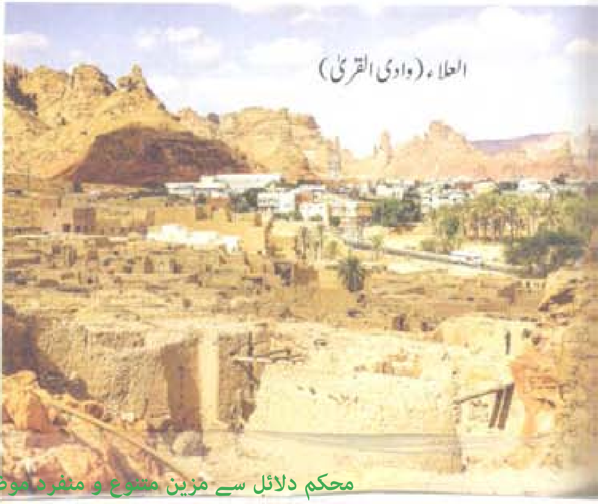
دیارِ ثمود کی برباد بستی سے اسلامی لشکر کا گزر

تبوک اور مدینہ منورہ کے درمیان صالح علیہ السلام کی قوم ثمود آباد تھی۔ اس علاقے کا نام حجر تھا، آج کل یہ علاقہ مدائنِ صالح کے نام سے مشہور ہے۔ یہ مدینہ منورہ کے شمال مغرب میں واقع شہر العلاء سے 22 کلو میٹر اور مدینہ منورہ سے تقریباً 395 کلومیٹر دور ہے۔ ثمود نہایت طاقتور، دراز قد اور جفاکش قوم تھی، یہ لوگ پہاڑوں کو تراش کر اپنے محلات تعمیر کرتے تھے۔ ان کی یادگاریں آج بھی موجود ہیں۔ انھیں اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں میسر تھیں۔ لہلہاتے باغات، ابلتے ہوئے چشمے اور لذیذ و مرغوب پھل سبھی نعمتوں سے وہ مالا مال تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قومِ ثمود کی راہنمائی اور ہدایت کے لیے صالح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اور انھیں معجزات سے سرفراز کیا مگر اس سرکش قوم نے اپنے رسول کی ایک بھی نہ مانی، بلکہ ان کی تکذیب کی، ان کے معجزات کی توہین کی اور ان کے دشمن بن گئے۔ جب یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے غضب اور عذاب کو للکارنے لگے تو صالح علیہ السلام نے انھیں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلائیں، انھیں توبہ کرنے اور شکر ادا کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی جو بے سود ثابت ہوئی۔

بالآخر یہ قوم اپنی سرکشی و بغاوت، کفر و ضلالت، اللہ کے رسول کی نافرمانی اور نعمتوں کی ناشکری کی وجہ سے عذابِ الٰہی کا شکار ہوگئی۔ ربانی برکتوں اور نعمتوں کی پروردہ یہ قوم صفحۂ ہستی سے مٹا دی گئی۔ ان لوگوں کے عالی شان محلات اور قلعے آج بھی قائم ہیں جو ان کے دردناک انجام کی سرگزشت سنا رہے ہیں۔

اسلامی لشکر ثمود کے علاقے حجر پہنچا تو مجاہدین ان کے بلند و بالا محلات اور قلعے دیکھ کر نہایت حیران ہوئے۔ وہ اس طاقتور قوم کی مہارت اور کاریگری کو دیکھ دیکھ کر مبہوت ہو رہے تھے۔ انھیں اشتیاق ہوا کہ وہ اندر جا کر ان کے

[1] صحيح ابن حبان: 2260، مسند أحمد: 21410، المستدرك للحاكم: 5470.



العلاء، (وادی القریٰ)



مدائن صالح کے آثار (العلاء)

گھروں اور محلات کو دیکھیں۔ لہٰذا وہ اپنی سواریوں کو روک کر محلات کی طرف بھاگے۔ رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر ملی تو آپ نے اعلان کرایا:

«اَلصَّلَاةُ جَامِعَةٌ»

''سب لوگ یہاں جمع ہو جائیں۔''

سیدنا ابوکبشہ انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں یہ اعلان سن کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ ﷺ نے اپنی سواری کو روک رکھا ہے اور قدرے ناراضی کے عالم میں فرما رہے ہیں:

«مَا تَدْخُلُونَ عَلٰی قَوْمٍ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ؟»

''تم ان لوگوں کے گھروں میں کیوں داخل ہو رہے ہو جن پر اللہ کا غضب نازل ہوا تھا؟''

محلات میں داخل ہونے والوں میں سے ایک شخص نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہمیں بڑا تعجب ہو رہا تھا، اس لیے ان گھروں کو دیکھنے چلے گئے۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَفَلَا أُنْذِرُكُمْ بِأَعْجَبَ مِنْ ذَالِكَ؟ رَجُلٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كَانَ قَبْلَكُمْ وَمَا هُوَ كَائِنٌ بَعْدَكُمْ، فَاسْتَقِيمُوا وَسَدِّدُوا، فَإِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ لَا يَعْبَأُ بِعَذَابِكُمْ شَيْئًا، وَسَيَأْتِي قَوْمٌ لَّا يَدْفَعُونَ عَنْ أَنْفُسِهِمْ بِشَيْءٍ»

''کیا میں تمھیں اس سے بڑھ کر تعجب خیز چیز سے نہ ڈراؤں؟ تمھارا اپنا ایک شخص (رسول اللہ ﷺ) تمھیں گزرے ہوئے کل اور تمھارے مستقبل کی خبریں دیتا ہے۔ تم صراط مستقیم پر گامزن رہو اور اپنی طاقت کے مطابق نیک عمل کرتے رہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تمھارے عذاب کی کچھ پروا نہیں کرے گا۔ اور عنقریب ایک قوم آئے گی جو اپنے دفاع میں کچھ بھی نہ کر سکے گی۔''[1]

قوم ثمود کے عبرت کدے میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کی تربیت کرتے ہوئے فرمایا:

«لَا تَسْأَلُوا الْآيَاتِ وَقَدْ سَأَلَهَا قَوْمُ صَالِحٍ فَكَانَتْ تَرِدُ مِنْ هٰذَا الْفَجِّ وَتَصْدُرُ مِنْ هٰذَا الْفَجِّ فَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ فَعَقَرُوهَا، فَكَانَتْ تَشْرَبُ مَاءَهُمْ يَوْمًا وَّيَشْرَبُونَ لَبَنَهَا يَوْمًا، فَعَقَرُوهَا فَأَخَذَتْهُمْ صَيْحَةٌ أَهْمَدَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ مَنْ تَحْتَ أَدِيمِ السَّمَاءِ مِنْهُمْ إِلَّا رَجُلًا وَّاحِدًا كَانَ

[1] مسند أحمد: 231/4.

فِی حَرَمِ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ» قِیلَ: مَنْ ھُوَ یَا رَسُولَ اللّٰہِ؟ قَالَ: «ھُوَ أَبُو رِغَالٍ فَلَمَّا خَرَجَ مِنَ الْحَرَمِ أَصَابَهُ مَا أَصَابَ قَوْمَهُ»

''تم معجزات کا مطالبہ نہ کرنا، صالح علیہ السلام کی قوم نے معجزے کا سوال کیا تھا۔ لہٰذا (بطور معجزہ) اونٹنی اس راستے سے آتی تھی اور اس راستے سے واپس جاتی تھی۔ قوم صالح نے سرکشی کی اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ ایک دن وہ کنویں سے پانی پیتی تھی (اور ایک دن قوم صالح پیتی تھی)، وہ ایک دن (پانی اور دوسرے دن، اونٹنی کی باری والے دن) دودھ پیتے تھے۔ پھر انھوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں (عذاب الٰہی کو دعوت دی) تو انھیں زوردار چیخ نے آلیا۔ اس چیخ کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے آسمان کی چھت تلے ان کی قوم کے ہر (باغی اور کافر) فرد کو قتل کر ڈالا، صرف ایک آدمی بچا جو حرم شریف میں تھا۔'' آپ سے پوچھا گیا: وہ کون تھا؟ آپ نے فرمایا: ''وہ ابو رغال تھا۔ جب وہ حدود حرم سے نکلا تو اسے بھی اسی عذاب الٰہی نے پکڑ لیا جو اس کی قوم پر نازل ہوا تھا۔'' [1]

یاد رہے قوم صالح کے لیے ایک اونٹنی کا بطور معجزہ عطا ہونا اور اس کے قتل پر قوم صالح کا عذابِ الٰہی کی زد میں آ کر مٹ جانا قرآن مجید سے بھی ثابت ہے۔ دیکھیے: سورۂ اعراف 7:73-79، سورۂ ہود 11:61-68.

رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کو ہدایت فرمائی کہ وہ عذابِ الٰہی کا نشانہ بننے والی بستی سے گریہ وزاری کرتے ہوئے گزریں۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے حجر کے ثمودیوں کے بارے میں فرمایا:

«لَا تَدْخُلُوا عَلٰی ھٰؤُلَاءِ الْمُعَذَّبِینَ إِلَّا أَنْ تَکُونُوا بَاکِینَ، أَنْ یُصِیبَکُمْ مِثْلُ مَا أَصَابَھُمْ»

''اس عذاب دی گئی قوم کی بستی سے جب تمھیں گزرنا پڑے تو روتے ہوئے گزرو، مبادا تم پر وہی عذاب آجائے جو ان پر آیا تھا۔'' [2]

آپ ﷺ جب ان کی عذاب شدہ بستی سے گزرے تو آپ نے تیزی سے وادی کو عبور کیا اور صحابہ کرام کو بھی نصیحت فرمائی:

«لَا تَدْخُلُوا مَسَاکِنَ الَّذِینَ ظَلَمُوا أَنْفُسَھُمْ، أَنْ یُصِیبَکُمْ مَا أَصَابَھُمْ إِلَّا أَنْ تَکُونُوا بَاکِینَ»

''جن لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہو جب تم ان کی بستیوں سے گزرو تو گریہ وزاری کرتے ہوئے گزرو

[1] مسند أحمد: 14207، المستدرك للحاكم: 3248. [2] صحيح البخاري: 4420.

مبادا تم پر وہی عذاب آ جائے جو ان پر آیا تھا۔''

ثُمَّ قَنَّعَ رَأْسَهُ وَأَسْرَعَ السَّيْرَ حَتَّى أَجَازَ الْوَادِيَ.

''پھر آپ نے اپنے سر مبارک پر چادر ڈال لی اور بڑی تیزی سے چلنے لگے یہاں تک کہ اس وادی سے باہر نکل گئے۔''[1]

اسلامی لشکر مسلسل سفر سے تھکا ہارا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے قوم ثمود کی بستیوں سے نکل کر پڑاؤ کرنے کی اجازت دی تو تھکے ہارے مجاہدین قوم ثمود کے کنوؤں سے لیے گئے پانی سے وضو کرنے لگے۔ انھوں نے پانی سے اپنے مشکیزے بھی بھر رکھے تھے۔ پھر وہ اسی پانی سے آٹا گوندھ کر روٹیاں پکانے کی تیاری کرنے لگے۔ اونٹ ذبح کر کے گوشت دیگوں میں چڑھا دیا گیا تا کہ کھانے کا بندوبست جلد از جلد ہو سکے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آرام کرنا چاہتے تھے، اس لیے ضروری امور جلد از جلد نپٹا رہے تھے۔ اچانک انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے یہ اعلان سنا:



قوم ثمود کا کنواں

«لَا تَشْرَبُوا مِنْ مَّائِهَا شَيْئًا وَّلَا تَتَوَضَّؤُوا مِنْهُ لِلصَّلَاةِ وَمَا كَانَ مِنْ عَجِينٍ عَجَنْتُمُوهُ فَاعْلِفُوهُ الْإِبِلَ وَلَا تَأْكُلُوا مِنْهُ شَيْئًا وَّلَا يَخْرُجَنَّ أَحَدٌ مِّنْكُمُ اللَّيْلَةَ إِلَّا وَمَعَهُ صَاحِبٌ لَّهُ»

''قوم ثمود کے کنوؤں کا پانی مت پیو۔ اس پانی سے نماز کے لیے وضو بھی نہ کرو، اس پانی سے جو آٹا گوندھ لیا ہے وہ اونٹوں کو کھلا دو، تم خود مت کھانا، اور آج رات (تیز آندھی آئے گی اس لیے) کوئی شخص اکیلا معسکر سے باہر نہ جائے۔ اگر ضرورت ہو تو اپنے ساتھی کے ساتھ جائے۔''[2]

اسلامی لشکر کو پانی کی سخت ضرورت تھی اور بھوک بھی بہت ستا رہی تھی لیکن پھر بھی آپ کا یہ حکم سنتے ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مشکیزے انڈیل دیے اور آٹا اونٹوں کو کھلا دیا۔ جن دیگوں میں گوشت پک رہا تھا، وہ بھی خالی کر دی گئیں۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے حکم دیا:

«أَنْ يَّسْتَقُوا مِنَ الْبِئْرِ الَّتِي كَانَتْ تَرِدُهَا النَّاقَةُ»

[1] صحيح البخاري: 4419. [2] دلائل النبوة للبيهقي: 240/5.

”اس کنویں سے پانی لے لو جس سے صالح علیہ السلام کی اونٹنی پانی پیتی تھی۔“ [1]

اسلامی لشکر نے وادی حجر کے قریب ہی پڑاؤ کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے حکم سے مشکیزوں کو دھو کر اس کنویں سے پانی بھر لیا گیا جس سے صالح علیہ السلام کی اونٹنی پانی پیتی تھی۔

رات کو چلنے والی آندھی

شام کے وقت رسول اللہ ﷺ نے لشکر کو خصوصی ہدایات دیں کہ رات کے وقت جو بھی معسکر سے باہر جانے کی ضرورت محسوس کرے، وہ اکیلا نہ جائے، کسی ساتھی کو ساتھ لے جائے۔ آپ کی ہدایات پر عمل پیرا ہونا دنیا و آخرت میں کامیابی کی ضمانت ہے۔ جو شخص ان پر عمل کرنے میں کوتاہی کرتا ہے، اسے اس کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مجاہدین کو جو تنبیہ فرمائی تھی، صرف دو افراد نے اس کی خلاف ورزی کی اور نقصان اٹھایا۔

ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

«أَمَا إِنَّهَا سَتَهُبُّ اللَّيْلَةَ رِيحٌ شَدِيدَةٌ فَلَا يَقُومَنَّ أَحَدٌ، وَمَنْ كَانَ مَعَهُ بَعِيرٌ فَلْيَعْقِلْهُ» فَعَقَلْنَاهَا، وَهَبَّتْ رِيحٌ شَدِيدَةٌ، فَقَامَ رَجُلٌ فَأَلْقَتْهُ بِجَبَلِ طَيِّءٍ.

”خبردار! آج رات شدید آندھی آئے گی، لہٰذا کوئی شخص کھڑا نہ ہو۔ جس کے پاس اونٹ ہو، وہ اسے باندھ لے۔“ لہٰذا ہم نے اپنے اونٹ باندھ دیے۔ رات کو شدید آندھی آئی۔ ایک شخص کھڑا ہوا تو تیز ہوا نے اسے طے (قبیلے) کے پہاڑوں میں جا پھینکا۔“ [2]

آخر یہ شخص طے قبیلے والوں کی مدد سے اس وقت مدینہ منورہ پہنچا جب نبی کریم ﷺ غزوۂ تبوک سے واپس آگئے تھے۔ دوسرا شخص قضائے حاجت کے لیے نکلا تو اس کا گلا دبا دیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ کو خبر ملی تو آپ نے فرمایا:

«أَلَمْ أَنْهَكُمَا أَنْ يَخْرُجَ رَجُلٌ إِلَّا وَمَعَهُ صَاحِبٌ لَهُ؟»

”کیا میں نے اکیلے جانے سے منع نہیں کیا تھا۔ وہ اپنے ساتھی کے بغیر کیوں نکلا؟“

پھر آپ نے بیمار کے لیے دعا کی تو وہ صحت یاب ہوگیا۔ یہ دونوں شخص قبیلہ ساعدہ کے فرد تھے۔ [3]

[1] صحيح مسلم :2981. [2] صحيح البخاري :1481. [3] السيرة لابن إسحاق :600/2، السيرة لابن هشام :165/4، المغازي للواقدي :392,391/2، دلائل النبوة للبيهقي :233/5-235، البداية والنهاية :663/4-665، معجم البلدان :221,220/2، زاد المعاد :532,531/3.

دورانِ سفر معجزات نبوی اور منافقین کی سیاہ کاریاں

نفاق ایسا مہلک مرض ہے جو انسان کے گرد اندھیروں کا دبیز پردہ تان دیتا ہے۔ اس کی وجہ سے وہ ایمان کی مٹھاس، لذت اور روشنی سے محروم ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے معجزات اہل ایمان کو تازگی بخشتے رہے۔ معجزات دیکھ کر ان کا یقین مزید پختہ ہوتا گیا اور انھیں قلبی مسرت اور راحت نصیب ہوتی رہی۔ جبکہ نفاق کے مریض کھلی آنکھوں سے معجزات نبوی کا نظارہ کرتے تھے مگر قلبی انبساط اور روحانی لذت سے یکسر محروم رہتے تھے۔ ایمان میں اضافہ تو درکنار اُلٹا نفاق کا مرض دو چند ہو جاتا تھا۔ جہاں اہلِ ایمان معجزات دیکھ کر خوش ہوتے اور ایک دوسرے کو خوشخبریاں سناتے دکھائی دیتے، وہاں منافقین کے دل کا روگ چھپائے نہ چھپتا۔ معجزات نبوی کا ظہور ان کے مرض کو کھول کر سرعام بے نقاب کر دیتا تھا۔ کچھ ایسی ہی صورت حال غزوۂ تبوک کے موقع پر بھی پیش آئی۔

موسلا دھار بارش

اسلامی لشکر حجر سے مزید آگے کی طرف روانہ ہوا تو رستے میں ایک بار پھر پانی ختم ہو گیا۔ پیاس کی شدت سے جانیں تلف ہوتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔ غضب کی گرمی اور پیاس کی شدت نے مجاہدوں کو نڈھال کر دیا۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک دن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کی گئی: جناب ہمیں غزوۂ تبوک کے حالات تو سنائیے۔ انھوں نے فرمایا: ہم تبوک کی طرف سفر کر رہے تھے۔ دوران سفر ایک منزل پر پڑاؤ کیا، ہمیں شدید پیاس نے نڈھال کر دیا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جان ہی نکل جائے گی۔ کوئی شخص پانی کی تلاش میں نکلتا تو پلٹ کر واپس ہی نہ آتا، ہمیں خدشہ لاحق ہو جاتا کہ وہ تو گیا۔

پھر یہ ہوا کہ لوگوں نے اونٹ ذبح کرنے شروع کر دیے۔ وہ اونٹ ذبح کر کے اس کے معدے سے پانی نچوڑتے اور پی جاتے۔ جو باقی بچ جاتا، وہ پیٹ پر ڈال کر گرمی کی حدت کم کرنے کی کوشش کرتے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ منظر دیکھا تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ نے آپ کو دعائیں مانگنے کی صلاحیت سے خوب نوازا ہے۔ آپ کی دعائیں باعثِ برکت ہیں، اللہ تعالیٰ سے ہمارے لیے خیر و برکت کی دعا فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ابوبکر! کیا تم چاہتے ہو کہ میں دعا کروں؟'' انھوں نے عرض کی: حضور! ضرور دعا فرمائیے۔ رسول اللہ ﷺ نے معاً ہاتھ اٹھائے اور قبلہ رخ ہو کر دعا شروع کر دی۔ آپ نے ابھی دعا شروع ہی کی تھی کہ آسمان پر چاروں طرف کالی گھٹائیں چھا گئیں اور موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے خوشی سے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی خوشی سے نہال ہوگئے۔ انھوں نے خوب جی بھر کر پانی پیا، سواریوں کو پلایا اور مشکیزے بھی بھر لیے۔ یہ سارا منظر اہل ایمان کے لیے ایمانی تازگی اور روحانی فرحت کے ساتھ ساتھ جسمانی ضروریات پوری ہونے کا باعث بھی بنا۔ جبکہ منافقین موسلا دھار بارش میں بھی جل رہے تھے۔ ان کا مرض انھیں بے چین کر رہا تھا۔ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے ایک منافق سے کہا: تیرا ستیا ناس! کیا اس معجزے کے بعد بھی تجھے عقل نہیں آئی؟ وہ جل بُھن کر بولا: یہ کون سی بڑی بات ہے، ایک بدلی آئی اور برس گئی۔ یہ بدنصیب شخص اوس بن قیظی یا زید بن لصیت تھا۔

ایسے ہی واقعات کے ظہور میں آنے کے بعد منافقین جھنجلا جاتے تھے اور اپنے کفر و نفاق کو چھپانے میں ناکام رہتے تھے۔ باوجود ہزار کوشش کے ان کا کفر و نفاق کھل کر سامنے آجاتا تھا اور پوشیدہ دشمنوں کے چہروں کے سارے نقاب اُٹھ جاتے تھے۔ سیدنا محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے عرض کی گئی: کیا لوگ منافقوں کو جانتے تھے؟ وہ فرماتے ہیں: ہاں، اللہ کی قسم! اہل ایمان اپنے بھائیوں، چچازاد بھائیوں اور اپنے آباء میں سے منافقوں کو خوب پہچانتے تھے۔ سیدنا قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہمارے محلے میں ہماری قوم کے چند منافق رہتے تھے۔ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہماری قوم بنونجار میں منافق بھی رہتے ہیں، اللہ انھیں کبھی برکت نہ دے۔ ان سے پوچھا گیا: ابوسعید! وہ کون ہیں؟ فرمایا: سعد بن زرارہ اور قیس بن فہر۔

سیدنا زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: غزوۂ تبوک میں پانی کی شدید قلت ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا فوراً قبول کی اور بارش عطا فرمائی تو سارا لشکر خوب سیراب ہوا۔ ایک منافق نے خوب سیر ہوکر پانی پیا تو ہم نے اس سے کہا: تیرا برا ہو! کیا یہ معجزہ دیکھنے کے بعد بھی تجھے ہدایت نصیب نہیں ہوئی؟ وہ بولا: اس میں کون سی بڑی بات تھی۔ ایک بادل کا ٹکڑا آیا، کھلا، برس گیا اور بس![1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کی گمشدگی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارض ثمود سے روانہ ہوئے تو اگلی منزل پر پڑاؤ کے دوران آپ کی اونٹنی گم ہوگئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کو تلاش کرنے بھیجا۔ آپ کی خدمت میں اس وقت سیدنا عمارہ بن حزم رضی اللہ عنہ بھی تھے جو صاحب شرف و منزلت سردار تھے۔ انھوں نے بیعت عقبہ اور جنگ بدر میں شرکت کی فضیلت بھی حاصل کی۔ ان کے خیمے میں زید بن لصیت

[1] السيرة لابن إسحاق :601,600/2، البداية والنهاية :662,661/4، المغازي للواقدي:394,393/2، السيرة لابن هشام: 166/4، صحيح ابن خزيمة :101، المستدرك للحاكم :655.

نامی منافق رہتا تھا۔ یہ شخص بنو قینقاع کا یہودی تھا۔ بعد میں مسلمان ہوگیا تھا مگر اس کے قلب و روح سے یہود کے مکر و فریب کی بدبُو نہ نکلی۔ یہ اپنی بد قماش عادت پر قائم رہا اور منافقوں کا ہمنوا بن گیا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے اونٹنی کو تلاش کرنے کے لیے کچھ صحابہ کو روانہ کیا تو یہ سیدنا عمارہ کے خیمے میں تھا۔ کہنے لگا: محمد (ﷺ) کا دعویٰ تو یہ ہے کہ وہ تمھیں آسمانی خبریں دیتا ہے مگر حالت یہ ہے کہ اسے خود اپنی گمشدہ اونٹنی کا کچھ پتہ نہیں کہ وہ کہاں ہے؟

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اس یہودی کی بکواس سے آگاہ فرما دیا۔ آپ ﷺ نے حاضرین کو خبر دیتے ہوئے فرمایا:

«إِنَّ مُنَافِقًا يَقُولُ: إِنَّ مُحَمَّدًا يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ وَأَنَّهُ يُخْبِرُكُمْ بِأَمْرِ السَّمَاءِ وَلَا يَدْرِي أَيْنَ نَاقَتُهُ، وَإِنِّي وَاللّٰهِ! لَا أَعْلَمُ إِلَّا مَا عَلَّمَنِيَ اللّٰهُ، وَقَدْ دَلَّنِي عَلَيْهَا، وَهِيَ فِي الْوَادِي فِي شِعْبِ كَذَا وَكَذَا حَبَسَتْهَا شَجَرَةٌ بِزِمَامِهَا، فَانْطَلِقُوا حَتّٰى تَأْتُونِي بِهَا»

”بے شک ایک منافق کہہ رہا ہے: محمد (ﷺ) کا دعویٰ ہے کہ وہ سچے نبی ہیں اور تمھیں آسمانی وحی کی باتیں بتاتے ہیں مگر انھیں خود اپنی (گمشدہ) اونٹنی کا پتہ نہیں ہے۔ یقیناً اللہ کی قسم! مجھے صرف اتنا ہی علم ہے جتنا میرا اللہ مجھے بتاتا ہے۔ میرے اللہ نے مجھے بتایا ہے کہ میری اونٹنی وادی میں فلاں گھاٹی پر ایک درخت میں لگام اٹک جانے کی وجہ سے رُکی کھڑی ہے۔ جاؤ اور اسے لے آؤ۔“

صحابہ کرام گئے اور آپ کی بتائی ہوئی جگہ سے اونٹنی لے آئے۔ یہ ساری کارروائی سیدنا عمارہ رضی اللہ عنہ کے سامنے ہوئی۔ بعد ازاں وہ اپنے خیمے میں واپس آئے تو انھوں نے حاضرین کو یہ تعجب خیز واقعہ سنایا۔ انھیں بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خبر دی کہ ایک منافق نے آپ کی شان میں فلاں فلاں گستاخانہ باتیں کی ہیں۔ سیدنا عمارہ رضی اللہ عنہ کے خیمے میں موجود ایک شخص فوراً بولا: اللہ کی قسم! یہ باتیں تو زید بن لصیت نے آپ کے واپس آنے سے تھوڑی دیر پہلے کہی تھیں۔ یہ سنتے ہی سیدنا عمارہ رضی اللہ عنہ نے اس منافق کو گردن سے دبوچا اور خیمے سے باہر پھینک دیا۔ انھوں نے اُسے لتاڑتے ہوئے فرمایا: اللہ کے دشمن! دفع ہو جا۔ اب میرے قریب بھی نہ پھٹکنا۔ پھر فرمایا: اللہ کی قسم! مجھے معلوم نہ تھا کہ اتنا بڑا منافق میرے ہی خیمے میں موجود ہے۔

سیدنا عمارہ رضی اللہ عنہ کو زید بن لصیت منافق کی منافقانہ گفتگو، ان کے بھائی عمرو بن حزم نے سنائی تھی۔ آپ کی اونٹنی کو لینے کے لیے حارث بن خزمہ اشہلی رضی اللہ عنہ گئے تھے۔ جب اونٹنی واپس آگئی تو زید بن لصیت کہنے لگا: میں محمد کی نبوت میں شک و شبہے کا شکار تھا۔ آج مجھے یقین ہوگیا ہے کہ آپ ﷺ سچے نبی ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے

میں آج ہی مسلمان ہوا ہوں۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ زید بن لصیت نے پکی توبہ کر لی تھی اور وہ سچا مسلمان بن گیا تھا۔ لیکن خارجہ بن زید بن ثابت اُس کی توبہ والی بات کو تسلیم نہیں کرتے تھے، وہ فرماتے تھے کہ زید بن لصیت مرتے دم تک بدعقیدہ ہی رہا۔[1]

جلاس بن سوید اور اس کے ہمنواؤں کی مذمت

علامہ واقدی، ابن اسحاق اور دیگر اصحاب مغازی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ تبوک کی جانب گامزن تھے۔ آپ کے ساتھ منافقین کا ایک ٹولہ بھی محو سفر تھا۔ یہ لوگ اپنی فطرت کے ہاتھوں مجبور تھے۔ کسی نہ کسی بے ہودگی کا ارتکاب کرتے جا رہے تھے۔ اس ٹولے میں ودیعہ بن ثابت، جلاس بن سوید بن صامت، مخشی یا مخشن بن حمیر اور ثعلبہ بن حاطب شامل تھے۔ مسلمانوں کو عیسائیوں سے خوفزدہ اور مرعوب کرنا اور اصحاب رسول ﷺ کا مذاق اڑانا ان لوگوں کا محبوب مشغلہ تھا۔ یہ دونوں چیزیں ان کی مذمت اور رسوائی کے لیے کافی تھیں۔ چلتے چلتے ان میں سے کسی نے کہا: کیا بنی اصفر (رومیوں) سے جنگ لڑنا بچوں کا کھیل ہے؟ انھیں دوسرے لوگوں کی طرح کمزور اور آسان ہدف سمجھ لیا گیا ہے۔ اللہ کی قسم! مجھے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ کل ہم سب رسیوں میں جکڑے کراہ رہے ہوں گے۔ ودیعہ بن ثابت نے رسول اللہ ﷺ کے مخلص فدائیوں کا مذاق اڑاتے ہوئے ہرزہ سرائی کی: ''ہمارے یہ قاری بڑے پیٹو اور زبان کے جھوٹے ہیں، دشمن سے مقابلہ ہو تو ان جیسا بزدل کوئی نہیں۔''

جلاس بن سوید نے بھی اپنا خبث باطن ظاہر کرنا ضروری سمجھا، کہنے لگا: ''کیا یہ لوگ ہمارے رؤساء اور اشراف ہیں؟ کیا یہ ہم میں سے فضیلت کے حقدار ہیں؟ اللہ کی قسم! اگر محمد سچا ہے تو ہم گدھے سے بھی بدتر ہیں۔''

جلاس کی یہ شرانگیزی سن کر اس کے سوتیلے بیٹے عمیر سے رہا نہ گیا۔ عمیر یتیم تھا اور جلاس کے گھر میں پل رہا تھا۔ اس کی والدہ نے جلاس سے شادی کر لی تھی۔ عمیر کہنے لگا: ''اللہ کی قسم! بلاشبہ تم گدھے سے بھی بدتر ہو۔ اللہ کے رسول سچے اور تم جھوٹے ہو۔ اللہ کی قسم! میری تمنا ہے کہ ہم میں سے ہر شخص کو سو سو کوڑے لگا دیے جائیں لیکن اس بے ہودہ گوئی کی بنا پر ہماری مذمت میں قرآن مجید نازل نہ ہو۔''

ادھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو بھی اس مجلس کی خبر دے دی۔ آپ نے سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما سے فرمایا: ''جاؤ، یہ لوگ تو برباد ہونے پر تلے بیٹھے ہیں۔ ان سے پوچھو کہ کیا ماجرا ہے؟ اگر وہ اپنی باتوں سے مکر جائیں تو تم انھیں بتانا کہ تم لوگوں نے فلاں فلاں باتیں کی ہیں۔'' سیدنا عمار رضی اللہ عنہ گئے اور ان سے ان کی مجلس کا ماجرا پوچھا تو وہ

[1] السيرة لابن هشام :4/167، السيرة لابن إسحاق :2/601، المغازي للواقدي :2/394، البداية والنهاية :4/662.

حسب عادت مکر گئے۔ اس پر سیدنا عمار رضی اللہ عنہ نے انھیں ساری روداد سنا دی جو رسول اللہ ﷺ نے انھیں بتائی تھی۔ ان کا راز کھلا تو پریشان ہوئے کہ معاملہ بگڑ گیا ہے، لہٰذا فوراً خدمت نبوی میں حاضر ہوئے۔ ودیعہ بن ثابت نے رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کی پیٹی پکڑی اور التجائیں کرنے لگا۔ آپ نے اس منافق کے لیے سواری کو روکنا ضروری نہ سمجھا۔ وہ اونٹنی کی پیٹی سے لٹکتا ہوا جا رہا تھا۔ اس کے پاؤں پتھروں سے ٹکرا رہے تھے اور وہ کہہ رہا تھا: اے اللہ کے رسول! ہم تو صرف گپ شپ کر رہے تھے۔ کوئی سنجیدہ بات نہیں ہوئی۔ ہم صرف وقت گزاری کے لیے ہنسی مذاق کر رہے تھے۔ آپ ﷺ نے اس کی طرف التفات بھی نہ فرمایا حتی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت میں سورۂ توبہ کی یہ آیات نازل فرما دیں:

﴿ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ ۚ قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ ○ لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ ۚ إِنْ نَعْفُ عَنْ طَائِفَةٍ مِنْكُمْ نُعَذِّبْ طَائِفَةً بِأَنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ ○ ﴾

''اور اگر آپ ان سے پوچھیں تو وہ ضرور کہیں گے کہ ہم تو صرف شغل کے طور پر باتیں اور دل لگی کرتے تھے۔ کہہ دیجیے: کیا تم اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول کے ساتھ مذاق کیا کرتے تھے؟ (اب) بہانے مت بناؤ، یقیناً تم نے اپنے ایمان کے بعد کفر کیا ہے، اگر ہم تم میں سے ایک گروہ کو معاف بھی کر دیں تو دوسرے گروہ کو اس وجہ سے عذاب دیں گے کہ یقیناً وہ مجرم تھے۔'' [1]

ابھی ودیعہ اپنی صفائی دے کر پلٹا ہی تھا کہ جلاس بن سوید حاضر ہو کر قسمیں کھانے لگا: اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول! میں نے کچھ نہیں کہا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر یہ آیات نازل فرما دیں:

﴿ يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ مَا قَالُوا وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوا بِمَا لَمْ يَنَالُوا ۚ وَمَا نَقَمُوا إِلَّا أَنْ أَغْنَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ ۚ فَإِنْ يَتُوبُوا يَكُ خَيْرًا لَهُمْ ۖ وَإِنْ يَتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ عَذَابًا أَلِيمًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ○ ﴾

''وہ (منافقین) اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ انھوں نے (کوئی بات) نہیں کہی، حالانکہ انھوں نے ضرور کلمۂ کفر کہا تھا اور وہ اسلام لانے کے بعد کافر ہو گئے۔ اور انھوں نے وہ کچھ کرنے کا ارادہ کیا جو وہ نہ کر سکے۔ اور انھوں نے غصہ نہیں نکالا مگر اس بات پر کہ اللہ اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے انھیں غنی کر دیا، پھر اگر

[1] التوبۃ 9:65، 66.

وہ توبہ کر لیں تو ان کے لیے بہتر ہوگا اور اگر وہ پھر جائیں تو اللہ انھیں دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب دے گا اور ان کا زمین میں کوئی حمایتی اور کوئی مددگار نہ ہوگا۔''[1]

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جلاس غزوۂ تبوک میں شریک نہیں ہوا بلکہ وہ مدینہ منورہ میں رہ کر لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کے خلاف بھڑکاتا رہا۔ وہ انھیں جہاد سے بدظن کرتا اور اپنے کفر و نفاق کے جال بنتا تھا۔ جلاس کا ایک غلام انصارِ مدینہ کے علاقے میں بحالت مقتول ملا تھا۔ جلاس نے انصار سے دیت لینی چاہی تو اسے کچھ نہ ملا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ سے سفارش کرائی تب اسے دیت حاصل ہوئی۔ اس دیت سے جلاس بہت مالدار ہوگیا۔

عمیر بن سعد یا عمیر بن عبید یتیم تھا۔ اس کی والدہ ام عمیر نے جلاس سے شادی کی ہوئی تھی۔ جلاس عمیر سے بڑی شفقت کرتا تھا اور عمیر کو بھی جلاس سے بڑی محبت تھی۔ لیکن جب جلاس نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کی اور کہا: ''اللہ کی قسم! اگر محمد سچا ہے تو ہم گدھوں سے بھی بدتر ہیں۔'' تو عمیر رضی اللہ عنہ سے برداشت نہ ہوا۔ اس نے جلاس کو مخاطب کر کے کہا: اے جلاس! تم مجھے سب لوگوں سے زیادہ محبوب تھے، سب سے بڑھ کر محسن تھے، میں تمھیں کبھی تکلیف یا نقصان میں نہ دیکھ سکتا تھا لیکن آج اللہ کی قسم! تم نے ایسی بات کر دی ہے کہ اگر میں اسے ظاہر کردوں تو تم ذلیل و خوار ہو جاؤ گے۔ اور اگر اسے چھپاؤں تو میرا ایمان جاتا رہے گا، اس لیے میں اسے چھپا نہیں سکتا۔ میں یہ بات رسول اللہ ﷺ کو بتا کر رہوں گا۔ چنانچہ سیدنا عمیر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر جلاس کے گستاخانہ کلمات بیان کر دیے۔ جلاس بھی پیچھے پیچھے چلا آیا اور اللہ کی قسم کھا کر عمیر کی تردید کردی اور اسے جھٹلا دیا۔ یہ سن کر سیدنا عمیر رضی اللہ عنہ نے اپنے رب سے التجا کی: الٰہی! اپنے نبی پر حقیقت حال واضح فرما دے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل سے نکلنے والی صدا قبول فرما لی اور اپنے رسول کو منافقین کی بدتمیزیوں سے آگاہ فرماتے ہوئے درج بالا آیت ﴿يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا .....﴾ نازل فرمائی۔

جلاس نے جب یہ آیت سنی تو فوراً اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور پکی توبہ کر کے سرخرو ہوگیا۔ سیدنا عمیر رضی اللہ عنہ انھی کے گھر میں پرورش پا رہے تھے۔ جلاس نے پہلے ہی کی طرح ان پر بدستور شفقت و مہربانی جاری رکھی۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انھوں نے اپنی غلطی سے پکی توبہ کر لی تھی اور سیدنا عمیر رضی اللہ عنہ کی شکایت کو نظرانداز کر دیا تھا۔

مخشی بن حمیر بھی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور معافی کا خواستگار ہوا۔ عرض کی: اے اللہ کے رسول! مجھے میرے نام اور میرے والد کے نام نے یہ دن دکھائے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اس کی معافی قبول کی اور اس

[1] التوبۃ 9:74.

کا نام عبدالرحمان یا عبداللہ رکھ دیا۔ سیدنا عبدالرحمان نے دعا کی: الٰہی! مجھے شہادت کی موت نصیب فرمانا اور میری موت کو پوشیدہ رکھنا۔ ان کی یہ دعا قبول ہوئی۔ جنگ یمامہ میں مرتدین سے جہاد کرتے ہوئے انھیں شہادت نصیب ہوئی لیکن ان کی لاش کسی کو نہ ملی۔

یاد رہے کہ رسول اللہ ﷺ ایسے نام تبدیل کر دیتے تھے جن کے معنی ٹھیک نہ ہوتے یا وہ معاشرتی طور پر اچھے نہ سمجھے جاتے تھے۔

اَلْمَخْشي کے معنی ہیں: ڈرا ہوا، خائف۔ اَلْمُخَشَّن کے معنی ہیں: بھدا، کھردرا، بدمزاج، بداخلاق۔ حُمَیِّر کے معنی ہیں: چھوٹا گدھا۔[1]

باغ کا تخمینہ

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جس کا نظام مالیات اور عشر و زکاۃ بھی نہایت شاندار ہے۔ مالدار مسلمانوں سے نہایت معمولی سا حصہ وصول کر کے اسی علاقے کے غرباء میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ اس سے امیر و غریب کے درمیان وہ خلیج حائل نہیں ہو پاتی جو آج کے دور میں اکثر معاشروں میں پائی جاتی ہے اور ان کی باہمی محبت و الفت کو بھی تقویت ملتی ہے۔

عشر و زکاۃ کی وصولی کے لیے مال کی مقدار کا حساب لگانا اور پھر مقرر شدہ نصاب کے مطابق عشر و زکاۃ وصول کرنا ایک نہایت اہم ذمہ داری ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے زکاۃ کے ایسے وصول کنندگان مقرر کیے جو پھل پکنے سے پہلے باغات میں جا کر پھلوں کا اندازہ لگاتے تھے۔ باغات کے مالکوں کو ایک تہائی یا چوتھائی حصے تک خصوصی چھوٹ دے دی جاتی۔ اس کے بعد باغ والوں کو اجازت ہوتی کہ وہ عشر کی ادائیگی سے قبل تازہ پھل خود بھی کھائیں، مہمانوں کو بھی کھلائیں یا کسی عزیز کو تحفہ دیں۔ جب سارا پھل اتار لیا جاتا تو عشر کا اندازہ ہو جاتا۔ پھر اسلامی حکومت کا وصول کنندہ آتا اور عشر وصول کر لیتا۔ اس طرح اسلامی حکومت نے باغات کے مالکوں کو بڑی راحت بخش سہولت دے دی کہ وہ مکمل پھل اتارنے اور عشر ادا کرنے سے قبل اپنے باغات میں تصرف کر سکتے تھے۔

غزوۂ تبوک کو جاتے ہوئے راستے میں ایک عورت کا باغ آیا جس کے پھل پک چکے تھے اور اتارنے باقی تھے۔ آپ نے صحابہ کرام سے فرمایا: ''اس باغ کا تخمینہ لگاؤ۔'' صحابہ نے اپنے اپنے حساب بتائے۔ رسول اللہ ﷺ

[1] المغازي للواقدي: 2/389-391، السيرة لابن هشام: 4/168، السيرة لابن إسحاق: 2/603، زاد المعاد: 3/536، موسوعة الغزوات الكبرٰى: 2/1811، 1812.

نے اس باغ کا تخمینہ 10 وسق (تقریباً 1500 کلوگرام) لگایا۔ آپ ﷺ نے اس عورت کو حکم دیا کہ پھل اتارنے کے بعد اسے تول کر مقدار معلوم کر لینا۔ ہم واپسی پر تمھارے پاس آئیں گے (حساب پوچھیں گے اور عشر وصول کریں گے)۔

مجاہدین واپسی پر وادی قریٰ میں اسی باغ میں پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے اس عورت سے پوچھا: ''تمھارے باغ سے کتنی کھجوریں اتری ہیں؟'' اس نے عرض کی: حضور! آپ کے تخمینے کے مطابق دس وسق ہوئی ہیں۔ [1]

رسول اللہ ﷺ کے خوش نصیب ہمراہی

غزوۂ تبوک کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے عام منادی کرا دی تھی کہ سب لوگ جہاد کے لیے نکلیں۔ مختلف قبائل کو خصوصی پیغام بھجوایا کہ وہ بھی مکمل تیاری کر کے مدینہ منورہ آ جائیں۔ لہٰذا خوش نصیب جوق در جوق چلے آئے۔ بدنصیب منافق مدینہ منورہ میں موجود ہونے کے باوجود پیچھے رہ گئے اور مخلص صحابہ کو بھی روکنے کے لیے سازشوں کا جال بنتے رہے۔ کچھ ایسے بھی تھے جو مال غنیمت کے لالچ میں ساتھ چل دیے۔

اللہ کی رضا کے لیے ساتھ جانے والوں میں ایک خوش نصیب سیدنا ابو رہم کلثوم بن حصین غفاری بھی تھے۔ سیدنا ابو رہم رضی اللہ عنہ مشہور صحابہ کرام میں سے ہیں۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر بیعت کرنے والے خوش بخت صحابہ میں یہ بھی شامل تھے۔ مدینہ منورہ میں رہائش پذیر تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں دو مرتبہ اپنا جانشین بنایا۔ پہلی بار عمرۃ القضاء کے موقع پر اور دوسری بار فتح مکہ کے موقع پر۔ اس طرح انھیں دو بار مدینہ منورہ کی امارت نصیب ہوئی۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر بھی انھیں رسول اللہ ﷺ کی ہمراہی کا شرف نصیب ہوا۔ راستے میں رسول اللہ ﷺ سے ہمکلام ہونے کی سعادت بھی پائی۔

آئیے رسول اللہ ﷺ سے ان کا مکالمہ انھی کی زبانی سنتے ہیں:

سیدنا ابو رہم غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوۂ تبوک میں شرکت کی۔ ایک رات میں نے وادی اخضر میں آپ ﷺ کے بالکل قریب رہ کر سفر کیا۔ دورانِ سفر مجھے اونگھ آ گئی۔ میں بار بار بیدار ہوتا مگر آنکھیں بوجھل ہو کر بند ہو جاتیں۔ میری اونٹنی رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ مجھے ڈر لگا کہ کہیں میری اونٹنی آپ کے پائے مبارک کو مسل نہ دے، اس لیے میں اپنی اونٹنی کو پیچھے کرنے لگا تاکہ آپ ﷺ کو چوٹ نہ لگے۔ اسی دوران میری آنکھ لگ گئی اور مجھے گہری نیند آ گئی۔ میری اونٹنی آگے بڑھی اور رسول اللہ ﷺ کی

[1] صحيح مسلم: 1392، سنن أبي داود: 3413، المغازي للواقدي: 2/391.

اونٹنی سے ٹکرا گئی۔ آپ ﷺ کا پاؤں رکاب میں پھنس گیا اور درد کی شدت سے آپ کے منہ سے آواز نکلی تو میں جاگ اُٹھا۔ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! مجھے معاف فرمائیے اور میری بخشش کی دعا فرمائیے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی کریمانہ عادت کے مطابق مجھ سے درگزر فرمایا اور حکم دیا کہ میرے ساتھ ساتھ چلتے رہو۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے بات چیت کا سلسلہ شروع کیا۔ آپ مجھ سے غفار قبیلے کے ان افراد کے متعلق پوچھنے لگے جو شریک سفر نہیں ہو سکے تھے۔ میں نے ایک ایک فرد کے بارے میں آپ کو اطلاع دی۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا:

«مَا فَعَلَ النَّفَرُ الْحُمْرُ الطِّوَالُ الثَّطَاطُ؟»

''دراز قد، سرخ چہروں اور چھوٹی داڑھیوں والے کیوں نہیں آئے؟''

میں نے ان کے پیچھے رہ جانے کی وجہ آپ کو بتائی۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا:

«فَمَا فَعَلَ النَّفَرُ السُّودُ الْقِصَارُ الْجِعَادُ الْحُلْسُ؟»

''سیاہ رنگ، چھوٹے قد اور گھنگریالے بالوں والے جو جنگ میں ڈٹ جاتے ہیں، وہ کیوں نہیں آئے؟''

میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ایسے لوگ تو ہمارے قبیلے میں نہیں ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ضرور ہیں، وہ جو شبکہ شدخ میں رہتے ہیں۔'' (شبکہ شدخ بنو غفار کی شاخ اسلم کے چشمے کی جگہ ہے، اس جگہ اسلم والے رہائش پذیر تھے۔) میں نے ذہن پر زور ڈالا تو مجھے یاد آ گیا کہ یہ اسلم قبیلے کے کچھ لوگ تھے جو ہمارے علاقے میں رہتے تھے، پھر شبکہ شدخ منتقل ہو گئے۔ ان کے پاس بکثرت جانور موجود تھے۔ میں نے عرض کیا: جی ہاں، اے اللہ کے رسول! مجھے یاد آ گیا، یہ اسلم قبیلے سے ہمارے حلیف تھے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَا مَنَعَ أَحَدُ أُولٰئِكَ حِينَ تَخَلَّفَ أَنْ يَحْمِلَ عَلٰى بَعِيرٍ مِنْ إِبِلِهِ رَجُلًا نَشِيطًا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ مِمَّنْ يَخْرُجُ مَعَنَا فَيَكُونُ لَهُ مِثْلُ أَجْرِ الْخَارِجِ، إِنْ كَانَ لَمِنْ أَعَزِّ أَهْلِي عَلَيَّ أَنْ يَتَخَلَّفَ عَنِّي الْمُهَاجِرُونَ مِنْ قُرَيْشٍ وَّالْأَنْصَارُ، وَغِفَارٌ، وَأَسْلَمُ»

''اگر یہ لوگ پیچھے رہ گئے تھے تو کسی پھرتیلے آدمی کو اپنے اونٹ پر سوار کر کے جہاد فی سبیل اللہ کے لیے ہمارے ساتھ روانہ کر دیتے۔ آخر اس میں کیا چیز مانع ہوئی؟ اگر وہ ایسا کر دیتے تو انھیں جہاد کرنے والے کے برابر اجر و ثواب ملتا۔ پیچھے رہ جانے والوں میں سے جن لوگوں کی غیر حاضری مجھ پر بڑی گراں گزری ہے، ان میں قریشی مہاجرین، انصار، غفار اور اسلم قبیلے کے لوگ ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ کا اپنے مجاہدین کا خیال رکھنا اور ان کی صلاحیتوں اور انفرادی خوبیوں سے باخبر رہنا آپ کی

عظیم قائدانہ صلاحیتوں کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ مہاجرین، انصار، اسلم اور غفار قبیلے کے غیر حاضر لوگوں کا آپ ﷺ پر شاق گزرنا، آپ کی ان لوگوں سے بے پناہ محبت کا ثبوت ہے۔ [1]

راہِ تبوک کی مساجد

رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ تبوک کے لیے تقریباً 900 کلومیٹر سفر طے کیا۔ گرمی کی شدت سے بچنے کے لیے آپ رات کو سفر کرتے اور دن کو آرام فرماتے۔ نماز ظہر کو مؤخر کر کے عصر کے ساتھ ملا کر پڑھتے۔ راستے میں آپ نے جہاں جہاں نماز پڑھی، وہاں پر بعد میں مساجد بنا دی گئیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

1 مسجد ذی خشب: مدینہ منورہ سے ایک رات کے فاصلے پر ذوخشب نامی وادی میں آپ نے پڑاؤ کیا اور نمازیں پڑھیں۔ 2 مسجد الفیفاء: وادی عقیق کے نواح میں ایک جگہ ہے۔ الفیفاء متعدد جگہوں کا نام بھی ہے۔ 3 مسجد المروۃ: وادی قریٰ میں ایک بستی ہے۔ 4 مسجد السقیا 5 مسجد وادی القریٰ 6 مسجد الحجر: یہ بھی وادی قریٰ میں ایک جگہ ہے۔ 7 مسجد ذنب حوصاء 8 مسجد ذی الجیفہ 9 مسجد شق تاراء 10 مسجد ذات الخطمی 11 مسجد سمنہ 12 مسجد الاُخضر 13 مسجد ذات الزراب 14 مسجد المدران 15 مسجد تبوک۔ [2]

دورانِ سفر پیش آنے والے چند واقعات

1 لاغر اور سفر سے عاجز اونٹ: دوران سفر رسول اللہ ﷺ نے ایک لاغر اونٹ دیکھا۔ اس کی کمزوری اور سفر کرنے سے عاجزی کی بنا پر اس کے مالک نے اسے چھوڑ دیا تھا۔ مسافروں میں سے ایک شخص نے یہ لاوارث اونٹ سنبھال لیا۔ چند دن اسے خوب کھلایا پلایا تو وہ صحت مند ہو گیا اور چلنے پھرنے لگا۔ تھوڑی سی مزید محنت کرنے

[1] السیرۃ لابن ہشام: 173/4، المغازي للواقدي: 388/2، موسوعۃ الغزوات الکبریٰ: 1810,1809/2، مسند أحمد: 350,349/4، المصنف لعبدالرزاق: 19822، السیرۃ لابن إسحاق: 607/2. [2] موسوعۃ الغزوات الکبریٰ: 1808,1807/2.


مسجد السقیا


مسجد تبوک

سے وہ سفر کرنے کے قابل ہو گیا، لہٰذا اس کی دیکھ بھال کرنے والا یہ شخص اسی اونٹ پر سوار ہو کر لشکر کے ساتھ چل دیا۔ اونٹ کے سابقہ مالک نے اپنا اونٹ دیکھا تو اس کی واپسی کا مطالبہ کر دیا۔ دیکھ بھال کرنے والا کہتا تھا کہ میں نے اس مریل اونٹ کو چلنے پھرنے کے قابل بنایا ہے، لہٰذا اب یہ اونٹ میرا ہے۔ دونوں میں تکرار بڑھی تو معاملہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا گیا۔ آپ ﷺ نے دونوں کی بات سنی، پھر ارشاد فرمایا:

«مَنْ أَحْيَا خُفًّا أَوْ كُرَاعًا بِمَهْلَكَةٍ مِّنَ الْأَرْضِ فَهُوَ لَهُ»

''جس شخص نے کسی اونٹ، گائے یا بکری کو بے آب و گیاہ صحراء یا جنگل بیاباں میں مرنے سے بچایا تو وہ جانور اسی کا ہے۔''[1]

2 تحائف کا تبادلہ: رسول اللہ ﷺ کا اسوۂ مبارکہ یہ تھا کہ آپ تحائف قبول کرتے تھے اور تحفہ دینے والے کو اس کی حیثیت اور اپنی استطاعت کے مطابق شاندار جوابی تحفہ عنایت فرماتے تھے۔ آپ کی اسی مبارک عادت کا تذکرہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا ان الفاظ میں فرماتی ہیں:

كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَقْبَلُ الْهَدِيَّةَ وَيُثِيبُ عَلَيْهَا.

''رسول اللہ ﷺ ہدیہ قبول فرماتے تھے اور اس کا بدل بھی مرحمت فرماتے تھے۔''[2]

رسول اللہ ﷺ وادئ قریٰ میں اترے تو وہاں کے یہودیوں بنو عریض نے آپ کو بطور ہدیہ ہریسہ بھیجا۔ آپ ﷺ نے ان کا ہدیہ قبول کیا اور اسے تناول فرمایا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے انھیں چالیس وسق (تقریباً 6 ٹن) کھجوروں کے حامل درخت عطا فرمائے۔ آپ نے انھیں یہ عظیم عطیہ دیا تو ایک یہودی عورت بول اٹھی: ''محمد (ﷺ) کا یہ عطیہ ان کے لیے ان کی آبائی وراثت سے بھی بہتر ہے، کیونکہ کھجوروں کے یہ درخت انھیں تا قیامت پھل دیتے رہیں گے۔''[3]

3 اولین حُدی خواں: رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں جزیرۂ عرب کے اونٹ تیز رفتار اور طویل سفر کے لیے ایک معروف سواری تھی۔ تجارتی قافلے راتوں کو طویل سفر طے کرتے تھے۔ اونٹوں کو مسلسل تیزی سے چلانے کے لیے ایک خوش الحان شخص کو مقرر کر دیا جاتا تھا جو سب سے اگلے اونٹ کو چلاتا اور ساتھ ساتھ بڑے ترنم سے شعر پڑھتا جاتا جسے حُدی (عرب شُتر بانوں کا نغمہ) کہتے ہیں۔ شعروں کے زیر و بم اور خوش الحانی سے اونٹ غیر معمولی طور پر

[1] المغازي للواقدي: 389/2، موسوعة الغزوات الكبرٰى: 1809/2. [2] صحيح البخاري، حديث: 2585. [3] المغازي للواقدي: 391/2، سبل الهدٰى والرشاد: 446/5، إمتاع الأسماع: 55/2.

متاثر ہوتے اور تیز رفتاری سے دوڑتے ہوئے سفر کرتے۔ یہ طریقہ کس نے ایجاد کیا اور کیسے ایجاد ہوا؟ آیئے اس کی کچھ تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

رسول اللہ ﷺ جب وادی مشقق میں پہنچے تو آپ نے ایک حدی خواں کی آواز سنی جو آدھی رات کو اونٹ دوڑائے جا رہا تھا۔ آپ ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا کہ تیزی سے چلو اور اس حدی خوان تک پہنچو۔ پھر آپ نے دریافت کیا:

«مِمَّنِ الْحَادِي، مِنْكُمْ أَوْمِنْ غَيْرِكُمْ؟»

''یہ حدی خوان کون ہے؟ یہ تم میں سے ہے یا کسی اور قبیلے سے ہے؟''

صحابہ نے عرض کی: یہ ہم میں سے نہیں ہے۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ ان لوگوں تک پہنچے تو وہ بہت سے لوگ تھے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''تم کون لوگ ہو؟'' وہ بولے: ہم مُضر قبیلے سے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''مُضر سے تو میں بھی ہوں۔ ذرا وضاحت سے بتاؤ۔'' انھوں نے اپنا مکمل نسب مُضر تک بیان کیا۔ پھر انھوں نے بتایا کہ ہم نے سب سے پہلے حدی خوانی شروع کی تھی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''بھلا کیسے؟'' کہنے لگے: زمانہ جاہلیت میں عرب ایک دوسرے پر ڈاکے ڈالتے تھے۔ لوٹ مار میں جو ہاتھ لگتا، لے بھاگتے تھے۔ ایک دفعہ ایک شخص کے گھر پر ڈاکہ پڑا تو اس کے اونٹ خوفزدہ ہو کر بھاگ نکلے۔ جب ڈاکو جا چکے تو اس نے اپنے غلام سے کہا: جاؤ اونٹ اکٹھے کرو۔ اس نے معذرت کی اور کہا کہ اونٹ بہت دور نکل چکے ہیں، انھیں واپس لانا اور اکٹھا کرنا میرے بس کی بات نہیں۔ مالک کو غصہ آیا، اس نے غلام کے ہاتھ پر زور سے ڈنڈا دے مارا۔ غلام نے درد کے مارے بلکنا شروع کر دیا، وہ روتا بھی جاتا تھا اور درد بھری آواز میں فریاد بھی کرتا جاتا تھا: ہائے میرا ہاتھ! ہائے میرا ہاتھ ٹوٹ گیا۔ اس کی درد بھری آواز سن کر اونٹ حیرت انگیز طور پر جمع ہونے لگے۔ مالک بہت خوش ہوا کہ بھگوڑے اونٹ خود بخود واپس آرہے ہیں۔ اس نے غلام سے کہا: بس اسی طرح چلاتے رہو۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے سارے اونٹ جمع ہو گئے۔ بس اسی دن سے حُدی کا رواج پڑ گیا۔ شعراء کی خدمات حاصل کی جاتیں۔ خوش الحان شاعر قافلے کے آگے آگے اپنی دلکش آواز کا جادو جگاتے اور اونٹ تیز رفتاری سے اس آواز کی طرف لپکتے چلے آتے۔ اس طرح قافلے کا سفر آسان ہی نہیں دلچسپ بھی بن جاتا تھا۔ بس پھر حدی خواں ہر قافلے کا لازمی حصہ بن گیا ...... آغازِ حُدی خوانی کی یہ داستان سن کر رسول اللہ ﷺ مسکرائے بغیر نہ رہ سکے۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«أَلَا أُبَشِّرُكُمْ؟»

''کیا میں تمھیں ایک خوش خبری سنا دوں؟''

صحابۂ کرام نے عرض کی: حضور! خوش خبری ضرور سنائیے۔ آپ نے فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ أَعْطَانِي الْكَنْزَيْنِ فَارِسَ وَالرُّومَ، وَ أَمَدَّنِي بِالْمُلُوكِ مُلُوكِ حِمْيَرَ، يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَيَأْكُلُونَ فَيْءَ اللّٰهِ»

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مجھے دو خزانے، ایران اور روم عطا کیے ہیں اور میری مدد حمیر کے بادشاہوں کے ذریعے فرمائی ہے۔ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور اللہ کا عطا کردہ مال فے کھائیں گے۔''[1]

رسول اللہ ﷺ کی یہ پیش گوئی حرف بحرف سچ ثابت ہوئی۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اسلامی لشکر عراق اور شام کو فتح کرتے ہوئے آگے بڑھا تو شام میں اسلامی لشکر کے ایک قائد سیدنا شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ یمنی تھے۔ ذوالکلاع حمیری یمن (حمیر) کے بادشاہوں میں سے تھے اور انھوں نے جنگ یرموک اور یمن کی فتوحات میں اسلامی لشکر کے دستوں کی قیادت کی۔ اسی طرح افریقہ اور شام کی فتوحات میں یمنی حمیری سپاہ کا کردار نہایت نمایاں رہا۔ ان کے فوجی دستے اور مالی تعاون اسلامی لشکر کے لیے بہترین قوت ثابت ہوئے۔

4 سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی سعادت: سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ دورانِ سفر رسول اللہ ﷺ کے خادمِ خاص تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حجر اور تبوک کے درمیان ایک جگہ پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ صبح کے وقت رسول کریم ﷺ قضائے حاجت کے لیے نکلے۔ عادت مبارک یہ تھی کہ آپ ﷺ رفعِ حاجت کے لیے بستی سے دور نکل کر لوگوں کی آنکھوں سے اوجھل ہو جاتے تھے۔ اس موقع پر بھی آپ معسکر سے دور نکل گئے۔ میں بھی پانی کا برتن لے کر آپ کے پیچھے پیچھے گیا۔ واپسی میں تاخیر ہوگئی حتی کہ صحابہ کو خدشہ ہوا کہ سورج نکل آئے گا۔ ابھی تک میں نے فجر کی نماز ادا نہیں کی تھی۔ سبھی نبی کریم ﷺ کے منتظر تھے۔ جب انتظار طویل ہو گیا اور نماز میں دیر ہوگئی تو صحابہ نے سیدنا عبدالرحمٰن بن

[1] المغازي للواقدي: 395/2، موسوعة الغزوات الكبرىٰ: 1820/2.

تختِ جمشید (پرسیپولس)، ایران کے کھنڈر



قیصرِ روم کے شہر قسطنطنیہ کی فصیل



حمیر (قدیم) کے علاقے کا ایک قلعہ



نے سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے گزارش کی کہ وہ نماز پڑھا دیں، لہٰذا وہ آگے بڑھے اور نماز شروع کر دی۔ رسول اللہ ﷺ قضائے حاجت سے فارغ ہو کر واپس آئے تو میں نے آپ ﷺ کو وضو کرایا۔ جب ہم معسکر میں پہنچے تو سیدنا عبدالرحمٰن ایک رکعت پڑھا چکے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کو دیکھا تو سبحان اللہ کہہ کر امام کو متوجہ کرنا شروع کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ کو دیکھ کر صحابہ کرام فرطِ محبت میں زور زور سے سبحان اللہ، سبحان اللہ کہنے لگے تاکہ اب سیدنا عبدالرحمٰن پیچھے ہٹ جائیں اور رسول اللہ ﷺ نماز پڑھائیں۔ قریب تھا کہ وہ اسی جذبے کے زیر اثر نماز توڑ بیٹھتے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ منظر دیکھا تو سیدنا عبدالرحمٰن کو ہاتھ کے اشارے سے حکم دیا کہ نماز جاری رکھو۔ وہ بھی آپ کی آمد سے آگاہ ہو کر الٹے پاؤں پیچھے ہٹ رہے تھے۔ آپ ﷺ کا حکم پا کر وہ رُکے اور نماز مکمل کرنے لگے۔ اس طرح نبی کریم ﷺ نے ایک رکعت سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف کی اقتدا میں ادا کی۔ جب انھوں نے نماز مکمل کر لی تو رسول اللہ ﷺ نے اٹھ کر اپنی دوسری رکعت مکمل کی اور سلام پھیرا۔ پھر آپ ﷺ نے نماز باجماعت اور بروقت ادا کرنے پر صحابہ کرام کی تحسین فرمائی، ان کے اس عمل کو سراہا اور سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو شاندار خراجِ تحسین سے نوازا۔ آپ ﷺ کے الفاظ مبارک ان کے لیے یقیناً عظیم الشان انعام کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

«أَحْسَنْتُمْ إِنَّهُ لَمْ يُتَوَفَّ نَبِيٌّ حَتَّى يَؤُمَّهُ رَجُلٌ صَالِحٌ مِنْ أُمَّتِهِ»

”تم نے بہت اچھا کیا۔ بلاشبہ کوئی بھی نبی اس وقت تک فوت نہیں ہوا جب تک اس نے اپنی امت کے ایک صالح مرد کے پیچھے نماز نہ پڑھ لی۔“[1]

5 **اسلام کا نظام عدل و انصاف:** اسلام کا نظام عدل و انصاف بڑا شاندار اور بے مثال ہے۔ یہ ہر امیر و غریب، عربی و عجمی، گورے اور کالے کو بلاتفریق انصاف فراہم کرتا ہے۔ معاشرے کے امن و سکون کے لیے بروقت انصاف اشد ضروری ہے۔ اسی لیے اسلام نے ایسے قوانین دیے جو بلاامتیاز فوری انصاف کے ضامن ہیں۔ ان قوانین میں سے ایک قانون یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے دفاع میں ظالم شخص کا کچھ نقصان کر دیتا ہے یا لڑائی کی صورت میں ظالم کو قتل کر دیتا ہے تو اس پر کوئی قصاص یا دیت لازم نہیں آئے گی۔ ایک ایسا ہی واقعہ غزوۂ تبوک کے موقع پر پیش آیا۔

سیدنا یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے غزوۂ تبوک میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شرکت کی۔ یہ

[1] جامع الترمذي: 125، المغازي للواقدي: 2/395، موسوعة الغزوات الكبرى: 2/1821.

غزوہ میرے بہترین اعمال میں سے ہے، اس غزوے کے دوران میرے خادم کی ایک شخص سے لڑائی ہوگئی۔ اس نے میرے خادم کے ہاتھ پر دانت گاڑ کر کاٹ لیا۔ میرے خادم نے اپنا ہاتھ چھڑانے کے لیے زور لگایا تو دانت سے کاٹنے والے شخص کے سامنے والے دانت ٹوٹ گئے۔ دانت ٹوٹنے پر وہ دیت یا قصاص کے لیے جھگڑا کرنے لگا۔ بالآخر دونوں انصاف کے لیے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ میں بھی اپنے خادم کے ساتھ ہو لیا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے طرفین کی بات سنی۔ میرے خادم نے عرض کی: حضور! میں نے تو صرف اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی تھی، اس کے دانت توڑنا میرا مقصد نہ تھا۔ آپ نے دانت سے کاٹنے والے کو شدید ڈانٹ پلائی اور فرمایا:

«يَعَضُّ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ كَمَا يَعَضُّ الْفَحْلُ، لَا دِيَةَ لَهُ»

''تم اپنے ہی بھائی کو دانت سے یوں کاٹتے ہو جیسے اونٹ کاٹتا ہے۔ تمھیں کوئی دیت نہیں ملے گی۔'' [1]

صحیح مسلم کی روایت میں ہے:

«أَرَدْتَ أَنْ تَأْكُلَ لَحْمَهُ؟»

''کیا تم اس کا گوشت کھانا چاہتے تھے؟'' [2]

صحیح مسلم ہی کی دوسری روایت میں ہے: رسول اللہ ﷺ نے اسے ڈانٹتے ہوئے فرمایا:

«مَاتَأْمُرُنِي؟ تَأْمُرُنِي أَنْ آمُرَهُ أَنْ يَدَعَ يَدَهُ فِي فِيكَ تَقْضَمُهَا كَمَا يَقْضَمُ الْفَحْلُ؟ إِدْفَعْ يَدَكَ حَتّٰى يَعَضَّهَا ثُمَّ انْتَزِعْهَا»

''کیا تم میرے پاس اس لیے آئے ہو کہ میں اسے حکم دوں کہ وہ اپنا ہاتھ تمھارے منہ میں دے دے اور تم اسے اونٹ کی طرح چباتے رہو؟ (تمھارے لیے کوئی دیت نہیں ہے، ہاں اگر چاہو تو) اس کے منہ میں اپنا ہاتھ ڈال دو، وہ بھی اپنے دانتوں سے کاٹ لے، پھر تم اپنا ہاتھ چھڑا لینا۔'' [3]

اس طرح آپ نے مظلوم کے حق میں فیصلہ دیا۔ ہر چند ظالم کا نقصان زیادہ ہوا تھا۔ اسلام کے اسی قانونِ عدل کی وضاحت کے لیے رسول اللہ ﷺ کا درج ذیل فرمان عالی ملاحظہ فرمائیں:

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے خدمت نبوی میں عرض کی: اے اللہ کے رسول! مجھے بتایئے

[1] صحيح البخاري: 6892. [2] صحيح مسلم: 1673. [3] صحيح مسلم: 1673، سنن النسائي: 4758.

اگر کوئی شخص میرا مال لوٹنے کی کوشش کرے تو میں کیا کروں؟ آپ نے فرمایا: «لَا تُعْطِهِ مَالَكَ» ''تم اسے اپنا مال مت دو (اپنے مال کا تحفظ کرو)۔'' اس نے پھر سوال کیا: اگر وہ مجھ سے لڑنا شروع کر دے تو میں کیا کروں؟ آپ نے فرمایا: «قَاتِلْهُ» ''تم بھی اس سے لڑائی کرو۔'' اس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اگر اس نے مجھے قتل کر دیا تو؟ آپ نے فرمایا: «فَأَنْتَ شَهِيدٌ» ''تم شہادت کا رتبہ پا لوگے۔'' اس نے پھر پوچھا: اگر میں نے اسے قتل کر دیا تو کیا ہوگا؟ آپ نے فرمایا: «هُوَ فِي النَّارِ» ''وہ جہنم میں چلا جائے گا۔''[1]

6 تبوک کے باغات: رسول اللہ ﷺ کی صفاتِ عالیہ میں سے ایک اہم بات یہ ہے کہ آپ کی زبان مبارک وحیِ الٰہی کے عین مطابق ہی بولتی اور موتی رولتی تھی۔ آپ کے ارشادات حرف بحرف حق و سچ ثابت ہوئے۔ جب بھی آپ کی پیش گوئی پوری ہوتی تو اہل ایمان کو بڑی فرحت اور ایمانی تازگی نصیب ہوتی تھی۔

تبوک کا علاقہ بیابان صحرا تھا۔ پانی کی شدید قلت تھی لیکن ان حالات میں آپ ﷺ نے تبوک کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا کہ ایک دن آئے گا، یہ علاقہ سرسبز و شاداب ہو کر چمن زار بن جائے گا۔ آپ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی آج بھی اپنی صداقت کے نظارے دکھا کر اہل ایمان کو تازگی بخش رہا ہے۔

آئیے اس ارشاد عالی کے پس منظر کا حال پڑھیے:

سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم غزوۂ تبوک میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے۔ دوران سفر آپ ﷺ نماز ظہر اور عصر اور بعد ازاں مغرب اور عشاء جمع کر کے ادا کرتے۔ آپ نماز ظہر کو مؤخر کر کے عصر کے ساتھ پڑھتے۔ اسی طرح نماز مغرب کو مؤخر کر کے عشاء کے ساتھ جمع کر کے ادا فرماتے۔ ایک دن آپ نے نماز عشاء کے بعد فرمایا:

«إِنَّكُمْ سَتَأْتُونَ غَدًا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ عَيْنَ تَبُوكَ وَ إِنَّكُمْ لَنْ تَأْتُوهَا حَتّٰى يُضْحِيَ النَّهَارُ فَمَنْ جَاءَهَا مِنْكُمْ فَلَا يَمَسَّ مِنْ مَّائِهَا شَيْئًا حَتّٰى آتِيَ»

''تم کل تبوک کے چشمے پر پہنچ جاؤ گے، ان شاء اللہ۔ اور تم چاشت کے وقت وہاں پہنچو گے۔ تم میں سے جو شخص وہاں پہنچ جائے، وہ میرے آنے تک اس چشمے سے پانی

تبوک میں چشمے کا منظر



[1] صحيح مسلم: 140، المغازي للواقدي: 2/396.

مت نکالے۔‘‘

جب ہم صبح کے وقت تبوک کے چشمے پر پہنچے تو ہم سے پہلے دو (منافق) شخص وہاں پہنچ چکے تھے۔ چشمے سے قطرہ قطرہ پانی نکل رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا:

«هَلْ مَسَسْتُمَا مِنْ مَاءِ هَا شَيْئًا؟»

’’کیا تم نے چشمے سے کچھ پانی نکالا ہے؟‘‘

انھوں نے کہا: جی ہاں، ہم نے کچھ پانی لیا ہے۔ (یہ دونوں منافق آپ کی نافرمانی کرتے ہوئے اپنے تیروں سے چشمے کی کھدائی کر کے پانی نکالنے کی مسلسل ناکام کوشش کرتے رہے۔)

رسول اللہ ﷺ کو ان پر شدید غصہ آیا اور آپ نے انھیں ڈانٹا۔ پھر آپ نے حکم دیا تو صحابہ نے قطرہ قطرہ جمع کر کے کچھ پانی آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے اس پانی میں اپنے مبارک ہاتھ اور چہرہ دھویا، (برکت کی دعا کی) پھر وہ پانی دوبارہ چشمے میں ڈال دیا۔ جونہی آپ کا بابرکت پانی ڈالا گیا، معاً چشمہ ابل پڑا اور بہت تیزی سے چلنے لگا۔ صحابہ کرام نے جی بھر کر پانی پیا اور اپنی سواریوں کو بھی خوب سیر کیا۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا:

«يُوشِكُ يَا مُعَاذُ! إِنْ طَالَتْ بِكَ حَيَاةٌ أَنْ تَرٰى مَا هٰهُنَا قَدْ مُلِئَ جِنَانًا»

’’اے معاذ! اگر تمھیں طویل عمر ملی تو قریب ہے کہ تم اس علاقے کو باغات سے سرسبز و شاداب دیکھو گے۔‘‘[1]

آپ کا یہ فرمان عنایت ربانی سے پورا ہوا۔ تبوک جو کبھی صحراء ہوا کرتا تھا اور پانی کی بوند بوند کو ترستا تھا، آج سرسبز و شاداب باغات، بھرپور فصلوں اور عمدہ پھلوں کی وجہ سے مشہور ہے۔ تبوک کی زرعی اجناس سعودی عرب کی معیشت میں اہم کردار ادا کر رہی ہیں۔ یہاں پیدا ہونے والے پھلوں سے کثیر زرمبادلہ کمایا جا رہا ہے۔ تبوک میں پیدا ہونے والے بہترین پھل جن میں انگور، کھجور، سیب اور کتو وغیرہ شامل ہیں، پورے ملک کو فراہم کیے جا رہے ہیں۔ تبوک کی زمین بہترین چارہ پیدا کرتی ہے۔ ملک کے دیگر علاقوں کو تبوک کا چارہ فراہم کرنے کے لیے یہاں چارہ محفوظ اور پیک کرنے کے کارخانے لگ چکے ہیں۔ الغرض تبوک سعودی عرب کے خوبصورت علاقوں میں سے ایک شاندار علاقہ ہے جہاں ہر سال ہزاروں سیاح سیر و سیاحت کے لیے آتے ہیں۔ پھلوں کے باغات سے مزین یہ شہر اب اتنی شہرت اور ترقی حاصل کر چکا ہے کہ اسے پھولوں اور پھلوں کا شہر کہا جاتا ہے۔

[1] صحيح مسلم: 706، السيرة لابن إسحاق: 606,605/2، السيرة لابن هشام: 171/4، مسند أحمد: 238,237/5، موسوعة الغزوات الكبرٰى: 1822/2، دلائل النبوة للبيهقي: 236/5.

7 **کھانے میں برکت:** اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیائے کرام علیہم السلام کو معجزات سے نوازا۔ یہ معجزات انبیائے کرام کی تائید کرتے اور اہل ایمان کو ایمانی تقویت دیتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو بھی اللہ تعالیٰ نے متعدد معجزات سے نوازا۔ اس کتاب میں آپ متعدد معجزات کا حال پڑھ چکے ہیں۔ غزوۂ تبوک میں بھی آپ ﷺ کے کئی معجزات ظاہر ہوئے۔ جب اسلامی لشکر تبوک پہنچا تو پانی اور خوراک کی شدید قلت کا سامنا کرنا پڑا۔ پانی کے لیے آپ ﷺ کی دعا کی برکت سے تبوک کا چشمہ تیزی سے رواں ہو گیا۔ خوراک کی قلت دور کرنے کے لیے صحابہ کرام نے آپ ﷺ سے اونٹ نحر کرنے کی اجازت مانگی۔ آپ نے اجازت دے دی۔ چنانچہ صحابہ کرام نے اجازت ملنے پر اونٹ نحر کر کے گوشت پکانے کا پروگرام بنایا۔ اس دوران سیدنا عمر رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اگر اونٹ نحر کر لیے گئے تو سواریاں کم ہو جائیں گی، پھر اتنا طویل سفر کیسے طے ہو گا؟ اس کے برعکس آپ باقی ماندہ زادِ راہ جمع کرائیں اور اللہ تعالیٰ سے برکت کی دعا کریں، مجھے امید ہے آپ کی دعا سے ہمیں برکت ضرور حاصل ہو گی۔ اللہ کے رسول ﷺ کو یہ تجویز پسند آئی۔ آپ نے حکم دیا کہ چٹائیاں بچھائی جائیں۔ چٹائیاں بچھا دی گئیں تو آپ نے اعلان کرا دیا کہ جس کے پاس جو چیز بچی ہوئی ہے، وہ لا کر اس چٹائی پر رکھ دے، لہٰذا ہر شخص اپنے اپنے زادِ راہ کا باقی ماندہ لے کر آنے لگا۔ کوئی مٹھی بھر دانے لایا، کوئی مٹھی بھر کھجوریں لے کر حاضر ہوا تو کوئی روٹی کا ٹکڑا لیے آ گیا، حتی کہ چٹائی پر معمولی مقدار میں چیزیں جمع ہو گئیں۔ پھر آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک اٹھائے اور اپنے رب کے حضور برکت کی دعا کی۔ عرش والے نے اپنے محبوب کی دعا کو شرف قبولیت سے یوں نوازا کہ وہ معمولی سا زادِ راہ پورے لشکر کے لیے کافی ہو گیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

«خُذُوا فِي أَوْعِيَتِكُمْ»

''اپنے اپنے برتن بھر لو۔''

صحابہ کرام نے آپ کے ارشاد کی تعمیل کی۔ معسکر میں موجود ہر برتن زادِ راہ سے بھر لیا گیا۔ پھر سب نے کھانا شروع کیا تو سیر ہو کر کھایا جبکہ چٹائی پر رکھا ہوا زادِ راہ جوں کا توں باقی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی دعا سے خوب برکت عطا کی۔ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ أَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ، لَا يَلْقَى اللّٰهَ بِهِمَا عَبْدٌ غَيْرُ شَاكٍّ فَيُحْجَبَ عَنِ الْجَنَّةِ»

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور بلاشبہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ جو شخص کامل

یقین کے ساتھ ان دو باتوں پر ایمان لا کر اللہ سے ملاقات کرے گا، وہ ضرور جنت میں داخل ہوگا۔''[1]

خوفناک اژدھا

اسلامی لشکر تبوک کی طرف گامزن تھا کہ اچانک ان کے راستے میں ایک بہت بڑا اژدھا حائل ہو گیا۔ لوگ ادھر اُدھر منتشر ہو گئے اور اژدھے سے کترا کر گزرنے لگے۔ اژدھا سیدھا رسول اللہ ﷺ کے سامنے جا کر رک گیا اور بڑی دیر تک آپ کے سامنے رکا رہا۔ رسول اللہ ﷺ بھی بدستور اپنی سواری پر تشریف فرما رہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم یہ خوفناک منظر دیکھ رہے تھے۔ پھر وہ اژدھا راستے سے ہٹ کر نیچے اتر گیا۔ صحابۂ کرام واپس آنے لگے۔ جب وہ آپ ﷺ کے پاس آئے تو آپ نے فرمایا: «هَلْ تَدْرُونَ مَنْ هٰذَا؟» ''کیا تمھیں معلوم ہے یہ کون ہے؟''

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی بخوبی جانتے ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ اُن آٹھ جنوں میں سے ہے جو میرے پاس قرآن مجید کی تلاوت سننے آئے تھے۔ آج جب ہم ان کے علاقے سے گزر رہے ہیں تو اس نے سلام کرنا ضروری سمجھا، لہٰذا یہ اب سلام کرنے آیا ہے اور تمھیں سلام کر رہا ہے۔'' صحابہ نے اس کے سلام کا جواب دیتے ہوئے کہا: وَعَلَيْهِ السَّلَامُ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ. رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «أَجِيبُوا عِبَادَ اللّٰهِ مَنْ كَانُوا» ''اللہ کے بندو! سلام کا جواب دو، چاہے سلام کرنے والا کوئی بھی ہو۔''[2]

رسول اللہ ﷺ کا خطبۂ تبوک

سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تبوک جا رہے تھے۔ جب تبوک سے ایک دن رات کا سفر باقی رہ گیا تو آپ نے آرام کی غرض سے پڑاؤ کیا۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو ذمہ داری سونپی کہ وہ جاگتے رہیں اور نماز فجر کے لیے سب کو بیدار کریں۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ بڑی مستعدی سے یہ ذمہ داری پوری کرنے لگے مگر سفر کی تھکاوٹ سے ان کی آنکھ لگ گئی۔ اس طرح سبھی لوگ سو گئے حتی کہ دن نکلنے پر رسول اللہ ﷺ کی آنکھ کھلی۔ آپ نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو بیدار کیا اور فرمایا:

«يَا بِلَالُ! أَلَمْ أَقُلْ لَكَ اِكْلَأْ لَنَا اللَّيْلَ؟»

''اے بلال! کیا میں نے تمھیں آج رات (نماز فجر کی) حفاظت کا حکم نہیں دیا تھا؟''

[1] صحيح البخاري: 2484، صحيح مسلم: 27، مسند أحمد: 11080، دلائل النبوة للبيهقي: 5/229,230. [2] المغازي للواقدي: 2/398، موسوعة الغزوات الكبرى: 2/1825,1826.

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! مجھے بھی گہری نیند آ گئی، اس لیے کوتاہی ہو گئی۔ معاف فرما دیجیے۔ آپ نے اپنے اخلاق کریمہ کے مطابق درگزر سے کام لیا اور لشکر کو اس جگہ سے روانگی کا حکم دیا۔ پھر کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد جب سورج ایک نیزے کے برابر اونچا ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سواری سے اتر کر فجر کی دو سنتیں ادا کیں، پھر صحابہ کو نماز فجر پڑھائی۔ پھر اگلے دن اور رات آپ نے تیزی سے سفر کیا اور صبح کے وقت تبوک پہنچ گئے۔

اسی صبح آپ نے تیس ہزار مجاہدین اسلام سے خطاب فرمایا۔ یہ خطاب کسی حد تک خطبہ حجۃ الوداع سے ملتا جلتا ہے۔ آپ نے اس خطاب میں اسلامی عقائد، اخلاق، کردار اور دینی تعلیمات سے صحابۂ کرام کی تربیت فرمائی۔ اس خطاب میں مذکور اکثر و بیشتر ارشادات انمول موتیوں کی صورت میں صحیح احادیث میں موجود ہیں۔ آیئے اب اس خطاب کی روح پرور تفصیل پڑھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی، پھر فرمایا:

''اے لوگو! یقیناً سب سے سچی بات اللہ کی کتاب قرآن مجید ہے اور سب سے مضبوط کڑا اللہ کا تقویٰ ہے۔ بہترین ملت، ملتِ ابراہیم علیہ السلام ہے۔ بہترین طریقہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ہے۔ سب سے اعلیٰ بات اللہ کا ذکر ہے۔ بہترین قصے قرآن مجید کے ہیں۔ بہترین کام وہ ہے جس کا انجام اچھا ہو۔ بدترین کام بدعت ہے۔ سب سے اچھی راہنمائی انبیائے کرام کی راہنمائی ہے۔ سب سے اعلیٰ و ارفع قتل شہداء کا ہے۔ بدترین اندھی گمراہی ہدایت کے بعد گمراہی ہے۔ اچھا عمل نفع بخش ہے۔ بہترین ہدایت وہ ہے جس کی اتباع کی جائے۔ سب سے برا اندھا پن دل کا اندھا پن ہے۔ صدقہ دینے والا لینے والے سے افضل ہے۔ قابل کفایت تھوڑا مال غافل کرنے والے زیادہ مال سے بہتر ہے۔ موت کے وقت کی جانے والی معذرت بہت بری ہے۔ بدترین شرمندگی قیامت کے دن کی شرمندگی ہے۔ کچھ لوگ کبھی کبھار ہی جمعہ ادا کرتے ہیں اور کچھ وہ ہیں جو اللہ کا ذکر شاذ و نادر ہی کرتے ہیں۔ عظیم ترین خطاؤں میں سے ایک جھوٹی زبان ہے۔ بہترین مالداری دل کی قناعت ہے۔ بہترین زاد راہ تقویٰ ہے۔ حکمت و دانائی کا نچوڑ اللہ تعالیٰ کا خوف ہے۔ دل میں ودیعت کی جانے والی بہترین خوبی یقین اور کفر کا انکار ہے۔ نوحہ جاہلیت کا عمل ہے۔ خیانت جہنم کا انگارہ ہے۔ نشہ جہنم کے لوہے کا داغ ہے۔ (بے ہودہ) شعر ابلیس کی طرف سے ہوتے ہیں۔ شراب برائیوں کی جڑ ہے۔ عورتیں شیطان کی رسیاں ہیں۔ جوانی جُزوِ جنون ہے۔ سب سے بری کمائی سود ہے۔ بدترین کھانا یتیم کا مال کھانا ہے۔ خوش بخت وہ ہے جو دوسروں سے نصیحت پکڑتا ہے۔ بد بخت وہ ہے جو ماں

کے پیٹ ہی میں بدبخت ہو گیا۔ تم میں سے کوئی شخص جنت یا جہنم سے چار ہاتھ کے فاصلے تک پہنچ جاتا ہے، پھر انجام آخری کلمات اور اختتامی عمل کے مطابق ہوتا ہے۔ بدترین روایت جھوٹی روایات ہیں۔ ہر آنے والی چیز قریب ہے۔ مسلمان کو گالی دینا گناہ ہے اور مومن کو قتل کرنا کفر ہے۔ اس کا گوشت کھانا (غیبت کرنا) اللہ کی نافرمانی ہے۔ اس کا مال اس کے خون کی طرح حرام ہے۔ جو اللہ کی جھوٹی قسم کھائے گا، اللہ اسے جھٹلا دے گا۔ جو معاف کر دے، اللہ اسے معاف کر دے گا۔ جو غصہ پی جائے، اسے اللہ تعالیٰ اجر دے گا۔ جو مصیبت پر صبر کرے، اللہ اسے نعم البدل عطا کرے گا۔ جو دکھلاوے کے لیے عمل کرے گا، اللہ اس کے اعمال (قیامت کے دن) دکھلا دے گا (اسے کوئی اجر و ثواب نہ ملے گا)۔ جو صبر کرے گا، اللہ اسے دگنا اجر دے گا۔ جو اللہ کی نافرمانی کرے گا، اللہ اسے عذاب دے گا۔ اے اللہ! میری اور میری امت کی بخشش فرما دے۔ اے اللہ! مجھے اور میری امت کو معاف فرما دے۔ میں اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے اور تمھارے لیے بخشش کی دعا کرتا ہوں۔''

علامہ واقدی لکھتے ہیں کہ بنو عذرہ کے ایک شخص عدی نے بیان کیا کہ میں تبوک میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا تو آپ اپنی سرخ اونٹنی پر لوگوں کے درمیان گشت کر رہے تھے اور فرما رہے تھے: ''اے لوگو! اللہ کا ہاتھ صدقہ کرنے والے سے اوپر (اور اعلیٰ) ہے۔ صدقہ کرنے والا بہترین شخص ہے۔ صدقہ لینے والے کا ہاتھ نچلا ہے (وہ کم تر ہے)۔ اے لوگو! قناعت پسند بنو اگرچہ لکڑیوں کے ایک گٹھے کے ساتھ ہی ہو، (اسے بیچ کر گزارہ کرو)۔'' پھر آپ ﷺ نے تین بار فرمایا: ''اے اللہ! کیا میں نے تیرا پیغام پہنچا دیا ہے؟''

پھر سیدنا عدی رضی اللہ عنہ نے عرض کی: حضور میری دو بیویاں تھیں، وہ آپس میں جھگڑ پڑیں۔ ایک نے دوسری کو پتھر مارا تو وہ مر گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مقتولہ کی دیت قاتلہ کے عصبہ رشتے دار ادا کریں گے اور مقتولہ کے وارث نہیں بنیں گے۔''[1]

امام نسائی رحمہ اللہ نے سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے، وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے تبوک میں لوگوں کو خطاب فرمایا۔ آپ اپنی اونٹنی کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا:

«أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ النَّاسِ وَشَرِّ النَّاسِ؟ إِنَّ مِنْ خَيْرِ النَّاسِ رَجُلًا عَمِلَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ عَلٰى ظَهْرِ فَرَسِهٖ أَوْ عَلٰى ظَهْرِ بَعِيرِهٖ أَوْ عَلٰى قَدَمِهٖ حَتّٰى يَأْتِيَهُ الْمَوْتُ، وَإِنَّ مِنْ شَرِّ النَّاسِ رَجُلًا

[1] البداية و النهاية: 4/667,666، المغازي للواقدي: 2/399,398، دلائل النبوة للبيهقي: 5/242,241، زاد المعاد: 3/542,541، موسوعة الغزوات الكبرى: 2/1827,1826.

فَاجِرًا يَقْرَأُ كِتَابَ اللّٰهِ لَا يَرْعَوِي إِلٰى شَيْءٍ مِّنْهُ»

''کیا میں تمھیں بہترین اور بدترین انسان کے بارے میں نہ بتاؤں؟ بلاشبہ بہترین انسان وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں گھوڑے یا اونٹ پر سوار ہو کر یا پیدل کام کرتا رہے حتی کہ اسے موت آجائے اور بے شک لوگوں میں سب سے برا وہ فاجر شخص ہے جو اللہ کی کتاب پڑھتا ہے اور اس کی کچھ پروا نہیں کرتا۔'' [1]

رسول اللہ ﷺ کے محافظ

رسول اللہ ﷺ اسلامی لشکر کے سالارِ اعلیٰ تھے۔ اس لحاظ سے آپ کو مناسب حفاظتی دستے کی ضرورت تھی۔ خصوصاً جب آپ دشمن کے علاقے میں جاتے تو حالت جنگ میں آپ کے تحفظ کی ضرورت اور زیادہ بڑھ جاتی۔ آپ عموماً اپنے حفاظتی دستے کی کمان سیدنا عباد بن بشر اور سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہما کے سپرد کرتے تھے۔ غزوۂ تبوک کے لیے روانگی کے وقت بھی آپ نے یہ ذمہ داری سیدنا عباد بن بشر کو سونپی تھی اور وہ سارے راستے یہ فرض انجام دیتے رہے۔ وہ آپ کی حفاظت کے ساتھ ساتھ لشکر اسلامی کی صفوں میں بھی چکر لگاتے رہتے تھے تاکہ ہر قسم کے حالات سے باخبر رہیں۔

تبوک میں قیام کے دوران ایک روز صبح کے وقت وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: آج رات ہمارے دستے کے پیچھے مسلسل اللہ اکبر کی آوازیں آتی رہیں۔ کیا آپ نے نیا حفاظتی دستہ مقرر فرمایا ہے؟ اللہ کے رسول ﷺ نے جواب دیا: ''میں نے کوئی نیا حفاظتی دستہ تشکیل نہیں دیا، ممکن ہے کچھ مسلمان بذات خود یہ ڈیوٹی دے رہے ہوں۔'' یہ سن کر مجلس میں موجود سیدنا سلکان بن سلامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں اپنے دس گھڑسوار مجاہدوں کے ساتھ رات کے وقت آپ کے دستے کی حفاظت کے لیے نکلا تھا۔ اللہ اکبر کی صدائیں ہم ہی بلند کر رہے تھے۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ مسرور ہوئے اور آپ نے سیدنا سلکان اور ان کے ساتھیوں کے لیے خصوصی دعائے خیر فرمائی۔ آپ نے فرمایا:

«رَحِمَ اللّٰهُ حَرَسَ الْحَرَسِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، فَلَكُمْ قِيرَاطٌ مِّنَ الْأَجْرِ عَلٰى كُلِّ مَنْ حَرَسْتُمْ مِّنَ النَّاسِ جَمِيعًا أَوْ دَابَّةٍ»

''اللہ تعالیٰ میدان جہاد میں حفاظتی دستے کی حفاظت کرنے والوں پر رحم فرمائے۔ تم نے جتنے لوگوں اور جانوروں کی حفاظت کی، ان سب کے بدلے تمھیں ایک ایک قیراط اجر ملے گا۔'' [2]

[1] سنن النسائي: 3108. [2] المغازي للواقدي: 412/2، موسوعة الغزوات الكبرى: 1823/2.

سیدنا عبداللہ ذوالبجادین رضی اللہ عنہ

ایمان کی نورانی کرن جب کسی خوش نصیب کے دل میں پھوٹتی ہے تو پھر یہ قلب مکمل نورانی ہوئے بغیر نہیں رہ پاتا۔ ایمان کی لذت جو ایک بار چکھ لے، پھر وہ اس لذت کو مکمل کیے بغیر نہیں رکتا۔ دنیاوی مصائب، مالی مشکلات، خاندانی رکاوٹیں اور معاشرتی ظلم وستم اس کا راستہ روکنے میں ناکام ہو جاتے ہیں۔ سیدنا عبداللہ ذوالبجادین رضی اللہ عنہ کی زندگی بھی اسی نورانی کرن سے شروع ہوئی اور بے پناہ عزت و اکرام اور شرف و منزلت پر ختم ہوئی۔ تھوڑے ہی عرصے میں انھیں ایسا عظیم مقام حاصل ہوا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے فاضل صحابی ان کے مقام و مرتبے تک رسائی کی آرزو کرنے لگے۔

سیدنا عبداللہ ذوالبجادین رضی اللہ عنہ مزینہ قبیلے کے فرد تھے، وہ ابھی بچے ہی تھے کہ ان کے والد فوت ہوگئے۔ پھر ان کے مالدار چچا نے ان کی کفالت اور بہت اچھی پرورش کی۔ یہ جوان ہوئے تو ان کے پاس بھی اونٹ، گائے اور بکریوں کی معقول تعداد جمع ہوگئی، حالانکہ ان کے والد غریب آدمی تھے۔ ان کی وراثت سے انھیں کچھ حاصل نہیں ہوا تھا۔ لیکن ذاتی محنت اور چچا کی شفقت سے یہ خوشحال ہوگئے۔ جانور پالتے اور دودھ پی کر گزارہ کرتے تھے۔ زندگی اسی طرح عرب رسوم و رواج کے مطابق گزر رہی تھی۔ یکا یک تاجدارِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو آفتاب اسلام کی کرنیں ہر طرف پھیل گئیں۔ عبداللہ بھی مسلمان ہو گئے اور ان کا دل نورِ ایمان سے منور ہوگیا مگر طاقتور چچا کا خوف ایمان کے اظہار میں رکاوٹ بن گیا۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ انتظار کرنے لگے کہ کب یہ سعادت ان کے چچا کو بھی نصیب ہو تاکہ وہ بھی اپنے ایمان کا اعلان و اظہار کرسکیں۔ مگر چچا اس سعادت سے محروم رہا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ توحید بدستور پھیلتی رہی۔ اس دوران کافروں سے متعدد معرکہ آرائیاں ہوئیں۔ کامیابی اسلام کا مقدر بنتی رہی اور ایمان کا پودا تناور درخت بن گیا۔ عبداللہ ایمان کی روشنی کو آشکارا کرنے کے لیے بے چین تھے۔ اسی انتظار میں فتح مکہ کا دن آپہنچا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آبائی شہر میں ہزاروں جاں نثاروں کے ساتھ فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے، کسی دشمن کو سامنے آنے کی ہمت نہ ہوئی۔ وہ سردار جو ساری زندگی آپ کی مخالفت اور دشمنی میں پیش پیش رہے، آج گردنیں جھکائے معافی کے طلبگار تھے۔ دشمنوں کا زور ختم ہوگیا۔ ان کمزور، مرعوب اور غریب قبائل کے لیے اسلام قبول کرنا آسان ہوگیا جنھوں نے ابھی تک اپنے سرداروں کے ڈر سے کلمہ حق کہنے کی جرأت نہیں کی تھی۔ اب وہ علانیہ اسلام قبول کر رہے تھے۔ خدمت نبوی میں حاضر ہو کر اپنے قلب و روح کو منور کر رہے تھے۔

سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ شدت سے آرزو مند تھے کہ اب ان کے چچا کی آنکھیں کھل جائیں، وہ بت پرستی سے تائب ہو جائے اور ایک اللہ کی عبادت کرنے لگے۔ کفر کا سارا زور ٹوٹ جانے پر اب اسے یقیناً غور وفکر کا موقع ملے گا اور وہ خود ہی اسلام قبول کر کے عبداللہ رضی اللہ عنہ کا راستہ آسان بنا دے گا۔ مگر یہ ساری سوچیں غلط ثابت ہوئیں۔ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کا چچا سختی سے اپنے پرانے دین پر کاربند رہا۔ اسلام کی سچائی آنکھوں سے دیکھ لینے کے باوجود وہ راہِ حق کا راہی نہ بنا۔ بت پرستی کی جھوٹی عمارت اس کے سامنے زمین بوس ہو چکی تھی مگر وہ ابھی تک اصنامِ باطل کو سینے سے لگائے ہوئے تھا۔ گمراہی سے نکل کر ہدایت کی راہ پر چلنے کے لیے آمادہ نہ تھا۔ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کو اس کے اس طرزِ عمل سے بڑا صدمہ ہوا۔ اب ان کا انتظار شدت اختیار کر چکا تھا۔ مزید صبر کرنا ان کے بس میں نہ تھا۔ لہٰذا وہ ایک روز چچا کی خدمت میں پہنچ گئے اور دل کی بات بے دھڑک کہہ ڈالی۔ فرمایا: چچا جان! میں آپ کے مسلمان ہونے کا بڑی مدت سے انتظار کر رہا ہوں۔ لیکن محسوس ہوتا ہے کہ آپ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثاروں میں شامل ہونے کی کوئی تمنا نہیں رکھتے۔ اگر معاملہ یہی ہے تو پھر مجھے اجازت دیجیے کہ میں اسلام کا فدائی بن جاؤں۔ اب میں مزید صبر نہیں کر سکتا۔

بت پرست چچا پر سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ بجلی بن کر گرے۔ وہ جل کر بولا: اللہ کی قسم! اگر تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی قبول کی تو میں تمھیں بدحال کر دوں گا۔ تم سے ہر چیز واپس لے لوں گا حتی کہ تمھارے بدن کے کپڑے بھی اتار لوں گا۔ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بلا تأمل کہا: اللہ کی قسم! میں بتوں کی پوجا چھوڑ کر مسلمان ہو چکا ہوں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پیروکار ہوں۔ لیجیے میرا سارا مال سنبھالیے، میں تو مدینہ منورہ جا رہا ہوں۔ چچا نے سارا مال ہتھیا لیا حتی کہ تن کے کپڑے بھی اتروا لیے۔ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنی والدہ محترمہ سے ایک دھاری دار چادر (بجاد) لی۔ اسے پھاڑ کر دو حصے کیے۔ ایک کا تہبند بنایا، دوسرا اوپر اوڑھ لیا۔ اور مدینہ منورہ روانہ ہو گئے۔ وہ سحری کے وقت مسجد نبوی میں پہنچے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھائی اور اپنی عادت مبارک کے مطابق نمازیوں کی خیریت دریافت فرمائی۔ اسی دوران میں آپ کی نظر سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ پر پڑی۔ معلوم ہوا کہ مہمان ہیں اور ابھی مدینہ منورہ پہنچے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: ''تم کون ہو؟'' سیدنا عبداللہ نے اپنا تعارف کرایا اور مکمل ماجرا سنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ آنے کی روداد سنی تو فرمایا: «أَنْتَ عَبْدُاللّٰهِ ذُوالْبِجَادَيْنِ» ''تم عبداللہ ذوالبجادین (دو چادروں والے) ہو۔'' یعنی تمھارا نام عبداللہ اور لقب ذوالبجادین ہوگا۔ پھر آپ نے انھیں حکم دیا کہ میرے قریب ہی رہائش رکھنا۔ سو عبداللہ رضی اللہ عنہ اصحاب صفہ کی پاکیزہ جماعت میں شامل ہو گئے جن کا گھر مسجد نبوی اور میزبان تاجدار مدینہ تھے۔

سیدنا عبداللہ ذوالبجادین رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتے۔ قرآن مجید سیکھتے اور تلاوت قرآن سے ہر آن اپنا ایمان تازہ رکھتے تھے۔ انھوں نے تھوڑے ہی عرصے میں بہت سا قرآن سیکھ لیا۔ وہ رات کو نہایت پرسوز آواز میں تلاوت کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں بڑی خوش الحانی اور بلند آواز سے نوازا تھا۔ ایک روز وہ اپنی خوبصورت آواز میں تلاوتِ قرآن میں مگن تھے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خدمت نبوی میں حاضر ہو کر محبت بھرا شکوہ کر دیا۔ عرض کی: حضور! دیکھیے عبداللہ کتنی بلند آواز سے تلاوت کر رہا ہے۔ اس کی وجہ سے باقی لوگوں کے لیے تلاوت کرنا اور سمجھنا مشکل ہو رہا ہے۔ آقائے دو جہاں ﷺ نے فرمایا: ''عمر! اسے تلاوت کرنے دو، وہ تو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی خاطر سب کچھ چھوڑ آیا ہے۔'' اس طرح سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی مہمان نوازی اور شفقت و مرحمت سے فیض یاب ہوتے رہے حتی کہ غزوۂ تبوک کا اعلان ہو گیا۔ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! میرے لیے شہادت کی دعا فرمائیے۔ آپ نے اپنے شیدائی کے لیے دعا کرتے ہوئے کہا:

«اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أُحَرِّمُ دَمَهُ عَلَى الْكُفَّارِ»

''اے اللہ! میں اس (عبداللہ) کا خون کافروں پر حرام کرتا ہوں۔''

جس خوش نصیب کو رحمت عالم کی ایسی دعا نصیب ہو جائے، بھلا کافر اس کا کیا بگاڑ سکتے تھے!

عبداللہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! میں تو شہادت کا آرزومند ہوں، آپ نے سلامتی کی دعا فرما دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّكَ إِذَا خَرَجْتَ غَازِيًا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَأَخَذَتْكَ الْحُمّٰى فَقَتَلَتْكَ فَأَنْتَ شَهِيدٌ وَّ وَقَصَتْكَ دَابَّتُكَ فَأَنْتَ شَهِيدٌ، لَا تُبَالِ بِأَيَّةٍ كَانَ»

''جب تم جہاد فی سبیل اللہ کے لیے گھر سے نکلو گے تو اس دن اگر تمھیں بخار ہو گیا اور تم بخار کی وجہ سے فوت ہو گئے تو تم شہید ہی ہو گے۔ اگر تمھاری سواری نے تمھیں گرا کر کچل دیا، تب بھی تم شہید ہو گے، تم جس طرح بھی مرو گے شہید ہی قرار پاؤ گے۔''

چنانچہ سیدنا عبداللہ ذوالبجادین رضی اللہ عنہ اسلامی لشکر کے ساتھ تبوک روانہ ہوئے۔ تبوک پہنچ کر ان کی طبیعت خراب ہو گئی اور انھیں سخت بخار ہو گیا۔ اسی بخار کی وجہ سے تبوک ہی میں ان کی وفات ہو گئی۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ کی دعا اور سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کی خواہش پوری ہو گئی۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ ذوالبجادین کا سفر آخرت ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں، فرماتے ہیں:

ایک رات میں نے معسکر اسلامی کی ایک جانب آگ روشن دیکھی۔ میں اس جانب گیا تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کے مؤذن سیدنا بلال رضی اللہ عنہ آگ کا شعلہ روشن کیے قبر کے کنارے کھڑے ہیں۔ امام الانبیاء اپنے جاں نثار کو دفن کرنے کے لیے بہ نفس نفیس قبر میں اترے۔ شیخین سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ان کی نعش کو نیچے اتار رہے تھے اور رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے:

«أَدْنِيَا إِلَيَّ أَخَاكُمَا»

''اپنے بھائی کو میرے قریب لاؤ۔''

پھر جب انھیں قبر میں لٹایا تو فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ! إِنِّي قَدْ أَمْسَيْتُ عَنْهُ رَاضِيًا، فَارْضَ عَنْهُ»

''اے اللہ! میں آج شام تک اس سے راضی تھا، تو بھی اس سے راضی ہو جا۔''

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ منظر دیکھا اور رسول اللہ ﷺ کے یہ کلماتِ توصیف و رضا سُنے تو دل میں یہ تڑپ پیدا ہوئی: ''اے کاش! آج اس قبر میں میں ہوتا۔''[1]

بنو سعد ہذیم کے مجاہدین کا کارنامہ

غزوۂ تبوک کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو متعدد معجزات سے نوازا۔ ان میں سے ایک معجزے کا تعلق قبیلہ بنو سعد ہذیم سے ہے۔ بنو سعد کے کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم آپ کے ساتھ غزوے میں شرکت کے لیے حاضر ہو گئے ہیں۔ ہمارا قبیلہ ایک ایسی جگہ آباد ہے جہاں کنویں میں پانی بہت کم رہ گیا ہے۔ موسم شدید گرم ہے اور ہمارے اردگرد ابھی اسلام عام نہیں ہوا، اس لیے ہمیں ہر وقت خطرہ رہتا ہے۔ اگر پانی ختم ہوا تو علاقہ چھوڑنا پڑے گا۔ پانی کی تلاش میں ہم لوگ بکھر جائیں گے اور بکھرے ہوئے لوگوں کو دشمن آسانی سے شکار کر لے گا۔ اس طرح ہمیں بیک وقت پانی کی قلت اور مشرکوں کے حملوں کا ڈر رہتا ہے۔ لہٰذا آپ ہمارے کنویں کے لیے برکت کی دعا فرما دیں۔ اگر ہمارا پانی کا مسئلہ حل ہو جائے تو ہم سے بڑھ کر مضبوط قوم کوئی نہیں۔ پھر کوئی مشرک ہمارے علاقے سے گزر نہ سکے گا۔ ہم مشرکین سے بخوبی نپٹ لیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی درخواست پر انھیں حکم دیا کہ تین کنکریاں لے آؤ۔ آپ کو تین کنکریاں پیش کی گئیں۔ آپ نے ان پر برکت کی دعا کی اور واپس کرتے ہوئے حکم دیا: ''جاؤ یہ کنکریاں بسم اللہ پڑھ کر ایک

[1] السيرة لابن هشام: 172/4، المغازي للواقدي: 397/2، مسند البزار: 2736، مجمع الزوائد: 369/9.

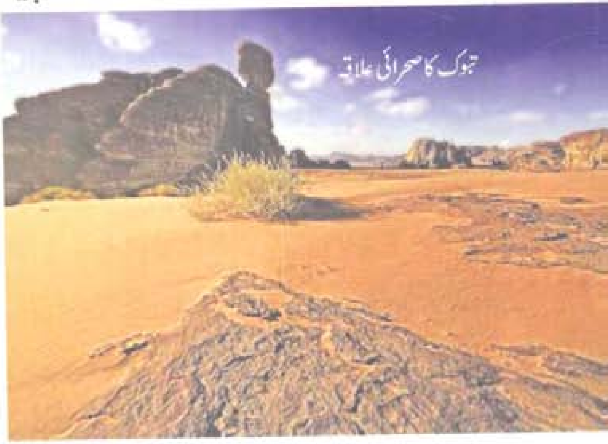
ایک کر کے کنویں میں ڈال دو۔''

بنو سعد کا وفد واپس گیا اور آپ کے حکم کے مطابق بسم اللہ پڑھ کر تینوں کنکریاں کنویں میں ڈال دیں۔ آپ کی دعا کی برکت سے کنویں میں پانی جوش مارنے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے کنواں لبالب بھر گیا۔ پانی کی نعمت میسر آنے پر بنو سعد نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور دینِ حنیف کی خدمت و تبلیغ میں مشغول ہو گئے۔ انھوں نے اردگرد کے قبائل کو دعوتِ اسلام پہنچائی۔ جنھوں نے دعوتِ اسلام قبول نہیں کی اور ان کے راستے میں رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی، ان سے مقابلہ کیا اور انھیں زبردست شکست دی۔ اس طرح تھوڑے ہی دنوں میں انھوں نے اپنے گردوپیش ہر طرف اسلام کا جھنڈا لہرا دیا۔ رسول اللہ ﷺ تبوک سے واپس تشریف لائے تو وہ اپنے چاروں طرف مشرکین کو زیر اور ان میں سے بہت سے مشرکوں کو مسلمان کر چکے تھے۔ اس طرح انھوں نے اپنی بات سچ کر دکھائی۔

آپ کے معجزے کی بدولت انھیں پانی جیسی نعمت میسر آئی اور انھوں نے حسبِ وعدہ اسلام کی خدمت کا حق ادا کر دیا۔[1]

تبوک میں پُرتکلف ضیافت

اسلامی لشکر وطن عزیز سے سینکڑوں میل دور تبوک کے ریگستان میں خیمہ زن تھا۔ کئی دن کے پُرمشقت سفر کے بعد آرام کرنے کا موقع میسر آیا تھا۔ دورانِ سفر کھانے پینے کی قلت رہی تھی۔ اب ذرا تھکاوٹ دور ہوئی تو اہل لشکر کو اچھا کھانا کھانے کی خواہش ہوئی۔ زاد راہ میں گوشت نہیں تھا، اس لیے شکار کا پروگرام بنایا گیا۔ اس کی اجازت لینے کے لیے سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ کے صحابہ گوشت کھانے کے خواہش مند ہیں۔ وہ آپ سے شکار کے لیے جانے کی اجازت طلب کر رہے ہیں۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ اس علاقے میں قریب ہی مغربی پہاڑوں میں



تبوک کا صحرائی علاقہ

شکار کے جانور موجود ہیں۔ اگر آپ کی اجازت ہو تو کیا میں اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ شکار کے لیے چلا جاؤں؟ آپ ﷺ نے اجازت دے دی اور تاکید فرمائی: ''چند ساتھیوں کو ساتھ لے جانا اور گھوڑوں پر سوار ہو کر جانا، کیونکہ

[1] المغازي للواقدي: 2/412، موسوعة الغزوات الكبرى: 2/1823.

معسکر سے دور جا رہے ہو۔'' آپ نے یہ ہدایات اس لیے دیں کہ دشمن کے علاقے میں کسی ممکنہ خطرے سے نپٹنا آسان ہو اور شکار پکڑنے میں سہولت رہے۔

سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے یہ اجازت اور ہدایات لے کر اپنے ساتھیوں کے پاس آئے۔ دس گھڑ سوار ساتھی منتخب کیے اور شکار کے لیے چل دیے۔ ان کے ساتھ سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بھی تھے جو نیزے سے شکار کرنے کے ماہر تھے جبکہ سیدنا رافع تیر سے شکار کرنے کی مہارت رکھتے تھے۔ اس طرح دو ماہر شکاری حضرات کے ساتھ ایک جماعت شکار کے لیے گئی۔ شام تک شکار کا سلسلہ جاری رہا۔

سیدنا رافع بن خدیج بیان کرتے ہیں: سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے پانچ جنگلی گدھے شکار کیے جبکہ میں نے اپنے تیروں سے بیس ہرن شکار کیے۔ باقی ساتھیوں نے بھی چار چار پانچ پانچ جانور شکار کیے اور گھوڑوں کی مدد سے ایک شتر مرغ بھی پکڑ لیا۔ عشاء کے وقت ہم یہ سارا شکار لے کر معسکر واپس پہنچ گئے۔ ہماری آمد سے قبل رسول اللہ ﷺ ہمارے بارے میں پوچھ چکے تھے۔ آپ ﷺ ہماری تاخیر سے یقیناً فکر مند تھے۔ ہم نے سارا شکار آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے اپنے بھائیوں میں تقسیم کر دو۔'' میں نے عرض کی: آپ کسی کو مقرر کر دیں جو سارا شکار تقسیم کر دے۔ آپ نے فرمایا: ''تمھی تقسیم کر دو۔'' لہٰذا میں نے شکار تقسیم کرنا شروع کیا۔ ایک قبیلے کو پورا جنگلی گدھا دے دیا۔ دوسرے کو پورا ہرن دے دیا۔ اس طرح شکار مختلف قبائل میں تقسیم کرنے کے بعد ایک ہرن رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ ﷺ کے پاس مہمان بھی موجود تھے، لہٰذا ہرن کا گوشت پکایا گیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنے مہمانوں سمیت ہرن کا گوشت تناول فرمایا۔

اس پر تکلف دعوت کے بعد آپ نے ہمیں دوبارہ شکار کرنے کے لیے جانے سے منع کر دیا۔ فرمایا: ''مجھے ڈر ہے مبادا تمھیں دشمن گھیر لے۔''[1]

کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے

علامہ واقدی رحمہ اللہ بنو سعد بن ہذیم کے ایک شخص کے حوالے سے بیان کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ تبوک میں تھے، میں آپ کی خدمت میں اپنے سات ساتھیوں کے ساتھ حاضر ہوا۔ میں نے آپ کو سلام کیا۔ آپ نے بڑی محبت سے بیٹھنے کا حکم دیا۔ میں آپ کے سامنے بیٹھ گیا اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں گواہی دیتا ہوں کہ ایک اللہ کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں اور بلاشبہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «أَفْلَحَ وَجْهُكَ» ''تم کامیاب ہو گئے۔''

1 المغازي للواقدي: 413/2، موسوعة الغزوات الكبرٰى: 1824,1823/2.

پھر آپ نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا: «يَا بِلَالُ! أَطْعِمْنَا» ''اے بلال! ہمیں کھانا کھلاؤ۔''

بلال رضی اللہ عنہ نے چٹائی کا دستر خوان لگایا۔ پھر انھوں نے پنیر اور گھی کے ساتھ کھجوریں پیش کیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مہمانوں سے فرمایا: «كُلُوا» ''تناول کرو۔''

آپ کے حکم پر ہم نے خوب سیر ہو کر کھجوریں کھائیں۔ پھر میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! جتنی کھجوریں آج ہم سب نے کھائی ہیں، اتنی کھجوریں تو میں اکیلا ہی کھا جایا کرتا تھا۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْكَافِرُ يَأْكُلُ فِي سَبْعَةِ أَمْعَاءٍ، وَالْمُؤْمِنُ يَأْكُلُ فِي مِعًى وَّاحِدٍ»

''کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے اور مومن ایک آنت میں کھاتا ہے۔''

آپ کے اس فرمان کی توضیح وتشریح میں علمائے کرام کے متعدد اقوال ہیں۔ راجح یہ ہے کہ آپ کا مطلب یہ تھا کہ اکثر کافر بہت زیادہ کھاتے ہیں جبکہ مومن اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغولیت، علم سیکھنے اور سکھانے، نیز اسلام کی نشر و اشاعت میں مصروف رہنے کی بنا پر بہت کم کھاتا ہے۔ کافر اپنی زندگی کا مقصد صرف کھانا پینا اور عیش کرنا ہی سمجھتا ہے، اس لیے وہ مومن کے مقابلے میں بہت زیادہ کھاتا ہے۔ واللہ اعلم [1]

بنو سعد بن ہذیم سے تعلق رکھنے والے صحابی فرماتے ہیں: اگلے دن میں پھر کھانے کے وقت آپ کی خدمت میں حاضری کے لیے چل دیا تاکہ آپ کی صحبت مبارک میں بیٹھ کر ایمان و یقین میں اضافہ کروں اور اسلامی آداب و تعلیمات سیکھ سکوں۔ میں آپ کے پاس پہنچا تو آپ کی خدمت میں پہلے سے دس افراد موجود تھے۔ کھانے کا وقت ہوا تو آپ نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا: «هَاتِ أَطْعِمْنَا يَا بِلَالُ!» ''اے بلال! لاؤ کھانا پیش کرو۔''

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے حکم ملتے ہی اپنے تھیلے سے ایک ایک مٹھی کھجوریں نکالنی شروع کر دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَخْرِجْ وَلَا تَخَفْ مِنْ ذِي الْعَرْشِ إِقْتَارًا»

''دل کھول کر کھجوریں نکالو، عرش والے کی طرف سے تنگ حالی کا خوف نہ کرو۔''

انھوں نے پورا تھیلا دستر خوان پر انڈیل دیا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ وہ ساری کھجوریں تقریباً دو مد ہوں گی (تقریباً سوا کلو)۔ نبی کریم ﷺ نے اپنا دست مبارک کھجوروں پر رکھا اور فرمایا: «كُلُوا بِسْمِ اللّٰهِ» ''بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کرو۔'' سبھی لوگ کھانے لگے۔ میں نے بھی جی بھر کر کھجوریں کھائیں کیونکہ میں بڑے شوق سے کھجوریں کھانے والا شخص تھا۔ میں نے اتنی کھجوریں کھائیں کہ مزید کھانے کی کوئی گنجائش نہ رہی۔ اُدھر دستر خوان پر کھجوروں

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: تحفة الأحوذي: 22/5، حديث: 1818، صحيح البخاري: 3396.

کا ڈھیر جوں کا توں ہی پڑا تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس میں سے ایک کھجور بھی کم نہیں ہوئی۔ ایسی عظیم برکت پڑ گئی کہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے جتنی بھی کھجوریں رکھی تھیں، ان میں ذرہ برابر بھی کمی محسوس نہ ہوئی۔

اگلے دن میں پھر حاضر خدمت ہوا، میرے کل والے ساتھی بھی آ گئے۔ آج بھی اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں کھجوریں کھلائیں۔ ہم نے خوب سیر ہو کر کھائیں۔ جب ہم کھا چکے تو سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے اپنا تھیلا دوبارہ بھر لیا۔ جتنی کھجوریں نکالی تھیں، اتنی ہی دسترخوان پر بدستور موجود رہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی دعا کی برکت سے وہ ذرا بھی کم نہ ہوئیں، حالانکہ ہم مسلسل تین دن سے کھا رہے تھے۔[1]

أُعْطِيتُ خَمْسًا: مجھے پانچ انعامات سے نوازا گیا

اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیائے کرام علیہم السلام کو مختلف انعامات سے نوازا ہے۔ کسی کو اپنا خلیل بنا کر مقام عظیم عطا کیا۔ کسی کو اپنے ساتھ ہم کلام ہونے کا شرف عطا کیا۔ اس طرح انھیں ایک دوسرے پر فضیلت و برتری عطا فرمائی۔ سلیمان علیہ السلام کو ایسی شاندار بادشاہت عطا کی کہ اس جیسی بادشاہت پھر کسی کو نصیب ہوئی نہ آئندہ ہوگی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی محمد ﷺ کو بھی بے مثل فضائل و مناقب سے نوازا۔ انھیں ایسے ایسے انعامات سے سرفراز کیا جو پہلے انبیائے کرام کو نہیں دیے گئے۔ آپ ﷺ کو ایسی فضیلت و برتری عطا کی جو آپ کو تمام انبیاء اور رسولوں سے ممتاز کرتی ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تبوک میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ تبوک میں قیام کے دوران رات کا اکثر حصہ آپ تہجد پڑھتے ہوئے گزارتے تھے۔ جب آپ تہجد کے لیے اٹھتے تو مسواک کرتے، پھر نماز ادا کرتے۔ آپ تہجد کی نماز اپنے خیمے ہی میں ادا کرتے۔ باہر آپ کے حفاظتی دستے موجود ہوتے تھے۔ ایک رات آپ نے تہجد کی نماز ادا کی تو فرمایا:

«أُعْطِيتُ خَمْسًا مَّا أُعْطِيَهُنَّ أَحَدٌ قَبْلِي......»

”مجھے پانچ انعامات سے نوازا گیا ہے جو مجھ سے پہلے کسی کو عطا نہیں کیے گئے۔“

پھر فرمایا: ”مجھے تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے جبکہ (دیگر) انبیاء صرف اپنی اپنی قوم کے نبی ہوتے تھے۔ میرے لیے پوری زمین کو مسجد اور باعثِ طہارت بنا دیا گیا ہے، جہاں بھی نماز کا وقت ہو جائے، میں (پانی نہ ہونے کی صورت میں) تیمّم کر کے نماز پڑھ لیتا ہوں جبکہ مجھ سے پہلے انبیاء اپنے اپنے گرجا گھروں اور کلیساؤں

[1] المغازي للواقدي :400,399/2.

میں ہی نماز ادا کرنے کے پابند تھے۔ میرے لیے غنیمتیں حلال کر دی گئی ہیں جبکہ مجھ سے پہلے انبیاء کے لیے یہ حرام تھیں۔ اور پانچویں نعمت (کے بارے میں کیا بتاؤں کہ وہ) کس قدر شاندار ہے، کیا خوب انعام ہے اور کتنی عظیم نوازش ہے۔'' صحابۂ کرام نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! وہ کیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے حکم ملا کہ میں کچھ مانگوں کیونکہ ہر نبی نے ایک مخصوص دعا ضرور مانگی ہے جو قبول ہوئی۔ لیکن میں نے اپنی دعا سنبھال لی ہے، وہ تمھیں اور ہر اس شخص کو ملے گی جو اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے۔''[1]

صحیح بخاری میں ان انعامات کا تذکرہ قدرے فرق کے ساتھ ان الفاظ میں موجود ہے:

«أُعْطِيتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ مِّنَ الْأَنْبِيَاءِ قَبْلِي، نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ، وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَّطَهُورًا، وَأَيُّمَا رَجُلٍ مِّنْ أُمَّتِي أَدْرَكَتْهُ الصَّلَاةُ فَلْيُصَلِّ، وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ، وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلٰى قَوْمِهِ خَاصَّةً، وَبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ كَافَّةً، وَأُعْطِيتُ الشَّفَاعَةَ»

''مجھے پانچ ایسی چیزیں عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے قبل کسی پیغمبر کو نہیں دی گئیں: مجھے ایک مہینے کی مسافت سے رعب عطا کر کے میری مدد فرمائی گئی۔ پوری روئے زمین کو میرے لیے سجدہ گاہ اور طہارت کا ذریعہ بنا دیا گیا، چنانچہ میری امت کے کسی فرد کو جہاں بھی نماز کا وقت آ جائے، اسی جگہ نماز پڑھ لینی چاہیے۔ مالِ غنیمت کو میرے لیے حلال کر دیا گیا۔ ہر نبی کو قبل ازیں مخصوص قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا اور مجھے تمام انسانوں کے لیے مبعوث کیا گیا اور مجھے شفاعت (کبریٰ) کا حق دیا گیا ہے۔''[2]

صحیح مسلم میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں دیگر انعامات کا تذکرہ بھی ہوا ہے۔ لیجیے وہ بھی ملاحظہ فرمائیں:

«فُضِّلْتُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ: أُعْطِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ، وَ نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ، وَ أُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ، وَ جُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ طَهُورًا وَّ مَسْجِدًا، وَ أُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً، وَ خُتِمَ بِيَ النَّبِيُّونَ»

''مجھے چھ انعامات کے ذریعے دیگر انبیاء پر فضیلت دی گئی ہے: مجھے جامع کلمات عطا کیے گئے ہیں۔ (دشمن پر طویل مسافت سے) رعب کے ذریعے میری مدد کی گئی ہے۔ میرے لیے غنیمتیں حلال کر دی گئیں۔ میرے لیے زمین کو ذریعۂ طہارت اور مسجد بنا دیا گیا۔ مجھے پوری مخلوق کا رسول بنایا گیا اور میرے ذریعے

[1] المغازي للواقدي: 2/402. [2] صحيح البخاري: 438.

انبیاء کے سلسلے کو ختم کر دیا گیا۔‘‘ [1]

صحیح مسلم ہی کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«بَيْنَمَا أَنَا نَائِمٌ أُتِيتُ بِمَفَاتِيحِ خَزَائِنِ الْأَرْضِ، فَوُضِعَتْ فِي يَدَيَّ»

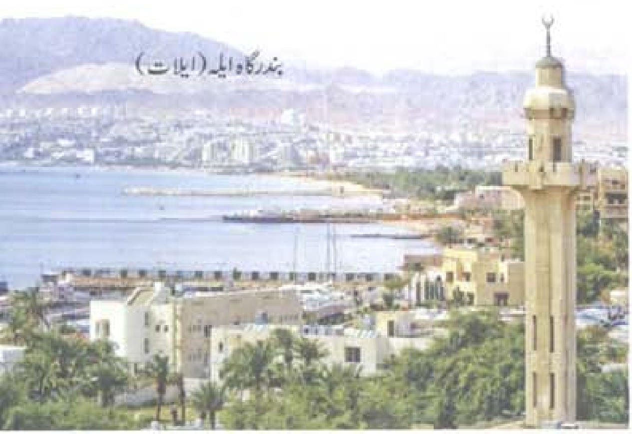
’’اس وقت جبکہ میں سو رہا تھا، میرے پاس زمین کے خزانوں کی چابیاں لائی گئیں اور میرے ہاتھوں میں رکھ دی گئیں۔‘‘

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: ’’اور تم وہی خزانے نکال رہے ہو۔‘‘ [2]

یُحنہ بن رؤبہ سے صلح

رسول اللہ ﷺ تیس ہزار جاں نثاروں کے ساتھ تبوک میں خیمہ زن ہوئے تو اردگرد کے عیسائی حکمران خوفزدہ ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اپنے نبی اور اسلامی لشکر کا رعب طاری کر دیا۔ حالانکہ کچھ عرصہ پہلے تک یہی عیسائی مسلمانوں کے خلاف سازشوں کے جال بنا کرتے تھے۔ اب جب مسلمان پوری قوت و بسالت سے انھی کے علاقے میں ان کے سر پر آ کھڑے ہوئے تو وہ سراسیمہ ہو گئے اور انھیں اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ انھیں اپنی حکومت و سلطنت ڈولتی اور ڈوبتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔ ان کے سارے فتنے دب گئے۔ سازشوں کے جال تار تار ہو گئے۔ ان کی ٹانگیں لڑکھڑانے لگیں اور وہ اپنی بقا کی کوششیں کرنے لگے۔

اسلامی لشکر کو پہلی کامیابی اس وقت ملی جب ایلہ کے بادشاہ یحنہ بن رؤبہ نے خدمت نبوی میں حاضر ہو کر صلح کی درخواست کی۔ ایلہ کا علاقہ ساحل سمندر پر واقع ہے۔



بندرگاہ ایلہ (ایلات)

عہد رسالت میں یہ علاقہ شام کی حدود میں تھا۔ ایلہ کا بادشاہ چھوٹی سی سلطنت کا فرمانروا تھا۔ یہ صرف تین سو افراد کا حاکم تھا۔ اس نے جزیہ دے کر اپنی حکومت بچالی۔ وہ جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ کے لیے ایک سفید خچر کا ہدیہ لایا اور آپ کو پیش کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی یحنہ کو ایک خوبصورت یمنی چادر بطور تحفہ مرحمت فرمائی۔ یحنہ آپ کی خدمت میں نہایت عاجزی اور آداب و تسلیمات

1 صحیح مسلم :523. 2 صحیح مسلم :523 (7,6).

کے ساتھ حاضر ہوا۔ اس نے اپنے رواج کے مطابق آپ کے سامنے اپنا سر جھکایا اور اپنے انداز میں آپ کو ہدیۂ تبریک پیش کیا۔ جب اس نے سر جھکایا تو اس وقت اس کی سنہری صلیب اس کے گلے میں لٹک رہی تھی اور اس کے عقیدے کا اظہار و اعلان کر رہی تھی۔ آپ نے دست مبارک سے اشارہ فرمایا کہ اپنا سر اٹھا لو۔ پھر آپ نے اس عیسائی فرمان روا سے صلح کر لی اور جزیے کے عوض اسے درج ذیل امان نامہ تحریر کرا کے مرحمت فرمایا:

«بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، هٰذِهِ أَمَنَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ رَسُولِ اللّٰهِ لِيُحَنَّةَ بْنِ رُؤْبَةَ وَأَهْلِ أَيْلَةَ سُفُنِهِمْ وَ سَيَّارَتِهِمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ لَهُمْ ذِمَّةُ اللّٰهِ وَ ذِمَّةُ مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ وَ مَنْ كَانَ مَعَهُمْ مِّنْ أَهْلِ الشَّامِ وَ أَهْلِ الْيَمَنِ وَ أَهْلِ الْبَحْرِ، فَمَنْ أَحْدَثَ مِنْهُمْ حَدَثًا فَإِنَّهُ لَا يَحُولُ مَالُهُ دُونَ نَفْسِهِ وَ إِنَّهُ طَيِّبٌ لِّمَنْ أَخَذَهُ مِنَ النَّاسِ وَ إِنَّهُ لَا يَحِلُّ أَنْ يُّمْنَعُوا مَاءً يَّرِدُونَهُ وَلَا طَرِيقًا يُّرِيدُونَهُ مِنْ بَرٍّ أَوْ بَحْرٍ»

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد (ﷺ) کی طرف سے یہ امان نامہ یحنہ بن رؤبہ، اہل اَیلہ، ان کی کشتیوں اور بحر و بر میں چلنے والے ان کے قافلوں کے لیے ہے۔ انھیں اور ان کے ساتھی اہلِ شام، اہل یمن اور اہل بحر کو اللہ تعالیٰ اور محمد نبی ﷺ کی طرف سے تحفظ حاصل ہے۔ ان میں سے جس نے بھی کوئی خلاف ورزی کی تو بطور سزا اس کا مال چھیننا جائز ہوگا اور وہ مال چھیننے والے کے لیے حلال ہوگا۔ انھیں پانی کے کسی چشمے سے نہیں روکا جائے گا۔ یہ جس چشمے پر جانا چاہیں جا سکتے ہیں۔ بحر و بر میں جس رستے پر چلنا چاہیں چل سکتے ہیں۔ انھیں روکنا حلال نہیں ہوگا۔''

آپ کے حکم سے درج بالا امان نامہ سیدنا جہیم بن صلت اور شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہما نے تحریر کیا۔

بعدازاں اس عیسائی فرماں روا کو سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کے خیمے میں ٹھہرایا گیا۔

دیگر قبائل کے لیے امان نامے

اہل اَیلہ کے بعد دیگر علاقوں کے فرمانروا بھی خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور صلح کی درخواست کی۔ آپ نے ان کی درخواستیں قبول فرمائیں اور انھیں بھی امان نامے عطا کیے۔

اہل جرباء، اَذرح اور اہل مقنا نے بھی امان نامے حاصل کیے۔ آپ نے اہل اَذرح کو جو امان نامہ عطا فرمایا، اس کے الفاظ یہ ہیں:

«هٰذَا الْكِتَابُ مِنْ مُّحَمَّدٍ رَّسُولِ اللّٰهِ ﷺ لِأَهْلِ أَذْرُحَ، أَنَّهُمْ آمِنُونَ بِأَمَانِ اللّٰهِ وَ أَمَانِ مُحَمَّدٍ وَّ أَنَّ عَلَيْهِمْ مِّائَةَ دِينَارٍ فِي كُلِّ رَجَبٍ وَّافِيَةً طَيِّبَةً، وَ اللّٰهُ كَفِيلٌ عَلَيْهِمْ»

''یہ محمد رسول اللہ ﷺ کا اہل اذرح کے لیے خط ہے کہ بے شک وہ اللہ اور محمد ﷺ کی امان کے تحت امن میں ہیں۔ ہر سال رجب میں ان پر ایسے ایک سو دینار جزیہ دینا واجب ہوگا جو مکمل اور عمدہ ہوں۔ اور اللہ ان پر نگہبان ہے۔''

علامہ واقدی کہتے ہیں: میں نے اہل اَذرح کا امان نامہ نقل کیا تو اس میں یہ الفاظ لکھے تھے:

«بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، مِنْ مُّحَمَّدٍ النَّبِيِّ ﷺ لِأَهْلِ أَذْرُحَ، أَنَّهُمْ آمِنُونَ بِأَمَانِ اللّٰهِ وَأَمَانِ مُحَمَّدٍ وَ أَنَّ عَلَيْهِمْ مِّائَةَ دِينَارٍ فِي كُلِّ رَجَبٍ وَّافِيَةً طَيِّبَةً، وَاللّٰهُ كَفِيلٌ عَلَيْهِمْ بِالنُّصْحِ وَالْإِحْسَانِ لِلْمُسْلِمِينَ وَ مَنْ لَّجَأَ إِلَيْهِمْ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ مِنَ الْمَخَافَةِ وَ التَّعْزِيرِ إِذْ خَشُوا عَلَى الْمُسْلِمِينَ وَ هُمْ آمِنُونَ حَتّٰى يُحْدِثَ إِلَيْهِمْ مُّحَمَّدٌ قَبْلَ خُرُوجِهٖ»

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، یہ امان نامہ محمد نبی ﷺ کی طرف سے اہل اَذرح کے لیے ہے۔ انھیں اللہ تعالیٰ اور محمد ﷺ کی امان حاصل ہے۔ انھیں ہر سال رجب میں مکمل اور عمدہ سو دینار ادا کرنے ہوں گے۔ مسلمانوں کی خیرخواہی اور ان کے ساتھ احسان کی شرط پر اللہ تعالیٰ ان کا نگہبان ہے اور اس شرط پر کہ جو مسلمان ان کے پاس پناہ لے، یہ اسے خوفزدہ نہیں کریں گے اور اسے کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے اور یہ لوگ امن میں ہوں گے حتی کہ محمد ﷺ روانگی سے قبل نیا حکم دے دیں۔''

اسی طرح آپ نے اہل مقنا کو بھی امان نامہ دیا۔ انھیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی امان عطا کی اور ان پر جزیہ عائد کیا۔ ان کے مجموعی پھلوں اور کپڑے کی پیداوار کا چوتھا حصہ جزیہ قرار پایا۔ [1]

عبید بن یاسر کی عطا

بنوسعد قبیلے سے عبید بن یاسر اور بنو وائل سے ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ ابھی تبوک ہی میں قیام فرما تھے۔ ان دونوں نے اسلام قبول کر لیا۔ آپ ﷺ نے ان کی تالیف قلبی کے لیے انھیں عظیم عطیات سے نوازا۔ آپ نے انھیں مقنا کے سمندر سے نکلنے والی پیداوار، پھلوں اور کپڑے کی صنعت کا چوتھا حصہ عطا کیا۔

[1] صحيح البخاري: 1481، المغازي للواقدي: 410,409/2، السيرة لابن إسحاق: 604/2، السيرة لابن هشام: 169/4، دلائل النبوة للبيهقي: 248/4، البداية والنهاية: 670/4.

عبید بن یاسر گھوڑے پر سوار ہو کر آئے تھے جبکہ بنو وائل کا شخص پیدل تھا۔ آپ نے عبید کے گھوڑے کے لیے اسے سو چادریں عنایت فرمائیں۔ یہ چادریں بعد میں بھی سالانہ بنیادوں پر ان کے قبیلے بنو سعد کو حاصل ہوتی رہیں جبکہ بنو وائل بھی رسول اللہ ﷺ کی بخشش سے مستفید ہوتے رہے۔

سیدنا عبید بن یاسر رضی اللہ عنہ مقنا واپس آئے تو اپنی یہودی خادمہ کو ساٹھ چادریں عطا کر دیں، وہ آپ کے گھوڑے کی خدمت کیا کرتی تھی۔ اسے یہ چادریں بنو امیہ کے دور تک مسلسل ہر سال ملتی رہیں۔ بنو امیہ کے دور میں یہ عطیہ بند کر دیا گیا۔

سیدنا عبید بن یاسر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک عمدہ گھوڑا پیش کیا۔ اس کا نام مراوح تھا۔ انھوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اس گھوڑے کی خوبیاں دیکھنے کے لیے گھڑ دوڑ کا مقابلہ کرائیے۔ مقابلے سے معلوم ہو گا کہ یہ کتنا شاندار گھوڑا ہے۔ آپ نے تبوک میں گھڑ دوڑ کا مقابلہ کروایا تو سیدنا عبید بن یاسر رضی اللہ عنہ کا گھوڑا سبقت لے گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ عمدہ تحفہ قبول فرمایا۔ سیدنا مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہ گھوڑا مجھے عطا کر دیجیے۔ آپ نے پوچھا: ''تمھاری سبحہ گھوڑی کہاں ہے؟'' سیدنا مقداد نے اس گھوڑی پر سوار ہو کر جنگ بدر میں شرکت کی تھی۔ عرض کیا: اے اللہ کے رسول! وہ میرے پاس ہی ہے۔ میں نے اس پر سوار ہو کر بڑے بڑے معرکوں میں شرکت کی ہے۔ وہ مجھے بہت عزیز ہے، اس لیے میں اس کی خوب دیکھ بھال کرتا ہوں۔ اب اس کی عمر زیادہ ہو گئی ہے، اس لیے میں اُسے اس پر مشقت طویل سفر میں اپنے ساتھ نہیں لایا۔ آپ مجھے یہ اصیل گھوڑا عطا فرمائیں۔ میں اس کے ذریعے سے اپنی گھوڑی سے نسل کشی کرنا چاہتا ہوں۔ امید ہے کہ اس عمدہ گھوڑے سے مجھے شاندار نسل کا گھوڑا ملے گا۔

سیدنا مقداد رضی اللہ عنہ کی اس خواہش پر آپ ﷺ نے یہ تربیت یافتہ گھوڑا انھیں عطا کر دیا۔ سیدنا مقداد نے اس گھوڑے کے ذریعے سے اعلیٰ نسل کا بچہ حاصل کیا۔ یہ جوان ہو کر ذیال کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ مختلف گھڑ دوڑوں میں ہمیشہ اول آتا تھا۔ سیدنا عمر اور عثمان رضی اللہ عنہما کے دورِ خلافت میں یہ دوڑ جیتا کرتا تھا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ شاندار گھوڑا تیس ہزار درہم کے عوض خرید لیا۔[1]

اہل مقنا کا صلح نامہ

علامہ بلاذری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب فتوح البلدان میں اہل مقنا کے صلح نامہ کی تحریر ان الفاظ میں ذکر کی ہے:

[1] المغازي للواقدي: 2/411,410، موسوعة الغزوات الكبرٰى: 2/1836,1835.

«بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ إِلٰى بَنِي حَبِيبَةَ وَ أَهْلِ مَقْنَا، سِلْمٌ أَنْتُمْ فَإِنَّهُ أُنْزِلَ عَلَى أَنَّكُمْ رَاجِعُونَ إِلٰى قَرْيَتِكُمْ، فَإِذَا جَاءَ كِتَابِي هٰذَا فَإِنَّكُمْ آمِنُونَ، وَلَكُمْ ذِمَّةُ اللّٰهِ وَ ذِمَّةُ رَسُولِهِ، وَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَدْ غَفَرَ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَ كُلَّ دَمٍ اتَّبَعْتُمْ بِهِ، لَاشَرِيكَ لَكُمْ فِي قَرْيَتِكُمْ إِلَّا رَسُولُ اللّٰهِ أَوْ رَسُولُ رَسُولِ اللّٰهِ، وَ إِنَّهُ لَاظُلْمَ وَلَا عُدْوَانَ، وَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ يُجِيرُكُمْ مِمَّا يُجِيرُ مِنْهُ نَفْسَهُ، فَإِنَّ لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ بَزَّتَكُمْ وَ رَقِيقَكُمْ وَ الْكُرَاعَ وَالْحَلْقَةَ إِلَّا مَاعَفَا عَنْهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَوْ رَسُولُ رَسُولِ اللّٰهِ، وَ إِنَّ عَلَيْكُمْ بَعْدَ ذَالِكَ رُبْعَ مَا أَخْرَجَتْ نَخِيلُكُمْ وَرُبْعَ مَاصَادَتْ عُرُكُكُمْ وَرُبْعَ مَا اغْتَزَلَتْ نِسَائُكُمْ، وَ إِنَّكُمْ قَدْ بَرِئْتُمْ بَعْدَ ذَالِكَ وَرَفَعَكُمْ رَسُولُ اللّٰهِ عَنْ كُلِّ جِزْيَةٍ وَ سُخْرَةٍ، فَإِنْ سَمِعْتُمْ وَ أَطَعْتُمْ فَعَلٰى رَسُولِ اللّٰهِ أَنْ يُكْرِمَ كَرِيمَكُمْ وَ يَعْفُو عَنْ مُسِيئِكُمْ، وَمَنِ ائْتَمَرَ فِي بَنِي حَبِيبَةَ وَ أَهْلِ مَقْنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ وَ مَنْ أَطْلَعَهُمْ بِشَرٍّ فَهُوَ شَرٌّ لَّهُ، وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ أَمِيرٌ إِلَّا مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَوْ مِنْ أَهْلِ بَيْتِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ»

”بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد رسول اللہ کی طرف سے بنو حبیبہ اور اہلِ مقنا کے لیے۔ تم سلامت رہو۔ میں تمھیں یہ صلح نامہ عطا کر رہا ہوں، بشرطیکہ تم اپنی بستی کی طرف لوٹ جاؤ گے۔ میرا یہ خط تمھارے پاس پہنچے گا تو تمھیں امان حاصل ہو جائے گی۔ تمھیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا تحفظ حاصل ہو گا۔ بے شک رسول اللہ نے تمھارا ہر گناہ اور وہ قتل جس میں تم نے شرکت کی، معاف کر دیا ہے۔ تمھاری بستی میں رسول اللہ یا آپ کے نمائندے کے سوا تمھارا کوئی شریک نہیں ہے۔ بلاشبہ تم پر کسی قسم کی ظلم و زیادتی نہیں ہو گی۔ رسول اللہ ﷺ ہر اس چیز سے تمھاری حفاظت کریں گے جس سے اپنی حفاظت کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کو تمھاری بستی میں تیار ہونے والے کپڑے، غلام، گھوڑے اور اسلحہ حاصل کرنے کا حق ہو گا، سوائے اس کے جو رسول اللہ (ﷺ) یا آپ (ﷺ) کا نمائندہ تمھیں معاف کر دے۔ تمھیں سالانہ کھجوروں کی پیداوار، تمھارے مچھیروں کی شکار کردہ مچھلیوں اور تمھاری عورتوں کے تیار کردہ ملبوسات کا چوتھا حصہ بطور جزیہ التزاماً ادا کرنا ہو گا۔ اس جزیے کی ادائیگی کے بعد تم بری ہو۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی طرف سے تم سے کوئی جزیہ یا بلا معاوضہ خدمات نہیں لی جائیں گی۔ اگر تم فرامین سنو گے اور اطاعت کرو گے تو رسول اللہ ﷺ

تمھارے معزز لوگوں کی عزت کریں گے اور خطا کار سے درگزر فرمائیں گے۔ بنو حبیبہ اور اہل مقنا کے مسلمان خیر کے کاموں میں فرمانبرداری کریں تو یہ ان کے لیے بہت بہتر ہوگا اور جس نے شر ظاہر کیا تو وہ اس کے لیے بہت برا ہوگا۔ تمھارا امیر تم میں سے ہوگا یا رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت میں سے ہوگا۔‘‘ [1]

علامہ بلاذری نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ تحریر سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے لکھی۔ لیکن یہ بات درست نہیں ہے کیونکہ صحیح روایات سے ثابت ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ غزوۂ تبوک میں شریک نہیں ہوئے بلکہ وہ ان دنوں مدینہ منورہ میں تھے۔

اکیدر دومۃ الجندل کی گرفتاری

تبوک میں قیام کے دوران اسلامی لشکر کو ایک نہایت اہم عسکری کامیابی نصیب ہوئی۔ یہ کامیابی دومۃ الجندل کی فتح تھی۔ دومۃ الجندل سعودی عرب کے صحرائے نفود کبریٰ کے شمال میں واقع ایک تاریخی شہر ہے۔ یہ تبوک سے تقریباً 400 کلومیٹر دور ہے۔ اب دونوں علاقوں کو بذریعہ سڑک ملا دیا گیا ہے۔ دومۃ الجندل تبوک کے شمال مشرق میں واقع ہے۔ دومۃ الجندل سے ایک سڑک عراقی سرحد پر جدیدہ عرعر تک جاتی ہے جو وادئ عرصہ سے گزرتی ہے۔ دوسری سڑک شمال مغرب میں وادی سرحان سے گزرتی ہوئی اردن کے دارالحکومت عمان تک جاتی ہے۔ یہ وہی علاقہ ہے جہاں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جنگ صفین کے بعد صلح کے لیے طرفین کے نمائندے سیدنا ابوموسیٰ اشعری اور سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما جمع ہوئے تھے۔ [2]

علامہ یاقوت حموی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ علاقہ سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے بیٹے ’’دومان‘‘ یا ’’دوماء‘‘ کی طرف منسوب ہے۔ دومۃ الجندل ایک قلعے اور متعدد بستیوں پر مشتمل علاقہ تھا۔ یہ طے قبیلے کے پہاڑوں کے قریب واقع تھا۔ [3]

دومۃ الجندل ایک چھوٹی سی عیسائی ریاست تھی۔ اس کا حکمران حضرمی کندی تھا۔ اس ریاست کے اکثر باشندے

[1] فتوح البلدان، ص: 72,71، موسوعة الغزوات الكبرىٰ: 1836/2۔ [2] اٹلس سیرت نبوی، ص: 272۔ [3] معجم البلدان: 487/2۔

شہر عرعر (سعودی عرب) میں پانی کا تالاب



مقنا (مدین) کے نوکیلے پہاڑ



بنوکلب کے افراد تھے۔ بنوکلب ایک بہت بڑا قبیلہ تھا جس کی افرادی اور عسکری قوت بہت ممتاز تھی۔ یہ قبیلہ زمانۂ جاہلیت اور اسلام دونوں میں اپنی طاقت اور حربی صلاحیت کی بنا پر عربوں میں بلند مرتبہ رکھتا تھا۔

جزیرۂ عرب میں صرف یہی حکومت باقی رہ گئی تھی جو اسلام کی روشنی سے محروم تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے بھی اسلام کی روشنی سے منور کرنے کے لیے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا۔ آپ نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو 420 گھڑسوار مجاہدین کا کمانڈر بنایا اور اس مہم پر روانہ ہونے کا حکم دیا۔ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! دشمن کے علاقے میں اتنی کم فوج کے ساتھ حملہ کرنا خاصا مشکل کام ہے۔ وہ اپنے علاقے میں بہترین تیاری کے ساتھ ہمارا مقابلہ کریں گے۔ ان کے پاس دفاع کے لیے بلند و بالا قلعہ موجود ہے جبکہ ہم میدان میں ہوں گے۔ سیدنا خالد کے یہ خدشات حربی نقطۂ نظر سے بالکل ٹھیک تھے۔ مومن اپنی طرف سے پوری طرح تیاری کر کے ہی اللہ پر بھروسا کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ وحی الٰہی سے مستفید ہوتے تھے، اس لیے آپ نے اپنے جرنیل کو تسلی دی کہ تمھیں قلعہ فتح کرنے میں زیادہ دشواری نہیں ہوگی اور دومۃ الجندل کے حکمران اکیدر کو گرفتار کرنا بھی چنداں مشکل نہیں ہوگا۔ آپ نے آگاہ فرمایا: وہ شکار کر رہا ہوگا، تم اسے اسی حالت میں گرفتار کر لینا۔

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے حکم پر مجاہدین کا لشکر لے کر چل دیے اور بنوکلب کے علاقے میں پہنچ گئے۔ سیدنا خالد کو معلوم تھا کہ اکیدر اپنے بیوی بچوں اور عزیز و اقارب کے ساتھ اپنے قلعے میں موجود ہے۔ قلعے کی دیواریں بلند اور نہایت مضبوط تھیں۔ انھیں توڑنے کے لیے منجنیق کی ضرورت تھی جو اسلامی لشکر کے پاس نہیں تھی۔ قلعے کا دروازہ بڑی بھاری اور مضبوط لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ اسے کاٹنا یا توڑنا ناممکن تھا، لہٰذا قلعے پر حملہ کرنا بہت مشکل تھا۔ حملہ کرنے کی صورت میں اسلامی لشکر کو شدید نقصان پہنچنے کا خطرہ تھا۔ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے انتظار کرنا ہی بہتر خیال کیا تاکہ جب اکیدر قلعے سے نیچے اترے تو اس کے لشکر پر حملہ کر دیا جائے۔ سیدنا خالد نے اسلامی لشکر کو چھپنے کا حکم دیا، لہٰذا ایک مناسب جگہ تلاش کر کے مجاہدین گھات میں بیٹھ گئے۔ تربیت یافتہ گھوڑوں کو ہنہنانے سے روک دیا گیا تاکہ دشمن کو اسلامی لشکر کی آمد کی خبر نہ ہو۔ دن ختم ہوا تو چاند نکل آیا۔ گرمی کا موسم تھا۔ چاند کے بلند ہونے اور گرمی کی شدت کم ہونے پر موسم خوشگوار ہو گیا۔ اس موسم سے لطف اندوز ہونے کے لیے اکیدر نے قلعے کی چھت پر ناؤ نوش کی محفل سجا دی۔ اس کی گلوکارہ گیت الاپنے لگی اور خادم اسے شراب پلانے لگے۔ محفل خوب جم گئی تو کسی نے قلعے کے دروازے کو زور سے کھٹکھٹایا۔ اکیدر کی بیوی کو تعجب ہوا کہ رات گئے یہ کون آ گیا ہے جو خواہ مخواہ ہماری محفل کو مکدر کر رہا ہے۔ اس نے نیچے جھانک کر دیکھا تو ایک موٹی تازہ جنگلی گائے اپنے سینگوں سے قلعے کا

دروازہ پیٹ رہی تھی۔ گائے کو دیکھ کر اکیدر کی بیوی بہت خوش ہوئی۔ اس نے اکیدر سے آ کر کہا: میں نے ایسی فربہ گائے کبھی نہیں دیکھی۔ کیا تم نے کبھی ایسی گائے دیکھی ہے؟ اکیدر کہنے لگا: ایسی لاجواب گائے تو میں نے بھی کبھی نہیں دیکھی۔ بیوی جھٹ سے بولی: تو پھر ایسی گول مٹول گائے کو جانے کون دے گا! اکیدر بھی ہوش میں آ گیا۔ کہنے لگا: ہاں ہاں! بھلا ایسی گھر آئی نعمت کو کون جانے دے گا۔ اس نے فوری طور پر گھوڑا تیار کرایا، اسلحہ لیا اور چند آدمیوں کے ساتھ گائے کا شکار کرنے نکل پڑا۔ ایسی گائے کی تلاش کے لیے انھیں مہینوں انتظار کرنا پڑتا تھا۔ گھوڑے تیار کیے جاتے، پھر پورا لشکر لے کر جاتے اور ایسی گائے شکار ہوتی۔ لیکن آج یہ گائے خود بخود چل کر دروازے پر آ گئی تھی! لیکن ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ یہ گائے آئی نہیں بلکہ لائی گئی ہے اور آج شکاری خود شکار ہونے والے ہیں۔ جیسے ہی اکیدر قلعے سے باہر آیا۔ گائے آگے چل پڑی۔ کچھ ہی دور گئے تھے کہ گھات میں بیٹھے مجاہدین نے اکیدر اور اس کے ساتھیوں کو گھیر کر حملہ کر دیا۔

اکیدر کے ساتھ اس کا بھائی حسان بھی تھا۔ اس نے مزاحمت کی اور مجاہدین کے ہاتھوں مارا گیا۔ اس کے دونوں غلام بھاگ کر قلعے میں پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ اکیدر نے گرفتاری دے دی۔ اس کے ساتھ ہی اس کے باقی ساتھیوں نے بھی ہتھیار ڈال دیے۔ حسان نے شاندار قبا زیب تن کر رکھی تھی جس میں خالص سونے کے تاروں سے کڑھائی کی گئی تھی۔ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے وہ قبا سیدنا عمرو بن اُمیہ ضمری کے ہاتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج دی۔ اکیدر کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو یہ حکم دیا تھا:

«إِنْ ظَفِرْتَ بِأُكَيْدِرَ فَلَا تَقْتُلْهُ وَ أْتِ بِهِ إِلَيَّ، فَإِنْ أَبَى فَاقْتُلُوهُ»

''اگر اکیدر کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہو جاؤ تو اسے قتل نہ کرنا، میرے پاس لے آنا، ہاں اگر وہ مزاحمت کرے تو قتل کر دینا۔''

اکیدر نے چپ چاپ گرفتاری دے کر سمجھ داری کا مظاہرہ کیا اور اپنی جان بچالی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اس کا بھائی قتل ہو چکا تھا، اس لیے اسے ان مجاہدین کے ارادوں کے بارے میں کوئی غلط فہمی نہ رہی، لہٰذا اس نے مسلمانوں کے ساتھ صلح کرنے ہی میں عافیت جانی۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے اکیدر سے فرمایا: میں تمھیں اس شرط پر زندہ چھوڑوں گا کہ تم دومۃ الجندل کا قلعہ ہمارے لیے کھول دو، بعد ازاں میں تمھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دوں گا، پھر وہی تمھارا فیصلہ فرمائیں گے۔ اکیدر بیڑیوں میں جکڑا ہوا تھا۔ اس نے یہ شرط مان لی۔

سیدنا خالد اکیدر کو لے کر قلعے کے دروازے پر گئے اور اسے حکم دیا کہ قلعے کے لوگوں سے کہو کہ وہ دروازہ کھول

دیں۔ اکیدر نے اپنے گھر والوں کو آواز دی۔ انھوں نے اکیدر کو بیڑیوں میں جکڑا ہوا دیکھا تو دروازہ کھولنے سے انکار کر دیا۔ اکیدر کہنے لگا: اے خالد! اللہ کی قسم! مجھے بیڑیوں میں جکڑا ہوا دیکھنے کے بعد اب وہ ہرگز دروازہ نہیں کھولیں گے۔ پہلے مجھے آزاد کر دو، مجھے میرے بیوی بچوں سمیت امان دے دو، تبھی میں دروازہ کھلوا سکتا ہوں۔ چنانچہ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے اس شرط پر اس سے صلح کر لی۔ اکیدر نے کہا: اگر چاہو تو تم فیصلہ کر دو اور اگر مجھے اختیار دو تو میں فیصلہ کر دوں گا۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم اس صلح کے عوض مسلمانوں کو جتنا مال دو گے ہم قبول کر لیں گے، لہٰذا اکیدر نے اپنے خاندان کی جان بخشی اور صلح کے عوض مسلمانوں کو دو ہزار اونٹ، 800 گھوڑے، 400 زرہیں اور چار سو نیزے دیے۔ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے یہ مال وصول کیا اور اکیدر اور اس کے بھائی مضاد کو لے جا کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اکیدر کو اس وقت دیکھا تھا جب خالد رضی اللہ عنہ اسے لے کر آئے تھے۔ اس کے گلے میں سونے کی صلیب لٹک رہی تھی اور اس نے ریشمی حلہ پہن رکھا تھا۔ آپ ﷺ نے ان دونوں بھائیوں سے جزیہ کی وصولی کے بعد درگزر فرمایا اور انھیں معاف کر دیا۔ آپ نے انھیں امان نامہ بھی لکھوا دیا اور اس پر اپنی مہر بھی ثبت کی۔

اکیدر کی طرف سے ادا کیا جانے والا مال مدینہ منورہ پہنچا تو مسلمان اکیدر کے بھائی حسان کی قبا دیکھ کر تعجب کرنے لگے۔ وہ کہنے لگے: یہ کیسی شاندار اور ملائم قبا ہے۔ کس قدر نرم اور بہترین ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کا یہ تعجب دیکھا تو فرمایا:

«وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! لَمَنَادِيلُ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ فِي الْجَنَّةِ أَحْسَنُ مِنْ هٰذَا»

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! جنت میں سعد بن معاذ کے رومال اس سے (کہیں) زیادہ شاندار ہیں۔''[1]

صحیح بخاری کی روایت 2616 سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قبا یا جبہ اکیدر نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں بطور تحفہ پیش کیا تھا۔

اللہ کے رسول ﷺ نے سیدنا خالد سے جو فرمایا تھا: «إِنَّكَ تَجِدُهُ يَصِيدُ الْبَقَرَ» ''تمھیں اکیدر گائے کا شکار کرتا ہوا ملے گا۔'' اس پیش گوئی کے پورا ہونے پر سیدنا بجیر بن بجرہ طائی رضی اللہ عنہ نے درج ذیل اشعار کہے:

1 صحيح البخاري، حديث: 2615.

تَبَارَكَ سَائِقُ الْبَقَرَاتِ إِنِّي رَأَيْتُ اللّٰهَ يَهْدِي كُلَّ هَادِ
وَ مَنْ يَكُ عَانِدًا عَنْ ذِي تَبُوكَ فَإِنَّا قَدْ أُمِرْنَا بِالْجِهَادِ

''گائے کو چلانے والی ذات بڑی بابرکت ہے۔ بے شک میں نے دیکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہدایت کے ہر طالب کو ہدایت سے سرفراز کرتا ہے اور جو شخص تبوک میں قیام پذیر شخصیت (محمد ﷺ) سے دشمنی کرے گا تو بلاشبہ ہمیں (اس دشمن سے) جہاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے یہ شعر سنے تو شاعر کو یہ دعا دی: «لَا يَفْضُضِ اللّٰهُ فَاكَ» ''اللہ تیرے منہ کو سلامت رکھے۔'' آپ ﷺ کی اس دعا کی بدولت سیدنا بُجیر بن بجرہ رضی اللہ عنہ نوے سال کی عمر میں بھی بالکل صحت مند تھے۔ ان کے تمام دانت سلامت تھے۔ ایک بھی دانت اپنی جگہ سے نہیں ہلا تھا۔[1]

اکیدر کا اسلام

رسول اللہ ﷺ نے اکیدر اور اس کے بھائی مضاد سے صلح کی اور انھیں امان نامہ عطا فرمایا۔ آپ ﷺ نے انھیں درج ذیل تحریر مرحمت فرمائی۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ یہ تحریر اکیدر کے مسلمان ہونے پر اسے عطا فرمائی گئی جیسا کہ تحریر سے بھی یہی واضح ہے:

«بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ. هٰذَا كِتَابٌ مِّنْ مُّحَمَّدٍ رَّسُولِ اللّٰهِ لِأُكَيْدِرَ حِينَ أَجَابَ إِلَى الْإِسْلَامِ وَ خَلَعَ الْأَنْدَادَ وَالْأَصْنَامَ مَعَ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيدِ سَيْفِ اللّٰهِ فِي دُومَةِ الْجَنْدَلِ وَ أَكْنَافِهَا وَ إِنَّ لَنَا الضَّاحِيَةَ مِنَ الضَّحْلِ وَ الْبُورِ وَ الْمَعَامِي وَ أَغْفَالِ الْأَرْضِ وَالْحَلْقَةِ وَ السِّلَاحِ وَالْحَافِرِ وَالْحِصْنِ وَلَكُمُ الضَّامِنَةُ مِنَ النَّخْلِ وَ الْمَعِينُ مِنَ الْمَعْمُورِ بَعْدَ الْخُمُسِ لَا تُعْدَلُ سَارِحَتُكُمْ وَلَا تُعَدُّ فَارِدَتُكُمْ وَلَا يُحْظَرُ عَلَيْكُمُ النَّبَاتُ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ عُشْرُ الْبَتَاتِ تُقِيمُونَ الصَّلَاةَ لِوَقْتِهَا وَ تُؤْتُونَ الزَّكَاةَ لِحَقِّهَا عَلَيْكُمْ بِذَالِكَ الْعَهْدُ وَالْمِيثَاقُ وَ لَكُمْ بِذَالِكَ الصِّدْقُ وَالْوَفَاءُ، شَهِدَ اللّٰهُ وَ مَنْ حَضَرَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ»

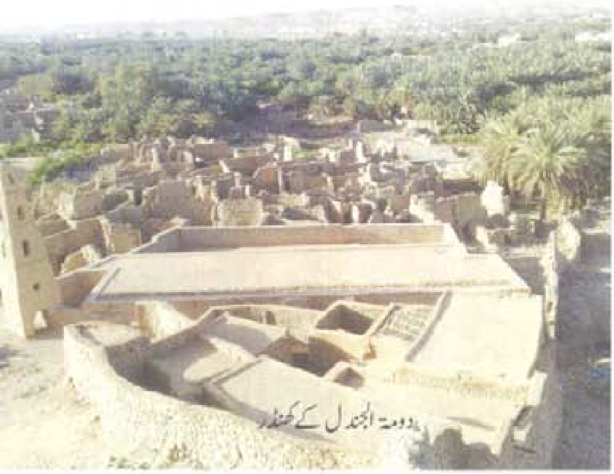
''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ محمد رسول اللہ ﷺ کا مکتوب گرامی ہے جو اکیدر کو دومۃ الجندل اور اس کے گرد و نواح

[1] المغازي للواقدي: 2/405-408، السيرة لابن إسحاق: 2/605,604، دلائل النبوة للبيهقي: 4/250-252، السيرة لابن هشام: 4/170، البداية و النهاية: 4/672,671، موسوعة الغزوات الكبرىٰ: 2/1836-1840.

میں بتوں اور غیراللہ کی پوجا کو چھوڑ کر سیف اللہ (اللہ کی تلوار) خالد بن ولید کے ہاتھ پر اسلام قبول کرنے کے موقع پر دیا جا رہا ہے۔ ہمارے لیے صحراء بیاباں، بے آباد زمینیں اور نامعلوم چشمے ہیں۔ وہ زمینیں جن میں پانی کم یاب ہے، عمومی ہتھیار جیسے زرہیں، تلواریں اور نیزے، گھوڑے اور قلعہ ہمارا ہوگا۔ بستی میں اُگے کھجوروں کے باغات، تعمیر شدہ چشمے اور حوض خمس کی ادائیگی کے بعد تمھارے ہوں گے۔ تمھارے مویشی تقسیم کیے جائیں گے نہ چالیس سے کم بکریوں پر زکاۃ ہوگی۔ تمھارے علاقے کی گھاس اور نباتات پر پابندی نہیں ہوگی، نہ گھریلو سامان سے عشر وصول ہوگا۔ تم نماز مقررہ وقت پر پڑھو گے اور زکاۃ ادا کرو گے۔ تمھیں اس عہد و میثاق کی پابندی کرنی ہوگی۔ اس کے عوض تمھیں صدق و وفا ملے گی۔ اس معاہدے پر اللہ تعالیٰ اور حاضرین مجلس مسلمان گواہ ہیں۔"[1]

اکیدر کے اسلام لانے کی تصدیق اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ اہل فتوح کے نزدیک یہ بات متفقہ ہے کہ 12ھ میں سیدنا خالد بن ولید نے سیدنا عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر دومۃ الجندل پر لشکر کشی کی تھی کیونکہ اکیدر نے مرتد ہو کر زکاۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس معرکے میں اکیدر اپنی خیانت، بدعہدی اور ارتداد کے انجام کو پہنچ گیا اور اسلامی سپاہ کے ہاتھوں قتل ہو کر واصل جہنم ہوا۔

البتہ اکیدر کا بھائی حریث ثابت قدم رہا تھا اور مسلمانوں نے بھی اس کے ملکیتی علاقے اور اموال کو برقرار رکھا۔ اسی طرح اکیدر کا بھائی مضاد عیسائیت پر قائم رہا۔ اس نے جزیہ دے کر صلح کر لی تھی اور معاہدے کی بخوشی پاسداری کی تھی۔



دومۃ الجندل کے کھنڈر

سیدنا بلال بن حارث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے اکیدر اور اس کے بھائی کو قید کر کے خدمت نبوی میں پیش کر دیا۔ اکیدر سے جو مال غنیمت ملا تھا، آپ نے اس میں سے اپنے لیے خاص حصہ لیا اور خمس نکال کر غنیموں کو تقسیم کر دیا۔ سیدنا عبداللہ بن عمرو مزنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہمارے قبیلے مزینہ کے چالیس مجاہد شریک جہاد تھے۔ ہمیں پانچ

[1] موسوعة الغزوات الكبرىٰ: 1841/2، المغازي للواقدي: 407/2.

اونٹ ملے۔ زرہ اور نیزے بھی دیے گئے۔ اہل مغازی نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ اکیدر کی سرکوبی کے لیے جانے والے لشکر میں مہاجرین کے قائد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ واللہ اعلم [1]

سیدنا کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کا ایثار

اسلام کے جانبازوں میں سیدنا واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ ایک نہایت معتبر شخصیت ہیں۔ ان کے اسلام لانے اور خدمت نبوی میں حاضر ہونے کا واقعہ ملاحظہ فرمائیں۔

سیدنا واثلہ بن اسقع مدینہ منورہ کے نواح میں اپنے والدین، چچا اور ایک بہن کے ساتھ رہتے تھے۔ بڑی مدت تک اپنے والد اور چچا کے منتظر رہے کہ کب وہ اسلام قبول کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثاروں میں شامل ہوتے ہیں لیکن یہ سعادت سیدنا واثلہ کے نصیب میں لکھی تھی کہ اپنے خاندان میں سب سے پہلے اسلام قبول کر لیں۔ وہ ایک دن چپکے سے نکلے اور مدینہ منورہ آ گئے۔ صبح کی نماز کے وقت مسجد میں پہنچ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نمازِ فجر ادا کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک تھی کہ فجر کی نماز کے بعد صحابہ کرام کے ساتھ بات چیت کرنے، ان کے خوابوں کی تعبیر بتانے اور ان کے حال احوال دریافت کرنے کے لیے تشریف فرما ہو جاتے۔ اگر کوئی مسافر یا مہمان نظر آتا تو اس کے ساتھ خصوصی شفقت فرماتے۔

آج بھی حسب سابق آپ نے نمازیوں پر نظر ڈالی تو سیدنا واثلہ بن اسقع نظر آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''تم کون ہو اور کیسے آئے ہو؟'' سیدنا واثلہ رضی اللہ عنہ نے اپنا تعارف کرایا اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں آپ کی بیعت کر کے آپ کے پروانوں میں شامل ہونے آیا ہوں۔ آپ نے ان کی درخواست بخوشی قبول کی اور فرمایا: ''تمھاری بیعت اس شرط پر لیتا ہوں کہ تم حسب طاقت اطاعت و فرمانبرداری کرو گے۔'' سیدنا واثلہ رضی اللہ عنہ نے اس شرط پر بیعت کی اور آپ کے فدائیوں میں شامل ہو کر زمرۂ سعادت مندی میں شامل ہو گئے۔ اب وہ ان خوش نصیب لوگوں میں شمار ہوتے تھے جنھیں دنیا و آخرت کی کامیابیاں و کامرانیاں سمیٹنی تھیں۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کے بعد ابھی مدینہ ہی میں تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک کی تیاری شروع کر دی۔ لہٰذا سیدنا واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ بھی گھر لوٹے تاکہ سفر کی تیاری کر سکیں۔ واپس گھر آئے تو ہر نومسلم کی طرح ان کا بھی روایتی استقبال ہوا۔ والد نے ملتے ہی پوچھا: کیا تم مسلمان ہو گئے ہو؟ انھوں نے نہایت ادب سے جواب دیا: جی ہاں! میں اسلام قبول کر چکا

[1] دلائل النبوة للبيهقي: 253/5، موسوعة الغزوات الكبرٰى: 1842,1841/2، البداية و النهاية: 672/4، المغازي للواقدي: 409,408/2.

ہوں۔ والد کو یہ سخت ناگوار گزرا اور انھوں نے خوب برا بھلا کہہ کر اپنے دل کی بھڑاس نکالی۔ پھر دھمکی دی: "میں آج کے بعد تم سے کبھی کلام نہیں کروں گا۔" والد کی سخت اور کڑوی باتیں سننے کے بعد چچا کی طرف مڑے تو انھوں نے منہ پھیرتے ہوئے سوال کیا: کیا باپ دادا کا دین چھوڑ آئے ہو؟ عرض کیا: جی ہاں چچا جان! میں نے دین حنیف کی پیروی کر لی ہے۔ چچا یہ سن کر ناراض ہوئے مگر ان کے رویے میں والد جیسی سختی اور غصہ نہیں تھا۔ کہنے لگے: بیٹا تم ہم سے پہلے یہ دین قبول نہ کرتے تو بہتر تھا۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ جس خوش بختی کو سیدنا واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ گلے لگا چکے تھے، ان کا خاندان اس سے ابھی تک محروم چلا آ رہا تھا۔

سیدنا واثلہ رضی اللہ عنہ نے چچا کے رویے میں ذرا نرمی دیکھی تو انھیں اسلام کی دعوت دینی شروع کی۔ انھیں اسلام کی خوبیوں سے روشناس کرایا۔ اسلام کی پاکیزہ تعلیمات کے بارے میں آگاہی دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمہ کے متعلق بتایا۔ مسلمانوں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت و محبت کا حال بتایا۔ ابھی وہ چچا کو قائل کر ہی رہے تھے کہ ان کی بہن نے باہر آ کر انھیں السلام علیکم کہا۔ سیدنا واثلہ رضی اللہ عنہ خوشی سے اچھل پڑے۔ انھوں نے بہن سے پوچھا: یہ اسلامی طریقے سے سلام کرنا تم نے کہاں سے سیکھا؟ بہن کہنے لگی: جب تم چچا کو اسلامی تعلیمات سے آگاہ کر رہے تھے، میں اندر بیٹھی ساری باتیں سن رہی تھی۔ مجھے اسلام کے اخلاق اور تعلیمات نے بے حد متاثر کیا ہے، اس لیے میں بھی اسلام قبول کرنا چاہتی ہوں۔ نیک بخت بھائی نے خوش بخت بہن کو بھی کلمہ شہادت پڑھا کر دائرہ اسلام میں داخل کر لیا۔ بھائی کو بہن کے قبول اسلام کی بے حد خوشی تھی۔ گھر کے بزرگ ابھی سوچ بچار ہی میں پڑے ہوئے تھے اور جاہلی ہٹ دھرمی کی وجہ سے اس نعمت عظیم سے ابھی تک محروم تھے جبکہ ان کے بچے ان سے پہلے اس نعمت سے سرفراز ہو گئے۔

سیدنا واثلہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بہن سے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوے میں شرکت کے لیے جا رہا ہوں تم میرے لیے زاد راہ تیار کر دو۔ نیک سیرت بہن نے فوراً کچھ آٹا اور کچھ کھجوریں ایک برتن میں ڈال کر بھائی کے حوالے کیں اور انھیں خوشی خوشی الوداع کہا۔ سیدنا واثلہ رضی اللہ عنہ زادِ راہ لے کر مدینہ منورہ پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیاری کر کے روانہ ہو چکے تھے۔ مدینہ منورہ میں چند ایک گروہ تیاری میں مصروف تھے۔ سیدنا واثلہ رضی اللہ عنہ کے پاس سواری نہیں تھی۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں اتنا طویل سفر پیدل طے کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا تھا، اس لیے میں نے سواری کے حصول کے لیے بنو قینقاع کے بازار میں اعلان کرنا شروع کر دیا: کون ہے جو مجھے سواری دے؟ میں اُسے مال غنیمت میں سے اپنا حصہ بطور اجرت دے دوں گا۔ ان کا یہ اعلان سن کر سیدنا کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ نے انھیں

بلایا اور فرمایا: میں تمھیں رات کے آخری پہر اور دن کے آخری حصے میں کچھ سفر کے لیے اپنی سواری دے سکتا ہوں۔تم میرے ساتھ کھانا بھی کھا سکتے ہو بشرطیکہ غنیمت میں سے تمھارا حصہ میرا ہوگا۔ سیدنا واثلہ رضی اللہ عنہ نے ان کی یہ شرط فوراً قبول کر لی۔ سیدنا کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ بھی بڑے سخی دل صحابی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام میں ایثار و قربانی کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا اور سیدنا کعب رضی اللہ عنہ بھی اس خوبی سے بخوبی بہرہ مند تھے۔ انھوں نے جب اپنے بھائی کی پکار سنی تو فوراً ان کی مدد کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ ان کا ارادہ تھا کہ ان کی مدد اس انداز سے کی جائے کہ ان کی ضرورت پوری ہو جائے اور ان کی خود داری پر بھی حرف نہ آئے، لہٰذا طے شدہ شرط کے مطابق سفر شروع ہو گیا۔ دوران سفر سیدنا کعب رضی اللہ عنہ نے جس حسنِ سلوک اور اخلاقِ حسنہ کا مظاہرہ فرمایا، اس کی تعریف سیدنا واثلہ رضی اللہ عنہ ان الفاظ میں کیا کرتے تھے: ''اللہ تعالیٰ سیدنا کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ وہ حسبِ وعدہ دو بار مجھے سواری کے لیے اونٹ دیتے بلکہ مزید وقت کے لیے بھی سواری دے دیتے تھے۔ میں ان کے ساتھ کھانا بھی کھاتا تھا۔ میں اونٹ پر سوار ہوتا تو وہ میرے اونٹ کو اٹھانے میں بھی مدد دیتے تھے۔''

اسی طرح سفر کرتے کرتے یہ دونوں عظیم صحابی تبوک پہنچ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک میں قیام کے دوران سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اکیدر دومۃ الجندل کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا تو سیدنا واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ بھی اس لشکر میں شامل تھے۔ وہ سیدنا کعب رضی اللہ عنہ کے ہمراہی تھے۔ اکیدر کی گرفتاری اور پھر صلح کے نتیجے میں مسلمانوں کو بہت سا مالِ غنیمت حاصل ہوا۔ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے مالِ غنیمت مجاہدین میں تقسیم کیا۔ سیدنا واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کے حصے میں چھ اونٹ آئے۔ وہ اپنا حصہ وصول ہوتے ہی حسبِ شرط سیدنا کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کے خیمے کے پاس گئے اور عرض کی: لیجیے جناب! حسبِ شرط اپنا مال وصول کیجیے۔ میں اپنے اونٹ لے آیا ہوں۔ اللہ آپ پر رحمتیں نازل فرمائے، آپ نے میرے ساتھ بڑا نیک سلوک کیا ہے۔ اللہ آپ کو اس کی جزا دے۔ سیدنا کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ مسکراتے ہوئے باہر تشریف لائے اور فرمایا: ''اللہ تعالیٰ آپ کے مال میں برکت دے۔ میں نے ان اونٹوں کے لیے آپ کو سواری نہیں دی تھی۔ میں تو اپنا اجر و ثواب اللہ تعالیٰ سے لینا چاہتا ہوں۔''[1] اس طرح ایثار و قربانی کی یہ شاندار مثال اسلامی تاریخ کا مایۂ ناز حصہ بن گئی۔

تبوک میں رونما ہونے والا عظیم معجزہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار معجزات سے نوازا ہے۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر کئی معجزات رونما ہوئے۔

[1] المغازي للواقدي :2/407,408.

ان میں سے کچھ کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے۔ ایک عظیم معجزہ تبوک پہنچ کر بھی رونما ہوا۔ ذیل میں ہم اسی کا تذکرہ کر رہے ہیں:

سیدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں سفر و حضر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہتا تھا اور آپ کے دربان کے فرائض ادا کرتا تھا۔ تبوک میں قیام کے دوران ایک رات ہم اپنے کسی کام سے معسکر سے باہر نکلے۔ واپسی میں خاصی تاخیر ہوگئی۔ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمے کے پاس پہنچے تو آپ اپنے مہمانوں سمیت رات کا کھانا کھا چکے تھے۔ آپ ابھی مہمانوں کے ساتھ ہی تشریف فرما تھے اور اپنے خیمے میں جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ اس سفر میں آپ کی زوجہ محترمہ سیدہ ام سلمہ بنت ابی امیہ رضی اللہ عنہا بھی آپ کے ہمراہ تھیں۔ جب میں آپ کے سامنے حاضر ہوا تو آپ نے پوچھا:

«أَيْنَ كُنْتَ مُنْذُ اللَّيْلَةِ؟»

”تم شام سے اب تک کہاں تھے؟“

یقیناً آپ کو اپنے خادم خاص کی فکر ہو رہی تھی کہ اس نے ابھی تک رات کا کھانا نہیں کھایا۔ میں نے عرض کی کہ میں ایک کام سے ذرا دور نکل گیا تھا، اس لیے واپسی میں دیر ہوگئی۔ اتنی دیر میں سیدنا جعال بن سراقہ اور عبداللہ بن مغفل مزنی رضی اللہ عنہما بھی آگئے۔ ہم تینوں کو سخت بھوک لگی ہوئی تھی۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دہلیز پر بیٹھے رہتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاشانۂ مبارک سے جو کچھ ملتا تھا، ہم کھا لیتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری کیفیت معلوم ہوئی تو آپ خیمے میں تشریف لے گئے تاکہ ہمارے لیے کھانے کا بندوبست کریں۔ لیکن خیمے میں کوئی ایسی چیز میسر نہ آئی جو ہم کھا سکتے۔ آپ باہر تشریف لائے، سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو آواز دی اور پوچھا: ”اے بلال! کیا ان لوگوں کے لیے کچھ کھانے کو ہے؟“ انھوں نے عرض کی: نہیں، اس اللہ کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر مبعوث فرمایا! اب میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ میں اپنے تھیلے اور برتن خالی کر چکا ہوں۔ آپ نے انھیں حکم دیا: ”جاؤ دوبارہ دیکھو، شاید کچھ مل جائے۔“ آپ کے حکم پر انھوں نے زادِ راہ والے تھیلے جھاڑنے شروع کیے تو ان میں سے ایک ایک دو دو کھجوریں گرنے لگیں۔ بالآخر سات کھجوریں مل گئیں۔ انھوں نے ایک برتن میں رکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیں۔ آپ نے اپنا دست مبارک کھجوروں پر رکھا اور بسم اللہ کہہ کر برکت کی دعا کی۔ پھر فرمایا: «كُلُوا بِسْمِ اللّٰهِ»

”بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ۔“

ہم نے کھجوریں کھانی شروع کیں۔ میں نے گن کر 54 کھجوریں کھائیں، گٹھلیاں میری بائیں ہتھیلی پر تھیں۔

میرے دونوں ساتھی بھی اسی طرح کھا رہے تھے اور گٹھلیاں دوسرے ہاتھ میں جمع کر رہے تھے۔ ہم تینوں نے پچاس پچاس کھجوریں کھائیں مگر پلیٹ میں کھجوریں بدستور جوں کی توں باقی تھیں۔ جب ہم جی بھر کر کھا چکے تو آپ نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«يَا بِلَالُ! ارْفَعْهَا فِي جِرَابِكَ فَإِنَّهُ لَا يَأْكُلُ مِنْهَا أَحَدٌ إِلَّا نَهِلَ شِبَعًا»

''اے بلال! یہ کھجوریں اپنے تھیلے میں سنبھال لو۔ بے شک جو شخص ان میں سے کھائے گا، خوب سیر ہوگا۔''

سیدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیمے میں تشریف لے گئے اور ہم آپ کے خیمے کے گرد آرام کرنے لگے۔ آپ رات کو تہجد کے لیے اٹھے، طلوع فجر تک نفل ادا کیے، پھر صبح کی دو رکعت سنتیں ادا کیں۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے اذانِ فجر دی، پھر اقامت کہی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو فجر کی نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد آپ خیمے کے صحن میں بیٹھ گئے۔ ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد بیٹھ گئے۔ آپ نے سورۃ المومنون کی دس آیات کی تلاوت کی۔ پھر ہم سے پوچھا: «هَلْ لَكُمْ فِي الْغَدَاءِ؟» ''ناشتہ کرو گے؟'' میں نے دل میں سوچا کہ ناشتہ کس چیز کا؟ ابھی رات کو تو کوئی چیز ہی نہیں مل رہی تھی، اب صبح صبح کونسا کھانا ہمیں ملے گا؟ اس دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے رات کو بچ جانے والی کھجوریں منگوائیں۔ پلیٹ میں رکھیں، پھر کھجوروں پر اپنا دست مبارک رکھ کر برکت کی دعا کی اور ہمیں حکم دیا: ''بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ۔'' ہم دس افراد تھے اور کھجوریں سات تھیں۔ اللہ کی قسم! ہم نے خوب سیر ہو کر کھائیں۔ جب سب نے کھانی بند کیں تو پلیٹ میں رکھی ہوئی کھجوروں میں ذرا بھی کمی نہیں آئی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَوْلَا أَنِّي أَسْتَحْيِي مِنْ رَبِّي لَأَكَلْنَا مِنْ هٰذَا التَّمْرِ حَتّٰى نَرِدَ الْمَدِينَةَ عَنْ آخِرِنَا»

''مجھے اللہ تعالیٰ سے حیا آتی ہے ورنہ آخری آدمی کے مدینہ منورہ پہنچنے تک ہم یہی کھجوریں کھاتے رہتے۔''

اتنے میں تبوک کا رہائشی ایک بچہ آپ کے سامنے حاضر ہوا تو آپ نے وہ کھجوریں اس بچے کو دے دیں اور وہ انھیں کھاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تحائف کی پیش کش

تبوک کے پرمشقت سفر کے دوران جہاں آپ کے متعدد معجزات ظہور میں آئے، وہاں مختلف لوگوں نے آپ کو تحائف بھی پیش کیے۔ ان واقعات سے بھی اہم اسلامی تعلیمات ملتی ہیں۔ آیئے ان میں سے چند ایک کا مطالعہ فرمائیں:

[1] المغازي للواقدي: 2/413، 414.

1 آپ ﷺ تبوک میں قیام فرما تھے، آپ کو پنیر کا تحفہ پیش کیا گیا۔ صحابہ کرام نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہ پنیر ایرانی مجوسی تیار کرتے ہیں، آپ یہ تناول نہ فرمائیں، ہمیں خدشہ ہے کہ کہیں اس میں مردار کی آمیزش نہ ہو۔ آپ ﷺ نے صحابہ کے خدشات سن کر انھیں تعلیم دیتے ہوئے فرمایا:

«ضَعُوا فِيهِ السِّكِّينَ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ»

''تم اسے چھری سے کاٹو اور بسم اللہ پڑھو۔''[1]

آپ نے واضح فرما دیا کہ اسلام میں ہر معاملے کی اساس یقین پر ہے۔ بلاوجہ شک کی بنا پر کسی چیز کو ترک کرنا اسلامی طریقہ نہیں ہے۔ جب تک کہ کسی بات کا یقین نہ ہو جائے، کسی وہم کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔ عبادات ہوں یا معاملات ہر لحاظ سے کام کی بنیاد یقین ہی پر رکھی جائے گی۔ اگر کسی خرابی کا یقین نہ ہو تو اس عبادت یا معاملے کو ترک کرنا ٹھیک نہیں۔ اگر یقین ہو جائے تو اسے جاری رکھنا درست نہیں۔ اس لیے جب تک پنیر میں کسی مردار کی ملاوٹ کا یقین نہ ہو، اسے ترک کرنا درست نہیں۔ ہاں اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ پنیر میں مردار کی آمیزش کی گئی ہے تو اسے کھانا جائز نہ ہوگا۔

2 قضاعہ قبیلے کے ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ کو ایک خوبصورت گھوڑا بطور ہدیہ پیش کیا۔ آپ نے وہ گھوڑا دیکھ بھال کے لیے ایک انصاری صحابی کو دیا اور انھیں حکم دیا کہ اسے میرے خیمے کے قریب ہی باندھنا تاکہ اس کے ہنہنانے کی آواز سنائی دیتی رہے۔ دوران سفر اسی طرح ہوا، گھوڑا آپ کے خیمے کے قریب ہی باندھا جاتا۔ جب آپ مدینہ منورہ پہنچے تو گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز آنی بند ہوگئی۔ آپ نے انصاری صحابی سے گھوڑے کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں نے اسے خصی کر دیا ہے۔ آپ نے یہ سن کر فرمایا:

«إِنَّ الْخَيْلَ فِي نَوَاصِيهَا الْخَيْرُ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ اتَّخِذُوا مِنْ نَّسْلِهَا وَبَاهُوا بِصَهِيلِهَا الْمُشْرِكِينَ أَعْرَافُهَا أَدْفَاؤُهَا وَأَذْنَابُهَا مَذَابُّهَا»

''(گھوڑوں کو خصی نہ کرو) بلاشبہ ان کی پیشانیوں میں تاقیامت خیر رکھ دی گئی ہے۔ ان کی نسل بڑھاؤ اور مشرکین پر فخر کا اظہار کرو۔ ان کی گردن کے بال ان کے لیے گرمی حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں اور ان کی دُمیں ان کے پنکھے ہیں۔''[2]

آپ کے اس فرمان سے گھوڑوں کی اہمیت وفضیلت عیاں ہے۔ گھوڑے نبوی دور میں نہایت کارگر جنگی ہتھیار کا

1 السنن الكبرى للبيهقي: 6/10، مسند أحمد: 234/1، سنن أبي داود: 3819. 2 المغازي للواقدي: 401/2.

کام دیتے تھے۔ مجاہدین کی زینت تھے۔ بڑے بڑے معرکے ان کے ذریعے سر کیے جاتے تھے۔ آج بھی گھوڑوں کی اہمیت کم نہیں ہوئی بلکہ گھوڑے دنیا کی ہر فوج کا لازمی حصہ ہیں۔ ان کی اہمیت کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گھوڑے پالنے، ان کی نسل بڑھانے اور ان کی خصوصی دیکھ بھال کا حکم دیا جاتا تھا۔ جنگوں میں شرکت کرنے والے گھوڑوں کو مالِ غنیمت سے خصوصی حصہ عطا کیا جاتا تھا۔ اور مجاہدین ان سے دین و دنیا کی بھلائیاں حاصل کرتے تھے۔ انھیں مال غنیمت میں حصے کے ساتھ ساتھ اجر و ثواب بھی ملتا تھا۔

ارشادِ نبوی ہے:

«اَلْبَرَكَةُ فِي نَوَاصِي الْخَيْلِ»

''گھوڑے کی پیشانی میں برکت بندھی ہوئی ہے۔''[1]

رومیوں پر حملے کے لیے مشاورت

اسلامی لشکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں تبوک روانہ ہوا تو اس کا مقصد رومی فوجوں کو سبق سکھانا تھا جو مدینہ منورہ پر حملے کا پروگرام بنا رہی تھیں۔ جب آپ تبوک پہنچے تو یہ اطلاعات غلط ثابت ہوئیں۔ وہاں رومی فوج تھی نہ کوئی جنگ کی تیاری نظر آئی۔ آپ تقریباً بیس روز تبوک میں ٹھہرے رہے۔ اس دوران رومی فوج کی طرف سے کوئی نقل و حرکت نظر نہیں آئی۔

اُدھر ہرقل کو اسلامی لشکر کی آمد کی خبر ملی تو اس نے اپنا جاسوس بھیجا اور اسے ہدایات دیں کہ مسلمانوں کے قائد کا بغور جائزہ لے کر آنا۔ اس نے اپنے جاسوس کو علامات نبوت بتائیں کہ ان کی روشنی میں انھیں اچھی طرح پرکھنا کہ کیا یہ واقعی آخری نبی ہیں؟ رومی جاسوس چپکے سے اسلامی لشکر میں گھس گیا اور مسلمانوں کی معلومات لینے لگا۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بغور دیدار کیا اور ہرقل کی بتائی ہوئی علامات دیکھیں۔ مہر نبوت کا دیدار کیا۔ یہ علامت بھی دیکھی کہ آپ صدقہ قبول نہیں کرتے۔ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوبصورت سرخ آنکھیں بھی ملاحظہ کیں اور واپس جا کر ہرقل کو آخری نبی کی تمام علامات بتا دیں۔

ہرقل بخوبی جان گیا کہ وہ آخری نبی یہی ہیں جن کا ہمیں انتظار تھا۔ اس نے اپنی قوم کو بلا کر حقیقت حال بیان کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی دعوت دی۔ اس کی قوم نے اس قدر شدید مخالفت کی کہ بادشاہ کو اپنی فکر پڑ گئی۔ اسے خطرہ لاحق ہو گیا کہ کہیں لوگ بغاوت کر کے اس کی حکومت کا تختہ ہی نہ الٹ دیں۔ لہٰذا وہ دبک کر بیٹھ گیا۔

[1] صحيح البخاري :2851.

ایک طرف مسلمانوں کا خوف اس کے جگر کو پاش پاش کر رہا تھا تو دوسری طرف قوم کی بغاوت کے ڈر سے اس کی نیند حرام ہوگئی۔ اس لیے وہ جامد ہو کر رہ گیا۔ اس نے مسلمانوں کا مقابلہ کرنا تو درکنار اپنے محلات سے باہر نکلنا بھی چھوڑ دیا۔ ادھر مسلمان بیس روز تک اس کی فوجوں کے انتظار میں رہے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابۂ کرام سے مشورہ کیا کیونکہ لشکر کو بغیر کسی معرکہ آرائی کے اتنا عرصہ دشمن کے انتظار میں بٹھائے رکھنا مناسب نہیں تھا۔ خصوصاً جبکہ زادِ راہ اور پانی کی قلت کا سامنا بھی تھا۔ موسم نہایت گرم تھا اور اسلامی لشکر اپنے وطن سے سینکڑوں میل دور تھا۔ ان بیس دنوں میں اردگرد کے عیسائی حکمران سخت خوفزدہ ہو چکے تھے اور جزیہ دینے کی شرط پر صلح کر چکے تھے، اس طرح اسلامی لشکر بڑی حد تک اپنا ہدف حاصل کر چکا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے کافروں پر مجاہدینِ اسلام کی ہیبت طاری کر دی تھی، وہ اپنے ہی علاقے میں بھاری فوج، اسلحے کے انبار اور وسیع غذائی ذخیروں کے باوجود مسلمانوں کا سامنا کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔ یوں گویا دشمن کو فوری سبق سکھا دیا گیا تھا کہ آئندہ مدینہ منورہ پر چڑھائی کرنے کا تصور بھی نہ کرنا۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ سے مشاورت کر کے بہتر لائحہ عمل اپنانے کی کوشش کی۔ آپ نے کبار صحابہ کرام سے مشورہ طلب کیا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اگر آپ کو حکم الٰہی ہوا ہے کہ رومیوں پر حملہ کرو تو آپ چلیں، ہم آپ کی مکمل اتباع کریں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اگر مجھے حملے کا حکم ملتا تو پھر میں تم سے مشورہ نہ کرتا (بلکہ حملے کا حکم جاری کر دیتا)۔“ اس پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرا مشورہ ہے کہ ہم کئی سیاسی اور حربی مقاصد حاصل کر چکے ہیں۔ کئی عیسائی حکمران صلح کر کے امان نامے بھی لے گئے ہیں۔ باقی عیسائی ہم سے خوفزدہ ہیں۔ ہم نے انھیں ان کے گھر آ کر للکارا ہے مگر انھوں نے مقابلے کی جرأت ہی نہیں کی۔ اس وقت موسم سخت گرم ہے۔ ہمارے مقابلے میں دشمن کئی گنا بڑا ہے۔ اس علاقے میں ہمارے مسلمان بھائی بھی موجود نہیں، اس لیے اس سال لشکر کو واپسی کا حکم دیجیے اور اگلے سال یا پھر جب اللہ تعالیٰ حکم دے، ہم ان کا علاج کرنے آ جائیں گے۔

آپ ﷺ نے درپیش حالات اور واقعات کی بنا پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا مشورہ قبول کر لیا اور اسلامی لشکر کو واپسی کا حکم دے دیا۔ اس طرح اسلامی لشکر دشمن کو اس کے گھر جا کر للکارنے، دھمکانے، خوفزدہ کرنے اور کچھ عیسائی حکمرانوں سے صلح کے معاہدوں کے بعد کامیاب و کامران ہو کر واپس چل پڑا۔ [1]

[1] المغازي للواقدي: 2/400، موسوعة الغزوات الكبرى: 2/1841.

تبوک سے واپسی کے چند واقعات

اسلامی لشکر تبوک سے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوا تو رستے میں کچھ واقعات رونما ہوئے۔ ذیل میں انھی کا تذکرہ کیا جا رہا ہے:

ابوقتادہ رضی اللہ عنہ غزوۂ تبوک کے ایک سفر کی روداد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہم ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ آپ تبوک سے واپس آ رہے تھے۔ میں آپ کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ چلتے چلتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند آ گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری پر ایک طرف جھک گئے۔ مجھے خدشہ ہوا مبادا آپ گر جائیں۔ میں آگے بڑھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سہارا دے کر سیدھا بٹھا دیا۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم جاگ گئے۔ آپ نے پوچھا: ''کون ہے؟'' میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں ابوقتادہ ہوں۔ مجھے ڈر لگا کہ کہیں آپ گر نہ جائیں، اس لیے آپ کو سہارا دیا۔ آپ خوش ہوئے اور اپنے ہمدرد ساتھی کو بہت خوبصورت دعا دی۔ آپ نے فرمایا:

«حَفِظَكَ اللّٰهُ كَمَا حَفِظْتَ رَسُولَ اللّٰهِ»

''اللہ تعالیٰ تمھاری حفاظت کرے جس طرح تم نے اللہ کے رسول کی حفاظت کی۔''

ابھی تھوڑی دور ہی گئے تھے کہ سفر کی تکان کی وجہ سے آپ پھر سو گئے۔ میں پھر جلدی سے آگے بڑھا اور آپ کو سہارا دے کر سیدھا کیا۔ آپ بیدار ہو گئے اور فرمایا:

«يَا أَبَا قَتَادَةَ! هَلْ لَكَ فِي التَّعْرِيسِ؟»

''ابوقتادہ! کیا خیال ہے رات کے آخری پہر آرام کر لیں؟''

میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! جیسا آپ حکم فرمائیں، ہم تعمیل کریں گے۔ آپ نے فرمایا: ''دیکھو ہمارے پیچھے کون کون آ رہا ہے؟'' میں نے دیکھا تو دو یا تین مسافر تھے۔ آپ نے انھیں بلانے کا حکم دیا۔ میں نے انھیں اطلاع دی کہ آپ سب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلا رہے ہیں۔ وہ فوراً حاضر ہوئے اور ہم نے ایک مناسب جگہ دیکھ کر پڑاؤ کیا۔ میرے پاس پانی کا ایک برتن اور پینے کے لیے چمڑے کا ایک ڈونگا بھی تھا۔ سبھی تھکے ہوئے تھے۔ رات کے آخری پہر خاموش فضا اور میٹھی میٹھی ہوا نے جلد ہی سب کو گہری نیند سلا دیا۔ پھر ہم میں سے کوئی بھی نماز فجر کے لیے نہ اُٹھ سکا۔ سورج کی تپش نے ہمیں جگایا تو ہم گھبرا گئے۔ فوراً إِنَّا لِلّٰهِ پڑھا کہ آج فجر کی نماز ہی فوت ہو گئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی بیدار ہوئے تو فرمایا:

«لَنُغِيظَنَّ الشَّيْطَانَ كَمَا أَغَاظَنَا»

''ہم بھی (نماز باجماعت ادا کر کے) شیطان کو ذلیل و خوار کریں گے جس طرح اس نے ہمیں (نماز سے مؤخر کر کے) پریشان کیا ہے۔''

پھر آپ نے برتن سے پانی لے کر وضو کیا۔ کچھ پانی باقی بچ گیا تو آپ نے سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا:

«يَا أَبَا قَتَادَةَ! اِحْتَفِظْ بِمَا فِي الْإِدَاوَةِ وَالرَّكْوَةِ فَإِنَّ لَهَا شَأْنًا»

''اے ابوقتادہ! برتن اور ڈونگے میں بچا ہوا پانی سنبھال لو، یقیناً اس برتن کے ساتھ خاص واقعہ پیش آئے گا۔''

پھر آپ نے سورج چڑھنے کے بعد ہمیں نماز فجر پڑھائی اور سورت مائدہ کی تلاوت کی۔ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا:

«أَمَا إِنَّهُمْ لَوْ أَطَاعُوا أَبَا بَكْرٍ وَّعُمَرَ لَرَشَدُوا»

''آگاہ رہو، بے شک اگر انھوں نے ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی اطاعت کی تو کامیاب ہو جائیں گے۔''

آپ کی یہ پیش گوئی بہت جلد پوری ہوگئی۔ ہم قافلے کے پاس پہنچے تو وہ ایک ایسی جگہ ٹھہرا ہوا تھا جہاں دور دور تک پانی نہیں تھا۔ سیدنا ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے انھیں پانی کے چشمے کے پاس پڑاؤ کرنے کا مشورہ دیا تھا مگر اہلِ قافلہ نے ایک صحرا میں پڑاؤ کرنا پسند کیا۔ قافلے کے پاس پانی ختم ہو چکا تھا اور اب پیاس کی وجہ سے مسافر جاں بلب تھے۔ اب انھیں احساس ہو رہا تھا کہ سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ہی کا مشورہ ٹھیک تھا۔ اگر ان کی بات مان لی جاتی تو اسلامی لشکر اس پریشانی سے بچ سکتا تھا۔ مگر اب پچھتانے کا کیا فائدہ۔ انسانوں کے ساتھ ساتھ جانور بھی ہلکان ہو رہے تھے۔ ہم سورج ڈھلتے وقت ان کے پاس پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی حالت زار دیکھی۔ آپ نے پانی والا برتن اور ڈونگا منگوایا۔ برتن سے پانی ڈونگے میں ڈالا، پھر اس میں اپنا مبارک ہاتھ ڈالا، برکت کی دعا کی جو اللہ تعالیٰ نے فوراً قبول فرمالی۔ آپ کی مبارک انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہوگئے۔ آپ نے مجاہدین کو حکم دیا کہ خود بھی پانی پیو اور اپنے جانوروں کو بھی پلاؤ۔ سب لوگوں نے خوب سیر ہو کر پانی پیا۔ جانوروں کو بھی پلایا اور مشکیزے بھی بھر لیے۔ محض ایک ننھے سے ڈونگے سے نکلنے والے پانی نے تیس ہزار مجاہدین، پندرہ ہزار اونٹوں اور دس ہزار گھوڑوں کو سیراب کر دیا۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: ''اس ڈونگے اور پانی کو سنبھال لو، اس کے ساتھ ایک خاص واقعہ پیش آنے والا ہے۔''[1]

علامہ واقدی فرماتے ہیں: اس کے بعد لشکر روانہ ہوا۔ جب اسلامی لشکر حجر اور تبوک کے درمیان پہنچا تو وہاں بھی

[1] المغازي للواقدي: 416/2.

سخت گرمی کی وجہ سے پانی بہت جلد ختم ہو گیا۔ لشکر کے پاس ایک قطرہ بھی نہ بچا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور پانی کی قلت کا حال بیان کیا۔ آپ نے سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کو پانی تلاش کرنے بھیجا۔ پھر آپ ﷺ نے چاروں طرف گھڑ سوار دوڑا دیے تاکہ پانی کے کسی چشمے کی خبر لائیں۔ سیدنا اسید رضی اللہ عنہ منہ پر کپڑا لپیٹے گھوڑے کو سرپٹ دوڑائے جا رہے تھے کہ انھیں ایک عورت پانی لے کر جاتی دکھائی دی۔ یہ قبیلہ بلی کی خاتون تھی۔ انھوں نے اسے رسول اللہ ﷺ اور اسلامی لشکر کی خبر دی اور بتایا کہ لوگ بہت پیاسے ہیں۔ اس نیک خاتون نے رسول اللہ ﷺ کا نام گرامی سنتے ہی پانی سیدنا اسید رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا۔ سیدنا اسید رضی اللہ عنہ وہ پانی لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے پانی کا برتن اپنے مبارک ہاتھوں میں لیا اور برکت کی دعا فرمائی۔ آپ نے اہل بادیہ سے ایک بڑا پیالہ منگوایا، اس میں اپنے ہاتھ اور چہرہ مبارک دھویا اور وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کی، پھر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر برکت کی دعا کی۔ معاً پانی اچھل اچھل کر پیالے سے باہر گرنے لگا۔ آپ نے اعلان کرا دیا کہ سب اپنے اپنے مشکیزے بھر لو۔ لہٰذا ہر مشکیزہ لبریز کر لیا گیا۔ پھر اونٹوں اور گھوڑوں کو بھی خوب پانی پلایا گیا۔ آپ کی دعا کی برکت سے پانی اس قدر بہتات سے نکل رہا تھا کہ سو سو دو دو سو افراد بیک وقت پانی سے سیراب ہونے لگے۔ تمام اہل لشکر، ان کے اونٹ اور گھوڑے اچھی طرح سیراب ہو گئے۔ سب نے اپنے اپنے مشکیزے بھی بھر لیے، پھر بھی پیالہ خالی نہیں ہوا۔ پیالے سے بدستور پانی اچھلتا رہا۔ اس وقت موسم بھی قدرے ٹھنڈا ہو گیا۔ بعد ازاں رسول اللہ ﷺ لشکر کو لے کر آگے بڑھ گئے۔

آپ نے جن مجاہدوں کو پانی تلاش کرنے کے لیے بھیجا تھا، وہ ایک ایک کر کے واپس آئے۔ سبھی مختلف اطراف میں پانی کی موجودگی کی خبر لائے۔ اتفاق سے یہ خوشخبری لانے والے تمام صحابہ اشقر گھوڑوں پر سوار تھے۔ اشقر سرخی مائل بھورے گھوڑے کو کہتے ہیں۔ اس موقع پر آپ نے اشقر گھوڑوں کو برکت کی دعا دی۔ آپ نے فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ! بَارِكْ فِي الشُّقْرِ»

''اے اللہ! اشقر گھوڑے میں برکت عطا فرما۔''[1]

منافقوں کی مذموم سازش

اسلامی لشکر کی کامیابی سے دشمنانِ اسلام دبک کر بیٹھ گئے جبکہ آستین کے سانپ یہ صدمہ برداشت نہ کر سکے۔ منافقین کا ابلیسی گروہ اسلامی لشکر کی روانگی کے وقت اپنی تمام تر سازشوں کے باوجود اہل ایمان کو ورغلانے میں

[1] المغازي للواقدي: 2/416، 417.

کامیاب نہ ہو سکا۔ یہ وہی گروہ تھا جو کبھی کہتا: ”رومیوں سے جنگ لڑنا بچوں کا کھیل نہیں ہے۔“ کبھی کہتا: ”کل ہم لوگ رومی فوج کی زنجیروں میں جکڑے پڑے ہوں گے۔“ ان تمام حرکتوں کے باوجود منافقین لشکر اسلامی کے سیلِ رواں کو نہ روک سکے اور پھر کچھ روسیاہ اسلامی لشکر میں شامل ہو گئے تاکہ اپنے ناپاک ایجنڈے کو جاری رکھ سکیں۔ تبوک میں اسلامی لشکر کو ملنے والی عزت و فتح انھیں ہضم نہ ہو سکی۔ عیسائی حکمرانوں نے آسانی سے صلح کر لی اور مسلمانوں کو جزیہ دے کر ان کے تابع ہو گئے۔ مخلص مسلمانوں کی ان کامیابیوں سے منافقین کے سارے خواب چکنا چور ہو گئے۔ چنانچہ اب انھوں نے اپنے سینوں کی آگ ٹھنڈی کرنے کے لیے سب سے زیادہ ناپاک اور خطرناک پلان بنا لیا۔ ایک ایسا پلان جس سے نہ صرف انھیں بلکہ مدینہ منورہ میں پیچھے رہ جانے والے ان کے رؤساء کی خبیث روحوں کو بھی تسکین مل سکتی تھی۔

بدبخت منافقوں نے طے کیا کہ واپسی پر جب آپ ﷺ تنگ پہاڑی کی گھاٹی پر پہنچیں تو رات کے اندھیرے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آپ کی اونٹنی کو خوفزدہ کیا جائے، کجاوے کی رسیاں کاٹ دی جائیں، پھر اسے پہاڑی ڈھلان سے دھکیل دیا جائے۔ اس طرح نعوذ باللہ آپ ﷺ کی شمعِ زندگی گل کرنے کی سازش کامیاب ہو جائے گی اور ان بدبختوں کو سکون مل جائے گا۔ بظاہر منصوبہ اس لحاظ سے بڑا کامیاب تھا کہ رات کا اندھیرا ہوگا اور ہزاروں کے لشکر میں یہ خطرناک کھیل کھیلنے والے بآسانی چھپ کر نکل بھاگیں گے۔ پہاڑی ڈھلان سے لڑھکنے کے بعد سواری اور سوار دونوں کے بچنے کی کوئی امید نہ تھی۔ قتل کی یہ گھناؤنی سازش ایک عام حادثہ معلوم ہوتی اور مجرم کسی بھی تادیبی کارروائی سے صاف بچ نکلتے۔ لیکن اللہ کے فضل سے یہ سازش بری طرح ناکام ہوئی اور مجرم رسوا ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی نصرت وحمایت حاصل تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو بروقت خبردار کر دیا اور آپ ﷺ کو منافقین کی سازش کی تفصیلات معلوم ہو گئیں، لہٰذا آپ نے بڑی خوبصورتی سے دفاعی چال چلی۔ اس طرح آپ اللہ کے فضل و کرم سے محفوظ رہے اور منافقین اپنے ہی غیظ و غضب کی آگ میں بھسم ہو گئے۔

ہوا یہ کہ جب اسلامی لشکر چلتے چلتے مخصوص پہاڑی کی گھاٹی کے قریب پہنچا تو رسول اللہ ﷺ نے لشکر کو حکم دیا کہ وادی کے اندر سے چلو، یہ آسان راستہ ہے اور لشکر کی تعداد کے لحاظ سے بھی موزوں ہے۔ پھر خود رسول اللہ ﷺ گھاٹی کی طرف تشریف لے گئے۔ آپ نے اپنے ساتھ صرف تین صحابہ کرام سیدنا عمار بن یاسر، سیدنا حذیفہ بن یمان اور سیدنا حمزہ بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہم کو لیا اور سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ تم پیچھے رہو، پھر سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے آپ کی سواری کی لگام تھام لی۔ اس طرح سفر جاری رہا۔ ادھر منافقین نے اپنے پلان کو حتمی شکل دی۔ ان کی تعداد تیرہ تھی یا پندرہ۔ بعض اہل مغازی نے یہ تعداد بارہ تحریر کی ہے۔ اپنی سازش کے مطابق انھوں نے طے کر رکھا

تھا کہ جب رات کے اندھیرے میں آپ پہاڑی کی گھاٹی پر پہنچ جائیں تو یہ لوگ بغیر تیر، تلوار یا نیزہ استعمال کیے آپ کی سواری کو نیچے دھکیل دیں گے۔ اس دوران یہ اپنے چہروں پر نقاب ڈالے رکھیں گے تاکہ ان کی شناخت نہ ہو سکے۔ چنانچہ یہ لوگ رات کے اندھیرے میں آپ کے پیچھے پیچھے آ گئے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کی سازش سے آگاہ کر دیا تھا، اس لیے آپ بھی محتاط تھے۔ آپ نے سارے لشکر کو وادی کی نشیبی زمین پر سفر کرنے کا حکم دیا تھا۔ اب آپ ﷺ گھاٹی پر پہنچے تو آپ نے اپنے پیچھے آنے والوں کی آہٹ سنی۔ آپ نے منافقین کے ٹولے کو دیکھا تو سخت ناراض ہوئے۔ آپ کے چہرۂ مبارک پر غصے کے آثار نمایاں ہو گئے۔ آپ ﷺ نے سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ ان منافقوں کو بھگا دو۔ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فوراً ارشاد کی تعمیل کی۔ لاٹھی لے کر ان کی سواریوں پر پل پڑے اور انھیں مار بھگایا۔ جب انھیں احساس ہوا کہ ان کا سازشی بھید کھل گیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر ہو گئی ہے تو وہ بھی سرپٹ بھاگے اور بہت جلد لشکر میں گھس گئے۔ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ واپس آئے اور آپ ﷺ کی سواری کو لے کر گھاٹی سے اتر گئے۔

سیدنا حمزہ بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس دوران آپ کی سواری سے کچھ سامان گر گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے میری انگلیوں میں روشنی پیدا کر دی اور ہم نے رات کے اندھیرے میں اس روشنی سے فائدہ اٹھا کر گرنے والی اشیاء جمع کیں اور انھیں لے کر گھاٹی سے اتر آئے۔

گھاٹی سے نیچے اتر کر آپ نے سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''کیا تم نے حملہ آوروں کو پہچانا؟'' انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! رات کا اندھیرا چھایا ہوا تھا، انھوں نے اپنے منہ بھی چھپا رکھے تھے لیکن میں فلاں فلاں شخص کی اونٹنی کو پہچان گیا ہوں۔ آپ ﷺ نے پوچھا:

«هَلْ عَلِمْتُمْ مَا كَانَ شَأْنُ الرَّكْبِ وَمَا أَرَادُوا؟»

''کیا تم کو معلوم ہے کہ یہ لوگ ہمارے پیچھے کیوں آئے؟ اور ان کا ارادہ کیا تھا؟''

صحابہ کرام نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہمیں ان کے ارادے کا علم نہیں ہے۔ آپ ہی آگاہ فرمائیں کہ وہ کیوں آپ کا تعاقب کر رہے تھے؟ آپ نے فرمایا:

«فَإِنَّهُمْ مَكَرُوا لِيَسِيرُوا مَعِي حَتَّى إِذَا اطَّلَعْتُ فِي الْعَقَبَةِ طَرَحُونِي مِنْهَا»

''انھوں نے یہ سازش کی تھی کہ وہ میرے ساتھ ساتھ چلیں گے حتی کہ جب میں گھاٹی پر پہنچ جاؤں تو مجھے نیچے گرا دیں۔''

صحابہ کرام نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ حکم دیں تاکہ ہم ان کی گردنیں اڑا دیں۔ لیکن آپ نے سیاسی تدبر و دانش پر مبنی فیصلہ فرمایا۔ آپ نے صحابہ کرام کو منع کرتے ہوئے فرمایا:

«أَكْرَهُ أَنْ يَتَحَدَّثَ النَّاسُ وَيَقُولُوا إِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ وَضَعَ يَدَهُ فِي أَصْحَابِهِ»

''میں یہ بات پسند نہیں کرتا کہ لوگ یہ کہنے لگیں: محمد (ﷺ) نے اپنے ساتھیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا ہے۔''

آپ نے سیدنا عمار اور حذیفہ رضی اللہ عنہما کو ان منافقین کے نام بتائے اور انھیں حکم دیا کہ یہ راز کسی کو نہ بتانا۔ [1]

اسی سے ملتا جلتا واقعہ مسند احمد میں بھی موجود ہے۔ [2]

اس بارے میں صحیح مسلم میں کچھ مزید وضاحت بھی آئی ہے:

سیدنا ابو طفیل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (سفر تبوک میں) گھاٹی کی سازش میں شریک ایک شخص کے ساتھ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کی چپقلش ہو گئی۔ اس نے سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے کہا: میں تمھیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، بتاؤ گھاٹی والے (سازشی) کتنے تھے؟ (سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نبوی راز فاش نہیں کرنا چاہتے تھے، اس لیے خاموش رہے) لوگوں نے کہنا شروع کر دیا: یہ شخص اتنے اصرار سے پوچھ رہا ہے تو آپ بتا ہی دیجیے۔ سیدنا حذیفہ نے فرمایا: ہمیں بتایا گیا تھا کہ وہ چودہ افراد تھے اور اگر تم بھی ان میں شامل تھے تو ان کی تعداد پندرہ ہے۔ اور میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ ان میں سے بارہ دنیا اور آخرت میں اللہ اور اس کے رسول کے خلاف جنگ کر رہے ہیں۔ آپ نے تین لوگوں کا عذر قبول فرما لیا تھا۔ ان کا عذر یہ تھا کہ وہ آپ کے پیچھے گھاٹی پر اس لیے چلے گئے کہ انھوں نے آپ کے منادی کی آواز نہیں سنی۔ آپ نے سارے لشکر کو وادی کے اندر سے جانے کا جو حکم دیا تھا، وہ انھیں معلوم نہیں ہو سکا تھا۔ اور انھیں ان سازشیوں کے ارادے کا بالکل علم نہیں تھا۔ اس پر آپ نے ان کا عذر قبول فرما کر ان سے درگزر کیا۔ [3]

صحیح مسلم کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری امت (میرے صحابہ) کے ساتھ بارہ

1 المغازي للواقدي: 2/417-419. 2 دیکھیے: مسند أحمد: 5/453. 3 دیکھیے: صحیح مسلم: 2779 (11).

تبوک کے ستون نما پہاڑ



افراد منافق ہیں جو کبھی جنت میں داخل نہ ہوں گے حتی کہ اونٹ سوئی کے سوراخ میں سے گزر جائے۔ ان میں سے آٹھ کو جہنم کا چراغ کافی ہوگا جو ان کی رگِ قلب کو بھسم کر دے گا۔" [1]

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصوصی راز دان تھے اور "صاحب السر" کے لقب سے مشہور تھے۔ [2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں منافقین اور سازشیوں کے نام بتائے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا ایمان اور تقویٰ کسی بھی شک و شبہ سے بالاتر ہے لیکن ایک روز انھوں نے بھی سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کو اللہ کی قسم دے کر پوچھا: کیا میرا نام ان منافقوں میں شامل ہے؟ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: نہیں لیکن آپ کے بعد میں کبھی کسی کو یہ گارنٹی نہیں دوں گا۔ انھوں نے یہ بات اس لیے کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راز افشا نہ ہو۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے دور خلافت میں اس بات کا بڑا اہتمام کرتے تھے کہ اگر کسی جنازے میں سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ شریک ہوتے تو اس کی نماز جنازہ پڑھ لیتے اور اگر سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ اس جنازے میں شریک نہ ہوتے تو وہ بھی جنازہ نہ پڑھتے۔ [3]

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے علامہ ابن اسحاق سے ایک تفصیلی روایت ذکر کی ہے جس میں سازشی منافقین کے نام تفصیل سے مذکور ہیں۔ آیئے وہ روایت ملاحظہ فرمائیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے مجھے ان منافقین کے نام بتا دیے ہیں اور ان کے باپوں کے نام بھی بتا دیے ہیں۔ میں کل صبح تمھیں ان کے بارے میں بتاؤں گا۔ جب صبح ہو تو تم لوگوں کو جمع کرنا۔" صبح ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "عبداللہ بن ابی کو بلاؤ اور سعد بن ابی سرح، ابو خاطر اعرابی، عامر، ابو عامر اور جلاس بن سوید بن صامت کو بھی بلا لاؤ۔" جلاس بن سوید وہی بدنصیب ہے جس نے یہ کہا تھا: "آج رات ہم محمد کو گھاٹی سے نیچے گرا کر ہی دم لیں گے۔ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کے ساتھی ہم سے بہتر ہیں تو پھر ہم تو بھیڑ بکریاں ٹھہرے اور وہ ہمارے چرواہے۔ ہم عقل و دانش سے پیدل اور وہ عقل کل ہوئے۔"

آپ نے مجمع بن حارثہ اور ملیح تیمی کو بھی بلانے کا حکم دیا۔ ملیح وہ چور ہے جس نے کعبہ کے عطر چُرا لیے تھے۔ وہ بعد میں دین اسلام سے مرتد ہو کر فرار ہو گیا تھا۔ پھر اس کا کچھ پتہ نہیں چل سکا کہ وہ کدھر گیا۔ آپ نے حصن بن نمیر کو بلانے کا حکم دیا۔ یہ وہی شخص ہے جس نے صدقے کی کھجوریں چرائی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہا: "تمھاری بربادی ہو! تم نے کھجوریں کیوں چرائیں؟" اس نے جواب دیا: مجھے یہ جرأت اس لیے ہوئی کہ میرا خیال

[1] صحیح مسلم: 2779. [2] صحیح البخاري: 3743. [3] السنن الکبریٰ للبیهقي: 17297.

تھا، اللہ تعالیٰ آپ کو میرے کرتوت سے آگاہ نہیں کرے گا اور میرا یہ جرم چھپا رہے گا۔ اب جبکہ آپ کو پتہ چل ہی گیا ہے تو میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ میں آج تک دل سے مسلمان ہی نہیں ہوا تھا۔ آج میں صدق دل سے اسلام قبول کرتا ہوں۔ اس کے اس اقرار واعلان کے بعد آپ نے اس کی غلطی معاف کر دی۔

آپ نے طعیمہ بن ابیرق اور عبداللہ بن عیینہ کو بھی بلانے کا حکم دیا۔ عبداللہ بن عیینہ وہی شخص ہے جس نے اپنے سازشی گروہ سے کہا تھا: آج رات جاگ لو، پھر زندگی بھر سکھ پاؤ گے۔ اللہ کی قسم! اس شخص (محمد ﷺ) کو قتل کیے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں۔ آپ نے اسے بلایا اور فرمایا:

«وَيْحَكَ! مَا كَانَ يَنْفَعُكَ مِنْ قَتْلِي لَوْ أَنِّي قُتِلْتُ؟»

''تمھاری بربادی ہو! اگر تم مجھے قتل کرنے میں کامیاب ہو جاتے تو تمھیں کیا فائدہ ہوتا؟''

رنگے ہاتھوں پکڑے جانے کی ذلت اور خوف کے باعث عبداللہ بن عیینہ پر سکتہ طاری ہو گیا۔ بالآخر کہنے لگا: ''اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول! جب سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو آپ کے دشمنوں پر فتح یاب کیا ہے، ہم اس وقت سے خیر و برکت میں کھیل رہے ہیں۔ بلاشبہ ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق، اس کی رحمتوں اور آپ کی مدد و حمایت ہی کے سہارے جی رہے ہیں۔'' رسول اللہ ﷺ نے اسے بھی چھوڑ دیا۔

آپ نے مرہ بن ربیع کو بلانے کا حکم دیا۔ یہ وہ بدکردار ہے جس نے یہ مذموم الفاظ کہے تھے: ''ہم ایک شخص (محمد ﷺ) کو قتل کر کے سب لوگوں کو اطمینان وسکون فراہم کریں گے۔'' آپ ﷺ نے اسے بلا کر فرمایا:

«وَيْحَكَ مَا حَمَلَكَ عَلٰى أَنْ تَقُولَ الَّذِي قُلْتَ؟»

''تمھارا ستیاناس! تم نے جو ہذیانی بات کی، اس کی وجہ کیا تھی؟''

وہ کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! اگر میں نے کچھ کہا ہوتا تو وہ آپ جان چکے ہوتے۔ میں نے ایسی کوئی بات نہیں کہی۔ اس کے صریح جھوٹ کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے اس سے بھی درگزر سے کام لیا۔ اس طرح آپ نے ان بارہ افراد کو بلا کر سب کے سامنے لا کھڑا کیا اور بتایا کہ ان لوگوں نے کس طرح خفیہ سازش کی کہ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کو پہاڑی سے بھگا کر گرا دیا جائے اور آپ ﷺ کا خاتمہ کیا جائے۔ آپ نے ان کی ساری خفیہ اور عیاں باتیں بتا دیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو ساری معلومات دے دی تھیں۔ یہ بارہ منافقین اسی طرح حالتِ نفاق میں اللہ اور اس کے رسول کے خلاف جنگ کرتے کرتے دنیا سے چل بسے۔ اللہ تعالیٰ نے انھی بدنصیبوں کے بارے میں فرمایا:

﴿ وَهَمُّوا بِمَا لَمْ يَنَالُوا ﴾ (التوبۃ9:74)

''اور انھوں نے وہ کچھ کرنے کا ارادہ کیا جو وہ نہ کر سکے۔''

ان سب کا قائد ابوعامر تھا۔ اسی کے لیے انھوں نے مسجد ضرار بنائی تھی۔ اسے لوگ ''راہب'' کے نام سے پکارتے تھے۔ اس کی بری حرکتوں کی وجہ سے آپ نے اسے ''فاسق'' کا لقب دیا۔ مسجد ضرار بنانے کے بعد انھوں نے اسے دعوت دی۔ وہ آگیا اور اپنے دیگر ساتھیوں کے ساتھ ذلیل وخوار ہوگیا۔

ابن قیم رحمہ اللہ کا تجزیہ

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: علامہ ابن اسحاق کی اس روایت میں درج ذیل باتیں قابل غور ہیں:

1 رسول اللہ ﷺ نے منافقین کے نام صرف سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کو بتائے تھے۔ ان کے علاوہ کسی کو منافقوں کے نام معلوم نہیں تھے۔ اسی لیے انھیں رسول اللہ ﷺ کا ''صاحب السر'' ''خصوصی راز دان'' ہونے کا لقب دیا گیا تھا۔ ان کے سوا کسی کو ان ناموں کا علم نہ تھا۔ اسی لیے جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو کسی فوت ہونے والے شخص کے بارے میں شک ہوتا تو وہ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کو دیکھتے تھے، اگر وہ جنازہ پڑھ لیتے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی پڑھ لیتے ورنہ اس کا جنازہ نہیں پڑھتے تھے۔

لیکن اس روایت میں جو یہ کہا گیا ہے کہ آپ نے منافقوں کو مجمع عام میں بلا کر ڈانٹ ڈپٹ کی، سب کو ان کے نام لے لے کر بلایا، یہ بات محل نظر ہے۔

2 اس روایت میں عبداللہ بن ابی کا نام سرفہرست ہے، حالانکہ ابن اسحاق ہی کی روایت میں ہے کہ وہ غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ گیا تھا۔ اس نے شرکت ہی نہیں کی۔

3 اس روایت میں سعد بن ابی سرح کا ذکر بھی وہم ہے۔ یہ صریح غلطی ہے۔ سعد بن ابی السرح مسلمان ہی نہیں ہوا۔ البتہ اس کا بیٹا عبداللہ مسلمان ہوا اور اس نے ہجرت بھی کی۔ پھر وہ مرتد ہو کر مکہ مکرمہ میں چھپ گیا۔ فتح مکہ والے دن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کے لیے رسول اللہ ﷺ سے پناہ حاصل کی۔ اس کے بعد وہ پکا مسلمان بن گیا۔ پھر اس کی طرف سے کبھی کوئی قابل اعتراض حرکت سامنے نہیں آئی۔ وہ مذکورہ بارہ منافقوں کے ہمراہ قطعاً نہیں تھا۔ لہٰذا سعد بن ابی سرح کا نام اس فہرست میں ہونا قطعاً غلط ہے۔ لیکن مجھے معلوم نہیں کہ یہ غلطی کس سے ہوئی۔

4 ''ابوعامر ان کا قائد تھا۔'' یہ بھی صریح غلطی ہے۔ کیونکہ ابن اسحاق ہی نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

جب مدینہ منورہ ہجرت کی تو ابوعامر لگ بھگ بیس آدمی لے کر مکہ چلا گیا تھا۔ جب مکہ مکرمہ فتح ہو گیا تو وہ طائف چلا گیا۔ جب طائف فتح ہوا تو وہ شام بھاگ گیا۔ پھر شام ہی میں غریب الوطنی کی حالت میں مر گیا۔ لہٰذا اسے ''فاسق'' کا لقب ملنا اور اس کا تبوک کا سفر کرنا محال ہے۔[1] واللہ اعلم.

سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کا ایمان افروز سوال

صبح ہوئی تو سیدنا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ خدمت نبوی میں حاضر ہوئے۔ عرض کیا: اے اللہ کے رسول! رات کو آپ وادی کے اندر سے کیوں نہیں گزرے؟ گھاٹی سے گزرنے کی نسبت وادی میں چلنا بہت آسان تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے ابو یحییٰ! کیا تمھیں معلوم ہے گزشتہ رات منافقوں نے کیا منصوبہ بنایا تھا؟ انھوں نے یہ سازش کی تھی کہ وہ رات کو میرا پیچھا کرتے ہوئے گھاٹی پر آئیں گے اور میری اونٹنی کے پالان کی رسیاں کاٹ کر مجھے اونٹنی سمیت گھاٹی سے گرا دیں گے۔'' سیدنا اسید رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اس وقت وادی میں سب لوگ پڑاؤ کر چکے ہیں۔ آپ حکم دیں کہ ہر قبیلہ اپنے اپنے مجرم کا سر کاٹ کر پیش کرے۔ اس طرح ہر منافق کو اس کا اپنا قبیلہ قتل کرے۔ اور اگر آپ پسند فرمائیں تو مجھے اجازت دیں۔ اللہ کی قسم! میں ان سب کے سر کاٹ کر پیش کرتا ہوں۔ اگر وہ خزرج قبیلے کے لوگ ہوئے تو میرے بھائی ان کے سر قلم کر کے لے آئیں گے۔ اے اللہ کے رسول! ایسے لوگوں کو زندہ نہیں چھوڑنا چاہیے۔ آخر ہم کب تک ان سے چشم پوشی کرتے رہیں گے۔ اے اللہ کے رسول! اب یہ سازشی عناصر بہت تھوڑی تعداد میں ہیں جبکہ اسلام کا نور ہر طرف پھیل چکا ہے۔ پھر ان کی سرکوبی میں اتنی تاخیر کیوں کی جا رہی ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے اپنے فدائی کے ایمان افروز جذبات سنے اور ان کی قدر دانی کرتے ہوئے فرمایا: ''مجھے یہ بات پسند نہیں کہ لوگ یہ کہنے لگیں: جب محمد (ﷺ) کی کافروں اور مشرکوں سے جنگ ختم ہو گئی تو اب انھوں نے اپنے صحابہ کو قتل کرنا شروع کر دیا ہے۔'' سیدنا اسید رضی اللہ عنہ تڑپ اٹھے اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہ سازشی عناصر آپ کے صحابہ نہیں ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

«أَلَيْسَ يُظْهِرُونَ شَهَادَةَ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ؟»

''کیا وہ اس گواہی کا اظہار نہیں کرتے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے؟''

سیدنا اسید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: کیوں نہیں، وہ یہ گواہی دیتے ہیں مگر ان کی گواہی کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا:

«أَلَيْسَ يُظْهِرُونَ أَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ؟»

[1] زاد المعاد: 3/545-549، موسوعة الغزوات الكبرٰى: 2/1843-1849.

’’کیا وہ یہ گواہی نہیں دیتے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟‘‘

سیدنا اسید رضی اللہ عنہ نے پھر عرض کیا: وہ یہ گواہی تو دیتے ہیں مگر ان کی اس گواہی کا کیا بھروسا ہے؟ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«فَقَدْ نُهِيتُ عَنْ قَتْلِ أُولٰئِكَ»

’’مجھے ان لوگوں کو قتل کرنے سے منع کیا گیا ہے۔‘‘[1]

مسجد ضرار بھسم کر دی گئی

منافقین کی جماعت امت اسلامیہ کے جسم میں سرطان کی طرح سرایت کر گئی۔ مدینہ منورہ کے منافقوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں کے جال بچھانے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔ وہ ہر آن مسلمانوں کو اذیت پہنچانے کی دھن میں لگے رہتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ظاہری اسلام کی وجہ سے درگزر فرماتے تھے۔ یہ نام نہاد مسلمان بظاہر پانچ وقت کی نماز باجماعت بھی ادا کرتے تھے، روزے بھی رکھتے تھے اور جہاد کے لیے بھی نکل کھڑے ہوتے تھے۔ لیکن اندرونی طور پر ان کی ساری ہمدردیاں اور کوششیں کفار کے فائدے کے لیے ہوتی تھیں۔ مسلمانوں کا نقصان اور انھیں پہنچنے والا رنج و غم ان بدبختوں کے لیے خوشیوں کا پیغام لاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اسی دوغلے پن کی ان الفاظ میں مذمت فرمائی ہے:

﴿وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيَاطِينِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُونَ ۝ اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ فَمَا رَبِحَتْ تِجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ۝ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَا يُبْصِرُونَ ۝ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ۝ أَوْ كَصَيِّبٍ مِنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ يَجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ مِنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۚ وَاللَّهُ مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ ۝ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ ۖ كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُمْ مَشَوْا فِيهِ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝﴾

’’اور جب وہ ان سے ملتے ہیں جو ایمان لا چکے تو کہتے ہیں: ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب وہ اپنے شیطانوں کے پاس تنہا ہوتے ہیں تو کہتے ہیں: یقیناً ہم تمھارے ساتھ ہیں (ان لوگوں سے تو) ہم صرف

[1] المغازي للواقدي: 2/418,419، موسوعة الغزوات الكبرٰى: 2/1850.

مذاق کرتے ہیں۔ اللہ ان سے مذاق کرتا ہے اور انھیں ان کی سرکشی میں ڈھیل دے رہا ہے، وہ (اس میں) بھٹکتے پھرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خرید لی، تو ان کی تجارت نے انھیں کوئی نفع نہ دیا اور وہ ہدایت یافتہ نہ ہوئے۔ ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی، پھر جب اس (آگ) نے اس کے اردگرد (کی فضا) کو روشن کر دیا تو اللہ ان کی روشنی لے گیا اور انھیں اندھیروں میں چھوڑ دیا، وہ دیکھ نہیں پاتے۔ (وہ) بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں، لہٰذا وہ (سیدھے راستے کی طرف) نہیں لوٹیں گے۔ یا (ان کی مثال) زوردار بارش کی سی ہے جو آسمان سے (برستی) ہے، اس میں اندھیرے، گرج اور بجلی ہوتی ہے، وہ بجلی کی کڑک سن کر موت کے ڈر سے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیتے ہیں۔ اور اللہ کافروں کو گھیرنے والا ہے۔ قریب ہے کہ بجلی ان کی آنکھیں اُچک لے جائے۔ جب بھی بجلی ان پر چمکتی ہے تو وہ اس (کی روشنی) میں چلنے لگتے ہیں اور جب ان پر اندھیرا چھاتا ہے تو ٹھہر جاتے ہیں۔ اور اگر اللہ چاہے تو ان کے کان اور ان کی آنکھیں لے جائے، یقیناً اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔‘‘[1]

منافقین نہایت ذہین وفطین، مالدار اور صاحب حیثیت لوگ تھے مگر انھوں نے اللہ تعالیٰ کی ان تمام نعمتوں کو اسلام اور مسلمانوں کے فائدے کے بجائے انھیں نقصان پہنچانے کے لیے صرف کیا۔ مال خرچ کرنے کی باری آتی تو یہ لوگ بڑی مہارت سے جھوٹے وعدے کر کے کنی کترا جاتے۔ جہاد کا اعلان ہوتا تو جان بچانے کے لیے ہزاروں بہانے تراشتے۔ نماز کے لیے آتے ضرور تھے مگر ایسے جیسے موت کی طرف ہانکے جا رہے ہوں۔ گویا ان کی ساری جدوجہد فساد ہی کے لیے تھی۔ اصلاح کرنا اور نفع پہنچانا ان کے مقدر میں نہ تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ ۝ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَٰكِن لَّا يَشْعُرُونَ ۝﴾

’’اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ کرو تو وہ کہتے ہیں: ہم تو صرف اصلاح کرنے والے ہیں۔ سن لو! بے شک وہی فساد کرنے والے ہیں لیکن وہ شعور نہیں رکھتے۔‘‘[2]

مسلمانوں کی فتح ان پر بجلی بن کر گرتی اور ان کی خوشیاں غارت ہو جاتیں۔ مسلمانوں کی معمولی سی شکست بھی ان کے لیے مسرت وشادمانی کا پیغام لاتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ ان کی نازیبا حرکتوں کو دیکھتے اور صبر کرتے، ان سے درگزر فرماتے۔ آپ کی دائمی رحمت وشفقت کے باعث انھیں اور حوصلہ ملتا اور یہ مسلمانوں کے خلاف محاذ گرم رکھتے۔ مسجد نبوی میں پانچ وقت کی حاضری ان پر بڑی گراں گزرتی تھی۔ یہ لوگ اپنے ہم مذہب لوگوں سے ملاقات کرنے

[1] البقرۃ 2:14-20. [2] البقرۃ 2:11,12.

اور نت نئی سازشوں کے جال بننے کے لیے ہر وقت بے تاب رہتے تھے۔ مسجد نبوی میں انھیں یکجائی کا موقع تو مل جاتا تھا لیکن جب یہ آپس میں کانا پھوسی کرتے تھے تو مخلص مسلمان انھیں شک کی نگاہ سے دیکھتے اور ان کی حرکات پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتے تھے۔ اس طرح انھیں اپنے غیر محفوظ ہونے کا احساس ہوتا اور یہ خطرہ لاحق ہو جاتا کہ کہیں ان کی سازشی باتیں مخلص مسلمانوں کو معلوم نہ ہو جائیں۔ اس وجہ سے انھیں اپنی مذموم کارروائیوں کے لیے ایک محفوظ ٹھکانا درکار تھا جہاں وہ بے دھڑک ہو کر سازشی منصوبے بنا سکیں اور رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کی نظروں سے پوشیدہ رہ سکیں۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے اپنے قائد ابو عامر کے حکم پر قبا میں ایک نئی مسجد تعمیر کرنے کا پروگرام بنایا۔

ابو عامر ''راہب'' کے نام سے مشہور تھا۔ یہ قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے مدینہ طیبہ آنے سے پہلے وہ عیسائی ہوگیا۔ اس نے اہل کتاب سے خوب علم حاصل کیا، خوب عبادت و ریاضت کی۔ اسی وجہ سے خزرج والے اسے بڑا معزز آدمی سمجھتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ اہل مدینہ کی توجہ کا مرکز بن گئے۔ اسلام روز بروز مضبوط ہونے لگا اور عیسائی مذہب دم توڑنے لگا۔ جنگ بدر میں شاندار کامیابی سے اسلام اہل مدینہ کا محبوب مذہب بن گیا اور سارے عرب میں اسلام اور رسول اللہ ﷺ کا چرچا ہوگیا۔ یہ حالات دیکھ کر ابو عامر سخت پریشان ہوا اور حسد کی آگ میں جلنے لگا۔ اس کا مذہب اور معاشرتی مقام و مرتبہ سب کچھ خاک میں مل رہا تھا، اس لیے یہ دشمنی پر اتر آیا اور مسلمانوں کے خلاف اعلان بغاوت کر کے مکہ مکرمہ بھاگ گیا۔ وہاں اس نے قریش مکہ سے رابطے بڑھائے اور انھیں رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ کرنے پر اکسانے لگا۔ اس کی کوششیں بار آور ثابت ہوئیں اور قریش مکہ اپنے حلیف اور ہمنوا قبائل کو ساتھ ملا کر جنگ احد میں صف آرا ہو گئے۔

اسی فاسق نے میدان احد کے درمیان گڑھے کھدوا دیے تھے جن میں سے ایک گڑھے میں رسول اللہ ﷺ گر کر شدید زخمی ہوئے۔ آپ کے دندان مبارک شہید ہوگئے اور آپ کے سر مبارک پر بھی چوٹ لگی۔

ابو عامر مبارزت کے لیے نکلا۔ اس نے اپنی قوم کو اپنی حمایت اور مدد کے لیے پکارا۔ مگر قوم نے اس بدکردار کو ٹکا سا جواب دے دیا اور کہا: اے اللہ کے دشمن! اللہ تمھیں غارت کرے، تم ہمیں کس منہ سے اپنی موافقت کے لیے پکار رہے ہو؟! اس پر یہ فاسق مایوس ہو کر واپس چلا گیا اور کہنے لگا: میرے جانے کے بعد میری قوم گمراہ ہوگئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے اسلام کی دعوت دی اور قرآن پڑھ کر سنایا مگر یہ سرکش ہوگیا اور اسلام دشمنی میں اور زیادہ پکا ہوگیا۔ مدینہ منورہ میں موجود منافقوں کے ساتھ مل کر اسلام دشمن کارروائیاں کرنے لگا۔ مدینہ منورہ کے منافق اس کی غیر موجودگی میں اس کے منصوبوں کو عملی شکل دیتے تھے۔ یہ مدینہ منورہ سے دور رہتے ہوئے بھی منافقوں کا

فعال سرغنہ تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اسے بد دعا دی کہ یہ اپنے وطن سے دور تنہائی کی موت مرے۔ اس نے مسجد نبوی کی توہین کرتے ہوئے اپنے خبیث گروہ کو مخاطب کر کے کہا: ''میں تمھارے باڑے میں داخل نہیں ہوسکتا۔''

وہ اپنے ہمنوا سازشیوں کو کہنے لگا کہ تم مسجد تعمیر کرو اور اسے اپنا عسکری اڈا بنا کر جنگی تیاری کرو، میں قیصر روم سے مل کر ایک لشکر جرار لے کر آتا ہوں، تا کہ محمد اور اس کے ساتھیوں کو مدینہ سے نکالا جاسکے۔ یہ حکم دے کر وہ خود شام روانہ ہوگیا۔ چنانچہ اس کے حکم پر قبا میں مسجد کی تعمیر شروع ہوگئی۔ ایک روایت میں ہے کہ جب جنگ احد والے دن ابوعامر نے دیکھا کہ مسلمان دن بدن مضبوط ہورہے ہیں اور علانیہ کفار کو للکارنے لگے ہیں تو وہ یہ منظر برداشت نہ کرسکا اور فوراً شام روانہ ہوگیا۔ ہرقل سے ملا، اس سے مدد کی درخواست کی تا کہ مسلمانوں کے خلاف فیصلہ کن جنگ لڑی جاسکے۔ ہرقل نے اسے اپنے پاس ٹھہرایا اور وعدہ کیا کہ تمھاری مدد کی جائے گی۔ اس دوران میں ابوعامر نے اپنے ہم مذہب بدکردار سازشی لوگوں کو خوشخبری سنائی کہ میں عنقریب بہت بڑا لشکر لے کر مدینہ منورہ پر یلغار کروں گا۔ لہٰذا تم میرے لیے ایک خصوصی ٹھکانا تعمیر کرو۔ بس اسی مقصد کے پیش نظر منافقوں نے قبا میں ایک مسجد بنائی۔ اِدھر رسول اللہ ﷺ تبوک جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ جب یہ مسجد مکمل ہوگئی تو یہ سازشی ٹولہ رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! ہم نے کمزوروں اور ضرورت مند افراد کے لیے مسجد بنائی ہے تا کہ سرد راتوں اور بارشوں کے دوران یہ حضرات اس میں نماز پڑھ سکیں۔ ہماری خواہش ہے کہ آپ اس میں نماز پڑھا کر اس کا افتتاح فرما دیں۔ رسول اللہ ﷺ ابھی ان کے ارادوں سے بے خبر تھے۔ آپ ﷺ نے اپنی روایتی خوش اخلاقی سے جواب دیا کہ ابھی ہم سفر کی تیاری میں مصروف ہیں۔ ان شاء اللہ سفر سے واپسی پر ہم تمھاری مسجد میں نماز پڑھیں گے۔ پھر آپ ﷺ تبوک چلے گئے۔

تبوک سے واپسی پر آپ مدینہ منورہ کے نواح میں ذو اوان نامی جگہ پر رکے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے قرآنی آیات نازل فرما کر آپ کو اس مسجد کی حقیقت سے آگاہ فرمایا اور اس مسجد میں نماز ادا کرنے سے روک دیا۔ ارشاد ہوا:

﴿ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ۭ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ۭ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ۭ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَي التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ۭ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۝ اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰي تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰي شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ ﴾

''اور وہ لوگ جنھوں نے ایک مسجد بنائی تاکہ (مسلمانوں کو) نقصان پہنچائیں اور کفر پھیلائیں اور مومنوں کے درمیان تفرقہ ڈالیں اور اس شخص کے لیے گھات لگانے کی جگہ بنائیں جو اس سے پہلے اللہ اور اس کے رسول سے لڑ چکا ہے۔ اور یقیناً وہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ ہمارا ارادہ تو نیک ہی تھا۔ اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بے شک وہ سراسر جھوٹے ہیں۔ (اے نبی!) آپ اس مسجد (ضرار) میں کبھی کھڑے نہ ہوں، البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد اول روز ہی سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے، اس کی زیادہ حق دار ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں۔ اس میں ایسے لوگ ہیں جو (اس بات کو) پسند کرتے ہیں کہ وہ بہت پاک صاف رہیں اور اللہ بہت پاک صاف رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ کیا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ کے تقوی اور (اس کی) رضا پر رکھی، (وہ) بہتر ہے یا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد (دریا کے) ایک گرنے والے کھوکھلے کنارے پر رکھی، پھر وہ اسے جہنم کی آگ میں لے گرا؟ اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ انھوں نے جو عمارت بنائی تھی، وہ ہمیشہ ان کے دلوں میں شک ڈالے رکھے گی الا یہ کہ ان کے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں۔ اور اللہ خوب جاننے والا، خوب حکمت والا ہے۔'' [1]

رسول اللہ ﷺ کو حقیقت حال معلوم ہوئی تو آپ نے اپنے دو جاں نثاروں کو بھیجا کہ جاؤ اور اس سازشی معسکر کو آگ لگا کر بھسم کر دو۔ درحقیقت اسے مسجد کہنا بھی صحیح نہ تھا۔ یہ تو منافقین کا ہیڈ کوارٹر تھا، اس لیے آپ ﷺ نے اس کے خاتمے کا حکم دیا۔ آپ کے حکم پر سیدنا مالک بن دُخشم اور معن بن عدی رضی اللہ عنہما تیزی سے روانہ ہو گئے۔ سیدنا مالک رضی اللہ عنہ نے سیدنا معن سے عرض کیا: ذرا ٹھہرو میں اپنے گھر سے آگ کا شعلہ لے کر آتا ہوں۔ وہ اپنے گھر گئے۔ جلتی ہوئی آگ سے کھجور کی ایک ٹہنی لی اور پھر دونوں بھاگتے ہوئے منافقوں کے معسکر پر ٹوٹ پڑے۔ اسی معسکر کو مسجد ضرار کا نام دیا گیا تھا۔ انھوں نے اسے آگ لگا دی اور اس میں موجود منافقوں کو بھی زندہ جلانے کی کوشش کی۔ آگ بھڑکی تو منافق بھاگ کھڑے ہوئے۔ یہ مغرب اور عشاء کا درمیانی وقت تھا۔ ان کا امام مجمع بن حارثہ تھا۔ سب بھاگ گئے، صرف زید بن جاریہ بن عامر ڈٹا رہا، مگر جب اس کی کمر تک آگ کی تپش پہنچی تو وہ بھی زخموں کو برداشت نہ کر سکا اور وہاں سے نکل بھاگا۔ صحابہ کرام نے اس کے در و دیوار کو ڈھا کر زمین بوس کر دیا۔ اس طرح یہ مسجد ضرار جو مسلمانوں کے خلاف سازشوں کے لیے تعمیر کی گئی تھی اور جس کا مقصد صرف اور صرف تخریب کاری تھا، اسے ہمیشہ کے لیے مٹا دیا گیا۔

[1] التوبة 9:107-110.

مسجد ضرار تعمیر کرنے والوں کے نام

علامہ ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مسجد تعمیر کرنے والے افراد کی تعداد بارہ ہے۔ ان کے نام درج ذیل ہیں:
1 خذام بن خالد، یہ بنوعبید بن زید کا ایک شخص تھا اور اسی کے گھر میں مسجد تعمیر کی گئی تھی۔ 2 ثعلبہ بن حاطب۔ 3 معتب بن قشیر۔ 4 ابوحبیبہ بن ازہر۔ 5 عباد بن حنیف۔ 6 جاریہ بن عامر۔ 7 مجمع بن جاریہ۔ 8 زید بن جاریہ۔ 9 نبتل بن حارث۔ 10 بخرج۔ 11 بجاد بن عثمان۔ 12 ودیعہ بن ثابت۔

علامہ واقدی کے بقول ان کی تعداد پندرہ تھی۔ مگر انھوں نے صرف بارہ منافقوں کے نام بیان کیے ہیں اور بخرج کی جگہ یزید بن جاریہ اور نبتل بن حارث کے بجائے عبداللہ بن نبتل بن حارث کا نام لکھا ہے۔ عبداللہ بن نبتل منافقین کا وہ جاسوس تھا جو رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوتا۔ آپ کے ارشادات سنتا اور پھر واپس جا کر اپنے ہمنواؤں کو آگاہ کر دیتا تھا۔ جبرائیل علیہ السلام نے آ کر رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دی کہ آپ کی مجلس میں عبداللہ بن نبتل منافقین کا جاسوس حاضر ہوتا ہے۔ آپ نے پوچھا کہ اس کا حلیہ کیسا ہے؟ جبرائیل علیہ السلام نے اس کا حلیہ بتایا کہ وہ سیاہ رنگ کا شخص ہے۔ اس کے جسم پر بہت زیادہ بال ہیں۔ اس کی آنکھیں سرخ ہیں گویا کہ پیتل کی بڑی بڑی ہنڈیاں ہوں۔ اس کا جگر گدھے کے جگر جیسا ہے اور اس کی نظر شیطان جیسی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ان منافقین میں سے خذام بن خالد اور بجاد بن عثمان کے بارے میں فرمایا:

«زِمَامٌ خَيْرٌ مِّنْ خِذَامٍ وَسَوْطٌ خَيْرٌ مِّنْ بِجَادٍ»

”(گھوڑے وغیرہ کی) لگام خذام سے بہت بہتر ہے۔ اور ایک کوڑا بجاد سے اعلیٰ ہے۔“

مسجد ضرار کی مسماری کے بعد جب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے سیدنا عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ کو پیش کش کی کہ وہ مسجد ضرار کی جگہ گھر بنا لیں۔ یہ مسجد ودیعہ بن ثابت اور ابوعامر کے گھروں کے درمیان تھی۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے مسجد کے ساتھ ان منافقوں کے گھر بھی جلا دیے تھے۔ سیدنا عاصم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرے پاس گھر موجود ہے، اس لیے مجھے ضرورت نہیں ہے، مزید برآں اس جگہ پر جو بربادی نازل ہو چکی ہے، اس کے بعد اب میں اسے گھر نہیں بنانا چاہتا۔ البتہ سیدنا ثابت بن اقرم ضرورت مند ہیں، آپ یہ جگہ انھیں عطا کر دیں۔ لہٰذا آپ ﷺ نے وہ جگہ سیدنا ثابت رضی اللہ عنہ کو عطا کر دی۔[1]

1 المغازي للواقدي :2/421,420، زاد المعاد :3/550,549، السيرة لابن هشام : 4/174، السيرة لابن إسحاق : 2/609,608، دلائل النبوة للبيهقي :5/260,259، البداية والنهاية :4/677,676، موسوعة الغزوات الكبرى : 2/1851-1857.

تبوک سے واپس مدینہ منورہ تشریف آوری

رسول اللہ ﷺ ماہِ رجب میں سفرِ تبوک پر روانہ ہوئے تھے۔ بیس دن تبوک میں قیام فرمایا۔ اس طرح تقریباً پچاس دن کے بعد آپ کامیاب و کامران ہو کر مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے۔ یہ آپ کی حیات مبارکہ کا آخری غزوہ تھا جس میں آپ نے بنفسِ نفیس اسلامی لشکر کی قیادت کی۔

سیدنا ابوحمید رضی اللہ عنہ غزوۂ تبوک سے واپسی کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ ہم غزوۂ تبوک سے واپس آ رہے تھے، اس وقت جونہی ہمیں مدینہ منورہ کی آبادی نظر آئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«هٰذِهِ طَابَةُ، وَهٰذَا أُحُدٌ، جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ»

''یہ طابہ ہے اور یہ اُحد پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔''[1]

اہل مدینہ بھی مشتاقِ زیارت تھے۔ اسلامی لشکر کی واپسی اور رسول اللہ ﷺ کے دیدار کی تڑپ انھیں بے چین کر رہی تھی۔ رسول اللہ ﷺ اور اپنے اقرباء کی بحفاظت واپسی کی خبر ان کے لیے سب سے بڑی خوش خبری تھی۔ اس لیے بچے، بوڑھے، مرد و خواتین سبھی استقبال کے لیے ثنیۃ الوداع پر موجود تھے۔ سیدنا سائب بن یزید رضی اللہ عنہ ماضی کے جھروکوں میں جھانک کر یہ خوبصورت لمحات یاد کرتے ہوئے فرماتے ہیں: مجھے وہ لمحات خوب یاد ہیں جب رسالت مآب ﷺ غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لا رہے تھے اور میں دوسرے بچوں کے ساتھ مل کر رسول اللہ ﷺ کے استقبال کے لیے ثنیۃ الوداع گیا تھا۔[2]

جب اسلامی لشکر رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں مدینہ منورہ پہنچا تو اہل مدینہ کو بے حد خوشی ہوئی، چنانچہ خواتین اور بچے درج ذیل اشعار پڑھ کر آپ کو مرحبا کہنے لگے:

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعِ

''ہم پر ثنیۃ الوداع سے چودھویں کا چاند طلوع ہوا۔ جب تک پکارنے والا اللہ کو پکارے، ہم پر ادائے شکر واجب ہے۔''

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کچھ راویوں کو وہم ہوا ہے، وہ کہتے ہیں کہ یہ اشعار بچیوں اور خواتین نے اس

[1] صحيح البخاري: 4422. [2] صحيح البخاري: 4427.

وقت پڑھے تھے جب رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تھے، حالانکہ یہ صریح وہم ہے۔ کیونکہ ثنیۃ الوداع شام جانے والے راستے میں ہے۔ مکہ سے مدینہ آنے والے مسافر کا یہاں سے گزر ہی نہیں ہوتا۔ ثنیۃ الوداع سے صرف وہی مسافر گزرتے ہیں جو شام جاتے ہیں۔[1]

یاد رہے کہ مدینہ منورہ سے مکہ جنوبی جانب ہے جبکہ شام شمالی سمت میں ہے اس طرح دونوں علاقے مخالف سمت میں ہیں۔ اس لیے اگر کہا جائے کہ یہ شعر ثنیۃ الوداع پر گنگنائے گئے تھے تو پھر مکہ مکرمہ سے آمد کے وقت ان کا پڑھا جانا محال ہے۔

علامہ واقدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ ماہ رمضان میں غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے تو آپ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے فرمایا:

«اَلْحَمْدُلِلّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَنَا فِي سَفَرِنَا هٰذَا مِنْ أَجْرٍ وَّحَسَنَةٍ وَّمَنْ بَعْدَنَا شُرَكَاؤُنَا فِيهِ»

”سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے اس سفر میں ہمیں اور ہمارے شرکاء کو اجر و ثواب اور مال و اسباب سے نوازا۔“

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ نے سفر کی تکالیف اور مشقت برداشت کی لیکن یہ ساری صعوبتیں جھیلے بغیر آپ کے اجر و ثواب میں اور کون شریک ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ بِالْمَدِينَةِ لَأَقْوَامًا مَّا سِرْنَا مِنْ مَّسِيرٍ وَّلَا هَبَطْنَا وَادِيًا إِلَّا كَانُوا مَعَنَا، حَبَسَهُمُ الْمَرَضُ أَوَلَيْسَ اللّٰهُ تَعَالٰى يَقُولُ فِي كِتَابِهِ: ﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً﴾ فَنَحْنُ غُزَاتُهُمْ وَهُمْ قَعَدَتُنَا، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَدُعَاءُهُمْ أَنْفَذُ فِي عَدُوِّنَا مِنْ سِلَاحِنَا»

”بے شک مدینہ منورہ میں ایسے لوگ ہیں جو ہمارے ہر سفر میں اور ہر وادی میں ہمارے ساتھ تھے۔ انھیں بیماری نے روک لیا تھا۔ (اس لیے وہ ہمارے ساتھ سفر پر نہ جا سکے۔ لیکن ایسی حالت میں ان کا جانا ضروری بھی نہ تھا۔) کیا تم نے یہ نہیں سنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”اور مومنوں کے لیے مناسب نہیں کہ وہ سب ہی نکل کھڑے ہوں۔“ لہٰذا ہم ان کے مجاہد ہیں اور وہ ہمارے گھروں میں بیٹھے رہنے والے ساتھی ہیں۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! ان کی دعا دشمنوں پر ہمارے ہتھیاروں سے زیادہ کارگر ہے۔“

[1] زاد المعاد: 551/3، دلائل النبوة للبيهقي: 266/5، البداية والنهاية: 678/4.

غزوے سے واپسی پر مجاہدین نے یہ کہتے ہوئے اپنا اسلحہ بیچنا شروع کر دیا کہ اب جہاد ختم ہو گیا ہے۔ اہلِ ثروت نے یہ اسلحہ خریدنا شروع کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی تو آپ نے منع کر دیا اور فرمایا:

«لَا تَزَالُ عِصَابَةٌ مِّنْ أُمَّتِي يُجَاهِدُونَ عَلَى الْحَقِّ حَتّٰى يَخْرُجَ الدَّجَّالُ»

''میری امت کی ایک جماعت ہمیشہ حق کے لیے جہاد کرتی رہے گی حتی کہ دجال ظاہر ہو جائے گا۔''[1]

تبوک سے پیچھے رہ جانے والے مختلف لوگ

غزوۂ تبوک جن حالات میں ہوا، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سخت آزمائش بھی تھی۔ اس غزوے سے اہل ایمان اور اہل نفاق واضح ہو کر سامنے آ گئے۔ سورۂ توبہ کی متعدد آیات کے نزول کے نتیجے میں منافق ذلیل و رسوا ہو کر رہ گئے۔ اللہ تعالیٰ کا طریقہ بھی یہی رہا ہے کہ وہ اہلِ حق کو اہلِ کفر و نفاق سے ہمیشہ مختلف و ممتاز رکھتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ﴾

''اللہ مومنوں کو اس حالت میں ہرگز نہ رہنے دے گا جس میں تم اس وقت ہو، یہاں تک کہ وہ پاک کو ناپاک سے علیحدہ کر دے۔''[2]

چنانچہ اس غزوے میں سچے مومن پورے ذوق شوق سے شریک ہوئے۔ کچھ اہل عذر پیچھے رہ گئے جبکہ منافق مختلف حیلے بہانے تراش کر جہاد سے جی چراتے رہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ جانے والوں کی چار اقسام تھیں:

1. اہلِ اجر و ثواب، یہ وہ افراد تھے جو رسول اللہ ﷺ کے حکم پر کسی فرض کی ادائیگی کے لیے پیچھے رہے تھے، مثلاً: سیدنا علی بن ابی طالب، محمد بن مسلمہ اور ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہم۔
2. اہلِ عذر، بیمار اور کمزور افراد یا جن کے پاس سفری اخراجات اور سواریاں نہیں تھیں۔
3. خطا کار، جنھوں نے محض سستی کی بنا پر شرکت نہ کی۔ ان میں سیدنا کعب بن مالک، مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ وغیرہ شامل ہیں۔
4. اہلِ نفاق، جنھیں ملامت کی گئی اور ان کے کردار کی شدید مذمت کی گئی۔[3]

جو مخلص مومن محض سستی اور سہل پسندی کی وجہ سے پیچھے رہ گئے تھے، رسول اللہ ﷺ کی پچاس دن کے طویل و شدید سفر سے واپسی پر انھیں سخت شرمساری ہوئی۔ انھیں رسول اللہ ﷺ کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ آپ

[1] المغازي للواقدي:2/428. [2] آل عمرٰن3:179. [3] البداية والنهاية:4/683، موسوعة الغزوات الكبرٰى:2/1870.

کے واضح اعلان اور تاکیدی حکم کے باوجود تعمیل ارشاد میں کوتاہی بڑا سخت معاملہ تھا۔ تبوک نہ جانے والے یہ حضرات اب سخت پریشان تھے۔ وہ صادق القول تھے، اس لیے کوئی حیلہ بہانہ بھی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ بس پھر سچ بول کر سزا ہی بھگتنے کا فیصلہ کرلیا۔ چنانچہ ان میں سے سات افراد نے خود کو مسجد نبوی کے ستونوں سے باندھ لیا۔ سیدنا ابولبابہ ؓ بھی ان کے ساتھ تھے۔ رسول اللہ ﷺ اپنے معمولِ مبارک کے مطابق سفر سے واپسی پر سیدھے مسجد نبوی تشریف لائے اور دو رکعت نماز ادا کر کے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ جب آپ ان بندھے ہوئے حضرات کے پاس سے گزرے تو آپ نے دریافت کیا: ”یہ کون ہیں؟“ عرض کیا گیا کہ یہ سیدنا ابولبابہ ؓ اور ان کے ساتھی ہیں۔ غزوۂ تبوک میں پیچھے رہ جانے کی وجہ سے انھوں نے بطور سزا اپنے آپ کو خود ہی قیدی بنا لیا ہے۔ یہ حضرات عرض گزار ہیں کہ جب تک آپ انھیں معاف کر کے خود اپنے دست رحمت سے آزاد نہیں کریں گے، یہ اپنے بندھن نہیں کھولیں گے۔



اسطوانہ ابی لبابہ (مسجد نبوی)



مسجد توبہ (تبوک)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«وَأَنَا أُقْسِمُ بِاللّٰهِ لَا أُطْلِقُهُمْ وَلَا أَعْذِرُهُمْ حَتّٰى يَكُونَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ هُوَالَّذِي يُطْلِقُهُمْ، رَغِبُوا عَنِّي وَتَخَلَّفُوا عَنِ الْغَزْوِ مَعَ الْمُسْلِمِينَ»

”میں بھی اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ میں انھیں آزاد کروں گا نہ ان کا عذر قبول کروں گا حتی کہ اللہ عزوجل خود ہی ان کی آزادی کا حکم نازل فرمائے۔ انھوں نے مجھ سے منہ موڑا اور مسلمانوں کے ساتھ جہاد کے لیے جانے سے رُوگردانی کی۔“

جب ان مقید حضرات کو رسول اللہ ﷺ کے اس فیصلے کا علم ہوا تو وہ کہنے لگے: ٹھیک ہے جب تک اللہ رب العزت ہماری آزادی کا حکم نازل نہ فرما دے، ہم بھی خود بخود آزاد نہیں ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی سچی توبہ قبول فرمائی اور ان کی آزادی کی راہ کھول دی۔ ارشاد ہوا:

﴿وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صٰلِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ۭعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾

''اور کچھ دیگر لوگ ہیں جنھوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کیا، انھوں نے ملا جلا عمل کیا، ایک اچھا اور دوسرا برا، امید ہے کہ اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے گا، یقیناً اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔''[1]

اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان کا عذر قبول کرتے ہوئے ان سے درگزر کیا اور انھیں آزاد کر دیا۔ پھر یہ حضرات اپنی توبہ کی توثیق کے لیے اپنے اموال لے کر حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہ ہمارے اموال اللہ کی راہ میں صدقہ ہیں۔ آپ یہ قبول فرمائیں اور ہمارے لیے بخشش کی دعا فرمائیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا: تمھارے یہ اموال لینے کی مجھے اجازت نہیں ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ○ وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○﴾

(التوبۃ 9:103-106)

''(اے نبی!) ان کے مالوں میں سے صدقہ لیجیے، آپ اس کے ذریعے سے انھیں پاک کریں گے اور ان کا تزکیہ کریں گے اور ان کے لیے دعا کریں، بے شک آپ کی دعا ان کے لیے سکون (کا باعث) ہے، اور اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔ کیا انھیں معلوم نہیں کہ بے شک اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور وہی صدقات لیتا ہے اور یہ کہ بلاشبہ اللہ ہی بہت توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے؟ اور (اے نبی!) کہہ دیجیے: تم عمل کرو، پھر اللہ تمھارے عمل کو عنقریب دیکھے گا اور اس کا رسول اور مومنین بھی اور تم جلد اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو چھپی اور کھلی (باتیں) جاننے والا ہے، پھر وہ تمھیں بتا دے گا جو کچھ تم عمل کرتے رہے۔ اور کچھ دوسرے لوگ ہیں جن کا معاملہ اللہ کا حکم آنے تک مؤخر کر دیا گیا ہے، یا تو وہ انھیں سزا دے گا، یا ان کی توبہ قبول کرلے گا اور اللہ خوب جاننے والا، خوب حکمت والا ہے۔''[2]

ان کے برعکس جنھیں کسی عذر نے پیچھے رہ جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ شدید خواہش اور رسول اللہ ﷺ کی ہمراہی کی رغبت کے باوجود سفر پر روانہ نہ ہو سکے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ان کے بلند درجات اور اجر و ثواب کی خبر دیتے ہوئے فرمایا:

«إِنَّ بِالْمَدِينَةِ أَقْوَامًا مَا سِرْتُمْ مَسِيرًا وَلَا قَطَعْتُمْ وَادِيًا إِلَّا كَانُوا مَعَكُمْ» قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ!

[1] التوبة 9:102. [2] دلائل النبوة للبيهقي: 5/270-272.

وَهُمْ بِالْمَدِينَةِ؟ قَالَ: «وَهُمْ بِالْمَدِينَةِ، حَبَسَهُمُ الْعُذْرُ»

''مدینہ طیبہ میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ تم جس راستے پر چلے یا جس وادی کو تم نے عبور کیا وہ تمھارے ساتھ تھے۔'' صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اگر چہ وہ مدینہ طیبہ میں رہے؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں، اگر چہ وہ مدینہ طیبہ میں تھے لیکن عذر نے ان کو روک رکھا تھا۔''[1]

وہ مخلص صحابہ کرام جو سواریوں کی نایابی اور زادِ راہ کی کمیابی کی وجہ سے شرکت سے محروم ہوئے، ان پر بھی اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایت ہوئی۔ ارشاد ہوا:

﴿ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَىٰ وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يُنفِقُونَ حَرَجٌ إِذَا نَصَحُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِن سَبِيلٍ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴾ (التوبة 9:91)

''ضعیفوں اور بیماروں پر اور جو لوگ کوئی چیز نہیں پاتے کہ وہ اسے خرچ کریں، ان پر (پیچھے رہنے میں) کوئی گناہ نہیں، جب وہ اللہ اور اس کے رسول کے لیے خیر خواہی کرتے ہوں۔ نیکی کرنے والوں پر (گرفت کی) کوئی راہ نہیں۔ اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔''[2]

منافقوں کا انجام

رسول اللہ ﷺ سفر تبوک سے واپس آئے اور مسجد نبوی میں دو رکعت نماز ادا کی، پھر آپ ملاقات کے لیے بیٹھ گئے۔ لوگ آپ کی زیارت کے لیے حاضر ہونے لگے۔ منافقین جو غزوے سے پیچھے رہ کر سازشوں کے جال بنتے رہے تھے، وہ بھی آگئے تاکہ جھوٹے بہانے تراش کر آپ کو راضی کر لیں۔ یہ لوگ لشکر کی تبوک روانگی کے وقت بھی طرح طرح کے بہانے تراشتے رہے تھے۔ اب لشکر کی واپسی پر بھی وہی کام کرنے لگے۔ معاشرے میں رہنے کے لیے ان کی یہ تگ و دو ضروری تھی۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ آپ اپنی دائمی نرم مزاجی کی وجہ سے ان سے درگزر فرمائیں اور ان کے لولے لنگڑے عذر قبول کر لیں۔ اس طرح انھیں مدینہ منورہ میں لوگوں سے میل ملاقات میں کوئی دقت نہ ہوگی۔ خود کو ذلت و رسوائی سے بچانے کے لیے وہ طرح طرح کے بہانے لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔ ان کی تعداد تقریباً اسی (80) تھی۔ یہ لوگ اللہ کی قسمیں اٹھا کر یقین دلانے کی کوشش کرنے لگے کہ وہ بڑے مجبور و لاچار تھے، اس لیے آپ کے ساتھ غزوے میں شرکت سے محروم رہ گئے۔ وہ یوں باتیں بنا رہے تھے جیسے انھوں نے سفر کی مکمل تیاری کر لی تھی مگر اچانک ناگہانی حالات کی رفتار نے انھیں روک لیا تھا۔ حالانکہ یہ مکار

[1] صحيح البخاري: 4423. [2] البداية والنهاية: 683,682/4، دلائل النبوة للبيهقي: 281/5.

خوب جانتے تھے کہ انھوں نے سرے سے کوئی تیاری ہی نہیں کی، نہ ان کا سفر پر روانہ ہونے کا کوئی ارادہ تھا۔ بلکہ وہ تو مخلص مومنوں کو بھی روکنے کے لیے ورغلاتے رہے اور ان کے ولولوں کو سرد کرنے کی بھرپور کوششیں کرتے رہے۔ رسول اللہ ﷺ ان کے ظاہری بہانوں کی وجہ سے چشم پوشی فرما رہے تھے۔ آپ ان سے سخت ناراض تھے مگر آپ نے ان کا باطنی معاملہ اللہ کے سپرد کرتے ہوئے انھیں کچھ نہ کہا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے چہروں کے نقاب الٹ کر انھیں رسوا کر دیا۔ ارشاد ہوا:

﴿يَحْلِفُونَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۖ فَإِن تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَرْضَىٰ عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ۝﴾

(التوبة 9:96)

''وہ تمھارے لیے قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے راضی ہو جاؤ، سو اگر تم ان سے راضی ہو بھی جاؤ تب بھی اللہ ان (لوگوں) سے راضی نہیں ہوتا جو نافرمان ہیں۔'' [1]

علامہ واقدی فرماتے ہیں: ان منافقین کے علاوہ غفار قبیلے کے 81 افراد بھی تھے جو عذر پیش کرنے والوں میں شامل تھے۔ اس کے علاوہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی اور اس کا ٹولہ بھی تھا۔ یہ لوگ بھی خاصی تعداد میں تھے۔ [2]

سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اور ان کے دو ساتھیوں کی کڑی آزمائش

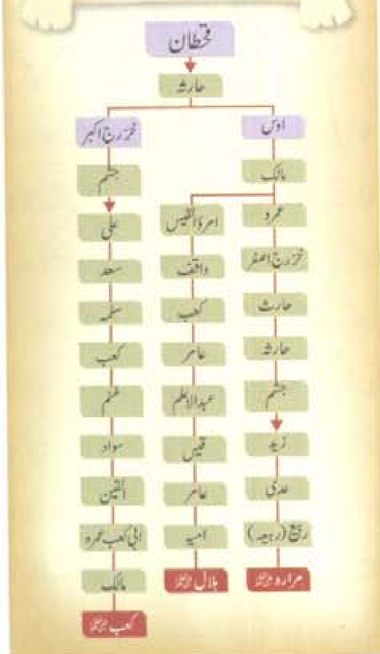
غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ جانے والوں میں سیدنا کعب بن مالک، مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہم تین ایسے صحابی بھی تھے جن کا کوئی عذر نہیں تھا۔ وسائلِ سفر میسر ہونے کے باوجود یہ حضرات محض سستی، سہل انگاری اور گرمی کی شدت کی وجہ سے پیچھے رہ گئے تھے۔ جب منافقین جھوٹے بہانے تراش رہے تھے تو انھوں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر سچی سچی بات بتا دی اور آپ ﷺ سے معذرت کے خواستگار ہوئے۔ آپ نے ان کے سچے بیانات قبول فرما لیے لیکن ان کی توبہ کی قبولیت اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دی اور صحابۂ کرام کو ان تینوں احباب سے بات چیت سے منع کر دیا۔ بطور سزا ان کا معاشرتی بائیکاٹ کیا گیا۔ یہ بائیکاٹ اس قدر شدید تھا کہ ان کے قریبی اعزہ بھی ان سے سلام دعا تک کے روادار نہ رہے۔ اگر یہ سلام کرتے تو سلام کا جواب بھی نہ دیا جاتا۔ ان حضرات پر یہ بائیکاٹ اس قدر گراں گزرا کہ ان کے زمین و آسمان ہی بدل گئے حتی کہ خود اپنی ہی سرزمین انھیں اجنبی معلوم ہونے لگی۔ زمین کی وسعتیں اُن پر تنگ ہو گئیں اور اُن کا جینا محال ہو گیا۔ یہ معاشرتی بائیکاٹ چالیس روز تک جاری رہا۔ پھر انھیں ان کی بیویوں سے بھی الگ ہونے کا حکم ملا جس سے زندگی مزید مشکل ہو گئی۔ سیدنا کعب رضی اللہ عنہ جواں مرد

[1] المغازي للواقدي: 2/435. [2] المغازي للواقدي: 2/438.

تھے، اس لیے حوصلہ کر کے مسجد نبوی میں نماز پڑھنے آجاتے تھے۔ بازار میں ضروریات زندگی کے لیے چلے جاتے مگر ہر طرف ویرانی ہی ویرانی محسوس ہوتی۔ اپنے بیگانے ہو گئے۔ کوئی پُرسان حال نہ تھا۔ سب نے آنکھیں پھیر لیں۔ سیدنا کعب رضی اللہ عنہ کے دیگر دو ساتھی کمزور اور بوڑھے تھے۔ شرم و ندامت سے رو رو کر ان کا برا حال ہو گیا۔ وہ چلنے پھرنے کے قابل بھی نہ رہے۔ بس گھر میں پڑے رہتے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گڑگڑاتے رہتے تھے۔

سیدنا کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں دنیا کے کسی بھی شخص کے سامنے بہتر سے بہتر عذر تراش کر اپنا دفاع کر سکتا تھا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایسی جرأت نہیں ہوئی، اس لیے صاف گوئی سے کام لیا۔ اب توبہ اور استغفار کے سوا میرا کوئی کام نہ تھا۔ بڑی سخت آزمائش آگئی تھی۔ یہ اذیت اس وقت دو چند ہوگئی جب کافروں نے مجھے ہمدردی کے خط لکھنے شروع کر دیے۔ انھوں نے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ چھوڑ کر اپنا درباری بننے کی دعوت دے ڈالی۔

یہ بڑا نازک لمحہ تھا۔ کعب رضی اللہ عنہ کا دل کرچی کرچی ہوگیا۔ آنکھوں سے آنسوؤں کا سیل رواں جاری ہوگیا اور ان کی دعا و التجا میں مزید سوز و گداز پیدا ہوگیا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت کا اعلان ہوا تو دور ابتلا ختم ہوگیا۔



آزمائش کے بعد بشارت پانے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا شجرہ

صحابہ کرام جوق در جوق تشریف لائے اور انھوں نے بڑھ چڑھ کر مبارک باد دی۔ کسی نے گھوڑا دوڑایا، تو کوئی پہاڑ پر چڑھ کر مبارک باد کا اعلان کرنے لگا۔ ان سب کی مبارک باد سے بڑھ کر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک الفاظ سیدنا کعب رضی اللہ عنہ کے لیے سب سے بڑا اعزاز تھے۔ یہ دور ابتلا کیسے کٹا اور اس کے بعد سیدنا کعب کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا کیا انعامات ملے؟ آیئے ان کی یہ داستان انھی کی زبانی سنتے ہیں:

جب کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نابینا ہو گئے تو ان کے بیٹوں میں سے سیدنا عبداللہ ہی انھیں ان کے مطلوبہ مقامات تک لے کر جایا کرتے تھے...... انھوں نے بتایا کہ ایک دن میں نے کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہونے کا واقعہ سنا، سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام غزوات میں سے کسی بھی غزوے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے نہیں رہا۔ صرف غزوۂ تبوک میں اور غزوۂ بدر میں شریک نہیں ہوسکا لیکن جنگ بدر سے پیچھے رہ جانے پر اللہ تعالیٰ نے کسی

پر عتاب نہیں فرمایا کیونکہ رسول اللہ ﷺ قریش کے ایک قافلے کا سراغ پانے کا ارادہ کر کے باہر نکلے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے کوئی وقت طے کیے بغیر اچانک مسلمانوں کا دشمن سے سامنا کرا دیا۔ میں تو عقبہ کی رات رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا جہاں میں نے اسلام پر قائم رہنے کا اٹل قول و قرار کیا تھا۔ ہر چند لوگوں میں غزوۂ بدر کی شہرت زیادہ ہے لیکن میرے لیے بیعتِ عقبہ ہی متاع بیش بہا ہے۔ میں یہ بات قابل ترجیح نہیں سمجھتا کہ مجھے بیعت عقبہ کے بدلے میں غزوۂ بدر میں شرکت کا موقع مل جاتا۔

میرا قصہ یہ ہے کہ میں جس زمانے میں غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ گیا، اُس وقت میں اتنا طاقت ور اور خوشحال تھا کہ اس سے پہلے کبھی نہ تھا۔ اللہ کی قسم! میرے پاس دو اونٹنیاں کبھی جمع نہیں ہوئی تھیں جبکہ تبوک کے موقع پر میرے پاس دو اونٹنیاں موجود تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کا طریقۂ مبارک یہ تھا کہ جب آپ کسی غزوے کے لیے جانے کا ارادہ کرتے تو اسے پوری طرح ظاہر نہ فرماتے بلکہ کسی اور مقام کا نام لے لیا کرتے تھے۔ لیکن یہ غزوہ چونکہ سخت گرمی میں ہوا، سفر بھی طویل بیابان کا تھا اور دشمن بھی بھاری تعداد میں تھے، اس لیے آپ نے صحابۂ کرام کے رُوبرُو یہ معاملہ صاف صاف بیان کر دیا تاکہ وہ اس جنگ کے لیے اچھی طرح تیاری کر لیں۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے انھیں وہ سمت بھی بتلا دی جس طرف آپ جانا چاہتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جانے والے مسلمان کثیر تعداد میں تھے، ان کے ناموں کے اندراج کے لیے کوئی رجسٹر یا دیوان وغیرہ نہیں تھا کہ ان کے نام محفوظ ہوتے۔ سیدنا کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ صورت حال ایسی تھی کہ جو شخص لشکر میں سے غائب ہونا چاہتا، وہ بڑی آسانی سے غائب ہو سکتا تھا اور یہ سوچ سکتا تھا کہ اگر بذریعۂ وحی آپ کو اطلاع نہ دی گئی تو میری غیر حاضری کا کسی کو پتہ ہی نہ چل سکے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس جنگ کا ارادہ ایسے وقت میں فرمایا جب پھل پک چکے تھے اور ہر طرف سایہ پھیل گیا تھا۔ خیر رسول اللہ ﷺ نے اور آپ کے ساتھ دیگر مسلمانوں نے بھی سفر کا سامان تیار کرنا شروع کر دیا۔ اُس وقت میری کیفیت یہ تھی کہ میں صبح اس ارادے سے نکلتا کہ میں بھی باقی مسلمانوں کے ساتھ مل کر تبوک جانے کی تیاری کروں گا لیکن جب شام کو واپس آتا تو اس وقت تک کوئی فیصلہ ہی نہ کر پاتا۔ پھر میں اپنے دل کو یہ کہہ کر تسلی دے لیتا کہ میں تیاری کرنے پر پوری طرح قادر ہوں، تیاری کر ہی لوں گا۔ اسی طرح وقت گزرتا رہا حتی کہ لوگوں نے پورے زور شور سے تیاری مکمل کر لی۔ پھر رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھ مسلمان روانہ ہو گئے۔ اِدھر میں اپنی تیاری کے سلسلے میں کچھ بھی نہ کر سکا۔ پھر میں نے اپنے دل میں کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی روانگی کے ایک یا دو دن بعد تیاری مکمل کر کے چل دوں گا اور رسول اللہ ﷺ سے جا ملوں گا۔ لیکن ان کے روانہ ہو جانے کے بعد بھی میری یہی حالت رہی، پھر میں صبح کے وقت

تیاری کے خیال سے نکلا لیکن جب گھر لوٹا تو وہی کیفیت تھی، یعنی میں کچھ بھی نہ کر سکا۔ پھر دوسری صبح کو بھی میں اسی خیال سے نکلا لیکن جب واپس آیا تو کچھ بھی نہ کر پایا۔ میری مسلسل یہی حالت چلتی رہی یہاں تک کہ مسلمان تیزی سے چل کر آگے بڑھ گئے۔ میں نے پھر ارادہ کیا کہ میں بھی چل پڑوں اور ان سے جا ملوں، کاش کہ میں نے ایسا کر لیا ہوتا لیکن یہ سعادت میرے مقدر میں نہ تھی۔

رسول اللہ ﷺ کے تشریف لے جانے کے بعد حالت یہ تھی کہ جب میں باہر لوگوں کے پاس جاتا اور ان میں چل پھر کر دیکھتا تو جو بات مجھے غمگین کرتی، وہ یہ تھی کہ جو بھی شخص نظر آتا، وہ ایسا ہوتا تھا جس پر نفاق کا الزام تھا، یا مجھے وہ ضعیف اور کمزور لوگ دکھائی دیتے تھے جنھیں اللہ تعالیٰ نے معذور قرار دیا تھا۔ ادھر رسول اللہ ﷺ نے راستے میں تو مجھے کہیں بھی یاد نہ فرمایا مگر جب تبوک پہنچ گئے تو ایک موقع پر آپ لوگوں کے ساتھ تشریف فرما تھے، آپ نے ان سے دریافت فرمایا: ''کعب نے کیا کیا ہے؟'' بنوسلمہ کے ایک شخص نے کہا: اے اللہ کے رسول! اسے صحت وخوشحالی کی دو چادروں نے روک رکھا ہے۔ وہ اپنی انھی چادروں کے کنارے دیکھنے میں مشغول ہوگا۔ یہ سن کر معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: تم نے بہت بری بات کہی ہے۔ پھر فرمایا: اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! ہم نے کعب میں بھلائی کے سوا کچھ نہیں دیکھا۔ یہ گفتگو سن کر رسول اللہ ﷺ خاموش ہوگئے۔ جب مجھے یہ خبر ملی کہ آپ واپس آرہے ہیں تو خیال ہوا کہ کوئی حیلہ سوچنا چاہیے تاکہ آپ کی ناراضی سے بچ جاؤں۔ میں نے اس سلسلے میں اپنے خاندان کے ہر صاحب عقل شخص سے مدد مانگی۔ پھر جب یہ اطلاع ملی کہ رسول اللہ ﷺ (شہر کے) قریب آگئے ہیں تو یہ خیال باطل میرے قلب سے نکل گیا۔ مجھے پورا یقین ہوگیا کہ میں جھوٹ بول کر آپ کی ناراضی سے نہیں بچ سکتا، اس لیے میں نے یہی فیصلہ کیا کہ ہر حال میں سچ بولوں گا۔

رسول اللہ ﷺ صبح کے وقت تشریف لائے۔ آپ ﷺ کا دستور مبارک یہ تھا کہ جب سفر سے واپس آتے تو سب سے پہلے مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھتے، پھر لوگوں سے ملاقات کے لیے تشریف فرما ہوتے، چنانچہ جب آپ نماز سے فراغت کے بعد ملاقات کے لیے بیٹھے تو پیچھے رہ جانے والوں نے آنا شروع کیا۔ وہ لوگ قسمیں اٹھا کر آپ کے سامنے طرح طرح کے عذر پیش کرنے لگے۔ ان لوگوں کی تعداد اَسّی سے کچھ زیادہ تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے بیان کردہ عذر قبول کر لیے۔ ان سے بیعت لی، ان کے لیے مغفرت کی دعا فرمائی اور ان کی نیتوں کو اللہ کے حوالے کر دیا۔ الغرض میں بھی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے آپ کو سلام کیا، آپ مسکرائے لیکن آپ کی مسکراہٹ ایسی تھی جس میں غصے کی آمیزش تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ادھر آؤ۔'' میں آگے بڑھا اور آپ ﷺ کے سامنے جا کر بیٹھ گیا۔ آپ نے دریافت فرمایا: ''تم کیوں پیچھے رہ گئے؟ تم نے تو سواری خرید نہیں لی

تھی؟'' میں نے عرض کی: آپ نے بجا ارشاد فرمایا، اللہ کی قسم! میں اگر آپ کے علاوہ کسی اور دنیاوی شخصیت کے سامنے موجود ہوتا تو ضرور سوچتا کہ میں کس عذر بہانے سے اس کے غضب سے بچ سکتا ہوں کیونکہ میں قوت گویائی اور دلیل آرائی کا ماہر ہوں۔ لیکن اللہ کی قسم! مجھے یقین ہے کہ اگر آج میں جھوٹ بول کر آپ کو راضی بھی کر لوں تو عنقریب اللہ تعالیٰ آپ کو حقیقت حال سے آگاہ کر دے گا اور آپ مجھ سے ناراض ہو جائیں گے۔ اس کے برعکس اگر میں سچ سچ ساری بات بتا دوں تو آپ مجھ سے ناراض تو یقیناً ہوں گے، تاہم مجھے امید ہے کہ اس صورت میں اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرما دے گا۔ واقعہ یہ ہے کہ اللہ کی قسم! مجھے کوئی معذوری نہیں تھی۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ میں جتنا تنومند اور خوشحال اب تھا، پہلے کبھی نہ تھا۔ میں اس خوشحالی میں بھی آپ کے ساتھ جانے سے رہ گیا۔ میری یہ گفتگو سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ شخص ہے جس نے صحیح بات بتائی ہے۔'' پھر فرمایا: ''اچھا جاؤ اور انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمھارے بارے میں کوئی فیصلہ صادر فرما دے۔''

میں اٹھ گیا۔ جب میں جانے لگا تو بنوسلمہ کے کچھ لوگ میرے گرد جمع ہو گئے۔ وہ میرے پیچھے چلنے لگے۔ انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! ہمارے علم میں نہیں ہے کہ تم نے آج سے پہلے کبھی کوئی گناہ کیا ہو۔ آخر تم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کوئی عذر پیش کرنے سے کیوں قاصر رہے جیسا کہ دوسرے پیچھے رہ جانے والوں نے آپ کی خدمت میں عذر پیش کیے ہیں؟ تم نے جو گناہ کیا تھا، اس کی تلافی کے لیے تو رسول اللہ ﷺ کا تمھارے لیے استغفار ہی کافی تھا۔ اللہ کی قسم! ان لوگوں نے مجھے اتنی ملامت کی کہ ایک دفعہ تو میں نے ارادہ کر ہی لیا کہ میں واپس جاؤں اور جو کچھ میں نے آپ سے کہا تھا، اس کے متعلق کہوں کہ وہ جھوٹ تھا۔ پھر میں نے ان لوگوں سے پوچھا: یہ معاملہ جو میرے ساتھ پیش آیا ہے، کیا میرے علاوہ کسی اور کے ساتھ بھی پیش آیا ہے؟ وہ کہنے لگے: ہاں، دو اور آدمیوں نے بھی وہی کچھ کہا ہے جو تم کہہ چکے ہو اور ان کو بھی وہی جواب ملا ہے جو تمھیں ملا ہے۔ میں نے پوچھا: وہ دونوں کون ہیں؟ انھوں نے بتایا کہ ایک مُرارہ بن ربیع العمری اور دوسرے ہلال بن امیہ واقفی رضی اللہ عنہما ہیں۔

انھوں نے میرے سامنے دو ایسے نیک آدمیوں کے نام لیے جو غزوۂ بدر میں شرکت کر چکے تھے اور ان کا طرز عمل میرے لیے قابل تقلید تھا، چنانچہ ان دونوں کا ذکر سن کر میں (نے اپنا ارادہ بدل دیا اور) آگے چل پڑا۔ ادھر رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو تمام پیچھے رہ جانے والوں میں سے صرف ہم تینوں کے ساتھ بات چیت کی ممانعت فرما دی، لہٰذا لوگ ہم سے دور دور رہنے لگے۔ وہ ہمارے لیے اس قدر اجنبی بن گئے کہ میں یوں محسوس کرنے لگا جیسے میں کسی اور سرزمین پر آ کھڑا ہوا ہوں۔ ہم پچاس دن تک اسی حالت میں مبتلا رہے۔ دوسرے دونوں ساتھی تو تھک ہار کر اپنے اپنے گھر بیٹھ گئے اور روتے رہے لیکن میں ان سب میں جوان اور طاقتور تھا، اس لیے باہر نکل جاتا تھا۔ مسلمانوں

کے ساتھ نماز میں شریک ہوتا تھا اور بازاروں میں پھرتا تھا لیکن مجھ سے کوئی شخص بات نہ کرتا تھا۔ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھی اس وقت حاضر ہوتا جب آپ نماز کے بعد لوگوں کے ساتھ تشریف فرما ہوتے۔ میں آپ ﷺ کو سلام کرتا اور اپنے دل میں یہی سوچتا کہ آیا میرے سلام کے جواب میں رسول اللہ ﷺ کے لب مبارک متحرک ہوئے یا نہیں؟ پھر میں آپ کے قریب ہی نماز پڑھتا اور کنکھیوں سے آپ کی طرف دیکھتا رہتا تھا۔ جب میں نماز کی طرف متوجہ ہوتا تو آپ میری طرف دیکھتے مگر جونہی میں آپ ﷺ کی طرف توجہ کرتا تو آپ دوسری طرف دیکھنے لگتے تھے۔

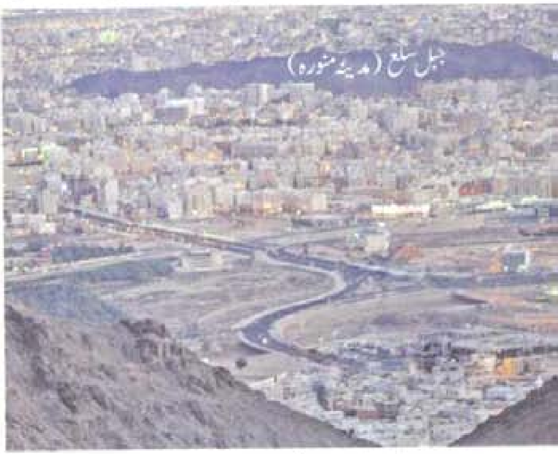
جب لوگوں کی یہ بے اعتنائی پھیل کر ناقابل برداشت ہوگئی تو ایک دن میں ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے باغ کی دیوار پھاند کر اندر چلا گیا۔ یہ صاحب میرے چچا زاد اور محبوب ترین دوست تھے۔ میں نے انھیں سلام کیا، لیکن اللہ کی قسم! انھوں نے میرے سلام کا جواب ہی نہیں دیا۔ میں نے ان سے کہا: اے ابوقتادہ! میں تمھیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، کیا تم مجھے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا دوست جانتے ہو؟ وہ خاموش رہے، کچھ نہیں بولے۔ میں نے دوبارہ یہی سوال کیا، وہ پھر خاموش رہے۔ میں نے پھر یہی بات دہرائی تو کہنے لگے: اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں۔ یہ سن کر میری آنکھوں سے آنسو برس پڑے اور میں منہ موڑ کر واپس چلا آیا۔

سیدنا کعب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دن میں مدینہ کے بازار سے گزر رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ علاقۂ شام کا ایک نبطی جو مدینہ میں غلہ فروخت کرنے آیا تھا، لوگوں سے پوچھ رہا ہے: کیا کوئی شخص ہے جو مجھے کعب بن مالک کا پتہ بتائے گا؟ لوگ میری طرف انگشت نمائی کرنے لگے۔ جب وہ میرے پاس آیا تو اس نے مجھے شاہ غسان کا ایک خط دیا۔ اس میں لکھا ہوا تھا: مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمھارے صاحب نے تم پر زیادتی کی ہے، حالانکہ تمھیں اللہ نے اس لیے نہیں بنایا کہ تم ذلیل وخوار اور برباد رہو، لہٰذا ہمارے پاس چلے آؤ، ہم تمھیں شایانِ شان عزت و مرتبہ دیں گے۔ میں نے یہ خط پڑھا تو دل میں کہا: یہ بھی ایک امتحان ہے۔ میں وہ خط لے کر تنور کی طرف گیا اور اسے نذر آتش کر دیا۔ پھر جب پچاس دنوں میں سے چالیس راتیں گزر گئیں تو میرے پاس رسول اللہ ﷺ کا ایک قاصد آیا اور کہنے لگا: رسول اللہ ﷺ نے تمھیں حکم دیا ہے کہ تم اپنی رفیقۂ حیات سے بھی کنارہ کش ہو جاؤ۔ میں نے پوچھا: کیا میں اسے طلاق دے دوں؟ آخر کیا کروں؟ اس نے کہا: نہیں، بس اتنا کرو کہ بیوی سے کنارہ کش ہو جاؤ، اس کے قریب نہ جاؤ۔ میرے دونوں ساتھیوں کو بھی یہی حکم دیا گیا تھا۔ میں نے اپنی بیوی سے کہا: تم اپنے میکے چلی جاؤ اور جب تک اللہ تعالیٰ اس معاملے کا فیصلہ صادر نہ فرما دے، وہیں مقیم رہو۔

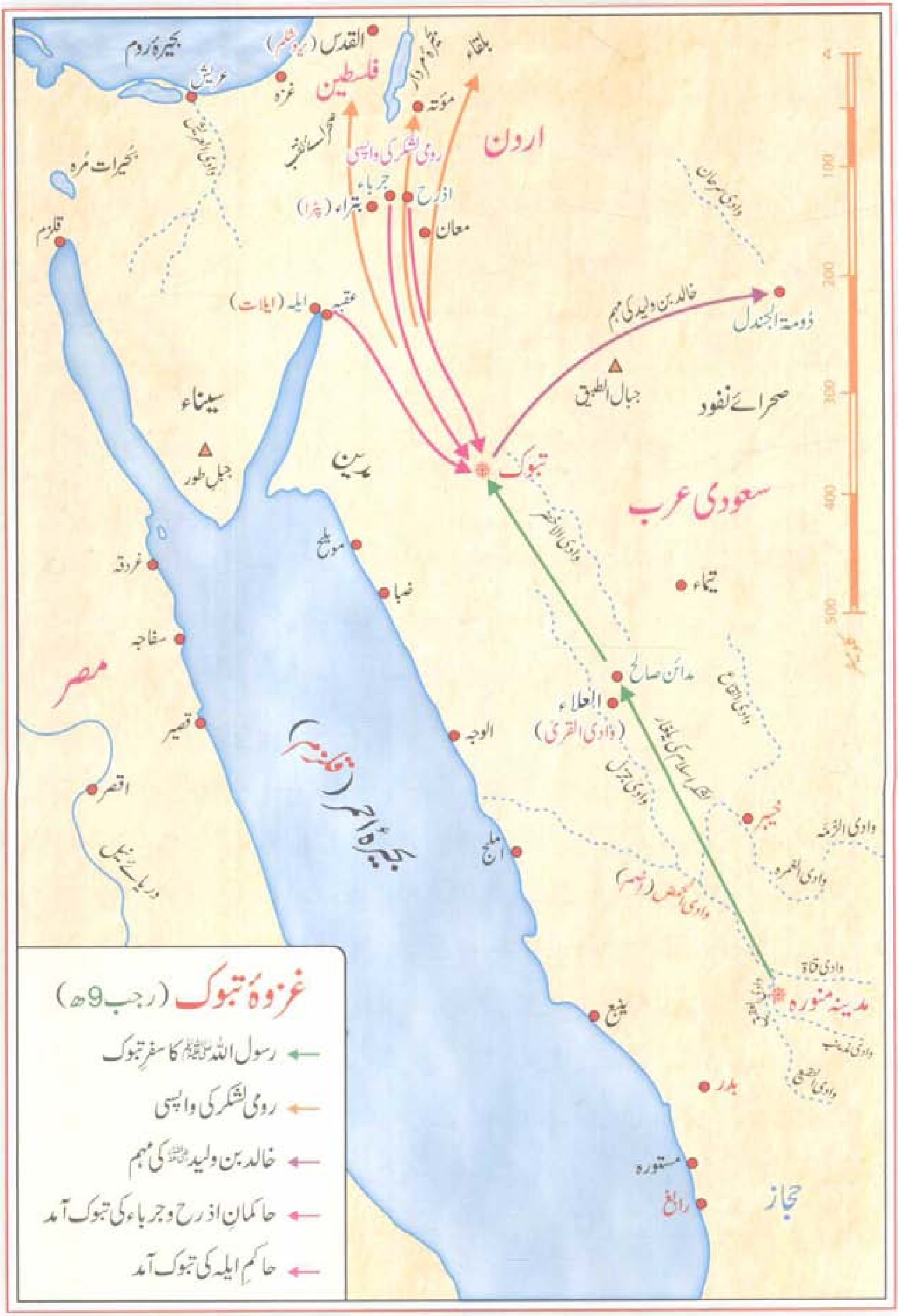
سیدنا کعب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کی بیوی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اس

نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ تو ایک ناتواں اور بوڑھا شخص ہے، اس کے پاس کوئی خادم بھی نہیں۔ اس حالت میں کیا آپ یہ بات بھی ناپسند فرمائیں گے کہ میں ان کی خدمت کرتی رہوں؟ آپ نے فرمایا: "نہیں، (خدمت جاری رکھو) بس وہ تمھارے قریب نہ آئے۔" اس نے کہا: اللہ کی قسم! انھیں تو کسی بات کا ہوش ہی نہیں اور جس دن سے یہ معاملہ پیش آیا ہے، وہ مسلسل رو رہے ہیں۔ یہ سن کر میرے بعض اہل خانہ نے مشورہ دیا کہ اگر تم بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی بیوی کے سلسلے میں اجازت لے آؤ تو کیا حرج ہے، جیسے آپ نے ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کی بیوی کو خدمت کرنے کی اجازت دے دی ہے (کیا عجب تمھیں بھی ایسی اجازت مل جائے)۔ میں نے کہا: اللہ کی قسم! میں اس سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی اجازت نہیں مانگوں گا۔ اللہ جانے میری اجازت طلبی پر آپ کیا جواب مرحمت فرمائیں جبکہ میں ایک نوجوان آدمی ہوں۔

الغرض اس کے بعد دس دن اور گزر گئے حتی کہ جس دن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو ہمارا بائیکاٹ کرنے کا حکم دیا تھا، اس دن سے اب تک پچاس دن پورے ہو گئے۔ پچاسویں رات کی صبح میں اپنے گھر کی چھت پر نماز فجر سے فراغت کے بعد بیٹھا ہوا تھا، میری حالت بعینہ وہی تھی جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے کیا ہے کہ میں اپنی جان سے



عاجز آ گیا تھا اور زمین اپنی فراخی کے باوجود میرے لیے تنگ ہو گئی تھی۔ اچانک میں نے کسی پکارنے والے کی آواز سنی۔ وہ کوہ سلع پر چڑھ کر بلند آہنگی سے پکار رہا تھا: اے کعب بن مالک! خوش ہو جاؤ۔ میں یہ سنتے ہی سجدے میں گر گیا اور سمجھ گیا کہ آزمائش کا وقت ختم ہو گیا ہے۔ دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر کے بعد اعلان فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرما لی ہے، لہٰذا لوگ ہمیں خوشخبری دینے کے لیے لپک پڑے۔ کچھ لوگ خوشخبری دینے کے لیے میرے دوسرے دونوں ساتھیوں کی طرف بھاگے۔ ایک شخص گھوڑا دوڑا کر میری طرف لپکا اور ایک دوڑنے والا جو قبیلۂ اسلم کا فرد تھا، بھاگ کر پہاڑ پر چڑھ گیا۔ اس کی آواز گھوڑے کی رفتار سے بھی زیادہ تیز نکلی، لہٰذا یہ خوشخبری سنانے والا جب میرے پاس پہنچا تو میں نے اپنے کپڑے اتار کر اسے بطورِ انعام دے دیے۔ اللہ کی قسم! میرے پاس اس دن ان کپڑوں کے علاوہ اور کوئی جوڑا نہ تھا، لہٰذا میں نے دو کپڑے ادھار لے کر پہنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کے لیے چل دیا۔ لوگ گروہ در گروہ مجھ سے مل رہے



غزوۂ تبوک (رجب 9ھ)
رسول اللہ ﷺ کا سفرِ تبوک
رومی لشکر کی واپسی
خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی مہم
حاکمانِ اذرح وجرباء کی تبوک آمد
حاکمِ ایلہ کی تبوک آمد
بحیرۂ روم
عریش
غزہ
القدس (یروشلم)
فلسطین
بلقاء
مؤتہ
اردن
رومی لشکر کی واپسی
جرباء
اذرح
بتراء (پٹرا)
معان
عقبہ
ایلہ (ایلات)
قلزم
خالد بن ولید کی مہم
دومۃ الجندل
جبال الطبق
صحرائے نفود
سیناء
جبل طور
مدین
تبوک
سعودی عرب
مویلح
ضبا
تیماء
غردقہ
سفاجہ
مصر
قصیر
الوجہ
مدائن صالح
العلاء
(وادی القریٰ)
اقصر
املج
خیبر
ینبع
مدینہ منورہ
بدر
مستورہ
رابغ
حجاز

تھے اور کہہ رہے تھے: تم کو مبارک ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمھاری توبہ قبول فرما لی اور تمھیں معاف کر دیا۔

سیدنا کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب میں مسجد میں پہنچا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرام کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ مجھے دیکھتے ہی طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ دوڑتے ہوئے آئے۔ انھوں نے مصافحہ کیا اور مجھے مبارک باد دی۔ اللہ کی قسم! مہاجرین میں سے ان کے علاوہ اور کوئی شخص میری طرف اٹھ کر نہیں آیا۔ طلحہ رضی اللہ عنہ کے اس سلوک کو میں کبھی نہیں بھولا۔ سیدنا کعب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جس وقت میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک خوشی سے چمک رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَبْشِرْ بِخَيْرِ يَوْمٍ مَرَّ عَلَيْكَ مُنْذُ وَلَدَتْكَ أُمُّكَ»

''تمھیں آج کا دن مبارک ہو۔ یہ دن ان تمام دنوں سے بہتر ہے جو تمھاری پیدائش کے بعد سے آج تک تم پر گزرے ہیں۔''

میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہ (معافی) آپ کی طرف سے ہے یا اللہ کی طرف سے؟ آپ نے فرمایا: «لَا، بَلْ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ» ''نہیں، یہ معافی اللہ کی طرف سے ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت خوش ہوتے تو آپ کا چہرۂ مبارک اس طرح دمک اٹھتا جیسے وہ چاند کا ٹکڑا ہو۔ ہم آپ کا چہرۂ مبارک دیکھ کر جان لیا کرتے تھے کہ آپ خوش ہیں۔

الغرض جب میں آپ کے سامنے بیٹھا تو میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں اس توبہ کی خوشی میں اپنا مال اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بطور صدقہ دینا چاہتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سب نہیں، اپنا کچھ مال اپنے پاس بھی رکھو کیونکہ ایسا کرنا تمھارے لیے بہتر ہوگا۔'' میں نے عرض کی: اچھا میں اپنا وہ حصہ جو خیبر میں ہے، اپنے پاس روک لیتا ہوں۔ پھر میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! چونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے صرف سچ بولنے کی برکت سے نجات دی ہے، اس لیے میں اپنی توبہ کی (قبولیت کی) خوشی میں یہ عہد کرتا ہوں کہ جب تک زندہ رہوں گا، ہمیشہ سچ بات ہی کہوں گا، اللہ کی قسم! میرے علم میں ایسا کوئی مسلمان نہیں جسے سچ بولنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اتنے عظیم انداز میں نوازا ہو جس قدر حسین انداز میں اس نے مجھے نوازا ہے۔ جس دن سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو یہ عہد کیا تھا، اس دن سے آج تک میں نے کبھی قصداً جھوٹ نہیں بولا اور مجھے پوری امید ہے کہ اللہ تعالیٰ باقی ماندہ زندگی میں بھی مجھے جھوٹ کے وبال سے محفوظ رکھے گا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر سورۂ توبہ کی آیات (117-119) نازل فرمائیں۔

سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! جب سے اللہ نے میری دین اسلام کی طرف راہنمائی فرمائی ہے، اس کے بعد سے اس نے مجھے جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں، ان میں سب سے عظیم نعمت میرے نزدیک یہ ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سچ بولنے کی توفیق عطا ہوئی اور میں جھوٹ بول کر ہلاک نہ ہوا جیسے وہ لوگ ہلاک ہو گئے جنھوں نے جھوٹ بولا تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نزول وحی کے وقت ان لوگوں کے متعلق ایسے الفاظ استعمال کیے ہیں جن سے زیادہ برے الفاظ کسی اور کے لیے استعمال نہیں فرمائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ سَيَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ لَكُمْ إِذَا انْقَلَبْتُمْ إِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوا عَنْهُمْ ۖ فَأَعْرِضُوا عَنْهُمْ ۖ إِنَّهُمْ رِجْسٌ ۖ وَمَأْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝ يَحْلِفُونَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۖ فَإِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِينَ ۝ ﴾

''عنقریب وہ تمھارے لیے اللہ کی قسمیں کھائیں گے جب تم ان کی طرف پلٹو گے تا کہ تم ان سے درگزر کرو، چنانچہ تم ان سے درگزر (ہی) کرو۔ بلاشبہ وہ ناپاک ہیں اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے، ان (کاموں) کے بدلے میں جو وہ کماتے رہے۔ وہ تمھارے لیے قسمیں کھائیں گے تا کہ تم ان سے راضی ہو جاؤ، سو اگر تم ان سے راضی ہو بھی جاؤ تو بھی اللہ ان (لوگوں) سے راضی نہیں ہوتا جو نافرمان ہیں۔''[1]

سیدنا کعب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: ہم تینوں کا معاملہ ان لوگوں کے معاملے سے مؤخر کر دیا گیا تھا جن کے عذر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی قسموں کی وجہ سے قبول کر لیے تھے، ان سے بیعت لے لی تھی اور ان کے گناہوں کی معافی کی دعا بھی فرما دی تھی۔ آپ نے ہمارے مقدر کا فیصلہ معلق کر دیا تھا یہاں تک کہ اللہ نے خود اس کا فیصلہ فرمایا۔ اس کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِينَ خُلِّفُوا ﴾ ''اور ان تینوں پر بھی (اللہ نے توجہ فرمائی) جن کا فیصلہ مؤخر کر دیا گیا تھا (ان کی توبہ بھی قبول کی گئی)۔'' اس آیت میں خُلِّفُوا سے مراد یہ نہیں کہ انھیں جہاد سے پیچھے چھوڑ دیا گیا بلکہ اس سے مراد یہی ہے کہ انھیں معلق کر دیا گیا اور ان کے مقدر کا فیصلہ مؤخر کر دیا گیا جبکہ ان لوگوں کے عذر قبول کر لیے گئے جنھوں نے قسمیں اٹھا اٹھا کر عذر پیش کیے تھے۔[2]

رئیس المنافقین کی موت

جب ایمان دل کی گہرائیوں میں اترتا ہے تو انسان کو دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے سرفراز کرتا ہے

[1] التوبة 9:95,96. [2] صحيح البخاري: 4418، السيرة لابن إسحاق: 2/609-615، السيرة لابن هشام: 4/175-181، البداية والنهاية: 4/679-682، زاد المعاد: 3/552-557، المغازي للواقدي: 2/422-428، دلائل النبوة للبيهقي: 5/273-279.

جبکہ شک و شبہ کی بیماری دل کا روگ ہے۔ دنیوی جاہ و مال کی محبت دل کو بیمار اور انسان کی دنیا و آخرت تباہ کر دیتی ہے۔ نفاق بھی ایسی ہی بیماری ہے جو انسان کو برباد کر دیتی ہے۔ عبداللہ بن ابی مدینہ منورہ کا عقل مند، ذہین اور مدبر سردار تھا مگر اہل مدینہ کی سرداری چھن جانے کا غم اسے لے ڈوبا۔ اس نے کلمہ بھی پڑھا مگر حسد و بغض کے ساتھ ساتھ نفاق کی بیماری اس کے رگ و پے میں اتر گئی۔ وہ زندگی بھر رسول اللہ ﷺ کے خلاف ڈٹا رہا۔ سازشوں کے جال بنتا اور گمراہوں کی سرپرستی کرتا رہا۔ اُس نے اپنی دنیا بھی برباد کی اور آخرت کے لیے بھی رسوائی کے سوا کچھ جمع نہ کر سکا۔

رسول اللہ ﷺ تبوک کے لیے روانہ ہوئے تو منافقوں کا یہ سرغنہ اپنے ہمنواؤں کے ساتھ بیٹھا رہا۔ دوسروں کو ورغلاتا رہا اور رسول اللہ ﷺ کے مقابلے میں ڈٹا رہا۔ اس نے اپنی زندگی کے آخری ایام بھی اسلام دشمنی ہی میں غارت کیے۔

رسول اللہ ﷺ سفر تبوک سے واپس تشریف لائے تو آپ کو پتہ چلا کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بیمار ہے۔ آپ اس کی تیمار داری کے لیے تشریف لے گئے۔ ایک طرف یہ بدکردار تھا جو اپنے کالے کرتوتوں سے باز ہی نہیں آتا تھا تو دوسری طرف رحمتِ عالم ﷺ بھی اپنی لامتناہی شفقت و رحمت کی انتہا کیے ہوئے تھے۔ آپ بدترین دشمنوں کو بھی سینے سے لگانے کے لیے بے تاب رہتے تھے تاکہ وہ حق و صداقت کے سیدھے اور سچے راستے پر چل پڑیں مگر بدقسمت عبداللہ بن ابی آخری وقت تک راہ راست پر نہ آیا۔ وہ بیس روز تک مسلسل بیمار رہا اور آپ اس کی تیمارداری کے لیے تشریف لے جاتے رہے۔ ایک دن آپ اس کی خیریت دریافت کرنے پہنچے تو اس کی حالت بہت خراب تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَمَا وَاللّٰهِ! إِنْ كُنْتُ لَأَنْهَاكَ عَنْ حُبِّ الْيَهُودِ»

''اللہ کی قسم! میں تمھیں یہودیوں سے پینگیں بڑھانے سے منع کرتا تھا۔ (یہودیوں سے یارانہ تمھیں لے ڈوبا)۔''

آپ ﷺ کا ارشاد سن کر وہ بدنصیب کہنے لگا: اسعد بن زرارہ نے یہودیوں سے بغض رکھا تو اسے کیا فائدہ ہوا؟[1] حالانکہ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ ایک مخلص صحابی تھے، وہ بیعت عقبہ میں قبول اسلام سے سرفراز ہونے والے خوش نصیبوں میں شامل تھے اور بنونجار کے نقیب تھے۔ غزوۂ بدر سے قبل وفات پا گئے تھے۔

پھر عبداللہ بن ابی کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! یہ ملامت کا وقت نہیں ہے۔ اب میری موت کا وقت قریب ہے۔ اگر میں فوت ہو جاؤں تو آپ میرے غسل کے وقت موجود رہیے گا اور مجھے اپنی قمیص عطا فرمائیے گا۔ میں اسے اپنا کفن بنانا چاہتا ہوں۔ آپ نے اسے اپنی قمیص مبارک دینے کا وعدہ کر لیا۔ اس نے مزید التجا کی کہ میرے

[1] دیکھیے: سنن أبي داود: 3094.

لیے استغفار کیجیے اور میری نماز جنازہ پڑھایئے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس نے نماز پڑھانے کی التجا اس لیے کی کہ وہ اپنے خاندان کو عار سے بچا سکے۔ اگر آپ اس کی نماز جنازہ نہ پڑھاتے تو سارے خاندان کی بے عزتی ہوتی اور وہ شرمسار ہوتے۔

جب عبداللہ بن ابی فوت ہوگیا تو اس کے سعادت مند بیٹے عبداللہ حاضر خدمت ہوئے۔ عبداللہ بڑے پکے ایمان والے مشہور صحابی تھے۔ انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میرے والد کا جنازہ پڑھا دیجیے اور اس کے کفن کے لیے اپنی قمیص عطا فرمایئے۔ آپ ﷺ نے ان کی یہ خواہش پوری کر دی۔

ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ عبداللہ بن ابی کی موت کے بعد اس کی قبر پر آئے، اسے قبر سے نکلوایا، اپنے مبارک گھٹنوں پر رکھا، اس پر اپنا لعاب دہن ڈالا اور اسے اپنی قمیص کا کفن دیا۔ صحیح بخاری میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ کی روداد بیان کرتے ہیں، آیئے وہ روایت ملاحظہ فرمائیں:

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: جب عبداللہ بن ابی ابن سلول مرا تو اس کا جنازہ پڑھانے کے لیے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی گئی۔ جب رسول اللہ ﷺ اس کا جنازہ پڑھانے کے لیے کھڑے ہوئے تو میں جلدی سے آپ کی خدمت میں پہنچا اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ ابن ابی (منافق) کی نماز جنازہ پڑھانے لگے ہیں! حالانکہ اس نے فلاں دن اس اس طرح کی باتیں کی تھیں؟ میں اس کی منافقانہ باتیں ایک ایک کر کے آپ کے سامنے بیان کرنے لگا لیکن رسول اللہ ﷺ نے مسکرا کر فرمایا: ''عمر! میرے پاس سے الگ ایک طرف ہٹ جاؤ۔'' میں نے جب اصرار کیا تو آپ نے فرمایا:

«إِنِّي خُيِّرْتُ فَاخْتَرْتُ، لَوْ أَعْلَمُ أَنِّي إِنْ زِدْتُ عَلَى السَّبْعِينَ يُغْفَرْ لَهُ لَزِدْتُ عَلَيْهَا»

''مجھے اختیار دیا گیا ہے، اس لیے میں اپنے اختیار کو استعمال کر رہا ہوں۔ اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرنے سے اس کی مغفرت ہو جائے گی تو میں اس کے لیے ستر مرتبہ سے زیادہ مغفرت طلب کروں گا۔''

بالآخر رسول اللہ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی اور واپس تشریف لے آئے۔ ابھی تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ سورۂ براءت کی یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰٓ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِۦٓ ۖ إِنَّهُمْ كَفَرُوا۟ بِٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ وَمَاتُوا۟ وَهُمْ فَٰسِقُونَ﴾

''(اے نبی!) ان میں سے کوئی مر جائے تو آپ اس کی نماز جنازہ نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں، بے شک یہ اللہ اور اس کے رسول کے منکر ہیں اور مرتے دم تک یہ بدکار و بے اطاعت ہی رہے۔''[1]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ بعد ازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور اپنی جسارت پر مجھے خود بھی حیرت ہوئی، بہرحال اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس منافق کو اپنی قمیص کیوں عطا کی؟ اس کی ایک وجہ صحیح بخاری میں یوں بیان ہوئی ہے:

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ غزوۂ بدر کے روز قیدیوں کو لایا گیا۔ ان میں سیدنا عباس رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ان کے بدن پر کوئی کپڑا نہیں تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے قمیص تلاش کی تو عبداللہ بن ابی کی قمیص ہی ان کے بدن پر پوری آ سکی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ قمیص انھیں پہنا دی۔ اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا کرتہ اتار کر عبداللہ بن ابی کو (اس کے مرنے کے بعد) پہنا دیا تھا۔ ابن عیینہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کا جو احسان تھا، آپ نے چاہا کہ وہ اتار دیا جائے۔[3]

جبکہ ایک اور روایت میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «وَمَا يُغْنِي عَنْهُ قَمِيْصِي مِنَ اللّٰهِ، وَ إِنِّي لَأَرْجُو أَنْ يُسْلِمَ بِذَالِكَ أَلْفٌ مِنْ قَوْمِهٖ» ''میرا یہ کرتہ اس کے کسی کام آنے والا نہیں لیکن مجھے امید ہے کہ میرے اس عمل سے اس کی قوم کے ایک ہزار آدمی مسلمان ہو جائیں گے۔'' چنانچہ ایسا ہی ہوا، آپ کے حسنِ اخلاق سے متاثر ہو کر عبداللہ کی قوم کے بہت سارے لوگ مسلمان ہو گئے۔[4]

جناب مجمع بن جاریہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اتنا طویل جنازہ کبھی نہیں پڑھا۔ آپ نے اس کی نماز جنازہ میں خاصا وقت لگایا، پھر اسے آل نبیط کی چارپائی پر قبرستان لے جایا گیا۔ عبداللہ بن ابی دراز قد خوبرو شخص تھا۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن ابی کا جنازہ دیکھا، اس کی ٹانگیں چارپائی سے باہر نکلی ہوئی تھیں۔ مدینہ منورہ سے جنازہ اٹھایا گیا تو عبداللہ بن ابی کی بیٹی جمیلہ خوب روئی۔ اوس و خزرج کی ہر عورت اسے تسلی دینے کے لیے پہنچ گئی۔

سیدنا عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم چارپائی کے قریب جانے کی بھرپور کوشش کر رہے تھے مگر اس کے منافق ساتھی ہمیں قریب پھٹکنے نہیں دے رہے تھے۔ وہ بڑھ چڑھ کر جنازہ اٹھانے کی کوشش کر رہے تھے۔ ان نام کے مسلمانوں میں منافقوں کے سردار سعد بن حنیف، زید بن لصیت، سلامہ بن حمام، نعمان بن ابی عامر،

[1] التوبة 9:84. [2] صحيح البخاري: 4671. [3] صحيح البخاري: 3008. [4] فتح الباري: 8/426.

رافع بن حرملہ، مالک بن ابی نوفل، داعس اور سوید جیسے خبیث ترین منافق پیش پیش تھے۔ عبداللہ بن ابی کے بیٹے سچے اور مخلص صحابی سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کے لیے یہ منظر بڑا ناقابل برداشت تھا، مگر وہ بھی بے بس ہو گئے۔

دفن کا وقت ہوا تو منافقوں کی خواہش تھی کہ اپنے سردار کو خود دفن کریں، اُدھر مخلص صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ کو نماز جنازہ پڑھانے کے لیے آگے بڑھتے دیکھا تو وہ بھی آگے بڑھ کر تدفین میں حصہ لینے لگے۔ انھوں نے منافقوں کو پیچھے ہٹا کر رسول اللہ ﷺ کے لیے جگہ بنائی۔ اسی کشمکش میں ایک منافق داعس کی نکسیر پھوٹ گئی۔ بالآخر سیدنا سعد بن ابی وقاص اور عبداللہ رضی اللہ عنہ قبر میں اترے۔ قبر کے گرد کبار صحابہ کرام کھڑے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے اسے قبر میں اتارا۔ پھر آپ ﷺ اس کی قبر پر کچھ دیر کھڑے رہے۔ اس کے بیٹے سے تعزیت کی اور واپس تشریف لے آئے۔

منافقین کا گروہ اپنے سردار پر مٹی ڈال رہا تھا، وہ لوگ ساتھ ساتھ اس کی جدائی میں روتے بھی جا رہے تھے۔ اپنے سروں پر مٹی ڈال رہے تھے اور کہہ رہے تھے: اے کاش! تمھاری جگہ ہمیں موت آجاتی ...... ابھی رسول اللہ ﷺ قبرستان ہی میں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے مستقبل کے لیے نئے احکام جاری کر دیے اور منافقوں کی نماز جنازہ پڑھانے پر پابندی لگا دی۔ ارشاد ہوا:

﴿ وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ۗ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ۗ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ۝ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝ ﴾ (التوبۃ 9:84-87)

”اور (اے نبی!) ان میں سے جو مر جائے، آپ اس کی نماز (جنازہ) ہرگز نہ پڑھیں اور نہ کبھی اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔ بے شک انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور وہ حالت فسق میں مرے۔ اور (اے نبی!) ان کے مال اور ان کی اولاد آپ کو حیرت میں نہ ڈالے۔ اللہ تو بس یہی چاہتا ہے کہ ان کی وجہ سے انھیں دنیا میں عذاب دے اور ان کی جانیں حالت کفر میں نکلیں۔ اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے کہ تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ساتھ (مل کر) جہاد کرو تو ان کے دولت مند لوگ آپ سے اجازت مانگنے لگتے ہیں اور کہتے ہیں: ہمیں چھوڑ دیجیے کہ ہم (گھروں میں) بیٹھ رہنے والوں کے ساتھ رہیں۔ وہ اس بات پر راضی ہو گئے کہ پیچھے رہنے والی عورتوں کے ساتھ رہیں اور ان کے دلوں پر مہر لگا دی

گئی ہے، لہٰذا وہ نہیں سمجھتے۔''[1]

غزوۂ تبوک سے حاصل ہونے والے سبق، عبرتیں اور حکمتیں

1 علامہ ابن اسحاق رحمہ اللہ کے بقول رسول اللہ ﷺ ماہِ رجب میں غزوۂ تبوک کے لیے تشریف لے گئے۔ ماہِ رجب حرمت والا مہینہ ہے۔ آپ کے اس عمل سے ضرورت کے تحت حرمت والے مہینوں میں کافروں سے جنگ لڑنے کا جواز نکلتا ہے۔ البتہ یہ بات قابل غور ہے کہ اہل کتاب کے ہاں حرمت والے مہینوں کا تقدس نہیں تھا۔ اہل عرب حرمت والے مہینوں کو حرام سمجھتے تھے اور اس میں جنگ و جدال سے اجتناب کرتے تھے۔

2 غزوۂ تبوک میں رسول اللہ ﷺ نے صاف بتا دیا تھا کہ ہم رومیوں سے لڑائی کے لیے تبوک جا رہے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ جن معاملات پر پردہ ڈالنے اور مخفی رکھنے سے عوام کو نقصان کا اندیشہ ہو، انھیں ان معاملات سے پوری طرح مطلع کر دینا چاہیے۔

3 جب مسلمانوں کا امام اور حکمران جہاد کا اعلان کر دے اور اسلامی سپاہ کو تیاری کا حکم دے دے تو جہاد فرض عین ہو جاتا ہے۔ پھر کسی شخص کے لیے جہاد سے پیچھے رہنا درست نہیں۔

4 بدنی جہاد کی طرح مالی جہاد بھی فرض ہے۔ قرآن مجید میں مالی جہاد اور بدنی جہاد اکٹھے بیان ہوئے ہیں بلکہ اکثر مقامات پر مالی جہاد کا تذکرہ پہلے آیا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مالی جہاد، بدنی جہاد سے بھی زیادہ ضروری ہے۔ لہٰذا اہل ثروت کو بڑھ چڑھ کر جہاد میں حصہ لینا چاہیے۔ مجاہدین کے اسلحے اور دیگر ضروریات پوری کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑنی چاہیے۔ سیدنا زید بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ جَهَّزَ غَازِيًا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَقَدْ غَزَا ، وَمَنْ خَلَفَ غَازِيًا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ بِخَيْرٍ فَقَدْ غَزَا»

''جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کا سامان تیار کرے، وہ ایسا ہی ہے جیسے اس نے خود جہاد کیا۔ اور جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کے پیچھے اس کے گھر کی اچھی طرح نگرانی کرے تو اس نے گویا خود جہاد کیا۔''[2]

غزوۂ تبوک کے موقع پر آپ ﷺ نے اہل ثروت کو جنت کی بشارت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

«مَنْ جَهَّزَ جَيْشَ الْعُسْرَةِ فَلَهُ الْجَنَّةُ»

[1] فتح الباري: 8/422-431، المغازي للواقدي: 2/428-430، دلائل النبوة للبيهقي: 5/285-288، تفسير ابن كثير، التوبة9:84، موسوعة الغزوات الكبرىٰ: 2/1870-1873. [2] صحيح البخاري: 2843.

”جو شخص (غزوۂ تبوک کے لیے) لشکرِ عسرت کو تیار کرے، اس کے لیے جنت ہے۔“ [1]
لہٰذا جہاد کے موقع پر ہر مسلمان کو شمولیت کی کوشش کرنی چاہیے۔ اگر افرادی قوت و تعداد میں اضافہ نہیں کر سکتا تو مال خرچ کر کے شریک ہو جائے۔ یہ بھی ممکن نہ ہو تو اپنی دعاؤں کے ذریعے مجاہدین کی مدد کرے۔

5 غزوۂ تبوک کے موقع پر صحابہ کرام نے اسلامی لشکر کی تیاری کے لیے باقاعدہ مقابلہ کیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سب سے زیادہ مال خرچ کر کے سبقت حاصل کی تو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنا کل مال خرچ کر کے مقابلہ جیت لیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ نیکی کے کاموں میں مقابلہ کرنا اور بڑھ چڑھ کر حصہ لینا بڑا پسندیدہ عمل ہے۔
ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَسَارِعُوْۤا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝﴾

”اور اپنے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف دوڑو جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے، جو پرہیز گاروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ وہ لوگ جو خوشی اور سختی کے موقع پر (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں اور غصہ پی جانے والے اور لوگوں کو معاف کر دینے والے ہیں۔ اور اللہ نیکوکاروں کو پسند کرتا ہے۔“ [2]

6 امام اور حاکمِ وقت اگر بذات خود جہاد میں شریک ہو تو وہ خواتین، بچوں، معذوروں اور مجاہدین کے لواحقین کی دیکھ بھال کے لیے اپنا نائب مقرر کرے گا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی طویل سفر پر روانہ ہوتے تو مدینہ منورہ میں اپنا نائب ضرور مقرر فرماتے تھے۔

7 کھجوروں کے باغات سے عشر وصول کرنے کے لیے کھجوروں کا اندازہ لگانا جائز ہے۔ تخمینہ لگانے کے بعد اسی کے مطابق عشر وصول کیا جائے۔ امام بذات خود تخمینہ لگا سکتا ہے یا اس کا نمائندہ یہ فریضہ ادا کرے گا۔ غزوۂ تبوک کے لیے جاتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کے باغ کا ٹھیک ٹھیک تخمینہ لگایا تھا۔

8 جن علاقوں میں عذاب الٰہی آیا ہو، ان میں داخل ہونا اور سیر و تفریح کی غرض سے وہاں جانا جائز نہیں۔ بلکہ ایسے علاقوں سے بہت تیزی سے گزر جانا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیارِ ثمود سے گزرتے ہوئے اپنی اونٹنی کو تیز کر دیا اور اپنی چادر سے چہرۂ مبارک ڈھانپ لیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کو بھی حکم دیا کہ اگر تمھیں اس علاقے میں داخل ہونا ہو تو روتے ہوئے (عذاب الٰہی سے ڈرتے ہوئے) داخل ہونا چاہیے۔

9 دیارِ ثمود کے کنوؤں سے پانی پینا اور اس پانی سے کھانا وغیرہ تیار کرنا بھی ٹھیک نہیں، البتہ جانوروں کو یہ پانی پلایا

[1] صحيح البخاري: 2778. [2] آل عمرٰن 3:133، 134.

جاسکتا ہے۔

10 سفر میں دو نمازوں کو جمع کرنا جائز ہے جیسا کہ آپ نے اس سفر میں نمازوں کو جمع کیا۔

11 ریت سے تیمّم کرنا جائز ہے غزوۂ تبوک کے موقع پر صحابہ کرام کے پاس پانی کی قلت تھی اور ان کا سفر ریگستان میں جاری تھا۔ اس موقع پر اسلامی لشکر نے جو نمازیں تیمّم کر کے پڑھیں، وہ تیمّم یقیناً ریت ہی سے کیا ہوگا، کیونکہ اس موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مٹی ساتھ لے کر جانا ممکن نہ تھا۔ صحابہ کرام جس علاقے میں جاتے تھے، اسی کی زمین سے تیمّم کر لیتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی بھی ہے:

«فَحَيْثُمَا أَدْرَكَتْ رَجُلًا مِّنْ أُمَّتِي الصَّلَاةُ فَعِنْدَهُ مَسْجِدُهُ وَطَهُورُهُ»

”میرے امتی کو جہاں نماز کا وقت ہو جائے، وہیں اس کے پاس اس کی مسجد اور طہارت کا ذریعہ موجود ہے۔“ [1]

12 آپ تبوک میں بیس دن رہے اور نماز قصر ادا کرتے رہے۔ مسافر جب تک کسی جگہ اقامت کی نیت نہ کرے، وہ مسافر ہی رہتا ہے، چاہے وہ اس علاقے میں طویل عرصہ تک رہے۔ اس عرصے میں نماز قصر ہی ادا کرے گا۔

13 اگر کوئی شخص کسی کام کے نہ کرنے کی قسم اٹھالے اور پھر اسے محسوس ہو کہ وہ کام کرنا زیادہ بہتر ہے تو اسے قسم کا کفارہ ادا کر کے وہ کام کر گزرنا چاہیے۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر کچھ صحابہ نے آپ سے سواریاں مانگیں جو آپ کے پاس موجود نہیں تھیں۔ آپ اس وقت کچھ ناراض بھی تھے، آپ نے قسم اٹھالی کہ میں تمھیں سواریاں نہیں دوں گا۔ پھر آپ نے میسر آنے پر انھیں سواریاں عطا کر دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَا أَنَا حَمَلْتُكُمْ، بَلِ اللّٰهُ حَمَلَكُمْ ، وَإِنِّي وَاللّٰهِ! إِنْ شَاءَ اللّٰهُ لَا أَحْلِفُ عَلٰى يَمِينٍ فَأَرٰى غَيْرَهَا خَيْرًا مِّنْهَا، إِلَّا كَفَّرْتُ عَنْ يَمِينِي، وَأَتَيْتُ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ . أَوْ أَتَيْتُ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ وَكَفَّرْتُ عَنْ يَمِينِي»

”میں نے تمھیں سوار نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے تمھاری سواری کا بندوبست فرمایا ہے۔ اللہ کی قسم! ان شاء اللہ میں کسی چیز کے متعلق قسم کھا لوں، پھر اس سے بہتر چیز میرے سامنے آجائے تو میں اپنی قسم کا کفارہ دے دیتا ہوں اور وہ کام کر گزرتا ہوں جو بہتر ہوتا ہے۔ یا (بایں طور فرمایا کہ) بہتر کام کر لیتا ہوں، اور اپنی قسم کا کفارہ دے دیتا ہوں۔“ [2]

14 غصے کی حالت میں اٹھائی ہوئی ہر قسم معتبر ہوگی اور اس پر شرعی احکام لاگو ہوں گے، البتہ اگر غصہ اس قدر شدید

[1] مسند أحمد: 248/5. [2] صحيح البخاري: 6623.

ہو کہ انسان کی عقل ہی جاتی رہی تو ایسی حالت میں اٹھائی گئی قسم معتبر ہوگی نہ اس پر کفارہ لازم آئے گا۔

15 رسول اللہ ﷺ نے منافقین کو ان کے صریح کفر وارتداد کے باوجود قتل نہیں کرایا بلکہ درگزر سے کام لیا اور اس کی وجہ بھی بتا دی۔ آپ تالیف قلب کے لیے ایسے لوگوں کو معاف کر دیتے تھے۔ تاکہ لوگ زیادہ سے زیادہ اسلام کے قریب ہوں اور کسی کے لیے ہچکچاہٹ کی کوئی وجہ باقی نہ رہے۔ مگر آپ ﷺ کی رحلت کے بعد اگر کوئی شخص آپ ﷺ کی شان میں گستاخی کا مرتکب ہو تو وہ یقیناً سزا کا مستحق ہوگا۔

16 اہل ذمہ اگر کوئی ایسا عمل کریں جو اسلام اور مسلمانوں کے لیے نقصان دہ ہو تو پھر یہ لوگ اہل حرب باور کیے جائیں گے اور ان کا معاہدہ کالعدم ہو جائے گا۔ مسلمانوں کے امام کو چاہیے کہ ایسے لوگوں کو قرار واقعی سزا دے۔ اگر امام کے لیے انھیں پکڑنا اور سزا دینا ممکن نہ ہو تو ان کے اموال مسلمانوں کے لیے حلال ہوں گے۔ جو جس مال پر قبضہ کر لے، وہ اسی کا ہوگا جیسا کہ آپ نے اہل ایلہ کے ساتھ معاہدے میں واضح کر دیا تھا۔

17 مُردوں کو رات کے وقت دفن کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ آپ نے سیدنا ذوالبجادین رضی اللہ عنہ کو رات کے وقت دفن کیا۔ سیدنا ابوبکر صدیق، سیدنا عثمان اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہم کو رات ہی کے وقت دفن کیا گیا تھا۔ البتہ بلا وجہ اور بلا ضرورت رات کے وقت دفن کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔ اگر میت کے خراب ہو جانے یا مسافروں کے لیے دن نکلنے کا انتظار کرنا ممکن نہ ہو تو رات کے وقت دفن کیا جا سکتا ہے۔ بلا ضرورت رات کو دفن کرنے سے گریز کی وجہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز نبی کریم ﷺ نے خطاب فرماتے ہوئے ایک صحابی کا تذکرہ کیا کہ جب وہ فوت ہوا تو اسے ناکافی کفن دے کر رات ہی کو دفن کر دیا گیا۔ آپ ﷺ نے منع فرما دیا کہ (آئندہ) کسی شخص کو رات کے وقت دفن نہ کیا جائے حتی کہ (دن کے وقت) اس کی نماز جنازہ پڑھ کر اسے دفن کیا جائے۔ سوائے اس کے کہ کوئی شخص رات کو دفن کرنے پر مجبور ہو جائے۔ [1]

18 اسلامی لشکر سے جب کوئی فوجی دستہ کسی خصوصی مہم پر روانہ کیا جائے اور وہ مال غنیمت لے کر لوٹے تو رسول اللہ ﷺ کے حصے کا خمس نکال کر بقیہ مال اسی دستے میں تقسیم کیا جائے گا۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں دومۃ الجندل کو فتح کرنے والے لشکر کا مالِ غنیمت تقسیم کیا گیا تھا۔

19 رسول اللہ ﷺ کے حکم پر مسجد ضرار کو جلا دیا گیا۔ اسے تباہ کر کے رہائش گاہ بنا دیا گیا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ایسی جگہ جو مسلمانوں میں تفریق پیدا کرنے اور انھیں نقصان پہنچانے کے لیے استعمال ہو رہی ہو یا منافقوں اور مشرکوں کا سازشی اڈہ بن گئی ہو تو ایسے مرکز کا صفایا کرنا بہت ضروری ہے۔ امام اور حکمران کو چاہیے کہ ایسے

1 صحیح مسلم: 943.

مقامات کو جلانے، گرانے اور نابود کر دینے کا حکم جاری کرے۔ شرک و کفر کے اڈے، فسق و فجور کے مراکز اور شرعاً حرام چیزوں کی خرید و فروخت کے ٹھکانے تباہ کرنا امام کی شرعی اور منصبی ذمہ داری ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک ایسی بستی جلا دی تھی جہاں شراب کشید کر کے فروخت کی جاتی تھی۔

20 اللہ تعالیٰ کے تقرب کے حصول اور نیکی کی نیت سے کوئی چیز وقف کرنا درست ہے۔ ورنہ وقف کرنا درست نہ ہوگا جیسا کہ مسجد ضرار کے لیے جگہ اور تعمیراتی سامان دینا صحیح عمل نہیں تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نام نہاد مسجد کا خاتمہ کرا دیا۔ اسی بنا پر حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر کسی قبر پر مسجد بنا دی گئی ہو تو ایسی مسجد گرا دی جائے۔ اگر مسجد پہلے ہی سے تعمیر تھی تو پھر اس میں بنائی ہوئی قبر سے میت کو نکال کر مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے۔ دین اسلام میں قبر اور مسجد اکٹھی نہ ہوں گی۔ دونوں میں سے جو بعد میں بنے، اسے ختم کر دیا جائے۔ اور دونوں کی بیک وقت تعمیر جائز نہ ہوگی۔ اور ایسی مسجد کو وقف کرنا اور اس میں نماز ادا کرنا بھی درست نہ ہوگا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر پر مسجد بنانے والوں پر لعنت کی ہے۔[1]

21 مسافروں کی واپسی پر اشعار گنگنا کر ان کا استقبال کرنا جائز ہے۔ بشرطیکہ ان کے ساتھ حرام میوزک نہ بج رہا ہو۔ اچھے بامقصد اشعار ایسے دلکش لہجے میں پڑھنا جس سے قلبی فرحت و سرور حاصل ہو، یقیناً جائز ہے۔

22 مختلف صحابۂ کرام اشعار میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہ اشعار سن کر مسرور بھی ہوتے تھے۔ کسی اور شخصیت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قیاس کرنا درست نہیں۔ کسی بھی شخص کے منہ پر اس کی تعریف کی جائے تو آپ نے ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا:

«اُحْثُوا فِي وُجُوهِ الْمَدَّاحِينَ التُّرَابَ»

''تعریف کرنے والوں کے منہ میں مٹی بھر دو۔''[2]

23 سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے قصے سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ آدمی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں اپنی کوتاہی کا تذکرہ کر سکتا ہے تاکہ دوسروں کے لیے عبرت و نصیحت کا باعث ہو۔

24 انسان اپنی خیر و بھلائی کی بنا پر اپنی تعریف کر سکتا ہے بشرطیکہ فخر و غرور کا اظہار کرنا مقصود نہ ہو۔

25 صحابۂ کرام کے ہاں غزوۂ بدر کی شرکت بہت عظیم عمل سمجھا جاتا تھا۔ بیعت عقبہ میں شرکت بھی غیر معمولی عمل ہے۔ اس لیے کچھ صحابۂ کرام اس میں شرکت کو غزوۂ بدر میں شرکت کے برابر کا اعزاز سمجھتے تھے جیسا کہ سیدنا کعب رضی اللہ عنہ

[1] زاد المعاد: 572/3. [2] صحیح مسلم: 3002.

نے اس کا اظہار بھی کیا۔ اس طرح انھوں نے غزوۂ بدر میں غیر حاضری کے سلسلے میں اپنے آپ کو تسلی دی۔ یوں خیر و بھلائی کے کاموں کے ذریعے خود کو تسلی دینا درست ہے۔

26 رسول اللہ ﷺ کے دور میں لشکر کا باقاعدہ اندراج نہیں ہوتا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں باقاعدہ رجسٹر بنائے گئے اور مجاہدین کے نام درج کیے گئے۔ مجاہدین کی رجسٹریشن کی گئی اور ان کے وظائف بھی مقرر کیے گئے۔

27 جب کسی مسلمان کو نیکی کرنے اور اللہ کے تقرب کے حصول کا موقع میسر آئے تو اسے اس سے فوراً فائدہ اٹھانا چاہیے۔ اس میں سستی اور تاخیر نیکی کے کام سے محرومی کا باعث بن سکتی ہے کیونکہ انسانی عزائم اور ہمتیں ہمیشہ یکساں نہیں رہتیں۔ لہٰذا اس سے قبل کہ ہمت جواب دے جائے اور عزم شکست کھا جائے، اسے نیکی کا کام کر گزرنا چاہیے۔ یہ سوچنا کہ یہ کام آج کر لوں گا یا کل کر لوں گا نہایت مضر ہے، ایسے خیالات محرومی کی طرف لے جاتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ ۖ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ۝﴾

''اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول کا کہا مانو جب وہ تمھیں اس (امر) کے لیے بلائے جو تمھیں زندگی بخشتا ہے، اور تم جان لو کہ یقیناً اللہ بندے اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔''[1]

28 سپہ سالار اور امام کو اپنے ساتھیوں کی نگہبانی بھی کرنی چاہیے۔ اگر ان سے کوئی خطا ہو جائے تو توبہ کی ترغیب دینی چاہیے۔

29 ظنِ غالب کی بنا پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دفاع میں کسی شخص پر طعن کرنا جائز ہے۔ لیکن اگر کسی شخص کو یقینی علم ہو تو وہ اس طعن کا رد بھی کر سکتا ہے۔ سیدنا کعب رضی اللہ عنہ پر طعن کیا گیا تو سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ نے یہ کہتے ہوئے ان کا دفاع کیا: اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول! ہم کعب کے بارے میں صرف خیر ہی کی خبر رکھتے ہیں، یعنی جو طعن ان پر کیا جا رہا ہے، وہ مبنی برحقیقت نہیں۔ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے خاموشی فرمائی اور فریقین کو کوئی جواب نہیں دیا۔

30 سفر سے واپس آنے والے کے لیے مسنون طریقہ یہ ہے کہ وہ وضو کر کے مسجد جائے اور دو رکعت ادا کر کے اپنے گھر جائے یا ملاقات کے لیے آنے والوں کے ساتھ تھوڑی دیر مسجد ہی میں رک جائے۔

31 رسول اللہ ﷺ منافقوں کے ظاہری اقوال و اعمال کی بنا پر انھیں مسلمان مانتے ہوئے درگزر فرماتے تھے اور ان

1 الأنفال 24:8.

کے باطنی حالات کو اللہ کے سپرد کر دیتے تھے۔

32 سپہ سالار، قائد، امام اور حکمران کے لیے جائز ہے کہ وہ ایسے شخص کو سلام کا جواب نہ دے جسے سزا دینا مقصود ہو۔ ایسے لوگوں کو ان کی غلطی کا احساس دلانے کے لیے ان سے قطع تعلق جائز ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا کعب اور ان کے ساتھیوں کا بائیکاٹ کیا تو آپ کعب رضی اللہ عنہ کے سلام کا جواب بلند آواز سے نہیں دیتے تھے بلکہ آپ ان کے سلام پر انھیں محض ناراض مسکراہٹ سے نواز دیتے تھے۔

33 مسکراہٹ جس طرح خوشی کے اظہار کی علامت ہے، اسی طرح غصے اور ناراضی کے اظہار کی نشانی بھی ہے۔

34 رسول للہ ﷺ سیدنا کعب بن مالک، مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہم سے ناراض ہوئے اور ان کا بائیکاٹ کیا اور بقیہ لوگوں سے درگزر فرمایا۔ یہ آپ ﷺ کے قریبی ساتھی تھے، اس لیے ان کو سزا بھی سخت ملی۔ لیکن اس سزا کے بعد توبہ کی لذت اور رسول اللہ ﷺ کی جو محبت و الفت انھیں نصیب ہوئی، وہ انھی کا حصہ ہے۔ دیگر صحابہ کرام نے اُن سے جس طرح والہانہ محبت کا اظہار کیا اور انھیں مبارک باد دی، وہ بھی نہایت مسرت بخش واقعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے توبہ کی قبولیت، رسول اللہ ﷺ کی مبارک باد اور مسلمانوں کی الفت ان کے لیے سب سے بڑا اعزاز بن گیا۔

35 سیدنا کعب رضی اللہ عنہ اور ان کے دو ساتھیوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی عدم شرکت کے بارے میں سچی بات بتا کر توبہ کی قبولیت کا انتظار کیا۔ اس طرح انھوں نے دنیا کی سزا پا کر آخرت کی ابدی کامیابی حاصل کر لی۔ جبکہ جھوٹے عذر تراشنے والوں نے دنیا میں جان بچالی مگر اپنی عاقبت خراب کر لی۔ اس لیے انسان کو ہمیشہ سچ کا سہارا لینا چاہیے کیونکہ سچ جنت تک پہنچاتا ہے جبکہ جھوٹ جہنم کی راہیں کھول دیتا ہے، اس لیے اس سے بچنا چاہیے۔

36 سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کو توبہ کی قبولیت کی خوشخبری ملی تو وہ فوراً سجدہ ریز ہو گئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طریقہ یہی تھا۔ انھیں نعمت حاصل ہوتی یا کوئی مشکل دور ہوتی تو وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے سجدہ ریز ہو جاتے تھے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مسیلمہ کذاب کے قتل کی خبر ملی تو انھوں نے سجدۂ شکر کیا۔ رسول اللہ ﷺ کو اسلامی لشکر کی کسی بھی کامیابی کی اطلاع ملتی تھی تو آپ سجدۂ شکر ادا کرتے تھے۔

سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ کو کوئی خوشگوار معاملہ معلوم ہوتا یا آپ کو کوئی خوشخبری دی جاتی تو آپ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے سجدہ ریز ہو جاتے تھے۔[1]

[1] سنن ابن ماجه: 1394، سنن أبي داود: 2774، زاد المعاد: 3/558-585.

سیدہ ام کلثوم بنت رسول اللہ ﷺ کی وفات

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی تیسری صاحبزادی تھیں۔ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنی دوسری لخت جگر سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔ سیدہ رقیہ کی وفات پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بڑے غمگین اور دلگیر تھے۔ اس موقع پر رسول اکرم ﷺ نے اُن سے جس شفقت و محبت کا اظہار فرمایا۔[1]

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا انتقال پر ملال ماہ شعبان 9 ھ میں ہوا۔ رسول اللہ ﷺ کے حکم سے سیدہ ام عطیہ، اسماء بنت عمیس اور دیگر انصاری خواتین نے انھیں غسل دیا۔ ان جلیل القدر خواتین کو رسول اللہ ﷺ نے بڑی تاکید سے خوب اچھی طرح غسل دینے کی ہدایات دی تھیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس غسل کی کیفیت ان الفاظ میں بیان کی ہے: ''سیدہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی بیٹی کو غسل دے رہی تھیں تو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ پانی میں بیری کے پتے ڈال کر (پانی کو ابال) لو۔ اسے تین یا پانچ بار غسل دو۔ اگر زیادہ مرتبہ غسل دینے کی ضرورت محسوس ہو تو زیادہ بار غسل دو۔ غسل دیتے وقت وضو کے اعضاء پہلے دھونا اور دائیں اعضاء سے شروع کرنا۔ جب غسل سے فارغ ہو جاؤ تو مجھے اطلاع دینا۔''

چنانچہ جب ہم فارغ ہوگئیں تو ہم نے آپ ﷺ کو اطلاع دے دی۔ آپ ﷺ نے اپنا ازار بند ہمیں عطا کیا اور فرمایا: «أَشْعِرْنَهَا إِيَّاهُ» ''سب سے پہلے یہی چادر پہنانا۔''

ہم نے آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل کی۔ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے بالوں میں کنگھی کی، پھر بالوں کی تین مینڈھیاں کر کے کمر پر ڈال دیں۔[2]

ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی تدفین

رسول اللہ ﷺ نے اپنی صاحبزادی کا جنازہ پڑھایا اور پھر تدفین کے لیے مدینہ منورہ کے قبرستان میں لے گئے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو قبر کے کنارے بیٹھے دیکھا۔ آپ کی آنکھوں

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا: 125,124/6۔ [2] صحيح البخاري: 1256,1255,1254۔

سے بے اختیار آنسو برس رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

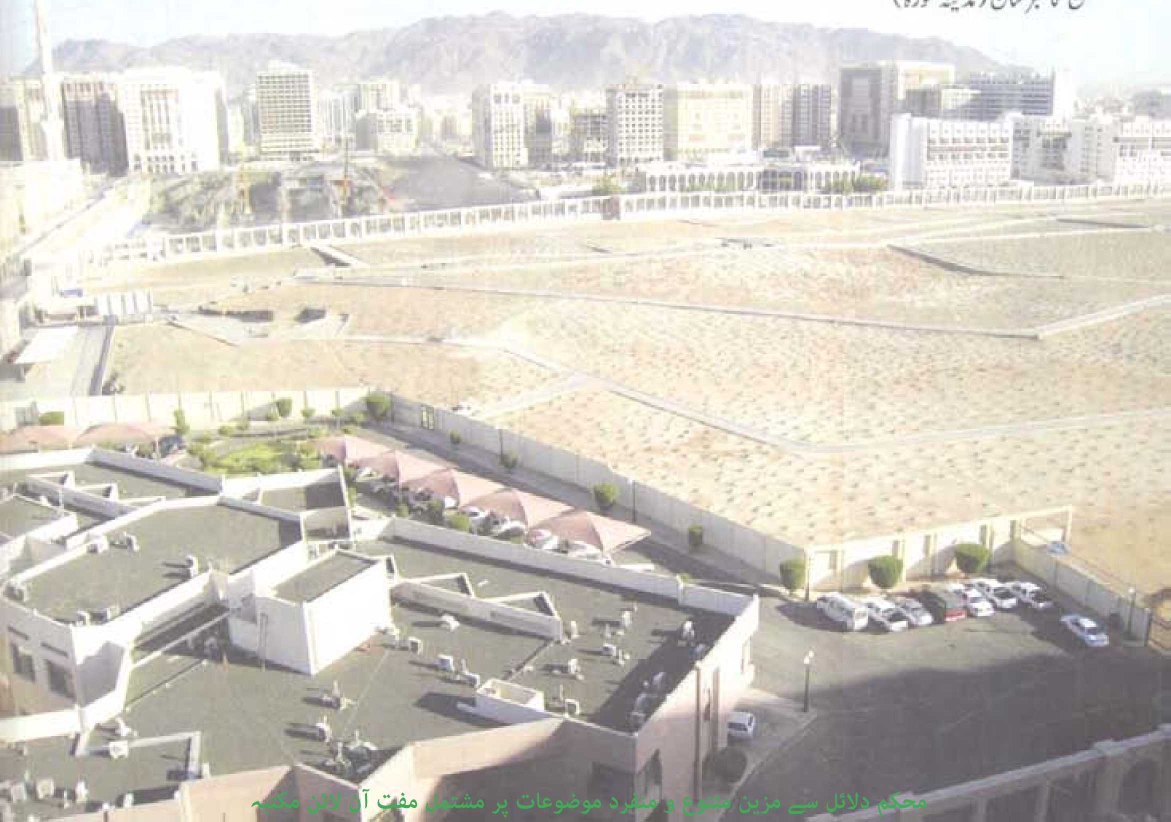
«هَلْ فِيكُمْ مَنْ أَحَدٍ لَمْ يُقَارِفِ اللَّيْلَةَ؟»

''کیا تم میں سے کوئی ایسا ہے جس نے آج رات اپنی بیوی سے یکجائی نہ کی ہو؟''

سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: میں حاضر ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم قبر میں اترو۔ لہٰذا وہ قبر میں اترے۔ پھر آپ ﷺ نے سیدنا علی بن ابی طالب، فضل بن عباس اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم کو بھی قبر میں اترنے کا حکم دیا۔ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی میت کو نہایت ادب و احترام سے قبر میں اتارا۔[1]

[1] صحيح البخاري: 1285، الإصابة: 461,460/8، أسد الغابة: 487,486/5، الطبقات لابن سعد: 38,37/8، فتح الباري: 164/3، البداية والنهاية: 47/5، سير أعلام النبلاء: 252/2.

بقیع کا قبرستان (مدینہ منورہ)



سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا حج

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے تو آپ نے بقیہ رمضان، شوال اور ذوالقعدہ کے ایام مدینہ ہی میں بسر فرمائے۔ پھر آپ نے 9 ھ ہی میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر روانہ کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں جس اسلامی معاشرے کی بنیاد رکھی، وہ آپ کے عہد مسعود میں مسلسل ترقی کر رہا تھا۔ معاشرے کے تمام بنیادی عناصر پھل پھول کر توانا ہو رہے تھے۔ عقیدے کی اصلاح تیزی سے ہو رہی تھی، اجتماعی، سیاسی، معاشی، معاشرتی اور عبادتی شعور پروان چڑھ رہا تھا۔ مسلمان اپنے محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے دن رات مستفید ہو رہے تھے۔ جاہلانہ رسوم و رواج کی جگہ اسلامی عبادات نے لے لی تھی۔ مسلمان عقیدہ توحید کو پورے جزیرہ نمائے عرب میں نافذ کر رہے تھے، شرک وکفر کے مراکز ایک ایک کر کے مٹا دیے گئے تھے اور ان کے بچے کھچے آثار ختم کرنے کی ہر کوشش بروئے کار لائی جا رہی تھی۔ جب سے مسلمانوں کو جہاد و قتال کی اجازت ملی تھی، مسلمان دن رات کفر و شرک کے اڈے تباہ کرنے میں مصروف تھے تا کہ پورے کرۂ ارض پر صرف ایک اللہ کی توحید کا پرچم لہرایا جا سکے۔ اس دوران میں وہ عبادات کا بھی پورا اہتمام کر رہے تھے۔ البتہ دینی، جہادی اور تبلیغ و دعوت کی مصروفیات کی بنا پر مسلمان ابھی تک اجتماعی حج کا فریضہ ادا نہیں کر سکے تھے۔

9 ھ کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے باقاعدہ حج کی فرضیت کا حکم نازل فرما دیا تھا لیکن مشرکین ابھی تک اپنے زمانۂ جاہلیت کے طریقے کے مطابق حج کر رہے تھے۔ چنانچہ آپ نے 9 ھ میں بنفس نفیس حج کرنے کے بجائے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر تین سو مسلمانوں کے ساتھ مکہ مکرمہ روانہ کیا تا کہ وہ وہاں جا کر جاہلیت کے رسوم و رواج کا خاتمہ کریں اور پھر آپ خود اگلے سال حج کے لیے تشریف لے جائیں۔ آپ نے انھیں بیس اونٹنیاں بھی دیں۔ بطور علامت ان کے گلوں میں جوتوں کے ہار ڈالے اور اپنے دست مبارک سے ان کے کوہانوں کے دائیں جانب اشعار کیا۔ یوں جب کسی جانور کو بیت اللہ میں ذبح کرنے کے لیے بھیجا جاتا، اگر وہ کہیں قافلے سے بچھڑ جاتا تو کوئی شخص اس سے تعرض نہیں کرتا تھا۔ سیدنا ناجیہ بن جندب اسلمی رضی اللہ عنہ کو ان اونٹنیوں کا نگران مقرر کیا گیا۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی قربانی کے لیے پانچ اونٹنیاں ساتھ لے لیں۔ سیدنا عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ بڑے

کامیاب اور صاحبِ ثروت تاجر تھے۔ انھوں نے بھی اس سال حج ادا کرنے کا ارادہ کیا اور قربانی کے لیے کئی اونٹ ساتھ لے لیے۔ اسی طرح کئی آسودہ حال مسلمان اس قافلے کے ہمراہی بن گئے۔

ابوبکر ﷜ کی قیادت میں یہ قافلہ مدینہ منورہ سے روانہ ہوا اور ذوالحلیفہ پہنچا۔ ذوالحلیفہ اہل مدینہ کا میقات ہے۔ سیدنا ابوبکر ﷜ اور ان کے ساتھیوں نے حج کا احرام باندھا، نیت کی اور تلبیہ پکارتے ہوئے مکہ مکرمہ کی جانب چل دیے۔

سیدنا ابوبکر صدیق ﷜ کی روانگی کے بعد سورۂ براءت، یعنی سورت توبہ کی ابتدائی آیات نازل ہوگئیں۔ ان آیات میں نئے احکام دیے گئے تھے۔ ان میں یہ اعلان کیا گیا تھا کہ مشرکین کے لیے جزیرہ نمائے عرب میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ البتہ جن کے ساتھ معاہدے تھے، ان کی مدتِ تکمیل تک پاسداری کی جائے گی۔ یہ نئے احکام مشرکوں تک پہنچانے ضروری تھے تاکہ آئندہ سال کوئی مشرک بیت اللہ کے حج کی جرأت نہ کرے۔ وہ لوگ مسلمان ہو جائیں یا جزیرہ نمائے عرب سے جلاوطنی کے لیے تیار ہو جائیں۔ عربوں کے ہاں رواج تھا کہ دو قوموں کے درمیان موجود معاہدوں کی تجدید یا خاتمے کے لیے صاحبِ معاہدہ یا اس کے قریبی رشتہ دار کا اعلان کرنا ضروری سمجھا جاتا تھا، اس لیے آپ ﷺ نے سیدنا علی بن ابی طالب ﷜ کو طلب کیا اور یہ آیات دے کر انھیں مکہ مکرمہ روانہ کیا تاکہ وہ ایامِ حج میں منیٰ میں یہ اعلان کر دیں جہاں مسلمانوں کے علاوہ عام مشرک بھی جمع ہوں گے اور سب لوگ نئے احکام حج سے آگاہ ہو جائیں۔

سیدنا علی ﷜ یہ اہم اعلان کرنے کے لیے چل پڑے۔ وہ اسلامی قافلے کے پاس فجر کے وقت پہنچے، اس وقت قافلہ مقامِ عرج پر آرام کر رہا تھا۔ سیدنا ابوبکر ﷜ نے رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کی آواز سنی تو فوراً متوجہ ہوئے۔ کہنے لگے: ارے یہ تو رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی قصواء ہے۔ اس پر سیدنا علی ﷜ سوار چلے آ رہے تھے۔ سیدنا ابوبکر ﷜ سمجھ گئے کہ علی ﷜ یقیناً رسول اللہ ﷺ کی طرف سے کوئی اہم اطلاع دینے آئے ہیں۔ چنانچہ سیدنا ابوبکر ﷜ نے آگے بڑھ کر سیدنا علی ﷜ کا استقبال کیا، انھیں خوش آمدید کہا اور دریافت کیا: کیا آپ کو امیر حج مقرر کر دیا گیا ہے یا آپ کوئی اہم ذمہ داری نبھانے آئے ہیں؟ سیدنا علی ﷜ نے بتایا کہ امیر حج آپ ہی ہوں گے۔ مجھے تو رسول اللہ ﷺ نے مشرکین کے عہد ختم کرنے اور دیگر اہم اعلانات کرنے کے لیے بھیجا ہے۔

سیدنا ابوبکر صدیق ﷜ نے سات ذوالحجہ کو اہل مکہ اور حجاج کے روبرو خطبہ ارشاد فرمایا۔ 8 ذوالحجہ کو انھوں نے بیت اللہ کا طواف کیا، پھر اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر باب بنوشیبہ سے نکل کر منیٰ روانہ ہوگئے۔ منیٰ میں ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر کی نمازیں ادا کیں۔ 9 ذوالحجہ کو سورج بلند ہونے کے بعد منیٰ سے عرفات کے لیے روانہ ہوئے۔ سورج

ثبیر پہاڑ پر چمک رہا تھا جب مسلمان اللہ کی توحید کا اقرار کرتے ہوئے عرفات کی جانب چل رہے تھے۔ وادیٔ نمرہ میں امیر حج کے لیے بالوں سے بُنے ہوئے خیمے کا بند و بست کیا گیا تھا۔ امیر حج سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس خیمے میں قیلولہ کیا۔ پھر اپنی سواری پر سوار ہوئے اور وادیٔ عرنہ میں تشریف لائے۔ وہاں خطبہ دیا اور پھر مسلمانوں کو ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ نماز ظہر اور عصر پڑھائی۔ نمازوں کی ادائیگی کے بعد آپ وادیٔ عرفات میں داخل ہوئے۔ وہاں سورج غروب ہونے تک وقوف کیا۔ اللہ تعالیٰ کے حضور مناجات و دعائیں کیں۔ مشرکین مکہ وادیٔ عرفات میں داخل نہیں ہوتے تھے، وہ مزدلفہ تک آتے تھے جو حدود حرم میں ہے۔ وہ خود کو حمس یعنی مذہبی لیڈر کہلاتے تھے۔ اس لیے حدود حرم سے باہر نہیں جاتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کی مخالفت کرنے کے لیے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو وادی عرفات میں داخل ہونے کا حکم دیا تھا، لہٰذا انھوں نے سورج غروب ہونے تک عرفات میں وقوف کیا، پھر واپس مزدلفہ پہنچ کر مغرب اور عشاء کی نمازیں اکٹھی ادا کیں اور پھر فجر تک وہیں آرام کیا۔ نماز فجر کی ادائیگی کے بعد خوب دعائیں مانگیں۔ پھر روشنی ہونے پر اور سورج نکلنے سے پہلے منیٰ کی جانب چل پڑے۔ انھوں نے یہاں بھی مشرکین کی مخالفت کی۔ وہ سورج بلند ہونے تک مزدلفہ سے روانہ نہیں ہوتے تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو ہدایت کی کہ روشنی ہونے کے بعد مزدلفہ سے روانہ ہو جاؤ۔ پھر وہ اپنی سواری آرام سے چلاتے ہوئے منیٰ کی طرف چل پڑے۔ البتہ وادی محسر میں سواری کو تیز کر دیا اور وادی کو جلدی سے عبور کیا۔ یہ وہی وادی ہے جہاں ابرہہ کے لشکر پر عذاب الٰہی آیا تھا۔ جب وہ بیت اللہ کو گرانے کے ناپاک ارادے سے آیا تھا۔ وادی محسر سے نکلنے کے بعد دوبارہ سکون سے سفر جاری رکھا۔ پھر منیٰ پہنچے، جمرہ عقبہ کو سات کنکریاں ماریں، پھر قربانی کی اور سر کے بال منڈائے۔ بعد ازاں خطبہ ارشاد فرمایا۔

دس تاریخ کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ان کی ذمہ داری پوری کرنے کا حکم دیا۔ ان کے ساتھ دیگر صحابہ کی ذمہ داری لگائی کہ وہ مختلف جگہوں پر کھڑے ہو کر اعلان کریں۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: مجھے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حج میں قربانی کے دن منادی کرنے والوں کے ساتھ روانہ کیا تاکہ ہم منیٰ میں یہ اعلان کریں کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے، نہ کوئی شخص برہنہ ہو کر طواف کرے...... سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے قربانی کے دن ہمارے ساتھ منیٰ کے لوگوں میں یہ اعلان کیا کہ آج کے بعد کوئی مشرک نہ حج کرے، نہ کوئی برہنہ ہو کر بیت اللہ کا طواف کرے۔[1]

[1] صحیح البخاري: 369.

علامہ ابن سعد فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اعلان براءت کے لیے بھیجا تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر حج بنا کر بھیجا ہے؟ انھوں نے عرض کی: نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے لوگوں کو سورۂ براءت کی آیات سنانے اور ہر عہد کو ختم کرنے کا اعلان کرنے بھیجا ہے، چنانچہ دس ذوالحجہ کو جمرہ عقبہ کے پاس کھڑے ہو کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے یہ اعلان کیا: 1 اے لوگو! کافر جنت میں داخل نہ ہوگا۔ 2 اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا۔ 3 بیت اللہ کا طواف برہنہ ہو کر نہیں کیا جائے گا۔ 4 جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاہدہ ہے، وہ اپنی مدت پوری کرے گا۔ اور جس کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں ہے، اس کے لیے چار مہینے کی مہلت ہے۔

یہ اعلان اہل شرک کے ساتھ کیے گئے معاہدوں کے بارے میں نہایت اہم پیغام تھا کہ آج کے بعد مشرکین کے ساتھ کوئی نیا معاہدہ نہ ہوگا۔ مشرکین بیت اللہ میں داخلے سے روک دیے جائیں گے۔ کسی کو ننگا ہو کر بیت اللہ کا طواف کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔ اس طرح بیت اللہ کی بے حرمتی کرنے والوں کو بھی روک دیا گیا۔ جو مشرک حج کے لیے آئے ہوئے تھے، انھیں چار مہینے کی مہلت دی گئی تاکہ وہ امن و سلامتی سے اپنے گھروں اور علاقوں کو لوٹ جائیں۔ اس کے بعد وہ اسلام قبول کر لیں یا جنگ کے لیے تیار ہو جائیں۔ جن کے ساتھ گزشتہ معاہدے تھے، انھیں مدت پوری ہونے تک مہلت تھی۔ اگر اس مدت کے خاتمے پر وہ اسلام قبول نہیں کریں گے تو ان سے بھی جنگ ہوگی یا وہ جزیرہ نمائے عرب سے جلا وطن ہو جائیں۔ اس طرح مشرکوں کو واضح پیغام دے دیا گیا کہ آج کے بعد بیت اللہ، حرم مکی اور جزیرہ نمائے عرب میں ان کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ وہ اسلام قبول کر کے باعزت زندگی گزاریں یا ذلیل و خوار ہو کر جزیرہ نمائے عرب سے نکل جائیں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورت توبہ کی ابتدائی تیس یا چالیس آیات دے کر بھیجا تھا۔[1] انھوں نے اعلان کے ساتھ ہی متعلقہ آیات کی تلاوت بھی کی۔ وہ آیات درج ذیل ہیں:

اس کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور امیر حج سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بقیہ مناسک حج ادا کر کے واپس مدینہ منورہ آ گئے۔[2]

---

1 تفسير ابن كثير، التوبة 9:1. 2 السيرة لابن هشام: 4/188-193، المغازي للواقدي: 2/444,443، زاد المعاد: 3/594,593، الطبقات لابن سعد: 2/169,168، دلائل النبوة للبيهقي: 5/293، السيرة لابن إسحاق: 2/621-623، موسوعة الغزوات الكبرى: 2/1877-1880.

تفصیل حواشی سیرت انسائیکلو پیڈیا

(جلد9)

اماکن

اوطاس: علمائے تاریخ و ماہرین آثاریات کی جدید تحقیق کے مطابق اوطاس دو ہیں۔ ایک تو وادی اوطاس ہے جو وادی حنین کے پاس ہے جہاں غزوۂ حنین برپا ہوا اور دوسرا اوطاس (موجودہ حزم الصریم) وادی العشیر ہ اور وادی تحضبہ کے سنگم (بریکہ اوطاس) کے مغرب میں میقاتِ ذات عرق کی جانب واقع ہے اور مکہ سے اس کا فاصلہ 190 کلومیٹر ہے۔ یاقوت حموی نے بھی بحوالہ ابن شیبہ لکھا ہے: الغور من ذات عرق الی اوطاس ''الغور ذات عرق سے اوطاس تک ہے۔'' اور اس سے مراد یہی اوطاس (حزم الصریم) ہے۔ معرکۂ حنین سے پہلے قوم درید میدانِ اوطاس (حزم الصریم) میں جمع ہوئی تھی جسے درید نے گھوڑوں کی بھاگ دوڑ کے لیے بہترین قرار دیا تھا۔ اوطاس (حزم الصریم) سے وہ مکہ کی جانب چلے حتی کہ وادی حنین آ پہنچے۔ یہاں جنگ ہوئی اور اس کے بعد قوم درید مختلف اطراف میں بھاگ نکلی تو ایک گروہ درید کے ہمراہ اوطاس (حزم الصریم) جا پہنچا۔ ان کی سرکوبی کے لیے نبی ﷺ نے ابوعامر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں سریہ بھیجا۔

حرۃ الرجلاء: جغرافیہ دان اس کی تحدید میں متفق نہیں ہیں۔ یاقوت حموی کے نزدیک یہ قضاعہ قبیلے کی شاخ بلقین بن جسر کا حرہ ہے جو مدینہ منورہ اور شام کے درمیان ہے۔ اہل مغازی اور یاقوت حموی کی عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حرہ لیلیٰ کے قریب ہے۔ یا شاید اس کا حصہ ہے۔ کیونکہ جب مسافر مدینہ سے بلقین کی طرف سفر کرتے ہوئے حرۃ لیلیٰ سے گزرتا ہے تو یہ حرہ بھی راستے میں آتا ہے۔ اس حرے میں متعدد پہاڑی چوٹیاں اور نشیب و فراز ہیں۔ جب یہ حرۃ الجناب (موجودہ الجبراء) کی جانب سے ختم ہوتا ہے تو تمام حرے ختم ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ حرۃ الرجلاء انھی نشیب و فراز کے درمیان واقع ہے۔ (معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص: 97)

الحساء: یہ الربذہ اور (وادی) نخل (وادی الحناکیہ) کے درمیان بنو فزارہ کے چشمے ہیں، اس مقام کو ذوحساء کہا جاتا ہے۔ (معجم البلدان: 257/2، معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص: 318)

ذات اَطلاح: ان دنوں ذات اطلاح کے بارے میں کوئی نہیں جانتا کہ یہ مقام کہاں ہے۔ سیرت نگاروں نے اسے ارض شام میں شمار کیا ہے جبکہ وہ شام کو تیما (شمالی سعودی عرب) تک گردانتے تھے جو مدینہ سے 625 کلومیٹر کے فاصلے کے لگ بھگ ہے لیکن اہل

جغرافیہ کے نزدیک ذات اَطلاح ارضِ حجاز ہی میں تھا جبکہ وہ شہر معان (جنوب مغربی اردن) کو بھی حجاز ہی میں شامل سمجھتے تھے۔ (معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص :31)

ذی طویٰ: باب مکہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے۔ مکہ مکرمہ میں داخل ہونے والے کے لیے اس مقام پر غسل کرنا مستحب ہے جیسا کہ صحیح البخاری : 1573 میں نافع، سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ جب ابن عمر رضی اللہ عنہما حرم کے قریب پہنچ جاتے تو تلبیہ پڑھنا بند کر دیتے، پھر ذی طویٰ میں رات بسر کر کے صبح کی نماز وہیں پڑھتے اور غسل کرتے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح کیا کرتے تھے۔

شُعَیبہ: یہ بحرالحجاز (بحیرۂ احمر) پر (جدہ کے جنوب میں) ایک بندرگاہ ہے۔ جدہ سے پہلے یہی مکہ کی بندرگاہ تھی اور اہل مکہ کے جہاز یہیں لنگر انداز ہوتے تھے۔ (معجم البلدان :351/3)

صفاح مقام: صفاح حنین اور انصاب الحرم (حرم کے نشانات) کے درمیان واقع ہے اور یہ مشاش سے مکہ آتے ہوئے دائیں جانب پڑتا ہے۔ یہیں فرزدق کی حسین رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تھی۔ (معجم البلدان :412/3)

فيفاء الفحلتين: دور حاضر میں اَلْفَحْلَتَان، کا محل وقوع نامعلوم ہے۔ اَلْفَيافي: وسیع وعریض علاقے کو کہتے ہیں جو قریبی بستی کی طرف منسوب ہو کر مستعمل ہوتا ہے۔ سریے کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جذام قبیلے کو جانے والے راستے پر واقع تھا مگر مدینہ سے زیادہ قریب تھا۔ ممکن ہے یہ علاقہ اِضَم اور اَلْعُلا کے درمیان ہو۔ (معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص :241)

کراع ربۃ: حرۃ لیلیٰ میں واقع ہے۔ جبکہ حرۃ لیلیٰ کا موجودہ نام حرۃ خیبر اور حرۃ ہُتیم ہے۔ (معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص :97)

مرالظہران : مکہ اور عسفان کے درمیان ایک وادی کا نام ہے اور اس کی طرف منسوب بستی کا نام مَرّ ہے۔ (النهاية في غريب الحديث والأثر :167/3، مادة: ظهر)

معان: یہ جنوبی اردن کا ایک شہر ہے جو اسی نام کے صوبے کا دارالحکومت ہے۔ یہ عقبہ کی بندرگاہ سے تقریباً 100 کلومیٹر شمال میں دمشق وعمان کو جانے والی ریلوے لائن پر واقع ہے۔ (المنجد في الأعلام - أطلس العالم، ص :47)

موآب (مآب) : موآب (Moab) کے مغرب میں بحیرۂ مردار، مشرق میں صحرائے عرب، شمال میں دریاء ارنون اور جنوب میں ادوم (اردن) کا ملک تھا۔ ارنون آج کل وادی الموجب کہلاتا ہے۔ (قاموس الکتاب، ص :968، اطلس العالم، ص :47)

وادی القریٰ: ان دنوں اسے وادی العُلاء کہا جاتا ہے۔ شہر العلاء مدینہ سے تقریباً 350 کلومیٹر شمال میں آباد ہے۔ یہاں بہنے والی وادی القریٰ نامی ندی وادی الجزل سے جاملتی ہے جو آگے وادی الحمض (اِضَم) میں شامل ہو جاتی ہے۔ (معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص :250)

ہَدَہ: یہ مَرّالظہران کے بالائی جانب حرہ رُہاط (رہط) کے قریب واقع ہے۔ یہاں سے اہل مکہ سفید مٹی لاتے تھے جسے عورتیں کھاتی تھیں۔ اسے پیس کر اور اس میں اِذخر گھاس کا سفوف ملا کر لوگ اس سے اپنے ہاتھ دھوتے تھے۔ ان دنوں اسے ہدأۃ الشام کہا جاتا

ہے۔(معجم البلدان :396,395/5، أطلس الحدیث النبوي، ص :366)

یاجج: ایک وادی ہے جو عمرۃ التنعیم کے شمال میں ہے۔ وادی تنعیم اس میں گرتی ہے جبکہ وادی یاجج وادی مرالظہران سے جا ملتی ہے۔ یاجج مسجد الحرام سے دس کلومیٹر دور ہے۔ آج کل اس کا نام ''یاج'' ہے۔(معجم المعالم الجغرافیہ فی السیرۃ النبویۃ، ص :337)

قبائل

جذام: کہلانی قحطانی قبیلہ جذام تبوک سے بحیرہ قلزم تک آباد تھا۔(معجم المعالم الجغرافیة في السیرۃ النبویۃ، ص :159)

قضاعہ اور عذرہ: بنو عذرہ بنو قضاعہ کی شاخ تھے۔ یہ لوگ وادی القریٰ (العلاء) میں تبوک اور تیماء تک آباد تھے۔ ذات السلاسل غالبًا بنو عذرہ کے علاقے میں پیش آیا تھا۔(معجم المعالم الجغرافیہ فی السیرۃ النبویۃ، ص :159، معجم قبائل العرب :768)



سیرت انسائیکلوپیڈیا

رہبرِ انسانیت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ قیامت تک آنے والے انسانوں کے لیے ''اسوۂ حسنہ'' ہیں۔ آپ نے 23 سال کے مختصر عرصے میں اقوام عالم کو ایسے روحانی اور سماجی و سیاسی انقلاب سے آشنا کیا کہ تاریخ انسانی اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ آپ ﷺ کی ذاتِ بابرکات اور عظیم کارناموں پر سب سے زیادہ کتابیں لکھی گئی ہیں۔ کتبِ سیرت کی کہکشاں میں دارالسلام کا جدید انداز کا سیرت انسائیکلوپیڈیا ''اللؤلؤ المکنون'' اپنی نوعیت کا نہایت معتبر، منفرد اور ممتاز علمی و تحقیقی ارمغانِ عقیدت ہے۔ ان شاء اللہ آپ کو اس کے مطالعے سے رسالت مآب ﷺ کی مقدس زندگی کے ہر گوشے کے بارے میں علم و بصیرت کی بھرپور روشنی ملے گی۔

یہ اسی سلسلۃ الذہب کی نویں جلد ہے۔ اس میں عمرۃ القضاء سے غزوۂ تبوک تک کے تمام اہم واقعات شامل ہیں۔ عمرۃ القضاء (7ھ) کے اگلے سال قریشِ مکہ کے دو اہم سردار خالد بن ولید اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما مدینہ آکر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ پھر چند ماہ بعد کفارِ روم کے خلاف معرکۂ موتہ برپا ہوا۔ رمضان 8ھ میں فتح مکہ کے موقع پر دس ہزار مسلمان مجاہدین کا لشکر آپ ﷺ کے ہمراہ تھا۔ محسنِ انسانیت کی جان کے دشمن قریشِ مکہ آپ کے سامنے سر جھکائے کھڑے تھے۔ فتح مکہ کے ساتھ ہی اسلام بڑی تیزی سے پھیلنے لگا۔ غزوۂ حنین اور محاصرۂ طائف کے بعد اہلِ ثقیف کے قبولِ اسلام سے اسلام کی قوت دو چند ہوگئی۔ آپ ﷺ کی فیاضانہ رحم دلی سے جہاں ہزاروں غلاموں کو آزاد کیا گیا، وہاں نومسلموں کی ثابت قدمی کے لیے اموالِ غنیمت تقسیم کیے گئے۔ بالآخر جزیرہ نمائے عرب کی آخری حدود پر مقیم غسانیوں اور رومیوں سے لڑنے کے لیے تیس ہزار کا اسلامی لشکر تبوک پہنچ گیا۔ رسول اللہ ﷺ کی سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے بابرکت شادی کا تذکرہ بھی اسی جلد میں شامل ہے۔

ISBN: 978-603-500-355-1
9 786035 003551

دارُالسّلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

اللؤلؤ المکنون

جلد دہم

سیرت انسائیکلوپیڈیا

- مدینہ منورہ میں وفود کی آمد اور قبول اسلام
- حجۃ الوداع کے پر مسرت لمحات اور تکمیل دین کا مژدہ
- رحمۃ للعالمین ﷺ کا سفرِ آخرت
- امہات المومنین اور اولاد نبوی رضی اللہ عنہم کا انمول تذکرہ اور چند روشن پہلو

DARUSSALAM
دار السلام

دار السلام
ریسرچ سنٹر



وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے

جلد 10

اللؤلؤ المکنون

سیرت اِنسائیکلوپیڈیا

علی صاحبہا الصلاۃ والسلام



وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ

اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے

اللؤلؤ المکنون

سیرت انسائیکلوپیڈیا

علی صاحبها الصلاۃ والسلام

جلد 10

- عام الوفود میں توحید و رسالت کی بلند ہوتی صدائیں
- نبی ﷺ کی اپنی امت کے ساتھ فریضۂ حج کی ادائیگی
- دین محمدی کی تکمیل کے بعد نبی ﷺ کی رفیقِ اعلیٰ کی طرف رحلت
- رسولِ کریم ﷺ کی ازواج مطہرات اور اولاد کے مستند حالات و واقعات

دارالسلام
DARUSSALAM

اللؤلؤ المكنون

سیرت انسائیکلوپیڈیا

علی صاحبہا الصلاۃ والسلام

رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضری دینے والے مختلف وفود کے قبول اسلام کا ایمان افروز تذکرہ۔ آپ ﷺ کے ہمراہ لاتعداد مسلمانوں کا لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ پکارنا اور فریضۂ حج ادا کرنا۔ خاتم النبیین ﷺ کے وجود مسعود سے امت محمدیہ کا محروم ہونا، آپ ﷺ کی تکفین و تدفین، غم و اندوہ میں مبتلا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی دین میں استقامت، خلیفۂ اول کا انتخاب اور مثالی اقدامات و فیصلے۔ مستند روایات کی روشنی میں خاندان نبوی کے ایمان افروز حالات و واقعات۔

نگران اعلیٰ: عبدالمالک مجاہد

تصنیف وتالیف

حافظ محمد ابراہیم طاہر گیلانی
(ایم اے اسلامیات، فاضل مدینہ یونیورسٹی)

حافظ عبداللہ ناصر مدنی
(فاضل علوم اسلامیہ)

حافظ محمد عثمان یوسف
(فاضل مدینہ یونیورسٹی)

تصحیح وتنقیح/ نظر ثانی

مولانا ارشاد الحق اثری
(فاضل علوم اسلامیہ، معروف مؤلف ومحقق)

جناب محسن فارانی
(ایم اے اردو، ماہر تاریخ، جغرافیہ واسانیات)

معاونت

جناب احمد کامران
(سینئر صحافی وماہر اردو زبان وادب)

ڈیزائننگ وکمپوزنگ

ہارون الرشید
(آرٹ ڈائریکٹر)

عبدالخالق
(کمپوزنگ وگرافک ڈیزائننگ)

محمد شعیب
(اسکینر)

دارالسلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
DARUSSALAM

سعودی عرب (ہیڈ آفس)

پرنس عبدالعزیز بن جلاوی سٹریٹ پوسٹ بکس: 22743 الریاض: 11416 سعودی عرب

فون: 4033962، 00966 1 4043432 فیکس: 4021659 www.darussalamksa.com
Email: darussalam@awalnet.net.sa info@darussalamksa.com

الریاض • علیا فون 00966 1 4614483 فیکس 4644945 • الملز فون 00966 1 4735220 فیکس 4735221
• سویلم فون 00966 1 4286641 • سویلم فون/فیکس 00966 1 2860422
جدہ فون: 00966 2 6879254 فیکس 6336270 • مدینہ منورہ فون 00966 4 8234446، 8230038 فیکس 04 8151121
الخبر فون 00966 3 8692900 فیکس 00966 3 8691551 • خمیس مشیط فون/فیکس: 00966 7 2207055
ینبع البحر فون 0500887341 فیکس 8691551 • القصیم، بریدہ فون 0503417156 فیکس 00966 6 3696124

امریکہ • نیویارک فون 001 718 625 5925 • ہیوسٹن 001 713 722 0419 • کینیڈا • ٹورنٹو فون: 001 416 4186619

لندن • فون 0044 20 77252246، 0044 20 85394885 • برمنگھم 0044 0121 7739309

متحدہ عرب امارات • شارجہ فون: 00971 6 5632623 فیکس: 5632624 • فرانس فون: 0033 01 480 52928 فیکس 0033 01 480 52997

انڈیا • دارالسلام انڈیا فون 0091 44 45566249 موبائل 0091 98841 12041 • ممبئی فون: 0091 22 2373 4180
• حیدرآباد فون: 0091 40 2451 4892 موبائل: 0091 98493 30850 • فون: 0091 44 42157847

سری لنکا • فون: 0094 115 358712 • فون 0094 114 2669197

پاکستان ہیڈ آفس و مرکزی شوروم

36- لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ، لاہور

فون: 372 324 00 ,372 400 24 ,0092 42 373 240 34 فیکس: 042 373 540 72
www.darussalampk.com
اردو بازار غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور فون: 0092 42 371 200 54 فیکس: 042 373 207 03
ڈیفنس Y بلاک، گول کمرشل مارکیٹ، دکان: 2 (گراؤنڈ فلور) ڈیفنس، لاہور فون: 0092 42 356 926 10
گلبرگ: دکان نمبر 2 گراؤنڈ فلور، ایک سی پلازہ، لبرٹی گول چکر، گلبرگ III لاہور فون: 0092 42 357 738 50
ٹین مارکیٹ بالمقابل ایس ایف ڈبلیو مین مارکیٹ گلبرگ فون: 0092 42 357 882 67
ٹاؤن شپ پیکو روڈ ٹاؤن شپ، نزد اکبر چوک لاہور فون: 0092 42 351 242 30

کراچی مین طارق روڈ ڈولمین مال سے (بہادر آباد کی طرف) دوسری گلی کراچی فون: 0092 21 343 939 36 فیکس: 0092 21 343 939 37
اسلام آباد F-8 مرکز، ایوب مارکیٹ، شاہ ویز سنٹر فون: 0092 51 228 15 13 islamabad@darussalampk.com

ملتان 995- انکم ٹیکس آفیسر کالونی، بوسن روڈ۔ ملتان فون: 0092 61 622 00 24

فیصل آباد: کوہ نور سٹی (پلاٹ نمبر 1، دکان نمبر 15) جڑانوالہ روڈ، فیصل آباد فون: 0092 41 850 19 44

info@darussalampk.com | www.darussalampublishers.com

بسم الله الرحمن الرحیم

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے

(ح) مكتبة دارالسلام، ١٤٣٧هـ
فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر
مكتبة دارالسلام
موسوعة السيرة النبوية جزء ١٠. / مكتبة دارالسلام - الرياض، ١٤٣٧هـ
ص: ٥٢، مقاس ١٧×٢٤ سم
ردمك: ٨-٣٦٩-٠٠٥-٦٠٣-٩٧٨ (اللغة اردو)
١. السيرة النبوية ٢. الشمائل المحمدية أ. العنوان
ديوي ٢٣٩ ١٤٣٧/١١٣٣
رقم الإيداع: ١٤٣٧/١١٣٣
ردمك: ٩٧٨-٦٠٣-٥٠٠-٣٦٩-٨

اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى

مُحَمَّدٍ

وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ

وَعَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ

كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيْمَ

إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

صحيح البخاري : 3370 صحيح مسلم : 405-407

رسول ﷺ کی مدحت میں
سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے
خوبصورت اشعار

وَأَحْسَنُ مِنْكَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَيْنِي
وَأَجْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ
خُلِقْتَ مُبَرَّأً مِنْ كُلِّ عَيْبٍ
كَأَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

اور آپ کی ذاتِ اقدس سے زیادہ حسین میری نگاہ نے کبھی کوئی دیکھا ہی نہیں
اور آپ سے زیادہ حسن و جمال والا کبھی کسی ماں نے جنا ہی نہیں
آپ ہر قسم کے عیب سے پاک صاف پیدا کیے گئے ہیں
گویا آپ کی ذاتِ اقدس کو آپ کے منشا کے عین مطابق بنایا گیا ہے

باب:1 عام الوفود (9 ہجری) 27

باب:2 حجۃ الوداع 171

باب:3 وفات النبی ﷺ 301

باب:4 رسول اللہ ﷺ کا خاندان 411



مضامین

باب 1:

عام الوفود

وفود کی مدینہ میں حاضری 30

- عرب لوگ مسلمان کیوں نہیں ہوتے تھے؟ 30
- محسن انسانیت ﷺ کے آگہی بخش مکالمات 31
- وفود کی تعداد و روایات 32
- خدمت نبوی میں حاضر ہونے والا اولین وفد 33
- وفد بنو تمیم 35
- وفد عبدالقیس 38
- وفد عبدالقیس کی مدینہ آمد 39
- اشج عبدالقیس کی امتیازی خوبیاں 41
- وازع رضی اللہ عنہ کے ماموں کی شفایابی 42
- جارود کا سبق آموز واقعہ 42
- قبیلہ عبدالقیس کا دوسرا وفد 44
- وفد بنو حنیفہ 45
- مسیلمہ کذاب کی آمد اور اس کی شرط 45
- رسول اللہ ﷺ کا خواب 46
- رحال بن عنفوہ کا انجام 47
- مسیلمہ کذاب کی یاوہ گوئیاں 48
- واہیات اور بے معنی کلام 49
- مسیلمہ کذاب کی خرافات 50
- رسول اللہ ﷺ کے نام مسیلمہ کذاب کا خط 51
- رسول اللہ ﷺ کا جوابی خط 52
- نجرانی عیسائیوں کا وفد 52
- پادری لرز اٹھا 53
- مباہلے کا چیلنج 57

ابوعلقمہ کی کایا پلٹ گئی	59
راہب لیث بن ابی شمر کا قبولِ اسلام	60
دوسرے وفد کی مدینہ آمد	61
ایک لالچی پادری کا اعترافِ حق	61
وفد نجران کو اسلام کی دعوت	62
سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے متعلق مباحثہ	62
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے پروانۂ امن	64
ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ امینِ امت ہیں	64
ابوحارثہ اور عبدالمسیح عاقب کا قبولِ اسلام	65
وفد نجران سے حاصل ہونے والے فوائد واسباق	65
وفد بنی عامر	66
عامر کی سازش اور اس کا انجام بد	66
عامر تڑپ تڑپ کر مر گیا	69
اربد بھسم ہوگیا	69
سید تو اللہ ہے	71
ایک وضاحت	71
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بنو عامر کا خیر مقدم	72
ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے اوامر و نواہی کی پابندی کا اعلان	72
قوم کو دعوتِ اسلام	74
طارق بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی ساتھیوں سمیت آمد	74
وفد بنو محارب	76
وفد بنو طے	77
وفد دوس اور طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ کی آمد	79
اشعریوں کی آمد	79
اشعریوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خراجِ تحسین	80
اشعریوں کا قبولِ اسلام اور تفقہ فی الدین کا جذبہ	82
فروہ بن مسیک مرادی کی بارگاہ نبوی میں آمد	82
وفد زُبید کے ساتھ عمرو بن معدیکرب کی آمد	84
عمرو بن معدیکرب کا ارتداد اور دوبارہ قبولِ اسلام	84
بنو کندہ کی آمد	85
آکل المرار کی وضاحت	88
اشعث بن قیس کا ارتداد اور دوبارہ اسلام لانا	88
جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کی آمد	89
جریر رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام	89
ذوالخلصہ کی طرف روانگی	90
نقشہ: سریہ جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ	91
سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی آمد	92

لقیط بن عامر منتفق کی آمد	94	وفد بنی کنانہ	127
زیاد بن حارث صدائی رضی اللہ عنہ کی آمد	100	وفد بنی اشجع	128
حارث بن حسان بکری رضی اللہ عنہ کی آمد	104	وفد باہلہ	129
عبدالرحمٰن بن ابی عقیل ثقفی کی آمد	106	وفد بنی سُلیم	129
فروہ بن عمرو جذامی کے قاصد کی آمد	107	وفد بنی ہلال بن عامر	131
تمیم داری رضی اللہ عنہ کی آمد	108	وفد بنی بکر بن وائل	133
جساسہ کا واقعہ	108	وفد بنی تغلب	134
نقشہ: حدیث تمیم داری کے مقامات	111	وفد تجیب	134
بنو اسد کا وفد	112	وفد خولان	135
وفد بنی فزارہ	115	وفد جعفی	137
وفد بنی عبس	117	وفد بنی ازد	139
نقشہ: وفد بنی عبس کی آمد	118	نقشہ: عرب وفود کی مدینہ آمد (1)	140
وفد بنی مرہ	119	نقشہ: عرب وفود کی مدینہ آمد (2)	141
وفد بنی ثعلبہ	121	وفد صدف	142
وفد بنی کلاب	121	وفد خشین	143
وفد رواس بن کلاب	122	وفد بنی سعد ہذیم	143
بنو عقیل بن کعب کا وفد	123	عذرہ بن سعد کا وفد	144
وفد بنی قشیر بن کعب	125	وفد سلامان	145
بنو بکاء کا وفد	125	وفد جہینہ	146

- وفد کلب 147
- وفد جرم 148
- وفد بہراء 149
- وفد ہمدان 150
- وفد جیشان 150
- درندوں کا وفد 151
- دیگر وفود 151

رسول اللہ ﷺ کے فرزند ابراہیم رضی اللہ عنہ کی ولادت اور وفات 152

- ابراہیم رضی اللہ عنہ کی ولادت 153
- ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کی آزادی 154
- ابراہیم کی وفات 154
- غسل اور نماز جنازہ 156
- ابراہیم کی تدفین 157
- وفات کے دن سورج گرہن 158

سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا حملہ نجران 159

نقشہ: سریہ خالد بن ولید (نجران)، سریہ علی بن ابی طالب (یمن) 165

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی قیادت میں سریۂ یمن 166

- کعب احبار کا قبول اسلام 169

باب: 2

حجۃ الوداع

حج نبوی کا ایمان افروز تذکرہ 174

- حج کس سال فرض ہوا؟ 176
- نبی ﷺ نے کتنے حج اور عمرے کیے؟ 179
- حج نبوی کے مختلف نام 181
- رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج کا ذوق وشوق 182
- حجاج کرام کی تعداد 182
- مدینہ منورہ میں نیابتِ نبوی 183
- رسول اللہ ﷺ کی مدینہ سے روانگی 183
- سیدہ فاطمہ اور تمام ازواجِ مطہرات کی شرکت 184
- قصر نماز کی ادائیگی 185
- وادیٔ عقیق میں نماز پڑھنے کا حکم 185
- احرام سے پہلے خوشبو کا استعمال 186
- محرم کون سے کپڑے پہنے اور کون سے نہ پہنے؟ 187
- بالوں کو پراگندگی سے بچانے کے لیے جمانا 188
- رسول اللہ ﷺ نے قربانی کی اونٹنی کو اشعار کیا 189
- قربانی کے جانور پر سوار ہونے کا حکم 190

نبی ﷺ کی نیت اور تلبیہ	190
قبلہ رخ ہو کر نیت کرنا اور تلبیہ پکارنا	191
بلند آواز سے تلبیہ پکارنے کا حکم	192
تلبیہ کے الفاظ	192
تلبیہ میں زائد الفاظ	193
احرام باندھتے ہوئے نیت	194
حالت خوف میں احرام باندھتے ہوئے شرط لگانا	195
نفاس والی عورت کے احرام کا مسئلہ	195
جنگلی گدھے کا شکار	196
بیمار بچے کا علاج	197
نبی ﷺ کا اسلوب تربیت	200
سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی تعریف	201
ابواء میں ایک مقدمے کا فیصلہ	203
رسول اللہ ﷺ نے احرام کی حالت میں سینگی لگوائی	203
وادی عسفان سے گزر	203
جو صرف عمرے کی نیت کرنا چاہے کر سکتا ہے	204
سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا امت کی عورتوں کے لیے رحمت	205
نبی ﷺ کا ذی طویٰ میں رات گزارنا	206
بیت اللہ میں داخلہ	207
بیت اللہ کو دیکھ کر دعا	207
حجر اسود کا استلام	208
طواف میں کوئی ذکر مخصوص نہیں	210
صفا و مروہ کی سعی	210
حج کی نیت کو تبدیل کرنا	212
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تردد کی وجہ	213
رسول اللہ ﷺ کا خطبہ	214
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذوقِ اطاعت	214
سیدنا سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ کا استفسار	215
حج قران افضل ہے یا حج تمتع؟	215
رسول اللہ ﷺ کا قیام	216
قصر نماز کی ادائیگی	217
سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی یمن سے تشریف آوری	217
یمن سے سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی آمد	219
یوم الترویہ (آٹھ ذی الحجہ)	220
یوم الترویہ کی نمازیں	220
میدان عرفات میں	222
عرفہ کے لیے روانگی میں عجلت اور زوال کے	

- فوراً بعد خطبہ 224
- رسول اللہ ﷺ نے عرفہ کے دن ظہر وعصر کی نمازیں جمع کر کے پڑھیں 229
- عرفہ سارے کا سارا ہی ٹھہرنے کی جگہ ہے 229
- یوم عرفہ کی خاص دعا 230
- اہل عرفہ کے لیے عظیم الشان خوشخبری 233
- تکمیل دین کی آیت کا نزول 235
- کیا نبی ﷺ نے یوم عرفہ کا روزہ رکھا تھا؟ 236
- وقوف عرفہ کے بارے میں سوال 237
- عرفات میں حاجی فوت ہو گیا 238
- عرفات سے مزدلفہ کو روانگی 238
- عرفات اور مزدلفہ کے درمیان رکنا جائز ہے مگر نماز مزدلفہ میں 239
- مغرب اور عشاء کے لیے اقامت ایک یا دو 241
- ہر نماز کے لیے الگ اذان اور الگ اقامت 242
- کمزور لوگوں کو مزدلفہ سے فجر سے پہلے نکلنے کی اجازت 243
- کمزوروں کے لیے رمی جمرات میں رعایت 244
- عروہ بن مضرس کا سوال 245
- صبح کی نماز کی ادائیگی 246
- مشرکین کا عمل 247
- جمرہ کو مارنے کے لیے کنکریاں جمع کرنا 247
- مزدلفہ سے منیٰ کی طرف 248
- ماں کی طرف سے حج 249
- وادی محسر میں تیز رفتاری 249
- نبی ﷺ نے یوم نحر جمرہ عقبہ کو کنکریاں ماریں 250
- کنکریاں مارتے وقت پرسکون رہنے کی ہدایت 252
- پہلے اور دوسرے جمرے کو کنکریاں مارنے کے بعد دعا کرنا 253
- یوم النحر کو خطبہ 254
- منیٰ میں قربانیاں کرنا 261
- حجۃ الوداع میں سو اور صلح حدیبیہ میں ستر اونٹ 262
- ازواج مطہرات کی طرف سے گائے کی قربانی 262
- رسول اللہ ﷺ نے حلق کرایا 263
- حلق کرانے والوں کے لیے بار بار دعا 264
- طواف افاضہ سے پہلے خوشبو لگانا 265
- ادائے مناسک حج میں ترتیب ضروری نہیں 266
- طواف افاضہ 268

- ظہر کی نماز مکہ میں یا منٰی میں؟ 269
- رسول اللہ ﷺ نے طوافِ افاضہ کس وقت کیا 271
- نقشہ: مقاماتِ حج (یوم الحج الاکبر) 271
- زمزم 272
- کھڑے ہوکر زمزم پینا 273
- نبی ﷺ نے بیت اللہ پر غلاف چڑھایا 274
- رسالت کی گواہی دینے والا بچہ 274
- نبی ﷺ نے منٰی میں ایام تشریق بسر فرمائے 274
- چرواہوں اور سقایہ کے لیے رخصت 275
- منٰی میں سب حجاج کے لیے نماز قصر 276
- ایامِ تشریق میں کنکریاں مارنا 276
- حجۃ الوداع کے موقع پر نبی ﷺ کی دعائیں 277
- ماہ ذوالحجہ کے مختلف دنوں کے معروف نام 277
- ایامِ تشریق میں رسول اللہ ﷺ کا خطبہ 278
- سورۂ نصر کا نزول 281
- ایامِ تشریق کی ہر رات بیت اللہ کی زیارت 282
- مسجد خیف کا ایک اہم واقعہ 282
- بارہ ذی الحجہ کو منٰی سے روانگی 283
- منٰی سے واپسی 283
- کیا ابطح میں قیام سنت ہے؟ 284
- سیدہ عائشہ ﷞ کا عمرہ 286
- طواف وداع 287
- حائضہ کے لیے طواف وداع کی رخصت 288
- زمزم اپنے گھروں کو لے جانا 289
- سعد بن ابی وقاص ﷜ کی عیادت 289
- مدینہ کی جانب واپسی 291
- خطبہ غدیر خم 291
- نقشہ: حجۃ الوداع (10 ہجری) 292
- خطاب کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ 293
- سیدنا علی ﷜ کی فضیلت 294
- خطبہ کے الفاظ 295
- خطبہ غدیر خم سے حاصل ہونے والا سبق 297
- ذوالحلیفہ میں قیام 300

باب : 3

وفات النبی ﷺ

- لشکر اسامہ کی روانگی 304
- نقشہ: لشکر اسامہ کا جہاد بتاء 306
- وفات النبی ﷺ 307

- قرآن حکیم میں وفاتِ نبوی کا تذکرہ 309
- وفات کے اشارے 310
- دین مکمل ہوگیا 311
- ذخیرۂ آخرت کے لیے مزید کوشاں 313
- احادیثِ مبارکہ میں وفات کی طرف اشارہ 313
- ① قرآن کا دو مرتبہ دور 314
- ② وحی کی کثرت 315
- ③ شاید میں دوبارہ حج نہ کرسکوں 315
- ④ غدیرِ خم پر خطبہ 316
- ⑤ تم مجھے نہیں دیکھ پاؤ گے 316
- ⑥ میں تم سے پہلے وفات پا جاؤں گا 316
- ⑦ یہ میری وفات کی طرف اشارہ ہے 317
- ⑧ اے معاذ! الوداع 317
- ⑨ اب حوضِ کوثر پر ملیں گے 318
- ⑩ میں اپنے رب سے ملاقات اور جنت کو اختیار کر چکا ہوں 319
- ⑪ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا چاند 320
- ⑫ ایک بدوی عورت کی بات 320
- بقیع سے واپسی پر طبیعت ناساز ہوگئی 321
- سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر کا انتخاب 322
- بیماری میں شدت 323
- معوذات پڑھنا 324
- رسول اللہ ﷺ کا علاج 324
- رسول اللہ ﷺ کی وصیتیں 326
- سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو وصیت 326
- انصار کے لیے وصیت 327
- اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے لیے وصیت 328
- سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا اشارہ 328
- اپنی قبر کو سجدہ گاہ بنانے سے روکنا 329
- اللہ تعالیٰ سے حسنِ ظن 331
- نماز اور غلاموں سے حسنِ سلوک کی وصیت 331
- بے مثال محبت 332
- وفات سے پہلے آخری خطبہ 332
- عدل کے میزان میں 334
- تحریری وصیت کا ارادہ 335
- تین باتوں کی وصیت 336
- ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت پر اصرار 338
- رہ رہ کر ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کا تذکرہ 340

مسجد میں آخری نماز 341

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت 344

ثانی اثنین 344

میرے بعد ابوبکر و عمر کی اقتدا کرو 345

نبی ﷺ کا خواب 345

امام بیٹھا ہو تو مقتدی کیا کریں؟ 346

دنیا پر الوداعی نظر اور حیاتِ مبارکہ کے آخری لمحات 348

رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کا آخری دن 348

نبوت کے امور میں سے صرف نیک خواب باقی رہ گیا 349

چہرۂ انور پر زندگی کے ڈوبتے ڈولتے آثار 349

خلیفہ کی نامزدگی نہیں بلکہ خواہش 350

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی روایت 351

نقشہ: حرمِ مدینہ (جبلِ ثور سے جبلِ عیر تک) 352

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نہایت ایماندار عالم اور متقی صحابی تھے 353

ابوبکر رضی اللہ عنہ سنح تشریف لے گئے 355

رفیقِ اعلیٰ کی طرف 356

- رسول اللہ ﷺ شہادت سے سرفراز ہوئے 356
- مسواک کی آرزو 357
- نبی کو اختیار 358
- والدِ گرامی ﷺ کی تکلیف دیکھی نہ گئی 359
- وفات کے وقت خوشبو پھیل گئی 360
- جسمِ اطہر ڈھانپ دیا گیا 361
- رسول اللہ ﷺ نے دنیا کیسے چھوڑی؟ 361
- وقتِ رخصت صدقہ 361
- گروی رکھی ہوئی زرہ 362
- مجھے اس دنیا سے کیا لینا؟ 363
- وفات کی تاریخ 364
- مکہ اور مدینہ کے مطلع کا اختلاف 365
- عمر مبارک 366
- وفات کا وقت 366
- رسول اللہ ﷺ کی وفات پر قیامتِ صغریٰ کا منظر 367
- سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی پریشانی 367
- شدید آشوب اور آزمائش میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا تاریخی کردار 368

نقشہ: ریاست مدینہ کی توسیع (عہد نبوی میں) 370

- سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت خلافت 371
- سقیفہ بنی ساعدہ کا اجتماع 371
- سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا خطاب 372
- رجم ایک شرعی حد 372
- بیعت عام منبر پر ہوئی 376
- خطیب انصار کی بے نفسی 377
- سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کب بیعت کی؟ 377
- بیعت فسخ کریں گے نہ سبکدوشی پسند کریں گے 378
- رسول اللہ ﷺ کی پسند ہی ہماری پسند ہے 378
- سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارے میں امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا تجزیہ 378
- جسد اطہر کا غسل 379
- کفن کے کپڑے 380
- جنازہ 381
- تدفین کے لیے جگہ کا فیصلہ 381
- لحد یا شق 382
- تدفین کا وقت 383
- سب سے آخر میں نبی ﷺ سے جدا ہونے والے 384
- قبر کی نوعیت 384
- سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا پاؤں مبارک 385
- وفات نبوی کا دلوں پر اثر 385
- سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا تبصرہ 385
- سیدہ ام ایمن رضی اللہ عنہا کے ارشادات 385
- نبی ﷺ کی وفات..... امت کے لیے رحمت کا پیش خیمہ 386
- جمعہ کے دن کثرت درود کی تاکید 386
- نبی ﷺ کی وفات کا غم تمام مصیبتوں کو بھلا دیتا ہے 387
- اللہ کی یاد دل کی تسکین و تسلی کا ذریعہ ہے 387
- اہل کتاب نبی ﷺ کی وفات کا دن جانتے تھے 387
- سیدنا کعب بن عدی رضی اللہ عنہ کی ایک راہب سے ملاقات 388
- رسول اللہ ﷺ کی وفات پر حزنیہ اشعار 389
- سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اشعار 390
- ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ کے اشعار 391
- سیدہ صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا کے اشعار 391
- «لانُوْرَثُ» ہماری کوئی وراثت نہیں 391
- وراثت کا مطالبہ 392

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات اور بیعت علی رضی اللہ عنہ 393
وراثت کے مسئلے میں روافض کا گمراہ کن موقف 395
"انما ترکنا صدقۃ" کا مفہوم اور روافض کا خود ساختہ موقف 397
لشکر اسامہ کی روانگی اور فتنہ ارتداد کی سرکوبی 398
لشکر اسامہ پر بحث وتکرار 399
خلیفہ رسول کی عدیم النظیر استقامت 400
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے ہمیشہ اٹل رہیں گے 401
خلیفۂ رسول نے لشکر اسامہ رضی اللہ عنہ کو خدا حافظ کہا 401
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی حکم میں کوئی کوتاہی گوارا نہیں 402
لشکر اسامہ کی شاندار فتح 403
ہرقل مسلمانوں سے ڈرنے لگا 403
ارتداد کی وبا 404
مرتدین کے بارے میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا موقف 405
زکاۃ نہ دینے والوں سے جہاد 407
نازک صورت حال میں فتنۂ ارتداد کی سرکوبی 408
نقشہ: فتنۂ ارتداد کی جنگیں 409

باب : 4
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان

خاندان نبوی 414
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کی تعداد 414
پھلبہری کی وجہ سے طلاق دے دی 415
عمرہ بنت یزید کو طلاق 415
شجرہ امہات المومنین رضی اللہ عنہن 416
نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور کثرت زوجات 418
ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے قبائل 419
ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے نکاحوں کی ترتیب 420
ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا 421
سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثل وفا و محبت 422
سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا رشک 422
سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی یاد رہ رہ کر جھلملاتی تھی 422
ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی امتیازی خصوصیت 423
سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی یگانہ فضیلتیں 424
ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا 425
سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی گھریلو زندگی 426
سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت 426

- دنیا اور آخرت میں رسول اللہ ﷺ کی رفاقت 427
- وفات النبی ﷺ کے بعد سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی زندگی کے لیل ونہار 728
- عہد فاروقی 728
- عہد عثمانی 729
- سانحۂ ارتحال 430
- اولاد 431
- سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے اعزازات وامتیازات 431

ام المومنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا 433

- نام ونسب 433
- سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کا زہد وتقویٰ 433
- خوش طبعی 434
- اپنی باری کا دن سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے وقف کردیا 435
- سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کی سخاوت 435
- سانحۂ ارتحال 436

ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا 437

- نام ونسب 437
- ولادت باسعادت 437
- گہوارۂ علم میں پرورش 437
- قبول اسلام 437
- پہلا نکاح 438
- ہجرت 438
- غزوۂ بدر اور سیدنا خنیس رضی اللہ عنہ کی شہادت 439
- کاشانۂ نبوت میں آمد 440
- ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی باہمی رقابت 441
- سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا پیکر شرم وحیا تھیں 441
- قرآن مجید کی حفاظت وتدوین میں سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کا کردار 442
- سانحۂ ارتحال 443

ام المومنین سیدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا 444

- نام ونسب 444
- پیدائش 444
- حریم نبوی میں آمد 444
- سانحۂ ارتحال 445

ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا 446

- نام ونسب 446
- سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح 446

ہجرتِ حبشہ	446
ہجرتِ مدینہ	446
ازواج النبی ﷺ کا باہمی رشک	447
نبی اکرم ﷺ کی خدمت کا جذبہ	447
آیت تطہیر کا مقام نزول	448
مثالی عادات واخلاق	449
غزوات میں رسول اللہ ﷺ کی رفاقت	449
سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی دانشمندی	450
سانحۂ ارتحال	451
مرویات کی تعداد	452
ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا	453
نام ونسب	453
سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح	453
ایک جاہلانہ رسم کا خاتمہ	454
عرش بریں پر نکاح	455
سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی فضیلت	455
عبادت وریاضت	456
سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی فیاضی	456
سانحۂ ارتحال	458
مرویات کی تعداد	458
ام المومنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا	459
نام ونسب	459
برہ سے جویریہ	459
سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کے فضائل ومناقب	460
رسول اللہ ﷺ کا عطیہ	461
صدیق اکبر اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کا عمل	461
رسول اللہ ﷺ کا جویریہ رضی اللہ عنہا سے نکاح امنِ عامہ کا سبب بن گیا	462
وفات حسرت آیات	462
روایات کی تعداد	462
ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا	463
ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے لیے جنت کی بشارت	463
سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کی حکمت	463
ام المومنین سیدہ صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا	464
نام ونسب	464
حب نبی ﷺ	465
دنیا سے بے رغبتی	465
اسلام پر پختگی	465

- سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کی حکمت 466
- وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے ایام زندگی 466
- سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی مدد 467
- سانحۂ ارتحال 467
- ترکہ 467
- علم وفضل 468

ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا 469

- نام ونسب 469
- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عرصۂ رفاقت 469
- فضل وکمال 469
- ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کی حسنات و برکات 471
- زندگی کے آخری لمحات 471
- مرویات کی تعداد 472

شجرہ: شجرۂ طیبہ خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ کرام کی اہل بیت سے رشتے داریاں 473

سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا 474

- نام اور جائے پیدائش 474
- سیدہ ماریہ رضی اللہ عنہا کا قبول اسلام 475
- تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے 475
- سسرالی تعلق 475
- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے ابراہیم رضی اللہ عنہ کی پیدائش 475
- سانحۂ ارتحال 476

سیدہ ریحانہ رضی اللہ عنہا 477

- نام ونسب 477
- نکاح 477
- قبول اسلام 477
- وفات 478

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد 479

- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چار بیٹیاں اور تین بیٹے تھے 480
- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیاں تھیں 480

سیدنا قاسم رضی اللہ عنہ 482

سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ 482

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا 483

- نام ونسب 483
- پیدائش 483

- نکاح 483
- ابوالعاص کا نام ونسب 484
- ''امین'' کی صاحبزادی امین کے گھر 484
- قبول اسلام 484
- نکاحِ جدید ہوا یا نہیں؟ 486
- وفات 487
- اولاد 488

سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا 489

- نام ونسب 489
- پیدائش 489
- سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی شادی 489
- قبول اسلام 490
- طلاق دینے کا مذموم حربہ 490
- سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا عثمان رضی اللہ عنہ سے نکاح 491
- سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح وحی الٰہی سے ہوا 492
- مایۂ ناز میاں بیوی 492
- ہجرت حبشہ 492
- مکہ آمد پر غمناک خبر 493
- مدینہ منورہ کی طرف ہجرت 493
- نبی کریم ﷺ کے نواسے کی پیدائش 494
- سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات 494
- رحمت دو عالم ﷺ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی قبر پر 494

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا 496

- پیدائش 496
- قبول اسلام 496
- پہلا نکاح 496
- روح فرسا صدمہ 496
- ہجرت 497
- دلدوز سانحہ 497
- سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے نکاح 498

شجرۂ اہل بیت اور آل عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے مابین رشتے داریاں 499

- وحی الٰہی کے ذریعے سے نکاح 500
- شادی کی تاریخ 500
- سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے ذوالنورین کا لقب 500
- سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا فقید المثال اعزاز 501
- سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا سفر آخرت 501

سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا 502

- پیدائش 502
- تعلیم و تربیت 502
- دعوتِ اسلام کے دور میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی دلیری 502
- سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ابوجہل اور ابوسفیان کا جداگانہ سلوک 504
- سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح 505
- سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا مکان 506

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے فضائل و مناقب 508

- شفقت پدری سے محرومی کا ملال 511
- سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا سفرِ آخرت 512
- تجہیز و تکفین 513
- اولاد 514
- مرویات حدیث 515

سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ 516

- ولادت 516

رسول اللہ ﷺ کے غلام، لونڈیاں اور خدام 517

- نبی اکرم ﷺ کے غلام 517
- نبی اکرم ﷺ کی لونڈیاں 518
- رحمۃ للعالمین ﷺ کے خدام 518

حواشی 519

- اعلام 519
- اماکن 519
- قبائل 520

عام الوفود (9ھجری)

بارگاہِ رسالت میں دینِ حنیف قبول کرنے کے لیے عرب قبائل کے وفود
کی پے در پے آمد کا سال، اس کی مکمل جزئیات وتفصیلات
اور احوال ونتائج کی بصیرت افروز سرگزشت



إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ

وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ

وَاسْتَغْفِرْهُ

إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا

”(اے نبی!) جب اللہ کی مدد اور فتح آ جائے۔ اور آپ لوگوں کو دیکھیں کہ وہ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں۔ تو آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجیے اور اس سے بخشش مانگیے، بلاشبہ وہ ہمیشہ سے بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔“ (النصر 110: 1-3)

اس باب میں

آپ کو ارشادِ ربانی ﴿ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا ﴾ کی چلتی پھرتی، جیتی جاگتی، متحرک تفسیر نظر آئے گی۔ آپ دیکھیں گے کہ جزیرہ نمائے عرب کے کونے کونے سے مختلف چھوٹے بڑے قبیلوں کے وفود دمبدم مدینہ منورہ آرہے ہیں۔ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو رہے ہیں۔ اپنی باتیں گوش گزار کر رہے ہیں، رسول اللہ ﷺ کے ارشادات سن رہے ہیں اور اسلام قبول کر رہے ہیں۔ حقائق و بصائر کے اس عجیب و غریب باب سے آپ کو اندازہ ہو گا کہ دعوت اسلام سے پہلے عربوں کے توہمات، بوسیدہ خیالات اور فکر و نظر کی پستیوں کا کیا حال تھا اور وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آکر کس نوعیت کی باتیں کرتے تھے۔ نیز رسول اللہ ﷺ کی دعوت دین، بھلائی اور خیر خواہی کے کاموں کی تلقین اور بُرے افکار و افعال سے بچنے کی تاکید کے نت نئے پہلو روشن ہوں گے۔ آپ ﷺ نے وفد مزینہ، بنو سعد بن بکر، عبدالقیس، دوس، ثقیف اور دیگر وفود سے جو گفتگو فرمائی، وہ دین حنیف کی تبلیغ و تکمیل اور الوہی نعمتوں کے اتمام سے عبارت تھی۔ اگلے اوراق میں پے در پے وفود کی حاضری اور اس کے ایمان افروز نتائج کی تفصیلات درج ہیں۔



وفود کی مدینہ میں حاضری

غزوۂ فتح مکہ اور غزوۂ تبوک کے بعد وہ زمانہ تھا جب سرزمینِ حجاز اور اس کے مضافات میں اسلام کا بول بالا تھا اور مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے کیے گئے وعدے کے مطابق غلبہ عطا فرما دیا تھا، لوگ اپنے قبائل سمیت فوج در فوج حلقہ بگوشِ اسلام ہو رہے تھے اور پے در پے وفود کی صورت میں رسول اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اپنے اسلام کا اعلان کر رہے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ 9ھ کا سال ''عام الوفود'' کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اگرچہ وفود کی آمد 5ھ سے شروع ہوگئی تھی تاہم کثرت سے وفود آنے کا سلسلہ 9ھ میں شروع ہوا، اس لیے یہی سال مشہور ہوگیا۔

عرب لوگ مسلمان کیوں نہیں ہوتے تھے؟

اسلام قبول کرنے کے معاملے میں تمام اہل عرب کی نظر قریش پر تھی کیونکہ قریش ہی عربوں کے لیڈر، بیت اللہ اور حرم کے متولی اور اسماعیل بن ابراہیم علیہ السلام کی حقیقی اولاد تھے۔ قریش ہی نے اسلام اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ چھیڑ رکھی تھی۔ فتح مکہ کے بعد جب قریش سرنگوں ہو کر مسلمان ہوگئے تو عربوں نے یقین کر لیا کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں۔ کعبہ کے متولیوں کا اسلام قبول کرنا اس بات کی گواہی بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو آخری نبی کو مبعوث کرنے کا اعلان و وعدہ فرمایا تھا وہ پورا ہوگیا ہے، اب ہم رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ نہیں کر سکتے، نہ ان کی دشمنی مول لے سکتے ہیں، چنانچہ کم و بیش تمام عرب قبائل وقفے وقفے سے فوج در فوج اسلام میں داخل ہوتے چلے گئے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ پر سورۂ نصر نازل فرمائی:

﴿ إِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝ ﴾ (النصر 110:1-3)

''(اے نبی!) جب اللہ کی مدد اور فتح آ جائے اور آپ لوگوں کو دیکھیں کہ وہ اللہ کے دین میں گروہ در گروہ داخل ہو رہے ہیں تو آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجیے اور اس سے بخشش مانگیے۔ بلاشبہ وہ بڑا توبہ

قبول کرنے والا ہے۔''[1]

صحیح بخاری میں سیدنا عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جاہلیت میں ہم ایک چشمے کے قریب رہتے تھے۔ یہ عام لوگوں کی گزرگاہ تھی۔ قافلے گزرتے تو ہم ان سے پوچھتے کہ لوگوں کا کیا حال ہے اور ان کا کیا خیال ہے؟ اس شخص (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کا کیا معاملہ ہے؟ قافلے والے ہمیں جواب دیتے کہ وہ شخص (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کہتا ہے کہ وہ اللہ کا رسول ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف یہ یہ باتیں وحی کی ہیں۔ (وہ قرآن کی کوئی آیت سناتے) میں وہ باتیں یاد کر لیتا تھا۔ یہ باتیں میرے دل کو لگتی تھیں۔ ادھر سارے عرب نے اپنے اسلام کو فتح مکہ تک موقوف کر رکھا تھا۔ وہ کہتے تھے کہ اس آدمی کو اور اس کی قوم قریش کو لڑنے کے لیے چھوڑ دو۔ اگر یہ اپنی قوم پر غالب آ گیا تو یہ واقعی سچا نبی ہے۔ چنانچہ جب مکہ فتح ہو گیا تو تمام عرب نے ایک دوسرے سے آگے بڑھ کر اسلام قبول کر لیا۔ میرے والد محترم نے بھی اپنی قوم کے ساتھ اسلام قبول کرنے میں پہل کی۔ پھر جب وہ (مدینہ سے) واپس آئے تو کہنے لگے: اللہ کی قسم! میں ایک سچے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے آرہا ہوں......۔[2]

محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے آگہی بخش مکالمات

واقعاتِ وفود سے متعلق روایات میں تعلیم و تربیت، گہری سوجھ بوجھ سے کام لینے، دلوں کو ایک مرکز پر اکٹھا کرنے، افراد کو متحد کرنے اور اسلام سے وابستہ رکھنے کے اسوۂ نبوی کے علاوہ فقہ کا گراں قیمت سرمایہ بھی موجود ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان میں نجی، اجتماعی، اقتصادی، تنظیمی و دفتری، سیاسی و عسکری اور دیگر شعبوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے لیے بہترین اصول وضوابط موجود ہیں جو انھیں دیگر تمام باتوں سے مستغنی کر دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔[3]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ آنے والے وفود سے بڑے تپاک سے ملتے، ہر ایک کے مقام و مرتبے کے لحاظ سے نہایت پُر حکمت اور دلپذیر گفتگو فرماتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اخلاق حسنہ کے اعلیٰ اوصاف و کمالات کا پیکر تھے۔ آنے والے وفود کی رہائش اور خوراک کا بہترین اور معیاری انتظام فرماتے۔ آپ کے انھی کمالات کی بدولت اسلام ان کی رگوں رگوں میں رچ بس جاتا اور وہ سچے موحد اور پکے متبع سنت بن کر لوٹتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان وفود کو بڑی اہمیت دی اور ان کی تعلیم و تربیت کا بے حد خیال رکھا۔ یہ وفود خود بھی اسلام کو سمجھنے، اس کی تعلیمات و احکام جاننے اور انھیں عملی شکل دینے کے آرزو مند تھے۔ انھی اوصاف جمیلہ نے انھیں بے مثال شخصیات بنا دیا۔ ان میں سے اکثر کے حوالے سے

1 البداية والنهاية: 37/5، السيرة لابن هشام: 205/4. 2 صحيح البخاري: 4302. 3 الأساس في السنة لسعيد حوى: 1014/2.

ایسے سوالات منقول ہیں جو وہ اپنے مقامی بود و باش کے متعلق مسائل و معاملات کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کرتے تھے تاکہ وہ حلال و حرام کو پہچان سکیں۔ رسول گرامی ﷺ بھی ان کی دین میں سمجھ بوجھ کے بے حد خواہش مند تھے۔ ان میں سے جس کے متعلق معلوم ہوتا کہ اسے قرآن پاک سیکھنے کی زیادہ لگن ہے، اسے آپ ﷺ اپنے قریب تر کر لیتے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی فرماتے: ''اپنے بھائی کو (دین) سکھاؤ۔''

جب یہ وفود اپنے علاقوں کو واپس جانے کا ارادہ ظاہر کرتے تو رسول اللہ ﷺ انھیں حق پر ثابت قدم رہنے اور صبر کا دامن تھامے رکھنے کی تلقین فرماتے، انھیں قیمتی تحائف سے نوازتے اور مساوات کا خیال فرماتے، چنانچہ یہ وفود نور ہدایت سے منور دلوں کے ساتھ لوٹتے۔ جو سیکھا ہوتا، وہ آگے لوگوں کو سکھاتے اور رسول اللہ ﷺ کے اعلیٰ اخلاق اور اوصافِ عالیہ کا خوب چرچا کرتے۔ ان میں سے بعض وفود ایسے بھی تھے جنھوں نے اسلام قبول نہیں کیا اور عیسائیت ہی پر رہنے کو پسند کیا، جیسے نجران کا وفد۔[1]

وفود کی تعداد و روایات

وفود کی تعداد کے بارے میں علمائے سیر کا اختلاف ہے۔ بعض کے بقول وفود کی کل تعداد ساٹھ ہے جبکہ دیگر کے نزدیک یہ تعداد سو سے بھی زائد ہے۔ ممکن ہے بعض نے صرف مشہور وفود کا تذکرہ کیا ہو جس کی وجہ سے تعداد تھوڑی معلوم ہوتی ہو۔[2]

علمائے سیرت و تاریخ بالخصوص ابن سعد رحمہ اللہ نے وفود کے متعلق کافی معلومات جمع کی ہیں اور ان کی ضروری تفصیلات بھی بیان کی ہیں۔ وفود میں شریک افراد کے حالات اور شرف صحابیت سے مشرف ہونے والوں کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ سیرت نگاروں اور مؤرخین کی اکثر و بیشتر روایات محدثین کی شرائط پر پوری نہیں اترتیں، تاہم ان وفود کے متعلق خاصی تعداد میں صحیح روایات موجود ہیں۔ کئی وفود کا تذکرہ تو صحیح بخاری میں بھی ہے۔

یاد رہے کہ اس باب میں صرف ان وفود کا تذکرہ ہے جو مدینہ منورہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ قبل ازیں مکہ مکرمہ میں بھی کچھ وفود آپ سے ملاقات کے لیے آئے تھے، جیسے جنوں کے دو وفد مختلف موقعوں پر نخلہ کے مقام پر آئے اور آپ سے قرآن سن کر ایمان کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے۔ غفار قبیلے سے ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ خدمتِ نبوی میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اسی طرح ازدشنوءہ سے ضماد بن ثعلبہ ازدی رضی اللہ عنہ اور دوس قبیلے سے طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ نے مکہ میں آپ سے ملاقات کی اور دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ مکہ مکرمہ میں آنے والے ان

[1] السيرة النبوية للصلابي: 638/3. [2] البداية والنهاية: 38,37/5.

چند وفود کا تذکرہ پہلے اپنے اپنے مقام پر ہو چکا ہے، اس لیے اس باب میں انھیں دہرایا نہیں گیا۔

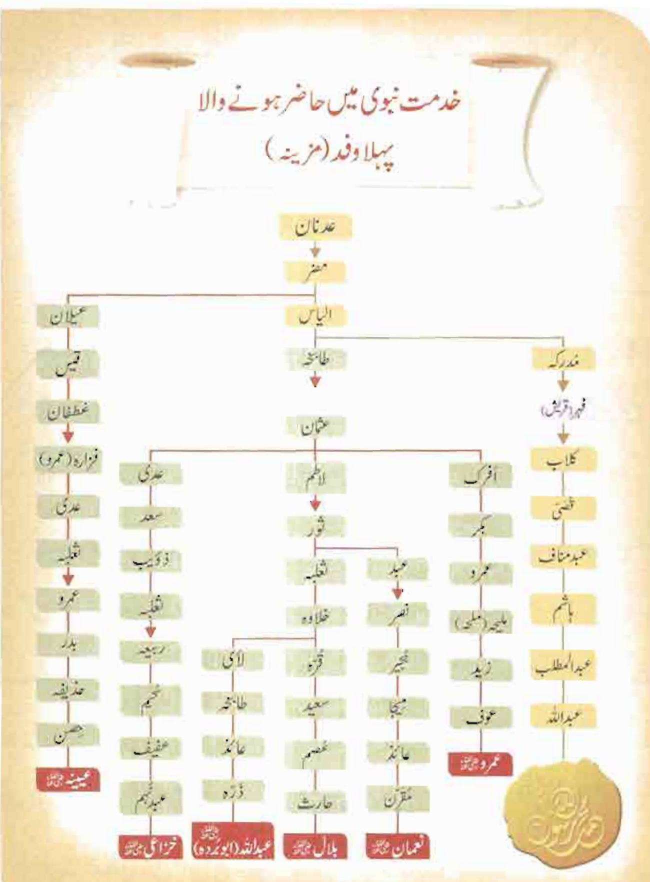
خدمت نبوی میں حاضر ہونے والا اولین وفد

سب سے پہلا وفد جو رسول اکرم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا، وہ مضر قبیلہ کی شاخ مُزَینہ کا تھا۔ یہ رجب 5 ھ کی بات ہے۔ اس وفد میں کل چار سو افراد تھے۔ آپ ﷺ نے ان کے علاقے ہی کو ان کے لیے دارِ ہجرت قرار دے دیا اور فرمایا:

«أَنْتُمْ مُهَاجِرُونَ حَيْثُ كُنْتُمْ، فَارْجِعُوا إِلَى أَمْوَالِكُمْ»

''تم وہاں رہ کر بھی مہاجر ہی ہو (تمھارا مدینہ میں رہنا ضروری نہیں)، لہٰذا تم اپنے مال (وعیال) کے پاس لوٹ جاؤ۔''

چنانچہ یہ سب لوگ اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔[1]



ایک دوسری روایت میں ہے کہ مزینہ سے سب سے پہلے آنے والا شخص خزاعی بن عبدنہم تھا۔ یہ اپنی قوم کے دس افراد کے ساتھ حاضر خدمتِ اقدس ہوا۔ اس نے اپنی اور اپنی قوم کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کے بابرکت ہاتھ پر بیعت کی۔ اس کے ساتھ آنے والے دس افراد میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں: بلال بن حارث، نعمان بن مقرن، ابواسماء، اسامہ، عبیداللہ بن بردہ، عبداللہ بن ذرہ، بشر بن مختفر، دکین بن سعید، عمرو بن عوف رضی اللہ عنہم۔

1 السیرة لابن کثیر: 78/4.

رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کے بعد جب خزاعی بن عبدنہم رضی اللہ عنہ واپس اپنی قوم اور قبیلے کے پاس گئے تو انھیں اپنی توقع کے برعکس پایا۔ (انھیں امید تھی کہ میرے کہنے پر یہ لوگ مسلمان ہو جائیں گے لیکن وہ نہ ہوئے،) اس کے باوجود وہ وہیں مقیم رہے۔ ادھر رسول اللہ ﷺ نے سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا:

«اُذْكُرْ خُزَاعِیًّا وَلَا تَهْجُهُ»

''اپنے اشعار میں خزاعی (بن عبدنہم) کا ہجو کیے بغیر تذکرہ کرو۔''

چنانچہ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے یہ اشعار کہے:

أَلَا أَبْلِغْ خُزَاعِيًّا رَسُولًا ... بِأَنَّ الذَّمَّ يَغْسِلُهُ الْوَفَاءُ

وَ أَنَّكَ خَيْرُ عُثْمَانَ بْنِ عَمْرٍو ... وَأَسْنَاهَا إِذَا ذُكِرَ السَّنَاءُ

بَايَعْتَ الرَّسُولَ وَكَانَ خَيْرًا ... إِلَى خَيْرٍ وَ أَدَّاكَ الثَّرَاءُ

فَمَا يُعْجِزْكَ أَوْ مَا لَا تُطِقْهُ ... مِنَ الْأَشْيَاءِ لَا تَعْجِزْ عَدَاءُ

''خبردار! خزاعی کے پاس قاصد بھیج کر کہلا بھیجو کہ وفاداری ہی مذمت کو دھو سکتی ہے۔ تم عثمان بن عمرو کی اولاد میں سب سے بہتر ہو۔ جب شرف اور بلندی کا تذکرہ کیا جائے تو ان سب میں زیادہ بلند و بالا تم ہی ہو۔ تم نے رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی جس میں سراسر بھلائی ہی بھلائی ہے اور تمھیں مال و دولت بھی عطا کیا گیا۔ جو چیز تمھیں عاجز کر دے یا جن باتوں کی تم میں طاقت نہیں ہے، اس سے قوم عداء کو تو عاجز نہیں ہونا چاہیے (کہ وہ اسلام سے محروم ہی رہے)۔''

جب خزاعی رضی اللہ عنہ تک یہ اشعار پہنچے تو انھوں نے اپنی قوم کو جمع کیا اور کہا: اس شخص (محمد ﷺ) کے شاعر نے خاص طور پر تمھارے لیے اشعار کہے ہیں، لہٰذا میں تمھیں قسم دیتا ہوں کہ تم میری بات مان کر مسلمان ہو جاؤ۔ قوم نے کہا: ''ہم آپ کی مخالفت نہیں کریں گے۔'' چنانچہ وہ مسلمان ہو گئے اور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن مزینہ کا جھنڈا خزاعی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھمایا تھا۔ اس دن یہ ایک ہزار کی تعداد میں تھے۔ خزاعی بن عبدنہم، عبداللہ ذوالبجادین اور ابوعبداللہ مغفل بن مغفل کے بھائی تھے۔[1]

سیدنا نعمان بن مُقَرِّن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: 400 افراد پر مشتمل مزینہ قبیلے کا ایک وفد نبی اکرم ﷺ کی خدمتِ اقدس

1 الطبقات لابن سعد: 292,291/1، البداية والنهاية: 38/5، الإصابة: 238,237/2.

میں حاضر ہوا۔ میں بھی اس وفد میں شامل تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں بعض اسلامی تعلیمات سے روشناس کرایا۔ جب ہم واپس جانے لگے تو وفد میں سے کسی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہمارے پاس زادِ راہ نہیں ہے۔ رحمتِ کائنات ﷺ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا: «زَوِّدْهُمْ» ''انھیں کچھ زادِ راہ مہیا کرو۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نہایت ادب سے گزارش کی کہ میرے پاس بہت ہی کم کھجوریں ہیں جو ان سب لوگوں کے لیے ناکافی ہیں۔ آپ ﷺ نے دوبارہ ارشاد فرمایا: «انْطَلِقْ فَزَوِّدْهُمْ» ''بس تم جاؤ اور انھیں زادِ راہ دے دو۔'' سیدنا نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ہمیں لے کر اپنے گھر چل دیے اور ہمارے لیے اپنے گھر کے دروازے کھول دیے۔ وہاں ہم نے دیکھا کہ کھجوروں کا ایک چھوٹا سا ڈھیر لگا ہوا ہے۔ کھجوروں کا رنگ سفید سیاہی مائل تھا جیسے اونٹ کا رنگ ہوتا ہے۔ تمام افراد نے وہاں سے حسبِ ضرورت کھجوریں لے لیں۔ فرماتے ہیں: میں سب سے آخر میں تھا۔ میں نے یوں محسوس کیا گویا کسی نے اس ڈھیر میں سے ایک کھجور بھی نہیں لی، حالانکہ 400 افراد نے اپنی اپنی مرضی کے مطابق کھجوریں لے لی تھیں۔[1] یہ رسول اللہ ﷺ کا ایک عظیم معجزہ تھا۔

یاد رہے کہ سیدنا نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ اپنے دیگر 7 بھائیوں کے ساتھ ہجرت کرنے والوں میں سے تھے۔ 5ھ کے وفد میں ان کی شمولیت کا مقصد اسلام لانا نہیں تھا کیونکہ وہ تو پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے۔ وہ اس وفد کے ساتھ محض اپنی قوم کا تعارف کرانے کے لیے تشریف لائے تھے۔[2] واللہ أعلم.

وفدِ بنوتمیم

وفد بنوتمیم کے متعلق جاننے سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی زبانی بنوتمیم کی فضیلت و منقبت پڑھ لیجیے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ سے بنوتمیم کے متعلق تین باتیں سنی ہیں، میں ان سے بہت محبت کرنے لگا ہوں۔

1 رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«هُمْ أَشَدُّ أُمَّتِي عَلَى الدَّجَّالِ»

''بنوتمیم میری امت میں سے سب سے بڑھ کر دجال پر سخت ہیں۔''

2 جب بنوتمیم کی طرف سے صدقات آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«هٰذِهِ صَدَقَاتُ قَوْمِنَا»

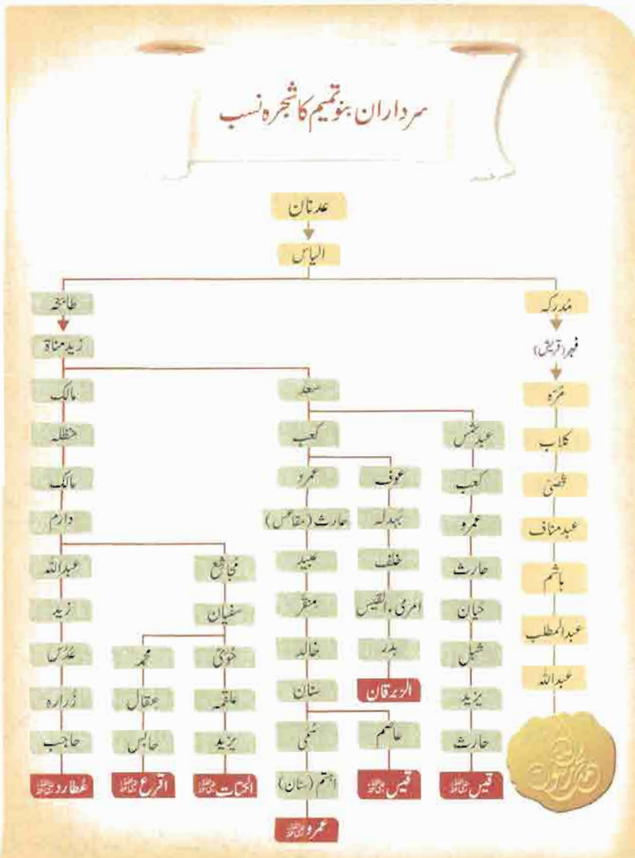
1 مسند أحمد: 445/5، دلائل النبوة للبيهقي: 366/5. 2 أسد الغابة: 244/4.

”یہ ہماری اپنی قوم کے صدقات ہیں۔“

3 سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بنوتمیم کی ایک لونڈی تھی، آپ ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

«أَعْتِقِيهَا فَإِنَّهَا مِنْ وَلَدِ إِسْمَاعِيلَ»

”عائشہ! اس لونڈی کو آزاد کر دو، کیونکہ یہ اسماعیل کی اولاد سے ہے۔“ [1]



رسول اللہ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں جتنے بھی وفود حاضر ہوئے، ان میں عقیدت و احترام کا جذبہ بہت نمایاں تھا۔ وہ عجز و انکسار کا نمونہ تھے، تکبر و غرور نام کی کوئی چیز ان میں نہ تھی۔ ہر چند وفد بنوتمیم بھی اسلام قبول کرنے کی نیت سے پیشِ خدمت ہوا تھا لیکن اس وفد کے آنے کا انداز فاخرانہ تھا۔ ان کے ذہنوں میں ابھی فخر و غرور سمایا ہوا تھا، تاہم رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ سے گفتگو کے بعد ان کی یہ قباحت دور ہوگئی اور وفد میں شریک تمام افراد حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ واقعے کی تفصیل درج ذیل ہے:

بنوتمیم کا وفد فتح مکہ، غزوۂ حنین اور طائف کے بعد آیا۔ اس وفد میں بنوتمیم کے بڑے بڑے سردار شامل تھے، مثلاً: اقرع بن حابس، زبرقان بن بدر، عمرو بن اہتم، حُتات بن یزید، نعیم بن یزید، قیس بن حارث، قیس بن عاصم، عیینہ بن حصن فزاری اور عُطارد بن حاجب۔ اقرع بن حابس اور عیینہ بن حصن اس سے پہلے فتح مکہ، غزوۂ حنین اور غزوۂ طائف میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شرکت کا شرف حاصل کر چکے تھے۔ [2] بنوتمیم کے وفد کی تفصیلات سیرت انسائیکلو پیڈیا: 9/397-402 میں گزر چکی ہیں۔

1 صحیح البخاري: 2543 و 4366، صحیح مسلم: 2525. 2 السیرة لابن هشام: 4/206,207، الاستیعاب، ص: 215.

اس موقع پر رسول اللہ ﷺ کی نظر وفد میں موجود قیس بن عاصم رضی اللہ عنہ پر پڑی۔ آپ ﷺ نے انھیں دیکھتے ہی فرمایا: "هٰذَا سَيِّدُ أَهْلِ الْوَبَرِ" "یہ ہیں اہلِ دیہات کے سردار۔"[1]

رسول اللہ ﷺ جس خوش نصیب کو بھی منتخب فرماتے تھے، وہ یقیناً غیر معمولی صفات کا حامل ہوتا تھا۔ سیدنا قیس بن عاصم رضی اللہ عنہ بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ آپ بڑے سمجھدار، بردبار اور سنجیدہ طبیعت کے مالک تھے۔ ہم آپ کی خدمت میں ان کی بردباری، متانت، سنجیدگی اور عقلمندی کے ایک دو واقعات بیان کرتے ہیں جن سے آپ بخوبی اندازہ لگا سکیں گے کہ قیس رضی اللہ عنہ کیسے کیسے اوصافِ جلیلہ کے مالک تھے۔

احنف بن قیس سے پوچھا گیا کہ آپ نے بردباری کس سے سیکھی؟ انھوں نے جواب دیا: قیس بن عاصم سے۔ میں نے قیس بن عاصم کو دیکھا کہ وہ اپنے گھر کے صحن میں تلوار کی حمائل (پٹی) کے ساتھ آلتی پالتی مار کر بیٹھے ہوئے تھے، اس وقت وہ اپنی قوم کے چند لوگوں کے ساتھ محوِ گفتگو تھے۔

اسی دوران میں ایک ایسا شخص لایا گیا جس کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے، اس کے ساتھ ایک مقتول کی لاش بھی لائی گئی۔ قیس کو بتایا گیا کہ تمھارے بھتیجے نے تمھارے بیٹے کو قتل کر دیا ہے۔ احنف بن قیس کہتے ہیں: اللہ کی قسم! قیس اسی طرح آلتی پالتی مارے بیٹھے رہے۔ انھوں نے اپنا سلسلۂ کلام بھی قطع نہیں کیا۔ جب قوم کے ساتھ ان کی بات پوری ہوگئی تو وہ اپنے بھتیجے کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا: "میرے بھتیجے! تو نے نہایت گھناؤنا کام کیا، اپنے رب کا گناہگار بنا، قطع رحمی کی اور اپنے چچیرے بھائی کو قتل کر دیا۔ تو نے اپنے تیر سے اپنی ہی جان کو ہلاک کیا، یوں تو نے اپنی ہی تعداد گھٹا لی ہے۔"

پھر اپنے دوسرے بیٹے کو مخاطب کر کے کہا:

"اے میرے بیٹے! اپنے چچا زاد کے پاس جاؤ اور اس کی رسیاں کھول دو۔ اپنے بھائی کو دفن کر دو اور اپنی ماں کو اس کے بیٹے کے عوض سو اونٹ دِیَت میں دے دو کیونکہ وہ نہایت غریب ہے۔"

اس واقعے سے قیس کی بردباری، متانت اور حوصلہ مندی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ قیس رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ پر زمانۂ جاہلیت میں بھی شراب حرام کر رکھی تھی۔ جب قیس رضی اللہ عنہ کا وقتِ وفات قریب آیا تو انھوں نے اپنے بیٹوں کو بلایا اور وصیت کرتے ہوئے فرمایا:

"میرے پیارے بیٹو! میری چند نصیحتیں پلے باندھ لو۔ مجھ سے بڑھ کر تمھارا اور کوئی خیر خواہ نہیں۔ جب میں مر جاؤں تو اپنے بڑوں کو اپنا سردار بنانا، کہیں چھوٹوں کو نہ بنا دینا کہ لوگ تمھارے بڑوں کو بیوقوف سمجھنے

[1] المستدرك للحاكم: 611/3، الأدب المفرد، حديث: 953.

لگیں۔ اپنے مال کی اصلاح کرتے رہنا (حرام شامل نہ ہونے دینا اور اپنا سرمایہ اچھے کاموں میں خرچ کرنا)۔ یہی مال ایک شریف انسان کی نیک نامی کا باعث بنتا ہے اور اسی سے کمینے آدمی سے چھٹکارا مل جاتا ہے۔ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلانے سے بچنا۔ یہ کمائی کا بے حد گھٹیا طریقہ ہے۔ میری موت پر کسی نوحہ کرنے والی کو ہرگز مت بلانا کیونکہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ مبارک سنا ہے کہ آپ ﷺ نے نوحہ سے منع فرمایا تھا۔''

قیس بن عاصم رضی اللہ عنہ کی انھی خوبیوں کی بنا پر عبدہ بن طبیب نے ان کی وفات پر انھیں خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے چند اشعار کہے تھے جن میں سے ایک شعر یہ ہے:

فَمَا كَانَ قَيْسٌ هُلْكُهُ هُلْكَ وَاحِدٍ ۔۔۔ وَلٰكِنَّهُ بُنْيَانُ قَوْمٍ تَهَدَّمَا

''قیس کی ہلاکت ایک فرد کی ہلاکت نہیں تھی، بلکہ وہ تو پوری قوم کی ایک عمارت تھے جو اب منہدم ہوگئی ہے۔''[1]

وفدِ عبدالقیس

عبدالقیس بحرین کا ایک بہت بڑا قبیلہ تھا۔ روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ قبیلہ دو مرتبہ وفد کی صورت میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ پہلی دفعہ فتح مکہ سے قبل 4 یا 5 ہجری میں اور دوسری مرتبہ عام الوفود کے موقع پر 9 ھ میں۔ پہلی مرتبہ آنے کا سبب درج ذیل ہے:

منقذ بن حبان نامی ایک تاجر اکثر تجارت کی غرض سے مدینہ آتا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ اسے اچھی طرح جانتے تھے۔ ایک مرتبہ نبی ﷺ ایک راستے سے گزر رہے تھے۔ اس وقت آپ ﷺ نے اسے راستے میں بیٹھا ہوا دیکھا تو دریافت فرمایا:

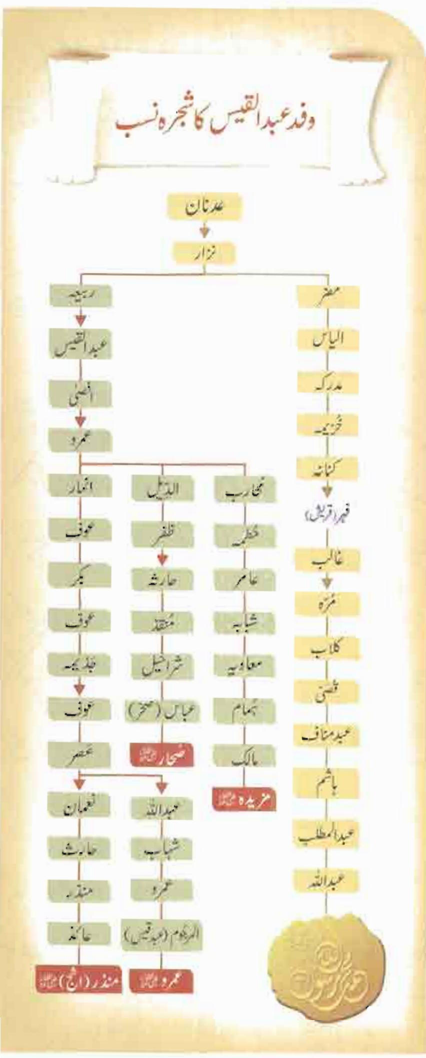
"أَمُنْقِذُ بْنُ حَبَّانَ كَيْفَ جَمِيعُ هَيْئَاتِكَ وَ قَوْمِكَ؟"

''منقذ! تم کیسے ہو اور تمھاری قوم کا کیا حال ہے؟''

رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرداً فرداً اس کے بڑے بڑے سرداروں کے نام لے کر ان کے احوال دریافت فرمائے۔ آپ ﷺ کی تبلیغ سے منقذ بن حبان نے اسلام قبول کرلیا۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے سورۂ فاتحہ اور سورۂ علق سیکھ کر حفظ کرلی اور اپنے علاقے ہجر (بحرین) کی طرف واپس جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ آپ ﷺ نے ان

[1] أسد الغابة: 3/502-504، الاستيعاب، ص: 617، 618.

کے قبیلہ عبدالقیس کی طرف ایک دعوتی خط ارسال فرمایا۔ منقذ ؓ خط لے کر روانہ ہوئے اور وہاں جا کر کئی دنوں تک خط کو چھپائے رکھا۔ ایک دن ان کی بیوی کو اس خط کا علم ہو گیا۔ یہ خاتون اشج عبدالقیس (منذر بن عائذ) کی بیٹی تھی اور منقذ اشج کا بھانجا تھا۔ (اشج زخم کے نشان کو کہتے ہیں۔ منذر ؓ کے چہرے پر زخم کا نشان تھا، اس لیے نبی ﷺ نے انھیں ''اشج'' کا لقب عطا فرمایا تھا۔) اس خاتون نے خط کے بارے میں اپنے والد کو بتا دیا۔ منقذ ؓ اپنے گھر میں نماز بھی پڑھتے تھے اور تلاوت بھی کرتے تھے۔ اس عورت نے اپنے والد سے کہا: جب سے منقذ یثرب (مدینہ) سے واپس آئے ہیں، ان میں بہت بڑی تبدیلی آگئی ہے۔ یہ اپنے اطراف یعنی ہاتھ پاؤں اور چہرہ وغیرہ دھوتے ہیں، ایک مخصوص جہت، یعنی قبلہ کی طرف منہ کرتے ہیں اور کبھی پیٹھ جھکاتے ہیں تو کبھی اپنی پیشانی زمین پر رکھ دیتے ہیں۔ جب سے واپس آئے ہیں، ان کا یہی معمول ہے۔



اشج منقذ ؓ سے ملے اور صورت حال دریافت کی تو ان کے دل میں بھی قبول اسلام کی تڑپ پیدا ہوگئی، چنانچہ اشج نبی ﷺ کا مبارک مراسلہ قوم کے سامنے لائے اور اسے پڑھ کر سنایا تو ان لوگوں کے دلوں میں بھی اسلام گھر کرنے لگا اور انھیں اسلام قبول کرنے کی تمنا دامن گیر ہوگئی۔ انھوں نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کا پکا ارادہ کرلیا۔ اس خط میں یہ ارشاد بھی درج تھا کہ قبیلہ عبدالقیس کے 20 افراد میرے پاس حاضر ہو جائیں۔

وفد عبدالقیس کی مدینہ آمد

مذکورہ نامۂ مبارک کی وجہ سے قبیلہ عبدالقیس کا 20 افراد پر مشتمل ایک وفد اپنے علاقے سے حرمت والے مہینے میں مدینہ کی طرف روانہ ہوگیا۔ بعض روایات میں 13 یا 14 کی تعداد کا تذکرہ بھی ہے۔ وفد میں شریک افراد کے نام یہ ہیں: 1 اشج منذر بن عائذ 2 منقذ بن حبان 3 مزیدہ بن مالک 4 عمرو بن رحوم 5 حارث بن شعیب 6 عبیدہ بن ہمام 7 حارث بن جندب، 8 صحار بن عباس 9 عقبہ بن جروہ 10 قیس بن نعمان

11 جہم بن قثم 12 جویریہ عبدی 13 رستم عبدی 14 زراع بن عامر 15 جارود بن عمرو معلی 16 وازع رضی اللہ عنہم۔[1]

امام بیہقی کی روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ محو گفتگو تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«سَيَطْلُعُ عَلَيْكُمْ مِنْ هٰهُنَا رَكْبٌ، هُمْ خَيْرُ أَهْلِ الْمَشْرِقِ»

''ابھی تمھارے پاس ایک قافلہ آئے گا۔ اس قافلے کے لوگ اہل مشرق کے سب سے بہترین لوگ ہیں۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اسی وقت اٹھے اور اس طرف روانہ ہو گئے جہاں سے وہ قافلہ آنے والا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو 13 سوار ملے۔ آپ نے ان سے پوچھا: آپ کون لوگ ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: ہم بنو عبدالقیس ہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے پھر پوچھا: کیا آپ یہاں تجارت کی غرض سے تشریف لائے ہیں؟ انھوں نے کہا: نہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ لوگوں کا ابھی ابھی ذکر خیر فرمایا تھا۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ چلتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے وفد سے کہا:

''یہ ہیں وہ شخصیت جن سے تم ملنے آئے ہو۔'' چنانچہ وہ لوگ جھٹ پٹ اپنی سواریوں سے اترے اور بے تابی سے بھاگتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ کے مبارک ہاتھ چومنے لگے.....۔[2]

صحیح بخاری میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب وفد عبدالقیس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے دریافت فرمایا: «مَنِ الْقَوْمُ أَوْ مَنِ الْوَفْدُ؟» ''یہ کون لوگ ہیں؟'' یا فرمایا: ''یہ کن لوگوں کا وفد ہے؟''

انھوں نے عرض کی: ''ہم بنو ربیعہ ہیں (ربیعہ بن نزار بن معد بن عدنان بنو عبدالقیس کا جد امجد ہے)۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «مَرْحَبًا بِالْقَوْمِ ۔ أَوْ بِالْوَفْدِ ۔ غَيْرَ خَزَايَا وَلَا نَدَامٰى» ''آپ لوگوں کو خوش آمدید! جو کسی ذلت و رسوائی اور شرمندگی کے بغیر (خود) آئے ہیں۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا انھیں خوش آمدید کہنا اس بنا پر تھا کہ یہ لوگ اپنی خوشی سے اطاعت و فرمانبرداری کے لیے حاضر ہوئے تھے، انھیں قیدی بنا کر نہیں لایا گیا تھا کہ جس سے یہ ذلت و ندامت سے دوچار ہوتے۔

وفد نے عرض کی: ''اے اللہ کے رسول! ہم آپ کی خدمت میں صرف حرمت والے مہینے ہی میں حاضر ہو سکتے ہیں کیونکہ ہمارے اور آپ کے درمیان کفار کا مضر قبیلہ آباد ہے (بنو مضر کے جد امجد مُضر بن نزار تھے)۔ آپ ہمیں فیصلہ کن بات بتا دیں جس کی خبر ہم اپنے پسماندگان کو بھی دے دیں اور جنت میں داخل ہو سکیں۔''

[1] شرح الزرقاني: 139,138/5، البداية والنهاية: 44/5. [2] دلائل النبوة للبيهقي: 327/5.

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں چار باتوں کا حکم دیا اور چار باتوں کی ممانعت فرمائی۔ آپ ﷺ نے انھیں صرف اللہ وحدہ لاشریک پر ایمان لانے کا حکم دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «أَتَدْرُونَ مَا الْإِيمَانُ بِاللّٰهِ وَحْدَهُ؟» ''کیا تم جانتے ہو کہ اکیلے اللہ پر ایمان لانے کا کیا مطلب ہے؟''

انھوں نے عرض کی: ''اللہ اور اس کے رسول ہی خوب جانتے ہیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا:

«شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ، وَإِقَامُ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءُ الزَّكَاةِ، وَصِيَامُ رَمَضَانَ، وَأَنْ تُعْطُوا مِنَ الْمَغْنَمِ الْخُمُسَ»

''یہ گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، اور نماز ادا کرنا، زکاۃ دینا، رمضان کے روزے رکھنا اور یہ کہ تم غنیمت کا خمس (پانچواں حصہ) ادا کرو۔''

رسول اللہ ﷺ نے انھیں کدو کے برتن، تارکول چڑھے برتن، روغنی مٹکے یا لکڑی کے بنے ہوئے برتن استعمال کرنے سے منع کیا اور فرمایا: «احْفَظُوهُنَّ وَأَخْبِرُوا بِهِنَّ مَنْ وَرَاءَكُمْ» ''یہ باتیں اچھی طرح یاد رکھو اور ان لوگوں کو بھی بتا دو جو تمھارے پیچھے ہیں۔''[1]

اشج عبدالقیس کی امتیازی خوبیاں

قبیلۂ عبدالقیس کے وفد کے متعلق بیان ہو چکا ہے کہ جب وہ مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ سے شرفِ ملاقات کے لیے آیا تو ان لوگوں کی محبت وعقیدت کا عالم یہ تھا کہ جیسے ہی ان لوگوں نے آفتاب عالم تاب (ﷺ) کی جھلک دیکھی، وہ ایک دم اپنے اونٹوں اور دوسری سواریوں سے کود پڑے۔ کوئی تیز چل کر آیا تو کوئی دوڑ کر۔ پھر یہ سب لوگ سرکارِ دو عالم ﷺ کے مبارک ہاتھوں اور پیروں کو بوسہ دینے لگے۔

اسی وفد میں اشج منذر بن عائذ بھی تھے۔ انھوں نے سب سے پہلے تمام اونٹوں کو باندھا، سارا سامان ایک جگہ لگایا، اس کے بعد اپنے دھلے ہوئے کپڑے زیب تن کیے، بعدازاں بارگاہِ رسالت میں دست بوسی کے لیے حاضر ہوئے۔ ان کا یہ طرزِ عمل رسول اللہ ﷺ کو بہت بھایا، آپ ﷺ نے ان کی ستائش کرتے ہوئے فرمایا:

«إِنَّ فِيكَ خَصْلَتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ وَرَسُولُهُ: الْحِلْمُ وَالْأَنَاةُ»

''تجھ میں دو خصلتیں ایسی ہیں جنھیں اللہ اور اس کا رسول پسند فرماتے ہیں: بردباری اور وقار و سنجیدگی۔''

1 صحيح البخاري: 53، 87.

اشج رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''کیا وہ میری فطرت میں ہیں یا میں نے وہ از خود اختیار کی ہیں؟'' نبی ﷺ نے فرمایا: «بَلْ جَبَلَكَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا» ''(از خود نہیں) بلکہ اللہ تعالیٰ نے تجھے پیدا ہی اسی طرح کیا ہے۔''

یہ سن کر اشج رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ''تمام قسم کی تعریفات اس اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے خاص ہیں جس نے مجھے ایسی دو صفات پر پیدا کیا ہے جنھیں وہ خود اور اس کا رسول پسند فرماتے ہیں۔''[1]

وازع رضی اللہ عنہ کے ماموں کی شفایابی

اسی دوران میں وفد میں موجود ایک صحابی وازع رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میرے ساتھ میرے ماموں آئے ہیں، انھیں جنوں کے غلبے (آسیب) کی شکایت ہے، آپ اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے اس مصیبت سے نجات کی دعا فرما دیجیے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: «أَيْنَ هُوَ؟ اِئْتِنِي بِهِ» ''وہ کہاں ہیں؟ انھیں میرے پاس لائیے۔''

وازع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: پھر میں نے اسی طرح کیا جس طرح اشج رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔ میں نے اپنے ماموں کو دھلے ہوئے کپڑے پہنائے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ ﷺ نے ان کی اوپر والی چادر پیچھے سے اس قدر اٹھائی کہ ہمیں ان کی بغلوں کی سفیدی نظر آئی۔ پھر آپ ﷺ نے ان کی کمر پر ضرب لگائی اور فرمایا: «أُخْرُجْ عَدُوَّ اللّٰهِ» ''نکل، اللہ کے دشمن!''

پھر جونہی میرے ماموں نے مڑ کر ہماری طرف دیکھا تو وہ بالکل ٹھیک ہو چکے تھے اور ایک نارمل آدمی کی طرح دیکھ رہے تھے۔[2]

جارود کا سبق آموز واقعہ

مذکورہ وفد میں جارود نامی ایک عیسائی شخص بھی تھا۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ گفتگو کا تبادلہ ہوا تو آپ ﷺ نے اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ اس نے کہا: اے محمد (ﷺ)! میں ایک دین پر قائم ہوں اور اب میں آپ کے دین کی خاطر اپنے دین کو چھوڑ رہا ہوں تو کیا آپ مجھے میرے نئے دین کے اچھے ہونے کی ضمانت دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«نَعَمْ، أَنَا ضَامِنٌ أَنْ قَدْ هَدَاكَ اللّٰهُ إِلٰى مَا هُوَ خَيْرٌ مِّنْهُ»

1 سنن أبي داود: 5225۔ 2 مسند أحمد: 455/5، السيرة لابن كثير: 115/7، مجمع الزوائد: 1195/2.

"ہاں، میں ضمانت دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے تیرے پہلے دین کے مقابلے میں اب ایک بہتر دین کی ہدایت دی ہے۔"

چنانچہ جارود اور ان کے ساتھیوں نے اسلام قبول کر لیا اور آپ ﷺ سے سواری کے لیے اونٹ مانگے تو آپ ﷺ نے فرمایا: «وَاللّٰهِ! مَا عِنْدِي مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ» "اللہ کی قسم! میرے پاس تمھیں دینے کے لیے کوئی سواری کے جانور موجود نہیں ہیں۔"

انھوں نے پھر عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہمارے اور آپ کے شہروں کے درمیان لوگوں کے گم شدہ اونٹ پھر رہے ہوتے ہیں، کیا ہم ان پر سوار ہو کر اپنے شہروں اور علاقوں کو جا سکتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا، إِيَّاكَ وَإِيَّاهَا، فَإِنَّمَا تِلْكَ حَرَقُ النَّارِ»

"نہیں، اپنے آپ کو ان سے بہت دور رکھنا کیونکہ ایسا کرنا آگ میں جلنے کے مترادف ہے۔"

جارود رضی اللہ عنہ اپنی قوم کے ساتھ واپس اپنے علاقے میں تشریف لے آئے۔ وہ اپنے دین اور ایمان میں بہت مضبوط تھے اور آخری دم تک ایک اچھے مسلمان کی طرح اسلام پر کاربند رہے۔ انھوں نے زمانۂ ارتداد بھی پایا۔ چنانچہ جب ان کی قوم کے لوگ غرور[1] بن منذر بن نعمان کے ساتھ اسلام سے مرتد ہو گئے تو جارود رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور حق کی گواہی دینے کے بعد اسلام کی طرف دعوت دیتے ہوئے فرمایا:

"اے لوگو! میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور بلاشبہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اور جو یہ گواہی نہیں دیتا، وہ کافر ہے۔"[2]

وفد عبدالقیس مدینہ میں رملہ بنت حارث کے گھر قیام پذیر رہا۔ یہ لوگ کل دس دن مدینہ میں رہے، ان کی خوب ضیافت کی جاتی رہی۔ اشج رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے قرآن اور حدیث کا علم سیکھتے رہے۔ جب یہ لوگ جانے لگے تو آپ ﷺ نے ان کے لیے تحفے اور عطیات دینے کا حکم دیا۔ آپ ﷺ نے اشج رضی اللہ عنہ کو سب سے زیادہ نوازا۔ انھیں 12 سے کچھ زائد اوقیے چاندی عطا فرمائی۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے منقذ رضی اللہ عنہ کے چہرے پر اپنے مبارک ہاتھ بھی پھیرے۔

یاد رہے کہ طبقات ابن سعد میں اشج رضی اللہ عنہ کا نام عبداللہ ذکر کیا گیا ہے[3] لیکن صحیح اور مشہور بات وہی ہے جو ہم

[1] غرور کا اصل نام منذر تھا۔ غرور کا مطلب دھوکے باز ہے۔ اس نے اپنی قوم کو ارتداد کی جنگ کے وقت دھوکا دیا تھا، اس لیے اس کا نام غرور پڑ گیا۔ [2] البداية والنهاية: 44/5، السيرة لابن هشام: 222،221/4. [3] الطبقات لابن سعد: 315،314/1.

بیان کر چکے ہیں کہ ان کا نام منذر بن عائذ تھا۔ اسی طرح بعض روایات میں آیا ہے کہ اشج رضی اللہ عنہ وفد میں سب سے بڑے تھے جبکہ دیگر روایات میں ہے کہ آپ قوم میں سب سے چھوٹے تھے۔ ان میں تطبیق یوں دی گئی ہے کہ آپ مقام و مرتبہ کے لحاظ سے سب سے بڑے اور عمر کے اعتبار سے سب سے چھوٹے تھے۔[1]

مذکورہ واقعات قبیلہ عبدالقیس کے پہلے وفد کے ہیں جو فتح مکہ سے قبل 4 یا 5 ھ میں مدینہ آیا تھا کیونکہ انھوں نے آکر کہا تھا کہ ہمارے اور آپ کے درمیان کفار کا مضر قبیلہ ہے اور ہم آپ کے پاس صرف حرمت والے مہینے ہی میں آسکتے ہیں۔ اور اس قسم کے خطرات 4 یا 5 ھ میں ہوا کرتے تھے۔ فتح مکہ کے بعد یہ قبیلے مغلوب ہوگئے تھے، اس لیے خطرات بھی کم ہوگئے تھے۔ اس وفد میں تقریباً 13 یا 14 افراد تھے۔

قبیلہ عبدالقیس کا دوسرا وفد

یہ عبدالقیس کا دوسرا وفد اس سال حاضر خدمت ہوا جب اطراف مکہ سے یکے بعد دیگرے وفود در وفود رحمت کائنات ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر دائرۂ اسلام میں داخل ہو رہے تھے۔ اس وفد میں کل 40 افراد تھے۔ جب یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ان کے چہرے دیکھ کر دریافت فرمایا:

«مَالِي أَرٰى أَلْوَانَكُمْ تَغَيَّرَتْ؟»

''کیا ہوا؟ آپ لوگوں کے چہروں کی رنگت بدلی ہوئی ہے۔''

آپ ﷺ کے اس فرمان سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے انھیں پہلے بھی دیکھ رکھا تھا۔

ایک اور دلیل یہ ہے کہ مسجد نبوی کے علاوہ جس مسجد میں پہلی نماز جمعہ ادا کی گئی، وہ بحرین میں جواثا کے مقام پر مسجد عبدالقیس ہے۔ جب پہلی مرتبہ وفد عبدالقیس واپس گیا تو انھوں نے وہاں نماز جمعہ کا اہتمام کیا تھا۔

[1] شرح الزرقاني على المواهب: 139/5.



مسجد جواثا کی تعمیر نو (محفوظ)

بعض لوگوں نے اسے ایک ہی واقعہ قرار دیا ہے اور وفد میں موجود افراد کی تعداد میں جو 13 اور 40 کا بڑا فرق ہے، اس میں یہ تطبیق دی ہے کہ 13 افراد سرکردہ تھے، یہی وجہ ہے کہ یہ سوار تھے اور باقی 27 افراد عام لوگ تھے۔ واللہ اعلم۔ [1]

وفد بنو حنیفہ

وفد بنو حنیفہ مسیلمہ کذاب کی معیت اور سرکردگی میں 9 ھ میں مدینہ منورہ آیا اور رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی۔ مسیلمہ کذاب بڑا فسادی اور فتنہ پرور شخص تھا۔ اس وفد نے رسول اللہ ﷺ کے مبارک ہاتھ پر بیعت کی اور اسلام قبول کرلیا، البتہ مسیلمہ کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ اہل وفد اسے اپنے ساتھ لائے تھے اور اس نے آپ ﷺ سے گفتگو بھی کی تھی، جبکہ دوسری روایت میں ہے کہ اہل وفد اسے اپنے سامان کے پاس نگرانی کے لیے بٹھا کر آئے تھے۔ رہی یہ بات کہ مسیلمہ کذاب نے اسلام قبول کیا تھا یا نہیں، تو کسی روایت میں اس کے اسلام قبول کرنے کی صراحت نہیں ہے۔

مسیلمہ کذاب کے متعلق روایات کی تفصیل درج ذیل ہے:

مسیلمہ کذاب کی آمد اور اس کی شرط

صحیح بخاری میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ مسیلمہ کذاب اپنی قوم کے بہت سارے لوگوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور اسلام قبول کرنے کے لیے اپنی شرط لگاتے ہوئے کہنے لگا: ''اے محمد (ﷺ)! آپ اپنے بعد حکومت میرے حوالے کرنے کا وعدہ کریں تو میں آپ کی پیروی کرنے کو تیار ہوں۔''

نبی اکرم ﷺ مسیلمہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس وقت آپ ﷺ کے ہاتھ میں کھجور کی چھڑی کا ایک ٹکڑا تھا۔ آپ ﷺ کے ساتھ خطیب سیدنا ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَوْ سَأَلْتَنِي هٰذِهِ الْقِطْعَةَ مَا أَعْطَيْتُكَهَا، وَلَنْ تَعْدُوَ أَمْرَ اللّٰهِ فِيكَ، وَلَئِنْ أَدْبَرْتَ لَيَعْقِرَنَّكَ اللّٰهُ، وَإِنِّي لَأَرَاكَ الَّذِي أُرِيتُ فِيكَ مَا رَأَيْتُ»

''اگر تو مجھ سے لکڑی کا یہ ٹکڑا بھی مانگے گا تو میں تجھے نہیں دوں گا (خلافت تو بہت دور کی بات ہے) اور اللہ تعالیٰ کی مرضی کو تو ٹال نہیں سکتا۔ اگر تو (اسلام سے) منہ پھیرے گا تو اللہ تعالیٰ تجھے تباہ و برباد کر دے گا۔ اور میرا خیال ہے تو وہی شخص ہے جو مجھے خواب میں دکھایا گیا تھا۔'' [2]

1 شرح الزرقاني: 142/5. 2 صحيح البخاري: 3620.

پھر آپ ﷺ یہ فرما کر واپس تشریف لے گئے کہ اب تجھے میری طرف سے ثابت بن قیس جواب دیں گے۔

رسول اللہ ﷺ کا خواب

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کے خواب کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے کہا: آپ ﷺ نے فرمایا:

"بَيْنَمَا أَنَا نَائِمٌ رَأَيْتُ فِي يَدَيَّ سِوَارَيْنِ مِنْ ذَهَبٍ فَأَهَمَّنِي شَأْنُهُمَا، فَأُوحِيَ إِلَيَّ فِي الْمَنَامِ أَنِ انْفُخْهُمَا، فَنَفَخْتُهُمَا فَطَارَا، فَأَوَّلْتُهُمَا كَذَّابَيْنِ يَخْرُجَانِ بَعْدِي"

''میں سویا ہوا تھا کہ میں نے خواب میں دیکھا میرے ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن ہیں۔ ان سے مجھے بڑی فکر ہوئی۔ پھر خواب ہی میں مجھے وحی کے ذریعے بتایا گیا کہ میں ان پر پھونک ماروں، چنانچہ جب میں نے پھونک ماری تو وہ دونوں اڑ گئے۔ میں نے ان کی یہ تعبیر کی کہ میرے بعد دو جھوٹے نبی ظاہر ہوں گے۔''

جو کچھ آپ ﷺ نے فرمایا تھا، ویسا ہی ہوا۔ آپ ﷺ کے خواب کے مطابق مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی نے نبوت کے جھوٹے دعوے کیے۔[1]

طبقات ابن سعد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس بنوحنیفہ کا وفد آیا۔ اس وفد میں 12 سے بیس تک کی تعداد میں افراد موجود تھے۔ ان میں سے کچھ افراد کے نام یہ ہیں: 1 رَحّال (رجال) اس کا نام نہار بن عُنفُوہ ہے 2 سلمٰی بن حنظلہ سحیمی 3 طلق بن علی بن قیس 4 حُمران بن جابر 5 علی بن سنان 6 اقعس بن مسلمہ 7 زید بن عبد عمرو 8 مسیلمہ بن حبیب۔

وفد کا امیر سلمٰی بن حنظلہ تھا۔ اس وفد کو رملہ بنت حارث کے گھر ٹھہرایا گیا اور وہیں ان کی خوب ضیافت کی گئی۔ یہ لوگ مسجد نبوی میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، سلام کیا اور کلمۂ شہادت پڑھ کر حلقہ بگوش اسلام ہوگئے۔ یہ لوگ مسیلمہ کو اپنے سامان اور سواریوں کے پاس چھوڑ کر آئے تھے۔ وہ مسلسل کئی دن تک نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔ اس دوران رحال بن عنفوہ سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے قرآن پاک سیکھتا رہا۔ جب یہ لوگ واپس اپنے علاقوں کو جانے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے حسب معمول ارکانِ وفد کے لیے تحفوں اور عطیات کا حکم دیا۔ آپ ﷺ نے ہر آدمی کو پانچ اوقیہ چاندی دینے کا حکم دیا۔ اسی دوران ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہم اپنے ساز و سامان اور سواریوں کی حفاظت کے لیے اپنا ایک آدمی پیچھے چھوڑ آئے

[1] صحیح البخاری: 3621.

ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس آدمی (مسیلمہ) کے لیے بھی دوسرے لوگوں کی طرح عطیہ دینے کا حکم دیا اور ساتھ ہی فرمایا:

«لَيْسَ بِشَرِّكُمْ مَكَانًا لِحِفْظِهِ رِكَابَكُمْ وَرِحَالَكُمْ»

''تمھاری سواریوں اور سامان کی حفاظت کرنے کی وجہ سے وہ کوئی تم سے کمتر نہیں۔''

مسیلمہ کو یہ بات بتائی گئی تو اس کم ظرف نے اتراتے ہوئے کہا: ''اسے (محمد ﷺ کو) پتا چل گیا ہے کہ اس کے بعد (حکومت کی باگ ڈور کا) معاملہ میرے ہاتھ میں آجائے گا۔''

جب وہ واپس جانے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں ایک برتن عطا فرمایا۔ اس میں آپ ﷺ کے وضو کا بچا ہوا پانی تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا قَدِمْتُمْ بَلَدَكُمْ فَاكْسِرُوا بِيعَتَكُمْ وَانْضَحُوا مَكَانَهَا بِهٰذَا الْمَاءِ وَاتَّخِذُوا مَكَانَهَا مَسْجِدًا»

''جب تم اپنے شہر پہنچ جاؤ تو اپنا گرجا گھر توڑ دینا، اس جگہ یہ پانی چھڑکنا اور پھر اسی جگہ مسجد تعمیر کر لینا۔''

ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم پر عمل کرتے ہوئے ایسا ہی کیا۔ بعد میں وہ برتن اقعس بن مسلمہ کے پاس رہا۔ طلق بن علی کو مؤذن مقرر کیا گیا۔ جب انھوں نے اذان کہی تو گرجا گھر کا راہب اذان کی مقدس آواز سنتے ہی بھاگ کھڑا ہوا۔ وہ بھاگتا جاتا تھا اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہتا جاتا تھا: ''یہ کلمۂ حق ہے۔ یہ سچی دعوت ہے۔'' اس کے بعد مسیلمہ کذاب نے اپنی جعلی نبوت کا دعویٰ کر دیا اور رحال بن عنفوہ نے یہ جھوٹی گواہی بھی دے دی کہ رسول اللہ ﷺ نے مسیلمہ کو نبوت میں شریک کر لیا ہے۔ یوں اس کذاب نے لوگوں کو فتنے میں ڈال دیا۔[1]

درج بالا دونوں روایتوں میں صحیح بخاری کی روایت کو ترجیح حاصل ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی مسیلمہ سے بات چیت ہوئی تھی اور مسیلمہ نے آپ ﷺ کے بعد اپنے لیے خلافت کا مطالبہ بھی کیا تھا۔

رحال بن عنفوہ کا انجام

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے بنو حنیفہ کے وفد میں رحال (نہار) بن عنفوہ نامی ایک شخص تھا۔ مدینہ میں قیام کے دوران یہ شخص سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے قرآن کی آیات سیکھتا رہا۔

ایک مرتبہ یہ شخص سیدنا ابو ہریرہ اور فرات بن حیان رضی اللہ عنہما کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ رسول اکرم ﷺ ان کے پاس سے گزرے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَحَدُكُمْ ضِرْسُهُ فِي النَّارِ مِثْلُ أُحُدٍ»

1 الطبقات لابن سعد: 1/316، 317

''تم میں سے ایک شخص کی ڈاڑھ جہنم میں احد پہاڑ جیسی ہوگی۔''

یہ فرمانِ رسول ﷺ سن کر سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا فرات بن حیان رضی اللہ عنہ بہت گھبرائے اور ہر وقت خوفزدہ رہنے لگے یہاں تک کہ رحال مسیلمہ کے ساتھ مرتد ہوگیا۔ اس نے یہ جھوٹی گواہی بھی دی کہ رسول اکرم ﷺ نے مسیلمہ کو اپنی نبوت میں شریک کرلیا ہے۔ رحال نے جو قرآن سیکھا تھا، اس میں سے کچھ اس نے مسیلمہ کو بھی سکھا دیا، چنانچہ مسیلمہ نے اسی محدود قرآن کو بنیاد بنا کر یہ دعویٰ کر دیا کہ مجھ پر بھی وحی نازل ہوتی ہے۔ یوں اس نے بنوحنیفہ کے لوگوں کو فتنے میں ڈالا۔ [1]

مسیلمہ کذاب کی یاوہ گوئیاں

مسیلمہ کذاب جب واپس اپنے علاقے یمامہ میں پہنچا تو اسے ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ وفد میں شریک تھے، رسول اللہ ﷺ کا فرمان یاد دلاتے ہوئے کہا: جب تم لوگوں نے اس (محمد ﷺ) کے سامنے میرا تذکرہ کیا تھا تو کیا اس نے یہ نہیں کہا تھا: ''خبردار! وہ (مسیلمہ) مقام و مرتبہ کے لحاظ سے تم سے برا نہیں ہے۔'' یہ بات اس نے اس لیے کی تھی کہ وہ سمجھتا تھا کہ میں اس کے ساتھ (حکومت و نبوت کے) معاملے میں شریک کر دیا گیا ہوں۔

قصبہ یمامہ کا ایک منظر



اس کے بعد مسیلمہ کذاب نے اپنی جھوٹی نبوت کو سہارا دینے کے لیے جھوٹا قرآن گھڑنا شروع کیا۔ اس ملعون نے کہا کہ مجھ پر یہ آیات نازل ہوئی ہیں:

لَقَدْ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَى الْحُبْلٰى ، أَخْرَجَ مِنْهَا نَسْمَةً تَسْعٰى ، مِنْ بَيْنِ صَفَاقٍ وَّحَشٰى.

''اللہ نے حاملہ پر اپنا انعام فرمایا کہ اس کی آنتوں اور کھال کے درمیان سے ایک چلنے پھرنے والی جان پیدا کی۔''

قیس بن ابی حازم کہتے ہیں: ایک شخص سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور یہ خبر دی کہ میں بنوحنیفہ کی بعض مساجد کے پاس سے گزرا ہوں، وہ ایسے کلام کی تلاوت کر رہے تھے جو اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ پر نازل نہیں کیا۔ وہ یہ الفاظ پڑھ رہے تھے:

[1] البداية والنهاية: 47/5

وَالطَّاجِنَاتِ طَحْنًا، وَالْعَاجِنَاتِ عَجْنًا، وَالْخَابِزَاتِ خُبْزًا، وَالثَّارِدَاتِ ثَرْدًا، وَاللَّاقِمَاتِ لَقْمًا.

''(گندم) پیسنے والیوں کی قسم! آٹا گوندھنے والیوں کی قسم! روٹی پکانے والیوں کی قسم! ثرید بنانے والیوں کی قسم! لقمہ نگلنے والیوں کی قسم!'' [1]

واہیات اور بے معنی کلام

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بنوحنیفہ کا وفد ان کے پاس آیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے انھیں مسیلمہ کا کلام سنانے کو کہا۔ انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول کے خلیفہ! آپ نہ ہی سنیں تو بہتر ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں، ضرور سناؤ۔ چنانچہ انھوں نے مسیلمہ کذاب کا یہ رکیک کلام سنایا:

يَا ضِفْدَعُ بِنْتَ الضِّفْدَعَيْنِ، نَقِّي كَمْ تُنَقِّينَ، لَا الْمَاءَ تُكَدِّرِينَ وَلَا الشَّارِبَ تَمْنَعِينَ، رَأْسُكِ فِي الْمَاءِ، وَ ذَنْبُكِ فِي الطِّينِ.

''اے دو مینڈکوں کی بیٹی مینڈکی! تو صاف کر، کتنا تو صاف کر سکے گی؟ تو پانی کو گدلا نہیں کرتی اور نہ پانی پینے والے کو روکتی ہے۔ تیرا سر پانی میں اور تیری دُم مٹی میں ہے۔''

اسی طرح وہ کہتا تھا کہ مجھ پر یہ کلام بھی بذریعہ وحی نازل ہوا ہے:

اَلْفِيلُ، وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْفِيلُ، لَهُ زَلُّومٌ طَوِيلٌ.

''ہاتھی، اور تمھیں کیا معلوم ہاتھی کیا ہے؟ اس کی سونڈ لمبی ہوتی ہے۔'' [2]

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں ایک مرتبہ مسیلمہ کذاب کے پاس گیا۔ اس نے مجھ سے پوچھا: ان دنوں تمھارے ساتھی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر کیا نازل ہوا ہے؟ میں نے کہا: ان پر ایک بڑی فصیح و بلیغ سورت نازل ہوئی ہے۔ مسیلمہ نے کہا: وہ کون سی سورت ہے؟ میں نے اسے یہ سورتِ مقدسہ سنا دی:

﴿ وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝ ﴾

''زمانے کی قسم! بے شک انسان خسارے میں ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے اور ایک دوسرے کو حق کی تلقین کی اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کی۔''

1 البداية والنهاية: 47,46/5، السيرة لابن هشام: 223/4. 2 البداية والنهاية: 331/6.

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مسیلمہ نے کچھ دیر غور و فکر کرنے کے بعد کہا: مجھ پر بھی اس طرح کی ایک سورت نازل کی گئی ہے۔ انھوں نے پوچھا: وہ کیا ہے؟ مسیلمہ نے جواب دیا:

يا وَبْرُ يا وَبْرُ! إنما أنت أذنان وصدر، وسائرك حفر نقر

''اے وبر! (نیولے اور خرگوش سے ملتا جلتا ایک جانور) اے وبر! تیرے دو کان اور ایک سینہ ہے اور باقی تیرا سارا جسم حقیر، بے ہنگم اور بے ڈول ہے۔''

پھر اس نے پوچھا: عمرو! اس کلام کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے؟

عمرو رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''اللہ کی قسم! تو میرے بارے میں خوب جانتا ہے کہ مجھے یہ حقیقت اچھی طرح معلوم ہے کہ تو ایک جھوٹ بولنے والا آدمی ہے۔''[1]

اسی طرح اس نے ایک اور بھی ایسا ہی گھٹیا، بے ہودہ اور بے معنی کلام گھڑا جسے سن کر بچے بھی ناک بھوں چڑھاتے تھے۔ اسی لیے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بنو حنیفہ کے وفد سے فرمایا تھا: ''تمھاری عقلیں کہاں گھاس چرنے چلی گئی تھیں کہ تم نے اس بے ہودہ کلام کو ایک برحق کلام سمجھ لیا؟ اللہ کی قسم! یہ ہرگز کسی سمجھدار آدمی کا کلام نہیں ہو سکتا۔''[2]

مسیلمہ کذاب کی خرافات

مسیلمہ کذاب نے جھوٹی نبوت کا اعلان کرنے کے بعد بہت سی خرافات اور شعبدہ بازیوں کا مظاہرہ کیا۔ اس نے اپنی ناپاک شریعت جاری کی جس کے تحت شراب اور زنا کو حلال قرار دے دیا اور نماز کی فرضیت بھی ختم کر دی۔ وہ اپنے آپ کو رحمٰن الیمامہ کے نام سے موسوم کرتا تھا۔

مسیلمہ کذاب نے جادو ٹونے اور نظر بندی کے ٹوٹکے بھی سیکھے ہوئے تھے۔ چنانچہ وہ شیشی میں انڈہ اس طرح ڈال دیتا تھا کہ انڈہ ٹوٹتا نہیں تھا۔ اسی طرح وہ پرندے کے پر توڑ کر انھیں پھر سے جوڑ دیتا تھا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ پہاڑ سے ایک ہرنی اس کے پاس آتی ہے اور وہ اس کا دودھ دوہتا ہے۔

مسیلمہ کذاب کو کسی نے بتایا کہ اللہ کے رسول محمد ﷺ کنویں میں اپنا مبارک لعاب ڈالتے ہیں تو وہ پانی سے بھر جاتا ہے، چنانچہ اس نے بھی ایسا ہی کرنا چاہا۔ جب اس نے کنویں میں تھوکا تو وہ پانی سے بھرنے کے بجائے بالکل ہی خشک ہو گیا۔ ایک اور کنویں میں تھوکا تو اس کا پانی کڑوا زہر ہو گیا۔ ایک مرتبہ اس نے اپنے وضو کا پانی کھجور

1 تفسير ابن كثير، العصر: 103 (بتحقيق الشيخ سامي بن محمد سلامة)، البداية والنهاية: 6/330، 331، جامع العلوم والحكم لابن رجب: 1/285. 2 البداية والنهاية: 6/331، تفسير ابن كثير، التكوير 81: 26

نے ایک درخت کی جڑ میں پھینکا تو پورا درخت یکدم سوکھ گیا۔ اس کے پاس برکت حاصل کرنے کے لیے بچوں کو لایا گیا۔ اس نے ان کے سروں پر اپنا منحوس ہاتھ پھیرا تو ان میں سے کچھ بچوں کے بال کلی طور پر جھڑ گئے اور کچھ کی زبان توتلی ہو گئی۔ ایک دفعہ اس کے پاس آشوب چشم میں مبتلا ایک شخص کو لایا گیا۔ مسیلمہ نے اس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا تو وہ بالکل اندھا ہو گیا۔[1]

رسول اللہ ﷺ کے نام مسیلمہ کذاب کا خط

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے مسیلمہ کذاب نے اپنی قوم کے لیے زنا اور شراب کو حلال قرار دے دیا اور دیگر خرافات کے ذریعے اس نے اپنی قوم کو بے وقوف بنایا، یوں یہ لوگ اس کے گرویدہ ہو گئے۔ اس کی قوم نے اس کی اتنی قدر و منزلت کی کہ وہ بھی اسے یمامہ کا رحمٰن کہنے لگے۔ اس کے بعد مسیلمہ کذاب نے رسول اللہ ﷺ کو ایک خط لکھا جس کا متن درج ذیل ہے:

مِنْ مُسَيْلِمَةَ رَسُولِ اللّٰهِ إِلَى مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللّٰهِ (ﷺ)، سَلَامٌ عَلَيْكَ، أَمَّا بَعْدُ! فَإِنِّي قَدْ أُشْرِكْتُ فِي الْأَمْرِ مَعَكَ، فَإِنَّ لَنَا نِصْفَ الْأَمْرِ وَلِقُرَيْشٍ نِصْفَ الْأَمْرِ، وَلٰكِنَّ قُرَيْشًا قَوْمٌ يَعْتَدُونَ.

’’اللہ کے رسول مسیلمہ کی طرف سے محمد رسول اللہ (ﷺ) کے نام! امابعد! میں آپ کے ساتھ (نبوت کے) کام میں شریک کر دیا گیا ہوں۔ آدھی زمین ہمارے لیے اور آدھی قریش کے لیے ہے لیکن قریش زیادتی کرتے ہیں۔‘‘

یہ خط مسیلمہ کذاب کے دو قاصد ابن نواحہ اور ابن اثال لے کر آئے۔ رسول اللہ ﷺ نے خط سننے کے بعد قاصدوں سے دریافت فرمایا: «أَتَقُولَانِ أَنْتُمَا مِثْلَ مَا يَقُولُ؟» ’’کیا تمھارا عقیدہ بھی وہی ہے جو وہ کہتا ہے؟‘‘

انھوں نے کہا: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَمَا وَاللّٰهِ لَوْلَا أَنَّ الرُّسُلَ لَا تُقْتَلُ لَضَرَبْتُ أَعْنَاقَكُمَا»

’’سن لو! اللہ کی قسم! اگر قاصدوں کو قتل نہ کرنے والا قانون نہ ہوتا تو میں تم دونوں کو قتل کرا دیتا۔‘‘

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

آپ ﷺ نے ان سے پوچھا: «أَتَشْهَدَانِ أَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ؟» ’’کیا تم گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول

[1] البداية والنهاية: 331/6، الكامل في التاريخ: 3/3/1، تاريخ الطبري 277/2

ہوں؟'' ان دونوں نے جواب دیا: ''ہم گواہی دیتے ہیں کہ مسیلمہ اللہ کا رسول ہے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا:

«لو كنت قاتلا رسولا لقتلتكما»

''اگر میں قاصد کو قتل کرنے والا ہوتا تو تم دونوں کو قتل کر دیتا۔''

رسول اللہ ﷺ کا جوابی خط

رسول اللہ ﷺ نے مسیلمہ کذاب کے خط کا جواب درج ذیل الفاظ میں دیا:

«بسم الله الرحمن الرحيم، من محمد رسول الله إلى مسيلمة الكذاب، سلام على من اتبع الهدى، أما بعد، فإن الأرض لله يورثها من يشاء من عباده والعاقبة للمتقين»

''بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اللہ کے رسول محمد (ﷺ) کی طرف سے مسیلمہ کذاب کے نام، سلامتی اسی کے لیے ہے جو ہدایت کی پیروی کرے، امابعد! بے شک زمین اللہ کی ہے، وہ جسے چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے اور (اچھا) انجام متقین کے لیے ہے۔''

مسیلمہ کذاب اپنے ہی ہاتھوں خریدی ہوئی بدبختی کا لقمہ بن گیا۔ اس نے 10 ھ میں نبوت کا دعویٰ کیا اور آخر کار 12 ھ میں عہد صدیقی میں واصل جہنم ہوا۔[1]

نجرانی عیسائیوں کا وفد

نجران عرب کا مشہور اور بہت بڑا علاقہ ہے۔ یہاں سب سے پہلے نجران بن زید بن یشجب بن یعرب بن قحطان آیا تھا، اس لیے یہ شہر اسی کے نام پر مشہور ہوا۔ یہ شہر مکہ سے یمن کی طرف جاتے ہوئے 945 کلومیٹر کی دوری پر ہے۔ اس وقت تقریباً 73 بستیاں اس علاقے میں آباد تھیں۔ ان بستیوں میں ایک لاکھ بیس ہزار جنگجو موجود تھے۔ یہ علاقہ اتنا بڑا تھا کہ تیز رفتار گھڑ سوار سارا دن گھوڑا دوڑانے کے بعد ہی اس بستی کی حدود سے باہر نکل پاتا تھا۔[2]



نجران (سعودی عرب)

1 البداية والنهاية: 47/5. 2 شرح الزرقاني: 186/5، البداية والنهاية: 49/5، أطلس المملكة العربية السعودية (العبيكان)، ص: 142.

وفد نجران سے متعلق کتب سیرت اور کتب احادیث میں جملہ روایات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نجران کے عیسائیوں کا وفد دو مرتبہ دربار نبوت میں حاضر ہوا، اس لیے ممکن حد تک اسی ترتیب سے ان روایات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

امام بیہقی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل نجران کو ایک دعوتی خط لکھا، اس کا متن درج ذیل ہے:

باسم إله إبراهيم وإسحاق ويعقوب، أما بعد! فإني أدعوكم إلى عبادة الله من عبادة العباد، وأدعوكم إلى ولاية الله من ولاية العباد، فإن أبيتم فالجزية، فإن أبيتم فقد آذنتكم بحرب، والسلام.

’’ابراہیم، اسحاق اور یعقوب ﷺ کے معبود (اللہ) کے نام سے یہ مراسلہ بھیج رہا ہوں۔ اما بعد، میں تمھیں بندوں کی عبادت اور ولایت سے ہٹا کر اللہ کی عبادت اور ولایت کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ اگر تم نے انکار کیا تو تمھیں جزیہ ادا کرنا ہوگا، اور جزیہ دینے سے بھی انکار کیا تو میں تمھارے خلاف جنگ کا اعلان کر دوں گا۔ والسلام۔‘‘

پادری لرز اٹھا

جب یہ خط پادری نے پڑھا تو کانپ اٹھا اور اس پر شدید لرزہ طاری ہوگیا۔ اس نے اسی وقت شرحبیل بن وداعہ کو بلایا۔ یہ وہ شخص تھا جس کی رائے اور مشورے کے بغیر کوئی بڑا کام طے نہیں پاتا تھا۔ اس کا تعلق قبیلہ ہمدان سے تھا۔ لاٹ پادری نے وہ خط اس کے سامنے رکھا۔ جب اس نے خط پڑھ لیا تو پادری نے کہا: ابومریم! فرمائیے، اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ شرحبیل نے کہا: جناب! یہ تو آپ بخوبی جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام سے یہ وعدہ فرمایا تھا کہ اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے نبوت ہوگی۔ ممکن ہے یہ وہی شخص ہو، لیکن نبوت کے معاملے میں میری کوئی رائے نہیں ہے۔ اگر کوئی دنیوی معاملہ ہوتا تو میں ضرور اپنی رائے دیتا۔ پادری نے کہا: آپ تشریف رکھیے۔

اس کے بعد پادری نے ایک دوسرے شخص کو جس کا نام عبداللہ بن شرحبیل تھا، بلایا۔ اس کا تعلق بنوحمیر سے تھا۔ پادری نے اسے بھی خط پڑھایا اور پوچھا: آپ اس بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ اس نے بھی شرحبیل کی طرح اپنی رائے پیش کرنے سے معذرت کرلی۔ پادری نے اسے بھی بیٹھنے کو کہا۔ پھر ایک تیسرے آدمی کو بلوایا۔ اس کا نام جبار بن فیض تھا۔ یہ بنو حارث بن کعب سے تعلق رکھتا تھا۔ اسے بھی نامہ مبارک دیا۔ اس نے پڑھا۔ پادری نے رائے مانگی تو اس کا جواب بھی وہی تھا جو پہلے دونوں افراد نے دیا تھا۔

جب پادری نے دیکھا کہ ان میں سے کوئی بھی جواب نہیں دے رہا تو اس نے گھنٹے بجانے اور گرجا گھر پر ٹاٹ کے پردے لٹکانے کا حکم دیا۔ ان کا دستور تھا کہ جب بھی کوئی اہم معاملہ پیش آ جاتا تو لوگوں کو جمع کرنے کے لیے وہ گھنٹے بجاتے اور گرجا گھر پر ٹاٹ کے پردے لٹکاتے تھے۔ یہ عمل دن کے لیے تھا۔ رات کے وقت لوگوں کو جمع کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ وہ گھنٹے بجاتے اور پہاڑی پر آگ روشن کر دیتے تھے۔

چنانچہ جب سارے علاقے کے لوگ جمع ہو گئے تو پادری نے وہ نامہ مبارک سب کو سنایا اور رائے دریافت کی۔ مشورے کے بعد یہ طے پایا کہ شرحبیل، عبداللہ بن شرحبیل اور جبار بن فیض مدینہ جائیں اور رسول اللہ ﷺ کے متعلق مکمل معلومات جمع کر کے ایک رپورٹ تیار کریں۔

جب یہ لوگ رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کے لیے حاضر ہوئے تو انھوں نے سفر کا لباس اتار کر نیا عمدہ قسم کا لباس زیب تن کیا۔ انھوں نے لمبے لمبے حلے پہنے ہوئے تھے۔ سونے کی انگوٹھیاں بھی انگلیوں میں پہن لی تھیں۔ اسی شان و شوکت کے ساتھ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے اور سلام عرض کیا لیکن آپ ﷺ نے سلام کا جواب نہ دیا۔ وہ دن بھر بارگاہ نبوت میں حاضر رہے کہ آپ ﷺ سے بات چیت ہو لیکن آپ نے ان سے کوئی بات نہیں کی۔ یہ لوگ سیدنا عثمان بن عفان اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کی تلاش میں نکل پڑے کہ ان کے سامنے اپنا معاملہ پیش کریں۔ وہ ان دونوں بزرگوں کو جانتے تھے۔ تلاش کرنے پر یہ دونوں بزرگ مہاجرین اور انصار کی ایک مشترکہ مجلس میں بیٹھے مل گئے۔ انھوں نے عرض کی: اے عثمان اور عبدالرحمٰن! آپ کے نبی نے ہماری طرف ایک مراسلہ بھیجا تھا۔ ہم اس کے جواب میں لبیک کہتے ہوئے بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے اور انھیں سلام پیش کیا۔ انھوں نے ہمارے سلام کا جواب نہیں دیا۔ سارا دن گزر گیا، وہ ہم سے بات تک کرنا پسند نہیں فرما رہے۔ اب آپ بتائیں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ کیا ہم واپس چلے جائیں؟

انھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مشورہ لیتے ہوئے پوچھا: اے ابوالحسن! ان لوگوں کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرا خیال ہے کہ انھیں یہ قیمتی جبے اور سونے کی انگوٹھیاں اتار کر دوبارہ اپنے سفری لباس پہن کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہیے۔ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا اور رسول گرامی قدر ﷺ کی خدمت میں پیش ہو کر سلام عرض کیا تو آپ ﷺ نے انھیں سلام کا جواب دیا اور فرمایا:

«والذي بعثني بالحق إنهم أتوني المرة الأولى وإن إبليس لمعهم»

''قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے! جب یہ لوگ پہلی مرتبہ میرے پاس آئے تھے

تو ابلیس ان کے ساتھ تھا۔"[1]

دورانِ قیام مختلف مسائل پر مباحثہ اور گفتگو ہوئی۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت و ابنیت پر بھی سیر حاصل مکالمہ ہوا جس کی تفصیلات درج ذیل ہیں:

عیسائیوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: عیسیٰ کا باپ کون ہے؟

رسول اللہ ﷺ: "کیا تمھیں معلوم نہیں کہ بیٹا باپ کے مشابہ ہوتا ہے؟"

عیسائی: کیوں نہیں، ہم جانتے ہیں کہ بیٹا باپ کے مشابہ ہوتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ: "تم یہ بھی جانتے ہو کہ ہمارا رب ہمیشہ سے زندہ ہے اور کبھی فوت نہیں ہوگا جبکہ عیسیٰ علیہ السلام ایک دن فنا ہو جائیں گے؟"

عیسائی: بے شک، آپ کی یہ بات بھی ٹھیک ہے، اللہ ہمیشہ زندہ رہے گا اور عیسیٰ علیہ السلام ایک دن فنا ہو جائیں گے۔

رسول اللہ ﷺ: "کیا تم یہ نہیں جانتے کہ ہمارا رب ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ پوری کائنات کا محافظ و نگہبان ہے اور ہر چیز کو روزی دینے والا ہے۔"

عیسائی: کیوں نہیں، ہم آپ سے مکمل اتفاق کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ: "تو کیا عیسیٰ علیہ السلام بھی ان میں سے کسی چیز پر قادر ہیں؟"

عیسائی: بالکل نہیں۔

رسول اللہ ﷺ: "کیا تم اس بات سے بے خبر ہو کہ زمین اور آسمان کی کوئی چیز اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں؟"

عیسائی: جی بالکل، ہمارا بھی یہی عقیدہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ: "تو کیا جناب عیسیٰ ما سوائے اس علم کے جو انھیں سکھایا گیا، اور کچھ بھی جانتے تھے؟"

عیسائی: نہیں۔

رسول اللہ ﷺ: "ہمارے رب تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو رحم مادر میں جس شکل کا چاہا بنا دیا۔ کیا تم نہیں جانتے کہ ہمارا رب کھانے پینے اور دوسری حاجات سے پاک ہے؟"

عیسائی: اس میں کوئی شک نہیں۔ آپ نے بجا فرمایا ہے۔

رسول اللہ ﷺ: "تم لوگ یہ بھی خوب جانتے ہو کہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا حاملہ ہوئیں اور جناب عیسیٰ علیہ السلام کو اسی طرح جنم

[1] دلائل النبوۃ للبیہقی 5/385-387، البدایۃ والنہایۃ 5/48، 49، الطبقات لابن سعد 1/357

دیا جس طرح عورتیں بچوں کو جنم دیتی ہیں، پھر بچوں ہی کی طرح انھیں غذا بھی دی؟ پھر تو ان کو کھانے پینے کی ضرورت بھی تھی اور انھیں دوسری ضروریات بھی پیش آتی تھیں؟''

عیسائی: آپ کی یہ بات بھی درست ہے۔ ہم آپ سے اتفاق کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ: ''اب تم خود ہی بتاؤ! عیسیٰ تمھارے گمان کے مطابق خدا کیسے ہو سکتے ہیں؟''

یہ ارشاد مبارک سن کر عیسائی لاجواب ہو گئے۔ انھوں نے اصل حقیقت کو سمجھنے کے باوجود آپ ﷺ کی دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا، چنانچہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ آل عمران کی آیات نازل فرمائیں:

﴿ الٓمّٓ ۝ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۝ ...... ﴾

''الٓمّٓ۔ وہ اللہ ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ زندہ ہے ......''[1]

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«ما عندي فيه شيء يومي هذا فأقيموا حتى أخبركم بما يقال لي في عيسى»

''اس بارے میں آج میرے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔ فی الحال تم یہیں رہو، میں تمھیں بتاؤں گا کہ اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا فرماتا ہے۔''

صبح تک اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیات نازل فرما دیں:

﴿ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ۭ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝ فَمَنْ حَاۗجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَاۗءَنَا وَاَبْنَاۗءَكُمْ وَنِسَاۗءَنَا وَنِسَاۗءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ۣ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَي الْكٰذِبِيْنَ ﴾

''بے شک اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم کی سی ہے، اللہ نے اسے مٹی سے پیدا کیا، پھر اس سے کہا کہ ہو جا تو وہ ہو گیا۔ (یہ) آپ کے رب کی طرف سے حق ہے، لہذا آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں۔ پھر علم آ جانے کے بعد جو کوئی عیسیٰ کے متعلق آپ سے جھگڑا کرے تو آپ کہہ دیں: آؤ ہم اور تم اپنے اپنے بیٹوں کو اور اپنی اپنی عورتوں کو بلا لیں اور خود بھی (حاضر ہوں)، پھر گڑگڑا کر اللہ سے دعا کریں کہ جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہو۔''

1 الدر المنثور، آل عمران 1:3.

مباہلے کا چیلنج

صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے وفد نجران کے عیسائیوں کو عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اپنے موقف سے آگاہ کیا اور عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق نازل ہونے والی آیات پڑھ کر سنائیں لیکن:

ع ۔ مرد ناداں پہ کلام نرم و نازک بے اثر

ان لوگوں پر سچائی کا کوئی اثر نہ ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«فإن أنكرتم ما أقول لكم فهلموا أباهلكم»

''جو کچھ میں تم سے کہہ رہا ہوں، اگر تم اسے ماننے سے انکاری ہو تو پھر آؤ! میں تم سے مباہلہ کرنے کو تیار ہوں۔''[1]

یہ بات ہوئی اور مجلس برخواست ہوگئی۔ اگلے دن صبح سویرے خاتم الانبیاء محمد ﷺ سیدنا حسن، سیدنا حسین، سیدنا علی اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ گھر سے باہر تشریف لائے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سب سے پیچھے تھیں۔ جب اہل وفد نے ان پاکیزہ، روشن اور نورانی چہروں کو دیکھا تو نہایت مرعوب ہوگئے۔ انھوں نے اکیلے میں مشورہ کیا۔ شرحبیل نے اپنے دونوں ساتھیوں عبداللہ بن شرحبیل اور جبار بن فیض سے کہا: تم جانتے ہو کہ میرے قبیلے کے تمام لوگ میری رائے کو تسلیم کرتے ہیں اور میرے مشورے کے بغیر کوئی فیصلہ صادر نہیں کرتے۔ اللہ کی قسم! یہ (مباہلے والا) معاملہ بڑا ہی سنگین اور بھاری نظر آرہا ہے۔ اگر یہ شخص ایک طاقتور بادشاہ ہوا تو ہم اس کی شخصیت پر طعنہ زنی کرنے اور اس کی بات کو رد کرنے والے سب سے پہلے لوگ ہوں گے، پھر یہ بات اس کے اور اس کے ساتھیوں کے دل و دماغ سے اس وقت تک محو نہیں ہوگی جب تک یہ ہمیں تباہ نہ کر دیں۔ اور ہم تمام عرب کے مقابلے میں ان کے زیادہ قریب ہیں۔ اسی طرح اگر وہ نبی ہوئے اور ہم نے ان سے مباہلہ کر لیا تو ہم یکدم تباہ و برباد ہو جائیں گے اور ہمارا ایک بال اور ناخن تک باقی نہیں بچے گا۔

شرح الزرقانی میں ہے کہ جب انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے رخ انور کو اور آپ کے ساتھ دوسرے روشن چہروں کو دیکھا تو ان کے پادری نے کہا: میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں جو اللہ تعالیٰ سے کسی پہاڑ کو زائل کرنے کی دعا کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول کر لے، لہٰذا تم ان سے مباہلہ نہ کرو، مبادا تم تباہ و برباد ہو جاؤ اور کرۂ ارض پر قیامت تک کوئی عیسائی باقی نہ بچے۔ اللہ کی قسم! تم لوگ ان (محمد ﷺ) کی نبوت کو پہچان چکے ہو۔ وہ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ایک فیصلہ کن دلیل لائے ہیں۔ اللہ کی قسم! جس قوم نے بھی کسی نبی کے ساتھ مباہلہ کیا ہے، وہ ہلاک ہی ہوئی ہے۔[2]

1 شرح الزرقاني على المواهب 188/5. 2 شرح الزرقاني على المواهب 190/5.

شرحبیل کے دونوں ساتھیوں نے کہا: اے ابومریم! اب تمھاری کیا رائے ہے؟ وہ بولا: میری رائے یہ ہے کہ میں محمد (ﷺ) ہی کو فیصلے کا اختیار دے دوں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ شخص ہرگز کوئی ناحق اور غیر منصفانہ فیصلہ نہیں کرے گا۔ انھوں نے کہا: تو پھر تم جانو اور وہ۔

شرحبیل نے رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی اور بولا: آپ کے ساتھ مباہلہ کرنے سے بہتر بات میرے ذہن میں آئی ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''وہ کیا ہے؟'' وہ کہنے لگا: آج سے کل صبح تک آپ ہمارے بارے میں جو بھی فیصلہ فرمائیں، وہ ہمیں قبول ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ایسا نہ ہو کہ تمھارا کوئی آدمی تمھیں ملامت کرے۔'' شرحبیل نے کہا: آپ میرے دونوں ساتھیوں سے پوچھ لیں۔ چنانچہ آپ کے پوچھنے پر ان دونوں نے کہا کہ وادی نجران کا ہر شخص شرحبیل کی رائے کو بخوشی تسلیم کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''یہ تو بے کافر لیکن اسے اللہ کی طرف سے اچھی راہ سجھائی گئی ہے۔'' ان کی بات سن کر رسول اللہ ﷺ واپس تشریف لے گئے اور آپ نے ان سے مباہلہ نہیں کیا۔ اگلے دن وہ آپ کے پاس حاضر ہوئے تو آپ نے درج ذیل شرائط پر ان سے صلح کرلی:

1 نجران کے عیسائی سال میں دو ہزار حلے (جوڑے) مسلمانوں کو دیں گے۔ ایک ہزار ماہ رجب میں اور ایک ہزار ماہ صفر میں۔

2 ہر ایک حلے کے ساتھ ایک اوقیہ چاندی بھی دینی ہوگی۔

3 یمن میں حالات خراب ہونے کی صورت میں تیس زرہیں، تیس نیزے، تیس اونٹ اور تیس گھوڑے مسلمانوں کو مستعار دینے ہوں گے۔

4 شرائط پوری ہونے کی صورت میں نجران اور اس کے گردونواح کے لوگوں کے مال و جان، وطن، عبادت گاہوں اور دین کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے سپرد ہوگی۔ کسی راہب یا پادری کو اس کے


وادی نجران کا ایک منظر

منصب سے نہیں ہٹایا جائے گا۔

اس صلح پر رسول اللہ ﷺ نے کئی افراد کو گواہ بنایا جن میں ابوسفیان بن حرب، اقرع بن حابس اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم بھی شامل تھے۔[1]

صلح کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

والذي نفسي بيده ان العذاب قد تدلى على اهل نجران ولو لاعنوا لمسخوا قردة وخنازير ولاضطرم عليهم الوادي نارا ولاستأصل الله نجران واهله حتى الطير على الشجر

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اہل نجران پر اللہ کا عذاب منڈلا رہا تھا۔ اگر وہ ملاعنہ (مباہلہ) کرتے تو بندر اور خنزیر بنا دیے جاتے اور پوری وادی کو آگ سے بھر دیا جاتا اور اللہ نجران اور اہل نجران کی جڑ کاٹ کے رکھ دیتا یہاں تک کہ درختوں پر پرندے بھی باقی نہ رہتے۔''[2]

ابوعلقمہ کی کایا پلٹ گئی

یہ لوگ رسول ﷺ کی طرف سے ملنے والی صلح کی تحریر لے کر نجران واپس ہوئے۔ جب نجران ایک منزل رہ گیا تو وہاں کے پادری اور معززین نے ان کا استقبال کیا۔ وفد نے آپ ﷺ کی تحریر پادری کے حوالے کی۔ پادری اسے پڑھنے میں مشغول ہوگیا۔ اس کے ساتھ اس کا ماں جایا بھائی بشر بن معاویہ بھی تھا۔ اس کی کنیت ابوعلقمہ تھی۔ یہ دونوں اپنی سواریوں پر سوار تھے۔ اسی دوران میں بشر کی اونٹنی کو ٹھوکر لگ گئی۔ بشر نے اپنا غصہ نکالتے ہوئے کہا: وہ ہلاک ہو، یعنی آنحضرت ﷺ (معاذ اللہ)۔

اس پر پادری ابوحارثہ نے غضبناک ہوکر کہا: اللہ کی قسم! تو نے انھیں برا بھلا کہا ہے جو نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ یہ وہی نبی ہیں جن کی بشارت تورات اور انجیل میں دی گئی ہے۔ ابوعلقمہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں تو اب اپنی اونٹنی سے مدینہ پہنچ کر ہی اتروں گا۔ یہ کہہ کر اس نے اپنی سواری کا رُخ مدینہ کی جانب موڑ دیا۔ ابوحارثہ پادری نے ان کی سواری کو موڑتے ہوئے کہا: میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں نے یہ فقرہ اس لیے کہا تھا کہ عرب قبائل میں مشہور ہو جائے تاکہ کوئی یہ نہ کہے کہ ہم نے صلح کی اس سند کے حاصل کرنے میں کوئی حماقت کی ہے یا کسی خوش فہمی سے کام لیا ہے، حالانکہ دیگر قبائل نے اب تک ایسا عمل قبول نہیں کیا۔ ہماری طاقت اور شان و شوکت اوروں سے

1 دلائل النبوة للبيهقي 5/387-389، البداية والنهاية 5/49,50، الطبقات لابن سعد 1/357,358. 2 تفسير الثعلبي 3/61، الكشاف للزمخشري 1/369، شرح الزرقاني 5/190

کہیں بڑھ کر ہے۔ ابو علقمہ بولے: نہیں نہیں، اللہ کی قسم! اب میں رکنے والا نہیں۔ تیرے منہ سے غلط بات نکل ہی نہیں سکتی تھی۔ پھر وہ نہایت ذوق شوق کے ساتھ یہ اشعار پڑھتا ہوا مدینہ روانہ ہو گیا:

إِلَيْكَ تَعْدُو قَلِقًا وَضِينُهَا مُعْتَرِضًا فِي بَطْنِهَا جَنِينُهَا

مُخَالِفًا دِينَ النَّصَارَى دِينُهَا

''یہ ضعیف اور لاغر اونٹنی آپ کی طرف دوڑ رہی ہے، اس حال میں کہ وہ حاملہ ہے، اس کا دین دین نصاریٰ کے مخالف ہے۔''

ابو علقمہ رضی اللہ عنہ مدینہ پہنچے، مشرف بہ اسلام ہوئے، وہیں مدینہ میں قیام پذیر ہوئے اور کسی معرکے میں لڑتے ہوئے اللہ کی راہ میں شہید ہو گئے۔[1]

راہب لیث بن ابی شمر کا قبول اسلام

جب وفد کے یہ لوگ نجران پہنچ گئے تو وہاں گرجا گھر میں رہنے والے ایک راہب لیث بن ابی شمر کو بھی پوری داستان معلوم ہوگئی کہ تہامہ میں ایک نبی پیدا ہوئے ہیں، ان کی طرف سے ایک مراسلہ بھی آیا تھا، جس کے نتیجے میں نجران کے تین لوگ ان کے پاس تحقیق کی غرض سے گئے تھے، وہ ان سے صلح کی سند بھی لے آئے ہیں۔ راہب کو یہ بھی پتہ چل گیا کہ جب پادری وہ سند پڑھ رہا تھا تو اس کے ساتھ بشر بھی سواری پر سوار تھا۔ اونٹنی نے بشر کو نیچے پٹخ ڈالا۔ اس نے گرتے ہی کہا: خرابی ہو اس شخص کی، یعنی محمد (ﷺ) کی، معاذ اللہ! پادری نے اسے ایسا کہنے سے روکا اور کہا کہ وہ سچے رسول ہیں، انھیں ایسا نہ کہو۔ بشر یہ سن کر مدینہ روانہ ہو گیا۔ پادری نے بہت روکا لیکن وہ

1 زاد المعاد 3/635، 636، سبل الهدى والرشاد 6/422، امتاع الاسماع 14/67، 73

مکہ کے جنوب مغرب میں صحرا (تہامہ) جہاں سے نبی ﷺ ہجرت کے دوران گزرے



نہ رکا۔ یہ راہب گرجا گھر کے بالائی حصے پر رہتا تھا۔ اس نے چیخنا شروع کر دیا: مجھے نیچے اتارو ورنہ میں اوپر سے چھلانگ لگا دوں گا، خواہ میری جان چلی جائے۔ یہ راہب بھی چند تحائف جن میں ایک پیالہ، عصا اور ایک چادر شامل تھی، لے کر نبی ﷺ کی خدمت میں روانہ ہو گیا۔ اس کی طرف سے تحفے میں دی گئی چادر خلفائے راشدین کے دور تک محفوظ رہی اور اسے خلفاء پہنا کرتے تھے۔ راہب کچھ عرصہ مدینہ میں قیام پذیر رہا اور اسلامی تعلیمات سیکھتا رہا۔ پھر رسول اللہ ﷺ سے اجازت لے کر اور دوبارہ مدینہ آنے کا وعدہ کر کے نجران چلا گیا۔ اس کے بعد وہ نبی ﷺ کی وفات تک واپس نہیں آیا۔[1]

دوسرے وفد کی مدینہ آمد

اس کے کچھ عرصہ بعد نجران کے عیسائیوں کا ایک اور وفد دربار نبوت میں حاضر ہوا۔ نجران کے عیسائیوں کا یہ وفد 9 ہجری میں مدینہ منورہ آیا۔ یہ وفد کل ساٹھ افراد پر مشتمل تھا جن میں 14 سرکردہ افراد تھے اور 3 آدمی نجران کے سارے علاقے کے سردار تھے۔ ان میں سے ایک کا نام عبدالمسیح تھا جو عاقب کے لقب سے مشہور تھا۔ یہ سرکاری امور کا ذمہ دار، قوم کا امیر، صاحب الرائے اور مشیر عام تھا۔ دوسرے کا نام ایہم (شرحبیل) تھا۔ یہ سید کے لقب سے مشہور تھا، یہ بمنزلہ وزیر و مشیر اور منتظم قافلہ تھا۔ تیسرے کا نام ابو حارثہ بن علقمہ تھا (یہ نجران کے پہلے وفد میں بھی شامل تھا)۔ یہ ان کا حبر، اسقف اور لاٹ پادری تھا۔ اس کا تعلق عرب قبیلے بکر بن وائل سے تھا۔ اس نے عیسائیت اختیار کر لی تھی۔ اس کی ایمانی پختگی، مذہبی صلابت اور علم و فضل کو دیکھتے ہوئے شاہان روم اس کی بڑی عزت کرتے تھے۔ انھوں نے اسے جاگیریں الاٹ کر دی تھیں اور اسے گرجا گھر کا امام مقرر کر رکھا تھا۔

ایک لالچی پادری کا اعتراف حق

وفد نجران محو سفر تھا۔ پادری ابو حارثہ اپنے خچر پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے پہلو میں اس کا بھائی کرز بن علقمہ چل رہا تھا۔ اچانک ابو حارثہ کا خچر پھسل گیا تو کرز نے کہا: بہت دور والا آدمی (محمد ﷺ، معاذ اللہ) منحوس ہے۔ ابو حارثہ نے کہا: او نہیں تو منحوس ہے۔ کرز نے کہا: اے بھائی! ایسا کیوں کہہ رہے ہو؟ پادری نے کہا: اللہ کی قسم! یہ وہی نبی ہیں جن کے ہم منتظر تھے۔ کرز نے کہا: پھر انھیں قبول کرنے میں تمھیں کیا رکاوٹ ہے، حالانکہ تم جانتے ہو کہ وہ سچے نبی ہیں؟ اس نے کہا: جن لوگوں نے ہمیں عزت و عظمت دی، حاکم بنایا اور ہمیں جائیدادیں الاٹ کیں، ان

1 الطبقات الكبرى لابن سعد 3/635، 636، وسبل الهدى والرشاد 6/422، و... 14/67-71، وسنن أبي داود: 1176، و... 1/532، والبداية والنهاية 5/50.

لوگوں نے تو اس نبی کی مخالفت کا فیصلہ کر رکھا ہے۔ اگر میں مسلمان ہو جاؤں تو وہ ہمارے ساتھ بدترین سلوک کریں گے اور جو کچھ تو میرے پاس دیکھ رہا ہے، وہ سب مجھ سے چھین لیں گے۔

کرز نے یہ بات اپنے دل میں چھپالی اور بعد ازاں مسلمان ہوگیا۔[1] واللہ اعلم

وفد نجران کو اسلام کی دعوت

نجران کے عیسائیوں کا یہ وفد بڑی آن بان کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچا۔ آپ ﷺ نے انھیں مسجد نبوی میں ٹھہرایا۔ عصر کی نماز ہو چکی تھی۔ کچھ دیر بعد ان لوگوں کی نماز کا وقت ہوگیا تو ان لوگوں نے اپنی نماز پڑھنی چاہی۔ یہ لوگ مشرق کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے لگے تو صحابہ کرام ؓ نے انھیں منع کرنا چاہا لیکن آپ ﷺ نے فرمایا: دَعُوهُمْ ''انھیں کچھ نہ کہو۔''

وفد نجران کی آمد کے اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے ان کے دو پادریوں عاقب عبدالمسیح اور ابوحارثہ بن علقمہ سے فرمایا: ''تم لوگ اب مسلمان ہو جاؤ۔'' انھوں نے کہا: ہم تو پہلے ہی سے مسلمان ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''بھلا تم پہلے ہی سے کس طرح مسلمان ہو سکتے ہو جبکہ تم لوگ (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹے کا عقیدہ رکھتے ہو، صلیب کی عبادت کرتے ہو اور خنزیر کا گوشت کھاتے ہو؟'' نجرانی عیسائیوں نے کہا: (اگر عیسیٰ اللہ کے بیٹے نہیں) تو پھر ان کا باپ کون ہے؟ رسول اللہ ﷺ خاموش رہے اور کوئی جواب نہیں دیا۔[2]

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے متعلق مباحثہ

نجران کے عیسائیوں کو دیکھنے کے لیے مدینہ کے یہودی بھی آیا کرتے تھے۔ ان لوگوں کی کبھی کبھی کسی مسئلے پر باہم گفتگو بھی ہو جایا کرتی تھی۔ سیدنا عبداللہ بن عباس ؓ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ نجران کے عیسائی اور یہودی علماء رسول اللہ ﷺ کے پاس اکٹھے ہوئے اور آپ ﷺ کی موجودگی میں بحث وتکرار شروع کر دی۔ علمائے یہود نے کہا: ابراہیم علیہ السلام صرف اور صرف یہودی تھے۔ اسی طرح عیسائیوں نے کہا: نہیں، وہ صرف عیسائی تھے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیات نازل فرمائیں:

﴿يَٰٓأَهْلَ الْكِتَٰبِ لِمَ تُحَآجُّونَ فِىٓ إِبْرَٰهِيمَ وَمَآ أُنزِلَتِ التَّوْرَىٰةُ وَالْإِنجِيلُ إِلَّا مِنۢ بَعْدِهِۦٓ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ هَٰٓأَنتُمْ هَٰٓؤُلَآءِ حَٰجَجْتُمْ فِيمَا لَكُم بِهِۦ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّونَ فِيمَا لَيْسَ لَكُم بِهِۦ عِلْمٌ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا

[1] السيرة لابن هشام: 574,573/2، البداية والنهاية: 51/5. [2] تفسير الطبري، آل عمران 2,1:3، سبل الهدى والرشاد: 417/6.

تَعْقِلُونَ ۔ مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَكِن كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۔ إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهَذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ

”(فرما دیجیے:) اے اہل کتاب! تم ابراہیم کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو؟ حالانکہ تورات اور انجیل تو ان کے بعد ہی نازل کی گئی ہیں۔ کیا تم عقل نہیں رکھتے؟ آگاہ رہو! تم وہ لوگ ہو کہ تم نے اس بات میں جھگڑا کیا جس کا تمھیں کچھ علم تھا تو اب تم اس چیز کی بابت کیوں جھگڑتے ہو جس کا تمھیں کوئی علم نہیں؟ اللہ ہی جانتا ہے، تم نہیں جانتے۔ ابراہیم یہودی تھے نہ نصرانی بلکہ وہ صرف حق پرست، فرمانبردار تھے اور وہ مشرک نہیں تھے۔ بے شک ابراہیم سے قریب تر وہی لوگ ہیں جنھوں نے ان کی پیروی کی، پھر یہ نبی اور مومن لوگ، اور اللہ مومنوں کا دوست ہے۔“ [1]

مذکورہ آیات کے نزول کے بعد ایک یہودی عالم نے کہا: اے محمد! کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کی اسی طرح عبادت کریں جس طرح عیسائی جناب عیسیٰ علیہ السلام کی کرتے ہیں؟ نجران کے ایک عیسائی نے بھی معاً کہا: ہاں، صاحب! بتائیے کیا واقعی آپ کا یہی ارادہ ہے اور آپ اسی عقیدے کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے ہیں؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَعَاذَ اللّٰهِ أَنْ نَعْبُدَ غَيْرَ اللّٰهِ أَوْ نَأْمُرَ بِعِبَادَةِ غَيْرِهِ، مَا بِذٰلِكَ بَعَثَنِي وَلَا أَمَرَنِي

”میں اس بات سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں کہ میں غیر اللہ کی عبادت کروں یا اس بات کا حکم دوں۔ مجھے اس مقصد کے لیے نہیں بھیجا گیا اور نہ مجھے اس کا حکم ہی ملا ہے۔“

اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیات نازل فرمائیں:

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِّي مِن دُونِ اللَّهِ وَلَكِن كُونُوا رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنتُمْ تَدْرُسُونَ ۔ وَلَا يَأْمُرَكُمْ أَن تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّينَ أَرْبَابًا أَيَأْمُرُكُم بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنتُم مُّسْلِمُونَ

”کسی شخص کو لائق نہیں کہ اللہ اسے کتاب و حکمت اور نبوت عطا کرے، پھر وہ لوگوں سے کہے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ، بلکہ (وہ کہے گا:) تم رب والے بن جاؤ، کیوں کہ تم اس کتاب کی تعلیم دیتے ہو اور خود بھی اسے پڑھتے ہو۔ اور وہ تمھیں یہ حکم نہیں دے گا کہ تم فرشتوں اور نبیوں کو رب بنا لو، کیا وہ تمھیں کفر کا حکم دے گا جب کہ تم مسلمان ہو چکے؟“ [2]

1 آل عمران 3:65-68 ، 2 آل عمران 3:79، 80

سیدنا محمد بن سہل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سورۂ آل عمران کی ابتدائی 80 آیات اسی وفد کے بارے میں نازل ہوئیں۔[1]

رسول اللہ ﷺ کی طرف سے پروانۂ امن

جب وفدِ نجران کے لوگ واپس جانے لگے تو انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے ایک سند حاصل کی جس کا متن درج ذیل ہے:

بسم الله الرحمن الرحيم، من محمد النبي إلى الأسقف أبي الحارث وأساقفة نجران وكهنتهم ورهبانهم وأهل بيعهم ورقيقهم ومللهم وسوقتهم وعلى كل ما تحت أيديهم من قليل وكثير جوار الله ورسوله، لا يغير أسقف من أسقفيته ولا راهب من رهبانيته ولا كاهن من كهانته ولا يغير حق من حقوقهم ولا سلطانهم ولا ما كانوا عليه من ذلك جوار الله ورسوله أبدا ما نصحوا وأصلحوا عليهم غير مثقلين بظلم ولا ظالمين

''بسم اللہ الرحمن الرحیم، محمد نبی (ﷺ) کی جانب سے پادری ابوالحارث اور نجران کے دیگر پادریوں، کاہنوں، راہبوں، ان کے عقیدت مندوں، غلاموں، ہم مذہبوں اور پولیس والوں کے لیے اور ان کی ملکیت میں موجود ہر کم یا زیادہ چیز سے متعلق، سب کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تحفظ حاصل ہوگا۔ گرجے کے چھوٹے بڑے عہدہ داروں میں سے کسی کو نہیں بدلا جائے گا۔ اسی طرح کسی کے حق یا اختیارات میں کوئی مداخلت نہیں کی جائے گی۔ ان کی موجودہ حالت میں کوئی تبدیلی نہیں کی جائے گی۔ جب تک وہ رعایا کے خیر خواہ اور مصلح رہیں گے، انھیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے امان حاصل رہے گی، یعنی نہ وہ ظالموں کا ساتھ دیں اور نہ خود ظالم بنیں۔''

یہ تحریر سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے لکھی۔[2]

ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ امین امت ہیں

چلتے وقت نجران کے عیسائیوں نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ ایک امانت دار شخص کو ہمارے ساتھ بھیج دیجیے جسے ہم جزیہ ادا کریں، واضح رہے کہ اس شخص کا امین ہونا ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لأبعثن معكم رجلا أمينا حق أمين»

[1] دلائل النبوة للبيهقي 5/384،385، زاد المعاد: 3/630،631. [2] زاد المعاد: 3/637، البداية والنهاية: 6/50،51، سبل الهدى والرشاد: 6/420، إمتاع الأسماع 14/71،72

"میں تمہارے ساتھ ایک ایسا آدمی بھیجوں گا جو امانت دار ہوگا بلکہ امانت کا پورا پورا حق ادا کرنے والا ہوگا۔"

آپ ﷺ کا یہ ارشاد سن کر وہاں موجود صحابہ کرام ؓ میں سے ہر صحابی رسول اللہ ﷺ کی طرف دیکھنے لگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

قم يا أبا عبيدة بن الجراح

"اے ابوعبیدہ بن جراح! اٹھو۔"

جب وہ کھڑے ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

هذا أمين هذه الأمة

"یہ اس امت کے امین ہیں۔" [1]

ابوحارثہ اور عبدالمسیح عاقب کا قبول اسلام

اہل سیر نے لکھا ہے کہ نجران کا یہ وفد جب واپس اپنے علاقے میں پہنچا تو اس کے کچھ دن بعد پادری ابوحارثہ اور عاقب مدینہ منورہ گئے، بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے اور حلقہ بگوش اسلام ہوگئے۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں سیدنا ابوایوب انصاری ؓ کے گھر ٹھہرایا۔ جب یہ لوگ واپس ہونے لگے تو آپ ﷺ نے سیدنا علی ؓ کو ان لوگوں سے صدقات اور جزیہ لینے کے لیے روانہ فرمایا۔[2]

وفد نجران سے حاصل ہونے والے فوائد واسباق

نجران کے دونوں وفود کے متعلق احوال پڑھنے کے بعد بہت سے فوائد ومسائل کا پتہ چلتا ہے جن میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

اہل کتاب مسلمانوں کی مساجد میں داخل ہوسکتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اہل وفد کو مسجد نبوی میں داخل ہونے کی اجازت مرحمت فرمائی تھی۔

اگر کوئی اہل کتاب رسول اللہ ﷺ کے متعلق یہ کہے کہ وہ سچے نبی ہیں تو اس کا محض یہ کہنا اسے اسلام میں داخل نہیں کرتا جب تک کہ وہ آپ کی اطاعت ومتابعت کو اپنے اوپر لازم نہ کرے۔ اگر وہ اس طرح کہنے کے بعد اپنے ہی دین پر قائم رہتا ہے تو یہ شخص مرتد کے حکم میں بھی نہیں آئے گا۔ واللہ اعلم

1 صحیح البخاری: 4380 | 2 طبقات ابن سعد 358/1، شرح الزرقانی 5/197، الرحیق المختوم، ص: 606

- اہل کتاب سے مجادلہ اور مناظرہ نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایسا کیا تھا اور آپ ﷺ نے مباہلے کی دعوت بھی دی تھی۔
- جو شخص کسی کی تعظیم اس کے مقام و مرتبے سے بڑھ کر اس طرح کرتا ہے کہ اسے عبودیت کے درجے سے نکال دیتا ہے تو وہ شرک کرتا ہے اور وہ اللہ کے ساتھ غیر کی عبادت بھی کرتا ہے۔
- غیر مسلموں اور کافروں کے قاصدوں اور پیغام رسانوں کی اہانت اور ان سے ترکِ کلام جائز ہے۔ یہ اس وقت ہے جب وہ تکبر و غرور کا مظاہرہ کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے ایسا ہی کیا تھا۔ آپ ﷺ نے اہل نجران کے قاصدوں سے کوئی کلام کیا نہ سلام کا جواب دیا۔ لیکن جب انھوں نے عاجزی ظاہر کی تو پھر آپ ﷺ نے ان سے کلام بھی کیا اور ان کے سلام کا جواب بھی مرحمت فرمایا۔

اہل کتاب کے ساتھ مباہلے کے بارے میں سنت یہ ہے کہ جب ان پر حجت قائم ہو جائے اور وہ ہٹ دھرمی اور عناد کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے ہی دین پر قائم رہیں تو انھیں مباہلے کی دعوت دی جائے۔ اس بات کا حکم اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو دیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ آپ کے بعد آپ کی امت کے لیے یہ جائز نہیں۔

اہل کتاب سے مصالحت کرنا جائز ہے۔ یہ بھی درست ہے کہ امام مال اور کپڑوں وغیرہ کی مختلف مقدار پر صلح کرنا چاہے کر سکتا ہے اور کافروں پر یہ شرط لگا سکتا ہے کہ وہ میرے قاصدوں کی ضیافت کریں اور انھیں عزت دیں۔ اسی طرح یہ شرط بھی جائز ہے کہ وہ ضرورت کے وقت مسلمانوں کو عاریۃً اسلحہ فراہم کریں۔

امام وقت اسلام کی مصلحت کی خاطر کسی آدمی کو اہل کفر کی طرف بھیج سکتا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ شخص امین ہو۔ وہاں جانے کا اس کا اپنا کوئی ذاتی مقصد نہ ہو بلکہ محض اللہ اور اس کے رسول کی رضا مقصود ہو۔ ایسے ہی شخص کو حقیقی امین کہا جائے گا جیسا کہ سیدنا ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ تھے۔[1]

وفد بنی عامر

رسول اللہ ﷺ جب غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے تو انھی ایام میں بنو عامر بن صعصعہ کا وفد دربارِ نبوت میں حاضر ہوا۔ اس وفد میں عامر بن طفیل بن مالک بن جعفر بن کلاب، اربد بن قیس بن جزء بن خالد بن جعفر، جو لبید بن ربیعہ کا اخیافی بھائی تھا، اور جبار بن سلمیٰ بن مالک بن جعفر نامی تین شخص بھی تھے۔ یہ تینوں اپنی اپنی قوم کے سردار تھے مگر انتہائی شیطان صفت اور رسوائے زمانہ لوگوں میں سرفہرست تھے۔ یہ عامر وہی مردود اور سفاک شخص

1 زاد المعاد: 643-638/3



تھا جس نے بئر معونہ (نجد) پر ستر صحابہ رضی اللہ عنہم کو شہید کروایا تھا۔

عامر بن طفیل کو اس کی قوم نے کہا: عامر! سب لوگ مسلمان ہو رہے ہیں، اب تم بھی اسلام قبول کر لو۔ اس بدبخت نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے یہ قسم کھا رکھی ہے کہ اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھوں گا جب تک سارا عرب میرے نقش قدم پر نہ چلے تو کیا اب میں اس قریشی جوان کے پیچھے لگ جاؤں؟

بنو عامر کا وفد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شرف ملاقات کے لیے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

عامر کی سازش اور اس کا انجام بد

بنو عامر کا وفد جب مدینہ منورہ روانہ ہوا تو راستے میں شیطان نے عامر بن طفیل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سازش پر ابھارا۔ عامر نے اپنے شیطان صفت ساتھی اربد سے کہا: جب ہم مدینہ پہنچ جائیں اور اس شخص (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) سے ملاقات کریں تو اس دوران میں اسے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو) گفتگو میں مشغول رکھوں گا۔ جیسے ہی اس کی توجہ میری طرف مبذول ہو، تم فوراً ایک بھرپور وار کر کے (نعوذ باللہ) اس کا کام تمام کر دینا۔

مدینہ منورہ پہنچ کر یہ وفد دربار نبوت میں حاضر ہوا۔ عامر بن طفیل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: آپ مجھے اپنا مخلص دوست بنا لیجیے۔ یا کہا: میں آپ سے علیحدگی میں بات کرنا چاہتا ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [illegible] ''نہیں، اللہ کی قسم! اس وقت تک نہیں جب تک تو اکیلے اللہ پر ایمان نہیں لے آتا۔''

ایک طرف تو عامر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات چیت کر رہا تھا اور دوسری طرف اسے انتظار تھا کہ اربد کب اپنا کام کرے گا۔ اربد کو تو گویا سانپ سونگھ گیا تھا، اس میں اتنی ہمت ہی نہیں رہی تھی کہ وہ کچھ کر سکے۔[1]

عامر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اگر میں مسلمان ہو جاؤں تو آپ مجھے کیا عطا فرمائیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

1 [illegible] 214،213/

«لَكَ مَا لِلْمُسْلِمِينَ وَعَلَيْكَ مَا عَلَى الْمُسْلِمِينَ»

''اسلام لانے کے بعد تیرے حقوق و فرائض وہی ہوں گے جو دوسرے مسلمانوں کے ہیں۔''

عامر نے کہا: اگر میں اسلام قبول کرلوں تو کیا آپ اپنے بعد حکومت مجھے عطا کریں گے؟

نبی ﷺ نے فرمایا:

«لَيْسَ ذٰلِكَ لَكَ وَلَا لِقَوْمِكَ»

''حکومت تجھے ملے گی نہ تیری قوم کو۔''

اس نے پھر کہا: ایسا کریں کہ اہل بادیہ پر آپ حکومت کریں جبکہ شہر اور آبادی کی حکومت میرے لیے چھوڑ دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا، وَلٰكِنِّي أَجْعَلُ لَكَ أَعِنَّةَ الْخَيْلِ، فَإِنَّكَ امْرُؤٌ فَارِسٌ»

''نہیں، البتہ میں تجھے گھڑ سوار لشکر کا کمانڈر بنادوں گا کیونکہ تو ایک بڑا شہسوار ہے۔''

عامر نے کہا: اگر نہیں تو پھر سن لیجیے: میں مدینہ کو آپ کے خلاف پیادوں اور سواروں سے بھر دوں گا۔[1]

صحیح بخاری میں ہے کہ عامر نبی ﷺ کے پاس آیا اور کہا: میں آپ کو تین باتوں کا اختیار دیتا ہوں: 1 آپ کے لیے وادی کے باشندے ہوں اور میرے لیے آبادی کے۔ 2 آپ مجھے اپنے بعد خلیفہ نامزد کر دیں۔ 3 تیسری صورت یہ ہے کہ میں غطفان کو ایک ہزار گھوڑوں اور ایک ہزار گھوڑیوں سمیت آپ پر چڑھا لاؤں گا۔[2]

یہ بات کرکے عامر اور اس کا ساتھی اربد وہاں سے چلتے بنے۔ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی: «اَللّٰهُمَّ اكْفِنِي عَامِرَ بْنَ الطُّفَيْلِ» ''اے اللہ! میری طرف سے عامر بن طفیل کے لیے کافی ہو جا۔''

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

«اَللّٰهُمَّ اكْفِنِيهِمَا، اَللّٰهُمَّ اهْدِ بَنِي عَامِرٍ وَأَغْنِ الْإِسْلَامَ عَنْ عَامِرٍ»

''اے اللہ! ان دونوں سے مجھے نجات عطا فرما، اے اللہ! بنو عامر کو ہدایت نصیب فرما اور اسلام کو عامر سے بے نیاز کر دے۔''[3]

رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کرنے کے بعد جب یہ دونوں مسجد نبوی سے باہر نکلے اور واپسی کا سفر اختیار کیا تو عامر نے اربد سے کہا: تیرا ستیاناس ہو، میں نے تجھے جس بات کا حکم دیا تھا تو نے اس کی تعمیل کیوں نہیں کی؟ اللہ کی قسم!

1 الطبقات لابن سعد: 310/1. 2 صحيح البخاري: 4091، مسند أحمد: 210/3. 3 الطبقات لابن سعد: 310/1.

کردہ ارض پر صرف تو ہی ایسا آدمی تھا جس سے میں خوف محسوس کرتا تھا لیکن اللہ کی قسم! آج کے بعد میں تجھ سے بالکل نہیں ڈروں گا۔ اربد نے کہا: تیرا کچھ نہ رہے، جلدی نہ کر، پہلے میری بات تو سن لے۔ اللہ کی قسم! میں نے جب بھی تیرے حکم کے مطابق وار کرنا چاہا تو میرے سامنے تو ہی آجاتا تھا، تو کیا میں تجھ پر وار کر دیتا؟ [1]

بعض روایات میں ہے کہ اربد نے کہا: میں نے جب بھی وار کرنے کا ارادہ کیا تو ایک آہنی دیوار میرے سامنے حائل ہو جاتی تھی اور ایک مرتبہ تو ایسا ہوا کہ مجھے ایک خطرناک اونٹ نظر آیا جو میرا سر نگل جانا چاہتا تھا۔ [2] دراصل یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کا غیبی انتظام تھا جس کی وجہ سے وہ آپ کا بال بھی بیکا نہ کر سکا۔

عامر تڑپ تڑپ کر مر گیا

عامر اور اربد مدینہ سے نکلے، ابھی راستے ہی میں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے عامر بن طفیل کو طاعون کے مرض میں مبتلا کر دیا۔ یہ ایسا مرض تھا جو عرب میں اونٹوں کو لگتا تھا، گویا اللہ تعالیٰ نے اس ذلیل شخص کو اونٹوں کے طاعون میں مبتلا کر دیا۔ عامر بن طفیل سر راہ چلتے چلتے اچانک اس بیماری میں مبتلا ہوا، چنانچہ اس نے اثنائے راہ ہی میں ایک عورت کے گھر پناہ لی۔ یہ عورت آل سلول سے تھی۔ اس عورت کا خاوند مرہ بن صعصعہ، عامر بن صعصعہ کا بھائی تھا۔ جب عامر کو یقین ہو گیا کہ وہ ایک گندی بیماری میں مبتلا ہو گیا ہے تو وہ فرط غم سے کہنے لگا: ایک اونٹ کی گلٹی جیسی گلٹی اور ایک سلولیہ کے گھر میں موت! [3]

طبقات ابن سعد میں اس بیماری کی وضاحت موجود ہے کہ یہ گلٹی اس کی گردن پر نکلی تھی اور اس کی زبان ڈھیلی ہو کر باہر نکل پڑی تھی اور اس طرح لٹک رہی تھی جیسے بکری کا تھن ہوتا ہے۔ مرنے سے پہلے وہ پکار پکار کر کہہ رہا تھا: اے موت! میرے سامنے آ۔ عرب کے دستور کے مطابق بستر پر مرنے کو بزدلی اور عار کی موت خیال کیا جاتا تھا، چنانچہ اس نے کہا: میرا گھوڑا میرے پاس لاؤ۔ گھوڑا لایا گیا، وہ اس پر سوار ہوا اور چیخ چیخ کر کہنے لگا: اے ملک الموت! سامنے آ، میں تجھ سے مقابلہ کروں گا۔ وہ یہی بکواس کرتے کرتے جہنم کی غذا بن گیا۔ [4]

اربد جہنم ہو گیا

عامر بن طفیل کو دفن کرنے کے بعد جب اہل وفد اپنے علاقے میں پہنچے تو قوم ان کے پاس آئی اور پوچھا: اربد! وہاں کی کیا خبر ہے؟ اربد نے کہا: اللہ کی قسم! کوئی خاص بات نہیں ہے۔ اس (محمد ﷺ) نے ہمیں ایک ہستی کی عبادت کرنے کی دعوت دی ہے۔ میری خواہش ہے کہ کاش! وہ میرے قریب ہوتا تو میں اسے تیر مار کر ہلاک کر دیتا۔ (معاذ اللہ)

1 تفسیر ابن ابی حاتم 214/4، 2 السیرۃ الحلبیۃ 247/3، 3 البدایۃ والنہایۃ: 52/5، 4 السیرۃ الحلبیۃ 247/3

اس بات سے ایک یا دو دن بعد وہ کہیں جا رہا تھا۔ اس کے پیچھے اس کا اونٹ بھی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر آسمانی بجلی گرائی اور وہ اپنے اونٹ سمیت بھسم ہوگیا۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اس وقت اللہ تعالیٰ نے عامر اور اربد کے متعلق درج ذیل آیات نازل فرمائیں:

﴿اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ۭ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ۝ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ۝ سَوَاۗءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۢ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ۝ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۭ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْۗءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ۝ هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ۝ وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ ۚ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَاۗءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ﴾ [الرعد 13: 8-13]

''اللہ جانتا ہے ہر مادہ جو کچھ پیٹ میں اٹھائے پھرتی ہے اور ارحام کی کمی بیشی بھی، اور اس کے ہاں ہر چیز کی ایک مقدار (مقرر) ہے۔ وہ غیب اور ظاہر کا جاننے والا، بہت بڑا، نہایت بلند ہے۔ (اللہ کے نزدیک) مساوی ہے کہ تم میں سے جو کوئی آہستہ بات کہے یا بلند آواز سے کہے، اور جو رات (کی تاریکی) میں چھپا ہو یا دن (کی روشنی) میں چل رہا ہو۔ اس (انسان) کے لیے باری باری آنے والے (فرشتے) ہیں، اس کے آگے سے اور اس کے پیچھے سے، وہ اللہ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ بے شک اللہ کسی قوم کی (اچھی) حالت کو نہیں بدلتا، حتیٰ کہ وہ خود اپنے دلوں کی کیفیت کو بدل لیں۔ اور جب اللہ کسی قوم کے ساتھ برائی (عذاب) کا ارادہ کرتا ہے تو اسے کوئی ٹالنے والا نہیں، اور ان کے لیے اس کے سوا کوئی کارساز نہیں۔ وہی ہے جو تمھیں ڈرانے اور امید دلانے کے لیے بجلی دکھاتا ہے اور بھاری بادل اٹھاتا ہے۔ اور (بادل کی) گرج اس کی حمد کے ساتھ تسبیح پڑھتی ہے اور فرشتے بھی اس کے خوف سے (تسبیح پڑھتے ہیں)۔ اور وہی کڑکتی بجلیاں بھیجتا ہے، پھر انھیں جس پر چاہے گرا دیتا ہے، جبکہ وہ اللہ کی بابت جھگڑ رہے ہوتے ہیں اور اس کی چال زبردست ہے۔''[1]

یاد رہے کہ ابن اسحاق کے مطابق عامر بن طفیل اور اربد دونوں بنو عامر کے وفد کے ساتھ آئے تھے جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے، لیکن حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کا بعض دوسری روایات کی روشنی میں یہ موقف ہے کہ عامر بن طفیل اور اربد کا

[1] السیرۃ لابن ہشام: 4/214، 215

واقعہ فتح مکہ سے پہلے کا ہے۔[1] واللہ اعلم بالصواب.

سید تو اللہ ہے

طبقات ابن سعد میں ہے کہ بنو عامر کے وفد میں ابو مطرف عبداللہ شخیر بھی تھے۔ انھوں نے آ کر کہا: اے اللہ کے رسول! آپ ہمارے سردار اور سید ہیں اور ہم پر مہربان ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "السَّيِّدُ اللّٰهُ، لَا يَسْتَهْوِيَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ" "(حقیقی) سید تو اللہ ہے، شیطان ہرگز تمھیں بہکانے میں کامیاب نہ ہو۔"[2]

ایک وضاحت

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے صحابہ کو اپنے لیے "سید" کا لقب بولنے سے منع فرمایا ہے. جبکہ خود نبی ﷺ ہی نے ایک مقام پر فرمایا: "أَنَا سَيِّدُ وَلَدِ آدَمَ" "میں آدم کی اولاد کا سردار ہوں۔"[3] اسی طرح آپ ﷺ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا: "إِنَّ ابْنِي هٰذَا سَيِّدٌ" "میرا یہ بیٹا سردار ہے۔"[4] ایک مرتبہ جب سعد رضی اللہ عنہ حاضر ہونے لگے تو آپ ﷺ نے سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی قوم کو حکم دیا: "قُومُوا إِلٰى سَيِّدِكُمْ" "اپنے سردار کے (استقبال کے) لیے کھڑے ہو جاؤ۔"[5] گویا یہاں رسالت مآب ﷺ سے دونوں باتیں منقول ہیں۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو "سید" کا لقب بولنے کی ممانعت بھی فرمائی اور مختلف مواقع پر خود آپ ﷺ ہی کی زبان مبارک سے "سید" کا لفظ ادا بھی ہوا۔ آخر اس کا مطلب کیا ہے؟

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ آپ ﷺ کی نہی مطلق نہیں تھی۔ بلکہ آپ ﷺ احتیاطاً یہ چاہتے تھے کہ کہیں یہ میرے بارے میں مبالغہ آرائی میں مبتلا نہ ہو جائیں، کیوں کہ یہ لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے اکابر کو بھی سید اور سادات کے القاب سے نوازتے تھے۔ آپ ﷺ نے ان کی ادبی اور سماجی اصلاح فرمائی۔ ان کی قوم کے اکابر دنیاوی اور مادی اسباب کی بنا پر سید اور سردار تھے جبکہ آپ ﷺ نبوت و رسالت کی وجہ سے سیدِ انسانیت تھے اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ﴾ اور ﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ﴾ کے القاب سے پکارا ہے. انھیں بھی اسی طرح پکارنا چاہیے، نہ کہ اس طریقے سے جس طریقے سے وہ اپنے سرداروں کو بلاتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب.

1 دیکھیے البدایة والنهایة: 5/52-54. 2 الطبقات لابن سعد: 1/311. 3 سنن أبي داود: 4662، 4673. 4 صحیح البخاري: 2704. 5 صحیح البخاري: 3043.

رسول اللہ ﷺ کی طرف سے بنو عامر کا خیر مقدم

سیدنا ابو جُحیفہ وہب بن عبداللہ سوائی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب بنو عامر کا وفد نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں بھی اس وفد میں شریک تھا۔ ہم نے آپ ﷺ کو وادی ابطح میں ایک سرخ خیمے میں مقیم پایا۔ ہم نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: «من أنتم؟» ”آپ کون لوگ ہیں؟“ ہم نے عرض کی: بنو عامر بن صعصعہ ہیں۔ آپ ﷺ نے معاً ہمارا استقبال کرتے ہوئے فرمایا:

«مرحبا بكم، أنتم مني وأنا منكم»

”خوش آمدید، تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں۔“

نماز کا وقت ہوا تو سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے اذان کہی، پھر نبی ﷺ کی خدمت میں وضو کا پانی لے کر حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے وضو کیا اور کچھ پانی بچ گیا۔ ہم بغیر کسی تاخیر کے آپ ﷺ ہی کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنے لگے۔ وضو سے فارغ ہوئے تو بلال رضی اللہ عنہ نے نماز کے لیے اقامت کہی اور رسول اللہ ﷺ نے ہمیں دو رکعت نماز پڑھائی، اسی طرح نماز عصر بھی آپ ﷺ نے ہمیں دو رکعت ہی پڑھائی۔ [1]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بدبخت عامر بن طفیل اور اربد بن قیس کے علاوہ بنو عامر کے دوسرے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ واللہ اعلم۔

ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے اوامر و نواہی کی پابندی کا اعلان

رسول اللہ ﷺ نے بنو سعد بن بکر کی طرف اپنے ایک صحابی کو ایلچی بنا کر بھیجا۔ انھوں نے وہاں پہنچ کر لوگوں کو اسلامی تعلیمات اور احکام الٰہی سے آگاہ کیا اور انھیں دعوت اسلام دی۔ چنانچہ اس سلسلے میں بنو سعد نے ضمام بن ثعلبہ (رضی اللہ عنہ) کو تحقیق کے لیے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ ضمام بڑے مضبوط جسم کے مالک تھے۔ ان کے بال لمبے تھے اور انھوں نے اپنے بالوں کی دو چوٹیاں بنائی ہوئی تھیں۔ وہ 9 ھ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اونٹ کو مسجد نبوی کے دروازے کے قریب باندھ کر مسجد میں داخل ہوئے اور دریافت کیا: محمد (ﷺ) کون ہیں؟ آپ اس وقت مجلس میں تکیہ لگائے تشریف فرما تھے۔ صحابہ نے جواب دیا کہ یہ گرامی قدر جو تکیہ لگائے ہوئے ہیں، یہی محمد ﷺ ہیں۔ انھوں نے پوچھا: آپ ہی عبدالمطلب کے بیٹے ہیں نا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: «قد أجبتك»

[1] الطبقات لابن سعد: 311/1.

’’ہاں میں نے تمھاری بات سن لی ہے، میں ہی عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔‘‘ انھوں نے کہا: میں آپ سے چند سوالات پوچھنا چاہتا ہوں اور میرا لہجہ کچھ سخت ہوگا، لہٰذا آپ ناراض نہ ہو جائیے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سل عما بدا لك ’’تمھیں جو کچھ پوچھنا ہے پوچھو۔‘‘ انھوں نے اپنے سوالات کا سلسلہ شروع کرتے ہوئے عرض کیا:

میں آپ کو آپ کے رب اور آپ سے پہلے اور بعد میں آنے والے لوگوں کے رب کی قسم دے کر پوچھتا ہوں: کیا واقعی اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے؟

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللهم نعم ’’اللہ کی قسم! ہاں۔‘‘

ضمام: میں آپ کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں: کیا اللہ نے آپ کو یہ حکم دے کر بھیجا ہے کہ ہم ایک دن اور رات میں پانچ نمازیں ادا کریں؟

رسول اللہ ﷺ: اللهم نعم ’’ہاں، اللہ کی قسم! اللہ نے مجھے یہی حکم دیا ہے۔‘‘

ضمام: میں آپ کو پھر اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں: کیا اللہ نے آپ کو اس بات کا حکم بھی دیا ہے کہ ہم سال میں اس (رمضان کے) مہینے کے روزے رکھیں؟

رسول اللہ ﷺ: اللهم نعم ’’ہاں اللہ کی قسم! مجھے یہی حکم ملا ہے۔‘‘

ضمام: میں ایک مرتبہ پھر آپ کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں: کیا واقعی اللہ نے آپ کو یہ حکم دیا ہے کہ آپ ہمارے مال داروں سے صدقہ (زکاۃ) وصول کر کے ہمارے ہی غریبوں میں تقسیم فرما دیں؟

رسول اللہ ﷺ: اللهم نعم ’’ہاں، اللہ کی قسم!‘‘

ضمام: میں آپ کو آپ کے معبود اور آپ سے پہلے اور بعد میں آنے والوں کے معبود کی قسم دے کر پوچھتا ہوں: کیا اللہ نے آپ کو اس بات کا حکم دیا ہے کہ ہم صرف اس اکیلے رب ہی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور ان (اللہ کے) شریکوں کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے باپ دادا عبادت کرتے تھے؟

رسول اللہ ﷺ: اللهم نعم ’’ہاں اللہ کی قسم! مجھے اسی بات کا حکم دیا گیا ہے۔‘‘

ضمام جب اپنے سوالات سے فارغ ہوئے تو کہا:

’’جو کچھ آپ لے کر آئے ہیں، میں اس پر ایمان لاتا ہوں، میں اپنی قوم کا قاصد بن کر آیا ہوں۔ میرا نام ضمام بن ثعلبہ ہے اور میرا تعلق بنو سعد بن بکر سے ہے۔‘‘[1]

[1] صحیح البخاري، 63.

ابن اسحاق کی روایت میں ہے، انھوں نے کہا:

فَإِنِّي أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ وَ سَأُؤَدِّي هٰذِهِ الْفَرَائِضَ وَ أَجْتَنِبُ مَا نَهَيْتَنِي عَنْهُ ثُمَّ لَا أَزِيدُ وَلَا أَنْقُصُ.

''بے شک میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں۔ اور میں اس بات کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔ میں یہ فرائض ضرور ادا کروں گا۔ اور جن باتوں سے آپ نے منع فرمایا ہے، ان سے باز رہوں گا، میں (ان اوامر ونواہی میں) نہ کوئی اضافہ کروں گا، نہ کوئی کمی۔''

یہ باتیں کہہ کر وہ واپس اپنے اونٹ کے پاس آئے اور اپنے گھر روانہ ہوگئے۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "إِنْ صَدَقَ ذُو الْعَقِيصَتَيْنِ دَخَلَ الْجَنَّةَ" ''اگر اس دو چوٹیوں والے شخص نے سچ کہا ہے تو یہ جنت میں داخل ہوگا۔''

قوم کو دعوت اسلام

سیدنا ضمام رضی اللہ عنہ مدینہ سے روانہ ہوئے اور اپنی قوم کے پاس واپس پہنچے۔ جب قوم کے لوگ جمع ہوگئے تو ضمام رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلا جو جملہ کہا، وہ یہ تھا: بِئْسَتِ اللَّاتُ وَالْعُزّٰى ''لات اور عزیٰ بہت برے ہیں۔''

لوگوں نے کہا: اے ضمام! اپنی زبان سے ایسے برے الفاظ مت نکالو مبادا تم مجنون اور کوڑھی ہو جاؤ۔ ضمام رضی اللہ عنہ نے کہا: تم پر نہایت افسوس ہے۔ یہ لات اور عزیٰ ہرگز کسی نفع نقصان کے مالک نہیں۔ اللہ نے ایک رسول بھیجا ہے اور ان پر ایک کتاب نازل کی ہے۔ اس کتاب کے ذریعے سے تمھیں ان خرافات سے نکالا ہے جن میں تم پڑے ہوئے تھے۔ بے شک میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور بے شک محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ میں آپ ﷺ سے تمام اوامر ونواہی سیکھ کر آیا ہوں۔

راوی بیان کرتے ہیں کہ ابھی شام نہ ہونے پائی تھی کہ ان کے قبیلے کے ہر مرد اور عورت نے اسلام قبول کر لیا۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''ہم نے کسی قوم کے وفد اور قاصد کو ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے افضل اور بہتر نہیں پایا۔''[1]

طارق بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی ساتھیوں سمیت آمد

امام بیہقی رحمہ اللہ نے جامع بن شداد محاربی سے روایت کیا ہے کہ مجھے طارق بن عبداللہ محاربی نے بتایا کہ ایک دن میں سوق ذوالمجاز میں کھڑا تھا کہ سامنے سے ایک آدمی کو جس نے جبہ زیب تن کیا ہوا تھا، آتے دیکھا۔ وہ کہہ رہا تھا:

1 السیرۃ لابن إسحاق 2/646,647، السیرۃ لابن ھشام: 4/219-221، البدایۃ والنھایۃ: 5/55,56

"يَا أَيُّهَا النَّاسُ قُولُوا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوا"

"اے لوگو! لا الٰہ الا اللہ کہو، کامیاب ہو جاؤ گے۔"

اس آدمی کے پیچھے ایک اور شخص آ رہا تھا، وہ اسے پتھر بھی مار رہا تھا اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہتا جا رہا تھا: اے لوگو! یہ (معاذ اللہ) جھوٹا ہے، اس کی تصدیق نہ کرو۔

پہلے آدمی کے پاؤں پتھر لگنے کی وجہ سے زخمی تھے۔ طارق کہتے ہیں: میں نے وہاں کے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ لا الٰہ الا اللہ کہنے والا اور اسے پتھر مارنے والا کون ہے؟ لوگوں نے مجھے بتایا کہ پہلا شخص بنو ہاشم کا فرد ہے جس کا کہنا ہے کہ وہ اللہ کا رسول ہے اور دوسرا اس کا حقیقی چچا عبدالعزیٰ (ابولہب) ہے۔

راوی کا بیان ہے کہ جب لوگ جوق در جوق حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے اور مسلمان مدینہ ہجرت کر گئے تو میں ربذہ سے اپنے قبیلے کے چند لوگوں کے ہمراہ مدینہ سے کھجوریں خریدنے کی غرض سے روانہ ہوا۔ جب ہم لوگ مدینہ کے باغوں کے پاس پہنچے تو ہم نے ارادہ کیا کہ کچھ دیر آرام کریں اور کپڑے تبدیل کر کے شہر میں داخل ہوں، چنانچہ ہم نے وہاں پڑاؤ ڈال لیا۔

اسی دوران میں ایک شخص دو پرانی چادریں اوڑھے ہمارے پاس آیا، ہمیں سلام کیا اور پوچھا: آپ کہاں سے آ رہے ہیں اور کہاں جانا چاہتے ہیں؟ ہم نے کہا: ربذہ سے آئے ہیں اور مدینہ جانا چاہتے ہیں۔ کیا کام ہے؟ اس شخص نے پوچھا۔ ہم نے کہا مدینہ کی کھجوریں خریدنا چاہتے ہیں۔

طارق کہتے ہیں: ہمارے ساتھ ہودج میں ایک خاتون بھی سفر کر رہی تھی۔ ہمارے پاس ایک مہار لگا سرخ اونٹ بھی تھا۔ اس چادر پوش آدمی نے کہا: کیا آپ لوگ اپنا یہ اونٹ بیچیں گے؟ ہم نے کہا: ہاں، ہم اسے کھجور کے اتنے اتنے صاع کے عوض بیچتے ہیں۔ اس آدمی نے ہامی بھر کر اونٹ کی مہار تھامی اور چل پڑا۔ جب وہ ہماری نظر سے اوجھل ہوا تو ہم نے آپس میں کہا: اللہ کی قسم! یہ ہم نے غلطی کی ہے کہ ایک ایسے شخص کو جسے ہم میں سے کوئی جانتا تک نہیں، بغیر قیمت وصول کیے اپنا اونٹ پکڑا دیا۔ ہم نے ایک اجنبی پر بھروسا کر کے غلطی کی ہے۔

ہودج میں موجود خاتون نے کہا "اللہ کی قسم! میں نے اس آدمی کے چہرے کو دیکھا، اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کا ٹکڑا معلوم ہوتا تھا۔ میں تمہارے اونٹ کی قیمت کی ضامن ہوں۔" ابن اسحاق کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: "تم اپنے آپ کو ملامت نہ کرو، میں نے ایسے شخص کا چہرہ دیکھا ہے جو دھوکے باز نہیں ہو سکتا۔ میں نے اس کے چہرے سے زیادہ کسی چیز کو چودھویں کے چاند کے مشابہ نہیں دیکھا۔"

ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ایک شخص ہمارے پاس آیا اور کہنے لگا: میں اللہ کے رسول (ﷺ) کا قاصد ہوں۔ آپ (ﷺ) نے یہ کھجوریں بھیجی ہیں۔ پہلے آپ ان کھجوروں میں سے خوب سیر ہو کر کھا لیں اور بعد میں انھیں ماپ کر پوری کر لیں۔ راوی کہتا ہے: ہم نے سیر ہو کر کھجوریں کھائیں اور بعد میں انھیں ناپا تو وہ بالکل پوری تھیں، ذرا بھی کم نہ تھیں۔ اس کے بعد جب ہم مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو وہی شخص (جو ہم سے اونٹ خرید کر لے گیا تھا) منبر پر کھڑا لوگوں کو خطبہ دے رہا تھا۔ ہم نے اس خطبے میں سے جو سنا، وہ یہ تھا:

تصدقوا فإن الصدقة خير لكم، اليد العليا خير من اليد السفلى، أمك وأباك وأختك وأخاك وأدناك أدناك

''صدقہ کیا کرو، یہ صدقہ تمھارے حق میں بہتر ہے۔ اوپر والا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے۔ اپنے ماں باپ، بہن بھائی اور دوسرے درجہ بدرجہ قریبی رشتہ داروں کا خیال رکھا کرو۔'' [1]

اب ان حضرات کو پتہ چلا کہ یہ تو اللہ کے رسول ﷺ ہیں، چنانچہ وہ آپ کی یہ مبارک باتیں سن کر مسلمان ہو گئے اور پھر اپنے گھروں کی طرف لوٹ گئے۔

ڈاکٹر مہدی رزق اللہ احمد فرماتے ہیں: ''میرا خیال ہے کہ طارق اور ان کے ساتھیوں کا مدینہ منورہ آنے سے مقصود صرف کھجوریں خریدنا ہی نہیں بلکہ خرید و فروخت کے ساتھ ساتھ اسلام قبول کرنا بھی تھا۔ دلیل یہ ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے خطبے میں دوسرے مسلمانوں کے ساتھ شریک تھے۔ اور طارق بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے صدقے کی فضیلت والی وہ روایت بھی بیان کی ہے جو انھوں نے اس وقت رسول اللہ ﷺ سے سنی تھی۔'' [2]

وفد بنو محارب

بنو محارب کا وفد 10ھ حجۃ الوداع والے سال نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وفد میں کل 10 آدمی تھے۔ ان میں سواء بن حارث اور ان کے بیٹے خزیمہ بن سواء بھی تھے۔ انھیں رملہ بنت حارث کے ہاں ٹھہرایا گیا۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ صبح شام ان کی تواضع کرتے تھے۔ ان کے آنے کا مقصد اسلام قبول کرنا تھا، چنانچہ یہ سب مسلمان ہو گئے اور کہنے لگے: ''ہم اپنی پوری قوم کے نمائندے اور ضامن ہیں۔'' اس وفد میں رسول اللہ ﷺ نے ایک ایسے شخص کو بھی پہچان لیا جس نے آپ ﷺ سے درشتی اور بدتمیزی کا رویہ اختیار کیا تھا۔ یہ ان دنوں کی بات تھی جب آپ ﷺ

1 دلائل النبوة للبيهقي 5/380،381، زاد المعاد 3/648،649، شرح الزرقاني 5/199-202، البداية والنهاية 5/77، مزید دیکھیے: سنن النسائي، 2533. 2 سیرت نبوی از ڈاکٹر مہدی رزق اللہ 2/338 طبع دارالسلام

حج کے دنوں میں بنفس نفیس مختلف قبائل کے پاس تشریف لے جایا کرتے اور ان سے کہتے تھے کہ مجھے اپنے علاقے میں لے چلو۔ اس ارشاد کا مقصد یہ تھا کہ آپ ان لوگوں کے علاقوں میں جا کر دین اسلام کی دعوت دینا چاہتے تھے۔

جب نبی ﷺ نے اس آدمی کو پہچان لیا جس نے آپ ﷺ سے بدکلامی کا مظاہرہ کیا تھا تو وہ شخص کہنے لگا: ''تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے اب تک زندہ رکھا اور میں نے آپ کی تصدیق کی۔''

سبل الہدیٰ میں ہے: جب ایک شخص کو رسول اللہ ﷺ نے بڑے غور سے دیکھا تو اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! شاید آپ مجھے پہچاننے کی کوشش کر رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: [illegible] ''ہاں! میں نے تمھیں پہلے بھی دیکھا ہے۔'' اس نے کہا: ہاں اللہ کی قسم! آپ نے مجھے دیکھا بھی تھا اور مجھ سے بات بھی کی تھی۔ میں نے عکاظ میں آپ سے بڑی بدتمیزی سے بات کی تھی اور درشت لہجے میں جواب دیا تھا۔ اس وقت آپ مختلف قبائل کے پاس جایا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں (اب یاد آیا)۔'' اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں اس دن اپنے ساتھیوں میں سے آپ کا سب سے زیادہ مخالف اور سب سے بڑھ کر اسلام سے دور تھا۔ میں اس امر پر اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتا ہوں کہ اس نے مجھے اب تک زندہ رکھا اور میں نے آپ کی تصدیق کر لی جبکہ وہ لوگ جو اس دن میرے ساتھ تھے، اپنے پرانے دین ہی پر فوت ہو گئے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: إن هذه القلوب بيد الله ''یہ دل اللہ کے ہاتھ میں ہیں (جس کے لیے وہ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے، ان کے دل ہدایت کی طرف پھیر دیتا ہے)۔''

اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں نے آپ سے جو بدکلامی کی تھی، اس پر میرے لیے بخشش مانگیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: إن الإسلام يجب ما كان قبله من الكفر ''اسلام قبول کرنے سے پچھلے تمام کفریہ اعمال معاف ہو جاتے ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا خزیمہ بن سواء رضی اللہ عنہ کے چہرے پر اپنا مبارک ہاتھ پھیرا تو ان کی پیشانی سفید اور روشن ہو گئی۔ آپ ﷺ نے دوسرے وفود کی طرح انھیں بھی تحائف عطا فرمائے، پھر یہ سب اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔[1]

وفد بنو طے

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بنو طے کا وفد حاضر ہوا۔ اس وفد میں کل پندرہ افراد تھے۔ ان میں سیدنا زید الخیل بھی تھے جو کہ وفد کے امیر تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ گفتگو کے بعد یہ لوگ آپ ﷺ کے اعلیٰ اخلاق سے

1 الطبقات الكبرى لابن سعد 1/299، سبل الهدى والرشاد: 6/409

اس قدر متاثر ہوئے کہ سب کے سب آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کر کے دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

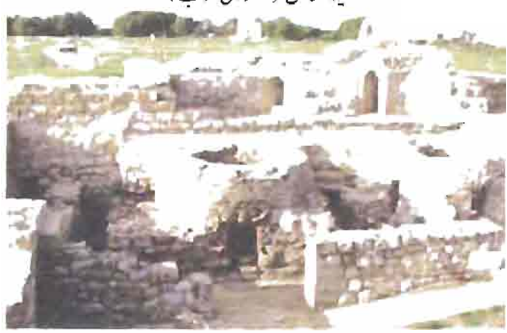
رسول اللہ ﷺ نے سیدنا زید الخیل رضی اللہ عنہ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

«ما ذُكِرَ لي رجلٌ من العرب بفضلٍ ثم جاءني إلا رأيته دون ما يُقال فيه إلا زيد الخيل فإنه لم يبلغ كل ما فيه»

''میرے سامنے عرب کے جس شخص کی بھی خوبیاں بیان کی گئیں، پھر جب وہ شخص میرے پاس آیا تو میں نے اس کو اس کی مشہور تعریف سے کم ہی پایا۔ مگر زید الخیل کا معاملہ بالکل مختلف ہے۔ زید کے متعلق جتنا میں جانتا تھا، ان میں اس سے کہیں زیادہ خوبیاں موجود ہیں (جنھیں میرے سامنے بیان نہیں کیا گیا)۔''

رسول اللہ ﷺ نے زید رضی اللہ عنہ کا نام تبدیل کرتے ہوئے زید الخیل کے بجائے زید الخیر رکھا۔ آپ ﷺ نے وادی فید اور اس سے ملحقہ زمین انھیں الاٹ کر دی اور اس جاگیر کے بارے میں ایک دستاویز بھی لکھ دی۔ جب یہ وہاں سے اپنے گھر روانہ ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «إن ينجُ زيدٌ من حُمّى المدينة» ''اگر زید مدینہ کے بخار سے نجات پا گئے (تو انھیں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی)۔''

فید، حائل (سعودی عرب)



زید رضی اللہ عنہ جب نجد کے فَردہ نامی چشمے پر پہنچے تو انھیں بخار ہو گیا۔ جب انھیں اپنی موت یقینی محسوس ہوئی تو انھوں نے درج ذیل رباعی پڑھی:

أَمُرْتَحِلٌ قَوْمِي الْمَشَارِقَ غُدْوَةً — وَأُتْرَكُ فِي بَيْتٍ بِفَرْدَةَ مُنْجِدِ

أَلَا رُبَّ يَوْمٍ لَوْ مَرِضْتُ لَعَادَنِي — عَوَائِدُ مَنْ لَمْ يُبْرَ مِنْهُنَّ يُجْهَدِ

''کیا میری قوم صبح اپنے گھروں کو لوٹ جائے گی اور میں اکیلا یہاں چھوڑ دیا جاؤں گا۔ کبھی ایسا بھی ہوا تھا کہ اگر میں مریض ہوتا تو عیادت کرنے والے اس قدر کثیر تعداد میں میری عیادت کرتے تھے کہ اگر کوئی ان سے احتراز نہ کرے تو وہ مشقت میں پڑ جائے۔''

زید رضی اللہ عنہ وہیں فوت ہو گئے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ زید رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کے آخر میں فوت ہوئے۔ ان کی بیوی کو جب ان کی وفات کی خبر اور وہ تحریر ملی جس پر رسول اللہ ﷺ نے زید رضی اللہ عنہ کو جاگیر الاٹ کی تھی، تو اس نے اپنی کم علمی کی بنا پر وہ خطوط وغیرہ جلا ڈالے۔ سیدنا زید الخیر رضی اللہ عنہ کے دو صاحبزادے بھی صحابی تھے۔

ایک کا نام مُلَیف اور دوسرے کا حُریث تھا۔ یہ دونوں عہد صدیقی میں سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ مرتدین کے خلاف جہاد میں شریک ہوئے۔[1]

وفد دوس اور طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ کی آمد

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ دوس قبیلے کے چار سو لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ان کا واہبانہ استقبال کیا اور فرمایا:

مرحبا بأحسن الناس وجوها وأطيبه أفواها وأعظمه أمانة

"حسین ترین چہروں اور پاکیزہ ترین مونہوں والے نہایت امین لوگوں کو خوش آمدید!"[2]



تربہ کے قریب وادی الجو جہاں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے پرورش پائی

دوس عرب کا ایک مشہور قحطانی ازدی قبیلہ تھا۔ یہ نصر (شنوءہ) بن ازد کی اولاد میں دوس بن عدثان سے منسوب تھا۔ اس کے سردار طفیل بن عمرو دوسی تھے۔ وہ ایک فصیح و بلیغ شاعر اور بہت بڑے خطیب تھے۔ یہ اپنے قبیلے کے ستر یا اسی گھرانوں کے ساتھ 7ھ میں غزوۂ خیبر کے موقع پر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے تھے۔[3] سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی اسی وفد میں شامل تھے۔ اس وفد کے سب ارکان اسی موقع پر مسلمان ہو گئے تھے، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے انھیں خیبر سے حاصل ہونے والے مال غنیمت میں سے حصہ بھی دیا تھا۔ واللہ اعلم۔

اشعریوں کی آمد

صحیح بخاری اور سیرت کی کتابوں میں وفد اشعریین اور اہل یمن کی آمد کا ایک ہی باب باندھا گیا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں گروہ ایک ساتھ ہی آئے تھے لیکن حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "اہل یمن سے مراد اشعریوں کے علاوہ یمن کے باشندے تھے اور وہ اہل حمیر تھے۔" مزید فرماتے ہیں: "اگرچہ باب دو گروہوں پر مشتمل ہے، تاہم اس سے مراد یہ نہیں کہ دونوں گروہ اکٹھے ایک ساتھ آئے تھے۔

1 السيرة لابن إسحاق: 649/2، البداية والنهاية: 57/5، شرح الزرقاني: 157/5-160، وزاد المعاد: 616/3، 617.
2 المعجم الكبير للطبراني: 363/10 یہ روایت ضعیف ہے۔ 3 سیدنا طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کی تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا (للمولوا لمصنف) 436/3-441.

کیونکہ اشعری سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی قیادت میں فتح خیبر کے موقع پر 7 ھ میں آئے تھے۔ اشعری قبیلہ ادد بن زید بن یشجب بن عریب بن زید بن کہلان قحطانی سے منسوب تھا۔ جبکہ وفد حمیر 9 ھ کے عام الوفود میں حاضر خدمت ہوئے تھے، یہی وجہ ہے کہ وہ بنوتمیم کے ساتھ مل گئے تھے۔''[1] جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ قبیلہ بنوتمیم کے چند افراد حاضر خدمت ہوئے۔۔۔اس کے کچھ دیر بعد اہل یمن کا وفد آپہنچا۔[2]

اس حدیث سے ثابت ہوگیا کہ اہل یمن (بنوحمیر) اشعریوں کے ساتھ نہیں آئے تھے۔ اشعری بھی یمن سے تعلق رکھتے ہیں اور بنوحمیر بھی یمنی ہیں، اس لیے انھیں اکٹھا بیان کر دیا گیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اشعریوں کو رسول اللہ ﷺ کا خراج تحسین

علامہ ابن سعد، بیہقی اور امام احمد رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی ﷺ نے فرمایا:

«يَقْدَمُ عَلَيْكُمْ قَوْمٌ هُمْ أَرَقُّ مِنْكُمْ قُلُوبًا»

''تمھارے پاس ایک ایسی قوم آنے والی ہے جن کے دل تم سب سے زیادہ نرم ہیں۔''

کچھ دیر بعد اشعریوں کا وفد آگیا۔ اس میں سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ جب یہ لوگ مدینہ منورہ کے قریب آئے تو ان کی زبانوں پر یہ شعر تھا:

غَدًا نَلْقَى الْأَحِبَّهْ مُحَمَّدًا وَحِزْبَهْ

''کل ہم اپنے پیارے دوستوں سے ملاقات کریں گے، یعنی محمد (ﷺ) اور ان کے صحابہ سے۔''[3]

اس سے واضح حدیث صحیح مسلم میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«جَاءَ أَهْلُ الْيَمَنِ، هُمْ أَرَقُّ أَفْئِدَةً، الْإِيمَانُ يَمَانٍ، وَالْفِقْهُ يَمَانٍ، وَالْحِكْمَةُ يَمَانِيَةٌ»

''اہل یمن آگئے ہیں۔ ان کے دل بڑے نرم ہیں، ایمان یمنیوں کا ہے اور حکمت و دانائی بھی یمنیوں کا حصہ ہے۔''

یعنی ان کی رقت قلب اور نرم دلی کا یہ ثمرہ ہے کہ ان کے دل ایمان و عرفان کے معدن اور علم و حکمت کا سرچشمہ ہیں۔ چونکہ اکثر اہل یمن بکریاں پالتے تھے، اس لیے آگے ارشاد فرمایا:

«السَّكِينَةُ فِي أَهْلِ الْغَنَمِ، وَالْفَخْرُ وَالْخُيَلَاءُ فِي الْفَدَّادِينَ أَهْلِ الْوَبَرِ قِبَلَ مَطْلِعِ الشَّمْسِ»

''سکون اور اطمینان بکریاں پالنے والوں میں ہے اور فخر و غرور اونٹ پالنے اور چیخ چلانے والوں میں ہے

[1] فتح الباري 97/8. [2] صحيح البخاري 3190. [3] مسند أحمد 105/3، دلائل النبوة للبيهقي 351/5، طبقات ابن سعد 348/1 و 106/4

جو سورج طلوع ہونے کی سمت میں ہیں۔ (آپ ﷺ کا اشارہ اہل مشرق کی طرف تھا۔)''[1]

مصنف عبدالرزاق میں معمر فرماتے ہیں: مجھے یہ خبر ملی کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کرام ؓ کے درمیان تشریف فرما تھے کہ اچانک آپ ﷺ نے فرمایا: «اَللّٰهُمَّ انْجِ أَصْحَابَ السَّفِينَةِ» ''اے اللہ! کشتی والوں کو سلامت رکھ!'' اس کے بعد آپ ﷺ کچھ دیر خاموش رہے، پھر فرمایا: «اسْتَمَرَّتْ» ''اب وہ کشتی محفوظ ہوگئی ہے۔'' جب یہ لوگ مدینہ کے قریب آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: «قَدْ جَاءُوا يَقُودُهُمْ رَجُلٌ صَالِحٌ» ''اب وہ آگئے ہیں، ان کی قیادت ایک نیک آدمی کر رہا ہے۔''

پھر فرمایا:

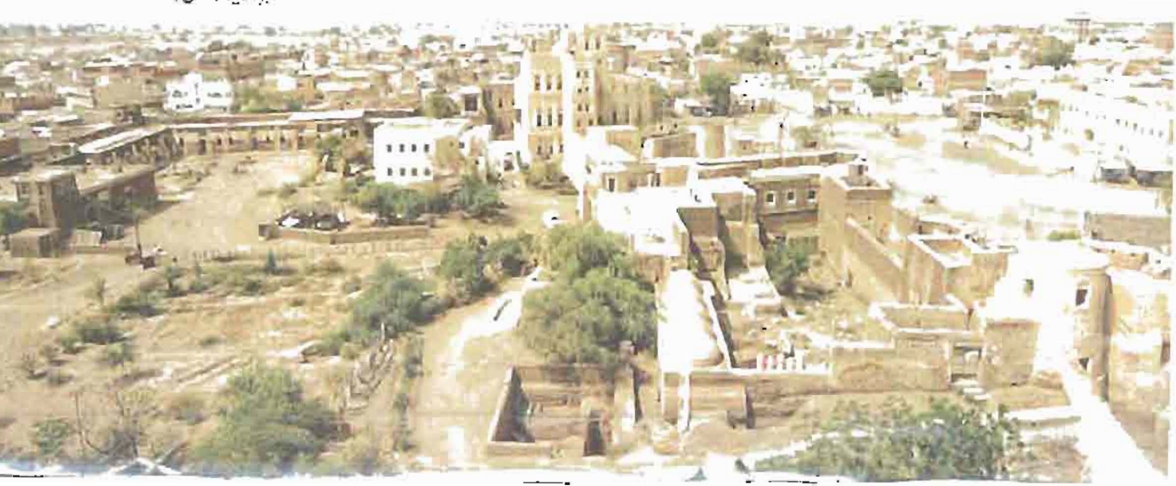
«الَّذِينَ جَاءُوا مَعَهُ فِي السَّفِينَةِ الْأَشْعَرِيُّونَ وَالَّذِي قَادَهُمْ عَمْرُو بْنُ الْحَمِقِ الْخُزَاعِيُّ»

''اس نیک آدمی کے ساتھ کشتی میں اشعری قبیلے کے لوگ ہیں۔ اور جو ان کی قیادت کر رہا ہے، وہ عمرو بن الحمق خزاعی ہے۔''

جب وہ آگئے تو رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا: «مِنْ أَيْنَ جِئْتُمْ؟» ''آپ لوگ کہاں سے آئے ہیں؟'' انھوں نے جواب دیا: زبید سے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «بَارَكَ اللّٰهُ فِي زَبِيدَ» ''اللہ زبید میں برکت عطا فرمائے۔'' انھوں نے عرض کی: رمع (یمن کی ایک بستی) میں بھی۔ لیکن آپ نے فرمایا: ''اللہ زبید میں برکت عطا فرمائے۔'' انھوں نے پھر درخواست کی: اللہ کے رسول! رمع میں بھی۔ آپ ﷺ نے تیسری دفعہ پھر فرمایا: ''اللہ رمع میں بھی برکت عطا فرمائے۔''[2]

1 صحیح مسلم، 2552. 2 المصنف لعبدالرزاق: 64/11، حدیث: 19890، ودلائل النبوۃ للبیہقی: 298/6.

شہر زبید (یمن)



اشعریوں کا قبول اسلام اور تفقہ فی الدین کا جذبہ

سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ اپنے والد محترم سے بیان کرتے ہیں کہ جب اشعریوں کا وفد رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو یہ سب لوگ مسلمان ہوگئے اور انھوں نے آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت بھی کی۔ اس وقت آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: الأشعريون في الناس كصرة فيها مسك ''لوگوں میں اشعریوں کی موجودگی ایسے ہے جیسے تھیلی میں کستوری ہوتی ہے۔''[1]

وفد نے حاضر خدمت اقدس ہو کر عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم آپ کے پاس اس لیے حاضر ہوئے ہیں کہ ہم دین میں سمجھ بوجھ حاصل کریں اور تکوین عالم کی ابتدا اور آغاز کے متعلق دریافت کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

كان الله ولم يكن شيء غيره، وكان عرشه على الماء، ثم خلق السماوات والأرض، وكتب في الذكر كل شيء

''سب سے پہلے اللہ تعالیٰ تھا اور اس کے سوا کچھ نہ تھا۔ اور اس کا عرش پانی پر تھا، پھر اس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا اور ہر چیز کو ذکر (لوح محفوظ) میں لکھ دیا۔''[2]

فروہ بن مسیک مرادی کی بارگاہ نبوی میں آمد

ابوسبرہ فروہ بن مسیک مرادی اصل میں یمن کے رہنے والے تھے۔ ان کا قبیلہ مراد بن مالک (مذحج) بن ادد بن زید بن یشجب بن عریب بن زید بن کہلان سے منسوب تھا۔ یہ کندہ کے بادشاہوں کے پاس رہتے تھے، پھر انھیں چھوڑ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے تھے۔

1 الطبقات لابن سعد: 1/79، سبل الهدى والرشاد 6/274. 2 صحيح البخاري 7418



ریاست کندہ (نجد) کے دارالحکومت الفاو کے کھنڈر

اسلام کی آمد سے قبل فروہ رضی اللہ عنہ کی قوم مراد اور ہمدان کے درمیان ایک لڑائی ہوئی تھی جس میں ہمدانیوں نے مرادیوں کا بے پناہ خون بہایا تھا۔ اس دن کو "یوم الردم" کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ ہمدانیوں کی قیادت اجدع بن مالک یا دوسرے قول کے مطابق مالک بن خریم ہمدانی نے کی تھی۔ فروہ بن مسیک نے اس دن کے بارے میں کچھ غمناک اشعار بھی کہے تھے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں: جب فروہ بن مسیک رضی اللہ عنہ ملوک کندہ کو چھوڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف روانہ ہوئے تو درج ذیل اشعار کہے:

لَمَّا رَأَيْتُ مُلُوكَ كِنْدَةَ أَعْرَضَتْ   كَالرِّجْلِ خَانَ الرِّجْلَ عِرْقُ نِسَائِهَا

قَرَّبْتُ رَاحِلَتِي أَؤُمُّ مُحَمَّدًا   أَرْجُو فَوَاضِلَهَا وَحُسْنَ ثَرَائِهَا

"میں نے جب ملوک کندہ کو دیکھا کہ انھوں نے اس ٹانگ کی طرح جو عرق نسا کے باعث دوسری ٹانگ سے خیانت کرتی ہے، منہ موڑ لیا ہے تو میں نے اپنی اونٹنی کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے کے ارادے سے قریب کیا اور میں ان کے منافع اور حسن ثروت کا امید وار تھا۔"

جب فروہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[illegible]

"اے فروہ! ردم کے روز تیری قوم پر جو مصیبت آپڑی تھی، اس سے تجھے بھی تکلیف ہوئی تھی؟"

انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کون ایسا شخص ہے جس کی قوم کو یوم ردم جیسی تکلیف پہنچے اور اسے دکھ نہ ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[illegible]

"یہ چیز تیری قوم کے اسلام قبول کرنے کے حوالے سے بہتر ثابت ہوگی۔"

فروہ رضی اللہ عنہ مسلمان ہوگئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں مراد، زبید اور مذحج کے قبائل پر عامل مقرر کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ مدد کے لیے سیدنا خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کو بھی روانہ کیا۔ یہ وہاں کے مسلمانوں سے صدقات وصول کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک یہ وہیں رہے۔[1]

1 السيرة لابن إسحاق 2/653,654، البداية والنهاية 5/63,64، السيرة لابن هشام 4/228,229، الروض الأنف: 366/4

وفد زبید کے ساتھ عمرو بن معدیکرب کی آمد

یمنی قبیلہ زبید بن صعب بنو مذحج کی ایک شاخ تھا۔ یہ زبید کے نام سے معروف تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ کی دعوت زور پکڑ گئی تو عمرو بن معدیکرب اپنی قوم کے پاس پہنچا تو عمرو نے قیس بن مکشوح مرادی سے کہا: اے قیس! تو اپنی قوم کا سردار ہے۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ حجاز میں خاندان قریش میں سے ایک محمد نامی شخص ظاہر ہوا ہے جس کا کہنا ہے کہ وہ نبی ہے۔ تم ہمارے ساتھ وہاں چلو تاکہ ہم اس کے بارے میں صحیح معلومات حاصل کر سکیں۔ اگر وہ نبی ہوا جیسا کہ وہ کہتا ہے تو تم سے مخفی تو نہیں رہے گا۔ جب ہم اس سے ملیں گے تو اس کی اتباع کر لیں گے اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہوا تو بھی ہمیں معلوم ہو جائے گا۔ قیس نے اس کی یہ بات نہ مانی اور ساتھ چلنے سے انکار کر دیا۔

عمرو بن معدیکرب اسی وقت قبیلہ بنو زبید کے چند لوگوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسلام قبول کر لیا۔ جب قیس بن مکشوح کو معلوم ہوا تو اس نے عمرو کو دھمکایا اور اس پر شدید غصہ کیا کہ اس نے اس کی رائے کی مخالفت کی ہے۔ اس پر عمرو بن معدیکرب نے بہت سے اشعار کہے جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

[illegible]

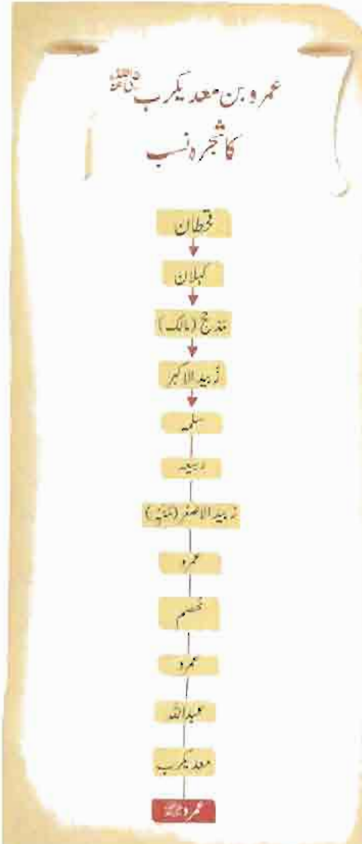
"میں نے ذو صنعاء کے روز تمہیں ایک مشورہ دیا تھا جس کی بھلائی واضح تھی۔ میں نے تجھے اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے اور نیکی کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ تو تو گدھے کی طرح نکل گیا جس کے محرک نے اسے دھوکہ دیا ہو۔ تو نے مجھے گدھے کا احسان یاد دلایا ہے جس پر اس کا تھیلا ہوا تھا۔"

عمرو بن معدیکرب کا ارتداد اور دوبارہ قبول اسلام

ابن اسحاق بیان کرتے ہیں: عمرو بن معدیکرب اسلام لانے کے بعد اپنی قوم بنو زبید میں رہا۔ فروہ بن مسیک ان پر عامل مقرر تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ فوت ہوئے تو عمرو بن معدیکرب مرتد ہو گیا اور اس نے فروہ بن مسیک کی گستاخی کرتے ہوئے چند اشعار بھی کہے۔[1]

[1] [illegible]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ البدایہ میں فرماتے ہیں کہ عمرو بن معدیکرب نے مرتد ہونے کے بعد دوبارہ اسلام قبول کیا تھا اور سیدنا صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے دور میں بہت سی فتوحات میں شریک ہوا تھا۔ وہ مشہور و معروف بہادروں اور شاعروں میں سے تھا۔ اس کی وفات فتح نہاوند کے بعد 21ھ میں ہوئی تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ جنگ قادسیہ میں شریک ہوا اور اسی میں شہید ہوا تھا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس کب آیا؟ اس بارے میں دو قول ہیں: ایک 9ھ کا اور دوسرا 10ھ کا۔ ایک (مرجوح) قول یہ بھی ہے کہ وہ سرے سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہی نہیں ہوا تھا۔[1] واللہ اعلم۔



بنو کندہ کی آمد

کندہ یمن کا ایک قحطانی کہلانی قبیلہ ہے۔ ان کے جد امجد کا نام ثور بن عفیر بن عدی تھا اور کندہ اس کا لقب تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے ایک دادا کلاب کی والدہ دعد بنت سریر بن ثعلبہ اسی قبیلے سے تھیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ کلاب کی نانی تھیں اور کلاب کی والدہ ہندان کی بیٹی تھیں۔

اس وفد میں کل 60 یا 80 افراد تھے۔ ان میں اشعث بن قیس نامی ایک شخص بھی تھا جو بہت خوبصورت اور وجیہ چہرے والا تھا۔ اگرچہ یہ کم سن تھا لیکن سارا قبیلہ دل سے اس کی بات مانتا تھا۔ یہ لوگ دربار نبوت میں حاضر ہونے لگے تو انھوں نے خوب تیاری کی، آنکھوں میں سرمہ لگایا اور لمبے جبے زیب تن کیے جن کے کناروں پر ریشم لگا ہوا تھا۔ جب یہ حاضر خدمت ہوئے تو انھوں نے وہ سلام عرض کیا جو وہ اپنے ملوک و سلاطین کو پیش کیا کرتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے عرض کی: أبیت اللعن "آپ قابل ملامت کاموں سے دور رہیں، یعنی آپ خوبصورت کام سرانجام دیتے ہیں۔"

آپ ﷺ نے فرمایا: لست ملکا، أنا محمد بن عبد اللہ "میں بادشاہ نہیں ہوں، میں محمد بن عبداللہ ہوں۔" انھوں نے عرض کی: ہم آپ کا نام لے کر آپ سے مخاطب ہونے کی جسارت اور گستاخی نہیں کر سکتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: أنا أبو القاسم "میں ابوالقاسم ہوں۔" انھوں نے کہا: اے ابوالقاسم! ہم نے آپ کے لیے ایک چیز

1 البدایۃ والنہایۃ: 5/64، 65

چھپائی ہوئی ہے۔ آپ بتائیے وہ کیا چیز ہے؟ انھوں نے گھی اور تیل وغیرہ کے برتن میں ٹڈی کی آنکھ چھپائی ہوئی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

سُبْحَانَ اللّٰهِ! إِنَّمَا يُفْعَلُ ذٰلِكَ بِالْكَاهِنِ، وَإِنَّ الْكَاهِنَ وَالْكَهَانَةَ وَالتَّكَهُّنَ فِي النَّارِ

''سبحان اللہ! اس طرح کی باتیں تو کاہنوں کے ساتھ کی جاتی ہیں۔ اور کاہن، کہانت کا پیشہ اختیار کرنے والے اور اسے سیکھنے اور ان جیسی باتیں کرنے والے آگ میں جائیں گے۔''

انھوں نے کہا: تو پھر ہمیں کیسے معلوم ہوگا کہ آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں۔ نبی ﷺ نے کنکریوں کی ایک مٹھی لی اور فرمایا: هٰذَا يَشْهَدُ أَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ ''یہ کنکر گواہی دیں گے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔''

چنانچہ ان کنکریوں نے آپ ﷺ کے مبارک ہاتھ میں تسبیح پڑھی۔ یہ دیکھ کر ان سب نے کہا: ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ بَعَثَنِي بِالْحَقِّ وَأَنْزَلَ عَلَيَّ كِتَابًا لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ

''اللہ نے مجھے حق دے کر بھیجا ہے اور مجھ پر کتاب نازل کی ہے۔ باطل اس کے پاس پھٹک ہی نہیں سکتا، اس کے آگے سے نہ اس کے پیچھے سے۔''

انھوں نے گزارش کی کہ آپ ہمیں بھی اس کتاب سے کچھ سنائیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے سورۂ صافات کی درج ذیل ابتدائی پانچ آیات تلاوت فرمائیں:

﴿ وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۝١ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ۝٢ فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ۝٣ اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ۝٤ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ۝٥ ﴾

''قسم ہے قطار در قطار صفیں باندھنے والوں (فرشتوں) کی۔ پھر جھڑک کر ڈانٹنے والوں کی۔ پھر قرآن کی تلاوت کرنے والوں کی۔ بلاشبہ تمھارا معبود ایک ہی ہے۔ (وہی) رب ہے آسمانوں اور زمین کا اور اس کا بھی جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے اور (تمام) مشرقوں کا رب ہے۔''[1]

اس کے بعد آپ ﷺ مکمل خاموش اور پرسکون ہوگئے۔ آپ کے آنسو آپ کی مبارک داڑھی پر گر رہے تھے۔ جب اہل وفد نے دیکھا تو عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم دیکھ رہے ہیں کہ آپ رو رہے ہیں۔ کیا یہ رونا آپ کو بھیجنے والے کے خوف سے ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

1 الصّٰفّٰت 37: 1-5

... فاستقم في مثل حد السيف، فإن زغت عنه هلكت

''اللہ کے خوف نے مجھے رلا دیا ہے۔ اللہ نے مجھے ایک ایسے صراط مستقیم پر بھیجا ہے جو تلوار کی دھار کی طرح باریک ہے۔ اگر میں تھوڑا سا بھی اس سے ہٹا تو ہلاک ہو جاؤں گا۔''

پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿وَلَئِن شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهِ عَلَيْنَا وَكِيلًا﴾

''اور اگر ہم چاہیں تو اسے ضرور لے جائیں جو ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے، پھر آپ اس پر ہمارے مقابلے میں اپنا کوئی حمایتی نہ پائیں گے۔''[1]

آپ ﷺ نے اہل وفد کو مخاطب کر کے فرمایا: «أَلَمْ تُسْلِمُوا؟» ''کیا تم مسلمان نہیں ہوئے؟'' انھوں نے عرض کی: کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول! ہم مسلمان ہو چکے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «فَمَا هَذَا الْحَرِيرُ فِي أَعْنَاقِكُمْ؟» ''تو پھر تمھاری گردنوں میں یہ ریشم کیوں ہے؟'' چنانچہ اسی وقت سب نے ریشمی کنارے پھاڑ کر دور پھینک دیے۔

اس کے بعد اشعث بن قیس نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: ہم بھی بنو آکل مرار ہیں اور آپ بھی۔ رسول اللہ ﷺ مسکرا دیے۔ راوی کا بیان ہے کہ انھوں نے سیدنا عباس بن عبدالمطلب اور ربیعہ بن حارث کو اس نسب کی طرف منسوب کیا۔ یہ دونوں بہت بڑے تاجر تھے اور تجارت کی غرض سے ان لوگوں کے علاقوں میں بھی جاتے تھے، چنانچہ جب ان سے پوچھا جاتا کہ آپ کا تعلق کن سے ہے تو یہ کہتے: ہم بنو آکل المرار ہیں۔ ایسا کہہ کر وہ لوگوں کی نظروں میں معزز ہو جاتے تھے کیونکہ یہ نسب بنو کندہ کا تھا جو وہاں کے سردار اور بادشاہ تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے مسکرانے کے بعد فرمایا:

«نَحْنُ بَنُو النَّضْرِ بْنِ كِنَانَةَ، لَا نَقْفُو أُمَّنَا، وَلَا نَنْتَفِي مِنْ أَبِينَا»

''نہیں، ہم بنو نضر بن کنانہ ہیں۔ ہم اپنی ماں پر بہتان نہیں لگاتے اور نہ اپنے باپ سے نسب کا انکار کرتے ہیں۔''

اس پر اشعث بن قیس نے کہا: ''اے کندہ کی جماعت! اب تم فارغ ہو گئے ہو۔ واللہ! اگر دوبارہ میں نے کسی کو ایسا کہتے سنا تو اسے 80 کوڑے لگاؤں گا۔''

1 بنی إسرائيل 86:17.

آکل المرار کی وضاحت

اہل وفد نے اپنے آپ کو بنو آکل المرار کہا۔ یہ حارث بن عمرو کندی کا لقب تھا۔ یہ لقب اسے اس لیے دیا گیا تھا کہ اس نے اور اس کے ساتھیوں نے کسی لڑائی میں مرار نامی درخت کھایا تھا۔ اس لقب کی ایک اور وجہ یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ عمرو بن ہند غسانی نے حارث بن عمرو کندی کی عدم موجودگی میں اس کی قوم پر حملہ کیا۔ مال غنیمت لوٹا اور کچھ لوگوں کو قید کر کے بھی لے گیا۔ قیدیوں میں حارث کی بیوی بھی تھی۔ اس نے عمرو بن ہند غسانی سے کہا: گویا کہ میں دیکھ رہی ہوں کہ تمھارے پاس ایک سیاہ فام آدمی آ رہا ہے جس کے ہونٹ ایسے ہیں جیسے مرار (ایک کڑوا درخت) کھانے والے اونٹ کے ہوتے ہیں، یعنی موٹے ہونٹ والا۔ (وہ درخت اتنا کڑوا ہوتا ہے کہ جب اونٹ اسے کھاتا ہے تو اس کے ہونٹ پھول جاتے ہیں) اس عورت کی مراد اس کا خاوند تھا۔ چنانچہ حارث آیا اور اس نے غسانی پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیا، اپنی بیوی اور دوسرے قیدیوں کو چھڑایا اور اپنا مال و دولت دوبارہ حاصل کر لیا۔ حارث کی بیوی نے جو وصف بیان کیا تھا، وہی اس کا لقب پڑ گیا۔

اشعث بن قیس کا ارتداد اور دوبارہ اسلام لانا

اشعث نبی ﷺ کی وفات کے بعد مرتد ہو گیا، اسے قید کر کے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ اس نے دوبارہ اسلام قبول کر لیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسے چھوڑ دیا اور اپنی بہن ام فروہ کی شادی اس سے کر دی۔ اشعث نے اپنی تلوار نکالی اور اونٹوں کی منڈی میں داخل ہو گیا۔ اس کے سامنے جو اونٹ آیا، اس نے اسے نحر کر ڈالا۔ یہ دیکھ کر لوگوں نے کہا: اشعث کافر ہو گیا ہے۔ اس نے فارغ ہو کر تلوار پھینک دی اور کہا: اللہ کی قسم! میں کافر نہیں ہوا۔ اس آدمی (ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) نے اپنی بہن کے ساتھ میری شادی کر دی ہے۔ اگر ہم اپنے شہر میں ہوتے تو اس سے بڑھ کر ولیمہ کرتے۔ اے اہل مدینہ! تم کھاؤ اور اے اونٹوں کے مالکان! تم میرے پاس آؤ اور اپنے اونٹوں کی قیمت وصول کر لو۔

اشعث جنگ یرموک، قادسیہ اور عراق کی جنگوں میں سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ اشعث نے کوفہ میں سکونت اختیار کر لی تھی اور جنگ صفین میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے چالیس دن بعد 42ھ میں فوت ہوئے۔ ان کی نماز جنازہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے پڑھائی۔[1]

1 السیرۃ لابن اسحاق 2/655، 656، البدایۃ والنہایۃ 5/66، شرح الزرقانی 5/160-162، الاصابۃ 1/88، تہذیب الاسماء 4/355، 356، دلائل النبوۃ للاصبہانی 1/237، 238.

جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کی آمد

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اپنی مسند سے بیان کرتے ہیں کہ سیدنا جریر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب میں مدینہ منورہ کے قریب آیا تو میں نے اپنی اونٹنی کو بٹھا دیا۔ میں نے اپنے سامان سے اپنا حلہ (پوشاک) نکالا، اسے زیب تن کیا اور پھر مدینہ میں داخل ہوگیا۔ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ لوگوں نے مجھے ترچھی نگاہوں سے دیکھا۔ میں نے اپنے ساتھ والے آدمی سے کہا: اے اللہ کے بندے! کیا رسول اللہ ﷺ نے میرا تذکرہ کیا ہے؟ اس نے کہا: ہاں، آپ ﷺ نے خطبے کے دوران میں تمھارا ذکر خیر کیا اور فرمایا:

يدخل عليكم من هذا الباب - من هذا الفج من خير ذي يمن، ألا إن على وجهه مسحة ملك

''اس دروازے یا اس راستے سے یمن والوں کا ایک بہترین آدمی تمھارے پاس آئے گا۔ آگاہ رہو! اس کے چہرے سے حسن و جمال جھلک رہا ہوگا۔''

سیدنا جریر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے اللہ کے اس انعام پر شکر ادا کیا۔[1]

جریر رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

سیدنا جریر رضی اللہ عنہ کب مسلمان ہوئے؟ اس بارے میں اختلاف ہے۔ زیادہ صحیح بات یہی ہے کہ وہ سورۂ مائدہ کے نزول کے بعد اور حجۃ الوداع سے قبل مسلمان ہوئے تھے کیونکہ حجۃ الوداع کے موقع پر تو وہ آپ ﷺ کے ساتھ موجود تھے۔ آپ ﷺ نے انھیں لوگوں کو خاموش کرنے کے لیے کہا تھا۔[2] جریر رضی اللہ عنہ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ نہایت خوبصورت تھے۔ مسلمان ہونے کے وقت نوعمر تھے۔ قد کاٹی لمبا تھا اور بہت ہی شرم و حیا والے تھے۔ اپنی نظریں ہمیشہ جھکائے رکھتے تھے۔ اسی لیے انھوں نے آپ ﷺ سے اچانک نظر پڑ جانے کے بارے میں پوچھا تھا۔[3] وہ 51 یا 54ھ میں فوت ہوئے تھے۔[4]

ایک روایت میں سیدنا جریر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: يا جرير لأي شيء جئت ''اے جریر! تم کس لیے آئے ہو؟'' میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہونا چاہتا ہوں۔ آپ ﷺ نے میری طرف اپنی چادر

1 مسند احمد 362/4. 2 صحیح البخاری 121. 3 صحیح مسلم 2159. 4 الاصابۃ 475/1

ڈالی اور اپنے صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا: «إذا أتاكم كريم قوم فأكرموه» ''جب تمھارے پاس کسی قوم کا کوئی معزز شخص آئے تو اس کی عزت کیا کرو۔''[1]

پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

«يا جرير! أدعوك إلى شهادة أن لا إله إلا الله وأني رسول الله، وأن تؤمن بالله واليوم الآخر والقدر خيره وشره، تصلي الصلاة المكتوبة وتؤدي الزكاة المفروضة»

''اے جریر! میں تمھیں اس گواہی کی طرف دعوت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں اور بے شک میں اللہ کا رسول ہوں اور یہ کہ تم اللہ پر ایمان لاؤ اور آخرت پر اور اچھی بری تقدیر پر۔ تم فرض نماز پڑھو گے اور زکاۃ ادا کرو گے۔''

جریر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے ان تمام باتوں کی گواہی دے دی۔ اس کے بعد جب بھی رسول اللہ ﷺ مجھے دیکھتے تو مسکرا دیتے۔[2]

صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے جریر رضی اللہ عنہ سے نماز اور زکاۃ کے بعد ہر مسلمان کی خیر خواہی کا عہد بھی لیا تھا۔[3]

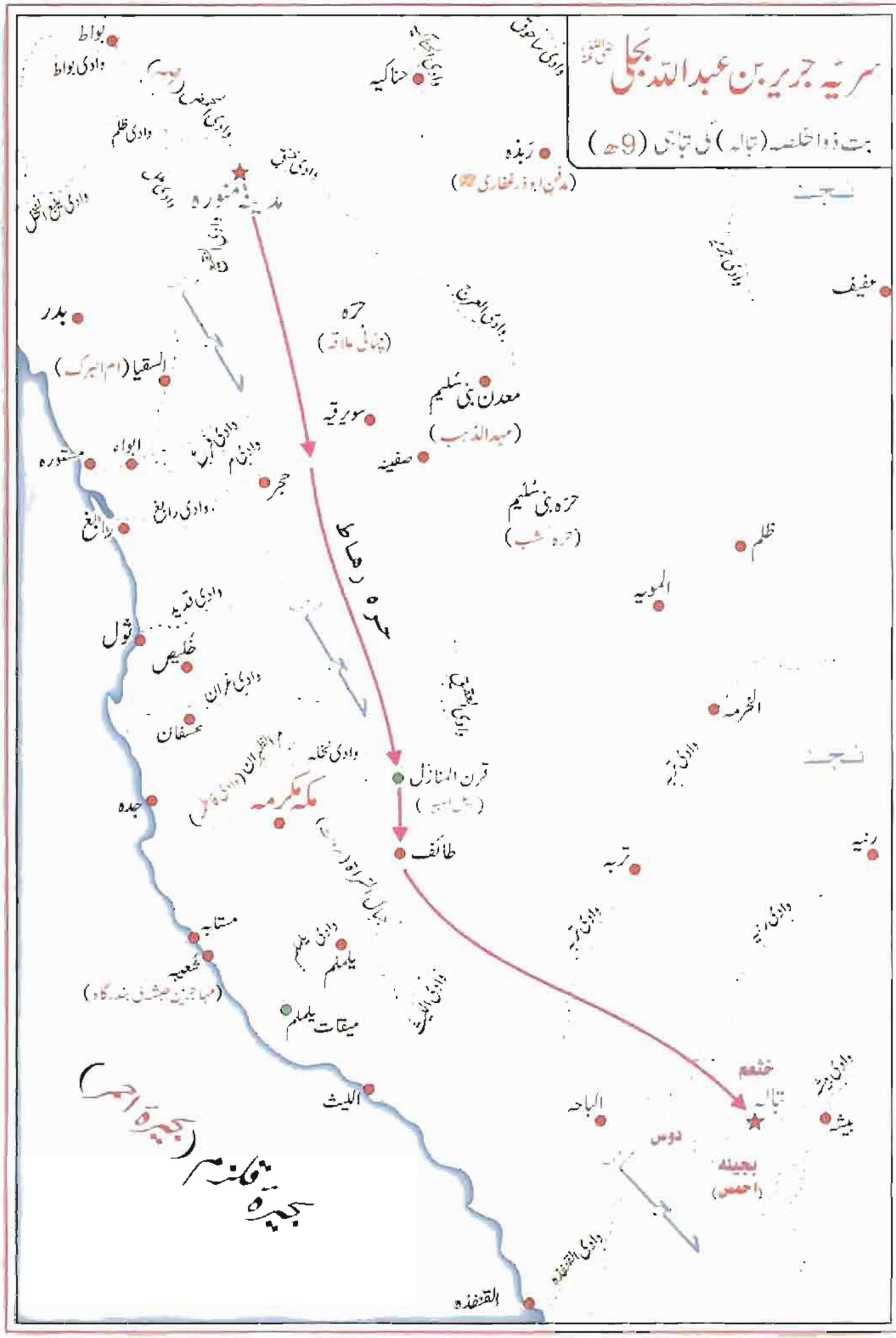
ذوالخلصہ کی طرف روانگی

سیدنا جریر رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہو گئے تو آپ ﷺ نے انھیں ذوالخلصہ کو مسمار کرنے کے لیے بھیجا۔ ذوالخلصہ ایک گھر تھا جس میں بت تھے، خثعم اور بجیلہ قبیلہ کے لوگ اس کی عبادت کیا کرتے تھے۔ وہ اس گھر کو کعبہ یمانیہ اور اصل بیت اللہ کو کعبہ شامیہ کہتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا جریر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا: «ألا تريحني من ذي الخلصة؟» ''آپ مجھے ذوالخلصہ سے راحت نہیں پہنچائیں گے؟'' انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں گھوڑے پر جم کر نہیں بیٹھ سکتا۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنا مبارک ہاتھ میرے سینے پر مارا۔ مجھے اس کا اثر محسوس ہوا۔ پھر آپ ﷺ نے دعا فرمائی:

«اللهم ثبته واجعله هاديا مهديا»

''اے اللہ! اسے ثابت رکھ اور اسے ہادی اور ہدایت یافتہ بنا دے۔''

1 دیکھیے: سنن ابن ماجه، 3712. 2 السنن الكبرى للبيهقي، 168/8، دلائل النبوة للبيهقي، 347/5. 3 صحيح البخاري: 57 و 524.


سریہ جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ
بت ذوالخلصہ (تبالہ) کی تباہی (9ھ)
بواط
وادی بواط
حناکیہ
ربذہ
(مدفن ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ)
وادی ظلم
مدینہ منورہ
عفیف
بدر
حرہ
السقیا (ام البرک)
معدن بنی سلیم
(مہد الذہب)
سوریقیہ
صفینہ
مستورہ
الابواء
حجر
وادی رابغ
رابغ
حرہ بنی سلیم
(حرہ شب)
ظلم
المویہ
وادی قدید
ثول
خلیص
وادی غران
عسفان
الخرمہ
وادی نخلہ
قرن المنازل
جدہ
مکہ مکرمہ
طائف
ربنیہ
تربہ
مستابہ
شعیبہ
(مہاجرین حبشہ کی بندرگاہ)
وادی یلملم
یلملم
میقات یلملم
خثعم
تبالہ
بیشہ
الباحہ
دوس
بجیلہ
(احمس)
اللیث
بحیرہ قلزم
(بحیرہ احمر)
وادی القنفذہ
القنفذہ
حملہ کا رستہ

رسول اللہ ﷺ کی دعا کے بعد میں کبھی گھوڑے سے نہیں گرا۔

چنانچہ جریر رضی اللہ عنہ اپنی قوم احمس کے ایک سو پچاس سواروں کے ساتھ ذوالخلصہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ انھوں نے اس گھر کو آگ لگا کر مسمار کر دیا اور ایسے کر دیا جیسے ایک بیمار خارش زدہ اونٹ ہوتا ہے۔ پھر انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو خوشخبری دینے کے لیے ابو ارطاۃ نامی ایک شخص کو مدینہ روانہ کر دیا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کو مہم کی کامیابی کی نوید سنائی تو آپ ﷺ نے احمس کے جوانوں اور گھوڑوں کے لیے پانچ بار برکت کی دعا کی۔[1]

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی آمد

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں اور دیگر محدثین، بزار اور امام طبرانی رحمہ اللہ نے یہ واقعہ سیدنا وائل رضی اللہ عنہ کی زبانی نقل کیا ہے۔ سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب مجھے نبی ﷺ کی بعثت کی اطلاع ملی، اس وقت میں ایک بڑی مملکت کا سربراہ تھا۔ ہر قسم کی آسائشیں اور راحتیں میسر تھیں۔ میں نے ان سب کو ٹھکرا دیا اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا جوئی کے لیے وہاں سے نکل کھڑا ہوا۔ جب میں مدینہ منورہ پہنچا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مجھے بتایا کہ آج سے تین دن پہلے اللہ کے نبی ﷺ نے آپ کی آمد کی خوشخبری سنائی تھی۔ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام پیش کیا۔ آپ ﷺ نے جواب مرحمت فرمایا۔ پھر اپنی ردائے مبارک بچھائی اور مجھے اس پر اپنے ساتھ بٹھایا اور منبر پر بھی مجھے ساتھ کھڑا کیا۔ آپ ﷺ نے حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

«أَيُّهَا النَّاسُ! هٰذَا وَائِلُ بْنُ حُجْرٍ قَدْ أَتَاكُمْ مِنْ أَرْضٍ بَعِيدَةٍ مِنْ حَضْرَمَوْتَ طَائِعًا غَيْرَ مُكْرَهٍ، رَاغِبٌ فِي اللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَفِي دِينِهِ، بَقِيَّةُ أَبْنَاءِ الْمُلُوكِ، بَارَكَ اللّٰهُ فِيكَ يَا وَائِلُ! وَفِي وَلَدِكَ وَفِي وَلَدِ وَلَدِكَ»

وادی دوعان (حضرموت)



''اے لوگو! یہ وائل بن حجر ہیں۔ یہ تمھارے پاس بڑے دور کے علاقے حضرموت سے تشریف لائے ہیں۔ یہ اپنی مرضی سے آئے ہیں، انھیں کسی نے مجبور نہیں کیا۔ یہ اللہ، اس کے رسول اور اس کے دین کے طلبگار بن کر آئے ہیں، اور یہ بادشاہوں کی باقی ماندہ اولاد میں سے ہیں۔ اے وائل! اللہ

[1] صحيح البخاري: 3020، البداية والنهاية: 5/91-93.

تمھیں اور تمھاری اولاد در اولاد کو برکتیں عطا فرمائے۔“

سیدنا وائل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: اے اللہ کے رسول! مجھے جونہی آپ کی بعثت کا علم ہوا، میں اپنا ملک، شاندار محلات اور آرام و آسائش کے جملہ وسائل کو الوداع کہہ کر اللہ کا دین سیکھنے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: صدقت ”تم نے سچ کہا ہے۔“ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ”ان کے ساتھ نرمی کا سلوک کرنا، یہ ابھی ابھی اپنا ملک چھوڑ کر آئے ہیں۔“ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میرے خاندان والوں نے میری مملکت مجھ سے چھین لی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

”میں تمھیں وہ سب کچھ اور اس کا دوگنا اور عطا کروں گا۔“

وائل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پھر نبی کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

«يا وائل بن حجر! إذا صليت فاجعل يديك حذاء أذنيك، والمرأة تجعل يديها حذاء ثدييها»

”جب تم نماز پڑھو تو اپنے ہاتھوں کو اپنے کانوں کے برابر تک لے جاؤ اور جب عورت نماز پڑھے تو وہ اپنے ہاتھوں کو اپنے سینے کے برابر تک لے جائے۔“[1]

سیدنا وائل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پھر نبی ﷺ منبر سے نیچے اترے، میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ اترا۔ نبی ﷺ نے میرے لیے مدینہ میں ایک بہترین رہائش کا بندوبست کیا اور اس کام کی ذمہ داری سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی لگائی۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سیدنا وائل رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ لے کر چل پڑے۔ وائل رضی اللہ عنہ سواری پر سوار تھے جبکہ معاویہ رضی اللہ عنہ پیدل تھے۔ گرمی بڑی شدید تھی۔ دھوپ کی وجہ سے کنکریاں اور سنگریزے انگاروں کی طرح گرم تھے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ آپ مجھے بھی اپنے پیچھے بٹھا لیجیے۔ وائل رضی اللہ عنہ نے کہا: تم ان لوگوں میں سے نہیں جو بادشاہوں کے پیچھے سوار ہوتے ہیں۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: آپ مجھے اپنے جوتے ہی عنایت فرما دیں تاکہ میں پہن کر گرم پتھروں کی تکلیف سے بچ سکوں۔ وائل رضی اللہ عنہ نے کہا: اب میں نے جوتے پہن لیے ہیں، اس لیے نہیں دے سکتا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ان گرم پتھروں نے میرے پاؤں جلا دیے ہیں۔ انھوں نے کہا: میری اونٹنی

[1] مسند البزار 10/354، المعجم الكبير للطبراني 15/395، 423، تاريخ الخطيب 8/175، یہ حدیث ضعیف ہے۔ سلسلة الضعيفة 15500

کے سائے میں چلو، یہی تمھارے لیے بڑا شرف ہے۔

وائل رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو میں ان کے پاس حاضر ہوا۔ انھوں نے مجھے اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا اور مجھے گزشتہ واقعہ بھی یاد کرایا۔ میں نے اس موقع پر خواہش کی: کاش! میں نے اس وقت انھیں اپنے آگے بٹھایا ہوتا۔[1]

لقیط بن عامر منتفق کی آمد

امام احمد رحمہ اللہ کے بیٹے عبداللہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ عاصم بن لقیط اپنے والد لقیط سے روایت کرتے ہیں کہ میں اور میرا ایک ساتھی نہیک بن عاصم رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی غرض سے چل پڑے۔ ہم ماہ رجب کے آخر میں مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ ہم آپ ﷺ سے اس وقت ملے جب آپ نماز فجر سے فارغ ہوئے۔ اس موقع پر آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

«يا أيها الناس! ألا إني قد خبأت لكم صوتي منذ أربعة أيام، ألا لأسمعنكم، ألا فهل من امرئ بعثه قومه فقالوا: اعلم لنا ما يقول رسول الله ﷺ، ألا ثم لعله أن يلهيه حديث نفسه أو حديث صاحبه أو يلهيه الضلال، ألا إني مسؤول هل بلغت؟ ألا اسمعوا تعيشوا، ألا اجلسوا، ألا اجلسوا»

''اے لوگو! سنو میں نے چار دن سے اپنی آواز تم سے چھپائی ہوئی ہے۔ سنو! میں آج تمھیں اپنی آواز سنانا چاہتا ہوں۔ کیا یہاں کوئی ایسا شخص موجود ہے جسے اس کی قوم نے بھیجا ہو کہ ہمیں اللہ کے رسول ﷺ کی باتوں سے آگاہ کرو۔ خبردار! اسے اپنے نفس کی باتیں یا اس کے ساتھی کی باتیں یا گمراہ لوگ غافل نہ کر دیں۔ خبردار! مجھ سے پوچھا جائے گا کہ کیا میں نے پہنچا دیا ہے؟ خبردار! غور سے سنو تاکہ تم اچھی زندگی گزارو۔ بیٹھ جاؤ، بیٹھ جاؤ۔''

لقیط رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: لوگ بیٹھ گئے تو میں اور میرا ساتھی کھڑے ہوگئے۔ جب آپ ﷺ کے چشم و دل ہمارے لیے فارغ ہوگئے تو میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ کے پاس کتنا علم غیب ہے؟ آپ ﷺ یہ سن کر ہنس پڑے۔ اللہ کی قسم! آپ ﷺ نے اپنے مبارک سر کو جنبش دی اور آپ کو معلوم ہوگیا کہ میں کس کی جستجو میں ہوں۔

1 البداية والنهاية 72/5، 73، سنن الكبرى والترمذي 431/6، مسند أحمد 399/6، مزید دیکھیے مجمع الزوائد: 374/9، 375.

آپ ﷺ نے فرمایا: [illegible] ''تیرے رب نے غیب کی پانچ چابیاں کسی کو نہیں دیں۔ ان پانچ کو صرف وہی اللہ ہی جانتا ہے۔'' آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے (پانچ کا) اشارہ کیا۔

میں نے عرض کی: وہ کون سی پانچ چیزیں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''موت کا علم اور وہ جانتا ہے کہ تم میں سے کس کی موت کب ہوگی لیکن تم نہیں جانتے، اور منی جب رحم میں ہوتی ہے تو اسے اس کا پتہ ہوتا ہے لیکن تمھیں کچھ خبر نہیں ہوتی۔ کل کو جو کچھ ہونے والا ہے اس کا علم اور تم کل کیا کھانے والے ہو، اس بات کا علم جبکہ تم نہیں جانتے۔ بارش کے دن کا علم۔ وہ تم پر نظر ڈالتا ہے، تم قحط میں مبتلا ہوتے ہو، تنگی محسوس کر رہے ہوتے ہو اور خوفزدہ ہوتے ہو۔ وہ ہنس پڑتا ہے کیوں کہ وہ جانتا ہوتا ہے کہ اب تمھاری حالت جلد ہی (اچھائی میں) بدلنے والی ہے۔''

لقیط ؓ فرماتے ہیں: ہم اس رب کی بھلائی سے محروم نہیں رہیں گے جو ہنستا ہے۔

میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہمیں بھی وہ کچھ سکھائیے جو آپ دوسرے لوگوں کو سکھاتے ہیں اور وہ سب کچھ بھی جو آپ جانتے ہیں۔ ہم ان لوگوں میں سے ہیں کہ کوئی بھی ہماری بات کو سچا سمجھنے کے لیے تیار نہیں ہوگا، نہ تو مذحج میں سے جو ہم پر حکمران ہیں، نہ خثعم میں سے جن کے ساتھ ہمارا موالات کا تعلق ہے اور نہ ہمارے اپنے کنبے قبیلے میں سے (کوئی ہماری تصدیق کرے گا)۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

مدفن ميت إلا شقت القبر عنه حتى تخلفه من عند رأسه فيستوي جالسا، فيقول ربك:
مهيم؟ لما كان فيه، يقول: يا رب أمس، اليوم، ولعهده بالحياة يحسبه حديثا بأهله

''کچھ عرصہ تم اسی طرح ٹھہرو گے۔ پھر تمھارے نبی ﷺ فوت ہو جائیں گے۔ پھر تم کچھ مدت ٹھہرو گے، پھر ایک کڑک بھیجی جائے گی۔ قسم ہے تیرے معبود کی! وہ زمین کی سطح پر کسی کو نہیں چھوڑے گی۔ ہر چیز ہلاک ہو جائے گی۔ وہ فرشتے بھی مر جائیں گے جو تیرے رب کے پاس ہیں۔ تمھارا پروردگار زمین کا چکر لگائے گا۔ شہر خالی ہو چکے ہوں گے اور تیرا رب بادل کو بھیجے گا جو عرش کے پاس سے برسے گا۔ قسم ہے تیرے معبود کی! زمین پر کسی مقتول کی قتل گاہ اور مردے کی قبر ایسی نہیں رہے گی جو شق نہ ہو جائے، یہاں تک کہ وہ قبر کے سرہانے پر ہوگا اور ٹھیک ٹھاک ہو کر بیٹھ جائے گا، پھر تیرا رب اس کی حالت کی وجہ سے اس سے کہے گا: تو کتنی زندگی گزار کر آیا ہے؟ وہ کہے گا: اے میرے رب! میں کل بلکہ آج ہی فوت ہوا ہوں۔ اپنی زندگی کی یادداشتوں کی وجہ سے وہ سمجھے گا کہ وہ ابھی اپنے گھر والوں سے جدا ہوا ہے۔''

میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! جب ہوائیں، بوسیدگی اور درندے ہمیں ریزہ ریزہ کر چکے ہوں گے تو پھر رب تعالیٰ ہمیں کیسے زندہ فرمائے گا؟ نبی ﷺ نے فرمایا:

أنبئك بمثل ذلك في آلاء الله، الأرض أشرفت عليها وهي مدرة بالية، فقلت: لا تحيا
أبدا، ثم أرسل ربك عليها السماء، فلم تلبث عليك إلا أياما حتى أشرفت
عليها وهي شربة واحدة، ولعمر إلهك! لهو أقدر على أن يجمعهم من الماء على أن
يجمع نبات الأرض، فتخرجون من الأصواء ومن مصارعكم فتنظرون إليه وينظر إليكم

''میں اللہ تعالیٰ کی دوسری نعمتوں میں سے تمھارے سامنے مثال بیان کرتا ہوں۔ تم دیکھتے ہو کہ زمین بنجر ہے تو تم کہتے ہو کہ یہ کبھی آباد نہیں ہو سکتی۔ پھر رب تعالیٰ اس پر بارش برساتا ہے اور کچھ عرصہ بعد تمھارا گزر پھر اسی زمین سے ہوتا ہے تو وہ لہلہا رہی ہوتی ہے۔ تمھارے معبود کی قسم! وہ زمین کی پیداوار کو اکٹھا کرنے (اور اگانے) سے کہیں زیادہ انھیں پانی سے جمع کرنے پر قدرت رکھتا ہے، چنانچہ وہ اپنی قبروں سے نکل آئیں گے۔ تم اسے (اپنے رب کو) دیکھو گے اور وہ تمھیں دیکھے گا۔''

میں نے آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم سارے زمین والے مل کر اس ایک ذات کو اور وہ ایک ذات ہم سب کو کیسے دیکھ سکے گی؟ نبی ﷺ نے فرمایا:

آية ذلك ... أنبئك بمثل ذلك في آلاء الله عز وجل، الشمس والقمر آية منه صغيرة ترونهما
ويريانكم ساعة واحدة، لا تضارون في رؤيتهما، ولعمر إلهك لهو أقدر على أن يراكم
وترونه من أن ترونهما ويريانكم لا تضارون في رؤيتهما

''میں تمھارے سامنے اللہ کی دوسری نعمتوں سے مثال بیان کرتا ہوں۔ چاند اور سورج اس کی بہت چھوٹی سی مثالیں ہیں۔ تم آن واحد میں انھیں دیکھ سکتے ہو اور وہ تمھیں دیکھ سکتے ہیں۔ تمھیں ان کو دیکھنے میں کسی قسم کی کوئی مشقت نہیں کرنی پڑتی۔ تمھارے معبود کی قسم! وہ تمھارے بغیر مشقت کے چاند وسورج کو اور ان کے تمھیں دیکھنے سے زیادہ اس بات پر قادر ہے کہ تم اسے اور وہ تمھیں دیکھ سکے۔''

میں نے ادب سے پوچھا: اے اللہ کے رسول! جب ہم اپنے پروردگار سے ملیں گے تو وہ ہمارے ساتھ کیا سلوک کرے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

تعرضون عليه بادية له صفحاتكم لا يخفى عليه منكم خافية، فيأخذ ربك عز وجل
بيده غرفة من الماء فينضح قبيلكم بها، فلعمر إلهك ما يخطئ وجه أحدكم منها
قطرة، فأما المسلم فتدع وجهه مثل الريطة البيضاء، وأما الكافر فتخطمه بمثل الحمم
الأسود، ألا ثم ينصرف نبيكم وينصرف على أثره الصالحون فيسلكون جسرا من النار
فيطأ أحدكم الجمر فيقول: حس، يقول ربك عز وجل: أوانه، ألا فتطلعون على حوض
نبيكم على أظمإ والله ناهلة قط ما رأيتها، فلعمر إلهك ما يبسط واحد منكم يده إلا
وقع عليها قدح يطهره من الطوف والبول والأذى، وتحبس الشمس والقمر ولا ترون
منهما واحدا

''تم اس کے سامنے پیش کیے جاؤ گے۔ تمھارے چہرے اس کے سامنے عیاں ہوں گے، اس پر تمھاری کوئی بات مخفی نہ ہوگی۔ پروردگار پانی کا ایک چلو لے کر تم پر اس کا چھینٹا مارے گا۔ وہ پانی تم میں سے ہر ایک شخص تک پہنچے گا۔ مسلمان کے چہرے کو تو وہ سفید نرم و ملائم کپڑے کی طرح کر چھوڑے گا اور کافر کی ناک پر کوئلے کی طرح جا کر لگے گا۔ آگاہ ہو جاؤ! اس کے بعد تمھارے نبی (ﷺ) روانہ ہوں گے۔ ان کے پیچھے پیچھے نیک لوگ بھی چل پڑیں گے اور وہ آگ کے ایک پل پر چلیں گے، تم میں سے کسی کے پاؤں تلے

انگارا آئے گا تو وہ تکلیف سے کراہے گا۔ تمھارا پروردگار فرمائے گا: (برے عملوں کے نتیجے میں انگاروں پر چلنے کا) یہی تو وقت ہے۔ اللہ کی قسم! پھر تم لوگ اپنے نبی کے حوض پر پیاسے آؤ گے، اتنے شدید پیاسے کہ میں نے آج تک اتنا پیاسا کسی کو نہیں دیکھا۔ تمھارے معبود کی قسم! تم میں سے جو بھی اپنا ہاتھ آگے بڑھائے گا، پانی کا ایک پیالا اس کے ہاتھ میں آجائے گا جسے پینے کے بعد وہ پیشاب، پاخانہ اور ہر قسم کی گندگیوں سے پاک ہو جائے گا۔ سورج اور چاند کو معدوم کر دیا جائے گا۔ تم ان میں سے کسی کو نہ دیکھو گے۔''

میں نے پھر عرض کیا: اے اللہ کے رسول! تو پھر ہم کس کی روشنی میں دیکھیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«بمثل بصرك ساعتك هذه، وذلك مع طلوع الشمس في يوم أشرقت الأرض واجهت به الجبال»

''تم جس طرح ابھی اس وقت دیکھ رہے ہو، اسی طرح دیکھو گے، سورج طلوع ہونے سے پہلے ایک ایسے دن میں جب زمین روشن ہو اور پہاڑ نظر آ رہے ہوں۔''

راوی کہتا ہے: میں نے عرض کی: ہمیں نیکیوں اور برائیوں کا بدلہ کس طرح دیا جائے گا؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«الحسنة بعشر أمثالها والسيئة بمثلها إلا أن يعفو»

''ایک نیکی کا بدلہ دس گنا ثواب اور ایک برائی کا صرف ایک ہی گناہ ہوگا الا یہ کہ وہ معاف فرما دے۔''

میں نے کہا: جنت اور جہنم کے متعلق بھی کچھ بیان فرمائیے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

«لعمر إلهك! إن للنار لسبعة أبواب ما منهن بابان إلا يسير الراكب بينهما سبعين عاما، وإن للجنة لثمانية أبواب ما منهن بابان إلا يسير الراكب بينهما سبعين عاما»

''تیرے معبود کی قسم! جہنم کے سات دروازے ہیں، ہر دو دروازوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے کہ سوار ان دونوں کے درمیان ستر سال تک چلتا رہے۔ اور جنت کے آٹھ دروازے ہیں اور ہر دو دروازوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے کہ سوار ان کے درمیان ستر سال تک چلتا رہے۔''

میں نے عرض کی: جنت میں ہمیں کون سی نعمتیں میسر ہوں گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«على أنهار من عسل مصفى، وأنهار من كأس ما بها من صداع ولا ندامة، وأنهار من لبن لم يتغير طعمه، وماء غير آسن، وفاكهة لعمر إلهك! ما تعلمون، وخير من مثله»

[illegible]

’’خالص شہد کی نہریں، شراب کی نہریں جن سے سر درد ہوگا نہ کوئی باعث ندامت حرکت ہوگی، ایسے دودھ کی نہریں جن کا ذائقہ کبھی خراب نہ ہو اور ایسے پانی کی نہریں جو کبھی بدبودار نہ ہو۔ ایسے میوے، تمھارے معبود کی قسم! جنھیں تم نہیں جانتے اور اس سے بھی بہتر، اور پاکیزہ بیویاں ہوں گی۔‘‘

میں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کیا وہ بیویاں جو ہمیں ملیں گی، نیک ہوں گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

’’نیکوکاروں کے لیے نیک بیویاں ہی ہوں گی۔ تم ان سے اور وہ تم سے اس طرح لذت حاصل کریں گی جیسے دنیا میں تم ایک دوسرے سے لذت حاصل کرتے ہو، البتہ وہاں (دنیا کی طرح) بچے پیدا نہیں ہوں گے۔‘‘

راوی کہتا ہے: میں نے پوچھا: ہمارا سب سے افضل اور بلندترین مقام کون سا ہوگا؟ اس پر نبی ﷺ نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر میں نے عرض کیا: میں کس شرط پر آپ سے بیعت کروں؟ نبی ﷺ نے اپنا مبارک ہاتھ پھیلا کر فرمایا:

[illegible]

’’نماز قائم کرنے، زکاۃ ادا کرنے، مشرکین کو چھوڑ دینے اور اللہ کے ساتھ کسی غیر کو شریک نہ کرنے کی شرط پر۔‘‘

میں نے کہا: کیا ہمیں مشرق و مغرب کے درمیان کچھ حقوق حاصل ہوں گے؟ اس پر نبی ﷺ نے اپنا مبارک ہاتھ واپس کھینچ لیا اور یہ خیال فرمایا کہ شاید میں کوئی ایسی شرط لگانے والا ہوں جو نبی ﷺ پوری نہیں کر سکتے۔ لیکن میں نے عرض کیا کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ ہم جہاں چاہیں جا سکیں اور ہر آدمی اپنے جرم کا خود ذمہ دار ہو؟ تو نبی ﷺ نے اپنا ہاتھ پھیلا کر فرمایا:

[illegible]

’’تمھیں یہ حقوق حاصل ہیں کہ تم جہاں چاہو جا سکتے ہو اور اپنے جرم کے ذمہ دار صرف تم ہی ہو گے۔‘‘

راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد ہم واپس (اپنی قیام گاہ پر) چلے گئے۔

نبی ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

’’تیرے معبود کی قسم! یہ دونوں دنیا اور آخرت میں بڑے متقین لوگوں میں سے ہیں۔‘‘

یہ سن کر بنو عامر کے ایک آدمی لوب بن خدیج کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! یہ کون لوگ ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ بنو منتفق ہیں۔“

لقیط کہتے ہیں: بعد میں دوبارہ واپس آیا اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! زمانہ جاہلیت میں فوت ہو جانے والوں میں بھی کوئی خیر ہے؟ اس پر قریش کا ایک آدمی کہنے لگا: تمھارا باپ منتفق جہنم میں ہے۔ اس نے میرے والد کے متعلق سب لوگوں کے سامنے جو بات کی اس سے مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میری کھال، چہرے اور گوشت میں کسی نے آگ لگا دی ہے۔ میں نے سوچا کہ کہہ دوں: اے اللہ کے رسول! آپ کے والد کہاں ہیں؟ لیکن پھر میں نے ایک مناسب جملہ سوچ کر کہا: یا رسول اللہ! آپ کے اہل خانہ کہاں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”میرے اہل خانہ کا بھی یہی حکم ہے۔ اللہ کی قسم! تم کسی مشرک عامری یا قریشی کی قبر پر جاؤ تو اس سے کہو: مجھے تیرے پاس محمد (ﷺ) نے بھیجا ہے۔ میں تجھے اس بات کی خبر دوں جو تیرے لیے تکلیف دہ ہے۔ تو اپنے چہرے اور پیٹ کے بل جہنم میں گھسیٹا جائے گا۔“

راوی بیان کرتا ہے: میں نے آپ ﷺ سے وضاحت پوچھی: اے اللہ کے نبی! ان کے ساتھ ایسا سلوک کیوں ہوگا، حالانکہ وہ یہی کچھ کیا کرتے تھے اور وہ سمجھتے تھے کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

”ان کے ساتھ یہ سلوک اس لیے ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ہر سات امتوں کے آخر میں ایک نبی مبعوث فرماتا ہے۔ پس جو اپنے نبی کی نافرمانی کرتا ہے، وہ گمراہوں میں سے ہو جاتا ہے اور جو اپنے نبی کی اطاعت کرتا ہے، وہ ہدایت یافتہ لوگوں میں سے ہو جاتا ہے۔“[1]

زیاد بن حارث صدائی رضی اللہ عنہ

زیاد بن حارث صدائی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت اسلام کی۔ مجھے پتہ چلا کہ آپ ﷺ نے میری قوم کی طرف ایک لشکر روانہ کیا ہے۔ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اپنا لشکر واپس بلا لیجیے، میں اپنی قوم کے اسلام اور اطاعت کا ضامن ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: [illegible] ”جاؤ، پھر انھیں واپس بلا لاؤ۔“ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میری اونٹنی لاغر ہو چکی

1 [illegible] 16206 [illegible] 19-211 [illegible] یہ حدیث ضعیف ہے۔

ہے۔ آپ ﷺ نے آدمی بھیج کر لشکر کو واپس بلا لیا۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے عمرۂ جعرانہ کے بعد سیدنا قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو چار سو آدمیوں کے ساتھ قبیلہ صداء پر لشکر کشی کے لیے بھیجا۔ وہاں کے لوگوں نے اپنا ایک آدمی بھیجا جس نے رسول اللہ ﷺ سے آ کر عرض کی کہ آپ اپنا لشکر واپس بلا لیجیے، میں اپنی قوم کے اسلام کی ضمانت دیتا ہوں۔ چنانچہ بعد میں 15 آدمیوں کا وفد آیا اور حجۃ الوداع کے موقع پر اس خاندان کے 100 افراد نے نبی ﷺ کی معیت میں حج بھی کیا۔[1]

زیاد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے اپنی قوم کو خط لکھا۔ خط پڑھتے ہی وہ مسلمان ہو کر وفد کی صورت میں دربار رسالت میں حاضر ہوئے۔

طبقات ابن سعد میں ہے کہ یہ کل پندرہ افراد تھے۔ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ان لوگوں کی مہمان نوازی کا موقع مجھے دیجیے۔ چنانچہ وہ سعد رضی اللہ عنہ کے ہاں ٹھہرے۔ سعد نے انھیں عطیات دیے، ان کی عزت افزائی کی اور انھیں خوبصورت لباس دیے اور پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے آئے۔ چنانچہ یہ سب مسلمان ہو گئے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر اس خاندان کے 160 افراد نے نبی ﷺ کے ساتھ حج بھی کیا۔[2]

رسول اللہ ﷺ نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

«یَا أَخَا صُدَاءٍ! إِنَّكَ لَمُطَاعٌ فِي قَوْمِكَ»

”اے صدائی! واقعی تمھاری قوم تمھارا حکم مانتی ہے۔“

زیاد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ نے اسلام کی طرف ان کی رہنمائی فرمائی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «أَفَلَا أُؤَمِّرُكَ عَلَيْهِمْ» ”کیا میں تمھیں تمھاری قوم کا سردار نہ بنا دوں؟“ میں نے کہا: کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول! بنا دیجیے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے میرے لیے ایک خط لکھا اور مجھے امیر بنا دیا۔ پھر میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! مجھے ان کے صدقات کے بارے میں حکم فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”بہت اچھا۔“ اور پھر آپ ﷺ نے میرے لیے ایک اور خط لکھا۔

زیاد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک دفعہ آپ ﷺ اپنے کسی سفر پر تھے۔ آپ نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا۔ اس بستی کے لوگ آپ ﷺ کے پاس اپنے عامل کی شکایت لے کر آئے۔ انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہمارے اور اس کی

1 زاد المعاد: 289/2، 2 الطبقات لابن سعد: 326/1.

قوم کے درمیان دورِ جاہلیت میں جو چپقلش تھی، اس کی وجہ سے اس نے ہماری گرفت کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «أَوَ فَعَلَ ذٰلِكَ؟» ''کیا واقعی اس نے ایسا کیا ہے؟'' انھوں نے کہا: جی ہاں۔ نبی ﷺ اپنے صحابہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ میں بھی ان میں موجود تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «لَا خَيْرَ فِي الْإِمَارَةِ لِرَجُلٍ مُؤْمِنٍ» ''ایک مومن آدمی کے لیے امارت و سرداری میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔''

زیاد بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کی یہ بات میرے دل میں اتر گئی۔ اسی دوران میں ایک اور شخص حاضر خدمت ہوا اور اس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! مجھے عطا فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ سَأَلَ النَّاسَ عَنْ ظَهْرِ غِنًى فَصُدَاعٌ فِي الرَّأْسِ وَدَاءٌ فِي الْبَطْنِ»

''جو شخص مالدار ہونے کے باوجود سوال کرتا ہے تو یہ سر درد اور پیٹ کی بیماری ہے۔''

سائل نے کہا: مجھے صدقے سے کچھ عطا کر دیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ لَمْ يَرْضَ فِيهَا بِحُكْمِ نَبِيٍّ وَلَا غَيْرِهِ فِي الصَّدَقَاتِ حَتّٰى حَكَمَ فِيهَا فَجَزَّأَهَا ثَمَانِيَةَ أَجْزَاءٍ فَإِنْ كُنْتَ مِنْ تِلْكَ الْأَجْزَاءِ أَعْطَيْتُكَ حَقَّكَ»

''اللہ تعالیٰ صدقات کے بارے میں اپنے نبی اور کسی دوسرے آدمی کے فیصلے سے راضی نہیں ہوا، یہاں تک کہ اس نے خود ان کے بارے میں فیصلہ کیا اور ان کے آٹھ حصے کیے ہیں۔ اگر تو انھی (آٹھ) حقداروں میں سے ہے تو میں تجھے تیرا حق ضرور دوں گا۔''

زیاد صدائی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس بات سے بھی میرے دل پر اثر ہوا اور میں نے سوچا کہ میں مالدار ہوں اور پھر بھی میں نے نبی ﷺ سے صدقے کے بارے میں سوال کیا ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ رات کے ابتدائی حصے میں چلے تو میں آپ کے ساتھ ہو لیا۔ دوسرے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کبھی آپ ﷺ سے دور بھی ہو جاتے تھے لیکن میں آپ ﷺ کے ساتھ ہی رہتا تھا۔ چنانچہ جب صبح کی نماز کا وقت قریب ہوا تو آپ ﷺ نے مجھے اذان دینے کا حکم دیا۔ میں نے اذان دی اور کہا: اے اللہ کے رسول! میں اقامت کہوں؟ آپ ﷺ نے یہ دیکھنے کے لیے کہ فجر طلوع ہوئی ہے یا نہیں، مشرق کی طرف نظر کی اور فرمایا: ''ابھی نہیں۔'' جب فجر طلوع ہو گئی تو آپ ﷺ قضائے حاجت کے لیے باہر تشریف لے گئے، جب واپس اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت میں پہنچے تو آپ ﷺ نے فرمایا

«هَلْ مِنْ مَاءٍ يَا أَخَا صُدَاءٍ؟»

''اے صدائی! تمھارے پاس کچھ پانی ہے؟''

میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہے تو سہی مگر بہت کم ہے۔ آپ کے لیے کافی نہیں ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اجعله في إناء ثم ائتني به" "وہ پانی کسی برتن میں ڈال کر میرے پاس لے آؤ۔" میں نے حکم کی فوراً تعمیل کی اور پانی برتن میں ڈال کر آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ ﷺ نے اپنی بابرکت ہتھیلی اس برتن کے اندر رکھی۔ میں نے دیکھا کہ آپ کی مبارک انگلیوں سے چشمے کی صورت میں پانی پھوٹ رہا تھا۔ اس وقت آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لولا أني أستحيي من ربي لسقينا واستقينا، ناد في أصحابي من له حاجة في الماء"

"اگر مجھے اپنے رب سے شرم محسوس نہ ہوتی تو ہم ضرور پانی پیتے اور ذخیرہ بھی کرتے۔ میرے صحابہ کرام میں اعلان کردو: جسے پانی کی ضرورت ہو، وہ آ جائے۔"

میں نے اعلان کیا۔ چنانچہ جسے جتنی ضرورت تھی، اس نے وہاں سے فیض حاصل کیا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو بلال رضی اللہ عنہ نے اقامت کہنی چاہی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "إن أخا صداء هو أذن، ومن أذن فهو يقيم" "صدائی باشندے نے اذان کہی تھی اور جو شخص اذان دے، وہی تکبیر کہے۔"

زیاد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اقامت کہی۔ جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو میں آپ کے پاس دونوں خط لایا اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! مجھے ان دونوں باتوں سے معاف فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "ما بدا لك" "تم پر کیا واضح ہوا ہے؟" میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ایک مومن کے لیے امارت و سرداری میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔ اور میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہوں۔ مزید میں نے سائل کے متعلق آپ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص تونگری کے باوجود لوگوں سے سوال کرتا ہے تو یہ سر درد اور پیٹ کی بیماری ہے۔ اور میں نے آپ سے سوال کیا ہے، حالانکہ میں مال دار ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "هو ذاك، فإن شئت فاقبل، وإن شئت فدع" "ہاں یہ بات تو ہے۔ اب یہ تمھاری مرضی ہے، چاہو تو قبول کرو اور چاہو تو اسے چھوڑ دو۔" میں نے کہا: میں یہ سب نہیں لینا چاہتا۔ نبی ﷺ نے مجھ سے فرمایا: "فدلني على رجل أؤمره عليكم" "پھر مجھے تم کوئی ایسا مناسب شخص بتاؤ جسے میں تم لوگوں کا سردار مقرر کردوں۔"

چنانچہ میں نے اہل وفد میں سے ایک شخص کے بارے میں بتایا تو آپ ﷺ نے اسے ہمارا امیر مقرر کر دیا۔

زیاد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: پھر میں نے نبی ﷺ سے عرض کی: اے اللہ کے نبی! ہمارا ایک کنواں ہے، سردیوں میں تو ہمارے لیے اس کا پانی کافی ہو جاتا ہے، البتہ جب گرمیاں آتی ہیں تو کنویں کا پانی کم پڑ جاتا ہے جس کی وجہ

سے ہمیں اپنے گرد و نواح کے چشموں کا رخ کرنا پڑتا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ ہم مسلمان ہو چکے ہیں۔ ہمارے اردگرد کے قبائل ہمارے دشمن ہیں۔ آپ سے گزارش ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ سے ہمارے کنویں کے پانی کی برکت کے لیے دعا فرما دیجیے کہ پانی ہمیں کافی ہو جائے، ہمیں دوسرے علاقوں کی طرف نہ جانا پڑے اور جمعیت قائم رہے۔ آپ ﷺ نے سات سنگریزے منگوائے اور انھیں اپنے مبارک ہاتھ میں ملا اور ان میں برکت کی دعا کی۔ پھر فرمایا:

«اذهبوا بهذه الحصيات فإذا أتيتم البئر فألقوها واحدة واحدة واذكروا اسم الله عز وجل»

''یہ کنکر لے جاؤ۔ جب تم کنویں کے پاس جاؤ تو اللہ کا نام لے کر یہ ایک ایک کر کے کنویں میں ڈال دو۔''

زیاد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم نے آپ کے حکم کے مطابق کنکر کنویں میں پھینکے، چنانچہ کنویں کا پانی اس قدر بڑھ گیا کہ ہم پھر کبھی اس کی گہرائی نہیں دیکھ سکے۔[1]

حارث بن حسان بکری رضی اللہ عنہ کی آمد

مسند احمد میں ابو وائل، حارث بن حسان بکری سے بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سیدنا علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کی شکایت لے کر گیا۔ جب میں ربذہ سے گزرنے لگا تو میں نے دیکھا کہ بنو تمیم کی ایک بڑھیا وہاں الگ تھلگ بیٹھی ہوئی ہے۔ اس نے مجھ سے کہا: اے اللہ کے بندے! مجھے رسول اللہ ﷺ سے کام ہے، کیا تم مجھے ان تک پہنچا سکتے ہو؟ چنانچہ میں اسے سوار کر کے مدینہ لے آیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ مسجد لوگوں سے اٹی ہوئی ہے، ایک سیاہ جھنڈا لہرا رہا ہے اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہ تلوار سونتے رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کی غرض سے سامنے کھڑے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ یہاں کیا ماجرا ہے؟ انھوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو

[1] دلائل النبوة للبيهقي 5/355- 357، المعجم الكبير للطبراني 5/218، البداية والنهاية 5/74، 75.



ربذہ (صوبہ مدینہ منورہ) کے آثار

کہیں لشکر کشی کرنے کے لیے بھیج رہے ہیں۔ میں وہاں بیٹھ گیا۔ رسول اللہ ﷺ اپنے گھر تشریف لے گئے۔ میں نے آپ ﷺ سے گھر داخل ہونے کی اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے مجھے اجازت مرحمت فرما دی۔ میں نے داخل ہو کر سلام عرض کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے وضاحت طلب کرتے ہوئے فرمایا:

هل كان بينكم وبين بني تميم شيء؟

''کیا تمھارے اور بنو تمیم کے درمیان کوئی چپقلش چل رہی ہے؟''

میں نے عرض کیا: جی ہاں، لڑائی بھی ہوئی ہے اور ہمیں ان پر فتح حاصل ہوئی ہے۔ ابھی جب میں ادھر آ رہا تھا تو میرا گزر ایک تمیمی بڑھیا کے پاس سے ہوا جو وہاں الگ بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے مجھ سے عرض کی کہ کیا تم مجھے سوار کر کے نبی ﷺ کے پاس لے جاؤ گے؟ چنانچہ میں اسے یہاں لے آیا ہوں اور وہ باہر دروازے پر بیٹھی ہوئی ہے۔ آپ ﷺ نے اسے اجازت دے دی تو وہ بھی اندر آ گئی۔ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اگر آپ ہمارے اور بنو تمیم کے درمیان کوئی روک بنانا چاہتے ہیں تو ریگستان دہناء کو بنا دیجیے۔ یہ سن کر بڑھیا غصے میں آ گئی اور اٹھنے کے لیے تیار ہوئی اور کہنے لگی: یا رسول اللہ! آپ کا مضر قبیلہ کہاں مجبور ہوگا؟

حارث کہتے ہیں: میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں اس بڑھیا کو اپنے ساتھ لایا ہوں، مجھے کیا خبر تھی کہ یہی مجھ سے جھگڑنے لگ جائے گی۔ میں اس بات سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں کہ میں عاد کے قاصد کی طرح ہو جاؤں۔ نبی ﷺ نے دریافت فرمایا: ''عاد کے قاصد کا کیا معاملہ ہے؟'' میں نے عرض کیا: آپ نے ایک باخبر آدمی سے پوچھا ہے۔ یہ جملہ سن کر سلام رضی اللہ عنہ کہنے لگے: یہ احمق آدمی ہے جو نبی ﷺ سے کہہ رہا ہے کہ آپ نے ایک باخبر آدمی سے پوچھا ہے۔ لیکن نبی ﷺ نے فرمایا: ''تم بیان کرو۔'' حالانکہ آپ اس کے متعلق خوب جانتے تھے لیکن آپ ﷺ پوری بات سن کر اس کلام سے لطف اندوز ہونا چاہتے تھے۔ میں نے کہا: عاد قحط میں مبتلا کر دیے



ریگستان الدہناء (سعودی عرب)



ظفار (عمان) میں احقاف کے ٹیلوں سے برآمد شدہ قوم عاد کی عمارت

گئے تو انھوں نے قیل بن عنزہ کو مکہ بھیجا کہ وہ وہاں جاکر ان کے لیے بارش طلب کرے، چنانچہ قیل بن عنزہ کا گزر معاویہ بن بکر کے پاس سے ہوا تو وہ ایک مہینہ اس کا مہمان بن کر ٹھہرا رہا۔ وہاں اسے شراب پیش کی جاتی اور دو رقاصائیں اس کے سامنے رقص کرتی رہتیں۔ جب ایک مہینہ گزر گیا تو وہ باہر نکلا اور بڑا غمگین ہوا۔ اس نے قوم عاد کے لیے بارش طلب کی تو چند بادل آئے۔ اس نے ان میں سے سیاہ بادل کا انتخاب کیا تو آواز دی گئی کہ اسے اس حال میں لے لو کہ یہ جلی ہوئی راکھ ہے، جو عاد میں سے کسی کو نہیں چھوڑے گی۔

راوی بیان کرتا ہے: مجھے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر اتنی ہوا بھیجی جتنی میری اس انگوٹھی میں چلتی ہے، حتی کہ وہ سب کے سب ہلاک ہو گئے۔

جامع ترمذی کی روایت سے مزید واضح ہو جاتا ہے کہ یہی لوگ تھے جن پر ﴿الرِّيحَ الْعَقِيمَ﴾ ''نسل کاٹنے والی آندھی'' کا عذاب نازل ہوا تھا۔[1]

ابو وائل کہتے ہیں: پھر یہ شخص ضرب المثل بن گیا، چنانچہ جب بھی کوئی مرد یا عورت کسی کو قاصد بنا کر بھیجتے تو کہتے: ''دیکھنا کہیں عادیوں کے قاصد کی طرح نہ بن جانا۔''[2]

عبدالرحمٰن بن ابی عقیل ثقفی کی آمد

عدنانی قبیلہ ہوازن کی شاخ بنو ثقیف کا جد امجد ثقیف بن منبہ بن بکر بن ہوازن تھا۔ مستدرک حاکم میں سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی عقیل ثقفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ثقیف کے ایک وفد کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ہم نے دروازے پر اپنے اونٹ باندھ دیے۔ ہم جس آدمی (محمد ﷺ) کے پاس گئے، ہمارے نزدیک وہ تمام لوگوں سے بڑھ کر ناپسندیدہ تھا۔ لیکن جب ہم واپس آئے تو سب سے بڑھ کر آپ ﷺ ہمارے نزدیک محبوب تھے۔ راوی بیان کرتا ہے کہ ہم میں سے ایک شخص نے آپ ﷺ سے عرض کی: اے اللہ کے رسول!

[1] جامع الترمذي: 3273. [2] مسند أحمد: 482/3، حديث: 16050، البداية والنهاية: 76,75/5، سبل الهدى والرشاد: 318/6.

آپ نے اپنے رب سے سلیمان ﷺ کی طرح بادشاہت کی طرح بادشاہی نہیں مانگی؟ آپ ﷺ ہنس پڑے اور فرمایا:

لعل لصاحبكم عند الله أفضل من ملك سليمان، إن الله لم يبعث نبيا إلا أعطاه دعوة، فمنهم من اتخذ بها دنيا فأعطيها، ومنهم من دعا بها على قومه إذ عصوه فأهلكوا بها، وإن الله أعطاني دعوة فاختبأتها عند ربي شفاعة لأمتي يوم القيامة

''شاید کہ تمھارے ساتھی کے لیے اللہ کے ہاں سلیمان (ﷺ) کی بادشاہت سے افضل ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو ایک (قبول ہونے والی) دعا کا اختیار دیا ہے۔ ان میں سے کسی نے اسے دنیا کے لیے خاص کیا تو اللہ نے انھیں دنیا عطا فرما دی، اور کسی نے اپنی قوم کے خلاف جب قوم نے ان کی نافرمانی کی، بد دعا کی تو وہ اس سے ہلاک ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی ایک دعا عطا فرمائی ہے اور میں نے اسے اپنے رب کے پاس قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کے لیے ذخیرہ کر رکھا ہے۔''[1]

فروہ بن عمرو جذامی کے قاصد کی آمد

فروہ بن عمرو جذامی قیصرِ روم کی طرف سے معان اور اس کے گرد ونواح کے شامی علاقوں پر گورنر تھا۔ اس کی رہائش معان میں تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف دعوتی مراسلہ روانہ فرمایا تھا جس کے نتیجے میں یہ مسلمان ہو گیا اور اس نے مسعود بن سعد جذامی کو رسول اللہ ﷺ کی طرف اپنا قاصد بنا کر اپنے اسلام قبول کرنے کی خبر دی۔ یہ قاصد بھی مسلمان ہو گیا اور اس نے شرف صحابیت حاصل کیا۔ فروہ نے آپ ﷺ کی طرف چند تحائف بھی بھیجے تھے جن میں فضہ نامی سفید خچر، ایک گھوڑا جس کا نام ظرب تھا، ایک یعفور نامی گدھا، کچھ کپڑے اور ایک قبا تھی۔ آپ ﷺ نے یہ ہدیے قبول فرما لیے۔ آپ ﷺ نے قاصد کو بارہ اوقیے چاندی عطا فرمائی۔ جب رومیوں کو فروہ کے اسلام کی خبر ہوئی تو انھوں نے انھیں گرفتار کر کے قید کر دیا اور پھر بعد میں فلسطین میں عفریٰ نامی چشمے کے قریب انھیں سولی دے دی۔

انھوں نے تختہ دار پر لٹکتے ہوئے درج ذیل شعر پڑھا:

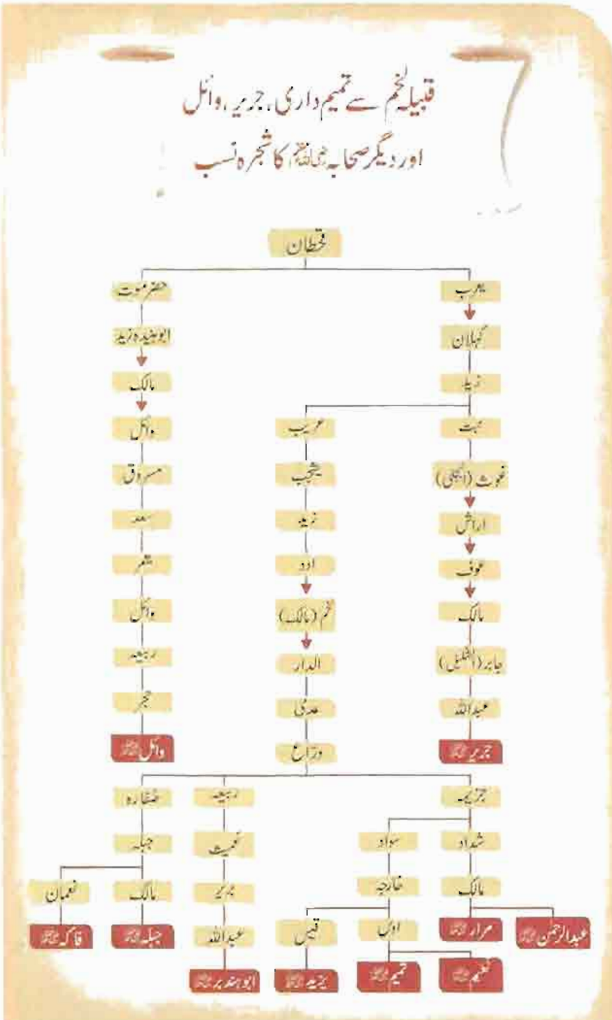
بلغ سراة المسلمين بأنني　　　سلم لربي أعظمي ومقامي

''مسلمانوں کے سرداروں کو اطلاع کر دو کہ میں نے اپنی ہڈیاں اور اپنا مقام اپنے رب کے سپرد کر دیا ہے۔''[2]

1 المستدرك للحاكم: 138/1، دلائل النبوة للبيهقي: 358/5، البداية والنهاية: 76/5 2 البداية والنهاية: 78,77/5، شرح الزرقاني: 192,191/5، أسد الغابة: 395/2.

تمیم داری رضی اللہ عنہ کی آمد

صحیح مسلم میں تمیم داری رضی اللہ عنہ کی آمد اور بیعت اسلام کا واقعہ موجود ہے۔[1] ان کی کنیت ابو رقیہ اور نام تمیم بن اوس بن خارجہ تھا۔ ان کا تعلق قبیلہ لخم سے تھا۔ یہ نصرانی تھے۔ 9 ھ میں اپنی قوم بنو دار کے ساتھ مدینہ آئے۔ اس وفد میں ان کے ساتھ ہانی بن حبیب، فاکہ بن نعمان، جبلہ بن مالک، ابو ہند بر، نعیم بن اوس (بھائی تمیم داری رضی اللہ عنہ)، یزید بن قیس، عبدالرحمٰن بن مالک اور مرہ بن مالک تھے۔ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تحفے بھی پیش کیے۔ جب یہ لوگ جانے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کے لیے بہت سے تحفے، گھر اور جائیداد دی۔ سیدنا تمیم داری رضی اللہ عنہ اسلام قبول کرنے کے بعد مدینہ منورہ میں رہے اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد شام منتقل ہو گئے۔[2]



جساسہ کا واقعہ

سیدہ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی کی آواز سنی، وہ لوگوں کو نماز کے لیے پکار رہے تھے۔ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز ادا کی۔ میں عورتوں کی سب سے اگلی صف میں تھی۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا رہے تھے۔ آپ نے اعلان فرمایا: «لِيَلْزَمْ كُلُّ إِنْسَانٍ مُصَلَّاهُ» ”ہر شخص اپنی جگہ پر بیٹھا رہے۔“ پھر ارشاد فرمایا: «هَلْ تَدْرُونَ لِمَ جَمَعْتُكُمْ؟»

1 صحیح مسلم: 2942. 2 اسد الغابۃ: 1/215، الاستیعاب، ص: 58.

”کیا آپ لوگ جانتے ہیں کہ میں نے آپ کو یہاں کیوں جمع کیا ہے؟“ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اللہ اور اس کے رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

«إني واللہ ما جمعتكم لرغبة ولا لرهبة، ولكن جمعتكم لأن تميما الداري كان رجلا نصرانيا فجاء فبايع وأسلم وحدثني حديثا وافق الذي كنت أحدثكم عن مسيح الدجال»

”اللہ کی قسم! میں نے تمھیں کسی بات کی رغبت دلانے یا ڈرانے کے لیے جمع نہیں کیا۔ میں نے تمھیں صرف اس لیے جمع کیا ہے کہ تمیم داری جو ایک نصرانی آدمی تھے، وہ آئے ہیں۔ انھوں نے اسلام پر بیعت کی اور مسلمان ہوگئے۔ انھوں نے مجھے ایک بات بتائی ہے جو اس خبر کے عین موافق ہے جو میں تمھیں دجال کے بارے میں پہلے ہی بتا چکا ہوں۔“

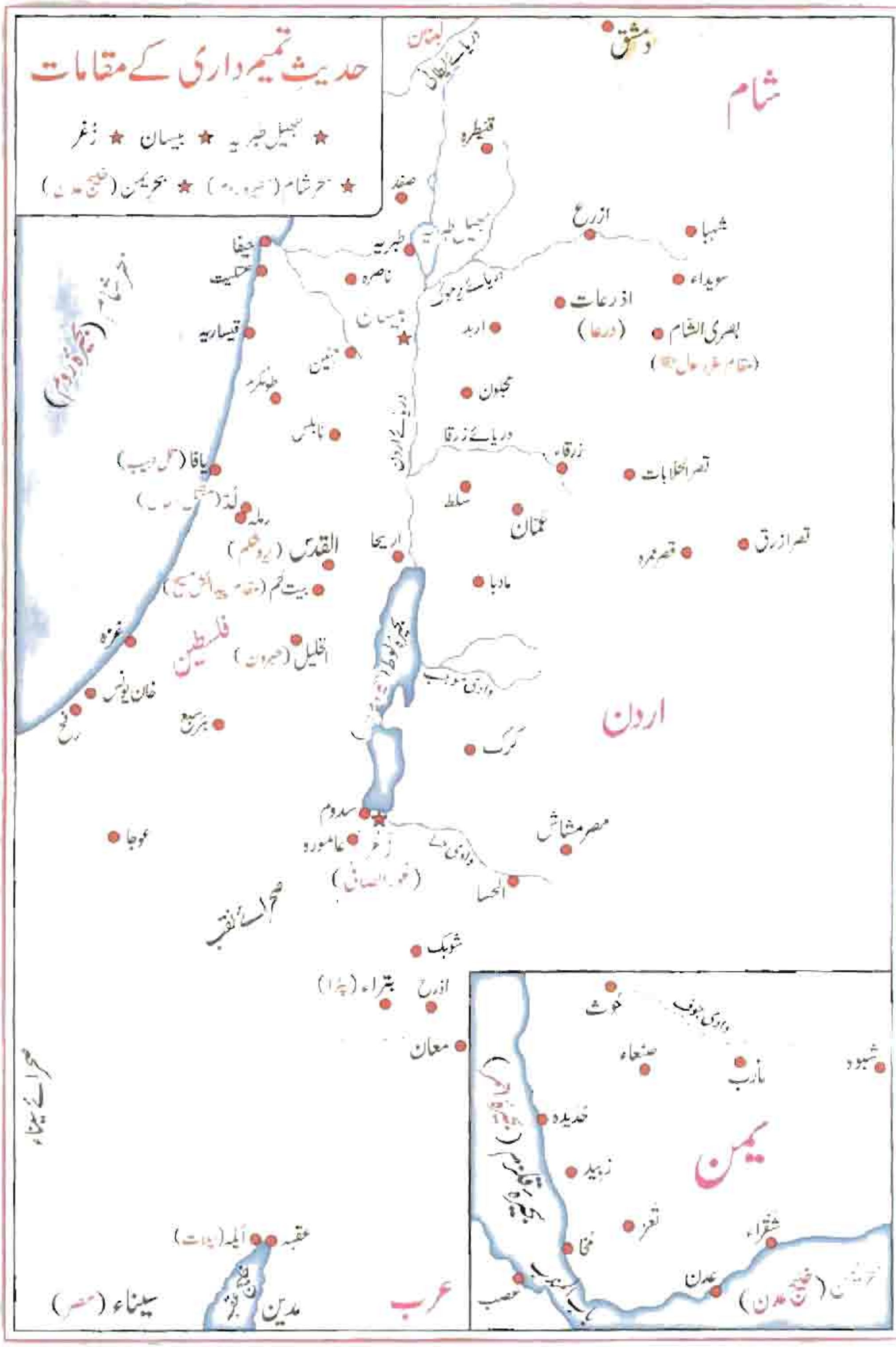
اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ انھوں نے مجھے بتایا ہے کہ وہ بنولخم اور بنوجذام کے تیس آدمیوں کے ساتھ ایک بحری کشتی میں سوار ہوئے۔ انھیں ایک ماہ تک سمندری موجیں دھکیلتی رہیں، پھر وہ سمندر میں ایک جزیرے کے پاس پہنچے۔ اس وقت سورج غروب ہو چکا تھا۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم چھوٹی کشتیوں پر سوار ہو کر جزیرے میں داخل ہوگئے۔ ہمیں وہاں ایک جانور ملا جو موٹے اور گھنے بالوں والا تھا، اس کے جسم پر بال اتنے کثرت سے تھے کہ ہمیں اس کا اگلا پچھلا حصہ معلوم نہیں ہو سکا۔ ہم نے اس سے کہا: تیرے لیے ہلاکت ہو! تو کون ہے؟ اس نے کہا: میں جساسہ ہوں۔ ہم نے کہا: جساسہ کیا ہے؟ اس نے کہا: تم اس آدمی کی طرف گرجے میں چلو، وہ تمھارے ساتھ ملاقات کے لیے بے تاب ہے۔ چنانچہ ہم اس کی طرف جلدی سے چل پڑے۔ ہم گھبرائے ہوئے تھے۔ ہمیں خوف تھا کہ وہ کوئی شیطان جن نہ ہو۔ ہم اس کے پاس پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہاں ایک عظیم الجثہ انسان تھا۔ ہم نے اتنا بڑا انسان کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ بڑی مضبوطی سے گردن کے ساتھ بندھے ہوئے تھے۔ ٹخنوں سے لے کر گھٹنوں تک لوہے کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ ہم نے کہا: تیرے لیے تباہی ہو! تو کون ہے؟ اس نے کہا: تم میری خبر معلوم کرنے پر قادر ہو ہی گئے ہو تو تم ہی بتاؤ کہ تم کون ہو؟ انھوں نے کہا: ہم عرب کے لوگ ہیں۔ ہم بحری جہاز میں سوار ہوئے تو ہم نے سمندر کو جوش میں پایا۔ سمندر کی موجیں ہمارے ساتھ ایک ماہ تک کھیلتی رہیں اور ہمیں تمھارے اس جزیرے تک پہنچا دیا۔ ہم چھوٹی کشتیوں میں سوار ہو کر اس جزیرے کے پاس آئے اور اس میں داخل ہوگئے۔ ہمیں ایک موٹے اور گھنے بالوں والا جانور ملا، جس نے بالوں کی کثرت کی وجہ سے ہم اس کے چہرے اور پیٹھ کو پہچان نہیں سکے۔ ہم نے اس سے کہا: تیری

ہلاکت ہو! تو کون ہے؟ تو اس نے ہمیں بتایا کہ میں جساسہ ہوں۔ جب ہم نے اس سے پوچھا کہ جساسہ کیا ہوتا ہے تو اس نے کہا: تم گرجے میں اس آدمی کے پاس جاؤ، وہ تمھارے بارے میں جاننے کے لیے بہت بے تاب ہے۔ ہم جلدی سے تیرے پاس آ گئے، ہم گھبرائے ہوئے تھے کہ وہ کوئی شیطان جن ہوگا۔

پھر اس (جکڑے ہوئے عظیم الجثہ انسان) نے کہا: مجھے بیسان کے باغ کے متعلق بتاؤ؟ ہم نے کہا: اس کے متعلق کیا بتائیں؟ اس نے کہا: کھجوروں کے درخت کے متعلق بتاؤ، کیا وہ پھل دے رہے ہیں؟ ہم نے کہا: ہاں، وہ پھل دے رہے ہیں۔ اس نے کہا: عنقریب ایسا وقت آنے والا ہے کہ وہ پھل نہیں دیں گے۔ پھر اس نے کہا: مجھے بحیرہ طبریہ کے متعلق بتاؤ۔ ہم نے کہا: اس کے متعلق کیا بتائیں؟ تو اس نے کہا کیا اس میں پانی ہے؟ ہم نے کہا ہاں، اس میں پانی کثرت سے موجود ہے۔ اس نے کہا: عنقریب اس کا سارا پانی ختم ہو جائے گا۔ پھر اس نے کہا: مجھے زغر کے چشمے کے متعلق کچھ بتاؤ؟ ہم نے کہا: اس کے متعلق کیا بتائیں؟ اس نے کہا: کیا اس چشمے کے پانی سے لوگ کھیتی باڑی کرتے ہیں؟ ہم نے کہا: ہاں، یہ ایک بہت زیادہ پانی والا چشمہ ہے اور وہاں کے لوگ اس کے پانی سے کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ پھر اس نے کہا: مجھے امیوں کے نبی کے بارے میں بتاؤ، وہ کیا کرتے ہیں؟ ہم نے کہا: وہ مکہ سے چلے گئے ہیں، اب وہ مدینہ میں مقیم ہیں۔ اس نے کہا: کیا اہل عرب نے ان سے جنگ کی ہے؟ ہم نے کہا: ہاں۔ اس نے کہا: اس نبی نے اہل عرب کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے؟ ہم نے اسے بتایا کہ وہ اپنے ملحقہ حدود کے عرب پر غالب آ چکے ہیں اور وہاں کے لوگوں نے ان کی اطاعت اختیار کر لی ہے۔ اس نے حیران ہو کر پوچھا: کیا واقعی ایسا ہو چکا ہے؟ ہم نے کہا: ہاں۔ اس نے کہا: ان کے حق میں یہی بہتر ہے کہ وہ ان کے تابع فرمان ہو جائیں۔ اور میں تمھیں

بیسان (فلسطین)





حدیث تمیم داری کے مقامات
★ بحیرۂ طبریہ ★ بیسان ★ زغر
★ بحرِ شام ★ بحرِ یمن
دمشق
شام
قنیطرہ
صفد
طبریہ
ازرع
شہبا
حیفا
عتلیت
ناصرہ
سویداء
اذرعات
(درعا)
بصری الشام
قیساریہ
اربد
جنین
مجلون
نابلس
دریائے زرقا
زرقاء
یافا
قصر الحلابات
سلط
عمان
القدس
اریحا
قصر ازرق
بیت لحم
مادبا
غزہ
فلسطین
الخلیل (حبرون)
خان یونس
بئر سبع
اردن
کرک
سدوم
عامورہ
مصر مشاش
عوجا
الحسا
صحرائے نقب
شوبک
بتراء
اذرح
معان
عقبہ
ایلہ
سیناء (مصر)
مدین
عرب
خوش
صنعاء
مارب
شبوہ
حدیدہ
زبید
یمن
تعز
مخا
شقراء
عدن
(خلیج عدن)

اپنے بارے میں خبر دیتا ہوں کہ میں مسیح دجال ہوں، عنقریب مجھے نکلنے کی اجازت دے دی جائے گی۔ میں زمین میں نکلوں گا اور اس کے چکر لگاؤں گا۔ اور چالیس راتوں میں ہر جگہ جاؤں گا ما سوائے مکہ اور مدینہ کے کیونکہ ان دونوں بستیوں میں میرے لیے داخل ہونا حرام کر دیا گیا ہے۔ میں جب بھی ان میں داخل ہونے کی کوشش کروں گا تو ایک فرشتہ جس کے ہاتھ میں تیز تلوار ہوگی، مجھے روکے گا۔ اور ان کی ہر گھاٹی پر فرشتے پہرے دار ہوں گے۔

سیدہ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی انگلی کو منبر پر چبھویا اور فرمایا:

«هٰذِهِ طَيْبَةُ، هٰذِهِ طَيْبَةُ، هٰذِهِ طَيْبَةُ»

''یہ طیبہ ہے، یہ طیبہ ہے، یہ طیبہ ہے۔''

آپ ﷺ کی مراد مدینہ تھی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَلَا هَلْ كُنْتُ حَدَّثْتُكُمْ ذٰلِكَ؟»

''کیا میں نے تمھیں یہ باتیں پہلے ہی بیان نہ کر دی تھیں؟''

لوگوں نے عرض کی: جی ہاں، آپ نے کر دی تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«فَإِنَّهُ أَعْجَبَنِي حَدِيثُ تَمِيمٍ، أَنَّهُ وَافَقَ الَّذِي كُنْتُ أُحَدِّثُكُمْ عَنْهُ وَعَنِ الْمَدِينَةِ وَمَكَّةَ، أَلَا إِنَّهُ فِي بَحْرِ الشَّامِ أَوْ بَحْرِ الْيَمَنِ، لَا بَلْ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ مَا هُوَ، مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ مَا هُوَ، مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ مَا هُوَ»

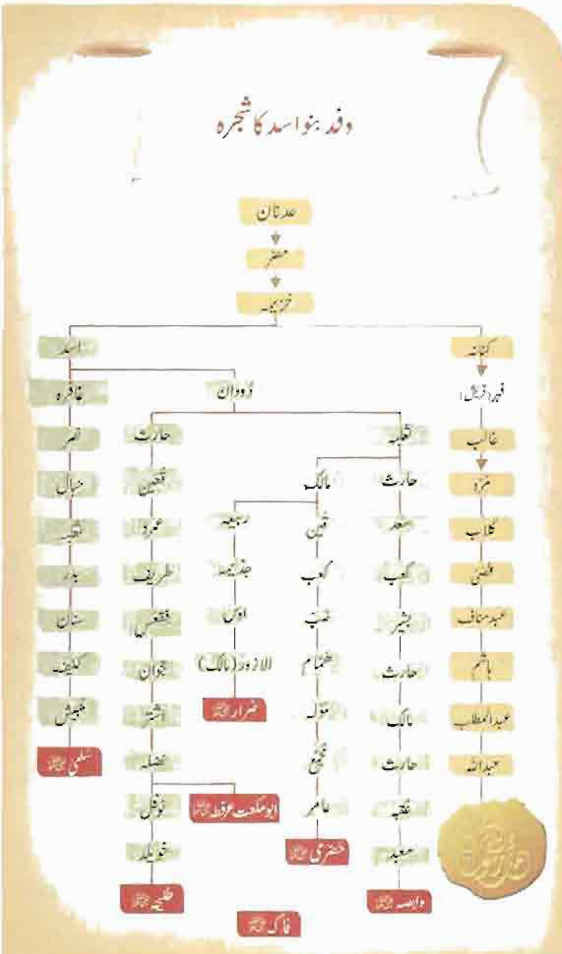
''بے شک مجھے تمیم کی اس خبر سے خوشی ہوئی ہے کہ وہ اس بات کے موافق ہے جو میں نے تمھیں مدینہ اور مکہ کے بارے میں بیان کی تھی۔ آگاہ رہو! بے شک وہ (دجال) شام یا یمن کے سمندر میں ہے، نہیں بلکہ وہ مشرق کی طرف ہے، وہ مشرق کی طرف ہے، وہ مشرق کی طرف ہے۔''

فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: یہ بات کرتے ہوئے آپ ﷺ نے مشرق کی طرف اشارہ کیا۔ مزید فرماتی ہیں کہ یہ ساری حدیث میں نے رسول اللہ ﷺ سے سن کر یاد کر لی۔[1]

بنو اسد کا وفد

9ھ کے آغاز میں عدنانی قبیلہ بنو اسد بن خزیمہ بن مدرکہ کا 10 آدمیوں پر مشتمل ایک وفد نبی ﷺ کی خدمت

[1] صحیح مسلم: 2942، البدایۃ والنہایۃ: 78/5



میں حاضر ہوا۔ ان میں حضرمی بن عامر، ضرار بن ازور، وابصہ بن معبد، قتادہ بن قائیف، سلمہ بن حبیش، طلیحہ بن خویلد، نقادہ (نفادہ) بن عبداللہ بن خلف اور ابومکعت عرفطہ بن نضلہ شامل تھے۔

جب یہ لوگ دربار نبوت میں حاضر ہوئے تو ان میں سے حضرمی بن عامر نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم آپ کے پاس بے آب و گیاہ سال میں شب تاریک سے گزر کر آئے ہیں، آپ نے ہماری طرف کوئی فوج بھی نہیں بھیجی۔ ان کی اس بات پر اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیت نازل فرمائی:

يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا ۖ قُلْ لَا تَمُنُّوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُمْ ۖ بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ

''وہ آپ پر احسان جتاتے ہیں کہ وہ مسلمان ہوئے، کہہ دیجیے: تم مجھ پر اپنے اسلام (لانے) کا احسان مت جتاؤ، بلکہ اللہ تم پر احسان فرماتا ہے کہ اس نے تمھیں ایمان کی ہدایت دی، اگر تم سچے ہو۔''[1]

ان لوگوں کے ساتھ بنو زنیہ کے لوگ بھی تھے، بعض روایات میں بنو رتیہ کے الفاظ ہیں۔ آپ ﷺ نے ان کا نام تبدیل کرتے ہوئے فرمایا: انتم بنو الرشدۃ ''تم بنو رشدہ ہو۔''

رسول اللہ ﷺ نے وفد میں موجود نقادہ بن عبداللہ سے فرمایا:

ابتغ لي ناقة حسنة في ركبتها ولا تولهها على ولدها

''اے نقادہ! میرے لیے کوئی ایسی اونٹنی تلاش کرو جو سواری اور دودھ کے لحاظ سے بہت اچھی ہو لیکن اس کا

1 الحجرات 49:17.

کوئی چھوٹا بچہ نہ ہو۔"

یہ اونٹنی آپ ﷺ نے بطور ہدیہ طلب فرمائی تھی۔ نقادہ ایسی اونٹنی اپنے جانوروں میں تلاش کرتے رہے لیکن انھیں نہ ملی، پھر انھیں اپنے چچازاد بھائی سنان بن ظفیر کے پاس مطلوبہ اونٹنی مل گئی۔ انھوں نے وہ اونٹنی اس سے لے لی اور رسول اللہ ﷺ کے پاس لے آئے۔ آپ ﷺ نے اونٹنی کے تھنوں پر اپنا مبارک ہاتھ پھیرا اور نقادہ رضی اللہ عنہ کو بلایا۔ انھوں نے اونٹنی کا دودھ دوہا۔ جب تھوڑا سا دودھ اس کے تھنوں میں باقی رہ گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«أي نقادة! اترك دواعي اللبن»

"اے نقادہ! تھوڑا سا دودھ باقی رہنے دو تا کہ اس کی وجہ سے اور دودھ جلدی اتر آئے۔"

رسول اللہ ﷺ نے خود بھی دودھ پیا اور اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی پلایا، پھر اپنا بچا ہوا دودھ نقادہ رضی اللہ عنہ کو پلایا اور فرمایا:

«اللّٰهُمَّ! بارك فيها وفيمن منحها»

"اے اللہ! اس کی اونٹنیوں میں برکت عطا فرما اور اس شخص میں بھی جس نے یہ ہمیں تحفہ دیا ہے۔"

نقادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اس کے حق میں بھی دعا کیجیے جو اسے لے کر آیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «وفيمن جاء بها» "اے اللہ! اسے بھی برکت دے جو اسے لے کر آیا ہے۔"[1]

اس کے بعد اہل وفد نے آپ ﷺ سے عیافہ (پرندوں کے ناموں، آوازوں اور گزرنے سے فال لینا)، کہانت (مستقبل کے متعلق معلومات حاصل کرنا) اور رمل (کنکریاں پھینکنے) کے بارے میں سوال کیا۔ آپ ﷺ نے ان سب سے منع فرما دیا۔ انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہ وہ کام ہیں جو ہم جاہلیت میں کرتے تھے، کیا ان میں سے کوئی چیز مباح بھی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«الخطّ علّمه نبيّ من الأنبياء فمن صادف مثل علمه علم»

"خط کا علم انبیاء میں سے ایک نبی کو عطا کیا گیا تھا، پس جس کا خط نبی کے علم کے مطابق ہو گیا تو گویا اس نے یہ علم جان لیا۔"[2]

چونکہ ہمارے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں ہے جس سے ہم ان خطوط کی اس نبی کے خطوط سے مطابقت ثابت کر سکیں، اس لیے یہ بھی مباح نہیں بلکہ ممنوع ہے۔[3]

1 الطبقات لابن سعد 1/292، 293، البداية والنهاية 5/79 2 شرح الزرقاني 5/213، سبل الهدٰى والرشاد 6/267
3 زاد المعاد 3/654.

وفد بنی فزارہ

عدنانی قیسی قبیلہ بنوفزارہ اپنے جد امجد فزارہ بن ذبیان بن بغیض بن ریث بن غطفان سے منسوب تھا۔ 9ھ میں جب رسول اللہ ﷺ تبوک سے واپس تشریف لائے تو اس وقت آپ کی خدمت میں بنوفزارہ کا وفد آیا جو دس پندرہ آدمیوں پر مشتمل تھا جس میں خارجہ بن حصن اور حارث (حر) بن قیس بن حصن بھی تھے۔ حارث ان میں سب سے چھوٹا تھا۔ یہ لوگ کمزور سواریوں پر آئے۔ انھوں نے اسلام قبول کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے ان کے علاقوں کے متعلق دریافت فرمایا تو خارجہ بن حصن نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہمارے علاقے میں قحط سالی شروع ہوچکی ہے۔ ہمارے مویشی ہلاک ہو رہے ہیں، ہمارے باغات خشک ہوچکے ہیں اور اہل وعیال بھوکے ہیں۔ آپ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمایئے۔ نبی ﷺ منبر پر چڑھے اور ان کے لیے دعا فرمائی:

«اَللّٰهُمَّ اسْقِ بِلَادَكَ وَبَهَائِمَكَ، وَانْشُرْ رَحْمَتَكَ، وَأَحْيِ بَلَدَكَ الْمَيِّتَ، اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا غَيْثًا مُغِيثًا، مَرِيئًا مَرِيعًا، مُطْبِقًا وَاسِعًا، عَاجِلًا غَيْرَ آجِلٍ، نَافِعًا غَيْرَ ضَارٍّ، اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا سُقْيَا رَحْمَةٍ لَا سُقْيَا عَذَابٍ، وَلَا هَدْمٍ، وَلَا غَرَقٍ، وَلَا مَحْقٍ، اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا الْغَيْثَ وَانْصُرْنَا عَلَى الْأَعْدَاءِ»

”اے اللہ! اپنے ملک اور چوپایوں کو سیراب کر دے اور اپنی رحمت پھیلا دے اور ویران شہر کو پھر سے آباد کر دے۔ اے اللہ! ہمیں عام بارش سے سیراب کر دے جو خوشگوار اور خوشحالی لانے والی ہو۔ فضا کو ڈھانک لینے والی، وسیع علاقے میں برسنے والی، جلدی آنے والی، دیر نہ کرنے والی، نفع مند اور نقصان نہ دینے والی ہو۔ اے اللہ! یہ سیرابی باعث رحمت ہو، عذاب والی، ڈھانے والی، غرق کرنے والی اور مٹا دینے والی نہ ہو۔ اے اللہ! ہمیں بارش سے سیراب کر دے اور ہمیں دشمنوں پر فتح عطا فرما۔“

راوی بیان کرتا ہے کہ (دعا کے بعد) اتنی شدید بارش ہوئی کہ لوگوں نے ایک ہفتے تک آسمان کو نہ دیکھا۔ پھر آپ ﷺ نے منبر پر چڑھ کر دعا کی:

«اَللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا، اَللّٰهُمَّ عَلَى الْآكَامِ وَالظِّرَابِ وَبُطُونِ الْأَوْدِيَةِ وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ»

”اے اللہ! ہمارے اردگرد ٹیلوں پر، اونچی جگہوں پر، پہاڑی نالوں پر اور درختوں کے اگنے کی جگہوں پر بارش برسا اور ہم پر بارش نہ برسا۔“

چنانچہ آپ ﷺ کی دعا کی برکت سے چھے ہوئے بادل مدینہ سے یوں پھٹ گئے جیسے کپڑا پھٹتا ہے۔[1]

دلائل النبوہ میں مزید یہ ہے کہ جب سائل نے کہا کہ قحط سالی اتنی بڑھ گئی ہے کہ باغات تباہ اور مال مویشی ہلاک ہو رہے ہیں، آپ ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کیجیے کہ وہ ہمیں رحمت کی بارش عطا فرمائے، ہم آپ کو آپ کے رب کی طرف اپنا سفارشی بناتے ہیں اور آپ کے رب کو آپ کی طرف سفارشی بناتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«سُبْحَانَ اللّٰهِ وَيْلَكَ! أَنَا أَشْفَعُ إِلٰى رَبِّي، فَمَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ رَبُّنَا إِلَيْهِ؟ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ الْعَظِيمُ، وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ، فَهِيَ تَئِطُّ مِنْ عَظَمَتِهِ وَجَلَالِهِ كَمَا يَئِطُّ الرَّحْلُ الْجَدِيدُ»

''سبحان اللہ، تعجب کی بات ہے۔ میں تو اپنے رب کے ہاں تمھاری سفارش کر دوں لیکن ایسا کون ہے جس کی طرف ہمارا رب سفارش کرے؟ اللہ عظیم و برتر کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں ہے۔ اس کی کرسی زمین و آسمان سے وسیع ہے اور وہ کرسی اللہ کی عظمت وجلال کی وجہ سے ایسے آواز نکالتی ہے جیسے ایک نئی پالان آواز نکالتی ہے۔''

آپ ﷺ نے مزید فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ لَيَضْحَكُ مِنْ شَفَفِكُمْ وَقُرْبِ غِيَاثِكُمْ»

''بے شک اللہ تعالیٰ تمھاری پراگندہ حالت، تکلیف اور مدد کے قریب ہونے پر ہنستا ہے۔''[2]

اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا ہمارا رب ہنستا بھی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: «نَعَمْ» ''جی ہاں۔'' اس پر اس سائل نے کہا: ہم اس رب کی جو ہنستا ہے، بھلائی سے ہرگز محروم نہیں رہیں گے۔ اس کی اس بات سے رسول اللہ ﷺ ہنس دیے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ نے چند کلمات کہے اور پھر اپنے ہاتھ اس قدر بلند اٹھائے کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی۔ پھر آپ ﷺ نے دعائیہ کلمات کہے۔ آپ ﷺ کے اس قدر الحاح کو دیکھ کر سیدنا ابولبابہ بن عبدالمنذر انصاری رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! کھجوریں ابھی مرابد (وہ مخصوص جگہ جہاں تازہ کھجور خشک کی جاتی ہے) میں پڑی ہوئی ہیں۔ آپ ﷺ نے دعا جاری رکھتے ہوئے فرمایا: ''اے اللہ! ہمیں بارش عطا فرما۔'' ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے تین بار عرض کی کہ کھجوریں ابھی مرابد میں پڑی ہوئی ہیں (اور بارش آنے سے خراب ہو جائیں گی)۔ لیکن آپ ﷺ نے دعا جاری رکھی اور فرمایا:

1 البداية والنهاية: 79/5، شرح الزرقاني: 206/5-211، الطبقات لابن سعد: 297/1، دلائل النبوة للبيهقي: 144/6.
2 دلائل النبوة للبيهقي: 439/5.

اللهم اسقنا حتى يقوم ابو لبابة عريانا يسد ثعلب مربده بازاره

''اے اللہ! ہمیں ایسی زبردست بارش عطا فرما کہ ابولبابہ اپنی چادر اتار کر اپنے مربد کو بند کرتا پھرے۔''

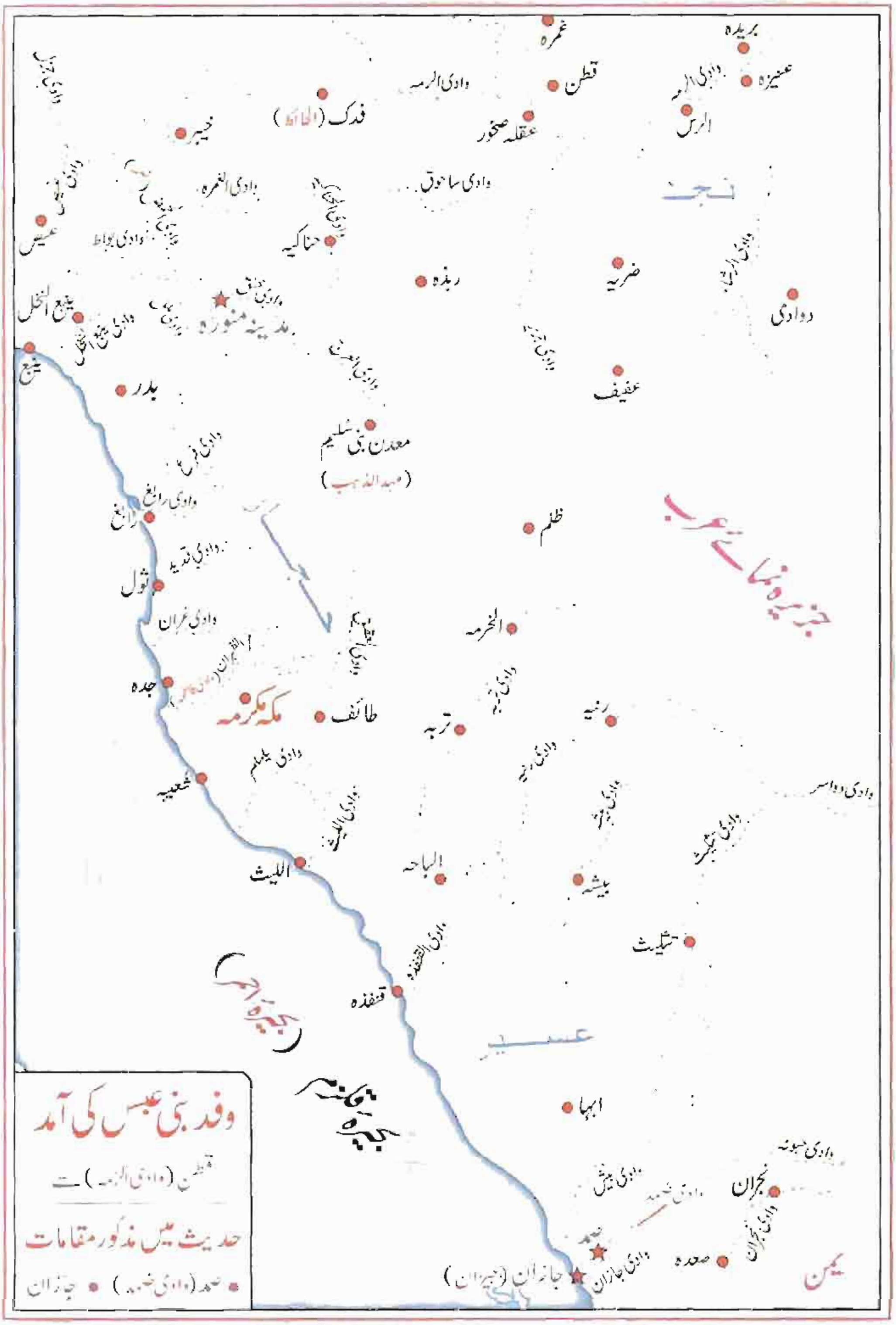
راوی کا بیان ہے کہ اللہ کی قسم! آسمان پر بادل کی ایک ٹکڑی بھی نہیں تھی۔ مسجد نبوی اور سلع پہاڑ کے درمیان کوئی گھر یا عمارت نہیں تھی۔ اسی لمحے سلع پہاڑ کے پیچھے سے کمان کی مانند ایک بادل نمودار ہوا اور آسمان کے درمیان پہنچ کر پھیل گیا۔ یہ منظر سب لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ یہ بادل ایسے جم کر برسے کہ پورے چھ دن کسی نے سورج نہ دیکھا۔ رسول اللہ ﷺ کی دعا کے مطابق ابولبابہ رضی اللہ عنہ اپنی چادر (تہ بند) اتار کر اپنی کھجوروں کی حفاظت کر رہے تھے اور ان کے جسم پر کوئی کپڑا نہیں تھا۔ بارش اتنی برسی کہ اسی سائل کو دوبارہ کہنا پڑا کہ اب بارش کی زیادتی سے جانور ہلاک ہو رہے ہیں اور راستے کٹ چکے ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف لے آئے، دعا کے لیے ہاتھ بلند کیے اور اتنے اوپر تک اٹھائے کہ بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی۔ پھر آپ ﷺ نے بارش رکوانے کی وہ دعا کی جس کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔

جبل سلع (مدینہ منورہ)

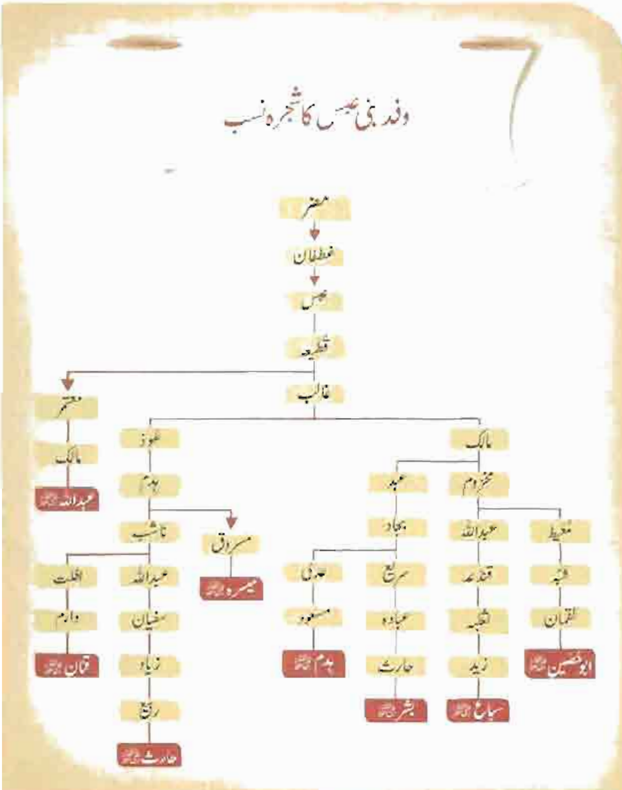


وفد بنی عبس

عدنانی قبیلہ عبس اپنے جد امجد عبس بن بغیض بن ریث بن غطفان سے منسوب تھا۔ طبقات ابن سعد میں ابوشغب عکرشہ بن اربد عبسی اور چند دیگر عبسیوں کا بیان ہے کہ بنو عبس کے 9 افراد وفد کی صورت میں حاضر خدمت اقدس ﷺ ہوئے۔ یہ پہلے پہل ہجرت کرنے والوں میں سے تھے۔ ان کے نام یہ ہیں: میسرہ بن مسروق، حارث بن ربیع کامل، قنان بن دارم، بشر بن حارث بن عبادہ، ہدم بن مسعدہ، سباع بن زید (یزید)، ابوحصن بن لقمان، عبداللہ بن مالک اور فروہ بن حصین بن فضالہ۔ یہ سب مسلمان ہوگئے۔ آپ ﷺ نے ان کے حق میں دعائے خیر کی اور فرمایا: ابغوني عاشر عشرة اعقد لكم ''مجھے اپنا دسواں آدمی شمار کر لو۔ میں تمھارے لیے



وفد بنی عبس کی آمد
حدیث میں مذکور مقامات
بریدہ
عنیزہ
قطن
فدک
خیبر
عقلہ صخور
الرس
نجد
ربذہ
ضریہ
دوادی
عفیف
حناکیہ
مدینہ منورہ
ینبع النخل
ینبع
عیص
بدر
معدن بنی سلیم
ظلم
رابغ
ثول
الخرمہ
جدہ
مکہ مکرمہ
طائف
تربہ
رنیہ
شعیبہ
اللیث
الباحہ
بیشہ
تثلیث
قنفذہ
عسیر
ابہا
نجران
صعدہ
یمن
جزیرہ نمائے عرب
بحیرہ احمر
وادی ساحوق
وادی الرمہ
وادی الغمرہ
وادی رابغ
وادی قدید
وادی غران
وادی یلملم
وادی دواسر



ایک جھنڈا باندھ دیتا ہوں۔"

ایک روایت میں یوں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو علم ہوا کہ قریشی قافلہ شام سے لوٹ رہا ہے تو آپ ﷺ نے بنوعبس کو ایک سریہ کے طور پر روانہ فرمایا اور ان کے لیے ایک جھنڈا باندھا۔ انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم نو لوگ ہیں۔ اگر مال غنیمت ہمارے ہاتھ لگے تو ہم اسے کیسے تقسیم کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: [illegible] "میں تمھارا دسواں آدمی ہوں۔"

اسی طرح ایک اور روایت میں ہے کہ یہ کل تین افراد تھے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: ہمیں ہمارے قراء حضرات نے آکر بتایا ہے کہ اس شخص کا کوئی اسلام نہیں جس نے ہجرت نہیں کی۔ ہمارے مال مویشی ہی ہماری معاش کا ذریعہ ہیں۔ اگر تو واقعی ہجرت کے بغیر اسلام کی کوئی حیثیت نہیں تو ہم اپنے مال مویشی بیچ دیتے ہیں اور ہجرت کر لیتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

[illegible]

"تم جہاں بھی رہو اللہ سے ڈرتے رہو۔ تمھارے اعمال میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی، چاہے تم صمد (ضمد) اور جازان میں رہو۔"[1]

وفد بنی مرہ

یہ عدنانی قریشی قبیلہ مرہ بن کعب بن لؤی بن غالب بن فہر کی اولاد تھا۔ بنو مرہ کے 13 آدمی 9 ھ میں آپ ﷺ کی تبوک سے واپسی کے موقع پر حاضر خدمت ہوئے۔ ان کے سرکردہ حارث بن عوف تھے۔ انھوں نے آکر عرض

1۔ الطبقات لابن سعد 296،295/1؛ البدایۃ والنہایۃ 79/5؛ شرح الزرقانی 225،224/5

کی: اے اللہ کے رسول! ہم آپ کی قوم اور آپ کا کنبہ ہیں۔ ہم بنو لؤی بن غالب سے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ یہ سن کر مسکرا دیے اور فرمایا: «أَيْنَ تَرَكْتُمْ أَهْلِيكُمْ؟» ''اپنے اہل وعیال کو کہاں چھوڑ آئے ہو؟'' انھوں نے عرض کی: سلاح اور اس کے اردگرد کے علاقے میں چھوڑ آئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «وَكَيْفَ الْبِلَادُ؟» ''شہروں کے حالات کیسے ہیں؟'' انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! ہم قحط سالی کا شکار ہیں۔ آپ اللہ تعالیٰ سے ہمارے لیے دعا کیجیے۔ آپ ﷺ نے دعا کی: «اَللّٰهُمَّ اسْقِهِمُ الْغَيْثَ» ''اے اللہ! انھیں رحمت کی بارش عطا فرما۔''

آخر انھوں نے کچھ دن مدینہ میں قیام کرنے کے بعد واپس اپنے شہروں کو جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کو الوداع کہنے کے لیے حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو انھیں عطیات دینے کا حکم دیا۔ بلال رضی اللہ عنہ نے ہر فرد کو دس دس اوقیے چاندی عنایت کی اور حارث بن عوف رضی اللہ عنہ کو 12 اوقیے چاندی عطا کی۔ جب اہل وفد اپنے گھروں کو پہنچے تو وہاں بارش ہو چکی تھی۔ انھوں نے وہاں کے لوگوں سے پوچھا کہ یہاں بارش کب ہوئی؟ تو جو دن انھوں نے بتایا، یہ وہی تھا جس دن آپ ﷺ نے دعا فرمائی تھی۔[1]

حارث رضی اللہ عنہ دوبارہ اس وقت نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے جب آپ ﷺ حجۃ الوداع کی تیاری میں مصروف تھے۔ انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! (پچھلی دفعہ) جب ہم واپس اپنے گھروں کو گئے تو وہاں بارش ہو چکی تھی اور وہ اسی دن برسی تھی جس دن آپ نے دعا فرمائی تھی۔ اس کے بعد مسلسل بارش ہوتی رہی اور اب علاقے سرسبز و شاداب ہو گئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي هُوَ صَنَعَ ذٰلِكَ» ''تمام قسم کی تعریفات اس اللہ کے لیے ہیں جس نے یہ سب کیا ہے۔''

زبیر بن بکار اور ابن عساکر نے بیان کیا ہے کہ حارث بن عوف نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: آپ میرے ساتھ اپنا کوئی معلم بھیج دیں جو ہمیں آپ کا دین سکھائے۔ میں اس کی حفاظت کا ضامن ہوں۔ آپ ﷺ نے ایک انصاری صحابی کو ان کے ساتھ بطور معلم بھیج دیا۔ وہاں حارث رضی اللہ عنہ کے خاندان والے (جو مسلمان نہیں تھے) اس انصاری صحابی کو کہیں لے گئے اور انھیں شہید کر دیا۔ اس پر سیدنا حسان رضی اللہ عنہ نے کہا:

يَا حَارِ مَنْ يَغْدِرْ بِذِمَّةِ جَارِهِ ... مِنْكُمْ فَإِنَّ مُحَمَّدًا لَا يَغْدِرُ

وَأَمَانَةُ الْمَرْءِ حَيْثُ لَقِيتَهُ ... كَسْرُ الزُّجَاجَةِ صَدْعُهَا لَا يُجْبَرُ

إِنْ تَغْدِرُوا فَالْغَدْرُ مِنْ عَادَاتِكُمْ ... وَاللُّؤْمُ يَنْبُتُ فِي أُصُولِ السَّخْبَرِ

[1] الطبقات لابن سعد 298,297/1



”اے حارث! تم میں سے جو اپنے پناہ گزین کے ساتھ دھوکا کرتا ہے تو محمد ﷺ کسی سے دھوکا نہیں کرتے۔ امانت شیشے کی طرح ہوتی ہے، اگر ٹوٹ جائے تو اسے جوڑا نہیں جا سکتا۔ اگر تم نے دھوکہ کیا ہے تو دھوکہ ہی تمھاری عادت ہے اور کمینگی سخبر (جھاڑی نما پودا) کی جڑوں ہی میں اُگتی ہے۔“

چنانچہ حارث رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے معذرت کی اور انصاری صحابی کی دیت بھی ادا کی اور رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ حسان رضی اللہ عنہ کو میرے خلاف اشعار کہنے سے روک دیں۔ وہ میرے خلاف اس قدر کڑوی زبان استعمال کر رہے ہیں کہ اگر اسے سمندر کے پانی میں ملایا جائے تو سارا پانی کڑوا ہو جائے۔[1]

وفد بنی ثعلبہ

بنو ثعلبہ کے ایک آدمی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ جب 8 ھ میں رسول اللہ ﷺ جعرانہ سے تشریف لائے تو ہم چار آدمی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ہم نے کہا: ہم اپنی قوم کے قاصد ہیں اور ہماری قوم نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ آپ ﷺ نے ہماری ضیافت کا حکم دیا۔ ہم نے چند دن وہاں قیام کیا۔ جب ہم واپس آنے لگے تو آپ ﷺ کو الوداع کہنے کے لیے حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اجزهم كما تجيز الوفد ”انھیں آپ اسی طرح عطیہ دیجیے جس طرح آپ دوسرے وفد والوں کو دیتے ہیں۔“

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے ہر ایک کو چاندی کے پانچ پانچ اوقیے دیے اور فرمایا: ہمارے پاس درہم نہیں ہوتے۔ اس کے بعد ہم اپنے شہروں کو لوٹ آئے۔[2]

وفد بنی کلاب

عدنانی قیسی قبیلہ بنو کلاب اپنے جد امجد کلاب بن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ بن معاویہ بن بکر بن ہوازن سے منسوب تھا۔ یہ وفد 9 ھ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ کل 13 آدمی تھے جن میں مشہور شاعر لبید

1 المعجم الكبير للطبراني 269/5، شرح الزرقاني 218,217/5. 2 الطبقات لابن سعد 298/1، البداية والنهاية 80/5.

بن ربیعہ اور جبار بن سلمیٰ بھی شامل تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں رملہ بنت حارث کے گھر ٹھہرایا۔ جبار اور کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے درمیان دوستی تھی۔ چنانچہ جب کعب رضی اللہ عنہ کو ان کے آنے کی اطلاع ملی تو انھوں نے ان لوگوں کو خوش آمدید کہا۔ نیز جبار کو تحفے تحائف دیے اور ان کی عزت افزائی کی۔ یہ لوگ کعب رضی اللہ عنہ کے ساتھ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اسلامی طریقے کے مطابق رسول اللہ ﷺ کو سلام کیا اور پھر عرض کی: اے اللہ کے رسول! ضحاک بن سفیان، جنھیں آپ نے ہماری طرف کتاب اللہ اور اپنی سنت کی تعلیم دینے کے لیے بھیجا تھا، وہ ہمارے پاس آئے اور انھوں نے ہمیں اللہ کی طرف دعوت دی۔ ہم اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لے آئے ہیں۔ انھوں نے ہم میں سے مالدار لوگوں سے صدقہ وصول کر کے ہمارے علاقے کے نادار لوگوں میں تقسیم کر دیا ہے۔[1]

وفد رواس بن کلاب

ابو نفیع طارق بن علقمہ رواسی کا بیان ہے کہ عمرو بن مالک بن قیس رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور مسلمان ہو گئے۔ مسلمان ہونے کے بعد جب وہ اپنی قوم کے پاس گئے اور انھوں نے اپنی قوم کو دعوت اسلام دی تو وہ کہنے لگے: جب تک ہم بنو عقیل سے انتقام نہ لے لیں، جتنے انھوں نے ہمارے قتل کیے ہیں، تب تک ہم مسلمان نہیں ہوں گے۔ پھر وہ بنو عقیل پر حملہ کرنے کے لیے نکل پڑے۔ عمرو بن مالک بھی ان کے ساتھ تھے۔ انھوں نے حملہ کر کے بہت سارے بنو عقیل کے لوگوں کو قتل کر دیا اور ان کے جانور ہانک لے گئے۔ راستے میں انھیں بنو عقیل کا ایک شاہسوار ربیعہ بن منتفق بن عامر بن عقیل ملا۔ وہ یہ شعر پڑھ رہا تھا:

[illegible]

"میں نے قسم کھائی ہے کہ جب سرخ و سفید گھوڑے اپنی جنگی جان پہچان لیں تو میں سوار ہو کر تیز دھاوا کروں گا۔"

ابو نفیع کہتے ہیں کہ میں نے کہا: اے پیادہ دستوں کی جماعت! آج تم کامیاب ہو گئے۔ اس شاہسوار نے بنو عبید بن رواس کے محرز بن عبد سعد نامی شخص کو تیز دھار نیزہ مارا جو اس کے بازو کے آر پار ہو گیا۔ محرز نے اس کے گھوڑے کی گردن سے پکڑ لیا اور آواز لگائی: اے آل رواس! (مدد کے لیے آؤ)۔ ربیعہ نے کہا: رواس گھوڑے ہیں یا لوگ ہیں؟ اتنے میں عمرو بن مالک رضی اللہ عنہ نے ربیعہ کو نیزہ مارا جس سے وہ ہلاک ہو گیا۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ ہم وہ سارے جانوروں کو ہانکتے ہوئے چل پڑے۔ بنو عقیل نے ہمارا پیچھا کیا لیکن ہم تب تک تربہ پہنچ چکے تھے۔ ہمارے اور ان کے

[1] [illegible] 1/380 - [illegible] 6/381

وادی تربہ (سعودی عرب)



درمیان اب تربہ کی وادی حائل تھی۔ وہ لوگ ہمیں جاتا ہوا دیکھ رہے تھے لیکن ہم تک پہنچ نہیں سکتے تھے، چنانچہ ہم بے خوف ہو کر چلتے رہے۔

سیدنا عمرو بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: مجھے بعد میں نہایت افسوس ہوا کہ میں نے ایک آدمی کو قتل کر دیا ہے جبکہ میں اسلام لا چکا ہوں اور رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت بھی کر چکا ہوں۔ چنانچہ میں نے اپنے ہاتھ بیڑی میں ڈال کر گردن کے ساتھ باندھ دیے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے چل پڑا۔ آپ ﷺ کو بھی سارے واقعے کی خبر ہو چکی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

لئن أتاني لأضربن ما فوق الغل من يده

''اگر وہ میرے پاس آیا تو میں اس کی گردن مار دوں گا۔''

عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے اپنے ہاتھ کھول دیے اور آپ ﷺ کے پاس حاضر ہو کر سلام عرض کیا۔ آپ ﷺ نے میری طرف سے اپنا چہرہ مبارک پھیر لیا۔ میں آپ کی دائیں جانب سے آیا تو آپ ﷺ نے پھر منہ موڑ لیا۔ میں بائیں جانب سے آیا تو آپ ﷺ نے بدستور اپنا مبارک چہرہ مجھ سے پھیر لیا۔ پھر میں آپ ﷺ کے سامنے سے آیا اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! رب تعالیٰ کو منایا جائے تو وہ راضی ہو جاتا ہے، لہٰذا آپ بھی مجھ سے راضی ہو جائیے، اللہ آپ سے راضی ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: قد رضيت عنك ''میں تم سے راضی ہو گیا ہوں۔''[1]

بنو عقیل بن کعب کا وفد

ہشام بن محمد بیان کرتے ہیں کہ بنو عقیل کے ایک شخص نے اپنے بزرگوں کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ ہم بنو عقیل وفد کی صورت میں رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے۔ ربیع بن معاویہ، مطرف بن عبداللہ اور انس بن قیس بن منتفق اس وفد میں شریک تھے۔ ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی اور اسلام قبول کیا۔ اسی طرح انھوں نے اپنی قوم کی طرف سے بھی بیعت کی۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں العقیق نامی زمین جاگیر کے طور پر دی۔ اس زمین میں چشمے اور کھجوروں کے باغات تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں اس کے متعلق ایک سرخ چمڑے

1 الطبقات لابن سعد: 1/300، 301

پر دستاویز بھی لکھ دی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم هذا ما أعطى محمد رسول الله ربيعا ومطرفا وأنسا

أعطاهم العقيق ما أقاموا الصلاة وآتوا الزكاة وسمعوا وأطاعوا ولم يعطهم حق مسلم

’’بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ وہ دستاویز ہے جس کے ذریعے محمد رسول اللہ ﷺ نے ربیع، مطرف اور انس (﷢) کو العقیق نامی زمین الاٹ کی ہے۔ یہ جائیداد اس وقت تک ان کے پاس رہے گی جب تک وہ نماز قائم کریں، زکاۃ ادا کریں اور سمع و طاعت پر کاربند رہیں گے۔ اور آپ ﷺ نے انھیں کسی مسلمان کا حق نہیں دیا۔‘‘

یہ تحریر مطرف ﷜ کے پاس تھی۔

اسی طرح بنو عقیل کے ابورزین لقیط بن عامر بھی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور آپ ﷺ نے انھیں النظیم نامی چشمہ الاٹ کیا تھا۔ انھوں نے اپنی قوم کی طرف سے بھی آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ اسی طرح بنو عقیل ہی کا ابوحرب بن خویلد دربار نبوت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے اس کے سامنے قرآن کی تلاوت فرمائی اور اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ اس نے کہا: اللہ کی قسم! ایسے لگتا ہے جیسے آپ نے اللہ سے ملاقات کی ہے، یا اس سے ملاقات کی ہے جس کی اللہ سے ملاقات ہوئی ہے، بہر حال ہم آپ کے کلام کی طرح اچھا اور خوبصورت کلام پیش نہیں کر سکتے۔ لیکن میں ابھی اپنے تیروں کے ساتھ اپنے اور آپ کے دین کے متعلق فال نکالوں گا۔

اس نے تیر پھینکے تو کفر والا تیر نکلا۔ تین مرتبہ تیر پھینکے لیکن وہی پانسا نکلا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: آپ دیکھ رہے ہیں، ہر بار وہی کفر والا تیر سامنے آرہا ہے۔ پھر وہ اپنے بھائی عقال بن خویلد کے پاس آیا اور کہا: تیرے حصے کی بھلائی کم پڑ گئی ہے کیا؟ محمد (ﷺ) کے دین کے متعلق تمھاری کیا رائے ہے؟ انھوں نے قرآن پڑھ کر سنایا ہے اور اسلام قبول کرنے کی دعوت دی ہے اور اگر میں مسلمان ہو جاؤں تو وہ مجھے العقیق میں زمین عطا فرمائیں گے۔ عقال نے کہا: اللہ کی قسم! جتنا محمد (ﷺ) تمھیں الاٹ کر رہے ہیں، میں تمھیں اس سے زیادہ کی پیشکش کرتا ہوں۔ پھر وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور العقیق کے نیچے تک اپنے نیزے کے ساتھ نشان لگا کر اپنے لیے زمین خاص کر لی جس میں چشمے بھی تھے۔ پھر عقال رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے اسے اسلام کی دعوت دی اور فرمایا: «أتشهد أن محمدا رسول الله؟» ’’کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں؟‘‘ عقال نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ قرنی لبان کے دن ہبیرہ بن نفضہ بہت اچھا شاہسوار ثابت

ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "أتشهد أن محمدا رسول الله؟" "کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد اللہ کے رسول ہیں؟" اس نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ خالص دودھ جھاگ کے نیچے ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے تیسری بار اس سے پوچھا تو اس نے گواہی دے دی اور مسلمان ہوگیا۔[1]

وفد بنی قشیر بن کعب

علی بن محمد قرشی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس قشیر بن کعب قبیلے کا ایک وفد آیا۔ اس میں ثور بن عروہ بن عبداللہ بھی تھا جو مسلمان ہوگیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک جاگیر اس کے نام کر دی اور اس کے متعلق اسے ایک تحریری دستاویز بھی دی۔ اس وفد میں حیدہ بن معاویہ بن قشیر کے علاوہ قرہ بن ہبیرہ بن سلمہ قشیری بھی تھے۔ یہ بھی مسلمان ہوگئے۔ رسول اللہ ﷺ نے قرہ کو عطیہ دیا، ایک چادر بھی عنایت کی اور صدقات کی وصولی کا نگران بھی مقرر کیا۔ قرہ بن ہبیرہ واپس آئے تو کہا:

حباها رسول الله إذ نزلت به ... وأمكنها من نائل غير منفد

فأضحت بروض الخضر وهي حثيثة ... وقد أنجحت حاجاتها من محمد

عليها فتى لا يردف الذم رحله ... تروك لأمر العاجز المتردد

"جب میری اونٹنی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی تو آپ ﷺ نے اسے عطیہ دیا اور اسے نہ ختم ہونے والی بخشش پر قدرت دی اور وہ تیزی سے چلتے ہوئے بوقت چاشت سرسبز و شاداب زمین پر پہنچی جبکہ اس نے محمد ﷺ سے اپنی ضروریات پوری کر لی تھیں۔ اس پر ایک جوان سوار ہے جس کے پیچھے مذمت سوار نہیں ہو سکتی اور وہ ایک عاجز اور متردد کے معاملے میں سوچ بچار کرتا ہے۔"[2]

بنو بکاء کا وفد

بنو بکاء، بنو ہوازن کی شاخ تھے اور یہ عمرو (بکاء) بن عامر بن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ سے منسوب تھے۔ عبداللہ بن عامر بکائی بیان کرتے ہیں کہ 9ھ میں 13 افراد پر مشتمل بنو بکاء کا وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ البدایہ میں 30 افراد کا ذکر ہے۔ ان میں معاویہ بن ثور بن عبادہ بن بکاء بھی تھے جن کی عمر 100 سال تھی۔ ساتھ میں ان کا بیٹا بشر بھی تھا۔ اسی طرح فجیع بن عبداللہ اور عبد عمرو اصم البکائی بھی اس وفد میں موجود تھے۔

1 الطبقات لابن سعد: 1/301،302، البداية والنهاية: 5/81 2 الطبقات لابن سعد: 1/303، البداية والنهاية: 5/81

رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے قیام و طعام کے بندوبست کا حکم جاری فرمایا۔ واپسی کے وقت آپ ﷺ نے انھیں تحفے اور عطیات سے بھی نوازا۔ اس موقع پر معاویہ بن ثور نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: اے اللہ کے نبی! میں آپ کو چھو کر برکت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ میں بوڑھا ہوں اور میرا یہ بیٹا میرے ساتھ بہت حسن سلوک سے پیش آتا ہے، آپ اس کے چہرے پر برکت والا ہاتھ پھیر دیجیے۔ رسول اللہ ﷺ نے بشر بن معاویہ کے چہرے پر اپنا ہاتھ پھیرا اور اسے موٹی تازی بکریاں عنایت کیں اور ان میں برکت کی دعا کی۔

عبداللہ بن عامر بکائی کے بیٹے جعد کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کی دعا کی ایسی برکت ہوئی کہ جب کبھی بنو بکاء کے علاقے میں قحط پڑتا تو معاویہ کا خاندان اس سے متاثر نہیں ہوتا تھا۔

محمد بن بشر بن معاویہ بکائی نے فخر کرتے ہوئے درج ذیل اشعار کہے:

وَأَبِي الَّذِي مَسَحَ الرَّسُولُ بِرَأْسِهِ   وَدَعَا لَهُ بِالْخَيْرِ وَالْبَرَكَاتِ

أَعْطَاهُ أَحْمَدُ إِذْ أَتَاهُ أَعْنُزًا   عُفْرًا نَوَاجِلَ لَيْسَ بِاللَّجِبَاتِ

يَمْلَأْنَ رِفْدَ الْحَيِّ كُلَّ عَشِيَّةٍ   وَيَعُودُ ذَاكَ الْمِلْءُ بِالْغَدَوَاتِ

بُورِكْنَ مِنْ مِنَحٍ وَبُورِكَ مَانِحًا   وَعَلَيْهِ مِنِّي مَا حَيِيتُ صَلَاتِي

”میرے باپ تو وہ ہیں جن کے سر پر اللہ کے رسول ﷺ نے اپنا مبارک ہاتھ پھیرا تھا اور ان کے لیے خیر و برکت کی دعا کی تھی۔ جب وہ احمد ﷺ کے پاس آئے تو آپ نے انھیں موٹی تازی بکریاں عنایت کیں جو بڑی عمدہ نسل والی تھیں، شور و غوغا کرنے والی نہیں تھیں۔ وہ ہر شب اہل وفد کو دودھ سے سیر کرتی تھیں اور صبح کو بھی۔ ان میں عطا کرنے والے کی وجہ سے برکت ہوئی تھی اور خود عطا کرنے والا بھی بابرکت تھا۔ جب تک میں زندہ ہوں، میری طرف سے ان پر درود و سلام ہو۔“

ہشام بن محمد بن سائب کلبی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فُجیع رضی اللہ عنہ کے لیے ایک خط لکھا جس کی عبارت درج ذیل تھی:

مِنْ مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ لِلْفُجَيْعِ وَمَنْ تَبِعَهُ وَأَسْلَمَ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَأَطَاعَ اللهَ وَرَسُولَهُ وَأَعْطَى مِنَ الْمَغَانِمِ خُمُسَ اللهِ وَنَصَرَ النَّبِيَّ وَأَصْحَابَهُ وَأَشْهَدَ عَلَى إِسْلَامِهِ وَفَارَقَ الْمُشْرِكِينَ فَإِنَّهُ آمِنٌ بِأَمَانِ اللهِ وَأَمَانِ مُحَمَّدٍ

’’اللہ کے نبی محمد کی طرف سے فُجیع اور ان کے پیروکاروں کے نام جو مسلمان ہوئے، نماز قائم کی، زکاۃ ادا کی، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی، مال غنیمت کا خمس نکالا، اللہ اور اس کے رسول کی مدد کی، اپنے اسلام پر (لوگوں کو) گواہ بنایا اور مشرکین سے علیحدگی اختیار کی تو ایسے لوگوں کو اللہ اور محمد ﷺ کی طرف سے امان حاصل ہے۔‘‘

ہشام کہتے ہیں: اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے عبد عمرو اصم کا نام تبدیل کر کے عبدالرحمن رکھا۔ یہ عبدالرحمن اصحاب صفہ میں سے تھے۔[1]

وفد بنی کنانہ

کنانہ کا ایک وفد مدینہ منورہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ سب لوگ مسلمان ہو گئے۔ اس وفد کے سردار کا نام واثلہ بن اسقع لیثی رضی اللہ عنہ تھا۔ وفد قبول اسلام کی سعادت حاصل کرنے کے بعد وطن واپس روانہ ہوگیا۔ جب یہ وفد مدینہ آیا تھا تو اس وقت رسول اللہ ﷺ تبوک جانے کے لیے تیاریاں فرما رہے تھے۔ واثلہ رضی اللہ عنہ نے صبح کی نماز رسول اللہ ﷺ کے پیچھے پڑھی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ أَنْتَ وَمَا جِئْتَ لَهُ»

’’آپ کون ہیں اور کیا کرنے آئے ہیں؟‘‘

انھوں نے اپنا نسب بتایا اور کہا کہ میں آپ کے پاس اس مقصد کے لیے حاضر ہوا ہوں کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«تُبَايِعُ عَلَى مَا أَحْبَبْتَ وَكَرِهْتَ»

1 المعجم الكبير للطبراني 258/13، الطبقات لابن سعد 305,304/1، البداية والنهاية 82,81/5



بلاد زہران (بنو کنانہ)، بحرہ نزد مکہ مکرمہ

''میری پسند اور ناپسند پر بیعت کرو۔''

چنانچہ انھوں نے بیعت کر لی اور واپس جا کر گھر والوں کو اپنے اسلام قبول کرنے کی خبر دی۔ ان کے والد اسقع لیثی نے جب سنا کہ میرا بیٹا مسلمان ہو چکا ہے تو اس نے واثلہ رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر کہا: ''اللہ کی قسم! اب میں ساری عمر تمھارے ساتھ بات نہیں کروں گا۔'' والد کی نسبت ان کی بہن بہت ہی خوش قسمت ثابت ہوئی، اس نے اسلام کی حقانیت کو دیکھتے ہوئے مذہب حنیف اسلام قبول کر لیا۔

واثلہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں اسلام قبول کرتے ہوئے دیکھ لیا تھا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک کی تیاریوں میں مصروف ہیں، چنانچہ انھوں نے اس وقت فیصلہ کر لیا کہ میں وطن سے فوراً واپس آ کر مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں شریک ہو جاؤں گا۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے جلد از جلد تیاری مکمل کی اور مدینہ منورہ کی طرف چل دیے۔ جب وہ مدینہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ تبوک کو روانہ ہو چکے ہیں جبکہ مجاہدین کا ایک لشکر ابھی جا رہا تھا۔ سیدنا واثلہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا کوئی نیک دل مجاہد ہے جو مجھے اپنے ساتھ سوار کرے؟ مال غنیمت میں سے جو حصہ ملے گا، وہ اس کا ہوگا۔

سیدنا کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ نے انھیں سوار کر لیا۔ مقام تبوک پہنچ کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اس لشکر کے ہمراہ روانہ کر دیا جو سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت اکیدر دومہ کے خلاف جنگ لڑنے جا رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو فتح و کامرانی سے نوازا۔ مال غنیمت مجاہدین میں تقسیم کیا گیا تو ہر ایک کے حصے میں چھ یا اس سے بھی کچھ زائد اونٹ آئے۔ سیدنا واثلہ رضی اللہ عنہ نے حسب وعدہ اپنے حصے کا مال غنیمت سیدنا کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ لیکن انھوں نے یہ مال قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا: ''میں نے تمھیں اپنے ساتھ اس لیے سوار نہیں کیا تھا کہ فتح کے بعد تمھارے حصے کا مال بھی مجھے مل جائے، میں نے تو صرف اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے تمھیں سوار کیا تھا۔ اب میں مال کے لالچ میں آ کر اپنا نیک عمل برباد نہیں کرنا چاہتا۔''

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ سیدنا واثلہ رضی اللہ عنہ اصحاب صفہ میں سے تھے جو اکثر اوقات مسجد ہی میں رہا کرتے تھے۔ یہ بعد میں دمشق چلے گئے تھے اور وہیں 85 یا 86ھ میں فوت ہوئے۔[1] واللہ اعلم۔

وفد بنی اشجع

بنو اشجع غزوہ خندق کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ دوسرے قول کے مطابق یہ

[1] الطبقات لابن سعد: 306,305/1، البدایۃ والنہایۃ: 82/5، الإصابۃ: 591/6.

لوگ نبی ﷺ کی غزوۂ بنو قریظہ سے فراغت کے بعد مدینہ آئے تھے۔ یہ کل ایک سو آدمی تھے، دوسری روایت کے مطابق 700 آدمی تھے۔ ان کا امیر مسعود بن رخیلہ تھا۔ یہ لوگ سلع نامی گھاٹی میں ٹھہرے۔ رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے اور ان کے لیے کھجوروں کا بندوبست کرنے کا حکم دیا۔ انھوں نے عرض کی: اے محمد! ہم اپنی قوم میں سے کسی ایسے شخص کو نہیں جانتے جس کا گھر ہمارے گھر سے آپ سے زیادہ قریب ہو اور اس کی تعداد بھی ہم سے کم ہو۔ ہم آپ کی اور آپ کی قوم کی جنگ کی وجہ سے تنگ ہیں۔ ہم آپ سے صلح کرنے آئے ہیں۔ آپ ﷺ نے ان سے صلح کر لی۔ بعد میں یہ لوگ مسلمان ہو گئے۔[1]

وفد باہلہ

فتح مکہ کے بعد مطرف بن کاہن باہلی خود رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اپنی قوم کے نمائندے بن کر حاضر ہوئے۔ پھر یہ مسلمان ہو گئے اور اپنی قوم کے لیے امان نامہ حاصل کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں ایک تحریر لکھ کر دی جس میں صدقات و زکاۃ کے مسائل درج تھے۔ پھر یہ واپس چلے گئے۔

اسی طرح باہلہ سے نہشل بن مالک وائلی بھی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اپنی قوم کے نمائندے بن کر حاضر ہوئے اور پھر مسلمان ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے اور ان کی قوم کے مسلمانوں کے لیے ایک تحریر لکھ کر دی جس میں اسلامی تعلیمات درج تھیں۔ یہ تحریر سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے لکھی۔[2]

وفد بنی سلیم

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بنو سلیم کا ایک شخص قیس بن نسیبہ حاضر ہوا۔ اس نے نبی ﷺ کا کلام سنا اور چند سوالات کیے۔ آپ ﷺ نے اس کے سوالوں کے جوابات دیے۔ اس نے یہ ساری باتیں ذہن نشین کر لیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تو وہ مسلمان ہو گیا۔ اس نے اپنی قوم بنو سلیم کے پاس واپس جا کر کہا:

> ''میں نے رومیوں کے ترجمے، ایرانیوں کی گنگناہٹ، عربوں کے اشعار، کاہنوں کی کہانت اور حمیر کے فصیح لوگوں کا کلام سنا ہے لیکن محمد (ﷺ) کا کلام ان لوگوں کے کلام میں سے کسی کے مشابہ نہیں ہے، لہٰذا ان کی اطاعت قبول کر لو اور ان سے اپنا حصہ وصول کر لو۔''

فتح مکہ کے سال بنو سلیم رسول اللہ ﷺ سے قدید کے مقام پر ملے۔ ان کی تعداد 900 یا 1000 کے لگ بھگ

1 طبقات ابن سعد 306/1، دلائل النبوۃ 82/5. 2 الطبقات لابن سعد 307/1

تھی۔ انھی میں عباس بن مرداس، انس بن عیاض اور راشد بن عبد ربہ بھی تھے۔ یہ سب مسلمان ہوگئے اور عرض کی: ''اے اللہ کے رسول! آپ ہمیں ہراول دستے میں شامل فرمائیں، ہمارے لیے سرخ جھنڈا تیار کرائیں اور ہمارا شعار ''مقدم'' مقرر کر دیجیے۔'' آپ ﷺ نے ان کی درخواست قبول کر لی۔ یہ لوگ فتح مکہ، طائف اور حنین کے غزوات میں آپ ﷺ کے شانہ بشانہ تھے۔

راشد بن عبد ربہ ایک بت کی پوجا کیا کرتے تھے۔ ایک دن انھوں نے دیکھا کہ دو لومڑ ان کے بت پر پیشاب کر رہے ہیں تو انھوں نے کہا:

أربٌ يبول الثعلبان برأسه لقد ذل من بالت عليه الثعالب

''کیا وہ رب ہو سکتا ہے جس کے سر پر دو لومڑ پیشاب کر رہے ہیں؟ جس کے سر پر لومڑ پیشاب کریں وہ تو نہایت ذلیل ہوتا ہے۔''

انھوں نے اپنے بت کو توڑ ڈالا اور پھر نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ما اسمك؟ ''تمھارا نام کیا ہے؟'' انھوں نے بتایا: میرا نام غاوی بن عبدالعزیٰ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بل أنت راشد بن عبد ربه ''اب سے تمھارا نام راشد بن عبد ربہ ہوگا۔'' راشد رضی اللہ عنہ مسلمان ہوگئے اور بہت ہی اچھے مسلمان ثابت ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے متعلق ارشاد فرمایا:

خير قرى عربية خيبر وخير بني سليم راشد

''عرب کی بہترین بستی خیبر ہے اور بنو سلیم میں سب سے بہتر راشد بن عبد ربہ ہیں۔''

آپ ﷺ نے انھیں ان کی قوم کا سردار بھی مقرر کیا تھا۔

بنو سلیم کے ایک شخص سے روایت ہے کہ ہمارا ایک آدمی جس کا نام قدر بن عمار تھا، نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مسلمان ہوگیا۔ اس نے نبی ﷺ سے وعدہ کیا کہ وہ آپ کے پاس اپنی قوم کے ایک ہزار شاہسوار لائے گا جو آپ کے ساتھ جہاد میں شرکت کریں گے۔

اس کے بعد قدر بن عمار رضی اللہ عنہ اپنی قوم کے پاس آئے اور نو سو آدمی تیار کر کے آپ ﷺ کی طرف روانہ ہوگئے۔ ایک سو آدمیوں کو اپنے علاقے کی حفاظت کے لیے پیچھے چھوڑ دیا۔ ابھی وہ راستے ہی میں تھے کہ ان کی موت کا وقت قریب آ گیا۔ انھوں نے اپنی وفات سے پہلے وصیت کی کہ عباس بن مرداس تین سو آدمیوں کے امیر ہیں اور یہ انھیں رسول اللہ ﷺ کے پاس لے کر جائیں گے، یہ ان کی ذمہ داری ہے۔ دوسرے تین سو لوگوں کے امیر اخنس

بن یزید ہوں گے اور یہ اپنی ذمہ داری نبھائیں گے۔ اور جو باقی تین سو ہیں، انھیں جبار بن حکم المعروف فرار شدیدی لے کر جائیں گے اور یہ ان کے امیر بھی ہوں گے۔ آخر قدر بن عمار فوت ہوگئے۔ مذکورہ حضرات نے اپنا سفر جاری رکھا اور رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ گئے۔ آپ ﷺ نے پوچھا:

[illegible]

''وہ خوبصورت چہرے والا، فصیح اللسان اور سچے ایمان والا آدمی کہاں ہے؟''

انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! وہ فوت ہوگئے ہیں۔ انھوں نے ساری صورت حال رسول اللہ ﷺ کے سامنے بیان کر دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''جن ہزار لوگوں کا اس نے میرے ساتھ وعدہ کیا تھا، ان میں سے باقی کہاں ہیں؟''

انھوں نے کہا: ایک سو آدمیوں کو اس نے اپنی بستی کی حفاظت کے لیے باقی چھوڑا تھا۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں بنو کنانہ ان پر حملہ نہ کر دیں کیونکہ بنو کنانہ کے ساتھ جنگ چل رہی ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''انھیں بھی پیغام بھیج کر بلا لو کیونکہ اس سال تمھارے ساتھ کوئی ناپسندیدہ واقعہ نہیں ہونے والا۔''

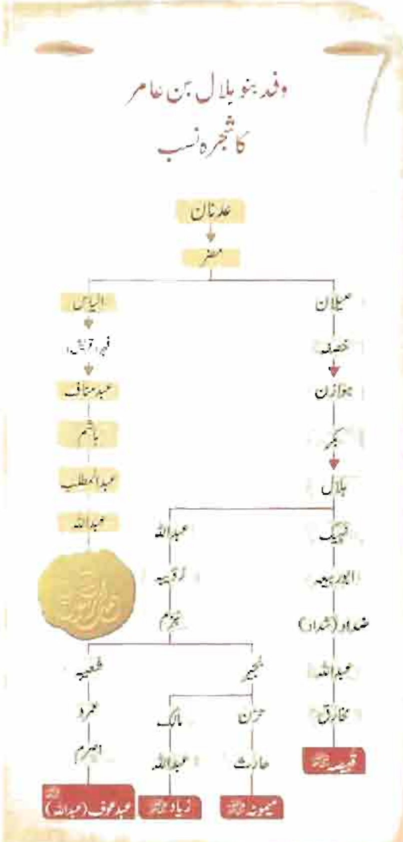
چنانچہ انھوں نے پیغام بھیج کر انھیں بلا لیا۔ ان کا امیر مقنع بن مالک بن امیہ تھا۔ جب انھوں نے لشکر کی آواز سنی تو نبی ﷺ سے کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! ہم پر حملہ ہونے والا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: [illegible] ''نہیں نہیں، یہ تمھارے حق میں ہے، تمھارے خلاف نہیں، یہ سلیم بن منصور کا لشکر ہے۔''

یوں یہ لوگ غزوۂ فتح مکہ اور حنین میں آپ ﷺ کے ساتھ شریک جہاد تھے۔[1] واللہ اعلم.

وفد بنی بلال بن عامر

ہوازن کی شاخ بنو ہلال بن عامر کا وفد نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وفد میں عبد عوف بن اصرم بن

1 [illegible] 309 307/1



عمرو نامی ایک شخص تھا۔ آپ ﷺ نے اس سے نام پوچھا۔ اس نے اپنا نام بتایا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "آج کے بعد تیرا نام عبد اللہ ہوگا۔" عبد اللہ رضی اللہ عنہ مسلمان ہوگئے۔ ان کی اولاد میں سے ایک نے یہ شعر کہا:

جدّي الّذي اختارت هوازن كلّها
إلى النّبيّ عبد عوف وافدا

"میرے دادا عبد عوف وہ ہیں جنھیں تمام ہوازن والوں نے اتفاق رائے سے نبی ﷺ کی طرف قاصد بنا کر بھیجا۔"

اس وفد میں قبیصہ بن مخارق بھی تھے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں اپنی قوم کا کفیل اور ذمہ دار ہوں، لہٰذا اس معاملے میں آپ میرے ساتھ تعاون فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: [illegible] "صدقات وغیرہ آتے ہیں تو تمھارے لیے اس میں سے کچھ حصہ نکال لیں گے۔"


وادی رنیہ میں بنو رویبہ (شاخ بنو بلال) کا علاقہ

اسی طرح زیاد بن عبد اللہ جن کا تعلق بنو بلال بن عامر سے تھا، نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب یہ مدینہ آئے تو ام المومنین سیدہ میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کے پاس آئے۔ میمونہ رضی اللہ عنہا زیاد کی خالہ تھیں۔ ان کی والدہ کا نام غرہ بنت حارث تھا۔ زیاد رضی اللہ عنہ نوجوان آدمی تھے۔ نبی ﷺ جب گھر میں داخل ہوئے تو انھیں میمونہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ بیٹھے ہوئے دیکھا۔ یہ دیکھ کر آپ ﷺ شدید غصے ہوئے اور واپس چلے گئے۔ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہ میرا بھانجا ہے۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ گھر لوٹ آئے۔ پھر تھوڑی دیر بعد آپ ﷺ مسجد نبوی میں تشریف لائے۔ آپ کے ساتھ زیاد رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ آپ ﷺ نے نماز ظہر پڑھائی۔ نماز

سے فارغ ہونے کے بعد آپ ﷺ نے زیاد رضی اللہ عنہ کو اپنے قریب کیا، ان کے لیے دعا کی اور ان کے سر اور چہرے پر ہاتھ پھیرا۔ بنو ہلال کہا کرتے تھے: ہم ہمیشہ زیاد رضی اللہ عنہ کے چہرے میں برکت محسوس کرتے تھے۔ کسی شاعر نے زیاد رضی اللہ عنہ کے بیٹے علی کو مخاطب کر کے کہا:

يا ابن الذي مسح الرسول برأسه ... ودعا له بالخير عند المسجد

أعني زيادا لا أريد سواءه ... من غائر أو متهم أو منجد

ما زال ذاك النور في عرنينه ... حتى تبوأ بيته في الملحد

''اے اس عظیم باپ کے بیٹے جن کے سر پر نبی کریم ﷺ نے ہاتھ پھیرا اور مسجد میں ان کے لیے دعائے خیر کی! میری مراد صرف اور صرف زیاد ہیں، کوئی مسافر یا تہامہ یا نجد جانے والا شخص نہیں ہے۔ اور وہ نور ہمیشہ ان کی ناک (چہرے) پر رہا یہاں تک کہ وہ فوت ہو کر قبر میں چلے گئے۔''[1]

وفد بنی بکر بن وائل

ابن سعد نے اپنی سند سے بیان کرتے ہیں کہ بکر بن وائل کا وفد نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان میں سے ایک آدمی نے نبی ﷺ سے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا آپ قُس بن ساعدہ کو جانتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«بلى، ذاك رجل من إياد تحنف في الجاهلية، فوافى عكاظ والناس مجتمعون فكلمهم بكلامه الذي حفظ عنه.»

''وہ تم میں سے نہیں ہے۔ وہ ایاد کا آدمی ہے جو جاہلیت میں موحد ہو گیا تھا۔ ایک دفعہ وہ عکاظ آیا تو لوگ جمع ہو گئے۔ اس نے ان سے وہ باتیں کیں جو لوگوں نے یاد کر رکھی ہیں۔''

اس وفد میں بشیر بن خصاصیہ، عبداللہ بن مرثد اور حسان بن حوط بھی تھے۔ حسان بن حوط کی اولاد میں سے ایک نے ان کے متعلق یہ شعر کہا تھا:

أنا ابن حسان بن حوط وأبي ... رسول بكر كلها إلى النبي

''میں حسان بن حوط کا بیٹا ہوں۔ میرے والد تمام بکر بن وائل کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کی طرف قاصد بن کر گئے تھے۔''

[1] الطبقات لابن سعد 1/309، 310، والإصابة 5/83.

اسی خاندان سے عبداللہ بن اسود بھی رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے تھے۔ یہ یمامہ میں رہتے تھے۔ انھوں نے یمامہ میں اپنا سب کچھ بیچ کر ہجرت کی اور رسول اللہ ﷺ کے پاس آگئے۔ آپ ﷺ نے ان کے لیے برکت کی دعا کی۔[1]

وفد بنی تغلب

بنو تغلب کے وفد میں سولہ آدمی تھے۔ ان میں کچھ مسلمان تھے اور کچھ عیسائی۔ عیسائیوں (کے لباس) پر سنہری صلیبیں تھیں۔ یہ سب لوگ رملہ بنت حارث کے گھر ٹھہرے۔ آپ ﷺ نے عیسائیوں سے اس شرط پر صلح کرلی کہ وہ اپنی اولاد کو عیسائیت کے رنگ میں نہیں رنگیں گے۔ واپسی کے وقت آپ ﷺ نے مسلمانوں کو تحفے تحائف بھی دیے۔[2]

وفد تجیب

ابوحویرث کہتے ہیں کہ 9 ھ میں 13 افراد پر مشتمل تجیب کا ایک وفد نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ اپنے علاقے کے صدقات و زکاۃ بھی اپنے ساتھ لائے۔ رسول اللہ ﷺ بہت خوش ہوئے۔ انھیں خوش آمدید کہا اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ ان کے لیے عمدہ رہائش اور خوب خاطر مدارات کا بندوبست کریں۔ آپ ﷺ نے ان کے لیے تحفے تحائف دینے کا بھی اعلان کیا اور دوسرے وفد کے مقابلے میں انھیں زیادہ عطیات سے نوازا۔ اور فرمایا: «هل بقي منكم أحد؟» "تم میں سے کوئی باقی تو نہیں رہ گیا؟" انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم نے اپنے گھروں کی حفاظت کے لیے ایک غلام کو پیچھے چھوڑا ہے، وہ ہم میں سب سے چھوٹا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «أرسلوه إلينا» "اسے ہماری طرف بھیجو۔" وہ غلام رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں ان لوگوں میں سے ہوں جو ابھی آپ کے پاس آئے تھے، آپ نے ان کی ضروریات پوری فرمائی ہیں، آپ میری ضرورت بھی پوری فرمائیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: «وما حاجتك؟» "تمھاری کیا حاجت ہے؟" اس نے عرض کی: آپ بس میرے لیے دعا فرما دیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے اور میرے دل میں غنا بھر دے۔ آپ ﷺ نے اس کے لیے دعا کرتے ہوئے فرمایا: «اللهم اغفر له وارحمه واجعل غناه في قلبه» "اے اللہ! اسے بخش دے، اس پر رحم فرما اور اسے دل کا غنی کر دے۔"

اس کے بعد آپ ﷺ نے اس کے لیے اسی طرح عطیات دینے کا حکم دیا جیسا کہ اس کے دوسرے ساتھیوں کو دیے تھے۔ یہ سب اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔ پھر یہ 10 ھ حج کے موسم میں وادی منیٰ میں آپ ﷺ سے

[1] الطبقات لابن سعد 315/1۔ [2] الطبقات لابن سعد 316/1، البدایۃ والنہایۃ 83,84/5۔

ملے۔ آپ ﷺ نے ان سے اس غلام کے متعلق دریافت فرمایا تو انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم نے اس جیسا قانع شخص نہیں دیکھا، اللہ نے جو کچھ اسے عطا کیا ہے، وہ اسی پر قناعت کرتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے فوت ہو جانے کے بعد جب اہل یمن مرتد ہوگئے تو یہ غلام اپنی قوم میں کھڑا ہوا، انھیں وعظ و نصیحت کی اور اسلام پر کاربند رہنے کی ترغیب دی۔ چنانچہ اس کی اس تقریر کی وجہ سے قوم میں سے کوئی شخص بھی مرتد نہ ہوا۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اسے یاد کرتے اور لوگوں سے اس کے متعلق دریافت کرتے۔ آپ رضی اللہ عنہ کو اس کی ثابت قدمی اور قوم میں بھرپور کردار ادا کرنے کے بارے میں پتہ چلا تو آپ بہت خوش ہوئے۔[1]

وفد خولان

قحطانی قبیلہ خولان یمن میں آباد تھا، یہ بنوکہلان کی شاخ تھا اور خولان بن عمرو بن مالک بن حارث بن مرہ بن ادد سے منسوب تھا۔ 10 ھ میں خولان کے 10 آدمی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم اللہ پر ایمان لانے اور اس کے رسول کی تصدیق کرنے والے ہیں۔ ہم اپنی قوم کے ضامن بھی ہیں۔ ہم نے آپ کی زیارت کے لیے اونٹوں پر دور دراز کا پرمشقت سفر کیا ہے۔ آپ ﷺ نے یہ سن کر ارشاد فرمایا:

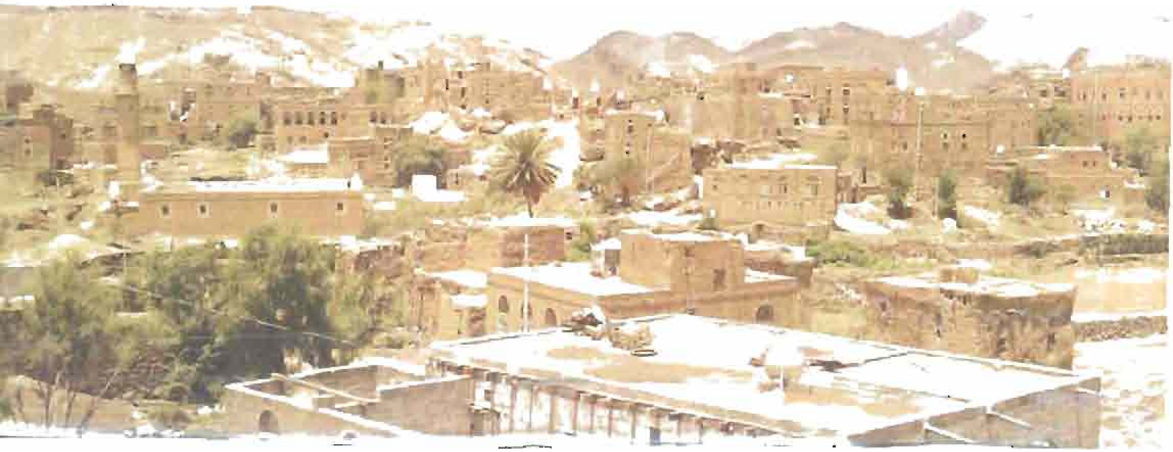
[illegible]

[illegible]

”تم لوگ خاطر جمع رکھو! تمھارا یہ مشکل سفر جس کی تم نے مشقت اٹھائی ہے، ضائع نہیں ہوا بلکہ جتنے قدم

1 الطبقات لابن سعد 323/1، شرح الزرقانی 202/5-204، البدایۃ والنہایۃ 84/5

صنعاء (یمن) سے 30 کلومیٹر جنوب مشرق میں دیار خولان کا قصبہ ہجرۃ الکبس



"تمھارے اونٹوں نے اٹھائے ہیں، ہر قدم پر تمھارے لیے نیکی ہے۔ پس جو شخص میری زیارت کے لیے مدینہ آتا ہے تو قیامت کے دن وہ میری ہمسائیگی میں ہوگا۔"

آپ ﷺ نے پوچھا: [illegible] "عم انس کا کیا بنا؟" (یہ خولان کا بت تھا۔) انھوں نے کہا: الحمدللہ آپ کی ہدایت و تعلیم جو ہم تک پہنچی ہے، وہ بت پرستی کا نعم البدل ثابت ہوئی ہے۔ صرف چند بوڑھے مرد اور عورتیں ایسی رہ گئی ہیں جو ابھی تک اس بت کی پوجا کرتے ہیں، باقی تمام لوگوں نے بت پرستی چھوڑ دی ہے۔ ان شاء اللہ واپسی پر ہم اس بت کا نام و نشان بھی نہیں چھوڑیں گے۔ ہم تو بہت بڑے دھوکے اور فتنے میں مبتلا تھے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: [illegible] "تم نے اس کا سب سے بڑا فتنہ کیا دیکھا؟" انھوں نے کہا: ہم قحط میں مبتلا ہوئے، حالت یہ ہوگئی تھی کہ ہم نے بوسیدہ ہڈیاں بھی کھا ئیں لیکن اس بت کے لیے جو کچھ ہمارے پاس تھا، ہم نے جمع کیا۔ ہم نے 100 بیل خریدے اور ایک ہی وقت میں اس بت کے نام پر ذبح کرکے وہیں پھینک دیے۔ درندے انھیں نوچتے رہے جبکہ درندوں کے مقابلے میں ہمیں زیادہ ضرورت تھی۔ پھر ہم پر بارش برسی اور اس قدر ہریالی ہوئی کہ آدمی کے قد کے برابر ہوگئی۔ اس پر ہم میں سے کہنے والا کہتا: "ہم پر عم انس نے انعام فرمایا ہے۔"

اسی طرح انھوں نے کہا کہ ہم اپنے بتوں کے لیے اپنے جانوروں میں سے بعض جانور اور کھیتی میں سے کچھ خاص حصہ مختص کرتے تھے۔ یعنی کچھ حصہ بت کے نام اور کچھ اللہ کے نام کا ہوتا تھا۔ اگر بت کا حصہ ہلاک ہو جاتا یا آندھی اور طوفان میں تباہ ہو جاتا تو اللہ تعالیٰ کا حصہ بت کو دے دیتے تھے اور اگر اللہ کا حصہ تباہ یا ضائع ہو جاتا تو بت کے نام والا حصہ اللہ کے لیے نہیں دیتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إن الله قد أنزل علي في ذلك: ﴿وَجَعَلُوا لِلَّهِ مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْأَنْعَامِ نَصِيبًا فَقَالُوا هَٰذَا لِلَّهِ بِزَعْمِهِمْ وَهَٰذَا لِشُرَكَائِنَا ۖ فَمَا كَانَ لِشُرَكَائِهِمْ فَلَا يَصِلُ إِلَى اللَّهِ ۖ وَمَا كَانَ لِلَّهِ فَهُوَ يَصِلُ إِلَىٰ شُرَكَائِهِمْ ۗ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ﴾ [illegible]

"اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں مجھ پر یہ نازل فرمایا ہے: "اور انھوں نے اس میں سے اللہ کا حصہ ٹھہرایا جو اس نے کھیتی اور چوپایوں کی شکل میں پیدا فرمایا، پھر اپنے خیال کے مطابق کہنے لگے: یہ (حصہ) اللہ کے لیے ہے اور یہ ہمارے دیوتاؤں کے لیے، پھر ان کے دیوتاؤں کا جو حصہ ہے وہ تو اللہ کے پاس نہیں پہنچتا اور جو اللہ کا حصہ ہے، وہ ان کے دیوتاؤں کے پاس پہنچ جاتا ہے، کس قدر برا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں۔"

پھر انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم اس (بت) کے پاس اپنے جھگڑوں کا فیصلہ کروانے جاتے تھے تو وہ ہم سے بات بھی کرتا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "تلك الشياطين تخاطبكم" "یہ شیاطین ہوتے تھے جو تم سے باتیں کرتے تھے۔"

اس گفتگو کے بعد آپ ﷺ نے اہل وفد کو دین حنیف کے فرائض، یعنی نماز، روزہ، حج اور زکاۃ کی تعلیم دی اور کچھ نصیحتیں فرمائیں کہ عہد کو پورا کرنا، امانت کو اس کے حق دار تک پہنچانا، پڑوسیوں کا خیال رکھنا، کسی پر ظلم نہ کرنا۔

انھیں رملہ بنت حارث کے گھر ٹھہرایا گیا اور ان کی خوب ضیافت کی گئی۔ کچھ دنوں کے بعد یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کو الوداع کہنے کے لیے حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے انھیں عطیات سے نوازا۔ ہر ایک کو 12 اوقیے چاندی اور کچھ مزید بھی عطا کیا۔

جب یہ وفد واپس اپنے وطن پہنچا تو ان لوگوں نے سب سے پہلے یہی کام کیا کہ عم انس نامی بت کو گرا دیا اور جو چیزیں اللہ کے رسول ﷺ نے ان کے لیے حلال بتائی تھیں، انھیں حلال اور جو حرام بتائی تھیں، انھیں اپنے اوپر حرام سمجھا۔[1]

وفد جعفی

جعفی قحطانی قبیلہ مذحج کی ایک شاخ تھا اور یہ جعفی بن سعد العشیرہ بن مالک (مذحج) سے منسوب تھا۔ ابوبکر بن قیس جعفی بیان کرتے ہیں کہ جاہلیت میں جعفی قبیلے کے لوگ دل کھانے کو حرام سمجھتے تھے۔ پھر یہ ہوا کہ جعفی قبیلے کے دو افراد قیس بن سلمہ اور سلمہ بن یزید، جو اخیافی بھائی تھے، مسلمان ہو گئے۔ ان کی والدہ کا نام ملیکہ بنت حلو بن مالک جعفی تھا۔ آپ ﷺ نے ان دونوں سے فرمایا: "بلغني أنكم لا تأكلون القلب" "مجھے پتہ چلا ہے کہ تم لوگ دل نہیں کھاتے؟"

انھوں نے عرض کی: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے دل منگوایا، اسے بھنوایا اور سلمہ بن یزید کو دے دیا۔ جب اس نے دل پکڑا تو اس کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ اسے کھاؤ۔ اس نے بادل نخواستہ کھا لیا اور کہا:

على أني أكلت القلب كرها ... وترعد حين مسته بناني

"میں نے نہ چاہتے ہوئے بھی دل کھایا اور جب میں نے اسے ہاتھ میں پکڑا تو میرا ہاتھ کانپ رہا تھا۔"

رسول اللہ ﷺ نے قیس بن سلمہ کے لیے ایک تحریر بھی لکھی جس کی عبارت یہ تھی:

كتاب من محمد رسول الله لقيس بن سلمة بن شراحيل: إني استعملتك على مران

---

[1] مجمع الزوائد 7/662، 663، سبل الهدى والرشاد: 6/331، 332.

[illegible]

"یہ دستاویز محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے قیس بن سلمہ بن شراحیل کے لیے ہے۔ میں نے تجھے مران اور ان کے حلیفوں کا، حریم اور ان کے حلیفوں کا، کلاب[1] اور ان کے حلیفوں پر عامل مقرر کیا ہے، ان لوگوں پر جو نماز قائم کریں، زکاۃ دیں اور اپنے مال کو صدقے کے ذریعے سے پاک کریں۔"

پھر ان دونوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہماری والدہ ملیکہ بنت حلو قیدی آزاد کراتی، تنگ دستوں کو کھانا کھلاتی اور مسکینوں پر ترس کھاتی تھی، اب وہ فوت ہوگئی ہے۔ اس نے اپنی ایک نومولود بچی کو زندہ درگور کیا تھا۔ اب اس کے ساتھ کیا سلوک ہوگا؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

[illegible]

"زندہ دفن کرنے والی اور دفن ہونے والی جہنم میں ہوں گی۔"

رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان سن کر وہ دونوں غصے سے بھرے ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [illegible] "تم دونوں میرے پاس آؤ۔" پھر فرمایا: "میری ماں بھی تمھاری ماں کے ساتھ ہوگی۔" لیکن وہ نہ مانے اور چلتے بنے۔ وہ کہتے جا رہے تھے: اللہ کی قسم! اس شخص نے ہمیں دل کھلایا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ ہماری ماں آگ میں جائے گی۔ اس کی اتباع نہیں ہونی چاہیے۔ راستے میں انھیں ایک صحابیِ رسول ملے۔ ان کے پاس صدقے کا ایک اونٹ تھا۔ ان ظالموں نے صحابیِ رسول کو رسیوں سے باندھ دیا اور اونٹ ہنکا کر لے گئے۔ نبی ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے ان قبائل کے ساتھ جن پر آپ لعنت کرتے تھے، ان دونوں پر بھی لعنت کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

"اللہ تعالیٰ رعل، ذکوان، عصیہ، لحیان اور ملیکہ کے دونوں بیٹوں پر لعنت فرمائے۔"

اسی طرح ابو سبرہ یزید بن مالک جعفی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کے ساتھ اس کے دو بیٹے سبرہ اور عزیز بھی تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے عزیز سے پوچھا: [illegible] "تمھارا نام کیا ہے؟" اس نے کہا: میرا نام عزیز ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: [illegible] "عزیز تو صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ [illegible] تو عبدالرحمن ہے۔" ابو سبرہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میرے ہاتھ کے اوپر والے حصے پر زخم ہے جس کی

[1] مران، حریم اور کلاب جعفی قبیلے کی شاخیں ہیں۔

وجہ سے میں اپنے امت کو کمیل نہیں ڈال سکتا۔ آپ ﷺ نے ایک پیالا منگوا کر اس کے زخم پر رگڑا تو زخم صحیح ہو گیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے اس کے لیے اور اس کے دونوں بیٹوں کے لیے دعا فرمائی۔ پھر ابوسبرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! یمن میں میری قوم کی ایک وادی ہے، وہ میرے نام کر دیجیے۔ اس وادی کا نام حُرّان تھا۔ آپ ﷺ نے وہ وادی اس کے نام کر دی۔[1]

وفد بنی ازد

بنو ازد ایک یمنی قحطانی قبیلے کا نام ہے۔ ازد اس قبیلے کے جد اعلیٰ کا نام تھا۔ اسے ازدِ شنوءہ بھی کہتے ہیں۔

علقمہ بن زید اپنے دادا سے بیان کرتے ہیں کہ میں وفد بنو ازد کے ان سات آدمیوں میں شامل تھا جو نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمارے ساتھ بڑی خوش خلقی کا مظاہرہ فرمایا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «مَا أَنْتُمْ؟» ''آپ کون لوگ ہیں؟'' ہم نے کہا: ہم مومن لوگ ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لِكُلِّ قَوْلٍ حَقِيقَةٌ فَمَا حَقِيقَةُ قَوْلِكُمْ وَإِيمَانِكُمْ؟»

''ہر بات کی کوئی نہ کوئی حقیقت ہوتی ہے، تمھاری اس بات کی اور ایمان کی کیا حقیقت ہے؟''

ہم نے عرض کیا: اس بات کی حقیقت ہماری پندرہ خصلتیں ہیں۔ ان میں پانچ وہ ہیں جو آپ کے قاصد آپ کی طرف سے حکما ہمارے پاس لائے اور ہم سب لوگ ان چیزوں پر ایمان لا چکے ہیں۔ باقی پانچ وہ ہیں جن پر عمل کرنے کا آپ نے ہمیں حکم دیا ہے۔ آخری پانچ صفات وہ ہیں جن پر ہم زمانۂ جاہلیت سے عمل کرتے چلے آ رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «مَا الْخَمْسُ الَّتِي أَمَرَتْكُمْ بِهَا رُسُلِي؟» ''وہ پانچ خصلتیں کون سی ہیں جن کا میرے قاصدوں نے حکم دیا ہے؟'' ہم نے عرض کی انھوں نے ہمیں اللہ پر، فرشتوں پر، اللہ کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر اور موت کے بعد دوبارہ اٹھنے پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے۔

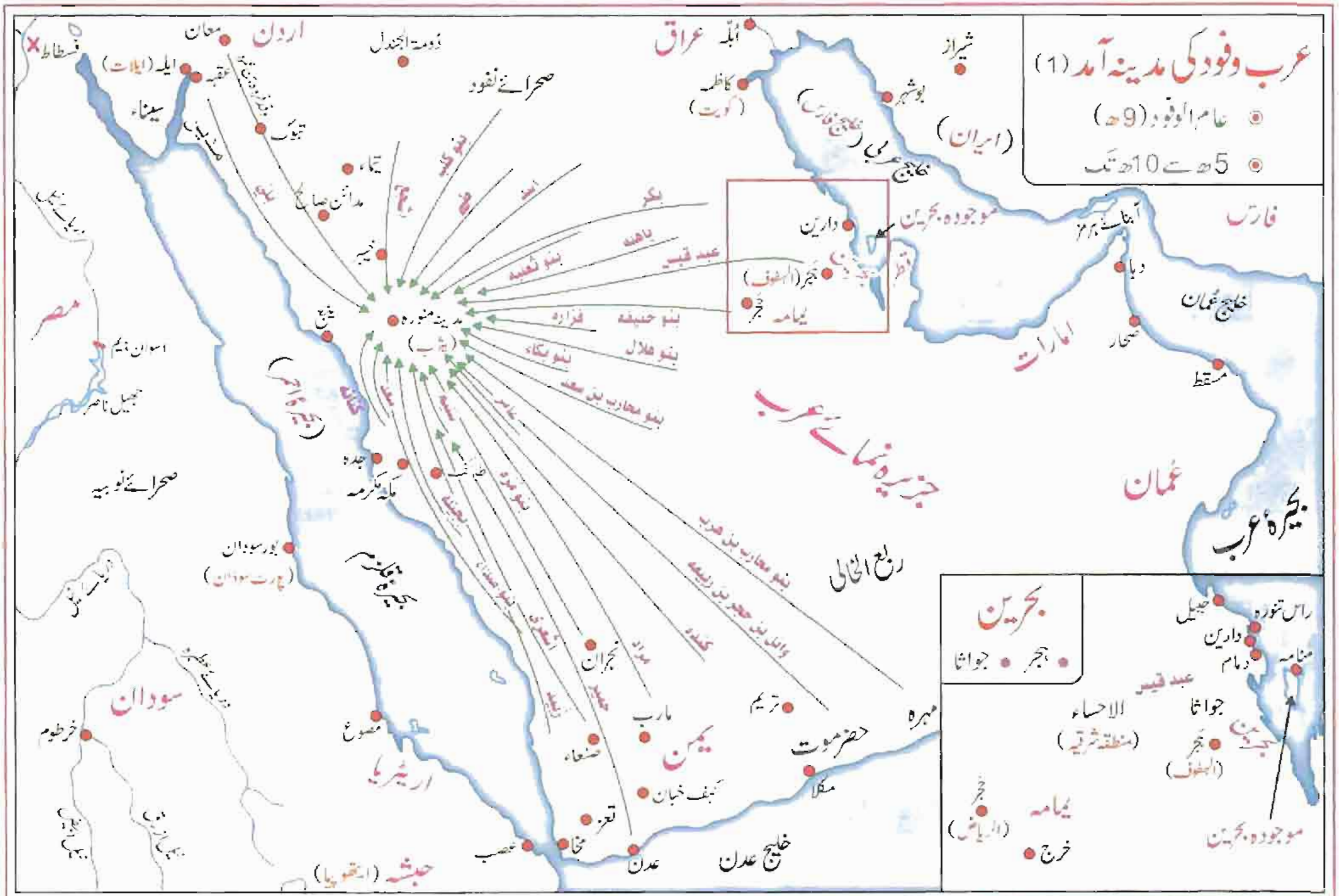
آپ ﷺ نے پھر وضاحت پوچھی:

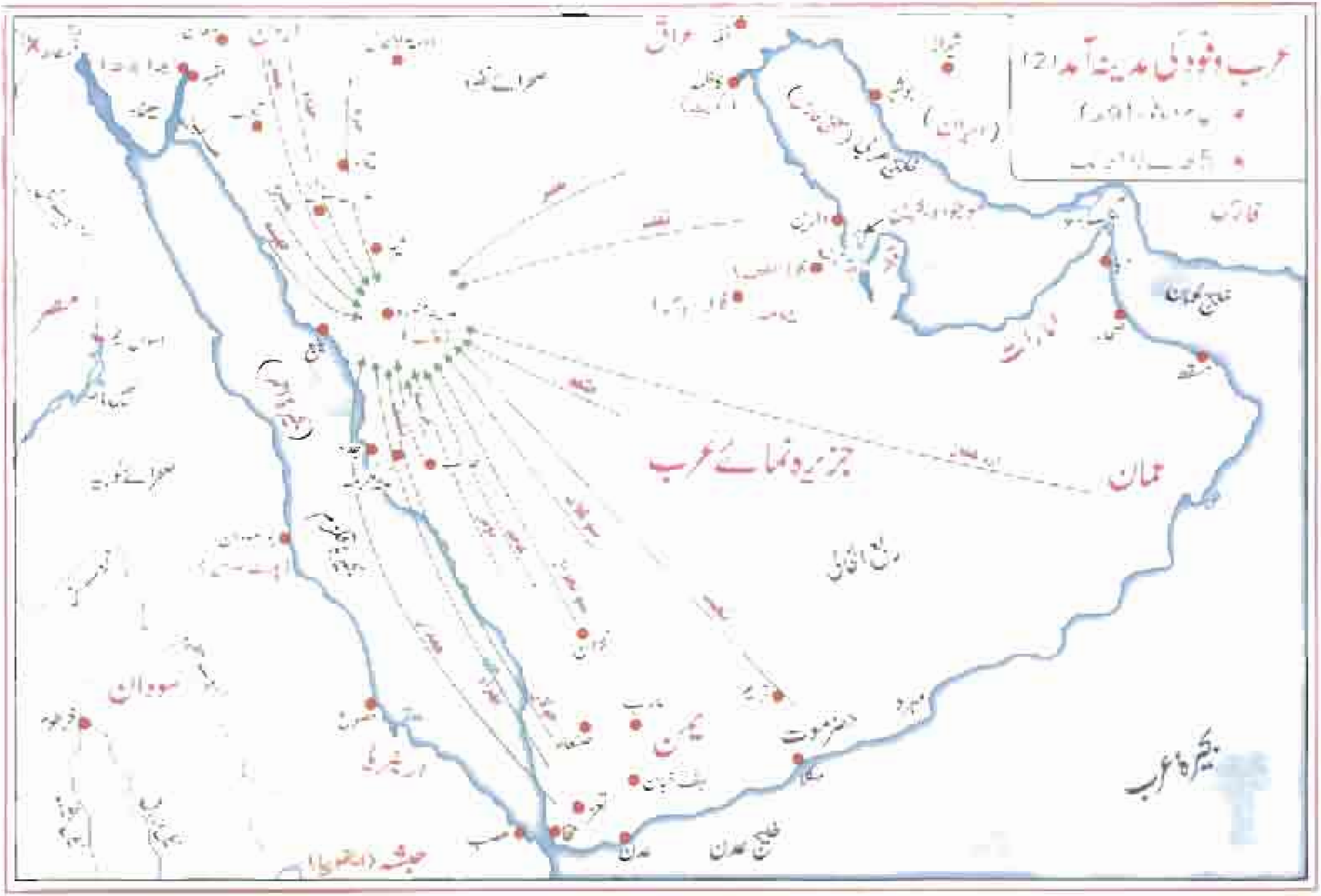
«وَمَا الْخَمْسُ الَّتِي أَمَرْتُكُمْ أَنْ تَعْمَلُوا بِهَا؟»

''اور وہ پانچ خصلتیں کون سی ہیں جن پر عمل کرنے کا تمھیں حکم دیا گیا ہے؟''

ہم نے عرض کی: آپ کے قاصدوں نے ہمیں لا الٰہ الا اللہ کا اقرار، نماز قائم کرنے، زکاۃ ادا کرنے، رمضان کے روزے رکھنے اور ہر صاحبِ استطاعت کو بیت اللہ کا حج کرنے کا حکم دیا ہے۔

1 الطبقات لابن سعد 326,325/1


عرب وفود کی مدینہ آمد (1)
عام الوفود (9ھ)
5ھ سے 10ھ تک
مدینہ منورہ
(یثرب)
مکہ مکرمہ
جدہ
طائف
ینبع
خیبر
تیماء
مدائن صالح
تبوک
معان
اردن
عقبہ
ایلہ (ایلات)
سیناء
فسطاط
دومۃ الجندل
صحرائے نفود
عراق
اُبلّہ
کاظمہ
(کویت)
بوشہر
شیراز
(ایران)
خلیج عربی (خلیج فارس)
فارس
آبنائے ہرمز
دبا
خلیج عمان
صحار
مسقط
امارات
عمان
بحیرہ عرب
جزیرہ نمائے عرب
ربع الخالی
موجودہ بحرین
دارین
ہجر (الہفوف)
یمامہ
حجر
بکر
باھلہ
عبد قیس
بنو ثعلبہ
بنو حنیفہ
فزارہ
بنو ہلال
بنو بکاء
بنو محارب بن سعد
عامر
اسد
طیء
بنو کلب
عذرہ
بنو محارب بن خصفہ
والیانِ حجر بن ربیعہ
کندہ
مراد
نجران
مارب
تریم
حضر موت
مہرہ
مکلا
یمن
صنعاء
کہف خبان
تعز
مخا
عدن
خلیج عدن
عصب
مصوع
اریٹریا
حبشہ (ایتھوپیا)
بحیرہ قلزم
بحیرہ احمر
پورٹ سوڈان
(پورٹ سوڈان)
صحرائے نوبیہ
مصر
اسوان نیم
جھیل ناصر
سوڈان
خرطوم
بحرین
ہجر
جواثا
راس تنورہ
جبیل
دمام
منامہ
عبد قیس
الاحساء
(منطقہ شرقیہ)
(الہفوف)
یمامہ
(الریاض)
خرج


عرب وفود کی مدینہ آمد (2)
عراق
مصر
سوڈان
جزیرہ نمائے عرب
عمان
ربع الخالی
یمن
حضرموت
عدن
خلیج عدن
بحیرۂ عرب
خلیج عمان

آپ ﷺ نے پوچھا:

"وما الخمس التي تخلقتم بها في الجاهلية؟"

''اور وہ پانچ صفات کون سی ہیں جو تم لوگوں نے دور جاہلیت ہی سے اختیار کر رکھی ہیں؟''

ہم نے کہا: خوشحالی میسر ہونے پر اللہ کا شکر ادا کرنا، مصیبت آنے پر صبر کرنا، ہر حال میں راضی بقضا رہنا اور ملاقات کے وقت ہمیشہ سچ بولنا اور دشمنوں کی مصیبت پر خوش نہ ہونا۔

اہل وفد کی گفتگو اور جوابات سن کر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«حكماء علماء كادوا من فقههم أن يكونوا أنبياء»

''بڑے حکیم اور دانشور ہیں۔ فقاہت اور سمجھداری کی وجہ سے مقام نبوت کے قریب ہیں۔''

پھر ارشاد فرمایا:

«وأنا أزيدكم خمسا فتتم لكم عشرون خصلة إن كنتم كما تقولون فلا تجمعوا ما لا تأكلون ولا تبنوا ما لا تسكنون ولا تنافسوا في شيء أنتم عنه غدا تزولون واتقوا الله الذي إليه ترجعون وعليه تعرضون وارغبوا فيما عليه تقدمون وفيه تخلدون»

''میں تمھیں پانچ خصلتیں اور بتاتا ہوں تاکہ بیس پوری ہو جائیں۔ اگر تم اسی طرح ہو جیسے تم کہتے ہو تو 1 جس چیز کو کھانا نہ ہو، اسے جمع نہ کرو۔ 2 ایسی عمارت مت بناؤ جس میں رہنا نہ ہو۔ 3 جس چیز کو تم چھوڑ کر جانے والے ہو، اس کے لیے اتنی بھاگ دوڑ نہ کرو۔ 4 اس اللہ سے ڈرو جس کے پاس تم لوٹ کر جانے والے ہو اور اس کے سامنے پیش ہونا ہے۔ 5 اور اس چیز میں رغبت کرو جس کی طرف تم جا رہے ہو اور جس میں تمھیں ہمیشہ رہنا ہے۔''

یہ لوگ آپ ﷺ کی وصیت کو لے کر واپس ہوئے، اسے خوب یاد رکھا اور اس پر عمل پیرا رہے۔[1]

وفد صدف[2]

شرحبیل بن عبدالعزیز صدفی اپنے باپ دادا سے بیان کرتے ہیں کہ ہم تیرہ سے انیس کے درمیان کی تعداد میں

1 زاد المعاد: 54/3، سیرت الزرقانی: 226-230، البدایۃ والنہایۃ: 85,84/5. 2 بنو صدف اس نام کے دو عربی قبیلے تھے۔ صدف بن اسلم قبیلہ حضرموت کی ایک شاخ تھے جبکہ صدف بن عمرو کا تعلق بنو حمیر سے تھا۔ (معجم قبائل العرب: 637/2)

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ہم مضبوط اور نوجوان اونٹنیوں پر سوار تھے۔ ہم نے چادریں پہنی ہوئی تھیں۔ ہم آپ ﷺ سے آپ کے گھر اور منبر کے درمیانی رستے میں ملے۔ ہم جا کر بیٹھ گئے اور سلام نہ کہا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: [illegible] ''کیا تم مسلمان ہو؟''

اہل وفد نے کہا: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: [illegible] ''تو پھر تم لوگوں نے سلام کیوں نہیں کیا؟'' چنانچہ یہ لوگ اسی وقت کھڑے ہوئے اور کہا: اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ أَیُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ ''اے نبی! آپ پر سلام اور اللہ کی رحمت ہو۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: [illegible] ''اور تم پر بھی سلامتی ہو، اب بیٹھ جاؤ۔''

وہ بیٹھ گئے۔ پھر انھوں نے آپ ﷺ سے نمازوں کے اوقات کے متعلق دریافت کیا تو آپ ﷺ نے انھیں نمازوں کے اوقات سے آگاہ فرمایا۔[1]

وفد خشین[2]

مجمع بن وہب فرماتے ہیں کہ سیدنا ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ غزوہ خیبر کے دنوں میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ اس وقت خیبر جانے کی تیاری فرما رہے تھے۔ ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ اسی موقع پر مسلمان ہو گئے اور غزوۂ خیبر میں آپ ﷺ کے ساتھ شریک ہوئے۔ اس کے بعد 7 افراد قبیلہ خشین سے آئے اور ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ کے ہاں ٹھہرے۔ یہ افراد بھی مسلمان ہو گئے۔ انھوں نے بیعت اسلام کی اور اپنی قوم کے پاس لوٹ گئے۔[3]

وفد بنی سعد ہذیم

سعد ہذیم، قضاعہ کی شاخ لیث بن سود سے تعلق رکھتے تھے۔ ابونعمان اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ میں اپنی قوم (سعد ہذیم) کے چند لوگوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے روانہ ہوا۔ ہم لوگوں نے مدینہ کے قریب ایک جگہ پر پڑاؤ ڈالا، پھر ہم وہاں سے مسجد نبوی کی طرف چل پڑے۔ ہم نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں کسی کی نماز جنازہ پڑھا رہے تھے۔ آپ ﷺ جب فارغ ہوئے اور ہمیں دیکھا تو پوچھا: [illegible] ''آپ کون لوگ ہیں؟'' ہم نے کہا: ہم بنو سعد ہذیم سے ہیں۔ آخر ہم مسلمان ہو گئے۔ ہم نے آپ ﷺ کے گھر پر بیعت بھی کی۔ اس کے بعد ہم اپنی رہائش گاہ پر چلے گئے۔ آپ ﷺ نے ہماری خاطر تواضع کا حکم دیا، ہماری خوب مدارات کی گئی۔ ہم تین دن وہاں رہے۔ اس کے بعد ہم آپ ﷺ کو الوداع کہنے کے لیے

1 الطبقات لابن سعد: 329/1. 2 بنوخشین: بنوخشین بن نمر بن وبرہ کا تعلق بنو قضاعہ سے تھا۔ (معجم قبائل العرب: 344/1)
3 الطبقات لابن سعد: 329/1.

حاضر خدمت ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: «أمّروا عليكم أحدكم» "اپنے میں سے کسی ایک کو اپنا امیر مقرر کرا لو۔" پھر آپ ﷺ نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو ہمیں تحائف دینے کا حکم دیا تو انھوں نے ہمیں کچھ اوقیے چاندی عطا کر دی۔ ہم اپنے گھروں کو لوٹ آئے اور اپنی قوم کو دعوت اسلام دی تو وہ بھی مسلمان ہو گئی۔[1]

عذرہ بن سعد کا وفد

بنو عذرہ بن سعد قبیلہ قضاعہ کی ایک شاخ تھے۔ ان کی نسبت عذرہ بن سعد بن ہذیم سے تھی۔ صفر 9 ھ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عذرہ بن سعد کا ایک وفد حاضر ہوا۔ یہ کل 12 افراد تھے۔ ان میں حمزہ بن نعمان عذری، مالک بن ابی رباح، سلیم بن مالک اور سعد بن مالک تھے اور یہ آخر الذکر دونوں بھائی تھے۔ یہ لوگ رملہ بنت حارث نجاریہ کے گھر میں ٹھہرے، پھر نبی ﷺ کے پاس آئے اور جاہلیت والا سلام کیا اور کہا: ہم لوگ قصی کے اخیافی بھائی ہیں، ہم ہی نے مکہ سے خزاعہ اور بنوبکر کو ہٹایا تھا اور ہماری قرابتیں اور رشتہ داریاں بھی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مرحبا بكم وأهلا، ما أعرفني بكم، فما منعكم من تحية الإسلام؟»

"خوش آمدید! میں تمھیں اچھی طرح جانتا ہوں۔ تم لوگوں نے اسلامی طریقے کے مطابق سلام کیوں نہیں کیا؟"

انھوں نے عرض کی: ہم اپنے آباء و اجداد کے دین پر ہیں اور ہم اپنے اور اپنی قوم کے لیے اچھی رہائش اور اچھا آب و دانہ تلاش کرنے آئے ہیں۔ آپ بتائیے کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إلى عبادة الله وحده لا شريك له، وأن تشهدوا أني رسول الله إلى الناس جميعا»

"میں دعوت دیتا ہوں کہ صرف اللہ کی عبادت کرو جو اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور اس بات کی گواہی دو کہ میں تمام لوگوں کے لیے اللہ کا رسول ہوں۔"

ان میں سے ایک نے کہا: اس کے فرائض کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے انھیں دین اسلام کے اہم فرائض سے آگاہ فرمایا۔ پھر سب نے یک زبان ہو کر کہا: ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور آپ بلاشبہ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ نے ہم لوگوں کو دعوت حق دی جو ہم نے صدق دل سے قبول کر لی ہے۔ اب ہم آپ کے انصار و مددگار ہیں۔ اے اللہ کے رسول! ہم شام تجارت کرنے جاتے ہیں، وہاں ہرقل کی حکومت ہے۔ کیا اس کے بارے میں آپ پر کوئی وحی نازل ہوئی ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

1 الطبقات لابن سعد: 1/329، 330، البداية والنهاية: 5/85، 86.

أبشروا فإن الشام ستفتح عليكم ويهرب هرقل إلى ممتنع بلاده"

"خوش ہو جاؤ، عنقریب (ملک) شام مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہوگا اور ہرقل اپنے محفوظ مقام کی طرف بھاگ کر اپنی جان بچائے گا۔"

آپ ﷺ نے انھیں کاہنہ عورتوں سے سوال کرنے اور بتوں کے نام پر جانور ذبح کرنے سے بھی روک دیا۔ آپ نے انھیں یہ بھی بتایا کہ اسلام نے ان کے لیے عیدالاضحیٰ کے موقع پر سال میں ایک مرتبہ قربانی رکھی ہے۔ یہ لوگ مسلمان ہوگئے۔ کچھ دن وہاں مدینہ میں قیام کیا، پھر اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔ آپ ﷺ نے انھیں بھی اسی طرح عطیات سے نوازا جیسا کہ آپ دوسرے وفود کو نوازتے تھے۔ ان میں سے ایک کو خصوصی طور پر ایک چادر بھی عنایت کی۔

اسی طرح زمل بن عمرو عذری نبی ﷺ کے پاس آئے۔ انھوں نے نبی ﷺ کو اپنے بت سے سنی ہوئی باتوں سے آگاہ کیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ذاك مؤمن من الجن "یہ جنوں میں سے ایمان لانے والا جن ہے۔"

زمل رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی دعوت پر مسلمان ہوگئے۔ آپ ﷺ نے ان کی قوم کے لیے انھیں ایک جھنڈا بھی باندھ کر دیا۔ زمل رضی اللہ عنہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ صفین میں شریک ہوئے۔ اسی طرح جنگ مرج میں بھی شامل ہوئے اور اسی میں شہید ہوگئے۔[1]

وفد سلامان

قبیلہ سلامان بن سعد کا تعلق قضاعہ سے تھا۔ اس میں صحابہ کثرت سے تھے۔ محمد بن یحییٰ کہتے ہیں: میں نے اپنے والد محترم کی کتابوں میں یہ تحریر لکھی ہوئی پائی ہے کہ حبیب بن عمرو سلامانی بیان کرتے تھے کہ ہم سات آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ ہماری ملاقات رسول اللہ ﷺ سے مسجد نبوی کے باہر ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ کسی کا جنازہ پڑھانے کے لیے تشریف لے جارہے تھے۔ ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ پر سلامتی ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وعليكم، من أنتم؟ "تم پر بھی، تم کون لوگ ہو؟" ہم نے عرض کی: ہم قبیلہ سلامان سے ہیں۔ ہم آپ کے مبارک ہاتھ پر اسلام کی بیعت کرنے آئے ہیں۔ ہم اپنی قوم کے بھی ضامن ہیں۔

آپ ﷺ اپنے غلام ثوبان رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: أنزل هؤلاء الوفد حيث ينزل الوفد "ان وفد والوں کو وہیں ٹھہراؤ جہاں دوسرے وفد ٹھہرتے ہیں۔"

1 الطبقات لابن سعد 1/331، 332، شرح الزرقاني 5/215، 216، زاد المعاد 3/569

نبی ﷺ نماز ظہر پڑھا کر جب ریاض الجنہ میں تشریف فرما ہوئے تو ہم آگے بڑھے اور آپ ﷺ سے نماز اور اسلام کے دوسرے احکامات کے متعلق دریافت کیا۔ اسی طرح دم جھاڑ کے متعلق بھی ہم نے آپ ﷺ سے پوچھا، پھر ہم نے اسلام قبول کرلیا۔ آپ ﷺ نے ہم میں سے ہر شخص کو پانچ پانچ اوقیے چاندی عطا فرمائی۔ ہم اپنے گھروں کو لوٹ آئے، یہ شوال 10 ھ کی بات ہے۔[1]

وفد جہینہ

قحطانی قبیلے جہینہ کا نسب جہینہ بن زید بن لیث بن سود بن اسلم بن الحاف بن قضاعہ ہے۔ ابوعبدالرحمن مدنی کہتے ہیں: جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو عبدالعزیٰ بن بدر بن زید جہنی اپنے اخیافی بھائی ابو روعہ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے ان سے نام پوچھے تو انھوں نے اپنے نام بتائے۔ آپ ﷺ نے عبدالعزیٰ کو مخاطب کر کے فرمایا: «أنت عبد الله» ''اب تیرا نام عبداللہ ہے۔'' اور ابوروعہ سے فرمایا: «أنت رعت العدو إن شاء الله» ''تم ان شاء اللہ دشمنوں کو ڈراؤ گے۔'' پھر آپ ﷺ نے پوچھا: «ممن أنتم؟» ''تم کس قبیلے سے ہو؟'' انھوں نے کہا: ہم بنوغیان سے ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «أنتم بنو رشدان» ''تم بنو رشدان ہو۔'' اسی طرح جس وادی میں وہ رہتے تھے، اس کا نام غوی تھا۔ آپ ﷺ نے اس کا نام بھی تبدیل کر کے رشد رکھ دیا۔ آپ ﷺ نے جہینہ کے دو مشہور پہاڑوں اجرد اور اشعر کے بارے میں ارشاد فرمایا: «هما من جبال الجنة لا تطؤهما فتنة» ''یہ دونوں پہاڑ جنت کے پہاڑوں میں سے ہیں، ان پر کوئی فتنہ اثر انداز نہیں ہوگا۔''

فتح مکہ کے دن رسول اکرم ﷺ نے عبداللہ (عبدالعزیٰ) بن بدر رضی اللہ عنہ کو جھنڈا عطا کیا تھا۔ آپ ﷺ نے مدینہ میں ان کے لیے مسجد کی جگہ بھی منتخب کردی۔ یہ مدینہ میں پہلی مسجد تھی جس کی جگہ رسول اللہ ﷺ نے خود منتخب فرمائی تھی۔

عمرو بن مرہ جہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہمارا ایک بت تھا جس کی ہم خوب تعظیم کرتے تھے۔ میں خود اس کا خادم اور دربان تھا۔ جب میں نے نبی ﷺ کی دعوت سنی تو میں نے وہ بت توڑ ڈالا اور نبی ﷺ کی خدمت میں مدینہ حاضر ہو کر اسلام قبول کرلیا، حق کی گواہی دی اور آپ ﷺ کے بتائے ہوئے ہر حلال، حرام پر ایمان لے آیا۔ میں نے اس وقت یہ اشعار کہے تھے:

شَهِدْتُ بِأَنَّ اللّٰهَ حَقٌّ وَإِنَّنِي ۔۔۔ لِآلِهَةِ الْأَحْجَارِ أَوَّلُ تَارِكِ

وَشَمَّرْتُ عَنْ سَاقِي الْإِزَارَ مُهَاجِرًا ۔۔۔ إِلَيْكَ أَجُوبُ الْوَعْثَ بَعْدَ الدَّكَادِكِ

1 الطبقات لابن سعد 1/333،332.

''میں نے گواہی دی کہ بے شک اللہ ہی حق ہے اور میں پتھر کے معبودوں کو سب سے پہلے چھوڑنے والا ہوں۔ اور (اے محمد!) میں لمبے چوڑے صحراؤں اور ٹیلوں کو عبور کرتے ہوئے مہاجر بن کر آپ کے پاس آیا ہوں۔''

رسول اللہ ﷺ نے انھیں ان کی قوم کی طرف داعی بنا کر بھیجا۔ قوم نے ان کی دعوت قبول کر لی سوائے ایک آدمی کے۔ عمرو بن مرہ رضی اللہ عنہ نے اس شخص کے لیے بددعا کی تو اسے لقوہ ہو گیا، وہ بات بھی نہیں کر سکتا تھا۔ بعد میں وہ اندھا اور محتاج ہو گیا۔[1] واللہ اعلم۔

وفد کلب

قحطانی قبیلہ کلب بن وبرہ کا تعلق بنو قضاعہ سے تھا۔ یہ قبیلہ شمالی عرب اور اردن کے علاقے میں آباد تھا۔ عبد عمرو بن جبلہ کلبی بیان کرتے ہیں کہ میں اور بنو رقاش کا عاصم نامی جوان رسول اللہ ﷺ کے دربار میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے ہمیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تو ہم مسلمان ہو گئے۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«أنا النبي الأمي الصادق الزكي، والويل كل الويل لمن كذبني وتولى عني وقاتلني، والخير كل الخير لمن آواني ونصرني وآمن بي وصدق قولي وجاهد معي»

''میں امی نبی ہوں، میں سچا اور پاک انسان ہوں۔ جس نے مجھے جھٹلایا، مجھ سے منہ موڑا اور میرے ساتھ لڑائی کی تو ایسے شخص کے لیے تباہی ہی تباہی ہے۔ اور جس نے مجھے ٹھکانا دیا، میری مدد کی، مجھ پر ایمان لایا، میری بات کی تصدیق کی اور میرے ساتھ جہاد کیا تو ایسے آدمی کے لیے بھلائی ہی بھلائی ہے۔''

راوی بیان کرتا ہے کہ ہم نے عرض کی: ہم آپ پر ایمان لاتے ہیں اور آپ کی بات کی تصدیق کرتے ہیں۔ پھر ہم مسلمان ہو گئے۔ عبد عمرو نے اس موقع پر چند اشعار بھی کہے تھے۔

اسی طرح ربیعہ بن ابراہیم دمشقی بیان کرتے ہیں کہ حارثہ بن قطن کلبی اور حمل بن سعدانہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مسلمان ہو گئے۔ آپ ﷺ نے حمل بن سعدانہ کے لیے ایک جھنڈا باندھا۔ وہ یہی جھنڈا لے کر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صفین کی جنگ میں شریک ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے حارثہ بن قطن کے لیے ایک تحریر لکھوائی جس کا متن درج ذیل تھا:

«هذا كتاب من محمد رسول الله لأهل دومة الجندل وما يليها من طوائف كلب مع حارثة بن قطن: لنا الضاحية من البعل، ولكم الضامنة من النخل، على الجارية العشر، وعلى»

[1] الطبقات لابن سعد 334,333/1

المعین بعد الخمس العشر، لا تجمع سارحتکم، ولا تعد فاردتکم، تقیمون الصلاۃ لوقتها وتؤتون الزکاۃ بحقها، لا یحظر علیکم النبات، ولا یؤخذ منکم عشر البتات، لکم بذلک العهد والمیثاق، ولنا علیکم النصح والوفاء، وذمۃ اللہ ورسوله، شهد اللہ ومن حضر من المسلمین.

”یہ خط محمد رسول اللہ کی طرف سے اہل دومۃ الجندل اور اس کے گردونواح میں موجود قبیلہ کلب کے لوگوں کے نام ہے۔ یہ خط حارثہ بن قطن کے پاس ہے۔ شہر سے باہر بارانی زمینیں ہماری ہوں گی اور شہر کی آباد زمینوں کی پیداوار تمھاری ہوگی۔ شہر کی بارانی زمین کی پیداوار کا عشر وصول کیا جائے گا اور وہ زمینیں جنھیں خود کاشت کیا جائے، ان سے بیسواں حصہ زکاۃ کے طور پر وصول کیا جائے گا۔ تمھارے جانوروں کو (صدقہ وصول کرنے والے کے پاس) جمع نہیں کیا جائے گا (بلکہ اسے خود جا کر وصول کرنا ہوگا) اور جو جانور علیحدہ ہیں، انھیں شمار نہیں کیا جائے گا۔ تم لوگ وقت پر نماز قائم کرو گے اور حق داروں کو پوری پوری زکاۃ ادا کرو گے۔ تمھیں کاشت کاری سے نہیں روکا جائے گا اور نہ چراگاہ سے منع کیا جائے گا۔ گھریلو سامان پر عشر نہیں لیا جائے گا۔ تمھارے لیے یہ عہد اور میثاق ہے (جو تمھیں نبھانا ہے) اور ہمارے ساتھ خیر خواہی اور وفاداری کرنا تم پر فرض ہے۔ تم اللہ اور اس کے رسول کے ذمہ میں رہو گے۔ اس تحریر پر اللہ تعالیٰ اور حاضر مسلمانوں کی گواہی ثبت ہے۔“ [1]

وفد جرم

قبیلہ جرم بن زبان کا تعلق بنو قضاعہ سے تھا۔ یہ علاف (جرم) بن زبان بن حلوان بن عمران بن الحاف بن قضاعہ سے نسبت رکھتے تھے۔ سیدنا عمرو بن سلمہ بن قیس جرمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جاہلیت میں ہمارا قیام ایک چشمے پر تھا۔ یہ ایک عام راستہ تھا۔ یہاں سے قافلے گزرا کرتے تھے۔ ہم ان قافلے والوں سے پوچھتے تھے کہ لوگوں کے کیا حالات ہیں؟ اس شخص کا کیا معاملہ ہے؟ (یہ اشارہ نبی کریم ﷺ کی طرف ہوتا تھا۔) لوگ بتاتے کہ وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے انھیں اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے اور اللہ نے ان پر یہ وحی نازل کی ہے (وہ قرآن کی کوئی آیت سناتے)۔ میں وہ آیت فوراً یاد کر لیتا، گویا کہ وہ میرے سینے میں گاڑ دی جاتی تھی۔ ادھر سارے عرب والے اپنے اسلام کو موقوف کیے ہوئے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ اس نبی کو اور اس کی قوم (قریش) کو نمٹنے دو۔ اگر وہ شخص ان پر غالب آیا تو وہ واقعی سچے نبی ہوں گے۔ چنانچہ جب مکہ فتح ہوگیا تو ہر قوم نے اسلام لانے میں پہل کی اور میرے

[1] الطبقات لابن سعد 335/1

والد نے میری قوم میں سے اسلام قبول کرنے میں پہل کی۔ وہ قوم کے چند لوگوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کرلیا اور قرآن بھی سیکھا۔ جب واپس ہونے لگے تو انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہمیں نماز کون پڑھائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«ليصلّ بكم أكثركم جمعا أو أخذا للقرآن»

''تمھیں وہ شخص نماز پڑھائے جسے تم میں سے قرآن زیادہ یاد ہو۔''

پھر جب وہ مدینے سے واپس آئے تو کہا: اللہ کی قسم! میں ایک سچے نبی کے پاس سے آرہا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

«صلوا صلاة كذا في حين كذا، وصلوا كذا في حين كذا، فإذا حضرت الصلاة فليؤذن أحدكم وليؤمكم أكثركم قرآنا»

''فلاں نماز فلاں وقت میں اور فلاں نماز فلاں وقت میں پڑھا کرو۔ اور جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں سے ایک شخص اذان کہے اور وہ شخص نماز کی امامت کرائے جسے تم میں سے قرآن سب سے زیادہ یاد ہو۔''

جب لوگوں نے دیکھا کہ قرآن سب سے زیادہ کسے یاد ہے تو میرے خاندان میں مجھ سے زیادہ کسی کو قرآن یاد نہیں تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ میں آنے جانے والے قافلوں سے قرآن سن کر یاد کرلیا کرتا تھا۔ چنانچہ مجھے امام بنا دیا گیا جبکہ میری عمر چھ یا سات سال تھی اور میرے پاس جو چادر تھی، وہ اتنی چھوٹی تھی کہ جب میں سجدہ کرتا تو وہ اوپر ہو جاتی اور (پیچھے کی جگہ) کھل جاتی۔ خاندان کی ایک خاتون نے لوگوں سے کہا: «ألا تغطوا عنا است قارئكم؟» ''تم ہم سے اپنے قاری کا سرین کیوں نہیں چھپاتے؟'' چنانچہ انھوں نے ایک کپڑا خرید کر میرے لیے ایک قمیص بنائی۔ میں جتنا خوش اس قمیص سے ہوا، اتنا کسی اور چیز سے نہیں ہوا تھا۔[1]

وفد بہراء

کریمہ بنت مقداد بیان کرتی ہیں کہ میری والدہ محترمہ ضباعہ بنت زبیر بن عبدالمطلب نے مجھے بتایا کہ یمن سے بہراء کا وفد نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ کل 13 افراد تھے۔ یہ لوگ بنو جدیلہ کے مقداد بن عمرو کے گھر کے قریب آکر ٹھہرے۔ مقداد اپنے گھر سے نکلے، انھیں مرحبا کہا اور اپنے ایک گھر میں ٹھہرایا۔ بعد میں یہ لوگ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ کی دعوت پر سب کے سب مسلمان ہوگئے۔ انھوں نے اسلامی احکامات

[1] صحيح البخاري 4302، الطبقات لابن سعد 1/335-337

سیکھے۔ کچھ دن قیام کرنے کے بعد جب یہ لوگ واپس جانے لگے تو آپ ﷺ کی خدمت میں آکر آپ کو الوداع کہا۔ نبی ﷺ نے ان کے لیے عطیات دینے کا حکم دیا اور پھر یہ لوگ اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔[1]

وفد ہمدان

قبیلہ ہمدان کا ایک وفد خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ اس وفد میں حمزہ بن مالک بھی تھا۔ رسول اللہ ﷺ جب تبوک سے بہ عافیت واپس تشریف لائے تو انھیں حاضری اور ملاقات کی سعادت نصیب ہوئی۔ اس وقت ان لوگوں نے دھاری دار یمنی چادریں اوڑھ رکھی تھیں اور عدنی عمامے باندھ رکھے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

نعم الحي همدان ما أسرعها إلى النصر وأصبرها على الجهد

''ہمدان بہترین قبیلہ ہے، وہ مدد کرنے میں کس قدر تیز ہیں اور جہد و مشقت کے وقت کس قدر صبر کرنے والے ہیں۔''

یہ سب مسلمان ہو گئے تھے۔[2]

وفد جیشان

عمرو بن شعیب کہتے ہیں: ابو وہب جیشانی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وفد میں ان کی قوم کے دوسرے لوگ بھی تھے۔ ان لوگوں نے آپ ﷺ سے یمن کے چند مشروبات کے متعلق دریافت کیا۔ انھوں نے شہد سے تیار ہونے والے مشروب ''البتع'' اور جو سے تیار ہونے والے مشروب ''المزر'' کے متعلق پوچھا، آیا اسے استعمال میں لانا درست ہے یا نہیں؟ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا:

"هل تسكرون منها؟"

''کیا اسے پینے سے نشہ ہوتا ہے؟''

انھوں نے عرض کی: ہاں، اگر زیادہ پی لیں تو ہو جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

فحرام قليل ما أسكر كثيره

''جس کے زیادہ پینے سے نشہ ہوتا ہو، اس کا تھوڑا سا حصہ بھی حرام ہے۔''

اسی طرح انھوں نے پوچھا: جو شخص شراب تیار کر کے اپنے عمال کو پلاتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے

1 الطبقات لابن سعد: 331/1. 2 الطبقات لابن سعد 340/1، 341، شرح الزرقاني على المواهب 5/174-178

ارشاد فرمایا: كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ ''ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔''[1]

درندوں کا وفد

طبقات ابن سعد میں ایک مرسل روایت ہے جس میں مطلب بن عبداللہ بن حنطب بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے درمیان تشریف فرما تھے کہ اچانک ایک بھیڑیا آیا اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے تھوتھنی اٹھا کر مسلسل چیخنے لگا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

هذا وافد السباع إليكم، فإن أحببتم أن تفرضوا له شيئا لا يعدوه إلى غيره، وإن أحببتم تركتموه وتحذرتم منه، فما أخذ فهو رزقه.

''تمھارے پاس یہ بھیڑیا درندوں کی طرف سے قاصد بن کر آیا ہے۔ اگر تم پسند کرو تو اس کے لیے کوئی چیز خاص کر دو، پھر وہ کسی اور چیز کی طرف نہ بھاگے اور اگر چاہو تو اسے آزاد چھوڑ دو اور اس سے محتاط رہو، پھر وہ جو چیز بھی پکڑ لے گا، وہ اس کا رزق ہوگا۔''

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: ہمارے دل اس کے لیے کسی چیز کو پسند نہیں کر رہے۔ نبی ﷺ نے بھیڑیے کی طرف اپنی مبارک انگلیوں سے اشارہ کیا کہ جو مرضی شکار کرو۔ چنانچہ وہ جھومتا ہوا لوٹ گیا۔[2] واللہ اعلم.

دیگر وفود

سیرت وتاریخ کی کتابوں میں مذکورہ وفود کے علاوہ کچھ اور غیر معروف وفود کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔ ان میں سے کچھ وہ ہیں جن کی کچھ تفصیلات بھی موجود ہیں جبکہ کچھ وفود ایسے بھی ہیں جن کی تفصیلات ذکر نہیں کی گئیں۔ طوالت کے ڈر سے ہم صرف ان کے ناموں ہی پر اکتفا کرتے ہیں۔ چنانچہ مذکورہ وفود کے علاوہ درج ذیل وفود بھی نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے: وفد مہرہ، وفد جذام، وفد اسلم، وفد ثمالہ و حدان، وفد بارق، وفد غافق، وفد خثعم، وفد ازدعمان، وفد غامد، وفد داریین، وفد سعد العشیرہ، وفد غسان، وفد عبس، وفد نخع وغیرہ۔ واللہ اعلم.

[1] سبل الهدى والرشاد: 318/6، الطبقات لابن سعد: 359/1. [2] الطبقات لابن سعد: 359/1، البداية والنهاية: 86/5

رسول اللہ ﷺ کے فرزند ابراہیم ؓ کی ولادت اور وفات

اللہ تعالیٰ نے رسالت مآب ﷺ کو عمر مبارک کے آخری دور میں ایک فرزند عطا فرمایا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب رسول اللہ ﷺ کی صرف ایک صاحبزادی سیدہ فاطمہ ؓ ہی زندہ تھیں، دیگر تمام صاحبزادیاں اللہ کو پیاری ہو چکی تھیں۔ اس صورتحال میں جب آپ ﷺ کے فرزند ابراہیم ؓ پیدا ہوئے تو قدرتی طور پر آپ ﷺ کو بے حد مسرت ہوئی۔ آپ ﷺ کو اپنے اس فرزندِ دلبند سے کس قدر زبردست محبت تھی، اس کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ آپ اپنے صاحبزادے کو دیکھنے کے لیے بلا ناغہ سیدہ ماریہ ؓ کے کاشانے پر تشریف لے جاتے تھے اور نومولود نورِ نظر کو چمکارتے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس معصوم بچے کو صرف 18 مہینے کی عمر عطا فرمائی، پھر اپنے پاس بلا لیا۔ ننھے ابراہیم کی الم انگیز وفات پر آپ ﷺ نے جس وقار اور صبر و ثبات کا ثبوت دیا، وہ پورے عالمِ انسانیت کے لیے صبرِ جمیل کا لازوال سبق بن گیا۔ آیئے اس واقعے کی تفصیلات پڑھیے:

رسول اللہ ﷺ کے لختِ جگر ابراہیم ؓ کی ولادت ذوالحجہ 8ھ میں ہوئی۔ ابراہیم آپ ﷺ کی لونڈی ماریہ قبطیہ ؓ کے بطن سے تھے۔ 6ھ کے بعد جب رسول اللہ ﷺ نے ہم عصر سلاطین و حکام کو دعوتی خطوط لکھے تو آپ ﷺ نے ایک مراسلہ مصر کے حاکم مقوقس کے نام بھی ارسال فرمایا۔ مقوقس نے مثبت جواب دیا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جوابی خط بھی لکھا اور تحائف بھی بھیجے جن میں لونڈیاں بھی شامل تھیں۔ ماریہ بنت شمعون قبطیہ انھی لونڈیوں میں سے ایک تھیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ماریہ کو اپنے لیے خاص کر لیا۔ جب رسول اللہ ﷺ کو ماریہ ؓ کے حاملہ ہونے کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ بہت خوش ہوئے کیونکہ آپ کی ساری اولاد میں سے اب صرف فاطمہ ؓ ہی باقی تھیں اور اس وقت آپ کی عمر مبارک 60 سال کے قریب ہو چکی تھی۔ ابراہیم رسول اللہ ﷺ کی آخری اولاد تھے۔



اسکندریہ اور ساحل بحیرۂ روم

ابراہیم رضی اللہ عنہ کی ولادت

رسول اللہ ﷺ کے لخت جگر ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو سیدنا ابو رافع رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو یہ خوشخبری سنائی۔ نبی اکرم ﷺ نے اس خوشی میں سیدنا ابو رافع رضی اللہ عنہ کو ایک غلام ہبہ کر دیا۔ ساتویں دن نومولود کے بال مونڈے گئے، یہ خدمت ابو ہند رضی اللہ عنہ نے انجام دی۔ آپ ﷺ کے حکم پر بالوں کو دفن کر دیا گیا۔ آپ ﷺ نے بالوں کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کی اور عقیقہ بھی کیا۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ابراہیم رضی اللہ عنہ کی ولادت کے موقع پر فرمایا تھا۔

«وُلِدَ لِيَ اللَّيْلَةَ غُلَامٌ فَسَمَّيْتُهُ بِاسْمِ أَبِي إِبْرَاهِيمَ»

”آج رات اللہ تعالیٰ نے مجھے بیٹا عطا کیا ہے۔ میں نے اس کا نام اپنے باپ ابراہیم کے نام پر رکھا ہے۔“

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے نومولود صاحبزادے کو ام سیف کی کفالت میں دے دیا۔ یہ خاتون ابو سیف رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں جو لوہار تھے۔ رسول اللہ ﷺ اپنے بچے سے ملنے کے لیے ابو سیف رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے جایا کرتے تھے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک دن رسول اللہ ﷺ اپنے بیٹے سے ملنے کے لیے ابو سیف کے گھر تشریف لے گئے۔ میں بھی آپ ﷺ کے پیچھے ہولیا۔ جب ہم وہاں پہنچے تو ابو سیف رضی اللہ عنہ اپنے کام میں مصروف تھے۔ وہ بھٹی پھونک رہے تھے جس کی وجہ سے پورے گھر میں دھواں ہی دھواں پھیل گیا تھا۔ میں جلدی سے آگے بڑھا اور ابو سیف سے کہا: ابو سیف! اب بس کرو، رسول اللہ ﷺ تشریف لائے ہیں۔ یہ سن کر ابو سیف رک گئے۔ آپ ﷺ نے بچے کو اٹھا کر گلے سے لگایا اور پھر کچھ کہا۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ آپ ﷺ نے کیا الفاظ کہے۔[1]

ابن سعد کی روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے ابراہیم کی کفالت اور رضاعت کی ذمہ داری ام بردہ بنت منذر نجاریہ کو سونپی تھی جو براء بن اوس کی زوجہ تھیں۔ یہ بنو نجار کے محلے میں رہتے تھے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ وہاں تشریف لاتے، ام بردہ رضی اللہ عنہا کے ہاں قیلولہ بھی فرماتے اور اپنے بیٹے سے بھی ملتے۔[2]

پہلی روایت ہی صحیح ہے کیونکہ وہ صحیح مسلم میں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب ابراہیم کی ولادت ہوئی تو جبریل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا:

1 صحیح مسلم، 2315. 2 الطبقات لابن سعد: 136/1

السلام عليك يا أبا إبراهيم!

''اے ابوابراہیم! آپ پر سلامتی ہو۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب رسول اللہ ﷺ کا صاحبزادہ پیدا ہوا تو آپ ﷺ اسے اٹھا کر میرے پاس لائے اور فرمایا: انظري إلى شبهه بي ''عائشہ! دیکھو، یہ بچہ مجھ سے کتنی مشابہت رکھتا ہے۔'' عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے عرض کی: ما أرى شبها ''مجھے تو کوئی مشابہت نظر نہیں آرہی؟'' آپ ﷺ نے فرمایا:

ألا ترين إلى بياضه ولحمه؟

''کیا تم اس کی سفید رنگت اور گوشت کو نہیں دیکھ رہی؟''

سیدہ فرماتی ہیں: میں نے کہا: من قصر عليه اللقاح وسقي ألبان الضأن ابيض وسمن ''اللہ کے رسول! جسے بھی اونٹنیوں اور بھیڑوں کا دودھ پلایا جائے، اس کی رنگت سفید ہی ہوتی ہے اور جسمانی لحاظ سے وہ بچہ صحت مند اور موٹا بھی ہوتا ہے۔'' (سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بات ماریہ رضی اللہ عنہا سے رشک وغیرت کی بنا پر کہی تھی ورنہ وہ خوب جانتی تھیں کہ ابراہیم رسول اللہ ﷺ کے مشابہ ہے۔) [1] واللہ اعلم بالصواب.

ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کی آزادی

جب رسول اللہ ﷺ کے بیٹے ابراہیم کی ولادت ہوئی تو آپ نے ارشاد فرمایا:

أعتق أم إبراهيم ولدها

''ام ابراہیم (ماریہ) کو اس کے بیٹے (ابراہیم) نے آزاد کرا دیا ہے۔'' [2]

ابراہیم کی وفات

رسول اللہ ﷺ کے لختِ جگر ابراہیم صرف 18 ماہ کی عمر پا کر 20 ربیع الاول بروز منگل 10 ھ میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ کو ان کی وفات کا شدید قلق ہوا۔ سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے اس گھر میں لے گئے جہاں آپ کا بیٹا ابراہیم رہتا تھا۔ آپ ﷺ نے ابراہیم کو اپنی گود میں اٹھایا۔ اس وقت ابراہیم پر جان کنی کا عالم طاری تھا۔ یہ منظر دیکھ کر رحمت عالم ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ بھی رو رہے ہیں؟ کیا آپ نے ہمیں رونے سے منع نہیں فرمایا؟

1 الطبقات لابن سعد 1/134-137، صحيح مسلم 2315 2 الطبقات لابن سعد 1/136

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

[illegible]

”میں نے نوحہ کرنے سے منع کیا ہے، دو احمقانہ اور فاجرانہ آوازوں سے روکا ہے۔ ایک وہ آواز جو کسی نعمت کے موقع پر لہو و لعب اور شیطانی آواز کی صورت میں بلند ہو اور دوسری وہ آواز جو کسی ناگہانی مصیبت کے آپڑنے پر نکالی جائے، یعنی چہرے کو نوچنا، گریبان پھاڑنا اور شیطان کی طرح اونچی آواز کے ساتھ رونا۔“

آپ ﷺ نے مزید فرمایا:

[illegible]

”یہ آنسو تو رحمت اور شفقت کے آنسو ہیں اور جو شخص رحم نہیں کھاتا، اس پر بھی کوئی رحم نہیں کرتا۔ اے ابراہیم! اگر موت برحق اور سچا وعدہ نہ ہوتی، ہر کسی و ناکس پر یہ وقت آنے والا نہ ہوتا اور یہ بات نہ ہوتی کہ بعد میں آنے والوں کو اپنے سے پہلے آنے والوں سے جاملنا ہے، تو ہم تجھ پر اس سے بھی بڑھ کر غم واندوہ کا اظہار کرتے۔ بہرحال ہمیں تیری جدائی کا شدید غم ہے، آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اور دل غم سے ڈوبا جا رہا ہے لیکن ہم اپنی زبان سے کوئی ایسی بات نہیں نکالیں گے جس سے ہمارا رب اللہ عزوجل ناراض ہو۔“

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

[illegible]

”میں نے نوحہ اور بین کرنے سے روکا تھا اور اس بات سے منع کیا تھا کہ میت کی طرف وہ اوصاف منسوب کیے جائیں جو اس میں نہ ہوں۔ یہ رونا تو رحمت ہے۔“

بکیر بن عبداللہ بن اشج بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کے بیٹے ابراہیم کی وفات ہوئی تو رسول اللہ ﷺ شدت غم سے رو پڑے۔ یہ الم انگیز صورتحال دیکھ کر اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی غم کے مارے چیخیں نکل گئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اسامہ رضی اللہ عنہ کو چیخنے سے روک دیا۔ انھوں نے نہایت ادب سے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ بھی تو رو رہے

ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«البكاء من الرحمة والصراخ من الشيطان»

''رونا تو رحمت کی علامت ہے اور چیخیں مارنا شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔''

ابراہیم چونکہ مدت رضاعت میں فوت ہوئے تھے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إن إبراهيم ابني وإنه مات في الثدي وإن له لظئرين تكملان رضاعه في الجنة»

''ابراہیم میرا بیٹا تھا۔ وہ مدت رضاعت میں فوت ہوگیا۔ اب اس کے لیے جنت میں دو انائیں ہیں جو اسے دودھ پلانے کی مدت پوری کریں گی۔''[1]

صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ابراہیم کی وفات پر فرمایا: «إن له مرضعا في الجنة»

''اس کے لیے جنت میں ایک دایہ مقرر ہوگئی ہے۔''[2]

امام زہری رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے بیٹے ابراہیم کی وفات پر ارشاد فرمایا تھا: «لو عاش إبراهيم لوضعت الجزية عن كل قبطي» ''اگر ابراہیم زندہ رہتا تو میں ہر قبطی سے جزیہ ختم کر دیتا۔''

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: «لو عاش إبراهيم ما رق له خال» ''اگر ابراہیم زندہ رہتا تو اس کا کوئی ماموں (قبطی شخص) غلام نہ رہتا۔''[3]

اسی طرح اسماعیل رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: آپ نے نبی ﷺ کے صاحبزادے ابراہیم کو دیکھا تھا؟ انھوں نے جواب دیا کہ ان کی وفات بچپن ہی میں ہوگئی تھی اور اگر یہ طے ہوتا کہ محمد ﷺ کے بعد کسی نبی کی آمد ہوگی تو آپ کے صاحبزادے زندہ رہتے لیکن آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔[4]

غسل اور نماز جنازہ

ابراہیم رضی اللہ عنہ کو سیدنا فضل بن عباس رضی اللہ عنہ نے غسل دیا تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ سیدہ ام بردہ رضی اللہ عنہا نے غسل دیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے بیٹے ابراہیم کا جنازہ پڑھایا تھا یا نہیں؟ اس کے بارے میں اسماعیل سدی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا رسول اللہ ﷺ نے اپنے بیٹے ابراہیم کا جنازہ پڑھا تھا؟ انھوں نے جواب دیا:

لا أدري، رحمة الله على إبراهيم، لو عاش كان صديقا نبيا.

1 الطبقات لابن سعد 1/138، 139. 2 صحیح البخاری 6195. 3 الطبقات لابن سعد 1/144. 4 صحیح البخاری 6194.

''مجھے نہیں معلوم، اللہ ابراہیم پر رحمت فرمائے، اگر وہ زندہ رہتے تو صدیق اور نبی ہوتے۔''[1]

البتہ ایک دوسری روایت میں ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے صاحبزادے ابراہیم کی وفات اٹھارہ ماہ کی عمر میں ہوئی، آپ ﷺ نے اس کا جنازہ نہیں پڑھا تھا۔[2] اس حدیث میں یہ صراحت ہے کہ ابراہیم کا جنازہ نہیں پڑھا گیا تھا۔ بعض دوسری روایات میں جنازہ پڑھنے کا تذکرہ بھی ہے لیکن وہ ضعیف ہیں۔ ابراہیم رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ نہ پڑھنے کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اس دن سورج گرہن ہوا تھا جیسا کہ آگے آرہا ہے، اس کی نماز میں مشغول ہونے کی وجہ سے جنازہ چھوڑ دیا گیا یا پھر اس فضیلت پر اکتفا کیا گیا جو انھیں رسول اللہ ﷺ کے فرزند ہونے کی نسبت سے حاصل تھی۔[3]

ابراہیم کی تدفین

جب ابراہیم کو دفنانے کا وقت آیا تو پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول! کہاں دفن کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: عند فرطنا عثمان بن مظعون ''ہمارے پیش رو عثمان بن مظعون کے قریب دفناؤ۔'' ابراہیم کی قبر پر ایک پتھر رکھا گیا اور پانی کا چھڑکاؤ کیا گیا۔[4]

آلِ علی رضی اللہ عنہ کے ایک شخص بیان کرتے ہیں کہ جب ابراہیم کو دفنا دیا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [illegible] ''ہے کوئی شخص جو مشکیزہ لے آئے؟''

ایک انصاری صحابی پانی سے لبریز ایک مشک لے آئے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: رشه على قبر ابنه ''اب ابراہیم کی قبر پر اس پانی کا چھڑکاؤ کرو۔''

عطاء کہتے ہیں: جب ابراہیم کی قبر برابر کر دی گئی تو رسول اللہ ﷺ نے قبر کی ایک جانب ایک پتھر ابھرا ہوا دیکھا تو آپ ﷺ نے خود اپنے مبارک ہاتھوں سے اسے برابر کر دیا اور فرمایا:

إذا عمل أحدكم عملا فليتقنه، فإنه مما يسلي بنفس المصاب

''جب تم میں سے کوئی شخص کوئی کام کرے تو اسے مضبوط اور اچھے طریقے سے کرے۔ اس سے مصیبت زدہ کو تسلی ملتی ہے۔''

مکحول رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب ابراہیم کو دفنایا جا رہا تھا تو اللہ کے رسول ﷺ قبر کے کنارے تشریف فرما تھے۔

1 [illegible] 338/5، مسند احمد 280/3. 2 سنن ابی داود: 3187. 3 مزید دیکھیے: احکام الجنائز للالبانی، ص 103، 104، السیرۃ الحلبیۃ 447،446/4. 4 الطبقات لابن سعد 144/1.

آپ ﷺ نے لحد میں ایک سوراخ دیکھا تو اسے بند کرنے کا حکم دیا اور فرمایا: إنها لا تضر ولا تنفع ولكنها تقر عين الحي "اس سے میت کو کوئی فائدہ یا نقصان نہیں ہوتا، البتہ زندوں کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں۔" ابراہیم کی قبر بقیع میں دار عقیل کے قریب بنائی گئی تھی۔[1]

وفات کے دن سورج گرہن

رسول اللہ ﷺ کے بیٹے ابراہیم جس دن فوت ہوئے، اسی دن اتفاق سے سورج گرہن ہوا۔ یہ دیکھ کر لوگوں نے کہا: ابراہیم کی وفات کی وجہ سے سورج بھی بے نور ہوگیا۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ باتیں سنیں تو آپ نے اس عقیدے کی نفی کی اور قوم کی اصلاح فرمائی۔ صحیح بخاری میں سیدنا مغیرہ بن شعبہ ؓ سے مروی ہے کہ جس دن ابراہیم فوت ہوئے، اُسی دن سورج کو گرہن لگا تو لوگوں نے کہا: انكسفت لموت إبراهيم. "ابراہیم کی موت کی وجہ سے سورج گرہن ہوا ہے۔" آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إن الشمس والقمر آيتان من آيات الله لا ينكسفان لموت أحد ولا لحياته فإذا رأيتموهما فادعوا الله وصلوا حتى ينجلي

"سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، کسی کی موت و حیات کے باعث انھیں گرہن نہیں لگتا۔ جب تم ان دونوں کا گرہن دیکھو تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرو اور اس وقت تک نماز پڑھتے رہو جب تک ان کا گرہن ختم نہ ہو جائے۔"[2]

سنن نسائی میں ان الفاظ کا اضافہ ہے: فإذا رأيتم ذلك فصلوا وتصدقوا واذكروا الله عز وجل "جب تم گرہن دیکھو تو نماز پڑھو، صدقہ و خیرات کرو اور اللہ عزوجل کا ذکر کرو۔"

ایک روایت میں نبی اکرم ﷺ نے سورج اور چاند کے گرہن کا مقصد بھی بتایا، فرمایا:

إن الشمس والقمر لا ينكسفان لموت أحد ولا لحياته ولكنهما آيتان من آيات الله يخوف الله بهما عباده

"بلاشبہ سورج اور چاند کسی کی موت و حیات کی وجہ سے بے نور نہیں ہوتے، یہ تو اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ تمھیں ڈراتا ہے۔"[3]

1 الطبقات لابن سعد: 1/141، 142. 2 صحيح البخاري: 1060. 3 سنن النسائي: 1501، الطبقات لابن سعد: 1/134-144، البداية والنهاية: 5/332، سبل الهدى والرشاد: 11/21-26

سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا حملہ نجران

9 ھ میں غزوۂ تبوک رسول اللہ ﷺ کا آخری معرکہ ہے۔ اس کے بعد آپ نے بنفس نفیس کسی معرکے میں شرکت نہیں فرمائی۔ اس غزوے کے اختتام تک پورا جزیرہ نمائے عرب مشرف بہ اسلام ہو چکا تھا۔ بس جزیرہ نمائے عرب کے جنوب میں مدینہ منورہ سے بہت دور دو قبیلے ایسے تھے جو ابھی تک کفر پر قائم تھے۔ انھوں نے ابھی تک اپنا کوئی وفد مدینہ منورہ نہیں بھیجا تھا اور اپنے قبائل کے اسلام قبول کرنے یا صلح کا معاہدہ کرنے کے بارے میں کوئی بات نہیں کی تھی۔ یہ دو قبائل یمن کے مذحج اور نجران کے بنو حارث بن کعب تھے۔ نبی ﷺ نے مذحج کو سبق سکھانے کے لیے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا۔ اسی طرح 10 ھ جمادی الاولیٰ یا ربیع الآخر میں سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ایک لشکر جرار دے کر نجران روانہ کیا۔ ان کا مقابلہ بنو حارث بن کعب سے تھا۔[1] وہ زمانہ قدیم سے بہت بڑی جنگی قوت مانے جاتے تھے۔ وہ اپنے خونریز معرکوں، بہادری کے کارناموں اور اپنے اتحاد و اتفاق کی وجہ سے پورے عرب میں معروف تھے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ایک طاقتور لشکر دے کر روانہ کیا۔ آپ ﷺ نے اسلامی لشکر کے قائد کو نصیحت فرمائی کہ "بنو حارث کو تین دن تک اسلام قبول کرنے کی دعوت دینا۔ اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو بہت اچھی بات ہے، بصورت دیگر تین دن گزرنے کے بعد ان سے لڑائی لڑنا۔"

سیدنا خالد رضی اللہ عنہ یہ قیمتی نصیحتیں حاصل کر کے چل پڑے۔ انھوں نے نجران پہنچ کر، بنو حارث کے مختلف علاقوں میں اپنے منادی بھیجے۔ وہ لوگوں کو بلند آواز سے اسلام کی دعوت دینے لگے: "لوگو! مسلمان ہو جاؤ، اس طرح تم سلامت رہو گے۔" لوگوں نے یہ دعوت قبول کر لی اور مسلمانوں کے بھائی بن گئے۔ اس طرح بنو حارث لڑائی لڑے بغیر ہی راہ راست پر آ گئے۔

ان کے اسلام قبول کرنے کے بعد سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نجران ہی میں رک گئے اور لوگوں کو قرآن مجید اور سنت رسول

[1] ابن سعد نے لکھا ہے کہ "خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ربیع الاول 10 ھ میں بنو عبدالمدان کی طرف نجران بھیجا گیا۔" (الطبقات لابن سعد: 169/2) بنو عبدالمدان بنو مذحج (یمن) کی شاخ بنو حارث بن کعب میں سے تھے۔ عہد نبوی میں یزید بن عبدالمدان، بنو حارث کا رئیس تھا۔ (معجم قبائل العرب: 231/1)

کے احکام سکھانے شروع کر دیے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے انھیں ایسا ہی کرنے کا حکم دیا تھا، لہٰذا وہ آپ ﷺ کے احکام کی تعمیل میں لگ گئے۔ سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے یہ خوش خبری دینے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک خط لکھا۔ اس خط کے الفاظ کا ترجمہ درج ذیل ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

خالد بن ولید کی طرف سے محمد رسول اللہ ﷺ کے نام!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

بلاشبہ میں اس اللہ کا شکر گزار ہوں جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے۔ اما بعد! اے اللہ کے رسول! آپ پر اللہ رب العزت کی رحمتیں ہوں، آپ نے مجھے بنو حارث بن کعب کی طرف روانہ فرمایا تھا۔ آپ نے حکم دیا تھا کہ میں انھیں تین دن تک اسلام کی دعوت دوں۔ اگر وہ مسلمان ہو جائیں تو میں ان کے پاس ٹھہر جاؤں۔ ان کا اسلام لانا قبول کر لوں اور ان سے کسی قسم کا تعرض نہ کروں۔ انھیں اسلامی تعلیمات سے روشناس کراؤں۔ انھیں کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کی تعلیم دوں۔ اور اگر وہ مسلمان نہ ہوں تو ان سے جہاد کروں۔ لہٰذا میں ان کے علاقے میں آ پہنچا۔ میں نے آپ کے حکم کے مطابق انھیں تین دن تک اسلام کی دعوت دی۔ میں نے اپنے گھڑ سوار مبلغین ان کے پورے علاقے میں پھیلا دیے۔ مبلغین نے بنو حارث کو بلند آہنگی سے اسلام کی دعوت دی۔ انھوں نے کہا: اے بنو حارث! مسلمان ہو جاؤ، اس طرح تم سلامت رہو گے۔ لہٰذا وہ مسلمان ہو گئے اور انھوں نے لڑائی نہیں کی۔ اب میں انھیں اسلامی تعلیمات سے روشناس کرا رہا ہوں۔ سنت نبوی سکھا رہا ہوں اور اس خوش خبری سے آپ کو مطلع کر رہا ہوں۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو جوابی خط ارسال فرمایا۔ اس میں اہل نجران کے اسلام قبول کرنے پر حکم دیا کہ ان کے رؤساء کا ایک وفد مدینہ منورہ روانہ کیا جائے۔ آپ کے مبارک مراسلے کا متن درج ذیل ہے:

"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، مِنْ مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ رَسُولِ اللّٰهِ إِلٰى خَالِدِ بْنِ الْوَلِيدِ، سَلَامٌ عَلَيْكَ، فَإِنِّي أَحْمَدُ إِلَيْكَ اللّٰهَ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ، أَمَّا بَعْدُ!

فَإِنَّ كِتَابَكَ جَاءَنِي مَعَ رَسُولِكَ تُخْبِرُ أَنَّ بَنِي الْحَارِثِ بْنِ كَعْبٍ قَدْ أَسْلَمُوا قَبْلَ أَنْ تُقَاتِلَهُمْ وَأَجَابُوا إِلٰى مَا دَعَوْتَهُمْ إِلَيْهِ مِنَ الْإِسْلَامِ، وَشَهِدُوا أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُولُهُ، وَأَنْ قَدْ هَدَاهُمُ اللّٰهُ بِهُدَاهُ، فَبَشِّرْهُمْ وَأَنْذِرْهُمْ، وَأَقْبِلْ وَلْيُقْبِلْ مَعَكَ وَفْدُهُمْ،

[illegible]

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

محمد نبی رسول اللہ (ﷺ) کی طرف سے خالد بن ولید کے نام!

سلام علیک۔ یقیناً میں بھی اللہ کا شکر گزار ہوں جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے۔ اما بعد!

تمھارے پیغام بر کے ذریعے تمھارا خط ملا۔ اس میں یہ خوش خبری ملی کہ بنو حارث بن کعب لڑے بغیر ہی مسلمان ہوگئے ہیں۔ انھوں نے تمھاری دعوت پر اسلام قبول کر لیا ہے، ایک اللہ کے معبود برحق ہونے کی گواہی دے دی ہے اور اس بات کا اقرار کر لیا ہے کہ محمد (ﷺ) اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنی خاص ہدایت سے سرفراز فرما دیا ہے۔ تم انھیں جنت کی خوشخبری دو اور اللہ کے عذاب سے ڈراؤ اور ان کے ایک وفد کو اپنے ساتھ لے کر مدینہ پہنچ جاؤ۔

وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ''

رسول اللہ ﷺ کا مبارک نامہ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ملا تو وہ بنو حارث کے زعما کا ایک وفد ساتھ لے کر مدینے چل پڑے۔ اس وفد میں بنو حارث کے سردار قیس بن حصین ذوالغصہ، یزید بن عبدالمدان، یزید بن محجل، عبداللہ بن قراد زیادی، شداد بن عبداللہ قنانی اور عمرو بن عبداللہ ضبابی شامل تھے۔ جب یہ وفد مدینہ منورہ پہنچا تو رسول اللہ ﷺ نے دریافت کیا: ''یہ کون لوگ ہیں؟ یہ تو ہندی لگ رہے ہیں۔'' آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ یہ بنو حارث کا وفد ہے۔ وفد کو آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو سلام کیا اور کہا: نَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُولُ اللّٰهِ وَأَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ. ''ہم گواہی دیتے ہیں کہ بلاشبہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں ہے۔'' ان کے توحید و رسالت کے اس اقرار پر آپ ﷺ نے فرمایا:

وَأَنَا أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ

''میں بھی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں اور بے شک میں اللہ کا رسول ہوں۔''

پھر رسول اللہ ﷺ نے ان سے کہا: أَنْتُمُ الَّذِينَ إِذَا زُجِرُوا اسْتَقْدَمُوا؟ ''کیا تم ہی وہ لوگ ہو جنھیں جنگ پر اکسایا جائے تو وہ بھرپور پیش قدمی کرتے ہیں؟''

وفد کے ارکان خاموش رہے۔ کسی نے بھی رسول اللہ ﷺ کو کوئی جواب نہ دیا۔ آپ ﷺ نے پھر پوچھا: ''کیا تم وہی ہو جو جنگ میں پہل تو نہیں کرتے مگر کوئی للکارے تو خوب جم کر لڑتے ہو؟'' اس بار بھی سب ادب کی وجہ

سے چپ رہے۔ آپ نے یہ بات تیسری اور چوتھی بار کہی تو یزید بن عبدالمدان رضی اللہ عنہ نے عرض کی: جی ہاں، اے اللہ کے رسول! ہم وہی ہیں جنھیں اشتعال دلایا جائے تو خوب لڑتے ہیں۔ انھوں نے یہ بات چار دفعہ دہرائی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر خالد بن ولید نے مجھے یہ اطلاع نہ دی ہوتی کہ تم نے لڑائی لڑے بغیر اسلام قبول کر لیا ہے تو تمھاری گردنیں کاٹ کر تمھارے قدموں میں ڈھیر کر دی جاتیں۔'' اس پر یزید بن عبدالمدان نے کہا: اللہ کی قسم! اس پر ہم آپ ﷺ کے یا خالد کے شکر گزار نہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''پھر تم کس کے شکر گزار ہو؟''

سب نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم اللہ تعالیٰ کے شکر گزار ہیں جس نے آپ ﷺ کے ذریعے سے ہمیں ہدایت سے نوازا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم نے ٹھیک کہا۔''

پھر آپ ﷺ نے ان سے پوچھا: ''تم جاہلیت میں اپنے دشمن پر کس طرح غالب آتے تھے؟'' وہ عرض کرنے لگے: ہم کسی پر غلبہ پانے کی کوشش نہیں کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیوں نہیں! تم تو ہر اس قبیلے پر غالب آجاتے تھے جو تم سے لڑتا تھا۔'' انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم کسی پر ظلم نہیں کرتے تھے۔ کسی پر حملہ کرنے میں پہل نہیں کرتے تھے۔ اگر کوئی ہم پر حملہ کرتا تو ہم متحد ہو کر اس پر ٹوٹ پڑتے تھے۔ اس طرح ہمیں فتح حاصل ہوتی اور ہمارا دشمن ہار جاتا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم نے ٹھیک کہا ہے۔'' آپ ﷺ نے قیس بن حصین کو بنو حارث کا امیر مقرر فرمایا۔ اس طرح یہ وفد شوال کے آخر یا ذوالقعدہ کے آغاز میں اپنے گھروں کو واپس چلا گیا۔ ابھی یہ لوگ اپنے علاقے میں بمشکل چار مہینے ہی ٹھہرے تھے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ إنا لله و إنا إليه راجعون.

رسول اللہ ﷺ نے اہل نجران کو دین اسلام سکھانے، انھیں تربیت دینے اور سنت نبوی سے روشناس کرانے کے لیے سیدنا عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا اور انھیں زکاۃ کی وصولی کا ذمہ دار بھی بنایا تھا۔ آپ نے انھیں نہایت ضروری احکام پر مشتمل ایک جامع تحریر بھی مرحمت فرمائی۔ اس تحریر کی عبارت کا ترجمہ درج ذیل ہے:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ اللہ اور اس کے رسول کا بیان ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ﴾

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! معاہدے پورے کرو۔''

یہ محمد نبی رسول اللہ کا عمرو بن حزم کے نام عہد نامہ ہے جو انھیں یمن روانہ کرتے وقت عطا کیا گیا۔ آپ نے انھیں تمام معاملات میں تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ متقی اور احسان کرنے والے لوگوں

کے ساتھ ہے۔ ان کا مددگار اور حامی ہے۔ آپ نے انھیں حق کا ساتھ دینے کا حکم دیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ لوگوں کو خیر وخوبی کی بشارت دینے کا حکم دیا۔ آپ نے حکم دیا کہ وہ لوگوں کو خیر اور بھلائی کی تلقین کریں اور اُن کو قرآن مجید کی تعلیم دیں۔ انھیں احکام دین سکھائیں۔ برے اعمال سے روکیں۔ کوئی شخص بغیر طہارت حاصل کیے قرآن کو نہ چھوئے۔ لوگوں کو ان کے حقوق اور فرائض کی تعلیم دیں۔ حق کا ساتھ دینے والوں کے ساتھ نرمی برتیں اور ظالموں سے سختی کے ساتھ نمٹیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ظلم سے منع فرمایا ہے اور ظلم کو ناپسند کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''سن لو! ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔''

انھیں چاہیے کہ لوگوں کو جنت کی خوش خبری دیں اور جنت میں پہنچانے والے اعمال سے روشناس کرائیں۔ لوگوں کو جہنم سے ڈرائیں اور جہنم رسید کرانے والے اعمال سے ڈرائیں۔ لوگوں سے اُنس ومحبت بڑھائیں تاکہ وہ دینی احکام ومسائل سیکھ سکیں۔ لوگوں کو مناسک حج کی تربیت دیں۔ انھیں مناسک حج کے فرائض وسنن سکھائیں۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعلیم دیں۔ حج اکبر سے مراد حج ہے اور حج اصغر سے مراد عمرہ ہے۔ لوگوں کو ایک تنگ اور مختصر کپڑے میں نماز پڑھنے سے روکیں۔ ہاں اگر ایک ہی چادر ہو، وہ کندھوں پر ڈال لی جائے اور ستر چھپ جائے تو اس میں نماز پڑھ لیں۔ لوگوں کو گوٹ مار کر بیٹھنے سے منع کریں جبکہ ان کے جسم پر صرف ایک ہی کپڑا ہو اور حبوہ باندھنے سے ستر کھل جائے۔ کوئی شخص گدی میں اپنے بالوں کا جوڑا نہ بنائے۔ لوگوں کو قبائلی عصبیت اور خاندانی فخر وغرور کی دعوت دینے اور اعلان کرنے سے روکیں۔ صرف ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دیں۔ جو شخص اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی دعوت نہ دے اور قبائلی عصبیت اور فخر وغرور کی طرف بلائے تو اُسے تلوار سے سبق سکھا دیا جائے حتی کہ وہ بھی اللہ وحدہ لاشریک ہی کی توحید کی دعوت دینے لگے۔ لوگوں کو مکمل وضو کرنے کا حکم دیں۔ چہرے دھوئیں، بازو کہنیوں سمیت دھوئیں، پاؤں ٹخنوں سمیت دھوئیں اور سر کا مسح کریں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ آپ ﷺ نے یہ بھی حکم دیا ہے کہ نماز اس کے وقت پر ادا کی جائے۔ رکوع وسجود اطمینان وسکون سے ادا کریں۔ صبح کی نماز اندھیرے میں ادا کریں۔ ظہر کی نماز سورج ڈھلنے پر پڑھیں۔ نماز عصر سورج کے مغرب کی طرف مائل ہونے پر ادا کریں، سورج غروب ہونے پر نماز مغرب ادا کریں۔ آسمان پر ستارے جگمگانے تک نماز مغرب کو مؤخر نہ کریں۔ نماز عشاء رات کے ابتدائی حصے میں ادا کریں۔ جمعے کے روز اذان جمعہ کے وقت اہتمام کے ساتھ جمع کے لیے آئیں۔ نماز جمعہ کے لیے غسل کرکے آئیں۔ غنیموں میں سے اللہ تعالیٰ کا حق خمس

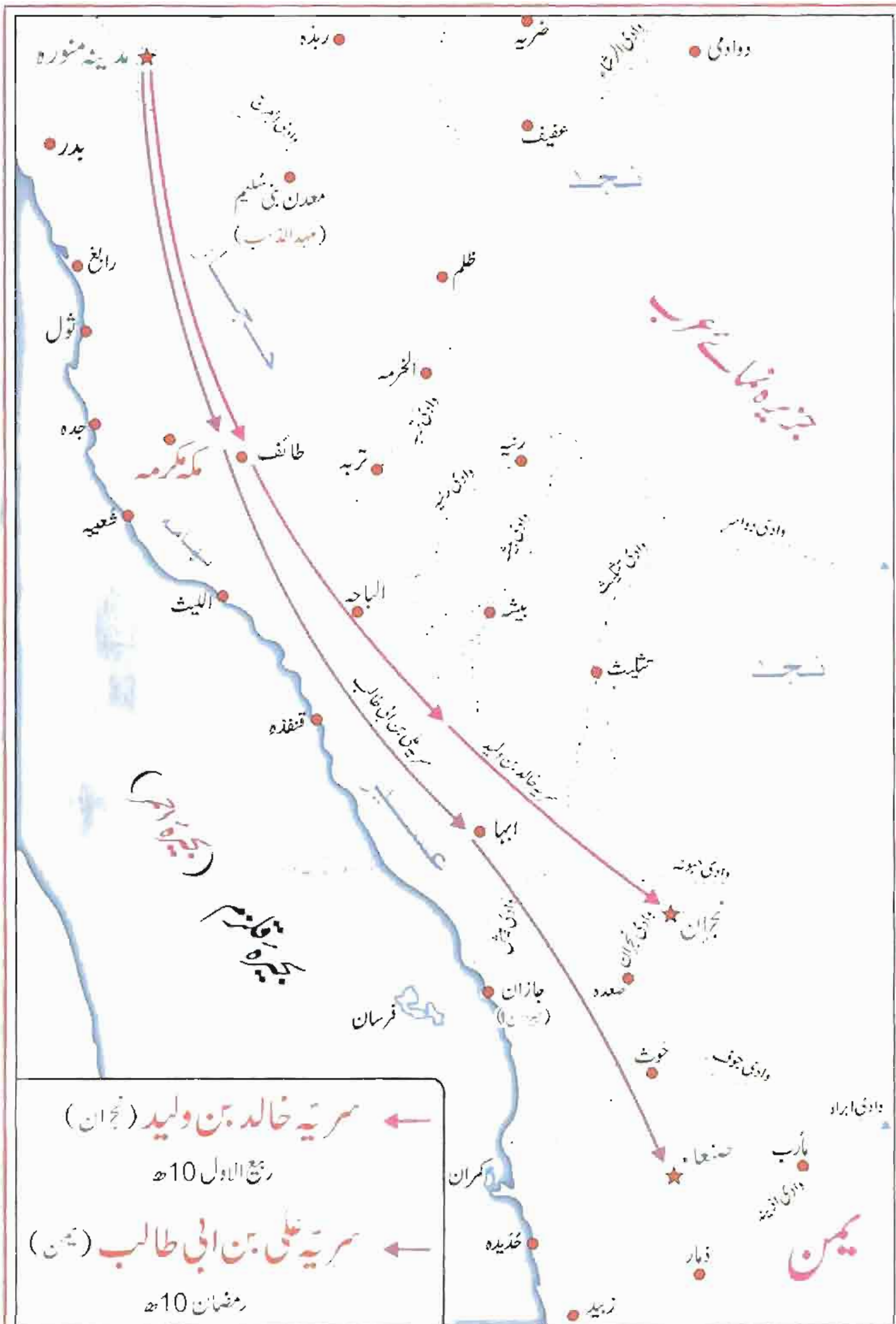
وصول کریں۔ جن فصلوں کو چشموں اور برساتی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے، ان میں سے عشر بطور صدقہ وصول کیا جائے۔ اور جنھیں ڈول کے ذریعے سیراب کیا جاتا ہے، ان میں سے نصف عشر وصول کیا جائے۔ دس اونٹوں پر دو بکریاں زکاۃ لی جائے۔ بیس اونٹوں کی زکاۃ چار بکریاں ہوں گی۔ ہر چالیس گایوں پر ایک گائے زکاۃ ہوگی۔ ہر تیس گایوں پر ایک تین سالہ بچھڑا یا بچھڑی زکاۃ ہوگی۔ چرنے والی ہر چالیس بکریوں پر ایک بکری زکاۃ ہوگی۔ یہ زکاۃ کی وہ مقدار ہے جو اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر مقرر کی ہے۔ جو شخص اضافی مقدار دے تو یہ اس کے لیے بہتر ہے۔ جو یہودی یا عیسائی خلوص دل سے اسلام قبول کر لے، وہ مومنوں میں شمار ہوگا۔ اس کے مسلمانوں جیسے حقوق و فرائض ہوں گے۔ اور جو شخص یہودیت یا عیسائیت پر برقرار رہنا چاہے تو اسے مجبور نہ کیا جائے (ان غیر مسلموں سے جزیہ وصول کیا جائے)۔ ہر بالغ مرد و عورت پر، وہ آزاد ہو یا غلام ایک دینار یا اس کی مقدار کے برابر کپڑے جزیہ ہوں گے۔ جس نے یہ ٹیکس ادا کر دیا، اس کے لیے اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ ہوگا (اس کے جان و مال کی حفاظت اسلامی حکومت کے ذمے ہوگی)۔ اور جو جزیہ ادا نہ کرے، وہ اللہ تعالیٰ، اس کے رسول (ﷺ) اور تمام مومنوں کا دشمن ہے۔

صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلٰى مُحَمَّدٍ، وَالسَّلَامُ عَلَيْهِ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ.'' [1]

1 السيرة لابن هشام: 2/661-664، دلائل النبوة للبيهقي: 5/411-415، السيرة لابن هشام: 4/242،243، موسوعة الغزوات الكبرى: 2/1880-1885.

شہر نجران اور نخلستان (سعودی عرب)




مدینہ منورہ
ربذہ
ضریہ
دوادمی
بدر
عفیف
نجد
معدن بنی سلیم
(مہد الذہب)
رابغ
ظلم
جزیرہ نمائے عرب
ثول
الخرمہ
جدہ
مکہ مکرمہ
طائف
تربہ
رنیہ
شعیبہ
اللیث
الباحہ
بیشہ
تثلیث
نجد
قنفذہ
سریہ علی بن ابی طالب
سریہ خالد بن ولید
ابہا
بحیرہ احمر
نجران
صعدہ
جازان
فرسان
مارب
صنعاء
کمران
حدیدہ
ذمار
زبید
یمن
سریہ خالد بن ولید (نجران)
ربیع الاول 10ھ
سریہ علی بن ابی طالب (یمن)
رمضان 10ھ

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی قیادت میں سریۂ یمن

10 ھ میں رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی کہ جنوبی یمن میں موجود مذحج قبیلے نے ہٹ دھرمی اور عناد کی بنا پر اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ اب مسلمانوں سے دشمنی مول لے کر جزیرہ نمائے عرب میں رہنا کسی کے لیے ممکن نہیں تھا۔ جزیرہ نمائے عرب کے تقریباً تمام قبائل مسلمان ہو چکے تھے یا مسلمانوں کو جزیہ دے کر صلح کر چکے تھے، لہٰذا اس باغی قبیلے کو توحید کا سبق سکھانے کے لیے رمضان المبارک 10 ھ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک شہسوار دستہ بھیجا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے بنفس نفیس جھنڈا تیار کر کے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو مرحمت فرمایا۔ آپ ﷺ نے ایک عمامہ لیا، اسے دہرا کر کے چوکور شکل میں لپیٹا، پھر اسے ایک نیزے کے اوپر لگا دیا۔ پھر فرمایا: ''لواء ایسا ہوتا ہے۔'' پھر آپ ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ کے سر پر تین تہوں والا عمامہ باندھا، ایک ذراع کے برابر کنارہ آگے اور ایک بالشت کے برابر پلا پیچھے چھوڑ دیا۔ اس کے بعد آپ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو تین سو گھڑ سوار مجاہد دے کر حکم دیا کہ ذوالحلیفہ جا کر معسکر قائم کرو تاکہ تمام مجاہدین تیاری کر کے وہاں جمع ہو جائیں۔ بعد ازاں وہاں سے پورا لشکر روانہ ہو جائے۔

سیدنا ابورافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف روانہ کیا تو انھیں تاکید فرمائی کہ جاؤ، ادھر ادھر التفات مت کرنا، یعنی صرف اپنی منزل مقصود ہی کو پیش نظر رکھنا۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں اہل یمن سے کیسا سلوک کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم ان کے علاقے میں پہنچ جاؤ تو جب تک وہ لڑائی شروع نہ کریں، تم لڑائی کا آغاز مت کرنا۔ اگر وہ لڑائی کی ابتدا کریں تو تم اس وقت تک ان پر حملہ نہ کرنا جب تک کہ تم میں سے کوئی مجاہد شہید نہ ہو جائے۔ اس کے بعد صبر و تحمل کا مظاہرہ کرنا۔ انھیں سوچنے کی مہلت دینا۔ پھر انھیں اسلام کی دعوت دینا۔ ان سے کہنا: کیا تم لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کر کے دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کے لیے تیار ہو؟ اگر وہ یہ بات مان لیں تو ان سے کہنا: کیا تم نمازیں ادا کرو گے؟ اگر وہ یہ بات بھی تسلیم کر لیں تو ان سے پوچھنا: کیا تمھارے امراء اور خوشحال لوگ زکاۃ دیں گے جو تمھارے ہی غرباء کو دی جائے گی؟ اگر وہ یہ بات بھی مان جائیں تو پھر ان سے کوئی اور مطالبہ نہ کرنا۔ اللہ کی قسم! اگر تمھارے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کسی ایک آدمی کو بھی ہدایت سے نواز دے تو یہ تمھارے لیے ساری دنیا سے بہتر ہے۔''

چنانچہ سیدنا علی ؓ تین سو گھڑ سواروں کا لشکر لے کر روانہ ہو گئے۔ یہ پہلا لشکر تھا جو قبیلہ مذحج کے علاقے میں داخل ہو رہا تھا۔ وہاں پہنچ کر سیدنا علی ؓ نے اپنے مجاہدین کو مختلف اطراف میں روانہ کر دیا۔ وہ تھوڑی ہی دیر میں بہت سے اونٹ، بکریاں، بچے اور عورتیں گرفتار کر کے لے آئے۔ سیدنا علی ؓ نے ان اموال اور دیگر اسباب کی نگرانی کی ذمہ داری سیدنا بریدہ بن حصیب ؓ کو سونپ دی۔ پھر اسلامی لشکر کا سامنا مذحج کے جنگجوؤں سے ہو گیا۔ سیدنا علی ؓ نے انھیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ انھوں نے انکار کر دیا اور اسلامی لشکر پر تیر برسانے شروع کر دیے۔ سیدنا علی ؓ نے اسلامی جھنڈا سیدنا مسعود بن سنان سلمی ؓ کو دیا، وہ آگے بڑھے اور باقاعدہ مقابلے کی تیاری شروع کر دی۔ اس دوران ایک مذحجی شخص نے مقابلے کے لیے للکارا۔ کافر کی للکار سن کر شیر دل مجاہدین کی صفوں میں زبردست جوش و خروش پیدا ہو گیا۔ سیدنا اسود بن خزاعی سلمی ؓ نے دشمن کا چیلنج فوراً قبول کیا، اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی، چند لمحوں میں خم ٹھونک کر سامنے آ گئے اور معرکہ حق و باطل شروع ہو گیا۔ دو چار واروں کا تبادلہ ہوا اور کافر فوجی تڑپتا ہوا زمین پر گر پڑا۔ سیدنا اسود نے اس کا اسلحہ اپنے قبضے میں لیا اور واپس لشکر میں آ گئے۔ پھر سیدنا علی ؓ نے بھرپور حملے کا حکم دیا اور اسلامی لشکر نے مذحجی جنگجوؤں کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے دشمن کا لشکر دم دبا کر بھاگ نکلا۔ میدان کارزار میں ان کا پامال جھنڈا ان کی حالت زار بیان کر رہا تھا جسے وہ بھاگتے ہوئے وہیں چھوڑ گئے تھے۔ بیس لاشے میدان میں پڑے تھے جو ان کی سرکشی اور عداوت کی سزا تھی۔ باقی فوجیوں نے بھاگ کر جان بچائی۔ جس کا جدھر منہ اٹھا، بھاگ نکلا۔ سیدنا علی ؓ نے اپنے جوانوں کو تعاقب کرنے سے روک دیا۔ انھیں امید تھی کہ اب کافروں کو اسلام کی قوت وحقانیت کا احساس ہو گیا ہوگا اور وہ اسلام قبول کرنے میں دیر نہیں کریں گے۔ ایسا ہی ہوا۔ سیدنا علی ؓ نے انھیں دوبارہ اسلام کی دعوت دی تو وہ فوراً حاضر ہو گئے اور انھوں نے اسلام قبول کر لیا۔ ان کے چند رؤساء اور سردار آگے بڑھے۔ انھوں نے اسلام قبول کیا اور سیدنا علی ؓ کی بیعت کی۔ بیعت کے بعد عرض کی: ہم اپنی قوم کی طرف سے بھی بیعت کر رہے ہیں۔ یہ ہمارے صدقات بھی حاضر ہیں، آپ ان میں سے اللہ تعالیٰ کا حق وصول کیجیے۔ اس طرح ایک اور سرکش گروہ اسلام کے تابع بنا دیا گیا۔

علی ؓ نے غنیمتیں جمع کرائیں۔ انھیں پانچ حصوں میں تقسیم کیا۔ پھر قرعہ اندازی کے ذریعے سے رسول اللہ ﷺ کا خصوصی خمس منتخب کیا اور اسے محفوظ کر کے بقیہ مال غنیمت مجاہدین میں تقسیم کرا دیا۔ اس سے قبل اسلامی لشکر کے قائدین مجاہدین کو خمس میں سے بھی کچھ عطا کر دیتے تھے مگر انھوں نے اس میں سے کچھ نہیں دیا۔ ساتھیوں نے اس میں سے بھی عطیے کا مطالبہ کیا تو سیدنا علی ؓ نے فرمایا: میں خمس رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ارسال کر رہا ہوں، وہی اس کا فیصلہ فرمائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ حج کے لیے مکہ مکرمہ آ رہے ہیں۔ ہم آپ سے ملاقات کریں گے۔ پھر

آپ ﷺ اس مال کے متعلق جو حکم دیں گے، اسی پر عمل ہوگا۔ لہٰذا سیدنا علی رضی اللہ عنہ یہ اموال لے کر روانہ ہوئے۔ انھوں نے مقام فتق پر پہنچ کر سیدنا ابو رافع رضی اللہ عنہ کو مال غنیمت اور لشکر کی ذمہ داری دی اور خود تیز رفتاری سے آگے چل پڑے۔ اس مال غنیمت میں یمنی کپڑوں کے ڈھیر اور اونٹ شامل تھے۔ ان کے ساتھ زکاۃ کے کچھ اونٹ بھی تھے۔

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بھی اس لشکر میں شامل تھے۔ وہ فرماتے ہیں: سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہمیں صدقے کے اونٹوں پر سواری کرنے سے منع کرتے تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیدنا ابو رافع کو امیر بنا کر خود آگے نکل گئے تو ساتھیوں نے نئے امیر سے گزارش کی کہ انھیں دو دو چادریں عطا کر دیں۔ انھوں نے ساتھیوں کی فرمائش پوری کر دی۔ جب لشکر مقام سدرہ سے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے لگا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی آگئے تاکہ لشکر کے پڑاؤ کا مناسب بندوبست کر سکیں۔ جب انھوں نے سب لوگوں کو دو دو چادریں پہنے ہوئے دیکھا تو پہچان گئے کہ یہ خمس کی چادریں ہیں۔ انھوں نے سیدنا ابو رافع سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ کیا تم نے خمس کی چادریں بانٹ دیں؟ انھوں نے عرض کی: میں نے ان کی شکایات سے بچنے کے لیے انھیں چادریں دے دیں اور میرا خیال تھا کہ آپ بھی اسے معمولی معاملہ سمجھیں گے۔ آپ سے پہلے امرا بھی مجاہدین کو خمس میں سے کچھ حصہ دے دیا کرتے تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ناراض ہوئے کہ میں نے تو انھیں خمس میں سے کچھ دینے سے انکار کیا تھا لیکن تم نے دے دیا، حالانکہ میں نے تمھیں اس مال کی حفاظت کا حکم دیا تھا۔ انھوں نے حکم دیا کہ چادریں واپس لے لی جائیں، چنانچہ مجاہدین سے چادریں واپس لے لی گئیں۔ جب مجاہدین رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو انھوں نے شکوہ کیا کہ ہمیں چادریں دینے کے بعد واپس لے لی گئی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے وضاحت طلب کی تو انھوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ان کا شکوہ ٹھیک نہیں۔ میں ان سب کو ان کے حصے دے چکا ہوں۔ صرف آپ کا خمس محفوظ رکھا ہے تاکہ آپ اسے خود تقسیم فرمائیں۔ مجھ سے پہلے امرا اس حصے میں سے بھی مناسب مواقع پر خرچ کر لیتے تھے مگر میں نے ایسا نہیں کیا تاکہ آپ خود ہی فیصلہ فرما دیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے اس جواب پر آپ ﷺ نے خاموشی اختیار فرمائی۔

علامہ واقدی لکھتے ہیں کہ جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے دشمن پر غلبہ پا لیا اور وہ مسلمان ہو گئے تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے مال غنیمت جمع کیا اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری سیدنا بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ کو سونپی اور سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے ہاتھ ایک خط رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ اس میں آپ کو فتح یابی کی خوش خبری دی اور بتایا کہ ان کی مڈھبیڑ زبید قبیلے سے ہوئی۔ انھیں اسلام کی دعوت دی گئی اور بتایا گیا کہ اگر تم اسلام قبول کر لو تو تم پر حملہ نہیں ہوگا۔ لیکن انھوں نے اسلام کی دعوت قبول نہیں کی۔ اس لیے ان پر حملہ کر کے انھیں سبق سکھا دیا گیا۔ پھر انھیں اسلام لانے کی دعوت دی گئی

تو انھوں نے اسلام قبول کر لیا۔ مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اور مالِ غنیمت بھی حاصل ہوا جبکہ بنو زبید کو ابتدائی سرکشی کی وجہ سے شدید نقصان اٹھانا پڑا۔ ان کے کئی افراد قتل اور زخمی ہوئے ہیں۔ اب وہ دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے ہیں اور انھوں نے اپنے اموال کی زکاۃ بھی ادا کر دی ہے۔ ان لوگوں کو دینی احکام اور قرآن مجید کی تعلیم دی گئی ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا یہ خط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا تو آپ نے انھیں پیغام بھیجا کہ وہ موسمِ حج میں مکہ مکرمہ آ جائیں۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ یہ پیغام لے کر واپس گئے تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ حج کے دنوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ تم نے احرام باندھتے وقت نیت کیسے کی تھی؟ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں نے آپ کی نیت کے مطابق نیت کی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں حکم دیا: ''چونکہ تم قربانی کا جانور بھی ساتھ لائے ہوئے ہو، اس لیے حج کے تمام مناسک ادا کرنے تک احرام ہی میں رہو۔''[1]

اس طرح سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج قران کیا۔

کعب احبار کا قبولِ اسلام

علامہ واقدی رقم طراز ہیں کہ جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ یمن تشریف لائے تو انھوں نے خطبہ ارشاد فرمایا۔ کعب احبار کو ان کے خطبے کی اطلاع ملی تو وہ خوبصورت حلہ زیب تن کر کے اپنی سواری پر بیٹھ کر خطبہ سننے آئے۔ ان کے ساتھ ایک یہودی عالم بھی تھا۔ دونوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا خطبہ سنا۔ وہ فرما رہے تھے: ''بلا شبہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنھیں رات کو خوب دکھائی دیتا ہے جبکہ دن کو وہ کچھ دیکھ نہیں پاتے۔'' کعب نے کہا: درست فرمایا ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنھیں رات کو کچھ دکھائی دیتا ہے نہ دن کو کچھ نظر آتا ہے۔'' کعب نے پھر تائید کی اور کہا: جناب والا! آپ نے بالکل سچ فرمایا ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''جو چھوٹے ہاتھ سے دیتا ہے (تھوڑا صدقہ کرتا ہے)، اسے طویل ہاتھ سے عنایت کیا جاتا ہے۔'' کعب نے پھر کہا: جی بالکل صحیح ارشاد فرمایا ہے۔ اس بار یہودی عالم سے نہ رہا گیا، وہ بول اٹھا: آپ کیسے ان کی تصدیق کر رہے ہیں؟ کعب نے اس کی تسلی کے لیے کہا: ''ان کا یہ فرمان کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جنھیں رات کو خوب دکھائی دیتا ہے اور وہ دن کو دیکھ نہیں سکتے۔'' یہ دراصل اس مومن کی مثال ہے جو پہلی کتاب پر ایمان رکھتا ہے لیکن آخری کتاب پر ایمان نہیں لاتا۔ ان کا یہ فرمان کہ ''جو چھوٹے ہاتھ سے دیتا ہے، اسے بڑے ہاتھ سے عطا کیا جاتا ہے۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے کو اللہ تعالیٰ خوب نوازتا ہے۔ اور یہ چیز بہت واضح ہے۔ اس دوران ایک سائل آیا۔ اس نے سیدنا کعب

[1] صحیح البخاري: 1652

کے سامنے دست سوال دراز کیا تو انھوں نے اسے اپنا حلہ عطا کر دیا۔ یہ صورت حال دیکھ کر یہودی عالم کو بڑا غصہ آیا، وہ وہاں سے بڑبڑاتا ہوا چل دیا۔

پھر ایک عورت آئی اور کعب کے سامنے کھڑی ہوگئی۔ کہنے لگی: سواری کے بدلے سواری کون دے گا؟ کعب نے کہا: میں سواری کے بدلے سواری دینے کے لیے تیار ہوں بشرطیکہ مجھے ایک حلہ دیا جائے۔ وہ عورت راضی ہوگئی۔ کعب نے اپنی سواری اس کے حوالے کر کے اس کی سواری لے لی، حلہ زیب تن کیا اور سوار ہو کر چل دیے۔ انھوں نے سواری کو بہت تیز بھگایا اور اس یہودی عالم کو جالیا۔ اس وقت کعب کہہ رہے تھے: جو تھوڑا دیتا ہے، اسے اللہ تعالیٰ زیادہ عطا کرتا ہے۔ یعنی انھیں اپنے حلے کے بدلے حلہ مل گیا اور صدقے کا ثواب بھی حاصل ہوا۔

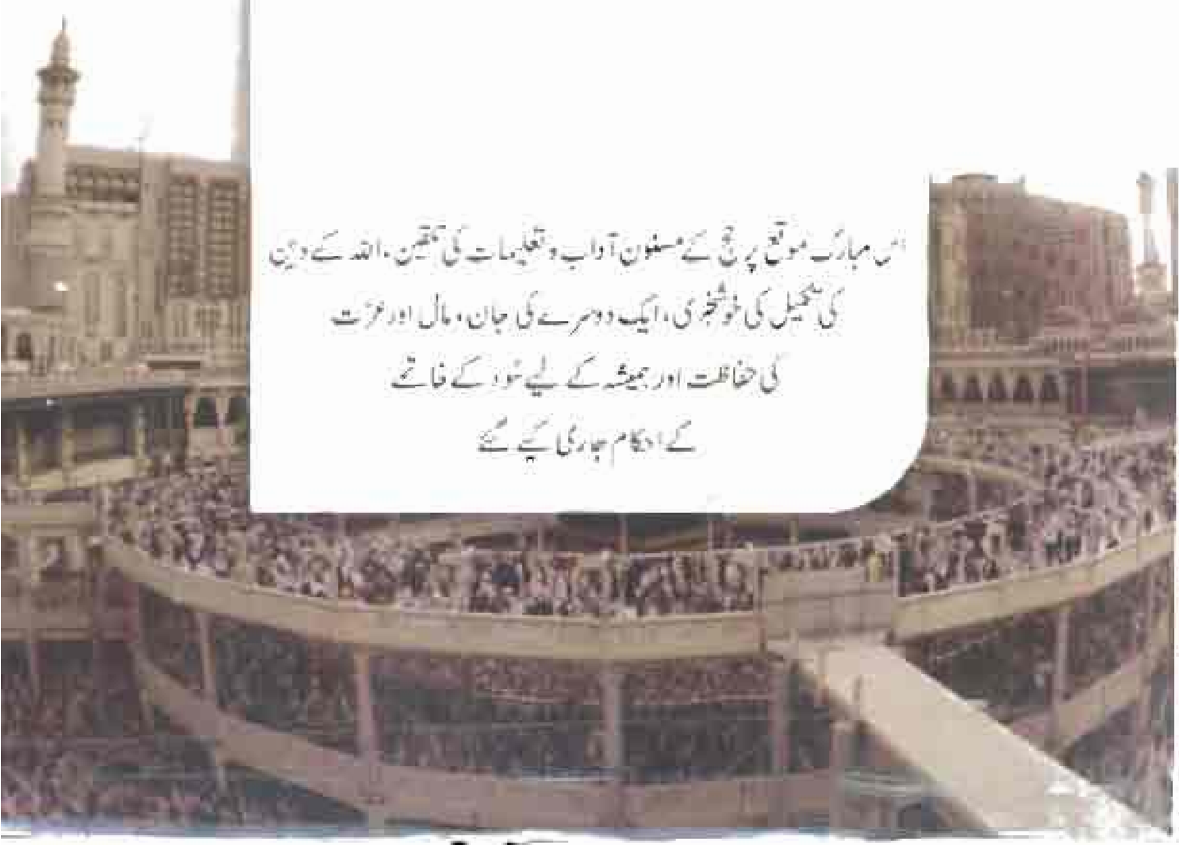
جناب کعب کہتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ یمن تشریف لائے تو میں ان سے ملا۔ میں نے پوچھا کہ محمد ﷺ کی صفات اور خوبیاں کیا ہیں؟ وہ مجھے رسالت مآب ﷺ کے فضائل و مناقب اور ذاتی محاسن بتا رہے تھے اور میں مسکرا رہا تھا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے میرے مسکرانے کی وجہ پوچھی۔ میں نے عرض کی: آپ کی بتائی ہوئی خوبیاں ہو بہو ہماری کتاب میں موجود ہیں۔ پھر میں نے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کون سی چیزیں حلال اور کون سی حرام قرار دیتے ہیں؟ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے حرام و حلال کی تفصیل بتائی تو میں نے کہا: بالکل یہی ہماری کتابوں میں بھی موجود ہیں۔ پھر جناب کعب نے اسلام قبول کرلیا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد انھوں نے وہاں موجود یہودی علماء کو بلایا، انھیں اپنی کتاب دکھائی اور کہا کہ لو دیکھو! جو صفات آخری نبی کی اس میں لکھی ہیں، وہ ساری صفات محمد ﷺ میں موجود ہیں۔ میرے والد نے مجھے یہ کتاب پڑھائی تھی اور وصیت کی تھی کہ میں اسے اس وقت تک نہ کھولوں جب تک یثرب کے نبی کے ظہور کا چرچا نہ سن لوں، چنانچہ آج میں نے والد کی وصیت کے مطابق اسے کھولا تو اس میں آپ ﷺ کی ساری خوبیاں مذکور پائیں۔ لہٰذا میں مسلمان ہوگیا ہوں۔

جناب کعب نے دیگر یہودی علماء کو دعوت فکر اور اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی۔ پھر یمن ہی میں مقیم رہے حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ خالق حقیقی سے جا ملے۔ آپ کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے اور وہ بھی عمر مستعار گزار کر سفر آخرت پر روانہ ہوگئے۔ ادھر کعب ابھی تک یمن ہی میں تھے۔ وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں مدینہ منورہ تشریف لائے۔ وہ کف افسوس ملتے تھے اور کہا کرتے تھے: اے کاش! میں مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے میں جلدی کرتا!! کیونکہ تاخیر کی وجہ سے وہ رسول اللہ ﷺ کی زیارت کے بے مثل شرف سے محروم رہ گئے تھے۔[1]

[1] المغازي للواقدي: 2/445-448، الطبقات لابن سعد: 2/169، 170، موسوعة الغزوات الكبرى: 2/1885-1887.

حجۃ الوداع

اس مبارک موقع پر حج کے مسنون آداب و تعلیمات کی تلقین، اللہ کے دین
کی تکمیل کی خوشخبری، ایک دوسرے کی جان، مال اور عزت
کی حفاظت اور ہمیشہ کے لیے سود کے خاتمے
کے احکام جاری کیے گئے





''اللہ نے ان لوگوں پر بیت اللہ کا حج فرض کیا ہے جو اس کی طرف سفر کرنے کی طاقت رکھتے ہوں۔''

(آل عمران: 97)

اس باب میں





آپ پر یہ حقیقت منکشف ہوگی کہ حجۃ الوداع درحقیقت تکمیل دین کی رفیع الشان خوشخبری اور لامحدود دینی و روحانی ثمرات، برکات اور حسنات کا دن تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ساری دنیا کفر و شرک اور فتنہ و فساد کا جہنم زار بنی ہوئی تھی۔ کسی کی جان و مال اور عزت محفوظ نہیں تھی۔ ان حالات میں حرم کعبہ اور جبل عرفات سے خاتم الانبیا، محمد رسول اللہ ﷺ کی صدائے دلنواز بلند ہوئی اور ساری دنیا کو امن و انصاف کی دائمی بشارت دے گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: آج حج کے دن، حج کے مہینے اور مکہ مکرمہ کے تقدس کی طرح تم سب پر ایک دوسرے کا خون، مال اور آبرو حرام ہے۔ خبردار! اچھی طرح سُن لو! میں نے جاہلیت کی تمام رسوم قبیحہ کو اپنے پاؤں تلے روند ڈالا ہے۔ زمانۂ جاہلیت کے خون بہا اور انتقام کی ریت اب ہمیشہ کے لیے کالعدم ہے۔ سب سے پہلے میں اپنے بھائی ابن ربیعہ کے خون کے انتقام سے دستبردار ہوتا ہوں۔ اب سود خوری بھی ہمیشہ کے لیے ختم کی جاتی ہے اور سب سے پہلے میں اپنے چچا عباس رضی اللہ عنہ کا سود چھوڑ رہا ہوں۔

......اگلے اوراق میں حجۃ الوداع کے تمام واقعات، تفصیلات اور جزئیات استناد کی روشنی میں ملاحظہ فرمایئے۔



حج نبوی کا ایمان افروز تذکرہ

اسلام کے ارکان میں سے حج ایک بنیادی رکن ہے جو ہر صاحب استطاعت پر زندگی میں ایک بار فرض ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا حکم ہے: وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ ''اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دیں۔'' یہ حکم درحقیقت اس بات کا اظہار و اعلان ہے کہ بیت اللہ کا حج پوری انسانیت کے لیے ہے۔ انبیائے کرام ﷺ نے اپنے اپنے زمانے میں بیت اللہ کا حج کیا، لوگوں کو شرک و بدعات سے روکا، سچی اسلامی تعلیمات اور اس کے شعائر و مناسک سے آگاہ کیا۔ لیکن زمانے اور زندگی کے الٹ پھیر، معاشرتی تبدیلیوں اور بے لگام خواہشات کی پیروی کی وجہ سے دین حنیف میں بہت سی بدعات وخرافات کی آمیزش ہوگئی، تاہم جزیرۂ نمائے عرب کی قدیم دینی اور نظریاتی روایات کے حامل لوگ بدستور اللہ تبارک وتعالیٰ پر ایمان رکھنے کا دعویٰ کرتے رہے۔ چنانچہ ان کی دینداری کا ایک ہی طریقہ رہ گیا تھا جس سے وہ اکٹھے ہوتے تھے اور اللہ کے سامنے اپنی عبودیت کے اظہار کے لیے لبیک لبیک کا اعلان کرتے تھے۔ ان کی اجتماعی عبادت کی یہ کیفیت سنت ابراہیمی سے منسوب تھی جس میں وہ کعبے کی تقدیس اور حرمت کا اعلان کرنے کے لیے ہر سال اس کا حج کرتے تھے۔ حج کے مناسک انھوں نے اپنے آباء واجداد سے متواتر حاصل کیے تھے اور وہ بیت اللہ کی تعظیم میں انتہائی محبت وخلوص کا مظاہرہ کرتے تھے لیکن وہ اچھے وارث ثابت نہ ہوئے۔ انھوں نے انصاب وازلام اور اصنام واوثان کو اللہ کے قرب کا ذریعہ بنا لیا۔ اہل مکہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے مقرب سمجھتے تھے اور اللہ تعالیٰ سے اپنا خاص تعلق جتلا کر لوگوں پر جبراً اپنی حاکمیت کا سکہ بٹھاتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے 8 ھ میں مکہ فتح کر لیا اور اللہ تعالیٰ نے اسلام کا نور پورے جزیرہ نمائے عرب میں عام کر دیا۔ اطراف واکناف سے قبائل رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہو کر مسلمان ہونے لگے اور نور ہدایت چہار سو پھیلنے لگا۔ اس طرح لوگوں میں رسول اللہ ﷺ کی ایک جھلک دیکھنے، آپ کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کرنے اور آپ کی اتباع کا جذبہ پروان چڑھنے لگا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کی عظمت ورفعت اور تقدیس وتعظیم کو چار چاند لگانے اور اہل اسلام کی آنکھیں مغفرت وغفران سے ٹھنڈی کرنے کے لیے بیت اللہ کی زیارت وطواف یعنی حج کو صاحب استطاعت مسلمانوں پر فرض قرار دے دیا اور سنت ابراہیمی کو شریعت مصطفوی بنا کر ابد الآباد تک یہ اعلان کر دیا:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا

''اللہ نے ان لوگوں پر بیت اللہ کا حج فرض کیا ہے جو اس کی طرف سفر کرنے کی طاقت رکھتے ہوں۔'' [1]

اس کے ساتھ ساتھ بیت اللہ کی شان ان الفاظ میں دو چند کر دی:

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا أَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ

''اللہ نے حرمت والے گھر کعبہ کو لوگوں کے قیام کا ذریعہ بنایا ہے، اور حرمت والے مہینے اور (حرم والی) قربانی اور پٹوں والے جانوروں کو بھی، یہ اس لیے کہ تم جان لو کہ بے شک اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اور یہ کہ بلاشبہ اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔'' [2]

فریضۂ حج کوئی معمولی بات نہیں، یہ ایمان کی مضبوطی کا ذریعہ ہے۔ اس عبادت میں انسان دنیاوی اغراض و مقاصد اور مادی منفعت سے بے نیاز ہو کر مناسک کی ادائیگی اور شعائر کی تعظیم کا عظیم فریضہ بجالاتا ہے۔ سلے ہوئے کپڑوں کے بجائے ایک کفن نما لباس زیب تن کرتا ہے، بالوں کی پراگندگی کی پروا نہیں کرتا اور کبھی بیت اللہ کے گرد، کبھی صفا و مروہ پر، کبھی عرفات کے میدان میں، کبھی مزدلفہ کی سرزمین پر اور کبھی منیٰ کی وادی میں لبیک لبیک پکارتا ہوا نظر آتا ہے۔ وہ اللہ کی رضا کے لیے قربانی کرتا، سر کے بال منڈواتا، جمرات کو کنکریاں مارتا اور ذکر الٰہی کرتا ہے۔ یہ ایسی واحد عبادت ہے جس میں ہر رنگ، ہر صنف، ہر نسل، ہر قوم اور ہر درجہ اور ہر عمر کے لوگوں میں مساوات کا رنگ نمایاں ہو جاتا ہے۔ ایسی بے مثل اجتماعیت اور زبردست وحدت کے ذریعے سے اللہ کی رضا تلاش کرنا اتنا عظیم الشان عمل ہے کہ رحمتِ الٰہی جوش میں آجاتی ہے جیسا کہ صادق و امین ﷺ کی زبان سے یہ اعلان ہوا ہے:

مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ

''جس نے اللہ کے لیے حج کیا، اس میں نہ کوئی شہوانی حرکت کی اور نہ گناہ کیا، وہ اس طرح پاک صاف ہو کر لوٹے گا جس طرح اس دن تھا جب اس کی ماں نے اسے جنم دیا تھا۔'' [3]

نیز فرمایا: اَلْحَجُّ الْمَبْرُورُ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ إِلَّا الْجَنَّةُ ''حج مبرور کا صلہ جنت کے سوا کچھ نہیں۔'' [4]

حج کرنے والا انفرادی طور پر بھی اپنا محاسبہ کرتے ہوئے خیر کثیر اور نفع حاصل کرنے کی دعائیں مانگتا ہے اور

1 آل عمران 3:97. 2 المآئدۃ 5:97. 3 صحیح البخاري: 1521. 4 صحیح البخاري: 1773.

نقصان و شر سے بچنے کے لیے اللہ کی پناہ طلب کرتا ہے۔ یہ وہ جستجو ہے جو اسے اپنے رب کے قریب تر کر دیتی ہے۔

اگر ہم حج بیت اللہ کے تمام مراحل و جہات کو مدنظر رکھ کر دیکھیں تو یہ بات آسانی سے سمجھ میں آ جاتی ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے بندوں کے ساتھ بڑا رحم و کرم کا معاملہ فرمایا ہے کہ اس عمل مبارک میں بدعات و خرافات سے بچنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کو اسوہ بنا کر ساری امت پر احسان فرمایا تاکہ لوگوں کے لیے حج کا طریقہ اُجاگر ہو جائے اور وہ ہر قسم کی لغزش سے بچ سکیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے ایسے طریقے اور سلیقے سکھائے کہ لوگوں کو عبادت کرنے اور مناسک کی ادائیگی میں کوئی دقت پیش نہ آئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے قبل عمرے تو کیے تھے لیکن جب سے آپ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تھے، آپ نے حج نہیں کیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تبارک و تعالیٰ کی جانب سے لوگوں کے ساتھ حج کرنے کا حکم ہوا اور یہ حکم عین اس وقت نازل ہوا جب پورا جزیرہ نمائے عرب اسلام کی چھاؤں میں آ گیا تھا اور سارے عرب کا ایک جھنڈے کے نیچے جمع ہونا واضح ہو گیا تھا۔ اب جھنڈا بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا، شریعت بھی آپ ہی کی تھی اور امت بھی ایک تھی تو اللہ نے اپنے بندوں کو اپنی وحدانیت کے اظہار و اعلان کے لیے یہ تلبیہ پکارنے کا حکم دیا: لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ، لَا شَرِيكَ لَكَ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے دسویں سال، ذوالقعدہ کے مہینے میں لوگوں کو حج کے لیے اکٹھا ہونے کا حکم صادر فرما دیا۔

لوگوں کو یہ مژدہ بھی سنایا گیا کہ اس حج میں اللہ تعالیٰ کے آخری رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس شامل ہو کر لوگوں کی راہنمائی کریں گے اور انھیں مناسک حج کی ادائیگی کے طریقوں سے روشناس کرائیں گے، تاکہ قیامت تک نبوی سنت قائم ہو جائے۔

ریاست اسلامیہ میں جگہ جگہ یہ اعلان پہنچ گیا۔ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر جوق در جوق مدینہ کا رخ کرنے لگے۔ دور و نزدیک کی بستیوں اور شہروں سے نکل کر آنے والے انبوہ کثیر نے مدینہ کے گرد اگرد خیمہ بستیاں آباد کر دیں۔ یہ نہایت مطمئن، اخوت اسلامی کے مظہر اور اسلامی تعلیمات کے زیور سے آراستہ عملی نمائندے نظر آتے تھے۔

حج کس سال فرض ہوا؟

فتح مکہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مکہ آنے جانے میں کوئی رکاوٹ نہ رہی۔ اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے 9ھ میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں حج کا قافلہ روانہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل مبارک سے یوں لگتا ہے کہ آپ کے حج کرنے سے قبل حج فرض ہو چکا تھا۔ حج کس سال فرض ہوا؟ اس بارے میں سیرت نگاروں میں اختلاف

ہے۔ بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ ہجرت کے پانچویں سال حج فرض ہوا۔ بعض کے نزدیک نویں سال فرض ہوا۔ یہ موقف علامہ نووی، قاضی عیاض اور امام قرطبی کا ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک ہجرت کے چھٹے سال حج فرض ہوا کیونکہ فرمان الٰہی ہے: ﴿وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ﴾ ''اور تم حج اور عمرہ اللہ کے لیے پورا کرو۔''[1] اس آیت کے بارے میں اتفاق ہے کہ یہ صلح حدیبیہ کے موقع پر نازل ہوئی جو ہجرت کے چھٹے سال ہوئی تھی جیسا کہ کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کے واقعے میں بھی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں حدیبیہ میں تھا، رسول اللہ ﷺ میرے قریب سے گزرے۔ اس وقت میں ہنڈیا کے نیچے آگ جلا رہا تھا اور میرے سر سے جوئیں گر رہی تھیں، آپ ﷺ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا: «أَيُؤْذِيكَ هَوَامُّكَ؟» ''کیا تمھیں جوئیں تکلیف دے رہی ہیں؟'' میں نے کہا: جی ہاں اے اللہ کے رسول! تو آپ ﷺ نے فرمایا: «احْلِقْ رَأْسَكَ، وَصُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ أَوْ أَطْعِمْ سِتَّةَ مَسَاكِينَ أَوِ انْسُكْ نَسِيكَةً» ''اپنا سر مونڈ دو، اور تین دن کے روزے رکھ لو، یا چھ مساکین کو کھانا کھلا دو، یا ایک بکری ذبح کر دو۔''[2] ایک روایت میں ہے کہ بعدازاں باری تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا:

﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ﴾

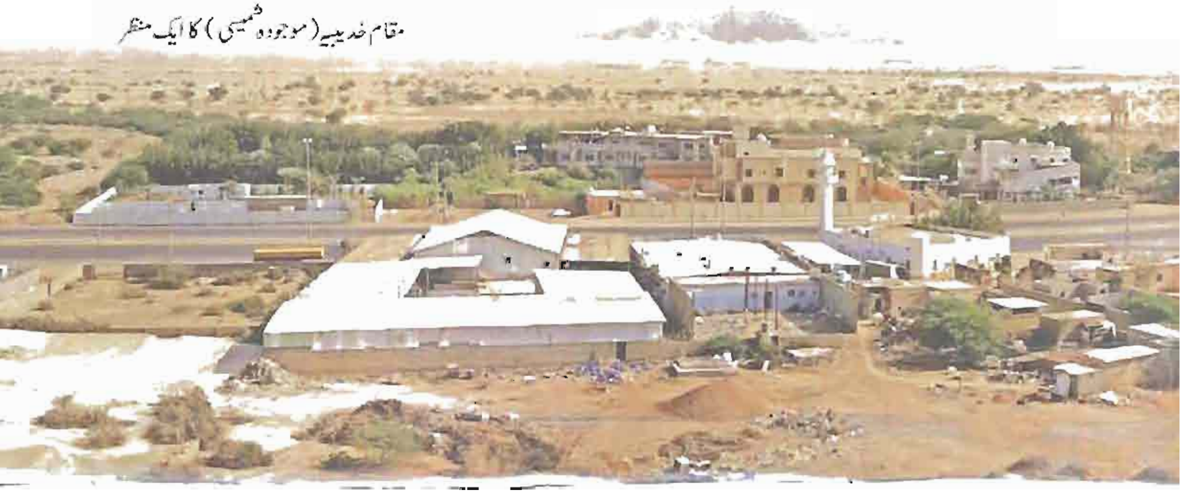
''پھر اگر کوئی شخص بیمار ہو یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو (اور وہ سر منڈوا لے) تو فدیے میں روزے رکھے، یا صدقہ دے، یا قربانی کرے۔''[3]

سیدنا کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: یہ آیت میرے بارے میں نازل ہوئی تھی۔[4]

اللہ تعالیٰ کے درج بالا فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ حج ہجرت کے چھٹے سال فرض ہو چکا تھا لیکن چونکہ اہل مکہ مشرکین تھے، اس بنا پر آپ ﷺ نے فتح مکہ کے بعد ہی حج کے لیے امراء مقرر فرمائے اور خود بعد میں حجۃ الوداع

[1] فتح الباري: 477/3. [2] صحيح البخاري: 5703 و 1814. [3] البقرة 2: 196. [4] صحيح البخاري: 1815.

مقام حدیبیہ (موجودہ شمیسی) کا ایک منظر



کے لیے تشریف لے گئے۔[1]

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے۔ جب نبی ﷺ ہجرت کے بعد مدینہ تشریف لائے تو اس کے چھٹے سال ماہ ذی القعدہ میں صلح حدیبیہ ہوئی جب مشرکین نے آپ کو طواف سے روک دیا تھا۔ پھر آپ ﷺ نے ساتویں سال ذوالقعدہ میں عمرۃ القضاء ادا کیا۔ آٹھویں سال ماہ رمضان میں مکہ فتح ہوا۔ اس کے معا بعد آپ ﷺ حنین اور طائف کے غزوات میں مصروف رہے۔ وہاں سے ماہ شوال میں لوٹے اور جعرانہ سے آ کر عمرہ کیا۔ پھر آپ ﷺ نے اسی سال عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو لوگوں کا امیر حج مقرر کیا۔ پھر نویں سال سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر حج مقرر فرمایا۔ اس کے بعد دسویں سال آپ ﷺ مدینہ سے روانہ ہوئے اور حج کیا۔ یہی حج ہے جو حجۃ الوداع کے نام سے معروف ہے۔[2]

امام ابن قیم رحمہ اللہ کے نزدیک حج ہجرت کے نویں یا دسویں سال فرض ہوا۔ وہ کہتے ہیں کہ جب حج فرض ہوا تو نبی ﷺ نے فوراً حج کی تیاری شروع کر دی اور یہ آیت کریمہ ﴿وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ﴾ (البقرۃ 196:2) ''اور تم حج اور عمرہ اللہ کے لیے پورا کرو۔'' ہرچند صلح حدیبیہ کے موقع پر نازل ہوئی ہے لیکن اس سے حج کی فرضیت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ اس میں تو حج اور عمرے کا آغاز کر لینے کے بعد انھیں مکمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اس کے یہ معنی نہیں کہ اس کی ادائیگی فوراً واجب ہوگئی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ نویں اور دسویں سال حج کی فرضیت کہاں ثابت ہے تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ سورۂ آل عمران کی ابتدائی آیات عام الوفود میں نازل ہوئیں جس میں حج کا یہ حکم بھی ہے: ﴿وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا﴾ (آل عمران 97:3) ''اور اللہ نے ان لوگوں پر بیت اللہ کا حج فرض کیا ہے جو اس کی طرف سفر کرنے کی طاقت رکھتے ہوں۔'' اسی میں وفد نجران رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور ان لوگوں سے آپ ﷺ نے جزیہ دینے کے معاہدے پر مصالحت کی۔ جزیے کا حکم ہجرت کے نویں سال غزوۂ تبوک کے موقع پر نازل ہوا۔ اہل کتاب سے مناظرہ ہوا اور انھیں توحید اور مباہلہ کی دعوت دی گئی۔ اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اہل مکہ درج ذیل آیت کے نازل ہونے پر مشرکین سے تجارت نہ کر سکنے کی وجہ سے پریشان تھے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَذَا﴾.....

''اے ایمان والو! بلاشبہ مشرک تو ہیں ہی پلید، لہٰذا وہ اس برس کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ پھٹکنے پائیں۔''[3]

1 جامع الآثار في السير 402/5، 403 2 التاريخ الصغير للبخاري 58/1، 59، السنن الكبرى للبيهقي 341/4، 342.
3 التوبۃ 28:9

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ کو اس کے عوض میں جزیہ لینے کی اجازت دے دی۔ ان آیات کا نزول اور ان کی منادی 9 ھ میں ہوئی۔ آپ ﷺ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مکہ میں حج کے موسم میں یہ اعلان کرنے کے لیے بھیجا، پھر ان کے پیچھے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بھی روانہ کیا (لہٰذا یہی حج کی فرضیت کا سال ہے)۔[1] واللہ اعلم.

نبی ﷺ نے کتنے حج اور عمرے کیے؟

نبی ﷺ نے کتنے حج اور عمرے کیے؟ اس بارے میں مختلف اقوال ہیں، البتہ اس بات پر سب متفق ہیں کہ ہجرت کے بعد آپ نے صرف ایک ہی حج کیا۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ مَكَثَ تِسْعَ سِنِينَ لَمْ يَحُجَّ "رسول اللہ ﷺ مدینہ میں نو سال قیام پذیر رہے، آپ نے حج نہیں کیا۔"[2]

صحیحین میں سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے 19 غزوات کی قیادت فرمائی اور ہجرت کے بعد صرف ایک ہی حج کیا، اس کے علاوہ کوئی حج نہیں کیا۔[3]

واقدی کے بقول آپ ﷺ نے نبوت سے لے کر وفات تک صرف ایک ہی حج کیا۔ امام ابومحمد بن حزم کا موقف ہے کہ آپ ﷺ نے نبوت ملنے سے پہلے اور بعد کتنے حج اور عمرے کیے، ان کی تعداد کا کچھ علم نہیں ہے۔[4]

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ آپ ﷺ نے کتنے حج کیے تو انھوں نے جواب دیا: صرف ایک ہی حج کیا ہے۔[5]

امام مجاہد کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہجرت سے قبل دو حج کیے تھے اور ہجرت کے بعد ایک حج کیا۔[6]

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے تین حج کیے، دو ہجرت سے قبل اور ایک حج ہجرت کے بعد جس کے ساتھ آپ نے عمرہ بھی کیا۔[7]

علامہ سہیلی کہتے ہیں: فی الحقیقت نبی اکرم ﷺ کی طرف صرف حجۃ الوداع ہی کی نسبت کرنی چاہیے۔ اگرچہ آپ نے مکہ میں لوگوں کے ساتھ حج کیا تھا لیکن وہ حج کے مشروع اور کامل طریقے کے مطابق نہیں تھا، اس لیے کہ آپ ﷺ کو اس وقت دین کے معاملے میں غلبہ اور آزادی حاصل نہیں تھی، نیز حج بھی اپنے وقت پر نہیں ہوتا تھا، چنانچہ یہ ذکر کیا گیا ہے کہ مشرکین شمسی مہینوں کے حساب سے ہر سال حج کو 11 دن مؤخر کر دیتے تھے۔ اسی وجہ سے آپ ﷺ بھی مدینہ سے حج کے لیے نہیں نکلے، حتی کہ مکہ مکمل طور پر دارالاسلام بن گیا۔ آپ نے فتح مکہ کے بعد،

1 زاد المعاد: 102,101/2. 2 صحیح مسلم: 1218. 3 صحیح البخاری: 4404، صحیح مسلم: 1254. 4 جامع الآثار فی السیر: 406/5. 5 صحیح مسلم: 1253، الطبقات لابن سعد: 189/2. 6 المغازی للواقدی: 452/2، الطبقات لابن سعد: 189/2، السنن الکبرٰی للبیہقی: 342/4. 7 جامع الترمذی: 815.

تبوک سے واپسی کے موقع پر حج کا ارادہ فرمایا لیکن جب آپ ﷺ کو یہ بتایا گیا کہ ابھی تک کچھ مشرکین ننگے ہو کر حج اور طواف کرتے ہیں تو آپ نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا، یہاں تک کہ آپ نے مشرکین سے کیے جانے والے معاہدوں کا خاتمہ بھی فرما دیا۔ یہ سب 9 ھ میں ہوا۔ پھر آپ ﷺ نے مشرکانہ رسوم اور جاہلیت کے طور طریقوں کی بیخ کنی کرنے کے بعد دسویں سال حج کیا۔ اسی لیے آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا: ''إن الزمان قد استدار كهيئته يوم خلق الله السماوات والأرض'' ''بلاشبہ زمانہ گھومتا ہوا اپنی (اس) اصلی حالت پر آ گیا ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا تھا۔''[1]

جہاں تک یہ بات ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے کتنے عمرے کیے تو اس کے بارے میں سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چار عمرے کیے، وہ تمام ذوالقعدہ میں کیے تھے، سوائے اس عمرے کے جو آپ نے حج کے ساتھ کیا۔ پہلا عمرہ حدیبیہ کے مقام سے ذوالقعدہ میں، دوسرا عمرہ اس سے اگلے سال ذوالقعدہ میں، تیسرا عمرہ جعرانہ سے جہاں آپ نے حنین کی غنیمتیں تقسیم فرمائیں، یہ بھی ذوالقعدہ میں کیا، اور چوتھا عمرہ حج کے ساتھ۔[2] سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[3]

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے صحیحین میں روایت ہے کہ آپ ﷺ نے چار عمرے کیے، ان میں سے ایک ماہ رجب میں کیا۔ یہ بات سن کر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے رجب والے عمرے کا انکار کیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ابوعبدالرحمن پر رحم فرمائے، رسول اللہ ﷺ نے جتنے بھی عمرے کیے، ان میں وہ خود بھی آپ کے ساتھ ساتھ رہے۔ آپ ﷺ نے رجب میں کوئی عمرہ نہیں کیا۔[4] صحیح مسلم میں ہے کہ جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی بات عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے سنی تو انھوں نے اس پر خاموشی اختیار کر لی۔[5] حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں: جو شخص رجب میں آپ ﷺ کے عمرے کی بات کرتا ہے، اسے غلطی لگی ہے کیونکہ آپ ﷺ کے تمام عمرے منقول و محفوظ ہیں۔ آپ ﷺ نے ان میں سے کوئی بھی عمرہ رجب میں نہیں کیا تھا۔[6]

سنن ابی داود میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ نے دو عمرے کیے: ایک عمرہ ذوالقعدہ میں اور ایک شوال میں۔[7] ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ سے جو بات صحیح سند سے منقول ہے، وہ یہی ہے کہ آپ ﷺ نے ایک سال میں ایک ہی عمرہ کیا ہے۔ جو یہ کہتے ہیں کہ آپ نے ایک سال میں دو عمرے کیے، ان کی دلیل مندرجہ بالا

1 صحیح البخاري: 3197، الروض الأنف 116,115/4. 2 صحیح البخاري: 1778، 4148. 3 سنن أبي داود: 1993، مسند أحمد 246/1. 4 صحیح البخاري: 1776,1775. 5 صحیح مسلم: 1255. 6 زاد المعاد: 122/2.

7 سنن أبي داود: 1991

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے، یہ بات وہم ہے کیونکہ ایسا کبھی نہیں ہوا۔ آپ ﷺ نے بلاشک وشبہ چار ہی عمرے کیے تھے۔ ان میں سے کوئی بھی شوال میں نہیں تھا۔[1]

درج بالا روایت میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا دو عمرے بتانا شاید اس وجہ سے ہے کہ آپ نے عملاً دو عمرے کیے۔ عمرۂ حدیبیہ میں آپ کو روک دیا گیا تھا اور حج والا عمرہ ضمنی تھا۔ انھوں نے اسے شمار نہیں کیا، البتہ سنن سعید بن منصور میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ نے تین عمرے کیے، دو ذوالقعدہ میں اور ایک شوال میں۔ یہاں یہ بھی واضح رہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے دیگر روایات کے برعکس جن میں ذوالقعدہ میں عمرے کا تذکرہ ہے، شوال کا جو ذکر کیا ہے تو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس میں جمع وتطبیق کی یہ صورت ذکر کی ہے کہ آپ کا یہ عمرہ شوال کے آخر میں اور ذوالقعدہ کی ابتدا میں تھا۔ اس کی تائید خود سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک دوسری روایت سے ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو بھی عمرہ کیا، وہ ذوالقعدہ ہی میں کیا۔[2]

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے بھی ایک دوسری جگہ یہ لکھا ہے کہ شوال میں عمرے والی روایت کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ آپ نے شوال میں عمرے کی نیت کی اور ذوالقعدہ میں عمرہ کیا۔ اس طرح تمام احادیث میں اتفاق ہو جاتا ہے۔[3]

حج نبوی کے مختلف نام

نبی اکرم ﷺ کی ہجرت کو جب 9 سال، گیارہ مہینے اور دس دن گزرے تو آپ ﷺ نے حج کیا۔ اس حج کے مختلف نام ہیں: حجۃ الوداع، حجۃ الإسلام، حجۃ البلاغ، حجۃ التمام۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ حجۃ الوداع کو حجۃ الإسلام کے عنوان سے پکارتے تھے۔[4] اسے حجۃ الوداع اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں آپ ﷺ نے لوگوں کو الوداع کہا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: خُذُوا مَنَاسِكَكُمْ، فَإِنِّي لَا أَدْرِي لَعَلِّي لَا أَحُجُّ بَعْدَ حَجَّتِي هَذِهِ ''مجھ سے حج کے مناسک اچھی طرح سیکھ لو، کیونکہ مجھے نہیں معلوم شاید میں اس سال کے بعد حج نہ کر سکوں۔''[5]

اسے حجۃ البلاغ اس لیے کہا جاتا ہے کہ نبی ﷺ نے عرفہ کے دن ایک جامع اور بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا تھا اور پھر لوگوں سے اس امر کی گواہی طلب فرمائی تھی کہ کیا میں نے دین اسلام پہنچا دیا ہے؟ لوگوں نے کہا: نَشْهَدُ أَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ ''ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے دین اسلام ہم تک پہنچا دیا ہے۔''[6] اور اسے حجۃ التمام اس لیے کہتے

1 زاد المعاد 2/97، 98۔ 2 سنن ابن ماجہ: 2997، فتح الباری 3/757، 758۔ 3 تہذیب سنن ابی داود لابن القیم: 2/268۔ 4 المعجم الکبیر للطبرانی 11/29۔ 5 سنن النسائی: 3064۔ 6 صحیح مسلم: 1218۔

ہیں کہ اس روز دین اسلام مکمل ہونے کے بارے میں یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تھی:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ [المآئدۃ 5:3]

”آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کر دیا، اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی، اور تمھارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کر لیا۔“

علاوہ ازیں اسے حجۃ الإسلام اس لیے کہا جاتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حج کے فرض ہو جانے کے بعد مدینہ منورہ سے اس کے سوا کوئی حج نہیں کیا۔[1]

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج کرنے کا ذوق وشوق

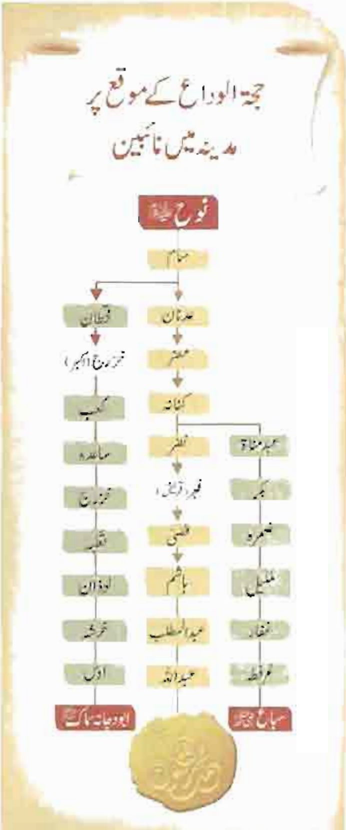
رسول اللہ ﷺ نے جب حج کرنے کا اعلان کیا تو پورے جزیرہ نمائے عرب سے لوگ آپ کے ساتھ حج کرنے کے لیے جوق در جوق امنڈ آئے۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے حج کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ جب اپنی اونٹنی قصواء پر سوار ہو کر مقام بیداء پہنچے تو میں نے آپ ﷺ کے اردگرد نظر دوڑائی۔ آپ کے آگے پیچھے اور دائیں بائیں تا حدِ نگاہ لوگ ہی لوگ تھے، کچھ پیدل تھے اور کچھ سوار۔[2] ایک دوسری روایت میں جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں لوگوں کا نظارہ کرنے لگا، آپ ﷺ کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے پیدل اور سوار لوگوں کا جمِ غفیر تھا۔ اس دن اہل اسلام کی کثرت دیکھ کر مجھے اتنی ہی مسرت ہوئی جتنی آپ ﷺ کے ساتھ حج کرنے کی خوشی تھی۔[3]

حجاج کرام کی تعداد

وہ خوش نصیب صحابہ رضی اللہ عنہم جو حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ کے ساتھ حج کا شرف حاصل کرنے کے لیے نکلے، ان کی تعداد کے بارے میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ ﷺ کے ساتھ 90 ہزار، ایک قول کے مطابق ایک لاکھ چودہ ہزار اور ایک روایت کے مطابق ایک لاکھ بیس ہزار صحابہ نے حج کیا تھا۔ یہ تو وہ لوگ تھے جو آپ کے ہمراہ نکلے تھے۔ جن لوگوں نے آپ کے ساتھ حج کیا، ان کی تعداد تو اس سے کہیں زیادہ تھی کیونکہ ان میں وہ لوگ بھی شامل تھے جو مکہ میں مقیم تھے اور وہ بھی جو سیدنا علی اور ابو موسیٰ رضی اللہ عنہما کے ساتھ یمن سے آئے تھے۔[4] حقیقت یہ ہے کہ اس مبارک موقع پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد شمار سے باہر تھی۔ یہ صحابۂ کرام کی یکجائی کا ایک ایمان افروز نظارہ

1 البداية والنهاية: 99/5، إمتاع الأسماع 102/2. 2 صحيح مسلم: 1218. 3 جامع الآثار في السير ومولد المختار 463/5. 4 شرح الزرقاني على المواهب: 146/4، السيرة الحلبية 308/3.

تھی۔ جس نے یہ عظیم الشان منظر جتنا دیکھا، اس نے اپنے اندازے کے مطابق تعداد بتا دی۔



مدینہ منورہ میں نیابت نبوی

حجۃ الوداع کے اس تاریخی موقع پر رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابودجانہ سماک بن خرشہ انصاری رضی اللہ عنہ کو اپنی نیابت سونپتے ہوئے مدینہ منورہ کا نگران مقرر فرمایا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ نے سباع بن عرفطہ غفاری رضی اللہ عنہ کو نگران بنایا تھا۔[1]

رسول اللہ ﷺ کی مدینہ سے روانگی

جب مسلمان حج کے لیے جمع ہو گئے اور جزیرہ نمائے عرب سے سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدینہ منورہ میں آ گئے تو نبی اکرم ﷺ کنگھی کرنے، تیل لگانے اور تہبند اور چادر پہننے کے بعد اپنے صحابہ کے ہمراہ مدینہ سے نکلے اور ذوالحلیفہ میں قیام کیا۔ مدینہ منورہ سے آپ ﷺ کی روانگی اس دن ہوئی جب ذوالقعدہ کے ختم ہونے میں ابھی پانچ راتیں باقی تھیں۔[2] سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ حج کے لیے نکلے تو ذی القعدہ کی پانچ راتیں باقی تھیں اور لوگ حج کے ذکر کے علاوہ کوئی اور بات نہ کرتے تھے۔[3] ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ جب حج کے لیے نکلے تو ذوالقعدہ کی چھ راتیں باقی تھیں۔ امام ابن حزم رحمہ اللہ نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔[4] لیکن ان دونوں میں جمع و تطبیق اس طرح ممکن ہے کہ جن صحابہ نے یہ دیکھا کہ مہینہ 29 ایام کا ہے، انھوں نے پانچ راتیں گن لیں اور جنھوں نے 30 ایام شمار کیے، انھوں نے چھ راتوں کا تذکرہ کر دیا۔[5] واللہ اعلم۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ آپ مدینہ سے ظہر کے بعد نکلے اور ابھی ذوالقعدہ کی چھ راتیں باقی تھیں۔ آپ ﷺ نے ظہر کی چار رکعات پڑھائیں اور اس موقع پر خطبہ بھی ارشاد فرمایا جس میں احرام کے واجبات اور سنن کے احکام بتائے۔[6]

1 جامع الآثار فی السیر، 5/419۔ 2 صحیح البخاری: 1545۔ 3 صحیح البخاری: 1709، صحیح مسلم: 1211۔
4 جامع الآثار فی السیر 5/418۔ 5 مزید دیکھیے: البدایۃ والنہایۃ 5/102، فتح الباری 8/130۔ 6 زاد المعاد 2/102۔

اس بات میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ مدینہ سے نکلتے ہوئے کون سا دن تھا۔ ابن سعد نے کہا ہے کہ ہفتے کے روز آپ ﷺ مدینہ سے نکلے۔[1] امام ابن قیم نے اسی کو ترجیح دی ہے۔[2] جبکہ امام ابن حزم کا موقف ہے کہ آپ ﷺ جمعرات کو مدینہ سے نکلے۔ آپ ﷺ نے ظہر کی نماز مدینہ میں اور عصر کی نماز ذوالحلیفہ میں پڑھی۔ آپ نے جمعرات اور جمعے کی درمیانی رات ذوالحلیفہ ہی میں بسر فرمائی۔ اس رات آپ ﷺ اپنی تمام ازواج مطہرات کے پاس گئے (وہ سب بھی وہاں پہنچ گئی تھیں جیسا کہ آگے آرہا ہے)۔ پھر آپ نے غسل فرمایا اور صبح کی نماز پڑھائی۔[3]

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ظہر کی نماز ذوالحلیفہ میں پڑھائی۔[4] اور سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ظہر کی نماز مدینہ میں پڑھائی۔[5] امام ابن حزم رحمہ اللہ ان دونوں روایات میں سے سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی روایت کو ترجیح دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایک تو سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں چار رکعت کی صراحت ہے اور دوسرا اس میں اپنے حاضر ہونے کا ذکر بھی ہے۔ اسی طرح اس میں یہ صراحت بھی ہے کہ آپ ﷺ نے ظہر کی نماز چار رکعت ادا کی اور عصر کی نماز ذوالحلیفہ میں دو رکعت ادا کی۔ امام ابن حزم ان دونوں روایات کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ جمع و تطبیق کرتے ہیں کہ یہ دونوں روایات صحیح ہیں کہ ایک دن آپ ﷺ نے ظہر کی نماز مدینہ میں پڑھائی اور پھر عصر کی نماز ذوالحلیفہ میں پڑھائی، پھر آپ نے رات گزاری اور اگلے دن ظہر کی نماز ذوالحلیفہ ہی میں پڑھ کر تلبیہ پکارا۔[6]

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ احرام سے قبل نبی ﷺ نے غسل کیا اور یہ وہ غسل تھا جو آپ نے غسل جنابت کے بعد کیا تھا۔ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے احرام باندھنے کے لیے غسل فرمایا۔[7]

سیدہ فاطمہ اور تمام ازواج مطہرات کی شرکت

تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن بھی ذوالحلیفہ پہنچیں۔ ان کے ساتھ سیدنا عثمان بن عفان اور عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہما تھے۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کیا، اس موقع پر تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ اپنے اپنے ہودج میں حج کیا۔ وہ کہتی ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس ذوالحلیفہ میں رات کے وقت پہنچیں، ہمارے ساتھ سیدنا عثمان بن عفان اور عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہما تھے۔[8]

1 الطبقات لابن سعد: 173/2. 2 دیکھیے: زاد المعاد: 2/102-106. 3 حجۃ الوداع لابن حزم، ص: 140. 4 صحیح مسلم: 1243. 5 صحیح البخاری: 1547، صحیح مسلم: 690. 6 حجۃ الوداع لابن حزم، ص: 407، 408. 7 جامع الترمذی: 830، زاد المعاد: 2/106. 8 الطبقات لابن سعد: 206/8

سیدنا ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ حجۃ الوداع کے موقع پر اپنی ازواج مطہرات سے فرما رہے تھے: هذه ثم ظهور الحصر ''حج بس یہی ہے، بعد میں گھروں میں رہنا ہوگا۔''[1]

امہات المومنین کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لخت جگر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی اس بابرکت سفر حج میں شریک تھیں۔[2]

یاد رہے کہ ذوالحلیفہ میں رات گزارنا سنن حج میں سے نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف سہولت کے پیش نظر وہاں قیام فرمایا تھا تاکہ پیچھے رہ جانے والے لوگ آسانی سے آ ملیں اور جو آپ کے ساتھ نہیں آ سکے تھے، وہ بھی آ جائیں جیسا کہ ازواج مطہرات رات کے وقت ذوالحلیفہ پہنچی تھیں۔ واللہ اعلم.

قصر نماز کی ادائیگی

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں مدینہ میں ظہر کی چار رکعات پڑھائیں، پھر آپ حج کے لیے نکلے، ذوالحلیفہ پہنچے اور وہاں عصر کی نماز قصر پڑھی۔[3] پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم حج میں قصر نمازیں ہی پڑھتے رہے یہاں تک کہ آپ مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے، جیسا کہ دوسری روایت میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کے لیے نکلے، آپ دو دو رکعتیں پڑھتے رہے یہاں تک کہ واپس آ گئے۔ راوی نے پوچھا: آپ نے مکہ میں کتنے دن قیام کیا تو انس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: دس ایام۔[4]

وادی عقیق میں نماز پڑھنے کا حکم

وادی عقیق (مدینہ منورہ)



وادی عقیق مدینہ منورہ (مسجد نبوی) سے چھ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے، یہ ذوالحلیفہ کے قریب ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وادی عقیق میں یہ فرماتے ہوئے سنا: «أتاني الليلة آت من ربي فقال صل في هذا الوادي المبارك وقل عمرة في حجة» ''آج رات میرے رب کی جانب سے ایک آنے والا آیا اور کہنے لگا کہ آپ اس بابرکت وادی میں نماز پڑھیں اور کہیں کہ میں نے حج کے ساتھ عمرے کی بھی نیت کی۔''[5] اس روایت میں وادی عقیق کو وادی مبارک کہا گیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حج کے موقع پر یہاں نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

---

1 سنن أبي داود، 1722. 2 دیکھیے: سنن أبي داود، 1797. 3 صحيح البخاري، 1551. 4 مسند أحمد: 282/3، السنن الكبرى للبيهقي: 148/3. 5 صحيح البخاري، 1534.

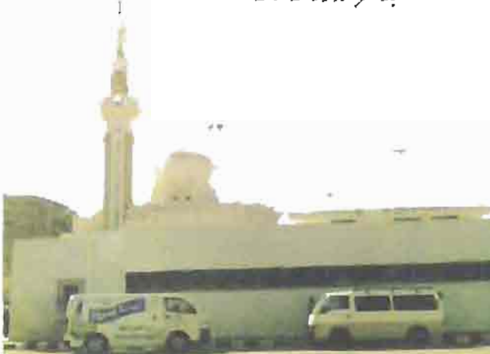
احرام سے پہلے خوشبو کا استعمال

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کو احرام باندھتے وقت اور طواف زیارت سے پہلے احرام کھولتے وقت خوشبو لگا دیتی تھی۔[1] ایک دوسری روایت میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: گویا میں (اس وقت بھی) رسول اللہ ﷺ کی مانگ میں خوشبو کی چمک دیکھ رہی ہوں، حالانکہ آپ مُحرِم تھے۔[2] عروہ سے روایت ہے کہ میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ کو احرام باندھتے ہوئے کون سی خوشبو لگائی تھی؟ تو انھوں نے فرمایا: سب سے اچھی خوشبو۔[3] ایک روایت میں ہے کہ سیدہ نے کہا: میں نے ذریرہ نامی خوشبو لگائی تھی۔[4]

ان احادیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ محرم آدمی احرام باندھنے سے پہلے خوشبو لگا سکتا ہے اگرچہ اس کی مہک احرام باندھنے کے بعد بھی باقی رہے، البتہ احرام کے بعد خوشبو لگانا صحیح نہیں ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی بعض روایات میں ہے کہ میں نے تین دن کے بعد اسی خوشبو کے اثرات محسوس کیے تھے۔[5] اسی طرح سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کی ایک روایت میں ہے کہ ہم احرام کے وقت اپنے چہرے پر خوشبودار محلول لگایا کرتی تھیں، جب پسینہ آتا تو محلول ہمارے چہرے پر بہنے لگتا، رسول اللہ ﷺ یہ منظر دیکھتے تھے لیکن ہمیں منع نہیں فرماتے تھے۔[6]

خوشبو کی وہ اقسام جن میں زعفران کی ملاوٹ ہوتی ہے یا ان میں رنگ ہوتا ہے جو عورتیں استعمال کرتی ہیں، یہ خوشبو مردوں کے لیے کسی حالت میں جائز نہیں، نہ احرام سے پہلے نہ بعد میں۔ اس طرح کی خوشبو مردوں کے لیے مستقل طور پر منع ہے۔ دوسری خوشبو کی قسم وہ ہے جس میں رنگ وغیرہ نہ ہو، مرد اسے احرام سے پہلے استعمال کرسکتا ہے احرام کے بعد نہیں، البتہ احرام کی حالت میں خوشبو سونگھنا جائز ہے، جیسے پھول وغیرہ سونگھنا جائز ہے۔

مسجد جعرانہ نزد مکہ مکرمہ



ایک روایت میں ہے کہ نبی ﷺ جعرانہ کے مقام پر تھے، ایک شخص آیا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! آپ اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہیں جس نے عمرے کا احرام باندھا مگر وہ

1 صحیح البخاري: 1539، 2 صحیح البخاري: 1538، 3 صحیح مسلم: 1189-(36)، 4 صحیح البخاري: 5930، صحیح مسلم: 1189-(35)، 5 سنن النسائي: 2704، 6 سنن أبي داود: 1830

خوشبو سے آلودہ تھا؟ اس پر نبی ﷺ نے کچھ دیر سکوت فرمایا، پھر آپ پر وحی نازل ہوئی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یعلی رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کیا۔ جب یعلی آئے تو اس وقت آپ ﷺ کے سر پر ایک کپڑا آویزاں کر کے سائے کا انتظام کیا گیا تھا۔ انھوں نے اپنا سر کپڑے کے اندر گھسا کر دیکھا تو آپ ﷺ کا چہرہ مبارک سرخ ہو رہا تھا اور آپ خراٹے لے رہے تھے۔ جب آپ کی یہ حالت ختم ہوئی تو آپ نے فرمایا: «أين الذي سأل عن العمرة؟» ''وہ شخص کہاں ہے جس نے عمرے کے متعلق سوال کیا تھا؟'' چنانچہ وہ شخص حاضر کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«اغسل الطيب الذي بك ثلاث مرات، وانزع عنك الجبة، واصنع في عمرتك ما تصنع في حجتك»

''جو خوشبو تمھیں لگی ہوئی تھی، اسے تین دفعہ دھو ڈالو۔ اپنا جبہ اتار دو اور عمرے میں بھی وہی کرو جو حج میں کرتے ہو۔''[1]

اس حدیث میں آپ نے خوشبو دھونے اور جبہ اتارنے کا جو حکم دیا، وہ اس لیے تھا کہ اُسے جو خوشبو لگی ہوئی تھی، اس میں زعفران تھا جو مرد کے لیے بغیر احرام کے بھی جائز نہیں۔[2] دوسری بات یہ ہے کہ یہ واقعہ آٹھ ہجری کا ہے جبکہ آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر خود خوشبو لگائی اور اس کا اثر بھی باقی رہا۔[3]

محرم کون سے کپڑے پہنے اور کون سے نہ پہنے؟

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ کنگھی کرنے، تیل لگانے، تہبند باندھنے اور چادر اوڑھنے کے بعد مدینہ سے روانہ ہوئے۔ آپ نے کسی قسم کی چادر اور تہبند پہننے سے منع نہیں فرمایا، البتہ زعفران سے رنگے ہوئے کپڑے، جن سے بدن پر زعفران لگ جائے، ان سے منع فرمایا۔[4] یعنی احرام میں ورس اور زعفران سے رنگی چادریں استعمال کرنا ممنوع ہیں۔ ویسے عام حالت میں بھی یہ مردوں کے لیے جائز نہیں۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! محرم کون سے کپڑے پہنے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لا يلبس القمص، ولا العمائم، ولا السراويلات، ولا البرانس، ولا الخفاف، إلا أحد لا يجد نعلين فليلبس خفين، وليقطعهما أسفل من الكعبين، ولا تلبسوا من الثياب شيئا مسه

1 صحيح البخاري: 1536 2 دیکھیے صحيح البخاري: 1847، صحيح مسلم: 1180 3 حجة الوداع لابن حزم: 233/1 4 صحيح البخاري: 1545

زعفران یا ورس

’’محرم قمیص، پگڑی، شلوار، ٹوپی اور موزے نہ پہنے۔ ہاں اگر جوتا نہ ملے تو موزے پہن لے لیکن انھیں ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ لے اور تم ایسا کپڑا بھی نہ پہنو جسے زعفران یا ورس لگی ہو۔‘‘[1]

البتہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے احرام کی حالت میں کسم میں رنگے ہوئے کپڑے پہنے۔ انھوں نے فرمایا کہ عورتیں بحالت احرام نہ اپنی ناک پر کپڑا باندھیں، نہ برقع پہنیں، نہ ایسا کپڑا زیب تن کریں جو ورس اور زعفران سے رنگا ہوا ہو۔ یعنی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک عورت کے لیے حالت احرام میں زیور اور سفید کپڑوں کے علاوہ سیاہ اور گلابی کپڑے، نیز موزے پہننے میں کوئی حرج نہیں۔[2] البتہ عورت کے لیے نقاب باندھنے اور دستانے پہننے پر پابندی ہے جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: «ولا تنتقب المرأة المحرمة ولا تلبس القفازين» ’’احرام کی حالت میں عورت منہ پر نقاب نہ باندھے اور دستانے بھی نہ پہنے۔‘‘[3] لیکن جب غیر محرم سامنے آئے تو اوپر سے کپڑا چہرے پر ڈال لیا جائے۔[4] واضح رہے کہ نقاب اسے کہتے ہیں کہ نیچے سے کپڑا اٹھا کر منہ پر باندھ لیا جائے۔ اوپر سے کپڑا لٹکانے کو نقاب نہیں کہا جاتا ہے۔

مردوں کے لیے سفید احرام مستحب ہے۔ اس کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے:

«البسوا من ثيابكم البياض فإنها من خير ثيابكم وكفنوا فيها موتاكم»

’’سفید کپڑے زیب تن کرو کیونکہ یہ تمھارے بہترین کپڑے ہیں اور انھی سفید کپڑوں میں اپنے مردوں کو دفناؤ۔‘‘[5]

بالوں کو پراگندگی سے بچانے کے لیے جمانا

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لبیک پکارتے ہوئے سنا جبکہ آپ اپنے بالوں کو جمائے ہوئے تھے۔[6] ایک روایت میں ہے کہ آپ نے غسل (ایک قسم کی گوند) سے اپنے سر مبارک کے بالوں کو جمایا ہوا تھا۔[7] یہ اس لیے تھا کہ بال پراگندہ نہ ہوں۔[8] اور گرد و غبار سے اٹ نہ جائیں، بالخصوص جب مدت احرام زیادہ ہو یا مکہ میقات سے دور ہو۔

1 صحیح البخاری: 1542. 2 صحیح البخاری، قبل حدیث: 1545، السنن الکبریٰ للبیہقی: 47/5، 52 و 59. 3 صحیح البخاری: 1838. 4 فتح الباری: 3/511، 512. 5 سنن أبي داود: 3878. 6 صحیح البخاری: 1540. 7 سنن أبي داود: 1748. 8 زاد المعاد: 2/158.

رسول اللہ ﷺ نے قربانی کی اونٹنی کو اشعار کیا

قربانی کے جانور کو اشعار کیا جاتا تھا، یعنی اونٹ کے کوہان کو دائیں جانب بطورِ نشان ہلکا سا زخم لگاتے تھے تاکہ وہ خون آلود ہو جائے۔ ایسا اس لیے کیا جاتا تھا کہ لوگوں کو بخوبی علم ہو جائے کہ یہ قربانی کا جانور ہے اور کوئی اس سے چھیڑ چھاڑ نہ کرے۔ اسی طرح اس کے گلے میں قلادہ، یعنی ہار بھی ڈالا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ جب ذوالحلیفہ سے نکلنے لگے تو اس موقع پر آپ نے اشعار بھی کیا اور اونٹوں کے گلے میں قلادے بھی ڈالے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ نے ذوالحلیفہ میں ظہر کی نماز پڑھائی، پھر اپنی اونٹنی منگوائی اور اس کے کوہان کی دائیں جانب ہلکا سا زخم لگا کر اسے نشان زدہ کر دیا اور خون پونچھ دیا، پھر دو جوتے اس کے گلے میں لٹکائے۔ اس کے بعد آپ اپنی سواری پر سوار ہوئے اور چل دیے۔[1]

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: لوگوں نے احرام کھول دیا ہے لیکن آپ نے نہیں کھولا، اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

إني لبدت رأسي وقلدت هديي فلا أحل حتى أحل من الحج

''میں نے اپنے سر کے بال جما لیے ہیں اور قربانی کے گلے میں ہار ڈال رکھا ہے، لہٰذا میں حج سے فراغت پانے تک احرام نہیں کھولوں گا۔''[2]

یہ اس شخص کے لیے ہے جو قربانی اپنے ساتھ لائے اور اس نے حج قران کی نیت کی ہو۔ لیکن جو شخص حج نہ کر رہا ہو اور وہ مکہ کی جانب قربانی کے جانور بھیجے، اس پر کوئی پابندی نہیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے نبی ﷺ کی ہدی کے لیے ہار تیار کیے، پھر آپ نے ہدی کو اشعار کیا، انھیں قلادے پہنائے، پھر آپ نے انھیں بیت اللہ روانہ کیا اور خود مدینہ طیبہ ہی میں ٹھہرے۔ اس عمل سے آپ ﷺ پر کوئی ایسی چیز حرام نہ ہوئی جو آپ کے لیے حلال تھی۔[3] یعنی آپ محرم نہ ہوئے۔ ہدی اس جانور کو کہتے ہیں جو اللہ کی رضا کے لیے حرم مکی میں ذبح کیا جائے اور وہ جانور کم از کم بکری ہے۔ اس لیے اونٹ، گائے اور بکری کو بطور ہدی مکہ روانہ کیا جا سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے عمل سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ قربانی کے جانور کو اشعار بھی کرتے تھے اور انھیں ہار بھی ڈالتے تھے جیسا کہ آپ ﷺ نے اونٹنی کو اشعار بھی کیا اور ہار بھی پہنایا لیکن بکری کے بارے میں ہے کہ اسے صرف ہار پہنایا جائے، اشعار نہ کیا جائے کیونکہ بکری کمزور جانور ہے، اسے اشعار کے بجائے ہار ہی پہنا دینا کافی ہے۔

1 صحيح مسلم: 1243. 2 صحيح البخاري: 1697. 3 صحيح البخاري: 2317، صحيح مسلم: (362)-1321

قربانی کے جانور پر سوار ہونے کا حکم

رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ قربانی کے جانور کو ہانک رہا ہے۔ آپ ﷺ نے اُسے مخاطب کر کے فرمایا: ارْكَبْهَا ''اس پر سوار ہو جا۔'' اس نے عرض کیا: یہ تو قربانی کا اونٹ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اُسے دوبارہ حکم دیا: ارْكَبْهَا ''اس پر سوار ہو جا۔'' اس شخص نے پھر عرض کی کہ یہ تو قربانی کا جانور ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ارْكَبْهَا وَيْلَكَ ''تجھ پر افسوس ہے، تو اس پر سوار ہو جا۔''[1]

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ہدی پر سواری کرنے کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے کہا میں نے نبی ﷺ سے سنا، آپ فرما رہے تھے: ارْكَبْهَا بِالْمَعْرُوفِ إِذَا أُلْجِئْتَ إِلَيْهَا حَتَّى تَجِدَ ظَهْرًا ''جب اس پر سوار ہونے کی ضرورت ہو تو سواری ملنے تک معروف طریقے سے اس پر سواری کرو۔''[2] اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسری سواری دستیاب ہو تو قربانی کے جانور کو آزاد چھوڑ دینا چاہیے اور اس پر سواری نہیں کرنی چاہیے۔ دراصل دورِ جاہلیت میں لوگ کچھ جانوروں کو مذہبی نذر و نیاز کے طور پر چھوڑ دیتے تھے۔ ان کے ہاں ایسے جانور سے فائدہ اُٹھانا معیوب تھا۔ اسلام نے اس تصور کی تردید فرما کر اسے غلط قرار دیا ہے۔ اسی لیے آپ ﷺ نے درج بالا شخص کو بار بار سوار ہونے کا حکم دیا اور آخر میں تنبیہ بھی فرمائی۔

نبی ﷺ کی نیت اور تلبیہ

نبی کریم ﷺ جب ذوالحلیفہ کی مسجد سے نکل کر سواری پر سوار ہوئے تو آپ نے حج قران کی ان الفاظ سے نیت فرمائی: لَبَّيْكَ عُمْرَةً وَحَجًّا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب نبی ﷺ کی سواری سیدھی کھڑی ہو گئی تو اس وقت آپ نے نیت فرمائی اور لبیک کہنا شروع کیا۔[3] عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک دوسری روایت میں ہے: رسول اللہ ﷺ جب رکاب میں پاؤں رکھ لیتے اور آپ کی اونٹنی آپ کو لے کر کھڑی ہو جاتی تب آپ ذوالحلیفہ

1 صحيح البخاري 1689. 2 صحيح مسلم 1324. 3 صحيح البخاري :1552.

ابیار (آبار) علی (جنوب مدینہ) میں مسجد ذوالحلیفہ



سے تلبیہ پکارنا شروع کرتے تھے۔[1] سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں ظہر کی نماز چار رکعت پڑھی۔ ہم لوگ آپ کے ساتھ تھے، پھر آپ ﷺ نے ذوالحلیفہ میں عصر کی نماز دو رکعت پڑھا کر رات کو وہیں قیام فرمایا۔ صبح کے وقت وہاں سے سوار ہوئے، جب سواری میدان بیداء میں پہنچی تو آپ نے الحمدللہ، سبحان اللہ اور اللہ اکبر کہا۔ پھر آپ نے حج اور عمرہ دونوں کے لیے لبیک کہا اور لوگوں نے بھی حج اور عمرہ دونوں کے لیے لبیک کہا۔[2]

ان روایات سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ تلبیہ پکارنے کے وقت میں اختلاف ہے۔ کہیں یہ بات آئی ہے کہ جب آپ سواری پر سوار ہوئے، اس وقت تلبیہ کہا۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ جب آپ بیداء کے میدان میں پہنچے تب تلبیہ کہا۔ یہ اختلاف دراصل راویوں کے مشاہدے کی بنا پر رونما ہوا ہے جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ہی حج کیا ہے۔ جب آپ ﷺ حج کے لیے تشریف لے گئے تو آپ نے مسجد ذوالحلیفہ میں نماز ادا کی اور اس کے بعد تلبیہ کہا۔ جن لوگوں نے اس وقت آپ کا تلبیہ سنا، انھوں نے اسی وقت کے حوالے سے یہ معاملہ بیان کیا۔ پھر آپ ﷺ سوار ہوئے اور آپ نے سواری پر بیٹھ کر تلبیہ کہا تو سننے والوں نے سواری کے وقت تلبیہ کہنے کی بات بیان کی۔ پھر جب آپ ﷺ میدان بیداء کی چڑھائی پر پہنچے اور لبیک پکارا تو جن لوگوں نے اس وقت آپ ﷺ کو دیکھا، انھوں نے اپنے مشاہدے کے مطابق واقعہ بیان کر دیا۔ آپ ﷺ نے تو تلبیہ کا آغاز مسجد سے کیا تھا، اس کے بعد جس جس نے آپ کو جس جگہ تلبیہ کہتے دیکھا، اس نے اسی جگہ کے حوالے سے بات بیان کر دی۔[3] اس کی تائید آپ کے اس عمل سے بھی ہوتی ہے جسے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ آپ ﷺ نے تلبیہ پکارا تو لوگوں نے بھی بلند آواز سے پکارنا شروع کر دیا۔ آپ ﷺ جب کسی سوار سے ملتے تو تلبیہ پکارتے یا کسی ٹیلے پر چڑھتے یا وادی سے اترتے تو تلبیہ پکارتے۔ آپ ہر فرض نماز کے بعد بھی تلبیہ کہتے اور رات کے آخری پہر بھی بلند آواز سے تلبیہ پکارتے۔[4]

قبلہ رخ ہو کر نیت کرنا اور تلبیہ پکارنا

رسول اللہ ﷺ نے جب لبیک عمرۃ و حجۃ کہا اور تلبیہ پکارا تو قبلہ رخ ہو کر پکارا۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ نے ذوالحلیفہ کی مسجد میں دو رکعتیں پڑھیں تو وہیں مصلی پر بیٹھے بیٹھے نیت کی (ایسی حالت میں آپ کا چہرہ قبلہ رخ تھا)۔[5] اسی طرح سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب ذوالحلیفہ میں فجر کی نماز پڑھ

1 صحيح مسلم: (27)-1187 2 صحيح البخاري: 1551. 3 سنن أبي داود: 1770 4 جامع الآثار في السير ومولد المختار: 466،465/5 5 سنن أبي داود: 1770.

لیتے تو اپنی سواری تیار کرنے کا حکم دیتے، چنانچہ وہ تیار کردی جاتی تو اس پر سوار ہو جاتے۔ جب وہ سیدھی کھڑی ہو جاتی تو قبلہ رو ہو کر تلبیہ کہتے۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے ہی کیا ہے۔[1]

بلند آواز سے تلبیہ پکارنے کا حکم

نبی کریم ﷺ نے جب تلبیہ پکارا اور نیت کی تو اپنی آواز کو بلند کیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی حکم دیا کہ وہ بھی بلند آواز سے تلبیہ پکاریں۔ سیدنا خلاد بن سائب رضی اللہ عنہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أتاني جبريل عليه السلام فقال: إن الله يأمرك أن تأمر أصحابك أن يرفعوا أصواتهم بالتلبية والإهلال»

''میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور انھوں نے مجھ سے کہا: اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتا ہے کہ آپ اپنے صحابہ کو بلند آواز سے تلبیہ پکارنے کا حکم دیں۔''[2]

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«جاءني جبريل فقال: يا محمد! مر أصحابك فليرفعوا أصواتهم بالتلبية فإنها من شعار الحج»

''میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور انھوں نے مجھ سے کہا: اے محمد! اپنے اصحاب کو بلند آواز سے تلبیہ پکارنے کا حکم دیں کیونکہ یہ حج کے شعار (نشانی) میں سے ہے۔''[3]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «أتاني جبريل فأمرني أن أعلن التلبية» ''میرے پاس جبریل آئے اور کہا کہ میں تلبیہ کو بلند آہنگ کروں۔''[4] سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حج اور عمرہ دونوں مواقع پر باآواز بلند تلبیہ پڑھتے ہوئے سنا۔[5] مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس قدر بلند آواز سے تلبیہ کہتے تھے کہ ان کی آواز بیٹھ جاتی تھی۔[6] سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے افضل حج کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: «العج والثج» ''بلند آواز سے تلبیہ کہنا اور جانوروں کو ذبح کرنا (افضل حج کے اعمال ہیں)۔''[7]

تلبیہ کے الفاظ

رسول اللہ ﷺ سے پہلے مشرکین کا طریقہ یہ تھا کہ وہ تلبیہ پکارتے ہوئے یہ الفاظ کہتے تھے: لبيك لا شريك لك

1 صحيح البخاري: 1553، 2 مسند أحمد: 56/4، 3 سنن ابن ماجه: 2923، 4 مسند أحمد: 321/1، 5 صحيح البخاري: 1548، 6 المصنف لابن أبي شيبة: 355/3، 7 جامع الترمذي: 827

''میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں۔'' رسول اللہ ﷺ یہ سن کر فرماتے: ویلکم قد قد ''تمھاری ہلاکت ہو، بس یہی کافی ہے، اس کے بعد کچھ نہ کہو'' لیکن وہ لوگ اس کے بعد کہتے: إلا شریکا هو لك تملکه وما ملك ''سوائے ایک شریک کے جو تیرے ہی لیے ہے، تو اس کا اور جو کچھ اس کی ملکیت میں ہے، سب کا مالک ہے۔''[1] اس کے برعکس جب رسول اللہ ﷺ نے تلبیہ پکارا تو فرمایا: لبیك اللهم لبیك، لبیك لا شریك لك لبیك، إن الحمد والنعمة لك والملك لا شریك لك ''میں حاضر ہوں اے اللہ! میں حاضر ہوں۔ میں پھر حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں۔ میں حاضر ہوں، تیرے لیے ہی تعریف ہے۔ تو ہی تمام نعمتوں اور بادشاہتوں کا مالک ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔''[2]

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان موجود تھے۔ آپ پر قرآن نازل ہوتا تھا اور آپ ہی اس کی (حقیقی) تفسیر جانتے تھے۔ جو آپ ﷺ کرتے، ہم اسی پر عمل کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے توحید کا تلبیہ پکارا: لبیك اللهم لبیك، لبیك لا شریك لك لبیك، إن الحمد والنعمة لك والملك لا شریك لك[3] یہاں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کے توحید کے الفاظ سے مراد ان کفار و مشرکین کے تلبیے کی نفی تھی جس میں وہ شرک کا ارتکاب کرتے تھے۔

تلبیہ میں زائد الفاظ

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے تلبیہ کے یہ الفاظ بھی سنے: لبیك حجا حقا تعبدا ورقا ''میں حج کے لیے، حق کے ساتھ، بندگی اور غلامی کرتے ہوئے حاضر ہوں۔''[4] سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ الفاظ بھی پکارتے تھے: لبیك إله الحق لبیك ''میں حاضر ہوں، اے حقیقی اور سچے الٰہ! میں حاضر ہوں۔''[5]

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ لوگ تلبیہ میں ''ذوالمعارج'' کے الفاظ وغیرہ بڑھا دیتے، آپ ﷺ سن رہے ہوتے تھے مگر کچھ نہ کہتے۔[6] عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ان الفاظ کا اضافہ کرتے تھے: لبیك لبیك وسعدیك والخیر بیدیك لبیك والرغباء إلیك والعمل ''حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، تیری اطاعت کی ایک کے بعد دوسری سعادت حاصل کرنے کے لیے ہر دم تیار ہوں۔ ہر قسم کی بھلائی تیرے دونوں ہاتھوں میں ہے، میں حاضر ہوں۔

[1] صحیح مسلم: 1185 [2] صحیح البخاري: 1549 [3] صحیح مسلم: 1218 [4] تاریخ بغداد: 215/14، مسند البزار 266,265/15، یہ الفاظ مرفوع کے بجائے موقوفا ثابت ہیں۔ [5] مسند احمد: 341/2، سنن ابن ماجه: 2920، سنن النسائي: 2753 [6] سنن ابي داود: 1813، مسند احمد: 320/3

تیری ہی طرف رغبت ہے اور تیری خاطر ہی سارے عمل ہیں۔" یہ الفاظ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہیں۔[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں کہتے تھے۔[2] ایک روایت میں ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ یہ الفاظ بڑھاتے تھے: لبيك مرغوبا أو مرهوبا، لبيك ذا النعماء والفضل الحسن "میں تیری طرف رغبت کرتے اور تجھ سے ڈرتے ہوئے حاضر ہوں۔ اے آسودگی دینے اور بہترین فضل فرمانے والے! میں حاضر ہوں۔"[3]

تلبیہ پکارنے کے بعد اللہ تبارک و تعالیٰ سے استغفار کرنے کے بارے میں بھی روایات آئی ہیں۔ امام دارقطنی اور امام شافعی رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب تلبیہ سے فارغ ہوتے تو اللہ تعالیٰ سے اس کی رضا اور جنت کا سوال کرتے اور اس کی رحمت کے ذریعے دوزخ سے پناہ مانگتے تھے۔[4]

مسنون یہ ہے کہ حج یا عمرے کے احرام میں ہر حالت میں تلبیہ پکارا جائے یہاں تک کہ عمرہ کرنے والا بیت اللہ کا طواف شروع کر دے اور حج کرنے والا جمرہ کو کنکریاں مارے۔

بالخصوص وہ اس وقت تلبیہ ضرور پڑھے جب بلندی کی طرف جائے یا نشیب کی طرف اترے یا کسی تلبیہ والے کی لبیک سنے یا خاموشی محسوس ہو کہ سارے تلبیہ بھول گئے ہیں۔ اسی طرح نمازوں کے بعد، رات چھا جانے پر یا صبح کے طلوع ہونے پر تلبیہ بلند آواز سے پکارنا مسنون ہے۔

فقہائے مالکیہ کے سوا علاوہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تلبیہ کے بعد درود و سلام پڑھنا بھی مستحب ہے۔[5]

احرام باندھتے ہوئے نیت

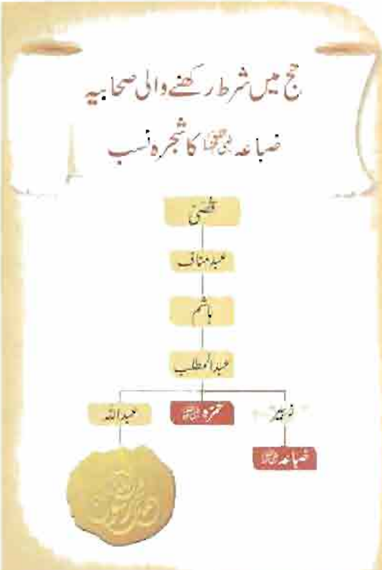
رسول اللہ ﷺ نے جب احرام باندھ لیا اور تلبیہ پکار لیا تو صحابہ کو اجازت دے دی کہ وہ صرف حج یا صرف عمرہ یا دونوں کا اکٹھا احرام باندھ کر نیت کر سکتے ہیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے تو آپ نے فرمایا:

من أراد منكم أن يهل بحج وعمرة فليفعل، ومن أراد أن يهل بحج فليهل، ومن أراد أن يهل بعمرة فليهل

"جو تم میں سے حج اور عمرہ کا احرام باندھ کر نیت کرنا چاہتا ہے، وہ ان دونوں کی نیت کرے، اور جو صرف حج

1 صحيح مسلم: 1184. 2 فتح الباري: 3/516. 3 المصنف لابن أبي شيبة: 3/198. 4 مسند الشافعي، ص: 123، الأم للشافعي: 2/157، سنن الدارقطني: 2/238. 5 ديكھيے: السنن الكبرى للبيهقي: 5/46، تفسير ابن كثير، الأحزاب 33:56.

کی نیت کرنا چاہتا ہے، وہ کر لے، اور جو صرف عمرے کی نیت کرنا چاہتا ہے، وہ صرف عمرے کی نیت کر لے۔'' سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: آپ ﷺ نے صرف حج کی نیت کی اور کچھ دیگر لوگوں نے بھی آپ ﷺ کی طرح حج کی نیت کی۔ بعض لوگوں نے حج اور عمرے دونوں کی نیت کی اور کچھ لوگوں نے صرف عمرے کی نیت کی۔ میں ان میں سے تھی جنھوں نے صرف عمرے کی نیت کی۔[1]



حالت خوف میں احرام باندھتے ہوئے شرط لگانا

اگر کسی کو یہ خوف لاحق ہو کہ وہ بوجہ مرض یا خوف حج ادا نہ کر پائے گا تو وہ تلبیہ پکارتے وقت یہ جملہ کہہ سکتا ہے: اللَّهُمَّ مَحِلِّي حَيْثُ حَبَسْتَنِي ''اے اللہ! جہاں تو نے مجھے روک دیا، میں وہاں احرام کھول دوں گا۔''

رسول اللہ ﷺ سیدہ ضباعہ بنت زبیر رضی اللہ عنہا کے گھر گئے تو آپ نے ان سے پوچھا: ''کیا تم نے حج کا ارادہ کیا ہے؟'' وہ کہنے لگیں: اے اللہ کے رسول! مجھے بیماری نے روک دیا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ انھوں نے کہا: میں حج کا ارادہ رکھتی ہوں لیکن بیمار ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حُجِّي وَاشْتَرِطِي، قُولِي: اللَّهُمَّ مَحِلِّي حَيْثُ حَبَسْتَنِي ''حج کرو اور شرط لگا لو۔ کہو: اے اللہ! میں وہیں حلال ہو جاؤں (احرام کھول دوں) گی جہاں تو نے مجھے روک دیا۔''[2]

اس صورت میں اگر وہ بیماری، موت یا کسی اور وجہ سے راستے ہی میں رہ جاتیں تو ان پر کوئی چیز لازم نہ ہوتی۔

نفاس والی عورت کے احرام کا مسئلہ

اگر کوئی عورت حالت نفاس میں ہو تو وہ غسل کر کے احرام باندھ لے اور اس کا احرام معمول کا عام لباس ہوتا ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ذوالحلیفہ کے مقام پر درخت کے قریب قیام کے دوران میں سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کو محمد بن ابی بکر کی پیدائش کی وجہ سے نفاس کا خون آنا شروع ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اپنی اہلیہ سے کہیں کہ وہ غسل کر لیں اور احرام باندھ لیں۔[3]

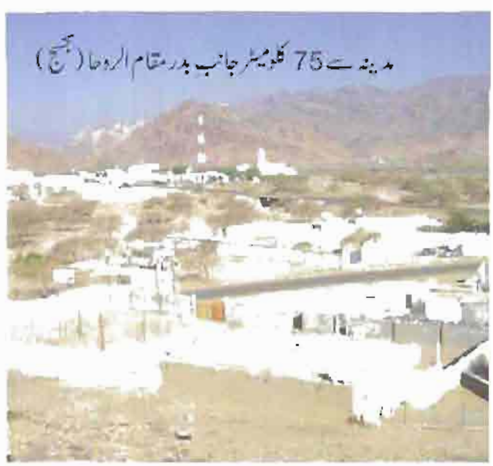
[1] صحیح مسلم: 1211(114)۔ [2] صحیح البخاری: 5089، صحیح مسلم: 1207 [3] صحیح مسلم: 1209

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج کے لیے نکلا۔ میرے ساتھ میری بیوی اسماء بنت عمیس خثعمیہ بھی تھی۔ جب ہم ذوالحلیفہ پہنچے تو اسماء نے محمد بن ابی بکر کو جنم دیا۔ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا تاکہ آپ کو مطلع کروں تو آپ نے مجھے حکم دیا کہ اپنی بیوی اسماء سے کہو کہ وہ غسل کر لیں، پھر حج کا تلبیہ پکاریں اور اسی طرح عمل کریں جس طرح تمام لوگ عمل کریں، البتہ بیت اللہ کا طواف نہ کریں۔[1]

ایک روایت میں ہے کہ سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے کسی کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا اور پوچھا کہ اب میں کیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: «اغْتَسِلِي وَاسْتَثْفِرِي بِثَوْبٍ وَأَحْرِمِي» ”وہ غسل کر لیں، کپڑے کا لنگوٹ کس لیں اور پھر احرام باندھ لیں۔“[2] امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس واقعے سے تین باتوں کا علم ہوتا ہے: 1 محرم غسل کر سکتا ہے۔ 2 حائضہ اور نفاس والی عورت کو احرام کے لیے غسل کرنا پڑے گا۔ 3 حائضہ اور نفاس والی عورت کے لیے احرام باندھنا صحیح ہے۔[3]

جنگلی گدھے کا شکار

رسول اللہ ﷺ بیداء سے آگے بڑھے اور روحاء کے قریب پہنچے تو وہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک شکار کیے ہوئے زخمی جنگلی گدھے کو دیکھا۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا: «دَعُوهُ حَتّٰى يَأْتِيَ صَاحِبُهُ» ”انتظار کرو یہاں تک کہ اس کو شکار کرنے والا پہنچ جائے۔“ چنانچہ کچھ دیر بعد اس کا شکار کرنے والا بہزی پہنچا۔ ایک روایت میں ہے کہ بنوسلیم کا ایک شخص آیا جس نے اس کا شکار کیا تھا (اس کا نام زید بن کعب بہزی سلمی تھا۔)[4] شکاری نے کہا: اے اللہ کے رسول! اب یہ آپ کا ہے۔ آپ اسے جیسے چاہیں استعمال کریں۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اسے ساتھیوں میں تقسیم کر دیں۔ اس وقت وہ تمام محرم تھے۔ پھر حجاج کا قافلہ یہاں سے چلا یہاں تک کہ اثایہ پہنچا۔ انھوں نے وہاں ایک ہرن کو سائے میں زخمی حالت میں جھکا ہوا



1 سنن النسائی: 2665. 2 صحیح مسلم: 1218. 3 زاد المعاد: 160/2. 4 جامع الآثار فی السیر: 5/488،489، الاستیعاب، ص: 291

پایا۔ اس کے ایک جانب تیر لگا ہوا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ اس کے پاس کھڑے ہو جاؤ یہاں تک کہ لوگ گزر جائیں۔[1]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت بیان کی جاتی ہے کہ نبی ﷺ اتوار کے روز ملل پہنچے۔ پھر آپ چلے تو شام کو سرف سیالہ پہنچے۔ آپ ﷺ نے مغرب اور عشاء سرف میں پڑھیں۔ پھر آپ چلے تو صبح جا کر عرق ظبیہ میں نماز پڑھی جو روحاء اور سیالہ کے درمیان ایک جگہ ہے۔ یہاں رستے کے دائیں جانب ایک مسجد ہے۔ پھر آپ ﷺ روحاء پہنچے تو وہاں جنگلی گدھے کا واقعہ پیش آیا۔ پھر سیدہ نے جنگلی گدھے کا واقعہ بیان کیا اور کہا کہ آپ ﷺ روحاء سے چلے تو آپ نے عصر کی نماز منصرف پہنچ کر پڑھی۔ وہاں سے آپ ﷺ چلے تو پھر آپ نے متعشی میں مغرب اور عشاء کی نماز ادا کی۔ یہاں کھانا بھی کھایا۔ پھر آپ ﷺ وہاں سے چلے اور صبح کی نماز اثایہ پہنچ کر پڑھی۔ پھر آپ ﷺ دن چڑھے عرج پہنچے۔[2]

وادیٔ ملل



عرق ظبیہ علاقہ



بیمار بچے کا علاج

سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج کیا۔ جب ہم وادیٔ روحاء سے آگے بڑھے تو ایک عورت نے جس نے ایک بچہ اٹھا رکھا تھا، رسول اللہ ﷺ کے سامنے آ کر آپ کو سلام کہا۔ آپ ﷺ اپنی سواری پر محو سفر تھے۔ وہ عورت کہنے لگی: اے اللہ کے رسول! یہ میرا بیٹا ہے۔ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے! جس دن سے یہ بچہ پیدا ہوا ہے، اس دن سے آج تک اس بچے نے بالکل حرکت نہیں کی۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی سواری روک لی اور اپنے مبارک ہاتھ اس کی طرف بڑھا کر فرمایا: هَاتِيهِ ''یہ بچہ مجھے دو۔'' چنانچہ اس خاتون نے وہ بچہ آپ ﷺ کے مبارک ہاتھوں پر رکھ دیا۔ آپ ﷺ نے اس بچے کو

1 مسند أحمد 452/3، السنن الکبریٰ للبیہقی 188/5۔ 2 جامع الأحادیث، سبل الہدیٰ والرشاد 495/5، المغازی للواقدی 455/2۔

اپنی جانب بلایا، آپ کے اور اس بچے کے درمیان پالان بھر کا فاصلہ تھا۔ آپ ﷺ نے اس بچے کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈالا اور فرمایا: «اخرج عدو الله فإني رسول الله» ''اللہ کے دشمن! باہر نکل آ، میں اللہ کا رسول ہوں۔'' پھر آپ ﷺ نے اس بچے کو اس عورت کے سپرد کر دیا اور فرمایا: «خذيه فلا بأس عليه لن تري منه شيئا تكرهينه بعد هذا إن شاء الله» ''اسے لے لو! آئندہ تم اس بچے میں کوئی ناپسندیدہ چیز نہ دیکھو گی، ان شاء اللہ۔'' اس عورت نے بچے کو تھاما اور لوٹ گئی۔

اسامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: پھر ہم چلے گئے اور ہم نے حج کر لیا۔ جب رسول اللہ ﷺ واپس آئے تو ہم نے روحاء پر پڑاؤ ڈالا۔ اچانک وہی عورت ایک بھنی ہوئی بکری لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اس نے وہ بکری آپ کے سامنے رکھ دی اور کہنے لگی: اے اللہ کے رسول! میں اسی بچے کی ماں ہوں جسے میں نے آپ کی روانگی کے وقت آپ سے ملایا تھا۔ آپ ﷺ نے عورت سے پوچھا: «ما فعل ابنك؟» ''تیرے بیٹے کا کیا حال ہے؟'' وہ کہنے لگی: اللہ کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے! میں نے آج تک اسے کسی مشکوک حالت میں نہیں پایا۔

اسامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: «يا أسامة ناولني الذراع» ''اے اسامہ! مجھے اس کی دستی پکڑاؤ۔'' میں نے اس بکری کی دستی پکڑی اور آپ ﷺ کو دے دی۔ آپ نے اسے تناول فرمایا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: «يا أسامة ناولني الذراع» ''اے اسامہ! مجھے دستی دو۔'' میں نے دوبارہ بکری کی دستی آپ ﷺ کو دے دی اور آپ نے تناول فرمائی۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا: «يا أسامة ناولني الذراع» ''اے اسامہ! مجھے دستی پکڑاؤ۔'' میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ نے مجھے ایک دستی پکڑانے کو کہا تو میں نے دے دی، پھر دوسری مرتبہ دستی دینے کا حکم دیا تو میں نے دوسری دستی بھی پیش کر دی۔ بکری کی دو دستیاں ہی ہوتی ہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

«لو أنك سكت ما زلت تناولني منه ذراعا ما دمت ساكتا»

''اگر تم مجھ سے یہ بات نہ کہتے اور دستی اٹھانے کے لیے جھکتے تو جتنی دیر تک میں تم سے مانگتا رہتا، اتنی دیر تک تم وہاں دستی پاتے رہتے۔''

پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

«يا أسامة اخرج فانظر هل ترى من خمر أو حجارة ...»

''اے اسامہ! ذرا زمین سے میرے لیے پتھروں کا ڈھیر تلاش کرو۔''

اسامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نکلا اور گھوما پھرا لیکن میری امید بر نہ آئی، نہ میں نے کوئی ایسی اوٹ دیکھی جو پردہ پوشی کا کام دے سکے۔ میں پلٹ آیا اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! بلاشبہ لوگوں نے ساری جگہ بھر دی ہے اور مجھے کوئی ایسی چیز نظر نہیں آئی جو اوٹ بن سکے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [illegible] ''کیا تم نے درخت اور پتھروں کا ڈھیر نہیں دیکھا؟'' میں نے کہا: جی ہاں دیکھا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[illegible]

''ان کھجوروں کے پیڑوں کی طرف جاؤ اور ان سے کہہ دو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمھیں باہم ملنے کا حکم دیتے ہیں تاکہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے رفع حاجت کی اوٹ بن جاؤ۔''

سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں گیا اور ان کھجور کے درختوں کے پاس پہنچا۔ میں نے اسی طرح کہا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا۔ اللہ کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا! گویا میں اس وقت بھی وہ منظر دیکھ رہا ہوں کہ وہ درخت تیزی سے اپنی جڑوں اور مٹی سمیت ایک دوسرے کے ساتھ مل گئے اور آپس میں اس طرح چمٹ گئے جیسے وہ ایک ہی درخت ہو۔ پھر میں پتھروں کے ڈھیر کے پاس آیا۔ میں نے ان سے بھی وہی کچھ کہا جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا تھا۔ اللہ کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا! میں اب بھی وہی منظر دیکھ رہا ہوں کہ پتھر ایک ایک کر کے تیزی کے ساتھ کھجور کے پیڑوں کے ساتھ چمٹ گئے اور ایک دوسرے کے اوپر تلے اس طرح جڑ گئے جیسے دیوار چن دی گئی ہو۔ پھر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور آپ کو سارا ماجرا کہہ سنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [illegible] ''لوٹا لے لو۔'' آپ نکلے، پھر ہم چلنے لگے۔ جب ہم اس جگہ پہنچے تو میں نے آگے بڑھ کر لوٹا وہاں رکھ دیا اور واپس آ گیا۔ آپ نے قضائے حاجت سے فراغت پائی، پھر آپ لوٹا پکڑے ہوئے میری طرف تشریف لائے تو میں نے آپ کے دست مبارک سے لوٹا لے لیا، پھر ہم چل پڑے۔ جب ہم اپنے پڑاؤ میں پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[illegible]

’’اے اسامہ! ان کھجور کے درختوں اور پتھروں کی طرف جاؤ اور ان سے کہو کہ رسول اللہ ﷺ تمھیں حکم دے رہے ہیں کہ اسی مقام پر لوٹ جاؤ جہاں تم پہلے تھے۔ پتھروں سے کہو: اللہ کے رسول تمھیں حکم دیتے ہیں کہ جس جگہ تم پہلے تھے وہیں چلے جاؤ اور کھجور کے درخت بھی جہاں تھے وہیں چلے جائیں۔‘‘

اسامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں کھجور کے درختوں کے پاس آیا۔ میں نے ان سے وہی کچھ کہا جو آپ ﷺ نے مجھے حکم دیا تھا۔ اللہ کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا! گویا میں (اس وقت بھی) ان کو جڑوں اور مٹی سمیت دیکھ رہا ہوں کہ وہ سب اپنے اپنے پہلے مقام پر چلے گئے۔ پھر میں نے پتھروں کو آپ ﷺ کا حکم پہنچایا تو وہ بھی اپنی اپنی جگہ پر واپس پہنچ گئے۔[1]

نبی ﷺ کا اسلوب تربیت

سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب عرج میں خیمہ زن ہوئے تو آپ اپنے خیمہ کے باہر بیٹھ گئے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا آئیں اور آپ ﷺ کی ایک جانب بیٹھ گئیں، پھر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے اور آپ کے دوسرے پہلو میں بیٹھ گئے۔ پھر اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا آئیں، وہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پہلو میں بیٹھ گئیں۔ اسی اثنا میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا غلام خالی ہاتھ آیا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: تمھارا اونٹ کہاں ہے؟ غلام کہنے لگا: وہ مجھ سے گم ہوگیا ہے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اٹھے اور غلام کی پٹائی کرنے لگے۔ فرمایا: تمھارے پاس ایک ہی اونٹ تھا، تم وہ بھی گم کر آئے۔ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے زیر لب تبسم فرمایا اور کہا: «ألا تنظرون إلى هذا المحرم ما يصنع؟» ’’کیا تم اس احرام والے شخص کو دیکھ رہے ہو کہ وہ کیا کر رہا ہے؟‘‘ آپ نے (اتنی ہی بات پر اکتفا کیا اور) سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مارنے سے منع نہیں کیا۔[2] ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا: «انظروا إلى هذا المحرم ما يصنع» ’’ذرا اس محرم کی طرف دیکھو، یہ کیا کر رہا ہے۔‘‘ پھر آپ نے تبسم فرمایا۔[3] کہا جاتا ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اس غلام کا نام عقبہ تھا اور اونٹ اثایہ کے علاقے میں گم ہوا تھا۔ اس غلام کا کام اس اونٹ کی رکھوالی کرنا تھا۔[4]

یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا کھانے پینے کا سامان گم ہوگیا تھا، پھر جب آل فضالہ اسلمی کو اس کا پتہ چلا تو وہ حیس (مخصوص حلوہ) کا بڑا پیالہ لے کر آئے۔ انھوں نے وہ پیالہ آپ کے سامنے رکھ دیا۔ اس وقت آپ ﷺ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

[1] جامع الآثار في السير ومولد المختار: 5/491-494، دلائل النبوة للبيهقي 6/24-26، یہ روایت ضعیف ہے۔ (البداية والنهاية: 6/148) [2] الطبقات لابن سعد: 8/206، [3] سنن أبي داود: 1818، [4] جامع الآثار في السير: 5/497

هلم يا أبا بكر فقد جاء الله بغداء طيب

''اے ابوبکر! آؤ دیکھو اللہ تعالیٰ نے کتنا اچھا ناشتا دیا ہے۔''

جس وقت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے غلام پر برہم ہو رہے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا:

هون عليك يا أبا بكر فإن الأمر ليس إليك ولا إلينا معك وقد كان الغلام حريصا على ألا

يضل وهذا خلف مما كان معه

''اے ابوبکر! ٹھنڈے دل سے کام لو کیونکہ یہ معاملہ نہ تمھارے بس میں ہے اور نہ ہمارے بس میں۔ غلام تو اس بات کا خواہشمند تھا کہ اونٹ گم نہ ہو۔ جو کچھ اس کے پاس تھا، یہ اس کا نعم البدل ہے۔''

پھر رسول اللہ ﷺ اور آپ کے گھر والوں، ابوبکر اور ان کے ہمراہیوں سبھی نے کھایا یہاں تک کہ سب سیر ہو گئے۔ اسی اثنا میں صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ بھی آ گئے۔ وہ لوگوں کے پیچھے پیچھے آ رہے تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اونٹ ان کے ساتھ تھا اور اونٹ پر سامان بھی موجود تھا۔ سیدنا صفوان رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور رسول اللہ ﷺ کے خیمے کے دروازے پر پہنچ کر اونٹ کو بٹھا دیا۔ آپ ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا:

هل تفقد من متاعك شيئا؟

''دیکھ لو! تمھارے سامان سے کوئی چیز غائب تو نہیں؟''

ابوبکر رضی اللہ عنہ اٹھے، سامان دیکھا اور کہنے لگے: کوئی چیز غائب نہیں، صرف ایک پیالہ تھا جس میں ہم پیتے تھے، وہ موجود نہیں۔ غلام کہنے لگا: مجھے یہ پیالہ میرے پاس ہے۔ یہ سن کر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا صفوان رضی اللہ عنہ سے کہا: اللہ تعالیٰ نے تمھاری طرف سے امانت ادا کر دی ہے۔[1]

سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی تعریف

ایک روز سیدنا سعد بن عبادہ اور ان کے بیٹے قیس بن سعد رضی اللہ عنہما ساز و سامان سے لدی ہوئی ایک سواری لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ اس دن کی بات ہے جب رسول اللہ ﷺ کی سواری ساز و سامان سمیت حجۃ الوداع کے موقع پر گم ہو گئی تھی۔ دونوں باپ بیٹا آئے تو انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے دروازے پر کھڑا پایا۔ اس وقت تک آپ کی سواری بازیاب ہو چکی تھی۔ سعد رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! ہمیں معلوم

1 المستدرك للحاكم 457,456/2، جامع المسانید 498-496/5

ہوا ہے کہ آپ کی سامان والی سواری گم ہوگئی ہے، آپ اس کی جگہ یہ سواری قبول فرمالیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''بلاشبہ ہماری سواری آگئی ہے۔ تم دونوں اپنی سواری واپس لے جاؤ، اللہ تم دونوں کو برکت عطا فرمائے۔ اے ابو ثابت! جب سے ہم مدینہ پہنچے ہیں، اس وقت سے تم جو ہماری ضیافت کر رہے ہو، کیا یہ کافی نہیں ہے؟''

سعد رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! یہ اللہ اور اس کے رسول کا احسان ہے، اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول! آپ ہمارے مال سے جو کچھ لیتے ہیں، وہ ہمارے نزدیک اس مال سے کہیں زیادہ پسندیدہ ہے جو آپ نہیں لیتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''اے ابو ثابت! تم نے بالکل سچی بات کی ہے۔ تمھیں کامیابی کی بشارت ہو۔ بلاشبہ اخلاق حسنہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ اس میں سے جسے صالح اخلاق عطا کرنے کا ارادہ کرتا ہے، اسے دے دیتا ہے اور یقیناً اللہ نے تمھیں اچھا خلق عطا فرمایا ہے۔''

سعد رضی اللہ عنہ کہنے لگے: الحمدللہ! وہی ذات عالی سب کچھ کرنے والی ہے۔[1] اس مبارک سفر میں رسول اللہ ﷺ اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سامان ایک ہی اونٹ پر تھا۔[2]

اس پورے واقعے سے یہ بات اظہر من الشمس ہو رہی ہے کہ حج کے سفر پر نکلتے ہوئے زاد راہ ساتھ لینا بھی ضروری ہے جیسا کہ فرمان الٰہی ہے: ﴿وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَى﴾ ''اور (حج کے لیے) زاد راہ لے لو، بے شک بہترین زاد راہ تقویٰ ہے۔'' [illegible] سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اہل یمن حج کرتے تھے لیکن زاد راہ ساتھ نہ لیتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ ہم توکل کرنے والے ہیں۔ جب وہ مکہ مکرمہ آتے تو لوگوں کے سامنے دست سوال پھیلاتے۔ اس صورتحال پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَى﴾ ''اور (حج کے لیے) زاد راہ لے لو۔ بے شک بہترین زاد راہ تقویٰ ہے۔''[3] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ مہلب کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ سوال نہ کرنا تقویٰ ہے اور اس کی تائید اس امر سے ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص

[1] المغازي للواقدي: 457/2 [2] زاد المعاد: 162/2 [3] صحيح البخاري: 1523

کی تعریف کی ہے جو لوگوں سے چمٹ کر سوال نہیں کرتا۔[1]

ابواء میں ایک مقدمے کا فیصلہ

رسول اللہ ﷺ نے العرج سے آگے جانے کے بعد السقیا میں پڑاؤ ڈالا۔ اگلی صبح آپ ابواء پہنچے۔ وہاں آپ نے دو شکار کرنے والوں کے مابین فیصلہ کیا۔ قاسم بن مخول بن یزید بہزی سلمی اپنے والد سے بیان کرتے ہیں جنھوں نے جاہلیت اور اسلام دونوں کا دور پایا تھا، وہ کہتے ہیں: میں نے ابواء میں جال نصب کیا ہوا تھا۔ اس جال میں ایک ہرنی پھنس گئی۔ وہ مجھ سے چھوٹ گئی۔ میں اس کے پیچھے بھاگا تو میں نے دیکھا کہ اسے ایک آدمی نے پکڑ رکھا ہے۔ ہم دونوں اس کے بارے میں جھگڑنے لگے۔ ہم یہ مقدمہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے کر گئے۔ ہم نے آپ کو ابواء کے ایک درخت کے سائے میں قیام پذیر پایا۔ ہم نے اپنا معاملہ آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے اسے دو حصوں میں تقسیم فرما دیا۔[2]

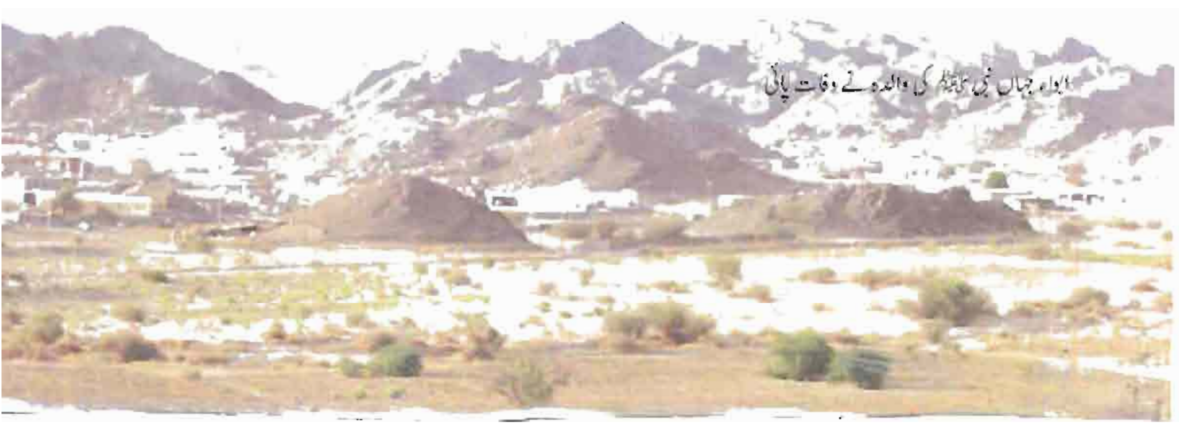
رسول اللہ ﷺ نے احرام کی حالت میں سینگی لگوائی

رسول اللہ ﷺ جب لحی جمل پہنچے تو آپ نے سینگی لگوائی۔ سلیمان بن یسار، سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابن بحینہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے اپنے سر کے درمیانی حصے میں احرام کی حالت میں اس وقت سینگی لگوائی جب آپ لحی جمل کے مقام پر تھے۔[3]

وادیٔ عسفان سے گزر

جب رسول اللہ ﷺ وادیٔ عسفان سے گزرے تو آپ نے دریافت فرمایا: [illegible]

1 صحيح البخاري 3/484 2 صحيح ابن حبان 13/196، المعجم الكبير للطبراني 2/322، أسد الغابة 5/129
3 صحيح البخاري 1836، 5698، 5700، المصنف لابن أبي شيبة 5/39.


ابواء جہاں نبی ﷺ کی والدہ نے وفات پائی

ابوبکر! یہ کون سی وادی ہے؟'' ابوبکر ڈاٹٹؤ نے کہا: یہ وادی عسفان ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

لقد مر به هود وصالح على بكرات حمر خطمها الليف، أزرهم العباء وأرديتهم النمار، يلبون يحجون البيت العتيق

''یہاں سے ہود اور صالح ﷺ سرخ رنگ کی جوان اونٹنیوں پر سوار ہو کر گزرے تھے۔ اونٹنیوں کی مہاریں کھجور کی چھال کی بنی ہوئی تھیں۔ عبائیں ان کے تہبند تھیں اور انھوں نے اونی چادریں اوڑھ رکھی تھیں۔ وہ تلبیہ پکارتے ہوئے بیت اللہ کا حج کر رہے تھے۔''[1]

ایک دوسری روایت میں سیدنا عبداللہ بن عباس ﷺ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ نے فرمایا: أما موسى كأني أنظر إليه إذ انحدر في الوادي يلبي ''گویا میں اس وقت موسیٰ کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ لبیک کہتے ہوئے وادی کے نشیب میں اتر رہے ہیں۔''[2]

صحیح مسلم میں یہ اضافہ ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ کانوں میں انگلیاں ڈالے بآواز بلند تلبیہ پکارتے ہوئے اس وادی سے گزر رہے ہیں۔[3] ایک روایت میں سیدنا ابراہیم علیہ کا ذکر ہے اور ایک روایت میں سیدنا عیسیٰ علیہ کے متعلق ہے کہ وہ فج الروحاء سے احرام باندھیں گے۔[4] ہجرت کے وقت رسول اللہ ﷺ سے وادی عسفان ہی میں سراقہ نے امان حاصل کی تھی۔ یہ واقعہ ہجرت کے باب میں گزر چکا ہے۔[5]

جو صرف عمرے کی نیت کرنا چاہے کر سکتا ہے

رسول اللہ ﷺ نے ذوالحلیفہ سے چلتے ہوئے اپنے صحابہ ﷺ کو حج یا صرف عمرے کے لیے احرام باندھنے کا اختیار دیا تھا کہ جو چاہے صرف عمرے کا یا صرف حج کا احرام باندھ سکتا ہے یا دونوں کا اکٹھا احرام بھی باندھ سکتا ہے۔ جب آپ ﷺ مقام سرف پر پہنچے تو آپ نے صحابہ سے یہ فرمایا کہ جس کے پاس قربانی نہ ہو اور وہ اس احرام سے عمرہ کرنا چاہتا ہو تو ایسا کر لے۔

البتہ وہ لوگ جو اپنے ساتھ قربانی کا جانور لائے تھے، انھیں صرف حج یا حج وعمرہ (قران) کے تلبیہ کا حکم دیا گیا۔ خود رسول اللہ ﷺ بھی اپنے ساتھ قربانی کے اونٹ لائے تھے۔[6] سیدہ عائشہ ﷺ کہتی ہیں: ہم حجۃ الوداع کے موقع پر ذوالحجہ کا چاند نکلنے کے قریب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

1 مسند احمد: 232/1. 2 صحیح البخاری: 1555. 3 صحیح مسلم: 166. 4 فتح الباری: 522/3، صحیح مسلم: 1252. 5 دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا (دارالسلام): 284/4-289. 6 صحیح مسلم: (123)-1211

«من أراد منكم أن يهل بعمرة فليهلل، فلولا أني أهديت لأهللت بعمرة»

''تم میں سے جو صرف عمرے کے لیے تلبیہ کہنا چاہے کہے۔ اگر میں قربانی ساتھ نہ لاتا تو میں بھی عمرے کا تلبیہ کہتا۔''[1]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ جس نے عمرے کا تلبیہ کہا تھا، وہ تو عمرے کی تکمیل کے بعد حلال ہو گیا (اس نے احرام اتار دیا)۔ اور جنھوں نے صرف حج کا یا حج اور عمرے دونوں کا تلبیہ کہا تھا، وہ لوگ قربانی کا دن آنے تک احرام کے پابند رہیں۔[2]

سیدہ عائشہ ؓ امت کی عورتوں کے لیے رحمت

اللہ تبارک وتعالیٰ نے سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کے گھرانے کو بے پایاں عظمتوں سے نوازا ہے، بالخصوص ان کی صاحبزادی سیدہ عائشہ ؓ امت کے لیے نہایت بابرکت اور رحمت ثابت ہوئیں۔ آپ ام المومنین کا شرف تو رکھتی ہی ہیں لیکن بہت سارے مسائل میں امت کے لیے رہنمائی اور سہولت انھی کی برکت سے نصیب ہوئی جیسا کہ تیمم کا مسئلہ ہے۔ اب اس موقع پر تو سیدہ آپ ﷺ کے ساتھ حج ادا کر رہی تھیں۔ جب یہ قافلہ سرف کے مقام پر پہنچا تو وہ حائضہ ہو گئیں۔ سیدہ عائشہ ؓ اپنا واقعہ خود سناتی ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ حج کے مہینوں، حج کے دنوں اور حج کے احرام میں روانہ ہوئے۔ ہم نے مقام سرف میں پڑاؤ کیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا:

«من لم يكن منكم معه هدي فأحب أن يجعلها عمرة فليفعل، ومن كان معه الهدي فلا»

''تم میں سے جس کے پاس قربانی کا جانور نہ ہو اور وہ اس احرام سے عمرہ کرنا چاہتا ہو تو ایسا کر سکتا ہے مگر جس کے پاس قربانی کا جانور ہو، وہ ایسا نہ کرے۔''

سیدہ کہتی ہیں کہ آپ کے فرمان سے بعض صحابہ نے فائدہ اٹھایا اور کچھ اس سے قاصر رہے۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے کچھ صحابہ ؓ صاحب حیثیت تھے اور ان کے پاس قربانی کے جانور تھے۔ وہ عمرہ نہیں کر سکتے تھے۔ سیدہ عائشہ ؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب میرے پاس تشریف لائے تو میں رو رہی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «ما يبكيك يا هنتاه» ''اے بھولی بھالی! تم کیوں رو رہی ہو؟'' میں نے عرض کیا: حضور! میں نے آپ کی وہ گفتگو سن لی ہے جو آپ نے اپنے صحابہ سے کی ہے، اب میں عمرہ نہیں کر سکتی۔ آپ نے فرمایا ''کیا بات ہے؟'' عرض کیا:

1 صحیح مسلم: 1211-(115)۔ 2 صحیح مسلم: 1211-(118)

میں نماز کے قابل نہیں رہتی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«فلا يضرك، إنما أنت امرأة من بنات آدم، كتب الله عليك ما كتب عليهن، فكوني في حجتك فعسى الله أن يرزقكيه»

''کوئی حرج نہیں۔ آخر تم بھی دیگر بنات آدم کی طرح ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تمھارے مقدر میں وہی کچھ لکھا ہے جو دوسری عورتوں کے لیے لکھا ہے۔ تم (عمرہ چھوڑ کر) حج کرتی رہو۔ شاید اللہ تعالیٰ تمھیں عمرہ نصیب کر دے۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں، ہم حج کے لیے روانہ ہوئے حتی کہ جب منیٰ میں آئے تو میں حیض سے پاک ہو گئی، پھر میں منیٰ سے روانہ ہوئی اور (غسل کے بعد) بیت اللہ کا طواف کیا۔[1]

مسند احمد میں ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور دریافت فرمایا: «أنفست؟» ''کیا تم حائضہ ہوگئی ہو؟'' میں نے کہا: جی ہاں، اے اللہ کے رسول! اور میرا خیال ہے کہ عورتیں صرف شر کے لیے پیدا کی گئی ہیں۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا:

«لا، ولكنه شيء ابتلي به نساء بني آدم»

''نہیں بلکہ بنی آدم کی عورتوں کو اس کے ذریعے سے آزمایا گیا ہے۔''[2]

اس سے پہلے ایسی کوئی مثال نہیں ملتی تھی کہ اگر کوئی عورت حج کی نیت کرے اور پھر وہ حائضہ ہو جائے تو وہ حج کر سکتی ہے، چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی پریشانی کے حل ہو جانے سے ساری امت کی عورتوں کا مسئلہ حل ہو گیا۔ اس طرح کی حالت میں کوئی بھی خاتون بیت اللہ کے طواف کے سوا سارے ارکان مکمل کرے گی اور پھر جب موقع ملے تو بیت اللہ کا طواف کرے گی۔

نبی ﷺ کا ذی طویٰ میں رات گزارنا

رسول اللہ ﷺ سرف سے چلے، پھر ذی طویٰ کے مقام پر پہنچے۔ آپ ﷺ نے یہاں پڑاؤ ڈالا اور رات کو یہیں قیام فرمایا۔ آپ ﷺ نے صبح کی نماز بھی یہاں ادا کی اور پھر غسل فرمایا۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مکہ پہنچے تو ذوالحجہ کی چار راتیں گزر چکی تھیں۔[3]

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ذی طویٰ میں پڑاؤ ڈالا۔[4] انھی سے ایک دوسری

1 صحیح البخاري: 1560 2 مسند أحمد: 86/6 3 صحیح البخاري: 1545 4 صحیح البخاري: 1574

روایت ہے کہ آپ ﷺ نے مکہ میں داخل ہونے سے پہلے غسل فرمایا۔[1] ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں ہے کہ جب وہ حرم کے قریب ہوتے تو تلبیہ پکارنے سے رک جاتے اور ذی طویٰ میں رات گزارتے۔ وہیں صبح کی نماز پڑھتے، غسل کرتے اور کہتے کہ رسول اللہ ﷺ اسی طرح کیا کرتے تھے۔[2]

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ بیت اللہ میں دن کے وقت داخل ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ امام و مقتدا تھے۔ آپ ﷺ کے افعال و اعمال لوگوں کے لیے نمونہ تھے، اس لیے صبح کے وقت بیت اللہ میں داخل ہونا لوگوں کے لیے نہایت مفید تھا تاکہ لوگ آپ کے اعمال دیکھ سکیں اور آپ کی اتباع کر سکیں۔[3]

بیت اللہ میں داخلہ


باب بنی شیبہ کا ایک منظر

رسول اللہ ﷺ بیت اللہ کے طواف کے لیے نکلے تو سب سے پہلے آپ نے وضو کیا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ نبی ﷺ جب مکہ آئے تو سب سے پہلے وضو کیا، پھر بیت اللہ کا طواف کیا۔[4] وضو کرنے کے بعد آپ ﷺ بیت اللہ میں ثنیہ علیا کی جانب سے جو حجون کی طرف ہے، وہاں چاشت کے وقت داخل ہوئے۔ اس طرف کے دروازے کو آج کل عقبہ باب المعلاۃ کہا جاتا ہے۔ پھر آپ مسجد الحرام میں باب بنی عبد مناف سے، جسے باب بنی شیبہ یا باب السلام کہا جاتا ہے، داخل ہوئے۔[5]

اس مقام سے نبی ﷺ مسجد الحرام میں داخل ہوئے۔ تاہم یہ دروازے بعد میں مہدی عباسی کے دور خلافت میں بنے۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد الحرام میں اس مقام سے داخل ہوئے جسے لوگ آج کل باب بنی شیبہ کہتے ہیں، پھر آپ آگے بڑھے یہاں تک کہ کعبہ کے روبرو کھڑے ہوئے۔ وہاں اللہ کی تعریف کی اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے لیے رحمت کی دعا کی۔[6]

بیت اللہ کو دیکھ کر دعا

سنن بیہقی میں ہے کہ آپ ﷺ جب مکہ میں داخل ہوتے تو بیت اللہ کو دیکھ کر ہاتھ اٹھاتے، تکبیر بلند کرتے اور یہ دعا فرماتے تھے:

1 جامع الترمذی: 852. 2 صحیح البخاری: 1573. 3 فتح الباری: 550/3. 4 صحیح البخاری: 1614، 1615.
5 المعجم الاوسط للطبرانی: 157/1. 6 جامع الآثار في السير ومولد المختار: 516/5، 517

اللّٰھم انت السلام ومنک السلام فحینا ربنا بالسلام اللّٰھم زد ھذا البیت تشریفا وتعظیما وتکریما ومھابۃ وزد من حجہ او اعتمرہ تکریما وتشریفا وتعظیما وبرا

''اے اللہ! تو سلامتی والا ہے اور تجھ ہی سے سلامتی ملتی ہے، سوائے ہمارے رب! ہمیں سلامتی کے ساتھ زندہ رکھنا۔ اے اللہ! اس گھر کی عزت و شرف، عظمت و اکرام اور ہیبت میں مزید اضافہ فرما دے اور اس شخص کی عزت و شرف اور تعظیم و تکریم اور نیکوکاری کو بھی چار چاند لگا دے جو اس گھر کا عمرہ یا حج کرے۔'' [1]

ایک دوسری جگہ ہے کہ جب نبی ﷺ نے بیت اللہ کو دیکھا تو ہاتھ اٹھا لیے، اس وقت آپ ﷺ کی اونٹنی کی لگام گر گئی، آپ نے لگام بائیں ہاتھ میں پکڑ لی اور دایاں ہاتھ بلند کر دیا۔ [2]

حجر اسود کا استلام

پھر رسول اللہ ﷺ نے حجر اسود کا استلام کیا اور اسے بوسہ دیا۔ اس موقع پر آپ کی آنکھوں سے آنسو برسنے لگے۔ سنن ابن ماجہ اور مستدرک حاکم میں ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حجر اسود کا قصد کیا، اس کا استلام کیا اور پھر اپنے مبارک ہونٹ اس کے اوپر رکھ کر بڑی دیر تک روتے رہے، پھر جب آپ نے اپنے ساتھیوں کی طرف التفات فرمایا تو دیکھا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ رو رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یا عمر! ھٰھنا تسکب العبرات ''اے عمر! یہاں آنسو بہتے ہیں۔'' [3]

ہاتھ یا کسی چیز کو حجر کے ساتھ لگانے کو استلام کہتے ہیں جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ان رسول اللہ ﷺ کان لا یستلم الا الحجر والرکن الیمانی ''بلاشبہ آپ ﷺ حجر اسود اور رکن یمانی کے سوا بیت اللہ کے کسی کونے کو ہاتھ نہ لگاتے تھے۔'' [4] بوسہ صرف حجر اسود ہی کو دیا جائے گا، رکن یمانی کو نہیں۔ رکن یمانی کا صرف ہاتھ کے ذریعے سے استلام ہوگا، وہ بھی اگر ممکن ہو تو ورنہ یونہی گزرا جائے گا۔ اسی وجہ سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے دور خلافت میں آئے تو انھوں نے حجر اسود کو بوسہ دیا اور کہا: مجھے معلوم ہے کہ تو ایک پتھر ہے، نہ کسی کو نقصان دے سکتا ہے نہ فائدہ۔ اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو تیرا بوسہ لیتے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے کبھی بوسہ نہ دیتا۔ [5]

1 السنن الکبرٰی للبیھقی: 73/5۔ یہ روایت ضعیف ہے، البتہ بیت اللہ کو دیکھ کر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا تذکرہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے موقوف ملتا ہے۔ (المصنف لابن ابی شیبۃ: 436/3) اسی طرح مذکورہ بالا دعا کا ذکر عمر رضی اللہ عنہ سے بھی ملتا ہے کہ وہ اسے [illegible] پڑھا کرتے تھے۔ 2 معرفۃ السنن والآثار للبیھقی: 49/4۔ یہ روایت مرسل ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ 3 سنن ابن ماجہ: 2945، المستدرک للحاکم: 624/1۔ یہ روایت سخت ضعیف ہے۔ (ارواء الغلیل: 1111) 4 صحیح مسلم: 1267. 5 صحیح البخاری: 1597، صحیح مسلم: 1270

ابن عمر رضی اللہ عنہ ہاتھ سے حجر اسود کا استلام کرتے، پھر اپنا ہاتھ چوم لیتے اور کہتے: جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس طرح کرتے دیکھا ہے، میں بھی اسی طرح کرتا ہوں۔[1]

صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ جب مکہ پہنچے تو آپ حجر اسود کے پاس آئے، اسے ہاتھ سے چھوا۔[2] ایک روایت میں ہے کہ آپ نے اپنی چھڑی کے ساتھ حجر اسود کو چھوا اور پھر چھڑی کو بوسہ دیا۔[3] ان روایات کو سامنے رکھیں تو ہمیں نبی ﷺ کی چھ سنتیں معلوم ہوتی ہیں: 1 ابتدائے طواف کے لیے اللہ اکبر کہنا۔ 2 ہاتھ سے حجر اسود کو چھونا۔ 3 ہاتھ سے چھو کر ہاتھ کو چومنا۔ 4 چھڑی سے چھو کر چھڑی کو چومنا، یعنی جو چیز حجر اسود کو چھوئے اسے چومنا۔ 5 حجر اسود کو براہِ راست چومنا۔ 6 دور ہو تو اشارہ کرنا۔

حجر اسود کے استلام کے بعد نبی ﷺ نے پیدل طواف کیا جس میں تین چکر رمل کر کے یعنی تیز تیز چلتے ہوئے مکمل کیے اور چار چکر عام رفتار سے پیدل چلے۔[4] آپ نے ہر چکر میں حجر اسود اور رکن یمانی کا استلام کیا۔[5] بعض روایات میں ہے کہ آپ ﷺ نے سواری پر طواف کیا تھا۔[6] اس کے متعلق حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ سواری پر جو طواف کیا، وہ طواف افاضہ تھا، طواف قدوم میں آپ سواری پر نہیں تھے کیونکہ جابر رضی اللہ عنہ نے طواف کے پہلے تین چکروں میں آپ کے رمل کرنے کا ذکر کیا ہے۔[7] جو پیدل طواف ہی میں ہو سکتا ہے۔[8] واللہ اعلم

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی یہی بیان کیا ہے۔[9]

آپ نے اس موقع پر اضطباع کیا، یعنی احرام کی چادر کو اپنی دائیں بغل کے نیچے سے لے جا کر دایاں کندھا ننگا رکھا۔ آپ جب حجر اسود کے سامنے ہوتے تو ہاتھ سے استلام کرتے، پھر اسے چومتے اور تکبیر بلند کرتے۔[10] یا چھڑی سے استلام کرتے اور تکبیر کہتے، البتہ چھڑی سے استلام اس وقت کرتے جب لوگوں کا رش ہوتا۔[11]

آپ ﷺ رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان یہ دعا پڑھتے:

رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ

”اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔“[12]

1 صحیح مسلم: 1268. 2 صحیح مسلم: 1218. 3 صحیح مسلم: 1275. 4 صحیح البخاری: 1691، صحیح مسلم: 1218. 5 سنن النسائی: 2950. 6 صحیح البخاری: 1632. 7 صحیح مسلم: 1218. 8 زاد المعاد: 2/229، 230. 9 البدایۃ والنہایۃ: 5/141، 142. 10 سنن ابی داود: 1889. 11 [illegible]: 7/371. 12 صحیح البخاری: 4522، سنن ابی داود: 1892

حجر اسود کے علاوہ آپ ﷺ نے کسی کونے کو نہیں چوما۔ عمرو بن شعیب اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیت اللہ کا طواف کیا۔ جب ہم کعبے کے پیچھے کی جانب آئے تو میں نے ان سے کہا: کیا آپ جہنم سے اللہ کی پناہ طلب نہیں کرتے؟ وہ کہنے لگے: میں جہنم سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ پھر ہم چلے۔ جب انھوں نے حجر اسود کا استلام کیا تو (باب کعبہ) اور حجر اسود کے درمیان (ملتزم پر) کھڑے ہو گئے۔ انھوں نے اس کے ساتھ اپنا سینہ اور چہرہ چمٹا لیا اور اپنے بازوؤں کو پھیلا دیا، پھر کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے۔[1]

طواف میں کوئی ذکر مخصوص نہیں

طواف عبادت ہے اور اسلام میں عبادات وحی کے مطابق ہی کی جاتی ہے۔ عبادت عقل سے ہو تو وہ عبادت نہیں رہتی۔ دو کونوں یعنی حجر اسود اور رکن یمانی کے درمیان ﴿رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ کے علاوہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ سے کسی صحیح حدیث میں یہ نقل نہیں کیا کہ طواف کے لیے کوئی مخصوص ذکر تھا، اس بنا پر طواف کے دوران میں جو چاہے ذکر اور دعا کرے۔ اگر تھوڑی سی بات کرنی پڑ جائے تو وہ بھی جائز ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [illegible]

"طواف نماز کی طرح ہے، جب تم طواف کرو تو باتیں کم کیا کرو۔"[2]

جب نبی کریم ﷺ طواف سے فارغ ہوئے تو آپ نے اپنا کندھا مبارک ڈھانپ لیا، پھر آپ مقام ابراہیم کے پیچھے آئے اور یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: ﴿وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى﴾ "اور (حکم دیا کہ) تم مقام ابراہیم کو جائے نماز بنالو۔" پھر آپ ﷺ نے وہاں دو رکعتیں پڑھیں۔ اس موقع پر مقام ابراہیم آپ کے اور بیت اللہ کے درمیان تھا۔ آپ ﷺ نے سورۂ فاتحہ کے بعد پہلی رکعت میں ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ﴾ اور دوسری میں ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ تلاوت فرمائی۔ جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ حجر اسود کی طرف آئے اور اس کا استلام کیا۔[3]

صفا اور مروہ کی سعی

مقام ابراہیم پر دو رکعتیں ادا کرنے کے بعد آپ زمزم کے کنویں کی طرف آئے۔ آپ نے اس میں سے پانی پیا اور

1 سنن أبي داود، حديث: 1899، وسنن ابن ماجه، حديث: 2962۔ 2 مسند أحمد: 414/3۔ 3 صحيح مسلم، حديث: 1218، وسنن النسائي، حديث: 1173، وصحيح أبي داود: 264/9۔

اپنے سر پر بھی ڈالا۔ پھر آپ واپس حجر اسود کی طرف آئے اور اس کا استلام کیا۔ اس کے بعد آپ حجر اسود کی طرف والے دروازے سے صفا پہاڑی کی طرف بڑھے۔[1] جب آپ ﷺ صفا کے قریب ہوئے تو آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ﴾ ''بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔'' پھر آپ نے فرمایا: «أَبْدَأُ بِمَا بَدَأَ اللَّهُ بِهِ» ''میں بھی وہاں سے شروع کرتا ہوں جہاں سے اللہ نے ابتدا کی ہے۔'' چنانچہ آپ ﷺ نے صفا پہاڑی سے ابتدا کی اور اس پر چڑھے یہاں تک کہ آپ نے بیت اللہ کو دیکھ لیا۔ پھر آپ قبلہ رو ہوئے اور آپ نے تین بار اللہ اکبر کہا، پھر ان مقدس الفاظ میں اللہ کی توحید اور بڑائی بیان کی:

«لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ، أَنْجَزَ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ»

''اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کی تعریف ہے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ اکیلے کے سوا کوئی الٰہ نہیں جس نے اپنا وعدہ پورا کیا، اپنے بندے کی مدد فرمائی اور تنہا اسی نے سارے لشکروں کو شکست دی۔''

یہ مقدس جملے آپ نے تین مرتبہ کہے اور ان کے درمیان دعا بھی مانگی، پھر آپ پہاڑی سے اترے اور مروہ کی طرف چل دیے۔ جب آپ کے قدم مبارک وادی کے درمیان میں پڑے تو آپ نے سعی فرمائی، یعنی تیز تیز چلے اور اپنے صحابہ کو بھی تاکید فرمائی: «لَا تُقْطَعُ الْوَادِي إِلَّا شَدًّا» ''وادی کو دوڑے بغیر عبور نہ کرو۔''[2] آپ ﷺ نے مزید فرمایا: «اسْعَوْا فَإِنَّ اللَّهَ كَتَبَ عَلَيْكُمُ السَّعْيَ» ''(صفا و مروہ کے درمیان) سعی کرو۔ بلاشبہ اللہ نے تم پر صفا و مروہ کے درمیان سعی کو فرض قرار دیا ہے۔''[3]

پھر جب آپ ﷺ مروہ پر چڑھنے لگے تو عام رفتار سے چلے حتی کہ مروہ پر پہنچ گئے اور آپ ﷺ نے بیت اللہ کو دیکھ لیا۔ پھر آپ نے وہاں بھی وہی عمل کیا جو صفا پہاڑی پر کیا تھا۔[4]

مسند احمد میں سیدہ حبیبہ بنت ابی تجراہ ؓ سے روایت ہے، وہ کہتی ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو صفا اور مروہ کے درمیان دیکھا، لوگ آپ کے آگے آگے چل رہے تھے اور آپ ان کے پیچھے تھے۔ آپ ﷺ تیز تیز چل رہے

1 مسند أحمد 394/3. 2 سنن النسائي 2983. 3 مسند أحمد 421/6. 4 صحيح مسلم 1218، صحيح ابن حبان 3943، مسند أحمد 320/3، مسند الطيالسي 1773.

تھے یہاں تک کہ میں نے آپ کے تیز چلنے اور چادر کے اڑنے کی وجہ سے آپ کے مبارک گھٹنوں کو دیکھا۔[1]

ان روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے صفا و مروہ کی سعی پیدل کی تھی جبکہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں بیت اللہ کا طواف اور صفا و مروہ کے چکر سواری پر لگائے تھے۔[2] اسی طرح قدامہ بن عبداللہ بن عمار رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو صفا و مروہ کی سعی کرتے دیکھا، آپ اونٹ پر سوار تھے۔ اس موقع پر رستے میں نہ کوئی مار دھاڑ تھی، نہ ہٹو بچو کا شور تھا۔[3]

ان دونوں قسم کی روایات میں جمع و تطبیق کے لیے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان کافی ہے جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے۔ سیدنا ابوطفیل رضی اللہ عنہ نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ مجھے یہ بتائیے کہ کیا صفا و مروہ کے درمیان سواری پر طواف کرنا سنت ہے کیونکہ آپ کی قوم اسے سنت کہتی ہے؟ انھوں نے کہا کہ میری قوم کے لوگوں نے صحیح بھی کہا اور غلط بھی۔ میں نے پوچھا: اس بات کا کیا مطلب کہ انھوں نے صحیح بھی کہا اور غلط بھی؟ وہ کہنے لگے: اللہ کے رسول ﷺ کو دیکھنے کے لیے لوگوں کا ٹھٹھ لگ گیا تھا۔ سب لوگ کہہ رہے تھے کہ یہ ہیں محمد ﷺ، یہ ہیں محمد ﷺ، حتی کہ نوجوان عورتیں بھی آپ کی زیارت کے لیے اپنے گھروں سے نکل آئیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے سے لوگوں کو ہٹانے کے لیے مارا پیٹا نہیں جاتا تھا۔ جب آپ کے رستے پر لوگوں کا ہجوم ہو گیا تو آپ سوار ہو گئے۔[4]

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے بھی جمع کی اس صورت کو عمدہ ترین قرار دیا ہے کہ آپ نے ابتدا میں پیدل سعی کی، پھر بعد میں سوار ہو کر سعی مکمل کی۔[5]

حج کی نیت کو تبدیل کرنا

جب رسول اللہ ﷺ نے صفا و مروہ کے سات چکر مکمل کر لیے تو اس وقت آپ مروہ پر تھے۔ آپ نے ان صحابہ کو جو قربانی ساتھ نہیں لائے تھے، حکم دیا، ہر چند وہ قارن ہوں یا مفرد ہوں، کہ وہ حج کے بجائے عمرے کی نیت کریں اور احرام کھول دیں۔ صحابہ کہنے لگے: ہم اسے کیسے تمتع بنائیں (عمرے میں تبدیل کریں) جبکہ ہم نے حج کا احرام باندھ رکھا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «افعلوا ما أمرتكم به» ''میں تمھیں جس طرح حکم دیتا ہوں، اسی طرح کرو۔''[6]

1 مسند أحمد: 421/6، یہ روایت ضعیف ہے۔ 2 صحیح مسلم: 1273۔ 3 السنن الکبرٰی للبیہقی: 100/5، وشرح السنۃ للبغوی: 1922۔ 4 صحیح مسلم: 1264۔ 5 زاد المعاد: 228/2، 229۔ 6 صحیح البخاری: 1568، وصحیح مسلم: 1216

ایک دوسری روایت میں ہے کہ صحابہ پوچھنے لگے: ہم کس طرح حلال ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: الحل کله
"تمام قسم کا حلال ہونا۔"

نبی ﷺ کے اس فرمان سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شرح صدر نہ ہوا اور یہ امر ان پر گراں گزرا۔ وہ رسول اللہ ﷺ سے کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! بھلا ہم میں سے کوئی منیٰ کی طرف جا رہا ہوگا اور اس کے ذکر (عضو خاص) سے منی کے قطرے گر رہے ہوں گے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ہاں سب چیزیں حلال ہوں گی۔"[1] پھر رسول اللہ ﷺ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے۔ آپ بڑے غصے میں تھے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! آپ کو کس نے غصہ دلا دیا؟ اللہ اسے آگ میں داخل کرے! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: أو ما شعرت أني أمرت الناس بأمر فإذا هم يترددون "کیا تمھیں معلوم نہیں کہ میں لوگوں کو ایک حکم دیتا ہوں اور وہ اس میں تردد کرتے ہیں۔"[2]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تردد کی وجہ

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تردد کا سبب ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دور جاہلیت میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ حج کے بعد عمرہ کرنے کے لیے اتنا وقفہ ہونا چاہیے کہ حج پر اونٹوں کو لگائے گئے زخم مندمل ہو جائیں، زخموں کے نشان مٹ جائیں، ان پر اون آئے اور صفر کا مہینہ گزر جائے۔[3] یاد رہے کہ یہ تردد غالباً نومسلم صحابہ کرام کو ہوا تھا ورنہ آپ کے ساتھ صحابہ نے ذوالقعدہ میں عمرہ کیا تھا جو حرمت والے مہینوں میں سے ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جو حج کا احرام عمرے میں تبدیل کرنے کا حکم دیا تو اس کا مقصد دور جاہلیت میں رائج فاسد اعتقاد کی تردید کرنا تھا۔

اس تردد کا ایک سبب یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ نے احرام کھول کر حلال ہو جانے کو زہد و تقویٰ کے منافی سمجھا۔ حج میں دو قسم کی حلت تھی: ایک حلت صغریٰ جس میں دسویں تاریخ کو رمی کرنے کے بعد آدمی محدود پیمانے پر احرام کی پابندیوں سے آزاد ہو جاتا تھا، یعنی بیوی سے جماع کے سوا اس پر کسی قسم کی پابندی نہیں ہوتی تھی۔ دوسری حلت کبریٰ جو طواف افاضہ کے بعد حاصل ہوتی تھی۔ اس میں بیوی سے جماع کی پابندی بھی ختم ہو جاتی ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حج کا احرام کالعدم کر کے عمرے کا احرام باندھنے کا حکم دیا تو انھوں نے سوال

[1] صحیح البخاری، 3832، صحیح مسلم، 1213، مسند احمد: 28/2۔ [2] صحیح مسلم، 1211۔ [3] صحیح البخاری، 1564۔

کیا کہ عمرے سے فراغت کے بعد کس قسم کی حلت ہوگی؟ آپ ﷺ نے وضاحت فرما دی کہ فراغت کے بعد تمھارے لیے ہر چیز حلال ہوگی حتی کہ تم اپنی بیویوں سے جماع بھی کر سکو گے۔ چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے سے مانوس نہ تھے، اس لیے انھیں وقتی طور پر یہ بات گراں گزری۔ لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ امت محمدیہ پر آسانی کرنا چاہتا تھا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا حکم تھا کہ یہ امر، امر لازم ہے تاکہ لوگوں کے دل بھی اس سے مانوس ہو جائیں۔

رسول اللہ ﷺ کا خطبہ

رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر صحابہ سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا:

[illegible]

[illegible]

”بلاشبہ تمھیں معلوم ہے کہ میں تم سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور تم سے زیادہ سچا اور نیکوکار ہوں۔ اگر میرے ساتھ قربانی کا جانور نہ ہوتا تو میں بھی اسی طرح حلال ہو جاتا (احرام اتار دیتا) جس طرح تم حلال ہوئے ہو۔ جس بات کا مجھے اب علم ہوا ہے اگر پہلے معلوم ہو جاتی تو میں قربانی کا جانور ساتھ نہ لاتا، لہٰذا تم احرام کھول دو۔“ [1]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذوقِ اطاعت

نبی اکرم ﷺ کے خطبے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کی اطاعت کی۔ وہ آپ ﷺ کے فرمان کے مطابق احرام کی تمام پابندیوں سے آزاد ہو گئے۔ البتہ رسول اللہ ﷺ، ابوبکر، عمر، طلحہ، زبیر رضی اللہ عنہم اور اصحاب ثروت کے ہمراہ چونکہ قربانیاں تھیں، اس لیے وہ بدستور احرام کی حالت میں رہے۔ اسی طرح تمام عورتیں بھی احرام کی پابندیوں سے آزاد ہو گئیں سوائے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے کیونکہ انھوں نے طواف نہیں کیا تھا اور وہ حیض کی وجہ سے ابھی حالت احرام میں تھیں۔ [2]

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی ان لوگوں میں سے تھیں جو احرام کی پابندیوں سے آزاد ہوئیں۔ انھوں نے رنگین کپڑے پہن لیے اور سرمہ بھی لگایا۔ [3] ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے جب بعض صحابیات کو احرام کی پابندیوں سے آزاد

[1] صحیح البخاري: 1651، صحیح مسلم: 1216. [2] صحیح مسلم: 1239، (120,121)-1211، صحیح مشکل الآثار للطحاوي: 2429. [3] صحیح مسلم: 1218

دیکھا تو وہ بڑی متعجب ہوئیں۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: اے اللہ کے رسول! لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ وہ عمرہ کر کے حلال ہو گئے ہیں اور آپ حلال نہیں ہوئے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إني لبدت رأسي وقلدت هديي فلا أحل حتى أنحر

''میں نے سر کے بال جما لیے ہیں اور قربانی کے جانور میرے ساتھ ہیں، میں اس وقت تک حلال نہیں ہوں گا جب تک میں قربانی کے اونٹ نحر نہ کر لوں۔''[1]

اسماء بنت ابی بکر ؓ سے روایت ہے کہ ہم احرام باندھ کر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ روانہ ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس کے ساتھ قربانی ہے، وہ اپنے احرام پر قائم رہے اور جس کے ساتھ قربانی نہیں، وہ (عمرے کے بعد) احرام کھول دے۔'' میرے ساتھ قربانی نہیں تھی، میں نے احرام کھول دیا اور (میرے شوہر) زبیر ؓ کے ساتھ قربانی تھی، انھوں نے نہیں کھولا۔[2] سیدنا جابر ؓ کہتے ہیں: آپ ﷺ کا خطبہ سننے کے بعد ہم اپنی اپنی عورتوں کے پاس بھی گئے، کپڑے بھی زیب تن کر لیے اور خوشبو بھی لگا لی۔[3]

سیدنا سراقہ بن مالک ؓ کا استفسار

رسول اللہ ﷺ کے خطبہ ارشاد فرمانے اور آپ سے حج کو عمرے کی نیت میں تبدیل کرنے کا حکم سننے کے بعد سیدنا سراقہ بن مالک جعشمی ؓ نے سوال کیا: اے اللہ کے رسول! اسے عمرہ بنانے کا حکم صرف اسی سال کے لیے ہے یا ہمیشہ کے لیے؟ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پیوست کر کے تین مرتبہ فرمایا:

بل لأبد أبد، دخلت العمرة في الحج

''بلکہ یہ حکم ہمیشہ کے لیے ہے۔ عمرہ حج میں داخل ہو گیا ہے۔''[4]

اس لیے جو ہدی ساتھ نہ لائے، اسے تمتع ہی کرنا چاہیے۔

حج قران افضل ہے یا حج تمتع؟

حج کی تین قسمیں ہیں: حج تمتع، حج قران اور حج مفرد۔ حج تمتع سے مراد حج کے مہینوں میں میقات سے عمرے کا احرام باندھ کر مکہ مکرمہ میں داخل ہونا، پھر عمرہ کر کے احرام کھول دینا اور غیر محرم ہی رہنا حتی کہ آٹھ ذوالحجہ کو حج کے لیے

[1] صحیح البخاري، 1566 [2] صحیح مسلم، 1236 [3] صحیح مسلم، 1213 [4] صحیح البخاري، 7230، صحیح مسلم، 1218، مسند أحمد: 320/3

احرام باندھنا جیسا کہ آپ ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا تھا کہ عمرہ کر کے احرام کھول دیں اور پھر صحابہ نے آٹھ ذوالحجہ کو اپنی اپنی قیام گاہوں سے حج کے لیے احرام باندھا۔ آپ ﷺ نے بھی یہی خواہش ظاہر فرمائی کہ اگر میں قربانی نہ لایا ہوتا تو میں حلال ہو جاتا (احرام اتار دیتا)۔ اس میں بھی قربانی کرنا لازم ہے۔

حج قران سے مراد حج اور عمرے کا احرام باندھنے کے بعد مکہ پہنچ کر عمرہ کرنا اور سعی کرنے کے بعد احرام نہ کھولنا بلکہ حالت احرام ہی میں رہنا اور حج بھی اسی احرام سے مکمل کرنا، البتہ احرام کی چادریں دھوئی اور تبدیل کی جا سکتی ہیں۔ اس میں قربانی ساتھ لاتے ہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا عمل مبارک تھا۔ آپ نے اسی احرام سے حج مکمل کیا جس احرام کے ساتھ آپ ﷺ نے عمرہ کیا تھا۔ حج قران کرنے والے کو قارن کہتے ہیں۔

حج مفرد یہ ہے کہ میقات سے صرف حج کے لیے احرام باندھنا اور تمام مناسک حج ادا کرنا۔ اس میں قربانی واجب نہیں ہے۔

ان تینوں میں کون سا حج افضل ہے؟ دلائل سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ حج تمتع افضل ہے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے حج قران کیا تھا لیکن آپ ﷺ نے فرمایا تھا: ''اگر مجھے اپنے معاملے کا پہلے علم ہوتا جس کا علم مجھے بعد میں ہوا ہے تو میں قربانی لے کر نہ آتا بلکہ اسے عمرہ بنا لیتا۔''[1] ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ افضل عمل ہی کی تمنا کر سکتے ہیں اور پھر آپ نے صحابہ کو زور دے کر تمتع کا حکم دیا۔ اس میں سہولت بھی زیادہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا قیام

صفا و مروہ کی سعی اور خطاب نبوی کے بعد جب ان صحابہ نے احرام کھول دیا تو آپ ﷺ مکہ کے بالائی علاقے ابطح میں قیام پذیر ہوئے۔ یہ وہی مقام ہے جہاں ہجرت نبوی سے پہلے جنوں سے آپ ﷺ کا مکالمہ ہوا تھا اور جن ایمان لے آئے تھے۔ یہ مقام حجون کے قریب ہے۔ یہاں آپ نے بقیہ ایام اتوار، پیر، منگل، بدھ اور جمعرات کی صبح کی نماز کے بعد تک قیام فرمایا۔ اس قیام کے دوران آپ نے وہیں تمام نمازیوں کی امامت فرمائی۔ اس دوران میں آپ ایک مرتبہ بھی بیت اللہ کے طواف کے لیے نہیں آئے۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ ﷺ مکہ پہنچے، طواف کیا اور صفا و مروہ کی سعی کی۔ آپ طواف کے بعد کعبہ کے پاس دوبارہ ایک مرتبہ بھی نہیں گئے یہاں تک کہ عرفات سے واپس آنے کے بعد طواف افاضہ کیا۔[2]

1 صحیح مسلم: 1218، 2 صحیح البخاری: 1625

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے شاید اس وجہ سے نفلی طواف نہیں کیا مبادا لوگ اسے واجب سمجھ لیں جبکہ رسول اللہ ﷺ اپنی امت کے لیے نہایت سہولت پسند تھے۔

امام مالک رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ حج سے پہلے حاجی نفلی طواف نہ کرے، حج کے بعد جو لوگ دور سے آئے ہوں، ان کے لیے نفلی نماز سے زیادہ بیت اللہ کا طواف کرنا افضل ہے۔[1]

قصر نماز کی ادائیگی

رسول اللہ ﷺ یوم الترویہ تک ابطح میں قیام پذیر رہے۔ آپ نماز قصر پڑھتے رہے۔ آپ کی اقتدا میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی نماز قصر ادا کرتے رہے۔ آپ ﷺ کا وہاں اتوار، پیر، منگل اور بدھ تک قیام رہا۔ جمعرات کو چاشت کا وقت ہوا تو آپ صحابہ رضی اللہ عنہم کو اپنے ساتھ لے کر منیٰ کی طرف روانہ ہوئے۔[2] صحیحین میں سیدنا ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دوپہر کے وقت بطحاء کی طرف روانہ ہوئے، آپ نے وہاں وضو کیا اور ظہر کی نماز دو رکعت ادا کیں۔ بعد ازاں عصر کی دو رکعت ادا کیں۔ دورانِ نماز آپ کے سامنے نیزہ بطور سترہ لگا ہوا تھا۔ اس سترے کے آگے سے گدھا اور عورت بھی گزر رہی تھی۔ پھر نماز کے بعد لوگ کھڑے ہو گئے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ چھونے لگے اور آپ کے دست مبارک کو اپنے چہروں پر لگاتے رہے۔ میں نے بھی آپ ﷺ کا مبارک ہاتھ پکڑا اور اپنے چہرے پر پھیر لیا۔ آپ ﷺ کا ہاتھ برف سے زیادہ ٹھنڈا اور کستوری سے زیادہ خوشبودار تھا۔[3]

بطحاء (مکہ مکرمہ)



سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی یمن سے تشریف آوری

جب رسول اللہ ﷺ بطحاء میں تشریف فرما تھے تو اس موقع پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ جنھیں رسول اللہ ﷺ نے یمن بھیجا تھا،

[1] فتح الباری: 613/3 [2] زاد المعاد: 2/232، 233 [3] صحیح البخاری: 501، 3553، صحیح مسلم: 503

حج کے لیے تشریف لے آئے۔ وہ آپ ﷺ کے لیے ہدی کے جانور لے کر آئے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ انھوں نے احرام کے بجائے رنگین کپڑے زیب تن کیے ہوئے ہیں اور آنکھوں میں سرمہ بھی لگا رکھا ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدہ کو ڈانٹا کہ تمھیں یہ کس نے کہا ہے کہ احرام کھولو؟ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں: مجھے اس کا حکم میرے والد، نبی ﷺ نے دیا ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیدہ فاطمہ کی شکایت لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس نے تم سے سچی بات کی ہے، ٹھیک بات کی ہے، درست کہا ہے۔ اسے میں نے ہی حکم دیا تھا کہ احرام کھول دو۔''

اس کے بعد آپ نے علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''تم نے جب حج کی نیت کی تھی تو کیا کہا تھا؟'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے کہا: اے اللہ! میں بھی اسی نسک کے لیے تلبیہ پکارتا ہوں جس کے لیے تیرے نبی ﷺ نے تلبیہ پکارا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''میرے ساتھ تو قربانی ہے، تم بھی عمرے کے بعد احرام مت کھولنا۔''

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جو جانور سیدنا علی رضی اللہ عنہ یمن سے لائے تھے اور جو نبی ﷺ ساتھ لے کر آئے تھے، ان کی مجموعی تعداد ایک سو تھی۔[1] ایک دوسری روایت میں علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھے یہ حکم دیا:

''جاؤ بیت اللہ کا طواف کرو اور جس طرح تمھارے ساتھی حلال ہو گئے ہیں، تم بھی حلال ہو جاؤ۔''

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں نے وہی نیت کی ہے جو آپ نے کی ہے تو رسول اللہ ﷺ نے پوچھا:

''کیا تمھارے ساتھ قربانی ہے؟''

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جس طرح تم (بحالت احرام) ہو، اسی طرح رہو اور تمھارے لیے میری طرف سے میرے ہدی کے

[1] صحیح مسلم، 1218، مسند احمد 320/3.

جانوروں کا ایک تہائی حصہ ہے۔''

یوں رسول اللہ ﷺ نے اپنی قربانیوں میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بھی شریک کرلیا۔[1] اس روایت میں یہ بیان ہوا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جو کہا کہ میرے ہمراہ قربانی نہیں ہے جبکہ پچھلی روایت میں قربانی لانے کا ذکر ہے تو ہوسکتا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ یہ قربانیاں خاص نبی اکرم ﷺ کے لیے لائے ہوں، اپنے لیے نہیں، پھر بعد میں آپ نے انھیں اپنی قربانی میں شریک کرلیا، یا یہ بھی ممکن ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے ہدی کی نفی اس لیے کی کہ وہ ان کے پہنچنے کے بعد تاخیر سے آئی تھیں جیسا کہ بیان ہوا ہے کہ وہ خود یمن سے جلدی روانہ ہوکر مکہ آگئے تھے اور انھوں نے پیچھے لشکر پر اپنے ایک ساتھی کو اپنا نائب مقرر کردیا تھا جو ان کے بعد مکہ آیا تھا۔[2]

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے پوچھا: [illegible] ''تم نے کس نیت سے احرام باندھ رکھا ہے؟'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی: جس نیت سے نبی ﷺ نے احرام باندھا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی کو حکم دیا: [illegible] ''پھر تم (یوم نحر کو) قربانی کرلینا اور جس حالت میں اس وقت ہو، اسی حالت میں محرم رہو۔''[3]

یمن سے سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی آمد

سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بھی یمن سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بطحاء پہنچے۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: [illegible] ''تم نے کس نیت سے احرام باندھا ہے؟'' ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے کہا: جس نیت سے نبی ﷺ نے احرام باندھا ہے۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے پوچھا: [illegible] ''کیا تمھارے ساتھ ہدی ہے؟'' میں نے عرض کی: نہیں۔ پھر میں نے آپ کے حکم کے مطابق بیت اللہ کا طواف کیا اور صفا و مروہ کی سعی کی، پھر آپ نے احرام کھول دینے کا حکم دیا تو میں نے احرام کھول دیا۔ اس کے بعد میں اپنے گھر والوں میں سے ایک عورت کے پاس آیا۔ اس نے میرے بالوں میں کنگھی کی یا میرا سر دھویا۔[4]

امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ حدیث بیان کرکے ثابت کیا ہے کہ مبہم احرام باندھا جاسکتا ہے جیسا کہ سیدنا علی اور سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہما نے اس کا احرام باندھا تھا۔ لیکن یہ اس وقت تک تھا جب تک دین کی تکمیل نہیں ہوئی تھی اور آپ ﷺ حیات تھے۔ اب دین مکمل ہوچکا ہے اور ارشاد باری ہے: ﴿وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ﴾ ''حج اور عمرے کو اللہ

1 مسند أحمد 253/1، السيرة لابن إسحاق 669,668/2. 2 البداية والنهاية 503,502/4 3 صحيح البخاري 1558 4 صحيح البخاري 1559

کے لیے مکمل کرو۔"[1] لہٰذا اب ایسا نہیں کیا جا سکتا۔[2]

یوم الترویہ (آٹھ ذی الحجہ)

پھر جب یوم الترویہ یعنی آٹھ ذی الحجہ کا دن آیا تو جمعرات کی صبح سورج بلند ہونے کے بعد نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ منیٰ کی طرف چلے۔ جن صحابہ نے احرام کھول دیے تھے، انھوں نے احرام باندھ کر حج کی نیت کر لی۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ منیٰ پہنچے تو آپ نے وہاں ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں قصر ادا کیں اور رات منیٰ ہی میں گزاری۔ یہ جمعے کی رات تھی۔ پھر آپ نے صبح کی نماز ادا کی اور وہیں ٹھہرے رہے یہاں تک کہ سورج طلوع ہو گیا۔[3]

منیٰ کا ایک خوبصورت منظر



سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم حجۃ الوداع کے موقع پر آپ کے ساتھ آئے تو ذوالحجہ کی آٹھویں تاریخ تک ہم نے احرام کھولے رکھا۔ پھر جب ہم نے مکہ کو پیچھے چھوڑ دیا تو حج کا تلبیہ کہنا شروع کیا۔ ایک دوسری روایت میں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم نے وادی بطحا، اور ایک روایت میں ہے کہ انھوں نے، یعنی مکہ ہی سے حج کا احرام باندھا تھا۔[4] اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مکہ ہی سے حج کا احرام باندھا تھا کیونکہ یہ تمتع کرنے والے حاجی تھے اور وادی بطحاء سے حج کا احرام باندھنے کا مطلب یہ ہے کہ حج تمتع کرنے والا حاجی جب میقات عبور کر لیتا ہے تو وہ جہاں بھی قیام پذیر ہو گا، وہیں سے حج کا احرام باندھ لے گا۔ یہ احرام آٹھ ذی الحجہ کے دن باندھنا ہے کیونکہ اس تاریخ سے حج کے اعمال شروع ہوتے اور لوگ منیٰ روانہ ہوتے ہیں۔ مکہ کے رہائشی کے لیے بھی یہی حکم ہے کہ وہ بھی اپنی جائے قیام ہی سے احرام باندھے۔

یوم الترویہ کی نمازیں

عبدالعزیز بن رفیع نے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا آپ مجھے ان امور کے متعلق بتائیں گے جو آپ کو رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اچھی طرح یاد ہوں؟ آپ نے آٹھ ذی الحجہ کو ظہر اور عصر کی نمازیں کہاں پڑھی تھیں؟ انھوں نے کہا: یہ نمازیں منیٰ میں پڑھی تھیں۔ میں نے پوچھا: کوچ کے دن آپ نے عصر کی نماز کہاں

[1] البقرة 2:196. [2] فتح الباري 3/525. [3] صحیح مسلم، 1218. [4] صحیح البخاري، باب 82، قبل الحدیث 1653.

پڑھی تھی؟ انھوں نے کہا: وادی ابطح میں۔[1] واقدی نے عمرو بن یثربی ضمری رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ترویہ سے ایک دن قبل ظہر کے بعد خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، پھر آپ زوال کے بعد عرفہ کے دن ظہر سے قبل اپنی سواری پر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ بعدازاں آپ ﷺ یوم النحر کو منیٰ میں ظہر کے بعد خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔

چنانچہ (یوم ترویہ سے ایک روز قبل) آپ ﷺ حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان کھڑے ہوئے اور لوگوں کو نصیحت کرنے لگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: من استطاع منکم أن یصلی الظہر بمنى فلیفعل ''تم میں سے جو یہ طاقت رکھے کہ وہ ظہر کی نماز منیٰ میں پڑھ سکے تو وہ ضرور ایسا کرے۔''[2]

مسند احمد میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے منیٰ میں پانچوں نمازیں پڑھیں۔[3]
سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مستدرک حاکم میں روایت ہے، وہ کہتے تھے کہ حج میں سنت یہ ہے کہ امام ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور صبح کی نماز منیٰ میں پڑھائے۔[4]

رسول اللہ ﷺ جتنی دیر منیٰ میں قیام فرما رہے، اتنی دیر تک نمازیں قصر کرتے رہے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما منیٰ میں دو دو رکعت پڑھتے تھے۔ اسی طرح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے ابتدائی دور خلافت میں دو دو رکعت پڑھنے کا اہتمام کیا۔[5]

رسول اللہ ﷺ نے منیٰ میں نماز قصر پڑھی، کیا یہ قصر سفر کی وجہ سے تھی یا کہ حج کے مناسک کی وجہ سے؟ اگر یہ مناسک حج کی وجہ سے ہے تو پھر اہل مکہ اور منیٰ کے آس پاس رہنے والے دیگر حجاج کو بھی قصر پڑھنی پڑے گی اور اگر یہ سفر کی وجہ سے ہے تو پھر اہل مکہ مکمل نماز پڑھیں گے۔

رسول اللہ ﷺ کے حجۃ الوداع کے موقع پر حجاج کرام میں اہل مکہ بھی شامل تھے اور دیگر علاقوں سے بھی حجاج آئے تھے۔ حجۃ الوداع کے ضمن میں اس بات کا تذکرہ تو ملتا ہے کہ آپ نے نماز قصر پڑھی لیکن کسی صحابی نے نماز مکمل کی ہو، اس کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔ البتہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے چھٹے سال منیٰ میں پوری نماز پڑھنی شروع کر دی تھی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کی وجہ یہ بیان کی تھی: لوگو! قصر کرنا رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صاحبین ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی سنت ہے لیکن دیہاتی لوگ بکثرت ہیں، مجھے اندیشہ ہے مبادا وہ دوگانہ نماز کو ہمیشہ کے لیے سمجھ لیں۔[6] سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ اندیشہ بجا تھا کیونکہ ایک دیہاتی نے منیٰ میں انھیں برسرِعام پکار کر کہا: امیر المومنین

1 صحیح البخاری: 1653، 2 المغازی للواقدی: 461/2، 3 مسند احمد: 296/1، 4 المستدرک للحاکم: 1738
5 صحیح البخاری: 1655، 6 السنن الکبری للبیہقی: 144/3

جب سے میں نے آپ کو دوگانہ پڑھتے دیکھا ہے، میں اس وقت سے دوگانہ پڑھ رہا ہوں۔[1] کچھ صحابۂ کرام ؓ نے سیدنا عثمان ؓ سے اس بارے میں اختلاف کیا جن میں سیدنا عبداللہ بن مسعود ؓ سرفہرست تھے۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود ؓ کہتے ہیں کہ میں نے منیٰ میں نبی ﷺ کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں، سیدنا ابوبکر ؓ کے ساتھ بھی دو ہی رکعتیں ادا کیں، پھر سیدنا عمر فاروق ؓ کے ساتھ بھی دو رکعتیں پڑھیں، پھر تمھارے طریقے مختلف ہوگئے۔ کاش! چار رکعات کے بجائے مجھے ایسی دو رکعتیں ہی نصیب ہو جاتیں جنھیں اللہ کے ہاں شرف قبولیت حاصل ہو۔[2]

ایک روایت میں ہے کہ سائل نے ان سے کہا: آپ ان کی اقتدا میں چار رکعات کیوں ادا کرتے ہیں؟ انھوں نے فرمایا کہ فتنے اور اختلاف سے بچنے کی خاطر ایسا کرتا ہوں، مبادا میری وجہ سے کوئی فساد پیدا ہو جائے۔[3] اس کے باوجود وہ ڈرتے تھے کہ خلاف سنت ہونے کی وجہ سے شاید یہ عمل اللہ کے ہاں قبول نہ ہو، اس لیے وہ کہتے تھے: کاش! ان چار رکعات میں سے میری دو ہی رکعتیں قبول ہو جائیں۔

حافظ ابن حجر ؒ لکھتے ہیں: ابن مسعود ؓ نے اپنا عمل اللہ کے حوالے کر دیا کیونکہ ان کو غیب کی اطلاع نہ تھی، اس لیے یہی تمنا کی کہ کاش! اللہ تعالیٰ میری ان چار رکعات میں سے دو رکعت ہی قبول فرمالے۔[4]

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اکثر صحابہ ؓ کے نزدیک منیٰ میں نماز قصر ادا کرنا مناسک حج میں سے ہے، اس لیے منیٰ، عرفات اور مزدلفہ میں حج کے دوران میں نماز قصر ہی پڑھی جائے گی۔ ظہر، عصر اور عشاء قصر اور نماز فجر اور نماز مغرب پوری ادا ہوگی۔ تاہم مغرب کی سنتیں ادا نہیں کی جائیں گی۔ سیدنا حارثہ بن وہب خزاعی ؓ کہتے ہیں: ہمیں رسول اللہ ﷺ نے منیٰ میں دو رکعتیں پڑھائیں جبکہ اس وقت ہم اس قدر کثیر تعداد میں تھے کہ اس سے پہلے اتنی تعداد میں کبھی نہیں ہوئے تھے۔ مزید برآں جس قدر مستحکم امن ہمیں اس وقت نصیب ہوا تھا، اس سے پہلے کبھی میسر نہیں آیا تھا۔[5] امام ابوداود ؒ نے اس حدیث سے اہل مکہ کے لیے ایام حج میں نماز قصر ہی ثابت کی ہے کیونکہ سیدنا حارثہ ؓ مکہ کے رہائشی تھے۔[6]

میدانِ عرفات میں

نو ذی الحجہ کو جب سورج طلوع ہوا تو جمعے کا دن تھا۔ آپ ﷺ میدانِ عرفات کی طرف چلے۔ آپ نے حکم دیا کہ

1 فتح الباري 737/2. 2 صحيح البخاري، 1084 و 1657. 3 دیکھیے: السنن الكبرى للبيهقي 144/3. 4 فتح الباري 643/3 5 صحيح البخاري، 1656. 6 سنن أبي داود 1965

آپ کے لیے وادیٔ عرنہ میں بالوں سے تیار شدہ خیمہ لگایا جائے۔ قریش کو یہ یقین تھا کہ رسول اللہ ﷺ مزدلفہ سے آگے نہیں جائیں گے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ساتھ چلنے والے نوفل بن معاویہ الدیلی رضی اللہ عنہ نے آپ سے گزارش کی کہ آپ کی قوم کا یہ خیال ہے کہ آپ مزدلفہ ہی میں رہیں گے۔ اس پر آپ نے فرمایا: [illegible] ''میں نبوت سے پہلے بھی ان کی مخالفت کرتے ہوئے عرفات میں وقوف کیا کرتا تھا۔'' [1]

سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے عرفہ کے دن ایک اونٹ کھو دیا۔ میں عرفہ ہی کے دن اسے تلاش کرنے نکلا تو میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کے ساتھ عرفات میں کھڑے ہیں۔ میں نے کہا: اللہ کی قسم! محمد ﷺ تو اہل حمس میں سے ہیں، بھلا آپ کا یہاں کیا کام؟ کیونکہ قریش حمس میں شمار ہوتے تھے۔ [2]

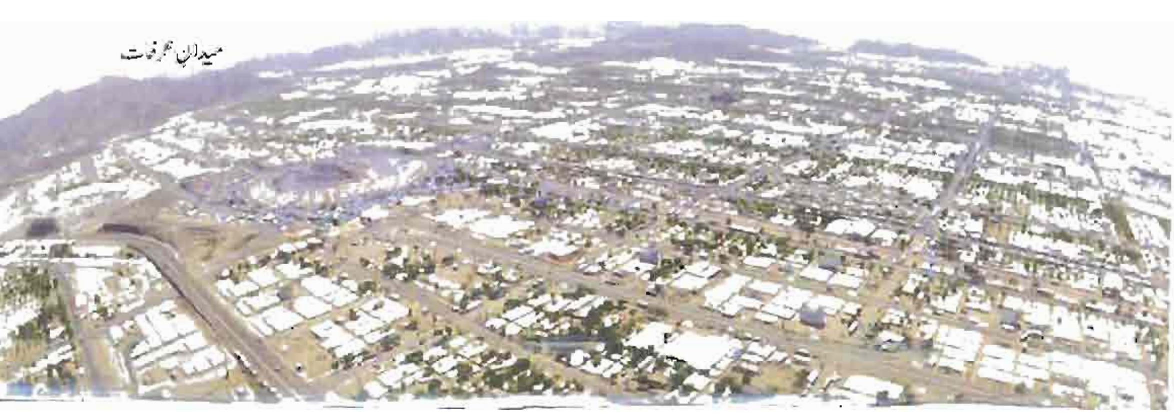
اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: قریش میں سے شیبہ بن ربیعہ نے عرفہ میں قیام کیا۔ اس نے دو سیاہ چادریں اوڑھ رکھی تھیں۔ اس کے اونٹ کی لگام سیاہ بالوں کی تھی۔ وہ عرفہ میں لوگوں کے ساتھ ٹھہرتا اور ان کے ساتھ عرفات سے نکلتا۔ ہم لوگ عام عرب لوگوں سے کلام نہیں کرتے تھے۔ قریش مزدلفہ میں رہتے اور کہتے: ہم اللہ والے ہیں۔ [3]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: قریش اور ان کے دین پر چلنے والے لوگ مزدلفہ ہی میں ٹھہر جایا کرتے تھے اور انھیں حمس کا نام دیا جاتا تھا۔ باقی تمام عرب عرفہ میں جا کر ٹھہرتے۔ جب اسلام آیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا کہ عرفات تک آئیں۔ وہاں وقوف فرمائیں اور پھر وہاں سے لوٹیں۔ اس بارے میں اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ (البقرة 2:199)

''پھر وہاں سے لوٹو جہاں سے دوسرے لوگ لوٹیں۔'' [4]

1 [illegible] 2/461، 2 صحیح مسلم: 1220، 3 المغازي للواقدي: 2/482، 4 صحیح مسلم: 1219



میدانِ عرفات

ایک دوسری روایت میں سیدہ عائشہ ؓ بتاتی ہیں کہ عرب حج میں عرفات سے لوٹتے تھے اور حمس یعنی قریش مزدلفہ سے لوٹتے تھے اور کہتے تھے: ہم حرم کے رہنے والے ہیں اور اسے نہیں چھوڑیں گے۔ جب آیت ﴿ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ﴾ نازل ہوئی تو یہ عرفات کی طرف آنے لگے۔[1]

عرفہ کے دن روانگی میں عجلت اور زوال کے فوراً بعد خطبہ

سالم سے روایت ہے کہ خلیفہ عبدالملک بن مروان نے حجاج بن یوسف کو خط لکھا کہ وہ احکام حج میں سیدنا عبداللہ بن عمر ؓ کی مخالفت نہ کرے، چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عمر ؓ عرفہ کے دن زوال آفتاب کے بعد تشریف لائے۔ میں بھی آپ کے ہمراہ تھا۔ انھوں نے حجاج کے ڈیرے پر پہنچ کر زور سے آواز دی تو حجاج کسم میں رنگی ہوئی چادر اوڑھے ہوئے باہر نکلا اور پوچھنے لگا: اے ابو عبدالرحمن! کیا بات ہے؟ سیدنا ابن عمر ؓ نے فرمایا: اگر تمھیں سنت کی پیروی مطلوب ہے تو ابھی نکلو۔ حجاج بولا: بالکل اسی وقت؟ انھوں نے کہا: ہاں۔ حجاج نے کہا: مجھے اتنی مہلت دیں کہ میں سر پر پانی بہا لوں، پھر چلتا ہوں۔ سیدنا ابن عمر ؓ سواری سے نیچے اتر پڑے یہاں تک کہ حجاج فارغ ہو کر باہر نکلا۔ جب وہ میرے اور والد گرامی کے درمیان چلنے لگا تو میں نے کہا: اگر تو سنت کی پیروی کرنا چاہتا ہے تو خطبہ مختصر پڑھنا اور وقوف میں جلدی کرنا۔ یہ سن کر حجاج سیدنا ابن عمر ؓ کی طرف دیکھنے لگا۔ جب سیدنا ابن عمر ؓ نے دیکھا تو فرمایا: سالم سچ کہتا ہے۔[2] اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ وقوف عین گرمی کے وقت دوپہر کے بعد فوراً شروع کر دینا چاہیے۔

جب رسول اللہ ﷺ عرفہ کے قریب پہنچے تو آپ کے لیے قریب کی وادی نمرہ (وادی عرنہ) میں خیمہ نصب ہو گیا، وہاں آپ نے مختصر قیام کیا۔ جب سورج زوال پذیر ہوا تو آپ کی اونٹنی قصواء لائی گئی۔ آپ اس پر سوار ہو کر وادی کے درمیان تشریف لائے۔ پھر آپ ﷺ نے اپنی سواری ہی پر خطبہ ارشاد فرمایا۔[3] آپ کا یہ خطبہ انتہائی عظیم اور جامع تھا۔ آپ نے اس خطبے میں اسلامی عقیدہ واضح کیا، شرک و جاہلیت کے شدید نقصانات سے آگاہ فرمایا اور مختلف احکام و مسائل بیان فرمائے۔ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد جو باتیں ارشاد فرمائیں، وہ مختلف روایات کی روشنی میں درج ذیل ہیں:

سیدنا جابر ؓ سے مروی خطبۂ حجۃ الوداع کے الفاظ یہ ہیں:

[1] صحیح مسلم، 1219۔ [2] صحیح البخاری، 1660۔ [3] صحیح مسلم، 1218، وسنن ابی داود، 1905۔

ألا كل شيء من أمر الجاهلية تحت قدمي موضوع، ودماء الجاهلية موضوعة، وإن أول دم أضع من دمائنا دم ابن ربيعة بن الحارث (ابن عبد المطلب) كان مسترضعا في بني سعد فقتله هذيل، وربا الجاهلية موضوع، وأول ربا أضع ربانا ربا عباس بن عبد المطلب فإنه موضوع كله، فاتقوا الله في النساء فإنكم أخذتموهن بأمان الله واستحللتم فروجهن بكلمة الله، ولكم عليهن أن لا يوطئن فرشكم أحدا تكرهونه فإن فعلن ذلك فاضربوهن ضربا غير مبرح، ولهن عليكم رزقهن و كسوتهن بالمعروف، وقد تركت فيكم ما لن تضلوا بعده إن اعتصمتم به كتاب الله، وأنتم تسألون عني فما أنتم قائلون؟" قالوا: نشهد أنك قد بلغت و أديت ونصحت، فقال بإصبعه السبابة يرفعها إلى السماء وينكتها إلى الناس: "اللهم اشهد، اللهم اشهد" ثلاث مرات.

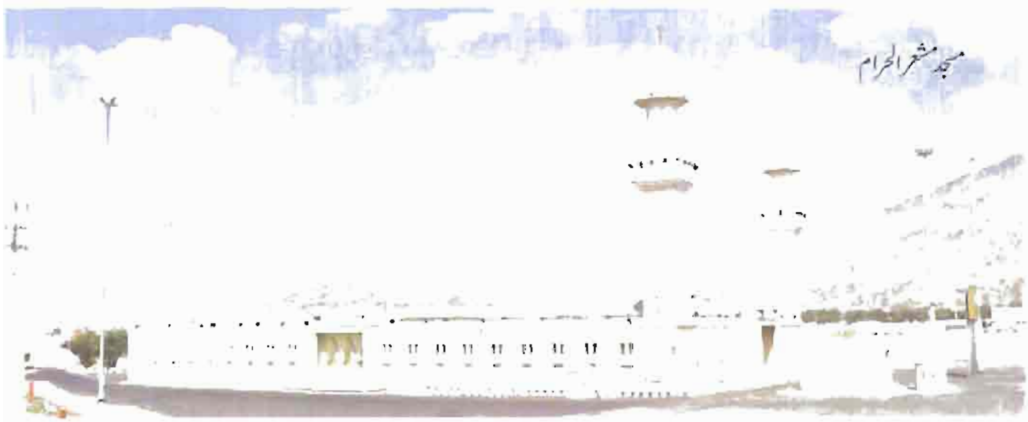
”تمھارا خون اور تمھارا مال ایک دوسرے پر اس طرح حرام ہے جس طرح تمھارے اس مہینے میں، تمھارے اس شہر میں آج کا دن حرام ہے۔ آگاہ رہو کہ جاہلیت کے کاموں میں سے ہر چیز میرے قدموں کے نیچے پامال ہے۔ میں زمانۂ جاہلیت کے خون معاف کرتا ہوں۔ ہمارے جو خون بہائے گئے، ان میں سے سب سے پہلا خون جو میں معاف کرتا ہوں، وہ ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کے بیٹے کا خون ہے جو بنو سعد میں دودھ پیتا بچہ تھا اور ہذیل نے بنو سعد سے جنگ کے دوران میں اسے قتل کر دیا تھا۔ اسی طرح زمانۂ جاہلیت کا سود بھی (میرے قدموں تلے) پامال ہے۔ میں سب سے پہلے اپنے چچا عباس بن عبدالمطلب کا سارا سود معاف کرتا ہوں۔ عورتوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرو۔ تم نے انھیں اللہ کی امان کے ساتھ حاصل کیا ہے اور اللہ ہی کے حکم سے ان کی شرم گاہوں کو حلال سمجھا ہے۔ تمھارا ان پر یہ حق ہے کہ وہ تمھارے بستر پر ایسے آدمی کو نہ آنے دیں جسے تم ناپسند کرتے ہو۔ اگر وہ ایسا کریں تو تم انھیں مار سکتے ہو مگر ایسی مار نہیں جو نشان چھوڑ جائے۔ اسی طرح عورتوں کا بھی تم پر حق ہے کہ تم انھیں حسب توفیق کھانا پینا اور لباس فراہم کرو۔ میں تم میں ایک چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں، اگر تم نے اسے مضبوطی سے تھامے رکھا تو تم کبھی گمراہ نہیں ہو گے اور وہ ہے اللہ کی کتاب۔ تم سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا تو تم کیا کہو گے؟“ صحابہ ڈیالٹیم نے عرض کی کہ ہم گواہی دیں گے کہ آپ نے ہمیں اللہ کے احکام کی تبلیغ کر دی، اپنا فرض ادا کر

دیا اور آپ نے خیر خواہی کی ہے اور نصیحت فرمائی ہے۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے شہادت کی انگلی آسمان کی طرف اٹھائی اور پھر لوگوں کی طرف کرتے ہوئے فرمایا: ”اے اللہ! گواہ رہنا، اے اللہ! گواہ رہنا، اے اللہ! گواہ رہنا۔“ [1]

جامع ترمذی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

يا أيها الناس إني قد تركت فيكم ما إن أخذتم به لن تضلوا: كتاب الله وعترتي أهل بيتي

”اے لوگو! میں تم میں ایسی چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر تم نے انھیں مضبوطی سے پکڑے رکھا تو تم کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔ وہ چیزیں ہیں: اللہ کی کتاب اور میرے اہل بیت۔“ [2]


مسجد مشعر الحرام

مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

خطبنا رسول الله ﷺ بعرفة، فحمد الله وأثنى عليه، ثم قال: أما بعد، فإن أهل الشرك والأوثان كانوا يدفعون من هذا الموضع عند غروب الشمس حتى تكون الشمس على رؤوس الجبال مثل عمائم الرجال على وجوهها، هدينا مخالف لهديهم، وكانوا يدفعون من المشعر الحرام عند طلوع الشمس على رؤوس الجبال مثل عمائم الرجال على وجوهها، هدينا مخالف لهديهم

”رسول اللہ ﷺ نے ہمیں عرفات میں خطبہ دیا۔ آپ ﷺ نے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان

[1] صحيح مسلم 1218. بریکٹوں کے الفاظ سنن أبي داود 1905 کے ہیں۔ [2] جامع الترمذي 3786

کی، پھر فرمایا: ''اما بعد! مشرکین یہاں سے غروبِ شمس کے وقت کوچ کیا کرتے تھے جب سورج پہاڑوں کی چوٹیوں پر ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے انسانوں کے سروں پر پگڑیاں ہوں۔ ہمارا طریقہ ان سے مختلف ہے۔ اسی طرح وہ مشعرِ حرام سے اس وقت کوچ کرتے تھے جب سورج پہاڑوں کی چوٹیوں پر اس طرح لگتا تھا جیسے انسانوں کے سروں پر پگڑیاں ہوں۔ لیکن ہمارا طریقہ ان کے طریقے سے الگ ہے۔''[1]

سیدنا ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کو خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا، آپ فرما رہے تھے:

إِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى قَدْ أَعْطَى كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ، اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ، وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ، وَمَنِ ادَّعَى إِلَى غَيْرِ أَبِيهِ أَوِ انْتَمَى إِلَى غَيْرِ مَوَالِيهِ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ التَّابِعَةُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، لَا تُنْفِقُ امْرَأَةٌ مِنْ بَيْتِ زَوْجِهَا إِلَّا بِإِذْنِ زَوْجِهَا، قِيلَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! وَلَا الطَّعَامَ؟ قَالَ: ذٰلِكَ أَفْضَلُ أَمْوَالِنَا، وَقَالَ (ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ): اَلْعَارِيَةُ مُؤَدَّاةٌ، وَالْمِنْحَةُ مَرْدُودَةٌ، وَالدَّيْنُ مَقْضِيٌّ، وَالزَّعِيمُ غَارِمٌ.

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق دے دیا ہے، لہٰذا اب وارث کے حق میں کسی قسم کی وصیت جائز نہیں۔ بچہ بستر والے کا شمار ہوگا اور زانی کو پتھر مارے جائیں گے اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ جس نے اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف اپنی نسبت کی یا اپنے آزاد کرنے والے کے بجائے کسی اور کو اپنا آزادی دہندہ مانا تو اس پر قیامت کے دن تک اللہ کی لعنت ہوگی۔ سن لو! کوئی عورت اپنے خاوند کے گھر سے اس کی اجازت کے بغیر کچھ بھی خرچ نہ کرے۔'' آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کھانا بھی خرچ نہیں کرسکتی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہی (کھانا) تو ہمارا افضل ترین مال ہے۔'' اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: ''ادھار لی ہوئی چیز کو واپس کرنا لازم ہے۔ دودھ کا جانور بھی واپس کرنا ضروری ہے۔ قرضے کی ادائیگی از حد ضروری ہے اور ضامن کو چٹی ادا کرنا پڑے گی۔''[2]

حارث بن عمرو رضی اللہ عنہ کی روایت میں خطبے کے متن کا ایک اضافی حصہ یہ ہے:

[illegible] فَقَالَ [illegible] لَا أَدْرِي لَعَلِّي لَا [illegible] بَعْدَ عَامِي هٰذَا [illegible] وَقْت

1 السنن الکبرٰی للبیہقی 125/5۔ 2 جامع الترمذی 2120، بر یہ الفاظ سنن ابی داود 3565 اور مسند احمد 267/5 کے ہیں۔

يلملم لأهل اليمن أن يهلوا منها و ذات عرق لأهل العراق، و قرن لأهل المشرق.

''پھر آپ ﷺ نے صدقہ کرنے کا حکم دیا اور فرمایا: ''صدقہ (کیا) کرو، ہو سکتا ہے کہ آج کے بعد تم مجھے نہ دیکھ پاؤ۔'' اس کے بعد آپ ﷺ نے اہل یمن کے لیے ''یلملم'' کو میقات مقرر کیا کہ وہاں سے احرام باندھیں۔ اہل عراق کے لیے ذات عرق مقرر فرمایا۔''[1]

ام حصین رضی اللہ عنہا کی روایت میں متن خطبہ کے اضافی جملے یہ ہیں:

يا أيها الناس اتقوا الله واسمعوا وأطيعوا وإن أمر عليكم عبد حبشي مجدع ما أقام فيكم كتاب الله عز وجل

''اے لوگو! اللہ سے ڈرو، سنو اور اطاعت کرو، چاہے کسی نکٹے حبشی غلام ہی کو تمھارا امیر مقرر کر دیا جائے۔ یہ (اطاعت) اس وقت تک ہے جب تک وہ تم میں اللہ تعالیٰ کی کتاب کو نافذ کرے۔''[2]

زید بن خطاب کی روایت میں متن خطبہ کے اضافی الفاظ یہ ہیں:

أرقاءكم أرقاءكم أطعموهم مما تأكلون واكسوهم مما تلبسون فإن جاؤوا بذنب لا تريدون أن تغفروه فبيعوا عباد الله ولا تعذبوهم

''اپنے ماتحت غلاموں کا خاص خیال رکھنا۔ انھیں وہی کھلاؤ اور پہناؤ جو تم خود کھاتے اور پہنتے ہو اور اگر وہ کوئی ایسا گناہ (جرم یا غلطی) کر بیٹھیں جسے تم معاف نہ کرنا چاہو تو سزا دینے کے بجائے انھیں بیچ ڈالو۔''[3]

عبداللہ بن ابی نجیح کی روایت میں متن خطبہ کے اضافی الفاظ یہ ہیں:

فاعقلوا أيها الناس واسمعوا قولي فإني قد بلغت وقد تركت فيكم ما إن اعتصمتم به فلن تضلوا أبدا كتاب الله وسنة نبيه تعلمن أن كل مسلم أخو مسلم وأن المسلمين إخوة

''اے لوگو! عقل و شعور سے کام لو اور میری بات سنو۔ بے شک میں نے ساری بات پہنچا دی ہے اور تم میں ایسی چیزیں چھوڑی ہیں کہ اگر تم انھیں مضبوطی سے تھام لو تو کبھی گمراہ نہ ہو گے، یعنی اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت۔ اچھی طرح جان لو کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور مسلمان سب بھائی بھائی ہیں۔''[4]

1 المعجم الكبير للطبراني: 261/3، رقم: 3351، مجمع الزوائد: 269/3. 2 مسند أحمد: 402/6، جامع الترمذي: 1706. 3 مسند أحمد: 35/4، الطبقات لابن سعد: 185/2. 4 تاريخ الطبري: 93/2، السيرة لابن هشام: 251/4، 252.

رسول اللہ ﷺ نے عرفہ کے دن ظہر و عصر کی نمازیں جمع کر کے پڑھیں

جب رسول اللہ ﷺ خطبہ ارشاد فرما چکے تو آپ ﷺ نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اذان دیں، پھر تکبیر کہیں، چنانچہ آپ ﷺ نے ظہر کی دو رکعتیں پڑھائیں۔ پھر اقامت کہی گئی اور آپ نے عصر کی دو رکعتیں پڑھائیں۔ آپ ﷺ نے ظہر و عصر کے درمیان کوئی نماز نہیں پڑھی۔[1] سالم بن عبداللہ سے روایت ہے کہ حجاج بن یوسف جس سال سیدنا عبداللہ بن زبیر سے جنگ کرنے مکہ آیا تو اس نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ آپ عرفہ کے دن وقوف میں کیا کرتے ہیں؟ سالم رحمہ اللہ نے کہا: اگر تو سنت کی پیروی کرنا چاہتا ہے تو عرفہ کے دن نماز ظہر دوپہر کے وقت جلدی پڑھنا۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس نے سچ کہا ہے، یقیناً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سنت کے مطابق ظہر اور عصر کی نمازیں جمع کرتے تھے۔[2]

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ حج کی سنتوں میں سے ایک سنت ہے کہ امام زوال آفتاب کے بعد خطبہ دے گا اور خطبے سے فراغت کے بعد ظہر اور عصر جمع کر کے ادا کرے گا۔[3] نافع رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ اگر عرفہ کے دن امام کے ساتھ نماز نہ پڑھ سکتے تو اپنے خیمے میں واپس آ کر دونوں نمازوں ظہر اور عصر کو جمع کر کے ادا کرتے تھے۔[4] ان تمام روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نبی ﷺ اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ظہر اور عصر کی نمازیں جمع کر کے پڑھتے تھے چاہے وہ جماعت کے ساتھ ہوتے یا علیحدہ علیحدہ۔ اور نمازیں جمع کرنا مناسک حج میں سے ہے۔ البتہ جو اس موقف کے قائل ہیں کہ نبی ﷺ نے سفر کی وجہ سے نمازیں قصر اور جمع کر کے پڑھیں، ان کا یہ موقف درست نہیں۔

عرفہ سارے کا سارا ہی ٹھہرنے کی جگہ ہے

رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ وادی عرنہ سے اٹھ کر عرفات میں قیام کریں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

«كل عرفات موقف، وارفعوا عن بطن عرنة»

”عرفات سارے کا سارا ٹھہرنے کا مقام ہے۔ عرنہ کے میدان سے اٹھ جاؤ۔“[5]

اور پھر آپ ﷺ نے سب کو آگاہ فرمایا کہ عرفہ سارے کا سارا جائے قیام ہے، صرف میری جائے قیام ہی خاص موقف نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «وقفت هاهنا وعرفة كلها موقف» ”میں یہاں ٹھہرا ہوں اور سارا

1 صحیح مسلم: 1218. 2 صحیح البخاري: 1662. 3 فتح الباري: 648/3. 4 صحیح البخاري، قبل حدیث: 1662، فتح الباري: 648/3. 5 مسند أحمد: 82/4.

عرفہ موقف ہے۔''[1]

آپ ﷺ نے اپنی طرف سے ایک نمائندہ بھیجا تاکہ وہ لوگوں کو عرفات جانے کے لیے اٹھائے۔ سیدنا یزید بن شیبان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہمارے پاس عرفات میں ابن مربع انصاری تشریف لائے، ہم عرفات میں ایک جگہ پر تھے۔ وہ کہنے لگے: میں رسول اللہ ﷺ کا نمائندہ ہوں اور تمھیں پیغام دینے آیا ہوں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

كونوا على مشاعركم، فإنكم على إرث من إرث أبيكم إبراهيم

''تم عرفات میں جہاں بیٹھے ہوئے ہو، بیٹھے رہو کیونکہ تم اپنے جد امجد سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی وراثت پر قائم ہو۔''[2]

نبی اکرم ﷺ نے دعا کے دوران میں ہاتھ بلند کیے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے عرفہ کے روز رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، آپ نے بارگاہ الٰہی میں اس طرح اپنے دونوں ہاتھ سینے تک بلند کر رکھے تھے جس طرح کوئی مسکین کھانا مانگتا ہے۔[3] سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: میں عرفات میں نبی اکرم ﷺ کے پیچھے سوار تھا، آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ بلند کیے، آپ کی سواری جھک گئی اور اس کی لگام گر گئی تو آپ نے ایک ہاتھ میں لگام تھام لی اور اپنا دوسرا دست مبارک بلند رکھا۔[4]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب آپ ﷺ عرفہ کے میدان میں سواری پر ہاتھ اٹھا کر دعا کر رہے تھے تو آپ کے ہاتھ سے اونٹنی کی لگام گر گئی۔ آپ ﷺ نے ایک انگلی میں لگام کو پکڑ لیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہنے لگے: حضور ﷺ کی اس قدر گریہ زاری اور خشوع و خضوع۔[5] اس وقت نبی ﷺ نے بڑی التجا اور گریہ زاری کی۔ آپ ﷺ نے اللہ کی تعریف و تقدیس، حمد و ثنا بزرگی بیان کرنے میں بڑا وقت لگایا اور خوب خشوع و خضوع کا اظہار فرمایا۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے لوگوں کو بھی اس کی ترغیب دلائی اور انھیں اس کی فضیلت سے بھی آگاہ فرمایا۔ امام ابوداود اپنی مراسیل میں سلیمان بن موسیٰ سے بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ سے یہ بات منقول نہیں کہ آپ نے تین مواقع کے علاوہ کبھی اس قدر ہاتھ بلند کیے ہوں، ایک نماز استسقاء کے وقت، دوسرا موقع جب آپ مدد طلب کرتے تھے اور تیسرا موقع عرفہ کے آخری پہر۔ آپ ان موقعوں پر ہاتھ بہت زیادہ بلند کرتے تھے۔[6]

یوم عرفہ کی خاص دعا

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[1] صحيح مسلم: (149) 1218 [2] جامع الترمذي: 883، سنن ابن ماجه: 3011، سنن النسائي: 3014 [3] السنن الكبرى للبيهقي: 117/5، المعجم الأوسط للطبراني: 2892 [4] سنن النسائي: 3011، مسند أحمد: 209/5.
[5] المعجم الأوسط للطبراني: 5141 [6] المراسيل لأبي داود: 148.

«خیر الدعاء دعاء یوم عرفة وخیر ما قلت أنا والنبیون من قبلی لا إله إلا الله وحده لا شریك له له الملك وله الحمد وهو علی كل شیء قدیر»

’’سب سے بہترین دعا عرفہ کے دن کی دعا ہے اور سب سے بہتر کلمات وہ ہیں جو میں نے اور مجھ سے پہلے نبیوں نے کہے: لا إله إلا الله وحده لا شریك له له الملك وله الحمد وهو علی كل شیء قدیر‘‘[1]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: عرفہ کی سہ پہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے زیادہ یہ دعا مانگی:

«اللهم لك الحمد كالذی نقول وخیرا مما نقول، اللهم لك صلاتی ونسكی ومحیای ومماتی وإلیك مآبی ولك رب تراثی، اللهم إنی أعوذ بك من عذاب القبر ووسوسة الصدر وشتات الأمر، اللهم إنی أعوذ بك من شر ما تجیء به الریح»

’’اے اللہ! تمام تعریف تیرے ہی لیے ہے۔ جس انداز سے ہم تعریف کرتے ہیں بلکہ ہم جس طرح کہتے ہیں، تیری حمد وثنا اس سے بھی بہتر ہے۔ اے اللہ! میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور موت تیرے ہی لیے ہے۔ تیری طرف ہی میری واپسی ہے۔ اے میرے پروردگار! میرا ترکہ تیرے ہی لیے ہے۔ اے اللہ! میں عذاب قبر، دل کے وسوسوں اور معاملات کے بگڑنے سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ اے اللہ! میں اس شر سے بھی تیری پناہ میں آتا ہوں جو ہوا کھینچ لاتی ہے۔‘‘[2]

ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں:

«اللهم إنی أسألك من خیر ما تجیء به الریح وأعوذ بك من شر ما تجیء به الریح»

’’اے اللہ! میں تجھ سے ان بھلائیوں کا سوال کرتا ہوں جو ہوائیں لائیں اور اس شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں جو ہوائیں کھینچ لائیں۔‘‘[3]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات کے روز سب سے زیادہ یہ دعا مانگی تھی:

«لا إله إلا الله وحده لا شریك له له الملك وله الحمد یحیی ویمیت بیده الخیر وهو علی كل شیء قدیر، اللهم اجعل لی فی سمعی نورا وفی بصری نورا وفی قلبی

[1] جامع الترمذی: 3585. [2] جامع الترمذی: 3520 یہ روایت ضعیف ہے۔ [3] المعجم للطبرانی: 58

نورا، اللهم اشرح لي صدري ويسر لي أمري، وأعوذ بك من وسواس الصدر وشتات الأمر، اللهم إني أعوذ بك من شر ما يلج في الليل ومن شر ما يلج في النهار ومن شر ما تهب به الرياح ومن شر بوائق الدهر»

''نہیں ہے کوئی الٰہ سوائے اللہ کے۔ وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ اُسی کی بادشاہی ہے، اُسی کی ثنا ہے۔ وہ زندہ کرتا اور مارتا ہے، اُسی کے ہاتھ میں بھلائی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اے اللہ! میرے کانوں میں نور بھر دے، میری آنکھوں میں نور بھر دے اور میرے دل میں نور بھر دے۔ اے اللہ! میرے لیے میرا سینہ کھول دے اور میرے معاملات آسان کر دے۔ (اے اللہ!) میں دل کے وسوسوں اور معاملات کے بکھرنے سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ اے اللہ! میں تیری پناہ میں آتا ہوں اس چیز کی برائی سے جو رات یا دن کو پہنچتی ہے اور اس شر سے جسے ہوائیں گھیر لاتی ہیں۔ میں آفات زمانہ سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں۔''[1]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے یہ دعا بھی کی تھی:

«اللهم إنك تسمع كلامي وترى مكاني وتعلم سري وعلانيتي لا يخفى عليك شيء من أمري، أنا البائس الفقير المستغيث المستجير الوجل المشفق المقر المعترف بذنبه، أسألك مسألة المسكين، وأبتهل إليك ابتهال المذنب الذليل، وأدعوك دعاء الخائف الضرير، من خضعت لك رقبته، وفاضت لك عبرته، وذل لك جسده، ورغم لك أنفه، اللهم لا تجعلني بدعائك شقيا، وكن بي رؤوفا رحيما، يا خير المسؤولين ويا خير المعطين!»

''اے اللہ! تو میری پکار سنتا ہے اور جہاں میں ہوں، اسے بھی دیکھتا ہے۔ تو میرے خفیہ اور ظاہری امور سے آگاہ ہے۔ اے اللہ! میرا کوئی معاملہ تجھ سے چھپا ہوا نہیں۔ میں بہت حاجت مند اور فقیر ہوں، تجھ سے فریاد کرتا ہوں، تیری پناہ چاہتا ہوں۔ میں گھبرایا ہوا ہوں، بہت خوفزدہ ہوں، اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ میں تجھ سے مسکینوں کی طرح سوال کرتا ہوں، میں ایک گرے پڑے گناہ گار کی طرح تیرے

[1] السنن الكبرى للبيهقي: 5/117، وفضائل الأوقات للبيهقي: 195، والدعاء للمحاملي: 52.

سامنے گڑگڑاتا ہوں، میں خوف کے مارے اور آفت زدہ شخص کی طرح تجھ سے دعا کرتا ہوں۔ جس کی گردن تیرے سامنے جھکی ہوئی ہے، جس کے آنسو تیرے لیے بہہ رہے ہیں، جس کا جسم تیرے آگے فروتنی کیے ہوئے ہے، جس کی ناک تیرے لیے خاک آلود ہے۔ اے اللہ! میرے رب! تجھ سے دعا کرنے کے باوجود کہیں تو مجھے محروم نہ کر دینا۔ تو میرے حق میں بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہو جا۔ اے سب مانگے جانے والوں سے بہتر اور سب دینے والوں سے اچھے!''[1]

اہل عرفہ کے لیے عظیم الشان خوشخبری

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اہل عرفہ کے لیے جہنم سے آزادی کی خوشخبری دی ہے۔ سیدہ عائشہ ؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«ما من يوم أكثر من أن يعتق الله فيه عبدا من النار من يوم عرفة، وإنه ليدنو ثم يباهي بهم الملائكة فيقول: ما أراد هؤلاء؟»

''کوئی دن ایسا نہیں جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ لوگوں کو عرفہ کے دن سے بڑھ کر جہنم سے آزاد کرتا ہو۔ وہ (اپنے بندوں کے) قریب ہوتا ہے اور فرشتوں کے سامنے ان پر فخر کرتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کہ یہ لوگ کیا چاہتے ہیں؟''[2]

سیدنا جابر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«ما من يوم أفضل عند الله من يوم عرفة، ينزل الله إلى السماء الدنيا فيباهي بأهل الأرض أهل السماء، فيقول: انظروا إلى عبادي شعثا غبرا ضاحين، جاءوا من كل فج عميق، يرجون رحمتي ولم يروا عذابي، فلم ير يوم أكثر عتقا من النار من يوم عرفة»

''اللہ کے ہاں عرفہ کے دن سے بڑھ کر اور کوئی دن افضل نہیں، (اس دن) اللہ رب العزت آسمان دنیا پر تشریف لاتا ہے اور اہل آسمان کے سامنے اہل زمین پر فخر کرتا ہے اور فرماتا ہے: میرے بندوں کو دیکھو، پراگندہ بالوں اور چہروں کے ساتھ کھلے آسمان تلے جمع ہیں۔ یہ ہر دور دراز رستے سے آئے ہیں، یہ میری رحمت کے امیدوار ہیں، حالانکہ انھوں نے میرا عذاب نہیں دیکھا۔ عرفہ کے دن جتنے لوگ جہنم سے آزاد

1 المعجم الكبير للطبراني 9/377,378، المعجم الصغير للطبراني 2/15، زاد المعاد 2/237. 2 صحيح مسلم: 1348.

کیے جاتے ہیں اسے بخش دیا اور وہ ان کو بخش دیے جاتے۔''[1]

اسی طرح سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عرفات کے میدان میں کھڑے تھے۔ سورج غروب ہونے والا تھا۔ اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا: [illegible] ''اے بلال! میری خاطر لوگوں کو خاموش کراؤ۔'' بلال رضی اللہ عنہ اٹھے اور لوگوں کو آپ ﷺ کی بات سننے کے لیے خاموش کرا دیا۔ جب وہ خاموش ہوگئے تو آپ نے فرمایا:

[illegible]

''اے لوگو! میرے پاس ابھی ابھی جبریل آئے ہیں۔ انھوں نے مجھے میرے رب کی طرف سے سلام پہنچایا ہے اور کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل عرفات اور مزدلفہ والوں کو بخش دیا ہے اور ان کے جھگڑوں کی ضمانت دی ہے۔''

یہ ارشاد سن کر سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کھڑے ہوگئے اور عرض کرنے لگے: اے اللہ کے رسول! کیا یہ (خوشخبری) صرف ہمارے لیے خاص ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [illegible] ''یہ تمھارے لیے اور تمھارے بعد قیامت تک آنے والے لوگوں کے لیے ہے۔'' اس پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی بھلائی کے کیا کہنے! یہ بہت زیادہ اور بہت خوب ہے۔[2]

عباس بن مرداس سلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عرفہ کی شام اپنی امت کے لیے مغفرت اور رحمت کی دعا کی۔ آپ ﷺ نے دعا میں بڑی گریہ زاری کی تو دعا کا یہ جواب آیا:

[illegible]

''میں نے دعا قبول کی سوائے ان کے جو ایک دوسرے پر ظلم کریں، تاہم میں نے ان کے وہ گناہ معاف کر دیے ہیں جو میرے حق سے متعلق ہیں۔''

پھر آپ ﷺ نے یہ دعا کی:

[illegible]

''اے میرے رب! اگر تو چاہے تو اس بات پر قادر ہے کہ اس مظلوم کو مظلومیت سے زیادہ اجر دے اور

[1] صحیح ابن حبان، حدیث: 3853۔ [2] [illegible] 128/[illegible] 164/4

اور اس ظالم کو ویسے ہی معاف فرما دے۔''

اس دن یہ دعا قبول نہیں ہوئی لیکن جب مزدلفہ کی رات آئی تو آپ ﷺ نے پھر یہی دعا کی۔ اب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: [illegible] ''میں نے انھیں (بھی) معاف کر دیا۔''

چنانچہ رسول اللہ ﷺ مسکرائے۔ صحابہ میں سے بعض نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ آج اس موقع پر مسکرائے ہیں، پہلے کبھی اس موقع پر نہیں مسکرائے؟ آپ نے فرمایا:

[illegible]

''میں اللہ کے دشمن ابلیس کی وجہ سے مسکرایا ہوں۔ جب اسے پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کے بارے میں میری دعا قبول کر لی ہے تو وہ اپنے لیے ہلاکت اور تباہی مانگنے لگا اور اپنے سر پر مٹی ڈالنے لگا۔''[1]

تکمیل دین کی آیت کا نزول

رسول اللہ ﷺ جب عرفات میں تھے تو آپ پر یہ وحی نازل ہوئی:

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا

''آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کر دیا، اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی، اور تمھارے لیے اسلام کو دین کے طور پر پسند کر لیا۔''[2]

جب سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے یہ آیت کریمہ سنی تو رونے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا: [illegible] ''اے عمر! تمھیں کس بات نے رلا دیا؟'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: مجھے اس بات نے رلایا ہے کہ ہم خیر کی وسعت چاہتے تھے، یعنی دین میں اور زیادہ رہنمائی اور رحمت و برکت کے طلبگار تھے مگر اب یہ چیز مکمل ہو گئی ہے اور جب کوئی چیز مکمل ہو جاتی ہے تو پھر کوئی کمی باقی نہیں رہتی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: صدقت ''تم نے سچ کہا ہے۔''[3] حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کی خبر تھی گویا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی وفات کی خبر سمجھ گئے تھے، اس لیے رو رہے تھے۔[4] یہ آیت کریمہ آپ ﷺ کی وفات سے تقریباً 80 ایام قبل نازل ہوئی۔[5]

1 السنن الكبرى للبيهقي: 118/5، حديث [illegible]، سنن ابن ماجه: 3013. 2 المائدة 3:5 3 تفسير الطبري، المائدة 3:5
4 البداية والنهاية: 139/5 5 تفسير الطبري، المائدة 3:5

طارق بن شہاب فرماتے ہیں: ایک یہودی سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر کہنے لگا: امیر المومنین! آپ کتاب میں ایک آیت پڑھتے ہیں، اگر وہ ہم یہودیوں پر نازل ہوتی تو ہم اس کے نزول کے دن کو عید بنا لیتے۔ آپ نے پوچھا: کون سی آیت؟ وہ کہنے لگا:

﴿ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا ﴾

”آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کر دیا، اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی، اور تمھارے لیے اسلام کو دین کے طور پر پسند کر لیا۔“

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں خوب جانتا ہوں کہ یہ آیت کس دن نازل ہوئی اور کب نازل ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت جمعۃ المبارک کے دن عرفات میں نازل ہوئی۔“ [1]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا اس امت پر بہت بڑا احسان ہے کہ اس امت کے لیے اللہ نے دین کو مکمل کر دیا ہے اور اب انھیں کسی دوسرے دین کی ضرورت نہیں، نہ انھیں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی دوسرے نبی کی ضرورت ہے۔ اسی لیے اللہ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین بنایا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنوں اور انسانوں کے لیے مبعوث فرمایا ہے۔ اب جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم حلال کریں، وہی حلال ہوگا اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم حرام کر دیں، وہ قیامت تک حرام ہوگا اور آپ ہی کی شریعت ہوگی۔ جو بات آپ ارشاد فرما دیں اور جو بھی خبر دیں، وہ بالکل سچی اور صحیح ہے۔ اس میں جھوٹ اور ملاوٹ کی کوئی گنجائش نہیں۔ [2]

عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ ﴿ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ ﴾ آخری آیت ہے، مگر یہ خیال ٹھیک نہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ قرآن کی آخری آیت یہ ہے: ﴿ وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴾

”اور اس دن سے ڈرو جب تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے، پھر ہر شخص نے جو کچھ کیا ہوگا، اسے اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔“ [3]

کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم عرفہ کا روزہ رکھا تھا؟

سیدہ ام الفضل بنت حارث رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ کچھ لوگوں نے عرفہ کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روزے کے بارے میں اختلاف کیا۔ بعض کہنے لگے: آپ روزے سے ہیں۔ بعض کہنے لگے: آپ کا روزہ نہیں۔ آپ اپنے

1 صحيح البخاري: 45 و 4407، صحيح مسلم: 3017. 2 تفسير ابن كثير، المائدة 5:3. 3 البقرة 2:281، وانظر تفسير القرطبي، البقرة 2:281.

اونٹ پر سوار تھے۔ میں نے آپ ﷺ کی طرف دودھ کا ایک پیالہ بھیجا۔ آپ نے وہ دودھ پی لیا۔[1]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے عرفہ کے دن فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کو کھانے کی دعوت دی۔ وہ کہنے لگے: میرا روزہ ہے۔ سیدنا عبداللہ نے فرمایا: اس دن روزہ نہ رکھو۔ رسول اللہ ﷺ کو عرفہ کے دن دودھ کا ایک پیالہ بھیجا گیا، آپ نے وہ دودھ پیا، لہٰذا اس دن روزہ نہ رکھو کیونکہ لوگ تمھارے طریقے کو اختیار کرتے ہیں۔[2]

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے عرفہ کے روزے کے بارے میں پوچھا گیا تو وہ فرمانے لگے: میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج کیا، آپ نے تو یہ روزہ نہیں رکھا۔ سیدنا ابوبکر کے ساتھ بھی حج کیا، انھوں نے بھی نہیں رکھا۔ پھر سیدنا عمر کے ساتھ حج کیا، انھوں نے بھی نہیں رکھا۔ میں بھی یہ روزہ نہیں رکھتا، نہ میں اس کا حکم دیتا ہوں، نہ اس سے روکتا ہوں۔[3]

سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

يوم عرفة ويوم النحر وأيام التشريق عيدنا أهل الإسلام وهي أيام أكل وشرب

"عرفہ کا دن، قربانی کا دن اور ایام تشریق ہم اہل اسلام کی عید کے ایام ہیں اور یہ کھانے پینے کے دن ہیں۔"[4]

امام ابن قیم رحمہ اللہ نے اس عمل سے درج ذیل کئی حکمتیں اخذ کی ہیں: 1 روزہ نہ رکھ کر انسان دعا میں زیادہ ہمت دکھاتا ہے۔ 2 سفر میں تو فرض روزہ بھی نہ رکھنا افضل ہے، پھر نفلی روزہ کیونکر رکھا جا سکتا ہے۔ 3 عرفہ کے دن جمعۃ المبارک کا دن تھا، اور آپ ﷺ نے اکیلے اس روز کا روزہ رکھنے سے منع کیا ہے، چنانچہ آپ نے یہ پسند فرمایا کہ لوگ دیکھ لیں کہ آپ نے اس دن کا روزہ نہیں رکھا تاکہ خاص اس دن کے روزے کی جو ممانعت ہے، اس کی تاکید ہو جائے، اگرچہ ان کا یہ روزہ یوم عرفہ کی وجہ سے تھا، نہ کہ یوم جمعہ کی وجہ سے۔[5]

وقوف عرفہ کے بارے میں سوال

رسول اللہ ﷺ میدان عرفات میں تھے کہ اہل نجد کے کچھ لوگ آپ ﷺ سے ملے اور حج کے بارے میں پوچھنے لگے۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن یعمر دیلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں عرفات میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ موجود تھا کہ اہل نجد کے کچھ لوگ آئے اور کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! حج کیا ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الحج عرفة، من جاء قبل صلاة الفجر من ليلة جمع فقد تم حجه

1 صحيح البخاري: 1988، صحيح مسلم: 1123. 2 مسند أحمد: 367/1. 3 صحيح ابن حبان: 369/8، حديث: 3604، جامع الترمذي: 751. 4 سنن أبي داود: 2419. 5 زاد المعاد: 77/2

’’حج وقوف عرفہ ہے۔ جو شخص مزدلفہ کی رات فجر کی نماز سے پہلے عرفات میں پہنچ جائے، اس کا حج مکمل ہو گیا۔‘‘ [1]

عرفات میں حاجی فوت ہو گیا

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایک شخص عرفات میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ وقوف کر رہا تھا کہ وہ اپنی سواری سے گر پڑا اور اس کی گردن کا منکا ٹوٹ گیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«اغسلوه بماء وسدر وكفنوه في ثوبيه ولا تمسوه طيبا ولا تخمروا رأسه ولا تحنطوه فإن الله يبعثه يوم القيامة ملبيا»

’’اسے پانی اور بیری کی پتوں سے غسل دو اور اسے اس کے احرام والے دو کپڑوں ہی میں کفنا دو۔ اسے خوشبو نہ لگانا، سر نہ ڈھانپنا اور حنوط نہ لگانا کیونکہ اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن اس حال میں اٹھائے گا کہ وہ لبیک کہہ رہا ہوگا۔‘‘ [2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس حدیث کے ذیل میں بیان کرتے ہیں: اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ 1 محرم کو اس کے احرام ہی میں کفن دینا مستحب ہے۔ 2 اس کا احرام باقی رہے گا اور اسے سلا ہوا کفن نہیں دے سکتے۔ 3 پہنے ہوئے کپڑوں میں کفن دیا جا سکتا ہے۔ 4 جب تک احرام باقی رہے گا، تلبیہ بھی جاری رہے گا۔ 5 احرام کا تعلق سر کے ساتھ ہے، چہرے کے ساتھ نہیں ہے۔ [3]

عرفات سے مزدلفہ کو روانگی

مزدلفہ جسے جمع یا مشعر الحرام بھی کہا جاتا ہے، یہ میدان عرفات سے تین میل کے فاصلے پر ہے۔ جب سورج واضح طور پر پوری طرح غروب ہو گیا اور اس کی تھوڑی بہت زردی بھی غائب ہو گئی، اس وقت رسول اللہ ﷺ عرفات سے مزدلفہ کے لیے روانہ ہوئے۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ اپنی طویل حدیث میں فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے وقوف جاری رکھا حتی کہ سورج غروب ہو گیا اور زردی آہستہ آہستہ ختم ہو گئی۔ آپ ﷺ نے اپنے پیچھے اسامہ رضی اللہ عنہ کو بٹھایا ہوا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے واپسی کا سفر شروع کر دیا۔ آپ نے اپنی اونٹنی قصواء کی مہار اس حد تک کھینچ رکھی تھی کہ اس کا سر کجاوے کی لکڑی سے

[1] سنن ابن ماجه: 3015. [2] صحيح البخاري: 1850 و 1267، صحيح مسلم: 1206. [3] فتح الباري: 3/176، 177.

لگا ہوا تھا۔ آپ اپنے دائیں ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے فرما رہے تھے: «أيها الناس! السكينة السكينة» ''اے لوگو! سکون و اطمینان سے چلو۔'' جب کسی پہاڑ کی چڑھائی آ جاتی تو آپ مہار کچھ ڈھیلی کر دیتے تاکہ اونٹنی آسانی سے چڑھ جائے۔ آپ ﷺ اسی طرح مزدلفہ پہنچ گئے، وہاں مغرب و عشاء کی دونوں نمازیں ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ پڑھیں اور درمیان میں کوئی نفل نہیں پڑھے۔[1]

عروہ بن زبیر ؒ فرماتے ہیں: سیدنا اسامہ ؓ سے میری موجودگی میں پوچھا گیا: نبی کریم ﷺ حجۃ الوداع میں واپسی کے دوران میں کیسی چال چلتے تھے؟ وہ فرمانے لگے: آپ درمیانی چال چلتے تھے، البتہ جب خالی جگہ دیکھتے تو رفتار تیز کر دیتے تھے۔[2]

سیدنا ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ وہ عرفہ کے دن نبی ﷺ کے ہمراہ واپس آئے۔ اس دوران میں نبی ﷺ نے اپنے پیچھے شور و غل اور اونٹوں کو مارنے پیٹنے کی آواز سنی۔ آپ نے اپنے کوڑے کے ذریعے ان کی طرف اشارہ فرمایا (انھیں متوجہ کیا) اور حکم دیا: «أيها الناس! عليكم بالسكينة، فإن البر ليس بالإيضاع» ''لوگو! پُرسکون رہو۔ اونٹوں کو بھگانے میں کوئی نیکی نہیں ہے۔''[3]

سیدنا اسامہ بن زید ؓ فرماتے ہیں: عرفات والی شام میں رسول اللہ ﷺ کی سواری پر آپ کے پیچھے بیٹھا تھا۔ جب سورج غروب ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ واپس چل پڑے۔ اس دوران میں آپ ﷺ نے اپنے پیچھے لوگوں کا شور و غل سنا تو فرمایا: «أيها الناس! عليكم بالسكينة، فإن البر ليس بالإيضاع» ''اے لوگو! سکون و اطمینان سے آہستہ چلو۔ نیکی اونٹ بھگانے کا نام نہیں ہے۔'' جب لوگ آپ ﷺ کے گرد زیادہ ہجوم کرتے تو آپ درمیانی چال چلتے تھے اور جب خالی جگہ پاتے تو اونٹنی کی رفتار کو تیز کر دیتے تھے حتی کہ آپ مزدلفہ پہنچ گئے۔ وہاں آپ نے مغرب، عشاء دونوں نمازیں اکٹھی پڑھیں۔[4]

عرفات اور مزدلفہ کے درمیان رکنا جائز ہے مگر نماز مزدلفہ میں

سیدنا اسامہ بن زید ؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ عرفات سے چلے، راستے میں ایک گھاٹی میں اترے۔ وہاں پیشاب سے فارغ ہوئے، پھر وضو فرمایا لیکن وہ اتنا کامل نہیں تھا۔ میں نے عرض کیا: نماز؟ آپ نے فرمایا: «الصلاة أمامك» ''نماز کی جگہ آگے ہے۔'' پھر آپ مزدلفہ پہنچے، دوبارہ وضو فرمایا اور بہترین وضو فرمایا۔ پھر اقامت ہوئی، آپ ﷺ نے مغرب کی نماز پڑھائی۔ پھر ہر شخص نے اپنا اونٹ اپنے ٹھکانے پر بٹھایا۔ پھر اقامت

1 صحيح مسلم: 1218. 2 صحيح البخاري: 1666. 3 صحيح البخاري: 1671. 4 مسند أحمد: 5/201.

ہوئی تو آپ ﷺ نے عشاء کی نماز پڑھی اور درمیان میں نوافل نہیں پڑھے۔[1] اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ان دو نمازوں کو جمع کرنا ہے۔ مگر ان کے درمیانی وقفے میں آدمی کوئی تھوڑا سا کام کر لے تو کوئی قباحت نہیں جیسے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نماز مغرب کے بعد اپنے اونٹ وغیرہ اپنے ٹھکانوں پر باندھے تھے۔

سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے عرفات میں سواری پر اپنے پیچھے بٹھا لیا۔ لوگ کہنے لگے: چلو آج ہمارا یہ ساتھی ہمیں بتائے گا کہ آپ ﷺ نے کیا کیا۔ جب آپ عرفات سے چلے تو رک گئے اور اپنی اونٹنی کی مہار اس حد تک کھینچی کہ اونٹنی کا سر پالان کی درمیانی لکڑی سے آ لگا۔ آپ اپنے دست مبارک سے لوگوں کی طرف اشارہ کرتے فرما رہے تھے: ”لوگو! سکون، اطمینان اور صبر کے ساتھ۔“ حتی کہ آپ مزدلفہ پہنچ گئے۔ پھر آپ نے فضل بن عباس کو پیچھے بٹھا لیا۔ لوگوں نے کہا: چلو اب یہ ہمارا ساتھی ہمیں بتائے گا کہ رسول اللہ ﷺ نے کیا کیا۔ فضل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: آپ ﷺ آرام سے دھیرے دھیرے چلتے رہے جس طرح گزشتہ روز چلے تھے حتی کہ وادی محسر میں پہنچ گئے۔ وہاں آپ ﷺ نے اپنی اونٹنی کی رفتار تیز کر دی حتی کہ آگے ہموار زمین آ گئی۔[2]



انس بن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں عرفات میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ تھا۔ جب خطبے کے لیے جانے کا وقت ہوا تو میں بھی ان کے ساتھ چلا گیا حتی کہ امام آ گئے۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے امام کے ساتھ ظہر اور عصر کی نماز ادا کی۔ پھر انھوں نے وقوف کیا۔ میں اور میرے ساتھی بھی ان کے ساتھ تھے حتی کہ امام نے واپسی شروع کی۔ ہم ان کے ساتھ واپس چلے اور ایک تنگ جگہ پہنچے۔ انھوں نے اپنی سواری بٹھائی، ہم نے بھی اپنی سواریاں بٹھائیں۔ ہم سمجھے وہ نماز پڑھنا چاہتے ہیں لیکن ان کے غلام نے جو ان کی سواری کا انتظام کرتا تھا، بتایا کہ وہ نماز نہیں پڑھنا چاہتے بلکہ وہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ جب اس جگہ پہنچے تو یہاں آپ ﷺ نے رفع حاجت کی، لہٰذا ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی پسند کرتے ہیں کہ یہاں قضائے حاجت کریں۔[3]

1 صحیح البخاري، حدیث: 1672، وصحیح مسلم، حدیث: 1280۔ 2 مسند أحمد: 208/5۔ 3 مسند أحمد، حدیث: 3172۔

مغرب اور عشاء کے لیے اقامت ایک یا دو

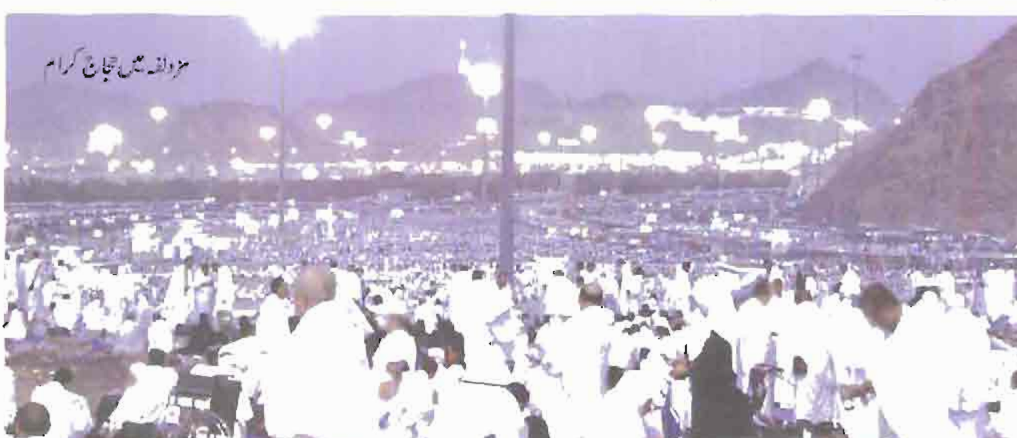
سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مغرب اور عشاء مزدلفہ میں اکٹھی پڑھیں۔ ان دونوں نمازوں کے درمیان نفل نہیں پڑھے۔ آپ نے مغرب کی تین رکعات پڑھیں اور عشاء کی دو رکعات پڑھیں۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھی مزدلفہ میں اسی طرح نماز پڑھتے رہے حتی کہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔[1]

سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ انھوں نے مغرب اور عشاء کی نمازیں مزدلفہ میں ایک اقامت کے ساتھ پڑھیں۔ پھر انھوں نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں فرمایا کہ انھوں نے بھی اسی طرح پڑھی تھیں۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی مغرب اور عشاء کی نمازیں اسی طرح پڑھی تھیں۔[2]

سعید بن جبیر فرماتے ہیں: ہم سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ عرفات سے چلے حتی کہ مزدلفہ پہنچ گئے۔ پھر انھوں نے ہمیں مغرب و عشاء کی نمازیں ایک اقامت کے ساتھ پڑھائیں۔ پھر فرمانے لگے: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اس جگہ اسی طرح نماز پڑھائی تھی۔[3]

امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آپ ﷺ نے مزدلفہ پہنچنے سے پہلے مغرب کی نماز نہیں پڑھی۔ جب آپ مزدلفہ پہنچے جسے جمع بھی کہا جاتا ہے، اس وقت آپ ﷺ نے ایک اقامت کے ساتھ دونوں نمازیں جمع کر کے پڑھیں اور مغرب و عشاء کے درمیان کوئی اور نماز نہیں پڑھی۔ بعض اہل علم اسی بات کو ترجیح دیتے ہیں۔ امام سفیان ثوری کا بھی یہی قول ہے۔ وہ کہتے ہیں: اگر کوئی چاہے تو مغرب کی نماز پڑھے، پھر کھانا کھائے اپنے کپڑے درست کرے اور پھر عشاء کی نماز پڑھ لے۔ البتہ بعض اہل علم کا موقف یہ ہے کہ مزدلفہ میں مغرب و عشاء

1 صحیح مسلم: 1288، 2 صحیح مسلم: 1288، 3 صحیح مسلم: (291)-1288



کی نمازوں کو ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ پڑھا جائے۔ پہلے اذان کہی جائے اور اقامت کے بعد نماز مغرب ادا کی جائے، پھر اقامت کہی جائے اور عشاء کی نماز پڑھی جائے۔ یہ امام شافعی رحمہ اللہ کا موقف ہے۔[1]

ہر نماز کے لیے الگ اذان اور الگ اقامت

امام بخاری رحمہ اللہ نے باب باندھا ہے: جو شخص ہر نماز کے لیے الگ اذان اور اقامت کہے۔ اس کے تحت انھوں نے یہ روایت بیان کی ہے کہ عبدالرحمن بن یزید کہتے ہیں: سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حج کیا تو ہم عشاء کے وقت یا اس کے قریب مزدلفہ پہنچے۔ انھوں نے ایک آدمی کو حکم دیا، اس نے اذان اور اقامت کہی، پھر انھوں نے نماز مغرب ادا کی۔ اس کے بعد دو رکعات پڑھیں۔ پھر رات کا کھانا منگوا کر تناول فرمایا، پھر انھوں نے ایک آدمی کو حکم دیا تو اس نے اذان اور اقامت کہی۔ اس کے بعد انھوں نے نماز عشاء کی دو رکعتیں ادا کیں۔ جب فجر طلوع ہوئی تو فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آج کے دن اس نماز کے علاوہ اس مقام پر اس وقت کوئی نماز نہیں پڑھتے تھے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے مزید فرمایا کہ یہ دو نمازیں ہیں جو اپنے وقت سے پھیر دی گئی ہیں: ایک مغرب کی نماز لوگوں کے مزدلفہ پہنچنے پر، دوسری فجر کی نماز جبکہ فجر ظاہر ہو، میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے۔[2]

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے عمل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مزدلفہ میں جب مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع کر کے پڑھی جائیں اور درمیان میں کھانا کھانے یا کسی اور وجہ سے وقفہ آجائے اور لوگ ایک نماز پڑھ کر منتشر ہو جائیں تو پھر دوسری نماز سے قبل اذان اور اقامت الگ کہی جائے گی۔

امام مالک رحمہ اللہ نے اس حدیث کے ظاہری مفہوم کے پیش نظر مزدلفہ میں مغرب وعشاء کے لیے الگ الگ اذان اور اقامت کو مشروع قرار دیا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی یہی موقف اختیار کیا ہے۔[3]

لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ایک اذان اور دو اقامتیں ثابت ہیں جیسا کہ صحیح مسلم میں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں موجود ہے، اس لیے اسے ہی ترجیح دی جائے گی۔[4]

درج بالا روایت میں یہ بھی ہے کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے مغرب کے بعد دو رکعات پڑھیں لیکن یہ ان کا ذاتی فعل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان دو رکعتوں کا نہ پڑھنا ثابت ہے۔ اس بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا عمل افضل اور راجح ہے۔

اس رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک لمحے کے لیے بھی نہیں جاگے۔ یہ عید الاضحیٰ کی رات تھی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دونوں

[1] جامع الترمذي، بعد حديث: 888. [2] صحيح البخاري: 1675. [3] فتح الباري: 3/663. [4] صحيح مسلم: 1218

عیدوں کی راتوں کو جاگنے کے بارے میں کوئی ثبوت نہیں ملتا۔[1]

کمزور لوگوں کو مزدلفہ سے فجر سے پہلے نکلنے کی اجازت

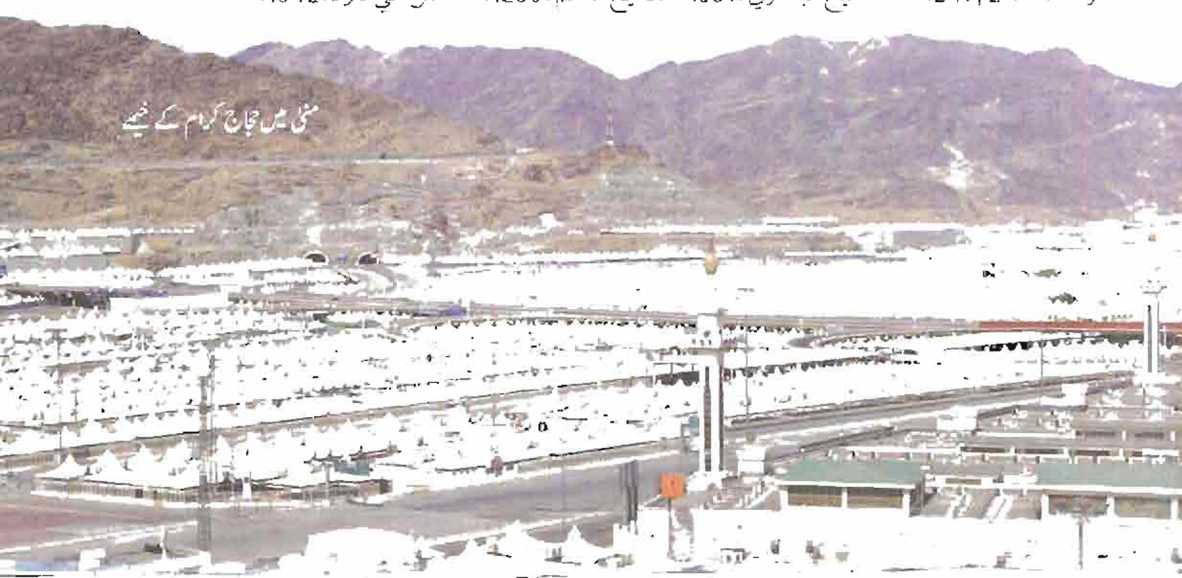
رسول اللہ ﷺ نے مزدلفہ کی رات اپنی بعض کمزور عورتوں اور بچوں کو اس وقت نکلنے کی اجازت دے دی جب چاند چھپ گیا تاکہ وہ طلوع آفتاب سے قبل منیٰ چلے جائیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے باب قائم فرمایا ہے: جو شخص اپنے کمزور اہل خانہ کو رات ہی کو بھیج دے کہ وہ مزدلفہ میں ٹھہریں، دعائیں کریں، پھر جب چاند غروب ہو جائے تو انھیں آگے منیٰ کو روانہ کر دے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ہم مزدلفہ میں ٹھہرے تو سودہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ سے اجازت طلب کی کہ کیا میں لوگوں کے رش سے پہلے چلی جاؤں؟ کیونکہ وہ بہت دھیمی رفتار سے چلتی تھیں۔ آپ نے انھیں اجازت دے دی۔ وہ لوگوں کی بھیڑ سے قبل ہی چلی گئیں جبکہ ہم وہیں ٹھہرے رہے حتی کہ صبح ہوئی تو ہم نماز اور وقوف کے بعد آپ ﷺ کے ساتھ روانہ ہوئے۔ اگر میں بھی سودہ رضی اللہ عنہا کی طرح اللہ کے رسول ﷺ سے اجازت حاصل کر لیتی تو یہ میرے لیے انتہائی خوشی کی بات ہوتی۔[2]

اسی طرح سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو عید کی رات یعنی مزدلفہ والی رات بھیج دیا تو انھوں نے فجر سے قبل جمرہ کی رمی کی، پھر وہ طواف افاضہ کے لیے چلی گئیں۔ اس دن رسول اللہ ﷺ کی باری انھی کے ہاں تھی۔[3]

رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کو بھی مزدلفہ سے جانے کی اجازت مرحمت فرمائی جو پانی پلانے والے اور چرواہے

[1] زاد المعاد: 247/2. [2] صحيح البخاري: 1681، صحيح مسلم: 1290. [3] سنن أبي داود: 1942.



منیٰ میں حجاج کرام کے خیمے

تھے، نیز وہ لوگ بھی فجر سے پہلے نکل گئے جن کے ساتھ ضعفاء اور کمزور عورتیں تھیں۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رات ہی کے وقت مزدلفہ سے منیٰ روانہ کیا تھا۔[1] ایک دوسری روایت میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: میں ان افراد میں سے تھا جنھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ کی رات اپنے اہل خانہ کے کمزور افراد کے ہمراہ پہلے ہی بھیج دیا تھا۔[2]

کمزوروں کے لیے رمی جمرات میں رعایت

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ہم جیسے بنو عبدالمطلب کے لڑکوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گدھوں پر سوار کرکے عام لوگوں سے پہلے بھیج دیا تھا۔ آپ ہماری رانوں کو تھپتھپاتے اور فرماتے تھے:

أبيني! لا ترموا الجمرة حتى تطلع الشمس

''بیٹو! طلوع شمس سے قبل جمرہ کو رمی نہ کرنا۔''

لہٰذا میں نہیں سمجھتا کہ کوئی سورج طلوع ہونے سے قبل بھی رمی کر سکتا ہے۔[3]

اس کے بالمقابل سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام عبداللہ ان کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ وہ مزدلفہ والی رات مزدلفہ کے قریب سواری سے اتریں اور نماز شروع کر دی۔ کچھ نماز پڑھنے کے بعد وہ کہنے لگیں: بیٹے! چاند غروب ہو گیا ہے؟ میں نے کہا: نہیں۔ موصوفہ اور کچھ دیر نماز پڑھتی رہیں، پھر دوبارہ پوچھنے لگیں: بیٹے! چاند غروب ہو گیا؟ میں نے کہا: جی ہاں۔ فرمانے لگیں: پھر چلو۔ ہم چل پڑے حتی کہ انھوں نے جمرہ عقبہ کو رمی کی، پھر واپس آ کر صبح کی نماز پڑھی۔ میں نے کہا: محترمہ! میرا خیال ہے ہم نے سب کچھ اندھیرے میں کر لیا ہے۔ وہ فرمانے لگیں: بیٹے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو اجازت عطا فرمائی ہے۔[4]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اگر سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما نے سورج طلوع ہونے سے قبل رمی توقیفی طور پر (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی روشنی میں) کی ہے تو ان کی روایت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت پر مقدم ہے کیونکہ ان کی حدیث سنداً بھی زیادہ صحیح ہے الا یہ کہ کہا جائے کہ نوجوان لڑکے عورتوں سے زیادہ چست اور چالاک ہوتے ہیں، اس لیے آپ نے نوجوان لڑکوں کو حکم دیا کہ وہ طلوع شمس سے قبل رمی نہ کریں اور عورتوں کو اجازت دی کہ وہ طلوع شمس سے قبل رمی کر لیں، کیونکہ وہ بہت بوجھل ہوتی ہیں۔ مزید برآں انھیں پردے کی بھی ضرورت

[1] صحيح البخاري: 1677 [2] صحيح البخاري: 1678 [3] مسند أحمد 234/1، سنن أبي داود: 1940 [4] صحيح البخاري: 1679، صحيح مسلم: 1291

ہوتی ہے، لہٰذا ان کی رمی اندھیرے ہی میں بہتر ہے۔ واللہ اعلم

لیکن اگر سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے یہ کام اپنی طرف سے کیا ہے تو پھر سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث مقدم ہوگی لیکن پہلے احتمال کی تائید ابوداود کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے رات کے وقت جمرہ کو رمی کی۔ ان سے کہا گیا کہ ہم نے تو رات ہی کو رمی کرلی تو وہ فرمانے لگیں: ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں اسی طرح کیا کرتے تھے۔[1]

سالم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنے کمزور اہل خانہ کو پہلے ہی بھیج دیتے تھے۔ وہ رات کے وقت مزدلفہ میں مشعر حرام کے پاس ٹھہرتے اور حسب استطاعت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہتے، پھر امام کے وقوف شروع کرنے اور لوٹنے سے قبل ہی رات کے آخری حصے میں وہ منیٰ کو چل پڑتے۔ کچھ فجر کی نماز کے وقت منیٰ میں پہنچ جاتے اور کچھ بعد میں پہنچ جاتے۔ جب وہ منیٰ پہنچتے تو جمرہ عقبہ کو رمی کر لیتے۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کے لوگوں کو رخصت دی ہے۔[2]

عروہ بن مضرس کا سوال

عروہ بن مضرس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مزدلفہ میں تھے۔ میں آپ کی خدمت میں پہنچا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں آپ کے پاس بنو طے کے دو پہاڑوں کو عبور کرتا ہوا آ رہا ہوں اور بہت تھک گیا ہوں۔ میں نے اپنی سواری کو بھگا بھگا کر کمزور کر ڈالا۔ اللہ کی قسم! راستے میں جو بھی پہاڑ آیا، میں نے اس پر وقوف کیا ہے۔ کیا میرا حج ہوگیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

1 سنن أبي داود: 1943. 2 صحیح البخاری: 1676.



جمرات کا بیرونی منظر

وقد أفاض قبل ذلك من عرفات ليلا أو نهارا فقد تم حجه وقضى تفثه

''جس آدمی نے ہمارے ساتھ صبح کی نماز مزدلفہ میں پڑھ لی اور ہمارے یہاں سے لوٹنے تک ہمارے ساتھ وقوف کر لیا، بشرطیکہ وہ رات اور دن میں کسی بھی وقت عرفات سے ہو آیا ہو تو اس کا حج مکمل ہو گیا اور مناسک پورے ہو گئے۔''[1]

صبح کی نماز کی ادائیگی

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ عشاء کی نماز ادا کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ لیٹ گئے اور طلوع فجر تک لیٹے ہی رہے، پھر جب صبح عیاں ہو گئی تو آپ ﷺ نے اذان و اقامت کے ساتھ فجر کی نماز پڑھی۔ پھر قصواء اونٹنی پر سوار ہوئے یہاں تک کہ آپ مشعر الحرام کے پاس آ گئے۔ وہاں آپ ﷺ قبلہ رخ ہو کر دعا کرتے رہے اور اللہ کی حمد و ثنا، کبریائی اور تہلیل بیان کرتے رہے، یعنی اللّٰهُ أَكْبَرُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ پڑھتے رہے۔ آپ ﷺ نے اسی طرح وقوف جاری رکھا یہاں تک کہ ہر طرف روشنی پھیل گئی تو آپ طلوع شمس سے پہلے ہی چل پڑے اور فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کو پیچھے سوار کر لیا۔[2]

عبدالرحمٰن بن یزید فرماتے ہیں: میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ کی طرف چلا، پھر ہم مزدلفہ آئے۔ انھوں نے وہاں مغرب و عشاء کی دونوں نمازیں الگ الگ اذان و اقامت سے پڑھیں۔ درمیان میں رات کا کھانا کھایا۔ پھر فجر طلوع ہوتے ہی فجر کی نماز پڑھ لی۔ کوئی کہہ رہا تھا کہ فجر طلوع ہو گئی اور کوئی کہہ رہا تھا کہ نہیں طلوع ہوئی۔ پھر وہ فرمانے لگے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إن هاتين الصلاتين حولتا عن وقتهما في هذا المكان: المغرب والعشاء، فلا يقدم الناس جمعا حتى يعتموا، وصلاة الفجر هذه الساعة»

''یہ دو نمازیں مغرب و عشاء اس جگہ اپنے اصلی وقت سے تبدیل کر دی گئی ہیں کیونکہ لوگ اندھیرا ہونے سے قبل مزدلفہ نہیں پہنچتے۔ اور فجر کی نماز اسی وقت پڑھیں۔''

پھر انھوں نے وقوف کیا حتی کہ خوب روشنی پھیل گئی۔ پھر فرمایا: اگر امیر المؤمنین (عثمان رضی اللہ عنہ) اب چل پڑیں تو صحیح سنت پر عمل ہوگا۔ میں نہیں جانتا کہ ان کی یہ بات پہلے ختم ہوئی یا عثمان رضی اللہ عنہ کی روانگی پہلے عمل میں آ گئی۔ پھر وہ لبیک پڑھتے رہے حتی کہ انھوں نے قربانی کے دن جمرہ عقبہ کو رمی کی۔[3]

[1] مسند أحمد: 4/15، [2] صحيح مسلم: 1218، [3] صحيح البخاري: 1683.

سیدنا عبداللہ بن مسعود اور سیدنا جابر رضی اللہ عنہما کی روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دسویں ذوالحجہ کو صبح کی نماز مزدلفہ میں ادا کرنی چاہیے، البتہ جو کمزور، ناتواں اور مجبور حضرات وخواتین ہوں، انھیں رات کے پچھلے حصے میں جلدی منیٰ جانے کی اجازت ہے اور نماز فجر ادا کرنے کے بعد وہ کنکریاں وغیرہ مار لیں۔ نماز فجر طلوع فجر کے بعد اول وقت میں معمول کے وقت سے کچھ پہلے پڑھ لیں جیسا کہ اس روایت میں ہے۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ مزدلفہ سے طلوع شمس سے پہلے روانہ ہوئے۔[1]

جب رسول اللہ ﷺ مشعر الحرام کے پاس تھے، اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا:

«وَقَفْتُ هٰهُنَا وَالْمُزْدَلِفَةُ كُلُّهَا مَوْقِفٌ وَارْتَفِعُوا عَنْ مُحَسِّرٍ»

''میں نے یہاں (مشعر الحرام) پر وقوف کیا ہے، مزدلفہ سارے کا سارا جائے وقوف ہے، وادی محسر سے اٹھ جاؤ۔''[2]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«هٰذَا قُزَحُ وَهُوَ الْمَوْقِفُ وَجَمْعٌ كُلُّهَا مَوْقِفٌ»

''یہ پہاڑ کی جگہ موقف ہے اور مزدلفہ کا سارا میدان موقف ہے۔''[3]

مشرکین کا عمل

عمرو بن میمون کہتے ہیں: جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مزدلفہ میں فجر کی نماز ادا کی تو اس وقت میں بھی موجود تھا۔ نماز کے بعد آپ ٹھہرے اور فرمایا: مشرکین طلوع آفتاب کے بعد یہاں سے کوچ کرتے تھے اور طلوع آفتاب کے انتظار میں یہ کہتے تھے: اے ثبیر! تو چمک جا، یعنی آفتاب تجھ پر ظاہر ہو، لیکن نبی ﷺ نے ان کی مخالفت کی اور طلوع آفتاب سے پہلے وہاں سے روانہ ہوئے۔[4] اس سے ثابت ہوا کہ مزدلفہ سے منیٰ کے لیے صبح سورج نکلنے سے پہلے روانہ ہونا چاہیے۔

جمرہ کو مارنے کے لیے کنکریاں جمع کرنا

دسویں ذوالحجہ کی صبح رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کو حکم دیا کہ وہ ان کے لیے کنکریاں جمع کریں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آپ ﷺ کے لیے سات چھوٹی چھوٹی کنکریاں اکٹھی کیں اور رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک

1 مسند أحمد: 231/1. 2 صحيح مسلم: 1218، السنن الكبرى للبيهقي: 115/5. 3 مسند أحمد: 156/1، سنن أبي داود: 1935. 4 صحيح البخاري: 1684

پر رکھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

نعم، بأمثال هؤلاء، وإياكم والغلو في الدين، فإنما أهلك من كان قبلكم الغلو في الدين

''ہاں اسی طرح کی، دین میں انتہا پسندی سے بچ کر رہنا۔ بلاشبہ تم سے پہلے قومیں دین میں غلو کی بنا پر ہلاک ہو گئیں۔''[1]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے یہی روایت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے بجائے سیدنا فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کی ہے کہ مجھے نبی ﷺ نے یوم نحر کی صبح ارشاد فرمایا: ''میرے لیے کنکریاں چن کر لاؤ۔'' میں نے نشانہ بازی جیسی چھوٹی چھوٹی کنکریاں چن کر لا دیں۔ آپ نے انھیں اپنے دست مبارک میں پکڑ کر فرمایا: ''واقعی ایسی ہی! غلو سے بچو، تم سے پہلے لوگوں کو دین میں غلو ہی کی وجہ سے ہلاک کر دیا گیا۔''[2]

صحیح ابن خزیمہ اور مسند احمد میں راوی کہتے ہیں کہ مجھے نہیں معلوم کہ مجھے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے بتایا تھا یا فضل بن عباس رضی اللہ عنہ نے۔[3]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کے متعلق یہ وضاحت کی ہے کہ ابن عباس سے یہاں فضل بن عباس رضی اللہ عنہ ہی مراد ہیں۔[4]

مزدلفہ سے منیٰ کی طرف

رسول اللہ ﷺ نے مشعر الحرام سے روانہ ہوتے ہوئے سواری پر اپنے پیچھے سیدنا فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کو سوار کر لیا تھا۔ سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما قریش کے لوگوں کے ساتھ آگے چلے گئے۔ سیدنا فضل رضی اللہ عنہ انتہائی حسین، گورے رنگ والے، وجیہ اور خوبصورت بالوں والے نوجوان تھے۔[5] سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دفعہ فضل بن عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پیچھے سواری پر بیٹھے ہوئے تھے، اتنے میں قبیلہ خثعم کی ایک عورت آئی تو سیدنا فضل رضی اللہ عنہ اس کی طرف دیکھنے لگے اور وہ فضل کی طرف دیکھنے لگی۔ معاً نبی ﷺ نے فضل کا منہ دوسری طرف پھیر دیا۔ اس عورت نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ کا فریضۂ حج جو اس کے بندوں پر عائد ہے، اس نے میرے بوڑھے باپ کو پا لیا ہے مگر وہ سواری پر نہیں بیٹھ سکتا، تو کیا میں اس کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں۔'' یہ واقعہ حجۃ الوداع میں (مزدلفہ سے نکلتے ہوئے) پیش آیا۔[6]

1 مسند أحمد 215/1، سنن ابن ماجه 3029، سنن النسائي: 3059. 2 البداية والنهاية 165/5، السنن الكبرى للبيهقي 127/5. 3 صحيح ابن خزيمة 2868، مسند أحمد 347/1. 4 النكت الظراف 387/4. 5 صحيح مسلم: 1218. 6 صحيح البخاري: 1513، صحيح مسلم: 1334.

ماں کی طرف سے حج

جب رسول اللہ ﷺ مزدلفہ سے منیٰ جا رہے تھے، اسی دوران میں ایک آدمی نے آپ ﷺ سے اپنی والدہ کے بارے میں سوال کیا: اے اللہ کے رسول! میری والدہ نہایت عمر رسیدہ ہے۔ اگر میں اسے سواری پر بٹھاؤں تو وہ نہیں بیٹھ سکے گی، اگر میں اسے باندھ دوں تو ڈر لگتا ہے کہ وہ مر جائے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے فرمایا:

أرأيت لو كان على أمك دين أكنت قاضيه؟

''تمھارا کیا خیال ہے اگر تمھاری والدہ کے ذمے قرض ہو تو کیا تم اسے ادا کرو گے؟''

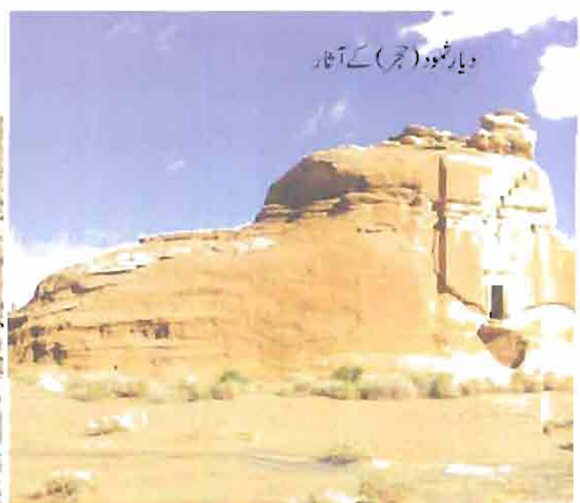
اس آدمی نے کہا: کیوں نہیں، ضرور ادا کروں گا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فحج عن أمك ''تو پھر اپنی والدہ کی طرف سے حج کرو۔''[1]

وادی محسّر میں تیز رفتاری

رسول اللہ ﷺ بڑے آرام اور سکون سے چلتے رہے۔ جب وادی محسّر آئی تو آپ نے اونٹنی کو تیز کر دیا۔ امام ابن قیم رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کی یہ عادت مبارکہ تھی کہ جہاں اللہ کے دشمنوں پر کوئی عذاب نازل ہوا ہوتا، وہاں سے آپ تیزی سے گزرتے تھے۔ وادی محسّر میں اصحاب فیل کو سنگ باری کا نشانہ بنایا گیا اور ان کا ایک ہاتھی آگے بڑھنے سے رک گیا تھا، اسی لیے اسے وادی محسّر کہا جاتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ واقعہ ہمارے لیے بیان فرمایا ہے کہ فیل والوں کو مکہ جانے سے روک دیا گیا تھا۔ آپ ﷺ مقام حجر پر دیار ثمود سے بھی گزرتے ہوئے اسی طرح کپڑے اٹھا کر تیزی سے گزر گئے تھے۔[2]

[1] سنن النسائي، 5398. [2] زاد المعاد 2/255، 256.


طریق اصحاب الفیل


دیار ثمود (حجر) کے آثار

جب آپ ﷺ وادیٔ محسر کو عبور کر چکے تو آپ نے لوگوں کو حکم دیا:

«عَلَيْكُمْ بِحَصَى الْخَذْفِ الَّذِي يُرْمَى بِهِ الْجَمْرَةُ»

''جمرے کو مارنے کے لیے کنکریاں لے لو۔''[1]

پھر آپ ﷺ نے لوگوں کو سکون و اطمینان سے رہنے کا حکم دیا اور فرمایا:

«لِتَأْخُذْ أُمَّتِي نُسُكَهَا، فَإِنِّي لَا أَدْرِي لَعَلِّي لَا أَلْقَاهُمْ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا»

''میری امت کے لوگ مجھ سے مناسک کے احکام سیکھ لیں، میں نہیں جانتا، شاید میں اس سال کے بعد ان سے ملاقات نہ کر سکوں۔''[2]

نبی ﷺ نے یوم نحر جمرہ عقبہ کو کنکریاں ماریں

رسول اللہ ﷺ تلبیہ پکارتے پکارتے جمرہ عقبہ کی طرف بڑھتے رہے۔ صحیح بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بلاشبہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ عرفات سے مزدلفہ تک آپ ﷺ کے ساتھ سوار تھے، پھر آپ ﷺ نے مزدلفہ سے منیٰ تک سیدنا فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کو اپنے پیچھے بٹھا لیا۔ وہ دونوں کہتے ہیں: آپ ﷺ جمرہ عقبہ تک مسلسل تلبیہ پکارتے رہے۔[3] یہاں آ کر آپ نے تلبیہ پڑھنا بند کر دیا۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے نحر (قربانی) والے دن آغاز چاشت کے وقت رمی فرمائی اور باقی دنوں میں زوال کے بعد۔[4]

جمرہ عقبہ کو جمرۂ کبریٰ بھی کہا جاتا ہے۔ اسے جمرہ عقبہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے قریب بیعت عقبہ ہوئی تھی۔ منیٰ میں تین جمرات ہیں جنھیں رمی کی جاتی ہے۔ ان تینوں مقامات پر بطور نشان دیواریں بنا دی گئی ہیں۔ مکہ مکرمہ کی جانب سے یہ جمرات بالترتیب یہ ہیں: جمرۂ کبریٰ (عقبہ)، جمرۂ وسطیٰ اور جمرۂ صغریٰ۔ انھیں مقررہ شرائط کے ساتھ کنکریاں مار کر گویا شیطان مردود کو رجم کیا جاتا ہے۔ یہ سنت ابراہیمی ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اسی جگہ شیطان کے بہکانے کی کوشش پر اُسے کنکریاں ماری تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اللہ کے حکم سے اس سنت کو امت محمدیہ کے لیے بھی جاری کیا۔ اس موقع پر کنکریاں مارنے کا مطلب یہ عہد ہے کہ ہم آئندہ بھی کبھی شیطان کے بہکاوے میں نہیں آئیں گے، اس کی ہمیشہ مخالفت کرتے رہیں گے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت و فرماں برداری

[1] صحیح مسلم، 1282، سنن نسائی، 3060. [2] مسند احمد: 332/3، سنن ابن ماجہ، 3023. [3] صحیح البخاری، 1686. [4] صحیح البخاری، قبل حدیث: 1746، معلقًا.

کو اپنا شیوہ و دوام بنائیں گے۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نشانہ بازی والی سات کنکریوں سے جمرہ کو رمی کرتے تھے۔[1]

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: ''جمرات کی رمی طاق ہوتی ہے۔''[2] ایک دوسری روایت میں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، آپ نے جمرۂ عقبہ کو اتنی بڑی کنکریاں ماریں جتنی بڑی چٹکی (دو انگلیوں) سے ماری جانے والی کنکریاں ہوتی ہیں۔[3]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نحر والے دن سوار ہوکر جمرۂ عقبہ کو رمی فرمائی تھی۔[4]

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ انھوں نے وادی کے نشیبی جانب سے جمرۂ عقبہ کو یکے بعد دیگرے اس طرح سات کنکریاں ماریں کہ بیت اللہ ان کی بائیں جانب تھا اور منیٰ دائیں جانب۔ وہ ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہتے تھے۔ عبدالرحمٰن بن یزید فرماتے ہیں: سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے وادی کے نشیب سے رمی کی تو میں نے کہا: ابو عبدالرحمٰن! کچھ لوگ بالائی جانب سے رمی کرتے ہیں۔ وہ فرمانے لگے: قسم اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں! اس عظیم شخصیت نے اسی جگہ کھڑے ہوکر رمی کی تھی جس پر سورۂ بقرہ نازل ہوئی۔[5]

جمرۂ عقبہ مکہ کی طرف منیٰ کی آخری حد پر واقع ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے رمی کرتے وقت مکہ مکرمہ بائیں جانب اور منیٰ دائیں جانب تھا۔ رمی کرنے کا مسنون طریقہ یہی ہے، البتہ اگر ہجوم کی وجہ سے یا کسی اور عذر کی وجہ سے مکہ مکرمہ کو پچھلی جانب اور منیٰ کو آگے کرکے رمی کی جائے تو یہ بھی جائز ہے۔ اسی طرح بیت اللہ کی طرف منہ کرکے اور منیٰ کو اپنی پچھلی جانب کرکے بھی رمی کی جائے تو کوئی حرج نہیں۔

نیز رسول اللہ ﷺ نے کنکری مارتے وقت اللہ اکبر کہا۔[6] سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس کے علاوہ یہ دعا بھی پڑھتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اهْدِنِي بِالْهُدٰى وَقِنِي بِالتَّقْوٰى، وَاجْعَلِ الْآخِرَةَ خَيْرًا لِّي مِنَ الْأُولٰى.

''اے اللہ! صحیح ترین راستے کی ہدایت عطا فرما، مجھے تقویٰ کے ذریعے اپنے عذاب سے بچا اور میرے لیے بعد والی زندگی پہلی زندگی سے بہتر بنا۔''

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رمی سے فارغ ہونے کے بعد یہ دعا کرتے:

[1] صحیح مسلم: 1299۔ [2] صحیح مسلم: 1300۔ [3] صحیح مسلم: 1299۔ [4] جامع الترمذی: 899۔ [5] صحیح البخاری: 1747، 1748، 1750، وصحیح مسلم: 1296۔ [6] صحیح مسلم: 1218۔

«اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ حَجًّا مَبْرُورًا، وَذَنْبًا مَغْفُورًا، وَسَعْيًا مَشْكُورًا»

''اے اللہ! میرے حج کو حج مبرور، میرے گناہوں کی مغفرت کا ذریعہ اور قابل قدر کوشش بنا دے۔'' [1]

کنکریاں مارتے وقت پرسکون رہنے کی ہدایت

سیدہ ام جندب ازدیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وادی کے نشیب کی طرف سے جمروں کو رمی کرتے دیکھا۔ آپ سوار تھے اور ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر فرماتے تھے۔ ایک شخص آپ کے پیچھے آپ کی حفاظت پر مامور تھا۔ میں نے اس شخص کے بارے میں پوچھا تو مجھے بتایا گیا کہ وہ فضل بن عباس ہیں۔ جب لوگوں کا بہت زیادہ ہجوم ہو گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ! لَا يَقْتُلْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا وَلَا يُصِبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا، وَإِذَا رَمَيْتُمُ الْجَمْرَةَ فَارْمُوهَا بِمِثْلِ حَصَى الْخَذْفِ»

''اے لوگو! ایک دوسرے کو قتل نہ کرو اور ایک دوسرے کو نقصان نہ پہنچاؤ۔ جمروں کو رمی کرتے وقت نشانہ بازی والی کنکریاں استعمال کرو۔'' [2]

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قربانی والے دن اونٹنی پر سوار جمرۂ عقبہ کو رمی کرتے دیکھا، آپ فرما رہے تھے:

«لِتَأْخُذُوا مَنَاسِكَكُمْ، فَإِنِّي لَا أَدْرِي لَعَلِّي لَا أَحُجُّ بَعْدَ حَجَّتِي هٰذِهِ»

''حج کے طریقے مجھ سے سیکھ لو، شاید میں اس حج کے بعد کوئی اور حج نہ کر سکوں۔'' [3]

سیدنا قدامہ بن عبداللہ عامری کلابی سے منقول ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قربانی والے دن دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بھوری اونٹنی پر سوار تھے اور وادی کے نشیبی جانب سے جمرۂ عقبہ کو رمی کر رہے تھے۔ نہ کوئی جانور کو مارتا تھا، نہ بھگاتا تھا اور نہ کوئی ''دور رہو، دور رہو'' کا شور مچاتا تھا۔ [4]

نافع رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما قربانی والے دن اپنے جانور پر سوار ہو کر جمرۂ عقبہ کو رمی کرتے تھے، البتہ باقی دنوں میں پیدل رمی کرنے آتے اور فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی پیدل ہی آیا جایا کرتے تھے۔ [5]

سیدہ ام حصین رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں حج کیا۔

1 عمدة القاري: 377/7. 2 مسند أحمد: 503/3، سنن أبي داود: 1966، سنن ابن ماجه: 3028. 3 صحيح مسلم: 1297، مسند أحمد: 378/3. 4 سنن النسائي: 3063، مسند أحمد: 413/3. 5 مسند أحمد: 138/2.

میں نے آپ کو اس وقت دیکھا جب آپ نے جمرۂ عقبہ کو کنکریاں ماریں اور واپس تشریف لائے۔ آپ ﷺ اپنی سواری پر سوار تھے۔ بلال اور اسامہ آپ کے ساتھ تھے، ان میں سے ایک آگے سے مہار پکڑ کر آپ کی سواری کو ہانک رہا تھا اور دوسرا دھوپ سے بچاؤ کے لیے اپنا کپڑا رسول اللہ ﷺ کے سر مبارک پر تانے ہوئے تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر بہت سی باتیں ارشاد فرمائیں۔[1]

جمرۂ عقبہ کو کنکریاں مارنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نہیں ٹھہرے تھے۔ سالم رحمۃ اللہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ وادی کے نشیب سے جمرۂ عقبہ کو رمی کرتے، پھر اس کے پاس نہ ٹھہرتے، بلکہ لوٹ آتے اور کہتے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے۔[2]

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ کہتے ہیں: اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے کہ جمرۂ عقبہ یعنی آخری جمرے کو کنکریاں مارنے کے بعد دعا مانگنے کے لیے نہیں ٹھہرا جاتا۔[3]

پہلے اور دوسرے جمرے کو کنکریاں مارنے کے بعد دعا کرنا

پہلے دن صرف جمرۂ عقبہ کو کنکریاں ماری جاتی ہیں جبکہ اس کے بعد ایام تشریق میں تینوں جمروں جمرۂ دنیا (صغریٰ)، جمرۂ وسطیٰ اور جمرۂ عقبہ کو سات سات کنکریاں ماری جاتی ہیں۔ جمرۂ دنیا مسجد خیف کے قریب اور مکہ سے دور ہے جبکہ جمرۂ عقبہ مکہ کے قریب اور مسجد خیف سے دور ہے اور جمرۂ وسطیٰ ان دونوں جمروں کے درمیان ہے۔ گیارہ ذوالحجہ کو سب سے پہلے جمرۂ دنیا کو کنکریاں ماری جاتی ہیں۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ قریب والے جمرے کو سات کنکریاں مارتے اور ہر کنکری مارتے

[1] صحیح مسلم 1298 [2] صحیح البخاری 1751 [3] فتح الباری 3/735.

مسجد خیف (منیٰ)



ہوئے اللہ اکبر کہتے۔ پھر آگے بڑھتے اور نرم زمین پر پہنچ کر قبلہ رو کھڑے ہو جاتے اور دیر تک ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے رہتے۔ پھر درمیان والے جمرے کو کنکریاں مارتے۔ اس کے بعد بائیں جانب نرم و ہموار زمین پر چلے جاتے اور قبلہ رو ہو جاتے، پھر دیر تک ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے رہتے اور یوں دیر تک وہاں بھی کھڑے رہتے۔ پھر وادی کے نشیب سے جمرۂ عقبہ کو رمی کرتے لیکن اس کے پاس نہ ٹھہرتے، واپس آجاتے اور فرماتے: میں نے نبی ﷺ کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے۔[1]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پہلے اور دوسرے جمرے کو رمی کرنے کے بعد بائیں جانب ہو کر دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا سنت ہے اور تیسرے جمرے کے بعد دعا کرنا ثابت نہیں۔

یوم النحر کو خطبہ

پھر جب ضحیٰ (چاشت) کا وقت ختم ہوا تو آپ نے جمرات کے پاس اپنی اونٹنی پر خطبہ ارشاد فرمایا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ نے خچر شہباء پر بیٹھ کر لوگوں کو خطبہ ارشاد فرمایا اور سیدنا علی ؓ آپ کے خطبہ مبارک کے الفاظ دہرا کر لوگوں تک پہنچا رہے تھے۔ اس موقع پر کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے اور کچھ کھڑے تھے۔ آپ نے جو خطبہ عرفات کے میدان میں ارشاد فرمایا تھا، وہاں کی کچھ چیزیں یہاں دہرائیں کیونکہ یہاں بھی بہت سے لوگ تھے۔ اس موقع پر بھی آپ نے لوگوں کی جان، ان کے اموال اور عزت کو پامال کرنا حرام قرار دیا، نیز آپ نے قربانی کے دن کی حرمت بیان کی اور سارے شہروں سے زیادہ مکہ کی حرمت کا تذکرہ فرمایا، چنانچہ ابوبکرہ ؓ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَلَا إِنَّ الزَّمَانَ قَدِ اسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهِ يَوْمَ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ، السَّنَةُ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا، مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ، ثَلَاثٌ مُتَوَالِيَاتٌ: ذُو الْقَعْدَةِ وَذُو الْحِجَّةِ وَالْمُحَرَّمُ، وَرَجَبُ مُضَرَ الَّذِي بَيْنَ جُمَادَى وَشَعْبَانَ». ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «أَيُّ يَوْمٍ هٰذَا؟» قُلْنَا: اَللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، فَسَكَتَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ حَتّٰى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ، فَقَالَ: «أَلَيْسَ يَوْمَ النَّحْرِ؟» قُلْنَا: بَلٰى. ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «أَيُّ شَهْرٍ هٰذَا؟» قُلْنَا: اَللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. فَسَكَتَ حَتّٰى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ، فَقَالَ: «أَلَيْسَ ذَا الْحِجَّةِ؟» قُلْنَا: بَلٰى. ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ:

[1] صحيح البخاري: 1751، 1752.

[illegible]؟ قلنا: اللّٰه ورسوله أعلم، فسكت حتى ظننا أنه سيسميه بغير اسمه، فقال:
أليس [illegible]؟ قلنا: بلى. فقال رسول اللّٰه ﷺ: [illegible]

[illegible]

''خبردار! زمانہ گھوم کر اپنی اصلی حالت پر لوٹ آیا ہے، اس دن کی طرح جب اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا فرمایا تھا۔ سال کے بارہ مہینے ہوتے ہیں جن میں چار مہینے حرمت والے ہیں۔ تین لگاتار ہیں: ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم۔ اور (چوتھا) رجب مضر جو جمادی الاولی اور شعبان کے درمیان ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے پوچھا: ''یہ کون سا دن ہے؟'' ہم نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ خاموش رہے۔ ہم نے سمجھا شاید آپ اس کے مشہور نام کے سوا کوئی اور نام رکھیں گے۔ لیکن پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا یہ قربانی کا دن نہیں ہے؟'' ہم نے عرض کیا: کیوں نہیں؟ یہ قربانی ہی کا دن ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ کون سا مہینہ ہے؟'' ہم نے کہا: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ پھر آپ ﷺ خاموش ہو گئے۔ ہم نے خیال کیا کہ شاید آپ اس کے مشہور نام کے سوا کوئی اور نام رکھنا چاہتے ہیں لیکن آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کیا یہ ذوالحجہ کا مہینہ نہیں؟'' ہم نے کہا: کیوں نہیں؟ اس کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''یہ کون سا شہر ہے؟'' ہم نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ بدستور خاموش رہے۔ ہم سمجھے کہ آپ اس شہر کا کوئی اور نام رکھنا چاہتے ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا: ''کیا یہ مکہ مکرمہ نہیں ہے؟'' ہم نے کہا: جی ہاں! یہ مکہ ہی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بے شک تمھارے خون، تمھارے اموال اور تمھاری آبرو ایک دوسرے پر اسی طرح محترم ہیں جس طرح تمھارا یہ دن، یہ مہینہ اور یہ شہر تمھارے لیے مقدس و محترم ہے۔ عنقریب تم اپنے رب سے ملو گے۔ وہ تم سے تمھارے اعمال کے متعلق باز پرس کرے گا، خبردار! تم میرے بعد کافر و گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔ سنو! یہاں جو لوگ موجود ہیں، وہ غیر موجود لوگوں تک یہ باتیں پہنچا دیں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ بعد میں سننے والے بعض لوگ اس وقت میری باتیں سننے والے کچھ لوگوں سے زیادہ یاد رکھنے

والے ہوں۔ آگاہ رہو، کیا میں نے بات پہنچا دی ہے؟‘‘[1]

اس خطبے میں آپ نے یہ بھی فرمایا

«ألا إنما هن أربع: أن لا تشركوا بالله شيئا، ولا تقتلوا النفس التي حرم الله إلا بالحق، ولا تزنوا، ولا تسرقوا»

’’خبردار! چار چیزیں ہیں (جو ایمان کا حصہ ہیں): اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ جسے قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے، اسے ہرگز قتل نہ کرو مگر حق کے ساتھ۔ زنا نہ کرو۔ اور فضول خرچی نہ کرو۔‘‘[2]

مزید فرمایا:

«ألا إني فرطكم على الحوض أنظركم، وإني مكاثر بكم الأمم فلا تسودوا وجهي، ألا وقد رأيتموني وسمعتم مني، وستسألون عني، فمن كذب علي فليتبوأ مقعده من النار، ألا وإني مستنقذ رجالا أو أناسا، ومستنقذ مني آخرون، فأقول: يا رب! أصحابي، فيقال: إنك لا تدري ما أحدثوا بعدك»

’’خبردار! میں حوض پر تمھارا پیش رو ہوں، (گویا) تمھیں دیکھ رہا ہوں۔ بلاشبہ میں تمھاری کثرت کی بنا پر دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔ سو تم مجھے شرمندہ مت کروانا۔ خبردار! تم نے مجھے دیکھ بھی لیا ہے اور میری گفتگو بھی سن لی ہے۔ بہت جلد تم سے میرے متعلق سوال ہوگا۔ سو جس نے مجھ پر کوئی جھوٹ باندھا، وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے۔ سنو! میں کچھ افراد کو (جہنم سے) چھڑاؤں گا اور کچھ لوگ مجھ سے چھین لیے جائیں گے (اور جہنم میں بھیج دیے جائیں گے)۔ میں کہوں گا: اے میرے رب! یہ میرے ساتھی ہیں۔ تب مجھ سے کہا جائے گا: آپ کو نہیں معلوم، انھوں نے آپ کے بعد کیا کیا نئے کرتوت کیے تھے۔‘‘[3]

رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

«ألا لا يجني جان إلا على نفسه، ولا يجني والد على ولده، ولا مولود على والده، ألا إن الشيطان قد أيس أن يعبد في بلدكم هذا أبدا، ولكن ستكون له طاعة في بعض ما تحتقرون من أعمالكم فسيرضى به»

1 صحيح البخاري: 4406، و 1739، و 1741، وصحيح مسلم: 1679، ومسند أحمد: 5/37. 2 مسند أحمد: 4/339.
3 مسند أحمد: 5/412.

''خبردار! جرم کا ذمہ دار صرف مجرم ہی ہوگا۔ باپ کے جرم کی ذمہ داری بیٹے پر اور بیٹے کے جرم کی ذمہ داری باپ پر عائد نہیں ہوگی۔ آگاہ رہو! شیطان اس بات سے مایوس ہوگیا ہے کہ تمھارے اس شہر میں اب کبھی اس کی عبادت ہوگی لیکن بعض اعمال میں جنھیں تم حقیر سمجھتے ہو اس کی اطاعت کی جائے گی اور وہ اس پر راضی ہو جائے گا۔''[1]

اس کے بعد آپ ﷺ نے مزید فرمایا:

[illegible]

''لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو، پانچوں نمازیں ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو، اپنے مال کی زکاۃ ادا کرو اور اپنے امیر کی اطاعت کرو، تم اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔''[2]

آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''اللہ اس شخص کو تروتازہ رکھے جو میری بات سن کر آگے پہنچاتا ہے۔ بہت سے علم و فقہ کے حامل ایسے ہوتے ہیں جو درحقیقت دانا اور فقیہ نہیں ہوتے۔ اور بہت سے علم و فقہ کے حامل اپنے سے زیادہ دانا اور فقیہ کو پہنچاتے ہیں۔ تین باتوں میں مومن کا دل خیانت نہیں کرسکتا: اللہ کے لیے اخلاص عمل میں، مسلمانوں کے امراء کی خیر خواہی میں اور ان کی جماعت کو لازم پکڑنے میں کیونکہ ان کی دعا دوسروں کو بھی شامل ہوتی ہے۔''[3]

اسی طرح نبی ﷺ نے خطبے میں یہ بھی فرمایا:

[illegible]

''اگر کالے غلام کو بھی تمھارا امیر بنا دیا جائے جو اللہ کی کتاب کے ذریعے تمھاری قیادت کرے تو تم اس کی بات سننا اور اطاعت کرنا۔''[4]

1 سنن ابن ماجہ، 3055، جامع الترمذی: 2159 2 مسند احمد 251/5، جامع الترمذی: 616 3 سنن ابن ماجہ: 3056 4 صحیح مسلم: 1298

آپ نے لوگوں کو حج کے مناسک سکھائے اور انھیں دوسروں تک پہنچانے کا حکم دیا۔ سیدنا عبدالرحمن بن معاذ تیمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہمیں منیٰ میں رسول اللہ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا۔ (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) ہمارے کان کھول دیے گئے۔ ہم اپنی اپنی جگہوں پر تھے اور وہ سب کچھ سن رہے تھے جو آپ فرما رہے تھے۔[1] اسی موقع پر آپ ﷺ نے لوگوں کو الوداع کہا، اسی وجہ سے لوگ اسے حجۃ الوداع کہتے ہیں۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ اپنے حج میں قربانی کے دن جمرات کے درمیان کھڑے ہوئے اور ارشاد فرمایا: «هٰذَا يَوْمُ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ» ''یہ حج اکبر کا دن ہے۔'' اس کے بعد نبی ﷺ بار بار ارشاد فرما رہے تھے «اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ» ''اے اللہ! تو گواہ رہنا۔'' آپ ﷺ نے اس حج میں لوگوں کو الوداع کیا، اس لیے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس حج کو ''حجۃ الوداع'' کے نام سے موسوم کیا۔[2]

اس موقع پر نبی اکرم ﷺ نے دجال کا بھی تذکرہ کیا جیسا کہ ایک دوسری روایت میں ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

كُنَّا نَتَحَدَّثُ بِحَجَّةِ الْوَدَاعِ، وَالنَّبِيُّ ﷺ بَيْنَ أَظْهُرِنَا، وَلَا نَدْرِي مَا حَجَّةُ الْوَدَاعِ، فَحَمِدَ اللّٰهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ، ثُمَّ ذَكَرَ الْمَسِيحَ الدَّجَّالَ فَأَطْنَبَ فِي ذِكْرِهِ، وَقَالَ: «مَا بَعَثَ اللّٰهُ مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا أَنْذَرَ أُمَّتَهُ، أَنْذَرَهُ نُوحٌ وَالنَّبِيُّونَ مِنْ بَعْدِهِ، وَإِنَّهُ يَخْرُجُ فِيكُمْ، فَمَا خَفِيَ عَلَيْكُمْ مِنْ شَأْنِهِ فَلَيْسَ يَخْفَى عَلَيْكُمْ، أَنَّ رَبَّكُمْ لَيْسَ عَلَى مَا يَخْفَى عَلَيْكُمْ، ثَلَاثًا، إِنَّ رَبَّكُمْ لَيْسَ بِأَعْوَرَ، وَإِنَّهُ أَعْوَرُ عَيْنِ الْيُمْنَى، كَأَنَّ عَيْنَهُ عِنَبَةٌ طَافِيَةٌ، أَلَا إِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا فِي شَهْرِكُمْ هٰذَا، أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟» قَالُوا: نَعَمْ، قَالَ: «اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ، ثَلَاثًا، وَيْلَكُمْ أَوْ وَيْحَكُمْ، انْظُرُوا، لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ»

''ہم حجۃ الوداع کے متعلق گفتگو کرتے تھے جبکہ نبی اکرم ﷺ ہم میں موجود تھے، تاہم ہمیں حجۃ الوداع کے مفہوم کا پتہ نہیں تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی، پھر دجال کا خوب تفصیل سے تذکرہ کیا اور فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے جتنے بھی انبیاء بھیجے ہیں، انھوں نے اپنی اپنی امت کو دجال سے ڈرایا ہے۔ نوح علیہ السلام نے بھی اور ان کے بعد آنے والے انبیاء نے بھی اپنی امتوں کو ڈرایا۔ یاد رکھو وہ تم ہی میں نکلے

[1] سنن ابی داود: 1957 [2] صحیح البخاری: 1742

گا۔ اور اس (کے جھوٹے ہونے) کی کوئی بات تم سے مخفی رہ بھی گئی تو تم پر یہ مخفی نہ رہے کہ تمھارا رب اس ہیئت وصورت پر نہیں جو تم پر مخفی رہے۔ (آپ ﷺ نے یہ بات تین مرتبہ بیان فرمائی) بے شک تمھارا رب کانا نہیں جبکہ دجال دائیں آنکھ سے کانا ہے۔ اس کی آنکھ انگور کے دانے جیسی ہوگی۔ خبردار! اللہ تعالیٰ نے تم پر تمھارے خون اور اموال اسی طرح حرام کیے ہیں جیسے اس دن کی حرمت اس شہر اور اس مہینے میں ہے۔ تو کیا میں نے بات پہنچا دی؟" صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جواب دیا کہ ہاں آپ نے حق ادا کر دیا ہے۔ آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا: "اے اللہ! تو گواہ رہنا۔" پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "تم پر افسوس! تم میرے بعد کافر نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارتے رہو۔"[1]

فضالہ بن عبید انصاری کی روایت میں رسول اللہ ﷺ کے خطبے کے یہ الفاظ بھی منقول ہیں:

هٰذا يوم حرام وبلد حرام فدماؤكم وأموالكم وأعراضكم عليكم حرام مثل هذا اليوم وهذا البلد إلى يوم تلقونه وحتى دفعة دفعها مسلم مسلما يريد بها سوءا و سأخبركم من المسلم؟ المسلم من سلم الناس من لسانه ويده و(أخبركم عن) المؤمن، من أمنه الناس على أموالهم وأنفسهم و(أخبركم من) المهاجر؟ من هجر (السيئات و) الخطايا والذنوب والمجاهد من جاهد نفسه في طاعة الله

"آج حرمت والا دن ہے اور یہ شہر بھی حرمت والا ہے۔ پس تمھارے خون، اموال اور تمھاری عزتیں تم پر اسی طرح حرام ہیں جس طرح یہ دن اور یہ شہر ہے۔ یہ حرمت اس دن تک ہے جس دن تم اپنے رب سے ملو گے۔ کسی مسلمان کو برے ارادے سے دھکا دینا بھی حرام ہے (یعنی چھوٹی سے چھوٹی زیادتی کرنا بھی روا نہیں ہے)۔ میں تمھیں بتاتا ہوں کہ مسلمان کون ہے۔ مسلمان وہ ہوتا ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے لوگ محفوظ رہیں اور میں تمھیں بتاتا ہوں کہ مومن کون ہوتا ہے۔ مومن وہ ہے جس سے لوگ اپنے جان و مال کے بارے میں بے خوف ہوں۔ میں تمھیں بتاؤں کہ مہاجر کسے کہتے ہیں؟ مہاجر وہ ہے جو برائیوں، خطاؤں اور گناہوں سے کنارہ کش رہے۔ اور حقیقی مجاہد وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے معاملے میں اپنے نفس (کی خواہشات) سے جہاد کرتا ہے۔"[2]

سیدنا ابومالک اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں:

[1] صحيح البخاري: 4403,4402. [2] مسند البزار: 206/9، مجمع الزوائد: 268/3

[illegible]

''ایک مسلمان کی دوسرے مسلمان پر حرمت آج کے دن کی حرمت کی طرح ہے، لہٰذا ایک مسلمان اپنے دوسرے مسلمان بھائی کی غیبت کر کے اس کا گوشت مت کھائے، اس کی عزت کو تار تار نہ کرے۔ نہ اس کے چہرے پر طمانچہ مارے، نہ اس کا خون بہائے، نہ اس کا مال ہتھیائے اور نہ اسے دکھ دے کر تکلیف پہنچائے۔''[1]

اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ کی روایت میں متن خطبہ کے اضافی الفاظ یہ ہیں:

[illegible]

''اللہ تعالیٰ نے سب تنگیاں ختم کر دی ہیں سوائے اس آدمی کے جو کسی مسلمان کی آبرو ریزی کرتا ہے۔ یہی وہ شخص ہے جو تنگی اور ہلاکت میں پڑتا ہے۔'' پھر فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے ہر بیماری کا علاج نازل کیا ہے سوائے بڑھاپے کے۔''[2]

عمرو بن خارجہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں متن خطبہ کے اضافی الفاظ یہ ہیں:

[illegible]

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے وراثت میں ہر حقدار کا حصہ مقرر کر دیا ہے، لہٰذا وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں۔ خبردار! بچہ بستر والے (خاوند) کا شمار کیا جائے گا اور زانی کو پتھر مارے جائیں گے۔ سن لو! جس نے کسی غیر شخص کو اپنا باپ قرار دیا یا جس نے اپنے موالی (آزاد کنندگان) سے بے رغبت ہو کر کسی اور کو اپنا آقا و مولیٰ (آزاد کرنے والا) سمجھا، اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔''[3]

1 المعجم الكبير للطبراني 293/3، رقم: 3444- مجمع الزوائد: 268/3، یہ روایت ضعیف ہے۔ 2 البداية والنهاية (محقق، دار ابن كثير): 271/5 3 مسند احمد: 186/4

پھر آپ ﷺ نے انصار و مہاجرین کو ان کے منیٰ میں ٹھہرنے کے مقامات بتائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: لينزل المهاجرون هاهنا ''مہاجرین اس جگہ پڑاؤ ڈالیں۔'' آپ نے ان کے لیے قبلے کی دائیں جانب اشارہ کیا اور فرمایا: والأنصار هاهنا ''اور انصار اس طرف پڑاؤ ڈالیں۔'' پھر آپ ﷺ نے ان کے لیے قبلے کی بائیں جانب اشارہ کیا، پھر فرمایا: ثم لينزل الناس حولهم ''بقیہ لوگوں کو چاہیے کہ وہ ان کے اردگرد پڑاؤ ڈال لیں۔'' خود آپ ﷺ نے امام کے مصلے کی بائیں جانب منیٰ میں پڑاؤ ڈالا۔[1] پھر آپ ﷺ سے آپ کے لیے ایک عمارت بنانے کے بارے میں پوچھا گیا جو آپ کو دھوپ سے بچائے تو آپ نے فرمایا: لا، منى مناخ من سبق ''نہیں، منیٰ اس شخص کے لیے اونٹ بٹھانے (اور قیام کرنے) کی جگہ ہے جو پہلے (یہاں) پہنچ جائے۔''[2]

منیٰ میں قربانیاں کرنا

رسول اللہ ﷺ جمرہ کو کنکریاں مارنے اور خطبہ ارشاد فرمانے کے بعد منیٰ کے اندر قربان گاہ پہنچے۔ وہاں آپ ﷺ نے تریسٹھ اونٹ اپنے مبارک ہاتھوں سے نحر کیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

نحرت هاهنا ومنى كلها منحر فانحروا في رحالكم وكل أيام التشريق ذبح

''میں نے یہاں اونٹ نحر کیے ہیں اور منیٰ سارا قربان گاہ ہے۔ تم اپنے مقامات پر نحر کرو، اور تمام ایام تشریق ذبح کے ایام ہیں۔''[3]

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی بن ابی طالب کو قربانی کے جانوروں میں شریک فرمایا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ یمن سے اور رسول اللہ ﷺ مدینہ سے جو جانور لائے تھے، ان کی تعداد ایک سو تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے تریسٹھ اونٹ نحر فرمائے۔[4]

امام ابن حبان اور دیگر فرماتے ہیں: قربانیوں کی تعداد کی مناسبت سے رسول اللہ ﷺ کی عمر تریسٹھ برس ہے۔[5]

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اونٹ قربان کرتے وقت اس کا بایاں پاؤں باندھ دیتے اور اسے کھڑا کر کے نحر کرتے۔[6] سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا گیا کہ وہ ایک شخص کے پاس پہنچے، وہ اپنی قربانی کے اونٹ کو بٹھا کر نحر کر رہا تھا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اسے کھڑا کر کے باندھو (پھر نحر کرو)، یہ

[1] سنن أبي داود: 1951. [2] سنن أبي داود: 2019، سنن ابن ماجه: 3007. [3] صحيح مسلم: 1218، السنن الكبرى للبيهقي: 239/5، مسند أحمد: 82/4. [4] صحيح مسلم: 1218. [5] صحيح ابن حبان: 250/9، البداية والنهاية: 167/5. [6] سنن أبي داود: 1767.

محمد ﷺ کی سنت ہے۔[1]

حجۃ الوداع میں سو اور صلح حدیبیہ میں ستر اونٹ نحر فرمائے

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے حج میں سو اونٹ نحر فرمائے۔ ساٹھ اپنے دست مبارک سے اور باقی آپ کے حکم سے نحر کیے گئے۔ آپ نے ہر جانور سے ایک ایک بوٹی لی۔ سب کو جمع کر کے ایک ہنڈیا میں پکایا گیا۔ کچھ بوٹیاں آپ ﷺ نے کھائیں اور باقی کا شوربہ پی لیا۔ حدیبیہ کے موقع پر بھی آپ ﷺ نے ستر اونٹ نحر کیے تھے۔ ان میں ابوجہل والا اونٹ بھی شامل تھا۔ جب ان جانوروں کو بیت اللہ تک پہنچنے سے روک دیا گیا تو وہ اس طرح روتے تھے جیسے اونٹنی اپنے بچے کو یاد کر کے روتی ہے۔[2]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«اقسم لحومها وجلالها وجلودها بين الناس ولا تعطين جزارا منها شيئا وخذ لنا من كل بعير حذية من لحم ثم اجعلها في قدر واحدة حتى نأكل من لحمها ونحسو من مرقها»

''قربانیوں کے گوشت، چمڑے اور جل (پالان) کو مساکین میں تقسیم کر دو اور قصائی کو بطور اجرت اس میں سے کچھ نہ دو، اور ہر قربانی سے گوشت کا ایک ٹکڑا لے کر ایک ہنڈیا میں پکاؤ تاکہ ہم یہ گوشت کھائیں اور شوربہ پئیں۔''[3]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مجھے رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ میں آپ کے قربانی کے جانوروں کی نگرانی کروں۔ ان کے گوشت، چمڑے اور جھولیں (پالان) صدقہ کر دوں اور یہ چیزیں ذبح کرنے والوں کو بطور اجرت نہ دوں۔ فرمایا: «نحن نعطيه من عندنا» ''اجرت ہم اپنے پلّے سے دیں گے۔''[4]

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے پہلے جمرۂ عقبہ کو رمی کی، پھر قربانی کی، بعدازاں سر منڈایا۔[5]

ازواج مطہرات کی طرف سے گائے کی قربانی

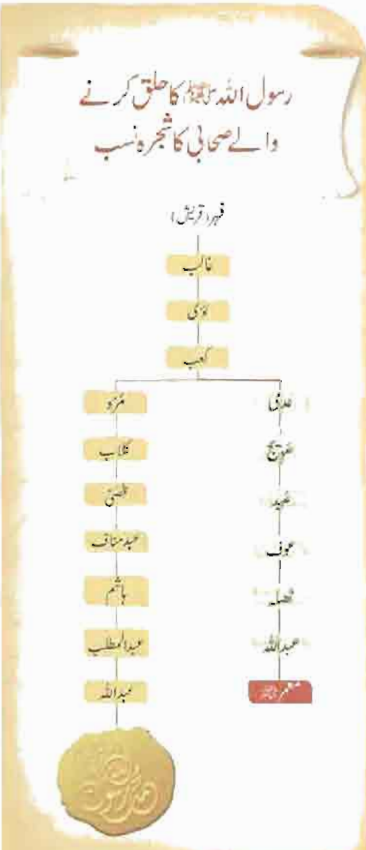
اس موقع پر رسول اکرم ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کی طرف سے گائے کی قربانی کی کیونکہ وہ بھی آپ کے ساتھ حج تمتع کر رہی تھیں اور ان کے لیے بھی قربانی کرنا ضروری تھا۔ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ

1 صحيح البخاري: 1713 2 مسند أحمد 314/1 نبی ﷺ نے اپنے دست مبارک سے جو اونٹ نحر کیے تھے، اس میں ان کی تعداد 60 ذکر ہوئی ہے لیکن یہ روایت ضعیف ہے۔ یہ تعداد 63 تھی جیسا کہ صحیح مسلم کے حوالے سے گزرا ہے۔ 3 مسند أحمد 260/1.
4 صحيح البخاري: 1707، صحيح مسلم: 1317 5 مسند أحمد 250/1

قربانی کے دن ہمارے سامنے گائے کا گوشت لایا گیا تو میں نے پوچھا: یہ گوشت کیسا ہے؟ لانے والے نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں کی طرف سے قربانی کی ہے۔[1] ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے اپنی سب ازواج کی طرف سے ایک ہی گائے ذبح کی تھی۔[2]

سنن کبریٰ نسائی میں جو یہ بیان ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تمام ازواج کی جانب سے ایک ایک گائے ذبح کی۔[3] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے شاذ اور گزشتہ روایات کے مخالف قرار دیا ہے۔[4]

پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی اپنی قربانیاں ذبح کیں اور سات سات افراد کی طرف سے ایک ایک اونٹ ذبح کیا گیا اور سات سات افراد ہی نے ایک ایک گائے ذبح کی۔[5] ایسا اس بنا پر کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں حج کی نیت کو عمرے میں بدلنے کا حکم دیا تھا، چنانچہ لوگوں نے ایک دوسرے کو قربانی میں شریک کر لیا۔ جن کے پاس ہدی نہیں تھی، آپ نے ان کے بارے میں فرمایا:



فمن لم يكن معه هدي فليصم ثلاثة أيام في الحج وسبعة إذا رجع إلى أهله

''جو قربانی کی استطاعت نہ رکھتا ہو، وہ تین روزے ایام حج میں اور سات روزے اپنے گھر پہنچ کر رکھے۔''[6]

رسول اللہ ﷺ نے حلق کرایا

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے حج کے موقع پر سر مبارک منڈایا تھا۔[7]

رسول اللہ ﷺ جب قربانیوں سے فارغ ہوئے تو آپ نے حجام کو بلایا۔ اس نے آپ کا حلق کیا۔ حلق کرنے والے حجام کا نام معمر بن عبداللہ العدوی رضی اللہ عنہ تھا۔[8] انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجام سے فرمایا: ''یہ (بال) لو۔''

[1] صحيح البخاري: 1709. [2] سنن أبي داود: 1750. [3] السنن الكبرى للنسائي: 4115. [4] فتح الباري: 696/3.
[5] صحيح مسلم: 1318. [6] صحيح البخاري: 1691، صحيح ابن خزيمة: 2926. [7] صحيح البخاري: 1726. [8] شرح صحيح مسلم للنووي: 46/9، فتح الباري: 562/3.

پھر اپنے مبارک ہاتھ سے اپنی دائیں جانب اس طرح اشارہ کیا، یعنی پہلے دائیں جانب سے شروع کرو، پھر آپ نے اپنے بال قریب کھڑے ہوئے لوگوں میں تقسیم فرما دیے۔ پھر حجام کو بائیں طرف اشارہ کیا کہ اب بائیں جانب سے سر مونڈو۔ حجام نے آپ ﷺ کا سر مونڈ دیا تو آپ نے اپنے بال سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کو عطا فرما دیے۔ ایک روایت میں ہے: حجام نے دائیں جانب سے سر مونڈنا شروع کیا تو آپ نے ایک ایک دو دو بال لوگوں کو عطا فرما دیے، پھر آپ نے بائیں طرف سے حجامت بنانے کا اشارہ کیا۔ حجام نے اس طرف سے بھی سر مونڈ دیا۔ پھر آپ نے فرمایا: ها هنا أبو طلحة؟ ''ابوطلحہ کہاں ہیں؟'' پھر آپ نے اپنے موئے مبارک ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے حوالے فرما دیے۔[1]

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے سر منڈانے کے بعد بال ابوطلحہ کو دے دیے اور فرمایا: اقسمه بين الناس ''ان کو لوگوں میں تقسیم کر دو۔''[2] سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب سر منڈایا تو ابوطلحہ رضی اللہ عنہ پہلے شخص تھے جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کے مبارک بال حاصل کیے۔[3]

ایک دوسری روایت میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب رسول اللہ ﷺ نے حجام سے حلق کرانے کا ارادہ فرمایا تو حلق کے بعد ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے ایک پہلو کے بال لے لیے اور اپنی اہلیہ سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کے سپرد کر دیے۔ سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا جب کوئی خوشبو تیار کرتیں تو ان مبارک بالوں کو اس خوشبو میں ڈبو دیتی تھیں۔[4]

صحیح مسلم میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس وقت دیکھا جب آپ ﷺ حجام سے حلق کرا رہے تھے اور لوگ آپ ﷺ کے گرد جمع تھے، چنانچہ آپ کا جو بھی موئے مبارک گرتا تو وہ کسی کے ہاتھ ہی میں گرتا تھا۔[5] محمد بن عبداللہ بن زید اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ وہ اور ایک انصاری رسول اللہ ﷺ کے پاس قربان گاہ میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے قربانی کا گوشت تقسیم فرمایا، لیکن اس میں سے مجھے اور میرے انصاری ساتھی کو کچھ نہیں ملا، پھر آپ ﷺ نے سر کے بال منڈائے اور ان بالوں کو اپنے کپڑے میں جمع کیا، پھر آپ نے وہ بال مجھے بھی عطا فرمائے اور لوگوں میں بھی تقسیم فرمائے۔ پھر آپ ﷺ نے اپنے ناخن کتروائے، وہ میرے ساتھی کو عنایت کر دیے۔[6]

حلق کرانے والوں کے لیے بار بار دعا

نبی ﷺ کے ساتھیوں نے بھی بال منڈائے، یعنی حلق کرایا لیکن بعض نے حلق کے بجائے قینچی سے بال کتروائے۔

1 صحیح مسلم: 1305. 2 صحیح مسلم: (326)-1305. 3 صحیح البخاری: 171. 4 مسند احمد: 3/146.
5 صحیح مسلم: 2325. 6 مسند احمد: 4/42.

اس موقع پر آپ ﷺ نے حلق کرانے والوں کے لیے دعا فرمائی۔ سیدنا عبداللہ بن عمر اور سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا فرمائی: «اللّٰهُمَّ ارْحَمِ الْمُحَلِّقِينَ» ''اے اللہ! سر منڈانے والوں پر رحم فرما۔'' لوگوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! بال کتروانے والوں پر بھی رحم کی دعا فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «اللّٰهُمَّ ارْحَمِ الْمُحَلِّقِينَ» ''اے اللہ! سر منڈانے والوں پر رحم فرما۔'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے پھر عرض کی: اے اللہ کے رسول! بال کتروانے والوں پر بھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! سر منڈانے والوں پر رحم فرما۔'' صحابہ نے پھر عرض کی: بال کتروانے والوں پر بھی۔ تب آپ ﷺ نے بال کتروانے والوں کے لیے بھی یہ دعا فرمائی: «وَالْمُقَصِّرِينَ» ''اے اللہ! بال کتروانے والوں پر بھی رحم فرما۔''[1]

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حج یا عمرے کے موقع پر ہر چند بال کتروانا جائز ہے لیکن محبوب اور افضل عمل بال منڈانا ہی ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے منڈانے والوں کے لیے تین مرتبہ رحمت و مغفرت کی دعا فرمائی ہے۔ مذکورہ دعائیہ کلمات آپ ﷺ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر بھی کہے اور حجۃ الوداع کے موقع پر بھی، جیسا کہ سیدہ ام حصین رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر بال منڈانے والوں کے لیے تین مرتبہ دعا فرمائی جبکہ بال ترشوانے والوں کے لیے صرف ایک دفعہ دعا فرمائی۔[2]

رسول اللہ ﷺ سے عرض کی گئی کہ آپ نے بال منڈانے والوں کے لیے تین دفعہ اور ترشوانے والوں کے لیے صرف ایک دفعہ دعا کیوں کی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: «إِنَّهُمْ لَمْ يَشُكُّوا» ''منڈانے والوں نے کسی قسم کا تردد نہیں کیا (بلکہ میرا حکم ماننے میں پہل کی ہے)۔''[3]

عورتوں کے لیے بال منڈانا جائز نہیں، وہ صرف اپنی چٹیا کے چند بال (ایک پورے کے برابر) کاٹ لیں۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «لَيْسَ عَلَى النِّسَاءِ الْحَلْقُ، إِنَّمَا عَلَى النِّسَاءِ التَّقْصِيرُ» ''عورتوں کو بال منڈانا نہیں چاہیے بلکہ صرف ترشوانا چاہیے۔''[4]

طواف افاضہ سے پہلے خوشبو لگانا

امام بخاری رحمہ اللہ نے رسول اللہ ﷺ کے خوشبو استعمال کرنے کے حوالے سے یہ باب قائم کیا ہے: ''جمرات کو رمی کے بعد خوشبو لگانا اور طواف زیارت سے پہلے سر منڈانا۔'' سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے خود اپنے ہاتھوں

[1] صحیح البخاری: 1727، 1728، صحیح مسلم: 1301، 1302. [2] صحیح مسلم: 1303. [3] سنن ابن ماجہ: 3045.
[4] سنن ابی داود: 1984

سے رسول اللہ ﷺ کو اس وقت خوشبو لگائی جب آپ ﷺ نے احرام باندھنے کا ارادہ فرمایا۔ اسی طرح اس وقت خوشبو لگائی جب آپ نے طواف زیارت سے پہلے احرام کھولا اور آپ ﷺ احرام کی پابندی سے آزاد ہوئے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ حدیث بیان کرتے وقت اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دیے۔[1]

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے یہ عنوان اس طرح ثابت کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مزدلفہ سے منیٰ لوٹے تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کے ساتھ نہیں تھیں اور یہ بھی ثابت ہے کہ آپ ﷺ جمرۂ عقبہ کو رمی کرنے تک سوار رہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ سیدہ نے آپ کو رمی کے بعد خوشبو لگائی ہوگی، اس لیے رمی اور حلق کے بعد خوشبو لگائی جا سکتی ہے، البتہ عورتوں سے صحبت جائز نہیں، وہ طواف زیارت کے بعد جائز ہوگی۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب تم جمرۂ عقبہ کی رمی سے فارغ ہو جاؤ تو تمھارے لیے عورتوں کے علاوہ ہر چیز حلال ہے۔ وہ طواف کے بعد حلال ہوں گی۔ ایک آدمی کہنے لگا: اے ابو العباس! کیا خوشبو لگانا بھی جائز ہے؟ تو ابن عباس رضی اللہ عنہما کہنے لگے: میں نے رسول اللہ ﷺ کو سر میں کستوری لگاتے ہوئے دیکھا، مجھے اس کی مہک آ رہی تھی۔ کیا یہ خوشبو نہیں؟[2]

لیکن احرام کھولنے کی اجازت مشروط ہے کہ شام سے پہلے پہلے طواف زیارت کر لیا جائے۔ اگر شام تک طواف نہ کر سکے تو احرام کی پابندیاں لوٹ آئیں گی جیسا کہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ دس ذوالحجہ کو شام کے وقت جب رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے تو میرے پاس سیدنا وہب بن زمعہ قمیص پہنے ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا: ''ابو عبداللہ! کیا تم نے طواف افاضہ کر لیا ہے؟'' انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! میں طواف افاضہ نہیں کر سکا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو پھر اپنی قمیص اتار دو۔'' وہب فرماتے ہیں: جب میں نے قمیص اتار دی تو آپ نے فرمایا: ''اس دن تمھیں رخصت دی گئی ہے کہ جمرۂ عقبہ کی رمی کے بعد تم عورتوں (سے صحبت) کے سوا ہر قسم کی پابندی سے آزاد ہو لیکن اگر تم شام سے پہلے پہلے طواف نہ کر سکو تو تم پر احرام کی پابندیاں آ جائیں گی یہاں تک کہ تم طواف افاضہ کر لو۔''[3]

ادائے مناسک حج میں ترتیب ضروری نہیں

رسول اللہ ﷺ نے یوم النحر کو کنکریاں مارنے کے بعد قربانی کی، پھر حلق کرایا۔ بعد میں طواف افاضہ کیا لیکن ان چاروں امور میں تقدیم و تاخیر، یعنی ترتیب کے بدلنے سے بھی مناسک حج ادا ہو جاتے ہیں اور ایسا کرنا جائز

[1] صحيح البخاري: 1754. [2] سنن النسائي: 3086، السنن الكبرى للبيهقي: 136/5. [3] سنن أبي داود: 1999.

ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ لوگوں کے لیے منیٰ میں ٹھہرے رہے۔ وہ آپ ﷺ سے مسائل پوچھ رہے تھے۔ ایک آدمی آیا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا کہ پہلے کیا کرنا ہے۔ میں نے قربانی کرنے سے پہلے ہی سر منڈا لیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اذبح ولا حرج ''اب قربانی کرلو، کوئی حرج نہیں۔'' پھر ایک اور آدمی آیا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! مجھے پتہ نہیں چلا اور میں نے رمی کرنے سے پہلے ہی قربانی کردی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ارم ولا حرج ''کوئی حرج نہیں اب رمی کرلو۔'' رسول اللہ ﷺ سے تقدیم و تاخیر کے اعتبار سے جب بھی کوئی امر پوچھا گیا، آپ ﷺ نے یہی فرمایا: افعل ولا حرج ''اب کرلو، کوئی حرج نہیں۔''[1]

ابن عمرو رضی اللہ عنہ ہی سے ایک دوسری روایت میں ہے کہ میں نے سنا کہ اس روز نبی ﷺ سے ان اعمال کے بارے میں جن میں آدمی بھول سکتا ہے یا لاعلم رہ سکتا ہے، بعض امور کی تقدیم و تاخیر یا ان سے ملتی جلتی باتوں کے بارے میں پوچھا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے یہی فرمایا: اب کرلو، کوئی حرج نہیں۔[2]

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ سے ان تینوں کاموں (طواف افاضہ کے علاوہ سر منڈانے، رمی کرنے اور قربانی) کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے یہی فرمایا: ''اب کرلو، کوئی حرج نہیں۔''[3]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نبی ﷺ سے ذبح کرنے، سر منڈانے، کنکریاں مارنے اور تقدیم و تاخیر کے متعلق عرض کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: لا حرج ''کوئی حرج نہیں۔''[4]

ایک دوسری روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: نبی ﷺ سے قربانی کے دن منیٰ کے میدان میں (تقدیم و تاخیر سے متعلق) دریافت کیا جاتا تو آپ یہی فرماتے کہ کوئی حرج نہیں۔ چنانچہ ایک شخص نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ میں نے قربانی کرنے سے پہلے ہی سر منڈا لیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اذبح ولا حرج ''اب ذبح کرلو، کوئی حرج نہیں۔'' پھر اس نے کہا: میں نے شام ہونے کے بعد رمی کی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی حرج نہیں۔''[5]

بعض دوسری روایات میں ہے کہ ایک نے آپ سے پوچھا: میں نے طواف پہلے کیا، رمی بعد میں کی۔ ایک اور نے پوچھا: میں نے قربانی سے پہلے طواف کرلیا ہے۔ آپ ﷺ نے ان کے جواب میں یہی فرمایا: کوئی حرج نہیں۔[6]

بعض حضرات کے نزدیک دسویں تاریخ کے مناسک میں ترتیب واجب ہے اور اس کے برعکس کرنے پر دم واجب ہے لیکن یہ موقف صحیح نہیں، اور صریح احادیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے ناقابل التفات ہے۔

1 صحیح مسلم: 1306۔ 2 صحیح مسلم: (328)-1306۔ 3 صحیح مسلم: (330)-1306۔ 4 صحیح البخاری: 1734۔ 5 صحیح البخاری: 1735۔ 6 فتح الباری: 721,720/3۔

طوافِ افاضہ

رسول اللہ ﷺ حلق کرانے کے بعد بیت اللہ کی طرف گئے اور وہاں طوافِ افاضہ کیا۔ امام ابوداود رحمہ اللہ نے اپنی مراسیل میں امام زہری رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ جب جمرۂ عقبہ کو کنکریاں مار چکے تو پھر آپ قربان گاہ کی طرف تشریف لے گئے۔ وہاں آپ نے قربانیاں کیں، پھر اپنے سر کا حلق کرایا، پھر وہاں سے فوراً طوافِ افاضہ کے لیے چلے گئے۔[1]

اس طواف کو جو منیٰ سے واپس آ کر کیا جاتا ہے، طوافِ افاضہ، طوافِ زیارت اور طوافِ فرض یا رکن کہا جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے سواری پر طواف کیا، اس کے بعد آپ نے سعی نہیں کی کیونکہ آپ متمتع نہیں تھے اور آپ ﷺ نے آتے ہی طوافِ قدوم کے ساتھ سعی کر لی تھی، البتہ جو شخص حج تمتع کرتا ہے، وہ آتے ہی عمرہ کرتا ہے جس میں سعی ایک رکن ہے اور پھر طوافِ افاضہ کے ساتھ بھی سعی کرتا ہے کیونکہ یہ سعی حج کا رکن ہے۔ آپ ﷺ نے چونکہ حج والی سعی پہلے کر لی تھی، اس لیے آپ نے اس طواف کے ساتھ سعی نہیں فرمائی۔ اس طواف میں آپ نے رمل بھی نہیں فرمایا۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے طوافِ افاضہ میں رمل نہیں کیا۔[2]

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے قربانی کے دن طوافِ افاضہ کیا، پھر واپس آ کر ظہر کی نماز منیٰ میں ادا کی۔[3]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر بیت اللہ کا طواف اپنے اونٹ پر سوار ہو کر کیا۔ آپ دور سے حجر اسود کا استلام کر رہے تھے مبادا لوگوں کو تکلیف ہو۔[4]

ایک دوسری روایت میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ہم حجۃ الوداع کے سال آپ ﷺ کے ساتھ عمرے کا احرام باندھ کر نکلے ..... حدیث کے آخر میں سیدہ کہتی ہیں کہ جنھوں نے عمرے کے لیے احرام باندھ رکھا تھا، انھوں نے بیت اللہ کا طواف اور صفا و مروہ کی سعی کی اور پھر حلال ہو گئے۔ پھر منیٰ سے واپسی کے بعد انھوں نے اپنے حج کے لیے ایک اور سعی کی، البتہ جنھوں نے حج کے لیے احرام باندھا تھا یا جنھوں نے عمرہ و حج جمع کیا تھا، یعنی حج قران یا حج مفرد کے لیے احرام باندھا تھا، انھوں نے صرف ایک ہی سعی کی۔[5]

جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم نے صفا و مروہ کی صرف ایک ہی سعی کی۔[6]

1 المراسيل لأبي داود: 160، السنن الكبرى للبيهقي 144/5. 2 السنن الكبرى للنسائي 4170، سنن ابن ماجه 3060. 3 صحيح مسلم: 1308. 4 صحيح مسلم: 1274. 5 صحيح البخاري 1556، صحيح مسلم 1211.
6 صحيح مسلم: 1215.

حافظ ابن کثیر ؒ کہتے ہیں: اس روایت میں وہ صحابہ کرام مراد ہیں جو قربانی کے جانور ساتھ لائے تھے اور وہ قارن تھے۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں صراحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدہ عائشہ ؓ سے فرمایا: ''تیری یہ سعی تیرے حج وعمرہ دونوں کے لیے کافی ہے۔'' اس وقت سیدہ عائشہ عمرے کے ساتھ حج شامل کرکے قارنہ بن چکی تھیں۔[1] لیکن امام احمد بن حنبل ؒ اور ان کے متبعین کے نزدیک سیدنا جابر ؓ کا یہ قول قران کرنے والوں کو بھی شامل ہے اور تمتع کرنے والوں کو بھی۔ اسی لیے امام احمد نے صراحت فرمائی ہے کہ تمتع کرنے والے کو بھی حج وعمرہ دونوں کے لیے ایک ہی سعی کافی ہے، چاہے وہ ان کے درمیان حلال بھی ہو چکا ہو۔ یہ قول غریب ہے اور اس کی دلیل حدیث کے ظاہری عام لفظ ہیں۔ واللہ اعلم۔ جبکہ امام ابوحنیفہ ؒ کے اصحاب متمتع کے علاوہ قارن کے لیے بھی دو طواف اور دو سعی کے قائل ہیں۔ ایک عمرے کے لیے، دوسرا حج کے لیے۔ قارن کے بارے میں ان کا یہ قول بھی غریب ہے جسے انھوں نے سیدنا علی ؓ سے موقوفاً نقل کیا ہے۔ اگرچہ یہ ان سے مرفوعاً بھی مروی ہے مگر ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں کہ اس قول کی سندیں ضعیف اور صحیح احادیث کے خلاف ہیں۔[2] واللہ اعلم

اور مالکیہ وشافعیہ کے نزدیک متمتع دو طواف اور دو سعی کرے گا جبکہ قارن اور افراد کرنے والا ایک سعی کرے گا۔ جمہور اہل علم کا بھی یہی قول ہے۔

ظہر کی نماز مکہ میں یا منیٰ میں؟

رسول اللہ ﷺ نے دس ذوالحجہ کو ظہر کی نماز بیت اللہ میں ادا کی یا منیٰ میں؟ اس سلسلے میں سیدنا عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے دس ذوالحجہ کو ایک طواف کیا، اس کے بعد قیلولہ فرمایا، پھر منیٰ چلے گئے۔[3]

سیدنا ابن عمر ؓ ہی سے یہ روایت مرفوعاً اور موقوفاً دونوں طرح ثابت ہے۔ گویا ابن عمر ؓ نے خود بھی ایسا کیا اور رسول اللہ ﷺ کا عمل بھی بتا دیا۔ البتہ مرفوع روایت میں ہے کہ جب آپ وہاں سے لوٹے تو ظہر کی نماز منیٰ میں ادا فرمائی۔ صحیح مسلم میں ابن عمر ؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے قربانی کے دن طواف افاضہ کیا، پھر واپس منیٰ آکر ظہر کی نماز ادا کی۔[4]

اس کے برعکس سیدنا جابر ؓ کی روایت میں ہے کہ آپ نے ظہر کی نماز مکہ میں ادا کی۔[5]

اسی طرح سیدہ عائشہ ؓ کہتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے دن کے پچھلے پہر ظہر پڑھ لینے کے بعد طوافِ افاضہ

1 صحیح مسلم: 1211، سنن ابی داود: 1897 2 البدایۃ والنہایۃ: 172،171/5. 3 صحیح البخاری: 1732 4 صحیح مسلم: 1308 5 صحیح مسلم: 1218.

کیا۔ پھر آپ ﷺ منیٰ چلے گئے اور وہاں ایام تشریق کی راتیں گزاریں۔ آپ سورج ڈھلنے کے بعد ہر جمرے کو سات سات کنکریاں مارتے اور ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہتے تھے۔[1]

محب الدین طبری نے ان روایتوں کے درمیان یوں تطبیق دی ہے: ممکن ہے کہ آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ یا منیٰ میں اکیلے نماز ظہر پڑھی ہو، پھر دوسرے مقام پر اپنے صحابہ کو نماز باجماعت پڑھائی ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آپ نے منیٰ میں اپنے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو ظہر کی نماز پڑھائی ہو، پھر آپ ﷺ نے بیت اللہ کا طواف زیارت کیا ہو اور وہاں پھر اپنے ان صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو جنھوں نے ابھی تک نماز نہ پڑھی ہو، نماز ظہر باجماعت پڑھائی ہو۔[2]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما اور سیدنا جابر رضی اللہ عنہما کی روایات بیان کر کے لکھا ہے کہ یہ دونوں روایات صحیح مسلم کی ہیں۔ ایک توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ آپ نے ظہر کی نماز مکہ میں پڑھی، پھر منیٰ میں واپس آئے، لوگ آپ کا انتظار کر رہے تھے، لہٰذا آپ نے انھیں دوبارہ ظہر کی نماز پڑھا دی۔ واللہ اعلم

آپ کا ظہر کے وقت منیٰ میں پہنچنا ممکن ہے کیونکہ وہ گرمی کا موسم تھا اور دن لمبا تھا، اگرچہ اس دن کے شروع میں رسول اللہ ﷺ سے بہت سے افعال صادر ہوئے۔ آپ اس دن فجر کی نماز کے بعد خوب روشنی پھیل جانے پر طلوع شمس سے پہلے مزدلفہ سے منیٰ کو چلے۔ منیٰ آنے کے بعد آپ نے جمرۂ عقبہ کی رمی کی، پھر منیٰ میں آ کر آپ ﷺ نے تریسٹھ اونٹ اپنے دست مبارک سے نحر کیے۔ باقی سینتیس اونٹ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے نحر کیے۔ پھر ہر اونٹ سے ایک ایک ٹکڑا کاٹ کر گوشت پکایا گیا۔ پک جانے کے بعد آپ نے گوشت کھایا اور شوربا پیا۔ اس دوران آپ ﷺ نے حجامت بھی کرائی اور خوشبو بھی لگوائی۔ ان کاموں سے فارغ ہو کر آپ بیت اللہ جانے کے لیے سوار ہوئے، پھر اس دن آپ نے ایک عظیم الشان خطاب بھی فرمایا۔

جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے علم نہیں کہ یہ خطاب بیت اللہ کی طرف روانگی سے قبل ہوا یا مکہ سے منیٰ واپسی کے بعد۔

خیر! آپ نے بیت اللہ پہنچنے کے بعد سوار ہو کر سات چکر لگائے۔ اس کے بعد صفا اور مروہ کے درمیان سعی نہیں کی، جیسا کہ صحیح مسلم میں سیدنا جابر اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے۔ پھر آپ نے زمزم کا پانی پیا بلکہ زمزم کے پانی میں بنا ہوا کھجور کا نبیذ نوش فرمایا۔ یہ تمام باتیں اس قول کو قوی قرار دیتی ہیں کہ آپ نے ظہر کی نماز مکہ میں پڑھی جیسا کہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ ظہر کے آخری وقت میں منیٰ پہنچ گئے ہوں اور آپ نے صحابہ کو دوبارہ ظہر کی نماز پڑھا دی ہو۔[3]

1 سنن أبي داود، 1973. 2 عمدة القاري: 347/7. 3 صحيح مسلم، 1218، البداية والنهاية: 170،169/5، مزید دیکھیے زاد المعاد: 280/2-283، مرعاة المفاتيح: 43/9-45

رسول اللہ ﷺ نے طواف افاضہ کس وقت کیا؟

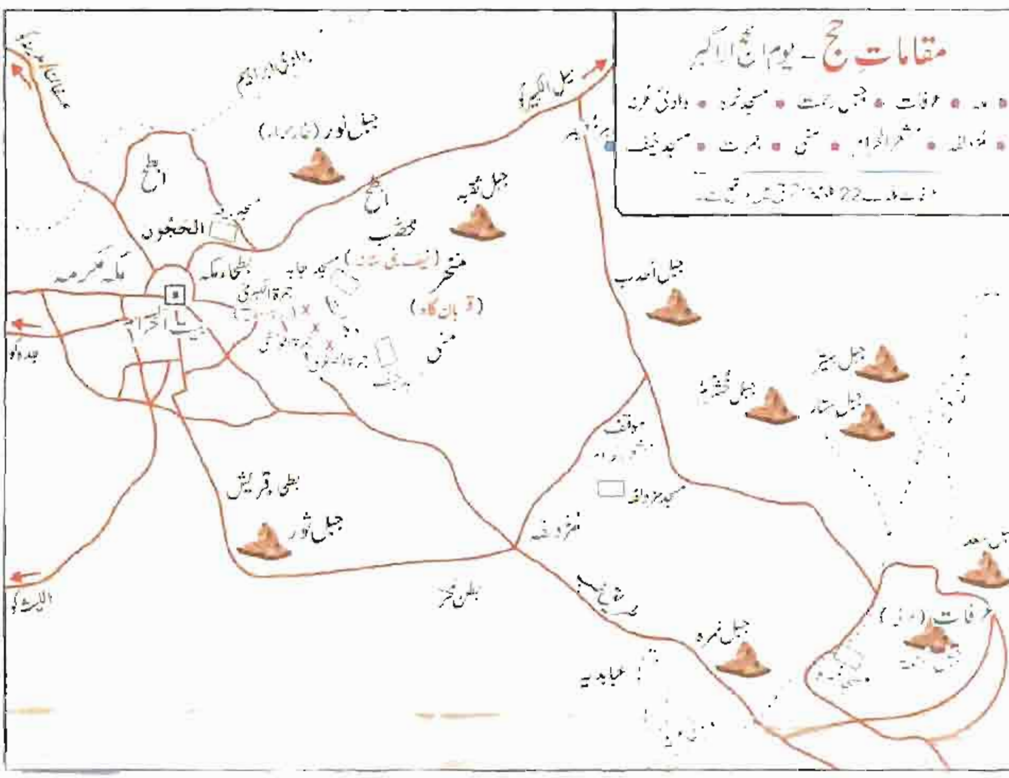
نبی ﷺ نے حلق کرانے کے فوراً بعد طواف کیا۔ البتہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ابو زبیر کی روایت بیان کی ہے جو انھوں نے سیدہ عائشہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بیان کی ہے کہ نبی ﷺ نے طواف زیارت کو رات تک مؤخر کیا تھا۔[1]

رسول اللہ ﷺ نے دس ذوالحجہ کو ظہر کے وقت طواف زیارت کیا جیسا کہ قبل ازیں بیان ہو چکا ہے۔ البتہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایات جن میں رسول اللہ ﷺ کے رات کو طواف کرنے کا تذکرہ ہے، ان سے مراد دیگر ایام منیٰ میں طواف کرنا ہے۔ اسی لیے امام بخاری نے ان دونوں روایات میں تعارض دور کرنے کے لیے ابوحسان کی یہ روایت بیان کی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ ایام منیٰ میں طواف زیارت کیا کرتے تھے۔[2]

اس کا مطلب یہ ہے کہ دسویں تاریخ کو رسول اللہ ﷺ نے دن کے وقت طواف زیارت کیا جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عمر اور سیدنا جابر رضی اللہ عنہم نے بیان کیا ہے اور باقی ایام منیٰ یعنی گیارہویں، بارہویں اور تیرہویں کے دن آپ ﷺ نے رات کے وقت بیت اللہ کا طواف کیا جیسا کہ ابوحسان رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ذکر کیا ہے۔[3]

اس کے علاوہ امام ابوحاتم ابن حبان رحمہ اللہ نے ان دونوں روایات میں یوں تطبیق دی ہے کہ ایک دفعہ آپ نے

1 صحيح البخاري، قبل الحديث: 1731، وسنن أبي داود: 2000، وجامع الترمذي: 920، ومسند أحمد: 288/1. 2 صحيح البخاري، قبل الحديث: 1731. 3 فتح الباري: 716/3



رمیِ جمار اور قربانی کے بعد طواف زیارت کیا اور پھر منیٰ تشریف لے گئے۔ وہاں ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں پڑھیں اور تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد دوبارہ ایک اور طواف کیا۔[1]

ایک اور طرح بھی تطبیق دی گئی ہے جس میں صراحت ہے کہ نبی ﷺ نے دن کے پہلے وقت میں اپنا طواف افاضہ کیا اور پھر آپ ﷺ اپنی بیویوں کے ہمراہ ایک مرتبہ پھر طواف کے لیے تشریف لے گئے۔ ابن جریج نے طاؤس سے اور وہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ وہ صبح کے وقت طواف افاضہ کریں اور خود آپ نے اپنی ازواج کے ساتھ رات کو طواف کیا جبکہ آپ اپنی سواری پر سوار تھے۔[2]

طواف کے بعد آپ ﷺ نے اپنے اونٹ کو بٹھایا اور دو رکعتیں ادا کیں۔[3]

زم زم

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے زم زم نوش فرمایا۔

قریش نے بیت اللہ سے متعلقہ خدمات کو تقسیم کر رکھا تھا جس کی تفصیل سیرت انسائیکلو پیڈیا: 336,335/1 میں گزر چکی ہے۔ ان میں سے حجاج کرام کو پانی پلانے کا انتظام عبدالمطلب کے بیٹے سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے ذمے تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے دور جاہلیت کے اس نظام کو برقرار رکھا اور زمزم کے کنویں کا انتظام و انصرام سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے پاس رہنے دیا۔ وہ زمزم کے پانی میں کشمش بھگوتے اور نبیذ بنا کر حجاج کو پلاتے تھے۔ زمزم کا خالص پانی بھی پلایا جاتا تھا۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جب حج کے ایام آئے، رسول اللہ ﷺ زمزم پلانے کی جگہ تشریف لائے اور پانی طلب فرمایا تو سیدنا عباس نے اپنے بیٹے فضل رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اپنی ماں کے پاس جاؤ اور رسول اللہ ﷺ کے لیے مشروب لاؤ۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «اسقني» ''مجھے اسی سے پلاؤ۔'' عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! لوگ اس میں ہاتھ ڈالتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «اسقني» ''تم مجھے اسی میں سے پلاؤ۔'' چنانچہ آپ نے اس میں سے پیا، پھر آپ چشمہ زمزم کے پاس تشریف لائے، وہاں لوگ پانی پلانے کا کام کر رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«اعملوا فإنكم على عمل صالح، ثم قال: لولا أن تغلبوا لنزلت حتى أضع الحبل على هذه، يعني عاتقه، وأشار إلى عاتقه.»

''اپنے کام میں مصروف رہو، تم اچھا کام کر رہے ہو۔'' پھر فرمایا: ''اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تم مغلوب ہو جاؤ

1 صحيح ابن حبان: 195/9، 2 الطبقات لابن سعد: 182/2، 3 سنن أبي داود: 1881.

گے تو میں یقیناً سواری سے اتر کر رسی اپنے یہاں (کندھے پر) رکھ لیتا۔" یہ بات ارشاد فرماتے ہوئے آپ نے اپنے کندھے کی طرف اشارہ کیا۔"[1]

مغلوب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اگر میں اتر کر خود پانی کھینچوں گا تو لوگ مجھے دیکھ کر پانی کھینچنے کے لیے دوڑے آئیں گے اور تمھارے کام میں رکاوٹ ہوگی۔ پھر یہ بھی خدشہ ہے کہ کہیں لوگ اسے مناسک حج میں سے نہ سمجھ بیٹھیں۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ بنو عبدالمطلب نے نبی ﷺ کو زمزم کا ڈول پیش کیا۔ آپ ﷺ نے اس سے پانی پیا، پھر اس میں سے کچھ زمزم کے کنویں میں انڈیل دیا، پھر آپ ﷺ نے اسی پانی سے وضو بھی کیا۔[2]

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پھر رسول اللہ ﷺ سوار ہو کر بیت اللہ کی طرف چلے، طواف کے بعد ظہر کی نماز مکہ میں پڑھی، پھر بنو عبدالمطلب کے پاس تشریف لے گئے۔ وہ زمزم پر حاجیوں کو پانی پلا رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "بنو عبدالمطلب! شاباش پانی نکالو۔ اگر مجھے یہ خدشہ نہ ہوتا کہ لوگ تم پر ہجوم کریں گے اور تمھیں پانی نہ پلانے دیں گے تو میں خود تمھارے ساتھ مل کر ڈول نکالتا۔" پھر انھوں نے آپ ﷺ کو پانی سے بھرا ہوا ڈول دیا اور آپ نے اس میں سے کچھ نوش فرمایا۔[3]

بکر بن عبداللہ مزنی کہتے ہیں کہ میں کعبے کے پاس سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ ایک اعرابی آیا اور ان سے کہنے لگا کہ تمھارے چچازاد بھائیوں نے دودھ اور شہد کی سبیلیں لگا رکھی ہیں، تم صرف نبیذ پلا رہے ہو! ایسا تمھاری کسی ضرورت کی وجہ سے ہے یا بخل دامن گیر ہے؟ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: الحمد للہ، نہ ہمیں کوئی حاجت لاحق ہے نہ بخل۔ اصل بات یہ ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کو نبیذ پلائی تھی اور آپ نے ہماری تحسین فرمائی تھی اور یہ عمل جاری رکھنے کی تلقین کی تھی، اس لیے ہم آپ ﷺ کے حکم کے مطابق وہی عمل جاری رکھے ہوئے ہیں۔[4]

کھڑے ہو کر زم زم پینا

رسول اللہ ﷺ نے زمزم کھڑے ہو کر نوش فرمایا۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو زمزم پلایا۔ آپ نے اسے کھڑے ہو کر نوش فرمایا۔ لیکن عکرمہ رحمہ اللہ نے قسم کھا کر کہا کہ رسول اللہ ﷺ اس دن اونٹ پر سوار تھے۔[5]

[1] صحيح البخاري: 1635. [2] صحيح مسلم: 1218، صحيح ابن حبان: 3944، مسند أحمد: 1/372، 76. [3] صحيح مسلم: 1218، سنن أبي داود: 1905، سنن ابن ماجه: 3074. [4] صحيح مسلم: 1316. [5] صحيح البخاري: 1637.

علمائے کرام نے جو کہا ہے کہ آپ ﷺ سوار تھے، اس کا مقصد یہ ہے کہ آپ نے کھڑے ہو کر پانی نہیں پیا بلکہ آپ تو اس دن اونٹ پر سوار تھے۔ تاہم سنن ابی داود کی روایت میں ہے کہ طواف کے بعد آپ ﷺ نے اپنی سواری کو بٹھایا، دو رکعتیں ادا کیں، بعد ازاں زمزم نوش فرمایا۔[1] کھڑے ہو کر پانی پینے کی ممانعت میں بکثرت روایات وارد ہیں جبکہ درج بالا روایت اور کئی دوسری روایات سے کھڑے ہو کر پینے کا جواز ملتا ہے۔

نبی ﷺ نے بیت اللہ پر غلاف چڑھایا

سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حج کے اس موقع پر بیت اللہ پر غلاف چڑھایا۔[2]

رسالت کی گواہی دینے والا بچہ

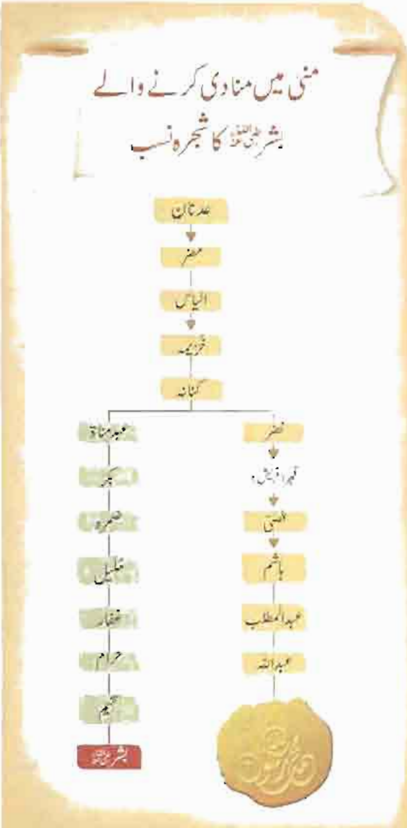
سیدنا معرض بن معیقیب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حجۃ الوداع کے موقع پر حج کیا۔ میں مکہ کے ایک گھر میں داخل ہوا تو وہاں میں نے رسول اللہ ﷺ کا چہرۂ مبارک دیکھا۔ آپ ﷺ کا چہرہ پورے چاند کی طرح چمک رہا تھا۔ میں نے اس دوران میں ایک عجیب واقعہ دیکھا۔ اہل یمامہ کا ایک شخص ایک دن کا بچہ لے کر حاضر ہوا۔ وہ بچہ ایک کپڑے میں لپٹا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے اسے مخاطب کرتے فرمایا: ''اے بچے! میں کون ہوں؟'' اس بچے نے معا جواب دیا: آپ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''تو نے سچ کہا۔ اللہ تجھے برکت سے نوازے۔'' اس کے بعد اس بچے نے کوئی کلام نہ کیا یہاں تک کہ وہ بڑا ہو گیا۔ راوی کہتے ہیں: ہم لوگ اسے ''یمامہ کا بابرکت بچہ'' کے نام سے موسوم کرتے تھے۔[3]

ایک دوسرا واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک عورت آپ ﷺ کے پاس اپنا بچہ لے کر آئی اور کہنے لگی: اے اللہ کے رسول! جس دن سے یہ پیدا ہوا ہے، اس نے آج تک کوئی بات نہیں کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے میرے قریب کرو۔'' پھر آپ ﷺ نے اس سے پوچھا: ''میں کون ہوں؟'' اس نے فوراً جواب دیا: آپ اللہ کے رسول ہیں۔[4]

رسول اللہ ﷺ نے منیٰ میں ایام تشریق بسر فرمائے

طواف افاضہ کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ منیٰ میں تشریف لے گئے۔ آپ نے ایام تشریق کے تین دن منیٰ

[1] سنن أبي داود، حديث: 1881 [2] الطبقات لابن سعد: 148/1 [3] دلائل النبوة للبيهقي: 59/6 [4] دلائل النبوة للبيهقي: 61/6



میں گزارے۔ سورج ڈھلنے کے بعد آپ روزانہ ہر جمرے کو سات کنکریاں مارتے اور ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر بھی پڑھتے تھے۔[1]

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا بشر بن سحیم رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ منیٰ میں لوگوں کے پاس جا کر یہ منادی کریں:

[illegible]

''جنت میں مسلمان شخص کے سوا کوئی داخل نہیں ہو سکے گا اور یہ ایام (تشریق) کھانے پینے کے دن ہیں۔''[2]

مسعود بن حکم انصاری زرقی اپنی والدہ سے بیان کرتے ہیں کہ میں علی رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کے سفید خچر پر سوار دیکھ رہی ہوں جب وہ انصار کے پڑاؤ میں ٹھہر کر یہ کہہ رہے تھے: اے لوگو! رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

[illegible]

''یہ روزے رکھنے کے دن نہیں بلکہ یہ کھانے پینے اور اللہ کا ذکر کرنے کے دن ہیں۔''[3]

یہی اعلان کرنے کے لیے آپ ﷺ نے سیدنا سعد بن ابی وقاص، کعب بن مالک اور اوس بن حدثان رضی اللہ عنہم کو بھی بھیجا تھا۔[4]

چرواہوں اور سقایہ کے لیے رخصت

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ سے اس امر کی اجازت طلب کی کہ پانی پلانے کے انتظامات کے لیے وہ منیٰ کی راتیں مکہ مکرمہ میں بسر کریں تو آپ نے انھیں اجازت دے دی۔[5] اسی طرح عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اونٹوں کے چرواہوں کو (منیٰ سے باہر) رات گزارنے کی رعایت دی کہ وہ قربانی کے دن رمی کریں، پھر قربانی کے بعد دو دن کی رمی اکٹھی

1 سنن أبي داود: 1973. 2 سنن ابن ماجه: 1720، مسند الطيالسي: 1396. 3 مسند أحمد: 92/1، السنن الكبرى للنسائي: 2887. 4 صحيح مسلم: 1142، مسند أحمد: 169/1 و 174. 5 صحيح بخاري: 1745

کسی ایک دن (گیارہ یا بارہ تاریخ کو) کرلیں۔ اس کے بعد واپسی کے دن (تیرہ ذوالحجہ کو) رمی کرلیں۔[1]

حسب ضرورت یہ اجازت عام ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی مجبوری ہو اور اس کا کوئی دوسرا حل نہ نکل سکتا ہو تو اس صورت میں منیٰ سے باہر رات گزاری جاسکتی ہے لیکن جمہور علماء کے نزدیک ایام تشریق کی راتیں منیٰ میں بسر کرنا ضروری ہیں کیونکہ یہ عمل مناسک حج میں سے ہے اور مناسک حج پر عمل کرنا واجب ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان دنوں فرمایا تھا: «خذوا عنی مناسککم» ''مجھ سے حج کے طریقے سیکھ لو۔''[2] بغیر کسی وجہ کے یا سستی اور کاہلی کی بنا پر منیٰ سے باہر رات گزارنے پر دم لازم ہوسکتا ہے۔

منیٰ میں سب حجاج کے لیے نماز قصر

رسول اللہ ﷺ نے حج کے دوران میں عرفہ، مزدلفہ اور منیٰ کے ایام میں نماز قصر ہی پڑھائی جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور سیدنا ابوبکر و سیدنا عمر رضی اللہ عنہما منیٰ میں دو دو رکعت پڑھتے تھے۔ اسی طرح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے ابتدائی دور خلافت میں دو دو رکعت پڑھنے کا اہتمام کیا۔[3]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جس شخص کا یہ خیال ہے کہ آپ ﷺ منیٰ میں مکہ والوں سے خطاب فرما کر کہتے تھے کہ تم اپنی نماز پوری پڑھو، ہم تو مسافر لوگ ہیں، اسے غلطی لگی ہے کیونکہ آپ ﷺ کا یہ فرمان فتح مکہ کے دور کا ہے جب آپ ابطح میں ٹھہرے ہوئے تھے۔[4] واللہ اعلم

ایام تشریق میں کنکریاں مارنا

رسول اللہ ﷺ ایام تشریق کے تینوں دنوں میں جمرات کے پاس پہنچتے اور زوال شمس کے بعد کنکریاں مارتے تھے۔ آپ کنکریاں مارنے کے لیے پیدل تشریف لے جاتے۔ ہر جمرے کو سات سات کنکریاں مارتے اور ہر کنکری کے ساتھ بآواز بلند اللہ اکبر کہتے تھے۔ آپ ﷺ پہلے اور دوسرے جمرے کو کنکریاں مارنے کے بعد قبلہ رخ ہوکر بڑی لمبی دعا کرتے اور دعا کرتے ہوئے ہاتھ بھی اٹھاتے تھے۔ جب آپ ﷺ تیسرے جمرے کو کنکریاں مارتے تو اس کے بعد کھڑے ہوکر دعا نہیں کرتے تھے۔[5]

لیکن اب صورت حال یہ ہے کہ لوگوں کے ہجوم کی وجہ سے جمرات کے قریب کھڑے ہونے کی اجازت نہیں دی جاتی تاکہ تمام لوگ بآسانی کنکریاں مار سکیں۔ اس وجہ سے اگر جمرات سے کچھ دور کھڑے ہوکر بھی دعا کی جائے تو

1 سنن ابن ماجہ: 3037، جامع الترمذی: 976۔ 2 السنن الکبرٰی للبیہقی: 125/5۔ 3 صحیح البخاری: 1655۔
4 البدایۃ والنہایۃ: 177/5۔ 5 صحیح البخاری: 1751، 1753۔

کوئی حرج نہیں۔ واللہ اعلم

ہر کنکری مارتے وقت اللہ اکبر کہنا مشروع ہے۔ حافظ ابن حجر رحمتہ اللہ کہتے ہیں کہ اس بات پر اجماع ہے کہ اگر کسی نے کنکری مارتے وقت اللہ اکبر نہ کہا تو اس پر کچھ لازم نہیں آئے گا۔ البتہ امام ثوری رحمتہ اللہ کہتے ہیں کہ ایسا شخص مساکین کو کھانا کھلائے اور اگر وہ بطور فدیہ دم دے تو زیادہ بہتر ہے۔[1]

حجۃ الوداع کے موقع پر نبی ﷺ کی دعائیں

رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے دوران مختلف مواقع اور مختلف مقامات پر دعائیں کیں۔ کہیں مختصر دعا کی اور کہیں بڑی لمبی دعائیں کیں۔ اس کے علاوہ آپ ﷺ نے جب احرام باندھا، اس وقت سے لے کر دس ذوالحجہ جمرۂ عقبہ کو کنکریاں مارنے تک آپ ﷺ کبھی بلند آواز سے اور کبھی آہستہ آواز سے وقفے وقفے سے تلبیہ پکارتے رہے۔ جب آپ بلندی پر جاتے یا نیچے اتر رہے ہوتے، سواری پر ہوتے یا پیدل، کسی کام سے یا کلام سے فارغ ہوتے تو آپ تلبیہ ہی پکارتے رہتے۔ فی الجملہ جب تک آپ احرام کی حالت میں رہے، تلبیہ ہی پکارتے رہے۔

حج کے ان تمام اوقات میں آپ ﷺ کی مختلف حالتیں رہیں، یعنی سفر کرتے ہوئے، اونٹنی پر سوار ہوتے ہوئے، طواف کرتے ہوئے، زمزم پیتے ہوئے اور دیگر حاجات کو پورا کرتے ہوئے، گویا کہ ان تمام مراحل کے دوران میں آپ مختلف اذکار اور دعائیں کرتے رہے۔ کچھ مقامات ایسے بھی آئے جہاں آپ ﷺ نے خصوصی دعائیں کیں، مثلاً: طواف میں رکن یمانی سے حجر اسود کے درمیان، پھر دوران سعی صفا اور مروہ پہاڑی پر، عرفات کے میدان میں اور مشعر الحرام کے نزدیک، پھر جمرۂ صغریٰ اور جمرۂ وسطیٰ کے پاس، ان تمام مقامات پر آپ ﷺ سے دعائیں منقول ہیں۔[2]

ماہ ذوالحجہ کے مختلف دنوں کے معروف نام

ذوالحجہ کی 6 تاریخ کو بعض مؤرخین نے یوم زینت کے نام سے یاد کیا ہے کیونکہ اس دن قربانی کے جانور کو مخصوص اشیاء، جھول وغیرہ کے ذریعے مزین کیا جاتا ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمتہ اللہ کے بقول ذوالحجہ کی 7 تاریخ کو یوم ترویہ کہا جاتا ہے کیونکہ اس دن حجاج کرام پانی سے اچھی طرح سیراب ہوتے تھے اور اونٹوں کو بھی سیراب کرتے تھے۔ نیز حج کے دنوں کے لیے ضرورت کا پانی بھی ساتھ لے لیتے تھے۔ لیکن معروف یہ ہے کہ یوم الترویہ آٹھ ذوالحجہ کو کہا

1 فتح الباری: 3/738۔ 2 ملخص زاد المعاد: 2/267، 268۔

جاتا ہے۔ آٹھویں ذوالحجہ کو یوم ترویہ کہا جاتا ہے کیونکہ اس دن حاجی مکہ سے منیٰ کو جاتے ہیں۔ ذوالحجہ کی 9 تاریخ کو یوم عرفہ کہا جاتا ہے کیونکہ اس دن عرفات میں وقوف ہوتا ہے۔ 10 تاریخ کو یوم نحر کہا جاتا ہے کیونکہ اس دن قربانیوں کو ذبح کیا جاتا ہے۔ اس دن کو یوم الاضحیٰ اور یوم الحج الاکبر بھی کہا جاتا ہے۔ اس سے اگلے دن 11 تاریخ کو یوم القر کہا جاتا ہے کیونکہ حاجی اس دن منیٰ میں ٹھہرتے ہیں۔ اس دن کو یوم الرؤوس بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اس دن حاجی حضرات قربانیوں کی سریاں کھاتے ہیں اور یہ ایام تشریق میں پہلا دن ہے۔ ایام تشریق میں سے دوسرے دن یعنی 12 تاریخ کو پہلا یوم النفر کہتے ہیں کیونکہ اس دن حجاج کے لیے منیٰ سے نکل آنا جائز ہے۔ بعض حضرات کے مطابق یہ دن یوم الرؤوس کہلاتا ہے۔ ایام تشریق میں سے تیسرے دن یعنی 13 تاریخ کو دوسرا یوم النفر کہا جاتا ہے۔[1]

ایام تشریق میں رسول اللہ ﷺ کا خطبہ

رسول اللہ ﷺ نے ایام تشریق میں خطبہ ارشاد فرمایا جو عرفہ اور قربانی والے دن کے خطبے ہی سے ملتا جلتا تھا، البتہ اس میں آپ نے بعض امور کا اضافہ فرمایا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

[illegible]

[illegible]

”اے لوگو! آگاہ رہو تمھارا رب ایک ہے۔ تمھارا باپ بھی ایک ہے۔ کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر، کسی سرخ کو سیاہ پر اور کسی سیاہ کو سرخ پر کوئی برتری حاصل نہیں۔ اگر کسی کو کسی پر کوئی برتری حاصل ہو سکتی ہے تو وہ تقویٰ ہی کی بنیاد پر ہو سکتی ہے۔ کیا میں نے تمھیں بات پہنچا دی ہے؟“[2]

ذرا غور فرمائیے! صرف اسی ایک ارشاد عالی کے ذریعے ہمارے محسن اعظم، رسول اکرم محمد ﷺ نے تمام ابنائے آدم کو مساوات کا حقیقی اور پکا حق دار بنا دیا۔ رنگ و نسل چاہے جیسا بھی ہو، کسی کی بھی رنگت و نسل کی بنیاد انسانی عظمت و فضیلت کا معیار نہیں ہو سکتی۔ کالے گورے سب انسان یکساں ہیں۔ حقیقی عظمت و فضیلت صرف اسی شخص کو حاصل ہو سکتی ہے جس کا کردار پاکیزہ، اخلاق عمدہ اور عمل نیک ہو۔ حق یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صرف اسی ارشاد عالی سے نسل کے غرور، نسب کے گھمنڈ اور دولت کے فخر کا جڑ سے خاتمہ کر دیا۔

حضرت سراء بنت نبہان رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ سے سنا:

[illegible]

[1] [illegible] 280/1 [illegible]

’’کیا تم جانتے ہو یہ کون سا دن ہے؟‘‘

اور یہ وہ دن تھا جسے یوم الرؤوس کا نام دیا جاتا ہے۔ لوگوں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

’’یہ ایامِ تشریق کا درمیانہ دن ہے۔‘‘

پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

’’کیا تمھیں پتہ ہے یہ شہر کون سا ہے؟‘‘

وہ کہنے لگے: اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

’’یہ حرمت والا مقام ہے۔‘‘

پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

’’ممکن ہے آئندہ سال میں تم سے نہ مل سکوں۔ خبردار! تمھارے خون، اموال اور تمھاری عزتیں تم پر اسی طرح حرام ہیں جس طرح تمھارا یہ آج کا دن تمھارے اس شہر میں تمھارے لیے مقدس و محترم ہے۔ یہ حرمت اس وقت تک قائم رہے گی جب تم اپنے رب سے ملو گے۔ وہ تم سے تمھارے اعمال کے بارے میں باز پرس کرے گا۔ خبردار! تم میں سے ہر شخص اپنے سے دور والے کو یہ باتیں پہنچا دے۔ سنو! کیا میں نے بات پہنچا دی؟‘‘ [1]

اسی طرح ابوحُرہ رقاشی اپنے چچا سے بیان کرتے ہیں کہ میں ایام تشریق کے درمیانے دن رسول اللہ ﷺ کی

[1] المعجم الاوسط للطبرانی: 2430، سنن ابی داود: 1953

اونٹنی کی مہار پکڑے ہوئے تھا اور لوگوں کے ہجوم میں آپ ﷺ کے لیے راستہ بنا رہا تھا۔ اس وقت آپ ﷺ نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

۔ أيها الناس! أتدرون في أي يوم أنتم؟ وفي أي شهر أنتم؟ وفي أي بلد أنتم؟

''اے لوگو! کیا تم جانتے ہو کہ آج کون سا دن ہے؟ تم اب کس مہینے میں ہو؟ اور یہ شہر کون سا ہے؟''

لوگوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آج حرمت والا دن ہے، مہینہ بھی حرمت والا ہے اور شہر بھی حرمت والا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک تمھارے خون، اموال اور تمھاری عزتیں تم پر اسی طرح حرام ہیں جیسے تمھارا آج کا دن، اس مہینے اور اس مقدس شہر میں حرمت والا ہے۔ یہ حرمت قیامت کے دن تک قائم رہے گی۔'' پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''میری بات سنو! تم (میری نصیحت پر عمل کرکے) پُرسکون زندگی گزارو گے۔ خبردار! ظلم نہ کرنا۔ خبردار! ظالم نہ بننا۔ خبردار! ظلم سے باز رہنا۔ کسی شخص کا مال اس کی قلبی رضامندی کے بغیر کسی دوسرے شخص کے لیے حلال نہیں۔ خبردار! ہر قسم کے خون، اموال اور جاہلی مفاخر آج میرے قدموں کے نیچے پامال ہیں۔ تاقیامت سب سے پہلا جو خون معاف کیا جاتا ہے، وہ ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کا خون ہے۔ وہ بنولیث میں دودھ پی رہا تھا کہ ہذیل نے اسے قتل کر دیا تھا۔ آگاہ رہو! جاہلیت کے تمام سود آج سے کالعدم قرار دیے جاتے ہیں۔ اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ سب سے پہلا سود جو کالعدم قرار دیا جاتا ہے، وہ عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے۔ تمھارے لیے اب صرف تمھارا اصل مال (حلال) ہوگا۔ تم کسی پر ظلم نہ کرو، نہ کوئی تم پر ظلم کرے۔ خبردار! زمانہ اپنی اسی اصل حالت پر لوٹ آیا ہے جب اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا فرمایا تھا۔ پھر نبی ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿ إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ۚ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنفُسَكُمْ ﴾

''بے شک مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک کتاب اللہ میں بارہ مہینے ہے۔ اسی دن سے جب سے اس نے آسمان و زمین کو پیدا فرمایا ہے، ان میں سے چار حرمت والے مہینے ہیں۔ یہی صحیح دین ہے۔ تم ان مہینوں میں (قتال ناحق سے) اپنی جانوں پر ظلم نہ کرنا۔''[1]

خبردار! میرے بعد کافر بن کر ایک دوسرے کی گردنیں نہ مارنے لگنا۔ آگاہ رہو! شیطان اس بات سے مایوس

1 التوبۃ 9:36

ہو گیا ہے کہ نمازی لوگ اس کی عبادت کریں گے لیکن وہ تمھیں آپس میں لڑانے سے مایوس نہیں ہوا۔ لہٰذا عورتوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرو۔ یہ عورتیں تمھارے پاس مددگار کی حیثیت سے ہیں۔ وہ اپنے لیے کسی چیز کی مالک نہیں ہیں۔ ان کے تم پر اور تمھارے ان پر حقوق ہیں۔ تمھارا ان پر یہ حق ہے کہ وہ تمھارے بستروں پر تمھارے علاوہ کسی اور کو جگہ نہ دیں اور کسی ایسے شخص کو گھر آنے کی اجازت نہ دیں جسے تم ناپسند کرتے ہو۔ اور اگر تمھیں ان کی نافرمانی کا خدشہ ہو تو انھیں نصیحت کرو اور انھیں الگ بستروں پر چھوڑ دو اور انھیں ایسی مار مارو کہ اس کا نشان نہ پڑے۔ اور ان کا تم پر حق یہ ہے کہ ان کا نان ونفقہ اور لباس وغیرہ اپنی استطاعت کے مطابق فراہم کرو۔ تم نے انھیں اللہ کی امان کے ساتھ حاصل کیا ہے اور اللہ کے کلمے کے ذریعے انھیں اپنے لیے حلال پایا ہے۔ سن لو! جس کے پاس کسی کی امانت ہو، وہ اسے (مطالبے پر) واپس کرے۔'' یہ بات کہتے ہوئے آپ ﷺ نے اپنا مبارک ہاتھ آگے پھیلایا، پھر فرمایا: ''کیا میں نے پیغام پہنچا دیا؟ کیا میں نے بات آگے پہنچا دی؟ کیا میں نے تبلیغ کر دی؟'' پھر فرمایا: ''چاہیے کہ یہاں موجود لوگ غیر موجود لوگوں تک یہ باتیں پہنچا دیں کیونکہ بہت سے لوگ جنھیں بات پہنچائی جاتی ہے، وہ سننے والے سے زیادہ سعادت مند ہوتے ہیں۔''[1]

علامہ ابن حزم فرماتے ہیں: حدیث میں آیا ہے کہ آپ نے سریوں والے دن خطاب فرمایا۔ اہل مکہ کا اتفاق ہے کہ یہ یوم نحر سے اگلا دن تھا۔ یہ بھی آیا ہے کہ وہ ایام تشریق میں سے اوسط یعنی درمیانہ دن تھا۔ یہ احتمال بھی ہے کہ درمیانہ سے افضل دن مراد ہو جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا﴾

''اور اسی طرح ہم نے تمھیں درمیانی یعنی افضل امت بنایا۔''[2]

لیکن علامہ ابن حزم ؒ کی یہ توجیہ بعید ہے۔[3] واللہ اعلم

سورۂ نصر کا نزول

امام بیہقی موسیٰ بن عبیدہ کے واسطے سے سیدنا عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر یہ سورت ایام تشریق کے درمیانے دن ہی میں نازل ہوئی:

﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝﴾

1 مسند أحمد 5/72، 73 2 البقرۃ 2:142 3 البدایۃ والنہایۃ 5/178

''(اے نبی!) جب اللہ کی مدد آ پہنچی اور فتح حاصل ہوگئی اور آپ نے دیکھ لیا کہ لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں، تو آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجیے اور اس سے بخشش مانگیے۔ بلاشبہ وہ بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔''[1]

یوں آپ نے سمجھ لیا کہ اب چل چلاؤ کا وقت آ گیا ہے۔ آپ ﷺ نے اپنی اونٹنی لانے کا حکم دیا تو اسے تیار کر کے لایا گیا۔ آپ اس پر سوار ہو کر لوگوں سے خطاب کرنے کے لیے گھاٹی میں آ کر رکے۔ جس قدر اللہ نے چاہا، مسلمان آپ کے ارد گرد جمع ہو گئے، پھر آپ ﷺ نے ایام تشریق ہی میں خطبہ ارشاد فرمایا۔[2]

سیدہ عائشہ ؓ فرماتی ہیں: جب سورۃ اذا جاء نصر اللہ والفتح نازل ہوئی تو میں نے آپ ﷺ کی ایک نماز بھی ایسی نہیں دیکھی جس میں آپ نے یہ دعا نہ پڑھی ہو: «سبحانك ربي وبحمدك، اللهم اغفر لي»[3]

ایام تشریق کی ہر رات بیت اللہ کی زیارت

سیدنا ابن عباس ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ منیٰ کی راتوں میں بیت اللہ کی زیارت کے لیے جایا کرتے تھے۔ امام بخاری ؒ نے اسے صیغۂ تمریض (مجہول) کے ساتھ معلقاً ذکر کیا ہے۔[4]

مسجد خیف کا ایک اہم واقعہ

سیدنا یزید بن اسود عامری ؓ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج کے موقع پر موجود تھا۔ میں نے منیٰ میں مسجد خیف کے اندر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔ جب رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھ لی تو آپ نے دیکھا کہ دو ایسے آدمی لوگوں کے پیچھے بیٹھے ہوئے ہیں جنھوں نے نماز نہیں پڑھی۔ انھیں آپ کے پاس لایا گیا تو ان کی حالت یہ تھی کہ مارے خوف کے ان کے پٹھے کانپ رہے تھے۔ آپ ﷺ نے پوچھا:

«ما منعكما أن تصليا معنا؟»

''تمھیں ہمارے ساتھ نماز پڑھنے سے کس نے روکا ہے؟''

وہ کہنے لگے: ہم نے اپنے خیموں میں نماز پڑھ لی تھی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«فلا تفعلا، إذا صليتما في رحالكما ثم أتيتما مسجد جماعة فصليا معهم، فإنها لكما نافلة»

1 النصر 110: 1-3. 2 السنن الكبرى للبيهقي: 152/5، مسند البزار: 298/12، یہ روایت ضعیف ہے۔ (صحیح السیرۃ: 728/3) 3 صحيح البخاري: 4967، صحيح مسلم: 484. 4 صحيح البخاري، قبل حديث: 1732، السنن الكبرى للبيهقي: 146/5، السلسلة الصحيحة: 804.

نے فرمایا:

''اس طرح نہ کیا کرو، جب تم اپنی جائے قیام میں نماز پڑھ لو اور پھر تم مسجد میں لوگوں کے ساتھ مل جاؤ تو ان کے ساتھ نماز پڑھ لو۔ یہ نماز تمھارے لیے نفل بن جائے گی۔''[1]

بارہ ذی الحجہ کو منیٰ سے روانگی

اگر حاجی 12 ذوالحجہ کو غروب شمس سے پہلے پہلے نکلنا چاہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسے اس امر کی اجازت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَاذْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَعْدُودَاتٍ ۚ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ لِمَنِ اتَّقَىٰ ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴾

''اور (قیام منیٰ کے) گنتی کے چند دنوں میں تم اللہ کو یاد کرو، پھر اگر کوئی جلدی کرے (اور) دو ہی دن میں (منیٰ سے مکے کی طرف واپس) چل دے تو اس پر کوئی گناہ نہیں اور جس نے (ایک دن کی) تاخیر کی تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں (بشرطیکہ) وہ تقویٰ اختیار کرے اور تم اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ بے شک تمھیں اسی کے حضور اکٹھا کیا جائے گا۔''[2]

اسی لیے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے: جو شخص منیٰ میں ہو اور 12 ذوالحجہ کا سورج غروب ہو جائے تو وہ 13 ذوالحجہ کی کنکریاں مارنے سے پہلے منیٰ سے نہ نکلے۔[3]

منیٰ سے واپسی

جب ایام تشریق کا آخری دن آیا جو منگل کا دن تھا تو رسول اللہ ﷺ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سمیت زوال کے بعد منیٰ سے نکلے۔ آپ ﷺ وادئ محصب میں قیام پذیر ہوئے، یہ وادی مکہ مکرمہ اور منیٰ کے درمیان ہے۔ یہ بنو کنانہ کی گھاٹی تھی۔ سیدنا ابو رافع رضی اللہ عنہ جن کے پاس رسول اللہ ﷺ کا مال و اسباب محفوظ تھا، انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے لیے وادئ محصب میں خیمہ لگا رکھا تھا۔ آپ ﷺ اسی خیمے میں قیام پذیر ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ جس وقت منیٰ میں تھے، آپ نے اسی وقت یہ اعلان فرمایا تھا:

«نحن نازلون غدا بخيف بني كنانة حيث تقاسموا على الكفر»

1 سنن أبي داود: 575، صحيح ابن حبان: 1665. 2 البقرة 2:203. 3 الموطأ للإمام مالك: 1/407

''کل ہم بنو کنانہ کی گھاٹی میں خیمہ زن ہوں گے جہاں انھوں (کفارِ قریش) نے کفر پر معاہدہ کیا تھا۔''[1]
یہی وہ مقام تھا جہاں رسول اللہ ﷺ نے منیٰ سے واپسی پر ایک دن اور ایک رات بسر فرمائی۔

سلیمان بن یسار رحمہ اللہ کہتے ہیں: ابو رافع رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا: رسول اللہ ﷺ نے منیٰ سے نکلتے ہوئے مجھے یہ حکم نہیں دیا تھا کہ میں ابطح میں قیام کروں۔ میں از خود وہاں آگیا اور آپ کے لیے خیمہ لگایا، اس کے بعد آپ ﷺ تشریف لائے اور قیام فرمایا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ ابو رافع نبی ﷺ کے سامان کی حفاظت اور نقل وحمل پر مامور تھے۔[2]

عبدالعزیز بن رفیع فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا: جناب والا! مجھے وہ چیز بتائیے جو آپ نے رسول اللہ ﷺ سے صحیح طور پر یاد رکھی ہو۔ آپ ﷺ نے ترویہ کے دن ظہر کی نماز کہاں پڑھی؟ وہ فرمانے لگے: منیٰ میں۔ میں نے کہا: کوچ والے دن عصر کی نماز کہاں پڑھی؟ فرمایا: ابطح میں۔ پھر فرمانے لگے: جس طرح تمھارے امراء و حکام کریں، تم بھی اسی طرح کرو۔[3] ایک روایت کے مطابق آپ ﷺ نے کوچ والے دن ظہر کی نماز بھی ابطح یعنی محصب میں پڑھی۔[4] واللہ اعلم

کیا ابطح میں قیام سنت ہے؟

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ابطح میں ٹھہرا کرتے تھے۔[5]

سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! آپ کل کہاں ٹھہریں گے؟ یہ آپ کے حج کی بات ہے۔ آپ نے فرمایا: «وَهَلْ تَرَكَ لَنَا عَقِيلٌ مَنْزِلًا؟» ''کیا عقیل نے ہمارا کوئی گھر (باقی) چھوڑا ہے؟'' پھر فرمایا: ''ہم ان شاء اللہ کل خیف بنی کنانہ میں ٹھہریں گے، یعنی محصب میں جہاں قریش نے کفر کا معاہدہ کیا تھا۔'' بات یہ تھی کہ بنو کنانہ نے اس جگہ قریش کے ساتھ بنو ہاشم کے خلاف بائیکاٹ کا معاہدہ کیا تھا کہ نہ ان سے کوئی رشتہ ناتا کریں گے، نہ کوئی لین دین اور سودا کریں گے اور نہ ان کو کوئی ٹھکانہ مہیا کریں گے حتی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو ہمارے سپرد کر دیں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: «لَا يَرِثُ الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ وَلَا الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ» ''مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوگا، نہ کافر مسلمان کا وارث ہوگا۔'' امام زہری کہتے ہیں کہ خیف کے معنی وادی ہیں۔[6]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ابطح (محصب) میں ٹھہرنا (اعمال حج کی سنتوں میں سے کوئی) سنت نہیں۔ وہ تو ایک

1 صحیح البخاري: 1590، صحیح مسلم: 1314،1313، مسند أحمد: 237/2۔ 2 صحیح مسلم: 1313۔ 3 صحیح البخاري: 1763، صحیح مسلم: 1309۔ 4 صحیح مسلم: (338)-1310۔ 5 صحیح مسلم: 1310۔ 6 مسند أحمد: 202/5۔

منزل تھی جس میں آپ اس لیے ٹھہرے تھے کہ مدینہ روانگی میں آسانی رہے۔[1]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: تحصیب، یعنی محصب میں ٹھہرنا کوئی چیز نہیں۔ وہ تو پڑاؤ کی ایک جگہ ہے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام کیا تھا۔[2]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: خلاصۂ کلام یہ ہے کہ تمام لوگ اس بات پر تو متفق ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ سے کوچ فرمایا تھا تو آپ محصب میں ٹھہرے تھے۔ مگر کیوں ٹھہرے؟ اس میں اختلاف ہے۔ بعض فقہاء کا خیال ہے کہ آپ وہاں قصداً نہیں ٹھہرے تھے بلکہ صرف اس لیے ٹھہر گئے تھے کہ وہاں سے مدینہ جانے میں آسانی رہے۔ بعض دیگر فقہاء کا خیال ہے کہ آپ وہاں قصداً ٹھہرے تھے۔ اور یہی زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو حکم دیا تھا کہ ان کا آخری وقت بیت اللہ کے طواف کی صورت میں گزرنا چاہیے۔ پہلے ایسا ہوتا تھا کہ لوگ منیٰ ہی سے اپنے اپنے علاقوں کی طرف روانہ ہو جایا کرتے تھے جیسا کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے صراحت فرمائی ہے۔ لہٰذا لوگوں کو طواف وداع کا حکم دیا گیا۔[3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مسلمان ساتھی بھی ظاہر ہے طواف وداع کے بعد ہی مدینہ روانہ ہو سکتے تھے۔ آپ منیٰ سے زوال کے بعد جمرات کو رمی کر کے چلے۔ اب یہ ممکن نہیں تھا کہ اتنے بڑے مجمع کے ساتھ آپ باقی دن کے دوران میں بیت اللہ جاتے، طواف وداع کرتے اور فوراً مدینہ چل پڑتے، لہٰذا مکہ میں داخل ہونے سے قبل آپ کے لیے راستے میں رات گزارنا ضروری تھا اور اس غایت کے لیے محصب سے زیادہ مناسب کوئی اور مقام نہ تھا جہاں قریش اور بنو کنانہ نے باہم مل کر بنو ہاشم اور بنو مطلب کے خلاف بائیکاٹ کا معاہدہ کیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ منصوبہ ناکام فرما دیا تھا بلکہ انھیں ذلیل و رسوا ہو کر ناکامی اور نامرادی کا کڑوا گھونٹ پینا پڑا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے دین اسلام اور کلمۂ طیبہ کو غالب فرمایا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے دین اسلام کو مکمل فرمایا اور صراط مستقیم کو اجاگر کر دیا۔ لہٰذا آپ نے حج کے شرائع کی تکمیل اور شعائر اللہ کی ادائیگی کے بعد واپسی کے موقع پر اس جگہ قیام فرمایا جہاں قریش نے ظلم و زیادتی اور قطع رحمی کا معاہدہ کیا تھا۔ آپ نے اس جگہ ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں پڑھیں اور تھوڑی دیر استراحت کے لیے سو گئے۔[4]

وادی محصب ہی وہ جگہ تھی جو ظلم و عدوان کے معاہدے کے لیے استعمال کی گئی تھی۔ اب وہاں اللہ کی اطاعت کرنے اور اس کی رحمتیں سمیٹنے والے آ کر قیام فرما ہوئے۔ ان مقدس حضرات کی زندگی کے شب و روز دین کی سربلندی

[1] صحیح البخاري: 1765، صحیح مسلم: 1311. [2] صحیح مسلم: 1312. [3] صحیح البخاري: 1755، صحیح مسلم: 1328. [4] البدایة والنهایة: 5/181، 182.

اور ظلم و عدوان کو مٹانے کے لیے وقف تھے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا عمرہ

رسول اللہ ﷺ نے جب وادی محصب میں قیام فرمایا تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے عمرے کی درخواست کی۔ سیدہ فرماتی ہیں: جب میں حج کے لیے مکہ میں آئی تو میں ایام حیض میں تھی، اس لیے میں بیت اللہ کا طواف اور صفا و مروہ کی سعی نہ کر سکی۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یہ شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

"اپنے سر کی مینڈھیوں کو کھول ڈالو، کنگھی کرو اور حج کا احرام باندھ لو اور عمرہ چھوڑ دو۔"[1]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ سیدہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! لوگ دونوں مناسک ادا کر کے لوٹ رہے ہیں اور میں ایک ہی منسک ادا کر کے جا رہی ہوں۔[2]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

"تمھارے لیے یہ طواف تمھارے حج و عمرہ دونوں کے لیے کافی ہے۔"

لیکن سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ وہ عمرہ ضرور کریں گی۔[3] چنانچہ آپ ﷺ نے عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کو حکم دیا:

[illegible]

"اپنی ہمشیرہ کو حرم سے باہر لے جاؤ تاکہ وہ وہاں سے عمرے کا احرام باندھ لے، پھر عمرے سے فارغ ہو کر تم دونوں یہیں واپس آ جاؤ۔ میں یہاں تمھارا منتظر ہوں۔"[4]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں حلال نہیں ہوئی۔ میں نے حج کا احرام نہیں کھولا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

[1] صحیح البخاری: 1650 [2] صحیح البخاری: 1787 [3] صحیح مسلم: 1211/132 [4] صحیح البخاری: 1560



مسجد عائشہ (تنعیم، مکہ مکرمہ)

"تم مقام تنعیم سے احرام باندھ کر عمرہ کرلو۔"[1]

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ہم حرم سے باہر گئے حتی کہ میں عمرے اور طواف سے فارغ ہوگئی۔ پھر میں الصبح رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا: هَلْ فَرَغْتِ؟ "کیا تم عمرے سے فارغ ہوگئی ہو؟" میں نے عرض کی: جی ہاں۔ پھر آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے روبرو کوچ کا اعلان کیا تو لوگ چل پڑے۔[2]

طواف وداع

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: لوگوں کو حکم دیا گیا کہ سب سے آخر میں تمھارا عمل بیت اللہ کا طواف ہو، البتہ ایام ماہواری والی عورت سے تخفیف کی گئی ہے۔[3]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نماز پڑھی، پھر وادی محصب میں کچھ وقت محو استراحت ہوئے۔ اس کے بعد اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر بیت اللہ کی طرف تشریف لے گئے اور اس کا طواف کیا۔[4]

جمہور علماء کے نزدیک طواف وداع واجب ہے اور اس کے ترک کرنے پر دم لازم آتا ہے، البتہ امام مالک رحمہ اللہ نے اسے سنت قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اس کے ترک کرنے پر دم واجب نہیں۔ طواف وداع کے بعد اپنے علاقوں کی طرف فوری طور پر چل دینا بھی ضروری ہے لیکن اگر بامر مجبوری کچھ تاخیر ہو جائے تو دوبارہ طواف وداع کی ضرورت نہیں۔ طواف وداع کا دوسرا نام طواف صدر بھی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز سے پہلے طوافِ وداع کیا اور اس طواف میں رمل نہیں فرمایا۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس دن آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام کو فجر کی نماز بیت اللہ کے پاس پڑھائی اور اس نماز میں سورہ طور کی تلاوت فرمائی کیونکہ صحیح بخاری میں سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ میں بیمار ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: طُوفِي مِنْ وَرَاءِ النَّاسِ وَأَنْتِ رَاكِبَةٌ "تم سوار ہو کر لوگوں سے بالا بالا طواف کرلو۔" دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں: إِذَا أُقِيمَتْ

1 صحیح البخاري: 1772. 2 صحیح البخاري: 1560. 3 صحیح البخاري: 1755. 4 صحیح البخاري: 1756

صلاة الصبح فطوفي على بعيرك والناس يصلون ''جب صبح کی نماز کی اقامت ہو جائے اور لوگ نماز شروع کر دیں، اس وقت تم اپنے اونٹ پر (لوگوں سے بالا بالا) طواف کر لینا۔'' سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو نماز پڑھانی شروع کی تو میں نے طواف شروع کر دیا۔ آپ اس وقت سورۂ طور پڑھ رہے تھے۔[1]

غرضیکہ رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے بیت اللہ کے سات چکر لگائے اور حجر اسود اور کعبے کے دروازے کے درمیان ملتزم کے مقام پر کھڑے رہے اور اپنا جسد مبارک کعبے کی دیوار سے لگائے رکھا۔[2]

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنا مقدس چہرہ اور سینہ مبارک ملتزم سے چمٹا رکھا تھا۔[3]

حائضہ کے لیے طواف وداع کی رخصت

رسول اللہ ﷺ نے حائضہ عورت کو طواف وداع چھوڑنے کی اجازت دی ہے جیسا کہ پیچھے بھی سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ذکر ہوا ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کی زوجہ محترمہ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو حیض کی حالت پیش آ گئی تو انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أحابستنا هي؟»

''کیا یہ ہمیں روک لیں گی؟''

دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے پوچھا:

«أفاضت يوم النحر؟»

''کیا اس نے قربانی کے دن طواف کیا تھا؟''

لوگوں نے کہا کہ انھوں نے طواف زیارت کر لیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «فلا إذا» ''پھر کوئی حرج نہیں۔'' یعنی سفر کا آغاز کرو۔[4]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایات میں بھی ہے کہ حائضہ عورت کو طواف وداع کے بغیر جانے کی اجازت دی گئی ہے۔[5]

1 صحیح البخاری 1619 و 1626۔ 2 البدایۃ والنھایۃ 182/5 3 السنن الکبرٰی للبیہقی 164/5 4 صحیح البخاری 1757، 1771، 1772 5 صحیح البخاری 1760، 1761

زمزم اپنے گھر والوں کو لے جانا

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے بارے میں فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ جب مکہ سے واپس ہوتے تو اپنے ساتھ زمزم لے کر جاتے تھے۔ اسی وجہ سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی اپنے ساتھ زمزم لے کر جاتی تھیں۔[1]

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی عیادت

رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کا بے حد خیال رکھا کرتے تھے۔ حجۃ الوداع کے اس موقع پر جب آپ مکہ مکرمہ تشریف لائے ہوئے تھے تو اس دوران میں آپ کو سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی بیماری کی اطلاع ملی۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ مکہ میں مقیم تھے۔ ان کی بیماری اس قدر شدت اختیار کر چکی تھی کہ وہ خود فرماتے ہیں: بیماری نے مجھے موت کے منہ میں لا ڈالا تھا۔[2] انھیں یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کسی بھی وقت اس دنیا کو خیرباد کہہ جائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ سعد رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے تو وہ رونے لگے۔ آپ نے دریافت فرمایا:

[illegible]

''کیوں رو رہے ہو؟''

وہ عرض کرنے لگے: مجھے یہ ڈر ہے کہ میں اس سرزمین میں فوت ہو جاؤں کا جہاں سے میں نے ہجرت کی تھی، جیسے سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی یہ بات سنی تو بارگاہ الٰہی میں تین مرتبہ یہ دعا فرمائی:

[illegible]

''اے اللہ! سعد کو شفا عطا فرما۔ اے اللہ! سعد کو صحت دے دے۔ اے اللہ! سعد کو تندرستی عطا فرما۔''[3]

آپ ﷺ نے اس موقع پر سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ کے لیے بھی دعا کرتے ہوئے فرمایا:

[illegible]

''اللہ تعالیٰ ابن عفرا (سعد بن خولہ) پر رحم فرمائے۔''[4]

ایک روایت میں ہے کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے آپ کی خدمت میں یہ درخواست کی: اے اللہ کے رسول! میرے لیے دعا کیجیے کہ اللہ مجھے الٹے پاؤں واپس نہ کرے (مکہ میں میری موت واقع نہ ہو)۔ اس پر آپ ﷺ

1 سنن الترمذی: 963. 2 صحیح البخاری: 3936. 3 صحیح مسلم: (8)1628. 4 صحیح البخاری: 2742.

نے فرمایا:

لعل الله أن يرفعك فينتفع بك ناس [illegible]

''ممکن ہے اللہ تعالیٰ تمھیں صحت عطا فرمائے اور تمھارے ذریعے سے بہت سے لوگوں کو نفع دے۔''[1]

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے بے پناہ مال و دولت سے نواز رکھا تھا اور اس وقت ان کی ایک ہی صاحبزادی تھی جس کا نام ام حکم کبریٰ تھا۔[2] انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ دیکھ ہی رہے ہیں کہ میری بیماری کس حد تک پہنچ چکی ہے۔ میرے پاس بہت سارا مال ہے اور میری وارث میری ایک بیٹی ہی ہے تو کیا میں اپنے سارے مال (کو اللہ کی راہ میں وقف کرنے) کی وصیت کر دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: لا ''نہیں۔'' انھوں نے پوچھا: پھر دو تہائی مال خیرات کر دوں؟ آپ نے فرمایا: ''نہیں۔'' انھوں نے عرض کی: آدھا کر دوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں۔ انھوں نے کہا: پھر ایک تہائی کر دوں؟ آپ نے فرمایا:

[illegible]

''(ہاں) ایک تہائی کی (وصیت کر دو) اور ایک تہائی بھی بہت ہے۔ تم اپنے وارثوں کو مال دار چھوڑ کر جاؤ، یہ اس سے بہتر ہے کہ تم انھیں محتاج چھوڑ دو اور وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔ تم اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے جو کچھ بھی خرچ کرو گے، تمھیں اس کا اجر و ثواب ملے گا حتی کہ اس لقمے کا بھی ثواب ملے گا جو تم اپنی بیوی کے منہ میں رکھو گے۔''[3]

صحیح مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

[illegible]

''اپنے مال میں سے تمھارا صدقہ کرنا صدقہ ہے، اپنے عیال پر تمھارا خرچ کرنا صدقہ ہے۔ تمھارے مال سے تمھاری بیوی جو کھاتی ہے، وہ بھی صدقہ ہے۔ تم اپنے اہل و عیال کو (کافی مال دے کر) خیر کے عالم

1 صحيح البخاري: 2744 2 صحيح البخاري: 2742، فتح الباري، مقدمه، ص: 410 3 صحيح البخاري: 4409، و 2742، صحيح مسلم: 1628

میں چھوڑ جاؤ۔ یا فرمایا: اچھی گزر بسر کے ساتھ چھوڑ جاؤ، یہ اس سے بہتر ہے کہ تم انھیں اس حال میں چھوڑو کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔'' اور آپ نے اپنے ہاتھ کے ساتھ اشارہ کر کے دکھایا۔''[1]

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی خواہش تھی کہ وہ بھی مدینہ چلے جائیں۔ انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں اپنے ساتھیوں کے (مدینہ لوٹ جانے کے) بعد پیچھے (یہیں مکہ میں) چھوڑ دیا جاؤں گا؟ آپ نے انھیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

إِنَّكَ لَنْ تُخَلَّفَ فَتَعْمَلَ عَمَلًا تَبْتَغِي بِهِ وَجْهَ اللَّهِ إِلَّا ازْدَدْتَ بِهِ دَرَجَةً وَرِفْعَةً، وَلَعَلَّكَ تُخَلَّفُ حَتَّى يَنْتَفِعَ بِكَ أَقْوَامٌ وَيُضَرَّ بِكَ آخَرُونَ، اللَّهُمَّ أَمْضِ لِأَصْحَابِي هِجْرَتَهُمْ وَلَا تَرُدَّهُمْ عَلَى أَعْقَابِهِمْ، لَكِنِ الْبَائِسُ سَعْدُ بْنُ خَوْلَةَ.

''اگر تم نہیں جا سکے تب بھی اگر تم اللہ کی رضا جوئی کے لیے کوئی عمل کرو گے تو تم درجے اور بلندی میں اور بڑھ جاؤ گے۔ اور امید ہے کہ تم ابھی زندہ رہو گے اور تم سے کچھ لوگوں (مسلمانوں) کو نفع پہنچے گا اور کچھ لوگوں (اسلام دشمنوں) کو نقصان پہنچے گا۔ اے اللہ! میرے ساتھیوں کی ہجرت کامل فرما اور انھیں ان کی ایڑیوں کے بل نہ لوٹا لیکن بے چارے سعد بن خولہ (وہ تو فوت ہی ہو گئے)۔''[2]

آپ نے سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ کے لیے اس وجہ سے غم کا اظہار کیا کہ وہ پہلے ہی مکہ آ کر فوت ہو گئے تھے۔

مدینہ کی جانب واپسی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ثنیۃ السفلی (ثنیۂ کدی) کی طرف سے نکلے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بطحاء کی بالائی گھاٹی سے مکہ میں داخل ہوئے اور نشیبی گھاٹی سے نکلے۔[3] ایک روایت میں بتایا گیا ہے کہ آپ کداء سے داخل ہوئے اور کدی سے نکلے۔[4] یہ وہ مقام ہے جہاں پہلے باب عمرہ تھا اور اب یہ جگہ ملک عبداللہ رحمہ اللہ کی طرف سے توسیع حرم مکہ میں شامل ہو چکی ہے۔

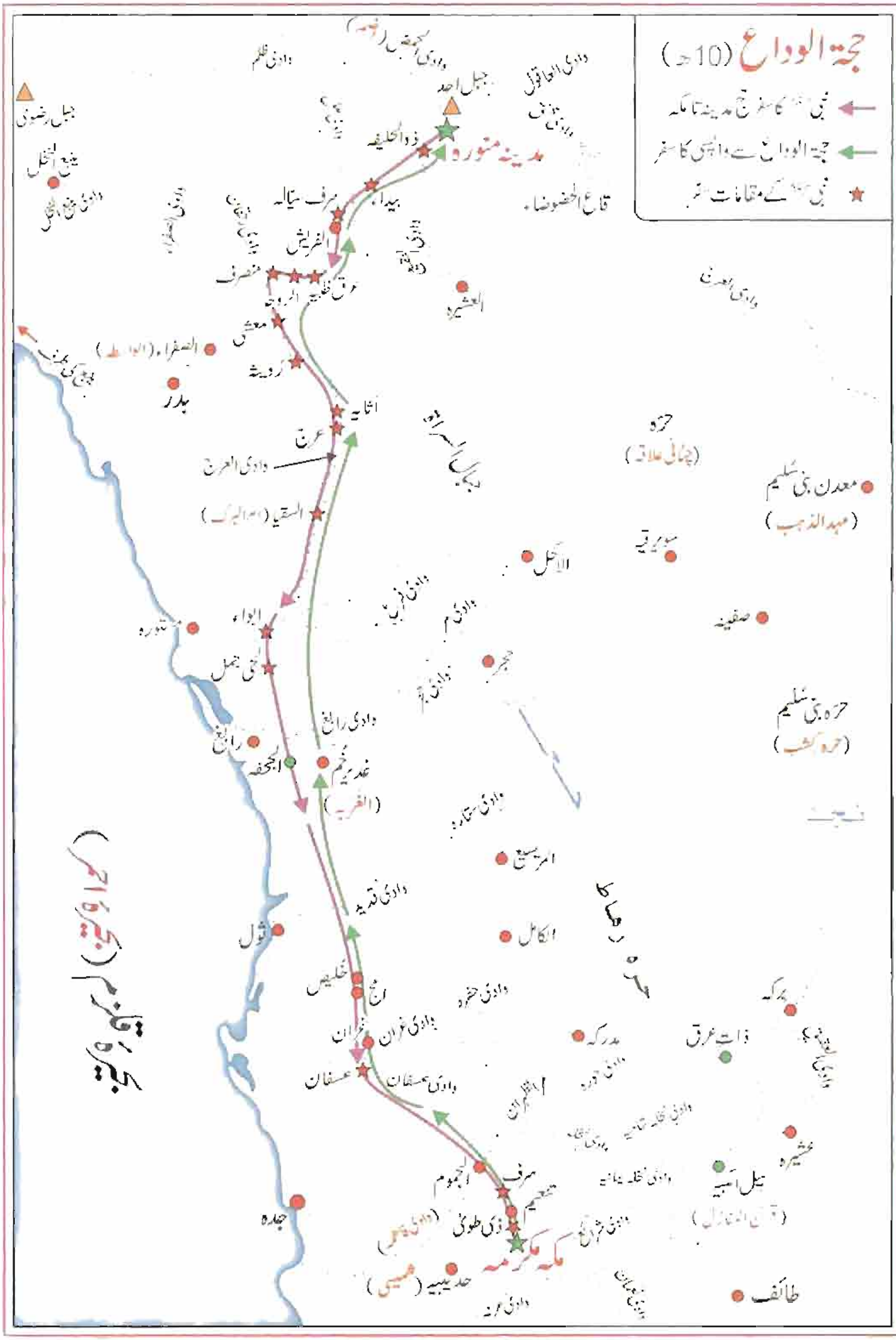
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں حجۃ الوداع کے موقع پر دس دن قیام فرمایا۔

خطبہ غدیر خم

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے نکل کر غدیر خم کے مقام پر پہنچے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو یہاں ٹھہرنے کا حکم دیا۔

1 صحيح مسلم (8) 1628، 2 صحيح البخاري 4409، صحيح مسلم 1628، 3 صحيح البخاري 1576

4 صحيح البخاري 1578، صحيح مسلم 1258



حجۃ الوداع (10ھ)
مدینہ منورہ
ذوالحلیفہ
جبل احد
بیداء
الفریش
عرق
بدر
الابواء
رابغ
الجحفہ
غدیر خم
عسفان
مکہ مکرمہ
حدیبیہ
طائف
ذات عرق
جدہ
معدن بنی سلیم
بحیرۂ قلزم (بحیرۂ احمر)

غدیر خم



میقات جحفہ (رابغ)



غدیر خم ایک جگہ کا نام ہے جو مکہ مکرمہ اور مدینہ کے درمیان جحفہ سے 8 کلو میٹر کے فاصلے پر ہے۔ آج کل اس کا نام الغربہ ہے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر پورے جزیرہ نمائے عرب سے لوگ رسول اللہ ﷺ کی معیت میں حج ادا کرنے آئے تھے۔ حج سے فراغت پا کر رسول اللہ ﷺ کی واپسی کے بعد دیگر تمام لوگوں کو بھی اپنے اپنے علاقے کی طرف واپس جانا تھا۔ غدیر خم وہ مرکزی مقام تھا جہاں سے مختلف علاقوں کی طرف رستے جاتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسی بنا پر اس جگہ پڑاؤ ڈالا تاکہ سب لوگ آپ ﷺ کے ارشادات کو پلے باندھ لیں۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے مکہ اور مدینہ کے درمیان حجۃ الوداع سے واپسی کے وقت جحفہ کے قریب ایک مقام غدیر خم میں خطاب فرمایا۔ اس میں آپ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت بیان فرمائی اور ان لوگوں کے اعتراضات سے ان کی براءت بیان فرمائی جو یمن کے علاقے میں ان کے ساتھ تھے۔ وہ لوگ سمجھتے تھے کہ سیدنا علی نے ظلم، تنگی اور کنجوسی کا مظاہرہ کیا ہے، حالانکہ انھوں نے عدل و انصاف کے تقاضے پوری طرح ملحوظ رکھے تھے، لہٰذا جب آپ مناسک حج اور ان کے بیان سے فارغ ہوگئے اور واپس مدینہ چل پڑے تو آپ نے اثنائے راہ میں اس کی وضاحت کرنا مناسب خیال فرمایا۔ آپ نے 18 ذوالحجہ کو غدیر خم میں ایک درخت کے نیچے عظیم الشان خطبہ ارشاد فرمایا۔ یہ اتوار کا دن تھا۔ آپ نے اس خطبے میں بہت سی باتیں بیان فرمائیں اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت، امانت و دیانت، عدل و انصاف اور ان سے اپنے قریبی تعلق کا تذکرہ فرمایا جس سے بہت سے لوگوں کے دلوں میں پیدا ہونے والے شکوک وشبہات زائل ہوگئے۔

خطاب کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

مؤرخ محمد بن اسحاق نے حجۃ الوداع کے بیان میں لکھا ہے: یزید بن طلحہ فرماتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری کے لیے اپنے لشکر سمیت یمن سے آ رہے تھے۔ وہ اپنے فوجی دستے پر اپنے ساتھیوں میں سے ایک شخص کو نائب مقرر کر کے رسول اللہ ﷺ سے شوق ملاقات میں خود آگے نکل گئے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی روانگی کے بعد اس شخص نے تمام فوجی دستے کو اس مال میں سے جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ چھوڑ گئے تھے،

ایک ایک خوبصورت جوڑا دے دیا۔ جب یہ فوجی دستہ مکہ مکرمہ کے قریب پہنچا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان سے ملنے کے لیے مکہ سے باہر آئے تو دیکھا کہ ان سب کے بدن پر خوبصورت جوڑے تھے۔ آپ اپنے نائب سے کہنے لگے: تجھ پر افسوس! یہ کیا ہے؟ وہ کہنے لگا: میں نے انھیں نئے خوبصورت جوڑے اس لیے دیے کہ جب وہ لوگوں میں پہنچیں تو ممتاز نظر آئیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: تم پر افسوس ہے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچنے سے پہلے پہلے تمام جوڑے واپس لے لو۔ اس نے سب سے نئے جوڑے واپس لے لیے اور سرکاری مال میں جمع کرا دیے۔ فوجی دستہ اس سلوک پر سیخ پا ہوا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شکایت کرنے لگا۔[1]

اس کا مفصل تذکرہ سیرت انسائیکلوپیڈیا کی اسی جلد کے پہلے باب عام الوفود کے آخر میں ''علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا سریہ یمن'' کے زیرِ عنوان گزر چکا ہے۔

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: لوگوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شکایات کیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطاب فرمانے کے لیے اٹھے۔ میں نے سنا، آپ فرما رہے تھے:

أَيُّهَا النَّاسُ! لَا تَشْكُوا عَلِيًّا، فَوَاللّٰهِ! إِنَّهُ لَأَخْشَنُ فِي ذَاتِ اللّٰهِ أَوْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ مِنْ أَنْ يُشْكٰى

''اے لوگو! علی کی شکایت نہ کرو۔ وہ اگر سختی کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی خاطر اور اللہ کے راستے میں کرتے ہیں۔ ان کی شکایت تو بنتی ہی نہیں۔''[2]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت

درج بالا شکایت کنندگان میں سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، چنانچہ وہ بیان کرتے ہیں: میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ یمن گیا۔ میں نے ان میں کچھ سختی دیکھی۔ جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ذکر تنقیص کے انداز میں کیا۔ میں نے دیکھا کہ میری بات سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ متغیر ہونے لگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يَا بُرَيْدَةُ! أَلَسْتُ أَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ؟

''بریدہ! کیا میں مومنوں پر ان کی جانوں سے زیادہ حق نہیں رکھتا؟''

میں نے کہا: کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

1 السيرة لابن هشام: 250/4. 2 مسند أحمد: 86/3، والسيرة لابن هشام: 250/4.

«من كنت مولاه فعلي مولاه»

''جس کا میں دوست ہوں، علی بھی اس کے دوست ہیں۔'' [1]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«ألستم تعلمون أني أولى بالمؤمنين من أنفسهم»

''کیا تم جانتے نہیں کہ میں مومنوں پر ان کی جانوں سے بڑھ کر حق رکھتا ہوں؟''

صحابہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیوں نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«من كنت مولاه فإن هذا مولاه، اللهم وال من والاه وعاد من عاداه»

''پھر یاد رکھو جس کا میں دوست ہوں، علی بھی اس کے دوست ہیں۔ اے اللہ! جو علی سے دوستی رکھے، تو بھی اسے دوست بنا لے اور جو علی سے دشمنی رکھے، اس سے تو بھی کنارہ کر لے۔'' [2]

خطبہ کے الفاظ

سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ حجۃ الوداع سے واپسی کے دوران غدیر خم میں ٹھہرے تو آپ نے بڑے بڑے درختوں کے نیچے صفائی کا حکم دیا۔ صفائی کے بعد لوگوں کو اکٹھا کر کے فرمایا:

«كأني قد دعيت فأجبت، إني قد تركت فيكم الثقلين أحدهما أكبر من الآخر: كتاب الله وعترتي أهل بيتي، فانظروا كيف تخلفوني فيهما، فإنهما لن يتفرقا حتى يردا علي الحوض، ثم قال: إن الله مولاي وأنا ولي كل مؤمن، ثم أخذ بيد علي فقال: من كنت وليه فهذا وليه، اللهم وال من والاه وعاد من عاداه»

''یوں محسوس ہوتا ہے کہ مجھے واپس بلایا جا رہا ہے اور میں نے ہاں کر دی ہے۔ میں تم میں دو اہم اور وزنی چیزیں چھوڑ چلا ہوں جن میں سے ایک دوسری سے بڑی ہے۔ کتاب اللہ اور میرے اہل بیت۔ اس امر کا خیال رکھنا کہ تم میرے بعد ان سے کیا سلوک کرتے ہو؟ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے حتی کہ دونوں اکٹھے میرے پاس حوض پر آ جائیں گے۔ اللہ میرا مولیٰ ہے اور میں ہر مؤمن کا دوست ہوں۔'' پھر آپ نے سیدنا علی کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: ''میں جس شخص کا دوست ہوں، یہ بھی اس کا دوست ہے۔ اے اللہ!

[1] مسند أحمد 5/347، [2] صحیح ابن حبان: 6931

جو اس سے دوستی رکھے، اس سے تو بھی دوستی رکھ اور جو اس سے دشمنی رکھے، تو بھی اس سے دشمنی رکھ۔"

سیدنا زید رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ سے واقعتاً یہ گفتگو سنی ہے؟ وہ فرمانے لگے: ان درختوں کے نیچے موجود ہر شخص نے آپ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اور اپنے کانوں سے یہ باتیں سنی تھیں۔[1]

صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ آپ نے اللہ کے شایان شان اس کی حمد و ثنا بیان کی، لوگوں کو وعظ و نصیحت فرمائی، پھر فرمایا:

أما بعد ألا أيها الناس فإنما أنا بشر يوشك أن يأتي رسول ربي فأجيب وأنا تارك فيكم ثقلين أولهما كتاب الله فيه الهدى والنور فخذوا بكتاب الله واستمسكوا به فحث على كتاب الله ورغب فيه ثم قال وأهل بيتي أذكركم الله في أهل بيتي أذكركم الله في أهل بيتي أذكركم الله في أهل بيتي

"اما بعد، لوگو! سنو، میں بھی ایک انسان ہوں۔ قریب ہے کہ میرے رب کا قاصد میرے پاس آئے اور میں اس کی دعوت قبول کر لوں۔ میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ ان میں سے پہلی اللہ کی کتاب ہے جس میں ہدایت اور روشنی ہے، پس تم اللہ کی کتاب کو اختیار کرو اور اسے مضبوطی سے تھام لو۔" آپ ﷺ نے کتاب اللہ پر عمل کرنے کے بارے میں (لوگوں کو) ابھارا اور شوق دلایا، پھر فرمایا: "(دوسری چیز) میرے اہل بیت ہیں۔ میں تمھیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ کی یاد دہانی کراتا ہوں۔ اپنے گھرانے کی بابت اللہ کی یاد دلاتا ہوں۔ اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ سے ڈراتا ہوں۔"[2]

زید بن یثیع اور سعید بن وہب سے مروی ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے رحبہ (مسجد کوفہ کے صحن) میں لوگوں سے پوچھا: کس شخص نے رسول اللہ ﷺ کو غدیر خم میں گفتگو فرماتے ہوئے سنا ہے؟ وہ اٹھ کھڑا ہو۔ چھ آدمی سعید کی طرف سے اور چھ آدمی زید کی طرف سے کھڑے ہو گئے۔ ان سب نے گواہی دی کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو غدیر خم میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: "کیا اللہ تعالیٰ مومنین پر ان کی جانوں سے زیادہ حقدار نہیں؟" لوگوں نے کہا: کیوں نہیں! آپ نے فرمایا: "اے اللہ! جس کا میں دوست ہوں، علی بھی اس کا دوست ہے۔ اے اللہ! جو علی سے دوستی اور محبت رکھے، تو اس سے محبت رکھ اور جو اس سے دشمنی رکھے، تو بھی اس سے دشمنی رکھ۔"[3]

1 السنن الكبرى للنسائي: 8092. 2 صحيح مسلم: 2408. 3 مسند أحمد: 118/1، السنن الكبرى للنسائي: 8483.

خطبہ غدیر خم سے حاصل ہونے والا سبق

رسول اللہ ﷺ اپنے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے شدید محبت رکھتے تھے۔ آپ سراپا رحمت و الفت تھے۔ آپ ﷺ نے جب بھی کسی صحابی کو پریشان دیکھا تو اس کی دلجوئی اور خیر خواہی میں کوئی کمی نہیں چھوڑی۔ اگر کبھی صحابہ کے درمیان کوئی غلط فہمی پیدا ہو جاتی تو آپ احسن انداز سے اس کا ازالہ فرما دیتے تھے۔ آپ ﷺ فرماتے تھے:

[illegible]

''جو شخص اپنے کسی بھائی کی عزت کا دفاع کرے گا، اللہ عز و جل قیامت والے دن اس کے چہرے سے آگ دور کر دے گا۔''[1]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے چچیرے بھائی تھے۔ وہ ایمان لانے میں اسی طرح سبقت کرنے والے تھے جس طرح سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سبقت کی تھی۔ آپ ﷺ کا معمول مبارک تھا کہ اگر کوئی صحابی کسی ساتھی کی وجہ سے پریشان ہوتا تو آپ اس کا دفاع کرتے۔ اور اگر مناسب سمجھتے تو تمام لوگوں کو اکٹھا کر کے وعظ و نصیحت فرماتے۔ ایک مرتبہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں بعض لوگوں نے باتیں کیں تو آپ شدید برہم ہوئے اور غم و غصہ سے تمام حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا:

[illegible]

''کیا تم میری خاطر میرے ساتھی کو چھوڑ سکتے ہو؟''[2]

اسی طرح کا ایک اور واقعہ ہوا۔ جب ایک یہودی نوجوان شاس بن قیس کی شرارت کی وجہ سے اوس و خزرج کی پرانی دشمنی پھر بھڑک اٹھی اور ان میں تکرار بڑھ گئی تو آپ ﷺ نے اس موقع پر خطبہ ارشاد فرمایا:

[illegible]

[illegible]

''اللہ اللہ! میرے ہوتے ہوئے جاہلیت کی پکار؟ وہ بھی اس کے بعد کہ اللہ نے تمھیں اسلام کی ہدایت نصیب فرمائی، اس کے ذریعے سے تمھیں عزت بخشی، تم سے جاہلیت کے اثرات کا خاتمہ فرما دیا، تمھیں کفر سے نجات عطا فرمائی اور تمھارے دلوں میں الفت ڈال دی۔''[3]

1 جامع الترمذي: 1931، 2 صحيح البخاري: 4640، 3 السيرة لابن هشام: 555/2

سریۂ موتہ کے موقع پر جب سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے امیر ہونے کی حیثیت سے ایک یمنی سے مال غنیمت واپس لیا تو سیدنا عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ نے سیدنا خالد سے بحث و تکرار کی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سارا واقعہ معلوم ہوا تو آپ نے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ ارشاد فرمایا: "لا تعطه يا خالد!" "اے خالد! اسے کچھ نہ دو۔"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«هل أنتم تاركو لي أمرائي؟ لكم صفوة أمرهم وعليهم كدره»

"کیا تم میرے لیے میرے امرا کو چھوڑ نہیں سکتے؟ تمھیں تو ان کے امور کی خیر اور بھلائی حاصل ہو اور ان کے حصے میں صرف ڈانٹ ڈپٹ آئے؟"[1]

جب بھی آپس میں اختلاف کی نوبت آئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو الفت و محبت کا سبق دیا اور ایسے تاریخی الفاظ کہے جن سے صحابہ کرام کی فضیلت اجاگر ہوگئی جیسا کہ سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ فتح مکہ کے ضمن میں گزر چکا ہے کہ جب ان کے مکہ خط روانہ کرنے کا انکشاف ہوا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حاطب رضی اللہ عنہ کی شکایت کی۔ باوجودیکہ سیدنا حاطب رضی اللہ عنہ غلطی کر بیٹھے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف ان سے درگزر کیا بلکہ ان کی فضیلت بھی بیان کی اور بخشش کی سند بھی عطا فرمائی کیونکہ وہ بدری صحابی تھے۔ اس طرح کے اور بہت سے واقعات ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معاملات میں ہمیشہ نرمی اور درگزر کا رویہ اختیار فرمایا۔ صحابہ کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعامل سے جہاں آپ کے بے مثل اخلاق کی جھلک نظر آتی ہے، وہاں صحابہ کی فضیلت کا اظہار بھی ہوتا ہے۔

اسی طرح جب یمن سے واپسی پر بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں غلط فہمی ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے متعلق پیدا شدہ شکوک و شبہات دور کرنے کے لیے خطبہ غدیر خم ارشاد فرمایا جس میں آپ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو انتہائی پارسا، امانت دار اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے سرشار قرار دیا۔ بالکل اسی طرح جیسے قرآن کریم میں فرمان الٰہی ہے:

﴿إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهَٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا ۗ وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ﴾

[1] مسند أحمد: 6/26، 27.

"بے شک ابراہیم سے قریب تر وہی لوگ ہیں جنھوں نے ان کی پیروی کی، پھر یہ نبی اور مومن لوگ ہیں۔ اور اللہ مومنوں کا دوست ہے۔"[1]

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ، سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور انصار کے قبیلوں اوس و خزرج کے دفاع میں خطبے ارشاد فرمائے، اسی طرح آپ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کے اختلاف اور غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لیے خطبہ غدیر خم ارشاد فرمایا۔

رسالت مآب ﷺ کا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے غیر معمولی محبت اور قدر شناسی کا سلوک ایک بہت بڑا سبق ہے۔ اس سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں باہمی محبت و اخوت کے جذبات مستحکم ہوئے اور امت مسلمہ کے سامنے صحابہ کی عظمت و فضیلت تا ابد نمایاں ہوگئی۔ اس طرح تمام مسلمانوں کو یہ نصیحت حاصل ہوئی کہ وہ اختلاف نہ کریں، آپس میں اتفاق و اتحاد اور تنظیم سے رہیں، نیز مسلمانوں کا جو امیر ہو، اس کی اطاعت کی جائے۔ یہی امت کی اجتماعیت اور اتحاد و اتفاق کی کنجی ہے۔ جیسا کہ غزوۂ حنین میں جب رسول اللہ ﷺ نے مال غنیمت تقسیم ہو جانے کے بعد واپس کرنے کا حکم دیا تو تمام صحابۂ کرام نے بلا تامل سارا مال واپس کر دیا۔ یہ تنظیم اور اطاعت کی بہترین مثال ہے۔ رسول اللہ ﷺ اپنی امت کو ہمیشہ باہمی اخوت، محبت اور اطاعت امیر کا درس دیتے رہے۔ یہی مقصد خطبہ غدیر خم کا تھا جس میں ایک طرف سیدنا علی اور دیگر اہل بیت رضی اللہ عنہم کی عظیم الشان فضیلت کا ذکر ہے تو اس کے ساتھ ساتھ امیر کی اطاعت اور باہم متحد رہنے کا بھی اشارہ ہے۔ اسی حقیقت کا اظہار آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبے میں بھی فرمایا، چنانچہ ارشاد مبارک ہے:

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا اللّٰهَ وَإِنْ أُمِّرَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ مُجَدَّعٌ فَاسْمَعُوا لَهُ وَأَطِيعُوا مَا أَقَامَ لَكُمْ كِتَابَ اللّٰهِ»

"اے لوگو! اللہ سے ڈر جاؤ اگرچہ تمھارے اوپر ایک نکٹا حبشی غلام ہی امیر کیوں نہ ہو۔ اس کی اس وقت تک سمع و اطاعت کرو جب تک وہ اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کرے۔"[2]

صحیح بخاری کے الفاظ ہیں:

«اسْمَعُوا وَأَطِيعُوا وَإِنِ اسْتُعْمِلَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ كَأَنَّ رَأْسَهُ زَبِيبَةٌ»

"سمع و اطاعت کرو، اگرچہ تمھارے اوپر منقے جیسے سر والا غلام حبشی ہی امیر ہو۔"[3]

1 آل عمران 3:68. 2 سنن الترمذی: 1706. 3 صحیح البخاری: 7142.

ان روایات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اصل متاعِ حیات تقویٰ ہے اور اسی کی بدولت انسان دین و دنیا میں اپنے رب کا خاص بندہ بنتا ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور دیگر اہلِ بیت کو دنیا ہی میں جنت کا سرٹیفکیٹ مل گیا تھا اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

ذوالحلیفہ میں قیام

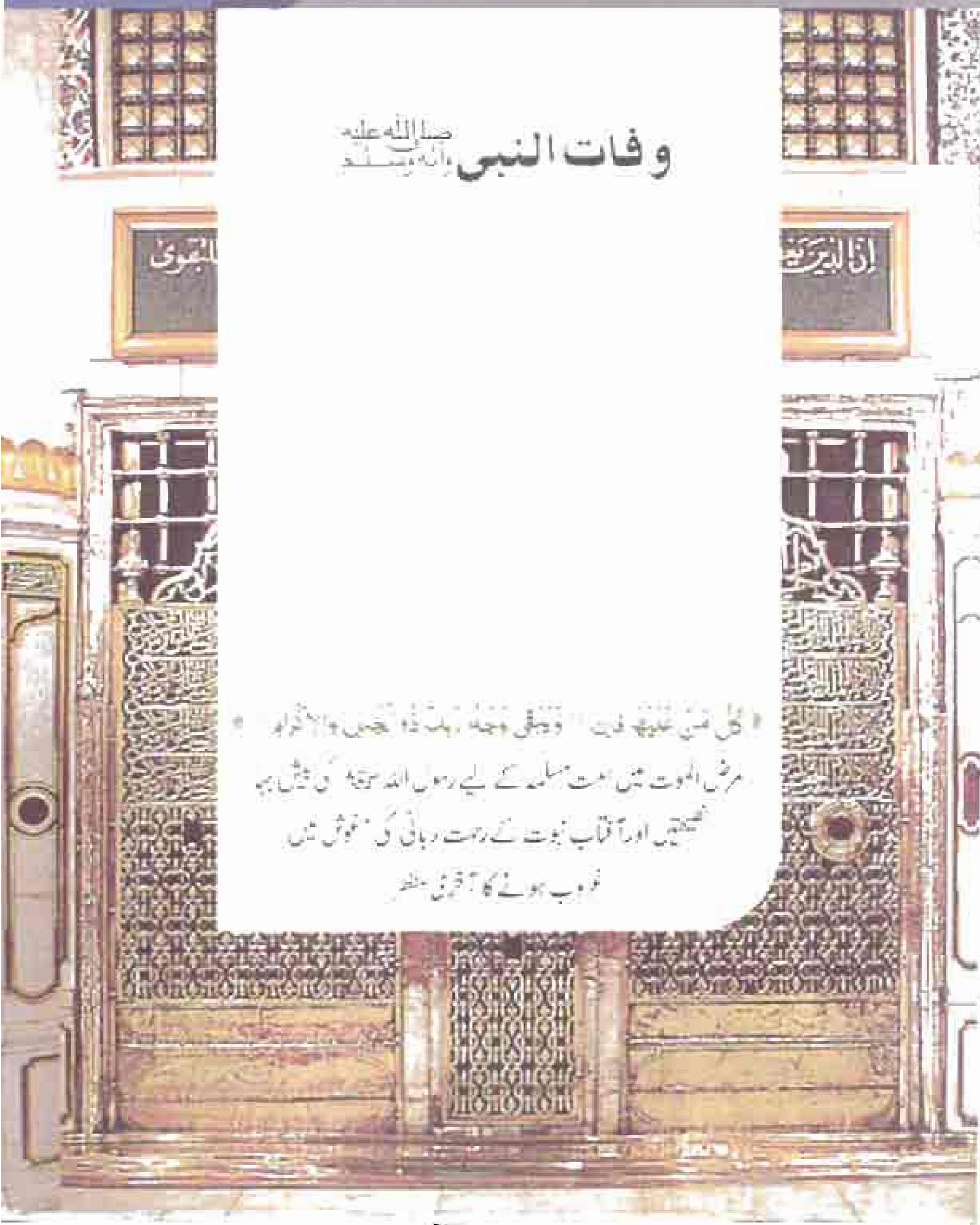
رسول اللہ ﷺ جب مدینہ کے قریب ذوالحلیفہ پہنچے تو آپ ﷺ نے وہاں رات گزاری کیونکہ آپ رات کو بغیر تنبیہ کے گھر والوں کو جگانا مناسب نہیں سمجھتے تھے۔ پھر جب صبح ہوئی تو آپ ﷺ نے مدینہ پہنچ کر تین مرتبہ تکبیر بلند کی اور کہا:

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، آيِبُونَ تَائِبُونَ عَابِدُونَ سَاجِدُونَ لِرَبِّنَا حَامِدُونَ، صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهُ، وَنَصَرَ عَبْدَهُ، وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ

"اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ اسی کی حکومت و بادشاہت ہے۔ وہی تعریف کے لائق ہے اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔ ہم سفر سے لوٹنے والے، توبہ کرنے والے، اپنے مالک کی بندگی کرنے والے، اس کے حضور سجدہ ریز ہونے والے اور اپنے پروردگار کی تعریف کرنے والے ہیں۔ اللہ نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد فرمائی اور اس اکیلے نے کفار کی افواج کو شکست سے دوچار کر دیا۔"[1]

یوں آپ کا یہ مبارک سفرِ حج پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا۔ وللہ الحمد

1 صحیح البخاري: 1797



وفات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ﴾

مرض الموت میں امت مسلمہ کے لیے رسول اللہ ﷺ کی پیش بہا نصیحتیں اور آفتاب نبوت کے رحمت ربانی کی آغوش میں غروب ہونے کا آخری منظر

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ

”ہر جان موت کو چکھنے والی ہے۔“ ... 3:185

اس باب میں





آپ آفتاب نبوت ﷺ کو رحمت رب کی آغوش میں غروب ہوتے دیکھیں گے۔ سیدالاولین والآخرین محمد ﷺ کے سفر آخرت کی روداد پڑھیں گے۔ اللہ رب العالمین نے جب تک چاہا اپنے پیارے نبی ﷺ کو اس دنیا میں رکھا۔ آپ لوگوں کو دین کی دعوت دیتے رہے۔ اسلام کے لیے محنت کرتے رہے اور اسلامی تعلیمات کو عام کرتے رہے۔ بالآخر جب آپ نے تبلیغ رسالت کا فریضہ پورا کر دیا اور آپ کی بعثت کا مقصد پورا ہوگیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے پاس بلا لیا۔ آپ ﷺ نے یہ پیغام قبول کرتے موت کی سرحد عبور کی اور رب ذوالجلال کے حضور پہنچ گئے۔ آپ کی وفات تاریخ عالم کا سب سے زیادہ دردناک اور غم انگیز سانحہ تھا۔ مرض الموت سے لے کر نزع کی آخری ہچکی تک آپ ﷺ نے یہ ایام کس طرح گزارے، یہ بڑی سبق آموز داستان ہے۔ نبی ﷺ پر جب رفیق اعلیٰ کے حضور حاضری کی تمنا غالب آتی چلی جا رہی تھی، انہی ایام میں آپ ﷺ نے اپنی امت کو بیش قیمت نصیحتیں فرمائیں جن سے قیامت تک ایمان کی سلامتی اور تازگی قائم رہ سکتی ہے۔ جب آپ ﷺ پیدا ہوئے تو اس دنیا کی کیا حالت تھی؟ اور جب آپ ﷺ نے دم آخر اس دنیا پر آخری نظر ڈالی تو یہ جہاں سے کہاں تک پہنچ چکی تھی۔ اگلے اوراق اسی سرگزشت کی تفصیلات کے آئینہ دار ہیں۔



لشکر اسامہ کی روانگی

رسول اللہ ﷺ حجۃ الوداع سے لوٹنے کے بعد ذوالحجہ 10 ھ کے بقیہ ایام، محرم اور صفر میں مدینہ منورہ ہی میں قیام فرما رہے۔ اس دوران آپ کے ذوق عبادت اور فکر آخرت میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا اور آپ امت مسلمہ کی حفاظت، اسلام کے فروغ اور اسلامی مملکت مدینہ کے استحکام کی تدابیر فرماتے رہے۔

سریہ اسامہ کا پس منظر یہ تھا کہ رومی حکومت کو یہ گوارا نہ تھا کہ وہ اسلام اور اہل اسلام کے زندہ رہنے کا حق تسلیم کرے۔ اگر وہاں کوئی مسلمان ہو جاتا تو اس کی شامت آجاتی اور جان محفوظ نہ رہتی۔ اس حکومت کا غرور توڑنے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے صفر 11 ہجری کے آخر میں ایک بڑے لشکر کی تیاری شروع فرمائی، سیدنا اسامہ ؓ کو امیر لشکر مقرر کیا اور حکم دیا کہ بلقاء اور روم کا علاقہ روند آؤ۔ اس کارروائی کا مقصد یہ تھا کہ رومیوں کو خوف زدہ کر کے ان کی حدود پر موجود عرب قبائل کا اعتماد بحال کیا جائے اور کسی مغرور کھوپڑی میں یہ نشہ باقی نہ رہے کہ ہم رومی لوگ ناقابل تسخیر ہیں۔ ہم جو چاہیں کرتے پھریں، کوئی مائی کا لال ہم سے کسی طرح کا کوئی مواخذہ یا باز پرس کرنے والا نہیں۔

حافظ ابن حجر ؒ کہتے ہیں: امام بخاری ؒ نے اس عنوان کو رسول اللہ ﷺ کے مرض الموت اور آپ کی وفات کے حالات میں بیان کیا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے وفات سے دو دن پہلے ہفتے کے روز لشکر اسامہ کو روانہ کیا تھا جبکہ اس کی تیاری کا آغاز آپ ﷺ کی بیماری سے پہلے ہی ہو چکا تھا۔[1] آپ کا سیدنا اسامہ ؓ کو امیر لشکر بنانا اور شام کی طرف روانہ فرمانے کا فیصلہ بہت سی حکمتوں، عظمتوں اور برکتوں پر مبنی تھا۔ چونکہ سیدنا اسامہ ؓ کے والد گرامی سیدنا زید ؓ اس سرزمین میں شہید کر دیے گئے تھے، اس لیے آپ ﷺ نے اسامہ ؓ کی دلجوئی فرمائی تاکہ وہ اپنے والد کے قاتلوں پر ٹوٹ پڑیں اور اللہ کے دشمنوں کو خاک و خون میں ملا کر اسلام کا پرچم بلند کر دیں۔

اس لشکر میں عام مہاجرین و انصار کے ساتھ ساتھ سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر ؓ جیسے گرانمایہ اکابر بھی شامل تھے۔ سیدنا اسامہ ؓ کی عمر اس وقت صرف اٹھارہ سال تھی۔ بعض لوگوں نے اعتراض کیا کہ اس لشکر میں بڑے بڑے

1 فتح الباری 8/190.

انصار و مہاجرین موجود ہیں تو اس چھوٹی سی عمر والے اور آزاد کردہ غلام (کے بیٹے) کو امیر کیوں بنایا جا رہا ہے؟ مگر رسول اللہ ﷺ نے اسامہ رضی اللہ عنہ کی امارت پر اٹھائے گئے تمام اعتراضات بلا تامل مسترد کر دیے۔[1]

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

[illegible]

[illegible]

”اگر تم اسامہ کی امارت پر اعتراض کرتے ہو تو تم نے اس سے پہلے اس کے باپ کی امارت پر بھی اعتراض کیا تھا۔ اللہ کی قسم! وہ امارت کے لائق تھا اور وہ سب لوگوں میں سے مجھے زیادہ پیارا تھا۔ اب اس کا یہ بیٹا (اسامہ) مجھے سب لوگوں میں سے زیادہ پیارا ہے۔“[2]

بہر حال صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کے گرد اکٹھے ہو کر ان کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ لشکر روانہ ہو کر مدینہ طیبہ سے تین میل دور مقام جرف میں خیمہ زن ہو گیا لیکن رسول اللہ ﷺ کی بیماری کے متعلق تشویش ناک خبروں کی وجہ سے آگے نہ بڑھ سکا بلکہ اللہ کے فیصلے کے انتظار میں وہیں ٹھہرنے پر مجبور ہو گیا۔ اللہ کا فیصلہ یہ تھا کہ یہ لشکر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کی پہلی مہم قرار پائے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد جب ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی گئی تو انھوں نے سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ لشکر لے کر چلے جائیں، یوں ان کی قیادت میں لشکر روانہ ہوا۔ وہ بیس روز چلتے رہے آخر کار رومیوں پر حملہ کیا، جس نے بھی وہاں گردن اٹھائی، اسے قتل کر دیا گیا۔ ان کے مکانات اور کھیتیاں جلا دی گئیں۔ سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سیدنا زید رضی اللہ عنہ کے سبحہ نامی گھوڑے پر سوار تھے۔ انھوں نے اس دوران میں اپنے والد کے قاتل کو جہنم واصل کیا۔ مدینہ واپس آنے تک اللہ کے فضل سے ایک مسلمان بھی شہید نہ ہوا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مہاجرین اور اہل مدینہ کے ہمراہ ان کا مدینہ طیبہ سے باہر استقبال کیا۔[3]

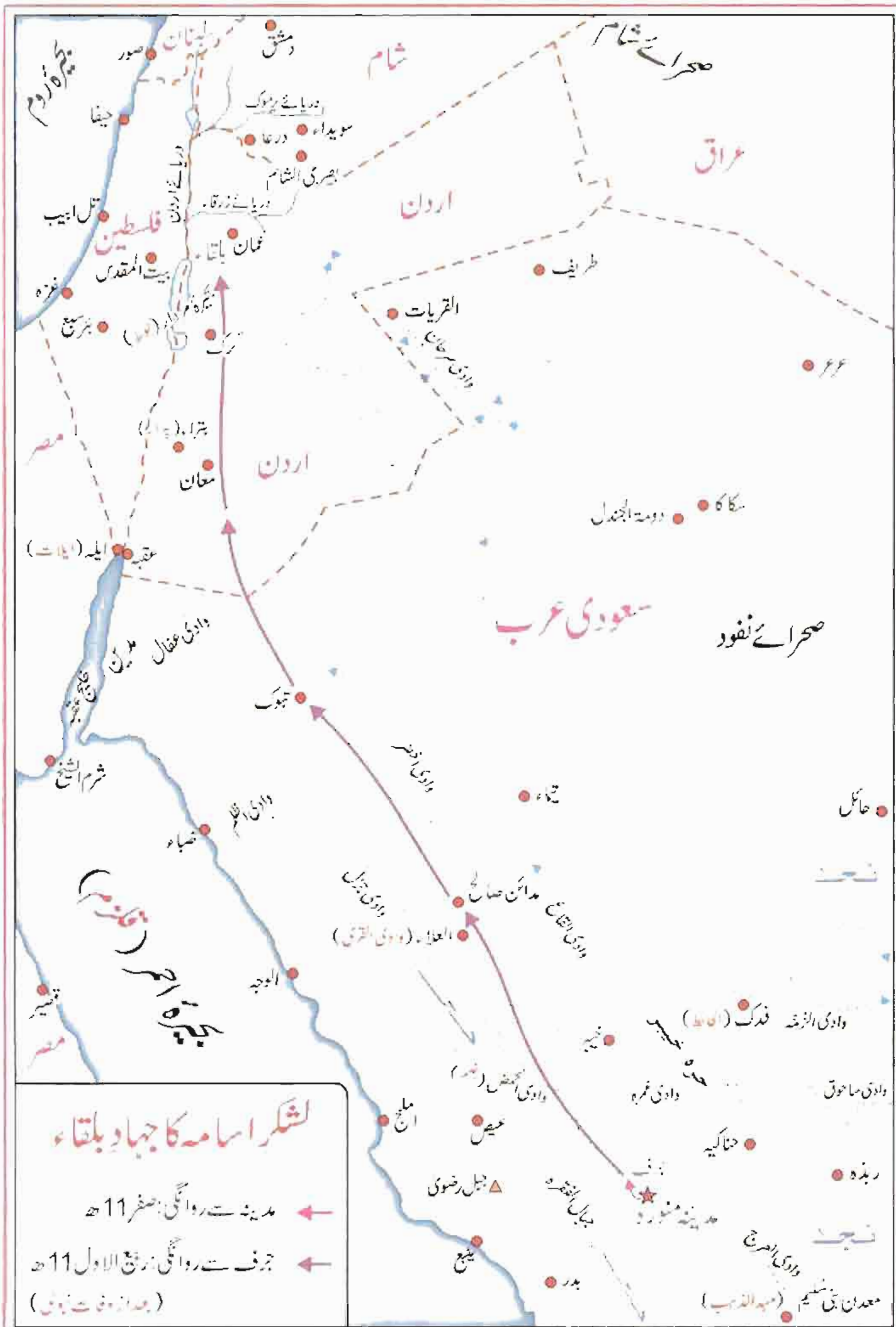
نخلستان جرف (مدینہ منورہ)



1 السيرة النبوية الصحيحة للدكتور العمري: 552/2

2 صحيح البخاري: 3730، صحيح مسلم: 2426

3 مغازي للواقدي 475/2-478، فتح الباري 406/12


لشکر اسامہ کا جہادِ بلقاء
مدینہ سے روانگی: صفر 11ھ
جرف سے روانگی: ربیع الاول 11ھ
(بعد از وفات نبوی)
بحیرہ روم
لبنان
دمشق
شام
صحرائے شام
صور
حیفا
سویداء
درعا
بصری الشام
عراق
اردن
تل ابیب
فلسطین
عمان
بیت المقدس
غزہ
بئر سبع
طریف
القریات
معان
مصر
عقبہ
ایلہ
سکاکا
دومۃ الجندل
سعودی عرب
صحرائے نفود
وادی عفال
تبوک
شرم الشیخ
تیماء
حائل
ضباء
مدائن صالح
العلاء (وادی القریٰ)
الوجہ
بحیرہ احمر
فدک
خیبر
وادی ماحوق
املج
عیص
حناکیہ
ربذہ
جبل رضوی
مدینہ منورہ
ینبع
بدر
معدن بنی سلیم (مہد الذہب)

وفات النبی ﷺ

جب آنحضرت محمد مصطفیٰ ﷺ [illegible] کی وفات ہوئی [illegible] جزیرہ نمائے عرب [illegible] اسلام [illegible] فوج در فوج داخل ہو رہے تھے [illegible] اسلام [illegible] قائم ہو چکی تھی [illegible] ۱۱ھ بارہ ربیع الاول بروز پیر [illegible] مدینہ منورہ میں [illegible] سیدنا محمد ﷺ [illegible] آپ ﷺ کی وفات سے تاریخ عالم میں سب سے زیادہ اہم [illegible] باب کا اضافہ ہوا [illegible] آپ ﷺ [illegible] ۱۲ [illegible] آپ کی وفات [illegible] امت محمدیہ [illegible] کی ذات بابرکات [illegible] رسول اللہ ﷺ کی [illegible]



حتیٰ کہ خود اپنی اور اپنے بال بچوں کی جان بھی، ہیچ اور ناقابل توجہ ہے۔ کسی صحابی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ ہم سے بچھڑ جائیں گے اور ایک دن ایسا سورج بھی طلوع ہوگا جب یہ دنیا آپ ﷺ کے وجودِ مسعود سے خالی ہو جائے گی۔

اللہ تبارک و تعالیٰ ہی حیٌّ قیوم ہے، فرمانِ الٰہی ہے: ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ﴾ ”ہر چیز جو اس روئے زمین پر ہے، فنا پذیر ہے اور صرف تیرے رب کی جلیل و کریم ذات باقی رہنے والی ہے۔“[1] اللہ تعالیٰ کے فیصلے اٹل ہیں۔ مسلمانوں کو بہرحال اپنے پیارے نبی خاتم النبیین محمد ﷺ کی وفات کا غم جھیلنا پڑا۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اس دن سے زیادہ روشن اور بہترین دن کبھی نہیں دیکھا جب رسول اللہ ﷺ ہمارے ہاں تشریف لائے۔ اور میں نے اس دن سے زیادہ تاریک اور برا دن بھی کوئی نہیں دیکھا جس روز رسول اللہ ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے۔[2] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو رسول اللہ ﷺ کی وفات پر کس قدر زبردست قلق ہوا اور وہ کتنی الم انگیز پریشانی میں مبتلا ہو گئے۔ یقیناً امتِ محمدیہ پر اس سے زیادہ اذیت ناک اور کوئی پریشانی نہیں آسکتی۔

رسول اللہ ﷺ اپنی امت پر آنے والی اس اندوہناک پریشانی سے ناواقف نہ تھے، اسی لیے آپ ﷺ نے دنیا کی تمام پریشانیوں اور مصائب کے مقابلے میں اس دکھ اور تکلیف کو زیادہ جاں گسل اور جاں گداز قرار دیا ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

”اے لوگو! تم میں سے جس شخص یا مومن کو کوئی تکلیف پہنچے تو وہ میری وفات کی مصیبت کو یاد کر کے اپنی مصیبت میں صبر و تسلی حاصل کر لے کیونکہ میری امت کے کسی شخص کو میری وفات سے بڑھ کر کوئی مصیبت نہیں پہنچ سکتی۔“[3]

اگلے صفحات میں انھی جاں گداز لمحات کی جزئیات و تفصیلات درج کی جاتی ہیں جو بجائے خود پوری امتِ مسلمہ کے لیے ہدایت اور کامیابی کا بہت بڑا سبق ہیں۔

1 الرحمٰن 55: 26، 27. 2 مسند احمد 3/122. 3 سنن ابن ماجہ: 1599.

اللہ تعالیٰ کی حکمت کو صرف وہی سمجھ سکتے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ توفیق دے۔ نیک لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں بہترین جزا ہے۔ اور جزا موت کا ذائقہ چکھنے کے بعد ہی مل سکتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ تو پوری انسانیت کے رہبر اعظم اور اللہ کے نہایت محبوب ہیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ انھیں وہ کچھ عطا فرمانے والا تھا جو دنیا میں عطا کرنا ممکن ہی نہیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ آخرت میں کسی مومن کو جو اللہ کا قرب اور دیدار نصیب ہوگا، رسول اللہ ﷺ اس نعمت عظمیٰ کے تمام مومنوں سے زیادہ حق دار ہیں۔ یہ اسی صورت میں ممکن تھا جب آپ اس دار فانی کو چھوڑ کر دار الخلد منتقل ہوتے۔

قرآن حکیم میں وفات نبوی کا تذکرہ

رسول اللہ ﷺ قرآن مجید کی بعض آیات سے یہ پیغام پا چکے تھے کہ اب اللہ تعالیٰ کا پیغام مکمل ہونے کے قریب ہے، لہٰذا اب کسی بھی وقت اس دنیا سے کوچ کرنے کا حکم آ سکتا ہے۔

ذیل میں چند آیات پیش کی جاتی ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بارے میں بڑے واضح اشارے موجود ہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن مجید میں رسول اللہ ﷺ کے بشر ہونے کی حقیقت کو بہت نمایاں طور پر اجاگر فرمایا ہے۔ آپ ﷺ کا بشر ہونا ہی دراصل آپ کے بے مثل شرف و مجد کی اصلی بنیاد ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ بھی انسان ہونے کے ناتے موت اور اس کے اظہار، آثار اور احوال سے دوچار ہوئے جیسا کہ سابقہ انبیائے کرام ﷺ بھی اپنے اپنے وقت پر موت کی وادی سے گزرے سوائے سیدنا عیسیٰ ؑ کے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں آسمان پر اٹھا لیا لیکن موت کا ذائقہ انھیں بھی بہرحال چکھنا ہے جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ﴾

''ہر ایک جو اس (زمین) پر ہے، فنا ہونے والا ہے۔''[1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ﴾

''اور محمد (ﷺ) ایک رسول ہی تو ہیں۔ ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ اگر ان کا انتقال ہو جائے یا یہ شہید ہو جائیں تو کیا تم (اسلام سے) اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی اپنی ایڑیوں

[1] الرحمٰن 26:55

کے بل پھر جائے تو وہ اللہ کا کچھ بھی بگاڑ نہ سکے گا۔ اور اللہ شکر ادا کرنے والوں کو اچھی جزا دے گا۔''[1]

امام قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بتایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قوموں میں ہمیشہ نہیں رہتے اور اللہ کے رسول ﷺ خواہ طبعی طور پر وفات پا جائیں یا بصورت شہادت اس دنیا سے رخصت ہو جائیں، تب بھی بہرصورت ان کی تعلیمات کو مضبوطی سے اپنائے رکھنا ضروری ہے۔[2] ایک دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُم مَّيِّتُونَ﴾

''(اے نبی!) بلاشبہ آپ بھی وفات پا جائیں گے اور وہ (کافر) بھی یقیناً مر جائیں گے۔''[3]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ آیت ان آیات میں سے ایک ہے جس کو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی وفات کی دلیل سمجھا حتی کہ لوگوں نے آپ ﷺ کی موت کا یقین کر لیا۔[4]

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّن قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۖ أَفَإِن مِّتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ﴾

''اور (اے نبی!) ہم نے آپ سے پہلے بھی کسی بشر کو ہمیشہ کی زندگی نہیں دی، اگر آپ مر جائیں تو کیا وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں؟''[5]

مذکورہ آیات آپ ﷺ کی وفات پر نص صریح ہیں۔

وفات کے اشارے

بعض آیات ایسی بھی ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ کی وفات کی صراحت تو نہیں مگر صاف صاف اشارے ضرور موجود ہیں، مثلاً:

1 ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ ۝ وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ﴾

''اور یقیناً آخرت آپ کے لیے دنیا سے بہت بہتر ہے۔ اور جلد ہی آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔''[6]

2 ارشاد باری تعالیٰ ہے:

1 آل عمران 144:3۔ 2 تفسیر القرطبی، آل عمران 144:3۔ 3 الزمر 30:39۔ 4 تفسیر ابن کثیر، الزمر 30:39۔ 5 الانبیاء 34:21۔ 6 الضحیٰ 4:93، 5۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ۝

''ہر چیز، جو اس (زمین) پر ہے، فنا ہونے والی ہے۔ اور آپ کے رب کا چہرہ باقی رہے گا جو بڑی شان اور عزت والا ہے۔''[1]

3 ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ۚ لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝

''ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے سوائے اس کے چہرے کے، اسی کی حاکمیت و فرمانروائی ہے اور تم (سب) اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔''[2]

پھر اس کے بعد بتلا دیا کہ موت ایک طے شدہ ناگزیر چیز ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَنَبْلُوكُم بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۖ وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ۝

''ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ اور ہم تمھیں پرکھنے کے لیے برائی اور بھلائی سے آزماتے ہیں اور آخرکار تمھیں ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔''[3]

یہ آیات وضاحت کر رہی ہیں کہ تمام اہل زمین پر اللہ تعالیٰ کا فیصلہ نافذ ہو کر رہے گا۔ اس سے کوئی بھی مستثنیٰ یا محفوظ نہ رہے گا۔

دین مکمل ہو گیا

کچھ آیات ایسی بھی ہیں جن میں اس حقیقت کا اظہار ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنا دین مکمل کر دیا ہے۔ دین اسلام کی ترویج اور اشاعت کے لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے آخری نبی ﷺ کو مبعوث کیا تھا۔ اب چونکہ دین مکمل ہو گیا ہے، اس لیے رسالت کا دروازہ بھی ہمیشہ کے لیے بند ہونے والا ہے، یعنی رسول اللہ ﷺ اپنا فریضہ بطریق احسن و اکمل ادا کر چکے ہیں۔ اب عنقریب رب کریم سے آپ ﷺ کی ملاقات ہوگی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا ۚ

''آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمھارے لیے اسلام کو دین کے طور پر پسند کر لیا۔''[4]

1 الرحمٰن 55: 26، 27۔ 2 القصص 28: 88۔ 3 الانبیاء 21: 35۔ 4 المائدۃ 5: 3۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ ان سے پوچھا گیا کہ آپ کو کس بات نے رلایا ہے؟ انھوں نے کہا: "کمال کے بعد صرف زوال ہوتا ہے۔" گویا انھوں نے اس آیت سے آپ ﷺ کی وفات کو محسوس کر لیا تھا۔[1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِذَا جَآءَ نَصْرُ ٱللَّهِ وَٱلْفَتْحُ ۞ وَرَأَيْتَ ٱلنَّاسَ يَدْخُلُونَ فِى دِينِ ٱللَّهِ أَفْوَاجًا ۞ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَٱسْتَغْفِرْهُ ۚ إِنَّهُۥ كَانَ تَوَّابًۢا﴾

"(اے نبی!) جب اللہ کی مدد اور فتح آ جائے۔ اور آپ لوگوں کو دیکھیں کہ وہ اللہ کے دین میں گروہ در گروہ داخل ہو رہے ہیں۔ تو آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجیے اور اس سے بخشش مانگیے، بلاشبہ وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔"[2]

صحیح بخاری میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ﴿إِذَا جَآءَ نَصْرُ ٱللَّهِ وَٱلْفَتْحُ﴾ کے بارے میں سوال کیا تو صحابہ کرام نے کہا: اس سے مراد ہماری فتح و نصرت ہے جب شہر اور محلات فتح ہوں گے۔ پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے پوچھا: اے ابن عباس! اس آیت کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے؟ میں نے عرض کیا: اس سے مراد فتح مکہ ہے اور عنقریب رسول اللہ ﷺ کی وفات کی اطلاع ہے۔

ایک دوسری روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مجھے اہل بدر کے ساتھ بلایا تو سیدنا عمر نے اہل بدر سے ﴿إِذَا جَآءَ نَصْرُ ٱللَّهِ وَٱلْفَتْحُ﴾ کے بارے میں پوچھا۔ بعض کہنے لگے: ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ جب فتح و نصرت ملے تو اللہ کی حمد و ثنا بیان کریں۔ اور بعض نے بالکل خاموشی اختیار کی اور کچھ نہ کہا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا: کیا تم بھی وہی کہتے ہو جو یہ صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں؟ میں نے کہا: نہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمھارا کیا خیال ہے؟ میں نے عرض کی: اس میں رسول اللہ ﷺ کو ان کی وفات کی خبر دی گئی ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: میرا بھی یہی خیال ہے۔[3]

امام ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے شاید اللہ کے کلام ﴿وَٱسْتَغْفِرْهُ﴾ سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے استغفار کو اعمال کے آخر میں رکھا ہے جیسا کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ تین مرتبہ استغفر اللہ کہا کرتے تھے۔ اسی طرح بیت الخلاء سے فارغ ہونے کے بعد غفرانک کہتے۔ اور مجلس کے اختتام پر آپ یہ دعا پڑھتے: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ

1 البدایۃ والنھایۃ (محقق) 298/5 2 النصر 110: 1-3 3 صحیح البخاری 4294، 4969، 4970

اسی طرح حج کے مناسک کی ادائیگی کے بعد استغفار کا حکم ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ

''پھر جہاں سے سب لوگ لوٹیں، تم بھی وہیں سے لوٹو اور اللہ سے بخشش مانگو، بے شک اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔''[1]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ کے نازل ہونے کے بعد کوئی نماز ایسی نہیں پڑھی جس میں یہ نہ کہا ہو: سُبْحَانَكَ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي[2]

صحیح مسلم میں عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ سے روایت ہے کہ مجھ سے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا تمھیں پتہ ہے کہ قرآن کی آخری سورت جو مکمل طور پر نازل ہوئی، وہ کون سی ہے؟ میں نے کہا: جی وہ تو إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ہے۔ تو عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہنے لگے: تم نے ٹھیک کہا۔[3]

صحیح بخاری میں سیدنا براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سورۂ براءۃ یعنی سورت توبہ سب سے آخر میں نازل ہوئی۔[4] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: آخری سورت کے نزول میں سورۂ نصر اور براءۃ میں یوں تطبیق ممکن ہے کہ سورۂ نصر مکمل طور پر آخر میں نازل ہوئی جبکہ سورۂ براءۃ کی بیشتر آیات پہلے غزوۂ تبوک میں نازل ہوئیں جو رسول اللہ ﷺ کا آخری غزوہ تھا۔[5]

ذخیرۂ آخرت کے لیے مزید کوشاں

جس سال نبی اکرم ﷺ فوت ہوئے، اس سال آپ نے عبادت میں بہت زیادہ وقت صرف کیا، بہت زیادہ استغفار اور بکثرت اللہ کی حمد و ثنا بیان کرنے لگے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب سورہ إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ نازل ہوئی جس میں آپ کو وفات کی خبر دی گئی تھی تو آپ ﷺ نے ذخیرۂ آخرت بڑھانے کے لیے نہایت محنت و مشقت سے بڑی بہتات کے ساتھ عبادت شروع فرما دی۔[6]

احادیث مبارکہ میں وفات کی طرف اشارہ

بعض صحیح احادیث سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس الم انگیز خبر کا پہلے ہی اظہار فرما دیا تھا کہ اب میری رحلت کا وقت قریب ہے۔ آپ ﷺ سے کچھ روایات ایسی بھی ملتی ہیں جو وفات پر صراحتاً

1 [illegible] 4/577، مدارج السالکین 1/175،176. 2 صحیح البخاری 4967. 3 صحیح مسلم 3024.
4 صحیح البخاری 4654. 5 فتح الباری 8/402، 938. 6 السنن الکبریٰ للنسائی 11648.

دلالت کرتی ہیں۔ وہ احادیث جو وفات النبی کی جانب اشارہ کرتی ہیں، درج ذیل ہیں:

1 قرآن کا دومرتبہ دور

سیدہ عائشہ ؓ بیان کرتی ہیں کہ ہم سب بیویاں رسول اللہ ﷺ کے پاس اکٹھی تھیں۔ اتنے میں سیدہ فاطمہ ؓ آ گئیں۔ اللہ کی قسم! ان کی چال ٹھیک رسول اللہ ﷺ کی چال سے مشابہ تھی۔ جب آپ ﷺ نے انھیں دیکھا تو فرمایا: مرحبا بابنتي ''میری بیٹی خوش آمدید!'' پھر آپ نے انھیں اپنے دائیں یا بائیں بٹھا لیا۔ اس کے بعد ان کے کان میں کوئی بات کہی تو وہ رونے لگیں۔ جب آپ نے ان کا غم دیکھا تو دوبارہ سرگوشی کی، اس پر وہ ہنسنے لگیں۔ میں نے فاطمہ سے پوچھا: رسول اللہ ﷺ نے سب کو چھوڑ کر صرف آپ سے راز کی بات کی ہے۔ پھر آپ کیوں رو رہی ہیں؟ جب نبی اکرم ﷺ اٹھے تو میں نے ان سے پوچھا: بتائیں تو سہی، رسول اللہ ﷺ نے چپکے چپکے آپ سے کیا فرمایا تھا؟ انھوں نے کہا: میں رسول اللہ ﷺ کی راز کی بات افشا نہیں کروں گی۔ جب آپ ﷺ وفات پا گئے، اس وقت میں نے ان سے کہا:

آپ پر میرا جو حق ہے، اس حوالے سے پوچھتی ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس روز آپ سے کیا فرمایا تھا؟ انھوں نے کہا: جی ہاں! اب وہ بات بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں، پھر کہنے لگیں: جب آپ ﷺ نے پہلی بار میرے کان میں بات کی تھی تو یہ فرمایا تھا:

«إن جبريل كان يعارضه بالقرآن كل سنة مرة، وإنه عارضني العام مرتين، ولا أرى الأجل إلا قد اقترب، فاتقي الله واصبري، فإني نعم السلف أنا لك»

''جبریل علیہ السلام ہر سال مجھ سے قرآن پاک کا ایک بار دور کیا کرتے تھے، اس سال انھوں نے دو بار دور کیا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ میری موت قریب ہے۔ تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتی رہنا اور صبر کرنا۔ میں تمھارے لیے آخرت میں اچھا پیش رو ہوں گا۔''

اس وقت میرا رونا جو آپ نے دیکھا تھا، اس کی وجہ یہی تھی۔ جب آپ ﷺ نے میری پریشانی دیکھی تو پھر مجھ سے سرگوشی کی اور فرمایا:

«يا فاطمة! ألا ترضين أن تكوني سيدة نساء المؤمنين أو سيدة نساء هذه الأمة»

''اے فاطمہ! کیا تم اس بات سے خوش نہیں کہ تم سب مسلمانوں کی عورتوں یا یوں فرمایا کہ اس امت کی عورتوں کی سردار ہو گی؟''

آپ ﷺ کا یہ ارشاد سن کر میں ہنسنے لگی جیسا کہ آپ نے دیکھا تھا۔ [1]

اس حدیث مبارکہ میں اس بات کا صاف اشارہ موجود ہے کہ جدائی کی گھڑی سر پر کھڑی ہے اور رسول اللہ ﷺ موت کی سرحد عبور فرمانے والے ہیں۔ اتنا ضرور ہے کہ آپ ﷺ نے یہ بات صرف اپنی پیاری صاحبزادی سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو بتائی۔ [2]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ ہر ماہ رمضان میں دس دن اعتکاف فرمایا کرتے تھے لیکن جس سال آپ کی وفات ہوئی، اس سال بیس دن اعتکاف فرمایا۔ نیز ہر رمضان المبارک میں آپ کے ساتھ قرآن مجید کا ایک دفعہ دور کیا جاتا تھا مگر جس سال آپ فوت ہوئے، اس میں دو دفعہ دور کیا گیا۔ [3]

[E] وحی کی کثرت

قرب وفات کی علامات میں سے ایک علامت یہ بھی تھی کہ وحی بڑی کثرت سے نازل ہوتی تھی تاکہ شریعت محمدی مکمل ہو جائے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وفات سے پہلے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر پے در پے وحی نازل فرمائی یہاں تک کہ آپ ﷺ رحلت فرما گئے۔ [4]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: قرب وفات کے موقع پر بکثرت وحی نازل ہونے کی ایک حکمت یہ بھی تھی کہ فتح مکہ کے بعد پے در پے وفود آتے رہے اور احکام بھی کثرت سے نازل ہوئے۔ [5]

[F] شاید میں دوبارہ حج نہ کر سکوں

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام سے اپنی وفات کا وقت قریب آنے کا تذکرہ پہلے ہی کر دیا تھا جیسا کہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو نحر والے دن سواری پر بیٹھے ہوئے کنکریاں مارتے دیکھا۔ آپ ﷺ فرما رہے تھے:

«لتأخذوا مناسككم، فإني لا أدري لعلي لا أحج بعد حجتي هذه»

''مجھ سے اپنے حج کے مناسک سیکھ لو۔ شاید اس حج کے بعد میرے لیے آئندہ حج کی نوبت ''[6]

مسند احمد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

«خذوا عني مناسككم، فإني لا أدري لعلي لا أحج بعد عامي هذا»

1 صحيح البخاري: 6286,6285، صحيح مسلم: (99.98)-2450. 2 مرض النبي ﷺ ووفاته لخالد أبي صالح، ص 35. 3 صحيح البخاري: 2044، 4998. 4 صحيح البخاري: 4982. 5 فتح الباري: 11/9. 6 صحيح مسلم: 1297.

''میری امت مجھ سے حج کے مناسک سیکھ لے کیونکہ شاید اس سال کے بعد میں ان سے ملاقات نہ کر سکوں۔''[1]

غدیر خم پر خطبہ

صحیح مسلم میں سیدنا زید بن ارقم ؓ سے روایت ہے کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے مکہ اور مدینہ کے درمیان خم نامی کنویں کے پاس ہم سے خطاب فرمایا۔ آپ ﷺ نے اپنے خطبے میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی، وعظ و نصیحت فرمائی، پھر ارشاد فرمایا:



''حمد و ثنا کے بعد! اے لوگو! بلاشبہ میں بھی بشر ہوں، قریب ہے کہ میرے پاس میرے پروردگار کا قاصد (ملک موت) آ جائے، تو میں بھی لبیک کہہ دوں اور اس دار فانی سے رخصت ہو جاؤں۔''[2]

تم مجھے نہیں دیکھ پاؤ گے

صحیح مسلم میں سیدنا ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! تم میں سے کسی پر ایک دن ضرور آئے گا جب وہ مجھے نہیں دیکھ پائے گا، پھر مجھے دیکھنا اسے اپنے پاس موجود مال اور اولاد سے زیادہ محبوب ہوگا۔''[3]

میں تم سے پہلے وفات پا جاؤں گا

مسند احمد اور صحیح ابن حبان میں سیدنا معاذ بن جبل ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا:

1 صحیح مسلم، حدیث: 1297 2 صحیح مسلم، حدیث: 2408 3 صحیح مسلم، حدیث: 2364

[illegible]

"تمھارا خیال ہے کہ میری وفات تمھارے بعد ہوگی، بلاشبہ میں تم سے پہلے وفات پا جاؤں گا، تم میرے بعد گروہوں میں بٹ جاؤ گے اور ایک دوسرے کی گردنیں قلم کرو گے۔"[1]

یہ میری وفات کی طرف اشارہ ہے

سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا زمین مضبوط رسیوں کے ذریعے آسمان کی طرف کھینچی جا رہی ہے۔ میں نے یہ خواب نبی اکرم ﷺ سے بیان کیا تو آپ نے فرمایا: [illegible] "یہ تو تمھارے بھتیجے کی موت (کا اشارہ) ہے۔"[2]

اس حدیث میں بھی آپ ﷺ کے اس دار فانی سے جلد رخصت ہونے کی خبر ہے۔ مزید برآں مومن کا خواب سچا ہوتا ہے۔ اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ بعض صحابہ کو عنقریب آپ ﷺ کی وفات کی اطلاع پہلے ہی دے دی گئی تھی۔[3]

اے معاذ! الوداع

سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں جب یمن کی جانب بھیجا تو وہ سوار ہو کر مدینہ منورہ سے نکلے، اس موقع پر نبی مکرم ﷺ ان کی سواری کے ساتھ ساتھ پیدل چل رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

"اے معاذ! ممکن ہے تم اس سال کے بعد مجھ سے نہ مل سکو اور میری قبر اور مسجد کے پاس سے گزرو۔"

یہ وحشت اثر خبر سن کر معاذ رضی اللہ عنہ رو پڑے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

"معاذ! مت رو، رونا (چیخنا، چلانا) تو شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔"[4]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے فراق کے امکانی تصور سے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے اور پھر آپ ﷺ کی طرف دیکھا تو آپ نے مدینہ کی جانب منہ کر کے فرمایا:

1 مسند أحمد 106/4، صحیح ابن حبان 6646. 2 مسند البزار، رقم 844، مجمع الزوائد للهيثمي 24،23/9.
3 [illegible] 37. 4 مسند أحمد 235/5، المعجم الكبير للطبراني 121/2، [illegible]
[illegible] 2047

[illegible]

''میرے قریب ترین متقی لوگ ہوں گے، ہر چند وہ کوئی بھی ہوں اور جہاں کہیں بھی ہوں۔''[1]

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کو اپنی وفات کا وقت قریب آنے کی اطلاع دی ہے کہ ممکن ہے اس سال کے بعد تم مجھے نہ پا سکو۔ اس سے آپ ﷺ کی ذات بابرکات کے ساتھ صحابہ کرام کی وہ والہانہ محبت بھی اجاگر ہوتی ہے کہ جب ان کے سامنے آپ کے فراق کا تذکرہ ہوتا تو وہ بے اختیار رو پڑتے تھے۔[2]

اب حوض کوثر پر ملیں گے

رسول اللہ ﷺ کی وفات کی علامات میں سے ایک علامت یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ آپ ﷺ نے شہدائے احد کے لیے دعا فرمائی۔ اس سے رسول اللہ ﷺ کی اپنی امت کے لیے شفقت اور محبت کے موجزن جذبات کا پتہ چلتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ آپ امت کی بھلائی اور خیرخواہی کے کتنے آرزومند رہتے تھے۔ جب آپ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے دنیا یا آخرت میں سے ایک کو اختیار کرنے کا حکم دیا تو آپ ﷺ نے اپنے مالک و خالق سے ملاقات ہی کو پسند فرمایا، پھر آپ شہدائے احد کی قبروں کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے، اور آپ ﷺ نے ان کے لیے دعا فرمائی۔

چنانچہ سیدنا عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ شہدائے احد کی شہادت پر آٹھ سال بیت چکے تھے۔ اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے یوں دعا کی جیسے زندوں اور مردوں سب سے رخصت ہو رہے ہیں۔ پھر آپ ﷺ واپس آکر منبر پر تشریف فرما ہوئے اور ارشاد فرمایا:

[illegible]

[illegible]

''میں حوض پر تمھارا پیش رو ہوں اور میں تم پر گواہ ہوں گا۔ اب حوض پر ملیں گے۔ میں اس وقت اس جگہ سے اپنے سامنے حوض کو دیکھ رہا ہوں۔ مجھے یہ خدشہ نہیں کہ تم شرک کرو گے بلکہ مجھے تمھارے بارے میں یہ خوف لاحق ہے کہ تم دنیا کے حصول کے لیے ایک دوسرے سے آگے لپکنے لگو گے۔''

سیدنا عقبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: یہ آخری موقع تھا کہ میں نے آپ ﷺ کا دیدار کیا۔ اس کے بعد میں آپ ﷺ کو

1 مسند احمد: 235/5. 2 مرض النبی ﷺ ووفاتہ لخالد ابی صالح، ص: 38.

دیکھ سکا۔[1]

میں اپنے رب سے ملاقات اور جنت کو اختیار کر چکا ہوں

رسول اللہ ﷺ صفر کے مہینے کے آخری ایام میں آدھی رات کو قبرستان بقیع الغرقد تشریف لے گئے اور اپنے آسودۂ خاک ساتھیوں کے لیے استغفار کیا۔

رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام ابومویہبہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آدھی رات کے وقت بلوایا اور فرمایا:

[illegible]

''ابومویہبہ! مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں بقیع والوں کے لیے دعائے مغفرت کروں، تم میرے ساتھ چلو۔''

بقیع (مدینہ) کا ایک منظر



میں آپ ﷺ کے ساتھ چل دیا۔ جب آپ ﷺ ان کی قبروں کے درمیان کھڑے ہوئے تو فرمایا:

[illegible]

''اے اہل قبور! تم پر سلامتی ہو، لوگوں کی نسبت جس حالت میں تم ہو، تمھیں وہ حالت مبارک ہو، فتنے اس طرح سامنے آ گئے ہیں جس طرح تاریک رات کے ٹکڑے، ہر دوسرا فتنہ پہلے فتنے کے پیچھے لپکا چلا آ رہا ہے اور ہر دوسرا فتنہ پہلے سے زیادہ پُرفتن ہے۔''

ابومویہبہ کہتے ہیں کہ پھر آپ ﷺ میری طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے:

[illegible]

1 صحیح البخاری، 4042، صحیح مسلم، 2296.

''ابومویہبہ! مجھے ایک طرف دنیا بھر کے خزانوں کی کنجیاں، ہمیشہ کی زندگی اور آخر میں جنت پیش کی گئی اور دوسری طرف رب ذوالجلال سے ملاقات اور جنت رکھی گئی۔ پھر اختیار دے دیا گیا کہ دونوں سے جو چاہوں لے لوں۔''

سیدنا ابومویہبہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''آپ ﷺ پر میرے ماں باپ فدا ہوں! آپ دنیا کے خزانے اور بقائے دوام کے ساتھ جنت لے لیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا:

''نہیں، اللہ کی قسم! اے ابومویہبہ! میں نے لقائے الٰہی اور جنت کو اختیار کر لیا۔''

پھر آپ ﷺ نے اہل بقیع کے لیے دعائے مغفرت کی اور واپس تشریف لے آئے۔ بقیع سے واپسی پر ہی آپ ﷺ کا وہ مرض شروع ہو گیا جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اپنی طرف بلا لیا۔[1]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا چاند

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے خواب دیکھا کہ تین چاند میری جھولی میں آ گرے ہیں۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: اگر تمھارا خواب سچا ہے تو تمھارے گھر میں زمین کے تین بہترین لوگ دفن ہوں گے، پھر جب رسول اللہ ﷺ فوت ہو گئے تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: تمھارا سب سے بہتر چاند فوت ہوا۔ بعد ازاں سیدہ کے گھر کے صحن میں ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما دفن ہوئے۔[2]

ایک بدوی عورت کی بات

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے ایک عورت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ سے کسی معاملے پر گفتگو کی۔ آپ نے اسے بعد میں آنے کے لیے کہا تو وہ کہنے لگی: اے اللہ کے رسول! اگر میں حاضر ہوں اور آپ کو نہ پا سکوں تو پھر میں کس کے پاس حاضر ہوں؟ گویا وہ آپ کی وفات کی بات کر رہی تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''اگر تم مجھے نہ پاؤ تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس چلی آنا۔''[3]

1 مسند أحمد: 489/3، المستدرك للحاكم: 56/3، المعجم الكبير للطبراني: 347,346/22، مجمع الزوائد للهيثمي 24/9، سنن الدارمي، رقم: 79. 2 المستدرك للحاكم: 63,62/3، مجمع الزوائد: 78/4، دلائل النبوة للبيهقي 262/7. 3 صحيح البخاري: 3659 و7220.

بقیع سے واپسی پر طبیعت ناساز ہوگئی

جس بیماری میں رسول اللہ ﷺ کی روح قبض کی گئی، اس کا آغاز صفر کے آخری ایام کی ایک رات میں ہوا۔ اکثر مورخین کے نزدیک آپ ﷺ کی بیماری کی مدت تیرہ دن ہے۔ بعض نے تیرہ دنوں کے علاوہ بھی بیماری کے طول کھینچنے کا تذکرہ کیا ہے۔ آپ ﷺ ان ایام میں لوگوں کو نماز پڑھاتے رہے یہاں تک کہ آخری تین دنوں میں آپ بیماری کی شدت سے اتنے نڈھال ہوگئے کہ پھر آپ مسجد تشریف نہ لے جا سکے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ نماز پڑھائیں۔ اس کی تفصیل آپ آئندہ ملاحظہ فرمائیں گے۔

رسول اللہ ﷺ جب ابومویہبہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بقیع سے واپس آئے تو آپ ﷺ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جس وقت رسول اللہ ﷺ بقیع قبرستان سے واپس تشریف لائے تو میرے سر میں درد ہو رہا تھا اور میں کہہ رہی تھی: ہائے میرا سر! آپ ﷺ فرمانے لگے: «بل أنا وا رأساه» ”(عائشہ!) بلکہ ہائے میرا سر۔“ یعنی تیرا درد مہلک نہیں، میرا درد سر مہلک ہے۔

پھر آپ فرمانے لگے:

«وما ضرك لو مت قبلي فغسلتك وكفنتك وصليت عليك ودفنتك»

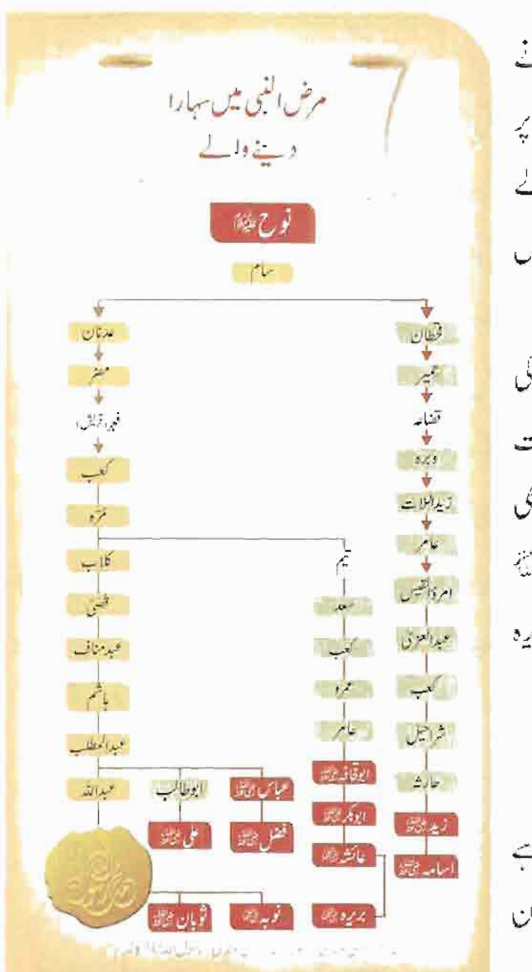
”اگر تو مجھ سے پہلے مر بھی گئی تو تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ میں تجھے غسل دوں گا، کفن پہناؤں گا، جنازہ پڑھوں گا اور تجھے خود دفن کروں گا۔“

میں نے کہا: اللہ کی قسم! مجھے تو یوں لگتا ہے کہ اگر ایسا ہوگیا تو آپ یہ سب کچھ کرنے کے بعد میرے گھر واپس آئیں گے اور اپنی کسی بیوی کے ساتھ یہیں شب بسری کریں گے۔

رسول اللہ ﷺ مسکرانے لگے (کہ اسے کیا خبر کہ میں ہی پہلے اس دنیا سے جا رہا ہوں)، پھر آپ کی وہ تکلیف شروع ہوئی جس میں مبتلا رہ کر بالآخر آپ اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔[1] مگر اس کے باوجود آپ باری کے مطابق ہر بیوی کے گھر تشریف لے جاتے رہے، حتی کہ ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے۔ وہاں آپ ﷺ کی حالت بہت بگڑ گئی۔ آپ نے اپنی تمام بیویوں کو بلایا اور ان سے اجازت طلب کی کہ کیا میں اپنی بیماری کے دن عائشہ کے گھر بسر کرلوں؟ تو سب نے بخوشی اجازت دے دی۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: چنانچہ آپ اپنے اہل بیت میں سے دو آدمیوں کا سہارا لے کر نکلے۔ ان میں سے

1 مسند احمد: 6/228، سنن ابن ماجہ: 1465



ایک فضل بن عباس تھے اور دوسرا کوئی اور تھا۔ آپ نے اپنے سر مبارک پر پٹی باندھ رکھی تھی اور پاؤں زمین پر گھسٹتے جا رہے تھے حتیٰ کہ آپ میرے گھر تشریف لے آئے۔[1] سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے مطابق دوسرے شخص سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تھے۔[2]

بعض دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی بیماری کے موقع پر آپ کو سہارا دینے والے کئی حضرات تھے۔ ایک طرف سیدنا عباس رضی اللہ عنہ تھے۔ دوسری جانب کبھی سیدنا علی، سیدنا اسامہ، سیدنا ثوبان اور کبھی سیدنا فضل رضی اللہ عنہم ہوتے۔ بعض اوقات گھر کے اندر ایک طرف سیدہ بریرہ اور سیدہ نوبہ ہوتی تھیں۔[3]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر کا انتخاب

صحیحین میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جس بیماری میں فوت ہوئے، اس دوران آپ بار بار دریافت فرماتے تھے:

[illegible]

”میں کل کہاں ہوں گا؟ میں کل کہاں ہوں گا؟“

آپ ﷺ عائشہ رضی اللہ عنہا کی معیت میں رہنا پسند کرتے تھے۔ امہات المؤمنین نے آپ کو بطیب خاطر اجازت دے دی کہ آپ ﷺ جہاں چاہیں منتقل ہو جائیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے بقیہ ایام علالت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر بسر فرمائے۔[4]

رسول اللہ ﷺ جب سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے تو وہ سوموار کا دن تھا۔[5]

1 البدایۃ والنہایۃ (محقق) 5/313، 314. 2 صحیح البخاری: 198، صحیح مسلم: 418. 3 فتح الباری: 8/177.
4 صحیح البخاری: 4450، صحیح مسلم: 2443. 5 فتح الباری: 8/177.

ایک اور روایت میں ہے کہ جب آپ بیماری کے ایام میں اپنی ازواج کے پاس باری کے مطابق جاتے تو دریافت فرماتے: أين أنا غدا؟ ''میں کل کہاں ہوں گا؟'' آپ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری کے خواہشمند ہوتے تھے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: پھر جب آپ ﷺ میرے پاس تشریف لائے تو پرسکون ہو گئے۔[1]

بیماری میں شدت

مرض نے رسول اللہ ﷺ کو نڈھال کر دیا۔ آپ کو شدید بخار آنے لگا۔ یہاں تک کہ حرارت کی شدت کپڑوں کے اوپر سے محسوس ہو رہی تھی۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ شدت والے مرض میں کسی کو مبتلا نہیں دیکھا۔[2]

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس اس وقت گیا جب آپ کو سخت بخار تھا۔ میں نے آپ کو چھوا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ کو تو بہت سخت بخار ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

أجل إني أوعك كما يوعك رجلان منكم

''ہاں! مجھے اتنا بخار ہوتا ہے جتنا تم میں سے دو آدمیوں کو ہوتا ہے۔''

میں نے عرض کیا: ''اسی لیے آپ کو دوہرا اجر ملتا ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: أجل ''ہاں۔'' پھر فرمایا:

ما من مسلم يصيبه أذى من مرض فما سواه إلا حط الله به سيئاته كما تحط الشجرة ورقها

''جس مسلمان کو بیماری یا اس کے علاوہ کوئی اور تکلیف پہنچے، اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے گناہ ایسے جھاڑ دیتا ہے جس طرح درخت سے پتے جھڑ جاتے ہیں۔''[3]

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ آپ کو بخار تھا، میں نے جسم مبارک پر ہاتھ رکھا تو میرے ہاتھ کو لحاف کے اوپر سے حرارت محسوس ہونے لگی۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: آپ کا جسم کتنا گرم ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إنا كذلك يضعف لنا البلاء ويضعف لنا الأجر

''بلاشبہ ہم (انبیاء) اسی طرح ہوتے ہیں کہ ہماری آزمائش بھی دگنی ہوتی ہے، اور ہمارے لیے اجر بھی دگنا

1 صحيح البخاري: 3774. 2 صحيح البخاري: 5646، صحيح مسلم: 2570. 3 صحيح البخاري: 5647، صحيح مسلم: 2571.

ہوتا ہے۔''[1]

معوذات پڑھنا

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بیمار ہوتے تو معوذات (اللہ کی پناہ دینے والے کلمات) پڑھ کر اپنے آپ پر پھونک لیا کرتے تھے۔ اور اپنا مبارک ہاتھ بدنِ اطہر پر پھیرتے۔ جب آپ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو میں وہی معوذات پڑھ کر آپ ﷺ پر پھونکنے لگی لیکن بدن اطہر پر آپ کا دست مبارک پھیر دیتی تھی۔[2]

معوذات سے مراد قرآن مجید کی آخری دو سورتیں ہیں۔ ویسے معوذہ سے مراد وہ کلمات ہیں جن کے ذریعے سے شیاطین، بیماریوں اور دیگر تکلیفوں سے پناہ مانگی جاتی ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا طریقہ یہ تھا کہ معوذات پڑھ کر دم کرتیں، پھر نبی ﷺ کا بابرکت ہاتھ آپ کے بدن پر پھیرتی جاتی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ بنفسِ نفیس ہر رات ایسا ہی کرتے تھے جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب اپنے بستر پر لیٹتے تو ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ اور معوذتین پڑھ کر اپنے ہاتھوں پر پھونک مارتے، پھر ان ہاتھوں کو اپنے چہرے پر پھیرتے اور جہاں تک ہاتھ پہنچتے، آپ پورے جسم پر اپنے مبارک ہاتھ پھیرتے تھے، پھر جب آپ بیمار ہوتے تو مجھے حکم دیتے کہ میں آپ کو اسی طرح دم کروں۔[3]

رسول اللہ ﷺ کا علاج

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ہم نے رسول اللہ ﷺ کو آپ کے مرض الوفات میں لدود کیا (منہ کے ایک طرف سے دوائی ڈالی)۔ آپ اشارہ فرما رہے تھے کہ مجھے لدود نہ کرو لیکن ہم نے سمجھا کہ مریض دوا کو ناپسند کرتا ہے، لہٰذا ہم نے زبردستی لدود کیا۔ جب آپ کو ہوش آیا تو آپ نے فرمایا: «أَلَمْ أَنْهَكُمْ أَنْ تَلُدُّونِي؟» ''کیا میں نے تمھیں لدود کرنے سے منع نہیں کیا تھا؟'' ہم نے کہا: مریض کو دوا پینے سے جو ناگواری ہوتی ہے، یہ اسی کا نتیجہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا يَبْقَى أَحَدٌ فِي الْبَيْتِ إِلَّا لُدَّ وَأَنَا أَنْظُرُ، إِلَّا الْعَبَّاسَ فَإِنَّهُ لَمْ يَشْهَدْكُمْ»

''میری نظروں کے سامنے گھر کے ہر فرد کو لدود کیا جائے۔ البتہ عباس کو رہنے دیا جائے کیونکہ وہ اس وقت حاضر نہ تھے۔''[4]

[1] سنن ابن ماجه 4024. [2] صحيح البخاري 4439، صحيح مسلم 2192. [3] صحيح البخاري 5748. [4] صحيح البخاري 4458، صحيح مسلم 2213.

ابن العربی کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ان کو لدود اس لیے کیا تاکہ قیامت والے دن جب وہ آئیں تو ان کے ذمے آپ کا کوئی حق نہ ہو اور انھیں دنیا ہی میں معافی مل جائے۔ آپ ﷺ نے یہ حکم انتقاماً نہیں دیا تھا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ محسوس یہ ہوتا ہے کہ آپ نے تادیب کے لیے انھیں لدود کیا تاکہ وہ آئندہ باز رہیں۔ اس عمل میں انتقام یا قصاص کا شائبہ تک نہ تھا۔[1] رسول اللہ ﷺ نے لدود کو اس لیے بھی ناپسند فرمایا کہ آپ اسے اپنی بیماری کے لیے موزوں نہیں سمجھتے تھے جیسا کہ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کی روایت آرہی ہے۔

سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ لدود کا یہ واقعہ سیدہ میمونہ کے گھر پیش آیا تھا۔ چنانچہ سیدہ اسماء فرماتی ہیں کہ بیماری کی شدت کا آغاز سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ہوا۔ بیماری اتنی شدید تھی کہ آپ پر غشی طاری ہوگئی۔ آپ ﷺ کی ازواج نے مشورہ کیا کہ آپ کو لدود کریں، چنانچہ اس پر عمل کیا گیا۔ جب آپ کو افاقہ ہوا تو آپ نے پوچھا: «ما هذا؟ هذا فعل نساء جئن من هاهنا» ''یہ کیوں کیا گیا، یہ ان عورتوں کی کارروائی ہے جو اس طرف سے آئی ہیں؟'' اس وقت آپ ﷺ حبشہ کی طرف اشارہ فرما رہے تھے۔

سیدہ اسماء بھی انھی عورتوں میں سے تھیں۔ وہ کہنے لگیں: ہم سمجھتے تھے کہ آپ ذات الجنب (پھیپھڑوں کی جلدی سوزش) کی بیماری میں مبتلا ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إن ذلك لداء ما كان الله ليعذبني به، لا يبقين في البيت أحد إلا لُدّ إلا عم رسول الله»

''یہ ایک بیماری ہے۔ اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ مجھے عذاب نہیں دے گا۔ جو بھی گھر میں ہے، اسے لدود کیا جائے سوائے رسول اللہ ﷺ کے چچا کے۔''

کہا جاتا ہے کہ سیدہ میمونہ کا روزہ تھا، پھر بھی انھیں لدود کیا گیا۔[2]

1 فتح الباری: 185/8. 2 مسند احمد: 438/6، مشکل الآثار: 1935، صحیح ابن حبان: 6587

رسول اللہ ﷺ کی وصیتیں

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو وصیت

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے (آخری ایام میں) سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو بلانے کے لیے کسی کو بھیجا۔ جب وہ حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے انھیں علیحدہ کرکے باتیں کیں۔ آپ ﷺ باتیں کر رہے تھے اور عثمان رضی اللہ عنہ کے چہرے کا رنگ بدلتا جا رہا تھا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ان کی باتوں میں آخری بات یہ تھی کہ آپ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے کندھے کو تھپتھپایا اور فرمایا:

«يا عثمان! إن الله عسى أن يلبسك قميصا، فإن أرادك المنافقون على خلعه فلا تخلعه حتى تلقاني»

''اے عثمان! بلاشبہ اللہ تبارک وتعالیٰ عنقریب تمھیں ایک قمیص پہنائے گا، اگر منافقین اس قمیص کو اتروانا چاہیں تو نہ اتارنا یہاں تک کہ تم مجھ سے آملو۔''[1]

آپ نے یہ بات تین بار دہرائی۔

ایک دوسری روایت میں اس سے زیادہ صراحت موجود ہے۔ ابوبکر عدوی نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: رسول اللہ ﷺ نے اپنے کسی صحابی کو وفات سے قبل کوئی وصیت فرمائی تھی؟ وہ فرمانے لگیں: معاذ اللہ (ایسا تو کچھ نہیں ہوا) البتہ جو ہوا، وہ تمھیں بتاتی ہوں۔ پھر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی طرف متوجہ ہوئیں اور کہنے لگیں: اے حفصہ! میں اس چیز پر تمھیں اللہ کا واسطہ دیتی ہوں کہ تم حق پر میری تکذیب کرو یا باطل پر میری تصدیق کرو۔ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں: ٹھیک ہے (میں ایسا نہیں کروں گی)۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں: کیا تم جانتی ہو کہ رسول اللہ ﷺ پر غشی طاری ہوئی تھی؟ تو میں نے کہا: کیا آپ فوت ہو گئے؟ تو تم نے کہا: پتہ نہیں۔ پھر آپ کو ہوش آگیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: [illegible] ''اس کے لیے لکھواؤ۔'' دوسری روایت میں ہے: [illegible]

1 مسند أحمد: 6/86، صحيح ابن حبان: 6915، سنن ابن ماجه: 113,112

"اس کے لیے دروازہ کھولو۔" میں نے آپ سے پوچھا: میرے والد کے لیے؟ تو آپ ﷺ خاموش رہے، پھر تم نے پوچھا: میں اپنے والد کے لیے کھولوں؟ تو آپ ﷺ خاموش رہے۔ آپ ﷺ پر تین مرتبہ غشی طاری ہوئی۔ میں ہر دفعہ یہی کہتی جا رہی تھی کہ شاید آپ فوت ہوگئے ہیں۔ پھر تم نے کہا: پتہ ہے کہ دروازے پر کوئی شخص ہے، نہ وہ میرے والد ہیں نہ تمھارے والد۔ بھلا دیکھو وہ کون ہیں؟

جب دیکھا تو وہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے۔ وہ گھر میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا: "اسے قریب کرو۔" حتی کہ آپ نے عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کا سہارا لیا اور اپنا ہاتھ ان کی گردن کے پیچھے کر کے ان سے کچھ سرگوشیاں فرمائیں۔ جب آپ ﷺ فارغ ہوئے تو سیدنا عثمان کہنے لگے: میں سمجھ گیا ہوں۔ اور کہا کہ میرے کانوں نے سن لیا ہے اور دل نے سمجھ لیا ہے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ بات تین مرتبہ کہی۔ پھر رسول اللہ ﷺ فوت ہوگئے۔ یہ سب باتیں سن کر حفصہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں: ایسا ہی ہوا تھا۔[1]

انصار کے لیے وصیت

سیدنا ابوبکر اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہما انصار کی ایک مجلس سے گزرے۔ دیکھا کہ وہ رو رہے ہیں۔ (یہ نبی ﷺ کی بیماری کے دنوں کا واقعہ ہے۔) انھوں نے ان سے پوچھا: "تم لوگ کیوں رو رہے ہو؟" مجلس والوں نے کہا: "ہمیں رسول اللہ ﷺ کی مجلس یاد آرہی ہے۔" انھوں نے آکر رسول اللہ ﷺ کو بتایا۔ یہ سن کر آپ ﷺ باہر تشریف لائے، سر مبارک پر کپڑے کی پٹی بندھی ہوئی تھی۔ آپ منبر پر تشریف لائے اور اس کے بعد پھر کبھی آپ منبر پر رونق افروز نہ ہوسکے۔ آپ نے اللہ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

[illegible]

[illegible]

"(لوگو!) میں تمھیں انصار کے بارے میں وصیت کرتا ہوں۔ وہ میرے مخلص ساتھی اور ہمراز ہیں۔ ان پر جو حق تھا، انھوں نے پورا کر دیا ہے، اب ان کا حق باقی ہے۔ ان میں سے جو نیک ہو، اس کی قدر کرنا اور جو برا ہو، اس سے درگزر کرنا۔"[2]

اس حدیث سے انصار کی رسول اللہ ﷺ سے شدید محبت، آپ کی بیماری پر قلق اور گریہ وزاری اور مجلس سے محرومی

1 فضائل الصحابة لأحمد بن حنبل: 835، مسند أحمد: 263/6، مجمع الزوائد: 104/9 2 صحيح البخاري: 3799، صحيح مسلم: 2510.

پر ملال انگیزی کا پتہ چلتا ہے۔[1]

ایک روایت میں ہے: آپ ﷺ نے فرمایا:

«أيها الناس! فإن الناس يكثرون ويقل الأنصار حتى يكونوا كالملح في الطعام، فمن ولي منكم أمرا يضر فيه أحدا أو ينفعه فليقبل من محسنهم ويتجاوز عن مسيئهم»

''اے لوگو! بلاشبہ لوگ بڑھتے جائیں گے اور انصار کم ہوتے جائیں گے یہاں تک کہ کھانے میں نمک کے برابر رہ جائیں گے، تم میں سے جو شخص بھی کسی ایسے محکمے میں حاکم ہو جس کے ذریعے وہ کسی کو نقصان اور نفع پہنچا سکتا ہو تو اسے چاہیے کہ وہ انصار کے نیکوکاروں کی قدر کرے اور ان کے خطا کاروں سے درگزر کرے۔''[2]

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے لیے وصیت

بیماری کے ایام میں وفات سے دو روز قبل ہفتے کے دن نبی اکرم ﷺ نے سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی فضیلت بیان کی اور فرمایا کہ وہ لشکر کی امارت و قیادت کے لائق ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إن تطعنوا في إمارته فقد كنتم تطعنون في إمرة أبيه من قبل، وايم الله إن كان لخليقا للإمارة، وإن كان لمن أحب الناس إلي، وإن هذا لمن أحب الناس إلي بعده»

''اگر تم اسامہ کی امارت پر اعتراض کرتے ہو تو تم نے اس سے پہلے اس کے باپ کی امارت پر بھی اعتراض کیا تھا۔ اللہ کی قسم! وہ امارت کے لائق تھا اور وہ سب لوگوں میں مجھے سب سے زیادہ پیارا تھا۔ اب اس کے بعد یہ (اس کا بیٹا اسامہ) مجھے سب لوگوں سے زیادہ پیارا ہے۔''[3]

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا اشارہ

رسول اللہ ﷺ نے مرض الموت میں یہ ارادہ کیا کہ میں ابوبکر صدیق کی خلافت کے لیے وصیت کر دوں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لقد هممت أو أردت أن أرسل إلى أبي بكر وابنه فأعهد، أن يقول القائلون أو

[1] مرض النبي ووفاته لخالد أبي صالح، ص: 65. [2] صحيح البخاري: 3800. [3] صحيح البخاري: 3730، 4469، صحيح مسلم: 2426.

مُتَمَنٍّ الْمُتَمَنُّونَ ثُمَّ قُلْتُ: يَأْبَى اللّٰهُ وَيَدْفَعُ الْمُؤْمِنُونَ، أَوْ يَدْفَعُ اللّٰهُ وَيَأْبَى الْمُؤْمِنُونَ.

''میرا ارادہ ہے کہ میں ابوبکر اور اس کے بیٹے کو پیغام بھیج کر بلاؤں اور خلافت کی وصیت کر دوں تاکہ کوئی کہنے والا کچھ کہہ نہ سکے اور تمنا کرنے والا تمنا نہ کرتا پھرے۔'' (عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:) پھر میں نے کہا: اللہ تعالیٰ بھی کسی اور کو خلیفہ بنانے سے انکار فرمائے گا اور مومنین بھی کسی اور کو تسلیم نہ کریں گے۔ (یا فرمایا:) اللہ بھی کسی اور کو تسلیم نہ کرے گا اور مومنین بھی کسی اور کو خلیفہ نہ ہونے دیں گے۔''[1]

اپنی قبر کو سجدہ گاہ بنانے سے روکنا

رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو اس بات پر شدید تنبیہ کی کہ کہیں آپ کی قبر کو سجدہ گاہ نہ بنا لیا جائے۔ پھر آپ نے فرمایا: جنھوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا، وہ لعنت الٰہی کے مستحق ٹھہرے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِي وَثَنًا، لَعَنَ اللّٰهُ قَوْمًا اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ»

''اے اللہ! میری قبر کو میلہ گاہ نہ بنانا، اللہ ایسی قوم پر اپنی لعنت بھیجے جنھوں نے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔''[2]

ایک دوسری روایت میں یہ فرمان مذکور ہے: «لَا تَتَّخِذُوا قَبْرِي عِيدًا» ''میری قبر کو عیدگاہ نہ بنانا۔''[3]

سیدہ عائشہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ پر موت کا وقت قریب آیا تو آپ اپنی ایک چادر اپنے چہرے پر ڈالتے، پھر جب گھبراہٹ طاری ہوتی تو اسے اپنے چہرے سے ہٹا دیتے تھے۔ اسی حالت میں آپ نے فرمایا:

«لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى، اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ»

''یہودیوں اور عیسائیوں پر اللہ کی لعنت ہو! انھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔''

آپ کا مقصد اپنی امت کو اس سے روکنا تھا۔[4]

دوسری روایت میں آپ ﷺ کے یہ الفاظ بیان ہوئے ہیں:

«قَاتَلَ اللّٰهُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى، اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ»

''اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ کو تباہ کرے، انھوں نے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔''[5]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: اگر قبر کو سجدہ گاہ بنانے کا خدشہ نہ ہوتا تو قبر کو نمایاں کیا جاتا۔[6] حافظ ابن حجر کہتے

[1] صحیح البخاری: 7217. [2] مسند احمد: 246/2. [3] مسند احمد: 367/2. [4] صحیح البخاری: 4444، 4469، صحیح مسلم: 531. [5] صحیح البخاری: 437، صحیح مسلم: 530. [6] صحیح البخاری: 1330 و 4441.

ہیں: سیدہ عائشہ ؓ کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ قبر کو ظاہر کر دیا جاتا اور اس میں کوئی رکاوٹ کھڑی نہ کی جاتی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ گھر سے باہر دفن کیے جاتے۔ سیدہ نے یہ بات اس وقت کہی جب ابھی مسجد کی توسیع نہیں ہوئی تھی۔ جب مسجد کی توسیع ہوگئی تو حجرہ مبارک کو مثلث شکل میں محدود کر دیا گیا تاکہ کوئی قبلہ رو ہو کر اور قبر اپنے آگے کر کے نماز نہ پڑھ سکے۔[1]

قبروں کو سجدہ گاہ بنانے کی دو صورتیں ہیں: 1 قبروں کو براہ راست سجدہ کیا جائے۔ 2 نماز پڑھتے وقت قبر کو اپنے اور قبلے کے درمیان کیا جائے۔ یہودی یہ دونوں صورتیں اختیار کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو اس بات کا اندیشہ تھا مبادا آپ کی قبر کو سجدہ گاہ بنا لیا جائے۔ اسی اندیشے کی بنا پر رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر کو چھت کے ذریعے سے بند کر دیا گیا ہے۔ یہ کتنا بڑا معجزہ ہے کہ آج ساری کائنات میں صرف ایک ہی سچے آخری رسول ﷺ کی قبر اس حالت میں محفوظ ہے کہ وہاں کسی طرح کی کوئی پوجا پاٹ نہیں کی جاتی۔ وللہ الحمد.

یہود و نصاریٰ اپنے انبیاء ؑ کی قبروں کو سجدہ کرتے اور ان کی تعظیم کے لیے انھیں قبلہ بناتے تھے، اس لیے مسلمانوں کو اس مذموم کام سے روکا گیا، چنانچہ ایک حدیث میں اس امر کی مزید وضاحت ہے۔ سیدہ ام حبیبہ ؓ نے رسول اللہ ﷺ سے ایک گرجے کا ذکر کیا جو انھوں نے حبشہ میں دیکھا تھا، اس میں مورتیاں بھی رکھی ہوئی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أُولٰئِكَ قَوْمٌ إِذَا مَاتَ فِيهِمُ الْعَبْدُ الصَّالِحُ أَوِ الرَّجُلُ الصَّالِحُ بَنَوْا عَلٰى قَبْرِهِ مَسْجِدًا وَصَوَّرُوا فِيهِ تِلْكَ الصُّوَرَ، أُولٰئِكَ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللّٰهِ»

''ان لوگوں کا طریقہ یہ تھا کہ جب ان میں کوئی نیک آدمی فوت ہو جاتا تو اس کی قبر پر مسجد بنا دیتے اور اس

1 فتح الباري 3/256.

ایتھوپیا (حبشہ) کا دارالحکومت عدیس ابابا



میں مورتیاں رکھ دیتے تھے۔ یہ لوگ قیامت کے دن اللہ کے ہاں ساری مخلوق میں سے سب سے زیادہ بدتر ہوں گے۔''[1]

اللہ تعالیٰ سے حسن ظن

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے بندوں کے بارے میں خیر و بھلائی کے علاوہ کوئی فیصلہ نہیں فرماتا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں کے لیے رحمت اور اس کی رضا کے دروازے کھلے رہتے ہیں اور اگر انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اس کے لیے رفع درجات اور گناہوں کی بخشش کا باعث بنتی ہے۔

سیدنا جابر ؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی وفات سے تین دن پہلے سنا، آپ فرما رہے تھے:

لا یموتن احدکم الا وھو یحسن الظن باللہ عز وجل

''تم میں سے ہر شخص اس حال میں فوت ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں نیک گمان رکھتا ہو۔''[2]

امام نووی کہتے ہیں: علماء کا کہنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس فرمان کے ذریعے سے اللہ سے مایوس ہونے سے منع کیا اور حکم دیا ہے کہ انسان خاتمے کے وقت اپنے رب سے اچھے معاملے، معافی اور رحمت کی امید رکھے۔[3]

نماز اور غلاموں سے حسن سلوک کی وصیت

سیدہ ام سلمہ ؓ سے روایت ہے کہ آپ جس بیماری میں فوت ہوئے، اس میں آپ نے بار بار فرمایا:

الصلاۃ وما ملکت ایمانکم

''نماز، غلاموں اور لونڈیوں کا خیال رکھنا۔''

آپ ﷺ نے بار بار یہ کہا، حالانکہ زبان مبارک آپ کا ساتھ نہیں دے رہی تھی لیکن آپ بہ تکلیف کوشش کر کے یہی کلمات کہتے رہے۔[4]

سیدنا انس ؓ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات کا وقت آیا تو آپ ﷺ کی عمومی وصیت نماز اور غلاموں سے متعلق تھی۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ وصیت کرتے کرتے سکتہ سا آ گیا، اس وقت آپ کی زبان آپ ﷺ کے ملفوظات ادا نہیں کر پا رہی تھی۔[5]

1 صحیح بخاری: 434؛ 2 صحیح مسلم: 2877؛ 3 شرح مسلم للنووی: 17/172. 4 سنن ابن ماجہ: 1625
5 سنن ابن ماجہ: 2697؛ مسند احمد: 117/3

بے مثال محبت

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''میرے لیے یہ بات تسلی بخش ہے کہ میں نے عائشہ کے ہاتھ کی سفیدی جنت میں دیکھی ہے۔''[1]

یہ روایت اس حقیقت کی دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کس قدر محبت تھی۔ لوگوں نے اظہار محبت کے لیے کئی پیرائے اختیار کیے ہیں لیکن اس معیار کو کوئی نہیں پہنچ سکا کیونکہ ان کی بات میں مبالغہ ہوتا ہے، حقیقت نہیں ہوتی۔ لیکن آپ ﷺ کی بات حق ہے جس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں۔

وفات سے پہلے آخری خطبہ

وفات سے پانچ دن پہلے نبی اکرم ﷺ کی طبیعت زیادہ خراب ہوگئی۔ بخار کی شدت سے آپ ﷺ پر بیہوشی طاری ہوگئی۔ پھر جب آپ ﷺ کو ہوش آیا تو فرمایا:

«هَرِيقُوا عَلَيَّ مِنْ سَبْعِ قِرَبٍ لَمْ تُحْلَلْ أَوْكِيَتُهُنَّ لَعَلِّي أَعْهَدُ إِلَى النَّاسِ»

''سات مشکیزے پانی لاؤ جن کے منہ نہ کھولے گئے ہوں اور میرے اوپر بہا دو۔ شاید میں لوگوں کو وصیت کر سکوں۔''

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہم نے آپ ﷺ کو سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے ایک ٹب میں بٹھا دیا، پھر وہ مشکیزے آپ ﷺ پر بہانا شروع کر دیے یہاں تک کہ آپ ﷺ نے اشارے سے فرمایا کہ بس کرو۔ پھر آپ ﷺ لوگوں کی طرف تشریف لائے، ان کو نماز پڑھائی اور وعظ فرمایا۔[2]

رسول اللہ ﷺ نے سات مشکیزے بہانے کا حکم دیا کیونکہ سات کے عدد میں خصوصیت ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ سات کے عدد کو زہر اور جادو کا اثر زائل کرنے میں خاص دخل ہے، اس کے اثرات کو زائل کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے سات مشکیزوں کا پانی منگوایا۔[3]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو پانی سے حرارت میں کمی محسوس ہوئی تو آپ فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کا سہارا لے کر نکلے۔[4] آپ کے سر مبارک پر ایک کالی پٹی بندھی ہوئی تھی اور آپ اپنے دونوں شانوں پر چادر اوڑھے ہوئے تھے۔ آپ اسی طرح مسجد میں داخل ہوئے اور منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ اس کے بعد آپ

1 مسند أحمد: 25944. 2 صحيح البخاري: 198 و 5714. 3 فتح الباري: 177/8. 4 المصنف لعبد الرزاق: 469/9.

منبر پر کبھی نہ بیٹھ سکے۔[1] تمام لوگ آپ کے گرد جمع ہو گئے۔ آپ ﷺ نے اللہ کی حمد و ثنا بیان کی اور شہدائے احد کے لیے دعا فرمائی۔[2] پھر فرمایا:

«إِنَّ عَبْدًا خَيَّرَهُ اللَّهُ بَيْنَ أَنْ يُؤْتِيَهُ مِنْ زَهْرَةِ الدُّنْيَا مَا شَاءَ، وَبَيْنَ مَا عِنْدَهُ، فَاخْتَارَ مَا عِنْدَهُ»

''بلاشبہ اللہ نے اپنے بندے کو اختیار دیا کہ دنیا کی نعمتوں میں سے جو چاہے، اپنے لیے پسند کر لے یا جو اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے (آخرت میں) اسے پسند کر لے، تو اس نے اللہ کے پاس جو کچھ ہے، اسے اختیار کر لیا ہے۔''

فَبَكَى أَبُو بَكْرٍ وَقَالَ: فَدَيْنَاكَ بِآبَائِنَا وَأُمَّهَاتِنَا

''یہ سن کر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رونے لگے اور کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! آپ پر ہمارے آباء و اجداد اور مائیں قربان ہوں۔''

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر تعجب کیا۔ لوگ کہنے لگے: اس بزرگ کو دیکھو رسول اللہ ﷺ فرما رہے ہیں کہ بندے کو اللہ نے دنیا کی زیب و زینت اور جو اس کے پاس ہے، دونوں میں سے کسی کو پسند کرنے کا اختیار دیا ہے اور یہ کہتا ہے کہ آپ ﷺ پر میرے باپ دادا اور مائیں فدا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ ہی کو یہ اختیار دیا گیا تھا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ ہم سے زیادہ جاننے والے تھے۔[3]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللَّهَ خَيَّرَ عَبْدًا بَيْنَ الدُّنْيَا وَبَيْنَ مَا عِنْدَهُ، فَاخْتَارَ ذَلِكَ الْعَبْدُ مَا عِنْدَ اللَّهِ»

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو دنیا اور جو اللہ کے پاس ہے، دونوں میں سے ایک کو اختیار کرنے کا اختیار دیا ہے، چنانچہ اس کے بندے نے جو کچھ اللہ کے پاس ہے، اسے اختیار کر لیا ہے۔''

اس موقع پر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو روتا دیکھ کر آپ ﷺ نے انھیں تسلی دی اور فرمایا:

«يَا أَبَا بَكْرٍ! لَا تَبْكِ، إِنَّ أَمَنَّ النَّاسِ عَلَيَّ فِي صُحْبَتِهِ وَمَالِهِ أَبُو بَكْرٍ، وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيلًا مِنْ أُمَّتِي لَاتَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ، وَلَكِنْ أُخُوَّةُ الْإِسْلَامِ وَمَوَدَّتُهُ، لَا يَبْقَيَنَّ فِي الْمَسْجِدِ بَابٌ إِلَّا

1 صحيح البخاري: 3800,3799. 2 مسند أحمد: 224/5. 3 صحيح البخاري: 3904


کوہِ احد کے دامن میں مسجد شہدائے احد اور احاطۂ شہداء

مسند احمد میں ہے کہ:

''اے ابوبکر! مت رو، بلاشبہ لوگوں کی صحبت اور مال میں مجھ پر ابوبکر کا سب سے زیادہ احسان ہے۔ اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا لیکن اسلام کی اخوت ومودت ہی کافی ہے، مسجد کی طرف کھلنے والے تمام دروازے بند کردو۔ صرف ابوبکر رضی اللہ عنہ کا دروازہ باقی رہنے دو۔''[1]

مسند ابویعلی میں ہے کہ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: میرے علم میں صحابہ رضی اللہ عنہم میں ابوبکر رضی اللہ عنہ سے زیادہ افضل کوئی نہیں ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ امام خطابی اور ابن بطال سے نقل کرتے ہیں کہ اس حدیث سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خصوصی عظمت آشکار ہو رہی ہے۔ اس میں یہ مضبوط اشارہ ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی خلافت کے مستحق ہیں۔ اس بنا پر بھی ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت ثابت ہوتی ہے کہ آپ نے اپنی زندگی کے آخر میں یہ بات ایک ایسے وقت ارشاد فرمائی جب آپ نے صرف ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کو امام بنانے پر اصرار کیا۔ بعض نے دروازے کو خلافت اور بند کرنے کو اس کی طلب سے تعبیر کیا ہے، گویا آپ نے فرمایا ہے: ابوبکر رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی خلافت کا مطالبہ بھی نہ کرے، البتہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے اس کو طلب کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ امام ابن حبان کا میلان بھی اسی طرف ہے۔[2]

عدل کے میزان میں

رسول اللہ ﷺ نے پھر ارشاد فرمایا:

«أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّهُ قَدْ دَنَا مِنِّي حُقُوقٌ مِنْ بَيْنِ أَظْهُرِكُمْ وَلَنْ تَرَوْنِي فِي هٰذَا الْمَقَامِ فِيكُمْ، وَقَدْ كُنْتُ أَرٰى أَنَّ غَيْرَهُ غَيْرُ مُغْنٍ عَنِّي حَتّٰى أَقُومَهُ فِيكُمْ، أَلَا فَمَنْ كُنْتُ جَلَدْتُ لَهُ ظَهْرًا فَهٰذَا ظَهْرِي فَلْيَسْتَقِدْ، وَمَنْ كُنْتُ أَخَذْتُ لَهُ مَالًا فَهٰذَا مَالِي فَلْيَأْخُذْ مِنْهُ، وَمَنْ كُنْتُ شَتَمْتُ لَهُ عِرْضًا فَهٰذَا عِرْضِي فَلْيَسْتَقِدْ، وَلَا يَقُولَنَّ قَائِلٌ: أَخَافُ الشَّحْنَاءَ مِنْ قِبَلِ رَسُولِ اللّٰهِ، أَلَا وَإِنَّ الشَّحْنَاءَ لَيْسَتْ مِنْ شَأْنِي وَلَا مِنْ خُلُقِي، وَإِنَّ مِنْ أَحَبِّكُمْ إِلَيَّ مَنْ أَخَذَ حَقًّا إِنْ كَانَ لَهُ عَلَيَّ أَوْ حَلَّلَنِي فَلَقِيتُ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ وَلَيْسَ لِأَحَدٍ عِنْدِي مَظْلِمَةٌ»

''اے لوگو! بلاشبہ تمھارے درمیان رہتے ہوئے کچھ حقوق میرے ذمے ہیں، تم مجھے یہاں اپنے درمیان نہیں دیکھو گے، میرا یہ خیال تھا کہ میرے علاوہ کوئی کفایت کرنے والا نہیں یہاں تک کہ میں ہی تمھارے

1 صحيح البخاري: 466 و 3654، مسند أبي يعلى: 56/8، مجمع الزوائد: 43/9. 2 فتح الباري: 19/7

درمیان کھڑا ہوں، جان لو! اگر میں نے کسی کی کمر پر کوئی درہ مارا ہے تو میری کمر حاضر ہے، وہ مجھ سے بدلہ لے سکتا ہے۔ اگر میں نے کسی کا مال لیا ہے تو میرا مال حاضر ہے، وہ اس میں سے وصول کر سکتا ہے۔ اگر میں نے کسی کو برا بھلا کہا ہے تو میری آبرو حاضر ہے، وہ اس میں سے لے سکتا ہے۔ تم میں سے کوئی یہ نہ کہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کی ناراضی کا خدشہ ہے، اس لیے میں بدلہ نہیں لیتا۔ سنو! یہ میری شان نہیں ہے نہ یہ میری عادت ہے۔ بلاشبہ تم میں سے مجھے سب سے محبوب وہی ہے جو مجھ سے اپنا حق وصول کر لے اور میرا معاملہ صاف کر دے، میں اللہ سے اس حالت میں ملاقات کرنا چاہتا ہوں کہ مجھ پر کسی کا حق واجب نہ ہو۔''

ایک آدمی کھڑا ہوا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! میرے آپ کے ذمے تین درہم ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «أعطه یا فضل» ''اے فضل! اسے یہ دے دو۔''[1]

تحریری وصیت کا ارادہ

بروز جمعرات وفات سے چار روز قبل رسول اللہ ﷺ کی طبیعت زیادہ خراب ہوگئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«ائتوني بكتف أكتب لكم كتابا لا تضلوا بعده»

''میرے پاس لکھنے کے لیے کوئی چیز لاؤ، میں تمھیں ایک تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہ نہیں ہو گے۔''

گھر میں بہت سارے لوگ تھے جن میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: آپ ﷺ پر بیماری نے غلبہ پا لیا ہے۔ ہمارے پاس قرآن ہے جو ہمیں کافی ہے۔[2] لیکن گھر میں موجود لوگ اختلاف کرنے اور جھگڑنے لگے۔ ان میں سے کچھ لوگ کہنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ کو لکھنے کے لیے کوئی چیز دے دو تاکہ وہ تمھارے لیے کچھ لکھ دیں جس کے بعد تم گمراہ نہیں ہو گے لیکن ان میں سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرح بعض افراد وہی بات کہنے لگے جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہی تھی۔ پھر جب اختلاف بڑھ گیا اور آوازیں بلند ہونے لگیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

1 دلائل النبوة للبیہقی 179/7، یہ روایت ضعیف ہے۔ 2 سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ پر بیماری کے غلبے کی وجہ سے جو یہ الفاظ کہے ہیں کہ ''ہمارے پاس کتاب اللہ ہے جو ہمیں کافی ہے۔'' اس کا مقصد یہ نہیں کہ حدیث نبوی کی اہمیت نہیں یا وہ شریعت محمدی کا حصہ نہیں کیونکہ قرآن مجید کی تفسیر اور تشریح بھی رسول اللہ ﷺ نے وحی کے ذریعے اپنے اقوال، فرامین اور عمل سے فرمائی۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس بات کو بڑی اچھی طرح سمجھتے تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی پوری زندگی رسول اللہ ﷺ کی اتباع میں گزری تھی۔ ان کے نزدیک قرآن بھی وحی الٰہی تھا اور آپ ﷺ کا قول و عمل بھی وحی تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول کو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم بخوبی سمجھتے تھے۔ علاوہ ازیں کتاب اللہ کا لفظ بعض روایات میں حدیث نبوی کے لیے بھی استعمال ہوا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ کتاب اللہ سے مراد قرآن اور احادیث دونوں ہیں۔ (مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: انکار حدیث سے انکار قرآن تک، ص: 291-299، تالیف محمد عبدالسلام رحمتی حفظہ اللہ)

«قوموا عني، ولا ينبغي عندي التنازع»

''میرے پاس سے اٹھ جاؤ، میرے آس پاس جھگڑا مناسب نہیں ہے۔''

لوگوں میں اختلاف ہوگیا۔ وہ کہنے لگے: آپ کی کیا حالت ہو رہی ہے؟ کیا آپ شدت بخار کی وجہ سے الگی بات کہہ رہے ہیں؟ ذرا آپ ہی سے پوچھ لو۔ وہ آپ سے بار بار پوچھنے لگے تو آپ ﷺ نے فرمایا: «دعوني، فالذي أنا فيه خير مما تدعوني إليه» ''مجھے چھوڑ دو۔ میں جس حالت میں ہوں، وہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم مجھے بلاتے ہو۔''

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کہنے لگے: سب سے بڑی مصیبت یہ تھی کہ جو لوگ اختلاف اور تکرار کر رہے تھے، وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے تحریر لکھوانے میں حائل ہوگئے۔[1]

تین باتوں کی وصیت

اسی روز رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو تین باتوں کی وصیت فرمائی: '' 1 مشرکین کو جزیرۂ عرب سے نکال دو۔ 2 اور وفود کو اسی طرح عطیات دیتے رہنا جس طرح میں دیتا ہوں۔''

راوی کہتے ہیں کہ تیسری بات انھوں نے نہیں کہی۔ یا میں بھول گیا ہوں۔[2]

تیسری وصیت کے حوالے سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت کو بھی شمار کیا جاتا ہے جس میں وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیماری میں مجھ سے فرمایا:

«ادعي لي أبا بكر أباك وأخاك حتى أكتب كتابا، فإني أخاف أن يتمنى متمن ويقول قائل: أنا أولى، ويأبى الله والمؤمنون إلا أبا بكر»

''اپنے والد ابوبکر اور بھائی کو بلاؤ، تاکہ میں ایک مکتوب لکھ دوں، بلاشبہ مجھے خدشہ ہے کہ کوئی تمنا کرنے والا تمنا کرنے لگے یا اعتراض کرنے والا اعتراض کرتا پھرے اور کہے کہ میں بہتر ہوں۔ اللہ تعالیٰ اور تمام مومن ابوبکر کے علاوہ سب کا انکار کرتے ہیں۔''[3]

اسی طرح درج بالا روایت میں مذکور تیسری وصیت کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام داودی سے نقل کیا ہے کہ تیسری چیز قرآن کو لازم پکڑنے کی وصیت تھی۔ سیدنا ابو موسیٰ غافقی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں جو آخری وصیت فرمائی تھی، وہ آپ کا یہ فرمان تھا:

[1] صحيح البخاري: 114 و 3053 [2] صحيح البخاري: 4431، صحيح مسلم: 1637 [3] صحيح مسلم: 2387

[illegible]

''تم اللہ کی کتاب کو لازم پکڑو۔ تم جلد ہی ایسی قوم کی طرف لوٹو گے جو مجھ سے حدیث بیان کرنا پسند کرے گی۔ جس نے وہ بات کی جو میں نے نہیں کہی تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے اور جس نے میری کوئی بات حفظ کی ہو، وہ اسے بیان کرے۔''[1]

مالک بن مغول، طلحہ بن مصرف سے بیان فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا نبی کریم ﷺ نے وصیت فرمائی تھی؟ انھوں نے کہا: نہیں۔ میں نے کہا: لوگوں پر کیسے وصیت فرض کی گئی یا انھیں اس کا کس طرح حکم دیا گیا؟ انھوں نے فرمایا: ویسے تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی کتاب پر عمل کرنے کی وصیت فرمائی ہے۔[2]

یہ بھی کہا گیا ہے کہ تیسری وصیت آپ ﷺ کی جیش اسامہ کی تیاری اور اسے روانہ کر دینے کی تھی۔ اس بات کو ترجیح دینے والوں میں ابن بطال شامل ہیں۔ وہ اس کی یہ دلیل دیتے ہیں کہ جب لوگوں نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے جیش اسامہ کی روانگی میں اختلاف کیا تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: نبی ﷺ نے موت کے وقت اس جیش کو روانہ کرنے کی وصیت فرمائی تھی۔

کچھ یہ بھی کہتے ہیں کہ تیسری وصیت آپ کا یہ فرمان تھی: [illegible] ''میری قبر کو میلہ گاہ نہ بنا لینا۔'' کیونکہ مؤطا میں آپ کا یہ فرمان یہود کو جزیرۂ عرب سے نکال دینے کے حکم کے ساتھ ذکر ہوا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

[illegible]

''اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ کو تباہ و برباد کرے جنھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔ عرب کی سرزمین میں دو دین باقی نہ رہیں۔''[3]

یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ نے تیسری وصیت یہ کی تھی جو حدیث انس رضی اللہ عنہ میں ہے: [illegible] ''نماز اور غلاموں کا خیال رکھنا۔''[4]

اس حدیث کو ''حدیث قرطاس'' کہتے ہیں۔

نبی ﷺ کی وفات پیر کے دن ہوئی اور دستاویز لکھوانے کا واقعہ جمعرات کے دن پیش آیا۔ اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

1 مسند أحمد [illegible] 334/4 2 صحیح البخاري 4460، صحیح مسلم 1634 3 الموطأ للإمام مالك 2606 4 سنن [illegible] 2697، مسند أحمد 26483، فتح الباري 480/8

کا تنازعہ ہوا۔ اس بنا پر آپ ﷺ نے دستاویز نہ لکھی۔ اس کے متعلق روافض بہت شور مچاتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے پر مامور تھے۔ کسی کے خوف سے آپ نے فریضۂ تبلیغ نہیں چھوڑا، خصوصاً ایسی چیز جو گمراہی سے بچاتی ہو، اسے تو آپ ﷺ کسی صورت نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔ اگر ایسی بات ہوتی تو آپ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو روک دیتے جیسا کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر آپ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو روک دیا تھا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ صائب الرائے تھے۔ ان کی رائے کے مطابق کئی موقعوں پر قرآن نازل ہوا۔ اگر ایسے آدمی نے روک دیا تو ضرور اس میں کوئی مصلحت ہوگی اور ان کی رائے کی خود رسول اللہ ﷺ نے بھی تائید کی۔ اگر بہت ضروری معاملہ ہوتا تو آپ اس کے بعد تین چار دن زندہ رہے، ان ایام میں کسی سے بھی تحریر لکھوا لیتے، نیز قبل ازیں تکمیل دین کی آیت نازل ہو چکی تھی۔ اب اگر گمراہی سے بچانے والی کوئی چیز باقی رہ گئی تھی تو پھر تکمیل دین کے کیا معنی ہوں گے؟ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کوئی نئی بات بیان نہیں کرنا چاہتے تھے بلکہ یا تو مفصلات کو مجملاً بیان کرنا چاہتے تھے یا پہلی باتوں میں سے کسی بات کی تاکید کرنا چاہتے تھے جس کے لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو تکلیف دینا ضروری خیال نہ کیا۔ ان حقائق کی روشنی میں فہم عمر کو فہم ابن عباس پر ترجیح دی جائے گی۔

رسول اللہ ﷺ نے آخر میں تین چیزوں کی وصیت کی تھی جن پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ عمل پیرا ہوئے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر کوئی اعتراض نہیں کرنا چاہتے تھے بلکہ ان کا مقصد یہ تھا کہ اگر آپ لکھ دیتے تو منافقین کے لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرنے کی گنجائش نہ رہتی۔ علاوہ ازیں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے قرائن سے معلوم کر لیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا تحریر کرنے کا امر وجوب کے لیے نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو اختلاف کے باوجود رسول اللہ ﷺ ضرور اس کے مطابق عمل کرتے جبکہ اس کے بعد آپ ﷺ چار دن زندہ رہے۔ ان بقیہ ایام میں جو حضرات سامان کتابت لانے کی خواہش رکھتے تھے، انھوں نے بھی اس سلسلے میں کوئی پیش رفت نہیں کی۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کا انکار نہیں کیا بلکہ خاموشی اختیار کر کے اس کے صحیح ہونے کی طرف اشارہ فرمایا۔ اس سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی قوت فہم اور دقت نظر کا پتہ چلتا ہے۔ انھیں بھی قرائن سے اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ دستاویز ضروری نہیں۔ اگر ضروری ہوتی تو رسول اللہ ﷺ اسے محض اس اختلاف کی وجہ سے کبھی نظر انداز نہ کرتے۔[1]

ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت پر اصرار

شدید بیماری کے باوجود رسول اللہ ﷺ کی یہی خواہش رہی کہ آپ نماز میں مسلمانوں کی امامت کرائیں لیکن

[1] دیکھیے: فتح الباری: 8/168، 169

بیماری کی شدت سے آپ ﷺ مسجد آنے جانے سے معذور ہو گئے۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے حکم دیا کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھائیں۔

سیدنا عبیداللہ بن عبداللہ فرماتے ہیں: میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں گیا۔ میں نے کہا: کیا آپ مجھے رسول اللہ ﷺ کی بیماری کے بارے میں کچھ نہیں بتائیں گی؟ وہ فرمانے لگیں: کیوں نہیں، جب نبی کریم ﷺ کی تکلیف بڑھ گئی۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: أَصَلَّى النَّاسُ؟ ''کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے؟'' ہم نے کہا: نہیں، اے اللہ کے رسول! وہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ فرمایا:

ضَعُوا لِي مَاءً فِي الْمِخْضَبِ

''میرے لیے ٹب میں پانی ڈالو۔''

ہم نے حکم کی تعمیل کی۔ پھر آپ نے غسل فرمایا اور اٹھنے لگے تو بے ہوش ہو گئے، جب ہوش آیا تو فرمایا: أَصَلَّى النَّاسُ؟ ''لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے؟'' ہم نے گزارش کی: نہیں اے اللہ کے رسول! وہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ فرمایا:

ضَعُوا لِي مَاءً فِي الْمِخْضَبِ

''میرے لیے پھر ٹب میں پانی ڈالو۔''

ہم نے پانی ڈال دیا۔ آپ نے پھر غسل فرمایا لیکن اٹھنے لگے تو پھر بے ہوش ہو گئے۔ پھر جب ہوش میں آئے تو فرمانے لگے: أَصَلَّى النَّاسُ؟ ''لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے؟'' ہم نے عرض کیا: نہیں! وہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ فرمایا:

ضَعُوا لِي مَاءً فِي الْمِخْضَبِ

''میرے لیے ٹب میں اور پانی ڈالو۔''

ہم نے ڈال دیا تو آپ نے تیسری مرتبہ غسل فرمایا مگر جب اٹھنے لگے تو پھر بے ہوش ہو گئے۔ جب حواس بجا ہوئے تو پوچھا: أَصَلَّى النَّاسُ؟ ''کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے؟'' ہم نے کہا: نہیں، اے اللہ کے رسول! لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ لوگ کافی دیر سے مسجد میں بیٹھے تھے اور عشاء کی نماز کے لیے آپ کا انتظار کر رہے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا کہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نرم دل آدمی تھے، کہنے لگے: عمر! آپ لوگوں کو نماز پڑھا دیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں، آپ ہی امامت کے حقدار ہیں۔ تو ان

دنوں سیدنا ابوبکر ؓ نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔[1]

دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: [illegible] ''ابوبکر سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔'' سیدہ عائشہ ؓ نے عرض کی: ''ابوبکر بہت نرم دل ہیں۔ وہ جب آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو لوگوں کو نماز نہ پڑھا سکیں گے۔'' آپ ﷺ نے دوبارہ یہی فرمایا۔ سیدہ عائشہ ؓ نے پھر وہی بات دہرائی تو آپ ﷺ نے تیسری یا چوتھی مرتبہ اپنے ارشاد کی تکرار کرتے ہوئے فرمایا: [illegible] ''تم یوسف ؑ (کے قصے میں مذکور) عورتوں کی طرح ہو۔ ابوبکر سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔'' تو ابوبکر (امامت کے لیے) آگے بڑھے۔[2]

سیدہ عائشہ کا مقصد یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ امامت کے لیے کسی اور شخص کو حکم دیں کیونکہ ان کا خیال تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی جگہ جب کوئی دوسرا کھڑا ہوگا تو لوگ اسے اچھا نہیں سمجھیں گے اور اس سے محبت نہیں کریں گے۔

رہ رہ کر ابوبکر ؓ ہی کا تذکرہ

سیدنا عبداللہ بن زمعہ ؓ بیان کرتے ہیں: جب رسول اللہ ﷺ کی حالت زیادہ بگڑ گئی تو اس وقت میں بھی چند صحابہ کے ساتھ آپ کے پاس موجود تھا۔ سیدنا بلال ؓ نماز کے لیے بلانے آئے تو آپ فرمانے لگے: [illegible] ''کسی کو کہو لوگوں کو نماز پڑھا دے۔'' میں باہر نکلا تو سیدنا عمر ؓ لوگوں میں موجود تھے۔ سیدنا ابوبکر ؓ غائب تھے۔ میں نے کہا: جناب عمر! لوگوں کو نماز پڑھا دیجیے۔ سیدنا عمر ؓ آگے کھڑے ہو گئے۔ جب انھوں نے اللہ اکبر کہا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی آواز سن لی کیونکہ وہ بلند آہنگ شخص تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''ابوبکر کہاں ہیں؟ اللہ اور مومنین اس سے انکار کرتے ہیں۔ اللہ اور مسلمان اس بات کو تسلیم نہیں کریں گے (کہ ابوبکر کے سوا کوئی اور آگے آئے)۔''

سیدنا ابوبکر ؓ کو بلایا گیا۔ وہ آئے تو سیدنا عمر ؓ نماز پڑھا چکے تھے۔ سیدنا ابوبکر نے دوبارہ نماز پڑھائی۔ سیدنا عمر مجھ سے کہنے لگے: ابن زمعہ! تجھ پر افسوس! تو نے میرے ساتھ یہ کیا کیا؟ جب تو نے مجھے نماز پڑھانے کا کہا تو اللہ کی قسم! میں نے یہی سمجھا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا نام لے کر مجھے نماز پڑھانے کا حکم دیا ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو میں ہرگز نماز نہ پڑھاتا۔ میں نے کہا: اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ نے آپ کا نام لے کر حکم نہیں

[1] صحيح البخاري: 687، [2] صحيح البخاري: 712

دیا تھا، مگر جب مجھے ابوبکر نظر نہیں آئے تو میں نے آپ ہی کو امامت کا سب سے زیادہ حقدار سمجھا۔[1]

مسجد میں آخری نماز

رسول اللہ ﷺ نے اپنی طبیعت کی گرانی میں کمی محسوس فرمائی تو آپ ﷺ دو آدمیوں کے کاندھوں کا سہارا لے کر مسجد میں تشریف لائے۔ مگر تکلیف کی وجہ سے آپ ﷺ کے قدم مبارک زمین پر جم نہیں پا رہے تھے بلکہ گھسٹتے ہوئے معلوم ہو رہے تھے۔ اس وقت ابوبکر ؓ نے پیچھے ہٹنا چاہا لیکن رسول اللہ ﷺ نے انھیں اشارے سے اپنی جگہ کھڑے رہنے کا حکم دیا، پھر آپ ﷺ کو ابوبکر کے پہلو میں لایا گیا تو آپ ﷺ تشریف فرما ہو گئے۔

اعمش سے پوچھا گیا: کیا رسول اللہ ﷺ نماز پڑھا رہے تھے اور ابوبکر آپ ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھ رہے تھے اور لوگ ابوبکر کی اقتدا کر رہے تھے؟ تو انھوں نے سر ہلا کر کہا: ''ہاں۔''[2]

دوسری روایت میں ہے کہ پھر ظہر کی نماز کے وقت آپ ﷺ نے طبیعت میں بہتری محسوس فرمائی تو دو آدمیوں کا سہارا لے کر نکلے۔ ان دونوں میں سے ایک عباس تھے۔ سیدنا ابوبکر ؓ نے آپ کو دیکھا تو پیچھے ہٹنے لگے لیکن آپ نے انھیں اشارہ فرمایا کہ پیچھے نہ ہٹیں۔ اور ان دونوں آدمیوں سے فرمایا: [illegible] ''مجھے ابوبکر کے پہلو میں بٹھا دو۔'' انھوں نے آپ ﷺ کو ابوبکر ؓ کے پہلو میں بٹھا دیا۔ پھر ابوبکر ؓ نماز میں نبی ﷺ کی پیروی کر رہے تھے اور لوگ ابوبکر ؓ کی نماز کی پیروی کر رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ بیٹھ کر نماز پڑھ رہے تھے۔ ابن عباس ؓ کا بیان ہے کہ آپ کو سہارا دینے والے دوسرے شخص علی ؓ تھے۔[3]

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ اس نماز میں امام تھے اور سیدنا ابوبکر ؓ آپ ﷺ کی نماز کی پیروی کر رہے تھے۔[4]

ام المومنین عائشہ ؓ سے منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے مرض الوفات میں سیدنا ابوبکر ؓ کے پیچھے بیٹھ کر نماز پڑھی۔[5]

سیدنا انس ؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے سیدنا ابوبکر ؓ کے پیچھے ایک چادر اوڑھ کر نماز پڑھی۔ آپ ﷺ نے اس کے دائیں کنارے کو بائیں کندھے اور بائیں کنارے کو دائیں کندھے پر ڈال رکھا تھا۔ جب آپ ﷺ نے اٹھنے کا ارادہ کیا تو فرمایا: ''اسامہ کو بلاؤ۔'' وہ آئے اور آپ کی پشت کو اپنے سینے کا سہارا دیا۔ یہ آخری نماز تھی

1 مسند احمد: 4/322، سنن أبي داود: 4660۔ 2 صحیح البخاری: 664 و 712، صحیح مسلم: (95)-418.
3 صحیح البخاری: 687، صحیح مسلم: 418. 4 دلائل النبوۃ للبیہقی: 7/191. 5 مسند احمد: 6/159.

جو آپ نے پڑھی۔[1]

یہاں یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ ایک روایت میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اپنی والدہ ام الفضل رضی اللہ عنہا سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی بیماری میں سر باندھے ہوئے تشریف لائے، آپ نے مغرب کی نماز پڑھائی اور اس میں سورۂ مرسلات پڑھی۔ اس کے بعد آپ نے کوئی نماز نہیں پڑھائی یہاں تک کہ آپ ﷺ اپنے رب کے حضور پہنچ گئے۔[2]

جبکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی گزشتہ روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی اس بیماری میں جس میں آپ فوت ہوئے، جو آخری نماز پڑھی، وہ ظہر کی نماز تھی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور ام الفضل رضی اللہ عنہا سے مروی روایات کو اس طرح جمع کیا ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے مراد یہ ہے کہ مسجد میں آپ نے جو نماز پڑھائی، وہ ظہر کی تھی اور جو سیدہ ام الفضل نے سورۂ مرسلات والی نماز کا ذکر کیا ہے، وہ آپ ﷺ کی گھر کے اندر نماز کا تذکرہ ہے جیسا کہ امام نسائی نے تذکرہ کیا ہے۔ البتہ جامع الترمذی کے الفاظ: خرج إلينا رسول الله ﷺ وهو عاصب رأسه في مرضه فصلى المغرب سے اشتباہ پیدا ہوتا ہے۔ ممکن ہے ام الفضل رضی اللہ عنہا کے قول: خرج إلينا سے مراد یہ ہو کہ اپنے ہی گھر میں ایک جگہ سے ہٹ کر کسی اور جگہ پر نماز ادا کی ہو۔[3]

امام بیہقی رحمہ اللہ کا خیال ہے آخری نماز جو آپ نے مسجد میں پڑھی، وہ وفات والے دن سوموار کو صبح کی نماز تھی، اس لیے کہ یہ بات قطعی طور پر ثابت ہے کہ آپ سوموار کے دن ضحیٰ کے وقت اللہ کو پیارے ہوئے۔ مگر حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: بیہقی نے یہ بات موسیٰ بن عقبہ کی مغازی سے اخذ کی ہے۔ اسی طرح ابوالاسود نے عروہ سے بھی یہ بات بیان کی ہے۔ مگر یہ قول ضعیف ہے، البتہ یہ آخری نماز ظہر کی ہے جو آپ نے مسجد میں لوگوں کے ساتھ پڑھی جیسا کہ ایک دوسری روایت میں اس کی صراحت ہے۔ چونکہ حدیث ایک ہے، لہٰذا مطلق کو مقید پر محمول کرنا ضروری ہے۔ پھر یہ بھی ممکن نہیں کہ یہ نماز وفات والے دن سوموار کی صبح کی نماز ہو کیونکہ وہ تو آپ نے جماعت کے ساتھ ادا نہیں فرمائی بلکہ اپنے گھر میں پڑھی، اس وجہ سے کہ آپ بہت ضعیف ہو چکے تھے۔ اس کی دلیل سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی ایک دوسری حدیث ہے جو آپ کے خادم خاص تھے اور ہر وقت آپ کے ساتھ رہتے تھے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ کے مرض وفات میں نماز پڑھاتے رہے حتی کہ

1 دلائل النبوة للبيهقي 192/7، مسند أحمد 243/3 2 صحيح البخاري 4076 3 فتح الباري 287/2، صحيح البخاري 4076، صحيح مسلم 704، جامع الترمذي 283، سنن النسائي 975، سنن أبي داود 687، سنن ابن ماجه 823، مسند أحمد 25646.

جب سوموار کا دن ہوا، لوگ صبح کی نماز میں صفیں باندھے کھڑے تھے تو نبی کریم ﷺ نے حجرے کا پردہ ہٹایا اور ہمیں دیکھنے لگے۔ آپ کھڑے تھے اور آپ کا چہرہ مبارک (حسن و جمال اور صفائی میں) قرآن پاک کے ورق کی طرح منور نظر آ رہا تھا۔ آپ کچھ دیر کھڑے مسکراتے رہے۔ ہمیں نبی کریم ﷺ کے دیدار کی بے تحاشا خوشی تھی۔ قریب تھا کہ ہم نماز ہی سے غافل ہو جاتے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ الٹے پاؤں پیچھے ہٹنے لگے تا کہ صف میں مل جائیں۔ انھوں نے سمجھا کہ نبی کریم ﷺ نماز کے لیے تشریف لا رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے ہمیں اشارہ فرمایا کہ اپنی نماز پوری کرو اور پردہ گرا دیا۔ اسی دن آپ ﷺ اپنے رب کو پیارے ہو گئے۔[1]

دوسری روایت میں سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ (بیماری کے ایام میں) تین دن باہر نہیں نکلے، پھر جماعت کی اقامت ہوئی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ آگے بڑھنے لگے کہ نبی کریم ﷺ نے پردہ ہٹایا۔ جب ہمیں نبی کریم ﷺ کا چہرہ مبارک دکھائی دیا تو آپ کے روئے مبارک سے زیادہ خوبصورت منظر ہم نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اشارہ فرمایا کہ آگے بڑھیں اور خود نبی کریم ﷺ نے پردہ گرا دیا۔ پھر آپ ﷺ کبھی دکھائی نہیں دیے حتی کہ اپنے رب کے حضور پہنچ گئے۔[2]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ واضح ترین دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سوموار کے دن صبح کی نماز لوگوں کے ساتھ نہیں پڑھی اور اس وقت تک آپ کو مسجد میں تشریف لائے تین دن ہو چکے تھے۔ بنا بریں آپ نے آخری نماز جو لوگوں کے ساتھ پڑھی، وہ ظہر کی نماز تھی جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی گزشتہ روایت میں صراحت سے بیان ہو چکا ہے۔ مزید برآں یہ جمعرات کے دن کی بات ہے، ہفتہ یا اتوار کی نہیں جیسا کہ امام بیہقی نے مغازی موسیٰ بن عقبہ سے نقل کیا ہے اور یہ قول ضعیف ہے۔ ہم پیچھے بیان کر چکے ہیں کہ آپ ﷺ نے اس نماز کے بعد خطبہ بھی ارشاد فرمایا تھا۔ آپ جمعہ، ہفتہ اور اتوار پورے تین دنوں میں مسجد نہیں آسکے۔ امام بیہقی پر تعجب ہے کہ انھوں نے یہ حدیث (کہ رسول اللہ ﷺ نے سوموار کے دن فجر کی نماز کی ایک رکعت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں ان کے پہلو میں ادا کی اور سلام پھیرنے کے بعد دوسری رکعت ادا کی) دونوں سندوں سے (بطریق موسیٰ بن عقبہ اور عروہ) بیان کرنے کے بعد لکھا ہے: شاید آپ نے پہلی رکعت میں پردہ گرا دیا ہو اور دوسری رکعت میں تشریف لائے ہوں اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی ہو جیسا کہ عروہ اور موسیٰ بن عقبہ نے فرمایا ہے۔ اور یہ بات سیدنا انس رضی اللہ عنہ پر مخفی رہی ہو یا انھوں نے کچھ حدیث بیان کر دی ہو اور آخری حصہ چھوڑ دیا ہو۔ یہ آخری بات تو انتہائی بعید از قیاس ہے

1 صحیح البخاري: 680. 2 صحیح البخاري: 681

کیونکہ خود سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر اس کے بعد آپ اپنی وفات تک اوجھل رہے اور نہیں دکھائی نہیں دیے۔ ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں: ''یہ آپ ﷺ کا آخری دیدار تھا۔'' ظاہر ہے صحابی کا قول تابعی کے قول سے مقدم ہے۔[1] واللہ اعلم

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نماز میں سب صحابہ کا امام مقرر فرمایا جو اسلام کے عملی ارکان میں سب سے اہم اور بڑا رکن ہے۔

شیخ ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کا سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مقدم فرمانا دین اسلام کا بدیہی اور یقینی امر ہے۔ یہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ تمام صحابہ کرام میں سب سے بڑے عالم اور قاری قرآن تھے کیونکہ متفق علیہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لوگوں کی امامت وہ شخص کرائے جو ان میں سے بڑا قاری قرآن ہو۔ اگر وہ قراءت میں برابر ہوں تو پھر وہ جو ان میں سنت کا بڑا عالم ہو۔ اگر وہ سنت کے علم میں بھی برابر ہوں تو پھر جو ان میں سے عمر میں بڑا ہو۔ اور اگر وہ عمر میں برابر ہوں تو پھر جو ان میں سے پہلے اسلام لایا ہو۔''[2]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: امام اشعری رحمہ اللہ کی یہ بات سونے کے پانی سے لکھنے کے قابل ہے کیونکہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میں تو یہ تمام صفات بدرجۂ اتم موجود تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ان کے پیچھے نماز پڑھنا، جیسا کہ ہم صحیح روایات میں بیان کر چکے ہیں، صحیح بخاری کی اس روایت کے منافی نہیں جس میں ذکر ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی اقتدا کی کیونکہ یہ کسی دوسری نماز کی بات ہے۔ امام شافعی اور دیگر ائمہ نے اس کی صراحت فرمائی ہے۔[3]

ثانی اثنین

امام ابوعبداللہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بعض علماء سے منقول ہے کہ وہ اس ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ﴾ کے متعلق فرماتے ہیں: یہ آیت نبی کریم ﷺ کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہونے کی دلیل ہے کیونکہ خلیفہ ہمیشہ وہی ہوتا ہے جو دوسرے نمبر پر ہو۔ ابوالعباس احمد بن عمر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ﴿ثَانِيَ اثْنَيْنِ﴾ کے لقب کے مستحق اس لیے ٹھہرے کیونکہ نبی کریم ﷺ کے بعد انھوں نے امور سلطنت کو ٹھیک اسی طرح جاری رکھا جس طرح رسول اللہ ﷺ نے چلایا تھا۔ وہ اس طرح کہ نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد

[1] البداية والنهاية: 5/234-236. [2] صحيح مسلم، 673. [3] البداية والنهاية: 5/236.

بیشتر عرب قبائل مرتد ہوگئے تھے۔ اسلام صرف مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ اور جواثا میں باقی رہ گیا تھا۔ اس وقت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو پوری قوت کے ساتھ اسلام کی دعوت دی اور دین اسلام میں واپس نہ آنے پر ان کے خلاف اسی طرح جہاد کیا جس طرح نبی کریم ﷺ نے منکرین اسلام کے ساتھ جنگیں لڑی تھیں۔ اسی لحاظ سے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ "ثَانِيَ اثْنَيْنِ" کے لقب کے مستحق ٹھہرے۔"[1]



جواثا (سعودی عرب) کے آثار

میرے بعد ابوبکر و عمر کی اقتدا کرو

حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک موقع پر ہم نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إني لا أدري ما قدر بقائي فيكم فاقتدوا باللذين من بعدي» وأشار إلى أبي بكر وعمر «وتمسكوا بهدي عمار وما حدثكم ابن مسعود فصدقوه»

"مجھے معلوم نہیں کہ میں تم میں کتنا عرصہ زندہ رہوں گا۔ تم میرے بعد آنے والے دو (خلفاء) کی اقتدا کرنا ... یہ بات آپ ﷺ نے ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمائی ... نیز فرمایا: اور عمار کی سیرت کو اپنانا اور جو بات ابن مسعود بیان کریں، اس کی تصدیق کرنا۔"[2]

آپ ﷺ کے اس ارشاد "میرے بعد آنے والے دو افراد کی اقتدا کرنا" کا صریح مطلب ہے کہ ان دو خلفاء کی اقتدا کرنا جو میرے بعد امور مملکت سنبھالیں گے اور وہ دو حضرات ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما ہیں۔ آپ نے ان کے حسن سیرت، حسن عمل اور پاک طینت کی وجہ سے ان کی اقتدا کی ترغیب دی۔ یوں اس حدیث میں ان دونوں حضرات کی خلافت کی روشن دلیل موجود ہے۔[3]

نبی ﷺ کا خواب

رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دو خلفاء دکھائے گئے جن کی خلافت عین منہج نبوی کے مطابق ہوگی اور وہ آپ کے طریقے سے ذرہ برابر انحراف نہیں کریں گے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں:

1 تفسير القرطبي، التوبة 40:9 2 السلسلة الصحيحة: 233/3-236، صحيح الجامع الصغير للألباني 428/1.
3 تحفة الأحوذي 147/10.

''میں سویا ہوا تھا۔ مجھے خواب میں دکھایا گیا کہ میں اپنے حوض سے پانی نکال کر ڈولوں کو پلا رہا ہوں، اتنے میں ابوبکر آ گئے، انھوں نے میرے ہاتھ سے ڈول لے لیا تاکہ مجھے آرام وسکون کا موقع دیں۔ انھوں نے ڈول کھینچے لیکن ان کے ڈول نکالنے میں کمزوری تھی۔ اللہ ان کی مغفرت فرمائے۔ پھر عمر آ گئے، انھوں نے ابوبکر سے ڈول لے کر خوب پانی نکالا۔ میں نے کبھی اس سے زیادہ قوت کے ساتھ ڈول کھینچتے کسی کو نہیں دیکھا۔ حتی کہ لوگ سیر ہو کر چلے گئے اور حوض ابھی بھرا ہوا تھا اور بڑے جوش کے ساتھ چھوٹ رہا تھا۔'' [1]

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: انبیائے کرام کے خواب وحی ہیں۔ آپ کا یہ ارشاد کہ ''ابوبکر کے ڈول نکالنے میں کچھ کمزوری تھی'' اس سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مختصر مدتِ خلافت، ان کی جلدی وفات اور مرتدین کے ساتھ جنگ میں مشغولیت مراد ہے جس کے باعث آپ کے عہد میں زیادہ فتوحات نہ ہو سکیں جب کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے طویل دورِ خلافت میں اسلامی مملکت کی حدود دور تک پھیلتی چلی گئیں۔ [2]

امام بیٹھا ہو تو مقتدی کیا کریں؟

امام مالک، امام شافعی اور دیگر بہت سے اہل علم نے جن میں امام بخاری رحمہ اللہ بھی شامل ہیں، نبی اکرم ﷺ کے بیٹھ کر نماز پڑھنے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کھڑے ہو کر آپ ﷺ کی اقتدا کرنے اور لوگوں کے ابوبکر کی اقتدا کرنے سے استدلال کیا ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھانے والے امام کے پیچھے مقتدی کھڑے ہو کر نماز پڑھیں کیونکہ اس نماز میں آپ ﷺ بیٹھے تھے جبکہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر آپ کی اقتدا کر رہے تھے اور دوسرے تمام لوگ بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے۔ لہٰذا صحیح مسلم کی وہ روایت منسوخ ہے جس کے مطابق آپ ﷺ گھوڑے سے گر پڑے اور آپ کا پورا پہلو زخمی ہو گیا۔ آپ نے صحابہ کو بیٹھے ہوئے نماز پڑھائی جبکہ وہ پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ نے انھیں اشارہ فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا:

«إن كدتم آنفا لتفعلون فعل فارس والروم، يقومون على ملوكهم وهم قعود، فلا تفعلوا، ائتموا بأئمتكم: إن صلى قائما فصلوا قياما، وإن صلى قاعدا فصلوا قعودا»

''اس طرح تو تم اہل فارس اور رومیوں جیسا کام کر رہے تھے۔ وہ اپنے بادشاہوں کے سامنے کھڑے رہتے ہیں جبکہ بادشاہ بیٹھا ہوتا ہے، ایسا نہ کرو، اپنے ائمہ کی اقتدا کرو۔ اگر وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو تم بھی کھڑے ہو کر نماز ادا کرو اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم سب بھی بیٹھ کر نماز پڑھو۔'' [3]

---

1 صحيح مسلم، 2392. 2 الاعتقاد للبيهقي، ص: 171. 3 صحيح مسلم، 411-413.

آپ ﷺ کے آخری عمل سے جس میں آپ نے بیٹھ کر امامت فرمائی اور مقتدی کھڑے تھے، یہ بات واضح ہوتی ہے کہ پہلا حکم منسوخ ہو گیا۔ واللہ اعلم

اس استدلال کے مختلف لوگوں نے کئی طرح سے جواب دیے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اس واقعہ میں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے سابقہ فرمان کی بنا پر بیٹھے تھے، صرف ابوبکر کھڑے تھے تاکہ لوگوں تک آواز پہنچا سکیں۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ درحقیقت امام سیدنا ابوبکر تھے جیسا کہ بعض راویوں نے صراحت بھی کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ادب و احترام کی وجہ سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ سے آگے نہیں بڑھتے تھے بلکہ آپ کی اقتدا کرتے تھے گویا کہ رسول اللہ ﷺ امام کے امام بن گئے۔ لوگ اس لیے نہیں بیٹھے تھے کہ وہ دراصل سیدنا ابوبکر کے مقتدی تھے اور وہ کھڑے تھے۔ اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اس لیے نہیں بیٹھے تھے کہ وہ امام تھے۔ نیز وہ لوگوں کو نبی کریم ﷺ کی حرکات و سکنات اور انتقالات (رکوع و سجود وغیرہ) پہنچا رہے تھے۔ واللہ اعلم

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ابتدا اور انتہا میں فرق ہے۔ اگر کوئی شخص امام کے پیچھے قیام کی حالت میں نماز شروع کرے، پھر امام کو کوئی عارضہ پیش آجائے اور اسے بیٹھنا پڑ جائے تو مقتدی کھڑا ہو کر ہی نماز مکمل کرے گا۔ یہاں یہی صورت حال تھی اور اگر شروع ہی سے بیٹھے ہوئے امام کی اقتدا کرے تو اسے لازماً بیٹھ کر نماز پڑھنا ہوگی، جیسا کہ آپ کا حکم منقول ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ کی یہی رائے ہے۔

بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ آپ ﷺ کا عمل ہے اور پہلی حدیث قول ہے، لہٰذا دونوں جائز ہیں۔ جالس امام کے پیچھے بیٹھ کر پڑھ لے یا کھڑے ہو کر دونوں صورتیں جائز ہیں۔ بیٹھنا قولی حدیث کی بنا پر اور کھڑے ہونا آپ کے بعد والے عمل کی بنا پر۔[1] واللہ اعلم

1 البدایة والنهایة: 5/206، 208

دنیا پر الوداعی نظر اور حیاتِ مبارکہ کے آخری لمحات

رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کا آخری دن

پہلے ذکر ہوا ہے کہ سیدنا ابوبکر ؓ لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے۔ پیر کا دن تھا، لوگ نمازِ فجر کی صفیں بنائے ہوئے تھے۔ رحمتِ عالم ﷺ نے حجرۂ مبارک کا پردہ ہٹایا، آپ صحابہ کو دیکھنے لگے کہ وہ رب العالمین کے حضور کھڑے ہیں۔ آپ ﷺ نے دیکھا کہ میری امت نماز کی پابند ہے اور اپنے پیغمبر کی بہ نفسِ نفیس موجودگی اور غیر موجودگی میں بھی بدستور نماز کا اہتمام کر رہی ہے۔ اس روح پرور منظر سے آپ ﷺ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں۔ آپ ﷺ مطمئن ہو گئے کہ اس امت کا دین سے تعلق مضبوط تر ہو چکا ہے۔[1]

صحابۂ کرام کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدہ عائشہ صدیقہ ؓ کے حجرے کا پردہ ہٹایا اور کھڑے کھڑے ہمیں دیکھنے لگے۔ آپ ﷺ کا چہرۂ انور مصحف کا نورانی ورق معلوم ہوتا تھا۔ پھر آپ ﷺ مسکرا دیے۔ ہم خوشی کے مارے اس قدر نہال ہوگئے کہ نماز ہی توڑنے والے تھے۔ ہمارا خیال تھا کہ آپ ﷺ نماز کے لیے آنے والے ہیں مگر آپ ﷺ نے اشارے سے فرما دیا کہ اپنی نماز مکمل کرو، پھر معاً پردہ گرا دیا اور حجرے میں واپس تشریف لے گئے۔[2]

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ پر اس عالمِ رنگ و بو میں کسی دوسری نماز کا وقت نہیں آیا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے حاضرین کو نماز کی بار بار تاکید فرمائی، چنانچہ آپ کی آخری وصیت یہ تھی کہ نماز ادا کرتے رہنا اور اپنے زیردست لوگوں سے حسنِ سلوک کرنا۔ آپ نے اس وصیت کو بار بار دہرایا۔

سیدنا انس بن مالک ؓ فرماتے ہیں: وفات کے وقت رسول اللہ ﷺ کی عمومی وصیت یہ تھی: نماز اور اپنے غلاموں کا خیال رکھنا۔ حتی کہ یہ الفاظ آپ کے سینہ مبارک میں اٹکنے لگے اور زبان سے بمشکل ادا ہوتے تھے۔[3]

اس کے بعد آپ پر نزع کا عالم طاری ہو گیا جیسا کہ ایک روایت میں اس کی صراحت ہے۔[4]

1 السیرۃ النبویۃ للصلابی، ص 401۔ 2 صحیح البخاری، 4448، و 680۔ 3 مسند احمد 3/117، سنن ابن ماجہ 2697۔ 4 صحیح البخاری 754

نبوت کے امور میں سے صرف نیک خواب باقی رہ گیا

اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ نبوت ختم ہوگئی ہے، البتہ نبوت میں سے نیک خواب کے ذریعے سے خوشخبریاں باقی ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے اپنے حجرۂ مبارک کا کپڑا اٹھایا۔ اس وقت لوگ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے صفیں باندھے کھڑے تھے، آپ نے فرمایا:

أيها الناس! إنه لم يبق من مبشرات النبوة إلا الرؤيا الصالحة يراها المسلم أو ترى له، ألا وإني نهيت أن أقرأ القرآن راكعا أو ساجدا، فأما الركوع فعظموا فيه الرب عز وجل، وأما السجود فاجتهدوا في الدعاء فقمن أن يستجاب لكم

''اے لوگو! اب نبوت کی خوشخبری دینے والے امور میں صرف نیک خواب ہی باقی رہ گیا ہے جو مسلمان خود دیکھتا ہے یا اس کے بارے میں (کسی دوسرے کو) دکھایا جاتا ہے۔ آگاہ رہو مجھے رکوع اور سجدے میں قرآن پڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔ جب تم رکوع کرو تو اپنے رب کی خوب عظمت بیان کرو اور سجدے میں خوب دعا کرو۔ تمھاری دعائیں قبول ہوں گی۔''[1]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ اس موقع پر آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

اللهم! هل بلغت؟ ثلاث مرات

''اے میرے اللہ! کیا میں نے (تیرا پیغام) پہنچا دیا ہے؟'' تین بار یہی جملہ دہرایا۔''[2]

چہرۂ انور پر زندگی کے ڈوبتے ڈھلتے آثار

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے مرض الوفات کے دوران آپ کے پاس سے اٹھ کر باہر آئے۔ لوگ پوچھنے لگے: ابوالحسن! رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے؟ وہ کہنے لگے: الحمدللہ! ٹھیک ہیں۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے ان کا ہاتھ پکڑا اور کہنے لگے: اللہ کی قسم! تو تین دن کے بعد ڈنڈے کا غلام ہوگا، یعنی کسی امیر کے ماتحت ہوگا۔ اللہ کی قسم! میں دیکھ رہا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ اسی تکلیف میں فوت ہو جائیں گے۔ میں عبدالمطلب کے خاندان کی موت کے اوقات ان کے چہروں سے پہچانتا ہوں۔ آؤ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں چلیں اور یہ بات پوچھ لیں کہ خلافت کس کو ملے گی؟ اگر ہمیں ملنی ہے تو پتہ چل جائے گا اور اگر کسی اور

[1] صحیح مسلم: 479 [2] صحیح مسلم: 479، السنن الکبریٰ للنسائی: 236/1

کو ملے گی، تب بھی ہمیں صورت حال معلوم ہو جائے گی۔ مزید برآں رسول اللہ ﷺ اس کے بارے میں وصیت فرما دیں گے۔ سیدنا علی ؓ کہنے لگے: اگر ہم نے آپ سے پوچھ لیا اور آپ نے ہمیں خلافت نہ دی تو آپ کے بعد لوگ ہمیں کبھی خلافت نہیں دیں گے، اس لیے اللہ کی قسم! میں تو اس بارے میں جناب رسول اللہ ﷺ سے کبھی کچھ نہ پوچھوں گا۔[1]

خلیفہ کی نامزدگی نہیں بلکہ خواہش

رسول اللہ ﷺ نے خلافت کے لیے کسی شخص کو نامزد نہیں فرمایا۔ البتہ بعض اہل سنت کا موقف ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا سیدنا ابوبکر ؓ کو نماز کا امام بنانے کے لیے اصرار کرنا اور تمام صحابہ کا سیدنا ابوبکر ؓ کو مقدم رکھنا اور آپ ﷺ کا یہ فرمان: فأین أبو بکر؟ یأبی اللہ ذلک والمسلمون، یأبی اللہ ذلک والمسلمون، یعنی ''ابوبکر کہاں ہیں؟ اللہ تعالیٰ بھی ابوبکر کے علاوہ کسی اور کو خلیفہ بنانے سے انکار فرمائے گا اور مومنین بھی ابوبکر کے علاوہ کسی اور کو تسلیم نہیں کریں گے۔''[2] بجائے خود اس قدر روشن اشارہ ہے کہ اس سے ہر عقل مند شخص آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ آپ ﷺ سیدنا ابوبکر ؓ کو خلیفہ مقرر فرمانا چاہتے تھے۔

روافض کا موقف یہ ہے کہ آپ ﷺ کے بعد حق خلافت سیدنا علی ؓ کا تھا اور آپ ﷺ نے انھیں اپنا جانشین مقرر فرمایا تھا۔ اس سلسلے میں وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی ؓ کو بہت سے امور میں پوشیدہ علم، دین کی بنیادی چیزوں اور شریعت کے خزانوں کی وصیت فرمائی تھی اور آپ ﷺ نے ان تمام امور سے صرف اہل بیت کو مطلع فرمایا تھا۔ لیکن ان کی یہ باتیں حقائق سے خالی ہیں۔

سیدنا عبداللہ بن عمر ؓ سے مروی ہے کہ جب سیدنا عمر ؓ زخمی کر دیے گئے تو ان سے کہا گیا: امیر المومنین! آپ خلیفہ مقرر فرما دیں۔ وہ فرمانے لگے: اگر میں خلیفہ نامزد کر دوں تو یہ بھی درست ہے کیونکہ مجھ سے بہتر شخصیت ابوبکر ؓ نے خلیفہ نامزد کیا تھا۔ اور اگر میں خلیفہ نامزد نہ کروں تو ایسا کرنا بھی صحیح ہے کیونکہ سب سے بہتر شخصیت رسول اللہ ﷺ نے خلیفہ نامزد نہیں فرمایا تھا۔ جب انھوں نے رسول اللہ ﷺ کا ذکر فرمایا تو میں سمجھ گیا کہ وہ کسی کو خلیفہ نامزد نہ کریں گے۔[3]

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ ؓ کی خدمت میں کچھ لوگوں نے عرض کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی کو وصیت فرمائی تھی۔ تو انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں کب وصیت کی تھی؟ میں نے آپ کو اپنے سینے

[1] صحیح البخاری: 4447. [2] مسند أحمد: 322/4. [3] صحیح البخاری: 7218، صحیح مسلم: 1823.

سے لگا کر سہارا دے رکھا تھا۔ پھر آپ نے (پانی کا) طشت منگوایا کہ اتنے میں آپ کا جسم ڈھیلا پڑ گیا اور آپ ﷺ فوت ہو گئے۔ مجھے پتہ بھی نہ چل سکا کہ آپ ﷺ عالم بقا میں پہنچ گئے ہیں۔ لوگ کیسے کہتے ہیں کہ آپ نے علی کو وصیت فرمائی تھی؟[1]

اسی طرح صحیح بخاری میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا روایت سے بھی روافض کے موقف کی تردید ہوتی ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی روایت

ابراہیم تیمی اپنے والد محترم سے بیان کرتے ہیں: سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ہمیں خطاب فرمایا اور کہا: جو شخص یہ کہتا ہے کہ ہمارے پاس کوئی ایسی کتاب ہے جو ہم پڑھتے ہیں اور وہ اللہ کی کتاب میں نہیں، وہ جھوٹ بولتا ہے، البتہ ہمارے پاس یہ صحیفہ ضرور ہے ...... جو انھوں نے اپنی تلوار میں رکھا ہوا تھا...... اس میں بھی اونٹوں کی عمروں کا بیان ہے اور زخموں کی دیت کا ذکر ہے۔ اس صحیفے میں رسول اللہ ﷺ کے یہ الفاظ بھی ہیں:

«المدينة حرم ما بين عير إلى ثور فمن أحدث فيها حدثا أو آوى محدثا فعليه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين، لا يقبل الله منه يوم القيامة صرفا ولا عدلا، وذمة المسلمين واحدة، يسعى بها أدناهم، فمن أخفر مسلما فعليه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين، لا يقبل منه يوم القيامة عدل ولا صرف، ومن ادعى إلى غير أبيه أو انتمى إلى غير مواليه فعليه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين، لا يقبل الله منه يوم القيامة صرفا ولا عدلا»



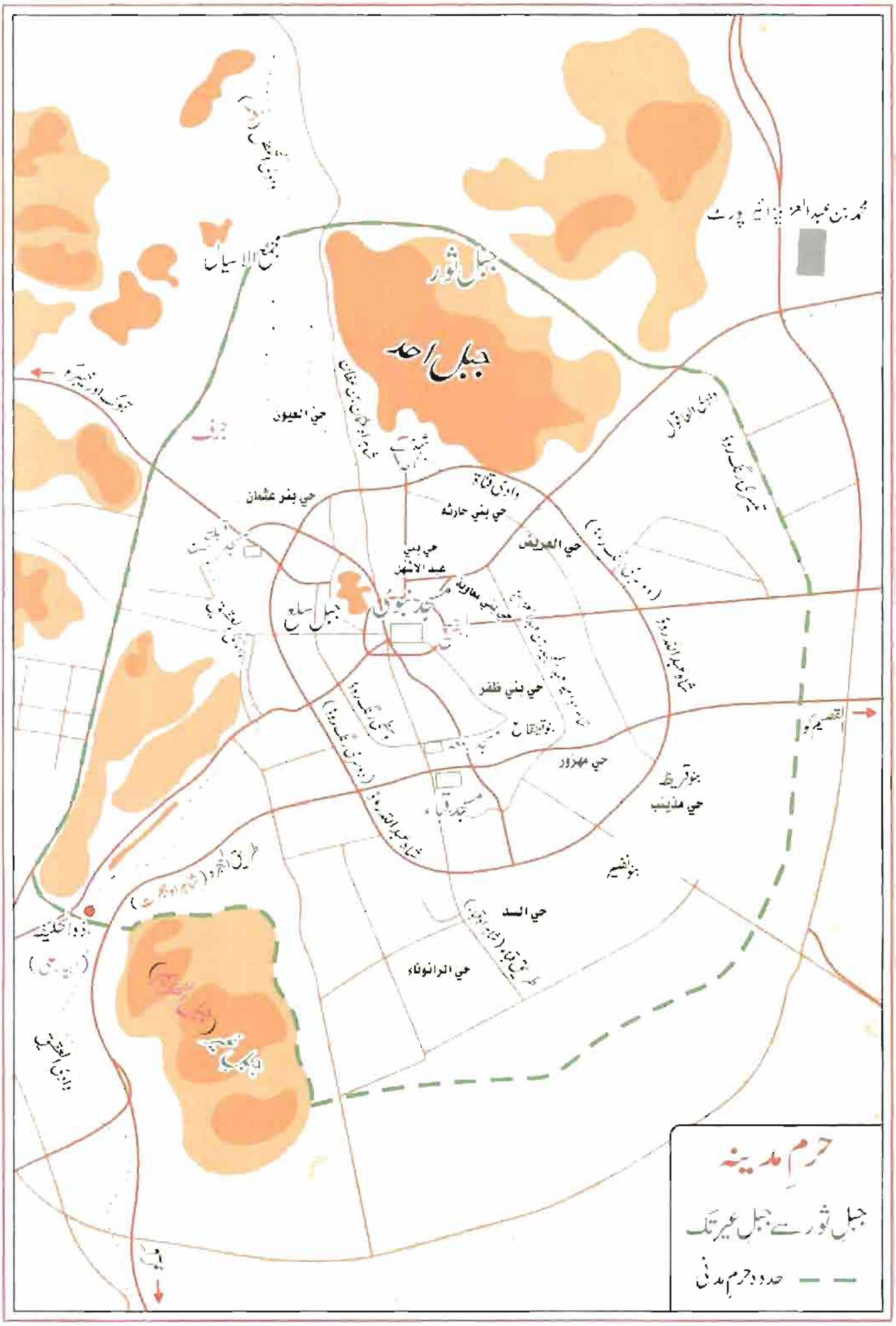
عیر پہاڑ پر نشان حدود (مدینہ منورہ)



ثور پہاڑ پر نشان حدود (مدینہ منورہ)

”مدینہ عیر پہاڑ سے لے کر ثور پہاڑ تک شمالاً جنوباً حرم ہے۔ جو اس میں کوئی بدعت ایجاد کرے گا یا کسی بدعتی کو ٹھکانا مہیا کرے گا، اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی طرف سے لعنت ہے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس سے نہ فرض قبول کرے گا، نہ نفل۔

1 صحیح البخاري 2/741، صحیح مسلم 1636



حرم مدینہ
جبل ثور سے جبل عیر تک
حدود حرم مدنی
جبل ثور
جبل احد
حي العيون
حي بئر عثمان
حي بني حارثه
حي العريض
حي بني عبد الاشهل
جبل سلع
حي بني ظفر
حي مهزور
بنو قريظه
حي مذينب
بنو النضير
حي السد
حي الرانوناء
جبل عير
ذو الحليفه

مسلمانوں کی پناہ ایک ہے۔ ایک عام شخص بھی کسی کو پناہ دے سکتا ہے۔ جو شخص کسی مسلمان کی دی ہوئی پناہ توڑے گا، اس پر بھی اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی طرف سے لعنت ہوگی۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس سے نہ فرض قبول کرے گا، نہ نفل۔ جو شخص اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب ہو یا اپنے آزاد کرنے والے مالکوں کی بجائے کسی اور کو اپنا مالک کہے، اس پر بھی اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور سب لوگوں کی طرف سے لعنت برسے گی۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ اس کا فرض عمل قبول فرمائے گا، نہ نفل۔''[1]

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے منقول صحیفے کے بارے میں جو کچھ بھی تھا، وہ اس روایت میں مذکور ہے اور بعد ازاں سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بہت سے راویوں نے بیان کیا۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: یہ حدیث سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے روافض کے دعووں کے بے بنیاد ہونے کی بڑی واضح تصریح ہے، جیسا کہ انھوں نے یہ بات گھڑ لی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو علم کے اسرار، دین کی بنیادی چیزوں اور شریعت کے خزانوں میں سے بہت سی چیزوں کی وصیت فرمائی ہے۔ اور آپ ﷺ نے اہل بیت کو کئی امور میں خاص کیا ہے جنھیں ان کے سوا دوسروں پر ظاہر نہیں فرمایا۔ حالانکہ یہ فاسد اختراعات اور باطل دعوے ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں۔ ان کے بودے پن کے ثبوت کے لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی یہی حدیث کافی ہے۔[2]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نہایت ایماندار عالم اور متقی صحابی تھے

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: صحیحین کی یہ متفقہ حدیث جو خود سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رافضیوں کا رد کر رہی ہے جو کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی کے حق میں خلافت کی وصیت فرمائی۔ اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو کوئی بھی صحابی اسے رد نہ کرتا کیونکہ وہ تو سب سے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرنے والے تھے۔ نہ وہ کسی ایسے شخص کو مقدم کر سکتے تھے جسے آپ نے مقدم نہ کیا ہو اور نہ وہ ایسے شخص کو مؤخر کر سکتے تھے جسے آپ نے مقدم کیا ہو۔ بھلا وہ ایسا کیوں کرتے؟

جو شخص صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں ایسی بدگمانی رکھتا ہے، اس شخص نے تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو کبیرہ گناہ سے منسوب کیا ہے اور یہ الزام لگایا ہے کہ وہ سب رسول اللہ ﷺ کی مخالفت اور حکم عدولی پر کمربستہ ہوگئے تھے اور انھوں نے آپ کا صریح حکم نظر انداز کر دیا تھا۔ جو شخص صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر الزام تراشی میں اس حد تک پہنچ جائے، وہ

1 صحیح البخاري: 3179، صحیح مسلم: 1370۔ 2 شرح مسلم للنووي: 122/9

اسلام سے لاتعلق اور ائمہ کے اجماع کی روشنی میں کافر ہوجاتا ہے۔ اس کا خون بہانا، شراب بہانے سے زیادہ حلال ہے۔ پھر اگر سیدنا علی ؓ کے پاس کوئی صریح نص ہوتی تو وہ لازماً صحابہ کے سامنے پیش کرتے تاکہ ان کی امارت اور امامت ثابت ہوجاتی۔ آخر انھوں نے ایسا کیوں نہیں کیا؟

اگر وہ نص کے موجود ہونے کے باوجود اسے پیش نہیں کر سکے تو وہ عاجز ثابت ہوتے ہیں اور عاجز شخص تو امارت اور امامت کے قابل نہیں ہوتا۔ اور اگر وہ قدرت رکھنے کے باوجود خاموش رہے تو یہ خیانت بنتی ہے۔ اور خائن شخص فاسق ہوتا ہے۔ ایسا شخص امیر بن بھی جائے تب بھی اسے معزول کرنا ضروری ہوجاتا ہے۔ اور اگر وہ نص ہونے کے باوجود نص سے ناواقف تھے تو وہ جاہل قرار پاتے ہیں، یہ عجیب معما اور لطیفہ ہے کہ سیدنا علی ؓ تو اس وصیت سے بے خبر ہوں مگر بعد والے نہ صرف اس وصیت سے باخبر ہوگئے بلکہ اسے تسلیم بھی کرتے ہیں! درحقیقت یہ آخری درجے کی شرانگیزی، جہالت، گمراہی اور محال چیز ہے۔ اس قسم کی بات کسی جاہل، احمق اور دھوکہ کھانے والے شخص ہی کے لیے قابل قبول ہوسکتی ہے جو شیطان اپنے لوگوں کے سامنے مزین کرکے پیش کرتا ہے۔ نہ کوئی دلیل نہ کوئی ثبوت۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسی گمراہی، تشکیک، حماقت اور کفر سے بچائے اور ہمیں قرآن وسنت کی پناہ میں محفوظ و مامون فرمائے۔ اسلام و ایمان پر موت عطا فرمائے اور یقین و ثبات پر قائم رکھے۔ نیز میزان کو نیکیوں سے بوجھل کرے، آگ سے نجات اور جنت میں داخلہ نصیب فرمائے۔ بلاشبہ وہ رحیم و کریم اور منان و رحمٰن ہے۔[1]

سیدنا علی ؓ کی روایت سے ان جاہل قصہ گو اور ملنگ قسم کے لوگوں کی تردید ہوتی ہے جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے سیدنا علی کو بہت سی طویل وصیتیں کی ہیں کہ اے علی! ایسے کرنا، اس طرح نہ کرنا، جو شخص ایسا کرے گا تو ایسا ہوگا، ویسا ہوگا وغیرہ، اس طرح کے دعووں کے الفاظ بھی رکیک ہیں اور معانی بھی غیر معتبر ہیں۔

اگر شیعہ حضرات کا سیدنا علی ؓ کی خلافت کا مفروضہ صحیح ہے تو سیدنا علی ؓ کو یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی، جیسا کہ پیچھے ابن عباس ؓ کی روایت میں گزر چکا ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خلافت سے محروم کر دیا تو آپ ﷺ کے بعد لوگ ہمیں کبھی خلیفہ نہیں بنائیں گے۔

پھر اگر وصیت ہوسکتی تھی تو زندگی کے آخری لمحات میں ہوسکتی تھی۔ آخری وقت کی وصیت کا سیدہ عائشہ ؓ نے انکار کیا ہے۔ اس کے باوجود اگر رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے کوئی وصیت کی ہوتی تو صحابہ میں سے کسی نے تو اسے سنا ہوتا، اور بیان کیا ہوتا۔ لیکن کتب حدیث میں وصیت مزعومہ کے متعلق کوئی روایت یا حکایت

1 البدایۃ والنہایۃ: 252/5.

منقول نہیں۔ ایسے حالات میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ ''وصی رسول اللہ'' کیسے بن گئے؟ خود سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے تصریحات کی ہیں کہ وصیت کے بارے میں ہماری کوئی خصوصیت نہیں ہے۔

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے زندگی بھر اپنے لیے خلافت کا دعویٰ نہیں کیا، نہ کوئی اس کا معمولی سا اشارہ ہی کیا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے خلافت کی وصیت کی ہے۔ سقیفہ بنی ساعدہ والے دن انصار کے درمیان خلافت کے مسئلے پر آپس میں گفتگو ہوئی تو اس موقع پر کسی بھی صحابی نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ایسی کوئی بات ذکر نہیں کی۔ اگر آپ ﷺ نے اس قسم کی کوئی بات علی رضی اللہ عنہ سے فرمائی ہوتی تو کم از کم اس کا تذکرہ تو ضرور ہوتا۔ بعد میں بھی کسی صحابی نے اپنی زندگی میں کوئی ایسی بات نہیں کی جس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ خلافت کا حق چھینا گیا ہے۔ چنانچہ اس پر تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو خلافت کی ایسی کوئی وصیت نہیں فرمائی تھی۔ اور رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی اس کا حق رکھتے تھے۔[1]

ابوبکر رضی اللہ عنہ سُنح تشریف لے گئے

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے جب رسول اللہ ﷺ کو صبح کی نماز کے وقت دیکھا تو انھیں بڑا سکون نصیب ہوا۔ انھیں اطمینان ہوا کہ ان شاء اللہ اب آپ ﷺ جلد ہی ہمارے ساتھ ہوں گے۔ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ آج آپ ﷺ مبارک زندگی کا آخری روز ہے اور آپ ﷺ موت سے قبل کی بیماریوں سے شفایاب ہو چکے ہیں۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھی یہی گمان ہوا کہ اب آپ ﷺ روبصحت ہیں، چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے اپنے اہل و عیال جو مقام سُنح (عوالی) میں رہائش پذیر تھے، سے ملنے کے لیے جانے کی اجازت چاہی۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: اے اللہ کے نبی! میرا خیال ہے کہ اللہ نے آپ کو فضل اور احسان فرماتے ہوئے روبصحت فرمایا ہے جیسا کہ ہماری تمنا ہے۔ آج بنت خارجہ کا دن ہے۔ کیا میں وہاں ہو آؤں؟ آپ ﷺ نے اجازت مرحمت فرما دی تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ مقام سُنح پر اپنے دوسرے گھر روانہ ہو گئے۔[2]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی صاحبزادی ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور کہا: میرا خیال ہے کہ اب رسول اللہ ﷺ کو افاقہ ہے اور آج بنت خارجہ (ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ایک بیوی) کا دن ہے۔ وہ علاقہ ''سُنح'' میں رہتی تھی۔ یہ کہتے ہوئے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ گھوڑے پر سوار ہوئے اور اپنے اہل خانہ کی طرف چلے گئے۔[3]

1 دیکھیے: صحیح البخاري: 5/444، 445. 2 السیرة لابن هشام: 4/304. 3 تاریخ الإسلام: 14/472.

رفیق اعلیٰ کی طرف

رسول اللہ ﷺ شہادت سے سرفراز ہوئے

رسول اللہ ﷺ کو اُس زہر کے مؤثرات نے شدید تکلیف میں مبتلا کر دیا جو آپ کو خیبر میں دیا گیا تھا۔ سیدہ ام مبشر رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی۔ ام مبشر رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ کی بیماری کا کیا سبب ہے؟ میں تو آپ ﷺ کی بیماری کی وجہ صرف اس کھانے کو گردانتی ہوں جو آپ نے خیبر کے دن کھایا تھا۔ ام مبشر رضی اللہ عنہا کا بیٹا (بشر بن براء بن معرور رضی اللہ عنہ) نبی ﷺ سے پہلے اسی زہر کی وجہ سے فوت ہو گیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وأنا لا أتهم غيره "میں بھی اس کے علاوہ کسی اور امر کو بیماری کا سبب نہیں سمجھتا۔" هذا أوان قطع أبهري "اس (زہر) سے میری شہ رگ کٹ رہی ہے۔"[1]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے مرض الوفات میں فرماتے تھے: يا عائشة ما أزال أجد ألم الطعام الذي أكلت بخيبر، فهذا أوان وجدت انقطاع أبهري من ذلك السم "عائشہ! میں اس زہر آلود کھانے کی تکلیف مسلسل محسوس کرتا رہا، جو میں نے خیبر میں کھایا تھا۔ اب تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس زہر کی وجہ سے میری شہ رگ کٹ رہی ہے۔"[2]

فتح خیبر کے وقت ایک یہودی عورت نے بکری کے گوشت میں زہر ملا کر رسول اللہ ﷺ کو بطور ہدیہ بھیجا۔ ابھی آپ ﷺ نے لقمہ منہ میں ڈالا ہی تھا کہ بذریعۂ وحی آپ کو خبردار کر دیا گیا۔ اس حدیث میں اس واقعے کی طرف اشارہ ہے۔ ابہری ایک رگ ہے جو پیٹھ سے ہو کر گزرتی ہے اور اس کا تعلق دل سے ہوتا ہے۔ وہ پھٹتی ہے تو موت واقع ہو جاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو وفات کے قریب اس کا علم ہوا۔ اس اعتبار سے آپ شہید ہی ہیں ہر چند آپ ﷺ بستر ہی پر فوت ہوئے۔ آپ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ وہ زہر اب تک دبا ہوا تھا، جب کمزوری چھا گئی اور قوتِ مدافعت نہ رہی تو طبیعت پر اس کا غلبہ ہو گیا اور اس کا درد محسوس ہونے لگا۔

1 مسند أحمد 18/6، 2 صحيح البخاري 4428.

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں اللہ کی ایک قسم کھا کر کہنے کے بجائے نو قسمیں کھا کر کہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کو شہید کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت کے ساتھ ساتھ شہادت بھی عطا فرمائی۔ [1]

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس زہر کا اثر باقی تھا۔ اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ ﷺ کو فضیلت کے تمام مراتب سے سرفراز فرمانا چاہتا تھا، جب اللہ نے شہادت کے ذریعے آپ ﷺ کی عزت افزائی کا ارادہ کیا تو اس زہر کے اثر نے کام کرنا شروع کر دیا۔ یوں آپ کو شہادت نصیب ہوئی۔ [2]

مسواک کی آرزو

سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے مگر رسول اللہ ﷺ اس وقت خاموش تھے، کلام نہیں کر سکتے تھے۔ آپ ﷺ نے اسامہ کو دیکھا تو اپنے مبارک ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور پھر اسامہ پر رکھ دیے۔ وہ سمجھ گئے کہ آپ میرے لیے دعا فرما رہے ہیں۔ [3] رسول اللہ ﷺ پر نقاہت طاری تھی۔ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کی کمر مبارک کو اپنے سینے سے سہارا دے رکھا تھا۔ اسی دوران عبدالرحمن بن ابوبکر رضی اللہ عنہ آ گئے، ان کے ہاتھ میں مسواک تھی۔ رسول اللہ ﷺ اس کی طرف دیکھنے لگے۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: ''کیا میں آپ ﷺ کو مسواک پیش کروں؟'' آپ ﷺ نے سر مبارک سے اشارہ فرمایا: ''ہاں۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھائی سے مسواک لے لی، چبائی، نرم کی اور آپ ﷺ کو پیش کر دی۔ آپ نے ایسی خوبی سے مسواک کی کہ اس سے اچھی مسواک کرتے میں نے آپ کو کبھی نہیں دیکھا۔ مسواک سے فارغ ہوتے ہی کچھ دیر نہیں گزری کہ آپ نے اپنا ہاتھ یا انگلی اٹھائی، پھر تین بار فرمایا: فی الرفیق الاعلیٰ۔ اس کے بعد آپ فوت ہو گئے۔ [4]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے آپ کے دنیا کے آخری اور آخرت کے پہلے دن میرا اور رسول اللہ ﷺ کا لعاب دہن اکٹھا کر دیا۔ [5] اس میں اشارہ تھا کہ صدیقہ کائنات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور رسول اللہ ﷺ دنیا و آخرت میں ایک جگہ ہی رہیں گے۔ اس حدیث سے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ ان کا لعاب دہن اور رسول اللہ ﷺ کا لعاب مبارک، آپ کے منہ میں جمع ہو گیا کیونکہ جب رسول اللہ ﷺ نے مسواک کرنا شروع کی تو اس وقت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا جو لعاب دہن مسواک سے لگا ہوا تھا، وہ رسول اللہ ﷺ کے لعاب مبارک سے مل گیا۔ واللہ اعلم۔

1 مسند احمد: 381/1؛ المستدرک للحاکم: 4450. 2 زاد المعاد: 123/4. 3 جامع الترمذي: 3817؛ مسند احمد: 201/5. 4 صحيح البخاري: 4438. 5 صحيح البخاري: 4451

نبی کو اختیار

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ہم رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں باہم کہا کرتے تھے کہ نبی اس وقت تک فوت نہیں ہوتے جب تک انھیں دنیا اور آخرت میں سے کسی ایک کا اختیار نہیں دے دیا جاتا۔ جب آپ مرض وفات میں مبتلا ہوئے تو آپ کی آواز بیٹھ گئی۔ میں نے سنا کہ آپ فرما رہے تھے:

﴿ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝ ﴾

”ان لوگوں کے ساتھ جن پر اللہ نے انعام کیا، (یعنی) انبیا، صدیقین، شہیدوں اور نیک لوگوں کے ساتھ، اور یہ لوگ اچھے رفیق ہوں گے۔“

ہم سمجھ گئے کہ اب آپ کو اختیار دے دیا گیا ہے۔[1]

فی الرفیق الاعلیٰ، یہ وہ آخری جملہ ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے بار بار دہرایا، اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ آسمان کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ جوہری کہتے ہیں: الرفیق الاعلیٰ سے مراد جنت ہے۔ ابن اسحاق نے بھی اسی کو اختیار کیا۔ بعض نے کہا ہے کہ رفیق یہاں پر اسم جنس ہے جو ایک اور ایک سے زیادہ کے لیے بھی استعمال ہوسکتا ہے۔ یعنی رفیق سے مراد انبیا بھی ہوسکتے ہیں جیسا کہ اوپر فرمان الٰہی ہے ﴿ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝ ﴾ اکثر شارحین کا رجحان اسی طرف ہے۔[2]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب رسول اللہ ﷺ تندرست تھے تو فرمایا کرتے تھے:

«لَنْ يُقْبَضَ نَبِيٌّ قَطُّ حَتّٰى يُرٰى مَقْعَدَهُ فِي الْجَنَّةِ ثُمَّ يُخَيَّرَ»

”کوئی نبی اس وقت تک فوت نہیں ہوتا جب تک اسے اس کا جنتی ٹھکانا دکھا کر اختیار نہیں دے دیا جاتا۔“

جب آپ کی وفات کا وقت آیا تو آپ کا سر مبارک میری ران پر تھا۔ کچھ دیر کے لیے آپ پر غشی طاری ہوئی، پھر آپ ہوش میں آئے تو آپ نے اپنی نظر گھر کی چھت کی طرف جمائی اور فرمایا: «اَللّٰهُمَّ الرَّفِيْقَ الْاَعْلٰى» ”اے اللہ! اوپر والے ساتھیوں کے پاس جانا چاہتا ہوں۔“ میں سمجھ گئی کہ یہ دراصل اسی حدیث کا موقع ہے جو آپ تندرستی کی حالت میں فرمایا کرتے تھے کہ کوئی نبی اس وقت تک فوت نہیں ہوتا جب تک اسے اس کا جنتی ٹھکانا دکھا کر اختیار نہیں دے دیا جاتا۔ میں نے اپنے دل میں کہا: اب اللہ کے رسول ہمیں ترجیح نہیں دیں گے۔ یہی آخری

[1] صحیح البخاری: 4435، مسند الطیالسی: 1456 [2] وفاة الرسول المصطفى محمد [illegible]، ص 38

کلمہ تھا جو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اے اللہ! اوپر والے ساتھیوں کے پاس جانا چاہتا ہوں۔''[1]

سیدہ عائشہ ؓ کہتی ہیں: جب کبھی ہم میں سے کوئی بیمار ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اپنے دائیں ہاتھ سے اسے چھوتے اور فرماتے:

أذهب البأس رب الناس، واشف أنت الشافي، لا شفاء إلا شفاؤك، شفاء لا يغادر سقما

''لوگوں کے رب! تکلیف دور کر دے اور شفا عطا فرما دے۔ تو ہی شفا دینے والا ہے۔ تیری شفا کے سوا کوئی شفا نہیں۔ ایسی شفا عطا فرما جو بیماری کو باقی نہ رہنے دے۔''

پھر جب رسول اللہ ﷺ بیمار ہوئے اور بیماری بڑھ گئی تو میں نے آپ ﷺ کا دست مبارک تھام لیا تاکہ میں اسی طرح کروں جس طرح آپ کرتے تھے لیکن آپ ﷺ کا مبارک ہاتھ میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ اس وقت آپ ﷺ فرما رہے تھے: اللهم اغفر لي واجعلني مع الرفيق الأعلى ''اے اللہ! مجھے معاف فرما اور مجھے رفیق اعلیٰ کا ساتھی بنا۔'' پھر میں نے دیکھا تو آپ ﷺ فوت ہو چکے تھے۔[2]

دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ اپنا مبارک ہاتھ پانی کی چھاگل میں ڈال کر تر کرتے تھے، پھر اسے چہرۂ مبارک پر پھیرتے اور فرماتے: لا إله إلا الله، إن للموت سكرات ''لا الٰہ الا اللہ، موت کی بڑی سختیاں ہوتی ہیں۔'' پھر آپ ﷺ نے ہاتھ مبارک اٹھایا اور فرمایا: في الرفيق الأعلى یہاں تک کہ آپ ﷺ کی روح مبارک پرواز کر گئی اور ہاتھ ایک طرف جھک گیا۔[3]

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ فرما رہے تھے: اللهم أعني على سكرات الموت ''اے میرے اللہ! موت کی سختیوں پر میری مدد فرما۔''[4]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ سیدہ عائشہ ؓ نے کان لگا کر نبی اکرم ﷺ کی بات سنی، آپ ﷺ نے اپنی کمر مبارک ان کی طرف کر کے ٹیک لگائی ہوئی تھی اور آپ ﷺ فرما رہے تھے: اللهم اغفر لي وارحمني وألحقني بالرفيق الأعلى ''اے اللہ! مجھے معاف فرما دے، مجھ پر رحم فرما اور مجھے بلند رفیقوں سے ملا دے۔''[5]

والد گرامی ﷺ کی تکلیف دیکھی نہ گئی

جب رسول اللہ ﷺ آخری وقت میں شدید تکلیف میں مبتلا تھے تو سیدہ فاطمہ ؓ کہنے لگیں: ہائے میرے ابا جان

1 صحیح البخاري: 4437، وصحیح مسلم: 2444. 2 صحیح مسلم: 2191. 3 صحیح البخاري: 4449. 4 سنن ابن ماجه: 1623، وجامع الترمذي: 978. 5 صحیح البخاري: 4440، وصحیح مسلم: 2444 (85).

کی تکلیف! تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَا كَرْبَ عَلَى أَبِيكِ بَعْدَ الْيَوْمِ، إِنَّهُ قَدْ حَضَرَ مِنْ أَبِيكِ مَا لَيْسَ بِتَارِكٍ مِنْهُ أَحَدًا، الْمُوَافَاةُ

يَوْمَ الْقِيَامَةِ

''آج کے بعد تمھارے باپ کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی، بلاشبہ تمھارے باپ کے پاس وہ حاضر ہو گیا ہے جس نے کبھی کسی کو نہیں چھوڑا، اب قیامت کو ملاقات ہوگی۔''[1]

ایک روایت میں ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ''ہائے میرے ابا جان کتنی تکلیف میں ہیں۔'' آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: لَيْسَ عَلَى أَبِيكِ كَرْبٌ بَعْدَ الْيَوْمِ ''بس آج ہی کا دن ہے، اس کے بعد تمھارے باپ کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔'' جب آپ ﷺ فوت ہو گئے تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ''اے میرے ابا جان! آپ نے اپنے رب کا بلاوا منظور کر لیا۔ اے میرے ابا جان! آپ نے جنت الفردوس میں ٹھکانا بنا لیا۔ اے ابا جان! میں جبریل کو آپ کی موت کی خبر سناتی ہوں۔'' جب آپ ﷺ کو دفن کر دیا گیا تو فاطمہ رضی اللہ عنہا انس رضی اللہ عنہ سے فرمانے لگیں: ''تم نے رسول اللہ ﷺ پر مٹی ڈالنا کیسے گوارا کر لیا؟''[2]

وفات کے وقت خوشبو پھیل گئی

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ فوت ہوئے تو آپ کا سر میرے پھیپھڑے اور سینے سے لگا ہوا تھا۔ جب آپ کی روح پرواز کر گئی تو ایسی خوشبو پھیلی کہ ایسی مہک کبھی نہ سونگھی تھی۔[3]

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جس دن رسول اللہ ﷺ فوت ہوئے، میں نے اپنا ہاتھ آپ کے سینہ مبارک پر رکھا، پھر عرصہ دراز گزر گیا، میں اس ہاتھ سے کھاتی بھی رہی، وضو بھی کرتی رہی مگر میرے ہاتھ سے کستوری جیسی خوشبو زائل نہیں ہوئی۔[4]

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی جب آپ کو وفات کے بعد بوسہ دیا تو کہا: بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي طِبْتَ حَيًّا وَمَيِّتًا ''میرے ماں باپ آپ ﷺ پر فدا ہوں، آپ زندگی میں بھی معطر تھے اور مرنے کے بعد بھی معطر ہیں۔''[5]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ جب آپ کو غسل دے رہے تھے، اس وقت انھوں نے بھی یہی الفاظ کہے: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ زندگی میں بھی معطر تھے اور مرنے کے بعد بھی معطر ہیں۔

1 سنن ابن ماجه: 1629. 2 صحيح البخاري: 4462. 3 مسند أحمد: 122,121/6. 4 دلائل النبوة للبيهقي: 219/7.
5 صحيح البخاري: 3667.

جسمِ اطہر ڈھانپ دیا گیا

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کو ایک کپڑے سے ڈھانپ دیا گیا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ فوت ہوئے تو آپ کو ایک یمنی کپڑے سے ڈھانپ دیا گیا۔[1] ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کو عبداللہ بن ابی بکر کے ایک یمنی حلے سے ڈھانپا گیا جو بعد میں آپ ﷺ کے بدنِ مبارک سے اتار دیا گیا۔[2]

سیدنا ابوبردہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا تو انھوں نے یمن کا تیار شدہ ایک موٹا سا ازار اور ملبدہ چادر لا کر ہمیں دکھائی اور فرمایا: رسول اللہ ﷺ ان دو کپڑوں میں فوت ہوئے تھے۔[3]

رسول اللہ ﷺ نے دنیا کیسے چھوڑی؟

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کی بیماری کی تکلیف جیسی تکلیف کسی کو ہوتے نہیں دیکھی۔[4]

دوسری روایت میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے یہ الفاظ ہیں: رسول اللہ ﷺ میرے سینے اور ٹھوڑی کے درمیان اللہ کو پیارے ہوئے، لہٰذا میں آپ ﷺ کی بیماری کی تکلیف دیکھنے کے بعد کسی کے لیے بھی موت کی شدت ناگوار نہیں سمجھتی۔[5]

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کا سرِ مبارک میرے دونوں (سینہ پر) شانوں کے مابین تھا۔ جب آپ ﷺ کا چہرۂ اقدس ایک طرف جھکا تو میں سمجھی کہ شاید آپ کو میرے سہارے کی ضرورت ہے، میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کے دہن مبارک سے ٹھنڈا پانی بہہ رہا ہے۔ وہ پانی مجھ پر گرا تو مجھ پر کپکپی طاری ہوگئی۔ میں سمجھی کہ شاید آپ ﷺ پر غشی طاری ہوگئی ہے۔[6]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”لوگوں میں سے سب سے زیادہ آزمائش انبیاء کی ہوتی ہے، پھر جو نیک ہیں، پھر جو ان کے بعد نیک ہیں۔ آدمی کو اس کے دین کے مطابق آزمایا جاتا ہے۔ اگر وہ اپنے دین میں مضبوط ہوتا ہے تو اس کی آزمائش بھی سخت ہوتی ہے۔“[7]

وقتِ رخصت صدقہ

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے مرض الموت میں دریافت فرمایا: [illegible]

1 صحیح البخاری، 5367. 2 صحیح مسلم، 1564. 3 صحیح مسلم، 2080. 4 صحیح البخاری، 5646.
5 صحیح البخاری، 4446. 6 مسند أحمد، 219/6. 7 جامع الترمذی، 2398

"اے عائشہ! سونے کا کیا ہوا؟" چنانچہ سیدہ عائشہ پانچ سے سات یا نو دینار لے کر آئیں تو آپ انھیں اپنے دست مبارک میں لے کر الٹنے پلٹنے لگے۔ آپ ﷺ فرما رہے تھے:

[illegible]

"محمد کا اللہ سے متعلق کیا گمان ہوگا اگر وہ اللہ سے اس حال میں ملے کہ یہ اس کے پاس موجود ہوں۔ انھیں صدقہ کر دو۔"[1]

سیدہ عائشہ ؓ کہتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے درہم و دینار، اونٹ اور بکری میں سے کچھ بھی نہ چھوڑا، نہ آپ نے کسی چیز کی وصیت فرمائی۔[2]

رسول اللہ ﷺ دنیا سے اس وقت تشریف لے گئے جب پورے جزیرۂ عرب پر آپ ﷺ کا حکم چلتا تھا۔ دنیا کے حکمران آپ ﷺ سے ڈرتے تھے۔ اور آپ ﷺ کے رفقائے کرام جان و مال اور اولاد تک آپ پر قربان ہونے کے لیے ہر آن تیار رہتے تھے۔ اس کے باوجود آپ نے فوت ہوتے وقت کوئی درہم و دینار نہیں چھوڑا، نہ کوئی غلام یا لونڈی، صرف ایک سفید خچر، اسلحہ اور زمین چھوڑی جو آپ نے مسافروں کے لیے صدقہ کر رکھی تھی۔[3]

آپ ﷺ کے ترکے میں صرف زمین تھی، وہ بھی آپ نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں صدقہ فرما دی تھی۔ لہذا وراثت والی کوئی چیز بھی موجود نہ تھی کیونکہ آپ کے نزدیک دنیا اور اس کا مال و متاع اس قدر حقیر تھا کہ آپ نے اس کی خاطر کوئی محنت نہیں کی اور نہ اس میں سے کوئی ورثہ چھوڑا۔ اللہ تعالیٰ کی نظر میں بھی دنیا اس قدر حقیر ہے کہ اس کی حیثیت مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں۔

رہن رکھی ہوئی زرہ

سیدہ عائشہ ؓ سے روایت ہے: "نبی کریم ﷺ فوت ہوئے تو آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس تیس صاع جو کے عوض گروی رکھی ہوئی تھی۔"[4]

سیدنا انس ؓ فرماتے ہیں: "رسول اللہ ﷺ کو جو کی روٹی اور (بطور سالن) متغیر چربی کی دعوت دی گئی تو آپ نے قبول فرمالی۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرما رہے تھے: [illegible]
[illegible] "قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! آل محمد

1 مسند أحمد 49/6، 2 صحیح مسلم 1635، 3 صحیح البخاري 4461، 4 صحیح البخاري 4467، صحیح مسلم 1603

کے ہاں کبھی گندم اور کھجوروں کا صاع بھی نہ ہوتا تھا۔'' حالانکہ آپ کی نو بیویاں (بوقتِ وفات) تھیں۔ آپ نے مدینہ منورہ میں اپنی زرہ ایک یہودی کے پاس گروی رکھ دی تھی کیونکہ آپ نے اس سے کچھ غلہ لیا تھا۔ آپ ﷺ کے پاس اپنی وفات تک اتنی رقم بھی جمع نہ ہو سکی کہ اسے چھڑوا لیتے۔''[1]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے احد پہاڑ کی طرف دیکھا اور فرمایا:

[illegible]

''قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! میں نہیں چاہتا کہ احد پہاڑ آل محمد کے لیے سونا بن جائے۔ ایسی صورت میں، میں اسے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کر دوں گا اور وفات کے وقت میرے پاس اس میں سے دو دینار بھی باقی نہ ہوں گے الا یہ کہ انھیں ادائے قرض کے لیے رکھ چھوڑوں۔''

اس لیے رسول اللہ ﷺ جب فوت ہوئے تو آپ نے نہ کوئی دینار چھوڑا نہ غلام نہ لونڈی۔ صرف زرہ چھوڑی، وہ بھی ایک یہودی کے پاس تیس صاع (ڈیڑھ من) جو کے عوض گروی تھی۔[2]

مجھے اس دنیا سے کیا لینا؟

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کھجور کی ایک چٹائی پر آرام فرما تھے اور چٹائی کے نشانات آپ کے جسم اطہر پر نمایاں تھے۔ انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے نبی! کیا اچھا ہو کہ آپ کوئی نرم بچھونا استعمال فرمائیں۔ فرمایا:

[illegible]

''میرا دنیا سے کیا تعلق؟ دنیا میں میری مثال اس سوار مسافر جیسی ہے جو گرمی کے موسم میں چلا، دن کی ایک گھڑی کے لیے ایک درخت تلے سایہ حاصل کرنے کے لیے رکا، پھر اسے چھوڑ کر چلا گیا۔''[3]

رسول اللہ ﷺ کی وفات کا دن عالم انسانیت خصوصاً مسلمانوں کے لیے انتہائی دردناک، بے حد الم انگیز، بہت تاریک اور مشکل ترین دن تھا۔ چنانچہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس روز رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ

1 صحیح البخاری 2069، 2508، دلائل النبوۃ للبیہقی 275/7، 2 مسند احمد 301/1، 3 مسند احمد 301/1

تشریف لائے تو ہر چیز چمک اٹھی مگر جس دن فوت ہوئے، یہاں کی ہر چیز تاریک ہوگئی۔[1] ام ایمن رضی اللہ عنہا رونے لگیں۔ پوچھا گیا کہ آپ کیوں رو رہی ہیں؟ کہنے لگیں: ''مجھے معلوم ہے کہ آپ ﷺ کے لیے جو اللہ کے ہاں ہے، وہ بہت بہتر ہے مگر میں تو اس لیے رو رہی ہوں کہ اب وحی اُترنے کا سلسلہ ختم ہوگیا ہے۔''[2]

وفات کی تاریخ

سیدنا ابن عباس اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ ربیع الاول میں سوموار کے دن فوت ہوئے۔[3]

رسول اللہ ﷺ کے ابتدائے مرض کے دن، مدت علالت اور تاریخ وفات کی تعیین میں روایات مختلف ہیں۔ البتہ سیرت نگاروں کا اس بات پر اجماع ہے کہ آپ ﷺ 11 ھ، ربیع الاول کے مہینے میں پیر کے روز، یکم ربیع الاول سے 12 ربیع الاول کی کسی تاریخ کو فوت ہوئے۔ بیشتر سیرت نگار آپ ﷺ کی وفات یکم ربیع الاول یا دو ربیع الاول یا 12 ربیع الاول کو قرار دیتے ہیں۔

1 امام سہیلی کے موقف کے مطابق رسول اللہ ﷺ کی وفات کا دن یکم ربیع الاول بنتا ہے۔ اس سلسلے میں امام سہیلی رحمہ اللہ کے پیش نظر موسیٰ بن عقبہ کی روایت ہے جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کی تاریخ وفات یکم ربیع الاول بیان کی ہے۔[4]

امام سہیلی کے پیش نظر سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا وہ قول بھی ہے جس میں انھوں نے کہا کہ آیت ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي﴾ کے نازل ہونے اور آپ کی وفات کے درمیان 81 ایام ہیں۔ یہ آیت 9 ذوالحجہ 10 ھ کو نازل ہوئی۔ اس کے اور ربیع الاول کے درمیان ایک مہینہ 30 دن کا اور 2 مہینے 29 دن کے شمار کیے جائیں تو پورے 81 ایام بنتے ہیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی تاریخ وفات یکم ربیع الاول ہے۔[5] ابونعیم نے بھی یکم ربیع الاول کو ترجیح دی ہے۔ واللہ اعلم.

علم فلکیات کی رو سے قمری سال کی مدت 354.37 دن ہے۔ یوں قمری مہینہ 29.5 دن کا شمار ہوتا ہے۔ اس طرح قمری مہینے بدل بدل کر 29 اور 30 دن کے ہوتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع (10 ھ) کے موقع پر میدان عرفات میں حج کا خطبہ (9 ذوالحجہ) جمعہ کے دن ارشاد فرمایا تھا اور یہ بھی مسلّم ہے کہ نبی ﷺ نے ربیع الاول 11 ھ میں پیر کے دن انتقال فرمایا تو دنوں کی گنتی میں دو صورتیں سامنے آتی ہیں: 1 اگر ذوالحجہ 10 ھ اور صفر 11 ھ

1 جامع الترمذي: 3618، سنن ابن ماجه: 1631. 2 صحيح مسلم: 2454، سنن ابن ماجه: 1635. 3 صحيح البخاري: 1387، مسند أحمد: 277/1، الطبقات لابن سعد: 273,272/2. 4 المغازي لموسى بن عقبة، ص: 330. 5 الروض الأنف: 440,439/4.

کے مہینے 30 دن کے شمار کیے جائیں اور درمیانی محرم 29 دن کا لیا جائے تو یکم محرم 11ھ ہفتے کو، یکم صفر اتوار کو اور یکم ربیع الاول منگل کو آتی ہے۔ اس صورت میں ربیع الاول 11ھ کی 7 اور 14 تاریخوں کو پیر کا دن تھا۔ 2 اگر ذوالحجہ اور صفر 29 دن کے شمار کیے جائیں اور درمیانی محرم 30 دن کا لیا جائے تو یکم محرم 11ھ جمعے کو، یکم صفر اتوار کو، یکم ربیع الاول پیر کو پڑتی ہے اور پھر ربیع الاول کی 8 اور 15 تاریخیں پیر کو آتی ہیں۔ اس لحاظ سے 12 ربیع الاول کی تاریخ کسی صورت نبی ﷺ کا یوم وفات نہیں بنتی، چنانچہ بعض مؤرخین امام سہیلی رحمہ اللہ کے موقف کے مطابق یکم ربیع الاول کو یوم وفات قرار دینے کو ترجیح دیتے ہیں۔

2 ایک قول کے مطابق آپ کی تاریخ وفات 2 ربیع الاول ہے۔ اور دو ربیع الاول کو تاریخ وفات بتانے والوں نے ہشام بن محمد بن سائب کلبی اور ابومخنف کی روایات کو سامنے رکھا ہے جسے یعقوبی نے بیان کیا ہے۔[1] واقدی سے بھی دو ربیع الاول کا قول منقول ہے جسے امام بیہقی نے نقل کیا ہے۔[2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بات وہی ہے جو ابومخنف کی ہے کہ آپ ﷺ 2 ربیع الاول کو فوت ہوئے۔ ان کی اصل عبارت یہ تھی: مات في ثاني شهر ربيع الأول. تو بعد میں وہ عبارت بدل کر في ثاني عشر بن گئی، یعنی شہر کے بجائے عشر کا لفظ آ گیا جس سے 12 ربیع الاول وفات کا دن بن گیا۔[3] واللہ اعلم۔ لیکن دکتور مہدی رزق اللہ کہتے ہیں کہ ابومخنف لوط بن یحییٰ ضعیف ہیں۔[4]

3 ابن اسحاق اور جمہور علماء کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی وفات 11ھ 12 ربیع الاول، سوموار کے دن ہوئی۔[5] یہی قول زیادہ مشہور ہے۔ حافظ ابن کثیر، قاضی سلیمان منصور پوری، مولانا صفی الرحمن مبارکپوری، دکتور مہدی رزق اللہ، دکتور علی محمد صلابی وغیرہ نے اسی کو ترجیح دی ہے۔

مکہ اور مدینہ کے مطلع کا اختلاف

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ 12 ربیع الاول کو ترجیح دیتے ہیں اور امام سہیلی کے موقف یکم ربیع الاول کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس کا جواب یہ ہے کہ مکہ اور مدینہ کا مطلع مختلف مانا جائے کیونکہ مکہ والوں نے ذوالحجہ کا چاند جمعرات کی رات (یعنی بدھ اور جمعرات کی درمیانی رات) دیکھا اور مدینہ والوں نے جمعے کی رات (جمعرات اور جمعے کی درمیانی رات)۔ اس کی تائید سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور دیگر صحابہ کی روایت سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ سے

1 تاریخ الیعقوبی: 77/2. 2 دلائل النبوة للبیهقي: 233/7. 3 فتح الباري: 163,162/8. 4 السیرة النبویة، مہدی رزق اللہ، ص: 377. 5 فتح الباري: 162/8، دلائل النبوة للبیهقي: 235,234/7، مروج الذهب: 303/2.

حجۃ الوداع کے لیے نکلے تو ذوالقعدہ کے پانچ دن باقی تھے۔ ہماری بیان کردہ بات سے یہ تعین ہوا کہ آپ ﷺ ہفتے کے دن نکلے تھے۔ ابن حزم کی یہ بات ٹھیک نہیں کہ آپ جمعرات کے دن نکلے تھے کیونکہ پھر تو مہینہ کے اختتام کے پانچ سے زائد دن بنتے ہیں۔ یہ بھی درست نہیں کہ جمعۃ المبارک کے دن نکلے کیونکہ سیدنا انس ؓ فرماتے ہیں کہ آپ نے مدینہ میں ظہر کی نماز چار رکعت پڑھی اور عصر کی نماز ذوالحلیفہ میں دو رکعت پڑھی۔ لہٰذا واضح ہو گیا کہ آپ ہفتے کے دن نکلے جب کہ مہینہ ختم ہونے میں پانچ دن باقی تھے۔ اس صورت میں مدینہ والوں نے لازما ذوالحجہ کا چاند جمعۃ المبارک کی رات (جمعرات اور جمعے کی درمیانی رات) کو دیکھا اور جب ذوالحجہ کی پہلی تاریخ مدینہ والوں کے نزدیک جمعہ کے دن ہوئی اور بعد والے تمام مہینے کامل (30 دن کے) سمجھے جائیں تو یکم ربیع الاول جمعرات کے دن تھی، اس حساب سے بارہ ربیع الاول کو سوموار بن جاتا ہے۔[1] واللہ اعلم

عمر مبارک

سیدنا انس بن مالک ؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نہ تو بہت لمبے تھے، نہ ٹھگنے، نہ بالکل سفید تھے اور نہ گندمی رنگ کے، نہ انتہائی گھنگریالے بالوں والے تھے، نہ بالکل سیدھے بالوں والے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو چالیس سال کی عمر میں مبعوث فرمایا۔ آپ مکہ میں دس سال ٹھہرے، پھر مدینہ میں دس سال۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ساٹھ سال کی عمر میں اپنے پاس واپس بلا لیا۔ جبکہ آپ کے سر اور داڑھی میں بیس بال بھی سفید نہ تھے۔[2]

سیدنا انس بن مالک ؓ ہی فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ فوت ہوئے تو آپ ﷺ کی عمر تریسٹھ برس تھی۔ سیدنا ابوبکر ؓ فوت ہوئے تو وہ بھی تریسٹھ برس کے تھے۔ اور سیدنا عمر ؓ بھی تریسٹھ سال کی عمر میں فوت ہوئے۔[3]

سیدنا ابن عباس ؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ چالیس سال کی عمر میں مبعوث ہوئے، مکہ میں تیرہ سال ٹھہرے، آپ پر وحی آتی رہی۔ پھر آپ کو ہجرت کا حکم دیا گیا تو دس سال مہاجر رہے اور تریسٹھ برس کی عمر میں فوت ہوئے۔[4]

وفات کا وقت

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت کے بارے میں سیدنا انس ؓ کہتے ہیں: آپ پیر والے روز، دن کے آخری حصے میں فوت ہوئے۔[5]

ایک روایت میں ہے کہ آپ زوال کے بعد فوت ہوئے۔[6] ابن اسحاق کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پیر کے

1 البدایۃ والنہایۃ: 225/5۔ 2 صحیح البخاری 3548، صحیح مسلم 2347۔ 3 صحیح مسلم 2348۔ 4 صحیح البخاری 3902۔ 5 صحیح البخاری 754۔ 6 البدایۃ والنہایۃ 223/5

دن جب چاشت کا وقت ہوگیا اس وقت فوت ہوئے۔[1] حافظ ابن حجر کہتے ہیں: سیدنا انس اور ابن اسحاق کے اقوال ایک دوسرے سے معارض ہیں۔ ان دونوں میں جمع ممکن ہے کہ آخری حصے کا اطلاق دن کے نصف ثانی کی ابتدا میں داخل ہونے کے معنوں میں ہے۔ اور یہ زوال کے قریب کا وقت ہے۔ اسی طرح چاشت کے وقت میں شدت زوال سے پہلے ہوتی ہے اور یہ مسلسل جاری رہتی ہے حتی کہ زوال شمس شروع ہو جاتا ہے۔ موسیٰ بن عقبہ نے ابن شہاب سے نقل کیا ہے کہ آپ اس وقت فوت ہوئے جب سورج زوال کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح عروہ نے ابوالاسود نے نقل کیا ہے۔ اس سے اس جمع و تطبیق کی تائید ہوتی ہے جس کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے۔[2]

رسول اللہ ﷺ کی وفات پر قیامت صغریٰ کا منظر

ابن رجب حنبلی ؒ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ فوت ہوئے تو صحابہ کرام پر غم کے بادل چھا گئے۔ وہ تڑپ کے عالم میں بے حد مضطرب اور پریشان ہو گئے۔ کئی اصحاب تو صدمے کے مارے ہوش گنوا بیٹھے۔ کچھ ایسے بیٹھے کہ بیٹھے ہی رہ گئے، اٹھنے کی ہمت ہی نہ کر سکے۔ کچھ ایسے بھی تھے کہ ان کی زبان گنگ ہوگئی بول چال کی سکت ہی نہیں رہی، کچھ ایسے بھی تھے کہ انھوں نے سرے سے آپ ﷺ کی موت ہی کا انکار کر دیا۔[3]

امام قرطبی ؒ اس مصیبت کے اثرات کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ سب سے بڑی مصیبت دین کے متعلق ہوتی ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

[illegible]

"تم میں سے کسی کو کوئی مشکل لاحق ہو تو اسے چاہیے کہ مجھے لاحق ہونے والی مصیبت کو یاد کرلے کیونکہ یہ تمام مصائب سے بڑی مصیبت ہے۔"[4]

ابوعمر ؒ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے بجا فرمایا ہے کیونکہ آپ کے بعد قیامت تک مسلمان کو لاحق ہونے والی مصیبتوں میں سے سب سے بڑی مصیبت وہی ہے جو آپ کو پہنچی۔ وحی رک گئی، نبوت ختم ہوگئی اور شیطانی قوتوں نے اس طرح سر اٹھایا کہ عرب اور غیر عرب مرتد ہو گئے۔ یہ خیر کا ذخیرہ گھٹنے اور ختم ہونے کا پہلا موقع تھا۔[5]

سیدنا عمر ؓ کی پریشانی

رسول اللہ ﷺ کی وفات حسرت آیات پر اہل مدینہ کو کتنی زبردست پریشانی لاحق ہوئی اس کا اندازہ اس امر

1 السیرة لابن هشام: 304/4 2 فتح الباری: 180/8 3 لطائف المعارف، ص 114 4 مجمع الزوائد للهیثمی: 10/3، المعجم الکبیر للطبرانی: 6718، مسند الاسدی للبیهقی: 9677 5 تفسیر القرطبی، البقرة 156:2

سے لگایا جا سکتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جیسے صاحبِ عزیمت و استقامت بھی اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنی تلوار سونت کر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے: جو شخص یہ کہے گا کہ رسول اللہ ﷺ فوت ہو گئے ہیں، میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ مسند احمد میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے جسد اطہر کو ایک کپڑے سے ڈھانپ دیا۔ اس کے بعد سیدنا عمر اور سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما آئے، دونوں نے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے انھیں اجازت دے دی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو دیکھ کر کہا ہائے! آپ ﷺ بے ہوش ہو گئے۔ سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ ﷺ انتقال فرما چکے ہیں۔ اس پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں ڈانٹتے ہوئے کہا: تم غلط کہتے ہو اور کسی فتنے کا شکار ہو چکے ہو۔ رسول اللہ ﷺ اس وقت تک فوت ہونے والے نہیں جب تک تمام منافقین کا خاتمہ نہ کر دیں۔[1]

وفاتِ رسول نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ہوش اڑا دیے، چنانچہ جو کہتا کہ آپ ﷺ فوت ہو گئے ہیں، وہ اسے مار ڈالنے کی دھمکی دیتے، ڈراتے اور فرماتے: ''آپ ﷺ ہرگز فوت نہیں ہوئے بلکہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام چالیس دن غائب رہ کر اپنی قوم میں واپس تشریف لے آئے تھے، اسی طرح آپ ﷺ بھی اپنے رب کی طرف گئے ہیں اور اللہ کی قسم! سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی طرح آپ ﷺ بھی واپس آ جائیں گے۔ اور ان لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالیں گے جو کہتے ہیں کہ آپ ﷺ فوت ہو گئے ہیں۔''[2]

شدید آشوب اور آزمائش میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا تاریخی کردار

سیدنا سالم بن عبید رضی اللہ عنہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اطلاع دینے کے لیے سُنح پہنچے اور انھیں آپ ﷺ کی وفات سے باخبر کیا۔[3] سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر آئے اور مسجد میں چلے گئے اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں جانے تک لوگوں سے کوئی بات نہ کی۔ پھر رسول اللہ ﷺ (کے جسدِ اطہر) کی طرف بڑھے۔ آپ ﷺ یمنی چادر میں لپٹے ہوئے تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے چہرۂ انور سے چادر ہٹائی، پھر جھک کر بوسہ دیا اور رو پڑے، کہنے لگے: ''اے اللہ کے رسول! آپ پر میرے ماں باپ قربان! اللہ کی قسم! آپ پر اللہ تعالیٰ دو موتیں کبھی جمع نہیں کرے گا۔ جو موت مقرر تھی، وہ آ چکی ہے۔''[4]

ایک روایت میں ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور آپ کو چھوا تو لوگوں نے عرض کی:

1 مسند احمد: 219/6 2 السیرۃ لابن ہشام 305/4 3 سنن البیہقی [illegible] 299,298/12 4 صحیح البخاری: 4452، 4453

اے اللہ کے رسول کے ساتھی! کیا رسول اللہ ﷺ وفات پا چکے ہیں؟ سیدنا ابوبکر صدیق ؓ نے فرمایا: ''جی ہاں، رسول اللہ ﷺ وفات پا چکے ہیں۔''[1]

سیدنا ابوبکر ؓ باہر نکلے تو عمر ؓ لوگوں سے باتیں کر رہے تھے۔ سیدنا ابوبکر ؓ نے فرمایا: ''عمر بیٹھ جائیے!'' سیدنا عمر ؓ نے بیٹھنے سے انکار کر دیا۔ وہ فرطِ غم سے بڑے جوش میں تھے۔ لوگ عمر ؓ کو چھوڑ کر ابوبکر ؓ کی طرف متوجہ ہو گئے، چنانچہ ابوبکر ؓ کھڑے ہو گئے، اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی، اس کے بعد فرمایا:

''تم میں سے جو شخص محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا، وہ جان لے کہ محمد ﷺ فوت ہو چکے ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا، وہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے اور اسے کبھی موت نہیں آئے گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ۚ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا ۗ وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ﴾

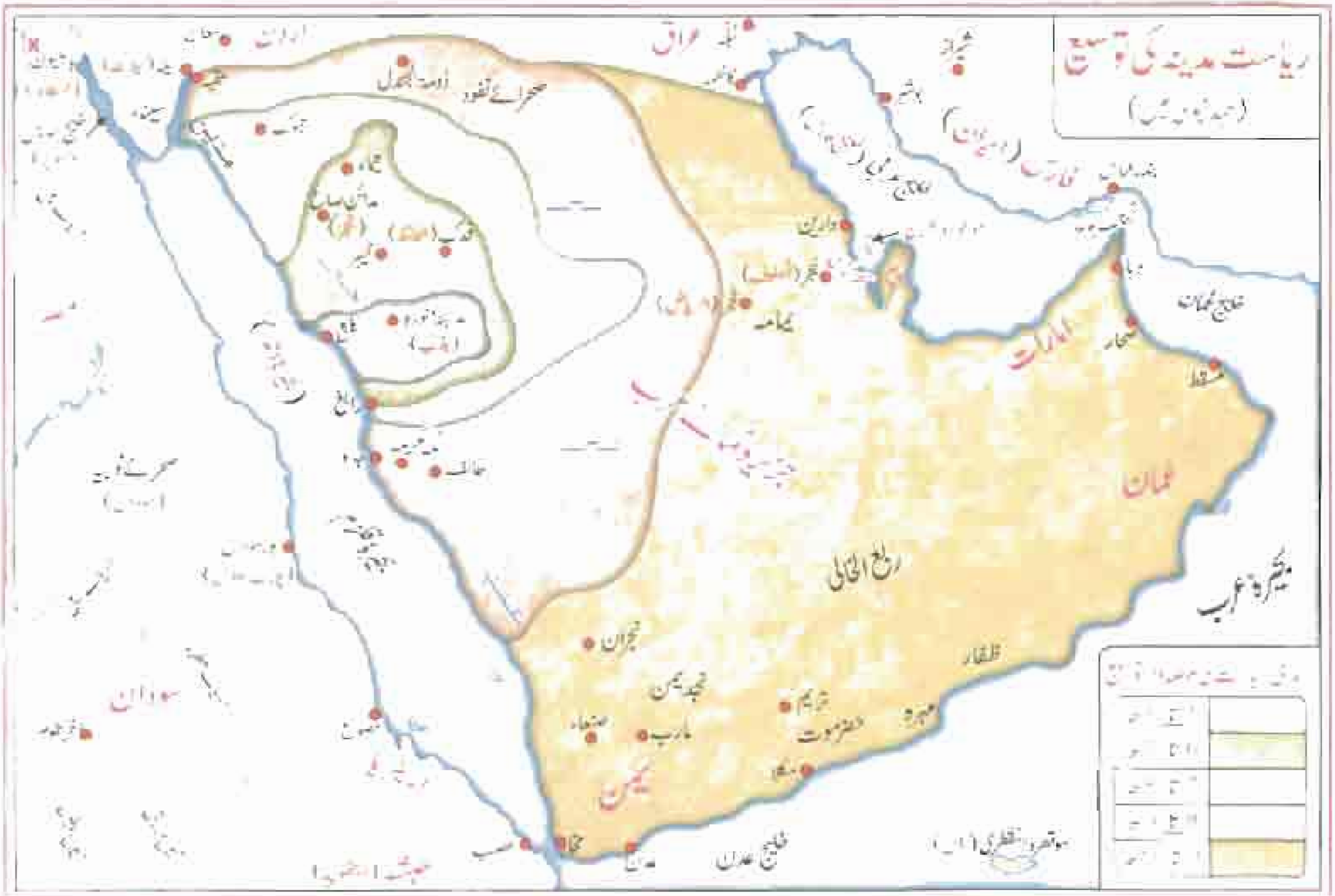
''اور محمد (ﷺ) ایک رسول ہی تو ہیں۔ ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ اگر ان کا انتقال ہو جائے یا یہ شہید ہو جائیں تو کیا تم اسلام سے اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے؟ اور جو بھی اپنی ایڑیوں کے بل پھر جائے گا تو وہ اللہ کا کچھ بھی بگاڑ نہ سکے گا۔ اور اللہ شکر ادا کرنے والوں کو اچھی جزا دے گا۔''[2]

سیدنا ابوبکر ؓ کا خطبہ اور آیت: ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ﴾ کی تلاوت سننے کے بعد لوگوں نے رونا شروع کر دیا۔ ابن عباس ؓ کہتے ہیں: یوں معلوم ہوتا تھا گویا لوگوں کو اس آیت کا ادراک ہی نہ تھا یہاں تک کہ سیدنا ابوبکر ؓ نے اس کی تلاوت کی۔ اس موقع پر جس جس نے بھی یہ آیت سنی، وہ اس آیت کی تلاوت کرنے لگا۔[3]

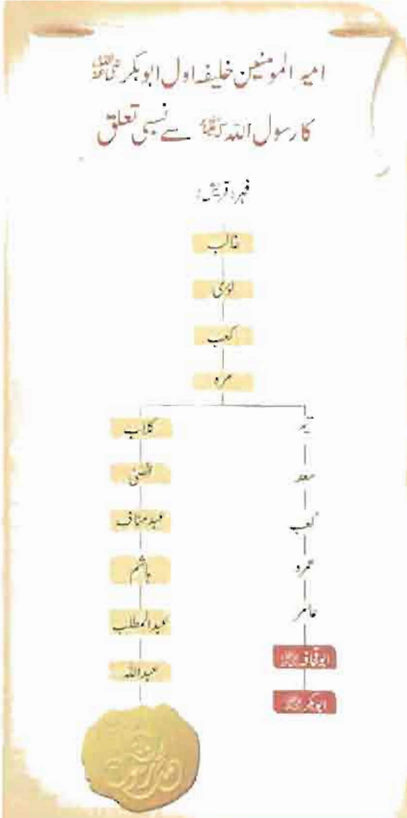
سیدنا عمر ؓ کہتے ہیں: ''جب میں نے ابوبکر ؓ سے یہ آیت سنی تو میں زمین پر گرنے لگا۔ میرے قدموں نے میرا بوجھ اٹھانے سے انکار کر دیا اور مجھے یقین ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ وفات پا چکے ہیں۔''[4]

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس موقع پر اس آیت کی تلاوت ابوبکر صدیق ؓ کی بصیرت اور شجاعت کی بہت بڑی دلیل ہے۔ بہادری یہی ہوتی ہے کہ مصائب کے موقع پر آدمی کا دل مضبوط رہے۔ بھلا آپ ﷺ کی وفات سے زیادہ مشکل گھڑی کون سی ہو سکتی تھی مگر اس موقع پر بھی سیدنا ابوبکر ؓ نے شجاعت، بصیرت اور علم کا ثبوت دیا۔ لوگ کہہ رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ فوت ہی نہیں ہوئے۔ عمر ؓ بھی انھی میں سے تھے۔ عثمان ؓ تو بالکل گم سم ہو گئے اور سیدنا علی ؓ گھر سے باہر ہی نہیں نکلے۔ معاملہ بے حد پیچیدگی اختیار کر گیا تھا جسے ابوبکر ؓ نے اپنی رہائش گاہ

1 فتح الباری: 8/184. 2 آل عمران 3: 144. 3 صحیح البخاری: 1241، 1242، 3668، 4452-4454، مسند احمد: 25841. 4 صحیح البخاری: 4454.



ریاست مدینہ کی توسیع
عراق
یمامہ
ربع الخالی
عمان
یمن
نجران
نجد یمن
صنعاء
مارب
حضرموت
ظفار
مہرہ
صحار
مسقط
خلیج عمان
بحیرۂ عرب
خلیج عدن
عدن
طائف
سوڈان



"سنبھلو" سے آ کر سنبھالا اور اس آیت سے حقیقت واضح کی۔[1]

اے اللہ! صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر رحم فرما۔ انھوں نے امت کو کتنی زبردست مشکلات و مصائب کے طوفان میں محفوظ رکھا۔ بہت سی آزمائشیں ان کے ہاتھوں ختم ہوئیں۔ بہت سے کٹھن مسائل تھے جنھیں انھوں نے قرآن و سنت کے روشن دلائل کی مدد سے حل کر دیا جو عمر رضی اللہ عنہ جیسے صاحب بصیرت لوگوں پر بھی پوشیدہ رہے۔ لوگو! صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا حق اور مقام و مرتبہ پہچاننے کی کوشش کرو۔ رسول خدا کے محبوب سے محبت رکھو۔ ان سے محبت ایمان اور ان سے بغض نفاق کی علامت ہے۔[2]

سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت خلافت

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب مسلمانوں کے اختلاف اور انتشار کو ختم کر کے انھیں سیدھی راہ پر ڈال کر اتفاق و اتحاد کی لڑی میں پرو دیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذہنوں سے رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے حوالے سے سارے خدشات ختم ہو گئے۔ اور سب لوگ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے گرد جمع ہو گئے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ بعض لوگوں نے مسجد ہی میں سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ منتخب کر کے ان کی بیعت کر لی۔

سقیفہ بنی ساعدہ کا اجتماع

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میں مہاجرین کو قرآن مجید پڑھاتا تھا، انھی میں سے ایک عبدالرحمن بن عوف بھی تھے۔ وہ منیٰ میں اپنے خیمے میں واپس آئے۔ میں ان کا انتظار کر رہا تھا۔ یہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے آخری حج کی بات

1 تفسیر القرطبی، آل عمران 3:144. 2 مرض النبی ﷺ و وفاتہ لخالد ابی صالح، ص 24.


منیٰ میں خیموں کی بہار

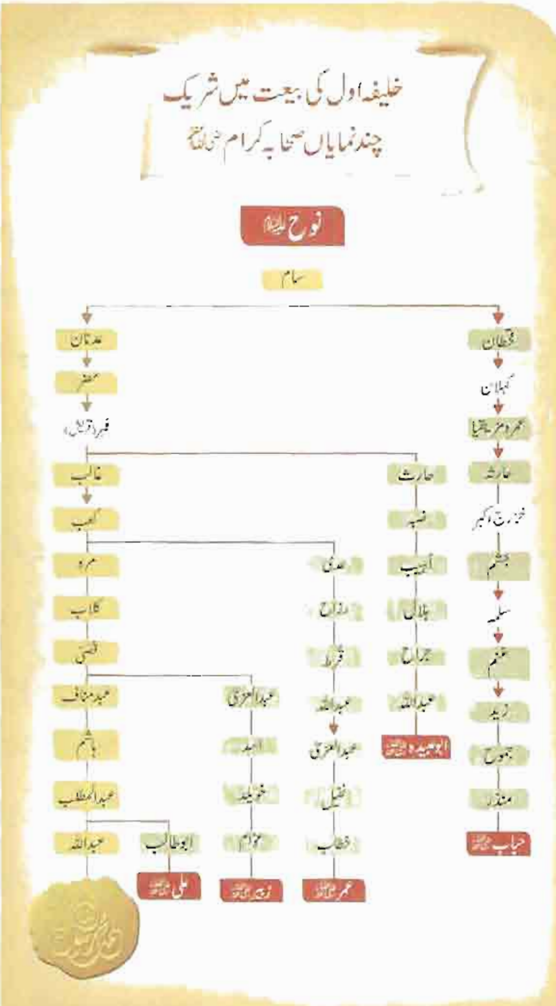
ہے۔ وہ آتے ہی کہنے لگے: آج عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک آدمی آیا، کہنے لگا: فلاں شخص کہتا ہے کہ اگر عمر فوت ہو گئے تو میں فلاں کی بیعت کر لوں گا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ان شاء اللہ میں آج ہی ظہر کے وقت لوگوں سے خطاب کروں گا۔ میں نے کہا: امیر المومنین! ایسے نہ کیجیے کیونکہ موسم حج میں عوام الناس اور کم سمجھ لوگ زیادہ ہوتے ہیں اور جب آپ خطاب فرمائیں گے تو یہی لوگ آپ کے قریب آ بیٹھیں گے۔ مجھے خطرہ ہے کہ آپ کوئی بات فرمائیں گے تو یہ لوگ سمجھ نہ پائیں گے اور اس کا صحیح مقام و مفہوم متعین نہ کر سکیں گے اور افواہیں پھیلا دیں گے، اس لیے آپ مدینہ واپسی تک یہ پروگرام ملتوی کر دیں۔ مدینہ مسلمانوں کی ہجرت گاہ اور مرکز ہے۔ وہاں سمجھی لوگ اہل علم اور صاحب عز و شرف ہیں۔ وہاں آپ جو کچھ فرمائیں گے، اطمینان سے فرمائیں گے۔ وہ آپ کی بات سمجھیں گے اور اس کے صحیح معنی اور مقام متعین کریں گے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ٹھیک ہے۔ ان شاء اللہ اگر میں صحیح سالم مدینہ پہنچ گیا تو سب سے پہلی تقریر یہی کروں گا۔ ہم ذوالحجہ کے آخر میں مدینہ پہنچے۔ جمعۃ المبارک کا دن آ گیا تو میں (ابن عباس) اندھے آدمی کی طرح تین دوپہر کے وقت مسجد پہنچ گیا۔ (شاگرد نے حضرت امام مالک سے پوچھا: اندھے کی طرح کا کیا مطلب؟ انھوں نے فرمایا: اندھا شخص زمان و مکان کی پروا نہیں کرتا بلکہ جب چاہتا ہے چل پڑتا ہے خواہ سردی ہو یا گرمی) میں نے حضرت سعید بن زید کو منبر کے دائیں پائے کے پاس بیٹھے پایا۔ وہ مجھ سے بھی پہلے آ چکے تھے۔ میں ان کے برابر اس طرح بیٹھ گیا کہ میرا گھٹنا ان کے گھٹنے سے ٹکرا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی پہنچ گئے۔ میں نے انھیں دیکھا تو کہا: آج اس منبر پر سیدنا عمر ایسی تقریر کریں گے جو اس سے قبل کبھی نہیں کی۔ سعید بن زید کو میری بات کا یقین نہ آیا، کہنے لگے: ایسی کون سی بات ہو سکتی ہے جو کبھی نہ کی ہو؟

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا خطاب

خیر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ منبر پر بیٹھ گئے۔ جب مؤذن اذان سے فارغ ہوا تو وہ کھڑے ہوئے، اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی، پھر فرمایا: اے لوگو! آج میں ایک ایسی بات کرنے لگا ہوں جو میرے نزدیک انتہائی ضروری ہے۔ ہو سکتا ہے میری موت قریب ہی ہو۔ جو شخص میری بات کو سمجھ لے اور یاد رکھے، وہ اسے جہاں تک پہنچا سکتا ہے، پہنچا دے لیکن جس کی سمجھ میں میری بات نہ آئے، وہ میرے نام پر جھوٹ بولنے کا مجاز نہیں۔

رجم ایک شرعی حد

یقیناً اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق دے کر مبعوث فرمایا اور آپ پر کتاب اتاری۔ کتاب میں رجم کی آیت بھی تھی۔ ہم نے وہ آیت پڑھی، اسے سمجھا اور یاد رکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا۔ ہم نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد



رجم کیا۔ مجھے خطرہ ہے کہ وقت زیادہ گزر گیا تو کوئی کہنے والا کہے گا: ہم اللہ کی کتاب میں رجم کا حکم نہیں پاتے۔ اس طرح لوگ قطعی حکم چھوڑ کر گمراہ ہوجائیں گے۔ یاد رکھو! رجم اللہ کی کتاب میں حقیقتاً موجود ہے۔ جو شخص مرد یا عورت شادی شدہ ہونے کے بعد زنا کرے، وہ رجم کیا جائے گا بشرطیکہ گواہ مل جائیں یا حمل ثابت ہوجائے۔ یا خود اعتراف جرم کرلے۔ خبردار! ہم قرآن میں یہ بھی پڑھا کرتے تھے کہ اپنے آباء سے اعراض نہ کرو کہ یہ بہت بڑی ناشکری ہے۔ خبردار! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری تعریف میں مبالغہ کرتے ہوئے مجھے میری حد سے نہ بڑھا دینا، جیسے عیسیٰ ابن مریم کو ان کی حد سے بڑھا دیا گیا۔ میں صرف ایک بندہ ہوں، لہٰذا تم مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہی کہنا۔ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ تم میں سے کسی نے کہا ہے: اگر عمر فوت ہوگیا تو میں فلاں کی بیعت کر لوں گا۔ یاد رکھو! کوئی شخص اس دھوکے میں نہ رہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت بھی تو اسی طرح اچانک ہوئی تھی۔ پھر بعد میں سب نے بیعت کرلی۔ اب بھی اسی طرح ہوجائے گا۔ ہاں، واقعتاً سیدنا ابوبکر کی بیعت اسی طرح ہوئی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس چیز کے شر سے محفوظ رکھا۔ تم میں آج کون شخص سیدنا ابوبکر جیسا ہے جس کے لیے سب کچھ قربان کیا جاسکتا ہو؟ یہ واقعہ بھی سن لیجیے کہ رسول اللہ ﷺ فوت ہوئے تو سیدنا علی، زبیر اور ان کے ساتھی سیدہ فاطمہ بنت رسول ﷺ کے گھر جمع ہوگئے۔ انصار سب کے سب سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوگئے۔ مہاجرین سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس اکٹھے ہوگئے۔ میں نے ابوبکر سے کہا: جناب ابی بکر! آیئے انصار بھائیوں کے پاس چلیں۔ ہم ان کی طرف جارہے تھے کہ ہمیں دو نیک انصاری ملے۔ انھوں نے ہمیں انصار کی کارگزاری سے مطلع

گیا اور کہنے لگے: مہاجر بھائیو! کدھر جا رہے ہو؟ میں نے کہا: انصار بھائیوں کے پاس جا رہے ہیں۔ وہ کہنے لگے: ان کے پاس جانے کا تمھیں کوئی فائدہ نہیں۔ تم جو فیصلہ کرنا چاہتے ہو کر لو۔ میں نے کہا: اللہ کی قسم! ہم ضرور ان کے پاس جائیں گے۔ ہم ان کے پاس سقیفہ بنی ساعدہ میں پہنچ گئے۔ وہ سب اکٹھے تھے۔ ان کے مابین ایک شخص چادر اوڑھے لیٹا تھا۔ میں نے پوچھا: یہ کون ہے؟ وہ کہنے لگے: سعد بن عبادہ ہیں۔ میں نے دریافت کیا: انھیں کیا ہوا ہے؟ انھوں نے بتایا: یہ بیمار ہیں۔ جب ہم بیٹھ گئے تو ان کا خطیب کھڑا ہوا اور کہنے لگا: اما بعد! ہم اللہ کے انصار ہیں، اسلام کا لشکر ہیں اور اے مہاجرین! تم ہمارے نبی کریم ﷺ کی ایک چھوٹی سی جماعت ہو۔ اب تم میں سے کچھ لوگ چاہتے ہیں کہ ہمیں جڑ سے کاٹ دیں اور ہمیں نظر انداز کر کے خود ہی حکومت سنبھال لیں۔ جب وہ خاموش ہوا تو میں نے بات کرنے کا ارادہ ظاہر کیا کیونکہ میں نے اس وقت کے لحاظ سے ایک بہترین تقریر تیار کی تھی۔ میں چاہتا تھا کہ سیدنا ابوبکر کی تقریر سے پہلے وہ باتیں کر دوں تاکہ سیدنا ابوبکر کی کچھ تیزی ختم ہو جائے۔ ویسے وہ مجھ سے زیادہ دانا اور باوقار تھے۔ سیدنا ابوبکر کہنے لگے: ٹھہر جاؤ۔ میں نے انھیں ناراض کرنا پسند نہیں کیا کیونکہ وہ مجھ سے بڑے نہایت پُروقار عالم تھے۔ اللہ کی قسم! وہی باتیں جو مجھے اپنی تقریر کے لیے بہت اچھی لگتی تھیں، وہ سب سیدنا ابوبکر نے اپنی فی البدیہہ تقریر میں مجھ سے کہیں بہتر کر ڈالیں۔ انھوں نے فرمایا: تم نے اپنی جو فضیلت بیان کی ہے حق یہ ہے کہ تم اس کے اہل ہو۔ لیکن عرب لوگ قریش کے علاوہ کسی کی حکومت تسلیم نہیں کریں گے کیونکہ وہ اپنے نسب اور علاقائی لحاظ سے افضل ترین عرب ہیں۔ میں ان دونوں میں سے جسے تم چاہو، خلیفہ تسلیم کرتا ہوں۔ یہ کہتے ہوئے انھوں نے میرا اور ابوعبیدہ بن جراح کا ہاتھ پکڑ لیا۔ بس مجھے ان کی یہی بات بری لگی۔ اس کے علاوہ اُن کی ساری باتیں بہت اچھی تھیں۔ اللہ کی قسم! جس قوم میں ابوبکر ؓ جیسے رجلِ عظیم موجود ہوں اس قوم کا امیر بننا مجھ پر اس قدر گراں گزر رہا تھا کہ اس کے برعکس اگر میری گردن تن سے جدا کر دی جائے تو وہ میرے لیے کہیں بہتر اور قابل ترجیح بات ہے۔ اب تک میں یہی سمجھتا ہوں۔ یہ الگ بات ہے کہ موت کے وقت میرے اس خیال میں کوئی تبدیلی آجائے۔ انصار میں سے ایک شخص کہنے لگا: میں انصار کا مضبوط ترین تنا ہوں جس سے اونٹ اپنا جسم کھجاتے ہیں۔ اے قریش کی جماعت! ایک امیر ہم میں سے، ایک امیر تم میں سے ہونا

سقیفہ بنی ساعدہ (مدینہ منورہ)



چاہیے۔ (راوی کہتا ہے: میں نے امام مالک سے پوچھا: ان الفاظ کا کیا مطلب ہے؟ وہ فرمانے لگے: وہ دراصل یہ کہنا چاہتا تھا کہ میں انصار کا سرکردہ شخص ہوں۔) اس بات پر شور وغل برپا ہوگیا اور طرح طرح کی آوازیں اونچی ہوتی چلی گئیں۔ مجھے خطرہ پیدا ہوا کہ اختلاف برپا ہوجائے گا، اس لیے میں نے فوراً کہا: جناب ابوبکر! اپنا ہاتھ بڑھائیے۔ انھوں نے ہاتھ بڑھایا۔ میں نے ان کی بیعت کر لی۔ پھر تمام مہاجرین نے ان کی بیعت کر لی اور پھر انصار نے بھی بیعت کر لی۔ ہم سعد بن عبادہ کی طرف لپکے۔ کسی کہنے والے نے کہا: تم نے تو سعد کو قتل ہی کر ڈالا۔ میں نے کہا: سعد کو اللہ نے قتل کیا۔ اللہ کی قسم! میں سمجھتا ہوں اس موقع پر سب سے اچھا اور مفید کام یہی ہوا کہ سیدنا ابوبکر ؓ کی بیعت کر لی گئی۔ ورنہ ہمیں خطرہ تھا کہ اگر ہم فیصلہ کیے بغیر یہاں سے اٹھ گئے تو وہ ہمارے بعد کسی کی بیعت کر لیں گے۔ پھر دو ہی صورتیں ہوں گی یا تو ہم اپنی مرضی کے خلاف ان کی بیعت کریں گے یا ان کی مخالفت کریں گے۔ اس طرح فساد برپا ہوجائے گا، لہٰذا اب جو شخص مسلمانوں کے اجتماعی مشورے کے بغیر کسی کی بیعت کرے گا، اس کی بیعت کا کوئی اعتبار نہیں۔ نہ اس شخص کا کوئی وقار یا اعتبار ہوگا جس کی بیعت کی گئی بلکہ ان دونوں کو قتل کر دیا جائے گا۔

امام مالک ؒ فرماتے ہیں: مجھے ابن شہاب زہری نے حضرت عروہ کے حوالے سے بیان فرمایا کہ جو دو آدمی انھیں ملے تھے، وہ عویم بن ساعدہ اور معن بن عدی تھے۔ ابن شہاب فرماتے ہیں: مجھے سعید بن مسیب نے بتایا کہ جس شخص نے یہ کہا تھا کہ میں انصار کا مضبوط ترین تنا ہوں جس سے اونٹ اپنا جسم کھجاتے ہیں، وہ حباب بن منذر ؓ تھے۔[1]

حضرت رافع طائی جو غزوہ ذات السلاسل میں سیدنا ابوبکر ؓ کے ساتھی تھے، فرماتے ہیں: میں نے سیدنا ابوبکر ؓ سے ان باتوں کے بارے میں پوچھا جو ان کی بیعت کے سلسلہ میں پیش آئیں۔ انھوں نے مجھے ان تمام باتوں سے آگاہ کر دیا جو انصار نے اس موقع پر کیں اور سیدنا ابوبکر اور عمر ؓ نے ان سے کہیں۔ اس موقع پر انصار کو یہ بھی یاد دلایا گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیماری کے آخری دنوں میں ابوبکر کو امام بنایا تھا۔ اس پر انھوں نے میری بیعت کر لی اور میں نے بھی معاً ان کی بیعت قبول کر لی کیونکہ مجھے خطرہ تھا مبادا ایسا فتنہ اٹھ کھڑا ہو جس کے بعد ارتداد پھیل جائے۔[2]

اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا ابوبکر ؓ نے امامت و خلافت اس خدشے کے پیش نظر قبول کی

[1] مسند احمد 55/1، صحیح البخاری 6830 [2] مسند احمد 8/1

تھی کہ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو بہت بڑا فتنہ پھوٹ پڑتا۔

بیعت عام منبر پر ہوئی

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ سارے امور سوموار کے باقی ماندہ دن ہی میں انجام پا گئے۔ اگلے دن منگل کی صبح کو سب لوگ مسجد نبوی میں جمع ہو گئے۔ اس موقع پر باقی ماندہ سب مہاجرین و انصار نے بھی بیعت کر لی۔ بیعت کے بعد رسول اللہ ﷺ کے جسد اطہر کی تکفین و تجہیز عمل میں آئی۔

سیدنا انس ؓ سے منقول ہے کہ میں نے سیدنا عمر ؓ کا بعد والا خطبہ سنا جب وہ منبر رسول پر بیٹھے تھے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی وفات سے اگلے دن کی بات ہے۔ سیدنا ابوبکر ؓ بالکل خاموش بیٹھے تھے، کسی سے کوئی بات نہیں کرتے تھے۔ سیدنا عمر ؓ نے فرمایا: مجھے امید تھی کہ رسول اللہ ﷺ زندہ رہیں گے اور ہمارے کاموں کے لیے تدبر اور انتظام فرماتے رہیں گے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ آپ ﷺ سب سے آخر میں فوت ہوں گے۔ سیدنا عمر نے مزید کہا: اگر سیدنا محمد ﷺ فوت ہو گئے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے تمھارے درمیان نور (قرآن) کو باقی رکھا ہے جس سے تم ہدایت حاصل کرتے رہو گے۔ اسی قرآن کے ذریعے اللہ نے رسول اللہ ﷺ کی راہنمائی فرمائی۔ اور سیدنا ابوبکر ؓ رسول اللہ ﷺ کے قریب ترین ساتھی اور یار غار ہیں۔ وہ مسلمانوں کے معاملات کے سب سے زیادہ ذمہ دار ہیں۔ اٹھو اور ان کی بیعت کرو۔ کچھ لوگ اس سے قبل بنی سقیفہ ہی میں ان کی بیعت کر چکے تھے لیکن عام لوگوں نے منبر پر بیعت کی۔

سیدنا انس بن مالک ؓ فرماتے ہیں: میں نے سیدنا عمر ؓ کو اس روز سنا، وہ سیدنا ابوبکر سے درخواست کرتے تھے: آپ منبر پر تشریف لائیں۔ وہ یہی اصرار کرتے رہے حتی کہ ابوبکر ؓ منبر پر جا بیٹھے اور عام لوگوں نے ان کی بیعت کی۔[1]

دریں اثنا سیدنا ابوبکر ؓ کا سیدنا عمر اور سیدنا ابوعبیدہ بن جراح ؓ کا ہاتھ پکڑ کر انصار کو بیعت کی دعوت دینے سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ انھیں خلافت کی کوئی تمنا نہیں تھی بلکہ انھوں نے خلافت سے بے نیازی برتتے ہوئے ارشاد فرمایا: اللہ کی قسم! میں خلافت کا کبھی متمنی تھا نہ مجھے اس سے کبھی کوئی رغبت رہی، نہ میں نے اس کا کبھی اللہ تعالیٰ سے ظاہراً یا باطناً سوال کیا۔ لیکن مجھے یہ خدشہ لاحق ہو گیا کہ اگر میں نے خلیفہ بننا قبول نہ کیا تو امت فتنے میں مبتلا ہو جائے گی۔ اس امارت میں میرے لیے کوئی راحت و سکون نہیں لیکن میں نے ایک بہت بڑی ذمہ داری

1 صحیح البخاري: 7219

انحالی ہے۔ اس کی مجھ میں طاقت و ہمت نہیں۔ اللہ ہی مجھے طاقت اور ہمت دینے والا ہے۔ میری تمنا ہے کاش! میری جگہ کوئی طاقتور شخص یہ ذمہ داری سنبھالتا۔[1]

خطیب انصار کی بے نفسی

سیدنا ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ فوت ہوئے تو لوگ سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے گھر جمع ہو گئے، ان میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ انصار کا خطیب کھڑا ہوا اور کہنے لگا: کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ مہاجرین میں سے تھے؟ اور آپ کا خلیفہ بھی مہاجرین میں سے ہوگا۔ ہم رسول اللہ ﷺ کے انصار مددگار تھے۔ اب ہم آپ کے خلیفہ کے مددگار ہوں گے۔ یہ سن کر سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے: تمھارے خطیب نے صحیح کہا ہے۔ اگر تم اس کے علاوہ کچھ کہتے بھی تو ہم تمھاری بیعت نہ کرتے۔ پھر انھوں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: یہ ہیں تمھارے امیر، لہٰذا ان کی بیعت کرلو۔ یہ کہہ کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی بیعت کی اور مہاجرین و انصار نے بھی ان کی بیعت کر لی۔ وہ فرماتے ہیں: پھر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ منبر پر چڑھے اور لوگوں کو غور سے دیکھا۔ انھیں سیدنا زبیر نظر نہ آئے۔ انھوں نے سیدنا زبیر کو بلا بھیجا۔ وہ آئے تو ابوبکر فرمانے لگے: میں کہتا تھا کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کی پھوپھی کا بیٹا اور آپ کا حواری ہے۔ کیا تم مسلمانوں میں افتراق پیدا کرنا چاہتے ہو؟ زبیر کہنے لگے: جناب خلیفہ رسول! مجھے ملامت نہ کیجیے۔ پھر اٹھے اور ان کی بیعت کر لی۔ پھر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں پر نظر دوڑائی تو انھیں سیدنا علی رضی اللہ عنہ نظر نہ آئے۔ انھوں نے بلا بھیجا۔ وہ آئے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: میں کہتا تھا کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کا چچازاد اور داماد ہے، کیا تم مسلمانوں میں افتراق پیدا کرنا چاہتے ہو؟ علی کہنے لگے: جناب خلیفہ رسول! ملامت نہ کیجیے! اور پھر ان کی بیعت کر لی۔[2]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کب بیعت کی؟

اس روایت سے بڑی مفید بات معلوم ہوئی کہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے یا تو وفات والے دن ہی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی تھی یا اس سے اگلے دن، اور یہی بات صحیح ہے کیونکہ سیدنا علی بن ابی طالب کسی وقت بھی سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جدا نہیں رہے۔ وہ انھی کے پیچھے باقاعدگی سے نماز ادا کرتے رہے۔ جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مرتدین کے خلاف اعلان جنگ فرمایا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ ذوالقصہ بھی تشریف لے گئے۔[3]

[1] تاریخ الخلفاء للسیوطی، ص: 91۔ [2] الاعتقاد للبیہقی، ص: 178، السنن الکبرٰی للبیہقی: 143/8، المستدرک للحاکم: 76/3۔ [3] البدایۃ والنہایۃ: 219,218/5

بیعت فسخ کریں گے نہ سبکدوشی پسند کریں گے

خلافت سنبھالنے کے چند دن بعد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ منبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا: ''لوگو! اللہ تعالیٰ کو یاد کرو، تم میں سے جو شخص میری بیعت کرنے پر نادم ہے وہ کھڑا ہو جائے۔'' یہ ارشاد سن کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے۔ ان کے پاس تلوار تھی۔ وہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اتنے قریب چلے گئے کہ انھوں نے اپنا ایک پاؤں منبر کے زینے پر اور دوسرا نیچے کنکریوں پر رکھا اور فرمایا:

وَاللّٰہِ! لَا نُقِیْلُکَ وَلَا نَسْتَقِیْلُکَ، قَدَّمَکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ فَمَنْ ذَا یُؤَخِّرُکَ؟

''اللہ کی قسم! ہم آپ کی بیعت فسخ کریں گے نہ آپ کی سبکدوشی گوارا کریں گے۔ آپ کو رسول اللہ ﷺ نے آگے کیا ہے، بھلا کون ہے جو آپ کو پیچھے کر سکے؟''[1]

رسول اللہ ﷺ کی پسند ہی ہماری پسند ہے

ابن سعد نے اپنی سند کے ساتھ حسن بصری رحمہ اللہ سے بیان کیا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''نبی کریم ﷺ فوت ہو گئے تو ہم نے اپنے حالات کا جائزہ لیا۔ ہم نے دیکھا کہ نبی اکرم ﷺ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نماز کی امامت سونپی تھی، چنانچہ ہم نے بھی اپنی دنیا کی امامت کے لیے انھی کو پسند کر لیا جنھیں رسول اللہ ﷺ نے ہمارے دین کی امامت کے لیے چنا تھا۔''[2]

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارے میں امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا تجزیہ

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یقیناً نبی کریم ﷺ نے اپنے متعدد اقوال و افعال کے ذریعے سے مسلمانوں کی رہنمائی کی تھی کہ وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنائیں۔ آپ ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کی خلافت کے بارے میں اپنی رضامندی کا اظہار کیا تھا۔ آپ نے ان کے لیے وصیت نامہ تحریر کرنے کا عزم بھی کیا تھا، پھر آپ کو معلوم ہوا کہ مسلمان انھی پر اتفاق کر لیں گے، لہٰذا آپ نے اسی پر اکتفا کیا اور وصیت نامہ تحریر کرنے کی ضرورت محسوس نہیں فرمائی۔ اگر خلیفہ کا تعین مسلمانوں کے لیے مشتبہ معاملہ ہوتا تو آپ ﷺ اس سلسلے میں دوٹوک اعلان ضرور فرماتے تاکہ کسی قسم کا عذر باقی نہ رہتا لیکن جب آپ نے متعدد وجوہ سے رہنمائی کر دی کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی خلیفہ ہوں گے اور مسلمان بھی آپ کی مراد سمجھ گئے تو اصل مقصد حاصل ہو گیا، اس لیے آپ ﷺ نے وصیت نامہ تحریر نہیں فرمایا۔

1 سبل الہدٰی والرشاد: 317/12. 2 الطبقات لابن سعد: 183/3.

اسی لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے مہاجرین وانصار کی مجلس میں اپنے خطبے میں کہا تھا ”ابوبکر کے سوا تم میں کوئی شخص ایسا نہیں جسے خلیفۂ وقت کی حیثیت سے دیکھا جائے۔“

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے مزید فرمایا: ابوبکر کی خلافت برحق پر بہت سی نصوص موجود ہیں، ان کی خلافت کے ثبوت میں اللہ اور اس کے رسول کی رضامندی کی بہت سی صحیح نصوص وارد ہیں۔ مسلمانوں نے ان کی بیعت کی اور انھیں اپنا خلیفہ چنا۔ مسلمانوں کے اس چناؤ کی بنیاد یہ تھی کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خود اللہ تعالیٰ نے فضیلت دی تھی اور رسول اللہ ﷺ کے نزدیک بھی ان کی بڑی فضیلت تھی۔ اس طرح سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت قطعی دلائل اور مسلمانوں کے اجماع سے ثابت ہے۔[1]

جسد اطہر کا غسل

ہم بیان کر چکے ہیں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سوموار کے باقی دن اور منگل کے دن کے کچھ حصے میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت میں مشغول رہے۔ جب یہ مسئلہ قابل اطمینان طریقہ سے مضبوط بنیادوں پر طے ہو گیا تو وہ رسول اللہ ﷺ کی تکفین وتجہیز میں مشغول ہو گئے۔ اگر کوئی اشکال پیدا ہوا تو اسے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رہنمائی میں حل کر لیا گیا۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: جب لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کو غسل دینے کا ارادہ کیا تو وہ پوچھنے لگے: کیا رسول اللہ ﷺ کے کپڑے اتار دیے جائیں جیسا کہ عام طور پر ہم میت کے کپڑے اتار دیتے ہیں۔ یا یہ کہ آپ ﷺ کو آپ کے لباس سمیت غسل دیا جائے؟ جب یہ اختلاف پیدا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند مسلط کر دی یہاں تک کہ ان میں کوئی بھی ایسا شخص نہ تھا جس کی ٹھوڑی اس کے سینے سے نہ لگ گئی ہو۔ اس وقت ایک کونے سے نامعلوم آواز آئی۔ اللہ جانے وہ کون تھا جو کہہ رہا تھا: ”رسول اللہ ﷺ کو کپڑوں سمیت غسل دو۔“ چنانچہ آپ ﷺ کو قمیص سمیت ہی غسل دیا گیا۔ لوگ قمیص کے اوپر ہی پانی ڈالتے رہے اور بدن مبارک اس طرح ملتے رہے کہ قمیص بیچ میں حائل رہی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: اب جو بات میرے علم میں آئی، اگر وہ پہلے معلوم ہوتی تو آپ ﷺ کو ازواج رسول ہی غسل دیتیں۔[2]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو غسل دیا تو اس وقت میں وہ چیز (غلاظت) تلاش کرنے لگا جو میت سے جانکنی کی وقت نکلتی ہے۔ مجھے کچھ نہ ملا۔ آپ ﷺ زندگی میں بھی پاکیزہ تھے اور وفات کے بعد بھی پاکیزہ رہے۔[3]

1 منہاج السنة ... ناصر بن علی الشیخ 548/2 2 سنن ابی داود، 3141، سنن ابن ماجہ، 1464
3 المستدرک للحاکم، 515/1

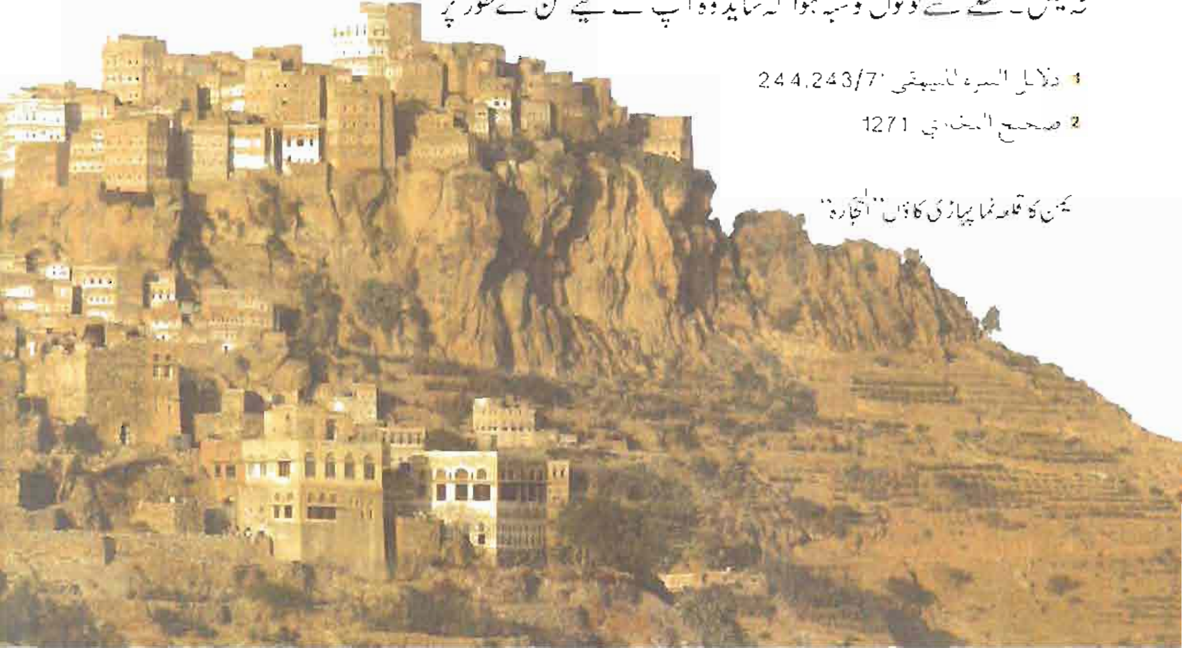
سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جب قبر تیار ہوگئی اور لوگوں نے ظہر کی نماز پڑھ لی تو سیدنا عباس رضی اللہ عنہ آپ کو غسل دینے لگے۔ انھوں نے آپ کے اردگرد باریک یمنی چادروں کا ایک چوکور پردہ تیار کیا۔ پھر وہ خود پردے میں داخل ہوگئے اور سیدنا علی اور فضل کو بھی بلا لیا۔ جب وہ ان دونوں کو پانی پکڑانے کے لیے پانی کی طرف جاتے تو ابوسفیان بن حارث کو بھی بلا کر پردے میں داخل کر لیتے۔ بنو ہاشم کے دوسرے لوگ پردے کے باہر کھڑے تھے۔ جب انصار نے میرے والد محترم سے اپنی نمائندگی کا بہ اصرار مطالبہ کیا تو انھوں نے چیدہ انصار کو بھی بلا لیا جن میں اوس بن خولی بھی شامل تھے۔ رضی اللہ عنہم

سعید بن مسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ کے کفن دفن کا فریضہ چار اشخاص نے انجام دیا: 1 سیدنا علی 2 سیدنا عباس 3 سیدنا فضل 4 سیدنا صالح جو نبی کریم ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ کوئی اور شخص شامل نہ تھا۔ آپ کے لیے لحد بنائی گئی اور لحد کے دہانے پر پکی اینٹیں لگائی گئیں۔''[1]

کفن کے کپڑے

رسول اللہ ﷺ کو تین سحولی کپڑوں میں کفن دیا گیا (سحول یمن کا شہر ہے) ان میں نہ قمیص تھی، نہ پگڑی۔[2]

امام ترمذی کہتے ہیں کہ صحیح بات یہی ہے کہ آپ کو تین سفید کپڑوں میں کفن دیا گیا۔ عروہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ پہلے رسول اللہ ﷺ کو ایک موٹے کپڑے سے ڈھانپا گیا، پھر اسے آپ ﷺ کے جسد اطہر سے اتار لیا گیا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو قطن کے تین سفید کپڑوں میں کفن دیا گیا جس میں نہ عمامہ تھا، نہ قمیص۔ حلے سے لوگوں کو شبہ ہوا کہ شاید وہ آپ کے لیے کفن کے طور پر



1 دلائل النبوۃ للبیہقی 244،243/7

2 صحیح البخاری 1271

یمن کا قلعہ نما پہاڑی گاؤں "الحجارۃ"

خریدا گیا ہے لیکن حلے کو چھوڑ دیا گیا اور آپ کو یمن کے علاقے سحول سے منسوب کپڑے سے کفن دیا گیا۔ عبداللہ بن ابی بکر نے وہ حلہ لے لیا۔ ان کا خیال تھا کہ وہ اپنے لیے اسے کفن بنائیں گے۔ پھر عبداللہ نے کہا: اگر اسے کفن بنانے پر اللہ راضی ہوتا تو آپ ﷺ کو اسی میں کفن دیا جاتا، چنانچہ انھوں نے حلہ بیچ دیا اور اس کی قیمت صدقہ کر دی۔[1] اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جس قمیص میں آپ ﷺ کو غسل دیا گیا، اسے اتار لیا گیا تھا۔ حلے کے بارے میں کہا گیا ہے کہ حلہ دو کپڑے یعنی: ایک ازار بند اور ایک اوپر والی چادر پر مشتمل ہوتا ہے۔

جنازہ

تمام مسلمانوں نے آپ ﷺ کا جنازہ پڑھا۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جس وقت رسول اللہ ﷺ فوت ہو گئے تو اولاً حجرہ مبارک میں مردوں کو داخل ہونے کا موقع ملا۔ تمام مردوں نے اکیلے اکیلے جنازہ پڑھا۔ پھر عورتوں کو موقع دیا گیا، انھوں نے بھی جنازہ پڑھا۔ اسی طرح پھر بچوں کو اور ان کے بعد غلاموں کو موقع دیا گیا تو انھوں نے بھی اکیلے اکیلے جنازہ ادا کیا۔ رسول اللہ ﷺ کے جنازے کی کسی نے امامت نہیں کرائی۔[2]

امام ابن کثیر کہتے ہیں: یہ جنازہ بلا امامت ہوا۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں بلکہ اجماع ہے۔[3]

ابن سعد کے مطابق جنازے کی ادائیگی کا طریقہ یہ تھا کہ لوگ صفوں میں کھڑے ہو کر یہ پڑھتے:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ

''اے نبی! آپ پر اللہ کی سلامتی، رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں۔''[4]

تدفین کے لیے جگہ کا فیصلہ

اس وقت مسلمان رسول اللہ ﷺ کے جسد اطہر کو دفن کرنے کی جگہ کے بارے میں مختلف الرائے ہو گئے، بعض نے کہا: منبر کے پاس دفن کیا جائے۔ دیگر کہنے لگے: بقیع میں دفن کرنا چاہیے۔ کسی نے کہا: نماز پڑھنے کی جگہ تدفین مناسب ہے۔[5]

اتنے میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس اختلاف کو رسول اللہ ﷺ ہی سے سنے ہوئے ایک فرمان کے حوالے سے ختم کر دیا۔

1 صحیح مسلم: 1563. 2 دلائل النبوة للبیہقی: 250/7، سنن ابن ماجہ: 1628. یہ روایت ضعیف ہے۔ 3 البدایة والنہایة: 232/5. 4 الطبقات لابن سعد: 290/2. 5 الشمائل للترمذی: 545، الطبقات لابن سعد: 293,292/2.

سیدہ عائشہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کہتے ہیں جس وقت رسول اللہ ﷺ فوت ہو گئے اور کفن دے دیا گیا تو لوگ مقام تدفین کے سلسلے میں اختلاف کرنے لگے، تب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے جو ارشاد سنا تھا، وہ ارشاد ابھی بھولا نہیں ہوں۔ آپ ﷺ فرماتے تھے:

[illegible]

''اللہ تعالیٰ ہر نبی کی روح اسی جگہ قبض فرماتا ہے جس جگہ وہ دفن ہونا پسند کرتے ہیں۔''

لہٰذا انھوں نے آپ ﷺ کو اسی بستر ہی کی جگہ دفن کر دیا۔ [1]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: تواتر سے معلوم ہوا ہے کہ آپ ﷺ کو سیدہ عائشہ کے حجرۂ مبارکہ میں دفن کیا گیا جو آپ ﷺ کی مسجد کے مشرق میں سیدہ عائشہ کے لیے مخصوص تھا۔ آپ ﷺ کو حجرے کے سامنے کے مغربی کونے میں دفن کیا گیا، بعدازاں اسی حجرے میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بھی دفن کیا گیا۔ [2]

لحد یا شق

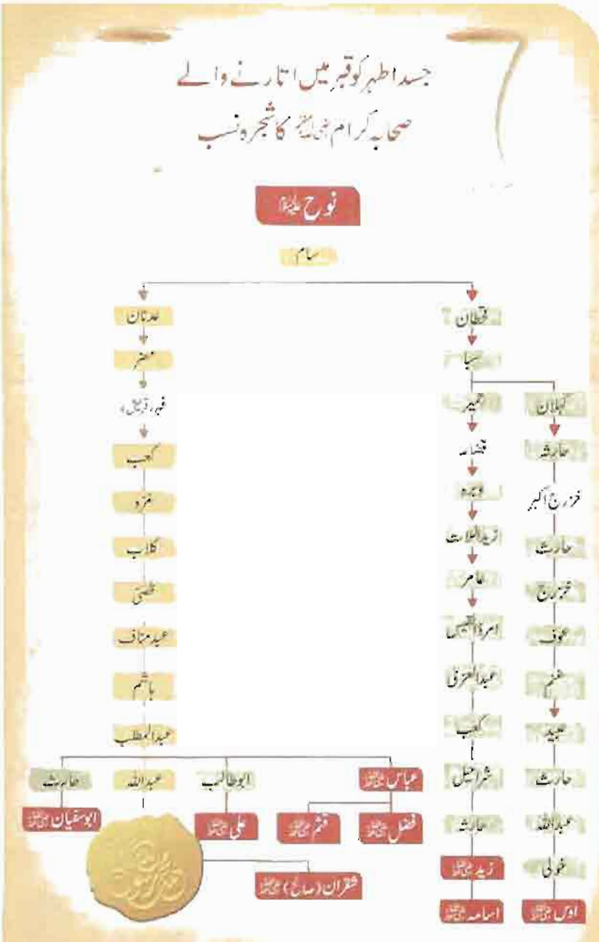
سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ فوت ہوئے تو مدینہ میں ایک شخص لحد بناتا تھا اور ایک دوسرا شخص شق بناتا تھا۔ صحابہ کہنے لگے: ہم اللہ تعالیٰ سے فیصلہ کروا لیتے ہیں۔ دونوں کو پیغام بھیج دیتے ہیں۔ جو دیر سے آئے گا، اسے چھوڑ دیں گے۔ دونوں کو پیغام بھیج دیا گیا تو لحد والا جلدی پہنچ گیا۔ لہٰذا انھوں نے نبی کریم ﷺ کے لیے لحد والی قبر بنائی۔ [3]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک میں ایک سرخ چادر بچھائی گئی۔'' [4]

رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک لحد والی بنائی گئی۔ اگرچہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ لحد اور شق دونوں جائز ہیں لیکن جب زمین سخت ہو اور مٹی بھربھری اور ریتلی نہ ہو تو لحد افضل ہے۔ اگر زمین اس کے برعکس ہو تو شق افضل ہے۔ [5]

علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لحد اور شق دونوں قسم کی قبروں پر رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں عمل جاری تھا، لہٰذا دونوں ٹھیک ہیں لیکن لحد افضل ہے۔ [6] کیونکہ اللہ تعالیٰ ہمارے پیغمبر ﷺ کے لیے افضل چیز ہی پسند فرماتا ہے۔

1 جامع الترمذی: 1018. 2 البدایة والنهایة: 238/5. 3 مسند احمد: 139/3، سنن ابن ماجه: 1557. 4 صحیح مسلم: 967، مسند احمد: 228/1، جامع الترمذی: 1048، سنن نسائی: 2011. 5 المجموع للنووی: 287/5.
6 احکام الجنائز، ص: 133



ابن اسحاق رحمہ اللہ کے بقول آپ ﷺ کو قبر مبارک میں اتارنے والوں میں سیدنا علی، فضل بن عباس اور قثم بن عباس رضی اللہ عنہم کے علاوہ آپ ﷺ کے آزاد کردہ غلام شقران بھی شامل تھے۔[1]

امام نووی اور مقدسی نے ان حضرات کے ساتھ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کو بھی شمار کیا ہے۔[2]

امام نووی کہتے ہیں کہ کہا جاتا ہے کہ اسامہ بن زید اور اوس بن خولی رضی اللہ عنہم بھی ان کے ساتھ تھے۔[3] آپ ﷺ کو لحد میں اتارا گیا۔ اس پر کچی اینٹیں چن دی گئیں۔ کہا جاتا ہے کہ 9 عدد اینٹیں چنی گئیں۔ پھر لوگوں نے مٹی ڈال دی۔[4]

تدفین کا وقت

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ پیر کے دن فوت ہوئے اور آپ ﷺ کی تدفین بدھ کی رات ہوئی۔[5]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ہمیں آپ ﷺ کے دفن ہونے کی اطلاع اس وقت ملی جب بدھ کی شام گہری ہو گئی تھی۔[6]

ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: جمہور سے یہی مروی ہے کہ آپ ﷺ بروز پیر فوت ہوئے اور بروز بدھ رات کے وقت آپ ﷺ کی تدفین عمل میں آئی۔[7]

1 السيرة لابن هشام 4/314. 2 تهذيب الأسماء للنووي، ص: 23، مختصر السيرة للمقدسي، ص: 35. 3 مرض النبي ﷺ ووفاته لخالد أبي صالح، ص: 173. 4 دلائل النبوة للبيهقي 7/252، تهذيب الأسماء للنووي، ص: 23. 5 مسند أحمد: 23646. 6 مسند أحمد: 23198. 7 البداية والنهاية 5/237، صحيح السيرة النبوية لإبراهيم العلي، ص: 728.

سب سے آخر میں نبی ﷺ سے جدا ہونے والے

سیدنا بہز بن حکیم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نبی کریم ﷺ کی تدفین کے موقع پر حاضر تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: آپ ﷺ کا جنازہ کیسے پڑھیں؟ انھوں نے کہا: گروہوں کی صورت میں اندر جاؤ۔ لہذا لوگ ایک دروازے سے داخل ہوتے تھے اور جنازہ پڑھنے کے بعد دوسرے دروازے سے باہر نکل جاتے تھے۔ جب آپ ﷺ کو لحد میں رکھا گیا تو سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: آپ کے پاؤں کی طرف کچھ کمی رہ گئی ہے جو پوری نہیں کی گئی۔ حاضرین نے کہا: قبر میں داخل ہو کر کمی پوری کردو۔ وہ قبر میں داخل ہوئے، پھر انھوں نے اپنے ہاتھ لحد میں داخل کر کے آپ کے قدم مبارک چھو لیے۔ بعدازاں کہنے لگے: مجھ پر مٹی گراؤ۔ لوگ مٹی ڈالنے لگے حتی کہ جب مٹی نصف پنڈلیوں تک پہنچ گئی تب وہ نکلے۔ وہ کہا کرتے تھے: ''میں رسول اللہ ﷺ سے تم میں سے سب سے آخر میں جدا ہوا۔''[1]

قبر کی نوعیت

حضرت قاسم فرماتے ہیں: میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں گیا اور عرض کیا: امی جان! مجھے رسول اللہ ﷺ اور شیخین ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی قبریں دکھلا دیجیے۔ انھوں نے دروازہ کھول کر مجھے تینوں قبریں دکھائیں۔ وہ بہت اونچی تھیں نہ بالکل پست۔ ان پر نشیبی میدان کی سرخ کنکریاں پڑی ہوئی تھیں۔ سب سے آگے نبی کریم ﷺ کی قبر تھی۔ اس سے پیچھے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور اس سے پیچھے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی قبر تھی۔[2]

حضرت قاسم فرماتے ہیں: میں نے آپ ﷺ کی قبر مبارک سب سے آگے دیکھی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سر حضور نبی کریم ﷺ کے کندھوں کے برابر تھا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا سر نبی کریم ﷺ کی مبارک ٹانگوں کے برابر تھا۔[3]

امام بیہقی فرماتے ہیں: ''یہ روایت اس امر کی دلیل ہے کہ ان کی قبریں چوکور ہیں کیونکہ کنکریاں چوکور قبر ہی پر ٹھہر سکتی ہیں۔''[4] لیکن ان کی یہ بات عجیب ہے کیونکہ اس روایت میں مکمل طور پر کنکریوں کا ذکر نہیں۔ بالفرض ایسا ہو بھی تب بھی کوہان جیسی قبر پر بھی کنکریاں مٹی وغیرہ کے ساتھ ڈالی جا سکتی ہیں۔

تبع تابعین میں سے سفیان تمار سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی قبر کو زمین سے بلند دیکھا۔[5]

غنیم بن بسطام المدینی کہتے ہیں: میں نے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دور میں رسول اللہ ﷺ کی قبر دیکھی، وہ زمین سے چار انگل اونچی تھی۔ میں نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی قبر دیکھی تو وہ آپ کی قبر کے نیچے تھی اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی قبر

1 مسند أحمد: 81/5. 2 سنن أبي داود: 3220. 3 المستدرك للحاكم: 369/1، السنن الكبرى للبيهقي: 3/4، دلائل النبوة للبيهقي: 263/7. 4 دلائل النبوة للبيهقي: 263/7. 5 صحيح البخاري: 1390

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی قبر سے نیچے تھی۔

جمہور علماء کا یہی موقف ہے کہ کوہان نما قبر بنانا ہی مستحب ہے اور ایسا کرنا برابر بنانے سے افضل ہے۔[1]

امام ابن قیم رحمہ اللہ دونوں آراء کو جمع کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قبریں نہ تو اونچی تھیں، نہ بالکل زمین کے برابر۔ آپ ﷺ کی قبر بھی ایسی ہی تھی اور آپ ﷺ کے دونوں ساتھیوں کی قبریں بھی ایسی ہی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک پشت ماہی کی طرح ہے، وہاں سرخ کنکریاں بچھائی گئی ہیں قبر پر کوئی تعمیر نہیں تھی، نہ اسے مٹی سے لیپ کیا گیا تھا۔ آپ ﷺ کے دونوں ساتھیوں کی قبریں بھی اسی طرح کی ہیں۔[2]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا پاؤں مبارک

ہشام بن عروہ اپنے والد محترم سے بیان فرماتے ہیں کہ ولید بن عبدالملک کے دور میں حجرہ کی مشرقی دیوار گر گئی۔ کاریگر اس دیوار کو بنانے لگے تو ایک پاؤں نظر آنے لگا۔ لوگ گھبرا گئے۔ انھوں نے سمجھا کہ یہ نبی کریم ﷺ کا قدم مبارک ہے۔ کسی آدمی کو حقیقت کا علم نہ تھا۔ حتیٰ کہ حضرت عروہ نے انھیں بتایا کہ اللہ کی قسم! یہ نبی کریم ﷺ کا قدم نہیں بلکہ یہ تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا پاؤں ہے۔[3]

وفات نبوی کا دلوں پر اثر

نبی ﷺ کی وفات پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بڑا زبردست صدمہ ہوا۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے نبی مکرم ﷺ کو دفن کر کے ابھی ہاتھ بھی نہیں جھاڑے تھے بلکہ ابھی ہم تدفین ہی میں مصروف تھے کہ ہمیں دل بدلتے ہوئے محسوس ہونے۔[4]

سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا تبصرہ

سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں ہم سب کے چہرے یکسو تھے۔ جونہی آپ ﷺ اللہ کو پیارے ہوئے ہم ادھر اُدھر دیکھنے لگے۔"[5]

سیدہ ام ایمن رضی اللہ عنہا کے ارشادات

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "رسول اللہ ﷺ سیدہ ام ایمن سے ملنے تشریف لے گئے۔ میں بھی آپ کے ساتھ

1 [illegible] مصالح [illegible] ص 163 2 زاد المعاد 524/1 3 صحیح البخاری 1390 4 جامع الترمذی 3618، سنن ابن ماجہ 1631 5 سنن ابن ماجہ 1633

ساتھ تھی۔ انھوں نے آپ کو کوئی مشروب پیش کیا۔ یا تو آپ روزے سے تھے یا کچھ پینا نہیں چاہتے تھے، اس لیے آپ نے مشروب واپس فرما دیا۔ وہ اللہ کے رسول ﷺ کو باتوں باتوں میں ہنسانے لگیں۔ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''آئیے! ام ایمن سے ملنے چلتے ہیں۔'' جب دونوں ان کے پاس پہنچے تو وہ رونے لگیں۔ انھوں نے ان سے پوچھا: ''محترمہ! آپ کیوں روتی ہیں؟ اللہ تعالیٰ کا قرب رسول اللہ ﷺ کے لیے بہت بہتر ہے۔'' وہ کہنے لگیں: ''اللہ کی قسم! میں اس لیے نہیں روتی کہ مجھے اس بات کا یقین نہیں، میں تو اس لیے روتی ہوں کہ اب آسمان سے وحی اترنی بند ہوگئی۔'' انھوں نے کچھ ایسے انداز میں باتیں کیں کہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما بھی رو پڑے اور بہت روئے۔[1]

نبی ﷺ کی وفات... امت کے لیے رحمت کا پیش خیمہ

سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

[illegible]

[illegible]

''جب اللہ تعالیٰ کسی امت پر رحمت فرمانے کا ارادہ فرماتا ہے تو اس امت کے نبی کو امت سے پہلے ہی اس دنیا سے اُٹھا لیتا ہے اور اسے امت کے لیے پہلے جا کر انتظام کرنے والا اور گواہی دینے والا بنا دیتا ہے اور جب کسی امت کی ہلاکت کا ارادہ فرماتا ہے تو انھیں ان کے نبی کی زندگی میں عذاب دیتا ہے اور ہلاک کر دیتا ہے جب کہ نبی ان کو تباہ ہوتے دیکھ رہا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ امت کو ہلاک کر کے اپنے نبی کی آنکھیں ٹھنڈی فرما دیتا ہے۔ کیونکہ انھوں نے نبی کی تکذیب اور نافرمانی کی۔''[2]

جمعہ کے دن کثرت درود کی تاکید

سیدنا اوس بن اوس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

[illegible]

1 صحیح مسلم 2454,2453، دلائل النبوۃ للبیہقی 266/7. 2 صحیح مسلم: 2288

"تمھارا افضل دن جمعہ ہے۔ اس میں آدم علیہ السلام پیدا ہوئے، اسی دن فوت ہوئے۔ اسی دن صور پھونکا جائے گا، اسی دن بیہوشی طاری ہوگی۔ لہٰذا اس دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو۔ تمھارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔" لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ پر ہمارا درود کس طرح پیش کیا جائے گا؟ آپ تو خاک ہو چکے ہوں گے۔ فرمایا: إن الله عز وجل قد حرم على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء عليهم السلام "اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے جسم کھائے۔"[1]

وفاتِ نبوی کا غم تمام مصیبتوں کو بھلا دیتا ہے

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں کھلنے والی کھڑکی کھولی اور پردہ ہٹایا۔ لوگ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ نے ان کی یہ بہترین حالت دیکھ کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کیونکہ آپ کو امید تھی کہ اللہ تعالیٰ آپ کے بعد بھی آپ کی امت میں یہ اچھی حالت باقی رکھے گا۔ پھر فرمایا: "اے لوگو! تم میں سے جس مومن شخص کو بھی کوئی مصیبت پہنچے تو وہ میری وفات کی مصیبت کو یاد کر کے اپنی مصیبت میں صبر و تسلی حاصل کر لے کیونکہ میری امت کے کسی شخص کو میری وفات جیسی کوئی اور مصیبت نہیں پہنچے گی۔"[2]

اللہ کی یاد دل کی تسکین و تسلی کا ذریعہ ہے

حضرت ابوحازم مدنی فرماتے ہیں: جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی روح قبض کر لی تو مہاجرین گروہ در گروہ آپ کی نماز جنازہ پڑھنے لگے۔ وہ جنازہ پڑھ کر نکل جاتے۔ پھر انصار نے بھی اسی طرح کیا، پھر مدینہ کے دیگر افراد آئے۔ جب مرد فارغ ہو گئے تو عورتیں آئیں۔ ان کے آتے ہی رونے دھونے کی آوازیں آنے لگیں۔ یہ عورتوں کا معمول ہے۔ اچانک انھوں نے گھر میں دھپ جیسی ایک آواز سنی۔ وہ گھبرا گئیں اور چپ ہو گئیں۔ آواز آ رہی تھی: "اللہ کو یاد کرنے سے ہر جانے والے پر تسلی حاصل کی جا سکتی ہے، ہر مصیبت کا ثواب حاصل کیا جا سکتا ہے اور ہر چلی جانے والی ہستی کا نائب اور خلیفہ مل سکتا ہے۔ اس شخص کی دلجمعی ہو سکتی ہے جسے ثواب مل جائے۔ اصل مصیبت زدہ وہ ہے جو ثواب حاصل نہ کر سکے۔"[3]

اہل کتاب نبی ﷺ کی وفات کا دن جانتے تھے

سیدنا جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں یمن میں تھا۔ میں وہاں کے دو آدمیوں ذوالکلاع اور ذو عمرو

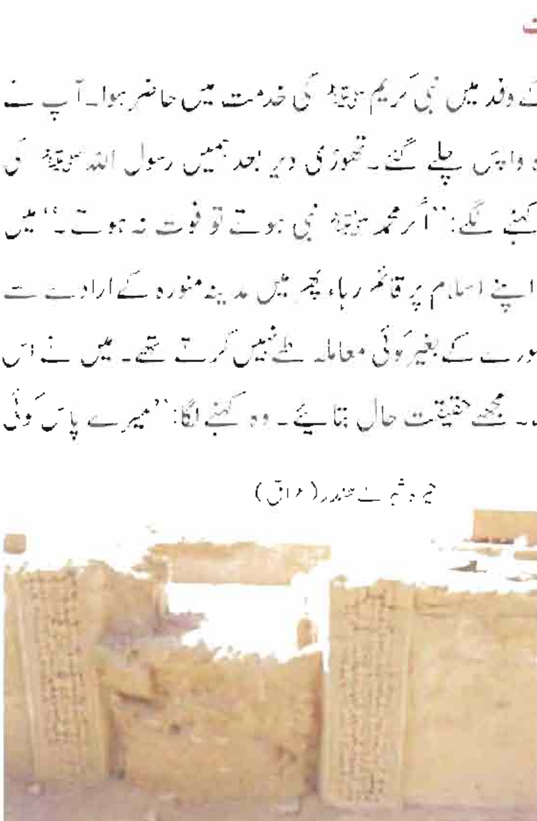
1 سنن الدارمی: 1357، سنن أبی داود: 1047. 2 سنن ابن ماجہ: 1599. 3 الطبقات لابن سعد: 289/2، یہ روایت ضعیف ہے۔

سے ملا۔ میں انھیں رسول اللہ ﷺ کی باتیں بتانے لگا۔ تو ذوعمرو کہنے لگا: ''اگر تمھاری باتیں سچی ہیں تو تمھارے نبی کی وفات کو تین دن گزر چکے ہیں۔'' پھر میں اور وہ دونوں مدینہ کی طرف چل پڑے۔ ابھی ہم راستے ہی میں تھے کہ ہمیں مدینہ کی طرف سے ایک قافلہ آتا ہوا ملا۔ ہم نے ان سے حالات پوچھے تو وہ کہنے لگے: ''رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے ہیں، سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو آپ کا جانشین مقرر کیا گیا ہے۔ لوگ امن وسکون کے ساتھ ہیں۔'' وہ دونوں یمنی مجھ سے کہنے لگے: ''اپنے خلیفہ کو جا کر بتا دیں کہ ہم آئے تھے۔ امید ہے ہم ان شاء اللہ دوبارہ آئیں گے۔'' پھر وہ یمن واپس چلے گئے۔ میں مدینہ منورہ پہنچا تو میں نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ان کی باتیں بتائیں۔ وہ کہنے لگے: ''تم انھیں میرے پاس لے کر کیوں نہ آئے؟'' پھر اس کے بعد ایک دفعہ مجھے ذوعمرو نے کہا: ''جریر! تیرا مجھ پر احسان ہے۔ میں تجھے ایک بات بتاتا ہوں کہ تم عرب لوگ جب تک ایک امیر کی وفات کے بعد (مشورے سے) نیا امیر مقرر کرتے رہوگے، خیریت وعافیت سے رہوگے اور جب امارت کے فیصلے تلواروں کے ساتھ ہونے لگیں گے تو ایسے لوگ سربراہ بنیں گے جو بادشاہوں کی طرح ناراض ہوں گے اور انھی کی طرح اپنی خوشی سے راضی ہوں گے۔''[1]

سیدنا کعب بن عدی کی ایک راہب سے ملاقات

سیدنا کعب بن عدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میں حیرہ کے وفد میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے ہمیں اسلام کی دعوت دی۔ ہم مسلمان ہوگئے، پھر حیرہ واپس چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد ہمیں رسول اللہ ﷺ کی وفات کی خبر مل گئی۔ میرے ساتھی شک میں پڑ گئے۔ کہنے لگے: ''اگر محمد ﷺ نبی ہوتے تو فوت نہ ہوتے۔'' میں نے کہا: پہلے انبیاء بھی تو فوت ہوتے رہے ہیں۔ میں اپنے اسلام پر قائم رہا، پھر میں مدینہ منورہ کے ارادے سے چلا۔ اور ایک راہب کے پاس سے گزرا۔ ہم اس کے مشورے کے بغیر کوئی معاملہ طے نہیں کرتے تھے۔ میں نے اس سے کہا: مجھے ایک معاملے کے بارے میں اضطراب ہے۔ مجھے حقیقت حال بتائیے۔ وہ کہنے لگا: ''میرے پاس کوئی نام لکھ لاؤ۔'' میں (کعب) لکھ کر لے گیا۔ اس نے ایک کتاب نکالی اور کہنے لگا: ''اس کتاب میں ڈال دو۔'' میں نے وہ نام اس کتاب میں ڈال دیا۔ اس نے اس کی تحقیق وتفتیش کی تو مجھے آپ کی وہی صورت نظر آئی جو میں نے دیکھی تھی اور آپ مجھے

حیرہ شہر کے کھنڈر (عراق)



1 صحیح البخاري 4359

اپنی وفات کے وقت کی حالت میں نظر آئے۔ اس سے میری ایمانی بصیرت میں اضافہ ہو گیا۔ میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور ساری بات ان کے گوش گزار کی۔ میں ان کے پاس ٹھہرا۔ انھوں نے مجھے مقوقس کے پاس بھیجا۔ میں اس کے پاس گیا، پھر واپس آ گیا۔ پھر مجھے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بھی مقوقس کے پاس ایک خط دے کر بھیجا۔ میں اس کے پاس گیا۔ اس وقت جنگ یرموک ہو رہی تھی۔ لیکن مجھے اس جنگ کا کوئی علم نہ تھا۔ وہ کہنے لگا: ''کیا تجھے علم ہے کہ رومیوں نے عربوں کو خوب قتل کیا ہے اور انھیں شکست دے دی ہے؟'' میں نے کہا: ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ وہ کہنے لگا: ''کیوں؟'' میں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم سے وعدہ کر رکھا ہے کہ انھیں تمام ادیان پر غلبہ عطا فرمائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کی ہرگز خلاف ورزی نہیں کرتا۔ وہ کہنے لگا: ''واقعتا تمھارے نبی کریم نے تمھیں سو فیصد سچ بتلایا ہے۔ اللہ کی قسم! رومی قوم عاد کی طرح قتل ہوئے۔'' پھر اس نے مجھ سے رسول اللہ ﷺ کے بڑے بڑے صحابہ کے بارے میں پوچھا۔ میں نے اُسے ان کے نام بتائے تو اس نے سیدنا عمر اور ان تمام صحابہ کو تحائف بھیجے۔ ان میں سیدنا علی، عبدالرحمن بن عوف، زبیر اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہم شامل تھے۔ میں جاہلیت کے دور میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ کپڑے کے کاروبار میں شریک تھا۔ اس لیے جب انھوں نے وظائف مقرر کیے تو اپنے خاندان بنو عدی بن کعب میں میرا نام شامل کر کے میرے لیے بھی وظیفہ مقرر کیا۔''[1]

رسول اللہ ﷺ کی وفات پر حزنیہ اشعار

جب دل پر چوٹ پڑتی ہے تو ایک آہ نکلتی ہے۔ یہی آہ جب الفاظ کا پیرہن پہنتی ہے تو شعر بن جاتی ہے۔ صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ کی وفات پر نہایت دردناک اشعار کہے۔ یہاں وہ اشعار اور ان کا مفہوم ملاحظہ فرمائیے اور دیکھیے کہ ان الم انگیز اشعار میں صحابہ کرام کا رنج و قلق کس طرح سمٹ آیا ہے۔

سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے زندگی بھر آپ ﷺ کی مدافعت کی، اسلام اور مسلمانوں کا ایسے اعلیٰ اور فصیح و بلیغ اشعار کے ذریعے سے دفاع کیا جنھوں نے عرب کو ہلا کر رکھ دیا اور ان پر گہرا اثر چھوڑا۔ یہ عظیم شاعر تھے، رسول اللہ ﷺ کی وفات سے بے حد مغموم اور متاثر ہوئے۔ انھوں نے غم میں ڈوبے ہوئے رلا دینے والے اشعار

[1] دلائل النبوۃ للبیہقی: 7/271، 272

دریائے یرموک کے کنارے قصبہ الحمۃ (شام)



کے ذریعے اپنے رنج وقلق کا اظہار کیا۔ تاریخ نے ان کے جذبات ملال محفوظ کر لیے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی یاد میں روتے ہوئے کہتے ہیں:

ما بال عينك لا تنام كأنها ... كحلت مآقيها بكحل الأرمد

''تیری آنکھ کو کیا ہو گیا؟ اسے نیند کیوں نہیں آ رہی؟ کیا اس کے کناروں میں آنسوؤں کا سرمہ لگا دیا گیا ہے۔''

جزعا على المهدي أصبح ثاويا ... يا خير من وطئ الحصى لا تبعد

''اس ہادی و مہدی ﷺ پر آہ و بکا کرنے کی وجہ سے جو اپنے ٹھکانے پر جا پہنچا ہے۔ اے روئے زمین پر چلنے والوں میں سے سب سے بہتر اور گرانمایہ ہستی! مجھ سے دور نہ جا۔''

تالله ما حملت أنثى ولا وضعت ... مثل الرسول نبي الأمة الهادي

''اللہ کی قسم! اللہ کے رسول اور امت کے ہادی ﷺ جیسا سعید بچہ آج تک کسی ماں نے بطن میں رکھا نہ جنا۔''

ولا برى الله خلقا من بريته ... أوفى بذمة جار أو بميعاد

''اللہ تعالیٰ نے آج تک اپنی ساری مخلوق میں ایسا کوئی فرد بنایا ہی نہیں جو پاس پڑوس کی ذمہ داری نبھانے اور عہد پورا کرنے میں اُن سے بڑھ کر ہو۔''

من الذي كان فينا يستضاء به ... مبارك الأمر ذا عدل وإرشاد

''اُس بے مثل ہستی کے ذریعے روشنی حاصل کی جاتی تھی، اُس کا ہر معاملہ بابرکت تھا، وہ رشد و ہدایت اور عدل و انصاف والا تھا۔''

يا أفضل الناس إني كنت في نهر ... أصبحت منه كمثل المفرد الصادي

''اے پورے عالم انسانیت سے بڑھ کر افضل ہستی! میں پہلے ایک دریا کی آغوش میں تھا، اب میں اس دریا سے اس طرح محروم ہو گیا ہوں کہ تن تنہا پیاسا بھٹکتا پھر رہا ہوں۔''[1]

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اشعار

لما رأيت نبينا متجدلا ... ضاقت علي بعرضهن الدور

1 السيرة لابن هشام: 329/4

''جب میں نے اپنے نبی مکرم ﷺ کو لیٹا ہوا پایا تو میرا گھر اپنی وسعتوں کے باوجود مجھ پر تنگ ہو گیا۔''

فارتاع قلبي عند ذاك لموته ۔۔۔ والعظم مني ما حييت كسير

''میرا دل آپ کی وفات پر بے قرار ہو گیا۔ اب میری ہڈیاں تادمِ آخر ٹوٹ پھوٹ کا شکار رہیں گی۔''

أعتيق ويحك إن خلك قد ثوى ۔۔۔ والصبر عندك ما بقيت يسير

''اے بوڑھے! تجھ پر افسوس! تیرا دوست چلا گیا۔ اب تو جب تک زندہ رہے تیرے لیے صبر کرنا ہی آسان راستہ ہے۔''[1]

ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ کے اشعار

أرقت فبات ليلي لا يزول ۔۔۔ وليل أخي المصيبة فيه طول

وأسعدني البكاء وذاك فيما ۔۔۔ أصيب المسلمون به قليل

لقد عظمت مصيبتنا وجلت ۔۔۔ عشية قيل قد قبض الرسول

''جاگتے جاگتے رات گزر گئی لیکن میری رات کٹتی ہی نہیں تھی۔ مصیبت کے مارے کی رات لمبی ہی ہوتی ہے۔ اب رونا ہی میری زندگی ہے اور یہ گریہ مسلمانوں کو پہنچنے والی مصیبت کے مقابلے میں بہت تھوڑا ہے۔ جب یہ بتایا گیا کہ اللہ کے رسول ﷺ وفات پا گئے ہیں، اس رات ہماری مصیبت بڑھتی ہی چلی گئی۔''[2]

سیدہ صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا کے اشعار

ألا يا رسول الله كنت رجاءنا ۔۔۔ وكنت بنا برا ولم تك جافيا

وكنت رحيما هاديا ومعلما ۔۔۔ ليبك عليك اليوم من كان باكيا

''اے اللہ کے رسول! آپ ہماری امیدوں کا مرکز تھے، بھلائیاں کرنے والے تھے۔ سخت گیر نہیں تھے۔ رحیم و کریم رہنما تھے، معلم انسانیت تھے۔ جو بھی رونے والا ہو، اسے آج خوب رونا چاہیے۔''[3]

''لا نورث'' ہماری کوئی وراثت نہیں

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

1 المستطرف للأبشيهي، ص: 366. 2 الاكتفاء للكلاعي: 2/456. 3 تفسير القرطبي: 4/219، 220.

لا يقتسم ورثتي دينارا ولا درهما، ما تركت بعد نفقة نسائي ومؤونة عاملي فهو صدقة

''میرے وارث کوئی دینار یا درہم تقسیم نہیں کریں گے۔ اپنی عورتوں کے ضروری اخراجات اور عامل کی تنخواہ کے علاوہ میں جو کچھ بھی چھوڑ جاؤں گا، وہ صدقہ ہوگا۔''[1]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فوت ہوئے تو آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات نے ارادہ کیا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنی وراثت کے مطالبہ کے لیے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجیں۔ اس موقع پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''کیا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نہ تھا: لا نورث، ما تركنا صدقة ''ہماری وراثت نہیں چلتی۔ جو مال ہم چھوڑ جائیں، وہ صدقہ ہوتا ہے۔''[2]

خیبر کے شمال میں فدک کے آثار



وراثت کا مطالبہ

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے روایت ہے کہ سیدہ فاطمہ اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہما ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس رسول اللہ ﷺ کی وراثت کا مطالبہ لے کر گئے۔ وہ آپ کی فدک والی زمین اور خیبر میں آپ کے حصے کی زمین کا مطالبہ کرتے تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے: ''ہماری وراثت نہیں چلتی، ہم جو کچھ چھوڑ جائیں، وہ سب صدقہ ہوتا ہے۔ البتہ آلِ محمد ﷺ اس مال (بیت المال) سے کھا پی سکتے ہیں۔'' اللہ کی قسم! میں وہ کام نہیں چھوڑ سکتا جو رسول اللہ ﷺ کو کرتے دیکھا ہے بلکہ میں وہی کچھ کروں گا۔

راوی کا کہنا ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اس بات پر ان سے ناراض ہوگئیں اور وفات تک ان سے کلام نہیں کیا۔[3]

امام شعبی رحمہ اللہ کی روایت میں ہے کہ جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بیمار ہوئیں تو ابوبکر رضی اللہ عنہ ان سے ملنے آئے اور اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بتایا: فاطمہ! ابوبکر آئے ہیں اور اجازت طلب کر رہے ہیں۔ سیدہ فرمانے لگیں: آپ پسند کرتے ہیں کہ میں انھیں اجازت دوں؟ وہ بولے: ہاں۔ سیدہ نے انھیں اندر آنے کی اجازت دے دی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے اور سیدہ کی ناراضی دور کرنے اور انھیں منانے لگے۔ وہ بولے: اللہ کی قسم!

[1] صحیح البخاری: 2776، صحیح مسلم: 1760. [2] صحیح البخاری: 6730، صحیح مسلم: 1758. [3] صحیح البخاری: 6725، 6726، صحیح مسلم: 1759

میں نے اللہ، اس کے رسول اور تم اہل بیت کی خوشنودی کی خاطر اپنا گھر بار، مال و دولت، اہل و عیال اور کنبہ قبیلہ سب کچھ قربان کر دیا۔ سیدنا ابوبکر ؓ کی کوشش بارآور ثابت ہوئی اور سیدہ فاطمہ ؓ ان سے راضی ہو گئیں۔[1]

سیدہ فاطمہ ؓ کی وفات اور بیعت علی ؓ

سیدہ عائشہ ؓ سے یہ بھی منقول ہے کہ "جب فاطمہ ؓ فوت ہو گئیں تو سیدنا علی ؓ نے انھیں رات ہی کو دفن کر دیا اور سیدنا ابوبکر ؓ کو اطلاع نہیں دی۔ خود ہی جنازہ پڑھا دیا۔ سیدہ فاطمہ ؓ کی زندگی میں لوگ سیدنا علی ؓ کی طرف توجہ رکھتے تھے لیکن جب وہ فوت ہو گئیں تو سیدنا علی ؓ نے لوگوں کے چہرے بدلے ہوئے پائے، لہٰذا انھوں نے سیدنا ابوبکر ؓ کے ساتھ مصالحت اور ان کی بیعت کرنا چاہی۔ انھوں نے ابھی تک سیدنا ابوبکر ؓ کی بیعت نہیں کی تھی۔ انھوں نے سیدنا ابوبکر ؓ کو پیغام بھیجا کہ آپ ہمارے پاس تشریف لائیں لیکن آپ کے ساتھ کوئی اور نہ آئے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ عمر نہ آئیں کیونکہ وہ ان کی سختی سے واقف تھے۔ سیدنا عمر ؓ کہنے لگے: "اللہ کی قسم! آپ اکیلے ان کے پاس نہیں جائیں گے۔" سیدنا ابوبکر ؓ فرمانے لگے: "آخر وہ میرا کیا کریں گے؟ اللہ کی قسم! میں ان کے پاس ضرور جاؤں گا۔" خیر! ابوبکر ؓ چلے گئے۔ سیدنا علی ؓ نے اللہ کو گواہ بنا کر کہا: ہم آپ کی فضیلت اور اللہ کی عطا کردہ خوبیوں کے معترف ہیں اور ہم کسی بھی خیر پر جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی ہے، حسد نہیں کرتے، لیکن آپ ؓ نے اپنے طور پر خود ہی خلافت کا معاملہ طے کر لیا (ہم سے کوئی مشورہ نہیں کیا) جبکہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رشتہ داری کی وجہ سے یہ سمجھتے تھے کہ اس میں ہمارا بھی حصہ ہے۔ سیدنا علی ؓ ایسی باتیں کرتے رہے حتی کہ سیدنا ابوبکر ؓ رونے لگے۔ انھوں نے فرمایا: "قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! رسول اللہ ﷺ کے اقرباء کے ساتھ صلہ رحمی مجھے اپنی رشتہ داری سے کہیں زیادہ بڑھ کر عزیز ہے۔ باقی رہا یہ اختلاف جو اموال کے مسئلہ میں میرے اور تمھارے درمیان پھوٹ پڑا ہے تو یقین رکھو میں نے اس میں حق اور خیر سے کوتاہی نہیں کی۔ اور اس سلسلے میں کوئی ایسا کام نہیں چھوڑا جو رسول اللہ ﷺ کیا کرتے تھے۔"

سیدنا علی ؓ کہنے لگے: "بیعت کے لیے ظہر کا وقت مقرر کر لیا جائے۔" سیدنا ابوبکر ؓ نے ظہر کی نماز پڑھی تو منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ خطبہ پڑھا اور پھر سیدنا علی ؓ کے بیعت سے پیچھے رہنے کی وجہ بیان فرمائی اور انھیں معذور قرار دیا۔ پھر سیدنا علی ؓ نے استغفار اور شہادت کے بعد ابوبکر ؓ کا حق اور ان کی بزرگی بیان فرمائی، ان کی فضیلت اور امتیازات کا تذکرہ کیا اور بتایا کہ میرے اس طرز عمل کی وجہ ابوبکر سے کسی طرح کا حسد نہیں تھا اور نہ

[1] دلائل النبوۃ للبیہقی 7/281، والبدایۃ والنہایۃ: 5/252، 253.

ان کے اُس فضل و کمال کا انکار مقصود تھا جو اللہ تعالیٰ نے انھیں عنایت فرمایا ہے۔ پھر وہ سیدنا ابوبکر ؓ کے پاس گئے اور ان کی بیعت کر لی۔ مسلمان اس واقعہ پر بہت خوش ہوئے اور سیدنا علی ؓ کی طرف متوجہ ہو گئے اور ان کے اس طرزِ عمل کی تحسین کی۔ جب سیدنا علی ؓ نے اس معاملے میں مناسب راستہ اختیار کر لیا تو مسلمان مزید محبت کرتے ہوئے آپ کے (اور) قریب ہو گئے۔''[1]

سیدنا علی ؓ نے سیدہ فاطمہ ؓ کی وفات کے بعد سیدنا ابوبکر ؓ کی جو بیعت کی تھی تو یہ اس صلح کی تاکید کے لیے تھی جو ان کے درمیان ہوئی اور یہ سقیفہ بنی ساعدہ والی بیعت کے علاوہ دوسری بیعت تھی جیسا کہ گزشتہ اوراق میں گزر چکا ہے۔[2] سیدنا علی ؓ ان چھ مہینوں میں ابوبکر ؓ سے الگ نہیں رہے بلکہ وہ انھی کے پیچھے نماز پڑھتے اور انھی کی خدمت میں مشورے کے لیے جاتے تھے۔ وہ سیدنا ابوبکر ؓ کے ساتھ اُس وقت ذوالقصہ تک بھی گئے جب ابوبکر ؓ تلوار لہراتے ہوئے مرتدین سے قتال کے لیے نکلے تھے۔

اس دوسری بیعت والی روایت سے بعض لوگوں نے یہ سمجھا کہ سیدنا علی ؓ نے اس سے قبل بیعت نہیں کی تھی، حالانکہ یہ بات ٹھیک نہیں۔

جب ابوسعید ؓ کی پہلی بیعت والی روایت موجود ہے تو اصول کے مطابق اثبات نفی سے مقدم ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ دوسری بیعت دراصل پہلی بیعت ہی کی تائید کے لیے تھی اور اس صلح کی تاکید کے لیے جو ان کے درمیان ہوئی تھی۔ واللہ اعلم

امام بیہقی ؒ کہتے ہیں کہ امام زہری کی یہ بات کہ علی ؓ فاطمہ ؓ کی وفات تک ابوبکر ؓ کی بیعت سے پیچھے رہے، یہ منقطع ہے اور ابوسعید ؓ کی حدیث جس میں علی ؓ کے سقیفہ بنی ساعدہ کے بعد عمومی بیعت کے موقع پر بیعت کرنے کا ذکر ہے، وہ زیادہ صحیح ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ امام زہری کی مراد یہ ہو کہ علی ؓ بیعت کے بعد پیچھے ہٹ گئے، پھر انھوں نے دوبارہ سے بیعت کی اور اپنے واجبات ادا کیے۔[3]

باقی رہی سیدہ فاطمہ ؓ کی ناراضی والی بات تو حافظ ابن کثیر ؒ کہتے ہیں کہ میں نہیں سمجھتا کہ اس کی کیا وجہ ہے؟ اگر یہ ناراضی اس لیے تھی کہ ابوبکر ؓ نے انھیں مطلوبہ وراثت نہیں دی تو یہ کوئی معقول وجہ نہیں کیونکہ سیدنا ابوبکر ؓ نے اس بات کا معقول عذر پیش کیا تھا جسے قبول کرنا واجب تھا کیونکہ وہ تو ان کے والد گرامی رسول اللہ ﷺ کا فرمانِ عالی تھا کہ ''ہماری وراثت نہیں چلتی۔ جو کچھ ہم چھوڑ جائیں، وہ صدقہ ہوتا ہے۔'' ظاہر ہے کہ سیدہ فاطمہ ؓ تو نبی کریم ﷺ

1 صحیح البخاري: 4240، 4241، صحیح مسلم: 1759. 2 السنن الکبرٰی للبیہقي 143/8. 3 السنن الکبرٰی للبیہقي 300/6.

کے حکم کو تسلیم کرنے والی تھیں۔ ان پر وراثت کا مطالبہ کرنے سے پہلے یہ بات مخفی تھی اور ازواج مطہرات کو بھی اس حکم کا پہلے علم نہ تھا۔ جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے انھیں رسول اللہ ﷺ کا حکم بتایا تو انھوں نے فوراً تسلیم کرلیا۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں یہ گمان ہرگز نہیں کیا جاسکتا کہ وہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ان کی بیان کردہ حدیث میں سچا نہیں سمجھتی تھیں۔ وہ اس بدگمانی سے مبرا تھیں کیونکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ تو انتہائی بلند و بالا سچے اور کھرے انسان تھے۔ ان کے بارے میں ایسا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ خصوصاً جبکہ اس حدیث کے بیان میں سیدنا عمر بن خطاب، عثمان بن عفان، علی بن ابی طالب، عباس بن عبد المطلب، عبد الرحمٰن بن عوف، طلحہ بن عبید اللہ، زبیر بن عوام، سعد بن ابی وقاص، ابوہریرہ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہم جیسے اجل صحابہ بھی ان سے متفق تھے۔ بالفرض اگر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس روایت میں منفرد بھی ہوتے تب بھی تمام اہل زمین کے لیے ان کی روایت کو تسلیم کرنا لازم آتا۔ اور اگر سیدہ کی ناراضی کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے خاوند کے لیے اس زمین کی نگرانی کا مطالبہ کررہی تھیں، ہرچند وہ تسلیم کرتی تھیں کہ یہ زمین وراثت نہیں صدقہ ہے تو پھر بھی ناراضی کا کوئی جواز نہیں کیونکہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے معقول عذر پیش کیا تھا کہ ''میں رسول اللہ ﷺ کا نائب ہوں اور میں ضروری سمجھتا ہوں کہ وہی کام کروں جو رسول اللہ ﷺ کرتے رہے اور ان افراد کی سرپرستی کروں جن کی سرپرستی آپ فرماتے رہے۔''

بہرصورت اس ناراضی کی آڑ لے کر فرقۂ رافضیہ نے صحابۂ کرام پر طعن و تشنیع کا سلسلہ شروع کردیا۔ اگر وہ فہم و فراست کا مظاہرہ کرتے تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا اعتراف کرتے اور ان کا عذر قبول کرتے لیکن یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے محروم ہوچکے ہیں اور گمراہی میں گھر چکے ہیں۔ یہ لوگ متشابہات سے استدلال کرتے ہیں اور محکم اور مسلّم باتوں سے اعراض کرتے ہیں۔ ائمہ اسلام صحابہ و تابعین اور بعد میں آنے والے ہر دور کے معتبر علماء کے موقف کو رد کرتے ہیں۔ حالانکہ ائمہ اہل بیت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فیصلے کو صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ حضرت زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب فرماتے ہیں: ''اگر میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی جگہ ہوتا تو فدک کے بارے میں وہی فیصلہ کرتا جو انھوں نے فرمایا۔''[1]

ویسے بھی سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا بعد میں ابوبکر رضی اللہ عنہ سے راضی ہوگئی تھیں اور ان کی ناراضی دور ہوگئی تھی جیسا کہ قبل ازیں بیان ہوا ہے۔

وراثت کے مسئلے میں روافض کا گمراہ کن موقف

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ روافض اس کے بارے میں جاہلانہ گفتگو کرتے ہیں اور اپنی بے علمی کا ثبوت مہیا

1 البدایۃ والنہایۃ 5/249-253.

کرتے ہیں۔ صحیح بات کو بلاوجہ جھٹلاتے ہیں جبکہ درحقیقت وہ خود صحیح بات سے ناواقف ہیں۔ بعض بزعم خود عقلمندوں نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ روایت کو قرآن کے خلاف قرار دیا ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے:

﴿ وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ ﴾

"سلیمان داؤد کے وارث بنے۔"[1]

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے سیدنا زکریا علیہ السلام کی دعا بیان فرمائی ہے:

﴿ فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۙ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ﴾

"مجھے اپنی رحمت سے ایک بیٹا عطا فرما جو میرا وارث بنے اور آل یعقوب کا وارث ہو اور اے میرے رب! تو اسے خوش اطوار بنا۔"[2]

لیکن ان کا یہ استدلال غلط ہے کیونکہ پہلی آیت میں وراثت سے مراد بادشاہت و نبوت کی وراثت ہے، یعنی ہم نے داؤد علیہ السلام کی وفات کے بعد سلیمان علیہ السلام کو بنی اسرائیل کا منتظم و بادشاہ بنایا اور ان کے والد کی طرح ان کو معزز نبی بنایا۔ جس طرح ان کے والد محترم کے لیے نبوت اور بادشاہت دونوں اعزاز جمع کر دیے گئے تھے، اسی طرح انھیں بھی ان دونوں امتیازات کا مستحق گردانا گیا۔ اس سے مالی وراثت مراد نہیں کیونکہ مفسرین کے مطابق سیدنا داؤد علیہ السلام کثیر اولاد رکھتے تھے۔ بعض نے ان کی اولاد کی تعداد ایک سو تک بتائی ہے۔ اگر مالی وراثت مراد ہوتی تو سیدنا سلیمان علیہ السلام اکیلے وارث کیوں بنتے؟ لہٰذا صحیح بات یہی ہے کہ یہاں نبوت اور بادشاہت کی وراثت مراد ہے، یہ آیت بھی انھی معنوں کی تائید کرتی ہے۔

﴿ وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ﴾

"سلیمان داؤد کے وارث بنے اور کہا: اے لوگو! ہمیں پرندوں کی زبان سکھلا دی گئی ہے اور ہمیں ضرورت کی ہر چیز دے دی گئی۔"[3]

باقی رہی سیدنا زکریا علیہ السلام کی دعا تو یہ درست ہے کہ وہ انبیائے کرام کے گروہ کے ایک معزز رکن تھے۔ ان کے نزدیک دنیا کی یہ حیثیت ہرگز نہیں ہو سکتی کہ وہ مالی وراثت کے لیے اللہ تعالیٰ سے بیٹا مانگیں۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے؟ وہ تو خود بڑھئی کا کام کرتے تھے اور اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے جیسا کہ صحیح مسلم میں مذکور ہے۔[4]

وہ اپنی خوراک سے سے زیادہ کچھ جمع ہی نہیں کرتے تھے۔ تو پھر کون سے مال کی وراثت کے لیے انھوں نے

[1] النمل 16:27 [2] مریم 6,5:19 [3] النمل 16:27 [4] صحیح مسلم 2379

بیٹے کی دعا کی'' ، دراصل انھوں نے نیک بیٹے کی دعا کی تھی جو نبوت اور سیاست بنی اسرائیل میں ان کا نائب بن سکے۔ یہ بات سمجھنے کے لیے سورۂ مریم کا پہلا رکوع مکمل پڑھا جائے۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت عام الفاظ میں بھی مروی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «النبي لا يورث»
''نبی کی وراثت نہیں چلتی۔''[1]

ظاہر ہے اس کا اطلاق ہر نبی پر ہوتا ہے۔ امام ترمذی نے اس روایت کو حسن قرار دیا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں ہے:

«نحن معاشر الأنبياء لا نورث»

''ہم انبیاء کی جماعت کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔''[2]

روافض کے استدلال کے باطل ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ تمام انبیاء میں رسول اللہ ﷺ کو خصوصی احکام دیے گئے تھے۔ اگر بالفرض یہ ثابت بھی ہو جاتا کہ باقی انبیاء کی وراثت تقسیم ہوئی ہے، تب بھی خلفائے اربعہ سمیت اتنے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ روایت آئی ہے کہ اسے رسول اللہ ﷺ کی مخصوص خصوصیت بھی شمار کیا جا سکتا ہے۔

نیز اس حدیث پر عمل کرنا اور اس کے مطابق فیصلہ کرنا واجب ہے جیسا کہ خلفائے راشدین نے کیا ہے۔ اہل علم نے اس حدیث کے صحیح ہونے کا اعتراف کیا ہے۔ لہٰذا یہ آپ کی خصوصیت ہو یا نہ ہو، اس پر عمل ضروری ہے۔

«ما تركنا صدقة» کا مفہوم اور روافض کا خود ساختہ موقف

اس جملہ «ما تركنا صدقة» میں ایک احتمال تو یہ ہے کہ یہ خبر ہے، یعنی رسول اللہ ﷺ اپنا یا تمام انبیاء علیہم السلام کا حکم بتلا رہے ہیں۔ اور ظاہر احتمال یہی ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ آپ وصیت فرما رہے تھے کہ میری وراثت تقسیم نہ کی جائے، میں نے اپنا تمام متروکہ مال صدقہ کر دیا ہے۔ اس صورت میں سارے مال کا صدقہ کرنے میں آپ ﷺ کی خصوصیت ماننی پڑے گی۔ جمہور نے پہلے معنی ہی کو ترجیح دی ہے اور وہی صحیح ہے۔

البتہ دوسرے احتمال کو سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے تقویت حاصل ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرے وارث کوئی دینار یا درہم تقسیم نہیں کریں گے کیونکہ میں جو مال بھی ازواج مطہرات کے اخراجات اور کام کرنے والے کی اجرت سے زائد چھوڑ کر جا رہا ہوں، وہ سب صدقہ ہے۔''[3]

[1] مسند أحمد 10/1 [2] صحيح البخاري، 4036، صحيح مسلم، 1759، مسند أحمد 463/2 [3] صحيح البخاري، 2776، صحيح مسلم، 1760.

یہ الفاظ صحیحین میں آئے ہیں۔ ان الفاظ سے بعض ان شیعہ حضرات کی تحریف کی تردید ہوتی ہے جنھوں نے ما ترکنا صدقۃ میں صدقۃ کا لفظ منصوب پڑھا ہے اور ما کو نافیہ بنایا ہے، پھر ترجمہ یہ کیا ہے: ''ہم نے کوئی صدقہ نہیں چھوڑا۔'' حالانکہ ایسی صورت میں اس ترجمے کا حدیث کے اولیں الفاظ ''لا نورث'' یعنی ''ہماری وراثت نہیں چلتی'' سے ٹکراؤ ہو جاتا ہے۔ بعض شیعہ نے ما کو تو موصولہ ہی مانا ہے مگر صدقۃ کو منصوب پڑھا ہے اور حال بنایا ہے۔ اور معنی یہ کیا ہے: ''ہم جو مال بطور صدقہ چھوڑ جائیں، اس میں وراثت نہیں چلتی۔'' یہ معنی بھی غلط ہے کیونکہ صحیحین کی اس روایت میں صراحۃ ''فھو صدقۃ'' کے الفاظ ہیں، یہ کسی صورت میں حال نہیں بن سکتا۔ وہ تو وہی بات ہوئی کہ ایک معتزلی نے اہل سنت کے عالم کے سامنے آیت کریمہ: ﴿وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا﴾ (النساء 4:164) ''اور اللہ نے موسیٰ سے کلام کیا۔'' کو لفظ اللہ کے نصب کے ساتھ وَکَلَّمَ اللّٰہَ مُوْسٰی تَکْلِیْمًا پڑھا، یعنی موسیٰ نے اللہ تعالیٰ سے باتیں کیں۔ اہل سنت عالم فرمانے لگے: ظالم! تو اس آیت کا کیا کرے گا: ﴿وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ﴾ (الأعراف 7:143) ''اور جب موسیٰ ہماری مقررہ مدت کے لیے آیا اور اس سے اس کے رب نے کلام کیا۔'' یعنی اس میں تو صراحۃ رب کریم فاعل ہے۔

غرض جو ترجمہ بھی اس حدیث کا کیا جائے بشرطیکہ لفظ اس کا احتمال رکھتے ہوں، اس حدیث پر عمل واجب ہے۔ یہ حدیث آیت وراثت کی تخصیص کرتی ہے اور رسول اللہ ﷺ کو یا آپ کے ساتھ دیگر انبیاء ؊ کو بھی اس آیت کے حکم سے خاص کرتی ہے۔[1]

لشکر اسامہ کی روانگی اور فتنۂ ارتداد کی سرکوبی

رسول اللہ ﷺ کی تدفین سے فارغ ہوتے ہی سیدنا ابوبکر ؓ نے رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق سیدنا اسامہ ؓ کے لشکر کو روانگی کا حکم دے دیا۔

حافظ ابن حجر ؒ فرماتے ہیں: لشکر اسامہ ؓ کی تیاری رسول اللہ ﷺ کی وفات سے دو روز قبل بروز ہفتہ مکمل ہوئی اور اس کا آغاز آپ ﷺ کی بیماری سے قبل ہو چکا تھا۔ آپ ﷺ نے ماہ صفر کے اواخر میں جنگ کی تیاری کا حکم دیا، اسامہ ؓ کو بلایا اور فرمایا: ''اپنے والد کی شہادت گاہ کی طرف روانہ ہو جاؤ، میں نے تم کو اس لشکر کا امیر مقرر کیا ہے۔''[2]

تیاری شروع ہونے کے دو دن بعد رسول اللہ ﷺ بیمار ہو گئے اور آپ کی بیماری بڑھ گئی، جس کی وجہ سے یہ لشکر

1 البدایة والنهایة: 5/253، 254۔ 2 فتح الباري: 8/156۔

روانہ نہ ہوسکا اور مقام جرف (جو مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر شام کی طرف واقع ہے) میں ٹھہرا رہا اور نبی کریم ﷺ کی وفات کی خبر سن کر واپس مدینہ چلا آیا۔[1] سانحۂ وفات کے بعد حالات میں تبدیلی آگئی۔ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے تو اکثر عرب ارتداد کا شکار ہوگئے، نفاق اٹھ آیا، مجھ پر ایسی مصیبت ٹوٹی کہ اگر پہاڑوں پر ٹوٹتی تو ریزہ ریزہ ہو جاتے اور صحابہ کی یہ حالت ہوگئی جیسے بارش کی رات میں بھیگی ہوئی بکریاں درندوں کے نرغے میں ہوں۔[2]

جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے زمام خلافت سنبھالی تو رسول اللہ ﷺ کی وفات کے تیسرے ہی دن ایک شخص کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا کہ اب لشکر اسامہ کو اپنی مہم پر روانہ ہونا ہے، لہٰذا ہر وہ شخص جس کا نام لشکر اسامہ میں شامل ہے، وہ مدینہ چھوڑ کر مقام جرف کی لشکر گاہ میں پہنچ جائے۔[3]

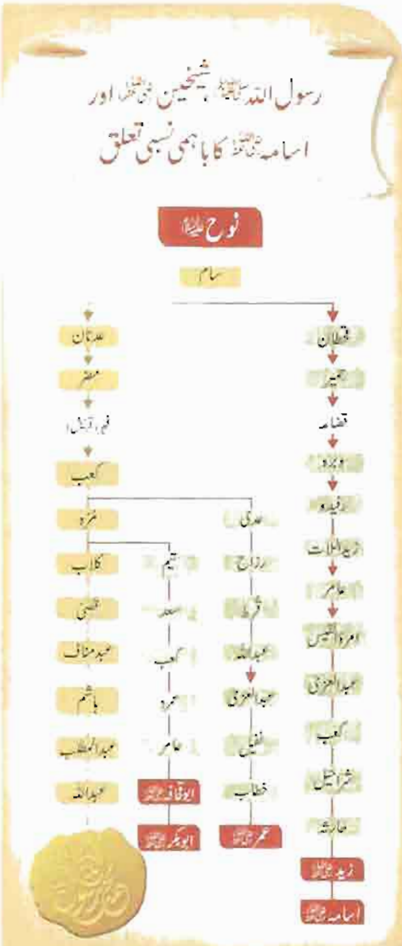
لشکر اسامہ پر بحث وتکرار

بعض صحابہ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اپنی رائے پیش کرتے ہوئے کہا: آپ کو معلوم ہے کہ اکثر مسلمان اور عرب آپ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ہیں، لہٰذا یہ مناسب نہیں کہ آپ مسلمانوں کی جماعت کو اپنے سے جدا کریں۔[4] اسامہ رضی اللہ عنہ نے جرف میں اپنی لشکر گاہ میں سے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس لوگوں کے ساتھ مدینہ لوٹ آنے کی اجازت طلب کرنے کے لیے بھیجا اور کہا: میرے ساتھ مسلم قائدین اور ان کی اکثریت موجود ہے اور مجھے خلیفۂ رسول، حرم رسول اور مسلمانوں کے سلسلے میں مشرکین سے خطرہ لاحق ہے۔[5] لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کی بات نہ مانی اور لشکر اسامہ کو شام کی مہم پر روانہ کرنے کے سلسلے میں اپنے موقف پر مصر رہے۔ زمینی حقائق، احوال وظروف اور ممکنہ نتائج کے خدشے سے اسامہ رضی اللہ عنہ اور دیگر قائدین جنگ، خلیفہ کی اپنی رائے پر

1 السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ: 552/2، السیرۃ النبویۃ فی ضوء المصادر الأصلیۃ، ص: 685. 2 البدایۃ والنہایۃ: 309/6
3 البدایۃ والنہایۃ: 307/6. 4 البدایۃ والنہایۃ: 308/6. 5 الکامل لابن الأثیر: 226/2.

مقام جرف (مدینہ منورہ)





اصرار سے مطمئن نہیں تھے۔ وہ طرح طرح سے یہ کوشش کرتے رہے کہ خلیفہ اپنی رائے سے دستبردار ہو کر ان کی رائے سے متفق ہو جائیں۔

خلیفہ رسول کی عدیم النظیر استقامت

جب لوگوں کے مطالبات بڑھ گئے تو خلیفہ اول نے اس موضوع پر بحث و گفتگو کے لیے مہاجرین و انصار کی عام مجلس بلائی۔ اس اجتماع میں مختلف پہلوؤں سے اس موضوع پر طویل گفتگو ہوئی۔ لشکر اسامہ کی روانگی کے سب سے بڑے مخالف عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تھے کیونکہ وہ ایسی صورت میں خلیفہ، ازواج مطہرات، مدینہ اور اہل مدینہ کے لیے سخت خطرہ محسوس کر رہے تھے مبادا مشرکین اور مرتدین چڑھ دوڑیں اور مدینہ منورہ پر قبضہ کر لیں۔ اور جب اکابرین صحابہ نے اس سلسلے میں خلیفہ پر زور دیا اور ان عظیم خطرات کا خوف دلایا جو لشکر اسامہ کی روانگی سے پیدا ہو سکتے تھے تو آپ نے پورے وقار اور تحمل سے لوگوں کے مشورے سنے، سب کو اپنی بات مکمل کرنے کا موقع دیا، ان سے وضاحت طلب کی۔[1] اور آخر میں مجلس برخاست کرنے کا حکم دے دیا۔[2] پھر مسجد میں دوسرا عام اجتماع منعقد کیا اور سب پر واضح کر دیا کہ وہ اس مہم کو ہرگز ملتوی نہیں کریں گے کیونکہ اس کا لائحہ عمل رسول اللہ ﷺ نے خود تیار کیا تھا۔ آپ نے انھیں خبر دار کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق لشکر اسامہ لازما روانہ ہوگا، چاہے اس عمل کے نتیجے میں مرتدین مدینہ پر قابض ہو جائیں۔

آپ نے صحابہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں ابوبکر کی جان ہے! اگر مجھے یہ یقین ہو کہ درندے مجھے نوچ کر کھا جائیں گے تب بھی میں لشکر اسامہ کو بھیج کر رہوں گا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے۔ اگر بستی میں میرے سوا کوئی بھی باقی نہ رہے تب بھی میں لشکر کو ضرور روانہ کروں گا۔[3]

1 الشوریٰ بین الاصالۃ والمعاصرۃ، عزالدین التمیمی، ص 83,82۔ 2 ملامح الشوریٰ فی الدعوۃ الإسلامیۃ ... ص 257۔ 3 تاریخ ... 46/4۔

لشکر اسامہ کو اس کی مہم پر بھیجنے کے سلسلے میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کا عزم بالکل صحیح تھا اگرچہ اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے کے خلاف تھا لیکن لشکر اسامہ کو بھیجنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کا حکم موجود تھا۔ بعد کے حالات و واقعات نے یہ ثابت کر دیا کہ رائے عامہ کے مقابلے میں ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کی رائے صحیح تھی۔[1]

نبی ﷺ کے فیصلے ہمیشہ اٹل رہیں گے

انصار کا مطالبہ تھا کہ اسامہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ عمر والے شخص کو امیر الجیش بنایا جائے۔ انھوں نے عمر رضی اللہ عنہ کو اس سلسلے میں ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بات کرنے کے لیے روانہ کیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے آپ سے عرض کیا کہ انصار اسامہ سے زیادہ عمر والے شخص کو امیر الجیش مقرر کرنے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے، عمر رضی اللہ عنہ کی بات سن کر دفعتاً اچانک اٹھ کھڑے ہوئے اور عمر رضی اللہ عنہ کی داڑھی پکڑ لی اور فرمایا: خطاب کے بیٹے! اسامہ کو رسول اللہ ﷺ نے امیر مقرر فرمایا ہے اور تم مجھ سے کہہ رہے ہو کہ میں اسے معزول کر دوں۔[2]

عمر رضی اللہ عنہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاں سے نکل کر لوگوں کے پاس آئے۔ لوگوں نے دریافت کیا: کیا فیصلہ ہوا؟ فرمایا: چلے جاؤ، تمھاری مائیں تمھیں گم پائیں، تمھارے لیے خلیفۂ رسول سے کچھ نہیں ملا۔[3]

خلیفۂ رسول نے لشکر اسامہ رضی اللہ عنہ کو خدا حافظ کہا

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ لشکر اسامہ کے پاس تشریف لائے اور اسے خود روانہ کیا۔ سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کو سوار کر کے الوداع کہا اور خود ان کے ساتھ ساتھ پیدل چلے، جبکہ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ان کی اونٹنی کی نکیل تھامے ہوئے تھے۔ اس پر سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''اے خلیفۂ رسول، اللہ کی قسم، آپ سوار ہو جائیں ورنہ میں نیچے اتر آؤں گا۔'' سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

> وَاللّٰهِ لَا تَنْزِلُ وَوَاللّٰهِ لَا أَرْكَبُ وَمَا عَلَيَّ أَنْ أُغَبِّرَ قَدَمَيَّ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ
>
> ''اللہ کی قسم! تم نیچے اترو گے نہ میں سوار ہوں گا، مجھے اللہ کی راہ میں اپنے قدم غبار آلود کرنے دو، اس میں کوئی حرج نہیں۔''

پھر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ سے یہ اجازت مانگی: ''اگر تم میری مدد کے لیے عمر رضی اللہ عنہ کو چھوڑنا پسند کرو تو انھیں چھوڑ جاؤ۔'' چنانچہ اسامہ رضی اللہ عنہ نے انھیں اجازت دے دی۔[4]

1 [illegible]، ص: 83۔ 2 تاریخ الطبری: 46/4۔ 3 تاریخ الاسلام للذہبی: 46/4۔ 4 البدایۃ والنہایۃ: 305/6، و تاریخ الطبری: 45/4-47۔

رسول اللہ ﷺ کے کسی حکم میں کوئی کوتاہی گوارا نہیں

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لشکرِ اسامہ کے فوجیوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''اے لوگو! ٹھہرو میں تمھیں کچھ ہدایات دینا چاہتا ہوں، انھیں اچھی طرح یاد کر لو! نہ خیانت کرنا، نہ مالِ غنیمت چرانا، نہ بدعہدی کرنا، نہ لاشوں کی بے حرمتی کرنا، نہ پھل دار درخت کاٹنا، نہ بلاضرورت بکری، گائے اور اونٹ ذبح کرنا۔ عنقریب تم ایسے لوگوں کے پاس سے گزرو گے جو گرجا گھروں میں عبادت میں مصروف ہوں گے، ان سے تعرض نہ کرنا۔ تم ایسے لوگوں کے پاس جا رہے ہو جو تمھارے لیے رنگ برنگے کھانے لائیں گے۔ تم ہر کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا۔ تمھارا مقابلہ ایسے لوگوں سے ہوگا جنھوں نے اپنے سر درمیان سے مونڈ رکھے ہوں گے اور بقیہ بالوں کو پٹیوں کی مانند چھوڑ دیا ہوگا، ایسے لوگوں کو تہ تیغ کر دینا۔ اب اللہ کا نام لے کر روانہ ہو جاؤ۔''

پھر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

اِصْنَعْ مَا أَمَرَكَ بِهِ نَبِيُّ اللّٰهِ ﷺ، اِبْدَأْ بِبِلَادِ قُضَاعَةَ، ثُمَّ ائْتِ آبِلَ، وَلَا تُقَصِّرَنَّ فِي شَيْءٍ مِّنْ أَمْرِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، وَلَا تَعْجَلَنَّ لِمَا خُلِّفْتَ عَنْ عَهْدِهِ.

''رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تعمیل کرنا، جنگ کی ابتدا بلادِ قضاعہ سے کرنا، پھر آبل (موجودہ اُردن کے جنوب میں واقع ایک شہر) پر حملہ آور ہونا لیکن رسول اللہ ﷺ کے کسی حکم کی تعمیل میں ذرہ بھر کوتاہی نہ کرنا اور آپ ﷺ کے عہد سے پیچھے مت ہٹنا۔''

مسجد اسامہ بن زید، ملائیشیا



سیدنا اسامہ ؓ کا لشکر چلا گیا۔ اہل لشکر رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق قضاعہ کے قبائل پر حملہ آور ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں آبل کی فتح عطا فرمائی اور مال غنیمت سے بھی نوازا۔ فی الجملہ لشکر اسامہ بڑے وقار سے سرخرو ہو کر مدینہ واپس آیا۔

ان کا یہ پورا مشن چالیس روزہ تھا، یعنی روانگی، کارروائی اور واپسی یہ سارے مرحلے چالیس دنوں میں مکمل ہو گئے۔[1]

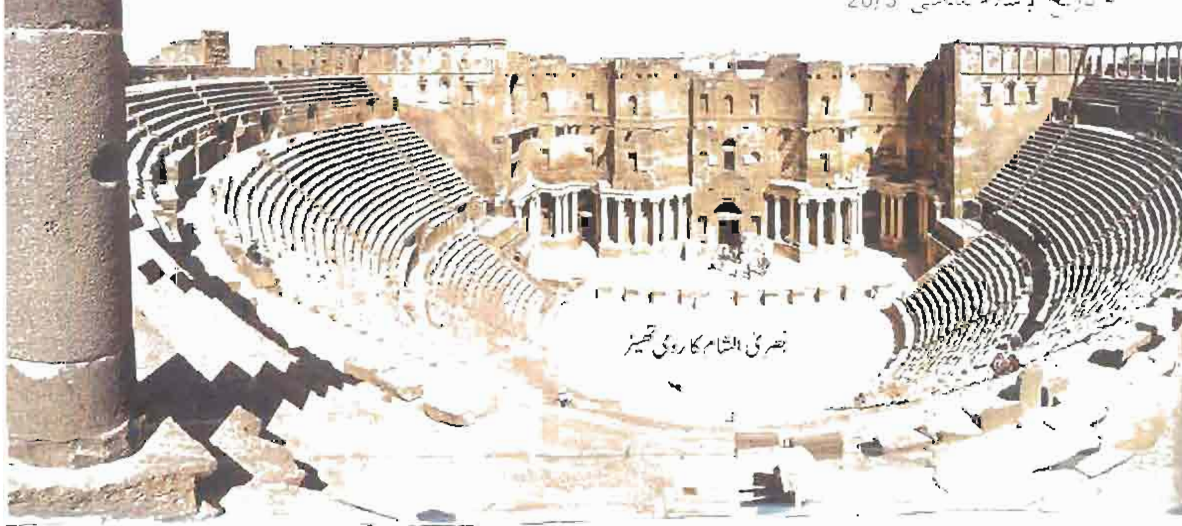
لشکر اسامہ کی شاندار فتح

سیدنا اسامہ ؓ کا لشکر کامیابی کے پرچم لہراتا ہوا، غنیمتیں سمیٹتا ہوا اور رومیوں کو ہیبت زدہ کرتا ہوا واپس آ گیا۔ لشکر اسامہ کی روانگی کا فیصلہ سیدنا ابوبکر صدیق کا نہایت دانشمندانہ قدم تھا۔ اس کے نتائج فوراً ظاہر ہوئے کہ رومی بادشاہ ہرقل کو رسول اللہ ﷺ کی وفات کی خبر اور اس کے ملک پر سیدنا اسامہ ؓ کے لشکر کی یلغار کی اطلاع بیک وقت موصول ہوئیں۔ رومی تعجب سے کہنے لگے: ''مسلمانوں کو کیا ہو گیا ہے؟ ابھی ابھی ان کا نبی فوت ہوا ہے اور یہ ہمارے ملک پر حملہ آور ہو رہے ہیں۔'' اُدھر عرب قبائل کہنے لگے: ''اگر مسلمانوں کے پاس اتنی قوت نہ ہوتی تو وہ اس لشکر کو (مدینہ منورہ سے دور) روانہ نہ کرتے۔'' چنانچہ وہ اپنے بہت سے منفی منصوبوں پر عمل درآمد سے باز آ گئے۔[2]

ہرقل مسلمانوں سے ڈرنے لگا

اس موقع پر رومی بادشاہ ہرقل نے اپنے فوجی کمانڈروں کو جمع کر کے کہا: ''میں تمھیں اسی بات سے ڈراتا تھا مگر تم نے میری ایک نہ مانی، اب نتیجہ تمھارے سامنے ہے۔ عرب ایک ماہ کا طویل سفر کر کے آتے ہیں، تم پر یلغار کرتے ہیں اور اپنا کوئی نقصان کیے بغیر، فتح مندانہ واپس چلے جاتے ہیں۔''

1 تاریخ الطبري 4/45-47، السيرة النبوية الصحيحة للدكتور العمري 2/467-470، البداية والنهاية 6/309.
2 تاريخ الإسلام للذهبي 3/20.



بصریٰ الشام کا رومی تھیٹر

ہرقل کے بھائی یناف نے کہا کہ تم سرحدوں کی حفاظت کے لیے ایک خصوصی فوج بلقا بھیج دو، چنانچہ اس نے ایک کمانڈر کے ماتحت اپنی فوج سرحد پر بھیج دی جو ادھر ہی مقیم رہی۔ سیدنا ابوبکر ؓ کے دور میں اور بعدازاں سیدنا عمر ؓ کے دور میں اسلامی لشکر شام کی طرف پیش قدمی کرتے رہے۔

سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کے دورِ خلافت کی ابتدا ہی میں شام کے عرب قبائل اسلامی سلطنت کے دبدبے سے مرعوب ہو گئے، وہ مسلسل خوفزدہ رہنے لگے۔ جب سیدنا اسامہ کا لشکر کامیاب ہو کر مدینہ منورہ لوٹا تو سیدنا ابوبکر صدیق ؓ بزرگ مہاجرین اور انصار کے ساتھ ان کے استقبال کے لیے گئے۔ اہل مدینہ نے انھیں نہایت مسرت کے ساتھ خوش آمدید کہا۔ سیدنا اسامہ بن زید ؓ سیدھے مسجد نبوی گئے اور اللہ تعالیٰ کے خصوصی احسان پر شکرانے کے نفل ادا کیے۔

اس غزوے کا ان عربوں کی زندگی پر گہرا اثر پڑا جو مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کے پروگرام بنا رہے تھے۔ اسی طرح ان رومیوں کی زندگی پر بھی اس کے گہرے اثرات مرتب ہوئے جو بلادِ عرب کی حدود تک پھیلے ہوئے تھے۔

اس لشکر نے اپنے جذبۂ ایمانی سے وہ کارنامہ کر دکھایا جو وہ اپنی قوت اور تعداد سے انجام نہیں دے سکا تھا۔ اس لشکر نے مرتدین کے بڑھتے ہوئے قدم روک دیے۔ دشمنوں کے جمع ہونے والے لشکروں کو منتشر کر دیا اور جو لوگ مسلمانوں پر یلغار کے منصوبے بنا رہے تھے، وہ صلح کے معاہدے کرتے نظر آئے۔ یوں تلواروں کے بے نیام ہونے سے پہلے ہی مسلمانوں کی ہیبت نے اپنا کام کر دکھایا۔[1]

ارتداد کی وبا

10ھ کے اواخر میں جب رسول اللہ ﷺ نے حج کیا اور مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو لوگوں کے کانوں میں

1 تاريخ الدعوة إلى الإسلام للدكتور يسري محمد هاني، ص: 270، سفر بن الحسن الحمد، ص: 109؛ الطبقات لابن سعد: 192/2.

وادیٔ بلقاء کا ایک منظر نزد السلط (اردن)



ارتداد کی آواز تیز ہو گئی اور اس کی چنگاری راکھ کے نیچے بھڑکنے لگی۔ سانپ سوراخوں سے اپنے سر نکالنے لگے۔ جن کے دلوں میں مرض تھا، انھیں خروج کی جرأت ہونے لگی۔ چنانچہ اسود عنسی یمن میں، مسیلمہ کذاب یمامہ میں اور طلیحہ اسدی اپنے علاقے میں اٹھ کھڑے ہوئے۔[1] اسود عنسی اور مسیلمہ کذاب اسلام کے لیے بہت بڑا خطرہ بن گئے، یا اپنے ارتداد کی ڈگر پر ڈٹ گئے۔ اور انھیں زبردست فوجی قوت حاصل ہو گئی۔

اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے بارے میں اپنے نبی ﷺ کو خواب دکھایا جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں اور پھر آپ ﷺ کے بعد آپ کی امت کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں۔ ایک دن منبر پر خطبہ دیتے ہوئے آپ نے فرمایا: لوگو! مجھے شب قدر دکھائی گئی، پھر مجھے بھلا دیا گیا اور میں نے اپنے دونوں بازوؤں میں سونے کے دو کنگن دیکھے، مجھے یہ بات ناگوار گزری، پھر پھونک ماری اور وہ دونوں اڑ گئے۔ میں نے اس کی تعبیر دو جھوٹوں سے کی۔ یمن والا (اسود عنسی) اور یمامہ والا (مسیلمہ کذاب)۔[2]

مرتدین کے بارے میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا موقف

جب ارتداد کی لہر اٹھی تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خطاب فرمایا اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''تمام حمد اللہ کے لیے ہے جس نے ہدایت سے نوازا، پس کافی ہو گیا، اور عطا کیا پس بے نیاز کر دیا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو اس وقت مبعوث فرمایا جب علم کی قدر و قیمت نہ تھی، اسلام اجنبی اور دھتکارا ہوا تھا، اس کی رسی کمزور پڑ گئی تھی، اس کا زمانہ بیت گیا تھا، اس کے ماننے والے اس سے بھٹک گئے تھے، اللہ تعالیٰ اہل کتاب سے ناراض ہو گیا، انھوں نے اپنی کتاب میں تبدیلی کر ڈالی، اس میں دوسری چیزیں شامل کر دیں، اور عرب اپنے آپ کو اللہ رب العزت سے محفوظ سمجھتے رہے، نہ اس کی عبادت کرتے، نہ اس سے دعا کرتے تھے۔ تو اللہ نے ان کی معیشت تنگ کر دی۔ اللہ نے پتھریلی زمین پر رحمت کی گھٹائیں بھیج کر دین کو سایہ فگن کیا، محمد ﷺ کے ذریعے سے ان کو آخری امت قرار دیا اور ان کو امت وسط بنایا اور ان کے متبعین کے ذریعے سے ان کی مدد کی اور دوسروں پر ان کو فتح عطا کی۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو اٹھا لیا تو شیطان نے پھر اپنا قبضہ جمایا اور ان کے ہاتھ تھام لیے اور ان میں سے ہلاک ہونے والے بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ أَفَإِن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ۚ وَمَن يَنقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَن يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا ۗ وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ

1 حروب الردة، ص: 65. 2 صحیح البخاری: 3621، وصحیح مسلم: 2273، ومسند أحمد: 11407

"محمد (ﷺ) صرف رسول ہی ہیں، ان سے پہلے بہت سے رسول ہو چکے ہیں، پس اگر ان کا انتقال ہو جائے یا یہ شہید ہو جائیں تو تم اسلام سے اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی اپنی ایڑیوں کے بل پھر جائے تو وہ ہرگز اللہ تعالیٰ کا کچھ نہ بگاڑے گا، عنقریب اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کو نیک بدلہ دے گا۔"[1]

تمھارے اور کفار کے درمیان ... نے اپنی بکریوں اور وہ رسی جو وہ زکاۃ میں دیتے تھے، روک لی ہیں۔ آج سے بڑھ کر وہ اپنے دین میں کبھی اس قدر کمزور نہ تھے۔ کاش وہ ان کی طرف دیکھیں۔ اور تم آج سے بڑھ کر کبھی قوی نہ تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے تمھیں اللہ کے حوالے کر دیا اور وہ کافی ہے۔ اس اللہ نے آپ ﷺ کو پایا ... اور جو ہدایت سے نوازا اور ... تو تلاوت کیا۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَكُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ﴾

"اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے تو اس نے تمھیں بچا لیا۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح تمھارے لیے اپنی نشانیاں بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت پاؤ۔"[2]

اللہ کی قسم! ہم اللہ کے دین کے لیے قتال جاری رکھیں گے یہاں تک کہ اللہ اپنا وعدہ مکمل کر دے اور ہمارے لیے اپنا عہد پورا کر دے۔ اس (جنگ) میں سے جو قتل ہو گا وہ شہادت حق سے شہادت پا جائے گا اور جو باقی رہے گا وہ زمین میں باقی رہ جائیں گے۔ اللہ کا فیصلہ حق ہے اور اس کی بات میں کبھی تبدیلی نہیں آتی۔

ارشاد ربانی ہے:

﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا ۚ يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا ۚ وَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾

"تم میں سے جو لوگ ایمان لائے ہیں اور نیک عمل کرتے رہے، ان سے اللہ تعالیٰ وعدہ فرما چکا ہے کہ انھیں ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا، جس طرح ان لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا جو ان سے پہلے تھے، اور یقیناً ان کے لیے اس دین کو مضبوطی سے پائیدار بنا دے گا جسے وہ ان کے لیے پسند فرما چکا ہے، اور ان کے خوف و خطر کو وہ امن و امان سے بدل دے گا، وہ میری عبادت کریں گے، میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ اس کے بعد بھی جو لوگ ناشکری اور کفر کریں، وہ یقیناً فاسق ہیں۔"[3]

---

1 [illegible] 2 [illegible] 3 [illegible]

زکاۃ نہ دینے والوں سے جہاد

بعض صحابہ نے جن میں سرفہرست سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تھے، آپ کو مشورہ دیا کہ مانعین زکاۃ کو ان کی حالت پر چھوڑ دیں اور مال کے ذریعے سے ان کی تالیف قلب (دلجوئی) کریں تاکہ ایمان ان کے دلوں میں پیوست ہو جائے، پھر وہ زکاۃ ادا کریں گے۔ لیکن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس مشورے کو مسترد کر دیا۔[1] ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوگئی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے تو عرب میں سے مرتد ہونے والے مرتد ہوگئے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ ان لوگوں سے کس بنیاد پر قتال کریں گے جبکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

أمرت أن أقاتل الناس حتى يقولوا: لا إله إلا الله، فمن قالها فقد عصم مني ماله ونفسه إلا بحقه وحسابه على الله

''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے قتال کروں، یہاں تک کہ لوگ لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کر لیں۔ جس نے لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کر لیا، اس نے اپنے مال و جان کو محفوظ کر لیا مگر یہ کہ اسلام کا حق آ جائے، اور اس کا حساب اللہ کے حوالے ہے۔''

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں اس سے ضرور قتال کروں گا جو نماز اور زکاۃ کے مابین فرق کرے گا۔ زکاۃ مال کا حق ہے۔ اللہ کی قسم! اگر انھوں نے وہ بکری کا بچہ بھی جو وہ رسول اللہ ﷺ کو زکاۃ میں دیتے تھے، روک لیا تو میں ان سے قتال کروں گا۔

عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! یہ تو ایسی بات ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سینہ کھول دیا ہے، پھر میں نے پہچان لیا کہ یہی حق ہے۔[2]

اس کے بعد عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! مرتدین سے قتال کرنے میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایمان پوری امت کے ایمان پر بھاری ہے۔[3]

اس طرح ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک اہم فقہی مسئلہ واضح فرمایا جو ان کے ذہن سے اوجھل تھا، وہ یہ کہ جس حدیث سے عمر رضی اللہ عنہ نے استدلال کیا تھا، اس میں ایک جملہ ہے جو مانعین زکاۃ سے قتال کے وجوب پر دلالت کرتا ہے، وہ ہے:

فإذا فعلوا ذلك عصموا مني دماءهم وأموالهم إلا بحقها

1 البداية والنهاية: 6/315. 2 صحيح البخاري: 1400، صحيح مسلم: 20. 3 حروب الردة، محمد أحمد باشميل، ص: 24.

''جب اس کلمہ کا اقرار کرلیں تو انھوں نے اپنا خون و مال محفوظ کرلیا، الا یہ کہ اس کلمے کا حق آ جائے۔''[1]

اور یقیناً مرتدین سے قتال کے سلسلے میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے الہامی تھی اور اسلام اور مسلمانوں کی مصلحت کا تقاضا بھی یہی تھا۔ اس کے علاوہ دوسرا کوئی موقف اختیار کرنا ہزیمت و ناکامی اور جاہلیت کی طرف لوٹنے کا پیش خیمہ ثابت ہوتا۔ اگر اللہ کی مدد نہ ہوتی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی یہ فیصلہ کن قرارداد نہ ہوتی تو تاریخ کا دھارا بدل جاتا، اس کی حرکت تبدیل ہو جاتی، گھڑی کی سوئیاں پیچھے کی طرف لوٹنے لگتیں، جاہلیت لوٹ آتی اور زمین میں شر و فساد برپا ہو جاتا۔[2]

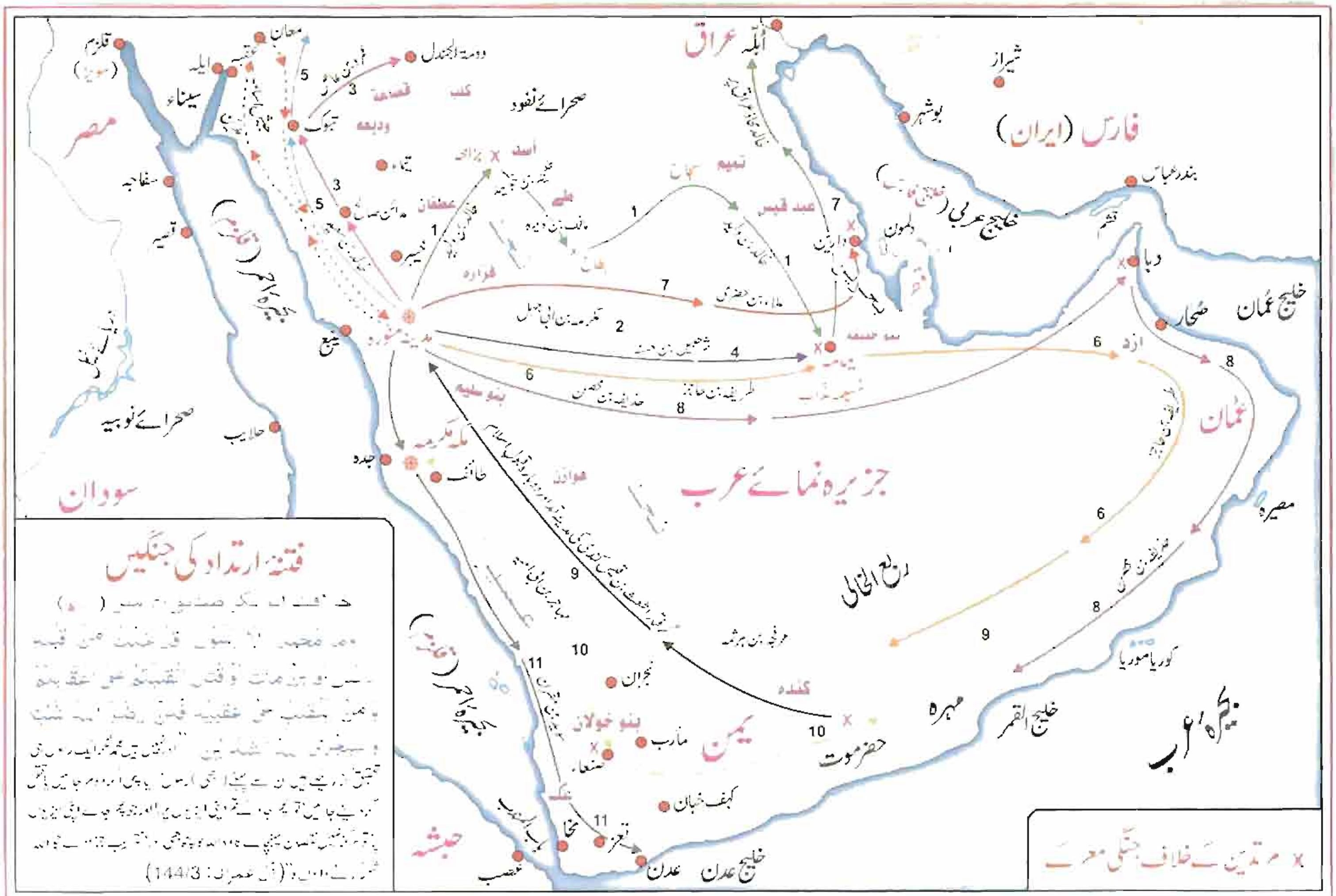
نازک صورت حال میں فتنۂ ارتداد کی سرکوبی

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اگر اہل مدینہ کی رائے کو قابل قبول ٹھہرا کر مرتدین سے جنگ نہ کرتے تو فتنۂ ارتداد کبھی ختم نہ ہوتا بلکہ روز بروز وسعت اختیار کرتا جاتا اور اسلامی سلطنت کا قیام ناممکن ہو جاتا۔ پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ اگر ان جنگوں میں کسی وجہ سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بھیجے ہوئے لشکر کامیابی سے ہمکنار نہ ہوتے تب بھی صورت حال حد درجہ خطرناک ہو جاتی، اور یہ بات اسلام اور مسلمانوں کے لیے نتیجے کے اعتبار سے بے حد نقصان کا باعث ثابت ہوتی۔ حالات کی پوری تصویر سامنے رکھی جائے اور اس دور کے واقعات پر سنجیدگی سے غور کیا جائے تو ہم پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ بالکل صحیح تھا اور مرتدین اور مانعین زکاۃ کے ساتھ برسرپیکار ہونا نہایت ضروری تھا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فیصلے نے تاریخ کا رخ بدل دیا اور اسلام جس تہذیب و ثقافت کا لوگوں

1 صحیح مسلم، 21 2 [illegible]، ص 86



شمالی شام کا تاریخی شہر حلب


فتنۂ ارتداد کی جنگیں
مرتدین کے خلاف جنگی معرکے
جزیرہ نمائے عرب
ربع الخالی
بحیرۂ عرب
بحیرۂ احمر (قلزم)
خلیج عربی
خلیج عُمان
خلیج عدن
خلیج القمر
فارس (ایران)
عراق
یمن
عُمان
مصر
سوڈان
حبشہ
صحرائے نفود
صحرائے نوبیہ
سیناء
مدینہ منورہ
مکہ مکرمہ
جدہ
طائف
ینبع
خیبر
تبوک
تیماء
دومۃ الجندل
معان
ایلہ
قلزم
حلایب
نجران
مارب
صنعاء
عدن
تعز
مخا
حضرموت
مہرہ
مصیرہ
صحار
دبا
شیراز
بوشہر
بندرعباس
ابلہ
یمامہ
کندہ
بنو خولان
ہوازن
بنو سلیم
فزارہ
غطفان
طے
اسد
تمیم
عبد قیس
کلب

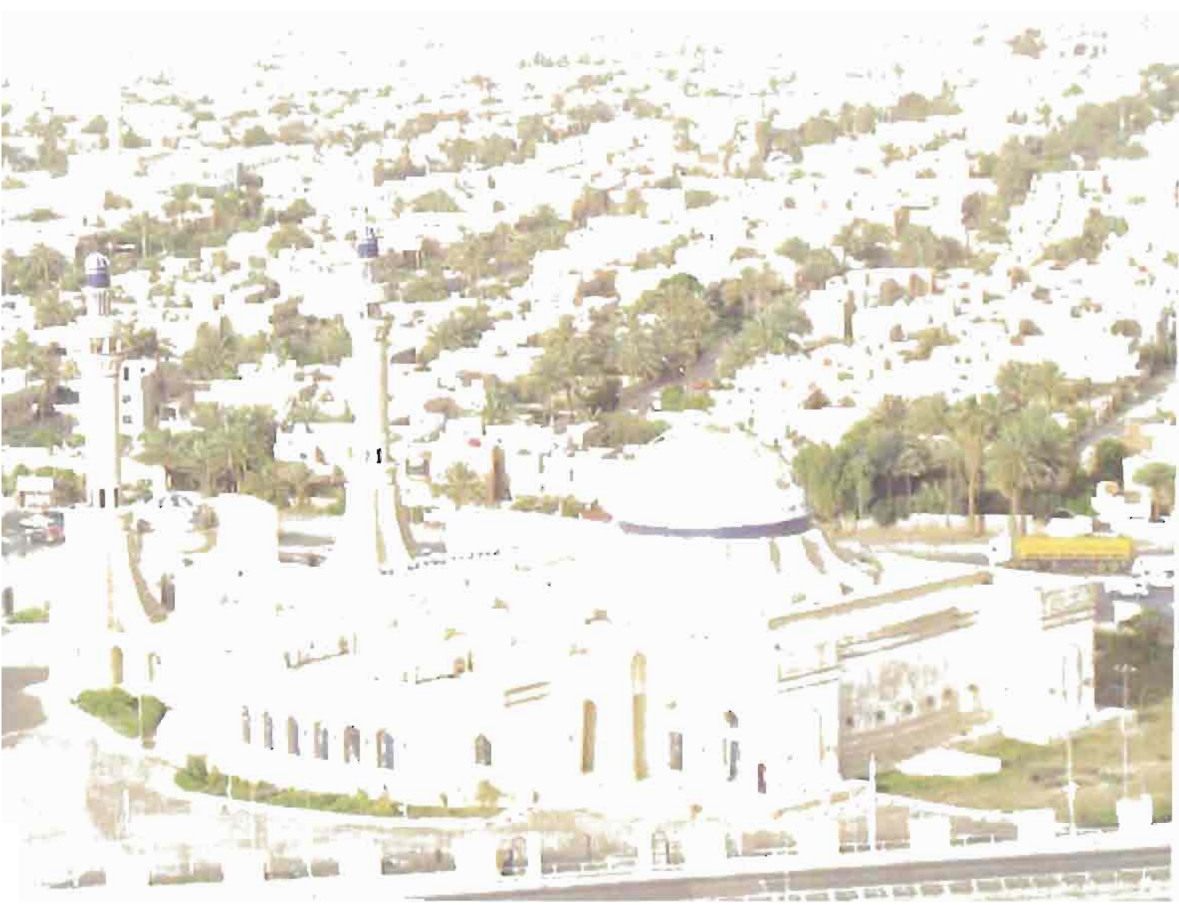
کو درس دیتا ہے، وہ ہر اعتبار سے برقرار رہی اور پروان چڑھی۔ نئے تمدن نے کروٹ لی اور کرۂ ارض پر ایک نئی تہذیب وجود میں آئی۔

یہاں اس حقیقت کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے کہ مرتدین کے مقابلے میں اگر اسلامی افواج شکست سے دوچار ہو جاتیں تو مسلمان رومی اور ایرانی سلطنتوں سے نبرد آزما ہو سکتے تھے، نہ عراق اور شام کی طرف قدم بڑھانے کی جرأت کر سکتے تھے، نہ قیصر و کسریٰ کی تہذیب ختم ہو سکتی تھی، نہ نئی اسلامی مدنیت ظہور میں آ سکتی تھی۔

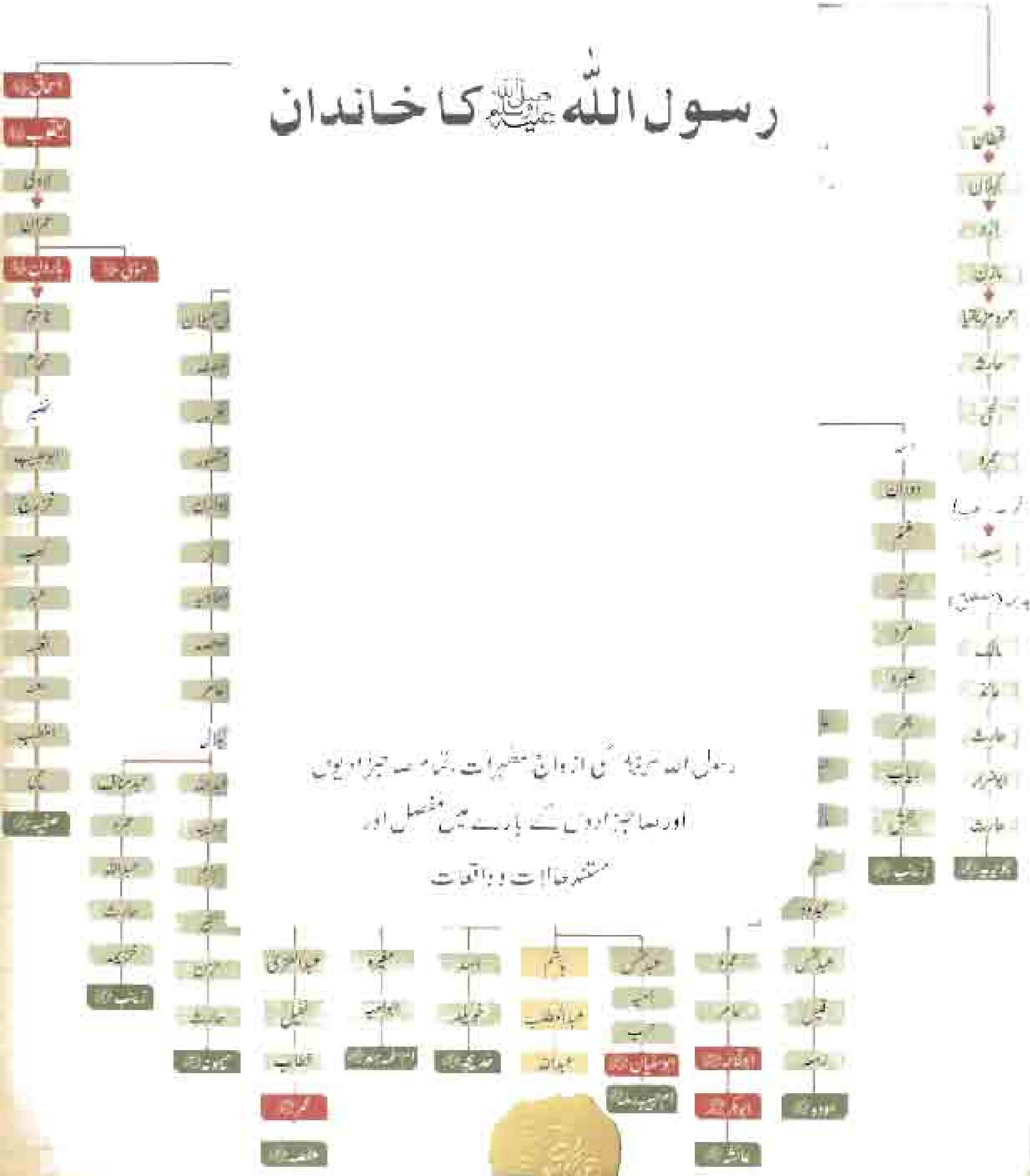
اگر مرتدین سے جنگ میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ہزیمت سے دوچار ہو جاتے تو شاید مدینے میں بھی اسلامی نظام حکومت قائم نہ ہو سکتا، نہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس کی مضبوط بنیادوں پر خلافت اسلامیہ کی مستحکم عمارت استوار کر پاتے۔[1]

1 الصدیق أبوبکر لمحمد حسین ہیکل، ص. 28 29.

مسجد الندائی اور محلہ القاہرہ (بغداد)



رسول اللہ ﷺ کا خاندان

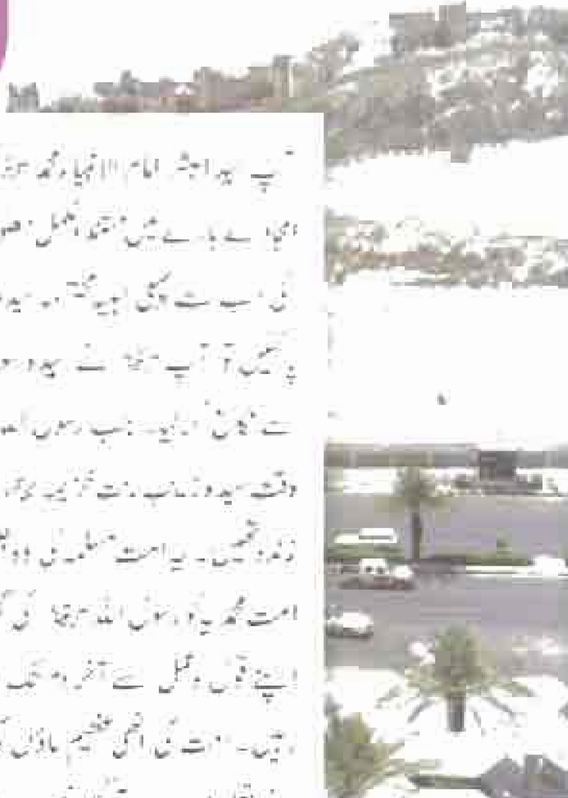


رسول اللہ ﷺ کی ازواجِ مطہرات، خاص صحابہ کرام
اور صحابیات کے بارے میں مفصل اور
مستند حالات و واقعات

النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ ۖ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ

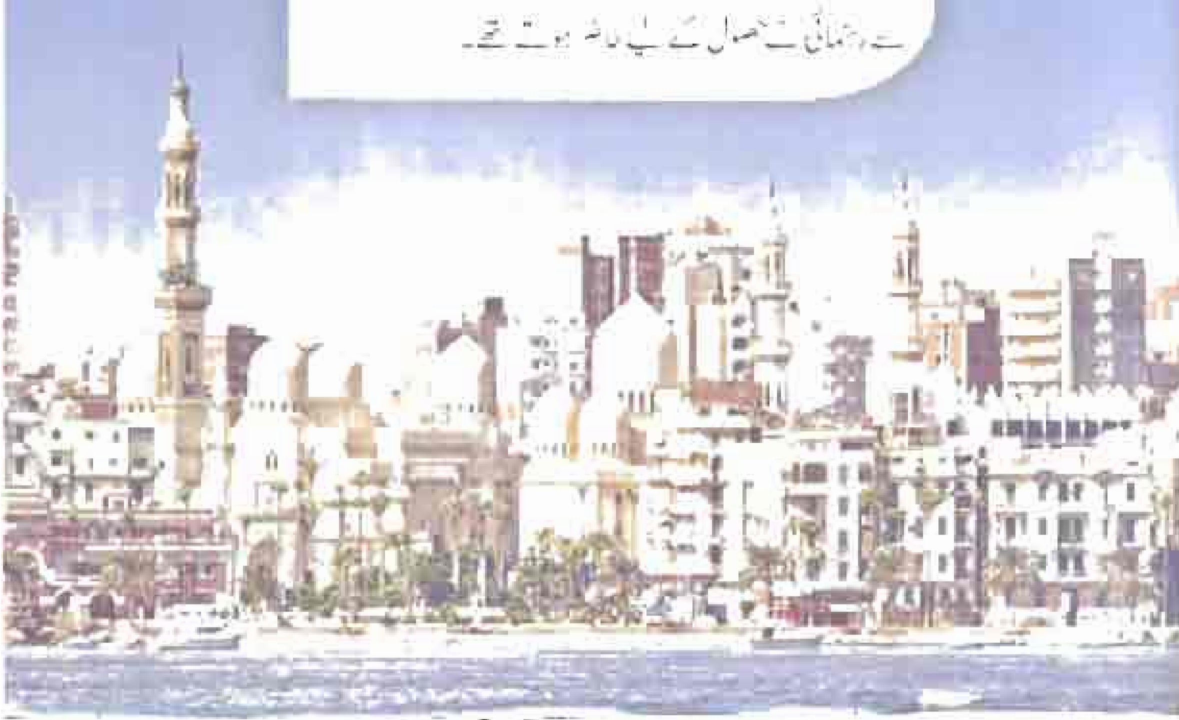
''نبی مومنوں پر ان کی (اپنی) جانوں سے زیادہ حق رکھتے ہیں، اور نبی کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔''

اس باب میں





آپ یہاں امام الانبیاء محمد ﷺ کی محترم و معظم ازواج اور اولاد کے بارے میں بنیادی معلومات حاصل کریں گے۔ آپ ﷺ کی سب سے پہلی اہلیہ محترمہ سیدہ خدیجہؓ تھیں۔ ان کی وفات پر آپ ﷺ نے سیدہ سودہ بنت زمعہ اور سیدہ عائشہؓ سے نکاح کیا۔ جب رسول اللہ ﷺ اللہ کو پیارے ہوئے، اس وقت سیدہ زینب بنت خزیمہ کے سوا باقی تمام ازواج مطہرات زندہ تھیں۔ یہ امت مسلمہ کی وہ مقدس ہستیاں ہیں جنھوں نے امت محمدیہ کو رسول اللہ ﷺ کی گھریلو زندگی سے روشناس کرایا اور اپنے قول و عمل سے آخر دم تک دین حنیف کی تعلیمات کو عام کرتی رہیں۔ امت کی انھی عظیم ماؤں کی بدولت خواتین کو خاص طور پر دینی تعلیمات سے آگہی نصیب ہوئی۔ ام المومنین سیدہ عائشہؓ کو اس سلسلے میں خصوصی اعزاز و امتیاز حاصل ہے۔ اکثر اہل علم ان کی خدمت میں قرآن کریم کے مشکل مقامات سمجھنے اور ان سے رہنمائی کے حصول کے لیے حاضر ہوتے تھے۔



خاندان نبوی

اللہ تبارک وتعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو پوری دنیا کی رہنمائی کے لیے مبعوث فرمایا۔ آپ ﷺ کی زندگی کو پوری نوع انسانیت کے لیے اسوۂ حسنہ بنایا۔ اسی بنا پر آپ ﷺ کی زندگی کے تمام گوشے ہر انسان کے لیے ہر شعبۂ زندگی میں مشعل راہ ہیں۔ آپ ﷺ نے اپنی زندگی میں شادیاں بھی کیں اور آپ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اولاد جیسی نعمت سے بھی سرفراز فرمایا۔ آپ کی تمام ازواج مطہرات آپ ﷺ پر جان چھڑکتی تھیں اور آپ ﷺ بھی تمام ازواج مطہرات کی پوری طرح دلجوئی فرماتے تھے۔ روزانہ بعد نماز عصر سب ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے جاتے اور فرداً فرداً سب کے احوال سے آگہی حاصل کرتے تھے۔ آپ نے اپنی مقدس اولاد کی مثالی تعلیم و تربیت فرمائی اور اپنے عزیز واقارب کے لیے صلہ رحمی کے تقاضے بہ تمام وکمال پورے فرمائے۔ فی الجملہ آپ اپنی سماجی اور نجی زندگی، دونوں دوائر میں اخلاقِ عالیہ کا بہترین نمونہ تھے۔

آپ ﷺ کے حسب نسب، ولادت، ختنہ اور عقیقے سے لے کر آپ ﷺ کے ذاتی اور صفاتی اسمائے گرامی، نیز رضاعت اور والدہ سے لاڈ پیار کے علاوہ آپ کے لڑکپن کے خوبصورت لمحات اور دلکش یادوں سے متعلق سیرت انسائیکلوپیڈیا کی دوسری جلد میں مفصل تذکرہ گزر چکا ہے۔ اسی طرح آپ نے جب جوانی کی عمر میں قدم رکھا تو آپ کے چچا ابوطالب کا حسن تعامل اور حسن تعاون اور پھر آپ کی شادیوں کا تذکرہ اور سیدہ خدیجہ ؓ سے اولاد کا ذکر جمیل بھی دوسری جلد کی زینت ہے جسے آپ پڑھ چکے ہوں گے۔ آپ ﷺ نے سیدہ خدیجہ ؓ کی رفاقت کے ایام میں کوئی شادی نہیں کی۔ ابراہیم کے علاوہ آپ ﷺ کی ساری اولاد بھی سیدہ خدیجہ ہی کے بطن اطہر سے پیدا ہوئی۔ اسی بنا پر آپ کے خاندان کا مفصل ذکر خیر اسی موقع پر ہے۔ البتہ آپ ﷺ نے ترتیب وار جس جس خاتونِ محترم سے شادی کی، ان ایام کے ذکر جمیل میں ان شادیوں کا تذکرہ بھی گزر چکا ہے۔ یہاں امت کی رہنمائی کے لیے اجتماعی طور پر نبی اکرم ﷺ کی ازواج واولاد کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات کی تعداد

نبی کریم ﷺ کی بیویوں کی تعداد سے متعلق اہل علم کی مختلف آراء ہیں۔ حافظ ابن حجر ؒ نے علامہ دمیاطی

کے حوالے سے لکھا ہے کہ جن عورتوں کے ساتھ آپ ﷺ ہم بستر ہوئے یا جن سے صرف نکاح کیا یا انھیں ہم بستری سے پہلے ہی طلاق دے دی یا جن کو صرف پیغام بھیجا اور نکاح نہیں ہوا، ان سب کی تعداد تیس ہے۔ علامہ ابوالفتح یعمری اور علامہ مغلطائی نے ان کے نام ذکر کیے ہیں اور ان کی تعداد علامہ دمیاطی کی بیان کی ہوئی تعداد سے بھی زیادہ ہے مگر حافظ ابن قیم نے اس تعداد کا انکار کیا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس حوالے سے مزید لکھا ہے کہ ''درحقیقت زیادہ تعداد محض اس لیے بیان کی گئی ہے کہ بعض ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ناموں کے بارے میں اختلاف ہے۔''

نیز انھوں نے انس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت کے حساب سے ازواج مطہرات کی تعداد پندرہ بیان کی ہے جن میں سے گیارہ باقاعدہ آپ ﷺ کے گھر میں بسیں، البتہ وفات تک نو بیویاں موجود تھیں۔[1]

ابن ہشام رحمہ اللہ بھی رقم طراز ہیں کہ نو بیویاں آپ ﷺ کی وفات کے وقت زندہ تھیں۔ دو بیویوں کا انتقال آپ ﷺ کی حیات مبارکہ ہی میں ہو گیا تھا جبکہ آپ نے اسماء بنت نعمان کندیہ اور عمرہ بنت یزید کلابیہ سے صحبت نہیں کی تھی۔[2]

پھلبہری کی وجہ سے طلاق دے دی

نبی اکرم ﷺ نے اسماء بنت نعمان سے شادی کی تھی مگر پھلبہری کی وجہ سے اسے چھوڑ دیا۔ سیدنا کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: ''رسول اللہ ﷺ نے بنو غفار کی ایک خاتون سے نکاح کیا۔ جب وہ خلوت میں نبی کریم ﷺ کے پاس آئی اور اپنا لباس اتارا تو آپ نے اس کے پہلو میں پھلبہری کے نشانات دیکھے۔ آپ ﷺ نے اسے فرمایا: «البسي ثيابك والحقي بأهلك» ''اپنے کپڑے پہن لو اور اپنے خاندان والوں کے پاس چلی جاؤ۔'' اور آپ ﷺ نے اسے مہر دینے کا حکم دیا۔''[3]

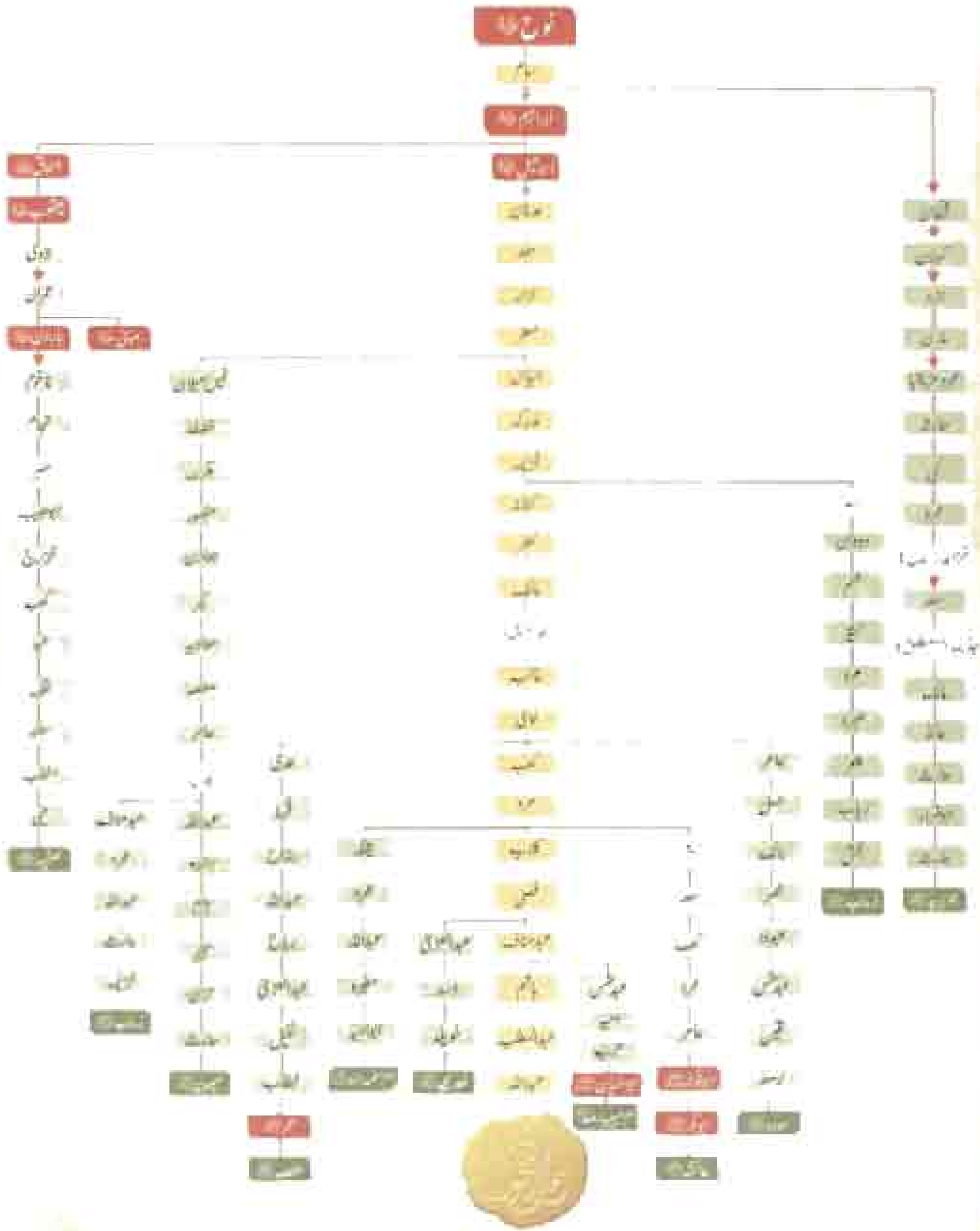
عمرہ بنت یزید کو طلاق

عمرہ بنت یزید نئی نئی مسلمان ہوئی تھی۔ جب وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی تو آداب سے ناواقفیت کی بنا پر آپ کے سامنے آتے ہی اس نے آپ سے پناہ طلب کر لی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو اللہ کی پناہ چاہے، وہ محفوظ ہو جاتا ہے۔'' لہٰذا آپ نے اُسے واپس بھیج دیا۔

بعض کا کہنا ہے کہ پناہ طلب کرنے والی عورت اسماء بنت نعمان کے چچا کی بیٹی تھی۔ بعض نے کہا کہ جب

1 فتح الباري 1/490. 2 السيرة لابن هشام 4/297. 3 المستدرك للحاكم 4/34، السيرة لابن هشام 4/297.

شجرہ امہات المومنین



رسول اللہ ﷺ نے اسے بلایا تو اس نے کہا: آپ کو ہمارے پاس آنا ہوگا، ہم کسی کے پاس نہیں جاتیں۔ اس وجہ سے آپ ﷺ نے اسے اس کے گھر واپس بھیج دیا۔[1]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ عمرہ بنت جون نے رسول اللہ ﷺ سے اس وقت اللہ کی پناہ طلب کی جب وہ شادی کے بعد آپ ﷺ کی خلوت گاہ میں بھیجی گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عذت بمعاذ ''تم نے اس کی پناہ طلب کی ہے جو پناہ دے دیتا ہے۔'' یہ کہہ کر آپ ﷺ نے اسے طلاق دے دی اور اسامہ یا انس رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ ''اسے بطور متاع تین کپڑے دے دو۔''[2]

اس ساری تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی بیویوں کی کل تعداد گیارہ تھی جو آپ کے گھر میں آباد ہوئیں۔ گیارہ بیویوں میں سے دو، سیدہ خدیجہ اور سیدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی زندگی ہی میں فوت ہوگئی تھیں۔ ابن عبدالبر رحمہ اللہ کے بقول سیدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی خدمت میں صرف دو یا تین ماہ رہیں۔[3]

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

كان للنبي ﷺ تسع نسوة.

''نبی اکرم ﷺ کی نو بیویاں تھیں۔''[4]

یعنی وہ بیویاں جو آپ کی رحلت کے وقت آپ کے پاس موجود تھیں۔ ان نو بیویوں کے علاوہ آپ کے پاس یہ دو باندیاں بھی تھیں: 1 سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا جو آپ کے بیٹے ابراہیم کی والدہ تھیں۔ 2 سیدہ ریحانہ بنت شمعون قرظیہ رضی اللہ عنہا۔

ان دو باندیوں سمیت آپ ﷺ کے حرم میں خواتین کی تعداد گیارہ تھی جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے جسے سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے:

كان النبي ﷺ يدور على نسائه في الساعة الواحدة من الليل والنهار وهن إحدى عشرة.

''نبی ﷺ دن یا رات کی ایک ہی گھڑی میں اپنی تمام بیگمات کے پاس جایا کرتے تھے اور ان کی تعداد گیارہ تھی۔''[5]

1 [illegible]: 4/297. 2 سنن ابن ماجه: 2037. 3 فتح الباري: 1/490. 4 صحيح البخاري: 284، صحيح مسلم: 1462. 5 صحيح البخاري: 268

مذکورہ باندیوں کے علاوہ جو بیویاں آپ ﷺ کی وفات کے وقت آپ کے حرم میں تھیں، ان کے اسمائے گرامی یہ تھیں:

1 سیدہ عائشہ 2 سیدہ حفصہ 3 سیدہ سودہ 4 سیدہ زینب بنت جحش 5 سیدہ ام سلمہ 6 سیدہ ام حبیبہ (رملہ بنت ابی سفیان) 7 سیدہ میمونہ 8 سیدہ جویریہ 9 سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہن۔

ایک شاعر نے آپ ﷺ کی بیویوں کی تعداد ان اشعار میں بیان کی ہے:

تُوُفِّيَ رَسُولُ اللّٰهِ عَنْ تِسْعِ نِسْوَةٍ ... إِلَيْهِنَّ تُعْزَى الْمَكْرُمَاتُ وَتُنْسَبُ

فَعَائِشَةٌ وَمَيْمُونَةٌ وَصَفِيَّةٌ ... وَجُوَيْرِيَةٌ مَعَ سَوْدَةٍ ثُمَّ زَيْنَبُ

كَذَا رَمْلَةٌ مَعَ هِنْدٍ أَيْضًا وَحَفْصَةٌ ... ثَلَاثٌ وَسِتٌّ نَظْمُهُنَّ مُهَذَّبُ

''رسول اللہ ﷺ نے نو معزز و مکرم بیویوں کو چھوڑ کر وفات پائی۔ عائشہ، میمونہ، صفیہ، جویریہ اور ان کے ساتھ سودہ اور زینب۔ رملہ، ہند اور ان کے ساتھ حفصہ تھیں۔ یہ تین اور چھ (جو کل نو ہوئیں) آپس میں بڑے سلیقے اور حسن تہذیب کے ساتھ رہتی تھیں۔''[1]

نبی ﷺ اور کثرت ازدواج

رسول اللہ ﷺ کا ہر عمل حکمت اور اعلیٰ مقاصد کا آئینہ دار ہوتا تھا۔ آپ ﷺ کی شادیاں بھی حکمت اور مقاصد جلیلہ کی عکاس تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے جتنی بھی شادیاں کیں، ان میں سے ہر ایک کی ایک خاص وجہ اور مصلحت تھی۔ عرب میں نکاح کی کوئی تعداد بھی متعین نہ تھی۔ بنی اسرائیل میں بھی ایسا ہی تھا، کوئی تحدید نہ تھی۔ تورات میں اپنے انبیاء اور بزرگوں کا ذکر ملتا ہے جن کی متعدد بیویاں تھیں، مثلاً: داود علیہ السلام کی نو بیویوں اور دس باندیوں کا ذکر بائبل میں موجود ہے۔ جبکہ سلیمان علیہ السلام کے متعلق سلاطین میں ہے کہ آپ کی سات سو بیویاں اور تین سو باندیاں تھیں۔ اس طرح اللہ کے نیک بندوں اور انبیاء کے گھروں میں ایک سے زیادہ بیویاں موجود ہوتی تھیں۔

اللہ کے حبیب محمد ﷺ کی مبارک زندگی میں جن خواتین کو آپ کے حرم میں داخلے کی سعادت نصیب ہوئی، ان کی تعداد نو ہے۔ قاضی سلیمان منصور پوری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''رحمۃ للعالمین'' میں آپ ﷺ کی کثرت ازدواج کے بارے میں لکھا ہے:

1 السيرة الحلبية: 418/3، وسبل الأسماع (حاشیہ) 113/6.

نبی ﷺ کی مبارک زندگی پر نظر ڈالو کہ 63 سال میں سے ابتدائی 25 سال حضور کے کمال تجرد سے گزرتے ہیں۔ جس بزرگ نے 25 سال تک عنفوان شباب اور جوشِ جوانی کا زمانہ کمال تقویٰ اور نہایت ورع کے ساتھ پورا کیا ہو اور جس کے حسن مردانہ کے کمال نے اعلیٰ سے اعلیٰ خواتین کو اس سے تزویج کا آرزومند کر دیا ہو، پھر بھی ربع صدی تک اس کے تجرد و تفرد پر کوئی شے غالب نہ آئی ہو، کیا ایسے شخص کی نسبت اعلیٰ رائے قائم نہیں ہوتی؟

جس مقدس ہستی نے 25 سے 50 سال تک کی عمر کا زمانہ ایک ایسی خاتون کے ساتھ بسر کیا ہو جو عمر میں ان سے 15 سال بڑی اور ان سے پیشتر دو شوہروں کی بیوی رہ کر کئی بچوں کی ماں بن کر معمر ہو چکی ہو اور پھر اس ربع صدی کے زمانہ میں حضور ﷺ کی دل بستگی، محبت میں ذرا کمی نہ آئی ہو بلکہ اس کے فوت ہو جانے کے بعد بھی ہمیشہ اس کی یاد کو تازہ رکھا ہو، کیا ان کی نسبت کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ اس تزویج کی وجہ وہی تھی جو عام طور پر پرستاران حسن کی شادیوں میں پائی جایا کرتی ہے؟

نبی ﷺ کی زندگی (55 سے لے کر 59 سال تک کی درمیانی مدت) کا پنجسالہ زمانہ ایسا ہے جب ازواج مطہرات سے حجرات آباد ہوئے تھے۔ اس لیے ہر ایک شخص کو غور کرنا چاہیے کہ زندگی مبارک کے 55 سالہ رویہ سے بڑھ کر جو عمل ہوا، اس کے خاص خاص اسباب کیا تھے؟ خصوصاً جب نبی ﷺ کی یہ حدیث بھی موجود ہے:

"ما لي في النساء من حاجة."

"مجھے عورتوں کی کوئی حاجت نہیں۔"[1]

غور کرنے سے معلوم ہو جائے گا کہ نبی ﷺ نے جس قدر نکاح کیے، ان کی بنیاد فوائد کثیرۂ دین اور مصالح جمیلہ ملک اور مقاصد حسنۂ قوم پر قائم تھی اور ان فوائد و مصالح و مقاصد کا اس قدیم ترین زمانے اور عرب جیسے جمود پسند ملک میں حاصل ہونا تزویج کے بغیر ممکن ہی نہ تھا۔[2]

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے قبائل

نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات مختلف قبائل سے تعلق رکھتی تھیں، ان میں سے کوئی بھی زوجہ محترمہ ہاشمی نہ تھی۔ چھ قریشی تھیں جن کے نام درج ذیل ہیں:

1 سیدہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا 2 سیدہ عائشہ بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہا 3 سیدہ حفصہ بنت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہا

4 سیدہ ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا 5 سیدہ ام سلمہ بنت ابی امیہ رضی اللہ عنہا 6 سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا۔

1 صحیح بخاری 5029 2 دیکھیے رحمۃ للعالمین 2/129، 130.

نبی اکرم ﷺ کی یہ پانچ بیویاں غیر قریشی تھیں:

1 سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا 2 سیدہ میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا 3 سیدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا 4 سیدہ جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا 5 سیدہ صفیہ بنت حیی بن اخطب رضی اللہ عنہا۔ ان کا تعلق یہودی قبیلہ بنو نضیر سے تھا۔[1]

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے نکاحوں کی ترتیب

نبی کریم ﷺ سے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے نکاح کی ترتیب کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔

امام ابن اسحاق کی ترتیب اس طرح ہے:

سیدہ خدیجہ، سیدہ سودہ، سیدہ عائشہ، سیدہ حفصہ، سیدہ زینب بنت خزیمہ، سیدہ ام حبیبہ، سیدہ ام سلمہ، سیدہ زینب بنت جحش، سیدہ جویریہ، سیدہ صفیہ، سیدہ میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہن۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس ترتیب کو عمدہ ترین قرار دیا ہے۔[2]

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے یہ ترتیب ایک اور انداز سے بیان کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ جب آپ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے گئے تو آپ ﷺ کے گھر میں سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا موجود تھیں، پھر مدینہ منورہ میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے حرم میں داخل ہوئیں، پھر تین اور چار ہجری میں سیدہ ام سلمہ، سیدہ حفصہ اور سیدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہن سے نکاح فرمایا۔ پانچویں ہجری میں آپ ﷺ نے سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔ چھ ہجری میں سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا سے اور سات ہجری میں سیدہ صفیہ، سیدہ ام حبیبہ اور سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہن سے نکاح فرمایا۔[3]

1 السیرۃ لابن ہشام 298/4، دلائل النبوۃ للبیہقی 289/7. 2 البدایۃ والنہایۃ 281/5 3 صحیح بخاری 490/1

ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا

رسول اللہ ﷺ کی سب سے پہلی شادی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے 26 عام الفیل ماہ صفر میں ہوئی۔ آپ ﷺ کی اس شادی کی مکمل تفصیل سیرت انسائیکلو پیڈیا کی دوسری جلد کے ساتویں باب "رسول اللہ ﷺ کی پہلی شادی" میں گزر چکی ہے۔

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا مکہ کی انتہائی باوقار اور مالدار خاتون تھیں۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا نسب چوتھی پشت (قصی) پر جا کر رسول اللہ ﷺ کے نسب سے مل جاتا ہے۔ اس شادی کے فیوض و برکات میں سب سے عظیم الشان بات یہ ہے کہ آپ ﷺ کی ساری اولاد، سوائے ابراہیم رضی اللہ عنہ کے جو ماریہ قبطیہ کے بطن سے ہوئے، سیدہ خدیجہ سے ہوئی۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی وہ عظیم المرتبت زوجہ ہیں جنھوں نے ابتدائے دعوت اسلام میں زبردست مشکلات اور مصائب میں یہاں تک کہ شعب میں محصور ہونے تک آپ ﷺ کا بھرپور ساتھ دیا اور اپنا سارا مال رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ امت محمدیہ میں سب سے پہلے آپ ﷺ کی بیعت کرنے اور مسلمان ہونے والی خاتون سیدہ خدیجہ ہی ہیں۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کی رفاقت میں چوبیس سال بسر کیے اور اپنی عمر کے چونسٹھ سال اور چھ ماہ گزار کر اس دنیا سے رخصت ہوگئیں۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بعثت کے دسویں سال، 11 رمضان المبارک کو فوت ہوئیں اور انھیں مکہ کے قبرستان المعلی میں دفن کیا گیا۔[1]

1 الطبقات لابن سعد: 217/8، الاستیعاب، ص: 874-878، انساب الاشراف: 273/1 و 35/2، الاصابۃ: 103/8.

قبرستان المعلی (مکہ مکرمہ)



سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نبی ﷺ کی بے مثل وفا و محبت

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی طبیعت بجھی بجھی رہنے لگی۔ سیدہ خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا ایک دن تعزیت کے لیے آپ ﷺ کے پاس آئیں اور افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگیں: سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے دنیا سے رخصت ہو جانے کی وجہ سے آپ بڑے غمگین دکھائی دیتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیوں نہیں! وہ میرے بچوں کی شفیق ماں تھیں، میری غمگسار اور راز دان تھیں، انھوں نے مشکل وقت میں میرا ساتھ دیا۔ میری رفاقت میں آ کر دنیا کی ہر چیز بھول گئیں۔ انھوں نے محبت، وفاداری اور سلیقہ شعاری کا حق ادا کر دیا۔ بھلا وہ کیوں نہ یاد آئیں، میں مرحومہ کو کس طرح بھول سکتا ہوں؟''[1]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جب بھی کوئی چیز پیش کی جاتی تو آپ ﷺ ارشاد فرماتے: ''یہ چیز فلاں خاتون کے گھر پہنچا دو کیونکہ وہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلی تھیں۔''[2]

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا رشک

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: مجھے نبی اکرم ﷺ کی دیگر بیویوں پر کبھی اس قدر رشک نہیں آیا جتنا رشک خدیجہ رضی اللہ عنہا پر آتا تھا، حالانکہ میں نے انھیں دیکھا بھی نہیں تھا۔ رسول اللہ ﷺ انھیں اکثر و بیشتر یاد کرتے تھے۔ بعض اوقات آپ ﷺ بکری ذبح کرتے، اس کے بڑے بڑے عضو کاٹ کر علیحدہ کرتے اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں کو بھیجتے تھے۔ (آخر ایک دن مجھ سے رہا نہ گیا) میں نے کہہ ہی دیا: ایسا لگتا ہے کہ دنیا میں صرف ایک خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی تھیں! آپ ﷺ فرمانے لگے: ''ان کے کیا کہنے! وہ تو ایسی تھیں، ایسی تھیں (پھر ان کی خوبیاں بیان فرمانے لگے، بعدازاں فرمایا:) اور ان سے میری اولاد بھی ہوئی۔''[3]

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی یاد رہ رہ کر جھلملاتی تھی

ایک مرتبہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد ان کی بہن ''ہالہ'' رسول اللہ ﷺ سے ملنے آئیں۔ انھوں نے دروازے پر کھڑے ہو کر حاضر ہونے کی اجازت طلب کی۔ ان کا لب و لہجہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ملتا جلتا تھا۔ جونہی آپ ﷺ نے سیدہ ہالہ کی آواز سنی، آپ ﷺ خوشی سے نہال ہو گئے اور دعا فرمایا: ''اے میرے اللہ! ہالہ آ گئی

[1] الطبقات لابن سعد: 57/8، [2] المستدرك للحاكم: 175/4، سبل الهدى والرشاد: 158/11، [3] صحيح البخاري: 3818.

ہیں۔'' سیدہ عائشہ ؓ بھی وہاں موجود تھیں۔ انھیں بڑا رشک آیا۔ فوراً بولیں: آپ ایک بوڑھی سرخ مسوڑوں والی عورت کا تذکرہ کرتے رہتے ہیں۔ کیا آپ کو اللہ تعالیٰ نے ان سے اچھی بیویاں نہیں دے دیں؟[1]

دیگر روایات میں یہ اضافہ ہے کہ اس کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہرگز نہیں! جب لوگوں نے میری نبوت کا انکار کیا تو خدیجہ ؓ نے صدق دل سے اقرار کیا۔ جب سب لوگوں نے میری تکذیب کی تو اس نے تصدیق کی۔ جب لوگ کافر تھے وہ اسلام لائیں، جب میرا کوئی معین و مددگار نہ تھا، اس وقت خدیجہ نے میری مدد کی اور میری اولاد بھی انھی سے ہوئی۔''[2]

ام المومنین سیدہ خدیجہ ؓ کی امتیازی خصوصیت

سیدہ خدیجہ ؓ وہ مقدس خاتون ہیں جنھوں نے نبوت اور دعوت اسلام سے پہلے ہی بت پرستی ترک کر دی تھی۔ مسند احمد میں روایت ہے: رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ سیدہ خدیجہ ؓ سے فرمایا:

''والله لا أعبد اللات أبدا والله لا أعبد العزى أبدا، قال فتقول خديجة: خل العزى''

''اللہ کی قسم! میں کبھی لات کی پرستش نہ کروں گا۔ اللہ کی قسم! میں کبھی عزیٰ کی پرستش نہ کروں گا۔'' راوی حدیث کہتا ہے کہ سیدہ خدیجہ ؓ نے جواب دیا: ''عزیٰ کا تو تذکرہ ہی نہ کیجیے۔''[3]

1 صحيح البخاري: 3821. 2 مسند احمد: 117/6، سبل الهدى والرشاد: 158/11. 3 مسند أحمد: 222/4.

جامع مسجد خدیجہ ؓ، برلن (جرمنی)



رسول اللہ ﷺ کو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے بے انتہا محبت تھی۔ آپ ﷺ نے ان کی زندگی میں دوسری شادی نہیں کی۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«خير نسائها مريم بنت عمران، وخير نسائها خديجة»

''(اپنے زمانے کی) عورتوں میں مریم علیہا السلام بہترین تھیں اور (اپنے زمانے کی) خواتین میں خدیجہ بہترین ہیں۔''[1]

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی یگانہ فضیلتیں

ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا میں چند امتیازی خصوصیات ایسی ہیں جن میں کوئی دوسری زوجۂ مطہرہ شریک نہیں۔ ذیل میں ان کا ترتیب وار ذکر کیا جاتا ہے:

1 انھوں نے سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کی اور آپ ﷺ پر ایمان لائیں۔

2 سب سے پہلے نبی اکرم ﷺ نے انھی سے شادی کی۔

3 وہ رسول اللہ ﷺ کی واحد زوجۂ مطہرہ ہیں جن کی موجودگی میں رسول اللہ ﷺ نے کسی دوسری عورت سے شادی نہیں کی۔

4 حضور اکرم ﷺ کے ساتھ سب سے پہلے انھوں نے نماز پڑھی۔

5 سوائے سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ کے آپ ﷺ کی ساری اولاد انھی سے ہوئی۔

6 ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سب سے پہلے جنت کی بشارت انھی کو ملی۔

7 ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے انھیں کو جبریل امین علیہ السلام کے ذریعے سے سلام بھیجا۔

8 رسول اللہ ﷺ کی امت میں آپ رضی اللہ عنہا ہی وہ پہلی خاتون ہیں جو صدیقہ ہونے کے شرف سے مشرف ہوئیں۔

9 امہات المومنین رضی اللہ عنہن میں سے سب سے پہلے وفات پانے والی زوجہ محترمہ بھی آپ رضی اللہ عنہا ہی ہیں۔

10 آپ رضی اللہ عنہا ہی وہ پہلی خاتون ہیں جن کی قبر میں رسول اللہ ﷺ خود اترے۔

[1] صحيح البخاري، 3815

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا

آپ رضی اللہ عنہا کا اسم گرامی عائشہ، لقب صدیقہ، خطاب حمیراء اور کنیت ام عبداللہ تھی۔ آپ رضی اللہ عنہا سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں۔ آپ کی والدہ کا نام زینب اور کنیت ام رومان تھی۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے چار برس بعد ماہ شوال بمطابق جولائی 614ء میں پیدا ہوئیں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب سے میں اپنے والدین کو پہچاننے لگی، اسی وقت سے میں نے انھیں مسلمان ہی پایا۔[1]

ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد رسول اللہ ﷺ کا نکاح سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی لخت جگر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہوا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا سلسلہ نسب آٹھویں پشت مرہ بن کعب پر جا کر نبی ﷺ کے نسب سے جا ملتا ہے۔ نکاح کے موقع پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر ایک روایت کے مطابق 6 سال اور ایک روایت کے مطابق 7 سال تھی۔[2]

یہ نکاح بعثت کے دسویں سال شوال کے مہینے میں ہوا۔ پھر ہجرت کے پہلے سال شوال ہی کے مہینے میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی ہوئی۔ اس وقت سیدہ کی عمر 9 سال تھی۔[3]

نبی ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کسی کنواری عورت سے شادی نہیں کی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ سب سے زیادہ محبت فرماتے تھے۔ سیدہ عائشہ انتہائی ذہین و فطین خاتون تھیں۔ امت محمدیہ کو علم دین کے بہت بڑے ذخیرے سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی نے روشناس کرایا۔ خواتین کے مسائل کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے فرامین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کے ذریعے امت کو ملے۔ یوں دین کی تبلیغ اور اشاعت میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا کردار تمام امہات المومنین سے کہیں زیادہ ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کے نکاح کا ذکر سیرت انسائیکلو پیڈیا: 3/450-452 اور شادی کی تفصیلات کے

[1] صحیح البخاری، 3905. [2] مسند احمد، 6/210، 211، صحیح مسلم، 1422. [3] صحیح مسلم، 1423، الطبقات لابن سعد، 8/58.

لیے 206/5 دیکھیے۔ نیز سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی پر قرآن کے نزول اور پورے واقعے کی تفصیل کے لیے دیکھیے سیرت انسائیکلو پیڈیا:7/201-245۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی گھریلو زندگی

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی گھریلو زندگی اتنی خوشگوار تھی کہ ان کے شوہر نامدار ہر اعتبار سے ان کے لیے آئیڈیل بن گئے حتی کہ نہایت سادہ زندگی بسر کرتے ہوئے بھی ان کی زندگی انتہائی پر لطف تھی۔ صدیقہ کائنات جس گھر میں بیاہی آئی تھیں، وہ کوئی عالی شان محل نہ تھا بلکہ بنو نجار کے محلے میں مسجد نبوی سے متصل چند چھوٹے چھوٹے حجرے بنائے گئے تھے، انھی میں سے ایک حجرہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا مسکن تھا۔ یہ مسجد کی شرقی جانب واقع تھا۔ حجرے کی وسعت چھ سات ہاتھ سے زیادہ نہ تھی۔ دیواریں مٹی کی اور چھت کھجور کی ٹہنیوں اور پتوں کی بنی ہوئی تھی۔ بارش کے اثرات سے محفوظ رکھنے کے لیے اوپر کمبل ڈال دیا گیا تھا۔ چھت کی بلندی بس اتنی تھی کہ کوئی کھڑا ہو کر ہاتھ اونچا کرتا تو چھت سے جا لگتا تھا۔ دروازے پر صرف ایک پٹ کا کواڑ تھا لیکن وہ کبھی بند نہ ہوا۔ پردے کے لیے ایک کمبل لٹکا دیا گیا تھا۔ حجرے سے متصل ایک کچا بالاخانہ تھا جس میں آپ ﷺ خلوت گزیں ہوتے۔ اسی میں آپ ﷺ نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے ایلاء (عارضی قطع تعلق) کر کے ایک مہینہ بسر فرمایا تھا۔ اس گھر میں ایک چٹائی، ایک بستر، ایک چھال بھرا تکیہ، کھجور رکھنے کے لیے دو مٹکے، پانی کے لیے ایک مشکیزہ اور پانی پینے کا ایک پیالہ رکھا تھا۔ یہ گھر روحانی دولت سے تو بہت مالا مال تھا لیکن دنیاوی مال و متاع سے اکثر خالی رہتا تھا۔

سید المرسلین محمد ﷺ کے گھر کے انتظامات سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کے سپرد تھے۔ وہی کھجور اور تھوڑے سے غلے کی شکل میں تمام حجروں میں سال بھر کا راشن تقسیم کرتے۔ بسا اوقات گھریلو ضروریات پوری کرنے کے لیے قرضہ بھی لینا پڑتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے سانحۂ ارتحال تک پورا عرب آپ ﷺ کے زیر نگیں آ چکا تھا۔ تمام صوبوں میں مرکزی بیت المال کے لیے وافر مقدار میں نقدی اور غلہ جمع ہونے لگا تھا، لیکن جس دن آپ ﷺ نے وفات پائی، اس دن بھی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں نان و نفقے کا کوئی سامان مہیا نہ تھا۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بے حد تمول اور فراوانی آ جانے کے باوجود اسی سادہ طرز زندگی کو عمر بھر اختیار کیے رکھا۔ ان کے نزدیک اس سادہ و پاکیزہ اسلوب زندگی سے بہتر طریق زندگی اور کوئی نہ تھا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دن میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ گھوڑے کی گردن پر

ہاتھ رکھے ایک شخص سے باتیں کر رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا: آج آپ دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ سے گفتگو فرما رہے تھے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''کیا تم نے اسے دیکھا ہے؟'' میں نے عرض کیا: جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا:

ذَاكَ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهُوَ يُقْرِئُكِ السَّلَامَ

''وہ جبریل علیہ السلام تھے اور تمھیں سلام کہتے تھے۔''

میں نے بھی فوراً کہا: وَعَلَيْهِ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ[1]

دوسری روایت میں ہے کہ ایک دن آپ ﷺ نے فرمایا:

يَا عَائِشُ! هَذَا جِبْرِيلُ يُقْرِئُكِ السَّلَامَ

''اے عائش! یہ جبرائیل علیہ السلام ہیں، آپ کو سلام کہتے ہیں۔''

میں نے عرض کیا: وَعَلَيْهِ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ! اے اللہ کے رسول! یقیناً آپ انھیں دیکھ سکتے ہیں جنھیں ہم نہیں دیکھ پاتے۔[2]

اسی طرح سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

كَمَلَ مِنَ الرِّجَالِ كَثِيرٌ وَلَمْ يَكْمُلْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَآسِيَةُ امْرَأَةُ فِرْعَوْنَ وَفَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيدِ عَلَى سَائِرِ الطَّعَامِ

''مردوں میں سے بہت کامل لوگ گزرے ہیں لیکن عورتوں میں سے مریم بنت عمران اور آسیہ زوجۂ فرعون کے سوا کوئی کامل خاتون نہیں گزری۔ اور عائشہ کو باقی عورتوں پر اس طرح فضیلت ہے جس طرح ثرید کو باقی تمام کھانوں پر فضیلت حاصل ہے۔''[3]

دنیا اور آخرت میں رسول اللہ ﷺ کی رفاقت

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جبرائیل علیہ السلام ریشم کے غلاف میں میری تصویر رکھ کر لائے اور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے کہا:

هَذِهِ زَوْجَتُكَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ

''یہ دنیا و آخرت میں آپ کی بیوی ہیں۔''[4]

[1] مسند احمد: 74/6 [2] صحيح البخاري: 3768 [3] صحيح البخاري: 3769 [4] جامع الترمذي: 3880

سیدہ عائشہ ؓ بیان فرماتی ہیں کہ ایک دن نبی اکرم ﷺ نے سیدہ فاطمہ ؓ کا ذکر فرمایا۔ میں نے عرض کیا: حضور! آپ فاطمہ ؓ کا ذکر فرما رہے ہیں، میرے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أما ترضين أن تكوني زوجتي في الدنيا والآخرة؟»

''کیا تمھیں پسند نہیں کہ تم دنیا اور آخرت میں میری بیوی ہو؟''

میں نے عرض کیا: اللہ کی قسم! میں آپ کی ذات اقدس سے دل و جان سے راضی ہوں۔ آپ ﷺ نے دوبارہ ارشاد فرمایا: «فأنت زوجتي في الدنيا والآخرة» ''تم دنیا و آخرت میں میری بیوی ہو۔''[1]

وفات النبی ﷺ کے بعد سیدہ عائشہ ؓ کی زندگی کے لیل و نہار

نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد سیدہ عائشہ ؓ کے والد سیدنا ابوبکر صدیق ؓ مسند خلافت پر متمکن ہوئے۔ ان کی خلافت کا دور تقریباً دو سال پر محیط ہے۔ 13ھ میں ان کا انتقال ہوا تو سیدہ عائشہ ؓ سایۂ پدری سے بھی محروم ہو گئیں۔ سیدنا ابوبکر ؓ بھی حجرۂ عائشہ میں جوار رسول ﷺ میں دفن ہوئے۔

عہد فاروقی

سیدنا ابوبکر ؓ کے بعد سیدنا عمر فاروق ؓ خلیفہ بنے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی سیدہ عائشہ ؓ سے گہری محبت کی مناسبت سے ان کا بہت خیال رکھا۔ سیدہ خود فرماتی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد مجھ پر بڑے بڑے احسانات ابن خطاب ؓ نے کیے۔ ایک روایت میں ہے کہ سیدنا عمر ؓ نے اپنی بیٹی حفصہ ؓ سمیت تمام ازواج مطہرات ؓ کے لیے دس دس ہزار درہم سالانہ وظیفہ مقرر فرمایا لیکن سیدہ عائشہ ؓ کا وظیفہ بارہ ہزار درہم مقرر فرمایا۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب تھیں۔[2]

عراق کی فتوحات میں موتیوں سے لبریز ایک ڈبہ ملا۔ مال غنیمت میں وہ بھی بارگاہ خلافت میں پہنچا۔ یہ گرانقدر موتی سب کے حصے میں نہیں آسکتے تھے، اس لیے سیدنا عمر فاروق ؓ نے لوگوں سے فرمایا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں یہ موتی سیدہ عائشہ ؓ کی خدمت میں بھیج دوں کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کو سب سے بڑھ کر محبوب تھیں۔ سب نے بخوشی اجازت دے دی اور موتیوں کا ڈبہ سیدہ عائشہ ؓ کی نذر کر دیا گیا۔[3]

سیدنا عمر فاروق ؓ کی تمنا تھی کہ وہ ام المومنین سیدہ عائشہ ؓ کے حجرے میں دفن کیے جائیں۔ انھوں نے

[1] المستدرك للحاكم 4/10. [2] المستدرك للحاكم 4/8. [3] المستدرك للحاكم 4/8.

اپنی وفات سے پہلے اپنے صاحبزادے سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور فرمایا: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں میرا سلام عرض کرنا اور پوچھنا کہ کیا آپ اجازت دیں گی کہ عمر رضی اللہ عنہ اپنے دونوں رفیقوں کے پہلو میں دفن ہوں۔

سیدہ نے جواب دیا: ہر چند وہ جگہ میں نے اپنے لیے رکھی تھی، تاہم میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے لیے ایثار کرتی ہوں۔ چنانچہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بھی شہادت کے بعد حجرۂ عائشہ رضی اللہ عنہا میں دفن کیا گیا۔[1]

عہدِ عثمانی

اس کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے۔ انھوں نے 12 سال تک نظمِ خلافت چلایا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا مکہ میں مقیم تھیں۔ جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیے گئے تو سیدنا طلحہ اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہما مدینہ سے مکہ پہنچے اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو تمام واقعات سے آگاہ فرمایا۔ اس المناک شہادت کے بعد لوگ دور و نزدیک سے ان کی خدمت میں آنے لگے اور ان سے خلیفۂ مظلوم سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خونِ ناحق کے قصاص اور اصلاحِ احوال کی گزارش کرنے لگے۔ ام المومنین رضی اللہ عنہا حالات کو بغور دیکھ رہی تھیں، اس لیے انھوں نے اصلاح بین المسلمین کا بیڑا اٹھایا۔ یہ حج کا موسم تھا۔ حرمین شریفین ہی کے چھ ہزار افراد نے ان کی آواز پر لبیک کہا اور عرب کے نامور رئیس یعلی بن امیہ نے چھ سو اونٹ اور چھ لاکھ درہم نقد پیش کیے۔ عبداللہ بن عامر نے اعلان کیا کہ جو شخص شریک ہونا چاہے اور اس کے پاس سواری نہ ہو تو اسے میں سواری مہیا کروں گا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی رائے مدینہ کی طرف روانہ ہونے کی تھی لیکن باہمی مشاورت سے بصرہ کی جانب پیش قدمی مناسب سمجھی گئی۔ 36 ھ میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا مکہ سے روانہ ہوئیں۔ رخصت ہوتے وقت مسلمان زار و قطار روئے۔ اسی کی وجہ سے اس دن کا نام یوم النحیب ”گریہ و زاری والا دن“ پڑ گیا۔[2]

بصرہ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں سے جنگ پیش آئی جو جنگ جمل کے نام سے مشہور ہوئی۔ جمل اونٹ کو کہتے ہیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ایک اونٹ پر سوار تھیں۔ یہ اونٹ اس معرکے میں بڑی اہمیت کا حامل تھا، اس لیے یہ جنگ بھی اسی نسبت سے مشہور ہو گئی۔ یہ جنگ محض اتفاقی تھی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس کا ہمیشہ بڑا ملال رہا۔

اس جنگ سے رخصت ہوتے وقت انھوں نے لوگوں سے فرمایا:

میرے بچو! ہم ایک دوسرے پر ناراض ہوتے ہیں، کچھ دھیما کرنے کے لیے، کچھ اضافہ کرنے کے لیے، اس لیے ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ زیادتی نہیں کرنی چاہیے۔ میرے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے درمیان بہت معمولی سا

[1] صحیح البخاری، 3700. [2] تاریخ الطبری 478/3.

اختلاف تھا، جیسے ساس داماد میں کبھی کبھی ہو جایا کرتا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی رنجش نہیں تھی اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ سانحۂ جمل کے بعد بھی میرے نزدیک اخیار میں سے ہیں۔[1]

طبقات ابن سعد میں ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا جب یہ آیت پڑھتی تھیں: ''وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ'' ''اور (نبی کی بیویو!) تم اپنے گھروں میں ٹکی رہو۔''[2] تو اس قدر روتی تھیں کہ آنچل تر ہو جاتا تھا۔[3]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بعد سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اٹھارہ برس زندہ رہیں اور یہ تمام زمانہ انتہائی سکون سے امت کی دینی تعلیم و تربیت، اصلاح اور فلاح میں گزارا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے مشاجرات (باہمی اختلافات) سے مکمل کنارہ کشی اختیار فرمائی۔ ان کا دامن شفقت سب کے لیے وسیع تھا۔ وہ سب کی اچھی باتوں اور فضیلتوں کی تعریف فرماتی تھیں۔

سانحۂ ارتحال

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے 17 رمضان 58ھ کو نماز وتر کے بعد 66 سال کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ. علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ نے عیسوی تاریخ اس طرح بیان کی ہے: ''سیدہ نے 13 جون 678ء کو نماز وتر کے بعد رات کے وقت وفات پائی۔''[4]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی وصیت تھی کہ نماز جنازہ میں تاخیر نہ کی جائے، اس لیے رات کے وقت ہی نماز جنازہ ادا کی گئی۔[5] اس وقت مدینہ کے گورنر سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تھے۔ انھوں نے نماز جنازہ پڑھائی۔ ام المومنین رضی اللہ عنہا کی وصیت کے مطابق انھیں رات کے وقت ہی بقیع الغرقد میں دفن کیا گیا۔[6] دفن کرتے وقت قاسم بن محمد بن ابی بکر، عبداللہ بن محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی بکر، عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی بکر، عروہ بن زبیر اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم، بھتیجوں اور

1 تاریخ الطبری 547/3. 2 الأحزاب 33:33. 3 الطبقات لابن سعد 81/8. 4 سیرت عائشہ، ص: 169. 5 الطبقات لابن سعد 80/8. 6 المستدرك للحاكم 6/4.



قبرستان البقیع (مدینہ منورہ)

بھانجوں نے قبر میں اتارا۔[1]

اولاد

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی کوئی اولاد نہ تھی۔ ابن العربی نے کہا ہے کہ ایک ناتمام بچہ ساقط ہوا تھا۔ اس کے نام پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی کنیت ام عبداللہ رکھی گئی لیکن یہ قطعی غلط ہے۔ ان کی کنیت ام عبداللہ ان کے بھانجے عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے نام پر تھی۔ یہ کنیت رسول اللہ ﷺ نے خود تجویز فرمائی تھی۔[2]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے اعزازات و امتیازات

ام المومنین عائشہ و حفصہ رضی اللہ عنہما نے حفاظت قرآن، نشر احادیث اور تعلیم نساء کے بارے میں فوق العادت کام کیے اور پھر صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما کی خلافتوں کو زیادہ بابرکت اور زیادہ پُر منفعت بنانے میں بہت بڑا کردار ادا کیا اور یہ ایسے فوائد ہیں جن کے لیے نبی ﷺ کسی عمدہ تدبیر کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بعض ایسی خصوصیات اور امتیازات حاصل تھے جن سے دوسری ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن محروم تھیں۔ کبھی کبھار وہ ان اعزازات کو تحدیث نعمت کے طور پر بیان بھی فرماتی تھیں۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ مجھے ازواج النبی ﷺ پر دس معاملات میں فضیلت حاصل ہے:

1. رسول اللہ ﷺ نے میرے سوا کسی کنواری لڑکی سے نکاح نہیں فرمایا۔
2. میرے علاوہ کسی زوجہ مطہرہ کے ماں باپ دونوں مہاجر نہ تھے۔
3. اللہ تعالیٰ نے خود میری براءت نازل فرمائی۔
4. جبرائیل علیہ السلام ریشمی کپڑے میں میری تصویر لے کر آئے اور رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: اللہ کا حکم ہے کہ ان سے نکاح کیجیے۔
5. میں نے اور رسول اللہ ﷺ نے ایک برتن سے پانی لے کر غسل کیا۔ یہ فضیلت بھی کسی دوسری بیوی کو حاصل نہ تھی۔[3]
6. میں سامنے لیٹی ہوتی تھی، آپ ﷺ نماز پڑھ لیتے تھے۔ ایسا کسی اور زوجہ محترمہ کے ساتھ نہیں ہوا۔
7. تنہا مجھ ہی پر اللہ تعالیٰ کا اتنا بڑا کرم تھا کہ جب آپ میرے لحاف میں آرام فرما ہوتے تو آپ ﷺ پر وحی نازل

1 الطبقات لابن سعد 77/8، أسد الغابة 344/5. 2 سنن أبي داود: 4970، المعجم الكبير للطبراني 323/16، 324، الطبقات لابن سعد 66/8. 3 بعض دیگر ازواج مطہرات بھی اس فضیلت میں ان کے ساتھ شامل رہی ہیں جیسا کہ صحیح بخاری اور دیگر کتب حدیث سے صراحتاً ثابت ہے۔ (صحیح البخاری، حدیث 263، 322)

ہو جاتی۔ دوسری ازواج میں سے کسی کو یہ سعادت حاصل نہیں ہوئی۔

8 رحلت کے وقت نبی اکرم ﷺ کا سر مبارک میرے سینے سے لگا ہوا تھا۔

9 آپ کے رفیق اعلیٰ کے پاس جانے کا دن میری ہی باری والا دن تھا۔

10 آپ میرے حجرے میں مدفون ہوئے۔[1]

موسیٰ بن محمد بن عبداللہ اندلسی نے ان خصائص کو اپنے اشعار میں بیان کیا ہے:

إني خُصصتُ على نساءِ محمدٍ ... بصفاتِ برٍّ تحتهنَّ معاني

''مجھے محمد ﷺ کی (دیگر) بیویوں پر چند اعلیٰ صفات میں خصوصیت عطا کی گئی ہے جن کے بہت سے (پوشیدہ) معانی ہیں۔''

وسَبقتُهنَّ إلى الفضائلِ كلِّها ... فالسَّبْقُ سَبْقي والعِنانُ عِناني

''میں باقی سب خواتین سے ان کے باعث تمام فضائل میں سبقت لے گئی۔ یہی سبقت میری سبقت ہے اور میری فوقیت ہی اصل فوقیت ہے۔''

زوجي رسولُ الله لم أرَ غيرَه ... اللهُ زوَّجني به وحباني

''میرے شوہر گرامی رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اُن کے علاوہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا (یعنی باکرہ رہی)۔ اللہ تعالیٰ نے میری ان سے شادی کرائی اور یوں رسول اللہ ﷺ جیسی نادر ہستی کو مجھے بطور تحفہ مرحمت فرمایا۔''

وأتاه جبريلُ الأمينُ بصورتي ... فأحبَّني المختارُ حين رآني

''جبریل امین آپ ﷺ کی خدمت میں میری تصویر لائے۔ آپ ﷺ نے جب مجھے دیکھا تو پسند فرمالیا۔''

وأنا ابنةُ الصِّدِّيقِ صاحبِ أحمدٍ ... وحبيبِه في السرِّ والإعلانِ

''اور میں احمد کریم ﷺ کے خلوت وجلوت کے ساتھی اور محبوب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہوں۔''[2]

اے اللہ عزوجل! ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر ہمیشہ رحمتیں اور برکتیں نازل فرما اور انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرما۔ آمین!

[1] المصنف لابن أبي شيبة 528/7- الطبقات لابن سعد 63/8 [2] العقيدة الصافية لموسى بن محمد الأندلسي

ام المومنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا

ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے وصال اور ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے بعد بعثت کے دسویں سال ہی رسول اللہ ﷺ کی ام المومنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا سے شادی ہوئی۔

نام و نسب

آپ رضی اللہ عنہا کا نام سودہ اور کنیت ام الاسود تھی۔ آپ قریش کے ذیلی قبیلے عامر بن لوئی سے تعلق رکھتی تھیں۔

والد کی طرف سے آپ رضی اللہ عنہا کا سلسلۂ نسب یہ ہے:

سودہ بنت زمعہ بن قیس بن عبد شمس بن عبد ود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوئی۔

سیدہ سودہ کی والدہ کا نام ''شموس'' تھا جو مدینہ منورہ کے خاندان بنو نجار سے تھیں۔ والدہ کی طرف سے آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے:

شموس بنت قیس بن عمرو بن زید بن لبید بن خداش بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار۔[1]

سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کی والدہ جناب عبدالمطلب کی والدہ سلمی بنت عمرو بن زید کی بھتیجی تھیں۔ گویا سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کے ننھیال وہی تھے جو رسول اللہ ﷺ کے دادا عبدالمطلب کے ننھیال تھے۔

سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کے نکاح کی تفصیل سیرت انسائیکلوپیڈیا: 3/453-455 میں گزر چکی ہے۔

سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کا زہد و تقویٰ

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

مَا رَأَيْتُ امْرَأَةً أَحَبَّ إِلَيَّ أَنْ أَكُونَ فِي مِسْلَاخِهَا مِنْ سَوْدَةَ بِنْتِ زَمْعَةَ مِنِ امْرَأَةٍ فِيهَا حِدَّةٌ.

''میں نے سودہ بنت زمعہ سے بڑھ کر ایسی کوئی عورت نہیں دیکھی جس کے بارے میں مجھے یہ پسند ہو کہ میں اس کے قالب میں ہوں، ہاں! اتنی بات ضرور تھی کہ ان کے مزاج میں ذرا تیزی تھی۔''[2]

[1] طبقات ابن سعد 8/52 [2] صحیح مسلم 1463

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں:

كَانَتْ ذَاتَ عِبَادَةٍ وَّوَرَعٍ وَّزَهَادَةٍ.

''وہ (سودہ رضی اللہ عنہا) زہد وتقویٰ والی عبادت گزار خاتون تھیں۔''[1]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے فرمایا تھا کہ میرے بعد گھر ہی میں بیٹھنا۔ قرآن مجید میں بھی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو یہی حکم دیا گیا ہے: وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ ''اپنے گھروں میں ٹھہری رہو۔''[2]

اس بات پر سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا نے اس قدر سختی سے عمل کیا کہ (نفلی) حج کرنے بھی نہیں جاتی تھیں۔ پوچھنے پر فرمایا کرتی تھیں: ''میں حج اور عمرہ کر چکی ہوں، اب میں اپنے گھر ہی میں بیٹھوں گی جس طرح مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔''[3]

سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نے بھی ایسا ہی کیا۔ وہ مستقل مدینہ ہی میں رہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے کوچ کر جانے کے بعد ان دونوں امہات المومنین رضی اللہ عنہا نے سفر کرنا ترک کر دیا تھا۔[4]

یہ پورے عزم صادق سے اللہ کے حکم پر عمل کرنے کا ایک مظاہرہ تھا۔ باقی سب امہات المومنین رضی اللہ عنہن بھی اسی حکم پر عمل پیرا رہیں۔ وہ صرف حج وعمرے کا سفر کرتی تھیں۔

خوش طبعی

سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا نہایت باوقار اور انتہائی خوش مزاج خاتون تھیں۔ ان کی طبیعت میں خوش طبعی کا پہلو غالب تھا۔ کوئی نہ کوئی اچھی سی بات کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسا دیتی تھیں۔ ایک مرتبہ کہنے لگیں: اے اللہ کے رسول! میں نے گزشتہ رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز ادا کی۔ آپ نے مجھے اتنا لمبا رکوع کرایا کہ میں نے اس خوف کے مارے اپنی ناک پکڑ لی مبادا نکسیر پھوٹ پڑے۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے ساختہ ہنس پڑے۔[5]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ایک روز میں، سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ساتھ بیٹھے تھے۔ میں نے کھانے کے لیے حریرہ تیار کر رکھا تھا۔ میں نے سودہ سے کہا: تم بھی کھاؤ۔ انھوں نے کھانے سے انکار کر دیا۔ میں نے ازراہ مذاق کہا: کھاؤ گی یا تمھارے منہ پر مل دوں؟ وہ خاموش بیٹھی رہیں۔ کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ منظر دیکھ کر محظوظ ہو رہے تھے۔ میں نے پیالے سے تھوڑا سا حریرہ لیا اور سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کے منہ پر

1 البدایۃ والنھایۃ: 73/8۔ 2 الأحزاب 33:33۔ 3 الطبقات لابن سعد: 55/8۔ 4 مسند أحمد: 324/6۔ 5 الإصابۃ: 197,196/8

مل دیا۔ رسول اللہ ﷺ دیکھ کر مسکرائے اور سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''تم بھی ان کے چہرے پر حریرہ مل کر بدلہ لے لو۔'' انھوں نے آپ ﷺ کا حکم مانا اور میرے چہرے پر حریرہ مل دیا۔ رسول اللہ ﷺ یہ منظر دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا: ''یہ ہوا نا بدلہ!''[1]

یہ ایک لطیف مزاح ہے جو سیدہ عائشہ کا سیدہ سودہ سے محبت کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔ اس طرح کا ہلکا پھلکا مذاق آپ کے گھرانے میں ہوتا رہتا تھا جو کہ ایک خوشگوار گھریلو ماحول کی علامت ہے۔

اپنی باری کا دن سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے وقف کر دیا

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کو خطرہ محسوس ہوا مبادا نبی کریم ﷺ مجھے طلاق دے کر فارغ کر دیں۔ انھوں نے ایک دن عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے طلاق نہ دیجیے۔ اپنی ہی خدمت میں رہنے دیجیے۔ میں چاہتی ہوں کہ قیامت کے روز مجھے ازواج مطہرات کے زمرے میں اٹھایا جائے۔ میں اپنی باری عائشہ رضی اللہ عنہا کے سپرد کرتی ہوں۔ اس موقع پر قرآن حکیم کی یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۚ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ﴾ [النساء 4:128]

''اور اگر کسی عورت کو اپنے خاوند کی طرف سے زیادتی یا بے رغبتی کا اندیشہ ہو تو میاں بیوی پر کچھ گناہ نہیں کہ آپس میں کسی قرارداد پر صلح کر لیں اور صلح خوب (چیز) ہے۔''[2]

صحیح بخاری میں ہے: نبی کریم ﷺ جب سفر کا ارادہ کرتے تو اپنی بیویوں کے مابین قرعہ اندازی فرماتے۔ جس کے نام کا قرعہ نکل آتا، اسے اپنے ساتھ لے جاتے۔ اس طرح آپ ﷺ نے ہر بیوی کے لیے ایک دن اور ایک باری مقرر کر رکھی تھی۔ البتہ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کی رضا مندی حاصل کرنے کے لیے اپنی باری سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دی تھی۔[3]

سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کی سخاوت

سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا انتہائی کریم الطبع اور نہایت سخی خاتون تھیں۔ درہم و دینار ان کے پاس ٹھہرتے ہی نہ تھے۔ جیسے ہی درہم و دینار انھیں ملتے، فوراً اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خرچ کر دیا کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

1 السنن الكبرى للنسائي: 162/8، حديث: 8868. 2 الإصابة: 196/8، جامع الترمذي: 3040. 3 صحيح البخاري:
2593

نے سیدہ سودہ ؓ کی خدمت میں درہموں کی ایک تھیلی بھیجی تو انھوں نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ انھیں بتایا گیا کہ یہ درہم ہیں۔ انھوں نے کہا: دیکھنے میں یوں لگتا ہے کہ تھیلی میں کوئی کھجوروں جیسی چیز ہے۔ پھر انھوں نے وہ سب درہم اسی وقت اللہ کی راہ میں خرچ کر دیے۔[1]

سیدہ عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ سیدہ سودہ ؓ طائف سے آئی ہوئی کھالیں خود ٹھیک کرتی تھیں اور اس سے جو آمدنی ہوتی تھی، اسے نہایت فراخ دلی سے بھلائی کے کاموں میں خرچ کر دیتی تھیں۔[2]

سانحۂ ارتحال

ایک مرتبہ کبھی ازواج مطہرات ؓ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھیں۔ انھوں نے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول! آخرت میں ہم میں سے سب سے پہلے کون سی زوجہ آپ سے ملے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: أطولكن يدا "جس کا ہاتھ سب سے زیادہ لمبا ہوگا۔" انھوں نے اس ارشادگرامی سے یہ سمجھا کہ ہاتھ کی ظاہری لمبائی مراد ہے، چنانچہ ازواج مطہرات نے اپنے اپنے ہاتھ ناپے تو سب سے زیادہ دراز ہاتھ سیدہ سودہ ؓ کا نکلا۔[3]

جب ازواج مطہرات میں سب سے پہلے سیدہ زینب ؓ کا انتقال ہوا تو اس وقت امہات المومنین کو معلوم ہوا کہ ہاتھ کی لمبائی سے مراد ان کی سخاوت اور فیاضی تھی۔

واقدی ؒ نے سیدہ سودہ ؓ کا سال وفات 54ھ بتایا ہے۔

امام ابن سعد ؒ نے بھی یہی کہا ہے کہ سیدہ سودہ ؓ مدینہ منورہ میں شوال 54ھ میں سیدنا معاویہ بن ابی سفیان ؓ کے دور خلافت میں فوت ہوئیں۔[4]

لیکن صحیح روایت کے مطابق ٹھیک بات یہ ہے کہ سیدہ سودہ ؓ سیدنا عمر ؓ کے زمانۂ خلافت کے آخر میں فوت ہوئیں۔ سیدنا عمر ؓ کی شہادت 23ھ میں ہوئی تھی۔[5]

امام بخاری ؒ نے "تاریخ" میں صحیح سند سے روایت کی ہے کہ سیدہ سودہ ؓ کی وفات سیدنا عمر ؓ کے دور خلافت کے آخر میں ہوئی۔[6] امام ذہبی، ابن سید الناس، جزری اور ابن عبدالبر ؒ نے بھی اس روایت کو راجح قرار دیا ہے۔[7]

1 الطبقات لابن سعد: 56/8. 2 الإصابة: 107/8. 3 الطبقات لابن سعد: 55،54/8، صحیح البخاری: 1420، صحیح مسلم: 2452. 4 الطبقات لابن سعد: 55/8. 5 سبل الھدیٰ والرشاد: 200/11. 6 التاریخ الصغیر للبخاری: 74/1. 7 الاستیعاب، ص: 897، اسد الغابۃ: 319/5، تاریخ الاسلام للذہبی: 289/3، فتح الباری: 362/3.

ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب

آپ کا نام حفصہ اور والد کا نام عمر بن خطاب تھا۔ والد محترم کی طرف سے آپ رضی اللہ عنہا کا سلسلۂ نسب یہ ہے: حفصہ بنت عمر بن خطاب بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن ریاح بن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوی بن فہر بن مالک۔ اسی طرح والدہ کی طرف سے سلسلۂ نسب یہ ہے: حفصہ بنت زینب بنت مظعون بن حبیب بن وہب بن حذافہ بن جمح۔

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے قبیلے بنو عدی کے پاس سفارت کا منصب تھا۔ قریش کو کسی قبیلے سے کوئی سیاسی معاملہ کرنا ہوتا تو بنو عدی کے لوگ ہی سفیر بن کر اس قبیلے کے پاس جاتے تھے۔ مناظروں اور مباحثوں کا فیصلہ کرنا بھی اسی قبیلے کے سپرد تھا۔

ولادت باسعادت

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا بعثت نبوی سے پانچ سال پہلے پیدا ہوئیں۔ اس وقت قریش بیت اللہ کی تعمیر میں مصروف تھے۔[1] اس حساب سے آپ رضی اللہ عنہا عمر میں رسول اللہ ﷺ سے پینتیس سال چھوٹی تھیں۔

گہوارۂ علم میں پرورش

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی نشوونما علم ومعرفت کی محبت پر ہوئی۔ آپ رضی اللہ عنہا ادب کے چشموں سے بھی خوب سیراب ہوئیں حتی کہ قریشی خواتین میں فصیح اللسان شمار ہونے لگیں۔ لکھنے پڑھنے کی تربیت شفاء بنت عبداللہ عدویہ سے حاصل کی۔[2]

قبول اسلام

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے عہد نبوت کے ابتدائی حصے میں اپنے والد گرامی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہی اسلام قبول

1 الطبقات لابن سعد: 81/8 2 الطبقات لابن سعد: 84/8

گیا۔ اس وقت ان کی عمر دس برس تھی۔ [1]

پہلا نکاح

ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح سیدنا خنیس بن حذافہ بن قیس سہمی رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ یہ سابقون اولون میں سے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دار ارقم منتقل ہونے سے پہلے ہی سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دعوت پر مسلمان ہو چکے تھے۔

بعض کہتے ہیں: سیدنا خنیس رضی اللہ عنہ کی شادی ہجرت حبشہ سے پہلے ہوئی تھی لیکن اکثر مؤرخین کے نزدیک ان کی شادی ہجرت حبشہ سے واپسی پر نبوت کے ساتویں یا آٹھویں سال ہوئی۔ اس وقت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی عمر بارہ یا تیرہ سال تھی۔

ہجرت

قریش مکہ کو جب بنو سہم کے اس جواں سال خنیس رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کا علم ہوا تو بڑے سیخ پا ہوئے۔ ان پر بڑا ظلم و ستم ڈھایا گیا۔ وہ شدید مصائب و مشکلات سے دوچار ہوئے۔ دوسرے مظلوم مسلمانوں کے ساتھ سیدنا خنیس رضی اللہ عنہ بھی اس قافلے میں شریک تھے جنہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ حبشہ میں ان کا دل نہ لگا۔ ہر وقت بیت اللہ کی زیارت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت دل میں طوفان برپا رکھتی، مکے کی گلیاں یاد آتیں۔ آخر کار حبشہ کو خیر باد کہہ کر مکہ واپس آ گئے اور سارے ظلم و ستم خندہ پیشانی سے برداشت کیے۔ کچھ عرصے کے بعد دربار رسالت سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا حکم مل گیا۔ اس وقت ان کی ہمدرد اور غمگسار بیوی سیدہ حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا بھی ان کے ساتھ تھیں۔

دونوں میاں بیوی نے مل کر اللہ کی راہ میں ہجرت کی سعادت حاصل کی اور مدینہ منورہ پہنچے۔ یہاں رفاعہ بن عبدالمنذر نے ان کا استقبال کیا اور نہایت عزت و احترام سے اپنے گھر ٹھہرایا۔ مدینہ پہنچ کر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار میں باہمی بھائی چارے کا نظام قائم فرمایا تو سیدنا خنیس بن حذافہ اور ابوعبس بن جبر انصاری کے درمیان مواخات کا رشتہ قائم ہوا۔ [2] اس طرح سیدنا خنیس رضی اللہ عنہ کو دو ہجرتوں کی سعادت حاصل ہوئی۔ پہلے حبشہ کی طرف اور پھر مدینہ کی طرف۔ [3]

سیدہ حفصہ اور سیدنا خنیس رضی اللہ عنہما دونوں میاں بیوی راضی خوشی مدینہ میں زندگی بسر کرنے لگے۔ مدینہ منورہ میں جبرائیل علیہ السلام جو قرآنی آیات لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتے تھے، سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا انہیں زبانی یاد کر لیتی

[1] الطبقات لابن سعد: 81/8. [2] الطبقات الکبریٰ لابن سعد: 393،392/3. [3] اسد الغابۃ: 130/2

تھیں۔ وہ ان آیات کے معانی و مقاصد پر خوب غور و فکر کرتیں جبکہ سیدنا خنیس ؓ کا شوق میدان جہاد میں باطل کے خلاف برسر پیکار رہنا تھا۔ وہ مشرکین کی حرکات پر کڑی نگاہ رکھتے اور ان سے نبرد آزما ہونے کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے۔

غزوۂ بدر اور سیدنا خنیس ؓ کی شہادت

17 رمضان المبارک 2 ھ میں مسلمانوں اور کافروں کے درمیان غزوۂ بدر کا معرکہ ہوا۔ اس میں سیدہ حفصہ ؓ کے خاوند سیدنا خنیس بن حذافہ سہمی ؓ بھی شریک تھے۔ مبارزت کے بعد جب میدان کارزار گرم ہوا تو سیدنا خنیس ؓ دشمن کی صفیں چیرتے ہوئے آگے بڑھے۔ لڑائی میں ان کے جسم پر بڑے گہرے زخم آئے۔ لڑائی ختم ہوئی۔ لشکر اسلام کو اللہ تعالیٰ نے کامیابی عطا فرمائی۔ ابوجہل، عتبہ، شیبہ اور امیہ بن خلف جیسے سرداران قریش واصل جہنم ہوئے اور ان کے لاشے قلیب بدر میں پھینک دیے گئے۔

رسول اکرم ﷺ اپنے جاں نثار صحابۂ کرام ؓ کے ساتھ تین دن تک میدان بدر میں قیام فرما رہے۔ زخمیوں کی مرہم پٹی کی گئی۔ سیدنا خنیس ؓ کو گہرے زخم لگے تھے۔ تین دن کے بعد مجاہدین کا قافلہ رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں فتح و نصرت کا جھنڈا لہراتا ہوا مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوا۔ زخمی بھی ساتھ تھے۔ سیدہ حفصہ ؓ نے اپنے خاوند کو زخمی حالت میں دیکھا تو ان کی بہادری اور جوانمردی کی دل کھول کر تعریف کی اور نہایت توجہ سے اُن کے زخموں کا علاج کرنے میں مصروف ہو گئیں لیکن زخم مندمل نہ ہوئے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو یہی منظور تھا کہ انھیں شہادت کا رتبہ حاصل ہو۔ وہ مدینہ پہنچنے کے چند دن بعد زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے شہید ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں سیدہ حفصہ ؓ کے ماموں سیدنا عثمان بن مظعون ؓ کے پہلو میں بقیع الغرقد میں دفن کرایا۔[1]

1 الطبقات لابن سعد 3/393 ; 8/217.

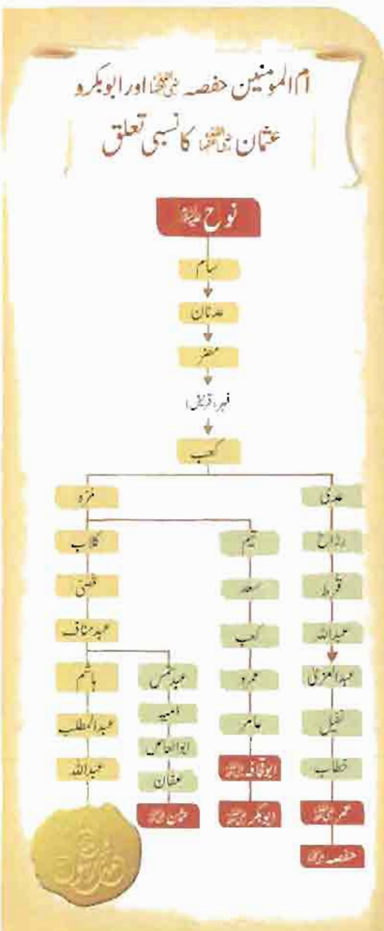
مقام بدر جہاں کنواں (قلیب) تھا



ابن حجر اور ابن الاثیر رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ ان کی شہادت غزوۂ احد میں لگنے والے زخموں سے ہوئی تھی۔ [1]

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے لیے یہ بڑا صدمہ تھا لیکن اللہ تعالیٰ کی رضا کو پیش نظر رکھتے ہوئے انھوں نے کمال صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا اور ہمہ تن اللہ کی عبادت میں مصروف ہو گئیں۔ قرآن کریم کی تلاوت اور کثرت صیام کو اپنا معمول بنا لیا۔

کاشانۂ نبوت میں آمد



عدت کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کی فکر ہوئی۔ اس وقت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ سیدہ رقیہ بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم انتقال کر چکی تھیں، اس لیے وہ سب سے پہلے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے ملے اور ان سے نکاح کے بارے میں گفتگو کی مگر وہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے شدید صدمے سے دوچار تھے۔ انھوں نے کہا کہ میں ابھی نکاح نہیں کرنا چاہتا۔ پھر وہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو اپنے حبالۂ عقد میں لینے کی خواہش کا اظہار کیا۔ وہ بالکل خاموش رہے، ہاں یا نہ، کوئی جواب ہی نہ دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو ان کی بے توجہی پر شدید کوفت ہوئی۔ انھیں ہرگز توقع نہ تھی کہ ان کی اس پیشکش کو یوں سرد مہری سے نظر انداز کر دیا جائے گا، اس لیے یہ شکایت لے کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ساری صورت حال سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری داستان سننے کے بعد مسکراتے ہوئے فرمایا: ''عمر! گھبراؤ نہیں، غم نہ کرو۔ حفصہ رضی اللہ عنہا سے وہ شادی کرے گا جو ابوبکر و عثمان رضی اللہ عنہما سے افضل ہے اور عثمان رضی اللہ عنہ کی شادی اس سے ہو گی جو حفصہ رضی اللہ عنہا سے بہتر ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے یہ الفاظ سن کر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ خوش بھی ہوئے اور حیران بھی۔ خوشی اور حیرانی کے ملے جلے جذبات کے زیر اثر وہ سوچنے لگے کہ یہ کیسے ہو گا؟ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے

---

1 الإصابة: 291/2، [illegible] 188/2

شعبان 3 ھ میں خود شادی کر لی اور عثمان رضی اللہ عنہ سے اپنی دوسری بیٹی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح کر دیا۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی سیدہ حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا سے شادی کا مکمل واقعہ سیرت انسائیکلو پیڈیا: 6/123،122 پر ملاحظہ کریں۔

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی باہمی رقابت

کبھی کبھی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے مابین رقابت بھی ابھر آتی تھی۔ ایک مرتبہ سیدہ عائشہ اور حفصہ رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک سفر تھیں۔ رات کو رسول اللہ ﷺ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ کے ساتھ چلتے اور ان سے محو گفتگو رہتے۔ ایک مرتبہ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا: آئیے! آج ہم اپنی سواریاں بدل لیں۔ آپ میرے اونٹ پر اور میں آپ کے اونٹ پر سوار ہو جاؤں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بات بخوشی قبول کر لی۔ نبی اکرم ﷺ سیدہ عائشہ کے اونٹ کے پاس آئے اور سلام کہا۔ معلوم ہوا کہ اس پر سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سوار ہیں تو آپ نے انھیں سلام کہا اور ان کے ساتھ ہی چل پڑے۔ جب منزل پر پہنچے تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے مقدس محبوب ﷺ کی جدائی کے صدمے کی وجہ سے اپنا پاؤں گھاس میں رکھ دیا اور کہا: اے اللہ! کسی بچھو یا سانپ کو متعین کر دے جو مجھے ڈس لے۔ میرے گرامی محبوب تشریف فرما ہیں لیکن میں ان سے باتیں نہیں کر سکتی۔[1]

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا پیکر شرم و حیا تھیں



مسجد سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا، البیضاء (لیبیا)

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا بہت حیا دار اور شرمیلی خاتون تھیں۔ ایک مرتبہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ میں آپ سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں۔ اس کی وجہ سے میں بڑا پریشان ہوں، آپ مجھے اس پریشانی سے نجات دلائیے۔ اس کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ عورت اپنے خاوند کے بغیر کتنا عرصہ گزار سکتی ہے؟ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے سر جھکا لیا اور شرما گئیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

1 صحیح البخاری 5211

انھوں نے کہا: اس مسئلے میں مت شرماؤ۔

"بے شک اللہ تعالیٰ حق بات کہنے سے نہیں شرماتا۔"

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے ہاتھ کی انگلیوں سے اشارہ کیا کہ تین یا چار مہینے۔

یہ جواب پا کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عمال کی طرف پیغام بھیجا کہ کوئی فوجی چار مہینوں سے زیادہ دیر تک اپنی بیوی سے دور نہ رہے۔[1]

قرآن مجید کی حفاظت و تدوین میں سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کا کردار

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا ام المومنین کے رفیع الشان مرتبے پر فائز ہونے کے بعد علم دین حاصل کرنے کی طرف راغب ہو گئیں۔ قرآن کی جو آیات نازل ہوتیں، انھیں یاد کر زبانی یاد کر لیتیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے جو الفاظ نکلتے، انھیں پوری توجہ سے سنتیں اور محفوظ کر لیتی تھیں۔ امت مسلمہ پر سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کا بہت بڑا احسان ہے کہ موصوفہ نے قرآن کی جمع و تدوین کے لیے اپنا کردار بڑی توجہ اور ذمہ داری سے ادا کیا۔ جنگ یمامہ میں جب بہت زیادہ حفاظ کرام شہید ہو گئے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ قرآن کو جمع کیا جانا چاہیے۔ کہیں حفاظ کرام کے ختم ہونے کی وجہ سے قرآن مجید کو محفوظ کرنا مشکل نہ ہو جائے۔ انھوں نے اس خدشے کا اظہار خلیفہ اول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کیا۔ انھوں نے پہلے تو قرآن کو جمع کرنے کے لیے رضا مندی ظاہر نہیں کی اور فرمایا کہ جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انجام نہیں دیا، وہ میں کیسے کروں لیکن جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جنگ یمامہ میں حفاظ کرام کی شہادت کا حوالہ دیا اور اپنے دلائل پیش کیے تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ قرآن مجید کو یکجا کرنے کے لیے محفوظ کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ انھوں نے سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ تم جوان ہو، عقل مند ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی رہ چکے ہو، لہٰذا قرآن مجید کے متفرق اوراق تلاش کر کے انھیں جمع کر دو۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے بڑی محنت شاقہ کے بعد چمڑے کے ٹکڑوں، تختیوں اور پتھروں پر لکھی ہوئی متفرق آیات کو جمع کر دیا۔ یہ صحیفہ امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس رہا، پھر ان کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس یہ امانت رہی اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس عظیم امانت کی حفاظت کے لیے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کا انتخاب فرمایا اور انھیں یہ نسخہ سونپ دیا یہاں تک کہ جب دور عثمانی میں مختلف قراءتوں پر اختلاف ہوا تو انھوں نے یہی نسخہ طلب کیا، اس کی مختلف نقول تیار کرا کے مختلف شہروں میں بھیج دیں اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو ان کا نسخہ واپس کر دیا۔[2] ام المومنین رضی اللہ عنہا نے وصیت فرمائی کہ میرے بعد یہ نسخہ میرے

[1] المصنف لعبد الرزاق: 12593 [2] صحیح البخاری: 4986، 4987

بھائی عبداللہ رضی اللہ عنہ کی تحویل میں دے دیا جائے۔[1]

بعض اہل سیر نے یہ بھی لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن حکیم کے کتابت شدہ تمام اجزاء جمع کر کے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس رکھوا دیے تھے۔ یہ اجزاء زندگی بھر ان کے پاس رہے۔

سانحۂ ارتحال

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے شعبان المعظم 45 ھ میں 60 سال کی عمر میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ یہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا۔ اس وقت مدینہ کا گورنر مروان تھا۔ اس نے نماز جنازہ پڑھائی اور کچھ فاصلے تک جنازے کو کندھا دیا۔ اس کے بعد سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بقیع الغرقد تک لے گئے۔ ان کے علاوہ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے بھی کندھا دیا۔

آپ رضی اللہ عنہا کے دونوں بھائی سیدنا عبداللہ بن عمر اور سیدنا عاصم بن عمر رضی اللہ عنہم قبر میں اترے۔ انھوں نے اپنے ہاتھوں سے جسد مبارک کو لحد میں اتارا۔ اس موقع پر سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹے سالم، عبداللہ اور حمزہ بھی موجود تھے۔[2]

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے سن وفات کے بارے میں ایک قول یہ بھی ہے کہ انھوں نے جمادی الاولیٰ 41 ھ میں وفات پائی۔ ایک روایت کے مطابق انھوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں 27 ھ میں وفات پائی لیکن یہ غلط ہے۔ اس روایت کا دارومدار ابن وہب کی اس روایت پر ہے جو انھوں نے مالک سے روایت کی ہے کہ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے فتح افریقہ والے سال وفات پائی، حالانکہ اس سے مراد دوسری مرتبہ کی فتح ہے جو معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ کے زیر قیادت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور حکومت 45 ھ میں ہوئی جبکہ پہلی مرتبہ افریقہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت 27 ھ میں فتح ہوا تھا۔[3]

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے وفات کے وقت سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو یہ وصیت فرمائی تھی کہ "غابہ" والی جائیداد جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان کی نگرانی میں دے گئے تھے، اسے صدقہ کر کے وقف کر دیا جائے۔[4]

1 أسد الغابة 250/5. 2 الطبقات لابن سعد 86/8. 3 الإصابة 87/8. 4 الإصابة 86/8، الاستيعاب 270/5.

ام المومنین سیدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب

آپ کا نام زینب اور کنیت ام المساکین تھی۔ والد کا نام خزیمہ تھا۔ آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے: زینب بنت خزیمہ بن حارث بن عبداللہ بن عمرو بن عبدمناف بن ہلال بن عامر بن صعصعہ الہلالیہ۔

سیدہ زینب فقراء ومساکین کو کھانا کھلایا کرتی تھیں اور کثرت سے صدقہ کیا کرتی تھیں، اس لیے ''ام المساکین'' کی کنیت سے مشہور ہوگئیں۔ وہ زمانہ جاہلیت میں بھی اسی لقب سے مشہور تھیں۔

سیدہ زینب ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی اخیافی بہن تھیں جو 7ھ میں عمرۃ القضاء کے موقع پر حرم نبوی میں داخل ہوئیں۔

پیدائش

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بعثت نبوی سے تیرہ سال قبل مکہ میں پیدا ہوئیں۔ ان کا پہلا نکاح طفیل بن حارث سے ہوا اور اس کے بعد سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ سے نکاح ہوا۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ ان کی شادی سیدنا عبیدہ رضی اللہ عنہ سے بھی ہوئی تھی اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے ان کے ساتھ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تھی اور وہ غزوۂ بدر میں شہید ہوئے تھے۔

حریم نبوی میں آمد

جب سیدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کی عدت گزر گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں شادی کا پیغام بھیجا۔ انھوں نے اپنے معاملے کا اختیار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو دے دیا، چنانچہ اسی سال 3ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بارہ اوقیہ مہر کے عوض شادی کر لی جو پانچ سو درہم کے برابر تھا۔ بعض نے حق مہر چار سو درہم بھی بتایا ہے۔

بعض مورخین کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے اکتیس ماہ بعد غزوۂ احد سے ایک مہینہ پہلے 3ھ میں ان سے نکاح فرمایا تھا۔ لیکن یہ غلط ہے، کیونکہ سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے

شادی کی تھی اور ان کی شہادت غزوہ احد میں ہوئی تھی۔

اس کی شادی سیدہ زینب سے شادی کے بعد ہوئی تھی۔ اس شادی کی تفصیل ... 115 ,15/8/7
میں مذکور ہے، چند ... ملاحظہ فرمائیں۔

سیدہ زینب

سیدہ زینب بنت خزیمہ کی آپ ﷺ کے ساتھ مدت قیام کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض روایات میں صرف دو ماہ، بعض میں تین ماہ اور بعض میں آٹھ ماہ تک کا عرصہ بیان ہوا ہے۔ تاہم سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ربیع الثانی کی آخری تاریخوں میں ہجرت کے 35 ماہ بعد ان کی وفات ہوئی۔

نبی کریم ﷺ کی ازواج میں سیدہ خدیجہ کے بعد صرف یہی ایک زوجہ محترمہ تھیں جنہوں نے وفات پائی۔ سیدہ خدیجہ کی رحلت کے وقت نماز جنازہ کا حکم نہیں آیا تھا۔ یہ ان کی خوش نصیبی تھی کہ سیدہ زینب کی نماز جنازہ رسول اللہ ﷺ نے پڑھائی، ان کی مغفرت کے لیے دعا فرمائی اور انہیں بقیع الغرقد میں دفن کیا گیا۔ وفات کے وقت ان کی عمر تیس سال تھی۔

ازواج مطہرات میں سے یہ پہلی بیوی ہیں جو بقیع الغرقد میں دفن ہوئیں۔

[illegible] طبقات ابن سعد 115/8، 116، [illegible] 115/8



قبرستان بقیع اور مسجد نبوی کا ایک منظر

ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا

نام و نسب

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اپنی کنیت ہی سے معروف ہیں۔ ان کے اصل نام کے بارے میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کا نام ''رملہ'' تھا۔ علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ان کا نام ''ہند'' اور کنیت ام سلمہ تھی۔

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا سلسلۂ نسب یہ ہے: ہند بنت ابی امیہ سہیل بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم۔ ام سلمہ کی والدہ ماجدہ کا نام عاتکہ تھا اور وہ قبیلہ بنو فراس سے تھیں۔[1]

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح

ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے چچا زاد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی سیدنا ابو سلمہ رضی اللہ عنہ سے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح ہوا۔

ہجرت حبشہ

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اپنے خاوند ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ آغاز نبوت ہی میں مسلمان ہوگئیں۔ قبول اسلام کے بعد سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا خاندان ان سے شدید ناراض ہوا۔ ولید بن مغیرہ اور دیگر دشمنان اسلام نے ان پر مکہ میں عرصۂ حیات تنگ کر دیا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حبشہ ہجرت کرنے والے پہلے سولہ افراد میں یہ میاں بیوی بھی شامل ہوگئے۔ کچھ عرصے کے بعد مکہ واپس آئے تو ابو طالب نے جو سیدنا ابو سلمہ کے ماموں تھے، انھیں پناہ دی۔ اس کے بعد میاں بیوی نے دوبارہ حبشہ ہجرت کی۔

ہجرت مدینہ

حبشہ کی جانب دو دفعہ ہجرت کرنے کے بعد اس گھرانے نے مدینہ کی طرف بھی ہجرت کی۔ اہل سیر کہتے ہیں

[1] الطبقات لابن سعد: 86/8، الإصابة: 404/8، الاستيعاب، ص: 931.

کہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا پہلی خاتون ہیں جو ہجرت کر کے مدینہ آئیں۔ جبکہ ایک روایت کے مطابق سیدنا عامر بن ربیعہ کی زوجہ لیلیٰ بنت ابی حثمہ اپنے خاوند کے ساتھ مدینہ ہجرت کرنے والی پہلی خاتون تھیں۔[1]

اسی طرح ایک روایت کے مطابق سیدنا ابوسلمہ مدینہ ہجرت کرنے والے پہلے مہاجر تھے جبکہ دوسری روایت کے مطابق سیدنا مصعب بن عمیر مدینہ میں سب سے پہلے داخل ہوئے۔ اس کی تفصیل سیرت انسائیکلوپیڈیا: 232/4 میں گزر چکی ہے۔

ازواج النبی ﷺ کا باہمی رشک

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ازواج النبی ﷺ میں باہمی مفاہمت اور مزاج کی ہم آہنگی کی مناسبت سے دو گروپ نظر آتے تھے۔ ایک گروپ میں سیدہ عائشہ، سیدہ حفصہ، سیدہ صفیہ اور سیدہ سودہ رضی اللہ عنہن شامل تھیں اور دوسرے میں سیدہ ام سلمہ اور باقی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن شامل تھیں۔ چونکہ نبی اکرم ﷺ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بہت محبت کرتے تھے، اس لیے لوگ ان کی باری کے موقع پر ہدیے بھیجا کرتے تھے۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گروہ والی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے کہا: اے ام سلمہ! آپ نبی اکرم ﷺ سے کہیں کہ آپ جس اہلیہ کے ہاں تشریف فرما ہوں، لوگوں کو وہیں ہدیہ بھیجنا چاہیے۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کی خدمت میں دو مرتبہ یہ شکایت پیش کی۔ آپ نے دونوں مرتبہ سکوت فرمایا اور تیسری مرتبہ فرمایا:

[illegible]

"اے ام سلمہ! عائشہ کے معاملے میں مجھے اذیت نہ پہنچاؤ کیونکہ ان کے سوا تم میں سے کوئی بیوی ایسی نہیں جس کے لحاف میں میرے پاس وحی آتی ہو۔"

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فوراً عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں آپ کو اذیت پہنچانے سے اللہ کی پناہ طلب کرتی ہوں۔[2]

نبی اکرم ﷺ کی خدمت کا جذبہ

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ کے آرام و راحت کا بہت خیال رکھتی تھیں۔ سیدنا سفینہ رضی اللہ عنہ جو نبی اکرم ﷺ کے مشہور غلام تھے، وہ دراصل سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا ہی کے غلام تھے۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے جب انھیں آزاد کرنے کا ارادہ

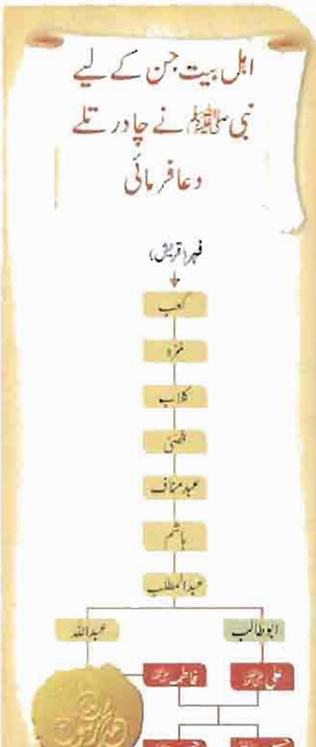
1 شرح الزرقاني على المواهب: 396/4، 2 صحيح البخاري، 2581 و 3775.

فرمایا تو یہ شرط عائد کی کہ جب تک تو زندہ ہے، تجھے نبی پاک ﷺ کی خدمت کرنی ہوگی۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا یہ شرط نہ بھی لگاتیں تب بھی میں زندگی بھر آپ ﷺ کی خدمت کرنا اپنے لیے سب سے بڑا شرف سمجھتا۔[1]

آیت تطہیر کا مقام نزول

سیدنا عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر آیت تطہیر سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر نازل ہوئی۔ وہ آیت مبارکہ یہ ہے:

﴿ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ﴾



”اے (پیغمبر کے) اہلِ بیت! اللہ چاہتا ہے کہ تم سے گندگی دور کردے اور تمھیں بالکل پاک صاف کردے۔“[2]

اس کے بعد آپ ﷺ نے فاطمہ، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کو بلایا اور اپنی چادر کے سائے میں بٹھایا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی آپ ﷺ کے پیچھے کھڑے تھے۔ ان پر بھی چادر ڈال دی اور دعا فرمائی:

«اللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ أَهْلُ بَيْتِي، فَأَذْهِبْ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِيرًا»

”اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں، ان سے گناہ کی نجاست دور کردے اور انھیں خوب پاک کردے۔“

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں بھی ان کے ساتھ ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «أَنْتِ عَلٰى مَكَانِكِ، وَأَنْتِ عَلٰى خَيْرٍ» ”تم اپنے مقام پر رہو، تم خیر پر ہو۔“[3]

یاد رہے! اصل میں درج بالا آیت ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ہی کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور انھیں تطہیر کی خوشخبری دی گئی ہے۔[4]

کچھ لوگوں نے اس آیت سے عمداً یہ غلط فہمی پھیلائی کہ بیویاں اہلِ بیت میں داخل نہیں ہیں، حالانکہ یہ آیت مبارکہ نازل ہی بیویوں کے بارے میں ہوئی ہے۔ یہ بات اس آیت کے سیاق وسباق سے صاف واضح ہو رہی ہے، چنانچہ مفسر قرآن مولانا عبدہ الفلاح لکھتے ہیں: قرآن مجید میں اہل بیت کا لفظ صرف بیوی ہی کے لیے استعمال

[1] سنن أبي داود: 3932. [2] الأحزاب 33:33. [3] جامع الترمذي: 3205. [4] تفسير القرطبي، الأحزاب 33:33.

ہوا ہے۔[1]

امام طبرانی نے روایت کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

[illegible]

''تو اور تیری بیٹی اہل بیت میں سے ہے۔''[2]

مثالی عادات و اخلاق

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ فرمایا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے ہر مہینے تین روزے رکھنے کا حکم دیا تھا، یعنی سوموار، جمعرات اور جمعہ کے دن۔[3]

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا ہمیشہ ثواب کی متلاشی رہتی تھیں۔ انھوں نے ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول! ابوسلمہ سے میرے جو بچے ہیں، میں ان پر خرچ کرتی ہوں، ان کی اچھے طریقے سے پرورش کرتی ہوں، میں انھیں چھوڑ بھی نہیں سکتی، آخر وہ میرے بچے ہیں۔ کیا ان کی پرورش پر مجھے اجر ملے گا؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

[illegible]

''ہاں! جو کچھ تم ان پر خرچ کروگی، تمھیں اس کا اجر ملے گا۔''[4]

ایک مرتبہ چند فقرا، جن میں کچھ عورتیں بھی تھیں، سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر آئے اور نہایت عاجزی سے سوال کیا۔ اس موقع پر ایک خاتون ام حسین بھی وہاں موجود تھیں۔ انھوں نے فقراء کو ڈانٹ دیا۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: مجھے ان سے روگردانی کا حکم نہیں ہے، پھر خادمہ سے فرمایا: انھیں کچھ دے کر رخصت کرو۔ اگر اور کچھ نہیں ہے تو ایک ایک چھوارا ہی دے دو۔[5]

غزوات میں رسول اللہ ﷺ کی رفاقت

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بڑی بہادر، سمجھدار اور صاحب بصیرت خاتون تھیں۔ چند ایک غزوات میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک ہوئیں۔ ان میں غزوۂ مریسیع، غزوۂ خیبر، فتح مکہ، طائف اور حنین وغیرہ شامل ہیں۔

ہر چند غزوۂ خندق میں خود شریک نہ تھیں تاہم رسول اللہ ﷺ سے اس قدر قریب تھیں کہ آپ ﷺ کی ساری

1 اشرف الحواشی، ہود 11:73۔ 2 المعجم الکبیر للطبرانی 282/24، حدیث: 713۔ 3 مسند احمد: 289/6، یہ روایت ضعیف ہے۔ 4 صحیح البخاری: 5369۔ 5 الاستیعاب، ص: 931۔

گفتگو اچھی طرح سن لیتی تھیں۔ فرماتی ہیں: مجھے وہ وقت خوب یاد ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کا سینہ مبارک غبار سے اٹا ہوا تھا اور آپ ﷺ لوگوں کو اینٹیں اٹھا اٹھا کر دیتے جاتے تھے اور یہ اشعار پڑھتے جاتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اِنَّ الْخَيْرَ خَيْرُ الْاٰخِرَةِ   فَاغْفِرِ الْاَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةَ

''اے اللہ! بھلائی تو صرف آخرت کی بھلائی ہے۔ تو انصار اور مہاجرین کو معاف فرما۔''[1]

سیدہ ام سلمہ ؓ کی دانشمندی

6ھ میں صلح حدیبیہ کے موقع پر سیدہ ام سلمہ ؓ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ شریک سفر تھیں۔ جب صلح طے پائی تو رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام ؓ کو حکم دیا کہ جو جانور اپنے ساتھ لائے ہو، انھیں یہیں ذبح کر دو اور سر منڈا کر احرام کھول دو۔ لیکن صلح میں مضمر فتح کے اشاروں سے بے خبری کی بنا پر سب دل برداشتہ تھے، اس لیے حکم کی تعمیل کے لیے فوری طور پر کوئی نہ اٹھا۔ آپ ﷺ یہ صورت حال دیکھ کر پریشانی کی حالت میں ام المومنین سیدہ ام سلمہ ؓ کے پاس تشریف لائے اور ان سے اس معاملے میں مشورہ طلب کیا، انھوں نے عرض کیا: آپ کسی سے کچھ نہ کہیں بلکہ باہر تشریف لے جائیں، خود جانور ذبح کریں اور سر منڈا لیں، پھر دیکھیں اس کا کیا اثر ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے ایسا ہی کیا۔ قربانی کا جانور ذبح کیا اور حجامت بنوائی۔ یہ دیکھ کر تمام صحابۂ کرام ؓ جلدی جلدی قربانیاں کرنے اور اپنے سر منڈانے لگے۔[2]

7ھ میں مرحب کے دانتوں پر تلوار پڑی تو انھوں نے تلوار کی ضرب سے پیدا ہونے والی کڑکڑاہٹ کی آواز سنی تھی۔[3]

[1] مسند أحمد: 289/6. [2] صحيح البخاري: 2731، 2732. [3] الاستيعاب، ص: 931

حدیبیہ کا جدید منظر



سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بہت حیادار اور غیور خاتون تھیں۔ جب 9 ھ میں واقعۂ ایلاء پیش آیا تو اس موقع پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو تنبیہ کی اور اس کے بعد سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بھی گئے اور ان سے گفتگو کی۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا:

عجبًا لك يا ابن الخطاب! دخلت في كل شيء حتى تبتغي أن تدخل بين رسول الله ﷺ وأزواجه.

''عمر! عجیب بات ہے، تم ہر معاملے میں دخل دینے لگے ہو یہاں تک کہ اب رسول اللہ ﷺ اور ان کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے معاملات میں بھی دخل دینا چاہتے ہو۔''[1]

10 ھ میں حجۃ الوداع کے موقع پر ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیمار تھیں۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کی شکایت کی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: ''جب فجر کی نماز کی اقامت ہو جائے تو تم اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر طواف کر لینا۔'' چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔[2] یوں آپ رضی اللہ عنہا کے ذریعے سے امت کے بیمار اور کمزور افراد کو یہ سہولت تاقیامت نصیب ہوئی۔

نبہان ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ان سے مروی ہے کہ میں سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا خچر لے کر چل رہا تھا۔ انھوں نے مجھ سے پوچھا: نبہان! تیری کتنی مکاتبت باقی ہے؟ میں نے کہا: 1000 درہم۔ انھوں نے کہا: کیا تمھارے پاس اس قدر مال ہے جسے تم ادا کر سکو؟ میں نے کہا: ہاں! انھوں نے کہا: اسے میرے فلاں فلاں بھائی یا فلاں فلاں بھتیجے کو دے دو، پھر انھوں نے مجھ سے پردہ کر لیا اور کہا: نبہان! تم پر سلامتی ہو۔ یہ آخری لمحہ ہے جس میں تم نے مجھے دیکھا۔ یقیناً رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کسی ایک کا غلام مکاتب ہو جائے اور اس کے پاس اس قدر مال ہو جسے وہ ادا کر سکتا ہو تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس سے پردہ کرے۔''[3]

سانحۂ ارتحال

ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے سن وفات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے تاریخ کبیر میں سن وفات 58 ھ بیان کیا ہے۔[4] ابن حبان رحمہ اللہ کہتے ہیں: ان کا انتقال 61 ھ میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر پہنچنے کے بعد ہوا۔ ابو نعیم کہتے ہیں: 62 ھ میں انتقال ہوا۔[5]

1 صحیح البخاری: 4913. 2 صحیح البخاري: 1626 و 1633. 3 مسند الحمیدي: 307. 4 شرح الزرقاني على المواهب: 402/4. 5 الإصابة: 407/8

مولانا اسحاق بھٹی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ 63 ھ میں حرہ کا واقعہ پیش آیا۔ اسی سال سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے 84 سال کی عمر میں وفات پائی۔[1]

ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے لمبی عمر پائی اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے سب سے آخر میں وفات پائی۔ جب انھوں نے وفات پائی، اس وقت یزید بن معاویہ کا دور حکومت تھا۔[2]

اس زمانے میں ولید بن عتبہ (ابوسفیان کا پوتا) مدینے کا گورنر تھا اور روایت یہ تھی کہ اس زمانے میں گورنر ہی جنازہ پڑھایا کرتا تھا لیکن سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے وصیت کی کہ ان کی نماز جنازہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پڑھائیں۔ ولید نے بھی اس وصیت کا احترام کیا۔ وہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کی اطلاع سنتے ہی خود جنگل کی طرف چلا گیا اور نماز جنازہ کے لیے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو بھیج دیا۔[3]

مرویات کی تعداد

امہات المومنین رضی اللہ عنہن میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بعد سیدہ ام سلمہ ہی کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ ان سے کثیر روایات مروی ہیں۔ اس وجہ سے محدثین نے انھیں کثرت سے روایت بیان کرنے والے صحابہ رضی اللہ عنہم کے تیسرے طبقے میں شمار کیا ہے۔[4]

آپ رضی اللہ عنہا کو احادیث رسول ﷺ سننے کا بڑا شوق تھا۔ ایک دن بال گندھوا رہی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے۔ زبان مبارک سے الفاظ نکلے تو فوراً بال باندھ کر اٹھ کھڑی ہوئیں اور کھڑے کھڑے پورا خطبہ سنا۔[5] ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا مجتہد تھیں۔ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ان کے فتاویٰ جمع کیے جائیں تو ایک رسالہ تیار ہو سکتا ہے۔[6]

1 اسلام کی بیٹیاں، ص: 38. 2 الإصابة: 407/8. 3 الطبقات لابن سعد: 96/8؛ سیر الصحابیات، ص: 39؛ اسلام کی بیٹیاں، ص: 59. 4 الطبقات لابن سعد: 375/2. 5 صحیح مسلم: 2295. 6 إعلام الموقعین: 13/1.

ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا

خاندانی وجاہت، شرافت اور نجابت سے آراستہ سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو ام المومنین بننے کا شرف حاصل ہوا۔

نام و نسب

آپ کا نام زینب اور کنیت ام الحکم تھی۔ سیدہ زینب کے والد ماجد کا نام جحش تھا۔ قریش کے خاندان اسد بن خزیمہ سے ان کا تعلق تھا۔ والد کی طرف سے ان کا سلسلۂ نسب یہ ہے:

زینب بنت جحش بن رباب بن یعمر بن صبرہ بن مرہ بن کبیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ۔

ان کی والدہ کا نام امیمہ تھا جو سردار عبدالمطلب جد رسول ﷺ کی صاحبزادی تھیں۔ اس رشتے کی وجہ سے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی حقیقی پھوپھی زاد تھیں۔[1]

رسول اللہ ﷺ کو نبوت ملنے کے فوراً بعد جن لوگوں نے اسلام قبول کیا، ان میں سیدہ زینب کے بھائی سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ان کے اسلام لاتے ہی ان کا خاندان بھی حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ یوں سیدہ زینب قدیم الاسلام تھیں۔ کفار مکہ کی سختیوں کی وجہ سے نبی ﷺ نے اس خاندان کو پہلے حبشہ اور پھر مدینہ ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ یوں بنو جحش کا پورا عالی شان گھرانہ مہاجر بن گیا۔ ام المومنین زینب بنت جحش، عائشہ صدیقہ اور حفصہ رضی اللہ عنہن کے نکاح خالص اسلامی اغراض اور مصالح دینی پر مبنی تھے۔ زینب بنت جحش کے نکاح نے تبنیت (متبنیٰ بنانے) کے بت کو توڑا اور تثلیث کے درخت کو کھوکھلا کر دیا اور یہ اتنی بڑی اصلاح ہے کہ مشرکین و اہل کتاب کی درستی اس کے بغیر ممکن ہی نہ تھی۔

سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح

عرب معاشرے میں آزاد کردہ غلام کو کم تر سمجھا جاتا تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے اپنے غلام زید بن حارثہ کو آزاد کیا اور اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا تو ان کا پیغام نکاح سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو بھیجا۔

1 الطبقات الکبریٰ لابن سعد: 101/8.

اللہ تبارک و تعالیٰ کو اس نکاح سے رسول اللہ ﷺ کی امت کی اصلاح منظور تھی تاکہ صدیوں سے ذات پات اور طبقاتی امتیازات کی زنجیروں میں جکڑے انسانوں کو اسلامی مساوات میں ڈھالا جائے اور تقویٰ کے سوا کوئی اور معیار باقی نہ رہے۔ یوں غلام کو آزادی کے بعد اسلام نے برابر حقوق دیے ہیں۔ یہ صرف اس وقت ہی ممکن تھا جب رسول اللہ ﷺ اس طبقاتی اونچ نیچ کو از خود ختم کرتے، چنانچہ آپ ﷺ نے اپنے آزاد کردہ غلام زید رضی اللہ عنہ کے لیے اپنی پھوپھی زاد سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا رشتہ طلب کیا۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے یہ رشتہ قبول کر لیا اور زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ شادی کے بندھن میں بندھ گئیں لیکن ان کی ازدواجی زندگی پرسکون نہ گزری۔ آئے دن ان کے حالات تلخ سے تلخ تر ہوتے گئے۔ اور پھر اس کا انجام دونوں کی جدائی پر منتج ہوا اور سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے سیدہ زینب کو طلاق دے دی۔

ایک جاہلانہ رسم کا خاتمہ

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اپنا منہ بولا بیٹا بنا رکھا تھا۔ انھیں زید بن محمد کے نام سے ہی پکارا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ منہ بولے بیٹوں کو ان کے اصلی والدین کی طرف منسوب کیا جائے کیونکہ عدل و انصاف کا یہی تقاضا ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿ادْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ ۚ فَإِنْ لَمْ تَعْلَمُوا آبَاءَهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ وَمَوَالِيكُمْ ۚ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا أَخْطَأْتُمْ بِهِ وَلَٰكِنْ مَا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا﴾

”ان (لے پالکوں) کو ان کے (حقیقی) باپوں کی نسبت سے پکارو، اللہ کے نزدیک یہ بہت انصاف کی بات ہے، پھر اگر تمھیں ان کے باپوں کا علم نہ ہو تو وہ تمھارے دینی بھائی اور تمھارے دوست ہیں، اور جس معاملے میں تم بھول چوک جاؤ تو اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں اور لیکن تمھارے دل جس بات کا عزم کر لیں (تو وہ گناہ ہے)، اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔“[1]

رسول اللہ ﷺ نے اس حکم کی فوراً تعمیل کی۔ عرب میں رواج تھا کہ لے پالک بیٹے کی بیوہ یا مطلقہ کے ساتھ منہ بولے باپ کا نکاح حرام سمجھا جاتا تھا۔ اس رسم کو ختم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ ﷺ کو مطلع فرما دیا کہ زینب رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے نکاح میں آئیں گی۔ اللہ تعالیٰ اس رسم بد کو آپ ﷺ کے قول اور فعل کے ذریعے سے توڑنا چاہتا تھا لیکن جاہلوں اور منافقین کے پروپیگنڈے کی وجہ سے آپ ﷺ یہ بات ظاہر نہ کرتے تھے۔

[1] الأحزاب 5:33.

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ

''اور آپ اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا اور آپ لوگوں سے ڈرتے تھے، حالانکہ اللہ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ آپ اس سے ڈریں۔''[1]

عرشِ بریں پر نکاح

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی عدت پوری ہوگئی تو نبی اکرم ﷺ نے سیدنا زید رضی اللہ عنہ کو حکم دیا: ''تم زینب کے پاس جاؤ اور انھیں کہو کہ اللہ کے رسول (ﷺ) آپ کو یاد کر رہے ہیں۔''

سیدنا زید رضی اللہ عنہ ان کے پاس گئے۔ اس وقت سیدہ زینب گندھے ہوئے آٹے میں خمیر ڈال رہی تھیں۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس وقت مجھے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہ تھا۔ میں نے نظر تک نہیں ڈالی کیونکہ یہ بات مجھے بہت بری محسوس ہوئی۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ انھیں اللہ کے رسول ﷺ نے یاد فرمایا تھا۔ میں پیٹھ پھیر کر چل دیا اور چلتے چلتے کہا: زینب! تمھیں رسول اللہ ﷺ یاد فرما رہے ہیں۔ وہ بولیں: مَا أَنَا بِصَانِعَةٍ شَيْئًا حَتَّى أُوَامِرَ رَبِّي ''جب تک میں اپنے رب سے استخارہ نہ کرلوں، اس وقت تک کچھ نہیں کروں گی۔''

پھر وہ جائے نماز پر کھڑی ہوگئیں۔ اس وقت جبریل امین علیہ السلام یہ آیت لے کر نازل ہوئے: فَلَمَّا قَضَى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا ''جب زید نے اس سے اپنی غرض پوری کرلی (طلاق دے دی) تو ہم نے اسے آپ سے بیاہ دیا۔''[2]

چونکہ معاشرے کی طرف سے شدید خدشات اور آپ ﷺ کے دیگر تحفظات کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے یہ نکاح خود کر دیا تھا، اس لیے فوری طور پر اللہ کے حکم پر عمل کرنا ضروری تھا۔ بھلا رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر فرمانبردار کون ہوسکتا ہے؟ اس لیے اللہ کے حکم کی اطاعت کرتے ہوئے آپ ﷺ فوری طور پر زینب رضی اللہ عنہا کی طرف روانہ ہوئے اور اجازت لیے بغیر ان کے پاس تشریف لے گئے۔[3]

یوں زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا ام المومنین بن گئیں۔ اس شادی کی پوری تفصیلات سیرت انسائیکلو پیڈیا: 7/109-136 میں ملاحظہ کریں۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی فضیلت

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے بارے میں فرمایا:

[1] الأحزاب 33:37. [2] الأحزاب 33:37 [3] صحیح مسلم: 1428

ولم أر امرأة قط خيرا في الدين من زينب، وأتقى لله، وأصدق حديثا، وأوصل للرحم، وأعظم صدقة، وأشد ابتذالا لنفسها في العمل الذي تصدق به، وتقرب به إلى الله عز وجل، ما عدا سورة من حدة كانت فيها، تسرع منها الفيئة

''میں نے کبھی کوئی ایسی عورت نہیں دیکھی جو دین میں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر ہو، ان کی نسبت اللہ کا تقویٰ زیادہ رکھتی ہو، زیادہ راست گفتار ہو، ان سے بڑھ کر صلہ رحمی کرنے والی ہو، زیادہ فیاض اور مخیر ہو اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کرنے کی غرض سے محنت کر کے کمانے کے لیے خود کو ان سے زیادہ مشقت میں ڈالتی ہو اور اس کے ذریعے سے اللہ کا قرب چاہتی ہو۔ بس ان کے مزاج میں ذرا سی تیزی تھی جس پر ان کو بہت جلد ندامت بھی ہوتی تھی۔''[1]

عبادت و ریاضت

ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ مہاجرین میں مال تقسیم فرما رہے تھے تو سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے کوئی بات کہی جس پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں سخت لہجے میں ٹوک دیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عمر! انھیں رہنے دو۔ یہ بڑی اواہ ہیں۔'' ایک شخص نے عرض کیا: اواہ سے کیا مراد ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: ''اواہ کا مطلب ہے: اللہ کی طرف بہت زیادہ رجوع کرنے والی اور نرم دل۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿إِنَّ إِبْرَٰهِيمَ لَأَوَّٰهٌ حَلِيمٌ﴾ ''بے شک ابراہیم بڑے نرم دل، نہایت بردبار تھے۔''[2]

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے گھر کے ایک طرف چھوٹی سی مسجد بنا رکھی تھی جس میں وہ اکثر اوقات عبادت ہی میں مصروف رہتیں۔ گاہے بگاہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس مسجد میں نماز ادا کیا کرتے تھے۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا ایک معمول یہ تھا کہ کوئی بھی کام کرنے سے پہلے استخارہ ضرور کرتی تھیں۔[3]

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی فیاضی

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نہایت قانع اور فیاض طبع تھیں۔ اپنے ہاتھوں سے محنت کرتیں اور اس کا معاوضہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کر دیتیں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

1 صحیح مسلم، 2442. 2 الإصابة 114:8، معرفة الصحابة لأبي نعيم 3224/6، حديث: 7424، حلية الأولياء: 65,64/2 3 صحيح مسلم، 1428

أسرعكن لحوقًا بي أطولكن يدًا» قالت: فكن يتطاولن أيتهن أطول يدًا، قالت: فكانت أطولنا يدًا زينب، لأنها كانت تعمل بيدها وتصدق.

’’تم میں سب سے پہلے مجھ سے وہ (بیوی) ملے گی جس کے ہاتھ لمبے ہوں گے۔‘‘ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ’’ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اپنے ہاتھوں کو ناپا کرتی تھیں، حالانکہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے ہاتھ لمبے تھے کیونکہ وہ اپنے ہاتھوں سے کماتیں اور اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتی تھیں۔‘‘ [1]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب سرور دو عالم ﷺ کے بعد سب سے پہلے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تو اس وقت ہمیں ہاتھ لمبے ہونے کا مطلب سمجھ آیا کہ اس سے مراد کثرت کے ساتھ صدقہ و خیرات کرنا ہے، یعنی صدقہ و خیرات کرنے میں کس (عورت) کا ہاتھ لمبا ہے۔ [2]

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کھالیں رنگتی تھیں۔ اس کی جو اجرت ملتی تھی، وہ رقم صدقہ کر دیتی تھیں۔ علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ کہتے ہیں: وہ دستکاری کے ذریعے سے جو کچھ کماتی تھیں، وہ اللہ کی راہ میں صدقہ کر دیتی تھیں۔ [3]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد فرمایا:

لقد ذهبت حميدة متعبدة مفزع اليتامى والأرامل.

’’سیدہ زینب رضی اللہ عنہا جب دنیا سے رخصت ہوئیں تو وہ تعریف کے لائق اور عبادت گزار تھیں۔ وہ یتیموں اور بیواؤں کے لیے جائے پناہ تھیں۔‘‘ [4]

ایک مرتبہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو سالانہ خرچ بھیجا۔ انھوں نے اس پر ایک کپڑا ڈال دیا اور برزہ بنت رافع رضی اللہ عنہا کو حکم دیا کہ یہ رقم میرے خاندانی رشتہ داروں اور یتیموں میں تقسیم کر دو۔ برزہ رضی اللہ عنہا نے (حکم کی تعمیل کی اور) کہا: آخر ہمارا بھی کچھ حق ہے؟ انھوں نے کہا: کپڑے کے نیچے جو کچھ پڑا ہے، وہ تمھارا ہے۔ تو باقی پچاسی درہم نکلے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع ملی تو مزید ایک ہزار درہم بھیج دیے۔ انھوں نے وہ بھی تقسیم کرا دیے۔ اور تقسیم کرنے کے بعد دعا فرمائی:

اللهم لا يدركني عطاء عمر بعد عامي هذا.

’’اے اللہ! اس سال کے بعد عمر رضی اللہ عنہ کا وظیفہ مجھے نہ پائے۔‘‘

[1] صحيح البخاري، 1420، صحيح مسلم، 2452، واللفظ له. [2] صحيح البخاري، 1420 [3] الإصابة: 154/8
[4] الإصابة: 155/8، الطبقات لابن سعد: 110/8

چنانچہ اسی سال ان کا انتقال ہو گیا۔ [1]

سانحۂ ارتحال

ام المومنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال 20ھ بمطابق 641ء میں 53 سال کی عمر میں مدینہ منورہ میں ہوا۔ اس وقت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خلیفۂ وقت تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ رضی اللہ عنہا پہلی زوجہ محترمہ تھیں جن کا انتقال ہوا۔ [2]

جب انھوں نے موت کے آثار دیکھے تو لواحقین سے کہا: میرا آخری وقت آ چکا ہے، میں نے اپنا کفن خود تیار کر رکھا ہے۔ اگر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ میرے لیے کفن بھیجیں تو ان دونوں میں سے کسی ایک کو صدقہ کر دینا۔ ان کی یہ وصیت پوری کر دی گئی۔ [3]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ چار تکبیرات کے ساتھ پڑھائی۔ [4] اس دن بہت شدید گرمی تھی۔ جہاں قبر کھودی جا رہی تھی، وہاں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خیمہ لگوا دیا تھا تاکہ گرمی کی شدت کم ہو جائے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ پہلا خیمہ تھا جو بقیع الغرقد میں قبر پر لگایا گیا۔

نماز جنازہ کے بعد ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے دریافت کیا گیا کہ قبر میں کون داخل ہوگا؟ انھوں نے کہا: وہ شخص جو ان کے گھر میں داخل ہوا کرتا تھا۔ چنانچہ اسامہ بن زید، محمد بن عبداللہ بن جحش، عبداللہ بن ابی احمد بن جحش اور ان کے بھانجے محمد بن طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہم نے انھیں قبر میں اتارا۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے پیچھے کوئی درہم یا دینار نہیں چھوڑا۔ صرف ایک مکان تھا جسے وارثوں نے پچاس ہزار درہم میں خلیفہ ولید بن عبدالملک کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ اس نے یہ مکان گرا کر بغرضِ توسیع مسجد نبوی کے صحن میں شامل کر دیا۔ [5]

مرویات کی تعداد

سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے گیارہ احادیث مروی ہیں۔ ان میں سے دو بخاری و مسلم میں ہیں۔ [6] اکابر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے۔

1 الإصابة: 155/8، الطبقات لابن سعد: 109/8. 2 الطبقات لابن سعد: 109,109/8. 3 الطبقات لابن سعد: 110/8-115. 4 الطبقات لابن سعد: 112/8، مسند البزار: 360/1، حديث: 241. 5 الطبقات لابن سعد: 111/8-114. 6 سير أعلام النبلاء: 218/2

ام المومنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا

نام و نسب

ام المومنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نام ''برہ'' تھا۔ والد کا نام حارث تھا۔ سیدہ جویریہ کا سلسلۂ نسب یہ ہے: برہ بنت حارث بن ابی ضرار بن حبیب بن عائذ بن مالک بن جذیمہ (مصطلق) بن عمرو بن ربیعہ بن حارثہ بن عمرو۔ آپ کے والد حارث اپنے قبیلے بنو مصطلق کے سردار تھے۔[1]

برہ سے جویریہ

نبی اکرم ﷺ نے ان کا نام تبدیل فرما کر ''جویریہ'' رکھ دیا۔[2]

رسول اللہ ﷺ کا معمول مبارک تھا کہ نامناسب نام تبدیل کر کے صحیح نام تجویز فرما دیتے اور ساتھ ہی ارشاد فرماتے تھے کہ تم لوگ قیامت کے دن اپنے اور باپوں کے ناموں سے پکارے جاؤ گے، لہٰذا اچھے نام رکھو۔[3]

برّہ کا مطلب نیکی ہے۔ اس نام میں خود پسندی کا عنصر موجود ہے۔ مزید برآں نام بتاتے ہوئے اپنے منہ آپ میاں مٹھو، یعنی اپنی تعریف کا پہلو نکلتا ہے، مثلاً کسی عورت سے پوچھا جائے کہ تمھارا نام کیا ہے؟ اور وہ کہے: ''برّہ'' (نیکی) تو ظاہر ہے اس طرح اپنی تعریف لازم آتی ہے۔

اسی طرح کسی سے دریافت کیا جائے کہ تو کس کو چھوڑ کر آ رہا ہے؟ وہ کہے: برّہ، یعنی نیکی کو پیچھے چھوڑ کر آ رہا ہوں۔

اسی طرح کوئی سوال کرے: کیا یہاں برّہ ہے؟ اگر وہ وہاں موجود نہ ہو تو جواب دیا جائے گا، یہاں برّہ نہیں ہے، یعنی کوئی نیکی نہیں ہے۔ اس لحاظ سے یہ نام رکھنا ٹھیک نہیں۔

سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح ان کے خاندان کے ایک شخص مسافع بن صفوان سے ہوا تھا۔[4] اس شادی کی تفصیل اور بعد کے حالات و واقعات، پھر نبی کریم ﷺ سے ان کی شادی کی تفصیل سیرت انسائیکلوپیڈیا: 7/246-254

1 الطبقات لابن سعد: 8/116-119 2 مسند أحمد: 1/326، صحیح مسلم: 2140 3 سنن أبي داود: 4948، مسند أحمد: 5/194. 4 الطبقات لابن سعد: 8/116، الإصابة: 8/73.

میں مل گئی۔

بنوخزاعہ سے ام المومنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کے تعلق کا شجرہ نسب سیرت انسائیکلوپیڈیا: 438/6 پر ملاحظہ فرمائیں۔

سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کے فضائل ومناقب

سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا انتہائی عبادت گزار تھیں۔ زیادہ تر عبادات اور ذکر الٰہی ہی میں مصروف رہتی تھیں۔ اکثر روزے سے رہتیں۔ غریبوں اور مسکینوں کی غمگسار تھیں، ان کی ہمیشہ مدد فرماتی تھیں۔ انھوں نے اپنے گھر میں ایک جگہ عبادات کے لیے مخصوص کر رکھی تھی۔[1]

سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا خود روایت کرتی ہیں:

أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ مِنْ عِنْدِهَا بُكْرَةً حِينَ صَلَّى الصُّبْحَ، وَهِيَ فِي مَسْجِدِهَا، ثُمَّ رَجَعَ بَعْدَ أَنْ أَضْحَى، وَهِيَ جَالِسَةٌ، فَقَالَ: «مَا زِلْتِ عَلَى الْحَالِ الَّتِي فَارَقْتُكِ عَلَيْهَا؟» قَالَتْ: نَعَمْ، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لَقَدْ قُلْتُ بَعْدَكِ أَرْبَعَ كَلِمَاتٍ، ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، لَوْ وُزِنَتْ بِمَا قُلْتِ مُنْذُ الْيَوْمِ لَوَزَنَتْهُنَّ: سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ، عَدَدَ خَلْقِهِ وَرِضَا نَفْسِهِ وَزِنَةَ عَرْشِهِ وَمِدَادَ كَلِمَاتِهِ»

''رسول اللہ ﷺ صبح فجر کی نماز کے بعد میرے پاس سے نکلے۔ اس وقت میں اپنی نماز والی جگہ پر موجود تھی، پھر آپ ﷺ چاشت کے بعد واپس آئے تو میں اسی حالت میں بیٹھی ہوئی (ذکر کر رہی) تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم ابھی تک ویسے ہی (بیٹھی) ہو جیسے میں تمھیں چھوڑ کر گیا تھا؟'' میں نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: ''میں نے تمھارے (پاس سے جانے کے) بعد تین بار چار ایسے کلمے کہے ہیں کہ اگر انھیں تمھارے صبح سے اس وقت تک کے کہے ہوئے کلمات کے ساتھ تولا جائے تو وہ (چار کلمے) ان سے بھاری ہوں گے:

«سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ، عَدَدَ خَلْقِهِ وَرِضَا نَفْسِهِ وَزِنَةَ عَرْشِهِ وَمِدَادَ كَلِمَاتِهِ»

''پاکیزگی ہے اللہ کی، اس کی حمد کے ساتھ، اس کی مخلوق کی تعداد کے مطابق، عین اسی طرح جیسے اسے پسند ہو، اس کے عرش کے وزن کے برابر اور اس کے کلمات کو لکھنے والی سیاہی کی مقدار کے مطابق۔''[2]

صحیح بخاری میں ان کی ایک حدیث اس طرح ہے: ام المومنین سیدہ جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جمعے کے دن رسول اللہ ﷺ ان کے ہاں تشریف لائے تو وہ روزے سے تھیں۔ نبی ﷺ نے دریافت فرمایا: ''کیا

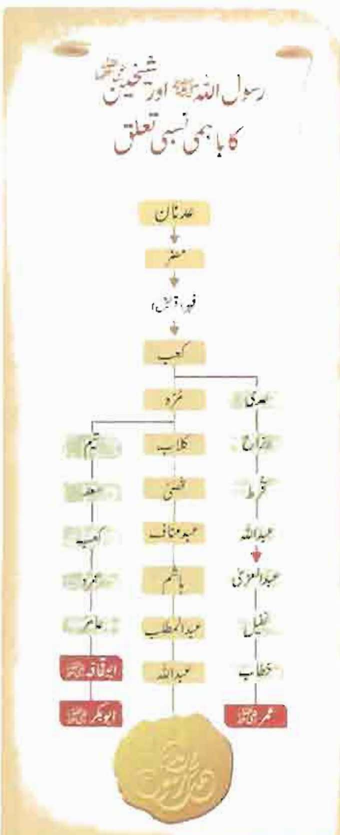
[1] الطبقات لابن سعد: 119/8. [2] صحیح مسلم، 2726.

تم نے (گزشتہ) کل بھی روزہ رکھا تھا؟'' انھوں نے عرض کیا: نہیں۔ آپ ﷺ نے دریافت کیا: ''کیا تم کل کا روزہ رکھو گی؟'' انھوں نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: ''تم روزہ افطار کرلو۔''[1]

صرف جمعے کے دن کا روزہ رکھنے سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: لَا يَصُومَنَّ أَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ إِلَّا يَوْمًا قَبْلَهُ أَوْ بَعْدَهُ ''تم میں سے کوئی شخص محض جمعے کے دن کا روزہ نہ رکھے مگر یہ کہ ایک دن پہلے یا بعد (بھی) رکھے۔''[2]

ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لائے تو پوچھا: ''کیا کھانے کے لیے گھر میں کوئی چیز موجود ہے؟'' عرض کیا کہ میری خادمہ کو صدقے کا جو گوشت دیا گیا ہے، اس کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: قَرِّبِيهِ فَقَدْ بَلَغَتْ مَحِلَّهَا ''اسے لے آؤ کیونکہ صدقہ جس کو دیا گیا تھا، اسے پہنچ چکا ہے۔''[3]

رسول اللہ ﷺ کا عطیہ



نبی اکرم ﷺ نے خیبر کے مالِ غنیمت میں سے سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کو 80 وسق کھجوریں اور 20 وسق جو عطا فرمائے تھے۔[4] یہی راشن آپ ﷺ نے باقی ہر زوجہ محترمہ کو بھی عطا فرمایا تھا۔

صدیق اکبر اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کا عمل

رسول اکرم ﷺ کی وفات کے بعد خلیفۂ اول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے اخراجات کے لیے انھیں مناسب رقم فراہم کیا کرتے تھے۔ ان کے بعد جب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو انھوں نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا وظیفہ 12 ہزار درہم مقرر فرمایا لیکن ام المومنین سیدہ جویریہ بنت حارث، سیدہ میمونہ بنت حارث اور سیدہ صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہن کا وظیفہ چھ چھ ہزار درہم مقرر کیا تو ان عظمت مآب خواتین نے یہ وظیفہ لینے سے انکار کر دیا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے وظیفہ دینے میں اس بات کا خیال رکھا ہے کہ دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے ہجرت فرمائی تھی۔ انھوں نے کہا:

[1] صحیح البخاری، 1986۔ [2] صحیح البخاری، 1985۔ [3] صحیح مسلم، 1073۔ [4] الطبقات لابن سعد 119/8

جی نہیں! اس کا مطلب یہی نکلتا ہے کہ آپ نے ازواج النبی ہونے کی حیثیت سے ان کے مقام و مرتبہ کو ہمارے مرتبے سے اونچا قرار دیا ہے۔

اس موقع پر ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ مسئلہ حل کر دیا۔ انھوں نے فرمایا: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر چیز ہم میں برابر برابر تقسیم کیا کرتے تھے۔ یہ بات سن کر امیر المومنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا وظیفہ 12 ہزار درہم مقرر فرما دیا۔ مسند احمد میں 10 ہزار درہم کا ذکر ہے۔[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جویریہ رضی اللہ عنہا سے نکاح امن عامہ کا سبب بن گیا

ام المومنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کا باپ مشہور رہزن اور ڈکیتی پیشہ شخص تھا۔ وہ مسلمانوں سے خاص طور پر بڑی عداوت رکھتا تھا۔ بنو مصطلق کا مشہور طاقتور اور جنگجو قبیلہ جو مختلف گھاٹیوں پر پھیلا ہوا تھا، اس کے اشارہ پر کام کرتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس تزویج سے پیشتر ہر ایک جنگ میں جو مسلمانوں کے خلاف ہوئی، اس قبیلے نے التزاما شرکت کی۔ لیکن اس نکاح کے بعد یہ نابود ہوگئیں۔ تمام قبیلہ قزاقی چھوڑ کر متمدن زندگی بسر کرنے لگا اور پھر مسلمانوں کے خلاف کبھی کسی جنگ میں شامل نہیں ہوا۔

وفات حسرت آیات

ام المومنین سیدہ جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا نے بعمر 65 سال ربیع الاول 50ھ میں امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں وفات پائی۔ مدینے کے گورنر مروان بن حکم نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ انھیں بقیع الغرقد میں دفن کیا گیا۔ بعض روایات میں ان کی عمر 70 سال بتائی گئی ہے اور سن وفات بھی 55 یا 56ھ بیان کیا گیا ہے۔[2]

روایات کی تعداد

سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تقریباً چوالیس سال زندہ رہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا سے سات احادیث مروی ہیں۔ ایک حدیث صحیح بخاری میں اور دو احادیث صحیح مسلم میں ہیں۔ ان سے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، مثلاً: سیدنا ابن عباس، سیدنا جابر، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم اور عبید بن سباق، طفیل، ابوایوب یحییٰ بن مالک ازدی، سیدہ کلثوم بنت مصطلق، کریب اور عبداللہ بن شداد رحمہم اللہ نے روایت کی ہے۔[3]

1 السنن الکبرٰی للبیہقی: 350/6، مسند احمد 475/3 2 الطبقات لابن سعد: 120/8 3 أسد الغابۃ 243/5، سیر اعلام النبلاء 261/2 و 263

ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا

ام حبیبہ رملہ بنت ابی سفیان اپنے خاوند عبیداللہ بن جحش اسدی کے ساتھ حبشہ ہجرت کر گئی تھیں۔ وہاں جا کر خاوند عیسائی ہوگیا اور انھیں چھوڑ دیا۔ رسول اللہ ﷺ کو ان کے خاوند کے عیسائی ہو جانے کے باوجود ان کے اسلام پر قائم رہنے کا پتہ چلا تو آپ ﷺ نے عمرو بن امیہ ضمری کو نجاشی کے پاس بھیجا کہ ام حبیبہ کو میری طرف سے نکاح کا پیغام دیں۔

آپ ﷺ کے سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے مفصل حالات و واقعات اور سیدہ ام حبیبہ کا نسب نامہ اور فضائل و مناقب سیرت انسائیکلو پیڈیا: 8/224-233 میں ملاحظہ فرمائیں۔

ام حبیبہ کے لیے جنت کی بشارت

ایک مرتبہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں آئے۔ آپ ﷺ کے پاس ان کی بہن ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بیٹھی ہوئی تھیں۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ واپس چلے تو رسول اللہ ﷺ نے آواز دی، فرمایا: ''معاویہ! آؤ، ہمارے ساتھ بیٹھ جاؤ۔'' وہ واپس آئے اور آپ ﷺ کے پاس بیٹھ گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری دلی تمنا ہے کہ میں اور ام حبیبہ اکٹھے جامِ طہور نوش کریں۔'' اس فرمان میں سیدہ ام حبیبہ کے لیے جنت کی بشارت ہے۔[1]

ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کی حکمت

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا باپ ابوسفیان عمائد قریش میں سے تھا اور قوم کا نشان جنگ اسی کے گھر میں رکھا رہتا تھا۔ جب یہ نشان باہر کھڑا کیا جاتا تو قومی روایات کے اتباع میں لازم ہو جاتا تھا کہ سب کے سب اس جھنڈے کے نیچے فوراً جمع ہو جائیں۔ احد اور حمراء الاسد، بدر الاخریٰ، احزاب وغیرہ کی جنگوں میں ابوسفیان ہی اس نشان کو لیے ہوئے قریش کی قیادت کرتا نظر آتا تھا۔ اس تزویج مبارکہ کے بعد ابوسفیان کسی جنگ میں مسلمانوں کے خلاف فوج کشی کرتا نظر نہیں آیا بلکہ تھوڑے ہی عرصے کے بعد بذات خود اسلام کے جھنڈے تلے آ گیا۔

1 تاریخ دمشق لابن عساکر: 150،149/69

ام المومنین سیدہ صفیہ بنت حیی ؓ

نام و نسب

ام المومنین سیدہ صفیہ ؓ کا اصل نام ''زینب'' تھا۔ موصوفہ جنگ خیبر کے مال غنیمت میں رسول اللہ ﷺ کے حصے میں آئی تھیں۔ عرب میں دستور تھا کہ غنیمت کا جو حصہ امام یا بادشاہ کے لیے مخصوص ہوتا تھا، اسے ''صفیہ'' کہا جاتا تھا، اس لیے سیدہ زینب بھی ''صفیہ'' کے نام سے مشہور ہو گئیں۔ یہ امام زرقانی کی تحقیق ہے۔ [1]

ابن زید نے لکھا ہے کہ سیدہ صفیہ ؓ کا نام ''حبیبہ'' تھا۔ بعد میں ''صفیہ'' کے نام سے مشہور ہوئیں کیونکہ یہ خیبر کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے لیے مخصوص کر دی گئی تھیں۔ [2]

حافظ ابن حجر ؒ کے بیان کے مطابق ان کی کنیت ''ام یحیٰی'' تھی۔ [3]

سیدہ صفیہ ؓ کا سلسلہ نسب یہ ہے:

صفیہ بنت حُیَیّ بن اخطب بن سعیہ بن عامر بن عبید بن کعب بن خزرج بن ابی حبیب بن النضیر بن نحام بن ینحوم۔ [4]

والدہ کے نام کے بارے میں اختلاف ہے۔ ابن سعد، ابن عبدالبر، ابن اثیر اور ابن کثیر ؒ نے سیدہ صفیہ ؓ کی والدہ کا نام ''برہ بنت سموأل'' بیان کیا ہے۔ وہ رفاعہ بن سموأل کی بہن تھی جو بنو قریظہ کا رئیس تھا۔ [5]

علامہ قسطلانی نے ان کی والدہ کا نام ''ضرہ'' بیان کیا ہے۔ [6]

سیدہ صفیہ ؓ کو باپ اور ماں کی طرف سے سیادت حاصل تھی۔ والد حُیَی بن اخطب حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھا اور بنو نضیر کا سردار تھا۔ والدہ رئیس بنو قریظہ کی بہن تھی۔ یہ قبیلہ بھی حضرت ہارون علیہ السلام ہی کی اولاد میں سے تھا۔ یہ دونوں خاندان بنو قریظہ و بنو نضیر بنی اسرائیل کے تمام قبائل میں ممتاز سمجھے جاتے تھے۔ [7]

1 شرح الزرقانی علی المواہب: 428/4. 2 المستحب لابن زید 54. 3 فتح الباری: 353/4. 4 الطبقات لابن سعد: 120/8. 5 الطبقات لابن سعد: 120/8، الاستیعاب، ص 899. 6 شرح الزرقانی: 429/4. 7 الاصابہ: 210/8.

حُبِ نبی ﷺ

میاں بیوی کی باہمی محبت گھر کو جنت بنا دیتی ہے۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو نبی اکرم ﷺ سے والہانہ محبت تھی۔ نبی اکرم ﷺ جب بیمار ہوئے اور ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن آپ کی تیمارداری کے لیے تشریف لائیں تو سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکیں۔ انھوں نے بے ساختہ کہا:

اما واللہ یا نبی اللہ لوددت ان الذی بک بی.

''اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول! میری خواہش ہے کہ آپ کی بیماری مجھے لگ جائے۔''

اس پر ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن ان کی طرف دیکھنے لگیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''اللہ کی قسم! صفیہ سچ کہتی ہے (یعنی اس میں تصنع کا کوئی شائبہ نہیں ہے)۔''[1]

دنیا سے بے رغبتی

جب سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا مدینہ منورہ تشریف لائیں تو ان کے کانوں میں سونے کی بالیاں تھیں۔ ان میں سے کچھ انھوں نے سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو تحفے میں دے دیں اور جو بچ گئیں، وہ دوسری خواتین میں تقسیم کر دیں۔[2]

اسلام پر پختگی

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا جب سے مسلمان ہوئیں، اسلامی احکامات و تعلیمات پر بڑی پابندی سے عمل پیرا رہیں۔ انھوں نے اپنے والدین کو بھلا دیا۔ گھر بار چھوڑ دیا۔ نبی اکرم ﷺ پر فدا ہو گئیں۔ جب وہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

... من اشد الیہود لی عداوۃ حتی قتلہ اللہ.

''تیرے والد زندگی بھر تمام یہودیوں سے بڑھ کر میرے دشمن رہے حتی کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں قتل کر دیا۔''

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے معاً عرض کیا:

اے اللہ کے رسول! کیا اللہ تعالیٰ اپنی کتاب عزیز میں یہ ارشاد نہیں فرماتا: لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی

''کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔''[3]

1 الطبقات لابن سعد 8/128. 2 الطبقات لابن سعد 8/127. 3 بنی اسرائیل 17: 15

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "اب تمھارے اختیار میں ہے۔ اگر تم مجھے پسند کرتی ہو اور دین اسلام پر کاربند رہتی ہو تو قبول اور اگر تم یہودیوں کو پسند کرتی ہو تو میں تمھیں آزاد کر دیتا ہوں، تم اپنے میکے چلی جاؤ۔"

سیدہ صفیہ ؓ نے عرض کیا:

[illegible]

"اے اللہ کے رسول! اسلام میری محبت ہے۔ آپ کی طرف سے دعوت موصول ہونے سے قبل ہی میں نے آپ کی (رسالت و نبوت کی) تصدیق کر دی تھی۔ مجھے یہودیت کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہودی معاشرے میں رہنے والا کوئی شخص میرا باپ ہے نہ میرا بھائی۔ آپ نے مجھے کفر اور اسلام میں اختیار دیا ہے تو مجھے اپنی آزادی اور اپنی قوم میں واپسی سے کہیں زیادہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ ہی محبوب ہیں۔"[1]

سیدہ صفیہ ؓ سے نکاح کی حکمت

ام المومنین صفیہ ؓ کے نکاح سے پہلے خیبر نے جس قدر لڑائیں مسلمانوں سے کیں ان میں سے ہر جنگ میں عیاں یا نہاں یہود کا تعلق ضرور ہوتا تھا مگر سیدہ صفیہ ؓ سے نکاح کے بعد یہود مسلمانوں کے خلاف کسی جنگ میں شامل نہ ہوئے۔ اس سے رسول اللہ ﷺ کی دوراندیشی اور حکمت بالغہ کا پتہ چلتا ہے۔ یہ نکاح کس لحاظ سے مسلمانوں کے لیے نہایت بابرکت ثابت ہوا۔

وفات النبی ﷺ کے بعد سیدہ صفیہ ؓ کے ایام زندگی

نبی اکرم ﷺ کی وفات پر سیدہ صفیہ ؓ بہت پریشان اور آزردہ ہوئیں۔ انھوں نے اپنا غم دور کرنے کا حل یہ نکالا کہ یکسو ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگ گئیں اور دنیاوی معاملات سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔

ایک مرتبہ سیدہ صفیہ ؓ کی ایک کنیز نے سیدنا عمر فاروق ؓ سے شکایت کی کہ سیدہ صفیہ ؓ میں یہودیت کا اثر ابھی تک باقی ہے۔ وہ "یوم السبت" کو اچھا سمجھتی ہیں اور یہودیوں کے ساتھ صلہ رحمی کرتی ہیں۔ سیدنا عمر ؓ نے ایک شخص کو تحقیق کے لیے ان کے پاس بھیجا۔ سیدہ صفیہ ؓ نے جواب دیا:

---

1 [illegible] 124/8

أما السبت فإني لم أحبه منذ أبدلني الله به الجمعة، وأما اليهود فإن لي فيهم رحما فأنا أصلها

’’جب سے اللہ تعالیٰ نے مجھے جمعہ کا دن عطا فرمایا ہے، میں نے ’’یوم السبت‘‘ کو کبھی پسند نہیں کیا۔ ہاں! یہودیوں میں میرے رشتے دار ہیں، ان کے ساتھ صلہ رحمی ضرور کرتی ہوں۔‘‘

اس کے بعد انھوں نے اس لونڈی سے پوچھا: تم نے میری شکایت کیوں کی؟ اس نے کہا: شیطان کے اکسانے پر۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا خاموش ہوگئیں، پھر فرمایا: جاؤ، تم آزاد ہو۔[1]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی مدد

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہمیشہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے خدمت گزار رہے۔ جب بلوائیوں نے ان کا محاصرہ کرلیا، اسباب رسد بند کردیے اور پہرہ بٹھا دیا تاکہ کوئی اندر آسکے نہ باہر جاسکے تو اس موقع پر سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا ان کی امداد کے لیے نکلیں۔ خچر پر سوار ہوگئیں اور ان کے مکان کی طرف چل پڑیں۔ ان کے ساتھ ان کا غلام کنانہ بھی تھا۔ اشتر نخعی کو معلوم ہوگیا۔ اس نے خچر کو مارنا شروع کردیا۔ اس کا یہ ذلت آمیز رویہ دیکھ کر سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا برہم ہوگئیں اور اشتر سے فرمایا: مجھے ذلیل ہونے کی ضرورت نہیں، میرا خچر چھوڑ دو، مجھے واپس جانے دو۔ پھر سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ کو اس خدمت پر مامور کیا۔ ان سے فرمایا: آپ میرے گھر سے کھانا لے کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ تک پہنچایا کریں۔ چنانچہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو کھانا اور پانی پہنچانے کا انتظام کردیا۔[2]

ایک روایت کے مطابق حسن رضی اللہ عنہ نے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر تک کے مابین لکڑی کا ایک اونچا تختہ رکھ دیا جس کے اوپر سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو کھانا اور پانی پہنچایا جاتا تھا۔[3]

سانحۂ ارتحال

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں رمضان المبارک 50 ھ میں وفات پائی۔ بعض نے سن وفات 52 ھ لکھا ہے۔ اس وقت ان کی عمر 60 سال تھی۔[4] انھیں بقیع الغرقد میں دفن کیا گیا۔[5]

[illegible]

ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا متمول خاتون تھیں۔ انھوں نے ایک لاکھ درہم مالیت کی اراضی اور جائیداد ترکہ میں

1 الإصابة 8/211، 212. 2 الإصابة 8/212. 3 الطبقات لابن سعد 8/128. 4 البداية والنهاية 8/46. 5 الطبقات لابن سعد 8/[illegible]، الإصابة 8/212

چھوڑی۔ اور وصیت فرمائی کہ ایک تہائی حصہ ان کے بھانجے کو دے دیا جائے۔ وہ یہودی تھا۔ مسلمانوں نے اس وصیت کے مطابق مال ادا کرنا مناسب نہ جانا۔ یہ مسئلہ سیدہ عائشہ ؓ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ انھوں نے فرمایا: اللہ سے ڈرو اور اس وصیت پر عمل کرو۔

جوں ہی لوگوں نے سیدہ عائشہ ؓ کا یہ ارشاد سنا، وہ پیچھے ہٹ گئے اور سیدہ صفیہ ؓ کی وصیت پوری کر دی گئی۔ سیدہ صفیہ ؓ کے بھانجے نے 33 ہزار سے زیادہ درہم وصول کیے۔ [1]

علم و فضل

ام المومنین سیدہ صفیہ ؓ علم و فضل کے اعتبار سے بہت بلند مقام خاتون تھیں۔ انھیں قرآن مجید کی آخری سورتیں زبانی یاد تھیں، وہ مداومت سے ان کی تلاوت کرتی رہتی تھیں۔

رسول اللہ ﷺ کے احسان و فیضان کی بدولت سیدہ صفیہ ؓ میں بڑی بصیرت اور بلند نظری پیدا ہوگئی تھی۔ وہ انتہائی باوقار اور عقلمند خاتون تھیں۔ رسوخ فی الدین کا یہ عالم تھا کہ استفسارات کے جواب میں فتویٰ بھی دیتی تھیں۔ لوگ دور دراز سے ان کی خدمت میں مسائل دریافت کرنے حاضر ہوتے تھے۔ ان کا مکان عورتوں کے ایک دارالعلوم کی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔

ایک خاتون صُبَیرہ بنت جبیر کا بیان ہے کہ ہم چند خواتین حج سے فراغت کے بعد مدینہ منورہ گئیں اور سیدہ صفیہ ؓ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ ہم نے دیکھا کہ وہاں پہلے ہی سے کوفے کی خواتین بیٹھی ہوئی ہیں، چنانچہ ہم نے ان سے زن و شوہر سے متعلق مختلف مسائل اور حیض و نبیذ کے احکام دریافت کیے۔ [2]

متداول کتب حدیث میں ان سے دس احادیث مروی ہیں اور ان سے روایت کرنے والوں میں امام زین العابدین، کنانہ، یزید بن معتب اور اسحاق بن عبداللہ بن حارث خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ [3]

رسول اللہ ﷺ کی سیدہ صفیہ ؓ سے شادی کے مفصل احوال سیرت انسائیکلوپیڈیا: 8/423، 427 میں ملاحظہ فرمائیں۔

[1] الطبقات الکبرٰی: 8/128 [2] مسند أحمد: 6/337. [3] الإصابة: 8/212.

ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب

ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کا اصل نام ''برہ'' تھا۔ ان کے والد کا نام حارث تھا۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ان کا نام ''برہ'' تبدیل کر کے ''میمونہ'' رکھا۔[1] میمونہ ''یمن'' سے مشتق ہے۔ اس کے معنی ''برکت'' کے ہیں اور میمونہ کا مطلب ''مبارک'' ہے۔

والد کی طرف سے ان کا سلسلۂ نسب یہ ہے: میمونہ بنت حارث بن حزن بن بجیر بن ہزم بن رویبہ بن عبداللہ بن ہلال بن عامر بن صعصعہ۔

آپ کی والدہ کا نام ہند تھا۔ وہ قبیلہ ''حمیر'' سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان کا سلسلۂ نسب یہ ہے: ہند بنت عوف بن زہیر بن حارث بن حماطہ بن جرش۔[2]

آپ کی والدہ ہند کے متعلق علامہ ابن قتیبہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: اکرم عجوز فی الارض اصہارا ''سارے روئے زمین پر ہند بنت عوف سے بڑھ کر کوئی خاتون اپنے دامادوں کے لحاظ سے قابل عزت نہ تھی۔''[3]

سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کی شادی کی مکمل تفصیلات سیرت انسائیکلو پیڈیا: 9/23-30 میں گزر چکی ہیں، لہٰذا وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عرصۂ رفاقت

11ھ میں نبی اکرم ﷺ نے سفر آخرت فرمایا اور اس طرح ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا صرف تین سال تک آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں رہیں۔ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا آخری ام المومنین تھیں۔[4]

فضل وکمال

سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا بڑی عالمہ، عابدہ، زاہدہ اور نہایت دانشمند خاتون تھیں۔ اس بات کا اندازہ اس واقعے سے بخوبی

1 اسد الغابۃ: 7/262. 2 الطبقات الکبریٰ: 8/132 3 معارف ابن قتیبہ، ص: 60 4 الطبقات لابن سعد: 8/132

لگایا جا سکتا ہے: ایک مرتبہ ایک عورت بیمار پڑ گئی۔ اس نے نذر مانی کہ میں شفایاب ہو گئی تو بیت المقدس کا سفر کروں گی اور وہاں نماز پڑھوں گی۔ وہ عورت چند دنوں بعد تندرست ہو گئی اور بیت المقدس کے سفر پر روانہ ہونے کی تیاری کرنے لگی۔ اسی دوران وہ رخصت ہونے کے لیے سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی تو انھوں نے فرمایا:

اجلسي فكلي ما صنعت، وصلي في مسجد الرسول ﷺ، فإني سمعت رسول الله ﷺ يقول: صلاة فيه أفضل من ألف صلاة فيما سواه من المساجد إلا مسجد الكعبة

''تم یہیں رہو اور جو کھانا تم نے تیار کیا ہے، اسے کھاؤ اور مسجد رسول ﷺ ہی میں نماز پڑھ لو کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: یہاں نماز پڑھنے کا ثواب سوائے بیت اللہ کے دوسری تمام مسجدوں کے ثواب سے ہزار گنا زیادہ ہے۔''[1]

سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا اخلاص کی پیکر، غریبوں کی ہمدرد اور معاون تھیں۔ کبھی کبھی غرباء و مساکین کی مدد کی خاطر لوگوں سے قرض بھی لے لیا کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ انھوں نے خاصی رقم قرض لے لی۔ کسی نے پوچھا: آپ یہ رقم کس طرح ادا کریں گی؟ فرمایا:

إني سمعت رسول الله ﷺ يقول: ما من أحد يدين دينا فعلم الله أنه يريد قضاءه إلا أداه الله عنه

''میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ''جو شخص کسی سے قرض لیتا ہے اور وہ اسے ادا کرنے کی نیت بھی رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا قرض ادا کرا دیتا ہے۔''[2]

وہ ہمیشہ شریعت کے احکام کی تبلیغ کے لیے کوشاں رہتی تھیں۔ اگر کوئی کام ذرا بھی رسول اکرم ﷺ کی شریعت کے خلاف ہوتا تو اس کی بڑی شدت سے مخالفت کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ ان کا ایک رشتے دار ان کے مکان پر آیا۔ تو انھوں نے اس شخص سے شراب کی بو پائی۔ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا نے اُسے بڑی سختی سے جھڑک دیا اور انتباہ فرمایا کہ آئندہ میرے مکان پر نہ آنا۔[3]

فطری رحمدلی کی بنا پر انھیں غلام آزاد کرنے کا بہت شوق تھا۔ ایک مرتبہ انھوں نے ایک لونڈی آزاد کی۔ رسول اللہ ﷺ کو اس بات کی خبر نہ ہوئی۔ اپنی باری والے دن انھوں نے رسول اکرم ﷺ سے ذکر کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

أجرك الله، أما إنك لو أعطيتها أخوالك كان أعظم لأجرك

''اللہ تعالیٰ تمھیں اجر عطا فرمائے! ہاں اگر تم یہ لونڈی اپنے اخوال (ننھیال) کو دے دیتیں تو زیادہ اجر ملتا۔

[1] صحیح مسلم: 1396، مسند احمد: 333/6. [2] مسند احمد: 332/6. [3] الطبقات لابن سعد: 139/8.

یعنی صلہ رحمی کا اجر بھی ملتا جو اس سے زیادہ ہے۔'' [1]

سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کو احکامِ نبوی کی تعمیل کا بے حد اشتیاق رہتا تھا۔ ایک مرتبہ ان کی کنیز بدیہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے گھر گئی، دیکھا کہ میاں بیوی کے بچھونے الگ الگ دور دور بچھے ہیں۔ خیال آیا کہ شاید کوئی رنجش ہوگئی ہے لیکن معلوم ہوا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اہلیہ کے ایامِ مخصوصہ میں ان کے بستر سے الگ رہتے ہیں۔ انھوں نے یہ بات سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے بیان کی تو سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: انھیں جا کر کہہ دو:

أَرَغْبَةٌ عَنْ سُنَّةِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ؟ لَقَدْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَنَامُ مَعَ الْمَرْأَةِ مِنْ نِسَائِهِ الْحَائِضِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا ثَوْبٌ مَا يُجَاوِزُ الرُّكْبَتَيْنِ.

''کیا تم رسول اللہ ﷺ کے طریقے سے دور رہنا چاہتے ہو؟ نبی اکرم ﷺ تو اپنی بیویوں کے ساتھ ان کے ایام کے دوران بھی اس طرح سوتے تھے کہ درمیان میں صرف ایک ہی کپڑا ہوتا تھا جو گھٹنوں تک پہنچتا تھا۔'' [2]

ایک سال مدینہ منورہ میں مختلف علاقوں سے وفود آئے۔ ان میں سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے قبیلے بنو ہلال کے لوگ بھی تھے۔ ان کا بھانجا زیاد بن عبداللہ بن مالک ان سے ملنے کے لیے ان کے گھر آیا۔ اس وقت نبی اکرم ﷺ گھر پر تشریف فرما نہ تھے۔ جب آپ ﷺ گھر تشریف لائے تو ایک اجنبی کو دیکھ کر ناگواری کا اظہار فرمایا۔ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: حضور! یہ میری بہن کا بیٹا ہے اور وفد بنو ہلال کے ساتھ آیا ہے۔ آپ ﷺ نے یہ سن کر خوشی کا اظہار کیا اور اس کے لیے دعا کی۔ [3]

ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کی حسنات و برکات

ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا کی ایک بہن نجد کے ایک سردار کے گھر میں تھی۔ اس نکاح کی برکت سے ملک نجد میں صلح، امن اور اسلام کے فروغ کے دروازے کھل گئے اور لوگ بڑی تیزی سے مسلمان ہوتے چلے گئے، حالانکہ قبل ازیں اہل نجد کی سفاکی کا یہ عالم تھا کہ انھیں لوگوں نے ستر قراء صحابہ کو اپنے ہاں بلا کر دھوکے سے قتل کیا تھا۔ اہل نجد ہی وہ لوگ تھے جنھوں نے کئی بار امن پامال کیا اور فساد انگیزی کی۔

زندگی کے آخری لمحات

سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا حج کے لیے تشریف لے گئیں تو وہاں بیمار ہوگئیں۔ فرمانے لگیں: مجھے یہاں سے لے چلو، میں

1 مسند أحمد 332/6. 2 مسند أحمد 332/6. 3 الطبقات لابن سعد 309/1، 310.

نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا کہ میری موت مکہ مکرمہ میں واقع نہیں ہوگی۔ وہاں ان کا کوئی قریبی عزیز بھی نہ تھا، چنانچہ وہاں سے واپسی پر جب مقام سرف پہنچیں تو موت کا فرشتہ آپہنچا۔ آپ ؓ نے اسی مقام پر آخری ہچکی لی جہاں شادی کی پہلی رات بسر کی تھی۔ یہ سیدنا امیر معاویہ ؓ کا دور حکومت تھا۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ یہ یزید کا دور حکومت تھا۔

یزید بن اصم ؓ کہتے ہیں کہ ہم نے سیدہ میمونہ ؓ کو اسی درخت کے سائے میں دفن کیا جہاں رسول اللہ ﷺ کے لیے عمرۃ القضاء کے موقع پر خیمہ لگایا گیا تھا۔

سیدنا عبداللہ بن عباس ؓ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ ان کی تدفین کا انتظام ان کے بھانجوں عبداللہ بن عباس ؓ، یزید بن اصم اور عبداللہ بن شداد نے کیا۔ ان تینوں کے ساتھ عبیداللہ خولانی نے بھی قبر میں داخل ہونے کی سعادت حاصل کی۔ سیدہ میمونہ ؓ نے ان کی بحالت یتیمی پرورش فرمائی تھی۔ وفات کے وقت سیدہ میمونہ ؓ کی عمر 80 یا 81 سال تھی۔[1]

سیدہ میمونہ ؓ فوت ہوئیں تو سیدہ عائشہ ؓ نے تعزیت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: إنها كانت من أتقانا لله وأوصلنا للرحم ''میمونہ ؓ ہم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والی اور ہم سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والی تھیں۔''[2]

مرویات کی تعداد

ام المومنین سیدہ میمونہ ؓ کا حافظہ بڑا قوی تھا۔ اگرچہ ان کو صرف تین سال نبی اکرم ﷺ کی صحبت میسر آئی تاہم وہ جو حدیث سنتیں فوراً یاد کر لیتی تھیں۔ ازواج مطہرات ؓ میں سب سے زیادہ روایات سیدہ عائشہ ؓ سے مروی ہیں۔ ان کے بعد سیدہ ام سلمہ ؓ اور ان کے بعد سیدہ میمونہ ؓ کی روایات ہیں۔ سیدہ میمونہ ؓ کی کل روایات کی تعداد 76 بیان ہوئی ہے۔[3]

سیدہ میمونہ ؓ سے روایت بیان کرنے والوں کے اسمائے گرامی یہ ہیں: 1 عبداللہ بن عباس ؓ 2 عبداللہ بن شداد 3 عبید بن سباق 4 یزید بن اصم 5 عبدالرحمن بن سائب ہلالی 6 عبیداللہ خولانی 7 سلیمان بن یسار 8 عطاء بن یسار[4]

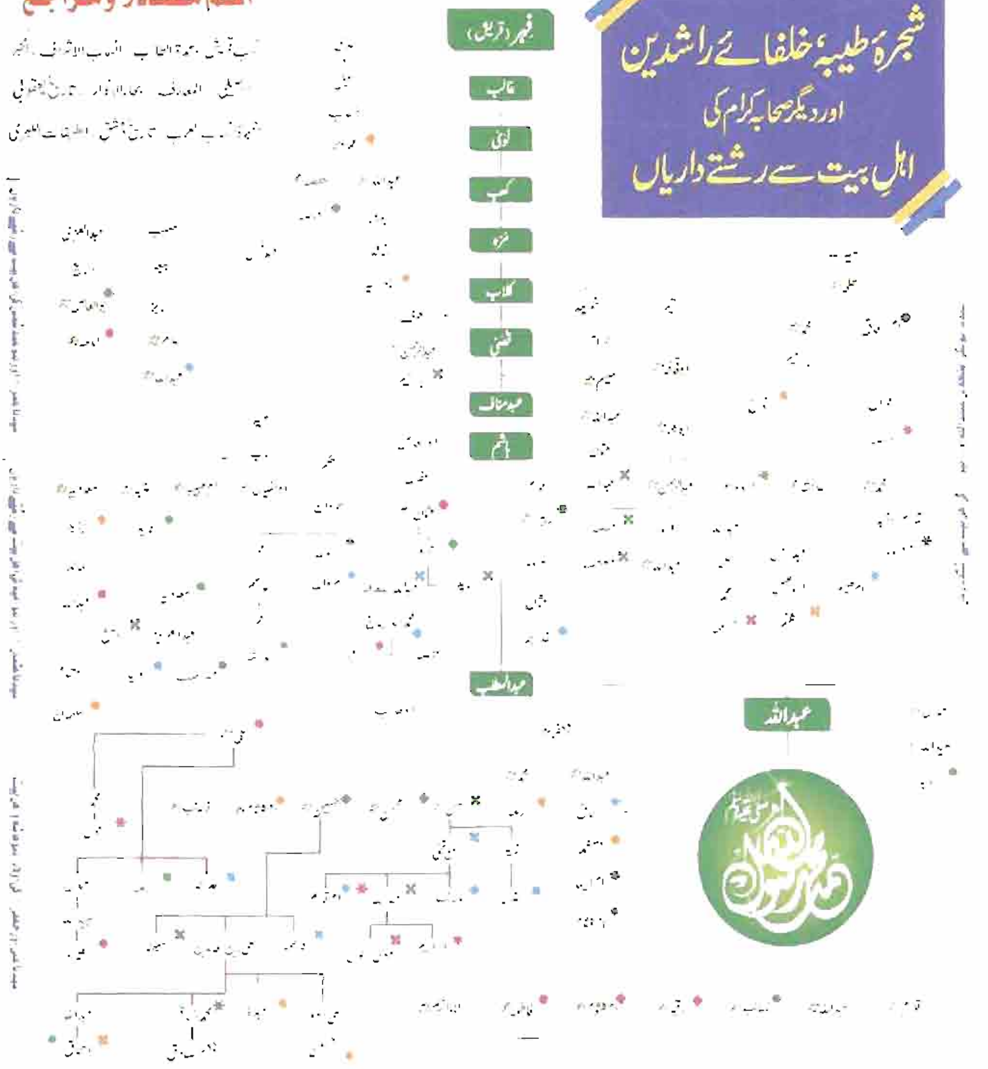
1 الاصابۃ: 324/8، الطبقات لابن سعد: 140،139/8 2 المستدرك للحاكم: 32/4، الطبقات لابن سعد: 138/8

3 الاعلام للزركلي: 342/7 4 سير اعلام النبلاء: 239/2

شجرۂ طیبۂ خلفائے راشدین

اور دیگر صحابہ کرام کی اہلِ بیت سے رشتے داریاں

اہم مصادر و مراجع



ایک ہی رنگ ... کے لیے ہے۔ تعدادِ ازواج کی وضاحت بھی اسی اصول کے تحت ہے۔ اس شجرے میں اہلِ بیت کی ... سیدنا ابوبکر، عمر، علی ... سے 10 ... سیدنا عثمان ... سے 3 ... سیدنا عثمان ... سے 9 ... سے 11 رشتے داریاں ظاہر کی گئی ہیں۔

- فاطمہ صغریٰ بنت حسین ... عبداللہ بن عمرو بن عثمان ... حسن مثنیٰ بن حسن ... کے بعد ... بیاہی گئیں۔
- سکینہ بنت حسین ... کے بعد ... زید بن عمرو بن عثمان ... عبداللہ بن حسن ... مصعب بن زبیر ... (شہید) ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف ... عبداللہ بن عثمان بن عبداللہ ... بن حکیم ... اصبغ بن عبدالعزیز بن مروان ... سے شادی ہوئی۔

سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا

نام اور جائے پیدائش

آپ کا نام ماریہ بنت شمعون قبطیہ تھا۔ آپ کے والد قبطی اور والدہ رومی تھیں۔ وہ مصر میں ''حفن'' نامی بستی میں پیدا ہوئیں۔ وہ سرخ و سفید رنگ کی خوبصورت خاتون تھیں۔ انھوں نے اپنے بچپن کا زمانہ ''حفن'' میں گزارا تھا۔ وہ ایک اونچے خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ رومی بطریق (Patriarch) نے جس کا لقب مقوقس تھا، انھیں اور ان کی بہن سیرین کو اپنے محل کے لیے پسند کیا تھا۔

سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا نے بادشاہ کے محل میں رہتے ہوئے نبی اکرم ﷺ کی بعثت کی خبر سن لی تھی۔ انھیں معلوم ہو گیا تھا کہ آپ ﷺ آخری رسول ہیں، عرب میں پیدا ہوئے ہیں اور ایک اللہ کی عبادت کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے شاہ مصر و اسکندریہ کے نام سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے ذریعے سے دعوتی خط ارسال فرمایا، جس کی تفصیل سیرت انسائیکلو پیڈیا: 8/259-266 میں گزر چکی ہے، اس نے اسلام تو قبول نہ کیا، البتہ کچھ تحائف آپ کی خدمت میں روانہ کیے جن میں دو لونڈیاں بھی شامل تھیں۔ یہ لونڈیاں ماریہ اور سیرین کے نام سے معروف تھیں۔ نبی اکرم ﷺ نے سیدہ ماریہ رضی اللہ عنہا کو اپنے پاس رکھا اور سیرین کو سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا۔[1]

[1] الطبقات لابن سعد: 8/214.



اسکندریہ (مصر)

سیدہ ماریہ رضی اللہ عنہا کا قبول اسلام

سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ سیدہ ماریہ اور سیرین کو اپنی نگرانی میں مدینہ منورہ لائے۔ وہ مصر سے روانہ ہوئے اور مدینہ منورہ تک راستے بھر ان دونوں بہنوں کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کراتے رہے۔ دونوں بہنیں دعوت اسلام سے بہت متاثر ہوئیں اور انھوں نے فوراً اسلام قبول کر لیا۔ اکثر سیرت نگاروں کے مطابق نبی اکرم ﷺ نے سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لیا۔

نبی اکرم ﷺ نے سیدہ ماریہ رضی اللہ عنہا کو پہلے مسجد نبوی کے قریب سیدنا حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کے گھر ٹھہرایا، بعد ازاں عالیہ کے علاقے میں بھیج دیا۔ اس علاقے کو اس زمانے میں ''مشربہ ام ابراہیم'' کہا جاتا تھا۔[1]

تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے

اس واقعے نے پرانی یادیں تازہ کر دیں کیونکہ رسول اکرم ﷺ کے جد امجد سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ ''ہاجرہ'' بھی مصر کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ انھیں بادشاہ مصر نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ اسی طرح مقوقس نے اپنے شاہی محل سے دو دوشیزائیں ماریہ قبطیہ اور سیرین قبطیہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیں۔

سسرالی تعلق

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

استوصوا بالقبط خيرا فإن لهم ذمة ورحما

''قبطیوں (مصر کے عیسائیوں) کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ، اس لیے کہ ان سے عہد اور نسب دونوں کا تعلق ہے۔''

امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ان سے نسب کا تعلق تو یہ ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ اور رسول اللہ ﷺ کے بیٹے ابراہیم رضی اللہ عنہ کی والدہ دونوں اسی قوم سے ہیں اور عہد کا تعلق یہ کہ ان سے معاہدہ ہو چکا ہے۔[2]

رسول اللہ ﷺ کے صاحبزادے ابراہیم رضی اللہ عنہ کی پیدائش

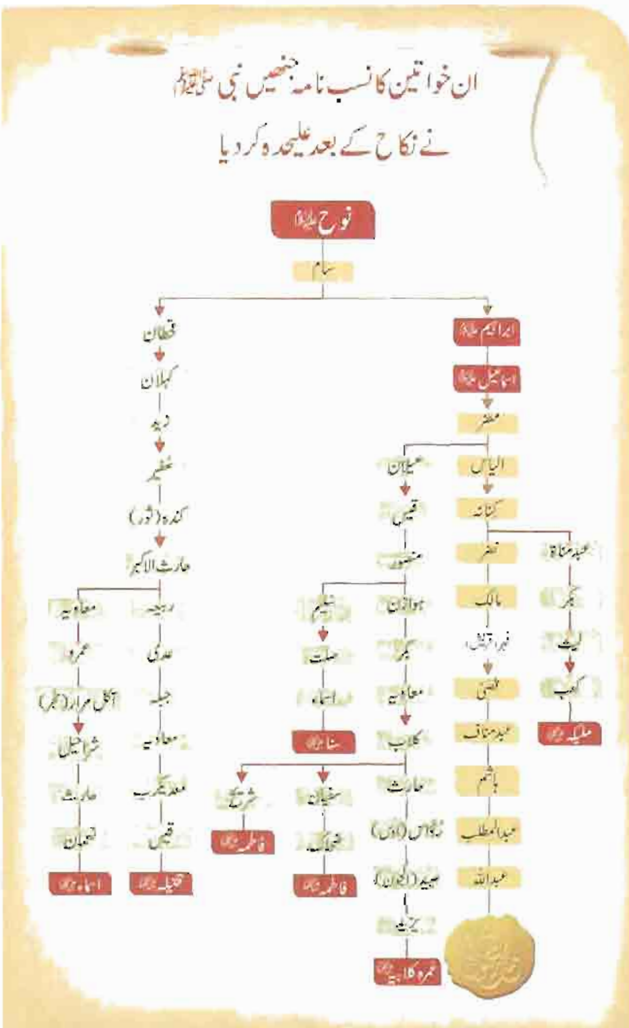
6ھ میں سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ کے حرم میں آ گئیں۔ اس کے دوسرے سال ماہ ذوالحجہ 8ھ میں ان کے ہاں ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ ابراہیم سترہ یا اٹھارہ ماہ زندہ رہے، پھر انتقال کر گئے۔

1 الطبقات لابن سعد: 212/8. 2 المستدرك للحاكم: 553/2، الطبقات لابن سعد 214/8.

نبی اکرم ﷺ اپنے لخت جگر ابراہیم کی وفات پر بے حد غمگین تھے اور بار بار [illegible] پڑھ رہے تھے۔ آپ ﷺ نے سیدہ ماریہ رضی اللہ عنہا کی طرف دیکھا۔ وہ بھی بے حد غمزدہ اور پریشان تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

[illegible]

''ابراہیم میرا بیٹا ہے۔ وہ دودھ پیتا ہوا فوت ہوگیا ہے۔ اس کے لیے دو آیائیں ہیں، وہ جنت میں اس کو بقیہ مدت تک دودھ پلائیں گی۔''[1]



سانحۂ ارتحال

سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات کے سال بھر سے زیادہ عرصے کے بعد رسول اللہ ﷺ اس دنیائے فانی سے کوچ کر گئے۔ اب سیدہ ماریہ رضی اللہ عنہا بالکل گوشہ نشیں ہوگئیں۔ زیادہ وقت عبادت میں گزارتیں۔

سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد پانچ سال تک زندہ رہیں۔ انھوں نے 16 ھ میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں وفات پائی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ انھیں بقیع الغرقد میں دفن کیا گیا۔[2]

1 صحیح مسلم: 2316۔ 2 الطبقات لابن سعد: 216/8.

سیدہ ریحانہ رضی اللہ عنہا

نام و نسب

ام المومنین سیدہ ریحانہ رضی اللہ عنہا یہود کے قبیلہ بنو نضیر سے تعلق رکھتی تھیں اور بنو قریظہ میں بیاہی ہوئی تھیں۔ ان کا سلسلہ نسب یہ ہے: ریحانہ بنت زید بن عمرو بن خنافہ بن شمعون بن زید۔ بعض نے یہ نسب بیان کیا ہے: ریحانہ بنت شمعون بن زید بن خنافہ۔

نکاح

سیدہ ریحانہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح بنو قریظہ کے ایک شخص ''حکم'' سے ہوا۔ غزوۂ بنو قریظہ کے بعد جن یہودیوں کو قتل کیا گیا ان میں ''حکم'' بھی شامل تھا۔[1]

رسول اللہ ﷺ نے بنو قریظہ کی قیدی عورتوں میں سے سیدہ ریحانہ بنت عمرو بن خنافہ کو اپنے لیے منتخب کیا۔ آپ ﷺ نے انھیں سیدہ ام منذر بنت قیس رضی اللہ عنہا کے گھر ٹھہرایا۔[2]

قبول اسلام

سیدہ ریحانہ رضی اللہ عنہا کے اسلام قبول کرنے کے بارے میں دو روایتیں ہیں:

1 نبی اکرم ﷺ نے سیدہ ریحانہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''اگر تم چاہو تو اسلام قبول کر لو اور چاہو تو اپنے مذہب پر قائم رہو۔'' انھوں نے اپنے مذہب پر قائم رہنے کو ترجیح دی۔ اس پر آپ ﷺ کو رنج ہوا۔ تاہم آپ ﷺ نے انھیں ان کی حالت پر چھوڑ دیا۔

سیدنا ثعلبہ بن سعیہ رضی اللہ عنہ نے مسلسل کوشش کی۔ انھیں اسلام قبول کرنے پر آمادہ کر لیا اور خوشی خوشی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو اس وقت نبی اکرم ﷺ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ نے ان کے قدموں کی آہٹ سنی تو فرمایا:

1 الطبقات لابن سعد 129/8، الاصابۃ 146/8 2 الطبقات لابن سعد 129/8

[illegible]

’’یہ ثعلبہ بن سعیہ (ابن سعید) ہیں۔ وہ مجھے ریحانہ کے اسلام لانے کی خوشخبری دینے آئے ہیں۔‘‘

انھوں نے خدمت اقدس میں آ کر بتایا کہ وہ مسلمان ہوگئی ہیں۔ نبی اکرم ﷺ بے حد خوش ہوئے اور انھیں ام منذر سلمٰی بنت قیس رضی اللہ عنہا کے گھر سے لانے کا حکم صادر فرمایا۔

2 ایک اور روایت ہے کہ سیدہ ریحانہ رضی اللہ عنہا قیدی ہو کر آئیں۔ نبی اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا:

[illegible]

’’اگر تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا انتخاب کرو گی تو اللہ کا رسول تمھیں اپنے لیے منتخب کر لے گا۔‘‘

چنانچہ سیدہ ریحانہ رضی اللہ عنہا نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو پسند کر لیا۔

سیدہ ریحانہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ جب میں مسلمان ہوگئی تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے آزاد کر کے مجھ سے شادی کر لی اور بارہ اوقیہ حق مہر ادا کیا۔ یہ مہر اتنا ہی تھا جتنا باقی سب ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو مرحمت فرمایا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے میری باری بھی مقرر کر دی اور مجھے پردہ کرنے کا حکم بھی صادر فرمایا۔

نبی اکرم ﷺ ان سے انتہائی محبت و شفقت کا سلوک فرماتے تھے۔ آپ ﷺ نے ان کے لیے مدینے سے باہر علاقہ قیس بن فہد میں مستقل رہائش کا انتظام فرما دیا۔[1]

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ سیدہ ریحانہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ کی وفات تک آپ کی ’’ملک یمین‘‘ (لونڈی) رہیں۔ جبکہ ابن سعد نے واقدی سے کئی طرق سے یہ بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ نے 6 ھ میں انھیں آزاد کر کے ان سے شادی کر لی تھی۔[2]

وفات

نبی اکرم ﷺ جب حجۃ الوداع سے واپس تشریف لائے تو سیدہ ریحانہ رضی اللہ عنہا بیمار ہو کر انتقال کر گئیں۔ آپ ﷺ نے خود ان کا جنازہ پڑھایا اور انھیں بقیع الغرقد میں دفن کیا۔[3]

1 الطبقات لابن سعد: 8/129، 131 2 الطبقات لابن سعد: 8/129،130، شرح الزرقاني علی المواهب: 4/ 462

3 الإصابة: 8/164

رسول اللہ ﷺ کی اولاد

اللہ رب العزت کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے انسانوں کو بھٹکنے کے لیے بے یار و مددگار نہیں چھوڑا۔ بلکہ ان کی رہنمائی کے لیے سید البشر محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا اور آپ کے اسوۂ حسنہ کے ذریعے سے زمانے اور زندگی کے ہر دور اور ہر شعبے میں تا ابد چراغ ہدایت روشن کر دیا۔ اولاد کی تعلیم و تربیت کس طرح کرنی چاہیے؟ یہ سبق سیکھنا ہو تو زینب، ام کلثوم اور فاطمہ کے والد گرامی ﷺ کو دیکھیے۔ اولاد اللہ کو پیاری ہو جائے تو قاسم، عبداللہ اور ابراہیم کے پدر بزرگوار کے وقار اور صبر جمیل کو نمونۂ عمل بنائیے۔ اسی حکمت و مشیت الٰہی کے پیش نظر اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ ﷺ کو اولاد جیسی نعمت سے نوازا۔

آپ ﷺ کی تین صاحبزادیاں اور تین بیٹے آپ کی حیات طیبہ ہی میں انتقال کر گئے۔ انتہائی غم و اندوہ کے ان مواقع پر آپ ﷺ نے جس وقار سے صبر جمیل کا مظاہرہ فرمایا، وہ اولاد کے لیے صبر و شکیب کے مراحل سے گزرنے والوں کے لیے تا ابد عملی نمونہ بن گیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو اولاد نرینہ سے بھی نوازا اور بیٹیاں بھی عطا فرمائیں۔ مگر آپ کی نرینہ اولاد بچپن ہی میں یکے بعد دیگرے فوت ہو گئی جس پر آپ نے صبر جمیل اختیار کیا۔

اہل عرب بیٹیوں کی ولادت اور ان کی پرورش کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ بیٹیوں کو زندہ درگور کر دینا ان کا پرانا شیوہ تھا۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کی ساری بیٹیاں حیات رہیں اور شادی شدہ ہونے کے بعد فوت ہوئیں۔ آپ نے ان سے بڑی محبت کی اور بڑے اچھے اور کریمانہ انداز سے ان کی تربیت فرمائی۔ بلکہ آپ ﷺ نے بیٹیوں کی پرورش کے حوالے سے ارشاد فرمایا:

مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ حَتَّى تَبْلُغَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَنَا وَهُوَ وَضَمَّ أَصَابِعَهُ

''جو دو بیٹیوں کی پرورش کرلے یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائیں تو میں اور وہ قیامت کے دن اس طرح آئیں گے۔'' یہ فرما کر آپ نے اپنی انگلیوں کو ملایا۔''[1]

آیئے رسول اللہ ﷺ کی اولاد کے بارے میں صحیح معلومات حاصل کریں۔

1 صحیح مسلم، 2631

رسول اللہ ﷺ کی چار بیٹیاں اور تین بیٹے تھے

رسول اللہ ﷺ کے تین بیٹے تھے: قاسم، عبداللہ اور ابراہیم، جبکہ بیٹیاں چار تھیں: سیدہ زینب، سیدہ ام کلثوم، سیدہ رقیہ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہن۔ ان میں سب سے آخر میں سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے اور تقریباً ڈیڑھ سال کی عمر میں فوت ہو گئے۔ باقی ساری اولاد سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے پیدا ہوئی۔ قاسم اور عبداللہ بچپن ہی میں فوت ہو گئے، البتہ تمام صاحبزادیوں نے زندگی پائی۔ ان کی شادیاں بھی ہوئیں اور وہ اپنے شوہروں کے گھر میں بہت خیر وخوبی اور خوشی سے رہیں۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ باقی تینوں بیٹیاں رسول اللہ ﷺ کی زندگی ہی میں فوت ہو گئیں۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے چھ ماہ بعد فوت ہوئیں۔

رسول اللہ ﷺ کی چار صاحبزادیاں تھیں

رسول اللہ ﷺ کی چار بیٹیوں پر تمام سیرت نگاروں، علمائے انساب، محدثین اور متقدمین علماء کا اتفاق ہے۔ لیکن بعض لوگ تعصب کی بنا پر رسول اللہ ﷺ کی صرف ایک ہی صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حقیقی بیٹی شمار کرتے ہیں اور باقی کو لے پالک صاحبزادیاں قرار دیتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ﴾

”تم ان (اولادوں) کو ان کے باپوں کی طرف نسبت کر کے پکارو۔ یہی اللہ کے ہاں بہت انصاف کی بات ہے۔“[1]

تمام انسانوں کے لیے فرمان الٰہی کا تقاضا یہ ہے کہ اولاد کو ان کے آباء ہی کی طرف منسوب کیا جائے۔ غیر آباء کی طرف ہرگز منسوب نہ کیا جائے۔ چہ جائے کہ سرورِ دو عالم رسول اللہ ﷺ کی حقیقی بیٹیوں کو دوسرے آباء کی طرف منسوب کر دیا جائے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی حقیقی بیٹیوں کے ساتھ انتہائی غلط اور ناروا سلوک ہے اور آپ ﷺ کو بدترین انداز میں ایذا پہنچانے کی جسارت ہے۔

یہ عقیدہ رکھنا کہ نبی ﷺ کی صرف ایک ہی حقیقی بیٹی تھی اور باقی بیٹیوں کا انکار کرنا، امت میں افتراق و انتشار کے اسباب میں سے ایک ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ سید الکونین محمد ﷺ کی مقدس بیٹیوں پر بہت بڑا ظلم اور انتہائی سنگین بہتان ہے۔ ذرا غور کریں کہ یہ الزام ان عظیم ہستیوں کے فرامین کے بھی صریحاً خلاف ہے جنھیں یہ لوگ ائمہ معصومین گردانتے ہیں۔ ان سب حضرات نے چاروں صاحبزادیوں کو رسول اللہ ﷺ کی حقیقی بیٹیاں قرار دیا ہے۔

[1] الأحزاب 5:33

قرآن مجید میں صراحتاً یہ کہا گیا ہے کہ آپ ﷺ کی ایک سے زائد بیٹیاں تھیں۔ پردے کے احکام نازل فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَابِيبِهِنَّ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَن يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ

''اے نبی! اپنی بیویوں، اپنی بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دیجیے کہ اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکا لیا کریں، اس سے بہت جلد ان کی شناخت ہو جایا کرے گی تو پھر نہ ستائی جائیں گی۔''[1]

اس آیت میں پہلے ازواج، پھر بنات اور پھر نساء کے الفاظ استعمال ہوئے۔ یہ تینوں صیغے جمع کے لیے ہیں اور جمع کا اطلاق کم از کم تین پر ہوتا ہے، پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ بیویوں کو ایک سے زائد شمار کیا جائے، مومنوں کی عورتوں کو جمع سمجھا جائے لیکن بنات سے صرف ایک ہی بیٹی مراد لی جائے؟!

علامہ ابن سعد نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ فرماتے ہیں:

كَانَ أَوَّلُ مَنْ وُلِدَ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ بِمَكَّةَ قَبْلَ النُّبُوَّةِ الْقَاسِمُ وَبِهِ كَانَ يُكْنَى، ثُمَّ وُلِدَ لَهُ زَيْنَبُ، ثُمَّ رُقَيَّةُ، ثُمَّ فَاطِمَةُ، ثُمَّ أُمُّ كُلْثُومٍ، ثُمَّ وُلِدَ لَهُ فِي الْإِسْلَامِ عَبْدُ اللَّهِ فَسُمِّيَ الطَّيِّبَ وَالطَّاهِرَ، وَأُمُّهُمْ جَمِيعًا خَدِيجَةُ بِنْتُ خُوَيْلِدٍ.

''نبوت سے پہلے مکہ مکرمہ میں رسول اللہ ﷺ کے ہاں سب سے پہلے قاسم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ ان کی مناسبت سے آپ ﷺ کی کنیت ''ابوالقاسم'' تھی، پھر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں، پھر رقیہ، پھر فاطمہ، پھر ام کلثوم رضی اللہ عنہن اور پھر اسلام کے دور میں آپ ﷺ کے صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ انھی کو طیب اور طاہر کہا جاتا ہے۔ آپ ﷺ کی اس ساری اولاد کی والدہ ماجدہ سیدہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا تھیں۔''[2]

البتہ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے بعد سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔ پھر سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔ پھر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔ علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے بھی یہی لکھا ہے کہ صحیح یہی ہے کہ آپ کی صاحبزادیوں میں سب سے چھوٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا تھیں۔[3]

اگلے صفحات میں نبی اکرم ﷺ کے ہر بیٹے اور بیٹی کا الگ الگ تذکرہ کیا جا رہا ہے اور ان کے مختصر حالات آپ کی خدمت میں پیش کیے جا رہے ہیں۔

1 الأحزاب 59:33 2 الطبقات لابن سعد 133/1 3 الاستیعاب، ص 64.

سیدنا قاسم ﷛

رسول اللہ ﷺ کی ساری اولاد سیدہ خدیجہ ؓ سے ہوئی سوائے سیدنا ابراہیم ؓ کے جو ماریہ قبطیہ ؓ سے پیدا ہوئے۔ سیدہ خدیجہ ؓ سے آپ ﷺ کے دو صاحبزادے اور چار بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ ان میں سب سے پہلے نمبر پر قاسم ؓ ہیں۔ سیدنا ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ہاں مکہ میں سب سے پہلے قاسم پیدا ہوئے۔ یہ نبوت سے پہلے کی بات ہے۔[1] رسول اللہ ﷺ کی ابوالقاسم کنیت اسی بیٹے قاسم کی وجہ سے ہے۔

ایک مرتبہ نبی ﷺ بازار سے گزر رہے تھے کہ کسی شخص نے ابوالقاسم کہہ کر آواز دی۔ آپ نے پلٹ کر دیکھا تو اس شخص نے کہا کہ میں نے تو کسی اور شخص کو بلایا ہے۔ آپ نے اس وقت سے اپنی کنیت ابوالقاسم رکھنے کی ممانعت فرما دی اور فرمایا: «تسمّوا باسمي ولا تكنّوا بكنيتي» ''تم لوگ بے شک میرا نام رکھو، مگر میری کنیت نہ رکھو۔''[2]

سیدنا قاسم ؓ دو برس کی عمر میں اعلان نبوت سے قبل انتقال فرما گئے۔[3] عمر مبارک کے سلسلے میں اور بھی روایات ہیں۔ ایک روایت تو یہ بھی ہے کہ وہ اتنی عمر تک پہنچے کہ سواری پر بیٹھ سکتے تھے۔[4] بہرحال اس بات پر تمام سیرت نگاروں کا اتفاق ہے کہ آپ ﷺ کی اولاد میں سے سب سے پہلے سیدنا قاسم ؓ نے انتقال فرمایا۔

سیدنا عبداللہ ﷛

عبداللہ ؓ کا لقب طیب اور طاہر بھی ہے۔ سیرت نگاروں کے مطابق سیدنا عبداللہ کی ولادت اعلان نبوت کے بعد ہوئی اور یہی مکہ مکرمہ میں انتقال کرنے والے رسول اللہ ﷺ کے دوسرے صاحبزادے تھے، چنانچہ ان کے انتقال پر دشمن اسلام عاص بن وائل نے کہا: آپ کی مزید اولاد کا سلسلہ منقطع ہو گیا ہے، لہٰذا آپ تو ''الابتر'' (نسل بریدہ) ہیں۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے سورۂ کوثر نازل کی جس میں فرمایا: ﴿إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ﴾ [illegible]
''بے شک آپ کا دشمن ہی نسل بریدہ ہوگا۔''[5]

نبی ﷺ کے تیسرے صاحبزادے ابراہیم ؓ کا تذکرہ ماریہ قبطیہ ؓ کے ضمن میں آگے آرہا ہے۔

[1] الطبقات لابن سعد: 133/1. [2] صحیح البخاری: 2120. اس مسئلے کے متعلق مزید دیکھیے اللؤلؤ والمرجان ... .121،120/2 [3] الطبقات لابن سعد: 133/1. [4] زاد المعاد: 102/1. [5] الطبقات لابن سعد: 133/1.

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا

نام و نسب

رسول اللہ ﷺ کی سب سے بڑی صاحبزادی کا نام ''زینب'' تھا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

زَيْنَبُ بِنْتُ سَيِّدِ وَلَدِ آدَمَ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ الْقُرَشِيَّةُ الْهَاشِمِيَّةُ هِيَ أَكْبَرُ بَنَاتِهِ

''زینب سید ولد آدم محمد ﷺ بن عبداللہ بن عبدالمطلب قریشی ہاشمی کی سب سے بڑی بیٹی تھیں۔''[1]

والدگرامی ﷺ کی طرف سے سلسلۂ نسب یہ ہے: زینب بنت محمد ﷺ بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لؤی بن غالب بن فہر۔

والدہ ماجدہ کی طرف سے سلسلۂ نسب یہ ہے: زینب بنت خدیجۃ الکبریٰ بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی۔[2]

پیدائش

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وُلِدَتْ قَبْلَ الْبَعْثَةِ بِمُدَّةٍ قِيلَ إِنَّهَا عَشْرُ سِنِينَ ''سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بعثت نبوی سے بہت پہلے، کہا جاتا ہے کہ دس سال پہلے پیدا ہوئیں۔''[3] اس سے معلوم ہوا کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی پیدائش کے وقت رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک 30 سال تھی۔ اس بات کا ذکر ابن اثیر رحمہ اللہ نے بھی اپنی کتاب ''اسد الغابہ'' میں کیا ہے۔[4]

نکاح

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اور نبی کریم ﷺ کی زیرنگرانی تربیت پائی۔ وہ نوعمری ہی میں امور خانہ داری کی ماہر اور اعلیٰ اخلاق کی پیکر بن چکی تھیں۔ ان کی صفات حمیدہ کے باعث قریش کے گھرانوں کی طرف سے ان

1 الإصابة: 151/8. 2 الطبقات لابن سعد: 31/8. 3 الإصابة: 151/8. 4 أسد الغابة: 298/6

کے لیے رشتے آنے شروع ہو گئے۔

سب سے پہلے ابوالعاص بن ربیع نکاح کا پیغام لے کر آئے۔ ابوالعاص زینب رضی اللہ عنہا کی اچھی صفات سے واقف تھے کیونکہ وہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے خالہ زاد تھے اور اکثر اپنی خالہ سے ملنے آتے تھے۔ آپ ﷺ اور خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی ابوالعاص رضی اللہ عنہ کی اچھی عادات و صفات سے واقف تھیں بلکہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بھی ان کی صفات عالیہ سے واقف ہو چکی تھیں، لہٰذا آپ ﷺ اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے خوشی سے یہ رشتہ قبول کر لیا اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے بھی ہاں کر دی۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی صغر سنی ہی میں ابوالعاص بن ربیع سے شادی ہو گئی۔[1]

ابوالعاص کا نام و نسب

ابوالعاص ان کی کنیت تھی۔ نام کے بارے میں مختلف اقوال ہیں: بعض نے ان کا نام لقیط لکھا ہے۔ کسی نے زبیر نام بتایا ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ان کا نام مِہْشَم، یا مِرْیَا ہُشَیم تھا۔[2]

والد کی طرف سے ان کا سلسلۂ نسب یہ ہے: ابوالعاص بن ربیع بن عبدالعزیٰ بن عبدشمس بن عبد مناف بن قصی۔

والدہ کی طرف سے سلسلۂ نسب یہ ہے: ابوالعاص ابن ہالہ بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن عبدشمس بن عبد مناف بن قصی، گویا عبد مناف پر جا کر ان کا نسب رسول اللہ ﷺ کے نسب سے مل جاتا ہے۔[3]

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے شادی کے موقع پر اپنی بیٹی کو تحفے میں اپنا عقیق کا ایک بیش قیمت یمنی ہار دیا جو ماں کی ممتا کی ایک انمول نشانی تھی۔[4]

''امین'' کی صاحبزادی امین کے گھر

رسول اللہ ﷺ اپنی بیٹی زینب رضی اللہ عنہا سے بہت خوش تھے اور ان سے ملاقات کے لیے ابوالعاص بن ربیع کے گھر تشریف لے جایا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو اس بات پر بڑی خوشی تھی کہ آپ کا داماد ابوالعاص بھی آپ ہی کی طرح مکے میں ''امین'' کے لقب سے مشہور تھا۔[5]

قبول اسلام

جب رسول اللہ ﷺ نے اعلان نبوت فرمایا اور اسلام کی دعوت دی تو سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بھی اسی وقت اپنی والدہ محترمہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لے آئیں۔ امام زرقانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ایمان کے آنگن

1 نسب قریش للزبیری، ص: 130،129. 2 الإصابة: 207/7. 3 الطبقات لابن سعد: 31/8. 4 الإصابة: 161/8.
5 الإصابة: 207/7

میں سب سے پہلے داخل ہونے والوں کی فہرست میں بیٹیوں کا نام نہیں لیا جاتا، حالانکہ وہ تو بعثت سے پہلے ہی اپنے فخرِ انسانیت والدِ مکرم ﷺ کے اسوۂ مبارک سے بے حد متاثر تھیں۔[1]

سیرت ابن ہشام میں ہے کہ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

فلما أكرم الله رسوله ﷺ بنبوته أسلمت خديجة وبناته.

''جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو خلعت نبوت سے سرفراز کیا تو خدیجہ اور آپ ﷺ کی بیٹیاں فوراً مسلمان ہوگئیں۔''[2]

جب رسول اللہ ﷺ نے نبوت کا اعلان کیا تو زینب رضی اللہ عنہا کے شوہر ابوالعاص تجارت کی غرض سے مکہ سے باہر گئے ہوئے تھے۔ انھوں نے دوران سفر ہی میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے بارے میں خبر سن لی۔ مکہ مکرمہ آ کر تصدیق ہوئی۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے انھیں بتایا کہ میں نے بھی اسلام قبول کر لیا ہے۔ ابوالعاص نے کوئی جواب نہ دیا۔ چپ چاپ گھر سے باہر نکل گئے۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بہت پریشان ہوئیں۔ ابوالعاص رضی اللہ عنہ بہت سمجھدار انسان تھے۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو بڑی امید تھی کہ وہ مسلمان ہو جائیں گے لیکن وہ بغیر جواب دیے گھر سے چلے گئے تو انھیں بڑا صدمہ ہوا۔

ابوالعاص سیدھے بیت اللہ گئے۔ وہاں سے گھر آئے۔ اپنی بیوی زینب رضی اللہ عنہا سے کہا: میں کعبہ میں گیا، آپ کے ابا جان سے ملا، انھوں نے مجھے اسلام کی دعوت دی۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے تصور میں بھی نہ تھا کہ ان کا خاوند اپنے ہی خیالات کے تابع ہو جائے گا اور ایمان کی دولت سے محروم رہے گا۔

ابوالعاص نے زینب رضی اللہ عنہا سے کہا: مجھے تم پر حیرت ہے! تم نے اسلام قبول کرنے میں بڑی تیزی دکھائی ہے۔ زینب رضی اللہ عنہا نے اسے حیران دیکھا تو کہا: اللہ کی قسم! میں اپنے عظیم المرتبت باپ کو جھٹلا نہیں سکتی۔ آپ بھی اس حقیقت سے خوب آگاہ ہیں کہ وہ سچے اور امین ہیں۔ اللہ کی قسم! وہ سچے ہیں۔ میری ماں اور بہنیں، علی، ابوبکر صدیق، عثمان بن عفان اور تمھارے ماموں زاد بھائی زبیر بن عوام رضی اللہ عنہم بھی ایمان لا چکے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ تم بھی میرے باپ کو نہیں جھٹلاؤ گے اور ان کی نبوت پر ایمان لے آؤ گے۔

ابوالعاص نے کہا: مجھے تمھارے والد محترم پر کوئی شک و شبہ نہیں۔ نہ میں انھیں جھٹلاتا ہوں بلکہ مجھے تو اس سے زیادہ کوئی چیز عزیز نہیں کہ میں تمھارے طریقے پر تمھارے ساتھ ساتھ چلوں لیکن میں ڈرتا ہوں کہ قوم کہے گی کہ میں نے بیوی کی خاطر اپنے آباء و اجداد کا دین چھوڑ دیا۔

1 شرح الزرقاني على المواهب 460/1، 2 السيرة لابن هشام 652/2

لہٰذا اس مرحلے پر انھوں نے اسلام قبول نہ کیا۔[1]

ابوالعاص نے کب اسلام قبول کیا؟ ان کے بارے میں مزید حالات و واقعات جاننے کے لیے سیرت انسائیکلوپیڈیا: 523-516/5 ملاحظہ فرمائیں۔

نکاح جدید ہوا یا نہیں؟

اسلام قبول کر لینے کے بعد سیدنا ابوالعاص رضی اللہ عنہ کا سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے دوبارہ نکاح ہوا یا نہیں؟ اس کے بارے میں دو طرح کی روایتیں ہیں۔

ایک روایت تو ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

رَدَّ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ابْنَتَهُ زَيْنَبَ عَلٰى أَبِي الْعَاصِ بْنِ الرَّبِيعِ بَعْدَ سِتِّ سِنِينَ بِالنِّكَاحِ الْأَوَّلِ لَمْ يُحْدِثْ شَيْئًا.

''رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیٹی زینب رضی اللہ عنہا کو چھ سال بعد پہلے ہی نکاح پر ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے پاس لوٹا دیا اور نیا نکاح نہیں کیا۔''[2]

اس روایت کو امام احمد، حاکم، عبداللہ بسام اور حازم علی قاضی نے صحیح کہا ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس روایت کی تمام سندوں کا جائزہ لیتے ہوئے ''سنین'' کے لفظ کے علاوہ باقی حدیث کو صحیح کہا ہے۔

دوسری روایت عمرو بن شعیب کی ہے:

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ رَدَّ ابْنَتَهُ زَيْنَبَ عَلٰى أَبِي الْعَاصِ بْنِ الرَّبِيعِ بِنِكَاحٍ جَدِيدٍ.

''رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیٹی زینب کو ابوالعاص بن ربیع کے پاس نیا نکاح کر کے واپس بھیجا۔''[3]

امام ترمذی رحمہ اللہ نے کہا: ابن عباس رضی اللہ عنہما والی حدیث کی سند عمدہ ہے لیکن عمل عمرو بن شعیب کی حدیث پر ہے۔[4]

عمرو بن شعیب کی روایت کو علامہ البانی رحمہ اللہ نے ضعیف کہا ہے۔[5]

شیخ عبداللہ بسام بھی اسے ضعیف کہتے ہیں جبکہ شیخ حازم علی قاضی نے منکر کہا ہے۔[6]

پہلی روایت، جس میں بتایا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو ابوالعاص رضی اللہ عنہ کی طرف بغیر نکاح جدید کے لوٹا دیا، صحیح ہے۔ دوسری روایت جس میں جدید نکاح کا ذکر ہے، جمہور محدثین کے نزدیک وہ ضعیف ہے، لہٰذا

1 نساء حول الرسول، ص: 130. 2 جامع الترمذي: 1143، سنن أبي داود: 2240. 3 سنن ابن ماجه: 2010. 4 جامع الترمذي: 1144. 5 جامع الترمذي للألباني: 1142. 6 توضيح الأحكام: 329/5، حديث: 874.

اس معاملے میں راجح موقف یہی ہے کہ اگر عورت مسلمان ہو جائے اور وہ عدت گزارنے کے لیے نئے نکاح کے اختیار کے باوجود نکاح نہ کرے اور پھر شوہر بھی مسلمان ہو جائے، چاہے کتنی مدت کے بعد ہی سہی اور وہ دونوں اکٹھے رہنا چاہیں تو انھیں باہم مل کر زندگی بسر کرنے کے لیے نئے نکاح کی ضرورت نہیں۔ [1]

مولانا صفی الرحمن مبارکپوری ﷫ فرماتے ہیں: ”ابوالعاص جب مسلمان ہوکر مدینہ تشریف لائے تو رسول اللہ ﷺ نے پہلے نکاح ہی کی بنیاد پر زینب ﷞ کو ان کے حوالے کر دیا تھا جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ اس وقت تک کفار پر مسلمان عورتوں کے حرام کیے جانے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ اور جس حدیث میں آتا ہے کہ نکاح جدید کے ساتھ رخصت کیا گیا تھا یا یہ کہ چھ ماہ بعد رخصت کیا گیا تھا تو وہ حدیث معناً صحیح ہے نہ سنداً بلکہ دونوں لحاظ سے ضعیف ہے۔“ [2]

اس کی مزید تفصیل کے لیے اتحاف الکرام شرح بلوغ المرام، نیل الأوطار اور زاد المعاد کا مطالعہ کیا جائے۔ حافظ ابن قیم ﷫ نے صفوان بن امیہ اور ان کی بیوی فاختہ بنت ولید بن مغیرہ، عکرمہ بن ابی جہل اور ان کی بیوی ام حکیم، ابوسفیان اور ان کی بیوی ہند، حکیم بن حزام، ابوسفیان بن حارث اور عبداللہ بن ابی امیہ، یعنی مسلمان ہونے والے صحابۂ کرام ﷢ چاہے ان کی بیویاں پہلے مسلمان ہوئیں یا خاوند پہلے مسلمان ہوئے اور ان کی بیویاں بعد میں مسلمان ہوئیں، ان سب کے متعلق لکھا ہے کہ ان کا پہلا نکاح برقرار رکھا گیا تھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے علم میں ایک آدمی بھی ایسا نہیں جس نے اسلام لانے کی بنا پر لازماً نکاح کی تجدید کی ہو۔ [3]

وفات

سیدہ زینب ﷞ غزوۂ بدر کے ایک سال بعد 3 ھ میں مدینہ تشریف لائیں۔ تین سال بعد ان کا خاوند ان سے آن ملا۔ سیدہ زینب ﷞ ابوالعاص ﷜ کی ہجرت کے بعد تقریباً دو سال تک ان کی رفاقت میں رہیں۔ پھر آپ 8 ھ میں 31 سال کی عمر میں فوت ہوگئیں۔ [4] سیدہ ام عطیہ ﷞ سے روایت ہے کہ جس وقت رسول اللہ ﷺ کی بیٹی فوت ہوئی تو آپ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تین مرتبہ یا پانچ مرتبہ غسل دو، اگر مناسب سمجھو تو زیادہ مرتبہ بھی دے سکتی ہو۔ غسل پانی اور بیری کے پتوں کے ساتھ دینا اور آخر میں کافور کی آمیزش کر لینا۔ جب غسل سے فارغ ہو جاؤ تو مجھے اطلاع دینا۔“ جب ہم غسل سے فارغ ہوگئیں تو ہم نے آپ ﷺ کو اطلاع دی۔ آپ ﷺ نے ہمیں اپنی چادر دی اور فرمایا: ”اسے کفن کے اندر پہنا دو۔“ [5]

1 فقه الإسلام، شرح حديث: 1009. 2 الرحيق المختوم، ص: 525. 3 زاد المعاد: 139,138/5. 4 الطبقات لابن سعد 34/8، الإصابة: 152/8. 5 صحيح البخاري: 1253.

غسل دینے میں سیدہ ام ایمن، ام المومنین سیدہ سودہ اور سیدہ ام سلمہ ؓ شریک تھیں۔[1] رسول اللہ ﷺ نے خود ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور بنفس نفیس قبر میں اترے۔ بعد ازاں اپنی لخت جگر کو سپرد خاک کیا۔[2]

اولاد

سیدہ زینب ؓ نے اپنے بعد ایک بیٹا علی ؓ اور ایک بیٹی امامہ ؓ چھوڑی۔ علی ؓ سے متعلق ایک روایت یہ ہے کہ وہ بچپن ہی میں وفات پا گئے[3] لیکن عام روایت یہ ہے کہ وہ بلوغت کو پہنچے۔ ابن عساکر نے کہا ہے کہ وہ فتح مکہ میں رسول اللہ ﷺ کے ردیف تھے۔ انھوں نے معرکۂ یرموک میں شہادت پائی۔[4] اور سیدہ امامہ ؓ کے متعلق یہ روایت ہے کہ سیدنا ابو العاص ؓ نے وفات سے پہلے امامہ ؓ کو سیدنا زبیر بن عوام ؓ کی سرپرستی میں دے دیا تھا۔[5] رسول اللہ ﷺ سیدہ امامہ ؓ سے بے حد محبت کرتے تھے۔ سیدنا ابو قتادہ ؓ سے روایت ہے:

رأيت النبي ﷺ يؤم الناس وأمامة بنت أبي العاص وهي ابنة زينب بنت النبي ﷺ على عاتقه فإذا ركع وضعها وإذا رفع من السجود أعادها.

"میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، آپ ﷺ لوگوں کی امامت فرما رہے تھے۔ امامہ بنت ابی العاص ؓ جو آپ کی دختر زینب کی بیٹی تھیں، آپ ﷺ کے کندھوں پر تھیں۔ آپ رکوع کرتے تو اسے نیچے اتار دیتے اور جب سجدے سے سر اٹھاتے تو اسے دوبارہ اٹھا لیتے تھے۔"[6]

سیدہ فاطمہ ؓ کی وصیت کے مطابق سیدنا علی ؓ نے سیدہ امامہ ؓ سے نکاح کر لیا تھا۔ جب سیدنا علی ؓ فوت ہونے لگے تو انھوں نے سیدہ امامہ ؓ کو وصیت کی کہ اگر وہ نکاح کرنا چاہیں تو مغیرہ بن نوفل سے کریں، چنانچہ سیدہ امامہ ؓ نے مغیرہ بن نوفل ؓ سے نکاح کر لیا۔ مغیرہ کی طرف سے امامہ کے بطن سے ایک لڑکا یحییٰ پیدا ہوا، پھر یہ نسل ختم ہو گئی۔[7]

1 الطبقات لابن سعد 34/8، 2 أسد الغابة 299/5، 3 سير أعلام النبلاء 246/2، 4 تاريخ دمشق لابن عساكر 7،6/46، ترجمة علي بن أبي العاص بن الربيع، 5 مجمع الزوائد 254/9، 6 صحيح مسلم، 543، 7 أسد الغابة 218/5، مجمع الزوائد 255-254/9

سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا

نام و نسب

رسول اللہ ﷺ کی دوسری صاحبزادی کا نام سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا ہے۔ والدِ گرامی کی طرف سے سلسلۂ نسب یہ ہے: رقیہ بنت محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی۔ اور والدہ ماجدہ کی طرف سے نسب نامہ یہ ہے: رقیہ بنت خدیجہ الکبریٰ بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی۔

پیدائش

سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بعثت نبوی سے سات سال پہلے مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئیں۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک 33 سال اور سیدہ خدیجہ کی عمر 48 سال تھی۔ سیدہ رقیہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے تین سال چھوٹی اور سیدہ فاطمہ اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہما سے بڑی تھیں۔[1]

سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی شادی

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح کے ایک دو سال بعد بنو ہاشم کے کچھ لوگ ابو طالب کو ساتھ لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے: آپ نے اپنی بڑی بیٹی کا نکاح ابو العاص رضی اللہ عنہ سے کر دیا ہے، بے شک وہ اچھا داماد اور شریف انسان ہے مگر آپ کے عم زاد کہتے ہیں کہ جس طرح آپ ﷺ پر خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہن ''ہالہ'' کے بیٹے کا حق ہے، اسی طرح آپ پر ہمارا بھی حق ہے، حسب نسب اور شرافت میں ہم کسی طرح ان سے کم نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا: ''معاملہ کیا ہے؟'' انھوں نے کہا: ہم آپ کی دو صاحبزادیوں رقیہ اور ام کلثوم رضی اللہ عنہما کا رشتہ مانگنے آئے ہیں۔ آنے والوں میں ابولہب بھی تھا۔ وہی اپنے بیٹوں عتبہ اور عتیبہ کے لیے رشتے کا خواستگار تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے چچا! مجھے قرابت داری اور رشتہ داری سے انکار نہیں لیکن آپ مجھے سوچنے کا موقع دیں۔'' رسول اللہ ﷺ نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے مشورہ کیا۔ پہلے وہ تو اس رشتہ پر تیار نہ ہوئیں کیونکہ ان کے

1 [illegible] 8/138.

سامنے ام جمیل (ابولہب کی بیوی) کا چہرہ تھا۔ وہ انتہائی بدتمیز اور بدزبان عورت تھی۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو فکر یہ تھی کہ اس بدزبان عورت کی موجودگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بچیوں کا نباہ کس طرح ہوگا؟ پورا مکہ اس عورت کی بدزبانی سے واقف تھا۔ دوسری طرف رشتے سے انکار کرنے میں یہ خوف لاحق تھا مبادا سارے بنو ہاشم غیظ و غضب کا شکار ہو جائیں۔ ابولہب اور ام جمیل سے ہرگز بعید نہ تھا کہ وہ حد سے زیادہ فتنہ انگیزی کریں۔ اس سے پہلے خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنی صاحبزادی کا رشتہ اپنے بھانجے سے کر چکی تھیں۔ بالآخر سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مشورے اور بیٹیوں کی رضامندی سے سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح عتبہ سے اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح عتیبہ سے کر دیا گیا۔[1]

واضح رہے کہ یہ صرف نکاح ہوا تھا، رخصتی نہیں ہوئی تھی۔ سیرت نگار اور مؤرخ اسی بات کے قائل ہیں۔ طبقات ابن سعد میں بھی یہی ہے کہ صرف نکاح ہوا تھا، رخصتی عمل میں نہیں آئی تھی۔[2]

قبول اسلام

سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بعثت کے ساتھ ہی اسی وقت قبول اسلام سے مشرف ہو گئی تھیں جب ان کی والدہ ماجدہ نے اسلام قبول کیا تھا۔ طبقات ابن سعد میں ہے:

وَأَسْلَمَتْ حِينَ أَسْلَمَتْ أُمُّهَا خَدِيجَةُ بِنْتُ خُوَيْلِدٍ وَبَايَعَتْ رَسُولَ اللّٰهِ مَعَ أَخَوَاتِهَا حِينَ بَايَعَهُ النِّسَاءُ.

"جب سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اسلام لائیں تو سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا نے بھی فوراً اسلام قبول کیا اور جب دوسری عورتوں نے بیعت کی تو سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا نے بھی اپنی بہنوں سمیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی۔"[3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق قریب ترین لوگوں میں اسلام کی دعوت کا آغاز فرمایا تو قریبی حلقے میں سے خوش نصیب مردوں اور عورتوں نے اسلام قبول کرنا شروع کر دیا جبکہ قریشی قبائل نے آپ کی بھرپور مخالفت شروع کر دی۔

طلاق دینے کا مذموم حربہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جب شرک کی مذمت بڑھتی گئی تو سرداران قریش نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تینوں دامادوں سے ملاقات کی اور انھیں کہا کہ تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں کو طلاق دے دو، ہم تمھاری پسند کی لڑکیوں سے شادی

1 الطبقات لابن سعد: 8/36، 37، ونساء حول الرسول ﷺ، ص: 137۔ 2 الطبقات لابن سعد: 8/36۔ 3 الطبقات لابن سعد: 8/36

کرا دیں گے۔ ابو العاص نے طلاق دینے سے صاف انکار کر دیا۔ ابولہب کے بیٹوں نے بھی ان کی بات نہ سنی لیکن جب ابولہب کی گستاخی رسول پر اس کے بارے میں سورۂ لہب نازل ہوئی تو اس نے اپنے دونوں بیٹوں سے بات کی اور فرداً فرداً دونوں سے کہا:

رأسي من رأسك حرام إن لم تطلق ابنته.

''اگر تو نے اس (محمد ﷺ) کی بیٹی کو طلاق نہ دی تو میرا سر تیرے سر سے حرام ہے، یعنی میں کبھی تجھ سے بات تک نہیں کروں گا، نہ تیرے بارے میں کچھ اچھا سوچوں گا۔''[1]

ابولہب نے اس سورت کی خبر ام جمیل کو بھی دے دی۔ اس سورت کی وجہ سے ان دونوں کے چہروں پر غم واندوہ کی پرچھائیاں چھا گئیں، دونوں بڑے غصے میں تھے۔ دونوں نے مل کر اپنے بیٹوں عتبہ اور عتیبہ سے کہا: دیکھو! محمد ﷺ نے ہمیں گالی دی ہے۔ ہم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے۔ ندامت سے ہمارے سر جھک گئے ہیں۔ ابولہب نے بڑے غصے سے اپنے بیٹے عتبہ سے کہا: محمد ﷺ کی بیٹی کو فوراً طلاق دے دو۔ اس نے اسی وقت طلاق دے دی اور شدید غصے سے کہا: میں اس (رقیہ) کے باپ (محمد ﷺ) کے سامنے جا کر اس کے رب کے بارے میں ایسی باتیں کہوں گا جن سے اس کو دلی صدمہ پہنچے گا۔ عتبہ بن ابی لہب رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور آپ ﷺ سے سخت بدزبانی کرنے لگا۔ پھر اس نے آپ ﷺ کی بیٹی کو طلاق دینے کا اعلان کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی بدزبانی پر صبر کیا اور بارگاہ ربانی میں یہ دعا کی:

اللهم سلط عليه كلبا من كلابك

''الٰہی! اپنے کتوں میں سے کوئی کتا اس پر مسلط کر دے۔''

رسول اللہ ﷺ کی یہ دعا قبول ہوئی۔ عتبہ شام کی طرف جا رہا تھا۔ دورانِ سفر اس پر جنگل کے ایک درندے (شیر) نے حملہ کیا اور اسے چیر پھاڑ کر کھا گیا۔[2] بعض مؤرخین یہ بھی کہتے ہیں کہ درندے نے جسے ہلاک کیا تھا، وہ ان دونوں میں سے چھوٹا، یعنی عتیبہ تھا، رسول اللہ ﷺ سے بدزبانی بھی اسی گستاخ نے کی تھی۔

سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا عثمان رضی اللہ عنہ سے نکاح

ام جمیل اور ابولہب کا خیال تھا کہ سیدہ رقیہ اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو طلاق دینے سے رسول اللہ ﷺ کے گھر میں سخت پریشانی اور اضطراب پیدا ہو جائے گا لیکن انھی دنوں اللہ تعالیٰ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو نعمت اسلام سے سرفراز

[1] الطبقات لابن سعد: 36/8 [2] السيرة الحلبية: 468/1، السنن الكبرى للبيهقي: 211/5

فرما دیا۔ وہ سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کی تحریک پر مسلمان ہوئے تھے۔ سیدنا عثمان اموی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ بہت خوبصورت اور مالدار نوجوان تھے۔ انھوں نے جب طلاق کا واقعہ سنا تو فوراً سیدہ رقیہ ؓ سے رشتے کی درخواست کی۔ اس رشتے کو قبول کر لیا گیا اور سیدنا عثمان ؓ کی شادی سیدہ رقیہ ؓ سے ہوگئی۔ یوں انھیں محسن انسانیت ﷺ کا داماد بننے کا شرف حاصل ہوا۔

مکہ والے حسد اور دشمنی کی وجہ سے شادی میں شریک نہ ہوئے۔ انھوں نے سیدنا عثمان ؓ کے خلاف بھی سازشوں کا جال بچھایا اور طرح طرح سے انھیں تنگ کرنے لگے لیکن سیدنا عثمان ؓ نے پامردی سے درپیش حالات کا مقابلہ کیا اور اپنی بیوی کے ساتھ وفا شعاری کا حق ادا کر دیا۔

سیدہ رقیہ ؓ کا نکاح وحی الٰہی سے ہوا

سیدنا عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إن الله أوحى إلي أن أزوج كريمتي من عثمان

''اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کی ہے کہ میں اپنی پیاری بیٹی کا نکاح عثمان بن عفان ؓ سے کر دوں۔''[1]

مثالی میاں بیوی

سیدنا عثمان ؓ اور سیدہ رقیہ ؓ نے باہمی محبت اور حسن معاشرت سے مثالی زندگی بسر کی حتی کہ یہ مبارک جوڑا ضرب المثل بن گیا۔ لوگ اس جوڑے کے بارے میں کہا کرتے تھے:

أحسن زوجين رآهما إنسان رقية وزوجها عثمان.

''لوگوں نے میاں بیوی کا جو سب سے اچھا جوڑا دیکھا ہے، وہ سیدہ رقیہ ؓ اور ان کے خاوند سیدنا عثمان ؓ کا جوڑا ہے۔''[2]

ہجرت حبشہ

اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کفار کی سازشیں بڑھتی جا رہی تھیں۔ ظلم و ستم حد سے بڑھ رہا تھا۔ اس صورتحال میں رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کی ہدایت کی اور فرمایا: ''تم لوگ حبشہ کی طرف ہجرت کر جاؤ، وہاں کا بادشاہ بڑا عادل ہے۔ وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔'' یہ بھی فرمایا: هي أرض صدق ''وہ سچائی

[1] المعجم الأوسط للطبراني 17/4، یہ روایت ضعیف ہے۔ [2] الإصابة 178/8

کی سرزمین ہے۔'' مہاجرین کا پہلا قافلہ سولہ افراد پر مشتمل تھا جن میں دس مرد اور پانچ عورتیں شامل تھیں۔

اس ہجرت کے لیے سب سے پہلے سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اپنے خاوند سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ حبشہ (ایتھوپیا) جانے کے لیے تیار ہوئیں، پھر دوسرے مسلمان ان کے ساتھ ہجرت کرنے پر آمادہ ہوئے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اس قافلے کے امیر تھے۔[1]

سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا نے حبشہ جانے سے پہلے اپنے والد گرامی ﷺ، والدہ اور بہنوں سے الوداعی ملاقات کی تو ان سے لپٹ گئیں۔ آنکھیں اشک بار تھیں کہ نہ جانے دوبارہ ملاقات ہوئی یا نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا:

[illegible]

''ابراہیم اور لوط علیہما السلام کے بعد یہ پہلا گھرانہ ہے جس نے (اللہ کی راہ میں) ہجرت کی ہے۔''[2]

بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے دو مرتبہ ہجرت حبشہ کی تھی اور (دوسری مرتبہ) حبشہ سے واپس مکہ آنے کے بجائے مدینہ منورہ چلے گئے تھے، اس وقت تک رسول اللہ ﷺ پہلے ہی مدینہ تشریف لے جا چکے تھے۔ تاہم اکثر اہل سیر کا یہی کہنا ہے کہ سیدہ رقیہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہما نے حبشہ کی طرف صرف ایک مرتبہ ہجرت کی تھی، پھر مکہ آئے اور وہاں سے مدینہ منورہ ہجرت کی۔ اس طرح وہ دونوں ذوالہجرتین ہیں۔[3]

مکہ آمد پر غمناک خبر

سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا جب مکہ مکرمہ تشریف لائیں تو ان کی والدہ ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا شعب ابی طالب کے صدموں سے نڈھال ہو کر انتقال فرما چکی تھیں۔ والدہ ماجدہ کی وفات کی خبر پا کر سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کو سخت صدمہ پہنچا۔

مدینہ منورہ کی طرف ہجرت

سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کو مکہ میں رہتے ہوئے تھوڑا عرصہ ہی گزرا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا حکم دے دیا، چنانچہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ دوسری ہجرت مدینہ کی طرف کی۔ مدینہ پہنچ کر دونوں میاں بیوی سیدنا اوس بن ثابت رضی اللہ عنہ کے گھر ٹھہرے۔ وہ سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے۔[4] کچھ عرصے کے بعد رسول اللہ ﷺ بھی مدینہ تشریف لے آئے۔

1 السیرۃ لابن ہشام: 323،322/1. 2 المستدرک للحاکم: 46/4. 3 الطبقات لابن سعد: 36/8، الإصابۃ: 139/8.
4 [illegible] لابن شبہ: 469/1.

نبی کریم ﷺ کے نواسے کی پیدائش

پہلی ہجرت کے بعد حبشہ میں قیام کے دوران اللہ تعالیٰ نے سیدہ رقیہ کو ایک فرزند عطا فرمایا۔ اس کا نام عبداللہ بن عثمان ؓ تھا۔ انھی کے نام سے سیدنا عثمان ؓ کی کنیت ابوعبداللہ تھی۔ سیدہ رقیہ ؓ کے ہاں عبداللہ کے بعد کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ عبداللہ ابھی چھ سال کے تھے کہ ایک دن مرغ نے ان کی آنکھ میں چونچ ماردی جس سے ان کا چہرہ سوج گیا اور تکلیف بڑھتی چلی گئی۔ بالآخر اسی تکلیف کی وجہ سے عبداللہ بن عثمان ؓ جمادی اولیٰ 4 ھ میں وفات پا گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی اور سیدنا عثمان ؓ نے اپنے لخت جگر کو اپنے ہاتھوں سے قبر میں اتارا۔[1]

سیدہ رقیہ ؓ کی وفات

سیدہ رقیہ ؓ 2 ہجری میں بخار میں مبتلا ہو گئیں، مدینے کا بخار مشہور ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ انھیں چیچک کی بیماری ہوئی تھی۔[2] رسول اللہ ﷺ غزوۂ بدر کی تیاری کر رہے تھے کہ انھی دنوں سیدہ رقیہ ؓ کی بیماری شدت اختیار کر گئی، اس لیے نبی ﷺ نے سیدنا عثمان ؓ کو ان کی تیمارداری کے لیے مدینہ ہی میں چھوڑ دیا اور فرمایا:

«إن لك أجر رجل ممن شهد بدرا وسهمه»

”تمھیں بدر جانے والے ایک مجاہد کے برابر اجر بھی ملے گا اور غنیمت میں سے حصہ بھی۔“[3]

رسول اللہ ﷺ بدر تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ کے حکم کے مطابق سیدنا عثمان ؓ اپنی اہلیہ کے پاس ٹھہر گئے۔ ادھر مسلمانوں کو اللہ رب العزت نے بدر کے میدان میں فتح مبین سے سرفراز فرمایا۔ آپ ﷺ نے سیدنا زید بن حارثہ ؓ کو فتح کی خوشخبری دینے کے لیے روانہ فرمایا۔ ان کے مدینہ منورہ پہنچنے سے قبل ہی سیدہ رقیہ ؓ اکیس سال کی عمر میں وفات پا گئیں، إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔ جس وقت زید بن حارثہ ؓ فتح کی خوشخبری لے کر مدینہ طیبہ پہنچے، اُس وقت سیدہ رقیہ ؓ کی قبر پر مٹی ڈالی جا رہی تھی۔[4]

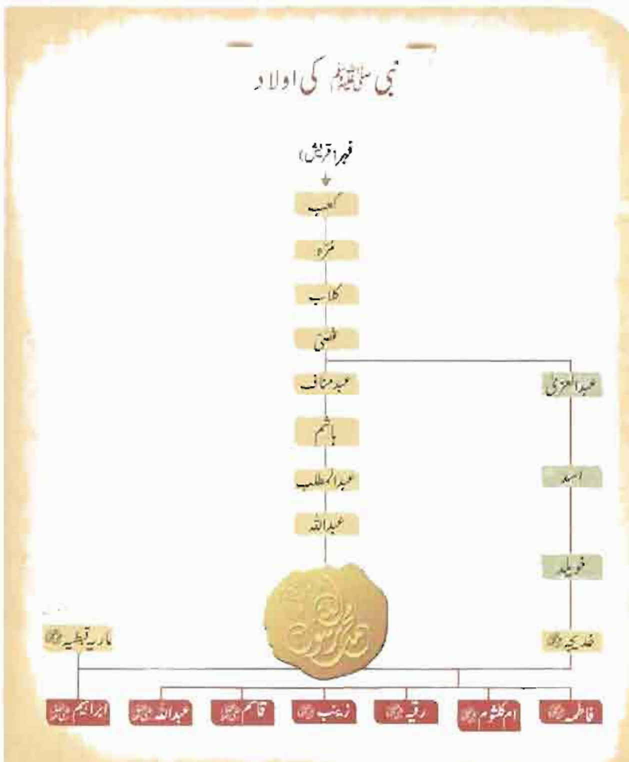
رحمت دو عالم ﷺ سیدہ رقیہ ؓ کی قبر پر

رسول اللہ ﷺ کو جب اپنی لخت جگر کی وفات کی اطلاع ملی تو نہایت غمگین ہوئے، آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ آپ مدینہ واپس آکر سیدہ رقیہ ؓ کی قبر پر تشریف لے گئے، دعائے مغفرت کی اور فرمایا: ”عثمان بن مظعون ؓ پہلے

1 أسد الغابة:5/286 2 أسد الغابة:5/286 3 صحيح البخاري:3130. 4 أسد الغابة:5/286.

ہی اللہ کے پاس جا چکے ہیں۔ اب تم بھی اپنے چچا کے پاس چلی جاؤ۔'' سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے رضاعی بھائی تھے۔ ہجرت کے بعد مدینہ میں سب سے پہلا وہی فوت ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے اس جملے سے کہ تم بھی اپنے چچا کے پاس چلی جاؤ، عورتوں میں کہرام برپا ہو گیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کوڑا مارنے کے لیے اٹھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا: ''رونے میں کوئی حرج نہیں لیکن نوحہ اور بین شیطانی حرکت ہے، اس سے بچنا چاہیے۔''

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی وہیں قبر کے پاس آپ ﷺ کے پہلو میں بیٹھی رو رہی تھیں اور آپ ﷺ اپنے کپڑے سے ان کے آنسو پونچھ رہے تھے۔[1]



1 طبقات لابن سعد: 37/8

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا

رسول اللہ ﷺ کی تیسری صاحبزادی کا نام ''ام کلثوم'' تھا۔ ان کے بارے میں راجح قول یہی ہے کہ یہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا سے چھوٹی اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بڑی تھیں۔[1]

پیدائش

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا بعثت نبوی سے چھ سال قبل مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئیں۔[2]

قبول اسلام

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا ابتدا ہی میں اپنی والدہ ماجدہ اور بہنوں کے ساتھ مشرف بہ اسلام ہوئیں۔[3]

پہلا نکاح

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا ابھی سن شعور کو بھی نہیں پہنچی تھیں کہ مکہ مکرمہ کے رواج کے مطابق بنو ہاشم کے لوگ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کی دونوں صاحبزادیوں سیدہ رقیہ اور سیدہ ام کلثوم کا رشتہ ابولہب کے دونوں بیٹوں عتبہ اور عتیبہ کے لیے مانگ لیا، چنانچہ ان کا پہلا نکاح اعلان نبوت سے پہلے ابولہب کے بیٹے عتیبہ کے ساتھ کر دیا گیا لیکن ابھی رخصتی کی نوبت نہیں آئی تھی کہ اعلان نبوت کے بعد ابولہب کے کہنے پر عتیبہ نے انھیں طلاق دے دی۔ سیدہ ام کلثوم اور سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہما کو بیک وقت طلاق دی گئی تھی۔[4]

روح فرسا صدمہ

نبوت کے ساتویں سال قریش نے مسلمانوں کا سماجی بائیکاٹ کر دیا۔ محاصرے کے دوران میں سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے اپنے عظمت مآب والدین کی بھرپور خدمت کی۔ شعب ابی طالب کے محاصرے کے اختتام پر سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اس قدر کمزور ہو گئی تھیں کہ تھوڑے ہی عرصے کے بعد وہ وفات پا گئیں۔ یہ رمضان 10 نبوی کا واقعہ ہے۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا

1 أسد الغابة: 486/5. 2 الإصابة: 461/8. 3 تفسير القرطبي، الأحزاب 59:33. 4 أسد الغابة: 486/5.

کو ''حجون'' کے قبرستان میں دفن کر دیا گیا۔[1] سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے اپنی والدہ کی جدائی کا صدمہ صبر و استقامت سے برداشت کیا اور خانگی ذمہ داریاں سنبھالنے کے لیے باقی بہنوں کے ساتھ شامل ہو گئیں۔

ہجرت

جب کفار نے مسلمانوں کا جینا دوبھر کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کر جانے کا حکم دیا۔ رسول اللہ ﷺ اپنے یار غار سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو سیدہ ام کلثوم، سیدہ فاطمہ اور ان کی سوتیلی ماں ام المومنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہن مکہ مکرمہ ہی میں تھیں۔ ان کے علاوہ بھی خاندان کے باقی افراد موجود تھے لیکن ماں باپ کا اصل گھرانہ بکھر گیا تھا۔ والد گرامی ﷺ مدینہ منورہ میں تھے اور والدہ ماجدہ اللہ تعالیٰ کے پاس جا چکی تھیں۔ ایک بہن اپنے شوہر کے گھر مکہ میں تھیں اور دوسری اپنے شوہر کے ساتھ ہجرت کر چکی تھیں۔ مکہ میں دشمنوں کا غلبہ تھا اور بہت سے ان دیکھے اندیشے موجود تھے۔

چند ہی دنوں بعد رسول اللہ ﷺ نے سیدنا زید بن حارثہ اور ابو رافع رضی اللہ عنہما کو مکہ مکرمہ بھیجا کہ وہ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا اور آپ ﷺ کی صاحبزادیوں کو مدینہ منورہ لے آئیں، چنانچہ آپ ﷺ کے مبارک گھرانے کے باقی ماندہ افراد اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اہل خانہ ان کے ہمراہ مدینہ منورہ پہنچ گئے۔[2]

ان کے ساتھ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی بیوی ام ایمن رضی اللہ عنہا اور ان کے بیٹے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بھی مدینہ آئے۔[3]
مدینہ میں انصار کی خواتین نے دختران رسول ﷺ سیدہ ام کلثوم اور فاطمہ رضی اللہ عنہما کا بڑی گرم جوشی سے استقبال کیا۔

دلدوز سانحہ

2 ہجری میں رمضان کا مہینہ آیا تو ان کی ہمشیرہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بیمار ہو گئیں۔ ادھر جنگ بدر پیش آ گئی۔ مجاہدین جنگ بدر کے لیے روانہ ہونے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی تیمارداری کے لیے مدینہ ہی میں رہنے کا حکم دیا۔ بدر کے معرکے میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح و نصرت سے سرفراز فرمایا۔ لیکن انھی لمحات میں دختر رسول ﷺ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا وفات پا گئیں۔ یہ بڑا عجیب منظر تھا۔ ایک طرف والد گرامی، سرور دو عالم ﷺ کی سرکردگی میں تاریخ اسلام کی عظیم ترین جنگ غزوۂ بدر کی فتح کے پرچم لہرائے جا رہے تھے اور دوسری طرف جان سے زیادہ عزیز بہن اس دنیائے فانی کو چھوڑ رہی تھی۔ یہ وہی بہن تھی جو بچپن ہی سے ان کے ساتھ ایک روح دو قالب کی طرح

1 سبل الہدی: 265/6، الطبقات لابن سعد: 38/8 2 مختصر تاریخ دمشق: 152/2، المستدرک للحاکم: 5,4/4
3 سبل الہدی [illegible]: 152/2، الطبقات لابن سعد: 62/8

رہی۔ دونوں مقدس بہنیں ایک ساتھ کھیلیں، ایک ساتھ نکاح ہوا، ایک ساتھ طلاق ہوئی، ایک ساتھ شعب ابی طالب میں مصائب کا ایک دور مکمل کیا، دعوت اسلام کی جدوجہد میں سب بہنوں نے مل کر والد گرامی ﷺ کا ساتھ نبھایا اور مدینہ منورہ میں بھی ایک دوسرے کے قریب ہی رہیں، اس لیے ان کی وفات کا انھیں بڑا صدمہ ہوا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنی محبوب اور عظیم اہلیہ کی جدائی کا بہت صدمہ تھا۔



وہ بہت وفا شعار اور آپ ﷺ سے بے حد محبت کرنے والے شخص تھے۔ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ان کی ازدواجی زندگی نہایت قابل رشک تھی۔ اللہ کے رسول ﷺ کو اپنے داماد سے کبھی کوئی شکوہ یا شکایت نہیں ہوئی۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے نکاح

انھی دنوں حفصہ بنت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے خاوند خنیس بن حذافہ رضی اللہ عنہ بھی وفات پا گئے تھے۔ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا ابھی چھوٹی عمر کی تھیں۔ اس زمانے کے رواج اور شریعت کے تقاضوں کے عین مطابق سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شدید خواہش تھی کہ ان کی بیٹی کی فوراً شادی ہو جائے۔ انھوں نے خود سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے شادی کر لیں۔ انھوں نے کہا: میں غور کروں گا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کئی روز انتظار کیا، دوبارہ دریافت کرنے پر انھوں نے کہا: فی الحال میرا شادی کرنے کا کوئی ارادہ نہیں۔

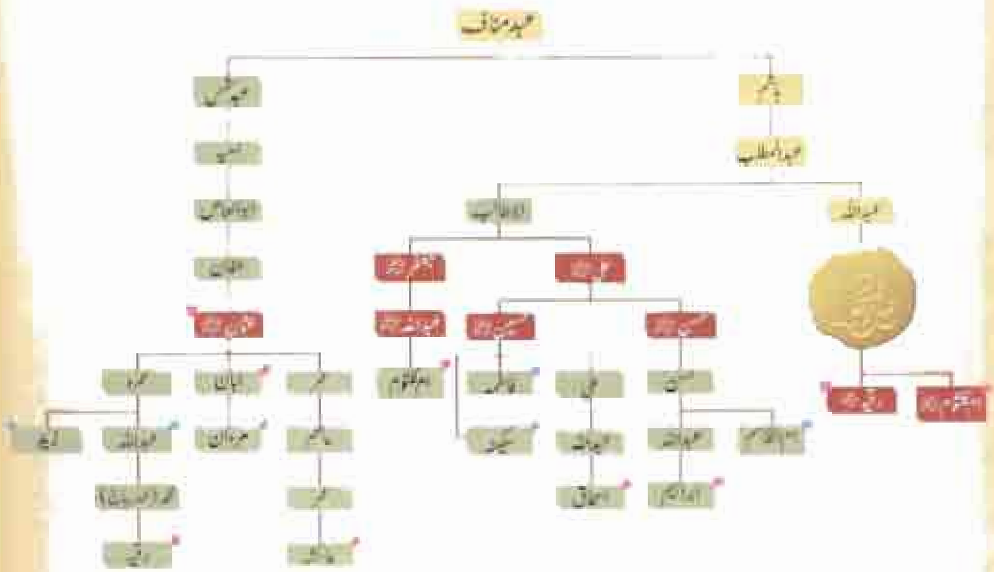
اس کے بعد سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی شادی کے بارے میں اپنے دل کی بات ظاہر کرتے ہوئے کہا: اگر آپ چاہیں تو میں آپ سے اپنی بیٹی حفصہ کی شادی کرنے کو تیار ہوں۔ انھوں نے اس پر کوئی ردعمل ظاہر نہ کیا۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو ان کے اس رویے سے بڑا دکھ ہوا۔ وہ اسی وقت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے ساتھیوں کے رویے کا شکوہ کیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''پریشان ہونے کی ضرورت نہیں:

[illegible]

''حفصہ سے وہ شادی کرے گا جو عثمان سے بہتر ہے اور عثمان اس سے شادی کرے گا جو حفصہ سے بہتر ہے۔''[1]

1 [illegible] 85/9

اہل بیت اور آل عثمان بن عفان ؓ کے مابین رشتے داریاں



[illegible]

[illegible]

اہم مصادر و مراجع [illegible]

اس کے بعد آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: ''تم حفصہ کی شادی مجھ سے کر دو۔'' سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس عظیم الشان پیشکش کو دل و جان سے قبول کیا اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کا آپ ﷺ سے نکاح کر دیا۔ ادھر رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا نکاح اپنی دوسری بیٹی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے کر دیا۔[1]

وحی الٰہی کے ذریعے سے نکاح

رسول اللہ ﷺ نے سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح آسمانی وحی کے تحت کیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

ما زوجت عثمان أم كلثوم إلا بوحي من السماء

''میں نے عثمان بن عفان کے ساتھ ام کلثوم کی شادی آسمانی وحی کے مطابق کی ہے۔''[2]

مستدرک حاکم کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے عثمان! جبرائیل علیہ السلام کہہ رہے ہیں کہ اللہ جل شانہ نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو آپ کے نکاح میں دوں اور جتنا مہر رقیہ رضی اللہ عنہا کا مقرر ہوا تھا، اتنا ہی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا مہر ہو اور ان کی مصاحبت اور رفاقت بھی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی مصاحبت اور رفاقت کے مانند ہو۔''[3]

شادی کی تاریخ

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ساتھ ربیع الاول 3 ھ میں ہوا تھا اور رخصتی چند ماہ کے بعد، یعنی جمادی ثانیہ 3 ھ میں ہوئی۔[4]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے ذوالنورین کا لقب

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنے کی وجہ سے ''ذوالنورین'' ہونے کا اعزاز حاصل ہو گیا۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو ''ذوالنورین'' کا یگانہ لقب دیا گیا۔ ہمارے علم میں نہیں کہ ان کے علاوہ کسی اور کو یہ اعزاز نصیب ہوا ہو کہ اس کی شادی کسی نبی کی دو بیٹیوں سے ہوئی ہو۔[5]

علامہ سیوطی رحمہ اللہ بھی فرماتے ہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے علاوہ اولاد آدم علیہ السلام میں کوئی ایسا شخص نہیں گزرا جس کے نکاح میں کسی نبی کی دو بیٹیاں آئی ہوں۔[6]

1 الطبقات لابن سعد 83,82/8. 2 الإصابة 461/8 یہ حدیث ضعیف ہے۔ دیکھیے: السلسلة الضعيفة، حديث 4445.
3 المستدرك للحاكم: 49/4. 4 الإصابة: 460/8، أسد الغابة: 486/5. 5 معرفة الصحابة لأبي نعيم: 62/1
6 تاریخ الخلفاء، ص: 105

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا فقید المثال اعزاز

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو یہ فرماتے سنا: ''اگر میری چالیس بیٹیاں بھی ہوتیں تو میں یکے بعد دیگرے ان کا نکاح عثمان رضی اللہ عنہ ہی سے کرتا حتی کہ ایک بھی باقی نہ رہتی۔''[1]

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا سفر آخرت

سیدہ ام کلثوم اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہما نے چھ سال تک میاں بیوی کی حیثیت سے نہایت خوشگوار زندگی بسر کی۔ بالآخر سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا شعبان 9 ھ میں وفات پا گئیں۔[2]

مولانا صدیق کرپالوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ شیعہ مکتب فکر کی کتابوں کے مطابق سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا 7 ھ میں فوت ہوئیں۔[3]

سیدہ صفیہ بنت عبدالمطلب، سیدہ ام عطیہ اور سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہن نے رسول اللہ ﷺ کی ہدایت کے مطابق سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو غسل دیا اور کفن پہنایا۔[4]

لیلی بنت قانف ثقفیہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو غسل دینے والیوں میں مجھے بھی شامل ہونے کا موقع ملا۔ رسول اللہ ﷺ ہمیں کفن کا سامان دیتے رہے۔ سب سے پہلے آپ ﷺ نے چادر (تہبند) دی، پھر کرتی دی، پھر دوپٹہ دیا، پھر ایک بڑی چادر مرحمت فرمائی۔ اس کے بعد ایک مزید کپڑے میں انھیں لپیٹ دیا گیا۔ (اس وقت) رسول اللہ ﷺ دروازے کے پاس کفن لیے کھڑے تھے اور ہمیں ایک ایک کر کے کفن کے کپڑے مرحمت فرماتے جا رہے تھے۔[5]

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے خود ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی قبر پر بیٹھے دیکھا، آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے اور آپ فرما رہے تھے: «هل منكم من أحد لم يقارف الليلة» ''تم میں سے کوئی شخص ہے جس نے آج رات اپنی بیوی سے صحبت نہ کی ہو؟'' ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: میں ہوں، اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے فرمایا: «انزل في قبرها» ''تم قبر میں اترو۔''[6]

سیدنا ابوطلحہ، سیدنا علی، سیدنا فضل بن عباس اور سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم نے انھیں قبر میں اتارا۔[7]

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے احوال سیرت انسائیکلو پیڈیا: 6/124، 125 میں بھی موجود ہیں۔

[1] تاریخ دمشق 30/41۔ یہ روایت ضعیف ہے۔ [2] الطبقات لابن سعد 37/8۔ [3] حیات الخلفاء: 719/2، بحوالہ [illegible] ص 91۔ [4] الطبقات لابن سعد 38/8۔ [5] سنن أبي داود: 3157۔ [6] صحيح البخاري: 1342۔ [7] الطبقات لابن سعد 38/8۔

سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا

سید الانبیاء ﷺ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی کا نام فاطمہ تھا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: آپ ﷺ کی سب سے بڑی صاحبزادی زینب، ان سے چھوٹی رقیہ، پھر ام کلثوم اور سب سے چھوٹی صاحبزادی فاطمہ تھیں۔[1]

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو سیّدۃ نساء العالمین، کریمۃ الطرفین، اُمّ الحسنین، سیّدۃ نساء اہل الجنۃ، البتول، الزّاھدۃ، المبارکۃ اور جگر گوشۂ رسول جیسے متعدد القاب حاصل ہوئے۔ یہ سارے القاب ان کے فضائل اور صفات عالیہ کے آئینہ دار ہیں۔

پیدائش

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سن ولادت کے بارے میں اختلاف ہے۔ ایک روایت یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا بعثت سے ایک یا دو سال پہلے مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئیں۔ دوسری روایت ہے کہ جس سال بیت اللہ کی تعمیر ہوئی، آپ رضی اللہ عنہا اسی سال پیدا ہوئیں اور یہ واقعہ نبوت سے پانچ سال پہلے کا ہے۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک 35 سال تھی۔[2] تیسری روایت یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا بعثت والے سال ہی پیدا ہوئی تھیں۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ولادت کے اکتالیسویں سال ان کی پیدائش ہوئی۔ ان میں سے آخری روایت کو ترجیح حاصل ہے۔

تعلیم و تربیت

رسول اللہ ﷺ نے اپنی تمام بچیوں کی خصوصی اہتمام کے ساتھ تربیت کی۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سب سے چھوٹی ہونے کی بنا پر سب کی لاڈلی اور منظور نظر تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کبھی انھیں گود میں بٹھاتے، کبھی ہاتھوں میں اٹھا لیتے اور انھیں لوریاں دیتے۔

عرب میں رواج تھا کہ بچوں کو کھلی فضا اور صحت مند ماحول کے لیے آیا کے سپرد کر دیا جاتا تھا۔ وہ انھیں دودھ پلاتی اور ابتدائی تربیت کرتی تھی۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو کسی آیا کے سپرد نہ کیا بلکہ ان سے اس قدر

[1] الإصابۃ: 263/8. [2] الطبقات لابن سعد: 19/8، الإصابۃ: 263/8.

محبت تھی کہ پورا عرصہ خود ہی دودھ پلایا اور تربیت بھی بھرپور انداز میں خود ہی کی۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ابھی نو سال کی تھیں کہ والدہ محترمہ کے سایۂ محبت سے محروم ہوگئیں۔ 10 بعثت نبوی میں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ فاطمہ بنت اسد اور ہمشیرہ ام ہانی رضی اللہ عنہا نے ان کی بڑی توجہ سے پرورش کی۔ یہ دونوں خواتین بڑی تجربہ کار، خانہ داری اور تہذیبی امور کی ماہر، نہایت سلیقہ شعار اور سمجھدار تھیں۔ انھوں نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ہر اعتبار سے بہت ارفع معیار کی تربیت کی۔

رسول اللہ ﷺ دن بھر کی تبلیغی مصروفیات سے فارغ ہوکر ان کے پاس تشریف لاتے، انھیں دلاسا دیتے، دانائی کی باتیں سمجھاتے اور والدہ کی وفات کا غم ہلکا کرنے کی کوشش فرماتے تھے۔

دعوت اسلام کے دور میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی دلیری

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے اور قریب ہی ابوجہل سمیت بڑے بڑے سردار بیٹھے تھے۔ اتنے میں ان میں سے کسی نے کہا: کون ہے جو بنی فلاں کی اونٹنی کی بچہ دانی کی جھلی لائے اور جب محمد (ﷺ) سجدہ کریں تو ان کی پیٹھ پر ڈال دے؟ اس پر قوم کا بدترین آدمی عقبہ بن ابی معیط اٹھا، جھلی لایا اور انتظار کرنے لگا۔ جب رسول اللہ ﷺ سجدے میں گئے تو اس بدبخت نے فوراً آپ ﷺ کی مبارک کمر پر جھلی رکھ دی۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے مگر بے بس تھے، کچھ نہ کر سکتے تھے۔ ان کے دل میں حسرت تھی کاش! مجھ میں اتنی قوت ہوتی کہ میں نبی ﷺ کو اس مذموم حرکت سے بچالیتا۔

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس مذموم حرکت کے بعد مشرکین ہنسی کے مارے ایک دوسرے پر گرنے اور لوٹ پوٹ ہونے لگے۔ رسول اللہ ﷺ سجدے ہی میں پڑے رہے، سر نہ اٹھایا، اسی اثنا میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا دوڑتی ہوئی آئیں اور اپنے والد مکرم ﷺ کو اس حالت میں دیکھ کر تڑپ اٹھیں۔ انھوں نے اپنے والد ماجد کی کمر مبارک سے یہ بوجھ ہٹا دیا تو رسول اللہ ﷺ نے سر اٹھایا اور تین مرتبہ فرمایا

اَللّٰهُمَّ عَلَيْكَ بِقُرَيْشٍ

''اے اللہ! قریش کو پکڑ لے۔''

جب آپ ﷺ نے بددعا کی تو ان پر بہت گراں گزری کیونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ اس شہر میں دعائیں قبول کی جاتی ہیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے نام لے لے کر بددعا کی:

اللهم عليك بأبي جهل بن هشام، وعليك بعتبة بن ربيعة، وشيبة بن ربيعة، والوليد بن عتبة، وأمية بن خلف، وعقبة بن أبي معيط

''اے اللہ! ابوجہل کو پکڑ لے، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ، امیہ بن خلف اور عقبہ بن ابی معیط کو پکڑ لے۔''

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہا: میں نے دیکھا کہ جن لوگوں کے نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لیے تھے، ان سب کی لاشیں بدر کے اندھے کنویں (قلیب بدر) میں پڑی ہوئی تھیں۔[1]

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ابوجہل اور ابوسفیان کا جداگانہ سلوک

سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ابوجہل نے کسی بات پر طمانچہ مارا۔ سیدہ رضی اللہ عنہا گھر آ گئیں، والد محترم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعے کا ذکر کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جاؤ بیٹی! ابوسفیان کو بتاؤ۔'' سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ابوسفیان کو بتایا۔ ابوسفیان کافر تھا مگر اس میں اخلاقی قدریں موجود تھیں۔ اس نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ساتھ لیا، ابوجہل کے پاس پہنچا اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھ سے اس کا بدلہ دلوایا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ اطلاع ملی تو آپ کو اس پر قدرتی طور پر خوشی ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کے لیے ہدایت کی دعا فرمائی اور وہ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہو گئے۔[2]

ایک موقع پر مشرکین کے سردار کسی جگہ اکٹھے ہوئے اور مشورہ کرنے لگے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر یکدم حملہ کر دیا جائے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اس وقت کمسن تھیں۔ انھوں نے یہ باتیں اپنے کانوں سے سن لیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی سازش کی اطلاع کر دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بیٹی! گھبراؤ نہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں ہلاک کر دے گا۔'' یہ کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے نکلے اور مسجد حرام تشریف لے گئے۔ سازشیوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو آنکھیں جھکا لیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مٹھی بھر خاک ان کی طرف پھینکتے ہوئے فرمایا:

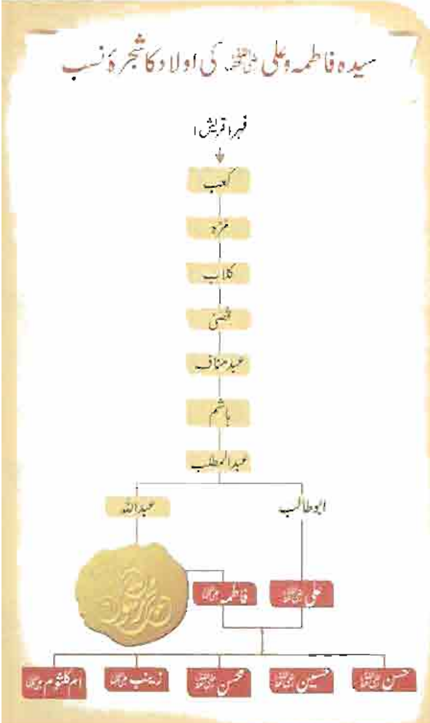
شاهت الوجوه

''چہرے بگڑ جائیں۔''

یہ مٹی جس جس کافر پر پڑی، وہ جنگ بدر میں دوزخ کی غذا بن گیا۔[3]

1 صحیح البخاري: 240، 2 أنساب الأشراف: 14/5، 3 مسند أحمد: 303/1

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح



خاندان نبوت کے ساتھ رشتہ اور تعلق داری بڑے اعزاز کی بات ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے بھی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا رشتہ طلب کیا مگر آپ ﷺ نے دونوں میں سے ہر ایک کو یہ جواب دیا:

انتظر بها القضاء ''فاطمہ کے بارے میں اللہ کے فیصلے کا انتظار کرو۔''[1]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو پیغام نکاح دینے کے لیے رسول اللہ ﷺ کے پاس کس نے بھیجا؟ اس سلسلے میں تین روایتیں اہم ہیں:

1 سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما نے مل کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے شادی کے لیے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کرنے کا مشورہ دیا۔[2]

2 ایک روایت یہ ہے کہ بعض انصار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کا پیغام دینے کی ترغیب دی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مدعا عرض کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: أهلا و سهلا و مرحبا اور پھر خاموش ہو گئے۔ انصار باہر انتظار کر رہے تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے انھیں رسول اللہ ﷺ کا جواب سنایا تو انھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو مبارکباد دی کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کا پیغام منظور فرما لیا ہے۔[3]

3 ایک روایت یہ بھی ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی ایک آزاد کردہ لونڈی نے ایک دن سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا کسی نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے رسول اللہ ﷺ کو پیغام بھیجا ہے؟ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: معلوم نہیں۔ اس نے کہا: آپ پیغام کیوں نہیں بھیجتے؟ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بھلا میرے پاس کیا چیز ہے کہ میں عقد کروں؟ اس لونڈی نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو مجبور کر کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔[4]

1 الطبقات لابن سعد: 19/8. 2 المعجم الكبير للطبراني: 409/22، حديث: 1021. 3 الطبقات لابن سعد: 21/8.
4 أسد الغابة: 365/5.

سیدنا علی ؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو آپ ﷺ کو اُن کی آمد کا مقصد معلوم ہو چکا تھا۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''رشتے کے لیے آئے ہو؟'' انھوں نے ہاں میں جواب دیا تو آپ ﷺ نے انھیں قرابت کی نوید سے سرفراز فرمایا۔

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا انس ؓ کو حکم دیا کہ جاؤ! ابوبکر، عمر فاروق، عثمان، طلحہ اور دیگر مہاجرین وانصار ؓ کو بلالاؤ، جب یہ سارے کبار صحابۂ کرام تشریف لے آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''اے مہاجرین وانصار کی جماعت! ابھی جبرائیل علیہ السلام میرے پاس وحی لے کر آئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا کہ میں سیدہ فاطمہ ؓ کا نکاح سیدنا علی ؓ سے کر دوں۔'' [1]

رسول اللہ ﷺ نے نکاح کا خطبہ پڑھا اور ایک زرہ کے عوض جس کی قیمت چار سو درہم تھی، سیدنا علی ؓ کا نکاح فاطمہ ؓ سے کر دیا۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنی پیاری بیٹی اور پیارے داماد کے لیے یوں دعا فرمائی:

''اَللّٰهُمَّ بَارِكْ فِيهِمَا وَبَارِكْ عَلَيْهِمَا وَبَارِكْ لَهُمَا فِي نَسْلِهِمَا''

''اے اللہ! ان دونوں میں، ان دونوں پر اور ان دونوں کی نسل میں برکت عطا فرما۔'' [2]

اس موقع پر حاضرین کی شہد کے شربت اور کھجوروں سے تواضع کی گئی۔

سیدہ فاطمہ کی رخصتی، حق مہر، ولیمہ اور شادی کے وقت آپ کی عمر اور دیگر احوال جاننے کے لیے سیرت انسائیکلو پیڈیا: 6/114-121 ملاحظہ فرمائیں۔

سیدہ فاطمہ ؓ کا مکان

سیدنا علی ؓ اپنی شادی سے قبل رسول اللہ ﷺ کے پاس آپ ہی کے سایۂ عاطفت میں رہتے تھے۔ شادی کے بعد الگ گھر لینے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ انھیں ایک گھر دے دیا گیا جو مسجد نبوی اور کاشانۂ رسول سے دور تھا۔ وہاں آنے جانے میں دقت ہوتی تھی۔ آپ ﷺ اور سیدہ فاطمہ ؓ کی خواہش تھی کہ گھر قریب ہی ہوتا کہ آنے جانے میں آسانی رہے۔

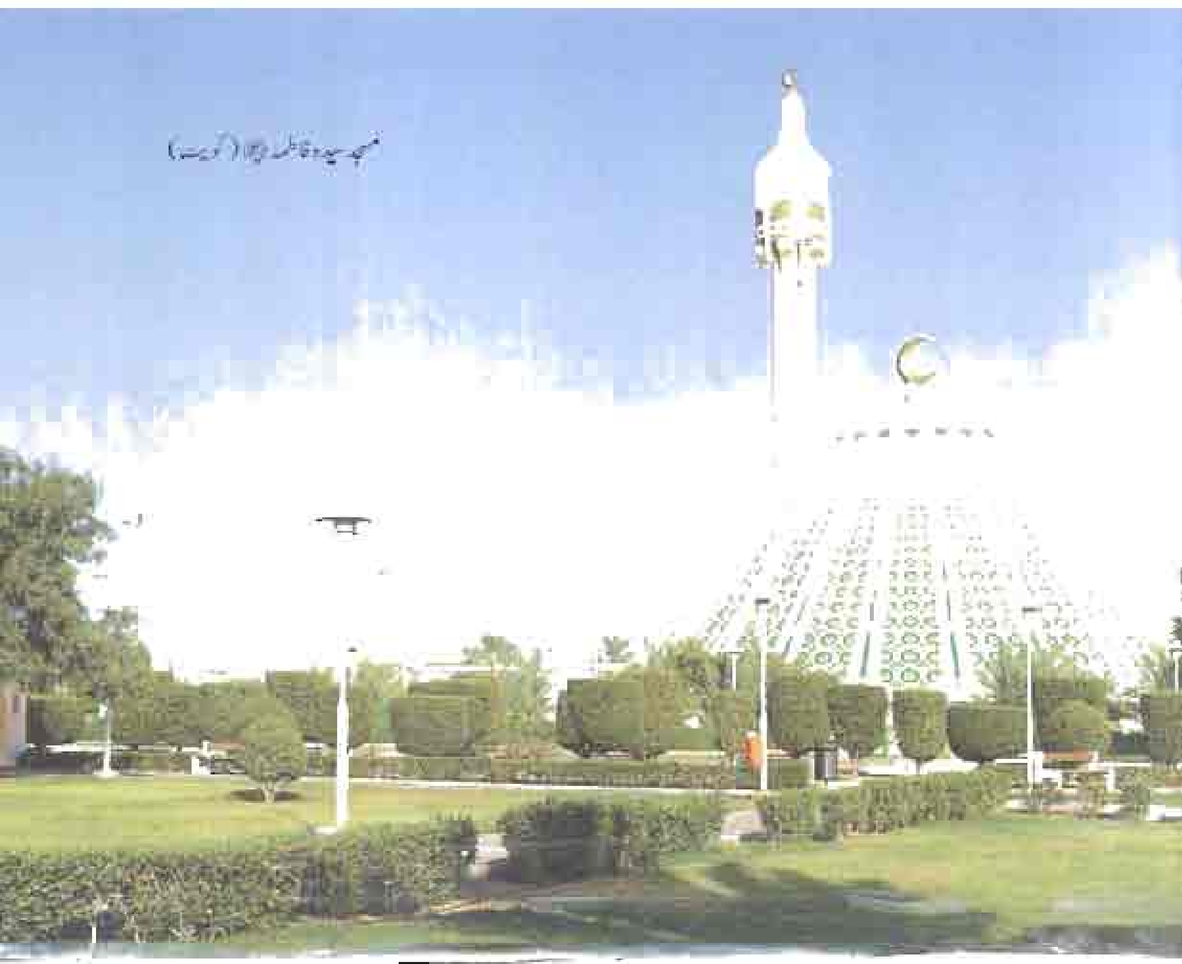
حارثہ بن نعمان ؓ انصاری صحابی تھے۔ ان کے پاس مدینہ طیبہ میں کئی گھر تھے جن میں سے چند گھر مسجد نبوی کے قریب تھے۔ انھوں نے آپ ﷺ کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے مختلف دینی مقاصد کے لیے یکے بعد دیگرے

1 تاریخ دمشق: 55/337. 2 الطبقات لابن سعد: 8/21، 22.

نزدیک کوئی مکان آپ ﷺ کو پیش کیے۔ ایک دن سیدہ فاطمہ ؓ نے عرض کیا: ابا جان! حارثہ بن نعمان ؓ سے بات کیجیے۔ ان کے کئی مکان مسجد نبوی کے قریب ہیں، وہ ایک مکان میرے لیے خالی کر دیں۔ ارشاد ہوا: ”اب تو مجھے حارثہ سے مکان طلب کرتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے۔“

سیدہ فاطمہ ؓ خاموش ہو گئیں، لیکن یہ بات سیدنا حارثہ بن نعمان ؓ تک کسی طرح معلوم ہو گئی۔ وہ فوراً آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: آپ فاطمہ کو کسی قریبی مکان میں لانا چاہتے ہیں تو یہ آپ کے حجرے سے متصل جو مکان ہے، میں اسے خالی کر دیتا ہوں۔ چنانچہ سیدنا علی ؓ اور سیدہ فاطمہ ؓ سیدنا حارثہ بن نعمان ؓ والے مکان میں منتقل ہو گئے۔[1]

1 طبقات ابن سعد: 8/22



مسجد سیدہ فاطمہ ؓ (کویت)

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے فضائل و مناقب

اللہ تعالیٰ نے خاتونِ جنت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جن فضائل و مناقب سے نوازا تھا، ان کی مثال نہیں ملتی۔ صداقت، راست گوئی میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا کوئی جواب نہیں تھا۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے امتِ محمدیہ میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کسی کو راست گو نہیں دیکھا۔[1] احادیثِ رسول میں سیدہ کے جو فضائل و مناقب بیان ہوئے ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں:

- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فَاطِمَةُ سَيِّدَةُ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ ''فاطمہ تمام جنتی عورتوں کی سردار ہیں۔''[2]
- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بے حد محبت تھی۔ ایک مرتبہ فرمایا: فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِنِّي فَمَنْ أَغْضَبَهَا أَغْضَبَنِي ''فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے، جس نے اسے ناراض کیا، اس نے مجھے ناراض کیا۔''[3]
- سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض الموت میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور ان سے سرگوشی کی تو وہ رو پڑیں، پھر دوبارہ سرگوشی کی تو وہ ہنس پڑیں۔ میں نے اس رونے اور ہنسنے کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے یہ راز بتانے سے انکار کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد انھوں نے میرے اصرار پر بتایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی مرتبہ مجھ سے سرگوشی کرتے ہوئے یہ فرمایا تھا کہ میں اس مرض میں فوت ہو جاؤں گا۔ یہ اندوہناک بات سن کر میں رو پڑی اور دوبارہ سرگوشی کے دوران فرمایا تھا کہ اہلِ بیت رضی اللہ عنہم میں سے سب سے پہلے تم ہی مجھے ملو گی تو میں خوشی کے مارے ہنس پڑی۔[4]
- ایک روایت میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں: پہلی مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ہر سال جبریل علیہ السلام میرے ساتھ ایک مرتبہ قرآن مجید کا دور کرتے تھے، اس سال دو مرتبہ کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بلاوا آپہنچا ہے اور اہلِ بیت رضی اللہ عنہم میں سے تم ہی سب سے پہلے مجھے ملو گی۔ میں تمھارے لیے ایک اچھا آگے جانے والا ہوں۔ یہ بات سن کر میں رو پڑی۔ دوسری مرتبہ میرے کان میں یہ فرمایا تھا کہ کیا تمھیں یہ بات پسند نہیں: أَلَا تَرْضَيْنَ أَنْ تَكُونِي سَيِّدَةَ نِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ أَوْ سَيِّدَةَ

1 المستدرك للحاكم: 161/3 2 مسند أحمد: 391/5، صحيح البخاري قبل الحديث: 3711 3 صحيح البخاري: 3714؛ 3767 4 صحيح البخاري: 4433، صحيح مسلم: 2450

[illegible] ''کیا تم مومنوں کی یا اس امت کی عورتوں کی سردار ہو؟'' یہ سن کر میں خوشی سے ہنس پڑی۔[1]

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب نجران کے عیسائیوں کا وفد آیا اور ''مباہلے'' والی آیت نازل ہوئی جس میں ان سے کہا گیا تھا کہ تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ، ہم اپنے بیٹوں کو بلاتے ہیں۔ تم اپنی عورتوں کو بلاؤ، ہم اپنی عورتوں کو بلاتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی، سیدہ فاطمہ، سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہم کو بلایا اور فرمایا: [illegible] ''یہ میرے اہل بیت ہیں۔''[2]

سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی، سیدہ فاطمہ، سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہم سے فرمایا: «أنا حرب لمن حاربتم وسلم لمن سالمتم» ''جس سے تم جنگ کرو، اس سے میری بھی جنگ ہے اور جس سے تم صلح کرو، اس سے میری بھی صلح ہے۔''[3]

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک بزرگ تابعی نے پوچھا: اللہ کے رسول ﷺ سب سے زیادہ کسے محبوب رکھتے تھے؟ ام المومنین نے جواب دیا: عورتوں میں سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اور مردوں میں سے ان کے شوہر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو۔[4]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ایک اور حدیث میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اس طرح خراج تحسین پیش کرتی ہیں: میں نے نشست و برخاست، عادات و خصائل، اسلوب گفتگو اور انداز کلام میں رسول اللہ ﷺ کے مشابہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کسی کو نہیں دیکھا۔ وہ زندگی کے تمام معاملات میں آپ ﷺ کی پوری پیروی کرتی تھیں۔ جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے پاس آتیں تو آپ ﷺ وفور محبت میں کھڑے ہو جاتے اور اپنی بیٹی کو بوسہ دیتے۔[5]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جنت کی عورتوں میں سب سے افضل خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد، آسیہ بنت مزاحم (زوجۂ فرعون) اور مریم بنت عمران رضی اللہ عنہن ہیں۔''[6]

سیدنا ابو ثعلبہ الخشنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بھی سفر سے واپس تشریف لاتے تو پہلے مسجد نبوی میں دو رکعت نفل ادا کرتے، پھر اپنی پیاری بیٹی سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے جاتے، ان کی خیریت دریافت کرتے، بعد ازاں اپنے گھر تشریف لے جاتے۔[7]

رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے، میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ تھا۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھ میں سونے کی زنجیر تھی۔ کہنے لگیں: یہ زیور مجھے ابوالحسن (علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ) نے لا کر دیا ہے۔ (اس موقع پر) رسول اللہ ﷺ نے

1 صحیح مسلم، 2450 2 صحیح مسلم، 2404 3 جامع الترمذی، 3870، یہ روایت ضعیف ہے۔ 4 جامع الترمذی، 3874 5 جامع الترمذی، 3872 6 مسند احمد: 293/1، مجمع الزوائد: 223/9. 7 المستدرک للحاکم: 155/3.

فرمایا: ''فاطمہ بیٹی! کیا تمھیں یہ اچھا لگے گا کہ لوگ کہیں: رسول اللہ ﷺ کی بیٹی اور اس کے ہاتھ میں آگ کی زنجیر!'' آپ ﷺ نے یہ فرمایا اور تشریف رکھے بغیر جلدی سے باہر تشریف لے گئے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے (والد گرامی کی یہ ناگواری دیکھی تو) فوراً اس ہار کو فروخت کرنے کے لیے بازار میں بھیج دیا۔ اس کی قیمت سے ایک غلام خریدا اور اسے اللہ کی راہ میں آزاد کر دیا۔ جب اللہ کے رسول ﷺ کو یہ بات معلوم ہوئی تو ارشاد فرمایا: ''اس اللہ کا شکر ہے جس نے فاطمہ کو آگ سے نجات عطا کر دی۔''[1]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا گھر کا کام کاج خود کیا کرتی تھیں۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا چکی پیستی تھیں جس سے ان کے ہاتھوں میں نشان پڑ گئے۔ پانی کی مشک بھر کر لاتی تھیں جس سے سینے پر نشان پڑ گئے۔ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کے پاس کچھ غلام آئے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا: دربار رسالت میں لونڈی غلام آئے ہیں، تم بھی جاؤ ایک خادمہ لے آؤ۔ اس طرح تمھیں اپنے کاموں کی مشقت میں آسانی ہو جائے گی۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا دربار نبوی میں حاضر ہوئیں مگر شرم کے مارے کچھ عرض نہ کر سکیں۔

دوسرے دن خود رسول اللہ ﷺ ان کے گھر تشریف لے گئے۔ پوچھا: ''بیٹی! آپ کل کیوں آئی تھیں؟'' سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا خاموش رہیں مگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ بول پڑے: حضور! چکی پیس پیس کر ان کے ہاتھوں میں نشان پڑ گئے ہیں اور پانی ڈھو ڈھو کر سینے پر نشان اُبھر آئے ہیں۔ میں نے انھیں آپ کی خدمت میں خادمہ لینے کے لیے بھیجا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> ''فاطمہ! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، اپنے رب کا فریضہ ادا کرو، اپنے گھر والوں کا کام کاج کیا کرو اور جب سونے کے لیے بستر پر لیٹنے لگو تو سُبْحَانَ اللّٰہِ 33 بار، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ 33 بار اور اَللّٰہُ اَکْبَرُ 34 بار پڑھ لیا کرو، یہ سو بار ہوا۔ یہ عمل تمھارے لیے خادم سے بہتر ہے۔''[2]

ایک مرتبہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ گھر تشریف لائے تو دیکھا کہ سیدنا حسن اور حسین رضی اللہ عنہما رو رہے ہیں۔ پوچھا: یہ کیوں رو رہے ہیں؟ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: بھوک کی وجہ سے رو رہے ہیں۔ یہ سنتے ہی سیدنا علی رضی اللہ عنہ گھر سے نکل پڑے۔ اتفاق سے بازار میں انھیں ایک دینار مل گیا۔ وہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور بتایا کہ فلاں جگہ سے یہ دینار ملا ہے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ فلاں یہودی کی دکان پر جائیے اور اس سے آٹا خرید لائیے۔ چنانچہ علی رضی اللہ عنہ یہودی کی دکان پر پہنچے اور آٹا خریدا۔ یہودی پوچھنے لگا: کیا آپ انھی کے داماد ہیں جنھوں نے نبوت کا دعویٰ کر رکھا ہے؟ سیدنا علی رضی اللہ عنہ

1 المستدرک للحاکم: 152/3۔ 2 سنن أبي داود: 2988، مزید دیکھیے: صحیح البخاري: 3113

نے فرمایا: ہاں! اس نے کہا: دینار اپنے پاس رکھیے اور آٹا بھی لے جایئے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ آٹا گھر لے آئے اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ساری بات بتائی۔ انھوں نے کہا: فلاں قصاب کے پاس جائیں اور ایک درہم کا گوشت لے آئیں۔ چنانچہ وہ گئے، اپنا دینار اس کے پاس رہن رکھا اور ایک درہم کا گوشت لے آئے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کھانا تیار کیا اور نبی کریم ﷺ کو بھی کھانے پر بلایا۔ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے سارا ماجرا سنایا۔ مطلب یہ تھا کہ اگر رسول اللہ ﷺ اسے جائز قرار دیں گے تو ہم کھالیں گے ورنہ نہیں کھائیں گے۔

رسول اللہ ﷺ نے سن کر فرمایا: ''اللہ کا نام لے کر کھاؤ۔'' چنانچہ سب نے کھالیا۔ ابھی وہ اپنی جگہ پر بیٹھے تھے کہ ایک لڑکا اللہ تعالیٰ اور اسلام کا واسطہ دیتا ہوا آیا۔ وہ اپنا گمشدہ دینار ڈھونڈتا پھر رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا اور اسے بلایا گیا۔ آپ ﷺ نے لڑکے سے اس کا مسئلہ پوچھا تو اس نے کہا: میرا دینار بازار میں کہیں گر گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے علی! اس قصاب کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں: وہ دینار میرے ہاں بھیج دو اور تمھارا درہم میرے ذمے ہے۔''

چنانچہ اس نے دینار بھیج دیا، پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ دینار اس لڑکے کے حوالے کر دیا۔[1]

رسول اللہ ﷺ کو سیدہ فاطمہ اور علی رضی اللہ عنہما سے اس قدر محبت تھی کہ آپ مختلف موقعوں پر ان کی تربیت فرماتے رہتے تھے۔ اس کی ایک جھلک اس واقعے سے عیاں ہوتی ہے کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ رات کے وقت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے اور میاں بیوی (علی اور فاطمہ رضی اللہ عنہما) سے پوچھا: ''کیا تم تہجد نہیں پڑھتے؟'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہماری جانیں اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ وہ جب ہمیں اٹھانا چاہے گا اٹھا دے گا۔ رسول اللہ ﷺ یہ جواب سن کر رنجیدہ خاطر ہوئے اور اپنی ران پر ہاتھ مارتے ہوئے لوٹ آئے۔ اس وقت آپ ﷺ فرما رہے تھے: ﴿وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا﴾ ''انسان بہت سی باتوں میں جھگڑالو واقع ہوا ہے۔''[2]

شفقت پدری سے محرومی کا ملال

رسول اللہ ﷺ کو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بے حد محبت تھی اور آپ ﷺ ان سے نہایت شفقت سے پیش آتے تھے۔ سفر آخرت کا آغاز ہوا تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کی جدائی کو بڑی شدت سے محسوس کیا۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کو بہت محبوب تھیں۔ ساری اولاد میں سے اب وہی باقی رہ گئی تھیں، اس لیے انھیں رسول اللہ ﷺ کی وفات کا صدمہ باقی لوگوں کی نسبت بہت زیادہ تھا۔

---

[1] سنن أبي داود: 1716، [2] صحيح البخاري: 7347، صحيح مسلم: 775

ربیع الاول 11ھ میں رسول اللہ ﷺ کی بیماری کی تکلیف بڑھ گئی اور آپ ﷺ پر غشی طاری ہونے لگی۔ آپ کبھی کبھی ہوش میں آجاتے تھے۔ آپ ﷺ کے پاس ایک پیالہ رکھا ہوا تھا۔ آپ اس میں اپنا ہاتھ بھگو کر اپنے چہرۂ مبارک پر ملتے اور فرماتے تھے: اللّٰھم أعنّی علٰی سکرات الموت "الٰہی! موت کی سختیوں میں میری مدد فرما۔"[1] سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی اذیت دیکھ کر بے چین ہو گئیں۔ فرمانے لگیں: واکرب أباہ! "ہائے میرے باپ کی بے چینی!" آپ ﷺ نے فرمایا: لیس علٰی أبیک کرب بعد الیوم "آج کے بعد تمھارا باپ بے چین نہ ہوگا۔" جب رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہو گیا تو سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نے انتہائی غمگین لہجے میں کہا:

یا أبتاہ! أجاب ربًّا دعاہ، یا أبتاہ! من جنّۃ الفردوس مأواہ، یا أبتاہ! إلٰی جبریل ننعاہ.

"ہائے ابا جان! آپ نے اپنے رب کی دعوت قبول کر لی۔ ہائے ابا جان! اب جنت الفردوس آپ کا ٹھکانا ہے۔ ہائے ابا جان! ہم جبرائیل علیہ السلام کو آپ کی موت کا غم سناتے ہیں۔"[2]

یہ سن کر لوگوں کے دل بے قرار ہو گئے۔ مدینے میں غم واندوہ کے بادل چھا گئے۔ سیدنا علی بن ابی طالب، سیدنا اسامہ بن زید، سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہم اور ان کے دونوں بیٹے رسول اللہ ﷺ کی تجہیز وتکفین میں مشغول ہو گئے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو غسل دینے کی ذمہ داری نبھائی۔

جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کی تدفین سے فارغ ہو کر واپس تشریف لائے تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے پوچھا: یا أنس! أطابت أنفسکم أن تحثوا علٰی رسول اللّٰہ ﷺ التراب؟ "اے انس! کیا تمھارے دل اس بات پر آمادہ ہو گئے کہ تم رسول اللہ ﷺ کے جسد اطہر پر مٹی ڈالو؟"[3]

اسد الغابہ میں ہے کہ وفات النبی ﷺ کے بعد سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا جب تک زندہ رہیں، ان کے مقدس لب کبھی تبسم آشنا نہیں ہوئے۔[4]

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا سفر آخرت

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا دن بدن کمزور ہوتی چلی گئیں۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیوی اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے سب سے بڑھ کر ان کی تیمارداری کی۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ان پر بہت اعتماد کرتی تھیں۔ ایک دن انھوں نے فرمایا: عورتوں کا جنازہ جس طرح تیار کیا جاتا ہے، اس سے ستر کے تقاضے کامل طور پر پورے نہیں ہوتے۔ یہ بات سن کر سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا: کیا میں آپ کو وہ طریقہ نہ بتاؤں جو میں نے حبشہ میں دیکھا تھا؟

[1] سنن ابن ماجه: 1623، [2] صحيح البخاري: 4462، [3] صحيح البخاري: 4462، [4] أسد الغابة: 5/368.

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ضرور بتائیے!

انھوں نے کہا کہ وہاں درخت کی ٹہنیاں لے کر انھیں خم دیا جاتا اور انھیں چارپائی کے چاروں کونوں پر باندھ دیا جاتا، پھر ٹہنیوں کے اوپر کپڑا ڈال دیا جاتا تھا۔ اس طرح چارپائی باپردہ ڈولی کی طرح بن جاتی تھی۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا یہ سن کر بہت مسرور اور مطمئن ہوگئیں۔ انھوں نے اسماء رضی اللہ عنہا کو وصیت فرمائی کہ جب میں فوت ہو جاؤں تو مجھے صرف آپ اور علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہی غسل دیں۔ کوئی اور میرے قریب پھٹکنے نہ پائے۔ غسل کے بعد آپ ہی میرے جنازے کے لیے چارپائی کی ڈولی بنائیں اور اس پر پردے کا اہتمام کریں۔[1]

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے کتنے عرصے بعد سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا؟ اس کے بارے میں مختلف اقوال ہیں: ستر دن، سترہ دن، دو ماہ، چار ماہ، چھ ماہ، آٹھ ماہ۔ سیرت نگاروں نے ان اقوال میں سے چھ ماہ والی روایت کو ترجیح دی ہے۔[2]

رسول اللہ ﷺ کی وفات کو 6 ماہ گزرے تھے کہ 3 رمضان المبارک ۱۱ھ بروز منگل سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی پاکیزہ روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔ وفات کے وقت ان کی عمر 29 سال تھی۔ بعض نے 30 سال اور بعض نے 35 سال بتائی ہے۔ لیکن پہلی روایت کو ترجیح حاصل ہے۔[3]

تجہیز و تکفین

سیدنا علی، سیدہ اسماء بنت عمیس، سیدہ سلمیٰ اور ام رافع رضی اللہ عنہم نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو غسل دیا اور کفن پہنایا۔ ان کا جنازہ رات کے وقت اٹھایا گیا۔ نماز جنازہ کس نے پڑھائی؟ اس کے بارے میں مختلف روایات ہیں: بعض کہتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں اسی کا ذکر ہے۔[4] بعض نے کہا کہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔[5] اور بعض مؤرخین کا، جن میں شیعہ بھی شامل ہیں، کہنا ہے کہ ان کا جنازہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے اصرار پر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پڑھایا۔

کنز العمال میں امام جعفر صادق کے حوالے سے روایت ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو جنازہ پڑھانے کے لیے کہا تو انھوں نے فرمایا: آپ خلیفۂ رسول ﷺ ہیں، میں آپ سے آگے نہیں ہو سکتا، آپ ہی جنازہ پڑھائیں۔[6]

1 السنن الكبرىٰ للبيهقي 34/4، حلية الأولياء 43/2. اس روایت کی سند ضعیف ہے۔ 2 الإصابة 267/8، أسد الغابة 308/5 3 أسد الغابة 369/5 4 صحيح البخاري 4240، 4241، صحيح مسلم 1759 5 الطبقات لابن سعد 28/8 6 كنز العمال 328/6

علامہ محب الدین طبری نے ''ریاض النضرۃ'' میں امام زین العابدین کے حوالے سے یہی روایت نقل کی ہے۔[1] ابراہیم نخعی ﷫ کہتے ہیں: سیدنا ابوبکر صدیق ﷛ نے سیدہ فاطمہ ﷝ کا جنازہ پڑھایا اور جنازے میں چار تکبیریں کہیں۔[2]

رات کی تاریکی تھی، مشعلیں روشن تھیں۔ تدفین کے لیے سیدنا علی، سیدنا عباس اور فضل بن عباس ﷡ قبر میں اترے اور انھیں سپردِ خاک کیا۔

انھیں بقیع الغرقد میں سیدہ زینب، سیدہ رقیہ اور سیدہ ام کلثوم ﷡ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

سعید بن مسیب ﷫ فرماتے ہیں: ہم سیدنا علی ﷛ کے ساتھ مدینہ منورہ کے قبرستان پہنچے تو سیدنا علی ﷛ نے سیدہ فاطمہ ﷝ کی قبر پر کھڑے ہو کر یہ اشعار پڑھے:

لِكُلِّ اجْتِمَاعٍ مِنْ خَلِيلَيْنِ فُرْقَةٌ	وَإِنَّ بَقَائِي بَعْدَكُمْ لَقَلِيلُ
وَإِنَّ افْتِقَادِي وَاحِدًا بَعْدَ وَاحِدٍ	دَلِيلٌ عَلَى أَنْ لَا يَدُومَ خَلِيلُ
أَرَى عِلَلَ الدُّنْيَا عَلَيَّ كَثِيرَةً	وَصَاحِبُهَا حَتَّى الْمَمَاتِ عَلِيلُ

''دو دوستوں کو اکٹھے رہنے کے بعد جدا ہی ہونا پڑتا ہے۔ تمھارے بعد میری بقا کا عرصہ بھی بہت تھوڑا ہے۔ میں ایک کے بعد ایک کو گم پاتا ہوں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ دوست ہمیشہ نہیں رہتا۔ میں اپنے اوپر دنیا کی بہت بیماریاں (پریشانیاں) دیکھ رہا ہوں۔ ان بیماریوں میں مبتلا شخص موت تک بیمار ہی رہتا ہے۔''[3]

اولاد

رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادیوں میں سے صرف سیدہ فاطمۃ الزہراء ﷝ کے ذریعے سے آپ ﷺ کی نسل باقی رہی اور آج بھی حسنی، حسینی اور فاطمی، ساری نسبتیں انھی کی طرف ہیں۔

سیدہ فاطمہ ﷝ کے تین بیٹے سیدنا حسن، سیدنا حسین اور سیدنا محسن ﷡ اور دو بیٹیاں سیدہ ام کلثوم اور سیدہ زینب ﷡ تھیں۔

1 سیدنا حسن ﷛: یہ رمضان 3 ھ میں پیدا ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کا نام ''حسن'' رکھا۔ ساتویں دن عقیقہ کیا، بال اتروائے اور بالوں کے ہم وزن چاندی صدقہ کی۔ سیدنا حسن بن علی ﷛ شکل و صورت میں اپنے نانا محترم ﷺ سے بہت مشابہ تھے۔ انتہائی صابر، شاکر، عامل کتاب و سنت اور صلح پسند شخصیت تھے۔ سیدنا حسن ﷛

1 ریاض النضرۃ: 10/. 2 الطبقات لابن سعد: 8/29، 30. 3 مختصر تاریخ دمشق: 4/162

کو زہر دیا گیا اور اسی سبب سے ان کی شہادت واقع ہوئی۔

2 سیدنا حسین رضی اللہ عنہ: یہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے ایک سال چھوٹے تھے۔ ان کی ولادت 4 ھ میں ہوئی۔ کنیت ابوعبداللہ تھی۔ نہایت حسین وجمیل تھے۔ یہ بھی رسول اللہ ﷺ کے ہم شکل تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ 61 ھ میں میدان کربلا میں شہید ہوئے۔

3 سیدنا محسن رضی اللہ عنہ: یہ بچپن ہی میں انتقال کر گئے تھے۔

4 سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا: چونکہ ان کی شکل ان کی خالہ ام کلثوم سے ملتی تھی، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ان کا نام بھی ام کلثوم رضی اللہ عنہا ہی رکھا۔ ان کی شادی امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ ان کی قبر دمشق میں ہے۔

5 سیدہ زینب رضی اللہ عنہا: یہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی سب سے چھوٹی صاحبزادی تھیں۔ ان کی شادی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بھتیجے سیدنا عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہما سے ہوئی۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا حادثۂ کربلا میں آخر دم تک اپنے برادر مکرم سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہیں۔ انھوں نے سارا جدال وقتال اپنی آنکھوں سے دیکھا اور صبر جمیل کا مظاہرہ کیا۔ زینب رضی اللہ عنہا نے کوفہ میں ابن زیاد اور دمشق میں یزید کے سامنے نہایت جرأت مندانہ تقریریں فرما کر انھیں لاجواب کر دیا۔[1]

مرویات حدیث

رسول اللہ ﷺ کی بیٹیوں میں سے تنہا سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا ہی کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ انھوں نے احادیث روایت کیں۔ امام ابن جوزی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

لا نعلم احدا من بنات رسول اللہ ﷺ اسند عنہ غیر فاطمۃ.

''فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے علاوہ دختران رسول ﷺ میں سے ہمیں کسی کی نسبت یہ معلوم نہیں کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے کوئی حدیث روایت کی ہو۔''

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے 18 احادیث مروی ہیں جو بخاری، مسلم، سنن اور مسانید میں مذکور ہیں۔ ایک حدیث متفق علیہ بھی ہے۔ ان سے حدیث روایت کرنے والوں میں علی بن ابی طالب، سیدنا حسن، سیدنا حسین اور سیدنا انس رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔ امہات المومنین رضی اللہ عنہن میں سے سیدہ عائشہ، سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور دیگر صحابیات میں سے ام رافع سلمی رضی اللہ عنہا نے ان سے حدیث روایت کی۔[2]

1 دیکھیے: سیر أعلام النبلاء: 119/2 2 سیر أعلام النبلاء: 119/2 و 134

سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ

ولادت

سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ بن رسول اللہ ﷺ ہاشمی قرشی کی والدہ ماجدہ سیدنا ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا مقوقس فرمانروائے اسکندریہ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں 7 ہجری میں بھیجی گئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو "عالیہ" (قبا) میں اس حصے میں اتارا جس کا نام "قف" تھا۔ یہاں ایک باغ تھا جو اب "مشربہ ام ابراہیم" کہلاتا ہے۔ مشربہ بالا خانہ کو کہتے ہیں، اس لیے قیاس یہی ہے کہ اس پُر فضا جگہ میں ایک دو منزلہ مکان بنا ہوا تھا۔ سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا اسی میں رہتی تھیں اور سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ وہیں پیدا ہوئے۔[1]

تاریخ طبری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ غزوۂ حنین کے بعد جعرانہ میں مال غنیمت تقسیم کرکے، عمرہ کرتے ہوئے مدینہ منورہ واپس تشریف لائے۔[2] واقدی کے قول کے مطابق آپ ذوالحجہ 8ھ کی آخری تاریخوں میں مدینہ منورہ پہنچے۔ آپ ﷺ کے مدینہ پہنچنے کے بعد انھی تاریخوں میں سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی۔[3]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«وُلِدَ لِيَ اللَّيْلَةَ غُلَامٌ فَسَمَّيْتُهُ بِاسْمِ أَبِي إِبْرَاهِيمَ»

"رات میرے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا ہے۔ میں نے اس کا نام اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کے نام پر رکھا ہے۔"[4]

نبی اکرم ﷺ کو صاحبزادے کی ولادت سے بڑی مسرت ہوئی۔ کیونکہ آپ کی نرینہ اولاد زندہ نہیں رہی تھی۔ جس وقت سیدنا ابورافع رضی اللہ عنہ نے آکر یہ بشارت سنائی، اس خوشخبری پر رسول اللہ ﷺ نے ان کو ایک غلام عطا فرمایا۔[5]

سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات زندگی اور ان کی وفات و تدفین کا تفصیلی تذکرہ اسی جلد کے پہلے باب میں "رسول اللہ ﷺ کے فرزند ابراہیم رضی اللہ عنہ کی ولادت اور وفات" کے زیر عنوان گزر چکا ہے۔

---

1 الاستیعاب، ص: 65. 2 تاریخ الطبری: 353/2. 3 المغازي للواقدي: 356,355/2. 4 صحیح مسلم: 2315.
5 الطبقات لابن سعد: 212/8.

رسول اللہ ﷺ کے غلام، لونڈیاں اور خدام

سیرت انسائیکلوپیڈیا کی گزشتہ جلدوں میں رسول اللہ ﷺ کے غلاموں، لونڈیوں اور خادموں کا تذکرہ اپنے اپنے مقام پر گزر چکا ہے۔ تاہم ہم یہاں ان کا اجمالی تذکرہ آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ بعض سیرت نگاروں نے نبی ﷺ کے غلاموں، لونڈیوں اور خادموں کی ایک لمبی فہرست بیان کی ہے۔ لیکن ہم صرف ان میں سے مشہور و معروف کا ذکر کریں گے۔

نبی اکرم ﷺ کے غلام

کچھ شخصیات ایسی ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے پاس غلام بن کر آئیں لیکن پھر وہ لوگ آپ کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ انھوں نے دنیا کی ہر چیز پر آپ کی غلامی ہی کو ترجیح دی۔ وہ اپنے قبیلوں اور علاقوں میں جانے کے بجائے ساری زندگی آپ ہی کی خدمت میں مصروف رہے۔ ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

زید بن حارثہ ؓ	ابومویہبہ ؓ
ابورافع ؓ	اسلم ؓ
ابوکبشہ سلیم ؓ	ثوبان ؓ
رباح نوبی ؓ	صالح (شقران) ؓ
مدعم ؓ	یسار نوبی ؓ
انجشہ ؓ	کرکرہ ؓ[1]
ابوسرح انسہ ؓ	سفینہ بن فروخ ؓ
افلح ؓ	عبید ؓ

1 مدعم اور کرکرہ دونوں خیبر کے موقع پر مارے گئے تھے۔ ان کا خیبر کے مال غنیمت سے چادر اور عبا چرانے کا واقعہ مشہور ہے جس پر رسول اللہ ﷺ نے انھیں وعید بھی سنائی تھی۔ (مزید دیکھیے، سیرت انسائیکلوپیڈیا (الغزوات المغازی) 406/8)

- طہمان (کیسان یا باذام یا ذکوان یا مہران یا ہرمز) ؓ
- کنین ؓ
- قسام ؓ
- سندر ؓ
- مابور قبطی ؓ
- فضالہ یمانی ؓ
- ابو واقد ؓ
- واقد ؓ
- ابو عسیب ؓ

نبی اکرم ﷺ کی لونڈیاں

ذیل میں نبی اکرم ﷺ کی مختلف لونڈیوں کے نام ذکر کیے جاتے ہیں:

- ام رافع سلمٰی ؓ
- میمونہ بنت سعد ؓ
- خضرہ ؓ
- رضویٰ ؓ
- رزینہ ؓ
- ام ضمیرہ ؓ
- میمونہ بنت ابی عسیب ؓ
- ماریہ قبطیہ ام ابراہیم ؓ
- ریحانہ بنت شمعون ؓ

رحمۃ للعالمین ﷺ کے خدام

صحابۂ کرام ؓ نبی اکرم ﷺ کی خدمت کو اپنے لیے بہت بڑا شرف و اعزاز سمجھتے تھے۔ ہر صحابی اس جستجو میں رہتا کہ وہ اس سعادت سے بہرہ ور ہو۔ کچھ صحابہ ایسے تھے جنھوں نے خود کو آپ ﷺ کی خدمت کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ وہ سفر و حضر میں آپ کی ضرورتوں اور آرام کا خیال رکھتے۔ انھیں اس بات کا انتظار رہتا کہ آپ کوئی کام کہیں تو وہ اسے فوراً کر دیں۔ ان میں سے مشہور خادم یہ ہیں:

- انس بن مالک ؓ
- عبداللہ بن مسعود ؓ
- عقبہ بن عامر جہنی ؓ
- اسلع بن شریک ؓ
- بلال بن رباح ؓ
- سعد ؓ
- ابوذر غفاری ؓ
- ایمن بن عبید ؓ [1]

1 زاد المعاد، 1/114-117

تفصیلی حواشی سیرت انسائیکلوپیڈیا

(جلد10)

اعلام

رملہ بنت حارث رضی اللہ عنہا: یہ خاتون رملہ بنت حارث بن ثعلبہ بن حارث بن زید انصاریہ نجاریہ تھیں۔ سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے جب یہود بنو قریظہ کے مردوں کے قتل کا فیصلہ دیا تھا تو انھیں دار رملہ بنت حارث ہی میں قید کیا گیا تھا۔ ابن حبیب نے ان کا ذکر انصار کی ان خواتین میں کیا ہے جنھوں نے نبی ﷺ کی بیعت کی تھی۔ (اسد الغابۃ: 5/286، 287)

اماکن

اثایہ: عرج سے دو میل پہلے ایک کنواں ہے۔ اس جگہ ایک مسجد ہے جس میں نبی ﷺ نے نماز پڑھی۔ یہاں کیکر کے درخت ہیں اور یہاں حجاز کی حد ختم ہوتی ہے۔

بحیرۂ طبریہ: اسے بحیرۂ گلیلی (Galilee Sea) بھی کہا جاتا ہے۔ یہ فلسطین میں شام کی حدود پر نمکین پانی کی ایک جھیل ہے۔ اس میں سے دریائے اردن گزرتا ہے۔ جھیل کا رقبہ 175 مربع کلومیٹر ہے۔ لمبائی 20 کلومیٹر اور چوڑائی 10 کلومیٹر ہے۔ سطح سمندر سے اس کی گہرائی 200 میٹر ہے۔ (المنجد في الأعلام، ص: 355) بحیرۂ طبریہ کے مغربی کنارے شہر طبریہ (Tiberias) آباد ہے۔

بیسان: وادئ اردن کا یہ فلسطینی قصبہ جھیل طبریہ (بحیرۂ گلیلی) کے جنوب میں 30 کلومیٹر دور ہے۔ یہ شہر مسیح علیہ السلام سے 3 ہزار سال پہلے بھی آباد تھا۔ یہ سیدنا سلیمان علیہ السلام کی سلطنت میں شامل تھا۔ یونانی اور رومی ادوار میں یہ سکیتھوپولس (Scythopolis) کہلاتا تھا۔ ذی قعدہ 13ھ / جنوری 635ء میں جنگ بیسان میں مسلمانوں نے رومیوں کو شکست دی۔ 492ھ تا 583ھ اس پر صلیبی قابض رہے حتی کہ صلاح الدین ایوبی نے اسے فتح کر لیا۔ ان دنوں اس پر اسرائیلی قابض ہیں اور یہ بیت شیان (Beit Shean) کہلاتا ہے۔ (اٹلس فتوحات اسلامیہ، ص: 185)

جازان (جیزان): بحیرۂ احمر کے ساحل پر واقع جازان شہر سعودی صوبہ جازان کا دارالحکومت ہے۔ جازان سے پچاس ساٹھ کلومیٹر جنوب میں یمن کی سرحد ہے۔

ذی طویٰ: یہ مکہ کے شمال مغرب کی ایک وادی ہے جو جبل اذاخر اور حجون سے مغرب کی طرف بہتی ہے۔ آج کل یہ مکہ کی آبادی کے وسط میں ہے۔ اس کے محلے عتیبیہ اور جرول ہیں اور جرول میں بئر ذی طویٰ آج بھی معروف ہے۔ (أطلس الحديث النبوي، ص: 186، معجم المعالم الجغرافية في السيرة، ص: 188)

زغر: بحیرۂ مردار (البحر المیت) کے جنوب میں قوم لوط کے علاقہ سدوم (اردن) میں چار بڑے شہر تھے، ان میں سے ایک زغر تھا

نقشہ اردو بائبل میں ضُغر یا ضوغر (Zoar) لکھا گیا ہے۔ زغر یا صغر کی جگہ ان دنوں غور الصافی قصبہ آباد ہے۔ (اطلس القرآن، ص ...، ''لوط علیہ اور قوم سدوم'') پیدائش (کتاب مقدس) باب 22، 23 میں لکھا ہے کہ لوط علیہ نے شہر ضغر میں پناہ لی جب اللہ تعالیٰ نے سدوم اور عمورہ پر آسمان سے گندھک اور آگ برسا کر انھیں تباہ کر دیا۔ (کتاب مقدس، پرانا عہد نامہ، ص 27.)

عرق سیالہ: یہ مدینہ سے 47 کلومیٹر ایک مقام ہے جسے سیالہ بھی کہتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں اکثر سیلاب آتا ہے یا اس وجہ سے سیالہ کہا جاتا ہے کہ وہاں کانٹے دار درخت ہیں۔

ضمد (ضَمَد): جازان شہر کے شمال میں وادی ضمد سمندر میں گرتی ہے اور جازان شہر سے تقریباً 40 کلومیٹر شمال مشرق میں وادی ضمد پر قصبہ ضمد واقع ہے۔ معجم البلدان میں اسے الضَمْد لکھا گیا ہے۔ (المعجم الجغرافی للمملکۃ العربیۃ السعودیۃ، 203,16، معجم البلدان: 462/3)

العرج: مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک بستی کا نام ہے۔ یہ مدینہ سے 13 کلومیٹر جنوب میں ہے۔

عرق الظبیہ: یہ روحاء سے تین کلومیٹر پیچھے وادی سدارہ میں ایک پہاڑ کے نام کی وجہ سے معروف جگہ ہے۔ ان دنوں مقامی لوگ اسے ''طرف ظبیہ'' بولتے ہیں۔

قبائل

بنو تغلب: یہ عدنانی قبیلہ تغلب بن وائل بن قاسط بن ہنب بن افصی بن دعمی بن جدیلہ بن اسد بن ربیعہ سے منسوب ہے۔ یہ بحرین اور دیار ربیعہ (حجاز [illegible]) میں رہتے تھے۔ (معجم قبائل العرب: 120/1)

بنو تمیم: یہ عدنانی قبیلہ تمیم بن مر بن اد بن طابخہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان کی اولاد ہے۔ یہ نجد اور بحرین میں آباد تھے۔ بنو تمیم کی شاخ حنظلہ بن مالک بن زید مناۃ بن تمیم کا ذیلی قبیلہ الوہبہ ہے جس سے شیخ محمد بن عبدالوہاب تعلق رکھتے تھے۔ الوہبہ ہی سے المعاضید ہیں جن سے امرائے قطر ''آل ثانی'' تعلق رکھتے ہیں۔ (معجم قبائل العرب: 125/1، 126)

بنو حنیفہ: یہ عدنانی قبیلہ بنو ربیعہ میں بکر بن وائل کی شاخ بنو حنیفہ بن لُجیم بن صعب بن علی بن بکر بن وائل سے منسوب تھا جبکہ دیگر کے مطابق اسے حنیفہ بنت کاہل بن اسد بن خزیمہ سے نسبت تھی۔ اس کا وطن یمامہ تھا۔ (معجم قبائل العرب: 312/1)

بنو عامر بن صعصعہ: یہ عدنانی قیسی قبیلہ ہوازن کی شاخ تھا اور عامر بن صعصعہ بن معاویہ بن بکر بن ہوازن بن منصور سے منسوب تھا۔ یہ نجد میں رہتے تھے، پھر نواح طائف میں آ بسے۔ (معجم قبائل العرب: 708/2، 709)

عبدالقیس: یہ عظیم قبیلہ عبدالقیس بن افصی بن دعمی بن جدیلہ بن اسد بن ربیعہ بن نزار بن معد بن عدنان سے نسبت رکھتا ہے۔ ان کا وطن تہامہ تھا، پھر یہ بحرین (مشرقی سعودی عرب) میں جا آباد ہوئے۔ (معجم قبائل العرب: 726/2)

مزینہ: یہ عدنانی مضری قبیلہ عثمان و اوس ابنائے عمرو بن اد بن طابخہ بن الیاس بن مضر کی اولاد ہے۔ عثمان اور اوس کی والدہ کا نام مزینہ تھا، اس لیے وہ بنو مزینہ کہلائے۔ یہ نجد، الروحاء، العمق اور وادی الفرع میں آباد تھے۔ (معجم قبائل العرب: 1083/3)

بنو محارب: یہ عدنانی قبیلہ محارب بن خصفہ بن قیس بن عیلان بن مضر سے منسوب تھا۔ (معجم قبائل العرب: 1043/3)



سیرت انسائیکلوپیڈیا

رہبر انسانیت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ قیامت تک آنے والے انسانوں کے لیے "اسوۂ حسنہ" ہیں۔ آپ نے 23 سال کے مختصر عرصے میں اقوام عالم کو ایسے روحانی اور سماجی و سیاسی انقلاب سے آشنا کیا کہ تاریخ انسانی اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ آپ ﷺ کی ذات بابرکات اور عظیم کارناموں پر سب سے زیادہ کتابیں لکھی گئی ہیں۔ کتب سیرت کی کہکشاں میں دارالسلام کا جدید انداز کا سیرت انسائیکلوپیڈیا "اللؤلؤ المکنون" اپنی نوعیت کا نہایت معتبر، منفرد اور ممتاز علمی و تحقیقی ارمغان عقیدت ہے۔ ان شاء اللہ آپ کو اس کے مطالعے سے رسالت مآب ﷺ کی مقدس زندگی کے ہر گوشے کے بارے میں علم و بصیرت کی بھرپور روشنی ملے گی۔

یہ اسی سلسلۃ الذہب کی دسویں جلد ہے۔ اس کے چار ابواب ہیں۔ پہلے باب میں آپ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جزیرہ نمائے عرب کے گوشے گوشے سے عرب قبیلوں کے وفود کی حاضری کا منظر دیکھیں گے۔ پھر حجۃ الوداع کا انقلابی باب پڑھیں گے۔ آپ ﷺ نے اس موقع پر مناسک حج سکھلائے اور نہایت اہم دینی اور سیاسی تعلیمات دیں۔ ارشاد فرمایا کہ تم پر کوئی نکٹا حبشی بھی امیر مقرر کر دیا جائے تو تم پر لازم ہے کہ اس کی بھی اطاعت کرو جب تک وہ کتاب اللہ کے مطابق فیصلے صادر کرتا رہے۔

اگلے باب میں آپ رسول اللہ ﷺ کے مرض الموت اور وفات کا الم انگیز حال پڑھیں گے۔ جانکنی کے موقع پر آپ ﷺ نے نماز کی پابندی اور عورتوں اور غلاموں کے حقوق کی خصوصی نگہداشت کی تاکید فرمائی۔ آپ یہ بھی پڑھیں گے کہ آپ ﷺ کی رحلت کے بعد خلیفۂ اول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کتنی بصیرت اور استقامت سے ملت اسلامیہ کی رہنمائی فرمائی۔ اسی جلد کے آخری باب میں آپ کو رسول اللہ ﷺ کی تمام ازواج مطہرات، صاحبزادوں اور صاحبزادیوں کے احوال کی بھرپور تفصیلات ملیں گی۔

دارالسلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

ISBN 978-603-500-369-8
9 786035 003698

اللؤلؤ المکنون

یازدہم

سیرت انسائیکلوپیڈیا

• جمالِ نبوت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا دل پذیر تذکرہ • سید المرسلین ﷺ کے بلند پایہ اخلاق، بے مثال کردار اور آدابِ عالیہ کا حسین مرقع • محمد ﷺ کی اعلیٰ خصوصیات، عظیم الشان معجزات، بے مثال پیش گوئیوں، مقبول دعاؤں اور فضائلِ و مناقبِ نبوی کا دلآویز گلزار

دارالسلام
DARUSSALAM

دارالسلام
ریسرچ سنٹر



وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے

جلد 11

اللؤلؤ المكنون

سیرت انسائیکلوپیڈیا

علی صاحبها الصلاة والسلام



وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ

اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے

اللؤلؤ المکنون

سیرت انسائیکلوپیڈیا

علی صاحبہا الصلاۃ والسلام

جلد 11

- جمالِ نبوت ﷺ کا دل پذیر تذکرہ
- رحمۃ للعالمین ﷺ کے فضائل ومناقب کا خوبصورت گلدستہ
- نبی ﷺ کے بلند پایہ اخلاق، بے مثال کردار اور آدابِ عالیہ کا حسین مرقع
- محمد ﷺ کی اعلیٰ خصوصیات، عظیم الشان معجزات اور بے مثال پیش گوئیاں

دار السلام
DARUSSALAM

اللؤلؤ المکنون

سیرت انسائیکلوپیڈیا

علی صاحبھا الصلاۃ والسلام

رسول اللہ ﷺ کے حسن و جمال و کردار و آداب اور خُلق عظیم کے علاوہ آپ کے فضائل، کمالات اور خصوصیات کا دلنشین تذکرہ نیز آپ ﷺ کے عظیم الشان معجزات، بے مثال پیشین گوئیوں اور مقبول دعاؤں کا تذکرہ بھی اس جلد میں آپ پڑھیں گے

نگرانِ اعلیٰ: عبدالمالک مجاہد

تصنیف وتالیف

حافظ محمد ابراہیم طاہر کیلانی
(ایم اے اسلامیات، فاضل مدینہ یونیورسٹی)

مولانا محمد اجمل بھٹی
(ایم اے اسلامیات، فاضل مدینہ یونیورسٹی)

حافظ عبداللہ ناصر مدنی
(فاضل علوم اسلامیہ)

حافظ محمد عثمان یوسف
(فاضل مدینہ یونیورسٹی)

تصحیح وتنقیح/نظر ثانی

مولانا ارشاد الحق اثری
(فاضل علوم اسلامیہ معروف مؤلف ومحقق)

جناب محسن فارانی
(ایم اے اردو، ماہر تاریخ، جغرافیہ ولسانیات)

معاونت

جناب احمد کامران
(سینئر صحافی و ماہر اردو زبان وادب)

ڈیزائننگ وکمپوزنگ

ہارون الرشید
(آرٹ ڈائریکٹر)

عبدالخالق
(کمپوزنگ وگرافک ڈیزائننگ)

محمد شعیب
(السٹریٹر)

دارالسلام

کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

سعودی عرب (ہیڈ آفس)

پرنس عبدالعزیز بن جلاوی سٹریٹ پوسٹ بکس: 22743 الریاض: 11416 سعودی عرب

فون: 00966 1 4043432-4033962 فیکس: 4021659 www.darussalamksa.com

Email: darussalam@awalnet.net.sa info@darussalamksa.com

الریاض • العلیا فون: 00966 1 4614483 فیکس: 4644945 • الملز فون: 00966 1 4735220 فیکس: 4735221

• سویدی فون: 00966 1 4286641 • سویلم فون/فیکس: 00966 1 2860422

جدہ فون: 00966 2 6879254 فیکس: 6336270 • مدینہ منورہ فون: 00966 4 8234446,8230038 فیکس: 04 8151121

الخبر فون: 00966 3 8692900 فیکس: 00966 3 8691551 • خمیس مشیط فون/فیکس: 00966 7 2207055

ینبع البحر فون: 0500887341 فیکس: 8691551 • قصیم (بریدہ) فون: 0503417156 فیکس: 00966 6 3696124

امریکہ • نیویارک فون: 001 718 625 5925 • ہیوسٹن: 001 713 722 0419 کینیڈا • مسجد عمر بن الخطاب فون: 001 416 4186619

لندن • دارالسلام انٹرنیشنل لیٹن اسٹون لندن فون: 0044 20 77252246-0044 20 85394885 • برمنگھم: 0044 0121 7739309

متحدہ عرب امارات • شارجہ فون: 00971 6 5632623 فیکس: 5632624 فرانس فون: 0033 01 480 52928 فیکس: 0033 01 480 52997

انڈیا • دارالسلام انڈیا فون: 0091 44 45566249 موبائل: 0091 98841 12041 • اسلامک بکس انٹرنیشنل فون: 0091 22 2373 4180

• ٹی بک انٹرپرائزز فون: 0091 40 2451 4892 موبائل: 0091 98493 30850 • اسلامک ریسرچ اینڈ بک انٹرپرائزز فون: 0091 44 42157847

سری لنکا • دارالکتاب فون: 0094 115 358712 • دارالایمان ٹرسٹ فون: 0094 114 2669197

پاکستان ہیڈ آفس و مرکزی شوروم

36- لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ، لاہور

فون: 0092 42 373 240 34, 372 400 24, 372 324 00 فیکس: 042 373 540 72

www.darussalampk.com

اردو بازار: غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور فون: 0092 42 371 200 54 فیکس: 042 373 207 03

ڈیفنس: Y بلاک، گول کمرشل مارکیٹ، دکان: 2 (گراؤنڈ فلور) ڈیفنس، لاہور فون: 0092 42 356 926 10

گلبرگ: دکان نمبر 2، گراؤنڈ فلور، پک سٹی پلازہ، لبرٹی گول چکر، گلبرگ III لاہور فون: 0092 42 357 738 50

مین مارکیٹ: بالمقابل ایس بک ڈپو مین مارکیٹ گلبرگ فون: 0092 42 357 882 67

ٹاؤن شپ: بیکری روڈ، ٹاؤن شپ، نزد اکبر چوک لاہور فون: 0092 42 351 242 30

کراچی مین طارق روڈ، ڈالمین مال سے (بہادر آباد کی طرف) دوسری گلی، کراچی فون: 0092 21 343 939 36 فیکس: 0092 21 343 939 37

اسلام آباد F-8 مرکز، ایوب مارکیٹ، شاہ زیب سنٹر فون: 0092 51 228 15 13 islamabad@darussalampk.com

ملتان 995- اے، گلگشت آفیسر کالونی، بوسن روڈ، ملتان فون: 0092 61 622 00 24

فیصل آباد کوہ نور سٹی (پلازہ نمبر 1، دکان نمبر 15) جڑانوالہ روڈ، فیصل آباد فون: 0092 41 850 19 44

info@darussalampk.com | www.darussalampublishers.com

بسم الله الرحمن الرحيم

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے

فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر
مكتبة دار السلام
موسوعة السيرة النبوية - الجزء ١١ - اللغة الاردية / مكتبة دار السلام - الرياض، ١٤٣٧ هـ
ص: ٤٦٢ مقاس: ٢٤×١٧ سم
ردمك: ٩٧٨-٦٠٣-٥٠٠-٣٧٤-٢
١- السيرة النبوية ٢- الموسوعات أ. العنوان
ديوي ٢٣٩ ١٤٣٧/٣٠٠٦ رقم الإيداع: ١٤٣٧/٣٠٠٦
ردمك: ٩٧٨-٦٠٣-٥٠٠-٣٧٤-٢

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى

مُحَمَّدٍ

وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ

وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ

كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ

اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

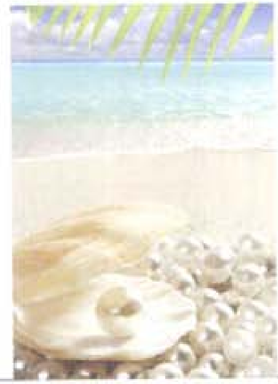
صحيح البخاري : 3370 صحيح مسلم : 405-407

رسول ﷺ کی مدحت میں
سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے
خوبصورت اشعار

وَأَحْسَنُ مِنْكَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَيْنِي
وَأَجْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ
خُلِقْتَ مُبَرَّأً مِنْ كُلِّ عَيْبٍ
كَأَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

اور آپ کی ذاتِ اقدس سے زیادہ حسین میری نگاہ نے کبھی کوئی دیکھا ہی نہیں
اور آپ سے زیادہ حسن و جمال والا کبھی کسی ماں نے جنا ہی نہیں
آپ ہر قسم کے عیب سے پاک صاف پیدا کیے گئے ہیں
گویا آپ کی ذاتِ اقدس کو آپ کے منشا کے عین مطابق بنایا گیا ہے

باب:1 سب حسینوں سے حسین، رحمة للعالمین ﷺ	23
باب:2 نبی اکرم ﷺ کی خصوصیات اور فضائل	53
باب:3 تاجدارِ نبوت ﷺ کے اخلاق و آداب	131
باب:4 معجزات، عہدِ رفتہ کی خبریں، پیش گوئیاں اور دعائیں	293



مضامین

باب: 1

سب حسینوں سے حسین، رحمۃ للعالمین

محمد ﷺ سے زیادہ حسین کسی ماں نے جنا ہی نہیں 26

حلیہ مبارک 27

- دلکش رنگت 29
- مبارک رُخِ انور 30
- پُرکشش آنکھیں 31
- خوبصورت ابرو 31
- فراخ دہن 32
- چمک دار دندانِ پاک 33
- خوشنما پتلی ناک 34
- حسین ہموار رخسار 34
- پُرنور کشادہ پیشانی 35
- خوشنما گردن مبارک 35
- پُر جمال سر مبارک 35
- مضبوط پُر گوشت کندھے 35
- فراخ سینہ 36
- شکم اطہر 36
- متوازن ناف 36
- سڈول کمر 36
- مضبوط کلائیاں 37
- کسرتی مضبوط پنڈلیاں 37
- ترشی ہوئی خوبصورت ایڑیاں 37
- خوشنما اور متوازن پاؤں 37
- گٹھے ہوئے مضبوط جوڑ 38

- پُر گوشت خوبصورت ہتھیلیاں 38
- دل آویز اُنگلیاں 39
- کندھوں کا درمیانی حصّہ 39
- متناسب خوبصورت کان 39
- گھنے سیاہ بال 40
- پُر نور گھنی داڑھی 42
- تراشیدہ مونچھیں 43
- داڑھی بچہ 43
- سفید نقرئی بال 44
- خوشبودار عنبریں پسینہ 46
- میانہ جسم اطہر 48
- پُر جمال قد 48
- معطر چمکدار بغلیں 49
- باوقار رفتار 49
- مُہر نبوت 50
- دل پذیر حلیہ مبارک ...... ایک جامع تذکرہ 51

باب : 2

نبی اکرم ﷺ کی خصوصیات اور فضائل

- فضائل و خصائص نبوی ﷺ 56
- رسول اللہ ﷺ کا اعزاز 57
- اسمِ محمد ﷺ کی شان 58
- رحمۃ للعالمین ﷺ 59
- سردار بنی آدم ﷺ 64
- خاتم النبیین ﷺ 64
- جن وانس کے رسول 65
- شافع محشر، حامل لواء الحمد 66
- جنت کا دروازہ نبی ﷺ کی سفارش سے کھلے گا 69
- نقشہ: حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے مقامات 70
- امتِ محمدیہ کے لوگ کثرت سے جنت میں ہوں گے 71
- 49 لاکھ خوش نصیب 73
- انعاماتِ ربانی کی فراوانی 75
- محبوب ربانی 77
- رب کائنات کا قسم کھانا 80
- دفاعِ مصطفیٰ ﷺ 80
- غلطیوں سے پاک نبی 82
- امام الانبیاء ﷺ 83
- پتھر کا سلام عقیدت 83
- ﴿ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴾ 84
- نقشہ: دنیائے اسلام 88

■ ﴿إِنَّا أَعْطَيْنَكَ الْكَوْثَرَ﴾ 90
■ امہات المومنین رضی اللہ عنہن 92
■ افضل امت 93
■ نبی ﷺ سب سے پہلے پل صراط پار کریں گے 94
■ اللہ کی طرف سے رسول کی حفاظت کا اعلان 95
■ مدینۃ الرسول کی حفاظت 97
■ مسجد نبوی کی شان 98
■ مسلمان ساتھی 100
■ زیارت نبوی 101
■ مبارک پسینہ 103
■ شفاعت کے وسیع تر حقوق 103
■ ① شفاعت عظمیٰ 104
■ ② جنت میں داخلے کی سفارش 105
■ ③ کبائر کے مرتکب لوگوں کی شفاعت 106
■ ④ عذاب میں تخفیف کی شفاعت 109
■ ⑤ اہلِ مدینہ کے لیے شفاعت 110
■ وحی الٰہی کی دلآویز صورتیں 111
■ ① نیک خواب 112
■ ② قلب اطہر میں القاء 112
■ ③ جبرائیل علیہ السلام کی انسانی بھیس میں تشریف آوری 113
■ ④ گھنٹی کی آواز 113
■ ⑤ جبرائیل اپنی اصلی شکل میں 113
■ ⑥ معراج کے موقع پر مکالمہ 114
■ انبیائے کرام کا میثاق 114
■ زمین کے خزانے 115
■ بے مثال سمع و بصر 115
■ دُگنا اجر و ثواب 117
■ حرمتِ زکاۃ 119
■ صوم وصال 120
■ عظیم ترین معجزہ 121
■ قرآن مجید کی حفاظت 122
■ جامع ترین کتاب 123
■ جمعہ یوم عید 124
■ النبي الأمي 127

باب : 3
تاجدارِ نبوت ﷺ کے اخلاق و آداب

خلقِ عظیم کے سنہری پہلو 134
■ حسن معاملہ 137
■ حسن معاشرت 145
■ عفو و درگزر 147

صبر و تحمل	155
امت کو صبر و تحمل کی تلقین	161
عدل و انصاف	162
رحمت و شفقت	167
عاجزی و انکسار	172
شرم و حیا	176
جود و سخا	180
صدق و صفا	187
ایفائے عہد	190
یادِ الٰہی میں نبی ﷺ کے آنسو	194
خوشی و غمی، رنج وراحت اور غیظ وغضب کے مرحلے	199
لمحاتِ مسرت، تبسم اور مزاح	206
انداز کلام اور خاموشی	210
خشیت الٰہی	214
اچھے اور بلند فکر اشعار کی توصیف	220
جرأت و بہادری	225
زہد وتقویٰ	228
نکاح معاشرت اور حب نساء	231
حیاتِ طیبہ کے معمولاتِ مبارک	234
روزمرہ کی زندگی	236
سونے سے پہلے کا معمول	237
نیند سے بیداری کی صورتحال	239
تہجد سے پہلے کا معمول	240
نماز تہجد کا معمول	241
صبح وشام کا معمول	242
معمولات طہارت	242
مسواک و وضو کے معمولات	243
رسول اللہ ﷺ کا طریقۂ غسل	244
معمولات نماز	245
روزے کے معمولات	246
رسول اللہ ﷺ کے مرغوب کھانے	247
آداب طعام	249
رسول اللہ ﷺ کے ملبوسات اور دیگر لوازمِ تجمل	253
نبی اکرم ﷺ کا عمامہ	253
ٹوپی مبارک	255
چادر اوڑھنا	256
قمیص اور تہ بند	257
جبہ	257
حُلّہ	261

- قبا 261
- عام لباس 262
- شلوار 265
- رسول اللہ ﷺ کے لباس کے مختلف رنگ 266
- سیاہ رنگ 266
- زعفران اور ورس سے رنگے ہوئے ملبوسات 268
- پاپوش مبارک اور موزے 268
- انگشتری مبارک 270
- خوشبو اور اس کا استعمال 272
- رسول اللہ ﷺ کی تین محبوب چیزیں 273
- رسول اللہ ﷺ کی پسندیدہ خوشبوئیں 274
- خضاب 274
- رسول اللہ ﷺ کا سامانِ تجمل: کنگھی، سرمہ اور آئینہ 275
- حجامت کرانا 276
- گھریلو سامان 278
- تبرکات 279
- چٹائی، بستر، لحاف، تکیہ اور رومال 280
- تصویروں والا پردہ لٹکانے پر اظہار برہمی 282
- رسول اللہ ﷺ کے برتن 283
- رسول اللہ ﷺ کا سامانِ حرب وضرب 283
- تلواریں 284
- چھوٹے نیزے 285
- زرہیں 285
- ڈھالیں، ترکش اور تیر 286
- جھنڈے، خیمے اور قبے 286
- زین، نیچے بچھانے والی گدی 288
- رسول اللہ ﷺ بچوں کو گھوڑے پر بٹھا لیتے تھے 288
- گھوڑوں سے محبت 288
- رسول اللہ ﷺ کے گھوڑے 290
- خچر 292
- گدھے 292

باب : 4

معجزات، عہدِ رفتہ کی خبریں، پیش گوئیاں اور دعائیں

معجزات اور ان کی حقیقت 296
- معجزات کی حکمت 296
- معجزے اور سحر وکہانت میں فرق 297
- معجزات کی تعداد 300

معجزاتِ نبوی ﷺ 302

▪ ''قرآن مجید'' عظیم معجزہ	302
▪ نبی اکرم ﷺ کی اُمیت	308
▪ جنات کے لیے آسمان سے خبریں چرانے کی ممانعت	309
▪ شہابِ ثاقب کی کثرت	311
▪ سفرِ معراج	312
▪ سفرِ ہجرت میں نصرتِ الٰہی	313
▪ گھات لگانے والے خائب و خاسر ہوگئے	315
▪ مکڑی کا جالا	315
▪ ابوجہل پر دہشت چھاگئی	315
▪ رسول اللہ ﷺ نے رکانہ پہلوان کو پچھاڑ دیا	316
▪ گوشت نے زہر سے آگاہ کر دیا	316
▪ اللہ نے اپنے نبی ﷺ کی حفاظت فرمائی	317
▪ شکاری خود شکار ہوگیا	317
▪ نبی ﷺ ابولہب کی بیوی کو نظر نہ آئے	318
غزوات میں نصرتِ الٰہی کا نزول	320
▪ غزوۂ بدر کے موقع پر نزول ملائکہ	320
▪ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر نیند طاری ہوگئی	322
▪ آندھی کے ذریعے نصرت	323
▪ غزوۂ حنین میں فتح و نصرت	324
معجزات خیر و برکت	325
▪ گھر کے برتن میں برکت	325
▪ دورانِ سفر کھانے میں برکت	325
▪ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں برکت	326
▪ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو دی گئی کھجوروں میں برکت	326
▪ کھجوروں کے ڈھیر لگ گئے	326
▪ تھوڑی سی کھجوریں تمام اہل خندق کے لیے کافی ہوگئیں	326
▪ حلوے کے پیالے میں برکت	327
▪ بڑھاپے کے باوجود بال کالے رہے	327
▪ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بکری کا گوشت	328
▪ نوجوان کی تقدیر چمک اُٹھی	328
▪ پانی کے برتن سے چشمہ جاری ہوگیا	329
▪ پانی کے چھوٹے سے برتن سے ستر افراد نے وضو کیا	329
▪ ایک مٹکے سے ہزاروں گیلن پانی کا حصول	330
▪ مبارک انگلیوں سے چشمہ پھوٹ پڑا	330
▪ سوکھا ہوا چشمہ تموج میں آگیا	330
▪ خشک کنویں سے پانی اُچھل پڑا	331
▪ حدیبیہ کے کنویں میں پانی کی فراوانی	331

- سیدہ ام معبد کی لاغر بکری کا معجزہ 332
- غذائی قلت ختم ہوگئی 332
- ایک بکری ایک ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے کافی ہوگئی 333
- تھوڑے سے حلوے سے تین سو صحابہ کا پیٹ بھر گیا 334
- بکری کی دستی 335
- سست رفتار اونٹنی تیز ہوکر سب سے آگے نکل گئی 335
- بیمار اونٹ سب پر سبقت لے گیا 335
- مریل گھوڑا ہوا سے باتیں کرنے لگا 336
- بکری کے بچے نے دودھ دیا 336
- بابرکت لقمہ 337
- دودھ کا پیالہ اہلِ صفہ کے لیے کافی ہوگیا 337
- کمزور سواری سب پر مقدم ہوگئی 337
- تھوڑے سے پانی میں بے انتہا اضافہ 338
- خشک کنویں سے پانی جاری ہوگیا 339
- مشکیزوں کے پانی میں اضافہ 339
- جو میں اضافہ 341
- کھانے اور نبیذ میں اضافہ 341
- ثرید کا بابرکت پیالہ 342
- ایک بکری کی کلیجی 130 صحابہ کرام نے کھائی 342
- ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے کھانے میں برکت 342
- خالی تھیلیاں گھی سے لبریز ہوگئیں 344
- کھانے پینے کی مختلف چیزوں میں برکت 344
- کھانے سے تسبیح کی آواز 345

نباتات، جمادات اور حیوانات سے متعلق معجزات 346

- چاند کے دو ٹکڑے ہوگئے 346
- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارے سے بُت گر پڑے 347
- قبر نے مرتد کو اُگل دیا 347
- کنکریوں سے تسبیح کی آواز 348
- درخت اپنی جڑوں سے اکھڑ کر چل پڑے 348
- اسلام کی حقانیت پر درختوں کی گواہی 348
- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شجر و حجر بھی سلام کرتے تھے 348
- کھجور کا تنا فراقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں رو پڑا 349
- میرے لیے یہی نشانی کافی ہے 349
- درخت ایک دوسرے سے جُڑ گئے 350
- ٹہنیاں تلوار بن گئیں 350
- خوشہ دار شاخ اسلام لانے کا سبب بن گئی 351
- درخت نے جنوں کی اطلاع دی 352
- درخت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا 352

- نبی ﷺ کی تشریف آوری پر پہاڑ کی حرکت 352
- لشکرِ کفار کنکریوں کی زد میں 353
- رسول اللہ ﷺ نے سنگریزے پھینکے تو قلعہ فتح ہو گیا 354
- سرکش اونٹ سجدہ ریز ہو گیا 354
- اونٹ کی فریاد رسی 355
- بھیڑیے کا اعلان حق 355
- ہرنی کی گواہی 356
- بُجھا دو اپنے ہاتھوں سے چراغِ زندگی میرا! 357
- گھریلو جانور ادب سے بیٹھا رہتا تھا 357

شفائے امراض 358

- ٹوٹی ہوئی ٹانگ ٹھیک ہو گئی 358
- آشوب زدہ آنکھوں کی تکلیف ختم ہو گئی 358
- آسیب کے اثر سے شفایابی 358
- جنون سے افاقہ 360
- گونگے کو قوت گویائی مل گئی 360
- مرض نسیان سے شفایابی 360
- حارث رضی اللہ عنہ تندرست ہو گئے 360
- زخم مندمل ہو گیا 361
- لعاب مبارک کا کرشمہ 361
- سانپ کے ڈسنے پر ابوبکر رضی اللہ عنہ کا شافی علاج 362
- لمس و لعاب کی برکت 362
- بازو ٹھیک ہو گیا 363
- جابر رضی اللہ عنہ کو ہوش آ گیا 363

احکام نبوی اور میڈیکل سائنس 364

- اونٹوں کا پیشاب اور دودھ 364
- مکھی کے بارے میں حدیث 365
- ایلوا 365
- ٹیک لگا کر کھانا مضر ہے 366
- مریض کو کھانے پر مجبور کرنا منع ہے 367
- ختنہ 367
- دورانِ حیض جنسی ملاپ 368
- کتے کا جھوٹا برتن 368
- شکاری پرندوں اور درندوں کی حرمت 369
- انسانی پیدائش 369

پیش گوئیاں 370

- غلبۂ اسلام کی عظیم الشان پیش گوئی 371
- غزوۂ احزاب 372
- فتح مکہ کی خوشخبری 373
- فتح خیبر کی اطلاع 374

- مسلمانوں کی مجموعی کامیابی کی خوشخبری 375
- تنگ دستی کے بعد تونگری کی بشارت 375
- غیر عربوں سے خدمت اسلام لیے جانے کی پیش گوئی 376
- غلبۂ دین کی پیش گوئی 376
- شجرۂ طیبہ سے مشابہت 377
- فتنۂ ارتداد سے نمٹنے اور اس پر قابو پانے کی پیش گوئی 377
- قرآن مجید کی خود اپنے بارے میں پیش گوئیاں 378
- حفاظت قرآن کریم کا وعدہ 378
- جمع و تدوین قرآن 379
- حفظ کیے جانے کی پیش گوئی 379
- حفظ کرنا سہل ہوگا 380
- اشاعت قرآن کی پیش گوئی 380
- باطل سے حفاظت و صیانت کا وعدہ 380
- تمھیں تکلیف نہ پہنچا سکیں گے 381
- یہودیوں پر قیامت تک ذلت و مسکنت طاری رہنے کی پیش گوئی 381
- موت کی خواہش نہ کر سکنے کی پیش گوئی 382
- یہودیوں کے مابین فرقہ بندیوں کی پیش گوئی 383
- اسلام کے خلاف یہود و نصاریٰ کے گٹھ جوڑ کی خبر 384
- یہودیوں کی دروغ گوئی پر اطلاع 385
- کتب سابقہ میں اپنی نبوت و رسالت کی خبر 385
- سابق انبیاء علیہم السلام کے احوال و آثار کی خبریں 386
- سیدنا آدم علیہ السلام کی تخلیق کا بیان 386
- سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے حلیے کی خبر 386
- سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے حلیے کی خبر 387
- سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا حلیہ 388
- مختلف انبیاء علیہم السلام کے حالاتِ زندگی 388
- سریۂ موتہ کے حالات و واقعات کی اطلاع 389
- دیمک بائیکاٹ کی دستاویز ہڑپ کر گئی 389
- حاطب رضی اللہ عنہ کا خفیہ خط 390
- خط کی برآمدگی 390
- عمیر بن وہب اور صفوان بن امیہ کی سازش سے آگاہی 391
- دشمنوں کی سازشوں کی اطلاع 393
- سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے دفینے کی نشاندہی 394
- کنانہ اور ربیع کا مخفی خزانہ 395
- ابوسفیان بن حرب کا قصہ 396
- دشمن کے ناپاک ارادے میں ناکامی کی خبر 396

- گمشدہ اونٹنی کی جگہ سے آگاہ کر دیا 397
- کسریٰ کی ہلاکت کی خبر 397
- کسریٰ کی ہلاکت کی تصدیق اور باذان کا قبول اسلام 400
- خیبر برباد ہوجانے کی پیش گوئی 400
- یہ شخص دوزخی ہے 401
- ساز و سامان اور مال و دولت کی فراوانی کی پیش گوئی 401
- فتوحاتِ عظیمہ کی پیش گوئی 401
- کسریٰ کے کنگن پہن کر سراقہ کا اعلان حق 405
- مقتل کی نشاندہی 405
- ابی بن خلف کے قتل ہونے کی پیش گوئی 405
- مقتول سرداروں سے خطاب 406
- جہنمی شخص 406
- درخت کے نیچے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بیعت لینے کا واقعہ 407
- سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ کے کردار کی پیش گوئی 407
- حنظلہ رضی اللہ عنہ کو فرشتوں نے غسل دیا 408
- جنت کی تمنا پوری ہوگئی 409
- مسلمانوں اور رومیوں کے مابین ایک عظیم معرکہ اور فتح قسطنطنیہ 409
- قیام خلافت اور مدت خلافت کی پیش گوئی 413
- خلفائے راشدین کی نام بنام پیش گوئی 413
- تینوں خلفائے راشدین کی شہادت کی پیش گوئی 414
- حسن رضی اللہ عنہ دو گروہوں میں صلح کروائیں گے 416
- جزیرہ عرب میں مثالی امن و امان کے قیام کی بشارت 416
- فتنوں اور باہمی اختلاف و انتشار کی اطلاع 417
- فتنۂ خوارج کے ظہور کی خبر 417
- فتنۂ ارتداد کی پیش گوئی 418
- نوجوانوں کے ہاتھوں امت کی تباہی کی پیش گوئی 419
- بکثرت قتل و خون ریزی کی پیشگی اطلاع 420
- نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کی پیشگی اطلاع دی 420
- اب حوضِ کوثر پر ملیں گے 421
- میں اپنے رب سے ملاقات اور جنت کو اختیار کر چکا ہوں 421
- سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنی وفات سے مطلع فرمایا 423
- اپنے بعد فوت ہونے والی پہلی زوجہ محترمہ کے متعلق پیش گوئی 424
- ام ورقہ رضی اللہ عنہا کی شہادت کی خبر 424

- عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر 425
- حسین رضی اللہ عنہ فرات کے کنارے شہید کیے جائیں گے 426
- ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ تنہائی میں انتقال کریں گے 427
- جھوٹے نبیوں کے نمودار ہونے کی پیش گوئیاں 427
- فتنہ انکارِ حدیث کی پیشگی اطلاع 428
- قدریہ کے متعلق پیش گوئی 428
- بنو ثقیف کے کذاب اور مبیر کے ظہور کی اطلاع 429
- قیامت تک پیش آنے والے واقعات کی اطلاع 429
- بحری جہاد کی پیش گوئی 429
- حجاز سے عرب ملکوں کے قطع تعلق کی خبر 430
- حجاز سے ایک بڑی آگ کا ظہور 430
- غزوۂ ہند کی خبر 431
- ترکوں سے جنگ 431
- کلید کعبہ خاندانِ بنو شیبہ کی تحویل میں رہنے کی بشارت 432
- مسلمانوں میں باہم کشت وخون کی خبر 433
- مساجد کی خوب تزئین وآرائش کی جائے گی 433
- گھروں میں بلا ضرورت پردے لٹکانے کی پیش گوئی 433
- محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو کوئی فتنہ نقصان نہیں پہنچائے گا 434
- کتے بھونکیں گے 434
- فتح مصر کی پیش گوئی 434
- اویس قرنی سے دعا کرانے کی تاکید 435

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقبول دعائیں 436

- قریش مکہ پر عذاب دور ہونے کی دعا 436
- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا کا اثر 437
- ثقیف کے حق میں دعائے خیر 438
- صیاد خود شکار ہوگیا 441
- امتیازی روشنی 442
- قبیلہ دوس کے لیے دعا 443
- قریش مکہ کے حق میں دعائے خیر 443
- غزوۂ بدر میں دشمن کی ہزیمت کی دعا 444
- غزوۂ احزاب کے موقع پر لشکر کفار کی شکست 447
- دعا نے جنگ کا پانسا پلٹ دیا 448
- بارانِ رحمت کے لیے دعا 448
- عمر رضی اللہ عنہ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا 449
- نوجوان صحابی کے لیے دعائے پاکبازی 449
- سیدنا مالک بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کے لیے کثرت

اولاد کی دعا 450

■ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے لیے دعائے صحت 450

■ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ مستجاب الدعوات بن گئے 450

■ سیدنا جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے لیے گھوڑے پر جم کر بیٹھنے کی دعا 451

■ سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے لیے دعا 452

■ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی 452

■ عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ کے لیے دعا 453

■ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے لیے علم تفسیر کی دعا 453

■ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے لیے دعا 453

■ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ان کی والدہ کے لیے دعا 454

■ صبح سویرے اٹھنے والوں کے لیے دعائے خیر و برکت 454

■ امت کے حق میں تین دعائیں 454

■ سیدنا ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کے لیے دعائے خیر و برکت 455

■ دانتوں کی مضبوطی کے لیے دعا 455

■ ابولہب کے بیٹے کی گستاخی اور اس کا عبرتناک انجام 455

■ نوفل بن خویلد کا انجام 456

■ عامر بن طفیل طاعون کا شکار ہو گیا 457

■ ایک مغرور شخص کے خلاف بددعا 457

■ سلطنت کسریٰ کی تباہی کے لیے دعا 457

■ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا کا اثر 458

■ ابن قمئہ کو جنگلی مینڈھے نے مار ڈالا 458

■ مدینہ میں خیر و برکت اور خوشگوار آب و ہوا کے لیے دعائیں 459

■ اُلفتِ مدینہ 459

■ مدینہ منورہ کی آب و ہوا کی خوشگواری کے لیے دعا 459

■ مدینہ منورہ کے لیے دُگنی برکت کی دعا 460

■ اہل مدینہ کو خوفزدہ کرنے والوں کے لیے بددعا 461

باب
1

سب حسینوں سے حسین
رحمۃ للعالمین ﷺ

سید البشر، امام الانبیاء، معلم انسانیت، سیدنا محمد ﷺ کے
خد و خال، حلیۂ جلال اور آثارِ جمال پر ایک نظر

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ

عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ

بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ

''(لوگو!) بلاشبہ یقیناً تمھارے پاس تمھی میں سے ایک رسول آ گیا ہے، اس پر تمھارا تکلیف میں مبتلا ہونا گراں (گزرتا) ہے، وہ تمھارے لیے (بھلائی کا) حریص ہے، مومنوں پر نہایت شفیق، بہت رحم کرنے والا ہے۔'' (التوبة 9:128)

اس باب میں

آپ کو رسالت مآب ﷺ کے سراپائے مبارک کی جلوہ ریزیاں نظر آئیں گی۔ رسول اللہ ﷺ جس طرح اپنی سیرت مقدسہ کے لحاظ سے بے مثل تھے، اسی طرح آپ ﷺ کا جمالِ جہاں آرا بھی بے مثال تھا۔ آپ ﷺ کی جسمانی ساخت نہایت خوبصورت تھی۔ رنگ سرخ و سفید تھا۔ چہرۂ مبارک چاند سے زیادہ منور نظر آتا تھا۔ گردن لمبی تھی، سر بڑا متناسب تھا۔ دندانِ مبارک موتیوں کی لڑی معلوم ہوتے تھے۔ آنکھیں سُرمگیں اور بڑی بڑی تھیں۔ پلکیں لمبی لمبی تھیں۔ ریش مبارک گھنی تھی۔ مونڈھوں کی ہڈیاں بڑی بڑی تھیں۔ شانوں اور کلائیوں پر بال تھے۔ ہتھیلیاں چوڑی تھیں، کلائیاں لمبی تھیں۔ یہ حلیہ مبارک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بیان کیا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم سچائی کے پیکر تھے۔ انھوں نے آپ ﷺ کو جس طرح اور جس حال میں دیکھا، بے کم و کاست بیان کر دیا۔ اگلے اوراق میں آپ کو صحابۂ کرام کے ایسے ہی بیانات ملیں گے، یہ بیانات توجہ سے پڑھیے۔ آپ کو یوں محسوس ہو گا جیسے آپ رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ بابرکات کی خود زیارت کر رہے ہیں۔



محمد ﷺ سے زیادہ حسین کسی ماں نے جنا ہی نہیں

احسن الخالقین نے رسول اللہ ﷺ کو سب حسینوں سے بڑھ کر حسین اور سب جمیلوں سے زیادہ پیکر جمال بنایا۔ ساری ظاہری اور معنوی خوبصورتیاں اور دل آویزیاں آپ ﷺ کی ذاتِ بابرکات میں سمو دیں۔ آپ ﷺ کا وجودِ مسعود جلال، کمال اور جمالِ لازوال کی مکمل خوبیوں سے متصف تھا۔ رسول اللہ ﷺ کا اطہر و معطر جسم انتہائی نفاست و پاکیزگی سے گُندھا ہوا تھا۔ آپ ﷺ حسن کی معراج تھے۔ پورے کرۂ ارض پر اور تمام عالم انسانیت میں آپ ﷺ کے حسن کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ آپ ﷺ کے ایک محبِّ صادق سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے آپ کے حسنِ جہاں تاب کو چاند کے بالمقابل دیکھا تو آپ ﷺ کے حسن کے آگے چاند کا نور ماند پڑ گیا۔ آپ ﷺ کے پسینہ مبارک کو سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے اپنی خوشبو میں ملا کر اس کی مہک دوبالا کر دی۔ آپ ﷺ کے لعاب دہن کی برکت سے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی ایک ہنڈیا 1000 صحابہ رضی اللہ عنہم کو سیر کر گئی۔ الغرض اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اپنے معیارِ عالی کے مطابق اتنا احسن، اجمل اور اکمل بنایا جس کی نظیر الی یوم الآخر ناپید رہے گی۔ آپ ﷺ ارتقائے انسانیت کی سب سے اونچی مسند پر اس شان سے رونق افروز ہوئے کہ جو بھی آپ ﷺ کی اتباع کرے گا، ربِ ذوالجلال اُسے اپنا محبوب بنا لے گا۔

رسول اللہ ﷺ کے بے مثال حسن و جمال کو مداحِ رسول سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے یوں بیان کیا ہے:

وَأَحْسَنَ مِنْكَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَيْنِي ... وَأَجْمَلَ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ

خُلِقْتَ مُبَرَّءًا مِّنْ كُلِّ عَيْبٍ ... كَأَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

''آپ کی ذات اقدس سے بڑھ کر حسین میری نگاہ نے کبھی کوئی دیکھا ہی نہیں۔ آپ سے زیادہ حسن و جمال والا کبھی کسی ماں نے جنا ہی نہیں۔ آپ ہر قسم کے عیب سے پاک صاف پیدا کیے گئے ہیں۔ گویا آپ کو آپ کی چاہت کے عین مطابق بنایا گیا ہے۔''

حلیہ مبارک

ظاہر بات ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا حلیہ مبارک وہ عظیم ہستیاں بیان کر سکتی ہیں جو آپ کے دیدار اور رفاقت کی سعادت سے بہرہ ور ہوئیں۔ ذیل میں ہم انھی کے بیانات کی روشنی میں آپ ﷺ کا حلیہ مبارک بیان کر رہے ہیں:

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ خوبصورت اور خوب سیرت تھے، نہ دراز قد اور نہ پست قامت۔ کندھوں کا درمیانی فاصلہ عام پیمانے سے زیادہ، بال کانوں کی لو تک لمبے، سرخ جوڑا زیب تن کیے ہوئے آپ ﷺ سے زیادہ خوب رو میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔[1]

سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ کو سرخ جوڑا پہنے چاندنی رات میں دیکھ رہا تھا، میں کبھی چاند کو دیکھتا اور کبھی آپ ﷺ کے چہرۂ انور پر نظر کرتا، بالآخر اس فیصلے پر پہنچا کہ نبی اکرم ﷺ چاند سے کہیں زیادہ حسین ہیں۔[2]

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے کسی نے دریافت کیا کہ کیا آپ ﷺ کا چہرہ تلوار جیسا (چمک دار) تھا۔ فرمایا: نہیں، بلکہ چاند جیسا (خوبصورت اور پُرنور) تھا۔[3]

اسی طرح سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے کسی نے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک تلوار کی طرح (چمک دار اور لمبا) تھا؟ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں بلکہ سورج اور چاند کی طرح روشن اور گول تھا۔[4]

سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب جنگ تبوک میں پیچھے رہ جانے کی وجہ سے میری توبہ قبول ہوئی تو میں نبی اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور سلام کیا۔ میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کا چہرۂ مبارک مارے خوشی کے چمک رہا ہے اور آپ ﷺ جب خوش ہوتے تو آپ کا چہرہ ایسے دمک اٹھتا گویا چاند کا ایک ٹکڑا ہے۔[5]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ نبی اکرم ﷺ میرے پاس فرحاں وشاداں آئے۔ آپ ﷺ کے

[1] صحيح البخاري: 3549 و 3551، صحيح مسلم: 2337. [2] الشمائل للترمذي: 10، جامع الترمذي: 2811. [3] الشمائل للترمذي: 11، صحيح البخاري: 3552. [4] صحيح مسلم: 2344، دلائل النبوة للبيهقي: 195/1. [5] صحيح البخاري: 3556.

چہرے کی دھاریاں چمک رہی تھیں۔ [1]

ہمدان شہر کی رہنے والی ایک صحابیہ کا بیان ہے کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ حج کیا، میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ ہاتھ میں چھڑی لیے اونٹ پر سوار بیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں۔ راوی ابو اسحاق ہمدانی کہتے ہیں کہ میں نے ان صحابیہ سے نبی اکرم ﷺ کے روئے زیبا کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے بتایا کہ آپ کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح پُرنور تھا، میں نے اس سے پہلے اور اس کے بعد آپ ﷺ جیسا کوئی نہیں دیکھا۔ [2]

جُریری کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابوطفیل رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا تھا؟ انھوں نے فرمایا: ''ہاں! آپ ﷺ گورے رنگ، پُر ملاحت چہرے، موزوں ڈیل ڈول اور میانہ قد و قامت کے تھے۔'' [3]

سیدہ ام معبد رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کے حسن سراپا کا یوں نقشہ کھینچا ہے: ''میں نے ایک ایسا آدمی دیکھا جو رنگت کی چمک دمک اور چہرے کی تابانی لیے ہوئے تھا، دور سے دیکھنے میں سب سے خوبصورت اور وجیہ اور قریب سے دیکھنے میں انتہائی جاذب نظر و پُر جمال تھا۔'' [4]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کا چہرہ اقدس پُرنور اور انتہائی خوب صورت تھا۔ جب کوئی آپ کے چہرے کی رعنائی بیان کرتا، جہاں تک ہمیں معلوم ہے، تو وہ آپ کے چہرے کو چودھویں کے چاند سے تشبیہ دیتا۔ ہم کہتے کہ وہ ہمارے نزدیک چاند سے بھی خوبصورت ہیں۔ یعنی لوگوں کو آپ کا روئے زیبا چمکتے ہوئے چاند کی طرح جگمگاتا ہوا نظر آتا۔ [5]

[1] صحيح البخاري: 3555. [2] البداية والنهاية: 15,14/6. [3] صحيح مسلم: 2340. [4] المستدرك للحاكم: 10,9/3، شرح السنة للبغوي: 263/13، حديث: 3704. [5] دلائل النبوة للبيهقي: 300/1.

ہمدان (ایران)



دلکش رنگت: نبی اکرم ﷺ کی رنگت کا تذکرہ کرتے ہوئے سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ کا رنگ نہ تو چونے کی طرح خالص سفید تھا اور نہ گندمی کہ سانولا نظر آئے بلکہ گورا چمک دار تھا۔ [1]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ ہی بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کا رنگ سفید چمک دار تھا۔ کثرت سفر اور دھوپ کی وجہ سے کبھی کبھی گوری رنگت میں ہلکی سی گندمی رنگ کی جھلک معلوم ہوتی تھی۔ [2]

سیدنا ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا رنگ سفید تھا، سر مبارک کے کچھ بال سفید تھے۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ شکل وصورت میں آپ ﷺ سے ملتے جلتے تھے۔ [3]

محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ اپنے باپ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا رنگ سفید سرخی مائل تھا۔ [4]
ایک دوسری روایت میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کا روئے زیبا سفید ہلکی سی سرخی لیے ہوئے تھا۔ [5]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا رنگ سفید چمک دار تھا گویا کہ بدن چاندی سے ڈھلا ہوا تھا اور بال قدرے خم دار تھے۔ [6]

دوسری روایت میں وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ خوبصورت کوئی شخص نہیں دیکھا۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ سورج کی روشنی آپ کے رخ انور سے جھلک رہی ہے۔ نبی ﷺ اس قدر تیز رفتاری سے چلتے گویا زمین آپ کے لیے لپٹی جا رہی ہے۔ ہم تو چلتے چلتے تھکن سے چور ہو جاتے لیکن آپ ﷺ (تھکاوٹ سے) بے نیاز ہو کر سفر جاری رکھتے۔ [7]

درج بالا احادیث سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کا رنگ انتہائی خوبصورت، سفید سرخی مائل تھا اور بدن کا وہ حصہ جو کپڑوں یا بالوں کی وجہ سے چھپا رہتا تھا، وہ اور بھی حسین وجمیل، سفید اور چمک دار تھا، جیسا کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے جسم مبارک کے اس حصے کی رنگت سفید چمک دار تھی جو کپڑوں سے ڈھکا رہتا تھا۔ [8]

---

[1] صحيح البخاري: 3547. [2] دلائل النبوة للبيهقي: 204/1، المسند الجامع: 351/2، حديث: 1323. [3] صحيح البخاري: 3543-3545، صحيح مسلم: 2343، دلائل النبوة للبيهقي: 205/1، البداية والنهاية: 16/6. [4] دلائل النبوة للبيهقي: 206/1، مسند أحمد: 89/1 و 101، الأدب المفرد للبخاري: 1315. [5] دلائل النبوة للبيهقي: 206/1، جامع الترمذي: 3637. [6] دلائل النبوة للبيهقي: 208/1 و 241، الشمائل للترمذي: 12. [7] البداية والنهاية: 17/6، دلائل النبوة للبيهقي: 209/1، جامع الترمذي: 3648، صحيح ابن حبان (الموارد): 2118. [8] دلائل النبوة للبيهقي: 299/1.

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ گندمی تھا۔ [1]

بعض علماء نے اس حدیث کو شاذ قرار دیا ہے کیونکہ کم از کم پندرہ صحابہ کا بیان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ گندمی نہیں بلکہ سفید تھا۔اگر بالفرض اس حدیث کی صحت کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو گندمی رنگت سے مراد وہ سرخی ہے جو سفید چمک دار رنگ میں ملی ہوتی تھی۔ عرب، سرخی مائل سفید رنگ والے انسان پر بعض اوقات لفظ ''اسمر'' (گندمی رنگ) کا اطلاق کر دیتے ہیں۔ علامہ بیہقی رحمہ اللہ اس کا جواب ایک اور انداز میں دیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ میں جو سرخی یا گندمی رنگ کی جھلک تھی، وہ جسم کے اس حصہ پر ہوتی جو دھوپ اور ہوا میں کھلا رہتا تھا اور جو حصہ کپڑوں میں چھپا رہتا تھا، وہ سفید چمک دار تھا۔ [2] واللہ اعلم

مبارک رُخِ انور: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے زیبا کے متعلق چند احادیث پہلے گزر چکی ہیں۔ یہاں ہم کچھ مزید حدیثیں بیان کرتے ہیں:

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ گورا، سرخی مائل اور قدرے گولائی لیے ہوئے تھا۔ [3]

اسی طرح یزید الفارسی رحمہ اللہ (بحالت خواب دیکھے ہوئے حلیہ مبارک کو بیان کرتے ہوئے) فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انتہائی خوبصورت اور ہلکی سی گولائی میں تھا۔ (سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تائید فرمائی۔) [4]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخسار مبارک ہموار اور نرم ولطیف تھے۔ [5]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا ابوطالب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ بیان کرتے ہوئے ایک شعر کہتے ہیں:

---

[1] صحیح ابن حبان: 9/68. [2] مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: فتح الباري: 6/695،696، غریب الحدیث للخطابي: 1/216. [3] جامع الترمذي: 3638. [4] الشمائل للترمذي: 412، مسند أحمد: 1/361. [5] البداية والنهاية: 6/21، دلائل النبوة للبيهقي: 1/275.

مسجد سیدنا علی بن ابی طالب (مدینہ منورہ)



وَ أَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهِ ثِمَالُ الْيَتَامٰى عِصْمَةٌ لِّلْأَرَامِلِ

''وہ گورے مکھڑے والا، جس کے روئے زیبا کے ذریعے ابر رحمت کی دعائیں مانگی جاتی ہیں، وہ یتیموں کا سہارا، بیواؤں اور مسکینوں کا سرپرست ہے۔''[1]

پرکشش آنکھیں: سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں بڑی بڑی سرخی مائل، پلکیں دراز اور داڑھی گھنی تھی۔[2]

سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فراخ دہن اور کشادہ چشم تھے، آنکھوں کے سفید حصے میں سرخ ڈورے تھے اور ایڑیاں باریک تھیں جن پر بہت کم گوشت تھا۔[3]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ گورا، چہرے میں قدرے گولائی، آنکھیں کشادہ، سیاہ اور پلکیں طویل تھیں۔[4]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں سرگیں تھیں۔[5]

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں قدرتی طور پر سیاہ تھیں۔[6]

حضرت یزید فارسی رحمہ اللہ (بحالت خواب دیکھا ہوا حلیہ) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدائشی طور پر سرگیں آنکھوں والے تھے۔[7]

سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں سرگیں تھیں۔ تم دیکھتے تو کہتے کہ آپ نے آنکھوں میں سرمہ لگا رکھا ہے، حالانکہ سرمہ نہ لگا ہوتا۔[8]

سیدہ ام معبد رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک بیان کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں انتہائی سیاہ اور کشادہ تھیں۔[9]

خوبصورت ابرو: عدوی قبیلے کا ایک آدمی اپنے دادا سے بیان کرتا ہے کہ وہ مدینہ منورہ گیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ کا جسم خوبصورت اور سڈول، پیشانی کشادہ اور بڑی، ناک ستواں اور ابرو باریک تھے۔[10]

---

1 صحيح البخاري: 1008. 2 مسند أحمد: 101/1. 3 صحيح مسلم: 2339، الشمائل للترمذي: 8. 4 دلائل النبوة للبيهقي: 213/1، جامع الترمذي: 3638. 5 دلائل النبوة للبيهقي: 275/1. 6 البداية والنهاية: 20/6. 7 الشمائل للترمذي: 412. 8 دلائل النبوة للبيهقي: 212/1، جامع الترمذي: 3645. 9 المستدرك للحاكم: 10,9/3. 10 دلائل النبوة للبيهقي: 248/1.

سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھویں اور پلکیں لمبی لمبی تھیں۔ [1]

سیدہ ام معبد رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پلکیں دراز اور ابرو باریک اور پیوستہ (لیکن ایک دوسرے سے الگ الگ) تھے۔ [2]

سیدنا ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابرو قوس کی طرح خم دار، باریک اور گنجان تھے لیکن دونوں جدا جدا تھے۔ ان کے درمیان ایک رگ کا ابھار تھا جو غصہ آنے پر نمایاں ہو جاتا۔ [3]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی کشادہ اور روشن، پلکیں دراز اور دونوں ابرو کے درمیان فاصلہ تھا۔ [4] (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابرو کے متعلق حدیث ام معبد میں أَقْرَن یعنی ''باہم پیوستہ'' کا لفظ آیا ہے، جبکہ حدیث علی رضی اللہ عنہ میں أَبْلَج ہے جس کا معنی ہے: ''درمیان میں کچھ فاصلہ تھا۔'' اس ظاہری تعارض میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ چونکہ آپ کا چہرۂ انور چمک دار اور انتہائی روشن تھا اور ابرو بھی دراز اور گنجان تھے، اس بنا پر درمیان میں معمولی سا فاصلہ بھی معلوم نہ ہوتا تھا۔ واللہ اعلم)

سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ گورا اور خوبصورت تھا جس میں ہلکی سرخی نمایاں تھی، قدرے خمیدہ بال، قدرتی طور پر سرگیں آنکھیں اور پلکیں طویل تھیں۔ [5]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ابروؤں کا درمیانی حصہ ڈھلی ہوئی خالص چاندی کی طرح سفید اور چمک دار تھا۔ [6]

فراخ دہن: سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دہن کشادہ تھا۔ [7] (اہل عرب مرد کے لیے شیر کی طرح فراخ دہنی پسندیدہ سمجھتے اور اسے بہادری کی علامت خیال کرتے تھے۔ بعض کے نزدیک فراخ دہنی سے فصاحت مراد ہے۔ واللہ اعلم)

سیدنا ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعتدال کے ساتھ فراخ دہن تھے۔ [8]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دہن مبارک بہت حسین اور خوبصورت تھا۔ [9]

حضرت یزید الفارسی رحمہ اللہ خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے شرف یاب ہوئے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خندہ رو یعنی مسکراہٹیں بکھیر رہے ہیں۔ (سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کے بحالت

1 مسند أحمد: 328/2. 2 المستدرك للحاكم: 10,9/3. 3 الشمائل للترمذي: 8. 4 دلائل النبوة للبيهقي: 217/1.
5 الطبقات لابن سعد: 416/1. 6 دلائل النبوة للبيهقي: 302/1. 7 صحيح مسلم: 2339. 8 الشمائل للترمذي: 8.
9 دلائل النبوة للبيهقي: 217/1.

خواب دیکھے ہوئے حلیہ کی تائید فرمائی۔)[1]

سیدنا ابوقرصافہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دیکھتے وقت ایسا معلوم ہوتا گویا آپ کے منہ سے نور کی کرنیں نمودار ہو رہی ہیں۔[2]

چمک دار دندانِ پاک: سیدنا ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دانت باریک، خوبصورت اور آبدار تھے۔ ان کے درمیان خوش نما ریخیں تھیں۔[3]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اگلے دونوں دانت الگ الگ تھے۔ جب گفتگو فرماتے تھے تو ان دانتوں کے درمیان سے چمک سی نکلتی دکھائی دیتی تھی۔[4]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہنستے تو دندان مبارک سے روشنی سی نمودار ہوتی۔ ایسا لگتا کہ دیواریں جگمگا اٹھیں گی۔[5]

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ پہلے پہل جب مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق علم ہوا تو میں اپنے چچاؤں کے پاس مکہ مکرمہ آیا۔ اہل خانہ نے سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی طرف مجھے بھیجا۔ جب میں ان کے پاس آیا تو وہ بئرِ زمزم سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ میں بھی ان کے پاس بیٹھ گیا۔ اچانک دیکھتا ہوں کہ بابِ صفا

[1] الطبقات لابن سعد: 417/1. [2] المعجم الكبير للطبراني: 19/3، مجمع الزوائد: 280/8. [3] الشمائل للترمذي: 8.
[4] شرح السنة للبغوي: 223/13، الشمائل للترمذي: 15. [5] البداية والنهاية: 21/6، دلائل النبوة للبيهقي: 275/1.



مکہ مکرمہ کا ایک خوبصورت منظر

سے ایک صاحب نمودار ہوئے جن کا رنگ گورا سرخی مائل تھا، قدرے خمیدہ بال جو کانوں کی لوؤں تک بڑھے ہوئے تھے، ناک بلند اور آگے سے ذرا جھکی ہوئی، اولوں کی طرح سفید اور آبدار دانت، گہری سیاہ آنکھیں اور گھنی داڑھی تھی۔ [1]

سیدنا ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیشتر ہنسی تبسم کی صورت میں تھی۔ آپ مسکراتے تو دانت اولوں کی طرح چمکتے۔ [2]

خوشنما پتلی ناک: سیدنا ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناک مبارک بلندی مائل، سامنے سے قدرے جھکی ہوئی تھی۔ اس پر نورانی چمک تھی جس کی وجہ سے سرسری نظر میں بڑی اونچی معلوم ہوتی۔ [3]

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناک مبارک اعتدال کے ساتھ اونچی تھی۔ [4]

عدوی قبیلے کا ایک آدمی اپنے دادا سے بیان کرتا ہے (جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا) کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم حسین اور سیمابی تھا، کندھوں تک بڑھے ہوئے خوبصورت بال اور ناک ستواں تھی۔ [5]

حسین ہموار رخسار: سیدنا ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخسار مبارک ہموار اور ہلکے تھے، البتہ نیچے کو ذرا سا گوشت ڈھلکا ہوا تھا۔ [6]

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کسی شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیے کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی حسین وجمیل تھے، آپ کا پیکر درمیانہ مائل بہ درازی تھا۔ مونڈھوں کا درمیانی فاصلہ عام پیمانے سے زیادہ، رخسار ہموار اور ہلکے اور موئے مبارک انتہائی سیاہ تھے۔ [7]

حضرت یزید فارسی رحمہ اللہ (بحالت خواب دیکھا ہوا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ بیان کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ تھوڑی گولائی لیے ہوئے تھا اور چہرے کے ہالے انتہائی خوبصورت تھے۔ [8]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ گورا سرخی مائل، آنکھیں نہایت سیاہ، بال قدرے خمیدہ، گنجان داڑھی اور رخسار ہلکے اور ہموار تھے۔ [9]

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخسار مبارک ہلکے اور ہموار تھے جن میں ابھار

---

[1] البداية والنهاية: 20/6. ضعيف [2] الشمائل للترمذي: 8. ضعيف [3] الشمائل للترمذي: 8. [4] البداية والنهاية: 20/6. ضعيف [5] دلائل النبوة للبيهقي: 248/1. ضعيف [6] الشمائل للترمذي: 8. ضعيف [7] البداية والنهاية: 21/6. [8] الشمائل للترمذي: 412. [9] الطبقات لابن سعد: 410/1.

تھا نہ بلندی۔[1]

پُرنور کشادہ پیشانی: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کی پیشانی مبارک کھلی، چمک دار اور پلکیں دراز تھیں۔[2]

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ بے حد روشن جبین تھے۔ جب رات کی تاریکی میں یا پو پھٹنے کے وقت آتے (یا لوگوں کے مجمع میں رونما ہوتے) تو سیاہ بالوں کے درمیان آپ کی تابناک اور کشادہ پیشانی روشن چراغ کی طرح جگمگا اٹھتی تھی۔[3]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا چہرہ اتنا روشن اور تابندہ تھا گویا کہ اس سے سورج کی کرنیں پھوٹ رہی ہیں۔[4]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ماتھا کھلا اور فراخ تھا۔[5]

خوشنما گردن مبارک: سیدنا علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کا حلیہ مبارک بیان کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ آپ کی گردن لمبی، پتلی اور چمک دار تھی گویا کہ چاندی کی صراحی ہو۔[6]

سیدہ ام معبد رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی گردن مبارک لمبی، اجلی اور خوشنما تھی۔[7]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی گردن سفید اور خوبصورت تھی گویا چاندی سے ڈھلی ہو۔[8]

پُرجمال سر مبارک: سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا سر مبارک بڑا تھا۔[9]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا سر مبارک بڑا (مگر اعتدال و تناسب کے ساتھ) تھا۔[10]

مضبوط پُرگوشت کندھے: سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے کندھے بڑے بڑے تھے اور ان کی درمیانی جگہ پر بھی گوشت تھا۔[11]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے کندھوں اور جوڑوں کی ہڈیاں بھاری بھرکم اور مضبوط تھیں۔[12]

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اعضائے مبارک (اعتدال و توازن کے ساتھ) مضبوط،

---

1 دلائل النبوة للبيهقي :1/303. ضعيف 2 دلائل النبوة للبيهقي :1/214. ضعيف 3 دلائل النبوة للبيهقي :1/302. ضعيف 4 جامع الترمذي : 3648. 5 الطبقات لابن سعد : 1/412. ضعيف 6 الطبقات لابن سعد : 1/410. ضعيف 7 المستدرك للحاكم: 3/10,9. 8 الشمائل للترمذي : 12. 9 جامع الترمذي :3637، مسند أحمد :1/117,116. 10 فتح الباري :10/358، الشمائل للترمذي : 5. 11 جامع الترمذي :3638. ضعيف 12 جامع الترمذي :3637.

بھاری اور بڑے بڑے تھے۔

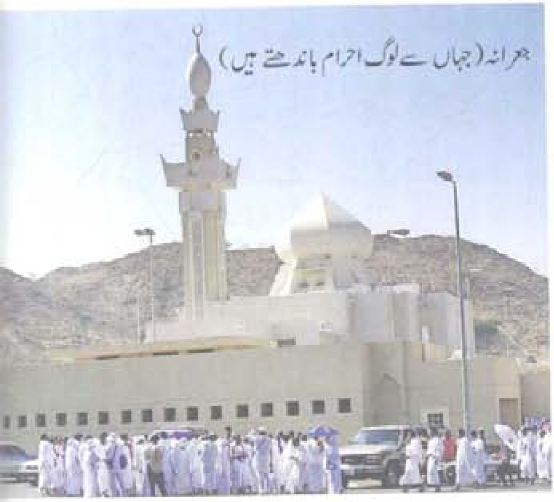
فراخ سینہ: سیدنا ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ مبارک چوڑا تھا، پیٹ اور سینہ ہموار تھے۔ [1]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ مبارک کشادہ، مضبوط اور شفاف تھا، صاف اور ہموار، شیشہ کی طرح سفید اور جلد چودھویں رات کے چاند کے مانند تھی۔ [2]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ کی ہتھیلیاں اور پاؤں پُر گوشت، پنڈلیاں موٹی اور گداز، کلائیاں بڑی اور دراز، بازو اور کندھے گٹھے ہوئے اور مضبوط، دونوں مونڈھوں کا درمیانی فاصلہ ذرا زیادہ، سینہ کشادہ، سر کے بال قدرے خم دار اور پلکیں لمبی تھیں۔ آپ خوبرو تھے، داڑھی خوبصورت اور گھنی، کان لمبے اور دلکش، درمیانہ قد، نہ زیادہ طویل نہ بالکل پست، رنگت میں گل لالہ، آگے چلتے یا پیچھے مڑتے تو مکمل طور پر۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین وجمیل کسی کو نہ دیکھا نہ سنا۔ [3]

شکم اطہر: سیدہ ام معبد رضی اللہ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیٹ نہ تو ہموار اور سڈول تھا کہ اندر کو دھنسا ہوا ہو اور نہ ہی بھاری بھرکم ہونے کی بنا پر توندلے پن کا شکار، بلکہ حسن و جمال کے قالب میں ڈھلا ہوا تھا۔ [4]

متوازن ناف: سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک سے ناف تک ایک باریک لمبی دھاری تھی۔ [5]



جعرانہ (جہاں سے لوگ احرام باندھتے ہیں)

سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مونڈھے بھاری اور پُر گوشت تھے، دونوں کلائیوں اور سینے پر کچھ بال تھے، ہاتھ پاؤں کی انگلیاں اعتدال کے ساتھ موٹی اور گوشت سے بھری ہوئی تھیں اور سینے سے ناف تک بالوں کی ایک ہلکی سی لمبی لکیر تھی۔ [6]

سڈول کمر: محرش کعبی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جِعِرّانہ مقام سے رات کے وقت عمرے کا احرام باندھا۔

[1] الشمائل للترمذي: 8. ضعيف [2] دلائل النبوة للبيهقي: 304/1. [3] الطبقات لابن سعد: 415/1. [4] البداية والنهاية: 31/6 و 190/3، دلائل النبوة للبيهقي: 279/1. [5] جامع الترمذي: 3637، مسند أحمد: 117,116/1. [6] الطبقات لابن سعد: 416,415/1. ضعيف

میں نے آپ کی کمر دیکھی جو سفیدی اور چمک میں گویا کہ چاندی سے ڈھلی ہوئی تھی۔ [1]

مضبوط کلائیاں: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کلائیاں مرمریں اور دراز، دونوں کندھوں کے درمیان عام پیمانے سے کچھ زیادہ فاصلہ اور آنکھوں کی پلکیں طویل تھیں۔ جب آپ آگے یا پیچھے دیکھتے تو پورے وجود کے ساتھ متوجہ ہوتے۔ [2]

سیدنا ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کلائیاں لمبی لمبی، جوڑوں کی ہڈیاں مضبوط اور بڑی اور دونوں کلائیوں پر چھوٹے چھوٹے خوبصورت بال تھے۔ [3]

کسرتی مضبوط پنڈلیاں: سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پنڈلیاں زیادہ بھاری بھرکم اور پُر گوشت نہ تھیں، ہلکی ہلکی سونتی ہوئی تھیں۔ [4]

سیدنا سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹنی پر سوار تھے، میں نے قریب ہوکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پنڈلی کو دیکھا جو سفید رنگت اور لطافت میں کھجور کے خوشے کے اندرونی گودے کی طرح تھی۔ [5]

سیدنا ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پنڈلیوں کی چمک اور سفیدی کو دیکھا۔ [6]

ترشی ہوئی خوبصورت ایڑیاں: سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایڑیوں پر گوشت بہت کم تھا۔ [7]

یاد رہے کہ ایڑیوں پر تھوڑا گوشت ہونا آدمی کے حسن و جمال میں اضافے کا باعث ہے۔

خوشنما اور متوازن پاؤں: سیدنا ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تلوے قدرے گہرے، قدم ہموار اور چکنے تھے حتی کہ ان پر پانی نہ ٹھہرتا بلکہ فوراً ڈھلک جاتا۔ آپ چلتے وقت پوری طرح قدم اٹھاتے۔ زمین پر آہستہ آہستہ قدم رکھتے ہوئے آگے کو جھک کر تشریف لے جاتے۔ [8]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں پُر گوشت تھے۔ [9]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم موٹے پُر گوشت اور ہتھیلیاں فراخ تھیں۔ [10]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تلوے گہرے نہیں تھے، بلکہ نیچے سے بھرے ہوئے تھے،

---

[1] سنن النسائي: 2867، مسند أحمد: 426/3 و 69/4 و 380/5، دلائل النبوة للبيهقي: 207/1. [2] الطبقات لابن سعد: 414/1، مسند أحمد: 328/2. [3] الشمائل للترمذي: 8. **ضعيف** [4] جامع الترمذي: 3645، دلائل النبوة للبيهقي: 212/1. [5] دلائل النبوة للبيهقي: 207/1. [6] صحيح البخاري: 3566، صحيح مسلم: 503. [7] صحيح مسلم: 2339. [8] الشمائل للترمذي: 8. **ضعيف** [9] الطبقات لابن سعد: 410/1. [10] الشمائل للترمذي: 5، فتح الباري: 358/1.

آپ چلتے وقت قدم کا نچلا حصہ مکمل طور پر زمین پر رکھتے۔ [1]

مذکورہ بالا دونوں حدیثوں اور ہند بن ابی ہالہ کی حدیث میں بظاہر کچھ تعارض ہے، کیونکہ ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ کے تلوے گہرے تھے جبکہ دوسری احادیث میں اس کی نفی کی گئی ہے۔ اس کی تطبیق یہ ہے کہ اوائل عمر میں تلوے گہرے تھے اور آخر عمر میں بڑھاپے کی وجہ سے بدن مبارک کچھ فربہ ہو گیا تو پاؤں کے تلوے برابر ہو گئے اور ان کی گہرائی ختم ہو گئی۔ واللہ اعلم

گٹھے ہوئے مضبوط جوڑ: سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اعضاء کے جوڑوں کی ہڈیاں بڑی بڑی تھیں۔ [2]

پُر گوشت خوبصورت ہتھیلیاں: سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ہتھیلیاں گداز اور ہاتھ اعتدال کے ساتھ بڑے تھے۔ [3]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی ہتھیلیاں پُر گوشت تھیں۔ [4]

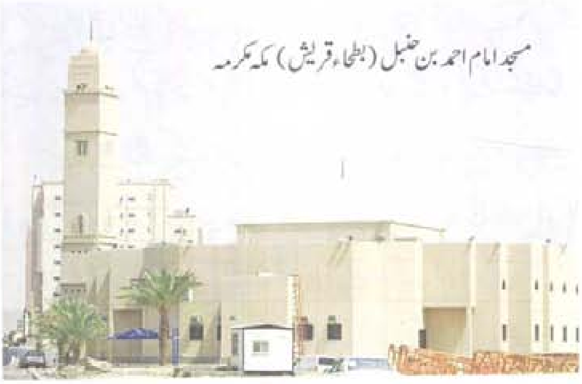
سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ریشم کا کوئی دبیز یا باریک کپڑا ایسا نہیں چھوا جو رسول اللہ ﷺ کی ہتھیلی سے زیادہ نرم اور گداز ہو۔ [5]

سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: میں نے مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز ظہر پڑھی، پھر آپ اپنے اہل خانہ کے ہاں تشریف لے گئے۔ میں بھی آپ کے ساتھ ہو لیا، بچوں نے آپ کا استقبال کیا۔ آپ کمال شفقت اور پیار سے ایک ایک کے رخسار تھپتھپاتے۔ چونکہ میں بھی بچہ تھا، آپ نے میرے رخسار پر بھی ہاتھ پھیرا تو میں نے آپ کے ہاتھ میں ایسی ٹھنڈک اور خوشبو محسوس کی گویا آپ نے ابھی ابھی عطار کے عطر دان سے ہاتھ نکالا ہو۔ [6]

سیدنا انس یا سیدنا جابر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے قدم مبارک اور ہتھیلیاں پُر گوشت تھیں۔ میں نے آپ کے بعد آپ جیسا کوئی نہیں دیکھا۔ [7]

سیدنا ابو جُحَیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ وادیٔ بطحاء میں تھے کہ لوگ تبرک کے طور پر آپ ﷺ کے ہاتھ مبارک پکڑتے اور انھیں اپنے چہروں سے لگاتے۔ میں نے بھی آپ ﷺ کا ہاتھ اپنے چہرے پر رکھا تو وہ برف سے

1 الطبقات لابن سعد: 414/1، دلائل النبوة للبيهقي: 245/1. 2 جامع الترمذي: 3637، 3 صحيح البخاري: 5907.
4 الطبقات لابن سعد: 410/1. 5 صحيح البخاري: 3561، صحيح مسلم: 2330، الطبقات لابن سعد: 413/1.
6 صحيح مسلم: 2329. 7 صحيح البخاري: 5911، 5912.



زیادہ ٹھنڈا اور مشک سے زیادہ خوشبودار تھا۔[1]

دل آویز انگلیاں: سیدنا ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیاں موزوں حد تک دراز تھیں۔[2]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک پُر گوشت تھے (اسی تناسب سے آپ کی انگلیاں تھیں)۔ آپ کے بعد میں نے آپ سا کوئی خوبصورت نہیں دیکھا۔[3]

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلیاں کشادہ، انگلیاں مخروطی اور اعتدال کے ساتھ لمبی تھیں۔[4]

کندھوں کا درمیانی حصہ: سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیکر درمیانی تھا، دونوں کندھوں کے درمیان ذرا دوری تھی (کمر کا بالائی حصہ چوڑا تھا)۔[5]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھوں کا درمیانی فاصلہ عام پیمانے سے زیادہ تھا۔[6]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بازو پُر گوشت، دونوں کندھے مضبوط اور ان کے درمیان کا حصہ ذرا زیادہ چوڑا تھا۔[7]

سیدنا ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں مونڈھوں کے درمیان قدرے زیادہ فاصلہ تھا۔[8]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں کندھے اعتدال کے ساتھ بڑے تھے۔[9]

سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں مونڈھے پُر گوشت تھے۔[10]

متناسب خوبصورت کان: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کان مبارک خوبصورت اور ہر لحاظ سے متناسب تھے۔[11]

1 صحيح البخاري :3553. 2 الشمائل للترمذي : 8. ضعيف 3 صحيح البخاري :5907. 4 دلائل النبوة للبيهقي : 305/1. ضعيف 5 صحيح البخاري :2551. 6 دلائل النبوة للبيهقي :275/1. ضعيف 7 الطبقات لابن سعد :415/1.
8 الشمائل للترمذي : 8. ضعيف 9 الطبقات لابن سعد : 412/1. 10 الطبقات لابن سعد : 416,415/1. ضعيف
11 الطبقات لابن سعد :415/1.

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن بھیجا۔ میں ایک دن لوگوں کو وعظ و نصیحت کر رہا تھا کہ ایک یہودی عالم ہاتھ میں کتاب لیے آیا، وہ مجھے دیکھ کر کہنے لگا کہ ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ بیان کرو۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اسے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو پست قامت ہیں اور نہ ہی زیادہ دراز قد، (بلکہ آپ کا قد درمیانہ ہے) بال مبارک نہ زیادہ پیچ دار، نہ بالکل کھڑے کھڑے، بلکہ گھنے سیاہ اور قدرے خمیدہ ہیں، سر مبارک اعتدال کے ساتھ بڑا ہے، رنگ گورا سرخی مائل، جوڑوں کی ہڈیاں بڑی بڑی، ہاتھ اور قدم پر گوشت، سینے پر ناف تک بالوں کی ہلکی سی لکیر، پلکیں دراز، ابرو پیوستہ، پیشانی کشادہ اور ہموار، دونوں کندھوں کے درمیان قدرے زیادہ فاصلہ ہے اور جب آپ چلتے ہیں تو قدرے جھک کر گویا کسی ڈھلان میں اتر رہے ہیں۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اور بعد میں کوئی آپ سا نہیں دیکھا۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر میں خاموش ہو گیا۔ یہودی عالم بولا: کیا ہوا؟ میں نے اسے جواب دیا کہ مجھے تو آپ کا حلیہ مبارک اسی قدر یاد ہے۔ وہ کہنے لگا کہ آپ کی آنکھوں میں سرخی ہے، خوبصورت داڑھی، خوبصورت اور متناسب کان ہیں۔ آپ آگے پیچھے دیکھتے ہیں تو پورے وجود کے ساتھ دیکھتے ہیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی حلیہ مبارک ہے۔ [1]

گھنے سیاہ بال: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ ابتدا میں جن امور کے متعلق کوئی حکم نازل نہیں ہوتا تھا، ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اہلِ کتاب کی موافقت پسند فرماتے تھے۔ اہل کتاب بغیر مانگ نکالے بالوں کو چھوڑ دیتے تھے جبکہ مشرکین مانگ نکالا کرتے تھے۔ اس بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے تو سر کے بالوں کو (پیشانی پر) ویسے ہی چھوڑ دیتے، پھر (اہل کتاب کی مخالفت کرتے ہوئے) مانگ نکالنے لگے۔ [2]

[1] الطبقات لابن سعد :412/1. [2] صحيح البخاري :3558، صحيح مسلم :2336.

عدن کی بندرگاہ کا ایک منظر (یمن)



سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بالوں میں کنگھی کر کے پیشانی پر چھوڑ دیتے تھے لیکن بعد میں مانگ نکالا کرتے تھے۔[1]

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک کندھوں تک لمبے تھے۔[2]

انھی سے ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال بڑے بڑے تھے جو کانوں کی لو تک پہنچے ہوئے تھے۔[3]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک کانوں کی لو سے زیادہ اور کندھوں سے کم تھے یعنی نہ زیادہ لمبے تھے اور نہ بالکل چھوٹے بلکہ متوسط درجے کے تھے۔[4]

یہ بھی ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے سر مبارک کے تمام بال منڈوائے تھے، اس کے بعد آپ صرف اکیاسی دن زندہ رہے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال کانوں کے نصف تک تھے۔[5] ایک دوسری روایت میں وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال آپ کے کندھوں اور کانوں کے درمیان تھے۔[6]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال نہ تو انتہائی پیچ دار اور نہ بالکل سیدھے تنے ہوئے تھے بلکہ قدرے خمیدہ تھے۔[7]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال انتہائی سیاہ تھے۔[8] وہ یہ بھی بیان فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک قدرے خم دار تھے۔[9]

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک خوبصورت اور قدرے خم دار تھے، نہ بالکل سیدھے اور نہ زیادہ پیچ دار۔ جب ان میں کنگھی کرتے تو ہلکی لہریں بن جاتیں جیسا کہ ریت کے ٹیلے یا پانی کے تالاب میں ہوا چلنے سے ابھر آتی ہیں اور جب کچھ وقت کنگھی نہ کرتے تو آپس میں مل کر انگوٹھی کی طرح حلقوں کی شکل اختیار کر لیتے۔

پہلے پہل آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بالوں میں کنگھی کر کے انھیں پیشانی پر چھوڑ دیتے تھے جیسا کہ گھوڑوں کے بال پیشانی

[1] مسند أحمد: 215/3، المسند الجامع: 357/2، حديث: 1337. [2] صحيح مسلم: 2337، جامع الترمذي: 3635. [3] صحيح مسلم: 2337. [4] سنن أبي داود: 4187، جامع الترمذي: 1755، سنن ابن ماجه: 3635. [5] صحيح مسلم: 2338. [6] صحيح البخاري: 5905، صحيح مسلم: 2338. [7] صحيح مسلم: 2338. [8] فتح الباري: 573/6، دلائل النبوة للبيهقي: 208/1. [9] دلائل النبوة للبيهقي: 241/1.

پر کھلے چھوڑے جاتے ہیں۔ پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام سر کے بالوں میں مانگ نکال کر تشریف لائے تو آپ نے بھی مانگ نکالنی شروع کر دی۔ آپ کے بال کانوں کی لو تک ہوتے، بعض اوقات کندھوں تک پہنچ جاتے تھے۔ [1]

پُر نور گھنی داڑھی: سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک اعتدال کے ساتھ بڑا اور داڑھی مبارک گھنی تھی۔ [2]

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی کے بال بھرپور تھے۔ [3]

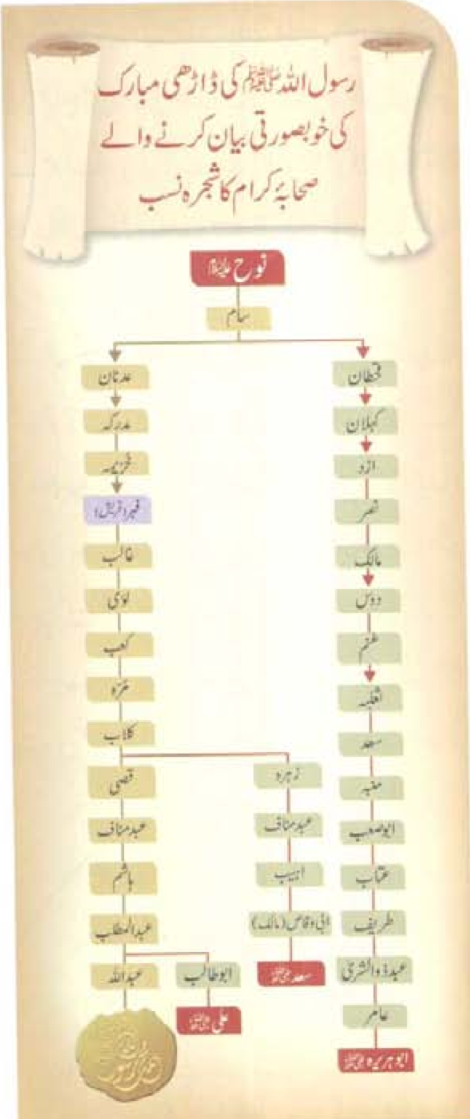
سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ کی داڑھی مبارک سیاہ اور گھنی اور دہن مبارک خوبصورت اور حسین تھا۔ [4]

سیدہ ام معبد رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ آپ کی داڑھی مبارک گنجان اور گھنی تھی۔ [5]

حضرت یزید فارسی رحمہ اللہ جو قرآن مجید کی کتابت کیا کرتے تھے، فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے زمانۂ حیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ میں نے اپنے خواب کا سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ذکر کیا تو انھوں نے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی سنایا کہ جو مجھے خواب میں دیکھتا ہے، وہ حقیقتاً مجھ ہی کو دیکھتا ہے، اس لیے کہ شیطان میری صورت میں نہیں آ سکتا۔ یہ فرمان مبارک سنانے کے بعد انھوں نے مجھ سے پوچھا کہ خواب میں دیکھی ہوئی صورت کا حلیہ بیان کر سکتے ہو۔ میں نے عرض کیا: جی ہاں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ڈیل ڈول اور قد و قامت معتدل اور درمیانہ تھا، جسم مبارک نہ زیادہ فربہ اور نہ دبلا پتلا، ایسے ہی قد مبارک نہ زیادہ لمبا اور نہ کوتاہ بلکہ معتدل تھا۔ آپ کا رنگ کھلتا گندمی سفیدی مائل تھا، آنکھیں سرگیں، خندہ دہن، خوبصورت ماہتابی چہرہ اور داڑھی نہایت گنجان جو پورے چہرہ انور کا احاطہ کیے سینہ مبارک کے ابتدائی حصے پر پھیلی ہوئی تھی۔ سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما گویا ہوئے کہ اگر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حالت بیداری میں دیکھتے تو اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ آپ کا حلیہ مبارک بیان نہ کر سکتے۔ [6]

داڑھی مبارک کے خوبصورت ہونے کے متعلق سیدنا ابوہریرہ، سیدنا علی، سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم اور جَهْضَمْ بن ضحاک رحمہ اللہ سے کثیر احادیث مروی ہیں۔ [7]

[1] دلائل النبوة للبيهقي :1/300،299. ضعيف [2] مسند أحمد :1/127، جامع الترمذي :3637. [3] صحيح مسلم : 2344. [4] دلائل النبوة للبيهقي : 1/217. [5] المستدرك للحاكم : 3/9،10. [6] مسند أحمد : 1/361،362. [7] الطبقات لابن سعد :1/415 و 412 و 418. التاريخ الكبير للبخاري :2/246،247.



جامع ترمذی میں مروی وہ حدیث جس میں ذکر ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی داڑھی مبارک کو طول و عرض سے (قینچی کے ساتھ) ہموار کرتے تھے، اس کے متعلق امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب یعنی ضعیف ہے۔[1] اس بنا پر اس روایت کو مذکورہ بالا تصریحات کے مقابلہ میں بطور دلیل پیش نہیں کیا جاسکتا۔ لہٰذا ایک مسلمان جو کتاب و سنت پر عمل پیرا ہونے کا مدعی ہے، اسے چاہیے کہ حکم نبوی کے مطابق اپنی داڑھی کو بڑھائے، اس کی کانٹ چھانٹ میں نہ لگا رہے بلکہ اس کے بالوں کو سلیقے اور شائستگی سے رکھنے کا اہتمام کرے۔ رسول اللہ ﷺ کی سنت کی پیروی کا یہی تقاضا ہے۔

تراشیدہ مونچھیں: ابن جریج رحمہ اللہ نے ایک دفعہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ آپ اپنی مونچھوں کو پست رکھتے ہیں۔ اس پر سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا کرتے دیکھا ہے، یعنی آپ بھی لبوں کے بال پست رکھتے تھے۔''[2]

سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ اپنی مونچھوں کے نیچے مسواک رکھ کر انھیں پست کیا تھا۔[3]

داڑھی بچہ: سیدنا ابو جُحیفہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: میں نے رسول اللہ ﷺ کے نچلے ہونٹ کے نیچے عنفقہ (داڑھی بچہ) میں سفیدی دیکھی۔[4]

دوسری روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عنفقہ (داڑھی بچہ) میں چند سفید بال تھے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خضاب نہیں لگایا تھا، صرف کنپٹی کے بالوں میں کچھ سفیدی

[1] جامع الترمذي: 2762. البتہ محدث عصر علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے۔ (سلسلة الأحاديث الضعيفة: 304/1) [2] الطبقات لابن سعد: 449/1. [3] سنن أبي داود: 188. [4] صحيح البخاري: 3545.

تھی، نیز آپ کے عنفقہ (داڑھی بچہ) اور سر مبارک میں چند بال سفید تھے۔ [1]

حَرِیز بن عثمان رحمہ اللہ نے سیدنا عبداللہ بن بُسر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بوڑھے ہو گئے تھے؟ انھوں نے جواب دیا کہ آپ کے عنفقہ (داڑھی بچہ) میں چند بال سفید تھے۔ [2]

سفید نقرئی بال: سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ لمبے نہیں تھے...... وفات کے وقت آپ کے سر اور داڑھی میں بیس بال بھی سفید نہ تھے۔ [3]

محمد بن سیرین رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خضاب لگانے کے متعلق سوال کیا تو آپ نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گنتی کے صرف چند بال سفید تھے۔ [4]

ثابت بنانی رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑھاپے کے متعلق سوال ہوا، انھوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑھاپے کے عیب سے محفوظ رکھا۔ آپ کے سر مبارک میں صرف سترہ یا اٹھارہ سفید بال تھے۔ [5]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالوں کو خضاب نہیں لگایا، صرف کنپٹی کے بالوں میں کچھ سفیدی تھی، نیز آپ کے عنفقہ (داڑھی بچہ) اور سر مبارک میں چند بال سفید تھے۔ [6]

عثمان بن عبداللہ بن موہب قریشی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ ہم سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند موئے مبارک دکھائے جو مہندی اور وسمہ کے استعمال کی وجہ سے سرخ رنگ کے تھے۔ [7]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: ”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک اور داڑھی مبارک میں چودہ سے زیادہ سفید بال شمار نہیں کیے۔“ [8]

سماک بن حرب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے سوال ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک میں سفید بال تھے؟ انھوں نے جواب دیا کہ نہیں، البتہ آپ کی مانگ میں چند بال سفید تھے۔ وہ بھی جب آپ تیل استعمال فرماتے تو محسوس نہیں ہوتے تھے، یعنی تیل کی چمک میں بالوں کی سفیدی مستور ہو جاتی۔ [9]

سیدنا ابو رِمْثہ رفاعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں اپنے لڑکے کو ساتھ لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر

---

[1] صحيح مسلم: 2341. [2] صحيح البخاري: 3546. [3] صحيح البخاري: 3548. [4] صحيح البخاري: 5894، صحيح مسلم: 2341. [5] مسند أحمد: 254/3، مزید دیکھیے: صحيح البخاري: 5895، صحيح مسلم: 2341. [6] سنن النسائي: 5090. [7] صحيح البخاري: 5896. [8] الشمائل للترمذي: 38، مسند أحمد: 165/3. [9] صحيح مسلم: 2344، الشمائل للترمذي: 39.

ہوا۔ آپ نے فرمایا: ''کیا یہ تیرا بیٹا ہے؟'' میں نے عرض کیا: جی ہاں! یہ میرا بیٹا ہے، میں اس کی شہادت دیتا ہوں۔ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس کی جنایت (جرم) کا بدلہ تجھ پر نہیں اور تیری جنایت (جرم) کا بدلہ اس پر نہیں۔'' ابورمثہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس وقت میں نے رسول اللہ ﷺ کے کچھ بال سرخ دیکھے۔ [1]

ایک روایت میں ہے کہ جب میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو آپ نے اپنی داڑھی مبارک کو مہندی لگا رکھی تھی۔

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ مہندی اور وسمہ (سیاہ بوٹی) سے بالوں کو رنگا کرتے تھے اور آپ کے بال کندھوں پر پڑتے تھے۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رنگی ہوئی کھال کی جوتیاں پہنتے اور اپنی داڑھی مبارک کو ورس (ایک زرد رنگ کی گھاس) اور زعفران سے زرد فرمایا کرتے تھے۔ [2]



مسجد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (دبی)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ تو بوڑھے ہو گئے! آپ نے فرمایا: ''مجھے سورۂ ہود، سورۂ واقعہ، سورۃ المرسلات، سورۂ عم یتساء لون اور سورۂ تکویر نے بوڑھا کر دیا ہے۔'' [3]

سیدنا ابو جُحَیفہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ آپ بوڑھے نظر آ رہے ہیں! آپ نے فرمایا: ''مجھے سورۂ ہود اور اس جیسی دوسری سورتوں نے بوڑھا کر دیا ہے۔'' [4]

عثمان بن موہب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ آیا رسول اللہ ﷺ نے اپنے بالوں کو خضاب لگایا تھا؟ تو آپ نے جواب دیا کہ ہاں، آپ نے بالوں کو خضاب لگایا تھا۔ [5]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے رنگے ہوئے بال دیکھے۔ [6]

1 الشمائل للترمذي: 45، سنن أبي داود: 4208، سنن النسائي: 4836، مسند أحمد: 163/4. 2 سنن أبي داود: 4210. 3 جامع الترمذي: 3297، الشمائل للترمذي: 41، المستدرك للحاكم: 343/2. 4 الشمائل للترمذي: 42. 5 الشمائل للترمذي: 46. 6 الشمائل للترمذي: 48.

عبداللہ بن محمد بن عقیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے پاس رسول اللہ ﷺ کے رنگے ہوئے موئے مبارک دیکھے تھے۔ [1]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بال رنگے ہوئے تھے جبکہ انھی سے مروی پہلی روایات میں رنگنے کی نفی منقول ہے، جیسا کہ صحیح مسلم کی احادیث میں ہے۔

اس تعارض میں تطبیق کی ایک صورت یہ ہے کہ ان مختلف روایات کو مختلف حالات و واقعات پر محمول کیا جائے یعنی رسول اللہ ﷺ نے کبھی کبھی اپنے بالوں کو رنگا اور اکثر اوقات میں رنگنے کے بغیر ہی رہنے دیا۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے ان دونوں حالات کا بچشم خود ملاحظہ کیا اور اسے بیان کر دیا۔ اس بنا پر آپ کے دونوں بیانات مبنی برحقیقت ہیں۔

تطبیق کی دوسری صورت یہ ہے کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے رنگنے کے متعلق انکار اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس کا اثبات منقول ہے۔ محدثین کا قاعدہ ہے کہ کسی چیز کا اثبات اس کے انکار پر مقدم ہوتا ہے، اس لیے کہ ثابت کرنے والے کے پاس اضافی معلومات ہوتی ہیں جو نفی کرنے والے کے پاس نہیں ہوتیں۔ اس بنا پر اثبات والی روایات کو ترجیح حاصل ہوگی، خاص طور پر سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کو، کیونکہ ان کے متعلق ظن غالب ہے کہ انھوں نے رنگنے کے متعلق معلومات اپنی بہن ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے حاصل کی ہوں گی جو سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے پاس نہیں تھیں۔ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے سر مبارک کو صاف کرتے، دھوتے اور اس میں کنگھی کرتے وقت آپ ﷺ کے بالوں کا مشاہدہ کرتی رہتی تھیں۔


مسجد ام المومنین سیدہ حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا (دبئی)

خوشبودار عنبریں پسینہ: سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: میں نے دبیز یا باریک ریشم یا کوئی اور ایسی چیز نہیں چھوئی جو رسول اللہ ﷺ کی ہتھیلیوں سے زیادہ نرم اور گداز ہو اور نہ ہی کوئی ایسی خوشبو سونگھی جو رسول اللہ ﷺ کے بدن کی خوشبو سے بڑھ کر ہو۔ [2]

[1] الشمائل للترمذي :49. [2] صحيح البخاري :3561.

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ سفید، چمک دار اور پسینہ گویا شفاف موتی تھا۔ آپ چلتے تو قدرے جھکاؤ کے ساتھ آگے بڑھتے۔ میں نے کوئی حریر و دیباج ایسا نہیں چھوا جو آپ کی ہتھیلی سے زیادہ نرم ہو اور نہ ہی کوئی مشک وعنبر سونگھی جو آپ کی خوشبو سے بڑھ کر ہو۔ [1]

سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: میں نے مدینہ منورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نماز ظہر ادا کی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر تشریف لے گئے۔ میں بھی آپ کے ساتھ ہو لیا۔ راستے میں بچوں نے آپ کا استقبال کیا۔ آپ کمال شفقت اور پیار سے ایک ایک کے رخسار پر ہاتھ پھیرتے۔ چونکہ میں ابھی بچہ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے رخسار پر بھی ہاتھ پھیرا۔ میں نے آپ کے دست مبارک میں ایسی ٹھنڈک اور خوشبو محسوس کی گویا آپ نے ابھی ابھی اپنا ہاتھ عطار کے عطر دان سے نکالا ہے۔ [2]

سیدنا ثمامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سیدہ ام سُلیم رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چمڑے کا ٹاٹ بچھا دیتیں اور آپ دوپہر کے وقت اس پر آرام فرماتے۔ جب آپ بیدار ہو کر تشریف لے جاتے تو ام سلیم رضی اللہ عنہا آپ کے پسینے اور بالوں کو ایک شیشی میں محفوظ کر لیتیں، پھر جمع شدہ پسینہ اور آپ کے موئے مبارک اپنے عطر دان کی مرکب خوشبو میں ملا دیتیں، اس طرح بہترین خوشبو تیار ہو جاتی۔ راوی کہتا ہے کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے مرتے وقت وصیت کی کہ میری حنوط میں اس خوشبو کو ضرور استعمال کیا جائے، چنانچہ آپ کے کفن وغیرہ کو لگانے کے لیے وہی خوشبو استعمال کی گئی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینے کی آمیزش تھی۔ [3]

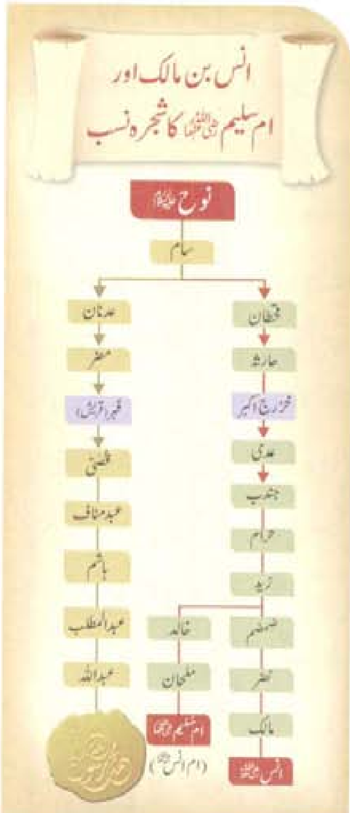
سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ ہمارے گھر تشریف لائے اور قیلولہ فرمایا۔ اس دوران آپ کو پسینہ آیا۔ میری والدہ ام سُلیم ایک شیشی لائیں اور آپ کا پسینہ (پونچھ کر) اس میں جمع کرنے لگیں۔ اتنے

[1] صحيح البخاري :3561، صحيح مسلم :2330. [2] صحيح مسلم :2329. [3] صحيح البخاري :6281.

شہر مدینہ منورہ



میں آپ بیدار ہوئے تو پوچھا کہ ”ام سُلیم! تم یہ کیا کر رہی ہو؟“ انھوں نے کہا کہ ہم اس پسینے کو اپنی خوشبو میں ملائیں گے۔ اس سے بہترین خوشبو تیار ہو جاتی ہے۔[1]



ایک روایت میں ہے کہ ہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ کا پسینہ ہمارے لیے اور بچوں کے لیے خیر و برکت کا باعث ہوگا، تو آپ نے ہمارے اس عمل کو پسند فرمایا۔[2]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عطر دان تھا جس میں بہترین خوشبو جمع رہتی اور آپ کے استعمال میں آتی۔[3]

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی راستے سے تشریف لے جاتے اور آپ کے بعد کوئی دوسرا گزرتا تو آپ کے عطر بیز جسم اور پسینے کی خوشبو سے معلوم کر لیتا کہ ؎

گزر گیا ہے ادھر سے وہ کاروانِ بہار[4]

میانہ جسم اطہر: سیدنا ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعضاء کی ساخت معتدل تھی، بدن مبارک نہ موٹا اور نہ ڈھیلا بلکہ گٹھا ہوا مضبوط و توانا تھا۔[5]

عدوی قبیلے کا ایک آدمی اپنے دادا سے بیان کرتا ہے (جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا) کہ آپ کا بدن مرمریں (گلابی)، پیشانی کشادہ، ناک ستواں، ابرو باریک اور سینے سے ناف تک بالوں کی لمبے دھاگے کی طرح باریک دھاری تھی۔[6]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک انتہائی خوبصورت تھا۔[7]

پُر جمال قد: سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوبرو اور خوش اندام تھے، نہ دراز قد نہ پست قامت بلکہ درمیانے قد کے تھے۔[8]

---

[1] صحيح مسلم: 2331. [2] مسند أحمد: 230/3، المسند الجامع: 353/2، حديث: 1328. [3] سنن أبي داود: 4162، الشمائل للترمذي: 215. [4] سنن الدارمي: 66. [5] الشمائل للترمذي: 8. [6] دلائل النبوة للبيهقي: 248/1، ضعيف [7] الشمائل للترمذي: 2، جامع الترمذي: 1754. [8] صحيح البخاري: 3547.

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ زیادہ لمبے تھے نہ بالکل چھوٹے بلکہ آپ میانہ قامت تھے۔ [1]

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں سے زیادہ حسین، خوبصورت تھے، سڈول ساخت، نہ زیادہ لمبے اور نہ بالکل چھوٹے تھے۔ [2]

معطر چمکدار بغلیں: سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا کرتے وقت اپنے دونوں ہاتھوں کو اتنا اونچا کرتے کہ بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگتی۔ [3]



مسجد انس بن مالک رضی اللہ عنہ (دوحہ، قطر)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا کے وقت ہاتھوں کو اتنا اوپر اٹھاتے کہ بغلوں کی چمک نظر آتی۔ [4]

سیدنا مالک بن بُحینہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کرتے وقت اپنے بازوؤں کو اس قدر کھولتے کہ بغلوں کی سفیدی نظر آتی۔ [5]

ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بغلوں کا پسینہ کستوری سے بھی زیادہ خوشبودار تھا۔ [6]

باوقار رفتار: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چلتے وقت آگے کی طرف قدرے جھکاؤ رکھتے اور مضبوطی سے قدم اٹھاتے۔ [7]

ایک روایت میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایسا معلوم ہوتا کہ آپ کے ہاتھ میں کوئی چیز ہے جس پر ٹیک لگائے چل رہے ہیں۔ [8]

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب چلتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آگے رہتے اور آپ کی پشت کو فرشتوں کے لیے خالی چھوڑ دیتے۔ [9]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چلتے تو آگے کی طرف قدرے جھکاؤ ہوتا۔ ایسا معلوم ہوتا کہ اونچائی سے نیچے کی طرف اتر رہے ہیں۔ میں نے آپ سے پہلے اور آپ کے بعد کوئی آپ سا نہیں دیکھا۔ [10]

[1] الشمائل للترمذي: 5، جامع الترمذي: 3637. [2] صحيح مسلم: 2337. [3] صحيح البخاري: 3565، صحيح مسلم: 896,895. [4] صحيح البخاري: 6636، صحيح مسلم: 1832. [5] صحيح البخاري: 3564، صحيح مسلم: 495. [6] سنن الدارمي: 63. [7] صحيح مسلم: 2330. [8] سنن أبي داود: 4863. [9] سنن ابن ماجه: 246. [10] الشمائل للترمذي: 5، جامع الترمذي: 3637.

سیدنا ابوہریرہ ؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے زیادہ خوبصورت میں نے کسی ماہ رخ کو نہیں دیکھا۔ چہرۂ مبارک اتنا روشن تھا گویا سورج کی کرنیں پھوٹ رہی ہوں۔ اس قدر تیز چلتے گویا زمین آپ کے لیے لپیٹی جا رہی ہو۔ ہم تو چلتے چلتے تھکن سے چور ہو جاتے اور بمشکل آپ کا ساتھ دے پاتے لیکن آپ بلاتکلف اور بے نیاز ہو کر چلے جا رہے ہوتے۔[1]

مہر نبوت: سیدنا سائب بن یزید ؓ کا بیان ہے کہ میری خالہ مجھے رسول اللہ ﷺ کے پاس لے گئیں اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہ میرا بھانجا بیمار ہے۔ آپ ﷺ نے میرے سر پر دست شفقت پھیرا اور برکت کی دعا فرمائی، پھر آپ نے وضو کیا تو میں نے آپ کے وضو سے بچا ہوا پانی نوش کیا۔ جب میں آپ کے پس پشت کھڑا ہوا تو میری نظر آپ کی مہر نبوت پر پڑی جو مسہری کی گھنڈیوں جیسی تھی (جو کبوتر کے انڈے کے برابر بیضوی شکل میں اس پردے پر لگائی جاتی ہیں جو مسہری پر خوبصورتی کے لیے لٹکایا جاتا ہے)۔[2]

سیدنا جابر بن سمرہ ؓ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کی مہر نبوت کو آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان دیکھا جو (مقدار میں) کبوتر کے انڈے جتنی اور (رنگت میں) سرخ غدود (رسولی) جیسی تھی۔[3]

سیدنا ابوزید عمرو بن اخطب ؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے کمر ملنے کے لیے کہا۔ میں نے آپ کی کمر مبارک پر ہاتھ پھیرنا شروع کیا تو اچانک میری انگلیاں مہر نبوت سے جا لگیں۔ راوی (علباء) کہتا ہے کہ میں نے سیدنا عمرو ؓ سے پوچھا کہ مہر نبوت کیا چیز تھی؟ انھوں نے جواب دیا کہ چند بالوں کا مجموعہ تھا۔[4]

دوسری روایت میں ہے کہ کندھے پر بالوں کا گچھا تھا۔

ابونضرہ عوقی ؒ کا بیان ہے: میں نے سیدنا ابوسعید خدری ؓ سے رسول اللہ ﷺ کی مہر نبوت کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: آپ ﷺ کی پشت پر گوشت کا ایک ابھرا ہوا ٹکڑا تھا۔[5]

سیدنا عبداللہ بن سرجس ؓ کا بیان ہے: میں ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کے پاس اس وقت حاضر ہوا جب آپ کے ہاں لوگوں کا جمگھٹا تھا۔ میں نے یونہی رسول اللہ ﷺ کے پس پشت چکر لگایا۔ آپ میرا مقصد سمجھ گئے اور اپنی پشت مبارک سے چادر اتار دی۔ میں نے آپ کے دونوں شانوں کے درمیان مٹھی کے برابر مہر نبوت کو دیکھا جس کے چاروں طرف تل تھے جو گویا مسوں کے برابر معلوم ہوتے تھے۔ پھر میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے آیا اور عرض کیا:

1 الطبقات لابن سعد: 415/1. 2 صحيح البخاري: 190، صحيح مسلم: 2345، جامع الترمذي: 3643. 3 صحيح مسلم: 2344، جامع الترمذي: 3644. 4 الشمائل للترمذي: 20، مسند أحمد: 77/5، المستدرك للحاكم: 606/2.
5 الشمائل للترمذي: 22

اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ تجھے بھی بخش دے۔'' لوگوں نے مجھ سے کہا کہ (تم خوش نصیب ہو کیونکہ) رسول اللہ ﷺ نے تمھارے لیے دعائے مغفرت فرمائی ہے۔ میں نے کہا: ہاں! تم سب کے لیے بھی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے: ﴿ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ﴾ ''(اے محمد!) مغفرت کی دعا کرو اپنے لیے بھی اور اہل ایمان مرد و خواتین کے لیے بھی۔''[1]

سیدنا عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اعزازِ گفتگو حاصل کیا اور مجھے آپ ﷺ کے ساتھ بیٹھ کر کھانا تناول کرنے کا شرف ملا۔ میں نے اس علامت یعنی مہر نبوت کو دیکھا جو آپ کے بائیں کندھے کی نرم ہڈی کے پاس تھی، جو مقدار میں بند مٹھی کے برابر تھی، اس پر مسّوں کی طرح تلوں کا جمگھٹ تھا۔[2]

علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بے شمار احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مہر نبوت آپ کے بائیں کندھے کے پاس ایک ابھری ہوئی چیز تھی، اس کی مقدار کم ہونے کی صورت میں کبوتر کے انڈے کے برابر اور زیادہ ہونے کی شکل میں بند مٹھی جتنی تھی۔[3]

علامہ سہیلی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ چونکہ آپ شیطانی وساوس سے محفوظ تھے، اس لیے مہر نبوت کو بائیں کندھے کی نرم ہڈی کے پاس ثبت کیا گیا، یہی وہ جگہ ہے جہاں سے شیطان کو مداخلت کا موقع ملتا ہے۔[4] واللہ اعلم



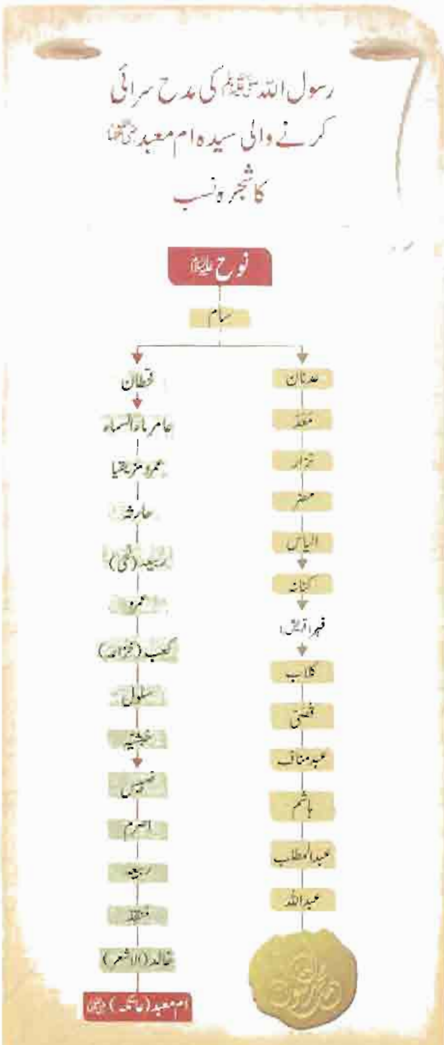
بعض روایات میں ہے کہ مہر نبوت پر مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ ''محمد اللہ کے رسول ہیں'' یا سِرْ فَأَنْتَ مَنْصُوْرٌ ''تم جہاں چاہے جاؤ تمھاری مدد کی جائے گی'' یا اَللّٰهُ وَاحِدٌ ''اللہ ایک ہے۔'' لکھا ہوا تھا۔ واضح رہے کہ یہ روایات صحیح نہیں ہیں کیونکہ محدثین عظام کے قائم کردہ معیارِ صحت پر پوری نہیں اترتیں۔[5]

دل پذیر حلیہ مبارک — ایک جامع تذکرہ

اب آخر میں سیدہ ام معبد رضی اللہ عنہا کی زبانی رسول اللہ ﷺ کا حلیہ مبارک بیان کیا جاتا ہے:

چمکتا رنگ، تابناک چہرہ، نہ اتنے نحیف و نزار کہ دیکھنے میں عیب دار اور نہ اس قدر بھاری بھرکم کہ توندلا پیکر، سرمگیں آنکھیں، دراز پلکیں، بھاری آواز، چمک دار اور لمبی گردن، گھنی داڑھی، باریک اور باہم پیوستہ ابرو، خاموش

[1] صحیح مسلم، 2346. [2] مسند احمد: 83،82/5، المسند الجامع: 320/8، حدیث: 5880. [3] فتح الباری: 688/6. [4] الروض الأنف: 294/1. [5] فتح الباری: 688/6

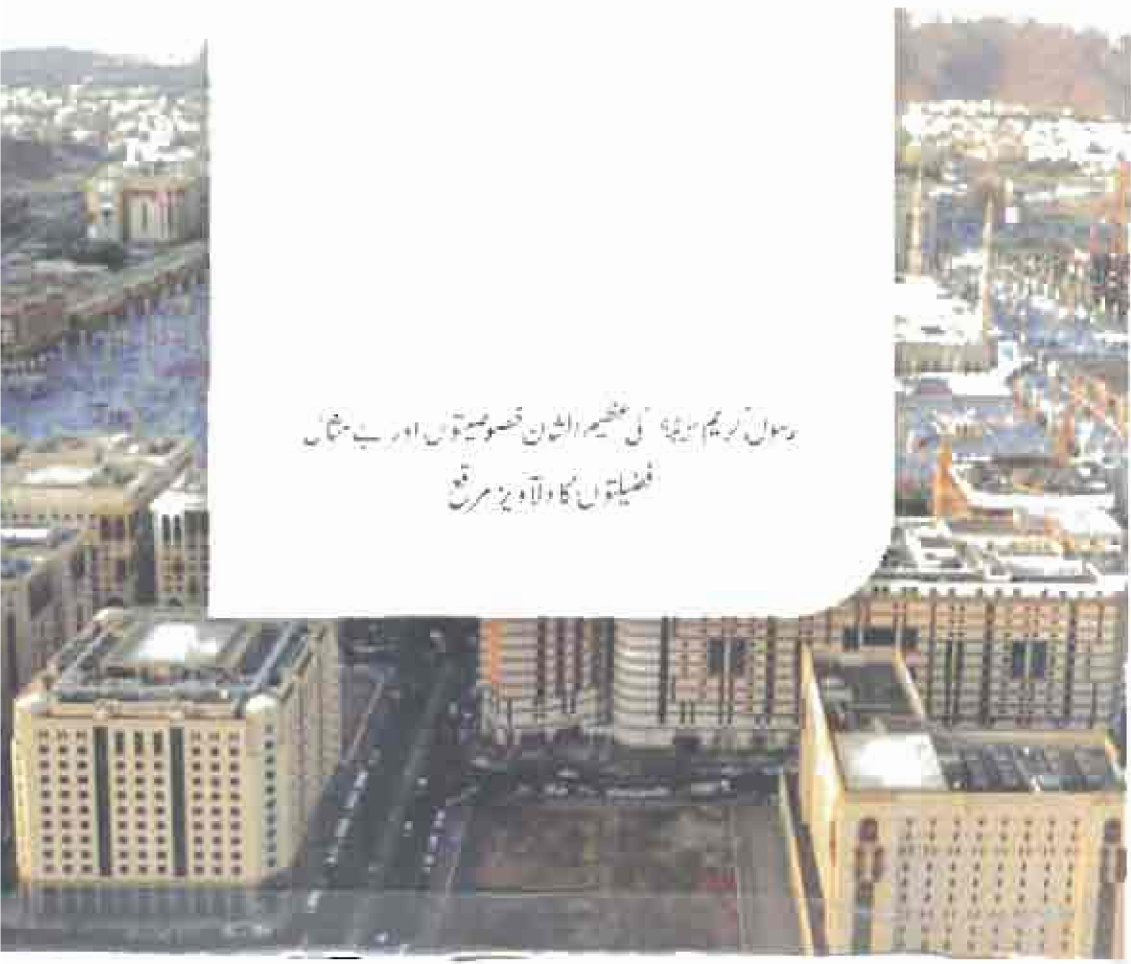


ہوں تو باوقار، گفتگو کریں تو گویا منہ سے پھول جھڑیں۔ دور سے (دیکھنے میں) سب سے زیادہ تابناک اور پُرجمال اور قریب سے دیکھیں تو سب سے خوبصورت اور شیریں ادا، گفتگو میں چاشنی، بات واضح اور دو ٹوک، نہ مختصر نہ فضول، انداز ایسا کہ لڑی سے موتی جھڑ رہے ہیں۔ درمیانہ قد، نہ پست قامت کہ نگاہ میں نہ جچے، نہ زیادہ لمبا کہ ناگوار لگے۔ وہ شاخوں کے درمیان ایک شاخ کی طرح ہیں جو انتہائی تر و تازہ اور خوش منظر ہے۔ رفقاء آپ ﷺ کے گرد حلقہ بنائے ہوئے، کچھ فرمائیں تو توجہ سے سنتے ہیں، کوئی حکم دیں تو لپک کر بجا لاتے ہیں۔ مطاع و مکرم، نہ ترش اور نہ یاوہ گو۔[1]

1 المستدرک للحاکم 10.9/3۔ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ام معبد کا مشہور قصہ کئی ایک طرق سے مروی ہے جو ایک دوسرے کی تقویت کا باعث ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کی
خصوصیات اور فضائل

رسول کریم ﷺ کی عظیم الشان خصوصیتوں اور بے مثال
فضیلتوں کا دلآویز مرقع



يَأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ

قُمْ فَأَنذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ

وَلَا تَمْنُن تَسْتَكْثِرُ

وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ

”اے لحاف میں لپٹنے والے! اٹھیے اور ڈرائیے۔ اور اپنے رب ہی کی بڑائی بیان کیجیے۔ اور اپنے کپڑے پاک رکھیے۔ اور ناپاکی چھوڑ دیجیے۔ اور زیادہ حاصل کرنے کے لیے احسان نہ کیجیے۔ اور اپنے رب کے لیے صبر کیجیے۔“

اس باب میں





آپ رسول اللہ ﷺ کے فضائل و مکارم پڑھیں گے..... محسن انسانیت سیدنا محمد ﷺ یتیم تھے۔ کوئی قبیلہ، کوئی پولیس، کوئی فوج، کوئی سیاسی جتھا آپ ﷺ کا معاون نہ تھا۔ آپ ﷺ نے تن تنہا رب ذوالجلال پر بھروسہ کر کے غافل و جاہل انسانوں کو توحید سے آشنا کرنے کا بیڑا اٹھایا اور جہالت کے ٹیلے توڑے۔ طرح طرح کے توہمات اور صنم پرستی کا خاتمہ کیا۔ لات ومنات اور دیگر مقدس خیال کیے جانے والے استھان مسمار کر دیے۔ عام انسانوں کی غلامی کی زنجیریں توڑ ڈالیں۔ سب کو احترام آدمیت اور اخلاق عالیہ کا سبق سکھایا۔ آزادی رائے اور حریت خیال کا لازوال تحفہ مرحمت فرمایا۔ بڑے بڑے جابر سرداروں کو اُن کے آسمان غرور سے اتار کر عام آدمی کی سطح پر لا کھڑا کیا اور عام آدمی کو غلامی اور جہالت کی پستی سے اُٹھا کر شرف انسانی کے تخت پر لا بٹھایا۔ تاریخ انسانیت نے آپ ﷺ جیسی فضیلت مآب ہستی کبھی نہیں دیکھی۔ آپ ﷺ فی الجملہ مجموعۂ فضائل ہیں۔ آپ ﷺ کی سب سے بڑی فضیلت اللہ رب العزت پر ناقابل تسخیر ایمان اور استقامت ہے جسے بروئے کار لا کر آپ ﷺ نے چہار سو نور توحید کی تجلیاں عام کر دیں۔ اگلے اوراق آپ کے انھی فضائل کی تفصیلات و جزئیات کی دستاویز ہیں۔



فضائل و خصائص نبوی ﷺ

اللہ جل شانہ نے کائنات کی تخلیق کے بعد زمین پر موجود انسانوں کی راہنمائی کے لیے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔ پھر انبیاء علیہم السلام سے پانچ اولوالعزم پیغمبر نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ اور محمد علیہم السلام چنے، پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے محمد ﷺ کو اپنا آخری پیغمبر بنا کر ان تمام انبیاء پر فضیلت عطا فرمائی۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو اگلی اور پچھلی ساری مخلوق سے زیادہ پذیرائی اور تعظیم سے نوازا۔ آپ سید ولد آدم ہیں۔ آپ ہی قیامت کے روز سب سے پہلے اٹھیں گے، آپ ہی کو سب سے پہلے سفارش کی اجازت ملے گی اور آپ کی سفارش قبول ہوگی۔ آپ کے ہاتھ میں لواء الحمد ہوگا اور آپ ہی جنت میں سب سے پہلے داخل ہوں گے۔

جس طرح اللہ تبارک و تعالیٰ نے محمد ﷺ کو ساری مخلوق سے زیادہ فضیلت عطا فرمائی ہے، اسی طرح آپ ﷺ کی امت کو بھی تمام امتوں پر فضیلت عطا فرمائی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَ لَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ اَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴾

''تم بہترین امت ہو جو لوگوں (کی اصلاح) کے لیے پیدا کی گئی ہے، تم نیک کاموں کا حکم دیتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو اور تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو ان کے حق میں بہت بہتر ہوتا۔ ان میں بعض ایمان والے بھی ہیں مگر ان کے اکثر نافرمان ہیں۔''[1]

اسی طرح نبی اکرم ﷺ کا انتخاب بھی اعلیٰ ترین قبیلے سے ہوا۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

"بُعِثْتُ مِنْ خَيْرِ قُرُونِ بَنِي آدَمَ قَرْنًا فَقَرْنًا، حَتَّى كُنْتُ مِنَ الْقَرْنِ الَّذِي كُنْتُ فِيهِ"

''مجھے عہد بہ عہد بنی آدم کی بہترین نسلوں میں سے مبعوث کیا گیا ہے، یہاں تک کہ میں اس نسل میں (پیدا) ہوا جس میں مجھے ہونا تھا۔''[2]

رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ والاصفات ہر اعتبار سے تا قیامت آنے والوں کے لیے بہترین نمونہ ہے۔ فرمان

1 آل عمران 110:3. 2 صحیح البخاری: 3557

باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ﴾[1]

''یقیناً تمھارے لیے رسول اللہ (کی ذات) میں بہترین نمونہ ہے، ہر اس شخص کے لیے جو اللہ (سے ملاقات) اور آخرت کی امید رکھتا ہے، اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہے۔''[1]

سید الانبیا محمد ﷺ حسنات و برکات اور زندگی کے اعلیٰ اسالیب کا بے مثل مجموعہ تھے۔ آپ کے فضائل و مناقب اور خصوصیات دو طرح کی ہیں۔ 1 تشریعی 2 تفضیلی۔

تشریعی خصوصیات سے مراد ایسے احکام و مسائل ہیں جن میں آپ دیگر انبیائے کرام ﷺ یا اپنی امت سے ممتاز ہیں۔ وہ احکام آپ کے لیے مخصوص ہیں۔ گزشتہ انبیائے کرام یا آپ کی امت ان خصوصیات میں شریک نہیں۔
تفضیلی خصوصیات سے مراد ایسے فضائل و مناقب ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کو عطا کیے۔ ان میں دیگر انبیائے کرام یا آپ کی امت شریک نہیں ہے۔ ان میں سے بعض صفات کا تعلق دنیوی زندگی سے ہے اور کچھ کا تعلق آخرت سے ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا اعزاز

اللہ تبارک و تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو ساری مخلوق پر ہر لحاظ سے فضیلت عطا فرمائی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ﴾[2]

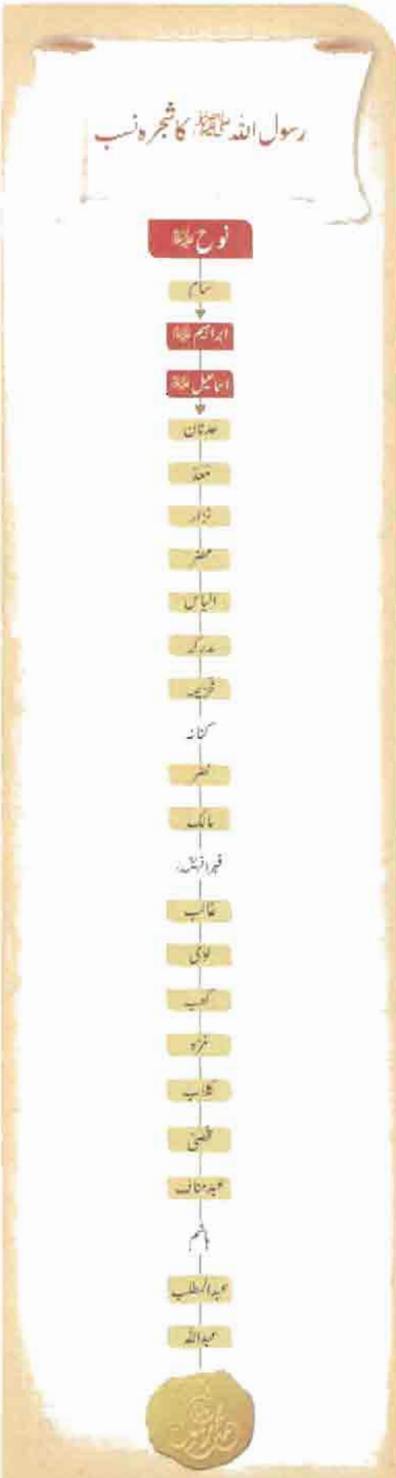
''اللہ فرشتوں میں سے کچھ پیغام پہنچانے والے چن لیتا ہے اور لوگوں میں سے (بھی)، یقیناً اللہ خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے۔''[2]

ارشاد نبوی ہے:

«إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَى كِنَانَةَ مِنْ وَلَدِ إِسْمَاعِيلَ، وَاصْطَفَى قُرَيْشًا مِنْ كِنَانَةَ، وَاصْطَفَى مِنْ قُرَيْشٍ بَنِي هَاشِمٍ، وَاصْطَفَانِي مِنْ بَنِي هَاشِمٍ»

''اللہ تعالیٰ نے اسماعیل (علیہ السلام) کی اولاد سے کنانہ کو منتخب کیا۔ کنانہ کی اولاد سے قریش کو چنا۔ قریش کی اولاد سے بنو ہاشم کو برتری دی اور بنو ہاشم سے (نبوت و رسالت کے لیے) میرا انتخاب کیا۔''

1 الاحزاب 33:21 2 الحج 22:75



اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو خاص انعامات سے نوازا اور بعض کو بعض پر فضیلت بخشی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۘ مِّنْهُم مَّن كَلَّمَ اللَّهُ ۖ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ ﴾

"یہ سب رسول ہیں، ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی، ان میں سے کچھ ایسے ہیں جن سے اللہ نے کلام کیا اور ان میں سے بعض کے درجے بلند کیے۔"[1]

نبی رحمت، خاتم الانبیاء والرسل ﷺ کے بارے میں ارشاد فرمایا:

﴿ وَأَنزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُن تَعْلَمُ ۚ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا ﴾

"اور اللہ نے آپ پر یہ کتاب اور حکمت نازل کی ہے اور آپ کو وہ کچھ سکھایا ہے جو آپ نہیں جانتے تھے۔ اور آپ پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔"[2]

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب رسول کو بے مثل صفات اور بے شمار انعامات سے نوازا ہے۔ ان کا احاطہ کرنا ناممکن ہے۔ قارئین کرام کے ایمان کو جلا بخشنے اور نبی کریم ﷺ سے ان کی متاع محبت وعقیدت کو دو چند کرنے کے لیے ذیل میں رحمت عالم ﷺ کے چند فضائل و مناقب، عطیات ربانی اور خصوصیات لاثانی کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

اسم محمد ﷺ کی شان

رسول اکرم ﷺ کا ذاتی نام "محمد" اور "احمد" ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسم محمد قرآن مجید میں چار مرتبہ اور احمد ایک مرتبہ ذکر فرمایا ہے۔ آپ کی ولادت کے ساتویں روز آپ کے دادا عبدالمطلب نے قریش

1 البقرۃ 2:253، 2 النسآء 4:113

کو ضیافت دی۔ جب سب لوگ کھانا کھا چکے تو انھوں نے پوچھا: آپ نے جس بچے کی وجہ سے یہ پر تکلف دعوت کی ہے، اس کا نام کیا رکھا ہے؟ جناب عبدالمطلب نے کہا: میں نے اس کا نام ''محمد (ﷺ)'' رکھا ہے۔ اہل مکہ نے پوچھا: آپ نے اپنے خاندانی نام چھوڑ کر یہ نام کیوں رکھا؟ عبدالمطلب کہتے ہیں: میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں میں اور اہل زمین زمین میں اس کی تعریفیں بیان فرمائیں۔[1]

قاضی محمد سلیمان منصور پوری رحمۃ اللہ لکھتے ہیں: ''حضور ﷺ کا ذاتی نام محمد ہے اور احمد بھی ہے۔ ہر دو اسمائے ذاتی میں وحدت کا مادہ موجود ہے، یعنی ''حمد'' سے بنے ہیں...... محمد اور احمد کے معانی میں الگ الگ فرق یہ ہے کہ محمد ﷺ وہ ہے جس کی حمد و نعت جملہ اہل ارض و سما نے سب سے بڑھ کر کی ہو۔ اور احمد وہ ہے جس نے رب ارض و سما کی حمد و ثنا جملہ اہل ارض و سما سے بڑھ کر کی ہو۔ لہٰذا اسم پاک علم بھی ہے اور صفت بھی ہے۔ وہ اپنے معانی کے اعتبار سے کمالات نبوت پر دال ہے اور مدلول بھی۔

آپ ﷺ کی یہ وہ خصوصیت ہے جس سے دیگر انبیاء علیہم السلام کے اسماء ساکت و خاموش ہیں، مثلاً: آدم کے معنی ہیں: گندم گوں۔ نوح کے معنی آرام ہیں۔ اسحاق کے معنی ہنسنے والا ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کا مطلب ہے پانی سے نکالا ہوا۔ عیسیٰ کے معنی ہیں سرخ رنگ۔

یہ تمام اسماء کسی کی عظمت روحانی یا نبوت کی طرف اشارہ نہیں کرتے۔ مگر اسم محمد ﷺ کی شان خاص ہے۔''[2]

رحمۃ للعالمین ﷺ

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَآ أَرْسَلْنَٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَٰلَمِينَ

''اور (اے نبی!) ہم نے آپ کو تمام جہان والوں کے لیے رحمت بنا کر ہی بھیجا ہے۔''[3]

سیدنا محمد ﷺ بلحاظ منصب اللہ کے آخری رسول اور پوری اولاد آدم کے رہبر اعظم ہیں۔ آپ تمام انسانوں کو دین حنیف کا سیدھا اور سچا راستہ دکھانے پر مامور ہوئے۔ آپ ﷺ نے اپنی ذمہ داریاں نہایت احسن طور پر اتنی نرمی اور نوازش سے ادا کیں کہ آپ ﷺ کو خود رب ذوالجلال نے رحمۃ للعالمین کے خطاب سے سرفراز فرمایا۔ حق یہ ہے کہ آپ ﷺ کی یگانہ شخصیت فضائل و محاسن کا بے مثل مجموعہ ہے۔ قرآن کریم نے آپ ﷺ کے جن فضائل و مکارم کا جا بجا تذکرہ کیا ہے، ان میں آپ ﷺ کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ آپ داعی الی اللہ تھے۔ ماحول اور معاشرہ

1 سبل الہدی 325/2. 2 رحمۃ للعالمین 604,603/2. 3 الانبیاء 107:21.

آپ ﷺ کے خلاف قبائلی سرداروں نے بڑے بڑے سردار و حکومت کو بھی سے دو گنے تک ہر طرح کے حربے اختیار کر رکھے تھے لیکن آپ ﷺ نے خداداد عزم و ہمت، شجاعت اور شانِ استقامت سے ان کے سارے حربے بے کار کر دیے۔ آپ ﷺ نے ایک اللہ کی بندگی کی دعوت اس شان سے بلند کی کہ نجاشی حبشہ اور قیصر و کسریٰ کے ایوانوں تک جا پہنچا۔ آپ ﷺ کی ذاتِ ستودہ صفات نے لوگوں کے دماغ سے صدیوں کے اوہام و خرافات کے جالے نکالے۔ بت پرستی کی لعنت کا خاتمہ کیا۔ جہالت کے بت توڑے، مظلوموں کے بے لوث انصاف کی فراہمی کا اہتمام فرمایا، معصوم بچیوں کو زندہ درگور ہونے سے بچایا، عورت کو ظلم اور ذلت کی دلدل سے نکالا۔ اسے گھر کی چار دیواری کی ملکہ بنا کر عزت و احترام کی مسند عطا کی۔ آپ ﷺ نے رنگ، نسل، قومی، علاقائی اور قبائلی عصبیت کا خاتمہ کیا۔ باہمی دشمنیوں کو دوستی میں بدل ڈالیں۔ اس سلسلے میں آپ ﷺ نے لوگوں کو قرآن مجید کا یہ طریقہ سکھایا:

ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ

"آپ (برائی کو) ایسی بات سے دفع کیجیے جو اچھی ہو تو (آپ دیکھیں گے) کہ یہ وہ شخص جس کی آپ کے ساتھ دشمنی تھی، وہ گویا گہرا دوست بن گیا ہے۔"[1]

رسول اللہ ﷺ نے اہل ایمان کو جواب دینے کی طاقت کے باوجود بلاوجہ عداوت کرنے والوں، جائز حقوق سے محروم کرنے والوں اور عبادت سے روکنے والے ظالموں کے ساتھ بھی ان کی انتقامی کارروائی سے روکے رکھا اور اپنے فدائیوں کو قرآن کریم کا یہ سبق پڑھایا:

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ أَنْ صَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَنْ تَعْتَدُوا

"اور کسی قوم کی دشمنی تمھیں صرف اس لیے ان سے زیادتی کرنے پر آمادہ نہ کرے کہ انھوں نے تمھیں مسجد حرام سے روکا تھا۔"[2]

رسالت مآب ﷺ کی نگاہ میں سب کے لیے شفقت تھی۔ آپ ﷺ کے نزدیک رومی، یونانی، مصری و سوڈانی سب یکساں حیثیت رکھتے تھے۔ آپ ﷺ کے دربار میں مدعو سوڈانی، بلال حبشی، فیروز خراسانی (یمانی)، سلمان فارسی، صہیب رومی، تمیم داری اور عدی بن حاتم سب یکجا بیٹھتے تھے۔ جندل کا بادشاہ، عمان کا حکمران اور آل تمیم کا سردار زبرقان اور یمن کے امرا ان جیسے لوگ آپ ﷺ کے خدام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جوتیوں میں بیٹھنا باعث فخر سمجھتے تھے۔

[illegible]

آپ ﷺ ہی وہ معلم اخلاق ہیں جن کی تعلیم رنگ و نسل اور علاقائی عصبیت سے ماورا ہے۔ آپ ﷺ کی تعلیم و تلقین میں بدی سے نفرت، شخصی کردار کی پاکیزگی اور اعمال صالحہ پر بہت زور دیا گیا ہے۔ آپ ﷺ کے نزدیک محض حسب نسب کی کوئی حیثیت اور وقعت نہیں۔

یہ رسول اللہ ﷺ ہی ہیں جنھوں نے ببانگ دہل "هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" کی دعوت یکساں طور پر اپنے پرائے کو دی۔ آپ ﷺ ہی نے سب سے پہلے کالے گورے، احمر و اسود، غربی و شرقی کا امتیاز ختم کیا اور سب کو وحدت کی لڑی میں پرو کر ایک قوم بنا دیا۔ ایک ہی کلمہ زبان پر، ایک ہی ولولہ دماغ میں، ایک ہی ارادہ دلوں میں قائم کر دیا۔

یہ رسول رحمت ﷺ ہی ہیں جنھوں نے دیکھا کہ کہیں عورت کو اناج، غلہ، روپیہ، پیسہ کی طرح دان و دہش میں دے دیا جاتا ہے، کہیں عورت کو بے روح بتایا جاتا ہے، کہیں عورت کو مجسم شیطان سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ کہیں اسے صرف اغراض شہوانی کا کھلونا بنایا گیا ہے۔ اس کی شخصیت و ذہنیت اور حقوق کا مطلق پاس لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ چنانچہ آپ ﷺ ہی نے عورتوں کے یہ تمام مصائب دور کرنے کے لیے یہ حکم ربانی سنایا: "وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ" "عورتوں کے لیے مردوں پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے لیے عورتوں پر ہیں۔"[1]

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "النِّسَاءُ شَقَائِقُ الرِّجَالِ" "عورتیں مردوں ہی کا ایک جزو اور حصہ ہیں، یا عورتیں مردوں کے لیے گل و ریحان ہیں۔"[2]

مزید ارشاد فرمایا: "فَاتَّقُوا اللّٰهَ فِي النِّسَاءِ" "عورتوں کے معاملات میں تقویٰ الٰہی سے کام لو۔"[3]

رسول اللہ ﷺ ہی نے رسوم کی زنجیروں، اندھی تقلید کی بیڑیوں اور آبائی مراسم کی ہتھکڑیوں سے انسان کو رہائی دلائی۔ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے اس رفیع الشان کارنامے کا ذکر جمیل اس طرح کیا ہے: "وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ" "اور ان پر سے ان کے بوجھ اور وہ طوق اتارتا ہے جو ان پر تھے۔"[4]

یہ محمد رسول اللہ ﷺ ہی ہیں جنھوں نے قوموں کو باہمی طور پر موالات کے اصول سکھائے، عدم موالات کی حدود قائم کیں۔ اور یہ فرمانِ ربانی سنایا:

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ

"اور تم نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو، اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔"[5]

رسول اللہ ﷺ ہی نے عرب کے اس رویے اور رواج کو توڑا کہ میت کا ورثہ خاندان کے صرف ان لوگوں کو

1 البقرة 2:228، 2 سنن أبي داود 236، 3 صحيح مسلم 1218، 4 الاعراف 157، 5 المائدة 5:2

ملے گا جو تلوار اور نیزہ اٹھا سکتے ہوں۔ عورت اور معصوم بچے، بیٹی، بہن کا کوئی حق نہیں، بلکہ وہ ایک عورت کو باپ کی جائیداد سے بیٹی ہونے کے ناتے، بھائی کی جائیداد سے بہن ہونے کے باعث، شوہر کی جائیداد سے بوجہ زوجہ ہونے کے اور اولاد کی جائیداد سے بوجہ والدہ ہونے کے متعدد حصے دلاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ ہی کے تعلیم کردہ قانون وراثت کو بہت سی غیر مسلم قوموں نے بھی اپنا لیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ ہی نے جواز جنگ کے لیے مظلوم ہونے، حقوق ملی و قومی سے بلاوجہ محروم کر دیے جانے، دین حنیف کی حفاظت کرنے والوں کے جان و مال کے غیر محفوظ ہو جانے یا امن عامہ کا قیام مفقود ہو جانے اور مذاہب عالم اور ان کی عبادت گاہوں کی غارت گری کو اہم ترین وجوہ قرار دیا۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۝ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا ﴾

''جن لوگوں سے لڑائی کی جاتی ہے، انھیں (جہاد کی) اجازت دی گئی ہے، اس لیے کہ یقیناً ان پر ظلم کیا گیا، اور یقیناً اللہ ان کی مدد پر ضرور قادر ہے۔ وہ لوگ جنھیں ان کے گھروں سے ناحق نکال دیا گیا، صرف اس لیے کہ وہ کہتے ہیں: ہمارا رب اللہ ہے، اور اگر اللہ لوگوں میں سے بعض کو بعض کے ذریعے سے دفع نہ کرتا تو بلاشبہ راہبوں کے خلوت خانے اور (عیسائیوں کے) گرجے اور (یہودی) عبادت خانے اور مسجدیں، جن میں اللہ کا نام بکثرت ذکر کیا جاتا ہے، ضرور گرا دی جاتیں۔''[1]

یہ سیدنا محمد ﷺ ہی ہیں جنھوں نے شراب کو قطعی حرام ٹھہرایا، اسے ام الخبائث بتلایا۔ اور اس کی تھوڑی سی مقدار کو بھی ممنوع قرار دے دیا۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿ إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴾

''بے شک شراب اور جوا، آستانے اور فال نکالنے کے تیر، سب گندے کام ہیں اور شیطان کے عمل سے ہیں، لہٰذا تم ان سے بچو، تاکہ تم فلاح پاؤ۔''[2]

اس حکم کے ساتھ یہ تفسیر بھی شامل کر دی: «مَا أَسْكَرَ كَثِيرُهُ فَقَلِيلُهُ حَرَامٌ» ''جس چیز کی زیادہ مقدار میں نشہ ہو، اس کی ادنی سی مقدار بھی حرام ہے۔''[3]

رسول اللہ ﷺ ہی نے زنا و بدکاری کی تمام قسموں کو یکسر حرام قرار دیا اور اس ارشاد ربانی کی خاص طور پر تعلیم دی:

1 الحج 22:39، 40. 2 المآئدۃ 5:90. 3 سنن ابن ماجہ، 3393، سنن أبي داود، 3681.

﴿ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ۝ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۝ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ۝ ﴾

''اور وہ جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ سوائے اپنی بیویوں یا ان (کنیزوں) کے جن کے وہ مالک ہیں، تو بلاشبہ (ان کی بابت) ان پر کوئی ملامت نہیں۔ پھر جو شخص ان کے علاوہ (رستہ) تلاش کرے تو ایسے لوگ ہی حد سے گزرنے والے ہیں۔''[1]

رسول اللہ ﷺ ہی نے اسیران جنگ کی جان بخشی کے اصول واضح فرمائے۔ اور اس حکم ربانی کی پوری طرح تعمیل فرمائی۔

﴿ فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتَّىٰ إِذَا أَثْخَنتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً ﴾

''پس جب تم (جہاد میں) ان لوگوں سے ملو جنھوں نے کفر کیا تو (ان کی) گردنیں مارو، حتیٰ کہ جب تم انھیں خوب قتل کر چکو تو (قیدیوں کو) بیڑیوں میں مضبوطی سے باندھ دو، پھر یا تو اس کے بعد ان پر احسان کرنا ہے یا فدیہ (تاوان) لینا ہے۔''[2]

رسول اللہ ﷺ ہی نے حملہ آور دشمن پر، اس کے مغلوب اور قید ہونے کے بعد بھی طرح طرح سے احسان فرمایا۔ بدر و احد، مکہ و حنین کی فتوحات میں ہر موقع پر اسیرانِ جنگ، دشمنانِ دین، قاتلانِ مومنین اور محاربین رسول کے ساتھ پورے عدل و انصاف کا معاملہ فرمایا۔

یہ محسن انسانیت سیدنا محمد ﷺ ہی ہیں جنھوں نے غلاموں کو برابر کا کھانا، برابر کا پہننا اور ان کی استطاعت سے بڑھ کر کام نہ لینا فرض ٹھہرایا۔ اور اس طرح آپ ﷺ نے غلاموں کو خاندان ہی کا ایک رکن بنا دیا۔

نبی کریم ﷺ ہی نے غلام کو حق مکاتبت بخشا، اور آقا کو پابند کیا کہ وہ اسے مقررہ قیمت پر آزاد کرے۔

رسالت مآب ﷺ ہی نے اسلامی ریاست کی آمدنی صدقات میں سے آٹھواں حصہ غلامی کے خاتمے کے لیے مقرر فرمایا:

﴿ إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ ﴾

''زکاۃ تو صرف فقیروں اور مسکینوں اور ان اہلکاروں کے لیے ہے جو اس (کی وصولی) پر مقرر ہیں اور ان کے لیے جن کی دلداری مقصود ہے اور گردنیں چھڑانے کے لیے۔''[3]

1 المومنون 23:5-7 2 محمد 47:4 3 التوبہ 9:60.

سردار بنی آدم ﷺ

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو دنیا و آخرت میں اولادِ آدم کا سردار بنایا ہے۔ دنیا میں آپ کے اخلاق کریمہ اور آخرت میں اعلیٰ مقام و مرتبہ سے آپ کو فضیلت بخشی۔ رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں: «أنا سيد ولد آدم يوم القيامة ولا فخر» ''میں قیامت کے روز اولادِ آدم کا سردار ہوں گا اور کوئی فخر نہیں۔''[1]

علامہ عبدالعزیز رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''سید'' وہ ہستی ہے جو عالی صفات اور بلند اخلاق سے متصف ہو۔ ''سید'' اس لفظ میں یہ اشارہ ہے کہ سیدنا محمد ﷺ دونوں جہانوں میں انبیائے کرام سے افضل ہیں۔ دنیا میں عظیم اخلاق سے متصف ہونے کی وجہ سے اور آخرت میں اعلیٰ اخلاق و اوصاف کی جزا کی بنا پر اعلیٰ مقام و مرتبے کے حقدار ہوں گے۔ آپ نے «ولا فخر» کہہ کر یہ واضح کیا کہ اللہ کے نزدیک میرا مقام و مرتبہ یہ ہوگا لیکن میں یہ بات بطور فخر نہیں کہہ رہا بلکہ تحدیث نعمت کے طور پر کہہ رہا ہوں۔[2]

خاتم النبیین ﷺ

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی رشد و ہدایت کے لیے انبیاء و رسل علیہم السلام کی بعثت کا سلسلہ، محمد رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرما کر مکمل کر دیا۔ آپ کے بعد قیامت تک کوئی نبی یا رسول نہیں آئے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ﴾

''محمد (ﷺ) تمھارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، اور لیکن وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔''[3]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: یہ آیت ختم نبوت کی نص ہے۔ جب آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا تو کوئی رسول بھی نہیں ہوگا۔ کیونکہ مقام رسالت مقام نبوت سے خاص ہے، (جب عام کی نفی کر دی تو خاص کی بطریق اولیٰ نفی ہوگئی)۔[4]

محدثین کرام نے آپ کی اس خصوصیت اور فضیلت کو اپنی کتب کی زینت بنایا ہے۔ رئیس المحدثین امام بخاری رحمہ اللہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إن مثلي ومثل الأنبياء من قبلي كمثل رجل بنى بيتا فأحسنه وأجمله إلا موضع لبنة من زاوية، فجعل الناس يطوفون به ويعجبون له ويقولون: هلا وضعت هذه اللبنة؟ قال:

[1] صحيح مسلم: 2278، جامع الترمذي: 3148 [2] بداية السول، ص: 34،33، غاية السول، ص: 267، خصائص المصطفى، ص: 60. [3] الأحزاب 40:33 [4] تفسير ابن كثير، الأحزاب 40:33

فَأَنَا اللَّبِنَةُ وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ

''میری مثال اور مجھ سے پہلے انبیاء ﷺ کی مثال اس شخص جیسی ہے جس نے ایک مکان بنایا اور اسے بہت خوبصورت (اسلوب میں) تیار کیا مگر ایک کونے میں اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی۔ اب لوگ آ کر اس کے ارد گرد گھومتے ہیں اور اسے دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور (معاً) وہ یہ بھی پوچھتے ہیں کہ ایک اینٹ کیوں نہیں رکھی گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں وہی اینٹ ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔''[1]

جن و انس کے رسول

تمام انبیاء اور رسول اپنی اپنی قوم کی طرف مبعوث کیے جاتے تھے۔ ان کے زمان و مکان، ان کی بولیاں، ان کے امتی اور ان کا علاقہ مخصوص ہوتا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی کو یہ شان عطا فرمائی کہ آپ نہ صرف پوری انسانیت بلکہ جنوں کے بھی رسول ہیں۔ آپ تا قیامت آنے والی نسلوں کے راہبر اعظم ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا﴾

''کہہ دیجیے: اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔''[2]

رسول اکرم ﷺ نے اپنی شان عالی ان الفاظ میں بیان کی ہے:

''أُعْطِيتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ قَبْلِي: نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ، وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا، فَأَيُّمَا رَجُلٍ مِنْ أُمَّتِي أَدْرَكَتْهُ الصَّلَاةُ فَلْيُصَلِّ، وَأُحِلَّتْ لِيَ الْمَغَانِمُ وَلَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِي، وَأُعْطِيتُ الشَّفَاعَةَ، وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلَى قَوْمِهِ خَاصَّةً، وَبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً''

''مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں: ایک یہ کہ مجھے ایک مہینے کی مسافت تک بذریعہ رعب مدد دی گئی ہے۔ دوسری یہ کہ تمام روئے زمین کو میرے لیے مسجد اور پاک کرنے والی بنا دیا گیا ہے۔ اب میری امت میں جس شخص کو (جہاں بھی) نماز کا وقت آ جائے، اسے چاہیے کہ وہیں نماز پڑھ لے۔ تیسری یہ کہ میرے لیے مال غنیمت حلال کر دیا گیا ہے جبکہ اس سے پہلے یہ کسی کے لیے حلال نہ تھا۔ چوتھی یہ کہ مجھے شفاعت (کبریٰ) عطا کی گئی ہے۔ پانچویں یہ کہ پہلے نبی خاص طور پر اپنی ہی قوم کے لیے مبعوث ہوا کرتا تھا، مگر میں تمام لوگوں کی طرف (رسول بنا کر) بھیجا گیا ہوں۔''[3]

1 صحیح البخاری: 3535. 2 الأعراف 7:158. 3 صحیح البخاری: 335.

اللہ تعالیٰ نے آپ کو جنوں کی راہنمائی کے لیے ان کا بھی رسول بنایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰي عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا﴾

''وہ ذات بڑی ہی بابرکت ہے جس نے اپنے بندے پر فرقان (قرآن) نازل کیا، تاکہ وہ جہان والوں کے لیے ڈرانے والا ہو۔''[1]

امام قرطبی فرماتے ہیں: ''اس آیت میں ﴿لِلْعٰلَمِيْنَ﴾ ''جہان والوں'' سے مراد انسان اور جن ہیں۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ انسانوں اور جنوں دونوں کے لیے رسول اور ڈرانے والے بنا کر بھیجے گئے ہیں۔''[2] آپ ﷺ کے جنوں کی طرف رسول ہونے کی ایک دلیل یہ قرآنی آیت بھی ہے:

﴿قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۙ يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ۭ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا﴾

''(اے نبی!) کہہ دیجیے: میری طرف وحی کی گئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے (قرآن) غور سے سنا تو انھوں نے کہا: بے شک ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے۔ وہ رشد و ہدایت کی راہ دکھاتا ہے تو ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں، اور (اب) ہم کسی کو بھی اپنے رب کا ہرگز شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔''[3]

شافع محشر، حامل لواء الحمد

قیامت کے روز سب سے پہلے نبی اکرم ﷺ قبر سے اٹھیں گے۔ اس روز حمد کا جھنڈا آپ ﷺ کے ہاتھ میں ہوگا۔ سب سے پہلے سفارش کا حق آپ کو ملے گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو مقام محمود سے سرفراز کرے گا۔ جمہور علمائے کرام کے نزدیک مقام محمود سے مراد شفاعت کبریٰ ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے حضور سجدے میں مخصوص حمد و ثنا کریں گے۔ آپ کو طویل حمد و ثنا کے بعد سجدے سے سر اٹھانے اور سفارش کرنے کا حکم ملے گا۔ آپ مخلوق کا حساب شروع کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی امت کے خطا کاروں کی بھی سفارش فرمائیں گے۔ اس روز تمام انبیائے کرام آپ کے جھنڈے تلے جمع ہوں گے۔ آیئے آپ کے اس عالی مقام اور بلند شان کے متعلق چند نصوص کا مطالعہ کرتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا﴾

''اور رات کے کچھ حصے میں بھی آپ اس (قرآن) کے ساتھ تہجد پڑھیں، اس حال میں کہ (یہ) آپ کے

[1] الفرقان 25:1. [2] تفسیر القرطبی، الفرقان 25:1. [3] خصائص المصطفی، ص 41.

لیے زائد ہے، امید ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا۔''[1]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أنا سيد ولد آدم يوم القيامة وأول من ينشق عنه القبر وأول شافع وأول مشفع»

''قیامت کے دن میں اولاد آدم کا سردار ہوں گا۔ سب سے پہلے میری قبر کھلے گی۔ سب سے پہلے میں سفارش کروں گا۔ اور سب سے پہلے میری ہی سفارش قبول کی جائے گی۔''[2]

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أنا سيد ولد آدم يوم القيامة ولا فخر، وبيدي لواء الحمد ولا فخر، وما من نبي يومئذ آدم فمن سواه إلا تحت لوائي، وأنا أول من تنشق عنه الأرض ولا فخر»

''قیامت کے روز میں اولاد آدم کا سردار ہوں گا۔ اور میں یہ بات بغیر کسی فخر کے کہہ رہا ہوں۔ میرے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا۔ اور میں یہ بات کسی فخر کے بغیر (نعمت الٰہی کے تذکرے کے طور پر) کر رہا ہوں۔ آدم علیہ السلام سمیت تمام انبیاء میرے جھنڈے تلے جمع ہوں گے۔ قیامت کے روز سب سے پہلے میری قبر کھلے گی۔ میں یہ بات بطور فخر نہیں بتا رہا (بلکہ آئندہ پیش آنے والی حقیقت بیان کر رہا ہوں)۔''[3]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قیامت کے دن میں لوگوں کا سردار ہوں گا۔ کیا تمھیں علم ہے کہ ایسا کیوں ہوگا؟ اللہ تعالیٰ تمام اگلے پچھلے لوگوں کو ایک چٹیل میدان میں جمع کر دے گا۔ اس دوران میں پکارنے والا سب کو اپنی آواز سنائے گا اور ان سب پر اس کی نظر پہنچے گی۔ سورج بالکل قریب آجائے گا، چنانچہ لوگوں کو اس قدر غم اور تکلیف لاحق ہوگی جو ان کی طاقت سے باہر اور ناقابل برداشت ہوگی۔ لوگ آپس میں کہیں گے: تم دیکھتے نہیں کہ ہماری کیا حالت ہوگئی ہے؟ کیا کوئی ایسا مقبول بندہ نہیں جو اللہ کے حضور تمھاری سفارش کرے؟ پھر وہ ایک دوسرے سے کہیں گے کہ سیدنا آدم علیہ السلام کے پاس جانا چاہیے۔ چنانچہ سب لوگ سیدنا آدم علیہ السلام کے پاس حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے: آپ سب انسانوں کے باپ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھوں سے بنایا اور اپنی طرف سے خصوصیت کے ساتھ آپ میں روح پھونکی اور فرشتوں کو حکم دیا تو انھوں نے آپ کو سجدہ کیا، اس لیے آپ اپنے رب کے حضور ہماری سفارش کریں۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ ہم کس مصیبت میں مبتلا ہیں؟ سیدنا آدم علیہ السلام فرمائیں گے: بلاشبہ آج کے دن میرا رب انتہائی غیظ و غضب میں ہے۔ وہ اس سے پہلے کبھی اتنا غضبناک نہیں ہوا،

[1] بنی إسرائیل 79:17 [2] صحیح مسلم: 2278 [3] جامع الترمذي: 3148.

نہ آئندہ کبھی ہوگا۔ میرے پروردگار نے مجھے درخت سے روکا تھا لیکن میں نے اس کی نافرمانی کی، اس لیے مجھے تو اپنی فکر پڑی ہوئی ہے۔ میں اپنی جان کی حفاظت چاہتا ہوں، لہٰذا تم کسی اور کے پاس جاؤ۔ تم نوح کے پاس جاؤ۔

چنانچہ سب لوگ سیدنا نوح علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے: اے نوح! آپ سب سے پہلے پیغمبر ہیں جو اہل زمین کی طرف مبعوث ہوئے اور اللہ نے آپ کو ''شکر گزار بندے'' کا لقب عطا فرمایا۔ آپ ہی ہمارے لیے اپنے رب کے حضور سفارش کر دیں۔ کیا آپ دیکھ نہیں رہے کہ ہم کس حالت تک پہنچ چکے ہیں؟ نوح علیہ السلام فرمائیں گے: بلاشبہ میرا رب آج بہت غضب ناک ہے۔ اس سے پہلے وہ کبھی ایسا غضبناک نہیں ہوا، نہ آئندہ ایسا غضب ناک ہوگا۔ اللہ نے مجھے ایک دعا کی قبولیت کا یقین دلایا تھا جو میں نے اپنی قوم کے خلاف کر ڈالی۔ نفسی، نفسی، نفسی (آج تو مجھے اپنی ہی فکر ہے)، لہٰذا تم میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ، ہاں ابراہیم علیہ السلام کے پاس چلے جاؤ۔

چنانچہ سب لوگ ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے: اے ابراہیم! آپ اللہ کے نبی اور اس کے خلیل ہیں اور اہل زمین میں منتخب شدہ ہیں، لہٰذا آپ اپنے رب کی بارگاہ میں ہماری سفارش کریں۔ کیا آپ دیکھ نہیں رہے کہ ہم کس مصیبت میں مبتلا ہیں؟ ابراہیم علیہ السلام فرمائیں گے: آج میرا رب بہت غضب ناک ہے۔ اتنا غضب ناک نہ وہ پہلے ہوا تھا اور نہ آج کے بعد ہوگا۔ میں نے تین خلاف واقعہ باتیں کی تھیں... راوی حدیث ابوحیان نے اپنی روایت میں ان تینوں باتوں کا ذکر کیا ہے.... نفسی، نفسی، نفسی۔ مجھے تو اپنی فکر ہے۔ تم میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ، ہاں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔

چنانچہ سب لوگ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے پاس حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے: اے موسیٰ! آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی طرف سے رسالت دی اور آپ سے گفتگو فرمائی، یہ بہت بڑی فضیلت ہے۔ آپ اپنے رب کے حضور ہماری سفارش کر دیں۔ کیا آپ دیکھ نہیں رہے کہ ہم کس مصیبت میں مبتلا ہیں؟ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کہیں گے: آج اللہ تعالیٰ بہت غضب ناک ہے۔ اتنا غضب ناک تو وہ نہ پہلے کبھی ہوا، نہ آئندہ کبھی ہوگا۔ میں نے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا، اس شخص کو قتل کرنے کا مجھے حکم نہیں دیا گیا تھا۔ نفسی، نفسی، نفسی۔ بس مجھے آج اپنی فکر ہے۔ میرے علاوہ تم کسی اور کے پاس چلے جاؤ، ہاں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔

چنانچہ سب لوگ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آ کر عرض کریں گے: اے عیسیٰ! آپ اللہ کے رسول اور اس کا کلمہ ہیں جسے اس نے سیدہ مریم علیہا السلام پر ڈالا تھا اور آپ اللہ کی طرف سے روح ہیں۔ آپ نے بحالت بچپن آغوش مادر میں رہتے ہوئے لوگوں سے باتیں کی تھیں۔ اپنے رب کے حضور ہماری سفارش کریں۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ ہم کس حالت میں ہیں؟ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے: آج میرا رب بہت غصے میں ہے۔ وہ پہلے کبھی اتنا غضب ناک ہوا

نہ آئندہ ایسا غضب ناک ہوگا۔ آپ اپنی کسی لغزش کا ذکر نہیں کریں گے۔ صرف یہ کہیں گے: میں اپنی جان کی حفاظت چاہتا ہوں۔ میرے علاوہ تم کسی اور کے پاس جاؤ۔ ہاں تم محمد ﷺ کے پاس جاؤ۔

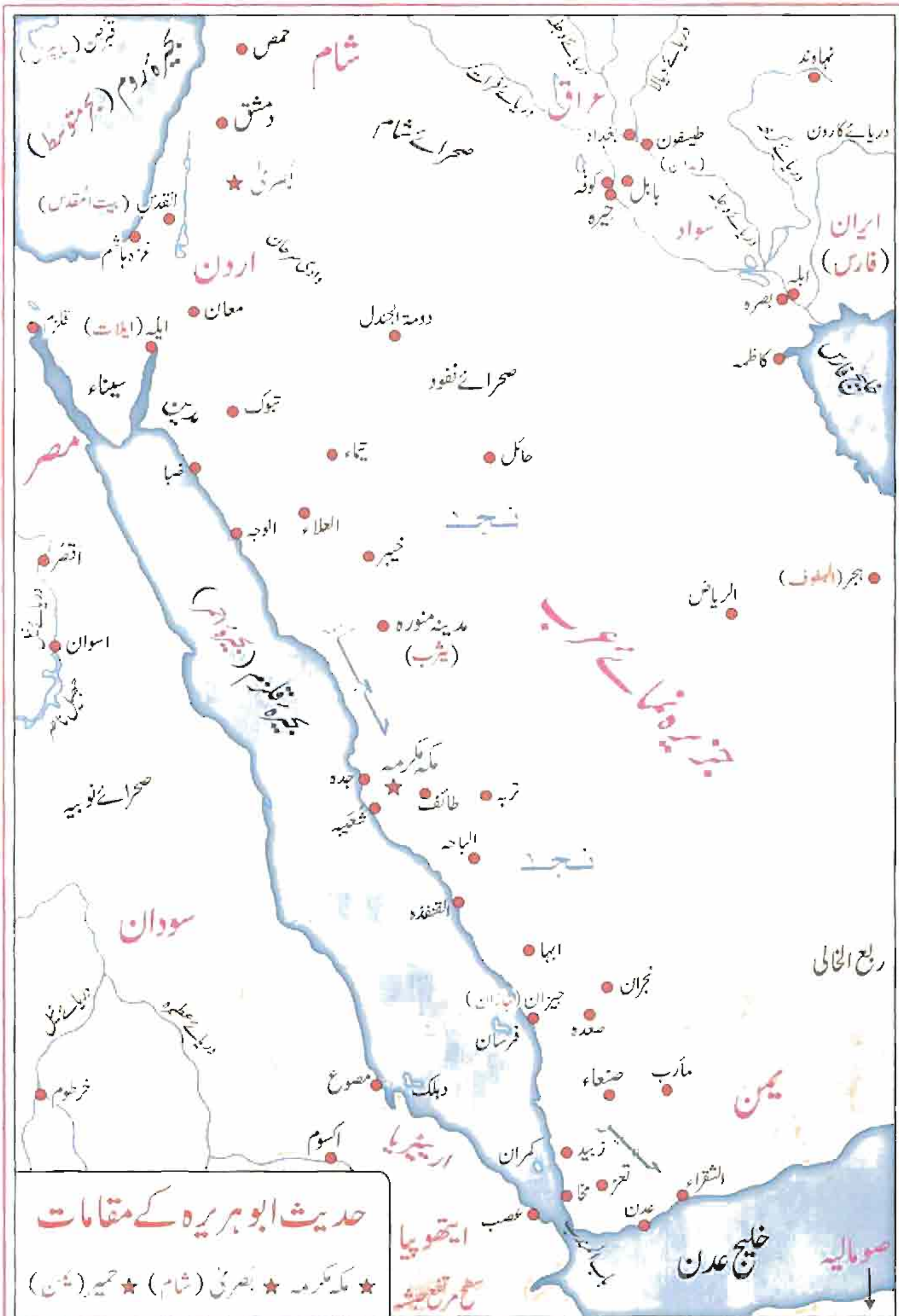
چنانچہ سب لوگ محمد ﷺ کے پاس حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے: اے محمد (ﷺ)! آپ اللہ کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کر دیے ہیں۔ آپ اپنے رب کے حضور ہماری سفارش کر دیں۔ آپ خود ملاحظہ کر سکتے ہیں کہ ہم کس حالت میں گرفتار ہیں۔ آخر کار میں خود آگے بڑھوں گا اور عرش کے نیچے پہنچ کر اپنے رب کے حضور سجدے میں گر جاؤں گا۔ پھر اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنے تعریفی کلمات اور حسن ثنا کے دروازے کھول دے گا جو اس نے مجھ سے پہلے اور کسی پر ظاہر نہیں کیے۔ پھر کہا جائے گا: اے محمد! اپنا سر اٹھائیں اور سوال کریں، آپ کو عطا کیا جائے گا۔ آپ سفارش کریں، آپ کی سفارش قبول کی جائے گی، چنانچہ میں اپنا سر اٹھا کر عرض کروں گا: اے میرے رب! میری امت کو معاف کر دے۔ اے پروردگار! میری امت پر رحم کر۔ کہا جائے گا: اے محمد! اپنی امت کے ان لوگوں کو جن پر کوئی حساب نہیں، جنت کے دائیں دروازے سے داخل کریں۔ ویسے انھیں اختیار ہے کہ دوسرے لوگوں کے ساتھ جس دروازے سے چاہیں داخل ہو سکتے ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! جنت کے دروازے کے دونوں کناروں کا فاصلہ اتنا ہے جتنا مکہ اور حمیر یا مکہ اور بصریٰ میں ہے۔''[1]

جنت کا دروازہ نبی ﷺ کی سفارش سے کھلے گا

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی کو جن انعامات سے نوازا ہے، ان میں ایک یہ بھی ہے کہ آپ سب سے پہلے جنت

1 صحیح البخاري، 4712، فتح الباري 519/11، 521


بصریٰ شام کے رومی تھیٹر کے آثار



حدیث ابو ہریرہ کے مقامات
★ مکہ مکرمہ ★ بصریٰ (شام) ★ حمیر (یمن)
شام
حمص
دمشق
صحرائے شام
بصریٰ
بحیرۂ روم (بحر متوسط)
القدس (بیت المقدس)
غزہ ہاشم
اردن
معان
عراق
دریائے فرات
بغداد
طیسفون
کوفہ
بابل
حیرہ
سواد
نہاوند
دریائے کارون
ایران (فارس)
ابلہ
بصرہ
کاظمہ
خلیج فارس
دومۃ الجندل
صحرائے نفود
قلزم
ایلہ (ایلات)
سیناء
مصر
مدین
تبوک
تیماء
حائل
ضبا
الوجہ
العلاء
خیبر
نجد
اقصر
اسوان
دریائے نیل
ہجر (الھفوف)
الریاض
جزیرہ نمائے عرب
مدینہ منورہ (یثرب)
بحیرۂ قلزم (بحیرۂ احمر)
مکہ مکرمہ
جدہ
شعیبہ
طائف
تربہ
صحرائے نوبیہ
الباحہ
القنفذہ
سوڈان
ابہا
ربع الخالی
نجران
جیزان
صعدہ
فرسان
مارب
صنعاء
یمن
مصوع
دہلک
خرطوم
اکسوم
اریٹیریا
زبید
کمران
تعز
مخا
الشقراء
عدن
عصب
ایتھوپیا
خلیج عدن
صومالیہ

کا دروازہ کھلوائیں گے۔ جنت میں سب سے زیادہ تعداد آپ کے امتیوں کی ہے۔ ستر ہزار ایسے خوش نصیب بھی ہوں گے جو بلا حساب جنت میں داخل ہوں گے۔ آیئے! اس ضمن میں رسول کریم ﷺ کے مزید ارشادات کا مطالعہ کیجیے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

أنا أكثر الأنبياء تبعا يوم القيامة وأنا أول من يقرع باب الجنة.

''قیامت کے روز میرے پیروکار سب انبیاء کے پیروکاروں سے زیادہ ہوں گے۔ اور میں سب سے پہلے جنت کے دروازے پر دستک دوں گا۔''[1]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت میں آپ ﷺ کا فرمان عالی شان ہے:

آتي باب الجنة يوم القيامة فأستفتح فيقول الخازن: من أنت؟ فأقول: محمد، فيقول: بك أمرت لا أفتح لأحد قبلك.

''قیامت کے دن میں جنت کے دروازے پر دستک دوں گا۔ جنت کا دربان پوچھے گا: آپ کون ہیں؟ میں جواب دوں گا: محمد (ﷺ)۔ دربان کہے گا: مجھے حکم دیا گیا تھا کہ میں آپ سے پہلے کسی کے لیے دروازہ نہ کھولوں۔''[2]

امت محمدیہ کے لوگ کثرت سے جنت میں ہوں گے

قیامت کے روز کچھ نبی ایسے بھی ہوں گے جن کے ساتھ دو چار یا دس امتی ہوں گے۔ اور کوئی تن تنہا اکیلا ہی ہوگا۔ اس روز آپ اپنی امت کی کثیر تعداد سے خوش ہوں گے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے تو آپ نے فرمایا:

عرضت علي الأمم فجعل يمر النبي معه الرجل والنبي معه الرجلان والنبي معه الرهط والنبي ليس معه أحد ورأيت سوادا كثيرا سد الأفق فرجوت أن تكون أمتي فقيل هذا موسى وقومه ثم قيل لي: انظر. فرأيت سوادا كثيرا سد الأفق فقيل لي: انظر هكذا وهكذا فرأيت سوادا كثيرا سد الأفق فقيل: هؤلاء أمتك ومع هؤلاء سبعون ألفا يدخلون الجنة بغير حساب.

1 صحيح مسلم، 196 2 صحيح مسلم، 197

''تمام امتیں میرے سامنے پیش کی گئیں۔ بعض ایسے انبیا گزرے جن کے ساتھ صرف ایک ایک آدمی تھا اور بعض ایسے نبی بھی گزرے جن کے ساتھ دو آدمی تھے۔ کچھ انبیاء ایسے بھی تھے جن کے ساتھ ایک چھوٹی سی جماعت تھی اور کچھ ایسے بھی تھے کہ ان کے ساتھ کوئی بھی نہیں تھا۔ پھر میں نے ایک بڑی جماعت دیکھی جس نے افق کو ڈھانپ رکھا تھا۔ میں نے خیال کیا شاید یہ میری امت ہے۔ مجھ سے کہا گیا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کی امت کے لوگ ہیں۔ پھر مجھ سے کہا گیا کہ دیکھو۔ میں نے دیکھا کہ وہاں بے شمار لوگ ہیں جن سے تمام افق بھرے پڑے تھے۔ پھر مجھ سے کہا گیا: ادھر دیکھو، ادھر دیکھو۔ میں نے دیکھا کہ بہت سے لوگ ہیں جنھوں نے تمام افق کو ڈھانپ رکھا ہے۔ مجھ سے کہا گیا: یہ لوگ آپ کی امت ہیں اور ان میں سے ستر ہزار وہ لوگ ہوں گے جو جنت میں بغیر حساب داخل ہوں گے۔''[1]

جنت میں آپ کی امت سب سے زیادہ ہوگی۔ جنت میں داخل ہونے والوں کی 120 صفیں ہوں گی جن میں 80 صفیں امت محمدیہ کی ہوں گی۔ اس طرح اہل جنت میں سے دو تہائی لوگ امت محمدی کے ہوں گے۔

سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَهْلُ الْجَنَّةِ عِشْرُونَ وَمِائَةُ صَفٍّ، ثَمَانُونَ مِنْهَا مِنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ وَأَرْبَعُونَ مِنْ سَائِرِ الْأُمَمِ»

''اہل جنت کی 120 صفیں ہوں گی۔ 80 صفیں اس امت کی اور بقیہ تمام امتوں کی 40 صفیں ہوں گی۔''[2]

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک خیمے میں موجود تھے۔ آپ نے فرمایا:

«أَتَرْضَوْنَ أَنْ تَكُونُوا رُبُعَ أَهْلِ الْجَنَّةِ؟» قُلْنَا: نَعَمْ. قَالَ: «أَتَرْضَوْنَ أَنْ تَكُونُوا ثُلُثَ أَهْلِ الْجَنَّةِ؟» قُلْنَا: نَعَمْ. قَالَ: «أَتَرْضَوْنَ أَنْ تَكُونُوا شَطْرَ أَهْلِ الْجَنَّةِ؟» قُلْنَا: نَعَمْ. قَالَ: «وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ إِنِّي لَأَرْجُو أَنْ تَكُونُوا نِصْفَ أَهْلِ الْجَنَّةِ، وَذَلِكَ أَنَّ الْجَنَّةَ لَا يَدْخُلُهَا إِلَّا نَفْسٌ مُسْلِمَةٌ، وَمَا أَنْتُمْ فِي أَهْلِ الشِّرْكِ إِلَّا كَالشَّعْرَةِ الْبَيْضَاءِ فِي جِلْدِ الثَّوْرِ الْأَسْوَدِ أَوْ كَالشَّعْرَةِ السَّوْدَاءِ فِي جِلْدِ الثَّوْرِ الْأَحْمَرِ»

''کیا تم اس بات پر خوش ہو کہ اہل جنت کا ایک چوتھائی رہو؟'' ہم نے کہا: جی ہاں۔ پھر آپ نے فرمایا: ''کیا تم اس بات پر خوش ہو کہ اہل جنت کا ایک تہائی رہو؟'' ہم نے کہا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: ''کیا تم

1 صحیح البخاری: 5752 2 جامع الترمذی: 2546

اس پر خوش ہو کہ اہل جنت کا تم نصف رہو؟'' ہم نے کہا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: ''مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں امید رکھتا ہوں کہ تم اہل جنت کا نصف ہو گے۔ یہ اس لیے کہ جنت میں صرف مسلمان ہی داخل ہوں گے اور تم اہل شرک کے مقابلے میں اس طرح ہو گے جس طرح سیاہ بیل کے جسم پر سفید بال ہو یا جیسے سرخ بیل کے جسم پر ایک سیاہ بال ہو۔''[1]

49 لاکھ خوش نصیب

اللہ کے رسول ﷺ پر اللہ تعالیٰ کے بے شمار انعامات ہیں۔ ان میں سے ایک انعام کا تذکرہ سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں درج ذیل الفاظ میں آیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«وعدني ربي أن يدخل الجنة من أمتي سبعين ألفا لا حساب عليهم ولا عذاب، مع كل ألف سبعون ألفا، وثلاث حثيات من حثيات ربي»

''میرے رب نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ میری امت سے ستر ہزار افراد کو بلا حساب و عذاب جنت میں داخل فرمائے گا۔ اور ہر ہزار کے ساتھ (مزید) ستر ہزار لوگوں کو جنت میں داخل کرے گا۔ اور میرے رب کے تین بھرے ہوئے لپ بھی (میری امت سے) جنت میں داخل ہوں گے۔''[2]

اس طرح بلا حساب و عذاب جنت میں داخل ہونے والے خوش نصیب 49 لاکھ ہوں گے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ کے لپ میں کتنے لوگ سمائیں گے؟ یہ اس ذات عالی کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ یہ خوش نصیب کون ہوں گے؟ ان کی کون سی صفات کی بنا پر انھیں اس قدر نوازا جائے گا؟ سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس کا جواب موجود ہے۔ آئیے رحمت عالم ﷺ کا وہ فرمان عالی پڑھتے ہیں:

«يدخل من أمتي الجنة سبعون ألفا بغير حساب»

''میری امت سے ستر ہزار لوگ بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔''

صحابۂ کرام نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہ کون (خوش نصیب) لوگ ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«هم الذين لا يسترقون ولا يتطيرون ولا يكتوون وعلى ربهم يتوكلون»

''یہ وہ لوگ ہوں گے جو منتر سے جھاڑ پھونک (دم) نہیں کراتے، نہ بدفالی کرتے ہیں، نہ داغ لگواتے ہیں

---

1 صحيح البخاري، 6528. 2 جامع الترمذي، 2437.

اور صرف اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔''[1]

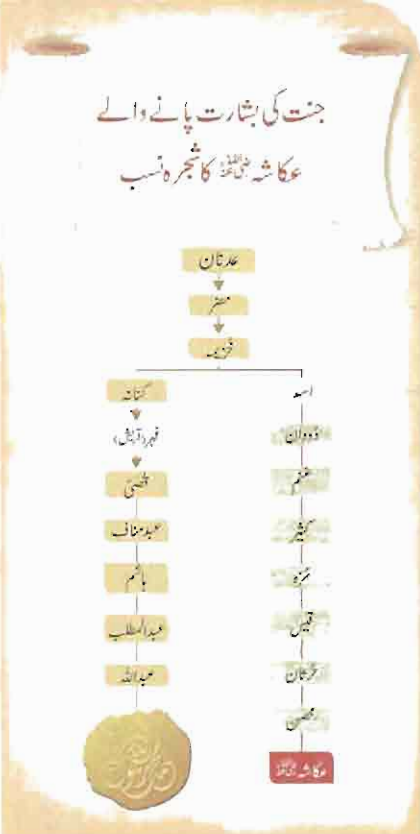
سیدنا عکاشہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان خوش نصیبوں میں شامل فرما دے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے دعا فرما دی: «اللَّهُمَّ اجْعَلْهُ مِنْهُمْ»

''اے اللہ! اسے ان خوش نصیبوں میں شامل کر دے۔''

دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: «أَنْتَ مِنْهُمْ»

''تم ان میں شامل ہو۔''

آپ کی یہ بشارت سن کر ایک اور صحابی کے دل میں یہی بشارت حاصل کرنے کی تڑپ پیدا ہوئی تو وہ بھی کھڑے ہو گئے۔ انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میرے لیے بھی دعا فرمائیے، اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان خوش بخت لوگوں میں شامل کر دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:



«سَبَقَكَ بِهَا عُكَّاشَةُ»

''عکاشہ تم سے بازی لے گئے (تم سے پہلے عکاشہ کے لیے جو ہونا تھا وہ ہو چکا)۔''[2]

یہ گروہ بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ جنت میں داخل ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«يَدْخُلُ مِنْ أُمَّتِي زُمْرَةٌ هُمْ سَبْعُونَ أَلْفًا تُضِيءُ وُجُوهُهُمْ إِضَاءَةَ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ»

''میری امت سے ایک گروہ جنت میں داخل ہوگا جن کی تعداد ستر ہزار ہوگی، ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن ہوں گے۔''[3]

صحیح مسلم میں ان کے جنت میں داخل ہونے کی بڑی خوبصورت منظر کشی کی گئی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَيَدْخُلَنَّ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِي سَبْعُونَ أَلْفًا أَوْ سَبْعُمِائَةِ أَلْفٍ - لَا يَدْرِي أَبُو حَازِمٍ أَيَّهُمَا قَالَ - مُتَمَاسِكُونَ آخِذٌ بَعْضُهُمْ بَعْضًا، لَا يَدْخُلُ أَوَّلُهُمْ حَتَّى يَدْخُلَ آخِرُهُمْ، وُجُوهُهُمْ عَلَى

[1] صحیح البخاری: 5752، صحیح مسلم: 218. [2] صحیح البخاری: 6541، صحیح مسلم: 216-218. [3] صحیح البخاری: 6542.

[illegible]

"میری امت کے ستر ہزار یا سات لاکھ افراد (حدیث کے راوی ابو حازم بھول گئے کہ ان کے استاد سیدنا سہل نے دونوں میں سے کیا کہا تھا) ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے اکٹھے جنت میں داخل ہوں گے۔ ان کے چہرے چودھویں کے چاند کی طرح روشن ہوں گے۔"[1]

انعامات ربانی کی فراوانی

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی ﷺ کو دیگر انبیائے کرام پر متعدد فضیلتیں عطا کی ہیں۔ آپ ﷺ پر انعامات ربانی کی موسلا دھار بارش برستی رہی ہے۔ آپ کو ایسے ایسے انعامات سے نوازا گیا جو آپ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں ہوئے۔ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

أعطيت خمسا لم يعطهن أحد من الأنبياء قبلي: نصرت بالرعب مسيرة شهر، وجعلت لي الأرض مسجدا وطهورا، وأيما رجل من أمتي أدركته الصلاة فليصل، وأحلت لي الغنائم، وكان النبي يبعث إلى قومه خاصة وبعثت إلى الناس عامة، وأعطيت الشفاعة.

"مجھے پانچ ایسی چیزیں عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے قبل کسی پیغمبر کو نہیں دی گئیں: مجھے ایک مہینے کی مسافت (کی دوری) سے رعب عطا کر کے میری مدد فرمائی گئی۔ پورے روئے زمین کو میرے لیے سجدہ گاہ اور طہارت کا ذریعہ بنا دیا گیا، چنانچہ میری امت کے کسی فرد کو جہاں بھی نماز کا وقت آ جائے، اسے اسی جگہ نماز پڑھ لینی چاہیے۔ مال غنیمت کو میرے لیے حلال کر دیا گیا۔ ہر نبی کو قبل ازیں مخصوص قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا جبکہ مجھے تمام انسانوں کے لیے مبعوث کیا گیا اور مجھے شفاعت (کبریٰ) کا حق دیا گیا ہے۔"[2]

درج بالا حدیث میں آپ کی درج ذیل خصوصیات بیان ہوئی ہیں:

1 آپ کا دشمن ایک مہینے کی مسافت کے فاصلے پر ہوتا ہے تو اس پر آپ ﷺ کا رعب وجلال طاری ہو جاتا ہے۔ دور دراز علاقوں میں بیٹھے ہوئے دشمن آپ کا اسم گرامی سنتے ہی کانپ اٹھتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ

1 صحیح البخاری: 6554، صحیح مسلم: 219۔ 2 صحیح البخاری: 438، صحیح مسلم: 521۔

ہی میں اسلام کے فروغ اور امت مسلمہ کی بھلائیوں میں مصروف رہتے تھے۔ لیکن اتنے طویل فاصلے کے باوجود تبوک کے گرد و نواح میں موجود عیسائی حکمران اور شامی عیسائی بادشاہ آپ سے خوف کھاتے تھے۔ جب آپ غزوہ تبوک کے لیے تبوک پہنچے تو وہاں کے عیسائی محض آپ ﷺ کی آمد کا تذکرہ سنتے ہی اس قدر مرعوب ہو گئے کہ انھوں نے آپ ﷺ کو جزیہ دے کر صلح کرنے ہی میں عافیت سمجھی۔ رومی بادشاہ بھی دبک کر بیٹھ گیا۔ بے پناہ اسلحہ اور زبردست فوجی قوت کے باوجود وہ آپ ﷺ کے سامنے آنے کی جرأت نہ کر سکا۔

2 گزشتہ انبیاء اور ان کی امتوں کے لیے اپنے گرجاؤں، کلیساؤں اور عبادت خانوں ہی میں عبادت کرنے کی اجازت تھی جیسا کہ ارشاد نبوی ہے:

«إنما كانوا يصلون في كنائسهم وبيعهم»

''وہ صرف اپنے گرجوں اور کلیساؤں ہی میں نماز ادا کرتے تھے۔''[1]

لیکن امت محمدیہ کو ہر پاکیزہ جگہ پر نماز ادا کرنے کی عام اجازت دے دی گئی۔ پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمم کرنے کی سہولت بخشی گئی۔

3 کافروں سے جہاد کے نتیجے میں ملنے والا مال غنیمت حلال کر دیا گیا جبکہ گزشتہ امتوں کے لیے مال غنیمت حلال نہیں تھا بلکہ وہ مال غنیمت کو میدان میں جمع کر دیتے تھے۔ آسمانی بجلی گرتی تھی اور سارا مال غنیمت بھسم ہو جاتا تھا۔[2]

4 ، 5 چوتھی اور پانچویں فضیلت کی تفصیل گزشتہ اوراق میں بیان ہو چکی ہے۔

صحیح مسلم کی روایت میں دو اضافی خوبیوں کا ذکر ہے:

«فضلت على الأنبياء بست: أعطيت جوامع الكلم .... وختم بي النبيون»

''مجھے انبیاء پر چھ چیزوں کے ذریعے فضیلت دی گئی ہے: مجھے جامع کلمات عطا کیے گئے ہیں .... میرے بعد انبیاء کے آنے کا سلسلہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا گیا ہے۔''[3]

علامہ ہروی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جامع کلمات سے مراد قرآن مجید ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے مختصر ترین الفاظ میں معانی و مفاہیم کے خزانے پنہاں فرما دیے۔ اسی طرح آپ کی مبارک گفتگو بھی مختصر ہوتی تھی مگر اس میں اسرار و حکمت کے بے شمار گوہر و الماس چھپے ہوتے تھے۔ مختصر سے جملے میں معانی کی ایک دنیا بستی دکھائی دیتی تھی۔[4]

حافظ ابن رجب رحمہ اللہ اپنی مایہ ناز کتاب ''جامع العلوم والحکم'' میں فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کے جامع کلمات

1 مسند أحمد: 2/222. 2 فتح الباري 1/568. 3 صحيح مسلم: 523. 4 شرح مسلم ہروی: 2/280

کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم تو قرآن مجید میں سے ہے، جیسے یہ آیت:

﴿ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴾

''بے شک اللہ عدل اور احسان اور قرابت داروں کو (امداد) دینے کا حکم دیتا ہے اور وہ بے حیائی، برے کام اور ظلم و زیادتی سے منع کرتا ہے۔ وہ تمھیں وعظ کرتا ہے، تاکہ تم نصیحت پکڑو۔''[1]

حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس آیت میں ہر خیر اور بھلائی کا حکم دے دیا گیا ہے اور ہر برائی سے روک دیا گیا ہے۔ آپ ﷺ کے خصوصی جوامع کلمات کی دوسری قسم آپ سے ماثور سخن میں جابجا موجود ہے۔[2]

محبوب ربانی

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی ﷺ کو بہترین القاب اور نہایت دلکش اوصاف کے حوالے سے پکارا ہے۔ رب ذوالجلال نے قرآن مجید میں ایک بار بھی آپ کا نام لے کر آپ کو مخاطب نہیں کیا بلکہ ایسے اوصاف جلیلہ سے پکارا جن سے محبت الٰہی کا بھرپور اظہار ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ ﴾

''اے نبی!''[3]

﴿ يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ ﴾

''اے رسول!''[4]

﴿ يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝ ﴾

''اے کپڑے میں لپٹنے والے!''[5]

﴿ يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ ﴾

''اے لحاف میں لپٹنے والے!''[6]

یہ شان کریمی صرف آپ کو حاصل ہے۔ علامہ عز بن عبدالسلام فرماتے ہیں: آپ کی یہ صفت کسی اور نبی کو حاصل نہیں۔ یہ آپ ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بقیہ انبیا کو ان کے ناموں سے مخاطب فرمایا ہے، جیسے:

1 النحل 16:90. 2 جامع العلوم والحکم 2/1. 3 الأنفال 8:64. 4 المائدۃ 5:41. 5 المزمل 73:1. 6 المدثر 74:1.

﴿ وَقُلْنَا يٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ ﴾

''اور ہم نے کہا: اے آدم! تو اور تیری بیوی (دونوں) جنت میں رہو۔'' [1]

ایک جگہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

﴿ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ﴾

''جب اللہ کہے گا: اے عیسیٰ ابن مریم! تو خود پر اور اپنی ماں پر میری نعمت یاد کر۔'' [2]

اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا:

﴿ يٰمُوْسٰۤى اِنِّيْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾

''اے موسیٰ! یقیناً میں ہی اللہ ہوں، سب جہانوں کا رب۔'' [3]

اور سیدنا نوح علیہ السلام سے فرمایا:

﴿ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰۤى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ﴾

''اے نوح! اتر تو ہماری طرف سے عظیم سلامتی اور بہت سی برکتوں کے ساتھ (جو) تجھ پر اور تیرے ساتھ کی جماعتوں پر (نازل کی گئی) ہیں۔'' [4]

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا:

﴿ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰۤاِبْرٰهِيْمُ ۙ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ﴾

''اور ہم نے اسے آواز دی: اے ابراہیم! تو نے اپنا خواب یقیناً سچ کر دکھایا۔'' [5]

اور یہ بات خوب واضح ہے کہ جب سید اپنے غلام کو اس کے اعلیٰ ترین ناموں اور بہترین القاب کے ذریعے آواز دے تو یہ اس کی عزت و عظمت کی دلیل ہے۔ جبکہ باقی غلاموں کو ان کے ناموں سے پکارے تو یہ مخصوص غلام کی شان اور سید کے ہاں اس کے مقام و مرتبے کی دلیل ہے۔ [6]

اللہ تعالیٰ کو اپنے نبی سے کس قدر محبت ہے؟ اس کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ صرف خود اپنے نبی کو اچھے اچھے القاب سے پکارتا ہے بلکہ اپنے نبی کے امتیوں کو بھی سیدالانبیاء کے ادب و احترام کے تقاضوں سے روشناس کراتا ہے۔ انھیں اپنے نبی کا نام لے کر آواز دینے اور اپنے نبی کی موجودگی میں بلند آہنگی

1 البقرۃ 35:2. 2 المائدۃ 110:5. 3 القصص 30:28. 4 ھود 48:11. 5 الصافات 104:37. 6 بدایۃ السول، ص: 38، خصائص المصطفیٰ، ص: 44

سے بولنے سے بھی سختی سے منع فرماتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ﴾

''تم رسول کو مخاطب کرنے کو ایسا نہ سمجھنا جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔''[1]

نیز فرمایا:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ ﴾

''اے ایمان والو! تم اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند نہ کرو، اور جس طرح آپس میں ایک دوسرے سے زور زور سے بولتے ہو، اس طرح رسالت مآب کے روبرو زور سے نہ بولا کرو، مبادا تمھارے عمل برباد ہو جائیں، اور تمھیں خبر تک نہ ہو۔ بلا شبہ جو لوگ رسول اللہ کے حضور دبی آواز سے بولتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لیے جانچ لیا ہے۔ ان کے لیے بڑی بخشش اور بہت بڑا اجر ہے۔''[2]

ابونعیم اصبہانی رحمہ اللہ اپنی مشہور کتاب دلائل النبوۃ میں لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو یہ خاص فضیلت عطا فرمائی ہے، جبکہ گزشتہ انبیائے کرام کے امتی انھیں ان کا نام لے کر بلاتے تھے، جیسا کہ قوم موسیٰ نے کہا:

﴿ يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ﴾

''اے موسیٰ! تو ہمارے لیے ایک معبود بنا دے جس طرح ان کے معبود ہیں۔''[3]

اور عیسیٰ علیہ السلام سے ان کی قوم نے کہا:

﴿ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ ﴾

''اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تیرا رب طاقت رکھتا ہے؟''[4]

ہود علیہ السلام کی قوم نے بھی انھیں نام لے کر پکارا تھا:

﴿ يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ ﴾

''اے ہود! تو ہمارے پاس کوئی واضح دلیل نہیں لایا۔''[5]

1 النور 63:24. 2 الحجرات 3,2:49. 3 الاعراف 138:7. 4 المائدة 112:5. 5 خصائص المصطفیٰ، ص: 45، دلائل النبوۃ للاصبہانی، ص: 12

رب کائنات کا قسم کھانا

کسی بات کو پکا کرنے اور مخاطب کو یقین دلانے کے لیے قسم کھانے کا رواج شاید اتنا ہی پرانا ہے جتنی یہ کائنات۔ جس کی قسم کھائی جاتی ہے، وہ قسم کھانے والے کے نزدیک نہایت اعلیٰ و ارفع مقام کا حامل ہوتا ہے، اسی لیے وہ اپنے محبوب کی قسم کھا کر مخاطب کو قائل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی قسم کھا کر ان کے مقام و مرتبے کو چار چاند لگا دیے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ ۝ ﴾

''(اے نبی!) آپ کی عمر کی قسم! بے شک وہ اپنی مستی (گمراہی) میں بھٹک رہے تھے۔''[1]

اس کی تفسیر میں حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی زندگی کی قسم کھائی ہے۔ یہ آپ ﷺ کے بے مثل شرف و منزلت اور اللہ کے ہاں آپ کے عظیم ترین درجے کی دلیل ہے۔

علامہ عز بن عبدالسلام لکھتے ہیں: مقسم کی زندگی کی قسم کھانا دراصل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ ﷺ کی زندگی کے شرف و منزلت کی دلیل ہے۔ یہ خوبی آپ ﷺ کے سوا کسی کو نصیب نہیں ہوئی۔[2]

دفاعِ مصطفیٰ ﷺ

اہلِ کفر و شرک کا شیوہ رہا ہے کہ وہ کلمہ حق ٹھکراتے اور اپنے انبیاء و صلحاء کو اذیتیں پہنچاتے رہے۔ ایسے لوگ کبھی ان کی تکذیب کرتے تو کبھی انھیں راہ حق سے باز رکھنے کے جتن کرتے تھے۔ اس طرح سابقہ انبیاء کو اپنی امت کی طرف سے سخت ترین اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا اور وہ اپنا دفاع خود کرتے رہے۔ جیسا کہ نوح علیہ السلام پر ان کی قوم نے بدترین عیب لگایا اور کہا:

﴿ إِنَّا لَنَرَاكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ ﴾

''ہم تمھیں صریح گمراہی میں (مبتلا) دیکھتے ہیں۔''[3]

اس پر نوح علیہ السلام نے اپنا دفاع کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ يَٰقَوْمِ لَيْسَ بِي ضَلَالَةٌ وَلَٰكِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ۝ أُبَلِّغُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي وَأَنصَحُ لَكُمْ وَأَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ ﴾[4]

''اے میری قوم! میں گمراہ نہیں ہوں، بلکہ میں تو سب جہانوں کے رب کی طرف سے رسول ہوں۔ میں

[1] الحجر 15:72. [2] بداية السول، ص: 37، خصائص المصطفى، ص: 46. [3] الأعراف 7:60

تمھیں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں، اور تمھاری خیر خواہی کرتا ہوں، اور میں اللہ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔"[1]

قوم ہود نے اپنے نبی سے کہا:

﴿ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ ۝ ﴾

"بے شک ہم تجھے بے وقوفی میں پڑا دیکھتے ہیں، اور بے شک ہم تجھے جھوٹوں میں سے گمان کرتے ہیں۔"[2]

ہود علیہ السلام نے اپنا دفاع کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِیْنٌ ۝ ﴾

"اے میری قوم! میں ذرا بھی بے وقوف نہیں، بلکہ میں تو سب جہانوں کے رب کی طرف سے رسول ہوں۔ میں اپنے رب کے پیغامات تمھیں پہنچاتا ہوں اور میں تمھارا خیر خواہ اور امین ہوں۔"[3]

ان مثالوں کے برعکس ہمارے نبی مکرم محمد ﷺ کا دفاع خود مالک کائنات نے اپنے ذمہ لیا۔ جب مشرکین مکہ نے آپ کو کاہن، شاعر، مجنون وغیرہ کہہ کر آپ کی شان میں گستاخی کی تو عرش بریں کے مالک نے اپنے محبوب نبی کو ان الفاظ میں تسلی دی:

﴿ فَذَكِّرْ فَمَاۤ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ ۝ اَمْ یَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَیْبَ الْمَنُوْنِ ۝ قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِیْنَ ۝ اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَاۤ اَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ۝ اَمْ یَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا یُؤْمِنُوْنَ ۝ فَلْیَاْتُوْا بِحَدِیْثٍ مِّثْلِهٖۤ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِیْنَ ۝ ﴾

"تو (اے نبی!) آپ نصیحت کرتے رہیں کیونکہ آپ اپنے رب کے فضل سے نہ تو کاہن ہیں، نہ دیوانے۔ کیا وہ (کافر) کہتے ہیں: (یہ نبی) شاعر ہے اور ہم اس کے بارے میں حوادث زمانہ (موت) کا انتظار کرتے ہیں؟ کہہ دیجیے: تم انتظار کرو، یقیناً میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔ کیا ان کی عقلیں انھیں یہ حکم دیتی ہیں یا پھر وہ لوگ ہی سرکش ہیں؟ کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے خود ہی یہ (قرآن) گھڑ لیا ہے؟ بلکہ وہ ایمان نہیں لاتے۔ پھر (انھیں) چاہیے کہ اس (قرآن) جیسی ایک ہی بات لے آئیں اگر وہ سچے ہیں۔"[4]

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحجر میں اپنے محبوب کو تسلی دیتے اور آپ ﷺ کی راہنمائی کرتے ہوئے فرمایا:

1 الأعراف 62,61:7 2 الأعراف 66:7 3 الأعراف 67,68:7 4 الطور 29:52-34

﴿ فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۝ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ۝ ﴾

''پس آپ کے رب کی قسم! ہم ان سب سے ضرور باز پرس کریں گے۔ ان عملوں کی جو وہ کرتے تھے۔ پس آپ کو جو حکم دیا جاتا ہے، کھول کھول کر سنا دیں اور مشرکین سے بے رخی برتیں۔ بلاشبہ ہم ٹھٹھا کرنیوالوں کے مقابلے میں آپ کو کافی ہیں۔ وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود بناتے ہیں، تو وہ (اپنا انجام) جلد جان لیں گے۔ اور بلاشبہ یقیناً ہم جانتے ہیں کہ بیشک جو کچھ وہ کہتے ہیں، اس سے آپ کا سینہ تنگ ہوتا ہے۔ سو آپ اپنے رب کی حمد کیساتھ تسبیح کریں اور سجدہ کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔ اور آپ اپنے رب کی عبادت کریں حتی کہ آپ کے پاس یقین (موت) آ جائے۔''[1]

غلطیوں سے پاک نبی

اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی کو یہ ارفع شان عطا کی کہ آپ کی ہر قسم کی کوتاہی معاف کر دی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝ وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ۝ ﴾

''(اے نبی!) بلاشبہ ہم نے آپ کو فتح دی، کھلی فتح۔ تاکہ اللہ آپ کے لیے آپ کی اگلی پچھلی ہر کوتاہی معاف کر دے، اور آپ پر اپنی نعمت پوری کرے، اور آپ کو صراط مستقیم کی ہدایت دے۔ اور (تاکہ) اللہ آپ کی بڑی زبردست مدد کرے۔''[2]

آپ کی اس فضیلت کا اظہار قیامت کے روز بھی ہوگا جب لوگ سفارش کے لیے تمام اولوالعزم رسولوں کے پاس جائیں گے اور وہ اپنی لغزشوں کو یاد کر کے سفارش کرنے سے معذرت کر دیں گے۔ ہر نبی نفسی نفسی نفسی پکار رہا ہوگا، یعنی آج تو مجھے اپنی جان کی فکر ہے۔ میں اپنی جان بچانے کے لیے فکر مند ہوں۔ اس دن لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جائیں گے تو آپ ﷺ فرمائیں گے: أنا لها ''میں ہی یہ سفارش کرنے کا حق

1 الحجر 15:92-99. 2 الفتح 48:1-3.

رکھتا ہوں۔''[1] یہ روایت تفصیل سے خصوصیت نمبر 5 کے ضمن میں بیان ہو چکی ہے۔

امام الانبیاء ﷺ

اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی عظمت و جلالت اور سب سے عالی رتبے کے اظہار و اعلان کے لیے آپ ﷺ کو سفر اسراء کرایا اور بیت المقدس میں انبیاء اور رسولوں کی ایک جماعت کو جمع کیا اور آپ نے اُن کی امامت کرائی۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے سفر اسراء و معراج کی تفصیل بتاتے ہوئے فرمایا:

«فحانت الصلاة فأممتهم»

''پھر نماز کا وقت ہوا تو میں نے ان کی، یعنی انبیاء و رسل کی جماعت کی، امامت کرائی۔''[2]

پتھر کا سلام عقیدت

ذرے ذرے پر اللہ تعالیٰ ہی کا قبضہ ہے۔ وہ قادر مطلق چاہے تو اپنی قدرت کاملہ سے مادی چیزوں میں بھی احساسات پیدا فرما سکتا ہے۔ اللہ کے امر سے بے جان پتھر اور پہاڑ بھی محبت و عقیدت کا احساس اور اظہار کر سکتے

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے: صحیح البخاری: 4712، صحیح مسلم: 194، خصائص المصطفیٰ، ص: 60، بدایۃ السول، ص: 36,35 [2] صحیح مسلم: 172، خصائص المصطفیٰ، ص: 48



مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) کا فضائی منظر

ہیں۔ جنوں اور انسانوں کو نبی مکرم ﷺ سے بے حد محبت تھی اور آپ ﷺ سے محبت و عقیدت کے جذبات میں شجر و حجر بھی ان سے پیچھے نہ تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ سفر تبوک سے واپس تشریف لا رہے تھے، آپ کو مدینہ منورہ کے در و دیوار نظر آئے تو آپ نے فرمایا:

"هذه طابة، وهذا أحد، جبل يحبنا ونحبه"

''یہ طابہ (پاکیزہ شہر) ہے اور یہ احد پہاڑ ہے، یہ ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم اس سے محبت رکھتے ہیں۔''[1]

سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

إني لأعرف حجرا بمكة كان يسلم علي قبل أن أبعث، إني لأعرفه الآن.

''میں مکہ کے ایک پتھر کو جانتا ہوں، وہ بعثت سے پہلے مجھے سلام کرتا تھا۔ میں اسے آج بھی جانتا ہوں۔''[2]

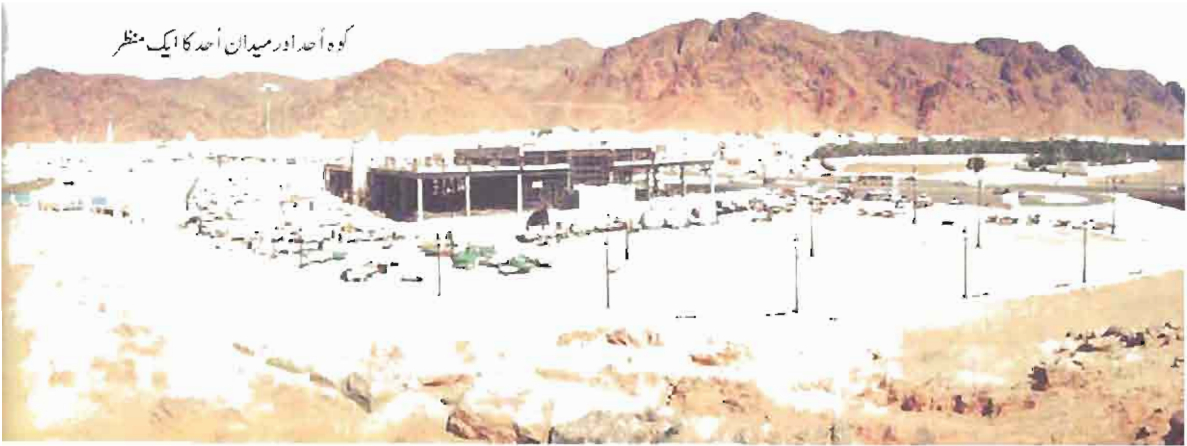
یہ حدیث بعثت سے پہلے آپ ﷺ کی فضیلت اور بلند شان کی دلیل ہے۔ علامہ عز بن عبدالسلام فرماتے ہیں: یہ فضیلت کسی دوسرے نبی کو حاصل نہیں۔[3]

﴿ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴾

اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کے نام اور پیغام کو بڑی عظمت اور بالیدگی بخشی ہے۔ آج دنیا کے کونے کونے میں آپ کا اسم گرامی گونج رہا ہے اور آپ کا پیغام گھر گھر پہنچ رہا ہے۔ اہل کفر اپنے تمام وسائل بروئے کار لا کر تھک گئے لیکن وہ آپ ﷺ کے نام اور پیغام کی درخشندگی کو ایک لمحے کے لیے بھی ماند نہیں کر سکے، نہ آئندہ کر سکیں گے۔ آپ ﷺ کا مبارک نام اور آپ کا ایمان پرور پیغام پوری دنیا میں غالب آ کر رہے گا کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۝ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ

1 صحيح البخاري: 4422. 2 صحيح مسلم: 227. 3 خصائص المصطفى، ص: 50- بداية السول، ص: 39،40.



کوہ اُحد اور میدان اُحد کا ایک منظر

رسولہ بالہدیٰ ودین الحق لیظہرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون (1)

وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور (یعنی اسلام) کو اپنے منہ سے (پھونک کر) بجھا دیں۔ حالانکہ اللہ اپنی روشنی کو پورا کر کے رہے گا خواہ کافر ناپسند ہی کریں۔ وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ اسے تمام دینوں پر غالب کر دے خواہ مشرک ناپسند ہی کریں۔

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ پورا ہو رہا ہے۔ اسلام کی حقانیت و روشنی تمام مذاہب میں اور آپ ﷺ کا ذکر جمیل پوری دنیا میں پھیل رہا ہے۔ اہل کفر کی شدید دشمنی کے باوجود آج یورپ میں سب سے تیزی سے پھیلنے والا مذہب اسلام ہے۔ 2014ء کی رپورٹ کے مطابق برطانیہ میں نومولود بچوں کے ناموں میں "محمد" نام سرفہرست ہے۔ آپ ﷺ سے محبت کرنے والے اس وقت دنیا میں کروڑوں کی تعداد میں ہیں۔ انسائیکلوپیڈیا 2000ء کے مطابق دنیا میں محمد ﷺ کے دین کی پیروی کرنے والے 15 کروڑ افراد موجود تھے۔ آج یہ تعداد کئی گنا بڑھ چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرمایا ہے۔ اس وقت دنیا میں ایک ارب سے زیادہ آپ ﷺ کے نام لیوا عقیدت مند مسلمان موجود ہیں۔ وہ آپ ﷺ پر درود پڑھتے ہیں اور اذان کی نورانی صداؤں میں اللہ تعالیٰ کی توحید و یکتائی کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کے اسم گرامی اور آپ ﷺ کی رسالت کا اعلان بھی کرتے ہیں۔

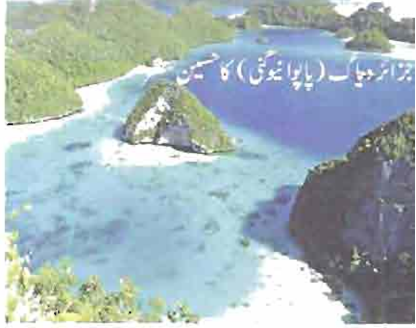
وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستانِ وجود
ہوتی ہے بندۂ مومن کی اذاں سے پیدا

اذان کیا ہے؟ یہ ایک لمحاتی پیغام ہے جو روزانہ پانچ وقت مسجد سے ہو کر فضا میں نورافشانی کرتی چلی جاتی ہے۔

(1) الصف 61:8-9

ویسٹ منسٹر ایبے اور دریائے ٹیمز (لندن)





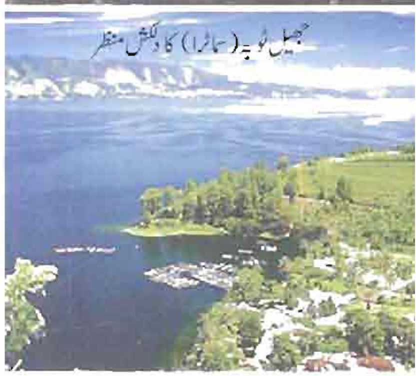


اذان مکمل دعوت الی اللہ ہے، یہ پستی سے بلندی کی طرف، اندھیرے سے روشنی کی طرف، گمراہی سے صراط مستقیم کی طرف اور باطل سے حق کی طرف بلاتی ہے۔ اسی اذان کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول سیدنا محمد ﷺ کا ذکر جمیل اتنا پائیدہ کر دیا ہے کہ یہ زمان و مکان کی تمام حدیں پار کر کے ساری دنیا میں ہر آن گونجتا رہتا ہے۔ ذرا اذان کا ایمان افروز منظر نامہ دنیا کے نقشے پر نظر دوڑا کر دیکھیے، آپ کو مشرق وسطی میں انڈونیشیا نظر آئے گا۔ انڈونیشیا بے شمار چھوٹے بڑے جزائر پر مشتمل ہے۔ جاوا، سماٹرا، بورنیو (کالمنتان)، سلاویسی اور ایریان جایا (مغربی نیوگنی) مشہور جزائر ہیں۔ یہ آبادی کے لحاظ سے سب سے بڑا اسلامی ملک ہے۔ مشرق میں جونہی ایریان جایا میں فجر ہوتی ہے، وہاں مؤذن اذان دینے لگتے ہیں..... اشہد ان لا الہ الا اللہ، اشہد ان محمد رسول اللہ۔

توحید و رسالت کا یہ مقدس نغمہ اہل ایمان کے کانوں میں رس گھولتا ہوا تقریباً ڈیڑھ گھنٹے میں انڈونیشیا کے مغربی جزائر میں پہنچتا ہے۔ ایریان جایا میں اذان مکمل ہوتی ہے تو معاً بعد سلاویسی، جاوا اور سماٹرا کے جزائر میں اذان ہونے لگتی ہے۔ اذان کا یہ ایمان افروز اعلان جاری رہتا ہے۔ جیسے ہی انڈونیشیا میں اذان فجر مکمل ہونے لگتی ہے، ساتھ ہی ملائیشیا میں اذان شروع ہو جاتی ہے۔ اگلی منزل برما (میانمار) ہے۔ جکارتہ اور ملائیشیا کے مؤذن ایک گھنٹے کے دوران اذان سے فارغ ہوتے ہیں تو بنگلہ دیش کے دارالحکومت ڈھاکہ کے مؤذن یہی لازوال اعلان شروع کر دیتے ہیں۔ ڈھاکہ کی فضا میں ابھی یہ مقدس گونج موجود ہوتی ہے کہ بھارت کے شہر کولکتہ میں اذان شروع ہو

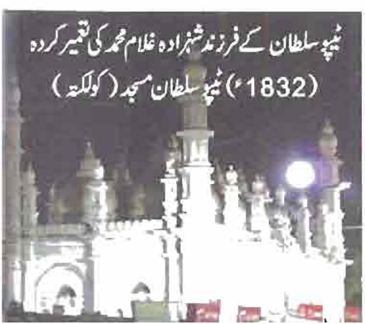
جاوا تنگاہ (انڈونیشیا) کی مسجد اگونگ



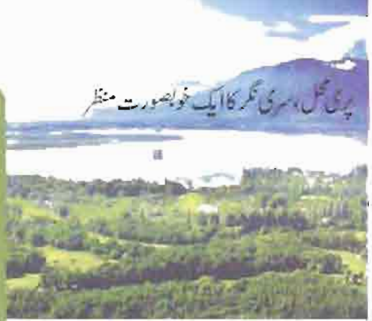


منگکو من سا (انڈونیشیا) کا تعمیراتی شکل





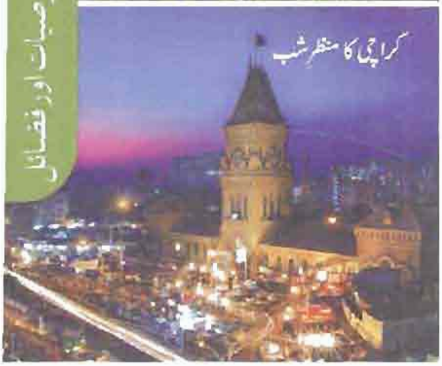




پری محل، سری نگر کا ایک خوبصورت منظر

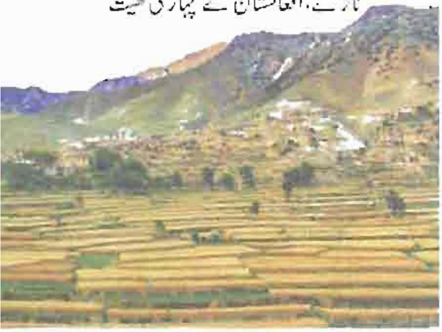
جاتی ہے۔ پھر دہلی، بھوپال اور بمبئی سے ہوتا ہوا یہ سلسلۃ الذہب سری نگر تک پہنچتا ہے اور سارے بھارت میں پھیل جاتا ہے۔

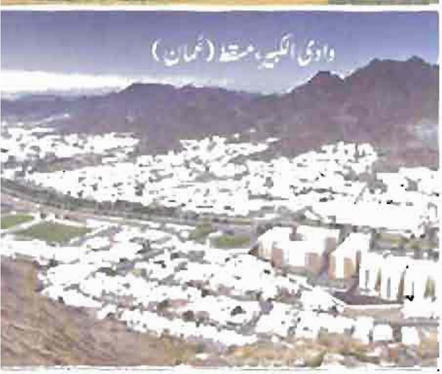
سری نگر اور سیالکوٹ میں ایک ہی وقت پر اذان ہوتی ہے، سیالکوٹ سے کراچی تک یہ سلسلۂ اذان 45 منٹ میں مکمل ہوتا ہے۔ سارے پاکستان کی ہواؤں اور فضاؤں میں 45 منٹ تک اذانیں ہوتی رہتی ہیں۔ پاکستان میں اذان فجر مکمل ہونے سے پہلے ہی افغانستان، ایران اور مسقط (عُمان) کے مؤذن جاگ جاتے ہیں اور اذان کی صدا بلند کرنے لگتے ہیں۔ مسقط سے بغداد تک ندائے اذان پہنچنے میں ایک گھنٹہ لگتا ہے۔ جبکہ اس وقت الریاض اور پھر حرمین شریفین میں مؤذنوں کی ملکوتی آواز میں اذان سنائی دینے لگتی ہے۔ دریں اثنا قطر، کویت، عرب امارات اور یمن میں بھی اذانیں ہوتی ہیں۔ بغداد سے مصر کے شہر اسکندریہ تک کا صوتی سفر بھی ایک گھنٹے میں طے ہوتا ہے۔ اس دوران اذان گونجتی رہتی ہے اور شام، مصر، صومالیہ اور سوڈان کے مؤذن اپنا فریضہ ادا کرنے کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اسکندریہ اور استنبول طول بلد کی ایک ہی پوزیشن میں ہیں۔ ترکی کے مشرقی اور مغربی شہروں میں ڈیڑھ گھنٹے کا فرق ہے۔ اس دوران میں ترکی کے سارے شہر یہ پیغام ربانی سنتے ہیں اور نماز فجر کی تیاری کرتے ہیں۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد اذان فجر لیبیا کے دارالحکومت طرابلس اور تیونس، الجزائر سے ہوتی ہوئی مغرب اقصیٰ (مراکش) تک گونجتی چلی جاتی ہے۔ اسی طرح پورے افریقہ میں اذانوں کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ یوں انڈونیشیا سے شروع ہونے والی اذانوں کا سلسلہ تقریباً ساڑھے نو گھنٹوں میں بحر اوقیانوس کے ساحلوں تک



کراچی کا منظر شب

ناڑے، افغانستان کے پہاڑی کھیت

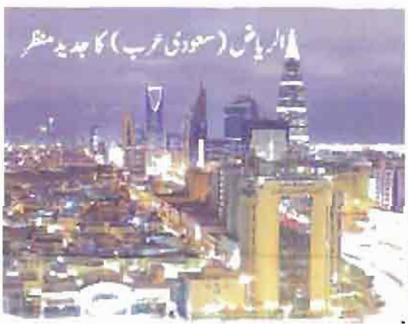




وادی الکبیر، مسقط (عُمان)

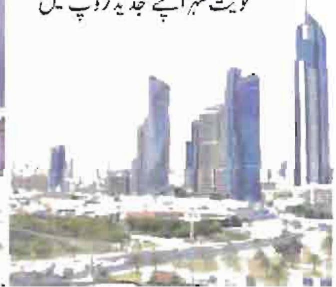
موآب مسجد، بغداد (عراق)





الریاض (سعودی عرب) کا جدید منظر

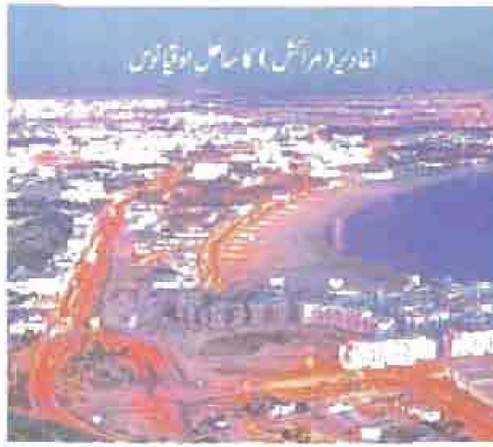
کویت شہر اپنے جدید روپ میں





چین
چین
بحیرہ جاپان
بھارت
خلیج بنگال
تھائی لینڈ
بحیرہ جنوبی چین
بحر الکاہل
ملائیشیا
انڈونیشیا
سنگاپور
جاوا
سری لنکا
آسٹریلیا
بحر ہند


بحراوقیانوس شمالی
بحیرہ روم
ترکی
ایران
عراق
مصر
لیبیا
مالی
چاڈ
یمن
بحراوقیانوس جنوبی
دنیائے اسلام



پہنچتا ہے۔ جب سواحل اوقیانوس پر اذان فجر ہوتی ہے تو انڈونیشیا کے مؤذن نماز عصر کے لیے اذان دے رہے ہوتے ہیں۔ جب ڈھاکہ میں ظہر کی اذان ہوتی ہے، اس وقت انڈونیشیا میں نماز عصر کے لیے اذان شروع ہو جاتی ہے۔ جکارتا میں نماز مغرب ہوتی ہے تو ملائیشیا میں نماز عشاء کے لیے مؤذن اشھد ان لا الٰہ الا اللہ اشھد ان محمدا رسول اللہ کا نغمۂ صداقت بلند کرتا ہے۔ جب افریقی ممالک میں عشاء کی اذان ہوتی ہے، اس وقت انڈونیشیا کے مؤذن اذان فجر دے رہے ہوتے ہیں۔



اس تفصیل سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کرۂ ارض پر کوئی لمحہ ایسا نہیں گزرتا جب ذکر الٰہی کے ساتھ ساتھ اسم محمد ﷺ کی رفعت و بلندی کا اعلان و اعادہ نہ کیا جا رہا ہو۔ چونکہ اذانوں کا یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا، یوں اللہ کی وحدانیت کے ساتھ ساتھ سید الانبیاء محمد ﷺ کی رفعت و عظمت کا اعلان بھی ہوتا رہے گا۔ ایسی شان اور یہ بلند مقام کسی اور نبی کو حاصل نہیں ہوا۔

آپ ﷺ کے عظیم الشان کارناموں، بلند مدارج و مراتب، اخلاق و کردار اور بے مثال دینی تعلیمات کو دیکھ کر عیسائی مؤلف تھامس کارلائل اپنی شہرہ آفاق کتاب "ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ" میں "محمد ﷺ" کو سر فہرست رکھنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔[1]

﴿إِنَّآ أَعۡطَيۡنَٰكَ ٱلۡكَوۡثَرَ﴾

رسول اللہ ﷺ کی یہ خصوصیت بیان کرتے ہوئے علامہ سلیمان منصور پوری لکھتے ہیں: "کوثر بروزن فوعل ہے۔ اور یہ وزن مبالغہ کے لیے آتا ہے۔ لفظ "کثرت" تو خود ہی فراوانی و افزونی کے معنی کے لیے ہے۔ جب اسے بھی بروزن مبالغہ استعمال کیا تو اس کے معنی کثرت بالائے کثرت اور فراوانی بیش از فراوانی اور افزونی بر افزونی ٹھہرے۔"

1 رحمۃ للعالمین 615/613/2

مزید فرماتے ہیں: حوض کوثر کے وجود کی تصدیق صحیحین کی حدیث ناس سے ہوتی ہے۔ لہٰذا حوض کوثر کے وجود اور عطیہ پر یقین رکھتے ہوئے تفسیر صحیح ہے کہ آیت زیب عنوان میں رب العالمین کی طرف سے انعامات لامتناہی اور عطیات غیر محدود کی آگاہی فرمائی گئی ہے۔ اس خیر کثیر کے تحت بہت سی اشیاء کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔[1]

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو کوثر عطا کیا ہے۔ کوثر سے کیا مراد ہے؟ علمائے کرام کی وضاحت ملاحظہ فرمائیں:

1 حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کوثر جنت کی ایک نہر ہے۔ کوثر مبالغے کا لفظ ہے۔ اس نہر کو کوثر اس لیے کہا گیا کہ یہ پانی سے لبریز ہے، اس پر رکھے گئے پینے کے برتن لاتعداد ہیں، اس کی قدر و منزلت عظیم ترین اور خیر و برکت بے حساب ہے۔ اس کی دلیل سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے: جب نبی کریم ﷺ نے معراج کے موقع پر آسمانوں کی سیر کی تو آپ ﷺ ایک نہر پر آئے جس کے دونوں کناروں پر خولدار موتیوں کے ڈیرے لگے ہوئے تھے۔ آپ نے پوچھا: «مَا هٰذَا يَا جِبْرِيلُ؟» ''جبریل! یہ نہر کیسی ہے؟'' انھوں نے بتایا کہ یہ کوثر ہے۔[2]

2 سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ الکوثر سے مراد خیر کثیر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کی ہے۔ جناب ابوبشر کہتے ہیں: میں نے سعید بن جبیر سے عرض کی: کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ کوثر جنت کی ایک نہر ہے۔ انھوں نے فرمایا: ''نہر اسی خیر کثیر کا حصہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کی ہے۔''[3]

3 کوثر سے مراد اسلام ہے، وہ اسلام جس کے سوا اور کوئی دین اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول و منظور ہی نہیں۔ وہی اسلام جس کا انبیائے عظام نے ہمیشہ اعلان کیا۔

4 کوثر سے مراد کثرت امت ہے۔

5 کوثر سے مراد قرآن مجید ہے۔

6 کوثر سے مراد وہ فضائل کثیرہ، محامد جمیلہ اور نعوت متکاثرہ (کثیر نعتیں) ہیں جو وجود مصطفوی ﷺ میں شامل ہیں۔

7 کوثر سے مراد سید کثیر الخیر (بے پایاں نیکیاں کرنے والے) ہیں۔

یقیناً آپ کثیر الخیر اور سید ہیں۔ آپ ہی وہ مشعل ہدایت ہیں کہ ظلمات کفر و شرک کو دور فرمایا۔ آپ ہی وہ سراج منیر ہیں کہ چشم کور سواد کو بینائے حقائق بنایا۔ آپ ہی وہ عبد کامل ہیں کہ انسانیت کو تخت سیادت پر بٹھایا۔[4]

1 رحمۃ للعالمین: 621/2. 2 صحیح البخاري: 4964. 3 صحیح البخاري: 6578. 4 خصائص المصطفیٰ، ص 66-67، رحمۃ للعالمین: 2/621-624، فیض الباری، ص 279

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو پاکدامن، اعلیٰ اخلاق وکردار کی مالک بیویاں عطا فرمائیں۔ انھیں ازواج مطہرات کہا جاتا ہے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی خانگی زندگی کی تمام معلومات امت تک نہایت ایمانداری سے پہنچائی ہیں۔ آپ کی گھریلو زندگی کی تفصیلات اور آپ کے باطنی کمالات کو امت تک منتقل کیا ہے۔ آپ کی خدمت واطاعت کا شرف حاصل کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انھیں بلند مقام، احترام اور اکرام سے نوازا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ۝ ﴾

”اور تم میں سے جو اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرے گی اور نیک عمل کرے گی تو ہم اسے اس کا اجر دوگنا دیں گے، اور اس کے لیے ہم نے باعزت رزق تیار کر رکھا ہے۔“[1]

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی ازواج کے ادب واحترام اور ان کے اکرام کے لیے انھیں مومنوں کی مائیں قرار دیا۔ فرمایا:

﴿ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ ﴾

”نبی مومنوں پر ان کی (اپنی) جانوں سے زیادہ حق رکھتے ہیں، اور نبی کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔“[2]

مومنوں کو اپنی ماؤں کا احترام سکھانے کے بعد ایک اور ادب سکھایا کہ نبی ﷺ کی وفات کے بعد آپ کی ازواج سے تمھارا نکاح کرنا منع ہے تاکہ آپ کے ادب واحترام میں کوئی کمی واقع نہ ہو۔ اگر ان سے کوئی ضروری بات کرنی ہو تو پردے میں رہ کر کرو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ۭ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ۭ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ۭ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ۝ ﴾

”اور جب تم ان (ازواج نبی) سے کوئی سامان مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو، یہ بات تمھارے دلوں اور ان کے دلوں کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے، اور تمھارے لیے یہ جائز نہیں کہ تم اللہ کے رسول کو تکلیف دو، اور نہ یہ (جائز ہے) کہ تم اس کے بعد کبھی اس کی بیویوں سے نکاح کرو، بے شک تمھارا یہ فعل اللہ کے نزدیک بہت بڑا (گناہ) ہوگا۔“[3]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی ازواج کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنت میں اعلیٰ ترین

1 الاحزاب 31:33. 2 الاحزاب 6:33. 3 الاحزاب 53:33. امہات المومنین رضی اللہ عنہن کا مفصل تذکرہ پڑھنے کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلو پیڈیا: 10/414۔518.

مقام ''الوسیلہ'' میں جمع فرمائے گا۔ یہ مقام ساری مخلوق کے مقام سے بلند تر ہوگا۔[1]

افضل امت

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد ﷺ کو بہترین امت سے نوازا۔ امت محمدیہ کی فضیلت و شان کا اظہار قیامت کے روز اس وقت بھی ہوگا جب وہ دیگر امتوں کے بارے میں گواہی دے گی اور دربار الٰہی میں عادل گواہ کی صورت میں پیش ہوگی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ﴾

''اور (جیسے تمھیں ہدایت دی) اسی طرح ہم نے تمھیں افضل امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہوں۔''[2]

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«يُجَاءُ بِنُوحٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُقَالُ لَهُ: هَلْ بَلَّغْتَ؟ فَيَقُولُ: نَعَمْ يَا رَبِّ، فَتُسْأَلُ أُمَّتُهُ: هَلْ بَلَّغَكُمْ؟ فَيَقُولُونَ: مَا جَاءَنَا مِنْ نَذِيرٍ، فَيَقُولُ: مَنْ شُهُودُكَ؟ فَيَقُولُ: مُحَمَّدٌ وَأُمَّتُهُ، فَيُجَاءُ بِكُمْ فَتَشْهَدُونَ، ثُمَّ قَرَأَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا﴾ قَالَ: عَدْلًا ﴿لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾»

''قیامت کے دن نوح علیہ السلام کو لایا جائے گا اور ان سے پوچھا جائے گا: کیا تم نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا تھا؟ وہ کہیں گے: ہاں، اے میرے رب! پھر ان کی امت سے سوال کیا جائے گا: کیا انھوں نے تمھیں اللہ کا پیغام پہنچایا تھا؟ تو وہ جواب دیں گے: ہمارے پاس تو کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: (اے نوح!) تمھارے گواہ کون ہیں؟ وہ کہیں گے: محمد ﷺ اور ان کی امت میرے گواہ ہیں، پھر تمھیں لایا جائے گا اور تم لوگ (ان کے حق میں) گواہی دو گے۔'' پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ''اسی طرح ہم نے تمھیں افضل امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر حق کی گواہی دو اور رسول تم پر گواہ ہوں۔'' وسطًا سے مراد عدلًا ہے۔''[3]

علامہ عز بن عبدالسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو عادل حکمرانوں کے قائم مقام بنایا ہے۔ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ فرمائے گا تو دیگر انبیائے کرام کی امتیں اپنے اپنے نبیوں کی تبلیغ

1 تفسیر ابن کثیر، الأحزاب 56:33، خصائص المصطفیٰ، ص: 77,76، غایۃ السول، ص: 234,233۔ 2 البقرۃ 143:2
3 صحیح البخاری، 7349

کا انکار کریں گی۔ وہ کہیں گی کہ انھیں ڈرانے کے لیے کوئی نبی نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ امت محمدیہ کو گواہی کے لیے بلائے گا۔ وہ گواہی دے گی کہ ان کے انبیاء نے انھیں دین کی دعوت دی تھی۔

آپ ﷺ کی یہ خصوصیت کسی اور نبی کو حاصل نہیں کہ اس کی امت کو بطور گواہ بلایا جائے گا۔[1]

امت محمدیہ کی ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ اس کی صفوں کی ترتیب و کیفیت فرشتوں کی صفوں جیسی ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

«فُضِّلْنَا عَلَى النَّاسِ بِثَلَاثٍ: جُعِلَتْ صُفُوفُنَا كَصُفُوفِ الْمَلَائِكَةِ...»

''ہمیں لوگوں پر تین طرح سے فضیلت دی گئی ہے: ہماری صفیں فرشتوں کی صفوں جیسی بنائی گئی ہیں....''[2]

اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو بہترین امت قرار دیا ہے کیونکہ اس امت کے لوگ معاشرے سے برائی کو مٹاتے، نیکی کو فروغ دیتے اور اللہ تعالیٰ پر محکم ایمان لاتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ﴾

''تم بہترین امت ہو جو لوگوں (کی اصلاح) کے لیے پیدا کی گئی ہے، تم نیک کاموں کا حکم دیتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو اور تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔''[3]

انھی خوبیوں کی بنا پر یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں معزز ترین امت ہوگی۔ ارشاد نبوی ہے:

«إِنَّكُمْ تُتِمُّونَ سَبْعِينَ أُمَّةً أَنْتُمْ خَيْرُهَا وَأَكْرَمُهَا عَلَى اللَّهِ»

''بلاشبہ تم ستر امتوں کی تعداد کو پورا کرو گے۔ ان میں سے تم سب سے افضل اور اللہ کے ہاں معزز ہو۔''[4]

نبی ﷺ سب سے پہلے پل صراط پار کریں گے

قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو مختلف اعزازات سے نوازے گا۔ دنیا میں سب سے آخر میں آنے والے نبی اپنی امت سمیت اس روز سب سے آگے ہوں گے۔ پل صراط کو عبور کر کے جنت میں سب سے پہلے آپ اور آپ کی امت داخل ہوگی۔ ارشاد نبوی ہے:

[illegible]

1 نهاية السول، ص: 169، خصائص المصطفى، ص: 64. 2 صحيح مسلم: 522، تخريج: هداية السول، ص: 263.
3 آل عمران 3:110 4 جامع الترمذي: 3001، تخريج: هداية السول، ص: 44,43.

فيأتيهم الله فيقول: أنا ربكم، فيقولون: أنت ربنا، فيدعوهم فيضرب الصراط بين ظهراني جهنم، فأكون أول من يجوز من الرسل بأمته، ولا يتكلم يومئذ أحد إلا الرسل، وكلام الرسل يومئذ: اللهم سلم سلم»

''قیامت کے دن جب لوگ اٹھائے جائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جو (دنیا میں) جس کی پوجا کرتا تھا، وہ اس کے پیچھے جائے، چنانچہ کوئی تو سورج کے ساتھ ہو جائے گا اور کوئی چاند کے پیچھے ہو لے گا اور کوئی بتوں اور شیاطین کے پیچھے چلے گا۔ پھر اس امت کے مسلمان باقی رہ جائیں گے جن میں منافق بھی ہوں گے۔ ان کے پاس اللہ تعالیٰ (ایک نئی صورت میں) تشریف لائے گا اور فرمائے گا: میں تمھارا رب ہوں۔ وہ کہیں گے: ہم (تجھے نہیں پہچانتے، ہم) اسی جگہ کھڑے رہیں گے۔ جب ہمارا رب ہمارے پاس آئے گا تو ہم اسے پہچان لیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کے پاس (اپنی اصلی شکل وصورت میں) جلوہ گر ہوگا اور فرمائے گا کہ میں تمھارا رب ہوں۔ وہ کہیں گے: ہاں، تو ہمارا رب ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ انھیں بلائے گا۔ اس وقت جہنم کی پشت پر پل رکھ دیا جائے گا۔ سب سے پہلے میں اپنی امت کے ساتھ اس پل سے گزروں گا۔ اس روز رسولوں کے علاوہ کسی اور کو کلام کی ہمت اور طاقت نہ ہوگی۔ اس روز رسول کہیں گے: الٰہی! سلامتی دے۔ الٰہی! سلامتی دے۔''[1]

اللہ کی طرف سے رسول کی حفاظت کا اعلان

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو دعوت توحید دینے اور اسلام کا پرچم لہرانے کا حکم دیا تو چاروں طرف سے آپ کے مخالفین آپ کے جانی دشمن بن گئے۔ ہر بے بصر اپنے آبا و اجداد کے رسوم و رواج کو بچانے کے لیے آپ ﷺ کے درپے ہو گیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی حفاظت اور مدد ونصرت کا ذمہ لیا اور آپ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ۝﴾

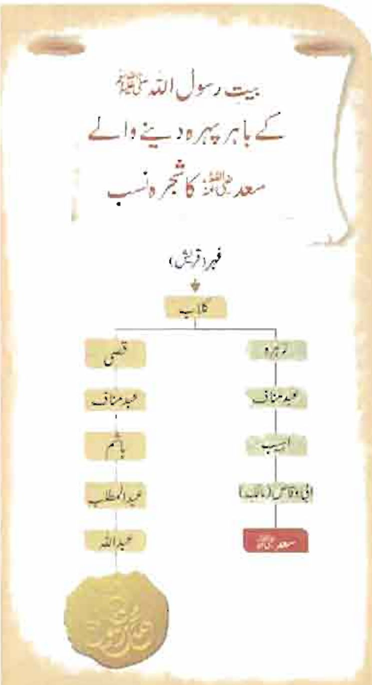
''اے رسول! آپ کے رب کی طرف سے آپ پر جو کچھ نازل کیا گیا ہے، وہ لوگوں تک پہنچا دیجیے۔ اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اس کی پیغمبری کا حق ادا نہ کیا، اور اللہ آپ کو لوگوں (کے شر) سے بچائے گا، بلاشبہ اللہ کافر قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔''[2]

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ آپ علانیہ دین حنیف کی دعوت دیں، اللہ آپ کی

1 صحيح البخاري: 806، مصاحف المصطفى، ص: 65,64. 2 المائدة 67:5

حفاظت فرمائے گا۔[1]

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: (اے نبی!) آپ میری رسالت کا پیغام پہنچائیں، میں آپ کا محافظ، مددگار اور حمایتی ہوں گا۔ میں آپ کو دشمنوں پر غلبہ عطا کروں گا۔ آپ ہرگز نہ ڈریں، نہ غم کھائیں، آپ کے دشمنوں میں سے کوئی شخص آپ کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔[2]



مذکورہ آیت کی شان نزول کے حوالے سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک رات بیداری میں گزاری۔ جب آپ مدینہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَيْتَ رَجُلًا مِنْ أَصْحَابِي صَالِحًا يَحْرُسُنِي اللَّيْلَةَ»

''کاش! میرے اصحاب میں سے کوئی نیک مرد ایسا ہو جو آج رات میرا پہرہ دے۔''

ابھی یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ ہم نے ہتھیاروں کی جھنکار سنی۔ آپ نے پوچھا: «مَنْ هٰذَا؟» ''یہ کون صاحب ہیں؟'' (آنے والے نے) عرض کی: میں سعد بن ابی وقاص ہوں۔ آپ کے لیے پہرہ دینے حاضر ہوا ہوں۔ پھر آپ سو گئے۔

دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ سو گئے یہاں تک کہ ہم نے آپ کے خراٹے لینے کی آواز سنی۔[3]

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی کریم ﷺ کی حفاظت کا اہتمام کیا جاتا تھا حتی کہ یہ آیت نازل ہوگئی:

﴿ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ﴾

''اور اللہ آپ کو لوگوں (کے شر) سے بچائے گا۔''[4]

چنانچہ آپ ﷺ نے اپنے خیمے سے چہرہ مبارک نکالا اور فرمایا:

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ انْصَرِفُوا فَقَدْ عَصَمَنِي اللّٰهُ»

''اے لوگو! تم چلے جاؤ۔ میری حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے لے لیا ہے۔''[5]

1 الجامع لأحكام القرآن: 157/16. 2 تفسير ابن كثير، المائدة 67:5. 3 صحيح البخاري: 2885 و7231. 4 المائدة 67:5. 5 جامع الترمذي: 3046.

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی حفاظت کئی طریقوں سے کی۔ مکہ کے شدید ترین دشمنوں کو آپ کے چچا ابوطالب کے ذریعے سے روکے رکھا۔ ابوطالب آپ کے چچا تھے۔ فطری محبت کے باعث وہ آپ کا دفاع کرتے رہے۔ قریش مکہ چونکہ ان کے ہم مذہب تھے، اس لیے ان کا بے حد ادب واحترام کرتے تھے۔ ابوطالب کی زندگی میں آپ ﷺ دشمنوں کے شر سے محفوظ رہے۔ جب ابوطالب فوت ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے انصار مدینہ کو اسلام کی دولت سے مالا مال کر دیا۔ انھوں نے آپ ﷺ کو مدینہ منورہ بلا کر آپ کی ہر طرح سے حفاظت کی، کسی شریر کو آپ کے پاس پھٹکنے نہیں دیا۔

یہودیوں نے آپ پر جادو کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے علاج کے لیے معوذتین نازل فرما دیں۔ خیبر کے یہودیوں نے گوشت میں زہر ملا کر آپ کی شمع زندگی بجھانے کی مذموم کوشش کی تو گوشت خود بول اٹھا کہ مجھے زہر آلود کر دیا گیا ہے، لہٰذا آپ مت کھائیے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے خود آپ ﷺ کی حفاظت فرمائی۔[1]

مدینۃ الرسول کی حفاظت

قیامت کے قریب فتنۂ دجال پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کے دونوں شہروں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کو دجال کے شر سے محفوظ رکھے گا۔ مدینہ منورہ میں دجال کے خوف کی بھی رسائی نہیں ہوگی۔ مدینہ منورہ کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ کے فرشتے مقرر ہوں گے۔ شیطان جس دروازے سے داخل ہونے کی کوشش کرے گا، فرشتے اسے مار بھگائیں گے۔ ارشاد نبوی ہے:

لیس من بلد إلا سیطؤه الدجال إلا مکة والمدینة لیس له من نقابها نقب إلا علیه

[1] تفسیر ابن کثیر، المائدۃ 5: 67

مدینہ منورہ کے وسط میں مسجد نبوی



الملائكة صافين يحرسونها، ثم ترجف المدينة بأهلها ثلاث رجفات، فيخرج الله كل كافر ومنافق»

''ہر شہر میں دجال کا گزر ہوگا مگر وہ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ میں نہیں آسکے گا کیونکہ ان کے تمام راستوں پر قطار اندر قطار فرشتے پہرا دیں گے۔ پھر مدینہ طیبہ اپنے مکینوں کو تین بار بڑے زور سے ہلائے گا اور اللہ تعالیٰ ہر کافر اور منافق کو مدینہ منورہ سے نکال دے گا۔'' [1]

مدینہ منورہ کو اللہ تعالیٰ نے فتنۂ دجال کے ساتھ ساتھ طاعون جیسے موذی و مہلک مرض سے بھی محفوظ فرمایا ہے۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:

«على أنقاب المدينة ملائكة، لا يدخلها الطاعون ولا الدجال»

''مدینہ طیبہ کے دروازوں پر فرشتے پہرہ دیں گے۔ وہاں نہ تو مرض طاعون داخل ہوگا، نہ دجال آنے پائے گا۔'' [2]

مسجد نبوی کی شان

نبی رحمت ﷺ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تو آپ نے بنونجار کی ایک جگہ مسجد بنانے کے لیے پسند فرمائی۔ بنونجار آپ کے دادا عبدالمطلب کے ننھیال تھے۔ وہ آپ کے استقبال کے لیے حاضر ہوئے۔ اس موقع پر وہ پوری طرح ہتھیاروں سے لیس تھے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کا استقبال کرنے کے بعد آپ کو چاروں طرف سے اپنے حصار میں لے لیا۔ بعدازاں وہ مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔ آپ ﷺ نے بنونجار سے فرمایا:

«يا بني النجار! ثامنوني بحائطكم هذا»

''اے بنونجار! تم مجھ سے اپنے اس باغ کی قیمت لے لو۔''

انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم اس کی قیمت صرف اللہ تعالیٰ سے لینا چاہتے ہیں۔ [3]

مگر رسول اللہ ﷺ نے اسے بغیر قیمت قبول نہیں فرمایا۔ آپ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اس کی قیمت ادا کر دو۔ انھوں نے دس دینار اپنی جیب سے ادا کر دیے۔ [4] آپ ﷺ کے حکم پر صحابہ کرام نے اس جگہ کی صفائی کی۔ اس جگہ مشرکوں کی پرانی قبریں تھیں۔ انھیں اکھاڑ کر زمین ہموار کر دی گئی۔ کھجور کے پرانے درخت کاٹ کر مسجد کے قبلہ رخ جوڑ دیے گئے۔ پھر آپ ﷺ نے بہ نفس نفیس اپنے صحابہ کرام کے ساتھ مل کر تعمیراتی کام شروع

1 صحيح البخاري: 1881. 2 صحيح البخاري: 1880، خصائص المصطفى، ص: 57. 3 صحيح البخاري: 428، صحيح مسلم: 524. 4 الطبقات لابن سعد: 239/1.

گیا، پتھروں اور گارے سے مسجد تعمیر کر دی۔ مسجد کی چھت کھجور کے پتوں کی تھی۔ یہ مدینہ منورہ کی اولین مسجد ہے۔ مٹی گارے، پتھروں اور کھجور کے تنوں سے تعمیر ہونے والی اس مسجد کو اللہ تعالیٰ نے وہ شان اور شرف عطا کیا کہ دور ونزدیک سے بے شمار فرزندان اسلام روزانہ گہری محبت وعقیدت سے یہاں آتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں اور رب ذوالجلال کی بے پایاں رحمتوں اور بخششوں سے مالا مال ہو کر واپس جاتے ہیں۔ اس مسجد میں ایک نماز پڑھنے کی اس قدر فضیلت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«صلاة في مسجدي هذا خير من ألف صلاة فيما سواه إلا المسجد الحرام»

''میری اس مسجد میں ایک نماز پڑھنا مسجد حرام کے سوا دیگر مساجد میں ایک ہزار نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔''[1]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک خاتون بیمار ہوگئی۔ اس نے نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اسے شفا دی تو وہ بیت المقدس میں جا کر نماز پڑھے گی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے صحت یاب کیا تو وہ سفر کی تیاری کر کے ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے ملنے آئی۔ اس نے سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کو اپنی نذر اور سفر کے بارے میں بتایا تو سیدہ نے اس سے کہا: اپنے گھر ہی میں ٹھہرو، زاد راہ اپنے استعمال میں لے آؤ اور (اپنی نذر پوری کرنے کے لیے) رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں نماز ادا کرلو۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

«الصلاة فيه أفضل من ألف صلاة فيما سواه من المساجد إلا مسجد الكعبة»

''مسجد نبوی میں ایک نماز مسجد حرام کے سوا تمام مسجدوں میں نماز سے ایک ہزار درجے زیادہ افضل ہے۔''[2]

رسول اللہ ﷺ کے مبارک دور میں سادگی سے بننے والی مختصر سی مسجد آج دنیا کی انتہائی خوبصورت، شاندار اور وسیع ترین مساجد میں سے ایک ہے۔ پوری دنیا سے محبان اسلام اس کی زیارت کے لیے کھنچے چلے آتے ہیں کیونکہ دعائیں قبول ہونے کی بہترین جگہ بھی اسی مسجد میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اہل جنت کی ہر خواہش اور تمنا پوری فرمائے گا۔ مسجد نبوی کے منبر رسول سے آپ کے حجرہ مبارک تک کی درمیانی جگہ جنت ہی کا باغیچہ ہے۔ اس مقدس جگہ مانگی جانے والی دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«ما بين بيتي ومنبري روضة من رياض الجنة ومنبري على حوضي»

''میرے گھر اور منبر کا درمیانی مقام جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور (قیامت کے دن) میرا منبر میرے حوض پر ہوگا۔''[3]

1 صحيح البخاري: 1190، 2 صحيح مسلم: 1396، 3 صحيح البخاري: 1196

جب رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں جنت کی بہاریں میسر ہوں تو اہل ایمان کیوں نہ جوق در جوق مسجد نبوی کا رخ کریں اور جنت کے باغیچے میں بیٹھ کر منہ مانگی مرادیں پائیں۔ یقیناً بڑے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنھیں یہ موقع اور جنتی باغ کی زیارت کا شرف نصیب ہو جائے اور وہ اپنے خالق و مالک سے بے پایاں نعمتیں اور رحمتیں حاصل کر لیں۔[1]

مسلمان ساتھی

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا۔ انھیں اعزاز و اکرام سے نوازا۔ شیطان حسد کے مارے جل بھن گیا۔ آدم علیہ السلام اور اس کی اولاد کا دشمن بن گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے دربار سے نکال دیا اور اپنی رحمت سے محروم کر دیا۔ اس نے اللہ تعالیٰ سے تا قیامت مہلت مانگی اور اولادِ آدم کو بہکانے، بھٹکانے اور گمراہ کرنے کا اعلان کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے یہ مہلت دے دی۔ اولادِ آدم کے امتحان کے لیے ہر شخص کے ساتھ ایک شیطان لگا ہوا ہے، جو اس کے شر اور فتنوں سے بچ گیا اور امتحان میں کامیاب ہو گیا، اسے انعام میں جنت ملے گی۔ اور جو شخص اس کے بہکاوے میں آ کر اس کا ہمنوا بن گیا، وہ ناکام و نامراد ہو گیا۔ یہ امتحان ہر شخص کا ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

«ما منكم من أحد إلا وقد وكل به قرينه من الجن»

”تم میں سے ہر شخص کے ساتھ اس کا ساتھی جن (شیطان) مقرر کیا گیا ہے۔“

رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے یہ اعزاز و اکرام عطا کیا کہ آپ کا یہ ساتھی جن مسلمان ہو گیا۔ لہٰذا وہ آپ کو خیر و بھلائی ہی کی طرف لے جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دو ساتھی مقرر کیے تھے۔ ایک جن اور دوسرا فرشتہ۔ دونوں ہی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آپ کے معاون اور مددگار بن گئے۔[2]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک رات رسول اللہ ﷺ میرے حجرے سے باہر تشریف لے گئے۔ مجھے اس بات پر غصہ آ گیا۔ جب آپ واپس آئے تو میرے چہرے سے (میرا غصہ) بھانپ گئے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ”تمھیں کیا ہوا؟ اے عائشہ! کیا تمھیں غصہ آ گیا ہے؟“ میں نے عرض کی: میرے جیسی عورت آپ جیسے (عظیم شوہر کی جدائی) پر غصہ نہ کرے تو کیا کرے؟ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «أقد جاءك شيطانك؟» ”کیا تمھارے پاس تمھارا شیطان آ گیا تھا (جس نے تمھیں بہکایا ہے)؟“

میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا میرے ساتھ بھی شیطان مقرر ہے؟ آپ نے فرمایا: ”ہاں۔“

[1] دیکھیے: صحيح البخاري: 428، خصائص المصطفى، ص: 58. مسجد نبوی کی تفصیلات جاننے کے لیے ملاحظہ کریں: سیرت انسائیکلوپیڈیا 4/344-422. [2] صحيح مسلم: 2814.

میں نے پھر پوچھا: کیا ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان مقرر ہے؟ آپ نے جواب دیا: ''ہاں۔'' میں نے پوچھا: کیا آپ کے ساتھ بھی شیطان مقرر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

نعم، ولكن ربي أعانني عليه حتى أسلم

''ہاں، لیکن میرے رب نے اس کے خلاف میری مدد فرمائی تو وہ مسلمان ہوگیا۔''[1]

صحیح مسلم ہی کی ایک دوسری روایت میں ہے:

ولكن الله أعانني عليه فأسلم فلا يأمرني إلا بخير

''اور میرے ساتھ بھی (شیطان) مقرر ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے خلاف میری مدد کی تو وہ مسلمان ہوگیا۔ لہٰذا وہ مجھے صرف خیر و بھلائی ہی کا حکم دیتا ہے۔''[2]

امام نووی ؒ فرماتے ہیں: لفظ ''اسلم'' کو دو طرح پڑھا گیا ہے۔ اگر اسلم کی میم پر پیش پڑھیں تو اس کے معنی ہوں گے: ''میں اس کے شر اور فتنے سے محفوظ ہوں۔'' اور جن علماء نے اسلم کی میم پر فتحہ پڑھا ہے، ان کے نزدیک معنی یہ ہوں گے: ''وہ جن مسلمان ہوگیا ہے، اس لیے وہ مجھے صرف بھلائی اور نیکی کا حکم دیتا ہے۔''

علامہ خطابی فرماتے ہیں: صحیح روایت ضمہ، یعنی پیش والی ہی ہے۔ جبکہ قاضی عیاض نے فتحہ یعنی زبر والی روایت کو راجح قرار دیا ہے کیونکہ روایت کے آخری الفاظ اس کی تائید کرتے ہیں کہ ''وہ مجھے صرف نیکی ہی کا حکم دیتا ہے۔''

قاضی عیاض ؒ فرماتے ہیں: خوب جان لو کہ امت محمدیہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نبی کریم ﷺ کا جسم مبارک، آپ کا دل اور زبان جیسے اعضاء شیطانی حملوں سے محفوظ ہیں۔

اور اس فرمان نبوی میں مومنوں کو تاکید کی گئی ہے کہ وہ شیطانی وسوسوں اور بہکاووں سے بچ کر رہیں۔ آپ ﷺ نے ہمیں متنبہ کیا ہے کہ ہم حسب استطاعت شیطان سے بچیں۔[3]

زیارت نبوی

رسول اللہ ﷺ کی زیارت عظیم ترین نعمت ہے۔ صحابۂ کرام دن رات اس نعمت عظمیٰ سے مستفید ہوتے تھے۔ وہ اپنا ایمان تازہ کرنے اور اپنے جذبۂ عقیدت و محبت کو جلا بخشنے کے لیے فوراً آپ کی خدمت میں پہنچ جاتے تھے۔ اگر تھوڑی دیر بھی آپ ﷺ سے جدائی ہوتی تو اداس ہو جاتے تھے اور فوراً آپ کی تلاش میں نکل پڑتے تھے۔ جونہی آپ کا درخشاں چہرۂ مبارک نظر آتا، ان کے دلوں کو سکون مل جاتا تھا۔ اس زیارت کی زبردست قدر و قیمت خود

1 صحیح مسلم: 2815 2 صحیح مسلم: 2814 3 شرح صحیح مسلم للنووی: 195/9

رحمت عالم ﷺ نے یوں بیان فرمائی ہے:

[illegible]

"اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! تم میں سے کسی شخص پر ایک دن ایسا آئے گا کہ وہ مجھے دیکھ نہیں سکے گا۔ پھر اگر وہ مجھے دیکھ سکے (اس کے لیے زیارت ممکن ہو تو) اسے میری زیارت اپنے سارے اہل و عیال اور مال سے بڑھ کر محبوب ہوں۔"[1]

اب جبکہ آپ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے ہیں، آپ کی زیارت کیسے ممکن ہوگی؟ ارشاد ہوتا ہے:

[illegible]

"نبوت میں سے اب صرف مبشرات باقی رہ گئے ہیں۔" صحابہ کرام نے پوچھا: مبشرات سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا: "(مبشرات) اچھے خواب ہیں۔"[2]

نیک اور اچھے خواب مومن کے لیے خوش خبری ہیں۔ اس سے بڑھ کر کیا خوشخبری اور کیا ہوگی کہ کسی مومن کو خواب میں رحمت عالم ﷺ کی زیارت نصیب ہو جائے۔ شیطان کو اللہ تعالیٰ نے یہ صلاحیت دی ہے کہ وہ مختلف روپ بہروپ بھر سکتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو یہ خصوصیت عطا فرمائی کہ شیطان آپ کی شکل و صورت اختیار نہیں کر سکتا۔ اس لیے آپ ﷺ نے امت کو یہ خوشخبری دی:

[illegible]

"جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے یقیناً مجھ ہی کو دیکھا ہے، کیونکہ شیطان میری صورت میں نہیں آسکتا۔ اور جو جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھے، وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے۔"[3]

لہٰذا وہ لوگ بہت خوش نصیب ہیں جنھیں خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل ہو جائے۔ لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ خواب دیکھنے والے شخص نے احادیث مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ کا حلیہ مبارک خوب اچھی طرح پڑھ رکھا ہو اور اسے آپ کے اصل حلیہ مبارک ہی میں زیارت ہو۔ ایسا نہ ہو کہ شیطان کسی اور شخص کی شکل اختیار کر کے دھوکہ دے جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بات جاننا بھی از حد ضروری ہے کہ صرف داڑھی اور شہرت

[1] صحیح مسلم: 2364 [2] صحیح البخاری: 6990 [3] صحیح ... 110

کے حصول کے لیے آپ کی زیارت کا دعویٰ کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ ایسے شخص کو آپ نے جہنمی قرار دیا ہے، جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث میں بیان ہوا ہے۔[1]

مبارک پسینہ

گرم موسم میں انسانی جسم کے ہزاروں مسام کھل جاتے ہیں۔ ان سے پسینہ اور فالتو مادے خارج ہوتے ہیں۔ پسینے کی بو ناگوار ہوتی ہے۔ لیکن جزیرۂ عرب کے شدید گرم موسم میں رحمت عالم ﷺ کے جسد اطہر سے جو پسینہ نکلتا تھا، وہ نہایت بابرکت اور خوشبودار ہوتا تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے نبی کے لیے خاص انعام تھا۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ ہمارے گھر تشریف لائے، آپ نے دوپہر کو آرام (قیلولہ) کیا۔ اس دوران میں آپ کے جسم مبارک سے پسینہ نکلنے لگا۔ میری والدہ ایک شیشی لے آئیں۔ وہ آپ ﷺ کے پسینے کے قطرے شیشی میں سمیٹنے لگیں۔ نبی کریم ﷺ جاگ گئے۔ آپ ﷺ نے پوچھا:

«يَا أُمَّ سُلَيْمٍ! مَا هٰذَا الَّذِي تَصْنَعِينَ؟»

''اے ام سلیم! یہ کیا کر رہی ہو؟''

ام سلیم رضی اللہ عنہا نے عرض کی: یہ آپ کا (مبارک) پسینہ ہے۔ ہم اسے اپنی خوشبو میں ملا لیتے ہیں تو وہ ہماری سب خوشبوؤں سے بڑھ کر اعلیٰ خوشبو بن جاتی ہے۔

صحیح مسلم کی دوسری روایت میں ہے کہ سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے عرض کی: ہم برکت کے لیے آپ کا (مبارک) پسینہ اپنے بچوں کو دے دیتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «أَصَبْتِ» ''تم نے ٹھیک کیا ہے۔''[2]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے مبارک اور مہک آفریں پسینے کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ سرخ و سپید تھے۔ آپ کا پسینہ موتیوں کی طرح شفاف اور چمکدار تھا۔ آپ اپنی منزل مقصود کی طرف قدرے جھک کر چلتے تھے۔ میں نے نہ ایسا کوئی ریشم و حریر نہیں چھوا جو آپ کے دست مبارک سے زیادہ نرم و ملائم ہو۔ اور نہ کوئی ایسا مشک و عنبر سونگھا ہے جو رسول اللہ ﷺ کی مہک سے بڑھ کر خوشبودار ہو۔[3]

شفاعت کے وسیع تر حقوق

قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اپنے نبی محمد ﷺ کو شفاعت کرنے کے وسیع اختیارات عطا فرمائے گا۔ اس سے

1 دیکھیے: خصائص المصطفیٰ، ص: 72. 2 صحیح مسلم: 2331. 3 صحیح مسلم: 2330، خصائص المصطفیٰ، ص: 76,75

آپ کی بلند شان اور عظیم مقام و مرتبے کا اظہار ہوگا۔ آپ مختلف لوگوں کی سفارش کریں گے۔ ارشاد نبوی ہے:

«أتاني آت من عند ربي فخيرني بين أن يدخل نصف أمتي الجنة وبين الشفاعة، فاخترت الشفاعة، وهي لمن مات لا يشرك بالله شيئا»

''میرے پاس میرے رب کا پیغام لانے والا (فرشتہ) آیا۔ (اللہ تعالیٰ نے) مجھے اختیار دیا کہ وہ میری نصف امت کو جنت میں داخل فرمائے گا یا میں شفاعت کا حق لے لوں۔ تو میں نے شفاعت کو اختیار کیا۔ میری شفاعت ہر اس شخص کو ملے گی جو اس حالت میں مرا کہ اس نے اللہ کے ساتھ مطلق شرک نہ کیا ہوگا۔''[1]

سنن ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ صحابۂ کرام نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان خوش نصیبوں میں شامل فرمائے جنھیں آپ کی شفاعت نصیب ہوگی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «هي لكل مسلم» ''وہ ہر مسلمان کو ملے گی۔''[2]

مذکورہ بالا جامع ترمذی کی روایت سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی سفارش ہر اس مسلمان کو نصیب ہوگی جو توحید پرست ہوگا اور اسی حالت میں اس کی موت واقع ہوئی ہوگی۔ مشرک اس سے محروم ہو جائے گا۔

قیامت کے دن سید الانبیاء محمد ﷺ تمام انبیائے کرام کی قیادت کریں گے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں:

«إذا كان يوم القيامة كنت إمام النبيين وخطيبهم وصاحب شفاعتهم غير فخر»

''قیامت کے دن میں انبیاء کا امام، ان کا خطیب اور ان کے لیے سفارش کرنے والا ہوں گا۔ میں یہ بات بغیر فخر کے کہہ رہا ہوں۔''[3]

آپ کی شفاعت کی کئی صورتیں ہوں گی۔ آئیے اس کی کچھ تفصیل پڑھتے ہیں:

1 شفاعت عظمیٰ: اسے شفاعت کبریٰ بھی کہتے ہیں۔ جب ساری امتیں میدان محشر میں جمع ہوں گی۔ لوگ شدید خوف و ہراس کا شکار ہوں گے۔ حساب کا سلسلہ شروع نہ ہونے کی وجہ سے ہر شخص سخت تکلیف میں ہوگا۔ سب لوگ جمع ہو کر آدم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے کہ آپ سب انسانوں کے والد گرامی ہیں۔ آپ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہماری سفارش کریں تاکہ ہمارا حساب شروع ہو اور ہم اس اذیت ناک مرحلے سے نجات پائیں۔ مگر وہ معذرت کر دیں گے۔ پھر لوگ دیگر اولوالعزم رسولوں کے پاس جائیں گے مگر سبھی معذرت خواہ ہوں گے۔ بالآخر لوگ خاتم الرسل ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔ آپ لوگوں کی التجا سن کر سفارش کے لیے چل

1 سنن ابن ماجہ، 4317. 2 جامع الترمذی، 2441. 3 سنن ابن ماجہ، 4314.

پڑیں گے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ''پھر میں اپنے رب کو دیکھتے ہی سجدہ ریز ہو جاؤں گا اور جب تک اللہ چاہے گا، میں سجدے میں رہوں گا۔ پھر مجھ سے کہا جائے گا: اپنا سر اٹھاؤ اور جو چاہو مانگو، تمھیں دیا جائے گا۔ جو چاہو کہو، تمھاری بات سنی جائے گی۔ سفارش کرو، تمھاری سفارش قبول کی جائے گی۔ اس وقت میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور جیسے اللہ تعالیٰ نے مجھے تعلیم دی ہو گی، ویسے ہی اس کی حمد و ثنا بجا لاؤں گا۔ پھر میں سفارش کروں گا تو میرے لیے ایک حد مقرر کر دی جائے گی۔ میں انھیں جنت میں داخل کرا آؤں گا۔ پھر دوبارہ اللہ کے حضور آؤں گا تو اپنے رب کو پہلے کی طرح دیکھوں گا اور سفارش کروں گا۔ اس مرتبہ پھر میرے لیے ایک حد مقرر کر دی جائے گی۔ میں انھیں جنت میں داخل کرا آؤں گا۔ پھر تیسری مرتبہ کے بعد جب میں چوتھی مرتبہ واپس آؤں گا تو عرض کروں گا کہ اب جہنم میں ان لوگوں کے علاوہ اور کوئی باقی نہیں رہا جن کا قرآن نے ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہنا ضروری قرار دے دیا ہے۔''[1]

2 جنت میں داخلے کی سفارش: قیامت کے روز آپ ہی کی سفارش سے جنت کا دروازہ کھلے گا اور آپ اپنی امت کو جنت میں داخل کریں گے۔ آپ سے پہلے کسی کے لیے جنت کا دروازہ نہیں کھلے گا۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«أَنَا أَوَّلُ النَّاسِ يَشْفَعُ فِي الْجَنَّةِ، وَأَنَا أَكْثَرُ الْأَنْبِيَاءِ تَبَعًا»

''جنت (کا دروازہ کھلوانے) کے لیے سب سے پہلے میں سفارش کروں گا۔ اور میرے امتی دیگر نبیوں کی امتوں سے زیادہ ہوں گے۔''[2]

اللہ تعالیٰ اپنے نبی محمد ﷺ کو قیامت کے دن بڑی نرالی شان عطا فرمائے گا۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''آخر کار میں خود آگے بڑھوں گا اور عرش کے نیچے پہنچ کر اپنے رب کے حضور سجدے میں گر جاؤں گا۔ پھر اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنے تعریفی کلمات اور حسنِ ثنا کے دروازے کھول دے گا جو اس نے مجھ سے پہلے اور کسی پر ظاہر نہیں کیے تھے۔ پھر کہا جائے گا: اے محمد! اپنا سر اٹھائیں اور سوال کریں، آپ کو عطا کیا جائے گا۔ آپ سفارش کریں، آپ کی سفارش قبول کی جائے گی۔ چنانچہ میں اپنا سر اٹھا کر عرض کروں گا: اے میرے رب! میری امت کو معاف کر دے۔ اے پروردگار! میری امت پر رحم کر۔ کہا جائے گا: اے محمد! اپنی امت کے

1 صحیح البخاري، 4476، 2 صحیح مسلم، 196.

ان لوگوں کو جن پر کوئی حساب نہیں، جنت کے دائیں دروازے سے داخل کریں۔ ویسے انھیں اختیار ہے کہ وہ دوسرے لوگوں کے ساتھ جس دروازے سے چاہیں داخل ہوسکتے ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! جنت کے دروازے کے دونوں کناروں کا اتنا فاصلہ ہے جتنا مکہ اور حمیر یا مکہ اور بصریٰ میں ہے۔''[1]

جنت میں سب سے پہلے داخل ہونے والوں کے ساتھ ستر ہزار خوش نصیب ایسے ہوں گے جو بغیر حساب داخل ہوں گے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِي زُمْرَةٌ هُمْ سَبْعُونَ أَلْفًا تُضِيءُ وُجُوهُهُمْ إِضَاءَةَ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ»

''میری امت سے ایک گروہ جنت میں داخل ہوگا جن کی تعداد ستر ہزار ہوگی، ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن ہوں گے۔''[2]

3 کبائر کے مرتکب لوگوں کی شفاعت: جن لوگوں نے دنیا میں رہتے ہوئے کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کیا اور توبہ کیے بغیر مرگئے تو ان کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق ہوگا۔ وہ انھیں اپنی رحمت سے معاف فرما کر جنت میں داخل کردے یا ان کے گناہوں کی سزا دینے کے لیے انھیں جہنم رسید کردے۔ اس کی مرضی ہے۔ البتہ کافر اور مشرک کے لیے مغفرت نہیں ہوگی۔ گناہگار توحید پرست لوگ اپنی پوری سزا بھگت کر ایک دن جنت میں داخل ہوجائیں گے۔ ایسے ہی خطا کاروں کے لیے نبی رحمت کی شفاعت بھی ہوگی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے ان کی سزا ختم کردی جائے گی اور انھیں جنت نصیب ہوگی۔ ارشاد نبوی ہے:

«فَأَحْمَدُ رَبِّي بِمَحَامِدَ يُعَلِّمُنِي، ثُمَّ أَشْفَعُ فَيَحُدُّ لِي حَدًّا، ثُمَّ أُخْرِجُهُمْ مِنَ النَّارِ، وَأُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ، ثُمَّ أَعُودُ فَأَقَعُ سَاجِدًا مِثْلَهُ فِي الثَّالِثَةِ، أَوِ الرَّابِعَةِ، حَتَّى مَا بَقِيَ فِي النَّارِ إِلَّا مَنْ حَبَسَهُ الْقُرْآنُ»

''میں اپنے رب کی ایسی حمد وثنا کروں گا جس کی اللہ تعالیٰ نے مجھے تعلیم دی ہوگی۔ پھر سفارش کروں گا تو میرے لیے ایک حد مقرر کردی جائے گی، پھر میں لوگوں کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کردوں گا، پھر میں اللہ کے حضور جاؤں گا اور سجدے میں گر جاؤں گا، پھر تیسری یا چوتھی بار اسی طرح سجدے میں گر جاؤں گا حتی کہ جہنم میں وہی لوگ رہ جائیں گے جنھیں قرآن نے روک لیا ہوگا۔''[3]

[1] صحیح البخاري 4712، [2] صحیح البخاري 6542، [3] صحیح البخاري 6565.

سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"يخرج قوم من النار بشفاعة محمد ﷺ فيدخلون الجنة يسمون الجهنميين"

''جہنم سے ایک قوم کو محمد ﷺ کی سفارش سے نکالا جائے گا اور وہ جنت میں داخل ہوں گے تو انھیں جہنمی کے نام سے پکارا جائے گا۔''[1]

رحمت عالم ﷺ کی سفارش سے خطاکار جہنم کی سختیوں اور دردناک عذاب سے نجات پائیں گے۔ آپ کی شفاعت سے گناہگار بخشے جائیں گے اور جنت کی بہاروں سے لطف اندوز ہوں گے۔ اس طرح رحمۃ للعالمین ﷺ دونوں جہانوں میں اپنی امت کے لیے سراپا رحمت ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"شفاعتي يوم القيامة لأهل الكبائر من أمتي"

''قیامت کے دن میں اپنی امت کے ان لوگوں کی سفارش کروں گا جو کبیرہ گناہوں کے مرتکب ہوئے ہوں گے۔''[2]

آپ ﷺ کی شفاعت سے گناہگاروں کو جہنم سے مرحلہ وار آزادی ملے گی۔ پہلے وہ آزاد ہوں گے جن کے دل میں جَو کے دانے کے برابر ایمان ہوگا۔ پھر آپ دوبارہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہو کر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کریں گے۔ آپ کو دوبارہ شفاعت کی اجازت ہوگی تو آپ ان لوگوں کو نکال لائیں گے جن کے دل میں رائی کے دانے کے برابر ایمان ہوگا۔ تیسری بار آپ طویل سجدہ کریں گے، اپنے رب کی تعریفات بیان کریں گے۔ آپ کو مزید گناہگاروں کو رہا کرنے کی اجازت ملے گی تو آپ ان لوگوں کو نکال لیں گے جن کے دلوں میں رائی سے بھی کم ایمان موجود ہوگا۔

غذائیت بخش دانہ ہے جو



ارشاد نبوی ہے:

''اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جاؤ اور ان لوگوں کو دوزخ سے نکال لاؤ جن کے دلوں میں ذرہ یا رائی برابر بھی ایمان ہے۔ چنانچہ میں جاؤں گا اور تعمیل حکم کروں گا۔ میں پھر واپس آؤں گا اور تعریفی کلمات سے اللہ کی حمد وثنا کروں گا اور اللہ کے حضور سجدے میں گر جاؤں گا۔ پھر مجھ سے کہا جائے گا: اپنا سر

[1] صحیح البخاري: 6566. [2] سنن ابن ماجہ: 4310.

اٹھاؤ، کہو، آپ کی بات سنی جائے گی، سوال کرو، آپ کا مطلوب دیا جائے گا۔ سفارش کرو، تمھاری سفارش قبول کی جائے گی۔ میں عرض کروں گا: اے میرے رب! میری امت، میری امت! مجھ سے کہا جائے گا کہ جاؤ اور ان لوگوں کو دوزخ سے نکال لاؤ جن کے دلوں میں رائی کے دانے سے بھی کم بلکہ کمتر ایمان ہو۔ میں جاؤں گا اور تعمیل حکم کروں گا۔''[1]

جب اتنے کمزور ایمان والے نکال لیے جائیں گے تو آپ چوتھی بار سجدہ کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے مزید گناہگاروں کی سفارش کریں گے۔ آپ فرمائیں گے:

«يا رب! ائذن لي فيمن قال: لا إله إلا الله، فيقول: وعزتي وجلالي وكبريائي وعظمتي لأخرجن منها من قال: لا إله إلا الله»

''اے رب! مجھے ان لوگوں کو بھی جہنم سے نکالنے کی اجازت دے جنھوں نے صرف لا إله إلا الله ہی کہا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میری عزت، میرے جلال، میری کبریائی اور میری عظمت کی قسم! میں دوزخ سے ان لوگوں کو بھی نکالوں گا جنھوں نے صرف لا إله إلا الله کہا ہے۔''[2]

اس طرح جہنم میں کوئی ایسا شخص باقی نہیں رہے گا جس نے زندگی میں خلوص دل سے اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار کیا ہوگا اور پھر اسی پختہ اعتقاد پر فوت ہوا ہوگا۔ ارشاد نبوی ہے:

«لقنوا موتاكم لا إله إلا الله، فإنه من كان آخر كلمته لا إله إلا الله عند الموت دخل الجنة يوما من الدهر وإن أصابه قبل ذلك ما أصابه»

''اپنے لب مرگ لوگوں کو لا الٰہ الا اللہ پڑھنے کی تلقین کرو کیونکہ جس شخص نے موت کے وقت آخری بات لا الٰہ الا اللہ پڑھ کر کی، وہ کبھی نہ کبھی جنت میں داخل ہو جائے گا، خواہ اس سے پہلے وہ کتنا ہی عذاب بھگت چکا ہو۔''[3]

آپ کی یہ سفارش امت پر آپ کا عظیم ترین احسان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ہر نبی کو ایک یقینی طور پر قبول ہونے والی دعا مانگنے کا اختیار دیا تھا۔ نبیٔ رحمت ﷺ نے اپنا یہ اختیار آخرت میں اپنی امت کے گناہ گاروں کی سفارش کے لیے محفوظ کر رکھا ہے۔

ارشاد نبوی ہے:

[1] صحيح البخاري: 7510، [2] صحيح البخاري: 7510، [3] مسند أحمد: 170/2، صحيح مسلم: 917

لكل نبي دعوة مستجابة، فتعجل كل نبي دعوته، وإني اختبأت دعوتي شفاعة لأمتي يوم القيامة، فهي نائلة إن شاء الله من مات من أمتي لا يشرك بالله شيئا

''ہر نبی کو ایک دعا خاص طور پر قبول کرانے کا حق دیا گیا۔ ہر نبی نے اپنی دعا مانگنے میں جلدی کی (اور دنیا ہی میں مانگ لی) بے شک میں نے اپنی دعا اپنی امت کی قیامت کے روز سفارش کے لیے محفوظ کر لی ہے۔ وہ ان شاء اللہ میری امت کے ہر اس شخص کو ملے گی جو اس حالت میں مرا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ذرہ برابر بھی شرک نہ کیا ہوگا۔''[1]

یا رب العالمین! اپنے نبی پر اپنی لاتعداد رحمتیں نچھاور فرما اور ہمیں ان کی شفاعت سے بہرہ مند فرما۔ آمین!

4 **عذاب میں تخفیف کی شفاعت:** رسول اللہ ﷺ کے چچا ابوطالب آپ سے بڑی محبت کرتے تھے۔ آپ کی حفاظت اور حمایت میں انھوں نے بڑی تکلیفیں اٹھائیں مگر بدقسمتی سے آخری لمحات تک رسول اللہ ﷺ کی دلی تمنا اور اصرار کے باوجود انھوں نے اسلام قبول نہ کیا، اس لیے ان کا انجام بھی دیگر غیر مسلموں کی طرح ہوگا۔ ایک بار سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: آپ اپنے چچا کے کس کام آئے جبکہ وہ آپ کی حمایت کرتے تھے اور آپ کے مخالفوں پر غضبناک ہو جاتے تھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

هو في ضحضاح من نار، ولولا أنا لكان في الدرك الأسفل من النار

''وہ صرف ٹخنوں تک آگ میں ہیں۔ اگر میں نہ ہوتا تو وہ آگ کی تہ میں بالکل نیچے ہوتے۔''[2]

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

لعله تنفعه شفاعتي يوم القيامة فيجعل في ضحضاح من نار يبلغ كعبيه يغلي منه دماغه

''امید ہے کہ قیامت کے دن میری شفاعت ان کے کام آ جائے گی اور انھیں جہنم کے اوپری حصے میں رکھا جائے گا۔ آگ ان کے ٹخنوں تک پہنچے گی جس سے ان کا دماغ کھولے گا۔''[3]

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ابوطالب آپ کی حمایت اور مدد کیا کرتا تھا، کیا اس کی یہ نیکیاں اسے نفع دیں گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

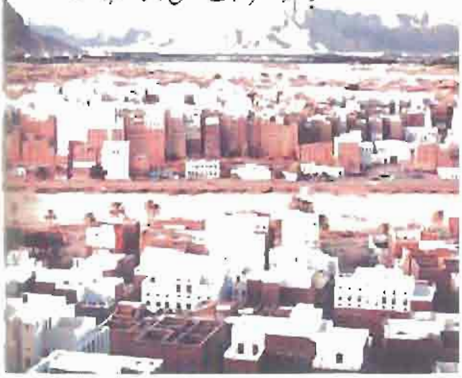
نعم، وجدته في غمرات من النار فأخرجته إلى ضحضاح

1 صحيح مسلم، 199، صحيح البخاري، 6304. 2 صحيح البخاري، 3883. 3 صحيح البخاري، 3885، صحيح مسلم، 210.

’’ہاں، میں نے انھیں جہنم کی گہرائی میں دیکھا تو میں انھیں جہنم کے اوپری حصے تک نکال لایا۔‘‘ [1]

5 **اہل مدینہ کے لیے شفاعت:** مدینہ منورہ رسول اللہ ﷺ کا محبوب شہر ہے۔ آپ کو اس شہر اور اس کے باشندوں سے بے حد محبت تھی۔ آپ نے مدینہ منورہ اور اہل مدینہ کے لیے خوب دعائیں کیں۔ آپ ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے یہ علاقہ بیماریوں اور وباؤں کی آماجگاہ تھا جو اب صحت افزا بن گیا۔ دیگر شہروں کی نسبت یہاں وسائل معاش محدود تھے۔ اس لیے لوگوں کا دیگر علاقوں کی طرف رجحان و میلان ایک فطری بات تھی۔ آپ نے لوگوں کو مدینہ منورہ میں رہائش رکھنے کی ترغیب دی۔ اہل مدینہ کے مال و عیال میں مکہ مکرمہ سے دگنی برکت کی دعا فرمائی۔ اس کے باوجود آپ نے پیش گوئی فرمائی کہ لوگ دوسرے شہروں کو چلے جائیں گے۔ دیگر علاقوں کی ترقی اور مادی وسائل کی فراوانی انھیں کھینچ لے گی جبکہ مدینہ منورہ میں رہنا ان کے لیے بہت بہتر ہوگا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

شبام (حضر موت، یمن) کا منظر



بغداد (عراق) کا شہری منظر



’’يُفْتَحُ الْيَمَنُ، فَيَأْتِي قَوْمٌ يُبِسُّونَ، فَيَتَحَمَّلُونَ بِأَهْلِيهِمْ
وَمَنْ أَطَاعَهُمْ، وَالْمَدِينَةُ خَيْرٌ لَهُمْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ،
وَيُفْتَحُ الشَّامُ، فَيَأْتِي قَوْمٌ يُبِسُّونَ، فَيَتَحَمَّلُونَ بِأَهْلِيهِمْ
وَمَنْ أَطَاعَهُمْ، وَالْمَدِينَةُ خَيْرٌ لَهُمْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ،
وَيُفْتَحُ الْعِرَاقُ، فَيَأْتِي قَوْمٌ يُبِسُّونَ، فَيَتَحَمَّلُونَ بِأَهْلِيهِمْ
وَمَنْ أَطَاعَهُمْ، وَالْمَدِينَةُ خَيْرٌ لَهُمْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ‘‘



’’(جب) یمن فتح ہوگا تو کچھ لوگ اپنے اونٹوں کو ہانکتے ہوئے آئیں گے۔ وہ اپنے اہل خانہ کو اور جو ان کا کہا مانیں گے، انھیں سوار کر کے مدینہ طیبہ سے لے جائیں گے، حالانکہ اگر وہ جان لیں تو مدینہ طیبہ ان کے لیے بہتر ہوگا۔ اور (جب) شام فتح ہوگا تو بھی ایک جماعت اپنے اونٹ ہانکتی ہوئی آئے گی، اپنے اہل و عیال

1 صحیح مسلم، 209.

اور ان کی تابعداری کرنے والوں کو لاد کر لے جائے گی۔ کاش! انھیں معلوم ہوتا کہ مدینہ ہی ان کے لیے بہتر ہے۔ (اسی طرح) عراق فتح ہوگا تو بھی کچھ لوگ اپنے جانور ہانکتے ہوئے آئیں گے، مدینہ سے اپنے گھر والوں اور متعلقین کو نکال کر لے جائیں گے۔ کاش! وہ جانتے کہ مدینہ ہی ان کے لیے بہتر تھا۔''[1]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لوگ دنیا کی زیب و زینت اور مال و متاع کے لیے اپنے خاندانوں کو لے کر دیگر علاقوں کی طرف نکل جائیں گے، جبکہ مدینہ ان کے لیے بہت بہتر ہوگا۔ جو شخص مدینہ سے بے رغبتی کرتے ہوئے نکلے گا، اللہ تعالیٰ اس سے اچھا شخص مدینہ منورہ میں آباد کر دے گا۔''[2]

جو لوگ مدینہ منورہ کی خیر و برکت پر قناعت کریں گے، یہاں کی تنگی اور تکالیف پر صبر کریں گے اور مرتے دم تک مدینہ کو چھوڑ کر نہیں جائیں گے، ان کے لیے رسول اللہ ﷺ نے شاندار اخروی انعام کا اعلان فرمایا ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

«ولا يثبت أحد على لأوائها وجهدها إلا كنت له شفيعا أو شهيدا يوم القيامة»

''جو شخص مدینہ کی مشکلات اور تنگ حالی پر صبر کرے گا، میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا یا اس کا گواہ ہوں گا۔''[3]

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«من استطاع أن يموت بالمدينة فليمت بها فإني أشفع لمن يموت بها»

''جو شخص مدینہ میں (زندگی بسر کر کے) مر سکتا ہو تو اسے مدینہ ہی میں مرنا چاہیے کیونکہ میں مدینہ میں مرنے والوں کی شفاعت کروں گا۔''[4]

آپ کی بابرکت دعاؤں کی بدولت آج مدینہ منورہ جدید ترین شہروں میں شمار ہوتا ہے۔ چاروں طرف خوشحالی کے مناظر ہیں۔ امن و سکون کی برکت تمام نعمتوں سے بڑھ کر ہے۔ اس لیے اگر کوئی شخص زندگی بھر مدینہ منورہ میں رہے تو اس کے لیے دنیا و آخرت کی کامیابیاں مقدر ہیں۔[5]

وحی الٰہی کی دلآویز صورتیں

اللہ تعالیٰ نے سید الانبیاء محمد ﷺ کو ایک اعزاز یہ بھی دیا کہ آپ کو اپنا پیغام دینے کے لیے بڑے دلنواز طریقے

1 صحیح البخاري: 1875. 2 دیکھیے صحیح مسلم: 1381. 3 صحیح مسلم: 1363. 4 جامع الترمذي: 3917.
5 دیکھیے: عطیۃ السرور، ص: 263-266۔ مدینہ طیبہ کے فضائل اور تاریخی پس منظر جاننے کے لیے ملاحظہ فرمائیں: سیرت انسائیکلوپیڈیا: 1/187-197، و 4/168-212.

اختیار فرمائے۔ کبھی ساتوں آسمانوں سے اوپر بلا کر اپنا پیغام دیا تو کبھی آپ کے دل پر اپنا حکم القا فرما دیا۔ رسالت مآب ﷺ پر وحی الٰہی جن اسالیب میں اتری، اُن کا تذکرہ درج ذیل ہے۔ ان اسالیب سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ خالق کائنات کو اپنے رسولِ مقبول محمد ﷺ سے کتنی والہانہ محبت ہے۔

1 **نیک خواب:** رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی ابتدا میں آپ کو سچے خوابوں کے ذریعے سے پیغام الٰہی پہنچایا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو یہ خصوصیت بھی عطا کی تھی کہ آپ کی آنکھیں سوتی تھیں مگر دل بیدار رہتا تھا۔ کیونکہ آپ ﷺ کے قلبِ مبارک پر اللہ تعالیٰ کے احکام کا نزول ہوتا رہتا تھا۔ ارشاد نبوی ہے: إنَّ عَيْنَيَّ تَنَامَانِ وَلَا يَنَامُ قَلْبِي ''میری آنکھیں سوتی ہیں، البتہ میرا دل بیدار رہتا ہے۔''[1]

آپ ﷺ کے خواب صبح کے اُجالے کی طرح روشن اور سچے ہوتے تھے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

أَوَّلُ مَا بُدِئَ بِهِ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مِنَ الْوَحْيِ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ فِي النَّوْمِ، فَكَانَ لَا يَرَى رُؤْيَا إِلَّا جَاءَتْ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ.

''رسول اللہ ﷺ پر وحی کی ابتدا سچے خوابوں کی صورت میں ہوئی۔ آپ جو کچھ خواب میں دیکھتے، وہ سپیدۂ صبح کی طرح نمودار ہو جاتا۔''[2]

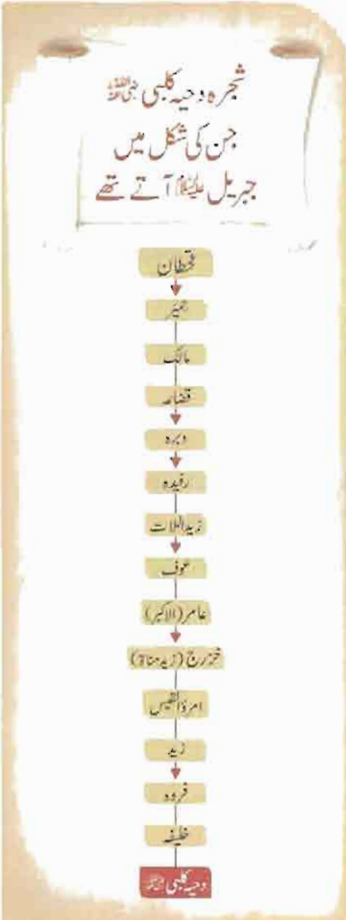
ان سچے خوابوں کے کیا کہنے جن میں آپ ﷺ کو اللہ رب العزت کے احکام و فرامین موصول ہوئے۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان احکام کی وصولیابی میں آپ کو احسن الخالقین سے رابطے میں کیسی زبردست اور کتنی نادر لذت محسوس ہوئی ہوگی کہ آپ ﷺ کا ذوق وحی طلبی بڑھ گیا اور آپ نے مزید پیغام ربانی وصول کرنے کے لیے اپنی عبادت و ریاضت میں اضافہ کر دیا۔

2 **قلب اطہر میں القاء:** وحی کی دوسری صورت یہ تھی کہ جبریل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے قلب اطہر پر اللہ تعالیٰ کے پیغام کا القاء کر دیتے تھے۔ یہ پیغام آپ کو یاد ہو جاتا اور آپ امت تک پہنچا دیتے تھے۔ سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ رُوحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِي رُوعِي أَنَّ نَفْسًا لَنْ تَمُوتَ حَتّٰى تَسْتَكْمِلَ أَجَلَهَا وَتَسْتَوْعِبَ رِزْقَهَا، فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَجْمِلُوا فِي الطَّلَبِ، وَلَا يَحْمِلَنَّ أَحَدَكُمُ اسْتِبْطَاءُ الرِّزْقِ أَنْ يَطْلُبَهُ بِمَعْصِيَةِ اللّٰهِ، فَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَا يُنَالُ مَا عِنْدَهُ إِلَّا بِطَاعَتِهِ»

1 صحيح البخاري 2013. 2 صحيح البخاري 3

''روح القدس (جبریل) علیہ السلام نے میرے دل میں یہ پھونکا (القا کیا) ہے کہ کوئی شخص اپنی عمر اور رزق مکمل کیے بغیر فوت نہیں ہوگا۔ لہٰذا اللہ سے ڈرو اور رزق کی تلاش میں حلال طریقے اختیار کرو۔ اگر کسی کے رزق میں تاخیر ہو جائے تو یہ بات اسے اللہ کی نافرمانی کرتے (حرام طریقوں سے) رزق تلاش کرنے پر نہ ابھارے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ سے رزق کا حصول اس کی فرمانبرداری ہی سے ممکن ہے۔''[1]



3 جبرائیل علیہ السلام کی انسانی بھیس میں تشریف آوری: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعلیم و تربیت کے لیے بعض اوقات جبرائیل علیہ السلام انسانی شکل میں تشریف لاتے۔ وہ اکثر سیدنا دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں حاضر خدمت ہوتے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک مسافر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا لیکن اس کے حلیے اور لباس سے سفر کے کوئی آثار معلوم نہ ہوتے تھے۔ وہ مدینہ منورہ کا رہائشی بھی نہ تھا۔ اس نے نہایت ادب و احترام سے آپ سے کئی سوالات پوچھے، بعد ازاں وہ واپس چلا گیا۔ نبی کریم ﷺ نے پوچھا: «يا عمر! أتدري من السائل؟» ''اے عمر! کیا تمھیں معلوم ہے کہ یہ سائل کون تھا؟'' انھوں نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: «إنه جبريل أتاكم يعلمكم دينكم» ''وہ جبرائیل تھے۔ تمھیں تمھارا دین سکھانے آئے تھے۔''[2]

4 گھنٹی کی آواز: بعض اوقات وحی گھنٹی جیسی آواز کی صورت میں آتی تھی۔ اس کی کیفیت بڑی تکلیف دہ ہوتی تھی۔ سیدنا حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ نے سوال کیا: اے اللہ کے رسول! آپ کے پاس وحی کیسے آتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أحيانا يأتيني مثل صلصلة الجرس وهو أشده علي»

''کبھی تو وحی آنے کی کیفیت گھنٹی کی ٹن ٹن کی طرح ہوتی ہے اور یہ کیفیت مجھ پر بہت گراں گزرتی ہے۔''[3]

5 جبرائیل اپنی اصلی شکل میں: رسول اللہ ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام کو ان کی اصلی شکل میں دیکھا جب وہ آپ کے پاس اللہ کا پیغام لے کر آئے تھے۔ ان کے چھ سو پر تھے۔ ایک پر مشرق و مغرب کے درمیان فاصلے جتنا تھا۔ سیدنا

1 صحیح الجامع الصغیر: 3848. 2 صحیح مسلم: 8. 3 صحیح البخاری: 2.

ابن مسعود رضی اللہ عنہ ان آیات: ﴿ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ ۝ فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ ۝ ﴾ ''تو وہ دو کمانوں جتنا بلکہ اس سے بھی قریب ہو گیا۔ پھر اس نے اللہ کے بندے کی طرف وحی کی جو وحی کی۔''[1]
کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا، ان کے چھ سو پر تھے۔ پھر انھوں نے آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی وحی پہنچائی۔

6 **معراج کے موقع پر مکالمہ:** اللہ تعالیٰ نے معراج کی رات اپنے محبوب نبی کو اپنے پاس بلا کر وحی کی جس میں نمازوں کی فرضیت بطور تحفہ عطا کی۔[2]

انبیائے کرام کا میثاق

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی آخر الزمان کو جن انعامات سے نوازا، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ تمام انبیائے کرام اور رسولوں سے سید الانبیاء محمد ﷺ کے بارے میں ایک عظیم عہد لیا تھا۔

سیدنا علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہم اس عہد عظیم کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے جتنے نبی مبعوث فرمائے، ان سے یہ عہد لیا کہ اگر تمھاری زندگی میں محمد (ﷺ) مبعوث ہو جائیں تو تم ان پر ضرور ایمان لانا اور ان کی مدد و حمایت کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ہر نبی کو بھی یہ حکم دیا کہ وہ اپنی امت سے بھی اس امر کا عہد لیں کہ اگر ان کی زندگی میں محمد (ﷺ) تشریف لے آئیں تو وہ بھی لازماً ان پر ایمان لائیں اور ان کی مدد کریں۔''[3]

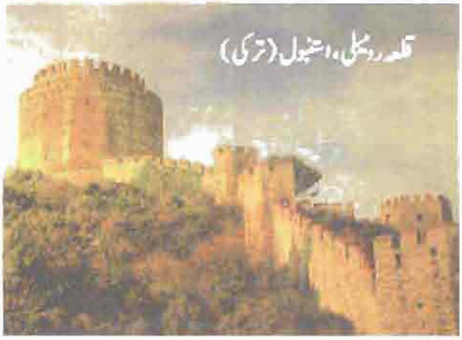
اللہ تعالیٰ نے اس عہد و میثاق کا تذکرہ سورۂ آل عمران میں کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

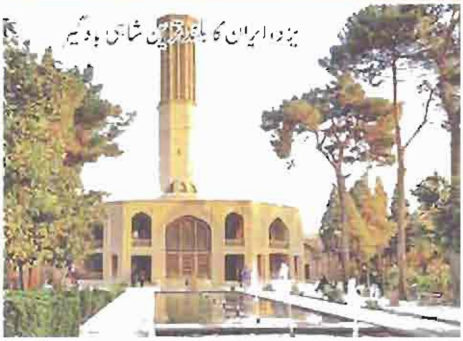
﴿ وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ ۚ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ إِصْرِي ۖ قَالُوا أَقْرَرْنَا ۚ قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ ۝ فَمَنْ تَوَلَّىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝ ﴾

''اور (یاد کرو) جب اللہ نے تمام نبیوں سے عہد لیا تھا کہ جب میں تمھیں کتاب اور حکمت عطا کروں، پھر تمھارے پاس کوئی رسول آئے جو اس (کتاب) کی تصدیق کرتا ہو جو تمھارے پاس ہے تو تمھیں اس پر ضرور ایمان لانا ہوگا اور ضرور اس کی مدد کرنی ہوگی۔ اللہ نے فرمایا: کیا تم اقرار کرتے ہو اور اس پر میرا عہد قبول کرتے ہو؟ انھوں نے کہا: ہم نے اقرار کیا۔ اللہ نے فرمایا: تو تم گواہ رہنا اور میں بھی تمھارے ساتھ گواہ ہوں۔ پھر اس

1 النجم 53:9، 10 2 خصائص المصطفیٰ، ص: 52-54. مزید دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا (دارالسلام) 3/60-62.
3 تفسیر ابن کثیر، آل عمران 3:81

کے بعد جو بھی منہ موڑے گا تو ایسے لوگ ہی نافرمان ہیں۔"[1]





زمین کے خزانے

رسول اللہ ﷺ کے دور میں رومی اور ایرانی سپر پاورز (Super Powers) تھے۔ مادی وسائل کے لحاظ سے ان کا مقابل کوئی نہ تھا۔ اہل عرب ان کے مقابلے میں نہایت کمزور اور تنگ حال تھے۔ ذرائع معیشت اتنے مضبوط نہ تھے۔ ان کی مجموعی حالت بہت کمزور تھی۔ اس حالت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے بڑا رفیع الشان وعدہ فرمایا۔ ارشاد نبوی ہے:

«فَبَيْنَا أَنَا نَائِمٌ أُتِيتُ بِمَفَاتِيحِ خَزَائِنِ الْأَرْضِ، فَوُضِعَتْ فِي يَدِي»

"ایک دفعہ میں سو رہا تھا کہ میرے پاس زمین کے خزانوں کی چابیاں لائی گئیں اور میرے ہاتھ میں دے دی گئیں۔"[2]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کا فرمان بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں: "رسول اللہ ﷺ تو اب اپنے رب کے پاس جا چکے ہیں اور (جن خزانوں کی کنجیاں آپ کو دی گئی تھیں) تم وہی خزانے نکال رہے ہو۔"

ایک خواب میں آپ کو یہ خوشخبری دی گئی کہ آپ کی امت دنیا کی بڑی طاقتوں کو فتح کرے گی اور مسلمان ان کے خزانوں کے مالک بن جائیں گے۔ آپ کی رحلت کے بعد مسلمان فوجوں نے رومیوں اور ایرانیوں کو شکست دے کر ان کے بے مثال خزانوں پر قبضہ کر لیا۔ دنیا کی عظیم سلطنتیں ان کے زیرنگیں ہو گئیں اور ان کے اموال مسلمانوں کے لیے مال غنیمت بن گئے۔[3]

بے مثال سمع و بصر

اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی بے مثال بصارت و سماعت سے نوازا تھا جو آپ کے کسی امتی کو حاصل نہ تھی۔ آپ

1 ابن عساکر 3/81،82، الخصائص الکبریٰ للسیوطی 1/13، خصائص المصطفیٰ، ص: 54. انبیائے کرام علیہم السلام کے باہمی تعلق اور میثاق کی تفصیل کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا، دوسری جلد کا باب بشارات نبوت و رسالت، ص: 314. 2 صحیح بخاری: 2977 3 خصائص المصطفیٰ، ص: 56،55

نے آسمانوں کی سیر کی۔ جنت و جہنم کے مناظر دیکھے۔ دنیا میں آپ اپنے پیچھے کھڑے لوگوں کو بھی اسی طرح دیکھتے جیسے سامنے کھڑے لوگوں کو دیکھتے تھے۔ آپ نے وہ مناظر دیکھے جو صحابہ کرام نہیں دیکھ پائے۔ آپ نے فرشتوں اور جنوں کا کلام سنا، قبر میں مردوں سے ہونے والے سوال و جواب سنے، جبکہ آپ کی امت کے کسی فرد کو یہ صلاحیت نہیں ملی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کے لیے خصوصی عطیہ تھا۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَتِمُّوا الرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ، فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! إِنِّي لَأَرَاكُمْ مِنْ بَعْدِ ظَهْرِي إِذَا مَا رَكَعْتُمْ وَإِذَا مَا سَجَدْتُمْ»

''تم رکوع اور سجود کو پورے طور پر ادا کیا کرو۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! جب تم رکوع اور سجود کرتے ہو تو میں تمھیں اپنی پیٹھ کے پیچھے سے بھی دیکھ لیتا ہوں۔''[1]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی۔ بعدازاں آپ ﷺ نے ایک شخص کو سرزنش کرتے ہوئے فرمایا:

«يَا فُلَانُ! أَلَا تُحْسِنُ صَلَاتَكَ؟ أَلَا يَنْظُرُ الْمُصَلِّي إِذَا صَلَّى كَيْفَ يُصَلِّي؟ فَإِنَّمَا يُصَلِّي لِنَفْسِهِ، إِنِّي وَاللَّهِ لَأُبْصِرُ مِنْ وَرَائِي كَمَا أُبْصِرُ مِنْ بَيْنِ يَدَيَّ»

''اے فلاں! تم اپنی نماز احسن طریقے سے ادا کیوں نہیں کرتے؟ (نمازی) نماز پڑھتے ہوئے یہ خیال کیوں نہیں رکھتا کہ وہ کس طرح نماز ادا کر رہا ہے۔ یقیناً وہ اپنے لیے ہی نماز پڑھ رہا ہے۔ اللہ کی قسم! میں اپنے پیچھے کھڑے شخص کو اسی طرح دیکھتا ہوں جس طرح اپنے سامنے کھڑے شخص کو دیکھتا ہوں۔''[2]

امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی گدی میں یہ صلاحیت رکھی تھی کہ آپ اس کے ذریعے سے پیچھے کھڑے لوگوں کو بھی دیکھ سکتے تھے۔ آپ کے دیگر معجزات کی طرح یہ بھی برحق معجزہ ہے، اس لیے شرعاً یا عقلاً اس کا انکار کرنا ممکن نہیں۔ شریعت میں اس کا ذکر آیا ہے، لہٰذا اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔[3]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے علماء کے متعدد موقف بیان کر کے ان کی تردید کی ہے۔ پھر اس بات کو راجح قرار دیا ہے کہ عقب سے یعنی کمر کے پیچھے سے دیکھنا آپ کا معجزہ ہے اور آپ حقیقتاً دیکھتے تھے۔ آپ کیسے دیکھتے تھے؟ اس بارے میں فرمایا کہ آپ کے کندھوں کے درمیان دو باریک آنکھیں تھیں، آپ ان سے دیکھتے تھے۔ کپڑے وغیرہ

1 صحیح البخاری: 6644، صحیح مسلم: 425. 2 صحیح مسلم: 423. 3 شرح صحیح مسلم للنووی: 149/4

کی اوٹ ان کے آگے حائل نہیں ہوتی تھی۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ آپ مہر نبوت سے دیکھتے تھے۔[1]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا:

«هل ترون قبلتي ههنا؟ فوالله! ما يخفى علي خشوعكم ولا ركوعكم، إني لأراكم من وراء ظهري»

''تم میرا منہ اس طرف سمجھتے ہو؟ اللہ کی قسم! مجھ پر نہ تمھارا خشوع پوشیدہ ہے اور نہ تمھارا رکوع۔ اور میں تمھیں اپنی پیٹھ کے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔''[2]

اس معجزے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو بے مثال سماعت سے بھی نوازا تھا۔ آپ ایسی چیزیں سن لیتے تھے جنھیں صحابہ کرام بالکل نہ سن پاتے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو بے مثال علم و حکمت سے بھی نوازا تھا۔ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی اس خصوصیت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

«إني أرى ما لا ترون، وأسمع ما لا تسمعون، إن السماء أطت، وحق لها أن تئط، ما فيها موضع أربع أصابع إلا وملك واضع جبهته ساجدا لله، والله! لو تعلمون ما أعلم لضحكتم قليلا ولبكيتم كثيرا، وما تلذذتم بالنساء على الفرشات، ولخرجتم إلى الصعدات تجأرون إلى الله»

''میں وہ کچھ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھ پاتے اور میں وہ کچھ سن لیتا ہوں جو تمھیں سنائی نہیں دیتا۔ آسمان چرچراتا ہے اور اس کا حق ہے کہ وہ چرچرائے۔ اس میں چار انگلیوں کی جگہ بھی خالی نہیں مگر کوئی نہ کوئی فرشتہ اپنی پیشانی رکھے ہوئے اللہ کو سجدہ کر رہا ہے۔ اللہ کی قسم! اگر تمھیں وہ کچھ معلوم ہو جائے جو مجھے معلوم ہے تو تم بہت تھوڑا ہنسو اور زیادہ روؤ۔ اور تم بستروں پر عورتوں سے لطف اندوز نہ ہوسکو اور تم بآواز بلند اللہ سے التجا کرتے ہوئے میدانوں میں نکل پڑو۔''

یہ فرمان عالی بیان کرنے کے بعد سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''اللہ کی قسم! میرا جی چاہتا ہے (کاش!) میں ایک درخت ہوتا جسے کاٹ دیا جاتا۔''[3]

دگنا اجر و ثواب

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی محمد ﷺ کو دنیا و آخرت میں بے مثل انعامات و اعزازات سے نوازا ہے۔ آپ کو خاتم الانبیاء والرسل کا اعزاز عطا کیا۔ آپ سید ولد آدم کے منصب پر فائز ہیں۔ آپ شافع محشر ہیں، مقام محمود اور الوسیلہ

[1] فتح الباري: 666/1. [2] صحيح البخاري: 418. [3] سنن ابن ماجه: 4190.

کے حقدار ہیں۔ جنت کا دروازہ آپ کی دستک کا منتظر ہے۔ ان سب نوازشات کے ساتھ اگر آپ کو کوئی جسمانی تکلیف یا رنج پہنچے تو اللہ تعالیٰ اپنے محبوب نبی کو اس کا دہرا اجر وثواب عطا فرماتا ہے۔ انبیائے کرام کا مقام ومرتبہ اور اجر وثواب امت سے بہت بلند تر ہوتا ہے۔ اسی لحاظ سے ان کی آزمائش بھی امتیوں سے سخت تر ہوتی ہے۔

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! سب سے سخت مصیبت کس پر آتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«الأنبياء، ثم الأمثل فالأمثل، يبتلى العبد على حسب دينه، فإن كان في دينه صلبا اشتد بلاؤه، وإن كان في دينه رقة ابتلي على حسب دينه، فما يبرح البلاء بالعبد حتى يتركه يمشي على الأرض وما عليه من خطيئة»

''انبیاء پر، پھر جو ان کے بعد سب سے افضل ہیں، پھر جو ان کے بعد بہتر ہیں۔ ہر بندے کی آزمائش اس کے دین کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ اگر وہ اپنے دین میں مضبوط ہو تو اس کی آزمائش بھی سخت ہوتی ہے۔ اگر اس کا ایمان نرم ہو تو اس کے ایمان کے مطابق آزمائش ہوتی ہے۔ بندے پر آزمائش (اور تکلیف) آتی رہتی ہے حتی کہ اسے ایسا کر جاتی ہے کہ وہ زمین پر چل پھر رہا ہوتا ہے اور اس پر کوئی گناہ باقی نہیں ہوتا۔''[1]

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (ایک دن) میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس وقت آپ کو بخار تھا۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ کو بڑا شدید بخار ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أجل، إني أوعك كما يوعك رجلان منكم»

''ہاں، مجھے اتنا تیز بخار ہوتا ہے جتنا تمھارے دو آدمیوں کو ہوتا ہے۔''

میں نے عرض کی: کیا یہ (دگنی تکلیف) اس لیے ہے کہ آپ کا اجر وثواب بھی دگنا ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا:

«أجل، ذلك كذلك، ما من مسلم يصيبه أذى، شوكة فما فوقها، إلا كفر الله بها سيئاته، كما تحط الشجرة ورقها»

''ہاں یہی بات ہے۔ مسلمان کو جو بھی تکلیف پہنچتی ہے، وہ کانٹا ہو یا اس سے کم، اس کے باعث اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو ایسے ختم کر دیتا ہے جیسے درخت اپنے پتوں کو گرا دیتا ہے۔''[2]

[1] سنن ابن ماجه 4023. [2] صحيح البخاري 5648.

اس فرمان نبوی میں جہاں آپ کے دہرے اجر وثواب کا تذکرہ ہے، وہاں امت کے لیے بشارت بھی ہے کہ ان کی تکالیف اور مصائب ان کے گناہوں کی بخشش کا باعث بنتے ہیں۔ [1]

حرمت زکاۃ

اللہ تعالیٰ نے مالدار مسلمانوں کے مالوں میں غرباء کا حق رکھا ہے۔ اسے زکاۃ اور صدقہ کہا جاتا ہے۔ زکاۃ اور صدقہ دینے سے مال میں برکت آتی ہے اور مالدار اپنے رب کی رضا اور رحمتوں کا مستحق بنتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے لوگوں کا میل قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ کا عالی منصب تقاضا کرتا ہے کہ آپ لوگوں کے میل کچیل سے محفوظ رہیں۔ اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے مال فے، مال غنیمت اور ہدیہ حلال قرار دیا۔ آپ ﷺ سے تعلق اور قربت کے باعث آپ کی آل کے لیے بھی زکاۃ اور صدقہ حرام قرار دے دیا گیا۔ اسی لیے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إِنَّ هٰذِهِ الصَّدَقَاتِ إِنَّمَا هِيَ أَوْسَاخُ النَّاسِ، وَإِنَّهَا لَا تَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ وَلَا لِآلِ مُحَمَّدٍ»

''بلاشبہ یہ صدقات لوگوں کے میل کچیل ہیں۔ یہ محمد (ﷺ) اور آل محمد کے لیے حلال نہیں۔'' [2]

رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام اور اہل کتاب کے ہدیے قبول فرماتے تھے۔ چونکہ آپ پر صدقہ حرام تھا، اس لیے آپ نہایت محتاط رہتے تھے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (آپ کے حزم و احتیاط کا عالم یہ تھا کہ) آپ کی خدمت میں کھانا پیش کیا جاتا تو آپ کھانے کی نوعیت دریافت فرماتے تھے۔ اگر بتایا جاتا کہ یہ ہدیہ ہے تو آپ تناول فرما لیتے۔ اگر کہا جاتا کہ یہ صدقہ ہے تو اس میں سے آپ کچھ نہیں کھاتے تھے۔ [3]

صحیح مسلم کی ایک اور روایت میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

«وَاللّٰهِ! إِنِّي لَأَنْقَلِبُ إِلٰى أَهْلِي، فَأَجِدُ التَّمْرَةَ سَاقِطَةً عَلٰى فِرَاشِي، أَوْ فِي بَيْتِي، فَأَرْفَعُهَا لِآكُلَهَا، ثُمَّ أَخْشٰى أَنْ تَكُونَ صَدَقَةً أَوْ مِنَ الصَّدَقَةِ فَأُلْقِيهَا»

''اللہ کی قسم! بے شک میں اپنے گھر والوں کے پاس لوٹتا ہوں تو مجھے اپنے بستر یا گھر میں ایک کھجور گری ہوئی ملتی ہے۔ میں اسے کھانے کے لیے اٹھا لیتا ہوں، پھر اس خوف سے کہ یہ صدقہ ہوگی، یا صدقے کی کھجوروں میں سے ہوگی، اسے پھینک دیتا ہوں۔'' [4]

آپ ﷺ نے واضح الفاظ میں خاندان نبوت کے لیے صدقے کو حرام قرار دیا۔ فرمایا: «إِنَّا لَا تَحِلُّ لَنَا الصَّدَقَةُ»

1 خصائص المصطفٰی، ص: 77. 2 صحیح مسلم: 1072. 3 صحیح مسلم: 1077. 4 صحیح مسلم: 1070.

''یقیناً ہمارے لیے صدقہ حلال نہیں۔''

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے صدقے کی کھجوروں میں سے ایک کھجور اٹھائی اور منہ میں ڈال لی۔ رسول اللہ ﷺ نے دیکھا تو فرمایا:

«كِخْ كِخْ، ارْمِ بِهَا، أَمَا عَلِمْتَ أَنَّا لَا نَأْكُلُ الصَّدَقَةَ؟»

''تھو تھو، اسے پھینک دو۔ کیا تمھیں معلوم نہیں کہ ہم صدقے کا مال نہیں کھاتے؟'' 1

نفلی صدقے کے بارے میں اختلاف ہے کہ کیا یہ بھی آل محمد پر حرام ہے۔ صحیح موقف یہ ہے کہ نفلی صدقہ آپ ﷺ کے لیے حرام تھا جبکہ آل محمد کے لیے جائز ہے۔ 2

صوم وصال

ایک سے زیادہ دنوں کا کچھ کھائے پیے بغیر مسلسل روزہ رکھنا صوم وصال کہلاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے تقرب کے لیے رسول اللہ ﷺ کئی کئی روز غیر منقطع طور پر مسلسل روزہ رکھتے تھے۔ یہ آپ ہی کے لیے جائز تھا، دیگر انبیائے کرام کو اس طرح کے روزے کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا تقرب خاص حاصل تھا۔ آپ پے در پے مسلسل روزہ رکھتے تو اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو نہایت رفیع الشان روحانی قوت سے نوازتا۔ آپ کی جسمانی طاقت بھی بے مثال تھی، لہٰذا آپ کے لیے مسلسل روزہ رکھنا چنداں دشوار نہ تھا۔ تاہم آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو صوم وصال سے منع فرما دیا۔ اس ممانعت کی وجہ آپ ﷺ کی صحابہ کرام پر بے پایاں شفقت اور محبت تھی۔ لیکن آپ کے ہر ہر عمل کی اتباع کرنے والے شیدائی صحابہ نے صوم وصال رکھنے پر اصرار کیا۔ آپ ﷺ نے انھیں محبت وشفقت سے سمجھاتے ہوئے فرمایا:

«إِيَّاكُمْ وَالْوِصَالَ» مَرَّتَيْنِ، فَقِيلَ: إِنَّكَ تُوَاصِلُ، قَالَ: «إِنِّي أَبِيتُ يُطْعِمُنِي رَبِّي وَيَسْقِينِ، فَاكْلَفُوا مِنَ الْعَمَلِ مَا تُطِيقُونَ»

''وصال کا روزہ رکھنے سے اجتناب کرو۔'' آپ نے دو مرتبہ ایسا فرمایا۔ آپ سے عرض کیا گیا: آپ تو وصال کے روزے رکھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''جب میں رات گزارتا ہوں تو میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے لیکن تم اتنا ہی کام اپنے ذمے لو جتنی تم میں طاقت ہے۔'' 3

1 صحیح مسلم: 1069. 2 غاية السول في خصائص الرسول، ص: 125، 126. 3 صحیح البخاری: 1966

اپنے فدائی صحابہ کو بدرجہ غایت شفقت و محبت سے صوم وصال کی ممانعت فرماتے ہوئے آپ کے لہجے میں قدرے ناراضی بھی آگئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

مَا بَالُ رِجَالٍ يُوَاصِلُونَ، إِنَّكُمْ لَسْتُمْ مِثْلِي، أَمَا وَاللّٰهِ لَوْ تَمَادَّ لِيَ الشَّهْرُ لَوَاصَلْتُ وِصَالًا، يَدَعُ الْمُتَعَمِّقُونَ تَعَمُّقَهُمْ

”بعض لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ صوم وصال رکھ رہے ہیں؟ بلاشبہ تم میرے جیسے نہیں ہو (میرا رب مجھے کھلاتا پلاتا رہتا ہے) اللہ کی قسم! اگر یہ مہینہ لمبا ہوتا تو میں وصال کے روزے اس قدر تواتر سے رکھتا کہ ضد کرنے والے اپنی ضد چھوڑ دیتے۔“[1]

عظیم ترین معجزہ

اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیائے کرام کی نصرت و تائید کے لیے انھیں معجزات عطا کیے۔ یہ معجزات قوم کے مزاج اور حالات و واقعات کی مناسبت سے ہوتے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کے دور میں جادو کا چلن عام تھا، اس لیے موسیٰ علیہ السلام کو ایسے معجزات عطا کیے گئے جنھیں دیکھ کر جادوگر بھی ہکا بکا ہو گئے۔ آپ کی لاٹھی اژدہا بن گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے جادوگروں کے سارے سانپ نگل گئی۔ آپ علیہ السلام نے اپنا عصا سمندر پر مارا تو متلاطم سمندر میں خشک راستہ نکل آیا۔ یہ مناظر دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام کے دشمنوں پر سکتہ طاری ہو گیا۔ عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں علم طب عروج پر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں جو معجزے دیے، انھیں دیکھ کر ماہرین طب انگشت بدنداں رہ گئے۔ آپ اللہ کے کرم سے مادر زاد کوڑھی کو تندرست اور مردوں کو زندہ کر دیتے تھے۔ اطبا کھلی آنکھوں سے یہ مناظر دیکھتے اور حیرت و استعجاب کے سمندر میں ڈوب جاتے۔

محمد رسول اللہ ﷺ جس قوم کی راہنمائی کے لیے مبعوث ہوئے، وہ فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے زبان و بیان میں ید طولیٰ رکھتی تھی۔ انھیں اپنے شعراء کے کلام پر غرور تھا۔ جس قوم کے پاس قادر کلام شعراء اور خطیب ہوتے، وہ نہایت معزز اور بلند مرتبہ سمجھی جاتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فصحائے عرب کو مخاطب کرنے اور شعرائے عرب کو چیلنج کرنے کے لیے ایک ایسا معجزہ عطا کیا جو پہلے کسی نبی کو عطا نہیں ہوا۔ گزشتہ انبیائے کرام کے معجزات اور ان کی تاثیر وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ ختم ہو گئی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو قرآن مجید جیسا لازوال معجزہ عطا فرمایا جو قیامت تک آنے والے فصحاء اور بلغاء کو ہمیشہ چیلنج کرتا رہے گا۔ قرآن مجید کے فصیح و بلیغ کلام نے شعرائے عرب اور خطباء کو اس قدر بے بس کر دیا کہ وہ اس زبردست معجزاتی کلام جیسی ایک سطر بھی پیش نہیں کر سکے۔ اللہ تعالیٰ نے

[1] صحیح مسلم: 1104، غایۃ السول فی خصائص الرسول، ص: 156

اسے نورِ مبین قرار دیا ہے۔ بھلا کون انسان اس نورانی و جاودانی کلام کا مقابلہ کیسے کر سکتا ہے! ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُبِينًا﴾

”اے لوگو! تمھارے رب کی طرف سے تمھارے پاس یقیناً دلیل آ گئی ہے۔ اور ہم نے تمھاری طرف ایک واضح نور نازل کیا ہے۔“[1]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«مَا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ نَبِيٌّ إِلَّا أُعْطِيَ مَا مِثْلُهُ آمَنَ عَلَيْهِ الْبَشَرُ، وَإِنَّمَا كَانَ الَّذِي أُوتِيتُ وَحْيًا أَوْحَاهُ اللَّهُ إِلَيَّ، فَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَكْثَرَهُمْ تَابِعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

”ہر نبی کو ایسے ایسے معجزات عطا کیے گئے جنھیں دیکھ کر لوگ ایمان لاتے رہے۔ البتہ مجھے جو معجزہ دیا گیا وہ (قرآن کی) وحی ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر نازل کی ہے۔ اس لیے مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن میرے پیروکار دوسرے انبیاء کے پیروکاروں سے زیادہ ہوں گے۔“[2]

کلامِ الٰہی کا معجزہ تا قیامت اتنا ہی ترو تازہ رہے گا۔ یہ ایسا ایمان افروز اور روح پرور کلام ہے کہ جو شخص اس میں جتنا زیادہ غور و فکر کرتا ہے، اسے اتنی ہی زیادہ لذت ملتی ہے اور علم و حکمت کے نایاب گوہر نصیب ہوتے ہیں۔[3]

قرآن مجید کی حفاظت

اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی کو قرآن کریم کا بے مثال اور لازوال معجزہ عطا کیا تو اس کی حفاظت بھی خود اپنے ذمے لے لی۔ یہ آپ ﷺ کا ایک اور خصوصی اعزاز و امتیاز ہے۔ اس کتاب کی حفاظت کا ذمہ خود مالکِ دو جہاں نے لے رکھا ہے، اس میں کسی قسم کی تحریف، تغیر و تبدل یا کمی بیشی کا کوئی امکان نہیں۔ یہ انعام آپ ﷺ کے لیے خاص ہے۔ سابقہ انبیاء کی کتابوں کی حفاظت کی ذمہ داری امت پر تھی، اس لیے آج ان میں سے کوئی کتاب اپنی اصلی حالت میں باقی نہیں۔ انجیل و تورات کے کئی طرح کے نسخے مارکیٹ میں موجود ہیں۔ تحریف و تغیر کی ناپاک کوششیں جاری ہیں، یوں مقدس آسمانی کتابیں اب اپنے پیروکاروں کے ہاتھوں کانٹ چھانٹ اور اضافے کے لیے تختۂ مشق بنی ہوئی ہیں۔ جبکہ قرآن مجید اپنے نزول سے لے کر آج تک ایک ایک نقطے سمیت اپنی اسی اصلی شکل میں محفوظ ہے جس میں یہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا تھا۔ قیامت تک اس میں ایک حرف کی تبدیلی کا بھی کوئی امکان نہیں۔ یہ حرف بحرف بے شمار حفاظِ کرام کے سینوں میں تا ابد محفوظ رہے گا۔ ان شاء اللہ۔ اگر کوئی باطل گروہ اپنے مذموم مقاصد کی

1 النسآء 4:174. 2 صحیح البخاري، حدیث: 4981. 3 نقوشِ مصطفیٰ، ص: 35

غرض سے اس میں معنوی تحریف کرتا ہے تو ان کا محاسبہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے علمائے ربانی ہر دور میں پیدا فرمائے ہیں۔ انھوں نے ان باطل پرستوں کی مذموم کوششوں کا ہمیشہ ڈٹ کر مقابلہ کیا ہے اور اُن کے ناپاک ارادے خاک میں ملا دیے ہیں۔ یہ علمائے حق کا عمل جاریہ ہے جو تا قیامت جاری رہے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ ﴾

''بے شک ہم ہی نے یہ ذکر (قرآن) نازل کیا اور بیشک ہم ہی اس کے ضرور محافظ ہیں۔''[1]

یہ کلام ربانی ہے، اس لیے تمام جن و انس اس میں تحریف و تبدل کرنے یا اس کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہیں۔ مرور زمانہ سے بھی اس کی معجزانہ حیثیت میں کوئی فرق نہیں آ سکتا۔ یہ ہر دور کے تمام جن و انس کے لیے چیلنج ہے جس کا جواب کبھی کوئی شخص دے سکا ہے نہ آئندہ دے سکے گا۔ اللہ تعالیٰ نے تمام جن و انس کو چیلنج کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ قُلْ لَّىِٕنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۝ ﴾

''کہہ دیجیے: یقیناً اگر تمام انسان اور جن اس (بات) پر جمع ہو جائیں کہ اس قرآن جیسا بنا لائیں تو وہ اس جیسا نہیں لا سکیں گے اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں۔''[2]

جامع ترین کتاب

اللہ تعالیٰ نے امام الانبیاء محمد ﷺ کو جامع کتاب قرآن مجید عطا فرمائی۔ اس میں گزشتہ کتب کی تعلیمات کے ساتھ ساتھ اضافی تعلیمات و ہدایات بھی دی گئی ہیں۔ ارشاد نبوی ہے:

«أُعْطِيتُ مَكَانَ التَّوْرَاةِ السَّبْعَ، وَأُعْطِيتُ مَكَانَ الزَّبُورِ الْمِئِينَ، وَأُعْطِيتُ مَكَانَ الْإِنْجِيلِ الْمَثَانِيَ، وَفُضِّلْتُ بِالْمُفَصَّلِ»

''مجھے تورات کی جگہ سات (لمبی سورتیں: سورۂ بقرہ سے سورۂ توبہ) عطا ہوئی ہیں۔ زبور کی جگہ مجھے سو آیات والی سورتیں ملی ہیں۔ انجیل کی جگہ مجھے سو آیات سے کم والی سورتیں ملی ہیں اور مجھے مفصل سورتیں (حجرات سے ناس تک) عطا کر کے فضیلت دی گئی ہے۔''[3]

اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی محمد ﷺ کو ایسے خزانے عطا فرمائے ہیں جو کسی دوسرے نبی کو عطا نہیں ہوئے۔ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

1 الحجر 15:9 2 بنی اسرائیل 17:88، خصائص المصطفیٰ، ص 37. 3 مسند احمد 4/107

"إني أعطيتهما من كنز من بيت تحت العرش، ولم يعطهما نبي قبلي، يعني الآيتين من آخر سورة البقرة"

''بے شک مجھے عرش الٰہی کے نیچے موجود ایک گھر کے خزانے سے سورۃ البقرہ کی آخری دو آیتیں عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں کی گئیں۔''[1]

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جبرائیل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ اچانک اوپر سے (دروازہ کھلنے کی) آواز آئی۔ جبرائیل علیہ السلام نے اپنا سر اٹھایا تو کہا: آسمان کا یہ دروازہ آج پہلی دفعہ کھلا ہے، اس سے پہلے کبھی نہیں کھلا۔ پھر اس دروازے سے ایک فرشتہ اترا۔ جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی: یہ فرشتہ آج ہی زمین پر اترا ہے، آج سے پہلے کبھی نہیں اترا۔ اس فرشتے نے آکر سلام کیا اور عرض کی: آپ کو ان دونوروں کی خوشخبری ہو، آپ سے پہلے یہ دونور کسی نبی کو نہیں دیے گئے۔ وہ دونور سورۃ الفاتحہ اور سورۃ البقرہ کی آخری آیتیں ہیں۔ آپ ان میں سے جو حرف بھی پڑھیں گے، آپ کو ان کے مطابق عطا کیا جائے گا۔[2]

دیگر کتب سماوی کی نسبت قرآن مجید کو ایک فضیلت یہ بھی حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں کچھ احکام کو تبدیل کر کے ان سے بہتر احکام عطا فرمائے ہیں جو مومنوں کے لیے خیر و برکت کا باعث ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنْسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا أَوْ مِثْلِهَا ۗ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴾

''جو آیت ہم منسوخ کرتے ہیں یا اسے بھلوا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس کی مثل ہی لے آتے ہیں۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ بے شک اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے؟''[3]

جمعہ یوم عید

ہفتے بھر کے دنوں کا سردار جمعے کا دن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت و فضل سے یہ عظیم دن مسلمانوں کو عطا کیا۔ جمعہ مسلمانوں کی روحانی عید اور ان کی اجتماعی عبادت کا دن ہے۔ اس دن کائنات کے اہم ترین امور ظہور میں آئے۔ اس دن کو اللہ تعالیٰ نے بہت سے فضائل سے نوازا ہے۔ یہ خصوصی دن آپ کو عطا ہوا جبکہ یہود و نصاریٰ اس دن کی فضیلت و اہمیت کو نہ پا سکے۔ ارشاد نبوی ہے:

"نحن الآخرون السابقون يوم القيامة بيد أنهم أوتوا الكتاب من قبلنا وأوتيناه من بعدهم وهذا يومهم الذي فرض عليهم فاختلفوا فيه فهدانا الله له فهم لنا فيه تبع"

1 مسند احمد: 151/5 2 صحیح مسلم: 806 3 البقرہ 2:106، خصائص المصطفیٰ، ص: 39,38

فاليهود غدا والنصارى بعد غد

’’ہم سب سے آخر میں آنے والے ہیں، قیامت کے روز سب سے آگے ہوں گے، البتہ ان (یہود و نصاریٰ) کو ہم سے پہلے کتاب دی گئی اور ہمیں ان کے بعد کتاب ملی۔ تو یہ ان کا وہ دن ہے جو ان کے لیے مقرر کیا گیا لیکن انھوں نے اس کے بارے میں اختلاف کیا۔ اللہ نے ہمیں اس کے لیے ہدایت عطا فرمائی۔ وہ لوگ اس دن میں ہمارے تابع ہیں۔ یہودیوں کا کل کا دن (ہفتہ) ہے اور عیسائیوں کا کل کے دن کے بعد (اتوار) کا دن ہے۔‘‘[1]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

أضل الله عن الجمعة من كان قبلنا، فكان لليهود يوم السبت، وكان للنصارى يوم الأحد، فجاء الله بنا فهدانا الله ليوم الجمعة.

’’اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جو ہم سے پہلے تھے، جمعہ کے دن کے بارے میں گمراہ کر دیا۔ یہودیوں کے لیے ہفتے کا دن اور عیسائیوں کے لیے اتوار کا دن مقرر فرمایا۔ پھر اللہ ہمیں لے آیا اور جمعہ کے دن کے لیے ہمیں ہدایت فرمائی۔‘‘[2]

اس طرح اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کے عبادت کے دن کو بھی ہمارے عبادت کے دن جمعہ کے تابع بنایا ہے۔ اسی طرح قیامت کے روز امت محمدیہ کا حساب سب سے پہلے ہوگا۔ جنت میں سب سے پہلے امت محمدیہ ہی کے افراد داخل ہوں گے اور باقی لوگ ان کے تابع ہوں گے۔

جمعۃ المبارک کا دن امت محمدیہ کے لیے خصوصی اعزاز و اکرام کا باعث ہے۔ اس اعزاز اور انعامات ربانی میں سے چند کا تذکرہ درج ذیل ہے:

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

من توضأ فأحسن الوضوء ثم أتى الجمعة فاستمع وأنصت غفر له ما بينه وبين الجمعة وزيادة ثلاثة أيام، ومن مس الحصى فقد لغا

’’جو شخص وضو کرے تو بہترین وضو کرے، پھر جمعہ ادا کرنے کے لیے آئے تو (خطبہ) غور سے سنے، خاموش بیٹھے، تو اس کے جمعے سے جمعے تک کے اور مزید تین دن کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں اور جو (خطبے کے

1 صحیح مسلم: 855. 2 صحیح مسلم: 856.

دوران میں) کنکریوں سے کھیلتا رہا، اس نے فضول کام کیا۔'' [1]

جو مسلمان جمعے کے روز پورے اہتمام کے ساتھ غسل کرے اور پورے انہماک کے ساتھ جمعہ ادا کرے تو وہ شخص اپنے رب کی بے پناہ رحمتوں کا مستحق ہو جاتا ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

«مَنْ غَسَّلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاغْتَسَلَ ثُمَّ بَكَّرَ وَابْتَكَرَ وَمَشَى وَلَمْ يَرْكَبْ وَدَنَا مِنَ الْإِمَامِ فَاسْتَمَعَ وَلَمْ يَلْغُ كَانَ لَهُ بِكُلِّ خُطْوَةٍ عَمَلُ سَنَةٍ أَجْرُ صِيَامِهَا وَقِيَامِهَا»

''جس شخص نے جمعے کے روز غسل کیا اور خوب اچھی طرح کیا۔ اور جلدی آیا اور (خطبے میں) اول وقت پہنچا۔ پیدل چل کر آیا اور سواری پر نہ بیٹھا۔ امام کے قریب ہو کر بیٹھا اور (خطبہ) غور سے سنا اور لغو سے بچا تو اس کے لیے ہر قدم پر ایک سال کے روزوں اور تہجد کا ثواب ہے۔'' [2]

اللہ کے رسول ﷺ پر درود و سلام بھیجنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی امت کو اس کا حکم دیا، خصوصاً جمعے کے روز۔ ارشاد نبوی ہے:

«إِنَّ مِنْ أَفْضَلِ أَيَّامِكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِيهِ خُلِقَ آدَمُ وَفِيهِ قُبِضَ وَفِيهِ النَّفْخَةُ وَفِيهِ الصَّعْقَةُ فَأَكْثِرُوا عَلَيَّ مِنَ الصَّلَاةِ فِيهِ فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ مَعْرُوضَةٌ عَلَيَّ»

''تمھارے افضل دنوں میں سے جمعے کا دن ہے، اس میں آدم (علیہ السلام) پیدا ہوئے، اسی دن فوت ہوئے، اسی دن صور پھونکا جائے گا اور اسی میں بے ہوشی طاری ہوگی (پہلی دفعہ صور پھونکنے کے بعد ساری اولادِ آدم ہلاک ہو جائے گی) اس لیے اس دن مجھ پر زیادہ سے زیادہ درود پڑھا کرو کیونکہ جمعے کے روز تمھارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔'' [3]

رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کے دن کو تمام دنوں سے افضل و بہتر قرار دیا ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

«خَيْرُ يَوْمٍ طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ يَوْمُ الْجُمُعَةِ فِيهِ خُلِقَ آدَمُ وَفِيهِ أُدْخِلَ الْجَنَّةَ وَفِيهِ أُخْرِجَ مِنْهَا وَلَا تَقُومُ السَّاعَةُ إِلَّا فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ»

''بہترین دن جس میں سورج طلوع ہوتا ہے، جمعے کا دن ہے۔ اس میں آدم (علیہ السلام) پیدا ہوئے۔ اسی دن وہ جنت میں داخل کیے گئے اور اسی دن جنت سے نکالے گئے۔ قیامت بھی جمعے ہی کے دن قائم ہوگی۔'' [4]

[1] صحيح مسلم: 857، [2] سنن أبي داود: 345، [3] سنن أبي داود: 1047، [4] صحيح مسلم: 854

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إِنَّ هَذَا يَوْمُ عِيدٍ جَعَلَهُ اللَّهُ لِلْمُسْلِمِينَ، فَمَنْ جَاءَ إِلَى الْجُمُعَةِ فَلْيَغْتَسِلْ، وَإِنْ كَانَ طِيبٌ فَلْيَمَسَّ مِنْهُ، وَعَلَيْكُمْ بِالسِّوَاكِ»

''یہ عید کا دن ہے جو اللہ نے مسلمانوں کے لیے مقرر کیا ہے، لہٰذا جو شخص جمعہ پڑھنے آئے، اسے چاہیے کہ غسل کر کے آئے۔ اگر خوشبو میسر ہو تو لگائے اور مسواک ضرور کیا کرو۔'' [1]

جمعہ کے دن ایک خوش بخت گھڑی ایسی بھی ہے جو اہل ایمان کی مرادیں برلانے کے لیے انمول تحفہ ہے۔ اگر کوئی نیک بخت اس گھڑی میں کوئی دلی تمنا اپنے رب کے حضور پیش کرے تو وہ ضرور پوری ہوتی ہے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کے روز خوش بخت گھڑی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

"فِيهِ سَاعَةٌ لَا يُوَافِقُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي، يَسْأَلُ اللَّهَ تَعَالَى شَيْئًا إِلَّا أَعْطَاهُ إِيَّاهُ"
وَأَشَارَ بِيَدِهِ يُقَلِّلُهَا

''اس میں ایک ایسی گھڑی ہے کہ اگر ٹھیک اس گھڑی میں بندۂ مسلم کھڑا ہو کر نماز پڑھے اور اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مانگے تو اللہ تعالیٰ اس کو وہ چیز ضرور عطا کرتا ہے۔'' اور آپ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کر کے بتایا کہ وہ گھڑی تھوڑی دیر کے لیے آتی ہے۔'' [2]

اس لیے جمعہ کے روز خصوصی اہتمام کرنا چاہیے۔ جمعہ کی نماز، ذکر الٰہی اور دعا و التجا میں خوب دل لگانا چاہیے۔ اگر کوئی شخص اپنے رب سے خصوصی انعامات حاصل کرنا چاہتا ہے جو جمعہ کے دن کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں تو اسے جمعہ کے دن خود کو عبادت الٰہی کے لیے وقف کر دینا چاہیے۔

النبي الأمي

اُمّی نبی اکرم ﷺ کا خصوصی لقب ہے۔ یہ اعزاز کسی اور نبی یا رسول کو نہیں ملا۔ گزشتہ انبیائے کرام کی کتابوں میں آپ ﷺ کا تعارف اسی لقب سے کرایا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ ﴾

''وہ لوگ جو اس رسول اُمّی نبی (محمد ﷺ) کی پیروی کرتے ہیں جس کا ذکر وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں

1 سنن ابن ماجه: 1098 2 صحيح البخاري: 935

سکھا پاتے ہیں۔"[1]

رسول اللہ ﷺ کا یہ مثالی لقب کیوں ہے؟ اس بارے میں علمائے کرام نے درج ذیل امور پیش کیے ہیں:

1 اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کو "ام القریٰ" کہا ہے، یعنی "تمام بستیوں کی اصل" چونکہ عرب میں سب سے پہلی بستی مکہ مکرمہ ہی میں آباد ہوئی تھی، اس لیے اسے ام القریٰ کے نام سے موسوم کیا گیا۔ اسی بستی کی طرف آپ کی نسبت ہونے کی وجہ سے آپ کو "نبی امی" کا لقب ملا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا:

﴿ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ﴾

"اور تاکہ آپ ام القریٰ (مکہ) اور اس کے آس پاس والوں کو ڈرائیں۔"[2]

2 امی، اُم (ماں) کی طرف منسوب ہے۔ چونکہ آپ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے نہایت پاکیزہ فطرت و عصمت کے حامل تھے اور جملہ عیوب و نقائص سے منزہ تھے، اس لیے آپ "امی" کہلائے، یعنی ایسی ہستی جو نقائص سے اسی طرح پاک صاف ہو جیسے نومولود بچہ پاک ہوتا ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے رحمت عالم ﷺ کی پیشانی پر پسینے کے قطرے دیکھے جو موتیوں کی طرح چمک رہے تھے تو انھوں نے آپ ﷺ کے جمال جہاں تاب کی توصیف کرتے ہوئے ابوکبیر ہذلی کے یہ اشعار پڑھے:

وَمُبَرَّأٍ مِنْ كُلِّ غُبَّرِ حَيْضَةٍ وَفَسَادِ مُرْضِعَةٍ وَدَاءٍ مُغْيِلِ

وَإِذَا نَظَرْتَ إِلَى أَسِرَّةِ وَجْهِهِ بَرَقَتْ كَبَرْقِ الْعَارِضِ الْمُتَهَلِّلِ

"آپ حمل کے فساد، دودھ پلانے والی کے عارضے اور دودھ چھڑانے کے نقائص سے بالکل پاک صاف ہیں۔ جب بھی تو آپ کا چہرۂ انور دیکھے تو وہ چمکنے برسنے والے بادل کی طرح چمکتا دمکتا دکھائی دیتا ہے۔"

رسول اللہ ﷺ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے اپنی یہ تعریف و توصیف سن کر بہت خوش ہوئے۔[3]

3 امی، اُم (ان پڑھ) کی طرف منسوب ہے۔ آپ ﷺ کی یہ صفت اس لحاظ سے ہے کہ آپ نے اپنی ولادت با سعادت کے بعد علم و فن کے اکتساب کی بھی کوئی رغبت نہیں دکھائی، لہٰذا آپ کے لوحِ قلب پر تقریر یا تحریر کا کوئی ایک حرف بھی نقش نہ ہوا۔

قاضی سلیمان منصور پوری فرماتے ہیں: "ملک عرب کی حالت بھی یہی تھی کہ وہ لکھنے پڑھنے سے عاری تھے۔ وہ اپنی تمام عمر اسی حالت میں پوری کر دیتے تھے، جو ایک ایسے بچے کی ہوتی ہے جو نہ مکتب گیا، نہ درس لیا، نہ قلم ہاتھ

1 [illegible] 157/... 2 الانعام 92:6 3 [illegible] 2/7 ... [illegible] 116/1

میں پکڑا، نہ سبق زبان پر جاری ہوا۔''

قاضی صاحب کی اس بات کی تائید رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان سے بھی ہوتی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

«إنا أمة أمية لا نكتب ولا نحسب»

''بے شک ہم ایک بے پڑھی لکھی قوم ہیں، نہ لکھنا جانتے ہیں، نہ حساب کرنا۔''[1]

یہودیوں نے اسی لیے اہل عرب کا نام امّیون (ان پڑھ) رکھا ہوا تھا۔ وہ خود کو اہل علم و فضل شمار کرتے تھے اور اہل عرب کو نہایت حقیر سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی یہ نفسیاتی حالت اس طرح بیان فرمائی ہے:

﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ﴾

''یہ اس لیے کہ بیشک وہ کہتے ہیں: ہم پر اُمّیوں (عربوں) کی بابت کوئی گناہ نہیں۔''[2]

آہستہ آہستہ یہی نام مشہور ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الجمعہ میں فرمایا:

﴿ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا ﴾

''اللہ وہ ہے جس نے اپنے رسول کو امیوں میں مبعوث فرمایا۔''[3]

الغرض لفظ ''امّی'' سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کا طرزِ و طریق خواندگی اہل دنیا سے بہت بالا اور نرالا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ خوبی ایک اور انداز سے بیان فرمائی ہے:

﴿ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝ ﴾

''اور آپ اس (قرآن) سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ اپنے دائیں ہاتھ سے اسے لکھتے تھے، (اگر ایسا ہوتا) تب تو باطل پرست یقیناً شک کر سکتے تھے۔''[4]

مذکورہ بالا معنی کے لحاظ سے آپ کا اسم گرامی نبی الامی آپ کا بہت بڑا معجزہ ہے۔

نبی الامی کے وصف نے کتنی وضاحت سے بتا دیا کہ آپ حرف شناسی اور حرف نویسی سے یکسر ناآشنا ہیں، اس کے باوجود آپ ﷺ کی ذات گرامی سے علوم عظیمہ و آیات کاملہ کا صدور برابر ہوتا رہا۔

قاضی صاحب موضوع کو اس شاندار تبصرے پر ختم کرتے ہیں:

''اہل سیرت جانتے ہیں کہ حضور ﷺ کو نبی الامی کے لقب سے یاد کیا جاتا، بلایا جاتا اور حضور اس طرز خطاب سے خرسند و مسرور ہوا کرتے تھے۔ اب اہل زمانہ کا حال دیکھو کہ جونہی کسی شخص کو ذرا سی شد بد کہنے کی لیاقت ہوئی

1 صحیح بخاری: 1913. 2 آل عمران 3:75. 3 الجمعہ 62:2. 4 العنکبوت 29:48.

تو وہ اپنے لیے فاضل، اصل، موزوں (تیز فہم)، امی (ذہین و ذکی)، علامہ وغیرہ الفاظ منتخب اور بنانا پسند کرتے۔ اور یہ ایک صاحب قلم و زبان کی انسانی خاصیت ہوتی ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ حیثیت سے بڑھ کر اس کے علم و فضل کا اندازہ لگایا جائے۔ لیکن ایک سیدنا محمد ﷺ ہیں۔ جن کو ہر وقت ناخواندگی کا اعتراف اور امی ہونے کا اقرار ہے۔ اس اقرار و اعتراف پر بھی ہزاروں علما، مفکروں فوق فہم ہوتے رہے۔ آپ ﷺ پر حیرت کرتے اور اقرار کرتے کہ ان لوگوں کا علم و فہم اور تصور آپ ﷺ کے عرفان آگہی و تعلیم کی مثال رکھتے ہیں۔

غور کرو کہ جو شخص دنیا میں کسی کا شاگرد نہیں بنا وہ سب دنیا کا استاد بنا ہوا ہے۔ تمام اخلاق، محامد اعمال، تدبیر منزل، سیاست مدن، اقتصادیات، سیاسیات، عمرانیات نے اسی کے دماغ کو روشن، قلب کو مجلیٰ اور منور بنانے والی تعلیم دے رکھا ہے۔ اس کی درس گاہ وقتوں کے دروازے کبھی بند نہیں ہوتے۔ وہاں داخلے کی کوئی فیس نہیں ہے۔ وہاں ایک صحرانشین اور ایک شہری، ایک فلاسفر اور ایک بدوی پہلو بہ پہلو بیٹھے ہوتے ہیں۔ اور آن واحد میں اپنی اپنی استعداد و قابلیت کے موافق مستفیض و مستفید ہوتے ہیں۔"[1]

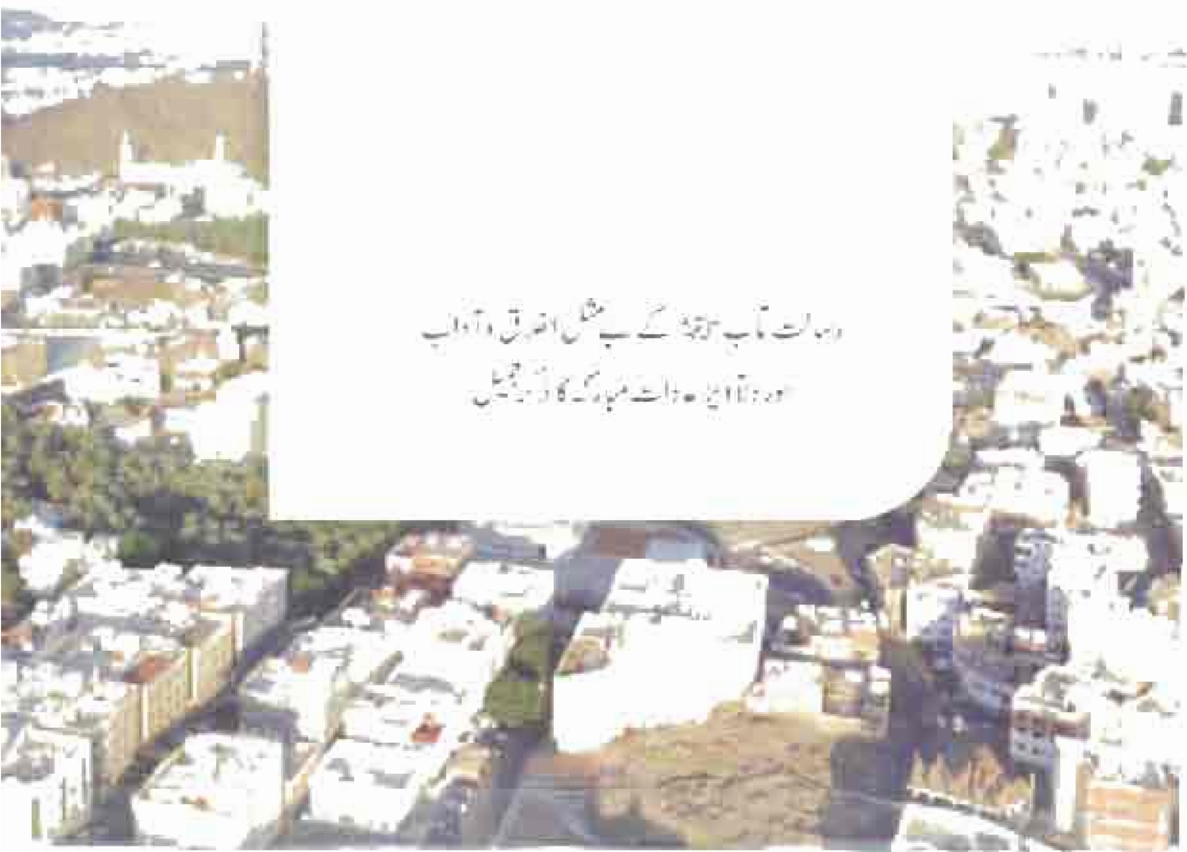
اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی دیگر صفات عالیہ کے بیان کے ساتھ اپنے نبی کے لقب "امی" کو بھی نمایاں طور پر بیان کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾

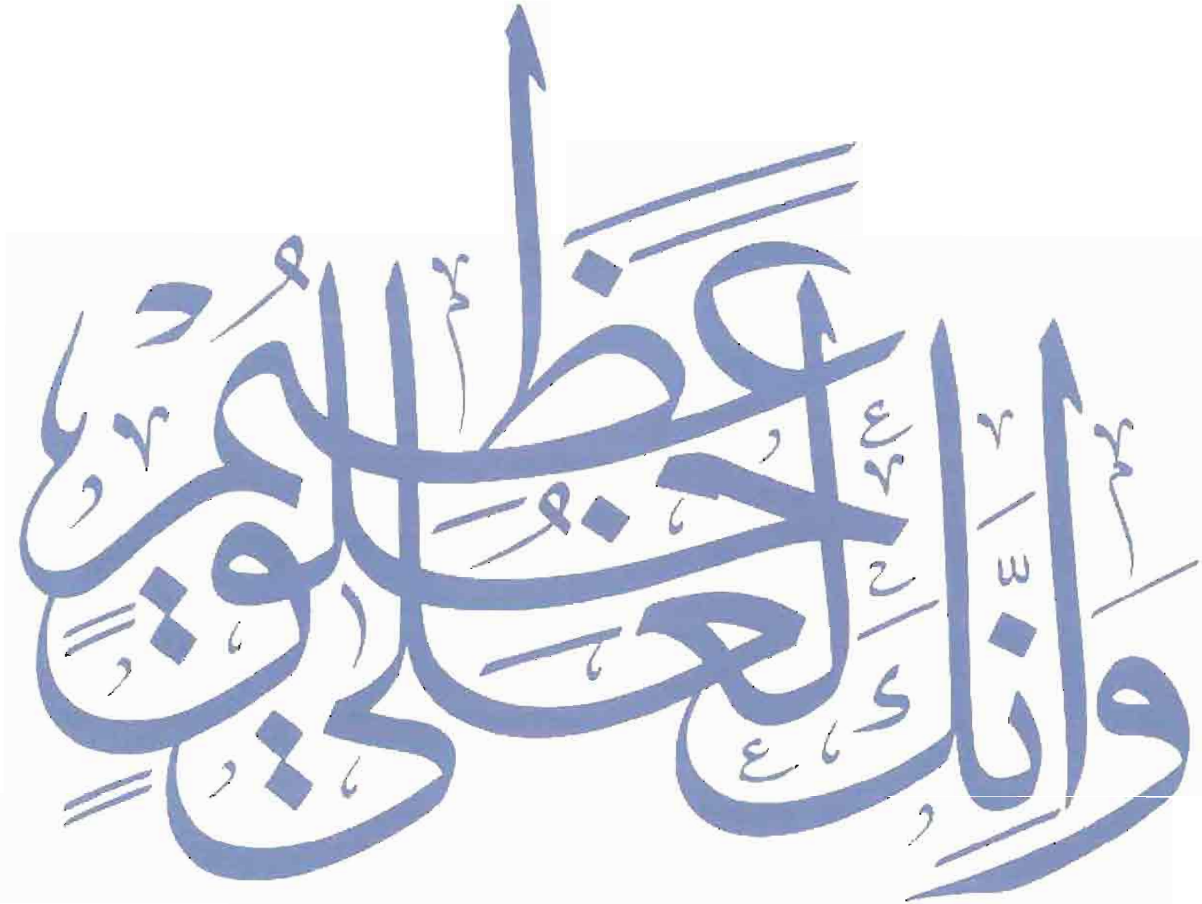
"(یعنی) وہ لوگ جو اس رسول امی نبی (محمد ﷺ) کی پیروی کرتے ہیں جس کا ذکر وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا پاتے ہیں، وہ انہیں اچھے کاموں کا حکم دیتا ہے اور انہیں برے کاموں سے روکتا ہے اور وہ ان کے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کرتا ہے اور ان پر ناپاک چیزیں حرام ٹھہراتا ہے اور ان پر سے ان کے بوجھ اور وہ طوق اتارتا ہے جو ان پر تھے، پھر جو لوگ اس پر ایمان لائے اور انہوں نے اس کی تعظیم کی اور اس کی مدد کی اور اس نور (ہدایت) کی پیروی کی جو اس پر اتارا گیا، وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔"[2]

[1] [illegible] 2/618-620 [2] [illegible] 7:157 [illegible]

تاجدارِ نبوت ﷺ کے اخلاق و آداب

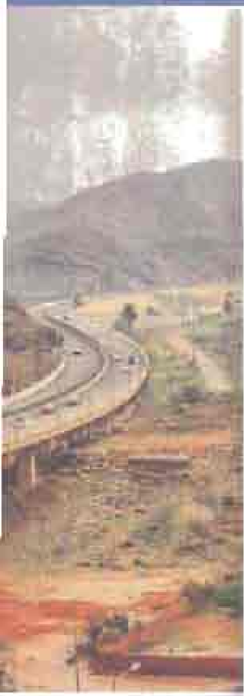


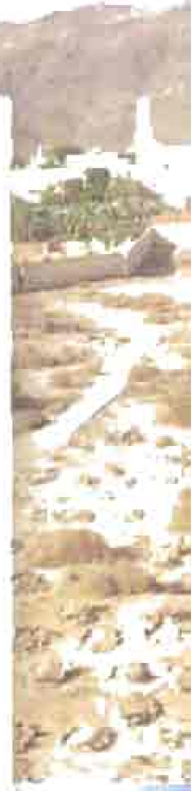
رسالت مآب ﷺ کے بے مثل اخلاق و آداب
اور آپ کی عادات مبارکہ کا ذکر جمیل



"اور یقیناً آپ خُلقِ عظیم پر (فائز) ہیں۔"

اس باب میں





آپ سید اولادِ آدم، امام الانبیاء، خاتم النبیین محمد ﷺ کے خلقِ عالیہ کا مطالعہ کریں گے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو تمام بنی آدم کے لیے "اسوۂ حسنہ" قرار دیا ہے۔ اور اس یگانہ ہستی کو "انک لعلیٰ خلق عظیم" سے متصف فرما کر انھیں قیامت تک کے لیے پوری انسانیت کا رہبرِ اعظم بنا کر بھیجا ہے۔ کیا اپنا کیا پرایا جو بھی آپ ﷺ سے ملتا تھا، وہ آپ ﷺ کے حسنِ اخلاق کا گرویدہ ہو جاتا تھا۔ آپ ﷺ طہارت و پاکیزگی، صداقت و دیانت اور جرأت و استقامت کے پیکر تھے۔ بے حد فیاض تھے، غریبوں اور مستحقوں پر بے دریغ مال خرچ کرتے تھے۔ ہمیشہ مختصر، مفید اور سبق آموز گفتگو فرماتے تھے۔ لہجۂ مبارک میں ٹھہراؤ تھا۔ دعوت و تبلیغ کے کام انجام دے کر گھر تشریف لے جاتے تھے۔ گھریلو کاموں میں ازواجِ مطہرات کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ پھٹے ہوئے کپڑے سی لیتے تھے۔ خادم کے کام میں بھی تعاون فرماتے تھے۔ بکریوں کا دودھ بنفسِ نفیس دوہ لیتے تھے۔ غذا بہت سادہ تھی۔ سرکہ، شہد، حلوہ اور روغنِ زیتون بہت پسند فرماتے تھے۔ کھانے میں کبھی کوئی نقص نہیں نکالا۔ نہایت پاکیزہ، سادہ اور اجلا لباس پہنتے تھے۔ غرضیکہ آپ ﷺ کی مقدس زندگی تمام اعلیٰ انسانی صفات کا نہایت منور نمونہ تھی۔ اگلے صفحات میں آپ کو انھی صفاتِ جلیلہ کی تفصیلات جگمگاتی نظر آئیں گی۔



خلق عظیم کے سنہری پہلو

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی آخرالزمان ﷺ کو بے شمار کمالات، اعزازات، امتیازات اور اعلیٰ صفات سے نوازا ہے۔ ان عالی صفات میں سے ایک عظیم صفت ''خلق عظیم'' ہے۔ آپ کے عمدہ اخلاق، عالی عادات، شاندار رویے، ہر فرد سے بہترین برتاؤ اور نیک فطرت کی تعریف خود رب العالمین نے ان الفاظ میں کی ہے:

﴿ نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ ۝ مَآ أَنتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ ۝ وَإِنَّ لَكَ لَأَجْرًا غَيْرَ مَمْنُونٍ ۝ وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ۝ ﴾

''نٓ. قسم ہے قلم کی اور اس کی جو وہ لکھتے ہیں! (اے نبی!) آپ اپنے رب کے فضل سے دیوانے نہیں۔ اور بیشک آپ کیلئے یقیناً ایسا اجر ہے جو کبھی ختم ہونے والا نہیں۔ اور یقیناً آپ خُلق عظیم پر (فائز) ہیں۔''[1]

رسول اللہ ﷺ کے کریمانہ اخلاق میں زبردست مقناطیسی تاثیر تھی۔ جو شخص ایک بار بھی آپ کے قریب ہوا، وہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ اسلام قبول نہ بھی کرتا تب بھی وہ آپ کے اعلیٰ اخلاق کا گرویدہ ضرور ہو جاتا تھا۔ آپ کے بدترین دشمن بھی آپ کی تعریف پر مجبور ہو جاتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی تعلیم و تربیت خود فرمائی تھی۔ قرآن مجید کی شکل میں جو ایمانی تربیت آپ کو دی گئی، آپ نے اس کو اپنی عملی زندگی میں سمو لیا۔ آپ تعلیماتِ قرآن کی عملی تصویر تھے۔ قرآنی احکام و تعلیمات کو سمجھنے کے لیے آپ ہی کی سیرت و اخلاق کا مطالعہ کرنا پڑتا ہے۔ سعد بن ہشام بن عامر رضی اللہ عنہ نے جب ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی کریم ﷺ کے اخلاق کے متعلق پوچھا تو سیدہ نے فرمایا: کیا تم قرآن مجید کی تلاوت نہیں کرتے؟ انھوں نے عرض کی: میں قرآن مجید پڑھتا ہوں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''اللہ کے نبی ﷺ کا اخلاق قرآن ہی ہے۔''[2]

یعنی آپ ﷺ کا اخلاق قرآن مجید کی تشریح و توضیح تھا۔ آپ کا مزاج گرامی، عالی اخلاق، عادات حسنہ اور فطرت سلیمہ قرآنی اصولوں کے عین مطابق تھی۔ آپ اللہ تعالیٰ سے عمدہ اخلاق کی توفیق مانگا کرتے تھے۔ یہ دراصل تمام مسلمانوں کے لیے ایک سبق تھا کہ وہ بھی رب العالمین سے اچھے اخلاق و عادات اپنانے کی توفیق مانگا کریں۔ آپ ﷺ ان الفاظ

1 القلم 68: 1-4. 2 صحیح مسلم 746.

میں دعا کرتے تھے:

اللّٰھُمَّ ..... وَاهْدِنِي لِأَحْسَنِ الْأَخْلَاقِ، لَا يَهْدِي لِأَحْسَنِهَا إِلَّا أَنْتَ، وَاصْرِفْ عَنِّي سَيِّئَهَا، لَا يَصْرِفُ عَنِّي سَيِّئَهَا إِلَّا أَنْتَ۔

''اے اللہ! عمدہ اخلاق و عادات کی طرف میری راہنمائی فرما، اس لیے کہ بلاشبہ ان کی توفیق تجھی سے مل سکتی ہے۔ اور برے اخلاق و عادات مجھ سے دور فرما دے کیونکہ ان کو صرف تو ہی پھیر سکتا ہے۔''[1]

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ لَمْ يَكُنْ فَاحِشًا وَلَا مُتَفَحِّشًا، وَقَالَ: إِنَّ مِنْ أَحَبِّكُمْ إِلَيَّ أَحْسَنَكُمْ أَخْلَاقًا۔

''رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک پر کوئی برا کلمہ نہیں آتا تھا اور نہ آپ کبھی فحش گوئی کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہے: ''بلاشبہ تم میں سے مجھے عزیز تر وہ ہے جس کے عادات و اخلاق تمام لوگوں سے زیادہ اچھے ہوں۔''[2]

اسی طرح دس سال خدمت نبوی کا اعزاز حاصل کرنے والے صحابی سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كَانَ النَّبِيُّ ﷺ أَحْسَنَ النَّاسِ خُلُقًا۔

''نبی اکرم ﷺ حسن اخلاق میں سب لوگوں سے بڑھ کر تھے۔''[3]

رسول اللہ ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی تو آپ غار حراء میں محو عبادت تھے۔ پہاڑ کی چوٹی پر واقع اس غار میں آپ تنہا اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہتے تھے کہ اچانک جبرائیل علیہ السلام نے آ کر آپ ﷺ کو پیغام الٰہی سے

[1] صحیح مسلم: 771. [2] صحیح البخاری: 3759. [3] صحیح البخاری: 6203.



کوہ حراء اور غار حراء کا فضائی منظر

سرفراز کیا۔ آپ اس اچانک ملاقات کے لیے تیار نہ تھے، اس لیے گھبرا گئے اور بہت خوف زدہ ہو گئے۔ آپ گھر واپس آئے تو بخار ہو چکا تھا اور جسد اطہر پر کپکپاہٹ طاری تھی۔ آپ نے اپنی زوجہ محترمہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اپنی قلبی کیفیت سے آگاہ کیا اور فرمایا کہ مجھے اپنی جان کا ڈر ہے۔ پھر آپ نے فرمایا: زملونی زملونی ''مجھے چادر اوڑھا دو، مجھے چادر اوڑھا دو۔'' سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو تسلی دی۔ انھوں نے آپ کے اخلاق کریمہ اور سیرت مبارکہ کی یاد دلاتے ہوئے عرض کی:

كَلَّا وَاللهِ مَا يُخْزِيكَ اللهُ أَبَدًا، إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَتَحْمِلُ الْكَلَّ، وَتَكْسِبُ الْمَعْدُومَ، وَتَقْرِي الضَّيْفَ، وَتُعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الْحَقِّ

''ایسا ہرگز نہیں ہو گا، اللہ کی قسم! اللہ آپ کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑے گا۔ (کیونکہ) آپ تو صلہ رحمی کرنے والے ہیں، کمزور و ناتواں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، جنھیں کہیں سے کچھ نہیں ملتا، وہ آپ کے ہاں پا لیتے ہیں۔ آپ مہمان نواز ہیں اور حق کے راستے میں پیش آنے والی مصیبتوں پر لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔''[1]

اللہ تعالیٰ نے آپ کو اعلیٰ اخلاق اور بہترین عادات و صفات کا مرقع بنایا تھا۔ اسی لیے امت کو خوبصورت عادات واطوار اور بلند پایہ اخلاق کی تعلیم و تربیت دینے کی ذمہ داری آپ ہی کو سونپی گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ حُسْنَ الْأَخْلَاقِ

''مجھے بہترین اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث کیا گیا ہے۔''[2]

لہٰذا آپ نے امت کو اعلیٰ اخلاق، بہترین عادات و صفات اور حسن کردار اپنانے کی ترغیب دی۔ آپ نے فرمایا:

أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا

''مومنوں میں سے زیادہ کامل ایمان والے وہ ہیں جو ان میں سے اخلاق کے اعتبار سے زیادہ بہتر ہیں۔''[3]

اللہ تعالیٰ کی قربت کا حصول، جنت میں رسول اللہ ﷺ کی ہمسائیگی و مصاحبت اور میدان کی کامیابی ایمان کے ساتھ ساتھ اچھے اخلاق اور صفات حمیدہ ہی پر موقوف ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

أَحَبُّ عِبَادِ اللهِ إِلَى اللهِ أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا

''اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں میں سے وہ لوگ زیادہ محبوب ہیں جن کا اخلاق اچھا ہے۔''[4]

1 صحیح البخاری، ح:3 2 الموطأ للإمام مالک:1609 3 جامع الترمذی:1162 4 [illegible] 8/14

آپ ﷺ نے اپنی قربت کے حصول کا طریقہ ان الفاظ میں بتایا:

إِنَّ مِنْ أَحَبِّكُمْ إِلَيَّ وَأَقْرَبِكُمْ مِنِّي مَجْلِسًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَحَاسِنَكُمْ أَخْلَاقًا

''تم میں سے مجھے سب سے محبوب اور قیامت کے روز نشست کے اعتبار سے میرے سب سے زیادہ قریب وہ شخص ہوگا جس کا اخلاق تم میں زیادہ اچھا ہوگا۔'' [1]

اعمال کو ترازو میں رکھا جائے گا تو اخلاقیات کا وزن سب سے زیادہ ہوگا۔ آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

أَثْقَلُ شَيْءٍ فِي الْمِيزَانِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الْخُلُقُ الْحَسَنُ

''قیامت کے روز میزان میں سب سے وزنی چیز عمدہ اخلاق ہوگا۔'' [2]

اچھا اخلاق اور عمدہ سیرت مومن کو بلند درجات پر فائز کرتے ہیں۔ ارشادِ گرامی ہے:

إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَيُدْرِكُ بِحُسْنِ خُلُقِهِ دَرَجَةَ الصَّائِمِ الْقَائِمِ

''بلاشبہ مومن اپنے حسنِ اخلاق کی بنا پر روزہ دار، شب زندہ دار کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔'' [3]

رسول اللہ ﷺ نے امت کو اعلیٰ اخلاق و عادات اپنانے کی ترغیب دی اور اپنے عملی کردار کے ذریعے امت کی تربیت فرمائی۔ آپ نے امت کو شاندار اخلاقیات سے نوازا۔ سیرت و کردار کی اصلاح کے لیے آپ نے عملاً جس اسوۂ حسنہ کو امت کے سامنے پیش کیا، اس کی ایک جھلک آئندہ صفحات میں پیش کی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی زندگی کو تمام انسانوں کے لیے بہترین نمونہ قرار دیا ہے اور یہ حقیقت اجاگر کر دی ہے کہ آپ کے اسوۂ حسنہ کو اپنا کر ہی مسلمان دنیا و آخرت میں کامیاب و کامران ہو سکتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ﴿٢١﴾

''یقیناً تمھارے لیے رسول اللہ (کی ذات) میں بہترین نمونہ ہے، ہر اس شخص کے لیے جو اللہ (سے ملاقات) اور یومِ آخرت کی امید رکھتا ہے، اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہے۔'' [4]

آئیے رسول اللہ ﷺ کے اخلاقِ حسنہ سے آگہی کا شرف حاصل کیجیے:

حسنِ معاملہ

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو جن بہترین خوبیوں سے نوازا تھا، ان میں حسنِ معاملہ اور حسنِ سلوک کی خوبی بہت

1 جامع الترمذي: 2018، 2 مسند أحمد: 6/442، 3 سنن أبي داود: 4798، 4 الأحزاب 21:33

نمایاں ہے۔ غیروں کو اپنا بنانے اور اپنوں کی محبت کو مستحکم کرنے میں اس خوبی کا بڑا عمل دخل ہے۔ رسول اکرم ﷺ ہر شخص سے نہایت محبت و شفقت سے پیش آتے تھے۔ لوگوں سے میل جول کے وقت آپ ﷺ کے چہرہ مبارک پر تبسم کا نور پھیلا رہتا تھا۔ ہر ملنے والا آپ کے خوبصورت تبسم سے آپ ہی کا ہو جاتا۔ آپ کی اس خوبی کی وجہ سے ہر شخص خود کو نہایت اہم سمجھتا۔ اسے یوں محسوس ہوتا کہ وہ آپ کا خصوصی محبوب ہے، اس طرح وہ رسول اللہ ﷺ کو اپنی محبوب ترین ہستی خیال کرتا۔ آپ لوگوں سے معاملات طے کرتے وقت نرمی برتتے، لین دین کے معاملات میں خصوصی شفقت فرماتے۔ دشمنوں کو بھی دعوت دین دیتے ہوئے آپ ﷺ کا لہجہ اتنا میٹھا اور ملائم ہوتا تھا جس سے ان کے دل متأثر ہوتے اور وہ آپ کے قریب ہونے پر مجبور ہو جاتے۔

الغرض آپ کے تمام معاملات حسن و خوبی کے ساتھ طے پاتے تھے۔ آپ کے معاملات احترام انسانیت، کمزوروں کے ساتھ رحمت و شفقت، ہمدردی، ایثار و قربانی، سچائی، امانت داری، ایفائے عہد اور باہمی تعاون جیسے اعلیٰ اوصاف کے آئینہ دار ہوتے تھے۔ آپ اپنے صحابہ کے ساتھ بڑے گرم جوش تعلقات رکھتے، ان کی خوشیوں میں شریک ہوتے، بیماروں کی تیمارداری کرتے، ان کی ضروریات بخوشی پوری فرماتے، ان کی دعوت قبول کرتے، فوت ہونے والوں کا جنازہ پڑھاتے اور ان کے لیے بخشش کی دعائیں کرتے۔ اس طرح انھیں اپنی بے پناہ محبت سے نوازتے۔ آئیے لوگوں کے ساتھ آپ کے طرز تعامل کے چند شہ پارے ملاحظہ فرمائیں۔

- سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ زاہر نامی ایک بدوی جب بھی مدینہ منورہ آتا تو رسول اللہ ﷺ کے لیے تحفے لے کر آتا۔ رسول اللہ ﷺ بھی اس کی محبت کا جواب دیتے اور اسے الوداع کرتے وقت تحائف سے نواز کر روانہ فرماتے۔ آپ اس سے اپنی محبت و الفت کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے:

«إِنَّ زَاهِرًا بَادِيَتُنَا وَنَحْنُ حَاضِرُوهُ»

مدینہ منورہ اور مسجد نبوی (وسط میں)



''بلاشبہ زاہر ہمارا دیہی (دوست) ہے اور ہم اس کے شہری (دوست) ہیں۔''

اللہ کے رسول ﷺ کو اس سے بڑی محبت تھی، حالانکہ وہ شکل وصورت کا اچھا نہ تھا۔ ایک روز آپ بازار تشریف لائے تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ وہ اپنا سامان بیچ رہا ہے۔ آپ نے اسے پچھلی جانب سے گلے لگا لیا جبکہ وہ آپ ﷺ کو نہیں دیکھ پایا۔ اس نے خود کو چھڑانے کی کوشش کی مگر آپ نے نہ چھوڑا۔ جب اس نے مڑ کر دیکھا تو نبی اکرم ﷺ نظر آئے۔ اپنے محبوب کو دیکھ کر زاہر نے بھی اپنی کمر رسول اللہ ﷺ کے سینے سے لگا دی۔ رسول اللہ ﷺ نے زاہر سے اپنی الفت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: مَنْ يَشْتَرِي الْعَبْدَ؟ ''یہ غلام کون خریدے گا؟''

زاہر نے عرض کی: اے اللہ کے رسول، اللہ کی قسم! آپ کو میرا کوئی گاہک نہیں ملے گا (میں بہت کم قیمت ہوں)۔ اللہ کے رسول ﷺ نے زاہر کی دلجوئی کرتے ہوئے فرمایا:

لَكِنْ عِنْدَ اللهِ لَسْتَ بِكَاسِدٍ أَوْ قَالَ: لَكِنْ عِنْدَ اللهِ أَنْتَ غَالٍ

''لیکن اللہ کے نزدیک تم کم قیمت نہیں ہو۔'' یا فرمایا: ''لیکن اللہ کے ہاں تم بہت قیمتی ہو۔''[1]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص سے اونٹ ادھار لیا۔ وہ شخص اونٹ کا تقاضا کرنے آیا تو اس نے آپ سے بڑے سخت لہجے میں بات کی۔ صحابہ کرام کو اس کا رویہ سخت ناگوار گزرا، چنانچہ وہ اس کی طرف لپکے تاکہ اسے ادب سکھایا جا سکے۔ مگر رحمت عالم ﷺ نے یہ کہتے ہوئے صحابہ کرام کو منع فرما دیا:

دَعُوهُ فَإِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالًا

''اسے چھوڑ دو، کیونکہ جس کا کسی پر حق ہو تو وہ کہنے سننے کا بھی حق رکھتا ہے۔''

پھر آپ نے صحابہ کو حکم دیا کہ اس کے اونٹ جیسا اونٹ تلاش کر کے اسے دے دو۔ صحابہ نے عرض کی: ایسا اونٹ میسر نہیں ہے، البتہ اس سے بہتر موجود ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

أَعْطُوهُ فَإِنَّ مِنْ خَيْرِكُمْ أَحْسَنَكُمْ قَضَاءً

''اسے وہی دے دو کیونکہ سب سے اچھا آدمی وہ ہے جو دوسروں کا حق پوری طرح ادا کر دے۔''

اس طرح آپ نے اس شخص کی بے ادبی اور بدتمیزی کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا، صحابہ کرام کو عملی تربیت بھی دے دی اور قرض کے تقاضے اور ادائیگی کا مہذب طریقہ بھی سمجھا دیا۔ آپ کے حسن معاملہ اور حسن سلوک سے متاثر ہو کر وہ شخص بے اختیار بول اٹھا: ''آپ نے مجھے پورا حق دے دیا ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو بھی پورا بدلہ دے۔''[2]

1 مسند أحمد: 161/3 2 دیکھیے صحیح البخاری 2306,2305، صحیح مسلم: 1601

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کے والدگرامی جنگ احد میں شہید ہوگئے۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کو 9 بہنوں کی پرورش اور بہت زیادہ قرض نے پریشان کر رکھا تھا۔ اس دوران ایک غزوے میں ان کا اونٹ تھک ہار کر سب سے پیچھے رہ گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی دلجوئی جس منفرد انداز میں فرمائی، وہ آپ کے حسن سلوک اور حسن معاملہ کی درخشاں مثال ہے۔ آیئے صحیح بخاری کی حدیث کی روشنی میں یہ واقعہ پڑھیے:

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا کہ میں ایک جنگ میں نبی ﷺ کے ہمراہ تھا، میرے اونٹ نے چلنے میں سستی دکھائی اور تھک گیا۔ نبی ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا: ''جابر ہو؟'' میں نے عرض کیا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: ''تمھارا کیا حال ہے؟'' میں نے عرض کیا: میرا اونٹ چلنے میں سستی کرتا ہے اور تھک بھی گیا ہے، اس لیے میں پیچھے رہ گیا ہوں۔ پھر آپ اپنے اونٹ سے اترے اور اسے اپنی چھڑی سے مار کر فرمایا: ''اب سوار ہو جاؤ۔'' چنانچہ میں سوار ہو گیا، پھر کیا تھا، میرا اونٹ اتنا تیز ہو گیا کہ میں اسے رسول اللہ ﷺ (کے برابر جانے) سے روکتا تھا۔ آپ نے پوچھا: ''کیا تم نے شادی کر لی ہے؟'' میں نے عرض کیا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: ''دوشیزہ سے یا شوہر دیدہ سے؟'' میں نے عرض کیا: بیوہ سے۔ آپ نے فرمایا: ''نو عمر سے شادی کیوں نہیں کی؟ تم اس سے دل لگی کرتے اور وہ تم سے خوش طبعی سے پیش آتی۔'' میں نے عرض کیا: میری بہت سی بہنیں ہیں، اس لیے میں نے نکاح کے لیے ایک ایسی عورت کا انتخاب کیا ہے جو انھیں اکٹھا رکھے، ان کی کنگھی کرے اور ان کی خبر گیری بھی کرتی رہے۔ آپ نے فرمایا: ''اچھا اب تم جا رہے ہو، جب اپنے گھر پہنچو تو عقل و احتیاط کا دامن ہاتھ سے مت چھوڑنا۔'' پھر فرمایا: ''کیا تم اپنا اونٹ فروخت کرنا چاہتے ہو؟'' میں نے عرض کیا: جی ہاں۔ آپ نے ایک اوقیہ چاندی کے عوض میرا اونٹ مجھ سے خرید لیا۔ پھر آپ مجھ سے پہلے مدینہ پہنچ گئے، میں صبح کو مدینہ پہنچا۔ ہم


کوہِ احد کا دامن جہاں غزوۂ احد برپا ہوا

لوگ مسجد کی طرف گئے تو میں نے آپ کو مسجد کے دروازے پر پایا۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''کیا تم ابھی آ رہے ہو؟'' میں نے عرض کیا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: ''اپنا اونٹ یہیں چھوڑ کر مسجد میں جاؤ اور دو رکعت نماز پڑھو۔'' چنانچہ میں نے مسجد میں دو رکعت نماز پڑھی۔ آپ نے بلال ؓ کو حکم دیا کہ وہ مجھے ایک اوقیہ چاندی دے دیں تو سیدنا بلال ؓ نے جھکاؤ کے ساتھ مجھے ایک اوقیہ چاندی تول دی۔ پھر میں نے واپس جانے کا ارادہ کیا۔ جب میں نے پیٹھ پھیری تو آپ نے فرمایا: ''جابر کو میرے پاس بلاؤ۔'' میں نے دل میں سوچا کہ اب آپ میرا اونٹ بھی مجھے واپس کر دیں گے اور مجھے یہ بات سخت ناپسند تھی۔ آپ نے فرمایا: ''تم اونٹ بھی لے لو اور اس کی قیمت بھی لے جاؤ۔''[1]

صحیح بخاری ہی کی دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا بلال ؓ کو حکم دیا کہ سیدنا جابر ؓ کو ان کے اونٹ کی قیمت دے دو اور کچھ چاندی اضافی بھی دینا۔ یہ اضافی چاندی سیدنا جابر ؓ کے لیے بڑی بابرکت ثابت ہوئی۔ وہ اس کو اپنے تھیلے میں ڈالے رکھتے تھے۔ ایک طویل مدت تک یہ بابرکت چاندی ان کے پاس رہی۔ واقعہ حرہ کے دوران ان کی یہ چاندی شامی لشکر کے ہاتھ لگ گئی اور وہ لوگ اسے لے اڑے۔[2]

حرۂ واقم (لابہ شرقیہ)



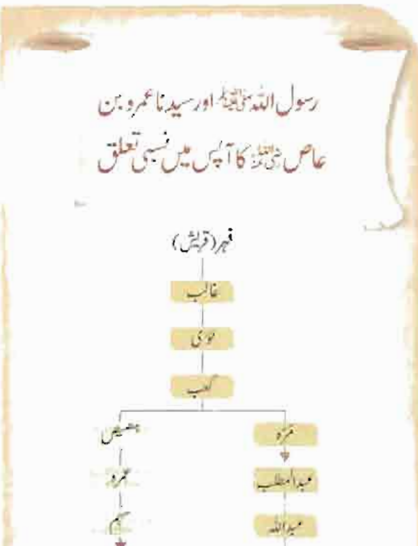
درج بالا واقعے سے پتہ چلتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنے صحابہ کی دلجوئی کرتے، ضرورت مندوں کی مدد فرماتے اور حسن معاملہ سے ان کے دل موہ لیتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ اپنی امت کے لیے مشفق باپ سے بڑھ کر پیار کرنے والے تھے۔ آپ بدتمیزی اور بے ادبی کرنے والوں کو نہایت خندہ پیشانی اور فراخدلی سے معاف کر دیتے بلکہ انھیں ایسی عطا و بخشش سے نوازتے کہ وہ زندگی بھر کے لیے آپ کے جاں نثار بن جاتے تھے۔

سیدنا انس ؓ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ چل رہا تھا، آپ نے موٹے حاشیے والی نجرانی چادر اوڑھ رکھی تھی۔ آپ کو ایک اعرابی ملا۔ اس نے آپ کی چادر گھسیٹ کر آپ کو زور سے کھینچا حتی کہ میں نے آپ کے کندھے پر چادر زور سے کھینچنے کی وجہ سے ایک نشان دیکھا۔ پھر اس نے کہا: اے محمد! مجھے اللہ تعالیٰ کے اس مال سے دینے کا حکم دیں جو آپ کے پاس ہے۔ رسول اللہ ﷺ اس کی طرف متوجہ ہوئے، پھر ہنس دیے، اس کے بعد آپ نے اسے عطیہ دینے کا حکم دیا۔[3]

1 صحیح البخاري: 2097 2 دیکھیے صحیح البخاري: 2309 و 2604 3 صحیح البخاري: 5809

صحیح مسلم میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ جب بھی کوئی شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی کوئی ضرورت پیش کرتا تو آپ نے کبھی انکار نہیں کیا بلکہ اس شخص کی ضرورت سے بڑھ کر اسے عطا فرماتے۔ ایک مرتبہ ایک دیہی شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کچھ مالی مدد کی التجا کی۔ آپ نے اسے اتنی بکریاں عطا کیں کہ اگر انھیں دو پہاڑوں کے درمیان چھوڑا جائے تو وہ سارا علاقہ بھر جائے۔ وہ دیہاتی یہ بیش بہا ہدیہ لے کر خوشی خوشی اپنی قوم کے پاس گیا اور قوم کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے لگا۔ اس نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! مسلمان ہو جاؤ کیونکہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایسا عطیہ دیتے ہیں کہ پھر فقر و فاقے کا خدشہ تک نہیں ہوتا۔[1]



- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ سے ملاقات کرتے وقت انھیں جس محبت والفت سے نوازتے تھے، اس سے ہر صحابی یہی سمجھنے لگتا کہ وہی آپ کا محبوب اول ہے۔ سیدنا جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ آپ کی اس الفت کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:
  ''جب سے میں اسلام لایا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے (پردے کے اہتمام کے ساتھ اپنے گھر میں داخل ہونے سے) کبھی نہیں روکا۔ اور جب آپ مجھے دیکھتے تو خوشی سے مسکرانے لگتے۔''[2]
- آپ کی اسی الفت اور حسن سلوک کو دیکھ کر عرب کے مشہور دانشور سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے دل میں ایک انوکھی خواہش مچل اٹھی۔ انھیں ایک سریہ میں امیر لشکر منتخب کیا گیا جس میں سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ انھوں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں بڑی محبت اور توجہ سے سرفراز فرماتے ہیں۔ بھری محفل میں ان کو بڑا مقام دیا جاتا ہے۔ سر راہ آپ سے ملاقات ہو جائے تو آپ کی محبت دیدنی ہوتی ہے۔ آپ انھیں بڑے محبوب ناموں سے پکارتے ہیں۔ اپنی قوم کے اس سردار کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوگئی کہ وہ معلوم کریں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب اول کون ہے۔ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اپنی عزت و تکریم کو دیکھتے ہوئے یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ یہ مقام صرف انھی کا ہو سکتا ہے۔ لہٰذا ایک دن ان کی یہ خواہش ان کے ہونٹوں سے پھسل ہی گئی۔ عرض کی: اے اللہ کے رسول! لوگوں میں سے آپ کو سب سے

1 صحیح مسلم: 2312. 2 صحیح البخاری: 3036

زیادہ محبوب کون ہے؟ آپ نے جواب دیا: ''عائشہ (رضی اللہ عنہا)۔'' سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ نے دوبارہ عرض کی: حضور! مردوں میں سے آپ کا محبوب کون ہے؟ میرا مقصود آپ کی ازواج میں سے پوچھنا نہ تھا۔ آپ نے فرمایا: ''عائشہ کے والد۔'' سیدنا عمرو کی خواہش اب بھی پوری نہ ہوئی تو انھوں نے پھر عرض کیا: پھر کون؟ آپ نے فرمایا: ''عمر بن خطاب۔'' آپ ﷺ نے اسی طرح اسلام میں سبقت اور خدمات کے اعتبار سے متعدد نام گنوائے۔

سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بالآخر میں نے اس خدشے سے مزید نہ پوچھا مبادا آپ مجھے سب سے آخر میں کر دیں۔[1]

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کے حسن معاملہ اور حسن سلوک کی اعلیٰ ترین مثال ہے۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہونے والا ہر شخص خود کو آپ کا خصوصی مہمان ہی تصور کرتا تھا۔ آپ کی یہ شفقت و رحمت صرف مسلمانوں ہی کے ساتھ نہ تھی بلکہ آپ غیر مسلموں سے بھی اسی حسن سلوک سے پیش آتے تھے۔

- سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی بچہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا۔ ایک دفعہ وہ بیمار ہوگیا تو آپ اس کی تیمارداری کے لیے تشریف لے گئے۔ آپ اس کے سرہانے بیٹھ گئے۔ آپ نے شفقت سے اپنا دست مبارک اس کے سر پر پھیرا اور فرمایا: ''(بیٹا) مسلمان ہو جاؤ!'' بچے نے سوالیہ نظروں سے اپنے والد کی طرف دیکھا تو وہ کہنے لگا: بیٹا ابوالقاسم (ﷺ) کی اطاعت کرو۔ وہ بچہ مسلمان ہوگیا۔ نبی کریم ﷺ باہر تشریف لائے تو فرمایا:

«الحمد لله الذي أنقذه من النار»

''اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے اس بچے کو جہنم سے بچا لیا۔''[2]

رسول اللہ ﷺ کے حسن معاملہ اور حسن سلوک سے معاشرے کے تمام لوگ مستفید ہوتے تھے۔ کمزور، ضعیف غرباء اور مساکین کو آپ کی خصوصی توجہ حاصل تھی۔ عربوں کے ظلم وستم کے شکار غلام بھی آپ کے حسن سلوک سے آزادی کی بے شمار سہولتوں سے مالا مال ہو جاتے۔ یتیم، بیوہ اور نادار لوگ بھی آپ کے حسن سلوک سے فیض یاب ہوئے۔ خواتین کو باعزت مقام و مرتبہ ملا۔ حتی کہ جانور بھی آپ کے حسن سلوک کی وجہ سے اپنے مالکوں کے ظلم وستم سے نجات پا گئے۔ الغرض آپ کا حسن معاملہ اور حسن سلوک معاشرے سے ظلم وستم ختم کرنے اور عدل و انصاف کا بول بالا کرنے کے ساتھ ساتھ سب لوگوں کو محبت و الفت کا درس دے رہا تھا۔

1 صحیح البخاری، 4358، مزید دیکھیے: فتح الباری 7/34۔ 2 صحیح البخاری: 1356

دینی مسائل ہوں یا معاشرتی، ہر شخص کو ہر مسئلے کا حل آپ کے اسوۂ حسنہ سے مل گیا۔

آپ نے معاشرے کو حسنِ معاملہ کے ذریعے سے امن وسکون کا گہوارہ بنا دیا۔ گھریلو زندگی کو امن اور خوشیوں کا گہوارہ کس طرح بنایا جاسکتا ہے؟ یہ سبق آپ ﷺ نے اپنے حُسنِ کردار سے سکھایا۔ آئیے دیکھتے ہیں کہ آپ اپنی امت کو گھریلو مسائل سے عہدہ برآ ہونے کی کیا تعلیم دیتے ہیں۔

آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

«خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي»

”تم میں سے بہترین وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے بہتر ہو اور تم سب کی نسبت میں اپنے گھر والوں کے لیے بہترین ہوں۔“[1]

اگر ازواجِ مطہرات کے درمیان کوئی شکر رنجی پیدا ہوتی تو آپ اسے بڑے سلیقے سے حل فرما دیتے۔ ایک ایسی ہی مثال سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ اپنی ایک بیوی کے ہاں تشریف فرما تھے، اس وقت ایک دوسری بیوی نے آپ کے لیے ایک پیالے میں کھانے کی کوئی چیز بھیجی۔ جس بیوی کے گھر میں آپ تشریف فرما تھے، اس نے خادم کے ہاتھ پر مارا تو پیالہ گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ نبی ﷺ نے پیالے کے ٹکڑے جمع کیے، پھر جو کھانا اس پیالے میں تھا، اسے بھی جمع کرنے لگے، پھر فرمایا: ”تمھاری ماں کو غیرت آگئی ہے۔“ پھر خادم کو روک رکھا حتی کہ اس بیوی کے گھر سے پیالہ لایا گیا جس کے پاس آپ قیام پذیر تھے۔ اس کے بعد صحیح پیالہ اس بیوی کو بھیجا جس کا پیالہ توڑ دیا گیا تھا اور ٹوٹا ہوا پیالہ اس بیوی کے گھر رہنے دیا جس نے اسے توڑا تھا۔[2]

اس واقعے میں دیکھیں کہ جس زوجہ محترمہ کے گھر سے آیا ہوا پیالہ توڑ دیا گیا تھا، آپ نے کتنے وقار سے انھیں صحیح سالم پیالہ بھیجا اور انھیں دل شکنی سے محفوظ رکھا۔ اسی طرح جس زوجہ محترمہ نے ہاتھ مار کر پیالہ توڑ دیا تھا، انھیں کتنے مہذب طریقے سے سمجھا دیا کہ ان کا یہ طرزِ عمل غلط ہے۔ نہ برا بھلا کہا، نہ طعن و ملامت کی بلکہ بڑے سلیقے سے معاملہ سلجھا دیا۔

رحمتِ عالم ﷺ نے اپنے حسنِ معاملہ اور حسنِ سلوک سے گھریلو، خاندانی اور معاشرتی مسائل کا بڑا عمدہ حل امت کو سمجھایا ہے۔ ہر ہر موقع کے لیے آپ نے امت کو تعلیمات دی ہیں جن کا بنیادی سبق صلہ رحمی، ایثار و قربانی، عدل و انصاف، تعاون و ہمدردی ہے۔ آپ نے ہر قسم کے ظلم، زیادتی، ناانصافی، جھوٹ، بد دیانتی، خیانت، لالچ، ہوس اور دھوکہ دہی کی ممانعت فرما کر معاشرے کو امن وسکون کا گہوارہ بنانے کی تعلیم دی۔

[1] سنن ابن ماجه: 1977. [2] صحيح البخاري: 5225

حسن معاشرت

رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کی اصلاح کے لیے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں چھوڑا، آپ کے بہت سے ایسے قوانین ہیں جن پر عمل کر کے ہم اپنے معاملات بہتر بنا سکتے ہیں اور لوگوں سے اپنے تعلقات خوشگوار بنیادوں پر استوار کر سکتے ہیں۔ ان میں سے چند بیان کیے جاتے ہیں:

1 سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اتَّقُوا الظُّلْمَ فَإِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَاتَّقُوا الشُّحَّ فَإِنَّ الشُّحَّ أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، حَمَلَهُمْ عَلَى أَنْ سَفَكُوا دِمَاءَهُمْ وَاسْتَحَلُّوا مَحَارِمَهُمْ»

''ظلم کرنے سے بچو کیونکہ ظلم قیامت کے روز اندھیروں کا باعث ہوگا۔ اور بخل و حرص سے بچو کیونکہ تم سے پہلے لوگوں کو بخل نے ہلاک کر دیا تھا۔ بخل ہی کی وجہ سے انھوں نے اپنے لوگوں کے خون بہائے اور اپنی حرمت والی چیزوں کو اپنے لیے حلال کر لیا۔''[1]

2 نبی اکرم ﷺ نے باہمی معاملات میں نرمی، ہمدردی، رحمدلی اور ایثار و قربانی کا درس دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

«إِنَّ اللَّهَ رَفِيقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ، وَيُعْطِي عَلَى الرِّفْقِ مَا لَا يُعْطِي عَلَى الْعُنْفِ، وَمَا لَا يُعْطِي عَلَى مَا سِوَاهُ»

''یقیناً اللہ بہت نرمی فرمانے والا ہے، نرمی کو پسند کرتا ہے۔ وہ نرمی پر وہ کچھ عنایت فرماتا ہے جو ترشی اور سختی پر عطا نہیں کرتا اور جو نرمی کے سوا کسی چیز پر عطا نہیں کرتا۔''[2]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ کچھ یہودی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے: اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ (تمھیں موت آجائے۔) میں ان کی بات سمجھ گئی۔ میں نے انھیں جواب دیا کہ ''تمھیں موت آئے اور تم پر اللہ کی لعنت برسے۔'' رسول اللہ ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو شدید غصے میں دیکھا تو فرمایا: «مَهْلًا يَا عَائِشَةُ! إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الرِّفْقَ فِي الْأَمْرِ كُلِّهِ» ''اے عائشہ! ٹھہرو! اللہ تعالیٰ تمام معاملات میں نرمی اور مہربانی پسند کرتا ہے۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ نے سنا نہیں کہ انھوں نے کیا کہا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''میں نے وَعَلَيْكُمْ (اور تمھیں بھی آجائے) کہہ کر جواب دے دیا تھا۔''[3]

3 لین دین اور تجارتی معاملات میں سچائی کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا:

«الْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا - أَوْ قَالَ: حَتَّى يَتَفَرَّقَا - فَإِنْ صَدَقَا وَبَيَّنَا بُورِكَ لَهُمَا فِي

1 صحیح مسلم: 2578 2 صحیح مسلم: 2593 3 صحیح البخاري: 6024

"بیعھما، وإن کتما وکذبا محقت برکة بیعھما"

''خریدنے اور بیچنے والے دونوں کو اختیار ہے جب تک جدا نہ ہوں ... یا یہ فرمایا یہاں تک کہ علیحدہ ہوں ... اگر وہ سچ بولیں اور عیب ظاہر کر دیں تو انھیں ان کی اس تجارت میں برکت دی جائے گی اور اگر جھوٹ بولیں یا عیب چھپائیں تو بیع کی برکت ختم کر دی جائے گی۔'' [1]

4 تجارتی معاملات میں تلخ کلامی سے باز رہنے اور مقروض سے ہمدردی اور نرمی کرنے والوں کو شاندار دعا سے نوازا۔ ارشادِ گرامی ہے:

"رحم اللّٰه رجلا سمحا إذا باع، وإذا اشتری، وإذا اقتضی"

''اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جو بیچتے، خریدتے اور تقاضا کرتے وقت نرمی اور کشادہ دلی کا مظاہرہ کرے۔'' [2]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دروازے پر دو افراد کے جھگڑنے کی آواز سنی۔ وہ باآواز بلند لڑ جھگڑ رہے تھے۔ ایک شخص دوسرے سے کچھ رعایت مانگ رہا تھا۔ اور تقاضے میں کچھ نرمی کا طلب گار تھا۔ دوسرا شخص کہہ رہا تھا: اللہ کی قسم! میں ایسا نہیں کروں گا۔ رسول اللہ ﷺ ان کی صلح کرانے کے لیے باہر تشریف لائے اور فرمایا:

"أین المتألي علی اللّٰه لا یفعل المعروف؟"

''اچھا کام نہ کرنے پر اللہ کی قسمیں کھانے والا کون ہے؟''

اس صحابی نے عرض کی: میں ہی ہوں، اے اللہ کے رسول! اب میرا بھائی جو چاہے وہی لے لے (یعنی قرض میں کمی لے لے یا مہلت، میں دونوں باتوں کے لیے تیار ہوں)۔ [3]

اس طرح آپ ﷺ نے دونوں صحابہ کو حسنِ معاملہ کی عملی تربیت دی۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"من أنظر معسرا أو وضع له أظله اللّٰه یوم القیامة تحت ظل عرشه یوم لا ظل إلا ظله"

''جس شخص نے کسی تنگ دست کو مہلت دی یا اس کا کچھ قرض معاف کر دیا، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اسے اپنے عرش کا سایہ عطا کرے گا۔ اس روز اس کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہیں ہوگا۔'' [4]

5 معاشرے میں طاقتور اور کمزور، مالدار اور غرباء، خوشحال اور تنگ دست سبھی قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ان کی

1 صحیح البخاري: 2079. 2 صحیح البخاري: 2076. 3 صحیح البخاري: 2705. 4 جامع الترمذي: 1306.

باہمی ضروریات و حاجات انھیں باہم ملائے رکھتی ہیں۔ آپ نے انھیں مل جل کر رہنے اور ایک دوسرے کی مدد و حمایت کا حکم دیا۔ دوسروں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے اور دوسروں کے اچھے برتاؤ کا عمدہ طریقے سے جواب دینے کا سبق دیا۔ ارشاد گرامی ہے:

«من استعاذ بالله فأعيذوه، ومن سأل بالله فأعطوه، ومن دعاكم فأجيبوه، ومن صنع إليكم معروفا فكافئوه، فإن لم تجدوا ما تكافئونه فادعوا له حتى تروا أنكم قد كافأتموه»

''جو شخص اللہ کے نام سے پناہ مانگے، اسے امان دے دو۔ جو شخص اللہ کے نام سے سوال کرے، اسے عطا کر دو۔ جو تمھاری دعوت کرے، اس کی دعوت قبول کر لو۔ جو تمھارے ساتھ احسان کرے، اسے اچھا بدلہ دو۔ اگر اسے بدلے میں کچھ نہ دے سکو تو اس کے لیے اتنی دعائیں کرو کہ تمھیں یقین ہو جائے کہ تم نے اس کے احسان کا بدلہ چکا دیا ہے۔'' [1]

6 عزیز و اقارب کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا، ان کی طرف سے پہنچنے والی تکالیف پر صبر کرنا اور ان کی جانب سے قطع رحمی کے باوجود رشتے داری کو ہر دم جوڑتے رہنا نہایت برکت اور اجر کا باعث ہے۔ آپ نے اس کی بڑی فضیلت بیان کی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«من أحب أن يبسط له في رزقه وينسأ له في أثره فليصل رحمه»

''جو چاہتا ہے کہ اس کے رزق میں فراخی ہو اور اس کی عمر لمبی ہو تو وہ صلہ رحمی کرے۔'' [2]

عفو و درگزر

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو نہایت نرم خو، رحمدل اور مہربان بنایا ہے۔ آپ طبعی شفقت و نرمی اور رحمدلی کے باعث سخت ترین مواقع پر بھی کمال عفو و درگزر کا مظاہرہ فرماتے تھے۔ آپ کی اسی خوبی نے آپ کو پورے عرب کا ہر دلعزیز قائد اور محبوب ترین راہنما بنا دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ پر ہونے والی اپنی اس نعمت کا تذکرہ اس طرح کیا ہے:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ ۖ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ﴾

''پھر (اے نبی!) آپ اللہ کی رحمت کے باعث ان کے لیے نرم ہو گئے۔ اگر آپ بدخلق سخت دل ہوتے تو یقیناً وہ سب آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے، بس آپ ان سے درگزر کریں اور ان کے لیے بخشش مانگیں۔'' [3]

[1] سنن أبي داود: 1672 [2] صحيح البخاري: 5986 [3] آل عمران 3:159.

دین اسلام کی دعوت و تبلیغ میں طرح طرح کی طبیعتوں اور تلخ مزاج لوگوں سے واسطہ پڑنا یقینی بات ہے۔ اسلامی تعلیمات سے بے خبر لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے وقت ان کی طرف سے شدید جہالت، بدتمیزی اور بے ادبی کا مظاہرہ بارہا ہوا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو ایسے حالات میں خصوصی حکم دیا کہ آپ عفو و درگزر سے کام لیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴾

''آپ (ان سے) درگزر کیجیے، نیک کام کا حکم دیجیے اور جاہلوں سے کنارہ کیجیے۔'' [1]

یہ حکم ربانی رسول اکرم ﷺ نے اپنے دل و دماغ کے ایک ایک ریشے میں اتار لیا۔ زندگی بھر آپ نے ایسے زبردست صبر و ثبات اور عفو و درگزر سے کام لیا جس کی مثال نہیں ملتی۔ آئیے! آپ کے عفو و درگزر کی چند جھلملاتی ہوئی جھلکیاں دیکھیے:

1 رسول اکرم ﷺ دعوت اسلام دینے کے لیے طائف گئے۔ آپ کے ہمراہ سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ آپ نے طائف کے تین سرداروں کو دین حنیف کی دعوت دی تو انھوں نے بڑی بے ادبی کی۔ نہ صرف آپ کی دعوت حق قبول کرنے سے انکار کیا بلکہ نہایت گستاخانہ کلمات بھی کہے۔ مزید برآں اپنے علاقے کے آوارہ لڑکوں کو آپ کے پیچھے بھیج دیا۔ انھوں نے آپ کو گالیاں دیں، پتھر مارے، برا بھلا کہا اور طائف سے نکلنے پر مجبور کر دیا۔ آپ ﷺ پتھروں کی بوچھاڑ سے اس قدر شدید زخمی ہوئے کہ آپ کے پائے مبارک خون سے رنگین ہو گئے۔ یہ وحشیانہ سلوک اس ارفع ہستی ﷺ سے کیا گیا جو پورے کرۂ ارض اور سارے عالم انسانیت کے لیے ابر رحمت تھی۔ ایک طرف دعوت دین کے ٹھکرائے جانے کا غم آپ کو دکھی کر رہا تھا، دوسری طرف

1 الأعراف 7:199

طائف کا جدید شہر



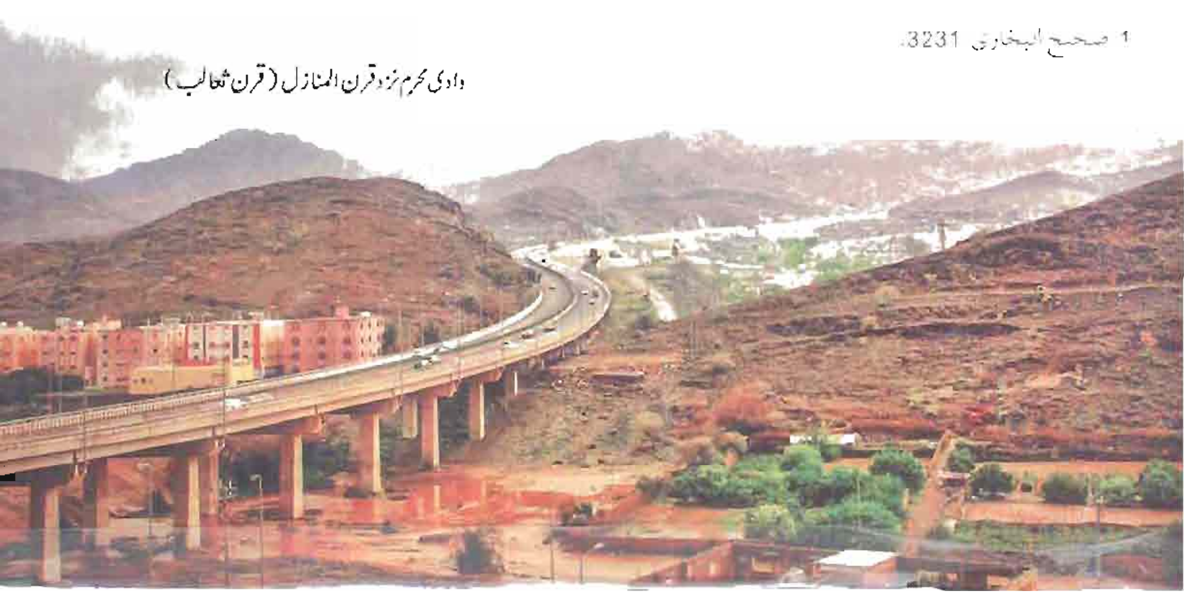
جسمانی زخموں سے خون کی بوندیں ٹپک رہی تھیں۔ اس وقت آپ نے اللہ تعالیٰ سے التجا کی تو اللہ تعالیٰ نے معا اپنی نصرت وحمایت کے لیے فرشتے بھیج دیے۔

آپ ﷺ نے اس پر کیا طرزِ عمل اختیار کیا۔ آئیے سیدہ عائشہ صدیقہ ؓ کی حدیث کی روشنی میں پڑھتے ہیں:

سیدہ عائشہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے نبی ﷺ سے عرض کیا: کیا آپ پر بھی اُحد کے دن سے زیادہ سخت دن بھی آیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے تمھاری قوم کی طرف سے سخت تکالیف کا سامنا کیا ہے اور ان کی جانب سے سخت تکلیف جو میں نے اٹھائی، وہ عقبہ کے دن اٹھائی جب میں نے ابن عبد یالیل بن عبد کلال کے سامنے دینِ حنیف پیش کیا تو اس نے میری خواہش کے مطابق جواب نہ دیا۔ میں وہاں سے رنجیدہ خاطر ہو کر لوٹا۔ (مجھے ہوش نہیں تھا کہ کدھر جا رہا ہوں۔) جب قرن ثعالب پہنچا تو ذرا ہوش آیا۔ میں نے سر اوپر اٹھایا تو دیکھا کہ بادل کے ایک ٹکڑے نے مجھ پر سایہ کر دیا ہے۔ پھر میں نے دیکھا کہ اس میں جبریل علیہ السلام موجود ہیں۔ انھوں نے مجھے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے وہ جواب سن لیا ہے جو آپ کی قوم نے آپ کو دیا ہے اور اس نے آپ کے پاس پہاڑوں کے فرشتے کو بھیجا ہے۔ آپ اسے کافروں کے متعلق جو چاہیں حکم دیں۔ پھر مجھے پہاڑوں کے فرشتے نے آواز دی اور سلام کیا۔ پھر اس نے کہا: اے محمد! آپ جو چاہیں (میں تعمیلِ حکم کے لیے حاضر ہوں)۔ اگر آپ چاہیں تو مکہ کے دونوں جانب جو پہاڑ ہیں، ان کے درمیان انھیں کچل دوں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''(نہیں) بلکہ میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسل سے ایسے لوگ پیدا کرے گا جو صرف اللہ وحدہ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔''[1]

اس طرح آپ نے ان گستاخ اور بے ادب لوگوں کے لیے بھی نیک خواہشات کا اظہار کر کے انھیں معاف کر دیا۔

1 صحیح البخاری: 3231.



وادی محرم نزد قرن المنازل (قرن ثعالب)

2 رسول اللہ ﷺ کے عفو و درگزر کے بارے میں ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

مَا ضَرَبَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ شَيْئًا قَطُّ بِيَدِهِ وَلَا امْرَأَةً وَلَا خَادِمًا إِلَّا أَنْ يُجَاهِدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا نِيلَ مِنْهُ شَيْءٌ قَطُّ فَيَنْتَقِمَ مِنْ صَاحِبِهِ إِلَّا أَنْ يُنْتَهَكَ شَيْءٌ مِنْ مَحَارِمِ اللَّهِ فَيَنْتَقِمَ لِلَّهِ عَزَّ وَجَلَّ.

''اللہ کے رسول ﷺ نے کبھی کسی کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا، کبھی کسی عورت اور خادم کو نہیں پیٹا، سوائے اس کے کہ جہاد فی سبیل اللہ میں کسی کو مارا ہو۔ اور اگر کسی نے آپ کو تکلیف پہنچائی ہو تو آپ اس سے ہرگز بدلہ نہ لیتے سوائے اس کے کہ کوئی شخص کسی حرام کام کا مرتکب ہوتا تو آپ اللہ تعالیٰ کے لیے اس سے انتقام لیتے۔''[1]

3 رسول اللہ ﷺ غزوہ ذات الرقاع کے موقع پر ایک روز دوپہر کے وقت ایک درخت کے نیچے آرام کرنے کے لیے لیٹے تھے۔ صحابہ کرام بھی وادی کے مختلف گوشوں میں درختوں کے نیچے آرام کر رہے تھے۔ آپ ﷺ کی تلوار اسی درخت سے لٹک رہی تھی جس کے نیچے آپ ﷺ آرام فرما رہے تھے۔ مسلمانوں کو آرام کرتے دیکھ کر ایک مشرک نے موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کی تلوار تھام لی اور اسے لہراتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کو دھمکیاں دینے لگا کہ آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ اس کی گستاخانہ آواز سن کر آپ بیدار ہوئے تو وہ مشرک آپ ہی کی تلوار سونتے کھڑا تھا۔ آپ نہایت سکون اور اطمینان سے بیٹھ گئے اور اس گستاخ کے سوال کے جواب میں فرمایا: ''مجھے میرا اللہ تم سے بچائے گا۔'' اتنا سننا تھا کہ اس پر شدید رعب طاری ہو گیا، اس کے ہاتھ کانپنے لگے۔ تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی اور وہ دبک کر آپ کے قدموں میں بیٹھ گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو بلایا اور انھیں مشرک کی کارستانی سنائی۔ صحابہ کرام کو بڑا غصہ آیا اور وہ لگے اس کی درگت بنانے۔ مگر آپ نے نہ صرف انھیں منع کر دیا بلکہ مہربانی فرماتے ہوئے اسے معاف کر دیا۔[2]

4 عفو و درگزر کے پیکر میدان احد میں دشمنان اسلام کے ساتھ برسر پیکار تھے۔ آپ اپنے دست مبارک سے کسی کو تکلیف دینا گوارا نہ کرتے تھے۔ البتہ معرکہ حق و باطل ہوتو آپ بھی بحکم الٰہی تلوار اٹھا لیتے تھے۔ معرکہ احد میں عتبہ بن ابی وقاص نامی ایک بدبخت نے آپ کو تاک کر پتھر مارا۔ پتھر لگنے سے آپ کے دندان مبارک شہید ہو گئے۔ آپ کے سر مبارک میں بھی زخم آیا اور خون بہنے لگا۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں۔ انھوں نے والد محترم کے چہرۂ مبارک کو خون سے رنگین دیکھا تو سخت رنجیدہ ہوئیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھاگ کر ڈھال میں پانی

[1] صحیح مسلم: 2328 [2] صحیح البخاری: 4135، 4136

لے آئے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے زخموں کو پانی سے صاف کیا مگر خون بڑھتا ہی گیا۔ بالآخر انھوں نے ایک چٹائی جلا کر اس کی راکھ زخموں میں بھر دی جس سے خون نکلنا بند ہوگیا۔ اس موقع پر آپ بھی سخت کبیدہ خاطر ہوئے۔ آپ کی زبانِ صداقت ترجمان سے سخت کلمات نکل گئے۔ ارشاد فرمایا:

«اشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰى مَنْ قَتَلَهُ نَبِيٌّ، اشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰى مَنْ دَمّٰى وَجْهَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ»

''اللہ تعالیٰ کا انتہائی غضب اس شخص پر نازل ہوتا ہے جسے (اللہ کے) نبی نے قتل کیا ہو اور اللہ کا قہر اس شخص پر بھی نازل ہوا جس نے رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ انور کو خون آلود کیا۔''[1]

ایک روایت میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں:

«لَوْ وَقَعَ مِنْهُ شَيْءٌ عَلَى الْأَرْضِ لَنَزَلَ عَلَيْكُمُ الْعَذَابُ مِنَ السَّمَاءِ»

''اگر اس خون کا ایک قطرہ بھی زمین پر گر جاتا تو آسمان سے تم پر عذاب نازل ہو جاتا۔''

لیکن پھر تھوڑی ہی دیر کے بعد آپ کی رحمت و شفقت آپ کے غصے پر غالب آگئی۔ آپ نے درگزر کرتے ہوئے فرمایا: «اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ» ''اے اللہ! میری قوم کو معاف فرما دے۔ یقیناً وہ (میرے مقام و مرتبے کو) نہیں جانتے۔''[2]

تورات ملفوف نسخہ (لفیفہ، scroll)



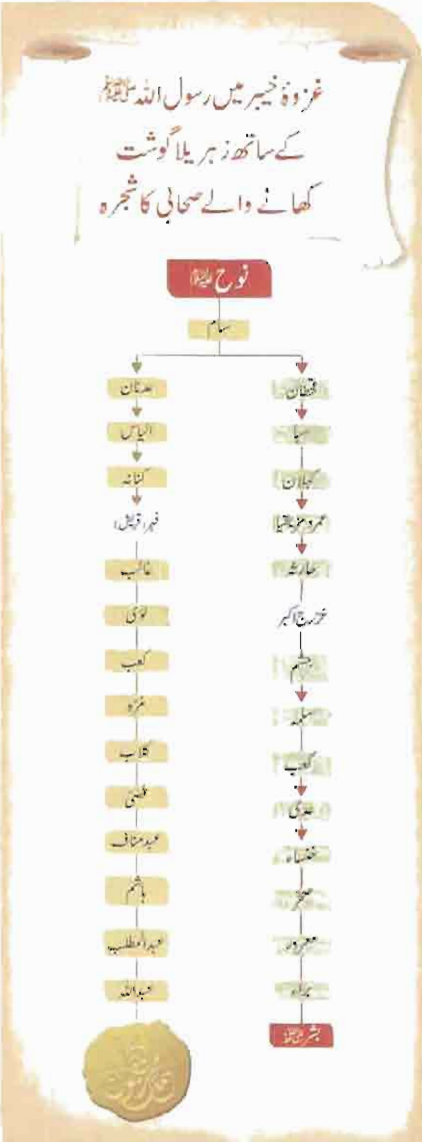
5 سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی نرم دلی، نرم مزاجی اور عفو و درگزر کی یہ خوبیاں تورات میں بھی بیان ہوئی ہیں:

وَحِرْزًا لِلْأُمِّيِّينَ، أَنْتَ عَبْدِي وَرَسُولِي سَمَّيْتُكَ الْمُتَوَكِّلَ، لَيْسَ بِفَظٍّ وَلَا غَلِيظٍ وَلَا سَخَّابٍ فِي الْأَسْوَاقِ، وَلَا يَدْفَعُ بِالسَّيِّئَةِ السَّيِّئَةَ وَلٰكِنْ يَعْفُو وَيَغْفِرُ، وَلَنْ يَقْبِضَهُ اللّٰهُ حَتّٰى يُقِيمَ بِهِ الْمِلَّةَ الْعَوْجَاءَ بِأَنْ يَقُولُوا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَيَفْتَحُ بِهَا أَعْيُنًا عُمْيًا، وَآذَانًا صُمًّا، وَقُلُوبًا غُلْفًا

''(اللہ نے آپ کو ڈرانے والا) اور امیین کی نگہبانی کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔ تو میرا بندہ اور میرا رسول

1 صحیح البخاري 4076. 2 فتح الباري :466/7، صحیح البخاري 4075

ہے۔ میں نے تیرا نام متوکل رکھا ہے۔ نہ تو بدخلق ہے اور نہ سنگ دل۔ نہ تو بازاروں میں شور و شغب کرنے والا ہے، نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتا ہے بلکہ درگزر اور مہربانی فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے اس وقت تک ہرگز موت سے دوچار نہیں کرے گا جب تک کہ اس کے ذریعے سے ایک کج رو (ٹیڑھی) قوم کو سیدھا نہ کر دے باں طور کہ وہ لا الٰہ الا اللہ کہنے لگیں اور اس کے ذریعے سے اندھے بینا ہو جائیں اور بہرے کان سننے لگیں اور بستہ دل کھول دیے جائیں۔"[1]



رحمت عالم ﷺ کی زندگی عفو و درگزر کے واقعات سے مزین ہے۔ آپ نے اپنے جانی دشمنوں کو بھی کمال مہربانی سے معاف کر دیا جبکہ انھوں نے آپ کی جان لینے کی بھرپور کوشش بھی کی تھی، جب وہ ناکام ہو گئے تو آپ نے ان بدبختوں پر غلبہ پانے کے باوجود ان کی جاں بخشی کر دی۔ خیبر کی یہودی عورت نے دعوت کے بہانے زہر دے کر آپ کو قتل کرنے کی مذموم کوشش کی۔ آپ گوشت کا نوالہ نگل ہی نہ سکے۔ گوشت کے نوالے نے آپ کو خبردار کر دیا کہ وہ زہر آلود ہے۔ اس زہریلے گوشت کے کھانے سے سیدنا بشر بن براء بن معرور انصاری رضی اللہ عنہ بعد میں شہادت پا گئے۔ اس گوشت کے اثرات کی بابت آپ نے زندگی کے آخری لمحات میں فرمایا:

"ما زلت أجد من الأكلة التي أكلت بخيبر فهذا أوان قطعت أبهري"

"میں اس لقمے کی وجہ سے جو میں نے خیبر میں کھایا تھا، ہمیشہ تکلیف میں رہا ہوں، اور اب یہ وقت آ گیا ہے کہ اس نے میری شاہ رگ کاٹ دی ہے۔"[2]

1 صحیح البخاري: 2125، اس حوالے سے تورات کا اقتباس پڑھنے کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلو پیڈیا 2/390،391۔ 2 سنن أبي داود: 4512

اس خبیث یہودی عورت کو اسلام دشمنی میں حد سے بڑھ جانے کے باوجود آپ نے معاف فرما دیا۔ البتہ جب سیدنا بشر بن براء رضی اللہ عنہ نے اسی زہریلے گوشت کی وجہ سے شہادت پائی تو آپ نے اس یہودی عورت کو قصاص میں قتل کرا دیا۔[1]

6 اہلِ مکہ نے اپنی طاقت، گھمنڈ اور قریش کی سرداری کے نشے میں مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے تھے۔ ابوجہل اور ابولہب جیسے لوگوں نے خود رسالت مآب ﷺ کی ذات گرامی کے خلاف ہر مذموم حربہ آزمایا تھا۔ مسلمان جب تک مکہ میں رہے، قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتے رہے۔ کمزور اور نادار مسلمانوں کی زندگی اجیرن بنا دی گئی۔ مالدار مسلمانوں کے مال لوٹ لیے گئے اور انھیں تہی دامن کر کے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا گیا۔ اپنے وطن سے دوری، عزیز و اقارب کی جدائی، مال و متاع کے چھن جانے کا غم انھیں کئی سال تک دکھی کرتا رہا۔ ان کے جسم زخموں سے پاک ہو گئے مگر روح میں لگے کچوکے انھیں ہر دم زخمی پرندوں کی طرح تڑپاتے رہتے تھے۔ بالآخر اسلام کے غلبے اور قوت کا دن آ گیا۔ رسول اللہ ﷺ 10 ہزار کا لشکر جرار لے کر مکہ میں پوری شان و شوکت سے داخل ہو رہے تھے اور کسی دشمن کو سامنے آنے کی جرأت نہ تھی۔ جی ہاں یہ وہی مکہ ہے جہاں سے کچھ سال پیشتر مسلمانوں کو لاچار و مجبور سمجھ کر نکال دیا گیا تھا، آج مسلمان اپنے اوپر ہونے والے ہر ظلم کا بدلہ چکا دینے کے لیے تیار تھے۔ ہر زخم کا حساب لینے کا وقت آ گیا تھا۔ ہر مظلوم اپنے شیر دل بھائیوں کے ساتھ ظالموں کو تہ تیغ کرنے کے لیے بے چین ہو رہا تھا۔ سیدنا سعد بن عبادہ جیسے زیرک لیڈر بھی اپنے مظلوم بھائیوں کا بدلہ لینے کے لیے بے تاب ہو کر کہہ رہے تھے: اَلْيَوْمَ يَوْمُ الْمَلْحَمَة ''آج بڑی جنگ لڑی جائے گی، آج قتل عام کا دن ہے۔''

مسجد سیدنا سعد بن عبادہ (دمام)



تبھی مظلوم اپنی تلواریں تیز کیے بیٹھے تھے لیکن رحمتِ عالم کی شان ہی نرالی تھی، آپ ﷺ اپنے رب کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہوئے نہایت عجز و انکسار کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے۔ آج برسوں پرانے دشمن گردنیں جھکائے

1 المنہاج شرح صحیح مسلم: 450/3

کھڑے تھے، وہ اپنی قسمت کے فیصلے کے منتظر تھے۔ انھیں نہتے مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے اپنے ہولناک مظالم ایک ایک کرکے یاد آرہے تھے۔ ان کا ہر ہر ظلم گردن مار دینے کے لیے کافی تھا۔ ان کے جرائم بے شمار تھے اور فتح مکہ ان کا بدلہ چکا دینے کے لیے کافی تھی۔ آج مسلمان غالب اور مکہ کے سفاک ظالم مغلوب تھے۔ آج قوت و طاقت کا محور گھوم کر مسلمانوں کے ہاتھ آچکا تھا۔ اس عالم میں اچانک رسول اللہ ﷺ کی صدائے دلنواز گونجی، آپ دیرینہ دشمنوں، ظالموں اور متکبروں کو مخاطب کرکے پوچھ رہے تھے: ''آج تم مجھ سے کس سلوک کے خواہش مند ہو؟'' سب نے بیک زبان رحم کی اپیل کی۔ آپ ﷺ نے عفو و درگزر اور مروت و مہربانی کا وہ نمونہ پیش کیا جس کی تاریخ عالم میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ آپ ﷺ کے خون کے پیاسے دشمنوں کے دل لرز رہے تھے، نگاہیں جھکی ہوئی تھیں اور ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ یکا یک انھوں نے سنا کہ رحمتِ مجسم ﷺ انھیں بخشش و امن کا پروانہ دے رہے اور فرما رہے ہیں:

«اذهبوا فأنتم الطلقاء»

''جاؤ تم سب آزاد ہو۔''

آپ نے فرمایا: ''میں تمھیں وہی الفاظ کہتا ہوں جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہے تھے:

﴿لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ﴾

''آج تم پر کوئی ملامت نہیں، اللہ تمھاری مغفرت کرے اور وہ ارحم الراحمین ہے۔''[1]

یہ ارشادات سن کر آپ ﷺ کے بدترین دشمن سناٹے میں آگئے اور آپ ﷺ کے احترام میں ان کے سر ہی نہیں دل بھی جھک گئے۔ وہی ناآشنائے انسانیت لوگ جو پہلے آپ ﷺ کی صدائے دعوت سننے کے بھی روادار نہ تھے، کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے تھے، اب ایسے فدائے حق بن گئے کہ لپک لپک کر حلقہ بگوشِ اسلام ہونے لگے۔ بخششِ عام اور رحمتِ دوام کا یہی سبق تھا جو آپ ﷺ نے اپنے مبارک عمل سے پوری امت کو سکھایا اور ہمیشہ کے لیے قلوب کو مسخر کرنے کا سب سے بڑا گر بتایا۔

7 سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ صبح و شام یہ دعا مانگا کرتے تھے:

«اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي دِينِي وَدُنْيَايَ وَأَهْلِي وَمَالِي، اللَّهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِي وَآمِنْ رَوْعَاتِي، اللَّهُمَّ احْفَظْنِي مِنْ

[1] السنن الكبرى للبيهقي: 18739، صحيح البخاري: 4280.

بين يدي ومن خلفي وعن يميني وعن شمالي ومن فوقي وأعوذ بعظمتك أن أغتال من تحتي»

''اے اللہ! میں تجھ سے دنیا اور آخرت میں معافی اور ہر طرح کے آرام و راحت کا سوال کرتا ہوں۔ اے اللہ! میں تجھ سے اپنے دین و دنیا اور اپنے اہل و مال میں معافی اور عافیت و سلامتی کا طلب گار ہوں۔ اے اللہ! میرے عیب چھپا دے اور مجھے اندیشوں اور گھبراہٹوں سے امن عنایت فرما۔ یا اللہ! میرے آگے، میرے پیچھے، میرے دائیں، میرے بائیں اور میرے اوپر سے میری حفاظت فرما۔ اور میں تیری عظمت کے ذریعے سے اس بات کی پناہ چاہتا ہوں کہ میں اپنے نیچے کی طرف سے ہلاک کر دیا جاؤں۔''[1]

صبر و تحمل

رسول اللہ ﷺ کی عالی صفات میں سے ایک نمایاں صفت صبر و تحمل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دین کی نشر و اشاعت اور تبلیغ کے سلسلے میں صبر و ثبات کی ضرورت قدم بقدم رہتی ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے صبر از حد ضروری ہے۔ دشمنوں پر کامیابی اور نصرت الٰہی کے حصول کے لیے صبر شرط لازم ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی پوری زندگی صبر و تحمل، ناقابل تسخیر ایمان و یقین اور عزم و ثبات کی آئینہ دار ہے۔ آپ نے تبلیغ دین میں جس صبر، حوصلے اور ولولے سے کام لیا، وہ امت کے لیے بڑا شاندار اسوہ ہے۔ آئیے! سیرت نبوی میں صبر و تحمل کی تجلیاں دیکھیے۔

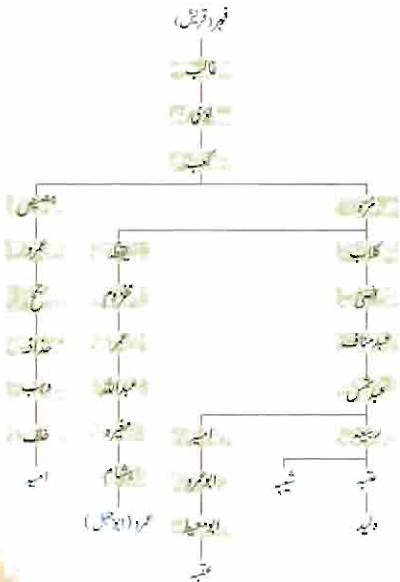
1 رسول اللہ ﷺ کو مکہ مکرمہ میں ابوجہل، امیہ، ابولہب جیسے دشمنوں نے بے شمار تکالیف پہنچائیں لیکن آپ نے صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا۔ آپ کی برداشت اور حوصلے کی بدولت اللہ تعالیٰ نے آپ کو کامیابی عطا فرمائی۔ کفار قریش کی اذیتیں روحانی اور جسمانی دونوں طرح کی ہوتی تھیں۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک دفعہ کعبے کے پاس نماز پڑھ رہے تھے۔ ابوجہل اور اس کے ساتھی وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ آپس میں کہنے لگے: تم میں سے کون ہے جو فلاں قبیلے کی اونٹنی کی بچہ دانی لے آئے جسے وہ سجدے کی حالت میں محمد (ﷺ) کی پشت پر رکھ دے؟ چنانچہ ان میں سے ایک سب سے زیادہ بدبخت اٹھا اور بچہ دانی اٹھا لایا، پھر دیکھتا رہا۔ جب نبی ﷺ سجدے میں گئے تو اس نے اسے آپ کے دونوں شانوں کے درمیان پشت پر رکھ دیا۔ میں یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا لیکن بے بس تھا، کچھ کر نہ سکتا تھا۔ کاش! مجھے تحفظ حاصل ہوتا۔ پھر وہ ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو کر ایک دوسرے پر گرنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ سجدے ہی میں پڑے رہے، اپنا سر نہیں اٹھایا تا آنکہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں اور آپ کی پشت پر سے اسے اٹھا کر پھینک دیا۔

1 سنن ابن ماجه: 3871، سنن أبي داود: 5074.

تب آپ نے اپنا سر مبارک اٹھایا اور تین مرتبہ یوں بد دعا کی: ''یا اللہ! قریش سے بدلہ لے۔'' رسول اللہ ﷺ کا یوں بد دعا کرنا ان پر بڑا گراں گزرا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اس شہر میں دعا قبول ہوتی ہے۔ پھر آپ نے نام بہ نام فرمایا: ''یا اللہ! ابوجہل سے انتقام لے۔ عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ، امیہ بن خلف اور عقبہ بن ابی معیط کو ہلاک کر دے۔'' آپ نے ساتویں شخص کا بھی نام لیا لیکن میں وہ نام بھول گیا۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں نے ان لوگوں کو دیکھا جن کا نام رسول اللہ ﷺ نے لیا تھا، وہ بدر کے کنویں میں مرے پڑے تھے۔[1]

رسول اللہ ﷺ نے جن کے لیے ہلاکت کی بد دعا کی



2 رسول اللہ ﷺ کی زندگی سادگی، قناعت اور زہد و تقوے کا نمونہ تھی۔ آپ کے پاس جس قدر مال پہنچتا، آپ ضرورت مند احباب میں تقسیم فرما دیتے۔ اس کے باوجود بعض اوقات معترضین ناروا شکوہ کر دیتے اور آپ کو سخت اذیت پہنچاتے مگر آپ صبر کرتے اور سابقہ اولوالعزم رسولوں کی مصائب بھری زندگیوں کو یاد کر کے خود کو تسلی دے لیتے۔ غزوۂ حنین میں مسلمانوں کو کثیر اموال حاصل ہوئے۔ آپ نے ہزاروں اونٹ، بکریاں، غلام اور سونا چاندی مسلمانوں میں تقسیم کیا۔ آپ نے نومسلموں کی تالیف قلبی کے لیے انھیں دیگر لوگوں سے زیادہ مال عطا کیا۔ اس پر ایک انصاری کی زبان سے یہ جملہ پھسل گیا:
''اس تقسیم سے اللہ کی رضا مقصود نہیں (بلکہ اپنی ذاتی پسند و ناپسند کو مدنظر رکھا گیا ہے)۔''

یہ کلمات سن کر آپ کا چہرۂ مبارک سرخ ہو گیا۔ آپ نے کوئی انتقامی کارروائی نہیں کی۔ صرف اتنا فرمایا: رحمة الله على موسى لقد أوذي بأكثر من هذا فصبر ''اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے، انھیں اس سے بھی زیادہ تکلیف دی گئی، لیکن انھوں نے صبر سے کام لیا۔''[2]

1 صحیح البخاري، 240. 2 صحیح البخاري، 4335.

اس موقع پر ذوالخویصرہ تمیمی نے انتہائی بے ادبی سے کہا: اے محمد! عدل کیجیے۔ رسول اللہ ﷺ کو غصہ آ گیا۔ آپ نے فرمایا: "ویلك ومن یعدل إذا لم أعدل" ''تیری بربادی ہو۔ اگر میں نے عدل نہیں کیا تو پھر کون عدل کرے گا۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: حضور! اجازت دیجیے میں اس گستاخ کی گردن اتار دوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"دعه فإن له أصحابا يحقر أحدكم صلاته مع صلاتهم وصيامه مع صيامهم يمرقون من الدين كما يمرق السهم من الرمية ينظر في قذذه فلا يوجد فيه شيء ثم ينظر في نصله فلا يوجد فيه شيء ثم ينظر في رصافه فلا يوجد فيه شيء ثم ينظر في نضيه فلا يوجد فيه شيء قد سبق الفرث والدم آيتهم رجل إحدى يديه أو قال ثدييه مثل ثدي المرأة أو قال مثل البضعة تدردر يخرجون على حين فرقة من الناس"

''نہیں، اسے چھوڑ دو۔ اس کے کچھ ایسے ساتھی ہوں گے کہ تم ان کی نماز، روزے کے مقابلے میں اپنی نماز اور روزے کو حقیر خیال کرو گے لیکن وہ دین سے یوں نکل جائیں گے جیسے تیر شکار کو زخمی کر کے نکل جاتا ہے۔ تیر کے پر کو دیکھا جائے تو اس پر کوئی نشان نہیں ہوتا۔ اس کے پھل کو دیکھا جائے تو وہاں بھی کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ اس کے پیکان کو دیکھا جائے تو وہاں خون کا دھبا نہیں ہوتا۔ اس کی لکڑی کو دیکھا جائے تو وہاں بھی کوئی نشان نہیں ہوتا، حالانکہ وہ شکار کی غلاظت اور خون سے گزر کر گیا ہے۔ ان کی نشانی ایک آدمی ہوگا جس کا ایک ہاتھ یا چھاتی عورت کی چھاتی کی طرح یا گوشت کے ٹکڑے کی طرح حرکت کرتا ہوگا۔ یہ لوگ مسلمانوں میں پھوٹ کے وقت پیدا ہوں گے۔''[1]

3 رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ مشرکین مکہ اور منافقین مدینہ کی اذیتوں کے صدموں سے بھری ہوئی ہے مگر آپ نے ہر موقع پر صبر و ثبات کا دامن تھامے رکھا اور ان تکالیف کو نہایت خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ منافقین آپ کو دکھ پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ منافقین نے آپ کی محبوب ترین زوجہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی تو آپ کی زندگی میں بھونچال آ گیا۔ تقریباً ایک ماہ تک وحی الٰہی بھی نہ آئی۔ یہ سانحہ واقعۂ افک کے نام سے مشہور ہے۔[2] منافقین کے نشتر عام مسلمانوں کے جگر بھی چھلنی کر رہے تھے۔ نبی کریم ﷺ اور آپ کے اہل خانہ نے مصیبتوں کے ان پہاڑوں کو بڑے صبر و ثبات کے ساتھ برداشت کیا۔

1 صحیح البخاري: 6933، 2 صحیح البخاري: 4141، واقعۂ افک کی مکمل تفصیل سیرت انسائیکلوپیڈیا 7/201-234 میں موجود ہے۔

4 نبی اکرم ﷺ کی ذاتی زندگی مسلمانوں کے لیے تمام معاملات میں اسوۂ حسنہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تین بیٹے عطا فرمائے۔ تینوں بچپن ہی میں فوت ہوگئے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی وفات آپ کے بازوؤں میں ہوئی۔ اس وقت آپ کی مبارک آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔ سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ بھی رو رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''اے ابن عوف! یہ تو رحمت (الٰہی) کے باعث ہے۔'' پھر آپ نے اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر پر اپنے پختہ ایمان کا اظہار اس طرح کیا:

إِنَّ الْعَيْنَ تَدْمَعُ وَالْقَلْبَ يَحْزَنُ، وَلَا نَقُولُ إِلَّا مَا يَرْضَى رَبُّنَا، وَإِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا إِبْرَاهِيمُ لَمَحْزُونُونَ

''آنکھ اشکبار اور دل غمزدہ ہے لیکن ہم زبان سے وہی کہیں گے جس سے ہمارا رب راضی ہو۔ اے ابراہیم! ہم تیری جدائی سے یقیناً غمگین ہیں۔''[1]

5 رسول اللہ ﷺ کی شدید خواہش تھی کہ مدینہ کے سردار مخلص مسلمان بن جائیں تاکہ دعوتِ دین آسانی سے پھیل سکے۔ اس مقصد کے لیے آپ ان کی مجلسوں میں حاضر ہوتے اور انھیں اسلامی تعلیمات سے روشناس کراتے۔ مگر آپ کو بعض منافقین کی بدتمیزی اور جہالت کا سامنا کرنا پڑتا جسے آپ صبر و حوصلے سے برداشت کرتے۔ آپ عفو و درگزر سے کام لے کر انھیں معاف فرما دیتے۔ ایک ایسا ہی واقعہ سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے:

نبی ﷺ ایک گدھے پر سوار ہوئے جس پر پالان رکھا ہوا تھا اور نیچے فدک کی بنی ہوئی ایک مخملی چادر بچھی ہوئی تھی۔ آپ نے اپنے پیچھے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو بٹھایا تھا۔ آپ بنو حارث بن خزرج میں سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی مزاج پرسی کے لیے تشریف لے جا رہے تھے۔ یہ غزوۂ بدر سے پہلے کا واقعہ ہے۔ آپ ایک ایسی مجلس کے پاس سے گزرے جس میں مسلمان، بت پرست مشرک اور یہودی سب ہی شریک تھے۔ ان میں عبداللہ بن ابی ابن سلول بھی تھا۔ اس مجلس میں سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ جب مجلس پر سواری کا گرد و غبار پڑا تو عبداللہ بن ابی نے چادر سے اپنی ناک ڈھانپ لی اور کہنے لگا: ہمارے اوپر غبار نہ اڑاؤ۔ نبی ﷺ نے اہل مجلس کو سلام کیا اور وہاں رک گئے۔ آپ نے سواری سے اتر کر انھیں اللہ کے دین کی دعوت دی اور قرآن مجید کی تلاوت فرمائی۔ عبداللہ بن ابی کہنے لگا: اے آدمی! اس سے اچھی کوئی دوسری چیز نہیں ہے جو آپ کہتے ہیں۔ اگر یہ حق ہے تو

[1] صحيح البخاري: 1303

ہماری مجالس میں آ کر ہماری اذیت کا باعث نہ ہو، اپنے گھر چلے جاؤ، جو کوئی ہم میں سے تمھارے پاس آئے، اسے اپنی باتیں سنا دیا کرو۔ ابن رواحہ ؓ نے کہا: آپ ہماری مجالس میں ضرور تشریف لایا کریں کیونکہ ہم اسے پسند کرتے ہیں۔ پھر مسلمانوں، مشرکوں اور یہودیوں میں اس بات پر تو تو، میں میں ہونے لگی۔ قریب تھا کہ وہ آپس میں لڑ پڑیں۔ نبی ﷺ انھیں مسلسل خاموش کراتے رہے۔ جب وہ چپ ہو گئے تو آپ ﷺ اپنی سواری پر بیٹھ کر سعد بن عبادہ ؓ کے ہاں تشریف لے گئے اور فرمایا: ''اے سعد! کیا تم نے سنا ہے آج ابوحباب نے کیا بات کہی ہے؟ اس نے یہ یہ باتیں کی ہیں۔'' آپ کا اشارہ عبداللہ بن ابی کی طرف تھا۔ سیدنا سعد ؓ نے کہا: اے اللہ کے رسول! اسے معاف کر دیں اور اس سے درگزر فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ آپ کو دیا ہے، وہ حق ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اس بستی کے لوگ اس بات پر متفق ہو گئے تھے کہ اس شخص کی تاج پوشی کریں اور اس کے سر پر سرداری کی پگڑی باندھیں، لیکن جب اللہ تعالیٰ نے اس منصوبے کو اس حق کی وجہ سے ختم کر دیا جو اس نے آپ کو عطا فرمایا ہے تو یہ بھڑک اٹھا ہے، اسی وجہ سے اس نے یہ کردار ادا کیا ہے جس کا آپ نے مشاہدہ کیا ہے۔ چنانچہ نبی ﷺ نے اسے معاف کر دیا۔[1]

6 رسول اللہ ﷺ کو روحانی اور جسمانی تکالیف پہنچائی گئیں۔ یہ تکالیف آپ کے مقام و مرتبے کے لحاظ سے بڑی شدید تھیں۔ سیدنا سعد بن ابی وقاص ؓ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! سب سے زیادہ آزمائشیں کن لوگوں پر آتی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«الأنبياء ثم الأمثل فالأمثل، يبتلى الرجل على حسب دينه، فإن كان في دينه صلبا اشتد بلاؤه، وإن كان في دينه رقة ابتلي على قدر دينه، فما يبرح البلاء بالعبد حتى يتركه يمشي على الأرض وما عليه خطيئة»

''نبیوں پر (سب سے سخت آزمائش آتی ہے)، پھر جو ان کے بعد سب سے افضل ہیں، پھر جو ان کے بعد سب سے افضل ہیں۔ بندے پر اس کے دین کے مطابق آزمائش آتی ہے۔ اگر وہ اپنے دین (اور ایمان) میں مضبوط ہو تو اس کی آزمائش بھی سخت ہوتی ہے۔ اگر اس کا ایمان نرم ہو تو اس کے ایمان کے مطابق آزمائش آتی ہے۔ بندے پر آزمائش اور مصیبت آتی رہتی ہے حتی کہ اسے ایسا کر کے چھوڑتی ہے کہ وہ زمین پر چل پھر رہا ہوتا ہے اور اس کے ذمے کوئی گناہ باقی نہیں رہتا۔''[2]

[1] صحيح البخاري 6254. [2] جامع الترمذي 2398.

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ کو بخار تھا۔ میں نے ہاتھ لگا کر دیکھا تو عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ کو بڑا شدید بخار ہے۔ آپ نے فرمایا:

«أَجَلْ، إِنِّي أُوعَكُ كَمَا يُوعَكُ رَجُلَانِ مِنْكُمْ»

''ہاں، مجھے اتنا تیز بخار ہوتا ہے جتنا تم میں سے دو آدمیوں کو ہوتا ہے۔''

میں نے عرض کی: کیا یہ دہرا بخار (اور تکلیف) اس لیے ہے کہ آپ کو اجر وثواب بھی دہرا ملتا ہے؟ آپ نے فرمایا:

«أَجَلْ، ذٰلِكَ كَذٰلِكَ، مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُصِيبُهُ أَذًى، شَوْكَةٌ فَمَا فَوْقَهَا، إِلَّا كَفَّرَ اللّٰهُ بِهَا سَيِّئَاتِهِ، كَمَا تَحُطُّ الشَّجَرَةُ وَرَقَهَا»

''ہاں یہی بات ہے۔ مسلمان کو جو بھی تکلیف پہنچتی ہے، وہ کانٹا ہو یا اس سے کم، اس کے باعث اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو ایسے ختم کر دیتا ہے جیسے درخت اپنے پتے گرا دیتا ہے۔''[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مومنوں کے لیے اسوۂ حسنہ ہے۔ آپ کے صبر و ثبات سے ہمیں بھی سبق ملتا ہے کہ زندگی میں آنے والی تکالیف اور آزمائشوں پر صبر کرنا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو پسند کرتا ہے اور انھیں بے حساب اجر وثواب سے نوازتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ۭ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۣ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۝ ﴾

''اور ہم تمھیں کسی قدر خوف اور بھوک سے اور مالوں، جانوں اور پھلوں میں کمی کر کے ضرور آزمائیں گے۔ اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیجیے۔ وہ لوگ کہ جب انھیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں: بے شک ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور بے شک ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے ان کے رب کی طرف سے بخشش اور رحمت ہے اور یہی ہدایت یافتہ ہیں۔''[2]

نیز فرمایا:

﴿ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ ﴾

''صرف صبر کرنے والوں ہی کو ان کا پورا پورا اجر بے حساب دیا جائے گا۔''[3]

[1] صحيح البخاري: 5648. [2] البقرة 2: 155-157. [3] الزمر 39: 10

امت کو صبر و تحمل کی تلقین

رسول اکرم ﷺ نے امت کو صبر و حوصلے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:

1 «مَا يُصِيبُ الْمُسْلِمَ مِنْ نَصَبٍ وَلَا وَصَبٍ وَلَا هَمٍّ وَلَا حُزْنٍ وَلَا أَذًى وَلَا غَمٍّ حَتَّى الشَّوْكَةِ يُشَاكُهَا إِلَّا كَفَّرَ اللَّهُ بِهَا مِنْ خَطَايَاهُ»

''مسلمان کو جو بھی پریشانی، بیماری، رنج و ملال، تکلیف اور غم پہنچتا ہے یہاں تک کہ اسے کوئی کانٹا بھی چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے۔''[1]

2 «لَا يَمُوتُ لِمُسْلِمٍ ثَلَاثَةٌ مِنَ الْوَلَدِ فَيَلِجَ النَّارَ إِلَّا تَحِلَّةَ الْقَسَمِ» قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ: ﴿وَإِنْ مِنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا﴾

''جب کسی مسلمان کے تین بچے فوت ہو جائیں، وہ دوزخ میں داخل نہیں ہوگا۔ صرف قسم کو پورا کرنے کے لیے دوزخ پر وارد ہوگا۔'' ابو عبداللہ (امام بخاری) نے فرمایا: اس سے مراد اللہ کا یہ فرمان ہے: ''اور تم میں سے ہر شخص اس (جہنم) پر وارد ہونے والا ہے۔''[2]

3 «مَا يَكُونُ عِنْدِي مِنْ خَيْرٍ لَا أَدَّخِرُهُ عَنْكُمْ، وَإِنَّهُ مَنْ يَسْتَعِفَّ يُعِفَّهُ اللَّهُ، وَمَنْ يَتَصَبَّرْ يُصَبِّرْهُ اللَّهُ، وَمَنْ يَسْتَغْنِ يُغْنِهِ اللَّهُ، وَلَنْ تُعْطَوْا عَطَاءً خَيْرًا وَأَوْسَعَ مِنَ الصَّبْرِ»

''جو اچھی چیز میرے پاس ہے، وہ میں تم سے چھپا کر نہیں رکھتا، لیکن بات یہ ہے کہ جو تم میں سے بچتا رہے گا، اللہ اس کو بچائے گا۔ جو صبر کرنا چاہے، اللہ اسے صبر دے گا اور جو کوئی غنا چاہتا ہے، اللہ اسے مستغنی کر دے گا۔ اور تمھیں صبر سے بہتر اور وسیع تر کوئی چیز نہیں ملی۔''[3]

4 سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَا مِنْ مُسْلِمٍ تُصِيبُهُ مُصِيبَةٌ فَيَقُولُ مَا أَمَرَهُ اللَّهُ: إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ، اللَّهُمَّ أْجُرْنِي فِي مُصِيبَتِي وَأَخْلِفْ لِي خَيْرًا مِنْهَا، إِلَّا أَخْلَفَ اللَّهُ لَهُ خَيْرًا مِنْهَا»

''جس مسلمان کو کوئی تکلیف یا مصیبت پہنچتی ہے اور وہ وہی دعا پڑھتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے پڑھنے کا حکم دیا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اس (چھن جانے والی نعمت) سے بہتر نعمت عطا کر دیتا ہے۔ وہ دعا یہ ہے: إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا

1 صحيح البخاري: 5641، 5642. 2 صحيح البخاري: 1251. 3 صحيح البخاري: 6470.

راجِعُونَ، اللّٰهُمَّ أْجُرْنِي فِي مُصِيبَتِي وَأَخْلِفْ لِي خَيْرًا مِنْهَا" ''بے شک ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور ہم اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ اے اللہ! مجھے میری مصیبت میں اجر و ثواب عطا فرما اور اس کا نعم البدل عطا فرما۔''[1]

عدل و انصاف

عدل و انصاف ایک عظیم خوبی ہے جو مظلوم کی قوی امید، اس کی دادرسی کا مضبوط سہارا، صالح لوگوں کا وتیرہ اور مومنوں کی کامیابی و کامرانی کا ذریعہ ہے۔ سید الانبیاء والمرسلین محمد ﷺ اس خوبی سے خوب بہرہ مند تھے۔ آپ نے اپنی جان، اہل خانہ، خاندان، برادری، قرابت دار اور دور والے، دوست اور دشمن سب کے ساتھ عدل و انصاف کی اعلیٰ ترین مثالیں قائم کیں جس سے مدنی معاشرہ امن و سکون کا گہوارہ بن گیا۔ معاشرے کو برائیوں سے پاک کرنے، ظالم کے ہاتھ روکنے اور مظلوم کی بروقت دادرسی کے لیے عدل و انصاف کی اہمیت مسلم ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے عدل و انصاف کا حکم دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم اللہ کے لیے (حق پر) قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو، اور کسی قوم کی دشمنی تمھیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم عدل نہ کرو، عدل کرو، یہی بات تقویٰ کے زیادہ قریب ہے، اور اللہ سے ڈرو، بے شک تم جو عمل کرتے ہو، اللہ اس سے خوب آگاہ ہے۔''[2]

اسلام ایک مکمل نظام زندگی ہے، اس لیے یہ تمام مشکلات حل کرنے کا عادلانہ نظام بھی پیش کرتا ہے۔ سید الانبیاء رحمت عالم ﷺ نے عدل و انصاف کے تقاضے کس طرح پورے کیے اور معاشرے میں روا ظلم کے سامنے کس طرح بند باندھا؟ اس کی چند مثالیں دیکھیے:

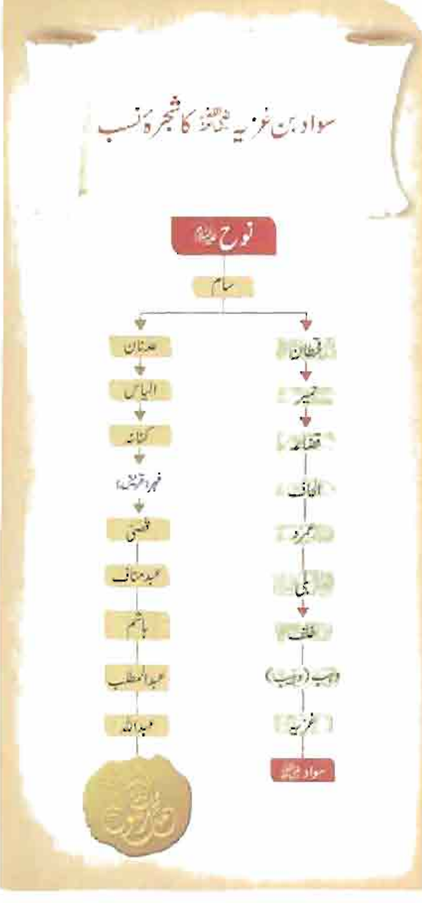
1 سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک مخزومی عورت نے چوری کر لی۔ سرداران قریش پریشان ہو گئے کہ اگر اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا تو بڑی رسوائی ہوگی۔ لیکن رسول اللہ ﷺ سے سزا معاف کرنے کی بات کون کرے؟ بالآخر فیصلہ ہوا کہ آپ کے محبوب اور لاڈلے خادم اسامہ رضی اللہ عنہ سے سفارش کرائی جائے۔ کیونکہ ایسی جرأت کوئی اور نہیں کر پائے گا۔ سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ نے بات کی تو رسول اللہ ﷺ سخت ناراض ہوئے۔ آپ نے امت کو تنبیہ

[1] صحیح مسلم 918 [2] المآئدة 8:5

کرتے ہوئے فرمایا:

«أتشفع في حد من حدود الله؟» ثم قام فاختطب، ثم قال: «إنما أهلك الذين قبلكم أنهم كانوا إذا سرق فيهم الشريف تركوه، وإذا سرق فيهم الضعيف أقاموا عليه الحد، وايم الله لو أن فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت يدها»

''(اے اسامہ!) کیا تم اللہ کی حدود میں سے کسی حد کے بارے میں سفارش کرتے ہو؟'' پھر آپ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور فرمایا: ''تم سے پہلے لوگوں کو اس امر نے تباہ کیا کہ جب ان میں سے کوئی دولت مند اور معزز آدمی چوری کرتا تو وہ اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی کمزور اور غریب آدمی چوری کرتا تو اس پر حد قائم کر دیتے تھے۔ اللہ کی قسم! اگر (میری لختِ جگر) فاطمہ بنت محمد (ﷺ) بھی چوری کرے تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دوں گا۔''[1]



2 رسول اللہ ﷺ معاشرے میں ہر طرح کے عدل و انصاف کے داعی تھے۔ آپ مظلوموں کی داد رسی اور ان کے ساتھ تعاون میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑتے تھے۔ پھر بھلا آپ اپنی ذاتِ گرامی کو عدل و انصاف کے لیے کیوں پیش نہ فرماتے۔

علامہ ابن اسحاق اپنی سند سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بدر والے دن مجاہدین کی صفیں درست کر رہے تھے۔ آپ کے ہاتھ میں ایک تیر تھا جس کے اشارے سے آپ صف بندی کر رہے تھے۔ سیدنا سواد بن غزیہ رضی اللہ عنہ صف سے کچھ آگے کھڑے تھے، آپ نے تیر آگے کر کے انھیں پیچھے ہونے کو کہا۔ ان کے پیٹ میں تیر چبھا تو انھوں نے فوراً عرض کی: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ نے آپ کو حق دے کر اور عدل و انصاف کا داعی بنا کر مبعوث کیا ہے، آپ نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے۔ لہٰذا مجھے بدلہ دیجیے۔ آپ نے فوراً اپنے پیٹ سے کپڑا ہٹایا اور فرمایا: ''لو بدلہ لے لو۔''

1 صحيح البخاري: 5/ 314

سیدنا سواد رضی اللہ عنہ فوراً آپ سے چمٹ گئے اور آپ کے بطن مبارک کو بوسہ دینے لگے۔ آپ نے پوچھا:

«مَا حَمَلَكَ عَلَى هَذَا يَا سَوَادُ؟»

”اے سواد! تم نے ایسے کیوں کیا؟“

سیدنا سواد رضی اللہ عنہ نے محبت سے سرشار ہو کر عرض کیا: اے اللہ کے رسول! جنگ کا میدان گرم ہے، بس دل میں یہ تمنا جاگ اٹھی کہ اس دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے آخری بار آپ کے جسد مبارک کو چھونے کے لیے آپ ﷺ سے لپٹ جاؤں۔ بس یہی آرزو پوری کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر انھیں دعا دی۔[1]

3 غزوۂ حنین کے موقع پر ایک بے وقوف شخص نے آپ کی حکمت بھری تقسیم پر اعتراض کیا تو آپ نے وضاحت فرما دی کہ میں ان نومسلموں کو اسلام کے قریب کرنے اور پکا کرنے کے لیے زیادہ مال دے رہا ہوں۔ اس شخص نے بدتمیزی اور جہالت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا: اے محمد! اللہ سے ڈریے (عدل کیجیے)۔ آپ نے فرمایا:

«مَنْ يُطِعِ اللّٰهَ إِذَا عَصَيْتُ؟ أَيَأْمَنُنِي اللّٰهُ عَلَى أَهْلِ الْأَرْضِ فَلَا تَأْمَنُونِي»

”اگر میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے لگوں تو اور کون اس کی فرمانبرداری کرے گا؟ اللہ تعالیٰ نے تو مجھے اہل زمین پر امین بنایا ہے لیکن تم مجھے امین نہیں سمجھ رہے۔“[2]

4 رسول اللہ ﷺ نے خانگی زندگی میں عدل و انصاف کر کے دکھایا تاکہ امت بھی اپنے بیوی بچوں کے ساتھ عادلانہ زندگی گزارے۔ جس خاندان میں عدل و انصاف ہوگا، وہ خاندان محبت و الفت کا گہوارہ ہوگا۔ اگر خاندان میں ظلم کا راج ہو تو وہ خاندان ٹوٹ جاتا ہے۔ آپ کا اسوۂ مبارکہ یہ تھا کہ آپ سب ازواج مطہرات کو یکساں نان و نفقہ عطا فرماتے تھے۔ سب کو یکساں وقت دیتے تھے۔ سب کی دلجوئی فرماتے اور سب کی ضروریات زندگی احسن طریقے سے پوری فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي»

”تمھارا بہترین شخص وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے بہترین ہو، اور میں تم سب سے بڑھ کر اپنے گھر والوں کے لیے بہترین ہوں۔“[3]

یہ آپ کا عدل و انصاف ہی تھا کہ آپ مدینہ منورہ میں رہتے ہوئے تمام ازواج مطہرات کو باری کے مطابق حق زوجیت

1 السيرة لابن هشام: 626/2، 2 السلسلة الأحاديث الصحيحة: 2835، 3 صحيح البخاري: 3344، 3 سنن ابن ماجه: 1977.

عطا کرتے۔ جب کسی سفر پر روانہ ہونے کا پروگرام بناتے تو قرعہ اندازی کرتے۔ جس زوجہ محترمہ کا نام نکل آتا، آپ اسے ساتھ لے جاتے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ سفر کا ارادہ کرتے تو اپنی بیویوں کے درمیان قرعہ اندازی کرتے۔ جس کے نام قرعہ نکلتا، اسے اپنے ساتھ سفر میں لے جاتے۔ آپ ﷺ نے اپنی ہر بیوی کے لیے ایک دن اور ایک رات کی باری مقرر کر رکھی تھی لیکن سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا نے اپنی باری ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دی تھی۔ اس سے وہ رسول اللہ ﷺ کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتی تھیں۔[1]

رسول اللہ ﷺ کی خانگی زندگی کے واقعات ہمارے لیے مشعل راہ ہیں۔

5 آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیے جانے والے مقدمات کے فیصلے بے لاگ عدل و انصاف پر مبنی ہوتے تھے۔ اسی وجہ سے یہودی بھی اپنے مقدمے آپ ﷺ ہی کی خدمت میں پیش کرتے تھے۔ بعض اوقات مسلمان اور یہودی باہم جھگڑ رہے ہوتے تو آپ دونوں میں پورے انصاف سے فیصلہ فرما دیتے۔ آپ کے فیصلوں پر غیر مسلم بھی پوری طرح مطمئن ہوتے تھے۔

سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«من حلف على يمين هو فيها فاجر ليقتطع بها مال امرئ مسلم لقي الله وهو عليه غضبان»

''جس نے کسی مسلمان کا مال ہڑپ کرنے کے لیے جھوٹی قسم اٹھائی تو وہ اللہ سے اس حالت میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہوگا۔''

سیدنا اشعث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

فيّ والله كان ذلك، كان بيني وبين رجل من اليهود أرض فجحدني فقدمته إلى النبي ﷺ فقال لي رسول الله ﷺ: «ألك بينة؟» قلت: لا، قال: فقال لليهودي: «احلف» قال: قلت: يا رسول الله! إذا يحلف ويذهب بمالي، فأنزل الله تعالى: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا﴾...

''اللہ کی قسم! یہ حدیث میرے متعلق وارد ہوئی ہے۔ ہوا یوں کہ میرے اور ایک یہودی کے درمیان زمین کا تنازع تھا۔ اس نے مجھے زمین دینے سے انکار کر دیا تو میں اسے نبی ﷺ کے پاس لے گیا۔ رسول اللہ ﷺ

1 صحيح البخاري: 2688

نے مجھ سے دریافت فرمایا: ''تیرے پاس کوئی دلیل (گواہ) ہے؟'' میں نے عرض کیا: نہیں۔ آپ نے یہودی سے کہا: ''تم قسم اٹھاؤ'' میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! وہ تو قسم اٹھا کر میرا مال لے اڑے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''بلاشبہ وہ لوگ جو اللہ کے عہد اور اپنی قسم کو معمولی قیمت کے عوض بیچ ڈالتے ہیں......''[1]

6 والدین اولاد سے خدمت و اکرام چاہتے ہیں تو والدین کو بھی عدل کرنا چاہیے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اولاد کے مابین محبت و شفقت، عطیہ اور ہبہ میں برابری رکھنے کا حکم دیا ہے۔ کسی ایک بچے کو نوازنا اور باقی کو محروم کرنا ظلم ہے۔ اس کے نتائج بہت خطرناک ہوتے ہیں۔ اولاد میں دشمنی اور نفرت پھیلتی ہے۔ اولاد والدین کی نافرمان ہو جاتی ہے، اس لیے آپ نے اولاد کے مابین عدل کرنے کا حکم دیا ہے۔

سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان کی پیدائش پر ان کے والد نے انھیں ایک باغ عطیہ دیا۔ ان کی والدہ سیدہ عمرہ بنت رواحہ نے گزارش کی کہ میں اپنے بیٹے کا یہ عطیہ اس شرط پر قبول کروں گی کہ رسول اللہ ﷺ اس پر گواہ بن جائیں۔ جب سیدنا بشیر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے بات کی تو آپ نے پوچھا: «أَعْطَيْتَ سَائِرَ وَلَدِكَ مِثْلَ هٰذَا؟» ''کیا تم نے اپنے سارے بچوں کو ایسے ہی عطیے دیے ہیں؟'' انھوں نے عرض کی: نہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: «فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْدِلُوا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ» ''اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان عدل کرو۔'' لہٰذا یہ عطیہ واپس کر دیا گیا۔[2]

دوسری روایت میں آپ ﷺ نے اسے ظلم قرار دیا اور فرمایا: «لَا أَشْهَدُ عَلَى جَوْرٍ» ''میں ظلم پر گواہ نہیں بنتا۔''[3]

رسول اللہ ﷺ نے امت کو عدل و انصاف کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:

- «إِنَّ الْمُقْسِطِينَ عِنْدَ اللّٰهِ عَلَى مَنَابِرَ مِنْ نُورٍ عَنْ يَمِينِ الرَّحْمٰنِ عَزَّ وَجَلَّ، وَكِلْتَا يَدَيْهِ يَمِينٌ، الَّذِينَ يَعْدِلُونَ فِي حُكْمِهِمْ وَأَهْلِيهِمْ وَمَا وَلُوا»

''یقیناً انصاف کرنے والے (قیامت کے روز) رحمان کی دائیں جانب نورانی منبروں پر رونق افروز ہوں گے اور رحمان عز وجل کے دونوں ہاتھ ہی دائیں ہیں۔ وہ لوگ جو اپنے فیصلوں، اہل و عیال اور ماتحتوں کے ساتھ عدل کرتے ہیں۔''[4]

- ''عدل کرنے والے حکمران قیامت کے دن عرش الٰہی کے سائے سے فیض یاب ہوں گے جب اس کے سائے کے

[1] صحيح البخاري: 2416. [2] صحيح البخاري: 2587. [3] صحيح البخاري: 2650. [4] صحيح مسلم: 1827.

علاوہ اور کوئی سایہ نہیں ہوگا۔''[1]

رحمت و شفقت

اللہ رحمان و رحیم ہے۔ اس کی رحمت و مہربانی سے کائنات کا ذرہ ذرہ مستفید ہو رہا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے بھی رحمت الٰہی سے بہت بڑا نصیب پایا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت ہی سے آپ امت کے لیے سراپا رحمت و شفقت بنے۔ آپ امت کے لیے صبر و حوصلہ، حلم و برداشت اور رحمت و شفقت کے وصف میں اسوۂ حسنہ ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴾

''اور (اے نبی!) ہم نے آپ کو تمام جہانوں پر رحمت کرنے کے لیے ہی بھیجا ہے۔''[2]

آپ کی رحمت و شفقت اور امت کے لیے مہربانی اور ہمدردی کو اللہ رب العزت نے بڑی اہمیت دی ہے اور آپ ﷺ کے اس وصف خاص کو بڑی وضاحت سے بیان فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴾

''(لوگو!) یقیناً تمھارے پاس تمھی میں سے ایک رسول آیا ہے، اس پر تمھارا تکلیف میں مبتلا ہونا گراں (گزرتا) ہے، وہ تمھارے لیے (بھلائی کا) حریص ہے، مومنوں پر نہایت شفیق، بہت رحم کرنے والا ہے۔''[3]

رسول اللہ ﷺ کی رحمت و مہربانی سے معاشرے کے تمام طبقات یکساں طور پر بہرہ مند ہوتے تھے۔ بزرگ، خواتین، بچے، جانور اور جمادات بھی آپ کی رحمت سے فیض یاب ہوئے۔ آئیے رسول اللہ ﷺ کی مہربانی اور شفقت کے چند نمونے دیکھیے:

1 رسول اللہ ﷺ کی دعوتی اور تبلیغی کوششوں کے دوران بے شمار ایسے مواقع آئے جب دشمنانِ اسلام نے آپ کو سخت تکالیف دیں۔ آپ کے ابتدائی ساتھیوں کو طرح طرح کے مصائب اور اذیتوں میں مبتلا کیا۔ ان کے ظلم و ستم سے تنگ آکر جب صحابہ آپ سے شکایت کرتے اور مشرکوں کے خلاف بددعا کرنے کی التجا کرتے تو آپ جواباً فرماتے:

«إِنِّي لَمْ أُبْعَثْ لَعَّانًا، وَإِنَّمَا بُعِثْتُ رَحْمَةً»

''مجھے لعنت کرنے والا نہیں بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔''[4]

1 دیکھیے: صحیح البخاری: 1423. 2 الأنبیاء 107:21. 3 التوبة 128:9. 4 صحیح مسلم: 2599.

آپ ﷺ نے مزید فرمایا

يَا أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّمَا أَنَا رَحْمَةٌ مُهْدَاةٌ

''اے لوگو! میں سراپا رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔'' [1]

2 اسلام نے معاشرے میں بزرگوں کی قدر و قیمت اور مقام و مرتبے کو عظیم تر بنا دیا۔ نبی اکرم ﷺ نے بزرگوں کی خدمت، احترام اور ان سے حسن سلوک کی تربیت دیتے ہوئے فرمایا:

لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا وَيُوَقِّرْ كَبِيرَنَا۔

''جو شخص ہمارے بچوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بزرگوں کی عزت و احترام نہ کرے، وہ ہم میں سے نہیں۔'' [2]

والدین کے ساتھ حسن سلوک کو واجب قرار دیا گیا۔ ان کے احترام میں ادنیٰ سی کمی بھی رحمت عالم ﷺ کو گوارا نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۚ إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُل رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا﴾

''اور آپ کے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، اور والدین سے اچھا سلوک کرو، اگر ان دونوں میں سے ایک یا دونوں تیرے ہاں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو تو ان سے اف تک نہ کہہ اور انھیں مت جھڑک، اور ان سے نرم (لہجے میں ادب و احترام سے) بات کر۔ اور ان کے لیے رحم دلی سے عاجزی کے ساتھ اپنا بازو (پہلو) جھکائے رکھ اور کہہ: اے میرے رب! ان دونوں پر رحم فرما جیسے انھوں نے بچپن میں میری پرورش کی۔'' [3]

یہ آپ ﷺ کی رحمت و شفقت ہی ہے کہ آپ نے اولاد کے لیے والدین کے حقوق کو سب پر مقدم کیا ہے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟ آپ نے فرمایا: ''تیری ماں۔'' اس نے کہا: اس کے بعد کون ہے؟ آپ نے فرمایا: ''تیری ماں۔'' اس نے تیسری بار عرض کی: پھر کون ہے؟ آپ نے فرمایا: ''تیری ماں۔'' اس نے کہا: پھر کون؟ آپ نے فرمایا: ''پھر تمھارا باپ ہے۔'' [4]

1 السلسلة الأحاديث الصحيحة: 490، 2 جامع الترمذي: 1919، 3 بني إسرائيل 17: 23، 24، 4 صحيح البخاري: 5971

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے والدہ کو جنت کے حصول کا اہم ترین ذریعہ قرار دیا۔ جبکہ والد کو جنت کا اعلیٰ ترین دروازہ قرار دے کر اولاد کے لیے واضح کر دیا کہ ان دو ہستیوں کی خدمت کیے بغیر تم جنت میں نہیں پہنچ سکتے۔ سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«الْوَالِدُ أَوْسَطُ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ فَإِنْ شِئْتَ فَأَضِعْ ذَلِكَ الْبَابَ أَوِ احْفَظْهُ»

''والد جنت کا سب سے اعلیٰ دروازہ ہے۔ اگر چاہو تو اس کو گرا دو یا اس کی حفاظت کر لو۔'' [1]

3 مدنی معاشرے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت و مہربانی تمام طبقات کے لیے عام تھی۔ کمزور طبقات خصوصاً غلام، بچے اور خواتین آپ کی رحمت سے خاص طور پر مستفید ہوئے۔ غلاموں کی آزادی کے لیے طرح طرح کے قانون قاعدے اور ضابطے بنے۔ آپ نے مختلف جرائم کے کفارے میں غلاموں کو آزاد کرانے کی ترغیب دی۔ انھیں آزاد کرنے پر جنت کی بشارت دی اور غلاموں پر ظلم و ستم کی سختی سے ممانعت فرمائی۔ ارشاد نبوی ہے:

«مَنْ أَعْتَقَ رَقَبَةً مُسْلِمَةً أَعْتَقَ اللَّهُ بِكُلِّ عُضْوٍ مِنْهُ عُضْوًا مِنَ النَّارِ حَتَّى فَرْجَهُ بِفَرْجِهِ»

''جس نے کسی مسلمان غلام کو آزاد کیا تو اللہ تعالیٰ غلام کے ایک ایک عضو کے بدلے اس کا ایک ایک عضو جہنم سے آزاد کر دے گا حتیٰ کہ اس (غلام) کی شرمگاہ کے عوض اس (آزاد کرنے والے) کی شرمگاہ بھی دوزخ سے آزاد ہو جائے گی۔'' [2]

آپ نے غلاموں اور خادموں کے ساتھ خصوصی شفقت و مرحمت کا حکم دیا۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے سوال کیا: اے اللہ کے رسول! میں اپنے خادم کو کتنی بار معاف کروں؟ آپ نے فرمایا:

«كُلَّ يَوْمٍ سَبْعِينَ مَرَّةً»

''ہر روز ستر بار معاف کر دیا کرو۔''

عرب معاشرے میں خواتین انتہائی ظلم اور ذلت کا شکار تھیں۔ ان کی حیثیت غلاموں سے بھی بدتر تھی۔ آپ نے انھیں بلند ترین مقام عطا فرمایا۔ بحیثیت ماں، بیٹی، بہن، خالہ اور پھوپھی وغیرہ انھیں عزت و اکرام کی سب سے اونچی مسند پر بٹھایا۔ ان کی دیکھ بھال خدمت اور احترام پر زور دیا۔ ان کی کفالت پر جنت کی بشارت دی اور انھیں وراثت میں حصہ دار بنا کر ان کے حقوق کو تا قیامت محفوظ کر دیا۔

4 بچوں کے ساتھ آپ کی محبت، شفقت اور لاڈ پیار بے مثال تھا۔ ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

1 جامع الترمذي: 1900، سنن ابن ماجه: 3663 2 صحيح البخاري: 6715

نے فرمایا:

«إني لأقوم في الصلاة أريد أن أطول فيها، فأسمع بكاء الصبي فأتجوز في صلاتي كراهية أن أشق على أمه»

''میں نماز شروع کرتا ہوں تو اسے طول دینا چاہتا ہوں، پھر میں (کسی) بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو نماز کو مختصر کر دیتا ہوں۔ اس کو ناپسند کرتے ہوئے کہ اس (بچے) کی ماں کو تکلیف میں مبتلا کروں۔''[1]

بچوں کے ساتھ اظہارِ شفقت کے لیے ان کا منہ چومنا بھی سرورِ کائنات ﷺ کا اسوہ ہے۔ آپ سیدنا حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کا منہ چوما کرتے تھے۔ ایک بار آپ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا بوسہ لیا۔ اس وقت آپ کی خدمت میں اقرع بن حابس تمیمی بیٹھا ہوا تھا۔ اسے بڑی حیرت ہوئی۔ وہ کہنے لگا: میرے دس بیٹے ہیں لیکن میں نے کبھی کسی کا منہ نہیں چوما۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے دیکھا اور فرمایا:

«من لا يرحم لا يرحم»

''جو رحم نہیں کرتا، (اللہ کی طرف سے) اس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا۔''[2]

صحیح مسلم کی روایت میں آپ کے الفاظ یہ ہیں:

«أو أملك إن كان الله نزع منكم الرحمة»

''اگر اللہ تم سے رحمت چھین لے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔''

دوسری روایت میں ہے:

«من قلبك الرحمة»

''اگر تمھارے دل سے رحمت چھین لی جائے تو میں تمھارے لیے کیا کر سکتا ہوں۔''[3]

گویا بچوں سے شفقت و رحمت سے پیش نہ آنے والا شخص اللہ کی رحمت سے محروم ہے۔

رسول اللہ ﷺ بچوں کے ساتھ دل لگی کی باتیں کرتے تھے۔ انھیں بڑے پیار سے بلاتے اور کھیل کود میں ان کی حوصلہ افزائی کرتے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے گھر تشریف لایا کرتے تھے۔ ان دنوں میرا چھوٹا بھائی عمیر ایک چڑیا سے کھیلا کرتا تھا۔ ایک دن وہ چڑیا مر گئی، عمیر کو بڑا غم ہوا۔ آپ نے اس کی

[1] صحيح البخاري: 707. [2] صحيح البخاري: 5997. [3] صحيح مسلم: 2317.

دلجوئی کرتے ہوئے اور اظہار محبت کے لیے فرمایا:

«يا أبا عمير! ما فعل النغير؟»

''اے ابو عمیر! تمھاری چڑیا کو کیا ہوا؟'' [1]

بچوں کے ساتھ شفقت و محبت اور پیار کی بے شمار مثالیں سیرت طیبہ میں موجود ہیں۔

5 جانوروں سے بھی آپ ﷺ بڑی رحم دلی کا برتاؤ فرماتے تھے۔ جانور آپ کی خدمت میں خود حاضر ہو کر اپنے اوپر ہونے والے مظالم کی شکایات کیا کرتے تھے۔ اگر کوئی شخص جانوروں کو بلا وجہ تنگ کرتا تو آپ اسے برا محسوس کرتے اور فوراً تنبیہ فرماتے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ آپ قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے۔ اس دوران ہمیں ایک خوبصورت چڑیا اور اس کے بچے نظر آئے۔ ہم نے اس کے بچے پکڑ لیے۔ چڑیا بچوں کی رہائی کے لیے بے چین ہوگئی اور ہمارے سروں پر منڈلانے لگی۔ اس کی دردانگیز آواز سن کر آپ متوجہ ہوئے اور فرمایا:

«من فجع هذه بولدها؟ ردوا ولدها إليها»

''اس چڑیا کو اور اس کے بچوں کو کس نے پریشان کیا ہے؟ اسے اس کے بچے لوٹا دو۔''

اسی دوران آپ نے دیکھا کہ ہم نے چیونٹیوں کا بل جلا کر اسے راکھ بنا دیا۔ آپ نے پوچھا کہ یہ حرکت کس نے کی ہے؟ ہم نے عرض کیا کہ یہ غلطی ہم سے ہوگئی۔ آپ نے فرمایا:

«إنه لا ينبغي أن يعذب بالنار إلا رب النار»

''آگ کا عذاب دینا کسی شخص کے لیے جائز نہیں۔ یہ صرف آگ کا رب ہی دے سکتا ہے۔'' [2]

آپ نے امت کو بھی رحم دلی سکھائی۔ اپنے ماتحتوں، جانوروں، اولاد اور تمام لوگوں کے ساتھ شفقت و مہربانی سے پیش آنے کا حکم دیا۔ آپ نے ظلم و ستم سے رکنے کی تاکید اور رحمت کرنے کی ترغیب دی۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایک شخص جا رہا تھا، اس کو سخت پیاس لگی، وہ ایک کنویں میں اترا اور پانی پیا۔ جب وہ باہر نکلا تو دیکھا کہ ایک کتا پیاس کی وجہ سے ہانپ رہا ہے اور گیلی مٹی چاٹ رہا ہے۔ اس شخص نے (دل میں) کہا کہ اسے بھی اسی طرح پیاس لگ رہی ہے جس طرح مجھے لگ رہی تھی۔ (وہ پھر کنویں میں اترا اور) اس نے اپنا موزہ پانی سے بھرا، اسے منہ میں لیکر اوپر چڑھا اور کتے کو پانی پلایا۔ اللہ تعالیٰ

1 صحیح البخاري: 6129 2 سنن أبي داود: 2675.

نے اس کی قدردانی کرتے ہوئے اس کو معاف کر دیا۔" صحابۂ کرام نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کیا ہمیں چوپایوں کی خدمت کرنے میں بھی اجر ملے گا؟ آپ نے فرمایا: "ہر وہ جگر جو زندہ ہے، اس کی خدمت میں اجر ہے۔"[1]

آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک ایسی عورت کو عذاب میں مبتلا کر دیا گیا جس نے ایک بلی کو تڑپا تڑپا کر مار دیا تھا۔ اسے کھانے کو کچھ نہ دیا، نہ اسے کھلا چھوڑا کہ وہ کیڑے مکوڑے ہی کھا لیتی۔ جب بلی بھوکی پیاسی مر گئی تو وہ عورت اس بے رحمی کی وجہ سے جہنم رسید ہوگئی۔[2]

آپ جانوروں کے ساتھ احسان کرنے کا حکم دیتے۔ اگر کسی جانور کو ذبح کر کے کھانا مقصود ہو تو اس مقصد کے لیے بھی اسے بہترین طریقے سے ذبح کرنے کا حکم دیا۔ چھری کو تیز کرنے کی تاکید کی تاکہ جانور کو زیادہ اذیت نہ ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ الْإِحْسَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ، فَإِذَا قَتَلْتُمْ فَأَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ، وَإِذَا ذَبَحْتُمْ فَأَحْسِنُوا الذَّبْحَ، وَلْيُحِدَّ أَحَدُكُمْ شَفْرَتَهُ فَلْيُرِحْ ذَبِيحَتَهُ»

"بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان کرنا فرض کیا ہے۔ لہٰذا جب تم قتل کرو تو اچھی طرح قتل کرو اور جب جانور ذبح کرو تو اچھے طریقے سے ذبح کرو۔ اپنی چھری کو تیز کرو اور جانور کو آرام پہنچاؤ۔"[3]

لہٰذا رحمت عالم کی امت کو بھی رحیم ہونا چاہیے۔ انھیں معاشرے کے تمام طبقات کے ساتھ رحمت و مہربانی سے پیش آنا چاہیے۔ ان کے معاملات، عبادات اور عادات واطوار میں شفقت اور محبت کی روشنی نظر آنی چاہیے۔

عاجزی و انکسار

رسول اللہ ﷺ کی زندگی عجز و انکسار اور تواضع کا مرقع تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی یگانہ عظمت اور قدر و منزلت عطا فرمائی جو کسی اور کو نصیب نہیں ہوئی۔ آپ کی عالی شان اور ارفع مقام کے آگے ہر مرتبہ اور مقام ہیچ ہے۔ اس اعلیٰ مرتبے کے باوجود آپ عجز و انکسار کے پیکر تھے، آپ ﷺ کے معاملات میں تکبر وغرور کا شائبہ تک نہ تھا۔ آپ مومنوں کے ساتھ ایک بھائی کی حیثیت سے پیش آتے۔ کفار کے ساتھ بھی عاجزی اور انکسار کے ساتھ معاملات طے کرتے۔ آپ کی مجلس میں باہر سے آنے والا شخص آپ میں کوئی امتیاز نہ دیکھتا۔ آپ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار اور تواضع سے سرشار بندے تھے۔ کسی قسم کا امتیاز و برتری آپ کی طبیعت کا حصہ نہ تھی۔ سیدنا ابوہریرہ اور ابوذر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان بلا امتیاز بیٹھ جاتے تھے حتی کہ مسافر شخص پہچان نہیں

[1] صحیح البخاری: 2363. [2] دیکھیے: صحیح البخاری: 2365. [3] صحیح مسلم: 1955.

پاتا تھا۔ وہ آکر پوچھتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کون ہیں؟ ہمارے بتانے پر اسے معلوم ہوتا کہ حاضرین میں سے رسول اللہ ﷺ کون ہیں۔ ہم نے آپ ﷺ سے عرض کی کہ کیا ہم آپ کے لیے خصوصی نشست تیار کر دیں تاکہ مسافروں اور مہمانوں کو پوچھنا نہ پڑے۔ چنانچہ آپ کی اجازت سے ہم نے آپ کے لیے مٹی کا چبوترہ سا بنا دیا۔ آپ اس پر تشریف فرما ہو جاتے اور ہم آپ کے اردگرد بیٹھ جاتے۔[1]

رسول اللہ ﷺ کی ذاتی، انفرادی، گھریلو اور خانگی زندگی میں تواضع کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ آیئے چند مثالیں دیکھیے:

1 اگر کوئی شخص آپ کی تعریف و توصیف میں مبالغہ آرائی کرتا تو آپ فوراً ٹوک دیتے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا: اے محمد! اے ہمارے سردار! اے سردار کے لخت جگر! اے ہمارے بہترین اور بہترین شخص کے چشم و چراغ! تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«يا أيها الناس! عليكم بتقواكم، لا يستهوينكم الشيطان، أنا محمد بن عبد الله، عبد الله ورسوله، والله! ما أحب أن ترفعوني فوق منزلتي التي أنزلني الله»

”اے لوگو! اللہ سے ڈرو، تمھیں شیطان گمراہ نہ کر دے۔ میں محمد بن عبداللہ، اللہ کا بندہ اور رسول ہوں۔ اللہ کی قسم! مجھے یہ بات پسند نہیں کہ تم مجھے اس مقام سے بڑھاؤ جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا کیا ہے۔“[2]

2 رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ بڑا قریبی تعلق رکھتے تھے۔ ان کی خبر گیری کرتے، ان کی خوشی اور غمی میں شریک ہوتے، ان کی مدد فرماتے اور ان کی اصلاح کی ہر ممکن کوشش کرتے۔ آپ سفر کے دوران اپنے ساتھیوں کا خاص خیال رکھتے۔ اگر کسی کی سواری بیمار ہو جاتی تو اس کو متبادل سواری مہیا فرماتے۔ آپ ﷺ کے ان معاملات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ایک مہربان معلم، رحمدل قائد، مشفق استاد اور نہایت محبت کرنے والے مربی تھے۔ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کثرت عبادت کی وجہ سے بڑے مشہور تھے۔ ان کی نئی نویلی دلہن کو بھی شکوہ تھا کہ وہ رات بھر تہجد پڑھتے اور دن کو نفلی روزہ رکھتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی تو آپ بہ نفس نفیس سیدنا عبداللہ بن عمرو کے گھر ان کی اصلاح کے لیے تشریف لے گئے۔ وہاں میزبان اور مہمان گرامی کے درمیان کیا گفتگو ہوئی؟ آیئے صحیح بخاری کی روایت میں پڑھتے ہیں۔

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں میرے روزوں کا تذکرہ ہوا تو

1 سنن أبي داود: 4698، 2 مسند أحمد: 12551

آپ میرے ہاں تشریف لائے۔ میں نے آپ ﷺ کے لیے کھجور کی چھال سے بھرا ہوا چمڑے کا تکیہ بچھایا۔ آپ زمین پر بیٹھ گئے اور تکیہ میرے اور آپ کے درمیان پڑا رہا۔ آپ نے فرمایا: "کیا تمھیں ہر مہینے میں تین روزے کافی نہیں؟" میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول!... آپ نے فرمایا: "پانچ روزے؟" میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول!... آپ نے فرمایا: "سات روزے؟" میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول!... آپ نے فرمایا: "نو روزے؟" میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول!... آپ نے فرمایا: "گیارہ روزے؟" میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول!... پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "حضرت داود علیہ السلام کے روزوں سے کوئی روزہ افضل نہیں، وہ نصف سال کے روزے رکھتے تھے۔ تم ایک دن کا روزہ رکھو اور ایک دن افطار کرو۔"[1]

3 آپ ﷺ اپنے ایک ایک صحابی کو خصوصی توجہ سے نوازتے اور ہر فرد پر توجہ فرماتے تھے۔ اس عمل سے آپ کی تواضع اور عاجزی عیاں ہوتی ہے۔ سیدنا ابوبرزہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم آپ کے ساتھ ایک غزوے میں شریک تھے۔ غزوے کے بعد آپ نے فرمایا: [illegible] "کیا تم کسی شخص کو غائب پاتے ہو؟"

صحابہ نے عرض کیا: جی ہاں، فلاں فلاں اور فلاں موجود نہیں۔ آپ نے پھر پوچھا: "کیا کوئی شخص گم ہے؟" صحابہ نے بتایا کہ فلاں فلاں صاحب حاضر نہیں۔ آپ نے تیسری مرتبہ پوچھا: "کیا کوئی شخص گم ہے؟" صحابہ نے کہا: نہیں اور کوئی شخص گم نہیں۔ آپ نے فرمایا: [illegible] "لیکن میں جلیبیب کو نہیں دیکھ رہا، اسے تلاش کرو۔" انھیں تلاش کیا گیا تو وہ شہداء کے درمیان موجود تھے اور ان کے ارد گرد سات کافر مرے پڑے تھے۔ نبی کریم ﷺ ان کی نعش کے قریب کھڑے ہوئے اور فرمایا:

[illegible]

"یہ سات کافر مارنے کے بعد ان کے ہاتھوں شہید ہوا۔ یہ میرا ہے اور میں اس کا ہوں۔ یہ میرا ہے اور میں اس کا ہوں۔"

پھر آپ نے انھیں اپنے بازوؤں میں اٹھایا۔ ان کی قبر کھودی گئی، پھر انھیں دفن کیا گیا۔[2]

4 ہمارے رہبر اعظم ﷺ اپنی قوم کی خدمت کرنے کو عار نہیں سمجھتے تھے بلکہ آپ ﷺ اپنے مبارک ہاتھوں سے اپنی امت کو پلانا پسند فرماتے تھے۔ آپ قیامت کے روز بھی اپنی امت کو اپنے مبارک ہاتھوں سے حوض کوثر کا پانی پلائیں گے۔ سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں: ایک سفر میں ہمیں سخت پیاس نے ستایا۔ ایک بستی میں

1 صحیح البخاری: 1980۔ 2 صحیح مسلم: 2472

تھوڑا سا پانی تھا جبکہ پورا لشکر پیاسا تھا۔ آپ ﷺ نے اس برتن سے پانی انڈیلا اور مجھے پکڑا کر فرمایا کہ تم پلاتے جاؤ۔ انھوں (ابوقتادہ رضی اللہ عنہ) نے ایک ایک مجاہد کو خوب جی بھر کے پانی پلایا۔ آخر میں سیدنا ابوقتادہ اور امام الانبیاء ﷺ رہ گئے تو آپ نے فرمایا: ''ابوقتادہ! تم پیو۔'' انھوں نے عرض کی: آپ پی لیں۔ آپ نے فرمایا: «إِنَّ سَاقِيَ الْقَوْمِ آخِرُهُمْ شُرْبًا» ''قوم کو پلانے والا سب سے آخر میں پیے گا۔''

لہٰذا سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے پہلے پیا اور قوم کے محبوب رہنمائے اعظم ﷺ نے سب سے آخر میں پیا۔ [1]

5 آپ ﷺ کی گھریلو زندگی بھی سادگی، تواضع اور عاجزی کا بے مثال نمونہ تھی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ گھر میں اپنے گھر والوں کی خدمت اور تعاون میں مشغول رہتے۔ جب نماز کا وقت ہوتا تو آپ مسجد تشریف لے جاتے۔ [2]

آپ اپنے جوتے خود مرمت کر لیتے اور اپنے ہی دستِ مبارک سے کپڑوں کو پیوند بھی لگا لیتے۔ [3]

6 آپ ﷺ کی زندگی مکمل عجز و انکسار کی آئینہ دار تھی۔ آپ دنیاوی مال و متاع اور ساز و سامان کی قطعی پروا نہ کرتے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے گھر حاضر ہوا تو آپ کھجور کے پتوں سے بنی ہوئی چٹائی پر آرام فرما تھے۔ تکیہ بھی کھجور کے پتوں سے بنا ہوا تھا۔ آپ کے پاؤں کی طرف چمڑے کا ایک ٹکڑا رکھا تھا۔ میں نے دیکھا کہ آپ کے جسمِ مبارک پر چٹائی کے نشان پڑے ہوئے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر میں رو پڑا۔ آپ نے فرمایا: «مَا يُبْكِيكَ؟» ''عمر! کیوں رو رہے ہو؟'' میں نے عرض کی: کسریٰ و قیصر دنیا جہاں کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں اور آپ اللہ کے رسول ہوتے ہوئے بھی اتنے شدید حالات میں زندگی بسر فرما رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَمَا تَرْضَى أَنْ تَكُونَ لَهُمُ الدُّنْيَا وَلَنَا الْآخِرَةُ؟»

''کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ یہ نعمتیں اُن لوگوں کے لیے دنیا میں ہوں اور ہم آخرت میں ان سے لطف اندوز ہوں؟'' [4]

7 کھانے پینے میں بھی آپ ﷺ کی تواضع مثالی تھی۔ آپ اللہ کی ہر حلال نعمت خوشی خوشی کھا پی لیتے تھے اور ربِ ذوالجلال کا شکر ادا کرتے تھے۔ اگر طبعاً کوئی چیز پسند نہ ہوتی تو نہ کھاتے مگر عیب جوئی نہ کرتے۔ آپ معمولی سے معمولی دعوت بھی قبول کرتے اور اپنے صحابہ کی دل جوئی فرماتے۔ کبھی کوئی غریب، کمزور اور ادنیٰ مسلمان

1 صحیح مسلم: 681۔ 2 صحیح البخاری: 676۔ 3 مسند أحمد: 24747۔ 4 صحیح البخاری: 4913۔

بھی آپ کی دعوت کرتا تو آپ بڑی محبت سے قبول فرما لیتے۔ آپ کا ارشادِ گرامی ہے:

لَوْ دُعِيتُ إِلَى ذِرَاعٍ أَوْ كُرَاعٍ لَأَجَبْتُ، وَلَوْ أُهْدِيَ إِلَيَّ ذِرَاعٌ أَوْ كُرَاعٌ لَقَبِلْتُ

"اگر مجھے دستی یا پائے کے گوشت کی دعوت دی جائے تو میں ضرور جاؤں گا۔ اور اگر مجھے دستی کا گوشت یا کھر ہدیہ بھیجا جائے تو میں ضرور قبول کروں گا۔"[1]

آپ ﷺ مالداروں کی طرح ناز نخرے اور تکلفات کے روادار نہ تھے بلکہ عاجزی کے ساتھ زمین پر بیٹھ کر کھانا تناول فرمانا پسند کرتے تھے۔ عالی شان، سج دھج اور زیب و زینت والے دسترخوان اور طرح طرح کے رنگ برنگے کھانے آپ کی شان نہ تھے۔ بقول سیدہ عائشہ ؓ، آپ ﷺ فرماتے تھے:

آكُلُ كَمَا يَأْكُلُ الْعَبْدُ، وَأَجْلِسُ كَمَا يَجْلِسُ الْعَبْدُ

"میں غلام کی طرح (عاجزی سے) کھاتا ہوں اور غلام کی طرح (تواضع سے) بیٹھتا ہوں۔"[2]

آپ ﷺ نے امت کو تواضع اختیار کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:

وَمَا زَادَ اللّٰهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ إِلَّا عِزًّا، وَمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلّٰهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ

"جو شخص معاف کر دے، اللہ اس کی عزت میں اضافہ کر دیتا ہے۔ اور جو شخص تواضع اختیار کرتا ہے، اللہ اسے بلند کر دیتا ہے۔"[3]

سیرت طیبہ میں آپ ﷺ سے عجز و انکسار کی مثالیں جا بجا موتیوں کی طرح بکھری ہوئی ہیں۔ ان سب کا احاطہ بہت مشکل اور مضمون کی طوالت کا باعث ہے۔ لہٰذا ہم یہ موضوع آپ ﷺ کی اس خوبصورت دعا پر ختم کرتے ہیں: سیدنا انس ؓ بیان کرتے ہیں کہ مساکین سے محبت کیا کرو کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اللّٰهُمَّ أَحْيِنِي مِسْكِينًا، وَأَمِتْنِي مِسْكِينًا، وَاحْشُرْنِي فِي زُمْرَةِ الْمَسَاكِينِ

"اے اللہ! مجھے مسکین زندہ رکھ، بحالت مسکینی فوت کرنا اور قیامت کے روز مساکین کے ساتھ اٹھانا۔"[4]

شرم و حیا

حیا اسلام کی بہت عظیم خوبی ہے۔ جس کی وجہ سے انسان ہر قسم کی قبیح باتوں اور بری عادات و خصائل سے بچتا ہے اور فضیلت و محاسن پر عمل کرتا ہے۔ نیکی میں آگے بڑھتا ہے اور برائی میں اس کے قدم رک جاتے ہیں۔ [illegible]

[1] صحیح البخاری: 2568 [2] [illegible]: 544 [3] صحیح مسلم: 2588 [4] جامع الترمذی: 2352

نے حیا کو ایمان کا لازمی جزو قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

الإیمان بضع وستون شعبة، والحیاء شعبة من الإیمان۔

''ایمان کی ساٹھ سے کچھ زیادہ شاخیں ہیں اور حیا بھی ایمان کی ایک شاخ ہے۔'' [1]

حیا خیر و برکت کا عظیم الشان ذریعہ ہے۔ دنیا و آخرت میں حیا کی بے شمار حسنات و برکات ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: الحیاء من الإیمان ''حیا ایمان کا حصہ ہے۔'' [2]

دوسری روایت میں ہے: الحیاء لا یأتي إلا بخیر ''حیا صرف خیر و برکت لاتی ہے۔'' [3]

رسول اللہ ﷺ شرم و حیا کے پیکر تھے۔ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

کان النبي ﷺ أشد حیاء من العذراء في خدرها۔

''نبی ﷺ پردہ نشین دوشیزہ سے بھی زیادہ شرمیلے اور حیادار تھے۔'' [4]

آیئے رسول اللہ ﷺ کی شان حیا کی چند جھلکیاں دیکھیے:

1 رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کی سیر کرائی۔ اپنی ملاقات کا شرف بخشا اور اس ملاقات میں 50 نمازوں کا تحفہ عطا کیا۔ آپ یہ تحفہ لے کر واپس آئے تو راستے میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے پوچھا کہ آپ کو امت کے لیے کیا تحفہ ملا ہے؟ آپ نے بتایا کہ 50 نمازیں فرض کی گئی ہیں۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے مشورہ دیا کہ آپ واپس تشریف لے جائیں اور یہ تعداد کم کرا لیں، آپ کی امت اتنی نمازیں نہیں پڑھ سکے گی۔ آپ واپس بارگاہ الٰہی میں حاضر ہوئے اور اللہ تعالیٰ سے اپنی امت کے لیے تخفیف کی درخواست کی۔ اللہ تعالیٰ نے مہربانی کرتے ہوئے آدھی نمازیں معاف کر دیں۔ دوبارہ موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے مزید تخفیف کرانے کا مشورہ دیا۔ آپ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے مشورے پر بار بار نمازوں میں تخفیف کے لیے دربار الٰہی میں حاضر ہوتے رہے۔ جب آخر میں پانچ نمازیں رہ گئیں اور موسیٰ علیہ السلام نے مزید کم کرانے کا مشورہ دیا تو آپ ﷺ نے یہ کہتے ہوئے معذرت کر لی:

''استحییت من ربي''

''(اب) مجھے اپنے رب سے حیا آتی ہے۔'' [5]

[1] صحیح البخاري: 9. [2] صحیح البخاري: 24 [3] صحیح مسلم: 37 [4] صحیح البخاري: 3562 [5] صحیح البخاري: 349

2 امت کو دینی مسائل بتانا آپ کا فرض منصبی تھا لیکن آپ کی شرم و حیا ہر معاملے میں ہمیشہ شامل حال رہی۔ مسلمان خواتین اپنے احوال و مسائل کے سلسلے میں رہنمائی کی خواستگار ہوتیں تو آپ ان کی راہنمائی فرماتے تھے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک انصاری عورت آئی، اس نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ میں غسل حیض کیسے کروں؟ آپ نے فرمایا:

"خذي فرصة ممسكة فتوضئي"

''کستوری لگا ہوا روئی کا ایک ٹکڑا لو اور اس سے پاکی حاصل کرو۔''

یہ ارشاد عالی اس خاتون کی سمجھ میں نہ آیا تو اس نے دوبارہ پوچھا۔ آپ نے شرم و حیا کے دائرے میں رہتے ہوئے دوبارہ جواب مرحمت فرمایا۔ جب تیسری بار بتانے کے باوجود یہ مسئلہ اُس کی سمجھ میں نہ آیا تو آپ ﷺ نے حیا کی وجہ سے منہ موڑ لیا۔

بالآخر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس خاتون کو اپنی طرف کھینچا اور مسئلہ سمجھایا۔[1]

3 سیدنا انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی شادی کی تقریب کی روداد سناتے ہیں۔ اس میں آپ کی شرم و حیا اور صحابۂ کرام کے ساتھ رواداری، محبت اور حسن سلوک کی اعلیٰ مثال موجود ہے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ جب سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے دولہا بنے تو مجھے (میری والدہ) ام سلیم رضی اللہ عنہا نے کہا: اس وقت ہم رسول اللہ ﷺ کو کوئی تحفہ بھیجیں تو بہت اچھی بات ہے۔ میں نے کہا: ٹھیک ہے، ضرور بھیجیں۔ چنانچہ انھوں نے ایک ہنڈیا میں کھجور، گھی اور پنیر ملا کر حلوہ بنایا اور مجھے دے کر آپ ﷺ کے پاس روانہ کیا۔ جب میں آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے فرمایا: ''اسے رکھ دو۔'' پھر حکم دیا: ''فلاں فلاں لوگوں کو میرے پاس بلا لاؤ..... آپ نے ان کا نام لیا ..... اور (مزید فرمایا کہ) جو بھی آدمی راستے میں ملے، اسے میری طرف سے دعوت دے دو۔'' چنانچہ آپ ﷺ نے مجھے جو حکم دیا تھا، میں نے اس کی تعمیل کی۔ جب میں واپس آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ گھر لوگوں سے بھرا ہوا ہے۔ میں نے نبی ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے اپنے دونوں مبارک ہاتھ اس حلوے پر رکھ دیے اور جو اللہ کو منظور تھا، وہ اپنی زبان مبارک سے پڑھا، اس کے بعد دس دس آدمیوں کو کھانے کے لیے بلانا شروع کیا۔ آپ ﷺ ان سے فرماتے تھے: ''اللہ کا نام لے کر ہر آدمی اپنے آگے سے کھائے۔'' چنانچہ سب لوگ کھا کر گھر سے باہر چل دیے، البتہ تین آدمی بدستور گھر میں بیٹھے باتیں کرتے رہے اور مجھے ان کے نہ جانے سے

[1] صحيح البخاري: 315.

اور مجھے ان کے نہ جانے سے رنج ہونے لگا۔ آخر کار نبی ﷺ اپنی بیویوں کے حجروں کی طرف چل دیے، میں بھی آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے گیا اور (آپ ﷺ سے) کہا: لوگ اپنے گھروں کو چلے گئے ہیں۔ اس وقت آپ واپس تشریف لائے اور گھر میں داخل ہوئے اور پردہ لٹکا دیا۔ میں ابھی حجرے ہی میں تھا کہ میں نے آپ ﷺ کو (سورۂ احزاب کی) یہ آیات پڑھتے ہوئے سنا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ۭ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ۡ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ۭ﴾ (الأحزاب 33:53)

''اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں نہ جایا کرو مگر جب کھانے کے لیے اندر آنے کی اجازت دی جائے، وہاں بیٹھ کر کھانا پکنے کا انتظار نہ کرو، البتہ جب تمھیں بلایا جائے تو اندر جاؤ اور کھانے سے فارغ ہوتے ہی واپس چلے آؤ، باتوں میں لگ کر وہاں بیٹھے نہ رہو، یہ بات نبی کو تکلیف دیتی ہے اور وہ تم سے شرم کرتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ حق بات کہنے سے نہیں شرماتا۔''[1]

4 آپ کی شرم و حیا کا عالم یہ تھا کہ آپ کسی شخص کو تنبیہ فرماتے تو سب کے سامنے نہ فرماتے بلکہ اسے علیحدگی میں سمجھاتے۔ اور اگر بھری محفل میں تنبیہ کرنا مقصود ہوتا تو پھر ایسے کلمات ارشاد فرماتے جن سے کوئی مخصوص شخص نشانہ نہ بنتا بلکہ سب کو تنبیہ کرنے کے انداز میں بات کی جاتی۔ اس سے مخصوص شخص کی اصلاح بھی ہو جاتی، اس کی عزت بھی محفوظ رہتی اور بقیہ لوگ بھی خبردار ہو جاتے، اس طرح متعلقہ شخص کو سب کے سامنے شرمسار نہیں ہونا پڑتا تھا۔ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب آپ کو کسی شخص کی شکایت پہنچتی تو آپ یہ نہ فرماتے: ''فلاں شخص کو کیا ہوا ہے کہ وہ ایسے ایسے کام کرتا ہے۔'' بلکہ یوں فرماتے: ''کچھ لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ وہ ایسی حرکتیں کر رہے ہیں۔''[2]

مثلاً ایک شخص نماز میں آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا تو آپ نے اسے ان الفاظ میں تنبیہ فرمائی:

«مَا بَالُ أَقْوَامٍ يَرْفَعُونَ أَبْصَارَهُمْ إِلَى السَّمَاءِ فِي صَلَاتِهِمْ؟» فَاشْتَدَّ قَوْلُهُ فِي ذَلِكَ حَتَّى قَالَ: «لَيَنْتَهُنَّ عَنْ ذَلِكَ أَوْ لَتُخْطَفَنَّ أَبْصَارُهُمْ»

''لوگوں کو کیا ہوا کہ وہ نماز میں نگاہیں آسمان کی طرف اٹھاتے ہیں؟'' پھر آپ نے اس کے متعلق بڑی سختی

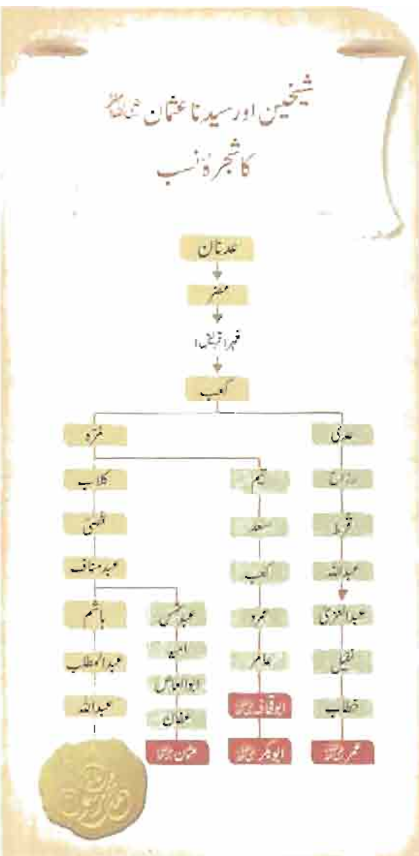
[1] صحيح البخاري: 5166 [2] سنن أبي داود: 4788

سے فرمایا ''لوگوں کو اس سے باز آنا چاہیے ورنہ ان کی بینائی کو اچک لیا جائے گا۔''[1]

5 رسول اللہ ﷺ شرم و حیا کی وجہ سے قضائے حاجت کے لیے آبادی سے دور تشریف لے جاتے تھے۔ درختوں کے جھنڈ یا کسی چیز کی آڑ میں بیٹھتے تھے۔ اپنا ستر کسی کے سامنے نہیں کھولتے تھے۔

6 آپ ﷺ صحابہ کرام کی حیا کا بھی خصوصی خیال رکھتے تھے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میرے گھر میں آرام کر رہے تھے جبکہ آپ کی رانوں سے کپڑا ہٹا ہوا تھا۔ اتنے میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حاضری کی اجازت مانگی۔ آپ نے اجازت دی تو وہ اندر آگئے اور کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد چلے گئے۔ آپ اس دوران اسی حالت میں لیٹے رہے۔ پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اجازت مانگی تو انھیں بھی اجازت دے دی گئی جبکہ آپ حسب سابق آرام کر رہے تھے۔ پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ آئے۔ انھوں نے بھی اندر آنے کی اجازت مانگی۔ رسول اللہ ﷺ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی آمد پر اٹھ بیٹھے اور کپڑے درست کر لیے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے سیدنا ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی آمد پر اہتمام نہ کرنے اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی آمد پر خصوصی اہتمام کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا:



أَلَا أَسْتَحِي مِنْ رَجُلٍ تَسْتَحِي مِنْهُ الْمَلَائِكَةُ؟

''کیا میں اس شخص سے حیا نہ کروں جس سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں۔''[2]

رسول اللہ ﷺ شرم و حیا کے بے مثال پیکر تھے۔ حیا آپ کے اخلاق کریمہ کا لازمی حصہ تھی، اس لیے امت پر بھی لازم ہے کہ شرم و حیا کو اختیار کرے اور اپنی زندگی کے تمام معاملات میں اسے لازمی جزو بنائے۔

جود و سخا

جود و سخا ایمان کی پختگی، اسلام کے حسن و خوبی اور اللہ تعالیٰ پر قوی ایمان کی دلیل ہے۔ جود و سخا سے اللہ کے بندے قریب ہوتے اور دشمن دوست بنتے ہیں۔ تا قیامت ذکر خیر بخی کا مقدر

1 صحیح البخاری: 750. 2 صحیح مسلم: 2401.

بنتا ہے۔ جو بندہ اللہ کی مخلوق کے لیے ایثار و قربانی کرتا ہے اور اپنے ہاتھ کشادہ کرتا ہے، وہ اللہ کے قریب ہو جاتا ہے اور اللہ کا محبوب بندہ بن جاتا ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

ان اللہ کریم یحب الکرماء، جواد یحب الجودۃ، یحب معالی الأخلاق ویکرہ سفسافھا۔

''بلاشبہ اللہ نہایت مہربان ہے، مہربانی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ اللہ سخی ہے، سخاوت کو محبوب رکھتا ہے۔ اللہ اعلیٰ اخلاق کو پسند کرتا ہے اور برے اخلاق کو ناپسند کرتا ہے۔'' [1]

جود و سخا مومنوں کی عالی شان صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ

''وہ لوگ جو غیب پر ایمان لاتے ہیں اور وہ نماز کو (اس کے آداب کے ساتھ) قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو عطا فرمایا ہے، وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔'' [2]

امام الانبیاء، رحمت عالم ﷺ جود و سخا میں بھی تمام جہانوں کے سردار ہیں۔ جود و سخا میں آپ کا کوئی مقابل نہیں۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ کی بخشش و عطا اور جود و سخا کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں:

كان النبي ﷺ أجود الناس، وأجود ما يكون في رمضان حين يلقاه جبريل، وكان جبريل عليه السلام يلقاه في كل ليلة من رمضان فيدارسه القرآن، فلرسول الله ﷺ أجود بالخير من الريح المرسلة.

''نبی ﷺ سب لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور رمضان المبارک میں تو آپ بہت زیادہ سخاوت کرتے تھے جب آپ سے جبرئیل علیہ السلام ملاقات کرتے تھے۔ وہ رمضان میں ہر رات آپ سے ملاقات کرتے اور آپ کے ساتھ قرآن کریم کا دور کرتے تھے۔ بے شک رسول اللہ ﷺ خیر و بھلائی کے ہر معاملے میں تیز چلنے والی ہوا سے بھی زیادہ سخی تھے۔'' [3]

آپ کے خادم خاص سیدنا انس رضی اللہ عنہ آپ کی سخاوت کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

كان النبي ﷺ أحسن الناس وأشجع الناس وأجود الناس

''نبی ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ خوبصورت، سب لوگوں سے زیادہ بہادر اور سب سے زیادہ فیاض تھے۔'' [4]

[1] صحيح الجامع: 1799، [2] البقرة 2:3، [3] صحيح البخاري: 3554، [4] صحيح البخاري: 2820

رسول اللہ ﷺ کی جود و سخا کی کوئی حد نہ تھی بلکہ آپ ﷺ بخشش و مرحمت کے بحرِ بیکراں تھے۔ آیئے آپ کی سخاوت کی شان ملاحظہ فرمائیے:

1 آپ کی خدمت میں دستِ سوال پھیلانے والوں نے کبھی ''نہیں'' نہ سنا۔ بلکہ آپ کے پاس جو کچھ ہوتا، آپ سوالی کی جھولی میں ڈال دیتے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ آپ کو کسی چیز کی اشد ضرورت تھی مگر سوال ہونے پر آپ نے وہ چیز ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر سوالی کو عطا کر دی۔ آپ کی اسی خوبی کو سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے: ''رسول اللہ ﷺ سے اسلام کے نام پر جو کچھ طلب کیا جاتا، آپ عطا فرما دیتے۔ ایک شخص نے سوال کیا تو آپ نے دو پہاڑوں کے درمیان چرنے والی تمام بکریاں اسے عنایت فرما دیں۔ وہ خوشی خوشی اپنی قوم کے پاس گیا اور کہنے لگا: ''اے میری قوم! مسلمان ہو جاؤ کیونکہ محمد (ﷺ) ایسی عطا و بخشش فرماتے ہیں کہ انھیں فقر و فاقے کا خدشہ تک نہیں ہوتا۔''[1]



آپ کی لامحدود سخاوت کا حال بتاتے ہوئے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

مَا سُئِلَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ شَیْئًا قَطُّ فَقَالَ: لَا.

''رسول اللہ ﷺ سے جو بھی مانگا جاتا، آپ نے جواب میں کبھی ''نہیں'' کا لفظ نہیں کہا۔''[2]

آپ کی اس خوبی سے بے شمار لوگ اسلام کی طرف کھنچے چلے آئے اور اسلام کی دولت سے مالا مال ہو گئے۔ ابتدا میں کوئی شخص صرف مال و دولت کے لیے اسلام قبول کرتا تھا مگر آپ اسے اس قدر عطا کرتے کہ وہ اسلام کا سچا اور مخلص سپاہی بن جاتا تھا۔[3]

صفوان بن امیہ اسلام دشمنوں میں ایک بہت بڑا نام تھا۔ انھیں بھی رسول اللہ ﷺ کی جود و سخا نے مسخر کیا، وہ آپ کی سخاوت پر قربان ہو گئے۔ وہ خود بیان کرتے ہیں: ''اللہ کی قسم! اللہ کے رسول مجھے سب لوگوں سے بڑھ کر ناپسندیدہ تھے، پھر آپ نے مجھے اتنا مال عطا کیا کہ آپ ﷺ میری

1 صحیح مسلم، 2312. 2 صحیح مسلم، 2311 3 دیکھیے: صحیح مسلم، 2312

محبوب ترین ہستی بن گئے۔'' [1]

2 آپ ﷺ کے پاس جتنا مال بھی آتا، وہ مالِ فے ہوتا یا مالِ غنیمت، آپ نومسلموں، مستحق افراد اور ضرورت مندوں میں تقسیم فرما دیتے۔ اگر کسی کو نہ ملتا تو اس کے ساتھ آئندہ مال آنے تک وعدہ کر لیتے۔ آپ ﷺ نے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے بھی وعدہ فرمایا تھا جو آپ کی رحلت کے بعد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پورا کیا۔ آئیے ان کی روداد صحیح بخاری کی حدیث کی روشنی میں پڑھتے ہیں:

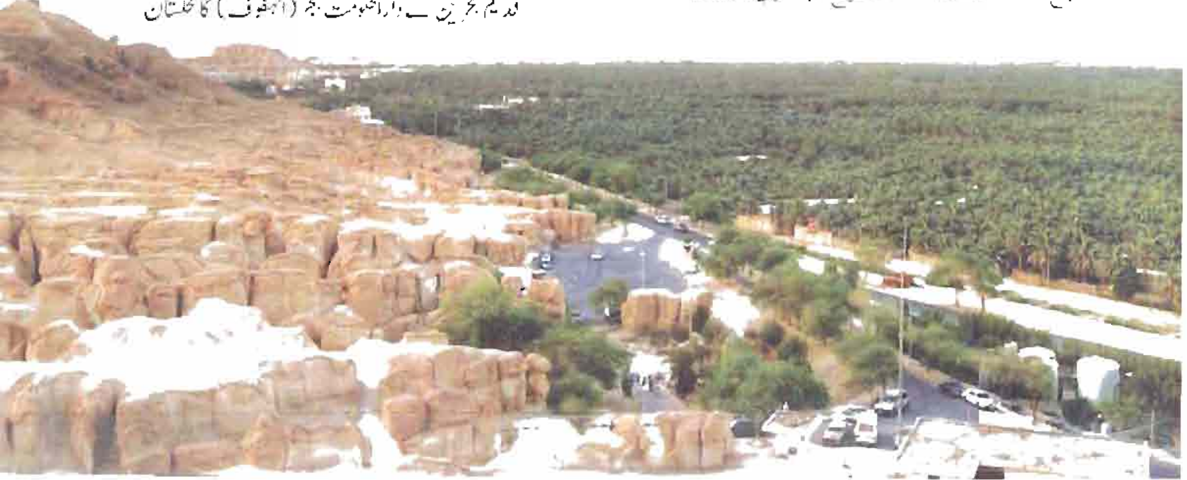
سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے (مجھ سے) فرمایا: اگر بحرین کا خراج آیا تو میں تجھے اس طرح (دونوں لپ بھر کر) دوں گا لیکن بحرین کا خراج آنے سے پہلے ہی نبی ﷺ وفات پا گئے۔ جب بحرین کا خراج آیا تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے منادی کرائی کہ نبی ﷺ نے جس سے کوئی وعدہ کیا ہو یا اس کا آپ پر قرض ہو تو وہ ہمارے پاس آئے۔ چنانچہ میں آپ کے پاس گیا اور عرض کیا: نبی ﷺ نے مجھے اتنا اتنا دینے کا وعدہ کیا تھا تو انھوں نے مجھے لپ بھر (درہم) دیے۔ میں نے انھیں گنا تو پانچ سو تھے۔ انھوں نے فرمایا: اس سے دوگنا (مزید) لے لو۔ [2]

3 سخاوت آپ کو ورثے میں بھی ملی تھی، آپ کے دادا ہاشم کا لقب ہاشم (روٹی توڑ کر کھلانے والا) اسی لیے پڑا تھا کہ وہ قحط سالی میں لوگوں کو خوب دعوتیں کھلاتے تھے۔ دعوتِ اسلام کے آغاز سے آپ کی یہ خوبی خوب پروان چڑھی۔ آپ ﷺ اپنا مال غرباء اور مساکین کے لیے بے دریغ خرچ فرماتے تھے۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے فرمایا:

كَلَّا أَبْشِرْ فَوَاللّٰهِ لَا يُخْزِيكَ اللّٰهُ أَبَدًا، فَوَاللّٰهِ! إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَصْدُقُ الْحَدِيثَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُومَ وَتَقْرِي الضَّيْفَ وَتُعِينُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ.

1 صحیح مسلم: 2313. 2 صحیح البخاري: 2296.

قدیم بحرین کے دارالحکومت ہجر (الہفوف) کا نخلستان



''آپ کو خوشخبری ہو۔ اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ اللہ کی قسم! آپ تو صلہ رحمی کرنے والے ہیں۔ آپ ہمیشہ سچ بولتے ہیں، کمزور و ناتواں کا بوجھ خود اٹھا لیتے ہیں، محروم لوگوں کو اشیائے ضرورت مہیا کرتے ہیں، مہمان کی ضیافت کرتے ہیں اور حق کے راستے میں پیش آنے والی مصیبتوں پر لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔'' [1]

آپ نے غزوۂ حنین کے موقع پر حاصل ہونے والا کثیر مال غنیمت نومسلموں اور مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔ تقسیم ہونے والے مال میں 40000 بکریاں، 24000 اونٹ، 6000 غلام اور کئی من سونا چاندی شامل تھا۔

جب آپ یہ کثیر مال غنیمت تقسیم کر چکے تو بدوؤں نے آپ کا پیچھا نہ چھوڑا۔ حتی کہ آپ کی چادر کانٹے دار جھاڑی میں اٹک گئی۔ اس وقت آپ نے اپنی جود و سخا کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا:

«أعطوني ردائي، لو كان لي عدد هذه العضاه نعم لقسمته بينكم، ثم لا تجدوني بخيلا ولا كذوبا ولا جبانا»

''میری چادر تو مجھے واپس کر دو۔ اگر میرے پاس اس (درخت) کے کانٹوں کے برابر بھی اونٹ ہوتے تو میں وہ سب کے سب تم میں تقسیم کر دیتا۔ مجھے تم کسی وقت بھی بخیل، جھوٹا اور بزدل نہیں پاؤ گے۔'' [2]

4 رسول اللہ ﷺ کو ذخیرہ اندوزی کا کبھی بھولے سے بھی خیال نہیں آیا۔ آپ ﷺ کے پاس جو کچھ ہوتا، وہ لوگوں کی فلاح کے لیے بے دریغ خرچ فرما دیتے تھے۔

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا۔ آپ کی نظر احد پہاڑ پر پڑی تو آپ نے فرمایا:

«ما أحب أنه يحول لي ذهبا تمكث عندي منه دينار فوق ثلاث إلا دينارا أرصده لدين»

''میں نہیں چاہتا کہ یہ پہاڑ میرے لیے سونے کا بن جائے تو تین دن کے بعد اس میں سے ایک دینار بھی میرے پاس باقی رہے مگر وہ دینار جسے میں نے ادائے قرض کے لیے رکھ لیا ہو۔'' [3]

5 سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت رسول اللہ ﷺ کے لیے اپنے ہاتھوں سے ایک چادر بُن کر لائی۔ عرض کرنے لگی: حضور! میں یہ چادر آپ کو پہنانا چاہتی ہوں۔ ان دنوں آپ کو ضرورت بھی تھی، لہٰذا آپ نے وہ چادر قبول فرمالی۔ آپ وہ چادر پہن کر گھر سے باہر تشریف لائے تو ایک صحابی کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! یہ کتنی خوبصورت چادر ہے، یہ تو آپ مجھے دے دیں۔ آپ نے فرمایا: ''ٹھیک ہے لے لو۔'' جب آپ مجلس سے اٹھ

[1] صحيح البخاري: 4953، [2] صحيح البخاري: 2821، [3] صحيح البخاري: 2388

گئے تو صحابہ کرام نے اس صحابی کو ڈانٹا کہ تم نے رسول اللہ ﷺ سے یہ چادر کیوں مانگی جبکہ تمھیں پتا ہے کہ آپ کو اس کی سخت ضرورت تھی اور آپ سوال کرنے پر کبھی انکار بھی نہیں کرتے۔ صحابی نے اپنا عذر یہ پیش کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے وہ چادر پہن لی ہے تو میرے دل میں یہ تڑپ پیدا ہوگئی کہ یہ بابرکت چادر میرا کفن بنے، اس لیے میں نے آپ سے مانگ لی۔ پھر واقعی وہ چادر اس صحابی کے کفن کے لیے استعمال ہوئی۔[1]

اللہ تعالیٰ سخی شخص کو پسند کرتا ہے۔ اور شیطان بخل، کنجوسی اور لالچ کو محبوب رکھتا ہے، اسی لیے مومنوں کو اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور خرچ کرنے والوں کو زبردست انعامات دینے کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۭ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى ۙ لَّھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا ھُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾

''ان لوگوں کی مثال جو اللہ کی راہ میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں، اس دانے کی سی ہے جس سے سات بالیاں نکلیں، ہر بالی میں سو دانے ہوں، اور اللہ جس کے لیے چاہے (اجر) بڑھا دیتا ہے اور اللہ وسعت والا، خوب جاننے والا ہے۔ جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، پھر خرچ کرنے کے بعد احسان نہیں جتاتے اور نہ دکھ دیتے ہیں، ان کے لیے ان کے رب کے پاس اجر ہے، نہ ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔''[2]

اللہ کی راہ میں عمدہ مال خرچ کرنا چاہیے۔ ردی اور ناقص مال کی سخاوت درست نہیں۔ شیطان فقر و فاقے کا ڈراوا دیتا ہے اور انسانوں کو ردی اور بے کار چیزیں اللہ کی راہ میں دینے پر ابھارتا ہے۔ لہٰذا مومنوں کو شیطانی چال سے بچنا چاہیے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۠ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ حَمِيْدٌ ۝ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاۗءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم ان پاکیزہ چیزوں میں سے خرچ کرو جو تم کماتے ہو اور ان میں سے بھی جو ہم

[1] صحیح البخاری: 6036 [2] البقرۃ 2: 261،262

نے تمھارے لیے زمین میں سے نکالی ہیں اور (اللہ کی راہ میں) ردی اور خراب چیز خرچ کرنے کا مت ارادہ کرو جبکہ تم (خود) تو وہ (چیز) لینا بھی پسند نہیں کرتے الا یہ کہ اس کی بابت تم آنکھیں بند کرلو، اور جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ بڑا بے پروا، نہایت قابل تعریف ہے۔ شیطان تمھیں تنگدستی سے ڈراتا ہے اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور اللہ تم سے اپنی بخشش اور فضل کا وعدہ کرتا ہے اور اللہ وسعت والا، خوب جاننے والا ہے۔‘‘[1]

رسول اللہ ﷺ نے امت کو جود و سخا کی تعلیم دی ہے۔ آپ نے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:

«مَنْ تَصَدَّقَ بِعَدْلِ تَمْرَةٍ مِنْ كَسْبٍ طَيِّبٍ، وَلَا يَقْبَلُ اللّٰهُ إِلَّا الطَّيِّبَ، وَإِنَّ اللّٰهَ يَتَقَبَّلُهَا بِيَمِينِهِ ثُمَّ يُرَبِّيهَا لِصَاحِبِهِ كَمَا يُرَبِّي أَحَدُكُمْ فَلُوَّهُ حَتَّى تَكُونَ مِثْلَ الْجَبَلِ»

’’جو شخص حلال کمائی سے ایک کھجور کے برابر بھی صدقہ دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ حلال و پاکیزہ ہی کو قبول کرتا ہے... اللہ تعالیٰ اس صدقے کو اپنے دائیں ہاتھ میں لیتا ہے، پھر اسے دینے والے کی خاطر بڑھاتا ہے، جس طرح تم میں سے کوئی اپنے گھوڑے کے بچے کو پال کر بڑھاتا ہے حتی کہ وہ کھجور جتنا صدقہ پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔‘‘[2]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«مَا مِنْ يَوْمٍ يُصْبِحُ الْعِبَادُ فِيهِ إِلَّا مَلَكَانِ يَنْزِلَانِ، فَيَقُولُ أَحَدُهُمَا: اللّٰهُمَّ أَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا، وَيَقُولُ الْآخَرُ: اللّٰهُمَّ أَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا»

’’جب لوگ صبح کرتے ہیں تو دو فرشتے اترتے ہیں، ایک کہتا ہے: اے اللہ! خرچ کرنے والے کو نعم البدل عطا کر۔ اور دوسرا کہتا ہے: اے اللہ! کنجوس کو تباہی و بربادی سے دوچار کر۔‘‘[3]

آپ ﷺ نے امت کو بخل اور لالچ سے بچنے اور جود و سخا کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا:

«يَا ابْنَ آدَمَ إِنَّكَ أَنْ تَبْذُلَ الْفَضْلَ خَيْرٌ لَكَ، وَأَنْ تُمْسِكَهُ شَرٌّ لَكَ، وَلَا تُلَامُ عَلَى كَفَافٍ، وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُولُ، وَالْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلَى»

’’اے ابن آدم! اگر تم اضافی مال خرچ کر دو تو یہ تمھارے لیے بہت بہتر ہے۔ اور اگر تم اسے سنبھال کر

[1] البقرة 2:267، 268. [2] صحيح البخاري: 1410. [3] صحيح البخاري: 1442.

(جمع کر کے) رکھو تو وہ تمھارے لیے بہت برا ہے۔ اور تمھیں حسب ضرورت رکھنے پر کوئی ملامت نہیں۔ جن کی کفالت تمھاری ذمہ داری ہے، ان پر خرچ کرنے سے ابتدا کرو، عطا کرنے والا ہاتھ (بخشش) لینے والے ہاتھ سے بہت بہتر ہے۔''[1]

اللہ تعالیٰ ہمیں بخل و کنجوسی سے محفوظ فرمائے اور اپنے نبی ﷺ کی خوئے سخاوت کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

صدق وصفا

سچائی ایمان کی اساس ہے۔ اہل ایمان اور منافقین کے مابین سچائی ہی کا فرق و امتیاز ہے۔ اہل حق وصداقت دنیا و آخرت میں کامیاب وکامران اور اہل کذب ناکام و نامراد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حکم دیا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿﴾

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو اور سچ بولنے والوں کے ساتھ ہو جاؤ۔''[2]

سچ بولنے والا راہ راست پر چلتا ہوا جنت میں پہنچ جاتا ہے اور جھوٹا جہنم کی راہوں پر دوڑتا چلا جاتا ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

إِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِي إِلَى الْبِرِّ، وَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِي إِلَى الْجَنَّةِ، وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَصْدُقُ حَتّٰى يَكُونَ صِدِّيقًا، وَإِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِي إِلَى الْفُجُورِ، وَإِنَّ الْفُجُورَ يَهْدِي إِلَى النَّارِ، وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَكْذِبُ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ كَذَّابًا.

''سچائی، نیکی کا راستہ دکھاتی ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے۔ آدمی سچ بولتا رہتا ہے یہاں تک وہ صدیق کا مرتبہ حاصل کر لیتا ہے۔ جھوٹ برائی کا راستہ دکھاتا ہے اور برائی دوزخ کی طرف لے جاتی ہے۔ آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے حتی کہ وہ اللہ کے ہاں کذاب (بہت جھوٹا) لکھا جاتا ہے۔''[3]

رسول اللہ ﷺ صدق وصفا کے سب سے اونچے درجے پر فائز تھے۔ آپ ختم نبوت کا تاج پہننے سے پہلے بھی صادق و امین کے القاب سے مشہور و معروف تھے۔ آپ کی یہ خوبی آپ ﷺ کا سب سے بڑا امتیازی وصف تھی۔ بدترین دشمن بھی آپ کی سچائی اور امانت داری کا اقرار و اعتراف کرتے تھے۔ آپ ﷺ کے سفاک دشمنوں نے آپ کو جادوگر کہا، مجنون کہا، لیکن وہ آپ ﷺ کو اخلاقی لحاظ سے جھوٹا کہنے کی کبھی ہمت نہ کر سکے۔ آیئے آپ کی

1 صحیح مسلم: 1036. 2 التوبۃ 9:119. 3 صحیح البخاری: 6094

سیرت مبارکہ سے آپ کی سچائی پر مبنی چند واقعات پڑھتے ہیں۔

1 سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ "آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے۔" (انھیں دعوت اسلام دیجیے) تو آپ صفا پہاڑی پر چڑھ گئے اور قریش کے قبیلوں کو ان کے نام لے لے کر بلایا: اے بنو فہر! اے بنو عدی! میری بات سنو۔ سب کے سب وہاں حاضر ہو گئے اور جو خود نہ آ سکا اس نے اپنا نمائندہ بھیج دیا۔ ابولہب اور قریش کے لوگ بھی جمع ہو گئے تو آپ نے ارشاد فرمایا:

أَرَأَيْتَكُمْ لَوْ أَخْبَرْتُكُمْ أَنَّ خَيْلًا بِالْوَادِي تُرِيدُ أَنْ تُغِيرَ عَلَيْكُمْ أَكُنْتُمْ مُصَدِّقِيَّ

"تمھارا کیا خیال ہے اگر میں تمھیں بتاؤں کہ وادی میں گھڑ سوار دستہ تم پر حملہ آور ہونے کے لیے تیار ہے، تو کیا تم میری بات کو سچ مانو گے؟"

سب نے یک زبان ہو کر کہا: ہاں، ہم آپ کی تصدیق کریں گے کیونکہ ہم نے کبھی آپ کو جھوٹ بولتے نہیں سنا۔ اپنی مسلمہ سچائی کی گواہی لینے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:

فَإِنِّي نَذِيرٌ لَكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ فَقَالَ أَبُو لَهَبٍ تَبًّا لَكَ سَائِرَ الْيَوْمِ أَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا فَنَزَلَتْ تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ مَا أَغْنٰى عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ

"(پھر سنو!) میں تمھیں اس سخت عذاب سے ڈراتا ہوں جو تمھارے سامنے ہے۔" یہ سن کر ابولہب بولا: تجھ پر دن بھر تباہی ہو، کیا تو نے ہمیں اسی لیے جمع کیا تھا؟ اس پر یہ سورت نازل ہوئی: "ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ ہلاک ہو گیا۔ نہ اس کے مال نے اسے کوئی فائدہ پہنچایا اور نہ اس کی کمائی نے۔"[1]

آپ کے مخالفین اور بدترین دشمن ابولہب سمیت سب لوگوں نے آپ ﷺ کی بے داغ سچائی کی گواہی دی۔ آپ کا بچپن اور جوانی انھی لوگوں کے درمیان گزری تھی۔ آپ کی زندگی ان کے سامنے ایک کھلی کتاب تھی۔ اس لیے انھیں یقین کامل تھا کہ آپ نہایت سچے اور امانت دار ہیں۔ قرآن کریم نے آپ ﷺ کی اسی صداقت، کتاب، دانش اور بے داغ سیرت کو آپ ﷺ کی نبوت کے ثبوت کے طور پر پیش کیا ہے۔

2 نبی کریم ﷺ سچائی کے علمبردار تھے۔ آپ نے مشرکین عرب اور یہود و نصاریٰ کے ساتھ معرکہ آرائی کی مگر آپ کے بدترین دشمنوں نے کبھی بھی آپ پر جھوٹ بولنے کا الزام عائد نہیں کیا، بلکہ وہ دل سے آپ کی سچائی کا …

[1] صحیح البخاری: 4770۔

ایمانداری کے اقرار و اعتراف سے جھکے ہوئے تھے۔

ہرقل کے دربار میں ابوسفیان سے چند سوال پوچھے گئے جن کا مقصد رسالت مآب ﷺ کی نبوت کی سچائی پرکھنا تھا۔ ان سوالوں میں سے ایک سوال یہ بھی تھا: کیا نبوت کا دعویٰ کرنے سے پہلے محمد (ﷺ) پر تم لوگ جھوٹ بولنے کی تہمت لگاتے تھے؟ (کیا اس نے تم سے کبھی جھوٹ بولا تھا؟) ابوسفیان نے جواب دیا کہ نہیں، انھوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ اس پر ہرقل نے کہا: میں سمجھ گیا ہوں کہ جس شخص نے عام لوگوں سے کبھی غلط بیانی نہ کی ہو، وہ اللہ کے بارے میں کیسے جھوٹ بولے گا؟[1]

3 آپ کی زندگی سراپا سچائی تھی۔ آپ اپنے صحابۂ کرام کے ساتھ دل لگی بھی کر لیتے تھے، مگر آپ مبنی برحق مزاح کرتے تھے۔ ہنسی مزاح میں بھی جھوٹ کا شائبہ تک نہ ہوتا تھا۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: حضور! مجھے سواری کے لیے ایک اونٹ عطا کیجیے۔ آپ نے فرمایا: «إِنِّي حَامِلُكَ عَلَى وَلَدِ نَاقَةٍ» ''ہم تمھیں اونٹنی کے بچے پر سوار کریں گے۔'' وہ شخص کہنے لگا: میں اونٹ کے بچے کو کیا کروں گا؟ اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: «وَهَلْ تَلِدُ الْإِبِلَ إِلَّا النُّوقُ» ''اونٹ کو اونٹنی ہی جنم دیتی ہے (اونٹ، اونٹنی ہی کا بچہ ہوتا ہے)۔''[2]

4 رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے سچ کے سوا کچھ نہ نکلتا تھا۔ آپ سچ بولتے اور سچ بولنا ہی پسند کرتے تھے۔ آپ کا ارشادِ گرامی ہے: «أَحَبُّ الْحَدِيثِ إِلَيَّ أَصْدَقُهُ» ''مجھے سچی بات نہایت محبوب ہے۔''[3]

آپ نے صحابۂ کرام کی راہنمائی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: «قَدْ عَلِمْتُمْ أَنِّي أَتْقَاكُمْ لِلّٰهِ وَأَصْدَقُكُمْ وَأَبَرُّكُمْ» ''تمھیں بخوبی علم ہے کہ میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اور تم سب سے بڑھ کر سچا اور نیکو کار ہوں۔''[4]

رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو بھی سچ بولنے کی ترغیب دی۔ آپ کا ارشادِ گرامی ہے:

«اِضْمَنُوا لِي سِتًّا مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَضْمَنْ لَكُمُ الْجَنَّةَ: اُصْدُقُوا إِذَا حَدَّثْتُمْ، وَأَوْفُوا إِذَا وَعَدْتُمْ، وَأَدُّوا إِذَا اؤْتُمِنْتُمْ، وَاحْفَظُوا فُرُوجَكُمْ، وَغُضُّوا أَبْصَارَكُمْ، وَكُفُّوا أَيْدِيَكُمْ»

''تم مجھے اپنے بارے میں چھ طرح کی ضمانت دے دو، میں تمھیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں: 1 جب بات کرو تو سچ بولو۔ 2 وعدہ کرو تو وعدہ پورا کرو۔ 3 جب امانت تمھارے حوالے کی جائے تو اسے (پوری

1 صحیح البخاري: 7، 2 سنن أبي داود: 4998، 3 صحیح البخاري: 2307، 4 صحیح البخاري: 7367

طرح) واپس کرو۔ 4 اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرو۔ 5 اپنی نگاہیں نیچی رکھو۔ 6 اور اپنے ہاتھوں کو (ظلم کرنے سے) روکے رکھو۔''[1]

رسول اللہ ﷺ نے جھوٹ بولنے، خیانت کرنے اور وعدہ خلافی کرنے کو منافق کی صفات قرار دیا ہے، اس لیے مومن کو ان عیوب سے بچنا چاہیے اور اپنے نبی رحمت ﷺ کی عالی صفات کو اپنانا چاہیے۔

ایفائے عہد

رسول اللہ ﷺ کے اخلاقِ کریمہ میں ایفائے عہد و پیمان کی درخشاں خوبی بہت نمایاں تھی۔ یہ وہ خوبی ہے جو تمام انبیاء میں تھی۔ ہرقل کے دربار میں جب ابوسفیان سے رسول اللہ ﷺ کی خوبیوں اور اعلیٰ تعلیمات کا سوال ہوا تو ابوسفیان نے بتایا کہ محمد (ﷺ) نماز پڑھنے، سچ بولنے، پاکدامنی اختیار کرنے اور وعدوں کی پاسداری کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ یہ سن کر ہرقل کہنے لگا: ''یہ ایک (سچے) نبی کی صفات ہیں۔''[2]

عہد و پیمان کی پاسداری اعلیٰ انسانی خوبی ہے۔ اس خوبی کے ساتھ سچائی اور عدل و انصاف کا وصف موجود ہو تو معاشرے میں باہمی اعتماد اور محبت کے جذبات فروغ پاتے ہیں۔ معاشرے کے افراد بہت سے معاملات میں ایک دوسرے کے ضرورت مند ہوتے ہیں۔ باہمی ضروریات کی تکمیل اور وعدے کی پاسداری کی جائے تو باہمی تعلقات مضبوط اور گہرے ہو جاتے ہیں اور اگر بددیانتی، خیانت اور جھوٹ کا دور دورہ ہو تو باہمی اعتماد متزلزل ہو جاتا ہے اور معاشرے کے افراد اپنی ضروریات کی تکمیل میں بے شمار مشکلات کا شکار ہو جاتے ہیں۔

مومنوں کو سچ بولنے، وعدوں کی پاسداری اور دوسروں کے احترام کا درس دیا گیا ہے۔ مومنوں کی نشانی ہی یہ ہے کہ وہ وعدوں کی پاسداری کرتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ﴾ ''اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی حفاظت کرنے والے ہیں۔''[3]

نیز فرمایا: ﴿الَّذِينَ يُوفُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَلَا يَنقُضُونَ الْمِيثَاقَ﴾ ''وہ جو اللہ کا عہد پورا کرتے ہیں اور پختہ وعدہ نہیں توڑتے۔''[4]

اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حکم دیا ہے: ﴿وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا﴾ ''اور تم عہد پورا کرو، بے شک عہد کی بابت سوال کیا جائے گا۔''[5]

رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں وعدوں کی پاسداری اور معاہدوں کی حفاظت کی شاندار مثالیں ملتی ہیں جن

1 مسند احمد: 22757، 2 صحیح بخاری: 7، 3 المؤمنون 23: 8، 4 الرعد 13: 20، 5 الاسراء 17: 34

سے امت کو ایفائے عہد و پیمان کا سبق ملتا ہے۔ آیئے آپ کی سیرت طیبہ سے چند مثالیں پڑھتے ہیں۔

1 صلح حدیبیہ کے موقع پر مشرکوں کے نمائندے سہیل بن عمرو اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان صلح نامہ لکھا جا رہا تھا کہ اچانک سہیل کا مسلمان بیٹا ابو جندل بیڑیوں میں جکڑا ہوا آ گیا۔ سہیل نے اس پر بڑے مظالم ڈھائے تھے اور وہ بمشکل بچ کر مسلمانوں تک پہنچ پایا تھا۔ زخموں سے بری طرح نڈھال تھا، اس لیے آتے ہی مسلمانوں کے سامنے گر گیا۔ مسلمانوں کو اس پر بڑا ترس آیا۔ سہیل نے اپنے قیدی بیٹے کو حدیبیہ میں دیکھا تو چلا اٹھا اے محمد! معاہدے کی پہلی شرط پوری کرنے کا وقت آ گیا ہے۔ لہٰذا اس کو ہمارے حوالے کیا جائے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''ابھی معاہدہ تکمیل نہیں ہوا۔ لہٰذا ہم اسے تمھارے حوالے کرنے کے پابند نہیں ہیں۔'' سہیل اکڑ کر بولا: اللہ کی قسم! پھر ہم کوئی معاہدہ نہیں کریں گے۔ آپ نے فرمایا: ''تو چلو اس کو میرے لیے خاص کر دو۔'' اس نے انکار کر دیا۔ ابو جندل نے یہ منظر دیکھا تو جان گیا کہ اب اسے واپس کر دیا جائے گا۔ اس نے مسلمانوں کو پکارا: کیا میں مشرکوں کے حوالے کر دیا جاؤں گا، حالانکہ میں مسلمان ہوں۔ تم دیکھ نہیں رہے کہ مجھے کتنی اذیتیں دی گئی ہیں؟ [1]

مسلمانوں کو اس کی واپسی انتہائی ناگوار گزری۔ رسول اللہ ﷺ نے معاہدے کی پاسداری کے لیے اور مشرکوں کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے ابو جندل کو واپس کیا تو انھیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

«یا أبا جندل! اصبر واحتسب، فإن الله عز وجل جاعل لك ولمن معك من المستضعفين فرجا ومخرجا، إنا قد عقدنا بيننا وبين القوم صلحا، فأعطيناهم على ذلك، وأعطونا عليه عهدا، وإنا لن نغدر بهم»

''اے ابو جندل! صبر کرو اور ثواب کی امید رکھو، بے شک اللہ تعالیٰ تمھارے لیے اور تمھارے کمزور ساتھیوں کے لیے آزادی کی راہ کھولے گا۔ ہم نے ان لوگوں کے ساتھ صلح کا معاہدہ کیا ہے۔ صلح کی شرط پر ہم نے انھیں عہد دیا ہے اور انھوں نے ہمیں عہد دے دیا ہے۔ لہٰذا ہم اس معاہدے کی خلاف ورزی نہیں کر سکتے۔'' [2]

1 صحيح البخاري: 2731. 2 مسند أحمد: 18910.

مقام حدیبیہ جہاں کفار سے صلح ہوئی



2 صلح حدیبیہ کے معاہدے کے مطابق مسلمان اگلے سال عمرہ ادا کرنے کے لیے گئے۔ شرائط کے مطابق مسلمانوں کی تلواریں نیاموں میں تھیں۔ حسب معاہدہ جب تین دن پورے ہو گئے تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس مشرکین کے سردار آئے اور کہا کہ معاہدے کے مطابق تمھاری مدت مکمل ہو گئی۔ لہٰذا آپ اپنے رسول سے واپس جانے کی بات کریں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے آپ کو اطلاع دی تو آپ اپنے صحابہ کو لے کر مدینہ منورہ واپس آ گئے۔[1] اس طرح آپ نے مشرکین سے ہونے والے معاہدے کی مکمل پاسداری کی۔

3 آپ ﷺ نے اپنی امت کو عہد و پیمان کی پاسداری کا عملی درس دیا۔ اس کی ایک شاندار مثال ملاحظہ کیجیے: سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ وہ شرکت سے محرومی کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں جنگ بدر میں اس لیے شریک نہ ہو سکا کہ میں اور ابوحسیل سفر میں تھے کہ اچانک ہمیں مشرکوں نے گرفتار کر لیا۔ قریش کافر ہم سے کہنے لگے کہ تم یقیناً محمد (ﷺ) کا ساتھ دینے کے لیے گھروں سے نکلے ہو۔ ہم نے کہا کہ نہیں ایسا نہیں ہے، ہم اپنی ایک ضرورت کے لیے



مسجد العریش (بدر)

مدینہ جا رہے ہیں۔ انھوں نے ہم سے پختہ وعدہ لے لیا کہ ہم مدینہ ہی جائیں گے اور نبی ﷺ سے مل کر جہاد میں حصہ نہیں لیں گے۔ پھر جب ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو آپ کو سارا واقعہ بتایا۔ آپ نے فرمایا:

«انصرفا نفي لهم بعهدهم و نستعين الله عليهم»

”تم دونوں واپس چلے جاؤ۔ ہم ان سے کیا ہوا عہد پورا کریں گے اور ان کے مقابلے کے لیے اللہ تعالیٰ سے مدد و حمایت مانگیں گے۔“[2]

4 رسول اللہ ﷺ اپنے معاملات میں عہد کی پوری پاسداری کرتے تھے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک بدو سے عجوہ کھجوروں کے عوض اونٹ خریدے۔ آپ اونٹ لے کر گھر واپس آئے تاکہ بدو کو اس کی کھجوریں ادا کر سکیں۔ آپ گھر تشریف لائے اور معذرت کرتے ہوئے فرمایا: ”اے اللہ کے بندے!

1 صحیح البخاری: 4251۔ 2 صحیح مسلم: 1787۔

ہم نے تیرے اونٹ ایک وسق عجوہ کے بدلے خریدے تھے لیکن گھر میں عجوہ موجود نہیں۔ (لہٰذا تو اپنے اونٹ واپس لے جا)۔'' وہ بدو چلانے لگا: ہائے میرے ساتھ دھوکہ ہوا ہے۔ لوگوں نے اسے سمجھایا کہ تیرا ستیاناس! کیا اللہ کے رسول تیرے ساتھ دھوکہ کریں گے۔ یہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «دعوہ فإن لصاحب الحق مقالا» ''اسے چھوڑ دو کیونکہ صاحبِ حق کو باتیں کرنے کا اختیار ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے دوبارہ معذرت کرتے ہوئے فرمایا: ''ہمیں یقین تھا کہ عجوہ کھجوریں گھر پر موجود ہیں مگر اتفاق سے وہ ختم ہوگئیں۔'' لیکن وہ بدو بدستور چیختا چلاتا رہا۔ لوگوں نے اسے ڈانٹا مگر وہ چپ نہ ہوا۔ بالآخر رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی کو سیدہ خویلہ بنت حکیم کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ اگر تمھارے پاس عجوہ کھجوریں ہوں تو ہمیں ادھار دے دو۔ ہم تمھیں عنقریب ادا کر دیں گے۔ سیدہ خویلہ رضی اللہ عنہا نے وہ کھجوریں حاضرِ خدمت کر دیں اور آپ نے اس بدو کو ادا کر دیں۔ بدو وہ کھجوریں لے کر واپس جانے لگا تو اس نے آپ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا: اللہ آپ کو جزائے خیر دے، آپ نے پوری عمدگی سے ادائیگی کر دی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أولئك خيار عباد الله عند الله يوم القيامة الموفون المطيبون»

''قیامت کے روز اللہ کے نزدیک بہترین بندے وہ ہوں گے جو عمدہ طریقے سے (وعدہ) وفا کرتے ہیں۔''[1]

5 وعدہ خلافی، عہد کی پاسداری نہ کرنا، خیانت اور دھوکہ دہی کو رسول اللہ ﷺ نے منافق کی علامات قرار دیا ہے۔ ارشادِ نبوی ہے:

«آية المنافق ثلاث: إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا اؤتمن خان»

''منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔''[2]

آپ نے غداروں کو عبرت ناک انجام سے ڈراتے ہوئے فرمایا:

«لكل غادر لواء يوم القيامة» قال أحدهما: «ينصب» وقال الآخر: «يرى يوم القيامة يعرف به»

''قیامت کے دن ہر غدار کے لیے ایک جھنڈا ہوگا۔'' راویوں میں سے ایک کا بیان ہے: ''وہ جھنڈا نصب کیا جائے گا۔'' اور دوسرے کا بیان ہے: ''وہ جھنڈا قیامت کے دن دکھایا جائے گا جس سے دغا باز کی

[1] مسند أحمد: 26312. [2] صحيح البخاري: 33.

شناخت ہوگی۔''[1]

رسول اللہ ﷺ نے وعدہ خلافی کرنے والوں، بدعہدوں اور بے وفاؤں کو بے دین قرار دیا اور ارشاد فرمایا:

«لا إيمان لمن لا أمانة له، ولا دين لمن لا عهد له»

''جو امانت دار نہیں، اس کا ایمان نہیں اور جو عہد کی پاسداری نہیں کرتا، اس کا دین نہیں ہے۔''[2]

یادِ الٰہی میں نبی ﷺ کے آنسو

اللہ تعالیٰ کی یاد، اس کی نعمتوں کے شوق، اس کے عذاب کے ڈر اور جہنم کی ہولناکیوں سے لرزتے ہوئے آنکھوں میں آنسو آجائیں تو یہ گناہوں کی بخشش اور رحمتِ الٰہی کے حصول کا سبب بن جاتے ہیں۔ یہ آنسو اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت قیمتی ہیں۔ قابلِ تعریف ہیں وہ آنکھیں جن سے ایسے آنسو بہتے ہیں۔ اگر تصنع، ریاکاری، دکھلاوے یا دھوکہ دہی کے لیے آنکھوں سے آنسو بہائے جائیں تو یہ قابلِ مذمت ہوتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نہایت مشفق اور گداز دل تھے۔ آپ کی حیاتِ مبارکہ میں بے شمار مواقع ایسے آئے کہ آپ ﷺ کی مبارک آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ کبھی خوفِ الٰہی نے رلایا تو کبھی رحمتِ الٰہی کے شوق نے تڑپایا۔ کبھی دشمنوں کی اذیت نے دل دکھایا تو کبھی امت کے غم نے آنکھیں اشکبار کر دیں۔ لیکن آپ کو ہر موقع پر اللہ کی رضا اور خوشنودی ہی مطلوب رہی۔ آپ ﷺ کی تحمل مزاجی، بردباری اور زبردست حوصلہ مندی کے باوجود آپ کی حیاتِ مبارکہ میں جاں نثارانِ اسلام نے متعدد بار آپ کے رخسارِ مبارک آنسوؤں سے بھیگتے دیکھے۔ دل کی گہرائیوں سے امڈنے والے جذبات جب آپ کی مبارک آنکھوں کو بھگو دیتے تو جاں نثارانِ رحمتِ عالم کی آنکھیں بھی چھلک پڑتیں۔ کبھی محفلِ عام کو رلایا تو کبھی راتوں کی تنہائی میں اپنے رب کے حضور نذرانے پیش کیے۔ آئیے ان خوبصورت مواقع میں سے چند ایک کا مطالعہ کرتے ہیں:

1 قرآن مجید کو پڑھنا اور سننا آپ ﷺ کا محبوب مشغلہ تھا۔ قرآن کی پُرتاثیر تلاوت براہِ راست دل پر اثر کرتی اور آپ کے رخسار آنسوؤں سے بھیگ جاتے تھے۔ قیامت کے ہولناک مناظر اور شدید مواقع کو یاد کرتے ہی آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے نبی ﷺ نے فرمایا: ''اے عبداللہ! مجھے قرآن سناؤ۔'' میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا میں آپ کو قرآن سناؤں، حالانکہ آپ پر تو قرآن نازل کیا گیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں (تم مجھے قرآن سناؤ)۔'' میں نے

[1] صحيح البخاري: 3187. [2] مسند أحمد: 12383.

سورۂ نساء پڑھنا شروع کی حتی کہ میں اس آیت پر پہنچا:

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا

''پھر اس وقت کیا کیفیت ہوگی جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور آپ کو (اے رسول!) ان لوگوں پر گواہ لائیں گے۔''[1]

اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا: ''بس کرو، اب یہ کافی ہے۔'' میں نے آپ کی طرف غور سے دیکھا تو آپ کی آنکھیں آنسو برسا رہی تھیں۔[2]

2 رات کی تنہائی، قرآن مجید کی لذت اور اپنے رب کے سامنے التجائیں کرنے کا لطف لیتے ہوئے آپ کی آنکھوں سے سیل رواں جاری ہو جاتا تھا۔ سیدنا عبداللہ بن شخیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو آپ کے سینے سے ایسی آواز آرہی تھی جیسے ہنڈیا ابلنے کی آواز ہوتی ہے۔[3]

اپنی امت کا درد اور تمام مسلمانوں کی نجات کی فکر آپ کو ہر دم لاحق رہتی تھی۔ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد پڑھا جو ابراہیم علیہ السلام کی ایک دعا پر مشتمل تھا:

رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيرًا مِنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَحِيمٌ

''اے میرے رب! بے شک انھوں (بتوں) نے بہت سے لوگ گمراہ کیے ہیں، پھر جو میری اتباع کرے تو یقیناً وہ میرا ہے، اور جو میری نافرمانی کرے تو بلاشبہ تو غفور (اور) رحیم ہے۔''[4]

پھر عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھیں، وہ بھی اپنی امت کے لیے گریہ وزاری کرتے پائے گئے:

إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ

''اگر تو انھیں عذاب دے تو بے شک وہ تیرے بندے ہیں، اور اگر تو انھیں بخش دے تو بے شک تو ہی نہایت غالب، خوب حکمت والا ہے۔''[5]

چنانچہ آپ نے اپنے دست مبارک اٹھائے اور روتے ہوئے عرض کی: اَللّٰهُمَّ أُمَّتِي أُمَّتِي ''اے اللہ! میری امت کو معاف کر دے، میری امت کو بخش دے۔''

اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو بھیجا کہ جاؤ اور محمد (ﷺ) سے پوچھو کہ آپ کو کس چیز نے رلا دیا ہے؟ حالانکہ تیرا

1 النسآء 4:41، 2 صحيح البخاري، 5050، 3 سنن النسائي، 1214، 4 إبراهيم 14:36، 5 المآئدة 5:118

رب خوب جانتا ہے۔ چنانچہ جبرائیل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور رونے کا سبب پوچھا۔ آپ نے اپنے دکھی ہونے کی وجہ بتائی۔ جبرائیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہوکر رپورٹ دی، حالانکہ وہ خوب جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو دوبارہ بھیجا اور فرمایا: ''جاؤ محمد (ﷺ) سے کہہ دو کہ ہم آپ کی امت کے بارے میں آپ کو خوش کر دیں گے اور آپ کو دکھی نہیں ہونے دیں گے۔''[1]

3 رسول اللہ ﷺ نہایت رحمدل اور نرم مزاج تھے۔ آپ کا بچپن والد کی شفقت سے محرومی میں گزرا۔ پھر محبت و رحمت کرنے والی والدہ اور دادا کی جدائی کا دکھ بھی جھیلنا پڑا۔ بعثت کے بعد والدہ محترمہ کی قبر کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے۔ والدہ محترمہ کی یاد اور محبت میں دل اور روح تڑپ گئی اور آنکھوں سے اشک رواں کی جھڑی لگ گئی۔ صحابہ کرام بھی خوب روئے، پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«استاذنت ربی فی ان استغفر لہا فلم یؤذن لی، و استاذنتہ فی ان ازور قبرہا فاذن لی، فزوروا القبور، فانہا تذکرکم الموت»

''میں نے اپنے رب سے اپنی والدہ کی بخشش کی دعا کرنے کی اجازت مانگی تو اس نے مجھے اجازت نہیں دی۔ پھر میں نے اس کی قبر کی زیارت کی اجازت مانگی تو مجھے اجازت مل گئی۔ تم بھی قبرستان جایا کرو کیونکہ قبروں کی زیارت تمھیں موت کی یاد دلاتی ہے۔''[2]

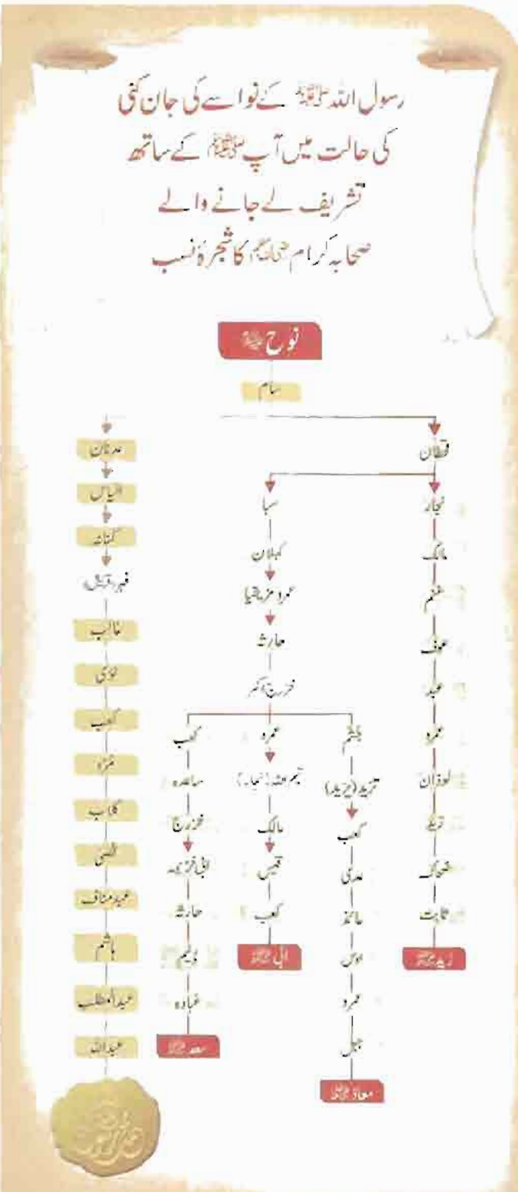
4 اولاد کی محبت فطری ہے۔ رسول اللہ ﷺ اپنی لطافت طبع، رقت قلبی اور رحمت و شفقت کی وجہ سے بچوں سے بڑی محبت کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو جتنے بلند ترین مناصب سے نوازا، اتنی ہی آپ ﷺ کی آزمائشیں بھی شدید تھیں۔ آپ کے تمام صاحبزادے بچپن ہی میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ آپ کی نہایت محبت کرنے والی زوجہ محترمہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اور آپ کی لخت جگر سیدہ ام کلثوم، رقیہ اور زینب بھی آپ کی زندگی ہی میں وفات پا گئیں، ان مواقع پر آپ کی آنکھوں سے سیل رواں جاری ہونا فطری بات تھی۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے لخت جگر سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات ان درد انگیز الفاظ میں بیان کرتے ہیں: ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ابوسیف لوہار رضی اللہ عنہ کے ہاں گئے جو سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ کا رضاعی باپ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ابراہیم رضی اللہ عنہ کو اپنے مبارک ہاتھوں میں لے کر بوسہ دیا اور ان کے اوپر اپنا منہ رکھا۔ اس کے بعد ہم دوبارہ ابوسیف کے ہاں گئے تو ابراہیم رضی اللہ عنہ حالت نزع میں تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ

[1] صحیح مسلم: 202. [2] صحیح مسلم: 976.

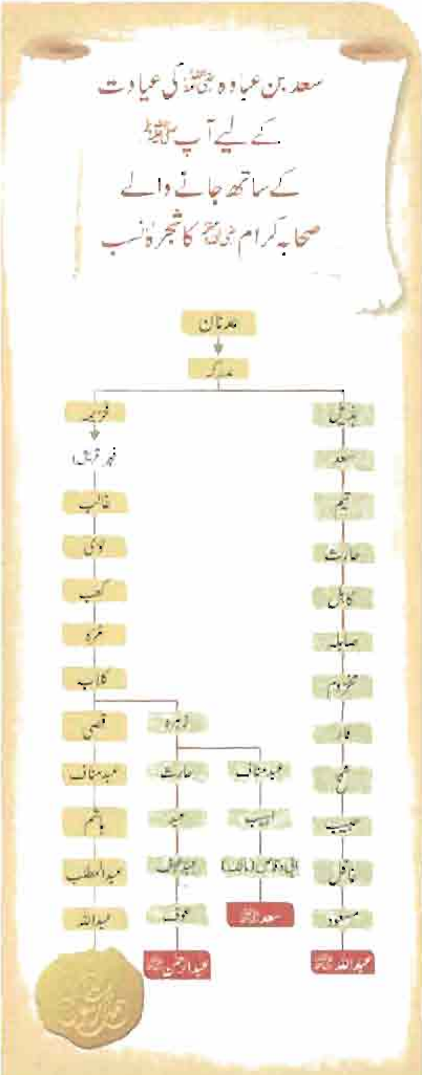
نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ بھی روتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے ابن عوف! یہ تو ایک رحمت ہے۔'' پھر آپ ﷺ نے روتے ہوئے فرمایا: ''آنکھ اشکبار اور دل غمزدہ ہے لیکن ہم کو زبان سے وہی کہنا ہے جس سے ہمارا مالک راضی ہو۔ اے ابراہیم! ہم تیری جدائی سے یقیناً غمگین ہیں۔''[1]

5 رسول اللہ ﷺ کی محبت و رحمت آنکھوں سے چھلکتی تو ناظرین بھی اپنے آنسو نہ روک پاتے۔ آپ ﷺ کے نواسے کی وفات حسرت آیات پر کیا منظر تھا؟ آئیے سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی روایت پڑھتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا: نبی ﷺ کی ایک صاحبزادی نے آپ کو پیغام بھیجا کہ میرا بیٹا فوت ہو رہا ہے، آپ ہمارے ہاں تشریف لائیں۔ آپ نے سلام کہتے ہوئے جوابی پیغام بھیجا اور فرمایا: ''(اللہ تعالیٰ ہی کا سارا مال ہے۔) جو اللہ نے لے لیا، وہ اسی کا تھا اور جو اس نے عطا کیا، وہ بھی اسی کا ہے۔ اس کے ہاں ہر چیز کا وقت مقرر ہے، اس لیے اسے چاہیے کہ صبر کرے اور ثواب کی طلب گار رہے۔'' صاحبزادی نے پھر پیغام بھیجا اور آپ کو قسم دی کہ ضرور تشریف لائیں۔ چنانچہ آپ کھڑے ہو گئے اور آپ ﷺ کے ساتھ سعد بن عبادہ، معاذ بن جبل، ابی بن کعب، زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اور مزید چند افراد بھی تھے۔ بچے کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا گیا، اس کا سانس اکھڑا ہوا تھا۔ راوی نے کہا: میرا گمان ہے کہ اس نے کہا: گویا وہ مشکیزہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی دونوں آنکھیں (یہ منظر دیکھ کر) آنسو برسانے لگیں تو



1 صحیح البخاری: 1303.

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہ رونا کیسا ہے؟ آپ نے فرمایا: ”یہ رحمت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں رکھا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ رحم کرنے والے بندوں ہی پر رحم کرتا ہے۔“[1]



آپ ﷺ کی چھوٹی بیٹی ام کلثوم جب قضائے الٰہی سے وفات پا گئیں تو آپ ان کی قبر پر پہنچے اور آبدیدہ ہو گئے۔[2]

6 رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کی خبر گیری کرتے تھے۔ بیماروں کی تیمارداری کے لیے بھی تشریف لے جاتے۔ سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے تو آپ ﷺ سیدنا سعد بن ابی وقاص، عبدالرحمان بن عوف اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کے ساتھ ان کی عیادت کے لیے گئے۔ جب آپ ان کے گھر پہنچے تو ان کے اہل خانہ کو ان کے گرد جمع دیکھا۔ آپ نے یہ منظر دیکھ کر پوچھا: ”کیا وہ فوت ہو گئے ہیں؟“ عرض کی گئی: نہیں، اے اللہ کے رسول۔ آپ ان کی تکلیف وہ حالت دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے۔ آپ کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر ہر آنکھ اشکبار ہو گئی۔ اس پر آپ نے صحابہ کرام کو مخاطب کر کے فرمایا:

«ألا تسمعون؟ إن الله لا يعذب بدمع العين، ولا بحزن القلب، ولكن يعذب بهذا - وأشار إلى لسانه - أو يرحم، وإن الميت يعذب ببكاء أهله عليه»

”کیا تم سنتے نہیں ہو؟ اللہ تعالیٰ آنکھ کے رونے اور دل کے غمزدہ ہونے سے عذاب نہیں دیتا بلکہ ... آپ نے اپنی زبان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا ... اس کی وجہ سے عذاب دیتا یا رحم کرتا ہے۔ بے شک میت کو اس کے عزیزوں کے چلا کر گریہ وزاری کرنے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے۔“[3]

نرم دل انسان کی آنکھوں سے خوف الٰہی کے باعث آنسو نکل آنا بڑی سعادت مندی کی دلیل ہے۔ رسول اللہ ﷺ

[1] صحيح البخاري: 1284. [2] دیکھیے: صحيح البخاري: 1285. [3] صحيح البخاري: 1304.

نے ایسے خوش نصیب کے لیے عظیم خوشخبری سنائی۔ فرمایا:

''سات قسم کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنے سائے میں جگہ دے گا جس روز اس کے سائے کے علاوہ اور کوئی سایہ نہ ہوگا: (ان میں سے) ساتواں وہ شخص ہے جو خلوت میں اللہ کو یاد کرے تو اس کی آنکھوں سے بے ساختہ آنسو ٹپک پڑیں۔''[1]

خوشی و غمی، رنج و راحت اور غیظ و غضب کے مرحلے

رحمت عالم ﷺ کے چہرہ مبارک پر ہمیشہ مسکراہٹ سجی رہتی تھی۔ آپ کی حسین مسکراہٹ غیروں کو اپنا اور دشمنوں کو دوست بناتی تھی۔ سیدنا عبداللہ بن حارث بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کسی کو مسکراتے ہوئے نہیں دیکھا۔[2]

آپ کی حسین مسکراہٹ سے جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم مالا مال ہوئے، ان میں ایک سیدنا جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب سے میں مسلمان ہوا ہوں، نبی ﷺ نے مجھ سے کوئی حجاب نہیں رکھا اور آپ ﷺ نے ہمیشہ مسکراتے چہرے ہی سے مجھے دیکھا۔[3]

رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ بیٹھتے، ان کی باتیں سنتے، ان کی عمدہ شاعری سے خوش ہوتے اور ان کے ماضی کی داستانیں سن کر لطف اٹھاتے۔ صحابہ کھلکھلا کر ہنستے تو آپ بھی نہایت دلنواز مسکراہٹ کے ساتھ ان کا ساتھ دیتے۔ آپ ﷺ کو ذاتی طور پر کسی سے رنج پہنچتا تو درگزر فرماتے۔ کوئی تکلیف دیتا تو اُسے معاف کر دیتے۔ آپ کسی سے انتقام نہیں لیتے تھے۔ ذاتی تکلیف کا بدلہ لینا آپ کی سرشت ہی میں نہیں تھا۔ البتہ احکام ربانی کی نافرمانی ہوتی اور حدود اللہ کی پامالی کا ارتکاب کیا جاتا تو آپ اللہ کے لیے انتقام لیتے اور شرعی حدود کے نفاذ کا یقینی اہتمام فرماتے تھے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

مَا ضَرَبَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ شَيْئًا قَطُّ بِيَدِهِ، وَلَا امْرَأَةً وَلَا خَادِمًا، إِلَّا أَنْ يُجَاهِدَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، وَمَا نِيلَ مِنْهُ شَيْءٌ قَطُّ فَيَنْتَقِمَ مِنْ صَاحِبِهِ، إِلَّا أَنْ يُنْتَهَكَ شَيْءٌ مِنْ مَحَارِمِ اللّٰهِ فَيَنْتَقِمَ لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ.

''رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے کبھی کسی عورت یا خادم وغیرہ کو نہیں مارا، البتہ اللہ کی راہ میں

[1] صحيح البخاري 1423، [2] جامع الترمذي 3641، [3] صحيح البخاري 3035

جہاد کرتے ہوئے تلوار چلائی۔ آپ کو کوئی تکلیف پہنچاتا تو آپ اس شخص سے انتقام نہیں لیتے تھے لیکن اگر اللہ کی حرام کردہ اشیاء کا ارتکاب کیا جاتا تو آپ اللہ عزوجل کے لیے انتقام لیتے تھے۔''[1]

سیدہ عائشہ ؓ ہی فرماتی ہیں:

مَا خُيِّرَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بَيْنَ أَمْرَيْنِ قَطُّ إِلَّا أَخَذَ أَيْسَرَهُمَا، مَا لَمْ يَكُنْ إِثْمًا، فَإِنْ كَانَ إِثْمًا كَانَ أَبْعَدَ النَّاسِ مِنْهُ، وَمَا انْتَقَمَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لِنَفْسِهِ فِي شَيْءٍ قَطُّ، إِلَّا أَنْ تُنْتَهَكَ حُرْمَةُ اللّٰهِ، فَيَنْتَقِمَ بِهَا لِلّٰهِ.

''رسول اللہ ﷺ کو دو کاموں میں اختیار دیا جاتا تو آپ ان دونوں میں سے آسان کام اختیار کرتے بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہوتا۔ اگر اس میں گناہ کا کوئی پہلو ہوتا تو آپ سب لوگوں سے بڑھ کر اس سے دور رہتے تھے۔ مزید برآں رسول اللہ ﷺ نے اپنی ذات بابرکات کے لیے کبھی کسی سے بدلہ نہیں لیا، البتہ اگر اللہ کی حرمت کو پامال کیا جاتا تو محض اللہ کی رضا کے لیے اس کا انتقام لیتے تھے۔''[2]

آیئے اللہ کے دین کی حفاظت، شرعی حدود کے نفاذ اور اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ امور کے مرتکبین پر آپ ﷺ کے غیظ وغضب کی چند مثالیں پڑھتے ہیں۔

1 شرعی حدود کا نفاذ معاشرے میں امن وسکون کا ضامن ہے۔ امیر اور غریب، اعلیٰ اور ادنیٰ، طاقتور اور کمزور کے امتیاز کے بغیر عدل وانصاف کیا جائے تو جرائم ختم ہو جاتے ہیں اور انسانوں کی جان، مال اور عزت محفوظ ہو جاتی ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ شرعی حدود کے مرتکب افراد کو فوری سزا دیتے تھے، اس سلسلے میں کسی کی مطلق رعایت نہیں کی جاتی تھی۔ ایسے معاملات میں سفارش کرنے یا انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے میں کسی رکاوٹ کو ہرگز برداشت نہ کیا جاتا تھا۔ صحیح بخاری میں حدود کے معاملے میں رسول اللہ ﷺ کے غضب ناک ہونے کی مثال ملتی ہے۔ اس سلسلے میں ایک واقعہ ملاحظہ فرمائیے۔

سیدہ عائشہ ؓ فرماتی ہیں: قبیلہ مخزوم کی ایک عورت نے چوری کر لی تو قریش اس کے معاملے میں بہت پریشان ہوئے۔ انھوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے سفارشی گفتگو کون کرے؟ طے پایا کہ صرف اسامہ بن زید ؓ ہی ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے محبوب ہیں۔ وہی اس بارے میں آپ ﷺ سے بات کرنے کی جرأت کر سکتے ہیں، چنانچہ حضرت اسامہ ؓ نے اس کے متعلق آپ سے سفارش کی تو رسول اللہ ﷺ

[1] صحيح مسلم، 2328. [2] صحيح البخاري، 6126.

نے بڑی سختی سے فرمایا: ''(اے اسامہ!) کیا تم اللہ کی حدود میں سے کسی حد کے متعلق سفارش کرتے ہو؟'' پھر آپ نے کھڑے ہو کر یہ خطبہ دیا اور فرمایا: ''تم سے پہلے لوگوں کو اس امر نے تباہ کیا کہ جب ان میں سے کوئی دولت منداور معزز آدمی چوری کرتا تو وہ اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی کمزور اور غریب آدمی چوری کرتا تو اس پر حد قائم کر دیتے تھے۔ اللہ کی قسم! اگر (میری لختِ جگر) فاطمہ بنت محمد (ﷺ) بھی چوری کرے تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دوں گا۔''[1]

2 جاندار چیزوں کی تصویر کشی شریعت میں منع ہے۔ آپ نے مصوروں کے لیے شدید عذاب کی وعید سنائی ہے۔ تصویر سازی کسی بھی صورت میں ہو، وہ آپ کو ہرگز گوارا نہیں تھی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میرے گھر تشریف لائے۔ میں نے ایک پردے کے ساتھ گھر کے سامان کو ڈھانپ رکھا تھا۔ اس پردے پر تصاویر بنی ہوئی تھیں۔ آپ ﷺ اندر تشریف لائے تو شدید غضبناک ہوئے، غصے سے پردے کو اتار پھینکا اور پھر انتباہ کرتے ہوئے فرمایا:

«يا عائشة أشد الناس عذابا عند الله يوم القيامة الذين يضاهون بخلق الله»

''اے عائشہ! قیامت کے روز سب سے سخت عذاب ان لوگوں کو ہوگا جو اللہ کی تخلیق کے مشابہ تخلیق کی کوشش کرتے ہیں۔''[2]

چنانچہ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس پردے سے تکیے بنا لیے (جن کے اوپر بیٹھا جاتا ہے)۔[3]

3 رسول اللہ ﷺ امت کے لیے بے حد رحم دل تھے۔ امت کو کسی مشقت و تکلیف کا سامنا کرنا پڑے، یہ آپ کو ہرگز گوارا نہ تھا۔ اگر کوئی شخص امت کے لیے مشکلات پیدا کرتا تو آپ شدید ناراض ہوتے۔ سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے ساتھ عشاء کی نماز ادا کرتے، پھر اپنے محلے کی مسجد میں اپنے قبیلے کے لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے۔ وہ قرآن کی تلاوت بڑے مزے اور سکون سے کرتے تھے۔ مگر دن بھر محنت مشقت کرنے والے نمازیوں کے لیے طویل قراءت سننا خاصا دشوار تھا۔ ایک صحابی نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کی طویل قراءت کی شکایت کر دی۔ سیدنا ابو مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو نصیحت کرتے ہوئے کبھی اس قدر شدید غصے میں نہیں دیکھا جتنا اس موقع پر دیکھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«يا أيها الناس! إن منكم منفرين، فمن أم الناس فليتجوز، فإن خلفه الضعيف والكبير وذا الحاجة»

1 صحيح البخاري 3475، 2 صحيح مسلم 2107، 3 صحيح البخاري 5954

”اے لوگو! تم میں سے کچھ لوگ دوسروں کو نفرت دلاتے ہیں، لہٰذا تم میں سے جو شخص لوگوں کو نماز پڑھائے، وہ اختصار سے کام لے کیونکہ مقتدیوں میں کمزور، بوڑھے اور ضرورت مند بھی ہوتے ہیں۔“[1]

آپ نے حکم دے دیا کہ امام کمزوروں، بیماروں اور ضرورت مندوں کا خیال رکھے اور جب اکیلا شخص نماز پڑھ رہا ہو تو جتنی چاہے طویل نماز پڑھ لے۔[2]

4 رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کے حقوق کی پاسداری کرتے تھے۔ حقداروں کو ان کا حق مرحمت فرماتے اور مظلوم کی دادرسی کیا کرتے تھے۔ اگر کوئی شخص بشری تقاضے کے زیر اثر حق کو قبول کرنے میں ذرا بھی تامل کرتا تو آپ ﷺ شدید ناراض ہوتے۔ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک انصاری نے سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کے خلاف نبی ﷺ کی خدمت میں حرہ کے برساتی نالے کے بارے میں مقدمہ پیش کیا جس سے وہ اپنے کھجور کے درختوں کو سیراب کرتے تھے۔ انصاری نے کہا کہ پانی چھوڑ دو تاکہ وہ چلتا رہے لیکن زبیر رضی اللہ عنہ نے اس کا مطالبہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ نبی ﷺ کے حضور دونوں حضرات مقدمہ لے کر پیش ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ”اے زبیر! اپنا نخلستان سیراب کرنے کے بعد پانی اپنے پڑوسی کے لیے چھوڑ دو۔“ یہ سن کر انصاری ناراض ہو کر کہنے لگا: یہ (فیصلہ آپ نے) اس بنا پر (کیا ہے) کہ وہ آپ کا پھوپھی زاد بھائی ہے۔ یہ بات سن کر رسول اللہ ﷺ کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے زبیر! اپنے باغ کو سیراب کرو اور پھر پانی روکے رکھو یہاں تک کہ وہ منڈیر تک چڑھ جائے۔“ زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! یہ آیت اس بارے میں نازل ہوئی ہے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا

”نہیں نہیں، آپ کے رب کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے درمیان ہونے والے جھگڑوں میں آپ کو حکم نہ تسلیم کر لیں، پھر آپ کے کیے ہوئے فیصلے پر ان کے دلوں میں کوئی تنگی نہ آنے پائے اور وہ اسے دل و جان سے مان لیں۔“[3]

5 آپ کا عدل و انصاف صرف مسلمانوں ہی کے لیے خاص نہ تھا بلکہ یہود و نصاریٰ بھی آپ کے عدل و انصاف سے فیض یاب ہوتے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک دفعہ ایک یہودی نے اپنا سامان فروخت کرنے کے لیے رکھا۔ اس کو اس کی قیمت تھوڑی دی جا رہی تھی جس سے وہ ناخوش تھا۔ اس نے کہا: نہیں، قسم ہے اس ذات کی

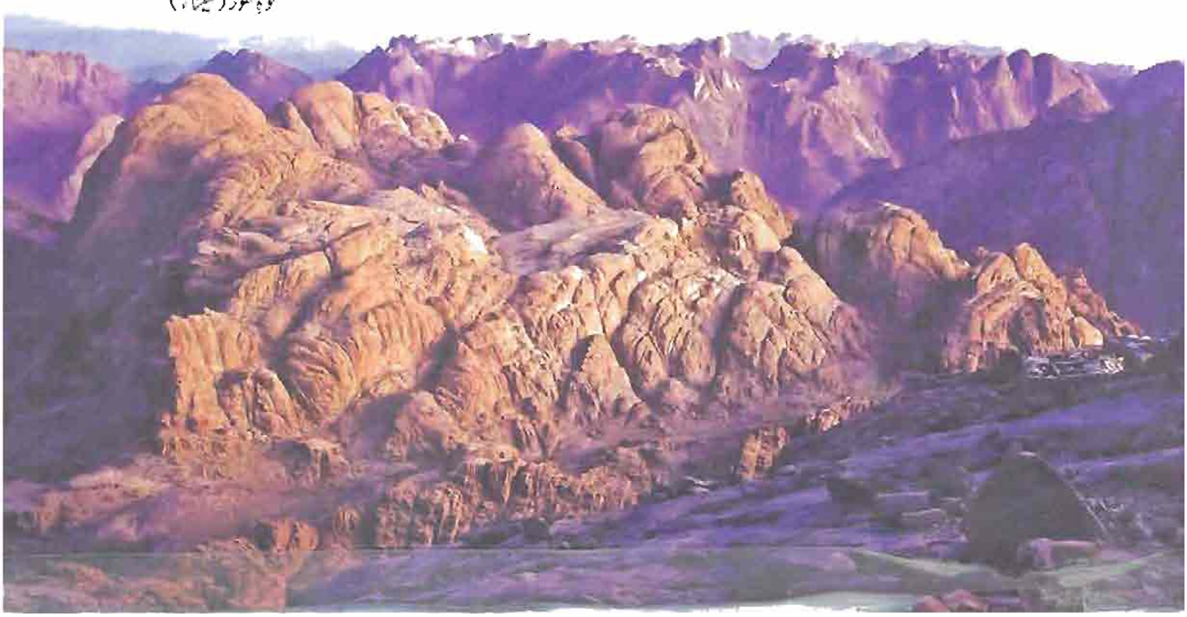
[1] صحیح البخاری، 704 [2] صحیح البخاری، 703 [3] صحیح البخاری، 2360

جس نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو تمام انسانوں پر فضیلت دی! یہ جملہ ایک انصاری مرد نے سن لیا، چنانچہ وہ کھڑا ہوا اور یہودی کے منہ پر طمانچہ دے مارا اور کہا کہ تو یہ بات کہتا ہے: قسم ہے اس ذات کی جس نے موسیٰ علیہ السلام کو تمام انسانوں پر فضیلت دی! حالانکہ نبی ﷺ ہم میں موجود ہیں؟ وہ یہودی آپ ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا: اے ابوالقاسم! مجھے امان اور عہد مل چکا ہے۔ اس کے باوجود فلاں شخص کا کیا حال ہے کہ اس نے میرے منہ پر طمانچہ مارا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''تم نے اس کے منہ پر کیوں طمانچہ مارا؟'' راوی نے بیان کیا کہ نبی ﷺ یہ سن کر غصے سے بھر گئے حتی کہ آپ کے چہرۂ انور پر اس کے اثرات دیکھے گئے۔ پھر آپ نے فرمایا: ''اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے انبیائے کرام علیہم السلام کے درمیان ایک کو دوسرے پر فضیلت نہ دو۔ واقعہ یہ ہے کہ جب صور میں پھونکا جائے گا اور تمام زمین و آسمان والے بے ہوش ہو جائیں گے مگر جسے اللہ چاہے (وہ بے ہوش نہ ہوگا) پھر اس میں دوبارہ پھونکا جائے گا تو میں سب سے پہلے اٹھایا جاؤں گا، میں دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ السلام عرش کو پکڑے ہوں گے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ ان کو طور کے دن کی بے ہوشی کا عوض ملا ہے یا ان کو مجھ سے پہلے اٹھا دیا گیا۔''[1]

6 عبادت تقرب ربانی اور رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہے لیکن عبادت میں تشدد اور خود کو تکلیف میں ڈال کر عبادت کرنا رسول اللہ ﷺ کو پسند نہ تھا۔ آپ ﷺ سب کو ان کی طاقت کے مطابق عمل کرنے کا حکم دیتے تھے۔ جن صحابہ نے طاقت سے بڑھ کر عبادات میں رغبت وشوق دکھایا، آپ ان سے سخت ناراض ہوئے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ تین آدمی نبی ﷺ کی ازواج مطہرات کے گھروں کی طرف آئے تاکہ وہ نبی ﷺ کی عبادت کے متعلق معلومات حاصل کریں۔ جب انھیں (اس کی) خبر دی گئی تو انھوں نے اپنی عبادت کو بہت

1 صحیح البخاری 3414

کوہِ طور (سینا)



کم خیال کیا، کہنے لگے کہ ہمارا نبی ﷺ کی عبادت سے کیا مقابلہ! اللہ تعالیٰ نے تو آپ کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیے ہیں۔ چنانچہ ان میں سے ایک نے کہا: میں ہمیشہ رات بھر نماز پڑھتا رہوں گا۔ دوسرے نے کہا: میں ہمیشہ روزے سے رہوں گا اور افطار نہیں کروں گا۔ تیسرے نے کہا: میں عورتوں سے علیحدگی اختیار کرلوں گا اور کبھی نکاح نہیں کروں گا۔ رسول اللہ ﷺ ان حضرات کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے پوچھا: ''کیا تم نے یہ یہ باتیں کہی ہیں؟ خبردار! اللہ کی قسم! میں تمھاری نسبت اللہ سے زیادہ ڈرنے والا ہوں اور تم سب سے زیادہ پرہیزگار ہوں لیکن میں روزے رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، نماز پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، اس کے علاوہ عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ جس نے میری سنت سے اعراض کیا، وہ مجھ سے نہیں ہے۔''[1]

سیدنا ابوقتادہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دریافت کیا: آپ روزے کس طرح رکھتے ہیں؟ اس کا یہ سوال سن کر آپ سخت ناراض ہوئے (کیونکہ آپ کی طاقت کا موازنہ امت کے ساتھ کرنا ممکن نہیں۔ اور آپ عبادات میں جس طرح کڑی محنت کرتے تھے، وہ امت کے لیے ناممکن تھی، اس لیے یہ سوال کرنا ہی عبث تھا)۔ سیدنا عمر ؓ نے آپ کے چہرۂ مبارک پر غصہ دیکھا تو فوراً عرض کیا: ہم اللہ تعالیٰ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے اور محمد ﷺ کے نبی ہونے پر راضی ہیں۔ ہم اللہ کے غضب اور اس کے رسول کی ناراضی سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ بالآخر سیدنا عمر ؓ نے آپ کا غصہ ختم کیا تو آپ نے امت کے لیے بہترین روزوں کی کیفیت بیان کی کہ مہینے میں تین روزے رکھ لیا کرو۔ رمضان کے روزے رکھو، یوم عرفہ کا روزہ رکھو جو ایک سال گزشتہ اور ایک سال موجودہ کے گناہوں کا کفارہ بنتا ہے۔ اور یوم عاشوراء کا روزہ رکھا کرو......[2]

سیدہ عائشہ ؓا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب بھی امت کو کوئی کام کرنے کا حکم دیتے تو وہ عرض کرتے: ہم آپ جیسے نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ہر قسم کی کمی وکوتاہی معاف کر رکھی ہے۔ صحابہ کے ان کلمات پر آپ ﷺ شدید ناراض ہوتے، آپ کا چہرہ مبارک سرخ ہو جاتا، پھر آپ فرماتے:

«إِنَّ أَتْقَاكُمْ وَأَعْلَمَكُمْ بِاللّٰهِ أَنَا»

''تم سب سے بڑا متقی اور اللہ کی معرفت رکھنے والا میں ہوں۔''[3]

7 صفائی نصف ایمان ہے۔ اسلام صفائی اور پاکیزگی کو پسند کرتا اور اس کا حکم دیتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کے گھر، یعنی مساجد کا معاملہ ہو تو صفائی اور بھی ضروری ہو جاتی ہے۔ سیدنا انس ؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک دفعہ

[1] صحيح البخاري:5063. [2] صحيح البخاري:1162. [3] صحيح البخاري:20.

قبلے کی جانب تھوک پڑا دیکھا تو آپ ﷺ کو یہ بات اس قدر ناگوار گزری کہ آپ کے چہرۂ مبارک پر غصے کے آثار نمایاں ہو گئے۔ آپ ﷺ نے بنفسِ نفیس (خود) کھڑے ہو کر اپنے دستِ مبارک سے تھوک صاف کیا اور فرمایا: ''تم میں سے جب کوئی اپنی نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو گویا وہ اپنے رب سے مناجات کرتا ہے اور اس کا رب اس کے اور قبلے کے درمیان ہوتا ہے، لہٰذا تم میں سے کوئی (بحالتِ نماز) اپنے قبلے کی طرف نہ تھوکے بلکہ بائیں جانب یا اپنے قدم کے نیچے تھوکے۔'' پھر آپ ﷺ نے عملاً نمونہ دکھاتے ہوئے اپنی چادر کے گوشے میں تھوکا، اسے الٹ پلٹ کیا اور فرمایا: ''وہ اس طرح بھی کر سکتا ہے۔''[1]

8 امتِ محمدیہ کے مردوں کے لیے ریشمی لباس اور سونے کے زیورات پہننا منع ہے۔ آپ ﷺ نے ابتدا میں سونے کی انگوٹھی بنوائی تو صحابہ نے بھی بنوا لیں۔ پھر آپ نے سونے کی انگوٹھی خود بھی اتار دی اور صحابۂ کرام کو بھی منع کر دیا۔ صحابہ نے آپ کی اتباع میں فوراً انگوٹھیاں اتار پھینکیں۔ بعد ازاں آپ ﷺ نے اتفاق سے ایک صحابی کو سونے کی انگوٹھی پہنے ہوئے دیکھا تو آپ ﷺ بہت ناراض ہوئے۔ آپ نے وہ انگوٹھی اتاری اور پھینک دی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

يَعْمِدُ أَحَدُكُمْ إِلَى جَمْرَةٍ مِنْ نَارٍ فَيَجْعَلُهَا فِي يَدِهِ

''کیا تم میں سے کوئی شخص جہنم کے انگارے کو اپنے ہاتھ میں پہن لیتا ہے۔''

اس صحابی کو رسول اللہ ﷺ کے تشریف لے جانے کے بعد کہا گیا کہ اپنی انگوٹھی اٹھا لو تاکہ اس سے کسی اور طرح فائدہ اٹھاؤ۔ انھوں نے کہا: نہیں، اللہ کی قسم! جس انگوٹھی کو رسول اللہ ﷺ نے پھینکا ہو، میں اسے نہیں اٹھاؤں گا۔[2]

9 مسلمان کی قدر و قیمت کیا ہے، اس کی جان، مال اور عزت کتنی قیمتی ہے؟ اس کی اہمیت کا اندازہ کرنے کے لیے سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی یہ روایت پڑھتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حرقہ کی طرف روانہ کیا۔ ہم نے اس قوم پر صبح کے وقت حملہ کر کے انھیں شکست فاش دی۔ اس دوران میں، میں نے اور ایک انصاری نے کفار کے ایک شخص کو جا لیا۔ جب ہم نے اس پر غلبہ پا لیا تو وہ لا الٰہ الا اللہ کہنے لگا۔ انصاری تو فوراً رک گیا لیکن میں نے اسے نیزہ مار کر قتل کر دیا۔ جب ہم مدینہ طیبہ واپس آئے تو نبی ﷺ کو اس واقعے کی اطلاع ہوئی۔ آپ نے فرمایا: ''اے اسامہ! تو نے اسے لا الٰہ الا اللہ پڑھنے کے بعد قتل کر دیا؟'' میں نے عرض کی: اس نے تو قتل ہونے سے بچنے کے لیے کلمہ پڑھا تھا۔ آپ ﷺ میری وضاحت کے باوجود اپنی بات کو بار

1 صحیح البخاري: 405، 2 صحیح مسلم: 2090.

بار بار دہراتے رہے یہاں تک کہ میرے دل میں آرزو پیدا ہوئی، کاش! میں آج سے پہلے مسلمان نہ ہوتا۔[1]

10 ضرورت کے وقت شرعی مسئلہ پوچھنا جائز ہے مگر لایعنی سوالات کرنا یا جو امور ابھی ظہور میں نہ آئے ہوں، ان کے بارے میں سوالات کرنا آپ ﷺ کو سخت ناپسند تھا۔ اگر ایسا موقع آ جاتا تو آپ سخت ناراض ہوتے تھے۔ سیدنا زید بن خالد ؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے گری ہوئی چیز کے متعلق دریافت کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس کے بندھن یا برتن اور تھیلی کی پہچان رکھ اور ایک سال تک لوگوں سے پوچھتا رہ، پھر اس سے فائدہ اٹھا۔ اس دوران میں اگر اس کا مالک آ جائے تو وہ چیز اس کے حوالے کر دے۔'' پھر اس شخص نے پوچھا کہ گمشدہ اونٹ کا کیا حکم ہے؟ یہ سن کر آپ کو اس قدر طیش آیا کہ آپ ﷺ کے رخسار مبارک سرخ ہو گئے، یا آپ کا چہرۂ مبارک سرخ ہو گیا (راوی کو شک ہے۔) اور آپ نے فرمایا: ''تجھے اونٹ سے کیا غرض ہے؟ اس کی مشک اور اس کا موزہ اس کے ساتھ ہے، جب پانی پر پہنچے گا، پانی پی لے گا اور درخت سے چر لے گا، اسے چھوڑ دے یہاں تک کہ اس کا مالک اسے ڈھونڈ لے۔'' پھر اس شخص نے کہا: اچھا، گمشدہ بکری کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ تمھاری یا تمھارے بھائی (مالک) کی یا بھیڑیے کی ہے۔''[2]

اسی جیسا ایک اور واقعہ سیدنا ابوموسیٰ اشعری ؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ سے چند ایسی باتیں پوچھی گئیں جو آپ کے مزاج کے خلاف تھیں۔ جب اس قسم کے سوالات کی آپ کے سامنے تکرار کی گئی تو آپ کو غصہ آ گیا، پھر حاضرین سے فرمایا: ''اچھا جو چاہو مجھ سے پوچھو۔'' اس پر ایک شخص نے عرض کیا: میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا: ''تیرا باپ حذافہ ہے۔'' پھر دوسرے شخص نے کھڑے ہو کر کہا: یا رسول اللہ! میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا: ''تیرا باپ سالم ہے جو شیبہ کا غلام ہے۔'' اس دوران سیدنا عمر ؓ نے آپ کے چہرۂ مبارک پر آثار غضب دیکھے تو فوراً بولے: اے اللہ کے رسول! ہم اللہ عزوجل کی بارگاہ میں توبہ کرتے ہیں۔[3]

لمحاتِ مسرت، تبسم اور مزاح

مسکراہٹ وہ خوبی ہے جو مخاطب کی روح میں اتر جاتی ہے۔ اگر مسکراہٹ میں مخاطب کے لیے محبت و خلوص کی چاشنی بھی شامل ہو تو اس کا اثر جادوئی ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کو اپنی دلکش مسکراہٹ سے نوازتے تھے۔ آپ ان کی خوشی اور غمی میں شرکت کرتے تھے۔ ان کی مجلسوں میں بیٹھتے، جب وہ قہقہے لگاتے تو آپ بھی دلنشین مسکراہٹ کے ساتھ ان کا ساتھ دیتے۔ سیدنا سماک بن حرب فرماتے ہیں: میں نے سیدنا جابر ؓ سے پوچھا:

1 صحیح البخاري: 4269. 2 صحیح البخاري: 91. 3 صحیح البخاري: 92

کیا آپ رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں شرکت کرتے تھے؟ انھوں نے فرمایا: جی ہاں، میں بکثرت آپ کی مجلس میں بیٹھتا تھا۔ آپ نمازِ فجر کے بعد اپنی جگہ بیٹھے رہتے حتی کہ سورج نکل آتا۔ سورج طلوع ہونے کے بعد آپ اپنی جگہ سے اُٹھتے تھے۔ آپ کی مجلس میں صحابۂ کرام باہم بات چیت کرتے اور جاہلیت کے دور کی باتیں یاد کرکے خوب ہنستے تھے اور آپ (ان کی باتیں سن کر) مسکرا دیتے۔[1]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مسلمان بھائی کو دیکھ کر مسکرانا صدقہ ہے۔''[2] آپ کا مسکراہٹ کو صدقہ قرار دینا مسکراہٹ کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لیے کافی ہے۔ اگر امت کے لیے یہ صدقہ ہے تو پھر تاجدارِ مدینہ کا چہرۂ انور بھلا اس دلنواز خوبی سے کیسے خالی رہ سکتا ہے؟ آئیے آپ کی حسین مسکراہٹ اور مبنی بر صداقت مزاح کی چند مثالیں پڑھتے ہیں:

1 رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کو گزشتہ امتوں کے واقعات سنا کر وعظ و نصیحت فرماتے تھے۔ جنت و جہنم کے واقعات بتا کر جنت کا شوق بڑھاتے اور جہنم سے ڈرایا کرتے تھے۔ کبھی ایسے واقعات بھی بیان ہوتے جن سے صحابۂ کرام اور رسول اللہ ﷺ خوب لطف اندوز ہوتے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن نبی ﷺ کے پاس ایک دیہی آدمی بیٹھا تھا اور آپ یہ بیان فرما رہے تھے: ''اہلِ جنت میں سے ایک شخص اپنے رب سے کاشتکاری کی اجازت طلب کرے گا تو اللہ تعالیٰ دریافت فرمائے گا: کیا تو موجودہ حالت پر خوش نہیں ہے؟ وہ کہے گا: کیوں نہیں (خوش ہوں) لیکن مجھے کھیتی باڑی کا شوق ہے۔ آپ نے فرمایا: وہ بیج کاشت کرے گا تو پل جھپکنے میں وہ اُگ آئے گا، فوراً سیدھا ہو جائے گا اور کاٹنے کے قابل ہو جائے گا۔ دیکھتے ہی دیکھتے پہاڑ کی طرح انبار لگ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے آدم کے بیٹے! یہ لے لے، تجھے کوئی چیز سیر نہیں کر سکتی۔'' یہ سن کر دیہی باشندہ کہنے لگا: اللہ کی قسم! وہ شخص قریشی یا انصاری ہوگا کیونکہ یہی لوگ کھیتی باڑی کرنے والے ہیں، ہم تو کھیتی باڑی والے لوگ نہیں۔ یہ سن کر نبی ﷺ ہنس پڑے۔[3]

2 سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں آخری جنتی کو جانتا ہوں جو سب سے آخر میں جہنم سے نکل کر جنت میں داخل ہوگا۔ وہ گھٹنوں کے بل رینگتا ہوا جہنم سے نکلے گا تو اللہ تبارک و تعالیٰ اس سے فرمائے گا: جاؤ میری رحمت سے جنت میں داخل ہو جاؤ۔ وہ جنت میں داخل ہوگا تو اسے ایسا لگے گا جیسے جنت بھر چکی ہے، کوئی جگہ خالی نہیں۔ وہ واپس آئے گا اور عرض کرے گا: الٰہی! جنت بھر چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ

1 صحیح مسلم: 670، 2 جامع الترمذی: 1956، 3 صحیح البخاری: 2348

اس سے فرمائے گا: جاؤ جنت میں داخل ہو جاؤ (جنت اتنی تنگ دامن نہیں)۔ وہ دوبارہ جائے گا اور خیال کرے گا کہ کوئی جگہ اس کے لیے خالی نہیں۔ وہ واپس آ کر پھر عرض کرے گا: اے میرے اللہ! جنت بھر چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جاؤ جنت میں داخل ہو جاؤ، تمھیں دنیا سے دس گنا بڑی جاگیر عطا کی گئی ہے۔ تو وہ حیرت و تعجب سے کہے گا: اے شہنشاہ! تو میرے ساتھ مذاق کر رہا ہے۔'' اس پر رسول اللہ ﷺ اس حد تک مسکرائے کہ آپ کی مبارک داڑھیں نظر آنے لگیں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ جنت کا سب سے ادنیٰ وارث ہوگا۔''[1]

انسان بہت کمزور ہے۔ ذرا سی آزمائش پر پریشان اور تھوڑی سی تکلیف پر دکھی ہو جاتا ہے۔ انسان کی اسی حالت کا مظہر یہ واقعہ ہے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں ایک دفعہ اہل مدینہ کو قحط سالی نے آ لیا۔ آپ ﷺ جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے کہ ایک آدمی نے کھڑے ہو کر عرض کی: اے اللہ کے رسول! گھوڑے اور بکریاں ہلاک ہو گئیں۔ آپ اللہ سے بارش کی دعا کریں۔ آپ نے فوراً دونوں ہاتھ بلند کر کے دعا کی۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آسمان بالکل صاف شفاف تھا۔ اچانک ہوا چلی، بادل آئے، پھر وہ گھنے ہو گئے۔ اس کے بعد آسمان نے اپنا منہ کھول دیا، چنانچہ ہم پانی میں بھیگتے ہوئے باہر نکلے اور بمشکل اپنے گھروں تک پہنچے۔ دوسرے جمعہ تک بارش ہوئی۔ پھر وہی شخص یا کوئی دوسرا آدمی کھڑا ہوا اور عرض کرنے لگا: اے اللہ کے رسول! اب تو مکانات گرنے لگے ہیں، اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ بارش روک لے۔ آپ نے مسکراتے ہوئے دعا فرمائی: ''اے اللہ! یہ بارش ہمارے اردگرد ہو، ہم پر نہ ہو۔'' انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر جو میں نے نظر اٹھائی تو دیکھا کہ اسی وقت بادل چھٹ کر مدینہ کے اردگرد یوں ایستادہ ہو گئے جیسے مدینہ ایک تاج ہے۔[2]

4 غزوۂ طائف کے موقع پر بھی ایسی ہی حالت پیش آئی۔ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ طائف میں تھے تو آپ نے فرمایا: ''اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو کل ہم واپس چلے جائیں گے۔'' کچھ صحابۂ کرام نے کہا: جب تک ہم طائف کو فتح نہ کر لیں، واپس نہیں جائیں گے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اگر یہی بات ہے تو صبح لڑائی کرو۔'' چنانچہ دوسرے دن صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جنگ کرنے گئے، گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ اس میں بکثرت صحابۂ کرام زخمی ہوئے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ان شاء اللہ کل ہم واپس چلے جائیں گے۔'' آپ ﷺ کے اس فیصلے پر تمام صحابۂ کرام خاموش رہے۔ آپ ان کی خاموشی پر ہنس پڑے۔[3]

1 صحیح مسلم: 186، 2 صحیح البخاری: 3582، 3 صحیح البخاری: 6086

5 آپ ﷺ صحابہ کرام سے بہت محبت و شفقت کا سلوک فرماتے اور بے اختیار مسکراتے۔ آپ کی حسین مسکراہٹ صحابہ کرام کے دلوں کو عقیدت و الفت کے جذبات سے لبریز کر دیتی تھی۔ سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا تو اس وقت آپ کھجوریں نوش فرما رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: ''صہیب آ جاؤ، تم بھی کھالو۔'' لہٰذا میں بھی کھانے لگا۔ نبی کریم ﷺ نے دیکھا کہ میری آنکھ دکھ رہی ہے۔ آپ نے فرمایا: ''صہیب! تم آشوبِ چشم میں مبتلا ہو اور پھر بھی کھجوریں کھا رہے ہو؟'' میں نے عرض کی: جو آنکھ صحیح ہے، میں اس طرف سے کھجور چبا رہا ہوں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ خوب مسکرائے۔[1]

6 سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کی ننھی منی خوبصورت بچی نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپ نے اسے نہایت شفقت سے پیار کیا اور فرمایا: «آنت هيه؟ لقد كبرت، لا كبر سنك» ''کیا یہ تم ہو؟ تم تو بہت بڑی ہوگئی ہو۔ تم بڑی نہ ہو۔'' بچی یہ سن کر روتی ہوئی والدہ کے پاس پہنچ گئی کہ اسے رسول اللہ ﷺ نے بددعا دی ہے، اب اس کی عمر نہیں بڑھے گی اور وہ بڑی نہیں ہوگی۔ سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا بھی پریشان ہوگئیں اور جلدی سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ عرض کی: حضور! آپ نے میری لاڈلی کو بددعا کیوں دی؟ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: ''کون سی بددعا؟'' انھوں نے بتایا کہ آپ نے اسے بددعا دی ہے کہ وہ بڑی نہ ہو۔

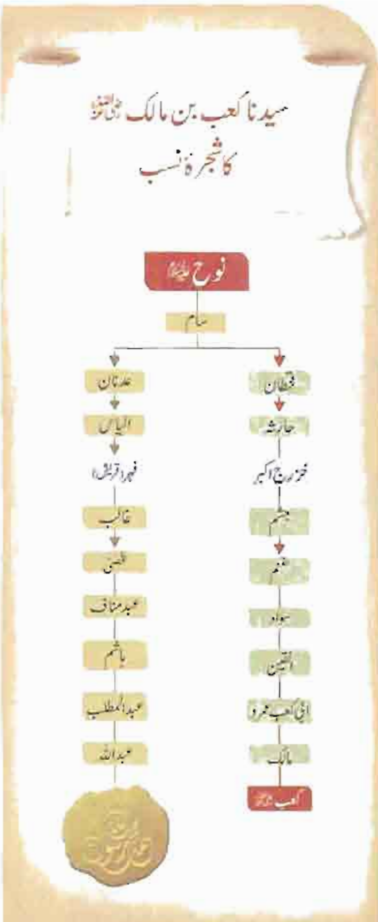
یہ سن کر آپ ﷺ بہت ہنسے۔ پھر آپ ﷺ نے انھیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا: ''اے ام سلیم! کیا تمھیں معلوم ہے کہ میں نے اپنے رب کے ساتھ کیا شرط لگائی ہے؟ میں نے یہ شرط لگا رکھی ہے:

«اللهم إنما أنا بشر، أرضى كما يرضى البشر، وأغضب كما يغضب البشر، فأيما أحد دعوت عليه من أمتي بدعوة ليس لها بأهل، أن تجعلها له طهورا وزكاة وقربة تقربه بها منه يوم القيامة»

''بلاشبہ میں ایک بشر ہوں۔ انسانوں کی طرح خوش اور ناراض ہوتا ہوں۔ لہٰذا اپنی امت کے جس فرد کو میں بددعا دے دوں اور وہ اس کا مستحق نہ ہو تو اس بددعا کو قیامت کے روز اس شخص کے لیے گناہوں کی معافی، قربت کے حصول اور اپنی بخشش کا ذریعہ بنا دے۔''[2]

7 رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کرام سے دل لگی بھی کر لیتے تھے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا آپ ہمارے ساتھ دل لگی اور ہنسی مزاح بھی کر لیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا:

[1] سنن ابن ماجہ: 3443۔ [2] صحیح مسلم: 2603



«إني لا أقول إلا حقا» ”میں سوائے حق کے کچھ نہیں کہتا۔“ [1]

سیدنا انس ؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور عرض کی: مجھے سواری کے لیے ایک اونٹ عطا کر دیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «إنا حاملوك على ولد ناقة» ”ہم تو تمھیں اونٹنی کے بچے پر سوار کریں گے۔“

وہ شخص کہنے لگا: میں اونٹنی کے بچے کا کیا کروں گا؟ آپ نے فرمایا: «وهل تلد الإبل إلا النوق» ”ہر اونٹ اونٹنی ہی کا بچہ ہوتا ہے۔“ [2]

8 صحابہ کرام کی خوشی آپ ﷺ کے چہرہ مبارک کی درخشندگی میں اضافے کا باعث بنتی تھی۔

سیدنا کعب بن مالک ؓ محض سستی کی وجہ سے غزوہ تبوک میں شرکت سے محروم رہ گئے۔ رسول اللہ ﷺ واپس تشریف لائے تو منافقین کو ان کے حیلے بہانوں کے حوالے کر کے ان سے اعراض فرمایا لیکن مخلص مومنوں کو سزا دی۔ سیدنا کعب ؓ کی توبہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا۔ 50 دن تک انھوں نے بڑی سخت سزا جھیلی۔ ان کا معاشرتی بائیکاٹ کیا گیا۔ اپنے ہی لوگ بیگانے اور اپنی سرزمین اجنبی ہوگئی۔ اپنا شہر مدینہ جیل بن گیا۔ بالآخر 50 دن کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کی تو صحابہ کرام ؓ انھیں خوشخبری دینے کے لیے بھاگے۔ اس موقع پر آپ کا چہرہ مبارک بھی خوشی سے کھل اٹھا۔ سیدنا کعب ؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ کو سلام کیا تو آپ کا چہرہ مبارک خوشی سے دمک رہا تھا۔ آپ کو جب بھی کوئی خوشی ملتی تو آپ کا چہرہ انور چودھویں کے چاند کی طرح چمکنے لگتا تھا۔ [3]

اندازِ کلام اور خاموشی

زبانِ نبوت جب بھی حرکت میں آتی تو حق ہی کا ظہور ہوتا تھا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۞ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾

1 جامع الترمذي: 1990. 2 سنن أبي داود: 5000. 3 صحيح البخاري: 3556.

''اور وہ (اپنی) خواہش سے نہیں بولتا۔ وہ وحی ہی تو ہے جو (اس کی طرف) بھیجی جاتی ہے۔'' [1]

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ آپ کے ارشادات گرامی لکھا کرتے تھے۔ ساتھیوں نے مشورہ دیا کہ آپ ﷺ کبھی غصے میں بھی ہوتے ہیں، کبھی طبیعت خوشگوار ہوتی ہے، لہذا کبھی کچھ نہ لکھا کرو، احتیاط کیا کرو۔ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے بارگاہ نبوت میں ساتھیوں کے خدشات پہنچائے تو ارشاد ہوا:

«اُكْتُبْ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا خَرَجَ مِنِّي إِلَّا حَقٌّ»

''لکھو، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میری زبان سے صرف حق ہی نکلتا ہے۔'' [2]

اس طرح آپ کی زبان مبارک صرف سچائی کی ترجمان تھی۔ جب آپ خاموشی اختیار کرتے تو وہ ذکر الٰہی اور تدبر و تفکر کے باعث ہوتی۔ آپ پر تکلف گفتگو کے عادی نہ تھے۔ سادہ، با مقصد، سچی اور دل کی گہرائی میں اتر جانے والی گفتگو آپ کا ممتاز وصف تھی۔ فصیح و بلیغ عرب قوم سے تعلق رکھنے والے رسول مکرم ﷺ خود سب سے زیادہ فصاحت و بلاغت والے تھے، مختصر اور حکمت و دانائی سے لبریز کلام آپ ﷺ کی نمایاں خوبی تھی۔ آپ ﷺ اکثر خاموش رہتے، اللہ تعالیٰ کے کلام اور اس کی کائنات اور مخلوق میں غور و فکر کرتے ہوئے وقت گزارتے۔ جب بولتے تو نہایت نپی تلی گفتگو فرماتے۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: كَانَ طَوِيلَ الصَّمْتِ. ''آپ اکثر طویل خاموشی اختیار فرماتے تھے۔'' [3]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے دلکش اسلوب کلام کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی گفتگو میں بڑا ٹھہراؤ ہوتا تھا۔ سیدہ مزید فرماتی ہیں: آپ کی گفتگو اس قدر واضح ہوتی تھی کہ ہر سننے والا آسانی سے سمجھ لیتا تھا۔ [4]

نہایت تیز کلام کرنا، الفاظ کو چبا چبا کر ادا کرنا اور نہایت تکلف سے گفتگو کرنا آپ کو پسند نہ تھا۔ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ تمھاری طرح تیزی اور طراری سے گفتگو نہیں کرتے تھے۔ آپ ﷺ ٹھہر ٹھہر کر گفتگو کرتے، حاضرین مجلس آپ ﷺ کے ارشادات یاد کر لیتے تھے۔ [5]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے دس سال آپ ﷺ کی خدمت کی سعادت حاصل کی، وہ آپ کے طریقۂ تکلم کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: آپ اپنی بات تین بار دہراتے تھے تاکہ لوگ سمجھ لیں اور یاد کر لیں۔ [6]

1 النجم 53: 3,4. 2 سنن أبي داود: 3646، مسند أحمد: 162/2. 3 السنن الكبرى للبيهقي: 52/7. 4 سنن أبي داود: 4839،4838. 5 جامع الترمذي: 3639. 6 جامع الترمذي: 3640.

رسول اللہ ﷺ بے مثال خطیب تھے۔ جب آپ خطبہ ارشاد فرماتے تو آپ کی آواز بلند ہو جاتی، چہرہ مبارک سرخ ہو جاتا، آپ غضبناک ہو جاتے جیسے آپ لشکر کو ڈرا رہے ہوں اور کہہ رہے ہوں: تم پر دشمن علی الصبح یا شام کو حملہ آور ہونے والا ہے۔[1]

رسول اللہ ﷺ شرم و حیا کے پیکر تھے۔ فحش اور بے ہودہ گوئی جیسے عیوب سے آپ ﷺ بالکل پاک تھے۔ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نہ تو فحش گو تھے، نہ بدزبان تھے بلکہ آپ فرمایا کرتے تھے:

''بلاشبہ تم میں سب سے بہتر شخص وہ ہے جس کا اخلاق اچھا ہو۔''[2]

آپ ﷺ بڑی جچی تلی با مقصد گفتگو فرماتے تھے۔ صحابہ کرام کو وعظ و نصیحت کرتے تھے مگر اس وقت جب آپ ﷺ صحابہ کرام میں وعظ و نصیحت کا ذوق محسوس فرما لیتے تھے۔ آپ انھیں اکتاہٹ سے بچاتے تھے۔ صرف اتنی دیر درس دیتے جتنی دیر وہ شوق و ذوق سے سنتے رہتے، اسی لیے آپ کے اکثر خطبات مختصر ہوتے تھے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آپ کے طریقہ وعظ و نصیحت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَتَخَوَّلُنَا بِالْمَوْعِظَةِ فِي الْأَيَّامِ كَرَاهَةَ السَّآمَةِ عَلَيْنَا.

''نبی ﷺ ہمارے اکتا جانے کے اندیشے سے ہمیں وعظ و نصیحت کرنے کے لیے وقت اور موقع و محل کا خیال رکھتے تھے۔''[3]

آپ نے امت کو بھی بلا مقصد بولنے اور لا یعنی کلام کرنے سے منع کیا ہے۔ آپ نے فضول گفتگو کی تباہ کاری سے ڈرایا ہے۔ خاموشی کو نجات قرار دیا ہے۔ آیئے رسول اللہ ﷺ کے چند فرامین پڑھتے ہیں جن میں امت کو گفتگو کا صحیح طریقہ اور سلیقہ سکھایا گیا ہے۔

1 سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ»

''جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ اچھی اور بھلی بات کرے یا خاموش رہے۔''[4]

2 زبان کی حفاظت کرنے پر آپ ﷺ نے جنت کی بشارت دی۔ آپ نے فرمایا:

مَنْ يَضْمَنْ لِي مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ

''جو شخص مجھے اپنے دونوں جبڑوں کے درمیان (زبان) اور دونوں ٹانگوں کے درمیان (شرمگاہ) کی ضمانت

1 صحیح مسلم 1435 2 صحیح البخاری: 3559 3 صحیح البخاری: 68 4 صحیح مسلم: 47

دے دے، میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔''[1]

انسان کی زبان سے نکلنے والا ہر کلمہ لکھنے کے لیے فرشتوں کی ڈیوٹی لگا دی گئی ہے، اس لیے ہر شخص کو ہر وقت خوب سوچ سمجھ کر بات کرنی چاہیے۔ ارشاد نبوی ہے:

"إن العبد ليتكلم بالكلمة من رضوان الله لا يلقي لها بالا يرفع الله بها درجات وإن العبد ليتكلم بالكلمة من سخط الله لا يلقي لها بالا يهوي بها في جهنم"

''بے شک بندہ اللہ کی رضا جوئی کے لیے ایک بات منہ سے نکالتا ہے، اسے وہ کچھ اہمیت بھی نہیں دیتا لیکن اس کی وجہ سے اللہ اس کے درجات بلند کر دیتا ہے۔ اسی طرح ایک دوسرا بندہ ایک ایسا کلمہ زبان سے نکالتا ہے جو اللہ کی ناراضی کا باعث ہوتا ہے۔ اس کے ہاں اس کی کوئی اہمیت بھی نہیں ہوتی لیکن اس کی وجہ سے وہ جہنم میں چلا جاتا ہے۔''[2]

وہ جہنم میں کتنی گہرائی میں جا گرتا ہے؟ اس کی وضاحت صحیح بخاری ہی کی دوسری روایت میں یوں آئی ہے:

"أبعد ما بين المشرق والمغرب"

''اتنی گہرائی میں جتنا مشرق اور مغرب کے درمیان فاصلہ ہے۔''[3]

نبی اکرم ﷺ نے اس شخص کو بہترین مسلمان قرار دیا ہے جس کی زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں۔ وہ اپنی زبان اور ہاتھ سے انھیں تکلیف نہ پہنچاتا ہو۔ آپ ﷺ سے افضل ترین مسلمان کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

"من سلم المسلمون من لسانه ويده"

''جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔''[4]

زبان کی حفاظت کا درس دیتے ہوئے ایسے سوالات سے بھی منع کر دیا جو حقیقی نہ ہوں، مفروضہ اور غیر واقعاتی ہوں۔ اسی طرح فضول گفتگو اور وقت کو برباد کرنے والی بات چیت سے بھی منع کرتے ہوئے فرمایا:

"إن الله كره لكم ثلاثا: قيل وقال، وإضاعة المال، وكثرة السؤال"

''اللہ تعالیٰ تمھارے لیے تین چیزیں ناپسند کرتا ہے: ادھر ادھر کی فضول باتیں کرنا، مال کو ضائع کرنا اور

1 صحيح البخاري:6474. 2 صحيح البخاري:6478. 3 صحيح البخاري:6477. 4 صحيح البخاري:11.

بکثرت سوال کرنا۔''[1]

خشیتِ الٰہی

اللہ تعالیٰ کی معرفت جس قدر زیادہ ہوگی، اسی قدر اس کی خشیت اور خوف بھی زیادہ ہوگا۔ خوفِ الٰہی کی بدولت انسان شیطانی حربوں سے محفوظ رہتا ہے، اس کے جال میں پھنسنے سے بچ جاتا ہے۔ گناہوں اور برائیوں کے ارتکاب سے اجتناب کرتا ہے۔ گناہوں سے دور رہنے کی وجہ سے اسے ایمانی رشد و ہدایت کی راہ میں ترقی ملتی رہتی ہے۔ اس کے قلب و روح میں عظمتِ الٰہی نقش ہوتی ہے۔ اللہ رب العالمین کی محبت راسخ ہوتی ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس کے باعث انسان آخرت میں کامیاب و کامران ہوگا۔ قیامت کے دن کی پریشانیوں اور تکالیف سے محفوظ رہے گا۔ بالآخر جہنم سے نجات اور جنت کا حصول اس کا مقدر بنتا ہے۔ مومنوں کی یہ سعادت ہے کہ انھیں خشیتِ الٰہی نصیب ہوتی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ﴾

''(سچے) مومن تو صرف وہ لوگ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں، اور جب ان پر اس کی آیتوں کی تلاوت کی جائے تو وہ ان کا ایمان بڑھا دیتی ہیں، اور وہ اپنے رب ہی پر توکل کرتے ہیں۔''[2]

امام المتقین محمد رسول اللہ ﷺ خشیتِ الٰہی میں بھی بلندترین مقام پر فائز تھے۔ آیئے آپ کی خشیت اور خوفِ الٰہی کی چند مثالیں دیکھیے:

1 سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے کوئی کام کیا اور لوگوں کو بھی وہ عمل کرنے کی اجازت دی لیکن کچھ لوگوں نے اس سے پرہیز کرنا اچھا خیال کیا۔ ان کا یہ رویہ نبی ﷺ کے علم میں آیا تو آپ نے خطبہ دیا، اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی، پھر فرمایا: ''ان لوگوں کو کیا ہوگیا ہے جو اس کام سے پرہیز کرتے ہیں جسے میں نے خود کیا ہے؟ اللہ کی قسم! میں اللہ تعالیٰ کو ان سے زیادہ جاننے والا ہوں اور ان سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں۔''[3]

2 اللہ تعالیٰ کی معرفت، جنت و جہنم کے حقائق سے آگہی اور خوفِ الٰہی میں چونکہ آپ یکتا تھے، اس لیے آپ کی

[1] صحیح البخاری: 1477. [2] الأنفال 8:2. [3] صحیح البخاری: 6101.

آنکھوں سے سیل رواں جاری ہو جاتا تھا۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ نے خطبہ دیا۔ میں نے اس جیسا خطبہ کبھی نہیں سنا تھا۔ آپ نے فرمایا: ''جو حقائق میں جانتا ہوں، اگر وہ تمھیں معلوم ہو جائیں تو تم ہنسو کم اور روؤ زیادہ۔'' اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کے اصحاب نے اپنے چہرے ڈھانپ لیے اور ان کی گریہ و زاری کی آواز آنے لگی۔[1]

3 امانت ادا کرنے، مالی امور بے باق رکھنے اور امت کی خیر خواہی کے سلسلے میں آپ کی خشیت اور خوف بے مثال تھا۔ سیدنا عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کے ساتھ نمازِ عصر ادا کی۔ جب آپ نے سلام پھیرا تو جلدی سے اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنی کسی بیوی کے گھر تشریف لے گئے۔ اس کے بعد باہر تشریف لائے، آپ ﷺ نے اپنی عجلت کی وجہ سے لوگوں کے چہروں پر حیرت کے اثرات دیکھے تو فرمایا: ''مجھے دوران نماز میں یاد آیا کہ ہمارے پاس سونے کا ایک ٹکڑا ہے۔ میں نے شام یا رات تک اسے گھر میں رکھنا گوارا نہ کیا، اس لیے میں نے اسے (لوگوں میں) تقسیم کرنے کا حکم دیا ہے۔''[2]

4 اللہ تعالیٰ نے آپ کو مالی ضروریات کے لیے کئی قسم کی مراعات مرحمت فرمائی تھیں۔ صدقہ اور زکاۃ آپ اور آپ کے خاندان کے لیے حرام تھی، اس لیے آپ زکاۃ کے مال میں بہت احتیاط کرتے تھے۔ اپنی آل کو بھی اس سے بچاتے تھے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ایک گری ہوئی کھجور کے پاس سے گزرے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَوْلَا أَنْ تَكُونَ صَدَقَةً لَأَكَلْتُهَا»

''اگر یہ خدشہ نہ ہوتا کہ یہ صدقے کی کھجور ہوگی تو میں اسے ضرور کھا لیتا۔''

نیز فرمایا: «أَجِدُ تَمْرَةً سَاقِطَةً عَلَى فِرَاشِي» ''میں اپنے بستر پر گری ہوئی کھجور دیکھتا ہوں (مگر صدقے کی کھجور ہونے کے ڈر سے اُسے نہیں کھاتا)۔''[3]

5 عبادت و ریاضت میں تکلف و تشدد ٹھیک نہیں۔ جسم کی راحت کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔ طبیعت کی خوشی اور رغبت سے کی گئی عبادت ہی بہتر ہوتی ہے۔ البتہ اگر کوئی خواہ مخواہ تکلف کرے تو یہ خشیت الٰہی کے منافی ہونے کی وجہ سے قابل تعریف کام نہ ہوگا۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ تین آدمی نبی ﷺ کی ازواج مطہرات کے گھروں کی طرف آئے تاکہ وہ نبی ﷺ کی عبادت کے متعلق معلومات حاصل کریں۔ جب انھیں (اس کی) خبر دی گئی

[1] صحیح البخاری: 4621. [2] صحیح البخاری: 1221. [3] صحیح البخاری: 2055.

تو انھوں نے اپنی عبادات کو کم خیال کیا، کہنے لگے کہ ہمارا نبی ﷺ کی عبادت سے کیا مقابلہ! اللہ تعالیٰ نے تو آپ کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیے ہیں، چنانچہ ان میں سے ایک نے کہا: میں ہمیشہ رات بھر نماز پڑھتا رہوں گا۔ دوسرے نے کہا: میں ہمیشہ روزے سے رہوں گا اور افطار نہیں کروں گا۔ تیسرے نے کہا: میں عورتوں سے علیحدگی اختیار کرلوں گا اور کبھی نکاح نہیں کروں گا۔ اتنے میں رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لے آئے اور آپ نے ان سے پوچھا: ''کیا تم نے یہ یہ باتیں کہی ہیں؟ خبردار! اللہ کی قسم! میں تمھاری نسبت اللہ سے زیادہ ڈرنے والا ہوں اور تم سب سے زیادہ پرہیزگار ہوں لیکن میں روزے رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، نماز پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، اس کے علاوہ عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ جس نے میری سنت سے اعراض کیا، وہ مجھ سے نہیں ہے۔''[1]

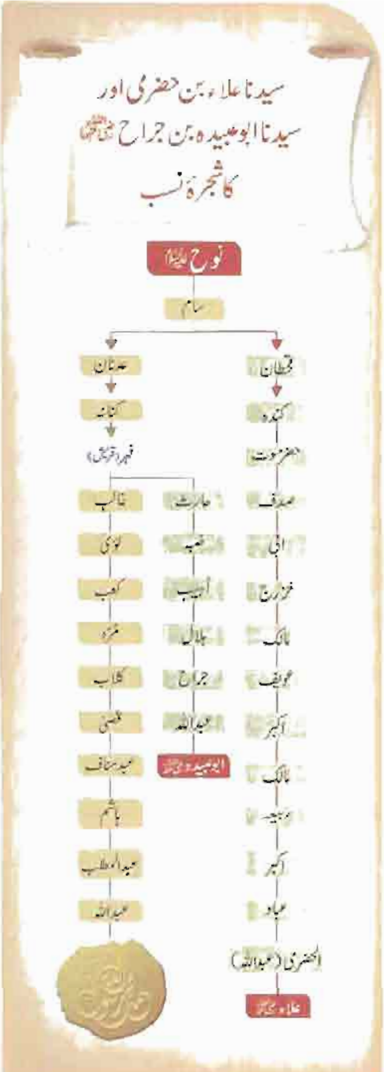
6 آپ اپنی امت کے بارے میں فکرمند اور اس کی نجات کے لیے ہر لحظہ کوشاں رہتے تھے۔ سیدنا عقبہ بن عامر ؓ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے غزوۂ احد کے شہداء کے لیے آٹھ سال بعد اس طرح دعائے مغفرت کی جیسے آپ انھیں الوداع کہہ رہے ہوں۔ پھر آپ ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا:

إني بين أيديكم فرط وأنا عليكم شهيد وإن موعدكم الحوض وإني لأنظر إليه من مقامي هذا وإني لست أخشى عليكم أن تشركوا ولكني أخشى عليكم الدنيا أن تنافسوها.

''میں تمھارے لیے میرِ کارواں (پیش رو) ہوں اور تم پر گواہ ہوں۔ مجھ سے تمھاری ملاقات حوضِ کوثر پر ہو گی۔ میں اس وقت بھی اپنی جگہ سے حوض کو دیکھ رہا ہوں۔ مجھے تمھارے متعلق یہ خطرہ نہیں کہ تم شرک میں مبتلا ہو جاؤ گے بلکہ مجھے اس بات کا اندیشہ ہے کہ تم دنیا میں دلچسپی لینے لگو گے اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو گے۔''[2]

7 آپ کو یہ بات فکرمند رکھتی تھی کہ آپ کی امت دنیا کی ناز و نعم میں کھو جائے گی اور آخرت کی راہیں بھلا بیٹھے گی۔ سیدنا عمرو بن عوف ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوعبیدہ بن جراح ؓ کو جزیہ وصول کرنے کے لیے بحرین روانہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے بحرین والوں سے صلح کر لی تھی اور آپ نے علاء بن حضرمی ؓ کو وہاں کا حاکم مقرر کیا تھا۔ سیدنا ابوعبیدہ بن جراح ؓ بحرین سے مال لائے۔ جب انصار نے ابوعبیدہ کے آنے کی خبر سنی تو انھوں نے نماز فجر نبی ﷺ کے ساتھ ادا کی۔ آپ ﷺ جب (نماز سے) فارغ ہوئے تو وہ (انصار) آپ کے سامنے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب انھیں دیکھا تو مسکرائے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

[1] صحيح البخاري: 5063 [2] صحيح البخاري: 4042.



''میرا خیال ہے تم نے سن لیا ہے کہ ابوعبیدہ کچھ مال لائے ہیں؟'' انھوں نے کہا: جی ہاں، اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا: ''تمھیں بشارت ہو اور تم اس چیز کی امید رکھو جو تمھیں خوش کر دے گی۔ اللہ کی قسم! مجھے تمھاری غربت کا ڈر نہیں لیکن مجھے یہ اندیشہ ضرور ہے کہ تمھارے لیے دنیا اس طرح پھیلا دی جائے گی جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر پھیلا دی گئی تھی اور تم اس سے اس طرح رغبت رکھو گے جس طرح انھوں نے رغبت رکھی تھی، پھر وہ تمھیں اسی طرح ہلاک کر دے گی جس طرح اس نے ان لوگوں کو ہلاک کیا۔''[1]

اسی طرح سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور آپ نے امت کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ''مجھے اپنے بعد تم پر جس چیز کا خطرہ ہے، وہ صرف یہ ہے کہ زمین کی برکتیں تم پر کھول دی جائیں گی۔'' پھر آپ نے دنیا کی زیب و زینت اور رونق کا ذکر کیا۔ آپ نے پہلے دنیا کی برکات کا ذکر کیا، پھر اس کی رونق بیان کی۔ اتنے میں ایک آدمی کھڑا ہو کر عرض کرنے لگا: اے اللہ کے رسول! کیا خیر کے ساتھ شر بھی آتا ہے؟ یہ سن کر نبی ﷺ خاموش ہو گئے۔ ہم سمجھے کہ آپ پر وحی اتر رہی ہے۔ لوگ بھی یوں خاموش ہو گئے گویا ان کے سروں پر پرندے ہوں۔ پھر آپ ﷺ نے اپنے چہرۂ مبارک سے پسینہ صاف کیا اور دریافت فرمایا: ''ابھی ابھی جو شخص سوال کر رہا تھا، وہ کہاں ہے جو کہہ رہا تھا کہ یہ مال خیر ہے؟'' آپ نے تین مرتبہ یہی بات کہی۔ پھر فرمایا: ''واقعی خیر، خیر ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ (خیر، خیر ہی لاتی ہے۔) دیکھو موسم بہار میں جب ہری گھاس پیدا ہوتی ہے، وہ جانور کو مار دیتی ہے یا مرنے کے قریب کر دیتی ہے مگر وہ جانور بچ جاتا ہے جو ہری گھاس چرتا ہے، جب اس کی کوکھیں بھر جاتی ہیں تو دھوپ کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے، لید اور پیشاب کرتا ہے، پھر ہضم ہونے کے بعد مزید چرنے لگتا ہے۔ اسی طرح دنیا کا یہ مال بھی ہرا بھرا اور شیریں

[1] صحیح البخاری: 4015

ہے۔ مسلمان کا وہ مال کتنا عمدہ ہے جو حلال ذرائع سے کمایا گیا، پھر اسے اللہ کے راستے میں یتیموں اور مسکینوں کے لیے وقف کر دیا گیا لیکن جس شخص نے ناجائز ذرائع سے مال جمع کیا تو اس کی مثال اس کھانے والے کی طرح ہے جو کھاتا ہے مگر سیر نہیں ہوتا۔ ایسا مال قیامت کے دن اس کے خلاف گواہی دے گا۔''[1]

8 گزشتہ امتیں مختلف عذابوں کا شکار ہوئیں، رسول اللہ ﷺ بھی عذاب الٰہی سے خوفزدہ رہتے مبادا آپ ﷺ کی امت پر بھی عذاب الٰہی آ جائے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جس روز تیز ہوا چلتی اور بادل آتے تو آپ ﷺ کے چہرہ مبارک پر خوف کے آثار نمایاں ہو جاتے۔ آپ پریشانی کے عالم میں کبھی گھر کے اندر تشریف لے جاتے اور کبھی باہر آ کر حالات کا جائزہ لینا شروع کر دیتے۔ آپ اللہ تعالیٰ سے خیر و برکت کی دعا کرتے اور اس کے عذاب سے پناہ مانگتے۔ آپ یوں التجا کرتے:

«اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَا فِيهَا وَخَيْرَ مَا أُرْسِلَتْ بِهِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِيهَا وَشَرِّ مَا أُرْسِلَتْ بِهِ»

''اے اللہ! بے شک میں تجھ سے اس کی خیر، جو اس کے اندر ہے اس کی خیر اور جس چیز کے ساتھ اسے بھیجا گیا ہے اس کی خیر مانگتا ہوں۔ میں اس کے شر، جو اس میں ہے اس کے شر اور جس کے ساتھ یہ بھیجی گئی ہے اس کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔''

پھر جب بارش برسنے لگتی تو آپ کا چہرۂ مبارک کھل اٹھتا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے اس خوف کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا:

«يَا عَائِشَةُ! مَا يُؤْمِنُنِي أَنْ يَكُونَ فِيهِ عَذَابٌ قَدْ عُذِّبَ قَوْمٌ بِالرِّيحِ وَقَدْ رَأَى قَوْمٌ الْعَذَابَ فَقَالُوا: هٰذَا عَارِضٌ مُمْطِرُنَا»



جنوبی عرب میں عاد ارم کے مبینہ آثار

''اے عائشہ! میں کیسے بے خوف ہو جاؤں۔ ممکن ہے اس بادل میں عذاب الٰہی چھپا ہوا ہو۔ ایک قوم (عاد) کو اسی طرح کی آندھی سے ہلاک کیا گیا تھا۔ انھوں نے جب عذاب الٰہی دیکھا تو کہنے لگے: یہ بادل ہم پر مینہ برسائے گا (حالانکہ وہ عذاب الٰہی تھا جس نے انھیں

[1] صحیح البخاری، 2842.

برباد کر دیا)۔"[1]

9 رات کی تنہائی اور قرآن خوانی کی لذت سے لطف اندوز ہونے کے ساتھ ساتھ آپ کا دل خوف الٰہی کی وجہ سے لرزتا رہتا تھا اور التجائیں عرش بریں کی طرف روانہ ہوتی رہتی تھیں۔ آپ کی اس کیفیت کو سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ کے بالوں میں چاندی چمکنے لگی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

شَيَّبَتْنِي هُودٌ وَالْوَاقِعَةُ وَالْمُرْسَلَاتُ وَعَمَّ يَتَسَاءَلُونَ وَإِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ

"مجھے سورۂ ہود، واقعہ، مرسلات، عم یتساءلون اور اذا الشمس کورت جیسی سورتوں (جن میں احوال قیامت کا بیان ہے) نے بوڑھا کر دیا ہے۔"[2]

10 رسول اللہ ﷺ خوف الٰہی کی جس نعمت سے مستفید تھے، اس نعمت عالیہ سے آپ اپنے اہل خانہ کو بھی بہرہ مند کرنا چاہتے تھے، اس لیے آپ تہجد کے وقت ازواج مطہرات کو بھی جگایا کرتے تھے تاکہ وہ بھی اپنے رب کے سامنے سربسجود ہو کر اس کے عذاب سے پناہ مانگیں اور اس کی جنت کا سوال کریں۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ ایک رات بیدار ہوئے تو فرمایا: "سبحان اللہ! آج رات کس قدر سنگین فتنے نازل ہوئے اور کس قدر عظیم خزانے اتارے گئے! کون ہے جو ان حجروں میں سوئی ہوئی عورتوں کو بیدار کرے؟ بہت سی عورتیں جو دنیا میں لباس پہننے والی ہیں، آخرت میں بالکل برہنہ ہوں گی۔"[3]

رسول اللہ ﷺ نے امت کو خوف الٰہی اور خشیت اختیار کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:

لَيْسَ شَيْءٌ أَحَبَّ إِلَى اللَّهِ مِنْ قَطْرَتَيْنِ وَأَثَرَيْنِ: قَطْرَةٌ مِنْ دُمُوعٍ فِي خَشْيَةِ اللَّهِ، وَقَطْرَةُ دَمٍ تُهَرَاقُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، وَأَمَّا الْأَثَرَانِ فَأَثَرٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأَثَرٌ فِي فَرِيضَةٍ مِنْ فَرَائِضِ اللَّهِ

"اللہ تعالیٰ کو دو قطرے اور دو نشان نہایت محبوب ہیں: ایک وہ قطرہ جو خشیت الٰہی سے آنکھوں سے نکلے۔ اور دوسرا وہ قطرۂ خون جو جہاد فی سبیل اللہ میں نکلے۔ اور دو نشان یہ ہیں: ایک اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے کوئی زخم لگے اور دوسرا وہ نشان جو اللہ کے کسی فرض کی ادائیگی میں لگا ہو۔"[4]

اللہ تعالیٰ کی خشیت آخرت میں کامیابی کی کنجی ہے۔ آپ نے ایک ایسے شخص کا قصہ بیان کیا ہے جو نیکیوں میں بہت سست تھا مگر خشیت الٰہی کی وجہ سے اس کی نجات ہوگئی۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ

[1] صحیح مسلم: 899 [2] جامع الترمذی: 3297 [3] صحیح البخاری: 1126 [4] جامع الترمذی: 1669

نے فرمایا: ”ایک آدمی نے کبھی کوئی اچھا کام نہیں کیا تھا۔ اس نے وصیت کی کہ جب وہ مر جائے تو اسے جلا دیں، پھر اس کی آدھی راکھ خشکی میں اڑا دیں اور باقی آدھی دریا میں بہا دیں۔ اللہ کی قسم! اگر اللہ اس پر قادر ہوا تو وہ اسے ایسا عذاب دے گا جو دنیا کے کسی اور شخص کو نہیں دے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے سمندر کو حکم دیا تو اس نے تمام راکھ جمع کر دی جو اس کے اندر تھی، پھر اس نے خشکی کو حکم دیا تو اس نے بھی وہ تمام راکھ جمع کر دی جو اس کے اندر تھی، پھر اللہ تعالیٰ نے اس آدمی سے پوچھا: تم نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے کہا: تیرے ڈر سے۔ اور تو سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے معاف کر دیا۔“[1]

اچھے اور بلند فکر اشعار کی تعریف

اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی محمد ﷺ کو جس عرب معاشرے میں مبعوث کیا، ان لوگوں کو اپنی فصاحت، بلاغت اور قادر الکلام شعراء پر بڑا فخر تھا۔ مختلف قبائل کی بہادری اور معاشرتی بلندی کا انحصار بڑی حد تک اعلیٰ شاعری پر تھا۔ مختلف قبائل کے درمیان جنگ و حرب میں شاعر اہم کردار ادا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان بلغاء کا مقابلہ کرنے کے لیے آپ کو قرآن مجید کا معجزہ عطا کیا۔ شعر چونکہ آپ کی شان نبوت کے خلاف تھا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ﴾

”اور ہم نے اس (رسول) کو شعر نہیں سکھایا اور نہ (یہ) اس کے لائق ہی تھا۔“[2]

شاعر لوگ مبالغہ آرائی کرتے ہیں اور تعریف میں حد سے تجاوز کر جاتے ہیں۔ جو کہتے ہیں وہ کرتے نہیں۔ ان کا مقصد صرف لوگوں کی مدح سرائی اور ان کے اموال کا حصول ہوتا ہے۔ یہ تمام چیزیں نبی اکرم ﷺ کی شان و مقام کے منافی ہیں، اس لیے آپ کو شاعر ہونے کا طعنہ دیا گیا مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو شاعر نہیں بنایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۝ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ۭ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ﴾

”بلاشبہ یہ (قرآن) یقیناً رسولِ کریم (جبریل) کا قول ہے۔ اور یہ کسی شاعر کا قول نہیں، تم کم ہی ایمان لاتے ہو۔“[3]

البتہ آپ مختلف مواقع پر مختلف شعراء کے بعض شعر یا ان کا ایک آدھ مصرع پڑھ دیتے تھے۔ صحابۂ کرام بعض اوقات شعر و شاعری کی محفل سجاتے تو آپ سن لیتے۔ دشمنانِ اسلام آپ کی یا مسلمانوں کی بے ادبی یا توہین کرتے تو آپ سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو فرماتے، وہ ان کا مقابلہ کرتے اور انھیں منہ توڑ جواب دیتے۔

[1] صحیح البخاری: 7506۔ [2] یٰسٓ 36:69۔ [3] الحآقۃ 69:40، 41۔

آیئے مختلف مواقع پر آپ کے برمحل اشعار کہنے یا سننے کی چند مثالیں پڑھتے ہیں:

1 سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے مشرکین کی مذمت میں شعر کہنے کی اجازت مانگی تو آپ نے پوچھا: ''میرے نسب کی حفاظت کیسے کرو گے؟'' (مشرکین کی مذمت کرو گے تو اس میں میرا خاندان بھی آئے گا۔) سیدنا حسان رضی اللہ عنہ نے عرض کی: میں آپ کو اس طرح کے شعر و سخن سے یوں علیحدہ کرلوں گا جیسے آٹے میں سے بال نکال لیا جاتا ہے۔[1]

سیدنا حسان رضی اللہ عنہ جب آپ کے دفاع میں شعر کہتے تھے تو آپ ﷺ ان کی حوصلہ افزائی فرماتے اور دعا دیتے۔ آپ فرماتے:

«یا حسان! أجب عن رسول الله، اللهم أيده بروح القدس»

''اے حسان! رسول اللہ ﷺ کی طرف سے مشرکین کو جواب دو۔'' ''اے اللہ! روح القدس، یعنی جبریل علیہ السلام کے ذریعے سے ان کی مدد فرما۔''[2]

2 ایسے لغو اشعار جو عقیدۂ توحید اور اسلامی تعلیمات کے منافی ہوں، ہرگز نہیں سننے چاہییں۔ ایسے مکروہ اشعار و افکار کا حامل شاعر بھی نہایت مذموم ہے۔ سیدنا ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم عرج میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ محو سفر تھے کہ ایک شاعر نے سامنے آکر شعر سنانے شروع کر دیے۔ آپ نے فرمایا:

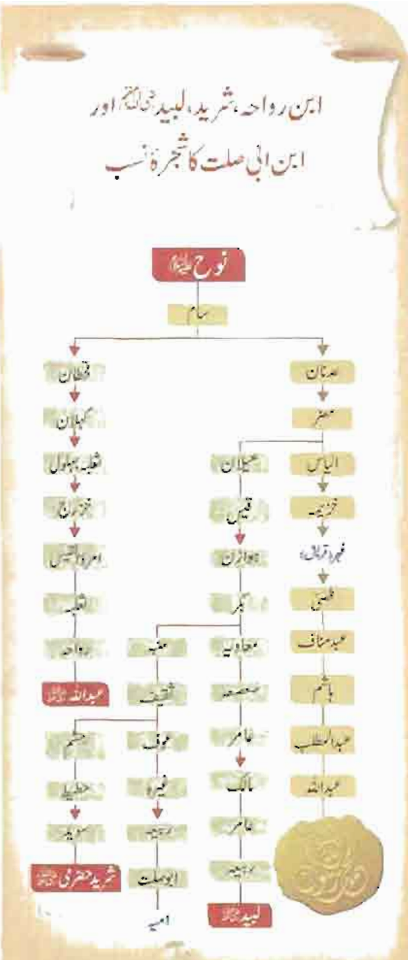
«خذوا الشيطان أو أمسكوا الشيطان، لأن يمتلئ جوف رجل قيحا خير له من أن يمتلئ شعرا»

''شیطان کو پکڑو، یا فرمایا: شیطان کو روکو۔ اگر کوئی شخص پیپ سے اپنا پیٹ بھر لے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ

1 صحیح البخاري: 6150. 2 صحیح البخاري: 6152.

وادی عرج کے پہاڑ (سعودی عرب)





وہ اپنا پیٹ شعروں سے بھرے۔''[1]

البتہ وہ اشعار جو قرآنی تعلیمات کے موافق، اسلامی عقیدے کے مطابق اور کائنات میں غور وفکر کی دعوت دیتے ہوں، انھیں سننے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ سیدنا شرید بن سوید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں اونٹنی پر رسول اللہ ﷺ کے پیچھے سوار تھا، آپ نے دریافت کیا: ''کیا تمھیں امیہ بن ابی صلت کے کچھ اشعار یاد ہیں؟'' میں نے عرض کی: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو پھر سناؤ۔'' میں نے ایک شعر سنایا تو آپ نے فرمایا: ''اور سناؤ۔'' میں نے ایک اور سنایا تو آپ نے مزید سنانے کا حکم دیا۔ اس طرح میں نے آپ کو ایک سو اشعار سنائے۔[2]

آپ نے لبید کے اشعار کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

«أَصْدَقُ كَلِمَةٍ قَالَهَا الشَّاعِرُ كَلِمَةُ لَبِيدٍ:

أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللهَ بَاطِلُ

وَكَادَ أُمَيَّةُ بْنُ أَبِي الصَّلْتِ أَنْ يُسْلِمَ»

''سب سے سچی بات جو کوئی شاعر کہہ سکتا تھا، وہ لبید نے کہی:

''آگاہ رہو! اللہ کے سوا ہر چیز کو زوال ہے۔ اور امیہ بن ابی صلت (شاعر) مسلمان ہونے کے قریب تھا۔''[3]

آپ نے اس شعر (مصرع) کو سب سے عمدہ شعر قرار دیا۔[4]

3 آپ بعض اوقات اپنے صحابہ کو جوش دلانے اور ترغیب دینے کے لیے اشعار کو بروئے کار لاتے تھے۔ سیدنا براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ احزاب (خندق) کے موقع پر رسول اللہ ﷺ صحابہ کے ساتھ مل کر مٹی نکال رہے تھے حتی کہ آپ کے بطن مبارک کے بال مٹی میں چھپ گئے۔ آپ ﷺ اس موقع پر ابن رواحہ رضی اللہ عنہ کے یہ اشعار پڑھ رہے تھے:

اللَّهُمَّ لَوْلَا أَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا

1 صحیح مسلم: 2259۔ 2 صحیح مسلم: 2255۔ 3 صحیح البخاری: 3841۔ 4 صحیح مسلم: 2256۔

فَأَنْزِلَنْ سَكِينَةً عَلَيْنَا ... وَثَبِّتِ الْأَقْدَامَ إِنْ لَاقَيْنَا

إِنَّ الْأُلَى قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا ... وَإِنْ أَرَادُوا فِتْنَةً أَبَيْنَا

''اے اللہ! اگر تو نہ ہوتا تو ہمیں سیدھا راستہ نہ ملتا۔ ہم صدقہ کرتے نہ نماز پڑھتے۔ ہم پر اپنی بارگاہ سے طمانیت نازل فرما۔ اور اگر (دشمن سے) ہمارا آمنا سامنا ہو جائے تو ہمیں ثابت قدمی عطا فرما۔ یہ لوگ ہمارے خلاف چڑھ آئے ہیں۔ اور جب یہ (ہم سے) کوئی فتنہ چاہتے ہیں تو ہم ان کی بات نہیں مانتے بلکہ انکار کر دیتے ہیں۔'' [1]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ خندق کے موقع پر انصار و مہاجر صحابہ کرام خندق کی کھدائی کے دوران مٹی کندھوں پر ڈھو ڈھو کر باہر نکال رہے تھے اور ساتھ ساتھ یہ شعر بھی پڑھ رہے تھے:

نَحْنُ الَّذِينَ بَايَعُوا مُحَمَّدَا ... عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِينَا أَبَدَا

''ہم وہ ہیں جنھوں نے محمد ﷺ کے ہاتھ پر تا حیات جہاد کی بیعت کی ہے۔''

نبی ﷺ ان کے جواب میں فرماتے تھے:

اللَّهُمَّ إِنَّهُ لَا خَيْرَ إِلَّا خَيْرُ الْآخِرَهْ ... فَبَارِكْ فِي الْأَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَهْ

''اے اللہ! آخرت کی بھلائی کے علاوہ کوئی بھلائی نہیں، لہٰذا تو مہاجرین و انصار میں برکت عطا فرما۔'' [2]

4 عمرۂ قضا کے موقع پر نبی کریم ﷺ مکہ مکرمہ میں داخل ہو رہے تھے تو اس وقت سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ آپ کے آگے آگے چل رہے تھے اور یہ شعر پڑھ رہے تھے:

خَلُّوا بَنِي الْكُفَّارِ عَنْ سَبِيلِهِ ... الْيَوْمَ نَضْرِبْكُمْ عَلَى تَنْزِيلِهِ

ضَرْبًا يُزِيلُ الْهَامَ عَنْ مَقِيلِهِ ... وَيُذْهِلُ الْخَلِيلَ عَنْ خَلِيلِهِ

''اے کافروں کی اولاد! رسول اللہ ﷺ کا راستہ چھوڑ دو۔ آج ہم آپ کے حکم سے تمھاری گردنیں اڑائیں گے اور ایسی ضرب کاری لگائیں گے جو کھوپڑیوں کو گردنوں سے جدا اور دوست کو دوست سے غافل کر دے گی۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ یہ جوشیلے شعر سن کر کہنے لگے: عبداللہ! تم حرم پاک میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایسے شعر کہتے ہو؟ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

1 صحیح البخاری: 4106 2 صحیح البخاری: 2835

فلهي أسرع فيهم من نضح النبل

”شعر پڑھتے رہو، یہ شعر ان (مشرکوں) کے لیے تیروں کی بوچھاڑ سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہیں۔“[1]

5 بعض اشعار میں بڑی حکمت و دانائی ہوتی ہے۔ اس طرح کے اشعار آپ سنا کرتے تھے۔ سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سو سے زائد بار رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں شرکت کا شرف حاصل کیا اور دیکھا کہ آپ کے صحابہ اشعار سنتے سناتے ہیں، جاہلیت کے زمانے کی باتیں یاد کرتے ہیں اور آپ بڑی خاموشی سے سنتے اور بعض اوقات مسکرا دیتے ہیں۔[2]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کیا رسول اللہ ﷺ بوقت ضرورت شعر بھی پڑھتے تھے؟ انھوں نے فرمایا: ہاں آپ یہ مصرع پڑھا کرتے تھے

ويأتيك بالأخبار من لم تزود

اس کا پہلا مصرع یہ ہے:

ستبدي لك الأيام ما كنت جاهلا

”عنقریب زمانہ تجھے وہ دکھائے گا جس سے تم بے خبر تھے۔ اور تمھارے پاس وہ خبریں لے کر آئے گا جو پہلے تمھیں حاصل نہیں تھیں۔“[3]

6 خوشی کے موقع پر اشعار گنگنانا جائز ہے بشرطیکہ ان کے ساتھ حرام موسیقی شامل نہ ہو۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے پاس ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس وقت تشریف لائے جب انصار کی دو بچیاں وہ شعر گا رہی تھیں جو انصار نے جنگ بعاث کے موقع پر ایک دوسرے کے متعلق کہے تھے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے وضاحت کی کہ وہ بچیاں کوئی مخصوص و معروف گلوکارائیں نہ تھیں۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ صورت حال دیکھ کر فرمایا: کیا یہ شیطانی ساز رسول اللہ ﷺ کے گھر میں موجود ہیں؟ یہ عید کے دن کا واقعہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: يا أبا بكر إن لكل قوم عيدا وهذا عيدنا ”اے ابوبکر! ہر قوم کے لیے عید ہوتی ہے (اس دن وہ خوشیاں مناتے ہیں)۔ یہ ہمارا عید کا دن ہے (اس لیے انھیں خوشیاں منانے دو)۔“[4]

ہاں، اگر ان اشعار میں کوئی خرابی ہوتی یا عقیدے کے لحاظ سے وہ شعر ٹھیک نہ ہوتے تو رسول اللہ ﷺ ایسے اشعار کی ممانعت فرما دیتے تھے۔

1 سنن نسائی 2876، 2 جامع الترمذی 2850، 3 جامع الترمذی 2848، 4 صحیح بخاری 952

سیدہ ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب میری رخصتی ہوئی تو نبی ﷺ تشریف لائے اور میرے بستر پر بیٹھے، جیسے تم میرے پاس بیٹھے ہو۔ (یہ انھوں نے خالد بن ذکوان سے کہا۔) اس دوران میں ہماری چھوٹی بچیوں نے دف بجانا شروع کر دیا اور میرے آبا، جو غزوۂ بدر میں شہید ہو چکے تھے، ان کا مرثیہ پڑھنے لگیں۔ ان میں سے ایک بچی نے اچانک کہہ دیا: ہم میں ایک نبی ہے جو ان باتوں کی خبر رکھتا ہے جو آیندہ کل ہونے والی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «دعي هذه وقولي بالذي كنت تقولين» "یہ کہنا چھوڑ دو اور وہی کچھ کہو جو پہلے کہہ رہی تھیں۔"[1]

7 غزوۂ تبوک سے واپسی پر جب اسلامی لشکر رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں مدینہ منورہ پہنچا تو اہل مدینہ کو بے حد خوشی ہوئی، چنانچہ بچے اور بچیاں درج ذیل اشعار پڑھ کر آپ کو مرحبا کہنے لگے:

طلع البدر علينا من ثنيات الوداع
وجب الشكر علينا ما دعا لله داع

"ہم پر ثنیۃ الوداع سے چودھویں کا چاند طلوع ہوا۔ جب تک پکارنے والا اللہ کو پکارے، ہم پر ادائے شکر واجب ہے۔"

8 سیدنا جندب بن سفیان بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک لڑائی کے موقع پر موجود تھے کہ اسی دوران آپ کی انگلی زخمی ہوگئی۔ آپ نے انگلی کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

هل أنت إلا إصبع دميت وفي سبيل الله ما لقيت

"تیری حقیقت ایک زخمی انگلی کے سوا کیا ہے اور جو کچھ ملا ہے، اللہ کے رستے میں ملا ہے۔"[2]

جرأت و بہادری

رسول اللہ ﷺ اپنی رحمت و شفقت، نرمی اور بے پایاں جذبۂ محبت کے ساتھ ساتھ دلیری اور بہادری میں بھی بے مثال تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی جرأت و شجاعت عطا فرمائی تھی جسے بروئے کار لا کر آپ دین اسلام کی نشر و اشاعت کے لیے بے دریغ پیش قدمی فرماتے، رکتے نہ گھبراتے، بلکہ بلا خوف و خطر آگے ہی بڑھتے چلے جاتے تھے۔ باطل کی ساری قوتیں اپنی تعداد، بھاری اسلحہ اور جملہ وسائل کے باوجود آپ کو نہ جھکا سکیں نہ روک سکیں بلکہ آپ کی شجاعت کے سامنے ان کے سارے حربے دم توڑ گئے۔ آپ اللہ کی راہ کے سب سے بڑے مجاہد تھے اور

1 صحیح البخاري: 5147، 2 صحیح البخاري: 2802.

اپنے رب سے یہی التجا کرتے تھے

اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحَزَنِ وَالْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَضَلَعِ الدَّيْنِ وَغَلَبَةِ الرِّجَالِ

''اے اللہ! میں غم و الم، عاجزی و کاہلی، بزدلی اور بخل، قرضے کے بوجھ اور لوگوں کے غلبے سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔''[1]

آیئے دعوت الی اللہ اور جہاد کے میدان میں آپ کی جرأت و بہادری کی چند مثالیں دیکھیے:

1 رسول اللہ ﷺ کی شجاعت و بہادری کی ایک مثال سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سب سے بڑھ کر خوبصورت و خوب سیرت تھے، سب سے بڑے سخی تھے اور سب سے زیادہ بہادر تھے۔ ایک رات اہل مدینہ کو خوفناک آوازیں سنائی دیں۔ لوگ گھبرا گئے۔ کچھ لوگ آواز کی سمت بڑھے تاکہ یہ معلوم کریں کہ کوئی دشمن تو نہیں آرہا۔ ابھی وہ تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ رسول اللہ ﷺ ان سے پہلے ہی تن تنہا خود حالات کا جائزہ لے کر واپس آتے دکھائی دیے۔ آپ سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے پر سوار ہو کر گئے تھے۔ آپ نے گھوڑے پر کوئی زین وغیرہ نہیں ڈالی تھی۔ نہایت تیزی سے اکیلے ہی گھوڑے کی ننگی پشت پر سوار ہو کر حالات کا جائزہ لینے کے لیے جانا آپ کے حوصلے، ہمت اور بہادری کی شاندار مثال ہے۔ آپ ﷺ نے اہل مدینہ سے فرمایا: لَنْ تُرَاعُوا لَنْ تُرَاعُوا ''ڈرو نہیں، ڈرو نہیں۔'' (سب کچھ ٹھیک ہے، گھبرانے کی چنداں ضرورت نہیں۔) پھر آپ نے سیدنا ابوطلحہ کے گھوڑے کی تعریف کی۔ آپ نے فرمایا: وَجَدْنَاهُ بَحْرًا أَوْ إِنَّهُ لَبَحْرٌ ''ہم نے اسے سمندر پایا، یا فرمایا: یہ تو سمندر ہے (اپنی روانی اور چال میں سمندر کی روانی جیسا ہے)۔''[2]

2 ہجرت مدینہ کے وقت رسول اللہ ﷺ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ محو سفر تھے۔ آرام کے لیے غار ثور میں تشریف فرما ہوئے تو انعام کے لالچ میں آپ کو گرفتار کرنے کی غرض سے نکلے ہوئے کافر وہاں پہنچ گئے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ پریشان ہو گئے۔ مگر آپ نے نہایت اطمینان اور سکون سے انھیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا: لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ''غم نہ کرو، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی حفاظت فرمائی بلکہ آگے چل کر آپ کا پیچھا کرنے والا سراقہ بن مالک جیسا باغی آپ کا فرمانبردار بن کر لوٹ گیا اور دیگر کفار بھی ناکام و نامراد لوٹ گئے۔ جبکہ نبی کریم ﷺ اپنے وفادار ساتھی سیدنا ابوبکر

[1] صحيح البخاري: 6369. [2] صحيح البخاري: 2908، صحيح مسلم: 2307

صدیق ؓ کے ساتھ بخیر و خوبی مدینہ منورہ پہنچ گئے۔[1]

3 جنگ کے میدان میں بھی آپ جیسے جری اور بے باک جرنیل کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ جب گھمسان کا رن پڑتا، اس وقت آپ سب سے آگے، مورچے میں ڈٹ جاتے اور صحابہ کرام کی حوصلہ افزائی کرتے، انھیں آگے بڑھ کر حملہ کرنے کی ترغیب دیتے اور ان کے لیے بہترین راہنما ثابت ہوتے۔ سیدنا علی ؓ بیان کرتے ہیں کہ جب جنگ بھڑک اٹھتی تھی اور مسلمان لشکر کفار سے گتھم گتھا ہو جاتے تھے تو ہم آپ کے پیچھے رہ کر اپنا بچاؤ کرتے تھے۔ آپ ﷺ سب سے آگے بڑھ کر کفار کا مقابلہ کرتے تھے۔[2]

غزوۂ حنین کے موقع پر نو مسلموں کو ہوازن کے ماہر تیر اندازوں نے اپنے نشانے پر لے لیا جس کی وجہ سے وہ سر پٹ بھاگے۔ اسلامی لشکر بکھر گیا اور کافروں کو ابتدائی فتح ہوتی دکھائی دینے لگی۔ اس دوران آپ میدان کارزار میں پامردی سے ڈٹے رہے، آپ ﷺ نے مجاہدین کو جمع کیا، ان کی ہمت بڑھائی اور پھر دشمن پر کاری ضرب لگائی۔ آیئے اس معرکے کی روداد صحیح بخاری کی روایت میں پڑھتے ہیں:

حنین کی وادی صدر (بطن نخلہ)



سیدنا براء بن عازب ؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ان سے پوچھا: کیا تم غزوۂ حنین میں رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے؟ انھوں نے کہا: لیکن رسول اللہ ﷺ نے پسپائی اختیار نہیں کی۔ ہوا یوں کہ قبیلۂ ہوازن کے لوگ بڑے ماہر تیر انداز تھے۔ ہم نے ان پر پہلا حملہ کیا تو وہ بھاگ نکلے، لیکن جب مسلمان مال غنیمت پر ٹوٹ پڑے تو انھوں نے سامنے سے تیر برسانے شروع کر دیے۔ ہم تو بھاگ گئے مگر رسول اللہ ﷺ نہیں بھاگے۔ میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ اپنے سفید خچر پر سوار تھے اور سیدنا ابو سفیان ؓ اس کی لگام تھامے ہوئے تھے اور نبی ﷺ فرما رہے تھے: ''میں (اللہ کا سچا) نبی ہوں، (اس میں) کوئی جھوٹ نہیں، (اور اس کے ساتھ ساتھ) میں عبدالمطلب کا بیٹا (بھی) ہوں۔''[3]

جنگ احد والے دن بھی مسلمانوں کی بھگدڑ کے بعد آپ میدان میں پوری ثابت قدمی سے مشرکوں کا مقابلہ کر رہے تھے اور سیدنا سعد ؓ کو تیر فراہم کر کے تیر اندازی کے جوہر دکھانے کی ترغیب دے رہے تھے۔[4]

سیدنا علی ؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے بدر والے دن خود دیکھا کہ ہم نبی کریم ﷺ کی اوٹ لے کر اپنا دفاع

1 تفصیل کے لیے دیکھیے: صحیح البخاری: 3615. 2 مسند احمد: 1346. 3 صحیح البخاری: 2864. 4 صحیح البخاری: 4055.

کر رہے تھے اور آپ دشمن کے مقابل مضبوطی سے ڈٹے ہوئے تھے۔ اس روز آپ نے سب سے بڑھ کر شجاعت و بسالت کا مظاہرہ کیا۔[1]

زہد وتقویٰ

دنیاوی راحت و آرام کو ترک کرنا تاکہ اخروی نعمتیں نصیب ہوسکیں، زہد کہلاتا ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ایسی چیزوں سے رغبت نہ رکھنا جو آخرت میں نفع بخش نہ ہوں، زہد ہے۔ کوئی شخص اس وقت تک زاہد نہیں بنتا جب تک وہ دنیوی مال و دولت، منصب و ریاست، مقام و مرتبے اور اللہ کے سوا ہر چیز سے بے رغبتی اور بے نیازی نہ دکھائے۔

امام الانبیاء والمرسلین محمد رسول اللہ ﷺ امام الزاہدین اور امام المتقین بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت و رسالت کے بلند ترین درجے پر فائز کیا، دنیا کے خزانے آپ کے قدموں میں ڈھیر کر دیے۔ لیکن آپ نے صرف اللہ کی رضا اور خوشنودی کی خاطر زہد وتقویٰ اور نہایت سادہ طرز زندگی اختیار کیا۔ دنیا کی ہر نعمت پر آخرت کو ترجیح دی۔ دنیاوی نعمتوں کو حسب ضرورت استعمال کیا اور امت کو آخرت کے حصول کے طریقے اور سلیقے سکھائے۔ آپ نے دین حنیف کی تبلیغ اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے اپنی دن رات کی کوششوں اور محنتوں کا اجر دنیاوی نعمتوں کی صورت میں طلب نہیں کیا بلکہ آخرت ہی کو مطلوب و مقصود بنائے رکھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ ﴾

''(اے نبی!) کہہ دیجیے: میں تم سے اس (تبلیغ دین) پر کوئی اجر نہیں مانگتا، اور میں تکلف (بناوٹی کام) کرنے والوں میں سے نہیں۔''[2]

آئیے امام الزاہدین اور امام المتقین کی حسین زندگی سے ان کے زہد وتقوے کی چند مثالیں پڑھتے ہیں:

1 نبی اکرم ﷺ نے امت کو سادہ زندگی، فقراء اور مساکین سے محبت اور بے مثل اخروی نعمتوں کا شوق دلایا ہے۔ آپ دعا کیا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ أَحْيِنِي مِسْكِينًا وَأَمِتْنِي مِسْكِينًا وَاحْشُرْنِي فِي زُمْرَةِ الْمَسَاكِينِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

''اے اللہ! مجھے مسکین بنا کر زندہ رکھ اور مسکین بنا کر فوت کر اور مجھے روز قیامت مسکینوں ہی کی جماعت میں اٹھا۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: اس کی وجہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا:

---

1 مسند احمد: 654۔ 2 ص 38:86.

فإنهم يدخلون الجنة قبل أغنيائهم بأربعين خريفا، يا عائشة! لا تردي المسكين ولو بشق تمرة، يا عائشة! أحبي المساكين وقربيهم فإن الله يقربك يوم القيامة.

''کیونکہ مساکین مالداروں سے 40 سال قبل جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ اے عائشہ! مسکین کو خالی ہاتھ نہ لوٹاؤ۔ اگر آدھی کھجور بھی ہو تو وہی دے دو۔ اے عائشہ! مساکین سے محبت کرو اور انھیں اپنے قریب رکھو کیونکہ اللہ تعالیٰ (اس کے بدلے) قیامت کے روز تمھیں اپنا قرب عطا کرے گا۔''[1]

2 رسول اللہ ﷺ کی ذاتی اور گھریلو زندگی زہد و قناعت کی اعلیٰ ترین مثال تھی۔ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے بھانجے عروہ کو بتاتی ہیں:

ابن أختي! إن كنا لننظر إلى الهلال ثم الهلال ثلاثة أهلة في شهرين وما أوقدت في أبيات رسول الله ﷺ نار، فقلت: يا خالة! ما كان يعيشكم؟ قالت: الأسودان: التمر والماء، إلا أنه قد كان لرسول الله ﷺ جيران من الأنصار كانت لهم منائح وكانوا يمنحون رسول الله ﷺ من ألبانهم فيسقينا

''اے میرے بھانجے! ہم چاند دیکھتے، پھر دوسرا چاند دیکھتے، اس طرح دو ماہ میں تین چاند دیکھتے اور اس دوران میں رسول اللہ ﷺ کے گھروں میں سے کسی گھر میں آگ نہیں جلتی تھی۔ میں نے عرض کیا: خالہ جان! ایسے حالات میں آپ کی گزر بسر کس چیز پر ہوتی تھی؟ انھوں نے فرمایا: دو کالی چیزوں: کھجور اور پانی پر (گزارہ کرتے تھے)۔ البتہ رسول اللہ ﷺ کے کچھ پڑوسی انصاری تھے جن کے پاس دودھ دینے والی بکریاں تھیں۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس دودھ کا تحفہ بھیجتے تو آپ ہمیں بھی پلاتے تھے۔''[2]

آپ ﷺ اللہ رب العزت سے اپنے لیے اتنا ہی رزق مانگتے تھے جس سے گزارہ ہو جائے۔ مال و اسباب کے ڈھیر جمع کرنا آپ کو قطعاً گوارا نہ تھا۔ آپ دعا کرتے تھے: اللهم اجعل رزق آل محمد قوتا ''اے اللہ! آل محمد کو بقدر گزارہ رزق عطا فرما۔''[3]

آپ ہر طرح کے فخر و غرور اور ناز و نخرے سے پاک تھے۔ آپ ﷺ کی غذا بہت سادہ تھی۔ جو کچھ میسر آتا، وہی کھا لیتے تھے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے تھے۔

حضرت عابس سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: کیا نبی ﷺ نے قربانی کا

1 جامع الترمذي: 2352، 2 صحيح البخاري: 2567، 3 صحيح مسلم: 1055

گوشت تین دن سے زیادہ دن تک کھانے سے منع کیا ہے؟ انھوں نے کہا: صرف ایک سال منع کیا تھا جس سال لوگ (قحط کے سبب) بھوکے تھے۔ آپ ﷺ نے ارادہ کیا کہ مال دار لوگ غریبوں کو گوشت کھلا دیں۔ ہم پائے رکھ لیتے تھے اور انھیں پندرہ دن کے بعد کھاتے تھے۔ ان سے دریافت کیا گیا کہ ایسا کرنے کی وجہ کیا تھی؟ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اس سوال پر ہنس پڑیں اور فرمایا کہ حضرت محمد ﷺ کی آل واولاد نے سالن کے ساتھ گیہوں کی روٹی لگاتار تین دن تک کبھی نہیں کھائی حتی کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے جا ملے۔[1]

صحیح مسلم میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے لیکن آپ ﷺ نے کبھی ایک ہی دن میں دو بار روٹی اور تیل نہیں کھایا۔[2]

اسی طرح آپ نے باریک چھنے ہوئے آٹے کی روٹی اور بھنا ہوا گوشت نہیں کھایا۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

ما أكل النبي ﷺ خبزا مرققا، ولا شاة مسموطة حتى لقي الله.

''نبی ﷺ نے کبھی میدے سے تیار شدہ باریک چپاتی نہیں کھائی اور نہ کبھی بھونی ہوئی بکری تناول فرمائی حتی کہ آپ اللہ تعالیٰ سے جا ملے۔''[3]

آپ ﷺ کی زندگی سادگی کا نمونہ تھی۔ کھانے پینے کی اشیاء کی قلت اور بھوک پیاس آپ ﷺ کی زندگی کا لازمہ بن گئی تھی۔ کئی کئی دن کھانے کو کچھ بھی میسر نہ آتا تھا۔ مگر آپ اللہ کے بے حد شکر گزار اور اس کی نعمتوں پر قانع تھے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اہل بیت کئی کئی دن بھوکے رہتے تھے۔ انھیں رات کا کھانا میسر نہ آتا تھا۔ وہ بالعموم جو کی روٹی کھاتے تھے۔[4]

آپ ایک مسافر کی طرح کم سے کم زادِ راہ رکھنے کے قائل تھے۔ طرح طرح کے تکلفات، آسائشیں اور نرم و نازک بستر آپ کی خواہش نہ تھی۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ چٹائی پر سوئے ہوئے تھے، چٹائی کے نشانات آپ کے جسم مبارک پر نقش ہوگئے۔ ہم نے عرض کی: حضور! کیا ہم آپ کے لیے قدرے نرم بستر کا بندوبست کر دیں؟ آپ نے فرمایا:

«ما لي وللدنيا، ما أنا في الدنيا إلا كراكب استظل تحت شجرة، ثم راح وتركها»

''مجھے دنیا سے کیا سروکار ہے۔ میں دنیا میں ایک مسافر کی طرح ہوں جو کسی درخت تلے آرام کے لیے کچھ دیر رکتا ہے، پھر چل دیتا ہے اور درخت کو چھوڑ جاتا ہے۔''[5]

1 صحیح البخاري: 5423، 2 صحیح مسلم: 2974، 3 صحیح البخاري: 5385، 4 جامع الترمذي: 2360، 5 جامع الترمذي: 2377

آپ ﷺ نے زندگی بھر کوئی مال و اسباب جمع نہیں کیا۔ جب آپ اس دنیا سے رخصت ہوئے تو آپ کے گھر کی کل متاع یہی تھی جو سیدنا عمرو بن حارث رضی اللہ عنہ نے بتائی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

مَا تَرَكَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَّا سِلَاحَهُ وَبَغْلَتَهُ الْبَيْضَاءَ وَأَرْضًا تَرَكَهَا صَدَقَةً.

''نبی ﷺ نے وفات کے بعد اپنے ہتھیار، ایک سفید خچر اور کچھ زمین کے سوا کوئی ترکہ نہیں چھوڑا۔ آپ ﷺ اپنی زمین بھی خود ہی صدقہ کر گئے تھے۔''[1]

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

تُوُفِّيَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَمَا فِي بَيْتِي مِنْ شَيْءٍ يَأْكُلُهُ ذُو كَبِدٍ إِلَّا شَطْرُ شَعِيرٍ فِي رَفٍّ لِي، فَأَكَلْتُ مِنْهُ حَتّٰى طَالَ عَلَيَّ فَكِلْتُهُ فَفَنِيَ.

''رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو میرے گھر میں کوئی ایسی چیز نہیں تھی جو کسی جگر والے جاندار کی خوراک بن سکتی۔ ہاں، کچھ جو طاق میں رکھے ہوئے تھے، میں انھی سے کھاتی رہی یہاں تک کہ کافی عرصہ گزر گیا۔ ایک دن میں نے انھیں ناپا تو وہ جلدی ختم ہو گئے۔''[2]

مزید فرمایا:

تُوُفِّيَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَدِرْعُهُ مَرْهُونَةٌ عِنْدَ يَهُودِيٍّ بِثَلَاثِينَ صَاعًا مِنْ شَعِيرٍ.

''رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس تیس صاع جو کے عوض گروی رکھی ہوئی تھی۔''[3]

آپ کا ذاتی بستر کیسا تھا؟ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: كَانَ فِرَاشُ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ مِنْ أَدَمٍ، وَحَشْوُهُ مِنْ لِيفٍ. ''رسول اللہ ﷺ کا بستر چمڑے کا تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔''[4]

نکاح، معاشرت اور حبِ نساء

رسول اللہ ﷺ عرب کے جس معاشرے میں مبعوث ہوئے، وہ ظلم اور جہالت کے اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ عورت دیگر مظلوم طبقات میں سب سے زیادہ مظلوم تھی۔ محسن انسانیت ﷺ نے عورت کو ظلم و جبر کے نظام سے نجات دلائی اور اسے معاشرے میں نہایت باوقار مقام عطا کیا۔ عورت کے حقوق کا تعین کیا اور اس کی حفاظت کا بڑا مضبوط حصار بنایا۔ اسے گھر کی ملکہ کی حیثیت عطا کی۔ شوہر کی اطاعت اور خدمت کے صلے میں اسے جنت کی نوید دی، بحیثیت

1 صحيح البخاري: 3098. 2 صحيح البخاري: 3097. 3 صحيح البخاري: 2916. 4 صحيح البخاري: 6456.

ماں اس کے قدموں تلے اولاد کی جنت بنا دی۔ بیٹیوں سے محبت اور پرورش کے ذریعے جنت کی خوشخبری سنائی۔

زمانہ جاہلیت میں ایک عورت سے کئی کئی مرد نکاح کرتے تھے اور اسے اپنی ہوس کا کھلونا اور ظلم وستم کا نشانہ بناتے۔ آپ ﷺ نے نکاح کا پاکیزہ اور باعزت نظام وضع کیا۔ جاہلی معاشرے میں بیوہ اور مطلقہ عورت کی حیثیت جانوروں سے بھی کم تر تھی، رسول اللہ ﷺ نے متعدد بیوہ اور مطلقہ خواتین سے شادی کر کے اس ظلم کا سد باب کر دیا۔ آپ نے اپنے اسوۂ حسنہ سے مرد اور عورت کو اپنی اپنی ذمہ داریوں کے دائرہ کار میں بہترین زندگی بسر کرنے کے اصول سمجھائے۔

آپ ﷺ نے عورتوں کے ساتھ محبت ونرمی کے ساتھ پیش آنے کا حکم دیا۔ ارشادِ گرامی ہے:

"استوصوا بالنساء، فإن المرأة خلقت من ضلع، وإن أعوج شيء في الضلع أعلاه، فإن ذهبت تقيمه كسرته، وإن تركته لم يزل أعوج، فاستوصوا بالنساء."

''عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو کیونکہ عورت پسلی سے پیدا ہوئی ہے اور پسلی میں سب سے زیادہ ٹیڑھا حصہ اس کے اوپر والا ہے۔ اگر تم اسے سیدھا کرنا شروع کر دو گے تو اسے توڑ ڈالو گے اور اگر اسے اس کے حال پر چھوڑ دو تو وہ ہمیشہ ٹیڑھی رہے گی، لہٰذا عورتوں کے ساتھ بھلائی کی وصیت قبول کرو اور ان سے حسنِ سلوک سے پیش آؤ۔''[1]

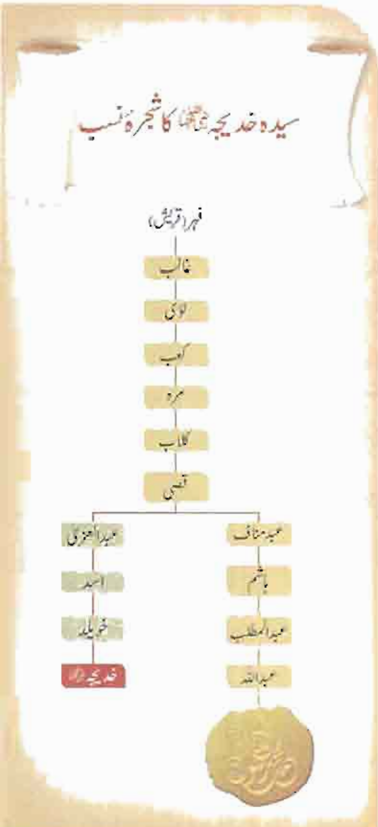
فی الجملہ رسول اللہ ﷺ نے عورت کو اتنی عظمت اور فضیلت بخشی کہ نماز اور خوشبو کے ساتھ اس کا تذکرہ کر کے اُسے ہمیشہ کے لیے معظم بنا دیا: "حبب إلي النساء والطيب وجعلت قرة عيني في الصلاة" ''مجھے عورتیں (بیویاں) اور خوشبو بڑی محبوب ہے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔''[2]

آپ نے اپنی اہلیہ کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے والے شخص کو بہترین آدمی قرار دیا۔ آپ کا ارشادِ گرامی ہے: "خيركم خيركم لأهله وأنا خيركم لأهلي" ''تم میں سے بہترین آدمی وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے بہترین ہے اور میں تم سب سے بڑھ کر اپنے گھر والوں کے لیے بہتر ہوں۔''[3]

آپ اپنی ازواجِ مطہرات کے ساتھ نہایت محبت وشفقت سے پیش آتے تھے۔ سب کو ضروریاتِ زندگی میں برابر کا حصہ عطا کرتے۔ سفر میں جانا ہوتا تو قرعہ اندازی کے ذریعہ شریکِ سفر کا انتخاب فرماتے۔ البتہ قلبی محبت میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا مقام دیگر ازواج سے بلند تھا۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے انھیں سریہ ذات السلاسل میں امیر بنا کر بھیجا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں (واپس) آپ ﷺ کے پاس آیا تو میں نے عرض کیا:

[1] صحیح البخاری: 3331 [2] سنن النسائی: 3879 [3] سنن ابن ماجہ: 1977

سب لوگوں میں کون شخص آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہے؟ آپ نے فرمایا: ''عائشہ۔'' میں نے عرض کیا: مردوں میں سے کون؟ آپ نے فرمایا: ''ان کے والد گرامی۔'' میں نے پوچھا: پھر کون؟ آپ نے فرمایا: ''پھر عمر بن خطاب۔'' پھر آپ ﷺ نے اسی طرح درجہ بدرجہ کئی افراد کے نام لیے۔[1]



سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کی غمگسار بیوی تھیں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اولاد بھی انھی سے عطا فرمائی، اس لیے آپ کو سیدہ خدیجہ سے بھی خاص انس تھا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کے اس خاص انس کو اجاگر کرتے ہوئے فرماتی ہیں: میں نے نبی ﷺ کی کسی بیوی پر اتنی غیرت نہیں کی جس قدر غیرت میں نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پر کی، حالانکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ میرے نکاح سے پہلے ہی وفات پا گئی تھیں۔ اس کا سبب یہ تھا کہ میں آپ ﷺ کو (کثرت سے) ان کا ذکر خیر کرتے ہوئے سنا کرتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم دیا تھا کہ انھیں موتی کے محل کی بشارت دے دیں۔ جب آپ بکری ذبح کرتے تو خدیجہ کی سہیلیوں کو بطور ہدیہ اتنا گوشت بھیجتے جو ان کے لیے کافی ہو جاتا۔[2]

1 صحیح البخاری: 3662، 2 صحیح البخاری: 3816.

حیاتِ طیبہ کے معمولاتِ مبارک

محمد رسول اللہ ﷺ پیغمبر آخر الزماں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی شریعت قیامت تک کے لیے جاری فرمائی ہے۔ آپ ﷺ پر قرآن کریم جو اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے، نازل ہوئی۔ یہ مقدس کتاب اولادِ آدم کو ہر زمانے اور زندگی کے ہر گوشے میں رہنمائی مہیا کرتی ہے اور آخرت پر ایمان اور آئندہ وقوع پذیر ہونے والے واقعات سے روشناس کراتی ہے۔ اس میں انسانیت کی ابتدا، اس کے تدریجی تسلسل اور پیغمبروں کی آمد، ان کی شریعتوں اور اللہ تعالیٰ کی بندگی کے اطوار و امور کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔

قرآن مجید ایک ایسی بے مثل انقلابی کتاب ہے جس کے بارے میں فرمان الٰہی ہے:

﴿ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ ﴾

”(اے نبی!) اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو آپ اسے دیکھتے کہ اللہ کے خوف سے جھک جاتا (اور) پھٹ جاتا۔“ [1]

رسول اللہ ﷺ کی مبارک زندگی کا معمول یہی تھا کہ آپ ہر دم اللہ کے احکام کی تعمیل و تبلیغ کرتے، آپ نے حکم ربانی کی تعمیل کرتے ہوئے 23 سالہ دورِ نبوت میں نہ صرف لوگوں کو قرآن کی دعوت دی بلکہ اس پر عمل کر کے بھی دکھایا۔ آپ علیہ السلام کا اس پر عمل کرنا اور لوگوں کو سکھانا سمجھانا اور انھیں ایمان لانے والوں میں شامل کرنا اتنا وسیع و رفیع عمل ہے جسے کما حقہ احاطۂ تحریر میں لانا ممکن نہیں۔ آپ ﷺ نے اپنے پیچھے ایسے تبعین رضی اللہ عنہم چھوڑے جو ختم نبوت کے باعث دعوت الی اللہ کے نبوی منصب پر فائز رہے اور کلام الٰہی دور دور تک پہنچاتے رہے۔ قرآنی تعلیمات کا یہ عظیم سلسلہ ہمیشہ چلتا رہے گا۔

قرآن مجید میں انواع و اقسام کے علوم و فنون جلوہ گر ہیں۔ اگر ہمیں قرآن پر عمل کرنا ہے تو ہمیں سیرت طیبہ کا مطالعہ کرنا پڑے گا تاکہ ہمیں معلوم ہو سکے کہ آپ ﷺ نے قرآنی احکام پر کس انداز سے عمل کیا۔

رسول اللہ ﷺ نے کافروں اور مشرکوں سے جنگیں کیں، دفاع کے لیے مختلف اسالیب اختیار فرمائے اور انھیں

---

1 الحشر 21:59

سفارتی اور جنگی محاذ پر پے در پے شکستیں دیں۔ آپ ﷺ نے پروانۂ توحید دے کر ہر سمت سفیر بھیجے اور خطوط بھی لکھے۔ وفود کا تبادلہ کیا۔ امن و سلامتی کے پرچم بلند کیے، غلامی کی زندگی سے لوگوں کو آزاد کیا۔ محتاجوں اور ضرورت مندوں پر شفقت کا ہاتھ رکھا۔ اس کے ساتھ ساتھ اپنے صحابہ کو جذبہ جہاد سے سرشار فرمایا، انھیں تعلیم و تربیت دی، آداب و اخلاق سکھائے۔ ان سے نرمی اور نوازش کا سلوک کیا اور ان کی جاہلانہ عادتوں، بدویانہ خصلتوں اور باہمی رقابت و عداوت کا خاتمہ کر کے انھیں وحدت اور اخوت کی لڑی میں پرو کر انقلاب برپا کر دیا۔

آپ ﷺ کی ذاتی زندگی کا جائزہ لیں تو معمولاتِ زندگی کے بہت سے بند دریچے کھلتے چلے جاتے ہیں۔ آپ ایک منصف شوہر، بچوں کے شفیق مربی اور محسنِ عظیم، رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرنے والے، یتیموں کے ملجا و ماویٰ، بیواؤں کا سہارا اور نہایت غریب پرور تھے۔ ہر ایک سے تبسم، ہر ایک پر لطف و عنایت اور ہر ایک کی راہنمائی کرنا صرف آپ ﷺ ہی کا شیوہ تھا۔ آپ اسی محبت بھرے انداز سے زندگی کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالتے اور لوگوں کو اللہ کے قریب کرتے ہوئے انھیں جینے کا طریقہ اور مرنے کا سلیقہ سکھاتے چلے گئے۔

رسول اللہ ﷺ کا اپنے رب سے بڑا گہرا تعلق تھا۔ آپ ﷺ خالق کائنات کو راضی کرنے کے لیے اتنا زیادہ قیام کرتے کہ پائے مبارک پر ورم آجاتا تھا۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمادیا:

يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝ قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا ۝

''اے کپڑے میں لپٹنے والے! رات میں قیام کیجیے مگر تھوڑا سا۔''[1]

رسول اللہ ﷺ جب بھی دعا مانگتے تو خوب آہ و زاری سے مانگتے اور دیر تک مانگتے رہتے تھے۔ غزوۂ بدر کی رات آپ نے اتنی آہ و زاری سے دعا کی کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! اب بس کریں۔ ایک دفعہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا اللہ نے آپ کو معاف نہیں کر دیا؟ تو آپ نے فرمایا: «أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا؟» ''اے عائشہ! کیا میں اپنے رب کا شکر گزار بندہ نہ ہوں؟''[2]

آپ ﷺ کی اپنے رب سے التجائیں اور دعائیں صرف اپنے لیے ہی نہیں بلکہ اپنی امت کے لیے بھی ہوتی تھیں۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو بھی آخرت کی تیاری اور ہمیشہ کی زندگی کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا اور دنیا کے لالچ اور طمع سے روکا۔ آپ ﷺ کی حیات مبارکہ کے مطالعے سے محسوس ہوتا ہے کہ آپ کی زندگی کس قدر مصروفیت والی تھی۔ آپ ہر لمحے اپنی امت کو اصلاح و فلاح کا اہم سبق دیتے رہے۔

1 المزمل 73: 2،1۔ 2 صحیح مسلم: 2820

رسول اللہ ﷺ کی سیرت و کردار کو قلم بند کرتے ہوئے آپ کے یومیہ اعمال اور معمولات مبارک کا تذکرہ کرنا بھی مفید معلومات سے خالی نہ ہوگا۔

آپ ﷺ کی حیات طیبہ ہر قسم کی بے اعتدالیوں سے پاک تھی۔ آپ ﷺ کے معمولات میں ایک توازن اور تسلسل پایا جاتا تھا، البتہ موقع و محل کی مناسبت سے ان میں تھوڑی بہت زمانی و مکانی تبدیلیاں رونما ہو جاتی تھیں۔

روزمرہ کی زندگی

رسول اللہ ﷺ عموماً فجر کی نماز پڑھ کر اپنی جائے نماز (مصلیٰ) پر (چار زانو ہوکر) آلتی پالتی مار کر بیٹھ جاتے یہاں تک کہ سورج نکل آتا۔ اس کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے گرد جمع ہو جاتے اور اپنی پرانی، خاص طور پر عہد جاہلی کی باتیں بیان کرتے اور ہنستے، مگر آپ ﷺ صرف تبسم فرماتے تھے۔ [1] آپ ﷺ کا ارشاد تھا کہ مجھے اس قوم کے ساتھ جو نماز فجر کے بعد سے طلوع آفتاب تک اور نماز عصر کے بعد سے غروب آفتاب تک ذکر الٰہی میں مصروف ہو، بیٹھنا اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں اولادِ اسماعیل میں سے چار غلام آزاد کروں۔ [2]

ایک روایت کے مطابق آپ ﷺ طلوع آفتاب تک صحابہ کو بنی اسرائیل کے حالات بتایا کرتے تھے۔ [3] اسی مجلس میں اگر کسی نے کوئی خواب دیکھا ہوتا تو وہ خواب سناتا اور آپ ﷺ اس کی تعبیر بیان فرما دیتے۔ [4] بلکہ آپ ﷺ صحابہ کرام کی حوصلہ افزائی کے لیے فرماتے: "تم میں سے جس نے کوئی خواب دیکھا ہو وہ مجھے بتائے، میں اس کی تعبیر بتاؤں گا۔" [5] انھی مجالس میں آپ ﷺ اپنے خواب بھی بیان فرماتے تھے۔ [6]

پھر آپ ﷺ صلاۃ الضحیٰ ادا فرماتے، جو عموماً چار سے لے کر آٹھ رکعات پر مشتمل ہوتی تھی۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بقول اگر سفر سے واپسی ہوتی تو یہ نماز گھر میں ادا فرماتے۔ [7] فتح مکہ کے دن آپ ﷺ نے یہ آٹھ نوافل سیدہ ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر میں پڑھے۔ [8]

دن چڑھے آپ ﷺ گھر تشریف لے آتے اور دریافت فرماتے کہ کھانے کو کچھ ہے؟ اگر بتایا جاتا کہ گھر میں کھانے کو کچھ نہیں ہے تو آپ ﷺ روزے کی نیت فرما لیتے۔ اور اگر کچھ موجود ہوتا تو اسے تناول فرما لیتے۔ [9] پھر دن بھر اپنے گھر کے کام کاج میں مشغول رہتے، جب نماز کا وقت ہوتا تو نماز کے لیے متوجہ ہو جاتے۔ [10] دوپہر کے وقت استراحت (قیلولہ) فرماتے۔ بعض اوقات آپ ﷺ سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے جاتے اور ان کے

[1] صحیح مسلم: 3222، سنن ابی داود: 4850، سنن النسائی: 1358. [2] سنن ابی داود: 3667. [3] سنن ابی داود: 3663. [4] صحیح مسلم: 2269. [5] صحیح البخاری: 363، صحیح مسلم: 2269. [6] صحیح البخاری: 363-365.
[7] صحیح مسلم: 717، 720. [8] صحیح مسلم: 717-720. [9] صحیح مسلم: 1154. [10] صحیح البخاری: 122.

ہاں قیلولہ فرماتے۔ سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے لیے چمڑے کا بستر بچھا دیتیں، جس پر آپ ﷺ کے جسم اطہر سے نکلنے والے پسینے کے قطرے جمع ہو جاتے، وہ ان قطروں سے عطر بنا لیتی تھیں جو بہت پسند کیا جاتا تھا۔[1] دوپہر کو آرام کرنے کا معمول سفر میں بھی ہوتا تھا۔[2]

نبی اکرم ﷺ نمازِ عصر کے بعد باری باری تمام ازواج سے مختصر ملاقات اور مزاج پرسی کے لیے ان کے گھروں میں تشریف لے جاتے۔ اس موقع پر بعض بیویاں کسی مشروب سے آپ ﷺ کی تواضع کرتیں، مثلاً: سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا اس موقع پر آپ ﷺ کو شہد پیش کرتی تھیں جسے آپ ﷺ بڑے شوق سے نوش فرماتے۔[3] ان مختصر سی ملاقاتوں کے بعد آپ ﷺ اس زوجہ مطہرہ کے گھر تشریف لے جاتے جس کے ہاں اس رات آپ ﷺ کی باری ہوتی تھی۔[4] مغرب کے بعد دیگر ازواج مطہرات بھی یہاں جمع ہو جاتیں اور عشاء تک یہ مجلس جاری رہتی۔[5] اس مجلس میں بعض اوقات آپ ﷺ کوئی دلچسپ واقعہ بھی سناتے۔[6]

عشاء کے بعد (جو اکثر قدرے تاخیر سے پڑھنے کا معمول تھا) دیگر ازواج اپنے اپنے حجروں میں چلی جاتیں۔ آپ ﷺ عموماً رات کا کھانا بھی اسی وقت تناول فرماتے۔ آپ نمازِ عشاء ادا کرنے کے بعد واپس تشریف لاتے اور سو جاتے۔ عشاء کی نماز سے پہلے سونا اور نماز کے بعد گفتگو کرنا آپ ﷺ کو ناپسند تھا۔[7]

سونے سے پہلے کا معمول

رات کو سونے سے پہلے آپ ﷺ وضو کرتے تھے۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بقول رفع حاجت کے بعد استنجا اور وضو کرنا بھی آپ ﷺ کا معمول تھا۔[8] سونے سے پہلے وضو کے لیے پانی اور مسواک[9] اور زندگی کے آخری دنوں میں لکڑی کا پیالہ آپ ﷺ کی چارپائی کے پاس رکھ دیا جاتا تھا۔[10] سونے سے قبل مسبّحات (وہ سورتیں جن کی ابتدا سَبَّحَ یا يُسَبِّحُ سے ہوتی ہے، یعنی سورۃ الحشر، سورۃ الصف، سورۃ الجمعہ، سورۃ التغابن اور سورۃ الاعلیٰ) کی تلاوت فرماتے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''ان میں ایک ایسی آیت ہے جو ہزار آیت سے افضل ہے۔''[11] ایک دوسری روایت میں سورۂ بنی اسرائیل اور سورۃ الزمر پڑھنے کی بھی صراحت ملتی ہے۔ نیز آپ سورۂ سجدہ اور سورۂ ملک کی بھی تلاوت فرماتے۔[12] ان کے علاوہ سورۃ الاخلاص اور معوذتین پڑھ کر ہاتھوں پر پھونکتے اور

1 صحیح مسلم: 2236. 2 صحیح مسلم: 853. 3 صحیح البخاری: 358. 4 صحیح مسلم: 1463. 5 صحیح مسلم: 1062. 6 الأدب المفرد للبخاری: 623/2. 7 صحیح البخاری: 153،152. 8 سنن أبي داود: 222. 9 سنن أبي داود: 56. 10 سنن أبي داود: 24. 11 سنن أبي داود: 5058، جامع الترمذي: 2921. 12 جامع الترمذي: 2920 و 2892.

پھر تمام بدن پر ہاتھ پھیرتے تھے۔[1] ایک صحابی کو آپ ﷺ نے سونے سے قبل سورۃ الکافرون پڑھنے کی بھی ہدایت فرمائی۔[2] پھر آپ ﷺ داہنی کروٹ پر، دائیں رخسار کے نیچے ایک ہاتھ رکھ کر اور قبلہ رو ہو کر بستر پر لیٹ جاتے اور یہ دعا پڑھتے تھے: اللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ أَمُوتُ وَأَحْيَا ''اے اللہ! میں تیرے ہی نام کے ساتھ سوتا ہوں اور تیرے ہی نام کے ساتھ اٹھتا ہوں۔''[3]

بعض اوقات سوتے وقت یہ دعا بھی پڑھتے:

«اللّٰهُمَّ أَسْلَمْتُ نَفْسِي إِلَيْكَ، وَوَجَّهْتُ وَجْهِي إِلَيْكَ، وَفَوَّضْتُ أَمْرِي إِلَيْكَ، وَأَلْجَأْتُ ظَهْرِي إِلَيْكَ، رَغْبَةً وَرَهْبَةً إِلَيْكَ، لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَا مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ، اللّٰهُمَّ آمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ، وَبِنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ»

''اے اللہ! میں نے اپنے نفس کو تیرے تابع کر دیا اور اپنے چہرے کا رخ تیری طرف پھیر دیا اور اپنا معاملہ تجھے سونپا، تجھے اپنا سہارا بنایا، تیری طرف رغبت اور تجھی سے خوف رکھتے ہوئے تجھی پر بھروسہ کیا، تجھ سے بچنے کی کوئی جگہ نہیں سوائے تیری پناہ میں آنے کے، اے اللہ! میں تیری اتاری ہوئی کتاب پر اور تیرے بھیجے ہوئے نبی پر ایمان لایا۔''

آپ ﷺ فرماتے تھے کہ سونے سے قبل جو شخص یہ (درج بالا) دعا پڑھے اور رات کو وفات پا جائے تو وہ فطرت اسلام پر مرے گا۔[4]

سیدہ حفصہ ؓ کے مطابق آپ ﷺ یہ دعا بھی تین مرتبہ پڑھتے تھے: اللّٰهُمَّ قِنِي عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ ''اے اللہ! مجھے اس دن اپنے عذاب سے بچا جس دن تو اپنے بندوں کو زندہ کرے گا۔''[5]

سیدنا ابوہریرہ ؓ سے منقول ہے کہ بستر پر لیٹ کر آپ ﷺ یہ دعا پڑھتے تھے:

«اللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوَاتِ وَرَبَّ الْأَرْضِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ، رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ، فَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوَى، وَمُنْزِلَ التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْفُرْقَانِ، أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ شَيْءٍ أَنْتَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهِ، اللّٰهُمَّ أَنْتَ الْأَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ، وَأَنْتَ الْآخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ، وَأَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ، وَأَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُونَكَ شَيْءٌ، اقْضِ عَنَّا الدَّيْنَ وَأَغْنِنَا مِنَ الْفَقْرِ»

1 جامع الترمذي: 4302، 4303. 2 سنن أبي داود: 5055. 3 صحيح البخاري: 6314. 4 صحيح البخاري: 6315، صحيح مسلم: 2710، سنن أبي داود: 5046. 4 سنن أبي داود: 5045

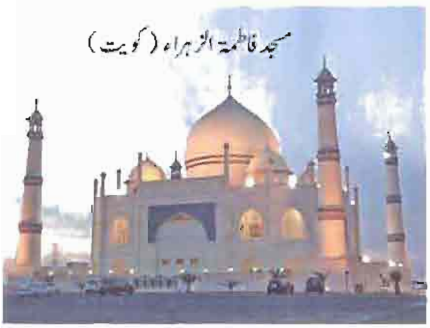

تورات کا نسخہ (1435ء)

''اے اللہ! آسمانوں، زمین، عرش عظیم اور ہر شے کے پروردگار، دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والے، تورات، انجیل اور قرآن کو اتارنے والے، میں ہر اس شے کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں جسے تو اس کی پیشانی سے پکڑنے والا ہے۔ اے اللہ! تو ہی سب سے پہلے ہے، تجھ سے پہلے کوئی نہیں، اور تو ہی آخر ہے، تیرے بعد کوئی نہیں، تو ہی ظاہر ہے، تجھ سے بالا تر کوئی نہیں، تو ہی باطن ہے تجھ سے مخفی کوئی چیز نہیں، ہمارا قرض اتار دے، ہمیں محتاجی سے بچا اور تونگری عطا فرما۔'' [1]

دسویں صدی کا انجیل کا نسخہ (جرمنی)



آپ ﷺ نے اپنی صاحبزادی سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو سونے سے پہلے 33 مرتبہ سبحان اللہ، 33 مرتبہ الحمدللہ اور 34 مرتبہ اللہ اکبر پڑھنے کی تلقین فرمائی۔ ایک دوسری روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ گنتی میں تو سو ہی ہیں مگر میزان عمل میں پورے ہزار ہیں۔ [2]


مسجد فاطمۃ الزہراء (کویت)

نیند سے بیداری کی صورتحال

نبی کریم ﷺ جب نیند سے بیدار ہوتے تو فرماتے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُورُ

''تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے ہمیں مارنے (سونے) کے بعد زندہ کیا اور اسی کی طرف جی اٹھنا ہے۔'' [3]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے مطابق آپ ﷺ دس مرتبہ الحمدللہ، دس بار سبحان اللہ، دس مرتبہ لا الٰہ الا اللہ اور دس مرتبہ استغفار پڑھتے اور پھر فرماتے: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي وَاهْدِنِي وَارْزُقْنِي وَعَافِنِي ''اے اللہ! تو میری مغفرت فرما، مجھے ہدایت دے، مجھے روزی دے اور مجھے عافیت عطا فرما۔'' [4]

اگر اتفاقاً رات کو آنکھ کھل جائے تو یہ دعا پڑھنے کی تلقین فرماتے تھے۔

1 صحیح مسلم: 2713، جامع الترمذی: 3400۔ 2 صحیح البخاری: 6318، صحیح مسلم: 2727، سنن ابی داود: 5065۔ 3 صحیح البخاری: 6314۔ 4 سنن ابی داود: 766

«لا إله إلا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير، وسبحان الله والحمد لله ولا إله إلا الله والله أكبر ولا حول ولا قوة إلا بالله، ثم قال: رب اغفر لي»

''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کے لیے تمام تعریفیں ہیں، اور وہ ہر شے پر قادر ہے، اللہ پاک ہے اور تمام تعریفوں کے لائق ہے اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ سب سے بڑا ہے اور کوئی طاقت اور قدرت نہیں مگر اللہ کے ساتھ۔ پھر وہ کہے: اے اللہ! تو میری بخشش فرما۔''

آپ ﷺ کا ارشاد تھا کہ اس کے بعد اگر کوئی دعا مانگی جائے تو ضرور قبول ہوگی اور اگر ارادہ کر کے اٹھے اور وضو کر کے نماز پڑھے تو وہ بھی عنداللہ مقبول ہوگی۔[1]

تہجد سے پہلے کا معمول

نبی اکرم ﷺ نمازِ تہجد کی تیاری کرتے ہوئے آسمان کی جانب نظر کر کے سورۂ آل عمران کی آخری دس آیت تلاوت فرماتے تھے۔[2] سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس موقع پر آپ ﷺ کی یہ دعا نقل فرماتے ہیں:

«اللهم لك الحمد، أنت نور السماوات والأرض ومن فيهن، ولك الحمد أنت قيم السماوات والأرض ومن فيهن، ولك الحمد أنت الحق، ووعدك حق، وقولك حق، ولقاؤك حق، والجنة حق، والنار حق، والساعة حق، والنبيون حق، ومحمد حق، اللهم لك أسلمت، وعليك توكلت، وبك آمنت، وإليك أنبت، وبك خاصمت، وإليك حاكمت، فاغفر لي ما قدمت وما أخرت، وما أسررت وما أعلنت، أنت المقدم وأنت المؤخر، لا إله إلا أنت، أو لا إله غيرك»

''اے اللہ! تمام تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں۔ تو ہی آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے، سب کا نور ہے، تمام حمد تیرے لیے ہے، تو ہی آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے، سب کو قائم رکھنے والا ہے۔ تمام تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں۔ تو برحق ہے، تیرا وعدہ برحق ہے، تیری

1 جامع الترمذي: 3414. 2 صحيح البخاري: 992، 4570، صحيح مسلم: (191)-763

بات برحق ہے، تجھ سے قیامت کے دن کی ملاقات برحق ہے، جنت برحق ہے، جہنم برحق ہے، قیامت برحق ہے، تمام انبیاء ﷺ برحق ہیں، محمد ﷺ برحق ہیں، اے اللہ! میں نے تیری ہی اطاعت قبول کی، تجھ ہی پر بھروسہ کیا، تجھ ہی پر ایمان لایا، تیری ہی جانب رجوع کیا، تیری ہی طاقت و قدرت کے ساتھ میں نے دشمنوں سے مقابلہ کیا، میں تجھی سے فیصلہ چاہتا ہوں، تو میرے اگلے پچھلے، خفیہ اور ظاہر گناہ معاف کر دے۔ تو ہی ہر شے کو آگے کرنے والا اور تو ہی پیچھے کرنے والا ہے، تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔“[1]

نماز تہجد کا معمول

پھر رسول اللہ ﷺ رفع حاجت سے فارغ ہو کر اچھی طرح مسواک فرماتے۔[2] اس کے بعد وضو کرتے اور بشمول وتر گیارہ رکعات ادا فرماتے۔[3] یہ نماز آپ ﷺ نے زندگی بھر نہایت پابندی کے ساتھ ادا کی سوائے ایک یا دو راتوں کے جبکہ آپ ﷺ کی طبیعت ناساز تھی۔ اس نماز کے اہتمام کا عالم یہ تھا کہ آپ ﷺ اتنا طویل قیام فرماتے کہ آپ ﷺ کے پاؤں مبارک سوج جاتے۔ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کے مطابق آپ ﷺ نے ایک مرتبہ ایک رکعت میں سورۃ البقرہ، سورۃ النساء اور سورۂ آل عمران تلاوت فرمائی۔ ایک شب آپ ﷺ نے سبع طوال، یعنی سات لمبی سورتیں تلاوت فرمائیں۔

دوران تلاوت ہر تسبیح والی آیت پر آپ ﷺ تسبیح فرماتے، ہر سوال والی آیت پر اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے، ہر پناہ والی آیت پر اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے۔[4] ایک شب آپ ﷺ نے پوری رات سورۃ المائدہ کی یہ آیت پڑھتے ہوئے بسر کر دی:

إِن تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۖ وَإِن تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ‎﴿المآئدۃ 5: 118﴾

”(اے اللہ!) اگر تو انھیں عذاب دے گا، تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انھیں معاف کر دے گا تو بے شک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔“[5]

رمضان المبارک میں شب بیداری کا اہتمام بہت زیادہ بڑھ جاتا اور آپ ﷺ لمبی لمبی نمازیں ادا فرماتے تھے۔[6] بعض اوقات وتروں سے قبل اور کبھی ہر دو رکعتوں کے بعد کچھ دیر کے لیے سو بھی جاتے، پھر اٹھ کر وضو کرتے اور بقیہ نماز پوری فرماتے۔ رات کی یہ نماز عموماً دو دو رکعات پر مشتمل ہوتی تھی۔[7] اس میں رکوع اور سجدے کا یہ حال ہوتا

1 صحیح البخاری: 6317، صحیح مسلم: 769. 2 سنن أبي داود: 56. 3 صحیح البخاری: 1147، صحیح مسلم: 738. 4 صحیح مسلم: 772. 5 سنن النسائی: 1011. 6 جامع الترمذي: 806، سنن أبي داود: 1375. 7 صحیح البخاری: 990-993، صحیح مسلم: 749، 752، 768.

کہ دیکھنے والا یہ فرق محسوس نہیں کرتا تھا کہ قیام طویل تھا یا رکوع وسجدہ۔[1] سیدہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) کے بقول آپ ﷺ کا سجدہ 50 آیات کی تلاوت کے مساوی ہوتا تھا۔[2] وتروں میں آپ ﷺ علی الترتیب سورۃ الاعلیٰ، سورۃ الکافرون اور سورۃ الاخلاص پڑھتے تھے اور نماز کے اختتام پر آپ ﷺ تین مرتبہ فرماتے: "سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ" "پاک ہے بادشاہ اور پاکیزہ ہے۔" آپ ﷺ ان کلمات کو تیسری مرتبہ ذرا بلند آواز سے پڑھا کرتے تھے۔[3] اذانِ فجر کے بعد آپ ﷺ فجر کی دو سنتیں مختصر ادا کر کے اپنے داہنے پہلو پر لیٹ کر استراحت فرماتے تھے۔ ام المومنین سیدہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) فرماتی ہیں کہ اگر میں جاگ رہی ہوتی تو آپ لیٹنے کے بجائے مجھ سے بات چیت فرماتے۔ اور جب موذن نمازِ فجر کے لیے بلانے آتا تو آپ ﷺ اٹھ کر باہر تشریف لے جاتے اور نمازِ فجر کی امامت فرماتے۔

صبح وشام کا معمول

نبی اکرم ﷺ کے نزدیک صبح وشام کے اوقات بڑی اہمیت رکھتے تھے، جس کی وجہ شاید یہ ہے کہ ان اوقات میں دنیا میں ایک تبدیلی ظہور میں آتی ہے، ایک مرحلہ مکمل ہو جاتا ہے اور دوسرے کی ابتدا ہو رہی ہوتی ہے۔ اسی لیے قرآن کریم میں بے شمار موقعوں پر صبح وشام کے وقت عبادت اور تسبیح وتہلیل پر زور دیا گیا ہے۔ اسی بنا پر آپ ﷺ نے انتباہ فرمایا کہ جو شخص صبح نماز کے لیے وقت پر نہیں اٹھتا، اس پر شیطان غالب آ جاتا ہے اور وہ تمام دن تھکاوٹ اور کسل مندی محسوس کرتا رہتا ہے۔ آپ ﷺ ان اوقات کو بہت سی دعاؤں اور اذکار سے معمور رکھتے تھے۔[4]

معمولاتِ طہارت

نبی اکرم ﷺ کی صفاتِ عالیہ میں سے "طیب وطاہر" کی صفت بہت نمایاں ہے۔ اس کا مطلب ہے: عمدہ اور پاکیزہ۔ آپ ﷺ جسمانی اور روحانی طہارت کا بہت خیال رکھتے تھے۔ دن ہو یا رات آپ ﷺ ایک لمحہ بھی طہارت کے بغیر رہنا گوارا نہیں فرماتے تھے۔

آپ ﷺ رفعِ حاجت کے لیے بہت دور (بعض اوقات تقریباً 2 میل تک) نکل جاتے، جہاں سے بمشکل آدمی دکھائی دے سکے۔[5] رفعِ حاجت کے لیے جانے سے پہلے آپ ﷺ یہ دعا ضرور پڑھتے تھے:

بِسْمِ اللّٰهِ، اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ

1 صحیح البخاری: 792، صحیح مسلم: 471. 2 صحیح البخاری: 994. 3 سنن ابی داؤد: 1430، سنن النسائی: 1733، السنن الکبریٰ: 38/3. 4 صحیح البخاری: 1142، صحیح مسلم: 2723، مسند احمد: 407/3. 5 سنن ابی داؤد: 2،1، جامع الترمذی: 20، سنن ابن ماجہ: 299، زاد المعاد: 172،171/1

"اللہ کے نام کے ساتھ، اے اللہ! میں گندگی سے اور گندگی والی اشیاء سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔"[1]

آپ ﷺ کھلی جگہ پر دورانِ قضائے حاجت قبلے کی طرف منہ اور کمر کرنے سے پرہیز فرماتے۔[2] جب تک زمین پر بیٹھ نہ جاتے، اس وقت تک کپڑے نہیں اٹھاتے تھے۔ ایک آدھ موقع کے سوا ہمیشہ بیٹھ کر رفع حاجت کرتے تھے۔[3] آپ ﷺ رفع حاجت کے لیے جانے سے قبل اپنی انگوٹھی (جس پر محمد رسول اللہ کے الفاظ کندہ تھے) باہر اتار کر رکھ جاتے تھے۔[4] آپ ﷺ استنجا ایسی اشیاء سے فرماتے جن سے پوری طرح طہارت ہوتی ہے، مثلاً: پاک مٹی کے ڈھیلے، پتھر وغیرہ۔ ایسی اشیاء جو طہارت کرنے والی نہیں ہیں (مثلاً: کوئلہ، لید، گوبر اور ہڈی وغیرہ)، ان سے استنجا کرنا آپ ﷺ کو ناپسند تھا۔[5] پھر آپ ﷺ پانی استعمال فرماتے۔[6] استنجا کے بعد زمین پر ہاتھ مار کر اپنے دونوں ہاتھ اچھی طرح رگڑ رگڑ کر دھوتے تھے۔[7] اس سے فارغ ہو کر جب آپ ﷺ بیت الخلاء سے باہر نکلتے تو فرماتے: غفرانك "اے اللہ! مجھے معاف فرما۔"[8]

مسواک و وضو کے معمولات

مسواک زندگی بھر آپ ﷺ کا خاص معمول رہی، یہاں تک کہ آخری لمحات میں بھی سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کا شوق دیکھ کر آپ ﷺ کو مسواک کرائی، اس عمل سے چہرہ مبارک فرطِ مسرت سے تمتمانے لگا۔[9] آپ ﷺ کو مسواک اس قدر پسند تھی کہ آپ فرماتے تھے:

«لولا أن أشق على أمتي لأمرتهم بالسواك عند كل صلاة»

"اگر میری امت پر گراں نہ ہوتا تو میں ان کو ہر نماز کے ساتھ مسواک کرنے کا حکم دیتا۔"[10]

آپ ﷺ ہر نماز کے لیے تازہ وضو فرماتے۔ اور ہر وضو میں اچھی طرح مسواک کرتے اور دوسروں کو بھی آپ ﷺ کی یہی تلقین تھی کہ اگر ہر نماز کے لیے وضو نہ کیا جا سکے تو مسواک ضرور کر لینی چاہیے۔[11] سونے سے پہلے بھی مسواک کرنا آپ ﷺ کا معمول تھا۔ اسی طرح آپ ﷺ بیدار ہوتے ہی مسواک ضرور کرتے تھے۔[12] وضو سے پہلے آپ ﷺ بسم اللہ پڑھتے، پھر برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے اپنے ہاتھوں پر پانی ڈال کر انھیں ایک،

1 صحيح البخاري: 142، صحيح مسلم: 375. 2 صحيح البخاري: 394، صحيح مسلم: 265،264، سنن ابن ماجه: 313. 3 سنن ابن ماجه: 342، سنن أبي داود: 14،15،17. 4 سنن ابن ماجه: 313. 5 سنن أبي داود: 35. 6 صحيح البخاري: 150، صحيح مسلم: 270. 7 سنن أبي داود: 45. 8 جامع الترمذي: 7، سنن ابن ماجه: 300، سنن أبي داود: 30. 9 صحيح البخاري: 4438. 10 صحيح البخاري: 887، صحيح مسلم: 252. 11 سنن أبي داود: 48. 12 صحيح البخاري: 245، صحيح مسلم: 255، سنن أبي داود: 57

دو یا تین مرتبہ دھوتے، پھر ایک یا دو تین چلوؤں سے اچھی طرح کلی کرتے اور ناک میں پانی ڈال کر اسے صاف کرتے، پھر تین مرتبہ چہرہ دھوتے، پھر پہلے اپنا دایاں اور پھر بایاں ہاتھ کہنی سمیت (ایک، دو یا تین مرتبہ) دھوتے، پھر سر کا مسح فرماتے، پھر پہلے دائیں، پھر بائیں پاؤں کو دھوتے۔ [1] اگر موزے پہنے ہوتے تو انھیں اتارے بغیر ان پر مسح فرماتے۔ [2] دوران وضو داڑھی کا خلال اور پاؤں کی انگلیوں کے خلال کا بھی معمول تھا۔ [3] دوران وضو آپ ﷺ سے بسم اللہ کے سوا اور کوئی دعا منقول نہیں، البتہ وضو کے بعد آپ ﷺ یہ دعا پڑھتے تھے:

أشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له وأشهد أن محمدا عبده ورسوله، اللهم اجعلني من التوابين واجعلني من المتطهرين

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک محمد اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اے اللہ! مجھے توبہ کرنے والا اور خوب اچھی طرح پاکیزگی حاصل کرنے والا بنا۔'' [4]

آپ ﷺ عموماً ایک مُد (تقریباً چھ سو گرام) پانی سے وضو اور ایک صاع (تقریباً سوا دو کلو) پانی سے غسل فرما لیا کرتے تھے۔ [5] پانی کی اس سے زیادہ مقدار بھی مروی ہے۔ [6] وضو کے بعد بعض روایات کے مطابق کپڑے سے منہ وغیرہ پونچھ لیتے تھے۔ [7] اور بعض روایات کے مطابق آپ ﷺ ایسا نہیں کرتے تھے۔ گویا آپ ﷺ کی سنت مبارکہ میں دونوں طرح کی گنجائش موجود ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا طریقہ غسل

رسول اللہ ﷺ کے غسل کا طریقہ یہ تھا کہ آپ ﷺ پہلے اپنے دونوں ہاتھ دو یا تین مرتبہ دھوتے، پھر استنجا کرتے۔ بعدازاں زمین پر ہاتھ مار کر انھیں اچھی طرح صاف کرتے، پھر کلی کرتے اور پانی ڈال کر ناک صاف کرتے، پھر چہرۂ مبارک دھوتے، پھر کہنیوں سمیت ہاتھ دھوتے، پھر تین بار سر پر پانی ڈال کر بالوں کی جڑوں تک پہنچاتے، پھر اپنے تمام بدن پر پانی ڈالتے، پھر اس جگہ سے ہٹ کر اپنے پاؤں دھوتے۔ [8] ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے مطابق آپ غسل میں بھی نماز کی طرح پورا وضو فرماتے تھے، پھر دائیں کندھے پر پانی ڈالتے، پھر

1 صحيح البخاري: 159، صحيح مسلم: 226، سنن ابن ماجه: 295، سنن النسائي: 78. 2 صحيح البخاري: 206، صحيح مسلم: 274. 3 سنن أبي داود: 145، جامع الترمذي: 31,39. 4 جامع الترمذي: 55. 5 صحيح مسلم: 325,321,320. 6 سنن أبي داود: 238. 7 جامع الترمذي: 54,53. 8 صحيح البخاري: 265، سنن أبي داود: 245، صحيح مسلم: 317

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] 170 [illegible]
[illegible] اسی دارد [illegible]

حدیقة الانوار، العوالی (مدینہ منورہ)



آپ ﷺ عصر کی نماز اس وقت ادا فرماتے جب سورج اونچا اور خوب چمک رہا ہوتا تھا۔ کوئی جانے والا عوالی یعنی مدینے کی بالائی بستیوں کی طرف جاتا اور اپنی منزل پر پہنچ جاتا تھا جبکہ سورج ابھی اونچا ہوتا تھا۔[1] عصر کی پہلی دو رکعتوں میں آپ ﷺ کا قیام ظہر کی آخری دو رکعتوں کے قیام سے قدرے کم ہوتا تھا۔ ظہر اور عصر میں قراءت مخفی ہوتی تھی، مگر آپ ﷺ کبھی کبھار، دوسروں کو بتانے کے لیے کوئی ایک آدھ آیت بلند آواز سے بھی پڑھ دیتے تھے۔[2]

نمازِ مغرب آفتاب غروب ہوتے ہی جلد پڑھنے کا معمول تھا، یہاں تک کہ نماز کے بعد تیر مارنے کی جگہ دکھائی دے سکتی تھی۔ کبھی نمازِ مغرب میں سورۂ مرسلات یا سورۂ طور (یا اس کے مطابق کوئی سورت) پڑھتے تھے۔[3]

عشاء کی نماز آپ ﷺ تاخیر سے پڑھتے تھے۔ مگر دوسری روایت کے مطابق اگر لوگ جمع ہو جاتے تو جلدی بصورتِ دیگر تاخیر ہی سے ادا فرماتے تھے۔[4] عشاء کی نماز میں آپ ﷺ سورۃ الاعلیٰ، سورۃ الشمس اور سورۃ التین جیسی سورتیں تلاوت فرماتے تھے۔[5]

نماز باجماعت میں آپ ﷺ خود بھی تخفیف کے حکم پر عمل کرتے اور دوسروں کو بھی تخفیف کی تاکید فرماتے تھے۔ جمعہ کی پہلی رکعت میں سورۂ جمعہ، دوسری رکعت میں سورۂ منافقون اور کبھی سورۃ الاعلیٰ اور سورۃ الغاشیہ پڑھتے تھے۔ علامہ ابن قیم کے مطابق ان سورتوں کا مکمل طور پر پڑھنا سنت ہے نہ کہ بعض حصوں کا۔ آپ ﷺ عیدین میں بھی دونوں متاخر الذکر سورتیں تلاوت فرماتے تھے۔[6]

روزے کے معمولات

آپ ﷺ رمضان المبارک کے علاوہ بھی بڑی کثرت سے روزے رکھتے تھے۔ آپ ﷺ کو صوم داؤدی (ایک دن روزہ اور ایک دن افطار) زیادہ محبوب تھا۔[7] رمضان المبارک کے پورے مہینے کے علاوہ شعبان میں بھی بکثرت

1 صحیح البخاری : 550، صحیح مسلم : 621. 2 صحیح مسلم : 451-453. 3 صحیح البخاری : 765، 763، صحیح مسلم : 462، 463. 4 صحیح مسلم : 639، 646. 5 صحیح مسلم : 464، 465. 6 صحیح مسلم : 877، 878، 891، زاد المعاد 1/378، 379. 7 صحیح البخاری : 1131، صحیح مسلم : 1159

روزے رکھتے تھے۔ اسی طرح آپ کا ہر مہینے کی تیرہویں، چودھویں اور پندرہویں کو روزہ رکھنے کا معمول تھا۔ اور ہر ہفتے میں دو دن، پیر اور جمعرات کو روزہ رکھتے تھے۔ علاوہ ازیں آپ ﷺ صوم وصال، یعنی غیر منقطع طور پر مسلسل روزے بھی رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آپ ﷺ روزے رکھتے تو اتنے تواتر سے رکھتے کہ محسوس ہوتا تھا کہ اب آپ کبھی افطار ہی نہیں کریں گے اور جب افطار کرتے تو مسلسل کرتے رہتے، یوں لگتا کہ اب آپ ﷺ کبھی روزے نہیں رکھیں گے۔[1] آپ ﷺ سحری کا ہمیشہ بڑا اہتمام فرماتے تھے، آپ ﷺ کے نزدیک بہترین سحری کھجور تھی۔ کبھی ایسے بھی ہوتا کہ جب آپ ﷺ گھر تشریف لاتے اور گھر میں کھانے کو کچھ نہ ہوتا تو روزے کی نیت فرما لیتے تھے۔ نفلی روزوں میں یہ بتلانے کے لیے کہ ضرورت کے وقت انہیں کھولا بھی جا سکتا ہے، آپ ﷺ نے بعض موقعوں پر روزے کی نیت کر کے افطار بھی کر لیا۔[2] روزے کے دوران میں مسواک کرنا اور حجامہ کروانا (پچھنے لگوانا) اور سرمہ لگانا بھی ثابت ہے۔[3] افطار میں آپ ﷺ ہمیشہ جلدی فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کا ارشاد تھا کہ جب تک امت افطاری میں جلدی کرتی رہے گی، اس وقت تک وہ خیر پر رہے گی۔[4] روزہ عموماً کھجور سے، اگر کھجور نہ ہوتی تو پانی سے افطار فرماتے۔[5] افطار کے وقت آپ ﷺ یہ دعا پڑھتے: ذَهَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوقُ وَثَبَتَ الْأَجْرُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ ''پیاس ختم ہوگئی، رگیں تر ہوگئیں اور اگر اللہ نے چاہا تو اجر ثابت ہوگیا۔''[6]

حجامہ سے علاج



رسول اللہ ﷺ کے مرغوب کھانے

رسول اکرم ﷺ سادہ خوراک نوش فرماتے تھے۔ کسی قسم کا تکلف روا نہ رکھتے تھے۔ ہر حلال چیز حسب خواہش وضرورت نوش فرماتے۔ بہت عمدہ کھانے اور پر تکلف دستر خوان لگا کر کھانا آپ کی شان نہ تھی۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

مَا أَكَلَ النَّبِيُّ ﷺ خُبْزًا مُرَقَّقًا، وَلَا شَاةً مَسْمُوطَةً حَتّٰى لَقِيَ اللّٰهَ

''نبی ﷺ نے کبھی میدے سے تیار شدہ باریک چپاتی نہیں کھائی اور نہ کبھی بھنی ہوئی بکری تناول فرمائی حتی

1 صحيح البخاري: 1970، 1981 و5052، سنن أبي داود: 2429-2439. 2 صحيح مسلم: 1154، سنن أبي داود: 2456. 3 سنن أبي داود: 2364، 2377-2379. 4 صحيح البخاري: 1957، صحيح مسلم: 1098. 5 جامع الترمذي: 696، سنن أبي داود: 2355. 6 سنن أبي داود: 2357، المستدرك للحاكم: 1/422، حديث: 1536

کہ آپ اللہ تعالیٰ سے جا ملے۔"[1]

ہر وقت کھانا یا خوب پیٹ بھر کر کھانا آپ کی عادت مبارک نہ تھی۔ آپ بوقت ضرورت حسب ضرورت کھاتے تھے۔ آپ کی سادگی اور مختصر خوراک کی بابت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

ما شبع آل محمد ﷺ من طعام ثلاثة أيام حتى قبض.

"محمد ﷺ کے اہل و عیال نے کبھی متواتر تین دن تک سیر ہو کر کھانا نہیں کھایا حتی کہ آپ کی روح قبض ہو گئی۔"[2]

اللہ تعالیٰ نے مالِ فے، خُمس اور ہدایا کی صورت میں آپ کی ضروریات زندگی کا بندوبست فرما دیا تھا۔ صحابہ کرام آپ کی محبت و الفت اور خدمت کے جذبے سے جو چیزیں پیش کرتے تھے، وہ آپ بخوشی قبول کرتے اور انھیں دعائیں دیتے۔ صحابہ کرام آپ کی خدمت میں میسر اشیاء، مثلاً: دودھ، گوشت اور کھجوریں پیش کرتے۔ آپ وہ نوش فرما لیتے تھے۔ آپ کو کون کون سی اشیاء محبوب تھیں؟ آئیے پڑھیے:

1 آپ ﷺ شانے اور مچھلی کا گوشت پسند کرتے تھے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

تعرق رسول الله ﷺ كتفا ثم قام فصلى ولم يتوضأ.

"رسول اللہ ﷺ نے شانے کا گوشت کھایا، پھر اٹھے، نماز پڑھی لیکن آپ نے نیا وضو نہیں کیا۔"[3]

سیدنا عمرو بن امیہ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے نبی ﷺ کو دیکھا کہ آپ کے ہاتھ میں بکری کا شانہ تھا جسے آپ چھری سے کاٹ کر کھا رہے تھے۔ پھر آپ کو نماز کے لیے بلایا گیا تو آپ نے وہ شانہ اور چھری جس سے گوشت کاٹ رہے تھے، دونوں کو پھینک دیا، پھر کھڑے ہوئے، نماز پڑھی اور (نیا) وضو نہ کیا۔[4]

2 اگر کوئی صحابی آپ کی دعوت کرتا تو آپ بخوشی قبول فرماتے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کے ساتھ آپ کے ایک درزی غلام کے پاس گیا۔ اس نے آپ ﷺ کی طرف ایک پیالہ بڑھایا جس میں ثرید تھی۔ پھر وہ اپنے کام میں مصروف ہو گیا تو نبی ﷺ اس پیالے میں سے کدو تلاش کرنے لگے۔ میں نے بھی کدو نکال کر آپ ﷺ کے سامنے رکھنے شروع کر دیے۔ اس کے بعد میں خود بھی کدو کو بہت پسند کرتا ہوں۔[5]

3 صحابہ کرام قربانی کا گوشت خشک کر کے بعد میں کھایا کرتے تھے۔ آپ یہ خشک گوشت بخوشی کھا لیتے تھے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو دیکھا کہ آپ کو شوربا پیش کیا گیا جس میں کدو اور خشک گوشت تھا۔[6]

1 صحيح البخاري :5385. 2 صحيح البخاري :5374. 3 صحيح البخاري :5404. 4 صحيح البخاري :5408.
5 صحيح البخاري :5420. 6 صحيح البخاري :5437.

4 آپ ﷺ گرم اور سرد مزاج کی اشیاء کو جمع کرکے کھاتے تھے۔ سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو ککڑی کے ساتھ تازہ کھجور ملا کر کھاتے دیکھا ہے۔[1]

5 آپ ﷺ کو میٹھی اشیاء اور شہد بھی محبوب تھا۔ مشروبات میں سے آپ کو دودھ اور شہد مرغوب تھا۔ معراج کی رات آپ کو دودھ پیش کیا گیا تھا۔ اسی طرح مختلف مواقع پر آپ کی خدمت میں دودھ پیش کیا جاتا تھا جسے آپ ﷺ بخوشی نوش فرماتے تھے۔ ام فضل رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ لوگوں نے عرفہ کے دن رسول اللہ ﷺ کے روزے کے متعلق شک کیا تو میں نے آپ کے لیے ایک برتن میں دودھ بھیجا جسے آپ نے نوش فرمالیا۔[2]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے لیے ایک ایسے مشکیزے میں نبیذ بنائی جاتی تھی جس کے اوپر والے دہانے کو دھاگے سے باندھ دیا جاتا تھا اور اس کے نیچے سوراخ بھی تھا۔ صبح کے وقت کھجوروں کو بھگویا جاتا تو آپ اسے عشاء کے وقت نوش فرماتے۔ اور رات کو بھگویا جاتا تو آپ اسے صبح کو پی لیتے۔[3]

آداب طعام

رسول اللہ ﷺ نے امت کو کھانے پینے کے آداب سکھائے ہیں۔ آئیے ایک نظر ان سنہری آداب پر ڈالتے ہیں:

1 کھانے پینے کی اشیاء میں حلال کو ملحوظ رکھنا اشد ضروری ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿كُلُوا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ﴾ ”تم ان پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تمھیں رزق کے طور پر دی ہیں۔“[4]

2 کھانا کھاتے وقت بسم اللہ پڑھ کر شروع کرنا اور اپنے سامنے سے کھانا چاہیے۔ سیدنا ابوسلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں صغر سنی میں رسول اللہ ﷺ کے ہاں زیر پرورش تھا، کھاتے وقت برتن میں میرا ہاتھ چاروں طرف گھوما کرتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے تاکید فرمائی: ”بیٹے! کھاتے وقت بسم اللہ پڑھو، دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے آگے سے تناول کرو۔“ اس کے بعد میں ہمیشہ اسی ہدایت کے مطابق کھاتا رہا۔[5]

3 پیٹ بھر کر کھانا بھی جائز ہے، البتہ اسے دائمی عادت بنا لینا ناپسندیدہ ہے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا سے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی آواز میں نقاہت محسوس کرتا ہوں۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ فاقے سے ہیں۔ کیا تمھارے پاس کوئی چیز ہے؟ چنانچہ انھوں نے جو کی چند روٹیاں نکالیں، پھر اپنا دوپٹہ لیا اور اس کے ایک حصے میں روٹیاں لپیٹ دیں، پھر اسے میرے کپڑے کے نیچے میری بغل میں

[1] صحيح البخاري: 5440. [2] صحيح البخاري: 5604. [3] سنن أبي داود: 3711. [4] البقرة 2:172. [5] صحيح البخاري: 5376.

چھپا دیا اور اس کا کچھ حصہ (چادر کی طرح) مجھے اوڑھا دیا۔ پھر مجھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ جب میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا تو اس وقت آپ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے اور آپ کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ میں ان حضرات کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا: ''کیا تجھے ابوطلحہ نے بھیجا ہے؟'' میں نے کہا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: ''کھانے کے لیے؟'' میں نے کہا: جی ہاں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے اپنے سب ساتھیوں سے فرمایا: ''اٹھو۔'' چنانچہ آپ وہاں سے روانہ ہوئے اور میں ان کے آگے آگے چلنے لگا۔ جب میں سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا تو انھوں نے سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا سے کہا: ام سلیم! رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھیوں سمیت تشریف لا رہے ہیں جبکہ ہمارے پاس کھانے کا اس قدر انتظام نہیں جو سب کو کافی ہو سکے۔ سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول خوب جانتے ہیں۔

اس کے بعد سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ استقبال کے لیے نکلے اور رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی۔ آخر کار سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اور رسول اللہ ﷺ چلتے چلتے گھر میں داخل ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''اے ام سلیم! جو کچھ تمھارے پاس ہے، اسے لے آؤ۔'' چنانچہ وہ وہی روٹیاں لے آئیں، پھر آپ ﷺ کے حکم سے ان کا چورا کرا لیا گیا۔ سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے اپنے گھی کے ڈبے سے اس پر گھی نچوڑ کر اس کا ملیدہ بنا لیا، پھر رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی توفیق سے اس پر جو پڑھنا تھا پڑھا، اس کے بعد فرمایا: ''دس دس آدمیوں کو کھانے کے لیے بلاؤ۔'' چنانچہ دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اجازت دی، وہ آئے۔ انھوں نے شکم سیر ہو کر کھایا اور واپس چلے گئے۔ پھر آپ نے فرمایا: ''دس اور بلاؤ۔'' وہ آئے، انھوں نے شکم سیر ہو کر کھایا اور باہر چلے گئے۔ پھر آپ نے دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آنے کی دعوت دی۔ انھوں نے بھی سیر ہو کر کھایا اور واپس چلے گئے۔ پھر دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بلایا۔ اس طرح تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پیٹ بھر کر کھایا۔ اس وقت اسی (80) کی تعداد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے۔[1]

4 مومن حسب ضرورت صرف حلال اشیاء کھاتا پیتا ہے جبکہ کافر صرف کھانے کے لیے جیتا ہے، اس لیے بے تحاشا کھاتا ہے اور حلال و حرام کی کوئی تمیز نہیں کرتا۔ ارشاد نبوی ہے: «الْمُؤْمِنُ يَأْكُلُ فِي مِعًى وَاحِدٍ وَالْكَافِرُ يَأْكُلُ فِي سَبْعَةِ أَمْعَاءٍ» ''مومن ایک آنت میں کھاتا ہے جبکہ کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے۔''[2]

اس کے برعکس مومن دوسرے بھائیوں کا خیال بھی رکھتا ہے، اس لیے کم از کم کھانا بھی کفایت کر جاتا ہے۔ آپ کا فرمان عالی ہے:

«طَعَامُ الْاِثْنَيْنِ كَافِي الثَّلَاثَةِ، وَطَعَامُ الثَّلَاثَةِ كَافِي الْأَرْبَعَةِ»

1 صحیح البخاري: 5381. 2 صحیح البخاري: 5393

''دو آدمیوں کا کھانا تین کے لیے کافی ہوتا ہے اور تین آدمیوں کا کھانا چار کے لیے کافی ہوتا ہے۔'' [1]

5 ٹیک لگا کر کھانا یا باقاعدہ ٹیبل پر کھانا ناپسندیدہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے عاجز بندوں کی طرح زمین پر بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے: «إني لا آكل متكئا» ''یقیناً میں ٹیک لگا کر نہیں کھاتا۔'' [2]

6 کھانے میں عیب نکالنا منع ہے۔ اگر جی نہ چاہے تو کھانا نہ کھائے۔ اگر طبعی کراہت ہو تب بھی نہ کھائے مگر کھانے میں نقص نہ نکالے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

ما عاب النبي ﷺ طعاما قط، إن اشتهاه أكله وإن كرهه تركه.

''نبی ﷺ نے کبھی کسی کھانے میں کوئی عیب نہیں نکالا۔ پسند ہوتا تو کھا لیتے، ناپسند ہوتا تو اسے چھوڑ دیتے تھے۔'' [3]

7 چاندی اور سونے کے برتنوں میں کھانا پینا منع ہے۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے:

«ولا تشربوا في آنية الذهب والفضة ولا تأكلوا في صحافها فإنها لهم في الدنيا ولنا في الآخرة»

''سونے چاندی کے برتنوں میں کچھ نہ پیو، نہ ان کی پلیٹوں میں کچھ کھاؤ کیونکہ یہ چیزیں دنیا میں کافروں کے لیے ہیں اور ہمارے لیے آخرت میں ہیں۔'' [4]

8 اکٹھے کھانا کھاتے وقت دوسرے ساتھیوں کا خیال رکھنا چاہیے، اگر سب لوگ ایک ایک دانہ کھا رہے ہوں تو دو دانے ملا کر کھانا، یا دوسرے سے زیادہ کھانا سمیٹ لینا صحیح طرز عمل نہیں۔

حضرت جبلہ بن سحیم سے روایت ہے کہ ہمیں ایک سال سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ قحط کا سامنا کرنا پڑا۔ انھوں نے راشن کے طور پر ہمیں کھجوریں دیں۔ جب ہم کھجوریں کھا رہے ہوتے اور سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہمارے پاس سے گزرتے تو کہتے: دو کھجوریں ایک ساتھ ملا کر نہ کھاؤ کیونکہ نبی ﷺ نے دو کھجوریں ایک ساتھ ملا کر کھانے سے منع کیا ہے، پھر سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے: مگر ایسا اسی صورت میں روا ہے کہ کھانے والا اپنے ساتھی سے اجازت لے لے۔ شعبہ نے کہا ہے کہ حدیث میں اجازت والا ٹکڑا سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ [5]

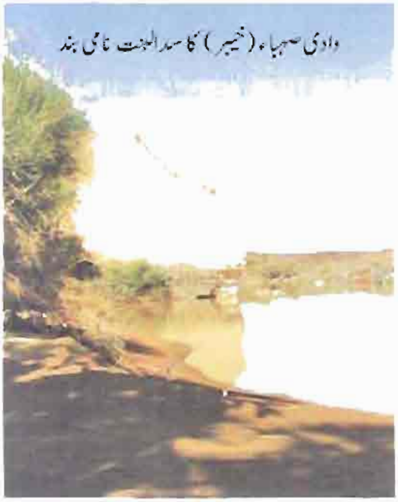
9 ایسے کھانے جن سے منہ میں بو پیدا ہوتی ہو، وہ کھا کر نماز کے لیے مسجد میں نہیں جانا چاہیے۔ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من أكل ثوما أو بصلا فليعتزلنا أو ليعتزل مسجدنا

1 صحیح البخاري، 5392. 2 صحیح البخاري، 5398. 3 صحیح البخاري، 5409. 4 صحیح البخاري، 5426.
5 صحیح البخاري، 5446

’’جو شخص کچا لہسن یا پیاز کھائے، وہ ہم سے علیحدہ رہے۔‘‘ یا فرمایا: ’’وہ ہماری مسجد سے الگ رہے۔‘‘ [1]

10 کھانے کے بعد منہ کی صفائی کے لیے کلی یا مسواک کرنی چاہیے تاکہ عبادت میں خشوع و خضوع رہے۔ سیدنا سوید بن نعمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ خیبر روانہ ہوئے۔ جب ہم مقام صہباء پہنچے تو آپ ﷺ نے کھانا طلب فرمایا۔ کھانے میں ستو کے علاوہ اور کوئی چیز دستیاب نہ ہو سکی۔ ہم نے بھی وہی کھائے۔ پھر آپ ﷺ نماز کے لیے کھڑے ہوئے۔ آپ نے صرف کلی کی تو ہم نے بھی آپ کے ساتھ کلی کر لی۔ [2]


وادی صہباء (خیبر) کا سد الجنت نامی بند

11 کھانا کھانے کے بعد انگلیوں کو چاٹنا بھی سنت ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«إذا أكل أحدكم فلا يمسح يده حتى يلعقها أو يُلعقها»

’’جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو ہاتھ صاف کرنے سے پہلے اسے خود چاٹ لے یا کسی اور کو چٹا دے۔‘‘ [3]

البتہ رومال وغیرہ سے ہاتھ صاف کرنا بھی درست ہے۔

12 کھانے کے بعد درج ذیل دعا پڑھنا مسنون ہے:

«الحمد لله حمدا كثيرا طيبا مباركا فيه غير مكفي ولا مودع ولا مستغنى عنه ربنا»

’’تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں بہت زیادہ، پاکیزہ اور اس میں برکت ڈالی گئی ہے، نہ (یہ کھانا) کفایت کیا گیا (کہ مزید کی ضرورت نہ رہے)، نہ اسے وداع کیا گیا، نہ اس سے بے نیاز ہوا جا سکتا ہے، اے ہمارے رب۔‘‘ [4]

13 سخت بھوک لگی ہو اور کھانا تیار ہو تو پہلے کھانا کھانا چاہیے، نماز بعد میں ادا کرنی چاہیے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إذا أقيمت الصلاة وحضر العشاء فابدءوا بالعشاء»

’’جب نماز کھڑی ہو جائے اور رات کا کھانا سامنے ہو تو پہلے عشائیہ تناول کرو۔‘‘ [5]

1 صحیح البخاری: 5452. 2 صحیح البخاری: 5454. 3 صحیح البخاری: 5456. 4 صحیح البخاری: 5458.
5 صحیح البخاری: 5465.

رسول اللہ ﷺ کے ملبوسات اور دیگر لوازمِ تجمل

نبی کریم ﷺ نے لباس کے معاملے میں طہارت و نفاست کا ایسا اعلیٰ معیار قائم فرمایا ہے جس کی مثال نہیں ملتی۔ رسول اللہ ﷺ بڑا سادہ اور متواضع لباس پہنتے تھے لیکن یہ اتنا پاکیزہ صاف شفاف اور اُجلا ہوتا تھا کہ اسے پہن کر اونچی سے اونچی مجلس میں پورے اعتماد اور وقار کے ساتھ بیٹھا جاسکتا تھا۔ آپ ﷺ کو میلا کپڑا گوارا ہی نہ تھا۔ آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی صاف ستھرا لباس پہننے کی تاکید فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کا عام لباس چادر، قمیص اور تہبند تھا۔ شاہ حبش نجاشی نے خدمت عالیہ میں کالے رنگ کے چرمی موزے بطور تحفہ بھیجے تو آپ ﷺ نے بخوشی پہن لیے۔ عادت مبارک یہ تھی کہ اکثر عمامہ باندھتے تھے۔ آپ ﷺ نے متعدد مواقع پر عمدہ لباس بھی زیب تن فرمایا۔ بعض بادشاہوں نے آپ ﷺ کی خدمت میں بہت شاندار اور قیمتی ملبوسات بطور ہدیہ بھیجے۔ آپ ﷺ نے یہ ہدیے قبول فرمائے اور عمدہ پوشاک پہنی تاکہ کسی کو عمدہ لباس پہننے کے جواز میں کوئی شک نہ رہے۔ ورنہ طبع مبارک دنیاوی آرائش و تکلفات سے گریز اور پرہیز ہی کی طرف مائل تھی۔

نبی اکرم ﷺ کا عمامہ

عمامہ سرور عالم ﷺ کی سنت مبارکہ ہے۔ آپ ﷺ اکثر عمامہ باندھا کرتے تھے۔ کسی نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: اللہ کے رسول ﷺ عمامہ کس طرح باندھتے تھے؟ انھوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ گول پیچ دار عمامہ باندھتے تھے۔ ایک شملہ پیچھے کی طرف ہوتا تھا۔ اور ایک شملہ کندھوں کے بیچ سے ہوتا ہوا نیچے جاتا تھا۔

جعفر بن عمرو اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو منبر پر دیکھا، آپ ﷺ نے سیاہ پگڑی باندھ رکھی تھی اور اس کا کنارا آپ ﷺ نے اپنے کندھوں کے درمیان لٹکایا ہوا تھا۔[1]

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے روز فاتحانہ شان سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے، اس وقت آپ ﷺ نے سر مبارک پر سیاہ رنگ کا عمامہ باندھ رکھا تھا۔ اس وقت آپ ﷺ احرام کی حالت

1 سنن ابی داود، 4077

میں نہیں تھے۔ [1]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس حالت میں دیکھا کہ آپ نے سیاہ عمامہ باندھ رکھا تھا۔ [2]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ ہم غلاموں کے پاس اس شان سے تشریف لائے کہ آپ ﷺ نے زرد قمیص پہنی ہوئی تھی، زرد چادر اوڑھ رکھی تھی اور سر مبارک پر عمامہ بندھا ہوا تھا۔ [3]

ابن سعد نے عباد بن حمزہ سے یہ روایت بیان کی ہے کہ معرکہ بدر میں فرشتے آسمان سے اترے تو انھوں نے زرد رنگ کے عمامے باندھے ہوئے تھے۔ [4]

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«عليكم بالعمائم فإنها سيماء الملائكة وأرخوها خلف ظهوركم»

”(اے فرزندانِ اسلام!) عمامے باندھا کرو کیونکہ یہ فرشتوں کی علامت ہے۔ اور عمامے کا ایک شملہ اپنی پشت پر لٹکا دیا کرو۔“ [5]

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا، انھوں نے سرخ رنگ کا عمامہ باندھ رکھا تھا اور اس کا پلہ ان کے کندھوں کے درمیان لٹک رہا تھا۔ [6]

ایک دوسری روایت میں وہ بیان کرتی ہیں کہ غزوۂ خندق کے موقع پر میں نے ایک آدمی دیکھا، اس کی صورت دحیہ کلبی سے ملتی تھی۔ وہ ایک جانور پر سوار تھا اور رسول اللہ ﷺ سے سرگوشی کر رہا تھا۔ اس نے دستار باندھ رکھی تھی

[1] صحيح مسلم: 1358. [2] المعجم الأوسط للطبراني: 353/3. [3] تاريخ دمشق: 385/34. [4] الطبقات لابن سعد 26/2. [5] المعجم الكبير للطبراني: 15/11 [6] المعجم الأوسط للطبراني: 380/5


میدان بدر کا وسیع منظر

جس کا ایک پلہ اس کے پیچھے لٹکا ہوا تھا۔ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہ کون تھا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«فإن ذلك جبريل عليه الصلاة والسلام، أمرني أن أخرج إلى بني قريظة»

''یہ جبریل تھے، انھوں نے مجھ سے کہا ہے کہ بنو قریظہ پر حملہ کرنے کے لیے روانہ ہو جائیے۔''[1]

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عبدالرحمن بن عوف کو حکم دیا کہ ایک سریے کے لیے تیاری کرو۔ تمھیں اس سریے کا امیر بنایا جائے گا۔ سیدنا عبدالرحمن اگلی صبح حاضر خدمت ہوئے۔ اس وقت انھوں نے کھدر کے کپڑے کا سیاہ عمامہ باندھا ہوا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے کھول دیا، پھر خود ان کے سر پر سفید عمامہ باندھا اور اس کا شملہ پیچھے کی جانب چار انگل یا ایک بالشت رکھا، پھر فرمایا:

«هكذا يا ابن عوف! فاعتم فإنه أعرف وأحسن»

''اے عوف کے بیٹے! اس طرح عمامہ باندھا کرو، یہ زیادہ خوبصورت لگتا ہے۔''[2]

سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جس شخص کو کسی علاقے کا حاکم مقرر فرماتے، اس کی دستار بندی کرتے تھے۔ دستار کا ایک شملہ دائیں طرف کے کان سے نیچے لٹک رہا ہوتا تھا۔[3]

عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے سر پر پگڑی باندھی اور اس کے کناروں کو میرے آگے کی طرف اور پیچھے کی جانب لٹکا دیا۔[4]

ٹوپی مبارک

رسول اللہ ﷺ عمامہ باندھنے کے علاوہ ٹوپی بھی پہنتے تھے۔ آپ عمامے کے نیچے بھی ٹوپی پہنتے تھے۔ زادالمعاد میں علامہ ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

كان رسول الله ﷺ يلبس القلنسوة بغير عمامة ويلبس العمامة بغير قلنسوة.

''رسول اللہ ﷺ کبھی عمامے کے بغیر صرف ٹوپی پہنتے تھے اور کبھی ٹوپی کے بغیر عمامہ باندھ لیتے تھے۔''[5]

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سفید ٹوپی پہنا کرتے تھے۔[6] سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس حال میں دیکھا کہ آپ نے سفید شامی ٹوپی پہن رکھی تھی۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مُشمر ہ (شامی) ٹوپی پہنتے تھے اور جب سفر میں ہوتے تو اس وقت

1 المستدرك للحاكم: 4/214. 2 مسند البزار: 12/315، المستدرك للحاكم: 4/582. 3 المعجم الكبير للطبراني: 7/156، السلسلة الضعيفة: 4256. 4 سنن أبي داود: 4079. 5 زاد المعاد: 1/130. 6 شعب الإيمان للبيهقي: 8/294.

قلنسوہ یعنی کانوں کو ڈھانپنے والی ٹوپی پہنتے تھے۔ [1]

چادر اوڑھنا

رحمت عالم ﷺ کا معمول مبارک تھا کہ بسا اوقات سر مبارک پر چادر ڈال لیا کرتے تھے۔

ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ قوم ثمود کے علاقے سے گزرے تو ارشاد فرمایا: لا تدخلوا مساكن الذين ظلموا أنفسهم أن يصيبكم ما أصابهم إلا أن تكونوا باكين ''جن لوگوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا، ان کی آبادیوں سے آنسو بہاتے ہوئے گزرو، ایسا نہ ہو کہ وہ عذاب جو ان پر نازل ہوا تھا، تم پر بھی نازل ہو جائے۔'' اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے اپنے سر مبارک پر چادر ڈال لی اور نہایت تیزی سے چلنے لگے یہاں تک کہ اس وادی سے نکل آئے۔ [2]

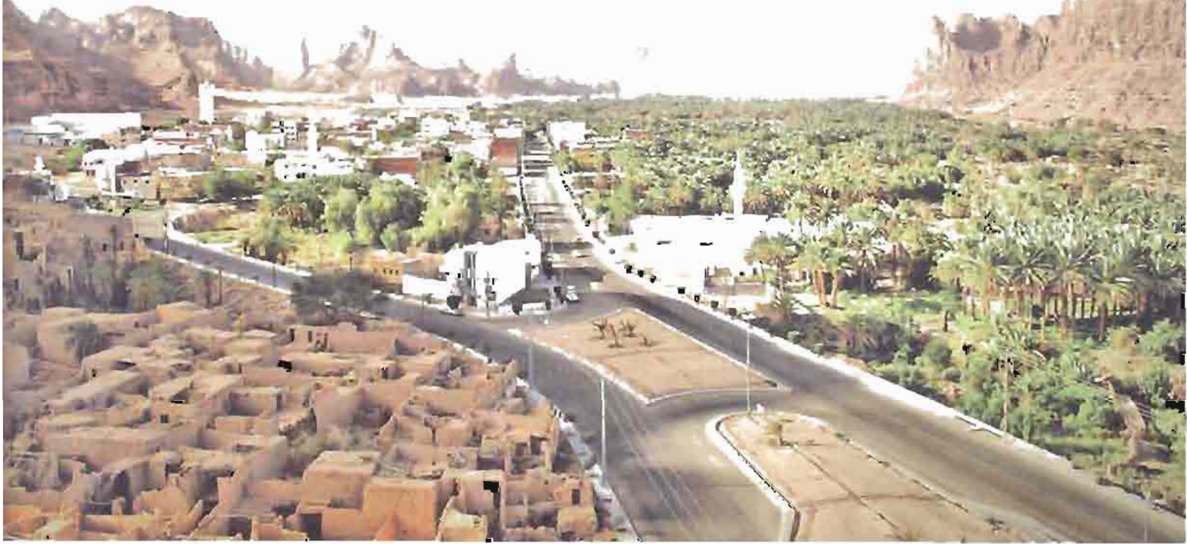
سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: ایک روز رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے۔ اُس وقت آپ ﷺ نے اپنے سر مبارک پر چادر ڈال رکھی تھی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

۔ أيها الناس! إن الناس يكثرون، وإن الأنصار يقلون، فمن ولي منكم أمرا ينفع فيه أحدا فليقبل من محسنهم، ويتجاوز عن مسيئهم

''اے لوگو! دوسرے قبائل تعداد میں بڑھتے جائیں گے لیکن انصار کی تعداد گھٹتی چلی جائے گی۔ اگر تم میں سے کسی کو ایسے عہدے پر فائز کیا جائے جس سے وہ کسی کو نفع پہنچا سکتا ہو تو اسے چاہیے کہ انصار کے نیکوکاروں

[1] أخلاق النبي لأبي الشيخ الأصبهاني، ص: 124. [2] صحيح البخاري: 4419.

العلاء (وادی القریٰ) کی آبادی اور نخلستان



کی نیکیاں قبول کرے اور ان میں سے کسی سے کوئی خطا ہو جائے تو اس سے درگزر کرے۔''[1]

قمیص اور تہ بند

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: كان رسول الله ﷺ يلبس قميصا قصير اليدين والطول. ''رسول اللہ ﷺ ایسی قمیص پہنا کرتے تھے جس کی آستینیں لمبی نہیں ہوتی تھیں اور اس کی لمبائی بھی زیادہ نہ ہوتی تھی۔''[2]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: كان كم رسول الله ﷺ الى الرسغ. ''رسول اللہ ﷺ کی آستین کلائی کے جوڑ تک ہوتی تھی۔''[3]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے:

ان رسول الله ﷺ كان له قميص قطني قصير الطول قصير الكمين.

''رسول اللہ ﷺ کی ایک قبطی قمیص تھی (ایسی قمیص سفید صوف سے مصر میں بنائی جاتی تھی)۔ وہ لمبائی میں بھی چھوٹی تھی اور اس کی آستینیں بھی چھوٹی تھیں۔''[4]

عطاء بن ابی رباح تابعی فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا بیعت رضوان میں آپ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے؟ انھوں نے فرمایا: ہاں۔ میں نے پھر پوچھا: اس روز رسول اللہ ﷺ نے کون سا لباس پہنا ہوا تھا؟ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: رسول اللہ ﷺ نے ایک سوتی قمیص اور ایک جبہ زیب تن فرما رکھا تھا، اس جبے میں روئی بھری ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ ایک چادر اور ایک تلوار تھی۔ میں نے نعمان بن مقرن مزنی رضی اللہ عنہ کو دیکھا، وہ رسول اللہ ﷺ کے قریب کھڑے تھے اور لوگ آپ ﷺ کی بیعت کا شرف حاصل کر رہے تھے۔[5]

ان مختلف احادیث کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ قمیص پہنتے تھے۔ کبھی آپ ﷺ ایسی قمیص پہنتے تھے جس کی لمبائی ٹخنوں کے اوپر تک ہوتی اور اس کی آستینیں ہاتھ کی انگلیوں کو ڈھانپ لیتی تھیں اور کبھی ایسی قمیص زیب تن فرماتے جو زیادہ لمبی نہیں ہوتی تھی اور اس کی آستینیں انگلیوں سے اوپر کلائی کے جوڑ تک ہی ہوتی تھیں۔

جبہ

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس حال میں دیکھا کہ آپ ﷺ نے ایک شامی جبہ زیب تن فرما رکھا تھا جس کی آستینیں بہت تنگ تھیں۔[6]

1 صحيح البخاري: 3800، مسند احمد 289/1، واللفظ له. 2 سنن ابن ماجه: 3577. 3 السنن الكبرى للنسائي: 482/5. 4 مسند عبد بن حميد المنتخب: 369. 5 المعجم الاوسط للطبراني: 130/4. 6 الطبقات لابن سعد: 459/1.

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک دن رسول اللہ ﷺ نے صوف کا بنا ہوا رومی جبہ پہنا جس کی آستینیں تنگ تھیں۔ رسول اللہ ﷺ یہی جبہ پہنے ہوئے ہمارے ہاں تشریف لائے اور ہماری امامت کی۔ اس وقت آپ ﷺ نے صرف یہی جبہ پہن رکھا تھا۔ اس جبے کے علاوہ بدن اطہر پر اور کوئی قمیص وغیرہ نہیں تھی۔ [1]

سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے وضو کرتے ہوئے چہرہ مبارک دھویا۔ اس وقت آپ ﷺ نے شامی جبہ پہن رکھا تھا، اس کی آستینیں تنگ تھیں۔ آپ ﷺ نے آستینوں سے ہاتھ باہر نکالنے چاہے لیکن آستینوں کی تنگی کی وجہ سے باہر نہیں نکل سکے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے جُبے کے نیچے سے ہاتھ نکالا۔ [2]

سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام عبداللہ سے روایت ہے کہ ایک روز سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے طیلسان (موٹے کپڑے) کا ایک کسروانی (کسریٰ کے عہد میں پہنا جانے والا) جبہ نکالا، اس پر ریشم کے نقش و نگار بنے ہوئے تھے اور اس کے دونوں پلوؤں پر ریشم لگا ہوا تھا۔ انھوں نے فرمایا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا جبہ ہے، آپ ﷺ اسے پہنا کرتے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے اس عالمِ فانی سے رحلت فرمائی تو یہ جبہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس رہا۔ جب انھوں نے وفات پائی تو اسے میں نے لے لیا۔ جب ہم میں سے کوئی بیمار ہوتا ہے تو ہم اس جبہ کو دھوتے ہیں اور اس کی دھوون مریض کو پلاتے ہیں، اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس کو شفا بخشتا ہے۔ [3]

طارق بن عبداللہ المحاربی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ذوالمجاز کی منڈی میں اللہ کے رسول ﷺ کو اس حال میں دیکھا کہ آپ ﷺ نے سرخ رنگ کا جبہ پہن رکھا تھا۔ [4]

ابوالشیخ روایت کرتے ہیں کہ رحمتِ عالم ﷺ کا ایک جبہ تھا جو انمار کے صوف سے بنایا گیا تھا۔ آپ ﷺ نے اسے پہنا اور بہت پسند کیا۔ رسول اللہ ﷺ اپنا دستِ مبارک اس پر پھیرتے جاتے تھے اور فرماتے تھے:

«أُنْظُرُوا مَا أَحْسَنَهَا»

”ذرا دیکھو! یہ کتنا خوبصورت ہے۔“

اس مجلس میں ایک اعرابی بھی موجود تھا۔ اس نے عرض کی:

يَا رَسُولَ اللهِ! هَبْهَا لِي.

”اے اللہ کے رسول! یہ جبہ مجھے عطا فرما دیں۔“

---

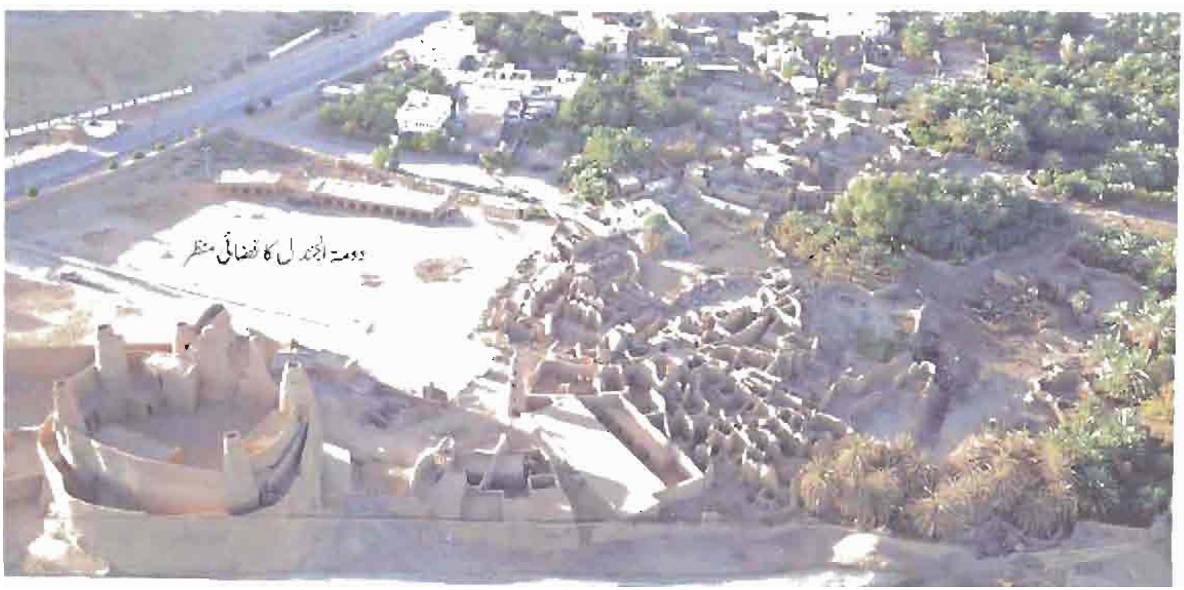
1 سنن ابن ماجہ: 3563، 2 صحیح البخاری: 5798، صحیح مسلم: 274، 3 صحیح مسلم: 2069، 4 معجم الصحابۃ لابن قانع: 45/2

رسول اللہ ﷺ نے اسی وقت جبہ اتارا اور اس اعرابی کے حوالے کر دیا۔[1]

ایک دفعہ دومۃ الجندل کے حاکم اکیدر نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک ریشمی جبہ بطور ہدیہ ارسال کیا، اس میں سونے کے تار جھلملا رہے تھے۔ رحمت عالم ﷺ نے اسے پہنا۔ لوگوں نے اسے بہت پسند کیا اور کہا: یہ تو بے حد خوبصورت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم اس کی خوبصورتی پر تعجب کر رہے ہو؟ اس ذات پاک کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے! جنت میں سعد بن معاذ کو جو رومال دیے گئے ہیں، وہ اس سے کہیں زیادہ خوبصورت ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے یہ جبہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بطور تحفہ عطا فرما دیا۔ انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! جس لباس کو آپ ناپسند کریں، اسے میں پہن لوں، بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے عمر! میں نے تمھیں یہ جوڑا اس لیے دیا ہے کہ تم اسے بیچ ڈالو اور اس کی جو قیمت ملے، اسے اپنے کام میں لاؤ۔'' یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب ریشم کے لباس کی حرمت کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔[2]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: شاہ روم نے سید الانبیاء ﷺ کی خدمت میں باریک ریشم کا ایک جبہ بطور تحفہ بھیجا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے پہنا۔ میں اس وقت بھی گویا اس کی لہراتی آستینوں کو دیکھ رہا ہوں۔ لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا یہ آپ کے لیے آسمان سے اترا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم اس پر تعجب کر رہے ہو؟ اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے! وہ رومال جو سعد بن معاذ کو جنت میں دیے گئے ہیں، ان کا ایک رومال اس سے کہیں زیادہ خوبصورت ہے۔''

[1] اخلاق النبی ﷺ لابی الشیخ الاصبہانی، ص: 126. [2] صحیح مسلم: 2468، سنن النسائی: 6302، مسند احمد: 3/238، 157، 347، 206.


دومۃ الجندل کا فضائی منظر

پھر آپ ﷺ نے یہ جبہ جعفر بن ابی طالب کو مرحمت فرما دیا۔ انھوں نے اس کو پہنا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے تمھیں یہ جبہ اس لیے نہیں دیا کہ تم اسے پہنو۔'' انھوں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! پھر میں اس کا کیا کروں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أرسل بها إلى أخيك النجاشي»

''یہ اپنے بھائی نجاشی کو بھیج دو۔'' [1]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ قیصر روم نے باریک ریشم کا بنا ہوا ایک عالی شان جبہ ازراہ عقیدت بطور ہدیہ بارگاہ رسالت میں بھیجا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے پہننے یا نہ پہننے کے بارے میں سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما سے مشورہ کیا۔ انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہماری رائے تو یہ ہے کہ آپ اسے زیب تن فرمائیں تاکہ آپ کے دشمن اسے دیکھ کر حسد کی آگ میں جلیں اور ذلیل ہوں اور آپ کے غلام آپ ﷺ کو اس پوشاک میں دیکھ کر نہال ہو جائیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے یہ جبہ پہن لیا، پھر منبر پر تشریف لائے اور خطبہ ارشاد فرمایا۔ راوی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تو بذات خود نہایت حسین و جمیل تھے لیکن یہ جبہ پہننے سے آپ کا چہرہ مبارک مزید روشن ہو گیا۔

پھر آپ ﷺ منبر سے نیچے تشریف لے آئے اور جب سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ حبشہ سے واپس آئے تو آپ نے یہ جبہ انھیں بطور تحفہ مرحمت فرما دیا۔ [2]

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک روز رسول اکرم ﷺ ہمارے ہاں تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے باریک ریشم کا جبہ پہنا ہوا تھا۔ ہم نے اس دن سے زیادہ خوبصورت آپ کو کبھی نہیں دیکھا، پھر آپ نے اٹھ کر کھڑے ہوتے ہوئے جبہ اتار دیا اور ایک دھاری دار چادر اوڑھ لی۔ اس کے بعد آپ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا:

«الحرير لباس أهل الجنة، من لبسه في الدنيا لم يلبسه في الآخرة»

[1] سنن أبي داود: 4047، مسند أحمد: 229/3. [2] معجم الصحابة لابن قانع: 217/2.

ایتھوپیا (حبشہ) کا دارالحکومت ادیس ابابا



''ریشم جنتیوں کا لباس ہے، جو اسے دنیا میں پہنے گا، وہ آخرت میں اس سے محروم رہے گا۔''[1]



حلہ

حلہ جامہ اور چادر یا جبہ (چغہ) کو کہتے ہیں یعنی مکمل لباس جیسے شلوار قمیص۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو نہایت خوبصورت حلہ (لباس) زیب تن کیے دیکھا۔[2]

جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے آقائے نامدار ﷺ کو دیکھا، آپ نے سرخ رنگ کا جوڑا زیب تن فرما رکھا تھا۔[3]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ شاہ ذی یزن (بنوحمیر) نے ایک حلہ تینتیس اونٹوں یا اونٹنیوں کے عوض خریدا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں بطور ہدیہ بھیجا، آپ ﷺ نے یہ ہدیہ قبول فرما لیا۔[4]

سیدنا ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے ایک روز سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ اُن کے ہاتھ میں عصا تھا۔ وہ آئے، عصا کو ایک جگہ گاڑ دیا، پھر اقامت کہی۔ پھر میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو دیکھا، آپ ﷺ اس حلیے میں تشریف لائے کہ آپ نے سرخ رنگ کا حلہ پہنا ہوا تھا جو زیادہ کشادہ نہ تھا۔[5]

براء بن عازب رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے سرخ جوڑا پہن رکھا تھا۔ میں نے آپ سے بڑھ کر حسین و جمیل انسان کبھی نہیں دیکھا۔[6]

اسحاق بن عبداللہ بن حارث فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے 27 اونٹنیوں کے عوض ایک حلہ (جوڑا) خریدا، پھر آپ نے اسے پہنا۔[7]

قبا

قبا آگے سے کھلا چغہ یا اچکن ہے۔ جیسے آج کل ائمہ حرمین وغیرہ کپڑوں کے اوپر زیب تن فرماتے ہیں۔ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کشادہ ریشمی قبا بطور ہدیہ پیش کی گئی، آپ ﷺ نے اسے پہنا، نماز ادا کی، پھر آپ پلٹے اور شدید کراہت کا اظہار کرتے ہوئے اسے اتار دیا اور فرمایا: لَا يَنْبَغِي هٰذَا لِلْمُتَّقِينَ

1 المعجم الأوسط للطبراني 372/5. 2 سنن أبي داود 4037. 3 جامع الترمذي :2811. 4 سنن أبي داود :4034.
5 صحيح البخاري 5786. 6 صحيح البخاري :3551. 7 أخلاق النبي ﷺ لأبي الشيخ الأصبهاني، ص : 117.

هذا للمتقين ''یہ پرہیزگار لوگوں کے لائق نہیں ہے۔''[1]

مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: ایک روز رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام میں بہت سی قبائیں تقسیم فرمائیں لیکن سیدنا مخرمہ رضی اللہ عنہ کو کچھ نہیں دیا۔ مخرمہ نے مجھ سے کہا: اے بیٹے! مجھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے چل۔ میں انھیں ساتھ لے کر رسول اللہ ﷺ کے درِ اقدس تک گیا۔ جب وہاں پہنچے تو انھوں نے مجھ سے کہا: اندر کاشانۂ مبارک میں جاؤ اور رسول اللہ ﷺ کو میرے حاضر ہونے کا تذکرہ کرو۔ میں اندر گیا، بارگاہِ رسالت میں ان کی درخواست پیش کی۔ رسول اللہ ﷺ میرے باپ سے ملنے کے لیے باہر تشریف لائے۔ اس وقت آپ ﷺ نے ایک قبا پہن رکھی تھی۔ جونہی آپ ﷺ نے مخرمہ کو دیکھا تو معاً فرمایا: خبأنا هذا لك ''(اے مخرمہ!) یہ قبا میں نے تمھارے لیے چھپا کر رکھی ہوئی تھی۔'' میرے والد نے رسول اللہ ﷺ کی طرف دیکھا تو آپ ﷺ نے (خوش ہوکر) فرمایا: رضي مخرمة ''مخرمہ اب راضی ہوگیا ہے۔''[2]

عام لباس

سیدنا ابو بردہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک روز ہم ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے ایک کھردرا تہبند نکالا۔ اس طرح کے تہبند یمن میں بنتے تھے۔ پھر سیدہ رضی اللہ عنہا نے ایک کمبل نکالا جس میں پیوند لگے ہوئے تھے۔ اور قسم کھا کر کہا: في هذا قبض رسول الله ﷺ ''رسول اللہ ﷺ نے انھی دو کپڑوں میں رفیقِ اعلیٰ کی طرف رحلت فرمائی۔''[3]

امام ترمذی روایت کرتے ہیں: اشعث بن سلیم نے کہا کہ میں نے اپنی پھوپھی کو اپنے چچا سے یہ روایت کرتے ہوئے سنا: انھوں نے کہا: ایک دفعہ میں مدینہ کی گلیوں میں جا رہا تھا، اچانک میں نے ایک بابرکت صدا سنی۔ میرے پیچھے ایک صاحب کہہ رہے تھے:

1 صحیح البخاری: 375. 2 صحیح البخاری: 2599
3 صحیح مسلم: 2080.



حضرموت (یمن) کا ایک پہاڑی گاؤں

"ارفع إزارك فإنه أنقى وأبقى"

"اپنے تہبند کو اونچا کر لو۔ اس طرح یہ نجاست سے پاک رہے گا اور پائیدار بھی ہوگا۔"

میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ سید الانبیاء ﷺ کی ذات اقدس تھی۔ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہ تو سیاہ و سفید دھاری دار چادر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"أما لك في أسوة؟"

"کیا میری ذات میں تمھارے لیے نمونہ نہیں؟"

میں نے فوراً رسول اللہ ﷺ کی طرف دیکھا، آپ ﷺ تہبند میں ملبوس تھے اور آپ کا مبارک تہبند نصف پنڈلیوں تک اوپر اٹھا ہوا تھا۔[1]

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ کی محفل میں بہت سے صحابہ موجود تھے۔ ہر آدمی اپنی جگہ بیٹھا رہا۔ رحمت عالم ﷺ نے اپنی چادر مبارک اٹھائی اور ان کی طرف بڑھا دی۔ سیدنا جریر نے اس چادر کو اپنی گردن پر رکھا، چہرے پر ملا، بوسہ دیا، پھر اسے اپنی آنکھوں پر رکھ لیا اور عرض کیا: أكرمك الله كما أكرمتني. "اے اللہ کے رسول! آپ نے اس ناچیز کی عزت افزائی فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ مکرم و محترم رکھے۔"[2]

سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک خاتون بارگاہ رسالت میں ایک چادر لے کر حاضر ہوئی۔ اس نے یہ چادر آپ ﷺ کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کی اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں نے یہ چادر خود اپنے ہاتھ سے بنی ہے تاکہ اسے آپ زیب تن فرمائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس خاتون کا ہدیہ بخوشی قبول فرمایا اور اس

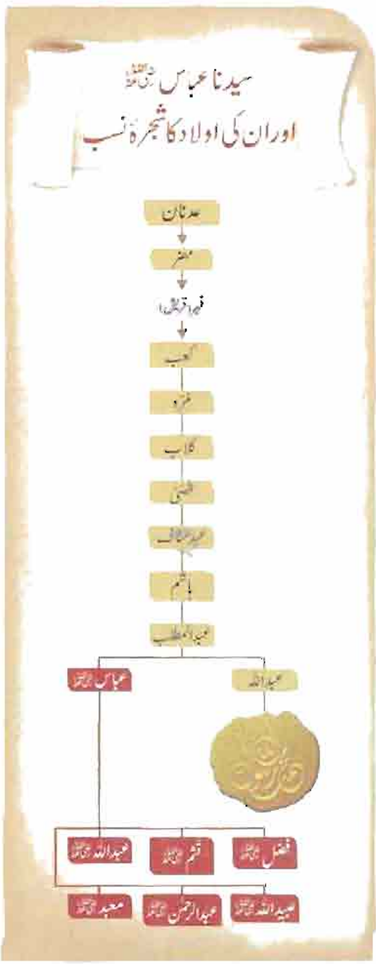
1 الشمائل المحمدية للترمذي: 121، شرح السنة للبغوي: 11/12. 2 المستدرك للحاكم: 324/4.


مدینہ منورہ میں جبل سلع اور مسجد الفتح

انداز سے قبول فرمایا جیسے آپ ﷺ کو اس چادر کی ضرورت تھی۔ پھر رسول اللہ ﷺ وہ چادر باندھ کر باہر تشریف لائے۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے اس چادر کی تعریف کی اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہ چادر مجھے عطا فرمائیے۔ آپ ﷺ نے معاً وہ چادر اُسے مرحمت فرما دی۔[1]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: ابوجہم بن حذیفہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک شامی چادر پیش کی، اس پر بیل بوٹے بنے ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے وہ پہن کر نماز ادا فرمائی۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا:

«رُدِّي هٰذِهِ الْخَمِيصَةَ إِلٰى أَبِي جَهْمٍ، فَإِنِّي نَظَرْتُ إِلٰى عَلَمِهَا فِي الصَّلَاةِ فَكَادَ يَفْتِنُنِي»



”یہ چادر ابوجہم کو واپس کر دو کیونکہ میں نے نماز کی حالت میں اس کے نقش و نگار دیکھے، قریب تھا کہ وہ مجھے نماز سے غافل کر دیتے۔“ پھر آپ ﷺ نے حکم دیا کہ وہ کھردری چادر لاؤ جس پر بیل بوٹے نہیں ہیں۔[2]

سیدنا عبداللہ بن غسیل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک روز میں اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ تھا کہ اسی دوران سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”چچا جان! اپنے بچوں کو لے آئیے۔“ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ اپنے بچوں فضل، عبداللہ، عبیداللہ، قثم، عبدالرحمٰن اور معبد کو لے آئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سب کو اپنی چادر کے اندر داخل کر لیا۔ اس چادر کا رنگ سیاہ تھا اور اس میں سرخ دھاریاں تھیں۔ پھر آپ ﷺ نے یہ دعا فرمائی:

«اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ أَهْلُ بَيْتِي وَعِتْرَتِي فَاسْتُرْهُمْ مِنَ النَّارِ كَمَا سَتَرْتُهُمْ بِهٰذِهِ الشَّمْلَةِ»

”اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں، یہ میری عزت ہیں، ان کو آتش جہنم سے اسی طرح چھپا لے جس طرح میں نے انھیں اس چادر میں چھپا لیا ہے۔“

[1] صحيح البخاري: 1277. [2] مسند أحمد: 199/2، مزید دیکھیے: صحيح البخاري: 373، صحيح مسلم: 556

جب رسالت مآب ﷺ نے یہ دعا فرمائی تو گھر میں مٹی کی تمام اینٹوں، دروازوں اور کھڑکیوں کے سب کواڑوں نے آمین کہا، یعنی اے اللہ! اپنے محبوب رسول ﷺ کی التجا قبول فرما۔[1]

عروہ بن زبیر ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا وہ لباس جسے پہن کر آپ ﷺ وفود سے ملاقات فرماتے تھے، اس میں ایک چادر تھی جو حضر موت کی بنی ہوئی تھی۔ اس کا طول چار ہاتھ (اوسطاً 2 میٹر، 16 سینٹی میٹر) اور عرض دو ہاتھ (اوسطاً ایک میٹر، 8 سینٹی میٹر) اور ایک بالشت تھا۔[2]

عاصم بن کلیب اپنے والد اور وہ ان کے ماموں سے روایت کرتے ہیں کہ میں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا تو میں نے مسلمانوں کو دیکھا کہ وہ سروں پر اونچی ٹوپیاں پہنے اور چادریں اوڑھے ہوئے نماز پڑھ رہے ہیں اور ان کے ہاتھ چادروں میں چھپے ہوئے ہیں۔[3]

سیدنا ابن عباس ؓ سے مروی ہے: ایک دن رسول اللہ ﷺ سوتی لباس میں ہمارے پاس تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے ایک عصا تھام رکھا تھا اور اسامہ بن زید پر ٹیک لگائی ہوئی تھی، آپ ﷺ نے عصا کو سامنے گاڑ دیا، پھر نماز ادا کی۔[4]

رسول اللہ ﷺ یمن کے بنے ہوئے روئی اور کتان کے کپڑے زیب تن فرمایا کرتے تھے۔[5] لباس مبارک میں کبھی کبھی پیوند بھی لگے ہوتے تھے۔[6]

رسول اللہ ﷺ لوگوں کو ذاتی طور پر خود عمل کر کے حسنِ عمل کا سبق دیتے تھے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ اپنی پھٹی ہوئی چادر میں بہ نفسِ نفیس چمڑے کے پیوند لگا لیتے تھے۔

شلوار

سوید بن قیس سے مروی ہے کہ میں اور مخرفہ عبدی ہجر سے کپڑا خرید کر مکہ لائے۔ جب ہم منیٰ میں تھے تو رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے۔ نبی کریم ﷺ نے ہم سے شلوار کا سودا کیا۔ ہم نے کہا کہ ہم تو شلوار کے کپڑے کے وزن کے برابر درہم لیں گے۔ ایک شخص جو وزن تولتا تھا، اُسے آپ ﷺ نے حکم دیا: زِنْ وَأَرْجِحْ ''وزن کرو اور درہم والے پلڑے کو نیچے جھکا دو۔''[7]

1 المعجم الاوسط للطبراني 236/4 ضعيف 2 الزهد لابن المبارك، ص 264 3 المعجم الكبير للطبراني 276/13.
4 مسند احمد: 281/3، المعجم الأوسط للطبراني: 378/2. 5 الزهد لابن المبارك، ص 64. 6 المصنف لابن أبي شيبة 257/13 7 سنن ابي داود 3336.

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بازار سے ایک شلوار خریدی۔ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا آپ بھی شلوار پہنتے ہیں؟ فرمایا:

أجلْ في السفر والحضر وبالليل والنهار فإني أمرت بالستر

"ہاں میں اسے پہنتا ہوں سفر میں بھی اور حضر میں بھی، رات کو بھی اور دن کے وقت بھی، کیونکہ مجھے ستر پوشی کا حکم دیا گیا ہے اور شلوار سے بڑھ کر پردے والا لباس اور کوئی نہیں۔"[1]

رسول اللہ ﷺ کے ہر عمل سے اللہ کی شکر گزاری کا جذبہ جھلکتا تھا، اس لیے آپ ﷺ جب بھی کوئی نیا کپڑا زیب تن فرماتے تو اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے یہ کلمات کہتے:

اللَّهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ كَسَوْتَنِيهِ أَسْأَلُكَ خَيْرَهُ وَخَيْرَ مَا صُنِعَ لَهُ

[illegible]

"اے اللہ! تیری ہی تعریف ہے، تو نے مجھے یہ پہنایا ہے۔ میں تجھ سے اس کی خیر اور بھلائی کا سوال کرتا ہوں اور اس بھلائی کا جس کے لیے اسے بنایا گیا ہے، اور اس کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور اس شر سے جس کے لیے یہ بنایا گیا ہے۔"[2]

رسول اللہ ﷺ کے لباس کے مختلف رنگ

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كان أحب الألوان إلى رسول الله ﷺ الخضرة

"رسول اللہ ﷺ کا تمام رنگوں میں سے زیادہ پسندیدہ رنگ سبز تھا۔"[3]

سیدنا ابو رمثہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے دو سبز چادریں پہنی ہوئی ہیں۔[4] رسول اللہ ﷺ کا ایک جوڑا سرخ رنگ کا تھا۔ آپ ﷺ یہ جوڑا زیب تن کر کے وفود سے ملاقات فرمایا کرتے تھے۔[5]

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ عیدین اور جمعہ کے موقع پر سرخ چادر اوڑھا کرتے تھے۔[6]

عامر بن عمرو سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو منیٰ میں اس حال میں دیکھا کہ آپ ﷺ خچر پر سوار

1 مسند أبي يعلى: 6162 ● 2 سنن أبي داود: 4020 ● 3 المعجم الأوسط للطبراني: 30/6 ● 4 جامع الترمذي: 2812

5 أخلاق النبي ﷺ لأبي الشيخ الأصبهاني: 269/1 ● 6 السنن الكبرى للبيهقي: 280/3





فتح مکہ کے دن جب رسول اللہ ﷺ مکہ میں داخل ہوئے تو اس وقت آپ ﷺ کے سر مبارک پر کالے رنگ کا عمامہ بندھا ہوا تھا۔[1]

عمرو بن حریث اپنے والد سے روایت کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ایک روز لوگوں کو خطبہ دیا۔ اس وقت آپ ﷺ نے سیاہ رنگ کا عمامہ باندھا ہوا تھا۔[2] آپ ﷺ کا ایک جھنڈا تھا، اس کا نام عقاب اور رنگ کالا تھا۔[3]

نبی کریم ﷺ کا عمامہ سیاہ رنگ کا تھا اور آپ ﷺ عیدین کے مواقع پر اسے باندھا کرتے تھے۔[4]

زعفران اور ورس سے رنگے ہوئے ملبوسات

سیدنا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ کی چادر اور دستار مبارک زعفران کے رنگ میں رنگی ہوئی تھی۔[5]

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بسا اوقات رسول اللہ ﷺ کے سارے پارچات قمیص، چادر اور تہبند زعفران یا ورس سے رنگی تھی اور آپ ﷺ انھیں پہن کر باہر تشریف لے جاتے تھے۔[6]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا لحاف ورس اور زعفران کے رنگ سے رنگا ہوا تھا۔ رات کے وقت اس پر پانی کا چھڑکاؤ کر دیا جاتا تھا تاکہ اس کی خوشبو میں اضافہ ہو جائے۔[7]

(ورس: زرد رنگ کی ایک گھاس ہے جس سے کپڑے رنگے جاتے ہیں۔)

پاپوش مبارک اور موزے

سیدنا دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انھوں نے بتایا کہ میں نے صوف کا بنا ہوا ایک جبہ اور دو موزے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کیے۔ آپ ﷺ نے قبول فرما لیے۔ بعد ازاں آپ ﷺ انھیں لگاتار استعمال کرتے رہے یہاں تک کہ وہ پارہ پارہ ہو گئے۔[8]

سیدنا بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نجاشی نے رسول اللہ ﷺ کے لیے سیاہ رنگ کے دو سادہ موزے بطور ہدیہ بھجوائے۔ آپ ﷺ نے انھیں پہنا، پھر وضو کیا تو ان پر مسح کیا۔[9]

طبرانی کی روایت میں ہے، ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے اپنے موزے منگوائے تاکہ

1 صحيح مسلم: 1358. 2 صحيح مسلم: 1359. 3 المصنف لابن أبي شيبة: 512/12. 4 الكامل لابن عدي 100/6. 5 مسند أبي يعلى: 160/12، المستدرك للحاكم: 189/4. 6 الطبقات لابن سعد: 452/1. 7 المعجم الأوسط للطبراني: 209/1. 8 المعجم الكبير للطبراني: 302/4. 9 سنن أبي داود: 155

پہنیں۔ ابھی ایک ہی موزہ پہنا تھا کہ اسی دوران ایک کوا آیا، اس نے دوسرا موزہ اُچک لیا اور آگے جا کر پھینک دیا، اس میں سے ایک سانپ نکلا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يلبس خفيه حتى ينفضهما.

"جو شخص اللہ اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتا ہے، وہ اس وقت تک موزے نہ پہنے جب تک ان کو جھاڑ نہ لے۔"[1]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاپوش مبارک کے دو تسمے ہوتے تھے۔[2] سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ جب رسول اللہ ﷺ کسی محفل میں تشریف فرما ہوتے تو وہ آپ ﷺ کے مقدس پاؤں سے جوتے اتار لیتے اور اپنی آستینوں میں رکھ لیتے۔ جب رسول اللہ ﷺ اٹھتے تو وہ آپ کے پائے مبارک میں جوتے پہناتے اور عصا لے کر آپ ﷺ کے آگے آگے چلتے یہاں تک کہ آپ ﷺ اپنے حجرے میں تشریف لے جاتے۔[3]

ابن عون رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ کے ایک موچی کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ میرا جوتا بنا دو۔ وہ بولا: اگر تمھاری مرضی ہو تو میں تمھیں تمھاری پسند کا جوتا تیار کر کے دے دوں اور اگر تم چاہو تو میں تمھارے لیے ایسے جوتے تیار کروں جیسے میں نے رسول اللہ ﷺ کے پائے مبارک میں دیکھے ہیں۔ میں نے پوچھا: تم نے رسول اللہ ﷺ کے جوتے کہاں دیکھے؟ اس نے کہا: فاطمہ کے گھر میں۔ میں نے کہا: کون سی فاطمہ؟ وہ بولا: فاطمہ بنت عبیداللہ بن عباس۔ میں نے کہا: تم نے جیسے جوتے رسول اللہ ﷺ کے دیکھے ہیں، ویسے ہی جوتے میرے لیے بھی بنا دو۔ چنانچہ اس نے جوتا بنایا اور اس میں دو تسمے رکھے۔[4]

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے اپنے آقائے نامدار ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ سبتیہ جوتے پہنتے تھے یعنی وہ ایسے چمڑے سے بنے ہوئے جوتے جس پر بال نہیں ہوتے اور آپ یہی جوتے پہنے پہنے وضو فرماتے۔[5]

رسول اللہ ﷺ کا معمول مبارک تھا کہ جب پاپوش مبارک پہنتے تو پہلے دایاں جوتا پہنتے اور جب اتارتے تو پہلے بایاں جوتا اتارتے۔[6]

رسول اللہ ﷺ کبھی کھڑے ہو کر جوتا پہنتے اور کبھی بیٹھ کر پہنتے تھے۔[7]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کے پاپوش بردار ہونے کا شرف حاصل تھا۔ وہ آپ ﷺ کے کوزہ بردار بھی

1 المعجم الكبير للطبراني: 148/7. 2 سنن النسائي: 5369. 3 إتحاف الخيرة المهرة: 5567؛ المطالب العالية: 2840. 4 [illegible]: 2280. 5 صحيح البخاري: 166. 6 مسند أبي يعلى: 103/3. 7 شعب الإيمان للبيهقي: [illegible]/8.

تھے۔[1] ہر چند سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے نعلین بردار کے لقب سے ملقب تھے۔ تاہم عین ممکن ہے کہ گاہے گاہے دونوں حضرات کو رسول اللہ ﷺ کی پاپوش برداری کا شرف نصیب ہوا ہو۔

انگشتری مبارک



امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے، سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسالت مآب ﷺ نے جب قیصر و کسریٰ اور دیگر سلاطین عالم کو دعوت نامے بھیجنے کا ارادہ فرمایا تو آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کی گئی کہ جب تک کسی خط پر مہر ثبت نہ ہو، اس وقت تک سلاطین کوئی خط وصول نہیں کرتے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ایک انگشتری بنوائی جس پر یہ حروف مبارک نقش تھے:

اللہ
رسول
محمد

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس وقت بھی جبکہ میں اس مبارک انگشتری کا تذکرہ کر رہا ہوں، مجھے آپ کے دست مبارک میں اس انگشتری کی چمک دمک صاف نظر آرہی ہے۔[2]

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ پہلے رسول اللہ ﷺ نے سونے کی انگوٹھی بنوائی، اس کے نگینے کو اپنی ہتھیلی کی طرف کیا اور اُسے صرف تین دن تک پہنا۔ لوگوں نے بھی نبی ﷺ کی اقتدا کرتے ہوئے سونے کی انگوٹھیاں بنوائیں۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف فرما تھے، آپ ﷺ نے انگلی سے وہ انگوٹھی نکالی اور پھینک دی۔ پھر فرمایا: ''واللہ! میں اسے ہرگز نہیں پہنوں گا۔'' جب رسول اللہ ﷺ نے انگوٹھی اتار کر پھینکی تو صحابہ نے بھی رسول اللہ ﷺ کی اقتدا کی اور اپنی انگلیوں میں پہنی ہوئی انگوٹھیاں اُتار پھینکیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے چاندی کی انگشتری بنوائی اور حکم دیا کہ اس پر ''محمد رسول اللہ'' کے حروف کندہ کیے جائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے آخری دن تک یہی انگوٹھی پہنی۔ پھر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آخر دم تک یہی انگوٹھی پہنی۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بھی یہی انگوٹھی پہنی۔ پھر یہ انگوٹھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو نصیب ہوئی۔ جب خط کتابت کا سلسلہ دراز ہوا اور ہر خط پر مہر

[1] الطبقات لابن سعد 482/1. [2] صحیح البخاری: 65، صحیح مسلم: 2092.

لگانا خلیفہ وقت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے مشکل ہوگیا تو آپ نے یہ انگوٹھی ایک انصاری کے سپرد کر دی اور اسے حکم دیا کہ جتنے خطوط بھیجے جائیں، ان پر یہ مہر لگا دیا کرو۔ ایک روز وہ انصاری ایک کنویں پر گئے، یہ کنواں سیدنا عثمان کی ملکیت تھا۔ افسوس! وہ انگوٹھی اس کنویں میں گر گئی۔ اس کا نام بئر اریس تھا۔ بہت ڈھونڈا گیا، سارا پانی نکلوایا گیا، ساری مٹی نکلوائی گئی۔ اور انگوٹھی خوب ٹٹولی گئی لیکن وہ نہیں ملی۔ چنانچہ سیدنا عثمان نے اس جیسی ایک اور انگوٹھی بنانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اس پر بھی محمد رسول اللہ ﷺ کے حروف کندہ کیے جائیں۔[1]



بئر اریس پر جدید عمارت (مدینہ منورہ)

آپ ﷺ جب بیت الخلا تشریف لے جاتے تو انگشتری اتار کر باہر رکھ دیتے۔ آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کو بھی چاندی کی انگوٹھی بنوانے کی اجازت دے دی لیکن نگینہ پر "محمد رسول اللہ" کندہ کرانے کی ممانعت فرما دی۔ فرمایا:

لا ينقش أحد على نقش خاتمي هذا

"میری انگوٹھی کے نقش کی طرح کوئی نقش نہ بنوائے۔"

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: رسول اللہ ﷺ کی انگوٹھی چاندی کی بنی ہوئی تھی اور اس کا نگینہ ایسے پتھر کا تھا جو حبشہ میں پایا جاتا ہے۔[2]

علمائے کرام نے صراحت کی ہے کہ اگر انگوٹھی چاندی کی بنی ہوئی ہو تو اس کا زیادہ سے زیادہ وزن ایک مثقال ہونا چاہیے۔ اگر اس انگوٹھی کا وزن ایک مثقال (4.25 گرام) سے زیادہ ہوگا تو اس کا پہننا جائز نہ ہوگا۔

1 صحيح البخاري: 5866، صحيح مسلم: 2091، المعجم الكبير للطبراني: 207/11 2 سنن النسائي [illegible] 328/7

خوشبو اور اس کا استعمال

رسول اللہ ﷺ طہارت و نظافت اور خوشبو کو بے حد پسند فرماتے تھے۔ چونکہ آپ کا تعلق انسانوں اور فرشتوں سے تھا، اس لیے آپ دونوں قسم کے مہمانوں کا خیال کرتے ہوئے ظاہری اور باطنی صفائی کا خاص اہتمام فرماتے۔ اور طبعِ نفیس کو مزید مزین کرنے کے لیے خوشبو استعمال کرتے۔ سیدنا انس ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ خوشبو کا تحفہ قبول کرتے تھے۔[1]

آپ حج اور عمرے کے لیے سفر شروع کرنے سے پہلے بھی خوشبو لگایا کرتے تھے۔ سیدہ عائشہ ؓا اپنے ہاتھوں سے آپ کے لیے خوشبو تیار کرتی اور آپ کے جسم مبارک پر لگاتی تھیں۔ جب آپ حج و عمرے سے فارغ ہوتے تو آپ ﷺ کو پھر خوشبو لگا دی جاتی تھی۔ سیدہ عائشہ ؓا فرماتی ہیں:

كُنْتُ أُطَيِّبُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَيَطُوفُ عَلَى نِسَائِهِ ثُمَّ يُصْبِحُ مُحْرِمًا يَنْضَخُ طِيبًا.

''میں نے رسول اللہ ﷺ کو خوشبو لگائی، پھر آپ اپنی تمام ازواج مطہرات کے پاس گئے اور صبح کو احرام اس حالت میں باندھا کہ آپ ﷺ کا جسم مبارک خوشبو سے مہک رہا تھا۔''[2]

مزید فرماتی ہیں:

كُنْتُ أُطَيِّبُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ لِإِحْرَامِهِ حِينَ يُحْرِمُ وَلِحِلِّهِ قَبْلَ أَنْ يَطُوفَ بِالْبَيْتِ.

''میں رسول اللہ ﷺ کو احرام باندھتے وقت اور طوافِ زیارت سے پہلے احرام کھولتے وقت خوشبو لگا دیتی تھی۔''[3]

یہ خوشبو آپ ﷺ کے سر اور داڑھی پر لگائی جاتی تھی جس کی چمک اور مہک تادیر باقی رہتی تھی۔ سیدہ عائشہ ؓا فرماتی ہیں:

كُنْتُ أُطَيِّبُ النَّبِيَّ ﷺ بِأَطْيَبِ مَا يَجِدُ حَتَّى أَجِدَ وَبِيصَ الطِّيبِ فِي رَأْسِهِ وَلِحْيَتِهِ.

''میں رسول اللہ ﷺ کو سب سے عمدہ خوشبو لگایا کرتی تھی یہاں تک کہ خوشبو کی چمک آپ کی داڑھی اور سر میں دیکھتی تھی۔''[4]

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ ؓا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر یہ بات بہت گراں گزرتی تھی کہ جب آپ ﷺ

[1] صحیح البخاری: 5929. [2] صحیح البخاری: 267. [3] صحیح البخاری: 1539. [4] صحیح البخاری: 5923

اپنے صحابہ کرام کے پاس تشریف لے جائیں تو ان سے بُو آئے۔

اسی طرح آپ ﷺ رات کے آخری حصے میں خوشبو استعمال فرمایا کرتے تھے۔ [1]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب رات کے وقت بیدار ہوتے تو استنجا کرتے، وضو فرماتے اور اپنی ازواج مطہرات میں سے جس کے ہاں خوشبو ہوتی، وہ منگواتے اور استعمال فرماتے۔ [2]

سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''چار چیزیں انبیائے کرام کی سنتوں میں سے ہیں: شرم و حیا، مسواک کرنا، خوشبو لگانا اور نکاح کرنا۔'' [3]

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

«خمسٌ من سنن المرسلين: الحياء والحلم والحجامة والسواك والتعطر»

''پانچ چیزیں اللہ کے رسولوں کے معمولات میں سے ہیں: حیا، حلم، حجامہ، خوشبو کا استعمال اور مسواک۔'' [4]

اگر خوشبو بطور ہدیہ خدمت اقدس میں پیش کی جاتی تو آپ ﷺ اسے مسترد نہیں کرتے تھے۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ خوشبو کا تحفہ کبھی مسترد نہیں کرتے تھے بلکہ ضرور قبول فرما لیتے تھے۔ [5]

ایک روایت میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ما رأيت رسول الله ﷺ عُرِض عليه طيبٌ فردّه قطّ.

''میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں خوشبو پیش کی گئی ہو اور آپ ﷺ نے اسے مسترد کر دیا ہو۔'' [6]

رسول اللہ ﷺ کی تین محبوب چیزیں

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«حُبِّب إليّ من الدنيا النساء والطيب، وجُعل قرة عيني في الصلاة»

''مجھے دنیا میں سے تین چیزیں محبوب ہیں: عورتیں، خوشبو اور میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔'' [7]

1 اخلاق النبي لابي الشيخ الاصبهاني، ص: 102 2 مسند البزار: 326/13. 3 جامع الترمذي: 1080 4 المعجم الكبير للطبراني: 158/16 5 صحيح البخاري: 5929. 6 مسند أحمد: 350/3 7 سنن النسائي: 3391.



مشک نافہ (کستوری)



خوشبودار عنبر کا ٹکڑا

رسول اللہ ﷺ کی پسندیدہ خوشبوئیں

بعض خوشبوئیں ایسی تھیں جو رسول اللہ ﷺ کو بہت پسند تھیں۔ محمد بن علی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ کیا رسول اللہ ﷺ خوشبو استعمال کرتے تھے؟ انھوں نے فرمایا: ہاں، آپ ﷺ مردوں والی خوشبوئیں لگایا کرتے تھے: کستوری اور عنبر۔ [1]

کستوری عمدہ ترین خوشبو ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے "أطيب الطيب" سب سے اعلیٰ خوشبو قرار دیا ہے۔ [2] آپ کے جسم مبارک پر آپ کی زوجہ محترمہ یہی خوشبو لگاتی تھیں۔ [3]

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ زاد المعاد میں لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے نزدیک سب سے پسندیدہ خوشبو کستوری تھی۔ آپ ﷺ حنا کی کلیوں کو بھی بہت پسند فرماتے تھے۔ [4]

آپ ﷺ خوشبودار پھول بھی پسند فرماتے تھے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"من عرض عليه ريحان فلا يرده فإنه خفيف المحمل طيب الريح"

"جسے پھول گلاب پیش کیا جائے تو وہ اسے رد نہ کرے کیونکہ اسے لینا آسان اور اس کی خوشبو بہترین ہے۔" [5]

سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ کے دونوں مبارک ہاتھوں میں گلاب کے پھول تھے، وہ پھول آپ ﷺ میرے پاس لے آئے۔ جب میں نے ان پھولوں کو سونگھنے کے لیے اپنی ناک کے قریب کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "یہ آس (ولایتی حنا) کے بعد جنت کے پھولوں کا سردار ہے۔" [6]

رسول اللہ ﷺ مخصوص انگیٹھی کے ذریعے دھونی دار خوشبو بھی استعمال کرتے تھے۔ [7]

خضاب

سیدنا ابو رمثہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مہندی اور کتم (بوٹی) کو ملا کر بالوں میں لگایا کرتے تھے۔ [8]

1 سنن النسائي: 5119. 2 صحيح الترمذي: 991. 3 صحيح مسلم: 1191. 4 زاد المعاد: 178/1. 5 صحيح مسلم: 2252. 6 الفوائد الشهير بالغيلانيات لأبي بكر الشافعي: 1087. 7 صحيح مسلم: 2254. 8 مسند أحمد: 22313-227.

عثمان بن عبداللہ بن موہب فرماتے ہیں کہ میرے اہل خانہ نے ایک پیالے میں پانی ڈال کر مجھے ام المومنین ام سلمہ ؓا کی خدمت میں بھیجا۔ سیدہ چاندی کا ایک چھوٹا سا برتن لے آئیں جس میں اللہ کے پیارے رسول ﷺ کے کچھ موئے مبارک تھے۔ جب کسی شخص کو نظر بد لگتی یا اور کوئی عارضہ پیش آتا تو ام سلمہ ؓا کی خدمت میں ایک برتن بھیجا جاتا۔ وہ اس موئے مبارک کو پانی میں ڈالتیں اور یہ پانی بیمار کو پلا دیا جاتا تھا۔ میں نے اس برتن میں جھانکا تو اس میں کئی بال نظر آئے جن کی رنگت سرخ تھی۔[1]

سیدنا عبداللہ بن زید انصاری ؓ کہتے ہیں کہ میں اور ایک قریشی شخص منحر (جہاں قربانی کے جانور ذبح کیے جاتے ہیں) کے پاس رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ قربانی کے جانوروں کا گوشت تقسیم فرما رہے تھے۔ لیکن مجھے اور میرے قریشی ساتھی کو کچھ نہ ملا۔ اسی اثنا میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے سر مبارک کے بال منڈائے اور سارے موئے مبارک اس قریشی کے کپڑے میں ڈال دیے۔ اس نے ان مبارک بالوں کو چند لوگوں میں تقسیم کیا۔ آپ نے ناخن تراشے تو وہ بھی اسی قریشی کو دے دیے۔ وہ مبارک بال ہمارے پاس موجود ہیں، انھیں حنا اور کتم سے رنگا گیا تھا۔[2]

ابن سیرین ؒ سے روایت ہے کہ ہم نے سیدنا انس ؓ سے پوچھا: کیا اللہ کے رسول ﷺ خضاب استعمال فرماتے تھے؟ انھوں نے جواب دیا: جی ہاں! رسول اللہ ﷺ حنا اور کتم کا خضاب استعمال فرمایا کرتے تھے اور آپ ﷺ کے کنپٹی کے چند بال ہی سفید ہوئے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ سیدنا ابوبکر و عمر ؓ نے بھی حنا اور کتم سے بنا ہوا خضاب استعمال فرمایا۔[3]

عبداللہ بن ہمام ؒ نے سیدنا ابو درداء ؓ سے پوچھا: نبی کریم ﷺ کس چیز کا خضاب لگایا کرتے تھے؟ انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کے بال اس حد تک سفید ہی نہیں ہوئے تھے کہ خضاب کی ضرورت پیش آتی، آپ ﷺ کے صرف چند بال سفید تھے جنھیں آپ ﷺ مہندی اور بیری کے پتوں سے دھوتے تھے۔[4]

رسول اللہ ﷺ کا سامانِ تجمل: کنگھی، سرمہ اور آئینہ

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ ؓا سے مروی ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ سفر و حضر میں ان پانچ چیزوں کو نظر انداز نہیں فرماتے تھے: آئینہ، سرمہ دانی، کنگھی، تیل اور مسواک۔[5]

1 صحیح البخاري: 5896. 2 مسند أحمد: 42/4. 3 صحیح مسلم: 2341. 4 إتحاف الخیرۃ المہرۃ: 5621
5 المعجم الأوسط للطبراني: 255/5، والطبقات لابن سعد: 484/1

ایک اور روایت میں سیدہ فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ سفر کا ارادہ فرماتے تو میں یہ چیزیں تیار کر کے آپ ﷺ کے سامان میں رکھوا دیتی تھی: خوشبودار تیل، کنگھی، آئینہ، قینچی، سرمہ دانی اور مسواک۔[1]

اسی طرح ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رحمت عالم ﷺ جب آئینہ دیکھتے تو بارگاہ الٰہی میں عرض کرتے:

«اللّٰهمّ كما حسّنت خلقي فحسّن خلقي»

''اے اللہ! جس طرح تو نے میری ظاہری صورت کو حسین بنایا ہے، اسی طرح میرے اخلاق کو بھی حسین بنا دے۔''[2]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی یہ روایت مروی ہے مگر ضعیف ہے، البتہ آئینہ دیکھے بغیر اس دعا کا پڑھنا ثابت ہے۔[3]

سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کے حجرے میں سوراخ سے جھانک کر دیکھا۔ اس وقت آپ ﷺ کے دست مبارک میں کنگھی تھی جس سے آپ ﷺ اپنے سر مبارک کو کھجا رہے تھے۔ آپ ﷺ نے اس شخص سے فرمایا:

«لو أعلم أنّك تنظر لطعنت به في عينك، إنّما جعل الاستئذان من أجل البصر»

''اگر مجھے یہ معلوم ہو جاتا کہ تم دیکھ رہے ہو تو میں یہی کنگھی تمہاری آنکھوں پر دے مارتا، گھر میں داخل ہونے سے پہلے اجازت طلب کرنے کا حکم اسی لیے دیا گیا ہے کہ اندر کی کوئی چیز نہ دیکھی جائے۔''[4]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس کالا سرمہ تھا۔ جب آپ ﷺ اپنے بستر پر آرام فرماتے تو دونوں آنکھوں میں تین تین سلائیاں لگا لیتے تھے۔[5]

حجامت کرانا

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو دیکھا کہ حجام آپ ﷺ کے سر کے بال مونڈ رہا تھا اور صحابہ کرام آپ ﷺ کے اردگرد حلقہ باندھے کھڑے تھے تاکہ آپ ﷺ کا کوئی موئے مبارک زمین پر نہ گرنے

1 أخلاق النبي لأبي الشيخ الأصبهاني، ص: 183. 2 أخلاق النبي لأبي الشيخ الأصبهاني، ص: 183. 3 [illegible] صحيح ابن حبان: 239/1، إرواء الغليل: 113/1، 114. 4 صحيح البخاري: 6241، وصحيح مسلم: 2156. 5 أخلاق النبي لأبي الشيخ الأصبهاني، ص: 182.

پانے جبکہ وہ آپ ﷺ کے تراشے ہوئے سارے بال اپنے ہاتھوں میں محفوظ کر لیں۔[1]

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ زاد المعاد میں نبی کریم ﷺ کی سنت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا طریقہ مبارک یہ تھا کہ یا تو آپ ﷺ سارا سر منڈایا کرتے تھے یا سر کے سارے بال سلامت رکھتے تھے۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ سر کے بعض بالوں کو تو آپ ﷺ نے مونڈا ہو اور بعض بالوں کو چھوڑ دیا ہو۔ اور آپ ﷺ نے صرف عمرہ اور حج ہی کے موقع پر سر مبارک کے بال منڈوائے، ان مواقع کے علاوہ سر کے بال منڈانا رسول اللہ ﷺ کا معمول نہ تھا۔[2]

جن حجاموں کو رسول اللہ ﷺ کا سر مبارک مونڈنے کی سعادت نصیب ہوئی، ان کے اسماء کتب احادیث و سیرت میں محفوظ ہیں۔ غزوۂ حدیبیہ اور عمرۃ القضاء کے موقع پر خراش بن امیہ نے اور غزوۂ جعرانہ کے موقع پر ابو الہند الحجام نے آپ ﷺ کا سر مبارک مونڈا۔ یہ بنو بیاضہ کا آزاد کردہ غلام تھا۔ حجۃ الوداع کے موقع پر معمر بن عبد اللہ بن نضلہ نے رسول اللہ ﷺ کے موئے مبارک مونڈنے کی سعادت حاصل کی۔[3]

حدیبیہ کی قدیم اور جدید مساجد



امام مسلم رحمہ اللہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنا سر منڈایا اور دائیں حصے کے بال سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو عطا فرمائے۔ اور جب بائیں جانب کے موئے مبارک مونڈے گئے تو وہ بھی سیدنا ابو طلحہ ہی کو عطا فرما دیے۔ اور انھیں حکم دیا:

''ان کو لوگوں میں تقسیم کر دو۔''[4]

مسجد جعرانہ نزد مکہ مکرمہ



امام احمد اور طبرانی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جب منیٰ کے میدان میں قربانی کے جانور ذبح کیے تو معمر کو حکم دیا کہ میرے بال مونڈو۔ معمر کہتے ہیں کہ میں استرا لے کر رسول اللہ ﷺ کے سر مبارک کے قریب کھڑا

[1] صحیح مسلم، 2325. [2] زاد المعاد 167/1. [3] سبل الهدى والرشاد 349/7، 350. [4] صحیح مسلم، 1305.

ہو گیا۔ اس وقت آپ ﷺ نے اپنی چشم مبارک سے میرے چہرے کی طرف دیکھا اور فرمایا: ''اے معمر! تجھے میں نے اس حال میں اپنے سر کے قریب کھڑا ہونے کی اجازت دی ہے کہ تیرے ہاتھ میں استرا موجود ہے۔'' میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! یہ اللہ تعالیٰ کا مجھ پر بہت بڑا انعام ہے۔ اب آپ ﷺ دیکھیں گے کہ میں کتنی مہارت سے موئے مبارک مونڈتا ہوں۔ پھر میں نے رسول اللہ ﷺ کا سر مبارک مونڈنے کا شرف حاصل کیا۔

رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن ناخن اور مونچھوں کے بال کاٹنا مستحب قرار دیتے تھے۔[1] آپ ﷺ ہر کام ہمیشہ دائیں جانب سے شروع فرماتے تھے، ناخن کاٹتے ہوئے بھی آپ اسی بات کا خیال رکھتے تھے۔

گھریلو سامان

امام بخاری سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ میں ایک روز بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ رسول اللہ ﷺ ایک چارپائی پر تشریف فرما تھے، یہ چارپائی کھردرے بان سے بنی ہوئی تھی۔ آپ ﷺ کے سر مبارک کے نیچے چمڑے کا تکیہ تھا جو کھجور کے پتوں سے بھرا ہوا تھا۔ آپ ﷺ کے جسم اطہر اور چارپائی کے بیچ ایک کپڑا بچھا ہوا تھا۔[2]

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے کاشانہ اقدس میں ایک چارپائی تھی جو بڑی گھاس کے چھلوں سے بنی گئی تھی۔ اس پر ایک سیاہ رنگ کی چادر بچھی ہوئی تھی۔[3]

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ ان کے پاس رسول اللہ ﷺ کے تبرکات میں سے ایک چارپائی، ایک عصا، ایک پیالہ، کھجور کے پتوں سے بھرا ہوا ایک تکیہ، ایک چادر اور ایک کجاوہ تھا۔ جب قریش کے لوگ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے ملاقات کے لیے حاضر ہوتے تو آپ انھیں ان چیزوں کی طرف اشارہ کرکے فرماتے:

هٰذا ميراث من أكرمكم الله تعالىٰ به وأعزكم به، وفعل وفعل.

''یہ اس عظیم المرتبت ہستی کی میراث ہے جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے تمھیں عزت و احترام سے سرفراز فرمایا ہے۔''[4]

سیدنا ابو رفاعہ العدوی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک کرسی پیش کی گئی۔ میرا خیال ہے کہ اس کے پائے لوہے کے تھے۔ امام احمد کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ پائے لکڑی کے تھے لیکن ان پر سیاہ رنگ کر دیا گیا تھا جس کی وجہ سے وہ لوہے کے محسوس ہوئے۔ آپ ﷺ اس پر بیٹھ گئے اور مجھے وہ علم سکھانا شروع کیا

1 السنن الكبرىٰ للبيهقي 244/3، 2 الأدب المفرد 398/1، 3 صحيح ابن حبان 479/2، 4 حلية الأولياء 326/5.

جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو عطا فرمایا۔[1]

علامہ بلاذری سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ قریش مکہ سونے کے لیے چار پائیاں استعمال کرتے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے ہاں اقامت گزیں ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: ''اے ابو ایوب! کیا تمھارے ہاں چار پائی نہیں ہے؟'' عرض کی: واللہ! ہمارے ہاں کوئی چار پائی نہیں۔ یہ بات اسعد بن زرارہ نے سنی تو رسالت مآب ﷺ کے لیے ایک چار پائی بھیج دی جس کے بازو اور پائے ساگوان کی لکڑی کے بنے ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ اس پر استراحت فرمایا کرتے تھے اور جب آپ ﷺ کی نماز جنازہ ادا کی گئی تو اس وقت بھی آپ ﷺ کا جسد اطہر اسی چار پائی پر تھا۔ اس کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے مردوں کو اسی چار پائی پر اٹھا کر تدفین کے لیے لے جاتے تھے۔ سیدنا ابوبکر صدیق اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کو بھی اسی چار پائی پر لے جایا گیا تاکہ اس چار پائی کی برکت سے میت بھی فیض یاب ہو۔[2] اسی چار پائی پر امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کو اٹھایا گیا۔

تبرکات

رسول اللہ ﷺ کا سارا گھریلو سامان عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی نگرانی میں تھا۔ انھوں نے یہ سامان ایک کمرے میں محفوظ رکھا ہوا تھا۔ روزانہ اس کی زیارت کرتے تھے اور جب بیرونی وفود ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تو آپ انھیں اس کمرے میں لے جاتے تاکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے تبرکات دیکھیں۔ آپ ان لوگوں کو مخاطب کر کے فرماتے تھے:

هٰذَا مِيرَاثُ مَنْ أَكْرَمَكُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَأَعَزَّكُمْ بِهٖ.

''یہ اس عظیم و جلیل ہستی کی میراث ہے جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے آپ لوگوں کو مکرم بنا دیا اور عزت و ناموری کی مسند پر فائز کیا۔''

اس میراث میں یہ چیزیں تھیں: چار پائی جو کھردرے پٹھے سے بنی ہوئی تھی، چمڑے کی گدی جو کھجور کے پتوں سے بھری ہوئی تھی۔ ایک بڑا پیالہ، ایک گلاس، چکی، ترکش جس میں تیر تھے۔ اور ان چیزوں کا ایک کپڑا۔ یہ صوف کا ٹکڑا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے سر مبارک سے جو پسینہ بہتا تھا، کپڑے پر اس کے نشانات چمک رہے تھے۔ ایک آدمی بیمار ہو گیا، اس کے لواحقین نے خلیفہ سے درخواست کی کہ اس مبارک پسینہ کو دھو کر دے دیں تاکہ مریض کی ناک میں ٹپکایا جائے۔ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اجازت دے دی، اس دھوون کو مریض کی ناک میں ٹپکایا گیا تو وہ شفایاب ہو گیا۔[3]

[1] صحیح مسلم: 876، مسند احمد: 464/5. [2] أنساب الأشراف: 1/228، 229. [3] أخلاق النبي لأبي الشيخ الأصبهاني، ص 175

رسول اللہ ﷺ کے استعمال میں رہنے والی چارپائی کو عبداللہ بن اسحاق اسجانی نے چار ہزار درہم قیمت ادا کر کے خرید اتھا۔[1]

چٹائی، بستر، لحاف، تکیہ اور رومال

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی ایک چٹائی تھی جو رات کو لپیٹ دی جاتی تھی۔ اس پر آپ ﷺ نماز ادا کرتے۔ دن کے وقت یہی چٹائی آپ ﷺ کے لیے بچھا دی جاتی تھی۔ اس پر آپ بیٹھتے تھے۔[2]

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ جس بستر پر استراحت فرمایا کرتے تھے، وہ چمڑے کا تھا اور اس میں کھجور کے پتے بھرے ہوئے تھے اور آپ ﷺ کا تکیہ بھی چمڑے کا اور کھجور کے پتوں سے بھرا ہوا تھا۔[3]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: وہ کجاوہ جس پر رسول اللہ ﷺ نے حج ادا کیا، پرانا تھا۔ وہ ایسی لکڑی کا بنا ہوا تھا جس کی قیمت چار درہم بھی نہ تھی۔ آپ ﷺ جب اس پر سوار ہوئے تو بارگاہ رب العزت میں التجا کی:

«اللَّهُمَّ حَجَّةً لَا رِيَاءَ فِيهَا وَلَا سُمْعَةَ»

”اے اللہ! اس کو ایسا حج بنا دے جس میں کوئی ریا اور شہرت طلبی نہ ہو (یہ محض تیری رضا کے لیے ہو)۔“[4]

رسول اللہ ﷺ چمڑے کی بنی ہوئی ایک چادر پر آرام فرما ہوئے۔ آپ ﷺ کو پسینہ آ گیا۔ یہ دیکھ کر ام سلیم اٹھ کھڑی ہوئیں اور آپ کا پسینہ مبارک ایک شیشی میں جمع کرنے لگیں۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں ایسا کرتے دیکھ تو دریافت فرمایا:

«مَا هَذَا الَّذِي تَصْنَعِينَ يَا أُمَّ سُلَيْمٍ؟»

”ام سلیم! یہ کیا کر رہی ہو؟“

انھوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں آپ کا مبارک پسینہ اپنی خوشبو کی شیشی میں ڈالوں گی۔ ام سلیم رضی اللہ عنہا کا یہ جواب سن کر رسول اللہ ﷺ بے ساختہ ہنس پڑے۔[5]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ اس وقت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تکیہ کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ جب سلمان آئے تو فاروق اعظم نے وہ تکیہ اٹھا کر ان کو پیش کر دیا۔ یہ دیکھ کر سلمان کی زبان سے بے ساختہ نکلا: «اللَّهُ أَكْبَرُ، صَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ» ”اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ اور

1 سنن البیہقی والآثار: 35517، 2 صحیح البخاری: 5861، 3 صحیح مسلم: 2082، سنن ابی داود: 4147
4 سنن ابن ماجہ: 2890، 5 صحیح مسلم: 2331، سنن النسائی: 5373

اس کے رسول نے سچ فرمایا ہے۔'' سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمائش کی کہ جو حدیث تمھیں یاد آئی ہے، وہ ہمیں بھی سنا دو۔ انھوں نے عرض کی: ایک دن میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ اس وقت ایک تکیے سے ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے وہ تکیہ اٹھایا اور مجھے عطا کر دیا، پھر فرمایا:

«يا سلمان! ما من مسلم يدخل على أخيه المسلم و يلقي له وسادة إكراما له إلا غفر الله له»

''اے سلمان! جب کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کے پاس جاتا ہے اور وہ اس کی تکریم کے لیے اُسے اپنا تکیہ پیش کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔''[1]

ایک روز سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے کہا: ذرا یہ تو بتاؤ کہ تم نے رسول اللہ ﷺ کے لیے جو سب سے زیادہ ملائم بستر بچھایا، وہ کون سا تھا؟ سیدہ نے عرض کی کہ ہمارے پاس ایک چادر تھی جو ہمیں خیبر کے اموال غنیمت سے ملی تھی۔ میں ہر شب رسول اللہ ﷺ کے بستر پر وہ چادر بچھا دیتی تھی اور اس پر آپ ﷺ آرام فرماتے تھے۔ ایک رات میں نے اس کو دہرا کر کے بچھا دیا، جب صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے پوچھا: ''آج میری چارپائی پر تم نے کیسا بستر بچھایا تھا؟'' میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! بستر تو وہی تھا جو میں ہر شب بچھاتی ہوں، ہاں آج میں نے صرف یہ کیا کہ اس چادر کو دوہرا کر کے بچھایا۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ''جس طرح تم پہلے یہ چادر بچھایا کرتی تھی، اسی طرح بچھایا کرو، یہ دوہری چادر میری شب بیداری میں مخل ہوئی ہے۔'' یہ سن کر سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ زار و قطار رونے لگے۔[2]

امام ترمذی نے درج بالا واقعے کو اس طرح بیان کیا ہے: جعفر بن طلحہ نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ میں نے ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ آپ کے گھر میں رسول اللہ ﷺ کا بستر کس طرح کا ہوتا تھا؟ فرمایا: چمڑا جس میں کھجور کے پتے بھرے ہوتے تھے۔ پھر میں نے ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: آپ کے گھر میں جس بستر پر رسول اللہ ﷺ آرام فرماتے تھے، وہ کیسا تھا؟ انھوں نے کہا: بالوں سے بنی ہوئی ایک چادر تھی جسے میں دوہرا کر کے بچھا دیتی تھی، اس پر آپ ﷺ سو جاتے تھے۔ ایک رات خیال آیا کہ اگر میں اس کو چوہرا کر دوں تو آپ ﷺ کو مزید آرام ملے گا۔ میں نے اسے چوہرا کر کے بچھایا۔ جب آپ ﷺ صبح بیدار ہوئے تو دریافت فرمایا: ''آج رات کون سا بستر بچھایا تھا؟'' میں نے عرض کی: وہی آپ کا پہلا بستر جو روزانہ بچھاتی ہوں، البتہ میں نے آج اس کو چوہرا کر دیا تھا تاکہ آپ ﷺ کو زیادہ آرام ملے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اسے پہلے کی طرح

1 المستدرك للحاكم: 3/692، السلسلة الصحيحة: 5423. 2 أخلاق النبي لأبي الشيخ الأصبهاني، ص: 169.

دوہرا کردو، آج یہ بستر میری شب بیداری میں مخل ہوا۔‘‘ [1]

تصویروں والا پردہ لٹکانے پر اظہارِ برہمی

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سفر سے واپس تشریف لائے۔ اس وقت میں نے اپنے دروازے پر ایک پردہ لٹکایا ہوا تھا، اس میں پروں والے گھوڑوں کی تصویریں تھیں۔ جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور اس پردے کو دیکھا تو آپ ﷺ کے رخِ انور پر ناگواری کے آثار عیاں ہوگئے۔ آپ ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے پردہ کھینچا اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔ ارشاد فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ لَمْ يَأْمُرْنَا أَنْ نَكْسُوَ الْحِجَارَةَ وَالطِّينَ

’’اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ حکم نہیں دیا کہ ہم پتھروں اور کیچڑ کو لباس پہنائیں۔‘‘

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم نے وہ پردہ کاٹ کر اس کے دو تکیے بنا لیے اور ان میں کھجور کے پتے بھر دیے۔ اس بات پر آپ ﷺ نے کوئی ناپسندیدگی ظاہر نہیں فرمائی۔ [2]

سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول یہ تھا کہ جب سفر پر تشریف لے جاتے تو سب سے ملاقات کرتے اور سب سے آخر میں اپنی صاحبزادی سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے ملاقات فرما کر رخصت ہوتے۔ پھر جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنے دیدار کا شرف بخشتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ ایک غزوے سے واپس آئے۔ حسبِ معمول اپنی صاحبزادی کے گھر تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ نے دیکھا کہ ان کے دروازے پر ایک اونی پردہ لٹکا ہوا ہے۔ رسول اللہ ﷺ اسی وقت واپس تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ کے چلے جانے پر سیدہ بے حد رنجیدہ ہوئیں۔ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جب اپنی رفیقۂ حیات کو اس طرح افسردہ دیکھا تو بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر ان کی کیفیت بیان کی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَا لِي وَلِلدُّنْيَا ’’بھلا میرا دنیا سے کیا تعلق؟‘‘ پس سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سیدہ فاطمہ کے پاس گئے اور آپ ﷺ نے جو ارشاد فرمایا تھا، وہ سنایا۔ انھوں نے سیدنا علی سے کہا: آپ رسول اللہ ﷺ تک میری گزارش پہنچا دیجیے کہ آپ جو حکم دیں گے، میں اس کی تعمیل کروں گی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’اسے کہو کہ یہ پردہ فلاں گھر والوں کو بھیج دے۔‘‘

سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ وہ پردہ کیسا تھا؟ فرمایا: وہ ایک عربی پردہ تھا جس کی قیمت چار درہم تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اتنی بے مایہ چیز کو بھی اپنی نورِ نظر کے گھر دیکھنا گوارا نہ کیا۔ [3]

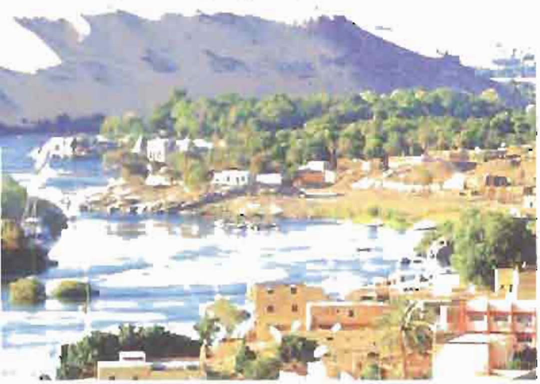
[1] الشمائل للترمذي: 329. [2] صحيح مسلم: 2107. [3] سنن أبي داود: 4149، مسند أحمد: 275/5

رسول اللہ ﷺ کے برتن

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ کے آخری دن تھے۔ میں ایک روز آپ ﷺ کو اپنے سینے سے لگائے بیٹھی تھی۔ اسی دوران آپ ﷺ نے ایک طشت منگوایا، پھر اسی حالت میں رسول اللہ ﷺ کی روح مبارک رفیق اعلیٰ سے جا ملی۔ [1] رسول اللہ ﷺ کے کاشانہ اقدس میں ایک پیالہ تھا جسے ریان کہا جاتا، دوسرے پیالے کو مغیث کہا جاتا تھا، ایک اور پیالہ بھی تھا جس پر چاندی کی زنجیر چڑھی ہوئی تھی، یہ زنجیر سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے چڑھائی تھی۔ [2]

رسول اللہ ﷺ کا ایک بڑا پیالہ بھی تھا جس کے چار کنڈے تھے، اس کا نام غراء تھا۔ اس کو چار آدمی اٹھاتے تھے۔ [3] ایک پتھر کا ڈول تھا جسے مخضب کہا جاتا تھا۔ اور ایک چمڑے کا چھاگل تھا جسے سادرہ کہا جاتا تھا۔ اور ایک شیشے کا پیالہ تھا۔

اسوان ڈیم کی جھیل ناصر (مصر)



سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک شیشے کا پیالہ تھا جو مصر کے بادشاہ مقوقس نے بطور ہدیہ خدمت اقدس میں بھیجا تھا۔ آپ ﷺ اس میں پانی وغیرہ پیا کرتے تھے۔ ایک اور پیالہ تھا جو مٹی کا تھا۔ ایک چوکور برتن تھا جس میں شیشہ اور کنگھی رکھی رہتی تھی۔ آپ ﷺ کی ایک ہاتھی دانت کی کنگھی بھی تھی۔ ایک سرمہ دانی تھی، ایک قینچی، ایک مسواک، اس کے علاوہ تولنے کے لیے صاع اور مد کا پیمانہ تھا۔

رسول اللہ ﷺ کا سامان حرب وضرب

نبی کریم ﷺ کے پاس چھ کمانیں تھیں۔ ان کے نام درج ذیل ہیں:

1 الروحاء، 2 شوحط 3 الصفراء، (یہ احد کی جنگ میں ٹوٹ گئی تھی، نبع کی لکڑی کی بنی ہوئی تھی اور سیدنا قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے لے لی تھی) 4 السداس 5 الزوراء، 6 الکتوم (اس کی آواز بہت مدھم تھی)۔ [4]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک میں عربی کمان تھی۔ آپ ﷺ نے ایک آدمی

1 صحیح البخاری 2741 2 سبل الهدی والرشاد 361/7. 3 سنن أبي داود 3773 4 سبل الهدی والرشاد 362/7.

کو دیکھا جس کے ہاتھ میں فارسی کمان تھی۔ آپ ﷺ نے اُس شخص سے فرمایا: ”یہ تم نے کیا بانس اٹھا رکھا ہے؟“ پھر اپنی قوس کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: ”اس قسم کی کمانیں اور نیزے استعمال کرو۔ اس طرح اللہ تعالیٰ تمھارے ذریعے سے دین کی تائید فرمائے گا اور تمھیں ان ملکوں کا مالک بنا دے گا۔“ [1]

رسول اللہ ﷺ دوران جنگ خطبہ ارشاد فرماتے تو اپنی کمان پر ٹیک لگا لیا کرتے تھے۔ [2]

امام ابن ابی شیبہ نے رسول اللہ ﷺ کے ایک صحابی سے روایت کیا ہے، وہ بتاتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی معیت میں ایک غزوے میں شریک ہوئے۔ اس وقت ہمیں فاقہ کشی کی نوبت آ گئی۔ ہم نے دشمن کی بکریاں پکڑ لیں اور غنیمت کی تقسیم سے پہلے ہی ان کو ذبح کر ڈالا، ان کا گوشت تیار کیا، ہانڈیوں میں ڈالا اور چولھوں پر چڑھا دیے۔ اچانک ہم نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کمان پر ٹیک لگا کر چل رہے ہیں اور ہماری طرف تشریف لا رہے ہیں۔ ہانڈیاں چولھوں پر ابل رہی تھیں، رسول اللہ ﷺ نے ان سب کو اپنی کمان سے اوندھا کر کے زمین پر دے مارا اور ارشاد فرمایا:

لیست النهبی بأحل من المیتة

”لوٹی ہوئی چیز اسی طرح حرام ہے جس طرح مردہ حرام ہے۔“ [3]

تلواریں

رسول اللہ ﷺ کی تلواروں کے دستوں اور پھلوں پر چاندی کے جڑاؤ کا کام کیا گیا تھا۔ فتح مکہ کے روز رسول اللہ ﷺ کے پاس جو تلوار تھی، اس پر سونے اور چاندی کا کام کیا گیا تھا۔ [4]

جعفر بن محمد اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی تلوار کا قبضہ چاندی کا تھا۔ [5]

رسول کریم ﷺ کی گیارہ تلواریں تھیں جن کے نام یہ ہیں: 1 اَلْمَأْثُوْر: یہ آپ ﷺ کے والد ماجد کی تلوار تھی جو آپ کو ملی۔ جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے، اس وقت بھی یہ تلوار آپ ﷺ کے پاس موجود تھی۔ 2 ذُوالفقار: یہ بدر کی جنگ میں آپ ﷺ کو بطور مال غنیمت ملی تھی۔ اس کا دستہ چاندی کا تھا۔ ایک اور روایت میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اسے حجاج بن علاط نے بارگاہِ رسالت میں بطور ہدیہ پیش کیا تھا۔ 3 قلعیہ 4 البطار 5 الحتف ...... یہ تلواریں بنو قینقاع کے اسلحے کے اس ذخیرے سے لی گئی تھیں جو مسلمانوں کو بطور مال غنیمت ملا تھا۔ 6 مخذام 7 رسوب ...... یہ تلواریں آپ ﷺ کو بنو طے قبیلہ کے مال خانے سے ملی تھیں۔ 8 عضب: جب

1 سنن ابن ماجہ: 2810 2 الفوائد الشهير بالغيلانيات لأبي بكر: 368 3 المصنف لابن أبي شيبة: 5/777، سنن أبي داود: 2705 4 جامع الترمذي: 1690 5 الطبقات لابن سعد: 1/487.

رسول اللہ ﷺ غزوۂ بدر کے لیے روانہ ہوئے تو سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے یہ تلوار آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کی تھی۔ 9 قضیب: یہ تلوار بھی بنو قینقاع سے ملی تھی۔ 10 صَمْصَامَہ: یہ عرب کے نامور پہلوان عمرو بن معدیکرب زبیدی کی تلوار تھی۔ اسے خالد بن سعید اموی نے آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ یہ عرب کی مشہور ترین تلواروں میں سے ایک تھی جو آپ ﷺ کے زیر استعمال رہی۔ 11 اَلْحَتْفُ۔[1]

رسول اللہ ﷺ کے نیزوں کی تعداد پانچ تھی۔

1 اَلْمُثْوِی 2 اَلْمُنْثَنِی۔ اور بقیہ تین رسول اللہ ﷺ کو بنو قینقاع قبیلہ کے ہتھیاروں سے ملے تھے۔

چھوٹے نیزے

رسول اللہ ﷺ کے پاس پانچ چھوٹے نیزے تھے:

1 حربہ جسے النبعہ کہا جاتا تھا۔

2 البَیْضَاءُ: (یہ پہلے سے بڑا تھا) جب رسول اللہ ﷺ نماز عید پڑھانے مدینہ طیبہ سے باہر تشریف لے جاتے تو یہ نیزہ بطور سترہ گاڑا جاتا تھا۔

3 العَنَزَۃُ: یہ چھوٹا نیزہ تھا۔ عید کے دن رسول اللہ ﷺ سے پہلے آگے جانے والا شخص اسے اپنے ہاتھ میں تھام لیتا تھا۔ یہ نیزہ بھی عام طور پر سترہ کے لیے استعمال ہوتا تھا۔

4 النَّبْعَۃُ

5 القَمْرَۃُ۔[2]

زرہیں

ان کی تعداد سات بتائی گئی ہے:

1 السَّعْدِیَّہ: یہ اس زرہ کا نام ہے جو سیدنا داود علیہ السلام نے اس وقت پہنی جب انھوں نے جالوت کو قتل کیا۔ بعض مؤرخین کا کہنا ہے کہ یہ زرہ آپ ﷺ کو بنو قینقاع سے ملی تھی۔

2 فِضَّہ: رسول اللہ ﷺ کو یہ اور پہلی زرہ بنو قینقاع ہی کے اسلحے کے ذخیرے سے ملی تھی۔

3 ذَاتُ الْفُضُول: یہ ایک لمبی زرہ تھی۔ جب رسول اللہ ﷺ غزوہ بدر میں شرکت کے لیے روانہ ہوئے تو سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے یہ زرہ آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کی۔ یہی وہ زرہ ہے جو قائد قافلۂ انسانیت ﷺ نے ابوشحم

1 سبل الهدى والرشاد: 364/7. 2 سبل الهدى والرشاد: 365/7، 366.

یہودی کے پاس تیس صاع کے عوض رہن رکھی تھی۔ سیدہ اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جس روز سید الانبیاء ﷺ نے وفات پائی، اس روز رسول اللہ ﷺ کی زرہ تیس صاع جو کے بدلے ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی۔ [1]

4 ذَاتُ الْوِشَاحِ

5 ذَاتُ الْحَوَاشِي

6 الْبُتْرَاءُ: یہ چھوٹی سی زرہ تھی، اس لیے اسے اسی نام سے موسوم کیا گیا۔

7 الْخِرْنَقُ

رسول اللہ ﷺ کا ایک ''خود'' مبارک بھی تھا، اس کا نام السبوغ تھا۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس دن مجاہدین اسلام کے سالارِ اعظم رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ میں فاتحانہ شان سے داخل ہونے، اس دن آپ نے اپنے سر مبارک پر خود پہن رکھا تھا۔ [2] سیدنا سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جنگ احد میں آپ ﷺ نے دو زرہیں پہنی ہوئی تھیں۔ [3] مزید برآں آپ ﷺ کا ایک کمر بند بھی تھا جو چمڑے کا بنا ہوا تھا، اس میں چار حلقے تھے۔ [4]

ڈھالیں، ترکش اور تیر

رسول اللہ ﷺ کے پاس تین ڈھالیں تھیں: 1 اَلزَّلُوقُ 2 اَلْفُتَقُ 3 تیسری وہ ڈھال جس میں مینڈھے اور عقاب کی تصویر تھی۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب یہ آخری ڈھال بارگاہِ رسالت میں پیش کی گئی تو آپ ﷺ نے اس پر عقاب اور مینڈھے کی تصویر دیکھ کر بڑی کراہت کا اظہار کیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ان تصویروں کو مٹا دیا۔ [5]

جھنڈے، خیمے اور قبے

رسول اللہ ﷺ کا ایک بڑا سفید جھنڈا تھا۔ اس پر لکھا ہوا تھا: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ.

ایک جھنڈا سیاہ تھا اور ایک جھنڈا خاکی رنگ کا تھا۔ سیاہ رنگ کا ایک جھنڈا صوف کے کپڑے سے بنایا گیا تھا۔ اسے عقاب کہا جاتا تھا۔ ایک اور جھنڈا زرد رنگ کا تھا۔

1 سنن ابن ماجہ: 2438، مسند أحمد: 457/6. 2 صحیح البخاري: 5808، صحیح مسلم: 1357. 3 سنن أبي داود: 2806، سنن أبي داود: 2509. 4 سبل الهدیٰ والرشاد: 369,368/7. 5 الخصائص الکبریٰ للسیوطي: 126/2

ان کے علاوہ آپ ﷺ کا ایک اور جھنڈا بھی تھا، اسے خمیصہ کہا جاتا تھا۔[1]

ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے ایک کمبل کا ٹکڑا نکالا جس کا رنگ کالا تھا۔ آپ ﷺ نے اسے نیزے سے باندھا، پھر اس نیزے کو حرکت دی اور فرمایا: ''کون ہے جو اس نیزے کو اس شرط پر لے کہ اس کا حق ادا کرے؟ اس شرط کے باعث مسلمانوں پر خوف طاری ہوگیا، کوئی آگے بڑھنے کی جرأت نہ کر سکا۔ آخر کار ایک آدمی بڑھا اور عرض کیا کہ میں اس شرط پر یہ نیزہ لیتا ہوں کہ میں اس کا حق ادا کروں گا لیکن یہ فرمائیے کہ اس کا حق کیا ہے؟ فرمایا:

«لا تقاتل بها مسلما ولا تفر بها من كافر»

''اس کا حق یہ ہے کہ اس سے کسی مسلمان سے لڑائی نہ کرنا اور کسی کافر سے پسپائی اختیار نہ کرنا۔''[2]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ایک جھنڈا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس تھا اور انصار کا جھنڈا سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے پاس رہتا تھا۔ جب گھمسان کی لڑائی ہوتی تو رسول اللہ ﷺ انصار کے جھنڈے کے نیچے تشریف لے جاتے تھے۔[3]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کا سیاہ چتکبرا جھنڈا دیکھا ہے۔[4]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی کالی چادر احد میں جھنڈا بنا دی گئی۔ اس پر کجاووں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں۔[5]

غزوۂ حنین کے بعد جب رسول اللہ ﷺ جعرانہ کے مقام پر تشریف فرما ہوئے تو آپ ﷺ کے لیے ایک خیمہ نصب کیا گیا۔ آپ اس میں تشریف فرما تھے، اسی اثنا میں وحی نازل ہوئی۔[6] سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت آپ ﷺ سرخ رنگ والے چمڑے کے خیمے میں تشریف فرما تھے۔ میرے ساتھ چالیس آدمی تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس خیمے کے دروازے تمھارے لیے کھلے ہیں۔ تمھاری مدد کی جائے گی۔ تمھارا ہر حکم تسلیم کیا جائے گا۔ تم میں سے جو شخص امارت کے درجے پر فائز ہو، اسے چاہیے کہ نیکی کا حکم کرے، برائی سے روکے اور صلہ رحمی کرے۔''[7]

سیدنا ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: وہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میرے ساتھ بنو عامر کے دو افراد تھے۔ ابطح کے مقام پر آپ ﷺ کے لیے سرخ رنگ کا خیمہ نصب تھا۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''تم کون ہو؟'' عرض کی: ہم بنو عامر قبیلے کے ہیں۔ فرمایا:

[1] سبل الہدیٰ والرشاد: 371،370/7. [2] المطالب العالیۃ لابن حجر: 245/9. [3] المصنف لعبدالرزاق: 288/5، فضائل الصحابۃ لاحمد بن حنبل: 797/2. [4] سنن ابی داود: 2591. [5] شرح السنۃ: 404/10. [6] سنن النسائی: 2669. [7] المستدرک للحاکم: 175/4.

المرحبا بكم انتم مني!

''خوش آمدید! تم مجھ سے ہو۔''[1]

زین، نیچے بچھانے والی گدی

آپ ﷺ کی زین کا نام الداج الموجز تھا۔ گدی ایک بکری کے چمڑے کی تھی۔[2]

رسول اللہ ﷺ بچوں کو گھوڑے پر بٹھا لیتے تھے

سیدنا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی سفر سے واپس تشریف لاتے تو اہل بیت کے بچے استقبال کے لیے حاضر ہوتے۔ ایک دفعہ آپ ﷺ تشریف لائے، میں ان بچوں میں سب سے آگے تھا۔ آپ ﷺ نے مجھے اٹھایا اور آگے بٹھا لیا۔ پھر سیدہ فاطمہ کے صاحبزادے آئے تو ان کو اپنے پیچھے بٹھا لیا۔ پھر آپ ﷺ اسی طرح مدینہ میں داخل ہوئے۔[3]

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ سفر سے تشریف لائے تو سیدنا جعفر کے صاحبزادے عبداللہ اور سیدنا علی کے صاحبزادے حسین استقبال کے لیے حاضر تھے۔ آپ ﷺ نے ان میں سے بڑے کو پیٹھ کے پیچھے بٹھایا اور چھوٹے کو آگے بٹھایا۔[4] ایک اور موقع پر آپ ﷺ تشریف لائے تو سیدنا قثم کو آگے اور فضل کو پیچھے بٹھایا۔[5]

ان خوش بخت افراد کی تعداد 50 ہے جنھیں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سوار ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔ ان تمام حضرات کے اسمائے گرامی کے متعلق حافظ یحیی بن عبدالوہاب ابن مندہ المتوفی 511ھ نے ''معرفۃ أسامي أرداف النبي ﷺ'' کے نام سے مستقل رسالہ لکھا ہے جو مطبوع ہے۔ اسی طرح امام صالحی رحمہ اللہ نے بھی ان صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اسماء کا تذکرہ کیا ہے۔[6]

گھوڑوں سے محبت

رسول اللہ ﷺ تمام جانوروں سے بڑھ کر گھوڑوں سے محبت کرتے تھے۔ ان کی عزت کرتے، ان کی تعریف کرتے اور ان کے بارے میں وصیت فرماتے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو عورتوں کے بعد سب سے زیادہ محبت گھوڑوں سے تھی۔[7]

نبی اکرم ﷺ کو وحی کے ذریعے سے گھوڑوں کا خیال رکھنے کی اس قدر تاکید کی گئی تھی کہ ایک دن آپ ﷺ

[1] صحيح ابن حبان: 282/16، إتحاف الخيرة المهرة: 6972. [2] سبل الهدى والرشاد: 374/7. [3] صحيح مسلم: 2428.
[4] المطالب العالية: 639/11. [5] صحيح البخاري: 5966. [6] سبل الهدى والرشاد: 376/7، 377. [7] سنن النسائي: 3393.

اپنی چادر مبارک سے گھوڑے کا منہ صاف کر رہے تھے۔ عرض کی گئی: اے اللہ کے رسول! ایسا کیوں کر رہے ہیں؟ فرمایا: ''آج رات گھوڑوں کے بارے میں مجھ پر عتاب فرمایا گیا ہے۔''[1]

ایک دن رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک گھوڑا پیش کیا گیا۔ آپ ﷺ نے اس کے چہرے، دونوں آنکھوں اور نتھنوں کو اپنی قمیص مبارک کی آستین سے صاف کیا۔ عرض کی گئی کہ آپ اپنی قمیص مبارک کی آستین سے گھوڑے کو صاف کر رہے ہیں؟ فرمایا: ''جبریل نے مجھے ان کے بارے میں عتاب کیا ہے۔''[2]

ائمہ حدیث نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«الْخَيْلُ فِي نَوَاصِيهَا الْخَيْرُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ»

''اللہ تعالیٰ نے گھوڑوں کی پیشانیوں میں قیامت تک خیر و برکت رکھ دی ہے۔''[3]

سیدہ اسماء بنت یزید کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''گھوڑوں کی پیشانیوں میں قیامت تک کے لیے خیر و برکت باندھ دی گئی ہے۔ جو شخص اسے جہاد فی سبیل اللہ کا ذریعہ سمجھ کر گھر میں باندھتا ہے اور اس پر محبت سے خرچ کرتا ہے، اس کا بھوکا رہنا اور پیٹ بھر کر کھانا، پیاسا رہنا حتی کہ اس کی لید اور اس کا پیشاب بھی قیامت کے دن اس کی نیکیوں کے پلڑے میں رکھا جائے گا۔''[4]

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«الْغَنَمُ بَرَكَةٌ، وَالْإِبِلُ عِزٌّ لِأَهْلِهَا، وَالْخَيْلُ فِي نَوَاصِيهَا الْخَيْرُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَعَبْدُكَ أَخُوكَ فَأَحْسِنْ إِلَيْهِ، وَإِنْ وَجَدْتَهُ مَغْلُوبًا فَأَعِنْهُ»

''بکریوں میں برکت ہے، اونٹوں میں مالکوں کے لیے عزت ہے، گھوڑوں کی پیشانیوں میں تا قیامت خیر و برکت باندھ دی گئی ہے۔ تیرا غلام تیرا بھائی ہے، اس کے ساتھ اچھا سلوک کر۔ اگر تو دیکھے کہ اس کے ذمہ لگایا گیا کام مشکل ہے تو اس کی امداد کر۔''[5]

رسول اللہ ﷺ کا ایک گھوڑا تھا جو آپ نے ایک انصاری کو مرحمت فرما دیا۔ آپ ﷺ اس کے ہنہنانے کی آواز سنتے تھے۔ کچھ دن سے اس کی آواز آنی بند ہو گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا: ''تمھارا گھوڑا کہاں ہے؟'' انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں نے اسے خصی کر دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''گھوڑوں کی پیشانیوں

1 التمهيد لابن عبد البر: 468/2. 2 مراسيل أبي داود: 270. 3 صحيح البخاري: 2849. 4 مسند أحمد: 455/6.
5 مسند البزار: 345/7.

میں خیر و برکت ہے۔ یہ قیامت تک مال غنیمت ہے۔"[1]

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

[illegible]

"گھوڑوں کی تین قسمیں ہیں: ایک گھوڑا مالک کے لیے اجر کا باعث ہوتا ہے، ایک گھوڑا اپنے مالک کے لیے پردہ ہوتا ہے اور ایک گھوڑا مالک کے لیے بوجھ ہوتا ہے۔"

پھر اس ارشاد گرامی کی تشریح اس طرح فرمائی: "پہلا شخص وہ ہے جو گھوڑے کو اللہ کے راستے میں جہاد کے لیے پالتا ہے۔ چراگاہ میں یا باغ میں اس کی رسی دراز کرتا ہے، اس کی رسی سے جتنا جہاں وہ چرے گا یا پئے گا، سب کچھ اس کی نیکیوں میں شمار ہوگا۔ اگر وہ اپنی رسی توڑ کر دوڑے اور وہ اونچی جگہ پر سے قدم رکھے گا، اس کے نشانات بھی نیکیوں کے پلڑے میں رکھے جائیں گے۔ اس طرح وہ اس کے لیے اجر کا باعث ہوگا۔ دوسرا شخص جو اپنے پاس گھوڑا رکھتا ہے اور اس پر خرچ کرتا ہے تاکہ اسے روزمرہ کے کام میں استعمال کرے لیکن اس گھوڑے میں اللہ کا جو حق ہے اس کو فراموش نہیں کرتا تو یہ اس کے لیے پردہ ہے۔ تیسرا شخص جو فخر اور ریاکاری کے لیے گھوڑا پالتا ہے، وہ اس کے لیے بوجھ ہے۔"

بعض لوگوں نے گدھے کے بارے میں پوچھا کہ اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے گدھوں کے بارے میں مجھ پر وحی نہیں کی، البتہ ایک جامع آیت ہے، وہ یہ ہے:

﴿فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۝ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ﴾

"جس نے ذرہ بھر بھلائی کی، وہ اسے دیکھ لے گا۔ اور جس نے ذرہ بھر برائی کی، وہ بھی اسے دیکھ لے گا۔"

(تمام کام نیت پر موقوف ہیں۔)[2]

رسول اللہ ﷺ کے گھوڑے

رسول اللہ ﷺ کو گھوڑوں سے جو محبت تھی، اس کا بیان ہو چکا۔ مختلف اوقات میں جو گھوڑے رسول اللہ ﷺ کی ملکیت تھے، ان کا تذکرہ آپ کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ جو گھوڑے آپ ﷺ کے پاس رہے، ان کی کل تعداد متعین نہیں ہے۔ ان میں سے سات گھوڑے وہ ہیں جن کے بارے میں کوئی شک نہیں کہ وہ رسالت مآب ﷺ ہی کی ملکیت تھے اور آپ ﷺ ان پر سواری فرماتے رہے۔ ان گھوڑوں کے نام یہ ہیں

---

1 المعجم الكبير للطبراني [illegible] 2 صحيح البخاري [illegible]

متعلق علماء میں اختلاف ہے۔ وہ سات گھوڑے جن پر سب علماء کا اتفاق ہے کہ آپ ﷺ ہی کی ملکیت تھے، ان میں سے کچھ گھوڑے ایسے تھے جو مختلف رؤسائے قبائل، ریاستوں کے امراء اور بادشاہوں نے بطور ہدیہ خدمت عالیہ میں بھیجے تھے اور بعض ایسے ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ نے ان کے مالکوں سے خریدا تھا۔

ان سات گھوڑوں کے نام یہ ہیں:

1 السکب: یہ گھوڑا رسول اللہ ﷺ نے بنو بزارہ کے ایک آدمی سے مدینہ طیبہ کے بازار میں خریدا اور اس کی دس اوقیہ چاندی قیمت ادا کی۔ رسول اللہ ﷺ نے اسی گھوڑے پر سوار ہو کر معرکۂ احد میں شرکت فرمائی۔ یہ گھوڑا پنج کلیان تھا، اس کی پیشانی پر سفید نشان تھا اور اس کے چاروں پاؤں بھی سفید تھے۔ اس کا رنگ کمیت یعنی سرخ و سیاہ بیان کیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ اکثر اس پر سواری فرماتے رہے۔ ابن اثیر نے کہا ہے کہ یہ گھوڑا مشکی رنگ کا تھا۔ بڑا تیز رفتار تھا۔ اسی لیے اس کو سکب کے نام سے موسوم کیا گیا جس کے معنی ہی تیزی اور طغیانی ہیں۔

2 سبحۃ: اس پر سوار ہو کر رسول اللہ ﷺ گھوڑوں کی دوڑ میں شرکت فرمایا کرتے تھے اور یہ گھوڑا سب پر بازی لے جاتا تھا۔ اس سے آپ ﷺ کو بڑی مسرت ہوتی تھی۔ ابن حنین کہتے ہیں کہ یہ سرخ رنگ کا گھوڑا تھا۔ اسے آپ ﷺ نے بنو جہینہ کے ایک اعرابی سے خریدا تھا اور بطور قیمت دس اونٹ مرحمت فرمائے تھے۔

3 مرتجز: یہ گھوڑا نبی کریم ﷺ نے بنو مرہ کے ایک اعرابی سواء بن حارث سے خریدا تھا۔ یہ سفید رنگ کا تھا، اس کے ہنہنانے کی آواز بڑی دلکش تھی، اسی لیے اس کا نام مرتجز رکھا گیا۔

4 لزاز: یہ گھوڑا مقوقس شاہ مصر نے بارگاہ رسالت میں بطور ہدیہ پیش کیا تھا۔ یہ آپ ﷺ کو بہت پسند تھا۔ آپ ﷺ نے اسی پر سوار ہو کر اکثر غزوات میں شرکت فرمائی۔

5 الظرب: یہ تمام گھوڑوں سے اعلیٰ اور نفیس ترین گھوڑا تھا۔ اسے فروہ بن عمرو الجذامی نے بطور تحفہ بارگاہ رسالت میں پیش کیا۔

6 لحیف: اس کی دم بڑی لمبی تھی یہاں تک کہ وہ زمین کو ڈھانپ لیا کرتی تھی۔ سعد بن مالک اپنے باپ دادا سے روایت کرتے ہیں:

كان للنبي ﷺ في حائطنا فرس يقال له اللحيف.

''ہمارے باغ میں جو حویلی تھی، اس میں رسول اللہ ﷺ کا ایک گھوڑا تھا جس کا نام لحیف تھا۔''[1]

1 - صحیح البخاری 2855

دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے تین گھوڑے ان کی حویلی میں بندھے رہتے تھے، جن کے نام بالترتیب لزاز، الظرب اور لحیف تھے۔ لزاز شاہ مصر مقوقس نے، لحیف ربیعہ بن ابی براء نے اور الظرب فروہ بن عمرو الجذامی نے خدمت عالیہ میں بطور ہدیہ پیش کیا تھا۔

7 الورد: یہ سرخ رنگ کا گھوڑا تھا، اس لیے اسے الورد سے موسوم کیا گیا۔ سہل بن سعد سے مروی ہے کہ یہ گھوڑا تمیم داری رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ آپ ﷺ نے یہ گھوڑا سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ انھوں نے یہ گھوڑا ایک مجاہد کو پیش کر دیا تاکہ وہ اس پر سوار ہو کر جہاد میں حصہ لے۔[1]

خچر

نبی کریم ﷺ کے پاس مندرجہ ذیل سات خچر تھے:

1 دلدل
2 فضہ
3 ایک سفید خچر تھا جو ایلہ کے حاکم ابن علماء نے آپ کو ہدیے میں بھیجا تھا۔
4 ایک خچر آپ کو کسریٰ نے تحفے میں بھیجا تھا۔
5 صاحب دومۃ الجندل نے بھی آپ کی خدمت میں ایک خچر بطور ہدیہ ارسال فرمایا۔
6 نجاشی کی طرف سے بھیجا ہوا خچر۔
7 ایک شامی خچر تھا۔[2]

گدھے

رسول اللہ ﷺ کے پاس سواری کے لیے چار گدھے بھی تھے:

1 عفیر: یہ مقوقس نے آپ کو ہدیے میں دیا تھا۔
2 یعفور: یہ آپ کو فروہ بن عمرو بن جذامی نے ہدیہ کیا تھا۔
3 یہ وہ گدھا تھا جو آپ ﷺ کو سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے دیا تھا۔
4 چوتھا گدھا وہ تھا جو ایک صحابی نے آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔[3]

1 سبل الہدیٰ والرشاد 7/397، 398۔ 2 سبل الہدیٰ والرشاد 7/403-405۔ 3 سبل الہدیٰ والرشاد 7/405، 406۔





معجزات، عہدِ رفتہ کی خبریں، پیش گوئیاں اور دعائیں

رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں رونما ہونے والے مختلف معجزات کی روداد، ماضی کی خبروں اور مستقبل کے حالات و حوادث سے آگہی کی تفصیلات اور امت کی فلاح کے لیے رسالت مآب ﷺ کی دعائیں




ورفعنا لك ذكرك

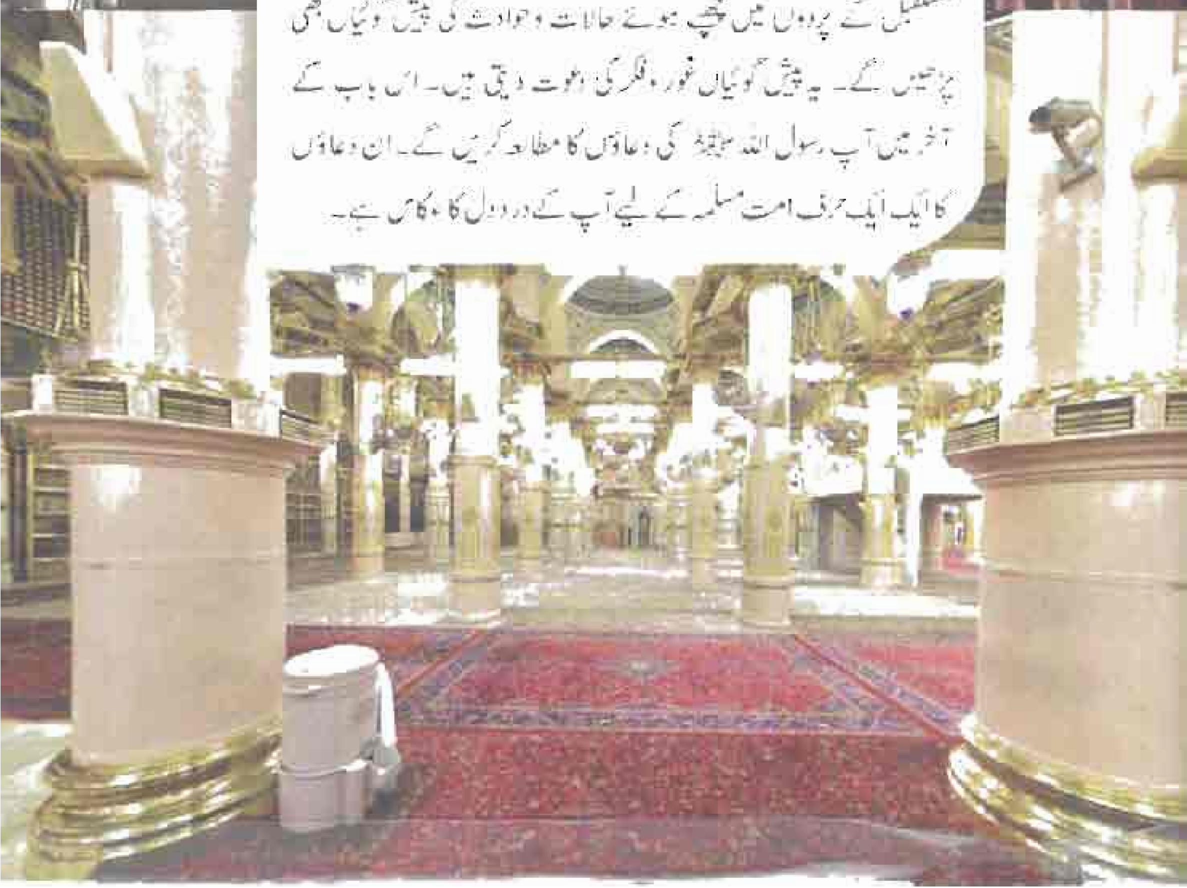
اس باب میں



آپ ان حیران کن غیر مانوس، فوق الفطرت اور ناممکن الوقوع حوادث و واقعات کو پڑھیں گے جو رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے بطور معجزہ ظہور پذیر ہوئے۔ رسالت مآب ﷺ شام و سحر اللہ کی بندگی کی دعوت دیتے تھے۔ آپ ﷺ کی ساری تڑپ اور طلب یہ تھی کہ نورِ توحید لوگوں کے دل و دماغ میں نفوذ کر جائے اور وہ توہمات و خرافات اور اصنام پرستی کی نجاست سے بالکل پاک ہو جائیں۔ اس سلسلے میں بعض مشرکین آپ ﷺ سے آپ کی نبوت کی صداقت کے ثبوت کے طور پر انہونی باتوں کا مطالبہ کرتے تھے۔ چنانچہ اللہ رب العزت نے رسول کریم ﷺ کو بہت سے معجزوں سے سرفراز فرمایا۔ اگلے اوراق میں آپ ان ایمان افروز معجزوں کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کی زبان صداقت ترجمان سے ماضی کے اہم واقعات اور مستقبل کے پردوں میں چھپے ہوئے حالات و حوادث کی پیش گوئیاں بھی پڑھیں گے۔ یہ پیش گوئیاں غور و فکر کی دعوت دیتی ہیں۔ اس باب کے آخر میں آپ رسول اللہ ﷺ کی دعاؤں کا مطالعہ کریں گے۔ ان دعاؤں کا ایک ایک حرف امت مسلمہ کے لیے آپ کے درد دل کا عکاس ہے۔







معجزات اور ان کی حقیقت

مُعْجِزَۃ، معجزات کا واحد ہے۔ اس کا مادہ ع، ج، ز ہے۔ عَجَزَ یَعْجِزُ عَجْزًا کے لغوی معنی کسی چیز سے پیچھے رہ جانے، یا اس کے ایسے وقت میں حاصل ہونے کے ہیں جب کہ اس کے حصول کا وقت گزر چکا ہو، لیکن عام طور پر اس کا استعمال اور اطلاق کسی کام کے کرنے سے قاصر رہنے پر ہوتا ہے اور یہ قدرت کی ضد ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

﴿ أَعَجَزْتُ أَنْ أَكُونَ مِثْلَ هَٰذَا الْغُرَابِ فَأُوَارِيَ سَوْءَةَ أَخِي ﴾

''میں اس کوے جیسا ہونے سے بھی عاجز رہا کہ اپنے بھائی کی لاش چھپا دیتا۔''[1]

معجزات کی حکمت

اللہ رب العزت کے پیغمبروں کی فکری اور عملی زندگی بہت اُجلی اور پاکیزہ تھی۔ قرآن کریم نے ان کی عملی زندگی کو ان کی نبوت کی سچائی کے ثبوت کے طور پر پیش کیا ہے۔ پیغمبروں کا حُسنِ سیرت دیکھنے کے باوجود ان کے عہد کے لوگوں نے طرح طرح کی خارق عادت باتوں کا مطالبہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے میں بھی عہد بہ عہد اپنے رسولوں کی مدد کی اور انھیں طرح طرح کے معجزے عطا فرمائے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو ید بیضا مرحمت فرمایا، سیدنا نوح علیہ السلام کو کشتی دے دی۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کر کے انھیں مردوں کو زندہ کر دینے کے معجزے سے نوازا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام پر آگ کو ٹھنڈا کر دیا۔ سیدنا داؤد علیہ السلام کے ہاتھ میں لوہے کو موم کر دینے کی صلاحیت رکھ دی۔ سیدنا سلیمان علیہ السلام کو دنیا کی عدیم النظیر بادشاہت عنایت فرمائی، سیدنا صالح علیہ السلام کو اونٹنی دے دی اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے لیے زمزم کا ابدی چشمہ جاری کر دیا۔ ان معجزوں کی غایت یہ تھی کہ جو لوگ دعوت الی اللہ کو نہ مانیں، وہ عاجز کر دینے والی نشانیاں دیکھ کر قبولِ حق پر آمادہ ہو جائیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول امام الانبیاء سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بے شمار معجزے عطا کیے تاکہ اسلام کے منکر اسلام قبول کر لیں اور کمزور ایمان والے مسلمان اپنی جگہ محکم اور ثابت قدم ہو جائیں۔

[1] المآئدۃ 5:31.

پیغمبروں سے وقوع پذیر ہونے والے واقعات کی توجیہ سے عقل انسانی عاجز ہے، قرآن مجید کی زبان میں اس قسم کے واقعات کو بینات، براہین یا زیادہ تر آیات کے نام سے جانا جاتا ہے۔ محدثین ان کو ''دلائل نبوت'' سے تعبیر کرتے ہیں اور حکما، و متکلمین کی اصطلاح میں ان ہی کو معجزات کہا جاتا ہے۔

آپ ﷺ کا سب سے عظیم معجزہ قرآن مجید ہے۔ اس کے علاوہ بہت سارے معجزات ایسے ہیں جن کا تذکرہ قرآن مجید میں ہے، مثلاً: اسراء و معراج اور شق قمر وغیرہ۔ کچھ معجزات ایسے بھی ہیں جن کا تذکرہ احادیث میں ملتا ہے۔

معجزات کا صدور و اظہار انبیاء علیہم السلام کی اپنی طاقت اور قدرت سے نہیں ہوتا، بلکہ ان کا ظہور اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی قدرت و مشیت کے تابع ہوتا ہے۔ البتہ یہ معجزات انبیاء علیہم السلام کی نبوت و رسالت کی تائید و توثیق ضرور کرتے ہیں، اس لیے کہ ان سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ غیبی قوتیں ''پیغمبر'' کی تائید و توثیق کر رہی ہیں۔

پھر انبیاء علیہم السلام کے مراتب و درجات میں جس طرح تفاوت ہوتا ہے، اسی طرح انبیاء علیہم السلام کی تائید و نصرت کے لیے رونما ہونے والے معجزات کی تعداد اور ان کی کیفیت و کمیت میں بھی فرق ہوتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ تمام انبیاء علیہم السلام کے سردار اور خاتم تھے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی تائید و نصرت کے لیے آپ کو سب سے زیادہ معجزات عطا فرمائے۔

ہر شخص کی زندگی میں کم و بیش ایسے حالات ضرور رونما ہوتے ہیں جن کی انسان اپنی تمام تر کوشش کے باوجود کوئی توجیہ نہیں کر سکتا، جیسے حادثے سے بال بال بچ جانا، مہلک بیماری سے نجات پا جانا، موت کے منہ سے بچ کر چلے آنا، اچانک کسی غیر متوقع خوشی کا سامنا ہو جانا، دفعتاً حالات کا کوئی غیر متوقع رخ اختیار کر لینا وغیرہ۔ اس لیے ایسے موقعوں پر اکثر کہا جاتا ہے کہ ''یہ تو کوئی معجزہ ہو گیا ہے ورنہ یہ توقع نہ تھی۔'' حقیقت میں ان باتوں کا معجزے سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا، البتہ اتنا ضرور ہے کہ یہ باتیں چونکہ عام روش سے ہٹ کر واقع ہوتی ہیں، اس لیے ہم ان کو مافوق الفطرت خیال کر بیٹھتے ہیں، اس کے برعکس انبیاء علیہم السلام کو دعوائے نبوت کے بعد عطا کیے جانے والے معجزات اس سے قطعی مختلف اور اس سے کہیں زیادہ بلند مقام کے حامل ہوتے ہیں۔

معجزے اور سحر و کہانت میں فرق

انبیاء علیہم السلام کے معجزات اور جادوگروں اور شعبدہ بازوں کے کرتبوں میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام جو بات کہتے ہیں یا کرتے ہیں وہ وحی الٰہی کے مطابق ہوتی ہے اور انھیں حکم دینے والا اللہ جل شانہ ہے، لہٰذا وہ ہمیشہ اللہ کی بندگی کی دعوت، آخرت کے لیے تیاری اور عدل و انصاف، نیکی، تقویٰ اور پرہیزگاری کا حکم دیں گے۔

جبکہ ساحر و شعبدہ باز ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی، شرک وظلم اور دنیا کی زندگی کو زیادہ ترجیح دینے کی بات کرتے ہیں جس کا نتیجہ فتنہ و فساد ہوتا ہے۔

پیغمبر ہمیشہ سچی بات کرتے ہیں اور آسمانی کتاب ان کی تصدیق کرتی ہے جبکہ کاہن و جادوگر ہمیشہ جھوٹ بولتے ہیں، جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

﴿هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيَاطِينُ ۝ تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ﴾

''کیا میں تمھیں بتاؤں کس پر شیاطین نازل ہوتے ہیں؟ وہ ہر جھوٹ گھڑنے والے، سخت گنہگار پر نازل ہوتے ہیں۔''[1]

ساحروں اور کاہنوں سے ایسی چیزیں وقوع پذیر ہوتی ہیں جنھیں دوسرے ساحر و کاہن بھی جانتے ہیں اور وہ بھی ان جیسے کام کر سکتے ہیں جبکہ پیغمبروں سے وقوع پذیر ہونے والے معجزے کو کوئی دوسرا شخص کر کے نہیں دکھا سکتا۔ نبوت کی طرح معجزہ و آیت بھی اللہ تعالیٰ کی عطا و عنایت ہے جبکہ سحر و کہانت کسبی عمل ہے۔

ساحر اور کاہن ساحری کی باقاعدہ تعلیم لیتے ہیں، یہ تدریجاً سیکھنے سکھانے کا فن ہے، اسے لوگ بھی پہچانتے ہیں جبکہ پیغمبروں سے معجزات کے اظہار کا تعلیم و تعلم سے کوئی سروکار نہیں۔ نبوت تو اسے ہی مل سکتی ہے جو نیکوکار، پاکیزہ اور عادل و صادق شخص ہوگا، عام زندگی میں کوئی اس پر انگلی نہیں اٹھا سکتا۔ جبکہ ساحر و کاہن اللہ پر جھوٹ بولتا ہے اور وہ عام زندگی میں بھی کذب بیانی سے کام لیتا ہے۔

ساحر و کاہن سے جو چیزیں سرزد ہوتی ہیں، جنوں اور انسانوں میں بھی کوئی نہ کوئی ان اعمال و افعال پر قادر ہوگا جبکہ انبیاء علیہم السلام کے معجزات کی کوئی جن اور انسان نقل نہیں کر سکتا، جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

﴿قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا﴾

''کہہ دیجیے: یقیناً اگر تمام انسان اور جن اس (بات) پر جمع ہو جائیں کہ اس قرآن جیسا بنا لائیں تو وہ اس جیسا نہیں لا سکیں گے اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں۔''[2]

قرآن کریم کے مطابق معجزات کسی آسمانی مذہب کی تائید و حمایت کے لیے رونما ہوتے ہیں اور تائید رسالت کے لیے ثانوی حیثیت رکھتے ہیں۔ اساسی اہمیت تو انسانی عقل و شعور، پیغمبر کی سیرت و کردار اور اس کی تعلیمات کو

1 الشعرآء 26:221، 222۔ 2 بنی اسرائیل 17:88۔

حاصل ہوتی ہے۔ اسی بنا پر قرآن حکیم میں معجزات کے مطالبے پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا گیا اور عقل و خرد سے کام لینے کی ضرورت پر زور دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد عالی ہے:

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ ۚ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِندِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا

''کیا پھر وہ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے؟ اور اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو یقیناً وہ اس میں بہت زیادہ اختلاف پاتے۔''[1]

چنانچہ یہودیوں کے انکارِ رسالت کے لیے آنحضورؐ معجزہ پیش نہ کرنے کے عذر پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:

قُلْ قَدْ جَاءَكُمْ رُسُلٌ مِّن قَبْلِي بِالْبَيِّنَاتِ وَبِالَّذِي قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوهُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ

''کہہ دیجیے: بے شک مجھ سے پہلے تمھارے پاس کئی رسول کھلی نشانیاں اور وہ (معجزہ) بھی لے کر آئے جس کا تم مطالبہ کر رہے ہو، پھر تم نے انھیں قتل کیوں کر ڈالا اگر تم سچے ہو؟''[2]

اسی طرح قریشِ مکہ کی طرف سے مطالبات کی ایک طویل فہرست پیش کرنے پر بطور تبصرہ ارشاد فرمایا:

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا

''آپ کہہ دیجیے: میرا رب پاک ہے، میں تو بس ایک بشر رسول ہوں۔''[3]

ایک دوسرے موقع پر عجیب و غریب اور بے سروپا سوالات کرنے والوں کو متنبہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

قُل لَّا أَقُولُ لَكُمْ عِندِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ ۖ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا
يُوحَىٰ إِلَيَّ ۚ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ۚ أَفَلَا تَتَفَكَّرُونَ

''(اے نبی!) کہہ دیجیے: میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، اور نہ میں غیب جانتا ہوں، اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ بیشک میں فرشتہ ہوں، میں تو اسی چیز کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ کہہ دیجیے: کیا نابینا اور بینا برابر ہو سکتے ہیں؟ تو کیا تم غور نہیں کرتے؟''[4]

ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

وَإِن كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ إِعْرَاضُهُمْ فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَن تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْأَرْضِ أَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَاءِ
فَتَأْتِيَهُم بِآيَةٍ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدَىٰ ۚ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْجَاهِلِينَ

''اور اگر ان (کافروں) کا حق سے منہ موڑنا آپ کو ناگوار ہے تو اگر آپ میں یہ طاقت ہے کہ آپ زمین

1 النساء 82:4۔ 2 آل عمران 183:3۔ 3 بنی اسرائیل 93:17۔ 4 الانعام 50:6

میں کوئی سرنگ یا آسمان میں کوئی سیڑھی ڈھونڈ لیں، پھر آپ ان کے پاس کوئی نشانی لے آئیں (تو ایسا کر گزریں) اور اگر اللہ چاہتا تو انھیں ہدایت پر ضرور جمع کر دیتا، بس آپ نادانوں میں سے ہرگز نہ ہونا۔"[1]

ان تمام آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو معجزات کا طلب کرنا اور ان کو مدار ایمان قرار دینا قطعی پسند نہ تھا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ قرآن حکیم میں سرے سے معجزات کے وجود ہی کا انکار کیا گیا ہے، اس لیے کہ قرآن حکیم سابقہ انبیاء کے علاوہ خود رسول اللہ ﷺ کے متعدد معجزات کا ذکر کرتا ہے اور متعدد مقامات پر آپ ﷺ کے معجزات کی صراحت بھی کرتا ہے، مثلاً سورۂ قمر میں ہے:

﴿ وَإِن يَرَوْا آيَةً يُعْرِضُوا وَيَقُولُوا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ﴾

"اور اگر وہ (مشرک) کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ (یہ) ہمیشہ سے چلتا ہوا جادو ہے۔"[2]

اسلام نے معجزات کو تصدیق کے اعتبار سے جو ثانوی حیثیت دی ہے تو اس کی وجہ قرآن کریم سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ معجزات سے کسی قوم کو بہت کم ہدایت نصیب ہوتی ہے۔ اس لیے کہ جن لوگوں کو ایمان قبول کرنا ہوتا ہے، ان کے لیے عقل و بصیرت کی دلیل ہی کافی ہوتی ہے اور جنھیں ہدایت قبول نہ کرنی ہو، انھیں چاند کے ٹکڑے کر کے دکھا دینے سے بھی ہدایت نصیب نہ ہو سکی۔

معجزات کی تعداد

سرور کائنات ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بے شمار معجزات عطا ہوئے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ امام بیہقی اور علامہ زاہدی رحمہ اللہ نے معجزات نبوی کی تعداد ایک ہزار، امام نووی رحمہ اللہ نے بارہ سو سے زائد اور بعض نے تین ہزار تک بیان کی ہے۔ بہت سے علماء، مثلاً: ابونعیم اصفہانی اور امام بیہقی رحمہ اللہ وغیرہ نے ان تمام معجزات کو جمع کرنے کا اہتمام کیا ہے۔[3]

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے الخصائص الکبریٰ میں ایک ہزار معجزات شمار کیے ہیں۔ ان میں سے بیشتر ایسے ہیں جو مستند اور معتبر راویوں سے روایت کیے گئے ہیں اور ان میں سے کسی ایک کا بھی اس زمانے کے کسی آدمی سے انکار ثابت نہیں۔ اس طرح مجموعی طور پر معجزات کی روایات کو تواتر کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔

معجزات کو عقلی اور نقلی یا حسی اعتبار سے تقسیم کیا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو یہ امتیاز اور افتخار بھی حاصل ہے کہ

1 الانعام 6:35۔ 2 القمر 54:2۔ 3 فتح الباری 6/712

آپ کو دونوں قسم کے معجزات مرحمت فرمائے گئے۔

1 عقلی معجزات سے مراد ایسی مافوق العادت باتیں ہیں جن کے فہم و ادراک کا ذریعہ انسانی عقل و شعور ہے، پھر جیسا کہ اوپر ذکر ہوا شریعت اسلامیہ نے نبوت و رسالت کے لیے غور و فکر اور عقل و شعور سے کام لینے کو اساسی اہمیت دی ہے، اسی لیے معجزات نبوی کی یہ صورت انتہائی اہم اور وقیع ہے۔

2 نقلی یا حسی معجزات سے مراد ایسے معجزات ہیں جن کو حواس خمسہ کے ذریعے محسوس کیا جا سکتا ہے اور جن کی خبر عینی شاہدوں کے ذریعے ہم تک پہنچی ہے۔

کچھ معجزات ایسے ہیں جن کا تذکرہ احادیث مبارکہ میں موجود ہے لیکن قرآن مجید نے بھی انھیں خاص طور پر اجاگر کیا ہے۔ اور کچھ کا ذکر سیرت و تاریخ کی کتابوں میں ہے۔ آیئے ان معجزوں کا خوبصورت تذکرہ پڑھتے ہیں۔

معجزات نبوی ﷺ

''قرآن مجید'' عظیم معجزہ

یوں تو دنیا میں بہت سے انبیاء علیہم السلام آئے، ان میں صابر بھی تھے اور صفی اللہ بھی، ان میں کلیم اللہ بھی تھے اور روح اللہ بھی، ان میں خلیل اللہ بھی تھے اور اللہ تعالیٰ کے مجتبیٰ بھی، لیکن بارگاہ ایزدی سے جلالت، عظمت اور بلندی و رفعت کا جو مقام سرور کائنات ﷺ کو عطا ہوا، وہاں تک کسی اور رسول یا نبی کی رسائی نہ ہوسکی۔ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح اللہ رب العزت اپنی ذات و صفات میں یکتا اور وحدہٗ لاشریک ہے، اس طرح ہادی عالم ﷺ آسمان نبوت و رسالت پر اپنی صفات نبوت اور کمالات علمیہ میں دوسروں سے ممتاز، فائق اور برتر ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے سرور عالم ﷺ کی رسالت و نبوت کی تائید و توثیق کے لیے آپ کو جو کھلی نشانیاں عطا فرمائیں، ان سب کی عظمت مسلم ہے مگر معجزۂ قرآنی میں جو علمی کمالات و صفات، جو جلالت و عظمت اور انسانی دنیا کے لیے جو فوائد و خصائص پوشیدہ ہیں، وہ انبیاء علیہم السلام کو عطا ہونے والے معجزات سمیت کسی معجزے میں نظر نہیں آتے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ جس طرح خود اللہ تعالیٰ کی ذات والا صفات بے مثل اور بے مثال ہے، اسی طرح اس کا یہ بابرکت کلام، جو امت محمدیہ کو رحمت عالم ﷺ کے ذریعے میسر آیا، اپنی ذات اور اپنے کمالات و اوصاف میں عدیم المثال ہے۔ یقیناً قرآن مجید نبی کریم ﷺ کا سب سے عظیم، لافانی اور ابدی معجزہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

ما من الأنبياء نبي إلا أعطي من الآيات ما مثله آمن عليه البشر، وإنما كان الذي أوتيته وحيا أوحاه الله إلي، فأرجو أن أكون أكثرهم تابعا يوم القيامة.

''ہر نبی کو ایسے ایسے معجزات عطا کیے گئے کہ (انھیں دیکھ کر) لوگ ان پر ایمان لائے (بعد کے زمانے میں ان کا کوئی اثر نہیں رہا) اور مجھے جو معجزہ دیا گیا ہے، وہ وحی (قرآن) ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر نازل کی ہے (اس کا اثر قیامت تک باقی رہے گا)، اس لیے مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن میرے تابع فرمان

لوگ دوسرے پیغمبروں کے تابع فرمانوں سے زیادہ ہوں گے۔“[1]

اس لیے قرآن حکیم اپنے الفاظ و کلمات، جملوں اور اسلوب بیان کے اعتبار سے بھی بے مثال ہے اور اپنے مضامین و افکار کی بنا پر بھی دنیا کا سب سے زیادہ محیر العقول معجزہ اور رہتی دنیا تک انسانوں کے لیے ہدایت و رہنمائی کا سب سے بڑا سرچشمہ ہے۔

قرآن کریم نبی اکرم ﷺ کا زندہ معجزہ ہونے کی بنا پر ہمیشہ امت کی خصوصی توجہ کا مرکز رہا ہے۔ اس بارے میں اس کے معجزہ ہونے پر جو گفتگو کی جاتی ہے، وہ ”وجوہ اعجاز قرآن“ کہلاتی ہے۔ ہر سیرت نگار یا مفسر قرآن نے اس موضوع پر اپنے اپنے انداز میں بہت عمدہ بحث کی ہے اور کوشش کی ہے کہ اس پیکر فصاحت و بلاغت کے اعجاز کی وجوہ کو نمایاں کیا جائے۔ ان تمام مصنفین کی کاوشوں میں، گو اپنی اپنی انفرادیت کی جھلک بھی پائی جاتی ہے، مگر مجموعی طور پر چند باتوں میں سب کا اشتراک ہے۔

قرآن حکیم اپنے الفاظ کے انتخاب، موقع محل سے ان کی مطابقت، جملوں کی بندش، ترکیبوں کی ندرت اور ان کی حسب منشا تاثیر کے اعتبار سے فصاحت و بلاغت کے نصف النہار پر ہے۔ اسی لیے یہ دنیا کی واحد کتاب ہے جس نے لوگوں کو مقابلے کا چیلنج دیا، مگر کوئی بھی اس کا مقابلہ نہ کر سکا۔

سیرت واحادیث کی کتابوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اہل عرب نے جب پہلی مرتبہ قرآن کریم کا معجز نما بیان سنا تو انگشت بدنداں رہ گئے اور کلام ربانی کی فصاحت و بلاغت کے آگے ان کی گردنیں جھک گئیں۔ انھوں نے اس کے سامنے اپنے شعری دیوان پھینک دیے اور کئی پختہ کلام شاعروں نے شاعری ہی چھوڑ دی۔ یہ قرآن کریم کی زبردست تاثیر کا ایک ادنیٰ سا مظاہرہ تھا۔

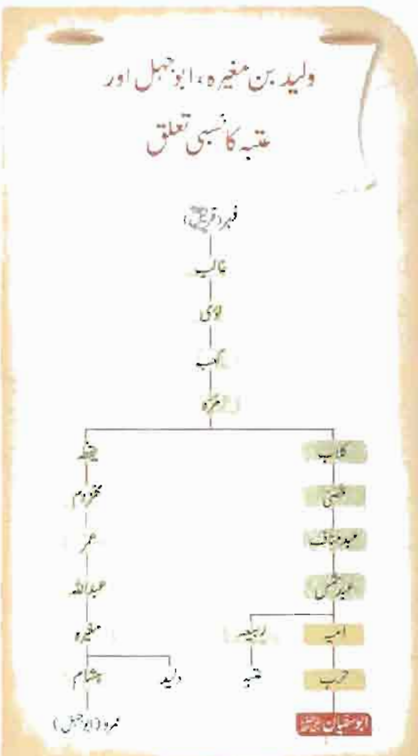
یہ حقیقت بھی اپنی جگہ ہے کہ فصاحت و بلاغت عربوں کی ایسی منفرد خوبی تھی جو ان کی فطرت بن گئی تھی۔ ہر بچہ پیدائشی طور پر فصیح زبان سنتا اور بولتا تھا۔ زبان و بیان کے لحاظ سے ان کا کوئی قبیلہ کسی دوسرے قبیلے سے مرعوب نہیں ہوتا تھا۔ اس کے باوجود وہ لوگ قرآن حکیم کو سن کر اس کی سچائی اور حسن بیان میں کھو گئے۔

اہل عرب میں عام طور پر کلام کی تین قسمیں رائج تھیں: 1 نظم (اشعار)، 2 نثر (روزمرہ کی بول چال، خطوط اور خطابت کی زبان)، 3 سجع، یعنی مقفٰی و مسجع عبارت، جو عام طور پر کاہن بولتے تھے۔ اس میں الفاظ زیادہ سے زیادہ پرشوکت، مگر معانی انتہائی بے وقعت اور کمزور ہوا کرتے تھے۔

1 صحیح البخاری، 4981

قرآن حکیم نے ان سب سے منفرد اور بالکل مختلف اسلوب بیان کی جلوہ آرائی کی جو نہ تو شعر ہے، نہ مروجہ نثر اور نہ ہی سجع، بلکہ یہ کلام کہیں چھوٹی چھوٹی آیات (قطعات) پر مشتمل ہے تو کہیں بڑی بڑی آیات سے جگمگا رہا ہے، مگر ہر جگہ الفاظ کی رونق اور چمک دمک کے ساتھ ساتھ معانی کا ایک بحر بے کراں ٹھاٹھیں مارتا دکھائی دیتا ہے۔ اسی بنا پر فصحائے عرب کو اس کلام کی صنف متعین کرنے میں بے حد دشواری کا سامنا کرنا پڑا۔

قرآن مجید کی سورتوں کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے: طوال مفصل (سورۂ حجرات سے سورۂ عم یتساءلون تک)، اوساط مفصل (سورۂ نازعات سے ضحیٰ تک)، قصار مفصل (ضحیٰ سے ناس تک)۔ اس تقسیم میں بعض نے اختلاف بھی کیا ہے۔ قرآنی آیات کو بھی تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے: طویل آیات، مثلاً سورۂ بقرہ میں۔ اوساط آیات، مثلاً سورۃ الاعراف اور سورۃ الانعام میں۔ قصار آیات، مثلاً سورۂ رحمٰن اور سورۂ مرسلات میں۔ ان سب میں قرآنی آیات کے الفاظ و حروف کا ایک خاص اسلوب ہے اور معانی کی وسعت کے ساتھ ساتھ آیات کے الفاظ و حروف اور ان کی اصوات ایک خاص سماعتی فضا اور ایک خاص لذت پیدا کرتی ہیں۔ جب یہ آیات پڑھی جاتی ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی دریا رواں دواں ہو، آواز کے اتار چڑھاؤ سے بلاشبہ کسی آبشار کے گرنے کا سماں بندھتا ہے۔ اسی بنا پر شاعری کی قسم سے نہ ہونے کے باوجود یہ اکلوتی کتاب ہے جسے پڑھنے (تلاوت کرنے) کا خاص فن پیدا ہوا اور اس نے اتنا عروج و قبول حاصل کیا کہ ہر زمانے میں ہزاروں افراد اس شعبہ علم سے وابستہ رہے ہیں اور روز بروز اس کو ترقی نصیب ہو رہی ہے۔



ایک مرتبہ ولید بن مغیرہ نے قرآن کی کوئی آیت سنی تو وہ اس سے بے حد متاثر ہوا۔ ابوجہل نے جب اسے متاثر دیکھا تو قرآنی آیت کا اثر دور کرنے کے لیے کہنے لگا: یہ تو نظم کی کوئی قسم ہے۔ ولید بولا: واللہ! تم میں مجھ سے زیادہ عربی اشعار کا جاننے والا کوئی نہیں۔ شعر سے اس کلام کو کوئی مناسبت ہی نہیں۔ ایک موقع پر کسی نے نبی ﷺ کو کاہن، جادوگر، یا مجنون کہنے کی تجویز پیش کی تو ولید نے مخالفت کرتے ہوئے کہا نہ یہ کاہن ہے، کیوں کہ اس کلام کو کاہنوں کے کلام سے کوئی نسبت ہی نہیں، نہ یہ جادوگر اور مجنون ہے۔

سردارِ قریش عتبہ بن ربیعہ نے یہ کلام سنا تو بے اختیار بولا: واللہ! آج تک میں نے ایسا کلام کبھی نہیں سنا، نہ تو یہ شعر ہے اور نہ سحر۔ اسی طرح ابوذر رضی اللہ عنہ کے بھائی اُنیس رضی اللہ عنہ نے، جو خود بھی ایک بلند پایہ شاعر تھے، اسلوبِ قرآن کے بارے میں گواہی دی: میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام بہت بلند پایہ ہے۔ اس سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ آپ جو کچھ کہتے ہیں وہ سچ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن جھوٹے ہیں۔[1]

قرآن حکیم کے ہر ایک مطلع و مقطع میں ایک خاص قسم کا حسن و جمال اور توازن واعتدال پایا جاتا ہے۔ وزن وقوافی سے مبرا ہونے کے باوجود الفاظ کی غنائیت اور جملوں کی موزونیت ہر جگہ فراوانی کے ساتھ محسوس ہوتی ہے۔ قرآنی آیت کی غنائیت کا یہ عالم ہے کہ باوجود اس بات کے کہ اکثر لوگ عربی زبان سے ناواقف ہیں، پھر بھی تلاوتِ قرآن کی سماعت کرنے والا ہر شخص اس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔

عام طور پر یکساں الفاظ اور قصوں کی بار بار تکرار ذوقِ لطیف پر گراں گزرتی ہے، مگر قرآن حکیم کی ایک منفرد خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں بہت سے مقامات پر الفاظ اور بعض جملوں کا اعادہ کیا گیا ہے، لیکن اس انداز سے کہ اس سے قرآن کے حسن و لطافت میں کمی آنے کے بجائے مزید اضافہ ہوا ہے، مثلاً: سورۂ رحمن میں آیت ﴿ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ ﴾ ''تو (اے جن وانس!) تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' کا اکتیس بار، سورۃ المرسلت میں آیت ﴿ وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝ ﴾ ''اس دن جھٹلانے والوں کے لیے بڑی بربادی ہے۔'' کا دس مرتبہ، سورۂ شعراء میں آیت: ﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾ ''یقیناً اس میں ایک عظیم نشانی ہے، مگر ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں۔'' کا آٹھ مرتبہ اور سورۂ قمر میں آیت ﴿ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝ ﴾ ''اور یقیناً ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کیا ہے، پھر کیا کوئی نصیحت پکڑنے والا ہے؟'' کا چار مرتبہ اعادہ کیا گیا ہے، اس کے باوجود ان مقامات پر کلام کے حسن و بلاغت میں کمی کے بجائے اضافہ ہوا ہے اور ہر جگہ ان آیات کی تکرار نے کلام میں ایک طرح کی غنائیت اور معانی میں کئی جہتیں پیدا کر دی ہیں۔ الفاظ کے تکرار کے ساتھ ساتھ اکثر جگہ مضمون اور قصوں کی تکرار بھی کی گئی، مگر اس سے ہر جگہ کوئی نہ کوئی نیا نکتہ پیدا ہوتا ہے اور تکرار و تشابہ کے باوجود مضمون کی وسعت و گہرائی میں فرق نہیں آتا۔ قاضی بدرالدین بن جماعہ رحمہ اللہ کی اس موضوع پر ایک مستقل کتاب (المقتنص في فوائد تكرار القصص) ہے جس میں قصص کو بار بار دہرانے کے فوائد بیان کیے گئے ہیں۔[2]

1 المستدرك 120، 130 2 الإتقان للسيوطي 3/224، 230.

الفاظ و حروف کی اس درجہ فصاحت و بلاغت کے ساتھ ساتھ قرآن حکیم کی ایک نمایاں خصوصیت اس کی جامعیت و کاملیت بھی ہے۔ یہ شرف آج تک دنیا کی کسی اور کتاب کو نصیب نہیں ہوا۔ جامعیت کے سلسلے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِي هَٰذَا الْقُرْآنِ مِن كُلِّ مَثَلٍ ﴾

''اور بلاشبہ ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لیے ہر طرح کی مثال پھیر پھیر کر بیان کی ہے۔''[1]

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿ وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا ﴾

''اور وہ (کافر) جب آپ کے پاس کوئی مثال (اعتراض) لے کر آتے ہیں تو ہم (جواب میں) آپ کو حق اور (اس کی) بہت اچھی توجیہ و تفسیر بتا دیتے ہیں۔''[2]

واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی ہر دینی، عائلی، معاشی، معاشرتی اور سیاسی مشکل کا تسلی بخش حل اس کتاب میں وضاحت سے بتلا دیا گیا ہے، اس لیے یہ کتاب ایک جامع منشور اور دستورِ حیات کی حیثیت رکھتی ہے، البتہ اس کتاب کے اشارات و تلمیحات اور اس کے کنایات و مجازات کو سمجھنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کو پیش نظر رکھنا اشد ضروری ہے۔ خود قرآن مجید کی تصریحات کے مطابق تعلیمات نبویہ قرآن سے کوئی الگ چیز نہیں بلکہ اسی کا تتمہ اور شرح ہیں۔ اسی بنا پر نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

« تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا: كِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّهِ »

''میں تم میں دو بنیادی چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ اگر تم ان کو مضبوطی سے تھامے رکھو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے اور وہ دو چیزیں ہیں: اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت۔''[3]

اس جامعیت کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کے عروج کمال کا یہ عالم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا ﴾

''آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کر دیا، اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی، اور تمھارے لیے اسلام کو دین کے طور پر پسند کر لیا۔''[4]

یہ خصوصیت صرف قرآن حکیم ہی کو حاصل ہے کہ اس پر اتمامِ دین ہوا، ورنہ پہلی امتیں اس خوشخبری سے محروم رہیں۔

1 بنی اسرائیل 17:89. 2 الفرقان 25:33. 3 الموطا للامام مالک 2/480. 4 المائدۃ 5:3.

قرآن حکیم کے مضامین میں اس وسعت و تنوع کے باوجود اس کے مضامین میں کسی جگہ تعارض و تناقض نہیں ہے، بلکہ قرآن کریم کی آیات ایک دوسرے کی تصدیق و تفسیر کرتی ہیں۔ مثال کے طور پر قرآن حکیم میں ایک واقعہ بعض اوقات ایک سے زائد مرتبہ بیان ہوتا ہے، ہر چند اس کا موقع و محل اور سیاق و سباق مختلف ہوتا ہے، اس کے باوجود اصل واقعے اور اس کے متعلقات میں کوئی معمولی سا بھی فرق نہیں پایا جاتا۔ اس کے ساتھ یہ بھی پیش نظر رہے کہ یہ قرآن یکبارگی ایک ہی وقت اور ایک ہی موقع کی تصنیف نہیں، بلکہ اس کا نزول تئیس سال کے عرصے میں بتدریج پایہ تکمیل کو پہنچا ہے۔ اس کا آغاز غارِ حراء کے گوشۂ تنہائی سے ہوا اور تکمیل حجۃ الوداع کے موقع پر ہزاروں افراد کے مجمع میں ہوئی۔ اس دوران میں کئی نشیب و فراز آئے۔ حالات کی کروٹوں کے باوجود اس میں باریک سے باریک فرق اور کوئی خفیف سے خفیف اختلاف بھی موجود نہیں ہے۔ اگر یہ قرآن کسی فرد بشر کا من گھڑت کلام ہوتا تو اس میں لازماً فرق اور اختلاف پیدا ہو جاتا جیسا کہ ہمیں شعراء کے کلام میں اس طرح کے کئی فرق اور اختلافات نظر آتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:


غار حراء

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا

''اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو یقیناً وہ اس میں بہت زیادہ اختلاف پاتے۔''[1]

بعض مستشرقین نے قرآن کریم کو منتشر مضامین و موضوعات کا مجموعہ قرار دیا ہے، حالانکہ قرآن حکیم کا ایک اپنا مخصوص انداز بیان ہے جسے سمجھنے کے لیے اس کا گہرا مطالعہ ضروری ہے اور قرآن حکیم کا یہی اسلوب اور منہج اس کا عظیم الشان معجزہ ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ قرآنی علوم و معارف پانچ انواع میں منقسم ہیں: علم الاحکام (زندگی سے متعلقہ مسائل کے احکام)، علم المخاصمہ (علم تقابل ادیان)، التذکیر بایام اللہ (مختلف قوموں پر آنے والے عذابوں کے تذکرے سے لوگوں کو وعظ و نصیحت)، التذکیر بآلاء اللہ (اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر

1 دیکھیے: [illegible] 4/390-392.

کر کے ان کے ذریعے سے لوگوں کو نصیحت)، التذکیر بالموت و مابعدہٗ (موت اور اس کے بعد آنے والی زندگی کے تذکرے سے لوگوں کو وعظ و نصیحت)۔[1]

واقعہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی ہر آیت، بلکہ ہر سطر میں ایسے ایسے ظاہری اور معنوی محاسن پوشیدہ ہیں جنہیں محسوس تو کیا جا سکتا ہے، مگر الفاظ کے پیرائے میں پوری طرح بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی حلاوت شعوری و ادراکی بھی ہے اور وجدانی بھی۔

ان سب خصوصیات کی یکجائی سے قرآن مجید ایک ایسے کلام کے طور پر دنیا میں موجود ہے جس کا کوئی ثانی و مثیل نہیں ہے اور بار بار کے اعلانات کے باوجود دنیائے کفر اس کی کوئی نظیر پیش نہیں کر سکی۔ یہ سب کی سب وہ نادر خوبیاں ہیں جو کسی انسانی کلام میں جمع نہیں ہو سکتیں بلکہ یہ اس بات کا ثبوت ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ ہی کا کلام ہے جو اس نے اپنے محبوب کو بطور معجزہ عطا فرمایا۔

نبی اکرم ﷺ کی اُمیت

رسول اللہ ﷺ تمام تر علمی، روحانی اور فکری محاسن و کمالات کے باوجود ''اُمّی'' (ناخواندہ) تھے، بچپن سے لے کر حیات طیبہ کے آخری دن تک آپ ﷺ نے کسی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ نہیں کیے۔ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے براہ راست خود علم سکھایا۔ آپ ﷺ کی تعلیم و تربیت کی تمام ذمہ داریاں خالق کائنات نے خود پوری کیں، چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ ﴾

''وہ لوگ جو اس رسول اُمّی نبی (محمد ﷺ) کی پیروی کرتے ہیں۔''[2]

ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ ﴾

''اور آپ اس (قرآن) سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے، نہ اپنے دائیں ہاتھ سے لکھتے تھے۔''[3]

نیز فرمایا:

﴿ وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ﴾

1 الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، ص 21، مطبوعہ لاہور 1371ھ۔ 2 الاعراف 7:157۔ 3 العنکبوت 29:48۔

''اور ہم نے اس (رسول) کو شعر کہنا نہیں سکھایا اور نہ (یہ) اس کے لائق تھے۔''[1]

قریشِ مکہ نبی ﷺ کو ابتدا سے جانتے تھے، اس لیے اگر ناخواندہ ہونے کا یہ دعویٰ خلاف واقعہ ہوتا تو قریش ضرور اس کی تردید کر دیتے، مگر تاریخ میں کسی بھی دشمن اسلام کی طرف سے صراحت تو کجا، اشارے کنائے سے بھی یہ بات نہیں ملتی کہ آپ ﷺ نے کسی شخص کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیے تھے۔

سیرت طیبہ کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ پیدائشی طور پر اُمّی ہونے کے باوجود آپ ﷺ کی ذات سے علم و حکمت کے چشمے پھوٹے۔ آپ علم و عرفان اور حکمت و ایقان کا سرچشمہ بنے۔ آپ ﷺ کی زبان مبارک سے ہر طرح کے علوم و فنون جاری ہوئے۔ یہ بھی رسولِ کریم ﷺ کا ایک عظیم معجزہ ہے کہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی تمام علوم و فنون سے آگاہ فرمایا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ

''اور آپ کو وہ کچھ سکھایا ہے جو آپ نہیں جانتے تھے۔''[2]

چنانچہ دنیا جانتی ہے کہ نبی ﷺ نے محض وحی الٰہی کے ذریعے جو باتیں بیان فرمائیں، انھیں ہر دور کے حکماء اور فلاسفہ نے خوب ٹٹول ٹٹول کر دیکھا۔ بڑے بڑے ماہرین نے ان کا ماہرانہ جائزہ لیا، ان کا خالص علمی اور فکری طریقے پر تجزیہ کیا مگر آپ کا یہ ذخیرۂ علم و حکمت ہر کسوٹی اور کلام کے ہر معیار پر پورا اترا۔ اس طرح آپ ﷺ کی طرف اترنے والی وحی اور اس کے ذریعے دیا جانے والا عالمگیر اخوت، دیانت، شرافت اور نیکی و پارسائی کا پیغام ہی آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کی سب سے پہلی اور سب سے بڑی دلیل ہے۔ گویا ہم کہہ سکتے ہیں کہ وحی الٰہی خود ہی اپنی دلیل اور اپنی سب سے بڑی دلیل ہے..... آفتاب آمد دلیل آفتاب۔ اس دلیل کے بعد کسی اور دلیل کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔[3]

جنات کے لیے آسمان سے خبریں چرانے کی ممانعت

جنات ایک لطیف اور غیر مرئی مخلوق ہے، مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے انھیں بعض انسانوں پر ظاہر کر دیا جاتا ہے۔ کچھ جنات جو قرآن مجید سن کر ایمان کی دولت سے مالا مال ہو گئے تھے، قرآن مجید نے ان کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

1 یٰس 36:69 2 النساء 4:113 3 تفصیل کے لیے دیکھیے: زادالمعاد 1/80

﴿قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا ۝ يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا
بِهِ ۖ وَلَن نُّشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا ۝﴾

''(اے نبی!) کہہ دیجیے: میری طرف وحی کی گئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے (قرآن) غور سے سنا تو انھوں نے کہا: بے شک ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے، وہ رشد و ہدایت کی راہ دکھاتا ہے، لہٰذا ہم اس پر ایمان لائے ہیں اور ہم کسی کو بھی اپنے رب کا ہرگز شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔''[1]

سوق عکاظ کے آثار



نخلہ یمانیہ



سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کی تفصیل اس طرح مروی ہے:

رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ سوق عکاظ کی طرف تشریف لے گئے۔ اس وقت شیاطین اور آسمان کی خبروں کے درمیان رکاوٹ کھڑی کر دی گئی، ٹوٹنے والے تارے ان پر بھیج دیے گئے۔ شیاطین (ناکام) لوٹے تو (ان کے ساتھی) پوچھنے لگے کہ تمھیں کیا ہوا ہے؟ انھوں نے کہا کہ ہمارے اور آسمان کی خبروں کے درمیان رکاوٹ کھڑی کر دی گئی ہے، ہم پر تارے (شہاب ثاقب) بھیجے جا رہے ہیں۔ (ابلیس نے) کہا: تمھارے اور آسمانوں کی خبروں کے درمیان رکاوٹ کسی (زبردست) واقعے کی وجہ سے آئی ہے، لہٰذا زمین کی مشرقی اور مغربی سمتوں میں چل کر دیکھو کہ یہ کیا واقعہ رونما ہوا ہے؟ شیاطین زمین کے مشرق اور مغرب میں چل پھر کر دیکھنے لگے کہ یہ کیا معاملہ ہے جو ان کے اور آسمان کی خبروں کے درمیان حائل ہو گیا ہے۔ جو شیاطین تہامہ کی طرف روانہ ہوئے تھے، انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو مقام نخلہ میں اس وقت دیکھا جب آپ کا ارادہ سوق عکاظ کی طرف تشریف لے

تہامہ کے پہاڑ

1 الجن 72:1، 2.



جنے کا تھا۔ آپ وہاں اپنے صحابہ کو نماز فجر پڑھا رہے تھے۔ جب انھوں نے قرآن سنا تو پوری توجہ سے کان لگا دیے۔ (قرآن سن کر) وہ بول اٹھے: بس یہی ہے وہ چیز جو تمھارے اور آسمان کی خبروں کے درمیان حائل ہوگئی ہے۔ اس کے بعد انھوں نے اپنی قوم کے پاس جا کر کہا: اے ہماری قوم کے لوگو! ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو بھلائی کا رستہ بتاتا ہے، سو ہم اس پر ایمان لے آئے اور ہم اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ پر یہ وحی نازل فرما دی:

قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ (الجن 72:1)

”(اے نبی!) کہہ دیجیے: میری طرف وحی کی گئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے (قرآن) غور سے سنا۔“

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کو جنوں کی بات بذریعہ وحی بتائی گئی تھی۔[1]

چنانچہ سنن ابی داود وغیرہ سے پتہ چلتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں جنات کی حاضری کا واقعہ کئی بار پیش آیا۔

مسجد الجن (مدینہ منورہ)



ان موقعوں پر سیدنا عبداللہ بن مسعود بھی آپ ﷺ کے ہمراہ ہوتے تھے۔ مکہ مکرمہ میں اس مقام پر مسجد الجن ہے جہاں نبی اکرم ﷺ جنات سے ملاقات فرمایا کرتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کے سامنے جنات کا ظاہر ہونا اور آپ ﷺ کی نبوت و رسالت پر ایمان کا اظہار کرنا خلاف عادت امور میں سے ہے جو تائید ایزدی کے بغیر ناممکن ہے۔

شہاب ثاقب کی کثرت

رسول اللہ ﷺ کے دور میں ایک غیر معمولی معاملہ، جس نے سرکش جنات کو جستجوئے حق پر آمادہ کیا جیسا کہ درج بالا سطور میں بیان ہوا ہے، شہاب ثاقب کی کثرت کا تھا۔ یہ بھی نبی اکرم ﷺ کی نبوت کی علامتوں میں سے ایک ہے۔ قرآن مجید اس بات کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتا ہے:

اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِزِیْنَةِ ۨالْكَوَاكِبِ ۝ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَیْطٰنٍ مَّارِدٍ ۝ لَا یَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَیُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۝ دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۝ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ۝

1 صحیح البخاری، 4921

''بے شک ہم نے آسمانِ دنیا کو ستاروں سے زینت دے کر سجایا ہے۔ اور ہر سرکش شیطان سے خوب حفاظت کرنے کے لیے۔ وہ عالمِ بالا کی طرف کان نہیں لگا سکتے اور انھیں مار بھگانے کے لیے ان پر ہر طرف سے (شہاب) پھینکے جاتے ہیں اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے۔ مگر جو کوئی (ایک آدھ بات) اچانک اچک کر لے جائے تو نہایت چمکتا ہوا شعلہ اس کے پیچھے لگ جاتا ہے۔''[1]

ایک دوسرے مقام پر اس صورتِ حال کو جنات کے الفاظ میں یوں بیان کیا گیا ہے:

﴿ وَأَنَّا لَمَسْنَا السَّمَاءَ فَوَجَدْنَاهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيدًا وَشُهُبًا ۝ وَأَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ۖ فَمَن يَسْتَمِعِ الْآنَ يَجِدْ لَهُ شِهَابًا رَّصَدًا ﴾

''اور بے شک ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو اسے سخت پہریداروں اور شہابوں سے بھرا ہوا پایا۔ اور یقیناً ہم آسمان کے ٹھکانوں میں سن گن لینے کو بیٹھا کرتے تھے، چنانچہ اب جو بھی سننے کی کوشش کرتا ہے، وہ ایک شہاب کو اپنی گھات میں پاتا ہے۔''[2]

سفرِ معراج

آپ ﷺ کی مبارک زندگی کا سب سے انوکھا اور منفرد واقعہ جو قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے، وہ آپ ﷺ کا سفرِ معراج ہے، انسانی طاقت سے ماورا یہ عجیب و غریب سفر ایک ہی رات، بلکہ چشم زدن میں مکمل ہوا۔ یہ سفر خواب نہیں تھا، کیونکہ خواب میں کسی شخص کا سفر، سفر نہیں کہلاتا، نہ خواب میں دیکھی ہوئی چیز کو اسراء (سیر کرنا) کہتے ہیں۔

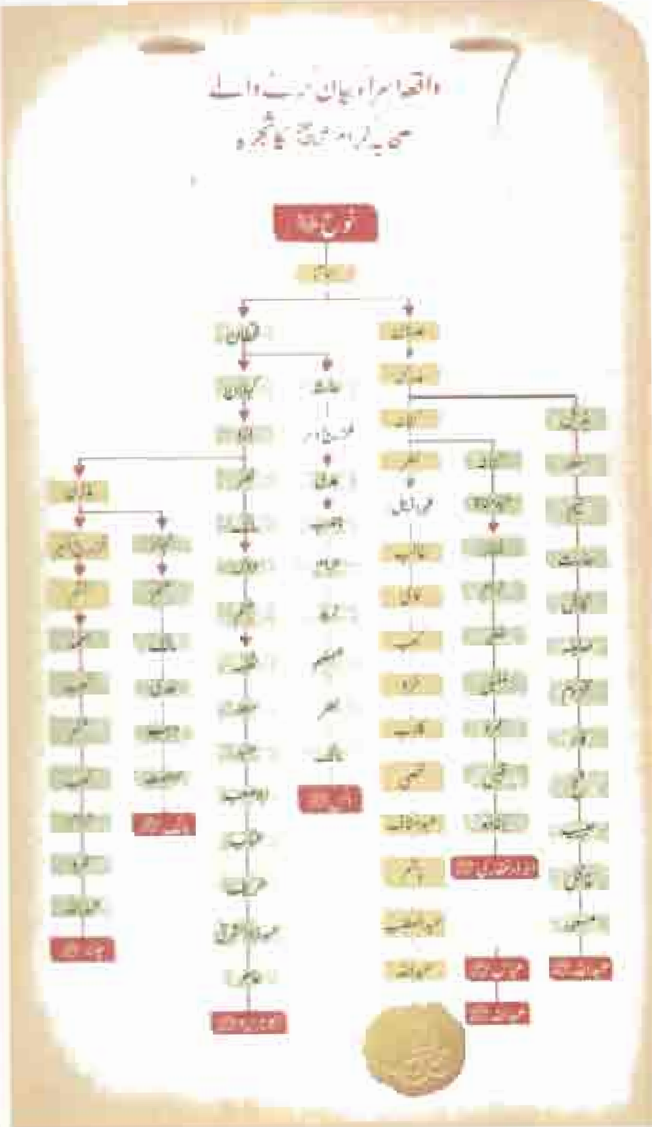
مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) کا ایک رخ



معراج کا سفر مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تک اور بیت المقدس سے عرشِ معلی تک دو مرحلوں میں مکمل ہوا۔ ان میں سے پہلے مرحلے کا قرآن مجید میں صراحتاً ذکر کیا گیا ہے۔ ارشادِ باری ہے:

﴿ سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا ﴾

1 الصّٰفّٰت 37: 6-10 2 تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا: 3/30-40۔



تھا کہ (معاذ اللہ) آپ ﷺ کا کام ہی تمام کر دیا جائے، مگر اللہ تعالیٰ نے نہ صرف یہ کہ دشمنوں سے آپ ﷺ کی حفاظت فرمائی بلکہ آپ کو ان کے نرغے سے بحفاظت نکال کر مدینہ منورہ پہنچا دیا۔ دوران سفر میں بھی کئی مواقع ایسے آئے جب دشمن آپ ﷺ کے سر پر پہنچ گئے، مگر تائید ایزدی نے آپ ﷺ کو دشمنوں کی دسترس سے محفوظ رکھا، ارشاد عالی ہے:

﴿ وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ ۚ وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ ﴾

”اور (اے نبی! یاد کیجیے) جب وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا، آپ کے بارے میں تدبیر کر رہے تھے تاکہ وہ آپ کو قید کر دیں یا آپ کو قتل کر دیں یا آپ کو (مکہ سے) نکال دیں، اور وہ تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ بھی تدبیر کر رہا تھا۔“[1]

اثنائے سفر میں ایک مرحلہ ایسا بھی آیا جب دشمن عین آپ کے سر پر پہنچ گئے تھے۔ وہ آپ ﷺ کے اتنے قریب تھے کہ اگر وہ جھک کر دیکھتے تو آپ ﷺ کو ضرور دیکھ لیتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے عین سر پر پہنچ جانے کے باوجود انھیں ناکام و نامراد لوٹا دیا۔ اس واقعے کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا ۖ فَأَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا ﴾



”اگر تم اس (نبی) کی مدد نہیں کرو گے تو تحقیق اللہ نے اس کی (اس وقت) مدد کی (تھی) جب کافروں نے اس کو (مکہ سے) نکال دیا تھا، (وہ) دو میں سے دوسرا تھا، جبکہ وہ دونوں غار (ثور) میں تھے، جب وہ (نبی) اپنے ساتھی (ابوبکر) سے کہہ رہا تھا: غم نہ کر، یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے، پھر اللہ نے اس پر اپنی سکینت نازل کی اور ایسے لشکروں سے اس کی مدد کی جنھیں تم نے نہیں دیکھا۔“[2]

ان دونوں آیتوں میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ اگرچہ دشمن پوری طرح آپ ﷺ کی گھات میں لگا ہوا تھا، مگر نبی اکرم ﷺ کو تائید ایزدی حاصل تھی، اسی بنا پر آپ ﷺ حیات مبارکہ کے نازک ترین مرحلے سے خیر و عافیت کے ساتھ گزر گئے۔[3]

1 الأنفال 30:8 2 التوبۃ 40:9 3 تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلو پیڈیا 4/250، 325.

گھات لگانے والے خائب و خاسر ہو گئے

مکہ کے شریر اور نابکار لوگ مسلح ہو کر رسول کریم ﷺ کے گھر کا محاصرہ کیے کھڑے تھے۔ وہ اس تاک میں تھے کہ جونہی آپ ﷺ گھر سے باہر تشریف لائیں، وہ سب یکدم آپ ﷺ پر ٹوٹ پڑیں۔ اور آپ ﷺ کی شمع زندگی گل کر دیں۔ ادھر آپ ﷺ سورۂ یٰسین کی ابتدائی آیات تلاوت کرتے ہوئے گھر سے نکلے اور مٹھی بھر خاک ان لوگوں پر پھینکتے ہوئے بخیر و عافیت آگے چل دیے۔ جونہی آپ ﷺ کے کاشانۂ مبارک کا گھیراؤ کرنے والوں پر خاک پڑی، ان کی بصارت زائل ہو گئی۔ اچانک ایک شخص اس طرف سے گزرا تو پوچھنے لگا: ارے قریش کے لوگو! تم یہاں کیوں کھڑے ہو؟ انھوں نے بتایا کہ ہم محمد ﷺ کی گھات میں کھڑے ہیں۔ وہ شخص چیخ کر بولا: ارے بدبختو! اللہ تمھیں غارت کرے، محمد ﷺ تو کب کے یہاں سے جا چکے۔ یہ سن کر شریروں کا جتھا ہکا بکا رہ گیا۔ صبح ہوئی تو ان لوگوں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کے بستر پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ سو رہے ہیں۔ اس طرح یہ لوگ ذلیل و رسوا ہو کر واپس چلے گئے۔[1]

مکڑی کا جالا

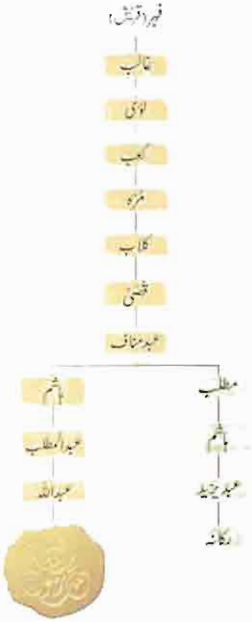
رسول اللہ ﷺ نے ہجرت فرمائی تو قریش مکہ کے کھوجی آپ ﷺ کو ڈھونڈتے ہوئے غار ثور تک آپہنچے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ یہ لوگ غار کے دہانے پر آئے تو وہاں مکڑی کا جالا دیکھا۔ ان لوگوں میں سے بعض افراد نے کہا کہ یہ جالا تو محمد کی ولادت سے بھی پہلے کا معلوم ہوتا ہے۔ اگر کوئی غار میں داخل ہوتا تو اس جگہ جالا نہ ہوتا۔ چنانچہ یہ لوگ بے نیل و مرام واپس چلے گئے۔[2]

ابوجہل پر دہشت چھا گئی

ایک موقع پر ابوجہل نے ایک اراشی سے اونٹ خریدے لیکن اُسے اونٹوں کی قیمت ادا کرنے میں ٹال مٹول کرنے لگا۔ اراشی مکہ میں اجنبی تھا۔ وہ بہت پریشان ہوا اور قریش کے لوگوں سے داد فریاد کرنے لگا۔ انھوں نے اس غریب کو ٹکا سا جواب دے دیا۔ یہ شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی بپتا سنائی۔ رسول اللہ ﷺ اس شخص کو ساتھ لے کر فوراً ابوجہل کے گھر پہنچ گئے۔ دروازہ کھٹکھٹایا۔ ابوجہل فوراً باہر آیا اور آپ ﷺ کو دیکھ کر دہشت زدہ ہو گیا۔ آپ ﷺ نے ابوجہل سے فرمایا: ''اس شخص کو اس کا حق دے دو۔'' ابوجہل آپ ﷺ سے اس قدر مرعوب ہوا کہ اس نے اراشی کو اسی وقت اونٹوں کی رقم ادا کر دی۔[3]

1 تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا 1/263، 264۔ 2 تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا 4/272۔ 3 تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا 3/415، 416۔

رسول اللہ ﷺ سے کشتی میں بار بار چت ہونے والے مکہ کے پہلوان رکانہ کا شجرہ



رسول اللہ ﷺ نے رکانہ پہلوان کو پچھاڑ دیا

رکانہ بن عبد یزید قریش کے بڑے طاقتور پہلوان تھے۔ ایک گھاٹی سے چلے آرہے تھے کہ ان کی ملاقات نبی اکرم ﷺ سے ہوگئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''رکانہ! تم دینِ حنیف کیوں قبول نہیں کرتے؟'' انھوں نے جواب دیا کہ آپ ﷺ کا پیغام میری سمجھ میں نہیں آتا۔ آپ ﷺ نے انھیں کشتی کے مقابلے کی پیش کش کی اور فرمایا: ''اگر میں تمھیں پچھاڑ دوں تو کیا تم یقین کرلو گے کہ میں جو دعوت دیتا ہوں، وہ بالکل سچ اور برحق ہے؟'' رکانہ نے کہا: جی ہاں! پھر رکانہ سے آپ ﷺ نے کشتی لڑی اور اسے آنِ واحد میں چت کر دیا۔ رکانہ کھسیانے ہوگئے اور دوبارہ کشتی کا چیلنج دینے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں پھر پچھاڑ دیا۔ رکانہ نے تیسری بار بھی مقابلہ کیا لیکن چت ہوگئے۔ رکانہ بہت حیران ہوگئے کہ مجھ جیسے مانے ہوئے پہلوان کو رسول اللہ ﷺ نے کتنی آسانی سے تین دفعہ ڈھا دیا۔ بالآخر وہ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوگئے۔[1]

گوشت نے زہر سے آگاہ کر دیا

یہودیوں کی سازشیں، شرارتیں، عہد شکنیاں اور غداریاں ایسے سنگین جرائم کی حیثیت رکھتی تھیں جن کی کم سے کم

1 تفصیلات کے لیے دیکھیے، سیرت انسائیکلو پیڈیا: 3/417-419۔



اور نرم سے نرم سزا بھی سزائے موت کے سوا کچھ نہ تھی لیکن رحمت عالم ﷺ نے اپنی خلقی رحم دلی اور شفقت و مرحمت کا برتاؤ کرتے ہوئے ان لوگوں کو فتح خیبر کے بعد بھی اسباب معیشت و اقتصاد سے محروم نہیں فرمایا بلکہ انھیں بدستور باغوں اور کھیتوں میں کام کرنے کی اجازت دے دی۔ لیکن اسلام اور اہل اسلام کی دشمنی نے ان لوگوں کو اندھا کر دیا۔ اس کا ایک مظاہرہ اس وقت سامنے آیا جب ایک یہودی عورت زینب بنت حارث کو یہودیوں نے ورغلایا اور یہ بدبخت عورت رسول اللہ ﷺ کی شمع زندگی بجھانے پر آمادہ ہوگئی۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کی ضیافت کی، اور ایک زہر آلود بھنی ہوئی بکری آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دی۔ آپ کو دستی کا گوشت بہت پسند تھا، جونہی آپ ﷺ نے بکری کی دستی کھانی چاہی، آپ ﷺ کو اس گوشت کے ٹکڑے نے خود بتا دیا کہ میں زہر آلود گوشت ہوں۔ آپ ﷺ نے اس گھناؤنے جرم کے باوجود اس بدبخت خاتون کو معاف کر دیا۔[1]

اللہ نے اپنے نبی ﷺ کی حفاظت فرمائی

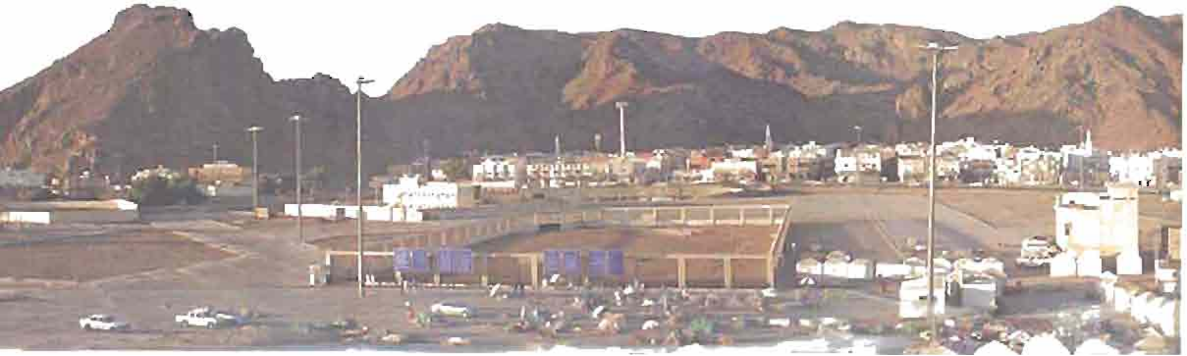
نافع بن جبیر رضی اللہ عنہ ایک مہاجر صحابی کے حوالے سے کہتے ہیں کہ احد کے دن عبداللہ بن شہاب زہری چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ مجھے محمد کا پتہ بتاؤ۔ اگر وہ میرے ہاتھوں بچ گئے تو پھر میری خیر نہیں ..... حالت یہ تھی کہ اس وقت رسول اللہ ﷺ اس کے قریب اکیلے ہی کھڑے ہوئے تھے لیکن وہ چیختا چلاتا آگے بھاگا چلا جا رہا تھا۔ صفوان بن امیہ نے اسے ٹوکا تو وہ کہنے لگا کہ ہم چار آدمیوں کی ٹولی محمد کو قتل کرنے کا تہیہ کر کے آئی تھی۔ مگر محمد ہمیں نظر ہی نہیں آئے۔ نافع رضی اللہ عنہ ایک بدری صحابی کے حوالے سے بتاتے ہیں کہ احد کے دن رسول اللہ ﷺ پر چاروں طرف سے تیروں کی بوچھاڑ ہو رہی تھی مگر کوئی تیر رسول اللہ ﷺ تک نہیں پہنچ پایا۔ سارے تیر اِدھر اُدھر جا گرتے۔[2]

شکاری خود شکار ہو گیا

ایک مہم کے موقع پر رسول اللہ ﷺ ایک درخت تلے آرام فرما رہے تھے۔ آپ ﷺ نے اپنی تلوار ایک ٹہنی میں

1 تفصیلات کے لیے دیکھیے، سیرت انسائیکلوپیڈیا:433،432/8۔ 2 تفصیلات کے لیے دیکھیے، سیرت انسائیکلوپیڈیا:401،400/6۔

دامن اُحد میں مسجد اور احاطہ شہداء



نافذ رکھی تھی۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر بدوؤں نے یہ صورتحال دیکھی تو اپنے سردار دعثور سے کہنے لگے: اس وقت محمد ﷺ اکیلے بیٹھے ہوئے ہیں اور ان کے آس پاس کوئی موجود نہیں۔ اس سنہرے موقع سے فائدہ اٹھاؤ اور محمد ﷺ کی زندگی گل کر دو۔ دعثور رسول اللہ ﷺ کے پاس جا پہنچا اور نبی اکرم ﷺ کی تلوار تھام کر بولا: اے محمد! تمھیں اب مجھ سے کون بچائے گا؟ رسول اللہ ﷺ نے لیٹے لیٹے ہی نہایت سکون و وقار سے فرمایا: "مجھے میرا اللہ بچائے گا۔" یہ سنتے ہی دعثور کانپنے لگا اور اس کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی۔ اب رسول اللہ ﷺ نے تلوار تھام کر فرمایا: "اب تمھیں کون بچائے گا؟" دعثور نے فوراً کہا: آپ ﷺ بے حد کریم ہیں۔ پھر وہ مسلمان ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ نے اسے معاف کر دیا۔[1]

نبی ﷺ ابولہب کی بیوی کی نظر سے

ام جمیل اور ابولہب دونوں ہر وقت نبی اکرم ﷺ کی تضحیک اور تکلیف رسانی میں لگے رہتے تھے اور آپ کو ستانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ ایک طرف ابولہب آپ ﷺ کے گھر میں غلاظت پھینکتا تھا تو دوسری طرف اس کی بیوی ام جمیل نوکدار کانٹے دار جھاڑیاں لاتی اور جس راہ سے آپ گزرتے تھے اس راستے میں ڈال دیتی تھی۔ اللہ جل جلالہ نے ان دونوں کے بارے میں سورۂ لہب نازل فرمائی:

﴿تَبَّتْ يَدَآ أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ ۝ مَآ أَغْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ ۝ سَيَصْلَىٰ نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝ وَامْرَأَتُهُ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝ فِي جِيدِهَا حَبْلٌ مِّن مَّسَدٍ﴾

"ٹوٹ جائیں دونوں ہاتھ ابولہب کے اور وہ ہلاک ہو گیا۔ نہ اس کے مال نے اسے کوئی فائدہ پہنچایا اور نہ اس کی کمائی نے۔ وہ ضرور بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوگا۔ اور اس کی بیوی بھی جو ایندھن اٹھانے والی ہے۔ اس کی گردن میں چھال کی بٹی ہوئی رسی ہوگی۔"[2]

جب ام جمیل کو معلوم ہوا کہ قرآن حکیم میں اس کی اور اس کے خاوند کی مذمت میں سورت نازل ہوئی ہے تو وہ طیش میں آ گئی اور ایک بھاری پتھر اٹھا کر رسول اللہ ﷺ کی طرف چل پڑی۔ آپ اس وقت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ خانہ کعبہ میں تشریف فرما تھے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ام جمیل کو دیکھا تو خوب سمجھ گئے کہ وہ کس ارادے سے آ رہی ہے۔ انھوں نے نبی اکرم ﷺ سے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ام جمیل آ رہی ہے۔ مجھے آپ کے بارے میں خوف لاحق ہے مبادا وہ آپ کو نقصان پہنچائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکے گی۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

---

[1] تفسیر ... سیرت ابن کثیر ... 72/3، 74۔ [2] اللہب 111: 1-5۔

﴿وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُورًا﴾

''اور جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور ان لوگوں کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے، ایک مخفی پردہ ڈال دیتے ہیں۔''[1]

ام جمیل قریب پہنچی تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے پوچھنے لگی: اے ابن ابو قحافہ! تمھارے ساتھی کا کیا معاملہ ہے؟ مجھے پتہ چلا ہے کہ اس نے میری ہجو کی ہے اور میرے بارے میں شعر کہے ہیں۔ اللہ کی قسم! اگر وہ مجھے مل جائے تو میں اس پتھر سے اس کا منہ کچل دوں گی۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میرے ساتھی شاعر ہیں نہ شعروں کی کوئی سدھ بدھ رکھتے ہیں، نہ انھوں نے تیری کوئی ہجو کی ہے۔ ام جمیل بولی: کیا اس نے یہ نہیں کہا: ﴿فِي جِيدِهَا حَبْلٌ مِّن مَّسَدٍ﴾ ''اس کی گردن میں چھال کی بٹی ہوئی رسی ہوگی۔'' سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! یہ جملہ انھوں نے نہیں کہا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اس سے پوچھو، کیا اسے تمھارے علاوہ کوئی اور شخص نظر آرہا ہے؟ وہ مجھے نہیں دیکھ سکتی۔ اللہ جل جلالہ نے میرے اور اس کے درمیان پردہ حائل کر دیا ہے۔''

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ بات ام جمیل سے پوچھی تو وہ بولی: اے ابن ابوقحافہ! کیا تم مجھ سے مذاق کرتے ہو؟ اللہ کی قسم! یہاں میں تمھارے علاوہ کسی کو موجود نہیں پاتی۔ پھر کہنے لگی: بھلا میری ہجو کون کر سکتا ہے۔ سب کو معلوم ہے کہ میں قریش کے سردار کی بیٹی ہوں۔ اس کے بعد وہ یہ شعر پڑھتی ہوئی چلی گئی:

مُذَمَّمًا عَصَيْنَا وَ أَمْرَهُ أَبَيْنَا وَ دِينَهُ قَلَيْنَا

''ہم نے مذمم کی نافرمانی کی ہے، اس کی بات کا انکار کیا ہے اور اس کے دین سے بغض رکھا ہے۔''

بعد ازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَلَا تَعْجَبُونَ كَيْفَ يَصْرِفُ اللّٰهُ عَنِّي شَتْمَ قُرَيْشٍ وَ لَعْنَهُمْ، يَشْتِمُونَ مُذَمَّمًا وَ يَلْعَنُونَ مُذَمَّمًا وَ أَنَا مُحَمَّدٌ»

''کیا تم تعجب نہیں کرتے کہ کس طرح اللہ جل شانہ نے مجھے قریش کی بدزبانی اور لعن طعن سے محفوظ فرما دیا ہے۔ قریش مذمم کو گالیاں دیتے اور مذمم کی ہجو کرتے ہیں اور میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں۔''[2]

1 بنی إسرائیل 17:45. 2 صحیح البخاري: 3533، السیرة لابن هشام: 1/356، دلائل النبوة للبیهقي: 2/195-197، سنن النسائي و مسند: 2/164، 10/256، فتح الباري: 8/941-944.

غزوات میں نصرتِ الٰہی کا نزول

غزوۂ بدر کے موقع پر نزولِ ملائکہ

رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ بدر کے موقع پر انتہائی عاجزی کے ساتھ بارگاہِ الٰہی میں دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو وحی کی کہ وہ اہلِ ایمان کو ثابت قدم رکھنے کے لیے ان کی مدد کو جائیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا ۚ سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴾

''(اے نبی!) جب تمھارا رب فرشتوں کی طرف وحی کر رہا تھا کہ بے شک میں تمھارے ساتھ ہوں، چنانچہ تم انھیں ثابت قدم رکھو جو ایمان لائے ہیں۔ میں جلد ہی ان لوگوں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا جنھوں نے کفر کیا، چنانچہ تم (ان کی) گردنوں پر وار کرو اور ان کی ایک ایک پور پر ضرب لگاؤ۔''[1]

اللہ تعالیٰ نے مزید ارشاد فرمایا:

﴿ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝ إِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ أَلَنْ يَكْفِيَكُمْ أَنْ يُمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ آلَافٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُنْزَلِينَ ۝ بَلَىٰ ۚ إِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُمْ مِنْ فَوْرِهِمْ هَٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ ۝ وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوبُكُمْ بِهِ ۗ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ﴾

''اور اللہ نے بدر میں عین اس وقت تمھاری مدد کی جب تم کمزور تھے، پس تم اللہ سے ڈرو تاکہ تمھیں شکر ادا کرنے کی توفیق ہو۔ (اے نبی!) جب آپ مومنوں سے کہہ رہے تھے: کیا تمھارے لیے کافی نہ ہوگا کہ تمھارا رب (آسمان سے) تین ہزار فرشتے اتار کر تمھاری مدد کرے؟ کیوں نہیں! اگر تم صبر کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور دشمن تم پر فوراً چڑھ دوڑے تو اسی لمحے تمھارا رب پانچ ہزار فرشتوں سے تمھاری مدد کرے گا جن پر خاص نشان لگے ہوں گے۔ اور اللہ نے اسے تمھارے لیے خوش خبری بنا دیا تاکہ اس سے تمھارے

[1] الأنفال 8:12

دلوں کو تسلی ہو اور مدد تو اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے جو بہت زبردست، نہایت حکمت والا ہے۔‘‘[1]

جب نبی ﷺ اپنے مرکز قیادت میں اللہ تعالیٰ کے حضور گریہ وزاری میں مصروف تھے اور اللہ تعالیٰ سے مدد کی درخواست کر رہے تھے، اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی طرف وحی کی:

إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ ۝

’’جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمھاری فریاد قبول کر لی (اور کہا) کہ بے شک میں ایک دوسرے کے پیچھے آنے والے ایک ہزار فرشتوں سے تمھاری مدد کروں گا۔‘‘[2]

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو ہلکی سی غنودگی آئی، پھر آپ ﷺ نے سر مبارک اٹھایا اور فرمایا:

«أَبْشِرْ يَا أَبَا بَكْرٍ، أَتَاكَ نَصْرُ اللّٰهِ، هٰذَا جِبْرِيلُ آخِذٌ بِعِنَانِ فَرَسٍ يَقُودُهُ عَلٰى ثَنَايَاهُ النَّقْعُ»

’’ابوبکر! خوش ہو جاؤ۔ اللہ کی مدد آ گئی ہے۔ یہ جبریل علیہ السلام ہیں جو اپنے گھوڑے کی لگام تھامے ہوئے ہیں اور ان کے سامنے کے دونوں دانت گرد و غبار سے اٹے ہوئے ہیں۔‘‘[3]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«هٰذَا جِبْرِيلُ آخِذٌ بِرَأْسِ فَرَسِهِ عَلَيْهِ أَدَاةُ الْحَرْبِ»

’’یہ جبریل ہیں جو اپنے گھوڑے کو سر (لگام) سے پکڑے ہوئے ہیں اور ہتھیار بند ہیں۔‘‘[4]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ایک صحابی بدر کے دن اپنے آگے بھاگنے والے مشرک کے تعاقب میں بھاگ رہا تھا۔ اچانک اس نے اوپر سے کوڑے کی آواز سنی۔ اس کے ساتھ ہی ایک گھڑسوار کی آواز بھی آئی جو کہہ رہا تھا: اقْدِمْ حَيْزُومُ ’’حیزوم! آگے بڑھو۔‘‘ مسلمان نے اچانک دیکھا کہ وہی بھاگنے والا مشرک شانوں کے بل چت گرا ہوا تھا۔ اس صحابی نے لپک کر دیکھا تو اس مشرک کی ناک زخمی اور چہرہ پھٹا ہوا تھا جیسے اسے کسی نے کوڑا مارا ہو اور (کوڑے کے زہر آلود ہونے کی وجہ سے) اس کا سارا جسم سبز ہو چکا تھا۔ اس انصاری صحابی نے یہ واقعہ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں گوش گزار کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«صَدَقْتَ، ذٰلِكَ مِنْ مَدَدِ السَّمَاءِ الثَّالِثَةِ»

’’تم نے سچ کہا، یہ تیسرے آسمان سے مدد آئی تھی۔‘‘[5]

1 آل عمران 3:123-126. 2 الأنفال 8:9. 3 السيرة لابن هشام 2/627. 4 صحيح البخاري: 3995. 5 صحيح مسلم: 1763.

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بدر کے دن ایک انصاری صحابی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو قید کر کے لایا۔ عباس رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اللہ کی قسم! مجھے اس شخص نے قید نہیں کیا۔ مجھے تو ایک بے حد خوبصورت آدمی نے گرفتار کیا ہے جس کے سر کے سامنے کی طرف سے دونوں جانب بال نہیں تھے اور وہ ایک چتکبرے گھوڑے پر سوار تھا۔ اب وہ شخص مجھے ان لوگوں میں نظر نہیں آ رہا۔ انصاری صحابی نے کہا: نہیں، اللہ کے رسول! اسے تو میں نے ہی قید کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«اسْكُتْ، فَقَدْ أَيَّدَكَ اللَّهُ تَعَالَى بِمَلَكٍ كَرِيمٍ»

"تم چپ رہو، اللہ تعالیٰ نے ایک معزز فرشتے کے ذریعے سے تمھاری مدد فرمائی ہے۔"[1]

سیدنا ابوداود مازنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بدر کے دن میں ایک مشرک کے تعاقب میں تھا کہ اسے مار ڈالوں مگر میری تلوار اس تک پہنچنے بھی نہیں پائی تھی کہ اس کا سر تن سے خود بخود جدا ہو کر زمین پر گر پڑا۔ میں سمجھ گیا کہ اسے میرے سوا کسی اور شخص نے قتل کیا ہے۔[2]

ملائکہ ایک لطیف و غیر مرئی مخلوق ہے۔ ان کا جنگ بدر میں نزول تائید ایزدی کا مظہر ہے جو بالکل ٹھیک ٹھیک بخوبی ظاہر ہو گیا۔

صحابہ کرام پر نیند طاری ہو گئی

جنگ احد کے روز مسلمانوں کو کڑی آزمائش کا سامنا کرنا پڑا، تاہم اللہ تعالیٰ نے بڑا کرم فرمایا۔ صحابہ کرام کو اطمینان و سکون سے نوازا اور اس وحشت ناک ماحول میں مسلمانوں کے دلوں پر غنودگی طاری کر دی۔ اس بارے میں خود اللہ رب العزت کا ارشاد عالی ہے:

﴿ثُمَّ أَنزَلَ عَلَيْكُم مِّن بَعْدِ الْغَمِّ أَمَنَةً نُّعَاسًا يَغْشَىٰ طَائِفَةً مِّنكُمْ ۖ وَطَائِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنفُسُهُمْ يَظُنُّونَ بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ﴾

"پھر اس نے غم کے بعد تم پر سکون نازل کیا جس سے تمھارے ایک گروہ پر اونگھ طاری ہو گئی اور دوسرے گروہ کو اپنی جان کی فکر پڑی ہوئی تھی۔ وہ اللہ کے بارے میں خلاف حقیقت زمانہ جاہلیت جیسی بدگمانیاں کرتے رہے۔"[3]

سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ان لوگوں میں سے تھا جن پر احد کے روز اونگھ چھا گئی تھی یہاں تک کہ

[1] مسند احمد 117/1 [2] مسند احمد 450/5 [3] آل عمران 154:3

میری تلوار رہ رہ کر میرے ہاتھوں سے گری جاتی تھی اور میں اسے بار بار تھامتا تھا۔[1]

امام اسحاق بن راہویہ سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا: اللہ کی قسم! اونگھ نے مجھ پر غلبہ پالیا۔ اور ایک روایت میں ہے: جب ہم احد کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور ہمیں خوف نے گھیر رکھا تھا، عین اس وقت ہم پر نیند مسلط کر دی گئی۔ ہم میں سے ہر شخص کی ٹھوڑی اس کے سینے سے لگ گئی۔ اللہ کی قسم! میں اسی عالمِ غنودگی میں معتب بن قشیر کا یہ جملہ سن رہا تھا: لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هَاهُنَا. میں نے یہ بات یاد رکھی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرما دی:

يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هَاهُنَا

''وہ کہتے ہیں کہ اگر اس معاملے میں ہمارا کچھ بھی اختیار ہوتا تو ہم یہاں نہ مارے جاتے۔''[2]

آندھی کے ذریعے نصرت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حضور ہمیشہ دعا کیا کرتے تھے۔ بالخصوص حالتِ جنگ میں بڑی کثرت سے دعا مانگتے تھے۔ غزوۂ احزاب میں مسلمانوں کی مشکلات اس قدر بڑھ گئی تھیں کہ ماضی میں کبھی ایسی مثال پیش نہیں آئی۔ شدید محاصرے کی حالت میں کرب و بے چینی کا یہ عالم تھا کہ کلیجے منہ کو آنے لگے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہِ الٰہی میں گریہ وزاری کی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول فرمائی۔ مصائب کے بادل چھٹ جانے کی خوشخبریاں آگئیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے دشمن کا رُخ پھیر دیا، ان کی جماعتیں تتر بتر کر دیں، ان پر سخت ٹھنڈی ہوا مسلط کر دی، ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور اپنی بارگاہِ عالی سے خاص لشکر نازل فرمائے۔ پہلے اللہ تعالیٰ نے احزاب ہی میں سے ایک نوجوان کو اسلام کی دولت سے نوازا جس نے اپنا اسلام مخفی رکھ کر کفار کی صفوں میں اختلاف کا زہر پھیلا دیا۔ اس طرح دشمن اپنی آگ میں خود ہی بھسم ہو گئے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر ایسی زبردست طوفانی آندھی چلائی کہ سرد اور تاریک رات میں اس کے تھپیڑوں سے مشرکین کی دیگیں الٹ گئیں۔ خیمے اکھڑ گئے۔ آگ بجھ گئی اور ان کے خیمے مٹی تلے دب گئے۔ مشرکین اس طویل جنگ سے پہلے ہی بددل ہو چکے تھے، ادھر آندھی نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ ابوسفیان حواس باختہ ہو گیا، اس نے کوچ کا اعلان کر دیا۔ گویا یہ آندھی اللہ تعالیٰ کا ایک لشکر تھی جسے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے خلاف بھیجا تھا۔ اس آندھی کی وجہ سے انھیں شدید نقصانات اٹھانے پڑے۔ ان میں سخت مایوسی اور بددلی پھیل گئی۔

1 صحیح البخاری: 4068، 2 المطالب العالیۃ لابن حجر: 219/4، المعجم الکبیر للطبرانی: 166/3.

غزوۂ حنین میں فتح و نصرت

غزوۂ حنین نبی ﷺ کی زندگی کا واحد غزوہ ہے جس میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ تھی، اسی بنا پر بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنی ظاہری قوت پر بھروسا ہو گیا تھا، لیکن جس وقت لشکرِ اسلام بنو ہوازن کے تیر اندازوں کی زد میں آیا اور تیروں کی بارش شروع ہوئی تو مسلمانوں کے ہراول دستے کے قدم اکھڑ گئے، اس کے ساتھ ہی قلبِ لشکر میں موجود مجاہدین نے پیچھے ہٹنا شروع کر دیا اور میدانِ جنگ میں صرف رسول اللہ ﷺ اور آپ کے چند جاں نثار باقی رہ گئے تھے۔ ایک لحاظ سے مسلمان تقریباً یہ جنگ ہارنے ہی والے تھے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتح و نصرت نازل ہوئی اور آپ ﷺ کے بلانے پر بھاگنے والوں کے قدم واپس مڑنے لگے۔ آپ ﷺ نے صحابہ کی صفوں کو دوبارہ منظم کیا، چند کنکریاں لے کر دشمن کی طرف پھینکیں اور فرمایا:

«انْهَزَمُوا وَرَبِّ مُحَمَّدٍ! انْهَزَمُوا وَرَبِّ الْكَعْبَةِ!»

''محمد (ﷺ) کے رب کی قسم! کافر شکست کھا گئے۔ ربِ کعبہ کی قسم! مشرک شکست کھا گئے۔''

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے میدانِ جنگ میں نظر دوڑائی، جنگ ابھی تک زوروں پر تھی لیکن اللہ کی قسم! جب آپ ﷺ نے کنکریاں پھینکیں تو (وہ مشرکوں کی آنکھوں میں جا لگیں،) ان کی تلواریں کند ہو گئیں (ان کا زور ٹوٹ گیا) اور وہ منہ پھیر کر بھاگنے لگے۔ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے خچر پر ان کا تعاقب کر رہے تھے۔[1]

اور پھر لشکرِ اسلام نے یک بارگی حملے سے دشمن کو راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔ اس جنگ میں فتح و نصرت یقیناً امدادِ غیبی کی رہینِ منت تھی، اسی لیے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۚ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ﴾

''یقیناً اللہ نے بہت سے مقامات پر تمھاری مدد کی ہے اور حنین کے دن (بھی) جب تمھاری کثرت نے تمھیں خوش فہمی میں ڈال دیا تھا، تو وہ تمھارے کچھ کام نہ آئی، اور زمین فراخی کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی، پھر تم پیٹھ پھیر کر پلٹے۔ پھر اللہ نے اپنے رسول پر اور مومنوں پر اپنی طرف سے تسکین نازل کی اور اس نے ایسے لشکر اتارے جنھیں تم نے نہیں دیکھا۔''[2]

[1] صحیح مسلم: 1775 [2] التوبۃ 9: 25-26

معجزات خیر و برکت

سیرت نگاروں نے صراحت کی ہے کہ وہ احادیث جن میں رسول اللہ ﷺ سے برکت کے ظہور کا ذکر ہے، کثیر تعداد میں مروی ہیں۔[1] اس نوع کی روایات کو قریب قریب ہر محدث نے اپنے اپنے مجموعۂ احادیث میں نمایاں جگہ دی ہے۔ اس سلسلے میں چند واقعات کی تفصیل حسب ذیل ہے:

گھر کے برتن میں برکت

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ام مالک رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ کو اپنے گھی کے ایک برتن میں گھی ہدیہ کیا کرتی تھیں۔ پھر ان کے بیٹے آتے اور سالن مانگتے، ان کے پاس کچھ نہ ہوتا تو وہ اس برتن کا رخ کرتیں جس میں سے وہ آپ ﷺ کی خدمت میں ہدیہ بھیجا کرتی تھیں تو اس برتن میں گھی موجود پاتیں، اس سے ان کے گھر میں سالن کا انتظام بخوبی ہوتا رہتا، یہاں تک کہ انھوں نے اس برتن کو خوب اچھی طرح نچوڑ کر صاف کر لیا۔ پھر آپ ﷺ کی خدمت میں گئیں تو آپ نے ان سے دریافت فرمایا: «أعصرتيها؟» ''کیا تم نے اسے (پورا) نچوڑ لیا؟'' وہ بولیں: ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «لو تركتيها ما زال قائما» ''اگر تم اسے نہ نچوڑتیں تو اس میں ہمیشہ گھی موجود رہتا۔''[2]

دوران سفر کھانے میں برکت

سیدنا عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ سفر میں نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ تھے۔ شرکاء کی تعداد ایک سو تیس افراد تھی۔ آپ ﷺ نے پوچھا: «هل مع أحد منكم طعام؟» ''کیا تم میں سے کسی کے پاس کچھ کھانا ہے؟'' ایک شخص کے پاس بمشکل ایک صاع کے قریب کچھ کھانا نکلا۔ اتنے میں ایک مشرک اپنے ریوڑ کے ساتھ وہاں سے گزرا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس سے ایک بکری خرید کر ذبح کی۔ سیدنا عبدالرحمن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس مختصر سے کھانے میں سے ہم سب نے خوب پیٹ بھر کر کھانا کھایا، پھر بھی کھانا بچ گیا۔ وہ بچا ہوا کھانا ہم نے اپنے ساتھ لے لیا۔[3]

1 الشفا، ص: 141 2 صحیح مسلم: 2280. 3 صحیح البخاري: 5382.

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں برکت

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کو پیارے ہوئے تو میرے گھر کے طاق میں صرف تھوڑے سے جو موجود تھے۔ میں عرصہ دراز تک انھیں کھاتی رہی، وہ ختم ہی نہیں ہوتے تھے۔ میں نے حیران ہو کر انھیں ماپا تو وہ ختم ہو گئے۔[1]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو دی گئی کھجوروں میں برکت

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو برکت کی دعا کے ساتھ تھوڑی سی کھجوریں بھی عطا فرمائیں۔ اللہ کی شان دیکھیے کہ وہ کھجوریں اتنی بڑھیں کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مدتوں اس توشہ دان میں سے کھجوریں نکال نکال کر کھاتے رہے۔ 50 وسق تو انھوں نے اللہ کی راہ میں خیرات کر ڈالیں، مگر اس کے باوجود توشہ دان میں کھجوریں کم نہ ہوئیں۔[2]

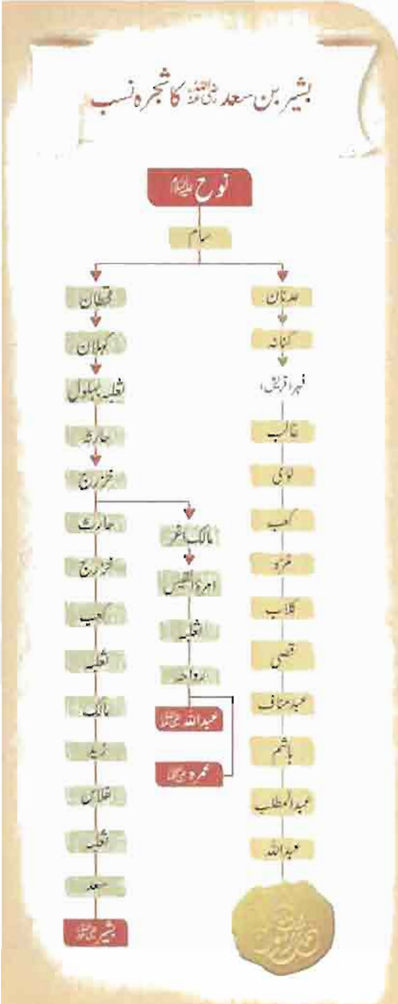
کھجوروں کے ڈھیر لگ گئے

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ پر ان کے والد کے قرضوں کا بڑا بوجھ تھا اور قرض خواہ جابر رضی اللہ عنہ سے بڑی سختی سے ادائے قرض کا مطالبہ کر رہے تھے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس صورت حال کا تذکرہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''جاؤ اپنی کھجوریں الگ الگ کر لو۔ عجوہ کھجوریں الگ کرو اور دوسری کھجوریں بھی الگ کرو۔ پھر مجھے اطلاع دے کر بلا لو۔'' جابر رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا اور رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دے دی۔ آپ ﷺ ان کے باغ میں تشریف لے آئے۔ آپ کھجوروں کے ایک ڈھیر کے پاس بیٹھ گئے اور جابر سے فرمایا: ''جاؤ سارے قرض خواہوں کو بلا لاؤ۔'' پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے سب کو کھجوریں دینی شروع کیں۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی برکت سے سب کی کھجوریں ادا ہو گئیں، پھر بھی میرے باغ میں کھجوروں کا بہت بڑا ڈھیر باقی بچ گیا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو آگاہ کیا کہ ادائے قرض کے بعد بھی میرے باغ میں کھجوروں کا بڑا ذخیرہ بدستور موجود ہے۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ کے لب مبارک پر مسکراہٹ پھیل گئی۔[3]

تھوڑی سی کھجوریں تمام اہل خندق کے لیے کافی ہو گئیں

سعد بن مینا کہتے ہیں کہ بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ کی بیٹی نے یہ واقعہ سنایا کہ میری ماں عمرہ بنت رواحہ رضی اللہ عنہا نے مجھے بلایا، کچھ کھجوریں دیں، پھر فرمایا: بیٹی! یہ ناشتہ اپنے والد اور اپنے ماموں عبداللہ بن رواحہ کو پہنچا دو۔ میں وہ کھجوریں لے کر

1 صحيح البخاري: 6451، صحيح مسلم: 2973، مسند أحمد: 108/6 2 مسند أحمد: 324/2 3 تفصیلات کے لیے دیکھیے، سیرت انسائیکلوپیڈیا: 405/6-408۔



جا رہی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزری۔ آپ ﷺ نے مجھے بلایا اور دریافت فرمایا: ''بیٹی! یہ تمھارے پاس کیا چیز ہے؟'' میں نے وہ کھجوریں آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیں اور بتا دیا کہ یہ میری والدہ نے میرے والد اور میرے ماموں کے لیے بھیجی ہیں۔ یہ بہت تھوڑی کھجوریں تھیں۔ آپ ﷺ نے ایک کپڑا طلب فرمایا۔ پھر اس کپڑے پر وہ کھجوریں اپنے دست مبارک سے پھیلا دیں۔ پھر آپ ﷺ نے ایک شخص سے فرمایا: ''خندق کھودنے والوں کو آواز دو اور کہو کہ وہ آکر ناشتہ کر لیں۔'' وہ سب حضرات تشریف لے آئے اور کھجوریں کھانے لگے۔ جوں جوں وہ کھجوریں کھاتے جاتے تھے، کھجوریں اور زیادہ بڑھتی جاتی تھیں۔ وہ سب حضرات اچھی طرح کھا کر چلے گئے، پھر بھی یہ حال تھا کہ کھجوریں کپڑے سے باہر گری جا رہی تھیں۔[1]

حلوے کے پیالے میں برکت

عبداللہ بن مصعب کہتے ہیں کہ ام عامر اشہلیہ رضی اللہ عنہا نے کھجور اور پنیر کا حلوہ بنا کر نبی ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے خیمے میں تشریف فرما تھے۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حسب خواہش یہ حلوہ کھایا اور باقی حلوہ رسول اللہ ﷺ کو پیش کر دیا۔ آپ ﷺ نے وہ حلوہ اٹھایا اور خیمے سے باہر تشریف لے گئے۔ پھر آپ ﷺ نے اعلان کرایا کہ اصحاب خندق آج رات کا کھانا رسول اللہ ﷺ کے ہاں کھائیں۔ وہ سب حضرات تشریف لائے۔ سب نے خوب جی بھر کر حلوہ کھایا۔ اس کے باوجود وہ حلوہ جوں کا توں باقی بچا رہا۔[2]

بڑھاپے کے باوجود بال کالے رہے

ایک معرکے میں ابوالیمان عقربہ جہنی رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔ ان کے بیٹے بشر رضی اللہ عنہ باپ کی لاش کے پاس بیٹھ کر رونے لگے۔ رسول اللہ ﷺ اس طرف سے گزرے تو فرمایا: ''بشر! چپ ہو جاؤ۔ کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ میں تمھارا

1 تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلو پیڈیا: 7/283،284۔ 2 تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلو پیڈیا: 7/285۔

باپ اور عائشہ تمھاری ماں بن جائے۔" وہ عرض کرنے لگے: اے اللہ کے رسول! میں اس بات پر بالکل راضی ہوں۔ ان کی زبان میں لکنت تھی، رسول اللہ ﷺ نے دم کیا تو ان کی لکنت جاتی رہی۔ ایک دن اللہ کے رسول ﷺ نے ان کے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا۔ جب ان پر بڑھاپا چھا گیا تو سارے بال سفید ہو گئے لیکن جس جگہ رسول اللہ ﷺ نے اپنا مبارک ہاتھ پھیرا تھا، اس جگہ کے بال مرتے دم تک کالے ہی رہے۔ وہ 85ھ میں فلسطین میں فوت ہوئے۔ [1]

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بکری کا گوشت

سیدنا ابوالیسر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک شام ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خیبر میں تھے کہ ایک یہودی کی بکریاں آگئیں۔ وہ اُس قلعے میں جا رہی تھیں جس کا ہم نے محاصرہ کر رکھا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ہمیں ان بکریوں کا گوشت کون کھلائے گا؟" ابوالیسر کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: حضور! یہ کام میں کروں گا۔ پھر میں شتر مرغ کی طرح بھاگنے لگا۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے دعا دی: "اے اللہ! ہمیں اس کے ذریعے سے فائدہ پہنچا۔" میں نے جلد ہی دونوں بکریاں پکڑ لیں اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انھیں ذبح کیا۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ یہ گوشت صحابہ کرام نے بھی کھایا۔ ابوالیسر 55ھ میں مدینہ منورہ میں فوت ہوئے۔ [2]



اذخر گھاس

نوجوان کی تقدیر چمک اٹھی

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف فرما تھے۔ ایک لڑکا آیا۔ اُس نے ہمیں اونٹ اور بکریوں کے گوشت کا ہدیہ پیش کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس لڑکے کو اپنے سامنے بٹھا لیا۔ اس نے بوسیدہ چادر اوڑھ رکھی تھی۔ آپ ﷺ نے اس لڑکے سے دریافت فرمایا: "تمھارے گھر والے کہاں ہیں؟" وہ بولا: میں نے انھیں ضجنان کے نواح میں چھوڑا ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: "اب اس علاقے کا کیا حال ہے؟" لڑکے نے جواب دیا: وہاں خاردار درختوں پر ہرے بھرے پتے ہیں، اذخر گھاس خوب اُگی ہوئی ہے۔ ثمام گھاس بھی اُگ آئی ہے۔ ترش پودے بھی اُگے ہوئے



ثمام (جھاڑی نما گھاس)

[1] تفصیلات کے لیے دیکھیے، سیرت انسائیکلوپیڈیا: 357/6۔ [2] تفصیلات کے لیے دیکھیے، سیرت انسائیکلوپیڈیا: 377/8۔

ہیں۔ زمین تر ہے۔ اونٹ اور بکریاں وہاں سے خوب سیر ہو کر آتی ہیں۔ زمین میں پانی کی بہتات ہے۔ وہاں مویشی چرنے جاتے ہیں تو زمین کی قدرتی رطوبت کی وجہ سے انھیں پانی پینے کی ضرورت بہت کم پیش آتی ہے..... رسول اللہ ﷺ اس نوجوان کی خوش بیانی سے بہت خوش ہوئے۔ آپ ﷺ نے اپنے اصحاب کو حکم دیا: ''اس نوجوان کو بہترین پوشاک پہناؤ۔'' اُسے بہت عمدہ پوشاک پہنا دی گئی۔ وہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کرنے لگا: میں برکت کے حصول کے لیے آپ ﷺ کے دست مبارک کو چھونا چاہتا ہوں۔ آپ ﷺ نے اسے قریب کر لیا۔ پھر اس نے آپ ﷺ کا دست مبارک خوب چوما۔ آپ ﷺ نے دعا دی: ''اللہ تجھے برکت عطا فرمائے۔'' بعد میں وہ نوجوان لمبی عمر کو پہنچا اور بہت برگزیدہ شخصیت بن گیا۔ وہ ولید بن عبدالملک کے دور خلافت میں فوت ہوا۔[1]

پانی کے برتن سے چشمہ جاری ہو گیا

امام بخاری ؒ نے سیدنا انس ؓ سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ مقام زوراء میں تھے کہ آپ ﷺ کے سامنے پانی کا ایک برتن لایا گیا، آپ ﷺ نے اس میں ہاتھ ڈالا تو پانی آپ ﷺ کی انگلیوں کے درمیان جوش مارنے لگا۔ پھر اس چھوٹے سے برتن سے تقریباً تین سو افراد نے وضو کیا۔[2]

ایک دوسری روایت میں سیدنا انس ؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ نماز عصر کے وقت پانی کی اتنی قلت ہوئی کہ وضو کے لیے بھی پانی دستیاب نہ تھا، اس موقع پر ایک چھوٹے سے برتن میں پانی لایا گیا۔ آپ ﷺ نے اس میں اپنا ہاتھ رکھا تو اس سے چشمہ رواں ہو گیا اور تمام لشکر اسلام نے خوب وضو کیا۔[3]

اسی طرح سیدنا حبان بن بُحّ الصدائی ؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں ایک سفر کے دوران میں پانی کا ایک برتن دیا جس میں سے انھوں نے وضو کیا، پھر آپ ﷺ نے اس برتن میں ہاتھ ڈالا تو پانی جوش مار کر ابلنے لگا۔[4]

پانی کے چھوٹے سے برتن سے ستر افراد نے وضو کیا

اسی طرح ایک اور سفر میں نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ تقریباً 70 صحابۂ کرام تھے، اسی دوران میں ایک جگہ نماز کا وقت ہو گیا۔ مگر وہاں پانی موجود نہ تھا۔ ایک صحابی ایک پیالے میں تھوڑا سا پانی لے کر آئے۔ آپ ﷺ نے اس سے وضو کیا، پھر آپ نے چار انگلیاں دراز کیں اور فرمایا: ''اٹھو وضو کر لو۔'' چنانچہ تمام لوگوں نے آپ ﷺ کی

1 تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلو پیڈیا: 86,85/8۔ 2 صحیح البخاري: 3572. 3 صحیح البخاري: 3573. 4 مسند أحمد: 169,168/4.

مبارک انگلیوں سے نکلنے والے پانی سے بآسانی وضو کر لیا۔[1]

ایک مشکیزے سے ہزاروں گیلن پانی کا حصول

ایک غزوے کے دوران میں پانی کی شدید قلت پیدا ہو گئی، اس وقت لشکر اسلام ایک چٹیل میدان میں خیمہ زن تھا۔ تلاش بسیار کے بعد ایک عورت ملی جو پانی کا مشکیزہ اٹھائے ہوئے گھر جا رہی تھی۔ اس نے بتایا کہ یہاں آس پاس کہیں پانی موجود نہیں ہے اور یہ کہ اس کے گھر کا فاصلہ ایک دن اور رات ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس عورت کو آپ ﷺ کے پاس لے آئے۔ آپ ﷺ نے اس کے مشکیزے پر ہاتھ پھیرا اور اس کا منہ کھولنے کا حکم دیا۔ اس وقت وہاں تقریباً 40 آدمی تھے، ان سب نے شکم سیر ہو کر پانی پیا اور اپنے تمام مشکیزے اور برتن بھی بھر لیے۔ پھر مشکیزے کا منہ بند کر دیا گیا۔ پھر بھی مشکیزہ جوں کا توں رہا۔ یہ حیرت انگیز واقعہ دیکھ کر وہ عورت مسلمان ہو گئی۔[2]

مبارک انگلیوں سے چشمہ پھوٹ پڑا

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: حدیبیہ کے روز ہمیں سخت پیاس لگی۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک چھوٹے برتن میں پانی موجود تھا۔ آپ ﷺ نے اس سے وضو کیا تو لوگ آپ ﷺ کی خدمت میں آ گئے۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: ''کیا بات ہے؟'' لوگوں نے عرض کیا: ہمارے پاس وضو کے لیے پانی ہے نہ پینے کے لیے، بس سارا پانی وہی ہے جو اس وقت آپ ﷺ کے برتن میں موجود ہے۔ آپ ﷺ نے معاً اپنا مبارک ہاتھ برتن میں ڈال دیا تو ہم نے دیکھا کہ آپ ﷺ کی مبارک انگلیوں سے پانی چشمے کی طرح پھوٹ کر بہ رہا ہے۔ پھر ہم سب نے جی بھر کے پانی پیا اور وضو بھی کیا۔ سالم بن ابی الجعد کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا جابر سے پوچھا: اس دن آپ حضرات کتنی تعداد میں تھے؟ انھوں نے فرمایا: اس دن ہم سب پندرہ سو افراد تھے لیکن اگر ایک لاکھ بھی ہوتے تب بھی اچھی طرح سیراب ہو جاتے۔[3]

سوکھا ہوا چشمہ تموج میں آ گیا

سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم غزوۂ تبوک میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ آپ ﷺ ہمیں ظہر اور عصر بعد ازاں مغرب اور عشاء کی نماز جمع کر کے پڑھاتے رہے۔ ایک دن آپ ﷺ نے عشاء کی نماز کے بعد فرمایا: ''ان شاء اللہ کل تم چاشت کے وقت تبوک کے چشمے پر پہنچ جاؤ گے، تم میں سے جو شخص وہاں پہنچ جائے، وہ میرے

1 صحیح البخاري: 5274۔ 2 صحیح البخاري: 3571۔ 3 تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا 8/485-487۔

پہنچنے تک اس چشمے سے پانی نہ نکالے۔‘‘ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم صبح کے وقت وہاں پہنچے تو ہم نے دیکھا کہ دو منافق آدمی ہم سے پہلے ہی وہاں پہنچے ہوئے ہیں اور چشمے سے قطرہ قطرہ پانی رس رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا: ’’کیا تم نے چشمے سے پانی نکالا ہے؟‘‘ انھوں نے اعتراف کیا کہ ہم نے تھوڑا سا پانی نکالا ہے۔ آپ ﷺ نے ان دونوں پر ناراضی کا اظہار فرمایا۔ پھر آپ ﷺ کے حکم پر صحابہ کرام نے چشمے سے قطرہ قطرہ پانی جمع کیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ ﷺ نے اس پانی میں اپنا چہرۂ اقدس اور مبارک ہاتھ دھوئے۔ برکت کی دعا کی اور یہی پانی چشمے میں ڈال دیا۔ جونہی یہ پانی ڈالا گیا، چشمہ جوش میں آ کر یکدم اُبل پڑا اور تیزی سے بہنے لگا۔ پھر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جی بھر کے پانی پیا اور اپنے اونٹوں کو بھی پلایا۔[1]

خشک کنویں سے پانی اچھل پڑا

رسول اللہ ﷺ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ایک وادی میں پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یہاں تو دور دور تک پانی نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی کو تیر مرحمت فرمایا۔ وہ صحابی تیر لے کر اس علاقے کے ایک کنویں میں اتر گئے اور کنویں کے بیچ میں رسول اللہ ﷺ کا عطا کردہ تیر گاڑ دیا۔ جیسے ہی یہ تیر کنویں میں پیوست ہوا، پانی جوش مار کر اُبل پڑا، پھر صحابہ کرام بھی جی بھر کے پانی پیتے رہے اور ان کے اونٹ بھی سیراب ہوتے رہے۔[2]

حدیبیہ کے کنویں میں پانی کی فراوانی

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: فتح مکہ یقیناً عظیم الشان فتح تھی لیکن ہم اس دن کی بجائے حدیبیہ کے دن بیعت رضوان کو فتح و ظفر مندی کا دن سمجھتے ہیں۔ اس دن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ 1400 سرفروش تھے۔ ہم نے وہاں ایک کنویں سے اتنا پانی نکالا کہ کنویں میں ایک بوند بھی باقی نہ بچی۔ یہ اطلاع رسول اللہ ﷺ کو ملی تو آپ اس کنویں کے کنارے پر بیٹھ گئے۔ آپ ﷺ نے ایک برتن میں پانی منگایا۔ اس پانی سے وضو کیا، کلی کی اور دعا مانگی۔ پھر پانی کنویں میں ڈال دیا۔ کنویں میں پانی کی اس قدر فراوانی ہوگئی کہ ہم بھی جی بھر کے پانی پیتے رہے اور ہمارے اونٹ بھی پانی پی پی کر نہال ہو گئے۔[3]

1 تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلو پیڈیا 9/505-509۔ 2 تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلو پیڈیا 8/77-81۔
3 تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلو پیڈیا 8/78۔

سیدہ ام معبد کی لاغر بکری کا معجزہ

اللہ کی راہ کے مقدس ترین مہاجر محمد رسول اللہ ﷺ مکہ پر الوداعی نظر ڈال کر مدینہ جا رہے تھے۔ آپ ﷺ کے ساتھ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے غلام عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ عبداللہ بن اریقط لیثی راستے کی نشاندہی کر رہا تھا۔ چلتے چلتے یہ مقدس و مختصر قافلہ ام معبد کے خیمے کے قریب سے گزرا۔ اس خوش بخت خاتون کا اصل نام عاتکہ تھا لیکن یہ ام معبد کی کنیت سے معروف تھی۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس خاتون سے کچھ گوشت اور کھجوریں قیمتاً طلب فرمائیں۔ ام معبد بولی: ہمارے پاس کچھ نہیں ہے، اگر کچھ ہوتا تو میں آپ حضرات کی بڑی خوشی سے ضیافت کرتی۔ رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ ام معبد کے خیمے میں ایک بکری کھڑی ہے۔ آپ ﷺ نے اس بکری کا دودھ دوہنے کی اجازت مانگی۔ ام معبد کہنے لگی: اگر اس بکری میں دودھ کی کوئی رمق ہے تو ضرور دوہ لیجیے، وہ تو سوکھی ہوئی بکری ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس بکری کے تھن چھو کر برکت کی دعا کی۔ پھر ایک بڑا برتن منگوا کر اسے دوہنا شروع کر دیا۔ اس قدر وافر دودھ نکلا کہ آپ ﷺ نے ام معبد کو، پھر اپنے ساتھیوں کو خوب دودھ پلایا، بعد ازاں خود نوش فرمایا۔ پھر آپ ﷺ نے دوبارہ دودھ دوہا۔ ام معبد کے سارے برتن دودھ سے لبریز ہو گئے۔ وہ سارا دودھ آپ ﷺ نے ام معبد کے حوالے کیا، پھر اسے اللہ حافظ کہہ کر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔ ام معبد اپنے گھر میں دودھ کی بہتات دیکھ کر حیرت زدہ بیٹھی تھی کہ اس کا شوہر اپنی بکریوں کا ریوڑ لے کر واپس آ پہنچا۔ وہ بھی خلاف توقع دودھ کی فراوانی دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا۔ اس نے ام معبد سے کہا کہ ہماری بکری تو اتنی لاغر تھی کہ اس میں دودھ کی ایک بوند بھی نہیں تھی۔ پھر اتنا سارا دودھ کہاں سے آ گیا؟ ام معبد نے رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری کا حال سنایا اور کہا کہ جو کچھ تم دیکھ رہے ہو، یہ اسی اُجلے اور ارفع انسان کا فیض ہے۔[1]

عسفان کی ایک تصویر



غذائی قلت ختم ہوگئی

رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ سے واپسی کا سفر شروع کیا تو عسفان میں پڑاؤ کے دوران غذائی قلت پیدا ہوئی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ سے شدید بھوک کی حالت بیان کی اور اونٹوں کو ذبح کرنے کی اجازت چاہی۔ آپ ﷺ نے اجازت دے دی۔ یہ صورت حال جان کر سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

1 تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا 4/290-236۔

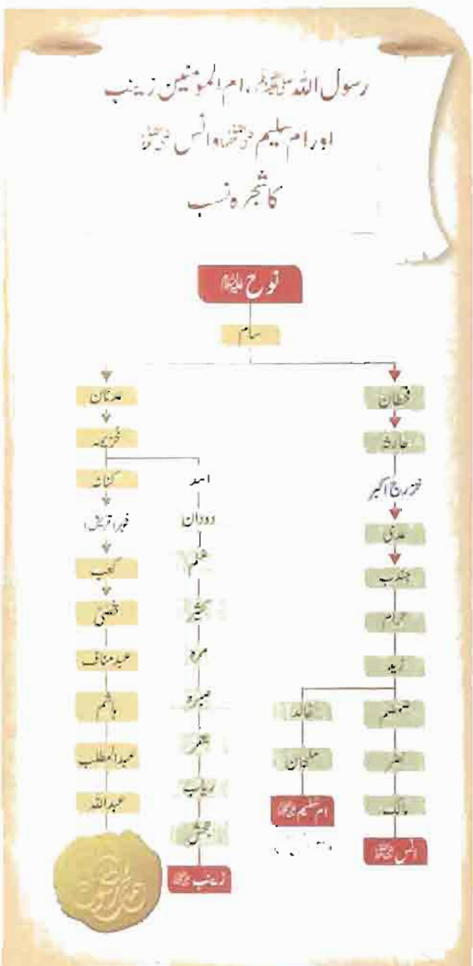
رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اونٹ ذبح کرنے کی اجازت مت دیجیے۔ کیونکہ اس طرح سواریاں کم پڑ جائیں گی اور سفر دوبھر ہو جائے گا اور اگر ہمیں دشمن کا سامنا ہو گیا تو بڑی نازک صورت حال پیدا ہو جائے گی۔ اگر آپ ﷺ مناسب خیال فرمائیں تو سب لوگوں سے ان کی پسماندہ غذا منگوا لیں۔ ایک جگہ جمع کریں اور برکت کی دعا فرمائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی تجویز منظور کر لی اور سب کو حکم دیا کہ اپنا بچا کھچا زادِ راہ لے آؤ۔ چمڑے کا دستر خوان بچھایا گیا، پھر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنا اپنا کھانے پینے کا سامان لے آئے۔ کوئی مٹھی بھر کھجور لایا، کوئی قدرے زیادہ۔ چمڑے کے دستر خوان پر یہ سارا سامان خورد ونوش ایک ڈھیری کی شکل اختیار کر گیا۔ چودہ سو صحابہ کرام کے لیے یہ چھوٹی سی ڈھیری ناکافی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے برکت کی دعا کی۔ پھر سب نے خوب سیر ہو کر کھایا اور اپنے برتن بھی بھر لیے مگر غذا کی ڈھیری میں کوئی کمی نہیں آئی۔ یہ دعائے رسول کی برکت تھی۔[4]

ایک بکری ایک ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے کافی ہو گئی

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جب خندق کھودی جا رہی تھی تو میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کا بطن مبارک بھوک کی شدت سے کمر سے لگا ہوا ہے۔ یہ حالت دیکھ کر میں فوراً گھر گیا۔ ہمارے ہاں ایک بکری تھی، میں نے اسے ذبح کر دیا اور میری بیوی نے گھر میں موجود اڑھائی کلو کے قریب جو لے کر ان کا آٹا پیس لیا۔ اب میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ضیافت کی درخواست کرنے کے لیے جانے لگا تو میری بیوی نے کہا: اس بات کا دھیان رکھنا کہ میں رسول اللہ ﷺ اور ان کے ساتھیوں کے روبرو شرمندہ نہ ہونے پاؤں۔ جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا اور چپکے سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں نے ایک بکری ذبح کی ہے اور میری بیوی نے ایک صاع جو کا آٹا پیسا ہے۔ اس کے علاوہ ہمارے گھر میں کچھ نہیں، آپ ﷺ چند صحابہ رضی اللہ عنہم کو لے کر میرے گھر تشریف لے چلیے اور ماحضر تناول فرمائیے۔ میری درخواست سن کر رسول اللہ ﷺ نے بلند آہنگی سے فرمایا: ”اے اہل خندق! جابر نے تمھاری ضیافت کی ہے۔ آؤ! تم سب میرے ساتھ چلو۔“ اس اعلان کے بعد رسول اللہ ﷺ نے جابر رضی اللہ عنہ کو تاکید فرمائی کہ جب تک میں نہ آ جاؤں، ہنڈیا چولہے سے مت اُتارنا۔ نہ آٹے کی روٹی پکانا۔ میں واپس گھر آیا تو رسول اللہ ﷺ خندق پر موجود سب صحابہ کو لے کر میرے گھر تشریف لے آئے۔ بیوی نے صحابہ کرام کی کثرت دیکھ کر مجھے ملامت کی۔ میں نے بیوی کو بتا دیا کہ میں نے تمھارے کہنے کے مطابق عمل کیا تھا لیکن رسول اللہ ﷺ نے سب کو ضیافت پر مدعو فرما لیا۔ میری بیوی نے آٹا رسول اللہ ﷺ کی خدمت

[4] صحیح مسلم: 27، مسند ابی عوانہ والد مسند 58/5۔ تفصیلات کے لیے دیکھیے سیرت انسائیکلوپیڈیا 8/155، 156۔

میں پیش کیا۔ آپ ﷺ نے آٹے میں اپنا لعاب مبارک ملایا اور برکت کی دعا کی۔ پھر ہنڈیا کے پاس تشریف لے گئے۔ اس میں بھی اپنا لعاب مبارک ڈالا اور برکت کی دعا کی۔ پھر میری بیوی سے فرمایا: ''ایک روٹی پکانے والی کو بلاؤ تاکہ وہ تمھارے ساتھ مل کر روٹیاں پکائے اور تم ہنڈیا سے سالن پیالے میں نکالتی رہو اور ہنڈیا کو چولہے سے مت اُتارنا۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد ایک ہزار تھی۔ اللہ کی قسم! سب نے خوب پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔ پھر بھی ہماری ہنڈیا لبالب بھری رہی اور آٹا بھی حسب سابق پورے کا پورا موجود رہا۔ آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ''اب خود بھی کھاؤ اور دیگر لوگوں کو بھی تحفتاً بھیجو کیونکہ وہ بھی بھوکے ہیں۔''[1]



تھوڑے سے حلوے سے تین سو صحابہ کا پیٹ بھر گیا

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے شادی کی تو میری والدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے مجھ سے فرمایا کہ یہ بڑا اچھا موقع ہے، اس وقت ہمیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ہدیہ پیش کرنا چاہیے۔ میں نے اس تجویز کی تائید کی۔ انھوں نے ایک ہنڈیا میں کھجوریں، گھی اور پنیر ملا کر حلوہ بنایا۔ میں نے یہ حلوہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے رکھ دو۔'' پھر فرمایا کہ ''فلاں فلاں افراد کو بلا لاؤ اور راستے میں جو شخص ملے، اسے بھی بلا لو۔'' میں نے آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل کی، پھر واپس آیا تو میں نے دیکھا کہ سارا گھر لوگوں سے بھرا ہوا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے دونوں مبارک ہاتھ حلوے پر رکھے ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ نے برکت کی دعا کی۔ پھر حاضرین سے فرمایا: ''آپ سب دس دس افراد کی ٹولیاں بنا لیں اور ہر آدمی اپنے آگے سے کھائے۔'' سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

1 تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا 285,286/7۔

حاضرین کی تعداد تین سو کے لگ بھگ تھی، سب نے وہ حلوہ خوب کھایا۔[1]

بکری کی دستی

رسول اللہ ﷺ نے اسامہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: مجھے بکری کی دستی دے دو۔ اسامہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو دستی دے دی۔ آپ ﷺ نے یہ دستی تناول فرمانے کے بعد پھر دستی طلب فرمائی۔ اسامہ کہتے ہیں: میں نے دوبارہ دستی پیش کر دی۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ دستی بھی تناول فرمائی۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا: ''مجھے دستی دو۔'' اسامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ نے دو مرتبہ دستی طلب فرمائی، میں نے دونوں مرتبہ دستی پیش کر دی۔ بکری کی تو دو ہی دستیاں ہوتی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

لو سکت لأعطیتنی [illegible] تجد فیه ذراعا

''اگر تم یہ بات نہ کہتے اور دستی اٹھانے کے لیے جھکتے تو جتنی دیر تک میں دستیاں مانگتا رہتا تم بدستور دستیاں پاتے چلے جاتے۔''[2]

سست رفتار اونٹنی تیز ہو کر سب سے آگے نکل گئی

ابن ہشام نے بیان کیا ہے کہ حلیمہ سعدیہ جب آپ ﷺ کو گود لے کر واپس ہوئیں تو ان کی سواری، جو پہلے ان کی ہمجولیوں کی سواریوں سے پیچھے رہ جاتی تھی، اب سب سے آگے آگے تھی۔ ان کی ہمجولیاں بار بار تعجب کا اظہار کرتی تھیں کہ کیا یہ وہی سواری نہیں ہے جو آتی مرتبہ تمھارے پاس تھی؟ حلیمہ کہتیں: ہاں، یہ وہی سواری ہے، مگر اب اس کی شان ہی نرالی ہے۔[3]

بیمار اونٹ سب پر سبقت لے گیا

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کی معیت میں محوِ سفر تھا۔ میں پانی ڈھونے والے اونٹ پر سوار تھا جو بالکل تھک چکا تھا اور چلنے کا نام نہیں لیتا تھا۔ سب لوگ آگے چلے گئے۔ میں (علاج کے لیے) اسے داغنے لگا مگر اس کی حالت سے مجھے تشویش لاحق ہوگئی۔ ادھر سے رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے۔ آپ ﷺ سب لوگوں سے پیچھے تھے۔ آپ نے مجھ سے دریافت فرمایا: ''تمھارے اونٹ کو کیا ہوا؟'' میں نے عرض کیا: یہ بیمار ہے، سست ہے، تھک

1 تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا: 121،120/7۔ 2 تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا: 8/479-481؛ 10/274۔ 3 [illegible] دلائل [illegible]: 1/172، 173۔

چکا ہے۔ آپ ﷺ نے اس کے سینے پر کچھ پانی ڈالا، پھر اسے ہلکی سی ضرب لگائی اور دعا فرمائی۔ وہ اونٹ اچھل کر کھڑا ہو گیا، پھر فرمایا: ”اب اللہ کا نام لے کر سوار ہو جاؤ۔“ میں نے عرض کیا: میں تو اس بات پر بھی راضی ہوں کہ وہ قافلے کے ساتھ ساتھ خالی چلتا رہے اور میں پیدل چلتا رہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم سوار ہو جاؤ۔“ میں سوار ہو گیا۔ قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں اسے بڑی مشکل سے رسول اللہ ﷺ سے آگے بڑھنے سے روک رہا تھا۔ میں اس سے پہلے اور بعد میں بھی اس سے بہتر، سبک رفتار اور مطیع جانور پر سوار نہیں ہوا۔ وہ تمام اونٹوں سے سبقت لے گیا، اب وہ سب سے آگے ہی چلا جا رہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اب تیرا اونٹ کیسا ہے؟“ میں نے کہا: بہت اچھا ہے، اسے آپ کی برکت حاصل ہو گئی ہے۔[1]

مریل گھوڑا ہوا سے باتیں کرنے لگا

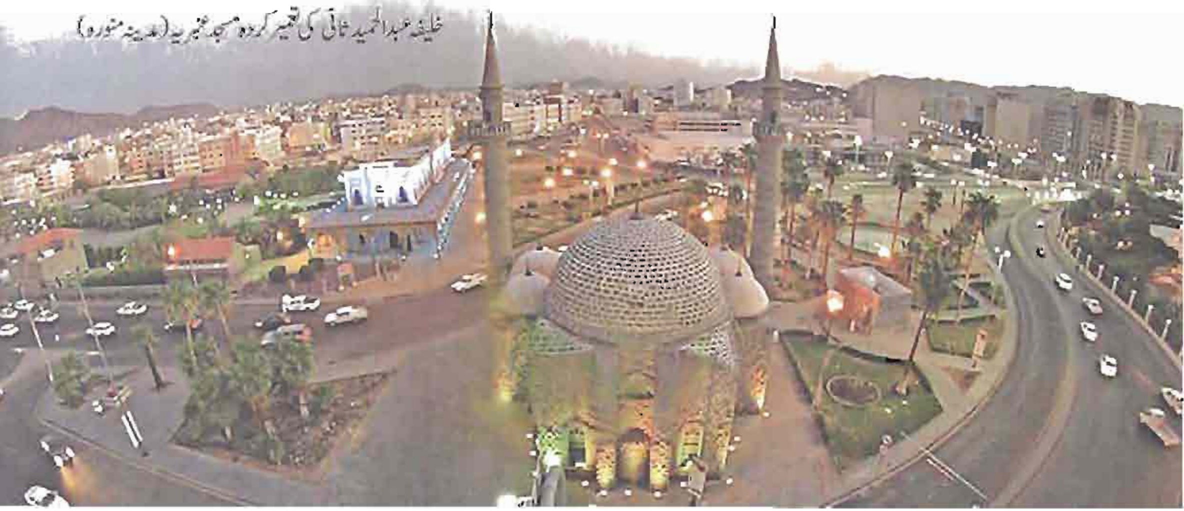
سیدنا انس ؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ اہل مدینہ کسی افواہ سے گھبرا گئے۔ رسول اللہ ﷺ فوراً ابوطلحہ کے گھوڑے پر سوار ہوئے۔ یہ گھوڑا بڑا سست تھا۔ جب آپ ﷺ واپس آئے تو فرمایا: ”بھئی! ہم نے تو اسے سمندر پایا۔“ اس کے بعد کبھی کوئی گھوڑا دوڑ میں اس سے آگے نہیں بڑھ سکا۔[2]

بکری کے بچے نے دودھ دیا

سیدنا عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ میں بکریاں چرا رہا تھا کہ آپ ﷺ اور سیدنا ابوبکر ؓ تشریف لائے اور مجھ سے پینے کے لیے کچھ دودھ مانگا، مگر میں نے معذرت کر دی کہ مجھے مالک کی طرف سے ایسی

[1] صحیح البخاري: 2097 و 2967، صحیح مسلم: (57)-1466، دلائل النبوة لأبي نعیم: 2/156,157، الخصائص الکبری للسیوطي: 2/58، دلائل النبوة للبیهقي: 6/152. مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے، سیرت انسائیکلو پیڈیا: 8/493.

[2] صحیح البخاري: 2867، صحیح مسلم: 2307، مسند أحمد: 3/147.


خلیفہ عبدالحمید ثانی کی تعمیر کردہ مسجد عنبریہ (مدینہ منورہ)

اجازت نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''اچھا بکری کا کوئی بچہ ہے؟'' میں نے کہا: جی ہاں ہے۔ آپ ﷺ نے اسے حاضر کرنے کا حکم دیا۔ میں نے بکری کا بچہ آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ ﷺ نے اس کے تھنوں پر ہاتھ پھیرا تو آپ کے ہاتھ کی برکت سے اس بکری کے بچے نے دودھ دیا۔ پھر یہ دودھ پہلے آپ ﷺ نے، پھر سیدنا ابوبکر ؓ نے، بعدازاں میں نے پیا۔[1]

بابرکت لقمہ

سیدنا ابوہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ ایک موقع پر مجھ پر تین دن کا فاقہ گزرا۔ میں گرتا پڑتا صفہ پہنچا۔ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ ثرید کا ایک بڑا پیالہ لائے ہیں اور اہل صفہ کو کھلا رہے ہیں۔ اہل صفہ کھانا ختم کر کے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ثرید کا پیالہ بالکل صاف ہو گیا، بس کناروں پر تھوڑا سا ثرید لگا ہوا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اُسے جمع کر کے ایک لقمہ بنایا اور مجھ سے فرمایا: ''لو! بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ!'' اللہ کی قسم! میں وہ لقمہ لگاتار کھاتا رہا یہاں تک کہ میرا پیٹ بھر گیا۔[2]

دودھ کا پیالہ اہل صفہ کے لیے کافی ہو گیا

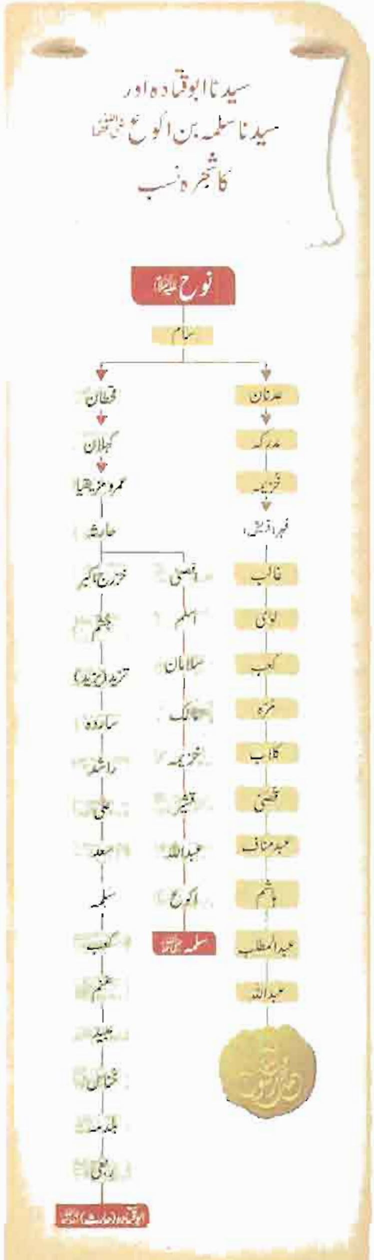
سیدنا ابوہریرہ ؓ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ میں بھوک سے نڈھال ہو کر ایک راستے پر بیٹھ گیا۔ وہاں سے ابوبکر اور عمر ؓ گزرے۔ میں نے ان حضرات کو اس خیال سے روکا کہ یہ مجھے کچھ کھلا پلا دیں لیکن دونوں حضرات میرا مدعا نہیں سمجھے اور آگے چلے گئے۔ پھر رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ آپ ﷺ بھانپ گئے کہ میں بھوکا ہوں۔ آپ ﷺ مجھے اپنے ساتھ اپنے کاشانۂ مبارک میں لے گئے۔ آپ ﷺ کے گھر میں بطور ہدیہ آیا ہوا دودھ کا ایک پیالہ موجود تھا۔ آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ''جاؤ! اہل صفہ کو بلا لاؤ!'' میں سوچنے لگا: دودھ کا صرف ایک پیالہ ہے، یہ صفہ والے پی لیں گے تو بھلا مجھے کیا نصیب ہوگا؟ میں یہی سوچتے سوچتے اہل صفہ کو بلا لایا۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا: ''لو یہ دودھ صفہ والوں کو پلاؤ۔'' وہ سب دودھ پی کر واپس چلے گئے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ پیالہ مجھے مرحمت فرمایا۔ میں دودھ پیتا رہا، پیتا رہا حتی کہ میرا پیٹ بھر گیا۔ بعدازاں رسول اللہ ﷺ نے یہ دودھ نوش فرمایا۔[3]

کمزور سواری سب پر مقدم ہو گئی

سیدنا جُعیل بن زیاد اشجعی ؓ کی کمزور سواری پر رسول اللہ ﷺ کی برکت کا واقعہ خود ان کی زبان سے سنیے، وہ

1 الطبقات لابن سعد 122/1 2 تفصیلات کے لیے دیکھیے، سیرت انسائیکلوپیڈیا 502/4۔ 3 تفصیلات کے لیے دیکھیے، سیرت انسائیکلوپیڈیا 501،500/4۔

کہتے ہیں: میں ایک جنگی سفر میں انتہائی کمزور گھوڑی پر سوار تھا اور سب لوگوں سے پیچھے تھا۔ رسول اللہ ﷺ مجھ سے آن ملے۔ آپ نے چابک اٹھایا، گھوڑی کو ہلکی سی ضرب لگائی اور فرمایا: ''اے اللہ! اس میں برکت دے۔'' پھر یا تھا، وہ اس قدر تیز ہوگئی کہ میں سب لوگوں سے آگے جا رہا تھا۔ پھر میں نے اس کی نسل سے بارہ ہزار دینار کے گھوڑے بیچے۔[1]



تھوڑے سے پانی میں بے انتہا اضافہ

سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک سفر میں تھے۔ آپ ﷺ نے مجھ سے پوچھا: ''تمھارے پاس تھوڑا بہت پانی ہے؟'' میں نے کہا: جی ہاں! لوٹے میں کچھ پانی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ لوٹا اٹھا لاؤ۔'' میں لوٹا لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے صحابہ سے فرمایا: ''آؤ! یہاں سے پانی لو اور وضو کرو۔'' آپ ان کے برتنوں میں پانی ڈالنے لگے۔ سب لوگوں نے وضو کر لیا اور لوٹے میں کچھ پانی پھر بھی بچ گیا۔ آپ نے فرمایا: ''ابوقتادہ! اسے سنبھال کر رکھو، یہ عجیب شان دکھلائے گا۔'' پھر انھوں نے مزید ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ ایک وقت ایسا آیا کہ صحابۂ کرام نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم پیاس سے مرنے لگے ہیں اور سواریاں بھی چلنے سے عاجز آ چکی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''فکر نہ کرو، کچھ نہیں ہوگا۔'' پھر فرمایا: ''ابوقتادہ! وہ لوٹا لاؤ۔'' میں وہی لوٹا اٹھا کر پھر آپ ﷺ کے پاس لے گیا۔ آپ نے فرمایا: ''میرے پیالے کا کپڑا کھول دو۔'' میں کپڑا اتار کر پیالہ آپ ﷺ کی خدمت میں لایا۔ آپ لوٹے سے اس پیالے میں پانی ڈالنے لگے اور لوگ پینے لگے۔ جب بہت زیادہ ہجوم ہوگیا اور دھکم پیل ہونے لگی تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''لوگو! اطمینان سے اپنے اپنے برتن بھرو۔

[1] المعجم الکبیر للطبرانی 315/2، حدیث: 2172، مجمع الزوائد: 262/5، دلائل النبوۃ للبیہقی: 153/6، السنن الکبریٰ للنسائی: 8818.

ہر شخص سیر ہو کر جائے گا۔'' لوگوں نے خود بھی خوب پانی پیا، اپنے گھوڑوں، گدھوں اور اونٹوں کو بھی پلایا حتی کہ ان کے پاس جو لوٹے، مشکیزے یا کوئی اور برتن تھا اسے بھی پانی سے لبالب بھر لیا۔ اب صرف میں اور رسول اللہ ﷺ رہ گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ابوقتادہ! پیو۔'' میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! پہلے آپ نوش فرمائیں۔ فرمایا: ساقي القوم آخرهم شربًا ''پلانے والا آخر میں پیا کرتا ہے۔'' میں نے پیا، پھر میرے بعد آپ ﷺ نے پانی پیا۔ اب بھی لوٹے میں پہلے جتنا پانی باقی تھا۔ اور اس وقت حاضرین تین سو تھے۔[1]

سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بنو ہوازن سے جنگ کرنے گئے۔ ہمیں سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ آپ ﷺ کے پاس ایک کوزے میں تھوڑا سا پانی لایا گیا۔ آپ کے حکم سے وہ پانی پیالے میں ڈال دیا گیا۔ ہم وضو کرنے لگے حتی کہ سب نے وضو کر لیا۔[2]

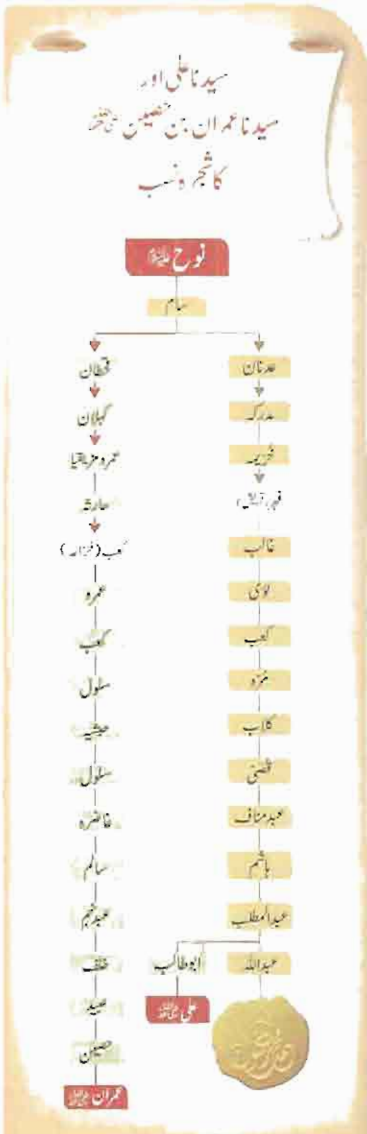
خشک کنویں سے پانی جاری ہو گیا

زیاد بن حارث صدائی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے، میں نے رسالت مآب ﷺ سے کہا: اے اللہ کے رسول! ہمارے کنویں کی حالت یہ ہے کہ سردیوں میں تو اس کا پانی ہمارے لیے کافی ہوتا ہے اور ہم موسم سرما میں اکٹھے رہتے ہیں۔ گرمیوں میں اس کا پانی بہت کم رہ جاتا ہے تو ہمیں اردگرد کے دوسرے کنووں پر منتشر ہو کر رہنا پڑتا ہے۔ اب ہم مسلمان ہو چکے ہیں۔ اردگرد کے سب لوگ ہمارے دشمن بن گئے ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیے کہ ہمارے کنویں کا پانی ہمیں ہر موسم میں کفایت کرے تاکہ ہم اکٹھے رہ سکیں اور ہمیں ادھر ادھر نہ جانا پڑے۔ آپ ﷺ نے سات کنکریاں منگوائیں۔ انھیں اپنے مبارک ہاتھ میں ہلایا اور ان پر کچھ پڑھا، پھر فرمایا: ''ان کنکریوں کو لے جاؤ۔ جب کنویں پر آؤ تو اللہ کا نام لے کر ایک ایک کر کے ڈالتے جاؤ۔'' وہ کہتے ہیں: ہم نے اسی طرح کیا۔ اس کے بعد ہمیں اس کنویں کا فرش کبھی نظر نہیں آیا۔[3]

مشکیزوں کے پانی میں اضافہ

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم ایک سفر میں اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ تھے۔ لوگوں نے آپ سے پیاس کی شکایت کی۔ آپ نے پڑاؤ ڈالا، پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ایک دوسرے شخص (ایک روایت کے مطابق وہ خود عمران بن حصین ہی تھے) کو بلایا اور فرمایا: ''جاؤ پانی تلاش کرو، تمھیں فلاں جگہ ایک شتر سوار عورت ملے

1 صحیح مسلم: 681، سبل الہدی والرشاد 9/454. 2 دلائل النبوة للبيهقي: 4/118،119. 3 دلائل النبوة للبيهقي: 4/127، دلائل النبوة لأبي نعيم 2/147، شمائل الرسول لابن كثير، ص 190.



کی۔ اس کے پاس پانی کے دو مشکیزے ہوں گے۔ اسے یہاں لے آؤ۔'' ہم چل پڑے۔ رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے مقام پر ہمیں شتر سوار عورت مل گئی۔ اس کے پاس پانی کے بھرے ہوئے دو مشکیزے تھے۔ انھوں نے اس سے پوچھا پانی کہاں ہے؟ وہ بولی: کل اس وقت میں کنویں پر تھی۔ ہمارے گھر کے مرد کہیں گئے ہوئے ہیں۔ انھوں نے اس عورت سے کہا: تم ہمارے ساتھ چلو۔ اس نے پوچھا: کدھر؟ انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں۔ وہ کہنے لگی: وہ جسے صابی کہا جاتا ہے؟ انھوں نے کہا: وہی مراد ہیں۔ اب تم چلو۔ خیر! وہ اسے لے کر نبیِ کریم ﷺ کی خدمت میں آ گئے اور آپ سے پورا واقعہ بیان کیا۔

مسلمانوں نے اسے اونٹ سے اتارا۔ نبیِ اکرم ﷺ نے ایک برتن منگوایا اور عورت کے مشکیزوں سے تھوڑا سا پانی اس میں ڈالا، پھر آپ ﷺ نے کلی کی اور کلی کا پانی برتن میں ڈال دیا، پھر دوبارہ وہ پانی مشکیزوں میں ملا دیا، پھر مشکیزوں کے اوپر والے منہ باندھے، نچلے منہ کھول دیے اور لوگوں میں اعلان کر دیا گیا: ''خود بھی پیو اور جانوروں کو بھی پلاؤ۔''

سب نے خود بھی پیا اور جانوروں کو بھی پلایا۔ ہم سب نے اپنے اپنے تمام برتن اور مشکیزے بھی پانی سے بھر لیے۔ وہ عورت ایک طرف کھڑی یہ عجیب و غریب منظر دیکھ رہی تھی اور حیران ہو رہی تھی کہ اس کے پانی سے کیا سلوک ہو رہا ہے۔ اللہ کی قسم! جب مشکیزے سے پانی لینا بند کیا گیا تو ہمیں یوں محسوس ہوا کہ یہ مشکیزہ پہلے سے بھی زیادہ لبالب بھرا ہوا ہے۔ نبیِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اس خاتون کے لیے کھانے پینے کی چیزیں جمع کرو۔'' لوگوں نے مختلف چیزیں جمع کر دیں۔ عجوہ کھجوریں، آٹا، ستو وغیرہ یہ سب کچھ ایک کپڑے میں باندھ کر عورت کو اونٹ پر بٹھا دیا گیا اور یہ گٹھڑی اس کے آگے رکھ دی گئی۔ پھر آپ ﷺ نے اس سے فرمایا: ''تم اچھی طرح جانتی ہو کہ ہم نے تمھارے پانی میں کوئی کمی نہیں کی۔ ہمیں اللہ تعالیٰ نے پانی پلایا ہے۔'' وہ عورت اپنے اہل خانہ کے پاس پہنچی اور کہنے لگی: ''میں نے بڑا عجیب و غریب منظر دیکھا ہے۔

دو آدمی ملے اور مجھے اس شخص کے پاس لے گئے جسے لوگ صابی کہتے ہیں۔ اس نے میرے مشکیزے سے عجیب و غریب طریقے سے پانی نکالا۔ اللہ کی قسم! یا تو وہ سب سے بڑا جادوگر ہے یا واقعی اللہ تعالیٰ کا سچا رسول ہے۔'' کچھ عرصے کے بعد وہ عورت اور اس کا پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔[1]

جو میں اضافہ

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نبی ﷺ کے پاس آیا اور کھانے کی کوئی چیز مانگی۔ آپ نے اسے نصف وسق (تقریباً ایک من تیئیس کلو) جو دیے۔ عرصہ دراز تک وہ، اس کی بیوی اور ان کے مہمان سب وہی جو کھاتے رہے۔ وہ ختم ہونے میں نہ آتے تھے۔ آخرکار وہ یہ جانچنے کے لیے جو ماپنے لگے کہ آخر یہ کتنے ہیں جو ختم ہی نہیں ہوتے۔ نبی کریم ﷺ کو پتہ چلا تو آپ نے فرمایا:

«لو لم تكله لأكلتم منه ولقام لكم»

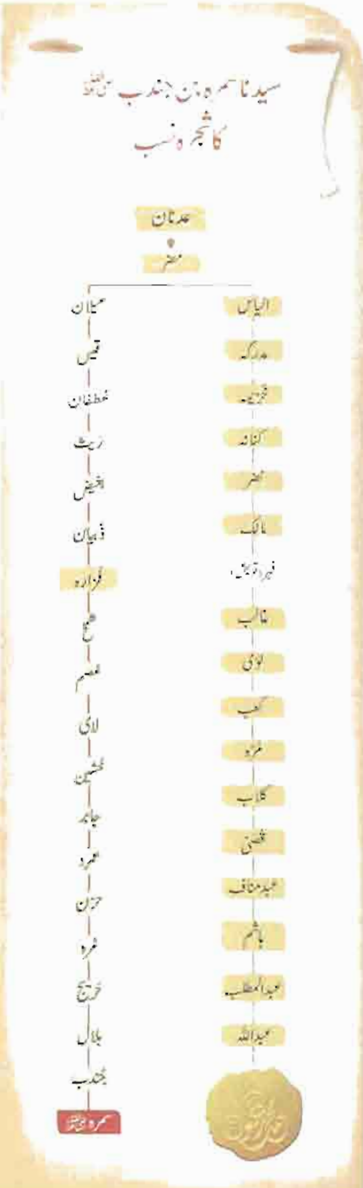
''اگر تم انھیں نہ ماپتے اور ساری زندگی کھاتے رہتے تب بھی وہ جو ختم نہ ہوتے۔''[2]

کھانے اور نبیذ میں اضافہ

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عبدالمطلب کے سارے خاندان کو دعوت پر اکٹھا کیا۔ ان میں ایسے ایسے پیٹو لوگ بھی تھے جو تن تنہا پوری بکری کھا جاتے اور پورا مٹکا پانی پی جاتے تھے۔ آپ نے صرف ایک مد (نصف کلو) غلے سے ضیافت کا کھانا تیار کیا۔ یہ کھانا ان سب نے کھایا اور خوب سیر ہو کر کھایا لیکن تمام مہمانوں کے کھا چکنے کے بعد بھی ضیافت کا کھانا جوں کا توں باقی پڑا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے کسی نے اسے چھوا تک نہیں، پھر آپ ﷺ نے صرف ایک پیالہ نبیذ منگوائی۔ ان سب نے خوب سیر ہو کر پی لیکن پیالہ بدستور نبیذ سے یوں لبریز تھا جیسے کسی نے اسے منہ بھی نہیں لگایا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے بنو عبدالمطلب! مجھے خصوصاً تمھاری طرف اور عموماً سب لوگوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہے۔ یہ کھانے پینے کا معجزہ تم ابھی دیکھ ہی چکے ہو۔ تم میں سے کون میری بیعت کرے گا کہ وہ دین حنیف کے کام میں میرا بھائی اور ساتھی بنے؟'' کوئی بھی نہ اٹھا۔ آخرکار میں اٹھ کھڑا ہوا۔ میں ان سب سے چھوٹا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''بیٹھ جاؤ۔'' آپ نے تین دفعہ یہی سوال دہرایا۔ ہر دفعہ صرف میں ہی کھڑا ہوتا رہا اور آپ ﷺ فرماتے رہے: ''بیٹھ جاؤ۔'' تیسری دفعہ آپ نے اپنا دست مبارک

1 صحیح البخاری، 357، صحیح مسلم، 682. 2 صحیح مسلم، 2281

میرے ہاتھ پر رکھ دیا اور مجھ سے بیعت لے لی۔[1]



ثرید کا بابرکت پیالہ

سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ثرید کا ایک پیالہ لایا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اسے عام لوگوں کے لیے رکھ دیا گیا۔ صبح سے ظہر تک لوگ باری باری گروہ در گروہ آتے رہے اور ثرید کھاتے رہے۔ ایک گروہ اٹھتا تو دوسرا آجاتا مگر وہ پیالہ ختم نہ ہوا۔ کسی نے سیدنا سمرہ رضی اللہ عنہ سے از راہ تعجب پوچھا: ''اس میں اتنا اضافہ کیسے ہوا؟'' سیدنا سمرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''تعجب کیسا؟ اس میں اضافہ وہاں سے ہوتا تھا۔'' یہ کہتے ہوئے انھوں نے آسمان کی طرف اشارہ کر دیا۔[2]

ایک بکری کی کلیجی 130 صحابۂ کرام نے کھائی

عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سفر کے دوران ایک اعرابی سے ایک بکری خریدی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی کلیجی بھوننے کا حکم دیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ایک سو تیس صحابہ نے وہ کلیجی سیر ہو کر کھائی مگر پھر بھی بچ گئی۔[3]

ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے کھانے میں برکت

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میرے سامنے کی بات ہے کہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے ام سلیم رضی اللہ عنہا (میری والدہ) سے کہا: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز بڑی کمزور معلوم ہوئی ہے، میں نے ان پر بھوک کے آثار دیکھے ہیں۔ کیا تمھارے پاس کھانے کی کوئی چیز ہے؟ وہ بولیں: ہمارے ہاں تو مشکل سے آدھ کلو جو کا آٹا ہوگا۔ انھوں نے کہا: چلو! وہی گوندھ کر پکاؤ۔ ممکن ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

1 مسند احمد: 159/1، 2 جامع الترمذي، 3625، سنن الدارمي، 57. 3 صحیح البخاري، 5382، صحیح مسلم، 2056.

ہماری درخواست پر ہمارے ہاں تشریف لے آئیں اور کچھ تناول فرمائیں۔ ام سلیم نے آٹا گوندھ کر روٹی پکائی۔ بس یہ ایک روٹی تھی۔ ابوطلحہ نے مجھ سے کہا: جاؤ رسول اللہ ﷺ کو بلا لاؤ۔ میں گیا، رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ اور آپ ﷺ کے پاس خاصی تعداد میں لوگ بیٹھے تھے۔ میں جا کر کھڑا ہو گیا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ابوطلحہ آپ کو بلا رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تمھیں ابوطلحہ نے بھیجا ہے؟'' میں نے کہا: جی ہاں! آپ نے اپنے ساتھیوں سے کہا: ''اٹھو۔'' آپ ﷺ چل پڑے۔ میں آپ ﷺ کے آگے آگے بھاگا اور جا کر ابوطلحہ کو خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھیوں سمیت تشریف لا رہے ہیں۔ وہ بولے: رسوا کر دیا۔ میں نے کہا: بھلا میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد کیسے نہ مانتا۔ خیر! ابوطلحہ استقبال کو اٹھے۔ وہ آپ ﷺ کے ساتھیوں کی بہتات دیکھ کر گھبرا گئے۔ آپ کے قریب چلتے ہوئے انھوں نے آہستہ سے کہا: اے اللہ کے رسول! روٹی تو صرف ایک ہی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس میں برکت دے گا۔'' رسول اللہ ﷺ دروازے کے پاس پہنچے تو صحابہ سے فرمایا: ''بیٹھ جاؤ۔'' رسول اللہ ﷺ اکیلے داخل ہوئے۔ ابوطلحہ نے کہا: ام سلیم! رسول اللہ ﷺ تو سب ساتھیوں کو ساتھ لے کر تشریف لائے ہیں۔ ادھر ہمارے پاس اتنا وافر کھانا نہیں جو سب کو کھا سکیں۔ وہ بولیں: اللہ جانے اور اس کا رسول ﷺ۔ رسول اللہ ﷺ نے کھانا لانے کو کہا تو وہی ایک روٹی لے کر حاضر ہو گئیں۔ آپ ﷺ نے ایک بڑا پیالہ منگوایا اور اس میں روٹی رکھ دی، پھر دریافت فرمایا: ''کیا تھوڑا سا گھی ہوگا؟'' ابوطلحہ نے جواب دیا: تھیلی میں تھوڑا بہت گھی تو تھا۔ پھر وہ تھیلی اٹھا لائے۔ رسول اللہ ﷺ اور ابوطلحہ نے مل کر تھیلی کو نچوڑا تو تھوڑا سا گھی نکل آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے گھی اپنی انگشت مبارک پر لگا کر روٹی پر ملا تو روٹی پھولنے لگی۔ آپ نے فرمایا: ''بسم اللہ۔'' روٹی مزید پھول گئی۔ آپ بار بار ایسا ہی کرتے رہے۔ مجھے پیالے میں روٹی کی حرکت صاف نظر آ رہی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''دس صحابہ کو بلاؤ۔'' میں دس افراد کو بلا لایا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنا دست مبارک روٹی کے درمیان رکھا اور فرمایا: ''اللہ کا نام لے کر کھاؤ۔'' صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کناروں سے روٹی کھاتے رہے حتی کہ وہ سیر ہو گئے۔ اس طرح آپ دس دس افراد کو بلاتے جاتے اور وہ کھاتے جاتے تھے۔ اس طرح اسی (80) سے زیادہ صحابہ نے سیر ہو کر کھانا کھایا لیکن روٹی کا وہ درمیانی حصہ بدستور باقی رہا جس پر رسول اللہ ﷺ نے اپنا دست مبارک رکھا ہوا تھا۔ پھر رسول اللہ ﷺ، ابوطلحہ، ام سلیم اور میں نے بھی سیر ہو کر روٹی کھائی، پھر بھی خاصی روٹی بچ گئی جو ہم نے اپنے پڑوس کے کئی گھروں میں بھیجی۔[1]

[1] صحیح البخاري، 3578، صحیح مسلم: 2040.

خالی تھیلیاں گھی سے لبریز ہوگئیں

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس ایک بکری تھی۔ میری والدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے اس کا گھی چمڑے کی ایک تھیلی میں رکھنا شروع کر دیا۔ تھیلی بھر گئی تو انھوں نے وہ تھیلی ایک لونڈی کے حوالے کی اور فرمایا: بیٹی! یہ تھیلی رسول اللہ ﷺ کو دے آؤ تاکہ آپ ﷺ اسے بطور سالن استعمال کر لیا کریں۔ وہ لونڈی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچی اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہ گھی کی تھیلی ام سلیم نے آپ کے لیے بھیجی ہے۔ آپ نے اپنے اہل خانہ سے فرمایا: ''یہ تھیلی خالی کر دو۔'' تھیلی خالی کر کے واپس کر دی گئی۔ لونڈی خالی تھیلی واپس لے کر آئی تو ام سلیم گھر پر نہیں تھیں۔ لونڈی نے خالی تھیلی کھونٹی پر لٹکا دی۔ ام سلیم گھر واپس آئیں تو دیکھا کہ تھیلی اسی طرح بھری ہوئی ہے اور اس میں سے گھی کے قطرے ٹپک رہے ہیں۔ انھوں نے پوچھا: بیٹی! میں نے تم سے کہا تھا کہ یہ تھیلی رسول اللہ ﷺ کو دے آؤ۔ وہ بولی: میں دے آئی تھی۔ آپ کو یقین نہیں تو خود جا کر رسول اللہ ﷺ سے پوچھ لیجیے۔ ام سلیم لڑکی کو ساتھ لے کر رسول اللہ ﷺ کے ہاں پہنچیں اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں نے اس لڑکی کے ہاتھ آپ کے پاس گھی کی ایک تھیلی بھیجی تھی۔ فرمایا: ''ہاں! یہ بچی تھیلی لائی تھی۔'' ام سلیم نے کہا: قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو بچی ہدایت دے کر بھیجا ہے! وہ تھیلی تو بدستور گھی سے بھری ہوئی ٹپک رہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ام سلیم! کیا تمھیں اس بات پر تعجب ہے کہ جس طرح تم نے اللہ کے نبی کو کھانے کی چیز بھیجی اسی طرح اللہ تعالیٰ نے تمھیں بھی بھیج دی۔ کھاؤ اور کھلاؤ۔'' سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں گھر واپس آئی تو اس تھیلی سے کئی پیالے بھر بھر کر لوگوں میں تقسیم کیے، پھر بھی تھیلی میں اتنا گھی بچ رہا کہ ہم ایک یا دو مہینے تک اسی گھی کو بطور سالن استعمال کرتے رہے۔[1]

کھانے پینے کی مختلف چیزوں میں برکت

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے تمام اصحاب صفہ کو بلانے کا حکم دیا۔ میں بلا لایا، پھر ہمارے سامنے ایک پلیٹ رکھی گئی، میرا خیال ہے اس میں ایک مد (تقریباً نصف کلو) جو ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنا دست مبارک اس میں ڈالا اور حکم دیا: «كُلُوا بِاسْمِ اللّٰهِ» ''اللہ کا نام لے کر کھاؤ۔''

ہم نے جی بھر کے کھایا۔ ہم ستر اسی آدمی تھے، پھر ہم نے اپنے ہاتھ کھینچ لیے۔ جب پلیٹ رکھی گئی تھی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! آج شام آل محمد کے ہاں کھانے کی کوئی چیز نہیں۔''

[1] مسند ابی یعلیٰ: 218,217/7

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: جب آپ کھا کر فارغ ہو چکے تو پلیٹ میں کتنا کھانا موجود تھا؟ انھوں نے جواب دیا: جتنا رکھا گیا اتنا ہی بچا تھا، البتہ اس میں انگلیوں کے نشانات تھے۔[1]



سیدنا واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ اہل صفہ نے مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ گزارش کرنے کے لیے بھیجا کہ ہم بھوکے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر میں ادھر ادھر دیکھا اور پوچھا: ''کوئی چیز ہے؟'' گھر سے روٹی کے ایک دو ٹکڑے اور تھوڑا سا دودھ بھیجا گیا۔ آپ نے روٹی کے ٹکڑوں کو توڑ کر باریک کیا، پھر اس پر دودھ ڈال دیا اور اسے اپنے ہاتھ سے ملا کر ثرید کی طرح بنا دیا، پھر آپ نے فرمایا: ''واثلہ! اپنے دس ساتھی بلا لاؤ۔'' میں بلا لایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"كُلُوا بِسْمِ اللهِ مِنْ حَوَالَيْهَا، وَاعْفُوا رَأْسَهَا، فَإِنَّ الْبَرَكَةَ تَأْتِيهَا مِنْ فَوْقِهَا، وَإِنَّهَا تُمَدُّ"

''اللہ کا نام لے کر کناروں سے کھاؤ۔ چوٹی باقی رہنے دو۔ برکت اوپر کی طرف سے نازل ہوتی ہے اور اس میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔''

وہ کھانے لگے، پھر میں نے دیکھا کہ وہ کھا کھا کر اکتا گئے، اور اٹھ کر چلے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دس اور لے آؤ۔'' انھیں بھی آپ نے یہی ہدایت فرمائی۔ وہ بھی کھانے لگے اور خوب سیر ہو کر کھا چکے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: ''کیا کوئی اور باقی ہے؟'' میں نے کہا: جی ہاں! دس افراد۔ فرمایا: ''انھیں بھی لے آؤ۔'' آپ نے انھیں بھی وہی ہدایت فرمائی۔ انھوں نے بھی خوب سیر ہو کر کھایا اور چلے گئے۔ اس کے باوجود برتن میں بدستور کھانا بچا ہوا تھا۔ اس بات پر تعجب کرتے ہوئے میں بھی چلا گیا۔[2]

کھانے سے تسبیح کی آواز

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانا کھاتے تو ہمیں اس کھانے کی تسبیح سنائی دیتی تھی۔[3]

1 المعجم الكبير للطبراني: 49/2، مجمع الزوائد: 308/8، المصنف لابن أبي شيبة: 470/11. 2 المعجم الكبير للطبراني: 86/22، حلية: 208، مجمع الزوائد: 305/8، المستدرك للحاكم: 116/4، 117. 3 صحيح البخاري: 3579، جامع الترمذي: 3633.

نباتات، جمادات اور حیوانات سے متعلق معجزات

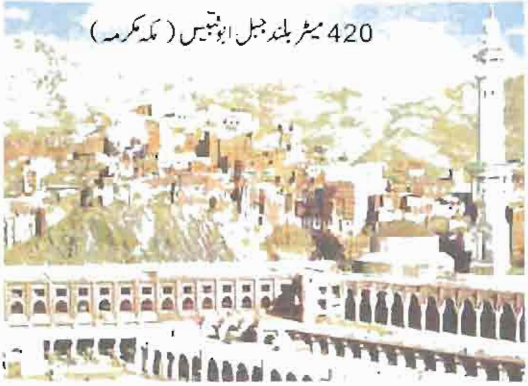
جمادات گو بظاہر شعور و ادراک سے محروم ہیں، مگر قرآن حکیم میں ان میں ایک خاص قسم کے شعور و ادراک کی موجودگی کا تذکرہ کیا گیا ہے جو اپنے خالق و مالک کی پہچان، اس کی تسبیح خوانی اور اللہ کے تکوینی احکام بجالانے پر مشتمل ہے۔ موجودہ سائنس بھی بعض جمادات میں کسی قدر قوتِ احساس کی قائل ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ جمادات اپنے رب کی مرضی کو پہچانتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کی نبوت و رسالت کی تصدیق کرنے میں جمادات بھی کسی سے پیچھے نہیں رہے۔

نباتات میں گو ایک ابتدائی درجے کا شعور و ادراک موجود ہوتا ہے، مگر پھر بھی ان میں ایسا شعور و ادراک نہیں ہوتا کہ وہ آدمی آدمی میں فرق کر سکیں، لیکن نبی اکرم ﷺ کی ذات اقدس کو نباتات نہ صرف جانتے تھے، بلکہ حیرت انگیز طریقے پر آپ ﷺ کے احکام کی تعمیل بھی کرتے تھے۔ جب آپ ﷺ کہیں سے گزرتے تھے تو راستے کا ہر درخت اور ہر پتھر آپ ﷺ کو سلام کرتا تھا۔

حیوانات نباتات سے شعور و ادراک میں خاصا اونچا درجہ رکھتے ہیں، مگر ان میں کبھی اچھے اور برے، نیک اور بد کا شعور نہیں دیکھا گیا، البتہ آپ ﷺ کے خوارق عادت امور (معجزات) میں سے ایک امر یہ بھی ہے کہ جانوروں نے نہ صرف آپ ﷺ کے مرتبے کو جانا، بلکہ آپ سے اپنے مالکوں کی شکایات بھی کیں۔

چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے

مشرکین مکہ اسلام کی دن بدن پھیلتی ہوئی دعوت سے خائف ہو گئے، انھوں نے دعوت اسلام کو روکنے کے لیے طرح طرح کے حربے اختیار کرنے شروع کیے۔ ابوجہل، ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل اور ان کے ساتھیوں نے ایک طریقہ یہ سوچا کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایسے انوکھے اور انہونے مطالبات پیش کیے جائیں جنھیں رسول اللہ ﷺ انجام دینے سے عاجز و قاصر رہیں، اس طرح وہ خود بخود منظرِ عام سے پیچھے ہٹ جائیں گے اور ان کی دعوتِ حق بھی آپ ہی آپ گردِ فراموشی میں دب جائے گی۔ چنانچہ انھوں نے رسالت مآب ﷺ سے کہا کہ اگر


420 میٹر بلند جبل ابوقبیس (مکہ مکرمہ)

آپ اللہ کے سچے رسول ہیں تو چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھا دیجیے۔ رسول اللہ ﷺ نے اللہ کے حکم سے یہ معجزہ پورا کر دکھایا۔ چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ ایک ٹکڑا جبل ابی قبیس پر اور دوسرا ٹکڑا جبل قعیقعان پر چمکنے لگا۔ یہ زبردست معجزہ دیکھ کر بھی قریش کے دل مائل بہ حق نہیں ہوئے۔ شق قمر کا یہ واقعہ متعدد طرق سے مروی متواتر احادیث سے ثابت ہے۔[1]

جبل قعیقعان (مکہ مکرمہ)


رسول اللہ ﷺ کے اشارے سے بت گر پڑے

فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کا ایک معجزہ یہ بھی عیاں ہوا کہ آپ بیت اللہ میں موجود جس بت کی طرف اشارہ کرتے تھے وہ فوراً گر جاتا تھا۔ ابن ہشام نے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک میں ایک چھڑی تھی۔ اس سے آپ ﷺ جس بت کے چہرے کی طرف اشارہ کرتے تھے، وہ گدی کے بل گر جاتا تھا اور جس بت کی گدی کی طرف اشارہ کرتے تھے، وہ چہرے کے بل گر پڑتا تھا۔[2]

قبر نے مرتد کو اگل دیا

عہد نبوی میں ایک نصرانی مسلمان ہوا۔ وہ کچھ دنوں تک کتابت وحی کی خدمت انجام دیتا رہا، مگر پھر مرتد ہو گیا اور یہ دعویٰ کرنے لگا کہ (معاذ اللہ) جو کچھ اس نے کتابت کیا ہے (سورۃ البقرہ، آل عمران)، اس کے سوا آپ ﷺ کچھ نہیں جانتے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے لوگوں کے لیے عبرت بنانا چاہا تو اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ بعدازاں اس کے ساتھیوں نے اسے دفن کر دیا، مگر اگلی صبح انھوں نے دیکھا کہ قبر کھلی پڑی ہے اور اس کی لاش قبر سے باہر پڑی ہوئی ہے۔ انھوں نے خیال کیا کہ ہو نہ ہو یہ ضرور کسی مسلمان کی کارروائی ہے۔ چنانچہ اب پہلے سے بھی زیادہ گہری قبر کھودی گئی اور اسے دفنا دیا گیا، مگر اگلی صبح میت پھر قبر سے باہر نکلی پڑی تھی۔ اس دن قبر کو مزید گہرا کیا گیا اور میت کو دفن دیا گیا، مگر تیسری صبح پھر میت کا یہی حال تھا۔ یہ دیکھ کر لوگوں نے یقین کر لیا کہ یہ کسی انسان کی کارروائی

1 تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا: 384-380/3۔ 2 تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا: 161،160/9۔

نہیں ہوسکتی اور اسے یونہی پڑا رہنے دیا گیا۔[1]

کنکریوں سے تسبیح کی آواز

ایک مرتبہ ایک مجلس میں آپ ﷺ نے سات کنکریاں اٹھائیں تو ان میں سے تسبیح کی آواز آنے لگی، آپ ﷺ نے انھیں رکھ دیا تو وہ آواز رک گئی۔[2]

درخت اپنی جڑوں سے اکھڑ کر چل پڑے

ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ رفع حاجت کے لیے تشریف لے گئے۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ پانی لیے ہوئے آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔ آپ کو قضائے حاجت کے لیے میدان ہموار ہونے کی بنا پر کوئی آڑ نہ ملی تو آپ ﷺ نے دور کھڑے ہوئے دو درختوں کو اشارہ کیا۔ وہ وہاں سے چل کر آئے اور باہم مل گئے۔ آپ ﷺ نے ان کی اوٹ میں فراغت حاصل کی۔ پھر انھیں اپنی جگہ چلے جانے کا حکم دیا، چنانچہ دونوں درخت اپنی جگہ واپس چلے گئے۔[3]

اسلام کی حقانیت پر درختوں کی گواہی

ایک موقع پر ایک بدو نے آپ ﷺ کی نبوت کی دلیل طلب کی۔ آپ ﷺ ایک درخت کے پاس تشریف لے گئے اور اس سے پوچھا: ''کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟'' یہ ارشاد سن کر درخت کی تمام شاخیں زمین سے لگ گئیں۔ آپ ﷺ نے درخت کو اپنی اصلی حالت پر لوٹ آنے کا حکم دیا، چنانچہ وہ درخت اپنی سابقہ حالت پر لوٹ آیا۔ یہ دیکھ کر وہ بدو مسلمان ہوگیا۔[4]

رسول اللہ ﷺ کو شجر وحجر بھی سلام کرتے تھے

سیدنا محمد ﷺ کی نبوت ملنے سے پیشتر کی زندگی بھی اتنی اُجلی، بے داغ اور مشک بار تھی کہ قرآن کریم نے آپ ﷺ کی اسی پاکیزہ زندگی کو نبوت کے ثبوت کے طور پر پیش کر دیا۔ یوں تاجِ نبوت پہننے سے پہلے ہی آپ ﷺ کی شان ہویدا ہوگئی۔ خود نبی کریم ﷺ ہی کا ارشاد عالی ہے کہ نبوت سے پہلے ایک پتھر مجھے سلام کرتا تھا، میں اُس پتھر کو خوب اچھی طرح پہچانتا ہوں۔ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک موقع پر میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ مکہ کے مضافات میں گیا تو کھلی آنکھوں یہ منظر دیکھا کہ جو پہاڑ یا درخت راستے میں آتا تھا،۔۔

[1] صحیح البخاري: 3617، جامع الترمذي: 3663. [2] الوفا لابن الجوزي: 324/1. [3] صحیح مسلم: 3012. مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلو پیڈیا 484,483/8۔ [4] السنن الدارمي: 10,9/1، جامع الترمذي: 3929

آپ ﷺ سے مخاطب ہو کر کہتا تھا ''اے اللہ کے رسول! آپ پر سلامتی ہو!''[1]

امام ابن اسحاق بحوالہ عبدالملک بن عبیداللہ ثقفی سے روایت کرتے ہیں کہ آغاز نبوت کے دن قریب تھے۔ رسول اللہ ﷺ کا معمول مبارک یہ تھا کہ قضائے حاجت کے لیے مکہ کی گھاٹیوں سے دور نکل جاتے اور راستے میں جس درخت یا پتھر کے قریب سے گزرتے تو وہ پکار اٹھتا: اے اللہ کے رسول! آپ پر سلامتی ہو۔ پھر جبریل امین آپ ﷺ پر وحی لے کر نازل ہوئے۔[2]

کھجور کا تنا فراق رسول ﷺ میں رو پڑا

مسجد نبوی کی چھت کھجور کے تنوں پر استوار کی گئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ انھی ستونوں میں سے ایک ستون کے پاس کھڑے ہو کر نماز پڑھاتے اور خطبہ دیتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ کی سہولت کے لیے لکڑی کا ایک منبر تیار کر دیا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ تنے کو چھوڑ کر منبر پر رونق افروز ہونے لگے۔ کھجور کا تنا آپ ﷺ کی جدائی برداشت نہ کر سکا اور اس محرومی پر رو پڑا۔ اس وقت اس تنے سے ایک ایسی الم انگیز صدا نکلی جو مسلسل بلند آہنگ ہوتی چلی گئی۔ یہ حالت دیکھ کر رسول اللہ ﷺ فوراً منبر سے اتر آئے۔ تنے کے پاس پہنچے، اُسے سینہ مبارک سے لگایا تو تنے کو فوراً قرار آ گیا۔ بعدازاں آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ تنا اس لیے رو رہا تھا کہ اس کے پاس اللہ رب العزت کا ذکر ہوتا تھا اور یہ اسے سنتا تھا۔''[3]

میرے لیے یہی نشانی کافی ہے

مشرکین مکہ بڑے شقی القلب تھے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی دشمنی میں اتنے اندھے ہو گئے کہ انسانیت کے دفتی تقاضے بھی بھلا بیٹھے۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دن سنگدل مشرکوں نے رحمۃ للعالمین ﷺ پر اتنا دردناک تشدد کیا کہ وجود اطہر زخمی ہو گیا اور زخموں سے خون کی بوندیں ٹپکنے لگیں۔ جبریل امین فوراً حاضر خدمت ہوئے۔ دریافت کیا کہ آپ ﷺ کی یہ حالت زار کیسے ہوئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھ سے یہ سلوک میرے ہی شہر مکہ کے لوگوں نے کیا ہے۔ جبریل علیہ السلام نے دور وادی میں ایک درخت کی نشاندہی کی اور آپ ﷺ سے عرض کیا: اس درخت کو آواز دیجیے اور اسے اپنے پاس بلائیے۔ رسول اللہ ﷺ نے درخت کو اپنے پاس آنے کا حکم دیا۔ وہ اسی وقت اپنی جگہ سے اکھڑ کر چل پڑا اور آپ ﷺ کے پاس آ پہنچا۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کیا: اب اسے واپسی کا

[1] جامع الترمذی: 3626 [2] تفصیلات کے لیے دیکھیے سیرت انسائیکلوپیڈیا: 38/3۔ [3] تفصیلات کے لیے دیکھیے سیرت انسائیکلوپیڈیا: 4/382، 383۔

حکم دیجیے۔ آپ ﷺ نے درخت کو واپس جانے کا حکم دیا تو وہ لوٹ گیا اور اپنے مقام پر جا پہنچا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرے لیے یہی نشانی کافی ہے۔''[1]

درخت ایک دوسرے سے جڑ گئے

حجۃ الوداع کے سفر میں رسول اللہ ﷺ نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اے اسامہ! میرے لیے پتھروں کا ڈھیر ڈھونڈو۔'' اسامہ کہتے ہیں: میں پتھروں کا ڈھیر تلاش کرتا رہا مگر پتھروں کا ڈھیر ملا، نہ کوئی ایسی جگہ مل سکی جو اوٹ کا کام دے سکتی۔ میں نے اس صورت حال سے رسول اللہ ﷺ کو آگاہ کر دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کھجوروں کے درختوں کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ رسول اللہ ﷺ تمھیں حکم دیتے ہیں کہ باہم مل جاؤ تاکہ تم رسول اللہ ﷺ کے لیے پردہ پوشی کا کام دے سکو۔ اللہ کے رسول رفع حاجت کے لیے آنا چاہتے ہیں۔'' اسامہ کہتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل کی۔ اللہ کی قسم! آپ ﷺ کا حکم سن کر وہ درخت اپنی جڑوں اور مٹی سمیت آپس میں ایک دوسرے سے یوں جڑ گئے جیسے وہ سب ایک ہی درخت ہیں۔ پھر میں پتھروں کے ڈھیر کی طرف متوجہ ہوا اور انھیں بھی رسول اللہ ﷺ کا حکم سنایا۔ اللہ کی قسم! وہ سارے پتھر ایک ایک کر کے درختوں سے اس طرح چمٹ گئے جیسے کوئی دیوار چن دی گئی ہو۔ اسامہ کہتے ہیں کہ پھر میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس صورت حال سے مطلع کر دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''پانی کا لوٹا لے لو۔'' پھر ہم نکلے، درختوں کی طرف گئے۔ میں نے آگے بڑھ کر پانی کا لوٹا رکھ دیا اور واپس آ گیا۔ رسول اللہ ﷺ رفع حاجت کے لیے آگے تشریف لے گئے۔ جب فارغ ہو کر واپس آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسامہ ان درختوں اور پتھروں سے کہو کہ رسول اللہ ﷺ تمھیں حکم دیتے ہیں کہ اپنی جگہ پر واپس چلے جاؤ۔'' میں نے آپ کے حکم کی تعمیل کی۔ تمام درخت اور پتھر معاً اپنی اپنی جگہ واپس چلے گئے۔[2]

ٹہنیاں تلوار بن گئیں

غزوۂ احد میں سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی تلوار ٹوٹ گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں کھجور کی ایک شاخ مرحمت فرمائی جو ان کے ہاتھ میں پہنچ کر تلوار بن گئی، چنانچہ وہ اسی تلوار سے دشمن پر وار کرتے رہے حتی کہ شہید ہو گئے۔ اس تلوار کا نام عرجون تھا۔ یہ تلوار آپ کی اولاد میں وراثتاً چلتی رہی یہاں تک کہ معتصم بن ہارون الرشید کے سالار بغا الترکی

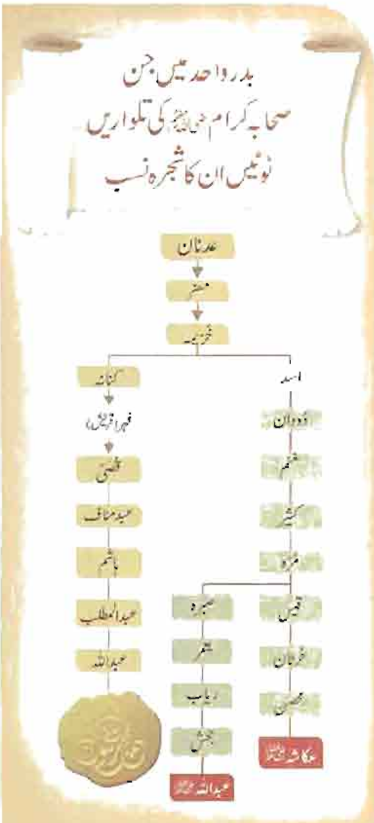
1 تفصیلات کے لیے دیکھیے، سیرت انسائیکلوپیڈیا 3/258،259۔ 2 تفصیلات کے لیے دیکھیے، سیرت انسائیکلوپیڈیا 10/197-200۔

نے یہ تلوار دو سو دینار کے عوض بیچ ڈالی۔[1]

اسی طرح غزوۂ بدر میں مشرکوں سے لڑتے ہوئے عکاشہ بن محصن اسدی رضی اللہ عنہ کی تلوار ٹوٹ گئی تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں ایک ٹہنی مرحمت فرما دی اور حکم دیا:

''جاؤ اسی ٹہنی سے لڑو۔''

سیدنا عکاشہ رضی اللہ عنہ یہ دیکھ کر حیران ہو گئے کہ رسول اللہ ﷺ کی عطا کردہ ٹہنی شمشیرِ آبدار بن گئی۔ پھر وہ اسی ٹہنی سے مشرکوں پر مسلسل وار کرتے رہے۔ انھوں نے اس تلوار کا نام ''العون'' رکھا۔ یہ تلوار سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت تک ان کے پاس رہی اور اسلام کے دشمنوں کا خون پیتی رہی حتیٰ کہ مرتدوں کے خلاف معرکہ آرائی میں ایک مرتد طلیحہ اسدی نے سیدنا عکاشہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔[2]



ایسا ہی ایک واقعہ سلمہ بن اسلم بن حریش رضی اللہ عنہ کا ہے۔ غزوۂ بدر میں ان کی تلوار بھی جنگ کرتے کرتے ٹوٹ گئی۔ نبی اکرم ﷺ نے انھیں بھی کھجور کی ایک خشک ٹہنی دے دی اور فرمایا:

''اس سے دشمن پر وار کرو۔''

انھوں نے وہ ٹہنی ہاتھ میں لی تو دیکھتے ہی دیکھتے وہ تیغِ بے دریغ بن گئی۔ جنگ کے اختتام تک وہ اسی سے دشمنوں پر وار کرتے اور انھیں واصلِ جہنم کرتے رہے۔ یہ تلوار ہمیشہ ان کے پاس رہی حتیٰ کہ انھوں نے سیدنا ابو عبید ثقفی رضی اللہ عنہ کی قیادت میں لڑی جانے والی جنگ جسر (عراق) میں شہادت پائی۔[3]

خوشہ دار شاخ اسلام لانے کا سبب بن گئی

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے بتایا: ایک اعرابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس

1 تفصیلات کے لیے دیکھیے، سیرت انسائکلوپیڈیا 6/297، 298۔ 2 تفصیلات کے لیے دیکھیے، سیرت انسائکلوپیڈیا 5/482-484۔
3 تفصیلات کے لیے دیکھیے، سیرت انسائکلوپیڈیا 5/484۔

نے پوچھا: مجھے یہ کس طرح معلوم ہوگا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر میں اس خوشہ دار شاخ کو اپنے پاس بلالوں تو مان لو گے؟'' وہ بولا: ہاں! آپ ﷺ نے اس خوشے کو بلایا تو وہ درخت سے اترنے لگا اور نیچے آ گیا، پھر رسول اللہ ﷺ کی طرف چل پڑا۔ کبھی وہ سجدے میں گر پڑتا، کبھی سیدھا ہو جاتا۔ آخر وہ آپ کے پاس پہنچ گیا۔ آپ نے اسے حکم دیا: ''واپس چلے جاؤ۔'' وہ اپنی جگہ واپس چلا گیا۔ اعرابی نے کہا: اللہ کی قسم! آج کے بعد میں کسی بات میں کبھی آپ کی تکذیب نہیں کروں گا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ یوں وہ ایمان لے آیا۔[1]

درخت نے جنوں کی اطلاع دی

عبدالرحمن بن عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے مسروق سے پوچھا: جنوں والی رات رسول اللہ ﷺ کو جنوں کے بارے میں کس نے خبر دی تھی؟ انھوں نے فرمایا: مجھے آپ کے والد محترم (عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) نے بتایا تھا کہ ان کی اطلاع آپ ﷺ کو ایک درخت نے دی تھی۔[2]

درخت نے رسول اللہ ﷺ کو سلام کیا

سیدنا یعلی بن مرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ ہم ایک منزل پر فروکش ہوئے تو رسول اللہ ﷺ سو گئے۔ ایک درخت دور سے زمین چیرتا ہوا آیا اور اس نے آپ ﷺ کو ڈھانپ لیا۔ بعدازاں وہ درخت واپس اپنی جگہ چلا گیا۔ آپ ﷺ بیدار ہوئے، میں نے یہ بات آپ ﷺ کو بتائی تو آپ نے فرمایا:

«هِيَ شَجَرَةٌ اسْتَأْذَنَتْ رَبَّهَا عَزَّ وَجَلَّ أَنْ تُسَلِّمَ عَلَيَّ، فَأَذِنَ لَهَا»

''اس درخت نے اپنے رب کریم سے اجازت طلب کی تھی کہ مجھے سلام کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اجازت دے دی۔''[3]

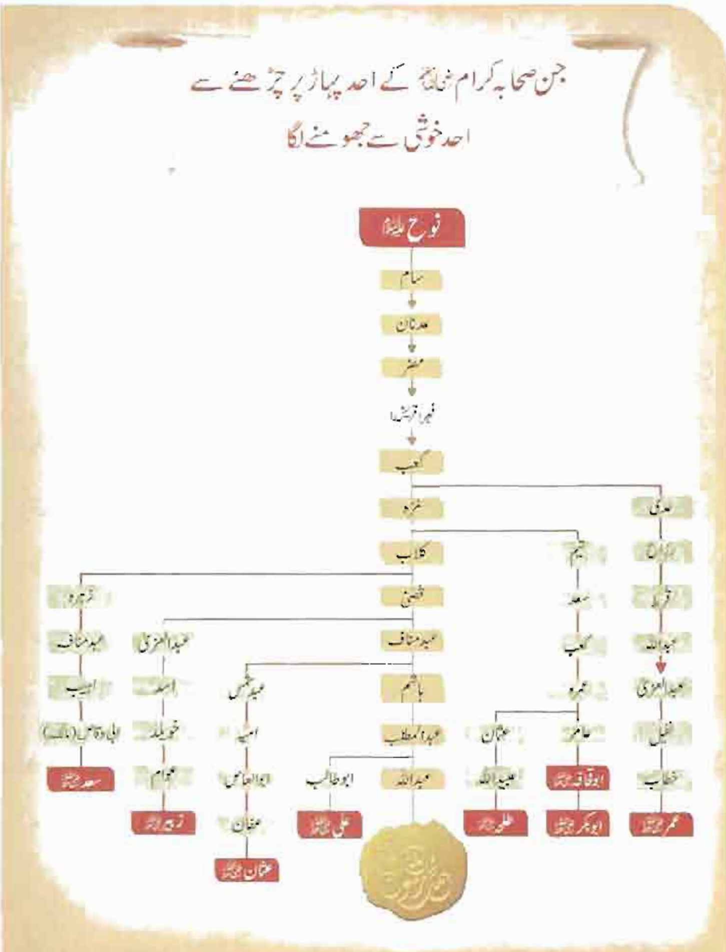
نبی ﷺ کی تشریف آوری پر پہاڑ کی حرکت

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ احد (یا حراء) پہاڑ پر چڑھے۔ آپ کے ساتھ ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ پہاڑ (خوشی سے) ہلنے لگا۔ نبی اکرم ﷺ نے زور سے اپنا پاؤں پہاڑ پر مارا اور فرمایا:

[1] جامع الترمذي: 3628. [2] صحيح البخاري: 3859. [3] مسند احمد: 173/4، شرح السنة للبغوي: 296,295/13، حديث: 3718، دلائل النبوة لأبي نعيم: 138/2، دلائل النبوة للبيهقي: 23/6.

"اثبت احد فإنما عليك نبي وصديق وشهيدان"

''احد! پُرسکون ہو جا، اس وقت تجھ پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔''[1]



سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی ایسی ہی روایت آتی ہے۔ اس میں یہ الفاظ زائد ہیں کہ آپ کے ساتھ سیدنا علی، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پرسکون ہو جا، تجھ پر اس وقت ایک نبی ہے، یا صدیق ہے، یا شہید ہے۔''[2]

لشکر کفار کنکریوں کی زد میں

ابن ابی حاتم، ابن زید سے بیان کرتے ہیں کہ بدر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکریوں کی تین مٹھیاں لیں۔ پھر ایک مٹھی مشرکوں کے لشکر کی دائیں طرف، دوسری بائیں طرف پھینکی اور تیسری مٹھی بھر کنکریاں لشکر کے سامنے پھینکتے ہوئے فرمایا: ''چہرے بگڑ جائیں۔'' بعد ازاں لشکر کفار کو بدترین شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ اس وقت قریش کے لشکر میں موجود تھے، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یکا یک آسمان کی طرف سے ایسی آواز آئی جیسے کسی تھالی سے کنکریاں گر رہی ہیں۔ پھر ہم لوگ شکست کھا گئے۔[3]

1 صحيح البخاري: 3675، جامع الترمذي: 3699، مسند أحمد: 59/1. 2 صحيح مسلم: 2417. اس حدیث میں پہاڑ کا نام احد کے بجائے حرا ہے۔ اضافی بات اس میں یہ بھی ہے کہ پہاڑ پر موجود سات افراد کے ساتھ آٹھویں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی تھے۔
3 تفسیرات ... 440,448/5۔

رسول اللہ ﷺ نے سنگریزے پھینکے تو قلعہ فتح ہوگیا

خیبر میں شق کا قلعہ نزار بلندی پر تھا۔ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام کے ساتھ اس قلعے کی طرف روانہ ہوئے۔ لشکر مجاہدین یہاں پہنچا تو یہودیوں نے زبردست پتھراؤ کیا۔ پھر تیروں کی بوچھاڑ شروع کر دی۔ کچھ تیر رسول اللہ ﷺ کے لباس مبارک میں آکر اٹک گئے۔ تاہم رسول اللہ ﷺ محفوظ رہے۔ آپ ﷺ نے مٹھی بھر سنگریزے ان پر پھینک دیے۔ معاً یہودیوں کے قلعے لرزنے لگے حتیٰ کہ زمین میں دھنسنے لگے۔ پھر مسلمانوں نے یہودیوں پر زبردست حملہ کیا اور فتح یاب ہوگئے۔[1]

سرکش اونٹ سجدہ ریز ہوگیا

ایک انصاری خاندان تھا۔ اس کے پاس ایک ہی اونٹ تھا۔ خاندان کی معیشت کا دارومدار اسی اونٹ پر تھا۔ ایک دن یہ اونٹ باؤلا ہو کر سرکش ہوگیا، یہ کسی کو اپنے قریب نہ پھٹکنے دیتا۔ اس اونٹ کے مالکان رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اونٹ کی سرکشی کا حال سنایا۔ نبی کریم ﷺ صحابہ کرام کے ساتھ فوراً اس باغ میں تشریف لے گئے جہاں یہ اونٹ کھڑا تھا۔ جب اونٹ نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تو لپک کر آیا اور آپ کے قدموں میں سجدہ ریز ہوگیا۔ آپ ﷺ نے اس اونٹ کی پیشانی پکڑی اور اسے دوبارہ کام پر لگا دیا۔ صحابہ کرام نے یہ منظر دیکھا تو عرض کیا: یہ اونٹ ہو کر آپ ﷺ کو سجدہ کر رہا ہے تو ہم انسان ہو کر آپ ﷺ کو تعظیمی سجدہ کیوں نہ کریں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کسی انسان کو زیبا نہیں کہ وہ کسی دوسرے انسان کو سجدہ کرے، اگر انسان کو سجدہ روا ہوتا تو میں خواتین کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں کیونکہ بیوی پر شوہر کے بہت زیادہ حقوق ہیں۔[2]

1 تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا 8/387۔ 2 تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا 2/185-186۔

قلعہ نزار، خیبر (سعودی عرب)



اونٹ کی فریاد رسی

سیدنا یعلی بن مرہ ثقفی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے۔ اس دوران ایک اونٹ دکھائی دیا جو پانی سے لدا ہوا تھا۔ اس نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو لپک کر آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں جھک گیا اور رو رو کر بلبلانے لگا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ آپ سے کوئی گزارش کر رہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ کی یہ حالت دیکھ کر دریافت فرمانے لگے کہ یہ اونٹ کس کا ہے؟ اونٹ کا مالک آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ آپ نے اس سے فرمایا: ''اونٹ تمھاری شکایت کر رہا ہے، اس سے اچھا سلوک کرو، یعنی اس سے مناسب کام لو اور پورا چارہ کھلاؤ۔''[1]

بھیڑیے کا اعلان حق

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بھیڑیے نے ایک بکری پر حملہ کیا اور اسے پکڑ لیا۔ چرواہا بھاگا اور بکری چھڑا لی۔ بھیڑیا اپنی دم کے بل بیٹھ گیا اور بولا: تم اللہ سے نہیں ڈرتے؟ تم نے مجھ سے اللہ کا بھیجا ہوا رزق چھینا ہے۔ چرواہا حیرت سے بولا: تعجب ہے بھیڑیا دم کے بل بیٹھ کر مجھ سے انسانوں کی طرح باتیں کرتا ہے۔ بھیڑیا بولا: میں تمھیں اس سے بھی زیادہ تعجب انگیز بات نہ بتاؤں۔ یثرب میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو گئے زمانے کی باتیں بتاتے ہیں۔ چرواہا اپنی بکریاں ہانکتا ہوا مدینہ منورہ پہنچا۔ اس نے اپنی بکریاں ایک گوشے میں محفوظ کیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ پورا واقعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش گزار کر دیا۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان کرایا: ''سب لوگ جمع ہو جائیں!'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چرواہے سے فرمایا: ''وہی واقعہ ان کے سامنے بیان کرو۔'' اس نے پورا واقعہ سنایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس نے بالکل سچ کہا۔ قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! قیامت سے قبل ایسا ضرور ہوگا کہ درندے انسانوں سے باتیں کریں گے۔ انسان کے اپنے کوڑے کا پھندنا اور جوتے کے تسمے اس سے باتیں کریں گے اور اس کی ران اسے بتائے گی کہ اس کے گھر والے اس کی عدم موجودگی میں کیا کچھ کرتے رہے۔''[2]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ جب بھیڑیے نے بکریوں کے چرواہے سے باتیں کرنی شروع کیں تو چرواہا بولا: اللہ کی قسم! آج سے پہلے میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ بھیڑیا باتیں کرتا ہو۔ بھیڑیا کہنے لگا: اس سے زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ پتھریلے میدانوں کے درمیان نخلستان (مدینہ) میں ایک آدمی تمھیں اگلی پچھلی باتیں بتاتا

1 [illegible] دلائل النبوۃ للبیہقی 8/481,482۔ 2 مسند احمد 3/84، 88، [illegible] المستدرک للحاکم 4/467,468، دلائل النبوۃ للبیہقی 6/41، 42، [illegible] البدایۃ والنہایۃ 6/150، الخصائص الکبریٰ [illegible] للسیوطی 2/103۔

ہے۔ چرواہا یہودی تھا۔ وہ نبی اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور سارا واقعہ آپ ﷺ سے بیان کیا۔ نبی کریم ﷺ نے اس کی تصدیق کی تو وہ مسلمان ہو گیا۔ [1]

ہرنی کی گواہی

سیدنا ابو سعید خدری، انس اور ام سلمہ ؓ سے روایت ہے (یہ الفاظ انس ؓ کے ہیں): ''ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مدینہ منورہ کی ایک گلی میں جا رہے تھے۔ ہم ایک خیمے کے پاس سے گزرے۔ خیمے کے ساتھ ایک ہرنی بندھی ہوئی تھی۔ جب اس نے آپ ﷺ کو دیکھا تو بولی: اے اللہ کے رسول! مجھے یہ لوگ پکڑ لائے ہیں۔ جنگل میں میرے دو بچے ہیں۔ میرے تھنوں میں دودھ جم چکا ہے۔ اب یہ مجھے ذبح بھی نہیں کرتے کہ میری سوزش قلب ختم ہو، نہ مجھے چھوڑتے ہیں کہ واپس جنگل میں اپنے بچوں کے پاس چلی جاؤں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے دریافت فرمایا: ''اگر میں تمھیں چھوڑ دوں تو کیا تم دودھ پلا کر واپس آ جاؤ گی؟'' اس نے یقین دلایا: جی ہاں! اگر میں واپس نہ آؤں تو اللہ تعالیٰ مجھے دردناک عذاب میں مبتلا کرے۔ [2]

ایک روایت میں ہے کہ اس نے کہا: آپ مجھے ان سے اجازت دلا دیں میں بچوں کو دودھ پلا کر واپس آ جاؤں گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا واقعی تو ایسا کرے گی؟'' وہ کہنے لگی: اگر میں وعدہ پورا نہ کروں تو اللہ مجھے وہ عذاب دے جو بھتا وصول کرنے والوں کے لیے مخصوص ہے۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: ''اس ہرنی کا مالک کون ہے؟'' خیمے والے بولے: اے اللہ کے رسول! ہم ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''اس ہرنی کو چھوڑ دو، یہ اپنے بچوں کو دودھ پلا کر واپس آ جائے گی۔'' وہ بولے: اے اللہ کے رسول! کس کی ضمانت پر؟ فرمایا: ''میری!'' انھوں نے اسے کھول دیا۔ وہ گئی اور حسب وعدہ دودھ پلا کر واپس آ گئی۔ انھوں نے اسے پھر باندھ دیا۔ رسول اللہ ﷺ دوبارہ وہاں سے گزرے تو دریافت فرمایا: ''اس ہرنی کے مالک کہاں ہیں؟'' وہ کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! ہم حاضر ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''یہ ہرنی میرے ہاتھ بیچتے ہو؟'' وہ کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! یہ آپ کے لیے ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے کھول دو۔'' انھوں نے اسے چھوڑ دیا۔ وہ آپ کی اجازت سے چل دی۔ وہ اپنا پاؤں زمین پر مارتی اور کہتی جاتی تھی: ''میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور آپ (ﷺ) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔''

سیدنا زید بن ارقم ؓ کا کہنا ہے: اللہ کی قسم! میں نے اسے جنگل میں چلتے پھرتے دیکھا۔ وہ بار بار کہہ رہی تھی،

1 مسند احمد 306/2، ابن کثیر نے لکھا ہے: یہ روایت اہل سنن کی شرائط پر پورا اترتی ہے، تاہم انھوں نے اسے روایت نہیں کیا۔ (البدایۃ والنہایۃ 150/6) 2 دلائل النبوۃ للبیہقی 35,34/6، ودلائل النبوۃ لأبی نعیم 320/1

لا اله الا الله محمد رسول الله.[1]

بجھا وہ اپنے ہاتھوں سے چراغ زندگی میرا!!

ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ذبح کے لیے چند اونٹنیاں پیش کی گئیں۔ یہ اونٹنیاں ایک دوسرے سے آگے بڑھ کر آپ ﷺ کے قریب سے قریب تر ہونے لگیں۔ ہر اونٹنی کی تڑپ اور طلب یہ تھی کہ سید البشر ﷺ سب سے پہلے اسے ذبح کریں۔ انسان تو انسان، چوپایوں تک کے دل میں آپ ﷺ پر مر مٹنے اور فدا ہو جانے کا ارمان تھا اور یہ وہ بے مثل اعزاز و امتیاز ہے جو امام الانبیا، سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کبھی کسی اور کے حصے میں نہیں آیا۔[2]

گھریلو جانور ادب سے بیٹھا رہتا تھا

سیدہ عائشہ ؓ فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ کے گھر والوں کے ہاں ایک پالتو جانور تھا۔ رسول اللہ ﷺ گھر سے باہر تشریف لے جاتے تو وہ خوب کھیلتا تھا اور ادھر ادھر دوڑتا پھرتا تھا مگر جب اسے اندازہ ہوتا کہ آپ ﷺ گھر تشریف لے آئے ہیں تو اس ڈر سے کہ آپ کو تکلیف پہنچے گی، آرام سے بیٹھ جاتا اور جب تک رسول اللہ ﷺ گھر میں رہتے کوئی حرکت نہیں کرتا تھا۔[3]

1 سبل الهدى والرشاد: 10/176، 177، الخصائص الكبرى للسيوطي: 2/39، المستدرك للحاكم: 4/221، مسند أحمد: 4/350. 2 تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا: 2/185۔ 3 سبل الهدى والرشاد: 10/173، مسند أحمد: 6/113، مسند أبي يعلى: 8/121، حديث: 4660.

شفائے امراض

رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی ہر قسم کی خیر و برکت کا منبع تھی۔ آپ ﷺ کے حسنات و برکات کا اثر و اطلاق مریضوں پر بھی ہوا۔ آپ ﷺ کے ہاتھوں بہت سی خطرناک بیماریوں میں مبتلا مریضوں کو شفا نصیب ہوئی۔ سابق انبیاء علیہم السلام میں سے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں بیماروں کو شفا نصیب ہوتی تھی۔ نبی اکرم ﷺ کے بابرکت ہاتھوں سے بیماروں کی شفایابی کی چند مثالیں حسبِ ذیل ہیں۔

ٹوٹی ہوئی ٹانگ ٹھیک ہوگئی

سیدنا عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کی ایک ٹانگ ابو رافع یہودی کے قتل کی مہم کے دوران میں بلندی سے چھلانگ لگانے کی وجہ سے ٹوٹ گئی تھی، اس پر رسول اللہ ﷺ نے اپنا دستِ مبارک پھیرا تو وہ بالکل ٹھیک ہوگئی اور سیدنا عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کو یوں محسوس ہوا جیسے اس میں کبھی کوئی تکلیف ہی نہیں ہوئی تھی۔[1]

آشوب زدہ آنکھوں کی تکلیف ختم ہوگئی

غزوۂ خیبر کے دوران میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی آنکھیں آشوب زدہ تھیں۔ نبی اکرم ﷺ نے انھیں بلایا، ان کی آنکھوں پر اپنا لعابِ دہن لگایا اور دعا کی۔ اس کے نتیجے میں وہ فوری طور پر ٹھیک ہوگئیں۔[2]

آسیب کے اثر سے شفایابی

سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج کیا۔ جب ہم وادیٔ روحاء سے آگے بڑھے تو ایک عورت ملی۔ اس نے ایک بچہ اٹھا رکھا تھا، اس نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے آکر آپ کو سلام کیا۔ آپ ﷺ اپنی سواری پر محوِ سفر تھے۔ وہ عورت کہنے لگی: اے اللہ کے رسول! یہ میرا بیٹا ہے۔ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے! جس دن سے یہ بچہ پیدا ہوا ہے، اس دن سے آج تک اس بچے نے بالکل حرکت نہیں کی۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی سواری روک لی اور اپنے مبارک ہاتھ اس کی طرف بڑھا کر فرمایا

1 صحیح البخاري: 4039. 2 صحیح مسلم: 2404.

هاتيه ’’یہ بچہ مجھے دو۔‘‘ چنانچہ اس خاتون نے وہ بچہ آپ ﷺ کے مبارک ہاتھوں میں رکھ دیا۔ آپ ﷺ نے اس بچے کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈالا اور فرمایا: «اخرج عدو الله، فإني رسول الله» ’’اللہ کے دشمن! باہر نکل آ، میں اللہ کا رسول ہوں۔‘‘ پھر آپ ﷺ نے اس بچے کو اس عورت کے سپرد کر دیا اور فرمایا: «خذيه فلن ترين منه شيئا يريبك بعد هذا إن شاء الله» ’’اسے لے لو! اب تم اس بچے میں کوئی ناپسندیدہ چیز نہ دیکھو گی، ان شاء اللہ۔‘‘ اس عورت نے بچے کو تھاما اور لوٹ گئی۔

اسامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: پھر ہم چلے گئے اور ہم نے حج کیا۔ جب رسول اللہ ﷺ واپس آئے تو ہم نے روحاء پر پڑاؤ ڈالا۔ اچانک وہی عورت پھر دکھائی دی۔ وہ ایک بھنی ہوئی بکری لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اس نے وہ بکری آپ کے سامنے رکھ دی اور کہنے لگی: اللہ کے رسول! میں اس بچے کی ماں ہوں جسے میں نے آپ ﷺ کی روانگی کے وقت آپ سے ملایا تھا۔ آپ ﷺ نے اس عورت سے پوچھا: «فما فعل ابنك؟» ’’تیرے بیٹے کا کیا حال ہے؟‘‘ وہ کہنے لگی: اللہ کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے! میں نے آج تک اسے کسی مشکوک حالت میں نہیں پایا۔[1]

اسی طرح کا واقعہ سیدنا عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نے بھی روایت کیا ہے، کہتے ہیں: جب نبی اکرم ﷺ نے طائف پر مجھے عامل مقرر کیے تو نماز کے دوران میں کوئی شے مجھے روکنے لگی یہاں تک کہ مجھے یہ بھی پتہ نہیں چلتا تھا کہ میں نے نماز میں کیا پڑھا ہے۔ میں نے یہ حالت دیکھی تو میں سفر کر کے مدینہ منورہ گیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا۔ آپ ﷺ نے مجھے دیکھ کر فرمایا: ’’کیا تم ابن ابی العاص ہو؟‘‘ میں نے کہا: جی ہاں یا رسول اللہ! پوچھا: ’’کیسے آئے؟‘‘ عرض کیا:

1 تفصیلات کے لیے دیکھیے، سیرت انسائیکلو پیڈیا 10/ 197، 198۔



مدینہ اور بدر کے درمیان وادی الروحاء

مجھے نماز میں ایسی صورت حال پیش آ جاتی ہے کہ مجھے یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ میں نے نماز کی کتنی رکعات پڑھی ہیں۔ فرمایا ''یہ شیطان ہے، ذرا میرے قریب آ جاؤ'' میں اپنے پنجوں کے بل بیٹھ گیا۔ آپ ﷺ نے میرے سینے پر ہاتھ مارا، پھر میرے منہ میں اپنا لعاب مبارک ڈالا اور تین بار کہا: ''اللہ کے دشمن نکل جا'' پھر فرمایا: ''جاؤ جا کر اپنے کام سے لگو۔'' سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس دن کے بعد سے اب تک مجھے نماز میں کبھی اختلاط محسوس نہیں ہوا۔[1]

جنون سے افاقہ

ایک صحابیہ اپنے بچے کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لائیں اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اس کو صبح و شام جنون کا دورہ پڑتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے سینے اور سر پر ہاتھ پھیرا، اسی وقت اسے قے ہوئی اور چھوٹے سے پلے کی طرح کی کوئی چیز نکل کر بھاگ گئی۔ بعد ازاں وہ تندرست ہو گیا۔[2]

گونگے کو قوت گویائی مل گئی

حجۃ الوداع میں جب نبی اکرم ﷺ جمرۃ العقبہ پر رمی سے فارغ ہوئے تو ایک خثعمی عورت اپنا بچہ لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں آئی اور کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ! اس کو کوئی (اندرونی) تکلیف ہے جس کی بنا پر یہ بولتا نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے پانی منگوایا۔ اس سے اپنے ہاتھ دھوئے کلی کی اور پھر وہ پانی اس بچے کو پلانے کا حکم دیا۔ ایک سال کے بعد اس عورت سے اس حدیث کی راویہ ام جندب رضی اللہ عنہا نے بچے کا حال پوچھا تو اس نے کہا کہ وہ بالکل ٹھیک ہو گیا ہے۔[3]

مرض نسیان سے شفایابی

نسیان یعنی پڑھی ہوئی یا سنی ہوئی باتوں کو بھول جانا بھی ایک مرض ہے، نبی اکرم ﷺ کی دعا چند صحابہ کے لیے اس مرض کے ازالے کا سبب بن گئی، نامور صحابی سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے حافظہ کی کوتاہی کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''دامن پھیلاؤ۔'' انھوں نے ایسا ہی کیا۔ آپ ﷺ نے دامن میں اپنا ہاتھ ڈالا اور فرمایا: ''اس کو سمیٹ لو۔'' سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس دن کے بعد میں کبھی کوئی بات نہیں بھولا۔[4] اسی طرح سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی نسبت مذکور ہے کہ ان کو نسیان کی بیماری لاحق تھی اور آپ ﷺ کی دعا یا دم کی برکت سے وہ بیماری زائل ہو گئی۔[5]

حارث رضی اللہ عنہ تندرست ہو گئے

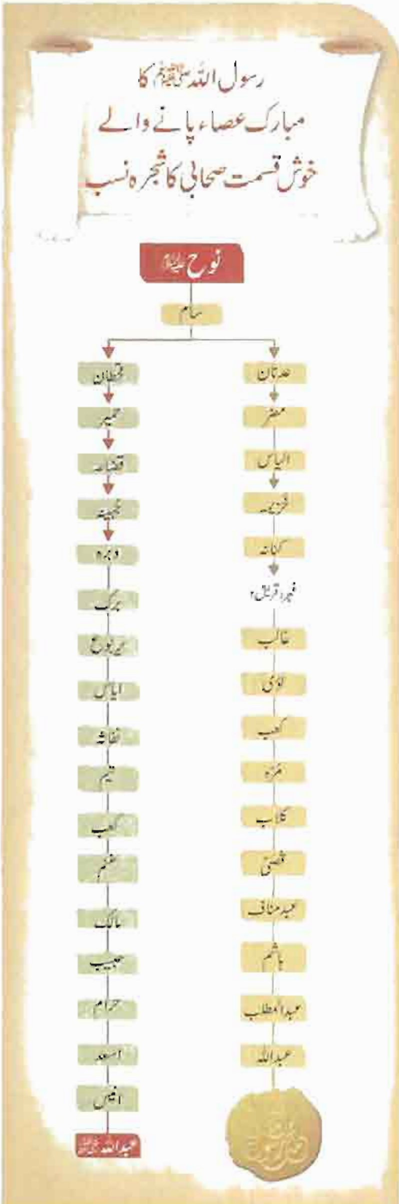
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حارث رضی اللہ عنہ کو زخمی حالت میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائے۔ آپ ﷺ نے ان کے

[1] سنن ابن ماجہ: 3548. [2] مسند احمد 254/1، الدارمی 12/11 [3] سنن ابن ماجہ: 3522. [4] صحیح بخاری: 119 و 7354، صحیح مسلم: 2492 [5] جامع الترمذی: 3570، المستدرک للحاکم: 316/1.

زخم پر اپنا لعاب مبارک لگایا تو وہ معاً شفایاب ہو گئے۔[1]

زخم مندمل ہو گیا

یزید بن عبید فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی پنڈلی پر زخم کا نشان دیکھا۔ میں نے پوچھا کہ آپ کی پنڈلی پر یہ زخم کس طرح آ گیا؟ وہ فرمانے لگے کہ یہ زخم مجھے خیبر کے دن لگا تھا۔ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا تو آپ ﷺ نے میرے زخم پر تین مرتبہ دم کیا۔ اس وقت سے آج تک اس زخم سے مجھے کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ بلاشبہ یہ رسول اللہ ﷺ کا ایک عظیم معجزہ تھا۔[2]



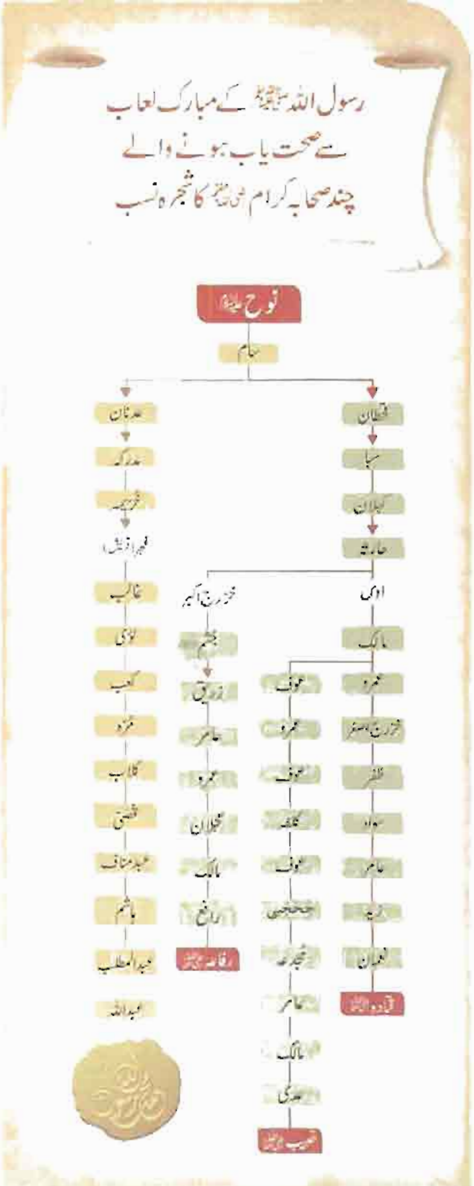
لعاب مبارک کا کرشمہ

عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ثنیۃ الوداع پر ہمارا انتظار فرما رہے تھے۔ ہم وہاں پہنچے اور آپ ﷺ کو ساری کارگزاری سنائی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ نے تمھیں ظالم لوگوں سے نجات دلائی۔" عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر میں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنا زخم دکھایا۔ آپ ﷺ نے میرے زخم پر اپنا لعاب مبارک لگا دیا۔ میرا زخم مندمل ہو گیا۔ پھر مجھے زندگی بھر کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اپنا مبارک عصا عطا فرمایا اور تاکید کی: "یہ عصا سنبھال کر رکھنا، میں روزِ قیامت تمھیں اسی عصا کے ذریعے پہچانوں گا۔" چنانچہ جب عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو یہ عصا انھی کے ساتھ رکھ کر انھیں قبر میں دفن کر دیا گیا۔[3]

1 تفصیلات کے لیے دیکھیے سیرت انسائیکلوپیڈیا 109/6۔ 2 تفصیلات کے لیے دیکھیے سیرت انسائیکلوپیڈیا 449/8۔ 3 تفصیلات کے لیے دیکھیے سیرت انسائیکلوپیڈیا 509/7، 510۔

سانپ کے ڈسنے پر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا شافی علاج

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تو پہلا پڑاؤ غار ثور میں ڈالا۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پہلے خود غار کے اندر گئے۔ جب انھوں نے یہ اطمینان حاصل کر لیا کہ اندر کوئی مضر چیز نہیں ہے تو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اب آپ اندر تشریف لے چلیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اندر چلے گئے اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ران پر سر رکھ کر سو گئے...... اچانک ایک سوراخ سے ایک سانپ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ایڑی پر پھنکار ماری اور ڈس لیا۔ درد کی شدت سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ و اقدس پر گرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھل گئی۔ دریافت فرمایا: ''ابوبکر! کیا بات ہے؟'' صورت حال معلوم ہونے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ پر اپنا لعاب مبارک لگا دیا جہاں سانپ نے ڈسا تھا۔ لعاب مبارک کی برکت سے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ساری تکلیف کافور ہو گئی۔ [1]



لمس و لعاب کی برکت

خبیب بن عبدالرحمٰن کا بیان ہے کہ غزوہ بدر کے دوران خبیب بن عدی پر کسی مشرک نے حملہ کیا تو ان کا ایک پہلو کٹ کر لٹک گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب مبارک لگا کر ان کا پہلو جوڑ دیا۔ خبیب تندرست ہو کر صحیح سلامت ہو گئے۔ اسی طرح قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کو غزوہ بدر ہی میں کسی مشرک نے تیر مارا جو ان کی آنکھ میں لگا اور آنکھ کا ڈیلا باہر نکل آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں قریب بلایا اور

1 تفصیلات کے لیے دیکھیے، سیرت انسائیکلو پیڈیا 269/4۔

اپنے دست مبارک سے نکلا ہوا ڈیلا دوبارہ ان کی آنکھ میں رکھ دیا۔ قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میری آنکھ معاً ٹھیک ہوگئی اور مجھے یہ بھی یاد نہ رہا کہ میری کون سی آنکھ پھوٹی تھی۔ ان کے علاوہ رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ غزوۂ بدر کے دن انھیں تیر لگا جس سے ان کی آنکھ پھوٹ گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس پر اپنا لعاب مبارک لگایا اور ان کے لیے دعا کی تو اس کے بعد انھیں کبھی کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔[1]

بازو ٹھیک ہوگیا

محمد بن حاطب اپنی والدہ ام جمیل بنت مجلل رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتی ہیں: ''ایک دفعہ ابلتی ہوئی ہنڈیا ان کے بیٹے محمد (راوی) کے بازو پر الٹ گئی۔ میں اسے لے کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ ﷺ اپنا لعاب مبارک بچے کے ہاتھ پر لگاتے جاتے تھے اور یہ پڑھتے جاتے تھے:

«اذْهِبِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ اشْفِ أَنْتَ الشَّافِي، لَا شِفَاءَ إِلَّا شِفَاؤُكَ، شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا»

''لوگوں کے رب! یہ تکلیف دور کر دے۔ تو ہی شفا دینے والا ہے۔ تیرے سوا کہیں سے شفا نہیں مل سکتی۔ ایسی شفا عطا فرما کہ کوئی کسر باقی نہ رہے۔''

وہ اپنے بیٹے محمد سے فرمایا کرتی تھیں: بیٹا! رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بیٹھے بیٹھے ہی تیرا بازو بالکل ٹھیک ہو گیا۔[2]

جابر رضی اللہ عنہ کو ہوش آگیا

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ میری بیمار پرسی کے لیے ہمارے قبیلے بنو سلمہ میں تشریف لائے۔ میں اس وقت بے ہوشی کی حالت میں تھا۔ آپ ﷺ نے پانی منگوایا، وضو فرمایا، پھر وضو والا کچھ پانی مجھ پر چھڑکا تو مجھے ہوش آگیا۔

1 تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا 484/5۔ 2 مسند احمد 209/4، مسند ابی داود الطیالسی 165، الاصابۃ: 357/3، روایت میں مذکورہ دعا کے لیے دیکھیے: صحیح البخاری 5743، صحیح مسلم: 2191۔

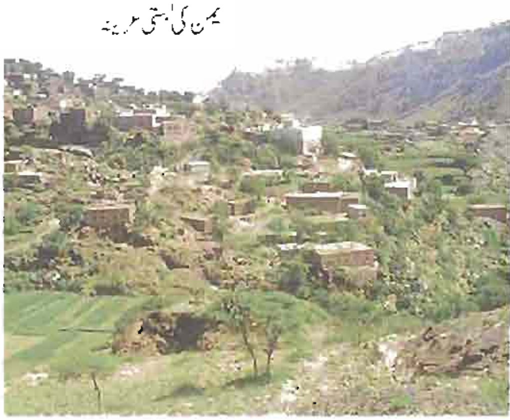
احکامِ نبوی اور میڈیکل سائنس

جو شخص رسول اللہ ﷺ کی طب سے متعلقہ احادیث پر غور کرتا ہے، وہ وقتاً فوقتاً شریعتِ اسلامیہ کے اعجازی نکات و اسرار سے آگاہی حاصل کرتا رہتا ہے۔ جدید میڈیکل سائنس کے نت نئے تحقیقی نتائج طب نبوی کی افادیت کی توثیق کرتے ہیں تو نبوت محمدی کی صداقت پر ایمان بڑھتا اور دل مطمئن ہوتا چلا جاتا ہے۔ ذیل میں ہم اس کی چند مثالیں پیش کرتے ہیں:

اونٹوں کا پیشاب اور دودھ

امام بخاری، مسلم اور دیگر محدثین نے سریہ کرز بن جابر فہری کے واقعات میں روایت بیان کی ہے کہ عرینہ کے چند لوگ مدینہ آئے۔ انھیں مدینہ منورہ کی آب و ہوا راس نہ آئی اور ان کے پیٹ خراب ہو گئے، جسم کمزور پڑ گئے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم سب ہمارے چرواہے کے ساتھ صدقے کے اونٹوں میں کیوں نہیں چلے جاتے؟ وہاں تم ان کا دودھ اور پیشاب پیو۔''[1] وہ کہنے لگے: ٹھیک ہے۔ وہ وہاں چلے گئے اور ان کا دودھ اور پیشاب پیتے رہے حتی کہ تندرست ہو گئے...... یہ واقعہ شوال 6 ھ کا ہے۔

یمن کی بستی عرینہ



درج بالا واقعے میں مذکور اونٹنی کا دودھ اور پیشاب کی افادیت کا جدید طبی ماہرین نے بھی اعتراف کیا ہے۔ ایک مقالہ نگار نے لکھا ہے کہ بعض محققین اور سائنسدانوں نے جو تحقیقات کی ہیں، ان کے ابتدائی نتائج کے مطابق اونٹنی کے دودھ میں پائے جانے والے ایسڈز کی ترکیب انسولین کے ہارمونز سے ملتی جلتی ہے جسے شوگر کے مرض میں استعمال کرایا جاتا ہے۔[2] جامعہ جزیرہ کے طبی تحقیقاتی کالج کے سربراہ پروفیسر احمد عبداللہ حمدانی نے کہا ہے کہ

1 صحیح البخاری، 5685، صحیح مسلم، 1671، واللفظ لہ۔ 2 الاتحاد، شمارہ، 9515، 17 اپریل 2001.

استسقا، اور جگر کی بیماریوں کے علاج کے لیے اونٹنی کا پیشاب استعمال کیا گیا تو علاج میں کامیابی ملی۔ انھوں نے ایک تجربہ بھی بیان کیا کہ خون میں شکر پر اونٹ کے اثرات جاننے کے لیے پورا ایک سال اونٹنی کا دودھ استعمال کرایا گیا جس سے خون میں شکر کی مقدار میں بڑی کمی واقع ہوگئی۔ اس کے علاوہ انھوں نے اونٹنی کے دودھ اور پیشاب کے طبی خواص کی بھی وضاحت کی۔ ان کا کہنا تھا کہ استسقاء کی بیماری زلال یا پوٹاشیم کی کمی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اور اونٹ کے پیشاب میں یہ دونوں عناصر وافر مقدار میں پائے جاتے ہیں۔[1]

مکھی کے بارے میں حدیث

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب کسی کے برتن میں مکھی گر جائے تو وہ اسے مکمل طور پر ڈبو دے، پھر نکال کر پھینک دے کیونکہ اس کے ایک پر میں شفا اور دوسرے میں بیماری ہوتی ہے۔“[2]

ڈاکٹر خلیل ابراہیم ملا خاطر نے مکھی کے بارے میں کچھ جدید سائنسی انکشافات بیان کیے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کی تصدیق کرتے ہیں۔ ان انکشافات میں بتایا گیا ہے کہ مکھی اپنے پاؤں کے کناروں، ناک کے کنارے، پروں کے کنارے اور اپنے فضلے میں جراثیم اٹھائے رکھتی ہے۔ یہ جراثیم بیماری کی بنیاد ہیں، خصوصاً ہیضہ، پیچش اور ٹائیفائیڈ کا سبب بنتے ہیں۔ مکھی کے اینٹی بائیوٹک عنصر کے متعلق نئے سائنسی انکشافات اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ مکھی میں شفا کا مادہ بھی پایا جاتا ہے۔ یہ اینٹی بائیوٹک مادے مکھی کے پیٹ میں موجود حلقوں کے جوڑوں اور سوراخوں سے نکلتے ہیں۔ یہ مادے مکھی کے جسم کے خلیوں میں موجود فطری اجزاء سے بنتے ہیں اور مکھی کے پچھلے حصے میں پروں کے نیچے ہوتے ہیں۔ یہ فطری اجزاء خلیے پر دباؤ پڑنے سے نکلتے ہیں۔ مکھی سے نکلنے والا یہ اینٹی بائیوٹک مادہ انتہائی قوی جراثیم کش مادہ مانا جاتا ہے اور یہ مثبت اور منفی جراثیم کو ختم کرنے کے لیے کافی ہے کیونکہ اس میں وہ جراثیم ہوتے ہیں جنھیں صرف اس مکھی ہی نے اٹھایا ہوتا ہے۔ یہ سب کچھ درج بالا حدیث کے الفاظ کے مطابق ہے جس سے اس حدیث کی اعجازی حیثیت اجاگر ہوتی ہے۔[3]

ایلوا

نبیہ بن وہب سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ”ہم ابان بن عثمان کے ساتھ سفر پر نکلے۔ جب ہم ملل کے مقام پر پہنچے تو عمر بن عبید اللہ کو آنکھوں کی تکلیف شروع ہوگئی۔ روحاء پہنچے تو تکلیف بڑھ گئی۔ انھوں نے ابان

1 دیکھیے انٹرنیٹ پر www.6qb.com ۔ 2 صحیح البخاری: 5782. 3 دیکھیے: الإعجاز فی صحة حدیث الذبابة۔



ایلوا (گوارگندل) کا پودا

بن عثمان کو پیغام بھیجا اور ان سے پوچھا کہ کیا کیا جائے؟ انھوں نے جواب بھیجا کہ آنکھوں پر ایلوے[1] کا لیپ کر لو۔ میرے والد عثمان رضی اللہ عنہ بتاتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایسا شخص جس کی آنکھوں میں تکلیف ہو جائے اور وہ احرام میں ہو، وہ آنکھوں پر ایلوے کا لیپ کرے۔''[2]

رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کے چار سو سال بعد ابن سینا نے اپنی کتاب القانون في الطب میں ایلوے کے طبی فوائد بیان کرتے ہوئے لکھا: یہ آنکھوں کے زخم، خارش، ان کے درد اور گوشۂ چشم کی کھجلی میں مفید ہے۔ یہ آنکھ کی رطوبت کو کم کرتا ہے۔ اس میں جلد کو نکھارنے اور خشک کرنے کی قوت پائی جاتی ہے۔ یہ نیند لاتا ہے۔

ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو دوران عدت رسول اللہ ﷺ میرے ہاں تشریف لائے۔ میں نے ایلوے کا لیپ کر رکھا تھا۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: ''ام سلمہ! یہ کیا ہے؟'' میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! یہ ایلوا ہے۔ اس میں خوشبو نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا:

«فَإِنَّهُ يَشُبُّ الْوَجْهَ فَلَا تَجْعَلِيهِ إِلَّا بِاللَّيْلِ»

''ہاں! یہ چہرے کو خوبصورت اور جوان رکھتا ہے۔ اسے صرف رات کے وقت استعمال کرو۔''[3]

سائنسدانوں نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ ایلوا جلد میں پانی کو روک لیتا ہے جس سے جلد میں رطوبت اور تازگی پیدا ہو جاتی ہے۔ آج کل بازاروں میں ملنے والی بہت سی کریموں اور ادویات میں ایلوا پایا جاتا ہے۔

ٹیک لگا کر کھانا مضر صحت ہے

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنِّي لَا آكُلُ مُتَّكِئًا»

''بے شک میں ٹیک لگا کر نہیں کھاتا۔''[4]

سائنس نے ثابت کر دیا ہے کہ جب کھانے والا سیدھا بیٹھا ہو تو غذا کھانے کی نالی سے گزر کر سیدھی معدے

1 ایلوا اس کا دوسرا نام مصبر ہے۔ یہ گوار گندل کا گودا خشک کر کے بنایا جاتا ہے۔ اسے گھیکوار بھی کہتے ہیں۔ 2 صحیح مسلم، 1204
3 سنن النسائی: 3567، السنن الکبریٰ للبیہقی: 424/11، حدیث: 15954۔ 4 صحیح بخاری، 5398۔

میں پہنچ جاتی ہے۔ یہ عمل افعالِ ہضم میں سہولت کا سبب بنتا ہے۔ اگر اس نے ٹیک لگا رکھی ہے یا وہ کھڑے کھڑے یا چلتے پھرتے کھا رہا ہے تو خوراک کے غذائی نالی سے گزرنے اور ہضم ہونے میں مشکل پیش آ سکتی ہے۔

مریض کو کھانے پر مجبور کرنا منع ہے

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے مریضوں کو کھانے پینے پر مجبور نہ کیا کرو، اللہ تعالیٰ انھیں کھلاتا اور پلاتا ہے۔''[1]

سائنسی تحقیق کے نتیجے میں ثابت ہو چکا ہے کہ انسان کا جسمانی نظام اضطراب اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو تو کھانے پینے کی خواہش مر جاتی ہے اور یہ کیفیت اس وقت سنگین صورت اختیار کر لیتی ہے جب نظام ہضم بگڑا ہوا ہو، اس لیے اس صورت میں کھانے سے گریز اور پرہیز ہی مفید ہے۔

ختنہ

رسول اللہ ﷺ نے مرد کے ختنے کے بارے میں فرمایا: ''پانچ چیزیں انسانی فطرت کا تقاضا ہیں: ختنہ، زیر ناف بالوں کی صفائی، مونچھوں کا کاٹنا، ناخن تراشنا اور بغلوں کے بال اکھیڑنا۔''[2]

سائنس نے ثابت کیا ہے کہ مردوں کا ختنہ نہ کرانا بہت سی خرابیوں کا موجب ہے، مثلاً: آلۂ تناسل سے وقتاً فوقتاً خارج ہونے والا مواد قلفے کے پیچھے جمع ہو جاتا ہے جس سے جلنے میں مستقل سوزش پیدا ہو جاتی ہے اور ایسے ریشے بن جاتے ہیں جن سے پیشاب کی نالی کا سوراخ تنگ ہو جاتا ہے۔ نتیجتاً پیشاب رک رک کر آنے لگتا ہے۔ یہ تکلیف ختنے والے لوگوں میں شاذ و نادر ہی ہوتی ہے۔

تحقیقات سے یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ ختنہ نہ کرانے سے پیشاب کی نالی کا کینسر بھی ہو سکتا ہے۔ جراثیم قلفے میں چھپ جاتے ہیں اور میاں بیوی کے ملاپ کے وقت رحم کی نالی، رحم اور بیضہ دانی میں پہنچ جاتے ہیں اور وہیں ٹھکانہ بنا لیتے ہیں۔ اس طرح حمل ٹھہرنے میں تاخیر ہو جاتی ہے بلکہ عورت بانجھ بھی ہو سکتی ہے۔[3]

رسول اللہ ﷺ نے عورت کے ختنے کے بارے میں ہدایت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''ام عطیہ! تھوڑی سی کھال قطع کرو، زیادہ نہ کاٹو۔ اس عمل سے چہرے پر خوشگوار اثر پڑتا ہے اور خاوند کے لیے زیادہ موجب انبساط ہوتا ہے۔''[4]

رسول اللہ ﷺ کا بچیوں کے ختنے کرنے والی خاتون کو یہ ہدایات دینا جدید میڈیکل سائنس کی رو سے صحیح طبی اصول کے عین مطابق ہے کیونکہ یہ عمل عورتوں کی جسمانی اور نفسیاتی صحت کے لیے بہت مفید ہے۔ جدید میڈیکل

[1] جامع الترمذی: 2040، السلسلة الصحیحة: 354/2، حدیث: 727. [2] صحیح البخاری: 6297، صحیح مسلم: 261. [3] الإعجاز العلمی فی الإسلام لعبد الصمد، ص: 38. [4] المعجم الصغیر للطبرانی: 62/2، حدیث: 122.

سائنس کی رو سے فرعونی ختنہ عورتوں کے لیے نہایت مضر ہے جس کا مصر اور سوڈان کے بعض علاقوں میں رواج ہے۔

دوران حیض جنسی ملاپ

رسول اللہ ﷺ نے دوران حیض زن و شوہر کے تعلقات کے بارے میں فرمایا: اصنعوا كل شيء إلا النكاح ''(دوران حیض) جماع کے سوا ہر کام کر سکتے ہو۔''[1]

جدید میڈیکل سائنس نے اس امر کی توثیق کی ہے کہ حیض کے دوران جماع کرنے کے باعث جراثیم اس وقت رحم میں داخل ہو جاتے ہیں جبکہ وہاں کا دفاعی نظام ان کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ اس طرح رحم کی نالی اور رحم میں موجود خون جراثیم کی نشوونما اور اضافے کا سبب بنتا ہے۔ مزید برآں اس حالت میں جماع کرنے سے یہ گندگی مرد کی طرف بھی منتقل ہو سکتی ہے۔ اس حالت میں جماع کبھی کبھی فم رحم کے کینسر کا موجب بھی بن جاتا ہے۔

کتے کا جھوٹا برتن

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب کتا کسی برتن میں منہ ڈال دے تو اس کا پانی گرا دیا جائے، پھر اس برتن کو سات دفعہ دھویا جائے[2] اور ایک دفعہ مٹی بھی لگائی جائے۔''[3]

سائنسی تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ کتا انسان میں بہت سی بیماریاں منتقل کرتا ہے۔ ان میں خارش اور باؤلا پن بھی شامل ہے۔ باؤلا پن ایک خطرناک بیماری ہے اور کسٹ ایڈاتک کی بیماری جو ایک کیڑے ٹینیا اکنا کوکس کے انڈوں کے داخل ہونے سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ کیڑا عموماً کتے کی آنتوں میں پایا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ بھی کئی بیماریاں ہیں جو کتے کے کاٹ کھانے سے جنم لیتی ہیں۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ مٹی انڈوں اور جراثیم کو ختم کرنے میں بہت مؤثر ہے کیونکہ مٹی کے ذرات ان میں گھل مل جاتے ہیں، اس طرح جراثیم کو ختم کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

[1] صحیح مسلم:302، [2] صحیح مسلم:280، [3] سنن النسائی:338



ایوان صدر کا ایک منظر (خرطوم، سوڈان)



قاہرہ اور دریائے نیل

دورِ جدید کے سائنسدانوں نے قبروں کی مٹی کا تجزیہ کیا تاکہ جراثیم کا پتہ لگایا جا سکے۔ انھیں توقع تھی کہ اس مٹی میں بہت سے نقصان دہ جراثیم ہوں گے کیونکہ بہت سے لوگ طرح طرح کی بیماریوں سے مرتے ہیں۔ سائنسدانوں کی پوری تحقیق کے باوجود مٹی میں ان موذی جراثیم کا کوئی سراغ نہیں ملا۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا گیا کہ مٹی میں نقصان دہ جراثیم ختم کرنے کی خصوصیت پائی جاتی ہے۔ ایسا نہ ہوتا تو مردوں کے جراثیم کا خطرہ بہت بڑھ جاتا اور صورتحال کو سنبھالنا مشکل ہو جاتا۔

شکاری پرندوں اور درندوں کی حرمت

رسول اللہ ﷺ نے پرندوں میں سے ہر پنجے والے پرندے اور درندوں میں سے ہر کچلی والے جانور کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے۔[1]

جدید علم الاغذیہ سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ قومیں جن حیوانات کا گوشت کھاتی ہیں وہ ان جانوروں کی طبعی صفات سے ضرور متاثر ہوتی ہیں کیونکہ ان جانوروں میں ایسے زہریلے مادے اور اندرونی افرازات (Secretions) پائے جاتے ہیں جو خون میں اثر کرتے ہیں، پھر وہ کھانے والوں کے معدوں میں منتقل ہو جاتے ہیں اور ان کے اخلاق پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

انسانی پیدائش

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''(جماع کے وقت خارج ہونے والی) پوری منی سے بچہ نہیں بنتا۔ اور جب اللہ تعالیٰ کوئی بچہ پیدا کرنا چاہے تو (عزل جیسا) کوئی بھی حیلہ بچے کی پیدائش کو روک نہیں سکتا۔''[2]

سائنسی طور پر بھی یہ ثابت ہے کہ اللہ پاک منی کے ایک بہت ہی چھوٹے ذرے سے بچہ پیدا کرتا ہے۔ جب ایک دفعہ منی خارج ہوتی ہے تو اس میں بیس کروڑ سے زیادہ جرثومے موجود ہوتے ہیں جبکہ عورت کے بیضہ کے ساتھ ملنے والا جرثومہ ان میں سے صرف ایک ہی ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنی مشیت کے مطابق تخلیق کے لیے چن لیتا ہے، بے شک پاک ہے وہ ذات جس نے ہر چیز کو ایک تناسب سے پیدا فرمایا۔ اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں کہ بیضہ اور جرثومہ مل کر لازماً بچہ بنیں۔ جدید تحقیقات کے مطابق 78 فیصد بیضے ہر حمل سے ساقط ہو جاتے ہیں اور تقریباً 50 فیصد بیضے اس طرح چپ چاپ ساقط ہو جاتے ہیں کہ ماں کو بھی معلوم نہیں ہوتا کہ اسے حمل ٹھہر گیا تھا۔

1 صحیح مسلم، 1932، سنن النسائي، 4353، واللفظ له. 2 صحیح مسلم، 1438.

پیش گوئیاں

نبی اکرم ﷺ پیدائشی طور پر اُمی تھے۔ آپ نے کسی سے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا، نہ آپ نے کسی سے سابقہ کتابوں کا علم حاصل کیا۔ آپ ﷺ کی اس ''اُمیت'' کا آپ ﷺ کے دشمنوں کو بھی اقرار تھا، اس کے باوجود آپ ﷺ نے سابق انبیاء ﷩ اور ان کی شریعتوں کے متعلق صاف صاف صحیح اور صریح باتیں بیان کیں جو کوئی اور نہیں بتا سکتا تھا۔ اس کے علاوہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن حکیم میں رسول اللہ ﷺ کو مشرکین اور یہود کے مذموم ارادوں اور پچھلی امتوں اور پیغمبروں کے حالات و واقعات سے آگاہ فرمایا بلکہ آپ کو آیندہ کے بعض حالات و واقعات کے بارے میں بھی اطلاعات فراہم کیں۔ ارشاد فرمایا:

﴿ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ ﴾

''اگر اللہ نے چاہا تو تم حالت امن میں مسجد حرام میں ضرور بالضرور داخل ہو گے۔''

اسی طرح فرمان الٰہی ہے:

﴿ عَلِمَ أَنْ سَيَكُونُ مِنْكُمْ مَرْضَىٰ وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَآخَرُونَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ﴾

''اسے علم ہے کہ تم میں سے کتنے بیمار ہوں گے اور کتنے زمین میں اللہ کا فضل ڈھونڈتے پھریں گے، اور کتنے اور اللہ کی راہ میں لڑیں گے۔''

اس آیت کریمہ میں قتال کا ذکر کیا گیا ہے، حالانکہ جب یہ سورت نازل ہوئی تھی اس وقت قتال کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔

اسی طرح فرمان الٰہی ہے:

﴿ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ﴾

''عنقریب وہ جماعت شکست کھائے گی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔''

یہ آیت کریمہ مکی ہے۔ چنانچہ بدر کے موقع پر مشرکین کو شکست و ریخت سے دوچار ہونا پڑا۔ اسی طرح اللہ

تبارک وتعالیٰ نے یہ خبر بھی دی کہ ہم اس کتاب قرآن مجید کو تا قیامت محفوظ و مامون رکھیں گے۔ فرمان الٰہی ہے:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝

''بے شک ہم ہی نے یہ ذکر (قرآن) نازل کیا اور بے شک ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔''

چنانچہ دعوت اسلام کے آغاز سے لے کر اب تک ولید بن مغیرہ اور نضر بن حارث جیسے بد بخت لوگوں نے قرآن کے مقابلے میں اپنا کلام لانے کی بے حد کوشش کی مگر وہ قرآن کریم جیسا ایک جملہ بھی نہیں لا سکے۔ نہ ہی وہ قرآن کریم میں کوئی تبدیلی کر سکے۔ جس مقدس کتاب کی حفاظت اللہ نے خود اپنے ذمے لے رکھی ہو اس میں تبدل و تحرف کیسے ممکن ہے؟

اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا:

لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ۖ تَنزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ۝

''باطل اس کے پاس پھٹک بھی نہیں سکتا، اس کے آگے سے نہ اس کے پیچھے سے، یہ بڑے حکمت والی، انتہائی محمود ہستی کی طرف سے نازل کردہ کتاب ہے۔''[1]

ذیل میں ہم رسول اللہ ﷺ کی چند پیش گوئیاں ذکر کرتے ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کو وحی کے ذریعے آیندہ اور گزشتہ حالات و واقعات سے آگاہ کیا جاتا تھا تاکہ آپ اپنی امت کی بہتر راہنمائی فرما سکیں۔

غلبۂ اسلام کی عظیم الشان پیش گوئی

فارس اور روم اس وقت کی دو بڑی سلطنتیں تھیں۔ روم کے لوگ عیسائی تھے۔ اہل فارس مجوسی مشرک تھے۔ ان دونوں کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔ اہل فارس رومیوں پر غالب آ گئے۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اہل فارس کے غلبے کی خبر ملی تو غمگین ہوئے لیکن کفار مکہ فارس کی فتح پر بہت خوش ہوئے۔ وہ صحابۂ کرام سے کہنے لگے: ہمارے اہل فارس بھائی اہل کتاب بھائیوں پر غالب آ گئے ہیں۔ ان کی طرح ہم بھی آپ لوگوں پر غلبہ پا لیں گے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

الٓمٓ ۝ غُلِبَتِ الرُّومُ ۝ فِي أَدْنَى الْأَرْضِ وَهُم مِّن بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُونَ ۝ فِي بِضْعِ سِنِينَ ۗ لِلَّهِ الْأَمْرُ مِن قَبْلُ وَمِن بَعْدُ ۚ وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ ۝ بِنَصْرِ اللَّهِ ۚ يَنصُرُ مَن يَشَاءُ ۖ وَهُوَ

[1] تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا 3/203-211

الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝ وَعْدَ اللَّهِ ۖ لَا يُخْلِفُ اللَّهُ وَعْدَهُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝ يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غَافِلُونَ ۝

"الم۔ رومی مغلوب ہو گئے۔ قریب ترین سرزمین (شام کے علاقے اذرعات) میں اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد جلد غالب ہوں گے چند برسوں میں، اقتدار اللہ ہی کے لیے ہے پہلے بھی اور بعد میں بھی۔ اور اس (غلبے والے) دن مومن بھی (اپنی فتح پر) خوش ہوں گے اللہ کی مدد سے، وہ جس کی چاہتا ہے، مدد کرتا ہے اور وہ نہایت غالب، بہت رحم کرنے والا ہے۔ (یہ) اللہ کا وعدہ ہے۔ اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ وہ دنیا کی زندگی کا ظاہری پہلو ہی جانتے ہیں اور وہ آخرت سے بالکل غافل ہیں۔"[1]


اذرعات (شام) کا تاریخی شہر

اسی سورہ میں آگے جا کر ارشاد فرمایا:

﴿ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ ﴾

"اور مومنوں کی مدد کرنا ہم پر لازم تھا۔"[2]

ان آیات میں دو پیش گوئیاں کی گئی تھیں۔ ایک رومیوں کے غلبے کی پیش گوئی اور دوسری انھی کے غلبے کے زمانے میں مسلمانوں کے لیے فتح کی خوشخبری۔

سورۂ روم کا نزول مکی دور کے تقریباً وسط میں اس وقت ہوا جب کوئی شخص یہ سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ وہ بے وسیلہ مسلمان جنھیں سر چھپانے کے لیے ٹھکانا بھی میسر نہیں ہے، کسی وقت قریش مکہ کو شکست دے سکتے ہیں۔ اسی طرح روم کے بھی فارس پر غلبہ پانے کے دور دور تک کوئی آثار نظر نہیں آ رہے تھے لیکن حیرت انگیز طور پر یہ دونوں پیش گوئیاں، 2ھ/622-623ء میں حرف بحرف پوری ہوئیں۔ جس دن غلبہ روم کی خبر آئی، اسی دن مسلمانوں نے دنیائے کفر کو بدر کے میدان میں پکی زبردست شکست سے دوچار کیا۔[3]

غزوۂ احزاب

سورۂ قمر میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

1 تفسیر الطبری، الروم 30:1-5، الدر المنثور، الروم 30:1-6، تاریخ الطبری: 1/594. 2 الروم 30:47 3 تفصیلات کے لیے دیکھیے، سیرت انسائیکلوپیڈیا 3/385-392۔

أَمْ يَقُولُونَ نَحْنُ جَمِيعٌ مُّنتَصِرٌ ۝ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ۝

''کیا وہ (مشرکین) کہتے ہیں کہ ہم بدلہ لینے والی جماعت ہیں؟ عنقریب وہ جماعت شکست کھا جائے گی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔''[1]

سورۂ قمر ترتیب نزولی کے اعتبار سے انتیسویں سورت ہے۔ گویا یہ سورت مکی دور کی ابتدا میں اس وقت نازل ہوئی جب مسلمان ہر لحاظ سے کمزور تھے اور اس وقت کسی کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ کبھی مسلمان بھی کفار کے اتنے بڑے مجمع کو شکست دے سکیں گے، مگر اس سورہ میں نہ صرف دشمنوں کے اس گٹھ جوڑ کی خبر دی گئی ہے، بلکہ ان کے پیٹھ پھیر کر بھاگ جانے کی بھی پیش گوئی فرما دی گئی۔ سورۂ احزاب میں، جو اسی موقع پر اتری، ارشاد ہے:

وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ قَالُوا هَٰذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ ۚ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا ۝

''اور مومنوں نے جب لشکر دیکھے تو کہا: یہ تو وہی ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا، اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا تھا، اور اس (چیز) نے ان کے ایمان اور فرماں برداری کو اور زیادہ بڑھا دیا۔''[2]

اس جگہ اسی پیش گوئی کی طرف اشارہ ہے، چنانچہ 5ھ/628ء میں جب تمام کفار نے اکٹھا کر کے اسلامی ریاست مدینہ منورہ پر یلغار کی تو اس پیش گوئی کی صداقت دنیا کی آنکھوں کے سامنے آگئی اور یہ پیش گوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔

فتح مکہ کی خوشخبری

نبی کریم ﷺ نے 6ھ/628ء میں خواب دیکھا کہ آپ ﷺ اور صحابۂ کرام ‌رضی ‌اللہ ‌عنہم بڑے امن و سکون سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے اور سب نے امن و اطمینان کے ساتھ عمرہ ادا کیا۔ اور اپنے سروں کو منڈایا یا ان کا قصر کیا۔ اس خواب کو منشائے الٰہی خیال کرتے ہوئے نبی اکرم ﷺ نے عمرہ ادا کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو 1400 صحابۂ کرام ‌رضی ‌اللہ ‌عنہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ ادائے عمرہ کے لیے تیار ہو گئے۔ کفار مکہ کو جب رسول اللہ ﷺ کے اس سفر مقدس کا پتہ چلا تو وہ لڑنے مرنے پر تیار ہو گئے۔ بالآخر طویل گفت و شنید کے بعد دونوں لشکروں کے مابین صلح کا دس سالہ معاہدہ طے پا گیا جس کی بعض دفعات بظاہر مسلمانوں کے خلاف تھیں۔ اس پر بعض صحابۂ کرام بڑے جذباتی ہو رہے تھے۔ اس وقت دونوں لشکروں میں بہت زیادہ فرق تھا اور کوئی شخص ان حالات میں فتح مکہ کے متعلق سوچ بھی نہ سکتا تھا،

1 القمر 54:44، 45. 2 الاحزاب 33:22.

لیکن عین انھی دنوں میں سورۂ فتح نازل ہوئی، جس کی پہلی آیت میں فتح مکہ کی پیش گوئی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا:

﴿ إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ﴾

”(اے نبی!) بلاشبہ ہم نے آپ کو کھلی فتح عطا کردی ہے۔“[1]

چنانچہ اس سورت کے نزول کے صرف دو سال بعد مکہ مکرمہ بغیر کسی بڑی خون ریزی کے فتح ہوگیا۔

فتح خیبر کی اطلاع

علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفتح میں اس صلح حدیبیہ کو مصلحت اور انجام کے اعتبار سے فتح مبین قرار دینے کے ساتھ ہی یہ وعدہ بھی فرمایا کہ مسلمان مستقبل میں خیبر فتح کرکے بہت سا مال غنیمت حاصل کریں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَعَدَكُمُ اللَّهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هَٰذِهِ وَكَفَّ أَيْدِيَ النَّاسِ عَنكُمْ وَلِتَكُونَ آيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ﴾

”اللہ نے تم سے بہت سے غنائم کا وعدہ فرمایا ہے کہ تم انھیں حاصل کرو گے، چنانچہ اس نے جلد ہی وہ غنائم تمھیں عطا کردیے اور لوگوں کے ہاتھ تمھارے خلاف اٹھنے سے روک دیے تاکہ یہ مومنوں کے لیے ایک نشانی ہو جائے اور وہ تمھیں صراط مستقیم کی ہدایت دے۔“[2]

ابن اسحاق نے مروان بن حکم اور مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ حدیبیہ سے واپس تشریف لا رہے تھے تو آپ پر مکہ و مدینہ کے درمیان سورۃ الفتح نازل ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ نے خیبر کی فتح کا وعدہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَعَدَكُمُ اللَّهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا ..... ﴾[3]

”اللہ تعالیٰ نے تم سے بہت سے غنائم کا وعدہ فرمایا ہے کہ تم انھیں حاصل کرو گے“

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ ﴿ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ﴾ ”اور بدلے میں انھیں قریب کی فتح دی۔“ کے الفاظ مبارک میں قریب کی فتح سے مراد فتح خیبر ہے۔[4]

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے یہ وعدہ ان کے اطمینان اور سکون قلب کے لیے فرمایا تھا۔ اس سے ان کے دل اس یقین سے سرشار ہوگئے کہ عنقریب اللہ تعالیٰ انھیں فتح خیبر سے سرفراز فرمائے گا اور خیبر کے لہلہاتے ہوئے کھیت اور

[1] الفتح 1:48. [2] الفتح 20:48. [3] [illegible] 317/3. [4] البداية والنهاية 183/4.

سرسبز و شاداب باغات انھیں بطور غنیمت عطا فرمائے گا۔ چنانچہ صلح حدیبیہ کے اگلے ہی سال 7ھ/629ء میں یہ پیش گوئی بھی پوری ہوئی اور خیبر کے قلعے مسخر ہو کر مسلمانوں کے سامنے سرنگوں ہو گئے۔

مسلمانوں کی مجموعی کامیابی کی خوشخبری

اس کے علاوہ یہ پیش گوئی بھی کی گئی تھی:

وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝

”اور بلاشبہ ہمارا لشکر ہی غالب رہے گا۔“ [1]

یہ گویا دونوں فوجوں میں مسلم افواج کی مجموعی کامیابی کی بشارت ہے، چنانچہ مسلمان اپنی تعداد کی قلت اور اسلحے میں کمی کے باوجود ہر جنگ میں اپنے دشمنوں پر غالب رہے۔ مسلمانوں کے مقابلے میں غیر مہذب عربوں سے لے کر روم و فارس کی متمدن سلطنتوں تک بہت سی قومیں آئیں، مگر ان سب کو ناکامی ہوئی اور اللہ کی طرف سے کی گئی یہ پیش گوئی پوری ہو کر رہی۔

تنگ دستی کے بعد تونگری کی بشارت

جب مکہ فتح ہوا اور غیر مسلموں کو حرم اقدس سے نکالنے کا حکم آیا، اس وقت مکہ کی تمام معیشت و تجارت پر انھی کا تسلط تھا۔ اس موقع پر مسلمانوں کو افلاس اور تنگ دستی کا خطرہ محسوس ہوا، مگر اللہ تعالیٰ نے تنگ دستی کے بعد غنا کی خبر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ إِنْ شَآءَ ۚ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

”اور اگر تمھیں تنگ دستی کا خوف ہے تو اگر اللہ چاہے گا تو تمھیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔ بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا، حکمت والا ہے۔“ [2]

چنانچہ ایسا ہی ہوا اور جلد ہی مسلمان تاجر سرزمین عرب ہی پر نہیں، بلکہ بین الاقوامی تجارت کے مراکز پر چھا گئے۔ حالانکہ ابتدائی زمانے میں مسلمانوں کی تنگ دستی اور غربت و افلاس کا یہ عالم تھا کہ اکثر صحابہ بھوک سے نڈھال رہتے تھے، بلکہ خود رحمت عالم ﷺ نے بھوک سے لاچار ہو کر پیٹ پر پتھر تک باندھے۔ اور پھر رزق کی ایسی فراوانی ہوئی کہ غریب سے غریب صحابہ ؓ بھی نہایت آرام و راحت سے زندگی گزارتے تھے اور اسلامی سلطنت

1 الصّٰفّٰت 173:37 2 التوبۃ 28:9

میں ایک آدمی بھی زکاۃ لینے والا نہیں رہا۔

غیر عربوں سے خدمت اسلام لیے جانے کی پیش گوئی

وقت ہمیشہ ایک جیسا نہیں رہتا، اس لیے دنیا میں مسند اقتدار سے لے کر بساط علم تک پر فائز لوگ بدلتے رہتے ہیں۔ تبدیلی کا یہ عمل اپنا اثر دکھاتا رہتا ہے اور نیا اور تازہ دم خون کمزور اور ضعیف خون کی جگہ لیتا رہتا ہے۔ اسلام سے متعلق اس بات کی پیش گوئی ابتدا ہی میں کر دی گئی تھی اور اعلان کر دیا گیا تھا کہ جو غیر عرب اقوام مسلمان ہوں گی، کچھ عرصہ گزرنے کے بعد وہ اسلام کی نمایاں خدمت انجام دیں گی، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ ﴾

''اور اگر تم منہ موڑو گے تو اللہ تمھاری جگہ کسی اور قوم کو لے آئے گا، وہ تم جیسے (نافرمان) نہیں ہوں گے۔''[1]

چنانچہ دوسری صدی ہجری کے آغاز سے پہلے ہی مذہبی و علمی سیادت غیر عربوں (موالی) کے ہاتھ آ گئی۔ بعدازاں دوسری اور پھر دوسری صدی ہجری میں سیاسی قیادت بھی انھی کے پاس چلی گئی جنھوں نے اسلام کی خدمت و اشاعت میں نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کیا تھا، یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔

غلبۂ دین کی پیش گوئی

قرآن حکیم کے تین مقامات پر یہ اعلان دہرایا گیا:

﴿ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ ﴾

''وہی (اللہ) ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا، تاکہ اسے سب دینوں پر غالب کرے۔''[2]

﴿ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ ﴾

''اور وہ (اللہ) ہی تو ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا، تاکہ وہ اسے سب دینوں پر غالب کر دے۔''[3]

﴿ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ ﴾

''وہی ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا، تاکہ وہ اسے تمام دینوں پر غالب کر دے۔''[4]

1 محمد 38:47، 2 التوبة 33:9، 3 الفتح 28:48، 4 الصف 9:61

یہ تینوں مدنی سورتیں ہیں، جن کا زمانہ نزول مسلمانوں کے لیے بڑا پر آشوب تھا۔ اس وقت مسلمانوں کے لیے حالات سے عہدہ برآ ہونا بڑا کٹھن اور دشوار نظر آتا تھا۔ لیکن دنیا نے دیکھا کہ کس طرح ہر سطح پر آہستہ آہستہ حالات بدلتے گئے اور قرآنی پیش گوئی ایک صداقت بن کر منظر عام پر آتی چلی گئی، بالآخر دوسرے وعدوں کی طرح یہ وعدہ الٰہی بھی پورا ہوا اور چار دانگ عالم میں اسلام کی قوت و شوکت کی دھاک بیٹھ گئی۔

شجرۂ طیبہ سے مشابہت

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ ۝

”(اے نبی!) کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ اللہ نے کلمۂ طیبہ (اسلام) کی کیسی مثال بیان کی کہ وہ ایک پاکیزہ درخت کی طرح ہے، اس کی جڑ مضبوط ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں۔“[1]

اس آیت میں اسلام کو شجرۂ طیبہ (عمدہ درخت) سے مشابہت دی گئی ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ اس مشابہت میں بھی اسلام کے بتدریج نشو و نما پانے اور مکمل ہونے کی پیش گوئی پائی جاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ شجر اسلام روز بروز پھیلتا اور بڑھتا چلا جائے گا اور ہر آنے والا دن اس کی جڑوں کو استحکام بخشنے کا ذریعہ ثابت ہوگا، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

فتنۂ ارتداد سے نمٹنے اور اس پر قابو پانے کی پیش گوئی

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے فوراً بعد جزیرۂ عرب میں ارتداد کی ایک طاقتور لہر اٹھی جس نے عرب کے بہت سے قبیلوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور حالت یہ ہوگئی کہ مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ اور طائف کے سوا کوئی شہر بھی اس کی ہیبت میں آنے سے نہ بچ سکا۔ ان حالات کے پیش آنے اور ان پر قابو پانے کی بھی قرآن حکیم میں پیش گوئی کر دی گئی تھی، ارشاد الٰہی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ ۝

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر تم میں سے کوئی اپنے دین سے پھرتا ہے تو پھر جائے، اللہ جلد ایسے لوگ پیدا کر دے گا جو اللہ کو محبوب ہوں گے اور اللہ انھیں محبوب ہوگا۔“[2]

چنانچہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قیادت میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی قدسی جماعت نے بہت جلد اس فتنے پر قابو پا لیا۔

1 ابراہیم 14:24۔ 2 المآئدۃ 5:54۔

قرآن مجید کی خود اپنے بارے میں پیش گوئیاں

قرآن حکیم نے خود اپنے بارے میں یہ اعلان کیا:

﴿ قُلْ لَّىِٕنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا ۝ ﴾

''کہہ دیجیے: یقیناً اگر تمام انسان اور جن اس (بات) پر جمع ہو جائیں کہ اس قرآن جیسا بنا لائیں تو وہ اس جیسا کلام نہیں لا سکیں گے ہر چند وہ (اس سلسلے میں) ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں۔''[1]

چنانچہ دنیائے کفر کو پہلے پورے قرآن حکیم، پھر دس سورتیں (ہود13:11) اور پھر ایک ہی سورت بنا کر (البقرہ 23:2، یونس 38:10) پیش کرنے کا چیلنج دیا گیا، مگر مشرکین اس چیلنج کو قبول نہ کر سکے۔ حالانکہ ان کی صفوں میں بڑے بڑے خطیب اور بے مثل ادیب اور شاعر موجود تھے۔ سب سے آخر میں یہ پیش گوئی کی گئی:

﴿ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا ﴾

''پھر اگر تم (یہ کام) نہ کر سکو اور تم کر بھی نہیں سکو گے۔''[2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ قرآن حکیم کی سب سے چھوٹی سورت، سورۃ الکوثر ہے جس کی کل تین آیات ہیں، اگر دنیائے کفر باہم مل کر تین آیات کی سورہ بنا کر پیش کر دیتے یا اپنے سے پہلے کے زمانے کی نثر میں سے اس کی کوئی مثال تلاش کر کے سامنے لے آتے تو وہ قرآن حکیم کی پیش گوئی کو غلط ثابت کر سکتے تھے، مگر وہ یا ان کے بعد اب تک آنے والے غیر مسلم ایسا نہیں کر سکے اور نہ ہی کر سکیں گے۔[3]

حفاظت قرآن کریم کا وعدہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ ﴾

''بیشک ہم ہی نے یہ ذکر (قرآن) نازل کیا اور بیشک ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔''[4]

قرآن کریم سے پہلے تین آسمانی کتابیں اور بے شمار صحیفے انبیاء علیہم السلام کو عطا ہوئے، مگر وہ سب دنیا سے ناپید ہو گئے اور ان کی اصلی کا ملنا تو درکنار یہ بات تک معلوم نہیں کہ وہ کس زبان میں اترے تھے، پھر جس دور میں قرآن کریم

[1] بنی اسرائیل 88:17 [2] البقرۃ 24:2 [3] فتح الباری 380/6، 381. [4] الحجر 9:15

نازل ہوا، اس وقت بظاہر کتابوں کی حفاظت ونگہداشت کا کوئی ذریعہ موجود نہ تھا۔ ان حالات میں حفاظت قرآن والی پیش گوئی کا پورا ہونا بظاہر مشکل نظر آتا تھا، لیکن معجزۂ قرآنی کی صداقت ملاحظہ ہو کہ سوا چودہ سو سال گزرنے کے باوجود یہ عظیم الشان کتاب اپنے مضامین جلیلہ اور الفاظ و معانی سمیت پوری طرح صحیح سلامت موجود ہے۔

جمع و تدوین قرآن

قرآن حکیم کا نزول عام کتب سماویہ سے مختلف انداز میں ہوا ہے، دیگر آسمانی کتابوں کے برعکس اس کتاب مبین کے الفاظ بھی آسمان سے نازل ہوئے ہیں، جبکہ باقی آسمانی کتابوں کے صرف معانی و مفاہیم اترے تھے، الفاظ و کلمات کا انتخاب انبیاء علیہم السلام خود کرتے تھے۔ اسی لیے قرآن کریم کی ''جمع و تدوین'' کا مسئلہ بڑا اہم تھا، چنانچہ روایات میں ہے کہ جب قرآن کریم کی کوئی سورہ نازل ہوتی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ اُسے جلد ہی دہرانا اور پڑھنا شروع کر دیتے، لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ﴿١٧﴾

''یقیناً اسے (آپ کے سینے میں) جمع کرنا اور پڑھانا ہمارے ذمے ہے۔''[1]

چنانچہ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ گو یہ تئیس سال کے عرصے میں تھوڑا تھوڑا کر کے بتدریج پایہ تکمیل کو پہنچا، مگر دنیا نے دیکھا کہ عہد نبوی ہی میں قرآن حکیم مکمل طور پر مرتب اور مدون ہو چکا تھا۔ خلفائے راشدین کے زمانے میں اس کی نقول تیار کر کے کئی نسخے مرتب کیے گئے۔ مذکورہ آیت کی روشنی میں یہ بات یقینی ہے کہ قرآن مدون و مرتب شکل میں تا قیامت محفوظ اور موجود رہے گا۔

حفظ کیے جانے کی پیش گوئی

نزول قرآن کریم سے پہلے نظموں اور قصیدوں کے اشعار یا چند ادبی جملوں کو رٹنے اور یاد کرنے کی تو مثالیں موجود تھیں، لیکن اتنی عظیم و ضخیم آسمانی کتاب کو حفظ کرنے جیسی کوئی مثال موجود نہیں تھی، نہ بعد میں کسی مذہبی یا غیر مذہبی کتاب کے زبانی یاد ہو جانے کی کوئی مثال سامنے آئی۔ قرآن کریم کے حفظ کا تصور بالکل ایک نیا اور اچھوتا تصور تھا۔ اس عظیم الشان نعمت کا تذکرہ خود قرآن میں اس طرح کیا گیا ہے:

بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ

1 القیامۃ 75: 17

"بلکہ یہ (قرآن) تو روشن آیات ہیں، ان لوگوں کے سینوں میں جنھیں علم بخشا گیا ہے۔"[1]
اس پیش گوئی کی صداقت کسی تعارف کی محتاج نہیں، جو شخص بھی چاہے گا، اسے بہت اچھی طرح یاد کر سکے گا۔

حفظ کرنا سہل ہوگا

جب قرآن کریم میں یہ پیش گوئی کی گئی کہ اسے حفظ کیا جا سکے گا تو یہ خیال بھی پیدا ہوا کہ یہ تو ممکن ہے کہ اسے حفظ کرلیا جائے لیکن بجائے خود حفظ کرنے کا عمل بہت دشوار ہوگا، مگر سورۃ القمر میں اس غلط فہمی کا ازالہ کر دیا گیا اور بتایا گیا کہ اسے حفظ کرنا اتنا سہل ہے کہ چھوٹے چھوٹے بچے بھی بآسانی حفظ کرسکیں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴾

"اور البتہ یقیناً ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کیا ہے، پھر کیا کوئی ہے نصیحت پکڑنے والا؟"[2]
چنانچہ قرآن مجید کو حفظ کرنے سے لے کر، اس کے معانی و مطالب کے فہم و ادراک تک سبھی مرحلے انتہائی آسان بنا دیے گئے ہیں۔

اشاعت قرآن کی پیش گوئی

قرآن کریم نے اپنے متعلق جو عظیم الشان پیش گوئیاں کی ہیں، ان میں سے ایک اور پیش گوئی اس کی طباعت و اشاعت کے بارے میں بھی ہے، فرمایا: ﴿ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۝ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ﴾ "اور (قسم ہے) ایک کتاب کی جو کشادہ کاغذ پر لکھی ہوئی ہے۔"[3]
رق کا مفہوم باریک جھلی ہے جو گزشتہ زمانے میں عام طور پر کتابت کے لیے استعمال ہوتی تھی۔ مفسرین کے مطابق، یہاں قرآن حکیم کے کشادہ اوراق یا باریک جھلی پر ہونے کی حالت میں، جو قسم کھائی گئی ہے، وہ ایک طرح کی پیش گوئی ہے جس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ قرآن حکیم کی نشر و اشاعت بذریعہ کتابت اور طباعت ہمیشہ جاری رہے گی اور یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ دنیا بھر میں جتنی اشاعت قرآن کریم کی ہو رہی ہے، یا گزشتہ زمانوں میں ہوتی رہی ہے، اس کی کرۂ ارض پر کوئی مثال موجود نہیں۔

باطل سے حفاظت وصیانت کا وعدہ

سابق انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے جو مقدس کتابیں عطا فرمائیں، بلاشبہ وہ اپنے مضامین اور افکار کے اعتبار سے

[1] العنكبوت 49:29. [2] القمر 17:54. [3] الطور 3،2:52.

حقانیت وصداقت کی دستاویز تھیں، اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے اتری تھیں، لیکن رفتہ رفتہ شیطانی قوتوں نے ان کے ماننے والوں کے ذریعے سے ان کے مضامین اس طرح بدل ڈالے کہ حق و باطل میں امتیاز ختم ہو گیا۔ اس طرح اصلی کتابوں کی جگہ محرف شدہ کتابیں باقی رہ گئیں۔

اس کے برعکس اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو ہر قسم کے باطل سے محفوظ رکھنے کا وعدہ کیا، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ﴾

''باطل اس کے پاس پھٹک بھی نہیں سکتا، اس کے آگے سے نہ اس کے پیچھے سے۔''[1]

باطل کا لفظ ''حق'' کے مقابلے میں بولا جاتا ہے، لہٰذا اس سے مراد دنیائے کفر و شرک اور ان کے تمام مذموم عقائد و خیالات ہیں۔ پیش گوئی یہ ہے کہ اس کتاب مبین کے افکار عالیہ اور مضامین مقدس پر، کافرانہ اور مشرکانہ خیالات وعقائد عیاں یا نہاں کسی بھی طریقے سے اثر انداز نہیں ہو سکیں گے، اللہ تعالیٰ اس کی ہر طرح پوری حفاظت فرمائے گا۔ نامور سیرت نگار قاضی محمد سلیمان منصور پوری نے اس سے فلسفۂ قدیم اور فلسفۂ جدید مراد لیا ہے اور لکھا ہے کہ ''فلسفۂ قدیم (بَاطِلٌ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ) اور فلسفۂ جدید (بَاطِلٌ مِنْ خَلْفِهِ) نے بہت زور مارا، مگر وہ اس پر اثر انداز ہونے سے قاصر رہا۔''[2]

تمھیں تکلیف نہ پہنچا سکیں گے

عہد نبوی میں سرزمین عرب پر یہودیوں کی بیسیوں بستیاں تھیں۔ خود مدینہ منورہ میں علاقے کے مضبوط ترین قلعے اور محفوظ ترین علاقے ان کے قبضے میں تھے۔ عددی برتری کا یہ عالم تھا کہ مشرکین کے بعد یہ قوم عرب میں سب سے بڑی قوم سمجھی جاتی تھی، لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا: ﴿لَنْ يَضُرُّوكُمْ إِلَّا أَذًى﴾

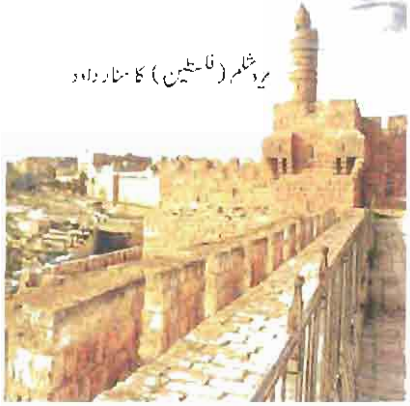
''وہ تمھیں تھوڑی سی تکلیف کے سوا ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔''[3]

چنانچہ ایسے ہی ہوا۔ مسلمانوں نے ایک ایک کر کے ان کے علاقوں پر قبضہ کیا، انھیں ان کے گھروں سے بے دخل کیا۔ ان کے قلعے قبضے میں لے لیے، مگر یہودی مسلمانوں کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔

یہودیوں پر قیامت تک ذلت و مسکنت طاری رہنے کی پیش گوئی

قرآن کریم میں یہودیوں کو پیغمبروں کی اولاد، انبیاء علیہم السلام کی کتابوں اور ان کی تعلیمات کے حامل اور عربوں میں

1 حم السجدۃ 41:42. 2 رحمۃ للعالمین 3/270، 271. 3 آل عمران 3:111

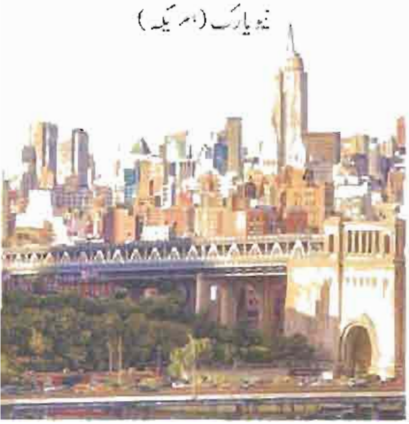


یروشلم (فلسطین) کا منارِ داؤد

واحد پڑھی لکھی قوم ہونے کی بنا پر خصوصی ادب و احترام دیا گیا اور انھیں "یَا بَنِي إِسْرَائِيلَ" (اے اولادِ یعقوب!) کہہ کر مخاطب کیا گیا، لیکن جب انھوں نے بلا جواز اسلام کی مخالفت شروع کر دی اور رسول اللہ ﷺ اور آپ کے لائے ہوئے دینِ حنیف کو مٹانے کے لیے کمربستہ ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ذلت و مسکنت طاری کرنے کی پیش گوئی کرتے ہوئے فرمایا:

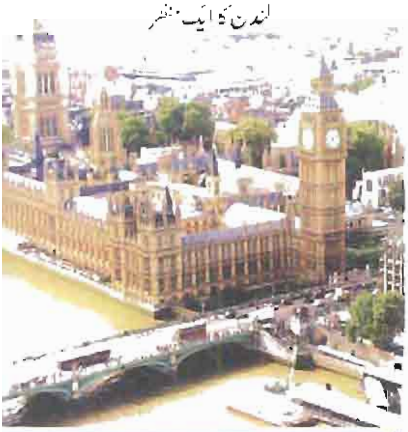
﴿ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوا إِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللَّهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ﴾

"وہ جہاں بھی پائے گئے، ان پر ذلت کی مار پڑی، اِلّا یہ کہ وہ اللہ کی یا لوگوں کی پناہ میں آ جائیں، یہ لوگ اللہ کی طرف سے غضب کے حق دار ٹھہرے۔"[1]



نیو یارک (امریکہ)

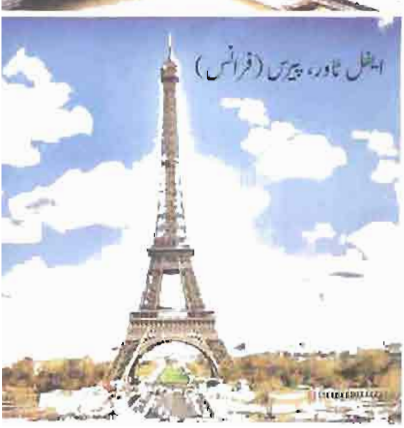
چنانچہ تاریخ کے طویل سفر میں ان پر دنیا کے مختلف ملکوں اور خطوں میں جو حالت گزری، وہ قرآن کی صداقت کی روشن دلیل ہے۔ اس وقت یہود نے فلسطین پر قبضہ کر کے اسے اسرائیل کا نام دے رکھا ہے، لیکن یہ ملک امریکہ، برطانیہ اور فرانس وغیرہ مسیحی قوتوں کی عسکری و مالی امداد کے سہارے قائم ہے جو قرآن کے الفاظ "حبل من الناس" کا مصداق ہیں۔ ہاں، اگر یہ لوگ اسلام قبول کر لیں تو ان کی عزت و شان بحال ہو سکتی ہے۔



لندن کا ایک منظر

موت کی خواہش نہ کر سکنے کی پیش گوئی

بظاہر یہ جملہ کہنا کتنا آسان ہے کہ "ہمیں موت آ جائے" لیکن یہی چھوٹا سا اور آسان سا جملہ کہنے کے لیے یہودیوں کو دو مرتبہ چیلنج کیا گیا، مگر وہ یہ نہ کہہ سکے۔ سورۃ البقرہ میں ارشاد ہے:



ایفل ٹاور، پیرس (فرانس)

﴿قُلْ إِن كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِندَ اللَّهِ خَالِصَةً مِّن دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۝ وَلَن يَتَمَنَّوْهُ أَبَدًا

1 آل عمران 3:112

قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ؀

''کہہ دیجیے: اگر اللہ کے ہاں آخرت کا گھر، خاص تمھارے ہی لیے ہے اور لوگوں کے لیے نہیں تو تم موت کی تمنا کرو، اگر تم سچے ہو۔ لیکن وہ اپنے ان گناہوں کی وجہ سے جو اپنے ہاتھوں کما کر آگے بھیج چکے ہیں، اس (موت) کی کبھی تمنا نہیں کریں گے اور اللہ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے۔''[1]

یہی چیلنج سورۃ الجمعہ میں پھر دہرایا گیا:

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَاۗءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ۭ

''(اے نبی!) کہہ دیجیے: اے یہود! اگر تم یہ دعویٰ کرتے ہو کہ بے شک تم ہی اللہ کے دوست ہو، اور لوگ نہیں تو موت کی تمنا کرو، اگر تم سچے ہو۔ اور وہ ہرگز یہ تمنا نہیں کریں گے بوجہ ان (برے اعمال) کے جو وہ اپنے ہاتھوں آگے بھیج چکے ہیں۔''[2]

لیکن تاریخ شاہد ہے کہ عرب میں بسنے والے یہودیوں کے ہزاروں خاندانوں میں سے ایک خاندان نے بھی اس چیلنج کو قبول نہیں کیا۔ اس سے بڑھ کر قرآن کی صداقت وعظمت کی اور کیا دلیل ہوگی۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ ان آیات میں دراصل یہودیوں کی فطرت عیاں کی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ یہودیوں کا خمیر ہی ''دنیا'' اور ''مال دنیا'' کی محبت سے اُٹھا ہے، جبکہ آخرت کی محبت اس کی ضد ہے، لہٰذا یہودی اپنی فطرت کے ہاتھوں مجبور ہیں کہ مال دنیا سے محبت کرتے رہیں۔ یہودیوں کی فطرت کا یہ پہلو آج بھی کھلی ہوئی کتاب کی طرح سب کے سامنے ہے ..... واللہ اعلم۔

یہودیوں کے مابین فرقہ بندیوں کی پیش گوئی

دنیا اور مال دنیا کی حد سے بڑھی ہوئی محبت، خود غرضی اور لالچ نے یہودیوں کے اخلاق پر جو برے اثرات مرتب کیے ہیں، ان میں سے ایک ان کے درمیان برپا ہونے والی ''فرقہ بندی'' بھی ہے۔ قرآن عزیز میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے:

وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ اِلٰي يَوْمِ الْقِيٰمَةِ

''اور ہم نے قیامت کے دن تک ان کے درمیان دشمنی اور بغض ڈال دیا ہے۔''[3]

[1] البقرۃ2:94،95 [2] الجمعۃ62:6،7 [3] المآئدۃ5:64

چنانچہ یہ تاریخی صداقت ہے کہ اس قوم میں قدیم زمانے ہی سے گروہ بندی کا سلسلہ جاری ہے۔ پرانے زمانے میں ان کے دو فرقے (سامریہ اور یونانیہ) تھے، جبکہ اس وقت ان میں کئی گروہ باہم دست و گریبان نظر آتے ہیں۔ سیاسی طور پر بھی ان میں کئی جماعتیں ہیں اور مذہبی طور پر بھی یہ قوم ابھی تک کئی گروہوں اور فرقوں میں بٹی ہوئی ہے اور قرآن عزیز نے خبر دی ہے کہ ان میں تفرقے کا یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔

قرآن حکیم نے اسی طرح کی پیش گوئی نصاریٰ (مسیحیوں) کے متعلق بھی کی ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿ وَمِنَ الَّذِينَ قَالُوٓا إِنَّا نَصَٰرَىٰٓ أَخَذْنَا مِيثَٰقَهُمْ فَنَسُوا۟ حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوا۟ بِهِۦ فَأَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ ٱلْعَدَاوَةَ وَٱلْبَغْضَآءَ إِلَىٰ يَوْمِ ٱلْقِيَٰمَةِ ﴾

''اور جن لوگوں نے کہا: بے شک ہم نصاریٰ ہیں، ان سے ہم نے عہد لیا تھا، پھر جس چیز کی انھیں نصیحت کی گئی تھی، اس کا ایک حصہ انھوں نے بھلا دیا، تو ہم نے روز قیامت تک ان کے درمیان دشمنی اور بغض ڈال دیا۔''[1]

چنانچہ یہودیوں ہی کی طرح، بلکہ ان سے کہیں زیادہ نصاریٰ میں بھی فرقہ بندیاں اور اختلافات موجود ہیں اور اس کی ابتدا اسی دن سے ہوگئی تھی جب سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اٹھا لیا گیا تھا۔ اس وقت ان میں بیسیوں فرقے موجود ہیں۔

اسلام کے خلاف یہود و نصاریٰ کے گٹھ جوڑ کی خبر

جب دعوت اسلام کا آغاز ہوا، اس وقت یہود و نصاریٰ باہم مختلف گروہوں اور مذاہب میں بٹے ہوئے تھے۔ ان میں کسی قسم کا اتحاد نظر نہیں آتا تھا، لیکن قرآن حکیم نے اس حقیقت سے صریح لفظوں میں آگاہ کر دیا، کہ یہ لوگ مسلمانوں کے خلاف یکجا ہو جائیں گے، چنانچہ مسلمانوں کو اس کے لیے ذہنی طور پر تیار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَتَّخِذُوا۟ ٱلْيَهُودَ وَٱلنَّصَٰرَىٰٓ أَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ﴾

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! یہودیوں اور عیسائیوں کو دوست نہ بناؤ، وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔''[2]

چنانچہ اس حقیقت کے باوجود کہ جب بھی یہودیوں پر کوئی کٹھن وقت آیا، اسلامی حکومتوں ہی نے ان کی سرپرستی کی اور فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے انھیں پناہ دی، یورپ کی نشاۃ ثانیہ کے بعد عالمی بساط پر یہود و نصاریٰ کا اسلام کے خلاف ''متحدہ محاذ'' کسی وضاحت کا محتاج نہیں ہے۔ عیسائیوں کا ایک ایسی قوم سے اتحاد جو ان کے نبی

[1] المآئدۃ 14:5. [2] المآئدۃ 51:5.

اور ان کے بقول ''ابن اللہ'' اور ان کی والدہ کو متہم کرتے ہیں، بظاہر حیرت انگیز ضرور ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ قرآن حکیم کی صداقت کا مظہر بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ عالم اسلام کو ان دونوں دشمنوں کی سازشوں اور شرارتوں سے محفوظ رکھے۔

یہودیوں کی دروغ گوئی پر اطلاع

اکثر یہودی رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں دروغ گوئی سے کام لیتے تھے، مگر رسالت مآب ﷺ ان کی مکاریاں اور غلطیاں پکڑ لیتے تھے، مثلاً: ایک دفعہ ایک یہودی جوڑے کو بدکاری کے جرم میں گرفتار کیا گیا۔ آپ ﷺ نے یہودی علماء سے ان کے مذہب کی رو سے بدکاری کی سزا پوچھی تو انھوں نے کہا کہ ہماری کتابوں میں یہ لکھا ہے کہ امیر آدمی کا منہ کالا کر دیا جائے اور غریب کو رجم کیا جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم جھوٹ بولتے ہو، اپنی کتاب لے کر آؤ۔'' کتاب لائی گئی تو واقعی آپ ﷺ ہی کا فرمان صحیح نکلا۔[1]

کتب حدیث و سیرت میں مذکور ایسے ہی دوسرے واقعات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے علم کا منبع ''وحی الٰہی'' کے سوا کچھ نہ تھا، جو انبیاء ﷺ کے خصائص و ممیزات میں سے ہے۔ لہٰذا یہ بات معجزہ ہونے کی بنا پر آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کی صداقت و حقانیت کی عظیم الشان دلیل ہے۔

کتب سابقہ میں اپنی نبوت و رسالت کی خبر

سیدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''میرا نام اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اسی وقت خاتم النبیین کے طور پر لکھ دیا گیا تھا جبکہ آدم علیہ السلام ابھی گارے اور مٹی ہی میں معرضِ تخلیق (کے مرحلے) میں تھے۔ اور میں تمھیں اپنے معاملے کی ابتدا کے متعلق بتاؤں؟ میں ابراہیم علیہ السلام کی دعا، سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور اپنی والدہ کے اس خواب کی تعبیر ہوں جو انھوں نے میری پیدائش کے موقع پر دیکھا تھا، اس وقت ان کے سامنے ایسا نور نمودار ہوا تھا جس سے شام کے محلات جگمگا اٹھے تھے۔''[2]

رسول اللہ ﷺ کے متعلق سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کا تذکرہ قدیم کتب میں آیا ہے، جبکہ نبی کریم ﷺ کی والدہ ماجدہ کا خواب زمانہ ماضی کا واقعہ ہے۔ ان تمام امور سے آپ ﷺ کا مطلع ہونا

1 صحيح البخاري: 3635، صحيح مسلم: 1699، سنن أبي داود: 4446-4450. 2 مسند أحمد: 4/127، 128، صحيح ابن حبان، الموارد، ص: 512، شرح السنة للبغوي: 2093.

آپ کے معجزات میں سے ہے۔

سابق انبیاء علیہم السلام کے احوال و آثار کی خبریں

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو وحی کے ذریعے سے بہت سی ایسی خبریں اور واقعات بتائے جو آپ کو معلوم نہیں تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ﴾

''یہ غیب کی کچھ خبریں ہیں، جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔ اور آپ (اس وقت) ان (برادران یوسف) کے پاس نہیں تھے جب انھوں نے اپنی ایک بات پر اتفاق کیا تھا اور وہ مکر کر رہے تھے۔''[1]

﴿لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ﴾

''البتہ یقیناً ان کے بیان (واقعات) میں عقل والوں کے لیے عبرت ہے۔''[2]

نبی اکرم ﷺ کے پاس غیبی خبروں کے حصول وعلم کا جو طاقتور ذریعہ (وحی) تھا، اس کے ذریعے سے آپ ﷺ نے متعدد انبیاء علیہم السلام کے حالات و واقعات کی خبریں لوگوں کو سنائیں، بلکہ ان کے لباس، ان کی وضع قطع اور ان کے حلیے تک سے لوگوں کو آگاہ کیا۔ اس سلسلے کی چند احادیث درج ذیل ہیں:

سیدنا آدم علیہ السلام کی تخلیق کا بیان

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور ان کا قد ساٹھ ہاتھ کا بنایا تو فرمایا: جاؤ فرشتوں کی اس جماعت کو جا کر سلام کرو اور سنو کہ وہ تمھیں کیا جواب دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ ان کے پاس گئے اور کہا: السلام علیکم۔ فرشتوں نے کہا: وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ۔ اس طرح انھوں نے جواب میں و رحمۃ اللہ بڑھا دیا۔''[3]

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے حلیے کی خبر

سیدنا سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«أَتَانِي اللَّيْلَةَ آتِيَانِ، فَأَتَيْنَا عَلٰى رَجُلٍ طَوِيلٍ لَا أَكَادُ أَرٰى رَأْسَهُ طُولًا، وَإِنَّهُ إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ»

''گزشتہ رات میرے پاس دو آنے والے (فرشتے) آئے، پھر مجھے وہ ایک طویل القامت شخص کے پاس

1 یوسف 102:12۔ 2 یوسف 111:12۔ 3 صحیح البخاری: 3326

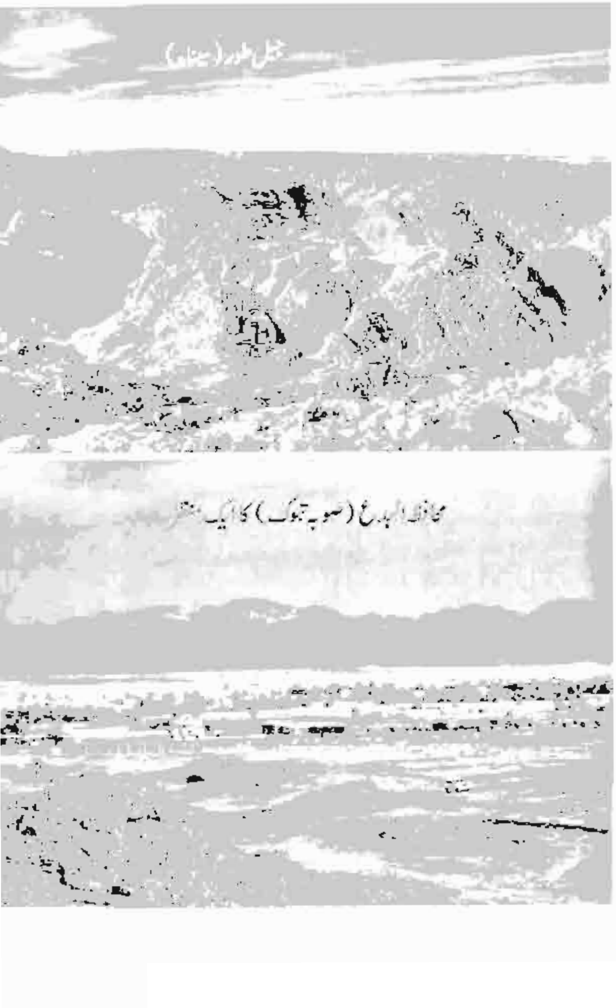
لے گئے جس کا سر درازئ قد کی وجہ سے نظر نہ آتا تھا، وہ ابراہیم جیسے تھے۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے حلیے کی خبر

فرمانِ الٰہی ہے:

وَمَا كُنتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ إِذْ قَضَيْنَا إِلَىٰ مُوسَى الْأَمْرَ وَمَا كُنتَ مِنَ الشَّاهِدِينَ ۝ وَلَٰكِنَّا أَنشَأْنَا قُرُونًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ وَمَا كُنتَ ثَاوِيًا فِي أَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا وَلَٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ ۝ وَمَا كُنتَ بِجَانِبِ الطُّورِ إِذْ نَادَيْنَا وَلَٰكِن رَّحْمَةً مِّن رَّبِّكَ لِتُنذِرَ قَوْمًا مَّا أَتَاهُم مِّن نَّذِيرٍ مِّن قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۝

"اور (اے نبی!) جب ہم نے موسیٰ کی طرف حکم بھیجا تو آپ (طور کی) مغربی جانب نہیں تھے، اور نہ آپ یہ واقعہ دیکھنے والوں میں تھے۔ اور لیکن ہم نے (موسیٰ کے بعد) کئی امتیں پیدا کیں، پھر ان پر طویل مدت گزر گئی، اور آپ اہلِ مدین میں نہیں رہتے تھے کہ انھیں ہماری آیات پڑھ کر سناتے لیکن ہم ہی (آپ کو رسول بنا کر) بھیجنے والے ہیں۔ اور جب ہم نے (موسیٰ کو) آواز دی تو آپ طور کی جانب نہیں تھے لیکن (یہ وحی تو) آپ کے رب کی طرف سے رحمت ہے، تاکہ آپ ان لوگوں کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔"[1]



جبلِ طور (سینا)

مغائرِ البدع (صوبہ تبوک) کا ایک منظر

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"موسیٰ (علیہ السلام) تو لمبے بالوں اور گندمی رنگ والے تھے، ان کا اونٹ سرخ رنگ کا تھا جس کے ناک میں

[1] القصص 28: 44-46.

تکیل تھی، گویا میں انھیں دیکھ رہا ہوں کہ وہ میدان میں اتر رہے ہیں۔" [1]

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا حلیہ

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جس رات مجھے معراج کے لیے لے جایا گیا، میں نے اس رات موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ مضبوط جسم اور پراگندہ بالوں والے شخص ہیں، جیسے وہ ازدشنوءہ (ایک عرب قبیلے) کے ایک فرد ہوں اور میں نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ کھلے بالوں والے، میانہ قد اور سرخ رنگت والے شخص ہیں، گویا کہ وہ ابھی غسل خانے سے نکلے ہوں۔" [2]

مختلف انبیاء علیہم السلام کے حالات زندگی

نبی اکرم ﷺ نے بہت سی ایسی چیزیں بھی بیان فرمائیں جنھیں اہل کتاب چھپاتے تھے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴾

"اے اہل کتاب! یقیناً تمھارے پاس ہمارا رسول آ گیا ہے، وہ تمھارے لیے اللہ کی کتاب کی بہت سی ایسی باتیں ظاہر کرتا ہے جنھیں تم چھپاتے تھے، اور بہت سی باتوں سے درگزر کرتا ہے۔ یقیناً تمھارے پاس اللہ کی طرف سے ایک روشنی اور واضح کرنے والی کتاب آ گئی ہے۔" [3]

علاوہ ازیں ہادی عالم ﷺ نے نہ صرف مختلف انبیاء علیہم السلام کے ناموں سے امت کو آگاہ کیا بلکہ ان کی زندگی سے تعلق رکھنے والے مختلف حالات و واقعات کی بھی وضاحت فرمائی۔ مثال کے طور پر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ظواہر کے خلاف تین باتیں۔ [4] سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے مکہ مکرمہ آنے اور ان کے پاس سے چشمۂ صافی (آب زمزم) کے رواں ہونے کا قصہ۔ [5] سیدنا ایوب علیہ السلام کے برہنہ ہو کر غسل کرنے کا قصہ۔ [6] سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا خضر علیہ السلام کے قرآن میں مذکور واقعے کی بعض تفصیلات۔ [7] سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے برہنہ ہو کر غسل کرنے کا قصہ۔ [8] اور اس طرح کے دیگر بیسیوں واقعات کا تذکرہ اس طرح کیا ہے کہ یہ سب کچھ چشم دید لگتا ہے۔

[1] صحیح البخاری: 3355. [2] صحیح البخاری: 3394. [3] المآئدۃ 5:15. [4] صحیح البخاری: 3358. [5] صحیح البخاری: 3363-3365. [6] صحیح البخاری: 3391. [7] صحیح البخاری: 3400، 3401. [8] صحیح البخاری: 3407

سریۂ موتہ کے حالات و واقعات کی اطلاع

ہادیِ عالم ﷺ نے جس طرح اُمّی ہونے کے باوجود گزشتہ زمانوں کے حالات کی امت کو خبر دی، اسی طرح آپ ﷺ نے مختلف موقعوں پر اپنے دور میں پیش آنے والے واقعات کی تفصیلات سے بھی لوگوں کو مطلع فرمایا اور یہ سب کچھ ظاہری رسل رسائل یا خبریں معلوم کرنے کے ذرائع اختیار کیے بغیر کیا، چنانچہ متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ آپ ﷺ کو دور دراز کی خبریں وحی الٰہی کے ذریعے معلوم ہو جاتی تھیں۔

مثال کے طور پر غزوۂ موتہ کے موقع پر آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مسجد نبوی میں جمع کیا اور فرمایا:

«أَخَذَ الرَّايَةَ زَيْدٌ فَأُصِيبَ، ثُمَّ أَخَذَ جَعْفَرٌ فَأُصِيبَ، ثُمَّ أَخَذَ ابْنُ رَوَاحَةَ فَأُصِيبَ - وَعَيْنَاهُ تَذْرِفَانِ - حَتّٰى أَخَذَ الرَّايَةَ سَيْفٌ مِّنْ سُيُوفِ اللّٰهِ حَتّٰى فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ»

''زید نے پرچم کو تھاما اور وہ شہید ہو گئے ہیں، پھر اسے جعفر نے تھام لیا ہے، وہ بھی شہید ہو گئے ہیں، پھر اسے ابن رواحہ نے تھام لیا ہے اور وہ بھی جام شہادت نوش کر گئے ہیں۔ یہ بات بیان کرتے ہوئے آپ کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ اب پرچم اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے لے لیا ہے حتی کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح و نصرت سے سرفراز فرما دیا ہے۔''[1]

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منبر پر جلوہ افروز ہو کر ان شہداء کی شہادت کی اطلاع دیتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ انھیں یہ بات پسند نہیں تھی کہ شہادت سے سرفراز ہونے کے بجائے وہ ہمارے پاس ہوتے۔[2]

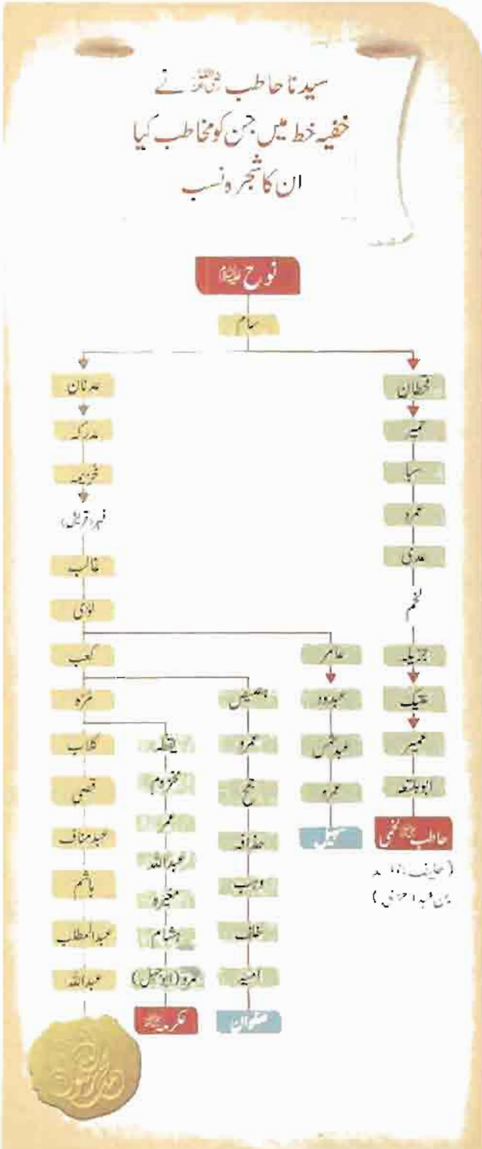
اس میں یہ صراحت بھی ہے کہ آپ ﷺ نے یہ اطلاع پہلے ہی دی تھی جبکہ میدان کارزار سے آنے والا قاصد ابھی مدینہ منورہ بھی نہیں پہنچا تھا۔[3]

دیمک بائیکاٹ کی دستاویز ہڑپ کر گئی

شعب ابی طالب میں محصوری کے زمانے میں رسول اللہ ﷺ نے بڑی اذیتیں جھیلیں۔ پتے کھا کھا کر گزارا کیا، بچے بھوک سے بلک بلک کر روتے تھے اور سنگدل قریش بچوں کی آہ و بکا سن کر خوش ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا اور معاشی و سماجی بائیکاٹ کی اس ظالمانہ دستاویز پر دیمک کو مسلط کر دیا۔ دیمک ظلم اور قطع رحمی پر مبنی یہ ساری دستاویز چاٹ گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو اس صورتحال سے بذریعہ وحی آگاہ کر دیا۔ آپ ﷺ نے یہ اطلاع ابوطالب

1 صحیح البخاري: 4262، 2 صحیح البخاري: 3063,2798، 3 دیکھیے: صحیح البخاري: 2346

کو دی تو انھوں نے کفارِ قریش کو اس سے آگاہ کیا۔[1]



حاطب رضی اللہ عنہ کا خفیہ خط

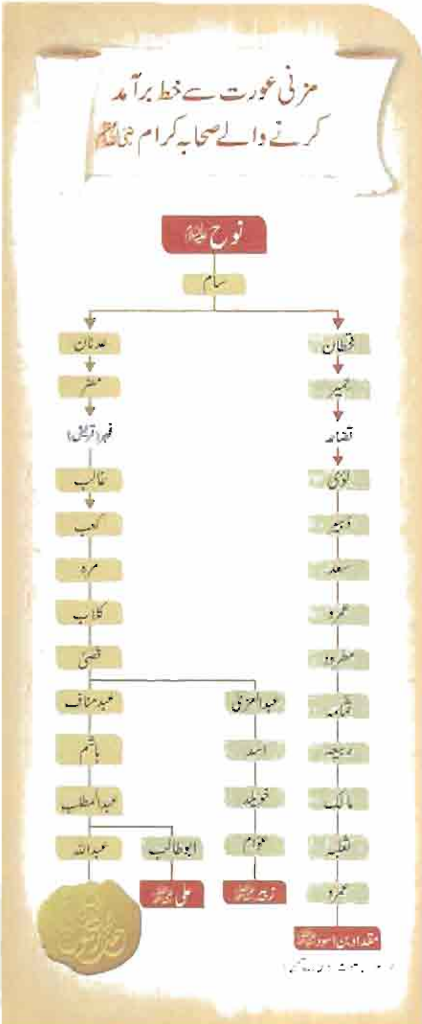
جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش پر حملے کا پختہ ارادہ کر لیا اور مدینہ میں لوگوں کو یہ بات بتا دی، نیز صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو پوری طرح تیار ہو جانے کا حکم دے دیا تو حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے قریشیوں کو لکھ بھیجا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔

حاطب رضی اللہ عنہ نے یہ خط صفوان بن امیہ، سہیل بن عمرو اور عکرمہ بن ابوجہل کے نام لکھا اور ایک مزنی عورت کو دے دیا۔ انھوں نے اس عورت سے کہا کہ اگر تم یہ خط قریش تک پہنچا دو گی تو تمھیں اس کا بہت اچھا معاوضہ دیا جائے گا۔ انھوں نے اس عورت کو تاکید کر دی کہ اس خط کی کسی کو خبر نہ ہونے دے اور عام راستے سے نہ جائے، کیونکہ اس راستے کی نگرانی ہو رہی ہے۔ چنانچہ وہ عورت خط لے کر مدینہ سے روانہ ہوئی اور ایسے راستے پر چل پڑی جو شاہراہ عام نہیں تھی۔[2]

خط کی برآمدگی

اُدھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعۂ وحی حاطب رضی اللہ عنہ کے خط کی خبر مل گئی۔ آپ نے فوراً علی، زبیر اور مقداد رضی اللہ عنہم کو روانہ کیا اور انھیں تاکید فرمائی کہ اس مزنی عورت تک جلد پہنچ جاؤ جسے حاطب نے اہل مکہ کے نام خط دے کر بھیجا ہے۔ یہ حضرات فوراً روانہ ہو گئے۔ اور انھوں نے اس عورت کو ''خُلیقہ'' نامی ایک مقام پر جا لیا۔ انھوں نے اسے سواری سے اتارا، سامان کی تلاشی لی تو اس کے پاس سے کوئی خط نہ ملا۔ انھوں نے اس عورت سے کہا: ہم اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز جھوٹ نہیں بول

[1] تفصیلات کے لیے دیکھیے، سیرت انسائیکلوپیڈیا 3/408-410۔ [2] سبل الہدٰی والرشاد 5/209



سکتے اور ہم بھی غلط بیانی نہیں کر رہے۔ تم فوراً وہ خط نکالو جو تمھارے پاس موجود ہے، ورنہ ہم تمھارے کپڑے اُتروانے پر مجبور ہوں گے۔ اس عورت نے جب ان دونوں کا اصرار دیکھا تو کہنے لگی: تم دونوں مجھ سے دور ہٹ جاؤ۔ وہ دونوں ایک طرف ہو گئے تو اس نے اپنا جوڑا کھول کر خط نکالا اور اُن کے حوالے کر دیا۔ دونوں یہ خط لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس آ گئے۔[1]

عمیر بن وہب اور صفوان بن امیہ کی سازش سے آگاہی

عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بدر میں شکست کھانے کے بعد عمیر بن وہب جُمَحی حطیم میں صفوان بن امیہ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ عمیر مکہ کے ان بڑے شرپسند عناصر میں سے تھا جنھوں نے نبی ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اذیت پہنچانے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی تھی۔ اب عمیر بن وہب کا بیٹا وہب بن عمیر بدر کے قیدیوں میں شامل تھا۔ اسے بنو زریق کے ایک فرد رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ نے قید کیا تھا۔

صفوان بن امیہ اور عمیر بن وہب کے مابین بدر کے دن کنوئیں میں ڈالے گئے مقتولین کفار اور دیگر نقصانات کا تذکرہ چل نکلا۔ صفوان نے کہا: اللہ کی قسم! ان سرداروں کے بعد زندگی میں کوئی لطف باقی نہیں رہا۔ عمیر نے کہا: سچ کہتے ہو۔ اللہ کی قسم! اگر مجھ پر ان قرضوں کا بوجھ نہ ہو جنھیں ادا کرنے کے لیے میرے پاس کچھ نہیں اور ان بچوں کی فکر بھی نہ ہو جن کا مجھے اپنے بعد ضائع ہو جانے کا خدشہ ہے تو میں ابھی سفر کروں اور (أعوذ باللہ) محمد (ﷺ) کو قتل کر دوں کیونکہ وہاں جانے کے لیے میرے پاس یہ بہانہ بھی موجود ہے کہ وہاں میرا بیٹا قید ہے۔

صفوان جس کے سینے میں آتشِ انتقام کے شعلے بھڑک رہے تھے، اپنے باپ، بھائی اور چچا کی بدر میں ہلاکت کی وجہ سے اس کی نیند حرام ہو گئی تھی۔ اس نے موقع غنیمت جانا اور فوراً کہا: تیرا قرض میرے ذمے رہا۔ رہے تیرے

1 تفصیلات کے لیے دیکھیے، سیرت انسائیکلوپیڈیا 9/115، 177۔

بچے تو میں زندگی بھر ان کی کفالت کروں گا۔ جو چیز بھی مجھے میسر ہوگی، وہ اس سے کبھی محروم نہیں رہیں گے۔ عمیر نے کہا: اچھا! تو پھر یہ معاملہ راز میں رکھو۔ صفوان نے جواب دیا: بالکل ٹھیک ہے۔ میں ایسا ہی کروں گا۔

عروہ بن بیان کرتے ہیں: پھر عمیر نے اپنی تلوار تیز کر کے زہر آلود کی اور مدینہ کی طرف چل دیا۔ جب وہ مدینہ پہنچا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ اس مجلس میں بدر کے دن اللہ تعالیٰ کی کرم فرمائیوں اور دشمنوں کی شکست و ذلت کا تذکرہ چل رہا تھا۔ اچانک عمر رضی اللہ عنہ کی نگاہ عمیر بن وہب پر پڑی۔ اس نے اپنے گلے میں ننگی تلوار لٹکا رکھی تھی۔ اس نے مسجد کے اندرونی دروازے پر اپنی سواری بٹھا دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بولے: اللہ کی قسم! اللہ کا یہ دشمن ضرور کسی برے ارادے سے آیا ہے۔ یہی شخص تھا جس نے بدر کے موقع پر دشمن کو ہماری تعداد کم بتا کر انھیں ہمارے خلاف بھڑکا دیا تھا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے نبی! اللہ کا دشمن عمیر بن وہب تلوار سونت کر آیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے میرے پاس لے آؤ۔'' انھوں نے واپس آ کر اُسے اس کی گردن میں لٹکی ہوئی تلوار کے پرتلے سے پکڑ کر کھینچا اور وہاں موجود انصاریوں سے کہا: تم سب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں چلو اور وہیں بیٹھے رہو۔ اس خبیث آدمی سے محتاط رہنا مبادا یہ آپ ﷺ کو کوئی نقصان پہنچائے کیونکہ اس کا کوئی اعتبار نہیں، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسے پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گئے۔

جب رسول اللہ ﷺ نے عمیر کو اس حالت میں دیکھا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے اسے گردن میں لٹکی ہوئی تلوار کے پرتلے سے پکڑ رکھا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: «أَرْسِلْهُ يَا عُمَرُ!» ''عمر! اسے چھوڑ دو۔'' اور عمیر سے فرمایا: «اُدْنُ يَا عُمَيْرُ!» ''عمیر! قریب آجاؤ۔'' عمیر نے آپ ﷺ کے قریب ہوتے ہوئے کہا: صبح بخیر! یہ اہل جاہلیت کا آپس میں سلام (دعا کا کلمہ) تھا۔ آپ ﷺ نے جواباً فرمایا:

«أَكْرَمَنَا اللّٰهُ بِتَحِيَّةٍ خَيْرٍ مِنْ تَحِيَّتِكَ يَا عُمَيْرُ، بِالسَّلَامِ، تَحِيَّةِ أَهْلِ الْجَنَّةِ»

''اے عمیر! اللہ تعالیٰ نے ہمیں تمھارے سلام سے بہتر سلام السلام (علیکم) سے نوازا ہے۔ یہ اہل جنت کا سلام ہے۔''

عمیر نے کہا: اے محمد! اللہ کی قسم! مجھے اس سلام کا پتہ نہیں تھا۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: «فَمَا جَاءَ بِكَ يَا عُمَيْرُ؟» ''عمیر! تم کس نیت سے آئے ہو؟''

اس نے کہا: آپ کے پاس ایک قیدی ہے، اس کے لیے حاضر ہوا ہوں، اس پر احسان فرمائیے۔ آپ ﷺ نے

فرمایا: «فَمَا بَالُ السَّيْفِ فِي عُنُقِكَ؟» ”تمھارے گلے میں یہ تلوار کس مقصد کے لیے لٹک رہی ہے؟“ اس نے جواب دیا: اللہ اس کا ستیاناس کرے، ان تلواروں نے ہمیں کیا دیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: «اُصْدُقْنِي، مَا الَّذِي جِئْتَ لَهُ؟» ”مجھے سچ سچ بتا دو تم کس غرض سے آئے ہو؟“

اس نے کہا: صرف اپنے قیدی کو چھڑانے آیا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«بَلْ قَعَدْتَ أَنْتَ وَصَفْوَانُ بْنُ أُمَيَّةَ فِي الْحِجْرِ، فَذَكَرْتُمَا أَصْحَابَ الْقَلِيبِ مِنْ قُرَيْشٍ، ثُمَّ قُلْتَ: لَوْلَا دَيْنٌ عَلَيَّ، وَعِيَالٌ عِنْدِي، لَخَرَجْتُ حَتّٰى أَقْتُلَ مُحَمَّدًا، فَتَحَمَّلَ لَكَ صَفْوَانُ بْنُ أُمَيَّةَ بِدَيْنِكَ وَعِيَالِكَ، عَلٰى أَنْ تَقْتُلَنِي لَهُ، وَاللّٰهُ حَائِلٌ بَيْنَكَ وَبَيْنَ ذٰلِكَ»

”وہ کیا معاملہ ہے جب تم اور صفوان بن امیہ حطیم میں اکٹھے بیٹھے تھے اور کنویں میں پھینکے جانے والوں کا تذکرہ کر رہے تھے، پھر تم نے کہا: مجھ پر اگر قرض اور بچوں کا بوجھ نہ ہو تو میں محمد (ﷺ) کو لازماً قتل کر آؤں گا، چنانچہ صفوان نے تمھیں میرے قتل کے بدلے تمھارے قرض چکانے اور بچوں کی کفالت کی ضمانت دی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے تمھارے اور تمھارے اس منصوبے کے بیچ رکاوٹ ڈال دی ہے۔“



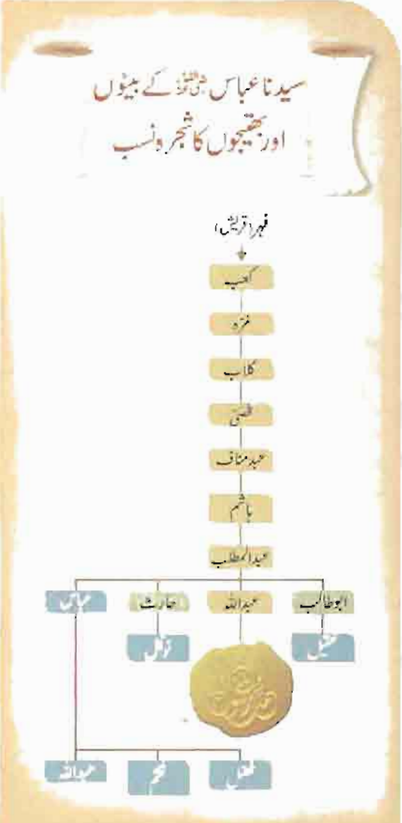
عمیر رضی اللہ عنہ نے بے ساختہ کہا: میں اس حقیقت کی گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اے اللہ کے رسول! آپ ہمارے پاس آسمانی خبریں لاتے رہے، ہم ان کا انکار کرتے رہے۔ ہم وحی کے بھی منکر تھے مگر اس مشورے میں جو میرے اور صفوان کے مابین ہوا، وہ صرف ہم دونوں تک ہی محدود تھا۔ وہاں ہم دونوں کے علاوہ اور کوئی موجود نہیں تھا۔ اللہ کی قسم! مجھے پورا یقین ہے کہ آپ کو یہ خبر صرف اللہ تعالیٰ ہی نے دی ہے۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جس نے مجھے اسلام کی ہدایت عطا کی اور مجھے آپ کی خدمت میں پہنچا دیا، پھر انھوں نے کلمۂ شہادت پڑھ کر حق کی گواہی دے دی۔[1]

دشمنوں کی سازشوں کی اطلاع

سیرتِ طیبہ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ درج بالا واقعے کے علاوہ بھی دشمنانِ اسلام نے رسول اللہ ﷺ کو

1 تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا 5/526-529۔

قتل کرنے کی کئی مرتبہ سازشیں کیں، لیکن ہر مرتبہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بروقت مطلع کر کے دشمنوں کے وار سے محفوظ رکھا، مثال کے طور پر شب ہجرت آپ ﷺ کا دشمنوں کی سازش سے مطلع ہو کر اپنے گھر سے بخیریت نکل آنا، قبیلہ بنو قریظہ کی طرف سے آپ ﷺ پر پتھر گرانے اور خیبر کی زینب نامی یہود یہ عورت کا آپ ﷺ کو زہر دے کر ہلاک کرنے کی سازش سے آپ ﷺ کا بروقت مطلع ہونا اس کی نمایاں مثالیں ہیں۔ کتب حدیث و سیرت میں اس نوع کے اور بھی بہت سے واقعات مروی ہیں۔ [1]



سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے دفینے کی نشاندہی

قریش نے اپنے قیدیوں کا فدیہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیج دیا۔ ہر قیدی کا فدیہ اس کی حیثیت کے مطابق تھا۔

جب سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی باری آئی تو انصار نے رسول اللہ ﷺ سے گزارش کی: اے اللہ کے رسول! اگر آپ کی اجازت ہو تو ہم اپنے بھانجے عباس (کیونکہ ان کی دادی بنونجار سے تھیں جو قبیلہ خزرج کی شاخ ہے) کا فدیہ معاف کر دیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! ان کو ایک درہم بھی معاف نہ کرنا۔'' [2]

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اللہ کے رسول! میں تو پہلے ہی مسلمان تھا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«اَللّٰهُ أَعْلَمُ بِإِسْلَامِكَ، فَإِنْ يَكُنْ كَمَا تَقُولُ، فَإِنَّ اللّٰهَ يَجْزِيكَ بِذٰلِكَ، وَأَمَّا ظَاهِرُ أَمْرِكَ فَقَدْ كَانَ عَلَيْنَا، فَافْدِ نَفْسَكَ وَابْنَيْ أَخَوَيْكَ عَقِيلَ بْنَ أَبِي طَالِبٍ وَنَوْفَلَ بْنَ الْحَارِثِ وَحَلِيفَكَ عُتْبَةَ بْنَ عَمْرِو بْنِ جَحْدَمٍ فَإِنَّكَ ذُو مَالٍ»

''اللہ تعالیٰ آپ کے اسلام کو خوب جانتا ہے۔ اگر بات اسی طرح ہے جیسا کہ آپ کہہ رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا بدلہ عطا فرمائے گا۔ رہا آپ کا ظاہر تو وہ ہمارے خلاف تھا، لہٰذا آپ اپنا، اپنے دونوں بھتیجوں عقیل بن ابوطالب، نوفل بن حارث اور اپنے حلیف عتبہ بن عمرو بن جحدم کا فدیہ ادا کریں کیونکہ آپ مال دار آدمی ہیں۔''

[1] مسند أحمد: 6/9، السيرة لابن هشام: 2/648,649، سبل الهدى والرشاد: 4/69. [2] صحيح البخاري: 4018.

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''اللہ کے رسول! میرے پاس تو مال نہیں ہے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا:

«فَأَیْنَ الْمَالُ الَّذِي وَضَعْتَهُ بِمَكَّةَ؟ حَیْثُ خَرَجْتَ عِنْدَ أُمِّ الْفَضْلِ، وَلَیْسَ مَعَكُمَا أَحَدٌ غَیْرُكُمَا فَقُلْتَ: إِنْ أُصِبْتُ فِي سَفَرِي هٰذَا فَلِلْفَضْلِ كَذَا وَلِقُثَمَ كَذَا وَلِعَبْدِ اللّٰهِ كَذَا»

''آپ کا وہ مال کہاں ہے جو آپ آتے آتے مکہ میں ام الفضل کے پاس رکھ آئے تھے؟ اس وقت صرف آپ دونوں افراد ہی تھے، آپ کے پاس اور کوئی شخص موجود نہیں تھا۔ اس وقت آپ نے یہ بھی کہا تھا: اگر میں اس سفر میں کام آ جاؤں تو فضل کے لیے اتنا (مال) ہے، قثم کے لیے اتنا اور عبداللہ کے لیے اتنا مال ہے۔''

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! میں خوب جانتا ہوں آپ اللہ کے رسول ہیں کیونکہ اس دفینے کا میرے اور ام فضل کے سوا کسی اور کو مطلق علم نہیں تھا۔ میرے پاس جو 20 اوقیہ مال تھا، وہ آپ کو مل چکا ہے۔ آپ اس میں سے زرِ فدیہ رکھ لیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ تو وہ مال ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمھاری طرف سے ہمیں عطا کیا ہے۔''[1]

کنانہ اور ربیع کا مخفی خزانہ

کنانہ اور ربیع دونوں بھائی تھے، غزوۂ خیبر کے موقع پر رسالت مآب ﷺ نے ان سے پوچھا کہ ''تمھارے وہ زیورات اور برتن کہاں ہیں جو تم مکہ والوں کو مستعار دیا کرتے تھے؟'' یاد رہے مکہ کے سرداروں کے ہاں جب بھی کوئی شادی یا کوئی اور تقریب ہوتی تو وہ یہودیوں سے زیورات وغیرہ مستعار منگوا لیتے تھے، اور ضرورت پوری ہونے کے بعد واپس کر دیتے تھے۔ اس خدمت کے لیے یہودی ان سے ان کا کرایہ وصول کرتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے جب ان دونوں بھائیوں سے ان زیورات اور برتنوں کے بارے میں دریافت فرمایا تو انھوں نے جواب دیا کہ یہ سب چیزیں جنگی اخراجات میں ختم ہو گئی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ تو بہت قریبی زمانے کی بات ہے۔ تمھارا مال و زر بہت زیادہ تھا، اتنی جلدی کیسے ختم ہو سکتا ہے؟ اگر تم نے مجھ سے کوئی بات چھپائی اور مجھے اس کی اطلاع مل گئی تو میں تم دونوں اور تمھارے بیوی بچوں کو قتل کرنے کا حکم جاری کر دوں گا۔

انھوں نے جواب دیا: بالکل ٹھیک ہے۔ دراصل انھیں اس بات کا یقین نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو بذریعہ وحی مطلع فرما دے گا، اس لیے انھوں نے جھوٹ بولا اور کہا کہ اگر ہماری بات غلط ثابت ہو تو بے شک آپ ہمیں قتل کرا دیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پیغمبر ﷺ کو اس جگہ کے بارے میں بتا دیا جہاں یہودیوں نے یہ خزانہ

[1] تفصیلات کے لیے دیکھیے سیرت انسائیکلوپیڈیا: 5/510-513۔

چھپا رکھا تھا۔ آپ نے ایک انصاری صحابی کو حکم دیا کہ تم فلاں جگہ جاؤ، وہاں ایک باغ ہے، اس میں اپنے دائیں ہاتھ اور دوسرے قول کے مطابق بائیں ہاتھ ایک درخت کے نیچے خزانہ چھپا ہوا ہے، وہ خزانہ نکالو اور میرے پاس لے آؤ۔ وہ انصاری آپ ﷺ کے حکم کے مطابق وہاں پہنچے۔ انھوں نے خزانہ نکالا اور لاکر آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ چنانچہ کنانہ اور ربیع دونوں اپنے جھوٹ کی پاداش میں قتل کر دیے گئے۔

یاد رہے کہ اس بارے میں مختلف روایتیں ہیں۔ ایک کے مطابق اس مدفون خزانے کی جگہ کی نشان دہی سعید نامی یہودی نے کی تھی، دوسری روایت کے مطابق اس کی نشان دہی بذریعہ وحی الٰہی کی گئی تھی اور ایک تیسری روایت کے مطابق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ خزانہ ایک خرابے سے تلاش کیا تھا۔ ان روایات میں تطبیق اس طرح دی جا سکتی ہے کہ پہلے تو اس مدفون خزانے کو تلاش کرنے کی خود ہی کوشش کی گئی، ابھی یہ خزانہ ملا نہیں تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو بذریعہ وحی الٰہی اس کی خبر دے دی گئی اور پھر اسے نکال کر آپ کی خدمت میں پیش کر دیا گیا۔

یہ خزانہ سونے کے کنگنوں، بازو بندوں، پازیبوں، گلوبندوں اور بالیوں کے علاوہ زمرد اور دیگر جواہر پاروں پر مشتمل تھا۔ اس خزانے کی قیمت کا اندازہ دس ہزار دینار لگایا گیا تھا۔

ابوسفیان بن حرب کا قصہ

ابوسفیان کے ساتھ بھی اسی قسم کا واقعہ پیش آیا۔ وہ فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھا۔ آپ ﷺ نے طواف کے دوران میں اس سے فرمایا کہ ''تم نے اور تمھاری بیوی ہند نے یہ یہ باتیں کی ہیں۔''

ابوسفیان نے دل ہی دل میں سوچا کہ شاید ہند نے یہ راز فاش کیا ہے۔ ذرا اس سے مل لوں تو اچھی طرح خبر لوں گا۔ رسول اللہ ﷺ طواف سے فارغ ہو گئے تو ابوسفیان کے قریب آ گئے اور فرمایا: ''ہند پر کوئی زیادتی نہ کرنا، کیونکہ اس نے تمھارا کوئی راز فاش نہیں کیا۔'' یہ سنتے ہی ابوسفیان بے اختیار پکار اٹھا: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں ورنہ میرے دل کا بھید کون جان سکتا تھا۔ [1]

دشمن کے ناپاک ارادے میں ناکامی کی خبر

ابوسفیان نے اہلِ قریش سے کہا: کیا تم میں سے کوئی ایسا شخص ہے جو رسول کریم ﷺ کو اچانک بے خبری میں قتل کر دے؟ ایک بدو اٹھ کھڑا ہوا۔ کہنے لگا: میرا دل بڑا مضبوط ہے۔ میں بہت تیز دوڑتا ہوں اور میری گرفت بڑی سخت ہے۔ اگر تم مجھے ضروری ساز و سامان دو، میں محمد کی طرف جاؤں گا اور ان پر حملہ کر کے بھاگ جاؤں گا اور کسی

[1] الوفاء لابن الجوزی: 314/1

قافلے میں گھس جاؤں گا۔ ابوسفیان خوش ہو کر بولا: ارے واہ! تم ہی تو ہمارے کام کے آدمی ہو۔ ابوسفیان نے اُسے ایک اونٹ اور زادِ راہ دیا۔ یہ شخص حرہ کے علاقے میں پہنچ گیا اور لوگوں سے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں پوچھنے لگا۔ کسی نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ بنو عبدالاشہل کی مسجد میں تشریف فرما ہیں۔ یہ شخص مسجد پہنچا تو رسول اللہ ﷺ نے اسے دیکھتے ہی فرمایا: ''یہ شخص مجھے دھوکا دینا چاہتا ہے لیکن اللہ اسے نامراد رکھے گا۔'' اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے اسے دبوچ لیا تو معاً اس کا خنجر نیچے گر پڑا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے باز پرس فرمائی تو اس نے اعتراف کر لیا کہ مجھے ابوسفیان نے آپ ﷺ کو قتل کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ آپ ﷺ نے اُسے اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ ہی کی قید میں دے دیا۔ اگلے دن آپ ﷺ نے اس بدو سے فرمایا: ''میں نے تمھیں معاف کر دیا ہے جہاں چاہو چلے جاؤ۔ لیکن ایک بات اس سے بھی بہتر ہے۔'' اُس نے پوچھا: وہ کیا بات ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔''[1]

گمشدہ اونٹنی کی جگہ سے آگاہ کر دیا

رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی قصواء لاپتہ ہو گئی۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اسے تلاش کرنے لگے۔ زید بن لصیت منافق نے صحابۂ کرام کی نقل و حرکت دیکھی تو باتیں بنانے لگا۔ کہنے لگا کہ محمد تو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ میرے پاس آسمان سے خبریں آتی ہیں لیکن انھیں خود اپنی اونٹنی کی بھی خبر نہیں کہ وہ کہاں ہے۔ آخر اللہ تعالیٰ انھیں بتا کیوں نہیں دیتا کہ ان کی اونٹنی فلاں جگہ موجود ہے؟ یہ بات رسول کریم ﷺ تک پہنچ گئی اور آپ کو اللہ رب العزت نے اطلاع دے دی کہ اونٹنی فلاں جگہ ہے۔ چنانچہ آپ نے صحابہ کو اونٹنی کی جگہ سے آگاہ کر دیا۔ اس پر زید بن لصیت کو بہت رسوائی اٹھانی پڑی۔[2]

کسریٰ کی ہلاکت کی خبر

رسول اللہ ﷺ نے شاہِ فارس کسریٰ کے نام دعوتی خط ارسال فرمایا تو اس نے آپ ﷺ کا مکتوب مبارک پھاڑ ڈالا اور اسی پر بس نہیں کیا بلکہ اپنے یمن کے گورنر باذان کو لکھا: یہ حجاز میں جو شخص ہے، اس کے پاس اپنے دو مضبوط اور طاقتور آدمی بھیجو، وہ اسے گرفتار کر کے لائیں اور میرے حوالے کریں۔ باذان نے حکم کی تعمیل کی، دو مضبوط آدمی منتخب کیے۔ ان میں سے ایک کا نام بابَوَیہ تھا۔ یہ اس کا سیکرٹری اور اکاؤنٹنٹ تھا۔ دوسرے کا نام خرخرہ تھا۔ یہ ایرانی تھا۔ اس نے انھیں ایک خط دے کر رسول اللہ ﷺ کی طرف روانہ کیا۔ اس خط میں آپ ﷺ کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ

1 تفصیلات کے لیے دیکھیے، سیرت انسائیکلو پیڈیا: 7/515، 516۔ 2 تفصیلات کے لیے دیکھیے، سیرت انسائیکلو پیڈیا: 7/193-195۔

ان دونوں کے ساتھ کسریٰ کے پاس حاضر ہو جائیں۔ باذان نے بابویہ سے کہا: اس آدمی کے شہر میں جاؤ، اس سے بات چیت کرو اور واپس آ کر مجھے اس کے حالات سے آگاہ کرو۔

یہ دونوں شخص نکل پڑے۔ طائف جا پہنچے۔ وہاں انھیں قریش کے کچھ لوگ مل گئے۔ ان دونوں نے ان سے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ وہ مدینہ میں ہیں۔ طائف اور قریش کے لوگ ان دونوں کی آمد پر بہت خوش ہوئے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے: خوش ہو جاؤ! بادشاہوں کے بادشاہ کسریٰ نے ان (محمد ﷺ) سے دشمنی مول لی ہے۔ تم اس آدمی سے بچا لیے گئے ہو... پھر یہ دونوں آدمی طائف سے چل دیے۔ جب وہ مدینہ پہنچے اور نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو بابویہ نے کہا: ''شہنشاہ کسریٰ نے شاہ باذان کو ایک مکتوب کے ذریعے حکم دیا ہے کہ وہ آپ کے پاس آدمی بھیج کر آپ کو کسریٰ کے روبرو حاضر کرے۔ باذان نے اس کام کے لیے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے کہ آپ میرے ساتھ چلیں۔ اب اگر آپ کسریٰ کے پاس چلتے ہیں تو باذان آپ کے بارے میں شہنشاہ کسریٰ کو لکھ بھیجے گا کہ وہ آپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے اور آپ ﷺ کو کوئی تکلیف نہ پہنچائے۔ اگر آپ نے وہاں حاضر ہونے سے انکار کر دیا تو آپ اسے جانتے ہی ہیں، وہ آپ کو اور آپ کی قوم کو ہلاک اور آپ کے شہر کو تباہ کر دے گا۔''

رسول اللہ ﷺ نے خاموشی سے یہ باتیں سنیں۔ ان کی دھمکی کو کوئی اہمیت نہ دی۔ آپ ﷺ نے ان دونوں پر نظر ڈالی تو دیکھا کہ ان کی ڈاڑھی مُنڈی ہوئی ہے اور انھوں نے بڑی بڑی مونچھیں رکھی ہوئی ہیں۔ آپ ﷺ نے ان کی طرف دیکھنا پسند نہیں کیا اور ان سے دریافت فرمایا: ''ويحكما، من أمركما بهذا؟'' ''تمھاری ہلاکت ہو! تمھیں داڑھی مونڈنے کا کس نے حکم دیا ہے؟''

انھوں نے کہا: ہمیں ہمارے رب (کسریٰ) نے اس عمل کا حکم دیا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

''لكن ربي قد أمرني بإعفاء لحيتي وقص شاربي''

''لیکن میرے رب نے مجھے داڑھی کو معاف کرنے اور مونچھیں کاٹنے کا حکم دیا ہے۔''

اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: ''ارجعا حتى تأتياني غدا'' ''فی الحال تم جاؤ۔ کل میرے پاس آ جانا۔''[1]

طبقات ابن سعد میں ہے کہ اگلے دن جب یہ دونوں افراد نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے باذان کا خط آپ ﷺ کے حوالے کیا تو آپ ﷺ نے تبسم فرمایا اور ان دونوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔

[1] تاريخ الطبري: 297,296/2، البداية والنهاية: 269,268/4

یہ دونوں نبی ﷺ کے رعب سے گھبرائے ہوئے تھے اور ان کا بدن تھر تھر کانپ رہا تھا۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: «ارجعا عني يومكما هذا حتى تأتياني الغد فأخبركما بما أريد» "آج تو تم واپس چلے جاؤ۔ کل میرے پاس آنا، پھر میں تمھیں بتاؤں گا کہ میرا کیا ارادہ ہے۔"

ادھر ٹھیک اسی وقت جبکہ مدینہ میں یہ کارروائی ہو رہی تھی، خود خسرو پرویز کے گھرانے میں اس کے خلاف بغاوت کا شعلہ بھڑک رہا تھا۔ قیصر کی فوج کے ہاتھوں فارس کی فوجوں کی پے در پے شکست کے بعد اب کسریٰ کا بیٹا شیرویہ اپنے باپ کو قتل کر کے خود بادشاہ بن بیٹھا تھا۔ یہ منگل کی رات 10 جمادی الاولیٰ 7 ھ کا واقعہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو اس واقعے کا علم وحی کے ذریعے ہو گیا، چنانچہ اگلے روز جب یہ دونوں افراد رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ نے انھیں یہ خبر سناتے ہوئے فرمایا:

«أبلغا صاحبكما أن ربي قد قتل ربه كسرى في هذه الليلة لسبع ساعات مضت منها، وأن الله تبارك وتعالى سلط عليه ابنه شيرويه فقتله»

"اپنے گورنر کو جا کر بتا دو کہ اس رات کے پچھلے پہر میرے رب نے اس کے رب کسریٰ کو قتل کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر اسی کے بیٹے شیرویہ کو مسلط کر دیا ہے اور اس نے اسے ہلاک کر ڈالا ہے۔"[1]

یہ سن کر وہ دونوں کہنے لگے: آپ جانتے ہیں کہ آپ کتنی بڑی بات کہہ رہے ہیں؟ ہم نے تو آپ کی اس سے کہیں کم تر اور معمولی بات کو بھی قابل اعتراض سمجھا ہے۔ کیا ہم آپ کی طرف سے یہ بات لکھ دیں اور گورنر باذان کو بتا دیں! نبی ﷺ نے فرمایا:

«نعم، أخبراه ذلك عني، وقولا له: إن ديني وسلطاني سيبلغ ما بلغ كسرى وينتهي إلى منتهى الخف والحافر، وقولا له: إنك إن أسلمت أعطيتك ما تحت يديك وملكتك على قومك من الأبناء»

"ہاں، اسے میری بات کی اطلاع دے دو، بلکہ اس سے بھی بڑی بات کہو کہ میرا دین اور میری سلطنت وہاں پہنچے گی جہاں کسریٰ کی حکومت پہنچی ہے بلکہ اس سے بھی آگے وہاں تک چلی جائے گی جہاں تک گھوڑے اور اونٹ پہنچ سکتے ہیں۔ اس سے کہہ دینا: اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو جو علاقے تمھارے زیر انتظام ہیں، وہ تمھی کو دے دوں گا اور تمھیں تمھاری قوم ابنائے فارس کا بادشاہ بنا دوں گا۔"

[1] الطبقات الکبریٰ لابن سعد: 260/1

رسول اللہ ﷺ نے خرخرہ کو سونے چاندی سے مزین پیٹی عطا فرمائی جو آپ کو کسی بادشاہ نے ہدیے میں پیش کی تھی۔

باذان کے بھیجے ہوئے دونوں ایلچی رسول اللہ ﷺ کا پیغام لے کر واپس یمن پہنچے اور باذان کو رسول اللہ ﷺ کا جواب پہنچایا۔ باذان نے کہا: ''اللہ کی قسم! یہ کسی بادشاہ کا کلام نہیں ہے۔ میرے خیال میں وہ یقیناً نبی ہیں جیسا کہ وہ خود کہہ رہے ہیں۔ جو کچھ انھوں نے کہا ہے، وہ ہو کر رہے گا۔ اگر یہ (کسریٰ کے قتل ہو جانے والی) بات سچ نکلی تو وہ واقعی اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے نبی ہیں۔ اور اگر ایسا نہ ہوا تو ہم ان کے بارے میں کوئی موقف اختیار کریں گے۔''

اس موقع پر بابویہ نے باذان سے کہا: ''مجھے زندگی میں بہت سے لوگوں سے بات چیت کا موقع ملا ہے لیکن میں نے ان (محمد ﷺ) سے زیادہ بارعب شخصیت کبھی نہیں دیکھی۔'' باذان نے پوچھا: ''کیا ان کے ساتھ کوئی سپاہی یا محافظ بھی تھے؟'' بابویہ نے کہا: ''نہیں۔'' اس نے یہ سوال اس لیے کیا تا کہ اسے یہ پہچاننے میں مدد ملے کہ وہ واقعی نبی ہیں۔

کسریٰ کی ہلاکت کی تصدیق اور باذان کا قبول اسلام

تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ باذان کو شیرویہ کا خط موصول ہوا، اس میں لکھا تھا:

''امابعد! میں نے کسریٰ کو قتل کر دیا ہے کیونکہ اس نے ایرانیوں پر ظلم کی انتہا کر دی تھی اور انھیں تباہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ (اے باذان!) تمھیں میرا یہ خط موصول ہو جائے تو اپنے لوگوں سے میری اطاعت کا عہد لے لینا اور اس شخص کے پاس جاؤ جس کے بارے میں کسریٰ نے تمھیں خط لکھا تھا اور میرا اگلا حکم آنے تک اس سے کوئی تعرض نہ کرنا۔''

باذان نے شیرویہ کا خط پڑھا تو بے ساختہ کہا: فَوَاللّٰهِ إِنَّ الرَّجُلَ لَنَبِيٌّ ''اللہ کی قسم! بلاشبہ وہ شخص (محمد ﷺ) نبی ہی ہیں۔''[1]

خیبر برباد ہو جانے کی پیش گوئی

خیبر کی مہم کے دوران رسول اللہ ﷺ نے پہلے ہی پیش گوئی فرما دی کہ خیبر تباہ و برباد ہو گیا۔ جس سے آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا، اس وقت وہاں کے کارندے پھاوڑے، کدالیں، درانتیاں اور ٹوکرے لے کر نقل و حرکت میں مصروف تھے۔ شاید رسول اللہ ﷺ نے یہ منظر دیکھ کر یا بذریعہ وحی مطلع ہو کر اہل خیبر کی شکست کا اعلان فرما دیا۔ یہ اعلان درحقیقت آپ ﷺ کے معجزے کی حیثیت رکھتا ہے۔[2]

[1] تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا 8/249-257۔ [2] تفصیلات کے لیے دیکھیے، سیرت انسائیکلوپیڈیا 8/447، 448۔

یہ شخص دوزخی ہے

ایک شخص کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''یہ آدمی جہنمی ہے۔'' جب خیبر کا معرکہ پیش آیا تو یہ آدمی اتنی دلیری سے لڑا کہ صحابۂ کرام کو حیرت ہوگئی۔ وہ اپنے دل میں رہ رہ کر سوچتے رہے کہ یہودیوں سے اتنی بے باکی سے لڑنے اور شجاعت کے جوہر دکھانے والا مردِ میدان بھلا دوزخی کس طرح ہوسکتا ہے؟ یہ آدمی زخم پر زخم کھاتا رہا۔ بالآخر گر پڑا۔ وہ انتہائی درد و کرب کے عالم میں تھا۔ اکھڑے اکھڑے سانس لے رہا تھا۔ نوبت یہ آگئی کہ زخموں کی ٹیس اور شدید اذیت اس سے برداشت نہ ہوسکی۔ اس نے درد سے فوری نجات کے لیے اپنا تیر نکالا اور اپنے ہی ہاتھوں اپنا خاتمہ کرلیا۔ یوں وہ خودکشی کا مرتکب ہوا اور رسالت مآب ﷺ کا یہ ارشاد بالکل صحیح ثابت ہوا کہ یہ آدمی دوزخی ہے۔[1]

سازوسامان اور مال و دولت کی فراوانی کی پیش گوئی

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ نے مجھ سے پوچھا: ''اے جابر! کیا تمھارے پاس قالین ہیں؟'' میں نے عرض کیا: نہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''عنقریب تم قالینوں پر بیٹھو گے۔'' سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ بالآخر وہ دن آیا کہ ہم قالینوں پر بیٹھے تھے۔[2]

فتوحاتِ عظیمہ کی پیش گوئی

نبی اکرم ﷺ نے مختلف موقعوں پر مسلمانوں کے لیے عظیم الشان فتوحات کی خبریں دیں، جو درپیش حالات میں بظاہر ناممکن نظر آتی تھیں، لیکن مستقبل میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے انھیں اپنی آنکھوں کے سامنے ہوبہو پورا ہوتے ہوئے دیکھا۔

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں خندق کھودنے کا حکم دیا۔ خندق میں ایک جگہ سخت چٹان حائل ہوگئی، اس پر کوئی کدال اثر نہیں کر رہی تھی۔ ہم نے یہ بات رسول اللہ ﷺ کو بتائی۔ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، چٹان کی طرف اترے، کدال پکڑی اور بسم اللہ پڑھ کر ایک ضرب لگائی تو چٹان کا ایک تہائی حصہ ٹوٹ گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

الله أكبر أعطيت مفاتيح الشام، والله إني لأبصر قصورها الحمر من مكاني هذا

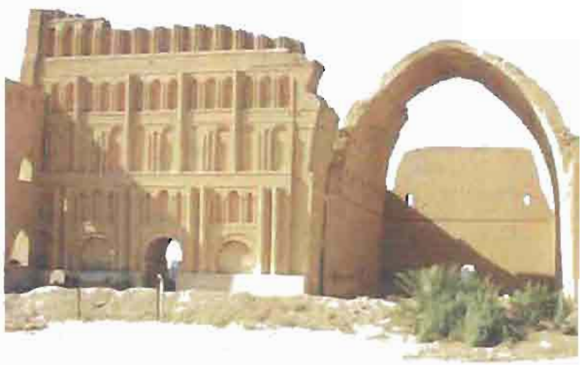
1 تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا 8/448۔ 2 صحیح البخاري: 3631، 5161

''اللہ اکبر! مجھے شام کی کنجیاں دی گئی ہیں۔ اللہ کی قسم! میں اس جگہ سے وہاں کے سرخ محلات دیکھ رہا ہوں۔''
پھر آپ ﷺ نے بسم اللہ پڑھ کر دوسری ضرب لگائی تو دوسرا ایک تہائی حصہ ٹوٹ کر گر پڑا۔
آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«اللهُ أكبرُ أُعطيتُ مفاتيحَ فارسَ، واللهِ! إني لأُبصرُ المدائنَ وأُبصرُ قصرَها الأبيضَ من مكاني هذا»

''اللہ اکبر! مجھے فارس کی کنجیاں دی گئی ہیں۔ اللہ کی قسم! میں مدائن (ایران کا دارالسلطنت) دیکھ رہا ہوں اور اپنی موجودہ جگہ سے اس کا سفید محل (کاخِ سپید) دیکھ رہا ہوں۔''

مدائن میں طاقِ کسریٰ کے آثار

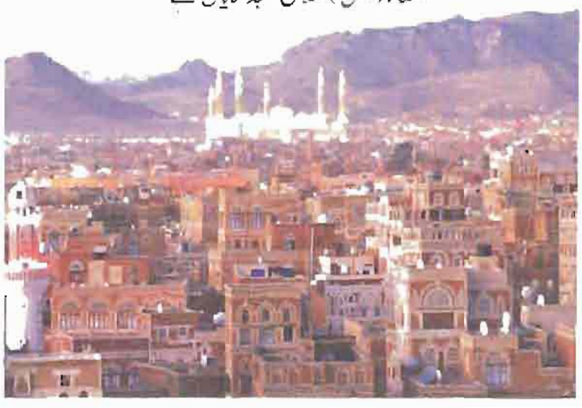


پھر رسول اللہ ﷺ نے بسم اللہ پڑھ کر تیسری چوٹ لگائی تو بقیہ پتھر بھی چکنا چور ہوگیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«اللهُ أكبرُ أُعطيتُ مفاتيحَ اليمنِ، واللهِ! إني لأُبصرُ أبوابَ صنعاءَ من مكاني هذا»

''اللہ اکبر! مجھے یمن کی چابیاں دے دی گئی ہیں۔ اللہ کی قسم! میں اپنی اس جگہ سے صنعاء کے دروازے دیکھ رہا ہوں۔''[1]

صنعاء (یمن) صالح مسجد نمایاں ہے



امام نسائی رحمہ اللہ اس واقعے کو نبی کریم ﷺ کے ایک صحابی سے روایت کرتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا: جب نبی اکرم ﷺ نے خندق کھودنے کا حکم دیا تو ایک ایسی سنگلاخ چٹان سامنے آگئی جو خندق کی کھدائی میں رکاوٹ بن گئی۔ رسول اللہ ﷺ اٹھے، کدال پکڑی اور اپنی چادر مبارک خندق کے کنارے رکھ دی۔ پھر یہ آیت پڑھ کر ضرب لگائی:

﴿ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴾

[1] مسند أحمد: 303/4، دلائل النبوة للبيهقي: 421/3، فتح الباري: 496/7. یہ روایت ضعیف ہے۔ (الموسوعة الحديثية: 626/30)

''اور تیرے رب کی بات سچائی اور انصاف کے لحاظ سے پوری ہوئی، کوئی اس کی باتوں کو بدلنے والا نہیں اور وہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔''

اس ضرب سے پتھر کا تیسرا حصہ اڑ گیا۔ سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کھڑے دیکھ رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرب کے ساتھ ہی ایک چمک پیدا ہوئی، آپ نے دوبارہ ضرب لگائی اور وہی آیت پڑھی:

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ

اس ضرب سے چٹان کا مزید ایک تہائی حصہ ٹوٹ گیا، پھر ایک چمک پیدا ہوئی جسے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے دیکھا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری ضرب لگائی اور وہی آیت پڑھی:

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ

اب باقی ماندہ پتھر بھی ریزہ ریزہ ہوگیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خندق سے نکلے، اپنی چادر مبارک اٹھائی اور بیٹھ گئے۔ سلمان رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! جب آپ ضربیں لگا رہے تھے تو میں نے دیکھا کہ ہر ضرب کے ساتھ ایک چمک پیدا ہوتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا:

يَا سَلْمَانُ! رَأَيْتَ ذَلِكَ؟

''سلمان! کیا تم نے وہ چمک دیکھی تھی؟''

انھوں نے کہا: جی ہاں، اے اللہ کے رسول! قسم اس ذات کی جس نے آپ کو نبی برحق بنایا! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فَإِنِّي حِينَ ضَرَبْتُ الضَّرْبَةَ الْأُولَى رُفِعَتْ لِي مَدَائِنُ كِسْرَى وَمَا حَوْلَهَا وَمَدَائِنُ كَثِيرَةٌ حَتَّى رَأَيْتُهَا بِعَيْنَيَّ

''میں نے جب پہلی ضرب لگائی تھی تو مجھے مدائن کسریٰ اور اس کے ارد گرد کے علاوہ بھی بہت سے شہر دکھائے گئے حتی کہ میں نے انھیں اپنی آنکھوں سے دیکھا۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! دعا فرمائیں، اللہ تعالیٰ یہ شہر ہمارے ہاتھوں فتح کرائے، ان کے گھر ہمیں غنیمت میں عنایت فرمائے اور ان کے علاقے ہمارے ہاتھوں تاراج کرائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کر دی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ثم ضربت الضربة الثانية فرفعت لي مدائن قيصر وما حولها حتى رأيتها بعيني"

''پھر جب میں نے دوسری ضرب لگائی تو مجھے قیصر کے شہر اور اس کے ارد گرد کے علاقے دکھائے گئے یہاں تک کہ میں نے انھیں اپنی آنکھوں سے دیکھا۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اللہ کے رسول! دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ وہ علاقے ہمارے ہاتھوں فتح کرائے۔ ان کے گھر ہمیں غنیمت میں عطا فرمائے اور ان کے علاقے ہمارے ہاتھوں تاراج کرائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا بھی کر دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا

"ثم ضربت الضربة الثالثة فرفعت لي مدائن الحبشة وما حولها من القرى حتى رأيتها بعيني"

''پھر میں نے تیسری ضرب لگائی تو مجھے حبشہ کے شہر اور ارد گرد کے بہت سے علاقے دکھائے گئے حتی کہ میں نے انھیں اپنی آنکھوں سے دیکھا۔''

اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:



ادیس ابابا (حبشہ)

"دعوا الحبشة ما ودعوكم واتركوا الترك ما تركوكم"

''حبشیوں کو انھی کے حال پر رہنے دو جب تک وہ تمھیں تمھارے حال پر رہنے دیں اور ترکوں کو بھی کچھ نہ کہو جب تک وہ تمھیں کچھ نہ کہیں۔''[1]

ابن اسحاق رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے مطابق وہ شہر سیدنا عمر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہما کے زمانے میں فتح ہوتے چلے گئے اور اسلامی مملکت کا حصہ بن گئے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے: تمھارے سامنے جو علاقہ بھی آئے اسے فتح کرلو، قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں ابو ہریرہ کی جان ہے! تم قیامت تک جس شہر کو بھی فتح کرو گے، اللہ تعالیٰ نے اس کی کنجیاں (فتح کی بشارت) پہلے ہی سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کر دی ہیں۔[2]

ایک اور موقع پر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلسل فتوحات کی خوشخبری دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"تغزون جزيرة العرب فيفتحها الله، ثم فارس فيفتحها الله، ثم تغزون الروم فيفتحها"

1 سنن النسائي: 3178، حديث الغزوات على غزوات الرسول، ص: 412،411، تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا: 7/288-291. 2 المسند لأحمد بن حنبل: 3/230، دلائل النبوة للبيهقي: 3/418.

... ثم تغزون الدجال فيفتحه الله»

''تم لوگ جزیرۂ عرب میں لڑو گے، تمھیں فتح ہوگی۔ پھر فارس سے لڑو گے، کامیاب ہوگے۔ پھر روم سے معرکہ ہوگا، تم شادکام رہو گے اور آخر میں دجال سے معرکہ آرائی میں بھی کامیاب رہو گے۔''[1]

کسریٰ کے کنگن پہن کر سراقہ کا اعلان حق

ابن عبدالبر ﷫ نے لکھا ہے کہ سفیان بن عیینہ، ابوموسیٰ سے اور وہ حسن بصری ﷫ سے روایت کرتے ہیں کہ جب سراقہ بن مالک رسول اللہ ﷺ کا تعاقب کر رہا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے سراقہ سے فرمایا: «كيف بك إذا لبست سواري كسرى» ''اس وقت تیرا کیا حال ہوگا جب تو کسریٰ کے کنگن پہنے گا؟'' سراقہ ﷜ کہتے ہیں کہ جب سیدنا عمر ﷜ کی خدمت میں کسریٰ کے کنگن، شاہی پٹکا اور تاج لایا گیا تو انھوں نے یہ سارا زیور مجھے پہنا دیا۔ پھر حکم دیا کہ اپنے بازو بلند کرو۔ میں نے ہاتھ اونچے کیے تو سیدنا عمر ﷜ نے بلند آہنگی سے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور فرمایا کہ بلاشبہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے کسریٰ سے یہ سارا زیور چھینا اور بنومدلج کے ایک اعرابی سراقہ بن مالک کو پہنا دیا۔ پھر سراقہ کو اونٹ پر بٹھا کر مدینہ منورہ کے گلی کوچوں میں لے جایا گیا اور سراقہ یہ اعلان کرتے رہے: اللہ سب سے بڑا ہے جس نے کسریٰ سے یہ زیور چھین کر مجھے پہنا دیا۔[2]

مقتل کی نشاندہی

غزوۂ بدر میں رسول اللہ ﷺ کے لیے ایک چھپر لگا دیا گیا جہاں سے آپ ﷺ پورے میدان کارزار پر نگرانی کی نگاہ رکھ سکتے تھے۔ آپ ﷺ اس چھپر سے باہر تشریف لائے اور میدان جنگ کا دورہ فرمایا۔ آپ ﷺ چلتے جاتے تھے اور دست مبارک سے اشارہ کرتے جاتے تھے کہ ان شاء اللہ کل اس جگہ فلاں شخص قتل ہوگا اور یہ جگہ فلاں فلاں کا مقتل بنے گی۔ سیدنا عمر ﷜ فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! ہم نے دیکھا کہ رسالت مآب ﷺ نے جس جس شخص کے بارے میں جس جس جگہ کی نشاندہی فرمائی تھی، وہ ٹھیک ٹھیک اسی جگہ مارا گیا۔ کوئی بھی آگے یا پیچھے نہیں مرا۔[3]

ابی بن خلف کے قتل ہونے کی پیش گوئی

یہ ہجرت سے پہلے کی بات ہے، رسول اللہ ﷺ ابھی مکہ ہی میں تھے، ابی بن خلف رسول اللہ ﷺ سے کہتا تھا:

1 صحیح مسلم، 2900۔ 2 تفصیلات کے لیے دیکھیے سیرت انسائیکلوپیڈیا 237/4۔ 3 تفصیلات کے لیے دیکھیے سیرت انسائیکلوپیڈیا 419/5۔

میرے پاس ایک گھوڑا ہے، میں اسے خوب کھلاتا پلاتا ہوں۔ میں اس پر سوار ہو کر آپ (ﷺ) کو قتل کروں گا۔ آپ ﷺ اسے جواب دیتے تھے: ''ان شاء اللہ! میں ہی تجھے قتل کروں گا۔'' وقت کی رفتار آگے بڑھی، تقدیر ابی بن خلف کو میدان احد میں کھینچ لائی۔ یہ بدبخت رسول اللہ ﷺ کا تعاقب کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا: اے محمد! اگر آج تم مجھ سے نجات پا گئے تو پھر میری خیر نہیں۔ جب وہ قریب آپہنچا تو رسول اللہ ﷺ نے حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ کا نیزہ پکڑا اور ابی بن خلف پر دے مارا۔ نیزے کے وار سے اس کی گردن کی تھوڑی سے کھال چھل گئی۔ وہ بری طرح چیخا اور بیل کی طرح ڈکرا ڈکرا کر واویلا کرنے لگا۔ اس کے ساتھیوں نے اسے شرم دلائی کہ تجھے بالکل معمولی سا زخم لگا ہے اور تو اس قدر ہائے ہائے کر رہا ہے۔ ابی بن خلف تڑپ کر بولا: محمد نے مجھے مکہ ہی میں کہا تھا کہ میں تجھے قتل کروں گا۔ واللہ! وہ مجھ پر تھوک بھی دیتے تو میں مارا جاتا۔ وہ رہ رہ کر بلکتا رہا۔ قریش کا لشکر واپس مکہ جا رہا تھا، ابی بن خلف بھی ہائے ہائے کرتا ہوا مکہ کی طرف رواں دواں تھا۔ وہ ابھی مکہ سے چھ میل دور مقام سرف تک ہی پہنچا تھا کہ تڑپ تڑپ کر مر گیا۔[1]

مقتول سرداروں سے خطاب

سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فتح بدر کے بعد رسول اللہ ﷺ کے حکم سے قریش کے 24 بڑے بڑے سرداروں کی لاشیں ایک گندے کنویں میں پھینک دی گئیں۔ مدینہ روانہ ہونے سے پہلے رسول اللہ ﷺ اس کنویں کے کنارے پر تشریف لے گئے اور یکے بعد دیگرے قریش کے ہر سردار اور اس کے باپ کا نام لے لے کر سب کو پکارا اور فرمایا: ''کیا تم اس امر کو اچھا سمجھ رہے ہو کہ تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کر لیتے؟ ہم سے ہمارے پروردگار نے جو وعدہ فرمایا تھا، ہم نے اسے برحق پایا۔ اور تم لوگوں سے تمھارے رب نے جو وعدہ کیا تھا، کیا تم نے اسے سچا پایا؟'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بڑے تعجب سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ مردہ لاشوں سے خطاب فرما رہے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! یہ لوگ میری باتیں اسی طرح سن رہے ہیں جس طرح تم سن رہے ہو۔ بس یہ جواب دینے سے معذور ہیں۔''[2]

جہنمی شخص

قزمان ایک انصاری قبیلے بنوظفر کا حلیف تھا۔ مدینہ منورہ میں اس کی دلیری اور جنگی مہارت کا بڑا چرچا تھا۔

[1] تفصیلات کے لیے دیکھیے سیرت انسائیکلوپیڈیا 6/273-275۔ [2] تفصیلات کے لیے دیکھیے سیرت انسائیکلوپیڈیا 5/474-477۔

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جب بھی کوئی اس کا تذکرہ کرتا تو آپ ﷺ فرماتے تھے کہ یہ شخص جہنمی ہے۔ غزوہ احد کے موقع پر رسول اللہ ﷺ مجاہدین کی صفیں ٹھیک کر رہے تھے کہ قزمان بھی میدان میں آ پہنچا اور سب سے پہلی صف میں کھڑا ہو گیا۔ مشرکوں پر سب سے پہلا تیر بھی اسی نے چلایا اور خوب شجاعت و استقامت سے لڑتا رہا۔ اس نے سات یا نو مشرکوں کو یکے بعد دیگرے ٹھکانے لگا دیا۔ آخر کار یہ خود بھی زخموں سے چور ہو کر گر پڑا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس سے کہا: تمھیں شہادت مبارک ہو۔ وہ کہنے لگا: مجھے شہادت کی خوشخبری کیا دیتے ہو۔ میں تو اپنے قومی وقار کے لیے میدان جنگ میں آیا تھا۔ قومی غیرت کا معاملہ نہ ہوتا تو میں لڑائی میں ہرگز شریک نہ ہوتا۔ یوں اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئی صحیح ثابت ہوئی۔[1]

درخت کے نیچے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بیعت لینے کا واقعہ

صلح حدیبیہ میں جب آپ ﷺ کو دشمنوں نے مقام حدیبیہ پر روک لیا اور واپس چلے جانے پر اصرار کیا اور پھر جب رسول اللہ ﷺ کے سفیر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر لشکر اسلام میں پہنچی تو نبی اکرم ﷺ نے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فتح یا شہادت پر بیعت لی، اسے قرآن میں بیعت رضوان کہا گیا ہے۔ یہ بیعت رضائے الٰہی کے عین مطابق تھی، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ۚ فَمَن نَّكَثَ فَإِنَّمَا يَنكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ ۖ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللَّهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا﴾

''بلاشبہ جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں، وہ تو بس اللہ سے بیعت کرتے ہیں، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے، پھر جس نے عہد شکنی کی، تو بس وہ اپنی ہی ذات کے خلاف عہد شکنی کرتا ہے، اور جس نے (وہ) عہد پورا کیا جو اس نے اللہ سے باندھا تھا، تو عنقریب اللہ اسے بہت بڑا اجر دے گا۔''[2]

بالآخر یہی بیعت وہ عظیم فتوحات، یعنی فتح مکہ اور فتح خیبر کا باعث بنی۔ نبی اکرم ﷺ کے دست مبارک پر ہونے والی بیعت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خوشنودی والی بیعت قرار دیا۔ اس بیعت میں شامل تھوڑے سے افراد کے ذریعے وہ عظیم الشان شہروں کا لشکر اسلام کے سامنے مفتوح ہونا آپ ﷺ کے معجزات میں سے ہے۔

سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ کے کردار کی پیش گوئی

سہیل بن عمرو کو جنگ بدر میں مسلمانوں نے قید کر لیا۔ ان کا نچلا ہونٹ پھٹا ہوا تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ

1 تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا: 6/307-309۔ 2 الفتح 48:10.

سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اس کے سامنے والے نچلے دو دانت نکلوا دیجیے تاکہ جب یہ کلام کرے تو ہوا کے زور سے اس کی زبان باہر نکل آئے۔ اس طرح یہ کبھی آپ کے خلاف تقریر نہیں کر سکے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں مثلہ نہیں کروں گا ورنہ اللہ تعالیٰ میرا مثلہ بھی کر سکتا ہے۔ ہرچند میں نبی ہوں۔''[1]

مؤرخ ابن اسحاق لکھتے ہیں: مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عمر رضی اللہ عنہ سے یہ بھی فرمایا تھا: ''ممکن ہے کہ یہ کسی موقع پر ایسی تقریر بھی کرے جسے تم ہرگز برا نہیں کہو گے۔''

امام حاکم نے بھی اس جیسی روایت بیان کی ہے مگر اس کے الفاظ یہ ہیں کہ آپ ﷺ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«دَعْهُ، فَعَسٰى أَنْ يَسُرَّكَ يَوْمًا»

''رہنے دو۔ شاید کسی دن یہ (تقریر کر کے) تمھیں خوش کر دے۔''[2]

جب نبی کریم ﷺ وفات پا گئے اور مکہ والوں میں ارتداد کے کچھ اثرات محسوس ہوئے تو یہی سہیل بن عمرو کعبہ کے پاس آ کھڑے ہوئے اور کڑک کر بولے: ''لوگو! سن لو! جس شخص کے معبود محمد ﷺ تھے تو وہ یقیناً فوت ہو گئے اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ کے لیے زندہ ہے، وہ کبھی فوت نہیں ہوگا۔''

عدی بن حمراء کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کی خبر مکہ مکرمہ پہنچی تو میں نے دیکھا کہ سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ نے ہمیں مکہ میں وہی خطبہ دیا جو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں دیا تھا، یوں لگتا تھا جیسے انھوں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کا خطبہ سن رکھا تھا۔ جب عمر رضی اللہ عنہ کو اس خطبے کی خبر پہنچی تو انھوں نے کہا: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور وہ جو کچھ لے کر آئے وہ حق ہے۔ یہی وہ تقریر ہے جس کی طرف آپ ﷺ نے ان الفاظ میں اشارہ فرمایا تھا:

«لَعَلَّهُ يَقُومُ مَقَامًا لَا تَكْرَهُهُ»

''امید ہے یہ ایسے مقام تک پہنچے گا کہ تم اسے ناپسند نہیں کرو گے۔''[3]

حنظلہ رضی اللہ عنہ کو فرشتوں نے غسل دیا

سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کے گھوڑے پر تلوار کا وار کیا۔ گھوڑا بری طرح بدکا۔ ابوسفیان چیختا ہوا زمین پر گر پڑا۔ حنظلہ رضی اللہ عنہ اسے ہلاک کرنے کے لیے لپکے۔ اچانک شداد بن اسود، ابوسفیان کی کمک کے لیے آ پہنچا۔ اس نے نیزہ مار کر سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ کو ان کی شہادت کی اطلاع دی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

1 المغازي لابن أبي شيبة، ص: 217، حديث: 206، السيرة لابن هشام: 355/2، البداية والنهاية: 341/3 2 المستدرك للحاكم: 92/3 3 الخصائص الكبرى: 218/2، تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلو پیڈیا: 514/5۔

''میں نے دیکھا ہے کہ فرشتے حنظلہ رضی اللہ عنہ کو چاندی کے برتنوں میں غسل دے رہے ہیں۔ ان کی بیوی سے ان کا معاملہ دریافت کرو۔'' ان کی بیوی سے پوچھا گیا تو انھوں نے بتایا کہ جس وقت حنظلہ رضی اللہ عنہ نے جنگ کی پکار سنی، اُس وقت وہ حالت جنابت میں تھے۔ وہ اسی حالت میں میدانِ کارزار کی طرف دوڑ پڑے۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اسی لیے فرشتوں نے انھیں غسل دیا ہے۔''[1]

جنت کی تمنا پوری ہوگئی

نعمان بن مالک بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ بدری صحابہ میں سے ہیں۔ یہ غزوہ احد میں ابان بن سعید کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ بعدازاں ابان مسلمان ہوگئے۔ نعمان بن مالک ابن قوقل کے نام سے معروف تھے۔ ایک ٹانگ سے لنگڑے تھے۔ انھوں نے احد کے دن سورج ڈوبنے سے پہلے پہلے شہید ہونے کی دعا کی۔ اللہ نے یہ دعا قبول فرمائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تصدیق فرمائی کہ میں نے انھیں جنت میں دیکھا ہے۔[2]

مسلمانوں اور رومیوں کے مابین ایک عظیم معرکہ اور فتح قسطنطنیہ

مسلمانوں اور رومی عیسائیوں کے تعلقات کی تاریخ طرح طرح کے حالات وحوادث سے بھری پڑی ہے۔ اس میں صلح بھی ہے اور جنگ بھی، زمانۂ امن بھی ہے اور عرصۂ قتال بھی۔ آج کے زمانے میں اہل اسلام اور عیسائیوں کے باہمی تعلقات غیر یقینی ہیں۔ کبھی صلح اور کبھی جنگ میں تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ علامات قیامت میں سے مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان ایک بہت بڑی جنگ بھی ہے۔ اور یہ جنگ ظہورِ مہدی سے قبل ہوگی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام ''اَلْمَلْحَمَةُ الْكُبْرٰى'' رکھا ہے۔ مسلمان اس جنگ میں فتح حاصل کرنے کے بعد قسطنطنیہ کی طرف پیش قدمی کریں گے اور اسے بھی فتح کرلیں گے اور پھر اس کے بعد دجال ظاہر ہوگا۔

سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«عُمْرَانُ بَيْتِ الْمَقْدِسِ خَرَابُ يَثْرِبَ، وَخَرَابُ يَثْرِبَ خُرُوجُ الْمَلْحَمَةِ، وَخُرُوجُ الْمَلْحَمَةِ فَتْحُ الْقُسْطَنْطِينِيَّةِ، وَفَتْحُ الْقُسْطَنْطِينِيَّةِ خُرُوجُ الدَّجَّالِ»

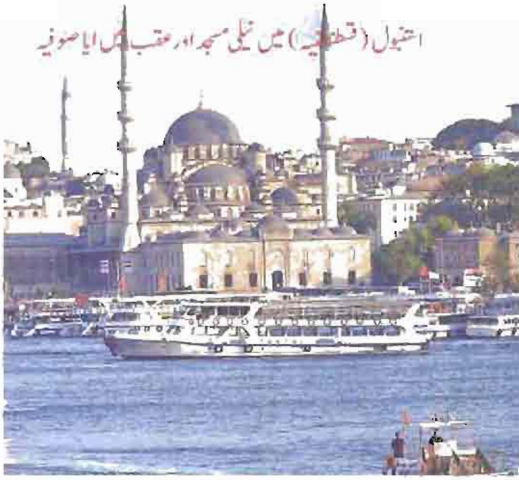
''بیت المقدس کی آبادی دراصل مدینہ کی بربادی ہوگی۔ مدینہ کی بربادی ہوئی تو ایک عظیم معرکہ شروع ہو

1 تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا 226,225/6۔ 2 تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا: 361/6۔

جائے گا۔ وہ معرکہ شروع ہوا تو قسطنطنیہ فتح ہو جائے گا اور جب قسطنطنیہ فتح ہو جائے گا تو پھر جلد ہی دجال کا خروج ہوگا۔‘‘ [1]

ایک دوسری روایت میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

’’تم لوگ رومیوں سے صلح کرلو گے، پھر تم اور وہ مل کر اپنے ایک دشمن سے لڑو گے۔ تم اس جنگ میں فتح پاؤ گے، مال غنیمت حاصل کرو گے اور صحیح سلامت رہو گے۔ پھر تم میدان جنگ سے واپس آؤ گے، حتی کہ تم عیسائیوں کے ساتھ ایک ایسے میدان میں پڑاؤ ڈالو گے جس میں ٹیلے بھی ہوں گے۔‘‘



استنبول (قسطنطنیہ) میں نیلی مسجد اور عقب میں ایا صوفیہ

پھر عیسائیوں میں سے ایک شخص صلیب کو بلند کرے گا اور کہے گا کہ صلیب غالب آ گئی۔ اس پر ایک مسلمان طیش میں آ جائے گا اور آگے بڑھ کر صلیب کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔ اس واقعے سے عیسائی بگڑ جائیں گے اور جنگ کے لیے جمع ہو جائیں گے۔ بعض راویوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ اس وقت مسلمان بھی جوش میں آ جائیں گے اور اپنے ہتھیار سنبھال لیں گے اور ان سے لڑائی کے لیے تیار ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی اس جماعت کو شہادت سے سرفراز فرمائے گا۔ [2]



قلعہ حلب (شام)

صحیح مسلم میں اس واقعے کی تفصیل اس طرح ہے: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

’’قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک عیسائی ’’اعماق‘‘ یا ’’دابق‘‘ کے مقام پر پڑاؤ نہ ڈالیں۔ (یہ مقام شام میں حلب نامی شہر کے قریب ہے، جنگ کی جگہ یہیں ہوگی) عیسائیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے مدینہ سے ایک لشکر روانہ ہوگا جو اس زمانے کے بہترین لوگوں پر مشتمل ہوگا۔ جب دونوں لشکر ایک دوسرے کے مدمقابل صف آرا ہوں گے تو عیسائی کہیں گے: ہمیں ان لوگوں سے لڑائی کر لینے دو جو ہم میں سے گرفتار ہو گئے تھے۔ (عیسائیوں کی

1 سنن أبي داود: 4294 2 سنن أبي داود: 4292، 4293.

اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں اور عیسائیوں کے مابین پہلے بھی متعدد لڑائیاں ہو چکی ہوں گی، جن میں مسلمانوں کو فتح ہوئی اور عیسائیوں کو قیدی بنا لیا گیا تھا، وہ قیدی مسلمان ہو گئے تھے اور اب اسلامی لشکر میں شامل ہو کر عیسائیوں سے جہاد کرنے آئے ہوئے ہوں گے) مگر مسلمان کہیں گے: نہیں اللہ کی قسم! ہم اپنے بھائیوں کو تمھارے مقابلے میں ہرگز اکیلا نہیں چھوڑیں گے، چنانچہ عیسائی مسلمانوں سے جنگ کریں گے، جس میں مسلمانوں کے لشکر کا تیسرا حصہ میدان چھوڑ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ کبھی قبول نہیں کرے گا۔ اس لشکر کے ایک تہائی لوگ جہاد کرتے ہوئے شہید ہو جائیں گے، یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک افضل ترین شہداء ہوں گے۔ باقی ایک تہائی لشکر لڑائی میں فتح حاصل کرے گا (لشکر کا آخری تہائی حصہ شہروں کو فتح کر لے گا اور مال غنیمت حاصل کرے گا)۔ یہ لوگ کبھی فتنہ میں مبتلا نہیں ہوں گے۔ یہی لوگ قسطنطنیہ کو فتح کریں گے۔ اور جب وہ اپنی تلواریں زیتون کے درختوں سے لٹکا کر مال غنیمت تقسیم کر رہے ہوں گے تو شیطان ان کے درمیان آکر آواز لگائے گا: اے لوگو! تمھارے بعد مسیح دجال تمھارے گھروں میں داخل ہو گیا ہے (وہ مسلمانوں پر گھبراہٹ طاری کرنا چاہے گا)۔ لشکر اسلام کے فوجی وہاں سے نکلیں گے، (وہ دجال کی طرف چل دیں گے) شیطان کی یہ خبر تو غلط ہوگی، لیکن جب وہ شام پہنچیں گے تو واقعی مسیح دجال کا ظہور ہو جائے گا۔"

ایک دوسری روایت میں ہے کہ رومیوں سے جنگ کے بعد اہل اسلام کو مال غنیمت کی تقسیم کا موقع بھی نہیں ملے گا کہ وہ دجال سے لڑائی کی تیاری کر رہے ہوں گے، صفیں درست کر رہے ہوں گے کہ نماز کا وقت ہو جائے گا اور اس وقت سیدنا عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نزول فرمائیں گے۔۔۔۔۔[1]

ایک اور روایت میں اس کی تفصیل یوں بیان ہوئی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"قیامت اس وقت قائم ہوگی جب وراثت کی تقسیم روک دی جائے گی اور مال غنیمت لوگوں کے لیے کسی خوشی کا باعث نہیں بنے گا۔ پھر آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے شام کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: دشمنان اسلام وہاں جنگ کے لیے جمع ہوں گے اور مسلمان بھی ان کا مقابلہ کرنے کے لیے وہاں اکٹھے ہوں گے۔ (سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اس دشمن سے مراد رومی ہیں۔) اس وقت جنگ کی شدت کے باعث بہت سے لوگ میدان جنگ سے واپس آ جائیں گے۔ پھر مسلمان اپنے میں سے بہترین اور باصلاحیت فوجیوں کی ایک جماعت کو موت تک لڑنے کے عزم کے ساتھ آگے بھیجیں گے۔ دونوں لشکر مسلسل لڑائی جاری رکھیں گے، حتی کہ ان کے درمیان

[1] صحیح مسلم، 2897

رات حائل ہو جائے گی، پھر دونوں لشکر اپنی اپنی جگہ لوٹ جائیں گے۔ ان میں سے کوئی بھی غالب نہیں ہوگا اور جو لوگ موت کا عزم لے کر آگے بڑھے ہوں گے، وہ سب کے سب شہید ہو جائیں گے۔ اگلے روز مسلمان پھر بہترین اور باصلاحیت فوجیوں کی ایک جماعت کو موت تک لڑنے کے عزم کے ساتھ آگے بھیجیں گے۔ اس جماعت کے افراد عہد کریں گے کہ اب ہم فتح یاب ہو کر ہی لوٹیں گے یا شہید ہو جائیں گے۔ پھر دونوں لشکر شام ہونے تک مسلسل لڑائی جاری رکھیں گے مگر کسی بھی فریق کو برتری حاصل نہ ہو سکے گی اور دونوں لشکر اپنی اپنی جگہ لوٹ جائیں گے۔ جو لوگ موت کا عزم لے کر آگے بڑھیں گے، وہ سب کے سب شہید ہو جائیں گے۔

جب اس جنگ کا چوتھا روز ہوگا تو اہل اسلام دشمن پر جلد حملہ کر دیں گے (مختلف مقامات سے مسلمان جمع ہو کر دشمن پر حملہ آور ہوں گے)۔ اس روز اللہ تعالیٰ کفار کو شکست فاش سے دوچار کر دے گا اور اہل اسلام ان کو اتنی بڑی تعداد میں قتل کریں گے کہ اس سے پہلے کبھی اتنی خونریزی نہ دیکھی گئی ہوگی۔ حتیٰ کہ ایک پرندہ ان کے پاس سے گزرے گا تو وہ تھوڑا سا آگے جانے سے قبل ہی مر کر گر جائے گا۔ ایک باپ کی اولاد جس کی تعداد جنگ سے پہلے ایک سو ہوگی، جنگ کے بعد دیکھیں گے کہ ان میں سے ایک بچا ہوگا تو ایسی صورت حال میں مال غنیمت کے حصول سے کون سی خوشی ہوگی اور کن لوگوں میں میراث تقسیم کی جا سکے گی؟ مسلمان ابھی اسی حالت میں ہوں گے کہ اس سے بڑی مصیبت کی خبر سنیں گے۔ ایک شخص پکار کر کہے گا: لوگو! دجال تمھارے پیچھے بال بچوں میں گھس آیا ہے۔ یہ سنتے ہی وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اپنے گھر بار کی طرف متوجہ ہوں گے اور دس سواروں کو حالات کا جائزہ لینے کی غرض سے بھیجیں گے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں ان سواروں کے نام، ان کے باپوں کے نام اور ان کے گھوڑوں کے رنگ تک جانتا ہوں۔ وہ اس زمانے میں روئے زمین کے بہترین گھڑسوار ہوں گے۔"[1]


سرسبز غوطہ، دمشق (شام)

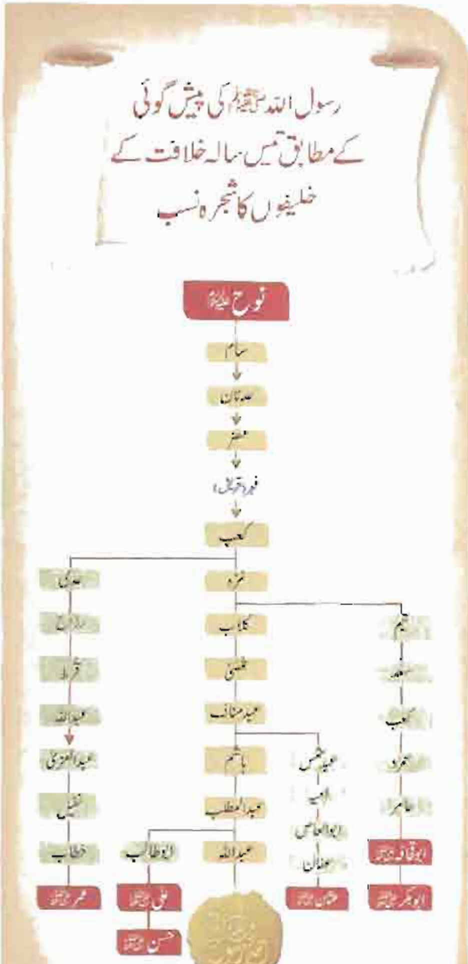
اس عظیم معرکہ حرب و ضرب کے لیے مسلمانوں کے جمع ہونے کی جگہ اس وقت شہر دمشق میں "غوطہ" میں ہوگا۔ یہ لشکر اس وقت روئے زمین کا بہترین لشکر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس لشکر کو عیسائیوں پر فتح نصیب فرمائے گا۔ سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اس عظیم معرکے میں مسلمانوں کا جنگی کیمپ شام کے بہترین شہر دمشق کے قریب "غوطہ" کے مقام پر ہوگا۔"[2]

اس کے بعد اہل اسلام امام مہدی کے زیر قیادت قسطنطنیہ کو

1 صحيح مسلم، 2899؛ مسند أحمد، 1/435. 2 سنن أبي داود، 4298.

لڑائی کے بغیر ہی فتح کر لیں گے۔ اس وقت مسلمانوں کا ہتھیار اللہ کی تکبیر اور تحمید ہوگی۔[1]

قیامِ خلافت اور مدتِ خلافت کی پیش گوئی



رسول اللہ ﷺ نے مختلف موقعوں پر یہ خبر دی کہ میرے بعد خلفاء ہوں گے اور بہت ہوں گے۔ ان میں سے بارہ ایسے ہوں گے جن سے اسلام کی حمایت و نصرت کا کام لیا جائے گا،[2] مگر خلافتِ راشدہ کا زمانہ تیس برس ہوگا۔[3]

چنانچہ آپ ﷺ کی پیش گوئی کے مطابق خلافتِ راشدہ تیس سال (11ھ سے 41ھ) تک قائم رہی۔ اس کی تفصیل یہ ہے:

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت:
ربیع الاول 11ھ تا جمادی الآخرہ 13ھ۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت:
جمادی الآخرہ 13ھ تا ذی الحجہ 23ھ۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت:
محرم 24ھ تا ذی الحجہ 35ھ۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت:
ذی الحجہ 35ھ تا رمضان 40ھ۔

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت:
رمضان 40ھ تا ربیع الاول 41ھ۔

خلفائے راشدین کی نام بنام پیش گوئی

نبی اکرم ﷺ نے صرف خلافت ہی کی پیش گوئی نہیں فرمائی تھی، بلکہ اپنے بعد آنے والے خلفاء کے ناموں سے بھی لوگوں کو آگاہ کر دیا تھا۔ خلافتِ راشدہ کے پہلے خلیفہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کی خلافت کا آپ ﷺ

1 دیکھیے: صحیح مسلم 2920 2 صحیح مسلم 1821 3 جامع ترمذی 2226

نے متعدد ارشادات میں اشارہ فرمایا تھا۔ اسی طرح آپ ﷺ نے ایک سے زیادہ افراد کو کچھ دینے کا وعدہ فرمایا تھا اور اس کے ساتھ یہ بھی بتلا دیا تھا کہ اگر تمھاری مجھ سے ملاقات نہ ہو تو ابوبکر ؓ کے پاس آنا، وہ میرے وعدے کو پورا کر دیں گے۔ صحیح بخاری میں بھی ہے کہ آپ نے ایک عورت سے فرمایا تھا: إن لم تجديني فأتي أبا بكر ''اگر مجھے نہ پاؤ تو ابوبکر کے پاس آجانا۔''[1]

اسی طرح وفات سے پانچ روز قبل دیے ہوئے خطبے میں بطور خاص سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کے مناقب بیان کیے اور فرمایا کہ میں ہر شخص کے حقوق ادا کر چکا ہوں سوائے ابوبکر ؓ کے، مزید فرمایا کہ ابوبکر کے سوا ہر شخص اپنا مسجد میں کھلنے والا عقبی دروازہ (خوخہ) بند کر لے، مزید برآں اپنی حیات طیبہ ہی میں انھیں اپنے مصلے پر کھڑا کر کے مسلمانوں کا امام بنا دیا۔

علاوہ ازیں آپ ﷺ نے تاکید کے ساتھ یہ بھی فرما دیا کہ اللہ اور اس کے اہل ایمان بندے ابوبکر ؓ کے سوا کسی پر راضی نہ ہوں گے۔

سیدنا ابوبکر و عمر ؓ کی خلافت کی خبر آپ ﷺ نے ایک خواب کے ذریعے بھی امت کو سنائی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''میں نے دیکھا کہ میں ایک کنویں پر کھڑا پانی کے ڈول نکال رہا ہوں، پھر میرے ہاتھ سے رسی اور ڈول سیدنا ابوبکر ؓ نے لے لیا۔ انھوں نے ایک یا دو ڈول نکالے (خلافت صدیقی کی مدت دو سال چار ماہ ہے) اور ان کے ڈول نکالنے میں کمزوری تھی، اللہ انھیں معاف فرمائے۔ ان کے ہاتھ سے پھر یہ ڈول عمر فاروق ؓ نے لے لیا اور کئی ڈول نکالے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے کسی طاقت ور کو عمر کی طرح ڈول نکالتے نہیں دیکھا، یہاں تک کہ حوض پانی سے لبالب بھر گیا۔''[2]

تینوں خلفائے راشدین کی شہادت کی پیش گوئی

خلفائے راشدین میں سے تین خلفا شہید ہوئے ہیں، آپ ﷺ نے ان میں سے ہر ایک کی شہادت کی خبر بھی پہلے ہی دے دی۔ سیدنا عمر فاروق ؓ کی شہادت کی خبر دیتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

''عمر فاروق فتنوں کے سامنے ایک بند دروازے کی طرح حائل ہے۔'' سیدنا عمر ؓ نے اس روایت کے راوی

[1] صحيح البخاري: 3659. [2] صحيح البخاري: 3664، صحيح مسلم: 2392 تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا 10/328,329 و 336-346۔

(سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ) سے پوچھا کہ یہ دروازہ کھلے گا یا ٹوٹے گا؟ انھوں نے بتایا کہ یہ نہیں کھلے گا بلکہ ٹوٹے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔[1]

ایک مرتبہ پہاڑ پر آپ ﷺ کے ساتھ سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہم بھی تشریف فرما تھے کہ پہاڑ زلزلے سے لرزنے لگا۔ آپ ﷺ نے اس پر پاؤں مارا اور فرمایا:

«اثْبُتْ أُحُدُ فَمَا عَلَيْكَ إِلَّا نَبِيٌّ أَوْ صِدِّيقٌ أَوْ شَهِيدَانِ»

''احد! ٹھہر جا کیونکہ تیرے اوپر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔''[2]

خلفائے راشدین میں سے دو خلفاء بڑے مصائب و آلام سے دوچار ہوئے اور وہ دونوں شہید کر دیے گئے۔ ان پر وارد ہونے والے ان پر آشوب حالات کی بھی آپ ﷺ نے پیش گوئی کر دی تھی، آپ ﷺ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''تمھیں ایک مصیبت پہنچنے (اور اسے برداشت کرنے) پر جنت کی بشارت ہے۔''[3]

اسی طرح ایک موقع پر آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ''عنقریب ایک فتنہ اٹھے گا'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: اس کے بارے میں آپ ﷺ کا کیا حکم ہے؟ فرمایا: ''میں تمھیں امیر اور اس کے جاں نثاروں کی حمایت کرنے کی تلقین کرتا ہوں۔''[4]

ایک دوسری روایت میں آپ ﷺ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اے عثمان! اللہ تعالیٰ تمھیں ایک قمیص پہنائے گا۔ کچھ لوگ اسے اتروانا چاہیں گے، مگر تم اسے ہرگز نہ اتارنا۔''[5] اسی طرح آپ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بھی متعدد مرتبہ پیش آنے والے مصائب سے آگاہ کر دیا تھا۔

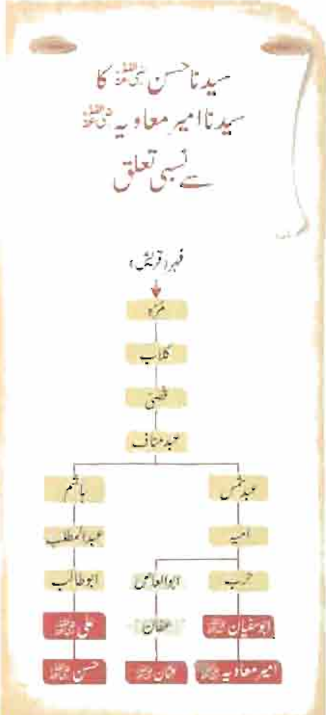
ابوحرب بن ابواسود دؤلی کا بیان ہے: جب زبیر رضی اللہ عنہ علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کے لیے روانہ ہوئے تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے میرے سامنے ان سے فرمایا: میں تمھیں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کیا تم نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے نہیں سنا تھا: ''زبیر! تم علی سے لڑائی لڑو گے تو اس وقت زیادتی تمھاری ہوگی؟'' زبیر نے جواب دیا: ''مجھے یاد نہیں۔'' تاہم اس کے باوجود زبیر رضی اللہ عنہ میدان سے واپس چلے گئے۔[6]

اسی طرح عمار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ ذات عشیرہ میں انھیں اور علی رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا: ''کیا میں تمھیں بتاؤں کہ انسانوں میں سب سے زیادہ دو بدبخت افراد کون ہیں؟'' ہم نے کہا: اے اللہ کے

[1] صحيح البخاري: 3586. [2] صحيح البخاري: 3686. [3] صحيح البخاري: 3693، صحيح مسلم: 2403
[4] المستدرك للحاكم: 99/3 [5] مسند أحمد: 86/6، جامع الترمذي: 3705 [6] المستدرك للحاكم: 366/3

رسول! ضرور بتائیے۔ فرمایا: ''ایک تو ثمود کا وہ سرخ آدمی جس نے ناقۃ اللہ کو زخمی کیا تھا اور اے علی! دوسرا وہ شخص جو تمھارے سر پر تلوار کی ضرب لگائے گا اور تمھاری ڈاڑھی خون سے رنگین ہو جائے گی۔''[1]

علاوہ ازیں ایک اور موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے علی! تمھیں میرے بعد بڑی مشکلات پیش آئیں گی۔'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا میرا دین سلامت رہے گا؟ فرمایا: ''ہاں!'' اور معاً یہ بھی فرما دیا کہ ''تمھیں تلوار کی دھار سے شہید کیا جائے گا۔''[2]



حسن رضی اللہ عنہ دو گروہوں میں صلح کروائیں گے

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بڑے فرزند سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے دو اسلامی لشکروں کے درمیان مصالحت کرائی اور امت کو خون خرابے سے بچایا۔ آپ ﷺ نے اس کی بھی پیش گوئی فرما دی تھی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ ایک مرتبہ منبر پر چڑھے۔ اس وقت آپ ﷺ کی گود میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''میرا یہ بیٹا سردار ہے، شاید اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں مصالحت کرادے۔''[3] یاد رہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے 41ھ میں اس وقت صلح کی جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے پاس ایک بہت بڑا لشکر جمع ہو چکا تھا، اگر وہ چاہتے تو اس لشکر سے شامی افواج کو تہ تیغ کر سکتے تھے، لیکن انھوں نے صلح کو ترجیح دی۔ یوں نبی اکرم ﷺ کی پیش گوئی پوری ہوگئی۔[4]

جزیرۂ عرب میں مثالی امن و امان کے قیام کی بشارت

رسول اللہ ﷺ نے پورے جزیرہ نمائے عرب میں مثالی امن و امان قائم ہونے کی پیش گوئی بھی فرما دی تھی۔ سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ایک دفعہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شخص آیا، اس نے آپ ﷺ سے اپنے فقر و فاقہ کی شکایت کی۔ پھر ایک دوسرا آدمی آیا تو اس نے راستوں میں ڈاکوؤں کی وارداتوں کا شکوہ کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے عدی! تم نے حیرہ شہر دیکھا ہے؟'' میں نے کہا: دیکھا

[1] مسند أحمد: 263/4. [2] المستدرك للحاكم: 140/3. [3] صحیح البخاري: 2704. [4] تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا: 136/6۔

تو نہیں، البتہ اس کا نام ضرور سنا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تمھاری زندگی کچھ اور لمبی ہوئی تو تم دیکھو گے کہ ایک عورت حیرہ شہر سے روانہ ہوگی، بیت اللہ کا طواف کرے گی، اسے اللہ کے سوا کسی کا بھی خوف نہیں ہوگا۔'' میں نے دل میں خیال کیا کہ آخر قبیلۂ طے کے ڈاکو کہاں چلے جائیں گے جنھوں نے تمام شہروں میں آگ لگا رکھی ہے؟ (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:) ''اگر تم کچھ اور دنوں تک زندہ رہے تو تم کسریٰ کے خزانے فتح کرو گے۔'' میں نے عرض کیا: کسریٰ بن ہرمز کے (خزانے)؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں، کسریٰ بن ہرمز کے (خزانے)۔ اگر تمھاری زندگی دراز ہوئی تو تم یہ بھی دیکھو گے کہ ایک شخص اپنے ہاتھ میں سونا چاندی بھر کر نکلے گا۔ اسے کسی ایسے شخص کی تلاش ہوگی جو اسے قبول کرے لیکن ایسا اسے کوئی شخص نہیں ملے گا جو اسے قبول کرے۔'' عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے ہودج میں بیٹھی ہوئی ایک اکیلی عورت کو تو خود دیکھ لیا کہ وہ حیرہ سے سفر کے لیے نکلی، مکہ مکرمہ پہنچی اور اس نے کعبہ کا طواف کیا۔ اسے راستے بھر اللہ کے سوا اور کسی کا (ڈاکو وغیرہ) کا خوف لاحق نہیں ہوا۔ اسی طرح میں خود مجاہدین کی اس جماعت میں شریک تھا جس نے کسریٰ بن ہرمز کے خزانے فتح کیے۔ اور اگر تم لوگ کچھ عرصہ زندہ رہے تو وہ حال بھی دیکھ لو گے جو آپ ﷺ نے بیان فرمایا ہے کہ ایک شخص اپنے ہاتھ میں سونا چاندی بھر کر نکلے گا لیکن اسے کوئی قبول کرنے والا نہیں ہوگا......[1]

فتنوں اور باہمی اختلاف و انتشار کی اطلاع

امن و امان قائم ہونے کی خوشگوار خبر کے علاوہ نبی اکرم ﷺ نے مسلمانوں کے باہمی اختلافات اور مناقشات کی بھی اطلاع دے دی تھی۔ ایک موقع پر آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مدینہ منورہ سے باہر نکلے۔ آپ ﷺ نے ایک گڑھی کے اوپر سے مدینہ منورہ کی طرف دیکھا اور فرمایا:

''میں دیکھ رہا ہوں کہ تمھارے گھروں پر فتنے بارش کی طرح برس رہے ہیں۔''[2] ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ ''یہ فتنے شہادت فاروقی کے بعد نمودار ہوں گے۔''[3]

فتنۂ خوارج کے ظہور کی خبر

عہد صحابہ رضی اللہ عنہم کے فتنوں میں سے ایک بڑا فتنہ خوارج کا بھی تھا۔ یہ لوگ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مسلمانوں کی جماعت سے الگ ہوگئے۔ انھوں نے اپنی جماعت کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں سے جدا کر لیا۔ اس زبردست فتنے کے بارے میں نبی کریم ﷺ کی متعدد پیش گوئیاں موجود ہیں، مثال کے طور پر سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ

1 صحیح البخاري: 3595، 1413 2 صحیح البخاري: 3597 3 صحیح البخاري: 3687

فرماتے ہیں:

ہم لوگ ایک دن نبی کریم ﷺ کی خدمت میں موجود تھے، اس وقت آپ ﷺ مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے، اس موقع پر ذوالخویصرہ تمیمی نے انتہائی بے ادبی سے کہا: اے محمد! عدل کیجیے۔ رسول اللہ ﷺ کو غصہ آ گیا۔ آپ نے فرمایا: «وَيْلَكَ وَمَنْ يَعْدِلُ إِذَا لَمْ أَعْدِلْ» ''تیری بربادی ہو۔ اگر میں نے عدل نہیں کیا تو پھر کون عدل کرے گا۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: حضور اجازت دیجیے میں اس گستاخ کی گردن اڑا دوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«دَعْهُ فَإِنَّ لَهُ أَصْحَابًا يَحْقِرُ أَحَدُكُمْ صَلَاتَهُ مَعَ صَلَاتِهِمْ وَصِيَامَهُ مَعَ صِيَامِهِمْ، يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ، يُنْظَرُ فِي قُذَذِهِ فَلَا يُوجَدُ فِيهِ شَيْءٌ، ثُمَّ يُنْظَرُ فِي نَصْلِهِ فَلَا يُوجَدُ فِيهِ شَيْءٌ، ثُمَّ يُنْظَرُ فِي رِصَافِهِ فَلَا يُوجَدُ فِيهِ شَيْءٌ، ثُمَّ يُنْظَرُ فِي نَضِيِّهِ فَلَا يُوجَدُ فِيهِ شَيْءٌ، قَدْ سَبَقَ الْفَرْثَ وَالدَّمَ، آيَتُهُمْ رَجُلٌ إِحْدَى يَدَيْهِ - أَوْ قَالَ: ثَدْيَيْهِ - مِثْلُ ثَدْيِ الْمَرْأَةِ - أَوْ قَالَ: مِثْلُ الْبَضْعَةِ - تَدَرْدَرُ، يَخْرُجُونَ عَلَى حِينِ فُرْقَةٍ مِنَ النَّاسِ»

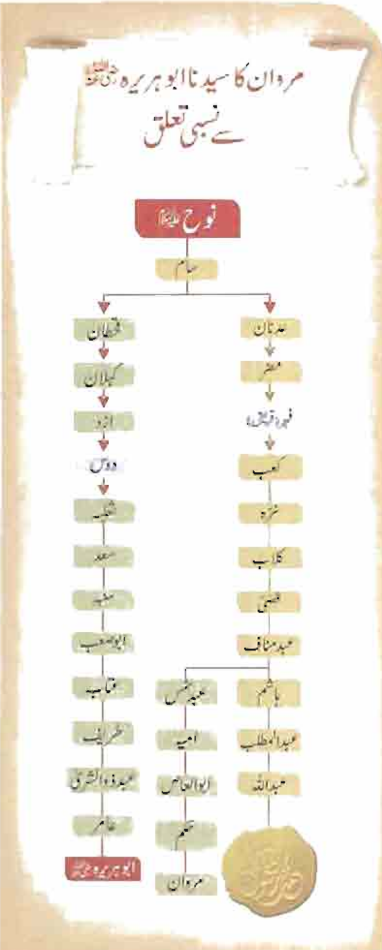
''نہیں، اسے چھوڑ دو۔ اس کے کچھ ایسے ساتھی ہوں گے کہ تم ان کی نماز، روزے کے مقابلے میں اپنی نماز اور روزے کو حقیر خیال کرو گے لیکن وہ دین سے یوں نکل جائیں گے جیسے تیر شکار کو زخمی کر کے نکل جاتا ہے۔ تیر کے پر کو دیکھا جائے تو اس پر کوئی نشان نہیں ہوتا۔ اس کے پھل کو دیکھا جائے تو وہاں بھی کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ اس کے پیکان کو دیکھا جائے تو وہاں خون کا دھبا نہیں ہوتا۔ اس کی لکڑی کو دیکھا جائے تو وہاں بھی کوئی نشان نہیں ہوتا، حالانکہ وہ شکار کی غلاظت اور خون سے گزر کر گیا ہے۔ ان کی نشانی ایک آدمی ہوگا جس کا ایک ہاتھ یا چھاتی عورت کی چھاتی کی طرح یا گوشت کے ٹکڑے کی طرح متحرک ہوگا۔ یہ لوگ مسلمانوں میں پھوٹ پڑنے کے وقت پیدا ہوں گے۔''[1]

فتنۂ ارتداد کی پیش گوئی

رسول اللہ ﷺ پر بذریعہ وحی جو باتیں منکشف کی گئیں، ان میں فتنۂ ارتداد پھوٹ پڑنے کی خبر بھی شامل ہے۔ فتنۂ ارتداد نبی اکرم ﷺ کی وفات کی خبر پھیلتے ہی برپا ہوا اور اس رو میں تمام عرب قبیلے بہہ گئے۔ مکہ مکرمہ، طائف اور مدینہ منورہ کے سوا شاید ہی کوئی علاقہ اس سے محفوظ رہا ہو۔ اس فتنے کی خبر دیتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] صحیح البخاری: 6933.



''میں تمھارا حوضِ کوثر پر پیش رو ہوں۔ تم میں سے کچھ لوگ میرے پاس آئیں گے، جب میں انھیں لینے کے لیے آگے بڑھوں گا تو مجھے روک دیا جائے گا، میں کہوں گا: پروردگار! یہ میرے صحابہ ہیں، کہا جائے گا: آپ نہیں جانتے کہ انھوں نے آپ ﷺ کے بعد کیا نئی بات اختیار کر لی تھی۔''[1]

نوجوانوں کے ہاتھوں امت کی تباہی کی پیش گوئی

عہد خلافت راشدہ میں خلفائے کرام انتظامی عہدوں کی ذمہ داریاں لیاقت و اہلیت کی بنیاد پر نہایت دیانتدار افراد کو سونپا کرتے تھے، لیکن بنو امیہ کی حکومت کے زمانے میں یہ طریقہ یکسر بدل گیا اور اکثر بڑی بڑی اہم ذمہ داریوں پر بے سمجھ اور نااہل نوجوانوں کا تقرر ہونے لگا، اس طرز عمل سے امت میں بے چینی، افتراق اور انتشار کی کیفیت کو مزید ہوا ملی اور ''دین و دنیا'' میں تفریق کا سلسلہ تیز تر ہو گیا۔ اس بات کی خبر بھی نبی اکرم ﷺ نے پہلے ہی دے دی تھی، چنانچہ عمرو بن یحییٰ بن سعید اپنے دادا سیدنا سعید بن عمرو بن سعید سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا:

میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد نبوی میں بیٹھا ہوا تھا، اس وقت مروان بھی ہمارے ساتھ تھا کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے سچے اور سچے سمجھے جانے والے (نبی اکرم ﷺ) سے یہ سنا ہے: ''میری امت کی تباہی قریش کے نوجوان لڑکوں کے ہاتھوں ہوگی۔'' مروان بولا: ان لڑکوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اگر میں یہ بتانا چاہوں کہ وہ (قریش کی) کس شاخ سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ کس کے بیٹے ہوں گے تو یقیناً بلا تأمل بتا سکتا ہوں۔'' اس کے بعد بنو مروان شام پر قابض ہو گئے۔ پھر میں اپنے دادا کے ساتھ جایا کرتا تھا، جب ہم مسند اقتدار پر نوجوان لڑکوں کو کارفرما دیکھتے تو میرے دادا کہتے: ہوسکتا ہے کہ یہ لوگ بھی انھی میں سے ہوں۔ میں کہتا کہ آپ ہی بہتر جانتے ہیں۔[2]

---

[1] صحیح البخاري: 7049، 7050 و 7051 [2] صحیح البخاري: 7057

بکثرت قتل وخون ریزی کی پیشگی اطلاع

نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں انسانی جان کی عزت وحرمت کا یہ عالم تھا کہ عام حالات میں قتل وخون ریزی کا شاذ ہی کوئی واقعہ پیش آتا تھا۔ لوگ ایک دوسرے کی جان و مال کا احترام کرتے تھے، لیکن بہت جلد وہ دور بھی آ گیا جب مسلمانوں کے مابین پھوٹ پڑ گئی اور قتل وخوں ریزی کا ایسا بازار گرم ہوا کہ تمام مسلم علاقے اس کی لپیٹ میں آ گئے۔ نبی اکرم ﷺ اس المیے کی پیش گوئی فرما چکے تھے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''زمانہ قریب ہوتا چلا جائے گا، عمل گھٹ جائیگا، لالچ بڑھ جائے گا، فتنے پھوٹ پڑیں گے اور ''ہرج'' کی کثرت ہو جائے گی۔'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! یہ ہرج کیا ہے؟ فرمایا: ''قتل، قتل۔'' [1]

ایک اور حدیث میں یہی بات زیادہ کھل کر کہی گئی ہے: سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ انھوں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ تاکید فرماتے ہوئے سنا: ''دیکھو! میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔'' [2]

خلافت راشدہ کے آخری دنوں اور بنو امیہ اور بنو عباس کے اقتدار کے دوران خون ریزی ہوئی، اس کا سلسلہ کسی نہ کسی شکل میں اب تک جاری ہے، یہ صورتحال یقینا مذکورہ روایات میں دی گئی خبر کا مصداق ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات کی پیشگی اطلاع دی

سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں جب یمن بھیجا تو وہ سوار ہو کر مدینہ منورہ سے نکلے، اس موقع پر خود نبی مکرم ﷺ ان کی سواری کے ساتھ ساتھ پیدل چل رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«يا معاذُ! إنك عسى ألا تلقاني بعد عامي هذا، فتمرُّ بقبري ومسجدي»

''اے معاذ! ممکن ہے تم اس سال کے بعد مجھ سے نہ مل پاؤ۔ اور میری قبر اور مسجد کے پاس سے گزرو۔''

یہ وحشت اثر خبر سن کر معاذ رضی اللہ عنہ رو پڑے تو آپ ﷺ نے خبردار فرمایا:

«لا تبكِ يا معاذُ، فإن البكاء من الشيطان»

''معاذ! مت رو، رونا (چیخنا، چلانا) شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔'' [3]

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کو اپنی وفات کا وقت قریب آنے کی پیشگی اطلاع دی ہے

[1] صحيح البخاري: 7061. [2] صحيح البخاري: 7077. [3] مسند أحمد 235/5، المعجم الكبير للطبراني 121/2، مسند البزار، رقم: 2647.

کہ ممکن ہے اس سال کے بعد تم مجھے نہ پا سکو۔ اس سے آپ ﷺ کی ذات بابرکات کے ساتھ صحابۂ کرام کی وہ والہانہ محبت بھی اجاگر ہوتی ہے کہ جب ان کے سامنے آپ کے فراق کا تذکرہ ہوتا تو وہ بے اختیار رو پڑتے تھے۔[1]

اب حوضِ کوثر پر ملیں گے

رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو برسرِ منبر اپنی وفات کی خبر دیتے ہوئے فرمایا:

«إني بين أيديكم فرط، وأنا عليكم شهيد، وإن موعدكم الحوض، وإني لأنظر إليه من مقامي هذا، إني لست أخشى عليكم أن تشركوا، ولكني أخشى عليكم الدنيا أن تنافسوها»

''میں حوض پر تمھارا پیش رو ہوں اور میں تم پر گواہ ہوں گا۔ اب حوض پر ملیں گے۔ میں اس وقت اس جگہ سے اپنے سامنے حوض کو دیکھ رہا ہوں۔ مجھے یہ خدشہ نہیں کہ تم شرک کرو گے بلکہ مجھے تمھارے بارے میں یہ خوف لاحق ہے کہ تم دنیا کے حصول کے لیے ایک دوسرے سے آگے لپکنے لگو گے۔''

حدیث کے راوی سیدنا عقبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: یہ آخری موقع تھا کہ میں نے آپ ﷺ کا دیدار کیا۔ اس کے بعد میں آپ ﷺ کو دیکھ نہ سکا۔[2]

میں اپنے رب سے ملاقات اور جنت کو اختیار کر چکا ہوں

رسول اللہ ﷺ صفر کے مہینے کے آخری ایام میں آدھی رات کو قبرستانِ بقیع الغرقد تشریف لے گئے اور اپنے آسودۂ خاک ساتھیوں کے لیے استغفار کیا۔

رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام ابو مویہبہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے آدھی رات کے وقت بلوایا اور فرمایا:

«يا أبا مويهبة! إني قد أمرت أن أستغفر لأهل البقيع، فانطلق معي»

''ابو مویہبہ! مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں بقیع والوں کے لیے دعائے مغفرت کروں، تم میرے ساتھ چلو۔''

میں آپ ﷺ کے ساتھ چل دیا۔ جب آپ ﷺ ان کی قبروں کے درمیان کھڑے ہوئے تو فرمایا:

«السلام عليكم يا أهل المقابر! ليهن لكم ما أصبحتم فيه مما أصبح الناس فيه، أقبلت الفتن كقطع الليل المظلم، يتبع آخرها أولها، والآخرة شر من الأولى»

1 [illegible]، ص: 38. 2 صحيح البخاري: 4042، صحيح مسلم: 2296.

’’اے اہلِ قبور! تم پر سلامتی ہو، لوگوں کی نسبت جس حالت میں تم ہو، تمہیں وہ حالت مبارک ہو، فتنے اس طرح سامنے آ گئے ہیں جس طرح تاریک رات کے ٹکڑے، ہر دوسرا فتنہ پہلے فتنے کے پیچھے لپکا چلا آ رہا ہے اور ہر دوسرا فتنہ پہلے سے زیادہ پُرفتن ہے۔‘‘

ابومویہبہ کہتے ہیں کہ پھر آپ ﷺ میری طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے:

«يا أبا مُوَيْهِبة! إنّي أُوتيتُ مفاتيحَ خزائنِ الدُّنيا والخُلْدَ فيها، ثمّ الجنّة، فخُيِّرتُ بين ذلك وبين لقاءِ ربّي والجنّة»

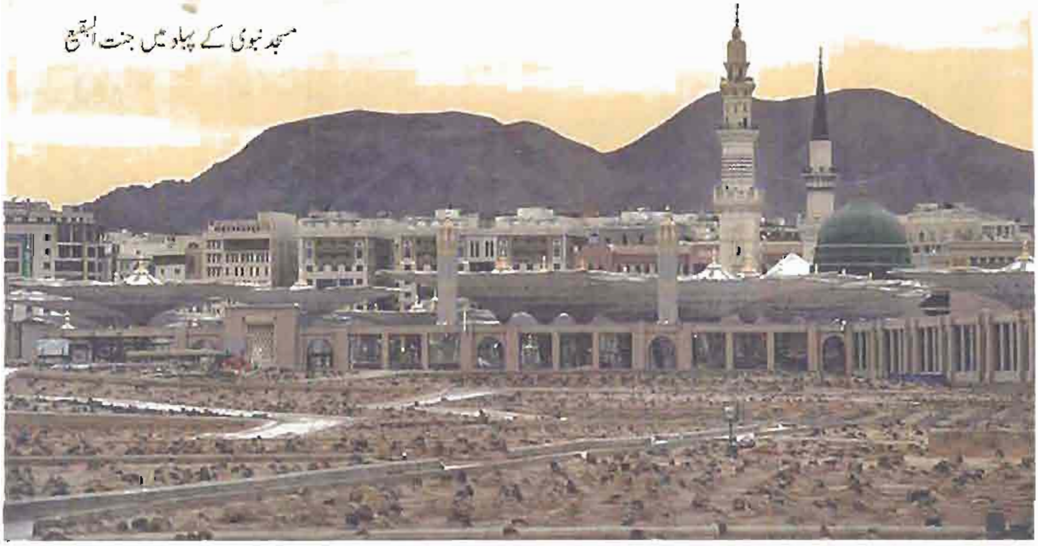
’’ابومویہبہ! مجھے ایک طرف دنیا بھر کے خزانوں کی کنجیاں، ہمیشہ کی زندگی اور آخر میں جنت پیش کی گئی اور دوسری طرف رب ذوالجلال سے ملاقات اور جنت رکھی گئی۔ پھر اختیار دے دیا گیا کہ دونوں سے جو چاہوں لے لوں۔‘‘

سیدنا ابومویہبہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ’’آپ ﷺ پر میرے ماں باپ فدا ہوں! آپ دنیا کے خزانے اور بقائے دوام کے ساتھ جنت لے لیں۔‘‘ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لا والله! يا أبا مُوَيْهِبة، لقد اخترتُ لقاءَ ربّي والجنّة»

’’نہیں، اللہ کی قسم! اے ابومویہبہ! میں نے اللہ رب العزت سے ملاقات اور جنت کو اختیار کر لیا۔‘‘

پھر آپ ﷺ نے اہلِ بقیع کے لیے دعائے مغفرت کی اور واپس تشریف لے آئے۔ بقیع سے واپسی ہی پر



مسجد نبوی کے پہلو میں جنت البقیع

آپ ﷺ کا وہ مرض شروع ہو گیا جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اپنی طرف بلا لیا۔ [1]

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنی وفات سے مطلع فرمایا

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہم سب بیویاں رسول اللہ ﷺ کے پاس اکٹھی تھیں۔ اتنے میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آ گئیں۔ اللہ کی قسم! ان کی چال ٹھیک رسول اللہ ﷺ کی چال سے مشابہ تھی۔ جب آپ ﷺ نے انھیں دیکھا تو فرمایا: «مرحبا بابنتي» ''میری بیٹی خوش آمدید!'' پھر آپ نے انھیں اپنے دائیں یا بائیں بٹھا لیا۔ اس کے بعد ان کے کان میں کوئی بات کہی تو وہ رونے لگیں۔ جب آپ نے ان کا غم دیکھا تو دوبارہ سرگوشی کی، اس پر وہ ہنسنے لگیں۔ میں نے فاطمہ سے پوچھا: رسول اللہ ﷺ نے سب کو چھوڑ کر صرف آپ سے راز کی بات کی ہے۔ پھر آپ کیوں رو رہی ہیں؟ جب نبی اکرم ﷺ اٹھے تو میں نے ان سے پوچھا: بتائیں تو سہی، رسول اللہ ﷺ نے آپ سے چپکے چپکے کیا فرمایا تھا؟ انھوں نے کہا: میں رسول اللہ ﷺ کی راز کی بات افشا نہیں کروں گی۔

جب آپ ﷺ وفات پا گئے، اس وقت میں نے ان سے کہا: آپ پر میرا جو حق ہے، اس حوالے سے پوچھتی ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس روز آپ سے کیا فرمایا تھا؟ انھوں نے کہا: جی ہاں! اب وہ بات بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں، پھر کہنے لگیں: جب آپ ﷺ نے پہلی بار میرے کان میں بات کی تو یہ فرمایا تھا:

«إن جبريل كان يعارضني بالقرآن كل سنة مرة وإنه قد عارضني به العام مرتين ولا أرى الأجل إلا قد اقترب، فاتقي الله واصبري، فإني نعم السلف أنا لك!»

''جبریل علیہ السلام ہر سال مجھ سے قرآن پاک کا ایک بار دور کیا کرتے تھے، اس سال انھوں نے دوبار دور کیا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ میری موت قریب ہے۔ تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتی رہنا اور صبر کرنا۔ میں تمھارے لیے آخرت میں اچھا پیش رو ہوں گا۔''

اس وقت میرا رونا جو آپ نے دیکھا تھا، اس کی وجہ یہی تھی۔ جب آپ ﷺ نے میری پریشانی دیکھی تو پھر مجھ سے سرگوشی کی اور فرمایا:

«يا فاطمة! ألا ترضين أن تكوني سيدة نساء المؤمنين أو سيدة نساء هذه الأمة؟»

1 مسند أحمد 3/489، المستدرك للحاكم 3/56، المعجم الكبير للطبراني 22/347,346، مجمع الزوائد للهيثمي 9/24، حسن التدبير [illegible] 79

’’اے فاطمہ! کیا تم اس بات سے خوش نہیں کہ تم سب مسلمانوں کی عورتوں یا یوں فرمایا کہ اس امت کی عورتوں کی سردار ہو گی؟‘‘

آپ ﷺ کا یہ ارشاد سن کر میں ہنسنے لگی جیسا کہ آپ نے دیکھا تھا۔[1]

اپنے بعد فوت ہونے والی پہلی زوجہ کے متعلق پیش گوئی

نبی اکرم ﷺ نے جس طرح اپنی وفات کی خبر دی، اسی طرح آپ نے مختلف لوگوں کی وفات کی بھی خبر دی۔ ازواج مطہرات میں سب سے پہلے انتقال کرنے والی زوجہ مطہرہ کی خبر دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ وہ خاتون ہوگی جن کا ہاتھ لمبا ہوگا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«أَسْرَعُكُنَّ لَحَاقًا بِي أَطْوَلُكُنَّ يَدًا» قَالَتْ: فَكُنَّ يَتَطَاوَلْنَ أَيَّتُهُنَّ أَطْوَلُ يَدًا، قَالَتْ: فَكَانَتْ أَطْوَلَنَا يَدًا زَيْنَبُ، لِأَنَّهَا كَانَتْ تَعْمَلُ بِيَدِهَا وَتَصَدَّقُ.

’’تم میں سب سے پہلے مجھ سے وہ (بیوی) آ ملے گی جس کے ہاتھ لمبے ہوں گے۔‘‘ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ’’ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اپنے ہاتھوں کو ناپا کرتی تھیں، حالانکہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے ہاتھ لمبے تھے کیونکہ وہ اپنے ہاتھوں سے کماتیں اور اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتی تھیں۔‘‘[2]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب سرور دو عالم ﷺ کے بعد سب سے پہلے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تو اس وقت ہمیں ہاتھ لمبے ہونے کا مطلب سمجھ آیا کہ اس سے مراد کثرت کے ساتھ صدقہ خیرات کرنا ہے، یعنی صدقہ و خیرات کرنے میں کس زوجۂ محترمہ کا ہاتھ لمبا ہے۔[3]

ام ورقہ رضی اللہ عنہا کی شہادت کی خبر

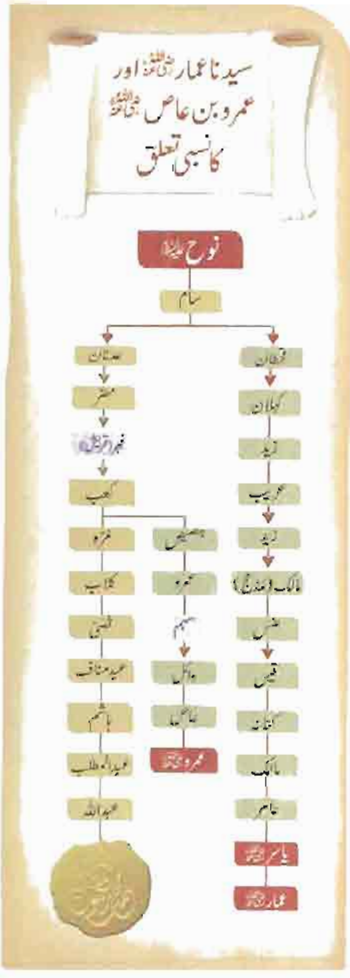
ام ورقہ بنت نوفل رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ غزوۂ بدر کے لیے روانہ ہونے لگے تو میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! مجھے بھی اپنے ساتھ جانے کی اجازت دیجیے۔ میں بیماروں اور زخمیوں کی تیمارداری کروں گی۔ شاید اللہ تعالیٰ مجھے بھی شہادت نصیب فرمائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’گھر ہی میں رہو۔ اللہ تعالیٰ تمھیں شہادت نصیب کرے گا۔‘‘ اس لیے انھیں زندگی ہی میں شہیدہ کہا جاتا تھا، پھر ہوا یوں کہ انھوں نے اپنے ایک غلام اور لونڈی کے بارے میں اعلان کر دیا کہ میری موت کے بعد یہ آزاد ہوں گے۔ ان دونوں نے فوراً آزاد ہونے

[1] صحيح البخاري: 6286,6285، صحيح مسلم: (99,98)-2450. [2] صحيح البخاري: 1420، صحيح مسلم: 2452 واللفظ له. [3] صحيح البخاري: 1420.

کی خواہش سے مغلوب ہو کر رات کے وقت ان کے منہ میں انھی کی چادر ٹھونس کر انھیں شہید کر دیا اور فرار ہو گئے۔ صبح جب یہ خبر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو آپ نے اعلان فرمایا: ''جس شخص کو اس غلام اور لونڈی کے بارے میں کوئی علم ہو یا جس نے انھیں دیکھا ہو تو وہ انھیں لا کر پیش کرے۔'' آخر انھیں پکڑ لیا گیا اور سولی پر لٹکا دیا گیا۔ مدینہ منورہ میں سولی دینے کا یہ پہلا واقعہ تھا۔[1]

بیہقی کی روایت میں ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یقیناً سچ ہے۔ آؤ ہم شہیدہ کی زیارت کر آئیں۔'' ام ورقہ رضی اللہ عنہا نے قرآن مجید حفظ کیا ہوا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں یہ اجازت بھی دے رکھی تھی کہ اپنے گھر میں اذان کے لیے مؤذن اور عورتوں کی جماعت کا اہتمام کیا کریں۔

عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر



خندق کی کھدائی کے دوران صداقت نبوت کا اظہار و اعلان اس طرح بھی ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی شہادت کی پیش گوئی کی۔ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے اس ہستی نے خبر دی جو مجھ سے بہتر ہے۔ جب عمار رضی اللہ عنہ خندق کھود رہے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر کو جھاڑتے ہوئے فرمایا:

بؤس ابن سمية تقتلك فئة باغية

''ابن سمیہ کو کتنی بڑی مصیبت لاحق ہوگی۔ (اے عمار!) تجھے ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔''

یاد رہے کہ سیدنا عمار رضی اللہ عنہ جنگ صفین میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی رفاقت میں لڑتے ہوئے شہید کر دیے گئے تھے۔

سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے قاتل کے بارے میں اختلاف ہے۔ کہا جاتا ہے کہ انھیں ابو الغادیہ المزنی نے قتل کیا تھا۔ یہ اپنی کنیت سے مشہور تھا۔ اس کا نام مسلم یا یسار تھا۔ اس نے سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کو نیزہ مار کر شدید زخمی کر دیا۔ وہ زمین پر گر گئے، تو ایک اور شخص نے ان کی گردن کاٹ

1 سنن ابی داود: 591، ومسند احمد: 6/405.

ڈالی۔ پھر دونوں جھگڑنے لگے۔ دونوں کا دعویٰ یہ تھا کہ اس نے سیدنا عمار کو قتل کیا ہے۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے یہ منظر دیکھا تو فرمایا:

واللهِ إنْ يَخْتَصِمَانِ إلَّا فِي النَّارِ.

اللہ کی قسم! یہ دونوں جہنم کی آگ کے لیے جھگڑ رہے ہیں۔"

اللہ کی قسم! میری تمنا ہے، کاش! میں آج سے بیس سال قبل فوت ہو چکا ہوتا (اور یہ الم انگیز منظر نہ دیکھتا)۔

سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ ربیع الاول یا ربیع الثانی 37ھ میں شہید ہوئے۔ اس وقت آپ کی عمر 93 یا 94 سال تھی۔ [1]

حسین رضی اللہ عنہ فرات کے کنارے شہید کیے جائیں گے

شط العرب (عراق) کے آثار



علی رضی اللہ عنہ شط العراق میں تھے کہ انھوں نے بتایا: میں ایک دن نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے۔ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا کسی نے آپ کو تکلیف پہنچائی ہے؟ آپ کی آنکھوں سے آنسو کیوں بہہ رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«بَلْ قَامَ مِنْ عِنْدِي جِبْرِيلُ فَحَدَّثَنِي أَنَّ الْحُسَيْنَ يُقْتَلُ بِشَطِّ الْفُرَاتِ»

"ایسی کوئی بات نہیں بلکہ جبریل علیہ السلام ابھی میرے پاس سے اٹھ کر گئے ہیں۔ انھوں نے مجھے بتلایا ہے کہ حسین فرات کے کنارے شہید ہوں گے۔"

دریائے فرات (عراق)



سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پھر رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

«هَلْ لَكَ إِلَى أَنْ أُشِمَّكَ مِنْ تُرْبَتِهِ؟»

"کیا میں تمھیں اس مٹی سے حسین کی بو نہ سنگھاؤں؟"

میں نے کہا: جی ہاں! پھر آپ ﷺ نے زمین سے مٹی کی ایک مٹھی بھری اور مجھے دے دی، (جب میں نے اس میں سے حسین کی بو محسوس کی) تو میں اپنے اوپر قابو نہ رکھ سکا اور میری آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہنے لگے۔ [2]

[1] أسد الغابة: 312/3، تفصیلات کے لیے دیکھیے سیرت انسائیکلو پیڈیا 4/359، 7/287۔ [2] مسند احمد 85/1.

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ تنہائی میں انتقال کریں گے

سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ غزوۂ تبوک میں شرکت کے لیے جا رہے تھے کہ ان کا اونٹ تھک کر سست پڑ گیا۔ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ نے اپنا سامان اپنی ہی پشت پر لادا اور پیدل چل پڑے۔ ادھر رسول اللہ ﷺ ایک جگہ پڑاؤ ڈال چکے تھے۔ ایک شخص نے دیکھا کہ دور سے ایک آدمی پیدل چلا آ رہا ہے۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کو مطلع کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کرے یہ ابوذر ہو!'' جب یہ قریب پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ ابوذر پر رحم فرمائے۔ یہ اکیلا ہی چلتا ہے، اکیلا ہی وفات پائے گا اور اکیلا ہی اٹھایا جائے گا۔'' چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ مدینہ سے باہر ربذہ میں مقیم تھے کہ وہیں انتقال فرما گئے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ عراق سے مکہ مکرمہ جا رہے تھے۔ انھوں نے راستے میں ابوذر رضی اللہ عنہ کا جنازہ دیکھا تو رو پڑے۔ انھیں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی یاد آ گیا کہ ابوذر اکیلے ہی فوت ہوں گے اور اکیلے ہی اٹھائے جائیں گے۔ انھوں نے نماز جنازہ پڑھی اور سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کی تدفین کی۔[1]

جھوٹے نبیوں کے نمودار ہونے کی پیش گوئیاں

10ھ کے اواخر میں جب رسول اللہ ﷺ نے حج کیا اور مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو لوگوں کے کانوں میں ارتداد کی آواز پہنچنے لگی اور اس کی چنگاری راکھ کے نیچے بھڑکنے لگی۔ سانپ سوراخوں سے اپنے سر نکالنے لگے۔ جن کے دلوں میں مرض تھا انھیں خروج کی جرأت ہونے لگی۔ چنانچہ اسود عنسی یمن میں، مسیلمہ کذاب یمامہ میں اور طلیحہ اسدی اپنے علاقے میں اٹھ کھڑے ہوئے۔[2] اسود عنسی اور مسیلمہ کذاب اسلام کے لیے بہت بڑا خطرہ بن گئے، یہ اپنے ارتداد پر ڈٹ گئے اور انھیں زبردست فوجی قوت حاصل ہوگئی۔

اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے بارے میں اپنے نبی ﷺ کو ایک خواب دکھایا جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوگئیں اور پھر آپ ﷺ کے بعد آپ کی امت کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں۔ ایک دن منبر پر خطبہ دیتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا: ''لوگو! مجھے شب قدر دکھائی گئی، پھر مجھے بھلا دیا گیا اور میں نے اپنے دونوں بازوؤں میں سونے کے دو کنگن دیکھے، مجھے یہ بات ناگوار گزری، پھر پھونک ماری تو وہ دونوں کنگن اڑ گئے۔ میں نے اس کی تعبیر دو جھوٹوں سے کی۔ (ایک) یمن والا (اسود عنسی) اور (دوسرا) یمامہ والا (مسیلمہ کذاب)۔''[3]

1 تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا: 445/3، 479/3-484۔ 2 الطبقات لابن سعد: 192/2، تاریخ الدعوۃ إلی الإسلام للدکتور یسری محمد ھانی، ص: 270، عقیدۃ الصالح، المعتقد، ص: 109۔ 3 حرکۃ الردۃ، ص: 65.

ہمارے قریبی زمانے میں انگریزوں کا ایجنٹ مرزا غلام احمد قادیانی بھی ایسے ہی کذاب لوگوں میں سے تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے ان جھوٹے مدعیان نبوت کے ظہور کی خبر دیتے ہوئے فرمایا تھا: ''قیامت سے پہلے تیس کذاب اور دجال پیدا ہوں گے، اُن میں سے ہر ایک یہی کہے گا کہ وہ اللہ کا نبی ہے۔''[1]

فتنہ انکارِ حدیث کی پیشگی اطلاع

عصرِ حاضر کے فتنوں میں سے ایک اہم فتنہ انکارِ حدیث کا ہے، جس کے ڈانڈے مستشرقین کے ساتھ ملتے ہیں۔ اس لیے کہ حدیث نبوی کی جمع و تدوین پر سب سے پہلے انھی نے شکوک و شبہات کا اظہار کیا تھا۔ اس سلسلے میں گولڈ زیہر (Gold Ziher) کی تصانیف میں علی الاعلان انکارِ حدیث کے مضامین موجود ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے متعدد ارشادات میں اس انکارِ حدیث کے فتنے کی بھی خبر دی تھی۔ ارشادِ گرامی ہے:

''میں تم میں سے کسی کو نہ پاؤں کہ وہ اپنی مسند پر تکیہ لگائے بیٹھا ہو اور اس کے پاس میرے کاموں میں سے کوئی کام، جسے کرنے کا میں نے حکم دیا یا منع کیا ہو بیان کیا جائے تو وہ کہے: ہم نہیں جانتے، ہم تو جو کچھ قرآن میں ہے اسی کو مانتے ہیں۔''[2]

قدریہ کے متعلق پیش گوئی

قدریہ کا گروہ پہلی صدی ہجری میں اس وقت ظاہر ہوا جب مسلمانوں نے عجمی علاقے اور غیر عربی ممالک فتح کیے، معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس قسم کی تحریک پہلے ہی موجود تھی۔ ''قدریہ'' کا یہ عقیدہ تھا کہ ''تقدیر'' وغیرہ کچھ نہیں ہے، جو کچھ انسان کر لیتا ہے، وہی اس کی تقدیر ہوتی ہے۔ جب صحابہ کرام کے سامنے ان کے یہ عقائد و خیالات آئے تو انھوں نے نہ صرف یہ کہ ان کے ان خیالات کی تردید کی، بلکہ انھوں نے یہ بھی بتلایا کہ نبی اکرم ﷺ نے اس فرقے کے ظہور کی خبر دیتے ہوئے فرمایا تھا:

''تم لوگ ''اہل قدر'' کے ساتھ بیٹھو نہ ان کے ساتھ بحث و مناظرے کی ابتدا کرو۔''[3]

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''قدریہ اس امت کے مجوس ہیں، اگر وہ بیمار ہو جائیں تو ان کی عیادت نہ کرو، اگر وہ مرجائیں تو ان کے جنازے میں بھی شامل نہ ہونا۔''[4]

[1] جامع الترمذي: 2218. [2] سنن أبي داود: 4605,4604، جامع الترمذي: 2665 2666، سنن ابن ماجه: 21
[3] سنن أبي داود: 4710. [4] سنن أبي داود: 4691.

بنوثقیف کے کذاب اور مبیر کے ظہور کی اطلاع

عہد صحابہ اور عہد تابعین میں جو فتنے اٹھے، ان میں دو افراد نے بڑا نام پیدا کیا۔ ان میں سے ایک حجاج بن یوسف اور دوسرا مختار بن ابی عبید ثقفی ہے، یہ دونوں بنوثقیف سے تعلق رکھتے تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے ان کے بارے میں بھی (نام لیے بغیر) امت کو خبردار کر دیا تھا، چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

”بنوثقیف میں ایک کذاب اور ایک مبیر (خون ریزی کرنے والا) ہوگا۔“

امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ کذاب تو مختار بن ابی عبید ہے اور خون ریزی کرنے والا حجاج بن یوسف۔ امام ترمذی نے ہشام بن حسان کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ اس نے جن لوگوں کو قتل کیا، ان کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار ہے۔[1]

قیامت تک پیش آنے والے واقعات کی اطلاع

نامور صحابی ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن نبی اکرم ﷺ نے نماز عصر پڑھائی، پھر آپ ﷺ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور آپ ﷺ نے قیامت تک پیش آنے والی باتوں میں کوئی ایسی (اہم) بات نہ چھوڑی جس کی آپ ﷺ نے ہمیں خبر نہ دی ہو، جسے یاد رہا اس نے یاد کر لیا، جسے یاد نہ رہا وہ بھول گیا۔[2]

بحری جہاد کی پیش گوئی

نبی اکرم ﷺ کا عہد مبارک، مشرکوں، کافروں اور منافقوں کی سازشوں اور فتنہ گری کا زمانہ تھا۔ اس صبر آزما زمانے میں یہ گمان بھی نہیں ہوسکتا تھا کہ مسلمان کبھی بحری جہاد کرنے کے قابل ہو جائیں گے، مگر آپ ﷺ نے سیدہ ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا کو بحری جہاد کی خبر دیتے ہوئے فرمایا:

”میں نے اپنی امت کے ان مجاہدوں کو دیکھا جو سمندر میں جہاد کے لیے سفر کریں گے اور جہازوں پر اس طرح بیٹھے ہوں گے جس طرح بادشاہ اپنے تخت پر بیٹھتے ہیں۔ (مزید فرمایا کہ) وہ سب جنتی ہیں۔“

سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! دعا کیجیے کہ میں بھی ان میں سے ہو جاؤں۔ آپ ﷺ نے دعا فرما دی۔

1 جامع الترمذي 2220 2 جامع الترمذي 2191.

آپ ﷺ کا یہ فرمان عہد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں پورا ہوا، جب مسلمانوں نے قسطنطنیہ پر بحری راستے سے پہلا حملہ کیا اور سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا کو نہ صرف اس میں شرکت کا شرف نصیب ہوا، بلکہ شہادت کی سعادت بھی حاصل ہوئی۔[1]

حجاز سے عرب ملکوں کے قطع تعلق کی خبر

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''عراق نے اپنے درہم و قفیز[2]، شام نے اپنے درہم و دینار اور مصر نے بھی اپنے دینار روک لیے۔'' پھر آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا: ''تم ویسے کے ویسے ہی رہ گئے، جیسے شروع میں تھے۔''[3] اس کا مطلب یہ تھا کہ حجاز (مکہ و مدینہ) اسلامی سلطنت کے باقی علاقوں سے کٹ جائے گا اور ان علاقوں میں جدا جدا مستقل حکومتیں قائم ہو جائیں گی۔

چنانچہ عہد بنو امیہ میں یہ پیش گوئی پوری ہو گئی جب دمشق میں سلطنت اموی کا قیام عمل میں آ گیا تو حجاز کو ان علاقوں سے نہ غلہ پہنچتا تھا، نہ نقدی۔ اس کے بعد بنو عباس کے زمانہ اقتدار میں ان علاقوں کی حکومتیں کامل طور پر خود مختار اور مرکز سے آزاد ہو گئیں اور اب تک اس صورت حال میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

حجاز سے ایک بڑی آگ کا ظہور

اللہ کے رسول ﷺ نے جن علامات قیامت کی خبر دی ہے، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ارض حجاز میں مدینہ طیبہ کے قریب ایک زبردست آگ بھڑکے گی۔ بعض علماء و مورخین نے وثوق سے لکھا ہے کہ یہ آگ 654ھ میں بھڑک چکی ہے۔

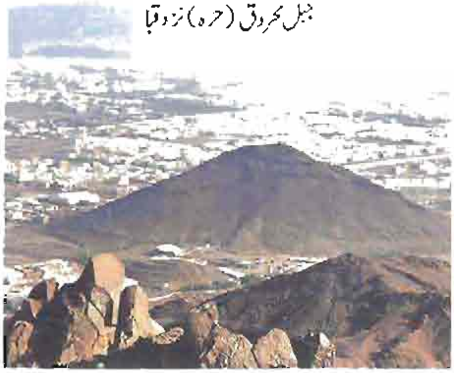
حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس واقعے کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ارض حجاز سے وہ عظیم آگ ظاہر ہو چکی ہے جس سے بُصریٰ (ملک شام کے شہر حوران) کے اونٹوں کی گردنیں روشن ہو گئی تھیں، جیسا کہ اس کا حدیث میں ذکر ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اس سلسلے میں فرمایا تھا: قیامت اس وقت تک قائم نہ ہو گی جب تک ارض حجاز سے ایک ایسی آگ ظاہر نہ ہو جائے جس سے بُصریٰ کے اونٹوں کی گردنیں روشن ہو جائیں گی۔''[4]

کہا جاتا ہے کہ یہ آگ تین ماہ تک موجود رہی۔ یہ آگ اس قدر شدید تھی کہ مدینہ کی خواتین اس کی روشنی میں

[1] صحيح البخاري: 52/63، 2/218. [2] صحيح مسلم: 2896. [3] قفیز اہل عراق کے ماپنے کا ایک پیمانہ ہے جیسے ہمارے کلو اور ٹن جیسے اوزان ہیں۔ [4] صحيح البخاري: 7118.

جبل محرق (حرہ) نزد قبا



سوت کاتا کرتی تھیں۔"[1]

علامہ ابوشامہ اس واقعے کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جمادی الآخرہ 654ھ کی تین تاریخ اور بدھ کی رات تھی، جب مدینہ منورہ میں ایک ہولناک گونج سنائی دی، اس کے بعد زلزلہ آیا، اس زلزلے نے زمین ہی نہیں دیواروں چھتوں، لکڑیوں اور دروازوں تک کو ہلا کر رکھ دیا۔ یہ سلسلہ ماہ مذکور میں بدھ کی رات سے شروع ہو کر جمعۃ المبارک کے دن تک جاری رہا۔ پھر اس کے بعد ایک عظیم آگ مدینہ کے مقام حرہ میں، جو بنو قریظہ کے قریب تھا، ظاہر ہوئی۔ یہ آگ ہمیں مدینہ میں اپنے گھروں میں بیٹھے بیٹھے نظر آ رہی تھی۔ ہمیں یوں محسوس ہوا کہ یہ ہمارے قریب ہی موجود ہے۔ مدینہ کی وادیاں اس آگ سے بھر گئیں۔ آگ وادی شظا کی جانب یوں چل رہی تھی جس طرح پانی بہتا ہے۔ یہ آگ بلند و بالا عمارات جتنی اونچی اونچی بڑی بڑی چنگاریاں پھینک رہی تھی۔[2]

غزوۂ ہند کی خبر

ہندوستان دنیا کے اہم ترین خطوں میں سے ایک ہے، جہاں محمد بن قاسم، سلطان شہاب الدین غوری اور سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر کئی مسلمان حکمرانوں نے متعدد بار جہاد کیا اور بہت سے علاقے فتح کیے۔ جہاد ہند کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کا ارشاد مبارک امام نسائی نے یوں نقل کیا ہے:

عِصَابَتَانِ مِنْ أُمَّتِي أَحْرَزَهُمَا اللَّهُ مِنَ النَّارِ: عِصَابَةٌ تَغْزُو الْهِنْدَ، وَعِصَابَةٌ تَكُونُ مَعَ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ

"میری امت میں سے دو جماعتوں کو اللہ تعالیٰ نے آگ سے آزاد فرما دیا ہے۔ ایک وہ جماعت جو ہندوستان پر حملہ کرے گی اور دوسری وہ جماعت جو عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ (مل کر دجال سے نبرد آزما) ہوگی۔"[3]

ترکوں سے جنگ

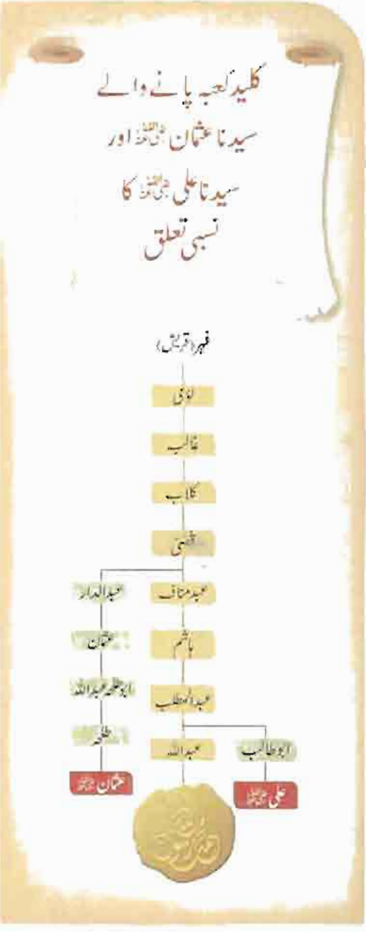
ترکوں کے ساتھ جنگ کی خبر دیتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

1 البداية والنهاية 13/199 2 التذكرة، ص 527 3 سنن النسائي، 3177

«لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تُقَاتِلُوا التُّرْكَ، صِغَارَ الْأَعْيُنِ، حُمْرَ الْوُجُوهِ، ذُلْفَ الْأُنُوفِ، كَأَنَّ وُجُوهَهُمُ الْمَجَانُّ الْمُطْرَقَةُ»

''اس وقت تک قیامت برپا نہ ہوگی جب تک تم ان ترکوں سے جنگ نہ کرو گے جن کی آنکھیں چھوٹی چھوٹی، چہرے سرخ، ناک چپٹی اور چہرے ایسی ڈھالوں کی طرح چوڑے ہوں گے جن پر چمڑا لگا ہوا ہوتا ہے۔''[1]

یہ معرکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد میں خلافت بنو امیہ کے اوائل میں ہوا۔ اس میں فرزندانِ اسلام نے نہ صرف ترکوں کو شکست دی بلکہ ان سے مالِ غنیمت بھی حاصل کیا۔



کلیدِ کعبہ خاندانِ بنوشیبہ کی تحویل میں رہنے کی بشارت

فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے بیت اللہ کی کنجی منگوائی۔ خطبہ سے فارغ ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما ہوئے۔ کعبہ کی کنجی آپ کے ہاتھ میں تھی۔ اس وقت سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے آپ سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہ کنجی ہمیں عطا فرما دیں تاکہ سقایت و حجابت اکٹھی ہو جائے، یعنی لوگوں کو زم زم کا پانی پلانے کے ساتھ ساتھ بیت اللہ کی دربانی کا شرف بھی ہمیں نصیب ہو جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «أَيْنَ عُثْمَانُ بْنُ طَلْحَةَ؟» ''عثمان بن طلحہ کہاں ہیں؟''

عثمان رضی اللہ عنہ کو بلایا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«هَاكَ مِفْتَاحَكَ يَا عُثْمَانُ، الْيَوْمُ يَوْمُ بِرٍّ وَوَفَاءٍ»

''اے عثمان! یہ لو اپنی چابی، آج نیکی اور ایفائے عہد کا دن ہے۔''[2]

ابن سعد کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«خُذُوهَا يَا بَنِي أَبِي طَلْحَةَ تَالِدَةً خَالِدَةً، لَا يَنْزِعُهَا مِنْكُمْ أَحَدٌ إِلَّا ظَالِمٌ»

''اے ابوطلحہ کے بیٹے! یہ چابی ہمیشہ کے لیے لے لو، اسے تم سے صرف کوئی ظالم ہی چھینے گا۔''[3]

1 صحیح البخاري: 2928، وصحیح مسلم: 2912. 2 السیرة لابن ھشام: 55/4. 3 الطبقات لابن سعد: 13/2.

اس دن سے آج تک بیت اللہ کی چابی بنو شیبہ ہی کے پاس چلی آ رہی ہے۔ اور اللہ کے حکم سے قیامت تک انھی کی تحویل میں رہے گی۔

مسلمانوں میں باہم کشت و خون کی خبر

صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"لا تقوم الساعة حتى تقتتل فئتان عظيمتان، ويكون بينهما مقتلة عظيمة، دعواهما واحدة"

''قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک مسلمانوں کی دو بڑی جماعتیں ایک دوسرے کے خلاف صف آرا نہ ہوں۔ ان کے درمیان بہت قتل و غارت ہوگی اور ان دونوں کا دعویٰ ایک ہی ہوگا۔''[1]

چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت اور اس کے بعد والے دور میں اس حدیث مبارکہ کی صداقت جس قدر وضاحت سے سامنے آئی وہ محتاجِ بیان نہیں۔

مساجد کی خوب تزئین و آرائش کی جائے گی

رسول اللہ ﷺ نے پیش گوئی فرمائی کہ مساجد میں ضرورت سے زیادہ تزئین و آرائش ہوگی اور اس پر فخر کیا جائے گا۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: الا تقوم الساعة حتى يتباهى الناس في المساجد ''اس وقت تک قیامت برپا نہ ہوگی جب تک لوگ مسجدوں پر فخر نہ کرنے لگیں۔''[2]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا کہنا ہے: ''تم اپنی مساجد کی تزئین و آرائش کرو گے جیسے یہود و نصاریٰ نے اپنی عبادت گاہوں کو مزین کیا ہے۔''[3] آج ہمارے زمانے میں یہی کچھ ہو رہا ہے۔

گھروں میں بلاضرورت پردے لٹکانے کی پیش گوئی

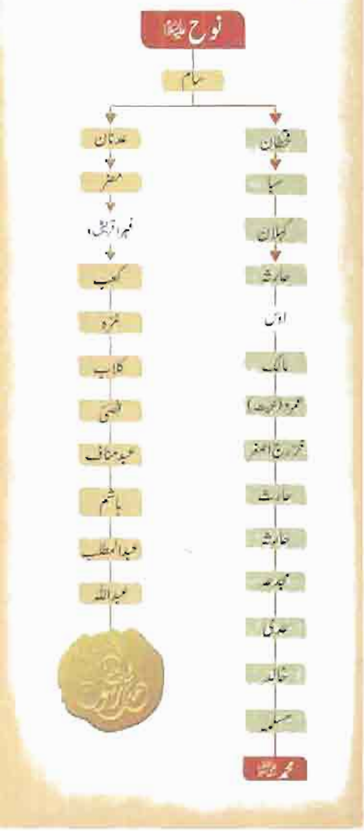
سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایک وقت ایسا آئے گا کہ تمھارے پاس فالتو چادریں ہوں گی۔ تم صبح ایک جوڑا پہنو گے اور شام کو دوسرا پہنو گے۔ اپنے گھروں میں پردے لٹکاؤ گے جس طرح کعبہ پر غلاف چڑھائے جاتے ہیں۔ تم اس دن کے مقابلے میں آج بہتر ہو۔''[4] یہ آنکھوں دیکھی بات ہے، آج ہمارے زمانے میں عموماً ایسا ہی ہو رہا ہے۔

1 صحيح مسلم، 157، بعد حديث 2888. 2 سنن أبي داود: 449، سنن النسائي: 680، سنن ابن ماجه: 739
3 صحيح ابن حبان 493/4، حديث 1615. 4 جامع الترمذي 2476.

محمد بن مسلمہ ؓ کو کوئی فتنہ نقصان نہیں پہنچائے گا

سیدنا حذیفہ ؓ نے فرمایا کہ ہر شخص کے بارے میں فتنے میں مبتلا ہونے کا خدشہ ہے سوائے محمد بن مسلمہ کے کیونکہ ان کے لیے میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا: ''تمھیں کوئی فتنہ نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔'' سیدنا ثعلبہ بن ضبیعہ ؓ نے کہا: ہم مدینہ منورہ آئے، وہاں ایک خیمہ لگا ہوا تھا۔ اس میں محمد بن مسلمہ انصاری ؓ تھے۔ میں نے ان سے خیمہ لگانے کا سبب پوچھا تو انھوں نے جواب دیا: ''جب تک مسلمانوں کی جماعت فتنے سے پاک نہیں ہو جاتی، اس وقت تک میں مسلمانوں کے کسی شہر میں قیام نہیں کروں گا۔''[1]

رسول اللہ ﷺ سے سیدنا محمد بن مسلمہ ؓ کا نسبی تعلق



کتے بھونکیں گے

قیس بن ابی حازم سے روایت ہے، انھوں نے کہا: سیدہ عائشہ صدیقہ ؓ بنو عامر کے علاقے میں گئیں تو وہاں کے کتے بھونکنے لگے۔ پوچھا: ''یہ کونسا چشمہ ہے؟'' لوگوں نے کہا: حوأب! انھوں نے فرمایا: ''میرا خیال ہے مجھے واپس چلنا چاہیے۔'' سیدنا زبیر ؓ بولے: نہیں! بلکہ آپ کو چلتے رہنا چاہیے۔ ممکن ہے لوگ آپ کو دیکھ کر صلح کی طرف مائل ہو جائیں۔ سیدہ عائشہ صدیقہ ؓ نے فرمایا: ''نہیں، میں سمجھتی ہوں مجھے واپس جانا چاہیے کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ''تم میں سے اس بیوی کا کیا حال ہوگا جس پر حوأب کے کتے بھونکیں گے؟''[2]

فتح مصر کی پیش گوئی

سیدنا کعب بن مالک، عمرو بن عاص، ابو ذر اور ام سلمہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

1 سنن أبي داود: 4663-4665، مستدرك الحاكم: 3/434، تهذيب الخصائص للسيوطي، حديث: 413 2 مسند أحمد: 6/52 و57، تهذيب الخصائص للسيوطي، حديث: 414

''جب مصر فتح ہو تو قبطیوں سے اچھا سلوک کرنا، انھیں اللہ اور اس کے رسول کی پناہ حاصل ہے اور تمھارے ساتھ ان کی رشتے داری بھی ہے۔'' آپ ﷺ کے بیٹے ابراہیم کی والدہ سیدہ ماریہ قبطیہ ؓ انھی میں سے ہیں۔ ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں:

«إنه سيفتح عليكم مصر، فاستوصوا بقبطها خيرا، فإن لكم منهم صهرا وذمة»



''اللہ تعالیٰ تمھارے لیے مصر فتح فرمائے گا۔ قبطیوں سے اچھا سلوک کرنا کیونکہ تمھاری ان سے رشتے داری بھی ہے اور وہ تمھارے ذمی بھی ہیں۔''[1]

اویس قرنی سے دعا کرانے کی تاکید

سیدنا عمر بن خطاب ؓ نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ''تابعین میں سے ایک بہترین شخص ہے۔ اُسے اُویس کہا جاتا ہے۔ اس کی والدہ (حیات) ہوگی۔ اس کے جسم پر ایک درہم کے بقدر پھلبہری کا نشان ہو گا۔ اسے کہنا کہ وہ تمھارے لیے مغفرت کی دعا کرے۔''

سیدنا عمر بن خطاب ؓ ہی سے ایک دوسری روایت میں ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ''یمن سے آنے والے امدادی لشکروں میں تمھارے پاس اُویس بن عامر آئے گا جس کا تعلق بڑے قبیلے مراد اور چھوٹے قرن سے ہوگا۔ اسے پہلے دور میں پھلبہری رہی ہوگی۔ ایک درہم کے بقدر جگہ کے علاوہ باقی ٹھیک ہو چکی ہوگی، وہ اپنی والدہ سے بہت حسن سلوک کرنے والا ہوگا۔ اگر وہ اللہ پر قسم ڈال دے تو اللہ اسے پورا کرے گا۔ اگر تم اس سے اپنے لیے دعائے مغفرت کرا سکو تو ضرور کرانا۔'' پھر ایسا ہی ہوا۔ انھوں نے عمر ؓ کے لیے دعائے مغفرت فرمائی۔[2]

1 صحيح مسلم: 2543، مسند أحمد: 174/5، المعجم الكبير: 61/19، حديث: 111-113، مجمع الزوائد: 360/10. 2 صحيح مسلم: 2542.

رسولِ کریم ﷺ کی مقبول دعائیں

کسی شخص کے اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہونے کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ اس کی دعا رد نہ کی جاتی ہو۔ مختلف زمانوں سے تعلق رکھنے والی ''غیبی خبروں'' کے علاوہ آپ ﷺ کا ایک معجزہ آپ ﷺ کی دعاؤں کی قبولیت بھی ہے۔ شریعت اسلامیہ کی اصطلاح میں ایسے شخص کو ''مستجاب الدعوات'' کہا جاتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تواتر کے ساتھ ایسی احادیث مروی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ہر دعا قبول ہوتی تھی اور یہ کہ دعاؤں کی قبولیت اور ان کے حسب منشا اثرات وثمرات کے ظہور کے اعتبار سے نبی اکرم ﷺ کی ذات اقدس انسانیت کی پوری تاریخ میں اپنی مثال آپ ہے، چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے مختلف موقعوں پر جو دعائیں مانگیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے جلد یا بدیر ان کے حسب منشا نتائج ضرور ظاہر ہوئے۔ ان میں سے چند ایک کی تفصیل حسب ذیل ہے:

قریش مکہ پر عذاب دور ہونے کی دعا

قریش مکہ نے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو ستانے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی تھی، اس لیے ان کی ہدایت کے لیے اب ایک ہی راستہ تھا کہ ان پر کوئی ایسا ادنیٰ سا عذاب آئے جو انھیں خواب غفلت سے جگا دے، چنانچہ آپ ﷺ نے قریش مکہ کے بارے میں سیدنا یوسف علیہ السلام کے زمانے میں آنے والی خشک سالی کی طرح کی خشک سالی اور غلے میں کمی کی دعا کی۔ یہ دعا قبول ہوئی اور اہل مکہ سخت ترین قحط سالی میں مبتلا کر دیے گئے حتیٰ کہ انھوں نے اس عرصے میں سوکھے چمڑے تک کھائے (جس طرح قریش مکہ کے تین سالہ سماجی و معاشی مقاطعہ کے زیر اثر خاندان بنو ہاشم پر ایسا ہی دور ابتلا آیا تھا)۔ جب وہ آسمان کی طرف دیکھتے تو انھیں دھواں دھواں سا نظر آتا۔ پھر جب یہ عذاب حد سے بڑھا تو انھوں نے خدمت نبوی میں حاضر ہو کر دعا کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے ان کی آہ و زاری سے متاثر ہو کر دعا مانگی۔ یہ دعا قبول ہوئی۔ پورے علاقے پر اسی وقت بارش ہوئی اور قحط سالی جاتی رہی۔[1]

[1] صحیح البخاری: 4821

رسول اللہ ﷺ کی بددعا کا اثر

قریش انتہائی سفاک اور ننگِ انسانیت لوگ تھے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کو طرح طرح کی تکالیف دیتے تھے اور پھر آپ کو بے چارگی کی حالت میں پریشان ہوتے دیکھ کر ہنستے اور آپ کا مذاق اڑاتے تھے۔

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نماز ادا کر رہے تھے۔ دوسری طرف قریش کی مجلسیں بھی گرم تھیں۔ ابوجہل اور اس کے ساتھی بھی وہاں موجود تھے۔ ابوجہل کہنے لگا: کیا تم اس ریاکار کو نہیں دیکھتے؟ فلاں شخص نے اونٹنی ذبح کی ہے، کون ہے جو اس اونٹنی کا گوبر، خون اور اونٹنی کی جھلی (آنول) کو اٹھا لائے، پھر انتظار کرے اور جونہی محمد (ﷺ) سجدے میں جائے تو یہ بچہ دانی اس کے کندھوں پر لاد دے؟ عقبہ بن ابی معیط کہنے لگا: یہ کام میں کروں گا، چنانچہ وہ بدبخت یہ سب غلاظت بھری چیزیں اٹھا لایا اور آپ ﷺ کے مبارک کندھوں پر رکھ گیا۔ رسول اللہ ﷺ اس بوجھ کی وجہ سے سجدے ہی کی حالت میں ٹھہرے رہے۔ کفار قریش آپ ﷺ کی یہ حالت دیکھ کر ہنسنے اور آپ ﷺ کا مذاق اڑانے لگے۔ وہ اس قدر بے تحاشا ہنس رہے تھے کہ ہنستے ہنستے بے اختیار ایک دوسرے پر گر رہے اور لوٹ پوٹ ہوئے جا رہے تھے۔ کسی نے اس اذیت ناک صورتحال کی اطلاع سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دے دی۔ وہ ابھی چھوٹی سی بچی ہی تھیں۔ بھاگی بھاگی آئیں، انھوں نے آپ ﷺ کے کندھوں سے گندگی اتاری اور غم و غصے کی حالت میں کفار کو برا بھلا کہنے لگیں۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں اس موقع پر قریش کے مقابلے میں اپنی کمزوری کی وجہ سے کچھ نہ کر سکا۔ کاش! میں آپ ﷺ کی کچھ مدد کر سکتا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے نماز مکمل کر لی تو آپ ﷺ نے ہاتھ اٹھا لیے اور تین مرتبہ فرمایا:

[illegible]

''اے اللہ! ان قریشیوں سے تو خود نمٹ لے۔''

مشرکین نے آپ ﷺ کی زبان مبارک سے یہ جملہ سنا تو ٹھٹھا کرتے کرتے اچانک ٹھٹک گئے اور خوفزدہ ہو گئے کیونکہ انھیں پورا یقین تھا کہ آپ ﷺ کی بددعا ضرور قبول ہوگی۔ پھر آپ ﷺ نے رؤسائے قریش کے سات افراد کے نام لے کر بددعا کی۔ ان کے نام یہ ہیں: عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ، ابوجہل بن ہشام، عقبہ بن ابی معیط، امیہ بن خلف۔ راوی کہتے ہیں کہ میں ساتواں نام بھول گیا ہوں۔ تاہم صحیح بخاری کے دیگر مقامات پر ساتویں قریشی کا نام عمارہ بن ولید بتایا گیا ہے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم! میں نے ان سب کو بدر کی

لڑائی میں مقتول پایا، پھر انھیں گھسیٹ کر بدر کے کنویں میں پھینک دیا گیا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کنویں والے اللہ کی رحمت سے دور کر دیے گئے۔''[1]

ثقیف کے حق میں دعائے خیر

رسول اللہ ﷺ طائف میں قیام کے دوران وہاں کے ہر بڑے آدمی کے پاس تشریف لے گئے اور ان لوگوں کو اللہ کی بندگی کی دعوت دی لیکن کسی نے بھی آپ کی بات نہیں مانی۔ انھیں (آپ ﷺ کی طرف سے) اپنے نوجوانوں کے بارے میں یہ خدشہ لاحق ہوگیا، مبادا وہ آپ کی دعوت قبول کر کے آپ کا ساتھ دینا شروع کر دیں۔ اس لیے انھوں نے کہا: اے محمد! آپ ہمارے شہر سے نکل جائیں اور اس جگہ چلے جائیں جہاں آپ کو پذیرائی ملتی ہے۔[2] انھوں نے یہ بھی کہا کہ آپ کو آپ کے شہر والوں نے اور آپ کی قوم نے پسند نہیں کیا اور آپ کی دعوت قبول نہیں کی تو آپ ہمارے پاس چلے آئے۔ اللہ کی قسم! ہم آپ کی نبوت و رسالت کا انکار کرنے، آپ کی بات رد کرنے اور آپ سے برا سلوک کرنے میں (آپ کی قوم سے بھی) زیادہ سخت ہیں۔[3]

اس کے ساتھ ہی انھوں نے اپنے بیوقوفوں، شریروں اور غلاموں کو نبی ﷺ کے پیچھے لگا دیا۔ وہ آپ کو برا بھلا کہنے اور آپ پر آوازیں کسنے لگے۔[4] وہ آپ ﷺ کے راستے میں دو صفیں بنا کر بیٹھ گئے، انھوں نے ہاتھوں میں پتھر پکڑ لیے۔ جب آپ ان کی صفوں کے درمیان سے گزرے تو انھوں نے سنگ باری شروع کر دی۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ آپ کا مذاق بھی اڑاتے رہے۔[5]

سلیمان تیمی رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو پتھر لگنے سے شدید اذیت ہوتی تو آپ زمین پر بیٹھ جاتے، وہ لوگ آپ کو دونوں بازوؤں سے پکڑ کر پھر کھڑا کر دیتے، جونہی آپ ﷺ چلتے تو وہ دوبارہ آپ پر پتھروں کی بارش کر دیتے۔ اور آپ کی تکلیف دیکھ کر خوب ہنستے تھے۔[6] پتھروں کی لگاتار ضرب سے رسول اللہ ﷺ کی دونوں ٹانگیں لہولہان ہوگئیں، آپ کے پائے مبارک خون سے رنگین اور جوتے خون سے بھر گئے۔ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو آگے کر کے رسول اللہ ﷺ کو پتھروں سے بچاتے تھے۔ اس طرح ان کے سر پر بھی کئی زخم لگے۔[7]

طائف کے لوگ مسلسل رسول اللہ ﷺ کے پیچھے لگے رہے یہاں تک کہ انھوں نے آپ کو ایک باغ میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔ یہ باغ ربیعہ کے دو بیٹوں عتبہ اور شیبہ کا تھا۔ طائف سے اس باغ کا فاصلہ تین میل (تقریباً پانچ

1 صحیح البخاري: 520، 2934، 3185، وصحیح مسلم: 1794، والسیرة لابن إسحاق: 246/1 2 الطبقات لابن سعد: 212/1 3 أنساب الأشراف: 273/1 4 السیرة لابن هشام: 420/2 5 دلائل النبوة للبیهقي: 415/2، ودلائل النبوة لأبي نعیم: 296/1 6 سبل الهدی والرشاد: 438/2 7 الطبقات لابن سعد: 212/1، والمواهب اللدنیة: 267/1

کلومیٹر) تھا۔[1] عتبہ اور شیبہ دونوں اس وقت باغ میں موجود تھے۔ وہاں سے بنوثقیف کے وہ جاہل اور ظالم لوگ جو آپ کا پیچھا کر رہے تھے، واپس چلے گئے۔ رسول اللہ ﷺ انگور کی ایک بیل کے سائے تلے بیٹھ گئے۔ ربیعہ کے دونوں بیٹے آپ کو دیکھ رہے تھے۔ اہلِ طائف کے شریروں سے آپ کو جو تکلیف پہنچی، وہ اس کا بھی مشاہدہ کر رہے تھے۔[2] آپ ﷺ بے حد غمگین، پریشان اور شدید درد میں مبتلا تھے۔ آپ کی دونوں ٹانگوں سے خون بہہ رہا تھا۔ آپ ﷺ نے باغ میں عتبہ اور شیبہ کو دیکھا تو ان کے پاس تشریف لے جانا گوارا نہ فرمایا کیونکہ انھیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جو عداوت تھی، اسے آپ جانتے تھے۔[3]

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ بنوجُمح (قریش کی ایک شاخ) کی عورت سے ملے۔ وہ بنوثقیف کے تین سردار بھائیوں میں سے ایک کی زوجیت میں تھی۔ آپ ﷺ نے اس سے فرمایا:

ماذا لقينا من أحمائك!

''(دیکھو) ہمیں تمھارے دیوروں سے کس قدر تکلیف پہنچی ہے۔''

طائف کے کسی ایک مرد یا عورت نے بھی آپ کی دعوت پر لبیک نہ کہا۔[4] اہلِ طائف نے آپ کو جتنا ستایا اور جس قدر ایذائیں پہنچائیں، وہ مشرکینِ مکہ کی ایذا رسانیوں سے کہیں زیادہ تھیں۔ اسی مقام پر ایک دفعہ وعظ کرتے ہوئے اللہ کے رسول ﷺ کو اتنی شدید چوٹیں لگیں کہ آپ بے ہوش ہو کر گر پڑے، زید رضی اللہ عنہ نے آپ کو اپنی پیٹھ پر اٹھایا اور آبادی سے باہر لے گئے، پانی کے چھینٹے دیے تب آپ ﷺ کو ہوش آیا۔[5]

رسول اللہ ﷺ عتبہ و شیبہ کے باغ سے نکل کر مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔[6] چلتے چلتے آپ ﷺ قرنِ ثعالب پہنچے۔ یہ اہلِ نجد کا میقات ہے۔ اسے قرن المنازل بھی کہا جاتا ہے۔ یہ مکہ سے 80 کلومیٹر اور طائف سے 53 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔[7] یہاں جو واقعہ پیش آیا، وہ حدیث میں اس طرح بیان ہوا ہے:

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا: کیا آپ پر کوئی ایسا دن بھی آیا جو احد کے دن سے بھی زیادہ سخت تھا؟

رسول اللہ ﷺ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا: ''تمھاری قوم کی طرف سے مجھے بہت تکلیفیں پہنچی ہیں، ان سب سے زیادہ سخت تکلیف مجھے عقبہ کے دن پہنچی تھی جب میں عبد یالیل بن عبد کلال کے بیٹے کے پاس گیا اور اسے

1 الرحیق المختوم، ص 125. 2 السیرۃ لابن ہشام: 420/2. 3 دلائل النبوۃ لابی نعیم: 296/1، دلائل النبوۃ للبیہقی: 415/2. 4 الطبقات لابن سعد: 212/1. 5 رحمۃ للعالمین: 93/1. 6 دلائل النبوۃ للبیہقی: 416/2. 7 معجم المعالم الجغرافیۃ، ص 254

دعوت اسلام دی مگر اس نے اسے قبول نہیں کیا۔ میں رنج وغم کی حالت میں اپنے رخ پر چل پڑا۔ مجھے قرن ثعالب (السیل الکبیر) پہنچ کر افاقہ ہوا۔ میں نے سر اٹھایا تو دیکھا کہ بادل کا ایک ٹکڑا مجھ پر سایہ فگن ہے۔ میں نے غور سے دیکھا تو اس میں جبریل علیہ السلام تھے۔ انھوں نے مجھے آواز دی اور کہا:

إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ سَمِعَ قَوْلَ قَوْمِكَ لَكَ وَمَا رَدُّوا عَلَيْكَ، وَقَدْ بَعَثَ اللّٰهُ إِلَيْكَ مَلَكَ الْجِبَالِ لِتَأْمُرَهُ بِمَا شِئْتَ فِيهِمْ

''آپ کی قوم نے آپ سے جو کہا ہے اور آپ کو جو جواب دیا ہے، وہ اللہ تعالیٰ نے سن لیا ہے۔ اب اس نے آپ کے پاس پہاڑوں کا فرشتہ بھیجا ہے تاکہ آپ اسے ان کے بارے میں جو چاہیں حکم دیں۔''

پھر مجھے پہاڑوں کے فرشتے نے آواز دی، سلام کیا اور کہا:

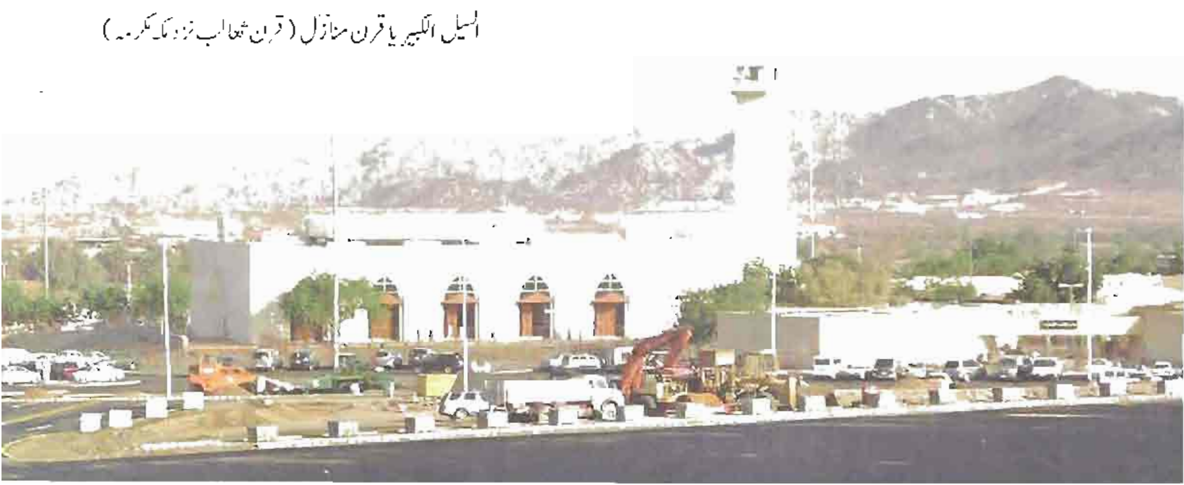
يَا مُحَمَّدُ! إِنَّ اللّٰهَ قَدْ سَمِعَ قَوْلَ قَوْمِكَ لَكَ، وَأَنَا مَلَكُ الْجِبَالِ، وَقَدْ بَعَثَنِي رَبُّكَ إِلَيْكَ لِتَأْمُرَنِي بِأَمْرِكَ، فَمَا شِئْتَ، إِنْ شِئْتَ أَطْبَقْتُ عَلَيْهِمُ الْأَخْشَبَيْنِ

''اے محمد! آپ کی قوم نے آپ سے جو کچھ کہا ہے، وہ یقیناً اللہ نے سن لیا ہے۔ میں پہاڑوں کا فرشتہ ہوں، مجھے آپ کے پروردگار نے آپ کی طرف بھیجا ہے تاکہ آپ مجھے اپنا حکم دیں۔ اب آپ جو چاہیں گے (میں وہی کروں گا)۔ اگر آپ چاہیں گے تو میں ان (گستاخ) لوگوں کو دو سنگین پہاڑوں کے درمیان کچل ڈالوں گا۔''

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے اس فرشتے سے فرمایا:

بَلْ أَرْجُو أَنْ يُخْرِجَ اللّٰهُ تَعَالَى مِنْ أَصْلَابِهِمْ مَنْ يَعْبُدُ اللّٰهَ وَحْدَهُ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا

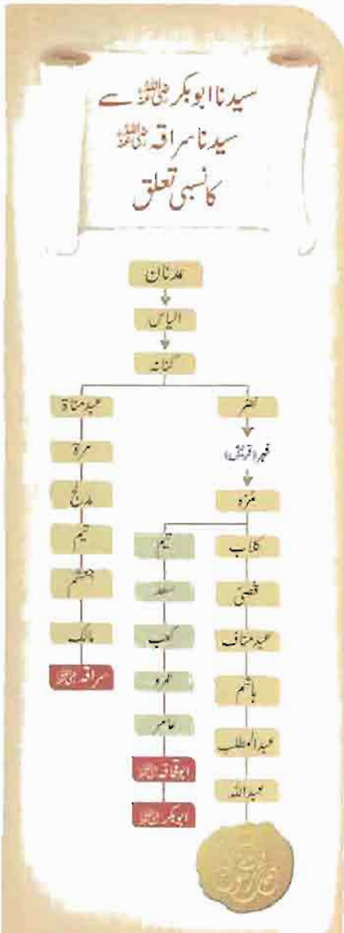
السیل الکبیر یا قرن منازل (قرن ثعالب نزد مکہ مکرمہ)



”بلکہ مجھے تو یہ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی پشتوں سے ایسے لوگ پیدا فرمائے گا جو ایک اللہ ہی کی عبادت کریں گے۔ اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں کریں گے۔“[1]

رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی اس قوم کے حق میں دعائے خیر تھا، چنانچہ جس طرح آپ نے فرمایا تھا، بعد میں بالکل اسی طرح ہوا۔

صیاد خود شکار ہو گیا



رسول اللہ ﷺ مکہ سے مدینہ ہجرت فرما گئے تو قریشِ مکہ غصے سے مارے باؤلے ہو گئے۔ انھوں نے اعلان کر دیا کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ یا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو زندہ یا مردہ پکڑ کر لائے گا، اُسے ایک سو اونٹ انعام میں دیے جائیں گے۔ یہ اطلاع بدوی قبائل تک پہنچ گئی۔ سراقہ بن مالک بن جعشم سو اونٹوں کے عشق میں رسول اللہ ﷺ کو تلاش کرنے لگا۔ وہ کوہِ ثور تک خاک چھانتا رہا لیکن اسے رسول اللہ ﷺ کا کہیں سراغ نہ ملا۔ وہ اپنے قبیلے کی مجلس میں بیٹھا تھا کہ اس کی قوم بنو مدلج کا ایک آدمی آیا۔ اُس نے کہا: اے سراقہ! میں نے ابھی ابھی ساحلِ سمندر کے قریب کچھ لوگوں کو جاتے دیکھا ہے۔

سراقہ کا بیان ہے کہ میں فوراً مجلس سے اُٹھا اور ایک گھوڑے پر سوار ہو کر رسول اللہ ﷺ کی تلاش میں نکل گیا۔ جلد ہی میں نے رسول اللہ کو جاتے ہوئے دیکھا اور انھیں پہچان لیا۔ میں اُن کے قریب پہنچ گیا۔ اللہ جانے اچانک کیا ہوا کہ میرا گھوڑا پھسل کر زمین پر گر پڑا۔ میں نے فوراً فال کا تیر نکالا۔ تیر میری منشا کے خلاف نکلا۔ اس کے باوجود میں نے رسول اللہ ﷺ کا تعاقب جاری رکھا۔ پھر اچانک پہلے سے بھی زیادہ عجیب معاملہ پیش آیا۔ یکا یک میرے گھوڑے کی اگلی دونوں ٹانگیں زمین میں دھنس گئیں۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مجھے مڑ مڑ کر بار بار دیکھ رہے تھے۔ میں نے پھر فال کا تیر نکالا، یہ بھی میری منشا کے خلاف نکلا۔ میں نے تیر کی پروا

1 صحیح البخاری، 7389،3231، صحیح مسلم، 1795 واللفظ لہ۔

نہیں کی اور رسول اللہ ﷺ کے تعاقب میں دوڑنے لگا۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بے قرار ہوکر رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہ سراقہ بن مالک ہے، یہ ہمارے سر پر آ پہنچا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فوراً اپنا دستِ مبارک بلند کیا اور دعا کی: ''اے اللہ! جس طرح تو چاہے، اس شخص سے ہمارے لیے کافی ہو جا۔'' سراقہ کہتے ہیں کہ اب میرے گھوڑے کے پاؤں دوبارہ زمین میں دھنس گئے اور میں گر پڑا۔ میں پھر سنبھل کر اٹھا کیونکہ 100 اونٹوں کا لالچ مجھے بھگائے لیے جا رہا تھا لیکن میں اپنے مقصد میں بری طرح ناکام ہوگیا۔ مجھے یقین ہوگیا کہ میں نامراد رہوں گا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کے قافلے کو آواز دی۔ رسالت مآب ﷺ ٹھہر گئے تو میں نے آپ ﷺ سے معذرت کی اور ساری صورت حال عرض کر دی۔ پھر میں نے اپنا زادِ راہ اور دیگر ساز و سامان رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تو آپ ﷺ نے میری پیش کش قبول نہیں فرمائی۔ بس اتنا فرمایا کہ ہمارا معاملہ لوگوں سے پوشیدہ رکھنا۔ میں نے آپ ﷺ سے امان نامے کی درخواست کی۔ آپ ﷺ کے حکم پر عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ نے مجھے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر امان نامہ لکھ دیا۔ پھر آپ ﷺ اپنی منزل کی طرف روانہ ہوگئے۔ یوں وہ سراقہ بن مالک جو آپ ﷺ کو پکڑنے آیا تھا، خود آپ ﷺ کے تیرِ صداقت سے گھائل ہوکر واپس چلا گیا۔[1] بالآخر کچھ عرصہ بعد وہ مشرف بہ اسلام ہوگیا۔

امتیازی روشنی

سیدنا طفیل رضی اللہ عنہ دوس قبیلے کے سردار تھے۔ زمانۂ جاہلیت میں کسی کام سے مکہ آئے۔ مشرکوں نے ان کے کان بھرے کہ یہاں ایک صاحب ہیں، ان کا نام ''محمد (ﷺ)'' ہے۔ وہ لوگوں پر جادو کر دیتے ہیں۔ ان کی بات نہ سننا۔ لیکن طفیل رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جا پہنچے اور مسلمان ہوگئے۔ دستور یہ تھا کہ ادنیٰ، اعلیٰ، امیر، غریب، چھوٹا بڑا، کالا یا گورا، آزاد یا غلام جو بھی مسلمان ہوتا تھا، وہ معاً دین حنیف کی تبلیغ و دعوت کے عظیم الشان فرض کی ادائیگی میں تن من دھن سے مصروف ہو جاتا تھا۔ طفیل قبولِ اسلام سے مشرف ہوکر واپس جانے لگے تو انھوں نے رسالت مآب ﷺ سے درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ سے میرے لیے دعا فرمایئے کہ وہ مجھے کوئی امتیازی نشانی عطا کر دے تاکہ میں اپنی قوم کو دعوتِ اسلام دوں تو وہ نشانی میرے لیے معین و مددگار ثابت ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے دعا کر دی تو ان کی آنکھوں کے مابین چراغ جیسی روشنی پیدا ہوگئی۔ انھوں نے اللہ سے دعا کی اور اس روشنی کو اپنے کوڑے کے اوپری حصے پر منتقل کرا لیا۔ ان کے قبیلے کے لوگ یہ روشنی دیکھ کر بے حد متاثر ہوئے۔[2]

[1] تفصیلات کے لیے دیکھیے، سیرت انسائیکلو پیڈیا 4/284-289۔ [2] تفصیلات کے لیے دیکھیے، سیرت انسائیکلو پیڈیا 3/436۔

قبیلہ دوس کے لیے دعا

سیدنا طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ نے قبیلہ دوس کو اسلام کی طرف دعوت دی تو انھوں نے اسے قبول کرنے میں تاخیر کی اور فسق و فجور میں لگے رہے، صرف چند لوگ مسلمان ہوئے۔ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مکہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، انھوں نے گزارش کی: اللہ کے رسول! قبیلۂ دوس نے نافرمانی کی ہے اور قبولِ حق سے انکار کیا ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے بددعا فرمائیں۔

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ قبلہ رخ ہو گئے، آپ نے دونوں ہاتھ اٹھا لیے۔ یہ منظر دیکھ کر لوگ کہنے لگے: بس اب دوس کے لوگ ہلاک ہو گئے۔ لوگوں کا خیال تھا کہ آپ ﷺ قبیلۂ دوس کے لیے بددعا فرمائیں گے لیکن رحمتِ عالم ﷺ نے بددعا کرنے کے بجائے ان کے لیے ہدایت کی دعا کرتے ہوئے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا:

«اللّٰهُمَّ اهْدِ دَوْسًا وَائْتِ بِهِمْ، اللّٰهُمَّ اهْدِ دَوْسًا وَائْتِ بِهِمْ، اللّٰهُمَّ اهْدِ دَوْسًا وَائْتِ بِهِمْ»

''اے اللہ! قبیلۂ دوس کو ہدایت عطا فرما اور انھیں یہاں لے آ۔ اے اللہ! قبیلۂ دوس کو ہدایت نصیب فرما اور انھیں یہاں لے آ۔ اے اللہ! قبیلۂ دوس کو ہدایت عطا فرما اور انھیں یہاں لے آ۔''[1]

پھر رسول اللہ ﷺ نے طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ کو حکم دیا: «ارْجِعْ إِلَى قَوْمِكَ فَادْعُهُمْ وَارْفُقْ بِهِمْ» ''اپنی قوم کی طرف واپس جاؤ، انھیں دعوت دو اور ان کے ساتھ نرمی سے پیش آؤ۔''

سیدنا طفیل رضی اللہ عنہ واپس آگئے اور اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دیتے رہے۔ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ ہجرت کر گئے اور غزوۂ بدر، احد اور خندق کے معرکے گزر گئے تو طفیل رضی اللہ عنہ قبیلۂ دوس کے ستر یا اسی گھرانوں کو، جو مسلمان ہو گئے تھے، لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں خیبر پہنچے۔ رسول اللہ ﷺ نے دوسرے مسلمانوں کے ساتھ انھیں بھی مالِ غنیمت میں سے حصہ دیا۔[2]

قریش مکہ کے حق میں دعائے خیر

غزوۂ احد میں مسلمانوں کو اور خود نبی اکرم ﷺ کو شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ آپ ﷺ ایک خندق میں گر پڑے اور آپ ﷺ کے دانتوں میں ''خود'' پیوست ہوگئی، چہرۂ مبارک لہولہان ہوگیا۔ آپ ﷺ کی یہ تکلیف دیکھ کر صحابہ رضی اللہ عنہم نے درخواست کی کہ آپ کفار کے حق میں بددعا فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: «اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِي

1 صحیح البخاري: 2937، 4392، 6397، صحیح مسلم: 2524، مسند أحمد: 243/2، السیرۃ لابن هشام: 384/1.

2 السیرۃ لابن هشام: 384/1، 385۔ تفصیلات کے لیے دیکھیے، سیرت انسائیکلوپیڈیا: 441/3۔

فإنهم لا يعلمون ''اے اللہ! میری قوم کو بخش دے کیونکہ وہ نادان ہیں۔''[1]

صحیحین کی روایت میں بھی یہی ہے کہ آپ ﷺ بار بار یہی دعا کر رہے تھے: اللهم اغفر لقومي فإنهم لا يعلمون ''اے اللہ! میری قوم کو بخش دے کیونکہ وہ نادان ہیں۔''[2]

چنانچہ یہ دعا بھی قبول ہوئی اور غزوۂ احد میں مدینہ منورہ پر حملہ کے لیے آنے والے بیشتر قریشی سردار فتح مکہ کے وقت یا اس سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوگئے۔

غزوۂ بدر میں دشمن کی ہزیمت کی دعا

غزوۂ بدر کے موقع پر قریشی لشکر بڑے تکبر سے میدان جنگ میں آیا تھا۔ ان مشرکوں کو پورا یقین تھا کہ مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیں گے۔ انھوں نے اس قادر مطلق ہستی کو یکسر بھلا دیا تھا جو مچھر سے ہاتھی کو اور چیونٹی سے ہاتھی کو ہلاک کرا دیتی ہے۔ مسلمانوں کی مٹھی بھر جماعت اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے میدان میں اتری تھی۔ انھیں اللہ کی نصرت کا پورا یقین تھا۔ ان کے چہروں پر ذرا بھی پریشانی نہ تھی۔ وہ اللہ کی ذات پر کامل بھروسا رکھتے تھے۔ انھیں یقین تھا کہ اللہ اپنے نبی کی مدد ضرور کرے گا۔ رسول اللہ ﷺ بھی اپنے پروردگار کی بارگاہ میں انتہائی سوز و گداز کے ساتھ نصرت و فتح کی التجا کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُمْ بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَٰٓئِكَةِ مُرْدِفِينَ ﴾

''(یاد کرو) جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمھاری فریاد قبول کر لی (اور کہا:) بے شک میں ایک دوسرے کے پیچھے آنے والے ایک ہزار فرشتوں کے ذریعے سے تمھاری مدد کروں گا۔''[3]

رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر نصرت الٰہی کا وعدہ یاد دلاتے ہوئے یہ دعا کرنے لگے:

«اللهم! هذه قريش قد أقبلت بخيلائها وفخرها تحادك وتكذب رسولك، اللهم! فنصرك الذي وعدتني، اللهم! أحنهم الغداة»

''اے اللہ! یہ قریش کا لشکر ہے جو بڑے فخر اور تکبر سے چلا آرہا ہے۔ یہ تیرے ساتھ جنگ کر رہے اور تیرے رسول کو جھٹلا رہے ہیں۔ اے اللہ! اپنی وہ مدد بھیج جس کا تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے۔ اے اللہ! کل انھیں ہلاک کر دے۔''[4]

[1] المعجم الكبير للطبراني 6/162، 163، حديث: 5862. [2] صحيح البخاري: 3477، صحيح مسلم: 1792. [3] الأنفال 8:9. [4] السيرة لابن هشام: 2/621، زاد المعاد: 3/176.

آپ ﷺ نے یہ دعا بھی مانگی:

«اللهم! أنجز لي ما وعدتني، اللهم! آت ما وعدتني، اللهم! إن تهلك هذه العصابة من أهل الإسلام لا تعبد في الأرض»

''اے اللہ! تو نے مجھ سے جو وعدہ فرمایا تھا، اسے پورا فرما۔ اے اللہ! تو نے مجھ سے جس چیز کا وعدہ فرمایا تھا، وہ عطا فرما۔ اے اللہ! اگر آج اہل اسلام کا یہ مٹھی بھر گروہ ہلاک ہوگیا تو روئے زمین پر کبھی تیری عبادت نہیں کی جائے گی۔''

نبی کریم ﷺ قبلہ رخ ہو کر ہاتھ پھیلائے اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑا رہے تھے۔ اسی دوران میں آپ ﷺ کے کندھوں سے چادر مبارک گر گئی۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی چادر ٹھیک کی اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! بس کیجیے، آپ نے اپنے رب سے بڑے اصرار اور نہایت ہی تضرع سے دعا مانگی ہے۔ اللہ تعالیٰ ضرور اپنا وعدہ پورا فرمائے گا۔ پھر مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی۔ [1]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے بدر کے دن یہ دعا فرمائی:

«اللهم! إني أنشدك عهدك ووعدك، اللهم! إن شئت لم تعبد بعد اليوم»

''اے اللہ! میں تجھے تیرے عہد اور وعدے کا واسطہ دیتا ہوں۔ اے اللہ! اگر تو چاہے تو آج کے بعد تیری عبادت نہ کی جائے گی۔''

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کا دست مبارک تھام لیا اور عرض کی: بس آپ کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ پھر آپ ﷺ چھپر سے باہر تشریف لائے۔ اس وقت آپ کی زبان مبارک پر یہ کلمات جاری تھے:

﴿سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ﴾

''عنقریب یہ جتھا شکست کھائے گا اور پیٹھ پھیر کر بھاگ جائے گا۔'' [2]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بدر کے دن جب جنگ شروع ہوئی تو میں کچھ دیر تک تو جنگ میں مشرکوں کا منہ پھیرتا رہا، پھر میں تیزی سے مرکز قیادت میں گیا تا کہ رسول اکرم ﷺ کو دیکھوں کہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی جبین نیاز بارگاہ الٰہی میں جھکائی ہوئی ہے اور آپ برابر یا حي یا قیوم! یا حي یا قیوم! ''اے ہمیشہ زندہ رہنے والے! اے ہمیشہ قائم رہنے والے، اے ہمیشہ زندہ رہنے والے، اے ہمیشہ

1 صحيح مسلم: 1763، مسند أحمد 30/1. 2 صحيح البخاري: 3953، مسند أحمد 329/1

قائم رہنے والے!“ ہی پڑھے جا رہے ہیں۔ میں پھر میدانِ مقتل کی طرف لوٹ گیا، کچھ دیر دشمن سے مقابلہ کرتا رہا۔ دل بے چین ہوا تو پھر چھپر کی طرف جا پہنچا۔ دیکھا کہ رسول اکرم ﷺ اسی حالت میں مسلسل ذکرِ الٰہی میں مشغول ہیں۔ میں پھر واپس میدانِ جنگ کی طرف پلٹا لیکن زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ دل میں پھر اضطراب پیدا ہوا کہ ایک دفعہ اور ایک نظر اللہ کے رسول ﷺ کے رُخِ زیبا پر ڈال آؤں۔ اب بھی یہی دیکھا کہ اللہ کے رسول ﷺ پہلے جیسی حالت ہی میں ہیں اور بارگاہِ الٰہی میں متواتر رو رہے ہیں۔ میں اسی طرح پے در پے اللہ کے رسول ﷺ کی طرف پھیرے لگاتا رہا لیکن جب بھی گیا، آپ کو ربِ قدوس کی بارگاہ میں سر جھکائے نہایت عجز و انکسار کے ساتھ دعا مانگتے ہی پایا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح نصیب کر دی۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اس قدر شدت اور قوت سے کسی کو اپنے حق کا واسطہ دیتے ہوئے نہیں سنا جس قدر شدت اور قوت سے اللہ کے رسول ﷺ کو بدر کے دن اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتے ہوئے سنا۔ نبی ﷺ بارگاہِ الٰہی میں رو رو کر یہی دعا کرتے رہے:

«اللّٰهُمَّ إِنِّي أَنْشُدُكَ وَعْدَكَ وَعَهْدَكَ، اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ مَا وَعَدْتَنِي، اللّٰهُمَّ إِنْ تُهْلِكْ هٰذِهِ الْعِصَابَةَ لَا تُعْبَدْ فِي الْأَرْضِ»

”اے اللہ! میں تجھے تیرے وعدے اور عہد کا واسطہ دیتا ہوں، اے اللہ! تو نے مجھ سے جو وعدہ فرمایا ہے، میں اس کا تجھ سے سوال کرتا ہوں، اے اللہ! اگر تو نے اس مٹھی بھر جماعت کو ہلاک کر دیا تو روئے زمین پر کبھی تیری عبادت نہیں کی جائے گی۔“

دعا کے بعد جب آپ ﷺ نے اپنا رُخِ انور پھیرا تو چہرہ مبارک چاند کی طرح چمک رہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”گویا میں کفار کی قتل گاہیں دیکھ رہا ہوں جہاں وہ گرے پڑے ہوں گے۔“[1]

جب جنگ کے شعلے بھڑک اٹھے اور دونوں گروہوں کی تلواریں ٹکرانے لگیں تو رسول اللہ ﷺ بنفسِ نفیس اس معرکے میں شریک ہو گئے۔ اب اللہ کی نصرت اتر آئی۔ مجاہدینِ اسلام کے حوصلے بلند ہوئے۔ وہ مشرکین کی صفوں پر تابڑ توڑ حملے کرنے لگے۔ مشرکین نے جب مسلمانوں کے سالار ﷺ کو بنفسِ نفیس برسرِ پیکار دیکھا تو وہ سراسیمہ ہو گئے۔ آپ ﷺ کے ساتھ آپ کا محافظ دستہ بھی تھا۔ اس وقت رسولِ کریم ﷺ فرما رہے تھے:

﴿سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ۞ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَىٰ وَأَمَرُّ﴾

[1] البداية والنهاية: 275/3.

''عنقریب یہ جماعت شکست کھائے گی اور یہ لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔ بلکہ قیامت ان کے وعدے کا وقت ہے اور قیامت زیادہ بڑی مصیبت اور زیادہ تلخ ساعت ہے۔''[1]

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ

''(اے نبی!) جب آپ نے (مٹھی بھر خاک ان کی طرف) پھینکی تو وہ آپ نے نہیں پھینکی بلکہ وہ تو اللہ نے پھینکی تھی۔''[2]

محمد بن عمر اسلمی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا تو آپ ﷺ نے مٹھی بھر کنکریاں اٹھائیں اور مشرکین کی طرف پھینک دیں، ساتھ ہی فرمایا:

«شَاهَتِ الْوُجُوهُ، اللَّهُمَّ ارْعَبْ قُلُوبَهُمْ، وَزَلْزِلْ أَقْدَامَهُمْ»

''چہرے بگڑ جائیں۔ اے اللہ! ان کے دلوں پر رعب ڈال دے اور ان کے قدموں پر لرزہ طاری کر دے۔''

اللہ کے دشمن شکست کھانے لگے۔ ان میں پیچھے مڑ کر کسی چیز کی طرف دیکھنے کی بھی جرأت نہیں تھی۔ انھوں نے اپنی زرہیں پھینک دیں اور مسلمان انھیں قتل کرنے لگے۔ مشرکوں میں سے کوئی نہ تھا جس کی آنکھ میں مٹی نہ پڑ گئی ہو۔[3]

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے میدان بدر میں مسلمانوں کی مدد کی اور انھیں فتح یاب کیا۔

غزوۂ احزاب کے موقع پر لشکر کفار کی شکست

غزوۂ احزاب میں پورے جزیرہ نمائے عرب کے عرب قبائل باہم اتحاد کر کے مدینہ کے خلاف جارحانہ عزائم کے ساتھ حملہ آور ہوئے تھے۔ اس موقع پر بھی رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا مانگی:

«اللَّهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ، وَمُجْرِيَ السَّحَابِ، وَهَازِمَ الْأَحْزَابِ، اهْزِمْهُمْ، وَانْصُرْنَا عَلَيْهِمْ»

''اے اللہ! اے کتاب نازل فرمانے والے! بادلوں کو چلانے والے! گروہوں کو شکست دینے والے! انھیں شکست دے اور ان کے خلاف ہماری مدد فرما۔''[4]

دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے یہ دعا کی:

«اللَّهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ، سَرِيعَ الْحِسَابِ، اهْزِمِ الْأَحْزَابَ، اللَّهُمَّ اهْزِمْهُمْ وَزَلْزِلْهُمْ»

1 القمر 54:45، 46. 2 الأنفال 8:17. 3 المغازي للواقدي 1/88. 4 صحيح البخاري: 2966، صحيح مسلم: 1742-(20)

''اے اللہ! کتاب نازل فرمانے والے! جلد حساب لینے والے! لشکروں کو شکست دے۔ اے اللہ! انھیں شکست دے اور ان کے پاؤں لڑکھڑا دے۔''[1]

چنانچہ دنیا نے کھلی آنکھوں دیکھ لیا کہ عرب اور یہودی قبائل، تمام تر کوششوں کے باوجود سلطنت مدینہ کے خلاف کوئی کامیابی حاصل نہ کر سکے۔

دعا نے جنگ کا پانسا پلٹ دیا

جنگ خندق کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ مشرکوں کے لشکر کی خبر لے کر آؤ۔ حذیفہ کہتے ہیں کہ مجھے اس وقت بڑی سردی لگ رہی تھی۔ آپ ﷺ کے حکم پر میں اٹھا اور حریفوں کی طرف جانے لگا تو رسول اللہ ﷺ نے میرے لیے دعا کی کہ ''اے اللہ! آگے اور پیچھے، دائیں اور بائیں، اوپر اور نیچے سے اس کی حفاظت فرما۔'' اللہ کی قسم! آپ ﷺ کے دعا فرماتے ہی مجھے سردی لگنی بند ہوگئی اور میں بے دھڑک کافروں کے لشکر میں جا گھسا۔ اچانک زبردست ہواؤں کے جھکڑ چلے۔ کفار سخت پریشان ہوئے۔ ان کی آگ ہی روشن نہیں ہوئی، ان کے خیمے اکھڑ گئے، چولھے بجھ گئے۔ ہانڈیاں چولھوں سے الٹ کر گر گئیں۔ اونٹوں کے کجاوے زمین پر گر پڑے۔ لشکر کفار پہلے ہی بددل تھا، اللہ نے آندھی چلائی تو ان کے حوصلوں کی کمانیں ٹوٹ گئیں۔ ابوسفیان حواس باختہ ہوگیا۔ اس نے کوچ کا اعلان کر دیا۔ اس طرح سارا لشکر تتر بتر ہوگیا۔ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ لشکر کفار کے حالات سے باخبر ہو کر واپس آ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا: ''اے ایمان والو! تم اپنے آپ پر اللہ کے احسان کو یاد کرو جب تمھارے خلاف (کفار کے) لشکر امنڈ آئے تو ہم نے ان پر آندھی بھیج دی۔''[2]

باران رحمت کے لیے دعا

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی مبارک زندگی میں قحط سالی کا واقعہ رونما ہوا۔ آپ ﷺ خطبہ جمعہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک بدو کھڑا ہوگیا۔ اس نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہمارے بچے بھوک سے بلک رہے اور جانور مر رہے ہیں۔ ہمارے لیے بارش کی دعا فرمایئے۔ آپ ﷺ نے اسی وقت بارش کی دعا کی۔ اس وقت مطلع بالکل صاف تھا۔ لیکن جونہی آپ ﷺ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے، اچانک چاروں طرف پہاڑوں کی طرح بادل چھا گئے اور موسلا دھار بارش شروع ہوگئی اور مسجد کی چھت ٹپکنے لگی۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے

[1] صحیح البخاري، 4115، صحیح مسلم، 1742-(21)۔ [2] تفصیلات کے لیے دیکھیے، سیرت انسائیکلوپیڈیا: 7/369۔

ہیں کہ ابھی آپ ﷺ منبر سے اترے بھی نہ تھے کہ میں نے بارش کی بوندیں آپ ﷺ کی ریش مبارک سے گرتی ہوئی دیکھیں۔ پھر مسلسل بارش ہوتی رہی یہاں تک کہ اگلا جمعہ آ گیا۔ وہی شخص یا کوئی اور آدمی کھڑا ہو گیا۔ اس نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اس قدر بارش ہو رہی ہے کہ ہمارے گھر منہدم ہو رہے ہیں اور مال مویشی غرق ہونے لگے ہیں۔ ہمارے حق میں دعا فرمائیے۔ آپ ﷺ نے پھر دست دعا بلند کیا اور دعا کی: «اللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا» ''اے اللہ! ہمارے اردگرد بارش برسا، ہم پر نہ برسا۔'' پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنی انگشت مبارک سے اشارے کیے اور بادل چھٹتے چلے گئے۔ اس وقت مدینہ ایک تاج کی طرح معلوم ہونے لگا۔ اردگرد بارش ہوتی رہی مگر مدینہ کا مطلع بالکل صاف رہا۔ اتنی بارش ہوئی کہ وادی قناۃ کی ندی ایک مہینے تک بہتی رہی۔[1]

عمر رضی اللہ عنہ کے لیے رسول اللہ ﷺ کی دعا

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا اسلام قبول کرنا دراصل رسول اللہ ﷺ کی دعا کا نتیجہ تھا۔ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ دعا فرمائی تھی:

«اللّٰهُمَّ أَعِزَّ الْإِسْلَامَ بِأَحَبِّ هٰذَيْنِ الرَّجُلَيْنِ إِلَيْكَ بِأَبِي جَهْلٍ أَوْ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ»

''اے اللہ! ابوجہل اور عمر بن خطاب دونوں میں سے جو تجھے زیادہ محبوب ہے، اس کے ذریعے سے اسلام کو عزت عطا فرما۔''

راویٔ حدیث سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کو دونوں میں سے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ زیادہ محبوب تھے۔[2] اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی دعا کو شرفِ قبولیت سے نوازا اور سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو اپنے دین کے لیے چن لیا۔

نوجوان صحابی کے لیے دعائے پاکبازی

دعائے نبوی کی برکت کا ایک ایمان افروز واقعہ وہ بھی ہے جسے سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ ایک نوجوان نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا: اللہ کے رسول! مجھے زنا کی اجازت دیجیے۔ لوگ اس پر پل پڑے اور بولے: ذرا ٹھہر، باز رہ۔ آپ ﷺ نے اسے اپنے قریب بلوایا۔ وہ آپ کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ آپ ﷺ نے اس کے لیے دعا کی۔ اس دعا کا نتیجہ یہ تھا کہ انھیں دوبارہ کبھی اس قسم کا خیال نہیں آیا۔[3]

1 تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا: 2/164، 165 و 8/201، 202۔ 2 جامع الترمذي: 3681. 3 مسند أحمد: 5/256، المعجم الكبير للطبراني: 8/162.

سیدنا مالک بن ربیعہ ؓ کے لیے کثرت اولاد کی دعا

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے مالک بن ربیعہ سلولی ؓ کو کثرت اولاد کی دعا دی اور فرمایا: ''اے اللہ! ان کی اولاد میں برکت دے۔'' سیدنا مالک ؓ کہتے ہیں کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے 8 بیٹے دیے۔ [1]

سیدنا سعد بن ابی وقاص ؓ کے لیے دعائے صحت

رسول اللہ ﷺ ہمیشہ اپنے صحابہ کا بے حد خیال رکھتے تھے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر جب آپ ﷺ مکہ مکرمہ تشریف لائے ہوئے تھے، آپ ﷺ کو سیدنا سعد بن ابی وقاص ؓ کی بیماری کی اطلاع ملی۔ سعد بن ابی وقاص ؓ مکہ میں مقیم تھے۔ ان کی بیماری اس قدر شدت اختیار کر گئی تھی کہ وہ خود فرماتے ہیں: بیماری نے مجھے موت کے جبڑے میں ڈال دیا تھا۔ [2] انھیں یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کسی بھی وقت فوت ہو جائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ سعد ؓ کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے تو وہ رونے لگے۔ آپ نے دریافت فرمایا: "ما يبكيك؟" ''کیوں رو رہے ہو؟'' وہ عرض کرنے لگے: مجھے یہ ڈر ہے کہ میں اس سرزمین میں فوت ہو جاؤں گا جہاں سے میں نے ہجرت کی تھی، جیسے سعد بن خولہ ؓ فوت ہو گئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی یہ بات سنی تو بارگاہِ الٰہی میں تین مرتبہ یہ دعا فرمائی:

"اللّٰهُمَّ اشْفِ سَعْدًا، اللّٰهُمَّ اشْفِ سَعْدًا، اللّٰهُمَّ اشْفِ سَعْدًا"

''اے اللہ! سعد کو شفا عطا فرما۔ اے اللہ! سعد کو صحت دے۔ اے اللہ! سعد کو تندرستی عطا فرما۔'' [3]

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی دعا قبول فرمائی اور سعد بن ابی وقاص ؓ نہ صرف تندرست ہو گئے بلکہ بعد ازاں انھوں نے اسلام کے لیے گراں قدر خدمات انجام دیں۔ ان کی وفات 55 ھ میں ہوئی۔

سیدنا سعد ؓ مستجاب الدعوات بن گئے

سیدنا سعد بن ابی وقاص ؓ مستجاب الدعوات تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے دعا فرمائی تھی: "اللّٰهُمَّ اسْتَجِبْ لِسَعْدٍ إِذَا دَعَاكَ" ''اے اللہ! سعد جب بھی تجھے پکارے، اس کی دعا قبول فرما۔'' [4]

رسول اللہ ﷺ کی اسی دعا کا یہ نتیجہ تھا کہ ان کی ہر دعا قبول ہو جاتی تھی۔

جابر بن سمرہ ؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: اہل کوفہ کے کچھ لوگوں نے عمر ؓ کے پاس سعد ؓ کی شکایت

1 الاصابة: 324/3، عدد: 7633. 2 صحيح البخاري: 3936. 3 صحيح مسلم: (8)-1628. 4 جامع الترمذي: 3751.

بھیجی (سعد کوفہ کے گورنر تھے)۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ تحقیقاتی کمیشن کوفہ بھیج دیا۔ کمیشن تحقیقات کے لیے کوفہ کی تمام مساجد میں گیا۔ ہر مسجد میں ان کی تعریف ہی کی گئی۔ جب کمیشن بنو عبس کی مسجد میں پہنچا تو ابو سعدہ نامی ایک شخص اٹھ کھڑا ہوا، کہنے لگا: تم نے ہم سے اللہ کا واسطہ دے کر پوچھا ہے تو سن لو! سعد تقسیم میں انصاف نہیں کرتا، لشکر کے ساتھ خود نہیں جاتا اور فیصلے میں انصاف نہیں کرتا۔ سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ! اگر یہ شخص جھوٹا ہے اور محض ریاکاری اور دکھلاوے کے لیے کھڑا ہوگیا ہے تو اس کی عمر لمبی کر دے، اس کے فقر میں اضافہ کر اور اسے فتنوں کا نشانہ بنا دے۔ راوی ابن عمیر کہتے ہیں: میں نے اسے بعد میں دیکھا، وہ اس قدر بوڑھا ہو گیا تھا کہ اس کے ابرو کے بال اس کی آنکھوں پر آ پڑے تھے۔ وہ بہت فقیر ہو گیا۔ وہ راستوں میں نوجوان لڑکیوں کے سامنے جا کھڑا ہوتا اور انھیں چھیڑتا۔ اور وہ خود کہا کرتا تھا: میں بڑا بوڑھا ہوں، فتنے میں پڑ گیا ہوں، مجھے سعد رضی اللہ عنہ کی بددعا لگی ہے۔[1]

سیدنا جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے لیے گھوڑے پر جم کر بیٹھنے کی دعا

سیدنا جریر رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہو گئے تو آپ ﷺ نے انھیں ذوالخلصہ کو مسمار کرنے کے لیے بھیجا۔ ذوالخلصہ ایک گھر تھا جس میں بت تھے، خثعم اور بجیلہ قبیلے کے لوگ اس کی عبادت کرتے تھے۔ وہ اس گھر کو کعبہ یمانیہ اور اصل بیت اللہ کو کعبہ شامیہ کہتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا جریر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا: «أَلَا تُرِيحُنِي مِنْ ذِي الْخَلَصَةِ» ''تم مجھے ذوالخلصہ سے راحت نہیں پہنچاؤ گے؟'' یعنی اس بت خانے کا خاتمہ نہیں کرو گے؟ انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں گھوڑے پر جم کر نہیں بیٹھ سکتا۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنا مبارک ہاتھ میرے سینے پر مارا۔ مجھے اس کا اثر محسوس ہوا۔ پھر آپ ﷺ نے دعا فرمائی: «اللَّهُمَّ ثَبِّتْهُ وَاجْعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا» ''اے اللہ! اسے ثابت رکھ اور اسے ہادی اور ہدایت یافتہ بنا دے۔'' رسول اللہ ﷺ کی اس دعا کے بعد میں کبھی گھوڑے سے نہیں گرا۔

چنانچہ جریر رضی اللہ عنہ اپنی قوم احمس کے ایک سو پچاس سواروں کے ساتھ ذوالخلصہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ انھوں نے اس گھر کو آگ لگا کر اس طرح مسمار کر دیا جیسے ایک بیمار خارش زدہ اونٹ ہوتا ہے۔ پھر انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو خوشخبری دینے کے لیے ابو ارطاۃ نامی ایک شخص کو مدینہ روانہ کر دیا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کو مہم کی کامیابی کی نوید سنائی تو آپ ﷺ نے احمس کے جوانوں اور گھوڑوں کے لیے پانچ بار برکت کی دعا کی۔[2]

[1] صحيح البخاري: 755، [2] صحيح البخاري: 3020، البداية والنهاية: 5/91-93 تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا: 10/90-92۔

سیدنا عبدالرحمن بن عوف ؓ کے لیے دعا

سیدنا عبدالرحمن بن عوف ؓ بہت مالدار تاجر تھے، انھوں نے غزوۂ تبوک کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: میرے پاس آٹھ ہزار درہم ہیں۔ میں نے چار ہزار درہم گھر والوں کے لیے رکھ لیے ہیں اور چار ہزار درہم صدقے کے لیے حاضر ہیں۔ آپ ﷺ نے انھیں برکت کی دعا دیتے ہوئے فرمایا: بَارَكَ اللّٰهُ فِيمَا أَمْسَكْتَ وَفِيمَا أَعْطَيْتَ ''تم نے جو مال گھر والوں کے لیے رکھا ہے اور جو اللہ کی راہ میں دیا ہے، اللہ سارے مال میں برکت عطا فرمائے۔'' دوسری روایت میں ہے کہ سیدنا عبدالرحمن بن عوف ؓ نے چار سو اوقیہ سونا پیش کیا تھا۔ قاضی عیاض نے لکھا ہے کہ انھوں نے نو سو اونٹ دیے تھے۔[1]

اللہ تعالیٰ نے سیدنا عبدالرحمان بن عوف ؓ کے مال میں اتنی برکت ڈالی کہ وہ خود فرماتے ہیں کہ میں کوئی پتھر بھی اٹھاتا تھا تو مجھے یہی امید ہوتی کہ اس کے نیچے سے بھی کوئی سونا یا چاندی برآمد ہوگی۔[2]

انھوں نے جو ترکہ چھوڑا تھا، اس کی مالیت تقریباً 32 لاکھ دینار تھی۔[3]

ام سلمہ ؓ سے رسالت مآب ﷺ کی شادی

رسول اللہ ﷺ نے سیدہ ام سلمہ ؓ کو نکاح کا پیغام بھیجا تو انھوں نے پیغام رساں سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کرو کہ میں تین وجوہ کے باعث آپ ﷺ کے شایانِ زوجیت نہیں: اولاً مجھ میں غیرت کا جذبہ بڑا شدید ہے، ثانیاً میں بال بچوں والی ہوں، ثالثاً میرا کوئی ولی نہیں جو بوقت نکاح میرا سرپرست ٹھہرے۔ یہ باتیں سن کر رسول اللہ ﷺ نے سیدہ سلمہ ؓ کو کہلا بھیجا کہ ''میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا جس سے تمھاری شدید غیرت کا جذبہ ختم ہو جائے گا۔ تمھارے بچوں کی کفایت کر دی جائے گی اور تمھارے جتنے بھی حاضر یا غائب ولی ہیں، ان میں سے کوئی بھی میری اور تمھاری شادی کو ناپسند نہیں کرے گا۔'' ایک روایت کے مطابق سیدہ سلمہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یہ بات بھی گوش گزار کی کہ میں ادھیڑ عمر ہوں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جہاں تک عمر کی بات ہے تو میں عمر میں تم سے بڑا ہوں۔'' یہ ارشاد سن کر سیدہ ام سلمہ ؓ نے اپنے صاحبزادے عمر بن ابی سلمہ ؓ کو حکم دیا کہ اٹھو! اور رسول اللہ ﷺ سے میرے عقد کا انتظام کرو۔ پھر انھوں نے اپنی والدہ محترمہ کی شادی رسول اللہ ﷺ سے کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی دعا کی بدولت ام سلمہ کی تمام ضروریات پوری فرما دیں۔[4]

1 تفصیلات کے لیے دیکھیے، سیرت انسائیکلوپیڈیا: 457/9۔ 2 الطبقات لابن سعد: 126/3۔ 3 فتح الباری: 293/9۔ 4 تفصیلات کے لیے دیکھیے، سیرت انسائیکلوپیڈیا: 107،106/7۔

عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ کے لیے دعا

رسول اللہ ﷺ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی معیت میں خیبر جا رہے تھے۔ اس دوران عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ نے بلند آہنگی سے حدی خوانی شروع کر دی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ حدی خوان کون ہے؟'' آپ ﷺ سے عرض کیا گیا: یہ عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ ﷺ نے ان کے لیے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے...... آپ ﷺ جب کسی کو اس طرح کی دعا دیتے تھے تو اسے شہادت نصیب ہو جاتی تھی۔ سیدنا عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی یہی معاملہ پیش آیا۔ میدان کارزار گرم ہوا تو عامر بن اکوع نے بہادری کے جوہر دکھائے، وہ ایک یہودی کی طرف لپکے، اس پر تلوار کا وار کیا لیکن تلوار خود انھی کے گھٹنے پر آلگی، آخر کار وہ اسی زخم سے شہید ہو گئے۔[1]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے لیے علم تفسیر کی دعا

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما مشہور مفسر قرآن ہیں، وہ نبی کریم ﷺ کے چچا زاد بھائی تھے، انھیں علم کی دعا دیتے ہوئے آپ ﷺ نے بارگاہِ ربانی میں عرض کیا:

اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّينِ وَعَلِّمْهُ التَّأْوِيلَ

''اے اللہ! ان کو دین کی سمجھ عطا فرما اور انھیں تاویل (تفسیر) کا علم سکھا۔''[2]

اس دعا کا نتیجہ یہ نکلا کہ بڑے بڑے مشکل مسائل بھی ان کے لیے بہت آسان ہو گئے اور انھوں نے حبر الامہ کا لقب پایا۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے لیے دعا

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ ابھی دس برس کے تھے کہ ان کی والدہ انھیں آپ ﷺ کی خدمت میں لائیں اور بطور خادم پیش کیا اور دعا کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے مال اور اولاد میں ترقی کی دعا کی۔ اس دعا کا اثر اور ثمر یہ تھا کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میرے پاس مال و دولت کی بھی کثرت ہے اور اولاد کی بھی۔ ان کی زندگی ہی میں ان کے بیٹوں، پوتوں وغیرہ کی تعداد 100 کے قریب پہنچ گئی تھی۔ ان کا باغ سال میں دو مرتبہ پھل دیا کرتا تھا اور اس میں ایک پھول ایسا تھا جس سے کستوری جیسی خوشبو آتی تھی۔[3]

1 تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلو پیڈیا: 447/8۔ 2 صحیح البخاری: 143، صحیح مسلم: 2477، مسند أحمد: 266/1 3 صحیح مسلم: 2480، 2481.

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور ان کی والدہ کے لیے دعا

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی والدہ کے بارے میں اکثر پریشان رہتے تھے۔ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ وہ ماں کے شرک اور کفر پر قائم رہنے کی وجہ سے سخت کبیدہ خاطر تھے۔ انھوں نے روتے ہوئے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میری والدہ کی ہدایت کے لیے دعا کیجیے۔ آپ ﷺ نے اسی وقت دعا کی۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں گھر لوٹا تو ماں غسل کر رہی تھیں۔ غسل فرما چکیں تو کلمۂ شہادت اور کلمہ طیبہ پڑھ کر مسلمان ہو گئیں۔[1]

آپ ﷺ نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی قوت حافظہ کے لیے دعا کی تو ان کا حافظہ اتنا قوی ہو گیا کہ جو بات ایک دفعہ سن لیتے تھے، کبھی بھولتے نہیں تھے۔[2] علاوہ ازیں ان کی محبت اہل ایمان کے لیے دعا کی تو اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ہر دیکھنے والا ان سے محبت کرتا تھا۔[3]

صبح سویرے اٹھنے والوں کے لیے دعائے خیر و برکت

نبی کریم ﷺ اکثر اوقات صبح سویرے ہی فوج کو روانہ فرماتے۔ صبح خیزی آپ ﷺ کو ہمیشہ سے پسند تھی، اس لیے ہمیشہ کا معمول رہی۔ ایک موقع پر آپ ﷺ نے صبح سویرے اٹھنے والوں کے حق میں دعائے خیر و برکت کرتے ہوئے فرمایا: «اللّٰهُمَّ بَارِكْ لِأُمَّتِي فِي بُكُورِهَا» "اے اللہ! میری امت کو صبح کے وقت اٹھنے میں برکت دے۔" اس لیے جب بھی آپ ﷺ کوئی لشکر روانہ فرماتے تو صبح سویرے ہی روانہ فرماتے۔ روایت کے راوی سیدنا صخر رضی اللہ عنہ ایک تجارت پیشہ صحابی تھے۔ وہ اس فرمان نبوی پر عمل کرتے ہوئے ہمیشہ اپنا سامان تجارت صبح سویرے ہی روانہ کرتے۔ فرماتے ہیں کہ اس کی برکت سے مال کی اتنی کثرت ہوئی کہ رکھنے کو جگہ نہیں ملتی۔[4]

امت کے حق میں تین دعائیں

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

[illegible]

[illegible]

1 صحیح مسلم، 2491۔ 2 صحیح البخاری، 118۔ 3 صحیح مسلم، 2492، 2493۔ 4 جامع الترمذی، 1212، وسنن ابی داود، 2606۔

[illegible]

’’میں نے امت کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے تین دعائیں مانگی تھیں، دو قبول ہوگئیں اور ایک قبول نہیں ہوئی۔ قبول ہونے والی دو دعائیں یہ ہیں: اے اللہ! میری امت پر کبھی اس طرح کا قحط (عذاب) نہ بھیجنا جو امت کو مکمل طور پر ہلاک کر دے۔ دوسری یہ ہے: میری امت کو غرق کر کے ہلاک نہ کرنا۔‘‘ قبول نہ ہونے والی دعا یہ تھی: ’’اللہ تعالیٰ میری امت کو آپس کے اختلاف اور انتشار سے محفوظ فرمائے۔‘‘ [1]

سیدنا ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کے لیے دعائے خیر و برکت

ایک مرتبہ سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا ایک بیٹا رحلت کر گیا۔ وہ اسی رات سفر سے لوٹے تھے۔ ان کی بیوی نے اس خیال سے کہ ان کے خاوند کو پریشانی ہوگی بتانا مناسب نہ سمجھا، پھر رات کو خاوند کی بات بھی مانی، صبح انھیں بچے کے فوت ہونے کی اطلاع دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پتا چلا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جوڑے کے لیے رات کے عمل میں خیر و برکت کی دعا کی۔ ایک انصاری کہتے ہیں کہ میں نے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی نو اولادیں دیکھی ہیں، یہ سب کی سب قرآن کی حافظ تھیں۔ [2]

دانتوں کی مضبوطی کے لیے دعا

سیدنا بجیر بن بجرہ بنو طے سے تعلق رکھنے والے ایک صحابی تھے، انھوں نے اکیدر بن عبدالملک کندی حاکم دومۃ الجندل کی گرفتاری پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں ایک خوبصورت قصیدہ لکھ کر پیش کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ قصیدہ سن کر خوش ہوئے اور سیدنا بجیر رضی اللہ عنہ کو دعا دیتے ہوئے فرمایا: «لَا يَفْضُضِ اللّٰهُ فَاكَ» ’’اللہ تعالیٰ تمھارے دانتوں کو سلامت رکھے۔‘‘

چنانچہ انھوں نے نوے برس کی عمر پائی، اتنی پیرانہ سالی کے باوجود ان کے دانت نہایت مضبوط تھے، آخر دم تک ایک دانت بھی ہلنے نہیں پایا۔ [3]

ابولہب کے بیٹے کی گستاخی اور اس کا عبرتناک انجام

ابولہب کے اکسانے پر اس کے بدبخت بیٹے عتبہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کو طلاق دے دی۔ طلاق دیتے ہوئے اس نے انتہائی گستاخانہ بلکہ وحشیانہ طرزِ عمل اختیار کیا۔ سیرت کے بعض نسخوں میں عتبہ کی جگہ ابولہب

1 صحیح مسلم، 2889، 2890. 2 صحیح البخاري، 1301. 3 الإصابۃ 142/1.

کے دوسرے بیٹے عتیبہ کا ذکر ہے کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ گستاخانہ طرز عمل اختیار کیا تھا۔ اس نے دینِ اسلام، اللہ تعالیٰ اور جبریل علیہ السلام کا انکار کیا اور رسالت مآب ﷺ کا کرتا پھاڑ دیا۔ پھر اس نے آپ ﷺ کے چہرۂ اقدس پر تھوکنے کی جسارت کی لیکن تھوک زمین پر گر پڑا اور رسول اللہ ﷺ محفوظ رہے۔ اس وحشیانہ سلوک سے رسول اللہ ﷺ بے حد آزردہ خاطر ہوئے۔ آپ ﷺ نے اس کے لیے بارگاہِ الٰہی میں یہ بددعا کی: اَللّٰهُمَّ سَلِّطْ عَلَيْهِ كَلْبًا مِّنْ كِلَابِكَ ''اے اللہ! اس پر اپنے کتوں میں سے کوئی کتا مسلط کر دے۔'' ...... ابولہب کپڑے کی تجارت کرتا تھا۔ اس نے شام جانے والے تجارتی قافلے کے ساتھ اپنا مال بھیجا۔ اپنے مال کی نگرانی کے لیے اس نے اپنے بیٹے عتبہ کے ساتھ بہت سے غلام اور نوکر چاکر بھی بھیجے۔ اس نے اپنے نوکروں اور غلاموں سے کہا: محمد (ﷺ) نے میرے بیٹے کو بددعا دی ہے۔ اب مجھے اپنے بیٹے کی سلامتی کا یقین نہیں ہے، اس لیے تم لوگ مجھ سے پکا عہد کرو کہ میرے بیٹے کی اچھی طرح حفاظت کرو گے۔ اس عہد و پیمان کے بعد قافلہ چل دیا۔ اثنائے راہ میں یہ قافلہ جہاں بھی پڑاؤ ڈالتا، قافلے والے عتبہ کی حفاظت کا خاص اہتمام کرتے۔ وہ اس کے اردگرد حصار بنائے رکھتے اور اُسے اپنے بیچوں بیچ رکھتے اور اس کے اردگرد سارے قافلے والوں کا سامان رکھ کر حفاظتی دیوار بنا دیتے۔ ایک رات اس قافلے نے شام کے علاقے زرقا میں پڑاؤ ڈالا۔ وہاں اچانک ایک شیر آ گیا اور اہل قافلہ کے گرد چکر لگانے لگا۔ عتبہ اسے دیکھتے ہی چلانے لگا: ہائے میری ہلاکت! یہ شیر مجھے چبا ڈالے گا۔ محمد نے مجھے بددعا دی تھی۔ ساری کائنات میں محمد سے زیادہ سچا انسان کوئی نہیں۔ انھوں نے مجھے قتل کر دیا ہے۔ عتبہ ایسے ہی باتیں کرتا رہا یہاں تک کہ اس نے شام کا کھانا بھی نہیں کھایا۔ اہل قافلہ نے اُس کی حفاظت کے لیے سارے قافلے کے سازو سامان کی ایک دیوار سی بنا دی اور اسے سامان کے بیچ میں حفاظت سے لٹا کر سو گئے۔ جونہی رات ڈھلی، شیر عتبہ پر ٹوٹ پڑا اور اس کا سر چبانے لگا۔ وہ تڑپ کر بولا: کیا میں نہیں کہتا تھا کہ محمد سب سے زیادہ سچے انسان ہیں۔ یہی کہتے کہتے اس نے دم توڑ دیا۔[1]

نوفل بن خویلد کا انجام

بدر کے دن ایک شخص نوفل بن خویلد لشکرِ کفار کو جنگ کی آگ بھڑکانے پر اُکسا رہا تھا۔ جب اس نے مشرکوں کو گاجر مولی کی طرح کٹتے دیکھا تو وہ اسلامی لشکر کے انصاری حضرات کو پکار پکار کر کہنے لگا: اے انصاریو! تمھیں ہمارا خون کرنے کا کیا فائدہ؟ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کی: اَللّٰهُمَّ اكْفِنِيْ نَوْفَلًا

[1] تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا: 3/247، 248۔

بن خویلد۔‘‘ ’’اے اللہ! نوفل بن خویلد سے تو ہی نمٹ لے۔‘‘ چنانچہ اس شریر کو جبار بن صخر رضی اللہ عنہ نے گرفتار کر لیا۔ وہ اسے گھسیٹے لیے جا رہے تھے کہ نوفل نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اپنی طرف لپکتے دیکھا۔ یہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو دیکھتے ہی خوفزدہ ہو گیا۔ انھوں نے اس شریر پر تلوار کا کاری وار کیا۔ اس طرح یہ شخص ہلاک ہو گیا۔ اچانک رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا: ’’کیا کسی کو نوفل بن خویلد کے بارے میں کچھ علم ہے؟‘‘ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں نے اسے واصلِ جہنم کر دیا ہے۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے بلند آہنگی سے تکبیر کہی۔[1]

عامر بن طفیل طاعون کا شکار ہو گیا

سانحہ بئر معونہ کا حقیقی مجرم عامر بن طفیل تھا۔ اس بد باطن شخص نے رسول اللہ ﷺ کے سفیر حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ کو نہ صرف شہید کرایا بلکہ آپ ﷺ کے مکتوبِ گرامی کی بھی توہین کی۔ اسی شخص نے بنو سلیم کے لوگوں کو اکسا کر اپنے ساتھ ملایا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ٹھکانے پر حملہ کر کے انھیں شہید کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے خلاف بددعا کی: ’’اَللّٰهُمَّ اهْدِ بَنِي عَامِرٍ، وَاطْلُبْ خُفْرَتِي مِنْ عَامِرِ بْنِ الطُّفَيْلِ‘‘ ’’اے اللہ! بنو عامر کو ہدایت عطا فرما اور میری طرف سے عامر بن طفیل سے نمٹ لے۔‘‘ اس بددعا کے بعد عامر بن طفیل زندہ رہا لیکن اس کی زندگی موت سے زیادہ بدتر تھی۔ اسے طاعون کی پھنسی نکل آئی اور وہ اس کے درد میں تڑپ تڑپ کر مر گیا۔[2]

ایک مغرور شخص کے خلاف بددعا

ایک بار ایک شخص آپ ﷺ کے قریب الٹے ہاتھ سے کھانا کھا رہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’سیدھے ہاتھ سے کھانا کھاؤ۔‘‘ اس نے کہا: میں نہیں کھا سکتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’اللہ کرے ایسا ہی ہو۔‘‘ چنانچہ اس کے بعد وہ اتنا معذور ہو گیا کہ اپنا دایاں ہاتھ اٹھا کر منہ تک لے جانے کے قابل بھی نہیں رہا۔[3]

سلطنتِ کسریٰ کی تباہی کے لیے دعا

کسرائے ایران نے نہ صرف مکتوبِ نبوی کی توہین کی تھی بلکہ اس نے یمن میں اپنے گورنر باذان کو حکم دیا تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو گرفتار کر کے اس کے سامنے پیش کرے۔ اس کی اطلاع ملنے پر آپ ﷺ نے یہ بددعا کی:

’’اے اللہ! جس طرح کسریٰ نے میرے خط کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے ہیں، تو اسی طرح کسریٰ کی سلطنت

1 تفصیلات کے لیے دیکھیے، سیرت انسائیکلوپیڈیا 471,470/5۔ 2 تفصیلات کے لیے دیکھیے، سیرت انسائیکلوپیڈیا 513-510/6۔
3 صحیح مسلم، 2021

کو پاش پاش کر دے۔‘‘ [1]

چنانچہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں یہ بد دعا پوری ہوئی اور سلطنت کسریٰ اسلامی قلمرو میں شامل کر لی گئی۔ آخری دنوں میں سلطنت کسریٰ کا یہ حال ہوگیا تھا کہ تخت کا کوئی وارث ہی نہیں ملتا تھا۔ اور آخری حکمران کسریٰ یزدگرد خلافت عثمانی میں ایک کسان کے ہاتھوں مارا گیا۔

رسول اللہ ﷺ کی بد دعا کا اثر

اسود بن مطلب نہایت شریر آدمی تھا۔ مسلمانوں کو بہت ستاتا تھا۔ جب اس کی ایذا رسانیاں حد سے زیادہ بڑھ گئیں تو رسول اللہ ﷺ نے بد دعا کی کہ ’’اے قادر مطلق! اس کور باطن آدمی کو اندھا کر دے اور اس کی اولاد چھین لے۔‘‘ بدر کے دن یہ شخص ٹھیک اسی انجام سے دو چار ہوا۔ اندھا تو وہ پہلے ہی ہو چکا تھا۔ بدر میں اس کے تین کڑیل جوان بیٹے زمعہ، عقیل اور حارث بھی قتل کر دیے گئے۔ اس سانحے کے بعد اس کی زندگی عبرت کا نشان بن گئی۔ ایک رات کوئی نوحہ گر عورت رو رہی تھی۔ اسود بن مطلب نے اس عورت کی آہ و بکا سنی تو اپنے جوان بیٹوں کی تڑپتی ہوئی لاشوں کا منظر اس کی آنکھوں میں پھرنے لگا۔ پھر وہ ایک نہایت دردناک مرثیہ پڑھ پڑھ کر بلکنے لگا۔ [2]

ابن قمہ کو جنگلی مینڈھے نے مار ڈالا

ابن قمہ بنو ہذیل کا نہایت بد بخت انسان تھا۔ وہ احد کے دن چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا: مجھے بتاؤ محمد کہاں ہیں؟ اگر وہ آج میرے ہاتھ سے بچ گئے تو پھر میں نہیں بچوں گا۔ پھر اس بد بخت نے رسول اللہ ﷺ پر تلوار کا وار کیا۔ وار اتنا کاری تھا کہ آپ ایک مہینہ تک اس ضرب کی تکلیف محسوس کرتے رہے۔ اس نے دوسرا وار کیا جو آپ ﷺ کی چشم مبارک کے نیچے نہ صرف ہڈی کو زخمی کر گیا بلکہ آپ کے خود کی دو کڑیاں بھی آپ کے چہرہ مبارک میں دھنس گئیں۔ آپ ﷺ نے اُسے بد دعا دی: أقمأك الله ’’اللہ تعالیٰ تجھے توڑ ڈالے۔‘‘ یہ بد دعا ابن قمہ کا پیچھا کرتی رہی۔ یہ جنگ کے بعد کی بات ہے، ابن قمہ اپنی بکریاں دیکھنے نکلا۔ وہ ایک پہاڑ پر چر رہی تھیں۔ ابن قمہ وہاں پہنچا تو اس پر دفعتاً ایک جنگلی مینڈھا ٹوٹ پڑا۔ اس نے اس بد بخت کو پے در پے ٹکریں مار مار کر ہلاک کر دیا۔ [3]

1 صحیح البخاری: 2939. 2 تفصیلات کے لیے دیکھیے، سیرت انسائیکلو پیڈیا: 490/5۔ 3 تفصیلات کے لیے دیکھیے، سیرت انسائیکلوپیڈیا: 251,250/6۔

مدینہ میں خیر و برکت اور خوشگوار آب و ہوا کے لیے دعائیں

الفت مدینہ

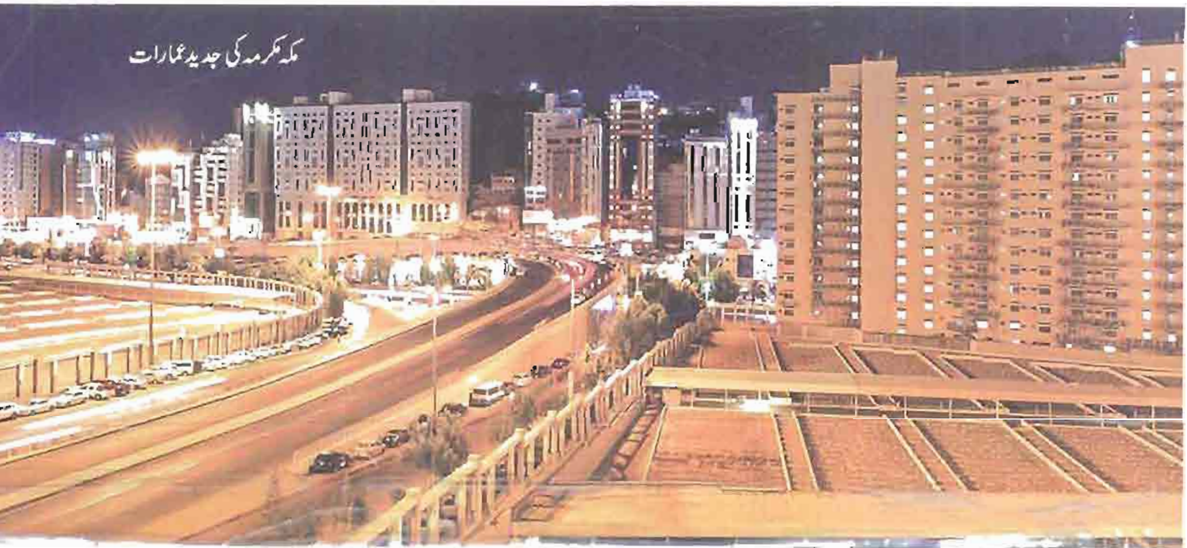
رسول اللہ ﷺ مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے دعا کی: «اَللّٰهُمَّ! حَبِّبْ إِلَيْنَا الْمَدِينَةَ كَحُبِّنَا مَكَّةَ أَوْ أَشَدَّ» ''اے اللہ! ہمارے لیے مدینہ کو مکہ کی طرح یا اس سے بھی زیادہ محبوب کر دے۔'' سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر تو یہ عالم ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ جس مہم یا غزوے سے واپس تشریف لاتے اور مدینہ منورہ کے بام و در دیکھتے تو مدینہ کی محبت میں اپنی سواری کی رفتار بہت تیز کر دیتے تھے۔[1]

مدینہ منورہ کی آب و ہوا کی خوشگواری کے لیے دعا

جب مہاجرین نے مدینہ میں سکونت اختیار کر لی تو ان پر مدینہ کا وبائی بخار مسلط ہو گیا۔ مدینہ کی یہ وبا جاہلیت کے زمانے میں سب کے ہاں معروف تھی۔ جو شخص مدینہ میں داخل ہوتا اور یہ چاہتا کہ وہ مدینہ کی وبائی بیماری سے محفوظ رہے تو اس سے کہا جاتا تھا کہ وہ گدھے کی طرح رینکے۔[2]

عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو آپ کے صحابہ کو

1 تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلو پیڈیا: 4/197-199۔ 2 صحیح البخاری: 7/327، 328.


مکہ مکرمہ کی جدید عمارات

مدینے کے بخار نے آ لیا اور انھیں سخت مشقت و تکلیف میں مبتلا کر دیا حتی کہ وہ نماز بھی بیٹھ کر ادا کرنے لگے۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ نماز کے لیے نکلے۔ اس وقت سب بیٹھ کر ہی نماز ادا کر رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کا اجر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کے اجر کا نصف ہے۔'' مسلمان اپنے ضعف اور بیماری کے باوجود کھڑے ہو گئے تاکہ وہ فضیلت حاصل کر سکیں۔ [1]

سیدہ عائشہ ؓ بیان کرتی ہیں: رسول اللہ ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو یہاں بخار کی وبا پھیلی ہوئی تھی جس کی زد میں آ کر بہت سے صحابہ بھی بیمار اور شدید اذیت میں مبتلا ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو اس بخار سے محفوظ رکھا۔ سیدہ فرماتی ہیں: ابوبکر، بلال اور عامر بن فہیرہ ؓ ایک ہی گھر میں رہتے تھے۔ بلال اور عامر، ابوبکر ؓ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ان سب کو بخار نے آ لیا۔ یہ حجاب کی پابندی سے پہلے کی بات ہے۔ خود سیدہ عائشہ ؓ بھی اس وبائی بخار میں مبتلا ہوئی تھیں۔ [2]

سیدہ عائشہ ؓ کہتی ہیں: میں نے اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا اور کہا: اللہ کی قسم! یہ لوگ حواس باختہ ہو گئے ہیں اور خود اپنی کہی ہوئی باتوں کو انھیں یاد نہیں رہتا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے بارگاہِ الٰہی میں یہ دعا کی:

[illegible]

[illegible]

''اے اللہ! مدینہ کو ہمارے لیے ویسا ہی محبوب بنا دے جیسا مکہ محبوب ہے یا اس سے بھی زیادہ اور اسے درست فرما دے اور اس کے مد اور صاع میں برکت فرما اور اس کی وبا کو جحفہ کی طرف منتقل فرما۔'' [3]

یہ دعا حرف بحرف پوری ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس وبائی بخار کو جحفہ منتقل فرما دیا اور مدینہ منورہ کا موسم اور ماحول اتنا خوشگوار ہو گیا کہ صحابہ کرام اس سے پوری طرح مانوس ہو گئے اور اپنے سابقہ وطن کو بھول گئے۔ موسم کی خوشگواری کا یہ عالم تھا کہ 654ھ میں جب یہاں آتش فشاں کے پھٹنے سے بہت بڑی آگ لگی تو راویوں کا کہنا ہے کہ اس آگ کے باوجود مدینہ میں ٹھنڈک ہوا کرتی رہتی۔ [4] اس وقت بھی یہ شہر اپنی خوشگوار آب و ہوا کی بنا پر اپنی مثال آپ ہے۔

مدینہ منورہ کے لیے دگنی برکت کی دعا

سیدنا انس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ کے لیے مکہ مکرمہ سے دگنی برکت کی دعا مانگی۔

1 سیرۃ ابن ہشام 590/2، 2 صحیح البخاری: 3918، 3 صحیح مسلم: 1376، [illegible] 311، 310/2

4 رحمۃ للعالمین 170/3

ایک دوسری روایت میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إن إبراهيم حرم مكة ودعا لأهلها، وإني حرمت المدينة كما حرم إبراهيم مكة، وإني دعوت في صاعها ومدها بمثلي ما دعا به إبراهيم لأهل مكة»

”بے شک ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم قرار دیا اور اس کے رہنے والوں کے لیے برکت کی دعا کی اور میں نے مدینہ کو حرم قرار دیا جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو قرار دیا تھا اور میں نے اس کے صاع اور مد میں اس سے دگنی برکت کی دعا کی جو دعا اہل مکہ کے لیے ابراہیم علیہ السلام نے کی تھی۔“

جونہی نئے موسم کا پھل آتا، اہل مدینہ وہ پھل خود نہیں کھاتے تھے بلکہ اُسے رسول اللہ ﷺ کی ذات بابرکات کی خدمت میں پیش کر دیتے تھے۔ پھر وہ آپ ﷺ سے برکت کی دعا کراتے۔ آپ ﷺ نہایت خوشی سے وہ پھل تھامتے اور برکت کی دعا فرماتے:

«اللهم بارك لنا في ثمرنا، وبارك لنا في مدينتنا، وبارك لنا في صاعنا، وبارك لنا في مدنا، اللهم إن إبراهيم عليه الصلاة والسلام عبدك وخليلك ونبيك، وإني عبدك ونبيك، وإنه دعاك لمكة، وإني أدعوك للمدينة بمثل ما دعاك لمكة ومثله معه»

”اے اللہ! ہمارے پھلوں میں برکت فرما، اور ہمارے مدینے میں برکت فرما اور ہمارے صاع میں برکت فرما، اور ہمارے مد میں برکت فرما۔ اے اللہ! بے شک ابراہیم علیہ السلام تیرے بندے، تیرے خلیل اور تیرے نبی تھے۔ میں بھی تیرا بندہ اور تیرا نبی ہوں، انھوں نے تجھ سے مکہ کے لیے برکت کی دعا کی۔ میں تجھ سے مدینہ کے لیے ان کی دعا سے دگنی برکت کی دعا کرتا ہوں۔“

اس کے بعد آپ ﷺ کسی بھی چھوٹے بچے کو بلا کر اسے وہ پھل مرحمت فرما دیتے تھے۔[1]

رسالت مآب ﷺ ہی کی دعاؤں کا نتیجہ ہے کہ مدینہ منورہ میں ہر طرف خیر و برکت پھیلی ہوئی ہے اور ہر چیز بہتر اور وافر مقدار میں موجود ہے۔

اہل مدینہ کو خوفزدہ کرنے والوں کے لیے بد دعا

رسول اللہ ﷺ نے جہاں مدینہ منورہ کے لیے خیر و برکت کی دعائیں فرمائیں، وہاں اہل مدینہ کو ستانے اور خوفزدہ

[1] تفصیلات کے لیے دیکھیے: سیرت انسائیکلوپیڈیا 4/197، 199، 333-335۔

کرنے والوں کے لیے بددعا بھی فرمائی۔ سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اللَّهُمَّ مَنْ ظَلَمَ أَهْلَ الْمَدِينَةِ وَأَخَافَهُمْ فَأَخِفْهُ وَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ، لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ

''اے اللہ! جو شخص مدینہ والوں پر ظلم کرے اور انھیں خوفزدہ کرے، تو اسے خوفزدہ کر۔ اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہوگی۔ اس کا کوئی فرضی اور نفلی عمل قبول نہیں ہوگا۔''[1]

الحمد للہ، ثم الحمد للہ سیرت خاتم النبیین ﷺ کا نہایت خوبصورت اور بے مثال مرقع ''اللؤلؤ المکنون سیرت انسائیکلوپیڈیا'' پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ ہم ربّ ذوالجلال کے حضور ہدیۂ تشکر اور سجدۂ عبودیت بجا لاتے ہیں۔

قارئین کرام سے التماس ہے کہ وہ دارالسلام کے ذمہ داران اور کارکنان کے لیے ''سیرت انسائیکلوپیڈیا'' کی تکمیل پر دعائے خیر کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس مقدس کام کے صلے میں قیامت کے روز رسول اللہ ﷺ کے جھنڈے تلے جمع فرمائے اور آپ کے ہاتھوں حوضِ کوثر کا پانی نصیب فرمائے۔ اس انسائیکلوپیڈیا کی تکمیل میں جس نے بھی تعاون کیا ہے، انھیں اللہ کے رسول ﷺ کی شفاعت نصیب ہو۔

الحمد لله الذي بنعمته تتم الصالحات، نسأل الله تعالى بمنه وكرمه أن يتقبل هذا العمل المبارك خالصا لوجهه وابتغاء مرضاته، صوابا على سنة نبيه، ونسأل الله أن ينفع المسلمين بهذه الموسوعة، ويجزي المؤلفين والمعاونين والمشاركين على طبعها خير الجزاء.

11 ربیع الاول 1437ھ

23/12/2015ء

[1] المعجم الأوسط للطبراني: 4/53، السلسلة الصحيحة: 351.



سیرت انسائیکلوپیڈیا

رہبر انسانیت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ قیامت تک آنے والے انسانوں کے لیے "اسوۂ حسنہ" ہیں۔ آپ نے 23 سال کے مختصر عرصے میں اقوام عالم کو ایسے روحانی اور سماجی و سیاسی انقلاب سے آشنا کیا کہ تاریخ انسانی اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ آپ ﷺ کی ذات بابرکات اور عظیم کارناموں پر سب سے زیادہ کتابیں لکھی گئی ہیں۔ کتب سیرت کی کہکشاں میں دارالسلام کا جدید انداز کا سیرت انسائیکلوپیڈیا "اللؤلؤ المکنون" اپنی نوعیت کا نہایت معتبر، منفرد اور ممتاز علمی و تحقیقی ارمغان عقیدت ہے۔ ان شاء اللہ آپ کو اس کے مطالعے سے رسالت مآب ﷺ کی مقدس زندگی کے ہر گوشے کے بارے میں علم و بصیرت کی بھرپور روشنی ملے گی۔

یہ اس سیرت انسائیکلوپیڈیا کی گیارھویں اور اختتامی جلد ہے۔ اس میں رسول اللہ ﷺ کا حلیہ مبارک، فضائل و مناقب اور خصوصیات، اخلاق عظیم اور عادات مبارکہ اور معجزات کے علاوہ بارگاہ ربانی میں آپ ﷺ کی دعاؤں کا باب بھی شامل ہے۔ — رب العالمین نے انسانوں کی رہنمائی کا جو فرض سونپا، رحمۃ للعالمین ﷺ نے وہ فرض بہ تمام و کمال پورا کر دکھایا۔ آپ ﷺ نے اوہام و خرافات کا خاتمہ کیا، اصنام باطل توڑ ڈالے، کفر اور شرک کے سفینے ڈبو دیے، توحید کا پرچم بلند کر دیا، کالے گورے اور عربی و عجمی کا امتیاز مٹا دیا، حسب نسب کا غرور توڑ دیا، تقویٰ اور کردار کی بلندی کو معیار فضیلت ٹھہرایا۔ جان، مال اور عزت کی حفاظت کا اہتمام فرمایا، فرد کو راست باز بنایا اور معاشرے کو عدل و انصاف کی بنیاد پر استوار کیا اور انسان کو انسان کی غلامی سے چھڑا کر ایک اللہ کی بندگی کا سبق سکھایا — یہی وہ جامع و مانع اسباق ہیں جو انفرادی و اجتماعی فلاح اور امن عامہ کے لیے ضامن و محافظ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان پر عمل کیے بغیر مصیبت زدہ انسانیت کبھی سکھ کا سانس نہیں لے سکتی۔ یہ سیرت انسائیکلوپیڈیا اس تڑپ اور طلب کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے کہ اس کا عمل کی نیت سے ہمیشہ مطالعہ کیا جائے اور سیرت طیبہ کا نور زمانے اور زندگی کے ان گوشوں میں پھیلا دیا جائے جہاں اجالے کی اشد ضرورت ہے۔

دارالسلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
9786035003742